بسم اللہ الرحمن الرحیم
القرآن العظیم
تفسیر ماجدی مکمل
مع
ترجمہ و تفسیر
حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی
پاک کمپنی
۱۷-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
القرآن الکریم
تفسیر ماجدی
مع ترجمہ و تفسیر
حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی
پاک کمپنی (رجسٹرڈ)
۱۷- اردو بازار لاہور

سورۃ الفاتحۃ ف۱ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ السورۃ المرتفعۃ (لسان) السورۃ المنزلۃ الرفیعۃ (راغب) جس طرح دُنیا کی دوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں۔ گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ و بها سمیت السورۃ من القران اے رافعتہ (لسان) بہ سمیت سورۃ القران لا جلال و رفعتہ (تاج) سورۃ کے دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں سور المدینۃ حائطها (راغب) سورۃ قرآنی کو سورہ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم و ترتیب رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے تھے۔ آنحضورؐ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم۔ کل قرآنی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ف۲ **فاتحہ** کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ قرآن مجید کی اس ابتدائی سورت کو بھی اسی لیے الفاتحہ کہتے ہیں۔ یہ گویا دیباچہ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سورت کے کئی کئی نام روایت ہوئے ہیں۔ اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۃ وافیہ، اُم القرآن وغیرہ قرطبی نے ۱۲ نام گنے ہیں۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔ سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیت خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ شافعیہ کی تحقیق میں فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر قرآن کے اس جزو کے مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان چار مرتبہ

۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵

سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی

اٰیاتها ۷ اس میں ۷ آیتیں

رکوعها ۱ اور ایک رکوع ہے

۲۵ لفظ ۱۲۳ حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ف۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ

(ساری) تعریف ف۹ اللہ کے لئے ہے ف۱۰ (وہ) سارے جہان کا مربی ف۱۱ (وہ) رحمٰن ف۱۲

الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ

(وہ) رحیم ف۱۳ (وہ) مالک روز جزا کا ف۱۴ ہم بس

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

تیری ہی عبادت کرتے ہیں ف۱۵ اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں ف۱۶ چلا ہم کو سیدھا

الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

راستہ ف۱۷ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام

عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

کیا ہے ف۱۸ نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیر غضب آچکے ہیں ف۱۹ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا ف۲۰

منزل ۱

خاص طور پر رویا چلایا ہے، اور ان چار میں سے ایک موقع نزول سورۂ فاتحہ کا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو صورۃً مختصر ہے، لیکن بلحاظ معنویت و جامعیت گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔ منکرین و مخالفین تک اس کے ایجاز کے اعجاز کے قائل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے۔ "حمد باری کی یہ زبردست مناجات۔ سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز۔ اس پر معنویت سے لبریز"۔ (جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۳ طبع یازدہم) ف۳ قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بلحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے۔ جو سورتیں قبل ہجرت نبوی یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں، خواہ ان کا نزول حدود شہر مکہ سے باہر ہی ہوا ہو، مکی کہلاتی ہیں۔ اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی یعنی زمانہ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں، خواہ ان کا نزول حدود شہر مدینہ سے باہر ہی ہوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے۔ ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھادی ہیں، یا اس کے برعکس۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر و لطیف تر احساس رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؟ اس لیے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، کوئی درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں۔ محض مفید ظن ہیں۔ مفید یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی و قیاسی معیار کی مثلاً یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہوں گی اور یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکی، محض اکثری و تخمینی ہیں۔ کلی اور قطعی نہیں۔ اور محض ان روایات و نظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی ہی جسارت کا کام ہے۔ اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے ہاں سے آئی ہے کہ انھیں نے اپنے ہاں کے قدیم و جدید دونوں صحیفوں کو اس قسم کی سرتا سر ظنی بلکہ وہمی "تحقیقات" کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ ف۴ سورۃ کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو ایک رکعت میں بہ آسانی پڑھی جاسکتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ ۳۰ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی کل ایک ہی ایک رکوع ہے۔ ف۵ اٰیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ اصطلاح میں سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے۔ **وقیل لکل جملۃ من القران دالۃ علی حکم** اٰیۃ (راغب) **و قد یقال لکل کلام منہ منفصل بفصل لفظی** اٰیۃ (راغب) قرآن مجید کی کل آیتیں شمار کرلی گئی ہیں اور ان کی میزان بقول اصح ۶،۶۱۶ ہے (اتقان) ف۶ قرآن مجید کی کل الفاظ بھی شمار کر لیے گئے ہیں۔ اور ان کی میزان بقول اصح ۷۷،۹۳۴ ہے (اتقان) ف۷ کل حروف قرآنی بھی شمار کر لیے گئے ہیں، اور ان کی میزان بقول اصح ۳،۲۳،۶۷۰ ہے (اتقان) اللہ اللہ کلام الٰہی کے عاشق و شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اس کے واسطے کر گئے ہیں! ف۸ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت کے، ہر سورت کی ابتدا میں دہرایا گیا ہے، یعنی ۱۳ پارہ اور سورۃ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیت قرآنی بھی آیا ہے۔ اور اس لیے اس کے جزو قرآن ہونے نہ ہونے کی بابت تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ہر سورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے؟ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فرق و تمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی مسلک سے متفق ہیں۔ **قال مالک و ابو حنیفۃ لیست فی اوائل السورۃ باٰیۃ و انما ھی استفتاح لیعلم بها مبدء ھا** (ابن العربی) مفصل بحث جصاص رازی حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔ ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور یہ بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے اور میں توحید کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور

دوسری طرف الحاد سے بیزار۔ غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ روح و اخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں۔ بِسْمِ اللہِ کی ب نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے، پڑھنے والا گویا یوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کلام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے۔ اور یہ کہہ کر بسم اللہ خواں اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کر کے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت و رحیمیت پر۔ ف۹ اللہ اللہ کے یہاں اسم ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبود واحد کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بولا جا سکے۔ اس کی نہ جمع آئی ہے، نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔ علمٌ للذات واجب الوجود المستجمع بجميع صفات الكمال غير مشتق (تاج) لم يُسَمَّ به غيره تبارك و تعالى و لهذا الا يعرف في كلام العرب له اشتقاق من فعل يفعل (ابن کثیر) رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔ مصدر رحمة سے صیغہ مبالغہ ہے فعلان کے وزن پر، زیادتی صفت کے لیے، جس کے بعد زیادتی کا کوئی درجہ نہ ہو۔ معناه عند اهل اللغة ذوالرحمة التي لا غاية بعدها في الرحمة (تاج) مبالغة فعلان مثل غضبان و سكران من حيث الامتلاء والغلبة (بحر) اسم ذات "اللہ" کی طرح اسم صفت رحمٰن کا اطلاق بھی صرف ذات باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا يطلق الرحمن الا على الله تعالى (راغب) اسم مخصص بالله لا يجوزان يسمّى به غيرهٗ (تاج) یہ بات اتفاقی نہیں بہت پر معنی ہے کہ قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صف رحمانیت کا مظہر ہے۔ لین پول (Lane Poole) انگریز اسی لیے اپنے ہم قوموں کو سنا کر کہتا ہے کہ "لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر وصف رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے"۔ رحیم بھی اسم صفت صیغہ مبالغہ ہے۔ فعیل کے وزن پر، تکرار و تواتر کے اظہار کے لیے۔ مبالغة الفعيل من حيث التكرار (بحر) گویا صفت رحمت و شفقت کی انتہائی قوت کا اظہار رحمٰن سے ہو رہا ہے اور انتہائی کثرت کا رحیم سے۔ اس فرق کے اظہار کے لیے رحمٰن کا ترجمہ "نہایت رحم کرنے والے" اور رحیم کا ترجمہ "بار بار رحم کرنے والے" سے کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شان کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لیے۔ اور اسی لیے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ رحیم میں تجلی مرحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اس لیے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ اور اسی معنی میں یہ حدیث صحیح مسلم میں صحابی ابن مسعودؓ کے واسطہ سے آئی ہے کہ الرحمٰن رحمٰن الدنيا و الرحيم و رحيم الآخرة۔ اور اسی معنی میں جعفر صادقؒ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے۔ الرحمٰن اسم خاص لصفة عامة والرحيم اسم عام لصفة الخاصة (تاج) صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا واسطہ ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور رحیمیت شفقت محض ہے (روح) اسلام کے اس خالص توحیدی کلام کے مقابلہ میں اب مسیحیت کا فقرہ افتتاحیہ ملاحظہ ہو:۔ "شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے" کوئی نسبت اس شرک جلی کو اسلام کی توحید خالص سے ہے؟ راقم آثم کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ عجب نہیں جو خالق اکبر کی یہی صفات رحمانیت و رحیمیت ہی مسخ ہو کر مسیحیت میں بیٹا اور روح القدس بن گئی ہوں۔ ف۱۰ الحمد میں ال کلمہ استغراق ہے۔ یعنی جمیع حمد۔ کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو، یہ ظاہر کسی کے لیے بھی ہو۔ حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے، مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی متعین ہی نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف حمد ہی ایسی چیز ہے، جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے (راغب) في كلام العرب معناه الثناء الكامل (قرطبی) گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے۔ مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے۔ الالف و اللام في الحمد لاستغراق جميع اجناس الحمد لله تعالى (ابن کثیر) اور یہی معنی ہیں اس حدیث نبوی کے بھی کہ اللهم لك الحمد كلهٗ و لك الملك كله و بيدك الخير كلهٗ و اليك يرجع الامر كلهٗ حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفت عدل اس کے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو، ہر موقع پر مدح و ثنا، تعریف و ستائش کی اصل مستحق صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ بجے ہر جا کہ ہم سجدہ بآں آستاں رسد۔ ف۱۱ رب، جو یہاں بطور اسم استعمال ہوا ہے، مصدر ہے تربیت کے معنی میں۔ اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حال سے دوسری حالت کی طرف نشو و نما دیتے رہنا۔ تا آنکہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔ هو انشاء الشيء حالاً فحالاً الى حد التمام (راغب) وهي تبليغ الشئ الى كماله شيئاً فشيئاً (بیضاوی) الرب المصلح و المدبر و الجابر و القائم يقال لمن قام باصلاح شيء و اتمامه (قرطبی) اُردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی کیا صحیح ہے۔ لیکن قریب ترین لفظ اس مفہوم کے لیے "مربی" کا ہے، اور یہی مترجم تھانوی مدظلہ نے اختیار کیا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق مطلق اور بلا اضافت صورت میں صرف حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ ولا يقال الرب مطلقاً الا لله تعالى (راغب) ولا يستعمل الرب لغير الله بل بالاضافة (ابن کثیر) صفات رحمانیت و رحیمیت کے معاً بعد اب اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے "آسمانی باپ" سے کہیں زیادہ شفقت، کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت لفظ رب سے عیاں

٢ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ٨٧

سورۂ بقرہ مدنی ہے

آیاتها ٢٨٦ — اس میں ۲۸۶ آیتیں ہیں

رکوعاتها ٤٠ — اور ۴۰ رکوع ہیں

۶۰۲۱ لفظ — ۲۵ ہزار حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

الف لام میم ۔ یہ کتاب ، (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں ، ہدایت ہے (اللہ سے)۔

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ڈر رکھنے والوں کے لئے ، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں

وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا ہے

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾

اور (اس پر) جو آپ سے قبل اتارا گیا ہے اور آخرت پر بھی (وہ) پورا یقین رکھتے ہیں

ہے۔ عالمین عالم کا لفظ خود اسم جمع ہے کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کے۔ العالم الخلق كله (لسان) عالمون بہ صیغۂ جمع کے معنی ہوئے ہر ہر صنف موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے۔ والعالمون اصناف الخلق (لسان) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا لفظ لا کر قرآن مجید نے گویا بتا دیا کہ ہر صنف موجودات کا ایک مستقل نظام تربیت ہے۔ اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی بھی صنف موجودات اس کے ہمہ گیر نظام ربوبیت و تربیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں۔ یہ تعلیم بھی اسی ایک لفظ سے مل گئی کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ یہ حقیقت تاریخ مذاہب میں نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے وہ اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بابل، مصر، ہند، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسی موحد قوم بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ قرآن نے ایک لفظ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کر دی۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے۔ اسی لیے قرآن نے حمد میں بھی اسی کو مقدم رکھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بھی۔ اس لیے کہ اس میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد بھی (قرطبی) وٓ ١٢ (جو دنیا میں سب کو رزق دے رہا ہے، سب کو راحت پہنچا رہا ہے۔ نفع رسانی کا دروازہ سب کے لیے کھولے ہوئے ہے) الرحمٰن العاطف على البرّ والفاجر بالرزق لهم ودفع الآفات عنهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ وٓ ١٣ (جو آخرت میں مومنین کو اجر ان کے استحقاق سے بہت زاید دے گا) الرحيم خاصة على المؤمنين بالمغفرة وادخالهم بالجنة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ صفات کے بیان میں صفت ربوبیت کو سب سے پہلے لانا اور اس کے معاً بعد صفات رحمانیت و رحیمیت پر زور دینا خود اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ عقائد اسلام میں ان صفات کا مرتبہ کتنا بلند اور ان کا درجہ کیسا اہم ہے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں اور ان کی تکرار کے باوجود مسیحی پادریوں کا یہ کہے جانا کہ اسلام کا خدا صرف قوت اور قہرمانی کا خدا ہے، حقیقت پر کیسا ظلم کرنا ہے۔ وٓ ١۴ مٰلِكِ۔ حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں، اور وہ مجرم کو حسب ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے وہ بخش دے، چاہے سزا دے۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیث مسلم میں آ چکا ہے کہ لا مالك الا الله عز وجل (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں لا يجوز ان يتسمّى احد بهذا الاسم ولا يدعى به الا الله تعالىٰ (قرطبی) لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لیے سفیان تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے "شہنشاہ" مروی ہے قال سفيان مثل شاهان شاه (قرطبی) اور مفسرین نے بھی معنی مطلق الاختیار کے لیے ہیں۔ المالك هو المتصرف في الاعيان المملوكة كيف يشآء من الملك (بیضاوی) ہندوستان کی بعض مشہور مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") کے خلاف خدا بھی نہیں جا سکتا۔ اور کسی خطاوار کو معاف نہیں کر سکتا۔ مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبور ہے۔ اور اسی لیے صفت عفو و رحم کے اظہار کے لیے اُسے اپنے اکلوتے "بیٹے" کو بطور کفارہ کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ مالک میں ان سب باطل عقاید کی تردید آ گئی۔ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ دین کے لغوی معنی جزا یا بدلہ کے ہیں۔ الدين الجزآء۔ اور قیامت کو بھی روز جزا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ یہاں بھی یوم الدین سے مراد روز حشر ہے۔ اے يوم حساب الخلائق وهو يوم القيمة يدينهم باعمالهم (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اے يوم البعث والجزاء (کبیر) اللہ تعالیٰ مالک تو آج بھی ہے۔ روز جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفت مالکیت کا مشاہدہ و تحقق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا وٓ ١٥ (نہ کہ کسی اور کی ماسوا اللہ!) اِيَّاكَ لفظ اِیّا خود ہی حصر اور تخصیص کے لیے آتا ہے۔ اور پھر بحیثیت مفعول اس کی تقدیم فعل نَعْبُدُ پر اس حصر و تخصیص کو اور زیادہ مؤکد کر رہی ہے۔ یعنی ہم تیری عبادت میں شائبہ بھی کسی کی شرکت کا نہیں رکھتے۔ معناه نعبدك ولا نعبد غيرك (ابن عباس) و قدم

المفعول للتعظيم والاهتمام به والدلالة على الحصر (بیضاوی) اب یہاں سے دعا کی تعلیم ہے گویا بندے اپنی زبان سے دعا کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف تمہید دعا تھی۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب، یا مخاطب سے غائب کی طرف دفعۃً انتقال کا نام صنعت التفات ہے۔ اور عربی ادب و انشا میں یہ عیب نہیں۔ اس کا شمار بہترین صنعتوں میں سے ہے۔ صاحب کشاف نے اس موقع پر امرؤ القیس جاہلی کے تین شعر شہادۃً نقل کیے ہیں، تینوں میں یہ صنعت موجود ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب یہ آیت ہے۔ قال بعض السلف الفاتحة سر القران و سرها هذه الكلمة (ابن کثیر) نَعْبُدُ۔ عبادت نام ہے تذلل، انکسار و افتقار کے آخری مرتبہ کا۔ انها غاية التذلل (راغب) العبادة اقصى غاية الخضوع و التذلل (کشاف) اور اسی لیے اس کا مستحق بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لم تستعمل الا في الخضوع لله تعالىٰ (کشاف) ولا يستحقها الا من له غاية الافضال وهو الله تعالىٰ (راغب) مشرک قومیں خدا معلوم چھوٹے بڑے کتنے دیوی دیوتاؤں کو عبادت میں شریک کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان کی عبادتوں میں تو خدا کی شرکت رہنے بھی نہیں پاتی۔ معبود تمامتر اگنی دیوتا اور سورج دیوتا اور کالی مائی اور گنگا جی وغیرہا بن جاتی ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں بھی نماز جیسی اور جب کبھی بھی ہوتی ہے، اس میں برابر خدا کے ساتھ فرزند خدا کی شرکت رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت کے ایک لفظ اِيَّاكَ سے تردید ہو گئی سارے مذہبوں کے مشرکانہ طرز عبادت کی۔ نَعْبُدُ کا صیغہ جمع بھی قابل لحاظ ہے۔ دعا تنہا ایک ایک فرد نہیں کر رہا ہے۔ ساری ملت اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کر رہی ہے۔ اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ یہ نسبت عبودیت سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ کوئی مقام اس سے مافوق نہیں وٓ ١٦ (نہ کہ کسی اور سے، اے حاجت روا تجھ کو، اے اللہ) آیت کے جزو اول میں بیزاری اور تبری ہے شرک سے۔ اس آخری جزو میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی بے بساطی، بے قدرتی کا۔ اور اقرار ہے اپنے کو حفاظت اور نصرت کے لیے ہر طرح اللہ کے ہاتھ میں سپرد کر دینے کا۔ فالاول تبرّء من الشرك و الثاني تبرّء من الحول والقوة و تفويض الى الله عز وجل (ابن کثیر) نَعْبُدُ کے معاً بعد نَسْتَعِيْنُ لانا گویا بندوں کی زبان سے یہ کہلانا ہے کہ ہم عبادت تک میں تیری ہی توفیق، تیری ہی اعانت، تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں۔ اِيَّاكَ کی تکرار توحید اور رد شرک کی اہمیت کو دوبالا کر رہی ہے۔ كرر للاهتمام والحصر (ابن کثیر) كرر الضمير للتنصيص على انه المستعان به لا غير (بیضاوی) آیت نے جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی۔ شرک کی خفی سے خفی بھی راہیں بند کر دی ہیں، اور کوئی خفیف سی بھی گنجائش ولی پرستی، پیمبر پرستی، فرشتہ پرستی وغیرہ کی باقی نہیں چھوڑی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ سالک کا مقام اِيَّاكَ نَعْبُدُ پر تمام ہو جاتا ہے۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے وہ طالب تمکین و رسوخ کا ہوتا ہے۔ وٓ ١٧ یعنی وہ راہ جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں، کہیں ٹھوکر لگنے کا احتمال نہیں۔ مراد اس سے جادۂ شریعت ہے کہ یہی زندگی کا مکمل نظام ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ کے باب میں ایک مکمل دستور ہدایت ہے۔ اور اسی پر چلتے رہنا فرد و جماعت دونوں کے حق میں، دنیوی و اخروی اعتبار سے فلاح ہی فلاح ہے۔ صحابہ، تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ هو دين الله الذي لا عوج له (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال ابن عباس و جابر هو الاسلام و هو قول مقاتل (معالم) یہ گویا بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہمارے ہادی برحق و رہنمائے حقیقی، اپنا سیدھا راستہ ہم پر کھول دے۔ اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اپنے فضل و کرم کو ہمارا دستگیر رکھ! طلب ہدایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ راہرو بھٹکا ہوا ہے اور وہ راستہ دریافت کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راہ تو مل چکی ہے، درخواست اسی پر قائم رہنے کی ہے۔ یہاں مراد یہی دوسری قسم کی دستگیری ہے۔ اے وفقنا الثبات عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اهدنا اے ثبتنا (کشاف۔ عن علی و ابی رضی اللہ عنہما) جو پہلے ہی سے ہدایت یاب ہیں، ان کی طرف سے یہ درخواست ہدایت پر ثبات و استقامت اور مزید ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ روحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لیے جو جس مرتبہ پر ہے، اس کی دعا اس سے بھی بلند تر مرتبہ کی رہتی ہے۔ اور مومن کی ہوس ہدایت طلبی کبھی نہیں بجھتی۔ یہ اعتراض محض طفلانہ ہے کہ ہدایت یاب کو درخواست ہدایت کی ضرورت نہیں۔ نَعْبُدُ، نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا سب میں ضمیر متکلم کا صیغہ جمع میں آنا بہت ہی پُر معنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہار عبودیت کرنے والا اپنی اپنی جگہ پر فرد واحد ہی ہوگا۔ اس پر بھی یہ التزام ہے کہ فرد کا ربط امت سے کسی

حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ عبادت کرتے ہیں تو ایک "میں" نہیں بلکہ "ہم سب" طلب اعانت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ درخواست ہدایت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ امت وملت کی یہ زبردست وہمہ وقتی شیرازہ بندی اسلام ہی کا حصہ ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ مطلوب ومقصود صراط مستقیم تو ہی ہے نہ کہ تکوینی جو ساری مخلوق کے لیے خود بخود عام ہے **و ۱۸** (بابِ ہدایت میں) یہ مزید شرح وتفسیر ہے اسی سیدھے راستہ یا صراط مستقیم کی۔ تعلیمات وہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے لفظ وعبارت میں آ گئیں۔ لیکن مشیت الٰہی نے مزید شفقت وکرم سے ان تعلیمات وہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی رُوح وقالب میں بشری صورت وسیرت میں بہ کثرت بھیج دیئے کہ اس صراط مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جاوے۔ یہ انعام پائے ہوئے لوگ انبیاء ومرسلین ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات وحالات قرآن مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ کی سیرت مبارکہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے جو سچے نائب وجانشین آپ کے معاً بعد ہوئے ہیں، اور پھر ہر دور میں ہوتے آئے ہیں۔ یعنی اولیائے امت یا صدیقین، یا پھر شہیدان راہ حق اور عام صالحین، کہ یہ بھی اپنے اپنے درجہ میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے دے سکتے ہیں۔ خود قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے ہوؤں کی فہرست کے خاص خاص عنوانات گنا دیئے ہیں۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (سورۃ النساء) اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے لفظ سے امام ابن جریر نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے اس کی تہ میں اصل شے محض انعام الٰہی وفضل خداوندی ہے۔ **و فی ھذہ الآیۃ دلیل واضح علی ان طاعۃ اللہ جل ثناء ہ لا ینالھا المطیعون الا بانعام اللہ بھا علیھم و توفیقہ ایاھم لھا**۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ صراط مستقیم میسر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہل صراط مستقیم کی کی جائے۔ اور اس کے لیے محض اوراق وکتب کافی نہیں۔ **و ۱۹** (اپنی دانستہ وارادی کج روی کی بدولت) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تقدیری کلام غَيْرِ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا، اور مضاف محذوف ہے۔ عربی ادب وانشا میں حذف موصوف، حذف مضاف کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ صرف صفت یا صرف مضاف الیہ بول کر کام چلا لیا جاتا ہے، اور ایسا حذف قرینۂ مقام سے بے تکلف سمجھ لیا جاتا ہے۔ **اکتفی بالمضاف الیہ عن ذکر المضاف وقد دلّ علیہ سیاق الکلام** (ابن کثیر) "زیرِ غضب" سے مراد زیرِ غضب الٰہی ہے۔ انعام الٰہی کا ذکر ابھی اُوپر آ چکا ہے۔ وہاں صیغۂ معروف استعمال ہوا تھا اور ضمیر فاعل صریح تھی۔ یہاں غضب کے موقع پر صیغۂ مجہول کر دیا گیا ہے۔ اور فاعل کی کوئی صراحت نہیں۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمت الٰہی کا۔ غضب الٰہی کا ذکر اگلے آسمانی نوشتوں میں صراحت کے ساتھ ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے کہ:۔ "اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انہیں بھسم کر دوں"۔ (خروج۔ ۳۲ :۱۱) نیز خروج ۳۲۔ ۱۲ و ۱۳۔ استثناء ۹ :۲۰ و ۲۱ وغیرہ۔ انجیل کو عام طور پر سرتا سر حلم ورافت وشفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو متی ۳ :۸ و ۱۰۔ مکاشفہ ۱۹ ۔ ۱۵ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے دجل وتلبیس سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ گویا حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی مہاتما ہیں کہ جو بدبخت چاہے، اُن کے بنائے اور اتارے ہوئے قوانین کو، جو سرتا سر بندوں ہی کے نفع ومصلحت۔ فلاح وبہبود کے لیے ہیں، آزادی و بے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے، اور وہ اہمسا اور شانتی کے ساتھ، صبر وخاموشی کے ساتھ، جمود وتعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھا کرے۔ اور اصلاح حال کے لیے نہ اپنی غیر محدود قوت اور نامتناہی توانائی کو حرکت میں لائے، اور نہ دفع فساد کے لیے کوئی عملی اقدام کرے! پادریوں کے اعتراض کی اصل وبنیاد ہی غلط ہے۔ انہوں نے غضب الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر، جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال وتاثر سے۔ وہ صرف فاعل ہے۔ تمام تر مؤثر ہے۔ اس کے اصلاحی اقدام عمل، اس کی تعزیری حرکت ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضب الٰہی ہے۔ اس کی حاکمانہ قوت، مربیانہ شفقت دونوں کا عین مقتضٰی یہی ہے کہ وہ گنہگاروں، باغیوں، مجرموں کو ان کے جرم وبغاوت کے آخری عملی نتائج تک پہنچائے۔ اس کا غیظ وغضب درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ ہے اُس کی رحمت بے حساب کا، اور لازمی نتیجہ ہے اس کی شفقت بے کراں کا۔ اہل تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔ احادیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن ایک گروہ نے مشرکین مراد لی ہے۔ عجب نہیں کہ آیت ان سب کے حق میں عام ہو جو از راہِ شرارت وخبث نفس حق کی مخالفت دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں **و ۲۰** یعنی ان کی راہ بھی نہیں جو اپنی غفلت، بے التفاتی، نادانی کی بنا پر حق کی طرف رُخ بھی نہیں کرتے۔ اہل تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ حدیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ **مغضوب علیھم** اور **ضآلین** کے مصداقوں کا حصر انہیں دو مذہب والوں کے ساتھ کر دینا مشکل ہے جو کھلے ہوئے مشرکین وملحدین ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ضلالت میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور غضب الٰہی کے ان سے مستحق تر ہیں۔ محقق رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ **مغضوب علیھم** میں رکھا جائے اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کا شمار طبقۂ ضالین میں کیا جائے۔ **فالاولٰی ان یحمل المغضوب علیھم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاھرۃ وھم الفساق و یحمل الضآلون علی کلّ من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ العام و التقیید خلاف الاصل** (کبیر) سورت کے خاتمہ پر اٰمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ اس کے معنی ہیں استجب۔ یعنی اے رب قبول فرما **یعنی اٰمین عند اکثر اھل العلم اللّٰھم استجب لنا** (قرطبی)

تذییل یہ خوش عقیدگی نہیں اظہار حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحید الٰہی اور صفات کمالیہ کا بیان آ گیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہب عالم کے دفتر خالی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر کی بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے۔ مسیحی دُنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دُعا Lord's Prayer پر ہے۔ لیکن اوّل تو اس کا ضعف اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلّم ہے۔ یعنی اسی کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہیں بھی۔ پھر چیز جہاں سے بھی آئی ہو یہاں اس کے الفاظ سورۂ فاتحہ کے بالتقابل درج کیے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے!

سورۃ الفاتحہ

۱۔ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربی۔ ۲۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) بار بار رحم کرنے والا۔ ۳۔ (وہ) مالک روز جزا کا۔ ۴۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ۵۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ۔ ۶۔ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ۷۔ نہ ان کا (راستہ) جو زیر غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

انجیلی دُعا (متی ۶: ۹۔ ۱۴)

۱۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے ۲۔ تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ۳۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔ اور ۴۔ جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض ہم کو معاف کر۔ ۵۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا۔

(۱) کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت وہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادّی تعلق رکھنے والی ہستی! (۲) ایک طرف اعلان ہو رہا ہے ہمہ گیر صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت و مالکیت کا۔ اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا! (۳) توحید خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منع عبادت غیر ومنع استعانت بالغیر میں ہے۔ انجیلی دُعا میں کہیں اس کا پتہ تک نہیں (۴) انجیلی دعا کی آیت نمبر ۳ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت مادیت کی انتہا ہے۔ (۵) محض برائی سے بچنے کی دُعا، صراط مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت سے کہیں زیادہ ہلکی ہے۔

سورۃ البقرۃ **و ۱** سورت کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام یہی ہے۔ بقرۃ کے لفظی معنی گائے کے ہیں اور بیل کے بھی۔ لفظ بقرۃ سورۃ کے آٹھویں رکوع میں آیا ہے، اور وہیں ایک قصہ بھی اس سے متعلق درج ہے۔ سورت کا یہ نام بھی اسی مناسبت سے پڑا۔ بزرگ ومعظم تو ہر سورت قرآن کی ہے۔ لیکن اس سورت کا شمار بزرگ ترین سورتوں میں ہے۔ عقائد واعمال دونوں کے باب میں اسلام کی اہم ترین تعلیمات کہنا چاہیے کہ سب کی سب اس کے اندر آ گئی ہیں۔ اور یہ

جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فلاں فلاں صحابی کو اس کے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کئی کئی سال لگ
گئے، تو یہاں سیکھنے سے مراد محض تلاوت یا اس کے الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے احکام و مسائل پر
عبور ہے۔ احادیث میں اس سورت کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان اور سورۂ بقرہ
ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ شیطان مصدرِ ظلمت و ضلالت ہے، ظاہر ہے کہ وہ مرکزِ نور و ہدایت کے
ساتھ کیونکر اکٹھا ہو سکتا ہے۔ ان الشیطن یفر من البیت الذی تقرأ فیها سورۃ البقرۃ
(مسلم۔ ترمذی۔ عن ابی ہریرہ) اقرؤا سورۃ البقرۃ فان اخذها برکۃ و ترکها حسرۃ ولا
تستطیعها البطلۃ و ھی فسطاط القران (دارمی۔ عن خالد بن معدان رضی اللہ عنہ) بالفرض یہ
روایتیں نہ موجود ہوتیں، جب بھی سورت کے مضامین کی بلندی، معنویت و جامعیت سورت کو
بجائے خود اس مرتبۂ فضیلت کا مستحق بنانے کو کافی تھیں ف ۲ یعنی اس سورت کی بیشتر بلکہ تقریباً
تمامتر آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامِ مدینہ کے زمانہ میں بعد ہجرت نازل ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کسی
مکی آیت کا شامل ہو جانا سورت کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ف ۳ اللہ اور رحمن اور رحیم
سب پر حاشیے گزر چکے ف ۴ الٓمّٓ یہ حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے
ہیں۔ جیسا کہ اردو رسم الخط میں ظاہر بھی کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بعض تابعین کا قول ہے کہ الٓمّٓ مخفف اور قائم مقام ہے پورے فقرہ
انا اللہ اعلم کا (ابن جریر) زجاج لغوی نے بھی قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ حروف مقطعات
میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "عربی شاعری" سے اس کی مثالیں پیش
کی ہیں (قرطبی) بعض نے کہا ہے کہ یہ سورت کا نام ہے۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ
نحوی اسی طرف گئے ہیں۔ انها اسماء السور و ھو قول اکثر المتکلمین و اختیار
الخلیل و سیبویه (کبیر) بعض کا قول ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک نام ہے۔ اور اور قول بھی نقل
ہوئے ہیں۔ بعض صوفیہ نے انہیں عارفانہ اشارات و رموزات قرار دیا ہے، اور ان سے طرح طرح
کے نکتے اور لطیفے پیدا کیے ہیں۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ خطباتِ عرب کے دستور کے مطابق یہ
حروف محض افتتاحِ کلام کے لیے لائے گئے ہیں۔ اور یہ بات اس پہلو سے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب
اگر اس طرزِ خطاب و خطابت سے آشنا و مانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور کرتے۔ اعتراض
کے لیے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہلِ زبان سے
منقول نہیں۔ لیکن مشاہیر صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف
ان متشابہات قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ ان
ھذا علم مستور و سر محجوب استأثر اللہ تعالی و تبارک به (کبیر) حضرت
ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی، سفیان ثوری،
ربیع بن خثیم وابو حاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے (قرطبی و ابن کثیر) یہ اعتراض کہ قرآن کے
مخاطب جب ہم ہیں تو ان حروف کو بھی ہمارے لیے قابلِ فہم ہونا لازمی ہے، کچھ زیادہ باوقعت و
باوزن نہیں۔ قرآن مجید کے اندر اور جتنے مضامین و مطالب ہیں، کیا وہ سب ہر کس و ناکس کی سمجھ میں
آگئے ہیں؟ یا کائناتِ خارجی میں جو کچھ موجود ہے، کیا ان موجودات میں سے سب کا مصرف بڑے
بڑے فلسفیوں اور ماہروں کی بھی سمجھ میں آگیا ہے؟ ف ۵ الْکِتٰبُ۔ محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں
کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ، مستند نوشتہ۔ ایک صحیفۂ مکتوب۔ قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت
سے کراتا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے۔ وہ دوسرے
مذہبوں کی کتبِ الہامی کی طرح نہیں کہ صاحبِ مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی و مطالب
ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور۔ یہاں تک کہ صدیوں بعد جب
نوبت جمع و کتابت کی آئے، تو صحتِ لفظی اور استنادِ حرفی تو خیر بہت دور کی چیز ہے نفسِ مفہوم و معنی
تک مسخ ہو کر رہے۔ اور نام تو ایک کتاب کا ہو، لیکن اس کی ترتیب و تالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی
دماغ اور کتنے بشری قلم شریک ہو جائیں! دلائل و شواہد کو چھوڑیے، محض دعویٰ کی حد تک بھی تو اس
باب میں قرآن کی حریف و مقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں۔ توریت، انجیل، وید، کسی کا بھی
یہ دعویٰ نہیں کہ وہ لفظ بلفظ، حرف بحرف نازل شدہ کتاب ہے۔ اور نہ ان کے پیرو انہیں اس حیثیت
سے پیش ہی کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ تنزیلِ لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے۔ آج دنیا میں، اس کاغذ
اور قلم کے دور میں "کتابیں" (بہ صیغۂ جمع و عموم) جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں الْکِتٰبُ (بہ صیغۂ
واحد و بہ تخصیص الف و لام) یا "کتابِ واحد" کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا
مرتبہ اللہ بلند کرے، کیا خوب بات کہہ گیا ہے:۔ معناہ ان ذلک الکتب ھو الکتب الکامل
کان ما عداہ من الکتب فی مقابلته ناقص (کشاف) مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی
ایک کتاب کامل ہے۔ اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی۔
زمخشری رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ تا ۹ ذی الحجہ ۵۳۸ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء تا ۱۳ جون ۱۱۴۴ء)
بہرحال مومن تھے، اور آج سے آٹھ، ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن۔ وہ اگر یہ کہہ گئے تھے تو
انہیں کہنا ہی چاہیے تھا۔ یہ دیکھئے، کہ قرآن کا منکر اور مادیت و عقلیت کا پرستار، وہ بھی اس بیسویں
صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most
widely-read book in the world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی
ہے" (جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸) اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ
قرآن "گو دور آخر کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں
سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے"۔ (تاریخ اہلِ عرب، صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ ۱۹۳۷ء) ذٰلِکَ۔
اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں "وہ" سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بُعد ہمیشہ بُعدِ مکان یا بُعد
زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعدِ منزلت و علوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ھٰذا کے مقابلہ میں
ذٰلِکَ اسی بلندیٔ منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یقال بازاء ھذا فی المستبعد بالشخص
او بالمنزلۃ ذلک و ذاک (راغب) انما قال ذلک لبعد منزلۃ فی الشرف و العظیم
(تاج) اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بھی اشارۂ بعید "آں" بار ہا اظہارِ تکریم و علوئے منزلت کے
موقع پر آتا ہے۔ آنحضرت، آنحترم، آنجناب، آنعزیز وغیرہ۔ صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین کی
ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید، ابن جبیر، سدی، مقاتل، زید بن اسلم رحمہ اللہ علیہم وغیرہ سے
ذٰلِکَ، ھٰذا کے معنی میں مروی ہوا ہے، (ابن کثیر) لیکن خود ذٰلِکَ اور ھٰذا: دونوں اسموں کے
درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ یستعملون کلا منهما مکان الاخر و ھذا
معروف فی کلامهم (ابن کثیر) اشارہ کا مشار الیہ اس کے مابعد کا اسم یعنی الکتٰب ہے۔ گویا
فقرہ کا صحیح اردو ترجمہ یہ ہوا۔ "یہ مکرم و معظم کتاب" ف ۶ (کہ یہ کتابِ الٰہی ہے۔ اس کا مضمون برحق
اور اس کا ہر لفظ صدق ہے) ای لا شک فیه انه من عنداللہ وانه الحق والصدق (معالم)
یہ معنی تابعین کو صحابہ رضی اللہ عنہم کو سب کو مسلم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قال ابن ابی حاتم
لا اعلم فی ھذا خلافا (ابن کثیر) اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھئے۔ قرآن بجائے خود ایک
عالم ہے۔ اس عالمِ قدس کے اندر ہرگز نہ کسی شک و تردد کا ہے نہ خلجان و اضطراب کا۔ یہاں تو جو کچھ
ہے تسکین و اطمینان ہے، علم و ایقان ہے، یکسوئی و اذعان ہے۔ ہر دعویٰ مدلل ہے، اور ہر حقیقت ثابت
شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں، قصور شپرہ چشمی کا
ہے۔ اسی لیے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک و تردد لاحق ہوتا ہی نہیں، بلکہ ارشاد
صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب، اس کے مضامین شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ ما نفی ان احدا لا
یرتاب فیه و انما المنفی کونه متعلقا للریب و مظنة له (کشاف) المراد انه بلغ فی
الوضوح الی حیث لا ینبغی لمرتاب ان یرتاب فیه (کبیر) لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ مقصود چونکہ نفیِ
ریب کی تاکید ہے۔ اس لیے ترکیبِ کلام بجائے لافیه ریب کے لَا رَیْبَ فِیْهِ رکھی گئی، کہ اس میں
زور اس سے زیادہ ہے (کبیر) ف ۷ ھُدًی۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اس کا یہ اپنا بتایا ہوا
وصفِ اوّل ہی سے خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سنہ وار ترتیب
کے ساتھ پچھلے زمانے کے واقعات درج ہوں۔ کوئی سائنس کی کتاب نہیں کہ علومِ طبیعی و ریاضی کے مسائل
کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں
اور مشائیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے ظنون اور نظریات میں الجھے رہیں۔ افسانہ و محاضرات کی کتاب
نہیں کہ پڑھنے والے اسے تفریح اور دل بہلانے کے لیے پڑھیں۔ اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت
صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستورِ حیات ہے، مکمل و مفصل نقشۂ زندگی ہے۔ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ یہ قید لگا
کر صاف بتا دیا کہ اس قانونِ عام و ہدایتِ تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن
کے اندر خوفِ خدا موجود ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لیے ہوئی ہے۔ خطاب سارے
عالم سے کر رہی ہے۔ لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی
طلب اور تلاش ہے، اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت
ہی ضائع ہو چکی۔ ان کے لیے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں

بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کے لیے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ قرآن مجید سے استفادہ کے لیے اوّلین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ ھو فی نفسہ ھدی ولکن لا ینالہ الا الابرار (ابن کثیر) و۸ (رسول ﷺ کی تعلیمات وتصریحات کے مطابق نہ کہ اپنے ظن وتخمین، وہم وگمان سے) یُؤْمِنُوْنَ۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی چیزیں بھی ہیں سب کو تصریحات نبوی کے مطابق و ماتحت ہونا ضروری ہے۔ کسی اور راہ سے آیا ہوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیت نفسی شک، ریب، تردد وتذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحب ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بےکلی اور بےچینی ہی رہا کرتی ہے۔ لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ بِالْغَیْبِ۔ یعنی ایمان ایسے عالم پر رکھتے ہیں جو محسوسات اور معقولات سے ماوراء ہے۔ اور جس کی بابت خبریں صرف نبی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غیب لغت میں شہود کی ضد ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہوئی ہو یا مشاہدہ تجربہ سے باہر ہو۔ الغیب کل ما غاب عنک (لسان) استعمل فی کل غائب عن الحاسۃ (راغب) یہ لغوی تشریح تھی۔ آیت میں الْغَیْبِ سے مراد ائمہ تفسیر نے وہ عالم لیا ہے، جو حواس وعقل سے ماوراء ہے، اور جس کی بابت جو کچھ بھی علم ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے توسط سے، مثلاً احوال حشر ونشر، حور وملائک، جنت ودوزخ وغیرہا۔

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں و۱۴ اور یہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ

(پورے) بامراد ہیں و۱۵ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں و۱۶ ان کے حق میں

عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

یکساں ہے، خواہ آپ انہیں ڈرائیں، یا آپ انہیں نہ ڈرائیں و۱۷ وہ ایمان نہ لائیں گے و۱۸

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى

مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی شنوائی پر و۱۹ اور

اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾

ان کی آنکھوں پر پردہ ہے و۲۰ اور ان کے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے و۲۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ

اور کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں و۲۲ کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ

روز آخرت پر حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان والے نہیں و۲۳ دھوکا دینا چاہتے ہیں

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ

اللہ کو اور ایمان والوں کو و۲۴ حالانکہ (فی الواقع) دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے بجز

اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اپنی ذات کے و۲۵ اور اس کا بھی احساس نہیں رکھتے و۲۶ ان کے دلوں میں بیماری ہے و۲۷

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ

سو اللہ نے بڑھا دی ان کی بیماری و۲۸ اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہوتا) ہے

اور یہ تفسیر خود جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنۃ وامر النار ماذکر اللہ تعالی وتبارک فی القرآن (ابن جریر۔ عن ابن مسعود وناس من اصحاب النبی ﷺ) وھو قول جمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ (کبیر) غیب کی تفسیر منقول اسی قدر ہے۔ لیکن اسے ذرا سی وسعت دینے سے اس کے اندر پیمبر کے سارے علوم داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پیمبر جن جن امور سے وحی جلی یا وحی خفی کی روشنی میں لوگوں کو روکتا ہے، ان کی باریک باریک برائیوں کا امت کے نقطۂ نظر سے داخل غیب ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے وحی الٰہی کی خوردبین سود، شراب، زنا وغیرہ کی خرابیوں اور مفسدوں کو جس طرح اپنی گرفت میں لے آتی ہے، وہ انسان کے لیے غیب ہی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب غیب کی حقیقت یہ معلوم ہوگئی کہ وہ شہود یا علم کے مقابلہ کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا علم ومشاہدہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ طبیب کے لیے مرض ومریض سے متعلق بہت سے امور شہود میں ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے غیب کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر ایسی چیزیں جانتا ہے جو عامی کے لیے غیب یا خفا میں ہوتی ہیں۔ گویا جس شخص کا دائرۂ علم جس قدر وسیع ہوگا، اسی نسبت سے اس کا دائرۂ غیب چھوٹا ہو گا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پر چونکہ ہر چیز روشن وعیاں ہے، اس لیے کوئی شے اس کے لیے غیب میں داخل ہی نہیں۔ اور اسی لیے اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جو سب بندوں کے لیے غیب میں ہوتی ہیں۔ "غیب" کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے، ورنہ حق تعالیٰ کے لیے تو جس طرح دور ونزدیک، آسان ودشوار، بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں، اور ان کے باہمی فرق بے معنی ہیں، اسی طرح غیب وشہود بھی بالکل ایک ہیں۔ ویقال للشیء غیب وغائب باعتبارہ بالناس لا باللہ تعالی فانہ لا یغیب عنہ شیء (راغب) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر چونکہ تمام دوسرے انسانوں سے داناتر و علم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک ومعرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے قدرۃً انہیں بےشمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لیے تمام تر مجہول ہوتی ہیں۔ لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں، کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور دائرۂ غیب ان کا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو آیت میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں، تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں، متقیوں کے سردار وپیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب، انہیں کے ظرف ومرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے۔ ہم شما کا سا غیب ان کا نہیں۔ دین کا مغز کہیے یا ایمان کی روح یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے۔ یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالم مادی سے ماوراء، اس کائنات حسی سے اوپر، کچھ اور، ایک عالم ہے ضرور۔ اور جو اس عالم کے وجود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں۔ اور سب سے بڑا غیب تو خود وجود باری ہے سب سے بڑھ کر روشن وعیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی ونہاں۔ بڑے سے بڑے عالم وعارف کے لیے بھی اس کے مرتبہ علم ومعرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہوتے ہیں و۹ (وقت کے، خشوع کے، تعدیل ارکان کے، غرض جملہ لوازم باطنی وشرائط ظاہری کے ساتھ) صَلٰوۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔ الصلٰوۃ التی ھی العبادۃ المخصوصۃ اصلھا الدعاء (راغب) محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا قولی، دعا قلبی، دعا فعلی کا مجموعہ۔ اقامت صلوٰۃ اور محض ادائے صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اقامت صلوٰۃ میں نماز کی تکمیل صوری ومعنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ اقامۃ الشیء توفیۃ حقہ (راغب) اور اقامت صلوٰۃ کی تعبیریں مداومت سے، تعدیل ارکان سے، اور اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہیں (ابن جریر۔ کبیر وغیرہ) سب سے زیادہ جامع تشریح یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کی صاحب جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کر دی

امے یاتون بھا بحقوقھا۔ اُن دیکھے خدا کے آگے جھکنے، سرعبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط وتعلق پیدا کرنے، اور خود افراد امت میں باہم نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اور بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان، توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لیے اسلامی نماز باجماعت کے جو اخلاقی، طبعی، مادی فائدے ہیں، نیز ملت کے لیے جو معاشری، اجتماعی مصلحتیں ہیں ان کی جھلک کہیں دور سے دیکھ کر، یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے اہل علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد و مدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ متقین کی پہلی علامت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ وہ عقیدۂ غیب کے قائل ہیں۔ دوسری علامت یہ بیان ہو رہی ہے کہ عملی زندگی میں وہ نماز کے پابند ہیں **ف ۱۰** (مناسب وضروری موقعوں پر، جائز اور مفید کاموں میں) رزق کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آ جاتی ہیں، خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال وصحت، اولاد۔ یا معنوی و روحانی ہوں۔ مثلاً علم وحکمت، فہم سلیم وغیرہ۔ یقال للعطاء الجاری تارۃ دنیویاً کان ام اخرویا و للنصیب تارۃ (راغب) الرزق فی کلام العرب ھو الحظ (کبیر) اسم لکل ما ینتفع بہ (معالم) رَزَقْنٰھُمْ میں ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے بتا دیا کہ جو نعمت، جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے، سب اللہ ہی کے فیض وعطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ یُنْفِقُوْنَ۔ متقین کی تیسری صفت یہ ارشاد ہوئی کہ اللہ کے ہاں سے انہیں جو بھی ظاہری ومعنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وہ اللہ ہی کے دین پر، حق کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مخالفت، عدوان ومعصیان میں صرف نہیں کرتے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ ہم نے انہیں جو انوار معرفت عطا کیے ہیں ان کا وہ طالبین پر افاضہ کرتے رہتے ہیں **ف ۱۱** (اے ہمارے رسول) یعنی ان متقین کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں رسول کے لائے ہوئے ہر پیغام پر، خواہ قرآن ہو یا اس کے علاوہ۔ آیت کی عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔ (۱) ایک کلام کا نازل کرنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) دوسرے وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے۔ یعنی اللہ کا رسول برحق۔ (۳) تیسرے، خود کلام --- بروز، تمثل، حلول اور وحدت الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں)، ان سب مشرکانہ وتیم مشرکانہ عقیدوں کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا ہے، اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار، انسانی قالب میں خدا ہیں۔ بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں **ف ۱۲** (دوسرے پیغمبروں پر خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانہ کے ہوں) قرآن مجید نے اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ سلسلۂ ارشاد وہدایت کوئی نو پیدا چیز نہیں بلکہ اس وقت سے قائم ہے جب سے انسان دنیا میں آئے۔ سلسلۂ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی۔ اور مومن کے لیے تصدیق صرف ختم المرسلین کی کافی نہیں، بلکہ سارے انبیاء ورسل کی کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درجۂ اجمال ہی میں ہو۔ انہیں متقین کا یہ پانچواں وصف ارشاد ہوا، کہ وہ بخلاف یہود ونصاریٰ کے دوسرے انبیاء کی تعلیمات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ طالب کو اعتقاد تو تمام شیوخ اہل حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہیے جیسا اپنے شیخ کے ساتھ۔ لیکن اتباع صرف اپنے شیخ کا کرنا چاہیے۔ جیسا بعینہ یہی حکم انبیاء علیہم السلام کے باب میں ہے **ف ۱۳** یہ چھٹا اور آخری وصف ان متقین اہل ضمیر کا بیان ہوا، جو قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ الْاٰخِرَةُ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلۂ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس ناسوتی زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرہ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ ویعبر بالدار الاخرۃ عن النشأۃ الثانیۃ و ربما ترک ذکر الدار (راغب) انما وصفت بذلک لمصیرھا اخرۃ لاولی کانت قبلھا (ابن جریر) جزا وسزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔ یہیں سے تردید ہوگئی ان باطل مذہبوں کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں، لیکن یا تو سرے سے جزاء اعمال ہی کے قائل نہیں، یا قائل تو ہیں لیکن اس جزا کا محل ومکان اسی عالم ناسوت کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہل باطل نے الْاٰخِرَةُ کا ترجمہ کیا ہے "زمانۂ آخر کی وحی"۔ تا کہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے ثابت ہو۔ لیکن یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر۔ یہ صرف تمسخر وتلعب ہے، قرآن مجید اور لغت عربی دونوں کے ساتھ۔ یُوْقِنُوْنَ۔ ایقان یا یقین کے معنی یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ کو استدلالاً مان لے۔ یا منطق بادل ناخواستہ سکوت پر مجبور ہو جائے۔ یا دماغ اس کے مان لینے کا محض سرسری، رسمی، سطحی طور پر لفظی اقرار

کر لے۔ جیسی کہ اکثر فلسفیانہ نظریوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ بلکہ یقین یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دل وجان سے اعتقاد جم جائے، اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا جائے۔ یقین کی راہ شک، گمان، خیال سب سے الگ ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک (تاج) الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا (راغب) الایقان اتقان العلم بانتفاء الشک والشبھۃ عنہ (کشاف) الیقین العلم دون الشک (قرطبی) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ یقین کا مرتبہ یوں بھی محض علم سے قوی تر تھا، پھر فقرہ کی ترکیب یعنی فعل يُوْقِنُوْنَ کے تاخر اور وَبِالْاٰخِرَةِ کے تقدم اور هُمْ کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھا دی۔ مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کے نزدیک آخرت اس درجہ اہم ہے کہ گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے **ف ۱۴** سورۂ فاتحہ میں دعا بندوں کی زبان سے طلب ہدایت کی تھی، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ دعا معاً قبول ہوئی کتاب ہدایت نازل ہوگئی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اب ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں علامتیں جن میں موجود ہوں، وہی ہدایت یاب لوگ ہیں، اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اُولٰۗىِٕكَ۔ ان ہدایت یاب لوگوں کے خصوصیات ذیل قرآن مجید ہی سے معلوم ہو چکے ہیں۔ (۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں خوف خدا کی جگہ ہوتی ہے (الْمُتَّقِيْنَ) (۲) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے پرے ایک عالم غیب پر ہوتا ہے (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ) (۳) ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور نماز کا حق ادا کرتے رہتے ہیں (يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ) (۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں (مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ) (۵) یہ رسول ﷺ کے رسول برحق اور بہترین معلم وہادی ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ) (۶) پورے سلسلۂ وحی ونظام نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں (وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ) (۷) ان کا کامل اعتقاد یوم آخرت یا روز جزا پر رہتا ہے (وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ) **ف ۱۵** (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہوگئی، اور انفرادی واجتماعی، شخصی وقومی ہر حیثیت سے جامع ترین وبہترین دستور حیات منازل زندگی کے طے کرنے کو ہاتھ آ گیا۔ اور آخرت کی فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا حاصل کر رہے گا۔ اے الذین ادرکوا ووجدوا ما طلبوا ونجوا من شر ما منہ ھربوا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا وآخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے الْمُفْلِحُوْنَ کا پورا ترجمہ "کامیاب" "بامراد" وغیرہ کسی اردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لیس فی کلام العرب کلہ اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والاخرۃ کما قال ائمۃ اللسان (تاج) اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کی ترکیب نے معنی میں حصر وتاکید پیدا کر دی۔ اور ھُمْ بطور ضمیر فصل کے تاکید نسبت وتخصیص کے لیے ہے۔ وھو فصل یفصل الخبر عن الصفۃ و یؤکد النسبۃ ویفید اختصاص المسند بالمسند الیہ (بیضاوی) و ادخال ھو فی مثل ھذا الترکیب احسن لانہ محل تاکید ورفع توھم (بحر) مفسر تھانوی مدظلہ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاح کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے، اور الْمُفْلِحُوْنَ سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔ اور معتزلہ وخوارج جنہوں نے آیت سے یہ نکالنا چاہا ہے کہ کبائر کا مرتکب فلاح مطلق یعنی نجات سے محروم رہے گا، انہوں نے فلاح مطلق (نجات کاملہ) کے اور مطلق فلاح کے درمیان خلط کر دیا ہے۔ المراد بہ الفلاح الکامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لا مطلق الفلاح (تھانوی) **ف ۱۶** (اور قیام دلائل کے باوجود اس پر اڑے ہوئے ہیں) اے الذین اصروا علی الکفر (ابن عباس رضی اللہ عنہ) ایسے لوگ ظاہر ہے کہ علم الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کی استعداد قبول حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے۔ آیت میں خصوصی اشارہ یہود مدینہ کی جانب ہے۔ ان کا کفر کفر جحود کی قسم کا تھا۔ یعنی یہ نبی ﷺ آخر الزمان کی بابت پیشگوئیوں اور ان کی علامتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر دانستہ اغماض واخفا کرتے رہتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ پڑنے پائے۔ واما معنی الکفر فانہ الجحود ذلک ان الاحبار من یھود المدینۃ جحدوا نبوۃ محمد ﷺ و ستروہ عن الناس و کتموا امرہ (ابن جریر) **ف ۱۷** (لیکن آپ کی دعوت وتبلیغ برابر جاری

رہے۔ آپ کا اجر اس سے ثابت ہوتا رہے گا) آج معمولی مبلغ بھی اپنی دُھن کے پکے ہوتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ تو دنیا کے لیے "مبلغ اعظم" تھے۔ دین الٰہی کی اشاعت کے لیے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا۔ آپ کو حرص اگر تھی تو اسی کی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہاں یہ حقیقت آپ کو بتلائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالیے ان کے حق میں سب یکساں ہے۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہرحال ثابت ہے۔ **فلا تذهب نفسك عليهم حسرات فمن استجاب لك فله الحظ الاوفر و من تولى فلا تحزن عليهم** (ابن کثیر) ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے۔ ایک اطلاع ہے جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضی الٰہی سے اسے شائبہ تعلق بھی نہیں۔ "علم" و "مرضی" کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلط مبحث کر کے اپنے کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں -- طبیب حاذق اپنے علم کی رُو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بدپرہیز، خودرائے مریض اچھا نہ ہوگا۔ کیا اس پیش گوئی اس اخبار غیب میں اُس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ بقول مفسر تھانوی مدظلہ اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اور ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعداد قبول حق کی رکھی ہے، جیسا حدیث میں آگیا ہے۔ مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور خودغرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے **و۱۸** (اس لیے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور نہ خلوئے ذہن کے ساتھ تعلیمات اسلامی پر غور کرتے ہیں) اے **لا یسر یسلون ان یؤمنوا** (ابن عباس ؓ) اس سے پہلے فقرہ کی مزید تاکید اور توثیق ہو گئی۔ اور اہل عناد کے حق میں ان کی بے التفاتی اور عدم احساس کی بنا پر انذار اور عدم انذار کا یکساں ہونا اور روشن ہو گیا۔ اکثر ائمہ تفسیر نے آیت کی ترکیب نحوی یوں ہی سمجھی ہے اور لَا یُؤْمِنُوْنَ کو جملۂ مؤکدہ و مفسرہ فقرہ ماقبل کا سمجھا ہے۔ **جملة مؤكدة للتي قبلها** (ابن کثیر) **جملة مفسرة لاجمال ما قبلها او حال مؤكدة** (بیضاوی) لیکن ایک دوسری ترکیب بھی انھیں بزرگوں سے یہ منقول ہے، کہ لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی اور پورا فقرہ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ درمیان میں بطور جملۂ معترضہ کے آگیا ہے۔ **خبرا لان والجملة قبلها الاعتراض** (کشاف) **خبر انّ والجملة قبلها الاعتراض** (بیضاوی) **خبر لانّ والجملة قبلها الاعتراض** (مدارک) **و يحتمل ان يكون لا يؤمنون خبرا** (ابن کثیر) اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ **و۱۹** قَلْب۔ دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرت سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانون شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرت الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانون تکوینی (نہ کہ قانون رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادی چیز نہیں **و۲۰** (چنانچہ کھلے ہوئے دلائل حق اور روشن آیات الٰہی بھی انھیں نظر نہیں آتے) یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق اور دانستہ کج روی کا۔ حق تعالیٰ کی جانب ان افعال کی انتساب جو کچھ ہے وہ محض تکوینی حیثیت سے ہے، یعنی بطور علت العلل و مسبب الاسباب کے --- ارادۂ حق جس طرح بندہ کے زہر کھا لینے پر موت کا ثمرۂ طبعی مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح بندہ کی ارادی کج روی پر موت روحانی کا ثمرہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ مرضی حق کا تعلق نہ اول الذکر سے ہے نہ آخر الذکر سے! اس طرز بیان کی، اور فہم، سماعت و بصارت کی قوتوں سے سزا کے طور پر محرومی کی مثالیں قدیم صحیفوں میں بھی کثرت سے ملتی

ہیں:۔ "خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے" (استثناء ۲۹:۴) "تم سنا کرو پر سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربادے اور ان کے کانوں کو بھاری کر" (یسعیاہ ۶:۹،۱۰) "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" (یسعیاہ ۴۴:۱۸) "تمہاری آنکھیں جو کہ نبی ہیں موندی ہیں اور تمہارے سروں پر جو کہ غیب میں ہیں حجاب ڈالا ہے" (یسعیاہ ۲۹:۱۰) "میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۸۱:۱۲) انجیل میں اس قسم کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو رومیوں ۱۱:۷،۸ اور ۲ تھسلنیکیوں ۲:۱۱۔ **و۲۱** (آخرت میں) اسلام مسلسل حیات کا قائل ہے۔ یہ ناسوتی، مادی زندگی صرف ایک حصہ ہے کل زندگی کا۔ باقی اس کا پورا ظہور و بروز حیات اُخروی ہی میں ہوگا۔ اخروی زندگی لازمی ثمرہ و نتیجہ ہے اس دنیوی زندگی کا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی و نافرمانی وہاں عذاب الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم آج ڈالے گئے ہیں، کل وہی تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اسے مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔ پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت اور نوعیت ادراک بشری سے بالاتر اور مافوق ہے۔ اور بعض نے عَظِيْمٌ کے نکرہ ہونے سے بھی یہی استنباط کیا ہے کہ وہ کسی خاص و غیر متعارف ہی نوعیت کا ہوگا۔ **من الآلام العظام نوع عظيم لا يعلم كنهه الا الله** (مدارک۔ بیضاوی) **و التنكير فيه للتنوعية اى لهم فى الاخرة نوع من العذاب غير متعارف فى عذاب الدنيا** (روح) **و۲۲** (محض زبان سے، شرکت قلب کے بغیر) مَنْ۔ واحد، تثنیہ، جمع، تینوں موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالت افراد میں لحاظ اس کی لفظی حیثیت کا کیا جاتا ہے، اور جمع میں نظر اس کے معنی و مفہوم پر رکھی جاتی ہے۔ اب تک قرآن مجید نے ذکر دو قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔ ایک مومن، فرمانبردار، قانون الٰہی کے مطیع۔ دوسرے کافر، نافرمان، قانون الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا ہے۔ ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و انکار پر پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفر خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہیں۔ ان تنگ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے، اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ **النفاق هو اظهار الخير و اسرار الشر** (ابن کثیر) پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق حقیقی یا اعتقادی۔ جس میں ایمان سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ابدی خلود جہنم ہے۔ دوسرا نفاق عملی یا مجازی۔ اس میں ایمان کا استحضار نہیں رہتا، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہو جاتا ہے۔ **هو انواع اعتقادى و هو الذى يخلد صاحبه فى النار و عملى هو من اكبر الذنوب** (ابن کثیر) سورۂ بقرہ مدنی ہے۔ اور مدینہ میں منافقین کثرت سے تھے۔ اسلام سے عداوت میں اور رسول اسلام سے عناد میں، یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے۔ شاید کچھ بڑھے ہی ہوئے ہوں۔ نفاق یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورت حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان کو چھپائے رکھتے، اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی، وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد، جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض تقیۃً بلا شائبۂ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل جو خزرج کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ جو اوس پر بھی تھا۔ یہ اپنے وقت کا کامیاب ترین لیڈر تھا۔ یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو جائے، کہ یک بیک اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اُس نے اپنی دوکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیرووں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقائد پر جمے رہو۔ اوس و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ البتہ مکہ کا کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں بھی زیادہ تر اس کی تلخیص ہے۔ **و۲۳** یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انھیں چھو بھی نہیں گیا۔ **يقولون ذلك قولا ليس وراءه شئ آخر** (ابن کثیر) **انهم ليسوا من الايمان فى شئ** (بیضاوی) بِمُؤْمِنِيْنَ۔ حرف بِ تاکید کے لیے ہے۔ **اكد النفى بالباء** (بیضاوی) ظاہر سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوْٓا اٰمَنَّا کی

تردید و تغلیط میں ما امنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا۔ لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ و فیه من التوکید والمبالغة مالیس فی غیرہ (کشاف) تاکیدًا او مبالغة فی التکذیب لان اخراج ذواتهم من عداد المومنین ابلغ من نفی الایمان عنهم فی ماضی الزمان (بیضاوی) کان ذٰلک مبالغة فی تکذیبهم (کبیر) ف۲۴ یعنی محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کے لیے اُن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لیے اپنے تئیں مسلمان کہہ رہے ہیں۔ اور جرم کفر پر اضافہ جرم خدع کا کر رہے ہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے۔ لیکن یہاں یُخٰدِعُوْنَ کے معنی میں ہے۔ اور باب مفاعلہ محض زور اور تاکید کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ المفاعلة لا فادة المبالغة فی الکیفیة (ابوسعود) اخرج فی زنة فاعلت للمبالغة (بیضاوی) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ۔ حق کی مخالفت اور تکذیب کرتے کرتے جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اپنے خیال و پندار میں خدا کو بھی دھوکا دے چلے تھے۔ اجترء وا علی الله حتی ظنوا انهم یخدعون الله (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اپنے ظن کے مطابق۔ معناہ یخادعون الله فی زعمهم (مدارک) اسی مفہوم کے پیش نظر ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں"۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول ﷺ کو اس دھوکا دینے کی کوشش کو قرآن مجید نے عین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے تعبیر کیا ہو۔ اس کی اور بھی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ذکر نفسه واراد به رسوله علی عادته فی تفخیم امرہ (کبیر) ای رسول الله (مدارک) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مثلاً عداوت یا فریب کا ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ف۲۵ یعنی ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں۔ خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی، فضیحت اور منافقت کی پردہ دری۔ ضررها یلحقهم و مکرها یحیق بهم (کشاف) یفتضحون فی الدنیا و یستوجبون العقاب فی العقبٰی (معالم) ف۲۶ (کہ اس منافقت کا وبال خود انہیں پر ہو کر رہے گا) لا یعلمون ان وبال خداعهم یعود علیهم (معالم) یَشْعُرُوْنَ۔ بجائے یَعْلَمُوْنَ کے یہاں یَشْعُرُوْنَ وارد ہوا ہے۔ شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے۔ اور مشاعر انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں۔ المشاعر الحواس (راغب) الشعور علم الشیٔ علم حس من الشعار و مشاعر الانسان حواسه (کشاف) اس لفظ کے لانے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکر و فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا وہ بالکل مادی ہونے کی طرح صاف اور صریح ہے۔ لیکن یہ احمق فرط غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ والمعنی ان لحوق ضرر ذٰلک بهم کالمحسوس وهم لتمادی غفلتهم کالذی لا حس له (کشاف) ای لا تدرکونه بالحواس (راغب) ف۲۷ (کفر اور نفاق کی اور شک کی، جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے) شک و نفاق و خلاف و ظلمة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) دوسرا پہلو ان کم اعتقادوں کے مرض کا یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک و حسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ائمہ تفسیر کی نظر سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے۔ والمعنی ان المنافقین مرضت قلوبهم لما راوا ثبات امر النبی صلی الله علیه وسلم واستعلاء شانه یومًا فیومًا (کبیر) والمراد به هنا ما فی قلوبهم ... من الغل والحسد والبغضاء لان صدورهم کانت تغلی علی رسول الله ﷺ والمؤمنین (کشاف) مرض لغوی اعتبار سے نام ہے انسان کے حالت طبعی سے خروج کا۔ المرض الخروج عن الاعتدال الخاص بالانسان (راغب) رذائل نفسانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مجازاً نفاق و کفر کو بھی مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ وہ انسان کے لیے ادراک فضائل اور تحصیل حیات اخروی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں (راغب) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ امراض قلب کا معاصی کے معنی میں اثبات خود قرآن مجید سے ہو گیا ف۲۸ (رسول، اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتوحات دے دے کر۔ یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یوں کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ و اقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یوں کہ کلام الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ اُن کے غیظ و بغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہل تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کیے ہیں۔ کلما زاد رسوله نصرةً و تبسطًا فی البلاد و نقصًا من اطراف الارض ازدادوا حسدًا و غلاًّ و بغضًا (کشاف) کلما انزل علی رسوله الوحی کفروا به فازدادوا کفرًا الی کفرهم (کشاف) فَزَادَهُمُ میں حرف ف بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آ رہا ہے، وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ والفاء للدلالة علی ترتب مضمونها علیه (ابوسعود) حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات و اسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب و حالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ و کان اسناد الزیادة الی الله تعالٰی من حیث انه مسبّبٌ من فعله (بیضاوی) یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی۔ وهو الجزاء من جنس العمل (ابن کثیر) اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ "اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا"۔ (زبور ۸۱: ۱۱، ۱۲) "پس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں" (اعمال ۷: ۴۲) "خدا نے ان کے دلوں کی

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا

اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ف۲۹ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر

فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

فساد مت پھیلاؤ ف۳۰ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں ف۳۱

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

سن رکھو حقیقۃً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ف۳۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں ف۳۳ تو کہتے ہیں ف۳۴

اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

کہ کیا ہم (بھی) ایمان لے آئیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ ف۳۵ سن رکھو کہ بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں

وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے ف۳۶ اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں ف۳۷

قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا

تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں ف۳۸ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں ف۳۹ تو کہتے ہیں

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ

کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ف۴۰ ہم تو محض بنا رہے تھے ف۴۱ انہیں اللہ بنا رہا

بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

ہے ف۴۲ اور وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے ف۴۳ (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگردان ہو رہے ہیں ف۴۴ یہ وہ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ

لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کر لی ہدایت کے بدلے ف۴۵ سو نہ ان کی تجارت ہی

خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں" (رومیوں ۱:۲۴) ف۲۹ یعنی اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عذاب الیم جس کا یہاں ذکر ہے منافقوں پر مطلق کفر پر نہیں، بلکہ ان کی منافقت پر یا جھوٹے دعویٰ ایمان پر ہوگا۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ کافروں کے لیے جس عذاب کی خبر او پر دی جاچکی ہے (آیت ۷ میں) اس کی صفت عَظِيْمٌ آئی ہے، اور یہاں منافقوں کے لیے جس عذاب کی وعید ہے، وہ اَلِيْمٌ ہوگا۔ اور اَلِيْمٌ کے معنی ہیں مؤلم یعنی دکھ پہنچانے والا۔ گویا تکلیف واذیت کا پہلو اس میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ وصف به العذاب للمبالغة (بیضاوی) خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی، لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے یعنی خادع و کاذب۔ تو عَذَابٌ عَظِيْمٌ کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بناپر ہو ہی چکے، یہ منافقت کا عذاب الیم اس پر مستزاد۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ فقد حصل للمنافقين مجموع العذابين فصار المنافقون اشد عذابا من غيرهم من الكفار (بحر) بما میں ب سببیہ ہے اور ما مصدری۔ الباء للسببية وما مصدرية (ابوسعود) منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب حسب ذیل ہے:۔ "تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں"۔ (متی۔ ۲۳:۲۷) اور شیوخ واکابر یہود کے الفاظ ان کی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یوں منقول ہیں:۔ "جو اولیاء کی محبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں، خدا انہیں غارت کر کے رہے..... جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوے اس کی آنکھیں نکال کر رہیں"۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۱۴) اور انہیں کے تالمود میں ہے:۔ "جو کوئی منافقت برتا ہے وہ غضب (خداوندی) کو دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں، وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں، اور اس کی جگہ جہنم ہے"۔ (ایوری مینس تالمود صفحہ ۱۰۷) ف۳۰ اس سے معلوم ہوا کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد في الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم ونظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانون شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سر مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کشت وخون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ اس قول کا قائل کون تھا؟ بعض نے اس کا قائل رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے اور بعض نے عام مومنین کو، اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو بھی۔ الفاظ میں گنجائش ان سب کی ہے۔ وكل ذلك محتمل (کبیر) ف۳۱ (اور الٹا ہم ہی پر الزام فساد وتخریب کا لگ رہا ہے!) جواب بعینہ وہ ہے جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے کتنے منافقوں کی زبان پر ہے۔ دین میں رخنے قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں، اور زبان پر دعوے وہی تجدد کے تجدید کے، اصلاح کے، تعمیر کے ہیں۔ نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے معروف معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ زبانی دعویٰ اپنے دین حق پر قائم ہونے کا رکھتے تھے۔ قالوا انما نحن على الهدى مصلحون (ابن جریر۔ عن مجاہد) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تم لوگوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ محمدی اور غیر محمدی کے درمیان جو کشمکش ہے، اس کے مٹانے والے ہیں۔ قالوا انما نريد الاصلاح بين الفريقين من المؤمنين واهل الكتب (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اردو میں زور کا یہ مفہوم لفظ "ارے" سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ف۳۲ (کہ فساد تو تمامتر انہی کی ذات سے پھیل رہا ہے) کیا ٹھکانا ہے اُن کی غباوت کا، مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں، تاریکی کا نام کا نور رکھ رہے ہیں، اور احساس اپنے اس جہل کا بھی نہیں رکھتے! اَلَا کلمۂ تنبیہ ہے، عربی میں "خبردار ہو جاؤ" "آگاہ رہو" کے معنی میں۔ لفظ "اجی" میں اگر متانت کی کمی نہ ہوتی تو اُردو میں اس مفہوم کے لیے یہی بہترین لفظ ہوتا ف۳۳ (اسلام اور رسول اسلام ﷺ پر صدق واخلاص کے ساتھ) دعویٰ ایمان کا تو اب بھی ان لوگوں کو تھا۔ سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لاؤ، دیانت اور راستی کے ساتھ رسول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ اى ايمانا مقرونا بالاخلاص بعيدا عن النفاق (کبیر) اخلصوا في ايمانكم (خازن) اَلنَّاسُ۔ ناس پر ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا۔ اب مراد ساری نوع انسان نہ رہی، بلکہ وہ متعین ومخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کے لیے معلوم ومعروف تھے۔ روایتوں میں عبد اللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں، جنھوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا۔ هم بعض الناس لا جميعهم (ابن جریر) كما صدق المهاجرون والمحققون من اهل يثرب (قرطبی) هم ناس معهودون كعبد الله بن سلام واشياعه (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ اَلنَّاسُ کو انسان

کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفت انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الكاملون في الانسانية (کشاف) واللام في الناس للجنس والمراد به الكاملون في الانسانية (بیضاوی) اس سے اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی ناسمجھی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن عداهم كالبهائم في فقد التمييز بين الحق والباطل (کشاف) ف۳۴ (اس کے جواب ادا ہی منافی میں) ف۳۵ یہ طنز ہے اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں پر، رسول ﷺ کے صحابیوں پر۔ يعنون اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) یہی سنت آج تک چلی آرہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہل تجدد" کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص ومخلص اہل ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں! ف۳۶ کیا ٹھکانا ہے ان کے حمق اور ناسمجھی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل خود دانشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں! سفیہ کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع ونقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفيه الجاهل ضعيف الرأى القليل المعرفة بمواضع المنافع والمضار (ابن جریر) ف۳۷ (اور صاحب وجاہت وصاحب اثر بھی ہیں) اى ابابكر و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۳۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں) انا كايمانكم (معالم) یہ بات یہ لوگ ذی اثر مسلمانوں کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے کہتے۔ غرورًا منهم للمؤمنين و مصانعة و تقية (ابن کثیر) منافقین کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے۔ لیکن مسلمانوں میں جو صاحب اثر واقتدار ہوتے ان کے آگے خود جھک جاتے اور ان سے بہ تملق پیش آتے۔ ف۳۹ یعنی اپنے شریر رفیقوں یا سرداروں کے پاس۔ شَيٰطِيْنِهِمْ۔ شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الشيطان كل عارم متمرد من انس او جن او من دابة (تاج) الشيطان اسم لكل عارم من الجن والانس والحيوانات (راغب) یہاں شیاطین سے مراد رؤساء یہود ومنافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی وطغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز ان کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔ كهنتهم ورؤساء هم (ابن عباس) رؤسهم في الكفر (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خَلَوْا اِلٰی۔ خلى کا صلہ جب الی آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے، تنہائی میں ملنے کے۔ خلا اليه اجتمع معه في خلوة (لسان) خلا اليه اى انتهى اليه في خلوة (راغب) ف۴۰ (اپنے اصلی عقائد وخیالات میں) یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر ہیں، اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً تو ہم تمہارے ہی ہم عقیدہ وہم مذہب ہیں۔ اى معكم ما انتم عليه من التكذيب بمحمد (ابن جریر) ف۴۱ (ان مسلمانوں کو، ان کے پیغمبر ﷺ اور ان کے صحابیوں کو) بمحمد و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ باقی مسلمانوں کے بنانے کے لیے ہاں کی سی کہہ دیتے ہیں۔ استهزاء کے معنی تمسخر کرنے، ہنسی اڑانے، بنانے کے ہیں ف۴۲ یعنی ان کے تمسخر کو انہیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، جزاء معاوضہ کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے، کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اى يجازيهم جزاء الهزو (راغب) مثل قول نسوا الله فنسيهم اى جازاهم جزاء النسيان (ابن قتیبہ) جزاء الاستهزاء باسمه كما جزاء السيئة سيئة (بیضاوی) ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذات باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔ "تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادے گا"۔ (زبور ۵۹:۸) "...... میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا"۔ (امثال ۱:۲۶) ف۴۳ (اپنے قانون تکوینی کے مطابق) خالق کائنات نے بندوں کو جو آزادی وہ اختیار دے رکھا ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی، یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی کے قانون تکوینی کے مطابق ہیں ف۴۴ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے "استہزاء" کی۔ عمه اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے، اور وہ ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ هو التردد في الضلال والتحير في منازعة (تاج) العمى في العين و العمه في القلب (قرطبی) وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود ناقص "عقل" کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے "نظریئے" قائم کرتا

ہے۔ "اصول" و "کلیات" بناتا ہے۔ ہر طرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی نہیں سجھائی دیتا ہے۔ شک، ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے ف۴۵ ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے ہدایت و ایمان جیسی جنس بے بہا قیمت میں دے کر خریدی بھی تو کیسی نکمی اور بے حقیقت چیز، گمراہی و کفر! اشْتَرَوُا۔ اشتروا یا خریداری کے معنی کسی چیز کا معاوضہ میں لینا۔ ایمان کا قبول کر لینا ان منافقین کے بالکل اختیار کے اندر تھا۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے روش کفر اختیار کر لی۔ اہل عرب ہر استبدال کے موقع پر اشتراء بولتے ہیں۔ اختاروا الکفر علی الایمان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای استبدلوا الکفر بالایمان (معالم) و العرب تستعمل ذلک کل من استبدل شیئاً بشیء (قرطبی) و یجوز الشراء والاشتراء فی کل ما یحصل به شیء (راغب) بِالْهُدٰى میں ب کے معنی ہیں بعوض۔ ای بدلاً منه (ابو سعود) عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان و ادب کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ جیسا کہ آج کل انگریزوں کا کاروبار خوب پھیلا ہوا ہے، اور کاروباری اصطلاحیں انگریزی زبان و ادب کا جزو بن چکی ہیں ف۴۶ (اور ہوتے بھی کیسے، جب کہ اپنی قوت ارادہ و فیصلہ سے صحیح کام نہ لے کر خود گمراہی خرید رہے تھے) تجارت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے۔ یہاں منافق کافروں نے نفع کا کیا ذکر عقل سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو الٹا برباد کر ڈالا (کبیر) ربح بھی تجارتی اصطلاح ہے، اردو کے لفظ منافع کے معنی ہیں ف۴۷ (محرومی و خسران کے لحاظ سے) الَّذِیْ لفظاً واحد ہے۔ لیکن یہاں معنی بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ یقع للواحد والجمع (قرطبی) وضع الذی موضع الذین (کشاف) عربی میں متعدد نظائر اس طریق استعمال کے کہ لفظاً واحد لا کر مراد جمع لی گئی ہے، خود قرآن مجید ہی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا۔ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ وغیرھا مَثَل کے مفہوم میں ایک پہلو ندرت و غرابت کا بھی شامل رہتا ہے۔ یعنی ایسا حال جو عجیب و غریب ہو۔ ولم یضربوا مثلاً الا قولا فیه غرابة من بعض الوجوہ (کشاف) ف۴۸ یعنی مسائل و حقائق خوب واضح و روشن ہو گئے ف۴۹ (اور طرح طرح سے ٹھوکریں کھا رہے ہیں) مطلب صرف اس قدر ہے کہ منافقین کا اندرونی نور بصارت سلب ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں طلب حق مطلق نہ تھی۔ اور قانون اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمامتر انکار و بغاوت کی اختیار کیے ہوئے تھے۔ لیکن ادنیٰ و حقیر مصلحت کوشیوں کی بنا پر زبان سے اظہار اسلام کیے جاتے تھے۔ یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہو گئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا، تو بجائے اس کے کہ اس سے مستفید ہوتے، منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسۂ بصارت کو ضائع کر دیا۔ اور اس روشنی سے محروم ہو گئے۔ سلب بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوت حق کو قبول و توجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں، تو مشیت الٰہی نے بحیثیت علۃ العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہی مرتب کر دیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں ف۵۰ یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں، اور کلمۂ حق و ایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبان گنگ ہے۔ اور دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ف۵۱ (باطل سے حق کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف) عن کفرھم وضلالتھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الی الھدی ولا الی خیر (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۵۲ منافقین مدینہ کے بھی دو طبقے تھے۔ ایک تو وہ تھے جن کے دلوں میں سرتاپا کفر تھا۔ ایمان کا گزر ہی نہ تھا۔ اس طبقہ کے منافقین کی مثال ابھی اوپر گزر چکی ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔ دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو یکسر منکر نہ تھے بلکہ آج کل کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین و مذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی اقتدار و فتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے۔ اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتے، تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ آیت میں مثال اس طبقہ کے منافقین کی بیان ہو رہی ہے۔ ھذا مثل اٰخر ضربه اللہ تعالٰی لضرب اٰخر من المنٰفقین و ھم قوم یظھر لھم الحق تارۃً و یشکون تارۃً اخرٰی (ابن کثیر) ھذا ھو المثل الثانی للمنافقین (کبیر) صَيِّبٍ اس باران رحمت سے اشارہ ہے طلوع اسلام کی جانب۔ المراد من الصیب ھو الایمان والقراٰن (کبیر) السَّمَآءِ۔ یہاں کثرت سے اس کے معنی بادل یا سحاب کے نقل ہوئے ہیں۔ ای من السحاب (معالم) قیل المراد بالسماء السحاب (بیضاوی) سماء کے خود لفظی معنی میں بھی اس مفہوم کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ہر چیز جو انسان سے اوپر کی طرف ہو لغت میں سماء ہی ہے۔ السماء کل ما علاک فاظلک (قرطبی) اذٰی کو بعض نے یہاں ہول کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے نو کے معنی میں (کبیر) ف۵۳ اشارہ ہے ان شدائد کی طرف جو آغاز اسلام میں امت کو برداشت کرنے پڑتے تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہوں جو اظہار اسلام کے بعد بہرحال منافقین پر بھی عائد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً ادائے نماز، فریضۂ جہاد، ترک امارت قدیم، اطاعت رسول وغیرہا (کبیر) فِيْهِ میں ضمیر کا مرجع صَيِّب بھی ہو سکتا ہے اور السَّمَآء بھی۔ ظُلُمٰتٌ کا تعلق فِيْ صَيِّبٍ سے بھی ہو سکتا ہے اور فِي السَّمَآءِ سے بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ف۵۴ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے والے وہی اندھیروں میں راہ چلنے والے ہیں، یعنی منافقین و مذبذبین۔ مطلب یہ کہ منافقین اپنی بزدلی، پست ہمتی، دون فطرتی کی بنا پر اسلام لانے میں ہر وقت خطرے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ منافقین قرآن مجید کے بیانات اور احکام و مواعید کی تصریحات سننے ہی سے بچنا چاہتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں یہ کلام اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام

تِجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

سود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے ف۴۶ ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے ف۴۷

الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

جنہوں نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا ف۴۸

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ

تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ

لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۱۸

دیکھتے بھالتے نہیں ف۴۹ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں ف۵۰ تو اب وہ واپس نہ ہوں گے ف۵۱

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ

یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو ف۵۲ اس میں اندھیرے ہیں اور گرج

وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

اور بجلی ف۵۳ وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں میں انگلیاں،

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹

کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے ف۵۴ حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ف۵۵

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے ف۵۶ وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ

یہ چلتے ہیں، اور جہاں ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں ف۵۷ اللہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ

چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا ف۵۸ بیشک

لاتے ہی نہ بن پڑے۔ مِنَ الصَّوَاعِقِ ای من بیان القرآن ووعدہ ووعیدہ (ابن عباس ؓ) حَذَرَ الْمَوْتِ ای مخافۃ میل القلب الیہ (ابن عباس ؓ) **و۵۵** (اپنے علم سے، قدرت سے، ہر لحاظ سے) سو کافر اس کی گرفت سے بچ کر جا کہاں سکتے ہیں اور اس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے۔ جیسے محیط سے وہ چیز نہیں بچ سکتی جو اس کے احاطہ میں ہو۔ ای عالم بھم و جامعھم فی النار (ابن عباس ؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر محض علم ہی کے لحاظ سے محیط نہیں بلکہ ذاتاً بھی محیط ہے، بلاکسی کیفیت کے۔ اور عارف رومی نے کہا ہے۔ اتصالے بے تکیف بے قیاس + ہست رب الناس را با جان ناس **و۵۶** (اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں) تشبیہ مرکب کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی قوت و شدت کا، کہ یہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لیے اور انہیں مرعوب کرنے کے لیے کافی ہے۔ وھذا لمثیل لشدۃ الامر علی المنافقین (کشاف) **و۵۷** یعنی جب اسلام کی مادی فتح مندیاں اور کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان منافقین و مذبذبین کے قدم گویا اضطراراً اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ طلب حق تو ان کے دل میں ہوتی ہی نہیں، البتہ مرعوبیت کچھ دیر کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن جب اہل ایمان کو ابتلاء پیش آنے لگتے ہیں تو یہ منافقین و مذبذبین انکار اور بے یقینی کے مقام پر پھر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ كلما اصاب المنافقين من عز الاسلام اطمانوا اليه (ابن کثیر۔ عن ابن عباس ؓ) وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ واذا اصاب الاسلام نكبة قاموا ليرجعوا الى الكفر (ابن کثیر۔ عن ابن عباس ؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ ایسا ہی حال اس سالک کا ہے جو حالت بسط میں طاعات میں لگا رہتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے **و۵۸** (جیسا معاملہ کہ بعض اگلی قوموں کے ساتھ پیش بھی آ چکا ہے) توریت میں ہے:۔ ”جب وہ اس کی طرف کو اترے تو الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان لوگوں کو اندھا کر دیجئے۔ سو اس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا ان کو اندھا کر دیا“ (۲۔ سلاطین۔ ۶:۱۸) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مشیت الٰہی اگر یہی ہوتی، قانون تکوینی اگر اب بھی یہی ہوتا۔ اس سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ مؤثر حقیقی صرف ارادۂ الٰہی ہے۔ اور اسباب ظاہری میں تاثیر جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے، مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بذات خود موجود نہیں ہے۔ والتنبيه على ان تاثير الاسباب فى مسبباتها مشروط بمشيئة الله تعالى (بیضاوی) **و۵۹** (چنانچہ اس پر قادر ہے، اور اب بھی یہی کر سکتا ہے) قَدِيْرٌ صیغۂ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ۔ اسلام کا خدا قادر مطلق ہے، ہمہ تواں ہے۔ مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القویٰ نہیں **و۶۰** قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ خطاب لجميع من يعقل (بحر) یہ طرز خطاب خود ایک دلیل ہے تخاطب کے عام ہونے پر۔ پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے اعتقاد بیان ہو چکی ہے۔ یعنی مومن، کافر، منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے **و۶۱** قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس کا عنوان اول ہے مسئلہ توحید، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی **و۶۲** (تن تنہا، بلاکسی کی شرکت و اعانت کے) اصل تخلیق خاص خدائی عمل ہے۔ ہمسر و مساوی ہونا تو خیر الگ رہا، ماتحت و معاون کی بھی حیثیت سے کوئی شریک تخلیق نہیں۔ پھر خَلَقَكُمْ سے اس پر بھی زور دینا مقصود ہے کہ کائنات ”خلق“ ہوئی ہے، نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود تھا۔ اللہ نے اس کی صورت میں کوئی خاص صفت و ترتیب پیدا کر دی۔ بہت سے باطل مذہبوں کا رد اسی سے نکل آیا **و۶۳** (پس الوہیت و معبودیت کا سزاوار وہی ایک خالق بے ہمتا ہے) اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب قسم مخلوقات پر حاوی ہے۔ ”تم کو“ (یعنی موجودین بصیغۂ حال) اور ”تم سے قبل والوں کو“ (یعنی موجودین بصیغۂ ماضی) یہ دو لفظ لا کر قرآن مجید نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید کا درس ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٠ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے **و۵۹** اے انسانو! **و۶۰**

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

عبادت (اختیار) کرو اپنے پروردگار کی **و۶۱** جس نے تمہیں پیدا کیا **و۶۲** اور تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝٢١ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

قبل والوں کو (بھی) **و۶۳** عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ **و۶۴** (وہ) وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے

الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ

زمین کو ایک فرش اور آسمان کو ایک چھت بنا دیا ہے **و۶۵** اور آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

پانی اتارا **و۶۶** پھر تمہارے لئے غذا کو پھل پیدا

لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٢٢

کئے **و۶۷** سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ **و۶۸** اور تم جانتے (بوجھتے) بھی ہو **و۶۹**

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں شک میں ہو **و۷۰** جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے **و۷۱**

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ **و۷۲** اور اپنے حمایتیوں کو بھی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٢٣ فَاِنْ

اللہ کے مقابلے میں بلا لو **و۷۳** اگر تم سچے ہو **و۷۴** اور اگر تم (یہ)

لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ

نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے **و۷۵** تو پھر اس آگ سے ڈرو **و۷۶** جس کا

و۶۴ (کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے) تكونوا من المتقين اللذين رضي الله عنهم ربهم (ابن جریر) لَعَلَّ سے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اس کے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اردو ترجمہ ”تا کہ“ سے بھی جائز ہو گیا ہے۔ هي كلمة رجاء و طمع و شک و قد جاءت فى القرآن بمعنى كي (لسان) ولعل جاءت فى القرآن بمعنى كي (تاج) **و۶۵** آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل روح جَعَلَ لَكُمْ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ہیئت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الخ۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذن الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور الٹا انہیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے! ارض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ وكل ما سفل فهو ارض (تاج) اسی طرح سماء ہر اس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو۔ السماء كل ما علاك (تاج) كل ما علا فاظل قيل له سماء (قرطبی)

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وے۷ (اور) وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے و۸ے

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، و۹ے کہ ان کے لئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۗ كُلَّمَا رُزِقُوْا

(بہشت کے) باغ ہیں کہ ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے و۸۰ انہیں جب کوئی

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے و۸۱ کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس کے)

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۗ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ

قبل مل چکا ہے و۸۲ اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا و۸۳ اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ

ہوں گی و۸۴ اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے و۸۵ اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا و۸۶

اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۗ فَاَمَّا

کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی) و۸۷ سو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ (مثال) یقیناً حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے و۸۸

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ

البتہ جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یہی کہتے رہیں گے و۸۹ کہ اللہ کا اس مثال سے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۗ

مطلب کیا تھا؟ و۹۰ گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے و۹۱ اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے و۹۲

ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے۔ اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف فراشاً یعنی بفروش کا ہے۔ یعنی وہ ایسی چیز ہے جو بچھادی گئی ہے، یا بچھی ہوئی ہے۔ ہمارے لیے فرش ہے یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، لیٹ سکتے ہیں، نہ کہ کوئی ایسی کمزوری یا پلپلی چیز ہے جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، بہرحال وبہرصورت اس کا تعارف انسان وانسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اُس کا یہی وصف بیان کردیا۔ اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے، آسمان اسی طرح ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس ومرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اُونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں، سب اس کے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید یعنی دنیا کے اس اخلاقی اور روحانی نظام نامہ کو کوئی تعلق نہیں۔ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض خلا منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا، جو سلسلۂ الٰہی وخلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی اُس نے کردیا۔ زمین وآسمان کی پوجا ہر مشرک، جاہل، "متمدن" قوم نے کی ہے۔ اور آسمان کو تو بہت بڑا دیوتا یونانیوں سے لے کر ہندیوں تک سب نے مانا ہے۔ قرآن کی اصلی زد انہیں مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر آکر پڑتی ہے و۷۶ (اسی معبود واحد وبرحق اور اسی خالق یکتا و مطلق نے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا نے) مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ آسمان اور بارش سب خدائے واحد ہی کی مخلوق ومصنوع ہیں۔ نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں، نہ کوئی اندر دیوتا اور نہ کوئی Father-Zeus بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے سب گڑھے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے بالکل ختم اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایشیاء، افریقہ، امریکہ تینوں براعظموں کے خدا معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہے۔ لفظ سماء کے معنی اُوپر کے حاشیہ میں ابھی گزر چکا ہے کہ بہت وسیع ہیں۔ اس لیے سماء سے پانی کا اُترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پاکر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں و۷۷ (اسی معبود واحد اور خالق یکتا نے، نہ کہ کسی اور دیوی دیوتا نے) خدا جانے کتنی مشرک قومیں الگ الگ دیوی دیوتا زراعت کے، نباتات کے، پھل پھلاریوں کے مان چکی ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائل طبعیات، فلکیات، جغرافیہ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ اُن عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے، اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمام تر قادر مطلق ہی کی کارفرمائی کا ثمرہ ہے۔ بہ یعنی پانی کے واسطہ یا ذریعہ سے المعنی انه جعل الماء سببا فی خروجها ومادة لها (کشاف) پانی کو جو دخل عظیم ہر قسم کی زرعی پیداوار اور نباتات میں ہے محتاج بیان نہیں و۷۸ (کسی کو کسی حیثیت سے بھی) خلیفۃ اللہ جب بھی اپنے مقام ومرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اُس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے درختوں کے آگے، ان کے پھلوں کے آگے، بارش کے دیوتا کے آگے، زمین کے آگے، آسمان کے آگے۔ قرآن مجید اسی حماقت وسخافت پر اُسے تنبیہ کر رہا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا میں ف سببیہ ہے۔ یعنی جس نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اَنْدَادًا۔ ند عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی، اور مخالف ومد مقابل کو بھی۔ الند المثل والنظیر وقال الاخفش الند الضد والشبه (تاج) چنانچہ انداد کے معنی اضداد اور اشباہ دونوں کیے گئے ہیں۔ (تاج) لفظ کی جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں کا مروج رہا ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک خدائے اصغر یا ماتحت خدا تسلیم کیا ہے، اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کے حریف ومد مقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے و۷۹ (اپنے الہام فطری اور عام فہم بشری کی بنا پر، کہ سب کا حاکم، سب کا خالق، بس وہی ایک ہے) اتنی بصیرت، جو توحید تک پہنچادے، ہر قلب بشری میں ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ بشرطیکہ غلط تعلیم وتربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ نہ کر ڈالے۔ وانتم تعلمون انی صانع هذه الاشیاء (ابن عباس رضی اللہ عنہ) انکم لکمال عقولکم تعلمون ان هذه الاشیاء لا یصح جعلها اندادا لله تعالی (کبیر) و۸۰ (یعنی اس کے کلام الٰہی ہونے کے باب میں اے کافرو اور منکرو!) خطاب یہاں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے، صرف اہل عرب یا قریش سے نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کلام الٰہی نہیں، تو یقیناً ایک انسانی تصنیف ہوگی۔ اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دوسرا بھی ہوسکتا ہے، چہ جائیکہ لائق وفائق انسانوں کا ایک پورا مجمع! کلمۂ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحید باری، دوسرے رسالت محمدی ﷺ۔ توحید کا بیان اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا، اب دعوت تصدیق رسالت کی دی جارہی ہے و۸۱ (جن کا نام محمد ﷺ ہے) سیاق وموقع ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاص قرب واختصاص کے اظہار کا ہے۔ نیز آیت میں ایک نہایت پرزور اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس انتہائی زور اور اہمیت کے موقع پر بھی جو سردار انبیاء اور سردار رسل تھے، وہ قرآن کی زبان میں محض ایک "عبد"، بندہ یاد کیے جا رہے ہیں!۔۔۔ نہ خدا کے بیٹے اور اکلوتے بیٹے، نہ خدا کے شکل، نہ خدا کے بروز یا اوتار، نہ خدا کے وزیر یا مشیر، بلکہ محض عبد! محض بندے! توریت میں "خداوند کے خادموں" کا لقب ایسے ہی اعزاز واکرام کے موقع پر آیا ہے، اور ابراہیم نبی، اسحٰق نبی اور یعقوب علیہم السلام نبی کو خداوند کا خادم ہی ٹھہرایا ہے۔ نَزَّلْنَا یعنی جس کلام کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے بہ تدریج حسب ضرورت ومصلحت اُتارا ہے۔ شک وتردد کا ایک بڑا

سبب بھی نزولِ تدریجی تھا۔ منکرین کہتے تھے کہ جس طرح اور شاعر سوچ سوچ کر شعر کہتے ہیں، یہ "رسول ﷺ" بھی وقفوں کے ساتھ اسے گڑھتے رہتے ہیں۔ خدائی کلام ہوتا تو ایک بارگی سب کا سب اُتر آجاتا (مظہری) عَبْدِنَا سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آپ عبدیت میں کامل اور احکامِ الٰہی کے پورے پورے مطیع و فرمانبردار تھے (مظہری) ف۷۲ (معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت، مضامین کی ندرت کے لحاظ سے) قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسنِ انشاء کے لحاظ سے بھی یقیناً بے نظیر ہے، جیسا کہ عرب کے بڑے بڑے ماہرینِ ادب تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں جو تحدی کی جا رہی ہے اس کا مخاطب یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کے ماتحت سارا عالم ہے، صرف قریش یا اہلِ عرب نہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو یہاں صرف انشاء و فصاحت تک محدود رکھنا اُس کے عام و عالمگیر چیلنج کو محدود کر دیتا ہے۔ قرآن نے اپنی حقیقت خود یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کتاب ہدایت ہے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ، مکمل، ہمہ گیر و ہمہ جہتی دستور العمل۔ اس کے علاوہ اُس کی اور حیثیتیں ہیں، جتنی بھی ہیں۔ وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کر رہا ہے، اور پکار کے کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کر سکتے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ میں مثلیت کی تفسیر پر بہترین روشنی خود قرآن مجید ہی سے پڑتی ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (قصص۔ آیت ۴۹) ھُوَ اَھْدٰی کے ایجاز میں سب کچھ آگیا۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کثرت سے مثله في البلاغة اور حسنِ نظم کے منقول ہوئے ہیں۔ لیکن اعجاز من جہۃ المعنی کا پہلو بھی اہلِ تحقیق سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ یعنی مثل هذا القرآن حقا و صادقا لا باطل فيه ولا كذب (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں متعدد پہلو اختیار کیے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں مِنْ بعض نے کہا ہے تبعیض کے لیے ہے، بعض نے کہا ہے تبیین کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے۔ من للتبعيض او للتبيين و زائدة عند الاخفش (بیضاوی) بِسُوْرَةٍ۔ یعنی پورا قرآن نہ سہی، اس کا نصف یا ثلث بھی نہیں۔ اس کی کسی ایک سورۃ ہی کے برابر تم تصنیف کر دیکھو! لفظ سورۃ پر حاشیہ شروع میں گزر چکا ہے۔ ف۷۳ شُھَدَآءَکُمْ میں شُھَدَآءَ سے عموماً مراد حامیوں اور ناصروں سے لی گئی ہے۔ يعني اعوانكم ما انتم عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) معناه اعوانكم و نصراءكم (قرطبی) المراد من الشهداء اكابرهم او من يوافقهم في انكار امر محمد عليه السلام (کبیر) لیکن اگر شُھَدَآءَ کے وہی لفظی معنی گواہ کے رکھے جائیں جب بھی مراد یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو بھی بلا دیکھو، جو تمہارے اس دعویٰ کی کہ تم نے کسی قرآنی سورت کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کر دیں۔ اي قوم يشهدون لكم (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۷۴ (اپنے اس زعم و گمان میں کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے) قرآن کا سیدھا سادہ دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے۔ اور اپنے اس دعویٰ پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کر دی ہے کہ اگر کوئی اسے امکانِ بشری کے اندر سمجھتا ہے، تو ذرا اس کا ادنیٰ اور ہلکا نمونہ بھی سب کی متحدہ کوشش سے پیش کر دکھائے! قرآن کے چیلنج کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اوپر ہی ہو چکے ہیں۔ اور دنیا کے کتب خانے اس کتاب سازی کے عہد میں، قرآن کے برابر کیا معنی تقریباً برابر کتاب سے بھی یکسر خالی ہیں! ف۷۵ (قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے، اور وہ بھی ایک اُمّی کی زبان سے! اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہو گا، اور آج بھی آ رہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی "isms" ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام، اور شرمناک حد تک ناکام! ف۷۶ یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہوگی، وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کے عذابِ آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیاہ ۳۳: ۱۴ نیز ۶۶: ۲۴۔ انجیل کی تعلیم تمامتر رافت و حلم و عفو و درگزر کی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آگ کے جہنم کا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو متی ۱۸: ۹۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا جوابِ شرط ہے۔ اور فَاتَّقُوا نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو تو اب انکارِ حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذابِ آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے ف۷۷ جہنم کی اصل غذا تو خود اہلِ کفر و شرک ہوں گے۔ سزا انہیں کو ملے

گی۔ لیکن اس سزا میں اشد اور کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی مورتیوں، ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائے گا۔ اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو، اب اپنے انہیں معبودوں سے کام لو، جنہیں دنیا میں پوجتے رہے تھے۔ شرک اور مورتی پوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع، بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے۔ کلدانیہ، مصر، عرب، یونان، روما سب بت پرست رہ چکے ہیں، اور ہندوستان کی بت پرستی تو مشہور ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ والمراد بها حجارة الاصنام والانداد التي كانت تعبد من دون الله (ابن کثیر) اراد بها الاصنام (معالم) جدید جاہلی متمدن و مہذب قوموں کا ذوقِ سنگ تراشی و مجسمہ سازی بھی بت پرستی سے کچھ بہت زیادہ دور نہیں ف۷۸ یہیں سے اہلِ سنت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ نہ کہ محض اہلِ فسق و عصیان کی۔ عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لیے اس میں داخل کر دیے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے ف۷۹ (اے ہمارے پیغمبر!) بَشِّرْ۔ گویا مومنین صالحین اس کے مستحق ہیں کہ مخاطب انہیں مبارکباد پہنچائے۔ اور اس میں ان لوگوں کی تکریم زائد ہے بمقابلہ اس کے کہ انہیں براہ راست خود ہی بشارت دے دی جاتی۔ اٰمَنُوْا۔ یعنی توحید و رسالت پر ایمان لے آئے۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی عمل مطابق شریعت اسلام کیے۔ نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکا ہوا ہے، اور یہ مغالطہ آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ سمجھا یہ جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ کوئی شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو، لیکن ایمان سے یکلخت محروم ہے -- حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے۔ اگر قولی و لسانی ہے تو اسلام ہے۔ اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حسنِ عمل، حسنِ کردار یا عملِ صالح پڑ جاتا ہے۔ اور حسنِ عمل کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جس کی تہ میں جذبۂ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے۔ نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقل محض، نماز نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق نیکی کا نہیں ہو سکتا۔ عملِ نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ ایمان و اعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اعمال ایمان کے علاوہ ہیں ف۸۰ یہ عالمِ آخرت کے انعام کا بیان ہے۔ جنت کے انعامات اس قسم کے جتنے بھی بیان کیے گئے ہیں، سب عمومی اور اکثری کے حکم میں داخل ہیں۔ حصر اور کلیہ کی صورت میں نہیں۔ چنانچہ عموماً چونکہ انسان کو لطف دریا اور باغ میں ملتا ہے، اس لیے اُس کے لیے یہ سامان آخرت میں موجود ہوگا۔ لیکن بالفرض کوئی شخص ایسا ہے جسے بجائے سبزہ و گلزار کے دشت و ریگستان پسند ہے تو جنت میں یہ سامان مہیا ہوتے بھی دیر نہ لگے گی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ بشارتِ جنت کے استحقاق کے پورے سبب ایمان اور عمل دونوں وصف ہیں۔ ف۸۱ (فرطِ مسرت و انبساط سے) ف۸۲ (دنیا میں یا جنت میں) یعنی جنتیوں کو جب کوئی پھل پھلاری کھانے میں آئے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی تازہ ہو جائے گا اور اس کی شکل دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یہ قبل والے پھل دنیا کے باغوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور جنت کے باغوں کے بھی۔ اہلِ تفسیر سے دونوں منقول ہیں۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے، یعنی اہلِ جنت میں شوق آفرینی و رغبت افزائی۔ يعني في الدنيا و قيل يعني في الجنة (قرطبی) فيها وجهان۔ الاول انه من ارزاق الدنيا والثاني ان المشبه به رزق الجنة ايضا (کبیر) اي من قبل هذا في الدنيا جعل ثمر الجنة من جنس ثمر الدنيا لتميل النفس اليه او في الجنة لان طعامها متشابه في الصورة كما حكي ابن كثير عن الحسن (بیضاوی) ف۸۳ یعنی یہ تشابہ محض اہلِ جنت کے خیال کے مطابق نہ ہوگا۔ واقعہ اور نفس الامر بھی یہی ہے۔ یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا کہ دنیا کے پھل پھلاریوں سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے۔ لیکن اگر دنیا ہی کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی۔ ورنہ اصل لذت، ذائقہ، خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں آسمان و زمین کی نسبت ہے۔ چنانچہ محققین نے کہہ دیا ہے کہ دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہو گا۔ ليس في الدنيا مما في الجنة الا الاسماء (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) بعض اہلِ لطائف و اسرار نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی دنیا کے اعمالِ حسنہ جنت میں طرح طرح کی نعمتوں کی شکل و تمثّل اختیار کر لیں گے اور اہلِ جنت کو اپنے حسناتِ دنیوی اور ان کے ثمرات

اُخروی کے درمیان ایک خاص تشابہ وتناسب محسوس ہوگا۔ ف۸۴ مُطَھَّرَۃٌ۔ پاک صاف ہر طرح اور ہر اعتبار سے، جسم کی، رُوح کی، ہر ممکن گندگی اور آلودگی سے ستھری، پاکیزہ مطھرۃ من القذر والاذی (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل مطھرۃ من مساوی الاخلاق (معالم) فالمراد طھارۃ ابدانھن و طھارۃ ازواجھن من جمیع الخصال الذمیمۃ (کبیر) بعض "روشن خیالوں" کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا۔ اور اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ کی تفسیر عجب طرح توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں، ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت اور راحت کے موقع پر، بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا کوئی بڑی ہی شرم وغیرت کی بات ہے! جنت کے نفس وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے، جب تو خیر بات ہی اور ہے۔ ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا۔۔۔ یہ پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت، اور مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی "مسیحیت" سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب دنیا میں اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہے تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہو جائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا یا ان سے شرمانا، تمامتر جاہل مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی اور معنوی، مادی اور رُوحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی خشک لذت جس میں کوئی شائبہ نہ لامسہ کا ہو نہ باصرہ کا نہ ذائقہ کا نہ سامعہ کا، اور صرف اسی پر قانع رہنا کمال نہیں نقص ہے ہنر نہیں عیب ہے۔ اور معلوم ہے کہ نقص وعیب جنت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ف۸۵ سب سے بڑی اور آخری بات جنت کے سلسلہ میں یہ فرما دی گئی کہ اس کی لذتیں اور مسرتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور داخلہ جنت کے بعد زوالِ عیش کا امکان ہی نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی، لیکن فانی اور عارضی نعمتیں اس کے سامنے تصور میں بھی لائی جا سکتی ہیں؟ خٰلِدُوْنَ۔ خلود کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں، جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ پیدا ہو۔ الخلود ھو تبری الشیٔ من اعتراض الفساد و بقاءہ علی الحالۃ التی ھو علیھا (راغب) فلا اخرلہ ولا انقضاء بل فی نعیم سرمدی ابدی علی الدوام (ابن کثیر) ف۸۶ (جیسا کہ بعض کج فہم اور معاند معترضین کے خیال میں شرمانا چاہیے) قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع اور محل پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا۔ اور دوسری طرف چیونٹی مکھی اور مچھر کا۔ اسی تذکرہ پر بعض نافہموں نے کہنا شروع کیا کہ دعویٰ تو کلام الٰہی ہونے کا، اور مضامین اس کے اندر ایسے حقیر! یہ نافہم اور کم عقل معترضین بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود تھے، بعض میں کہ مشرکین تھے، بعض میں کہ منافقین۔ عجب نہیں کہ تینوں ہوں۔ نزلت فی الیھود (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) نزلت فی المنفقین (روح۔ عن مجاہد) والقول الثالث ان ھذا الطعن کان من المشرکین قال القفال الکل محتمل ھھنا (کبیر) ف۸۷ (کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لیے) مثال کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے۔ اب یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے، اسی کو بہترین کہا جائے گا، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے، بجائے خود کیسی ہی ہو۔ مچھر بظاہر ایک بہت حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنا ہوگی وہاں موزوں مثال ظاہر ہے کہ مچھر ہی کی ہوگی۔ پھر اس پر اعتراض کرنا کیسی سفاہت کی دلیل تھی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ بات بھی خوب لکھی ہے کہ صانع عالم اور خلاق علیم کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی درحقیقت حقیر و بے حقیقت نہیں۔ بلکہ جو چیز بظاہر جتنی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوگی، اسی قدر اس کا بیان کمال علم، کمال اطلاع اور کمال حکمت پر اور زیادہ دلالت کرے گا (کبیر) مَثَلًا مَّا۔ مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا، مَا کے اضافہ نے اس کے وصف تنکیر کو اور بڑھا دیا۔ فَمَا فَوْقَھَا۔ یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر ہو اپنے جثہ کے صغر یا ظاہری بے حقیقتی کے اعتبار سے۔ فما فوقھا فی الصغر (راغب) ارادبما فوقھا فی الصغر والمحققون مالوا الی ھذا القول (کبیر) مادونھا فی الصغر و الحقارۃ وھذا قول الکسائی و ابی عبید قالہ الرازی و اکثر المحققین (ابن کثیر) ای فما تجاوزھا وزاد علیھا فی المعنی الذی ضربت فیہ مثلاً وھو القلۃ والحقارۃ (کشاف) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثال لانے میں حیاء عرفی کی پروا نہیں کرتے ف۸۸ (اور اپنے مقصود و غایت اور توضیح مراد میں بالکل کافی ووافی) اَنَّہُ میں ضمیر مَثَل کی طرف راجع ہے۔ ھذا المثل (ابن کثیر۔ عن ابی العالیہ) المثل ھو (معالم) دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر خود قرآن کی طرف راجع ہے۔ ای یعلمون انہ کلام الرحمن وانہ من عند اللہ (ابن کثیر۔ عن قتادہ) اَمَّا۔ صرف اَمَّا آغاز کلام میں لے آنے سے فقرہ میں قوت اور زور کی زیادتی ہوگئی ہے۔ تو کید ما صدر بہ (ابو سعود) یو کد ما بہ صدر (بیضاوی) ف۸۹ (استفساراً نہیں، طنز وتعریض کی راہ سے) ف۹۰ یعنی وہ اسی میں الجھے رہیں گے کہ ایسی مثالوں سے حاصل کچھ بھی نہیں۔ ھذا کے لفظ میں ایک پہلو تحقیر واہانت کا ہے۔ و فی قولھم مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا استحقار (کبیر) و فی ھذا استحقار و استرذال (بیضاوی) اُردو روزمرہ کے مطابق ھٰذَا مَثَلًا کا ترجمہ ہوگا " ایسی ایسی مثال سے "۔ ف۹۱ (اور اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) اللہ کو خالق شر ماننے میں دُنیا کے مذہبوں کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں۔ چنانچہ انہیں سے بچنے کے لیے ایک دوسرا خالق شر بھی فرض

وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بے حکمی کرنے والوں کے ف۹۲ جو اللہ سے اپنے

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ

معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں ف۹۳ اور جس چیز کو

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اسے کاٹتے ہیں ف۹۵ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ف۹۶

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

تو بس یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے ف۹۷ تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے ف۹۸

وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

درآنحالیکہ تم بے جان تھے ف۹۹ سو اس نے تمہیں جاندار کیا ف۱۰۰ پھر وہی تمہیں موت دے گا ف۱۰۱

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي

پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا ف۱۰۲ پھر اسی کی طرف تم واپس کئے جاؤ گے ف۱۰۳ وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب ف۱۰۴ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی ف۱۰۵ اور انہیں سات

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَ اِذْ قَالَ

آسمان درست کر کے بنا دیے ف۱۰۶ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ف۱۰۷ اور (وہ وقت یاد کرو) ف۱۰۸ جب

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا ف۱۰۹ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں ف۱۱۰

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ

وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون

ع ۳

کرلیا گیا ہے۔ لیکن اس دشواری کی اصل یہ ہے کہ خیر کی طرح شر کا بھی کوئی وجود فرض کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ شر تو اشیائے کائنات کے، موجودات عالم کے، اور اپنے قویٰ کے صرف غلط و ناجائز طریق استعمال کا نام ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے مختلف راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی، اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے اسی ارادہ و اختیار سے غلط کام لے کر غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تو اسی کو شر میں مبتلا ہوجانا کہتے ہیں۔ اللہ علاوہ احکم الحاکمین ہونے، مالک الملک ہونے، آخری اور اصلی قانون ساز ہونے کے تکوینی حیثیت سے ہر شے کا آخری مسبب الاسباب بھی تو ہے۔ وہ بدی کا خالق صرف اسی معنی میں ہے، جس معنی میں زہر کا، زہریلے جانوروں کا، خونخوار درندوں کا۔ یُضِلُّ بِهٖ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے، تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہ نہیں کرتا کہ سامان تو اکٹھے ہوجائیں، اور نتیجہ نہ برآمد ہونے دے۔ بِهٖ یعنی اس سے اور اسی طرح دوسری قرآنی تمثیلات سے۔ ضمیر کا مرجع مَثَلًا ہے۔ كَثِيْرًا۔ بہتوں کو، یہ "بہت" وہی ہیں جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس لیے اپنے ارادہ سے کفر و ضلالت اختیار کیے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا کو ان کے کفر میں ذرا بھی دخل نہیں **ف۹۲** (اللہ اپنے اسی قانون تکوینی کے مطابق) بِهٖ۔ ضمیر کا مرجع یہاں بھی مَثَلًا ہے۔ كَثِيْرًا۔ بہتوں کو، یہ "بہت" وہ ہیں جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں۔ مومنین مہتدین کا شمار گو کافرین مضلین کے مقابلہ میں کمتر ہو، پھر بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور اسی لیے کثیر کا لفظ اس کے لیے بھی آیا ہے **ف۹۳** آیت نے خود اس مضمون کو صاف کردیا کہ گمراہی تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ہرگز چپک نہیں دیتا۔ بار بار کی ارادی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہ جاتا ہے، اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہوجاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہوتا ہے۔ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرۂ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ الفسق العصیان والترک لامر اللّٰه عزوجلّ والخروج عن طریق الحق (لسان) المنافق و الکافر سُمّيَا فاسقین لخروجهما عن طاعة ربهما (ابن جریر) ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فیروزآبادی کا قول ہے لیس فی کلامهم ولا شعرهم فاسق علی انه عربی (قاموس) اور ابن الاعرابی نے کہا ہے لم یسمع فی کلام الجاهلیة ولا فی شعرهم فاسق هذا عجب و هو کلام عربی (لسان) فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلام عرب میں نہیں ملتا۔ لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب۔ عن ابن الاعرابی) اس اصطلاحی معنی میں، جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔ لا یعرف اطلاقها علی هذا المعنی قبل الاسلام (تاج) آج انگریزی زبان بھی باوجود اپنی وسعت کے حلت، حرمت، طہارت، تقویٰ کے مفہوم کے بہت سے الفاظ سے محروم ہے۔ ایسے ہی حدیث رابیان دیگر است **ف۹۴** عَهْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معاہدۂ طاعت کو۔ عہد ایمان کو، توحید کے حاسۂ فطری کو۔ اقرار توحید ربوبیت تو ایسا سیدھا سادہ صاف مسئلہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت سلیم اس عقیدہ پر گواہ ہے۔ نافرمان و فاسق خود اپنی اس فطرت سلیم سے، اقرار فطری سے بغاوت کرتا رہتا ہے۔ اور اس لیے یہاں فاسقین کے تحت میں ہر قسم کے اہل کفر آگئے۔ عنی بهذه الآیة جمیع اهل الکفر والشرک والنفاق وعهده الی جمیعهم فی توحیده ما وضع لهم من الادلة الدالة علی ربوبیته (ابن کثیر) مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ اس عہد فطرت کی توثیق ہر دور اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے۔ والمراد به ما وثق اللّٰه به عهده من الآیات والکتب (بیضاوی) **ف۹۵** آیت کے وسعت مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں۔ یعنی وہ سارے فرائض جو ہر انسان پر خالق و مخلوق دونوں سے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ ان یوصل من الایمان والارحام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صلة الارحام والقرابات وقیل المراد اعمّ من ذلک (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معنی یہ بھی کیے ہیں کہ حکم الٰہی مومنین کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کا ہے۔ یہ اہل فسق اسے چھوڑ کر اپنا رشتہ کافروں سے جوڑ لیتے ہیں **ف۹۶** (اپنے عقائد کفریہ باطلہ سے) اس "فساد" کے اندر روحانی، مادی ہر قسم کے مفسدے شامل ہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی چونکہ یہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے اور ایک ہمہ گیر نظام حیات۔ اس لیے اس سے اعراض و انحراف کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ کسی ناقص دستور زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کرلیا گیا ہے اور اس ناقص پروگرام کا لازمی نتیجہ ہے انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال۔ والاظهر ان المراد منه الصد عن طاعة الرسول علیه الصلوٰة والسلام لانّ تمام الصلاح فی الارض بالطاعة (کبیر) یہ عقیدہ تمہیں مشاہدہ ہے کہ آج دنیا اتنی ترقیوں اور علمی کمالات کے باوجود کیسی کیسی مصیبتوں میں بھٹک رہی ہے، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے۔ اور یہ صلاح و فلاح سے محرومی نتیجہ ہے اسلامی زندگی کو گم کردینے کا **ف۹۷** اس نقصان میں خسارۂ عاجل بھی شامل ہے اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہوجاتا ہے۔ اور قوم و افراد قوم طرح طرح کی بداخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔ مغبونون بذهاب الدنیا والاخرة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ف۹۸** (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر و انکار کی جرأت و ہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علی وجه التعجب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فالمراد به التکبیت والتعنیف (کبیر) لفظ کیف کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللّٰه تعالیٰ بلفظة کیف عن نفسه فهو استخبار علی طریق التنبیه للمخاطب او توبیخا (راغب) **ف۹۹** (صلب پدر میں) یعنی ابھی تمہاری تشکیل ہوئی بھی نہ تھی **ف۱۰۰** (رحم مادر میں) نعمتوں میں سب سے مقدم صفت حیات ہے کہ دوسری ساری نعمتوں سے استفادہ اسی کے بعد ممکن ہے۔ اس لیے ذکر میں بھی اسے یہاں سب سے مقدم رکھا **ف۱۰۱** (اس دنیوی مدت زندگی کے خاتمہ پر) بیان توحید کامل کا ہو رہا ہے، کہ خلق، احیاء، افنا سب تو تمہیں باری تعالیٰ ہی کی ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ بعض مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ موجد و خالق برہما جی ہیں، اور قائم و باقی رکھنے والے وشنو جی، اور موت و ہلاکت لانے والے شیو جی **ف۱۰۲** (حشر میں) حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے، بغیر اس کے اس محدود، مختصر زندگی میں نظام عدل کا قیام ممکن ہی نہیں **ف۱۰۳** (حساب و کتاب کے لیے) انسان کو جزا و سزا اعمال کی جوابدہی کے لیے براہ راست اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس میں رد آگیا مسیحی مشرکوں کے اس عقیدہ کا کہ حشر میں پیشی مسیح کے حضور میں ہوگی **ف۱۰۴** خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بناؤ۔ آیت ہر قسم کے شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ اس فرش زمین پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لیے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لیے ہو۔ اور مشرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے، کہ اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَ اِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ (دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم پیدا کیے گئے ہو آخرت کے لیے) اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونا چاہیے۔ سب کچھ اس کے لیے ہو اور وہ خود خدا کے لیے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب وہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف و احترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔۔ڈارون کے "ترقی یافتہ بندر" غریب کو اس رتبہ و مقام سے کیا واسطہ! لکم۔ ای لاجلکم ولا نتفاعکم به فی دنیاکم و دینکم (کشاف) هو یدل علی ان المذکور بعد قوله خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر) جَمِيْعًا۔ اس "سب" میں گنگا مائی بھی شامل ہیں اور ناگ پربت بھی، گئو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی۔ حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنی اور ننگ انسانیت ہیں **ف۱۰۵** سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے۔ یستعمل للواحد والجمع (راغب) یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں لفظاً واحد ہے، لیکن معنیٰ جمع ہے کہ جنس سماء کے معنی میں ہے فانها فی معنی الجنس (ابوسعود) بہرصورت ضمیر جمع هُنَّ سے کوئی خلجان نہ ہونا چاہیے۔ سماء کی وسعت مفہوم پر حاشیہ

پہلے گزر چکا ہے (۶۵) یہاں مراد اجرام علوی سے بھی لی گئی ہے اور سمت علوی سے بھی۔ المراد بالسماء هذه الاجرام العلوية او جهات العلوّ (بیضاوی) گویا مفہوم یہ ہوا کہ وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا۔ والمراد بالسماء جهات العلوّ كانّهٗ قيل ثم استوى الى فوق (کشاف) استوی کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں قصد کیا، توجہ کی، التفات کیا۔ چنانچہ یہاں ائمۂ تفسیر عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ عمد الى خلق السماء (ابن عباسؓ) قال بعضهم اقبل عليها وقال بعضهم عمد اليها (ابن جریر) القصد اليها اي بخلقه واختراعه (قرطبی۔ عن سفیان وابن کیسان) اقبل و عمد الى خلق السموٰت (مدارک) ف۱۰۲ آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت وانجیل دونوں کو مسلم ہے۔ ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ "عہد عتیق وعہد جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے وہ سات آسمانوں کا ہے" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) فسوّٰهنّ۔ تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے۔ ضمیر۔ هُنَّ انہا آبو کی طرف راجع ہے۔ خواہ اس کی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اس کو معنی جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنى تسويتهن تعديل خلقهن واخلاؤه من العوج والفطور واتمام خلقهن (کبیر) اس لیے فسوّٰهنّ کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا"۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ قدیم اہل ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے ہیں۔ یعنی کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ، کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اس کے اندر جتنے سماوات ہیں سب کروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں ف۱۰۷ (چنانچہ اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ از راہ بندہ پروری اس نے ان کی ہر ضرورت کے پورا کرنے کا بھی سامان کر دیا) صفت خلق کے بعد صفت علم کا اثبات بھی ضروری تھا۔ جاہلی قوموں نے کثرت سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ان کے معبود تسلیم کر لینے کے باوجود ان کے علم کو ناقص مانا ہے ف۱۰۸ اِذْ ظرف زمان ہے، کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے۔ جس طرح اذا کسی واقعہ مستقبل پر آتا ہے۔ اذ ظرف موضوع لزمان نسبة ماضية وقع فيها نسبة اخرى مثلها (ابو سعود) بعض نے اذکر اس کے محل مقدر مانا ہے۔ هو نصب باضمار اذكر والمعنى اذكر لهم (کبیر) واذكر والفعلي بابيكم (کبیر) ابو عبیدہ نحوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اس کی شد ومد سے تردید اہل لغت وائمۂ تفسیر دونوں نے کی ہے۔ قال ابن اسحٰق هذا اقدام عن ابی عبيدة (لسان) قال الزجاج هذا اجتراء عن ابی عبيدة (ابن کثیر) ردّه ابن جرير قال القرطبی وكذا ردّه جميع المفسرين (ابن کثیر) ف۱۰۹ (آفرینش آدم علیہ السلام کے وقت) سورہ کے رکوع اول میں بیان فطرت انسانی کا تھا کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اس کے پیام کو قبول کرنے والے، سلیم وسلیم فطرت رکھنے والے۔ دوسرے بدفطرت، پیام الٰہی سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام کا لب لباب سنا دیا گیا۔ یعنی توحید ورسالت کی تبلیغ کر دی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس تبلیغ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یعنی یہ پیام ابتداءً نسل انسانی کے بانی ومورث حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا، اور ان سے نسل بہ نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ ملٰئکة۔ جمع ہے ملک کی۔ اور وہ الوک سے ہے۔ جس کے معنی پیامبری یا پیام رسانی کے ہیں۔ الالوك الرسالة و منه الكنى اي ابلغه رسالتي (راغب) من الالوكة و هي الرسالة (روح) ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ اور یہ خالق کے پیامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ایجنٹ یا واسطے ہیں۔ لانهم وسائط بين الله تعالىٰ و بين الناس فهم رسل الله او كالرسل اليهم (بیضاوی) اردو میں انہیں کو فرشتہ کہتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہوتے ہیں۔ وجود خارجی رکھتے ہیں۔ محض صفات الٰہی یا قوائے طبیعی کے مرادف نہیں۔ عادۃً انسان کے لیے غیر مرئی رہتے ہیں۔ حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اجسام لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال مختلفة مسكنها السموٰت وهذا قول اكثر المسلمين (کبیر) ذهب اكثر المسلمين الى انها اجسام لطيفة قادرة على التشكل باشكال مختلفة مستدلين بانّ الرُّسُل كانوا يرونهم كذلك (بیضاوی) ان کی لاانتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے۔ یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے مخلص فرمانبردار خادم ہوتے ہیں۔ مخلوق، محکوم، بندے ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی قسم کی مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان باطل مذہبوں کا جنہوں نے ملائکہ کو خواہ اسی نام کے ساتھ، خواہ انہیں دیوی دیوتا قرار دے کر خالق ومخلوق کے درمیان ایک برزخی درجہ دے رکھا ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں لام تبلیغ کا ہے۔ اللام الجارّة للتبليغ (روح) ف۱۱۰ (عنقریب اپنی حکومت کی تنفیذ کے لیے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف ومرتبہ! اللہ کی مخلوق تو اس وقت تک بھی بے شمار تھی۔ اب ان میں انسان نامی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے! بعض اہل تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے جنات کی بھی اور ملائکہ کی بھی، جنت کی بھی

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫

بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں ف۱۱۱ اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ف۱۱۲ اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کل کے کل ف۱۱۳ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا ف۱۱۴ پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو ف۱۱۵ وہ بولے تو پاک ذات ہے ف۱۱۶ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تو نے ہمیں علم دے دیا ف۱۱۷ بے شک تو ہی ہے بڑا علم والا، ف۱۱۸ حکمت والا ف۱۱۹ (اللہ نے) فرمایا اے آدم، بتلا دو انہیں ان کے نام ف۱۲۰ پھر جب انہوں نے انہیں ان کے نام بتلا دیئے ف۱۲۱ تو فرمایا ف۱۲۲ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں، اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں ف۱۲۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا ف۱۲۴ کہ آدم کے آگے جھکو ف۱۲۵ تو (وہ سب) جھکے مگر ابلیس (نہ جھکا) ف۱۲۶ اس نے انکار کیا اور تکبر میں آ گیا ف۱۲۷

اور عرش کی بھی۔ لیکن اور کسی کے بھی قصہ تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن مجید نے نہیں کیا ہے۔ یہ فخر صرف خلقت آدم علیہ السلام کے حصہ میں آیا۔ اور یہ دلیل ہے آدم علیہ السلام کی افضلیت واشرفیت کی۔ ولم يقل انى خالق عرشا او جنة او ملكا وان قال ذلك تشريفا و تخصيصا لأدم (بحر) خَلِيْفَةً اسے کہتے ہیں جو کسی کی نیابت کرے، خواہ اس لیے کہ وہ موجود نہیں، یا اس لیے کہ فوت ہو چکا، یا اس لیے کہ معذور ہے اور خواہ اس لیے کہ اس سے مستخلف کی تعظیم ظاہر ہو۔ الخلافة النيابة عن الغير اما لغيبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشريف المستخلف (راغب) اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے۔ يخلفني في الحكم بين خلقي و ذلك الخليفة هو ادم و من قام مقامه في طاعة الله والحكم بالعدل بين خلقه (ابن جریر عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خليفة الله في ارضه لاقامة احكامه و تنفيذ قضاياه (معالم) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قوی ملیں گے وہ اس غایت ومقصود یعنی منصب خلافت الٰہی کے متناسب ملیں گے۔ نسل انسانی خود اپنی صلاح وفلاح کے لیے اس کی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطے سے شریعت الٰہی سے استفادہ کرے۔ اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا ہے۔ والمراد به ادم و كذلك كل نبي استخلفهم الله في عمارة الارض و سياسة الناس و تكميل نفوسهم و تنفيذ امره فيهم (بیضاوی) واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان نوع انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت ونیابت الٰہی پر نہیں رکھا ہے۔ اور خیر جاہلی مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت دونوں اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر ذکر اس قدر ہے:۔ "خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا، اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا" (پیدائش ۲:۵۔۷) گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک "جاندار" آدم بھی پیدا ہو گیا۔ اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ "زمین کی کھیتی" کرے! کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان، اور کہاں قرآن مجید کا باوجود شدت اختصار انسان کو مرتبہ خلافت الٰہی پر پہنچا دینے والا، بلند وجامع اعلان! بعض صوفیہ نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوہر خاک کو شرف خلافت اس لیے عطا ہوا کہ کثافت ہی فیضان اتم کے قابل اور تحمل نورانیت کے لائق ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ نور آفتاب کا فیض کامل وذاتی زمین ہی پر ہے بہ سبب اس کے کمال کثافت کے۔ اور پانی اور ہوا اور آگ پر یہ فیضان صرف صفاتی ہے، اس لیے کہ کثافت ان میں کم ہے۔ اور اجرام علویہ تو اس نورانیت کے صرف سایہ وعکس ہی سے مستفیض ہو سکتے ہیں بہ سبب کمال لطافت کے۔ اور آدم علیہ السلام کی ترکیب جسمی چونکہ خاکی عنصر سے ہوئی ہے، اور ان کے اخلاق کی عالم ملکوت سے اور ان کی روح کی عالم امر ونور سے، اس لیے ان میں صلاحیت فیضان بھی غایت کمال کی قرار پائی و<u>۱۱۱</u> اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ فرشتوں کا یہ قول بہ اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا۔ فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ "باغی فرشتوں" کا تخیل تمام تر مسیحی ہے۔ اور عجب نہیں کہ مسیحیوں ہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفور نیاز مندی، اقرار وفاداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ ہمارے محققین نے صراحۃً لکھا ہے۔ ليس على وجه الاعتراض على الله و لا على وجه الحسد لبني ادم كما قد يتوهمه بعض المفسرين (ابن کثیر) و ليس باعتراض على الله تعالى ولا طعن في بني ادم على وجه الغيبة فانهم اعلى من ان تظن بهم ذلك (بیضاوی) ليس المقصود الا الاستفسار عن المرجح لا العجب و التفاخر (روح) على طريقة قول من يجد في خدمة مولاه وهو يامر بها غيره اتستخدم العصاة وانا مجتهد فيها (ابو سعود) بہترین تقریر اس سلسلہ میں وہ ہے جو ہمارے شیخ وقت مفسر تھانوی مدظلہ نے کی ہے۔ وہ ذیل میں بجنسہ نقل ہے:۔ "مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں، اور ان میں کوئی کوئی مفسد وسفاک بھی ہو گا۔ سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے۔ اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے۔ البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان ودل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد وظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔ خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہو گا کوئی نہ ہو گا، اس خدمت کے لیے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بہ طور اعتراض کے نہیں کہا۔ نہ اپنا استحقاق جتلایا، جو ان مقدس خدمتگاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اس کے لیے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے، اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے۔ وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لیے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے۔ جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہو گا۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور حضور کی جان ومال کو دعا دیتے رہتے ہیں۔ کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں۔ کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا۔ اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر روا انکار نہ ہو گا۔ اسی طرح فرشتوں کی عرض ومعروض اظہار نیاز مندی کے واسطے تھی۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرا دی ہوگی کہ بنی آدم میں برے بھلے سب ہی طرح کے ہوں گے"۔ مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا۔ يُفْسِدُ فِيْهَا۔ ضمیر ھا دونوں جگہ ارض (روئے زمین) کے لیے ہے۔ فِيْهَا کی تکرار شدت فساد کے اظہار کے لیے ہے۔ و تكرار الظرف للدلالة على الافراط في الفساد (روح) اَتَجْعَلُ فِيْهَا الخ مطلب یہ ہے کہ یہ جدید مخلوق اور اس کی ذریات آپ کے قوانین کی نافرمانی بھی کرے گی۔ اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ روئے زمین پر مادی ومعنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔ فرشتوں کی یہ ساری عرض ومعروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں، بلکہ نیابت الٰہی وخلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگایا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبیعی تقاضوں کا بھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر شر وفساد بھی ہو گا اور انسانوں میں سے باغی ونافرمان بھی پیدا ہوں گے۔ بِحَمْدِكَ میں ب تسبیح کے ساتھ حمد کے دوام معیت کے اظہار کے لیے ہے۔ الباء لا ستدامة الصحبة والمعية (روح) لَكَ میں ل اظہار تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کے لیے ہے۔ اشعارًا بان ايقاع الفعل لاجل الله تعالى و خالصًا لوجهه سبحانه (روح) تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا بلحاظ اعتقادات کے (روح) وَنَحْنُ میں و حالیہ ہے والواو للحال (کبیر) بما فهموه من الطبيعة البشرية (ابن کثیر) انهم عرفوا خلقته و عرفوا انه مركب من هذه والاخلاط الاربعة (کبیر) والاحتياج الى الحاكم والقاضي انما يكون عند التنازع والتظالم فكان الاخبار عن وجود الخليفة اخبارًا عن وقوع الفساد بطريق الالتزام (کبیر) علموا ذلك من تسميته خليفة لان الخلافة تقتضي الاصلاح و قهر المستخلف عليه وهو يستلزم ان يصدر منه فساد (روح) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، ان کی سرشت وفطرت پر قیاس کر کے فرشتے یہ سمجھے۔ كما فعل بنو الجان فقاسوا الشاهد على الغائب (معالم) توریت میں اس مخلوق کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ کے فرشتوں کو جاہل قوموں نے اگنی دیوتا مان لیا۔ بارش کے فرشتہ کو اندر دیوتا وقس علیٰ ہذا۔ قرآن نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ فرشتوں کی زبان سے کہلا کر ان کی عبدیت محض پر انہیں کی زبان سے، ایک اور مہر لگا دی۔ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید وتقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ و<u>۱۱۲</u> (مصالح کائنات ومخلوقی حاجات کے سلسلہ میں) مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کی کیا خبر کہ عبدیت کے علاوہ نیا کام خلافت الٰہی کا جو اس نئی مخلوق سے لیا جانے والا ہے، اور اس کے لیے جن صلاحیتوں اور جس قسم کی استعداد کی ضرورت ہے، وہ تمہارے اندر کہاں تک موجود ہیں۔ الى اعلم من المصلحة الراجحة في خلق هذا الصنف على المفاسد التي ذكرتموها ما لا تعلمون (ابن کثیر) دیوتا پرستی پر ایک اور ضرب لگی۔ ملائکہ پرستوں کو ان کے جہل پر ایک اور تنبیہ کی گئی، کہ صفات خلق، قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ محض ان مصالح کے علم

کے لحاظ سے بھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت؟ کہاں علم محدود، کہاں علم نامحدود؟ **وسلا** یعنی آدم کو اشیاء کائنات کے اسماء اور آثار وخواص کا علم دے دیا۔ لغۃً یہی سب سے پہلے بشر تھے، اسی لیے ابوالبشر کہلاتے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے، تو غالباً دجلہ وفرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے، جو اب ملک عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں تین صاحبزادوں کا نام آتا ہے۔ ہابیل، قابیل، شیث علیہم السلام۔ توریت ہی کی حسب روایت عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا؟ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لیے آدم کہلائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر۔ خلق ادم من ادیم الارض فسمی ادم (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) قیل سمی بذلک لکونہ جسدہ من ادیم الارض وقیل بسمرۃ فی لونہ (راغب) اسماء۔ اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعے سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔ اسم الشیٔ علامتہ (قاموس) الاسم ما یعرف بہ ذات الشیٔ (راغب) اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کا لحاظ رکھا ہے۔ قال ابن سیدہ الاسم ھو اللفظ الموضوع علی الجوھر او العرض للتمییز ای لیفصل بہ بعضہ عن بعض (تاج) اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہوا، تو اسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی۔ اور ذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوگا۔ علامہ راغب نے اسی لیے اس پر شرح وبسط سے کلام کر کے آخر میں کہا ہے، ان معرفۃ الاسماء لاتحصل الابمعرفۃ المسمّٰی و حصول صورتہ فی الضمیر (کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت اور ذہن میں اس کی تصویر کے ہو نہیں سکتی) اور ایک دوسرے امام لغت نے اس کی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ ھو کلامٌ نفیسٌ (تاج) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شے اور عین شے کے۔ یقال ذات و نفس و عین و اسم بمعنی (قرطبی) یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلومات اشیاء سے لی ہے۔ اور اسما کے ساتھ مسمیات اور ذوات وخواص اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد ان کے آثار وخواص کا علم لیا ہے۔ فالمراد الانواع الثلاثۃ من الکلام و صورۃ المسمیات فی ذواتھا (راغب) علّم ادم مسمیات الاسماء (کشاف) اَلھمہٗ معرفۃ ذوات الاشیاء و خواصھا واسمائھا واصول العلوم و قوانین الصناعات و کیفیۃ الاتھا (بیضاوی) عَلّمہٗ صفات الاشیاء و نعوتھا و خواصھا (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے کہا کہ مراد اسماء سے اسماء الٰہی ہیں۔ انہیں کا علم اجمالی کامل آپ کو دیا گیا تھا، اور ہر اسم وصفت کے ساتھ ایک مناسبت ہمہ آپ کو پیدا ہوگئی تھی کہ آپ جس کسی اسم یا صفت کی طرف توجہ کرتے وہ اسم یا صفت فوراً آپ پر متجلی ہو جاتی۔ مثلاً جب اسم پاک الاول کی تجلی آپ پر ہوئی تو ہر گزری ہوئی چیز آپ پر منکشف ہو گئی۔ اسی طرح جب اسم پاک الاخر کی تجلی ہوئی تو ہر آنے والی چیز معلوم ہوگئی۔ اور اسی پر قیاس سارے اسماء الٰہی کا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلت کبریٰ کا۔ حیف ہے کہ یہ خلیفۃ اللہ دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی میں مبتلا ہو جائے! **وسلا** (تاکہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصب خلافت الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہو جائے) عَرَضَھُمْ۔ سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر ھُمْ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً وتبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات وموجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ عرض الخلق علی الملئکۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) عرض تلک الاشیاء علی الملئکۃ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) ای عرض المسمّیات۔ (کشاف) المراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) تقدیر کلام یوں بھی۔ اسماء المسمیات۔ مضاف الیہ حذف کر دیا گیا، کہ مضاف اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے (بیضاوی) **وسلا** (اپنے اس گمان میں کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو) خطاب فرشتوں سے ہو رہا ہے۔ اسماء پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مراد یہاں بھی محض نام نہیں۔ خواص وآثار بھی مراد ہیں۔ صٰدِقِیْنَ۔ صدق سے مراد یہاں ارادی سچائی اور راست گفتاری نہیں کہ اس کے خلاف کا تو فرشتوں میں احتمال ہی نہیں۔ بلکہ مراد محض ان کے دعوی کا صحیح ہونا یا ان کے خیال کا مطابق واقعہ ہونا ہے۔ صدق کا اطلاق لغت عربی میں اردو کی ''سچائی'' سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ وہ جس طرح ارادی راست گفتاری کے لیے آیا ہے اسی طرح اصابت رائے وصحت خیال کے لیے بھی۔ وقد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق و یحصل فی الاعتقاد (راغب) والصدق ھو الصواب (بحر) صدق و کذب۔ عربی کے ان دو لفظوں کے صحیح مفہوم پر نظر نہ ہونے سے اردو خوان طبقہ قرآن وحدیث سے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ مدار خلافت مجردا اعمال نہیں بلکہ علم وفہم ہے بشرطیکہ بدعملی نہ ہو اور اسی لیے مشائخ طریقت عطائے خلافت کے وقت اسی کی زیادہ رعایت کرتے ہیں۔ **وسلا** (اور اس سے برتر اور منزہ کہ تیرا کوئی سا بھی فعل حکمت سے خالی اور مصلحت سے عاری ہو) ملائکہ کی زبان سے بار بار توحید پرستی کے کلمات ادا کرا کے دنیا میں پھیلی ہوئی ملائکہ پرستی (دیوی دیوتا پوجا) پر ضرب شدید لگاتا ہے **وکلا** (اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے نامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا؟) صفت خلق، صفت قدرت وغیرہ دوسری صفات کا ذکر ہی نہیں، خود صفت علم کے بھی معیار سے کہاں فرشتوں کا علم جزئی اور کہاں حق تعالیٰ کا علم کلی! **وسلا** (جس کے علم کے لیے حاضر وغائب، قریب وبعید، ماضی ومستقبل سب یکساں!) اور جو بحیثیت ہمہ دان وہمہ بین کے ہر مخلوق کے ظرف سے، استعداد سے، ملکات وطبع سے یکساں واقف!) **وسلا** (اور اسی قانون حکمت کے ماتحت بشر وملک ہر مخلوق میں اس کی استعداد کے مطابق، اس کے ظرف کے متناسب، علم کا تقسیم کرنے والا، کام لینے والا) **و۱۲۰** (یعنی فرشتوں کو اشیاء کائنات کے آثار وخواص) اسماء پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ جب فرشتے اظہار عجز کر چکے، تو اب آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ تم اپنے معلومات کا اظہار کرو۔ آدم علیہ السلام کی فضیلت اسی علم تکوینی ہی کی بنا پر تو تھی **و۱۲۱** یعنی حضرت آدم علیہ السلام جب امتحان میں پورے اتر چکے، اپنے معلومات تکوینی کا اظہار سارے خلائق پر کر دیا۔ اور اس طرح ان کا شرف عیاناً ساری کائنات پر ثابت ہو گیا **و۱۲۲** خطاب کا یہاں براہ راست ملائکہ سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن عجب نہیں کہ بالواسطہ ساری مخلوق سے ہو **و۱۲۳** گویا آیت نمبر ۳۰ میں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی جو اجمالی حقیقت بیان ہوئی تھی، اب اس کی تفصیل ہوگئی۔ اور ضمناً ان مسائل کی تعلیم آگئی کہ علم کل صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ اور خالق کے لامحدود لامتناہی علم سے مخلوق، اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کے بھی علم کو کوئی نسبت نہیں۔ مفسرین نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم کا ابھی جسد خاکی ہی تیار ہوا تھا اور روح ابھی اس میں نہیں پڑی تھی کہ ادھر سے ابلیس کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوا۔ ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ نئی مخلوق اگر ہم سب پر حاکم بنا دی گئی تو کیا کرو گے؟ فرشتے بولے کہ جان ودل سے اطاعت کریں گے اور کیا کریں گے۔ اس پر ابلیس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو اطاعت نہ ہوگی، میں تو خود ہی اس پر غلبہ حاصل کروں گا۔ اور مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں مَا تُبْدُوْنَ کا تعلق فرشتوں کے اعلان اطاعت اور اظہار طاعت سے ہے، اور مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کا تعلق ابلیس کے اخفاء بغاوت سے۔ لیکن خطاب کو اگر شروع ہی سے ساری مخلوق کے لیے عام لے لیا جائے (جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیہ میں گزر چکا) تو پھر اس روایت سے استناد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی **و۱۲۴** یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے۔ لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو نسبۃً ادنیٰ مخلوق تھے، وہ اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ٹھہرے۔ بادشاہ کا حکم وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدہ دار بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ **و۱۲۵** (یہ طور اظہار عجز ونیاز، بہ حیثیت علامت تسلیم واطاعات) اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی وسجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع وتذلل کے ہیں۔ سجد ای خضع (قاموس) کل من ذل و خضع لما امر بہ فقد سجدہ (لسان۔ عن الفراء) السجود اصلہ التطامن والتذلل (راغب) سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل وتواضع کا بہترین مظہر ہے۔ ویکون السجود علی جھۃ الخضوع والتواضع (لسان) خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان وزمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ کان ذلک انحناء ولم یکن خرورًا علی الذقن (مدارک۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل المعنی اللغوی ولم یکن

فيه وضع الجباه بل كان مجرد تذلل و انقياد (روح) قال قوم لم يكن هذا السجود المعتاد اليوم ولكنه يبقى على اصل اللغة فهو من التذلل و الانقياد (قرطبی) قيل امروا بالتذلل له والقيام بمصالحه و مصالح اولاده (راغب) لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا۔ تكرمة لأدم لا لعبادة لأدم (ابن جریر) كان ذلك سجود تعظيم و تحية لا سجود عبادة (معالم) كان السجود تحية لأدم (مدارک) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے، عالم ناسوت کا ہے ہی نہیں۔ اور تکلیفات شرعیہ کا تعلق اسی عالم ناسوت سے ہے۔ لِأٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائب سلطانِ حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ یہ کہ اس کو۔ لِ یہاں اِلٰی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمتِ آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمت کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں، ربِ کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں لِ عند کے معنی میں آیا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ نصبه الله قبلة لسجودهم كالكعبة (بحر۔ عن الشعبی) اے الى ادم فكان ادم قبلة والسجود لله تعالى (معالم) اے اسجدوا الى مستقبلين وجه ادم (قرطبی) ف۱۲۶ اِبْلِیْسَ۔ لفظی معنی ہیں یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ وغیرہا۔ اِبْلِیْسَ اسی سے مشتق ہے۔ اور یہاں بطور علَم کے شیطان کے لیے آیا ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة اليأس منه اشتق ابليس (راغب) ابليس اِفْعِيْل من الابلاس وهو الاياس من الخير والندم والحزن (ابن جریر) یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے تتبع میں ایک عام خیال پھیل گیا ہے۔ بلکہ جنّی تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف۔ آیت ۵۰) نور کا بنا ہوا فرشتہ نہیں جو نافرمانی پر قادر ہی نہیں۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا جن تھا۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ (اعراف۔ آیت ۱۲) ان صریح نصوص کے مقابلہ میں قول کسی کا بھی ہو قابل اعتنا نہیں ف۱۲۷ اَبٰى۔ انکار کیا حکم کی تعمیل سے۔ وَاسْتَكْبَرَ۔ اس نے صاف کر دیا کہ تعمیل ارشاد سے انکار کسی اشتباہ و غلط فہمی کی بنا پر نہیں، محض پندار تفوق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی راہ سے کیا ف۱۲۸ یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا ہی۔ اے صار من الكفرين (ابن عباسؓ) صار من الكفرين بابائه و استكباره (مدارک) ومن اقسام كان الناقصة ان تاتي بمعنى صار كقوله تعالى كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (تاج) جن اہل تفسیر نے كَانَ کو "ہو گیا" کے بجائے "تھا" کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے في علم الله (اللہ کے علم میں) محذوف مانا ہے۔ ابلیس پر کفر کا اطلاق حکم کے رد و انکار کی بنا پر ہوا، محض ترکِ عمل (سجدہ) کی بنا پر نہیں۔ ترکِ عمل تو گناہ کیسا ہی ہو ایمان سے خارج کر دینے اور کفر تک پہنچا دینے کے لیے اہل سنت کے مذہب میں کافی نہیں (مدارک) ف۱۲۹ جنة۔ لفظی معنی ہرا بھرا باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپالیں۔ كل بستان ذي شجر يستر باشجاره الارض (راغب) الْجَنَّةَ سے اصطلاح شرعی میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالم آخرت میں نیک کاروں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے مستور ہے۔ اس کا نام جنت یا تو اس لیے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے، گو مشابہت بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لیے کہ اس کی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔ سميت الجنة اما تشبيهًا بالجنة في الارض وان كان بينهما بون واما لستره نعمها عنا (راغب) انتہی۔ اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اصلی حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ حضرت حوا کی حیثیت تابع کی سی تھی۔ زَوْجُكَ۔ مراد حضرت حوا ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہو چکی تھیں۔ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اس سے اشارۃً جنت کی وسعتِ عظیم بھی معلوم ہوگئی۔ ف۱۳۰ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی متعین اور حضرت آدم کے لیے معلوم و معروف درخت تھا۔ لیکن اب اس کی تعیین سے کوئی نتیجہ نہ تھا۔ اس لیے قرآن حکیم جو کبھی بے نتیجہ بات

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اور کافروں میں سے ہو گیا ف۱۲۸ اور ہم نے کہا اے آدم، تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ ف۱۲۹

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اس درخت کے پاس نہ جانا ف۱۳۰ ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے ف۱۳۱

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اس درخت کے باعث ف۱۳۲ اور جس میں تھے اس سے انہیں

فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

نکلوا دیا ف۱۳۳ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ ف۱۳۴ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر ف۱۳۵

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے لیے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اٹھانا ہے ف۱۳۶

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لیے ف۱۳۷ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ف۱۳۸ وہ تو

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ف۱۳۹ بڑا مہربان ف۱۴۰ (اور) ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اتر جاؤ ف۱۴۱

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے ف۱۴۲ تو جو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا،

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ

سو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ف۱۴۳ اور جو لوگ

نہیں کہتا، اس سے خاموش ہے۔ اور حدیث صحیح میں بھی اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے لم يضع لعباده دليلًا على ذلك في القران ولا في السنة الصحيحة (ابن جریر) اس لیے محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموشی کا ہے۔ اقوال و آراء بکثرت مروی ہیں۔ توریت میں ایک بڑی طویل عبارت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے:۔ "اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بدی کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا، کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ۲:۱۶ و ۱۷) بات یہاں بھی اسی قدر مجمل رہی۔ مادی درختوں میں سے گیہوں، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لے کر شجرِ محبت، شجرِ علم وغیرہ معنوی درختوں تک کے نام لیے گئے ہیں۔ قيل الحنطة وقيل النخلة و قيل التين، قيل الحنظل و قيل شجرة المحبة و قيل شجرة الطبيعة والهوى و قيل و قيل (روح) لیکن اہل تحقیق کا فیصلہ وہی خاموشی کا ہے۔ ولا علم عندنا بانه شجرة كانت على التعيين فلا حاجة ايضًا الى بيانه (کبیر) والاولى عدم القطع والتعيين (روح) ف۱۳۱ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا۔ اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت اس وقت تک دار الجزاء یا دار الخلد نہ تھی، جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں تکلیفات شرعی تھیں۔ احکام تھے، نواہی تھے، اور جب جنت کی ماہیت اس وقت یہ تھی، تو کوئی

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں ف۱۴۴

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور وہ اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۱۴۵ اے بنی اسرائیل ف۱۴۶

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا تھا ف۱۴۷ اور مجھ سے

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

وعدہ پورا کرو تو میں تم سے وعدہ پورا کروں ف۱۴۸ اور تم صرف مجھی سے ڈرتے رہو ف۱۴۹

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا

اور اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل کی ہے تصدیق کرتی ہوئی اس (کتاب) کی جو

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫

تمہارے پاس ہے اور مت ہو اس کے ساتھ (سب سے) پہلے کفر کرنے والے ف۱۵۰ اور میری آیتوں کو فروخت مت کر ڈالو

وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

تھوڑی سی قیمت پر ف۱۵۱ اور صرف مجھی سے ڈرو ف۱۵۲ اور حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط مت کرو ف۱۵۳

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا

اور حق کو مت چھپاؤ ف۱۵۴ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو ف۱۵۵ اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو ف۱۵۶

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو؟ ف۱۵۷

اشکال نہیں رہتا وہاں وسوسہ شیطانی کے پہنچ جانے پر یا کسی تمثیل کے وہاں سے نکالے جانے پر۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے التقریر سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا کہ اصلاً صرف اکل ممنوع تھا لیکن ممانعت قرب شجر سے بھی کر دی گئی۔ اسی طرح مشائخ محققین بعض دفعہ مباحات سے روک دیتے ہیں کہ کہیں غیر مباح کی طرف مُنجر نہ ہو جائے۔ ف۱۴۲ الشیطٰن شیطان وہ ہے جو خیر اور رحمت الٰہی سے دور ہو گیا۔ شطن ای تباعد (راغب) الشیطن فیعال من شطن ای بعد ما سمی به لبعده عن الخیر و عن الرحمة (معالم) ابلیس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ وہی اب یہاں اپنے وصفی نام شیطان سے یاد کیا جا رہا ہے۔ نافرمانی کی پاداش میں وہ جنت سے نکالا جا چکا ہے۔ اور بنی آدم علیہ السلام سے شدید حسد رکھے ہوئے ہے۔ اب اس کا نام شیطان ہے۔ اس کے پاس اور کوئی قوت نہیں۔ انسان کو مجبور ذرا بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ پروپیگنڈے کے فن کا وہ امام ہے۔ ترغیب خوب دے سکتا ہے۔ سیاہ کو سفید کر کے خوب دکھا سکتا ہے۔ اور وسوسہ اندازی کی طاقت غضب کی رکھتا ہے۔ نزدیک اور دور اپنا عمل سب کہیں سے کر سکتا ہے۔ فاصلہ اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور مادی رکاوٹیں کسی قسم کی بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ جنت کی حیثیت اس وقت تک دارالجزاء کی متعین نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہاں بھی اس کا عمل بے تکلف اثر کر سکتا تھا۔ ازلّ، زلّہ سے ہے۔ اور اس کے معنی ہیں، جگہ سے ہٹا دینا، ڈگا دینا، پھسلا دینا۔ بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی کا کوئی مفہوم اس میں شامل نہیں۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد (راغب) انه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین (مدارک) قرآن مجید نے پیغمبروں کی غلطیوں، لغزشوں، فروگزاشتوں کا ذکر بار بار کیا ہے۔ لیکن بائبل کے برخلاف، کوئی اخلاقی جرم، کوئی دانستہ نافرمانی، کوئی حقیقی معصیت کبھی بھی ان کی جانب منسوب نہیں کی ہے۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ عنہا۔ میں ضمیر ھا شجرۃ کی جانب۔ اور عن تعلیلیہ ہے۔ معنی "اس کے سبب سے"۔ اکثر اہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ عنها ای بسببها (ابن کثیر) والضمیر فی عنها للشجرة ای لحملهما الشیطان علی الزلة بسببها (کشاف) ای حملهما علی الزلة بسببها (روح) قرآن مجید میں عن کثرت سے اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (ہود) وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (کہف) ضمیر ھا سے اشارہ جنت کی طرف بھی سمجھا گیا ہے۔ اس قول پر مراد یہ ہو گی کہ شیطان انہیں دور لے گیا جنت سے۔ روایات احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدم، حوا کو اپنی دوستی، ہوا خواہی و اخلاص کا یقین دلایا۔ ان بیچاروں کے خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ "اس درخت کا پھل اگر کھا لو گے تو جنت میں قیام مستقل ہو جائے گا۔ اس میں تاثیر یہ ہے کہ پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جا سکو گے۔ اور وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو ایک عارضی حکم تھا کہ اس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی۔" حضرت آدم علیہ السلام قرب الٰہی کے اس محل (جنت) سے بڑھ کر اور کس نعمت کے حریص ہو سکتے تھے، مکار کے فریب میں آ گئے۔ دانستہ نافرمانی کا سایہ بھی پڑنا الگ رہا، وہ تو درخت کے پھل کو بعد کے بجائے قرب کا ذریعہ سمجھے۔ یہ فہم، اجتہادی غلطی جیسی اور جس درجہ کی بھی ہو، بہرحال فسق و معصیت سے تو اسے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اور روایتوں سے قطع نظر، قرآن مجید میں بھی جا بجا جو تصریحات ملتی ہیں، ان سے بھی تائید اسی صورت واقعہ کی نکلتی ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ بہکانے والا سانپ کی صورت میں گیا۔ اس نے آ کر پہلے حوا کو بہکایا اور پھر انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ترغیب کی۔ ہمارے مفسرین نے بھی ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جس میں شیطان، سانپ، طاؤس سب کا ذکر آتا ہے۔ یہ قصہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، اس سے یہاں بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ اسلامی عقائد میں بہرحال داخل نہیں۔ اور اس کا ماخذ قرآن و سنت نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات ہیں۔ اسی لیے جو اہل تفسیر زیادہ محتاط، محقق ہوئے ہیں، وہ اس سے الگ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس سے احتیاط ہی کی تنبیہ کر گئے ہیں۔ اعلم ان هذا و امثاله مما یجب ان لا یلتفت الیه (کبیر) وقد اکثر المفسرون فی نقل قصص کثیرة فی قصة ادم و حوا والجنة والله اعلم بذلک (بحر) و قد ذکر المفسرون هٰهنا اخبارًا اسرائیلیة (ابن کثیر) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ زلّت کے لفظ تک کا (بخلاف معصیت و اثم وغیرہ) اطلاق حضرات انبیاء پر جائز ہے۔ هذا دلیل علی انه یجوز اطلاق اسم الزلة علی الانبیاء علیهم السلام کما قال مشائخ بخاری (مدارک) و قد کانت منهم ای من بعض الانبیاء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات ای تقصیرات (شرح الفقہ الاکبر لقاری رحمۃ اللہ علیہ) اور مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کاملین بھی شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس وقت بھی کامل ہونے میں شک نہیں۔ ف۱۴۳ مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ ترجمہ دو ہو سکتے ہیں۔ "اس حالت سے جس میں وہ تھے"۔ یا "اس مقام سے جس میں وہ تھے"۔ منقول دونوں قول ہیں۔ ای من النعیم والکرامة او من الجنة (کشاف) اور حاصل بھی دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ف۱۴۴ (زمین پر) یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قول محقق یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہو گا ھبوط کے معنی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لیے جائیں گے۔ ای انزلوا الی الارض (معالم) الهبوط النزول الی الارض (مدارک) اهبطوا۔ خطاب اب بجائے صیغۂ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغۂ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب

تنہا آدم وحوا علیہما السلام ہی نہیں، بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد هما و ذريتهما (مدارک) اجمع الضمير لانهما اصلا الجنس (بیضاوی) ف ۱۳۵ یہ مختصر لفظوں میں کل زمینی زندگی کا خاکہ آگیا۔ یعنی یہاں کشمکش، بغض، حسد، نفسانیت، خودغرضی کا زور رہا کرے گا ف ۱۳۶ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ آیت کا یہ جز خود اس امر پر دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اب پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اور اب تک جس جنت میں وہ تھے وہ زمین پر نہیں آسمان پر تھی۔ اس وقت سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ نئی زندگی اور نیا ماحول۔ اور اب یہیں انہیں رہنا سہنا ہے۔ إِلَىٰ حِينٍ۔ یعنی قیام یہاں بھی دائمی نہ ہوگا۔ صرف ایک مدت موعود تک رہنا ہوگا۔ مَتَاعٌ اور إِلَىٰ حِينٍ دونوں سے زمینی زندگی کا عارضی اور بے ثبات ہونا بالکل ظاہر ہو رہا ہے ف ۱۳۷ (توبہ وانابت کے) خطا وار کو توبہ و انابت کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا خود ایک بڑی فرد رحمت خداوندی اور مرحمت الٰہی کی ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم و تلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی گئی، بلکہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہیں نے وہ الفاظ سیکھ لیے! کیا حد ہے شفقت و بندہ پروری کی! یہ کلمات والفاظ کیا تھے؟ روایتیں جو اس باب میں نقل ہوئی ہیں مختلف ہیں۔ لیکن خود قرآن مجید میں تو یہ الفاظ حضرت آدم وحوا کی زبان سے نقل ہوئے ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ ف ۱۳۸ (اور ان کی خطا سے درگزر کر دی) تاب علیہ۔ تاب کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں، کہ رحمت کے ساتھ رجوع و توجہ کی۔ یا توبہ کی توفیق دی۔ یا توبہ کے اسباب آسان کر دیے رزقه التوبة من خطيئته (ابن جریر) رجع اليه بالرحمة والقبول (کشاف) عبارة عن قبول التوبة والعفو عن الذنب التوفيق لها والتيسير لاسبابها (روح) ف ۱۳۹ صیغہ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔ اسلام کا خدا یہی نہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کے سامان واسباب بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ يقال لله ذلك لكثرة قبوله توبة العباد حالاً بعد حال (راغب) الرجاع على عباده بالمغفرة او الذى يكثر اعانتهم على التوبة (بیضاوی) ف ۱۴۰ یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل وکرم کرنے والا ہے۔ المبالغ في الرحمة۔ یہی وہ رحیم اور غفور اور تواب (تینوں صفات کا صیغہ مبالغہ ہونا خیال رہے) خدا ہے۔ جس کے لیے معاند مسیحیوں اور ان کے پادریوں نے بار بار لکھا ہے کہ اسلام کا خدا ایک غضبناک سخت گیر خدا ہے! ف ۱۴۱ (اے اولاد آدم) اهْبِطُوا۔ جَمِيعًا مراد ذریت آدم علیہ السلام ہے۔ والمراد الذرية (ابن کثیر) مِنْهَا میں ضمیر جنت کی طرف ہے۔ یعنی جنت سے نیچے اترو۔ یہ حکم بطور سزا و عتاب نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے۔ شجر ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی۔ روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں۔ کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے اگر زہر کھا لے، اور معاً اسے اپنی عصیان کاری پر تنبہ ہو جائے، اور وہ روئے، گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے، اس سے گناہ تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظام جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ تو بہرحال ہو کر رہیں گے۔ خشوع، خضوع، انابت قلب ان مادی اثرات کو مٹانے کے لیے کافی نہیں ف ۱۴۲ (اور وہ یقیناً پہنچے گی، پیغمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعے سے) اس ناسوتی دنیا میں رہنے سہنے کا قانون بتایا جا رہا ہے ف ۱۴۳ (روز جزا میں) هُدَايَ جو پیام ہدایت رسولوں کے ذریعے سے آتا ہے، اسے براہ راست حق تعالیٰ کی جانب بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ ان کے اوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا، یعنی ان کے لیے فی نفسہ کوئی بات خطرہ یا تشویش کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی اپنے انجام کی طرف سے اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ فکر و اندیشہ تو صالحین کو دوسروں سے کہیں زیادہ لگا رہتا ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے، اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حشر میں مومنین صالحین کو نہ کوئی سزا پیش آنے والی ہے اور نہ وہ لوگ اپنی ناسوتی زندگی پر حسرت و تاسف کریں گے۔ مَن۔ من موصولہ کا استعمال واحد و جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ ف ۱۴۴ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔ اہل جنت کے ذکر میں ذات حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے۔ تَبِعَ هُدَايَ اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہو گئی ہے۔ بِآيَاتِنَا اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے "میری" ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت واقتدار کا ہے، اس لیے یہاں "ہماری" ہی موزوں ہے۔ أَصْحَابُ النَّارِ۔

یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) و معنى الصحبة الاقتران بالشيء والغالب في العرف ان تطلق على الملازمة (روح) گویا جو لوگ ضابطہ شریعت سے انکار اور قانون الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتش دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی مخفی اور غیر مرئی ہے، مجسم و متشکل ہو جائے گا۔ عذاب آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذاب آتشیں بلکہ اس کے دوام وخلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ "خداوند سلطنت کرتا ہے...... ایک آگ اس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے" (زبور۔ ۹۷: ۱ و ۳) "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا" (متی۔ ۱۳: ۴۹ و ۵۰) "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ، جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے...... اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے" (متی۔ ۲۵: ۴۱ و ۴۶) "...... جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس۔ ۹: ۴۸) ف ۱۴۵ خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ الخلود هو تبري الشيء من اعتراض الفساد وبقاؤه على الحالة التي هو عليها (راغب) اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ ثم استعير للمبقي دائما (راغب) الخلد البقاء والدوام في دار لا يخرج منها كالخلود ودار الخلد الآخرة لبقاء اهلها (تاج) خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (انبیاء۔ ۳۴) اور خلود في الجنة اور خلود في النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ اہل جنت کے تنعم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔ ای مخلدون فيها لا محيد لهم عنها ولا محيص (ابن کثیر) فهم اصحاب العذاب الدائم (کبیر) والخلود ههنا الدوام على ما انعقد عليه الاجماع (روح) ف ۱۴۶ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ مشہور و نامور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق۔م) سے مشہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن سے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا، شام ہی کا جزو تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی۔ لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء و مرسلین ان کے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوا کیے۔ حکمران، سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزول قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطراف حجاز خصوصاً یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ "بنی اسرائیل" تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہرحال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء و معارف اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کہانت تیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی۔ وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور ان کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے۔ اور دوسری طرف اکثر ان کے قرضدار بھی رہا کرتے تھے۔ گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و تاجر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر

ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا اُستاد جانتے تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اُس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔ ان اسباب عام وخاص دونوں کی بنا پر یہ بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہوگا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر بھی کر لی جائے۔ قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائنات انسانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے رکوع اول میں بیان اس کا ہوا کہ نوع انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ ایک اچھے یا مومن، دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ جو قرآن مجید کے دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم، مخفی کافروں کا ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان و نجات سے محروم ہی رہیں گے۔ تیسرے رکوع میں تخاطب ساری نسل انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید و رسالت بیان کر دیا گیا۔ چوتھا رکوع تاریخ نسل انسانی پر ہے۔ اس میں یہ بیان ہوا کہ انسان کی اصلی غرض آفرینش دنیا میں قانون الٰہی کی تنفیذ ہے۔ اور حاکمیت الٰہی کی نیابت۔ ذرا سی غفلت میں نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو بچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔ لیکن انسان اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب و منصور رہے گا۔ اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی۔ موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔ طویل و مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطے سے دُنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جارہی ہے **وکے۱۴** اس انعام خداوندی کی تصریح کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی ۱۳۶ و ۱۴۲ بہرحال کوئی ایسا انعام تھا جو نسل اسرائیل پر نسل اسرائیل کی حیثیت سے تھا **و۱۴۸** توریت نسل اسرائیل پر احسانات الٰہی اور خداوندی نعمتوں کی یاد دہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ عہدی یعنی تمہارا وہ عہد جو میرے ساتھ ہے۔ طاعت الٰہی واطاعت انبیاء کا عہد۔ بما عاهدتموني من الايمان لي والطاعة لي (کشاف) توریت میں بھی اسی عہد کا ذکر جابجا ہے۔ مثلاً "تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے...... اور میں اسی کی راہوں پر چلوں گا۔ اور اس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا۔ اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا" (استثناء ۲۶: ۱۷) عهدكم۔ یعنی جو عہد میں نے تم سے تمہارے ایمان وطاعت پر بطور انعام کر رکھا ہے۔ اے ارضی عنكم و ادخلكم الجنة (کبیر۔ عن ابن عباس) توریت میں اس کا ذکر بھی جابجا ہے۔ مثلاً "اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا ہے" (استثناء ۲۶: ۱۷) "اگر تم میری آواز کے فی الحقیقت سننے والے ہو گے اور میرے عہد کو حفظ کرو گے تو تم ساری قوموں سے زیادہ میرے ایک خزانہ خاص ہو گے"۔ (خروج۔ ۱۹: ۵) اَوۡفُوۡا۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا، کہ وفائے عہد جس کا یہاں ذکر ہے، اس کے مراتب میں بہت وسعت ہے۔ ادنیٰ مرتبہ بندہ کی طرف سے ادائے کلمہ شہادت ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظت جان و مال **و۱۴۹** (نہ کہ اپنی ہی جیسی مخلوق سے) توحید کے لیے خطاب عام جملہ عالم انسانیت سے رکوع ۳ میں ہو چکا ہے۔ اب خطاب خاص اسی مخصوص حامل توحید قوم، بنی اسرائیل سے ہے۔ لیکن یہاں اشارہ شرک جلی اور بت پرستی سے زیادہ شرک خفی اور ضعف ایمان کی جانب ہے۔ یہ اخلاقی بیماری اسرائیلیوں کی ساری قوم میں پھیل چکی تھی۔ اور خالق کی رضا اور عدم رضا کے بجائے انسانوں کو راضی رکھنے کی پروا اور ان کی ناخوشی سے بچنے کی اہمیت اچھے اچھے علماء ومشائخ یہود کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں اس قسم کی ہدایتیں اور تنبیہیں کثرت سے ملتی ہیں **و۱۵۰** بِمَآ اَنۡزَلۡتُ۔ اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ لِّمَا مَعَكُمۡ۔ اشارہ ہے توریت کی طرف۔ كَافِرٍ۔ صورۃً واحد ہے۔ معنیً جمع ہے۔ یعنی یا تو تقدیر کلام یہ ہے۔ ولا تكونوا اول فريق كافر (قرطبی) اور یا بقول اخفش نحوی وفراء نحوی اعتبار معنیٰ فعل کا کیا گیا ہے۔ لان المعنى اول من كفر به (قرطبی) بِهٖ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ۔ قرآن کا اولین منکر بنی اسرائیل کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب یہود کے تسلیم واقرار کے بعد جس طرح اس باب میں اُن کی تقلید کرتے، اُسی طرح یہود کے انکار و مخالفت کے بعد اسے بھی سند میں پیش کرتے اور خود بھی انہیں کی راہ پر چلتے، یہود بہرحال اہل کتاب تھے۔ کتاب آسمانی کی قدر انہیں کو ہونا چاہیے تھی، اور بطور مقتدائے عرب انہیں کی ذمہ داری سب سے بڑی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۷۔ وعندكم فيه من العلم ما ليس عند غيركم (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فكان وظيفتكم ان تكونوا اول من امن به لما انكم تعرفون حقيقة الامر (روح) **و۱۵۱** ثَمَنًا قَلِيۡلًا۔ حق کو کسی دنیوی مادی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا، آخرت کی ابدی دولت کو دُنیا کے ثمن قلیل (تھوڑی سی قیمت پر) فروخت کر ڈالنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ عقبیٰ کو تھوڑے دام پر نہ بیچا جائے، اور زیادہ دام پر بیچ ڈالا جائے۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں بہرحال قلیل ہی ہے۔ كل كثير اليه قليل وكل كبير اليه حقير (کشاف) یہود کی حق فروشیوں کے کاروبار کا ذکر انجیل میں بھی ہے۔ مثلاً "یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر تباہ کر دیتے ہیں۔" (طیطس۔ ۱: ۱۱) **و۱۵۲** خوف خداوندی کی تاکید سے توریت اور انجیل دونوں بھرے پڑے ہیں **و۱۵۳** (کلام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کر کے) وَلَا تَلۡبِسُوا۔ تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ واصل اللبس ستر الشئ (راغب) ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں **و۱۵۴** احکام الٰہی کو بدل دینے کی ممکن صورتیں دو ہیں۔ ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس وتخلیط۔ دوسرے ان کا سرے سے اخفاء وکتمان۔ یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کر رکھے تھے۔ توریت کے مکرر تلف ہو جانے سے اول تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے۔ پھر جو باقی رہ گئے تھے، انہیں حاملان توریت نے اپنے اپنے اغراض ومصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا **و۱۵۵** (کہ تم تلبیس وکتمان کے مرتکب ہو رہے ہو) یعنی تحریف تمہارے ارادہ واختیار سے باہر نہیں۔ دیدہ ودانستہ تمہارے علم کے اندر ہو رہی ہے۔ في حال علمكم انكم لابسون كاتمون (کشاف) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس وکتمان کی شناعت سے بھی خوب واقف ہو **و۱۵۶** یعنی ایمان کے بعد عملاً بھی ارکان اسلام کی پابندی کرو۔ ایمان لانے کا حکم ابھی ایک آیت قبل وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ میں مل چکا ہے۔ اب تعلیم اہم جزئیات احکام کی ہو رہی ہے۔ اقيموا الصلوة نماز کے پابند ہو جاؤ کہ اس سے مرض حب جاہ کا علاج ہو جائے گا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اٰتوا الزكوة۔ زکوٰۃ دیتے رہو کہ اس سے مرض حب مال کی اصلاح ہو جائے گی۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ جھکنے والوں کے ساتھ جھکو کہ تواضع باطنی کے حصول میں بڑا دخل اہل تواضع کی معیت کو ہوتا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ارۡكَعُوۡا۔ رکوع اسلامی نماز کے ایک معروف رکن کا نام ہے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز جماعت میں شریک رہو۔ فقہاء میں ایک بحث یہ پیدا ہوئی ہے کہ آیا کافروں کو فروع کا مخاطب بنانا درست ہے؟ ایک گروہ نے اسی آیت سے استدلال کر کے جواب اثبات میں دیا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے معقول جواب یہ ہے کہ آیت کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ کے ماتحت ہیں۔ یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکام پر عمل کرو۔ **وکے۱۵** یعنی کیسے غضب کی بات ہے کہ دوسروں کو تو ایمان لانے کا مشورہ دیتے ہو اور خود ایمان نہیں لاتے۔ خطاب یہود سے چلا آرہا ہے۔ اوپر کسی حاشیہ میں یہ آچکا ہے کہ یہود اپنے صاحب علم وکتاب ہونے کی بنا پر مشرکین عرب کی نظر میں بھی محترم اور قابل وقعت تھے۔ اہل یثرب اکثر ان کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے باب میں استفادۃً مشورے کیا کرتے کہ اس مدعی نبوت کے دعووں میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم اس کی تصدیق کریں یا نہ کریں؟ وغیرہا۔ احبار یہود ایسے موقعوں پر بارہا یہ مشورہ دے اٹھتے کہ بیشک ان میں علامتیں تو ہمارے ہاں کی پیشگوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ قالوا هو صادق و امره حق فاتبعوه (کبیر) نزلت في احبار المدينة كانوا يامرون سرًا من نصحوه باتباع محمد صلى الله عليه وسلم (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ضمیر دیانت کے لحاظ سے تو ان کا مشورہ یہ تھا لیکن اپنے

عمل کے وقت ہوائے نفس حائل ہو جاتی، اور خیال یہ گزرنے لگتا کہ اسلام لانے کے بعد ماتحتی اور پابندی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ سیادت کے یہ مالی اور جاہی مزے کہاں حاصل رہیں گے۔ وهم كانوا لا يتبعونه لطمعهم والصلات التى كانت تصل اليهم من اتباعهم (کبیر) ولا يتبعونه (روح۔ عن ابن عباس) البرّ۔ برّ کے لفظی معنی نیکی کے ہیں، اور یہ اپنے اطلاق میں عام ہے یعنی ہر قسم کی نیکی پر شامل۔ البرّ اسم التوسع فى الخير الكامل (راغب) هو اسم جامع لاعمال الخير (کبیر) يتناول جميع اصناف الخيرات (ابن مسعود) یہاں مراد قبول اسلام و تصدیق رسالت محمدی ﷺ سے ہے۔ تَنۡسَوۡنَ۔ ہمزہ یہاں اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ والهمزة للتقرير مع التقريع والتعجب (کبیر) الهمزة للتقرير مع التوبيخ والتعجب من حالهم (کشاف) و ف۱۵۸ یعنی کتب توریت، جس میں علامتیں اور شبیہ تک ان خاتم النبیین ﷺ کی درج ہیں۔ یعنی بالكتب المنزلة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) و ف۱۵۹ (ایمان کی ثابت قدمی اور شعائر کفر کے ترک پر) و ف۱۶۰ انھا۔ ضمیر نماز کی طرف ہے۔ نماز کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ اب بیان اُن طریقوں کا ہو رہا ہے، جن سے نماز آسان ہو جائے اور نماز کی پابندی میں سہولتیں پیدا ہو جائیں۔ خاشعین۔ خشوع کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اب یہاں آیت میں خشوع قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رائگاں جانے والی نہیں۔ اپنے شفیق و کریم پروردگار کے حضور میں بہرحال حاضر ہونا ہے۔ اس

وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اسْتَعِيْنُوْا

درآنحالیکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے رہتے ہو ف۱۵۸ سو کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے؟ اور صبر

بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى

اور نماز سے مدد چاہو ف۱۵۹ اور وہ بیشک گراں

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

ہے مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں) جنہیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے پروردگار سے ملنا (بھی) ہے

وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور اس کا کہ انہیں اسی کی طرف واپس ہونا ہے ف۱۶۰ اے بنی اسرائیل

اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّىْ

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ف۱۶۱ اور

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ

تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ف۱۶۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

کوئی کسی کے حق میں بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کے حق میں سفارش قبول ہو گی

وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ف۱۶۳

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تمہارے اوپر

سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ

بڑا عذاب توڑ رہے تھے ف۱۶۴ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے ف۱۶۵ اور تمہاری عورتوں کو

وقت یہ ساری محنت وصول ہو جائے گی۔ اور استحقاق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ شوق نماز اس مراقبہ سے پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ دوسرا اثر خشوع قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ آخر تو واپسی مالک حقیقی کے روبرو ہوگی۔ حساب ہر عمل اور ترک عمل کا ہوگا۔ ترک نماز کی عادت اس سے خود بخود ترک ہو جائے گی۔ عمل میں ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یقین کے ایجابی و سلبی دونوں پہلو یہاں بیان میں آگئے۔ نفسیات جدید میں محرک عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں۔ ترغیب و ترہیب۔ ترغیب کا جزو اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں جزا و اجر کے استحضار سے آگیا۔ اور ترہیب کا جزو اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میں مراقبۂ مؤاخذہ سے آگیا۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن لغت میں شک اور یقین دونوں کے معنی میں آیا ہے۔ العرب تسمى اليقين ظنا و الشك ظنا (ابن جریر) الظن من الاضداد يكون شكا و يقينا (معالم) اور کلام عرب میں ظن بہ معنی یقین کے استعمال کے نظائر بے انتہا ہیں۔ والشواهد من اشعار العرب و كلامها على ان الظن فى معنى اليقين اكثر من ان تحصى (ابن جریر) الظن بمعنى اليقين او الترجيح مشهور عن العرب (نہر) یہاں اکثر ائمہ تفسیر نے یقین ہی کے معنی میں لیا ہے۔ اى يعلمون و يستيقنون (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظن ههنا اليقين (ابن جریر۔ عن ابی العالیہ) اى يستيقنون (معالم) و روى عن مجاهد و السدى و الربيع بن انس و قتادة نحو قول ابى العالية (ابن کثیر) معناه يوقنون قاله الجمهور (بحر) بعض نے یہاں بھی مراد توقع و امید سے لی ہے۔ اور اس قدر بھی کافی ہے۔ يَظُنُّوْنَ اى يتوقعون (کشاف) و ف۱۶۱ ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۱۳۶ و نمبر ۱۴۲ و ف۱۴۳ خوب خیال رہے کہ یہاں ذکر مذہب یہود کا نہیں ایک مخصوص قوم و نسل کا ہے۔ بنی اسرائیل نام کسی مذہب یا فرقہ یا عقیدہ کا نہیں۔ ایک خاص نسل کا ہے۔ افضلیت یہاں مذہب یہودیت کی نہیں نسل اسرائیلی کی بیان ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر، کس معنی میں ارشاد ہو رہی ہے؟ اور وہ کونسی ایسی نعمت تھی جو بہ حیثیت نسل بنی اسرائیل کے ساتھ بلا شرکت غیرے، مدتوں مخصوص رہی؟ اگر کہیے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرت آبادی۔ تو اول تو یہ انعامات اللہ کے خود اس درجہ کے نہیں کہ ان کا ذکر اس شان و اہتمام کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں کو معیار فضیلت و افضلیت بنایا جائے۔ اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ کلدانیہ، مصر، ہندوستان، ان سب ملکوں کا تمدن اپنے زمانہ میں، اسرائیلیوں سے قبل، عروج پر رہ چکا ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ ان قوموں کا دنیوی جاہ و حشم اسرائیلیوں سے کچھ بڑھ ہی چڑھ کر رہا ہے۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت، مسلک توحید کی تھی۔ دنیا کی تاریخ کے جس دور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم و بیش شرک میں مبتلا تھیں، یا اسی کی طرف بہی چلی جارہی تھیں یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسالت کی قائل صرف وہی قوم ہوگی، جس کا عقیدۂ توحید واضح و پختہ ہوگا۔ اور انبیاء و رسل، جہاں تک کسی نسل کا تعلق ہے نسل اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ ہاں متفرق طور پر کسی دوسری نسل میں بھی کبھی کبھی پیدا ہو گئے ہوں، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ ذکر یہاں افراد کا نہیں، نسل و قوم کا ہو رہا ہے۔ دنیا کی ساری دوسری قوموں میں جس وقت ظہور "اوتاروں" کا ہو رہا تھا، اور وہ قومیں عناصر پرستی، مظاہر پرستی، دیوتا پرستی، بت پرستی، غرض شرک ہی کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار تھیں، انبیاء و رسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔ ہندوستان کی آریہ نسل میں فلسفہ، ہندسہ، ریاضیات، معقولات کے ماہرین و علماء، جیسے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں، بہرحال صولیت کا شرک اس میں حلول ہی کیے ہوئے تھا۔ اور توحید و رسالت کی دعوت صرف سامی نسل کی شاخ اسرائیلی کے حصہ میں آئی تھی۔ موجودہ یہود کو بھی اپنے اسلاف کی یہ امتیازی حیثیت یاد ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری کی دعوت دیتے رہیں۔ اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، کواکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں"۔ (جلد ۹۔ صفحہ ۵) "بنی اسرائیل کا واحد فریضہ دنیا میں خدا کا گواہ بننا تھا"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۲) "مخلوقات کے مراتب مختلف ہیں ذی

نِسَآءَكُمْ ۚ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

زندہ رہنے دیتے تھے ۱۶۶ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی

عَظِيْمٌ ۝ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ

آزمائش بھی ہے ۱۶۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا ۱۶۸ اور ہم نے تمہیں نجات

وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

دے دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے ۱۶۹

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا ۱۷۰ پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ۱۷۱ اور تم (سخت) ظالم تھے ۱۷۲

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا ۱۷۳ کہ شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ

شکر گزار بن جاؤ ۱۷۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دیے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ ۱۷۵ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا ۱۷۶

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

کہ اے میری قوم، یقیناً تم لوگوں نے اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

سے ۱۷۷ سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو ۱۷۸ پھر اپنے اشخاص کو قتل کرو ۱۷۹

شعور تحقیق، غیرذی شعور سے فائق و برتر ہے۔ انسانوں میں بنی اسرائیل بحیثیت موحد پرستاران حق کے مشرکوں سے افضل و بالاتر ہیں"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۱) "سامی قوموں میں سب سے پہلے عبرانیوں ہی کی رسائی اپنے انبیاء کی تعلیم سے توحید باری تک ہوئی"۔ (جلد ۸۔ صفحہ ۱۵۹) مسیحی فرنگی مورخین نے بھی اس تاریخی حقیقت کا اعادہ کیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "دین توحید کی بنیاد بنی اسرائیل ہی میں پڑی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) "انسانیت کی موجودہ روحانی کائنات، عام اس سے کہ مسیحی ہو یا اسلامی، سب کی تہ میں اسی عقیدۂ توحید کی بازگشت ہے جس کی دعوت سب سے پہلے اسرائیلیوں نے دی تھی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) خود توریت کی تصریحات بھی اس سلسلہ میں نظرانداز کرنے کے قابل نہیں:۔ "تو خداوند اپنے خدا کے لیے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے چن لیا کہ تو سب گروہوں کی نسبت جو زمین پر ہیں اس کے خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا، نہ اس لیے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے، کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے بلکہ اس لیے کہ خداوند عالم نے تم سے محبت رکھی"۔ (استثناء ۷:۶ و ۷) "خداوند کو خوش آیا کہ تمہارے باپ داداؤں سے محبت رکھے۔ اس لیے ان کے بعد ان کی اولاد کو یعنی تم کو سارے گروہوں کی بہ نسبت پہلے برگزیدہ کیا۔ جیسا کہ آج ہے"۔ (استثناء ۱۰:۱۵) "تم میرے گواہ ہو۔ خداوند فرماتا ہے اور میرا بندہ بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا سو تم میرے گواہ ہو"۔ (یسعیاہ۔ ۴۳: ۱۰ و ۱۱) قوم بنی اسرائیل اور اُمت موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور آیت کی تفسیر میں اُمت موسوی اور اُمت محمدی کے تقابل و تفاضل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ اس سوال کا یہاں اُٹھانا قطعاً بے ضرورت بلکہ بے محل ہے۔ فضیلت بنی اسرائیل کو کسی خاص زمانہ کے اندر محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہمارے قدیم مفسرین کو محض اس لیے پیش آئی کہ "اُمت موسوی" اور "قوم اسرائیل" کے درمیان خلط ہو گیا، اور دونوں کا عظیم الشان فرق نظر میں نہ رہا۔ **اُمت محمدی ﷺ کی افضلیت بلحاظ دین و عقیدہ ہے**، نہ کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے، اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں۔ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دنیائے تہذیب طرح طرح کی مشرکانہ وہم پرستیوں میں مبتلا تھی۔ موحد اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل کی ایک شاخ توحید کا علم بلند کیے ہوئے تھی۔ ہمارے مفسرین میں سے بھی کسی کسی کے ذہن کی رسائی اس حقیقت تک ہوئی ہے۔ اور وہ صاف لکھ گئے ہیں کہ نسل اسرائیلی کی افضلیت اس میں سلسلۂ نبوت و انبیاء کے لحاظ سے تھی۔ **بما جعل فیهم من الانبیاء وهذا خاصة لهم ولیست لغیرهم** (قرطبی) ۱۶۳ **يَوْمًا** "ایک دن" سے مراد ظاہر ہے کہ یوم قیامت ہے۔ قیامت کی یاد بڑے حکیمانہ موقع پر دلائی گئی۔ حشر و نشر، جزا و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی روح ہے، اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، کہنا چاہیے کہ ان کی مقدس کتابوں اور نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا۔ آگے روز قیامت کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، سب میں روئے سخن کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدہ کا ہے۔ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ۔ اس سے مقصود اس اسرائیلی عقیدہ کی تردید ہے، جو آج تک جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے "بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اور بہت سے لوگ اپنے اخلاف کے اعمال حسنہ کی بنا پر بخش دیے جائیں گے"۔ (جلد ۹۔ صفحہ ۶۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (جس صورت میں کہ موت حالت کفر پر اور عدم ایمان میں ہوئی ہو) یہاں بھی تردید ہے اس اسرائیلی عقیدہ کی کہ عمل اور عقیدے کیسے ہی ہوں، بہرحال اپنے اسلاف کرام شفاعت کر کے بخشوا ہی لیں گے۔ شفاعت اور ایک شفیع مستقل کا یہی وہ مبالغہ آمیز تخیل ہے، جس نے مسیحیت میں آ کر انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اور کفارہ ہی کی طرح شفاعت پر مسیحیت کی بنیاد ہے۔ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ اس میں پہلی ضرب یہودی اور مسیحی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ مسیحیوں کے ہاں عقیدۂ کفارہ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن خود یہود بھی ایک بڑی تعداد میں، اسی عقیدۂ کفارہ سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۳ صفحہ ۲۷۸)۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ ایمان نہ رکھنے والوں کو کسی طرف سے مدد و نصرت بھی نہ پہنچے گی، کہ سزا میں کچھ تخفیف ہی ہو سکے، چہ جائے کہ نجات کامل ہو سکے۔ ۱۶۴ آل لغت میں اہل کا مرادف ہے۔ اور مراد اس سے اہل و عیال، اتباع، ہم مذہب اور ہم نسب ہوتے ہیں۔ **اهل الرجل عیاله واتباعه واولیاءه** (تاج) فرق یہ ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے، اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لیے آتا ہے۔ **لا یستعمل الآل الا فیما فیه شرف غالباً** (تاج)۔ فِرْعَوْنَ۔ یہ کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں۔ قدیم شاہان مصر کا عام لقب تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار کو زار، اور ترکی کے فرمانروا کو سلطان کہتے تھے یا آج بھی والیٔ مصر کو خدیو اور والیٔ دکن کو نظام کہتے ہیں۔ فرنگی مورخین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہوا ہے، یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسے بھی قرآن کا اعجاز ہی کہنا چاہیے، کہ وہ بجائے شخصی نام کے عمومی لقب لایا جس کے بعد شخصیتوں کے ایک، دو یا چند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ یعنی ظالم و جابر حکمرانوں کی طرح تمہیں رعایا بنائے ہوئے تمہارے اوپر طرح طرح کی سختیاں کر رہے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے مشقت کی تھیں"۔ (خروج۔ ۱: ۱۳ و ۱۴) قدیم ترین اسرائیلی مورخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود (History of Jewish Antiquities) میں تفصیلات اور زیادہ موجود ہیں۔ قرآن مجید اور توریت کے بیان کا یہ فرق بھی قابل لحاظ ہے کہ توریت نے حاکمانہ سخت گیریوں کو سارے "مصریوں" کی جانب منسوب کر دیا۔ اور قرآن نے اپنے حسب معمول محتاط اور انتہائی صادقانہ لہجہ میں نام

صرف ''فرعونیوں'' کا تھا۔۔۔ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے الگ ہی الگ ہیں جیسے انگریزی قوم اور انگریزی حکومت۔ نجینا۔ باب تفعیل سے ہے۔ اور اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سارے اسرائیلی مصر سے دفعۃً نہیں نکلے تھے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اور مختلف ٹولیوں میں نکلتے رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا جو حضرت موسیٰ کی قیادت میں روانہ ہوا، اور راہ بھٹک کر پھر سمندر پار ہوا۔ ہیسٹنگز کی ''ڈکشنری آف دی بائبل'' میں ہے:۔ ''ممکن ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے گروہ وقتاً فوقتاً مصر سے نکل کر اپنے اجداد کے مقبروں کے گرد آباد ہوتے رہے ہوں''۔ (جلد ۳ صفحہ ۸۶۰) اگر تاریخ نے کبھی مؤرخین کے اس خیال کی تصدیق کردی، تو قرآن مجید کے لفظ نجینا کے باب تفعیل سے آنے کی اعجازی قدر اُس وقت ہوگی و۱۶۵ توریت میں ہے:۔ ''اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کردو..... اور فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کر کے کہا، کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو''۔ (خروج۔ ۱:۱۵و۲۲) و۱۶۶ یہ لڑکیوں کا قتل نہ کرنا اور انہیں عورت بننے کے لیے زندہ رکھنا غالباً اس لیے تھا کہ انہیں آئندہ فرعونی امراء اپنے حرم میں داخل کریں۔ (ملمین کی ''ہسٹری آف دی جیوز'' جلد اول صفحہ ۷۷)۔ توریت میں ذکر قرآن کی طرح صرف اُن کے زندہ رکھنے کا ہے۔ وجہ و مصلحت درج نہیں:۔ ''اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کردو۔ اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو..... ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو، اور جو بیٹی ہو جیتی رہنے دو''۔ (خروج۔ ۱:۱۵و۲۲) و۱۶۷ مشہور وقدیم یہودی مؤرخ جوزیفس کے الفاظ بھی تقریباً بالکل یہی ہیں:۔ ''یہ ایک بہت سخت ابتلا تھا''۔ (تاریخ آثار یہود۔ باب ۲۔ فصل ۹) و۱۶۸ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کرلیا۔ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپا کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ نہ آج کل کی سی باقاعدہ سڑکیں تھیں، نہ راستوں میں لیمپ لالٹین۔ شب کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ اور آگے بڑھ کر اپنے داہنے پر مشرق کی طرف مڑتے، پہلے ہی اِدھر گھوم پڑے۔ اُدھر فرعون کو خبر ہوگئی، اور وہ اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا۔ اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب سمندر تھا۔ اور داہنے بائیں شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت پر یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر۔ قرآن مجید میں اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ توریت میں اس کو خروج بنی اسرائیل سے موسوم کیا ہے۔ زمانہ کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرھویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا وسط قرار پایا ہے۔ بلکہ بعض نے جرأت کر کے سنہ بھی متعین کردیا ہے۔ ۱۴۴۷ ق۔م۔ بِکُمُ۔ تمہارے لیے، یعنی تمہیں بچانے کے لیے۔ تمہیں راستہ دینے کے لیے۔ ای فرقنا لکم (معالم) ای فرقنا بینکم و بسبب انجائکم (کشاف) فرقنا البحر۔ بشر کے محدود نقطۂ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلاف معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے، ''خلاف عقل'' کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادث عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ، زمانہ کا کون سا دور خالی رہا ہے؟ یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلاف معمول، خلاف عادت عامہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کرنا چاہیے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کرلینا چاہیے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے اُن کے نفس امکان میں شک کرنا یا انہیں خلاف عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادر مطلق ہے، اُس کے لیے تو ''حسب معمول'' اور ''خلاف معمول'' سب ایک ہے۔ اور ''غریب'' و ''مانوس'' کا فرق اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ ''وقوع'' اور ''امکان'' دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کردی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرہ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لیے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لیے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمول عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لیے شہادت بھی زبردست ہونی چاہیے۔ یہ تو معجزات پر اُصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارق عادت بھی نہیں، کہ اس کی نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلے کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء (رمضان ۱۳۵۲ھ) میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت، ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہوگیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہوگیا!۔ واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ پانیر (لکھنؤ) کی ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔ البحر۔ بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں، جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہوگیا ہے۔ بلکہ بحر قلزم (یا بحر احمر) مراد ہے۔ دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور محلہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لیے مشرق کی طرف تھا۔ نیل سے اس راستہ کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مصر سے شام کی راہ کے قریب نہر قلزم تھا۔ اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سویز کھد گئی ہے، اس سے متصل جنوب میں، نقشہ میں سمندر دو مثلثوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا۔ یہاں ان میں سے مغربی مثلث مراد ہے۔ اسرائیلیوں نے اسی کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا و۱۶۹ اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃً سخت پریشان ہوئے۔ لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیمبر کر رہے تھے۔ آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ سے فرمایا کہ بلاتوقف سمندر میں چل پڑو۔ سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہوگیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہوگیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا۔ اتنے میں فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے۔ اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں در آئے۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی دو کھڑی ہوئی دیواریں آناً فاناً آپس میں مل گئیں۔ اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہوگیا۔ اور دیکھتے دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔ توریت میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ ''پھر موسیٰ نے دریا پر ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بہ سبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔ اور پانی کو دو حصہ کیا۔ اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے۔ اور پانی کی اُن کے داہنے اور بائیں دیوار تھی''۔ (خروج۔ ۱۴:۲۱۔۲۲) ''بنی اسرائیل خشک زمین پر دریا کے بیچ میں چلے گئے اور پانی کی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ سو خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے یوں بچایا''۔ (خروج۔ ۱۴:۲۹۔۳۰) ''اور مصریوں نے پیچھا کیا اور ان کا پیچھا کیے ہوئے وہ اور فرعون کے سب گھوڑے اور اُس کی گاڑیاں اور اُس کے سوار دریا کے بیچوں بیچ تک آئے..... اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ دریا پر بڑھایا۔ اور دریا صبح ہوتے ہی اپنی اصلی قوت پر لوٹا اور مصری اس کے آگے بھاگے اور خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا۔ اور گاڑیوں اور سواروں اور فرعون کے سب لشکر کو جو اُن کے پیچھے دریا میں آئے تھے چھپا لیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا''۔ (خروج۔ ۱۴:۲۳۔۲۸) واقعہ کا زمانہ جدید ترین اثری تحقیق کے مطابق ۱۴۴۷ ق۔م یا اس کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ فقرہ غیر ضروری یا برائے بیت نہیں بنی اسرائیل پر اس حقیقت کا پرزور طریقہ پر اعلان مقصود ہے کہ اپنے ایسے پُرقوت دشمن کی ہلاکت و بربادی کا نظارہ محض تائید خداوندی سے تم نے اپنی آنکھوں سے کرلیا۔ توریت میں ہے:۔ ''اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارہ پر دیکھیں''۔ (خروج۔ ۱۴:۳۱) و۱۷۰ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجہ غضب سے نکال لائے۔ تو اب مشیت خداوندی یہ ہوئی کہ اس قوم کو ایک پورا نظام شریعت اور دستور زندگی عطا ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جزیرہ نمائے سینا کے ایک پہاڑ کی چوٹی کوہ طور پر نوشتہ غیبی لینے کے لیے ایک چلہ کے لیے طلب کیے گئے۔ موسٰی۔ موسیٰ بن عمران سلسلۂ اسرائیلی کے سب سے زیادہ مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ایک سو بیس سال کی پائی (استثناء۔ ۳۴:۷) آپ کا زمانہ مؤرخین اور

اثریین کا تخمینہ ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا تھا۔ سالِ ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۴۰۰ ق م۔ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔ چالیس رات دن مراد ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ پہاڑ پر چالیس دن رات خداوند کے پاس رہا''۔ (خروج ۳۴: ۲۸) اسلامی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ زمانہ ذی قعدہ کے پورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا تھا۔ **قیل انھا ذوالقعدۃ بکمالہ وعشر من ذی الحجۃ** (ابن کثیر) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اہل سلوک کے یہاں جو چلہ کی میعاد متعارف ہے، اس کی اصل یہیں سے ہے۔ و۱۷۱ (بہ طور اپنے معبود کے) مِنْ بَعْدِہٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اِدھر ان کی موحد قوم نے گرد و پیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گوسالہ کی مورت سونے کی بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ توریت میں خروج کا باب ۳۲، پورا اسی گوسالہ پرستی کی تفصیلات کی نذر ہے۔ و۱۷۲ (اپنے حق میں) قرآن مجید نے اس قسم کے فسق شدید بلکہ شرک کو اکثر ظُلم ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی اس سے بڑھ کر ظلم انسان کا اپنے حق میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں میں یہ گمراہی آئی کہاں سے؟ اس سوال کے جوابات مختلف دیے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ مصریوں کی گاؤ پرستی کا عکس تھا۔ دُوسرا قول ہے کہ مشرک کنعانیوں (فلسطینیوں) کے ہم جوار ہونے کا اثر تھا۔ تیسرا قول ہے کہ گوسالہ مورت تھی چندر ماں دیوتا کی۔ اور گوسالہ پرستی مرادف تھی ماہتاب پرستی کی۔ بہرحال یہ شرک جس راہ سے بھی آیا ہو، قرآن نے اسے ہی شرک قرار دیا، خواہ وہ مورتی (نعوذ باللہ) خدائے واحد ہی کی کیوں نہ بنائی گئی ہو۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ حلول باری تعالیٰ کی جناب میں محال ہے ورنہ اگر محض غلطی ہوتی تو اسرائیلی اس میں معذور سمجھے جاتے۔ و۱۷۳ (تمہارے توبہ واستغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد) گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا چاہیے تو یہ تھا کہ ساری قوم کو ملتی، شرک کرنے والوں کو شرک کی، اور باقی تماشہ دیکھتے رہنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن واقعۃً سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے، اور باقی ساری قوم توبہ واستغفار کے بعد بچ گئی و۱۷۴ (کہ شکرگزاری اور منت پذیری تو جوہر شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے) اس موقع پر عملی شکرگزاری توحید وطاعت پر ثابت قدمی تھی و۱۷۵ (اور جزئیات تک کے لیے زندگی کا ایک دستور العمل ہاتھ آجائے) اجمالاً راہ ہدایت یعنی توحید کی تعلیم تو اسرائیلیوں کو پہلے سے ملی ہوئی تھی، اور پیمبر ان کے درمیان موجود ہی تھے۔ اب کتاب اس لیے نازل فرمادی گئی کہ ایک مستقل ومرتب دستور العمل جزئیات زندگی کا اُن کے ہاتھ میں آجائے، اور آئندہ یہ راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔ الْکِتٰبَ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق الْکِتٰبَ کا لفظ، علاوہ قرآن کے توریت کے لیے بھی آیا ہے۔ الْفُرْقَانَ۔ فرقان اپنے لفظی معنی میں ہر وہ چیز ہے جس سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ **کل ما فرق بہ بین الحق و الباطل فھو فرقان** (لسان) الْفُرْقَانَ۔ قرآن کا بھی ایک نام ہے، اس مناسبت سے کہ قرآن حق وباطل، حرام وحلال کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت وانجیل پر بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ کتابیں بھی فارق ہیں بہ لحاظ عقائد حق وباطل کے درمیان۔ بہ لحاظ اقوال صدق وکذب کے درمیان۔ اور بہ لحاظ اعمال نیک وبد کے درمیان (راغب)۔ اس مقام پر الْفُرْقَانَ کی متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ ۱۔ الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی توریت۔ توریت ہی کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت کتابت، دُوسری صفت فرقانیت۔ اوّل کے لحاظ سے وہ الْکِتٰبَ ہے، اور دُوسری کے لحاظ سے الْفُرْقَانَ۔ **یعنی الجامع بین کونہ کتاباً منزلاً و فرقاناً یفرق بین الحق والباطل یعنی التوراۃ** (کشاف) **الفرقان نعت والواو زائدۃ یعنی الکتب الفرقان** (معالم۔ عن الکسائی)۔ ۲۔ دُوسرے یہ کہ اس سے مراد یہاں توریت اپنے احکام وشرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ یہ قول قول اوّل سے معنیً بالکل ملتا ہوا ہے۔ ۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے تھے۔ مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا، وغیرہا۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ **انہ معجزات الفارقۃ بین الحق والباطل** (روح)۔ ۴۔ مراد وہ فتح وغلبہ ہے جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا تھا۔ **النصر والفرج الذی اتاہ اللہ بنی اسرائیل علی قوم فرعون** (کبیر) **الفرقان الفرج من الکرب لانھم کانوا مستعبدین مع القبط** (قرطبی)۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے اسرار ومسائل کی تعلیم حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی۔ اور وہ ان کے بعد سے سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی قوم میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اُس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے و۱۷۶ (بعد اس کے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوچکے تھے) و۱۷۷ (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پا کر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سطحیت پر اتر آئے) و۱۷۸ فَتُوْبُوْٓا میں فا سببیہ ہے کہ نہ انہوں نے ظلم کیا ہوتا نہ آج توبہ کی نوبت آتی **والفاء للتسبیب** (بیضاوی) **لان الظلم سبب للتوبۃ** (بحر) توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لیے اپنے تئیں مخصوص کرو۔ ہر ایک مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے۔'' (خروج۔ ۳۲: ۲۹) و۱۷۹ (اپنے ہاتھ سے، یعنی غیر مجرمین مجرمین کو قتل کریں) **فلیقتل الذی لم یعبد العجل الذی عبدہ** (ابن عباس رضی اللہ عنہما)۔ شرک شریعت موسوی اور آئین اسرائیلی میں علاوہ معصیت مذہبی کے فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا، مستوجب قتل۔ توریت کی قانونی آیتوں میں مشرک ومشرکہ کے لیے یہ تصریح ہے کہ ''اس مرد یا اُس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مر جائیں...... گواہوں کے ہاتھ اُس پر پہلے اُٹھیں تاکہ اس کو قتل کریں اور ان کے بعد باقی سب لوگوں کے ساتھ، تم یوں ہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست ونابود کیجیو''۔ (استثناء ۱۷: ۵۔ ۷) اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحب شریعت کے سامنے بھی نہ ہوتا تو اور کب ہوتا۔ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ توریت میں ہے:۔ ''تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک تمام لشکرگاہ میں گزرتا پھرے۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار آدمی مارے پڑے''۔ (خروج۔ ۳۲: ۲۷ و ۲۸) فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ۔ میں قتل سے مراد یہی اہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور محققین کا گروہ اسی معروف معنی میں قتل کا قائل ہے **ھو المتبادر من القتل القتل المعروف من ازھاق الروح** (روح) **ظاھر ھذا انہ ھو القتل المعروف من ازھاق الروح** (بحر) **والصحیح انہ قتل علی الحقیقۃ ھنا** (قرطبی)۔ اس کھلے ہوئے معنی کو چھوڑ کر، بلاوجہ بلاضرورت قتل کے مجازی معنی مجاہدہ یا ریاضت یا نفس کشی کے کرنا نہ کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے ماتحت۔ یہ واقعۂ قتل تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور ومسلم واقعہ ہے۔ توریت کی سند ابھی گزر چکی، تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہراتی ہیں۔ سارے دفتر نقل وروایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی ''عقل'' سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پر وہ کون سی پاگل گورنمنٹ ہے، جو اپنے قانون فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ آج کے ''روشن خیال'' تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں! و۱۸۰ (اور اس خیریت اور بہتری کا ظہور آخرت میں ہوگا) خَیْرٌ سے اشارہ یہاں نجات، مغفرت اور گناہ کی گندگی سے پاک صاف ہونے سے ہے۔ یہاں ذکر تو ایک اسرائیلی ضابطہ شریعت کا ہے۔ لیکن خود اسلامی شریعت کا ضابطہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لیے حدود مقرر ہیں، وہ دُنیا میں معاف نہیں ہوسکتے، خواہ مجرم صدق دل سے تائب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ امید ضرور قائم ہوجاتی ہے کہ وہ نادم وتائب حشر میں دُھلا دُھلایا، پاک صاف حاضر ہوگا و۱۸۱ فَتَابَ عَلَیْکُمْ۔ یعنی تمہاری توبہ من حیث القوم قبول کرلی۔ سزا صرف انہیں افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعۃً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریک جرم رہا اس کی خطا معاف ہوگئی و۱۸۲ دُنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور اب بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کر دینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانون مکافاتِ عمل کا پابند ہے۔ مسیحیت بھی اسی اساسی گمراہی میں مبتلا ہے۔ خدا چونکہ از خود کسی کو معاف نہیں کرسکتا، اور معاف کرنا چاہتا ہے، اس لیے اُس نے اپنے بیٹے کو سب کی طرف سے بطور کفارہ سزا دے کر دوسروں کو معاف کردیا۔ یہودیت نے بھی خدا کی قہاریت پر اتنا زور دیا کہ اس کی رحمت ورحمانیت کی تصویر بالکل ہی دُھندلی پڑگئی۔ قرآن مجید نے توبہ وقبولِ توبہ اور رحمتِ الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ان ساری گمراہیوں کی تردید کردی و۱۸۳ (کہ جو مخاطبہ تم سے ہوا وہ مخاطبہ الٰہی

عی تھا، اور جو کلام تم انہیں سنا رہے ہو وہ کلام الٰہی ہی ہے) قُلْتُمْ "تم نے کہا تھا" یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔ والقائلون هم السبعون الذين اختارهم موسى للميقات (بیضاوی) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ۔ اے لاجل قولک (بیضاوی) تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جا رہے ہیں، اور اسرائیلیوں پر ان کی قومی تاریخ سے حجت قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لے کر لشکرگاہ سے کوہِ طور پر گئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے ہیں اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگانِ قوم کو پہنچائی ہے ف۱۸۴ (اپنی انہیں مادی اور ظاہری آنکھوں سے) گویا اللہ تعالیٰ بھی کوئی مادی جسم رکھتا ہے! اور گویا رسول کے حواس عام بشری حواس سے کچھ ممتاز ہی نہیں ہوتے! ف۱۸۵ (اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحيل (بیضاوی) اَخَذَتْكُمْ۔ "کم لیا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کی جماعت کو۔ معتزلہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ رویت باری جائز ہی نہیں۔ ورنہ اگر جائز ہوتی تو اس سوال پر سرداران اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی۔ لیکن اہل سنت کا مذہب ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہو ہی کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضل خاص ممکن ہے۔ البتہ بے جہت، جسم اور مادی کم و کیف سے پاک۔ وقد اختلف فى جواز رؤية الله تعالى فاكثر المبتدعة على انكارها فى الدنيا والآخرة واهل السنة والسلف على جوازها فيهما و وقوعها فى الآخرة (قرطبی) الممكن ان يرى رؤية منزهة عن الكيفية وذلك للمومنين فى الآخرة و لافراد من الانبياء فى بعض الاحوال فى الدنيا (بیضاوی) رہی ان کی یہ سزا تو اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی بات کو جھٹلا رہے تھے (حالانکہ ظہور معجزات و دلائل کے بعد پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے) یا یہ کہ وہ سوال اپنے رفع جہل کے لیے نہیں، بلکہ بطور انکار، از راہِ عناد کر رہے تھے۔ انما عوتبوا بكفرهم لانهم امتنعوا عن الايمان بموسى بعد ظهور معجزاته والايمان بالانبياء واجب بعد ظهور معجزاتهم ولانهم لم يسالوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک) ف۱۸۶ توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اندھی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے"۔ (خروج۔ ۱۹:۱۶) وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ مفسر ابن حیان نے کہا ہے کہ ينظرون عربی میں ينتظرون کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے اگر کوئی یہ مراد لے کہ "تم سوال رویت کے مقبول ہونے کا انتظار کر رہے تھے" تو اس معنی کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگرچہ کسی سے یہ مفہوم منقول نہیں۔ ولكن هذا الوجه ليس بمنقول فلا اجسر على القول به وان كان اللفظ يحتمله (بحر) ف۱۸۷ یہ احیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر ہوا تھا۔ اسرائیلی روایات اس باب میں خاموش ہیں بَعَثْنٰكُمْ "جلا اٹھایا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کو۔ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ۔ موت اور بعث دونوں کے کھلے ہوئے معنی مرنے اور جی اٹھانے کے ہیں۔ اور ایسا ہی مفسرین نے عموماً سمجھا ہے۔ بلکہ یہ کہہ دیا ہے کہ بعد موت کی قید لگائی ہی اس لیے گئی ہے کہ بعث کو کوئی غشی یا نیند کے بعد نہ سمجھے۔ اے احييناكم (قرطبی) ماتوا وذهبت ارواحهم ثم رد والاستيفاء آجالهم (قرطبی) وقيد البعث لانه قديكون عن اغماء او نوم (بیضاوی) والموت هنا ظاهره مفارقة الروح الجسد وهذا هو الحقيقة (بحر) بحر، روح وغیرہ میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ موت حقیقی نہ تھی، بلکہ بیہوشی کی قسم سے مجازی موت تھی ف۱۸۸ (اور آئندہ توحید اور ایمان پر پوری طرح قائم رہو) بعض تفسیروں میں یہاں یہ قصہ نقل ہوا ہے کہ یہ ستر اشخاص بعد کو حضرت موسیٰ کی دعا سے نبی ہو گئے۔ لیکن یہ قصہ بے اصل ہے۔ هذا غريب جدا (ابن کثیر) و هو بعيد (روح) ف۱۸۹ (تمہیں آفتاب کی تپش سے بچانے کے لیے جب کہ تم صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے) جزیرہ نمائے سینا جیسے ریگستانی ملک اور چٹیل میدان کی دھوپ میں سایہ میسر آ جانا واقعی سایۂ رحمت سے کم نہیں۔ توریت میں ستونِ ابر اور ستونِ نار دونوں کا ذکر بہ طور معجزہ کے ہے۔ سیاقِ قرآنی سے معجزہ کا پہلو لازم نہیں آتا۔ ذکر عام نعمتوں کا ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پر ان کی تاریخ کے اہم ترین دور میں برابر نازل ہوتی رہیں۔ اور قرآن مجید نے عام مستقل اور بہ ظاہر طبیعی اسباب سے پیدا شدہ نعمتوں کو کہیں بھی معجزانہ و خارق نعمتوں سے کم اہمیت نہیں دی ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خداوند دن کو بدلی کے ستون میں تاکہ انہیں راہ بتائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کے تاکہ انہیں روشنی بخشے ان کے آگے چلا جاتا تھا تاکہ دن رات چلے جائیں اور بدلی کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو ان کے آگے سے ہرگز نہ اٹھاتا تھا۔" (خروج۔ ۱۳: ۲۱ و ۲۲) روایاتِ یہود میں حسب بیان جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۴ صفحہ ۱۲۳) یہ تصریح بھی موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب کثرتِ معاصی میں مبتلا ہو جاتے تھے تو یہ ابر ان پر سایہ کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ الْغَمَامَ۔ قرآن مجید نے اسے محض ابر بتایا ہے۔ یہود اسے تختِ خداوندی سمجھتے تھے ف۱۹۰ (اسی دشتِ سینا میں) انزل۔ "اتارا" سے یہ مراد لازمی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ چیز کسی غیر طبیعی، معجزانہ طریق پر اتری ہو۔ پانی، لوہا، کھانے کے سامان وغیرہ جو اپنے معمولی اور طبیعی طریقوں پر انسان کے کام کے لیے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لیے قرآن مجید کی زبان میں "اتارنے" ہی کا لفظ آیا ہے۔ مَنّ۔ اہلِ لغت کی تحقیق میں یہ ایک میٹھی میٹھی رطوبت تھی

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ

یہی بہتر ہے تمہارے حق میں تمہارے خدا کے نزدیک ف۱۸۰ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی ف۱۸۱

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ

بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے ف۱۸۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا

يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ باور کریں گے تمہارے (کہنے سے) ف۱۸۳ جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں علانیہ ف۱۸۴

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ

سو (اس پر) تم کو آ لیا کڑک نے، ف۱۸۵ اور تم (اس کا آنا) دیکھ رہے تھے ف۱۸۶۔ پھر

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے پیچھے، ف۱۸۷ کہ شاید تم شکرگزار ہو ف۱۸۸

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا ف۱۸۹ اور ہم نے تمہارے اوپر مَنّ و سلویٰ

وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

اتارا ف۱۹۰ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ف۱۹۱

وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ زیادتی اپنی ہی جانوں پر کرتے رہے ف۱۹۲

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا ف۱۹۳ کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ ف۱۹۴ اور اس میں،

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ

جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو ف۱۹۵ اور دروازہ (شہر) میں عاجزی سے

جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المنّ شيٌ كالطلّ فيه حلاوة يسقط على الشجر (راغب)۔ عربی میں اسم جنس ہے، خیر وشر کی طرح، جس کا واحد نہیں آتا۔ اسم جنس لا واحد له من لفظه مثل الخير والشر قاله الاخفش (قرطبی)۔ معنی اس کے متعدد بیان کیے گئے ہیں، میٹھا گوند، شہد، شربت وغیرہ۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ یہ ترنجبین کے مرادف ہے۔ الترنجبين وعلى هذا اكثر المفسرين (قرطبی) الاكثرون على ان المنّ هو الترنجبين (معالم) اور ترنجبین سے متعلق قدیم طب کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ شہد کی طرح جمی ہوئی اور لذیذ، آسمان سے گرنے والی شبنم کی قسم کی چیز ہے۔ الترنجبين طل يقع من السماء وهو ندىٌ شبيه بالعسل جامد متحبّب (مفردات ابن البیطار)۔ بہر حال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلا مشقت وتعب مل جاتی تھی۔ توریت کی تصریحات اس بارہ میں حسب ذیل ہیں:۔ ”صبح کو لشکر کے پاس اوس پڑی۔ اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز ایسی سفید جیسے برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے، اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ منّ ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے۔ تب موسیٰ نے انہیں کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی ہے۔“ (خروج۔ ۱۶: ۱۴ و ۱۵) ”اسرائیل کے گھرانے نے اس کا نام منّ رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھی، اور مزہ اس کا شہد میں پکی ہوئی پھلوری کا تھا۔“ (خروج۔ ۱۶: ۳۱) ”اور منّ سوکھے دھنیے کی مانند تھا۔ اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر جا کر اُسے جمع کرتے تھے۔ اور چکی میں پیستے تھے۔ یا اوکھلی میں کوٹتے تھے، اور توؤں پر پکاتے تھے اور پھلکیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو منّ بھی اُن پر پڑتا تھا۔“ (گنتی۔ ۱۱: ۸۔ ۱۱) سلوٰی۔ ایک قسم کا بٹیر ہے۔ بٹیر جزیرہ نمائے سینا کا خاص جانور ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آجاتا ہے۔ اُڑتا اونچا نہیں۔ بہت نیچے رہتا ہے۔ تھک بہت جلد جاتا ہے اور شکار بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۵)۔ اس کا شمالی سفر مصر سے فلسطین کی جانب عموماً مارچ میں ہوتا ہے۔ اور جنوبی فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ یہ اسرائیلی بٹیرہ وہ تھے جو مارچ اپریل میں رات کے وقت اپنی شمالی پرواز میں ہوتے ہیں۔ بحر قلزم شمال میں جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے، وہاں تک یہ اپنے سالانہ اُڑان میں آتے ہیں۔ اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سمندری ہوا ان کی بے شمار تعداد بہ آسانی اسرائیلیوں کے ڈیروں تک لے آتی تھی۔ (ڈکشنری آف دی بائبل۔ از ڈاکٹر ہیسٹنگز۔ جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) ان کا گوشت چربی دار ہوتا ہے، رکھنے سے بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا بائبلیکا، کالم ۳۹۹۹)۔ واضح رہے کہ سارے رکوع میں اور اس کے بعد بھی ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ حق تعالیٰ کے معاملات کا ہے۔ اور ان معاملات کو حق تعالیٰ نے بہ طور اپنے احسانات وانعامات کے گنایا ہے۔ ضرور نہیں کہ یہ سارے واقعات اپنے عام طبعی اسباب سے ہٹ کر بہ صورت معجزات ہی پیش آئے ہوں۔ اصل مقصود یہاں احسانات والطاف خداوندی کی یاد دہانی ہے۔ خواہ وہ حسب عادت ہوں، خواہ بہ طور خارق عادت۔ یعنی قانون تکوینی کی عام دفعات کے ماتحت، یا کسی خصوصی دفعہ کے مطابق۔ اہل تفسیر نے عموماً ابر کی سایہ افگنی، منّ وسلوٰی کے نزول، اور چٹان سے چشمہ کی روانی، سب کو معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن کسی کی تحقیق میں اگر یہ سب امور عامہ واقعات طبعیہ میں داخل ہوں اور ان کی توجیہ عام اور معمولی قوانین تکوینی کے ماتحت ہو جائے، یا آج کل کی اصطلاح میں ان کے سائنٹفک اسباب دریافت ہو جائیں، تو اس کا اثر ارشادات قرآنی پر مطلق نہیں پڑے گا۔ اُن کی احسانی اور انعامی حیثیت بہر صورت قائم رہتی ہے۔ اور اسی کی تذکیر قرآن کا مقصود ہے۔ توریت میں البتہ اس کے برعکس، سارا زور ان واقعات کی معجزانہ حیثیت پر ہے **وا۱۹** (اور ان چیزوں کا ذخیرہ نہ کرو۔ روز کی روز خرچ کرتے رہو) حکم اسرائیلیوں کو یہ ملا تھا کہ بلا ضرورت ان غذاؤں کا ذخیرہ نہ کرتے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ”ذخیرہ اندوزی“ Hoarding کی عادت یہودیوں کی آج کی نہیں، بہت قدیم ہے **و۱۹۲** (اس حکم کی خلاف ورزی کر کے) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے۔ اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکا ہوا ہے، چنانچہ وہ کثرت جاہ ومال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں۔ حرص میں مبتلا، توکل سے ناآشنا، اور نافرمانی کے عادی بنی اسرائیل سے تعمیل اتنے معمولی حکم کی بھی نہ ہونے پائی۔ لگے ان غذاؤں کا ذخیرہ فراہم کرنے، اور لطیف غذائیں باسی ہو ہو کر سڑنے لگیں۔ توریت میں ہے:۔ ”اور باوجودیکہ موسیٰ نے کہا کہ کوئی اس میں سے صبح تک باقی نہ چھوڑے۔ وہ اس کے سننے والے نہ ہوئے۔ اور بعضوں نے صبح تک کچھ رہنے دیا۔ سو اس میں کیڑے پڑ گئے اور سڑ گیا۔“ (خروج۔ ۱۶: ۲۰) یہود جو مشرک قوموں کے اثر سے عقیدۂ تجسیم کے قائل تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو بھی بشری اوصاف سے متصف جانتے تھے، اور اس کے تاثر وانفعال کے معتقد تھے، انہیں یہ بار بار بتانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ کسی نفع ونقصان سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو احکام الٰہی کی نافرمانی کر کے نقصان اُٹھاتا ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی **و۱۹۳** (بنی اسرائیل سے اُن کے پیغمبر علیہ السلام کی وساطت سے) یہ واقعہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے تو وہی مراد ہیں، اور اگر ان کے بعد کا ہے تو ان کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام۔ قرآن مجید، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، توریت کے بعض حصوں کی طرح تاریخ کی کوئی کتاب نہیں۔ اس لیے اس کے بیانات میں تسلسل زمانی اور ترتیب تاریخی ہرگز ضروری نہیں۔ اس کا مقصود صرف نتائج وعبر ہیں، اخلاقی وروحانی سبق، نہ کہ واقعات کی روداد، اس ایک حقیقت کو پیش نظر نہ رکھنے سے یہود ونصاریٰ آج قرآن فہمی میں طرح طرح کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، یہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ تاریخ اسرائیل ہی کا ایک مسلّم واقعہ ہے۔ زمانہ تاریخی اس کا جو کچھ بھی ہو۔ **و۱۹۴** یہ بستی کون سی تھی؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جو موجودہ نقشوں میں Jericho کے نام سے ملے گا۔ یہ بحر مُردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ قدیم ائمہ تفسیر کا رُخ، بیت المقدس کے بعد پھر اسی شہر کی جانب ہے قرية اريحا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هي اريحا قرية من بيت المقدس (ابن جریر۔ عن ابن زید) اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لیے گئے ہیں۔ بعض شہروں کے نام تک اب بدل گئے ہیں۔ مثلاً ایلہ کہ اب اُسے عقبہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر شطیم ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے، جو بحر مُردہ کے مشرق میں ہے۔ شہر دریائے یردن کے مشرق (بائیں) کنارہ پر ہے۔ بحر مُردہ کے شمال ومشرق میں۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانہ میں یہ شہر گویا اُن کا سرحدی ناکہ تھا، عربی میں اُسے وادی النار بھی کہتے ہیں اور وادی بنی مریم بھی۔ بعض مفسرین نے جو درون کا نام لیا ہے، اُس سے بھی یہی مراد معلوم ہوتی ہے **و۱۹۵** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر خوب وسیع اور خوب آباد و پر رونق تھا۔ **و۱۹۶** (بہ طور اظہار عجز ونیاز وعبودیت کے) کہ یہی شان مومنین مخلصین کی ہے۔ الباب۔ دروازہ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔ قدیم شہروں کے ارد گرد ایک بلند چہار دیواری شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی شہر میں داخل ہوتے وقت اسی شہر پناہ کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا سُجَّدًا یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی عاجزی سے فروتنی کے ساتھ۔ سجدۂ نماز کی ہیئت مخصوص مراد نہیں سجدًا اى متذللين منقادين (راغب) خاشعة خاضعة (ابن جریر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما) اراد به الخضوع وهو الاقرب (کبیر) قيل متواضعين خضوعا لا على هيئة متعينة (قرطبی) توریت اس اہم جزو کے تذکرہ سے خالی ہے۔ **و۱۹۷** گویا زبان بھی قلب واعضاء کی طرح اظہار تذلل کرتی رہے۔ یہ فرق ہے اللہ والوں کے لشکر اور دنیا دار بادشاہوں کے لشکروں کے داخلہ میں، ایک کے ہاں قومی جھنڈا اور ترانے بجتے ہوتے ہیں۔ وطنی نعرے لگتے ہوتے ہیں۔ یعنی قدم قدم پر قومی شیخی اور وطنی بڑائی کا اظہار، دوسرے کے ہاں قلب خشوع سے لبریز اور زبان پر تسبیح وتوبہ۔ حِطَّةٌ سے یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حطّۃ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبری یا عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ واستغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔ وقد روى عن ابن عباس انهم اُمروا بهذا اللفظة بعينها وهذا محتمل ولكن الاقرب خلافه بوجهين احدهما ان هذه اللفظة عربية وهم ما كانوا يتكلمون بالعربية وثانيهما وهو الاقرب انهم اُمروا بان يقولوا قولادا لا على التوبة والندم والخضوع (کبیر) ولا تتوقف التوبة على ذكر لفظة بعينها (روح) اور ایسا ہی صاحب بحر نے بھی کہا ہے۔ تفسیر قرطبی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن میں یہاں طویل بحث اس کی موجود ہے کہ آیا شریعت کے الفاظ میں تبدیلی جائز ہے؟ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جہاں الفاظ ہی تعبّد کے ہوں، یعنی

تھا انہی الفاظ ہی کا ہو، وہاں تبدیلی جائز نہیں، لیکن جہاں اصل مقصود معانی ہوں، وہاں لفظی تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ معنوی تغیر تک نہ پہنچ جائے ف۱۹۸ یعنی ان لوگوں کو جو نیک کاری میں اخلاص کامل سے لگے ہوئے ہیں۔ عفو و مغفرت کا وعدہ تو سب ہی توبہ کرنے والوں سے ہو چکا۔ اس کے بعد یہ ذکر مزید فضل و کرم کا ہے ف۱۹۹ یعنی جو الفاظ انہیں تلقین کیے گئے تھے انہیں چھوڑ چھاڑ کچھ اور کچھ ہزل اور تمسخر کے زبان پر لانے لگے۔ یہ کلمے کیا تھے، اس میں روایتیں مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے اب وہ کام تمسخر و استہزاء سے لے رہے تھے **و معنی الآیۃ انھم وضعوا مکان ما أمروا بہ من التوبۃ والاستغفار قولاً مغایراً لہ مشعراً باستھزاء ھم بما أمروا بہ کل ذلک عدم مبالاۃ باوامر اللہ** (بحر) ف۲۰۰ رجز، رجز عام ہے ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو **الرجز ھو العذاب** (لسان) لفظ کی تنوین عذاب کی شدت و ہیبت کے اظہار کے لیے ہے **والتنوین للتھویل والتفخیم** (ابوسعود) مِنَ السَّمَآءِ سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ **ای مقدرٌ من السماء** (بیضاوی) الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کی تکرار آیت میں، ان ظالموں کے ظلم نمایاں کرنے کے لیے ہے **فی تکریر** الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا **زیادۃ فی تقبیح امرھم و ایذانا بان انزال الرجز علیھم لظلمھم** (کبیر) **ولم یضمرہ تعظیماً للامر** (قرطبی) یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ ہمارے ہاں روایتیں طاعون کی نقل ہوئی ہیں **بعث اللہ علیھم الطاعون** (کبیر۔ عن ابن زید) **الطاعون** (کبیر۔ عن وہب) **والمراد بہ الطاعون** (بیضاوی) تاریخ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ طاعون اس قوم پر بار بار آیا۔ اور بائبل میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت متن میں اگر قریہ سے مراد شہر سطیم ہی لیا جائے جو موآب کے علاقہ میں ہے تو اس کے طاعون کا تو مفصل ذکر بائبل میں موجود ہے:۔ ”سو اسرائیل سطیم میں مقیم ہوئے اور ان لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرامکاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کی دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیل بعل فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا“ (گنتی۔ ۲۵:۱۔۳) ”وہ جو اس وبا میں مرے چوبیس ہزار تھے۔“ (گنتی۔ ۲۵:۹) ف۲۰۱ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ **ای بسبب فسقھم المستمر** (ابوسعود) كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا صیغہ دوام، عادت و استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہ تھا، روحانی یا اخلاقی بدپرہیزیاں یا نافرمانیاں تھیں۔ قوانین تکوینی کی خلاف ورزی نہیں، اصل باعث شریعت موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ شریعت کی خوردبین نگاہ امراض اور معاصی کے ان خفی و دقیق تعلقات تک بآسانی پہنچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے حاذق طبیبوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے ؎

ابر ناید از پئے منع زکات
وز زنا خیزد وبا اندر جہات

فقہاء نے آیت سے اہل بدعت کا ظالم اور سزاوار غضب ہونا نکالا ہے۔ بدعت کہتے ہیں دین میں ایسے نئے امر کے پیدا کرنے کو جس کا نشان اصل شریعت میں نہ موجود ہو۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ جب لفظی تبدیلی یہ نوبت پہنچا دیتا ہے تو عملی تحریف کی شناعت کا کیا ٹھکانا! **والقول انقص من العمل فکیف بالتبدیل والتغییر فی الفعل** (قرطبی) ف۲۰۲ اب قوم اسرائیل فلسطین سے دور اور مصر سے الگ، دونوں کے درمیان معلق، جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان و ریگستان میں اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو رہی ہے۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام ہے۔ خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت، چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجئے۔ پیاس سے بے حال اور بیدم تو ہو ہی رہے تھے، مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجھلاہٹ اور غصہ اپنے رہبر اور سردار حضرت موسیٰ پر اتارنے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا، وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے۔ اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں ... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں“۔ (خروج۔ ۱۷:۱۔۴) اور قدیم ترین یہودی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ”وہ مقام رفیدیم میں پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے ... یہاں کی سرزمین میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گئے“۔ (باب ۳۔ فصل ۲) پیمبر بھی غیب داں، ہمہ بیں نہیں ہوتے۔ جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تھی تو بجز دعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ البتہ خود توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیش) درج ہے اور تفصیلات تقریباً سب وہی:۔ ”بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت صین کو آئی اور قادس میں رہنے لگی ... وہاں جماعت کے لیے پانی نہ تھا۔ سو وہ جمع ہو کے موسیٰ و ہارون کے برخلاف ہوئے اور ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور کہا ..... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں، تب موسیٰ و ہارون علیہما السلام جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور منہ کے بل گرے“ (گنتی۔ ۲۰:۱۔۲)

سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ

جھکے ہوئے داخل ہونا ف۱۹۶ اور کہتے جانا توبہ ہے ف۱۹۷ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے

وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں ف۱۹۸ مگر ان زیادتی کرنے والوں نے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا ف۱۹۹ سو ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

ان زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی ف۲۰۰ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی

يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا

کرتے رہے تھے ف۲۰۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی ف۲۰۲ سو ہم نے کہا

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

(اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو ف۲۰۳ تو اس میں سے بارہ چشمے

عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ

پھوٹ نکلے ف۲۰۴ (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا) گھاٹ معلوم کر لیا ف۲۰۵

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي

کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے، اور زمین پر فسادی بن کر

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

مت پھرو ف۲۰۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں کر سکتے ف۲۰۷ سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے

اس بنا پر علمائے بائبل کتب میں باہم سخت اختلاف پڑ گیا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مقام کون سا تھا۔ لیکن بہر حال وہ مقام کوئی سا بھی ہو، اور ایک ہو یا دو ہوں۔ نفس اس واقعہ کا وقوع کوئی اختلافی و نزاعی مسئلہ نہیں اور یہ تاریخ بنی اسرائیل کے مسلمات میں سے ہے استسقی لفظی معنی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی۔ اور مراد یہ ہے کہ پانی کے لیے دعا کی ای دعا لهم موسى بالسقيا (کشاف) مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پٹری (Petrie) ۳۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵۔۱۹۰۴ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے، اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنیے:۔ ”یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے، جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جا بجا نخلستان کے ساتھ فاصلے جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ناہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے ہیں۔ پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرا نوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے“ ف۲۰۳ (تاکہ اسی چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے۔ پہاڑی چشمہ، پہاڑوں کے اندر سے پانی کے اُبلتے ہوئے دھارے ہر ایک کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے جب پانی کے لیے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو انہیں ہدایت ہوئی کہ فلاں پہاڑی تک چلے جاؤ، چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی اُبلنے لگے گا۔ توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

دعا کر دیجیے ان چیزوں کی جنھیں زمین اگاتی ہے ف۲۰۸

بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوا ف۲۰۹

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ

(موسیٰ نے) کہا تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے بدلنا چاہتے ہو اس چیز کے مقابلہ میں جو

خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو ف۲۱۰

وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ

اور ان پر جما دی گئی ذلت اور محتاجی ف۲۱۱ اور وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ

اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ف۲۱۲ یہ (سب) اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

انکار کرتے رہتے تھے، ف۲۱۳ اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے ف۲۱۴

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ

یہ (سب) اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے ف۲۱۵ بے شک

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی

جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، ف۲۱۶ اور جو لوگ یہودی ہوئے ف۲۱۷ اور نصاریٰ ف۲۱۸

وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ

اور صابی ف۲۱۹ (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے ف۲۲۰

پہاڑی جس سے چشمہ اُبلا، حورب یا حریب میں واقع تھی:۔ ”خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنی عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں قریب کے چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا۔ تو اس چٹان کو ماریو۔ اس سے پانی نکلے گا تا کہ لوگ پئیں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔“ (خروج۔ ۱۷:۵و۶) عصا معروف و متعارف معنی لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں۔ موسیٰ کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اس کے یہ کھلے ہوئے معنی چھوڑ کر ایک مجازی معنی (جو صرف عصا المسلمین وغیرہ کی ترکیب میں جائز ہے) ”جماعت، یا گروہ“ کے کرنا لغت پر ظلم کرنا ہے۔ الحجر سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسیٰ کے علم میں تھی۔ الاشارة الى حجر معلوم (کبیر) اللام فيه للعهد (بیضاوی) كان حجرا معينا بدليل انه عرفه بالالف واللام (معالم) فاضرب۔ ضرب۔ کے عام و معروف معنی مارنے کے ہیں۔ چلنے کے معنی اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ ”فی“ کے ساتھ آئے۔ مثلاً ضرب فى الارض۔ ”روشن خیالی“ کے مرض میں مبتلا معاصرین نے جو آیت کا ترجمہ ”اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ“ کیا ہے، یہ جس طرح لغت و قواعد زبان کے خلاف ہے۔ اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف، اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔ ف۲۰۴ یعنی اس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر یہ اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں قرآن نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل، انگریزی میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے۔ آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:۔ ”ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے۔ بتصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا“ اور ایک دوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:۔ ”چٹان میں اس وقت ۲۴ سوراخ موجود ہیں، جو بہ آسانی شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ۱۲ ایک طرف ہیں اور ۱۲ اُن کے مقابل جانب۔“ پادری ڈین اسٹینلی (Dean Stanley) نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں، صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافی تحقیق کے لیے بہ نفس نفیس فلسطین اور اس کے ملحقات کا سفر کیا۔ اور اپنے مشاہدات و تحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی۔ اُس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔ ”یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور اس سقف کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف اور دراز جا بجا پڑے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے، گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔“ (صفحہ ۳۔۳۶) عرب کے اُمی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے، صدیاں گزر جانے پر اُس کے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے منکرین و معاندین کی زبان سے! ف۲۰۵ اُناس۔ یعنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے ہر گروہ نے۔ اى من كل سبط (بیضاوی) اى من قومه الذين استسقى لهم (بحر) صیغۂ جمع ہے لفظاً اس کا کوئی واحد نظر نہیں آتا۔ جمع لا واحد له من لفظه (روح) مشربهم۔ یعنی اپنے اپنے لیے پانی لینے کی جگہ۔ اى عينهم التى يشربون منها (کشاف) ف۲۰۶ جب قوم کی قوم قانون الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کر لیتی ہے تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ و فساد، حرب و ضرب اور کثرت جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور امن انفرادی و اجتماعی دونوں طرح پر اُٹھ کر رہتا ہے۔ فضل و انعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہے اس کو غنیمت سمجھو، قانون الٰہی کی پابندی کرو، اس قانون کو توڑ کر امن و نظم

عالم میں اعتدال کے باعث نہ ہو۔ رِزْقِ اللّٰہِ میں رزق کی نسبت اپنی جانب کر کے گویا ایک بار پھر انہیں جتا دیا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ سب خدا ہی کے فضل و عطا سے ہے تمہارے زور بازو کا نتیجہ نہیں۔
تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔ عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ العیث شدة الفساد (قرطبی) العثی اشد من الفساد (معالم) مُفْسِدِیْنَ۔ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔ تکرر المعنی تاکیدًا لاختلاف اللفظ (قرطبی) عیث و عثی کے معنی ایک ہی ہیں عثی لغت قرآنی ہے (قرطبی) ایک باریک فرق دونوں میں یہ ہے کہ عیث کا تعلق فساد حسی سے ہے اور عثی کا فساد معنوی سے (راغب) ف۲۰۷ (اور اسے کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں) یہ ذکر بھی اسی دشت سینا کے زمانہ خانہ بدوشی کے کسی اور موقع کا ہے، قرآن مجید بیان واقعات میں ان کی تاریخی ترتیب کے تسلسل کا ہرگز پابند نہیں۔ بنی اسرائیل عرصہ دراز تک ایک ہی قسم کی غذا کھاتے کھاتے اکتا گئے تھے اور اب اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمائش کر رہے تھے کہ اس بیابان سے نکال کر کہیں دوسری جگہ لے چلیے، جہاں قسم قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے موجود ہوں۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ یعنی ایک ہی قسم کا کھانا، بٹیر اور ترنجبین جو انہیں ہر روز ملے چلا جاتا ہے ف۲۰۸ (اور جن کے خوگر ہم مصر میں رہ چکے ہیں) مصریوں کی مرغوب غذا اکثر زراعت پیشہ قوموں کی طرح یہی زمینی پیداوار تھی۔ ''مصر میں آج کی طرح اس وقت بھی بڑی مانگ سبزی، پیاز، لہسن وغیرہ کی تھی۔''

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اور نیک عمل کرے، ف۲۲۱ سو ان (سب) کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے ف۲۲۲

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا ف۲۲۳ اور ہم نے تمہارے اوپر (کوہ) طور کو بلند کیا ف۲۲۴

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے ف۲۲۵ اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا

تم متقی بن جاؤ ف۲۲۶ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد (بھی) پھر گئے ف۲۲۷ سو اگر

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا

ہوتے ف۲۲۸ اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے

مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تھا ف۲۲۹ تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

ہو جاؤ ف۲۳۰ ہم نے اسے (موجب) عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

بعد کے لوگوں کے لئے ف۲۳۱ اور نیز (موجب) نصیحت (بنایا) خوف خدا کے رکھنے والوں کے لئے ف۲۳۲

(انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۱۲۰۹)۔ اور یہی چیزیں اسرائیلیوں کی بھی اصل غذا بن چکی تھیں۔ ''اسرائیلیوں کی اصل غذا سبزی تھی، خصوصاً غلہ کی اقسام''۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۴۳۰) ''قدیم اسرائیلی سبز ترکاریوں اور پھلوں پر بسر کرتے تھے''۔ جلد ۵ صفحہ ۵۹۲۔ ف۲۰۹ توریت کی روایت اس سے ملتی جلتی مگر کسی قدر مختلف حسب ذیل ہے:۔ ''اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے۔ کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے۔ اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی، یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مگر یہ من''۔ (گنتی ۱۱: ۴۔ ۶) فوم کے معنی گیہوں کے علاوہ لہسن کے بھی آتے ہیں۔ ف۲۱۰ (کہ بڑے شہروں میں سبزیاں اور پھل علاوہ فصل اور موسم کے، بے فصل اور خلاف موسم بھی مل جایا کرتے ہیں، وَمِصْرًا۔ کوئی شہر۔ یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے۔ مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں جس کی حد بندی ہو چکی ہو۔ اسم لکل بلد محصور ای محدود۔ اور یہاں تو تنوین کے ساتھ کھلا ہوا اسم نکرہ ہے لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ ''ملک مصر'' کر ڈالا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بیجا ہے، نامعقول ہے، جب دیکھا کہ اصرار جاری ہے تو پھر یہ کہا کہ اچھا اگر یہ منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کے لیے قوم اسرائیل کے اس وقت کے طرز معاشرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ صورت حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں یہ نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین (یا کنعان) تک نہیں پہنچ پائے ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان اور فلسطین کے جنوب میں جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں معلق ہیں۔ یہ علاقہ اس وقت تک غیر متمدن ہے، مکان، باغ، عمارتیں کھیت وغیرہ جو لوازم تمدن ہیں، اس لق و دق بیابان میں کہیں موجود نہیں، اسرائیلی اس وقت مکانوں میں سکونت پذیر نہیں۔ بلکہ اپنے خیموں ڈیروں کے ساتھ، کہ آج یہاں سے کوچ ہے تو کل وہاں مقام، خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ایک مستقل سفر اور مستمر نقل و حرکت اس بیابان میں کر رہے ہیں، البتہ بیابان کے خاتمہ کے بعد ملک مصر سے ویران اور بے آب و گیاہ نہیں، غیر بیابانی علاقے اچھے خاصے آباد تھے اور شہری اور حضری تمدن کے نمونے جا بجا موجود تھے۔ یہ علاقہ مصر کے زیر حکومت تھا گو برائے نام۔ وَمِصْرًا میں اشارہ اسی قسم کے کسی شہر کی طرف ہے ف۲۱۱ ضُرِبَتْ کے معنی ہیں پیس دی گئی، چپکا دی گئی، مسلط کر دی گئی۔ ذِلَّة کے معنی ہیں خواری و رسوائی اور مسکنة سے مراد ہے فقر اور محتاجی۔ الذلة الذل والصغار (قرطبی) المسکنة الفقر والفاقة و تشدید المحنة (کبیر) عَلَیْهِمْ میں ضمیر هم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیے یہ ہیں کون لوگ جن کے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی؟ ضمیر کا مرجع الیهود یا الذین هادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے۔ یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم و نسل ہے۔ سبحان اللہ! ایک ذرا سا لفظ جان بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ جو ذلت، نکبت، افلاس، مقہوریت تقریباً ۱۴۰۰ سال گزر جانے پر بھی آج تک چپکی ہوئی چلی آ رہی ہے اس کی مورد حامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب و ملت کے پیرو۔ خود لفظ Anti Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی ہنگری، رومانیہ وغیرہ، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ لیکن سیاسی محکومی اور ذلت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو، اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تمول تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض دھوکا، اور عام طور سے چلا ہوا مغالطہ ہے۔ دولت و ثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ''گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں انہیں سے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے''۔ (جلد ۱۰ صفحہ ۵۱) ''عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں''۔ (جلد ا صفحہ ۱۶) **و۲۱۲** (اسی دنیا میں اپنی ہی جیسی مخلوق کے ہاتھوں) بَآءُوْ کے معنی اور بھی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد استحقاق ہے۔ اے استوجبوا اللعنة (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اے استحقوا (کبیر) اے استحقوا غضبا (بحر) نسل اسرائیلی پر اس قدرتی غضب کا ظہور برابر انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس آخر زمانہ میں ہٹلر جیسے چنگیزی فرمانروا کی یہود دشمنی و یہود بیزاری اخبار بین و تاریخ خواں طبقوں سے پوشیدہ نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ عارف کے لیے اس قصہ میں بڑا سبق ہے۔ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑنا چاہیے۔ جنہوں نے نہ بلا پر صبر کیا نہ نعمت پر شکر ادا کیا، اور نہ قضاء الٰہی پر راضی رہے۔ ایسوں پر ذلت طغیان لگادی گئی، حب دنیا ان کے قلب میں جمادی گئی۔ اور انہیں درجات عالیہ سے گرادیا گیا۔ **و۲۱۳** لفظ یہاں کفروا نہیں کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ استعمال ہوا ہے۔ ذکر کسی خاص موقع کا نہیں کہ اس وقت وہ منکر ہو بیٹھے تھے بلکہ ذکر ان کی مستقل قومی خصلت کا ہو رہا ہے کہ انکار کرتے ہی رہتے تھے۔ انکار کو شعار ہی بنالیا تھا۔ ایات اللہ کا لفظ عام ہے۔ معجزات و خوارق بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور کتب آسمانی بھی، اے المعجزات مطلقا... اوالکتب المتلوة مطلقا (روح) المعجزات التسع وغیرھا .. اوالقراٰن اوجمیع ایات اللہ المنزلة علی الرسل (بحر) بِاَنَّهُمْ میں باء سببیہ ہے یعنی یہ سزا انہیں کفر عادی اور مسلسل قتل انبیاء کی پاداش میں ملی۔ **و۲۱۴** ''قتل تک'' یعنی دوسری بیہودگیاں، شرارتیں، سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے بھی نہ چوکے۔ یسعیاہ نبی کا قتل، یرمیاہ نبی کا قتل، زکریا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا اقدام قتل (بلکہ اپنے خیال میں قتل ہی) یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں۔۔ یہ تو سوا اس قاتل روش کی نہ تھی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی رعایتیں روا رکھی جائیں؟ اسے زندہ رہنے کی بھی کچھ مہلت دی جاتی؟ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ لیکن نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتل جائز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ پھر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو نہیں اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافہ سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق و ناجائز تھے۔ یعنی خلاف عدل تو خیر ہوتے ہی، قانون وقت کے لحاظ سے خلاف قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! اے عندھم ایضا (مدارک) قتلوھم من غیر ان کان ذٰلک القتل حقا فی اعتقادھم و خیالھم (کبیر) اے لم یدعوا فی قتلھم وجھا یستحقون به القتل عندھم (بحر) بعض نے کہا ہے کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔ کان ھذا تعظیما للشنعة علیھم (قرطبی) تعظیم للشنعة والذنب الذی اتوہ (قرطبی) سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے زمانہ بھی آپ کا نسبۃً بہت قریب کا ہے۔ یعنی عہد تاریخی کے اندر کا۔ اس وقت کی تاریخ ایک اچھی خاصی حد تک محفوظ ہے۔ حال میں اٹلی کے ایک ایڈووکیٹ روزیڈی (Rosedi) اور انگلستان کے ایک بیرسٹر انیس (Innes) نے قدیم کاغذات کی چھان بین کرکے، آپ کے مقدمہ کی روداد یں الگ الگ شائع کی ہیں۔ یہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ کے مقدمہ میں یہ نہیں ہوا کہ رومی حاکم عدالت سے سزائے صلیب کا فیصلہ سنانے میں کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی۔ بلکہ ہوا یہ کہ یہود نے ایک بالکل جھوٹا استغاثہ گڑھا۔ اور پہلے اپنی مذہبی عدالت میں، اور پھر ملک کی عام فوجداری عدالت میں بالکل ہی بے ضابطہ کارروائیاں کر کے حکم سزا دلا دینے میں کامیاب ہوگئے۔ رومی اور جیسے بھی کچھ ہوں، آئین دوستی اور قانون پرستی تو ان کی مشہور ہے۔ جب ان تک کے عہد میں یہ اندھیر ہوا، تو پھر قدیم ترین انبیاء کی مظلومیت کا کیا ٹھکانا۔ جن کے قتل میں غالباً ضابطہ کی ظاہری اور رسمی صورت بھی نہیں برتی گئی! **و۲۱۵** اسرائیلیوں کے مسلسل تمرد، سرکشی نافرمانی کے تذکروں سے توریت و انجیل دونوں کے صفحات لبریز ہیں۔ سب کے نقل کرنے کی نہ گنجائش نہ ضرورت۔ مشتے نمونہ از خروارے دو چار نمونے دیکھتے چلیے:۔ ''انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑا دیا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا۔ اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی۔ یہاں تک کہ خدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا''۔ (۲ تواریخ ۳۶: ۱۶) ''تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے''۔ (یرمیاہ ۲: ۳۰) ''اے اہل یعقوب علیہ السلام اور اہل اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کون سی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دور بھاگے اور بطالت کے پیرو ہوئے اور آپ باطل ہوگئے'' (یرمیاہ ۲: ۴و۵) ''وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا۔ اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا''۔ (نحمیاہ ۹: ۲۶) یہ مختصر، بہت ہی مختصر، اقتباسات عہد قدیم کے نوشتوں سے تھے۔ اب عہد جدید کے نوشتوں کے ایسے ہی مختصر نمونے ملاحظہ ہوں:۔ ''اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو..... نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟'' (اعمال۔ ۷: ۵۱و۵۲) تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں...... دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں ان میں سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے۔ اور بعض کو اپنے عبادتخانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے تم پر آئے۔ . اے یروشلم، اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں، انہیں سنگسار کرتی ہے''۔ (متی۔ ۲۳: ۲۹۔ ۳۷۔ لوقا۔ ۱۱: ۳۴، ۳۵) غرض توہین انبیاء اور پیمبر کشی کا الزام یہود پر قرآن مجید نے دنیا میں پہلی بار نہیں لگایا ہے۔ ان کی فرد جرم کا یہ عنوان تو قدیم نوشتوں میں موجود چلا ہی آتا تھا۔ قرآن مجید نے محض اس کی تصدیق و توثیق کردی۔ بِمَا عَصَوْا میں باء سببیہ ہے۔ ذٰلِكَ۔ اس اسم اشارہ کا مشار الیہ کفر اور قتل انبیاء ہے۔ الاشارة الی الکفر والقتل (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کسی گناہ کو بھی خفیف نہ سمجھنا چاہیے، ایک گناہ برابر دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کفر کا۔ چنانچہ یہاں بھی عصیاں اور تجاوز حدود تھا جو ان لوگوں کو کفر آیات الٰہی اور قتل انبیاء تک لایا۔ مفسر بیضاوی نے بھی یہاں یہی کہا ہے کہ جس طرح چھوٹی طاعت بڑی طاعت کی طرف لے جاتی ہے، چھوٹی معصیت بھی بڑی معصیت تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خوئے عصیاں نے رفتہ رفتہ کفر و قتل انبیاء تک پہنچادیا۔ جرھم العصیان والتمادی والاعتداء فیه الی الکفر بالایٰت و قتل النبیین فان صغار الذنوب سبب یؤدی الی ارتکاب کبارھا **و۲۱۶** (آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب پر، یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) ایمان لانے کے معنی کل عقائد ضروری کے تسلیم کر لینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مطلق صورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے، مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مومنین ہی ہیں۔ اے من امن بمحمد صلی اللہ علیه وسلم (بحر۔ عن عباس رضی اللہ عنہ) ھم المصدقون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ما اتاھم من الحق من عنداللہ (ابن جریر) اور رازی علیہ الرحمہ نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کیے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت و قائم رہے۔ الذین امنوا فی الماضی و ثبتوا علی ذٰلک واستمروا علیه فی المستقبل و ھو قول المتکلمین (کبیر) **و۲۱۷** یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں یقال ھادوا تھود اذا دخل فی الیھودية (بیضاوی) خواہ پہلے سے یہودی چلے آ رہے ہوں۔ نسلاً یہودی ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ کچھ اور ہوں اور اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لیے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل و خاندان کا چلا آ رہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جا رہے تھے۔ اب ذکر ان کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ الَّذِيْنَ هَادُوْا آیا ہے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ، قبیلہ یا قوم کا نام تھا جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباؤ اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا۔ تاریخ کے دہراتے وقت ضروری تھا کہ اس نسلی نام کو لیا جائے۔ اب بیان ایک دینی مسلک کا، ایک اعتقادی نظام کا شروع ہو رہا ہے۔ ضروری ہوا کہ اب نام ایسا لیا جائے، کوئی وصف ایسا بیان کیا جائے، جو بجائے نسل، نسب و خاندان کے مسلک و عقیدہ کی جانب رہنمائی کرے۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا اسی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے قرآن مجید کی بلاغت کے وجوہ اعجاز بے شمار ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقارب، لیکن متمائز معانی کے لیے لفظ بھی دو مختلف لاتا ہے، اور ان کے دقیق باہمی فرق کا لحاظ رکھ لیتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔ تبلیغی مذہب نہیں۔ کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے۔ لیکن یہود کی صحبت سے متاثر، اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔ بجائے الیھود کے اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے عقائد اختیاری کی جانب دلالت خوب واضح ہو جائے۔ بنی اسرائیل کی قومی حکومت و وجاہت کا خاتمہ تو ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے بلکہ کہنا چاہیے کہ ۷۰ ء میں مشرک رُومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی، اسی لیے خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا لفظ جہاں جہاں استعمال کیا ہے، سیاقِ عبارت ہر جگہ تاریخی ہے **ف۲۱۸** اَلنَّصٰرٰی۔ نصارٰی جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ ہے (Nazareth) علاقہ گلیلی میں۔ بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحرِ روم سے مشرق میں ۲۰ میل کے فاصلہ پر۔ موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت عیسٰیؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے۔ اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصری کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں۔ نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔ **سموا بذلک انتساباً الی قریۃ یقال لھا نصران** (راغب) **نصران قریۃ بالشام ینسب الیہ النصارٰی** (جوہری) یہی اشتقاق ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے آیا ہے۔ **سمیت النصاری نصارٰی لان قریۃ عیسی ابن مریم کانت تسمّی ناصرۃ وکان اصحابہ یسمون الناصریین** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور یہی قول قتادہ و ابن جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا **وھو قول ابن عباس و قتادۃ و ابن جریج** (کبیر) **سموا بذلک لقریۃ تسمّی ناصرۃ کان ینزلھا عیسیٰ فلما ینسب اصحابہ الیہ قیل النصارٰی** (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے۔ لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کر لیا جائے قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصارٰی کا کر رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پُر حکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا اُن کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour) خدا کو نہیں، مسیح "ابن اللہ" کو یقین کرتے ہیں۔ اور خدائی کو تین اقنوموں میں تقسیم کر کے ایک ناقابلِ فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں ---- اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لیے نام بھی جو مشہور اور چلا ہوا تھا، اُسے ترک کر کے نصارٰی لایا گیا۔ نصرانی معرب ہے Nazarene کا حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے، ابتدائی زمانہ میں Nazarenes کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے۔ آگے چل کر یہی لوگ ابیونیہ (Ebonites) بھی کہلائے۔ لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت، حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی، تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے، تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے۔ موجودہ مسیحیت سرتاسر پولوسیت ہے۔ اور تمامتر پولوس (Paul) طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ ہی روز بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محل مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب بھی آیا ہے تو ہمیشہ ملامت، بیزاری کے ساتھ۔ ان آیتوں میں:۔ **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلٰثۃ۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔** وقس علٰی ہذا۔ **ف۲۱۹** اَلصّٰبِئُوْنَ۔ صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آ جائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ **من خرج او مال عن دین الی دین** (قرطبی) **قیل لکل خارج من الدین الی دین اٰخر صابیئ** (راغب) اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہل کتاب تھے، اپنے کو "نصارائے یحیٰی" کہتے تھے۔ گویا حضرت یحیٰی علیہ السلام کی اُمت تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ **قال عمر ابن الخطاب و ابن عباس ھم قوم من اھل الکتاب و قال عمر تحل ذبائحھم مثل ذبائح اھل الکتاب** (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ **ھم طائفۃ من اھل الکتٰب** (ابن جریر۔ عن السدی) **فرقۃ من اھل الکتاب** (ابن کثیر۔ عن ابی العالیۃ والربیع بن انس والضحاک والسدی واسحٰق بن راھویہ) ابن زیدان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر) اور ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتوی ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ **قال ابو حنیفۃ لا باس بذبائحھم و نکاح نسائھم** (قرطبی) تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اُردو ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اُردو، دہلی) اس کے صفحہ ۴۷ پر فاضل مترجم، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈین Mandcan پر حاشیہ دیتے ہیں:۔ "مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابیون کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحیٰیؑ کی اُمت کہتے ہیں۔" (ایران بہ عہد ساسانیاں) **ف۲۲۰** مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفت پر ایمان لائے، جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے۔ اور وہ ایمان ہر قسم کی شرکت آمیزی سے پاک ہو۔ اس ایمان باللہ کے تحت میں اس کے سارے لوازم و تضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازمِ توحید میں سب سے اُونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنے والی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات رسول ہی کی ہوتی ہے۔ **قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان برسلہ** (کبیر) وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یوم آخرت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارے احکامِ آخرت پر ایمان لایا جائے۔ **دخل فی الایمان بالیوم الاخر جمیع احکام الاخرۃ** (کبیر) تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دُوسرے مذہبوں میں یوم حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا۔ اور انہوں نے جزا و سزا کی اور اور صورتیں تجویز کر لیں۔ **ف۲۲۱** (اور عمل صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحی الٰہی یعنی شریعت اسلامی کے ماتحت ہو) دورِ حاضر کی چلتی ہوئی گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحب ایمان ہے مگر بدعمل، اور دُوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو اِن دو میں نجات کس کی ہوگی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں۔ لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ حسن عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر تصحیح ایمان کے، بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عمل صالح کی تعریف میں آ ہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا "حسن عمل" تو صرف صورۃً عمل ہوگا، ورنہ اس کی حقیقت (یعنی خالق کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی ہوگی۔ **ف۲۲۲** اعتقاد صحیح اور عمل صحیح بس یہی دو شرائط نجات ہیں۔ گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں۔ اور ان دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ میں عِنْدَ سے مراد عندیت مکانی نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک و منزہ ہے، محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ **لیس المراد العندیۃ المکانیۃ فان ذلک محال فی حق اللہ تعالٰی بل المراد ان اجرھم متیقن جار مجری** (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ و حکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آ رہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کے لیے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمان صحیح اور عمل صحیح ہیں۔ **لیعرف انّ جمیع ارباب الضلال اذا رجعوا عن ضلالھم و امنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانہ و تعالٰی یقبل ایمانھم و طاعتھم ولا یردھم عن حضرتہ**

البینة (کبیر) لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ بیان آخرت کا ہو رہا ہے۔ یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اہل ایمان کو نہ اپنے ماضی پر حسرت ہوگی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش۔ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور غم و حزن کا ماضی سے۔ ف۲۲۳ (اے بنی اسرائیل تمہارے پیغمبر کے واسطہ سے اس مضمون کا کہ تم توریت پر عمل کرو گے)۔ ف۲۲۴ الطُّوْرَ۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص و قیل اسم لکل جبل (راغب) جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔ قوم کے اُوپر پہاڑ بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ توریت میں اس کی کچھ مجمل سی کیفیت درج ہے:۔ ”وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا پر زیر و بالا دھواں تھا، کیونکہ خداوند شعلہ میں ہوکر اس پر اُترا، اور شور کا سا دھواں اس پر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا“۔ (خروج۔ ۱۹: ۱۷ و ۱۸) اور تالمود جو توریت کی مشہور و مستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے ہاں موجود ہے، اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں۔ ”حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اُوپر کوہ سینا کو اُلٹ دیا۔ جس طرح کوئی بڑا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہوکر رہ جاؤ گے“۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ صفحہ ۳۲۱) ”خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر اُلٹ کر اوندھا کر دیا اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہے گا“۔ (ایضاً) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ و تابعین کی زبان سے نقل کیے ہیں، ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال۔ ف۲۲۵ یہ پورا مقولہ اسی وقت کا ہے جب کتاب نازل ہوئی تھی۔ کتاب ہدایت کے نزول اور رفع طور کے ساتھ ساتھ ہدایت اس کی بھی ہوئی تھی کہ اس کتاب کی محافظت کرنا اور اس کے احکام پر مداومت۔ اعملوا بما اعطیتکم من الکتب (ابن عباس) مَآ اٰتَیْنٰکُمْ سے مراد کتاب توریت ہے۔ احکام توریت کے اس اخذ و تمسک کی تاکید اور اس کے ترک پر وعید خود توریت میں بھی جا بجا مذکور ہے:۔ ”جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اُس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین“۔ (استثناء۔ ۲۷: ۲۶) ”اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تا کہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ سے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی بہ نسبت تجھے سرافراز کرے گا“۔ (استثناء۔ ۲۸: ۱) ”لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہوگا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو ایسا ہوگا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی، اور تجھ تک پہنچیں گی“۔ (استثناء۔ ۲۸: ۱۵) ف۲۲۶ (اور تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل کیا جائے) وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ۔ یاد رکھو اس کے مضامین کو تا کہ ان پر عمل کر سکو۔ احکام الٰہی کا یاد رکھنا اصلاً اسی غرض سے ہوتا ہے کہ اُن پر عمل کیا جا سکے۔ حکم کے تحت میں حفظ، قرأت وغیرہ بھی داخل ہیں، لیکن مقصود اصلی وہی عمل ہے۔ اقرؤا ما فی التورٰة واعملوا بہ (ابن کثیر۔ عن ابی العالیہ) ای تدبروہ و احفظوا اوامرہ و وعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ ھذا ھو المقصود من الکتب العمل بمقتضاھا لا تلاوتھا باللسان و ترتیلھا (قرطبی) لَعَلَّ کے لیے پوری تصریح اُوپر گزر چکی ہے کہ یہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو مفہوم شک و احتمال کا نہیں رہتا، بلکہ معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف۲۲۷ (اور حسب سابق پھر نافرمانی کرنے لگے) مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ یعنی اس قول و اقرار کے بعد۔ کتاب ہدایت و احکام مل جانے کے بعد۔ ای من بعد البرھان (قرطبی) ف۲۲۸ یعنی فی الفور ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، اور ساری قوم کی قوم دُنیا سے اسی طرح بے نشان ہو گئی ہوتی، جیسے اور پرانی متعدد قومیں ہو چکی ہیں۔ فضل و رحمت خداوندی بنی اسرائیل کے حق میں یہی تھی کہ ان کی خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی گئی۔ اور انہیں اور مہلت سنبھلنے اور اپنے کو درست کرنے کی دی گئی۔ ف۲۲۹ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ علم کا لفظ خود ہی تحقیق کے معنی میں قرآن مجید میں بار ہا استعمال ہوا ہے۔ پھر لام حرف تاکید۔ قد حرف تاکید۔ لَقَدْ جس فعل پر داخل ہوتا ہے، اس میں معنی شدت تاکید کے پیدا کرتا ہے۔ گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لیے خوب اچھی طرح سے جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے۔ اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل جس واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلّم و متعارف واقعہ ہے اور تم اُس سے بلا شک و اشتباہ خوب واقفیت رکھتے ہو۔ مِنْکُمْ۔ یعنی تمہارے اسلاف و اجداد میں سے۔ فِی السَّبْتِ۔ یعنی احکام سبت کے بارہ میں۔ سبت کے لفظی معنی ہیں ہفتہ کا ساتواں دن، یعنی شنبہ یا سنیچر۔ السَّبْتِ شریعت یہود کی اصطلاح میں ایک مقدس دن، مسیحیوں کے اتوار کی طرح ہے۔ یہ دن صرف یاد خدا اور عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اور اس روز تجارت، زراعت، شکار وغیرہ ہر قسم کے دنیوی کام سب ممنوع تھے۔ اور ممانعت بھی اس شدومد کے ساتھ کہ جو اس حکم کو توڑے اس کی سزا قتل۔ توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پس سبت کو مانو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے...... پس جو کوئی روز سبت کو کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے“۔ (خروج۔ ۳۱: ۱۴ و ۱۵) اِعْتَدَوْا۔ تجاوز کر جاتے تھے شریعت موسوی کے حدود سے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں تھی۔ یہ ذکر انہیں کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آتا ہے۔ (استثناء ۲: ۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقہ ادوم میں) بحر قلزم کی مشرقی خلیج میں لب ساحل واقع ہے۔ موجودہ جغرافیہ اس کو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کا مشہور بندرگاہ ہے۔ ایلہ کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے۔ مچھلی کا شکار ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور اسے ظاہری صورت جواز دے کر سبت کے دن کیا کرتے۔ ف۲۳۰ اس مسلسل نافرمانی پر سزا تو ان مجرموں کو یقیناً ملی۔ باقی کیا ملی، اس کی تفصیلات اس درجہ قطعی نہیں۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن کے ظاہر الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔ اس تفسیر پر عقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ کے قانون تشریعی کے توڑنے میں اتنے جری و بیباک ہوں، ان کے حق میں خالق کائنات اپنے قانون تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے، اور بجائے ”ارتقاء“ کے بھی اگر ”ارتقاء معکوس“ ہو جائے تو اس میں عدم امکان تو خیر کیا ہوگا، استبعاد بھی کچھ ایسا زائد تو نہیں لیکن روایتیں خود اس نتیجہ پر تمام تر متفق نہیں۔ بلکہ یہ قول تابعین ہی کے زمانہ سے تفسیروں میں لکھا چلا آ رہا ہے کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا، صوری نہیں۔ یعنی ان کے عادات و اخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے۔ اور بندر کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا۔ ورنہ حقیقۃً وہ بندروں کے جسم و قالب میں تبدیل نہیں کیے گئے تھے۔ لم یمسخوا قردة انما ھو مثل ضربہ اللہ لھم (ابن جریر۔ عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسخوا قردة (ابن جریر۔ عن مجاہد) روی عن مجاھد فی تفسیر ھذہ الاٰیة انہ انما مسخت قلوبھم و ردت افھامھم کا فھام القردة (قرطبی) مفردات میں بھی ایک قول اسی معنی میں نقل ہوا ہے۔ قیل بل جعل اخلاقھم کا خلاقھا و ان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) لیکن جمہور مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قول غریب اور ظاہر سیاق قرآنی کے خلاف ہے۔ قول غریب خلاف الظاھر من السیاق فی ھذا المقام و فی غیرہ (ابن کثیر) و ظاھر القراٰن انھم مسخوا قردة علی الحقیقة و علی ذلک جمھور المفسرین و ھو الصحیح (روح) ف۲۳۱ سزا کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، بہرحال تھی وہ کوئی بہت سخت اور عبرتناک سزا۔ قرآن مجید کا مقصود اس سزا کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ اس کی عبرت انگیزی اور موعظت آموزی کے پہلو کو واضح کرنا ہے ـــ واقعہ جو کچھ بھی ہو، یہود کا جانا بوجھا ہوا تھا، قرآن اُسے صرف یاد دلا رہا ہے۔ جعلنٰھا میں ھا کی ضمیر عقوبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور اُس مسخ شدہ اُمت کی طرف بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ای جعلنا تلک العقوبة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی بہ فجعلنا الامة التی اعتدت فی السبت (ابن جریر) نَکَالًا۔ نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ ای عبرة تنکل المعتبر بھا (بیضاوی) عبرة تنکل من اعتبر بھا (کشاف) مَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا۔ ما دونوں جگہ مَنْ کے معنی میں آیا ہے یعنی ما کا استعمال جاندار، صاحب عقل مخلوق کے لیے ہوا ہے۔ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا معاصرین کے معنی میں ہے اور مَا خَلْفَھَا بعد کے آنے والوں کے معنی میں۔ ما بین یدیھا ای معاصریھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما خلفھا ای مَنْ خلفھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بما

قبلھا و بما بعدھا من الامم والقرون (کشاف) بَیْنَ یَدَیْھَا اور خَلْفَھَا دونوں میں ضمیر ھا عقوبت کی طرف ہے۔ والضمیر ان للعقوبۃ (قرطبی) گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے، اور لوگ اس کا تذکرہ سن سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں ف۲۳۲ یعنی تاکہ متقین کو اس واقعہ کی حکایت سے راہ تقوی کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو۔ یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہوں گے۔ صاحب روح المعانی نے یہاں یہ نکتہ اہل عرفان کے نیے لکھا ہے کہ اللہ نے عبادتوں کو خاص خاص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔ تاکہ طبعی ظلمتیں دور ہوں سو جو شخص ان ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نور استعداد ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحاب سبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہیں، انہیں کی طبیعت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ اس امت کے لیے مسخ صورت نہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ اداء شریعہ کے ذریعہ سے اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہل کشف اس زمانہ میں ایسے بھی پائے گئے ہیں، جو انسان کو اسی حیوان کی شکل میں دیکھتے ہیں، جس کی صفت حیوانی اس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً جس میں ظلم و شقاوت غالب ہوتی ہے، اُسے آتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ بھیڑیا آ رہا ہے۔ یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر یوں بول اٹھتے ہیں کہ سور چلا آ رہا ہے۔ اور اس قسم کا کشف کچھ بھی صرف اہل حق و مقبولین کے ساتھ مخصوص نہیں ف۲۳۳

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ حکم دیتا ہے

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

کہ ایک گائے ذبح کرو ف۲۳۳ وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا؟ ف۲۳۴

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۶۷

موسیٰ نے کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں ف۲۳۵

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو ف۲۳۶ کہا کہ وہ

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ

فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے

بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۸ قَالُوا ادْعُ

درمیان ہو ف۲۳۷ سو (اب) کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے وہ بولے ہماری طرف

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے ف۲۳۸ کہا کہ وہ

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو ف۲۳۹ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم

النّٰظِرِيْنَ ۝۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

ہوتی ہو ف۲۴۰ وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ

مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ

وہ (اور) کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے ف۲۴۱ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور

اسرائیلیوں میں ایک واقعہ قتل کا ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ذبح گاؤ کا حکم اسی سلسلہ میں ملا۔ اس کی کچھ تصریح اگلے رکوع میں آ رہی ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ صدیوں تک مصر میں اور مصر والوں کے درمیان رہتے رہتے بہت سے مشرکانہ رسوم توحید کے علمبردار اسرائیلیوں میں پھیل چکے تھیں۔ اور گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی ہے۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گائے کی تقدیس مشرکانہ مذہب کا ایک جزء تھی۔ توریت میں اسرائیلیوں کو ذبح گاؤ کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ مثلاً "بنی اسرائیل کو کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے"۔ (گنتی۔ ۱۹: ۲)" جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے، اسی شہر کے بزرگ سے ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جوئے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بیہڑ وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو، لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں۔" (استثناء ۲۱: ۳ و ۴) بقرۃ۔ اصلاً صرف گائے کے لیے ہے، اور ثور کا مؤنث ہے۔ قیل للذکر ثور (راغب) البقرۃ اسم للانثی والثور اسم للذکر (قرطبی) لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کے لیے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لی ہے ف۲۳۴ بنی اسرائیل "گئوماتا" کے احترام و تقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے۔ یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہوگا۔ بس یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی اور تفنن طبع کی راہ سے کہہ رہے ہیں ف۲۳۵ (اور احکام خداوندی کی پیام رسانی میں ہنسی دل لگی سے کام لینے لگوں) جاھلین۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے برخلاف ادا کرنا جو اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ الجھل فعل الشیٔ بخلاف ما حقہ ان یفعل (راغب) اللہ کی طرف سے پیام گڑھ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل و جاہل ہو۔ انما یکون ذلک من الجھل باللہ تعالی (بحر) یا وہ کر سکتا ہے جو امور دینی میں استہزاء کے نتائج و عواقب سے بے خبر ہو۔ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ بما فی الاستھزاء فی امر الدین من العقاب الشدید (کبیر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین و معظمات دین کے ساتھ استہزاء حکم جہل اور گناہ عظیم میں داخل ہے اور اس کا مرتکب مستحق وعید ہے۔ و فی الاٰیۃ دلیل علی منع الاستھزاء بدین اللہ و دین المسلمین و من یجب تعظیمہ وان ذلک جھل و صاحبہ مستحق للوعید (قرطبی) یدل علی ان الاستھزاء من الکبائر العظام (کبیر) لیکن ساتھ ہی یہ ضروری تصریح بھی کر دی ہے کہ مزاح یا خوش طبعی کو استہزاء یا تمسخر سے کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی تو خود رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین میں برابر رائج رہی ہے۔ ولیس المزاح من الاستھزاء بسبیل الا تری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمزح والائمۃ بعدہ (قرطبی) والفرق بین الھزء والمزاح ظاہر فلاینافی و قوعہ من الانبیاء (روح) اور مفسر قرطبی نے اس سلسلہ میں ابن خویز منداد کے حوالہ سے شہر کوفہ کے قاضی (جج) کی ایک دلچسپ حکایت بھی نقل کی ہے ف۲۳۶ (بلحاظ عمر) مَا ھِیَ سے مراد بیان حقیقت نہیں۔ مقصود توضیح مزید ہے ف۲۳۷ یعنی نہ ایسی بوڑھی ہو نہ بالکل بچہ۔ فارض وہ ہے جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو۔ بِکْر وہ ہے جس نے ابھی بچہ جنا ہی نہ ہو۔ الفارض المسنۃ التی لا تلد والبکر الفتیۃ التی لم تلد قط (معالم) یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرۃ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔ عَوَانٌ کے معنی درمیانی سن رکھنے والی۔ العوان المتوسط بین السنین (راغب) ف۲۳۸ اہل مصر بیل کی تقدیس کے باوجود اسے قربانی میں بھی چڑھایا کرتے تھے۔ مگر قربانی کے بیل میں بڑی بڑی کی کھال نکالا کرتے تھے۔ اس کا رنگ یکسر سفید ہو، اس کے جسم بھر پر بال ایک بھی سیاہ نہ ہو، دُم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ غرض طرح طرح کی قیدیں اور شرطیں تھیں۔ یہ سب پوری ہو لیتیں جب کہیں جا کر قربانی

کی نوبت آتی۔ اسرائیلیوں نے جو اتنی موشگافیاں کیں، عجب نہیں کہ مصریوں ہی کی صحبت کا اثر ہو وت۲۳۹ یعنی رنگ خوب شوخ کھلتا ہوا ہو۔ فلسطین و سینا کی بعض گائیں یقیناً اس رنگ کی ہوتی ہوں گی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل کشف خود نفس کو بھی زردی رنگ کا بتاتے ہیں۔ اور صوفیہ نے جو نفس کو اس گائے سے تشبیہ دی ہے تو اس سے وہ مشابہت اور بڑھ جاتی ہے وت۲۴۰ یعنی دو گائے خوش نما، خوش منظر، خوش رنگ ہو۔ بد رنگ، بدنما، بد منظر نہ ہو وت۲۴۱ یعنی ذرا اور تعیین و تحدید کیجئے، اس کی اور خصوصیات بیان کیجئے۔ اس حلیہ اور اس رنگ کی گائیں تو بہت سی ہیں وت۲۴۲ (گائے تعب اور اسے ضرور ذبح کر کے رہیں گے) اے الی عین البقرۃ المامور بذبحھا (بحر) وت۲۴۳ ہندوستان میں عام رواج صرف بیل سے کاشتکاری کا کام لینے کا ہے، گائے سے نہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا جاتا ہے وت۲۴۴ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۸۔ وت۲۴۵ یعنی مفصل و پورا پتہ تو اب بتایا ہے وت۲۴۶ یعنی ان کی مسلسل موشگافیوں سے تعمیل حکم بعید ہی معلوم ہوتی تھی وت۲۴۷ (اپنے ہی میں سے)" تم نے" یعنی تم میں سے کچھ لوگوں نے۔ ذکر بنی اسرائیل ہی کا بدستور چل رہا ہے۔ یہاں بھی اشارہ ان کی قومی تاریخ ہی کے کسی واقعہ کی طرف ہے لیکن اس خاص واقعہ کی تعیین کے لیے یہود کے ذخیرۂ تاریخ و روایت میں بہت زیادہ گھسنے اور کرید کرنے کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ کوئی آئندہ مفسر ہمت کر کے اس فرض کو ادا کرے گا۔ وت۲۴۸ (اور ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے) یعنی اصل قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ قاتل فلاں ہے اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ فَادّٰرَءْتُمْ۔ درء کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ ۔ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ، یہاں اِدّٰارَءْتُم (بروزن اِفّاعلتم) سے مراد آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے سے ہے۔ اے ینفی کل واحد منکم القتل عن نفسه ويضيفه الى غيره (کبیر) اختلفتم واختصمتم في شانها (کبیر)

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

راہ پر جائیں گے وت۲۴۱ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو وت۲۴۳

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ

اس میں (کوئی) داغ (دھبہ) نہ ہو وت۲۴۴ وہ بولے اب آپ ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَ اِذْ

پتہ لائے وت۲۴۵ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے وت۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا وت۲۴۷ پھر تم آپس میں اس کے بارے میں جھگڑنے لگے وت۲۴۸ اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ

جسے تم چھپا رہے تھے وت۲۴۹ تو ہم نے کہا کہ اس (میت) پر اس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو وت۲۵۰

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا وت۲۵۱ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں وت۲۵۲ دکھاتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ

تاکہ تم عقل سے کام لو وت۲۵۳ اس پر بھی تمہارے دل اس کے

بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ

بعد بھی سخت ہی رہے، وت۲۵۴ چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں، بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر وت۲۵۵ اور

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ

پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں وت۲۵۶ اور

وت۲۴۹ یعنی اصل قاتل کا پتہ۔ رکوع سابق میں جو حکم ذبح گاؤ کا ملا ہے، وہ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے، شاید اسی موقع کے لیے تھا۔ وت۲۵۰ تفصیلات کا علم تو عالم الغیب کو ہے۔ البتہ اتنا پتہ تو یہود کے قانون شریعت (توریت) کے مطالعہ سے بہرحال چلتا ہے کہ قتل کے موقع پر جب قاتل کی تحقیق ہو رہی ہو، چند مخصوص شرائط کی پابندی کے ساتھ ایک جوان گائے کو جس سے کوئی خدمت نہ لی گئی ہو ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اس کے لاشہ پر بزرگان قوم ایک خاص طریق پر دعا کر کے خون کے گناہ سے اپنی بخشش چاہتے تھے۔ کتاب استثناء کے باب ۲۱ میں آیت ۱۔ ۹ میں تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔ " اگر اس سرزمین میں جس کا خداوند تیرا خدا تجھے ارشاد کرتا ہے، کسی کی لاش کھیت میں پڑی ہوئی ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے، تب تیرے بزرگ اور تیرے قاضی باہر نکلیں اور ان بستیوں تک جو مقتول کے گرداگرد ہیں، درمیان کو ناپیں۔ اور یوں ہوگا کہ جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو۔ . اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں . پھر اس شہر کے سارے بزرگ جو مقتول سے نزدیک ہیں اس بچھیا کے اوپر جو اس وادی میں گردن ماری گئی ہے اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دے کے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا"۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور قاتل کا نام اور پتہ بتا کر پھر مر گیا۔ واللہ اعلم وت۲۵۱ (قیامت کے دن) جعل تبارک و تعالى ذلك الصنيع حجة لهم على المعاد (ابن کثیر) قرآن مجید نے اپنی عام خصوصیت یعنی خاص سے عام کی تعمیم کی یہاں بھی نہ چھوڑی۔ اور ایک جزئی واقعہ سے اپنی قدرت اور امکان بعث ہی کا پہلو نمایاں کیا وت۲۵۲ (اور نمونے اپنی قدرت کاملہ اور اختیار مطلق کے) وت۲۵۳ (اور کم از کم، اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد امکان بعث اور وقوع قیامت کے انکار سے تو باز آ جاؤ) وت۲۵۴ یعنی قبول کی طرف ذرا نہ مائل ہوئے۔ ثُمَّ۔ یہاں استبعاد کے لیے ہے، یعنی جو نتیجہ نہ نکلنا چاہیے تھا وہ نکلا۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما يزيلها (ابوسعود) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس تصریح نے اس استبعاد کو اور زیادہ قوی و شدید کر دیا۔ مؤكدة للاستبعاد اشد تاكيدا (جمل) وت۲۵۵ (عدم قبول حق کے باب میں) اسرائیلی صحیفوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً " وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہرہ کو چٹان سے سخت تر بنایا۔ انہوں نے پھرنے سے انکار کیا ہے" (یرمیاہ۔ ۵: ۳)" سارے اہل اسرائیل بے حیائی کی پیشانی رکھتے اور سنگدل ہیں"۔ (حزقیل ۳: ۷) اَوْ۔ یہاں " یا" کے معنی میں نہیں، بلکہ " بلکہ" کے معنی میں ہے۔ كلمة او بمعنى بل (کبیر) او بمعنى بل (جمل) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَوْ یہاں بطور کلمہ اباحت آیا ہے۔ یعنی خواہ انہیں پتھر سمجھو یا پتھر سے بھی بڑھ کر سخت دونوں باتیں صحیح ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اَوْ کو کلمہ تنویع قرار دیا جائے اور آیت کے معنی یہ کیے جائیں کہ ان کے قلوب دو قسم کے ہیں۔ کچھ تو پتھر جیسے سخت، اور کچھ اس سے بھی زیادہ سخت۔ فالمعنى هم فرقتان فيهم من قلبه كالحجر، فيهم من قلبه اشد من الحجر (قرطبی) كان قلوبهم على قسمين قلوب كالحجارة قسوة و قلوب اشد قسوة من الحجارة (بحر) او للتنويع اے بعض كالحجارة و بعض اشد (روح) وت۲۵۶ (اور ان سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے) اس قسم کے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیاء و رسل ہیں۔ ان کے چشمۂ فیض سے ایک عالم اپنی روحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے

مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَ اِنَّ

کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے و۲۵۷ اور کوئی

مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے و۲۵۸ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے

عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ

بے خبر نہیں و۲۵۹ تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو و۲۶۰ کہ وہ لوگ تمہارے (کہنے سے) ایمان لے آئیں گے و۲۶۱

وَ قَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں،

ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ

پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں، اور وہ اسے (خوب) جانتے

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ

بھی ہیں و۲۶۲ اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں و۲۶۳

وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ

اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں و۲۶۴ تو کہتے ہیں کہ ارے کیا تم انہیں وہ بتا دیتے ہو

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ

جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے و۲۶۵ جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دیں گے و۲۶۶

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ

سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ و۲۶۷ کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے

مَا يُسِرُّوۡنَ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ

جسے یہ چھپاتے ہیں، اور اس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں؟ و۲۶۸ اور ان میں ان پڑھ (بھی) ہیں

و۲۵۷ (اور ان سے بھی کسی درجہ میں اللہ کی مخلوق سیراب ہوتی رہتی ہے) اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور ابرار و متقین ہیں کہ ان سے بھی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے **و۲۵۸** (اور اس طرح خود اپنے تاثر کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے) اس طرح کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں کہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت اگرچہ نہ کر سکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبول حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ۔ اوپر سے ذکر پتھروں ہی کا چلا آ رہا ہے پتھروں کا جمود تو مسلم اور ان کی قساوت تو مشاہد ہے۔ پھر ان میں خشیت اللہ کا گزر کیسے اور ہیبت الٰہی کا اثر کیونکر؟ اہل سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی اور لفظی معنوں میں ہے۔ یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزو ہوتا ہے۔ گو ان کے مرتبہ جمادی کے مطابق۔ اور ان میں فہم و ادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو ان کی سطح حجری کے متناسب۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلی الٰہی کے وقت جلالت ربانی سے چور چور ہو گیا۔ **ذلک بان الله جل ذکره اعطى بعض الحجارة المعرفة والفهم** (ابن جریر) **قيل المراد به حقيقة الخشية** (مدارک) **مذهب قوم وهو المروي عن مجاهد وغيره انها هنا حقيقة** (روح) **مذهب اهل السنة والجماعة ان لله تعالى علما في الجمادات وسائر الحيوانات سوى العقلاء لا يقف عليه غير الله فلها صلوٰة وتسبيح وخشية** (معالم) لیکن ایک دوسرا گروہ کہ وہ بھی اہل سنت ہی کا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ خشیت سے یہاں مراد محض خشیت مجازی یا انقیاد تکوینی ہے۔ عقل، فہم، شعور و ارادہ سے اس کا تعلق نہیں۔ لیکن بہرحال طبعی و اضطراری طور پر تو موجودات کا ایک ایک ذرہ قوانین الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیت الٰہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ جیسے خود محاورۂ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے جان و بے روح دیوار کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوت نہ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی۔ **انما اريد بذلك انه من عظم امر الله يرى كانه هابط خاشع من ذل خشية الله** (ابن جریر) **قيل هو مجاز عن انقيادها لامر الله** (مدارک) **والخشية مجاز عن الانقياد** (بیضاوی) **قال قوم ان الخشية مجاز عن انقياد لامر الله** (روح) دونوں گروہ اہل حق ہی کے ہیں اور دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں **و۲۵۹** خدائے تعالیٰ نہ بے علم و بے خبر ہے، نہ بے طاقت و بے اختیار ہے۔ اور اس کے علم و طاقت دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہد ہو کر رہے گا **و۲۶۰** (اے مسلمانو! اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی روداد سننے کے بعد بھی) خطاب اس آیت میں اسرائیلیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصری علیہ الرحمۃ تابعی کا قول ہے کہ اس کے مخاطب رسول ﷺ اور مومنین ہیں (کبیر) **قال القاضي وهذا الیق بالظاهر** (کبیر) **يريد محمدا واصحابه** (معالم) اَفَتَطۡمَعُوۡنَ میں جو ہمزۂ استفہامی ہے، اس کا مقصود استبعاد ہے یعنی بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے؟ **الهمزة لانكار الواقع استبعاده** (ابو سعود) **الاستفهام لاستبعاد او للانكار التوبيخي** (روح) **تطمعون**۔ طمع کے عام معنی لالچ کرنے، حرص رکھنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ **طمع فيه وبه اي حرص عليه ورجاه** (لسان) **افترجوا يا محمد** (ابن عباس رضی اللہ عنہ) مترجم دہلوی علیہ الرحمۃ نے ترجمہ فارسی میں "امید" سے اور مفسر تھانوی نے اردو میں "توقع" سے کیا ہے **و۲۶۱** "وہ لوگ" یعنی عہد رسول ﷺ کے معاصر یہود جن کی قساوت قلب کی اتنی مفصل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی۔ **هم اليهود الذين كانوا في زمن رسول عليه السلام** (کبیر) لَكُمۡ۔ یعنی تمہاری خاطر سے، تمہارے کہنے سے، تمہاری دعوت پر۔ **اي لاجل دعوتكم ويستجيبوا لكم** (کشاف) **لام السبب اي يؤمنوا لاجل دعوتكم لهم** (بحر) **و۲۶۲** (کہ کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں) وَ قَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ۔ کَانَ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، اور لغت و نحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے ان کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور معاصر یہود کا ہو رہا ہے۔ ائمہ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ بحث معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور ملزم انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ **المراد بالفريق من كان في زمان محمد عليه الصلوٰة والسلام وهذا اقرب** (کبیر) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی یہود کے آسمانی صحیفے۔ اپنے ہاں کے صحیفوں کی تحریف یہود کو خود مسلم رہی ہے۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "تم نے زندہ خدا، رب الافواج، ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے۔" (یرمیاہ۔ ۲۳: ۳۷) قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے علماء و اکابر اب صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرات انہیں الہامات معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ و عبارت میں نوشتے تیار کر دیتے تھے۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ۔ یعنی نادانستگی میں نہیں۔ دیدہ و دانستہ، سب کچھ جان لینے، سمجھ لینے کے بعد۔ **و۲۶۳** اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد تو مدینہ میں علانیہ دشمن اسلام تھی ہی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ **يعني المنافقين من اليهود** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) **و۲۶۴** یعنی یہ دیکھ لیتے

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا

جو کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض تخیلات میں

يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ

پڑے رہتے ہیں و۲۶۹ سو (بڑی) خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب (الٰہی) کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں،

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ

پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے و۲۷۰ تاکہ اس سے قدرے قلیل

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ

معاوضہ حاصل کر لیں و۲۷۱ سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں و۲۷۲

وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں و۲۷۳ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ

النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ

چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے و۲۷۴ آپ کہیے کیا تم

اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو، جو اللہ اب اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا؟ یا (یوں ہی) اللہ پر وہ جوڑ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے و۲۷۵ (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کرے گا

وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور اس کا گناہ اس کو گھیر لے گا سو یہی لوگ اہل دوزخ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہیں، و۲۷۶ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے و۲۷۷ اور جو لوگ ایمان لائیں

ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔ و۲۶۵ یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارتیں اور علامتیں۔ یہود جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہیں معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں۔ یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ --- گویا یہ احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول ﷺ اسلام اور پیروان اسلام کو جو کچھ بھی علم ہو گا محض انہیں کے بتانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس اس کے سوا ان پر علم و معلومات کے کل دروازے بند ہیں! یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا، جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں، کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروجہ، مسیحیوں کی انجیل مروجہ، اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔ اور اس کا تو کوئی امکان دور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد، وحی و الہام کے قسم کی شامل ہو! لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ لیکن پہلے بھی اس کا استعمال صرف اہل عرب کی زبان پر تھا، یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو نہ مسلم تھے نہ عرب۔ اس لیے بجائے اسی کو مجنسہ لے آنے کے اس کا ترجمہ "خدا" درج کیا گیا و۲۶۶ عِنْدَ رَبِّكُمْ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اور آخرت میں تمہیں قائل کریں گے۔ چنانچہ ایک گروہ نے یہی معنی لیے ہیں۔ المراد یحاجوکم یوم القیمة (کبیر۔ عن الاصم) ای عند ربکم یوم القیمة (جلالین) لیکن زیادہ لگتے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسی دنیا میں تم پر حجت قوی قائم کر دیں گے۔ اور عِنْدَ رَبِّكُمْ یہاں عِنْدَ اللّٰهِ کی طرح حجت قوی و معروف کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ اول تو یہود عالم آخرت کے پوری طرح قائل نہ تھے۔ دوسرے وہاں حجت قائم کرنے کے لیے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہاں تو کشف حقائق از خود ہو کر رہے گا، اس لیے یہاں گویا احتجاج بہ کتاب اللہ کو عند اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ امر قدیم ائمہ تفسیر کی عظمت پر بس کرتا ہے، کہ انہوں نے یہود کے عقائد متعلق بہ آخرت کا پورا علم رکھے بغیر بھی یہی پہلو اختیار کر لیا ہے۔ ھو فی کتاب اللہ ھکذا و ھو عند اللہ ھکذا بمعنی واحد (کشاف) ای فی حکم اللہ (کبیر۔ عن القفال) قیل ھذا علی اضمار المضاف ای عند کتاب ربکم (مدارک) لیحتجوا علیکم بما انزل ربکم فی کتابه (بیضاوی) ای فی کتابه و حکمه (روح) و۲۶۷ (جو مسلمانوں کو اپنے رازوں سے اپنی زبان سے واقف کئے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنے خلاف ہتھیار دیئے دیتے ہو) اب جا کر اکابر یہود کی تقریر اپنے ہم قوموں سے ختم ہوئی و۲۶۸ (اور وحی اللہ جب چاہے رسول ﷺ اور مومنین کو اطلاع دے سکتا ہے) موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لیے ایسے امور کی اطلاع اپنے پیمبر کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا۔ لیکن بے مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ شاید اس مدعی نبوت کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہو! ٹھیک اسی طرح جیسے آج بے مغز فرنگی اس امکان ہی کی طرف ذہن نہیں لے جاتے کہ کہیں قرآن انسانی تصنیف کے بجائے واقعی خدا ہی کی کتاب نہ ہو و۲۶۹ (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوا لیں گے"۔ "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم"۔ وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن روایتوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیح علیہ السلام کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولوس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اَمَانِيَّ۔ اُمنية کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنية ما تخیله الانسان (کبیر) التمنی فی ھذا الموقع ھو تخلق الکذب و تخرصه (ابن جریر) دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اکاذیب مختلقة سمعوھا من علمائھم فنقلوھا علی التقلید (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ومجاہد والفراء) و۲۷۰ پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا، اب ذکر خواص اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جاہد سے جاہد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ کہ خاصان خدا نے الہام خداوندی سے مشرف ہو کر اسے اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب و تالیف دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے، حقیقی اور براہ راست کے مفہوم میں نہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں، وہ بالفرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی ہوں، بہرحال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے۔ اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقاد متن Textual Criticism انتقاد تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں --- کاش سید احمد خان مرحوم (اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) آج زندہ

ہوتے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی، اس جرم کا اقبال اب کھلے لفظوں میں وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں! یورپ اب جا کر چونکا ہے، اور یہ فن ابھی پچھلی صدی، انیسویں صدی سے پیدا ہوا ہے۔ عرب کے اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی "کتاب" (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمامتر محرف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا! اللہ کا لفظ یہاں بھی یہود کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لیے ترجمہ یہاں 'خدا' سے کیا گیا **و۲۷ے۲** امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہود کی انتہائی شقاوتِ قلب کی جانب کہ کلام ربانی تک میں تحریف سے نہ چوکے۔ دُوسرے اس امر کی طرف کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی خدمتِ دین نہ تھی، تمامتر تحصیل جاہ و مال ہی تھی۔ ثَمَنًا۔ ثمن کے معنی صرف نقد یا زر قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کی ثمن ہے۔ کل ما یحصل عوضا عن شیٔ فھو ثمنہ (راغب) مفسرین نے بھی اسے یہاں اسی وسیع مفہوم یعنی مطلق دنیوی معاوضہ کے معنی میں لیا ہے۔ الثمن ھنا ھو عرض الدنیا (بحر) قَلِيلًا۔ کلام ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادی نفع، کسی قسم کا بھی حاصل ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ حقیر و بے وقعت ہی ہوگا۔ بعض خشک اہل ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جا کر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت دونوں ناجائز ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع و شرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے، نہ کہ "آیات اللہ" کی۔ آیت سے اگر کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلہ بتانے والے اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے **و۲۸ے۲** قرآنی اور اسلامی معیار صداقت و دیانت سے ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت۔ اور اسی لیے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی شخص کسی کلام کو کلام الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر کیسے سکتا ہے۔ لیکن دُوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ بعض اہل کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لیے ہر برائی درست، اور "خدا کی سچائی" اور "خداوند کے جلال" کے اظہار کے لیے ہر جھوٹ جائز۔ آج دُنیا میں مسیحیت کے نام سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے، اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آ رہا ہے:۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اُس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟" (رومیوں۔ ۳:۷) **و۲۹ے۲** (اپنی تحریفی جسارتوں سے) مِمَّا يَكْسِبُونَ سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو وہ اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں؟ اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی ہی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یقال من المعاصی (معالم) و المراد بذلک سائر معاصیھم (کبیر) دوسرے یہ کہ جو مالی نفع وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور (بقول خود) دروغ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں وہ یہاں مراد ہے۔ یصیبون من الحرام و الرشوۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای مما اکلوا بہ من السحت (ابن کثیر) المال الماخوذ علی ھذا الوجہ (کبیر) یرید بہ الرشی (بیضاوی) **و۳۰ے۲** اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی۔ یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمہ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قدر ما یعبدون یوما التی عبدفیھا اباؤنا العجل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور ایک دُوسرے مسیحی مترجم قرآن سیل نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہرحال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتش دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے:۔ "آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ در جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور خدا کے پاس واپس آ جائیں گے"۔ (جلد ۵ صفحہ ۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library Series میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں یوں آیا ہے:۔ "قیامت کے دن ابراہیم در دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔" (صفحہ ۴۰۴) "جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔" (صفحہ ۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دُلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں "ہم" صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنی رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے **و۳۱ے۲** یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیت خاصہ کا، عذاب آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے۔ تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کر لیا ہے؟ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ۔ قال کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی، کسی پر بہتان باندھ دیا۔ قال علیہ ای افتری (تاج) **و۳۲ے۲** نجات و عدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ۔ قصداً بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لیے ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابر اہل سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ ای اشرک باللہ ومات علیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) السیئۃ الکفر و الشرک قال ابن عباسؓ و مجاھد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ھذہ الآیۃ (معالم۔ عن الواحدی) فاما اذا مات مؤمنا فاعظم الطاعات و ھو الایمان معہ فلا یکون الذنب محیطا بہ فلا یتناولہ النص (مدارک)۔ بعض اہل باطل (معتزلہ و خوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدم مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحاً باطل ہے **و۳۳ے۲** خلود کے معنی اگرچہ مدت طویل کے بھی ہیں۔ لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے، اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کے ساتھ ساتھ جابجا اَبَدًا بھی آیا ہے۔ و المراد بالخلود الدوام (روح) و من الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لیس بشیٔ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام (روح) **و۳۴ے۲** دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون اعجاز و اختصار کے ساتھ آ گیا کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے ایمان و عمل صالح کی روش کا انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اُوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اُولٰٓئِكَ۔ ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہل تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہل جہنم کے لیے اور وعید میں امکان خُلف وعید کا ہے، اس لیے اُس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقع پر صرف وعدہ تھا اہل جنت سے، جس کے خُلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لیے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دُوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہل نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دُوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے (روح) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عمل صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے، اور بغیر ایمان کے مجرد عمل صالح کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ایمان کی حقیقت نیت عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیح فکر کو تصحیح عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطع نظر کر لی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے۔ حقیقتِ عمل نہیں۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہل جنت ہیں اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ

ہمیشہ رہنے والے ۲۷۹ؔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ

سے عہد لیا ۲۷۹ؔ کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے ۲۸۰ؔ اور حسن سلوک سے پیش آنا

اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

(اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) ۲۸۱ؔ

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا، ۲۸۲ؔ اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

دیتے رہنا، ۲۸۳ؔ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے، اور تم ہی ہو

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

گردن کش ۲۸۴ؔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

خون نہ بہانا ۲۸۵ؔ اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ

پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم (اس کے) گواہ ہو ۲۸۶ؔ پھر تم ہی

هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے

و۲۷۹ؔ (ان کے پیغمبروں کے واسطہ سے) عہد، جب اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے، محاورۂ توریت میں حکم کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً" اور اس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اس نے تمہیں دیا۔ یعنی دس احکام"۔ (استثناء ۴:۱۳) بعض شارحین قرآن نے بھی یہاں 'عہد لینے' کو 'حکم دینے' کے معنی میں لیا ہے۔ اے امرنا بذلک (ابن تیمیہ) **و۲۸۰ؔ** توریت اثبات توحید وممانعت شرک سے بھری پڑی ہے۔ صرف دو ایک مقام بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:۔ " میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر"۔ (خروج۔ ۲۰:۲۔۵) " میرے آگے تیرا دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر"۔ (استثناء۔ ۵:۷و۸) " سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے"۔ (استثناء۔ ۶:۴) " تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کردے۔" (استثناء۔ ۶:۱۴و۱۵) تَعْبُدُوْنَ۔ صورۃً صیغۂ مضارع ہے، لیکن معنیً امر ہے۔ **هو اخبار فى معنى النهى** (کشاف) بلکہ امر صریح سے بلیغ تر ہے۔ یعنی اس سے یہ نکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو چکی۔ **و هو ابلغ من صريح الامر والنهى لانه كانه سورع الى الامتثال** (کشاف) **هوا بلغ من صريح النهى لما فيه من ايهام ان المنهى سارع الى الانتهاء فهو يخبر عنه** (بیضاوی) **و۲۸۱ؔ** اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:۔ " تو اپنے ماں باپ کو عزت دے"۔ (خروج۔ ۲۰:۱۲) " اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے۔" (استثناء ۵:۱۶) " اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ اور کسی کام میں جو وہ چاہے بقدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔" (استثناء۔ ۱۵:۸و۹) " اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں۔" (استثناء۔ ۱۴:۲۹) " مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لیے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔" (استثناء۔ ۱۵:۱۱) **و۲۸۲ؔ** یعنی عام طور پر لوگوں سے حسن گفتار کو قائم رکھو۔ اے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ **مقالة حسنة** (بحر) **قولوا لهم القول الطيب** (بحر۔ عن ابی العالیہ) بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضۂ انسانیت ہے۔ اس لیے یہ حکم عام ہے۔ یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہیے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیم آیات قتال سے منسوخ ہوگئی۔ لیکن حضرت ابوجعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ حکم اب بھی عام ہے، تحدید وتخصیص پر کوئی دلیل نہیں، اور یہی مذہب قوی ہے۔ **زعم ابو جعفر محمد بن على الباقر ان هذا العموم باق على ظاهره وانّه لا حاجة الى التخصيص وهذا هو الاقوى** (کبیر) توریت موجودہ میں اب حسن سلوک کے جتنے بھی احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ اس لیے یا تو اس حکم کو اہل توریت نے بدل ڈالا۔ اور یا حکم ہے ہی خاص شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، جیسا کہ متعدد اہل تفسیر کا گمان ہے **و۲۸۳ؔ** صلوٰۃ، اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ اب یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انہیں مخصوص ہستیوں اور انہیں متعین قیود کے ساتھ ملے تھے۔ انہیں جو احکام ملے تھے، وہ تھے انہیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور ان کے حالات وماحول کے مطابق۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ **و۲۸۴ؔ** چند شہادتیں اسی مضمون کی خود توریت سے ملاحظہ ہوں:۔ " وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے"۔ (خروج۔ ۳۲:۸) " میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے"۔ (خروج، ۳۲:۹) " اس لیے کہ تم گردن کش لوگ ہو"۔ (خروج۔ ۳۳:۳) " بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو"۔ (خروج۔ ۳۳:۵) یہ چند حوالے صرف نمونہ کے طور پر دیے گئے۔ ورنہ توریت کا تو یہ ایک خاص موضوع ہے۔ **و۲۸۵ؔ** " عہد لیا" یہاں بھی " حکم دیا" کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۷۹ خونریزی کی ممانعت توریت مروجہ میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً:۔ " تو خون مت کر"۔ (خروج۔ ۲۰:۱۳) " بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے، بہایا نہ جائے کہ تیرا خون تجھ پر ہو"۔ (استثناء۔ ۱۹:۱۰) **و۲۸۶ؔ** یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا، جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آتا ہے، اور تمہیں اس سے مجال انکار نہیں۔ توریت میں ہے:۔ " وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے"۔ (خروج۔ ۲۴:۷) **و۲۸۷ؔ** یہود کے جو قبیلے عہد نبوی میں، مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکین مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں، آج کل کی " مہذب" فرنگی قوموں کی طرح بٹے ہوئے تھے۔ ایک اتحاد اوس کا تھا دوسرا خزرج کا۔ اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ یہی کیا کرتے کہ ان میں سے ایک مشرکوں کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا اور دوسرا مشرکوں کی دوسری پارٹی کے

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

نکال بھی دیتے ہو (اور) ان کے مقابلہ میں گناہ و ظلم کے ساتھ (ان کے مخالفین کی) مدد بھی

وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ

کرتے ہو ۲۸۷ اور اگر وہ تم تک اسیر ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو ۲۸۸ حالانکہ ان کا

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

(وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ ۲۸۹ تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ

مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو؟ ۲۹۰ پس تم میں سے جو ایسا کرے

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اس کی سزا کیا ہے بجز دنیوی زندگی میں رسوائی کے؟ ۲۹۱

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ

اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں گے ۲۹۲ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ۲۹۳

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ

دنیوی زندگی خرید لی ہے آخرت کے معاوضہ میں ۲۹۴ سو ان پر سے نہ عذاب

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ۧ وَلَقَدْ

ہلکا کیا جائے گا ۲۹۵ اور نہ انہیں مدد ہی پہنچے گی ۲۹۶ اور ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ

موسیٰ کو کتاب عطا کی ۲۹۷ اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے ۲۹۸

ساتھ۔ اور پھر جنگ جب شروع ہو جاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ جلاوطنی اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے، وغیرہا۔۔۔ یہاں عہد نبوی کے معاصر اسرائیلیوں کے یہی خصوصیات بے نقاب کیے جا رہے ہیں۔ بالاثم و العدوان۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر قرآن نے بتلا دیا کہ پھر یہ نہیں کہ اس خانہ جنگی اور مشرک نوازی کی بنیاد کسی جذبہ صدق وصحیح اور حسن نیت و اخلاص پر ہو۔ بلکہ تمامتر جن اخلاقی گندگیوں میں دنیوی اہل سیاست عموماً مبتلا رہتے ہیں، اور مشرکین خاص طور پر مبتلا تھے، وہی ان محاربات کا باعث تھیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آج بھی یہ درج ہے کہ جنگ بعاث مشرکین کی باہمی جنگ تھی۔ یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہو گئے اور نمایاں حصہ لیا۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا، اور بنی قینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے۔ جنگ نے طول کھینچا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی (جلد ۸۔ صفحہ ۴۲۳) اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح بھی موجود ہے، کہ یہودی قبیلے مشرکین مدینہ کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے۔ اور جنگ میں دونوں فریقوں کے شریک ہو جاتے تھے"۔ ف۲۸۸ (اور اس کو اپنے نزدیک دینداری کا بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر فخر کرتے اور احسان جتاتے ہو) ف۲۸۹ توریت محرف میں بھی آج تک اسی قسم کے احکام لکھے چلے آتے ہیں:۔ "تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر" (خروج۔ ۲۰: ۱۷) لیکن بالفرض کوئی صراحت اس قسم کی نہ ملے جب بھی کسی کو بلا عذر شرعی وطن سے بے وطن کرنا شقاوت کی انتہائی صورت ہے۔ ف۲۹۰ الکتب سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی کتاب توریت ہے۔ حجت الزامی یہود پر قائم ہو رہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس بے باکی سے تمہارے اکابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اوپر حجت اور اپنے لیے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزاء پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ ف۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین زبردست قبیلے رہتے تھے بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم و ہنر میں ممتاز تھے۔ تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہی میں تہس نہس ہو کر رہے ف۲۹۲ اسرائیلیوں کے لیے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے بھی منقول ہے۔ انجیل موجودہ میں ہے:۔ "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں۔ غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟" (متی ۲۳: ۲۴) ف۲۹۳ (اور وہ سب کو سزا مناسب وقت پر دیتا ہے یا آخرت میں ضرور دے گا) آیت میں اشارہ ہے یہود کے خفیہ طریق کار اور سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے متعلق ف۲۹۴ حالانکہ آخرت کا سودا بھی بہت ارزاں تھا۔ ایمان وطاعت سے اُسے بآسانی خرید سکتے تھے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فکر اخروی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کے مقدس مذہبی نوشتوں تک کی تعلیمات کا خلاصہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ مذہب کی راہ پر چلو تو کہ دنیوی فلاح حاصل ہو، قوم کو آزادی ملے، اور تم ایک اقبال مند قوم بن جاؤ۔ آخرت کی جزا و سزا، جس سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اُس سے حد یہ ہے کہ توریت تک تقریباً خالی ہے۔ ف۲۹۵ (آخرت میں) شدید ترین عذاب الٰہی ابھی اُوپر ہی والی آیت میں آ چکا ہے۔ اب تاکیداً ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بے پناہ عذاب سے رہائی پانے کا کیا ذکر ہے تخفیف تک کی صورت اس میں ممکن نہ ہوگی۔ فلا کی ف کا ترجمہ "سو" سے کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ عذاب تکذیب انبیاء کے جرم میں اس کے نتیجے کے طور پر اور ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہوگا۔ ف۲۹۶ (کہ ان کے اکابر و اجداد ہی آ کر سفارش کر دیں) یہود کو بڑا غرہ اسی کا تھا کہ ہم انبیاء مقبولین کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیا غم ہے۔ ہماری نصرت وشفاعت کے لیے ہمارے یہ اسلاف کافی ہیں۔ قرآن کو اسی لیے اس عقیدہ کی تردید بار بار کرنی پڑی۔ اور مختلف پیرایوں میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ قانون الٰہی کے باغیوں کا ہمدرد و سفارشی کوئی بھی نبی یا ولی نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں ان کی امداد و نصرت کسی سمت و جہت سے بھی نہ ہوگی۔ ف۲۹۷ (اور ایک مستقل دستور شریعت سے قوم اسرائیل کو بطور انعام خاص مشرف و ممتاز کیا) الکتب سے مراد وہی توریت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کون تھے کس زمانہ میں تھے، یہ سب ذکر پہلے حاشیوں میں آ چکا ہے۔ ف۲۹۸ (تمہاری ہی نسل اسرائیل میں) اسرائیلیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور بہ کثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے۔ حضرت یوشع نبی، حضرت داؤد نبی، حضرت زکریا نبی، حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی کے نام سے اُردو خواں طبقہ بھی واقف ہے۔ متعدد انبیاء کے صحیفے کیسے ہی محرف سہی، "عہد نامہ عتیق" کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ ف۲۹۹ (ان کی پیمبری وصداقت کے) البینت۔ اس میں دلائل، خوارق، معجزات سب آ گئے۔ عیسٰی۔ آپ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لیے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے، شام اُس وقت رُومی مملکت کا ایک نیم خود مختار صوبہ تھا۔ اور اس وقت والیٔ شام ہیرود تھا۔ مسیحی تقویم میں ۳ سال کی غلطی شروع سے چلی آ رہی ہے۔ اس لیے آپ کا سالِ ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے۔

وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ

اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے روشن نشانات عطا کیے ف۲۹۹ اور ہم نے روح القدس (کے ذریعہ) سے

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

ان کی تائید کی ف۳۰۰ تو کیا جب بھی کوئی پیمبر تمہارے پاس ان (احکام) کے ساتھ آیا جو

لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ۫

تمہارے نفس کو نہ بھائے ف۳۰۱ تو تم اکڑنے لگے ف۳۰۲ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا ف۳۰۳

وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے ف۳۰۴ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ف۳۰۵

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

(نہیں) بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے ان کے کفر کے باعث ف۳۰۶ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں ف۳۰۷

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچی کی تصدیق کرنے والی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ

اس کی جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے ف۳۰۸ اور اس کے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے

عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

بیان کیا کرتے تھے ف۳۰۹ پھر جب ان کے پاس وہ آگیا جس کو (خوب) پہچانتے تھے

کَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

تو اس سے کفر کر بیٹھے ف۳۱۰ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ف۳۱۱ بری ہے وہ چیز

اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے ف۳۱۲ کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو

بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لیے وفات پاکر) آسمان پر اٹھالیے گئے۔ مَرْیَمَ۔ مریم بنت عمران بن ماشان۔ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی باعصمت اور خوبصورت تھیں۔ سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۶۳ء ہے۔ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے۔ ایک عورت کے بطن سے پیدا۔ خدا یا مثیل خدا یا فرزند خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔ ف۳۰۰ روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ ای بجبریل علیه السلام و اطلاق روح القدس علیه شائع (روح) الروح الامین مسمی به جبریل و سماه بروح القدس (راغب) مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیث مقدس" کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں، اس سے یہاں کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اصطلاح کے مشترک ہونے سے بعض دفعہ بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش چونکہ خداوندی مصالح کے مطابق، عام بشری طریقہ سے الگ، ایک نئے قانون کے ماتحت محض مس ملکوتی سے ہوئی تھی، اس لیے عجب کیا جو بعد میں بھی آپ کو مناسبت عالم ملائکہ سے زیادہ رہی ہو۔ اور اسی مناسبت سے استفاضہ بھی ملائکہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہو۔ تَایِیْد میں اشارہ ادھر بھی نکلتا ہے کہ آپ اپنی بشریت کی بناء پر اعانت خداوندی کے محتاج تھے اور وہ اعانت ایک فرشتہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی۔ ف۳۰۱ (اور اسی طرح کے احکام تو کم و بیش سب ہی پیمبر دے) مخاطبت انھیں بنی اسرائیل سے ہے۔ روئے سخن دفعۃً صیغہ غائب سے صیغہ مخاطب کی طرف (یا کسی ایک صیغہ سے دوسرے کی طرف) پلٹ دینا صنعت التفات کہلاتا ہے اور عربی ادب و انشاء میں یہ عیب نہیں، حسن ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ف۳۰۲ (اور اس پیمبر کی اطاعت و اتباع سے عار محسوس کرنے لگے) انسان کی یہ شامت شروع سے رہی ہے کہ وحی الٰہی کے مقابلہ میں حاکم و قاضی وہ اپنے ہوائے نفس ہی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو احکام اسے اپنی خواہشوں یا اپنی محدود و ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آتے ہیں۔ جھٹ ان سے انکار اور ان کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کر دیتا ہے۔ آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے۔ تحلیل کر کے اور خوب غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں بھی اصلاً صرف یہی ملے گا۔ استکبار نفس اور پیمبر کے اقتدا و اتباع سے عار۔ ف۳۰۳ (اور ہر طرح ان کی ایذا کے درپے ہو گئے) ف۳۰۴ جیسے زکریا نبی، یحییٰ نبی علیہم السلام وغیرہما۔ تفصیل حاشیہ رکوع ۷ کے ذیل میں گزر چکا۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کبر ہی اکثر معاصی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے تکذیب انبیاء و قتل انبیاء کو کبر ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ف۳۰۵ (اور دعوت اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔" یہود فخریہ اور طنزیہ کہتے تھے کہ یہ "نئے پیغمبر" کچھ بھی کر دیکھیں، ہم ان کے کہے میں نہیں آنے کے۔ غُلْفٌ ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ هی جمع غلاف (راغب) ای هی اوعیة للعلم تنبیها انا لانحتاج ان نتعلم منک فلنا غنیة بما عندنا (راغب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اغلف کی جمع ہو۔ اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اس کو جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ قیل هو جمع اغلف (راغب) مستعارا عن الاغلف الذی لم یختن (کشاف) قیل واصله ذوالقلفة الذی لم یختن (روح) "مختون" و "نامختون" کہنے کا محاورہ یہودی زبان پر عام طور سے چڑھا ہوا تھا۔ کبھی اپنے کو "نامختون" کہتے، کبھی اپنے دل وجسم کو یا کبھی اپنے اعضاء و جوارح کو۔ توریت میں بار بار اس کا استعمال ہوا ہے مثلاً "دیکھ میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیوں کر سنے گا" (خروج۔ ۶: ۱۲) "جب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی زادوں کو میرے مقدس میں لائے" (حزقی ایل۔ ۴۴: ۷) بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی آیا ہے۔ مثلاً "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو"۔ (اعمال۔ ۷: ۵۱) قرآن کا یہ انداز بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انہیں کی اختیار کی۔ ف۳۰۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انہیں اس قدر غرہ ہے یہ کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں، یہ تو ایک نشان ہے صداقت سے ان کے دور ہو جانے اور حق سے ان کے بعد پیدا ہو جانے کا۔ اور یہی حقیقت ہے لعنت کی۔ لعنت پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نام ہے رحمت الٰہی سے بعد و ہجران کا۔ بِکُفْرِهِمْ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو ان پر طاری ہوگی ان کے کفر اختیاری کے باعث ہوگی۔ اللہ کے پیمبر سے مخالفت و عناد پر اصرار رکھنے کے باعث ہوگی۔ ب سببیہ ہے۔ ای بسبب کفرهم (ابوسعود) لعنت کا محاورہ توریت میں بہت عام ہے۔ صرف ایک مقام کا اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:" یہ ساری لعنتیں تجھ پر آویں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔ تو شہر میں لعنتی ہوگا اور تو کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ تیرا ٹوکرا اور تیرا کٹھرا لعنتی ہوگا۔ تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیرے بھیڑ بکری کے گلے لعنتی ہو جائیں گے تو بھیتر آنے کے وقت لعنتی ہوگا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہوگا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کے لیے ہاتھ لگاوے تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کرے گا"۔ (استثناء ۲۸: ۱۵۔ ۲۰)۔ لعنت انجیل میں بھی منقول ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے، نہ صرف کاہنوں اور فریسیوں کے لیے بلکہ انجیر کے خشک درخت کے لیے

بھی وف۳۰۷ (اور یہ تھوڑا ایمان بھی برائے نام ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) قَلِیْلًا۔ قلیل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کے لیے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا بصرف ان میں سے بعض پر تھا۔ ای لایومنون الا بقلیل مما کلفوا به (کبیر) قلیلا صفة مصدر محذوف ای فایمانا قلیلا یومنون (مدارک) مَا یُؤْمِنُوْنَ میں ما مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان۔ ما مزیدة للمبالغة فی التقلیل (بیضاوی) ما مزیدة للمبالغة (ابوسعود) قَلِیْلًا۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے۔ مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ ای لا یومن منهم الا قلیل (ابن جریر۔ عن قتادہ) قال بعضهم فقلیل من یومن منهم (ابن کثیر) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے۔ لیکن محاورہ میں قلیل کا استعمال نفی مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے بجوز ان تکون القلة بمعنی العدم (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ والمعنی فیه نفی جمیعه (ابن جریر) معناه لا یومنون اصلًا لا قلیلًا و لا کثیرًا وف۳۰۸ (کبیر) کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی قرآن۔ لِّمَا مَعَهُمْ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت جا بجا بیان کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ بجائے خود صادق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور توریت ہے۔ وف۳۰۹

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

اللہ نے نازل کیا ہے (محض) اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

اپنا فضل (خاص) نازل کیا وف۳۱۳ سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے وف۳۱۴

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا

اور کافروں کے لئے عذاب ذلت والا ہے وف۳۱۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (کلام) پر جو

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اللہ نے نازل کیا ہے وف۳۱۶ تو کہتے ہیں کہ ہم اسی پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے وف۳۱۷ اور جو کچھ

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا

اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں وف۳۱۸ حالانکہ وہ (خود بھی) حق ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والا

مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ

ہے جو ان کے پاس ہے وف۳۱۹ آپ کہیے کہ اچھا تو تم اس کے قبل انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو،

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

اگر تم واقعی ایمان والے تھے؟ وف۳۲۰ اور موسیٰ تمہارے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے وف۳۲۱ اس پر بھی تو تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا وف۳۲۲

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

اور تم تو ہو ہی ظالم وف۳۲۳ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا وف۳۲۴ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے وف۳۲۵ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو

(کہ عنقریب آخری نبی نجات دہندہ کا ظہور ہونے والا ہے) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد اس سیاق میں مشرکین عرب ہیں۔ ایک تو مسلم انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے کہ اچھا نبی جو عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام باب خبر انذار یہود برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح، ہونے سے تو انکار کر دیا تھا، لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مشرکین مکہ سے اکثر کرتے رہتے۔ یَسْتَفْتِحُوْنَ۔ یہاں یفصحون کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور فتح کے معنی عربی میں خبر دینے اور بیان کرنے کے ہیں۔ ای یعرفون المشرکین ان نبیا یبعث منهم (روح) ای یفتحون علیهم و یعرفونهم (کشاف) لیکن یَسْتَفْتِحُوْنَ اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلب فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر نبی کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے اور ائمہ تفسیر کی اکثریت نے یہی مراد لی ہے ای یستنصرون الله ببعثة محمد علیه السلام (راغب) یستنصرون بمحمد و القران (ابن عباس رضی اللہ عنہ) و معنی الاستفتاح الاستنصار (ابن جریر) یسالون الفتح و النصرة (کبیر) وف۳۱۰ (اور اسی سے انکار کر نے لگے کہ یہ کلام کلام الٰہی ہے یا یہ شخص اللہ کا پیمبر ہے) مَا عَرَفُوْا سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور ذات رسالت بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ کنی عن الکتب و یحتمل ان یراد به النبی صلی اللہ علیہ وسلم (روح) مقصد یہ ہے کہ یہود اس آخری نبی اور اس کی نبوت کی علامتوں سے اپنے ہی دینی نوشتوں کے ذریعہ سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ نبی کا ظہور بالکل اچانک اور ان کے علم و واقفیت سابق کے بغیر نہیں ہوا۔ انجیل یوحنا میں حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام (انجیلی زبان میں ان کا نام یہی یوحنا نبی ہے) کے ظہور کا حال یوں درج ہے کہ:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا، پھر تو ہے کون؟" (یوحنا۔ ۱:۱۹۔ ۲۲) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہود صدیوں قبل سے ایک جانے بوجھے ہوئے نبی ("وہ نبی") کے انتظار میں تھے۔ وف۳۱۱ یعنی اس پر جو جان بوجھ کر عناد و تعصب کی راہ سے کفر و انکار کرتے ہیں۔ لعنت پر ایک حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ وف۳۱۲ یعنی کیسی بری وہ حالت ہے، جسے اختیار کر کے وہ بزعم خود اپنی جانوں کو عقوبت آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں بئس ما باعوا به حظ انفسهم ای اختاروا الکفر و بذلوا انفسهم للنار (معالم) اشتراء لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔ الاشتراء ههنا بمعنی البیع (معالم) معناه باعوا (بیضاوی) وف۳۱۳ قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر، فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟۔۔۔ وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آج تک دنیا پر مسلط ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد نظر قرآن حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر لئے اس کے رشک و حسد پر آئے محمول کرنے لگے۔ ظنوا ان هذا الفضل العظیم بالنبوة المنتظرة یحصل فی قومهم فلما وجدوه فی العرب حملهم ذلک علی البغی و الحسد (کبیر) کیا حد ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد فضل وحی ہے۔ یعنی الوحی (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ احوال موہوب محض فضل و مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔ کسب و اکتساب کو دخل نہیں۔ وف۳۱۴ غَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے

کہ یہودی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی سے انکار ہے۔ اور دوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمدی سے انکار۔ و ھو قول الحسن و الشعبی و عکرمة و ابی العالیه و قتادة (کبیر) یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُن کے بالکل بلاوجہ اور دلیل واضح وصریح کی موجودگی میں انکار تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب ان کے جذبات حسد وعناد پر۔ لانھم کفروا بنبیّ الحق و بغوا علیه (کشاف) للکفر والحسد (بیضاوی) بما اقترفوا من الکفر والحسد (روح) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ مقصود کلام، غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔ المراد به تاکید الغضب و تکثیرہ (کبیر) و یحتمل ان یراد الترادف والتکاثر لا غضبان (روح) ف۳۱۵ عذاب الٰہی کا نہایت شدید والیم ہونا تو ظاہر ہی ہے، پھر اس عذاب کی بنا چونکہ یہودی قومی منافرت ونسلی عصبیت ہے، اس مناسبت سے یہ سزا اُن کے غرور کو توڑنے والی، ان کی توہین، ذلت ورسوائی کو بڑھانے والی بھی ہوگی۔ ف۳۱۶ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمد ﷺ پر)۔ ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ انھیں سے کہا جاتا تھا کہ آخری کتاب الٰہی قرآن پر ایمان لاؤ۔ ف۳۱۷ (اور وہ ہمارے لیے بالکل کافی ہے) اُنْزِلَ عَلَیْنَا۔ ہمارے اُوپر، یعنی ہماری قوم و نسل کے اُوپر نازل ہوا ہے۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلہ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں، ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیل کے انبیاء کے قائل ہیں۔

وَاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ٛ وَ اُشْرِبُوْا

اور سنو ف۳۲۶ یہ (اس وقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے سن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں ف۳۲۷ اور ان کے دلوں میں

فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا

گوسالہ ان کے کفر سابق کے سبب سے پیوست ہوگیا تھا ف۳۲۸ آپ کہہ دیجیے (کیسی) بری ہے

یَاْمُرُکُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو ف۳۲۹

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر عالم آخرت خاص تمہارے ہی لئے

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

ہے دوسروں کو چھوڑ کر، ف۳۳۰ تو موت کی آرزو کر دیکھو

اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا

اگر تم سچے ہو ف۳۳۱ لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کریں گے

بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾

بہ سبب ان (اعمال بد) کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں ف۳۳۲ اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے ف۳۳۳

وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚۛ

اور آپ انھیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے ف۳۳۴

وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ

(یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی بڑھ کر ف۳۳۵ ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے

یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ

کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے ف۳۳۶ حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے تو یہ (امر) اسے

ف۳۱۸ یہ یہود کے قول کا تتمہ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اضافہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ کے باہر کسی اور نبوت کے قائل نہیں۔ ایک عرصہ تک الطاف الٰہی وعنایات خداوندی کے مورد خاص بنے رہنے، اور اسی نسل کے اندر انبیاء کے مسلسل پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ ف۳۱۹ هُوَ الْحَقُّ ضمیر ھو قرآن کی جانب ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ۔ یعنی وہ تصدیق کرتا ہے توریت اور انبیاء بنی اسرائیل کے دوسرے صحیفوں کی۔ قرآن یہاں یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کر رہا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے۔ اس لیے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔ (۲) توریت اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں کے ساتھ اس کا تعلق منافرت کا نہیں۔ اس کا رشتہ اتحاد وتصدیق کا ہے۔ ف۳۲۰ تیسرا جواب قرآن مجید نے یہود کو یہ دیا کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہو؟ ایمان وتصدیق الگ رہی، تم نے خود اس زور وشور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت وعداوت پر اس حد تک اُتر آئے کہ انہیں قتل تک کر ڈالا۔ اور تمہاری قومی تاریخ کے تو صفحات رنگین ہیں انبیاء کے خون سے۔ اسرائیل اور قتل انبیاء پر مفصل حاشیے رکوع (۷) کے ذیل میں گزر چکے۔ بائبل کے اُن حوالوں کے علاوہ ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کا برگزیدہ اسرائیل اپنے باپ دادوں سے متعلق، مناجات میں کہتے ہیں:۔ ”وہ نافرمانبردار نکلے اور تجھ سے پھر گئے۔ اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو اُن کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا“۔ (نحمیاہ۔ ۹: ۲۵، ۲۶) ف۳۲۱ (اور اُن کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ تم خدا کی طاعت اور نبی کی اطاعت میں دل سے لگ جاتے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے عصا، ید بیضا وغیرہ، وہ تو مشہور ہی ہیں لیکن جَآءَکُمْ سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ معجزات موسوی خود بنی اسرائیل کے لیے بھی تھے۔ ف۳۲۲ (پرستش کے لیے) یہ ہے تمہارے دعوائے توحید کی حقیقت! گوسالہ پرستی پر حاشیے (رکوع ۶) کے ذیل میں گزر چکے۔ ثُمَّ یہاں محض تاخر زمانی کے لیے نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تم کیسی پستی میں اُتر گئے۔ اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل وشواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والدلالة علی نھایة قبح ماصنعوا (ابوسعود) کلمة ثم للاستبعاد (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ تفصیلات رکوع (۶) کے ذیل میں گزر چکیں۔ ف۳۲۳ (اپنے حق میں) یعنی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی روحوں پر ظلم کرنے کے کیسے عادی ہو! یہ گویا جوابات سابقہ کا تتمہ ہے۔ اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر تم نے جو کچھ کیا، خیر وہ تو کیا ہی، شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا۔ اور شرک بھی کیسا جلی۔ گوسالہ پرستی! اور وہ بھی تو پیمبر علیہ السلام کی صرف چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں! تمہارے لیے مانع نہ اُن کے لائے ہوئے نشانات اور دلائل ہو سکے۔ اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ سلامت موجود ہیں۔ غرض کہ نافرمانیوں میں دلیر تم آج سے نہیں، مدت دراز سے ہو۔ ف۳۲۴ (تمہارے اُوپر نزول شریعت کے وقت) اس پر حاشیہ رکوع (۷) میں گزر چکا۔ ف۳۲۵ یعنی یہ احکام وشرائع جو ابھی تم پر نازل کیے ہیں۔ ف۳۲۶ (ان احکام وشرائع کو گوش دل سے سنو، اور ان پر عمل کرو) ای اقبلوا ما سمعتم (بحر) قال الماتریدی معنی اسمعوا اقبلوا (بحر) و قیل اعملوا (بحر) ف۳۲۷ آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عَصَیْنَا (ہم نے نہیں مانا) ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا ہو۔ قال ابو مسلم و جائز ان یکون المعنی سمعوہ و تلقوہ بالعصیان فعبر عن ذٰلک بالقول و ان لم یقولوہ (کبیر) یہ بھی کہا گیا

ہے، کہ قول یہاں بطور مجاز، زبان حال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نطق لسانی مراد نہیں۔ قيل معبّر بالقول للشئ عما يفهم به من حاله و ان لم يكن نطق (بحر) او قيل المعنى قالوا بلسان القال سمعنا و بلسان الحال عصينا (روح) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لیے گویا زبان حال سے یہ بھی کہہ رہے تھے (تھانوی) قول کا لفظ یوں بھی عربی میں نہایت وسیع معنی رکھتا ہے۔ زبان سے ادا کرنا ہرگز اس کے لیے لازمی نہیں۔ راغب نے اپنے مفردات میں خود قرآن ہی سے اس کے متعدد معنی نقل کیے ہیں۔ اور چوتھے نمبر پر اس کے معنی دلالت حالی لکھے ہیں، اور ایک شاعر کا مصرعہ بھی سند میں پیش کیا ہے۔ يقال للدلالة على الشئ نحو قول الشاعر۔ امتلأ الحوض و قال قطني اور تاج العروس میں سیبویہ وغیرہ ائمہ لغت کے حوالہ سے اس سے بھی زیادہ وسیع معنی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اگر ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ زبان سے بھی نکالا ہو، تو اُن کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، گویا ایک دوسرے موقع کے لیے موجود ہی ہے:۔ ”خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ پہلی راہ کہاں ہے۔ اُسی میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا، کہ ہم اس میں نہ چلیں گے، اور میں نے تمہارے اوپر نگہبان بھی ٹھہرائے، اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے“۔ (یرمیاہ۔ ۶:۱۶ و ۱۷) **وف ۳۲۸** چنانچہ بچھڑے کے تقدس کا اعتقاد اسرائیل قوم میں مدت دراز تک قائم رہا (جیوش انسائیکلو پیڈیا، جلد ۹، صفحہ ۴۵۲) اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔ وانّ من عادتهم اذا ارادوا العبارة عن مخامرة حب او بغض استعاروا الى اسم الشراب لانه هو ابلغ انجاع في البدن (راغب) یا یہ استعارہ رنگ سے ہو، کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ كما يداخل الثوب الصبغ (کشاف) كما يتداخل الصبغ الثوب والشراب اعماق البدن (بیضاوی) بِكُفْرِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ یعنی ان کے کفر کے باعث، نتیجۂ کفر کے طور پر۔ الباء للسبب اى الحامل لهم على عبادة العجل هو كفرهم السابق (بحر) **وف ۳۲۹** حجت الزامی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں، اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے! **وف ۳۳۰** (جیسا کہ تم اپنے زعم و پندار میں سمجھ رہے ہو) بنی اسرائیل کے اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تو خود موجودہ توریت میں موجود ہے۔ مثلاً ”تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو“۔ (استثناء۔ ۱۴:۱) ”تو خداوند اپنے خدا کے لیے مقدس قوم ہے۔ اور خداوند نے تجھ کو چن لیا، تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں، تو اس کے لیے خاص قوم ہو“۔ (استثناء۔ ۱۴:۲) رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے، اور نجات اُخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو خدا کا محبوب اور خدا کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند خدا کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابل تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہان میں کسی اور کے ساتھ نہیں۔۔۔ نسلی تقدیس کی یہی وبا ہے جو ہندوستان میں برہمنیت کے نام سے جلوہ گر ہے۔ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ مراد ہے جنت اور نجات کا حاصل ہونا۔ دُوْنِ النَّاسِ۔ ناس سے مراد نوع انسانی ہے۔ اور دُوْنِ النَّاسِ سے مراد اپنی قوم و نسل کی خصوصیت کا اظہار اور اس میں دوسروں کی شرکت سے انکار ہے۔ دون هنا لفظ يستعمل للاختصاص و قطع الشركة (بحر) **وف ۳۳۱** (اپنے اس دعویٰ میں کہ ہماری نجات یقینی اور قطعی ہے) قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو اُلٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ سے کر سکتے تھے اور پھر اپنے اپنے مذاق پر اس کے جوابات دیے ہیں۔ لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ مسلمان تو خود ہی ایمان اور عمل صالح کے دُہرے دُہرے اختیاری معیار سے ڈرتا، لرزتا رہتا ہے، کہ دیکھنا چاہیے، حشر میں اس امتحان میں پورا اترتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ اطمینان اور یہ زعم کہ چونکہ ہم فلاں

گھرانے، فلاں خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے بغیر کسی جہد و اکتساب کے ہماری نجات تو یقینی ہو چکی، یہ عقیدہ اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص تھا، مسلمان اس کے قریب ہی کب گیا، جو یہ سوال اس پر عائد ہو سکے؟ اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اس اضطراری نجات کے عین مٹانے کے لیے ہے۔ مسلمان تو خود ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم۔ میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضل خداوندی کا منتظر ہوں۔ مسلمان کے سامنے اس سوال کو پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ مطالبہ ہر اسرائیلی سے، ہر زمانہ کے لیے ہے بھی نہیں۔ اس کا دائرہ صرف انہیں معاند یہود کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ ﷺ کے معاصر تھے اور سارے شواہد کے بعد بھی آپ کے منکر تھے۔ وهذا خاص بالمعاصرين له صلى الله عليه وسلم (روح) یہ تفسیر خود صحابی حضرات سے مروی ہے، بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تو اپنے زمانہ کے ایک گستاخ یہودی کے جواب میں یہ مضمون بڑی حدت و شدت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ توهم هذا الكلب اللعين الجاهل ان هذا لكل يهودي او لليهود في كل وقت لا انما هو لاولئك الذين كانوا يعاندون و يجحدون نبوة النبي صلى الله عليه وسلم بعد ان عرفوا (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ موت کی محبت، خواہ طبعی ہو یا عقلی، ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔ **وف ۳۳۲** یعنی ان کا دل خود چور ہے۔ ان کا ضمیر ان پر ملامت کر رہا ہے۔ لقاء رب کا کوئی ولولہ کوئی جذبہ ان میں باقی ہی کہاں ہے، جو یہ عالم آخرت کی تمنا کر سکیں۔ اَبَدًا۔ احتجاج بالا جب صرف یہود معاصرین رسول ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو گیا، تو اَبَدًا کے معنی بھی لازمی طور پر یہ ہوں گے کہ یہ اپنی زندگی بھر ایسا نہ کریں گے۔ ويعنى بالابدهنا ما يستقبل من زمان اعمارهم (بحر) اى لن يتمنوه ما عاشوا (روح) **وف ۳۳۳** یعنی اُن لوگوں سے، جو اپنے ہتھکنڈوں سے خود اپنے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ الظلم هو تجاوز ما حد الله (بحر) **وف ۳۳۴** یعنی اس زندگی پر حریص جو پلیدی اور گندگی سے لبریز ہے۔ زندگی سے محبت اور موت سے وحشت تو ایک حد تک طبعی ہے، اور ان طبعی حدود کے اندر ہرگز اسلام میں کوئی ملامت نہیں، لیکن یہود کا جذبۂ حُبِّ دنیا طبعی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ دنیا پرستی مقصود بالذات بن گئی تھی۔ اور روحانیت کا ذوق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں بھی جن قوموں نے جنتر منتر وغیرہ ظاہری رسوم میں غلو اور اُن پر تکیہ کر رکھا ہے۔ اُن کے دل بھی ذوقِ آخرت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں، اور یہود کی حُبِّ دُنیا و حُبِّ مال آج بھی ضرب المثل ہے۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے اس مضمون کے متعدد قول نقل ہوئے ہیں کہ دنیوی زندگی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کر لینا چاہیے لیکن موت نہ گوارا کرنا چاہیے۔ وقس علیٰ ہذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی **وف ۳۳۵** (جو بیچارے کتاب آسمانی اور پیام انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اُخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں، وہ اگر اُدھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا مرکز توجہ و محور زندگی اسی مادی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں۔ غضب تو یہ یہود کر رہے ہیں جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ تطویل عمر کے جو عجیب عجیب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کے لیے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ہی ڈاکٹر اور اہل سائنس ہیں۔ **وف ۳۳۶** اَحَدُهُمْ۔ ضمیر هم کا مرجع یہود ہیں اى يود احد اليهود (ابن کثیر عن السدی) بعض نے مرجع الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن سیاق قول اول کو صاف ترجیح دے رہا ہے۔ كما يدل عليه نظم السياق (ابن کثیر) **وف ۳۳۷** بالفرض اس قدر طویل زندگی حاصل بھی ہو گئی تو آخر کیا نتیجہ؟ بہرحال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سے طویل زندگی کا بھی ہوتا ہے۔ اور پھر اُسی مؤاخذۂ اخروی کا سامنا۔ سو ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنا کسی دیندار شخص کے لیے ممکن ہی کیونکر ہے۔ **وف ۳۳۸** (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے) خدا تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ توانی کا استحضار انسان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف قدم اسی وقت رکھتا ہے جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں اللہ کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاد دہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے۔ **وف ۳۳۹** جِبْرِيْلَ۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک

اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان، بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشری ہوتا ہے، اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے۔ اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیات لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کرسکیں۔ اس غرض کے لیے عموماً لطیف الجسم، نور کے بنے ہوئے فرشتوں سے، سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجود ملائکہ کے قائل تھے، بلکہ خود حضرت جبرئیل کو بھی ایک فرشتہ اعظم مانتے تھے، اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے۔ لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں۔ اُن کا کام وحی لانا نہیں، عذاب لانا ہے۔ اور وحی لانا تو کام ایک دوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنے ان مفروضہ مقدمات و مسلمات کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ پر معترض ہوتے تھے کہ یہ مدعیٔ نبوت اپنی وحی کے سلسلہ میں نام حضرت جبرئیل کا کیوں لاتے ہیں۔ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جا رہا ہے۔ موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا۔" (۲۔سموئیل۔ ۲۴:۱۶ و ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبرئیل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل کا ہمسر و ہم پلہ نہیں، ان سے کمتر ہی سمجھتے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)
ف۳۴۰ (پھر اُن سے مخالفت و عداوت و بدگمانی کے کیا معنی؟) یہاں یہود کے جہل کو رفع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ حضرت جبرئیل کے نام سے چڑنا کیا معنی، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں، اور خدمت

اَلْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ۧ ۹۶

عذاب سے تو نہیں بچا سکتا ف۳۳۷ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے (خوب) دیکھ رہا ہے ف۳۳۸

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

آپ کہہ دیجیے جو کوئی جبرئیل کا مخالف ہے ف۳۳۹ تو انہوں نے تو اس (قرآن) کو

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے ف۳۴۰ (وہ) تصدیق کرنے والا ہے اس (کلام) کا جو اس کے قبل سے

وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۹۷ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے ف۳۴۱ جو کوئی مخالف ہو

لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ

اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا اس کے پیغمبروں کا یا جبرئیل کا یا میکائیل کا ف۳۴۲

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ ۹۸ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

تو اللہ (بھی) بالیقین مخالف ہے (ایسے) کافروں کا ف۳۴۳ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان

اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۹۹

اتارے ہیں ف۳۴۴ اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ف۳۴۵

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ

کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے ف۳۴۶ تو انہیں میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ ہی پھینکا

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۰۰ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ

ہے ف۳۴۷ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے ف۳۴۸ اور جب ان کے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

پیغمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس موجود تھی ف۳۴۹

سفارت پر مامور۔ باذن اللہ۔ اِذن کے معنی لغت میں علاوہ اجازت کے، حکم یا ارشاد کے بھی ہیں ویکون باذنه اے بامرہ (سان) و یکون الامر اذناً (تاج) چنانچہ یہاں بھی اِذن اللہ سے مراد اللہ کا حکم یا ارشاد ہی ہے۔ اے باذن اللہ (معالم) فالاظھر بامر اللہ (کبیر) اے بامرہ (بیضاوی) **ف۳۴۱** یہاں کلام مجید نے اپنے تین وصف متعین طور پر بیان کیے ہیں:۔ ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء اور سابق صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ فی نفسہٖ ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں مایۂ بشارت ہے۔ **ف۳۴۲** یعنی جو شخص بھی اللہ یا اس کے پیمبروں یا اس کے فرشتوں، خصوصاً جبرئیل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے وہ رشتہ و تعلق قائم رکھتا ہے جو ان کے مرتبۂ واجب کے منافی ہے۔ عدوٌ۔ عربی میں بطور مصدر بھی آتا ہے، اور اس معنی میں یہ ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاۃ الالتیام (راغب) دوسرا استعمال اس کا بحیثیت اسم کے ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اس معنی میں یہ مقابل ہے دوست کے۔ العدوّ للشخص ضد الصدیق (روح) اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں، بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، غرض دوستی و محبت کے منافی جو کچھ ہے سب داخل ہے۔ میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتہ مقرب کا نام ہے۔ مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکام تشریعی کے لیے واسطہ خاص حضرت جبرئیل ہیں، احکام تکوینی کے لیے واسطہ خاص میکائیل ہیں، پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ دوسرے کا کارگاہِ ربوبیت سے۔ توریت میں ان کا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے، اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳۹) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انہیں دو فرشتوں کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے قرآنی جواب میں بھی تصریح انہیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن مجید کا عمومی دستور کسی واقعۂ خاص سے ایک ہدایت عام بیان کردینے کا ہے، ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کردیا گیا۔ و۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کے لیے نہیں آتا، بلکہ "یا" کے معنی بھی کبھی دیتا ہے۔ تکون بمعنی اوْ (قاموس) چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا مجموعہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من کان عدوًا لاحد ھٰؤلاء انه عدو للکل (معالم) یعنی من کان عدوًا لاحد من ھٰؤلاء (کبیر) **ف۳۴۳** یعنی ایسا ہر شخص کافر سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ معاملہ وہ کیا جائے گا، جو دشمن کے ساتھ دشمن کرتا ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعت الٰہی، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفت حق ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعت رب بتائی گئی ہے:۔ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیاری ہے لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اسے مت چڑا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اس میں ہے۔ پر اگر تو سچ مچ اس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا"۔ (خروج۔ ۲۳:۲۰۔۲۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین واصحاب رسول ﷺ جن کے فضائل گویا تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت و عداوت بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔
ف۳۴۴ (آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو قرآن خود ایک معجزہ ہے، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، بشارات و معجزات۔ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ سے مراد آیات قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ جن بینظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کرکے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظھر ان المراد ایات القرآن الذی لایاتی بمثله الجن والانس (کبیر) لیکن لفظ ایات ہے عام و وسیع۔

اس لیے دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کرکے لکھا ہے کہ اس سے مراد بھی کچھ ہے، قرآن بھی، معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی، معجزات سابقہ پر اطلاع بھی، قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علیٰ ہذا۔ اے القرآن والمعجزات المقرونة بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقة او الشرائع او الفرائض او مجموع کل ماتقدم (بحر) یہود جواپنے پیمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوب عادی ہو چکے تھے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں، نبی ہیں تو کوئی نشانی تو دکھلائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انہیں متعدد نشانات (بہ صیغۂ جمع) دیے چکے ہیں اور وہ بھی دقیق وخفی نہیں، نمایاں وروشن۔ سب کو نظر آجانے والے۔ **ف۳۴۵** یعنی ان شواہد صریح اور دلائل روشن سے انکار کوئی فطرت سلیم والا تو کرتا نہیں۔ بس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانون الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائع ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ انجیل میں یہود کی قساوت قلب کے سلسلہ میں ہے کہ مسیح ؑ نے ’’اگرچہ ان کے سامنے اتنے معجزے دکھائے تو بھی وہ اس پر ایمان نہ لائے‘‘ (یوحنا۔ ۱۲: ۳۷) **ف۳۴۶** (خدا یا اس کے کسی نبی کی اطاعت کا) ذکر انہیں عصیان پیشہ یہود کا چل رہا ہے۔ **ف۳۴۷** بنی اسرائیل کی تاریخ غداری، عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، قدیم مورخین یہود جوزیفس وغیرہ کے دفتر سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔ **ف۳۴۸** (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا) یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے اس کے قائل نہیں ملتے کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا۔ گویا ایمان لا یؤمنون میں اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں لفظی معنی میں ہے۔ لا یؤمنون کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کب رکھتے ہیں۔ لا یصدقون بکتابهم (کبیر) لایؤمنون بالتوراة (مدارک) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے، کہ وہ پاس عہد خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔ **ف۳۴۹** یعنی کتاب توریت کی۔ یہود کو بتایا یہی جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اس کے دین کو مٹانے کے لیے نہیں۔ یہ تو تمہیں اسے تازگی بخشنے، اسے حیات تازہ دینے کے لیے آئے ہیں۔ رَسُوْلٌ۔ یہ کس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رَسُوْلٌ کو مطلق رسول کے معنی میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھا جائے۔ یہ معنی بھی یہود کی عام عادت تکذیب انبیاء و رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی آخرالزمان ﷺ ہیں۔ اور رَسُوْلٌ۔ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ صیغۂ نکرہ جس طرح تعمیم کے لیے آتا ہے، عظمت و تکریم کے لیے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ والتنکیر للتعظیم (ابوسعود) **ف۳۵۰** نبذوه وراء ظهورهم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اس کی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اس کی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ اے طرحوه بقلة اعتدادهم به (راغب) مثل بمايرمى به وراء الظهر استغناء عنه و قلة التفات اليه (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن دصاحب قرآن سے مخالفت کی دھن میں خود اپنی کتاب آسمانی کی طرف سے بھی وہ بے پروا اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخرالزمان ﷺ کی بابت پیشگوئیاں، ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ اس لیے محققین نے ترجیح اس کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (کشاف) قیل انه القرآن و قیل انه التوراة وهذا هو الاقرب (کبیر) و یعنی بقوله کتاب الله التوراة (ابن جریر۔ عن السدی) **ف۳۵۱** (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے) لا یعلمون ما فی التوراة من الامر باتباع محمد صلی الله علیه وسلم و تصدیقه (ابن جریر)

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ

تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو

اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا **ف۳۵۰** گویا وہ جانتے ہی (بوجھتے) نہیں **ف۳۵۱**

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

اور (یہ لوگ) پیچھے لگ لئے **ف۳۵۲** اس (سحر) کے جو سلیمان کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے **ف۳۵۳**

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

اور سلیمان نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا، **ف۳۵۴** البتہ شیطان (ہی) کفر کیا کرتے تھے **ف۳۵۵**

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے **ف۳۵۶** اور (وہ پیچھے لگ لئے) **ف۳۵۷** اس (سحر) کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں

بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ

ہاروت و ماروت پر اتارا گیا تھا **ف۳۵۸** اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں

اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ

بتاتے تھے **ف۳۵۹** جب تک یہ نہ کہہ دیتے **ف۳۶۰** کہ ہم تو بس ایک (ذریعہ) امتحان ہیں **ف۳۶۱** سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

کر لینا **ف۳۶۲** مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ ہی لیتے **ف۳۶۳** جس سے وہ جدائی ڈال دیتے درمیان مرد

وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ

اور اس کی زوجہ کے **ف۳۶۴** حالانکہ وہ (فی الواقع) کسی کو بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا

مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے **ف۳۶۵** اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے اور انہیں

ف۳۵۲ ذکر اسرائیلیوں کا چل رہا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ خصوصاً یہود عرب **ف۳۵۳** یعنی بجائے اس کے کہ وحی الٰہی کا اتباع کرتے اور رسول برحق کی تصدیق کرتے، یہ یہود تو ایک اور ہی علم کے پیچھے لگ گئے، اور وہ علم بھی کس کا؟ شیطان کا۔ قرآن مجید وقت کی اہم ترین قوم یہود کے چہرے تو کھول ہی رہا ہے۔ اب اس نے ان کی فرد جرم میں ایک اس عنوان کا بھی اضافہ کیا کہ یہ لوگ وحی الٰہی کی اتباع کے بجائے ایک دوسرے ہی سفلی علم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید بعض اور اہم تاریخی اور دینی حقیقتوں کو زبردست روشنی میں لے آیا ہے۔ اس علم سے مراد فن سحر ہے۔ فنون سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تاریخ میں مسلم چلی آرہی ہے۔ ان کے اکابر و مشاہیر اس کا برابر اعتراف کرتے آئے ہیں بلکہ اکثر فخر کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر، یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے۔ یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تر تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل و یہود خصلت پروفیسر مرگولیس آنجہانی، جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اپنی انگریزی سیرت رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے:۔ ’’یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے‘‘۔ صفحہ ۱۸۹ اصل عبارت اور مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور ہمارے مفسرین نے بھی اس سحر پرستی میں یہود عہد سلیمانی اور یہود

عہدِ محمدی کو شریک سمجھا ہے۔ قبل یھود زمان سلیمان و قبل یھود زماننا و اللفظ فیھم عام و لجمیعھم محتمل وقد کان الکل منھم متبعًا لھذا الباطل (ابن عربی)۔ شیاطین ۔ جب صیغہ جمع میں ہے، تو ظاہر ہے کہ ابلیس تو یہاں مراد ہو نہیں سکتا۔ اہل لغت اور اکابر اہل تفسیر دونوں کی رائے ہے کہ شیطانوں سے مراد یہاں خبیث و سرکش قسم کے جنات ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ ای مردۃ الجن (راغب) المراد شیاطین الجن و ھو قول الاکثرین (کبیر) والمتبادر من الشیاطین مردۃ الجن و ھو قول الاکثرین (روح) و ھم المتمردون من الجن (ابوسعود) لیکن خود جنات کیا ہیں؟ جنات سے مراد وہ صاحب شعور وادراک ہستیاں ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور جو انسانی آنکھ کو عموماً اور عادۃً نظر نہیں آتے۔ انسان کی طرح وہ بھی مکلف ہیں گو یہ ضرور نہیں کہ ان کی شریعت بھی جزئیات وتفصیلات کے لحاظ سے شریعت انسانی ہو ۔۔ اس آتشیں مخلوق کا وجود دلائل نقلی وشواہد سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس وجود سے انکار پر کوئی ایک دلیل بھی قائم نہیں، نہ عقلی نہ نقلی۔ بعض کا قول ہے کہ مراد شیاطین انس ہیں، یعنی وہ سرکش وخبیث انسان جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور سحر وکہانت کے بھی ماہر تھے۔ فرقہ معتزلہ کے متکلمین کا رجحان اسی معنی کی طرف ہے۔ قیل شیاطین الانس و ھو قول المتکلمین من المعتزلۃ (کبیر) راغب لغوی نے بھی معنی جس طرح سرکش جنات کے جائز رکھے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کے بھی۔ فھم مردۃ الجن و یصح ان یکونوا ھم و مردۃ الانس ایضًا (راغب) اور مفسرین اہل سنت نے بھی گنجائش دونوں کے لیے رکھی ہے۔ الشیاطین من الجن و الانس او منھما (بیضاوی) و ھو یرید شیاطین الجن والانس (جصاص) اگر انسان ہی مراد لیے جائیں، یعنی دربار سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ، تو ان کا مفصل ذکر عہد عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو ا۔ سلاطین باب ۱۱ و ۱۲ علی ملک سلیمٰن ۔ یعنی آپ کے عہد حکومت میں۔ علی۔ صرف استعلاء کے لیے نہیں، بلکہ مصاحبت تعلیل وغیرہ کی طرح ظرفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ اور فی کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے۔ ابن جریر جو عربیت کے بھی امام ہیں لکھتے ہیں:۔ والعرب تضع فی فی موضع علی و علی فی موضع فی اور عرب فی کا استعمال علی کی جگہ پر کرتے ہیں اور علی کا استعمال فی کے موقع پر۔ اور اتقان (سیوطی) میں اس معنی کی تصریح ہے اور اہل لغت لکھتے ہیں:۔ کان ذٰلک علی عھد فلان ای فی عھد فلان (تاج) فلاں واقعہ علی عہد فلاں ہوا، اس کے معنی ہوتے ہیں "فی عہد فلاں" ہوا۔ خود قرآن مجید میں بھی علی ایک دوسری جگہ صاف فی کے معنی میں آیا ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ (قصص، ع ۲) ای فی حین غفلۃ ۔ چنانچہ یہاں بھی اہل تحقیق نے یہی معنی لیے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں۔ ای علی عھد سلیمان (ابن کثیر) ای فی عھد ملکہ (ابوسعود) ای فی عھد سلیمان (ابن جریر) ای فی ملکہ و عھدہ (معالم) سُلَیْمٰنَ ۔ سلیمان بن داؤد (۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م غالبًا) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیمبر گزرے ہیں، اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح، لیکن ان سے بڑے تاجدار بھی۔ شام وفلسطین کے علاوہ آپ کے حدودِ حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔ آپ کی سلطنت کی عظمت وشوکت پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی واخلاقی مرتبہ، یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر ومسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت وامارت، حکومت و ریاست بھی۔ اسلام کا خدا غریبوں اور امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں خدا ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آباؤ اجداد عہد سلیمانی میں شیطانی مشغلوں (سحرو کہانت) میں لگے رہے اسی طرح آج خود بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے انہیں سفلی مشغلوں میں پڑے ہوئے ہیں و ۳۵۴ (جیسا کہ ناسپاسوں، کافروں، افتراپردازوں نے مشہور کر رکھا ہے) آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرمادی؟ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پیمبر برحق تھے، تو یہ تو کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبہ کفر وشبہ کفر سے بہ مراحل دور تھے۔ پیمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی، جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کرکے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی وغدار نہیں ہے۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان واعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہوسکتا ہے؟ اس کا علم تو اس کے ہمہ بین و ہمہ دان پروردگار ہی کو ہوسکتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہوچکی ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو اہل کتاب کہلاتی ہیں۔ یعنی یہود ونصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو ان کی عظمت وپیمبری کے قائل ہیں، اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں! یہاں تک کہ کفر و شرک بھی! کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آسکتا۔ یہودی قصص وحکایات اور مسیحی آثار وروایات کی کتابوں کو چھوڑیے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف، جن پر یہود ونصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انہیں ملاحظہ فرمائیے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آرہی ہیں:۔ "جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۱: ۴، ۹، ۱۰) یعنی محض غفلت یا عدم اعتناء کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی۔ توحید ہی کی طرف سے بے یقینی! — آگے اور ملاحظہ ہو:۔ "سو از بس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لیے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اس نے اپنے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۱: ۹، ۱۰) معاذ اللہ۔ خدا کا پیمبر اور کفر وشرک میں مبتلا! کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! دنیا سینکڑوں سال تک، ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک، انہیں یہود یانہ تحریفات واختراعات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو نعوذ باللہ کافر ومشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا، جو ہر قوم ہر زمانہ کے سچے پیمبروں کی عزت وناموس کا محافظ ہے۔ اور اس نے آکر، یقین نہ کرنے والی دنیا کے سامنے آکر، اعلان کیا کہ سلیمان کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو! وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے! قرآن کی صدائے حق فضا میں بلند ہو کر خاموش ہو گئی۔ جن کے کان تھے انہوں نے سنا۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی رہی، پھنسی رہی۔ بائبل والوں نے بائبل کی پرستاری نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ تیرہ، ساڑھے تیرہ صدیاں اور گزر گئیں۔ اور اب قدرت حق کا اعجاز دیکھیے کہ اب جو محققانہ وفاضلانہ کتب جوامع وحاویات بائبل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق بائبل کی الزام وہی کی نہیں، قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں! انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، برطانوی کاوش وتحقیق کا لب لباب ہوتا ہے، اس کے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان سلیمان نکال کر دیکھیے، صاف یہ مضمون ملے گا۔ "سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۹۵۲ طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا بائبلیکا، خاص مسیحی ہی فضلاء اور پرستاران بائبل کی تحقیق وتدقیق کا ثمرہ ہے۔ اس میں تو یہاں تک ہے کہ بائبل کی جو آیتیں ابھی اوپر نقل ہوچکی ہیں، ان کا حوالہ دے کر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں! اور پھر لکھا ہے:۔ "یہ تو غالبًا صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن انہوں نے نہ تو سب کے لیے قربان گاہیں ہی تیار کرائیں، اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا"۔ (کالم ۸۹-۴۶) خیر، یہ اعجاز تو کلام الٰہی کا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی ہوتا تو ہوسکتا تھا۔ لیکن محدود وناقص عقل اور زمان ومکان سے مقید علم رکھنے والے بندوں نے اپنی ایمانی فراست واشراقیت سے جو کام کر دکھایا ہے، وہ بھی اعجاز سے کچھ کم نہیں۔ رئیس المفسرین امام ابن جریر، آج کے نہیں، آج سے ایک ہزار سال قبل کے شخص ہیں، اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے شاید زیادہ واقف بھی نہ ہوں۔ آج نہیں، اس وقت اپنی تفسیر میں یہ روایات بصراحت درج کر گئے ہیں کہ آیت بالا یہود ہی کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے جو آپس میں کہتے تھے کہ ان نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو، کہ ابن داؤد علیہ السلام کو قال بعض احبار الیھود الاتعجبون من محمد یزعم ابن داؤد کان نبیًا واللہ ما کان الا ساحرًا فانزل اللہ فی ذٰلک من قولھم وما کفر سلیمٰن الخ نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بخدا وہ تو بس ایک ساحر تھا۔ اللہ نے انہیں کے قول کے رد میں یہ آیت نازل کی ہے۔ وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ السحر و ۳۵۵ (اور اسے منسوب حضرت علیہ السلام کی جانب کر دیتے تھے) ان شیطانوں کی (خواہ وہ جن ہوں یا انس) ایک شیطنت یہ بھی تھی کہ اپنی

کا فران، ساحرانہ حرکتوں کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب کر دیتے تھے، اور شہرت یہ دے دیتے تھے کہ ہم تو یہ جو کچھ کر رہے ہیں، ان کی رضامندی بلکہ ان کے اشارہ ہی سے کر رہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی برحق ﷺ کو ان گندگیوں سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دُور کیے ہیں۔ اور یہ اشکر گزاری تو میں ہیں کہ الٹی قرآن ہی کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں! و۳۵۶ سحر نام ہے اسباب مخفی (مثلاً تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ) سے کام لے کر تصرفات عجیب کرنے کا۔ خاص خاص مشقتوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے۔ مشرک جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے بھی زور شور سے رہ چکا ہے۔ اب بھی ہے۔ شریعت اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ یُعَلِّمُونَ النَّاسَ۔ یُعَلِّمُونَ کا فاعل شیاطین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی ایک ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہاں بھی ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا۔ لیکن اس کی بھی گنجائش ہے کہ فاعل بجائے شیاطین کے یہودی کو قرار دیا جائے یعنی فَرِیۡقٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ کو۔ معنی اس صورت میں بجائے ماضی کے حال کے ہو جائیں گے۔ یعنی یہ یہود، لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں سحر کی۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کا ایک مسلّم ونا قابل انکار جز رہا ہے۔ خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے:۔ ’’انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا اور فال گیری اور جادوگری کی۔۔۔۔۔ ان باتوں سے خداوند بنی اسرائیل پر تپٹ غصہ ہوا۔ اور اپنی نظر سے انہیں گرا کر دور کر دیا‘‘۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷:۱۷۔۱۸) و۳۵ے بیان انہیں یہود عرب کا چل رہا ہے۔ واوٴ عاطفہ کبھی فقرہ کو فقرہ سے جوڑتا ہے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ سے، اور کبھی فقرہ کو لفظ سے۔ یہاں فقرہ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ کا عطف ہے فقرہ ماقبل مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ پر اور دونوں فقرے تابع ہیں فعل اتَّبَعُوۡا کے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ الخ واتبعوا ما انزل علی الملکین۔ بعض نے مَاۤ اُنۡزِلَ الخ کا عطف السحر پر مانا ہے۔ عطف علی السحر و قیل ھو عطف علی ما تتلوا ای واتبعوا ما انزل (کشاف) معنی میں کوئی بڑا فرق اس سے بھی نہیں پڑتا۔ اور حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی رہتا ہے۔ قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے حق مطلق کی شانِ بے نیازی کے ساتھ بالکل بے خوف اور بے دھڑک کہتا ہے۔ اُسے کسی خارجی سہارے کی تلاش نہیں ہوتی۔ خارجی سہارے از خود اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اُسے اپنی جگہ پر اطمینان کامل ہے کہ اس کے کسی بیان میں تردید کی گنجائش تو کیا، شک و تردد کا احتمال بھی کسی طالب حق کو نہیں ملے گا۔ یہود عرب کی طرف طویل فرد جرم اوپر سے مسلسل چلی آ رہی ہے۔ ابھی ابھی ذکر ان کے فلسطینی سحر کا آ چکا ہے، (سلیمان نبی علیہ السلام بادشاہ فلسطین کے تھے، ان کے عہد کا سحر فلسطینی ہی کہا جائے گا) اب وہ یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہ توحید کے پرانے امانت دار اور کتاب وسنت کے قدیم قدر شناس، یہی نہیں کہ عہد سلیمانی کے شیاطین جن وانس کی روایات سحر و کہانت کا حق ادا کر رہے ہیں، بلکہ اس فلسطینی سحر کے علاوہ بابل یا عراق کے بھی سحر کے وارث بنے ہوئے ہیں! مدعی ہیں علم وفضل، دین و روحانیت کے، لیکن عملاً غرق ہیں فنون سحر کے انواع واقسام میں! تاریخ قدیم کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ عہد رسالت وطلوع اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک ٹکڑا وہ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلا وطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں رہ پڑا تھا اور وہیں بس گیا تھا۔ دوسری شاخ وہ جو ایک مدت دراز کے بعد وہاں سے واپس آ کر پھر فلسطین میں آباد ہوئی —۔ آیت اس تاریخی حقیقت کو فاش کر رہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر یہود عرب جامع ہیں فلسطینی اور بابلی دونوں قسم کے رذائل وخبائث کے۔ تاریخ قدیم کے یہ نازک دقائق، اور اپنی جگہ پر بالکل مسلّم ومستند حقائق، جو عام طور پر اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، ادا کرائے جا رہے ہیں۔ کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں، عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے! اللہ اللہ! و۳۵۸ (کسی خاص حکمت ومصلحت کے ماتحت) دو باتوں کا اس سلسلہ میں استحضار رہے تو ان شاء اللہ آیت کی تفسیر میں کوئی الجھن ذہن میں پیدا نہیں ہونے پائے گی:۔ ایک یہ کہ نزول و انزال کا اطلاق صرف احکام تشریعی میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی برابر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جو کام جیسا بھی لیا جاتا ہے، اس کے لیے واسطہ اور وسیلہ بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ امر ان کی نزاہت ومعصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ مَاۤ اُنۡزِلَ میں ما موصولہ ہے الذی کے معنی میں۔ بعض نے ما کو نافیہ قرار دے کر مَاۤ اُنۡزِلَ کا عطف مَا کَفَرَ سُلَیۡمٰنُ پر کیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور ابن جریر میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔ ثم شرع ابن جریر فی رد ھٰذا القول وانّ ما بمعنی الذی و اطال القول فی ذٰلک (ابن کثیر) ظاھرہ ان ما موصولۃ (بحر) عطف علی السحر ای یعلمونھم ما انزل علیھما (ابوسعود) الجمھور علی انّ ما بمعنی الّذی (مدارک) اُنۡزِلَ۔ اللہ کی طرف سے ’’نازل‘‘ صرف کتاب وحکمت، وحی والہام ہی نہیں ہوتا۔ قحط، بیماری، موت سب کا نزول وانزال بہ حیثیت مسبب الاسباب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں انزال کا لفظ رزق (روزی) ماء (پانی) لباس (پوشاک) حدید (لوہے) انعام (چوپائے) کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ رجز (عذاب یا بلا) کے لیے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہوا ہے۔ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَہۡلِ ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ (عنکبوت۔ آیت ۳۴) سو جن لوگوں نے نزول سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا اس کی قدوسیت کے منافی سمجھا وہ خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات میں تمام اچھا برا، حق و باطل، ایمان و کفر، طاعت ومعصیت جو کچھ بھی موجود ہے سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے تو ہوا ہے۔ انزال یہاں اپنے اسی وسیع معنی میں ہے۔ یعنی انہیں یہ بات بتا دی گئی، ان کے دل میں یہ ڈال دیا گیا۔ کوئی اظہار شرف وتکریم مقصود نہیں۔ الانزال بمعنی التعلیم والالھام (معالم) الانزال اما علی ظاھرہ او بمعنی القذف فی قلوبھما (روح) فلما کل خیرٍ او شرٍ او طاعۃٍ او معصیۃٍ او ایمانٍ او کفرٍ منزّلٌ من عند اللہ تعالٰی (ابن عربی) انزل ای قذف فی قلوبھما مع النھی عن العمل (مدارک) الانزال بمعنی الخلق لا بمعنی الایحاء (ابن کثیر) الۡمَلَکَیۡنِ۔ لفظ کی قراءت مشہور مَلَک (بہ فتح لام) ہے۔ القراءۃ المشھورۃ بفتح اللام (کبیر) لیکن دوسری قراءت مَلِک (بہ کسر لام) کی بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ قرأ الحسن بکسر اللام و ھو مروی ایضا عن الضحاک و ابن عباسؓ (کبیر) چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بنا پر مفسرین اسی طرف چلے گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے۔ بشر تھے اور بادشاہ، اور انہیں جو دوسری روایتوں میں فرشتے کہا گیا ہے، تو وہ محض مجازاً ہے، یعنی ان کے صفات ملکوتی کی بنا پر۔ قیل رجلان سُمّیا ملکین باعتبار صلاحھما (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول وہی قراءت مشہور کی بنا پر ان کے فرشتہ ہونے کا ہے۔ ذھب کثیر من السلف الی انھما کانا ملکین من السماء وانھما انزلا الی الارض (ابن کثیر) اور نظام تکوینی میں فرشتوں کے اُوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان پر اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمام تر اصلاح خلق تھا۔ یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا —۔ مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو، جرائم سے عملی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، بلکہ اس لیے کہ اپنی عملی واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔ بِبَابِلَ۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے۔ وہ موجودہ نقشہ اور جغرافیہ میں عراق عرب کہلاتا ہے۔ ملک کے پایۂ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمت جنوب میں۔ تقریباً وہیں جہاں آج حِلّہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا تھا۔ رقبہ میلوں کا تھا۔ ملک اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سرسبز، شاداب، خوشحال، مہذب ومتمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کے نلوں، شاہی قصر و ایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا تو بہرحال ثابت ہو جاتا ہے کہ ملک میں ماہرین فن انجینئروں کی کمی نہ تھی۔ دجلہ و فرات دو دو مشہور دریا اس کے علاقہ کو سیراب کر رہے تھے۔ سلطنت کے عروج کا زمانہ تخمینی طور پر ۲۰۰۰ق۔م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی ایک خاص شہرت علوم سحر، عملیات سفلی اور جنتر منتر کے لحاظ سے تھی۔ جنہیں آج انگریزی میں Occult Sciences (علم غیر تجات) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) ہے۔ اور انگریزی میں آج تک لفظ کالڈین (کلدانی) ساحر کا مرادف چلا آ رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر اس ملک کی عظمت کا بھی اور اس کی بدعملیوں، تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو صحیفہ دانی ایل ۲:۲۔ مکاشفہ ۱۰:۱۸، ۵ و ۲۳ وغیرہا۔ لیکن اس فہرست جرائم کا عنوان اول سحرکاری تھا۔ بائبل کی شہادت ملاحظہ ہو:۔ ’’تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہو گئیں۔ اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا‘‘۔ (مکاشفہ۔ ۱۸:۲۳ و ۲۴) پرانے کتبے اور نوشتے آج جو کچھ

دریافت ہوئے ہیں، ان کی متفقہ شہادت ہے کہ دین بابلی کا جزو اعظم سحر و کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے تھے۔ "بابلی مذہب کا جزو اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام ہیں..... بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے منتر ہی منتر نظر آئیں گے"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۲ صفحہ ۱۱۶) ایک اور فاضل کی تحقیق ہے:۔ "مذہب بابل و نینوا کا جزو اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا"۔ (راجرس کی ریلیجن آف بابلونیا اینڈ اسیریا، صفحہ ۱۴۵) یہ سحر پیشہ و کہانت دوست قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدار ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی، تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنون سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی۔ تاریخ کا بیان ہے:۔ "یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ان کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ضعیف العقیدہ خلقت انھیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی۔ (ریگوزین کی کالڈیا صفحہ ۲۵۵) یہود ان استادوں کے شاگرد رشید ثابت ہوئے:۔ "بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۸۷، طبع یازدہم) خود یہود کے اکابر کا اعتراف ہے کہ:۔ "بابل کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں قائم رہا"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۱۳) ہمارے قدیم مفسرین کی تربتیں اللہ ٹھنڈی رکھے۔ بغیر اس کے کہ ان کے کان میں بھنک بھی آوازوں کی پڑے کہ انیسویں صدی کے آخر میں سر ہنری رالنسن کو، اور بیسویں صدی میں سر لیونارڈ وولی اور دوسرے ماہرین اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے۔ محض اپنی قوت ایمانی کی بخشی ہوئی جلا و اشراقیت سے کام لے کر وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَيْنِ کا عطف مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر کر کے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے کہ یہود کی فرد جرم دونوں جرموں سے سیاہ ہے۔ اتباع سحر فلسطین سے بھی، اور اتباع سحر بابل سے بھی! خود قرآن کا اعجاز تو خیر بہت بڑی چیز ہے، حق یہ ہے کہ قرآن والوں کا اعجاز بھی اپنی جگہ دلوں کو ہلا دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔ بابل کی اسی سحر پرور و کہانت خیز سرزمین میں جب عملیات سفلیہ اور علوم سحریہ کا زور حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں ہادیان حق انبیاء کرام اور اولیائے صالحین کی حیثیت خلط ملط اور ملتبس ہو کر کاہنوں، ساحروں، عاملوں، شعبدہ بازوں کی ہو کر رہ گئی، تو مشیت الٰہی اور حکمت ربانی نے حق و باطل کے ان دو عملیوں گروہوں کے درمیان نمایاں فصل و امتیاز کرانے اور لوگوں کی اصلاح خیال کے لیے دو فرشتوں کو انسانی صورت و قالب میں بھیجا۔ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ دونوں اپنی اصلی حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب ایک غرض خاص کے ساتھ انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لیے بھیجے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل و شباہت، رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا ہوگا۔ اور ان کی عادتیں اور ان کے جذبات بھی بالکل بشری ہوں گے۔ بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک قصہ یہود کا بیان کیا ہوا، ملک عراق کی مشہور رقاصہ اور بیسوا زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف کسی درجہ میں بھی نہیں۔ دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اس کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ قصہ بالکل گڑھا ہوا اور لغو و مردود ہے۔ اور اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازی، شہاب الدین عراقی وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان هذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة (کبیر) وهذا كله لا يصح منه شئ (بحر) و نص الشهاب العراقي على ان من اعتقد في هاروت و ماروت انهما ملكان يعذبان على خطيئهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالى (روح) لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتہ کو پیکر انسانی اور جذبات بشری دے دیئے گئے، تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے، تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

ف ۳۵۹ يُعَلِّمٰنِ۔ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بنا پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس یا سبق دیا کرتے تھے۔ استغفر اللہ۔ تعلیم کے معنی علاوہ سکھانے اور سبق دینے کے، اعلام یعنی جتلانے، بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ والتعليم ربما يستعمل في معنى الاعلام (راغب) چنانچہ ماہرین قرآن کی ایک جماعت نے یہاں بھی یہی معنی لیے ہیں۔ والتعليم بمعنى الاعلام (معالم) فكان المعنى في يُعَلِّمٰنِ يُعْلِمٰنِ (بحر) التعليم انما هو تعريف يسير بمبادئه (بحر) اور خود ایک قراءۃ بھی مصدر اعلام کے ساتھ منقول ہے۔ و قرأ طلحة من مصرف يعلمان بالتخفيف من الاعلام (روح) مِنْ اَحَدٍ میں مِنْ زائد ہے، تاکید استغراق کے لیے۔ معنی ہوں گے "کسی کو بھی" یا "کسی ایک کو بھی" من زائدة لتاكيد استغراق الجنس (بحر)

ف ۳۶۰ (یہ نظر احتیاط مزید) ملائکہ اس باب میں اتنی احتیاط رکھتے کہ خیر خود سے تو کسی کو کیا بتلاتے، سکھلاتے، جو لوگ پوچھنے آتے، انہیں بھی پہلے متنبہ کر دیتے۔ حتى ينصحاه اولاً (معالم) حتى ينبهاه و ينصحاه (مدارک) لا يعلماه حتى يبالغا في نهيه (جصاص)

ف ۳۶۱ امتحان یعنی وہ چیز جس سے کھل جائے کہ سحر و کہانت سے بچا کون کون رہا اور مبتلا ان میں کون کون ہو گیا۔ فِتْنَةٌ کے معنی امتحان، آزمائش جانچ پڑتال کے ہیں۔ تارة يستعمل في الاختبار (راغب) اور یہاں بھی آزمائش ہی مراد ہے۔ ومعناها في هذا الموضع الاختبار والابتلاء (ابن جریر۔ عن ابن جریج) اي ابتلاء و اختبار من الله (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ یہ انسان نما ملائکہ کسی پر بھی حقیقت سحر کو نہ کھولتے، کسی کو بھی کلمات سحر پر مطلع نہ کرتے جب تک کہ اسے متنبہ نہ کر دیتے۔ ہوتا یہ تھا کہ فسق پیشہ لوگ آ کر ہاروت و ماروت کو گھیرتے اور ان سے اصرار کر کے دریافت کرتے، کہ آپ ہمیں سحر سے روک تو رہے ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کہ سحر کہتے کسے ہیں۔ وہ ہیں کون سے اعمال و اقوال جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرشتے انہیں اس تنبیہ و یاد دہانی کے بعد کہ اس فن سے کام لینا کفر ہے، جب انہیں آگاہ و خبردار کرنے کے لیے ان اعمال و اقوال کی نقل و حکایت ان کے سامنے کرتے تو وہ فسق پیشہ لوگ اس سے فائدہ یہ اٹھاتے کہ خود اس فن ہی کے سیکھ جانے کا کام لینے لگتے — بالکل ایسی ہی بات جیسے آج کوئی کسی فقیہ عالم سے یہ دریافت کرے کہ رشوت اور سود کا اطلاق کن کن آمدنیوں پر ہوتا ہے، اور پھر ان سے بچنے کے بجائے الٹا انہیں طریقوں پر عمل شروع کر دے! یہ مفہوم طبع زاد نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر ٹھیک اسی معنی میں مروی ہے۔ قال علي كانا يعلمان تعليم انذار لا تعليم دعاء اليه كانهما يقولان لا تفعل كذا كما لو سأل سائل عن صفة الزنا او القتل فاخبر بصفته ليجتنبه (بحر)

ف ۳۶۲ (ان اعمال و اقوال سحر کو اختیار کر کے) اي لا تجعل ما تسمع منا سببا للكفر (ابن عربی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اعمال و اقوال سحریہ کا اعتقاداً اختیار کر لینا کفر کے مرادف ہے۔ اي لا تكفر بعمل هذا السحر و اعتقاده فثبت ان ذلك كفرٌ اذا عمل به و اعتقده (جصاص) اس میں فقہائے امت کا اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے، کہ آیا مطلق سحر یعنی اس کا سیکھنا بھی حرام ہے یا محض اس پر عمل۔ شروع سے قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے تعلّم کو بالکل جائز رکھا ہے اور صرف عمل کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے نفس تعلّم کو بھی۔ قيل فلا تفعله لتعمل به و هذا على قول من قال تعلمه جائز والعمل به كفر و قيل لا تكفر بتعليم السحر و هذا على قول من قال ان تعلمه كفر (بحر) بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سحر کا سیکھنا بہر صورت حرام ہے یہاں تک کہ کافر ساحروں کے رد کے لیے سیکھا جائے جب بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ کلام الٰہی فَلَا تَكْفُرْ دلالت کرتا ہے مفہوم کی علی الاطلاق حرمت پر، اور وہ سحر ہے (رد المحتار) لیکن یہ تحقیق خود حنفیہ کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں، اور شافعیہ کو تو اس سے بالکل اختلاف ہے۔ فلا تكفر باعتقاد جوازه والعمل به وفيه دليل على ان تعلم السحر وما لا يجوز اتباعه غير محظور وانما المنع من اتباعه والعمل به (بیضاوی) اي لا تتعلم السحر فتعمل به فتكفر (معالم) فلا تكفر بتعلمه والعمل به على وجه يكون كفرًا (مدارک) مفسر تھانوی کی تحقیق اس موقع پر بھی قابل قدر ہے:۔ "سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلمات کفریہ ہوں مثل استعانت شیاطین و کواکب وغیرہ۔ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے، یا نفع پہنچایا جائے، اور اگر کلمات مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے، یا کسی اور غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو وہ فسق و معصیت ہے۔ اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے۔ نہ کسی اور غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اسے عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور کفر عملی کا اطلاق ہر نا جائز پر صحیح ہے۔"

ف ۳۶۳ یعنی وہ فسق پیشہ اور معصیت دوست لوگ سحر سیکھ ہی جاتے۔ ملائکہ کی نیت کا بخیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہ تو نفس مسئلہ سمجھاتے، سحر کی حقیقت بیان کرتے، اس کی حرمت کا حکم صادر کرتے، لیکن فاسد الطبع لوگ اس سے فن سیکھ جاتے۔ اور اسے کام میں لانے لگتے

ف ۳۶۴ ذکر،

ایک بار پھر حافظہ کو تازہ کر لیجئے، یہود کا چل رہا ہے۔ یہود عہد سلیمانی کا، نیز ان کی اولاد در اولاد کا۔ قرآن، ایک اُمی کا لایا ہوا قرآن، ان کی فرد جرم سناتے سناتے یک بیک یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہود سحر اور عملیات سفلی میں تو مشغول رہتے ہی تھے، لیکن ان میں بھی خصوصاً ان عملیات میں جن کا تعلق میاں بیوی کے افتراق سے تھا۔ قرآن نے تو ضمناً اور گویا بالکل لپیٹ میں ایک بات کہہ دی۔ اب دیکھئے بیسویں صدی کے علمائے یہود اور محققین اسرائیلی اپنے اسلاف کے مشغلۂ سحر وساحری کی نوعیت سے متعلق کیا شہادت دیتے ہیں:۔ ''سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو نا جائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عموماً ساتھ ہی ساتھ آیا ہے'' (جیوئش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۸ صفحہ ۲۵۵) و۳۶۵ یعنی بجز مشیت تکوینی کے۔ اسلام نے شرک کی جڑ جس جس طرح کاٹی ہے، اس کے لحاظ سے یہ صراحت ضروری بھی تھی۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ کہیں مؤثر حقیقی ان عملیات سحریہ کو، اس منتر جنتر کو، ان ٹونے ٹوٹکوں کو ہرگز نہ سمجھ لینا۔ ان میں قوت ذرا سی بھی نہ تھی۔ مؤثر و فاعل حقیقی جس طرح ہر حال میں ہماری مشیت، صرف ہماری تجلی ارادی تکوینی رہتی ہے۔ اس موقع پر بھی صرف وہی رہی۔ اذن اللہ کے معنی یہاں تقدیر الٰہی، مشیت تکوینی، قضا وقدر کے ہیں۔ **معناہ الا بقضائه و قدرته و مشیته** (معالم۔ عن سفیان ثوری) **ای بعلمه تکوینیة فالساحر**

يَنۡفَعُهُمۡ ؕ وَ لَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰىهُ مَا لَهٗ

نفع نہیں پہنچا سکتی و۳۶۶ اور (یہ بھی) یہ خوب جانتے ہیں و۳۶۷ کہ جس نے اسے اختیار کر لیا اس کے لئے

فِي الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ؕ۟ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا

آخرت میں کوئی حصہ نہیں و۳۶۸ اور بہت ہی بری وہ چیز ہے جس کے عوض میں انہوں نے

بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ

اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے و۳۶۹ کاش وہ (اتنا ہی) جانتے و۳۷۰ اور اگر وہ

اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَمَثُوۡبَةٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ خَيۡرٌ ؕ

ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ان کا ثواب اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا کاش وہ

لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا

(اتنا) جانتے و۳۷۱ اے ایمان والو

تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَ قُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَ اسۡمَعُوۡا ؕ

''رَاعِنَا'' مت کہا کرو و۳۷۲ اور ''انۡظُرۡنَا'' کہا کرو اور سنتے رہا کرو و۳۷۳

وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے و۳۷۴ جو لوگ کافر ہیں (خواہ)

مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَ لَا الۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يُّنَزَّلَ

اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے و۳۷۵ وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ

عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ يَخۡتَصُّ

تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے اتر کرے و۳۷۶ حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے

بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۰۵﴾

چاہے مخصوص کر لے و۳۷۷ اور وہ بڑے ہی فضل والا ہے و۳۷۸

یسحر واللہ یکوّن (معالم) **ای بعلمه و مشیته** (مدارک) **یعنی بحکمه و قضائه لا بامره** (ابن عربی) بس اتنا یاد رہے کہ یہ اللہ کی قدرت، مشیت، حکمت تکوینی ہرگز ہرگز اللہ کے حکم یا رضا کے مرادف نہیں ۔۔ زہر کے اثر سے بے گناہوں کی ہلاکت، کافروں کے ہاتھوں اولیاء وانبیاء کی اہانت واذیت، مشرکوں کا مسلمانوں پر غلبہ وتسلط، جس قانون حکمت تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اسی کے ماتحت سحر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اور رضائے الٰہی سے بُعد جس قدر غلبۂ کفر وغیرہ کو ہے، اسی قدر تاثیر سحر کو۔ ہر ہر ارادۂ الٰہی کے اندر حق کتنی تکوینی حکمتیں اور کائناتی مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کا علم بھی بجز اسی دانا و بینا، علیم وخبیر کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا۔ و۳۶۶ (جیسا کہ ہر معصیت کا قاعدہ ہے کہ اس کی تحصیل مضر اور غیر مفید ہی ہوا کرتی ہے) یعنی یہ بدبخت یہود اپنا وقت اور اپنی توتیں کیسی ضائع کر رہے ہیں، ان علوم وفنون کی تحصیل میں جو ان کے حق میں نافع تو ذرا سے بھی نہیں اور مضر ہی ہیں۔ ضمناً اس سے علوم سحریہ کے سیکھنے کی ممانعت بھی نکل آئی، جیسے ان علوم عقلیہ وفلسفیہ سے جو گمراہی کی طرف لے جائیں۔ **فیه دلیل علی الله واجب الاجتناب کتعلم الفلسفة التی تجر علی الغوایة** (مدارک) و۳۶۷ (خود اپنے مذہبی نوشتوں کی تصریحات سے) اشارہ عہد رسالت کے یہودی جانب ہے۔ یہ کلام متعلق ہے آیہ ماقبل لَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ الخ سے۔ یہود عہد سلیمانی اور ان کی ساحری کا قصہ درمیان میں آگیا تھا۔ اب رجوع پھر اسی پہلے تذکرہ کی جانب ہے۔ یعنی یہود معاصرین عہد رسول سے متعلق۔ **متعلق بقوله تعالٰی** وَلَمَّا جَآءَهُمۡ **و قصة السحر مستطردة فی البین فالضمیر لأولٰئک الیهود** (روح) قرآن نے کس دعوی سے کہہ دیا کہ (لَقَدۡ عَلِمُوۡا) یہ یہودی خوب جانتے ہیں کہ سحر وساحری کیسی گندی چیز ہے۔ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جانتے ہیں؟ کس نے ہمیں یہ خبر دی ہے؟ ہمارے مقدس نوشتوں میں کہاں یہ موجود ہے؟ مگر نہ کہہ سکے۔ اس لیے کہ آج کی تحریف شدہ، مسخ شدہ توریت تک میں یہ تصریحات باقی ہیں:۔ ''تو جادوگری کو جینے مت دے''۔ (خروج۔ ۲۲:۱۸) ''اور جادو نہ کرو، اور ساعتوں پر لحاظ مت کرو۔'' (احبار ۱۹:۲۶) ''اور شعبدہ باز و ساحر ہو کیوں کہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خداوند کی نفرت کے باعث ہیں۔'' (استثناء۔ ۱۸:۱۲) و۳۶۸ اشۡتَرٰىهُ۔ ضمیر سحر کی طرف ہے۔ **ای اختار السحر** (معالم) **ای استبدل ما تتلوا الشیٰطین بکتاب الله و استبدل السحر بدین الله** (جصاص) یہود کو دعوت حق دی جا رہی تھی۔ پیام ان کے پاس مذہب توحید کا پہنچ رہا تھا۔ اور وہ تھے کہ اُدھر سے غافل و بے پروا، فارغ و غیر متوجہ، اپنے انہیں علوم سحر و کہانت میں لگے ہوئے اور انہیں خرافات کو کمال کے درجہ پر رکھے ہوئے تھے۔ اشارہ ان کی اسی محرومی و بدنصیبی کی جانب ہے و۳۶۹ ''اپنے آپ کو بیچ ڈالا'' یعنی اپنی جان کو عذاب و ہلاکت میں ڈالا۔ **بئسما شروا به**۔ وہ بری چیز کفر واعمال سحریہ ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ بندوں کے حال پر کمال شفقت سے تاسف وحسرت کے لہجہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دین برحق جیسی نعمت سے منہ موڑے ہوئے یہ کفر وسحر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ گویا دوزخ کی خریداری کر چکے ہیں۔ **حیث اختاروا السحر و الکفر علی الدین والحق** (معالم) و۳۷۰ یعنی افسوس کہ اس حد تک بھی انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقل سلیم سے کام نہ لیا! و۳۷۱ (اور اپنی موجودہ روش کفر وفسق سے تائب ہو جاتے) گنہگار بلکہ سرکش و نافرمان و غدار بندوں کے حق میں اس قدر تاسف اسی مالک حقیقی ہی کا حصہ ہے! کیا حد ہے اس شفقت و کرم بے حساب کی! و۳۷۲ (مجمع میں رسول اللہ کو مخاطب و متوجہ کرتے وقت) رسول اللہ ﷺ جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لیے ازراہ شرارت لفظ رَاعِنَا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ ''ہماری رعایت کیجئے''۔ لیکن رَاعِنَا کے ''ع'' کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر رَاعِنَا ہی بولتے، خود بھی بعض

اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہورہی ہے۔ اُنظُرْنَا کے "معنی ہیں" ہمارے اُوپر نظر کیجئے"۔ اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ وھذا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملة التی فیھا التعرض للتنقیص (ابن عربی) بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کے لیے سب سے ممتاز ہیں، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امر خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظاہر ہے کہ سوء ادب کے قصد سے بالکل بری تھے، ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر نظر کر کے۔ ف۳۷۳ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، ادب و تعظیم کے ساتھ) حال کے بعض گمراہ فرقوں نے ایمان و اسلام کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بالکل قطع نظر کر کے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے، ان کی گمراہی آیت سے ظاہر ہے۔ ف۳۷۴ (توہین برحق کی توہین اور اپنی دناءت اخلاق کی پاداش میں) خصوصاً ان کافروں کے لیے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدت بغض و عداوت میں اس حد تک پہنچ جائیں، اور عام انسانیت و تہذیب کے بھی حدود کا لحاظ نہ رکھیں۔ -ایسے بدتمیز معاندین کی اصلاح کی توقع بھی کیا ہوسکتی تھی۔ ف۳۷۵ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ کافروں یعنی طریق اسلام کے منکروں کی

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ف۳۷۹ تو (کوئی) اس سے بہتر یا ف۳۸۰

اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

مثل اس کے لے آتے ہیں کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر

قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

قادر ہے ف۳۸۱ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ

اور زمین کی ہے ف۳۸۲ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ

یار و مددگار نہیں ف۳۸۳ تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو ف۳۸۴

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ

جیسا کہ (اس کے) قبل موسیٰ سے سوال کئے جا چکے ف۳۸۵ اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں

الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾

کفر اختیار کر لے گا ف۳۸۶ سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ

بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد

بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

پھر سے کافر بنا لیں ف۳۸۷ حسد کی راہ سے جو ان کے

اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا

نفسوں میں ہے ف۳۸۸ (اور یہ بھی) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ف۳۸۹ سو معاف کرتے رہو ف۳۹۰

بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک مشرک جو سرے سے توحید و رسالت، ملائکہ و جنات کی کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے بجائے عجیب عجیب تخیلات اور اوہام گڑھ رکھے ہیں۔ دوسرے اہل کتاب جو ان بنیادی حقائق پر لفظاً ایمان رکھتے ہیں، لیکن عملاً و معناً ان میں سے ہر حقیقت کو مسخ کر چکے ہیں۔ یہاں جملہ میں آگے جو خبر نکلے گی، اس کا مبتدا بھی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے۔ مزید صراحت کے لیے اس کی دونوں قسموں کو بھی کھول کر بیان کر دیا جائے۔ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یہ لفظ قرآن مجید میں پہلی بار آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ مومنین اور مشرکین کا درمیانی درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اصلاً توحید و نبوت و معاد کے قائل تھے، اور آسمانی صحیفے بھی اپنے پاس رکھتے تھے، گو معنوی اور لفظی تحریفات کے لحاظ سے بالکل مسخ شدہ اور قرآن اور صاحب قرآن کے منکر تھے۔ الْمُشْرِكِیْنَ۔ مشرک وہ تھے، جو سرے سے توحید و نبوت ہی کے قائل نہ تھے، بجائے ایک خدائے واحد کے مختلف فرشتوں کو مختلف قویٰ کا مستقل مالک و متصرف سمجھتے تھے۔ ان کو دیویوں، دیوتاؤں کے نام سے پکارتے، اور انہیں کی پرستش کرتے۔ اور مختلف عناصر اور مظاہر فطرت کی بھی الوہیت کے قائل رہتے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ انگریزی کے تقریباً کل مترجمین قرآن اور اردو کے بھی متعدد شارحین نے شاید افراط "روشن خیالی" کے اثر سے ترکیب عبارت کو بالکل نظر انداز کر کے ترجمہ یوں کر دیا ہے:۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ اور مشرکین (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے" حالانکہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اول تو اَهْلِ الْكِتٰبِ کا مفہوم ہی کافر اہل کتاب کا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اہل کتاب کہے ہی کیوں جائیں؟ مومن ہی نہ کہلانے لگیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ان میں سے جو کافر ہیں، خود ہی بے معنی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر صریح اور قاطع الْمُشْرِكِیْنَ کا اعراب ہے۔ الْمُشْرِكِیْنَ حالت جری میں ہے۔ اور مِنْ حرف جار کا مجرور۔ اس کا عطف صریحاً اَهْلِ الْكِتٰبِ پر ہے۔ اگر الَّذِیْنَ كَفَرُوْا پر ہوتا تو حالت رفعی میں ہوتا۔ اور بجائے الْمُشْرِكِیْنَ کے المشرکون ہوتا۔ ایک حدیث میں کافروں کی یہ دوگونہ تقسیم اہل کتاب و مشرکین میں صراحت کر کے دونوں کے حق میں عذاب کی دعا آئی ہے:۔ اللھم علب الکفرة اھل الکتب والمشرکین الذین یجحدون اٰیاتک و یکذبون رسلک ویصدون عن سبیلک و یتعدون حدودک و یدعون معک الٰھا اخر لا الٰہ الا انت تبارک و تعالیت عما یقول الظلمون علوا کبیرا۔ ف۳۷۶ (اے مسلمانو!) مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک، یہ کسی طرح گوارا ہی نہیں، بلکہ دل سے شاق گزر رہا ہے کہ خیر و رحمت کا نزول مسلمانوں پر ہو۔ الخیر۔ خیر سے مراد عموماً وحی و نبوت لی گئی ہے۔ الخیر الوحی (کبیر) فسّر الخیر بالوحی (بیضاوی) لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے ہر قسم کی فلاح دینوی و اخروی کا جامع سمجھا جائے اور اس کے تحت میں علم، نصرت غیبی، فتوحات ملکی وغیرہ سب کو شامل کرلیا جائے۔ ای بالعلم و بالنصرة ولعل المراد بہ ما یعم ذلک (بیضاوی) ھنا عام فی جمیع انواع الخیر (بحر) عام فی انواع الخیر کلھا (روح) ف۳۷۷ (اپنے قوانین حکمت و مصالح تکوینی کے ماتحت) یہود کو اصل حسد اس کا تھا کہ نعمت نبوت کے حقدار تو ہم ہیں یعنی اولاد اسرائیل۔ یہ اہل عرب کو کہ بنی اسمٰعیل ہیں، یہ دولت نبوت کہاں سے مل جاتی ہے اور کیسے مل سکتی ہے؟ اور اَهْلِ الْكِتٰبِ سے اشارہ زیادہ تر انہیں کی طرف ہے، اور الحمد للہ کہ ہمارے قدیم مفسرین نے بھی آیت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ معنی الاٰیة ان اللہ تعالٰی بعث الانبیاء من ولد اسحاق فلما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ولد اسمٰعیل، لم یقع ذلک ہوی الیہود (معالم) ف۳۷۸ (وہ جس فرد، جس نسل، جماعت کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نواز دے) اور اب اگر کسی قوم یا نسل کو محروم کیا جا رہا ہے تو اس کی بنا یہ نہیں کہ ادھر سے فضل و کرم میں کچھ کمی ہوگئی ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ خود اس قوم نے اپنی مسلسل نالائق روش سے اپنے کو اس فضل و کرم کا نااہل ثابت کر دیا۔ اور اب اسے اس نعمت سے نوازے جانا آئین حکمت کے منافی ہے ف۳۷۹ (لوگوں کے دماغ یا حافظہ سے) انساءھا ای حذف

ذکرھا عن القلوب (راغب) انساء اٰیۃ ای اذھابھا عن القلوب (بیضاوی) اٰیۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اطلاق آیت مکتوبی پر بھی ہوتا ہے اور نشان، دلیل، معجزہ پر بھی۔ یہاں مراد اگر دلائل و معجزات سے لی جائے جب تو آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کے بجائے دوسرا نشان حقانیت قرآن کا وجود میں اب بھی آتا ہی رہتا ہے۔ اور زمانہ نزول قرآن میں تو خارق عادت نشانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ البتہ اگر آیت مکتوبی ہی مراد لی جائے جب بھی دو شقیں ممکن ہیں۔ آیتیں یا قرآن مجید کی ہوں یا کتب سابق کی۔ اگر کتب سابق کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ ابو مسلم اصفہانی کا مذہب ہے جب بھی بحث آگے نہیں بڑھتی۔ پرانی کتابوں کی آیتوں کا قرآنی آیتوں سے منسوخ ہونا تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ نزاع، اب اگر آیات قرآنی ہی مراد ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے تو سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نسخ سے مفہوم کیا ہے؟ نسخ سے مراد کسی نے آج تک یہ تو لی نہیں کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب تھا اب وہ منافی ایمان قرار پایا۔ یا جھوٹ، چوری، زنا، قتل پہلے حرام تھے پھر حلال قرار پاگئے یا فلاں حکایت پہلے جس طرح قرآن میں بیان ہوئی تھی بعد کو اس کی تردید ہوگئی۔ غرض نسخ کی گنجائش کا عقائد میں، کلیات اخلاق میں، امور حسی میں، قصص گزشتہ اور حکایات ماضی میں، اخبار غیب میں یعنی قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں تو کوئی بھی قائل نہیں۔ نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے لے دے کے باب احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے۔ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ پر بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزاء میں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکام قانون کے نسخ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خود قانون ساز و قانون آفریں کے قلم سے عین وضع قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی و ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں بدل دیے گئے اور ان کی جگہ مستقل و دوامی قوانین نے لے لی۔ انسان کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر غذاؤں کے چبانے، پیسنے، چرنے، کاٹنے اور پھاڑنے ہی کے کام کے لیے ہیں۔ لیکن ابتدائی شیر خوارگی میں دانت نکلنے سے قبل دوسری قسم کی شربتی یا نیم شربتی غذائیں اس کے لیے موزوں ہیں، اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کونسا پہلو ہے جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلہ نسخ ہی سے انکار پر تل گئے ہیں۔ یہ بھی خوب واضح رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علم بشری ناقص و محدود کے اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقت معین کے لیے مقرر و ثبت ہی ہے۔ جمہور کا مذہب اسی وقوع نسخ کا ہے۔ گو ایک گروہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے۔ ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمھور من المسلمین علی جواز النسخ و وقوعہ (کبیر) اور فقیہ جصاص نے ایک غیر فقیہ کا قول بھی اس معنی میں نقل کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اندر کوئی نسخ نہیں، ناسخ خود یہ شریعت ساری سابق شریعتوں کی ہے۔ زعم بعض المتاخرین من غیر اھل الفقۃ انہ لا نسخ فی شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما ذکر فیھا من النسخ فانما المراد بہ نسخ شرائع الانبیاء المتقدمین (احکام القرآن) اور نسخ کے معنی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے ہیں بھی نہیں۔ اصلی مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ نسخ کو اردو کی منسوخی کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں نسخ کے معنی کسی مطلق و غیر مقید حکم کو صرف محدود و مقید کر دینے کے ہیں۔ و تفسیر النسخ لغۃ التبدیل و شریعۃ بیان انتھاء الحکم الشرعی المطلق الذی تقرر فی اوھامنا استمرارہ بطریق التراخی فکان تبدیلا فی حقنا بیانا محضا فی حق صاحب الشرع (مدارک) ۳۸۰ (یعنی وقت و موسم، بدلے ہوئے حالات کے زیادہ مطابق) ای بما ھو انفع لکم واسھل علیکم (معالم) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو حال یا وارد، بلا اختیار عبد زائل یا مغلوب ہو جائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل ہی دوسرا عطا کر دیتا ہے۔ سو اس پر افسوس و حسرت نہ کرنا چاہیے۔ ۳۸۱ (سو ایسے قادر مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ احوال و مصالح کی رعایت برابر کرتا رہے) خطاب یہاں معترض، معاند منکر نسخ سے ہے۔ قیل لمنکر النسخ (روح) اور بعض نے مطلق سامع کو مخاطب قرار دیا ہے۔ والاولی ان یکون المخاطب السامع (بحر) ۳۸۲ (اور اسی کو ہر طرح کا اختیار کامل و تصرف مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ہر سامع اور مخاطب کے لیے۔ اور ام کا مفہوم ایجابی ہے یعنی اے مخاطب تجھے خوب معلوم ہے معناہ الایجاب ای قد علمت ایھا المخاطب (بحر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول ﷺ اور پھر آپ کے واسطہ سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد ھو وامتہ (بیضاوی) ۳۸۳ (اے بنی آدم) آیت بجائے خود ایک درس توحید کامل کا ہے۔ ملک، ولایت، نصرت سب اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ ۳۸۴ (از راہ عناد و اعتراض) مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی الیھود (معالم) اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی المخاطب بہ علی وجوہ احدھا انھم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھذا القول اصح (کبیر) ورجح انھم الیھود (بحر) رَسُوْلَکُمْ سے مراد اس صورت میں رسول وقت سے ہوگی۔ تمہارے زمانہ کے رسول سے، لیکن مسلمان ہی اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ بھی تہدیداً جائز ہوگا۔ اَمْ یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں منقطعہ ہے۔ بل کا مرادف ام ای بل (جلالین) ام منقطعۃ التقدیر بل تریدون (مدارک) ام ھھنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (عکبری) فیھا الاضراب والانتقال عن حملھم علی العمل بموجب علمھم (ابو سعود) ۳۸۵ سوال اگر کسی مسئلہ کی سنجیدہ تحقیق و دریافت کے لیے ہوں تو باعث رحمت ہیں۔ لیکن جب ضد اور نفسانیت اور شرارت سے ہوں اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے ہو تو وہی سوالات ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، ان کے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں، قرآن کا اس کو اتنی کھلی ہوئی تلمیح کے طور پر لے آنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ قرآن بھیجنے والا اس سے خوب واقف تھا۔ اور یہ کلام عرب کے ایک ان پڑھ انسان کی تصنیف ہو نہیں سکتا۔ ۳۸۶ (جس کی ایک شکل یہی رسول سے معاندانہ اور گستاخانہ سوال و جواب ہے) یبدل الکفر بالایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہ کفر کو اختیار کیا۔ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ ای یختارہ و یاخذہ لنفسہ (ابو سعود) بالایمان ای بمقابلۃ بدلا منہ (ابو سعود) سیاق میں ذکر یہود کا ہے اس لیے انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ "سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ خطاکار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا، اس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ ۱: ۲۔۳) ۳۸۷ (اے ایمان والو) شان نزول کے ایک مخصوص واقعہ کی بنا پر عموماً مفسرین نے یہاں اہل کتاب سے مراد یہود یا احبار یہود لی ہے۔ لیکن لفظ قرآنی عام ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس کے عموم میں یکساں داخل ہیں۔ مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈا عقائد اسلام کے خلاف سیاسی، معاشرتی، تاریخی، جغرافی تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان اگر یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم از کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں۔ ۳۸۸ یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و خیر خواہی کی راہ سے نہیں۔ رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہود کا حسد تو خود اپنے پیغمبر و ہادی تک سے رہا ہے اور اس پر خود عہد عتیق ناطق ہے:۔ "انہوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے برادر و خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور۔ ۱۰۶: ۱۶) اور عہد جدید کی شہادتیں بھی حسد کے باب میں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔ "یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے"۔ (اعمال ۱۷: ۵) "یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے"۔ (اعمال ۱۳: ۴۵) ۳۸۹ یعنی اہل کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں۔ محض ضد اور عناد اور استکبار ہے۔ وضوح حق ان پر پوری طرح ہو چکا ہے ۳۹۰ (سر دست اے مسلمانو! ان سے کسی طرح کا انتقام نہ لو) یہود کی مفویانہ کوششوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امر طبعی تھا۔ ان کو ہدایت ہو رہی ہے کہ سر دست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو اور انتقامی تعزیری کارروائیاں فوراً ہی نہ شروع کر بیٹھو۔ ۳۹۱ (جہاد و قتال کے لیے) اکثر صحابہ و تابعین سے حکم کی تفسیر حکم جہاد و قتال کے ساتھ منقول ہے۔

الامر بالقتال و هو قول اکثر الصحابة (کبیر) الذی هو الاذن فی قتالهم (بغوی) المراد به الامر بالقتال (روح) حکم قتال اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا آیت سے صاف اشارہ اس طرف نکل آیا کہ عنقریب ہونے والا ہے۔ ف۳۹۲ (پس) ایسے قادر مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ سرکش اور زور آور کافروں سے پورا بدلہ لے لے اور ان کا زور توڑ دے۔ اور مظلوم و مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنا دے) ف۳۹۳ (اس درمیان میں اے مسلمانو) مطلب یہ ہے کہ زمانہ جہاد کے احکام دوسرے ہیں جب تک وہ نافذ نہ ہوں ان کے انتظار میں عام احکام اسلامی کی پابندی میں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ مالی اور بدنی عبادتیں تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔ ف۳۹۴ نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں۔ اعمال صالحہ جو کچھ بھی میسر آجائیں سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔ ؕ تجدوہ۔ حذف مضاف ہے یعنی اپنے نفع اپنی نجات و مغفرت کے واسطے و هو علی حذف مضاف ای لنجاة انفسکم (بحر) تجدوہ۔ اسے پالو گے، یعنی اس کے اجر و ثواب کو پالو گے۔ یہ مراد نہیں کہ بعینہ وہ عمل موجود ملے گا۔ تجدوہ ای ثوابه (بیضاوی) المراد وجدان ثوابه و جزائه (کبیر) ف۳۹۵ (سو اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع ہو جائے گی، اجر ہر نیکی کا پورا پورا ملے گا) ف۳۹۶ یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے۔ قرآن مجید نے انہیں کی ترجمانی کی ہے۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آ رہا ہے کہ نجات انہیں کی قوم اور وابستگان قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی ان کا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ:۔ ''نجات یہود میں ہے'' (یوحنا۔ ۴: ۲۲) یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ظہور اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ف۳۹۷ (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں اور جن کی تائید میں نہ کوئی دلیل معقول ہے اور نہ سند منقول) محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت جب پیغمبروں کی اولاد کے کام نہ آسکی تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور مشائخ زادوں کا اپنے شرف نسلی پر قناعت کیے رہنا کس درجہ بے عقلی ہے۔ امنیة واحد ہے امانی کا من سے مشتق۔ اضحوکہ اور اعجوبہ کے وزن پر۔ ف۳۹۸ (اپنے اس دعویٰ میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) پیغمبر ﷺ کو ہدایت ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے کہیے کہ خالی زبانی دعووں اور خالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔ ف۳۹۹ یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جواب بیان ہو رہا ہے بلی۔ اپنے ماسبق کی نفی و تردید کے لیے ہے۔ یعنی تمہارا دعویٰ غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آ رہا ہے۔ ف۴۰۰ (اپنے اس ایمان و اعتقاد میں) یعنی اس کا عمل بھی اس کے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و حسن عمل دونوں جمع ہوں۔ وجه کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا نفس شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے ربما عبّر عن الذات بالوجه (راغب) فالوجه اما مستعار للذات واما مجاز عن القصد (روح) اسلم وجهه لله یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزش شرک۔ ای اخلص نفسه له لا یشرک به غیره (کشاف) لم یقصد سواه (روح) ف۴۰۱ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن و غم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہل ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت و تاسف کریں گے نہ آئندہ کے لیے دہشت زدہ ہوں گے۔ ف۴۰۲ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ یہودی قوم عقیدۂً بہرحال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور الوہیت کی تثلیث وہ برداشت ہی نہ کر سکتی تھی اور نہ اس کی قائل ہو سکتی تھی کہ ایسے گڑھے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۴۰۳ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ شریعت موسوی سے متعلق موجودہ انجیلوں میں تذکرہ الفاظ ذیل میں ملتا ہے:۔ ''آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے''۔ (گلتیون ۲: ۱۶) ''شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا'' (ایضاً ۲: ۱۷)'' راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا''۔ (ایضاً ۲: ۲۰) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ (اصطلاح انجیل میں مطلق شریعت (Law) سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) ف۴۰۴ الکتٰب۔ یعنی مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل اسی کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں ان صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ وهم یتلون میں و حالیہ ہے، عطف کے لیے نہیں۔ الواو للحال (کشاف) افسوس ہے کہ انہیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی باوجود اپنی مشترک کتاب قرآن کے گروہ در گروہ ہو کر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تفسیق و تضلیل شروع کر دی۔ اور نوبت تکفیر کی آ جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ شافعیہ حنفیہ کو ذلیل سمجھنے لگے اور اشعریہ، ماتریدیہ کے نزدیک ہدایت انہیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ف۴۰۵ (وحی اور نبوت کا) وہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لیے گئے ہیں اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو۔ یعنی ہر دین جاہلی کے پیرو اس کے تحت میں آ جاتے ہیں۔ عنی بذلک مشرکی العرب لانهم لم یکونوا اهل الکتب و نفی عنهم من اجل ذلک العلم (ابن جریر) ای الذین لا علم عندهم ولا کتاب کعبدة الاصنام والمعطلة و نحوهم (کشاف) و هم مشرکوا العرب فی قول

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

تاآنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ف۳۹۱ یقیناً اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

ہر چیز پر قادر ہے ف۳۹۲ اور نماز کی پابندی رکھو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور زکوۃ دیتے رہو ف۳۹۳ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیج دو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اسے اللہ کے پاس پالو گے ف۳۹۴ یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے ف۳۹۵

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہو گا مگر ہاں وہی جو

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا

یہودی یا نصرانی ہوں ف۳۹۶ یہ ان کی (نری) آرزوئیں ہیں ف۳۹۷ آپ کہ دیجیے کہ اپنی

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰي ۤ مَنْ

سند لاؤ اگر تم سچے ہو ف۳۹۸ ہاں البتہ ف۳۹۹ جو کوئی بھی

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ

اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو ف۴۰۰ تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ۧ

پاس اس کا اجر ہے اور انہوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے ف۴۰۱

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی بنیاد پر نہیں ف۴۰۲

الجمهور (روح) قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی "علوم و فنون" اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی "تعلیم" پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔ ف۴۰۶ فیصلہ سے عملی حسی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل وشواہد کا تعلق ہے حق وباطل، کفر وایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ بَیْنَھُمْ سے مراد ہے ایک فریق اہل حق وایمان کا۔ اور دوسرا گروہ اہل باطل وکفر کا۔ یقضی بین المحق و المبطل (معالم) یحکم بین المحق و المبطل (کبیر) ف۴۰۷ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کعبہ میں ذکر وعبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ خصوصاً واقعہ حدیبیہ میں) ھٰؤلاء المشرکون حین حالوا بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ و بین ان یدخل مکۃ (ابن جریر عن ابن زید) بعض نے مراد بیت المقدس سے لی ہے کہ وہاں ٹائٹس Titus رومی کے عہد میں رومی مشرکین نے یہود اہل توحید کو ذکر الٰہی سے روک دیا تھا۔ بہرحال حکم عام ہے۔ قرینہ سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔ اور حکم کو کسی خاص مسجد یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ انہ کل مسجد و ھو الصحیح لان اللفظ عام ارد بصیغۃ الجمع فتخصیصہ ببعض المساجد او فی بعض الازمنۃ محال (ابن عربی) مسجد کے لفظی معنی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ف۴۰۳

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں ف۴۰۴ اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے گئے انھیں کا سا قول

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے ف۴۰۵ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

اس بات میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں ف۴۰۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے ف۴۰۷

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

اور ان کی بربادی کی کوشش کرے ف۴۰۸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

کہ ان میں (داخل) ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے ف۴۰۹ ان کے لئے دنیا میں (بھی بڑی)

خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے ف۴۱۰

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) ف۴۱۱ سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو ف۴۱۲

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اللہ ہی کی ذات ہے ف۴۱۳ اللہ بڑا وسعت والا ہے ف۴۱۴ بڑا علم والا ہے ف۴۱۵

اس سے مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے۔ مسجد کے حسن وتاثر، کشش ودلآویزی کی صفائی، سادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اَظْلَمُ۔ یعنی ظالم تر، خبیث تر، مجرم تر۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر و داخلہ مسجد اگر کسی ضرورت دینی اور مصلحت شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے کہ ایسے موقع پر یہ امور مسجد کی بربادی و ویرانی میں نہیں، عین اصلاح و آبادی میں داخل ہیں۔ مسائل ذیل بھی فقہاء نے آیت کے تحت میں ذکر کیے ہیں۔ (۱) مسجد میں اذن عام ہونا شرط ہے (۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہو۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکر حق روک دینے والوں کے حق میں قرآن نے یہ وعید اور پھٹکار رکھی ہے تو اس قوم یا شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوب انسانی کو کہ وہ معنوی سجدہ گاہ حق ہیں، ذکر حق سے روکے۔ اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرنا، اشاعت مذہب حق میں روڑے اٹکانا سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ف۴۰۸ فقہاء نے کہا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے۔ ممنوعات وبدعات کے ارتکاب سے مسجد کی بربادی بھی ہو جائے گی۔ نیز وہ تمام امور جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کے باعث ہوں آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں ف۴۰۹ (مسلمانوں کے رعب ودبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو۔ قرآن مجید میں لفظ مَسٰجِدَ بصیغۂ جمع ہے۔ لیکن ایک قول ہے کہ مساجد سے یہاں مراد مسجد حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام (معالم عن ابن زید) اور اس شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورۂ زبان میں یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مرد نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ کما نقول لمن اذی صالحاً واحدًا و من اظلم ممن اذی الصالحین (کشاف) ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دار الاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں۔ بجز اس کے مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے (احمدی) مراد اگر مسجد حرام لی جائے تو قانونی وشرعی حیثیت سے قطع نظر، واقعاتی رنگ میں بات بالکل صحیح نظر آئے گی۔ چنانچہ مسجد حرام اس وقت سے آج تک بحمد اللہ! مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کی ترکیب سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ جو جگہ عبادت کے لیے مخصوص کر دی جائے اور اس کے لیے اذن عام دے دیا جائے وہ شخصی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے البتہ اگر کسی نے اپنے گھر کا کوئی حصہ عبادت کے لیے مخصوص کر دیا، اور اس کے لیے اذن عام نہیں رکھا تو اس پر مسجد کا اطلاق ہی نہ ہوگا اور وہ اس شخص کی ذاتی ملک باقی رہے گی (ابن عربی) ف۴۱۰ عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت ورسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سارے اعدائے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اس کی سرحدوں میں دیکھتے دیکھتے نیست ونابود ہو کر رہے اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظاً بلفظ پوری ہوئی۔ ف۴۱۱ (بہ حیثیت مخلوق وبہ حیثیت مملوک بھی) یعنی انھما لہ ملکًا و خلقًا (ابن جریر) لِلّٰهِ میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک لام اختصاص بھی ہے۔ یعنی مشرق ومغرب سب اسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص ای ھو خالقھما و ما لکھما (کبیر) امت محمدی جواب ساری دنیا کے لیے امت عادلہ بنا کر بھیجی جا رہی تھی، لازمی تھا کہ اس کی مرکزیت و یکجہتی کے لیے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانہ کعبہ مقرر ہو رہا تھا، اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ نقل اعتراض وجواب اعتراض کی تمہید ہے۔ اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ دونوں سمتیں اور انھیں دو پر کیا موقوف ہے ہر سمت اور ہر جہت اللہ کے لیے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، حاکم ہے، مالک ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی بھی خاص تقدیس کوئی شائبہ الوہیت، کوئی شان حق نمائی موجود

نہیں، مذاہب جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی مشرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے اور مجسم ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اسی تعین کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت مقدس ہے۔ مصری، ہندی، رُومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے خود اس جہت کو مقدس مانا ہے اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا، اس لیے شاہ خاور کے طفیل میں سمت مشرق ہی عموماً مقدس بھی گئی اور دنیا کے اکثر علاقوں میں پجتی رہی۔۔۔ مسلمان جس کی آنکھیں ہی توحید کے آغوش میں کھلی ہیں، اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سمت وجہت جیسی خیالی چیز بھی قوموں کی معبود ہو سکتی ہے! مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہل کتاب میں بھی سرایت کر گیا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد و عبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج و شائع رُومی مذہب ہی کی مٹی پلید کرتا ہے، اس لیے وہ تو کھُلم کھُلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا، یہود جنہیں اپنی توحید پر ناز تھا وہ بھی تمامتر محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ ان کے بعض فرقے تو پوری طرح اسی صف میں آگئے۔ بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مشرق اگر خط حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے تو مغرب بھی خط موت و دیار ہلاکت ہے شاہ خاور طلوع اگر ادھر سے ہوتا ہے تو روزانہ غروب اور فنا تو ادھر ہی ہوتا ہے، پھر اس کے تقدس کا بھی کیوں نہ قائل ہو رہا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے ف۴۱۶ پاک ہے وہ! ف۴۱۷ اصل بلکہ ہے کہ اسی کی ملک ہے جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ف۴۱۸ سب اسی کے حکم بردار ہیں ف۴۱۹ (وہ) موجد ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

آسمانوں اور زمین کا ف۴۲۰ اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے ف۴۲۱ تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا

(کہ) ہو جا ف۴۲۲ بس وہ ہو جاتا ہے ف۴۲۳ اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں ف۴۲۴ وہ کہتے ہیں کہ

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ

اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ ف۴۲۵ یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتا؟ ف۴۲۶ اسی طرح

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں کا سا کہنا ف۴۲۷ ان کے قلوب

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

مشابہ ہو گئے ف۴۲۸ ہم نے اپنے نشان تو کھول کھول دیے ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ف۴۲۹

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ف۴۳۰ اور آپ سے اہل دوزخ

عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ

کی بابت کچھ بھی پوچھ نہ ہو گی ف۴۳۱ اور آپ سے یہود و نصاریٰ

وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

ہرگز خوش نہ ہوں گے ف۴۳۲ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں ف۴۳۳ آپ کہہ دیجیے

خوب پجتی رہیں۔ مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم۔ اصل انگریزی کی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ دنیا کی دنیا اس سمت پرستی کے شرک، مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحید قرآنی نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگا کے ایک عالم کو چونکا دیا۔ قدیم مذاہب یہ آواز سن کر بھونچکے سے رہ گئے۔ ف۴۱۲ (دعا کے لیے، نماز کے لیے، یا کسی عبادت کی بھی غرض سے، اے مسلمانو!) خطاب اس اُمت سے ہو رہا ہے جس کا کام ہی دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری تھی، اور شرک اور ہر شائبۂ شرک سے بیزاری۔ ف۴۱۳ یعنی وہ خدائے واحد جو ہر مکان، ہر ظرف کی قید سے پاک، ہر سمت و جہت سے منزہ ہے۔ اس کی ذات پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رُخ کرو گے جلوہ اسی کا پاؤ گے۔ اس کی تجلیات کو کسی خاص جہت کے ساتھ محدود و مخصوص کر لینا عین جہل ہے۔ وَجْهٌ لفظی معنی چہرہ کے ہیں، معنوی معنی ذات کے ہیں۔ وَجْهُ اللّٰهِ کی ترکیب جب آئے گی، مراد ذات ہی سے ہو گی، اور وہی یہاں بھی مراد ہے۔ ربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) فثم ذاته (بیضاوی) قیل الوجه بمعنی الذات جعل هنا كناية عن علمه و اطلاعه بما يفعل هناك (روح)۔ آیت میں پوری تردید آگئی عقیدۂ تجسیم کی جس کے لیے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے، ہمارے اکابر نے بھی آیت کو اسی معنی میں لیا ہے۔ الاٰية من اقوى الدلائل على نفي التجسيم و اثبات التنزيه (کبیر) هذا يدل على نفي الجهة والمكان عنه تعالىٰ لاستحالة ذلك عليه (ابن العربی) مسیحیوں کے ہاں آج تک ایک مذہبی اصطلاح Orientation مشرق روی کی چلی آرہی ہے اور گرجے وغیرہ مشرق رویہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اسی طرح کائنات میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتے ہیں انوار حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ف۴۱۴ وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سی بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل ہے۔ اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اس کی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے؟ ہر سمت اور ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے۔ وہ لامحدود بھلا کسی محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے۔ واسع باحاطته بالاشياء (بیضاوی) ف۴۱۵ وہ اپنے اس علم کامل اور حکمت بالغہ کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کر دے۔ اس کے مصالح و حکم کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ وہ وحدت اُمت کے لیے تعیین قبلہ جب کرے گا مناسب ہی کرے گا۔ اس میں کسی جہت کی قدوسیت کو اصلاً دخل نہیں۔ ف۴۱۶ یہ کہنے والے کون تھے؟ مراد بہت سے اہل باطل لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن

خاص طور پر اشارہ اس گزرے ہوئے مذہب تثلیث کی جانب ہے۔ جس کا نام ایک پیغمبر برحق کی جانب منسوب کر کے مسیحیت رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے عقائد باطلہ سے (نعوذ باللہ) حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی نسبت نہیں۔ اتخذ ولدا کا صحیح ترجمہ ہے "بنا رکھا ہے ایک بیٹا" "بنا رکھا ہے ایک بیٹا" یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل ہو رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے۔ بلکہ یہ کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ اتخاذ ولد کا صاف مفہوم یہ ہے کہ خدا نے گویا کسی کو متبنیٰ کر لیا ہے۔۔۔ قرآن مجید کی تعلیمات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے قرآن کے صدہا مقامات کی طرح یہاں بھی اس کی ضرورت ہے کہ نظر اہل باطل کے عقائد و خیالات پر ذرا گہری ہو۔ مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ Adoptionists کے نام سے گزرا ہے۔ ان کے مرکزی عقیدہ کے لیے اصطلاحی لفظ تبنیت Adoptionism کا ہے۔ عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خلقۃً خدا نہیں۔ وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ خدا شروع سے بیٹے بنائے اور خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً و خلقۃً وہ انسان ہی تھے۔ البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ اس لیے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے اور روح الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر، اپنا متبنیٰ بنا کر، شریک الوہیت کر لیا۔ اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الٰہی میں شریک و سہیم ہیں، اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۱۸۵ء میں ملتی ہے،

آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے رُوم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں اس نے پھر زور پکڑا اور پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اُس شاخ کی جانب ہے۔ بڑے سے بڑا محقق مفسر بھی بہرحال بندہ اور بشر ہی ہوتا ہے۔ کسی کی نظر سے کوئی پہلو رہ جاتا ہے کسی کی نظر سے کوئی۔ مسیحیت کے سلسلہ میں یہ خوب یاد رہے کہ مسیحی مذہب میں عقیدۂ ابنیت کوئی ثانوی درجہ یا فرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسیحیت کی رُوح اور جان یہی عقیدہ ہے۔ ف۴۱۷ (ہر قسم کی بشری رشتہ داریوں سے جو اس کے لیے ہر حال میں پست اور باعث توہین ہیں) تنبیہ ہے مسیحیوں کو کہ معاذ اللہ، خدا کو خدا بھی کہے جاتے ہو اور پھر اُس کے لیے یہ بشری سطح والی رشتہ داریاں بھی مانے جاتے ہو! الوہیت کے باب میں کتنا گھٹیا تخیل اور کیسا کریہہ نظریہ رکھتے ہو! ف۴۱۸ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت و مملوکیت مطلقہ کا ہے۔ نہ کہ فرزندی و دلبندی وغیرہ خرافات کا۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان سارے امتیازات و تعینات سے پاک ہے جو اہل شرک نے اس کے لیے گڑھ رکھے ہیں۔ ضمناً آیت شرک کی دُوسری قسموں پر بھی ضرب لگاتی جاتی ہے۔ ہر ہستی اللہ کی مملوک ہے، کوئی ہستی اس کی مملوکیت سے خارج نہیں اور ہر ہستی صرف اللہ ہی کی مملوک ہے، یہ نہیں کہ کچھ ہستیاں اس کی مملوک ہوں اور کچھ کسی اور کی۔ ف۴۱۹ (اگر ارادۃً نہیں تو جبلۃً و اضطراراً) اللہ کی تکوینی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ کُلٌّ۔ یعنی جمیع مخلوق، مومن و کافر، بلند و پست، کبیر و صغیر، زندہ و بیجان۔ قٰنِتُوْنَ، سب اس کے آگے جھکے ہوئے، سب کی تقدیر اس کی مشیت سے وابستہ۔ ای منقادون لا یمتنع شیٔ منهم علی تکوینه و تقدیرہ و مشیته (کشاف) منقادون لا یمتنعون عن مشیته و تکوینه (بیضاوی) قنوت کے بہترین معنی یہی کیے گئے ہیں کہ اپنے جسم کی شہادت سے اور زبانِ حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ واولی معانی القنوت والطاعة والاقرار للہ عزو جل بالعبودیة بشهادة اجسامهم بما فیها من آثار الصنعة (ابن جریر) بڑی یا چھوٹی، وحشی یا ترقی یافتہ کسی مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی ہوئی رات کے چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لیے پیدا کر سکے۔ بڑے سے بڑے ماہرین سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لیے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کیے قانونِ حرارت، برودت، رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے باندھے ہوئے قانونِ کشش اجسام سے بغاوت کر سکے! عدد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں۔ کس میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے؟ — بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اس کے کیا ہے کہ اُس نے نظامِ تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کر لیا ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور میں وہ دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے؟ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ اس میں رَدّ آ گیا ہر مشرک قوم کا کہ جن جن کو تم ابن اللہ یا دیوی یا دیوتا مانتے ہو، وہ اللہ کے شریک و سہیم و ہمسر تو کسی حیثیت سے بھی کیا ہوتے سب کے سب اس کے محکوم، اس کے مخلوق، اس کے قوانینِ تکوینی کے تابع و مسخر ہیں۔ ف۴۲۰ (اور اسی طرح ساری مخلوق کا نیز ان سب سے سابق و مقدم بھی ہے) بدیع یہاں مبدع کے معنی میں اور بدیع یہاں مبدع کے معنی میں ہے۔ جیسے الیم مولم کے معنی میں اور سمیع مسمع کے معنی میں آتا ہے۔ البدیع یقال للمبدع (راغب) ای مبدعها و انما هو مفعل صرّف الی فعیل کما صرّف المؤلم الی الیم (ابن جریر) اور مصدر ابداع کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ عدم محض سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادّہ یا ہیولیٰ کے۔ الابداع انشاء صنعة بلا احتذاء و اقتداء (راغب) و اذا استعمل فی اللہ تعالیٰ فهو ایجاد الشیٔ بغیر اٰلة و مادة ولا زمان ولا مکان (راغب) بَدِيْعٌ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید، محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ اُستاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے۔ بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانے والا۔ معنی المبدع المنشیٔ و المحدث مالم یسبقه الی انشاء مثله و احداثه احد (ابن جریر) هو بارئها و خالقها و موجدها من غیر اصل ولا مثال احتذاها علیه (ابن جریر) بَدِيْعٌ

کا لفظ ان مشرک قوموں کے رَد میں ہے جو خدا کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور رُوح یا مادہ یا دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں گویا مادہ پہلے سے موجود ہی تھا وہ قدیم و غیر حادث ہے، یا رُوح بھی اس کے ساتھ ساتھ قدیم و غیر حادث ہے۔ اب خدا نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نمودار کر دیں۔ ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کے لیے کافی ہے۔ تقدم ذاتی کے علاوہ تقدم زمانی بھی تمام صفاتِ کمال کی طرح اس کی ذات کے لیے ثابت ہے وہ سب پر زمانۃً بھی مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ نہ جہات نہ اعیان۔ انه تعالیٰ خالق الجهات کلّها و الخالق متقدم علی المخلوق لا محالة (کبیر) فقد کان الباری تعالیٰ قبل خلق العالم منزهًا عن الجهات و الا عیان (کبیر) ف۴۲۱ (محض اپنے ارادہ و مشیت سے اور محض اپنی حکمت مطلقہ کے مقتضیٰ کی حیثیت سے) او معنی قضی هنا اراد (بحر) حکم بانه یفعل شیئًا (کبیر) ای حکم ...... (مدارک) قرآن کا خدا صاحبِ ارادہ ذی حیات، صاحب اقتدار خدا ہے۔ یونان کے فلسفیوں اور بعض دُوسرے مشرکوں کے خدا کی طرح صرف ایک بیجان، مسلوب الارادہ علۃ العلل یا آخری سبب نہیں۔ ف۴۲۲ یعنی عدم محض سے وجود میں آ جا، نیست سے ہست ہو جا۔ "يَقُوْلُ کہتا ہے" کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ کُنْ بولتا ہے۔ لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوبِ تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　خاک بر فرقِ من و تمثیل من

مقصود صرف اس قدر ہے کہ اُدھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور اِدھر معاً اور بلا توسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہو گیا۔ وهذا مجاز عن سرعة التکوین و التمثیل اذلا قول ثم (مدارک) قلنا ان کن لیس بامر حقیقة اذلا فرق بین ان یقال و اذا قضی امرًا فانما یکونه فیکون و بین ان یقال فانما یقول له کن فیکون (مدارک) لیس المراد به حقیقة امر و امتثال بل تمثیل حصول ما تعلقت به ارادته بلا مهلة لطاعة المامور المطیع بلا توقف (بیضاوی) لَهٗ میں ضمیر اس چیز کی جانب ہے جس کا وجود ابھی خارج میں نہیں ہوا، لیکن علمِ الٰہی میں تو بہرحال موجود ہی ہے۔ اور امرِ الٰہی کے اعتبار سے مامور و موجود میں کوئی فرق ہی زمانی حیثیت سے نہیں۔ ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔ اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں امره للشیٔ بکن لا یتقدم الوجود ولا یتاخر عنه فلایکون الشیٔ مامورًا بالوجود الا وهو موجود بالامر و لا موجودًا بالا مر الا وهو مامور بالوجود (ابن جریر) اطلق علی تعلق الارادة الالٰهیة بوجود الشیٔ من حیث انه یوجبه (بیضاوی) هو بمنزلة الموجود المعلوم عنده معلوم (بحر) المخاطب هو ذٰلک الشیٔ الموجود فی علم اللہ تعالیٰ المامور به الدخول فی الوجود الخارجی (گازرونی)۔ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ کان یہاں تامہ ہے، ناقصہ نہیں۔ یعنی "ہو جا" وجود میں آ جانے کے مرادف ہے۔ فلاں چیز ہو جا یا بن جا کے مرادف نہیں۔ من کان التامة بمعنی اُحدُثْ فیحدث (بیضاوی) ف۴۲۳ یعنی بس وہ شے معاً وجود میں آ جاتی ہے۔ اس کے ہونے میں نہ کچھ دیر لگتی ہے نہ اس کے لیے کسی اعانت، وساطت، شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ المراد من هذه الکلمة سرعة نفاذ قدرة اللہ تعالیٰ فی تکوین الاشیاء (کبیر) یہ بھی گویا مشرکین ہی سے خطاب ہے کہ تم عملِ تخلیق خداوندی کو سمجھے کیا ہو؟ اس میں تو بجز ارادۂ الٰہی کے اور کسی چیز کی شرکت کا گزر ہی نہیں اور اس سے تمہارے شرک کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف۴۲۴ یعنی علمِ حقیقی سے، علومِ آسمانی سے۔ مراد مشرکین ہیں۔ وهم کفار العرب (ابن جریر عن قتادة والربیع) او المراد جهلة المشرکین و قد روی ذٰلک عن قتادة و السدی و الحسن جماعة و علیه اکثر المفسرین (روح) ف۴۲۵ (براہِ راست اور بلا واسطۂ انبیاء و رسل) کما یکلّم رسله و انبیاءه (ابن جریر) لَوْلَا یہاں هلّا کے معنی میں ہے اور هلّا کا اُردو ترجمہ "کیوں نہیں" ہی ہو سکتا ہے اور محاورۂ قرآنی میں لولا عموماً اسی معنی میں آتا ہے۔ بمعنی هلا یکلمنا اللہ (ابن جریر) او کل ما فی القراٰن لو لا فهو بمعنی هلا الا واحدًا (معالم) اور سیوطی نے بھی اتقان (نوع ۴۰) میں یہ قول خلیل نحوی اور مالک سے نقل کیے ہیں۔ مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ خدا اگر اپنے فلاں فلاں بندہ سے بقول

انہیں کے کلام کرسکتا ہے اور کرتا ہے تو آخر ہم سے کیوں نہیں کرتا۔ ہم بھی تو انسان ہی ہیں ——احمقوں کے نزدیک مکالمِ الٰہی کے لیے گویا صرف بشریت کافی تھی۔ ف۴۲۶ (جس سے ہم چاروناچاران پیمبر کے دعوٰی کی تصدیق کرہی دیں) اٰیَۃٌ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بہ کثرت معجزہ کے معنی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمولِ عام سے ہٹا ہوا ہو اور بلا اسباب ظاہری اس کا ظہور تائید رسول کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معنوی دلائل وشواہد تو کثرت سے موجود تھے لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں کہ کوئی عظیم الشان، حیرت انگیز، حسی معجزہ دکھایا جائے جس کے بعد گنجائش ہی چون وچرا کی نہ رہے۔ جن لوگوں کی عقلی، روحانی، اخلاقی سطح پست ہے۔ ان کی طرف سے اولیاء وربانی سے فرمائشیں آج بھی اس قسم کی خارقِ عادت کرامات ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔ اٰیَۃٌ کی تنوین اظہار عظمت کے لیے ہے یعنی کوئی عظیم الشان لرزہ انگیز معجزہ ف۴۲۷ (اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبروں اور داعیانِ حق سے) یعنی ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالت محمدی ﷺ سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسٰیؑ کا گزرا ہے۔ آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہیں آسمانی نشانوں کے ہوتے رہتے تھے۔ ”فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آ کر آزمانے کے لیے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا۔“ (متی ۱:۱۶) یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ کو لا دکھانے کی فرمائش شروع ہوگئی تھی، ”فلپس نے اس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے“۔ (یوحنا ۸:۱۴) ف۴۲۸ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں بے بصیرتی اور حق ناشناسی میں۔ انجیل میں غضبناکی کے لہجہ میں:۔ ”اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا“ (متی ۴:۱۶) ”اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں کس کو تم نے نہیں ستایا؟“ (اعمال، ۷:۵۱و۵۲) ف۴۲۹ مطالبہ ایک نشان (آیت بہ صیغہ واحد) کا تھا جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان (الآیات بہ صیغہ جمع) پیش کیے جاچکے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں جن معجزوں کا ذکر آتا ہے اُن سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل بین ونمایاں تھے۔ ۱۔ رسول اللہ ﷺ کا سچائی، امانت، پاکبازی، عقل وفہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جز کا بجائے خود معجز ہونا۔ ۲۔ قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی، تعلیمی وادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بَیَّنَّا۔ یعنی یہ نشانات کچھ ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح وآشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔ قَدْ بَیَّنَّا۔ قَدْ کی تاکید نے بَیَّنَّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا۔ اور اسی کے اظہار کے لیے اُردو ترجمہ میں ”کھول کھول“ لایا گیا ہے۔ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر انہیں لوگوں کو آتے ہیں جن کے قلب جہل وعناد کی گندگی اور شک وارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد ودلائل مادی قسم کے ہوں یا معنوی، بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لیے دیدۂ بصیرت وچشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لیے پیمبر کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے۔ عارف رومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ ؎ دردلِ ہر کس کہ از دانش مزاست روئے وآوازِ پیمبر معجزہ است امامن کان فی ارتیاب او شک او تغافل او جھل فلا ینفع فیہ الاٰیت ولو کانت فی غایۃ الوضوح (بحر)۔ یقین شک کی ضد ہے اور علم وتحقیق کے مرادف ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک والعلم و تحقیق الامر و نقیضہ الشک (تاج) لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں ای طالبون معرفۃ حقایق الاشیاء علی یقین و صحۃ (ابن جریر) ای یطلبون الیقین (بیضاوی) ف۴۳۰ (سارے عالم کے لیے اے ہمارے پیغمبر) بِالْحَقِّ۔ حق کے ساتھ، دینِ حق کے ساتھ یا داعیِ حق کا ہادی بنا کر یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حقانیت وصداقت کے ساتھ مع اس کی ساری قوتوں اور دلائل کے۔ بَشِیْرًا۔ مومنین مطیعین کے حق میں کہ جو آپ کے پیغام کو مان لیں گے ان سے دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کا وعدہ ہے۔ نَذِیْرًا۔ منکروں اور سرکشوں کے حق میں کہ جو آپ کے پیام سے بغاوت کریں گے اُن کی آخرت تو یقیناً اور دنیا اکثر تباہ ہو کر رہے گی۔

اقبال ؎ لطف وقہر او سراپا رحمتے آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے ف۴۳۱ (اور اہل دوزخ وہی ہوں گے جو آپ کے منکر ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے انجام کی ذمہ داری آپ پر کیا ہے؟ آپ کیوں ان کے لیے اس قدر فکر وتشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض تو پیام پہنچا دینے پر ختم ہوجاتا ہے۔ آگے کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو کوئی خود اپنی اصلاح نہ چاہے مرشد کو اس کے زیادہ درپے نہ رہنا چاہیے ف۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم ——نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی ونبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہل شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضا جوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے ف۴۳۳ (یعنی اس مذہب کے جو انہوں نے گڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے دینِ حق سے دستبردار نہ ہو جائیں) مِلَّۃ کے معنی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ الملۃ الشریعۃ او الدین (قاموس) قال ابو اسحق الملۃ السنۃ والطریقۃ (تاج) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین کا استعمال اللہ اور افراد وامت کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً دین اللہ یا دین زید اور ملۃ کا استعمال نبی اور جماعت کے سیاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً ملت ابراہیم علیہ السلام یا ملت یہود (راغب) لفظ ملۃ کے صیغہ واحد سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کفر جس قسم کا بھی ہو بہرحال ایک ہی ملت کے حکم میں ہے۔ و قد استدل کثیر من الفقھاء علی ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ (ابن کثیر) اور اسی اصل کی بنا پر وراثت کافروں اور مسلموں کے درمیان جائز نہیں رکھی ہے۔ لیکن کافروں کا فروں کے درمیان جائز رکھی ہے۔ خواہ ان کا کفر آپس میں مختلف ہی ہو۔ وھذا مذھب الشافعی و ابی حنیفۃ واحمد فی روایۃ عنہ (ابن کثیر) ف۴۳۴ (حق وصواب کی) اسی پر عقل ونقل کے دلائل کا اتفاق ہے اور اسی اللہ کی بتائی ہوئی راہ کا نام طریق اسلام ہے ف۴۳۵ (مسائل دین میں۔ اور یہ پیروی ان کے لیے محال ہے) لَئِنِ میں لام قسم کا ہے تاکید وقطعیت کے لیے ہے۔ لام قسم (جلالین) قرآن ہے خدا کا کلام لیکن ہے بہرحال محاورۂ انسانی ہی میں، انسانی کلام میں جہاں جہاں قسم کا موقع آتا ہے قرآن میں بھی اس کی رعایت کی جائے گی۔ اھواء سے مراد وہ رائیں اور خیالات ہیں جو علم وحقیقت کے بجائے نفسانی خواہشوں پر مبنی ہوں۔ ای آراء ھم الزائغۃ (بیضاوی) والھوی رأی یتبع الشھوۃ (بیضاوی) الْعِلْم سے مراد علمِ وحی ہے۔ ہر طرح پر قطعی و یقینی اور ہر اشتباہ سے بالاتر۔ العلم الوحی (بیضاوی) ای من بعد الذی اقتصصت علیک من نبئھم (ابن جریر) گویا ایک سرے پر العلم ہے، حقیقت سے تمامتر لبریز۔ اور دوسرے سرے پر اھواء، حقیقت سے تمامتر خالی۔ استدلال قرآنی کی منطقی شکل گویا اب یہ ہوئی:۔ ۱۔ یہود ونصاریٰ کی رضا طلبی کے لیے لازمی ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں۔ لیکن ان کا دین سرتاسر محرف وباطل ہے۔ اس لیے اُن کی رضا طلبی کے لیے لازم ہوا کہ آپ دین محرف وباطل اختیار کریں۔ ۲۔ جو رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرافراز ہو اس کے لیے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرافراز ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ ۳۔ اور جب آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ تو ملت یہود ونصاریٰ کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ وباطل ہی کی ہے، اس کی پیروی بھی محال ہے۔ اور اسی لیے ان باطل پرستوں کی حصول رضا کی بھی کوئی شکل آپ کے لیے نہیں۔ آگے جو وعید اتباع باطل پر آئی ہے اور اس کے ساتھ قید بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ کی لگی ہوئی ہے۔ اس قید سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط کیا ہے کہ وعید ہمیشہ دلائل صریح کے بعد ہی ہوگی۔ یدل علی انہ لا یجوز الوعید الا بعد نصب الادلۃ (کبیر) ف۴۳۶ وَلِیٍّ (یار) اس دنیا میں اور نَصِیْرٍ (مددگار) عالم آخرت میں۔ خوب خیال رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ بات محض بطور فرض کے کہی گئی ہے۔ اور فرض جب محالات عقلی تک کیے جاسکتے ہیں تو محالات عادی یا منفیات شرعی کے فرض کرلینے میں تو اور بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور اس طرز مخاطبت سے مقصود بھی غالباً مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ منکروں کی طرف میلان پر اتنا تشدد جب خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ فیہ تھدید و وعید شدید لـلامۃ عن اتباع طرائق الیھود و النصاری (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ سے صرف لفظاً ہے ورنہ مراد امت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) تو راہ بس وہی ہے ف۴۳۴ اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے

بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے ف۴۳۵ تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلہ میں

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ف۴۳۶ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

اور وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے ف۴۳۷ وہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے ف۴۳۸

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جو کوئی اس سے کفر (اختیار) کرے گا تو یہی لوگ (پورا) نقصان اٹھانے والے ہیں ف۴۳۹

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے

عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

تم کو بخشیں ف۴۴۰ اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ف۴۴۱

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

اور اس روز سے ڈرو جب نہ کوئی کسی کے بھی کام

شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش نفع

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی

پہنچا سکے گی اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ف۴۴۲ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم کو ف۴۴۳

الخطاب مع الرسول والامر لامته (ابن کثیر) قیل الخطاب مع النبی والمراد به الامة (معالم) قیل المقصود منه امته (روح) ف۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم واحترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف وتغیر کوراہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آگیا۔ یتبعونه حق اتباعه (ابن عباس) لا یحرفون الکلم عن مواضعه ولا یتأولونه علی غیر الحق (کبیر) اَلْكِتٰبَ سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (ابن عباس) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ هم الیهود والنصرٰی وهو قول عبدالرحمن بن زید واختاره ابن جریر (ابن کثیر) ف۴۳۸ (اور اسلام قبول کرلیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو اہل کتاب ضد، نفسانیت، ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے، وہ خود اپنی کتاب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت وصداقت کے قائل ہو جائیں گے، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی جانب بھی پھیری جا سکتی ہے۔ اس تاویل سے کہ اوپر آپ کا ذکر اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ میں مضمر ہے۔ قیل یعود علی النبی صلی الله علیه وسلم و قد تقدم ذکره فی قوله اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ (بحر) اکثر نے الکتٰب کی طرف پھیری ہے۔ ظاهره ان الضمیر فی به یعود الی ما یعود الضمیر فی یتلونه ای الکتٰب (بحر) لیکن سب سے انسب یہ ہے کہ ضمیر میں مرجع الحق (آیت ۱۱۹) اور العلم (آیت ۱۲۰) کو مانا جائے اور معنی یہ کیے جائیں کہ یہ لوگ اس دین حق اور علم وحی پر ایمان لے آئیں گے۔ مفسر تھانوی اور مفسر دہلوی (شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) دونوں نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔ یہ اختلافات صرف ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہیں۔ مآل ومقصود کلام ہر صورت میں تقریباً ایک ہی ہے ف۴۳۹ (دنیا وآخرت میں) منکرین اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں آچکی ہے۔ یَكْفُرْ بِهٖ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق والعلم کو مانا جائے ف۴۴۰ قوم بنی اسرائیل اور اُن پر جو احسانات خداوندی تھے ان کا تعارف رکوع ۵ میں مفصل کرایا جا چکا ہے۔ وہیں کے حاشیے ملاحظہ فرما لیے جائیں شروع میں تاریخ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بیان ہوئی۔ یعنی اس کے اس عہد کی جب وہ مستقل صاحب کتاب وشریعت ہو کر آزاد وخود مختار رہے اور ہر طرح کی نافرمانی وسرکشی میں بھی مبتلا۔ اب اسے اس کے قدیم ترین دور یعنی عہد ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بعد سے تو آپ کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں اور ایک کا نام دو پشتوں کے بعد بنی اسرائیل پڑا ف۴۴۱ (توحید کی علمبردار اور مبلغ کی حیثیت سے) قرآن مجید جو دعویٰ کرتا ہے کسی کی پروا کیے بغیر، بے تکان اور بے دھڑک کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اس نے مطلق صورت میں بلا کسی قید وشرط کے، اس وقت تک کی تمام قوموں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے۔ یہ افضلیت اسی نعمت توحید کی بنا پر تھی۔ دُنیا کی دنیا شرک کی لعنت میں مبتلا تھی۔ توحید پر قائم صرف یہی قوم تھی۔ اور سلسلۂ نبوت کی قائل صرف یہی نسل تھی۔ تفصیل کے لیے رکوع ۶ کے حاشیے ملاحظہ فرمائے جائیں۔ بنی اسرائیل کو ان کے عروج اور ان کی گمراہیوں کی سرگزشت سنا کر یاد یہ دلایا جا رہا ہے کہ ان کی افضلیت واشرفیت کا راز تھا کیا؟ یہی تھا کہ وہ موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھے۔ اور توحید ونبوت کی امانت انہیں کی نسل کے سپرد کی گئی تھی۔ انہیں اگر پھر استفادہ انہیں انعامات سے منظور ہے تو چاہیے کہ اسی دین ابراہیمی کی طرف رجوع کریں ف۴۴۲ (کسی طرف سے بھی۔ اور نہ اُن کی فریاد رسی کسی سے بھی ہو سکے گی)۔ یہ آیت بھی رکوع ۶ میں گزر چکی۔ اور وہیں اس پر متعدد حاشیے دیے جا چکے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اس وقت ایک تو عقیدۂ قیامت کو بالکل بھلا دیا تھا اور جزا وسزا کی ساری صورتیں اسی دنیا میں محدود سمجھ لی تھیں۔ چنانچہ موجودہ توریت میں بھی جہاں جہاں سعادت وشقاوت کے ثمرات مذکور ہیں، اسی دنیا کی خوشحالی وبدحالی کا بیان ہے۔ اس لیے پہلے تو انہیں یوم آخرت کی یاد دلائی گئی۔ اور پھر ان کی گمراہی کے ایک ایک مرکزی عقیدہ، شفاعت، کفارہ وفدیہ پر ضرب لگائی گئی۔ آیت کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نصرانیت کی بنیاد ہی شفاعت، کفارہ وفدیہ ہی کے عقائد باطلہ پر ہے ف۴۴۳ یہ نام پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے۔ جو شخصیتیں ان کے لیے معلوم ومعروف تھیں، قرآن ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف بغیر کسی مزید تعارف کے لے آتا ہے۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام تو وہ بزرگ تھے جن سے علاوہ مشرکین عرب کے یہود ونصاریٰ بھی خوب ہی واقف تھے۔ ان کا تعارف اور بھی غیر ضروری تھا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی ونصرانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے۔ توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے۔ یعنی آپ ان کی گیارہویں پشت میں تھے۔ لیکن خود توریت ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توریت..... میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سال ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق، م اور عمر شریف توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سال وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق، م ٹھہرتا ہے۔ والد کا نام تارح تھا۔ یا عربی تلفظ میں آزر تارح کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قرآنی لفظ آزر کافی ہے۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت

میں اُور (UR) آیا ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سر نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پنسلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی۔ اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا ہے۔ اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور نبوت چونکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصرانیوں کو بھی مسلّم ہے۔ اس لیے ان قوموں کے علماء نے بھی آپ کے حالات کی تحقیق و جستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ محرّف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض ''روشن خیال'' محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک لوئی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب، لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اوّل کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا۔ نسل اسرائیلی اور نسل اسمٰعیلی دونوں میں ایک طرح کی رقابت اور چشمک مدتوں سے چلی آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اللہ کی نعمت خاص الخاص یعنی توحید کی علمبرداری اب نسل اسرائیل سے اس کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے اب ساری دنیا کے لیے عام ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ابراہیمی شخصیت (اور ان کے ضمن میں اسمٰعیلی شخصیت) کی مرکزیت اور اہمیت سے دنیا کو روشناس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہاں یہی ہو رہا ہے

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ

ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا ف۴۴۴ اور انہوں نے وہ انجام دے دیے، ف۴۴۵ ارشاد ہوا کہ میں یقیناً

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ

تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ف۴۴۶ بولے اور میری نسل سے بھی ف۴۴۷ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً

نافرمانوں کو نہیں پہنچتا ف۴۴۸ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانۂ (کعبہ) ف۴۴۹ کو لوگوں کے لئے ایک مرجع

لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

اور مقام امن مقرر کیا ف۴۵۰ اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ

مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ

بنا لو ف۴۵۱ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف حکم بھیجا ف۴۵۲ کہ تم دونوں

طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ

میرے گھر کو پاک صاف رکھو ف۴۵۳ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور

السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

سجدہ کرنے والوں کے لئے ف۴۵۴ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے

بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں ف۴۵۵ سے (یعنی)

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ

ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں ف۴۵۶ (اللہ نے) ارشاد فرمایا کہ جو

كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ

کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذاب جہنم

ف۴۴۴ (اور وہ چند امور، احکام تھے اوامر و نواہی کی قسم کے) ابتلیٰ۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔ وابتلاء الله العباد ليس ليعلم احوالهم بالابتلاء فانه عالم بهم ولكن ليعلم العباد احوالهم (معالم) کلمات۔ یہ کلمات کیا تھے۔ ان کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ قد اختلف العلماء فيها اختلافا كثيرا (ابن عربی) لیکن تفصیل ان کی جو کچھ بھی ہو، بہر حال تھے وہ احکام شرائع ہی۔ اے شرائع الاسلام (معالم عن ابن عباس) اے اختباره له بما كلفه من الاوامر و النواهي (ابن کثیر) ف۴۴۵ یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی۔ اے فاداهن (ابن جریر عن ابن عباس) اے عمل بهن (ابن جریر عن قتادہ) روایاتِ یہود میں بھی یہ ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۴۴۶ (کہ امور دین و شریعت میں تمہاری اقتدا کریں۔ اے یاتمون بک في دينک (کبیر) اے یاتمون بک في دينهم (مدارک) اماماً۔ امام کہتے ہی اسے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ لغت میں بھی اور اصطلاح شریعت میں بھی۔ هو اسم من يؤتم به (مدارک) اسم الامامة مستحق لمن يلزم اتباعه والاقتداء به في امور الدين او في شئ منها (جصاص) توریت میں بھی یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے:۔ ''اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا۔ اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا، اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا۔ اور دُنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے''۔ (پیدائش۔ ۱۲:۲ و ۳) یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصہ میں چلی آ رہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت و نصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق و متحد ہیں۔ ایک نامور فرنگی فاضل، بیسویں صدی کے ثلث اوّل کے ختم پر آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:۔ ''ابراہیم علیہ السلام کی ہستی کسی بدوی سردار کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے رہتے۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً مورثِ اعلیٰ کسی نسل کے نہیں، بانی و امام وہ مذہبی تحریک کے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح جو ان کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور توریت کے حسب روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے''۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اوّل صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم) جن لفظوں کو یہاں ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے، انہیں ایک بار پھر پڑھ لیا جائے یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے خلیل علیہ السلام کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف! بس اللہ ہی کی شان ہے! آیت سے ایک نتیجہ فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام کی تعمیل اور امتحان الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی و سرداری کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اور انبیائے کرام کے بعد اولیاء امت اور علماء امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف و حیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ فقیہ جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ فالانبياء عليهم السلام في اعلىٰ مرتبة الامامة ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك ثم العلماء و القضاة العدول و من الزم الله تعالىٰ بالاقتداء هم ثم الامامة في الصلوٰة و نحوها (احکام القرآن) (امامت کے جو معنی بیان ہوئے اس کے لحاظ سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں۔ ان سے اتر کر خلفائے راشدین ہیں۔ پھر نمبر علماء اور عادل ججوں کا آتا ہے اور اُن کا جن کی پیروی خدا نے لازم کر دی ہے، پھر امامت نماز ہے وغیرہا) ف۴۴۷ (امام ہوتے رہیں گے) عالم کی پیشوائی، سرداری و امامت کی بشارت پا کر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرتی طور پر باغ باغ ہو گیا اور اس جوشِ مسرت میں سوال کر بیٹھے کہ

اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شریک ہے نا؟ ذُرِّيَّة کے معنی ہیں اولاد اور اولاد در اولاد۔ اس میں سارا سلسلۂ نسل آگیا۔ اور یہ سلسلۂ ابراہیمی شاخ اسرائیلی اور شاخ اسمٰعیلی دونوں کو شامل ہے۔ اسرائیلیوں کو جو دعویٰ تخصیص تھا اس کی جڑ یہیں سے کٹ گئی۔ مِنْ ذُرِّيَّة میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور فقرہ کی ترکیب نے اسے صاف کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا سوال کے رنگ میں اپنی ساری نسل سے متعلق نہیں اس کے ایک جزو سے متعلق تھی۔ من تبعیضیة ای وجاعل بعض ذریتی (ابوسعود) و من ذریتی یدل انه علیه السلام طلب ان یکون بعض ذریته ائمة للناس (کبیر) مِنْ ذُرِّيَّتِي کا عطف جاعلک کے ک پر ہے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے۔ و جاعلک بعض ذریتی۔ محاورۂ عرب میں جب ساکرمک بولا جاتا ہے تو جواب استفہامی میں بجائے پورے فقرہ ساکرم زیدا کے صرف و زیدا کافی ہے (کشاف) گو صاحب بحر کے نزدیک یہ عطف یہاں صحیح نہیں۔ آیت سے معلوم ہوا کہ مسرت و نعمت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امر طبعی ہے بلکہ سنت انبیاء بھی ہے۔ ف۴۴۸ یعنی برکت و فضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا۔ لیکن اس کے تحقق کے لیے محض ارث، نسب، نسل کافی نہیں۔ بلکہ ایمان و عمل صالح بھی حاصل کرنا ہوگا۔ گویا دعائے ابراہیمی اولاد صالح کے حق میں قبول ہوگئی۔ دل علی انه ینالہ غیر الظالم (جلالین) اور حضرت کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ کچھ صالح و مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دیے گئے۔ تنبیه علی انه قد یکون من ذریته ظلمة وانهم لا ینالون الامامة و انما ینالها البررة الاتقیاء منهم (بیضاوی) عهدی میرا وعدہ یعنی دینی منصب امامت و پیشوائی کا وعدہ۔ معنی العهد عهد الامامة (ابن جریر عن مجاهد) هذا العهد هو الامامة المذکورة فی ماقبل (کبیر) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر بھی لی گئی ہے اور فسق بھی۔ کافر کا امامت دینی سے محروم رہنا بالکل ظاہر اور متفق علیہ ہے۔ بعض نے اس منصب سے محرومی کے لیے فسق بھی کافی سمجھا ہے۔ قد فسر الظلم ههنا بالکفر وهو قول ابن جبیر و بظلم العاصی غیر الکفر وهو قول عطاء والسدی (بحر) ای اهل الکفر (مدارک) اخبر ان امامة المسلمین لا یثبت لاهل الکفر (مدارک) المراد بالظالم الکافر ههنا انه الظالم المطلق (مدارک) المتبادر من الظلم الکفر لانه الفرد الکامل من افراده (روح) فقہاء امت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں۔ واجمع الجمهور علی ان الفاسق لا یصلح ان تعقد له الامامة بهذه الآیة (کبیر) مرشد تھانوی نے آیت سے استنباط کیا کہ اختیاری بدعملی کے ساتھ فضل الٰہی و انعام خداوندی جمع نہیں ہوتے۔ ف۴۴۹ بَيْت کے لفظی معنی گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) الْبَيْت سے حقیقی طور پر مراد بیت الحرام یا خانہ کعبہ ہے۔ شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت روئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے۔ اور قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا۔ مسیحیت کو کعبہ کی تقدیس و برکت کے ساتھ ساتھ کعبہ کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکار قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہوسکی ہے۔ بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو لکھنا پڑا:۔ "یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے"۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اینڈ محمڈنزم صفحہ ۱۶۲) پھر آگے مشہور و قدیم رومی مؤرخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Seculus) جس کا نام خود حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک صدی قبل کا ہے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا (صفحہ ۱۶۶) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۴۵۰ مَثَابَةً مصدر ثوب کے معنی ہیں کسی شے کا اپنی حالت اصلی یا حالت متصورہ کی طرف لوٹنا۔ رجوع الشئ الی الحالة الاولی التی کان علیها الی الحالة المقدرة المقصودة (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم اور اسی سے مَثَابَة اسم ظرف ہے۔ المثابة مفعلة من ثاب القوم الی الموضع اذا رجعوا الیه فهم یثوبون الیه مثابا و مثابة (ابن جریر) مَثَابَة میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور و تاکید مثاب سے زائد ہے۔ والهاء فی مثابة للمبالغة قاله الاخفش (بحر) گویا مَثَابَة کے معنی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر جی نہ بھرے۔

مرجعا للناس و معاذا یاتونه کل عام و یرجعون الیه فلا یقضون منه و طرا۔ یہ معنی امام ابن جریر نے خود بھی لیے ہیں۔ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کیے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو مشاہدہ ہی ہے۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں، اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ الْبَيْت مرجع ارباب حج و عمرہ کا ہے اس لیے اجتماع و رجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازماً اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔ مباءة و مرجعا للحاج و العمار یتفرقون عنه ثم یثوبون الیه (کشاف) لِلنَّاسِ۔ عام زائرین کا جو تانتا کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کا سال کے ہر موسم، ہر فصل، ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے قطع نظر تصور میں نقشہ ان لاکھوں انسانوں کا جمایئے جو صرف حج کے موقع پر کھنچے چلے آتے ہیں، صرف حجاز یا ملک عرب ہی کے ہر حصہ سے نہیں، بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ، ہر علاقہ ہر ملک سے۔ اور پھر یہ بھی ذہن میں رکھ لیجیے کہ یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ یعنی تقریباً چار ہزار سال سے قائم ہے! جب جا کر لِلنَّاسِ کی جامعیت کی تفسیر ذہن میں آسکے گی۔ اَمْنًا مامونیت اس سے ظاہر ہے۔ کہ صرف عمارت کعبہ یا مسجد الحرام ہی نہیں بلکہ اردگرد کی سرزمین میلوں تک داخل حرم ہے اور حرم وہ علاقہ ہے جہاں انسان کی جان لینا الگ رہا جانور تک کا شکار جائز نہیں! اور یہ حکم تو خیر شریعت اسلامی کا ہے، ارض حرم کا مامن ہونا جاہلیوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے بڑے مجرم مشرکوں کے دور حکومت میں بھی جرم کر کر کے خانہ کعبہ کی دیواروں کے درمیان آکر پناہ پا جاتے تھے۔ فرنگی قاموس علم و دانش میں ہے:۔ اتنا تو بہرحال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، ایک مقدس معبد کی جس کے اردگرد کی زمین بھی حرم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۰ طبع چہاردہم) غرضکہ قرآن نے الْبَيْت کے جو دو وصف یہاں ذکر کیے ہیں وہ اعتقاد سے زیادہ تو مشاہدۂ ماضی و حال کی چیزیں ہیں۔ ف۴۵۱ (اے مسلمانو!) اتَّخِذُوْا صیغۂ امر ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت اسلامیہ سے ہے۔ الخطاب لامة محمد صلی الله علیه وسلم (بیضاوی) انما مور به الناس کما هو ظاهر (روح) و الخطاب علی هذین الوجهین لامة محمد صلی الله علیه وسلم وهو صلی الله علیه وسلم رأس المخاطبین (روح) مقام ابراهیم کے معنی اس پتھر ہی کے لیے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلے پر اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ نزول قرآن سے بعد کی ہے لیکن ایک بہت بڑے گروہ نے یہی معنی لیے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے، اور شافعیہ کے ہاں محض سنت۔ محققین کے دوسرے گروہ نے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی، مجاہد و عطاء تابعین اور امام فقہ نخعی وغیرہ شامل ہے، اس کے معنی سارے حرم یا کل مشاہد حج کے لیے ہیں۔ قال ابن عباس الحرم کله (ابن کثیر) و روی عن مجاهد و عطاء مثل ذلک (ابن کثیر) و ذهب النخعی و مجاهد الی ان المراد من مقام ابراهیم الحرم کله و ابن عباس و عطاء الی انه مواقف الحج کلها (روح) مِنْ مَّقَامِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ایک حصہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ بعض نے فی کے معنی میں لیا ہے۔ و من اما للتبعیض او بمعنی فی او زائدة و الاظهر الاول (روح) مُصَلًّى نماز کی جگہ یا دعا کی جگہ۔ صلٰوۃ دعوت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اصلی مصدر کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ اور اب اسے اور زیادہ صاف ہو جانا چاہیے کہ قرآن مجید اپنے تخاطبات میں تاریخ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں۔ بارہا پاس پاس کی آیتوں میں بلکہ کبھی خود ایک ہی آیت کے اندر معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیے جاتے ہیں۔ جن کے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعات ماضی کے بیان سے متصل ہی اور گویا انہیں کے ضمن میں کوئی مستقل حکم حال و مستقبل کے لیے دے دیا جائے اور صیغۂ امر لا کر اس کا عطف صیغۂ ماضی پر کر دیا جائے۔--- قرآن اصلاً صرف کتاب ہدایت ہے اور وہ اپنے اس مقصد اصلی کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی معنوی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔ ف۴۵۲ عَهِدْنَا یہاں امرنا کے معنی میں ہے۔ ای امرنا (ابن جریر عن ابن زید) امرنا هما (کشاف) عهد بہ معنی امر پر حاشیہ عہد بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اوپر گزر چکا

ہے۔ اِبْرٰهٖمَ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ اسمٰعیل ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق۔م سالِ وفات غالباً ۱۹۳۷ ق۔م۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۳۷ سال کی پائی۔ آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ توریت میں ان بارہ فرزندوں کے نام درج ہیں اور یہ تصریح ہے کہ "یہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے"۔ (پیدائش ۲۵:۱۲) عرب کا مشہور وعالی نسب قبیلہ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مورثِ اعلیٰ ہوئے۔ اہل کتاب کہلانے والوں نے آپ کے خلاف زہر اگلنے اور اپنے خبث وعناد کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم اپنی کتاب کی تصریحات کو کیا کریں گے جو تحریف وتلبیس کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نہ مٹ سکیں۔ ان میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی دُعا بھی شامل ہے۔ اور خداوند کریم کے وعدے بھی اور تاریخ کا بیان بھی:۔ اور "ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے"۔ (پیدائش ۱۷:۱۸) "اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ (پیدائش ۱۷:۲۰)" اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا"۔ (پیدائش ۲۱:۱۸)" اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیرانداز ہوگیا"۔ (پیدائش ۲۱:۲۰) یہاں حکم جو مل رہا ہے وہ آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو مشترک مل رہا ہے۔ گویا خدمتِ کعبہ میں آپ اپنے والد ماجد کے برابر کے شریک تھے۔ **ف۴۵۳** (ہر طرح کے شرک وبت پرستی کی گندگی سے) طَهِّرَا۔ طہارت سے اصلاً یہاں مراد یہ ہے کہ نجاست معنوی واعتقادی سے دُور اور ذکر توحید وعبادتِ الٰہی سے معمور رکھو۔ ضمناً ظاہری صفائی کا حکم بھی آجاتا ہے۔ **هو تطهيره من الاصنام وعبادة الاوثان فيه ومن الشرك بالله** (ابن جریر عن مجاہد وقتادہ وابن زید) **من الاوثان الخبائث والانجاس كلها** (مدارک) **والتطهير المامور به هو التنظيف من كل مالا يليق به**۔ طَهِّرَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی مل رہا ہے اور اقامتِ توحید میں برابر کے شریک بنائے جارہے ہیں۔ فقہاء نے خطاب کے اس صیغہ سے مفہوم عموم کا لیا ہے یعنی تطہیر کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ خواہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح متبوع ومقتدا ہو یا اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح تابع ومقتدی ہو۔ طَهِّرَا باتشدید مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح پاک وصاف رکھو۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ مسجد کی صفائی فرض ہے۔ بَيْتِيَ اضافت تشریفی ہے "میرے گھر کی" ترکیب کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام کا خدا نعوذ باللہ! کوئی مرئی ومجسم دیوی دیوتا تو ہے نہیں جو اسے رہنے سہنے، اُٹھنے، بیٹھنے کے لیے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہو۔ اس لیے "میرے گھر" سے مراد "میرے رہنے کا گھر" تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد وعبادت کے لیے مخصوص ونامزد ہو چکا ہے۔ اضافت سے مقصود محض اظہارِ شرف وعظمت ہے۔ **فهذا اضافة تشريف لا ان مكانا محل لله** (بحر) **الاضافة للتشريف كناقة الله** (روح) **اضافة البيت الى ضمير الجلالة للتشريف** (ابوسعود) آیت میں کوئی اشارہ مخصوص کعبہ کے لیے نہیں۔ ذکر صرف وصف یعنی بیت کے ساتھ فرمادیا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہی حکم ہر عبادت خانۂ الٰہی یعنی ہر مسجد کے لیے رہے گا۔ **ف۴۵۴** لِلطَّآئِفِيْنَ میں لام تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی کعبہ (اور اسی طرح ہر مسجد) پر حق انہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ عمارت بن کر تیار ہو چکی تو اب غایت تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ مقصود اس عمارت سے قیامِ توحید و استیصالِ شرک ہے۔ لِلطَّآئِفِيْنَ۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے۔ طواف کے معنی پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ حج وغیرہ کے سلسلہ میں تو طوافِ کعبہ فرض ہی ہے۔ لیکن یوں بھی بجائے خود بڑے اجر کی چیز ہے اور ساتھ ہی بڑے لطف کی بھی۔ جیسا کہ ہر صاحبِ ذوق کا تجربہ شاہد ہے۔ اس نامہ سیاہ نے اس کا بیان اپنے سفرِ حجاز میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کو تمام دنیائے اسلام کی مسجدوں بلکہ نمازوں سے جو مرکزی نسبت حاصل ہے، اسی مناسبت سے اہمیت طوافِ کعبہ کو بھی حاصل ہے۔ کعبہ مظہرِ اعظم ہے دینِ توحید کا۔ اس کے گرد چکر لگانا گویا زبانِ حال سے اقرار کرنا ہے کہ ہماری ساری عبادتوں کا، سارے اعمال کا، ساری زندگی کا مرکزی نقطہ ہی توحیدِ الٰہی ہے۔ عٰكِفِيْنَ۔ عکوف کے لفظی معنی ہیں کسی جگہ کے رہنے کو تعظیماً لازم کرلینا۔ **العكوف الاقبال على الشئ وملازمته على سبيل التعظيم له** (راغب) اور اعتکاف اصطلاحِ شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر بہ نیت عبادت قیام کو کسی مدت کے لیے لازم کر لینے کا، کہ بجز بشری

ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے۔ **هو الاحتباس فى المسجد على سبيل القربة** (راغب) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے۔ نفس اعتکاف ہر حال میں موجب اجر وقربت ہے۔ **الركع السجود**۔ رکوع اور سجدہ نماز کی دو مشہور ومتعارف ہیئتیں ہیں۔ طائفین اور عاکفین اور رکوع اور سجود چار لفظوں کے لانے کے بجائے یہ بھی ممکن تھا کہ صرف عابدین یا ذاکرین کہہ دیا جاتا۔ لیکن تفصیل وتصریح سے ایک ایک عبادت کی تخصیص اور بزرگی کا الگ الگ اظہار ہو گیا۔ **ف۴۵۵** ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعائیں جس حیرت انگیز طریقہ پر پوری ہوئیں وہ خود ایک معجزہ ہے۔ پہلی دعا یہ تھی کہ شہر مکہ کو امن والا بنا دیا جائے۔ آس پاس کے رہنے والے لٹیرے اور خونخوار، لوٹ مار، قتل وخون کا بازار گرم، وسائلِ سفر محدود وخطرناک، راستہ غیر محفوظ۔ اس پر بھی حج وزیارت کے لیے حاجیوں اور زائروں کا تانتا صدیوں سے بندھا ہوا۔ اور اب امن وامان کے لحاظ سے مکہ اور حوالیٔ مکہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ شذا کے پڑتے ہیں، نہ قافلے لٹتے ہیں۔ نہ لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں۔ اور شریعت اسلامی نے تو شہر ومضافاتِ شہر کو "حرم" ہی قرار دے دیا۔ یعنی ان حدود کے اندر جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور خونی بھی اگر آکر خانۂ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اُسے وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ شہر اور خانۂ کعبہ کا اتنا احترام جاہلیوں نے بھی اپنے زمانہ میں ملحوظ رکھا۔ دُوسری دُعا یہ تھی کہ مکہ والوں کو پھل پھلاری کھانے کو ملتے رہیں۔ مکہ واقع ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین یا سخت ریتلی ہے یا سخت پتھریلی، بارش بھی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ تازے پھلوں اور میوے دار درختوں کا ذکر ہی نہیں۔ معمولی سے پھل پھول کے درخت بلکہ تازہ وسبز گھاس تک نہیں پیدا ہوتی۔ اور کاشتکاری وباغبانی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں، ایک بے آب وگیاہ سرزمین، کہیں ریگستان، کہیں گرم وخشک پہاڑیوں کے چٹان۔ لیکن ان سب کے باوجود جتنے تازہ تازہ پھل، میوے، ترکاریاں، غلے چاہیے شہر تک میں خرید لیجیے۔ اس باب میں کچھ تفصیلات اس عاجز کے سفرنامہ حجاز میں بھی ملیں گی۔ **ف۴۵۶** ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا جا چکا تھا کہ فضل وبرکت کے خاص وعدے ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان کے بغیر نہیں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۱۲۴) اللہ کے پیغمبر نے اللہ کے اس ارشاد کو گرہ میں باندھ لیا۔ اور اب جو دُعا کی، اُس میں خود ہی یہ قید لگا دی کہ پر امن شہر اور رزق ثمرات کی برکتیں صرف اہل ایمان وطاعت کے لیے مقصود ومطلوب ہیں **دعاء للمؤمنين خاصة** (معالم) **الرزق على الامامة فخص المؤمنين** (مدارک) **خص دعائه بالمؤمنين دون الكافرين** (کبیر) حضرات انبیاء کی ادب شناسی کا کیا کہنا۔ حق تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ امامت یا دینی سرداری مخصوص ہے اہل ایمان وطاعت کے ساتھ۔ خلیل جلیل علیہ السلام نے یہ اشارہ پا کر دنیوی منفعت وتمتع کو بھی اہل ایمان وطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق ربوبیت سے ہے جو مومن وکافر سب کے لیے اس عالم میں عام ہے۔ **فنبه سبحانه على ان الرزق رحمة دنيوية فعم المؤمن والكافر بخلاف الامامة والتقدم فى الدين** (بیضاوی) مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ایمان کے اجزا یہاں دو ہی بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ پر ایمان اور روزِ آخرت پر ایمان۔ انہیں کے ضمن میں ایمان کے دُوسرے ضروری اجزا بھی آگئے اس کی ضرورت مطلق نہیں کہ ایمان کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے ہر جگہ اس کے سب ہی اجزا کی تصریح ہو۔ **لما كان الايمان بالله واليوم الآخر يتضمن الايمان بجميع مايجب ان يؤمن به اقتصر على ذلك** (بحر) **ف۴۵۷** قَلِيْلًا۔ کچھ دن۔ یہاں مراد ہے زندگی بھر سے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ **متاعا يتمتع به الى وقت مماته** (ابن جریر) **الى منتهى اجله** (معالم) مطلب یہ ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان واہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت وکفر محروم رہیں گے، اس کا تعلق نفع آخرت سے ہے امامت دین سے ہے، رہے اس دنیوی زندگی کے انعامات اور منافع، غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائے گا۔ کہ یہ قانون ربوبیت کا عین اقتضا ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائے گا نہیں، ہر ایک کشاں کشاں ہی لے جایا جائے گا۔ قرآن نے یہاں جو اس کی تصریح کر دی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کے لیے **ف۴۵۸** الْبَيْتِ سے مراد خانۂ کعبہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ الْكِتٰبِ جس طرح قرآن کریم ہے النَّبِيّ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، الْبَيْتِ اسی طرح کعبۃ اللہ ہے۔

يَرْفَعُ کا لفظ قابل غور ہے۔ بنیادیں اول بار رکھی نہیں جارہی تھیں، وہ تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے عہد ہی میں رکھ گئے تھے۔ عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سر نو اٹھایا جارہا تھا، بلند کیا جارہا تھا۔ مسیحیوں کو خانہ کعبہ سے جو ضد اور اس کی قدامت سے جو کد ہے بالکل ظاہر ہے۔ ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اس کی مخالفت میں کر چکے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے روز روشن میں انکار کہاں تک کیا جاسکتا ہے؟ مترجم قرآن جارج سیل (Sale) اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔ ’’ مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں۔ یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توریت کے (شہر) میسا سے یہی مراد ہے‘‘۔ اور پھر وہی آگے کہتا ہے:۔ ’’ مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا تھا‘‘۔ باسورتھ اسمتھ جو لیکچرز آن محمد اینڈ محمڈن ازم کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ ’’ خانہ کعبہ کا سلسلہ حسب روایات، اسمٰعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے، بلکہ شیث و آدم تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے‘‘۔ (صفحہ ۱۲۶) سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:۔ مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے۔ جس مقام کا تقدس اتنے وسیع

النَّارِ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ

تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ۴۵۷ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیم

الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اور اسمٰعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کر رہے تھے ۴۵۸ اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ)

مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

قبول کر ۴۵۹ یقیناً تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) جاننے والا ہے ۴۶۰ اے پروردگار ہم دونوں کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً

اپنا فرمانبردار بنا دے ۴۶۱ اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت

لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ

پیدا کر ۴۶۲ اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتا دے ۴۶۳ اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ۴۶۴ یقیناً تو تو

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا

بڑا توجہ فرمانے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۴۶۵ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انہیں میں سے

مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

بھیج ۴۶۶ (جو) انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الٰہی)

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے ۴۶۷ یقیناً تو تو بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ۴۶۸

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور ابراہیم کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق

نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي

بنا لیا ہو ۴۶۹ اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا تھا ۴۷۰ اور آخرت میں بھی وہ زمرہ صالحین میں

ع ۱۵ / ۱۵

رقبہ میں مُسلَّم ہوا اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے‘‘ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مقدمہ صفحہ ۱۰۲ و صفحہ ۱۰۳)۔ یہ شہادتیں مخالفوں کی تھیں۔ باقی ہمارے ہاں کی روایتوں میں خانۂ کعبہ کی قدامت کی جو روایتیں ہیں اُن سے تو تفسیر، حدیث، سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اِسْمٰعِيْلُ۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اور زمانہ وغیرہ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ ایک پیغمبر برحق کی حیثیت سے اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، ظاہر ہے۔ لیکن آپ کا ایک مستقل معجزہ یہ ہے کہ جن قوموں نے آپ کی اور آپ کی والدہ ماجدہ کی ہجو اور بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اُن تک کے نوشتوں میں آپ کی تعظیم منقول چلی آتی ہے۔ چنانچہ بعض احبارِ یہود کا یہ قول آج تک یہودی کی دائرۃ المعارف میں لکھا چلا آتا ہے کہ ’’ جو کوئی خواب میں اسمٰعیل کو دیکھ لے حق تعالیٰ کے ہاں اس کی دُعا قبول ہو جائے گی‘‘۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۶۴۸) آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شاہِ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی ایک شاخ تھا۔ عراق سے منتقل ہو کر مصر میں آباد ہو گیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے سفر میں اُدھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے، آپ کو شاہِ مصر نے اپنا مہمان بنایا اور رخصت کے وقت آپ کے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپ کی کنیزی کے لیے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آج تک چلا ہوا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مشرقی تواضع کے اس عام پیرایہ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آ گئی۔ اور اُمِ اسمٰعیل علیہا السلام ان کے ہاں آج تک کنیز ہی چلی آ رہی ہیں۔ واقعات بہر حال واقعات ہیں۔ انہیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے؟ اسی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبارِ یہود کے حوالہ سے ہے:۔ ’’ ہاجرہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئیں۔ ان کی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں فرق نہ آیا۔ ... ان کے نام ایک معنی ’’ آراستہ‘‘ بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیورِ اخلاق و حسن عمل سے آراستہ تھیں‘‘۔ (جلد ۶ صفحہ ۱۳۸)۔ اور اسی میں ایک دوسری جگہ یہ روایت بھی درج ہے کہ ’’ بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کر دی‘‘۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۵۵) اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنز برگ (Ginzberg) نے چار جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے:۔ ’’ بادشاہِ مصر نے عہد کر لیا کہ وہ ابراہیم کو ہر طرح پر قوت و شوکت بنا کر رہے گا۔ چنانچہ اپنی بیٹی تک جو بیدے دی سارہ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح ابراہیم کی رفاقت کے قابل‘‘ (جلد ۱، صفحہ ۲۲۸ و صفحہ ۲۳۷)۔ ۴۵۹ (محض اپنے فضل و رحمت سے) کیا ٹھکانا ہے اس خشیتِ قلب کا! اخلاق کے مجسمے ہیں۔ صداقت کے پتلے ہیں۔ اس پر بھی ڈرتے جاتے ہیں کہ دیکھئے نذر قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں! باب تفعل کا ایک خاصہ تکلف ہے۔ اس لیے بعض نکتہ سنجوں نے لفظ تقبل سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عمل بذات خود ہرگز قابل قبول نہیں۔ تمام تر ناقص ہے۔ اور مقبولیت محض لطف و کرم سے ہو رہی ہے نہ کہ کسی استحقاق کی بنا پر۔ ان التقبل عبارة عن ان يتكلف الانسان فی قبوله (کبیر) فی اختيار صيغة التفعل اعتراف بالقصور لما فيه من الاشعار بالتكلف فی القبول (روح) مزدور اور معمار جب کام کرتے ہیں تو عموماً عادۃً کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے یہ معمار بھی اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہاں ان کی مناجات بیان ہو رہی ہے۔ فقہاء کا استنباط ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ختم نماز پر دُعا اور افطارِ صوم کے وقت دعا، اسی قبیل سے ہیں۔ ۴۶۰ سمیع۔ سننے والا زبان سے نکلے ہوئے لفظ و قول کا۔ علیم۔ جاننے والا دل کے اندر کے اخلاص کا۔ مشرک قوموں کے حکماء و فلاسفہ نے سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے باب میں کھائی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا علم (نعوذ باللہ) ناقص و محدود فرض کیا ہے۔ قرآن جو علم باری کے کامل و محیط ہونے کا شدومد سے اثبات کرتا ہے، اور اللہ کے علیم، سمیع، بصیر ہونے کو بار بار پیش کرتا ہے، اس کا ایک مقصد فلاسفہ کے اس وہم باطل کی تردید کرنا ہے ۴۶۱ (اور زیادہ) مُسْلِمَيْنِ کے معنی یہاں دو طرح کیے گئے ہیں۔ ایک

اللہ کی توحید کے ماننے والے بلاشائبہ شرک وشرکت۔ای موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر) دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند۔ای قائمین بجمیع شرائع الاسلام (کبیر) لیکن دونوں معنی ایک دوسرے کے منافی بالکل نہیں۔مسلم کے ترجمہ فرمانبردار میں نہ وہ وسعت ہے، نہ وہ لطف جو خود لفظ مسلم میں ہے۔مسلمون ای منقادون للحق مذعنون له (راغب) فرمانبردار بندے یا مسلم تو وہ اُس وقت ہی تھے جب دُعا کررہے تھے۔دعا کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہماری فرمانبرداری میں مزید ترقی دے۔والمعنی زدنا اخلاصاً واذ عاناً لک (کشاف) والمراد طلب الزیادۃ فی الاخلاص والاذعان اوالثبات علیه (بیضاوی) ف۴۶۲ اُمَّةً مُّسْلِمَةً کے ترجمہ "فرمانبردار امت" میں وہ بلاغت ومعنویت کہاں جو قرآنی لفظ اُمت مسلمہ میں ہے۔دعا کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے، دوست دشمن سب کی زبان پر۔ایک امریکی یہودی توری ہیلی یونیورسٹی کا استاد اپنی اسلام دشمنی میں آکسفورڈ والے مارگولس آنجہانی کا پورا جانشین ہے۔ لیکن ایک بات بڑے پتے کی اس کی زبان سے بھی نکل گئی ہے۔کہتا ہے:۔("اسلام کی بنیاد تو حقیقۃً) اسمٰعیل کے ہاتھوں پڑی جو اہل عرب کے مورث اعلیٰ ہیں"۔(جیوش فاؤنڈیشن آف اسلام صفحہ ۲ دیباچہ) مِن ذُرِّيَّتِنَا یعنی ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی مشترک نسل سے۔دُعا دونوں بزرگوار مل کر کررہے تھے، اس لیے ذریت سے مراد بنی اسمٰعیل ہی ہوسکتے تھے۔برنا باؔ ایک حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک بلند پایہ حواری (صحابی) ہوئے ہیں، ان کی انجیل کو مسیحیوں نے اپنے مذاق و مسلک کے بالکل ناموافق پاکر اس کی اصلیت ہی سے انکار کردیا ہے۔اس انجیل کے نسخے انگریزی، عربی، اُردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔اس میں صراحت کے ساتھ ہے کہ عہد الٰہی اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ۔وقولی لانی اقول لکم الحق ان العهد صنع باسمٰعیل لا باسحٰق (۳۱:۴۳) میری بات کا یقین کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے۔اور پھر ہے۔وان الموعد صنع باسمٰعیل لا باسحٰق (۱۸:۱۴۴) وعدہ اسمٰعیل علیہ السلام سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام سے ف۴۶۳ مَنَاسِكَنَا۔ یعنی عام دینی قاعدے خصوصاً بیت اللہ کے حج وزیارت کے آداب وشعائر۔ای شرائع دیننا واعلام حجنا (معالم) اَرِنَا۔اراءۃ کے معنی یہاں آنکھ سے دکھلا دینے کے نہیں بلکہ کھلا دینے بتلا دینے کے ہیں۔ای علّمنا و عرفنا (معالم) فعل رأی کا تعدیہ جب دو مفعولوں کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی رؤیت کے نہیں علم کے ہوجاتے ہیں۔ارانسی اذا عدی الی مفعولین اقتضی من العلم (راغب) الرؤیة ههنا بمعنی العلم (ابن تیمیہ) ابن حاجب نحوی اور ابوحیان مفسر نے اس معنی کے قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے لیکن جب تائید میں راغب اور زمخشری جیسے مستند امامانِ ادب ولغت کی شہادتیں موجود ہیں تو کسی کا انکار چل نہیں سکتا۔وانکر ابن الحاجب واتبعه ابو حیان ثبوت رأی بمعنیٰ عرف وذکرہ الزمخشری فی المفصل والراغب فی مفرداته وهما من الثقات فلا عبرۃ بانکار هما (روح) ف۴۶۴ (رحمت وشفقت ومغفرت کے ساتھ) وتوبة الرب علیٰ عبده عوده علیه بالعفو له عن جرمه والصفح له عن عقوبت ذنبه مغفرۃ له منه و تفضلاً علیه (ابن جریر) ف۴۶۵ (تو تیرے لیے ہماری اس دُعا کو شرفِ قبول بخش دینا کچھ بھی دشوار نہیں) ف۴۶۶ مِّنْهُمْ۔یہ قید خوب خیال میں رہے۔دعائے ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ابھی ابھی آپ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں مل کر عرض کرچکے ہیں۔کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک اُمت مسلمہ ایک اپنی فرمانبردار اُمت پیدا کر۔اور اس کے معاً بعد مِنْهُمْ کا لفظ لاتے ہیں۔کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔لفظ هُم کا مرجع ذُرِّيَّة کو بھی سمجھا گیا ہے اور اُمتِ مسلمہ کو بھی۔والضمیر فی منهم یحتمل ان یعود علی الذریة ویحتمل ان یعود علی امت مسلمة (بحر) ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیلی۔اور یہ جز تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیل علیہ السلام تو عرب ہی رہ گئی تھی۔اس لیے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔رَسُولًا۔اس کا ایک تو صیغہ واحد اور پھر اعراب کی تنوین۔گویا یہ اشارہ قریب بہ صراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا۔متعدد نہ ہوں گے۔یہود کا دعویٰ ہے۔اور (نصاریٰ بھی انہیں کا ساتھ دیتے رہے ہیں) کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہوگیا؟ لیکن انہیں کی توریت باوجود ان کی ساری تحریفات

کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو"۔(استثنا۔۱۸:۱۵) قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک نبی نہیں خدا معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوتے رہے۔خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح بتا رہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔اگر خبر اسرائیلی ہی نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دُور کرتے اور ان میں جذبۂ انس ومؤانست پیدا کرنے کے لیے ہیں کہ اے ہم قوموجب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد توریت میں بعینہٖ یہی مضمون براہِ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے:۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔میں ان کے لیے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"۔(استثناء۱۸:۱۸) اس سے قطع نظر اگر ممکن ہو تو کرلیجئے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے ساری آسمانی کتابوں میں اور ہے ہی کون؟ لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کس دوسری کتاب کا ہے؟ اور اس سے بھی قطع نظر اگر ممکن ہو تو کرلیجئے کہ "تجھ سا" یعنی "موسیٰ کا سا" مثیلِ موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دُنیا میں بجز ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہوا کون ہے؟ اور کیا اس سے بھی قطع نظر ممکن ہوگی کہ یہاں بھی بجائے "ان میں سے" کے یا "اسرائیلیوں میں سے" کے "ان کے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت یہاں بھی موجود ہے اور پھر یہی پیشگوئی انہیں لفظوں میں موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی، نصاریٰ کی انجیل میں بھی دُہرائی ہوئی موجود ہے:۔ "موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا"۔(اعمال ۳:۲۲) ف۴۶۷ ذرا غور کرنے سے نظر آجائے گا کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ فرائض کمال ایجاز کے ساتھ ان چند فقروں میں آگئے ہیں۔يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوتِ آیات ہوتا ہے۔یعنی اللہ کا کلام پہنچانا۔گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔رسول کا کام محض تبلیغ وپیام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا، اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعیم میں تخصیص، تخصیص میں تعیم سب کچھ آگئی۔اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں! گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی۔وَالْحِكْمَةَ۔پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت ودانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔احکام ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار ورموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔يُزَكِّيْهِمْ۔تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی ف۴۶۸ اِنَّكَ اَنْتَ۔عربی کے اس دُہرے فقرۂ مخاطبت کا مفہوم اُردو میں "یقیناً تو تو" (پہلا "تو" واؤ معروف اور دوسرا "تو" واؤ مجہول کے ساتھ) سے ادا ہوتا ہے۔الْعَزِيْزُ۔ہر دعا کے قبول کرنے پر، ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر۔اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آسکتی۔الْحَكِيْمُ۔قادر مطلق ہونے کے ساتھ حکیم مطلق بھی۔قبول وہی دعائیں کرتا ہے بندوں کی آرزوئیں وہی پوری کرتا ہے، جو قانونِ حکمت کے مطابق وماتحت ہوتی ہیں۔اللہ اکبر! خلیل وذبیح علیہما السلام کی ادب شناسیوں کا کیا کہنا! دعا میں بھی کیسے کیسے نکتے ملحوظ رکھ لیے ہیں—— حضرات انبیاء سے بڑھ کر ادب شناس اور ہو بھی کون سکتا ہے؟ ف۴۶۹ یعنی ملت ابراہیمی تو عین دین فطرت ہے، اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں۔اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کرسکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ باقی رہی ہو، بلکہ مسخ ہوچکی ہو۔اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے نہیں، آزمائش سے کرلے، اسلام نے جماعت (سوسائٹی) کا جو نظام قائم کیا ہے، وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ہر فرد کے لیے جو ضابطہ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطہ شخصی ہے۔عقل وجذبات، فرد وجماعت، دل ودماغ،

جسم وروح، حریت واطاعت، حیات بشری کے متضاد و متناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعت اسلام نے ملحوظ رکھی ہے، دنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ دعائے ابراہیمی ختم ہوئی، اب بیان ملت ابراہیمی کا شروع ہو رہا ہے۔ کہ یہ توحید ہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج اسلام ہی دے رہا ہے اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعویٰ کے چھوڑے بیٹھے ہو۔ ملاحظہ ہو، قرآن مجید نے عجب بلاغت ونکتہ سنجی سے کام لے کر یہاں اپنے دین اسلام کی نسبت نہ حق تعالیٰ کی جانب کی نہ رسول وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب۔ بلکہ صرف ابراہیم علیہ السلام خلیل کی جانب کی۔ یہاں مخاطب اصلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقدس پیشوا مانتی تھیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ قرآن تمہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتا۔ عین تمہارے ہی بزرگ محترم پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہی کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے! --- تلطف اور حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا؟ مشرکین عرب کے پاس آسمانی کتاب کی قسم سے کوئی کتاب تو نام کے لیے بھی موجود نہ تھی۔ البتہ یہود و نصاریٰ کے نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی درج تھے اور آج تک لکھے چلے آتے ہیں توریت مروجہ میں ہے:۔ ”اپنے باپ ابراہام پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اُسے بلایا وہ اکیلا تھا پھر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بڑھایا“۔(یسعیاہ۔ ۵۱: ۲) ”اے ابرام مت ڈر۔ میں تیری

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ

ہوں گے والے ۳ اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہو

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ

جاؤ، ہوئے ۴ وہ بولے میں حکم بردار ہوں سارے جہان کے پروردگار کا و۳ے ۴ اور ابراہیم اسی کی وصیت کر گئے اپنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

بیٹوں کو و۴ے ۴ اور اسی طرح یعقوب بھی و۵ے ۴ (اپنے بیٹوں کو) و۶ے ۴ کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

لئے دین کا انتخاب فرما لیا ہے و۷ے ۴ سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو و۸ے ۴

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ

بھلا اس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوب کو موت آ پہنچی و۹ے ۴ اور اس وقت

قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ و۸۰ ۴ وہ بولے ہم عبادت کریں گے

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

(اس) معبود واحد کی اور ہم تو اسی کے حکم بردار ہیں و۸۱ ۴ یہ ایک جماعت ہے

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا

جو گزر چکی و۸۲ ۴ ان کے آگے ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا اور تم

تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا

جو کچھ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی و۸۳ ۴ اور یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ

سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں“۔ (پیدائش ۱۵: ۱) ”اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیے صداقت محسوب ہوا“۔ (پیدائش ۱۵: ۶) اور مسیحیوں کی انجیل مروجہ میں ہے:۔ ”ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اس کے لیے راستبازی گنا گیا، پس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں“۔ (گلتیون۔ ۳: ۶) نیز (رومیون۔ ۴: ۳) و۲ے ۴ (ان کی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت و رسالت کے لیے) ایک مسیحی مؤرخ ریونڈ روڈیم ڈین ایم، اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی میں لکھی ہے، اس سے آپ کے دنیوی عروج و اقبال پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ ان ”روشن خیال“ لامذہبوں کی تردید کے لیے یہی کافی ہے جنہوں نے ابھی انیسویں صدی کے آخر میں آپ کے وجود کو فرضی قرار دیا تھا و۱ے ۴ (ایک پیغمبر جلیل القدر کے شایان شان) یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت وسلسلہ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اٹھا نہیں رکھی۔ اس لیے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات کی اخلاقی وروحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء برحق کی نصرت وحمایت کا فرض، توریت وانجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ یہ عجیب وغریب اہل کتاب، نبی اور نبوت کے قائل گویا ان کے صرف لفظی معنی میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہے جو کاہنوں جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے۔ اور اس سے انہیں کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا۔ اس کے روحانی کمالات کس درجہ کے تھے، اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام تو اکثر انبیاء کے ابوالآباء ہیں۔ آپ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن نے اور زیادہ اہتمام رکھا ہے و۳ے ۴ اسلموا کا دوسرا ترجمہ ”اسلام لے آؤ“ یا ”مسلم ہو جاؤ“ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنی ہیں اپنے آپ کو تمام تر خدائے واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا۔ عقیدہ، معاشرت، معاملات غرض کہ زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا۔ اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا، اصطلاح میں اسلام وایمان گویا مترادف ہے، اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے و۴ے ۴ یعنی میں خدائے پروردگار عالم پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاتا۔ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا؟ اس کے قانون سے باغی کیسے رہ سکتا! و۵ے ۴ بہا (یعنی اس دین توحید کی ملت اسلام کی) ضمیر خواہ ملت کی جانب ہو خواہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی طرف، ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ والضمير فى بها لقوله اسلمت لرب العلمين (کشاف) والضمير للملة او لقوله اسلمت (بیضاوی) وصّٰی۔ عربی کا لفظ وصية، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بستر مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے وَصَّيْتُهُ هكذا کے معنی ہیں ”میں نے اس کو حکم دیا“۔ ”میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا“۔ بنیہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصری کے بطن سے (۲) حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان (۶) مدیان (۷) یساق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے (پیدائش ۲۵: ۱ و ۲) و۶ے ۴ یَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا“۔ (پیدائش ۳۵: ۱۰، ۱۱) عمر حسب روایت توریت ۱۴۷ سال کی پائی۔ زمانہ غالباً ۲۰۰۰ ق، م تا ۱۸۵۳ ق، م

ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی، ۱۸ ق،م میں اپنے نامور فرزند یوسف علیہ السلام ہی کے پاس مصر میں منتقل ہو گئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ ۴۷۶ چار ازواج طاہرات سے آپ کے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توریت حسب ذیل ہیں:۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جد، آشر (پیدائش ۳۵: ۲۳-۲۶) (انہیں صاحبزادوں میں سے جہاں تک خاندانی شجرہ اور نسب نامہ سے پتہ چلتا ہے، حضرت لاوی کی نسل سے ان سطور کا راقم نامہ سیاہ بھی ہے) ۴۷۷ الدین۔ یعنی اس دین توحید کا، ملت اسلام کا۔ اصطفٰی۔ اصطفا کے معنی ہیں چن لینا اور ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کر دینا۔ لکم میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی یہ دین تمہارے لیے ہے اور تم اس دین کے لیے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قوم عرب اور نسل یہود دونوں کے مورث اعلیٰ ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کے بھی مقتدا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو نسل اسرائیل کے جد امجد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تو اپنی اولاد کو خود اپنے اختیار کیے ہوئے اور خدا کے پسند کیے ہوئے دین کو منتقل ہی کر گئے اور فرما گئے کہ تمہیں کسی مزید تلاش میں حیران و سرگردان ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لیے تو یہ اللہ کا بنایا ہوا اور بتایا ہوا دین توحید موجود ہی ہے -- قرآن کے مخاطبین اول سب کے سب اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان سے خطاب کا یہ بہترین اسلوب ہے کہ اچھا اگر دین کے بارے میں اپنے اسلاف ہی کو حکم بنا رہے ہو تو دیکھو وہی کیا کہہ گئے ہیں؟ ۴۷۸ (اور چونکہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں۔ اس لیے تیار اس کے لیے ہر وقت اور ہمیشہ رہو) مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو۔ ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیے رہو۔ دین کے مطالبات میں بس ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جو ہمہ وقتی اور ہمہ حالی ہے ورنہ اعمال جتنے بھی ہیں سب حالات کے تابع ہیں اور حالات خود تغیر پذیر ہیں۔ ضمناً اہل کتاب کو بھی فہمائش ہو رہی ہے کہ تم جس دین کو نیا اجنبی اور انوکھا سمجھ کر اس سے بدکتے اور بھڑکتے ہو وہ نو پیدا نہیں۔ وہ تو عین تمہارے ہی بزرگوں کا تعلیم کیا ہوا دین و آئین ہے [راقم سطور نامہ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید سے کسی ایک آیت کا اپنے لیے انتخاب کر لے تو اس کی نظر انتخاب اسی آیت بلکہ جز آیت پر پڑے گی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ جی میں ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت ورد زبان رہے۔ اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے۔ موت کے وقت یہی دل و زبان پر بھی ہو۔ اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے، اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کر دی جائے۔ بارہا اس آیت پر وجد کر چکا ہوں۔ بارہا اس آیت پر آنسوؤں سے رو چکا ہوں۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا لب لباب یہی آیت ہے۔] ۴۷۹ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ۔ یعنی وقت موعود قریب آ گیا۔ اور آپ کو علامات و آثار اس کے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو گئی۔ کنی بالموت عن مقدماته لانه اذا حضر الموت نفسه لا يقول المحتضر شيئا (بحر) قرآن مجید ہی میں ایک اور دوسری جگہ ہے وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ یہاں بھی موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب ہی لیے گئے ہیں۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ۔ خطاب اہل کتاب سے ہے اور استفہام میں لہجہ زجر شامل ہے۔ معنى الاستفهام ههنا الزجر والتوبيخ وهو فى معنى المنفى (بحر) یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ ۴۸۰ مِنْۢ بَعْدِيْ۔ یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔ من بعدى اى من بعد موتى (ابو سعود) حضرات انبیاء کو زندگی کی طرح اپنے آخر وقت میں بھی سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے ۴۸۱ یعنی ہم سب اس پر اسلام لا چکے ہیں" توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ احبار یہود کا یہ قول نقل ہو کر پہنچا ہے کہ --"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیے (۱) بت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۷ صفحہ ۲۴) روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:--"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا..... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا۔" سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔ (گنز برگ کی قصص یہود جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

اٰبَآئِكَ۔ اسمعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے بڑے چچا (یا یایا) تھے۔ فرزندان یعقوب نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوب علیہ السلام میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہی لفظ اب آیا ہے۔ هذا بقية ابائى یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اِسْحٰقَ۔ یہ نام پہلی بار آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ تھے، حرم اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ سال ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م۔ سال وفات غالباً ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف توریت میں ۱۸۰ سال درج ہے۔ یہ بھی درج ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ آپ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ "جب اسحٰق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آ پہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا"۔ (جلد اول صفحہ ۴۱۶) ۴۸۲ (اور ان کے فضائل و کمالات بھی ان کے ساتھ گزر چکے۔ تمہیں آخر ان کے نام گنانے سے کیا حاصل؟) تِلْكَ اُمَّةٌ سے مراد یہی اجداد یہود ہیں جن کا شمار جماعت انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے جو آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیغمبر زادگی کے نشہ میں چور تھے۔ اس میں بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رمی مشائخ زادوں، اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لیے موجود ہے۔ بلا سعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ ہی اسلام نے کاٹ دی ہے۔ ۴۸۳ اسلام کے طفیل اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے، مقبولان الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا مسئلہ "معصیت متوارث" سب کو معلوم ہے۔ یعنی جو معصیت ابوالبشر سے سرزد ہوگئی تھی، وہ ہر نسل آدم میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ یہود نے اس کے مقابل ایک عقیدہ "نجات متوارث" کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ "خدائے تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بہ طور اپنے افضال کے، باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۷) توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے:۔ "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں، لیتا ہوں"۔ (استثناء۔ ۵:۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کو انتقال ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی یعنی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہے گا۔ اور پھر اولاد ابراہیم علیہ السلام کو تو کوئی ڈر ہی نہیں:۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۹ صفحہ ۹۰) "افراد یہود کی امیدیں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہوگئی تھیں (یعنی اس پر کہ) ہم ابراہیم کی اولاد ہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۳ طبع یازدہم) ۴۸۴ قرآن مجید کی صاف اور سیدھی تعلیمات اور اس کے واضح دلائل کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب ان سے متاثر ہوتے، اور قبول حق پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن بجائے اس کے ضد اور ہٹ سے کام لے کر الٹی مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو، تو تمہیں دنیا کی فلاح اور آخرت میں نجات حاصل ہو جائے۔ ۴۸۵ (ساری امت اسلامیہ کی طرف سے ان لوگوں کے جواب میں، اے ہمارے پیغمبر) ۴۸۶ (اس کی اصلی اور غیر محرف شکل میں) مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ۔ یہود اور نصاریٰ دونوں، نو مسلموں اور نیم مسلموں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے کہ "فلاح و نجات منظور ہو تو ہمارے مذہب میں آؤ، اس نئے مذہب میں کیا رکھا ہے"؟ مسلمانوں کو تعلیم اس جواب کی مل رہی ہے، کہ "تمہارے ہاں کیا رکھا ہے بجز تحریفات کے؟ رہا ہمارا دین تو وہ تو پیدا وار ابھی نہیں۔ وہ تو بس قدیم دین توحید ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور ہم اسی کی اصلی اور غیر محرف شکل پر قائم ہیں۔ حَنِيْفًا۔ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیم کا۔ اکثر اکابر تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من المضاف اليه (کشاف) هو حال من المضاف اليه (ابو سعود)۔ دوسرا قول یہ ہے

کہ حَنِيفًا صفت اِبْرٰهٖمَ کی نہیں بلکہ مِلَّةَ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ وهو حال من المضاف بتاويل الدين او تشبيهًا له بفعيل بمعنى مفعول (روح) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے پالیا ہے مذہب ابراہیم علیہ السلام کا جو سیدھی راہ ہے"۔ حَنِيْف کے معنی بہرصورت مستقيمًا و مائلًا الى الحق کے ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تكون على ملته عليه السلام يا بل نتبع ملة عليه السلام و۴۸۷ یہ تعریض ہے اہل کتاب پر کہ تم کس منہ سے اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحید خالص پر یہود، نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملاً ان کی روش چھوڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مسیحی تو صریح شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ و۴۸۸ (لله کے ہاں سے ہمارے پیمبر کے واسطہ سے) خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعت الٰہی سے بس اعتقاد و انقیاد ہی کا ہے۔ اَلْاَسْبَاط جمع ہے سِبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد و قيل اولاد البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے۔ لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور نواسوں دونوں کے لیے عام ہے۔ كلام الائمة صريح في انه يستعمل ولد الابن او الابنة كما صرح به ابن سيده (تاج) بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح اسباط کہلائیں۔ قال الازهري الاسباط في بني اسحٰق بمنزلة القبائل في بني اسمٰعيل (تاج) نسل اسرائیل پر رسالت بہت وسیع پیمانہ پر پھیلی رہی۔ فقرہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان کسی پیمبر کے بھی منکر نہیں۔ و۴۸۹ (الله کے ہاں سے) اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ۔ یہ دو نام اس سیاق اور اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا نام لانا تو اس لیے بہت ضروری تھا کہ اہل کتاب انہیں سے تو بغض رکھتے تھے۔ بغیر ان کا نام لائے اسلام کے دعویٰ کا اثبات ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام کا نام لانا خود ایک دلیل روشن ہے۔ اسلام کے طریق عدل اور بے تعصبی کی۔ قرآن اگر بشری کلام ہوتا، تو بشری فطرت تو یہ تھی، کہ اہل کتاب کے شدید اور مسلسل اشتعال انگیز تعصب کے جواب میں اسمٰعیل کی نصرت وحمیت میں اسحاق علیہ السلام کا نام نظر انداز ہی کر دیا جاتا۔ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق علیہم السلام تینوں کی تاریخی شخصیتوں پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ و۴۹۰ (کلام الٰہی یا کتاب آسمانی میں سے) مُوْسٰى۔ آپ کی تاریخی شخصیت پر حاشیہ گزر چکا۔ عِيْسٰى۔ ابن مریم۔ بجائے والد کے اپنی والدہ کی جانب منسوب ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں۔ آپ پر سلسلہ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ولادت صوبہ یہودیہ (ملک شام) کے قصبہ بیت اللحم میں بہ بیت المقدس میں، حاکم شام ہیرود کے زمانہ میں ہوئی۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا۔ سال ولادت اغلبا ۴ ق م۔ یہ بات سننے میں بہت ہی عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن اس پر اتنی حیرت نہ کیجئے۔ سنہ عیسوی جو اس وقت رائج ہے، خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی، اور اس کا پتہ بعد کو چلا۔ چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کا سال ولادت نہیں۔ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سنہ جاری ہوا ہے۔ آپ کی عمر غالباً ۳۳ سال کی تھی، اور ۳۰ء تھا کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت درجہ آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد و خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا۔ اور پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعہ صلیب) کا حکم صادر ہوا، اس کے بعد کیا گزری، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے تحت میں انشاء اللہ آئے گا۔ و۴۹۱ (خواہ وہ کسی ملک، کسی نسل، کسی زمانہ کے ہوں، کہ ان میں سے کسی کو نبی مرسل مانیں کسی کو نہ مانیں) اسلام کے ایک جدید و نو پیدا مذہب ہونے کی یہ تردید ایک بار پھر کی جا رہی ہے۔ عالمگیر مذہب، آج ہر شخص بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل، ہر زمانہ کے پیغمبروں اور سچے ہادیوں کی علانیہ اور پرزور تصدیق کر رہا ہے۔ یا وہ مذہب ہو سکتے ہیں، جو آسمانی ہدایت کو فلاں ملک، فلاں قوم، فلاں نسل کے ساتھ مخصوص و مقید کیے ہوئے ہیں۔ و۴۹۲ (وہ ہم کو جس کسی کی بھی اطاعت کا حکم دے دے گا، ہم اسی کے پیرو ہو جائیں گے۔ ہمیں کسی سے نہ تعصب نہ عناد، ہم تو بس امر الٰہی کے فرمان بردار ہیں) اسلامی تعلیمات کا عطر یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۴۹۳ (اور اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے) خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر اہل کتاب ہیں جن کا سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں بشارت ہے کہ اتنی ضد و عناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ فَاِنْ کی ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا۔ و۴۹۴ (حق و راہ راست سے) یعنی اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں، تو اب جو انہیں مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے، ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وضوح حق میں کوئی خفا یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے تو محض اس لیے کہ سمجھنا چاہتے نہیں۔ اي علمنا انه ليس غرضهم طلب الدين والانقياد للحق و انما غرضهم المنازعة واظهار العداوة (كبير) و۴۹۵ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ہجوم اعداء اور قوت و کثرت مخالفین سے ذرا بھی تشویش و فکر نہ کریں۔ یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپ کے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ اب الله آپ کا نگہبان ہے۔ و۴۹۶ سَمِيْع۔ سننے والا ان کے الفاظ و اقوال، ان کے

اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ یاب ہو جاؤ گے و۴۸۴ آپ کہہ دیجئے و۴۸۵ کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیم سیدھی راہ

حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا

والے کا مذہب پا لیا و۴۸۶ اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے و۴۸۷ کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں

بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى

الله پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا و۴۸۸ اور جو

اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ مَآ

اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا و۴۸۹ اور جو موسٰی و عیسٰی کو دیا گیا

اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا و۴۹۰ اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان

مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا

بھی فرق نہیں کرتے و۴۹۱ اور ہم الله ہی کے حکم بردار ہیں و۴۹۲ تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک وہ بھی راہ پا گئے و۴۹۳ اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ

منہ موڑے رہیں تو بس (بڑی) مخالفت میں پڑے ہیں و۴۹۴ سو اب الله آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں

اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

و۴۹۵ ہے اور وہ (بڑا) سننے والا (بڑا) جاننے والا ہے و۴۹۶ (ہمارے اوپر) الله کا رنگ ہے و۴۹۷ اور الله سے

حرف وعبارت کا۔یعنی جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے،ان کی گفتگوئیں اور تقریریں سب اللہ پر روشن ہیں۔ علیم۔ جاننے والا ان کے دلوں کے احوال واسرار کا۔یعنی ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی اس علم کل پر روشن ہے،اوران کی اندرونی کارروائیاں اور سازشیں سب اس کے سامنے بے نقاب موجود ہیں۔ **وکے۴۹** تقدیر کلام یوں بھی گئی ہے صبغنا الله صبغة (بیضاوی) کانه قیل صبغنا الله صبغة (ابوسعود) یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اس کے دین فطری یعنی اسلام سے ہے۔ای دین الله (مدارک) والمراد بهاد ينه الذى فطر الناس عليه (جلالین) یہی دین الله کے معنی ابن عباس ﷺ صحابی اور مجاہد،ابوالعالیہ،قتادہ وغیرہ متعدد تابعین سے مروی ہیں (ابن کثیر) رُوئے سخن اوپر سے یہود ونصاری کی طرف چلا آرہا ہے۔ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت ایک خاص قسم کے رسمی تطہیری غسل کی تھی،جسے بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا۔انہیں کی اصطلاح میں ارشاد ہورہا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے،لازم پکڑنے کی چیز دین توحید ہے۔یعنی الزموا دين الله (معالم)

و۴۹۸ (جس کا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے،اور کفر وضلالت کی نجاستوں کو دور کر دیتا ہے) فالمراد انه يصبغ عبادة بالايمان و يطهرهم به من او ساخ الكفر فلا صبغة احسن من صبغته (کشاف۔کبیر) **و۴۹۹** (اور سارے عقاید باطل،شعائر باطل،معبودان باطل کے منکر ہیں) نحن ہم یعنی مسلمان یا اُمت مسلمہ۔ **و۵۰۰** خطاب اگرچہ سارے اہل باطل کے لیے عام ہے،لیکن سیاق میں خاص طور پر مراد یہود و نصاری ہیں۔ ذكروا فيه وجوها احدها انه خطاب لليهود و النصرى وهو اليق بنظم الاية (کبیر) **و۵۰۱** (تو کم از کم اس کی ذات وصفات کے باب میں تو تمہیں کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہ رہنا چاہیے) یعنی اے اہل کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں۔ تو اوّل تو اس کی توحید پر قائم رہنا چاہیے۔اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور خدا کے فرزند،بروز،مظہر وغیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہیے۔دوسرے جب اس کی صفات کمالیہ پر ایمان ہے،تو وہ اپنی حکمت وربوبیت کے تقاضا سے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت ورسالت سے سرفراز کردے۔وہ ہر طرح مالک ومختار ہے۔اسرائیلی غیر اسرائیلی خاص نسل کا اجارہ نہیں۔ **و۵۰۲** (اپنے عقائد اور اپنی عبودات میں ہر شرک،ہر ضلالت سے پاک صاف ہوکر) رہے اعمال تو ہر رہے اور اپنے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آجائے گا۔آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرلو۔ **و۵۰۳** یعنی کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ان پیمبروں،بزرگوں اور تمہارے مورثوں کے عقائد ذات وصفات باری کے باب میں بجائے دین توحید و اسلام کے،یہودیت ونصرانیت کے تھے؟ ام تقولون۔خطاب اہل کتاب خصوصاً یہود سے ہے۔اور لہجۂ خطاب میں زجر کا پہلو شامل ہے۔ صيغة استفهام و معناه التوبيخ (معالم) جتنے اسماء واعلام یہاں آئے ہیں،ان سب پر حاشیے آیت ۱۳۶ کے ذیل میں اور اس کے قبل گزر چکے۔ **و۵۰۴** (ان حضرات کے دین وعقائد کے باب میں) اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحید خالص کے پیرو تھے۔نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم وفاضل موجود تھے۔ان سب کو چیلنج دے کر ایک اُمّی کی زبان سے کہلایا جارہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر،صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ،واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں-- آج یورپ کے بڑے بڑے ماہرین تاریخ اور محققین اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں،وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی اُمّی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے! **و۵۰۵** (اور وہ شہادت ہے دین اسلام کے برحق ہونے کی،ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کے مومن کامل ومبلغ توحید ہونے کی۔اور آخر زمانہ میں ایک رسول ﷺ برحق کے ظہور کی) اس شہادت کو چھپانے والے ظاہر ہے کہ اہل کتاب خصوصاً یہود کے علماء تھے۔ اور یہ شہادت محفوظ تھی ان کی مسلّم آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں میں۔شهادة فى كتمانهم امر محمد صلى الله عليه وسلم و نبوته (ابن جریر) و هى شهادة الله لابراهيم بالحنيفية (مدارک) وفيه تعريض بكتما نهم شهادة الله لمحمد عليه السلام بالنبوة فى كتبهم وسائر شهاداته (مدارک) **و۵۰۶** (وہ وقت آنے پر انہیں کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا) مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ۔ وہاں رتی رتی کی خبر ہے۔اور ویسا ہی معاملہ پیش آنے گا۔وہاں بزرگوں کے ساتھ نسبی ونسلی انتساب ہرگز کام نہ دے گا۔منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے عالم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے۔اور قرآن مجید یہی کراتا رہتا ہے۔ **و۵۰۷** (اور محض ان کے نام کا انتساب بغیر ان کے سے اعمال وعقائد کے ہرگز کافی نہیں) تلك امة سے مراد ہیں قوم اسرائیل کے اکابر سلف،خصوصاً اجداد ثلثہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام،جن کی اولاد ہونے پر اسرائیلیوں کو حد سے زیادہ ناز تھا۔نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۳۔ **و۵۰۸** (آخرت میں)یعنی نہ ان کے ایمان واعمال صالحہ سے تمہیں کچھ نفع پہنچے گا،اور نہ تمہارے کفر واعمال سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہوگا **و۵۰۹** یہود کی کتابوں میں آج تک یہ تعلیمات موجود ہیں کہ" جس طرح انگور کی زندہ وشاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے،اسی طرح زندہ یہودی اپنے آنجہانی اور مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے۔اور تینوں اجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین واخیار نے اعمال صالحہ کا جو انبار عظیم لگا دیا ہے،اس سے ان کی اولاد کو مجموعاً ومنفرداً برابر حصہ ملتا رہتا ہے،اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اس کی نجات یقینی ہے"۔قرآن حکیم اس "نجات متوارث" کے عقیدہ پر برابر ضرب شدید لگاتا جاتا ہے۔نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۰۔

أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے؟ **و۴۹۸** ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں **و۴۹۹**

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ

آپ کہیے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کیے جاتے ہو **و۵۰۰** درآنحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا

وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ

بھی پروردگار ہے **و۵۰۱** اور ہمارے عمل ہمارے لیے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لیے۔ اور ہم تو

لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ

اسی کے لیے خالص ہیں **و۵۰۲** کیا تم (یہ) کہتے ہو کہ ابراہیم

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ

اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد (یعقوب)

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

یہودی یا نصرانی تھے؟ **و۵۰۳** آپ کہیے تم زیادہ واقف ہو یا اللہ؟ **و۵۰۴**

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے؟ **و۵۰۵** ورنہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر تو ہے نہیں **و۵۰۶**

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ

یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی **و۵۰۷** ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے

مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

آگے آئے گا **و۵۰۸** اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی **و۵۰۹**

و۵۱۰ (یہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، بلکہ بطور طنز و تعریض) سَيَقُولُ میں س ہو سکتا ہے کہ مستقبل کے لیے ہو، اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لیے ہو، اور معنی صیغۂ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول، ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لیے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، کہ یہاں ماضی مراد ہے۔ اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ قال القفال ان الاية نزلت بعد تحويل القبلة وان لفظ سيقول مراد منه الماضي (روح) قيل ان سيقول بمعنى قال (فتح) اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے، کہ صیغۂ ماضی یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ انما عبّر عن الماضي بلفظ المستقبل للدلالة على استدامة والاستمرار عليه (فتح) لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے۔ اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ وسيقول ظاهر من الاستقبال (بحر) اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ ان الله تعالى اخبر عنهم قبل ان ذكروا هذا الكلام انهم سيذكرونه (کبیر) ان اخبار من الله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم انه يصدر منهم هذا القول في المستقبل (بحر) انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اسی رخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم ؑ کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبوری تھی۔ آخر ورود مدینہ کے ۱۷ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی جائے اور حکم کی مخالفت نہ ہوئی۔ خانۂ کعبہ مکہ میں مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رخ دفعۃً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے، اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات اردو کرنے لگے۔ ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بدویوں میں سے ہو گئے۔ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ سفہاء جمع ہے سفیہ کی، اور سفیہ کے معنی کم عقل یا بدعقل کے ہیں۔ السفيه الخفيف العقل (تاج) واستعمل في خفة النفس لنقصان العقل (راغب) یہاں۔ غایت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل وقال کرنے والوں کے حق میں ہے۔ السُّفَهَاءُ سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آ چکا ہے۔ السفهاء هم اليهود (بخاری عن البراء ؓ) صحابہ و تابعین کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں۔ نزلت في المنافقين (ابن جریر عن السدی) راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لیے۔ والاية عامة في هؤلاء كلهم (ابن کثیر) يدخل فيه الكل لان لفظ السفهاء لفظ عموم (کبیر) الاقرب ان يكون الكل (کبیر)

و۵۱۱ یعنی بیت المقدس سے۔ قبلۃ۔ وہ مکان ہے جس کے مقابل رخ کرکے نماز پڑھی جائے۔ صار اسمًا للمكان المقابل المتوجه اليه للصلوٰة (راغب) یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو گزرا۔ اب تک وہ یہ کہہ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم ان کے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرت بھی ان سے چھن گئی۔

و۵۱۲ (ان کے جواب میں اے ہمارے پیغمبر) و۵۱۳ (اور کسی خاص سمت و جہت میں کوئی تقدس رکھا ہوا نہیں ہے، اس کے لیے سب برابر ہیں، وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے، نماز کے لیے رخ مقرر کر دے۔ سوال اصلاً پیدا ہی نہیں ہو سکتا) لِلّٰهِ میں لام ملکیت کا ہے۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی ملک ہیں، مخلوق ہیں، ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع و محکوم ہیں۔ یہ ضرب ہے مشرق پرستی، مغرب پرستی، اور ہر قسم کی سمت پرستی پر، جو مختلف مشرک، جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔ شرک کی اس خاص قسم سمت پرستی، یا جہت پرستی پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ پارۂ اول رکوع ۱۴ آیت ۱۱۵ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ کے تحت میں و۴۱۳ (اور اس کا چاہنا ہمیشہ قانون حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے) و۵۱۵ (اور بے چون و چرا رسول یا وقت کے سب سے بڑے حکیم و عالم کے اتباع کی توفیق دے دیتا ہے) و۵۱۶ (اے مسلمانو!) اسی طرح ایک اسی مسئلہ پر موقوف نہیں، ہر معاملہ میں و۵۱۷ یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو۔ ہر کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک۔ وَسَطًا۔ عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ واما الوسط فانه في كلام العرب الخيار (ابن جریر) استعير للخصال المحمودة لوقوعها بين طرفي الافراط و تفريط (بیضاوی) حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے۔ عن ابی سعيد الخدری عن النبي ﷺ امة وسطًا قال عدلًا (ابن کثیر عن احمد) اور ائمۂ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ قال الجوهري في الصحاح امة وسطًا اي عدلًا وهو الذي قاله الاخفش والخليل و قطرب (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ احتج جمهور الاصحاب و جمهور المعتزلة على ان اجماع الامة حجة (کبیر) و۵۱۸ ملت اسلامی، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے، ساری دنیا کے لیے بطور نمونہ کے تیار کی گئی ہے، کائنات کی ہر امت کو اسی سانچہ میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اترنا چاہیے۔ آیت سے کمال درجہ کی فضیلت امت اسلامی کی ثابت ہو رہی ہے۔ لِتَكُونُوا سے یہ تنبیہ بھی نکل رہی ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی اور

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

بے وقوف لوگ (ضرور) کہیں گے و۵۱۰ کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے (اس) قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے و۵۱۱ ہٹا دیا آپ کہہ دیجیے و۵۱۲ کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں و۵۱۳ وہ جسے چاہے و۵۱۴ سیدھی راہ چلا دیتا ہے و۵۱۵ اور اسی طرح ہم نے تمہیں و۵۱۶ ایک امت عادل بنا دیا ہے و۵۱۷ تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر و۵۱۸ اور رسول گواہ رہیں تم پر و۵۱۹ اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے و۵۲۰ اسے تو ہم نے اس لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو الٹے پاؤں واپس چلے جانے والوں سے و۵۲۱ اور یہ (حکم) بہت گراں ہے مگر ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے و۵۲۲ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے و۵۲۳ ایمان کو، اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے و۵۲۴

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بے شک ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھناف۵۲۵ سو ہم ضرور آپ کو متوجہ کر دیں گے

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں ف۵۲۶ اچھا اب کر لیجیے اپنا چہرہ مسجد الحرام

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

کی طرف ف۵۲۷ اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اسی کی طرف ف۵۲۸ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

کہ وہ (حکم) واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے ف۵۲۹ اور اللہ بے خبر نہیں ان کی

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کارروائیوں سے ف۵۳۰ اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنھیں کتاب مل چکی ہے،

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

ساری ہی نشانیاں لے آئیں ف۵۳۱ (جب بھی) یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے ف۵۳۲ اور نہ آپ ان کے قبلہ کی

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ

پیروی کرنے والے ہیں ف۵۳۳ اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں ف۵۳۴

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

اور اگر (کہیں) آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں ف۵۳۵ بعد اس کے کہ

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

آپ کے پاس علم آچکا ہے ف۵۳۶ تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے ف۵۳۷

فسق و فجور کی ہر صورت سے بچے رہنا چاہیے۔ ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے ف۵۱۹ جس طرح دنیا کی ہر امت کے لیے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لیے امت اسلامیہ ہے خود اس امت کے لیے معیار کا کام دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے ف۵۲۰ (اور اس پر بھی حکم الٰہی ہی سے تھے) یعنی بیت المقدس۔ اس سلسلہ میں یہ خوب ملحوظ رہے کہ اسلام میں قبلہ خواہ بیت المقدس ہو خواہ کعبہ، بہرحال ایک متعین و مخصوص مکان کا نام ہے، خواہ وہ کسی مقام سے کسی طرف پڑے۔ نہ کہ کسی متعین سمت و جہت کا، جیسا کہ مشرکوں کے ہاں اور مسیحیوں کے ہاں ہے ف۵۲۱ (اور فرمانبرداروں کا امتیاز نافرمانوں سے کر دیں) لِنَعْلَمَ۔ علم کے معنی یہاں تمیز و شناخت کے ہیں۔ ای لیمیز به الثابت علی دینه من المرتد (بحر) علی اطلاق العلم علی معنی التمیز لان بالعلم یقع التمیز (بحر) الا لنمیز هؤلاء من هؤلاء۔ فسمی التمیز علما (کبیر) علم الٰہی کلی میں تو ہر واقعہ شروع ہی سے موجود ہے، لیکن کائنات میں جب تک کوئی واقعہ واقع نہ ہونے، اس پر واقعہ کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے، مراد اس کے وقوع ظاہری، عملی سے ہوتی ہے۔ ف۵۲۲ (اور وہ اطاعت رسول کے ذوق سلیم سے بہرہ ور ہیں) بعض علماء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے، کہ اہل قبلہ جتنے بھی ہیں، درجہ ضروری تک راہ ہدایت پر ہیں۔ قبلہ پر قائم رہنا ایک بڑے سنگین امتحان سے گزرنا ہوا۔ اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی ایک بنیاد بن گیا ف۵۲۳ (اور اعمال ایمانی کو) بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا از خود یہ وہم ہو گیا تھا کہ جب اصل قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا، تو اس رخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ بیکار گئیں۔ اور جو مسلمان اس حکم جدید سے قبل وفات پا چکے، وہ تو سرتاسر گھاٹے میں رہے۔ جواب اسی کا مل رہا ہے کہ یہ وہم کیسا۔ قبلہ کوئی سا بھی ہو، اجر تو تعمیل احکام کرنے والوں کا ہے۔ جنھوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، انھوں نے بھی بہرحال حکم ہی کی تعمیل کی تھی۔ اجر ان کا تمام و کمال ثابت رہا۔ ف۵۲۴ چنانچہ دوسرے احکام کی طرح یہ حکم تحویل قبلہ بھی تمام تر اس کی شفقت و مہربانی، رافت و رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔ ف۵۲۵ (انتظار وحی میں اے پیغمبر!) رسول اللہ ﷺ کو صحیح جذبۂ دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے، تو ان کا قبلہ بھی قبلۂ امت نہیں رہ سکتا، تحویل قبلہ کا حکم اب آکر رہے گا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی۔ یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند، کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیات خاصہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ بوقت اضطرار و دعا آسمان کی طرف منہ کرنا موجبات قبول میں سے ہے، بلکہ اس نسبت علوی سے کمال یقین اور تصفیۂ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔ قَدْ نَرٰی کو صیغہ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظه مستقبل والمراد به الماضی (عکبری) نرٰی سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ آپ حیران و مضطر کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے خوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلق خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ ﷺ کی۔ فِي السَّمَآءِ میں فی اِلٰی کے معنی میں ہے۔ فی جهة السماء (کشاف) نحو السماء و قبلها (ابن جریر) ف۵۲۶ یعنی خانۂ خدا و قبلۂ ابراہیمی کی جانب۔ یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجۂ قبولیت ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اہل طریقت کے ہاں جو اصطلاح مقام مرادیت و محبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے۔ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ فلنولینك کے دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اس کا والی و حاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔ ای لنمکننك من استقبالها (مدارک۔ روح) ابھی وعدہ ہوا تھا تحویل قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہو گیا تحویل قبلہ کا۔ الوجه لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن حکم میں کل جسم کے ہے۔ المراد من الوجه ههنا جملة بدن الانسان (کبیر) و قد یعبر عن کل الذات بالوجه (کبیر) ف۵۲۷ تنبیہ، عزت و حرمت والی مسجد سے مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجد اعظم ہے جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ خانۂ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے۔ مدینہ والوں یا اور کہیں کے بھی لوگوں کو اس کی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لیے امت کی سہولت کے لیے نام نسبتاً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک۔ بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ و مراده البیت نفسه (جصاص) والمراد به البیت لانه تعالیٰ خاطبنا بلغة العرب وهی تعبر عن الشیء بما یجاوره او بما یشتمل علیه (ابن العربی) و ذکر المسجد الحرام دون الکعبة دلیل علی ان الواجب مراعاة الجهة دون العین (مدارک) اور امام مالک ؒ سے یہ قول منقول ہے کہ مسجد حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانۂ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجد حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (متوفی ۱۵۷۷ء) کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ صحن کی وسعت ۹۰۰ فٹ بیان کی گئی ہے۔ متعدد بڑے بڑے عالی شان اور فراخ دالان چاروں طرف اس کے علاوہ ہیں۔ داخلہ کے ۴۱ دروازے ہیں۔ منارے چھ ہیں۔ اور گنبد گرجیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی وسعت ۵۴۵ فٹ ہے۔ جنوبی و شرقی ۵۵۳ فٹ، شمالی مشرقی ۳۶۰ فٹ اور جنوبی و

غربی ۶۴ ۳ فٹ۔ شَطْرَ سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت میں یا اُس کے رُخ پر۔ نہ کہ عین اس کے مقابل، کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ شطرہ اے نحوہ و تلقاءہ قالہ ابن عباس وابو العالیۃ و مجاهد والربیع بن انس (جصاص) فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر ہو تو صرف اُس وقت ممکن ہے جب چہرہ کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف سے پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی و۵۲۸ (حالت نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امت محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجئے۔ اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز، انسان کہیں بھی ہو، درست ہے۔ کچھ مسجد ہی کی قید نہیں و۵۲۹ معاہدوا کابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ دہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ اَنَّهُ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔ اے التحویل الی الکعبۃ (کشاف) والضمیر للتحویل اوللتولیۃ (بیضاوی) مِنْ رَّبِّهِمْ کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہ ﷺ کا امر اجتہادی نہیں، تمام تر حکم ربانی ہے و۵۳۰ (جو وہ اخفاء حق وصداقت کی کرتے رہتے ہیں) و۵۳۱ یعنی اپنی پیغمبری کے سارے ممکن دلائل ومعجزات بھی۔ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ سے مراد یہود ہیں

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ

جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں و۵۳۸ وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ

پہچانتے ہیں و۵۳۹ اور بے شک ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو،

وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ

حالانکہ جانتے ہوتے ہیں و۵۴۰ یہ امر حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس تو کہیں شک کرنے والوں میں

مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَ لِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا

ہرگز نہ ہو جانا و۵۴۱ اور ہر ایک کے لیے کوئی رخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے و۵۴۲

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ

سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو و۵۴۳ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو پا لے

جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ مِنْ

گا و۵۴۴ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۵۴۵ اور آپ

حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا

الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

کریں و۵۴۶ اور یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے و۵۴۷ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں،

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

جو تم کر رہے ہو و۵۴۸ اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں، اپنا منہ

وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا

مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں و۵۴۹ اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو

و۵۳۲ (یہ حد ہے ان کی ضد، عناد وتعصب کی، اس لیے آپ کا ان کے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بے کار ہے) و۵۳۳ اس پر کہ اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور یہود ونصاریٰ کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے) و۵۳۴ چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکل بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔ بحمد للہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود ونصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ فالیهود مستقبل بیت المقدس والنصاری مطلع الشمس (مدارک) اور خیر سنی تو بعد کے شخص ہیں۔ ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔ و ذلک ان الیهود تستقبل بیت المقدس بصلاتها و من النصاری تستقبل المشرق (ابن جریر) و۵۳۵ تحویل قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے) اہل کتاب کی اتباع واسترضاء تو مطلقاً ممنوع ہے، لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں ان کی اتباع معصیت ہی نہیں، کفر ہے و۵۳۶ یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں الْعِلْمِ سے مراد یہی علم حقیقی ہوتا ہے، دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اس کے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ و فی ذلک تحذیر لمن یترک الدلیل بعد انارة ویتبع الهوی (مدارک) و۵۳۷ اللہ کے قانون میں رد رعایت کی گنجائش کسی کے لیے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی نہیں۔ اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیق الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور انہیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ دلت الآیة علی انه توجه الوعید علی العلماء اشد من توجه علی غیرهم (کبیر) و۵۳۸ عموم لفظ کے تحت میں مسیحی بھی داخل ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ مراد یہود ہیں۔ توریت وصحف قدیم کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ علماء بلاغت نے اشارہ کیا ہے کہ اس موقع پر صیغۂ معروف اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ ضمیر متکلم کی تصریح کے ساتھ صیغۂ مجہول اُوْتُوا الْکِتٰبَ سے کہیں زیادہ بلیغ و پر معنی ہے و۵۳۹ یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ والتباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے ٹھیک اُسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ اَبْنَآءَهُمْ کے لفظی معنی اپنے لڑکوں کے ہیں۔ لیکن ضمیر هُمْ سے مراد افراد واشخاص نہیں، بلکہ قوم یہود ونسل اسرائیل مجموعاً ہے۔ یعنی ابناء اسرائیل۔ اَبْنَآءَ کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ یَعْرِفُوْنَهٗ میں ضمیر ہٗ سے کیا مراد ہے؟ قدماء عموماً اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی سے لے کر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنی میں منقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مراد ذات رسالت سے ہے۔ اور دلائل اسی کے زیادہ موید ہیں۔ اور سند اس کی بھی تابعین سے مل جاتی ہے۔ یعنی یعرفون محمدا ﷺ (معالم) اے یعرفون رسول اللہ ﷺ (کشاف) ذکروا فیه وجوها احدها انه عائد الی رسول اللہ ﷺ ...... والقول الثانی ... واعلم ان القول الاول اظهر (کبیر) والضمیر لرسول اللہ ﷺ وان لم یسبق ذکرہ بدلالة الکلام علیه (بیضاوی) والضمیر عائد علی النبی ﷺ قال مجاهد و قتادة وغیرهما (بحر) ہٗ ظاہر ہے کہ ضمیر غائب ہے۔ لیکن اردو میں نہایت تعظیم کے موقع پر غائب "وہ" کے بجائے حاضر "آپ" لاتے ہیں۔ و۵۴۰ یہود اور دوسرے معاندین کا یہ اخفائے حق دانستہ اور بہ ارادہ ہے۔ کسی معذوری، وانستہ

غلط فہمی، یا دائیں میں خفاء کا نتیجہ نہیں۔ الحق۔ حق سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ کا وہ مفصل و مکمل تعارف ہے، جو توریت اور دوسرے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ ما فی کتبھم من صفة النبی ﷺ (ابن کثیر) ای یکتمون محمدا ﷺ (ابن جریر۔ عن مجاہد) والحق المکتوم ھنا ھو رسول اللہ ﷺ قال قتادة و مجاھد (بحر) دوسرے معنی امر تحویل قبلہ کے بھی لیے گئے ہیں۔ قیل امر القبلة (کبیر) وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ انکار کرنے والے عوام وجہلاء یہود نہیں، ان کے علماء و اکابر تھے۔ ف۵۴۱ (اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکید کلام کے لیے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہرحال وبہرصورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے اتفاقی یا کمر التفاتی کے قابل نہیں۔ ف۵۴۲ یعنی ہر قوم راست راہ ہے، وہ جیسے وقبلہ کا ہے۔ یعنی ہر قوم ہر امت کی نماز وعبادات کے لیے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو امت اسلامیہ کے لیے بھی ایک متعین قبلہ ضروری ہے۔ لِکُلٍّ "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر امت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔ ولم یقل لکل قوم او امة لانه معروف المعنی عندھم (کبیر) یعنی بذلک اھل الادیان (ابن کثیر) لکل طائفة من اھل الادیان (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت کو حدیث نبوی کل میسر لما خلق له (ہر ایک کے لیے وہی آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کر کے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اور متعدد طبقے ان کے پیدا کر دیے ہیں۔ کوئی کاشتکاری میں لگا ہے، کوئی تجارت میں، اور کوئی صنعت و حرفت میں۔ اسی طرح دینی حیثیت سے بھی، کوئی احادیث نبوی جمع کر رہا ہے، کوئی حفظ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے و راستے ہیں اللہ کی طرف کے۔ اللہ ان سارے طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ سے آباد رکھنا چاہتا ہے۔ تو جو شخص جس طریق پر بھی اللہ کی رضا کے قصد سے چلے گا، اللہ اس کے لیے قبول و وصول آسان کر دے گا۔ هُوَ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔ قیل ھو عائد علی اللہ تعالی قال الاخفش والزجاج (بحر) ف۵۴۳ (اے مسلمانو!) خطاب امت اسلامیہ کو ہے کہ حسن عمل کی طرف بڑھو، اور جملہ مذاہب و ادیان کے اختلاف قبلہ کے خیال خام میں نہ پڑے رہو۔ خیرات۔ خیر کی جمع ہے، وعام مفہوم ہے۔ رضاء الٰہی کے لیے موافق شرع جملہ امور کو شامل۔ وصول الی اللہ کے بے شمار راستوں پر حاوی۔ فَاسْتَبِقُوْا۔ عارفین نے کہا ہے کہ ہر وقت جو چیز اس وقت کے لحاظ سے خیر و مصلحت ہو، اسی کی طرف بڑھنا ہی "استباق خیر" ہے۔ ف۵۴۴ (اور تمہاری نمازوں میں وحدت پیدا کر دے گا) ساری امت کا قبلہ ایک خاص مکان کو مقرر کر دینے سے ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ تو ایک صورت انتشار کی سی پیدا ہوگئی، کوئی شمال کی طرف رخ کرے گا، کوئی جنوب کی طرف۔ آیت میں اسی شبہ کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ شبہ محض سطحی ہے۔ مقصود تو نماز اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، شرق، غرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق و منتشر ہو۔ عالم الغیب والشہادۃ کو تو بہرحال علم ہے کہ تم رخ ایک ہی طرف کیے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ یجعل اللہ تعالی صلاتکم مع اختلاف جھاتھا فی حکم صلاة متحدة الجھت (روح) ای یجمعکم و یجعل صلاتکم کلھا الی جھة واحدة قاله الزمخشری (بحر) دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اشارہ یہاں موت و قیامت کی طرف ہے۔ یعنی تم دفن جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالی سب کو حشر میں یکجا کر دے گا۔ ف۵۴۵ (اور اس کے احاطہ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں) یہ ایک اصولی جواب بہت سے شبہات کا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے مسائل میں انسان کو جہاں کہیں بھی استبعاد عقلی معلوم ہوتا ہے اس کی بنیاد ہمیشہ اسی مغالطہ پر ہوتی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کر کے اللہ کے قویٰ کو بھی محدود، اور اس کی قدرت کو بھی زمان، مکان وغیرہ کی قیود کا پابند سمجھ لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بشری ذہنیت (سائیکالوجی) کو پوری طرح سمجھ کر بار بار اسی حقیقت کی طرف تنبیہ کی ہے، کہ خدائی فعلیت پر حکم لگاتے وقت خدائی قدرت کی بھی وسعت بے پایاں کو تو پیش نظر رکھا کرو۔ ف۵۴۶ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال جب سفر و حضر میں سب کے لیے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بین بھذا تساوی الحالین الاقامة و سفرا فی انه مامور باستقبال البیت الحرام (بحر) ف۵۴۷ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں۔ ھو الحق ای ثابت الذی لا یعرض له نسخ ولا تبدیل (بحر) اِنَّهٗ۔ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔ ف۵۴۸ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تمہید اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ اور صیغہ واحد سے صیغہ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔ ف۵۴۹ الفاظ کی تکرار غالباً تاکید معنی کے لیے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کررت تو کیدا (بحر) ھو الاکثر المعھود فی لسان العرب وھو ان تعاد الجملة مرة و احدة (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کے لیے ہے۔ یعنی سفر و حضر میں جس حال میں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کے لیے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر غائب، جہاں کہیں بھی ہوں تو جہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔ ف۵۵۰ (اے مسلمانو!) یعنی یہ حکم رسول ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری امت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ یہاں تک یہ حکم استقبال کعبہ کل ملا کر چھ بار آ چکا ہے۔ اہل لطائف و

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ
اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لیا کرو ف۵۵۰ تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں
لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
حجت نہ رہ جائے ف۵۵۱ سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں ف۵۵۲
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ
سو تم ان سے نہ ڈرو ف۵۵۳ بلکہ (صرف) مجھی سے ڈرو ف۵۵۴ تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کروں ف۵۵۵
وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا
اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو ف۵۵۶ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں
مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
سے بھیجا ف۵۵۷ جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے ف۵۵۸ اور تمہیں
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے ف۵۵۹ جو تم نہیں جانتے تھے ف۵۶۰
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾
سو تم مجھے یاد کرتے رہو ف۵۶۱ میں بھی تمہیں یاد رکھا کروں گا ف۵۶۲ اور میری شکر گزاری کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو ف۵۶۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو ف۵۶۴
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ
بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہے ف۵۶۵ اور جو اللہ کی راہ میں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا
قتل ہو جائیں، انہیں مردہ نہ کہو (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں ف۵۶۶ البتہ

امرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے، مثلاً (۱) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اُسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے۔ (۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔ ف۵۵۱ (مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش، کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی ﷺ کا قبلہ، قبلہ ابراہیمی ہوتا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی ﷺ دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلہ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں) لِلنَّاسِ میں الناس سے مراد جملہ مخالفین ومعترضین ہیں ف۵۵۲ (یعنی رہے وہ کج فطرت معاندین جو اس کے بعد بھی اعتراضات پر اڑے رہیں گے سو اُن کی کچھ پروا ہی نہ کرو۔ الا للمعاندین منھم (کشاف) لا حجة لاحد علیکم الا الحجة الداحضة للذین من الیھود وغیرھم (بحر) اِلَّا کو یہاں ابوعبیدہ وبغوی نے واؤ کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے۔ (جصاص) ف۵۵۳ (اور نہ اُن کی بکواس کی کچھ پروا کرو) فلا تخافوا مطاعنھم فی قبلتکم (بحر) ف۵۵۴ (کہ میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے) ف۵۵۵ اتمام نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ ہے۔ بھدایتی ایاکم الی قبلة ابراھیم (معالم) واتمام النعمة بھدایتھم الیه من القبلة (بحر) وَلِاُتِمَّ کا عطف لِئَلَّا يَكُوْنَ پر ہے (جلالین)۔ خانہ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عنایت اور تکمیل نعمت اور کیا ہوگی ف۵۵۶ (اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقی کرتے رہو) شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جز وتعیین قبلہ واستقبال کعبہ بھی ہے۔ لَعَلَّكُمْ میں لعل کَیْ کا مرادف ہے۔ شک کے لیے نہیں "تاکہ" کے معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں، ان کو ہدایت یابی سے سرفراز کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے ف۵۵۷ كَمَا کا تعلق آیت ماقبل سے ہے۔ یعنی یہ اتمام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا، جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اس کے قبل ہو چکا ہے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا متعلق باتم ای اتماما کاتمامھا بارسالنا الرسول (جلالین) ف۵۵۸ (ہر طرح کے فسق وعصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے) رسول کی حیثیت محض پیام رساں اور مبلغ کی نہیں ہوتی، مزکی (پاک کرنے والے) کی بھی ہوتی ہے۔ رسول کی گوناگوں حیثیتوں پر حاشیے آیت نمبر ۱۲۷ کے ذیل میں گزر چکے ہیں ف۵۵۹ رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے۔ يُعَلِّمُكُمْ۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظ وعبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت ودانائی کے سبق، روحانیت کے اصول ومسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے سامعین کے رگ وریشہ میں اتارتا رہتا ہے ف۵۶۰ وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے، اس لیے قدرۃً اُس کی باریک بین، زور رس اور دقیقہ سنج نگاہ اُن دقیق حقائق تک پہنچ جاتی ہے، جو بڑے بڑے عقلاء ومفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول کی رسائی، عالم حقیقت کی اُن گہرائیوں تک ہو جاتی ہے، جو علم وعقل، کشف واشراق سب سے ماوراء ہیں۔ لیکون ارساله صلی اللہ علیه وسلم نعمة عظیمة ولولاہ لکان الخلق متحیرین فی امر دینھم لایعلمون ماذا یصنعون (روح) مالا سبیل الی معرفته الا بالوحی (مدارک) ف۵۶۱ (طاعت وعبادت کے ذریعہ سے) بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود ومقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، بیٹھتے چلتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا یہ بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْ۔ ابوبکر جصاص رازی ؒ نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور اُن کی عظمت وقدرت کا تفکر۔ وذکروا بالفکر فی دلائله وآیاته وقدرته وعظمته (احکام القرآن) اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے۔ وھو افضل الذکر، وسائر وجوہ الذکر مبنیة علیه وتابعة له (احکام القرآن) ف۵۶۲ (اپنے لطف وعنایت خاص سے) اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ، اُن پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْ اور اَذْكُرْكُمْ میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لانا علامت تخصیص کی ہے۔

مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔ اور یہی اصلی ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو ف۵۶۳ وَاشْكُرُوْا لِيْ۔ توحید، ایمان واسلام کے حقوق ادا کرتے رہنا ہی اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ کفر وشرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں گھرے رہنا یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے ف۵۶۴ یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ اُس کے آگے جھکتے رہو، گرتے رہو --- روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پرقوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہمہ بیں وہمہ داں، ناصر حقیقی ومحافظ حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے بنیان کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا! دُنیا میں رہ کر، زندگی کی کشاکش میں پڑ کر، مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی، اور اُمت وجماعت کو بھی۔ اور وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کر دیا۔ بِالصَّبْرِ۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔ الصبر الامساک فی ضیق (راغب) اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ الصبر حبس النفس علی مایقتضیه العقل والشرع (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔ الصبر والصلوٰۃ صبر ایک سلبی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ واحتیاط، دوسرے اوامر کا اتباع ف۵۶۵ اللہ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح، اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جس کے آثار حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا، جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ ؓ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے مراقبہ سے بڑھ کر نہ روح کے لیے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لیے کوئی مرہم تسکین، یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کے لیے جو ہر ناگوار کو خوشگوار ہر تلخ کو شیریں ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔ دور حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے، اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اُداسی، غمگینی، وفسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق ودمساز کوئی نہیں۔ ملاحظہ ہوں Psychology of Religions صفحہ ۶۶، ۶۷ وغیرہ James. کی Varieties of Religious Experiences کے مختلف مقامات۔ صبر۔ اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے۔ صلوٰۃ اسی کی ایک ممتاز صورت ہے۔ معیت الٰہی کی یہ نعمت جب صابرین کو ملے گی، تو نمازیوں کو بدرجۂ اولیٰ ملے گی۔ اور اسی لیے اس کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔ ولم یقل مع المصلین لانه اذا کان مع الصابرین کان مع المصلین من باب اولی لاشتمال الصلوٰۃ علی الصبر (روح) ف۵۶۶ (عالم برزخ میں ایک خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مردہ نہیں) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین حق کی راہ میں۔ مذہب صحیح کی خاطر۔ ای فی طاعته واعلاء کلمته (روح) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تو کوتہ فہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی، اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مردہ سمجھ رہے ہو، اُس میں وہ سرے سے مردہ ہی نہیں بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں۔ اصطلاح

میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لیے ہے، لیکن شہیدوں کو اُس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اُس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور مثل جسد زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں۔ تخصیص الشهداء لاختصاصهم بالقرب من الله تعالى و مزيد البهجة والكرامة (بیضاوی) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و روحانی دونوں ہوتی ہے۔ ذهب كثير من اهل السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد و ذهب البعض الى انها روحانية والمشهور ترجيح القول الاول (روح) آیت سے بہ قاعدہ دلالۃ النص یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو صرف کرنے والے اور انہیں ہوائے نفس میں لٹانے والے یکساں نہیں ہوتے۔ حیات شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہوئے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۵۶۲) ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کر کے بعض ائمہ نے شہید کے لیے غسل و نماز جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں، کہ اُن کی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن) **و ۵۶۷** (اس لیے کہ برزخ حواس ناسوتی سے مدرک نہیں ہوتا اور انسان اُس حیات عالی و لطیف کا ادراک اپنے حواس ظاہری کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے) انما هى امر لا يدرك بالعقل بل بالوحى (بیضاوی) لانها من احوال البرزخ التى لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها الا بالوحى (روح) لان حياتها لشهيد لا نظم حسًا (مدارک) ابن کثیر نے ایک حدیث نبوی نقل کر کے اور اس سے استنباط کر کے لکھ دیا ہے کہ ایسی حیات عام مومنین کو بھی حاصل رہتی ہے، البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر اُن کی عظمت و اکرام کے لیے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ ففيه دلالة لعموم المؤمنين ايضاً و ان كان الشهداء قد خصصوا بالذكر فى القران تشريفًا لهم و تكريمًا و تعظيمًا **و ۵۶۸** (بہ تقاضائے حکمت) خطاب مومنین صادقین سے چلا آ رہا ہے۔ انہیں بتایا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی یقیناً آئیں گی، لیکن بہ طور سزا و عذاب نہیں، بلکہ ابتلا و امتحان کے رنگ میں۔ اور اس ارشاد سے ان کی تسلی و تسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائش خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو یہ علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بِشَىْءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ملک کے جز و قلیل ہی سے متعلق ہوگا، کل سے متعلق نہیں۔ الْخَوْفِ۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ ہر اس کے اندر آ گیا۔ الْجُوْعِ۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے بچکچائے۔ نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ الْاَمْوَالِ۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملات سے دستبردار ہو جائے، اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں۔ چوری ہو جائے، آگ لگ جائے، ان سب پر صبر سے کام لے۔ الْاَنْفُسِ۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ الثَّمَرٰتِ۔ اولاد سے بھی مراد ہو سکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے مواقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرک جلی سے متعلق ہوتا ہے، اور خواص کا شرک خفی سے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔ **و ۵۶۹** صبر کرنے والوں کو، یعنی اُن بندوں کو جو حالت غم میں بھی حدود شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے، صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت و حکمت پر، اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانون فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں!

یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

و ۵۷۰ (حضور قلب کے ساتھ) تحصیل صبر میں عقیدۂ قلب، تلفظ زبانی پر مقدم ہے۔ مُصِيبَةٌ کے لغوی معنی افتاد کے ہیں۔ اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ كل شىء ساء المؤمن فهو مصيبة (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے، اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آ گیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، اولاد کی ہو تو ہین اور بے عزتی ہو۔ قُرِصَ عَلَى بَدَاءٍ۔ المصيبة كل ما اذى المؤمن فى نفسه او ماله او اهله صغرت او كبرت (بحر)۔ زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد اللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن تحصیل صبر کے لیے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں۔ قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہیے۔ الاسترجاع تسليم واذعان (مدارک) وَلَيس الصبر بالاسترجاع باللسان بل به و بالقلب (بیضاوی) قَالُوْا صورۃً صیغہ ماضی کا ہے۔ لیکن مقصود مومنین صابرین کی عادت کا بیان ہے۔ اذا۔ بیان کسی ایک اور اتفاقی واقعہ کے لیے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ یعنی جب جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔ والمعنى فى اذا هنا على التكرار و العموم (بحر) **و ۵۷۱** (خواہ آج خواہ چند روز بعد) آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں، اور تمام تر اُسی کی ملک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائیداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان! ع۔ جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ) انسان کے سارے رنج و غم، درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہو گیا، اور کوئی سی بھی شے ہو، سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب گلہ و شکوہ، رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ بڑے سے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں، رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اُسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔ غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی، تو یہی اُسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لیے دلالۃً کافی تھی۔ صبر ایک کیفیت نفسی کا نام ہے۔ اور اصلاً اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اُس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں (۱) درجۂ اعلیٰ۔ دل میں آیت کے معنی منقش ہوں، اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں (۲) درجۂ اوسط۔ دل میں معنی کا خیال کر لے، اور زبان سے ادا نہ کرے (۳) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دہرا دے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دہرا دے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے، اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے۔ اور یہی معمول آپ کے صحابیوں کا رہا ہے۔ رٰجِعُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آ جائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت و ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہو جائے گی، اُسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے، جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے **و ۵۷۲** (دنیا اور آخرت دونوں میں) اُوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا یہ سب اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یعنی یہ لوگ عنایت خاصہ کے مورد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے مناسب۔ وَرَحْمَةٌ۔ یعنی یہ لوگ رحمت عام کے مورد رہیں گے۔ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ دنیا میں ان کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں۔ یہاں تک کہ خود ان کے جسم و جان، نفس و روح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ جب یہ اُس کے پاس پہنچیں گے تو سب ہی کچھ پا لیں گے۔ جس نے اللہ کی رحمت عامہ و خاصہ کو پا لیا، اُس سے دنیا اور آخرت کی بچی ہی کونسی نعمت؟ اولٰئک هم الفائزون بمطالبهم الدينية والدنيوية فان من نال تزكية الله تعالى و رحمته لم يفته مطلب (روح) **و ۵۷۳** (نہ کہ دیوی دیوتاؤں کی یادگاروں میں سے) صفا و مروہ کسی زمانہ میں مسجد الحرام کے پاس دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلندیاں محض چٹان کی سی رہ گئی ہیں۔ صفا حرم شریف کی داہنی جانب ہے اور مروہ بائیں جانب۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ۴۹۳ قدم کا ہے، یا تقریباً ربع فرلانگ۔ صفا کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں، اور مروہ

کے بھی لفظی معنی سفید نرم پتھر کے ہیں۔ الصفا الحجارۃ الصافیۃ (راغب) قال المبرد و ھو کل حجر لا یخالطہ غیرہ من طین او تراب (روح) المروۃ فی الاصل الحجر الابیض (روح) حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت ہاجرہ ؑ حضرت اسمٰعیل ؑ کو شیر خوارگی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے پاس پیاسا اور تنہا چھوڑ کر اس تلاش میں نکلی تھیں کہ کہیں کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آ جائے، تو اُس سے پانی ہاتھ آئے، اور اس وقت اضطراب میں دوڑ کر اس پہاڑی سے اُس پہاڑی پر جاتی تھیں کہ شاید بلندی سے کسی قافلہ پر نظر پڑ جائے۔ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بطور علم کام دیں۔ شعآئر جمع ہے شعیرہ کی اور اس کے معنی ہیں علامت کے۔ جمع شعیرۃ و ھی العلامۃ (مدارک) ای اعلام طاعۃ و کل شئ جعل علمًا من اعلام طاعۃ اللہ فھو من شعائر اللہ (کبیر) ھی العلائم التی ندب اللہ الیھا و امر بالقیام بھا (بحر عن الزہری) اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔ ای من اعلام مناسکہ و متعبداتہ (مدارک) من معالم اللہ فی الحج (ابن عربی) ف۵۷۳ حج۔ عبادات اسلامی کا چوتھا رکن، یا نماز، روزہ، زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ۔ امت کے ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو بہ شرط استطاعت و صحت و امن راہ، عمر میں ایک بار فرض ہے۔ گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانگریس۔ ارکان حج۔ یعنی جو چیزیں فرض ہیں، وہ تین ہیں:۔ (۱) پوشش احرام۔ یعنی حدود حرم میں داخلہ سے پہلے عام لباس اُتار کر احرام یا بے سلا

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

تم ادراک نہیں کر سکتے ف۵۶۶ اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف

وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ

اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ

سے ف۵۶۸ اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ف۵۶۹ کہ جب ان پر کوئی

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ

مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں ف۵۷۰ کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

واپس ہونے والے ہیں ف۵۷۱ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہوں گی ان کے پروردگار کی طرف سے

وَرَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا

اور رحمت (بھی) یہی لوگ راہ یاب ہیں ف۵۷۲ صفا و مروہ

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ

بے شک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں ف۵۷۳ سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے

اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ

یا عمرہ کرے ف۵۷۴ اس پر (ذرا بھی) گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرے ف۵۷۵

وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے، سو اللہ تو بڑا قدردان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے ف۵۷۶

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے

ہوا لباس پہن لینا (۲) میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو حاضری۔ اصطلاح میں اسے وقوف کہتے ہیں (۳) طواف زیارت۔ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف۔ اور واجبات حج چار ہیں:۔ (۱) ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں مزدلفہ میں قیام (۲) صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت۔ اصطلاحی نام سعی ہے (۳) مزدلفہ میں قیام کے بعد منٰی میں کنکریاں پھینکنا۔ اصطلاحی نام رمی جمرات ہے (۴) طواف کعبہ۔ (یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طواف صدر کہلاتا ہے)۔ قربانی کرنا، سر کے بال اتروانا، وغیرہا بہت سے سنن و مستحبات ان کے علاوہ ہیں۔ عمرہ۔ اس کا دوسرا نام حج اصغر ہے۔ اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں۔ اور نہ اس میں وقوف عرفات ہے، اور قیام مزدلفہ و منٰی، سال کے ہر موسم میں اور ہر وقت ہو سکتا ہے۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے باہر باندھے۔ طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال اُتروائے، بس عمرہ ہو گیا۔ احرام کھول دے ف۵۷۵ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ صفا و مروہ کو نسبت تو توحید کے خاص الخاص گھرانے سے حاصل تھی۔ یعنی ہاجرہ اور اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام سے۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں قبضہ ان پر بھی مشرکوں کا ہو گیا تھا۔ اور ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک دیوی کی مورتی نصب ہو گئی تھی۔ مشرک تیرتھ کرنے جاتے تو انہیں بھی دوڑ دوڑ کر چھوتے اور چومتے۔ قرن اول کے مسلمانوں، صحابیوں کی توحید پرستی اور شرک بیزاری کا کیا پوچھنا۔ قدرۃً خیال گزرا کہ کہیں ان پہاڑیوں کے درمیان آمد و رفت شعائر شرک میں نہ قرار پائے۔ آیت میں اُنہی کا شبہ دُور کیا گیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ جاہلیت کی نہیں عین توحید کی یادگاریں ہیں۔ اس لیے اگر ان کے درمیان آمد و رفت اسلامی و توحیدی حج کا جزو بھی بن جائیں، تو اس میں مطلق مضائقہ نہیں۔ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ طوف کے اصلی معنی کسی چیز کے گرد گھومنے یا چکر کاٹنے کے ہیں۔ لیکن وسعت دے کر اس کے معنی مطلق آس پاس جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ اور یہاں مراد دو مقاموں کے درمیان آمد و رفت سے ہے۔ الطوف المشی حول الشئ (راغب) والمراد ھنا السعی بینھما (مدارک) یہ سعی صفا و مروہ کے درمیان، حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے۔ اور مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض ہے۔ یہ آمد و رفت سات بار ہوتی ہے۔ درمیان کا کچھ فاصلہ، تقریباً دو فرلانگ دوڑ کر چلنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام سعی (دوڑ) ہے۔ اس فاصلہ کی علامت کے طور پر سڑک کے کنارے دو پتھر سبز رنگ کے نصب کر دیے گئے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا۔ لیکن اب تو عین بازار ہے، اور صفا و مروہ کے درمیان خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے ف۵۷۶ (اس لیے اس کے ہاں نہ اعزاز و اکرام کی کمی کسی نیک کار کے لیے ہوگی، اور نہ وہ کسی کے اخلاص عمل سے ناواقف ہے) تَطَوَّعَ۔ تطوع ہر وہ چیز ہے فرض کے علاوہ جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے۔ خَيْرًا۔ خیر عام معنی میں ہے، ہر عمل خیر کو شامل۔ المراد منہ جمیع الطاعات (کبیر عن الحسن) و ھذا اولی لانہ اوفق لعموم اللفظ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو، کسی نوعیت اور کسی درجہ کا، جو بھی انسان خوشی سے انجام دے گا، اُس کا اجر اسے مل کر رہے گا۔ شَاكِرٌ۔ شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ بہت زائد دیتا ہے۔ الشکر من اللہ تعالٰی ان یعطی لعبدہ فوق ما یستحقہ یشکر الیسیر و یعطی الکثیر (معالم) عَلِيْمٌ۔ یعنی نیتوں تک سے واقف۔ علیم بنیتہ (معالم) ابھی ایک ہی آیت اُوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا، اُس کے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا، علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے۔ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ اور مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے۔ سنن و مستحبات کا کیا ذکر ہے۔ اشتعال کے باوجود زبان پر قابو رکھیے، ہاتھ پیر پر قابو رکھیے، کان اور آنکھ پر قابو رکھیے۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہر طرح ہو جاتا ہے۔ ف۵۷۷ یعنی کتب سابق کے مضامین اور پیشین گوئیوں کو دانستہ چھپاتے ہیں۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی اور مشاہیر تابعین سب کا اتفاق ہے۔ نزلت فی اھل الکتب من الیھود و النصارٰی (کبیر۔ عن ابن عباس و مجاہد و الحسن و قتادۃ و الربیع و السدی و الاصم) الاقرب انھا نزلت فی الیھود و الحکم عام (روح) يَكْتُمُوْنَ۔ اور حق پوشی بھی اس غضب کی کہ محض سکوت پر

کفایت نہیں کرتے، بلکہ الٹی حق کی مخالف شہادت دے گزرتے ہیں۔ کتمان کا اطلاق اس اخفاء پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے، اور جس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو۔ الکتمان ترک اظھار الشیٔ قصداً مع مساس الحاجة الیه (روح) البینٰت والھدٰی۔ بینات وہ نشانیاں ہیں جو بجائے خود واضح و صریح ہیں۔ ہُدٰی وہ ہے جو دوسروں کے لیے ذریعۂ ہدایت بن سکے۔ یہاں بینات سے مراد رسالت محمدیؐ کے دلائل و شواہد ہیں۔ اور ھُدٰی سے مراد احکام شریعت ہیں۔ بیناہ میں وہی ضمیر ما انزلنا کی طرف ہے۔ یعنی اس مضمون کو اس مفہوم کو۔ الکتٰب سے مراد جنس کتاب یعنی قدیم کتب آسمانی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جو اپنے مریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے، کہ یہ علوم ما انزل اللہ کے عموم میں داخل ہیں۔ البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے وہ مذموم نہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوف فتنہ بھی ہے وا۵۷۸ (خواہ وہ لعنت کرنے والے جنس آدم سے ہوں یا جنات ہوں یا ملائکہ ہوں یا اور کوئی مخلوق ہوں) لعنة پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنے سے دور اور اپنے فضل و کرم سے محروم کر دیتا ہے۔ ای بمعادھم عن رحمته (روح) و ذلک من اللہ تعالی فی الاٰخرة عقوبته و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمته و توفیقه (راغب) مخلوق کی لعنت یہ ہے کہ ان بدکاروں کے لیے بددعا کی جائے، ان کے لیے حق تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اس کے فضل و کرم سے محرومی طلب کی جائے۔ ومن الانسان دعاء علی غیرہ (راغب) بمعنی الدعاء علیھم بالابعاد عن رحمة اللہ تعالی (روح) لفظ لعنت قدیم صحیفوں کا بھی چلا

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ

نازل کر چکے ہیں، بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں وا۵۷۸

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں وا۵۷۸ البتہ جو

الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ

لوگ توبہ کر لیں وا۵۷۹ اور درست ہو جائیں وا۵۸۰ اور ظاہر کر دیں وا۵۸۱ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ میں ان پر متوجہ ہو

عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جاؤں گا رحمت سے وا۵۸۲ اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں، وا۵۸۳ بے شک جو لوگ کفر

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

کرتے ہیں اور مر جائیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہیں، سو یہی لوگ ہیں کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی،

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی وا۵۸۴ وہ اس میں پڑے رہنے والے ہیں۔ وا۵۸۵

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

کہ نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہونے پائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی وا۵۸۶

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ بجز اس کے کوئی خدا نہیں، وا۵۸۷ بے حد رحم و کرم کرنے والا،

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بار بار رحم کرنے والا وا۵۸۸ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ

اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو

ہوا محاورہ ہے۔ ملاحظہ ہوں توریت میں استثنا ۲۶:۱۱، ۲۷ و ۲۸ نیز ۸:۱۵، ۲۱ وغیرہ اور انجیل میں مرقس ۱۴:۷۱، یوحنا ۷:۴۹ وغیرہ۔ فقہاء نے آیت مذکور سے استدلال کیا ہے کہ عالم پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان واجب ہے۔ استدل بھا علماء نا علی وجوب تبلیغ الحق و بیان العلم علی الجملة (ابن العربی) وا۵۷۹ (اپنے پچھلے جرائم سے) توبہ کرنے سے مراد ہے باز آنا، نادم ہونا، اور عزم ترک کے ساتھ عذر خواہی کرنا وا۵۸۰ یعنی آئندہ کے لیے اپنی اصلاح حال کر لیں وا۵۸۱ (اپنی آسمانی کتابوں کے ان مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے ہیں) یہاں مراد ہیں اسلام و پیغمبر اسلام سے متعلق پچھلے صحیفوں میں پیش خبریاں۔ خلاصہ یہ کہ یہ مجرم اگر ماضی پر نادم ہو کر اب بھی ایمان لے آئیں، اور تلافی مافات پر آمادہ ہو جائیں وا۵۸۲ یعنی یہ تائبین نہ صرف لعنت کی زد سے باہر ہو جاتے ہیں، بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجاتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اپنی انہی بدکرداریوں پر اصرار رکھتے ہیں، ان پر سزا بھی قائم رہتی ہے۔ واما الذین ماتوا علی الکتمان و لم یتوبوا عنه فقد استقرت علیھم اللعنة ولم تزل عنھم (روح) اصلحوا و بینوا۔ توبہ اور قبول توبہ کا مضمون قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، یہاں توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے۔ یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار۔ محققین نے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی حق تلفی ہوتی ہے۔ مثلاً نماز یا روزہ کا ترک۔ ان کے لیے محض توبہ و استغفار کافی ہے، کہ اس کا تعلق صفت ربانیت و رحیمیت سے ہے۔ لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ مثلاً قتل، چوری، رشوت، غصب، فساد، بدامنی، سود خوری، عقائد باطلہ کا اعلان، ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر مستقیم معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کر لے۔ جب جا کر توبہ قبول ہوگی کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے۔ وا۵۸۳ قرآن مجید کا بار بار صفت رحیمی اور قبول توبہ پر زور دینا ایک طرف ان گمراہ قوموں (مثلاً بودھ مت والوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں ”کرم“) ہر حال اور ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے، اور کوئی خدائی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور دوسری طرف ان گمراہ قوموں (مثلاً مسیحیوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا نے تعوذ صفت رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، اور اس کی صفت عدل کے تقاضہ کو پورا کرنے اور گنہگاروں کو معافی دلانے کے لیے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے وا۵۸۴ اجمعین کا لفظ تاکید کے لیے آیا ہے، اور اس کا تعلق اللہ اور ملائکہ اور الناس تینوں سے ہے۔ محض الناس سے نہیں۔ واجمعین تاکید بالنسبة الی الکل لا للناس فقط (روح) لعنۃ اللہ۔ اہل سنت کے ہاں کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ بغیر کسی کو متعین کیے ہوئے مبہم و مطلق صورت میں جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ چور پر لعنت ہو۔ فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنة اتفاقاً و اما لعن العاصی مطلقاً یجوز اجماعاً (ابن العربی) بلکہ حدیث صحیح میں تو مومن پر لعنت اس کے قتل کے مثل بتائی گئی ہے۔ و فی صحیح مسلم لعن المؤمن کقتله (ابن العربی) وماتوا وھم کفار۔ بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک پر بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ ماتوا کی قید نے صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے ان کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی۔ اور اصل مدار خاتمہ اعمال یا وفات پر ہے۔ قال لی کثیر من اشیاخی ان الکافر المعین لایجوز لعنه لان حالته عند الموافاة لا تعلم (ابن العربی) و قد شرط اللہ تعالی فی ھذہ الاٰیة فی اطلاق اللعنة الموافاة علی الکفر (ابن العربی) عبرت حاصل کرنا چاہیے ان مسلمانوں کو جو اپنے کسی بھائی کو خرش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجتے ہیں وا۵۸۵ (ہمیشہ ہمیش کے لیے) خٰلدین۔ خلود کے معنی ہیں لازم پکڑ لینے کے۔ یعنی اسی لعنت و عذاب میں جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ الخلود اللزوم الطویل ومنه یقال اخلد الی کذا ای لزمه و رکن الیه (کبیر)۔ فیھا۔ ضمیر دوزخ کی طرف ہے۔ اور بعض نے لعنت کی طرف راجع کی ہے۔ ای فی اللعنة او النار (بیضاوی) اور بجائے اسم کے ضمیر لانے سے مقصود اظہار عظمت و اہمیت ہے۔ انما اضمرت تفخیماً لشانھا و تھویلاً (کشاف) وا۵۸۶ تخفیف کا تعلق بعد عذاب سے ہے

اور مہلت کا تعلق قبل عذاب سے ہے۔ یعنی دوزخ میں پڑنے کے بعد نہ کسی قسم کی تخفیف اُن کے عذاب میں ہوگی اور نہ عذاب میں پڑنے سے قبل ہی کوئی مہلت انہیں ملے گی **ف۵۸۷** (نہ بڑا نہ چھوٹا۔ نہ ملکی نہ غیر ملکی) یہاں خطاب ساری نوع انسانی سے ہے۔ نفس وجود باری تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا، جس طرح آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے، یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی، دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ اُن کی قوت کے قائل تھے، اُن کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف اُن کی عبادت کے منکر تھے۔ اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہی ہوگا! -- گویا خدا بھی جذبات و احساسات کے لحاظ سے انسان کا مثنیٰ ہوتا تھا۔ قرآن نے آکر اس عقیدہ پر بھی ضرب کاری لگائی۔ اور دعوے سے بار بار اعلان کیا کہ قابل پرستش ہونا کیسا، کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں، نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا، کسی ملکی کا نہ غیر ملکی کا! اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے! ہمارے قدیم مفسرین بھی بغیر جدید علم الاقوام (اتھنالوجی) کی کسی تحقیق کے اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے۔ ازاحة لان یتوھم ان فی الوجود الٰھا ولکن لا یستحق منھم العبادة (بیضاوی) **ف۵۸۸** یعنی مظہر کامل رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی۔ دونوں صفتیں اسی پر ختم ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہ اس صفت میں، نہ اس صفت میں

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اللہ نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد جلا اٹھایا

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیئے، اور ہواؤں کے بدلنے میں،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں) ان لوگوں کے لئے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ

جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں، **ف۵۸۹** اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

بھی شریک بنائے ہوئے ہیں **ف۵۹۰** ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہیے) **ف۵۹۱**

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں **ف۵۹۲** اور کاش ظالم جب عذاب کو

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

دیکھ لیتے **ف۵۹۳** تو سمجھ لیتے کہ قوت اللہ ہی کی ہے ساری کی ساری، **ف۵۹۴**

وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے **ف۵۹۵** (اس وقت کا خیال کرو) جب

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ

مقتدا (یا متبوع) اپنے مقتدیوں (یا پیرووں) سے الگ ہو جائیں گے **ف۵۹۶** اور ان کے

ف۵۸۹ (اللہ کی حکمت و ربوبیت، قدرت، صناعی، اور اس کی فردیت کی) زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی اُن کی صانع و خالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، ان کی یکرنگی و باقاعدگی، ان کا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ اُن کے عقب میں ایک ذی اختیار فعال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے -- اسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے! اور یہ خلاق ہستیاں اگر بہ صیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق ان سارے امور کے لیے کافی نہ تھا۔ اس سے اُس کا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد یکہ بھی ماننا پڑے گا۔ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ کوئی نہیں۔ مشرک قوموں نے انہیں معبود مانا ہے، اور صاحب تصرف و حاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ 'خلق' سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح مخلوق ہی ہیں۔ اور آکاش دیوتا، دھرتی ماتا، وغیرہ قسم کے الفاظ نرے بے معنی اور مہمل ہیں۔ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے، جنہوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ و تصرف مان کر انہیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور اُن کی پوجا کی ہے۔ یہاں اُن کے اختلاف (اول بدل) کا ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ ان کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، یہ وقت و زمان کے بے حس بے جان اجزا تو خود اپنی حرکت تک پر قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ الْفُلْكِ۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہوگئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔ فُلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لانچ، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہوسکیں، سامانِ جنگ کے لیے یا سامان تجارت کے لیے، یا بہ غرض تفریح، مَا يَنْفَعُ النَّاسَ (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع و منفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔ ای بالذی ینفعھم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بھا اموالھم (قرطبی) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ السَّمَآءِ کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لیے عام ہے۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دَآبَّةٍ عام ہے ہر حیوان کے لیے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، کچھوے وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔ زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اس کے اور چاند، سورج اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اس کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی

ہے؟ آفتاب سے اِسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دستِ قدرت اس تک لا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس، مادّی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حدِ نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں اُن کی وضع، ساخت، ترکیب ہیئت، انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! گنتی شمار سے باہر ثوابت وسیار کے سکون وحرکت کا انتظام کون قائم کیے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور ان کے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظامِ فلکی کے بے شمار اجزاء وعناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وصنعت کے دم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات، ہر موسم میں اُن کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں اُن کے طلوع وظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے، جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ بحر زخار، سارے بر اعظموں کو اپنی گرفت میں لیے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چہار چند، اپنی اس ساری عظمت وہیبت کے باوجود، کس طرح مشتِ خاک انسان کے قبضہ میں آ گیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کر کے رکھ دیتا ہے! اس میں مد وجزر جب ہوگا قمری مہینہ کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا، ایک مخصوص ومتعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اُوپر تیرائے گا، اور اس کے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دے گا۔ اس کے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا، کنوؤں کے پانی سے مختلف، دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے بیسیوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے رکھا ہے؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یہ خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا بخارات کا ایک خاص گرمی پا کر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اُوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پا کر اُن ذخانی وہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا، اُن کا بادل کی شکل اختیار کر لینا۔ ایک خاص درجہ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے از سرِ نو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ردّ وبدل کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیاتِ نباتی کے علاوہ خود حیاتِ حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے۔ ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان کی جو ایک مخصوص ترتیب، اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے، ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس لف میں نشر، اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظامِ تغذیہ، نظامِ تنفس، نظامِ تناسل، نظامِ عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بیشمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظامِ اعظم کی تکوین وقیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کارفرما ہے؟ اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ سنجی سے کام لے گا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اُس کی اگر صحیح ہو جائے اور ان علوم مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کر دیا جائے، تو بجائے الحاد، ارتیاب وتشکک کے عرفان وایقان ہی کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے، اور یہی اصل ہے مراقبہ صوفیہ کی۔ و٥٩٠ اَنْدَادًا۔ ند کے لفظی معنی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۸ پارہ ۱۔ اَنْدَادًا سے مراد عموماً مورتیوں، بتوں، دیوتاؤں سے لی گئی ہے۔ المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونہا (قرطبی) المراد بہا الاصنام کما ھو الشایع فی القرآن والمروی عن قتادۃ و مجاھد و اکثر المفسرین (روح) رؤسا سردار، اور مقتدایانِ قوم بھی مراد لیے گئے ہیں۔ قیل الرؤساء الذی یطیعونھم طاعۃ الارباب من الرجال (روح) انھا السادۃ الذین کانوا یطیعونھم (کبیر۔ عن السدی) تیسرا قول یہ ہے کہ مفہوم ان سب سے وسیع تر ہے اور لفظ کا عموم ہر ایسی چیز کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا قلب پر مسلط ہو جائے،

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صوفیا اور عارفین کی جانب منسوب کیا ہے۔ القول الثالث قول الصوفیۃ والعارفین و ھو ان کل شیء شغلت قلبک سوی اللہ تعالیٰ فقد جعلتہ فی قلبک ندًا للہ تعالیٰ (کبیر) قیل المراد اعمّ منھا و ھو ما یشغل عن اللہ تعالیٰ (روح) و٥٩١ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور "پھر روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے۔ اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ دُرگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا وغیرہ دیویوں دیوتاؤں کے ساتھ، اور رشیوں، منیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے۔ تُحِبُّوْنَهُمْ۔ اس فقرہ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ غیر اللہ سے نفسِ محبت ممنوع نہیں۔ بلکہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں، رفیقوں سے تو محبت درجۂ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے۔ ائمہ شریعت وطریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب، بلکہ کسی حد تک تو واجب بھی ہے۔ البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجۂ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے --- "یاعلی" "یاحسین" "یاخواجہ" "یاغوث" "یاوارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لیے باقی رہ گیا، اور کتنا دوسروں کی نذر ہو چکا ہے و٥٩٢ یعنی مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی تمام دوسری محبتوں پر غالب وحاکم رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً اُنس ومحبت ہی کا ہوتا ہے --- کاش اس آیت کو وہ مسیحی مشنری آنکھ کھول کر پڑھیں جن کے نزدیک اسلام کا خدا ایک دہشت ناک قسم کا معبود ہے! و٥٩٣ (دیکھ لیتے) یری یہاں یعلم کے معنی میں ہے۔ و یری بمعنی یعلم (قرطبی) لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ و جواب لو محذوف والمعنی لو علموا فی الدنیا شدۃ عذاب اللہ (جلالین) اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا۔ اپنے حق میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والے۔ یعنی مشرکین و٥٩٤ (اور کوئی شخص اس عذاب کے دُور کرنے پر قادر نہیں)" اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم مشرکین جب دُنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور دوسرے سب اُس کے سامنے عاجز ہیں۔ اور اسی مصیبت کی شدت میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ دار الجزاء ہے اور بھی سخت ہوگا تو اس طرح غور کرنے سے تراشے ہوئے معبودین کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت منکشف ہو کر توحید وایمان اختیار کر لیتے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و٥٩٥ (آخرت میں) اس شدتِ عذاب کا پورا ظہور عالمِ آخرت ہی میں ہوگا و٥٩٦ (قیامت میں) یہاں اُس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جب قیامت میں مشرکین کے خواص، علماء وامراء اپنے عوام اور اپنے مقلدین اور رعایا سے علیحدگی کا اعلان کر دیں گے، اور اُنھیں بے یار ومددگار چھوڑ دیں گے و٥٩٧ اہلِ باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں، اُستادی شاگردی کے، ہم نسبی وقرابت کے، ہم وطنی اور دوستی کے، یہ سب اِسی دُنیا تک محدود ہیں۔ آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ ومعاینہ کا وقت ہوگا، سب ایک دُوسرے سے بے تعلق بلکہ آپس میں مخالف نظر آئیں گے۔ یہ قرآن ہی کی نص ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ بھم میں ب۔ عن کے معنی میں بھی لی گئی ہے۔ بھم ای عنھم (معالم) قیل بھم بمعنی عنھم (عکبری) اور ب سببیہ بھی مانی گئی ہے۔ یعنی یہ قطعِ تعلق بسبب کفر کے ہوگا۔ الباء ھنا للسببیۃ والتقدیر و تقطعت بسبب کفرھم (عکبری) الباء للسببیۃ ای تقطعت بسبب کفرھم الاسباب التی کانوا یرجون منھا النجاۃ (روح) و٥٩٨ (غم وغصہ اور جذباتِ انتقام کے ساتھ) و٥٩٩ (دنیا میں) کافروں کی زبان سے آخرت میں، دُنیا میں ایک بار پھر جانے کی تمنا وحسرت کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے و٦٠٠ یعنی یہ حسرت بھی پوری نہ ہوگی، اور یہ خلش کانٹا بن کر ہمیشہ کھٹکتی ہی رہے گی و٦٠١ سزائے دوزخ کے دوام وخلود پر یہ ایک نص صریح ہے۔ بِخٰرِجِیْنَ میں ب خبر کی تاکید اور تائید کا کام دے رہی ہے۔ اُردو ترجمہ میں بھی یہی کیا جا سکتا ہے۔ دلیل علی خلود الکفار فیھا وانھم لا یخرجون منھا (قرطبی) بل ھم فیھا دائمون (مدارک) افادۃ للمبالغۃ فی الخلود و الاقناط عن الخلاص و زیادۃ الباء لتاکید النفی (روح) و٦٠٢ یعنی کھا سکتے ہو۔ بالکل جائز ہے کہ کھاؤ پیو۔ کھانے کی اجازت مل رہی ہے نہ کہ حکم۔ مراد یہ نہیں کہ لازمی طور پر کھاؤ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ دینِ حنیف ابراہیمی کو چھوڑ کر یہود، نصاریٰ، مشرکین، سب ہی کھانے پینے کے باب میں طرح طرح کی غلط روی اور کج راہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور غلط کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کے حکم میں رکھ رہے تھے۔ و مِمَّا فِی الْاَرْضِ میں من تبعیضیہ ہے۔ من للتبعیض

اذلا یو کل کل ما فی الارض (بیضاوی) حٰلٰلا۔ جو غذائیں ہوئے خود جائز ہیں، اور حرام نہیں کی گئی ہیں۔ فالحلال ما احله الشرع (معالم) المراد منه ما یکون جنسه حلالا (کبیر) طیبا۔ یعنی جو غذائیں حاصل بھی جائز ذرائع سے ہوئی ہوں۔ اور جن میں غیر کا حق نہ ہو۔ مثلاً بیع فاسد سے ہو، اجرت فاسدہ ہو، وغیرہا۔ المراد منه ان لایکون متعلقا به حق الغیر (کبیر) الطیب الطاهر (معالم) ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمۂ حلال کا التزام کرلو، خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔۔۔ یہ ہے اسلام میں اکل حلال کی اہمیت! **و۶۰۳** (اللہ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھہرا کر) حکم تو عام ہے ہر شیطانی روش کے لیے۔ لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ تعلق، حرام و حلال غذاؤں سے ہے۔ والصحیح ان اللفظ عام فی کل ما عدا السنن والشرائع من البدع والمعاصی (قرطبی) **و۶۰۴** (اور اسی دشمنی کے تقاضے سے انسان کو انہی صلاحیتوں اور قانون الٰہی توڑنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اس سے کسی نفع کی، خیر خواہی کی توقع ہی نہ رکھو **و۶۰۵** انما کلمہ حصر کا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا۔ کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی نہیں۔ دلت الاٰیة علی ان الشیطان لایامر الا بالقبائح لانه تعالٰی ذکره بکلمة انما و هی للحصر (کبیر) سوء و فحشاء دونوں لفظ متقارب المعنی ہیں، لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسند یدہ ہو، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے برا ٹھہرایا ہے۔ السوء والفحشاء ما انكره العقل واستقبحه الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی) یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی معین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباس سے منسوب ہیں۔ السوء ما لا حد فیه والفحشاء ما فیه حد حکی عن ابن عباس وغیره (قرطبی) **و۶۰۶** یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ۔ قول کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی کے نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ فیدخل فی هذا کل کافر و کل مبتدع ایضا (ابن کثیر) ویدخل فیه کل ما یضاف الی اللہ تعالٰی مما لا یجوز علیه (مدارک) **و۶۰۷** مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ۔ یعنی اللہ نے جو کچھ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اتارا ہے۔ مراد یہ کہ جب ان سے ماننے شریعت الٰہی کی تحقیق میں آنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ **و۶۰۸** گویا طریق آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی ان کے نزدیک نہیں۔ اور یہی جمود عین جہالت و ضلالت ہے۔ آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔ **و۶۰۹** یعنی نہ فہم دین اور اس کے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا۔ المراد انهم لا یعلمون شیئا من الدین (کبیر) لَا یَهْتَدُوْنَ۔ ای لایهتدون الی الحق (روح) بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ قاعدۂ اقتضاء النص اس کا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، بلکہ جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ عین مطلوب ہے! کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور ان پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور ان پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی! **و۶۱۰** (بے حسی اور نافہمی میں) ذکر داعی حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت دعوت، کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔ علی حذف مضاف تقدیره مثل داعی الذین كفروا (بیضاوی) ای مثل داعیهم الی الایمان (کشاف) فیها مضاف محذوف اما من جانب المشبه او المشبه به (روح) **و۶۱۱** یعنی اس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اس کے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔ مثل الدابة تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لها كذلك الكافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صُمٌّ۔ یعنی بہرے ہیں، آواز حق کی طرف سے۔ صُمٌّ عن الحق فلا یسمعونه ولا ینتفعون به (ابن جریر۔ عن قتادۃ) بُکْمٌ۔ یعنی اقرار حق کے لیے ان کی زبان گونگی ہے۔ بُکْمٌ عن الحق فلا ینطقون به (ابن جریر۔ عن قتادۃ) عُمْیٌ۔ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الهدٰی فلا یبصرونه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔ "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ ان کی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں۔" (یسعیاہ۔ ۴۴: ۱۸) **و۶۱۲** یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغۂ امر یہاں بمعنی اجازت ہے، بہ معنی حکم نہیں۔ کلوا فی هذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحة (کبیر) کُلُوْا۔ یہاں لفظی معنی میں صرف کھانے تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آ گیا۔ المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوه

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

باہمی تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے **و۵۹۷** اور پیرو کہنے لگیں گے، **و۵۹۸**

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا

کاش ہم کو پھر ایک دفعہ (جانا) مل جاتا **و۵۹۹** تو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں، جیسے یہ ہم سے

مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

الگ ہو گئے، بس اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو انہیں (خالی) ارمان (کر کے)

عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا

دکھائے گا، **و۶۰۰** اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نہ نکل پائیں گے **و۶۰۱** اے

النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا

انسانو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) **و۶۰۲** اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو **و۶۰۳** وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن

مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ

ہے **و۶۰۴** وہ تو تمہیں بس برائی اور گندگی ہی کا حکم دیتا ہے **و۶۰۵** اور اس کا کہ تم

تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ

اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جس کا تم علم نہیں رکھتے ہو **و۶۰۶** اور جب ان سے کہا

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ

جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو **و۶۰۷** تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس

اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے، **و۶۰۸** خواہ ان کے باپ (دادا) نہ ذرا

يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ

عقل بھی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں، ف۶۰۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کا حال تو

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

اس شخص جیسا ہے ف۶۱۰ جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز

دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

بلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے ف۶۱۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو ف۶۱۲

وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو ف۶۱۳ اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو ف۶۱۴ اس نے تو

حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ

تم پر بس مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور جو

وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ

(جانور) غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو حرام کیا ہے، ف۶۱۵ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے ف۶۱۶ اور نہ تو

وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

سرکش ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ف۶۱۷ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۶۱۸

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں

وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا یَاْكُلُوْنَ

اور اس کے معاوضہ میں قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں ف۶۱۹ سو ایسے لوگ تو اپنے پیٹوں میں

(قرطبی) و کلوا العموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃ و عبارۃ (روح) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب اب تک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال وحرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال وحرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔ طَیِّبٰتِ۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔ ف۶۱۳ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) اشْكُرُوْا۔ شکر اس امر کا ہے کہ اس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال وطیب۔ یہاں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا قد امرا ولیس باباحۃ (کبیر) ف۶۱۴ یعنی اگر اپنے دعویٰ ایمان واخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اس کے مقرر کیے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔ ف۶۱۵ یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں، نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔ یہاں تردید تمام مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں، ان سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔ لیس المراد من الاٰیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقا بل مقید بما اعتقدوہ حلا لا (روح) الْمَیْتَةَ۔ میتہ یا مردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے از خود مر جائے، یا ہلاک تو کیا جائے لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔ ھو غیر المزکی اما لانہ لم یذبح او انہ ذبح و لکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر) وھی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک) زندہ جانور کے اندر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مرداری کے حکم میں داخل ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں مردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اس سے نفع اٹھانا ہی ہوا۔ وہ کہتے ہیں قرآن میں مردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔ قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی وجہ ولا یطعمھا الکلاب والجوارح لان ذلک ضرب من الانتفاع بھا و قد حرم اللہ المیتۃ تحریما مطلقا معلقا بعینھا (جصاص) لیکن بعد دباغت کے بعد مردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث وآثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح و سفیان الثوری و عبداللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ (جصاص) والحجۃ لمن طھرھا وجعلھا زکاۃ ماورد عن النبی ﷺ من الاٰثار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلھا یوجب طھارتھا والحکم برکاتھا (جصاص) اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔ ایما اھاب دبغ فقد طھر (عن ابن عباس ؓ) دباغ جلود المیتۃ طھورھا (عن زید بن ثابت) زکاۃ الادیم دباغتہ (عن سلمۃ بن المحبق) دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی دوسرے ٹڈی۔ وقد احلت المیتتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ھذہ الاٰیۃ فلھا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتا الحوت والجراد اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) فقیہ مفسر ابن عربی نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی بھی جائز ہیں۔ وقال ابو عمر و لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس و سائر من لا کتاب لہ من الکفار مالم یکن من ذبائحھم (قرطبی) الدَّمَ یعنی خون جاری یا سیال۔ المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک) اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے اور فقہا کا متفق فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے وہ اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔ وحمل العلماء ھھنا المطلق علی المقید اجماعا (ابن العربی) اس پر فقہاء امت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اٹھانا جائز ہے۔ اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یوکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی) حدیث صحیح کی رو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی، اور ان کی حلت پر فقہائے امت کا اجماع ہے۔ احلت لنا دمان الکبد و الطحال اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر وطحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس تخصیص واستثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ والصحیح انہ لم یخصص وان الکبد والطحال لحم یشھد بذلک العیان الذی لا یعارضہ بیان ولا یفتقر الی برھان (ابن العربی) وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر کی آئی ہے لیکن فقہ امت کا اجماع ہے کہ سور کا صرف گوشت ہی نہیں، بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لیے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اس کے تحت وتابعیت میں جانور کے دوسرے اجزاء بھی آگئے۔ یعنی الخنزیر بجمیع اجزائہ و خص اللحم لانہ المقصود بالاکل (مدارک) اتفقت الامۃ علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ (ابن العربی) بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی حرمت کہاں لازم آتی ہے۔ فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل عجم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہ نہیں جانتے کہ لفظ لحم میں شحم شامل ہے۔ البتہ شحم میں لحم شامل نہیں جس طرح ہر لحم شحم ہے لیکن ہر شحم لحم نہیں۔ وھم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحما فقد قال شحما ومن قال شحما فلم یقل لحما اذ کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی) رہی اس کے جسم کی نجاست،

تو جمہور فقہاء اس کے بھی قائل ہیں۔ قال الجمہور العلماء انه نجس (ابن العربی) البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سور کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔ قال مالک انه طاهر و کذلک کل حیوان عنده لان علة الطهارة عنده هي الحیاة (ابن العربی) سور کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اس کے بالوں سے نفع اُٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کا جواز مذکور ہے۔ لا خلاف ان جملة الخنزیر محرمة الا الشعر فانه یجوز الخرازة به و قد روی ان رجلاً سال رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الخرازة بشعر الخنزیر فقال لا باس بذلک (قرطبی) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ و اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سور کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔ وقد اختلف الفقهاء في جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابو حنیفة و محمد یجوز الانتفاع به للخرز وقال الشافعي لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص) فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اُس کی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ قذر الشيء (''وہ چیز گندی ہوگئی'') سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً Hog, Swine, Pig, یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں مثلاً Ham, Pork, Bacon ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔ اور اس کے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح متعین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔ آج ''مسیحی'' قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اس کی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جا بجا کیے ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں:۔ ''اور سور کہ کھر اُس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے'' (احبار ۱۱:۷) ''اور سور بھی کہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا، اور یہی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو، نہ اُس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔'' (استثناء۔ ۱۴:۸) وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اهلال کے اصلی معنی آواز بلند کرنے، پکار کر دینے، شہرت دے دینے کے ہیں۔ هو رفع الصوت عند رؤیة الهلال ثم یستعمل لکل صوت (راغب) الاهلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ولا خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اُهلّ بها لغیر الله عند الذبح (جصاص) ''در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر الله۔ یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے ست ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔'' (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو، البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے۔'' (تھانوی)۔ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کرے گا، تو بھی وہ حرام ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ ذبح لقدوم الامیر و نحوه کواحد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو اصلیة ذکر اسم الله تعالی (درمختار) بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرے گا، تو مرتد ہو جائے گا، اور اُس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائے گا۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحة و قصد بذبحها التقرب الی غیر الله صار مرتدًا و ذبیحته ذبیحة مرتد (کبیر) ۶۱۶ یعنی مجبور ہو کر حرام غذا کے استعمال پر۔ ای فمن اضطر الی شیٔ من هذه المحرمات ای احوج الیها (قرطبی) اِضْطُرَّ اضطرار۔ ضرورت سے مشتق ہے، اور اس کے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدرت کفایت کھایا جا سکتا ہے۔ شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں:۔ (۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔ (۲) یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔ وهذه الضرورة لها سببان احدهما الجوع الشدید و الثاني اذا اکرهه علی تناول مکره (کبیر) الاضطرار لا یخلو ان یکون باکراه من ظالم او بجوع في مخمصة والذی علیه الجمهور من الفقهاء والعلماء في معنی الآیة هو من صیره العدم والغرث وهو الجوع الی ذلک (قرطبی) ۶۱۷ (ان حرام چیزوں کے کھا لینے میں) بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔ بل ربما یاثم بترک التناول (روح) اس لیے کہ حفظ نفس تو اولین فرائض میں سے ہے، اور ایسے موقع پر غذا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ ولا خلاف انه لا یجوز له قتل نفسه بالامساک عن الاکل وانه مامور بالاکل علی وجه الوجوب (قرطبی) لو ترک الاکل تلف نفسه وتلک اکبر المعاصي (قرطبی) وقال الطبری لیس الاکل عند الضرورة رخصة بل ذلک عزیمة واجبة ولو امتنع من الاکل کان عاصیا (بحر) وقال مسروق بلغني انه من اضطر الی المیتة فلم یاکل حتی مات دخل النار کانه اشار الی انه قاتل نفسه بترکه ما اباح الله له (بحر) غَیْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو، اور وہ شخص طالب لذت نہ ہو۔ ضرورت واقعی ہو، یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغٍ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک، دوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔ وَّلَا عَادٍ۔ اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بہ قدر ضرورت کھائے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔ قال الشافعي و ابو حنیفة و اصحابه لا یاکل المضطر من المیتة الا قدر ما یمسک رمقه (کبیر) ۶۱۸ غَفُوْرٌ۔ ایسا مغفرت والا کہ بعض حالات میں جرائم پر بھی مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ انہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔ رَّحِيْمٌ۔ ایسا شفقت والا کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچا دیتا ہے ۶۱۹ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفا و کتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا ۶۲۰ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی ان کی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی ۶۲۱ (بہ طریق لطف و ملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بدنصیبی ۶۲۲ (گناہوں سے) برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دُھلا دھلایا اور اپنے کو گرفت سے پاک پائیں گے، وہ بھی گویا بڑے سستے چھوٹ جائیں گے۔ بڑی اور اصلی مصیبت اُن کی ہے، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان نہ پایا جائے گا ۶۲۳ (کہ اس کے لیے تیار ہو گئے، اور یہاں دُنیا میں ایمان و طاعت پر آمادہ نہ ہوئے!) فَمَآ۔ کلمۂ تعجب ہے، کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشت ناک نتیجے معلوم ہیں، اور اس پر بھی یہ شوخ چشمی! مذهب الجمهور منهم الحسن و مجاهد ان ما معناه التعجب (قرطبی) اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی۔ اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دُنیا میں۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ۔ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے بجائے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا ۶۲۴ (اور نا ہنجار بندوں نے اُس میں خواہ مخواہ خلط و تلبیس کر دیا) الْكِتٰبَ۔ یہاں بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ مراد ہیں تمام کتب آسمانی۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح یا دلائل و شواہد کے ساتھ۔ ای بالصدق و قیل بالحجة (قرطبی) ذٰلِكَ۔ یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے۔ ای ذلک العذاب (بیضاوی)

وف ۶۲۵ (اور اس کے نتائج بھگت کر رہیں گے)۔ اختَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ۔ یعنی خواہ مخواہ اور اپنے اغراض کے لیے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کیے۔ ورنہ تعلیمات الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ۔ یعنی بھٹک کر حق وصداقت سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ یہ غفلت اُن میں اس سے پیدا ہوگئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں انہوں نے از راہ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا اور اس لیے اور زیادہ بھٹک گئے وف ۶۲۶ (جیسا کہ گمراہ ومشرک قومیں سمجھ رہی ہیں) قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ ومشرک قوموں کے رد میں ہے اور اس کا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا، جب اُن کے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے۔ الْبِرَّ۔ بِر کے معنی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ البر التوسع فی فعل الخیر فمن الله تعالی الثواب و من العبد الطاعة (راغب) البر الطاعة (تاج) قال بعضهم البر الخیر قال ولا اعلم تفسیراً جمع منه لانه یحیط بجمیع ماقالوا (تاج) اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِر کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ البر اسم جامع للطاعات واعمال الخیر المقربة الی الله تعالی (کبیر) اسم عام لجمیع مایوجر علیه الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربة الی الله تعالی (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی) وف ۶۲۷ (حالت نماز میں یا عبادات کے وقت) ظہور اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہوگئی تھی اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق، مقدس ہے، اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورت خاص کی تردید کررہا ہے، اور ارشاد کررہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے، اور کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اس لیے کہ اُن کی نظر مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اُس نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانۂ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے، اور اُسے قبلۂ توجہ ٹھیرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ مصر وطرابلس وحبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام وفلسطین ومدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اور بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں۔ الْمَشْرِقِ۔ سورج دیوتا دنیائے شرک کا معبود اعظم رہا ہے۔ مشرک قوموں نے اس کی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے۔ اور یہ چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس لیے عموماً جاہلی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لیے مشرق رُخی اختیار کرلی۔ حضرت مسیحؑ کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص پولوس نامی آگھسا (جسے ایک دُنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اُس نے مسیحیت کا رُخ بجائے تجدید موسویت کے ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا۔ رُومی اُس وقت حاکم قوم تھی۔ اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی میں انگریزیت اور "صاحبیت" کا بول بالا ہے، اُس وقت بھی محکوموں کے دلوں میں رومی مشرکوں ہی کے علوم وفنون، تہذیب ومعاشرت، دین وعقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا۔ اور رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا۔ پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے دھڑا دھڑا اخذ کرلیے، وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رُخ کرکے کرنے لگے۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس مشرق رُخی پر زبردست ضرب لگائی، اور بتادیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت یا عبادت نہیں، بلکہ طاعتیں وہ ہیں جن کی تفصیل یہی آیت آگے کررہی ہے۔ وَالْمَغْرِبِ۔ مشرق پرستی سے تو بہرحال کم اور بہت کم، لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع وبا مغرب پرستی کی بھی شرک کی دُنیا میں رہ چکی ہے۔

فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ

بس آگ ہی (آگ) بھرتے ہیں وف۶۲۰ اور اللہ قیامت کے دن ان سے

الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

نہ کلام کرے گا وف۶۲۱ اور نہ انہیں پاک کرے گا وف۶۲۲ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں،

وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں، اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لئے وف۶۲۳

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور یہ (سزا) اس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اتارا تھا وف۶۲۴ اور بے شک جو لوگ

اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ؑ لَيْسَ

کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں، وہ (بڑے) دور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں وف۶۲۵

الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ

طاعت یہ نہیں ہے وف۶۲۶ کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو وف۶۲۷

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن

وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ

اور فرشتوں اور کتاب اور پیمبروں پر ایمان لائے وف۶۲۸ اور اس کی محبت میں

عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ

مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں

ع ۲۱/۵

آفتاب کے طلوع وغروب پر قیاس کرکے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصدر حیات، جس طرح سمت مشرق ہے، اُسی طرح مستقر موت واجل سمت مغرب ہے اور یہ بھی مستحق تعظیم وتقدیس ہے۔ نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۴۵۱ و ۴۵۳ پ ۱۔ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ یہ دونام صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لے لیے گئے۔ مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انہی دو سمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں۔ والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا تعیین السمتین (روح) وف ۶۲۸ مشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے جس کا بیان اب ہورہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی صحیح آگئی۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ولکن البر بر من۔ طاعت تو اُس کی ہے، جو اللہ پر ایمان لایا الخ والتقدیر لکن البر بر من (قرطبی) فحذف المضاف وهو کثیر فی الکلام و هذا اختیار الفراء والزجاج و قطرب (کبیر) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اس میں دہریت والحاد کی جلی وخفی ہر صورت کی تردید آگئی۔ ایمان وطاعت میں داخلہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اس کی بنیاد دینی نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی آیات وصفات پر ایمان کامل داخل نہ ہو، طاعت سے کوئی علاقہ بھی نہیں رکھتا۔ مادیت وعقلیت (ریشنلزم) لاادریت (اگناسٹی سزم) بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ اور بودھ مذہب اور جین مت بھی، اگر ان کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس میں تردید اُن تمام گمراہ قوموں کی آگئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس

عقیدہ سے خالی ہیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز، جزائے اعمال کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے۔ اور تو اور یہود نے اپنی زبردست توحید کے باوجود، عالم آخرت سے اپنا تعلق نہایت درجہ ضعیف کر رکھا تھا۔ جزا و سزا اسی دُنیا میں سمجھنا خواہ قومی و اجتماعی عروج و زوال سے، خواہ بہ قاعدہ تناسخ مختلف قالبوں میں رُوح کے الٹ پھیر سے، یہ سب انکار آخرت ہی کی شکلیں ہیں۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ۔ فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُن نورانی اور مجرد مخلوقات کا وجود اللہ کے بندوں اور کارساز مطلق کے قاصدوں، خادموں اور کارندوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، نہ یہ کہ خود انہی کو مستقل قوتوں کی طرح فاعل، عامل، متصرف مان کر ان سے دُعائیں مانگی جائیں، اور دُنیا کو ایک چھوٹے پیمانہ پر حاجت روا قرار دے لیا جائے۔ اس ایمان بالملائکہ سے یونان، روم، ہندوستان، ایران کی ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہوگئی، جنہوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کر کے کائنات کے مختلف شعبوں کے لیے دیویاں اور دیوتے تجویز کر لیے ہیں۔ وَالْكِتٰبِ۔ کتاب یہاں بطور اسم جنس آیا ہے اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہوگا۔ کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمامتر اسلامی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے ناآشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے۔ "اہل کتاب" تک اب اسلامی اصطلاح کے مطابق کسی "کتاب الہی" کے قائل نہیں۔ اُن کے ہاں "کتاب" کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خدا نے ہدایت کے لیے بعض اشخاص کو چن لیا، اور اُن کے قلوب میں کچھ مضامین بطور الہام

وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ

اور راہ گیروں اور سائلوں پر ف٦٢٩ اور گردنوں کے آزاد کر دینے میں ف٦٣٠

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ف٦٣١ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

جبکہ وعدہ کر چکے ہوں، اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ

صبر کرنے والے ف٦٣٢ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو

هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

متقی ہیں ف٦٣٣ اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ

قصاص فرض کر دیا گیا ہے ف٦٣٤ آزاد کے بدلہ میں آزاد، اور غلام کے بدلہ

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ

میں غلام، اور عورت کے بدلہ میں عورت ف٦٣٥، ہاں جس کسی کو اس کے فریق مقابل کی طرف سے

اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ

کچھ معافی حاصل ہو جائے ف٦٣٦ سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا چاہیے ف٦٣٧ اور مطالبہ کو اس (فریق)

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ

کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہیے ف٦٣٨ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے ف٦٣٩

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾

سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لئے (آخرت میں) عذاب دردناک ہے ف٦٤٠

القاء کر دیے۔ اور ایسا الہام ہر عارف کو ہو سکتا ہے، نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں۔ پھر بعد کو ان بزرگوں اور عارفوں نے ان ہی مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں مرتب کر کے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنا دیا، پھر اُن سامعین نے انہیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا۔ (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسٰی کی نوشتہ ہیں) ۔۔ گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کیے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے! اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں غلط اور خطا کا امکان ہی نہیں! اور مسیحی تو جب حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ اُن کی الوہیت کے مدعی ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا صاحب کتاب رسول ہونا اُن کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔۔ کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟ وَالنَّبِيّٖنَ۔ یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیمبر بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود حق تعالیٰ مجسم ہو کر اس دنیا میں آ جاتا ہے۔ یا کسی قالب میں حلول کر آتا ہے۔ اسی عقیدہ میں صاف تردید ہوگئی اوتار پرستی کی، مظہر پرستی کی، حلول کی، تجسم باری تعالیٰ کی۔ "اوتار" ٹھیک ضد اور مقابل ہے "پیمبر" کے۔ اوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی مادی پیکر اختیار کر کے دنیا میں آ جاتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ قالب انسان ہی کا ہو۔ شیو جی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی بن کر یا سری کرشن بن کر آ سکتے ہیں، اسی طرح سانپ بن کر، شیر بن کر یا مچھلی یا کچھوے کا قالب اختیار کر کے بھی آ سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ اوتار، معنی و حقیقت کے اعتبار سے خدا ہوتا ہے، اور صورت اور ظاہر کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیمبر اس کے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ نہ کبھی فوق البشر، نہ کبھی تحت البشر اور بجز اس کے کہ صاحب وحی ہوتا ہے (اور اس لیے اخلاق کی پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک) اور کسی حیثیت سے شکل و صورت میں، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔ آیت کے اتنے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کر دی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسانوں کو گھیر لے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئے گی ف٦٢٩ عقائد کی تصحیح ہو چکی، تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتداء شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی جزو میں اس کا بیان ہے۔ عَلٰى حُبِّهٖ۔ اس کی محبت میں۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اس کی محبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت۔ یعنی يعطون المال على حب الله اي على طلب مرضاته (کبیر) قيل على حب الله (کشاف) قيل الضمير لله تعالى (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صرف مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود صرف وہ صرف مال ہے، جو اللہ کی راہ میں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صرف مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وهو قول الاكثرين انه راجع الى المال (کبیر) اي مع حب المال والشح به كما قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ (کشاف) اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے۔ مال و زر کی محبت اور قدر اس کے دل میں ہے، خواہشیں اُس کی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، لیکن امر الہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے۔ اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اُسی پر کرے گا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کرے گا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔ ذَوِي الْقُرْبٰى الخ۔ مصارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں اُمت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آگیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن پھوپھو پیٹ کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو آنہ کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے

قریبیوں ہی کو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد نمبر محلّہ کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں، بچیوں کا آتا ہے، جن کا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ نمبر اُمت کے عام مفلسوں، محتاجوں، اور پھر اُن مسافروں، راہ گیروں کا آتا ہے جو زادِ راہ سے محروم ہیں۔ اور اس لیے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی اُن کے ٹھیرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے۔ اور پھر آخر میں اہلِ حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔ اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدے سے عمل ہونے لگے، تو اُمت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟
ف۱۳۰ (قیدیوں اور غلاموں کی) فِی الرِّقَابِ۔ رقاب، رَقَبَة کی جمع ہے۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں، جن کی گردنیں آزاد نہیں، یہ جو بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرمِ فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔ الرقبة جعل فی التعارف اسمًا للمما لیک کما عبر بالرأس و بالظهر من المرکوب (راغب) والرقبة مجاز عن الشخص (روح) تقدیر کلام یوں ہے، فی تخلیص الرقاب۔ یا فی فکاک الرقاب، گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زر معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔ یعنی المکاتبین قاله اکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساری (معالم) وهم المکاتبون (ابن کثیر) ای فی تخلیصها بمعاونة المکاتبین او فک الاساری (بیضاوی) ای فی تخلیصها الرقاب و فکاکها (روح) مصارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے آخر میں اُس کا بھی اضافہ کر دیا۔ اور اب یہ فہرست اُمت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی
ف۱۳۱ تصحیح عقائد کی ہو چکی۔ تصحیح معاملات کی ہو چکی۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔ عبادات بے شمار ہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔ یہاں الصلوة والزکوة ذکر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی۔ زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی۔ اَقَامَ الصَّلٰوةَ یعنی نمازیں وقت مقرر پر، شرائط و قواعد معصوم کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اٰتَى الزَّكٰوةَ۔ یعنی زکوٰۃ، حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں
ف۱۳۲ عقائد ہو چکے، معاملات ہو چکے، عبادتیں ہو چکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔ بِعَهْدِهِمْ۔ عہد۔ فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں کا بندوں کے درمیان ہو۔ مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ ای فی مابینهم و بین الله تعالی و فی ما بینهم و بین الناس (قرطبی) اَلْبَاْسَآءِ۔ مصیبت اور تنگدستی میں۔ باساء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔ ای الشدة والفقر (قرطبی) البأساء فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری) الضَّرَّآءِ بیماری کی تکلیفوں میں۔ ضراء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ ای المرض والزمانة (قرطبی) الضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی عن الازہری) حِيْنَ الْبَاْسِ۔ یعنی جنگ کے وقت دشمنانِ دین کے مقابلہ میں۔ ای وقت مجاهدة العدو (بیضاوی) ای وقت الحرب (قرطبی) ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی چمک دکھانے کے یہی تین خاص مواقع ایک مومن کے لیے ہوتے ہیں
ف۱۳۳ یعنی کمالات حقیقی کے ساتھ موصوف، اور طاعت و پرہیزگاری (بر و تقوی) میں پورے اُترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں۔ اس معیار سے جس کو چاہو، جانچ لو، پرکھ لو۔ ای صدقوا فی الدین و اتباع الحق و طلب البر (بیضاوی) قرآن مجید کی ہر آیت بجائے خود معظم و محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہاں تک صراحت موجود ہے، کہ من عمل بهذه الأية فقد استکمل الایمان (جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اور محققین کا قول نقل ہوا ہے، کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آ گئے ہیں۔ قال علماؤنا هذه اٰية عظيمة من امهات الاحکام لانها تضمنت ست عشرة قاعدة الایمان بالله و باسمه و صفاته والنشر والحشر و المیزان والحوض والشفاعة والجنة والنار والملئکة والکتب المنزله وانها حق من عند الله والنبیین و انفاق المال فی مایعن من الواجب والمندوب وایصال القرابة وترک قطعهم ولفقد الیتیم وعدم اهماله والمساکین کذلک ومراعاة ابن السبیل والسوال و فک الرقاب (قرطبی) اور بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کر کے کہا کہ آیت اصل و مدار ہے شریعت و طریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی۔ اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں سے ایک ذاتِ شریف پادری وہیری (Wherry) نامی ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔ سن سفید داڑھی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید کیے۔ سیل (Sale) کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انھی کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہنچ کر قدرت اُن کے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔ "یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں سے ہے۔ ... ذاتِ باری پر ایمان، اور نوعِ انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اس کو اس میں واضح طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لبِ لباب عقائد اور اعمال کا آ گیا"۔ خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں "بلند" نظر آ گئیں
ف۱۳۴ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو، اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو) اسلام اپنے پیروؤں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بطور ایک

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
اور تمہارے لئے اے اہلِ فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
بن جاؤ ف۱۳۴ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو
اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ۭ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ
معقول طریقہ سے وصیت کر جائے یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ف۱۴۰ پھر جو کوئی اسے اس کے سننے کے بعد
بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ
بدل ڈالے، سو اس کا گناہ بس انہی پر ہو گا جو اسے بدل ڈالیں ف۱۴۱ بے شک
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ۭ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ
اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے ف۱۴۲ البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ
کا علم ہو جائے، ف۱۴۳ پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلح کرا دے، ف۱۴۴ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ف۱۴۵
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے ف۱۴۶ اے ایمان والو
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ
تم پر روزے فرض کیے گئے ف۱۴۹ جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ
قبل ہوئے ہیں ف۱۵۰ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ ف۱۵۱ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) ف۱۵۲

ع ۲۲ / ۶

مسلمہ کے قرض کیے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط واقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضات اوّلین میں گویا داخل ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی اُمت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ لا خلاف ان القصاص فی القتل لایقیمہ الاّ اولوالامر فرض علیھم النھوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذٰلک (قرطبی) اتفق ائمۃ الفتوٰی علی انہ لایجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضھم من بعض (قرطبی) قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کردے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم، مہذب ومنضبط ترین شکل کا نام ہے۔ اُمت کا ایک قانونی واجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتلی۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے، قتل کرے۔ اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح اوما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزآء (کافی) السلاح مایکون اٰلۃ قاتلۃ اُعِدَّت للقتال (نہایہ) اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے ف ۶۳۵ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے گی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لی جاتی۔ دُنیا کی تاریخ دُوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (White) کا خون ایک کالے (Negro) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر داد ان فقہاء ومفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنھوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے۔ ای المساواۃ بینھم لاالزیادۃ۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا، اور اعلان کردیا کہ زندگی ہر مومن کی، اُمت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائے گا۔ القصاص عبارۃ عن المساواۃ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ من القتلی (مدارک) فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں:۔ (۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔ ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی ''اسٹیٹ'' کا بھی اور اسی لیے تو اُسے حربی کہا ہی جاتا ہے، سو اُس کے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔ (۲) دُوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائے گا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائے گا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو ماری جائے گی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا، اگر وہ قاتل ہے۔ آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں:۔ ''اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا''۔ (احبار۔ ۲۴:۱۷) ''اور جو انسان کو مار ڈالے، جان سے مارا جائے۔'' (احبار۔ ۲۴:۲۱) ''توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے''۔ (احبار۔ ۲۴:۲۰)۔ ف ۶۳۶ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قاتل یا قاتلین ہی ہوسکتے ہیں۔ یراد بھا القاتل ھذا قول ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و جماعۃ من العلماء (قرطبی) من ھو قاتل مقتولہ (مدارک) مِنْ اَخِیْہِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مدعی یا مستغیث کی طرف سے۔ لفظ اخیہ کی بلاغت ومعنویت اس سیاق میں سر دھننے کے قابل ہے، شدید ہیجان جذبات انتقام واشتعال بزیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لاکر بتادیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہوجاتا، اخوت اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہوجاتا۔ مقتول کا ولی و وارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔ والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) بمعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ الثابتۃ بینھما من الجنسیۃ والاسلام لیرق لہ و یعطف علیہ (بیضاوی) والاخ ولی المقتول وذکر بلفظ الاخوۃ بعثالۃ علی العطف لما بینھما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک) شَیْءٌ۔ لفظ اہم ہے یعنی سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ ہو کہ تمامتر معاف کردیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اُسے ہلکی کوئی سزا دے کر یا خونبہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اُسے معاف کرکے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔ رُومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمامتر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اُسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رُومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے۔ اس لیے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرت بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اُس نے اپنے اصول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ) حکومت، اور (سوسائٹی) ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فرد پر بھی اُس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیویٹ۔ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہوجائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دیۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہوسکتی ہے (دیت کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے) آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) ملک کی رعایا کا خون دُوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہوجائے، اور غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اُس کی پیروی کے صرف ''ہرجانہ'' (Damages) کی رقم پر کفایت کرلی جائے۔ یہ ''ہرجانہ'' اسی خونبہا کے لیے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔ ف ۶۳۷ (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شروفساد کا موقع نہ نکالنا چاہیے) یعنی مقتول کا فریق، کہ وہی اب مدعی یا مستغیث ہوگا۔ خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اس کے جوش کو نہ بڑھائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔ عین حدت واشتعال طبع کے نازک موقعوں پر یہ رکھ رکھاؤ، اتنی احتیاط اور حسن معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعت اسلامی کا مخصوص حصہ ہے۔ ف ۶۳۸ اب یہ تاکید قاتل یا اُس کے فریق کو ہورہی ہے۔ اُن ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہوچکی ہو اُسے بغیر مزید طوالت یا پیچیدگی وبدمزگی کے، فریق مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہنچا دیں۔ اِلَیْہِ میں ضمیر فریق مقتول کی جانب ہے۔ والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک) فطرت بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل ومقتول ہر دو فریق کے مصالح وجذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی قانون ہی کی شان ہوسکتی ہے۔ ف ۶۳۹ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی حکم جو اُوپر فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ کے اندر مذکور ہوچکا۔ یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دُوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حسن امتزاج اور اعتدال وتوازن کا یہ مکمل توام اُسی قانون کا حصہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمت مطلق سے نکلا ہو۔ ف ۶۴۰ (آخرت میں) اعتداء۔ یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بے گناہ پر قتل کا جھوٹا دعوی کردیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کردیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہوگئے۔ وقس علی ہذا۔ ایسے بیدردوں اور خدا ناترسوں کو صرف خوف آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔ ف ۶۴۱ قانون قصاص عین عدل ومساوات کا قانون ہے اور ہیئت اجتماعی کے نظم وقیام راحتی کا بہترین ضامن وکفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی وضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیر دستوں پر ستم ڈھاؤ ڈھا کر رہیں۔ اُمت کے مختلف طبقوں میں ایک دُوسرے کی طرف سے اطمینان ودلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔ اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہے گا، اس قانون کی رُوح اُمت میں سرایت کر جائے گی تو

ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائے گا، اور آئین پسندی، باہم صلح و سازگاری، خدمت و معاونت جزو زندگی بن جائے گی، اور اُمت دیکھتے ہی دیکھتے اُمت صالحین و ابرار، اُمت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائے گی۔ وف۶۴۴ یہ حکم وصیت، آیت میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصے معین کرکے بتا دیئے گئے ہیں) پہلے کا ہے۔ نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی) اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اس آیت متاخر و مابعدی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ جائیداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائیداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی اسی سورۃ النساء کی آیت میراث میں موجود ہے۔ وصیۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابل عملدرآمد ہوتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں:۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجہ واجب میں ہے مثلاً ادائے زکوٰۃ و کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کار خیر کے لیے وصیت کر جانا، یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصہ نہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں۔ جیسے کسی امر جائز کے لیے وصیت کر جانا۔ (۴) اُن کے علاوہ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کافر حربی کے حق میں، یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔ (۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اس کی تعمیل دوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔ الْوَصِيَّةُ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے اور اسی معنی کا لحاظ کر کے اس کے لیے فعل مذکر (كُتِبَ) لایا گیا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (كُتِبَتْ) آنا چاہیے تھا۔ اور تاء تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیت اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے (قرطبی) خَيْرًا۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مال طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ (سورۂ بقر) یا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (سورۂ بقرہ) وقس علی ہذا بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخير هٰهنا المال من غير خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمي المال هٰهنا خيرا تنبيها على معنى لطيف وهو ان الذي يحسن الوصية به ما كان مجموعا من المال من وجه المحمود (راغب) اي مالاً كما قاله ابن عباس و مجاهد (روح) ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استناد کر کے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت بہرحال کر جانا چاہیے۔ دوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھیرایا ہے۔ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اُسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے۔ لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ وقال النخعي مات رسول الله صلى الله عليه وسلم و لم يوص وقد اوصى ابو بكر فان اوصى فحسن وان لم يوص فلا عليه شيء (قرطبی) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کر کے۔ حسن معاشرت و حسن معاملت دونوں قسم کے احکام کے موقع پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ اُن کے وصف تقویٰ کا ذکر کر کے مراد خود اُنہی سے لی گئی ہے۔ مراد بالمتقين المؤمنين وهم الذين اتقوا الكفر (بحر) والمراد بالمتقين المؤمنون (روح) وف۶۴۳ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں) بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔ والضمير في بدله يرجع الى الايصاء وكذلك الضمير في سمعه (قرطبی) یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس اُنہی جھوٹے گواہوں کا ہے۔ وف۶۴۴ سَمِيْعٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔ عَلِيْمٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور و بے بس ہوتا ہے۔

وف۶۴۵ (اور وہ اس بنا پر از راہ اخلاص و خیر خواہی وصیت میں تبدیلی کر دے۔ جس سے اُس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے) خَافَ۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اي فمن توقع و علم وهذا في كلامهم شائع (کشاف) والخوف والخشية العلم (کبیر) و معنى خاف توقع و علم (روح) اي قد ظهر له من احوال الموصي ما يغلب معه على ظنه انه يريد الجور و صرف الميراث عن الوارث (جصاص) جَنَفًا۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی، یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہواً یا خطائے فہم سے کوئی زیادتی۔ الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) الجنف الخطاء من حيث لا يعلم به (کبیر) ميلاً عن الحق بالخطاء (کشاف) اِثْمًا۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔ الاثم العمد (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) الاثم هو العمد (کبیر) وف۶۴۶ (مضمون وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفیوں کو دُور کر کے) بَيْنَهُمْ میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔ اي بين الموصي لهم (روح) الكناية عن الورثة (قرطبی) یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے، اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوع نزاع یا احتمال نزاع ہی دیکھ کر مضمون وصیت میں ایسی ترمیم کر دے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے۔ بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہانِ وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں، اُمت کا ہر فرد اس پر عمل کر سکتا ہے۔ فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق و عدولا الى الجور فالواجب عليه ارشاده الى العدل والصلاح (جصاص) الخطاب لجميع المسلمين (ابن العربی) اس لیے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری اُمت پر فرض ہے۔ ولا يختص بذلك الشاهد والوصي والحاكم دون سائر الناس لان ذٰلك من باب الامر بالمعروف و النهي عن المنكر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض على الكفاية (ابن العربی) فقہاء نے اس آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے و عمل کا اجتہاد جائز ہو جاتا ہے اس لیے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم و زیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں رہے گا۔ و فيها الدلالة على جواز اجتهاد و الراي والعمل على غالب الظن لان الخوف من الميل يكون في غالب ظن الخائف (جصاص) و في هٰذا دليل على الحكم بالظن (ابن العربی) وف۶۴۷ (اس تبدیل و ترمیم مضمون وصیت کے باب میں) بلکہ وہ تو اور مستحق اجر و ثواب کا ہوگا۔ لانه تبديل باطل الى حق (مدارک) وف۶۴۸ اللہ تو گنہگاروں تک کے حق میں غفور و رحیم ہے۔ چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔ غَفُوْرٌ۔ یعنی گناہوں کا بخشنے والا۔ رَحِيْمٌ۔ یعنی خطا کاروں کے حال پر رحم کرنے والا۔ وف۶۴۹ صيام جمع ہے صوم کی۔ صوم یا روزہ اصطلاح شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے روکے رہے۔ جو روزے فرض ہیں وہ ماہ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید و قدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی رُوح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے، اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔ وف۶۵۰ روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دُنیا کے تقریباً ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع چہاردہم کی جلد ۹ صفحہ ۱۰۶ اور جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ سے ظاہر ہے لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں۔ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اس کی اصل مراد اہل کتاب ہی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزہ شریعت موسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔ مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزو مذہب ہونے کی خبر دے دی، ڈاک اور ریل کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتب خانوں کے دور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دُور افتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمی کے لیے کسی طرح ممکن نہیں --- بجز وحی الٰہی کے توسط کے۔ وف۶۵۱ روزہ تعمیل ارشاد خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض و غایت کی تصریح ہو گئی کہ اس

سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت و افراد کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے۔ جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے اور مادّی لذتوں سے لطف و انبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت رُوحانی و حیات اخروی کے حق میں مضر ہیں، ان سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزوں کی افضلیت تمام دُوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور غیر مشرک قوموں کے ناقص، ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔ یہودی قاموس اعظم جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ”قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔“ (جلد ۵۔ صفحہ ۳۴۷) اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد و ارادہ سے، ایک مدت معین تک کے لیے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا۔ اور اس سے ایک طرف طبعی اور جسمانی، دُوسری طرف رُوحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں فرد اور اُمت دونوں کو، ان کی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں۔ البتہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ اب تا سیاؤ کی بعض اور تحریریں پرچہ صدق اور سچ سے نقل کر کے درج کی جاتی ہیں۔ وف ۶۵۲ یعنی ان فرض روزوں کی ایک متعین تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن (تنظیم یا باقاعدگی) کا اقتضا ہے۔ یہ نہیں کہ جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لیے رکھ ڈالے۔ وحدت اُمت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ متعین حدود کے ساتھ ساری اُمت کے لیے مقرر ہو۔ ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ۔ چھ مہینے بلکہ تین مہینے بھی نہیں۔ سال بھر میں کل ۲۹ یا ۳۰ دن وف ۶۵۳ (اور بیماری کے باعث روزہ اس پر شاق ہو)۔ بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری بہت شدید بھی ہو سکتی ہے اور بہت خفیف برائے نام بھی ہو سکتی ہے اور پھر موسم، عمر، پیشہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔ یہاں مراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو۔ محض مریض کسی درجہ میں ہونا اجازت ترک صوم کے لیے کافی نہیں۔ ای مريضا يعسر عليه الصوم معه (روح) قال جمهور من العلماء اذا كان به مرض يؤلمه او يخاف تماديه او يخاف تزيده صح له الفطر (قرطبی) يخاف من الصوم زيادة مرض (مدارک) قال ابو حنيفة و ابو يوسف و محمد اذا خاف ان تزداد عينه وجعا او حماه شدة افطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقهاء ان الرخصة في الافطار للمريض موقوفة على زيادة المرض بالصوم. وانه ما لم يخش الضرر فعليه ان يصوم (جصاص) بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اس کا فیصلہ کر سکتا ہے وف ۶۵۴ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا على ان للسفر المبيح للافطار مقدارا معلوما في الشرع (جصاص)۔ لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے آج تک چلا آ رہا ہے۔ ابن عمر، ابن عباس صحابیوں رضی اللہ عنہم اور فقیہ ثوری علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن کے مسافت والے سفر پر ہوتا ہے۔ قال ابن عمر و ابن عباس والثوری الفطر في سفر ثلثة ايام (قرطبی) حنفیہ کے ہاں بھی فتویٰ تین ہی دن کی مقدار سفر پر ہے۔ گو دوسرے ائمہ کے یہاں دو روز بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے۔ فقال اصحابنا مسيرة ثلثة ايام و لياليها و قال آخرون يومين وقال آخرون مسيرة يوم (جصاص) فقال مالك والشافعي اقل السفر يوم وليلة وقال ابو حنيفة الله ثلاثة ايام (ابن العربی) وف ۶۵۵ (اگر اس بیماری یا سفر کے دوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں، اجازت ہے۔ اور مقصود معذوروں کے لیے گنجائش ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو، جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی نوبت آ جاتی ہو، تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہو جاتا ہے اور زیادہ تکلیف کی حالت میں ترک صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے۔ وف ۶۵۶ يطيقونه میں ضمیر صوم کی طرف ہے۔ یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہو سکے۔ مشقت بہت زائد اٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں۔ طاقة اور وسعة ان دو لفظوں میں اہل لغت نے فرق کیا ہے۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام کرنے والے کی قدرت میں تو ہو، لیکن اس کے کرنے میں مشقت بہت زائد پڑے۔ کام تو ہو جائے، لیکن بہ مشکل ہو۔ هو اسم لمقدار ما يمكن ان يفعله بمشقة منه (تاج) الطاقة اسم لمقدار ما يمكن للانسان ان يفعله بمشقة (راغب) الوسع فوق الطاقة فالوسع اسم لمن كان قادرا على الشئ على وجه السهولة واما الطاقة فهو اسم لمن كان قادرا على الشئ مع الشدة والمشقة (كبير) اور یہاں طاقة کا مادہ استعمال ہوا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ”وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزے رکھ سکیں“ مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ۔ ای يصومونه جهدهم و طاقتهم و مبلغ وسعهم (کشاف) ای الذين يقدرون على الصوم مع الشدة والمشقة (كبير) فيصير المعنى و على الذين يصومونه مع الشدة والمشقة فيشمل نحو الحبلى والمرضع (روح)

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو وف ۶۵۳ یا سفر میں ہو وف ۶۵۴ اس پر دوسرے دنوں کا

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

شمار رکھنا (لازم ہے) وف ۶۵۵ اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں وف ۶۵۶ ان کے ذمہ

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ

فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے وف ۶۵۷ اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے وف ۶۵۸ اس کے

خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

حق میں بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو وف ۶۵۹ تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ

رکھو وف ۶۶۰ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

اتارا گیا ہے وف ۶۶۱ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے وف ۶۶۲ اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

اور (حق و باطل میں) امتیاز کے وف ۶۶۳ سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

رکھے وف ۶۶۴ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ

رکھنا (لازم ہے) وف ۶۶۵ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں

بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا

دشواری نہیں چاہتا وف ۶۶۶ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو، وف ۶۶۷ اور یہ کہ تم

يكلفونه او يتكلفونه على جهد منهم و عسر و هم الشيوخ والعجائز (کشاف) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں تو یطوقونہ ہے، جو صاف مرادف یکلفونہ کا ہے۔ و مشهور قراة ابن عباس يطوّقونه بفتح الطاء و تشديد الواو بمعنى يكلفونه (قرطبی) تابعین بلکہ صحابیوں رضی اللہ عنہم کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسروں نے بھی یہی سمجھا ہے اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ هو الشيخ والشيخة (ابن جریر۔ عن علی) نزلت هذه الاية فى حق الشيخ الهرم (کبیر) قال ابن عباسؓ ليست منسوخة هو الشيخ الكبير و المرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما (ابن کثیر۔ عن عطاء) المفسر ابن عباس ان كان الاسنادعنه صحيحًا يطيقونه بيطيقونه و يتكلفونه (قرطبی) روى ابوداؤد عن ابن عباس وعلى الذين يطيقونه قال اثبتت للحبلى والمراضع (قرطبی) وخرج الدار قطنى عنه ايضاً قال رخص للشيخ الكبير ان يفطر و يطعم عن كل يوم مسكينًا ولا قضاء عليه۔ هذا اسناد صحيح (قرطبی) وروى عنه ايضًا انه قال و على الذين يطيقونه فدية طعام ليست بمنسوخة هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما فيطعما مكان كل يوم مسكينا و هذا صحيح (قرطبی) و حكم هؤلآء الافطار والفدية و هو على هذا الوجه ثابت غير منسوخة (کشاف) مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قول فیصل ہے:۔ فقد ثبت بالاسانيد الصحاح عن ابن عباسؓ ان الاية ليست بمنسوخة وانها محكمة فى حق من ذكر۔

ف ۶۵۷ یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لیے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، انھیں اختیار ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود ان کا اوسط رہتا ہے۔ مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں۔ ف ۶۵۸ (اسی ادائے فدیہ کے باب میں) یعنی اس قدر مقدار تو بہرحال واجب ہے اب اگر اس میں کوئی اور زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلا دے، کھانے کی تعداد بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کر لے تو اور بہتر ہے۔ خیر، خیرات، فیاضی، وسیع چشمی، حسن سلوک و حسن معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کے لیے موجود ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ ماہ مبارک کے ختم پر، یا ختم سے ذرا قبل جو صدقہ فطر واجب بتایا گیا ہے، کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فیاضی، سخاوت، جود و کرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں آپ کا جوش کرم اور بڑھ جاتا تھا، اور آپؐ فیاض سے فیاض تر ہو جاتے تھے۔ ف ۶۵۹ (کہ صوم رمضان کی کیا کیا برکتیں اور فضیلتیں ہیں اور اس کے کیا کیا منافع و مصالح ہیں) ف ۶۶۰ (اگرچہ معقول عذر روزہ کو قضا کر دینے اور اس کے بجائے فدیہ دینے کے موجود ہوں) اس میں ترغیب اور تشویق ہے کہ روزہ رکھنے کے جو منافع و مصالح ہیں، وہ تو روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوں گے، ہاں معذوروں کے لیے گنجائش فدیہ کی بھی رکھ دی گئی ہے ف ۶۶۱ یعنی اُترنا شروع ہوا۔ اى ابتدى فيه انزاله (مدارک۔ بیضاوی۔ روح) بدئ بانزاله فيه على رسول الله (بحر) کل قرآن مجید کا نزول تو بڑی تدریج کے ساتھ کوئی ۲۱۔۲۲ سال کی مدت میں ہوا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر نزول قرآن کی ابتداء ماہ رمضان میں ہوئی۔ وحی قرآنی کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ العلق کا ابتدائی حصہ ہے، اور وہ غار حرا میں رسول اللہ ﷺ پر اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (سیرۃ نبوی) بہت سے مفسر اس جانب بھی گئے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول آسمان دنیا پر اسی مہینہ میں ہوا اور پھر وہاں سے فرشتۂ وحی حضرت جبریل کے توسط سے بتدریج رسول اللہ ﷺ پر ہوتا رہا۔ القرآن۔ جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح القرآن کا اطلاق ۳۰ پاروں والی مکمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اس کے ہر ہر جزو پر بھی۔ رمضان۔ سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں اُدل بدل کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر، ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط و تحمل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے، زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کر لے۔ انفرادی اصلاح تو شاید ان حسب مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لیے تعداد کی طرح تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدت اُمت کے لیے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان اور کناڈا، سائبیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں رُوحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہو --- علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدت امت و تنظیم ملت میں کتنا زیادہ دخل اس ہم وقتی یا وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحب نظر پر بالکل روشن ہے، اہل سنت اسی لیے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ بھر راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ ف ۶۶۲ یعنی اس میں خفا و التباس کسی قسم کا نہیں، اور اس کے سارے ہدایات و احکام لوگوں ہی کے نفع کے لیے ہیں۔ للناس سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ محض قریش یا عرب نہیں۔ ف ۶۶۳ قرآن مجید ایک کتاب محکم ہے نہ صرف دلالت احکام میں وضاحت کامل کی بنا پر، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس کے دلائل حق کو باطل سے واضح اور نمایاں طور پر ممتاز کر دینے والے ہیں، ف ۶۶۴ فَلْيَصُمْهُ یعنی کج فہموں نے خدا معلوم کس قاعدہ زبان سے اس لفظ کے یہ معنی نکال کر کہ رمضان "میں" یا رمضان کے "اندر" روزے رکھے جائیں۔ یہ حکم لگا دیا ہے کہ صرف تین دن کے روزے بھی کافی ہیں۔ یہ ایجاد بندہ تمام تر گندہ ہے۔ آیت کے صاف و صریح معنی اس مہینہ کو روزہ میں گزارنے کے ہیں اور اردو میں اس مفہوم کو "مہینہ بھر" میں ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ فيصير تقديره من شهد جزءًا من اجزاء الشهر فليصم كل الشهر (کبیر) اى الشهر كله (معالم) شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ۔ قمری مہینہ کا آغاز ہر ۲۹ یا ۳۰ دن کے بعد چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ رنگ اس کی اخلاقی، معاشرتی، تعبدی، جزئی، کلی، ہر تعلیم میں نمایاں ہے۔ طاعتوں اور عبادتوں کے باب میں جہاں اس نے ایک طرف یہ تاکید رکھی ہے کہ وقت مقرر پر، اور زمانہ معین ہی میں ادا ہوں، وہاں یہ نہیں کیا کہ خود اوقات کو یا زمان کی مقداروں کو ماہرین ہیئت و حساب کا محتاج و پابند بنا دیا ہو۔ شمسی تقویم رکھنے والے بچارے اپنی گھڑی گھنٹہ کے لیے تمام تر دست نگر رہتے ہیں۔ ہیئت دانوں اور فلکیات کا حساب کتاب رکھنے والوں کے۔ اور اگر کسی ملک یا قوم کا تمدن ابھی اس درجہ تک نہ پہنچا ہو کہ رصد خانے بن سکے ہوں، دُوربینیں ایجاد ہو چکی ہوں، طرح طرح کے آلات سے کام لیا جانے لگا ہو۔ ریاضیات کا طویل و عریض نظام وجود میں آ چکا ہو۔ تو وہاں کے لوگ بچارے منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اسلام تو اس سیدھے سادھے فطری حساب کا قائل ہے کہ بغیر کسی آلہ کی مدد کے بغیر ریاضیات اعلیٰ کے توسط کے، بس آنکھ سے جب چاند دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع کر دو۔ شَهِدَ۔ وسیع معنی میں ہے۔ یعنی جب ماہ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔ خواہ چاند کو براہ راست دیکھ کر، خواہ دُوسروں سے رویت کی خبر سن کر، تو بیماروں، مسافروں، معذوروں کو چھوڑ کر، اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ و شهد من الشهود والتركيب يدلّ على الحضور امّا ذاتًا او علمًا (روح) امّا بالرؤية وامّا بالسماع (کبیر) رؤیت ہلال معتبر کہاں کی ہوگی؟ فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اسی شہر یا بستی کی یا قرب و جوار کی بستیوں کی۔ سینکڑوں ہزاروں میل دُور سے رؤیت ہلال کی خبریں منگانے کا تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے انتظام کرنا، یا کلکتہ کی رؤیت کو ۱۹۰۰ میل دُور بمبئی پر حجت گرداننا شریعت اسلامی کی اصل رُوح پر ظلم کرنا ہے اختلاف مطالع ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے۔ اسے کیونکر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ وحدت یقیناً ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اس کے لیے یہ زبردستی کی کوششیں کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ واختلفوا اذا اخبر مخبر عن رؤية بلدة فلا يخلوا انه يقرب او يبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فلاهل كلّ بلد رؤيتهم روى هذا عن عكرمة والقاسم و سالم و روى عن ابن عباس وبه قال اسحٰق واليه اشار البخارى حيث بوّب لاهل كل بلد رؤيتهم (قرطبی) اسی تفسیر قرطبی میں ایک روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے اس مضمون کی درج ہے کہ ایک بار رمضان کے سلسلہ میں شام کی رؤیت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ دونوں جگہ کی تاریخوں میں فرق نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے حدیث نبوی کا حوالہ دے کر فتویٰ دیا کہ ہم تو یہیں کی رؤیت کا اعتبار کریں گے۔ اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قال علماؤنا قول ابن عباس هكذا امرنا رسول الله ﷺ كلمة تصريح برفع ذلك الى النبى ﷺ و بامره فهو حجة على ان البلاد اذا تباعدت كتباعد الشام من الحجاز فالواجب

علٰی اھل کل بلدان تعمل علی رؤیتہ دون رؤیۃ غیرہ امام مسلم کا شمار فقہاء محدثین میں ہے۔ انہوں نے اپنی صحیح کی کتاب الصیام کے ایک باب کا عنوان یہی قرار دیا ہے۔ باب بیان ان لکل بلد رؤیتھم و انھم اذا راؤا الھلال ببلد لا یثبت حکمہ لما بَعُد عنھم۔ یعنی باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لیے رؤیت وہیں کی معتبر ہے۔ اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھائی دے، وہاں سے دُور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہوگا۔ اور باب کے تحت میں وہی حدیث لائے ہیں جو قرطبی کے حوالہ سے اُوپر گزر چکی۔ اور اس حدیث کو محدث ابن منذر اور امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔ وحکاہ ابن المنذر عن عکرمۃ والقاسم وسالم واسحٰق و حکاہ الترمذی (فتح الباری) اور نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

والصحیح عند اصحابنا ان الرؤیۃ لاتعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافۃ لا تقصر فیھا الصلٰوۃ و قیل ان اتفق المطلع لزمھم وقیل ان اتفق الاقلیم والافلا۔

صحیح مسئلہ ہمارے علماء کے یہاں یہ ہے کہ رؤیت سارے انسانوں پر حجت نہیں بلکہ صرف اتنی مسافت والوں پر ہے جہاں تک نماز قصر نہ کی جائے۔ اور ایک قول ہے کہ جہاں تک مطلع متحد ہو، اور ایک قول ہے کہ ایک اقلیم کے حدود کے اندر اور اُس کے آگے نہیں۔

اور پھر اس کے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غیر رؤیت پر بے اعتباری نہیں کی، بلکہ

انما ردہ لان الرویۃ لاثبت حکمھا فی حق البعید۔

انہوں نے اس پر عمل کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ رؤیت کا حکم دُور دراز مقامات پر صادق نہیں آتا۔

اور فقیہ قاضی ابن رشد مالکی نے اس حدیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ ہر بستی کے لیے وہیں کی رؤیت معتبر ہے، چاہے بستیاں آس پاس کی ہوں یا دُور کی۔ فظاھر ھٰذا الاثر یقتضی ان لکل بلد رؤیتہ قَرُبَ او بَعُدَ (بدایۃ المجتہد) مالکیہ کا مذہب مشہور تو یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت سب جگہ کے لیے کافی ہوگی۔ لیکن ابن عبدالبر نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے۔ یعنی ایسے دُور دراز ممالک جیسے خراسان اور اسپین ہیں، ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دوسری جگہ نہیں کیا جائے گا۔ لٰکن حکا ابن عبدالبر الاجماع علٰی خلافہ وقال اجمعوا علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فی مابعد من البلاد کخراسان والاندلس (فتح الباری) وحکی ابو عمر الاجماع علی انہ لاتراعی الرؤیۃ فی مابعد من البلدان کالاندلس و خراسان قال و لکل بلد رؤیتھم الاما کان کالمصر الکبیر و ماتقاربت اقطارہ من بلدان المسلمین (قرطبی) و روی المدنیون عن مالک ان الرؤیۃ لاتلزم بالخبر عند غیر اھل البلد الذی وقعت فیہ الرؤیۃ الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذٰلک و بہ قال ابن الماجشون والمغیرہ من اصحاب مالک و اجمعوا علی انہ لا یراعی ذٰلک فی البلدان النائیۃ کالاندلس و الحجاز (بدایۃ المجتہد) واختلف فی تاویل قول ابن عباس ھٰذا فقیل ردّہٗ لانہ خبرٌ واحدٌ وقیل ردّہٗ لان الاقطار مختلفۃ فی المطالع و ھو الصحیح (ابن العربی) اَلشَّھْرَ۔ کوئی ملک اس دُنیا کے پردہ پر اگر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، اور وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں رات کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا --- قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شھد الشھر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی! بطور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دُنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اُسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ ف۲۶۵ ابتداء میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں، جب آیت فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ نازل ہوئی، اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے اُن کے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہو گئے۔ لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو مَنْ کَانَ مَرِیْضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ مَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ کی تعلیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم

کر دی گئی۔ اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقی اور معنوی نہیں۔ کُرِّرَ لِئَلَّا یتوھم نسخہ بتعمیم من شھد (جلالین) مخصصًا لہ لان المسافر والمریض ممن شھد الشھر ولعل تکریرہ لذٰلک لئلا یتوھم نسخہ (بیضاوی) ف۲۶۶ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام و قوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کے لیے کتنی گنجائش، کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔ حدیث نبوی میں جو آیا ہے۔ دین اللہ یسر وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملے گا۔ جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جنس، موسم اور دوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، اُن کی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائے گی کہ فرد یا اُمت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔ اُمت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں اُن کی تعمیل میں بھی اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد ساری مخالفات فضا و ماحول کے باوجود اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔ سرولیم میور لکھتے ہیں:۔ ”روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، جھلکاتی ہوئی دُھوپ اور جھلساتی ہوئی سموم میں گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے۔ اتنی سخت ریاضت قوت ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے“۔ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۱۹۳) ف۲۶۷ (یعنی ایام قضا کی) یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُن کی تکمیل کر لو تو پورا پورا اجر روزوں کی ادائی ہی کا مل جائے گا۔ وَلِتُکْمِلُوا۔ یہ نحوی حیثیت سے ماتحتی میں یُرِیْدُ اللّٰہُ کے ہے اور عطف لِلْیُسْرِ پر ہے۔ یجوزان یعطف علی الیسر ای و یرید بکم لتکملوا (بیضاوی) ف۲۶۸ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی) اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔ ف۲۶۹ شکر گزار بن جانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعہ سے کیسے کیسے پرسہولت طریقے اُس کے نفع اور اجر کے بتا دیئے ہیں۔ ف۲۷۰ (اے پیغمبر!) عَنِّیْ۔ یعنی میرے قرب و بعد سے متعلق۔ اقریب ربنا فنناجیہ ام بعید فنناد یہ (بیضاوی) گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو بارہا کیا ہے۔ لیکن ذات باری کو انسان سے اس قدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں! اِذَا سَاَلَکَ۔ اہل لطائف نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرب و قبول طلب پر موقوف ہے اور رخ خطاب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔ ف۲۷۱ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجئے) قَرِیْبٌ۔ قریب باعتبار کمال علم، یا قریب باعتبار قبول دُعا۔ ای قریب بالاجابۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قریب بالعلم لا یخفی علیّ شیٔ (معالم) ای بالاجابۃ و قیل بالعلم (قرطبی) علمًا و اجابۃً لتعالیہ عن القرب مکانًا (مدارک) انہ تعالٰی یسمع دعاءھم و یرٰی تضرعھم او المراد من ھٰذا القرب العلم و الحفظ (کبیر) قرب سے ظاہر ہے کہ قرب مادّی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا قرب معنوی مراد ہوگا۔ تمثیل لکمال علمہ بافعال العباد و اقوالھم و اطلاعہ علی احوالھم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے۔ ماہِ رمضان میں اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے اور یہ قرب یا تعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بندوں کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! جسے اپنے خدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے۔ وہ تو ہم سے قریب ہی، ہم سے متصل ہی ہے۔ ف۲۷۲ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا) عَنِّیْ، اِنِّیْ، اُجِیْبُ، دَعَانِ۔ متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا معنوی فرق ملحوظ رہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت عظمت، قوت کا مظہر ہے، اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دُعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ دُعا بندہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لیے دُعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اُس کے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔ ف۲۷۳ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ یعنی میری دعوت ایمان و طاعت قبول کریں، جس طرح میں اُن کی دُعائے حاجات قبول کرتا ہوں۔ اذا دعوتھم للایمان و الطاعۃ کما انی

اجیبھم اذا دعونی لحوائجھم (مدارک) المعنی فلیجیبوا الیّ فی ما دعوتھم الیہ من الایمان ای الطاعۃ والعمل (قرطبی۔ عن مجاہد وغیرہ) حکیم مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ اُن میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لیے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی) وَلْيُؤْمِنُوا بِي۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایت مصالح پر۔ **ف۶۷۳** (اور اُن پر فلاح دارین کا دروازہ کھل جائے) لَعَلَّ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض اُمید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے، اور اُس کے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازۂ فلاح دارین کا کھل کر رہے گا۔ **ف۶۷۴** یہ اجازت شروع میں نہ تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علیحدگی کا حکم تھا۔ شریعت اسلامی رسول اللہ ﷺ کی حیات رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے۔ رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی، اور پھر ہوتے ہوتے اُس کی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اس کے برعکس ہوا ہے یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے کہ پہلے صحبت رات میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کر دی گئی۔ رَفَث کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اللہ کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی **ف۶۶۸** عجب نہیں کہ تم شکرگزار بن جاؤ **ف۶۶۹**

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں **ف۶۷۰** تو میں تو قریب ہی ہوں **ف۶۷۱** دعا

دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ

کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے **ف۶۷۲** بس (لوگوں کو) چاہئے کہ میرے احکام

وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ

قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں **ف۶۷۳** عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں **ف۶۷۴** جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لئے

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا **ف۶۷۵** وہ تمہارے لئے

لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو **ف۶۷۶** اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا

خیانت میں مبتلا کرتے رہتے تھے **ف۶۷۷** پس اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے

عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ

درگزر کر دی، **ف۶۷۸** سو اب تم ان سے ملو ملاؤ **ف۶۷۹** اور اسے تلاش کرو، جو اللہ نے تمہارے

اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

لئے لکھ دیا ہے **ف۶۸۰** اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں

چنانچہ یہاں الرفث الی نسائکم ہے۔ عداہ بالی لانہ فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایۃ من الجماع و عدی الی تضمنۃ معنی الافضاء (راغب) کنی بہ عن الجماع (کشاف) والمراد بہ ھھنا المباشرۃ (ابن العربی) آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیۂ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور ماہ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوت حرام اور اس کے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفس شہوت بھوک، پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر ہے تو ایک طبعی اور بےضرر خواہش ہے۔ قصداً اور بلاضرورت شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک سے روزہ توڑ دیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو اور شوہر نے دن میں ہم بستری پر مجبور کر دے تو بیوی پر کفارہ نہیں۔ البتہ خود جبر کا تحقق ہونا چاہیے۔ اس کے ذمہ صرف ایک روزہ کی قضا ہوتی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔ **ف۶۷۶** (قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے) گویا اُردو محاورہ میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُن کے حق میں۔ یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اس کے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست و ملامست کی بنا پر۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصف امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اُس کے حسن و خوبی کو ابھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس صورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ع ناخوش تو خوش بود بر جان من کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ موثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پرتعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے! کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کونسا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ ان کے سارے دفتر کتب و اسفار میں کون سی تعلیم زن و شوکے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟ **ف۶۷۷** یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔ **ف۶۷۸** یعنی پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آئندہ کے لیے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دے دی۔ **ف۶۷۹** (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے) بَاشِرُوْهُنَّ صیغۂ امر ہے مراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔ مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ کنایۃ عن الجماع (قرطبی) کنی بہ عن الجماع (بیضاوی) **ف۶۸۰** (بصورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے) مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ مراد اولاد، اور اولاد صالح ہے۔ عمل مباشرت اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، بڑی گہری طبعی لذت بھی رکھتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد رکھا ہے کہ اُمت کی قوت اور کثرت میں برابر کا اضافہ ہوتا رہے اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا زینہ بنی رہے ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنی رہتی ہے۔ فرد کی حیات و بقا کا، اور اس کی تقویت جسم کا۔ اما قضی اللّٰہ لکم من ولد

صالح (ابن عباس رضی اللہ عنہ) یعنی الولد قالہ اکثر المفسرین (معالم) اور ابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، انس رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں سے لے کر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین تک سب کا اجماع نقل کر دیا ہے۔ کَتَبَ۔ "لکھ رکھا ہے"۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اپنی مشیت تکوینی میں۔ ای فی اللوح المحفوظ (معالم) ای اثبت فی اللوح من الولد (کشاف) وَابْتَغُوْا۔ بعض نے وَابْتَغُوْا سے مراد شب قدر کی تلاش اور کَتَبَ اللہ لَکُمْ کے معنی اس کے اجر وثواب کے لیے ہیں۔ لیکن اہل تحقیق نے رد کر دیا ہے۔ هو قريب من بدع التفاسير (کشاف) وَابْتَغُوْا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلوب افزائش نسل ہے، نہ کہ ارادی لاولدی یا عزل۔ قيل هو نهي عن العزل (کشاف) قيل النهي عن العزل (بیضاوی) منع حمل اور قطع نسل کی جس جدید تحریک کا اس وقت زور ہے اور جو "ضبط تولید" وغیرہ مختلف خوشنما ناموں سے پیش ہو رہی ہے، قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کر دی اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرۃً اور طبعاً نکلتا ہے، اسی کی توقع رکھنا چاہیے اور اسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ عام قاعدہ اور اصل عمومی یہی ہے باقی اجتماع تزوجی کے قدرتی نتیجوں کو بلا وجہ خاص وضرورت شدید مصنوعی ذریعوں اور تدبیروں سے روکنا، اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا، مصیبتوں کو دور کرنا نہیں، جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد وقوم دونوں کو نئے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح "محفوظ" آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے۔

الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا

ہو جائے ۶۸۱ پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا کرو ۶۸۲ اور بیویوں سے

تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ

اس حال میں صحبت نہ کرو جب تم اعتکاف کیے ہو مسجدوں میں ۶۸۳

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا ۶۸۴ اللہ اسی طرح اپنے احکام

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۱۸۷) وَ لَا تَاْكُلُوْٓا

لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ۶۸۵ عجب نہیں کہ وہ پرہیزگار بن جائیں ۶۸۶ اور آپس میں

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى

ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ ۶۸۷ اور نہ اسے حکام تک

الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ

پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم کھا جاؤ

بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۸۸) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

گناہ سے درآنحالیکہ تم جان رہے ہو ۶۸۸ آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں ۶۸۹

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ

آپ کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے آلۂ شناخت اوقات ہیں ۶۹۰ اور یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں!

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ

کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، ۶۹۱ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا

تقویٰ اختیار کرے ۶۹۲ اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ ۶۹۳ اور اللہ سے تقویٰ

"اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابل اطمینان ہو، یعنی قطعی ہو، بے ضرر ہو اور سادہ ہو"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۶۵۰، طبع چہاردہم) اور پھر اگر کوئی بے خطا اور حتمی تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منع حمل کی جسمانی مضرتوں کے تدارک کی کیا صورت ہوگی؟ "یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اس کے مضر اثرات مرد وعورت کے اعلیٰ عضلات پر مرتب نہ ہوں"۔ (ایضاً صفحہ ۶۵۱) یہ اگر مان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرار حمل اور وضع حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے، تو بھی خود طب جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانہ حمل میں صنفی اتصال سے جو مہلت مل جاتی ہے، نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی وتوجہ، یہ سب عورت کی صحت کے لیے ضروری ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کی تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بارہا مشاہدہ میں آ چکی ہیں کہ پہلے تو انہوں نے امتناع کی مصنوعی تدبیریں اختیار کر کے اپنے اعضاء تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور پھر آگے چل کر جب اولاد کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابقہ حرکتوں پر پچھتائے ہیں"۔ یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ تھیں، باقی متعدد دوسرے ڈاکٹروں، اور انہی میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے اور اس کی طبعی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں۔ بلکہ یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آ کر اور طویل تجربوں کے بعد بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کے لیے انعام قرار دیں، اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! جرمنی، اٹلی وغیرہ سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہو گئی تھیں، اور اب روس، فرانس وغیرہ سے عین دوران جنگ میں آنے لگی ہیں![1] اور بالآخر بات آ کر پہنچ گئی اور رہی کی بلندی، جس نے کہا تھا کہ تزوجوا الولود الودود۔ شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیویوں سے! ۶۸۱ یعنی طلوع صبح صادق تک کھانے پینے، اور ہمبستری کی اجازت ہے۔ خَيْطُ الْاَبْيَضُ۔ خَيْطُ الْاَسْوَدِ۔ فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جانا کنایہ ہے تاریکی شب کے دور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوع فجر سے۔ اے بیاض النهار من سواد الليل (راغب) يعني بياض النهار من سواد الليل (معالم) خود شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر مروی ہے۔ هو سواد الليل و بياض النهار (بخاری) خط سے یوں بھی کنایہ رنگ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں انہیں خط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں یہ واقعۃً دھاریاں ہی سی نظر آتی ہیں۔ الخيط في كلامهم عبارة عن اللون (قرطبی) الخيط الابيض هو اول مايبدو من الفجر (کشاف) سميا خيطين لان كل واحد منهما يبدو في الابتداء ممتدًا كالخيط (معالم)

احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ روزہ داری رات بھی حتی الامکان ذکر وعبادت میں بسر ہونی چاہیے۔ چنانچہ اہل سنت نے اپنے ہاں جو نماز تراویح پر اتنا زور دیا ہے، وہ صاف اسی منشاء نبوی کی تعمیل ہے۔ مشقت وراحت، تعب ولذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش، شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے، اس کا ایک نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ دن بھر صبر وضبط کی مشق، کھانے پینے کا انتظار جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت وتفریح۔ پھر شام سے لے کر صبح صادق تک عبادتوں اور مادی لذتوں کا ملا جلا ہوا تسلسل، یہ اسلام ہی کے خصوصیات میں سے ہے۔ مِنَ الْفَجْرِ۔ فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لیے اجالا شمال وجنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا تڑکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی ہے۔ قال الجمهور ذلك الفجر المعترض في الافق يمنة و يسرة و بهذا جاءت الاخبار و مضت عليه الامصار (قرطبی) حدیث میں سحری میں تاخیر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح مسلم میں سمرۃ بن جندب صحابی کی روایت درج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لیے بہت سویرے اذان دے دیتے ہیں، ان کی اذان سے یہ

حاشیہ [1] یہ سطور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران میں لکھی جا رہی ہیں۔

محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری نہ ختم کردو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو (یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو) معتبر جانو۔ قال قال رسول الله ﷺ لا یغرنکم اذان بلال ولا هذا البیاض لعمود الصبح الافق حتی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور) وروی الائمه قال النبی ﷺ لا یمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانه یؤذن بلیل لیرجع قائمکم و یوقظ نائمکم (ابن العربی) بلکہ نسائی کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ، بالکل صبح ہو جانے تک سحری سے شغل فرماتے رہتے۔ بس اس کا لحاظ رہتا کہ کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔ عن زید قال قلنا لحذیفة ای ساعة تسحرت مع رسول الله ﷺ قال هو النهار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام، باب السحور) (زید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے؟ وہ بولے کہ صبح تک۔ بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ آفتاب طلوع نہیں ہو گیا تھا) دوسری روایتیں بھی ایسی ہیں تاخیر سحور کی تائید میں ہیں ایک گروہ ادھر گیا ہے کہ سحر اس وقت تک درست ہے، جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔ قالت طائفة ذلک بعد طلوع الفجر و تبینه فی الطرق والبیوت (قرطبی) اور حضرت عمر اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اس وقت سے واجب ہے جب صبح راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہو جائے۔ ان الامساک یجب بتبیین الفجر فی الطرق و علی رءوس الجبال (قرطبی) حالت جنابت میں اگر صبح ہو گئی اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی تو روزہ بلا اختلاف جائز ہوگا۔ و فی تجویز المباشرة الی الصبح دلالة علی جواز تاخیر الغسل الیه و صحة صوم من اصبح جنباً (ابوسعود) والجمهور من العلماء علی صحة صوم من طلع علیه الفجر و هو جنب (قرطبی) اذا جوزنا له الوطیٔ قبل الفجر ففی ذلک دلیل علی جواز طلوع الفجر علیه و هو جنب و ذلک جائز اجماعاً (ابن العربی) اِلَى الَّيْلِ ۶۸۲ یعنی جب سے رات داخل ہونے لگے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔ روزہ رات آتے ہی ختم ہو جانا چاہیے، یہ نہ ہو کہ رات کا کوئی جز و روزہ میں شامل و داخل ہو جائے۔ الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فجعل اللیل غایة الصیام ولم تدخل فیه (جصاص) فانه تعالی ذکره حد الصوم بانّ اخر وقته اقبال اللیل (ابن جریر) کلمة الی لانتهاء الغایة فظاهر الأیة ان الصوم ینتهی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس من جنس النهار فیکون اللیل خارجا عن جنس النهار (کبیر) اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معاً ہو جاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آثار شمس کا کیا گیا ہے۔ اللیل من مغرب الشمس الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج) اللیل عقب النهار و مبدءه من مغرب الشمس (لسان) اس لیے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔ یقتضی الافطار عند غروب الشمس حکمًا شرعیا (ابن کثیر) اَتِمُّوا۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔ امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام هنا للوجوب (بحر) صوم وصال یعنی بلا افطار کیے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہاء نے نکالی ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے۔ فیه ما یقتضی النهی عن الوصال اذ اللیل غایة الصیام و قالته عائشة (قرطبی) فدلّ الأیة علی نفی کون اللیل محل الصوم و ان یکون صوم الیومین صومة واحدة و قد استنبط النبی ﷺ منها حرمة الوصال (روح) معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانہ اور ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد و اکد ہو جاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے۔ اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس وطبیعت سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں۔ پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہِ اسلام کی رُوحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لمحہ نہ ہونا چاہیے۔ سر ڈبلو۔ ٹی آرنلڈ مسلمان نہیں مسیحی ہیں۔ تاہم جذبہ انصاف پسندی و حق گوئی سے مجبور ہو کر بیہودہ مسیحی معاندین کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ”ماہِ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کر دینے سے ہوئی ہے۔ کارلائل کے بہ قول محمد ﷺ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے طہارت کے ضابطے، عبادات کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُس کی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی“۔ (پریچنگ آف اسلام، صفحہ ۴۱۸، طبع ثالث) ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ پر ۶۸۳ (بلکہ کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول ان سے نہ رکھو) وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنی عمل مجامعت کے علاوہ اُس کے مقدمات و دواعی، بوس و کنار وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انه اللمس و القبلة (ابن العربی) لایمس المعتکف امراته ولا یباشرها ولا یتلذذ منها بشیٔ قبلة ولا غیرها (ابن جریر۔ عن مالک بن انس) المراد بالمباشرة انما هو الجماع و دواعیه من تقبیل و معانقة ونحو ذلک (ابن کثیر) یہ تفسیر حنفیہ ومالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کر دیتی ہیں، اُسے باطل نہیں کرتیں۔ اَمَّا ما دون الجماع من المباشرة کالقبلة واللمس بالشهوة فمکروه ولا یفسد به الاعتکاف عند اکثر اهل العلم و هو اظهر قول الشافعی (معالم) عٰکِفُوْنَ۔ اعتکاف کے لغوی معنی ہیں، اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کر لینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لیے مقید کر لینا۔ هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة (راغب) اعتکف فی المسجد۔ ای اقام به ولازمه و حبس نفسه فیه (تاج) الاعتکاف فی اللغة الملازمة و هو فی عرف الشرع ملازمة طاعة مخصوصة فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) العکوف هو الاقامة علی الشیٔ والاعتکاف فی الشرع هو الاقامة فی المسجد علی عبادة الله (معالم) معتکف کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے، یہیں کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر بادی یا شرعی ضرورت شدیدہ کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ یجب ان لایخرج الا لما لابد منه من حاجة الانسان و قضاء فرض الجمعة (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفه الا لما لابدّ له منه (قرطبی) مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیے۔ و اقل الاعتکاف عند مالک و ابی حنیفة یوم ولیلة و قال الشافعی اقلهٗ لحظة ولا حد لاکثره (قرطبی) هو غیر مقدّر عند الشافعی واقلّه لحظة وقال مالک و ابو حنیفة هو مقدّر بیوم و لیلة (ابن العربی) فِی الْمَسٰجِدِ۔ اس سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔ اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لایکون الا فی مسجد (قرطبی) البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہو سکتا ہے، جسے نماز وعبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ انما المرأة تعتکف فی مسجد بیتها ولو لم یکن لها فی البیت مسجد تجعل موضعًا فیه فتعتکف فیه (ہدایہ) والمرأة تعتکف فی بیتها (شرح وقایہ) ویکره فی المسجد ولا یصح فی غیر موضع صلاتها من بیتها (درمختار) دوسرے دنیوی معاملات مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور علائق دنیوی سے انقطاع جو یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون بھی ہے اور اسی کو فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کر لے تو پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی۔ باقی نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہرحال استحباب وفضیلت کی چیز ہے۔ روحانی قوت وتوانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اپنے کو روحانی وایمانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور مؤثر تر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کی مسلسل اطاعت وعبادت اور شب و روز کے ذکر الٰہی وفکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص وللّٰہیت کی مشقوں کو دعاؤں سے، عبادتوں سے، ذکر وفکر سے منتہائے کمال پر پہونچادے! لیکن ہر کس وناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا، عجب عجب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آجاتی ہیں (جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل نفرین تجربات ہو

چکے ہیں) مثلاً یہی کہ کھانا لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر سے لایا، اور معتکف بے اختیار اُس پر غصہ سے برس پڑا تو فقہاء نے کہا ہے، کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقض ہے جس طرح نماز وطہارت کی ناقض جسمی ناپاکیاں (بول وبراز) ہیں۔ المعتکف اذا اتی کبیرة فسد اعتکافه لان الکبیرة ضد العبادة کما ان الحدث ضد الطهارة والصلٰوة قاله ابن خویز منداد عن مالک (قرطبی) ویکره الدخول فیه لمن یخاف علیه العجز عن الوفاء بحقوقه (قرطبی) ف۶۸۴ بہت ہی برمحل یہ یاد دلا دیا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے خدائے دانا وبینا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یہ احکام وہدایات حکیم مطلق وحاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انہیں خاطی انسانوں کے قانون قاعدہ پر قیاس کرکے معمولی باتیں نہ سمجھنا۔ تِلْكَ سے اشارہ اُن سب چھ یا سات احکام کی جانب ہے جو آیت میں مذکور ہو چکے۔ ای ھٰذه الاوامر والنواهی (قرطبی) ای الاحکام الستة المذکورة (روح) ف۶۸۵ یعنی جس طرح اُس نے یہاں روزہ، اُس کے حدود واوقات، اعتکاف، اور اُس کے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام وشرائع انسان کے سود وبہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔ المراد انه کما بین ما امرکم به و نهاکم عنه فی ھٰذا الموضع کذٰلک یبین سائر ادلته علی دینه و شرعه (کبیر) اٰیٰتِهٖ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں۔ ای امره و نهیه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای اٰیاته الدالة علٰی بقیة مشروعاته (بحر) ای العلامات الهادیة الی الحق (قرطبی) ف۶۸۶ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہوکر) احکام الٰہی کی عین تعمیل ہی پرہیزگاری ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک وتردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی احکام کی تعمیل تمہیں پرہیزگار بنا ہی دے گی، عمل کرکے تجربہ کر لو ف۶۸۷ (اے اہل ایمان!) لَا تَاْكُلُوْٓا اکل۔ یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف ’کھانا‘ مراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ عبر بالاکل عن انفاق المال (راغب) عبر به عن الاخذ والاستیلاء (بحر) اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں، فلاں صاحب روپیہ کھا گئے، یا رقم ہضم کر گئے۔ بِالْبَاطِلِ۔ باطل سے مراد ہے ہر ناجائز طریق۔ فاکل المال بالباطل صرفه الٰی ما ینافیه حق (راغب) ای بالوجه الذی لا یبیحه الله تعالٰی (بیضاوی) والمراد من الباطل الحرام و کل ما لم یاذن باخذه الشرع (روح) گویا دو مختصر لفظوں میں تقویٰ مالی کی ساری تعلیم آ گئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید، اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ اور فقہاء نے اکل باطل کی جو تفصیل لکھی ہے، اُس میں قمار، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ ایک مدیہ بھی بڑھا دی ہے کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آ جاتا ہے، جو مالا تطیب به نفس مالکه او حرمته الشریعة وان طابت به نفس مالکه (قرطبی) (اُس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے۔ یا مالک گو اسے خوشدلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو) اَمْوَالَكُمْ۔ خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد اُمت ہیں۔ اُردو میں اَمْوَالَكُمْ کا صحیح مفہوم ”اپنا مال“ سے نہیں بلکہ ”ایک دوسرے کا مال“ سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اَنْفُسَكُمْ سے مراد ”ایک دوسرے کا قتل کرنا“ ہے۔ والمعنٰی لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنٰی لا یاکل بعضکم مال بعض بغیر حق (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشری پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کرکے لکھا ہے:۔ ”یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے پیرووں میں کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں رکھی ہے“۔ (سوشل لاز آف دی قرآن، صفحہ ۱۰۸) بَیْنَكُمْ کے دائرہ کی وسعت میں فقہاء نے ساری نسل آدم علیہ السلام کو داخل کیا ہے، اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے، مسلم ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف وتسلط جائز ہے، کہ اس سے تو اعلان جنگ ہو ہی چکا ہے، لیکن اُس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ خاص خاص قیود و شرائط کے ساتھ۔ رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں ف۶۸۸ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو) دُنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل سہی، بہرحال دنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، روئیداد مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہوں گے۔ اور اُن میں غلطی، لغزش، ناانصافی، دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عنداللہ حق ہی رہے گا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ اُس کے برعکس ہی ہو، جو قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ و لحاظ کے قابل خود اُس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آ چکی ہے اور مفسرین بھی اسے خوب صاف کر چکے ہیں۔ اعلم ابن ادم ان قضاء القاضی لا یحل لک حرامًا ولا یحق لک باطلًا انما یقضی القاضی بنحو ما یرٰی و یشهد به الشهود والقاضی بشر یخطئ و یصیب (ابن جریر) و من الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک و انت تعلم انک مبطل فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی لانه انما یقضی بالظاهر و ھٰذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بهٰذا الحدیث جمهور العلماء و ائمة الفقهاء و هو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاهر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) و ھٰذا رسول الله ﷺ المصطفٰی لا اطلاع علی الغیب یعبر من الباطن فکیف بغیره من الخلق (ابن العربی) بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے ”اثر“ و ”پیروی“ سے جھوٹے مقدمے جیت جائیں، انہیں اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ اُن پر علاوہ دوسرے جرائم اور فریق ثانی کی حق تلفی کے، ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔ تُدْلُوْا بِهَآ۔ ھَا کی ضمیر، اموال کی طرف ہے۔ ب فعل۔ ادلاء کا حرف صلہ ہے۔ تُدْلُوْا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے، اور پھر مجازاً، کسی چیز کو کہیں پہونچانے یا اُسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔ ادلیتها ای اخرجتها و قیل یکون بمعنٰی ارسلتها واستعیر للتوصل الی الشئ (راغب) واصل الادلاء ارسال الرجل الدلو فی سبب متعلقابه (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مال کو حکام تک پہونچنے کا، اپنی رسائی اور رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ وتحائف سے حکام پر اثر نہ ڈالو۔ ای لا ترشوها الیهم (کبیر) ای تلقوا بعضها الی حکام السوء علی وجه الرشوة (مدارک) اسلامی حکومت قائم ہوتا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی وفوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہو جائے، تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ احکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے؟ بِالْاِثْمِ۔ گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ای بالظلم والتعدی (قرطبی) بشهادة الزور او بالایمان الکاذبة او بالصلح مع العلم بان المقضی له ظالم (مدارک) فَرِیْقًا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ ای قطعة و جزءًا (قرطبی) قطعة و جملة (روح) ف۶۸۹ (اے پیغمبر! کہ اُن کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے؟) الْاَهِلَّةِ۔ نیا چاند یا ہلال تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں سوال اہلہ (بہ صیغہ جمع) سے متعلق ہے۔ سوال عن الاهلة کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا۔ یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا۔ پھر تاریخ وار اس کا بڑھنا، اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا، یہاں تک کہ اُس کا غائب ہو جانا۔ یرید بالاهلة شهورها، فعبر بالهلال عن الشهر لحلوله فیه (قرطبی) ای عن زیادة الاهلة و نقصانها لماذا (ابن عباس) سئل رسول الله عن زیادة الاهلة و نقصانها و اختلاف احوالها (ابن جریر) چاند کے روزانہ (بلکہ شبانہ) تغیرات مشاہدہ کی چیزیں ہیں، اس لیے سوال بھی ان کی بابت آسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لیے غیر مشاہد رہتے ہیں ف۶۹۰ (اور اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں) قرآن کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دُنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔ اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اُس کی پوجا کثرت سے کی گئی ہے۔ اور بڑھتے چاند کو مبارک، اور اُترتے چاند کو نحوس سمجھنے کا رواج تو آج خدا معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجود ہے۔ اور ہندوستان میں چھپی ہوئی جس جنتری کو چاہیے آج اُٹھا کر دیکھ لیجیے، اُس کے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لیے سعد ہے اور فلاں تاریخ نحس۔ قرآن مجید نے عروج وزوال قمری کی یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہیں یعنی مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ ہیں، ہلال پرستی اور اس کے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی! احمق انسان! تو چاند کی کیا پوجا کر رہا ہے، چاند تو خود تیری خدمت کے لیے ہے! مَوَاقِیْتُ جمع ہے میقات کی۔ اور اس کے معنی وقت کے بھی ہیں اور منتہائے وقت کے بھی، اور وقت موعود ومتعین کے بھی۔ جمع المیقات

و هو الوقت و قيل الميقات منتهى الوقت (قرطبی) الوقت المضروب للشئ (راغب) مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ۔ یعنی ان کے معاملات دُنیوی میں بھی اور حسابات شرعی میں بھی۔ سنہ قمری میں، دِنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عروج و زوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جب اعمالِ شرعی کا مدار حساب قمری پر ٹھہرا تو اس حساب قمری کا اہتمام و انضباط بھی فرضِ کفایہ ہوا۔ جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آ پڑا ہے، اُن کے لیے تو خیر عذر بھی ہے، لیکن بلا ضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کر لینا واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ وَالْحَجِّ۔ قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں، اور ان کے علاوہ حج اور دوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لیے بھی معیار و مدار وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لیے فرمایا گیا ہو کہ اس کی اہمیت عرب کے ہر شعبۂ زندگی میں بہت نمایاں تھی و**۶۹۱** (جیسا کہ مشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے ہیں) جاہلی عرب جب احرامِ حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے کے لیے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ پشت کی دیوار میں ایک بڑا سا روزن پیدا کر دیتے، اور اس کے اندر سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے، اور اس سے اندر پھاند تے، اور اسے اپنے نزدیک کوئی بڑی عبادت اور خانۂ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔ كانوا اذا احرموا في الجاهلية اتوا البيت من ظهرها (بخاری) كانوا اذا حجوا لم يدخلوا بيوتهم من ابوابها كانوا ينقبون في ادبارها (ابن جریر) اذا احرم الرجل منهم نقب كوة في ظهر بيته فجعل سلما فجعل يدخل منها (ابن جریر) بعض قبیلوں کے نومسلم صحابی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ اُنھی کی اصلاحِ خیال کے لیے آیت نازل ہوئی، اور عقیدۂ جاہلی کی تصحیح کی گئی۔ نزلت في نفر من اصحاب النبي ﷺ كنانة و خزاعة كانوا يدخلون بيوتهم في الاحرام من خلفها او من سطحها كما فعلوا في الجاهلية (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مفسر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا تقویٰ اور آدابِ احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور وہ اسی لیے اپنے مکان میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔ وكان الانصار اذا حجوا وعادوا لايدخلون من ابواب بيوتهم ..... فكانوا يرون هذا من النسك والبر (قرطبی) یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی، اس لیے اس کا ذکر بھی حج ہی کے متصل فرمایا گیا و**۶۹۲** (اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے) اے فخافه و تجنب محارمه واطاعه باداء فرائضه التي امره بها (ابن جریر) ضمناً یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ اصل تقویٰ الٰہی ہے۔ یعنی احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ اپنے کسی گڑھے ہوئے دستور و رواج کا اتباع و**۶۹۳** (جب آنا چاہو، اور گویا رسوم شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاءِ اُمت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آ گئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سنت میں اس کی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیل شرعی، معصیت و محلِ ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔ هذا دليل على مسئلة من الفقه و هي ان الفعل بنية العبادة لايكون الا في المندوبات خاصة دون المباح و دون المنهي عنه و هذا اصل حسن (ابن العربی) في هذه الاية بيان ان مالم يشرعه الله قربة و لا ندب اليه لا يصير قربة بان يتقرب له متقرب (قرطبی) قال ابن خويز منداد اذا اشكل ما هو برٌ و قربة بما ليس هو برٌ قربة ان ينظر في ذلك العمل فان كان له نظير في الفرائض و السنن فيجوزان يكون و ان لم يكن فليس ببرولا قربة (قرطبی) قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے حدیث نبوی ﷺ بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور اس کی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہوں گے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔ مروه فليتكلم و يستظل وليقعد و ليتم صومه (وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اسی حال میں روزہ تمام کریں)۔ اسلام نام صرف امتثالِ امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت

فقط تعمیلِ احکام کی ہے۔ خود رائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے و**۶۹۴** (دُنیا اور آخرت دونوں میں) تقویٰ (خوفِ خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کر تی ہے، اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل اصول تقویٰ ہی ہے۔ خشیتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کے درمیان نسبت تضاد و تخالف، بلکہ تباین کی بھی بالکل نہیں، بلکہ علاقہ توافق و مناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے خوف کیا جاتا ہے، اس میں خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دُور کرتی ہے۔ لیکن خشیتِ الٰہی میں تو اس کے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ بندہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، ملاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبتِ الٰہی کے مرادف ہے۔ اہلِ تقویٰ، اور مخلصین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے وہ "دہشت" کے مرادف ہے، اور وہ "وحشت" سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیتِ الٰہی، اس کے ٹھیک برعکس، احساسِ **عظمت** سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ ربِ عظیم و معظم سے قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔ خوفِ خدا کی ترغیب اور خشیتِ الٰہی کی تاکید سے قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً:۔ "خداوند کا خوف، دانش کی ابتدا ہے"۔ (امثالِ سلیمانی۔ ۱:۷) "خداوند کا خوف، دانائی کا شروع ہے"۔ (امثالِ سلیمانی۔ ۹:۱۰) "خدا سے ڈر، اور اس کے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرضِ کلی یہی ہے"۔ (واعظ کی کتاب۔ ۱۲:۱۳) و**۶۹۵** قَـٰتِلُوا۔ قتال کا یہ حکم اُن مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد پر، اور شدائد کیسے، بے پناہ شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پورے اُتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے لارڈ ہیڈ لے انگریزی کی۔ نومسلم ہو کر بات پتے کی کہہ گیا ہے، کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو، کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظت خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہلِ فساد، یا مدینہ کے صبر و شکر کرنے والے مومنین؟ (۱) **جنگ بدر**۔ بدر تھی ہوئی، مدینہ سے کل تین میل کے فاصلہ پر۔ **جنگ اُحد**۔ اُحد تو مدینہ سے کل بارہ ہی میل ہے (۳) **جنگ احزاب**۔ اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا! غرض ہر دفعہ قریشِ مکہ یا اُن کے حلیف و مددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہوئی جاتی ہیں (۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتداء کرنے والے مسلمان نہ تھے۔ ابتداء دوسرا ہی فریق کر رہا تھا۔ اے الذين يبدءونكم بالقتال (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے يناجزونكم القتال دون المحاجزين (مدارک) اے يحل لكم القتال ان قاتلكم الكفار (قرطبی) (۲) دوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنھی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں Combatants کے مقابلہ میں۔ غیر مصافی Non-combatants آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور اُن پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے "مہذب ترین" آئینِ حرب سے اسلام کا قانونِ جنگ نا آشنا ہے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، اُنھیں رسول ﷺ کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہی ہے، لیکن خود یہ آیت بھی اس استثناء کی جانب صاف مشیر ہے۔ لا تقتلوا النساء ولا الصبيان ولا الشيخ الكبير ولا من القى اليكم السلم و كف يداه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے لا تقاتل من لا يقاتلك يعني النساء والصبيان والرهبان (ابن جریر۔ عن عمر بن عبدالعزیز) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة في بعض مغازي النبي ﷺ مقتولة فانكر رسول الله ﷺ قتل النساء والصبيان (بخاری۔ مسلم) كان النبي ﷺ اذا بعث جيشا قال اغزوا بسم الله و في سبيل الله ... ولا تقتلوا امرأة ولا وليدا ولا شيخا كبيرا (معالم۔ عن بریدہ) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصل حکم میں تو پھل دار درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپ نے یہ حکم خلافتِ اسلامیہ کے پہلے سپہ سالارِ فوج (کمانڈر انچیف) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دیا تھا، اور اُن کی مشایعت آپ نے پا پیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکم نامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں:۔ وانی اوصيك بعشر لا تقتلن امرأة ولا صبيا ولا كبيرا هرما ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاة ولا بعيرا الا لما كلة ولا تحرقن نخلا ولا تغرقنه (طبقات ابن سعد) البتہ الذين يقاتلونكم سے یہ بھی مراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آ جائے، اور لڑائی شروع کر دے، جبھی تم قتال کرو، اسے انتظار و توقف کے معنی یہ ہوں گے کہ آدمی جیت اُن کی ہو گئی، جیسا

کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ بلکہ تعمیم کا ارادہ اور آمادگی ہی اُسے اس حکم کے تحت میں لے آنے کے لیے کافی ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ قید کتنی اہم اور دنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دُنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جارہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائیں گی۔ لیکن کاہے کے لیے؟ زر کے لیے، یا زن کے لیے، یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ”قوم“ اور ”وطن“ کے لیے! یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد ”بدنام و رسوا“ اسلامی جہاد کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو۔ شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دینِ حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو۔ خودی کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، ”حلقۂ اثر“ کی توسیع کے لیے ”آزادیٔ تجارت“ کے لیے، ”آزادیٔ سمندر“ کے لیے، ”نوآبادیوں کے تحفظ“ کے لیے، ”برآمد کی منڈیاں“ پیدا کرنے کے لیے، غرض نئی اور پرانی قسم کی بھی عصبیت جاہلی کے جھنڈے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ۔ الجهاد لاعلاء كلمة الله و اعزاز الدين (مدارک) اي جاهدوا لاعلاء كلمته واعزاز دينه (بیضاوی) بمعنى دينا و اظهارا للكلمة (قرطبی) اي في طاعته و طلب رضوانه (کبیر) قتال کا طریقہ دوسری اُمتوں سے نرالا کچھ اُمتِ محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں اور اُن کی خونریزیاں اور خون آشامیاں، تو اُن کی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملے گی۔ عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحم دلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو Finlays' Greece under the Romans. صفحہ ۳۵۳۔ نیز Bosworth smith's Mohammad & Mohammadanism صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۸۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقویٰ کی تاکید آچکی ہے، اب اُسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔ لما امر ها لتقوى امر في هذه الآية باشد اقسام التقوى واشقها على النفس (کبیر) و۱۹۶ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزة الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حدِ شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا تمرد کے زور میں بے تحاشا غنیم کے مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگا دی جائے، اُن کے بے زبان جانوروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیے جانے لگیں، وقس علیٰ ہذا۔ قرآن نے دُنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اُسی حد تک جائز ہے۔ جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بدعہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پرواہ نہ کی جائے، اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کر کے حملہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ اي لا تعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاهد او المفاجاة به من غير دعوة او المثلة او قتل من نهيتم عن قتله (بیضاوی) اي لا تعتدوا بوجه من الوجوه (روح) اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔ اي لا تقاتلوا على غير الدين (ابن العربی) المعنى لا تعتدوا في القتال لغير وجه الله كالحمية و كسب الذكر (قرطبی) غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اچھے اچھوں کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن اُس وقت جواب دے دیتی ہے اور کل کے مظلوم، بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیروؤں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، افراد اُمت کو حکمت و اخلاق فاضلہ کے بلند سے بلند مقام پر پہنچا دینا ہے۔ اور پھر جب یاد کر لیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ ۷ھ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ کر جنگ شروع کر دیں گے، اور اُس کے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور امتناعی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے! پھر فتح مندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول ﷺ کے صحابیوں، اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے و۱۹۷ وَاقْتُلُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اُنہی لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔ والضمير عائد الى الذين امر لقتلهم في الآية الأولى (کبیر) حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ یعنی ان مقاتلین محاربین مکہ کو جہاں کہیں بھی پکڑ پاؤ، اور جب بھی اُن پر غلبہ حاصل کر پاؤ، قتل کر دو۔ هم الكفار من اهل مكة فامر الله تعالى بقتلهم حيث كانوا في الحل والحرم و في الشهر الحرام (کبیر) اي حيث وجدتموهم من حل او حرم (ابوسعود) وَاقْتُلُوْا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قتال و جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ یعنی سرزمین مکہ سے۔ مِنْ حَيْثُ کے معنی ”جہاں سے“ کے علاوہ ”جس طرح“ کے بھی ہیں۔ وَاقْتُلُوْهُمْ۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ۔ مراد یہ ہے کہ سرزمین مکہ سے انہیں چاہے مارو، چاہے نکالو، جو بھی تمہیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔ والمراد افعلوا كل ما تيسر لكم من هذين الامرين في حق المشركين (روح) و۱۹۸ (اپنی مضرتوں اور مفسدوں کے لحاظ سے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل، وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فروع ہوئیں۔ الفتنة، فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔ الفتنة الشرک بالله و عبادة الاوثان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اقدام الكفار على الكفر و على تخويف المؤمنين (کبیر) روى عن جماعة من السلف ان المراد بالفتنة هٰهنا الكفر و قيل انهم كانوا يفتنون المؤمنين التعذيب و يكرهونهم على الكفر (جصاص) کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون، غدر و بد امنی ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ انما سمی الكفر بالفتنة لانه فساد في الارض يؤدى الى الظلم والهرج و فيه الفتنة (کبیر) اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی حرم میں قتل و خون سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا درجہ اس مرکز توحید و ایمان میں شرک، اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشد من القتل في الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اي شركهم بالله اعظم من القتل الذي يحل بهم منكم (مدارک) يجوزان يراد فتنتهم اياكم بصدكم عن المسجد الحرام اشد من قتلكم اياهم في الحرم (کشاف) يعني كفرهم و تعذيبهم المؤمنين في البلد الحرام في الشهر الحرام اشد و اعظم اثما من القتل في الشهر الحرام (جصاص) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکہ والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع تعدیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔ اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔ اي المحنة التي يفتتن بها الانسان كالاخراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبها و بقاء تألم النفس بها (بیضاوی) اي المحنة والبلاء الذي ينزل بالانسان يعذب به اشد عليها من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فيه من مفارقة المالوف والاحباب و تنغيص العيش دائما (بحر) ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد وہ ابدی عذاب اُخروی ہے جو انہیں کفر کی سزا میں ملے گا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دُنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے۔ المراد من الفتنة العذاب الدائم الذي يلزمهم بسبب كفرهم (کبیر) واطلاق اسم الفتنة على العذاب جائز و ذٰلك من باب اطلاق اسم السبب على المسبب (کبیر) والكفر بالله يقتضي العذاب دائما و القتل ليس كذٰلك (بحر) و۱۹۹ (کہ یہاں قتال کی ابتداء بلاوجہ اور بلاضرورت کر دینے سے حدود حرم کی ہتک لازم آتی ہے) عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف یا مسجد کعبہ کے گرد و نواح میں کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اس کے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔ عندنا المسجد الحرام يقع على الحرم كله (مدارک) نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اُس پاسِ معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے یہ دوسرا مانع احترام حدود حرم کا بھی تو ہے۔ بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل و قتال ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب و مدافعت میں نہ ہو۔ قال مجاهد لا يجوز قتال

احد في المسجد الحرام الابعدان يقاتل و به قال طاؤس و هوالذی يقتضيه نص الاية (قرطبی) واليه ذهب ابوحنيفة واصحابه (قرطبی) فيه قولان احدهما انه محكم قاله مجاهد و ابوحنيفة (ابن العربی) **ف۶۹۸** حفاظت خود اختیاری حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کرے گی۔ کذٰلک جزاء الکفرین۔ یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں، وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔ جزاء الکفرین۔ یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔ ''کفر کے ساتھ جملہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتل شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام پر جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداء ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کر دی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) **ف۶۹۹** (محض جنگ سے نہیں، جسے انہوں نے شروع کیا تھا، بلکہ عقائد کفر و شرک سے جو حرب اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ وقتال کے) ای عن الکفر و الشرک و تابوا (ابن عباس) ای فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) من قتالکم و کفرھم باللہ (ابن جریر) عن الشرک و القتال (مدارک) یعنی انتھوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منه کما روی عن مجاہد وغیرہ او عنه و عن القتال (روح) فان انتھوا میں ضمیر غائب کفار و مشرکین کی طرف ہے۔ حرف تعقیب فَ سے مراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔ بعض مفسرین جدید نے انتھوا سے صرف جنگ میں باز آجانا مراد لیا ہے، انہوں نے سخت غلطی کی ہے **ف۷۰۰** (اس لیے ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی، انہیں دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جائے گا، اور ان کے اسلام کو لا حاصل یا بے قدر نہیں سمجھا جائے گا) آیت کے اس جزو نے بھی انتھوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کر دیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ وقتال سے۔ صفات مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہو سکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔ جو کفر سے تائب ہو گیا اس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آئندہ بھی اس کے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ غفور لمن تاب و رحیم لمن مات علی التوبة (ابن عباس رضی اللہ عنہ) فان اللہ يغفر لهم جميع ما تقدم و يرحمهم كلامنهم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) و لذلک علق عليه الغفران و الرحمة و هما لا يكونان مع الكفر (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ و فيه دلالة على قبول توبة قاتل العمد اذ كان الكفر اعظم ماثما من القتل و قد اخبر تعالى انه يقبل التوبة من الكفر (بحر) هذا يدل على ان قاتل العمد له توبة اذ كان الكفر اعظم ماثما من القتل و قد اخبر الله انه يقبل التوبة منه و يغفر له (جصاص) **ف۷۰۱** (ان لوگوں میں، یعنی سرزمین عرب پر) قاتلوھم میں ھم کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ روئے زمین کے سارے کفار بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور مشرکین عرب بھی سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بہ کثرت تابعین نے مراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے۔ و من راها غير ناسخة قال المعنى قاتلوا هؤلاء الذين قال الله فيهم فان قاتلوكم (قرطبی) و هم كفار مكة و الفتنة ههنا الشرك و لا يسن بهم سنة اهل الكتب في قبول الجزية قاله ابن عباس و قتادة والربيع والسدی (بحر) عطف على قاتلوا الذين يقاتلونكم و يؤيده ان مشركين العرب ليس في حقهم الا الاسلام او السيف (روح) وهذه الاية خاصة في المشركين دون اهل الكتب لان ابتداء الخطاب جرى بذكرهم في قوله عزوجل واقتلوهم حيث ثقفتموهم واخرجوهم من حيث اخرجوكم و ذلك صفة المشركين اهل مكة الذين اخرجوا النبي صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابه فلم يدخل اهل الكتب في هذا الحكم (جصاص) حتى۔ یہاں اظہار غایت کے لیے ہے اور کی یا الیٰ ان کے مرادف ہے۔ و هذا البيان غاية القتال (روح) حتى بمعنى كي او الى ان (مدارک) لا تکون فتنۃ۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرب کے اندر شرک و کفر باقی نہ رہنے پائے۔

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اختیار کیے رہو، تاآنکہ فلاح پا جاؤ ف۶۹۳ اور اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، ف۶۹۴ اور حد سے باہر مت نکلو، ف۶۹۵ کہ اللہ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

حد سے باہر نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ف۶۹۶ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو ف۶۹۷

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، ف۶۹۸ اور ان سے مسجد حرام کے قریب

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ف۶۹۹ ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ

تو (تم بھی) انہیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے کافروں کی ف۷۰۰ پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ

وہ باز آجائیں ف۷۰۱ تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۷۰۲ اور ان سے لڑو

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ف۷۰۳ اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے ف۷۰۴

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

سو اگر وہ باز آجائیں ف۷۰۵ تو سختی (کسی پر بھی) نہیں، بجز (اپنے حق میں) ظلم کرنے والوں کے ف۷۰۶

فتنہ سے یہاں کفر و شرک کے مراد ہونے پر کہنا چاہیے کہ محققین امت کا اجماع ہے۔ ای شرک قاله ابن عباس وابو العالية و مجاهد والحسن و قتادة و الربيع و مقاتل بن حيان والسدی (ابن کثیر) ای الشرک بالله في الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہ) ای حتى لاتكون شرک بالله و حتى لا يعبدونه احد (ابن جریر) قال ابن عباس و قتادة و مجاهد و الربيع ابن انس الفتنة ههنا الشرک و قيل انما سمي الكفر فتنة لانه يؤدي اليه الهلاک كما يؤدي اليه الفتنة (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو گو اور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دست کش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لیے قانون جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے اسلام ہے یا قتل (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافی مرکز ہو، مستقر ہو، اور روئے زمین پر کم از کم ایک خطہ تو ایسا ہو جو شرک و کفر سے قطعاً پاک، اور اہل توحید کے لیے صحیح معنی میں ''پاکستان'' ہو۔ اور اس غرض کے لیے مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم و مہبط قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہو سکتی تھی؟ قدرۃً انتخاب اس کے لیے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے لیے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانوی) **ف۷۰۴** (خالصۃً۔ اور کفر و شرک ہر دین باطل کا زور ٹوٹ کر رہے) ذکر اسی خطہ عرب کی خاص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے کہ کم از کم اس ''پاکستان'' میں کفر و تعبیرات کفر کے لیے موقع ہی باقی نہ رہیں۔ يكون الاسلام و العبادة لله في الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض میں ہوتا ہے وے۷ے اور حرمتیں معاوضہ

قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ

کی چیزیں ہیں، وےے۸ تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو وے۹ے

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو وے۱۰ے اور جانتے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹۴ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے وے۱۱ے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو وے۱۲ے

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ

اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو وے۱۳ے اور اچھے کام کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۹۵ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے وے۱۴ے اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے

لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

پورا کرو وے۱۵ے پھر اگر گھر جاؤ، تو جو بھی قربانی کا جانور میسر ہو، (اسے پیش کر دو) وے۱۶ے

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ

اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ وے۱۷ے

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ

لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو وے۱۸ے یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو وے۱۹ے

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ

تو وہ روزوں سے یا خیرات یا ذبح سے فدیہ دے دے وے۲۰ے لیکن جب تم

ع

علی وجه المداومة والعادة (جصاص) وے۵ے (اپنے کفر و انکار سے، اور ملت اسلامیہ میں داخل ہو جائیں) عن قتالکم و دخلوا ملتکم واخبروا بما الزمکم اللہ من فرائضه (ابن جریر) عن الکفر وا سلموا (معالم) وے۶ے (جو اسی بے اخلاقی کی راہ سے اب تک دین توحید تک سے منکر ہیں) اور جب یہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں رہے۔ اور اب ان کے حق میں سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔ فلاسبیل لکم بالقتل (ابن عباس رضی اللہ عنہ) عدوان۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ والمراد من العدوان ههنا المعاقبة والمقاتلة (ابن کثیر) ای العقوبة بالقتل (روح) عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزائے عمل کے موقع پر بعینہ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استهزاء کے معاوضہ میں لفظ استهزاء وقس علی ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے تشدد ان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔ ومن العدوان الذی هو علی سبیل المجازاة قوله فلا عدوان الا علی الظّٰلمین (راغب) انه ذلك علی وجه المجازاة لما کان من المشرکین من الاعتداء (ابن جریر) سمی جزاء الظّٰلمین ظلمًا للمشاکلة (کشاف) اراد بالعدوان الجزاء یقول لا جزاء ظلم الا علی ظالم (ابن قتیبہ) وے۷ے یعنی کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اسی پر ہے کہ دوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے گا، اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوض معاوضہ کی، اور طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ کے لفظی معنی ہیں "حرمت والا مہینہ"۔ عرب کے قبائل آپس میں سخت جنگجو چلے آتے تھے۔ لیکن آپس میں یہ بھی ٹھہری ہوئی تھی، کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہے، اور یہ زمانہ امن و صلح کے ساتھ گزارا جائے اور یہ چار مہینے یہ تھے:۔ محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ۔ رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ۔ ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارھواں مہینہ۔ ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارھواں مہینہ۔ یہاں اشارہ ذی قعدہ ۶ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ قصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، لیکن مشرکین آمادہ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کر دی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کے لیے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اس کے باوجود سال کی صرف دو تہائی لڑتے تھے، اور باقی ۱/۳ احصا امن و آشتی ہی کے مشغلہ میں گزار دیتے تھے۔۔۔ یہ کمال تو جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ ہی کے لیے اٹھا رکھا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما نہ تو اتوار دیکھیں، نہ بڑا دن، نہ ایسٹر، نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں، تو پیں اور ٹینک اور ہوائی بم ہیں کہ ایک دوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے رہتے ہیں! وے۸ے (پس جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی اُن سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو) قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، یا عملی، یا جسمانی اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے۔ یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اُس کے ساتھ کرو۔ قصاص ای بدل (ابن عباس رضی اللہ عنہ) القصاص هو المجازاة من جهة الفعل او القول او البدن و هو فی هذا الموضع من جهة الفعل (ابن جریر) القصاص المساوات والمماثلة وهو ان يفعل بالفاعل مثل ما فعل (معالم) یہاں کافروں پر تعریض ہے، کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لیے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں! والحاصل ان حرمة الشهر الحرام لما لم تمنعهم عن الكفر والافعال القبيحة فكيف جعلوه سببًا فی ان یمنع القتال من شرهم و فسادهم (کبیر) وے۹ے یعنی اگر فریق مقابل قتال شروع کر دے، تو تم بھی برابر جواب دو۔ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔ مثلاً ایک زیادتی یہی، کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے، بلکہ تم سے جنگ شروع کر دے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو محض مجازاً اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے (اعتداء) فرما دیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی بطور سزا کی جائے، اس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو کیونکر سکتا ہے؟ عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت الفاظ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے، اور محض لفظی تطابق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے ہاں یہ تصریح منقول ہے ای فابلوه بحسب اعتدائه و تجاوزوا الیه بحسب تجاوزه (راغب) انه بمعنی المجازاة والباع لفظ لفظًا وان اختلف معناهما (ابن جریر) انما سمی الفعل الثانی اعتداء و هو مفعول بحق حملًا للثانی علی الاول علی محاورة العرب (ابن العربی) وے۱۰ے (ان سارے احکام ومعاملات میں، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں) یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے کہ ایک طرف تو قتل اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلا دیا کہ دیکھنا حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو ہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ الٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوف خدا، بازپرس کا خیال، ہر وقت مستحضر رہے، جو کچھ بھی ہو شدید اشتعال کے موقع پر بھی ہیجان نفس کے ماتحت نہیں، خشیت الٰہی ہی کے، تحت ہو! واتقوا ایها المؤمنون فی حرماته و حدوده ان تعتدوا فیها (ابن جریر) اللہ اکبر! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر، دنیا کے کسی قانون، کسی آئین، کسی نظام کے اندر ملے گی؟ وے۱۱ے اللہ اللہ! کتنی بلند و پر حکمت تعلیم ہے۔ ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عاید کی جا چکی ہے۔

ای یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی علی سائر الادیان (ابن کثیر) خالصاً لیس للشیطان فیہ نصیب (مدارک) الدِّیْنُ۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اما الدین الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الموضع فھو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہ و نھیہ (ابن جریر) الدین ھنا الطاعۃ ای لایکون الانقیاد خالصاً للہ (بحر) والدین الشرعی ھو الانقیاد للہ عزو جل والاستسلام لہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہو جانا، اور یوں نہ خیال کرنے لگنا کہ "حدود و قیود" عائد کرکے پرزور مقابلہ سے روکا جا رہا ہے، اور ان کے بعد دل کے حوصلے پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ تو یہ بات نہیں ہے، بلکہ قانون الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت، رحمت و عنایت شامل حال اُنھی لوگوں کے رہتی ہے، جو اُس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں!..... تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لیے ہے۔ ضعف پیدا کرنے کے لیے نہیں۔ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین کے ساتھ اللہ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ محققین کا فیصلہ ہے کہ اللہ کی معیت بلحاظ اُس کی نصرت، اعانت، حفظ، علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔ ای بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم (کبیر) بالنصر و العون (روح) بالنصرۃ والتمکین و التائید (بحر) اور یہیں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ نہ جسم ہے، اور نہ وہ کسی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے جیسا کہ ہر جسم کسی متعین جگہ کو اپنے سے لبریز کر دیتا ہے۔ وھذا من اقوی الدلائل علی انہ لیس بجسم ولا فی مکان (کبیر) ۲۱۲؎ (اپنا مال) جان قربان کروانے کا حکم تو قتال کے ذیل و ضمن میں آ چکا، اب حکم صرف مال کا ل رہا ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس قید کا خوب خیال رہے۔ اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں، بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے، جو خدا کی راہ میں ہو، اللہ کے دین کی بڑائی کے لیے ہو، اُسی طرح مطلق صرف مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر نہیں۔ قدر صرف اُس صرف مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں، حق کی راہ میں ہو، ہوائے نفس کی تکمیل کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے، لیکن فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آ جاتی ہے یعنی فی طاعۃ اللہ (قرطبی) ۲۱۳؎ (جان یا مال میں بخل کر کر کے) قرآن مجید میں جب صیغہ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصل مخاطب اُمت ہے بہ حیثیت مجموعی ہے۔ اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد اُمت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری اُمت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ۔ اصل تقدیر کلام یوں ہے:۔ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم یا انفسکم (اپنے آپ کو) محذوف ہے قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) ای لا توقعوا انفسکم فی الھلاک (بیضاوی) التَّهْلُكَةِ۔ لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُمت کی ضرورت کے موقع پر بخل کر کے اُمت کو بربادی میں نہ ڈالو، اور یہی معنی ابن عباس، ابو ایوب انصاری، اور حذیفہ رضی اللہ عنہم صحابیوں سے، اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ اور عطا تابعین سے مروی ہیں، اور محدث جلیل امام بخاری نے بھی یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ بترک الانفاق فی سبیل اللہ وھو قول حذیفۃ والحسن وقتادۃ و عکرمۃ و عطاء (معالم) وقال حذیفۃ بن سلیمان و ابن عباس و عکرمہ و عطاء و مجاھد و جمھور الناس المعنی لا تلقوا بایدکم ان تترکوا النفقۃ فی سبیل اللہ ولا تخافوا عیلۃ والی ھذا المعنی ذھب البخاری اذلم یذکر غیرہ (قرطبی) التھلکۃ الاقامۃ فی الاھل والمال و ترک الجھاد (کشاف عن ابی ایوب الانصاری) بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ بہت زیادہ خرچ کر کر کے اپنے کو تباہ حال نہ کر دو۔ وقال الجبائی التھلکۃ الاسراف فی الانفاق (روح) ای بالاسراف و تضییع وجہ المعاش (بیضاوی) قیل ھو الاسراف فی الانفاق حتی لا یجدما یاکل و یشرب فیتلف (جصاص) ۲۱۴؎ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی جانب رغبت و التفات، ناپسندیدگی و بیزاری کے افعال و صفات بارہا منسوب کیے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لیے ہے کہ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ ان سارے افعال و صفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود اُن گمراہ قوموں کی تردید ہے جو وجود باری کے تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفات کمال و جمال سے معرّیٰ ایک طرح کا محض جامد، بے جان، بے حس، علت العلل سمجھے ہوئے ہیں!۔۔۔۔ اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنی میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے مبغوض بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔ اَحْسِنُوْا۔ یعنی جو کچھ بھی کرو، حسن نیت و اخلاص کے ساتھ کرو۔ محض بیگار سمجھ کر بوجھ سا نہ اتارو۔ صحابیوں سے اسی قسم کے معنی مروی ہیں۔ ای احسنوا اعمالکم بامتثال الطاعات روی ذلک عن بعض الصحابۃ (قرطبی) احسنوا اعمالکم و اخلاقکم (بیضاوی) ۲۱۵؎ یعنی جب یہ عبادتیں بجا لاؤ تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لیے بجا لاؤ۔ اخلاص نیت کے ساتھ، اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ، تمام ممنوعات سے محترز رہ کر۔ یہ نہ ہو کہ کسی طرح اُلٹے سیدھے ادا کر کے ان عبادتوں کو بھی ناقص و فاسد بنا دو۔ ای افعلوا الحج والعمرۃ علی نعت الکمال والتمام (کبیر) و ظاھر السیاق با کمال افعالھما بعد الشروع فیھما (ابن کثیر) ای ائتوھما تامین بشرائطھما و فرائضھما لوجہ اللہ تعالیٰ بلا توان و لانقصان (مدارک) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ علیہم سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ لیکن سب سے جامع تفسیر مقاتل تابعی کی ہے کہ اس درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ کرو کہ جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو۔ الاتفعلوا فیھما مالا ینبغی لکم (قرطبی) لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسر ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں، خلق، علم، ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے یہاں اس تائید و تخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج وعمرہ کا قصد، میلہ ٹھیلہ سمجھ کر نہ ہو، تفاخر کی راہ سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو، اخلاص کامل کے ساتھ قرب و رضائے الٰہی کی نیت سے ہو۔ وفائدۃ ھذا التخصیص ان العرب کانت تقصد الحج للاجتماع والتناصر والتظاھر والتناظر والتفاخر و قضاء الحوائج و حضور الاسواق و لیس للہ تعالیٰ فیہ حظ یقصد ولا قربۃ تعتقد فامر اللہ سبحانہ بالقصد الیہ لاداء فرضہ و قضاء حقہ (احکام القرآن) ۲۱۶؎ یعنی اگر کسی دشمن کی روک تھام کے باعث، یا کسی بیماری وغیرہ سے معذور ہو کر راستہ ہی میں رُک جانا پڑے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو، تو قربانی کا جانور جو ساتھ میں ہو، اُسے وہیں ذبح کر دو، اور احرام کھول ڈالو۔ عازم حج جب کسی معذوری کی بنا پر راہ ہی میں رُک گیا، اور اب قصد حج پورا نہیں کر سکتا، تو احرام سے باہر آنے کا طریقہ اسے بتایا جا رہا ہے۔ اِنْ اُحْصِرْتُمْ۔ احصار کے لفظی معنی گھر جانے کے ہیں۔ خواہ کسی سبب سے بھی ہو۔ ائمہ لغت سے یہی عام مفہوم منقول ہے۔ الاحصار المنع من طریق البیت فالاحصار یقال فی المنع الظاھر کالعدو والمنع الباطن کالمرض (راغب) قال الفراء ان لفظ الاحصار یفید الحبس والمنع سواء کان بسبب العدو او بسبب المرض (کبیر) فقال الکسائی وابو عبیدۃ واکثر اھل اللغۃ الاحصار المنع بالمرض او ذھاب النفقۃ (جصاص) چنانچہ فقہاء حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں لیا ہے۔ اور یہی معنی بعض فقہاء صحابہ و تابعین سے منقول ہیں۔ ذھب الامام ابوحنیفۃ الی ان المراد بہ ما یعم، کل منع من عدو و مرض و غیرھما (روح) روی عن ابن مسعود و ابن عباس العدو والمرض سواء و ھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد و زفر والثوری (جصاص) ولما کان اصل الحصر الحبس قالت الحنفیۃ المحصر من یصیر ممنوعاً من مکۃ بعد الاحرام بمرض او عدو او غیر ذلک واحتجوا بمقتضی الاحصار مطلقاً (قرطبی) ای منعتم بای عذر کان قالہ مجاھد و قتادۃ و ابو حنیفۃ (ابن العربی) البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے باعث ہو سکتا ہے۔ المراد من الاحصار ھنا حصر العدو عند مالک والشافعی (روح) و عند الشافعی الاحصار بالعدو وحدہ (مدارک) ای بالعدو خاصۃ قالہ ابن عمر و ابن عباس و انس والشافعی ھو اختیار علمائنا (ابن العربی) ۲۱۷؎ (جو علامت ہے مناسک حج کے تمام ہو جانے اور حالت احرام سے باہر آ جانے کی) مَحِلَّهٗ۔ یعنی موضع حرم۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے۔ ای مکانہ الذی یجب نحرہ فیہ و ھو الحرم (مدارک) جب عازم حج خود وہاں پہنچنے سے معذور ہو جائے تو قربانی کا جانور وہاں بھیج دے۔ وہیں اُس کی قربانی کر دی جائے گی۔ ھَدْی کے لفظی معنی محض اس پیشکش کے ہیں، جو خانہ کعبہ کے لیے بھیجا جائے۔ الھدی مختص بما یھدی الی البیت (راغب) و ھو ما یھدی الی بیت اللہ من بدنۃ او غیرھا (قرطبی) حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں رکھا ہے، اور قربانی کا ہر جانور اس سے مراد لیا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔ فقال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر و مالک والشافعی الھدی من اصناف الثلثۃ الابل والبقر والغنم وھو قول ابن شبرمۃ (جصاص) بعض ائمہ کے نزدیک اس کا اطلاق قربانی کے صرف اونٹ پر ہوتا ہے۔ ۲۱۸؎ (ایسے مرض میں کہ اس کی وجہ سے سر کے بال اُتروانے کی ضرورت پڑ جائے) مرضاً یحوجہ الی الحلق (بیضاوی) ۲۱۹؎ مثلاً درد، زخم، وغیرہ سے، اور اس لیے سر منڈانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو۔ ۲۲۰؎ معذوروں کو اجازت ہے کہ قبل از وقت ہی سر منڈا ڈالیں، اور اس کا شرعی فدیہ دے دیں۔ فَفِدْيَةٌ۔ مِّنْ رَّاْسِهٖ کے بعد عبارت مقدر یوں ہے۔ فحلق فعلیہ فدیۃ۔

اٰمِنْتُمْ ۛ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا
حالت اطمینان میں ہو ۲۲۱ تو پھر جو شخص عمرہ سے مستفید ہو اسے حج سے ملا کر تو جو

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
قربانی بھی اسے میسر ہو وہ کر ڈالے ۲۲۲ اور جس کسی کو میسر ہی نہ آئے ۲۲۳ وہ تین دن کے

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ
روزے زمانۂ حج میں رکھ ڈالے اور سات روزے جب تم واپس ہو

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
یہ پورے دس (روزے) ہوئے ۲۲۴ یہ ۲۲۵ اس کے لئے (درست) ہے جس کے اہل

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ
مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں ۲۲۶ اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ
اور جانے رہو کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا ہے ۲۲۷ ایام حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، ۲۲۸

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ
جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج مقرر کرے ۲۲۹ تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی

وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
اور نہ کوئی جھگڑا، ۲۳۰ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے

يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫
اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا ۲۳۱ اور زادراہ لے لیا کرو ۲۳۲ اور بہترین زادراہ تو تقویٰ ہے ۲۳۳

وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
سو اے اہل فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو ۲۳۴ تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں

فیہ اضمار اے فحلق فعلیہ فدیۃ (معالم) اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا روزے رکھ لیے جائیں، یا مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے، یا قربانی کردی جائے۔ مِنْ صِیَامٍ۔ جمہور فقہا کا مسلک حدیث صحیح کی بنا پر، تین روزے رکھنے کا ہے۔ جمہور فقہاء المسلمین علی ان الصوم ثلثۃ ایام و ھو محفوظ صحیح فی حدیث کعب بن عجرۃ (قرطبی) اَوْصَدَقَةٍ۔ کھانا اگر دیا جائے تو چھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار کے مساوی دیا جائے علی ستۃ مساکین لکل مسکین نصف صاع من برّ (مدارک) ..... فیحصل من ذلک ان یکونوا من التمر ستۃ اصع ومن الحنطۃ ثلاثۃ اصع و عدد المساکین الذین یتصدق علیھم ستۃ بلا خلاف (جصاص) اَوْنُسُكٍ۔ نُسُک سے مراد بالاتفاق ذبح ہے۔ یقال نسکت للہ اے ذبحت للہ (ابن قتیبہ) النسیکۃ مختصۃ بالذبیحۃ (راغب) یہ قربانی کم از کم ایک بکری کی ہونی چاہیے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اونٹ کی ہو۔ ولا خلاف بین الفقہاء ان ادناہ شاۃ وان شاء جعلہ بعیرا او بقرۃ (جصاص) اعلاہ بدنۃ و اوسطہ بقرۃ و ادناہ شاۃ (معالم۔ عن الحسن وقتادۃ) روزہ، صدقہ، قربانی۔ یہ تینوں صورتیں فدیہ و کفارہ کی یکساں ہیں، جو شق بھی پسند آئے، اختیار کی جاسکتی ہے۔ لا خلاف انہ مخیّر بین ھذہ الاشیاء الثلاثۃ یتعدی بایھا شاء و ذلک مقتضی الآیۃ لِاَوْ التخییر (جصاص) وعامۃ الآثار عن کعب بن عجرۃ وردت بلفظ التخییر وھو نص القرآن و علیہ مضی عمل العلماء فی کل امصار و فتواھم (قرطبی) ۲۲۱ یہ مقابلہ اس حالت خطر و مرض کے جس کا ذکر شروع آیت میں فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ میں آچکا ہے۔ اور جس طرح وہاں ایک عام و جامع لفظ احصار آیا تھا، یہاں بھی ایک عام و جامع لفظ امن آیا ہے، جو مرض کے دور ہو جانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے، جس طرح خطرۂ دشمن کے دفع ہو جانے پر۔ اصل الامن طمانیۃ النفس و زوال الخوف (راغب) معناہ برأتم من المرض وقیل خوفکم من العدو قالہ ابن عباسؓ وقتادۃ و ھو اشبہ باللفظ الّا ان یُخیل الخوف من المرض فیکون الامن منہ (قرطبی) جاء بلفظ الامن وھو عام فی العدو والمرض لیکون آخر الکلام علی نظام اولہ (ابن العربی) اِذَا شرطیہ ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعد حصر اگر وقت حج میں مانع دور نہ ہوتو عاصی نہ ہوگا۔ اَمِنْتُمْ۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن سے اس لیے تعبیر کیا کہ صحت اچھی ہو جانے پر بہ ظاہر فوت حج کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے ۲۲۲ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب العمل نہیں) فَمَنْ تَمَتَّعَ۔ تمتع کے لفظی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں مراد حج اور عمرہ کے ملا لینے سے ہوتی ہے۔ یعنی زمانۂ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کرلیا جائے۔ دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالت احرام کے ممنوعات سے پوری طرح تمتع کیا جاسکتا ہے۔ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہل جہاں اور بہت سے اوہام میں گرفتار تھے۔ وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ موسم حج میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے۔ لان العرب فی الجاھلیۃ کانت لاتعرف العمرۃ فی اشھر الحج و تنکرھا اشد الانکار (جصاص) یروی عن ابن عباس و عن طاؤس ان ذلک عندھم کان من افجر الفجور (جصاص) ۲۲۳ (ان ایام حج میں بسبب ناداری یا کسی اور معذوری کے) ۲۲۴ تین زمانۂ حج میں اور سات زمانۂ حج کے بعد۔ یہ "پورے دس" کی تصریح تاکید در تاکید کی غرض سے ہے۔ کاملۃ توکید للکلام، کما یقول القائل سمعتہ باذنی و رأیتہ بعینی (ابن جریر) قیل ھو توکید کما تقول کتبت بیدی و قولہ کاملۃ تاکید آخر (قرطبی) اِذَا رَجَعْتُمْ۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رجوع سے مراد اعمال حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہو جائے یا ابھی وہیں مقیم رہے اے بعد الفراغ من اعمال الحج و ھو المراد من الرجوع المذکور فی الآیۃ (معالم) قال ابوحنیفۃ المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (کبیر) اے فرغتم و نفرتم من اعمال (روح) قال المجاھد وعطاء و ابراھیم المعنی اذا رجعتم نفرتم و فرغتم من اعمال الحج و ھو مذھب ابی حنیفۃ (بحر) بعض دوسرے اکابر کے نزدیک مکہ سے وطن کی واپسی مراد ہے۔ یعنی الی بلاد کم قالہ ابن عمر و قتادۃ والربیع و مجاھدو عطاء قالہ مالک فی کتاب محمد و بہ قال الشافعی (قرطبی) اذا رجع الی اھلہ و مصرہ (ابن جریر) ۲۲۵ یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملالینا۔ ذٰلِكَ۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے جس کا ذکر ذرا اوپر فَمَنْ تَمَتَّعَ کے ضمن میں آچکا ہے۔ اے التمتع بالعمرۃ الی الحج (ابن جریر) اشارۃ الی التمتع (مدارک) یہ تفسیر امام ابوحنیفہؒ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی۔ جن کے ہاں حج میں تمتع اور قران یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کرلینے کی دوصورتیں صرف آفاقیوں کے لیے درست ہیں، مکہ اور جوار مکہ والوں کے لیے نہیں۔ اذ لاتمتع ولاقران لحاضری المسجد الحرام عندنا (مدارک) و قال ابو حنیفۃ ان قولہ ذلک اشارۃ الی الابعد و ھو ذکر التمتع المفھوم من قولہ فمن تمتع عند ابی حنیفۃ (روح) امام شافعیؒ کے نزدیک ذٰلِكَ کا اشارہ اصل حکم، یعنی وجوب قربانی کی جانب ہے ۲۲۶ یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہر مکہ سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدود میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔ میقات اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عمرہ کی نیت کرلینا اور احرام باندھ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ ہر ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ میں لِ بمعنی علی ہے۔ اے وجوب الدم علی من لم یکن من اھل مکۃ (قرطبی)

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے خاص اہل مکہ کا مراد ہونا اور ان کے لیے تمتع کا نا جائز ہونا سب کو مسلّم ہے۔ اجمع جمیعھم علی ان اھل الحرم معنیون بہ و انہ لا متعۃ لھم (ابن جریر) لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکہ کے علاوہ جوار مکہ کے باشندے بھی شامل ہیں۔ اور حدود میقات کے ادھر تک کل رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں۔ عن مکحول قال من کان دون المواقیت (ابن جریر) عن عطاء قال من کان اھلہ من دون المواقیت فھو کاھل مکۃ لا یتمتع (ابن جریر) ھم اھل مواقیت فمن دونھا الی مکۃ (مدارک) قال عطاء و مکحول من دون المواقیت و ھو قول اصحابنا (جصاص) امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مکہ سے قصر نماز کی مسافت تک رہنے والے اہل مکہ ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔ المراد بالموصول من کان من الحرم علی مسافۃ القصر عند الشافعیؒ و من کان مسکنہ وراء المیقات عند ابی حنیفۃؒ (روح) اور مفسر طبری نے بقاعدۂ عربیت لفظ حاضر کے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے جو امام شافعی کا اختیار ہے۔ واولی الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال ان حاضری المسجد الحرام من ھو حولہ فمن بینہ و بین المسافۃ ما لا تقصر الیہ الصلوٰۃ لان حاضر الشیٔ فی کلام العرب ھو الشاھد لہ بنفسہ (ابن جریر) لیکن محقق جصاص رازی نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں کے سیاق سے یہ دکھایا ہے کہ محاورۂ قرآنی میں البیت سے خانہ کعبہ نہیں، بلکہ مکہ، اور صرف مکہ ہی نہیں بلکہ جوار مکہ مراد لیا گیا ہے کان مراد اللہ تعالٰی بذکر البیت القرب من مکۃ و ان کان خارج منھا (احکام القرآن) اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے بھی مراد مکہ اور مضافات مکہ ہی لی گئی ہے۔ وھی مکۃ و ما قرب منھا (احکام القرآن) و۲۷ے ان کی جو احکام الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار نہیں کرتے۔ لمن لم یتقہ (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان تمام احکام کی بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقویٰ الٰہی یا خوف خدا ہے۔ باقی تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت، فکر و نظر کے مطابق علماء و فقہاء شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے۔ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یہاں جس سیاق میں آیا ہے اس سے بعض علماء نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے مواقع بہت زیادہ ہیں، اسی طرح گناہ و عقوبت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔

و۲۸ے اور چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں۔ اس لیے قرآن کو ان کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تین مہینے شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکان حج تو ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرام حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔ احرام اس خاص پوشش کا نام ہے جو حدود حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں، صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے۔ گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں احرام رکن حج نہیں صرف شرط حج ہے، جیسے وضو کہ رکن نماز نہیں، صرف شرط نماز ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے۔ یہ اس لیے کہ شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک احرام رکن حج ہے، اور کسی رکن حج کی ادائگی قبل موسم حج درست نہیں۔ اَلْحَجُّ۔ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت، مہینہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۴۰/۱ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حج بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں، بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اور ”مستشرقین“ کے رعب افگن نام سے فرنگی اہل علم و اہل قلم کا جو طبقہ ہے اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بار بار رشک کیا ہے اور اسے اکثر ”عالم اسلامی کی سالانہ کانگریس“ سے تعبیر کیا ہے۔ و۲۹ے فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ۔ یعنی موسم حج میں ادائے حج کی نیت کر لے، اور اسے اپنے اُوپر واجب کر لے۔ اے اوجبہ علی نفسہ (ابن قتیبہ) فمن الزمہ نفسہ (کشاف) الفرض اصلہ و جوب الشیٔ (ابن قتیبہ) لیکن اپنے اُوپر لازم کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کر لینا کافی ہے۔ لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اس کی علامت، پوشش احرام کو قرار دیا ہے۔ الفرض الاحرام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فرض الحج الاحرام (ابن جریر۔ عن عطاء والحسن) ولزم علی نفسہ بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس و الحسن و قتادۃ فمن احرم (جصاص) و۳۰ے (بلکہ اس سارے زمانہ میں اپنے آپ کو عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رکھو) ایام صوم کی طرح یوم حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت خاص حاصل ہے۔ اور جو چیزیں حرام ہیں، وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں بھی بہت سی چیزوں سے زمانہ صیام کی طرح حالت احرام میں دستبردار ہونا چاہیے۔ جملہ صورۃً خبریہ ہے، لیکن معنیً نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ۔ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعاً حکم ہو رہا ہے۔ و ان کان ظاھرہ الخبر فھو نھی عن ھذہ الافعال و عبر بلفظ النفی عنھا لان المنھی عنہ سبیلہ ان یکون منفیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثۃ علی قصد النھی للمبالغۃ (بیضاوی) فِي الْحَجِّ۔ یعنی اس زمانہ حج میں، حالت احرام میں۔ فی وقتہ ولا فی موضعہ (قرطبی) اے فی ایامہ (روح) فَلَا رَفَثَ۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔ الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع و داعیہ (راغب) الرفث کلمۃ جامعۃ لما یریدہ الرجل من اھلہ (قرطبی) و قال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء کان ذلک بحضرتھن ام لا (قرطبی) یہاں مراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اس کے تحت میں شامل رکھا ہے۔ قال ابن عمر و طاؤس و غیرھم الرفث الافحاش للمرأۃ بالکلام (قرطبی) قال ابن عباس ھو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث التعریض للنساء بالجماع (ابن جریر۔ عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع و مادونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع و دواعیہ محظورۃ علی المحرم (جصاص) و قال الحسن المراد من کل ما یتعلق بالجماع (کبیر) اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے۔ عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیرتھ بہار، تیرتھ جاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے! اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکان حج تک میں فحش داخل تھا۔ وَلَا فُسُوْقَ۔ اس کے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آ گئی۔ قال بعضھم الفسوق ھی المعاصی کلھا (ابن جریر) عن محمد بن کعب القرظی قال الفسوق معاصی کلھا (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلھا قالہ ابن عباس و عطاء و حسن و کذلک قال ابن عمر و جماعۃ (قرطبی) اے ولا خروج عن حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح) حالت احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار، ناجائز ہو جاتے ہیں، تو بڑی چھوٹی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔ یہاں یہ حکم محض تاکید کے لیے ہے۔ وَلَا جِدَالَ۔ جدال اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی، زبانی حجت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفۃ حجنا ابر من حجکم و یقول الآخر مثل ذلک (قرطبی) وقیل الجدال کان فی الفخر بالآباء (قرطبی) اے لا خصام مع الخدام والرفقۃ (روح) لا مراء مع الرفقاء و الخدم (مدارک) اے الجدال فی تقریر الباطل و طلب المال والجاہ (کبیر) حج کے موقع پر دُنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آ جاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی، راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں۔۔۔ بڑے بڑے حلیم بھی دامن صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔ حکیم مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رَفَث اور فُسُوْق اور جِدَال سب کی تصریحاً اور تاکیداً ممانعت کر کے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔ محققین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فقرہ کے آخر میں، یعنی فی الحج میں جو بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے، یہ تاکید و تعظیم کے لیے ہے۔ الاظھار فی مقام الاضمار لاظھار کمال الاعتناء بشانہ (روح) و۳۱ے (اور اسی کے مطابق صلہ بھی دے گا) حاجیوں کے اعمال خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لیے یہ بہترین و موثرترین یاد دہانی ہے۔ اللہ کے عالم کل و عالم جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو، اہل جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عمل خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے، علم الٰہی میں وہ آئے بھی، یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لیے تو بڑی سے بڑی ہمت بھی اسی عقیدہ کا استحضار پیدا کر سکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یونانی موسم بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانہ میں مقویات استعمال کراتے ہیں، کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔۔۔۔۔۔ رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی روحانیات کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا

کے لیے ممتاز ہیں، تو طبیب حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا! **ف ۳۳۲** جب ارادۂ حج سے نکلا کرو۔ اس ہدایت کی قدر اس وقت ہوگی جب جاہل قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو خصوصاً جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس اور تہیدست نکلنا ہی اپنی رُوحانیت کا کمال سمجھتے ہیں: راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انہیں کھلا پلا دیا کرے گا یا پھر فقیر ہونے پر فخر کریں گے۔ اس قسم کے سارے تخیلات واوہام اسلام نے مٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج وزیارت کے لیے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راستہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلو تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے! كانوا يحجون بغير زاد و كان بعضهم اذا احرم رمى بما معه من الزاد (ابن جریر) كان اهل اليمن يحجون ولا يتزودون و يقولون نحن المتوكلون فاذا اقدموا مكة سالوا الناس (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) طائفة من العرب كانت تجئ الى الحج بلا زاد ويقول بعضهم كيف نحج بيت الله و لا يطعمنا فكانوا يبقون عالة على الناس (قرطبی) اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا اور ایک طرف شخصی غیرت وخودداری کے بھی منافی تھا اور دوسری طرف معاشیات اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہو سکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔ تَزَوَّدُوا کے صیغہ امر سے فقہاء نے نکالا ہے کہ زادِ راہ لینے کا وجوب آیت سے بہ قاعدہ عبارۃ النص ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ آیت ان "توکل پیشہ" صوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کر رہی ہے، جو کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اسے کوئی بڑا روحانی کمال سمجھ رہے ہیں۔ هذا يدل على بطلان مذهب المتصوفة الذين يتسمون بالمتوكلة في تركهم التزود والسعي في المعاش (جصاص) هم المقصرون عن درجة التوكل الغافلون عن حقائقه (ابن العربی) **ف ۳۳۳** (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے احتیاط) اي اتقوا الاستطعام و ابرام الناس والتثقيل عليهم (کشاف) فان خير الزاد ما تكفون به وجوهكم عن السوال (کبیر) اي الاتقاء عن الابرام و التثقيل عليهم (مدارک) زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لیے حکم تَزَوَّدُوا کے بعد مزید تاکید کے لیے یہ تصریح اور بڑھادی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارف سفر کا انتظام کرکے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعث گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے۔ لما احتملت الأية الامرين من زاد الطعام و زاد التقوى وجب ان يكون عليهما اذلم تقم دلالة على تخصيص زاد من زاد (جصاص) **ف ۳۳۴** (ان احکام کی تعمیل کے باب میں) اہم حکم کے بعد تقویٰ الٰہی کی تاکید اس کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ **ف ۳۳۵** یہ سلسلہ سفر حج۔ اسلام جس طرح فلاحِ اُخروی کا ضامن ہے، فلاحِ دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہو رہی ہے، وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں حج کا منزل درمنزل سفر، بری وبحری طویل سفر، اور اُمت کے مختلف طبقوں کا دُنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں۔ فرد وملت دونوں کے لیے یعنی انفرادی واجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جا سکتے ہیں، اور کیے جانے چاہئیں --- حج کے روحانی اسرار وحقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لیے آسان نہیں۔ لیکن اس "بین الاقوامی سالانہ کانگریس" سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں، اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا اندازہ اور ان کا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بار بار ہو چکا ہے۔ یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر واجتماع کے معاشی وتجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رکاوٹ ایک خالص "دیندار" شخص کو ان فوائد کو حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے، اُسے دُور کیا ہے۔ فَضْلًا۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔ يعني المال و ما يكتسب (راغب) هو النفع والربح بالتجارة (کشاف) لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لیے جاتے، یا جو اونٹ والے اپنے اُونٹ مزدلفہ، عرفات و منیٰ کے لیے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آگئی، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا۔ قرآن مجید نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کردی۔ نزلت ردًّا على من يقول لاحج للتجار والاجراء والجمالين (کبیر) في هذا دليل جواز التجارة في الحج للحجاج مع اداء العبادة و لايخرج به المكلف عن رسم الاخلاص للمفترض عليه (ابن العربی) يدل على ان الحج لا يمنع التجارة و على هذا امر الناس من عصر النبي عليه السلام الى يومنا هذا في مواسم منى و مكة في ايام الحج (جصاص) ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے۔ روی نحو ذلك من جماعة من التابعين منهم الحسن و عطاء و مجاهد و قتادة ولا نعلم احدا روى عنه خلاف ذلك (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے لیکن محققین نے تصریح کردی ہے کہ وہ ظاہر قرآن واجماع عام دونوں کے منافی ہے۔ هذا قول شاذ خلاف ماعليه الجمهور و خلاف ظاهر الكتاب (جصاص) مِن رَّبِّكُمْ۔ یعنی حسب تقدیر الٰہی۔ بات بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ یہ ذرا سا لفظ لا کر یاد دلا دیا کہ اس نفع وتجارت کو بھی اپنے قوت بازو کا ثمرہ نہ سمجھ لینا، جو کچھ بھی حاصل ہوگا، سب کو کار ساز حقیقی ہی کے لطف وکرم کا ثمرہ سمجھنا نظر تجارت وکاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر رہے۔ اس ہدایت پر عمل کے بعد تجارت کی کوئی بڑی سی بڑی مشغولیت بھی تجارت باقی رہ سکتی ہے؟ تجارت اس حال میں اگر عبادت نہ بن جائے، تو آخر کیا ہو۔ **ف ۳۳۶** (۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں وقوف اور اداے آداب وقوف کے بعد) حج کے اعمال (واجب، سنن ومستحبات) تو بہت سے ہیں۔ لیکن فرض تین ہی ہیں۔ احرام[1] پوشی، ۹ رکو عرفات[2] میں حاضری یا وقوف اور طواف[3] فرض۔ ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوف عرفات ہے۔ اَفَضْتُمْ۔ افاضہ کے لفظی معنی انبوہ در انبوہ چلنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ اي دفعتم منها بكثرة (راغب) الافاضة الاندفاع في السير بكثرة (کبیر) اصطلاح فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ عَرَفٰتٍ۔ مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف کو جاتی ہے اس پر مکہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ حاجیوں کو ۸۔ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آجانا چاہیے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لیے روانہ ہو جائیں، تا کہ ۸۔۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے لے کر آخر وقت عصر تک اسی میدان میں رہنا چاہیے، اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف ہے۔ یہی حاضری اعمال حج کی جان ہے اور یہ سارا وقت توبہ واستغفار، عبادت، انابت ہی میں صرف ہونا چاہیے۔ قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لیے کوچ ہونا چاہیے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملائی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) عشاء سے ملا کر اس وقت پڑھی جائے گی، جب قافلے مزدلفہ پہنچ جائیں۔ **ف ۳۳۷** الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ لم يختلف اهل العلم ان المشعر الحرام هو المزدلفة (جصاص) والمشهور ان المشعر مزدلفة كلها (روح) مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ رکو عرفات جاتے اسی راستہ سے ہیں۔ واپسی میں حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے لوٹیں، یہ ذرا چکر کا ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے شب ۱۰ ر کے اول حصہ میں یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور رات یہاں تسبیح وتہلیل، نماز واستغفار میں گزارتے ہیں۔ مسجد پہاڑی کے اوپر ہے۔ جبلٌ يقف عليه الامام و انما سمي مشعرًا لانه معلم العبادة و وصف بالحرام لحرمته (بیضاوی) عِنْدَ الْمَشْعَرِ۔ یعنی اس مسجد کے گرد وپیش خصوصیت کے ساتھ، اور یوں تو سارا مزدلفہ (بجز وادیٔ محسر کے) متبرک ومحترم ہے۔ خص الله تعالى الذكر عنده مع انه مامور به في جميع المزدلفة لانها كلها موقف لمزيد شرفه و فضله (روح) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ نے یاد

والا پاکر بدعات، رنگ رلیاں منانے کی نہیں، جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی، آتشبازی کے لیے نہیں، خواب غفلت میں پڑے رہنے کے لیے نہیں، فخریہ قصیدوں اور شعر وشاعری میں صرف کرنے کے لیے نہیں، ذکر وعبادت الٰہی کے لیے ہے۔ ف۶۳۸ (اپنے رسول کے ذریعہ سے اور اپنے اختراعی طریقوں سے بچو) الحاد وانکار سے بچ کر دین ومذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطر داخل مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات ومحدثات کا ہے۔ انسان دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت وذکر الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انہیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع نبی ﷺ کی طرف سے پہنچے، یا اپنے اجتہاد سے بتائے۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یاد الٰہی میں لگے رہو تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، نہ اور اللہ کے رسول ﷺ ہی کے بتائے ہوئے ہوں۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔ کرّرہ الامر تاکیدا (قرطبی) کرر علی سبیل التوکید والمبالغة فی الامر بالذکر (بحر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کے لیے ہو، اور دوسرا حکم اہتمام اخلاص کے لیے ہو۔ قیل الاول امرٌ بالذکر عند المشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی) ف۶۳۹ (عبادت اور ذکر الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالین ہمیشہ گمراہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے ناواقفیت ہوسکتی ہے۔ الضلال ضربان ضلالٌ فی العلوم النظریة ... و ضلال فی العلوم العملیة کمعرفة الاحکام الشرعیة التی هی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضلال الجهل بالایمان و مراسم الطاعات (روح) اِنْ یہاں اِنَّ کے معنی میں تحقیق وتوثیق کے لیے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قد کے مرادف ہے۔ امی و انکم کنتم (روح) ان هاهنا البصریین التی للتوکید المخففة من الثقلیة (بحر) مِنْ قَبْلِہٖ میں ضمیر ہ ھدی کی طرف راجع ہے جو ھَدٰىكُمْ سے مفہوم ہوتا ہے۔ والهاء فی قبله عائدة علی الهدی المفهوم من قوله هَدٰىكُمْ (بحر) ف۶۴۰ یعنی عرفات سے۔ قریش کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں حج میں عرفات کی حاضری کی کیا ضرورت ہے، وہاں تک سب کے ساتھ جانا ہماری علوِ شان کے منافی ہے، ہمارے لیے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔ کانت قریش و من دان دینها یقفون بالمزدلفة و کانوا یسمون الحمس وکانت سائر العرب یقفون بعرفات (صحیح بخاری۔ عن عائشہؓ) کانت قریش ومن کان علی دینها و هم الحمس یقفون بالمزدلفة یقولون نحن قطین الله (ابن جریر۔ عن عائشہؓ) کانوا یقولون لانخرج من الحرم فکانوا لایشهدون وقف الناس بعرفة معهم (ابن جریر) کانوا یقولون نحن قطین الله فینبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شیئا من الحل (قرطبی) آیت اُنہی کی اصلاح کے لیے ہے۔ النَّاس سے مراد جنس انسان ہے۔ المراد من الناس الجنس کما هو ظاهر (روح) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں، فصل کلام کے لیے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی اب دوسری ہدایت سنو، جیسے اردو میں ایسے موقع پر "اچھا تو" یا "ہاں تو" کہتے ہیں۔ ثم لیست فی هذه الایة للترتیب وانما هی لعطف جملة کلام هی منها منقطعة (قرطبی) ثم للترتیب فی الذکر لا للترتیب فی الزمان الواقع فیه الافعال (نہر) ف۶۴۱ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کیے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے، دیکھتے آئیے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدود حرم بھی ابھی منزلوں فاصلہ پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف دو نوں پوش جسم سے اتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ جبا نہ قمیص، شاہ وگدا، رئیس و رعایا، حکام وعوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا ذکر ہی نہیں جو ہمیشہ حلال تھیں، اور فی نفسہ جائز ہیں ایک خاصی طویل مدت کے لیے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات ومالوفات سے اس درمیان میں دستبرداری کرنی ہوتی ہے۔ یہ سب بھی کافی نہیں۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو۔ مسلسل ذکر الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو گناہوں کو سیہ کاریوں کو یاد کرکر کے ان سے معافی چاہتے رہو! ---اتنے پاکیزہ وایسے ستھرے اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، ہوس پرستانہ، وہم پرستانہ میلوں تیوہاروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ چہ نسبت خاک را باعالم پاک! ع کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو! کیسا صریح ظلم وانصاف و قسم خود اپنی بصارت وبصیرت پر کرتے ہیں وہ جو اسلام کو دوسرے ادیان ومذاہب کی سطح پر کھینچے ہوئے ہیں! غَفُوْرٌ۔ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفت غفر بہت بڑی ہے۔ اس سے مغفرت طلب کرکے دیکھو تو۔ طالبین مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رَحِیْمٌ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفت رحمت بھی تو بے پایاں ہے۔ طالبانِ مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟ ف۶۴۲ (اور ابھی منی سے منتشر نہیں ہوئے ہو) عرفات ومزدلفہ سے واپسی کے بعد منی میں قیام تین دن ۱۰۔۱۱۔۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی۔ اذا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لیے مل رہا ہے۔ اذا ہمیشہ بعد کے لیے نہیں آتا ہے۔ ہم زمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو (نہ یہ کہ جب تم نماز ختم

اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ

کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو ف۶۳۵ پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪

واپس ہونے لگو ف۶۳۶ تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کیا کرو ف۶۳۷

وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے ف۶۳۸ اور اس سے قبل تم

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ

یقیناً محض ناواقفوں میں تھے ف۶۳۹ ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے

اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

لوگ واپس آتے ہیں ف۶۴۰ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

مہربان ہے ف۶۴۱ پھر جب تم اپنے مناسک ادا کررہے ہو ف۶۴۲ تو اللہ کی یاد کرو

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ

اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو ف۶۴۳ اور لوگوں میں سے کچھ

مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہمیں دنیا (ہی) میں دے دے ف۶۴۴ اور ایسے شخص کا آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی

کوئی حصہ نہیں ف۶۴۵ اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا

الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ

میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری، اور ہم کو آگ کے عذاب سے

کر چکو) یا اِذَا قَضَیْتُمْ اِلَیْنَا جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دے چکو (نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو) اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔ مَّنَاسِکَکُمْ۔ مناسک شعائر حج کو کہتے ہیں۔ھی شعائر الحج (قرطبی) قَضَیْتُمْ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجا لانے کے ہیں۔ قضیتم ھنا بمعنی اديتم و فرغتم (قرطبی) قضاء المناسک ھو فعلھا علی تمام (جصاص) ف۴۳ے قومی عظمت و قومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصر اعظم ہیں، عرب کے دین جاہلی کے بھی رکن اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی بے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر و مناقب کے پرزور بیان سے دلوں کو گرماتا۔ کان اھل الجاھلیة یجلسون بعد الحج فیذکرون ایام آباء ھم (ابن عباس) کان القوم فی جاھلیتھم بعد فراغھم من حجھم و مناسکھم یجتمعون فیتفاخرون بمآثر آباء ھم (ابن جریر) کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ۔ مسلمانوں کو حکم ملتا ہے کہ یہی جوش و خروش تم اللہ کے ذکر میں دکھاؤ۔ تمہاری نہ کوئی قوم ہے، نہ کوئی نسل، نہ تمہارا کوئی وطن۔ تم ان سب کے بدلے اللہ کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ، بساؤ اور اللہ کا نام ان باتوں پر لاؤ۔ اَوْ یہاں تخییر کے لیے نہیں، بلکہ ترقی کا مفہوم دے رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق کم از کم اس درجہ کا تو رکھو جتنا اپنے خاندان اپنے قبیلہ اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ قیل بمعنی بل (بحر) اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ مولانا ئے رومی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے اسی کو اپنی شاعرانہ و عاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ

بچائے رکھنا ف۴۶ے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ف۴۷ے حصہ ملنا ہے، ان کے عوض اس کے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے

وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ

اور اللہ حساب بہت جلد لے لے گا ف۴۸ے اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر)

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ

یاد کرتے رہو ف۴۹ے جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر (بھی) کوئی

عَلَیْہِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ

گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ف۵۰ے (یہ) اس کے لئے جو ڈرتا رہتا ہے، ف۵۱ے

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ف۵۲ے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُہٗ فِی الْحَیٰوۃِ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے ف۵۳ے کہ اس کی گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی

الدُّنْیَا وَیُشْھِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ

معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے! درآنحالیکہ وہ

الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ

شدید ترین دشمن ہے ف۵۴ے اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر

فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ

فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے، ف۵۵ے درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل)

الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ

پسند نہیں کرتا ف۵۶ے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا کرو، تو اسے نخوت گناہ پر

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ۔۔۔ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ف۴۴ے دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبود اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر و نشر جزا و سزا کی قائل نہیں، ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکین عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمام تر سامان دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابن زید، سدی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ المراد المشرکون، قال ابو وائل والسدی و ابن زید کانت العرب فی الجاھلیة تدعوا فی مصالح الدنیا فقط فکانوا یسألون الابل و الغنم و الظفر بالعدو ولا یطلبون الاٰخرة (قرطبی) مَنْ یَّقُوْلُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل انہی الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہوں۔ "قول" کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تمنا کرنا، زبان حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں ف۴۵ے یہی آخرت جس کے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا۔ اذ کانوا لایعرفون ولایؤمنون بھا (قرطبی) ف۴۶ے یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔ حَسَنَۃً وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے، اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی۔ ان حسنة نکرة فی بیان الدعاء فھو محتمل لکل حسنة من الحسنات علی البدل (قرطبی) والحسنة الکاملة فی الدنیا مایشمل جمیع حسناتھا (روح) دنیا میں حَسَنَۃً توفیق خیر ہوئی، اور آخرت میں حَسَنَۃً ثمرۂ خیر۔ والذی علیه اکثر اھل العلم ان المراد بالحسنتین نعم الدنیا والاٰخرة و ھٰذا ھو الصحیح فان اللفظ یقتضی ھٰذا کلهٗ (قرطبی) ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول ﷺ خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔ کان اکثر دعوة یدعوبھا النبی ﷺ یقول اللّٰھم اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار (بخاری و مسلم عن انس) مال، اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہو سکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ اٰتِنَا کا مفعول صرف حَسَنَۃً ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جا رہی ہے وہ حَسَنَۃً یا بہتری ہے، فِی الدُّنْیَا اور فِی الْاٰخِرَۃِ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے، دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمال خیر عنایت ہوں، اور آخرت میں ثمرات خیر۔ بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے، بلکہ قرآن خود طلب دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! تعالی اللّٰہ علوًا کبیرًا۔ مغالطہ کی قلعی اوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلب دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمت اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے! ف۴۷ے (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے) ف۴۸ے (اور یوم حساب خود ہر لحظہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل و دانش نہیں) مِمَّا کَسَبُوْا۔ میں مِنْ سببیہ ہے۔ ای من اجل ما کسبوا (بحر) من اجله (بیضاوی) سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ اس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرتے یا بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ ای سریع المجازاة للعباد باعمالھم (قرطبی) جاہلی قوموں نے اس وصف خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں ف۴۹ے یعنی ایام تشریق میں، زمانۂ قیام منیٰ میں۔ منیٰ مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے بھی محض میدان تھا۔ اب بہت سی پختہ اور عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی رہتی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔

صاحب حیثیت حاجی انہیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰۔۱۱۔۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات ومزدلفہ سے واپسی میں آکر صبح یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہرحال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات، سنن ومستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اتارنا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ ادھر حج کا بیان آیا، ادھر ذکر الٰہی کی تاکید پھر شروع ہوگئی۔ تکبیر کی کثرت قیام زمانہ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس پر صحابہ وتابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانہ تشریق ہے۔ لا خلاف بين اهل العلم ان المعدودات ايام التشريق و قدروی ذلک عن علی و عمرو ابن عباس وابن عمر وغيرهم (جصاص) وفٰ۵۲ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ر کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲ر کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ر تک وہیں ٹھہرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں اگر ۱۲ر کو واپس ہوتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے۔ اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے ہاں اگر ۱۳ر تک ٹھہرتا ہے تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل ومفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ر کا قیام افضل ہے وفٰ۵۳ یعنی یہ سب احکام نافع اسی کے حق میں ہوسکتے ہیں جو دل میں خوف خدا وخشیت الٰہی رکھتا ہو۔ تقویٰ الٰہی کی اس شدومد سے تاکیدیں ہی اور بے کار نہیں۔ مومن کے دل پر تقویٰ کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو وفٰ۵۴ (اور اسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا) یہ یاددہانی حفظ اعمال میں کس درجہ موثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔ وفٰ۵۵ (اس کی چرب زبانی کی بنا پر، اس کے دعوئ اسلام وحب اسلام کے باعث) اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین ومعتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہوسکتا ہے، بہت سے بھی ہوسکتے ہیں۔ اشارة الى بعضهم فيحتمل الواحد و يحتمل الجمع (کبیر) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اسے محض حصول دنیا ہوتی ہے، طلب آخرت نہیں۔ يطلب به حظا من حظوظ الدنيا (کشاف) لطلب مصالح الدنيا (کبیر) فی "باب میں" یا "دربارہ" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ "دنیوی امور سے متعلق"۔ اى مايقوله فى امور الدنيا و اسباب المعاش (بیضاوی) درباب زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص خوش منظر وخوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا۔ مجلس رسول ﷺ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان واسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ نزلت فى الاخنس بن شريق الثقفى (ابن جریر) كان رجلا حلو الكلام، حلو المنظر (معالم) كان منافقا حسن العلانية خبيث الباطن (کبیر) مگر شان نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی۔ القول الثانى فى الاية و هواختيار اكثر المحققين من المفسرين ان هذا الاية عامة فى حق كل من كان موصوفا بهذه الصفات المذكورة (کبیر) وفٰ۵۶ (اللہ کے دین کا، اللہ کے رسول کا) يُشْهِدُ اللّٰهَ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ يقول انى لاحبك و يحلف بالله على ذلك (معالم) رسول سے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے۔ منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپ اسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے وفٰ۵۷ (جیسا کہ اخنس نے کیا بھی، کہ قبیلہ ثقیف کے کھیت جلوا دیے اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کرڈالا) كما فعله الاخنس بثقيف اذبيتهم و احرق زروعهم و اهلک مواشيهم (بیضاوی) وَاِذَا تَوَلّٰى۔ یعنی جب مجلس رسول ﷺ سے اٹھ کر چلا گیا۔ اى اذا خرج من عندک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى ادبروا عرض (روح۔ عن الحسن) تَوَلّٰى کے دوسرے معنی "حاکم بن گیا" "حکومت پا گیا" کے بھی ہوسکتے ہیں، اور کیے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم ومسلط ہوجاتا ہے۔ قال مجاهد من الولاية اى صار واليا (بحر) اى ملك الامر و صار واليا (معالم۔ عن الضحاک) چوں ریاست پیدا کند (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور جب حاکم ہوتا ہے (شاہ رفیع الدین دہلوی) لیکن نظم کلام و سیاق عبارت کے لحاظ سے ترجیح معنی اول کو ہے، کہ نفاق پر روشنی یہی معنی لے کر پڑتی ہے۔ القول الاول اقرب الى نظم الاية لان المقصود بيان نفاقه (کبیر) سَعٰى کے معنی ہیں سرگرم عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا۔ السعى فى كلام العرب العمل (ابن جریر) فِي الْاَرْضِ۔ عام طور پر اس سے مراد منافقین کی کثرت سعی اور وسعت عمل تخریب لی گئی ہے۔ يدل على كثرة سعيه و نقلته فى نواحى الارض (بحر) لیکن الارض کے ال سے مراد کوئی زمین معہود یعنی شہر مدینہ بھی ہوسکتا ہے۔ واذا كان المراد الاخنس فالارض ارض المدينة فالالف واللام للعهد (بحر) يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ کھیتوں میں اس نے آگ لگادی، اور مویشیوں کو ہلاک کردیا۔ النَّسْلَ سے ہر قسم کے جانور مراد لیے گئے ہیں۔ النَّسْلَ نسل كل دابة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) النسل من كل شئ من الحيوان (ابن جریر۔ عن مجاہد) ازہری لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ حرث سے یہاں عورتیں مراد ہیں اور نسل سے اولاد انسانی ذكر الازهرى ان الحرث هنا النساء والنسل الاولاد (روح) اور جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حرث سے مراد دین ہے اور نسل سے انسان۔ عن الصادق ان الحرث فى هذا الموضع الدين والنسل الناس (روح) وفٰ۵۸ شریعت اسلام کا تو عین مشن یہ ہے کہ دنیا کو عدل وامن سے بھر دے۔ بدامنی وفساد عین غضب الٰہی کی چیزیں ہیں، اور ہدایات اسلامی کے برعکس عمل کرنے ہی سے پھیلتی ہیں وفٰ۵۹ یعنی جب اسے اس کا کوئی مخلص ہوا خواہ سمجھاتا ہے، اور اسے تقویٰ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے، تو بجائے سنبھلنے کے وہ اور بگڑ جاتا ہے اور اپنی کج روی میں اور زیادہ دلیر ہوجاتا ہے۔ یہ بیان ہو رہا ہے اس کا کہ ایسے کافر معاند میں مخالفت حق اور ایذاء خلق کے ساتھ ساتھ کبر وپندار بھی کس درجہ کا ہوتا ہے وفٰ۶۰ اب بیان پھر مومنین کاملین کا ہو رہا ہے وفٰ۶۱ عباد کا لفظ ہے عام۔ لیکن سیاق چاہتا ہے کہ یہاں مراد بندگان مقبولین ہوں۔ حيث ارشدهم الى مثل هذا الشراء (بیضاوی) لفظ العبادله فى القرآن تشريف و اختصاص (بحر) وفٰ۶۲ حکم خاص طور پر قابل غور ہے۔ اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں۔ وہ تو ایک جامع ومانع نظام حیات ہے، ایک مکمل ومنظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ، ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو، اس کے کل سے، اس کے دوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق ومرتبط۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے، لیکن عبادات کے لیے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے یا رسالت پر تو ایمان لے آئے، لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لیے جائے۔ معاریات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں، کسی اور فلسفہ کسی اور دین کسی اور نظریہ کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے، لیکن شان نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نو مسلم یہود کی طرف تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائد قدیم کی کیے جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں۔ جس طرح بعد کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام وغیرہ بہت سے "اسلام" قائم ہو کر رہے اُدْخُلُوْا خود ہی صیغہ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اس کے حال كَآفَّةً نے اسے کس درجہ مؤکد کردیا۔ اور بقاعدۂ اشارۃ النص واجب ہوگیا کہ ظاہری، باطنی، انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال وامور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ السِّلْمِ۔ سلم کے لفظی معنی صلح وامن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔ السِّلم والسَّلم الصلح و قيل السلم اسم بازاء الحرب (راغب) لیکن السِّلْم سے مراد دین اسلام لی گئی ہے اہل لغت نے بھی اسے قبول کیا ہے اور صحابیوں اور تابعین سے بھی مروی ہے۔ اى فى الاسلام (تاج) اى ادخلوا فى الاسلام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وقتادۃ) و فسر السلم بالاسلام (نہر) وفٰ۶۳ یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان، لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانون فوجداری اختیار کرلو ملحدین فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستور یہود کے مطابق۔ شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے، اور

اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کا یہ فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یا ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۶۲ے (وہ تو تمہیں طرح طرح کی آمیزشوں اور جدتوں کا مشورہ دیتا ہی رہے گا، خوشنما سے خوشنما عنوانات کے ساتھ) آیت میں وعید و تنبیہ شدید ہے۔ ایک طرف جاہل و مبتدع اہل تصوف و طریقت کے لیے، اور دوسری طرف "روشن خیال" اہل تجدد کے لیے و۶۳ے (ہر سزا پر قادر، اور سزا کو وقت مناسب ہی پر دینے والا) حکیم۔ سراد اس سے سمجھے ہوئے احکام بھی ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کا خفا یا ابہام نہیں، مثلاً عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت، حکم نماز، حکم جہاد اور ہر وہ چیز بھی اس میں داخل ہے جو دین اسلام کی حقانیت یا قانون اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بینات خواہ جس معنی میں بھی لے لیے جائیں، بہرحال ان نو مسلم یہود کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اور انہیں کوئی وجہ قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہ گئی تھی۔ زللتم۔ زلت کے لفظی معنی پھسل جانے کے ہیں، جو بے احتیاطی میں بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ اگر دہرا رہا ہے کہ قصداً و دانستہ مخالفت تو پھر بڑی چیز ہے غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے۔ عزیز۔ سیاق آیت میں وہ ہے جو جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتا ہے۔ حکیم وہ ہے جو ہمیشہ وقت مناسب ہی پر سزا دیتا ہے و۶۴ے (جن کا کام ہی تعمیل ارشاد کرنا ہوتا ہے) اب پھر

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

(اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے، و۵۷ے سو اس کے لئے جہنم بس ہے، اور بری سے بری آرام گاہ ہے، اور انسانوں

النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے و۵۸ے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

اور اللہ بندوں کے حق میں بڑا شفیق ہے۔ و۵۹ے اے ایمان والو

ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ و۶۰ے اور شیطان کے نقش قدم پر

الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ

نہ چلو و۶۱ے وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے و۶۲ے پھر اگر تم بعد اس کے کہ

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی ہیں ڈگمگا گئے تو جانے رہو کہ اللہ

عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ

بڑا زبردست ہے بڑا حکیم ہے و۶۳ے (یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس

اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ

خدا بادل کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے (بھی) و۶۴ے اور قصہ ہی

الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِیْٓ

ختم ہو جائے، اور اللہ ہی کی طرف (سارے) معاملات رجوع کئے جائیں گے و۶۵ے (آپ) بنی اسرائیل

اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ

سے پوچھ دیکھئے ہم نے انہیں کھلی نشانیاں کتنی دے رکھی تھیں و۶۶ے اور جو کوئی

اشارہ انہی نو مسلم یہود کی طرف ہے، جن کا ذکر دو آیت قبل آ چکا ہے۔ یہ اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں، لیکن کفر و یہودیت سے پوری طرح نہیں نکل پائے ہیں۔ یاتیھم اللہ .... والملئکۃ۔ عقائد کا یہ اصول اور مسلم مسئلہ ہے کہ ذات باری کے لیے نہ کل ہے نہ ظرف۔ اس لیے اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے "آنے" یا "جانے" کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اجمع المعتبرون من العقلاء علی انه سبحانه و تعالٰی منزۃ عن المجیء او الذھاب (کبیر) اور آگے اس پر متعدد دلائل قائم کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں: ثبت انه تعالٰی لیس بجسم ولا بمتحیز وانه لا یصح المجیء او الذھاب علیه (کبیر) اس لیے اکثر مفسرین نے آیت کو متشابہات میں سے مانا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس پر اجمالی ایمان کافی ہے، تفصیل عقل بشری سے ماوراء ہے۔ چنانچہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ کے لیے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس کی ذات کی حقیقت کسی کو مدرک نہیں ہوئی ہے، اسی طرح اس کی صفات و افعال کی کنہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ وجود اور وقوع پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیے کہ اس سے زیادہ فکر میں پڑنا مالا یطاق کا قصد کرنا ہے۔" اور صاحب روح المعانی نے یہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ یاتیھم اللہ بالمعنی اللائق به جل شانه منزھا عن مشابھة المحدثات والتقید بصفات الممکنات اور "مذہب السلف الصالح" یہ نقل ہوتا چلا آ رہا ہے کہ فالاولی السکوت عن التاویل و تفویض معنی الایة علی سبیل التفصیل الی الله تعالٰی (کبیر) اور مفسر و محدث بغوی کو یہ لکھتے پڑا۔ الاولی فی ھذہ الایة و فی ماشاکلھا ان یومن الانسان بظاھرھا ویکل علمھا الی الله تعالٰی و یعتقد ان الله عز اسمهٗ منزہ عن سمات الحدث علی ذلک مضت ائمة السلف و علماء السنة (معالم) اور بہتوں نے آیت میں یاتیھم اللہ کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً امر یا باس یا ایات وغیرہ محذوف مان کر معنی یہ کیے ہیں کہ اللہ کا حکم آ پہنچے یا عذاب آ جائے۔ ای یاتیھم ثوابه و حسابه و عذابه (ابن جریر) ای امرہ و باسه (مدارک) ای ایات الله (کبیر) ای امر الله (کبیر) یاتیھم الله مما وعدھم من الثواب والعقاب قاله الزجاج (بحر) یعنی بیاید عذاب او (شاہ ولی اللہ) اور ایک جماعت نے ملائکہ کی آمد اور قضی الامر کے پہلو کو مدنظر رکھ کر ان واقعات کو روز قیامت سے متعلق کیا ہے، کہ یہ منکرین و معاندین قبول حق کے لیے اب شاید آمد قیامت ہی کے منتظر ہیں۔ قوله یاتیھم الله اخبار عن حال القیامة (کبیر) یہ سب مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ہیں، لیکن ان سب میں بناء مشترک یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن عام منکرین یا منافقین و اہل

ع ۲۵

کتاب کی جانب سمجھا گیا ہے۔ ای یکذبون بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ارید به المنافقون او اھل الکتب (روح) لیکن سیاق کلام پر نظر کر کے اگر روئے سخن صرف یہود تک محدود کر دیا جائے تو بات بالکل صاف ہوئی جاتی ہے، اور بجائے اوپر کی تفسیرات کے صرف اتنا بڑھا دینا ہوگا "حسب اعتقاد یہود"۔ اس لیے کہ یہود کا مذہب تشبیہ و تجسیم کا تھا۔ یہ لوگ خدا کی جسمانیت کے پوری طرح قائل تھے، اور جلوۂ حق کو بادلوں سے خاص طور پر متعلق سمجھتے تھے۔ بلکہ بادلوں کو گویا حق تعالیٰ کی سواری سمجھے ہوئے تھے۔ ان کے مقدس صحیفوں اور نوشتوں میں اب تک اس قسم کی تعلیمات محفوظ چلی آتی ہیں "وہ نور کو پوشاک کی مانند پہنتا ہے، اور آسمانوں کو پردہ کے مانند پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بالا خانوں کو پانیوں میں بناتا ہے، اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے، اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا ہے۔" (زبور۔ ۱۰۴۔ ۳) خداوند ایک تند رو ابر پر سوار ہو کر مصر آوے گا۔ اور مصر کے بت اس کے حضور میں لرزاں ہوں گے۔ (یسعیاہ۔ ۱۹۔ ۱) "کروبی گھر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے، اور اندرونی صحن بادل سے بھر گیا۔ تب خداوند کا جلال کروب سے اٹھ گیا، اور گھر کے آستانہ پر آیا، اور گھر بادل سے بھر گیا، اور صحن خداوند کے جلال کی چمک سے معمور ہوا۔" (حزقی ایل۔ ۱۰: ۳) غرض خدائے تعالیٰ کا بادلوں سے بطور مرکب یا سواری کے قریب ترین تعلق یہود کے تخیل میں رچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ترین ایڈیشن (طبع چہاردہم) میں حق تعالیٰ کی جو تصویر نیم یہودی نیم مسیحی تخیل کے مطابق دی ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۰۲) اس میں (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کو صاف صاف

بدلیوں پر سوار دکھایا ہے! تو قرآن مجید نے آیت میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے، صرف یہود کے خیال کی ترجمانی اس کی صحت و غلطی سے بحث کیے بغیر کر دی ہے کہ یہ بنی اسرائیل جو خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا مع فرشتوں کے بدلیوں پر سوار ہو کر ان کے سامنے آ جائے گا، اور ہر امر قطعی کا فیصلہ کر کے رکھ دے گا؟! اللہ بڑے اونچے مرتبے کے امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچا، صاف اپنی تفسیر میں لکھ گئے ہیں، اور صرف لکھ ہی نہیں گئے، اسی کو پہلے وهو اوضح عندی من کل ما سلف، اور پھر هذا الوجه اظهر من عندی من کل ماسبق کہہ کر بہترین توجیہ بھی قرار دے گئے ہیں کہ یہود حق تعالیٰ کی تشبیہ اور تجسیم کے قائل تھے اور قرآن نے یہاں بجنسہ ان کے اعتقاد کو اس پر تنقید کیے بغیر دہرا دیا ہے، اس لیے اس کے بعد نہ مجاز وغیرہ کسی تاویل کی حاجت رہتی ہے اور نہ کوئی اشکال ہی رہ جاتا ہے۔ اذا کان هذا حکایة عن حال الیهود لم یمتنع اجراء الآیة علی ظاهرها وذلک لان الیهود کانوا علی مذهب التشبیه و کانوا یجوزون علی الله المجیء والذهاب و علی هذا التقدیر یکون هذا الکلام حکایة عن معتقد الیهود القائلین بالتشبیه فلا یحتاج حینئذ الی التاویل ولا الی حمل اللفظ علی المجاز و لیس فی الآیة دلالة علی انهم محقون فی ذلک الانتظار اومبطلون و علی هذا التقدیر یسقط الاشکال (کبیر) هَلْ ... ہل یہاں استفہامیہ نہیں، بلکہ جب الا کے ساتھ آتا ہے تو نفی کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کونها بمعنی النفی هو جاء بعدها الا کثیر الاستعمال فی القرآن و فی کلام العرب (بحر) معناه النفی ولهذا جاء بعده الا (عکبری) و۹۵ے (آخری فیصلہ اور تصفیہ کے لیے) کلام بطور تہدید کے ہے۔ و۹۶ے (اور پھر وہ ہر آیت کا انکار و کفران بھی کس شدومد سے کرتے رہے) اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں کس چیز کی تھیں؟ خدائے تعالیٰ کے مخصوص فضل و کرم کی، اور بنی اسرائیل کی مخصوص سرفرازیوں کی مثلاً کتاب توریت اور دوسرے آسمانی صحیفوں کا نزول یا اس نسل میں انبیائے کرام کا مسلسل ظہور، وقس علی ہذا۔ سَلْ لفظ سل سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں کہ اسرائیلی ان سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ و۹۷ے (عام اس سے کہ اس سزا کا ظہور فوری اور اسی دنیا میں ہو یا بہ تاخیر عالم آخرت میں) نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمت ادنیٰ بھی ہو، جب بھی نعمت ہی ہے۔ اور بہرصورت قابل قدر، چہ جائیکہ بنی اسرائیل کی نعمتیں جن سے بنی اسرائیل کی مدتوں سرفرازی رہی۔ یُبَدِّلْ۔ تبدیل کے معنی ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اس شے کے اندر تحریف کر دینا، اسے مسخ کر دینا، اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت و استفادہ کے لیے تھیں، الٹا انہی کو فسق و کفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے، اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعث ہدایت ہوتا تھا اسی میں تصحیف و تحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہل تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں۔ و تبدیلهم ایاها ان الله اظهرها لتکون اسباب هداهم فجعلوها اسباب ضلالتهم او حرّفوا ایات الکتاب الدالة علی دین محمد ﷺ (کشاف۔ مدارک) یجعلها سبب الضلالة و ازدیاد الرجس او بالتحریف والتاویل الزائغ (بیضاوی) شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ نِعْمَةَ اللّٰهِ کی وسعت اطلاق، دینی و دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر نعمت کے مسخ کر ڈالنے پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ اب نعمت اگر دینی ہے، مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء، تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے، مثلاً دولت، صحت، سلطنت، تو اس کے سوء استعمال کا خمیازہ بھی ربی، ناکامی، افلاس، ذلت وغیرہ کی شکل میں اٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ کا فقرہ زور دینے اور تاکید کے لیے ہے۔ یعنی بعد اس کے کہ اس نعمت کا پوری طرح تحقق ہو سکے۔ اس کے پوری طرح فہم و معرفت میں آ جانے کے بعد پھر جو کوئی اس کے ساتھ کفران کرے۔ آیت آج امت کے کس قدر حسب حال اور کس درجہ قابل غور ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی و دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کر رہے ہیں، کوئی نعمت ایسی ہے جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری ساری عبادتیں مغز و روح سے خالی، ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ اخلاق، اتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی۔ نتیجہ جو نکلا، سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہاں ایک بات اور۔ مسیحیوں کے ہاں ایک عربی داں انگریز پادری ڈاکٹر وہیری Wherry ابھی حال میں گزرے ہیں، مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، انگریزی میں مختصری تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ "مسلمانوں نے متن قرآن کی جو اتنی سخت حفاظت رکھی ہے، اس کا ایک سبب اسی قسم کی تہدیدی آیتیں ہیں"۔ خیر، اس سے کم از کم محفوظیت قرآن پر شہادت تو ایک دشمن اسلام کی زبان سے ہاتھ آ گئی۔ و۹۸ے (اور اس کا ساز و سامان، جاہ و حشم، باغ و مکان، موٹر اور ریڈیو، کوٹھی اور فرنیچر، سب باوجود فانی و بے حقیقت ہونے کے انہیں نہایت اہم و قابل وقعت نظر آتا ہے، اور ان کے دلوں کے لیے خاص کشش رکھتا ہے) جو کافر ہے وہ اسی دنیوی زندگی کی مادی لذت و دولت، عیش و عشرت پر مستار رہتا ہے۔ اسی کو منتہا بالشان سمجھے ہوئے، اسی پیمانہ سے سب کو ناپا رہتا ہے۔ وہ بے حد تنگ نظر ہوتا ہے۔ وہ اس برائے نام عیش پر عیش سرمدی و عشرت لازوال کو قربان کیے رہتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کافر اس باب میں معذور ہے۔ حب دنیا طبعاً اس پر اتنی غالب کر دی گئی ہے کہ وہ اس کے ترک ہی پر قادر نہیں ـــــ ایسا ہرگز نہیں۔ کافر تو کہتے ہی اس کو ہیں، جو بلا کسی معذوری کے، اپنے قصد و اختیار سے حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کرے اور دنیا کی خوشنمائی کا آنکھوں میں بس جانا، یہ تو کفر کا نتیجہ اور معلول ہے، نہ کہ اس کا باعث و سبب۔ اپنے ارادہ کا سوء

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی نعمت کو بدل ڈالے، بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ

سزا دینے میں بڑا سخت ہے و۹۷ے خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو

الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ

کافر ہیں و۹۸ے اور، وہ ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں و۹۹ے (درآنحالیکہ) جو لوگ

اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ

ڈرتے رہتے ہیں وہ ان سے (کہیں) اوپر ہوں گے قیامت کے دن و۱۰۰ے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار

يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

رزق دیتا رہتا ہے و۱۰۱ے لوگ ایک ہی امت تھے، و۱۰۲ے

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ

پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، و۱۰۳ے

وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کیں، و۱۰۴ے کہ وہ لوگوں کے درمیان اس بات میں

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے و۱۰۵ے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا

اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

مگر انہی نے جنہیں وہ ملی تھی انہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ انہیں

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں و۱۰۶ے پھر اللہ نے اپنے فضل سے انہیں جو

استعمال تو وہ پہلے ہی کر چکا، محض نتیجہ کے طور پر مشیت تکوینی نے اس کی کوشش کو کامیاب کر دیا۔ ف۷۹ (اور سامان دنیوی سے محروم ہیں) کافر اسی غلط معیار کی بنا پر، اسی کج نگاہی سے کام لے کر اپنے کو بڑا سمجھتا، اور ایمان وطاعت کی بے وقعتی اور تحقیر کرتا رہتا ہے۔ نگاہ کی یہ کجی، یہ غلط بینی ہی دنیا کا شدید ترین ابتلاء ہے۔ حدیث نبوی کی یہ دعا اسی فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا و ارنا الباطل باطلا۔ اور عارف رومی کی یہ مناجات بھی اسی موقع کے لیے ہے۔

انچہ در کون ست اشیا بر چہ ہست ۔۔۔ وانما جاں را بہر صورت کہ ہست
آب خوش را صورت آتش مدہ ۔۔۔ اندر آتش صورت آبے منہ

ف۸۰ (کہ وہ دن ہوگا کشف حقائق کا) اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یہ کفر وشرک سے بچتے رہتے ہیں۔ فَوْقَهُمْ۔ یعنی درجہ ومرتبہ میں ان سے ہزار چند بڑھے ہوئے ہوں گے۔ لانھم فی علیین و ھم فی اسفل السافلین (بیضاوی) ف۸۱ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی مال ودولت کا تعلق مصالح تکوینی سے ہے۔ سو یہ مال ودولت کی افراط، یہ روپیہ کی ریل پیل، یہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں اور بڑے بڑے ساہوکارے، ہرگز کوئی معیار مقبولیت یا حق وصداقت کا نہیں۔ چاہے وہ جاہ وتمول ذاتی وشخصی ہو، یا قومی واجتماعی۔ کوئی اس میں بھول نہ پڑے۔ اور ”**قومی اقبال مندی**“ پر نہ مغرور ہو نہ اس سے مرعوب ہو۔ ف۸۲ (آغاز فطرت میں) آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی ”محققین“ حسب معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے، اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک وتعدد الٰہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ توحید تک تو نسل انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی وذہنی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسل انسانی آغاز فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں ”مذہب“ و ”ادیان“ کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں جس وحدت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے دینی واعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ کانوا علی شریعۃ من الحق (ابن جریر۔ عن عباس ؓ) کانوا علی الھدی جمیعا (ابن جریر۔ عن قتادہ) انھم کانوا علی دین واحد و ھو الایمان والحق ھذا قول اکثر المحققین (کبیر) صدیوں کی الٹ پھیر، نقل وقال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات، انسانیات واجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دین اولین دین توحید تھا۔ ف۸۳ (بھٹکے ہوؤں کو راہ حق پر واپس لانے اور جمع کرنے کی خاطر) فَبَعَثَ میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہل باطل اپنے اختراعی عقائد واعمال سے بہت سے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے مُبَشِّرِيْنَ۔ یعنی خوشخبری سنانے والے اہل ایمان کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کو قبول و اختیار کر لیں۔ مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی ڈرانے والے اہل کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کے مقابلہ میں انکار وطغیان کو قائم کریں۔ ف۸۴ الْكِتٰبَ سے کوئی مخصوص ومتعین کتاب الٰہی مراد نہیں، بلکہ الْ جنس کتب کے لیے ہے، اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اترتی رہیں۔ گویا لفظ کتاب صورۃً واحد ہے، اور معنًی جمع۔ یرید به الجنس (بیضاوی) بِالْحَقِّ حق کو لے کر، یا اظہار حق کے لیے۔ ترکیب میں بالحق حال واقع ہوا ہے کتاب کا۔ بیان الحق (مدارک) حال من الکتب ای ملتبسا بالحق شاھدا به (بیضاوی) ف۸۵ یعنی عقائد واعمال کے باب میں۔ بِحُكْمٍ۔ تاکہ وہ فیصلہ کر دے الٰہی انبیاء، یا کتب کے واسطے سے۔ فیصلہ کون کر دے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ وہی اصلی فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے لِيَحْكُمَ کی ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے لیکن بعض نے نبی اور بعض نے کتاب بھی مراد لی ہے۔ یہ دونوں بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ای لیحکم اللہ اوالنبی المنزل علیه اوالکتب (کبیر) والضمیر عائد علی اللہ ھذا ھو الظاھر وقیل عائد علی الکتاب (بحر) ف۸۶ (تصدیق حق کی۔ اور اصول دین کے باب میں کسی قسم کا التباس اور خفاء باقی نہیں رہا) بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ
ایمان والے تھے، وہ امر حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے ف۸۷ اور اللہ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ
جسے چاہتا ہے راہ راست بتا دیتا ہے ف۸۸ کیا

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ
تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے ف۸۹ درآنحالیکہ (ابھی) تم پر ان لوگوں

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ
کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ف۹۰ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی

وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ
اور انہیں ہلا ڈالا گیا ف۹۱ یہاں تک کہ پیمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
ایمان لائے تھے بول اٹھے ف۹۲ کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی ف۹۳ سن رکھو اللہ کی امداد

قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ
یقیناً قریب ہی ہے ف۹۴ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں ف۹۵ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہیں مال سے خرچ

مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى
کرنا ہے ف۹۶ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا

وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ
اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ف۹۷ اور جو بھی نیکی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ
کرو گے اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے ف۹۸ تمہارے اوپر قتال

اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی، نہ یہ امر کہ اصل احکام الٰہی یا پیام حق میں کسی طرح کا ایچ پیچ تھا، اور نہ یہ کہ مسائل اجتہادی میں کوئی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔ یعنی وہی لوگ جنہیں کتب بواسطہ انبیاء ملی تھی، مراد ہیں علماء ومشائخ وپیشوایان قوم۔ گمراہی اور کجروی کی طرح یہی لوگ ڈالتے ہیں، عوام محض ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ف۸۷ (چنانچہ اہل حق کو نزاع و اختلاف کبھی مضر نہیں پڑا) بِاِذْنِهٖ۔ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ میں ذکر اہل حق کے اختلاف کا ہے اہل باطل سے بِاِذْنِهٖ۔ میں اذن کے معنی فضل، توفیق ولطف کے ہیں الاذن التوفیق (تاج) بارادته و لطفه (بیضاوی) بتوفیقه و تیسیرہ (روح) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ پر سوال ہوا ہے کہ جو اس کے مصداق ہو چکے تھے وہ تو خود ہی ہدایت یافتہ تھے، پھر اب انہیں ہدایت کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ایمان سے یہاں مراد قصد ایمان، صلاحیت ایمان ہے یعنی جو ایمان کے طالب تھے، انہیں ہدایت حاصل ہوگئی۔ ف۸۸ (اور اس کی مشیت ہدایت ہمیشہ ان لوگوں سے متعلق ہو جاتی ہے جو اس کی طرف بڑھنا چاہتے، اور ضد وتعصب کو چھوڑ کر طلب حق اختیار کرتے ہیں) اس میں مومنین کی تشفی وتسلی کا پہلو بھی نکل رہا ہے کہ مخالفین ومعاندین کی سرگرم کوششوں اور زبردست پروپیگنڈے سے خوف وہراس نہ کریں۔ اپنی طلب اگر صادق ہے، تو کوئی مکر وتدبیر، کوئی قوت یا شوکت ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ف۸۹ (بلا مشقت اور بغیر امتحان، اے گروہ مومنین!) خطاب براہ راست عہد رسالت کے مومنین سے ہے۔ ایھا المؤمنون باللہ و

وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ

فرض کر دیا گیا ہے و۸۹ے درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے و۹۰ے لیکن کیا عجب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ

تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو، و۹۱ے

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع يَسْـَٔلُوْنَكَ

اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے، اور تم علم نہیں رکھتے و۹۲ے اور آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں و۹۳ے آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا

كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ

بڑا (گناہ) ہے، و۹۴ے اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک، اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور

الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں و۹۵ے

وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے و۹۶ے اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے،

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ

تاآنکہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر ہی کر رہیں و۹۷ے اور جو کوئی بھی تم میں سے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ

اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے و۹۸ے

وصلہ (ابن جریر) و۸۰ے یعنی اُن مومنین سابقین، ان انبیاء قدیم کی امتوں کی سی آزمائش اور مصیبتیں۔ مثل کے معنی غیر معمولی حالات و تجربات کے ہوتے ہیں۔ المثل المشبہ الاانہ مستعار لحال غریبۃ اوقصۃ عجیبۃ لھا شان (بحر) یہاں مراد ان پچھلی امتوں کے تحمل شدائد سے ہے۔ ماینال من اذی الکفار والفقر والمجاھدۃ فی سبیل اللہ (بحر) حالھم التی ھی مثل فی الشدۃ (کشاف) آیت سے یہ مرادنہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضل خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزر لے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہ جن درجات عالیہ کے طالب تھے اور بقول مرشد تھانوی ؒ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیے۔ ان درجات عالیہ تک پہنچنے کے لیے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ و بساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔ و۸۱ے (شدت تکلیف سے) ای حرّکوا بانواع البلایا والرزایا (کبیر) اَلْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انہیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء میں راحت و آسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد و اذیت کا۔ الباسآء عبارۃ عن تضییق جھات الخیر والضرآء عبارۃ عن انفتاح جھات الشر (کبیر) ان آزمائشوں کے تذکرے قدیم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً "صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں"۔ (زبور۔ ۳۴۔۱۹) "چاندی کے لیے کٹھالی ہے اور سونے کے لیے بھٹی، پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے"۔ (امثال ۱۷:۳) "ضرور ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں" (اعمال ۱۴:۲۲) و۸۲ے (شدت غم و حزن سے بے قرار ہو کر) اَلرَّسُوْلُ سے مراد اس زمانہ کے پیمبر ہیں۔ المراد من الرسول الجنس لا واحد بعینہ (روح) الرسول فھنا اسم جنس (نہر) و۸۳ے نَصْرُ اللّٰهِ۔ یعنی نصرت موعود۔ انبیاء و مومنین کا یہ قول حالت اضطرار میں دعا و مناجات کے طور پر تھا، نہ بہ طور اعتراض و شکوہ۔ وعدہ نصرت الٰہی کا تھا، مگر یہ تعیین تو نہ تھی کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرت غیبی کی ضرورت محسوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بہ الحاح و زاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت دستگیری و نصرت غیبی کے نزول کا ہے۔ (تھانوی) آیت میں اشارہ ہے کہ امت محمدیؐ کو بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئیں گی جیسی کہ اگلی امتوں کو پیش آچکی ہیں۔ و۸۴ے یہ جواب ان امتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مومنین کو ہمیشہ کے لیے بشارت اور تسلی مل گئی۔ اور اس حقیقت کا بیان آگیا کہ نصرت الٰہی اپنے وقت پر ضرور آکر رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم بھی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضائے بشریت اضطراب تو کاملین تک کو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباع احکام کی برکت سے نصرت الٰہی حاصل ہو کر رہتی ہے۔ و۸۵ے (اور کن موقعوں پر) سال المؤمنون رسول اللہ ﷺ این یضعون اموالھم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان مصرفہ ای شیء ھو (کبیر۔ عن القفال) مرادھم من قولھم لیس ھو طلب الماھیۃ بل طلب المصرف (کبیر) سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔ الاکثرون علی ان الأیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ھی فی التطوع (مدارک) قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اس کے اندر رکھتے ہیں۔ و۸۶ے خیر کا مفہوم علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنی کے محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔ المال من وجہ محمود (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے و۸۷ے مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے۔ سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، اُن کی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی، بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آگئے —— شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے —— پھر امت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریب بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علیحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قریبی اور دور کے حقدار اور ملی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہو گئے۔ مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم اس سے بے خبر چندہ لکھوا رہے ہوں چینی ریلیف فنڈ میں! و۸۸ے (اور اس لیے اس کا اجر بھی پورا ملے گا) خَيْرٍ عام ہے۔ بدنی مالی، بڑی، چھوٹی ہر قسم اور درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گھڑ لیے ہیں، اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے یا جزئیات یا مخفیات پر محیط نہیں۔ و۸۹ے (جب اس کے شرائط کا تحقق ہو جائے، اے مسلمانو!) قتال کے آداب، شرائط و قواعد میں سے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو "زور" دیا ہے، اس کو یاد رکھ کے ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:۔ "سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اُس کا ہے یکلخت ختم کر، اور ان پر رحم مت

کر، بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے شیرخوار اور بیل، بھیڑ، اور اونٹ اور گدھے تک کو سب کو قتل کر"۔
(۱۔سموئیل۔۱۵:۲)و۹۰ے جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی
جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً ہچکچاتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترک
وطن کر کے مدینہ میں آ کر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، دولوں، روپیہ پیسہ میں، ساز و سامان میں، تعداد
میں، غرض مادّی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے۔ ان شکستہ دلوں، شکستہ
بازوؤں کو حکم جنگ و قتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو تو یہ ان کے مرتبہ اخلاص اور قوت ایمانی کے
ذرا بھی منافی نہیں۔ شاق علیکم مکروہ طبعا (بیضاوی) مکروہ بالطبیعۃ (بحر) ھذہ
الکرہ من حیث نفور الطبع عنہ لما فیہ من مؤنۃ المال و مشقۃ النفس و خطر الروح
لا انھم کرھوا امر اللہ تعالٰی (معالم) ھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ آیت پوری تردید کر رہی ہے اُن بے غیرت
"مستشرقین" کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاق جنگ وقت
کے تھے! کُرۡہٌ لفظاً مصدر ہے، معنی مفعول کے دے رہا ہے۔ جیسے خبز سے مخبوز مراد ہو جاتی ہے،
اور نقض سے مراد منقوض۔ و۹۱ے تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل جن
مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کے لیے قرآن مجید کو اس تفصیل و اہتمام سے کام لینے کی
ضرورت پیش آ رہی ہے اُن کی بابت اسلام کے مشہور و معروف "کرم فرما" اور مسیحی دنیا کے نامور
مؤرخ و سیرت نویس، پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ
(نعوذ باللہ) "محمد ﷺ نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغول کار رکھنے کے لیے انہیں جہاد میں لگا
دیا"! گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ
سیر و تفریح تھا! -- دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں!
شَیۡـًٔا صیغہ نکرہ ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ہر
طبعی و مرغوب و محبوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ و مبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔ و۹۲ے یعنی اللہ ہی کا
علم کامل اور ظاہر و باطن ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لیے اس کے احکام ہمیشہ بے شمار حکمتوں اور
مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اس کے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل و جامع نہیں ہوتا۔ اس لیے
خود انسان کی واقفیت و مصلحت اسی میں ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل بے چون و چرا کر لیا کرے۔
و۹۳ے الشھر الحرام بالشھر الحرام کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار
مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا
پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔ اَلشَّهۡرِ الۡحَرَامِ سے یہاں مراد ماہ رجب ہے۔
ہوا یہ کہ ۲ ہجری میں یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ
مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال
میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں بار بار ہوتا رہتا ہے) کہ چاند
۲۹ کا ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا، اور
طعن و اعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں۔ ان محمدًا
بعث سریۃ فلقوا عمرو بن الحضرمی اٰخر لیلۃ من جمادی الاوّل لیلۃ من رجب و ان
اصحاب محمد ﷺ کانوا یظنون تلک اللیلۃ من جمادی و کانت اول رجب و لم
یشعروا فقتلہ رجل منھم واحد (ابن جریر۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) لقی و اقد بن عبداللہ
عمرو ابن الحضرمی اول لیلۃ من رجب و ھویری انہ من جمادی فقتلہ (ابن جریر۔عن
مقسم) قِتَالٍ فِيۡهِ ترکیب میں بدل ہے اَلشَّهۡرِ الۡحَرَامِ سے۔ بدل اشتمال من الشھر الحرام
(بیضاوی) و ھذا یسمّٰی بدل الاشتمال کقولک اعجبنی زید علمہ و انفعنی زید
کلامہ (کبیر) و۹۴ے (جب کہ دانستہ یعنی ماہ حرام کا علم رکھتے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں
سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) وما وقع من اصحابہ علیہ السلام کان من باب الخطاء
فی الاجتھاد و ھو معفوٌعنہ (روح) فقہاء مفسرین میں ایک بڑی بحث اس کی ہوئی ہے کہ حرمت
والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کفار اس زمانہ میں
قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کے لیے دفاعی و جوابی قتال تو بہرحال جائز
ہے۔ لا خلاف فی جواز القتال فی الشھر الحرام او اذا بدوا (زاد المعاد۔ فصل احکام
غزوۂ خیبر) گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتداء جائز ہے؟ انما
الخلاف ان یقاتل فیہ ابتداء (زاد المعاد) سو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے یہ حکم
حرمت کالعدم ہو گیا ہے، اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی شروع ہو سکتا ہے۔ فالجمھور جوزوہ
وقالوا تحریم القتال فیہ منسوخ و ھو مذھب الائمۃ الاربعۃ (زاد المعاد) قال سائر
العلماء ھی منسوخۃ (ابن العربی) روی سلیمان بن یسار و سعید بن المسیب ان
القتال جائز فی الشھر الحرام و ھو قول فقھاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ
اور بعض اور اکابر اس کے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی و قطعی ہے۔
بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار تھے۔ مذھب عطاء وغیرہ الی انہ ثابت
غیر منسوخ و کان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشھر الحرام (زاد المعاد)
کان عطاء یحلف انھا ثابت لان الاٰیات التی بعدھا عامۃ فی الازمنۃ وھذا خاص
والعام لا ینسخ بالخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفۃ حکمہ باق لم ینسخ و
فیمن قال ذلک عطاء بن ابی رباح (جصاص) و۹۵ے (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے
سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی ایسے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر
اعتراض و احتجاج کا؟) صَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اُس سے روکنا یعنی
اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، اُن پر ظلم و ستم توڑنا۔ سبیل اللہ ای
الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی) كُفۡرٌۢ بِهٖ۔ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے
دین و شریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے
وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ۔ مسجد کعبہ خاص اہل توحید ہی کا معبد و مرکز ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کے پرستاروں
کے لیے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائض اولین میں سے ہے۔ اَلۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ کا عطف ترکیب
میں سَبِيۡلِ اللّٰهِ پر نہیں، بلکہ تقدیر کلام یوں ہے ویصدون عن المسجد الحرام۔ ولا یحسن
عطفہ علی سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیرہ و یصدون عن المسجد (عکبری) و اختار ابو
البقاء کونہ متعلقاً بفعلٍ محذوف ای علیہ الصد ای ویصدون عن المسجد الحرام
(روح) اِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ۔ دونوں ضمیریں اَلۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ کی طرف ہیں۔ یعنی رسول ﷺ اور
مومنین کو ہر طرح تنگ و پریشان کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں اُن کا داخلہ بند کر دینا۔ انہیں
اھل اس لیے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ انما کانوا
اھلہ لانھم القائمون بحقوقہ (روح) گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں
ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً ماہ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔
دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے سنگین و شدید جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟
و۹۶ے (اپنے مفاسد اور اپنی مضرتوں کے لحاظ سے) اَلۡفِتۡنَةُ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں
ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں -- اُس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا
کو راہ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ ای ما یفتن بہ المسلمون و
یعذبون بہ لیکفروا (روح) والمعنی عند جمھور المفسرین الفتنۃ التی کانت تفتن
المسلمین عن دینھم حتّی یھلکوا (بحر) الفتنۃ ھی ما کانوا یفتنون المسلمین عن
دینھم تارۃ بالقاء الشبھات فی قلوبھم و تارۃ بالتعذیب (کبیر) فتنۃ کے معنی یہاں مطلق کفر
کے بھی کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے، یہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے و ھو عندی ضعیف
(کبیر) قول محقق وہی ہے جو اوپر درج ہوا۔ اَکۡبَرُ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور تابعین کے قول میں
اشد سے آئی ہے۔ مِنَ الۡقَتۡلِ۔ یعنی اس خاص واقعہ قتل سے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی
راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں،
تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دنیا کو امن، عدل و عافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور
اس لیے وہ نوع و نسل انسانی کے مجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور
فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بدامنی کو دور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و
قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ و۹۷ے یہ
بیان ہے اس کا کہ مشرکین عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس درجہ دشمن تھے۔ لَا يَزَالُوۡنَ
يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ میں اشارہ انہی دشمنان حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے
استاد عربی، پروفیسر پامر ہوئے ہیں، اس موقع پر طنز و تعریض کا نشتر یوں چلاتے ہیں:۔ "اب اسلام
نے کافروں پر ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا"۔ دھاوا چاروں طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا،

لیکن اس بعثت میں بچ صرف اتنا ہے کہ یہ دعاوی اسلام کا نہ تھا خود اسلام پر تھا۔ حتی کے معنی یہاں " تا کہ " کے ہیں اور غرض و مقصود کے اظہار کے لیے ہے۔ حتی للتعلیل (بیضاوی) یجوز ان یکون بمعنی الی (عکبری) ای الی ان یردوکم و قیل المعنی لیردوکم (کبیر) ان استطاعوا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انہیں اپنی کوششوں سے بنالینا کچھ آسان نہ تھا۔ استبعاد لاستطاعتھم (کبیر) اشارۃ الی تصلبھم فی الدین و ثبات قدمھم فیه کانه قیل و انی لهم ذلک (ابوسعود) و۷۹۸ حبطت۔ انحبط ۃ حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر طاعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائے گا۔ اور دنیا میں اس کا ظہور یوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمان کی میراث میں اسے حصہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد، باغی، غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ شریعت یہود میں ارتداد ہی نہیں، بلکہ ارتداد اور ترغیب ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:" اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلاوے اور کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے تو تو اُس سے موافق نہ ہونا، اور اس کی بات نہ سننا۔ تو اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا تو اُس کی رعایت نہ کرنا تو اُسے پوشیدہ نہ رکھنا، بلکہ اُسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اُسے سنگسار کرنا تا کہ وہ مر جائے"۔ (استثناء۔ ۱۳:۶۔ ۱۰) اور نصرانیوں کے ہاں بھی۔" دانستہ ارتداد قابل عدالتی سزا ہے قتل اور زنا کاری کے درجہ کا"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۲ صفحہ ۶۲۳) چنانچہ انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرہویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے چکر میں دین نصرانیت کو ترک کردیا تھا تو اُسے آکسفورڈ میں ۱۷۔ اپریل ۱۲۲۲ء کو جلا دیا گیا۔ (ایضاً، صفحہ ۶۲۳) فیمت وھو کافر۔" اسی حالت کفر ہی میں اُس کی موت آجائے " یہ فقرہ بڑھا کر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو بھی گیا تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہوجاتا جب تک کہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔ و بھا احتج الشافعیؒ علی ان الردۃ لا تحبط العمل حتی یموت علیھا (مدارک) قید الردۃ بالموت علیھا فی احباط الاعمال کما ھو مذھب الشافعی (بیضاوی) لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کردیا ہے، اور ایک دوسری آیت میں صاف حبط عمل کو نفس ارتداد پر معلق کردیا ہے۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ قال مالک یحبط بنفس الردۃ (ابن العربی) یرتدد باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہل معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اس باب میں لانے سے اسی عمل ارتداد کے اختیاری پر توجہ دلانا ہے و جاء الفعل ھنا بمعنی العمل و التکسب لانه تکلف اذ من باشر دین الحق یبعدان یرجع عنه (بحر) عن دینه۔ دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔ و۷۹۹ خلدون۔ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم و باقی رہنا۔ الخلود بقاء الاشیاء علی الحالة التی علیها من غیر اعتراض الفساد (راغب) اس تصریح نے اور صاف کردیا۔ ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور جزا (تاوقتیکہ موقت و محدود نہ کردی جائے) یوں بھی دائمی و جاودانی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کردیا ہے۔ ایشاں دراں جاویدند (شاہ ولی اللہ دہلوی) وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہیں گے (شاہ رفیع الدین دہلوی) و۸۰۰ الذین ھاجروا۔ دین کے تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کرکے ایمان کی بستی میں آجانے کا نام ہجرت ہے الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب) جٰھدوا۔ جہد کے معنی شدید کوشش اور جدو جہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی بلائیں اور تکلیفیں آگئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ فاطر کائنات کے قانون میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں۔ ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اُس کے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہوجائیں تو اُس کے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے! نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ فی سبیل اللہ۔ یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کردیا کہ ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی بجا ہوے کیں، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دین خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہے گی۔ --- وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، سب کے سب فی سبیل اللہ اور الذین امنوا کے وصف سے خالی! اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔ ثواب جب ہے کہ ناخوش ہوا ہی بنا پر تم ▪ دلوں کو طاعت حق سے پیدا کرتے ہیں ▪ نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ غلط انداز ▪ ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں ▪ و۸۰۱ اس میں بشارت و تسلی ان مومنین کے لیے ہے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل کم، جب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہوگیا تھا۔ اوپر حاشیوں میں ضروری تفصیل گزر چکی۔ و۸۰۲ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے۔ غفور۔ سو وہ اپنی صفت

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور یہ اہل دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے و۷۹۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ

میں جہاد کیا و۸۰۰ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے و۸۰۱ اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے و۸۰۲ (لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں و۸۰۳

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ

آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے و۸۰۴ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں و۸۰۵ اور ان کا گناہ

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ

ان کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے و۸۰۶ اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، و۸۰۷

قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

آپ کہہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو، و۸۰۸ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ

تاکہ تم سوچ لیا کرو دنیا اور آخرت کے (معاملات) میں۔ و۸۰۹ اور (لوگ) آپ سے

عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ

یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں و۸۱۰ آپ کہہ دیجیے کہ مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، و۸۱۱ اور اگر

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

تم ان کے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی (ہی) ہیں، و۸۱۲ اللہ کو علم ہے کہ مفسد (کون) ہے

غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو وخطا کو معاف کرے گا۔ زجینہ۔ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے اجر بھی مرحمت فرمائے گا۔ ف ۸۰۳ یعنی اُن کے حکم شرعی کی بابت، ان کے جواز وعدم جواز کی بابت سوالمعنی یسئلونک عما فی تعاطیهما بدلیل (کشاف) دل تخصیص الجواب علی ان ذلک السوال کان واقعا عن الحل والحرمة (کبیر) انتخب۔ خمر ومیسر یہاں دونوں اپنے عام وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کردے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شئ (تاج) سمیت لکونها خامرة لمقر العقل (راغب) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کرلیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ الخمر ما خامر العقل (بخاری۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) الخمر کل شراب خمر العقل فستره و غطی علیه (ابن جریر) میسر بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شئ فیه قمار فهو من المیسر (تاج) علمائے شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ المیسر و هو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم) و فی حکم المیسر انواع القمار و النرد والشطرنج و غیرهما (مدارک) شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزت وشرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اکیلے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، ان کی روک تھام نہ کرسکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے جس نے آکر اُن کی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔ یہ آیت سلسلہ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم بعد کو نازل ہوا۔ علامہ آلوسی بغدادی، صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لیے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لیے ہیں۔ عرق عنبری، ماءالاکسیر وغیرہا لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔ علامہ کا سال وفات ۱۸۵۳ء ہے۔ گویا آج (۱۹۳۰ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرت ناک تجربے ہوچکے تھے۔ اُن مرحوم کو کیا اندازہ کہ آج فرنگیوں کے اثر سے ان کے وطن عراق ہی میں نہیں، بلکہ مصر وایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے! اور خمر ہی نہیں میسر بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب وتمدن" کا جزو بن چکا ہے۔ اور کتنے گوشوں میں داخل ہوچکا ہے! ف ۸۰۴ (جیسا کہ مشاہد ہے) اِثۡمٌ کا لفظ ہر ایسے فعل کے لیے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اِثۡمٌ کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ الاثم کله محرم (جصاص) چونکہ جب اس پر تاکید بھی کَبِيۡرٌ کے ساتھ موجود ہوا اِثۡمٌ کَبِيۡرٌ ہی سے فقہاء نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے۔ ولا حد علی تحریم القلیل منه (جصاص) اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اِثۡمٌ بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہوچکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کرادے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے۔ قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے، پاکیزہ نفسی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔ اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ مونٹے کارلو Monte Carlo میں ہر سال کتنی بے شمار دولت تلف ہوتی رہتی ہے! دیوالی اور شبکسف کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، چٹھیوں (لاٹریوں) کے جوئے، سٹے وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے؟ سچ کہا اُن مفسرین نے جنھوں نے کہا کہ ان دونوں مشغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ فی تناولهما ابطاء عن الخیرات (راغب) من حیث ان تناولهما مؤدّ الی مایوجب الاثم وهو ترک المامور و فعل المحظور (روح) بعض صحابیوں، مثلاً حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کی بابت منقول ہے کہ انھوں نے شراب کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے از خود دریافت کرنا شروع کردیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونوں کو غارت وبرباد کردینے والی ہو، اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ کان المسلمون یشربونها و هی حلال لهم ثم ان عمر و معاذًا و نفرًا من الصحابة قالوا یا رسول الله افتنا

فی الخمر فانها مذهبة للعقل مسلبة للمال (کبیر) صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اگر قلوب میں از خود اتنی جلا پیدا ہوگئی ہو تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟ ف ۸۰۵ (کچھ تھوڑے بہت) حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح نفع اور مصلحت سے خالی، کوئی شے موجود ہی نہیں۔ یہاں تک کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت وسرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوجاتی ہے، قس علیٰ ہذا۔ اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے، اسے بلامشقت وتعب تھوڑی ہی سی دیر میں آمدنی ہوجاتی ہے۔ و قس علی هذا۔ ای باللذة والفرح فی الخمر و اصابة المال بلا کدفی المیسر (جلالین) مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع ومصالح اپنی اپنی بصیرت ودائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور مسئلہ نکل آیا۔ کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع ومصالح بیان کرنا اُس کی حرمت کے منافی اور اس کی حرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں۔ آج جو "اسپرٹ" ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً تیزاب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہاء نے انھیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔ ف ۸۰۶ (اس لیے عقل سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابل ترک اور واجب الاحتراز ہیں) فقہاء نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حرمت خمر پر دوسری آیتیں اس سے صریح تر نہ موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حرمت کے لیے کافی تھی۔ هذه الاية قد اقتضت تحریم الخمر لو لم یرو غیرها فی تحریمها لکانت کافیة مغنیة (جصاص) یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ایک اشارے سے اپنے حدود مملکت سے کہنا چاہیے کہ ان خبائث کا خاتمہ ہی کردیا۔ اور اشخاص وافراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر وذلت کا لقب ٹھہرا دیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیرووں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا، جہاں تک باوجود علم وفضل وفہم ودانش کے بلند بانگ دعووں کے آج تک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسوسی ایشن" (اعتدال، احتیاط کی تبلیغ کرنے والی انجمن) پہنچ سکی ہے نہ کوئی پروہبشنسٹ Prohibitionist گورنمنٹ" (قانون امتناع جاری کرنے والی حکومت)! سر ولیم میور، اپنے نہیں، بیگانے ہیں۔ معتقد نہیں، معترض ہیں۔ باوجود اس کے لکھتے ہیں:۔ "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے"۔ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۲۱) انیسویں صدی کے ربع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا تھا:۔ "دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں، مے نوشی وبدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے"۔ ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال واحتیاط پیدا کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں، بہترین نظم ونظام اور شہرت وکارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن "پسی فٹ جانسن" Pussy Foot Johnson نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیائے متمدن میں مچادی۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۶ صفحہ ۵۹۰ طبع یازدہم) ہندوستان میں ابھی دو ہی چار سال ہوئے (غالباً ۱۹۳۸ء میں) متعدد صوبہ وار حکومتوں نے اپنے علاقوں میں قانون امتناع نافذ کیا تھا۔ لیکن آخر میں وہ قانون واپس لیتے ہی بنی!...... محکمہ آبکاری کی لکھوکھا روپیہ کی آمدنی سے دستبردار ہوجانا کوئی آسان بات ہے؟ رہی قمار بازی۔ سو اس باب میں قانون اسلام سے باغی ومنحرف ہوکر یورپ اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کررہا ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات، مے نوشی اور قمار بازی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں! پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچی رہتی ہے! (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۶ صفحہ ۱۶۴) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک، اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا، اور وہ بھی پہلی جنگ عظیم سے قبل کا! یورپ کے کل ملکوں (اور اس فہرست میں دنیائے معلوم کا مشہور ترین قمار خانہ مانٹی کارلو بھی شامل ہے) اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لیے تو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے! اِدہر یہی قانونِ وقت کی ناکام کوششیں تو اسی انسائیکلو پیڈیا کے اسی مقالہ میں ہے کہ" قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کررہا ہے بجز اُسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے"۔ (ص ۱۶۵) یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے "عقلائے فرنگ" کی اس "ناممکن" کوشش کو اپنے حدود میں ممکن ہی نہیں واقع کرکے دکھا دیا۔ و۸۰۷ (خیر خیرات میں) فرض زکوٰۃ کی تو شرح متعین تھی۔ یہ سوال اس کے علاوہ دوسرے نیک کاموں میں صرف سے متعلق تھا۔ و۸۰۸ اور اس آسانی کا معیار، بہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اُٹھانا پڑے۔ اَلْعَفْوَ۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اُوپر بار نہ ہو۔ العفو نقیض الجهد و هو ان ینفق مالا یبلغ انفاقه منه الجهد (کشاف) ای مالا یجهد (روح۔عن الحسن) ای انفقوا ما فضل عن قدر الحاجة (مدارک) و۸۰۹ (ان احکام پر عمل کے وقت) امورِ آخرت میں غور و فکر کرتے رہنے کی اہمیت تو ظاہر ہے۔ یہاں حکم اس کا مل رہا ہے کہ امورِ دنیا میں بھی سوچ بچار سے کام لیا کرو۔۔۔ تو کیا دُنیا بھی اس قابل ہے کہ اس کے معاملات میں غور و تدبر سے کام لیا جائے؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ راز اس کا یہ ہے کہ انسان خلوِ ذہن کے ساتھ جس قدر دنیا اور اس کے کاروبار کو سوچے گا، اسی قدر اس کی بے ثباتی اور بے قدری اس کے دل پر جمتی جائے گی۔ و۸۱۰ (کہ ان کے خرچ کا نظام رکھا جائے، آیا اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ کر دیا جائے) یہ سوال کرنے والے یتیموں کے اولیاء تھے، جن کی ولایت و سرپرستی میں یتیم بچے پل رہے تھے۔ اللہ رے صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط اور مرتبہ تقویٰ! صراحت کے ساتھ آکر سوال کیا کہ یتیموں کی جائیدادوں سے انتفاع کی آیا کوئی شکل بھی اولیاء اور سرپرستوں تک کے لیے جائز ہے؟ جائیداد کی طمع بھی بری ہوتی ہے۔ عرب جاہلی میں بہت سے لوگ اس لیے یتیموں کو اپنی ولایت و سرپرستی میں لیتے تھے کہ ان کی جائیداد میں خورد برد کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ کوئی یتیم لڑکی اگر مالدار نظر آئی، تو اس سے اپنے لڑکے کی شادی بھی اسی طمع میں کر دیا کرتے تھے۔ الْيَتٰمٰى۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے، جس کے سر سے باپ یا ماں کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ احکامِ شریعت میں یتیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔ الیتیم المنفرد عن احدابه (جصاص) انما المراد بالایتام الفاقدون لآبائهم و هم صغار (جصاص) و۸۱۱ سو وہ جس طریق پر حاصل ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ یہاں اصل اصول بیان کر دیا کہ مقدم شرط جائیداد یتیم کے مصالح کی رعایت ہے۔ اگر اس کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک میں رکھا جائے، تو یہی کیا جائے، ورنہ اس کے برعکس۔ اصلاح کا لفظ عام ہے۔ اگرچہ اس کا قریبی تعلق مالی مصالح سے ہے۔ لفظ کے عموم میں جسمانی، مالی، اخلاقی، ہر قسم کی اصلاح آ گئی۔ فقہاء نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اس عموم سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یتیم پر جو تہدید، تنبیہ، تعلیم و تربیت کی ضرورت سے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح بیگانوں اور منکروں کو بھی ہے۔ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے:۔ "پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے۔ اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ رکھیں۔" (محمد اینڈ محمڈنزم، صفحہ ۲۵۱) امریکی ماہر اجتماعیات، ڈاکٹر مابرٹس لکھتے ہیں:۔ "قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کا کس قدر خیال تھا۔ خصوصاً ان بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے" (سوشل لاز آف دی قرآن صفحہ ۴۰۔۴۱) اور پھر کہا ہے:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور ان سے بدسلوکی کرنے والوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں، جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے" (ص ۴۲)۔ و۸۱۲ (بھائی ہیں۔ اور اس لیے مشترک خرچ میں کوئی مضائقہ نہیں) اِخْوَانُكُمْ۔ لفظ اخ یا بھائی انتہائی اخلاص، یگانگت و مودت کا مظہر ہے۔ اس ذرا سے لفظ میں بہت کچھ آ گیا۔ جب تم اور وہ بھائی ہی بھائی ٹھہرے، تو بھائی بھائی میں تکلف کیسا؟ ۔۔۔اور عرب میں تو یہ رشتہ اور زیادہ قوی تھا۔ فهم اخوانكم و الاخوان یعین بعضهم بعضا و یصیب بعضهم من اموال بعض علی وجه الاصلاح و الرضاء (معالم) چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس، مسلمان ہی یتیم تھے، اس لیے اِخْوَانُكُمْ فرمایا۔ ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو، اس کا بھی تجنب نہی حکم ہے۔ اور اس کی دلیل دوسری آیات و احادیث ہیں جو الفاظ عامہ سے وارد ہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زائد ہے کہ اس بچہ پر بعد بلوغ قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جاتا، مذہبی آزادی دی جاتی ہے"۔ (تھانوی) و۸۱۳ یعنی اس پر سب کی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں خوب روشن ہیں۔ الْمُفْسِدَ یعنی یتیموں کی مصلحت کو ضائع کرنے والا۔ الذی یقصد بالمخالطة الخیانة و افساد مال الیتیم (معالم) الْمُصْلِحِ یعنی یتیموں کی مصلحت کا لحاظ رکھنے والا الذی یقصد الاصلاح (معالم) مفسر ابوسعود نے کہا ہے کہ لفظ الْمُفْسِدَ کو الْمُصْلِحِ پر مقدم رکھنے میں وعید میں تاکید اور تہدید اور زیادہ پیدا ہوگئی۔ و۸۱۴ یعنی بجائے ان آسانیوں کے اس باب میں کوئی سخت قانون بنا دیتا۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ، یعنی اگر اس کی حکمت و مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ و۸۱۵ یہاں اپنی دونوں صفات یاد دلا دیں۔ پہلی صفت عَزِيْزٌ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ جو حکم چاہتا دے سکتا تھا، کوئی قوت اُس سے بالاتر، کوئی حاکم اُس کے اُوپر ممکن نہیں۔ سب پر بالادست خود ہی ہے۔ لیکن دوسری صفت حَكِيْمٌ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ احکام وہی دیتا ہے جو بندوں کے لیے نرم و آسان و قرین مصلحت ہوں۔ و۸۱۶ (اے مسلمان مردو!) میاں بیوی کا رشتہ انتہائی اُلفت و رفق کا، اور باہمی مناسبت اور موافقت کا ہوتا ہے۔ بیوی کو اگر شوہر سے اس درجہ عدم مناسبت ہے کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید و رسالت ہی کی منکر ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں باہمی مناسبت کی بنیاد درجہ ضعیف میں بھی موجود نہیں، مرد کو ایسی عورت کے ساتھ عمر نباہ کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیے، موافقت کامل کے دوسرے اجزاء و عناصر موجود نہ ہوں، نہ سہی، لیکن کم از کم وہ بنیادی عقیدہ تو مشترک ہو، جس کے تابع و ماتحت، چھوٹا بڑا، زندگی کا ہر معاملہ ہے۔ فطرتِ بشری خود ایسے بے جوڑ ازدواج سے ابا کرتی ہے، دینِ فطرت اسے کیونکر جائز رکھ سکتا تھا۔ پھر نکاح اسلام میں ایک دینی اور مذہبی عمل ہے۔ محض معاہدۂ دیوانی Civil Contract نہیں۔ جب ایک فریق دین و مذہب کی بنیادوں ہی سے منحرف ہے، تو اس کے ساتھ معاہدہ ممکن کیونکر ہے؟ الْمُشْرِكٰتِ۔ لفظ مشرک یہاں اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہوگئی۔ اس کا بت پرست ہونا لازمی نہیں۔ قول محقق یہی ہے۔ عن ابن عمر انها عامة فی الکتابیات و غیرهن (جصاص) المشرکات هنا الکفار (نہر) والاکثرون من العلماء علی ان اللفظ المشرک یندرج فیه الکفار من اهل الکتاب و هو المختار (کبیر) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بس اسی آیت پر رُک گئے ہیں اور اُن کی فقہ میں ہر قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ لا یجوز العقد بنکاح علی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة قال عمر فی احدی روایته و هو اختیار مالک و الشافعی (ابن العربی) لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی، اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ اور انہوں نے پہلی آیت کے عموم کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس کا خصوص اس دوسری آیت سے پیدا کیا۔ یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ یعنی یہودی یا نصرانی عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اور یہی مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین سے مروی ہوا ہے۔ و هو عموم خص بجواز نکاح الکتابیات (نہر) عن ابن عباسؓ قال فی و لا تنکحوا المشرکات نسخ من ذلک نکاح نساء اهل الکتاب احلهن للمسلمین و حرم المسلمات علی رجالهم و عن الحسن و مجاهد مثل ذلک (روح) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند افادات اس موقع پر نقل کرنے کے قابل ہیں:۔ ۱۔ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح نادرست ہے۔ ۲۔ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے، لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح کا حکم دیندار عورت سے کرنے کا ہے۔ ۳۔ ایسی عورت جو وضع و طرز سے کتابیہ معلوم ہوتی ہو، لیکن بعد تحقیق اُس کے عقائد کتابیوں کے سے نہ نکلیں، اُس سے بھی نکاح نادرست ہے، یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب ہے، اس لیے اسرائیلیوں کو غیر اسرائیلیوں سے نکاح کرنے کی سخت ممانعت ہے، خروج، ۳۴: ۱۶، استثناء ۷: ۳۔ عزرا ۹ و ۱۰۔ مسیحی مذہب میں بھی "بے ایمانوں" یعنی غیر مسیحیوں سے ازدواج کی ممانعت ہے۔ ۲ کرنتھیون ۶: ۱۴، ۱۵۔ ویسٹر مارک کی کتاب مختصر تاریخ نکاح (شارٹ ہسٹری آف میرج) میں ہے "سینٹ پال کی تعلیم ہے کہ کوئی عیسائی کسی کافر سے ہرگز نکاح نہ کرے۔ اور ٹرٹولین کے نزدیک تو ایسے ازدواج کا نام حرامکاری ہے" (ص ۵۸) اور ہندوؤں کے ہاں تو نکاح مذہب سے باہر ہونا کیا معنی "ذات" کے باہر بلکہ برادری کے باہر بھی درست نہیں۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یہ قید لگا کر بتا دیا کہ ممانعت کی بنیاد تمامتر دینی و اعتقادی ہے۔ نسلی، قومی، جغرافی وغیرہ ہرگز نہیں۔ جو بھی ایمان لے

مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور مصلح (کون) ف۸۱۳ اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا، ف۸۱۴ اللہ یقیناً

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى

زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۸۱۵ اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک

يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

وہ ایمان نہ لے آئیں ف۸۱۶ کہ مومنہ کنیز تک بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے

وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو ف۸۱۷ اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک

يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ

وہ ایمان نہ لے آئیں ف۸۱۸ اور مومن غلام تک بہتر ہے ف۸۱۹ مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ

اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

تمہیں پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ف۸۲۰ اور اللہ جنت و مغفرت

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ

کی طرف بلا رہا ہے ف۸۲۱ اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ

بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ف۸۲۲ اور لوگ آپ سے حیض کا حکم

الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي

دریافت کرتے ہیں ف۸۲۳ آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے ف۸۲۴ پس تم عورتوں کو حیض کے دوران

الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا

میں چھوڑے رہو ف۸۲۵ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو ف۸۲۶ پھر جب وہ

آ کے اسی وقت جائز ہو جاتی ہے۔ ف۸۱۷ (اور پسندیدگی کی بنا خواہ یہ ہو کہ وہ مالدار ہے، یا یہ کہ وہ حسین و جمیل ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بنا ہو) آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر قرآن کی نظر میں کس قدر مبغوض ہے۔ کافر عورت میں جو بھی خوبیاں ہوں کل ایک طرف اور اس کے کفر کی گندگی دوسری طرف۔ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ میں لَ زور اور تاکید کے لیے ہے۔ اردو میں ایسے موقع پر "تک" لاتے ہیں۔ **لام الابتداء الشبيهة بلام القسم في افادة التاكيد** (ابوسعود) **واللام في افادة التوكيد** (کبیر۔ عن ابی مسلم) مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلم عورت، یہاں تک کہ نعمت آزادی سے محروم اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھی جانے والی باندی تک آزاد خوش حال، خوش جمال کافر عورت سے بہتر ہے۔ ف۸۱۸ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ یہ ٹکڑا یہاں بھی اسی حقیقت کے زوردار اظہار کے لیے ہے کہ اصلی مانع و حائل ان مردوں کا کفر ہے۔ جب یہ مانع دور ہو جائے، تو پھر کوئی امر مانع نہیں۔ الْمُشْرِكِيْنَ۔ "مشرک" یہاں بھی اسی عام و وسیع معنی میں ہے جیسے "مشرکۃ" ابھی اوپر آ چکا ہے یعنی ہر قسم کے کافر کے مرادف ہے۔ قانون اسلام کا منکر جو کوئی بھی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اس کے نکاح میں نہ آ ہی جا سکتی ہے، نہ رہ سکتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے، اور بعد کو خدانخواستہ مرتد ہو گیا تو مسلمان عورت اسی وقت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اور جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں، اور عورت مسلمان ہو گئی، تو اب بقاء نکاح کی کوئی صورت نہیں، بجز اس کے کہ شوہر بھی اسلام قبول کر لے۔ مزید تفصیل اس قسم کے مسائل کی کتب فقہ میں ملے گی۔ لَا تُنْكِحُوْا۔ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرز خطاب بہت پر معنی ہے۔ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیے۔ ف۸۱۹ (علمی قابلیت کی بنا پر، اونچی ڈگریوں کی بنا پر، بڑے عہدوں کی بنا پر، کسی بھی دنیوی معیار پر) لَعَبْدٌ کا لَ یہاں بھی تاکید و زور کے لیے ہے۔ اردو کے "تک" کے معنی میں یعنی نعمت آزادی سے محروم، اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھے جانے والے غلام تک کو اختیار کر سکتے ہو، لیکن نہ اختیار کرو تو کسی کافر کو، خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔ ف۸۲۰ يَدْعُوْنَ۔ دوزخ کی طرف یعنی ان اعمال و ان عقائد کی طرف، اس طریق زندگی کی طرف، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور وہ طریق کفر و شرک ہے۔ **اي الى الاعمال موجبة للنار** (معالم) **اي الكفر المؤدي الى النار** (بیضاوی) اُولٰۗىِٕكَ۔ اشارہ انہی کافر مردوں اور کافر عورتوں کی جانب ہے۔ ان کی طرف سے مزید نفرت دلانے کے لیے یہ فقرہ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ گویا جتا دیا ہے کہ ایسے گئے گزرے ہوئے اور خطرناک لوگ تو معمولی تعلقات رکھنے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ان سے ازدواج کا سا گہرا رشتہ پیدا کیا جائے۔ ف۸۲۱ (چنانچہ اس رحمت و مغفرت ہی کے تقاضے سے اس نے یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ کافروں سے ازدواجی تعلق نہ رکھو، نہ ان کے گہرے تعلق کا کوئی اثر تم پر پڑنے پائے، اور نہ تم جنت و مغفرت سے دور ہوتے جاؤ)۔ اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ۔ حق تعالیٰ ترغیب دیتا ہے ایمان و اسلام کی اور اس طریق زندگی کی جس کا انجام جنت و مغفرت ہی ہے۔ بِاِذْنِهٖ۔ اذن کے معنی یہاں توفیق یا ارادہ یا اعلام احکام کے ہیں۔ **باعلامه اياكم سبيله و طريقه** (ابن جریر) **اي بقضائه و قدره و ارادته** (معالم) **بتيسير الله و توفيقه للعمل** (کشاف) ف۸۲۲ (اور نصیحت پر عمل کر کر کے جنت و مغفرت کے حقدار بن جائیں) ف۸۲۳ یعنی عورت کے زمانہ خاص میں اس سے ہمبستری کا حکم۔ قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا، پینا، سونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا، بچہ کا باپ یا ماں بننا، سب ہی داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے، اس کی بابت ہدایات و احکام وہ لازمی طور پر دے گا۔ وہ محض "**بزرگان ملفوظات**" کا مجموعہ نہیں۔ معاشیات، معاشرت، اخلاقیات، قانون، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت و کاملیت پر حرف آ جاتا۔ **مَحِيْض**۔ مصدر میمی ہے معنی حیض کے مرادف ف۸۲۴ (جیسا کہ دنیا میں عموماً دوسری قوموں نے بھی سمجھا ہے اور سامی نسل والوں نے علی الخصوص) طب قدیم و جدید دونوں کو مسلّم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا فاسد خون ہے، رنگ و بو و ترکیب میں عام خون سے الگ۔ ف۸۲۵ فَاعْتَزِلُوْا۔ یہ اعتزال یا عورتوں کو چھوڑے رہنے کا حکم صرف ہمبستری کے عمل خاص تک محدود ہے۔ مجالست و مواکلت وغیرہ عام معاشرت سے اس کا تعلق نہیں۔ بعض قوموں میں عورتیں اپنے اس زمانہ میں نہ دوسروں کے ساتھ کھا پی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں۔ بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے چیکٹے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک الگ گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ غرض دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے۔ شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں۔ ف۸۲۶ مشرک قوموں نے اس باب میں جو سختیاں روا رکھی ہیں، ان سے قطع نظر خود توریت کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورت اپنے ایام ماہوار کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اس سے چھو جاتی ہے، وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے۔ "جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا ... اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے، اور شام تک ناپاک رہے ... اور جو کوئی اس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے، اور شام تک ناپاک رہے ... اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے، اور اس

کی نجاست اس پر ہو تو وہ رات دن تک ناپاک رہے گا، اور جو ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہو جائے گا“ (احبار۔ ۱۵: ۱۹۔ ۲۳) یہ احکام تو خود توریت کے ہوئے۔ باقی فقہا یہود تو اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور کیسی کیسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کردی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے کوئی بلا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۴ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۴ صفحہ ۸۲۷، ۸۲۶۔ ف۸۲۷ یعنی خون حیض کا آنا بالکل بند ہو جائے اور عورت غسل کرلے شریعت میں یہ غسل واجب ہے۔ ف۸۲۸ یعنی جائز و فطری طریق کے مطابق۔ اس عام و فطری طریق قربت کے علاوہ، حصول لذت کے جو سارے طریقے ناجائز ہیں۔ ف۸۲۹ یعنی توابین کی سیاق میں وہ لوگ ہیں جن سے تو انین پاکی کے باب میں کوئی اتفاقی خرابی ورزی ہو جائے اور وہ بعد کو توبہ کرلیں، اور اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ متطہرین۔ متطھرین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں، جو عورت کی ہر اس ناپاکی کے زمانہ میں محترز رہتے ہیں۔ اسی لفظ سے فقہا نے اشارۃ النص سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو افعال صریح نجس ہیں (مثلاً دفعہ م) وہ سب حرام ہیں۔ صفائی، طہارت کی یہ وسیع قرآنی عام ہے۔ اور اس کے تحت میں جسمانی اور ظاہری صفائی پوری طرح آ جاتی ہے۔ اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی، طہارت پسندی کے مقابلہ میں دوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں، جن میں قرب حق کا ذریعہ صفائی و نہیں، بلکہ جسمانی گندگی، کثافت و غلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ مشرک قوموں میں جو فرقے اگھوری کے نام سے ہیں، ان کے تفصیلی

تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پاک ہو گئیں، ف۸۲۷ تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے ف۸۲۸ بےشک اللہ

يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ

محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے ف۸۲۹ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا

تمہاری کھیتی ہیں، ف۸۳۰ سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو ف۸۳۱ اور اپنے حق میں آیندہ کے لئے

لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ ۗ

کچھ کرتے رہو ف۸۳۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے ف۸۳۳

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً

اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ف۸۳۴ اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے

لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ

نیکی کے اور اپنے تقوی کے اور اپنی اصلاح خلق کے کاموں کے حق میں حجاب نہ بناؤ ف۸۳۵

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ

اور اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ف۸۳۶ اللہ تمہاری قسموں میں سے

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا

لایعنی (قسم) پر مؤاخذہ نہ کرے گا البتہ تم سے اس (قسم) پر مؤاخذہ کرے گا، ف۸۳۷ جس پر

كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِينَ

تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے ف۸۳۸ جو لوگ

يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ

اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے ف۸۳۹ پھر اگر

ذکر سے تو ان صفحات کو نجس کرنے کی جرأت نہیں، خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لیے غسل یا جسم کی شست وشو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔ ف۸۳۰ اور کھیت کہتے ہیں اس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشوونما ہوتا ہے۔ کھیت والے اسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے ہیں، اور اس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمبستری کا اصل مقصد طلب اولاد ہی کو رکھا ہے، گو اس کے دوسرے پہلو یعنی حصول لذت کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہے۔ ف۸۳۱ (اس تشبیہ اور اس کے مضمرات کو خوب سوچ سمجھ کر) فاتوا حرثکم۔ کنایہ ہے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ اور قرآن عظیم ایسے موقعوں پر اکثر کنایہ ہی سے کام لیتا ہے۔ فقہا مفسرین نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمان کو بھی چاہیے کہ حتی الامکان بات شستہ کنایوں میں کہے۔ فاتوا حرثکم من الکنایات اللطیفة والتعریضات المستحسنة فعلی کل مسلم ان یتأدب بہا و یتکلف مثلہا فی المحاورات و المکاتبات (مدارک) حیث شئتم۔ ”کہاں“ کا یہ جواب خوب ملحوظ رہے۔ بیان یا دافضحیت کی میں ہونا چاہیے۔ قول تم کے موضع یا مقصود میں ہونا چاہیے، نہ کہ اس کے علاوہ یا اس سے خارج کسی اور موقع ومحل میں۔ ای نساؤکم مزرع اولادکم فاتوا مزرعکم کیف شئتم و این شئتم (ابن جریر) انی۔ انی کے مشہور و معروف معنی کیف اور این کے ہیں، یعنی جس طرح کے، جس کیفیت کے ساتھ کے، اور جدھر سے، جس جہت سے کہ۔ للبحث عن الحال والمکان (راغب) ھو بمعنی این و کیف (راغب) قرآن مجید میں انی کیف کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا۔ یہاں انی یحیی صاف کیف یحیی کے معنی میں ہے۔ یا پھر انی یکون لی غلام۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین، ابن عباسؓ صحابی نے اور مجاہد، قتادہ، عکرمہ وغیرہ تابعین نے انی کو اسی معنی میں لیا ہے۔ یاتیھا کیف شاء (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ عکرمہ، مجاہد) ای کیف شئتم (ابن جریر۔ عن السدی) انی حرف استفہام یکون سوالا عن الحال والمحل معناہ کیف شئتم و حیث شئتم بعد ان یکون فی صمام واحد (معالم) گویا یہاں صاف رد ہو رہا ہے یہود کا جو مباشرت کی صرف ایک ہی وضع، ہیئت کو جائز سمجھتے تھے، اور باقی سب کو ناجائز۔ متعدد آثار و روایات اسی مضمون کے تفسیروں میں منقول ہیں۔ اور آیت میں بتا دیا جارہا ہے کہ کھڑے ہوئے، بیٹھے رہے، چت لیٹے رہے، پٹ لیٹے، کروٹ کے بل لیٹے، ساری شکلیں جائز ہیں۔ ای کیف شئتم من قیام و قعود و اضطجاع واقبال و ادبار (جلالین) دوسرے معنی انی کے این کے، یعنی جدھر سے، جس رخ سے ہیں۔ اور اس معنی کو لے کر بعض گندہ مذاق لوگوں نے اس کی تشریح میں اپنی گندہ دیرلی کے عجیب عجیب مظاہرے کیے ہیں، حالانکہ ظاہر ہے کہ موضع و محل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن کثیر نے تو اس معنی پر ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد حنبلؒ جیسے ائمہ فقہا اور ان کے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کر کے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنی سے تجاوز کر کے جواز ڈھونڈنے والوں کا ان تمام علما و فقہا نے شدت سے انکار کیا ہے، بلکہ بعض نے تو اس تجاوز کو کفر کے حکم میں داخل کر دیا ہے۔ انہم انکروا ذلک اشد الانکار و بینہم من یطلق علی فعلہ الکفر وھو مذھب جمہور العلماء۔ موضع و مکان تو بہرحال متعین ہے۔ آزادی صرف اسی موضع و مکان میں داخلہ کے بیئت، ہر رخ، ہر جہت کی دی جارہی ہے۔ ای علی ای شق من الاحوال و ذلک فی مکان الحرث (بحر) سئل ابن عباس عن الذی یاتی امراتہ فی دبرھا فقال ھذا یسالنی عن الکفر (جصاص) من حیث شئتم و ای وجہ احببتم (ابن جریر) لیکن ان دو معروف و متداول معنوں کے علاوہ انی کے ایک تیسرے معنی متی، یعنی جب، جس وقت کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ گویا انی یہاں ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ضحاک تابعی اور بعض محققین قرآن اس طرف گئے ہیں۔ انی بمعنی متی قالہ الضحاک (بحر) ای متی شئتم (ابن جریر۔ عن الضحاک) ای فی متی زمان اردتم (بحر) متی شئتم من لیل و نہار (کبیر) ای وقت شئتم من اوقات الحل (کبیر) انی

تسنیم من اللیل و النھار (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) جس خدا کی بنائی ہوئی دنیا کی عملی زندگی میں اس قسم کے سوالات ومسائل روزمرہ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، اُسی خدا کے اُتارے ہوئے ہدایت نامہ میں اگر ان سے متعلق ہدایات واحکام نہ ہوتے تو یہ بہت عجیب سی بات ہوتی۔ ف۸۳۲ آئندہ کے لیے کچھ بھیجنے کی چیز عمل صالح ہی ہوسکتے ہیں۔ یہ گویا اس کی تاکید ہے کہ عین لذت واللذاذ کے مشغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت کو، اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ۔ تمامتر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہو جاؤ، بلکہ ہوسکے تو اپنی لذتوں کو بھی عین طاعت وعبادت بنالو۔ ف۸۳۳ (کہ اسی کا استحضار ہر تقویٰ وخشیت کو آسان بنادے گا) آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ مومن کے ہاتھ سے تقویٰ الٰہی کا سررشتہ کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی ہر حال میں، ایام حیات کے ہر ہر لحہ میں، تقوائے الٰہی پر قائم رہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ قرآن مجید صرف احکام ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ طریقہ اور تدبیر بھی بتاتا جاتا ہے جس سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے۔ حکم ابھی تقویٰ الٰہی کا ملا ہے، اور اب اس کی آسان تدبیر ارشاد ہورہی ہے کہ وہ لقاء آخرت کا استحضار ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا سے محض جان لینا مراد نہیں، بلکہ اس علم کا تروتازہ رکھنا مراد ہے۔ ف۸۳۴ (اے پیغمبر!) یہاں جو اہل ایمان مراد ہیں، ان کے صفات ابھی اوپر بیان ہوچکے ہیں کہ وہ اعمال صالح کا اہتمام رکھتے ہیں (قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ)، اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اور جزا وسزا کا عقیدہ تروتازہ رکھتے ہیں (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ) ف۸۳۵ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ

فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا

یہ لوگ رجوع کر لیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۸۴۰ اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ

کر لیں ف۸۴۱ تو بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ف۸۴۲ اور طلاقیں

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اپنے کو تین میعادوں تک روکے رہیں ف۸۴۳ اور ان کے لئے یہ جائز نہیں

اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ

کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو پیدا کر رکھا ہے اسے وہ چھپائے رکھیں ف۸۴۴ اگر وہ

كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں ف۸۴۵ اور ان کے شوہر ان کے واپس لے لینے کے اس (مدت) میں زیادہ

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ

حقدار ہیں، ف۸۴۶ بشرطیکہ اصلاح حال کا قصد رکھتے ہوں ف۸۴۷ اور عورتوں کا (بھی) حق ہے

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

جیسا کہ عورتوں پر حق ہے ف۸۴۸ موافق دستور (شرعی) کے ف۸۴۹ اور مردوں کو ان کے اوپر ایک گونہ

دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

فضیلت حاصل ف۸۵۰ ہے، اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۸۵۱ طلاق تو دو ہی بار کی ہے ف۸۵۲

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ

اس کے بعد (یا تو) رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، ف۸۵۳

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَـيْـــًٔـا

اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو ف۸۵۴

ع ۲۸ / ۱۲

خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا، تقویٰ کا، اصلاح خلق کا نہ کریں گے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کردیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرت حق کے اسم بزرگ اور اس کی قسم کو بجائے قرب حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنا لیا جائے!۔۔ آیت اسی شعار جاہلی کی تردید میں ہے۔ عُرْضَةً کے عام ومتداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنی رکھے ہیں۔ عرضة لايمانكم اي نصبا لها (جوہری) جعلته عرضته لكذا نصبته له (قاموس) لیکن ایک دوسرے معنی حجاب یا مانع کے بھی ہیں، اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ اي حاجزا لما حلفتم عليه (کشاف) قالوا العرضة عبارة عن المانع (کبیر) فقہاء نے بلاضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے۔ چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا! ف۸۳۶ سَمِيْعٌ۔ خوب سننے والا تمہارے اقوال کا۔ اس لیے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو۔ عَلِيْمٌ خوب جاننے والا تمہارے احوال کا۔ اس لیے نیت میں ہر وقت اخلاص رکھو۔ ف۸۳۷ یعنی گرفت ان قسموں پر ہوگی، جن میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد کی گئی ہے۔ آخرت میں بھی انہی پر دار وگیر ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لیے کفارہ ہے۔ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ مراد ان قسموں سے ہے، جو ناواقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں، اور جھوٹ کی آمیزش ان میں بلاقصد ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے اس نوعیت کی ساقط الاعتبار قسموں کی کئی قسمیں کی ہیں، ان کا تعلق ماضی کے واقعات سے بھی ہوسکتا ہے اور آئندہ کے ارادوں سے بھی۔ اُن کی تفصیلات اور ان کے احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ ف۸۳۸ غَفُوْرٌ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اسی شان مغفرت کا تقاضا ہے کہ اُس نے لایعنی قسموں پر مواخذہ کو معاف کر دیا۔ حَلِيْمٌ۔ وہ بڑا بردبار ہے۔ چنانچہ اسی شان حلم کا تقاضا ہے کہ اُس نے ارادی جھوٹی قسموں پر بھی سزا فوراً نہ دی بلکہ قیامت تک کے لیے ملتوی کر دیا ف۸۳۹ ایلاء۔ عرب جاہلی کا ایک شعار یہ بھی تھا، کہ شوہر غصہ میں آکر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ لاخلاف انه فيما اضمرت فيه اليمين علی ترک الجماع (جصاص) شریعت اسلامی نے اس میں جو اصلاحیں کیں، اور اس باب میں جو احکام دیئے یہاں ان کا ذکر ہے۔ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ۔ عرب جاہلی ایلاء کر لینے کے بعد، جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، بیوی کے نان ونفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاً دستبردار ہو جاتے تھے۔ اسلام نے اس کی ایک اصلاح یہ کی، کہ اس کو خلع نکاح یا فسخ نکاح کا مرادف نہیں، بلکہ اُس کی صرف تمہید قرار دے کر غور وفکر کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ اور پھر اس مدت کی میعاد چار مہینے کی رکھی، جو اس کے لیے بالکل کافی ہے کہ سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیا جائے ف۸۴۰ فَاِنْ فَاۗءُوْ۔ یعنی اگر رجوع کر لیں اپنے قصد ترک تعلق سے، اور رشتہ نکاح کو برقرار رکھیں۔ الفئ الرجوع الی الشئ (جصاص) غَفُوْرٌ۔ بڑا مغفرت والا ہے، چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارہ کے بعد معاف کردے گا۔ رَّحِيْمٌ۔ بڑا مہربان ہے، چنانچہ شوہر جواب ازسرنو ادائے حقوق پر متوجہ ہو گیا ہے، اس پر وہ رحمت سے نظر کرے گا ف۸۴۱ (اتنے دنوں کے غور وفکر کے بعد بھی) طلاق نام ہے زن وشوہر کے باہمی تعلق کے باضابطہ وکامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق سے متعلق عجب افراط وتفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق پر عائد تھی، نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا وجہ بلاوجہ، بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا امرد کر سکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں:۔ ”اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے، اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اُس نے اس میں سے کوئی پلید بات پائی، تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے، اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل گئی، تو جاکے دوسرے مرد کی ہو وے“۔ (استثناء۔ ۲۴: ۱ و ۲) اُس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن وشو میں علیحدگی کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ انجیل کے الفاظ ہیں:۔ ”جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے ..... جو

کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس۔ ۱۰:۷۔ ۱۴) "میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو"۔ (۱۔ کرنتھیون۔ ۷:۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سوادِ اعظم یعنی فرقہ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور بجز موت کے کوئی صورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں۔ اور یہی فرقہ اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہورِ اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی ہے۔ لیکن صرف اس صورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکاب زنا یا ظلم وجور ثابت ہولے! یہ حال اُن قوموں کا تھا، جو اہلِ کتاب تھیں۔ یعنی بہر حال اُن کے قانون کی بنیاد آسمانی کتابوں ہی پر تھی۔ رہیں قدیم جاہلی اور مشرک "مہذب" "ترقی یافتہ" قومیں۔ سو ایک طرف یونانیوں میں، ہندوؤں میں، اور ایک عہد خاص تک رومیوں میں طلاق سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ بلکہ ہندو مذہب میں تو آج تک طلاق ناجائز چلی آ رہی ہے۔ گو حالات سے مجبور ہو کر اُس کے جائز کرانے کے آج بڑے زور انگریزی ہند میں بھی اور ریاستوں میں بھی کاؤنسلوں اور اسمبلیوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف رومیوں میں عہد جمہوریت کے خاتمہ پر، طلاق کے جائز ہونے کے ساتھ ہی اس کا جوڑ ور بندھا تو گویا شرافت اور طلاق لازم وملزوم ہو گئے! دنیا کے دوسرے بڑے بڑے مذہبوں اور بڑی بڑی "مہذب" قوموں کی یہ بے اعتدالیاں اور افراط وتفریط پیش نظر رہیں، جب جا کر شریعت اسلام کی حکمتوں اور اس کے پیدا کیے ہوئے توازن واعتدال کی قدر ہوگی۔ اسلام نے فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ کر کے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے (اور اس ناموافقت کے اسباب کا احاطہ واستقصاء ممکن ہی نہیں، ہر شخص کے لیے کہنا چاہیے کہ الگ الگ ایک سبب ومحرک ہوتا ہے) اور دوسری صورتیں موافقت پیدا کرنے کی ناکام ہو لیں، تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدۂ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کر لیں۔ اور اسی کا اصطلاحی نام طلاق ہے۔ اور اس انتہائی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس پر متعدد پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں۔ آگے ذکر انہیں قیود وشرائط کا آئے گا و۸۴۲ (اس لیے خوب اپنی ذمہ داری محسوس کر کے عمل کا کوئی قدم اٹھاؤ) سمیعٌ۔ وہ تو بڑا سننے والا ہے۔ اس لیے زن وشوہر کے ظاہر قول کو اور شوہروں کی قسموں کو، سب کو سنتا رہتا ہے۔ علیمٌ۔ وہ بڑا جاننے والا ہے، اس لیے زن وشوہر کے دلوں کے اندر کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اُن کے ارادوں سے واقف ہے، اور ان کے مناسب حال ہی حکم دیتا ہے۔ آیات کے آخر میں صفاتِ باری کا اثبات محض یوں ہی اٹکل سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پُر معنی اور سیاق کلام کے لحاظ سے بلیغ ہی ہوتا ہے۔ یہاں مقصود زن وشوہر کو خصوصاً شوہروں کو، ان کی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے، اس لیے انہی صفاتِ باری کا لانا موزوں ومناسب ہوا و۸۴۳ (دوسرے نکاح سے) اَلْمُطَلَّقٰتُ۔ لفظی معنی کے اعتبار سے ہر طلاق شدہ عورت کے لیے وسیع ہے۔ لیکن یہاں مراد صرف ان بیویوں سے لی گئی ہے جو آزاد ہوں (کنیز شرعی نہ ہوں) بالغ ہوں (نابالغ نہ ہوں) اور جن سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو (غیر ملموس نہ ہوں) یہاں احکام صرف انہی آزاد شوہر دیدہ بیویوں سے متعلق بیان ہوں گے، دوسری قسم کی عورتوں کے طلاق کے احکام دوسرے مقامات پر ملیں گے۔ المراد المدخول بھن من ذوات الاقراء (مدارک) ای ذوات الاقراء من الحرائر المدخول بھن (روح) يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔ اپنے کو روکے رہیں۔ یہ نہ ہو کہ ادھر شوہر نے طلاق دی، اور اُدھر بیوی نے معاً دوسرا شوہر کر لیا۔ یہ پہلی پابندی طلاق پر عائد ہوئی۔ اس سے پہلے نکاح سے آزادی کے بعد کا جو تعطل کا زمانہ ہے، اسے اصطلاح شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لیے انتظار کی اس مدت معین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور وفکر کا پورا موقع مل جاتا ہے، دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پوری تحقیق ہو جاتی ہے۔ دوسرے مذہب اور دوسری قومیں سب شریعت اسلامی کے قائم کیے ہوئے زمانۂ تعطل ودقفہ کے مصالح وفوائد سے محروم ہیں! ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانہ معلوم یا مدت معین کے ہیں۔ اصل القرء فی کلام العرب الوقت (ابن قتیبہ) اھل اللغة اتفقوا علی ان القرء الوقت (ابن العربی) لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہو سکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ قال ابو عبیدة الاقراء من الاضداد فی کلام العرب (کبیر) واصل القرء فی کلام العرب الوقت لمجیء الشئ المعتاد مجیئه لوقت معلوم ولادبار الشئ المعتاد ادباره لوقت معلوم (ابن جریر) کلمة مستعملة للطهر والحیض (ابن العربی) اسی لیے یہاں بھی اہل شرح وتفسیر کے دو گروہ ہوگئے ہیں۔ ایک جماعت نے طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی معنی مروی ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں۔ قالت عائشة الاقراء الاطهار (جصاص) والمراد بالقرء عند الشافعی الانتقال من الطهر الی الحیض (روح) لیکن دوسری طرف حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ یہاں قرء حیض یا ناپاکی کے معنی میں ہے (جصاص) اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔ قال اصحابنا جميعًا الاقراء الحيض وهو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن صالح (جصاص) اور ائمہ لغت ولسان سے بھی سند اس معنی کی زیادہ مل رہی ہے۔ یقال اقرء ت المرأة اذا حاضت ذکره الاصمعی والکسائی والفراء (جصاص) قرأت المرأة رأت الدم و اقرأت صارت ذات قرء (راغب) والقرء فی الحقیقة اسم للدخول فی الحیض عن طهر (راغب) ثلاثة قروء ای ثلاثة احیاض و قول من الطهر و فی الحیض۔ اور فقہاء حنفیہ نے حدیث نبوی سے قرء کے اس معنی پر شہادت بہم پہنچائی ہے۔ ملاحظہ ہو جصاص، جلد اوّل صفحہ ۳۲۳۔ بہر حال حنفیہ کے ہاں کا متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ عورت اپنے تین ایام ماہواری کے آنے تک اپنے کو عدت میں سمجھے۔ اور اس مدت میں نکاح ثانی اپنے لیے جائز نہ سمجھے و۸۴۴ اس لیے کہ چھپانے کی یہ کوشش زمانۂ عدت کے شمار وحساب میں خلل انداز ہوگی، اور اس طرح شریعت نے جو مصلحتیں اس کے اندر رکھی ہیں وہ ضائع ہو کر رہیں گی) مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں مَا کا لفظ عام ہے۔ رحم کے اندر جو چیز بھی ہو، جاندار بچہ ہو، یا ایام ماہواری کا خون ہو، دونوں پر شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ حمل قائم ہو چکا ہو، خواہ ایام ماہواری کا دور چل رہا ہو، کوئی بھی صورت حاصل ہو اسے چھپانا نہ چاہیے و۸۴۵ دنیا کے ہر علم وفن کا یہی حال ہے کہ وہ جس درجہ مکمل ومنظم ہوگا، اُسی قدر اس کا ہر جز دوسرے اجزاء سے مربوط ومرتبط ہوگا۔ شریعت اسلامی جملہ دنیوی علوم وفنون سے منظم تر ہے۔ اس لیے قدرۃً اس کے کسی معمولی جزئیہ کی طرف سے بھی بے التفاتی، دوسرے اجزاء حیات پر لازمی طور پر مؤثر ہوگی۔ آیت کا یہ جزو بڑھا کر گویا یہ تاکید وتصریح کر دی ہے کہ جس کسی کو اللہ کی ہمہ گیر حکومت اور آخرت کی بازپرس کا پورا عقیدہ ہے اس کی یہ شان نہیں کہ ایک جزئیہ کی بھی خلاف ورزی کی دانستہ جسارت کر سکے و۸۴۶ (اور یہ واپسی بلا تجدید نکاح ہو جائے گی) فِیْ ذٰلِكَ۔ یعنی تین مہینے کی میعاد ومدت کے اندر۔ ای فی ذلک التربص (مدارک) اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اس سے اشارۃً یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اُسے چھٹ نہ ہونے دے اور میاں بیوی از سر نو آباد ہو جائیں۔ طلاق کو شریعت الٰہی نے صرف ضرورت کے موقع پر بہ طور علاج اور آخری تدبیر کے جائز رکھا ہے، خواہ مخواہ اس کی ترغیب نہیں دی ہے، اور نہ بلا ضرورت اسے پسند فرمایا ہے۔ اور حدیث نبوی میں جو اسے ابغض المباحات سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی قانوناً جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند، وہ اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ تین مہینہ کی مدت غور وفکر کے لیے اور ناگواری وبیزاری کے ہنگامی جذبات کے سرد پڑ جانے کے لیے بہت ہوتی ہے۔ اس اثناء میں اگر شوہر بیوی کو واپس لینا چاہے، تو طلاق کو قول یا عمل سے منسوخ کر سکتا ہے، اور اسی کو اصطلاح میں رجعت کہتے ہیں و۸۴۷ (اس رجوع ورجعت سے۔ نہ یہ کہ فسخ طلاق سے مزید اذیت رسانی مقصود ہو۔ اگرچہ رجعت کا نفاذ قانونی وظاہری بہرصورت ہو جائے گا) قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات دو الگ الگ چیزیں ہیں، قانونِ ظاہری کا نفاذ اسی دنیا تک ہے۔ مومن کو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھنا چاہیے، کہ اجر وترقی درجات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی لیے قانونی احکام کے بیچ بیچ میں نیت و اخلاص کی تاکید برابر آتی جاتی ہے۔ و۸۴۸ یہ قرآنی بلاغت کا اعجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر سے فقرہ میں آ گیا۔ اُردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا:۔ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اُسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں ہی کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ حقوقِ نسواں کا یہ پیام عرب کے ایک اُمی کی زبان پر اُس وقت لایا جا رہا ہے، جب کہ دنیا کی دنیا اس تخیل سے ناواقف تھی اور یہودیت ونصرانیت کی مذہبی دنیا میں تو عورت گویا ہر برائی کا سرچشمہ تھی، اور ذلت وحقارت کا ایک مرقع۔ یہود کی معتبر ومستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "معصیت اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی، اُس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا، اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس

کا مالک و آقا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے“۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق، مسٹر لیکی Lecky فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاق یورپ History of European Morals میں لکھتے ہیں” عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفات بشری کا باعث ہے۔ اُسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے“۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۴۲) یہ حال وقت کے اونچے اونچے مذہبوں کا تھا۔ شرک و جاہلیت کے پست مذہبوں کا ذکر ہی بے کار ہے۔ اور خود ملک عرب کا یہ حال تھا کہ عورتیں گویا انسان نہیں، جانور یا جائیداد ہیں، کہ شوہر کے بعد بیویاں بھی ترکہ میں سوتیلے بیٹوں کی ملک و تصرف میں آنے لگی تھیں۔ مِثْلُ الَّذِیْ۔ یہ مثلیت و مماثلت کس لحاظ سے ہے؟ کیفیت یا کمیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نفس وجوب کے لحاظ سے ہے۔ والمراد بالمماثلۃ الواجب فی کونہ حسنۃ لا فی جنس الفعل (کشاف) ای فی الوجوب و استحقاق المطالبۃ علیھا (بیضاوی)۔ یعنی شوہر کہیں اس بھول میں نہ پڑ جائیں کہ ان کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض کچھ نہیں۔ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں، جس طرح ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس افراط” روشن خیالی“ میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام سب مردوں کا ہے، ہمارا کام خدمت لینا ہے و۸۴۹ لیکن حقوق باہمی کا آخر معیار کیا ہے؟ آیت کا یہ ٹکڑا اسی سوال کا جواب ہے۔ یعنی ان حقوق کے جزئیات و تفصیلات کو شریعت ہی کے اصول و کلیات کے ماتحت ہونا چاہیے، یا پھر عقل سلیم کے ماتحت۔ ای بالوجہ الذی لا ینکر فی الشرع و عادات الناس (مدارک) یہ نہیں کہ محض ہوائے نفس سے یا جاہلی مزعومات کے ماتحت کوئی دستور گڑھ لیا جائے، اور ان کا نام ”ضابطۂ حقوق نسواں“ رکھ دیا جائے! و۸۵۰ تہذیب جاہلی ہر زمانہ میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے، اور بعد کو ان دعووں کی عملی تردید بھی ہوتی رہی ہے۔ تہذیب جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں...... محض دعویٰ، کتنی ہی کثرت سے دہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت ہی کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چکا ہے کہ عورت بے حق نہیں ہے، وہ بھی مردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ اب وہ جاہلیت کے دوسرے دعویٰ کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساوات مطلق و مساوات کامل نہیں، بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ دَرَجَۃٌ۔ قرآنی لفظ دَرَجَۃٌ خوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کے مالک نہیں، عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ معناہ فضیلۃ فی الحق (معالم) ای زیادۃ فی الحق (کشاف) جدید علوم و طبیات کے ماہرین جنھوں نے مرد و زن کی جسمانی ساخت و ترکیب، دماغی و ذہنی قویٰ اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ و تحقیق میں عمریں بسر کردی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے متمم و مکمل ہیں، تاہم بلحاظ قوت و بلحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے۔ اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت ہوئی ہے وہاں اپنی نسائیت کا خون کر کر کے۔ و۸۵۱ معاشرت انسانی اور معاملات باہمی کے بہت سے صیغوں کے اہم مسائل اس آیت میں آگئے۔ اس لیے حق تھا کہ آیت کا خاتمہ ان ہی صفات باری کے اثبات پر کیا جائے۔ عَزِیْزٌ۔ وہ بڑی قوت والا ہے۔ ہر مانع پر غالب۔ جو احکام وہ چاہے دے سکتا ہے۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن ساتھ ہی وہ بڑا حکمت والا بھی تو ہے، اس لیے وہ وہی احکام دیتا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ بندوں بیچاروں کی نظریں وہاں تک پہنچ کہاں سکتی ہیں و۸۵۲ (جب تک کہ واپسی کی گنجائش باقی ہے) طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے و۸۵۳ یعنی دو ماہ کے بعد تیسرے مہینہ۔ تیسری پاکی کے زمانہ میں، یا زبان سے الفاظ طلاق ادا کرے، یا خاموش رہے، دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور اب بغیر کسی دوسرے شوہر سے نکاح کیے اور طلاق پائے، اس پہلے شوہر سے نکاح درست نہ رہے گا۔ تو ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اب پختہ ارادہ کر کے اس طلاق کو مکمل اور قطعی کر دیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آخری گنجائش سے فائدہ اٹھا کر طلاق واپس لے لی جائے، اور تعلق زناشوئی از سر نو قائم ہو جائے۔ فَاِمْسَاكٌ۔ یعنی اس کچی طلاق پائی ہوئی بیوی کو رجعت کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی قواعد شرعی کے مطابق۔ تفصیلی احکام طلاق کتب فقہ میں ملیں گے۔ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق سے مقصود رفع نزاع ہو۔ ناخوشگوار صورت حال کا خاتمہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عورت کی دل شکنی، تحقیر و تذلیل مقصود ہو۔ قرآن مومن کے خاندان کی، اس کے گھر بار کی کتنی عزت و حرمت ملحوظ رکھتا ہے! اس کی بے حرمتی کسی حال میں اُسے گوارا نہیں۔ آج مسلمان کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا اتنا خیال بھی ہوتا جتنا ان کے خدا کو ہے، تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی کہیں باقی نہ رہتا! و۸۵۴ (طلاق کے وقت) اکثر انسان جب غصہ میں آکر طلاق دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیوی کو دیا لیا ہے، اس سے چھین لیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں یہ دستور اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اسی ظالمانہ دستور کی ممانعت ہے۔ اور بتایا ہے کہ مہر وغیرہ جو کچھ انھیں پہلے دے چکے ہو، اب اس کے چھینے اور واپس لینے کا کوئی محل نہیں۔ مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا۔ عام مفسرین اور فقہاء نے اس سے مراد مہر کی رقم رکھی ہے۔ لیکن فقیہ ابن العربی مالکی نے اسے ہر اس مال تک وسعت دی ہے جو شوہر بیوی کو دے چکا ہو۔ قال قوم یعنی من الصداق و عندی ان من کل شی اعطاھا۔ حسن معاشرت، حسن معیشت، حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ۔ رخصت کرو تو بھی اسی خوشی، خوش عنوانی کے ساتھ و۸۵۵ (ادائے حقوق زوجیت کے باب میں) یَخَافَا۔ یُقِیْمَا۔ وہ دونوں، یعنی میاں بیوی و۸۵۶ یعنی حقوق زوجیت درجۂ اقل میں بھی ادا نہ ہو سکیں، اور موافقت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے۔ حُدُوْدَ اللّٰہِ۔ یعنی معاشرت زوجی کے فرائض۔ قال طاؤس فیما افترض علی کل واحد منھما فی العشرۃ والصحبۃ (جصاص) و۸۵۷ یعنی بیوی اگر قید نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لیے اپنی مہر سے یا اس کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو جانا چاہے، تو یہ بھی ایک جائز صورت علیحدگی کی ہے، اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لیے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواستگار عورت ہو، اصطلاح شریعت میں خلع ہے اور احکام خلع کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان القرآن میں بھی کلام مبسوط ملے گا۔ خلع کے جائز صورت طلاق ہونے اور اس کے طلاق بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں اور حسن اور ابی سلمہ اور قاضی شریح اور ابراہیم اور شعبی اور مکحول جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے، اور اس کو فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ وھو قول فقہاء الامصار لا خلاف بینھم۔ فقہاء کے ہاں ایک بحث یہ بھی چلی ہے کہ خلع آیا صرف اسی اندیشہ کے وقت جائز ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، یا یوں بھی عام طور پر؟ جمہور فقہاء و مجتہدین اسی طرف گئے ہیں کہ خلع ہر صورت میں اور ہر حال میں جائز ہے۔ اما جمہور المجتہدین فقالوا الخلع جائز فی حالۃ الخوف و فی غیر حالۃ الخوف (کبیر) البتہ فقیہ زہری، نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ نقل ہوا ہے کہ خلع کی اجازت صرف اندیشہ اور غصہ کی حالت میں ہے۔ و قال الزھری والنخعی و داؤد لا یباح الخلع الا عند الغضب والخوف (کبیر) و۸۵۸ یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکام شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے۔ اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ - مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اُسی قدر اس کا ایک ایک ننھا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا و۸۵۹ یعنی اُن پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے، اور طلاق پر قائم ہی رہے، تو اب تیسری بار، یا پہلی طلاق سے تین مہینے گزر جانے کے بعد، اب طلاق قطعی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ تین مہینے کی مدت غور و فکر کے لیے اور سعی مصالحت و مفاہمت کے لیے بہت کافی ہوتی ہے و۸۶۰ (اور وہ شوہر اُس سے ہمبستری بھی کر لے) دوسرے شوہر سے یہ نکاح، پہلے شوہر سے طلاق قطعی پانے کے تین مہینے بعد یعنی ایام عدت گزارنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تَنْكِحَ۔ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں، یعنی عقد نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں، یعنی ہمبستری کے مرادف ہے۔ محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زَوْجًا سے نکل آتا ہے۔ تَنْكِحَ سے مقصود ہم بستری کو ظاہر کرنا تھا۔ العقد فھم من زوجا و الجماع من تنکح (روح) یحتمل ان تفسیر النکاح بالاصابۃ (بیضاوی) اور امام ابن جریر اس سوال کے جواب میں، کہ ہمبستری کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں تو آخر یہ دلالت کہاں سے پیدا کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ معنی کی یہ دلالت ساری اُمت کے اجماع نے پیدا کی ہے۔ الدلالۃ علی ذلک اجماع الامۃ جمیعًا علی ان ذلک معناہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قول مختار یہی ہے کہ ہم بستری کی شرط حدیث سے نہیں قرآن ہی سے ثابت ہے۔ و اختلف العلماء فی ان شرط الوطی بالسنۃ او بالکتاب قال ابو مسلم الاصفھانی الامران معلومان بالکتاب و ھذا ھو المختار (کبیر) اور آگے اسے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ نکاح کا لفظ جب مطلق صورت میں ہے جب تو

مراد عقد زوجیت سے ہوگی، لیکن جب اضافت زوجۃ و امرأۃ کے ساتھ ہوگی، تو ہمبستری ہی ہوگی۔ اور آخر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قوله تنكح يدل على الوطي وقوله زوجا يدل على العقد (کبیر) بہر حال جمہور فقہا، و ائمہ مجتہدین کا مذہب یہی ہے کہ مطلقہ کے ساتھ پہلے شوہر کا نکاح جب ہی درست ہے جب دوسرا شوہر اس کے ساتھ ہمبستری کرکے اُسے طلاق دے دے، اور اس طلاق پر بھی تین ماہ کی مدت گزر لے۔ مذهب جمهور المجتهدين ان المطلقة بالثلاث لا تحل لذلك الزوج الا بخمس شرائط تعتد منه و تعقد للثاني و يطؤها ثم يطلقها ثم تعتد منه (کبیر) اختلاف صرف دو تابعین سے منقول ہے۔ ان کے خیال میں مجرد عقد ثانی بھی، بغیر ہمبستری کے، طلاق کے بعد شوہر اول سے یا کسی اور سے عقد کے لیے کافی ہے۔ قال سعيد بن جبير و سعيد بن المسيب تحل بمجرد العقد (کبیر) لیکن مذہب جمہور ہی نہایت قوی اور شریعت اسلامی کے عین مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت نے طلاق کو پسندیدہ نہیں کیا ہے۔ اس کے نفاذ میں طرح طرح کی قیدیں لگادی ہیں۔ ترغیب یہ دی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر ہی طلاق دی جائے۔ لیکن ان سب مرحلوں سے گزر جانے کے بعد جب طلاق نافذ ہی ہو جائے، تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں، شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے وہ بیوی واپس نہیں مل سکتی، اب اُسے ذرا خون جگر کھالینا پڑے گا، جب وہ حاصل ہو سکتی ہے ۔۔ سزائے زنا میں بھی یہی اصل کارفرما ہے۔ ثبوت زنا نہایت ہی قوی بلکہ قطعی ہونا چاہیے۔ ذرا سے بھی شبہ کا فائدہ ملزم ہی کو ملے گا، لیکن جب یہ سب مرحلے طے ہو چکیں تو پھر اب نفاذ سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔ مِنْۢ بَعْدُ یعنی طلاق ثالث کے بعد۔ ای التطليقة الثالثة (مدارک) اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہر اول کے لیے جائز ہو جائے حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم، سنجیدہ اور مقدس معاہدہ کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے، اور محلل لہ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدہ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جا رہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔ اور اکثر فقہاء کے ہاں یہ نکاح، نکاح فاسد کے حکم میں آتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کا نفاذ قانونی ہو جائے گا، اگرچہ اس سے گناہ عائد ہوگا و۸۶۱ (اور اس دوسری طلاق پر بھی تین مہینے کی عدت گزر جائے) و۸۶۲ (بدستور سابق دوبارہ نکاح کرلے) مطلقہ اپنے شوہر کے لیے ہمیشہ کو حرام اب بھی نہیں ہو جاتی۔ ان درمیانی مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کا نکاح اپنے شوہر اول سے ممکن ہے۔ ہر ہر فریق معاملہ کے حقوق کی پوری رعایت کا جو حکیمانہ اہتمام و التزام شریعت اسلامی کے سارے اجزاء میں ہے، اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یہ طلاق کے جزئیات احکام ہیں۔ انسانی ذہن اور بشری دماغ اپنی ساری کوششیں کر تھکے، اتنے دقائق کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا و۸۶۳ (اور آئندہ خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کرکے اتلاف حقوق میں نہ مبتلا ہوں گے) يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی اقامت اس سیاق میں یہی ہے کہ حسن معاشرت کی رعایت رکھی جائے۔ ای يتعاشرا بالمعروف (ابن کثیر) ای يكون بينهما الصلاح و حسن الصحبة (معالم) اِنْ ظَنَّا۔ یعنی اگر امید و ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ باقی یقین کے ساتھ مستقبل کا حال کون جان سکتا ہے۔ ای رجوا لان احد الا يعلم ما هو كائن الا الله عز وجل (معالم) ای متى حصل هذا الظن حصل لهما العزم على اقامة حدود الله حسنت هذه المراجعة (کبیر) ای ان كان في ظنهما انهما يقيمان حقوق الزوجية (مدارک) ومن فسر الظن ههنا بالعلم فقد وهم من طريق اللفظ (کشاف) و۸۶۴ اہل فہم و دانش کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جو احکام و اوامر الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی يعلمون ما امرهم الله تعالى به (معالم) يريد من له عقل و علم (کبیر) ای يفهمون ما تبين لهم (مدارک) حُدُوْدُ اللّٰهِ یعنی اللہ کے احکام و قوانین۔ ای احكامه و شرائعه (ابن کثیر) و۸۶۵ یعنی وہی ایک بار یا دوبارہ والی طلاق رجعی، جو ابھی قطعی نہیں ہوئی ہے اور جس سے ابھی رجوع کرلینے کی گنجائش ہے و۸۶۶ (لیکن وہ مدت ابھی پوری گزر چکی نہ ہو) یعنی زمانہ عدت اب ختم ہونے ہی پر ہو، لیکن پوری طرح ختم ہو چکا نہ ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اب کوئی گنجائش ہی رجعت کی نہیں باقی رہی۔ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔ المراد مقاربة البلوغ والاشراف عليه لا حقيقته (جصاص) المراد مقاربة دون انقضائه و نظائره كثيرة في القرآن واللغة (جصاص) معناه قارب البلوغ (ابن العربی) اَجَلَهُنَّ۔ اجل کا اطلاق ساری مدت پر بھی ہوتا ہے اور آخر مدت پر بھی۔ والاجل يقع على المدة كلها و على اخرها و كذلك الغاية والامد (کشاف) و يقع في البلوغ ايضا فيقال بلغ البلد اذا شارفه و داناه (کشاف) جعل لفظ بلغ بمعنى قارب كما يقال اذا بلغت مكة فاغتسل (ابن العربی) و۸۶۷ یعنی جب وہ ساری مدت عدت ختم ہونے پر آئے تو شوہر کو اب دو اختیار ہیں۔ یا یہ کہ اپنی اس نیم مطلقہ بیوی کو پھر شرافت و عزت کے ساتھ اپنی زوجیت میں واپس لے لے، اور یا پھر اسے شرافت و عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کردے، اور مستقل علیحدگی اختیار کرلے ۔۔۔ غرض دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے، تمام تر شریعت، اخلاق کے قانون و آداب کے موافق ہو

اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے و۸۵۵ سو اگر تم کو یہ

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے و۸۵۶ تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا، جو

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

عورت معاوضہ میں دے دے و۸۵۷ یہ (سب) اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلو،

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائے گا سو ایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں و۸۵۸

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

پھر اگر کوئی اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، و۸۵۹ تو وہ عورت اس کے لیے اس کے بعد جائز نہ رہے گی، یہاں

زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ

تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے، و۸۶۰ پھر اگر وہ (بھی) اسے طلاق دے دے و۸۶۱ تو دونوں پر کوئی گناہ

يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

نہیں کہ پھر مل جائیں و۸۶۲ بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے و۸۶۳ اور

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

یہ بھی اللہ کے ضابطے ہیں، انہیں وہ کھول کر ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں و۸۶۴ اور جب تم

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

عورتوں کو طلاق دے چکو و۸۶۵ اور وہ اپنی مدت گزرنے پر پہنچ جائیں و۸۶۶ تو (اب یا تو) انہیں عزت کے ساتھ

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا

روکے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دے دو و۸۶۷ اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے

لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

تم حد سے نکل جاؤ ف۸۶۸ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم

نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا

کرے گا ف۸۶۹ اور اللہ کے احکام کو ہنسی (کھیل) نہ سمجھو ف۸۷۰ اور

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ

اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر یاد کرو ف۸۷۱ اور (اس) کتاب و حکمت کو بھی

الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

جو اس نے تم پر اتاری ہے کہ اس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے ف۸۷۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱ وَ اِذَا

اور جانے رہو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ف۸۷۳ اور جب

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو اور پھر وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں ف۸۷۴ تو تم انہیں اس سے مت روکو ف۸۷۵

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ وہ آپس میں سب شرافت کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

راضی ہوں ف۸۷۶ اس (مضمون) سے نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے ف۸۷۷ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور

وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲

صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو ف۸۷۸

ف۸۶۸ کہ عورت کی حق تلفی کی گنجائش، کسی صورت اور کسی حال میں بھی نہیں۔ زوجیت میں داخلہ خانہ آبادی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ خانہ بربادی کے لیے ف۸۶۹ (اور اپنی زیادتیوں کی سزا دنیا یا آخرت میں بھگتے گا) بیویوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے حقوق زوجیت میں برابر اور شدید کوتاہیاں کرتے رہنے والے خیال کرتے رہیں کہ ایسوں کے حق میں کیسی کیسی وعیدیں وارد ہو رہی ہیں ف۸۷۰ (کہ جس پر چاہا عمل کیا، اور جسے چاہا یوں ہی چھوڑ دیا) شریعت اسلامی میں حیات اجتماعی و معاشرتی کا سنگ بنیاد خاندان اور خاندانی زندگی ہے، اور خاندان کا کلیدی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں۔ اس بے ایک معنی میں کہنا چاہیے کہ سارے نظام معاشرت کی بنیاد ہی یہی حقوق زناشوئی کی ادائی ہے۔ اور جس طرح بعض بظاہر معمولی بے احتیاطیاں بڑی بڑی سخت بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں، بعض جزئی احکام شریعت سے بے پروائی بڑے بڑے سخت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ ان دقائق کو سنبھالے رہنا شریعت ہی جیسا حکیمانہ نظام کا کام ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ احکام محض ہزل نہیں، پوری سنجیدگی سے ہر حال میں نافذ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے تو زبان سے صاف الفاظ میں طلاق دے دی، اور پھر بعد کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ یہ تو ہنسی میں کیا تھا۔ بعض تابعین اسی طرف گئے ہیں ف۸۷۱ (اور ان ہی نعمتوں میں سے آئین معاشرت کی یہ مکمل، مفصل جامع تعلیم بھی ہے) ف۸۷۲ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ اس سے، یعنی اس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے۔ بہ میں ضمیر مَآ اَنْزَلَ کی طرف ہے ف۸۷۳ (اور چھوٹے بڑے ہر قسم کی مصلحتوں سے بھی وہی خبردار ہے) وَ اتَّقُوْا وَ اعْلَمُوْٓا۔ تقویٰ الٰہی اور علم الٰہی کی کاملیت کا استحضار، یہی دو تو بنیادیں ہیں ہر عمل صالح اور صالح زندگی کی ف۸۷۴ (اور عدت پوری کر کے دوسرے نکاح کی آرزو مند ہوں) اِذَا طَلَّقْتُمْ۔ یہاں یہ خطاب صرف شوہروں سے نہیں، عام امت سے ہے۔ خطابا للاولياء و للازواج ولسائر الناس والعموم يقتضي ذلك (جصاص) بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ یہاں قرب عدت کا قرب ختم مراد نہیں، جیسا کہ آیت ماقبل میں تھا۔ بلکہ عین ختم مراد ہے۔ المراد حقيقة البلوغ بانقضاء العدة (جصاص) البلوغ ههنا حقيقة لامجاز فيها (ابن العربی) ف۸۷۵ (جیسا کہ عرب میں بہت سے موقعوں پر اولیاء و اقرباء کی طرف سے روکنے کا رواج تھا) ف۸۷۶ اَزْوَاجَهُنَّ۔ یعنی ان کے تجویز کیے ہوئے شوہر عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ اي الذين يرغبن فيهم و يصلحون لهن (مدارک) يَنْكِحْنَ۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہیں سے حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے۔ فقد دلت هذه الاية من وجوه على جواز النكاح اذا عقدت على نفسها بغير ولي ولا اذن وليها احدها اضافة العقد اليها من غير شرط اذن الولي (جصاص) تَرَاضَوْا۔ حنفیہ نے اس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ ایجاب و قبول رکن نکاح ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بجائے زوجین کے ان کے ولی یا وکیل کر دیں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یہ قید ان احکام میں ہر جگہ لگی ہوئی ہے، اور کس کثرت سے اس کا اعادہ ہو چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی اونی سی ادنیٰ بات بھی دین و اخلاق کے قانون کے خلاف نہ ہونے پائے ف۸۷۷ ان تعلیمات و ہدایات کی پوری قدر ان ہی کو ہوتی جو مومن کامل ہیں ف۸۷۸ دقیق حکمتوں اور حقیقی مصلحتوں کا علم ہمہ بیں، ہمہ داں خدائے تعالیٰ کو ہو سکتا ہے، یا علم کے ناقص، عقل کے ناقص گندے بندوں کو؟ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ۔ یعنی مفید حکیمانہ، قابل عمل، آسان احکام، ذاتی ولی ہر اعتبار سے، شخصی سیرتوں اور اجتماعی مصلحتوں دونوں کے معیار سے۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لے کر آیا ہے وہ محض صوفیوں، راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لیے نہیں، صرف نفس کشی و ریاضت کرنے والوں کے لیے نہیں۔ اس مادی دنیا کے بھی معاشرتی، اجتماعی فوائد کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔ ذٰلِكُمْ۔ اي الاتعاظ به والعمل بمقتضاه (روح)

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى

دو سال ف۸۷۹ (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہے ف۸۸۰ اور جس کا

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا موافق دستور کے ف۸۸۱

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا بجز اس کی برداشت کے بہ قدر ف۸۸۲ نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے

بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى

اس کے بچے کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچے کے باعث ف۸۸۳ اور اسی طرح

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

(کا انتظام) وارث کے ذمہ بھی ہے ف۸۸۴ پھر اگر دونوں اپنی باہمی رضامندی

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں، ف۸۸۵ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور انا کا) دودھ پلوانا چاہو تب بھی

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم (ان کے) حوالے کردو جو کچھ انہیں دینا ہے موافق دستور کے، ف۸۸۶

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۸۸۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا

ف۸۷۹ رضاعت اصلی حق ماں کا ہے، اور ماں سے بہتر کوئی مرضعہ ہو نہیں سکتی۔ پرانے طبیبوں اور نئے ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں سب کو اس پر اتفاق کرنا پڑا ہے۔ یجعل الام احق برضاع الولد هذه المدة (جصاص)۔ الوالدات۔ خواہ ان ماؤں کا نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو۔ اولادھن۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ مراد وہ بیبیاں ہی ہیں، دودھ پلانے والیاں مراد نہیں۔ رضاعت کامل کے لیے دو برس کی مدت پر بھی طبیبوں کا اتفاق رائے موجود ہے ف۸۸۰ یعنی جو پورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے اس کے لیے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔ ف۸۸۱ مرضعہ کی تنخواہ اور کھانے کپڑے کی ذمہ داری بہرحال باپ کے سر ہے۔ اور مرضعہ عام حالات میں وہ ماں ہی کو ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مائیں ہنوز قید نکاح میں ہوں یا قید عدت میں۔ بالمعروف۔ یعنی عرف شریعت کے موافق، جو کسی قاعدۂ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ ای بما یحسن فی الدین والمروءة (مدارک) ای بحالا یکون مستنکرا شرعا و مروءة (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کھلانے پہنانے میں مرد کی واجبی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسے نہ خست سے کام لینا چاہیے، نہ اسے اسراف کی حاجت۔ یدل علی ان الواجب من النفقة والکسوة هو علی قدر حال الرجل فی اعساره و یساره (جصاص) ف۸۸۲ (اور اس کے قوائے ترکیبی کے مناسب حال) چنانچہ یہاں بھی رضاعت کا حکم ملا تو ماں کو، کہ یہ چیز عورت ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ اور مرضعہ کو کھلانے پہنانے کی ذمہ داری رکھی گئی ہے باپ کے سر، کہ یہ کمانا اور خرچ کرنا مرد ہی کی زندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔ جزئیات کے درمیان درمیان کلیے لے آنا یہ انشاء قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے ف۸۸۳ آیت میں تنبیہ ہے باپ اور ماں دونوں کو، باپ کو تو یہ کہ وہ لڑکے کی ماں پر خواہ مخواہ کی سختی روا نہ رکھے اور ماں کو یہ کہ وہ لڑکے کے باپ سے خواہ مخواہ سخت مالی مطالبے نہ کرے ف۸۸۴ (جب باپ زندہ نہ ہو) الوارث۔ وارث سے فقہی اصطلاح میں وہ قرابت دار محرم مراد ہے جو بچہ کا شرعی وارث ہے۔ مثل ذلک۔ یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کا حفظ حقوق واجب ہے، اسی طرح باپ کے بعد اپنے قریب ترین عزیزوں پر بھی واجب ہے علیه مثل ما علی والد الطفل من الانفاق علی والدة الطفل والقیام بحقوقها وعدم الاضرار بها (ابن کثیر) و به قول الجمهور و قد استقصی ذلک ابن جریر فی تفسیره (ابن کثیر) باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ سے ان کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو، اور محرم ہونے کے علاوہ وہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہیں۔ پس ایسے محرم و وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے، تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث بھی اسی نسبت سے پا سکتے ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ شیرخوار کے مصارف جو دوسروں پر واجب کیے گئے ہیں، اس کی علت یہی ہے کہ بچہ بذات خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس اشتراک علت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ محتاج عورتوں، اپاہج مردوں اور نابالغوں کے مصارف ان کے اقارب کے ذمہ ہیں۔ اور یہی مسلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ و قد استدل بذلک من ذهب من الحنفیة والحنبلیة الی وجوب نفقة الاقارب بعضهم علی بعض و هو مروی عن عمر بن الخطاب و جمهور السلف (ابن کثیر) ف۸۸۵ (تکمیل رضاعت سے قبل یعنی دو برس کی مدت کے اندر ہی) تشاور۔ تشاور پر فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں کا جذبۂ شفقت اور حق پرورش زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس قسم کے امور کو محض باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ ماں کی رائے اور رضامندی کی بھی شرط لگا دی گئی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ باہمی مشورہ کی ضرورت یہ ہے کہ خود بچہ کی مصلحت پر نظر کر لیں ف۸۸۶ مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ماں سے چھڑا کر کسی اور سے رضاعت کرانے کی ضرورت یا مصلحت بھی پیش آ جاتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی صورت پیش آ جائے تو کسی انا سے رضاعت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز ہے بشرطیکہ اجرت حسب قرارداد ادا کر دی جائے۔ بالمعروف۔ یعنی حسب معاہدہ و قرارداد۔ بالمعروف کا نحوی تعلق سلمتم سے بھی ہو سکتا ہے اور اتیتم سے بھی ف۸۸۷ (سارے احکام و اوامر کے باب میں) چنانچہ یہاں بھی یہ ہے کہ اجرت نہ دو گے تو گنہگار ہو گے --- معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے، قرآن مجید نے سارے دائرۂ زندگی میں قدم قدم پر تقوائے الٰہی کو شمع راہ رکھا ہے۔

بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

خوب دیکھنے والا ہے و۸۸۸ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

روکے رکھیں و۸۸۹ پھر جب وہ اپنی مدت تک پہنچ جائیں و۸۹۰ تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا

کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے میں کچھ (کارروائی) کریں، شرافت کے ساتھ و۸۹۱ اور جو تم کچھ بھی کرتے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے، و۸۹۲ اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان

عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ

(زیر عدت) عورتوں کے پیغام نکاح کے باب میں کوئی بات اشارۃً کہو، (یہ ارادہ) اپنے دلوں ہی میں

اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ

پوشیدہ رکھو، و۸۹۳ اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے و۸۹۴ البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا

ان سے کوئی وعدہ خفیہ (بھی) نہ کرو و۸۹۵ مگر ہاں کوئی بات عزت و حرمت کے موافق

مَّعْرُوْفًا ڛ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى

(چاہو تو) کہہ دو و۸۹۶ اور عقد نکاح کا عزم اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ

يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

میعاد مقررہ اپنے ختم کو نہ پہنچ جائے و۸۹۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے،

و۸۸۸ انسان کو بدمعاملگی، بددیانتی پر لانے والی چیز صرف یہی ذہول و غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا، اس کی ہمہ بینی، ہمہ خبری کا استحضار اگر ہر وقت رہے، تو کوئی لغزش ہونے ہی نہ پائے۔ قرآن مجید بار بار اسی جذبہ کو بیدار کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی خانگی زندگی کی کسی منزل میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہونے پائے و۸۸۹ (نکاح اور قریبی مقدمات نکاح سے) دنیا کے عمرانی اور معاشری مسائل میں طلاق کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص اعتنا برتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ستی وغیرہ کو جائز کرکے بیوہ کو زندہ ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے کا، سہاگنوں ہی کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ اور یہ باب بھی، جہاں تک دنیوی برکتوں کا تعلق ہے، اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تَرَبُّص۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام عدت ہے۔ طلاق کی عدت پورے تین ماہ کی تھی۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن یا کل ۱۳۰ دن تجویز ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں بیوہ کے لیے بناؤ سنگار سب ناجائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت تا وضع حمل ہے۔ و۸۹۰ یعنی عدت پوری ختم ہو جائے و۸۹۱ یعنی جب مدت ختم ہو گئی تو اب نکاح کی تجویز وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ۔ خطاب عام ہے اہل امت کو یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ ايها الائمة الحكام (جصاص) هذا خطاب للاولياء (ابن العربی) قيل الخطاب لجميع المسلمين (روح) اس طرز خطاب سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص خلاف شرع کام کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرط قدرت و بہ قدر قدرت اس کو روکیں، ورنہ یہ بھی گنہگار ہوں گے۔ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ۔ یعنی نکاح اور متعلقات نکاح کی تجویزیں بھی جو شرعاً جائز ہوں بِالْمَعْرُوْفِ۔ جو بھی کارروائی ہو قانون شریعت و آئین اخلاق کے باہر نہ ہو و۸۹۲ (چنانچہ کوئی بات خلاف شریعت اگر خود کرو گے یا ہوتے ہوئے روکو گے تو اس کے ذمہ دار قرار پاؤ گے) مشرک قوموں نے اپنے خداؤں سے علم کامل اور باخبری کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے ان صفات کے اثبات میں ایک پہلو رد شرک کا بھی رکھا ہے و۸۹۳ دوران عدت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد کسی بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کر لے، اور زبان پر لائے، یا اگر لائے بھی تو محض اشارۃً کنایۃً۔ صراحت کے ساتھ البتہ اجازت اس زمانہ میں نہیں و۸۹۴ (سو محض تذکرہ کی حد تک رہنے کا کوئی مضائقہ نہیں) یہ عین فطرت بشری ہے کہ جو عورت دل میں بس جاتی ہے مرد ادھر ادھر گھوم گھما کر اس کا ذکر ضرور لاتا ہے، اور اس کا تذکرہ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا عین اسی فطرت بشری کا ترجمان ہے و۸۹۵ دوران عدت میں عورت سے وعدۂ نکاح کر لینا، علانیہ نہ سہی، بہ طور راز کے بھی جائز نہیں۔ اور یہ ٹکڑا اسی حکم کی تاکید کے لیے ہے۔ سِرًّا، سِرّ کے عام معنی جو راز کے ہیں، ظاہر ہیں۔ جمہور مفسرین نے وہی قبول کیے ہیں۔ لیکن ایک مجازی معنی خود نکاح کے بھی ہیں اور ابن سیدہ لغوی، فراء نحوی وغیرہما نے یہاں اس سے کنایہ نکاح ہی کا سمجھا ہے۔ وكني عن النكاح بالسر (راغب) و من المجاز السر للنكاح وقال ابن السيده و هو كناية عنه (تاج) و هو ان يصف احدهم نفسه للمراة فى عدتها فى النكاح و به فسر القراء (تاج) اس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا ''البتہ ان سے وعدۂ نکاح نہ کرو'' و۸۹۶ اور وہ عزت و حرمت کے ساتھ بات کہنا یہی ہے کہ جو کچھ بھی کہنا ہو اشارۃً و کنایۃً ہی کہا جائے نہ کہ صراحۃً و۸۹۷ یعنی ختم عدت سے قبل عزم نکاح کر لینا بھی درست نہیں۔ عزم سے مراد قصد مصمم و قطعی ہے۔

مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اللہ اسے جانتا ہے وف۸۹۸ سو اس سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ

بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے وف۸۹۹ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو

النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا طلاق

فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ

دے دو وف۹۰۰ وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے

وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق وف۹۰۱ (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو (اور یہ) واجب ہے،

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

خوش معاملہ لوگوں پر وف۹۰۲ اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو،

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ

تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا واجب ہے بجز اس صورت کے کہ (یا تو) وہ عورتیں خود معاف کر دیں،

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ

یا وہ (اپنا حق) معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وف۹۰۳ اور اگر تم (اپنا حق)

تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ

معاف کر دو تو یہ بہت ہی قرین تقویٰ ہے وف۹۰۴ اور آپس میں لطف و احسان نظر انداز نہ کرو وف۹۰۵

ع

وف۸۹۸ سو جو امور ناجائز ہیں ان کے ارتکاب کا عزم بھی اس کے علم میں رہتا ہے وف۸۹۹ غَفُوْرٌ (چنانچہ توبہ کے بعد نافرمانوں کو بھی معاف کر دیتا ہے) حَلِيْمٌ (چنانچہ بہت دفعہ نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دے دیتا ہے)۔ وف۹۰۰ یعنی کوئی باز پرس نہیں مہر کے باب میں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں شوہر کے ذمہ مہر واجب بھی نہیں۔ تَمَسُّوْهُنَّ۔ یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور واقعی، اور حکمی و فقہی (یعنی خلوت صحیحہ) طلاق ہمبستری کے قبل بھی بالکل جائز ہے، بغیر کسی مہر کی ذمہ داری کے۔ نکاح بلا تعین مہر بھی صحیح رہتا ہے۔ طلاق کے وقت اس واجب مبہم کا اندازہ شوہر کی حسب استطاعت کیا جائے گا وف۹۰۱ مَتِّعُوْهُنَّ کا لفظ قرآن میں عام ہے اور مذاق بشری کی ہمہ گیری اس عموم کو چاہتی بھی ہے۔ ای ملکوهن ما يتمتعن به و ذلک الشئ يسمى متعة (روح) متعة الطلاق اعلاها الخادم و دون ذلک الورق و دون ذلک الکسوۃ (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ادنى مايكون من المتعة ثلاثون درهمًا (روح۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ) البتہ فقہاء نے یہاں عموماً تین کپڑوں کا جوڑا مراد لے لیا ہے۔ لیکن خود یہ جوڑا بھی یقیناً حسب رواج ملک و قوم ہوگا وف۹۰۲ اور خوش معاملہ تو سارے مسلمانوں کو ہونا چاہیے، اس لیے مراد ہیں سارے مسلمان۔ لفظ محسنین لا کر ان کے اس وصف کو نمایاں کر دیا ہے والاحسان انما على وجه التاكيد (جصاص) اى على المسلمين (مدارک) وف۹۰۳ طلاق کی ایک صورت وہ تھی جو ابھی اوپر بیان ہو چکی، یعنی نہ مہر طے ہوا تھا اور نہ ابھی خلوت ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دوسری صورت اب بیان ہو رہی ہے کہ مہر تو متعین ہو چکا تھا، لیکن خلوت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ عام قاعدہ ایسے موقع کے لیے یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ لیکن دو صورتیں اس حکم عام سے استثناء کی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اپنے حق سے تمامتر دستبردار ہو جائے اور نصف مہر بھی نہ لے۔ اور دوسری صورت یہ کہ شوہر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، یعنی جو نصف مہر اُسے رکھ لینے کا اختیار تھا اُسے بھی وہ نہ رکھے اور بجائے نصف کے پورا مہر ادا کر دے۔ يَّعْفُوْنَ۔ عورت اپنا حق معاف کر دے، اور اس کا حق ہے وہی مہر معین کا نصف۔ گویا عورت مہر تمامتر چھوڑ دے۔ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ تعداد مہر اگر معین تھی، جب تو اس کا نصف ظاہر ہے۔ اگر تعداد معین نہ تھی تو فیصلہ مہر مثل پر ہوگا (یعنی خاندانی مہر پر) الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑنے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہے مراد شوہر ہے۔ یہ الفاظ اس پر ناطق ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں شریک غالب کی حیثیت شوہر ہی رکھتا ہے وف۹۰۴ قانون اور ضابطہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ شوہر طلاق کی اس صورت میں نصف مہر روک سکتا ہے، اب معاً اخلاق کے افضل و اعلیٰ مقام کی طرف رہنمائی کر دی گئی کہ حق وصول کرنے سے کہیں بہتر و برتر ہی حق کا معاف کر دینا ہے۔ جائز و برتر، مباح و افضل، قانون و اخلاق کا یہ مسلسل امتزاج قرآن کے معنوی معجزات میں سے ہے۔ وف۹۰۵ چنانچہ طلاق کے موقع پر بھی، جو تعلقات کی بقا کا نہیں، اس کے اختتام و انقطاع کے اعلان کا نام ہے، باہمی حسن سلوک، مروت، رعایت سے نہ چوکو۔ آیت سے صاف اشارہ ادھر نکل رہا ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے پیش آ جانے سے صحبت قدیم و محبت سابق کے حقوق زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حالت طیش و ناگواری میں بھی لحاظ تقویٰ اور حسن اخلاق اور عفو و احسان کا برابر رکھنا چاہیے۔ وَ لَا تَنْسَوُا۔ نسیان یہاں بھول کے معنی میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے معنی میں ہے۔ قال ابو محمد والنسيان هٰهنا الترک (ابن قتیبہ)

إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوا عَلَى

تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے و۹۰۶ (سب ہی) نمازوں کی

الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُومُوا لِلّٰهِ

پابندی رکھو۔ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی، و۹۰۷ اور اللہ کے سامنے عاجزوں (کی طرح)

قٰنِتِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَآ

کھڑے رہا کرو و۹۰۸ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر، و۹۰۹ پھر جب

أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا

تم امن میں آ جاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے

تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾ وَ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُونَ

(بھی) نہ تھے و۹۱۰ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں

أَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ

چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اٹھانے کی وصیت (کر جانے) کی کہ وہ ایک سال

غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

تک (گھر سے) نکالی نہ جائیں، و۹۱۱ لیکن اگر (خود) نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں

فِي مَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَ اللّٰهُ

اس باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے باب میں شرافت کے ساتھ کریں و۹۱۲ اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے و۹۱۳۔ اور طلاقنوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے

عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

موافق مقرر ہے و۹۱۴ (یہ) پرہیزگاروں پر واجب ہے، و۹۱۵ اللہ اسی طرح تمہارے لیے کھول کر اپنے احکام

و۹۰۶ سو اس کے ہاں تمہاری کوئی سی نیکی بھی، کسی درجہ اور کسی موقع کی ہو، رائیگاں نہ جائے گی و۹۰۷ اوپر سے ذکر برابر بیویوں کے حقوق و مطالبات کا چلا آ رہا تھا اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں احکام نماز سے متعلق آ گئے۔ یہیں سے اس حقیقت پر ایک بار اور روشنی پڑ رہی ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملت، قانون و اخلاق کے مسائل، عبادات سے الگ نہیں۔ اور نظام شریعت میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ۔ محققین نے محافظت صلوٰۃ کے تین درجے قرار دیے ہیں، ادنیٰ یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کیے جائیں۔ اوسط یہ کہ جسم ہر طرح طہارت ظاہری سے آراستہ ہو، طبیعت اکل حلال کی خوگر ہو، دل میں خشوع و خضوع ہو، سنن و مستحبات کی پوری رعایت رہے۔ اعلیٰ یہ کہ نماز گویا حق تعالیٰ کے مواجہہ میں ہو رہی ہے۔ اس قدر حضور قلب و استغراق رہے۔ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمہ تفاسیر نے نماز عصر مراد لی ہے اور یہی معنی ابن جریر میں حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ ﷺ صحابیوں اور قتادہ و ضحاک تابعین اور امام ابو حنیفہ ؒ و امام نخعی ؒ سے مروی ہوئے ہیں۔ لیکن ابن جریر ہی میں دوسرے معنی، نماز ظہر اور نماز مغرب اور نماز فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات و حسنات کا درجہ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے ادھر ادھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نماز وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔ و۹۰۸ (حالت نماز میں) قٰنِتِينَ۔ لفظ قنوت بہت جامع ہے اور حاوی ہے ذکر اور دعا اور خشوع و خضوع پر۔ قال ابو محمد و لا ازی اصل هذا الحرف الا الطاعة لان جميع هذه الخصال من الصلوٰة والقيام فيها والدعاء وغير ذلك يكون عنها (ابن تیمیہ) و۹۰۹ (جس طرح بھی بن پڑے اور جس طرح تک حالات اجازت دیں) فَإِنْ خِفْتُمْ۔ یعنی اگر عام قاعدہ کے مطابق نماز با جماعت میں کسی دشمن کی طرف سے خوف ہو۔ اسلام کی یہ روزانہ پنج وقتہ پریڈ یا دربار الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ بالکل معاف عین حالت جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ محافظت صلوٰۃ کا حکم بہر حال قطعی اور دائمی ہے۔ ترک نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں۔ البتہ رعایت ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ نماز خوف کی تفصیلات کتب فقہ میں ملیں گی و۹۱۰ یعنی اب نماز عام قاعدوں کے موافق و باقت ادا کرو۔ فَإِذَآ أَمِنْتُمْ۔ یعنی جب دشمن کی طرف سے اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے و۹۱۱ یہ وصیت کا حکم اس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ اب حکم وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا۔۔۔ اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس وقت یعنی احکام میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوہ عورتوں کے لیے حسب ذیل رعایتیں رکھی تھیں:۔ (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک انہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا (۲) انہیں کھانا کپڑا بھی اس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اس گھر میں رہنا نہ چاہیں، تو بعد ختم عدت ان کے لیے یہ بالکل جائز تھا، اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا انہیں حق حاصل تھا۔ مَّتَاعًا۔ یہ نفع اٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونت مکان کے متعلق ہوگا۔ المتاع عام شامل للانفاق والاسكان جميعًا (روح) بیوہ غریب، ظہور اسلام کے وقت یوں بھی ہر مذہب میں کسمپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں تو کوئی اس کی بات پوچھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسلام ہی نے آ کر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار بیوہ کی عزت اور اس کے حقوق کی نصرت کی۔۔۔ مشرکانہ مذہبوں میں تو بیوگی اور نحوست مترادف تھیں، اور بیوہ کو گھر بھر کی تحقیر و طعن کا ہدف بننا پڑتا تھا و۹۱۲ مثلاً یہی نکاح یا نکاح کی بات چیت۔ مِنْ مَّعْرُوفٍ کی قید نے اسے واضح کر دیا کہ وہ کارروائی نہ کسی ضابطہ شریعت کے خلاف ہوگی۔ مثلاً قانون عدت کی خلاف ورزی اور نہ کسی آئین اخلاق کے منافی و۹۱۳ عَزِيزٌ۔ یاد دلا دیا کہ وہ بڑا قوت والا ہے، سو ایسے کے حکم کی خلاف ورزی کیسی زبردست نادانی ہے۔ حَكِيمٌ۔ یاد دلا دیا کہ اس کے احکام سارے کے سارے، قریب و بعید، جلی و خفی، مصالح بشری کے جامع ہوتے ہیں و۹۱۴ (کسی نہ کسی درجہ میں) مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے، یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا، اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ فقہاء نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سہ ماہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر واجب ہے مطلقہ پر تینوں طلاقیں اگر ابھی نہیں پڑی ہیں، جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے، اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے ہاں جب بھی یہی حکم ہے و۹۱۵ عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ یعنی مسلمانوں پر، کہ اس درجہ میں پرہیزگار ہر مسلمان ہوتا ہے۔ ای متقی الشرک (بحر) علی کل من کان متقیا عن الکفر (کبیر) بمعنی المؤمنین المتقین الشرک (معالم)

و۹۱۶ (اور ان پر عمل کرو) مفسر تھانوی ؒ نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ ان احکام طلاق وغیرہ میں تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ اور حُدُوْدُ اللّٰهِ اور سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور بَصِيْرٌ اور خَبِيْرٌ اور هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وغیرہ کا اس کثرت سے آنا، جو سب مخالفت پر وعیدیں ہیں، اس امر پر دلیل قطعی ہیں کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں، محض مشورہ کے طور پر نہیں ہیں کہ ان میں ترمیم وتبدیل کا ہمیں حق واختیار حاصل ہے و۹۱۷ (اے مخاطب) نبوت عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے، اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے یہاں چشم بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم وتخییل اور غور وفکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ ومشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ واذا عدی رأیت بالی اقتضی معنی النظر المؤدی الی الاعتبار (راغب) و۹۱۸ (عین موقع جہاد پر) حَذَرَ الْمَوْتِ۔ یہ تصریح ہے اس کی کہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر نکل جانا محض امر اتفاقی نہ تھا، موت کے خوف سے تھا۔ ذکر کسی قدیم قوم کا ہے، اور اشارہ کسی ایسے واقعہ کی جانب ہے، جو مخاطبین اول، اہل عرب کے لیے معروف ومتعارف تھا۔ مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لیے ہیں۔ ممکن ہے ان ہی میں سے کوئی صحیح ہو، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم ومقام ہو۔ پوری تحقیق انشاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی متعلم کر کے رہے گا۔ کچھ کام آخر آئندہ کے مفسرین ومحققین کے لیے بھی تو اُٹھ رہا ہے۔ قرآن کی مخاطب جس طرح ہجرت کی دوسری صدی اور تیرھویں صدی کی دنیا رہی ہے، اسی طرح ہجرت کی پندرھویں اور بیسویں صدی کی دنیا بھی تو رہے گی۔ کچھ فرض ہے کہ جتنی تحقیقات بھی ہونا ہے سب چودھویں صدی میں ختم ہو جائے، اور آئندہ صرف انہی کو دہرا دیا اور نقل کر دیا جایا کرے؟ عہد عتیق کی کتاب حزقی ایل (۳۷:۱۔۱۰) میں ایک روایت بصورت کشف ورؤیا اس سے ملتی جلتی ہے۔ بہرحال قرآن کا جو اصل مقصد موعظت وتذکیر ہے، وہ تو موقع ومقام کے ابہام وعدم تعیین کے باوجود بھی حاصل ہے و۹۱۹ (وبا سے، یا کسی اور طریق سے، چنانچہ وہ سب مر گئے) یعنی وطن سے نکل کھڑے ہوئے جان بچانے کو اور حکم جہاد کی تعمیل سے جی چراتے ہوئے۔ لیکن یہ تدبیر کچھ بھی کام نہ آئی، اور الٹے موت کا شکار ہو کر رہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ مقصود محض اس قول کا نقل کرنا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا تو کوئی امر اس میں مانع نہ ہو سکا، اور عمل بن کر رہا۔ عربی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ المراد انه تعالی متی اراد ذلک وقع من غیر منع و تاخیر و مثل ھذا عرف مشھور فی اللغة (کبیر) و۹۲۰ (اور انہیں مشاہدہ کرا دیا کہ موت وزندگی کا سررشتہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل وتدبیر انسانی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس لیے جہاد یا دوسرے احکام شریعت کی تعمیل سے جی چرانا انتہائی حماقت ونادانی ہے) فقہاء ومفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمان نبوی نقل کیا ہے کہ ”جس سرزمین پر طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں، اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں“۔ اس پر ایک عقلی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا، یہ دونوں عملاً متضاد ہدایتیں ہوئیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے، تو وہاں سے ہٹنے کا بھی حکم ملنا چاہیے۔ اور اگر بچنے کی چیز نہیں، تو اس شہر میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے! اصل یہ ہے کہ وبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی تو بس سب ہی بھاگنا شروع کر دیں گے، اور شہر خالی ہو جائے گا۔ اس بے تحاشا بھگدڑ Panic سے آبادی کو جن مالی، معاشی، تمدنی، اخلاقی نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں، اور بکثرت تجربہ ومشاہدہ میں بھی آ چکے ہیں۔ پھر ایک طرف یہ عادت اگر ہمت، ثبات قدم، شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے، تو دوسری طرف اسباب ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ واعتماد کی دلیل اور توکل، اعتماد علی اللہ کے منافی، اور ایک مذہبی قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے، وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا، ایک طرف سلسلۂ اسباب ظاہری کو بالکل نظر انداز کر دینا ہے، اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف واندیشہ کا بھی رکھ دیا ہے، اس کے مقتضا کو پامال کرنا ہے۔ ان متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اس نے عقلی اور حسی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ خواہ مخواہ جاؤ، نہ خواہ مخواہ وہاں سے نکل بھاگو و۹۲۱ (کہ انہی کے فائدے والے احکام انہیں دیتا رہتا ہے) و۹۲۲ (بلکہ الٹے ان احکام کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں) حکم قتال معاً آگے آتا ہے۔ اس کے قبل ایسی حکایت بیان کرنا جس سے قلوب میں بے خوفی اور اللہ پر اعتماد پیدا ہو، عین تقاضائے حکمت ہے و۹۲۳ (اے امت اسلامیہ) حکم کی مخاطب امت بہ حیثیت جماعت ہے، افراد امت نہیں۔ کہ فرداً فرداً ہر شخص جب جی چاہے، تلوار اٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ اس تمہیدی حکایت کے بعد کہ موت وزیست سب کا آخری سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے، اب حکم ملتا ہے کہ اسی کے حکم سے، اسی کے دین وآئین کی خدمت ونصرت کے لیے، جہاد وقتال میں مشغول ہو جاؤ و۹۲۴ سَمِيْعٌ۔ وہ خوب سن رہا ہے، جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی باتوں کو۔ عَلِيْمٌ۔ وہ خوب جانتا ہے جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی نیتوں کو و۹۲۵ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے۔ جہاد وقتال کا حکم ابھی ملا ہے۔ قدرۃً سامان جنگ کے لیے امت اسلامیہ کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہو گی۔ اس لیے پہلے ہی نمبر پر امراء ملت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ یہاں مراد مصارف جہاد ہیں۔ اس مالی چندہ کو قرض اور پھر قرض

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
بیان کرتا ہے شاید کہ تم سمجھو و۹۱۶ کیا تجھے خبر نہیں و۹۱۷ ان لوگوں کی
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ
کہ جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے، اور وہ ہزاروں
الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ
ہی تھے و۹۱۸ تو اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ و۹۱۹ پھر اس نے انہیں جلا دیا و۹۲۰ بے شک
اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اللہ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، و۹۲۱ لیکن اکثر انسان شکر
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا
نہیں ادا کرتے و۹۲۲ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو و۹۲۳ اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ
کہ اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۹۲۴ کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ
قرض دے و۹۲۵ پھر اللہ اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے و۹۲۶
وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ
اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے، و۹۲۷ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ و۹۲۸ کیا تجھے
تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ
خبر نہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی و۹۲۹
اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ
جب کہ ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا و۹۳۰ کہ ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجیے کہ ہم خدا کی راہ

حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر برے معاوضہ والے عمل کو برے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ والعرب تقول لکل من فعل الیہ خیرًا قد احسنت قرضی وقد اقرضتنی قرضا حسنا (تاج) قال الزجاج القرض ھو کل ما یفعل لیجازی علیہ تقول العرب لک عندی قرض حسن و سییٔ (کبیر) عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھے۔ قرض، بیع وشراء وغیرہ کے الفاظ اگر ان کی زبان کے جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک بددین، اُردو خواں جاہل، قرآن مجید میں قرض کا لفظ دیکھ، اور اُسے اُردو کے قرضہ پر قیاس کر، تمسخر کی راہ سے بولا کہ خدا بھی محتاج ہو گیا ہے، جو اُسے بندوں سے اُدھار مانگنے کی ضرورت پڑی!...... جہل مرکب بھی انسان کے لیے کیسی سخت لعنت ہے! مردم اندر حسرت فہم درست و۹۲۶ (یعنی اصل استحقاق سے کہیں بڑھا چڑھا کر) یُضٰعِفَهٗ اس کو یعنی اس کے اجر وثواب کو و۹۲۷ (سو اس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے کیوں رکو، کیوں گھبراؤ) صاف بتا دیا کہ معاشیات کے سارے قوانین اللہ ہی کی مٹھی میں ہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ مفلس ہو جاؤ گے و۹۲۸ (اور وہی دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو جزا دے گا اور نہ خرچ کرنے والوں کو سزا) و۹۲۹ اَلْمَـلَا۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۱۷۔ الملاء۔ ملاء مطلق جماعت نہیں، اہل حل وعقد یا اہل الرائے کی جماعت ہے۔ الملاء جماعۃ یجتمعون علی رأی (راغب) الملاء من القوم وجوھھم و اشرافھم (روح) توریت میں اس موقع پر "اسرائیلی بزرگ" ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی۔ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد، اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی و۹۳۰ مراد حضرت شموئیل ہیں (۱۱۰۰ ق م ۔ تا ۱۰۲۰ ق م) ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے و۹۳۱ (اور اس امیر کی ماتحتی میں ہم سب منظم ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں) اسرائیلی اس وقت خاص طور پر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے، اور لڑائی میں ان سے مغلوب و عاجز آچکے تھے۔ توریت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ حضرت شموئیل نبی اُس وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ مَلِكًا۔ عربی میں مَلِک کا لفظ بہت وسیع ہے، ہر صاحب قوت واقتدار جو اپنے احکام وقوانین نافذ کر سکے مَلِک ہے۔ الملک ھو المتصرف بالامر والنھی فی الجمھور (راغب) اور یہاں مَلِک سے مراد امیر جیش یا سالار لشکر لی گئی ہے، اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ ابعث لنا ملک الجیش (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای انھض لنا من تصدر عنہ تدبیر الحرب و ننتھی علی امرہ (بحر) ای اقم لنا امیرًا (روح) طلبوا من نبیھم نحو ما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من التامیر علی الجیوش (کشاف) اُردو میں رئیس وامیر کے الفاظ، اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ مَلِک کے مرادف ہے۔ توریت میں اس موقع پر "بادشاہ" کا لفظ آیا ہے، اور اسرائیلی تخیل میں بادشاہ کے لیے فوج کی سرداری لازمی تھی، اور ہر سردار اعلیٰ کو بادشاہ کہتے بھی تھے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی امارت اور سپہ سالاری کرے" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۱) اور یہ تصریح بھی ہے کہ "فلسطین میں تقریباً ہر بڑا سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۰) توریت میں اسی موقع کا بیان ان الفاظ میں ہے:۔ "تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے، اور اُسے کہا کہ دیکھ تو بوڑھا ہوا، اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر، جو ہم پر حکومت کیا کرے، جیسا کہ سب قوموں میں ہے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۸:۴و۵) "ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہو تا کہ ہم بھی اور سب گروہوں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے، اور ہمارے لیے لڑائی کرے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۸:۱۹و۲۰) و۹۳۲ یہ سب حضرت شموئیل نے کچھ تو اپنی فراست ایمانی سے فرمایا، اور کچھ اپنی قوم کی افتاد طبیعت کے تجربوں کی بنا پر۔ عَسَيْتُمْ اَلَّا تُقَاتِلُوْا کے معنی ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نہ لڑو گے۔ بمعنی التوقع جبنکم عن القتال (کشاف) هَلْ عَسَيْتُمْ میں هَلْ تاکید کلام کے لیے ہے۔ اراد بالاستفھام التقریر والتثبیت ان المتوقع کائن (کشاف) و۹۳۳ وہ لوگ بولے کہ واہ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔ حکم شرعی سے قطع نظر ہم لوگ انتہائی مظلوم اور ستائے ہوئے بھی تو ہیں۔ اس دور میں فلسطینیوں کی جو شدید اور بے پناہ یورش اسرائیلیوں پر جاری تھی اور اسرائیلیوں کا ملک جس بے اندازہ حد تک ان کے ہاتھوں تاراج ہو رہا تھا اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کے صفحات اور یہود کی دوسری تاریخوں میں ملتی ہیں۔ توریت بھی ان معرکہ آرائیوں کے ذکر سے بالکل خالی نہیں، ایک جگہ ہے:۔ "اور جب وہ باہم مقابل ہوئے تو اسرائیلی نے فلسطیوں سے شکست پائی۔ اور انہوں نے اُن کے لشکر میں سے قریب چار ہزار آدمی کے مارے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۴:۲) اور دوسری جگہ ہے:۔ "سو فلسطی لڑے، اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ کو بھاگا، اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کہ تیس ہزار اسرائیلی مارے مارے پڑے، اور خدا کا صندوق لوٹا گیا"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۴:۱۰) و۹۳۴ آخر اُن کے نبی کا کہا اُن کے آگے آیا۔ اور بنی اسرائیل اتنے دعووں کے باوجود پست ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو کر رہے۔ جوزیفس کی مشہور تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "اُن پر دہشت طاری ہو گئی۔ یعنی پہاڑوں میں چھپ گئے، بعض نے زیر زمین غاروں میں پناہ لی، اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردان عبور کر گئے"۔ (باب ۶۔ فصل ۲۔ فقرہ ۱) و۹۳۵ (اور ان کی سزا پر بھی پوری طرح قادر) الظّٰلِمِيْنَ سے یہاں مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ کے نافرمان بندے۔ ھم الذین ظلموا انفسھم عندالقتال و ترک الجھاد (روح) و۹۳۶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کیے گئے ہیں۔ زمانہ حکومت ۱۰۲۵ ق۔م تا ۱۰۱۲ ق۔م۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر توریت میں ساؤل Saul کے نام سے آیا ہے۔ توریت میں ان کی نصب حکومت کا ذکر حسب دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے:۔ "اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ سو تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حاکم ہو تا کہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے...... سو جب سموئیل ساؤل سے دو چار ہوا تو وہیں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا"۔ (۱۔ سموئیل ۹:۱۵۔۱۶) مَلِكًا یہاں ترکیب میں طالوت سے حال واقع ہوا ہے و۹۳۷ حضرت سموئیل نبی علیہ السلام کا کہنا بالکل ٹھیک نکلا۔ اسرائیلی کہاں تو امیر کے تقرر کا خود ہی تقاضا کر رہے تھے، اور کہاں اب جو اس کا خدائی تقرر ہو گیا تو لگے نکتہ چینی بھی کرنے اور کہنے کہ ایسے شخص کا انتخاب ہو کیونکر سکتا ہے"۔ فلما بعث لھم ملکًا انکروا ذلک و عجبوا (ابن جریر) واستبعدوا جدًا ان یکون ھو ملکًا علیھم (کبیر) اَنّٰی۔ من این کا بھی مرادف ہو سکتا ہے اور کیف کا بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کمال تعجب۔ مقصود نبی کی تکذیب نہیں، صرف اس کے قول پر کمال حیرت ہے۔ کیف و من این، وھو انکار لتملکہ علیھم و استبعادلہ (کشاف) الاستفھام حقیقی او للتعجب لا لتکذیب نبیھم (روح) ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض وانکار کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ "بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا۔ اور اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے لیے نذرانے نہ لائے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۰:۲۷) بنی اسرائیل حضرت یعقوب کی بارہ اولادوں کی نسل میں، نسلی بنا پر ۱۲ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا، اور توریت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے (۱۔ سموئیل۔ ۹:۲۱) تو ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل وخاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوہ کا، اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ وکان فی بنی اسرائیل سبطان سبط نبوۃ و سبط مملکۃ و لم یکن طالوت من سبط النبوۃ ولا من سبط المملکۃ (ابن جریر) جیسے آج عام ہندوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص جو نہ برہمن ہو نہ چھتری، وہ اعلیٰ حاکم وسردار کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصب امارت کے لائق نہیں...... جیسے ہندو کسی سے متعلق یہ اعتراض کریں کہ برہمن اور چھتری نہ سہی، یہ شخص ویش (مہاجن یا ساہوکار) کے درجہ کا بھی تو نہیں! و۹۳۸ (اور اللہ کا انتخاب ظاہر ہے کہ ہر طرح پُر حکمت و پُر مصلحت ہی ہو گا) حضرت شموئیل نبی علیہ السلام نے پہلا اور اصلی جواب تو یہی دیا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں خدائی ہے۔ اور اس لیے ہر طرح یہی مناسب و پُر مصالح ہے، ایسا کہ تمہارا تو ذہن بھی ان باریک مصلحتوں تک نہیں پہنچ سکتا ع پیمبر ہر چہ گوید دیدہ گوید توریت میں اس مقام پر ہے:

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

میں قتال کریں وا۹۳ (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں، کہ اگر تم پر قتال فرض

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ

کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو؟ و۹۳۲ وہ بولے بھلا ہمارے لیے کونسا ایسا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ

خدا کی راہ میں نہ لڑیں، درآنحالیکہ ہم نکالے جا چکے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے، و۹۳۳

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ

لیکن جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو وہ (سب) پھر گئے بجز ان میں ایک قلیل تعداد کے و۹۳۴

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے و۹۳۵ اور ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ

اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ

اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے و۹۳۶ وہ بولے اسے ہمارے اوپر کیسے

لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ

امیری حاصل ہو سکتی ہے، درآنحالیکہ ہم اس سے بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اسے

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ

مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے و۹۳۷ (نبی نے) کہا کہ اسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں انتخاب

عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ

کر لیا ہے و۹۳۸ اور اسے علم و جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے، و۹۳۹ اور اللہ

يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے و۹۴۰ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے و۹۴۱

"اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اُسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں"۔ (۱۔سموئیل۔ ۱۰: ۲۴) و۹۳۹ یہ شموئیل نبی کا دوسرا اور "عقلی" جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو۔ تمہارے معیار سے سردار فوج میں بھی دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ داری و ملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہیے۔ سو وہ طالوت کو حاصل ہے۔ اور دوسرے خود اس کی جسمی قوت و توانائی، سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ۔ علم سے مراد یہاں وہی علوم و فنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری و ملک داری سے ہے۔ ای علم الحرب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) لیتمکن به من حرفة الامور السياسية (روح) كان اعلم بني اسرائيل بالحرب والديانات في وقته (مدارک) وَالْجِسْمِ۔ بسطة في الجسم سے مراد ہے کہ طالوت قد و قامت اور وجاہت ظاہری میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ای الطول والقوة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اطول من كل انسان براسه و منكبه (مدارک) توریت کی دی ہوئی تفصیلات سے ان کے حسن کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجئے:۔ "بہت خوب جوان تھا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا"۔ (۱۔سموئیل۔ ۹: ۱۰) "اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا"۔ (۱۔سموئیل۔ ۱۰: ۱۳) اور دراز قامتی، اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں، بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لیے تھی۔ توریت کے بعد ان کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے، اس کی تصریح ملاحظہ ہو:۔ "خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی حکومت کا نزول صرف اس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند ہو، مضبوط ہو، متمول ہو اور دراز قامت ہو" (Everyman's Talmud صفحہ ۱۲۸) قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جائیے، کہ اس نے نام ہی ایسا رکھا، جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا، اور طول سے مشتق۔ كان طالوت اسمه بالعبرانية ساؤل فسمي طالوت لطوله (معالم) قيل انه عربي من الطول واصله الطولوت (روح) و۹۴۰ (کہ وہی مالک و مختار ہے، اور اس کی ہر عطا اقتضاء حکمت کے موافق ہی ہوتی ہے) مُلْكَهٗ۔ ملک کی نسبت اپنی جانب کر کے اللہ نے بتا دیا کہ حقیقت میں وہی ایک مالک سارے ملکوں کا ہے۔ و۹۴۱ وَاسِعٌ۔ وہ بڑی ہی وسعت والا ہے، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہی ہر پست کو بلند اور ہر ادنیٰ کو سرفراز کر سکتا ہے۔ واسع کی تفسیر واسع الفضل والرزق والرحمة سے بھی آئی ہے اور موسع سے بھی اور ذوسعة سے بھی (کبیر) عَلِيْمٌ۔ اس کا علم محیط و کامل ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری و ملک داری کی صلاحیت موجود ہے و۹۴۲ (یا وہ غیبی تصرف جو تمہارے اطمینان کا کام دے سکے) کچھ عجب نہیں جو بنی اسرائیل نے اپنی قدیم اعجوبہ پرستی کی بنا پر طالوت کے لیے کسی غیبی نشان کا مطالبہ اپنے پیغمبر سے کیا ہو، اور وہ اس کے جواب میں یہ ایماء الٰہی یہ فرما رہے ہوں و۹۴۳ (درآنحالیکہ تم مدت دراز سے اپنی اس متاع عزیز سے محروم ہو) يَّاْتِيَكُمُ۔ یعنی از خود بغیر تمہاری کسی خاص جدوجہد کے آ جائے گا۔ التَّابُوْتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی و قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توریت مع تبرکات انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر و حضر جنگ و امن ہر حال میں اُسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:۔ طول اڑھائی فٹ عرض ڈیڑھ فٹ بلندی ڈیڑھ فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بدطالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بے تاب و مضطرب تھے طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آ جانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ ق م) تک رہا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی توریت کا نسخہ شفا، و۹۴۴ یعنی ان دونوں حضرات ارون کی مقدس اولاد کے آثار و تبرکات۔ بعض اہل طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آ رہا ہے، اس کی اصل اور سند اسی قصہ تابوت سے مل جاتی ہے

وف۹۴۵ تاریخ کا بیان ہے کہ فلسطی اس تابوت سکینہ کو چھینے کو تو چھین لائے۔ لیکن جس تاریخ سے اُسے لے کر آئے، ایک دن بھی چین نہ اُٹھانے پائے۔ ابھی وبا کا زور ہے ابھی کوئی اور مصیبت۔ آخر عاجز آکر یہ طے کیا کہ (نعوذ باللہ) اس نحوست کی پوٹ کو کہیں اور پھنکوا دیا جائے۔ ایک بیل گاڑی پر اسے رکھ، گاڑی کو بغیر کسی گاڑی بان کے یوں ہی ہانک دیا۔ بیل سیدھے علاقہ بنی اسرائیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور گاڑی صوبہ یہودا کے شہر بیت شمس میں آکر ٹھہر گئی۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں، سب فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتے رہتے ہیں، چنانچہ بیلوں کا رخ خاص اسرائیلی علاقہ کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا۔ اور یہی نشان تھا طالوت کی تائید میں۔ بائبل میں تابوت سکینہ کی بازیابی کا عہد طالوت سے بہت پیشتر درج ہو گئی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ تصریح کر کے حسب معمول، بائبل کے بیان کی تصریح کر دی... مسیحیوں اور ان کے حلیفوں کی یہ کوشش جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی قدر عبرت انگیز بھی، کہ بجائے اس کے کہ قرآن جیسی محکم، محفوظ، مستند دستاویز کو بائبل پر پیش کریں، اور اس کی روشنی میں بائبل کے بیانات کو جانچیں، پرکھیں، اُلٹے بائبل جیسی مشتبہ، غیر محفوظ، بے سند تحریر کی روشنی میں قرآن مجید کے بیانات کو جانچنا، پرکھنا چاہتے ہیں!... گویا آفتاب کی روشنی میں لالٹین کو دیکھنے کی بجائے لالٹین سے آفتاب کو دیکھنے کی کوشش! وف۹۴۶ (تصرف غیبی کا) فِيْ ذٰلِكَ اے فی رجوع التابوت الیکم (مدارک) ای فی اتیان التابوت (بحر) لَكُمْ۔ تمہارے لیے یعنی تمہارے اطمینان کے لیے وف۹۴۷ (اپنی فوج والوں سے) فَصَلَ یعنی دشمن کے مقابلہ میں بڑھے وف۹۴۸ (صبر و ثبات، ضبط اور ڈسپلن میں) نَهَر۔ دریا سے یہاں مراد دریائے یردن Jorden ہے۔ یہ دریا بڑا نہیں، براہ راست لمبائی ۶۵ میل کی ہے۔ البتہ اس کے خم و پیچ ملا کر کوئی ۲۰۰ میل کی ہے۔ علاقہ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے، اور گویا ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ یردن کے اس پار اور اس پار علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے۔ (یوشع۔ ۱: ۱۳ و ۱۵) اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اور یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا بحر مردہ Dead Sea میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف شفاف، شیریں ہے، لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار اور مضر ہو جاتا ہے وف۹۴۹ یعنی میرے ہمراہیوں، رفیقوں میں سے نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ دوسرے سے ایمان ہی سے خارج ہو گیا۔ اے من اشیاعی (روح) لیس من اتباعی و اشیاعی (مدارک) لم یخرجهم بذلک عن الایمان (بحر) شَرِبَ مِنْهُ۔ یعنی جی بھر کر اس میں سے پانی پی لے گا۔ موسم گرمی کا تھا، اور طالوت کے سپاہیوں کو پیاس قدرۃً زور کی ہو رہی تھی۔ وف۹۵۰ معلوم ہوتا ہے کہ اصل حکم وہی پہلا تھا کہ کوئی راستہ میں یہ پانی زبان ہی پر نہ رکھے۔ اور یہ دوسرا حکم بطور رخصت و اجازت تھا کہ خیر ایک آدھ چلو سے منہ تر کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ اے من لم یذقه (روح) من لم یذقه من طعم الشئ (مدارک) اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ۔ معناه الرخصة فی اغتراف الغرفة بالید دون الکرع (مدارک) وف۹۵۱ (کہ ان کی تعداد حسب روایت توریت ۴۰۰ تھی) ''تب ساؤل نے اُن لوگوں کو جو اُس کے پاس حاضر تھے، گنا۔ اور وہ مرد چھ سو کے قریب تھے''۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۳: ۱۵) فَشَرِبُوْا مِنْهُ۔ یعنی خوب سیر ہو کر پیا، جس کے بعد چلنا خصوصاً فوجی مارچ کرتا دشوار ہو جاتا ہے۔ وف۹۵۲ (یہ نظر و احوال ظاہر) یہ گفتگو ان میں آپس میں ہونے لگی۔ دشمن کی کثرت تعداد اور اس کی عظمت و سامان پر نظر کر کے اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جانا اور اپنی طرف سے مایوس ہو جانا ایک امر طبعی تھا۔ اچھے اچھے اہل ایمان کی بھی ہمت ایسے موقع پر طبعی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ جوزیفس اسرائیلی کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ''طالوت اور اس کے لشکری یہ سامان دیکھ کر سہم اُٹھے''۔ (باب ۶۔ ۹: ۱) خود توریت کی روایت ہے:۔ ''جس وقت ساؤل اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی باتیں سنیں تو ان کی دلاوری نکل گئی اور وہ نہایت ڈر گئے''۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۷: ۱۱) جَالُوْتَ۔ فلسطیوں کے لشکر کا مشہور سردار بڑے تن و توش کا پہلوان تھا۔ گویا انسان کیوں تھا، دیو زاد تھا۔ توریت میں اس کی جسامت، قد و قامت، اس کی شہ زوری، اس کے اسلحہ اور اس کی مبارزت کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قد ۱۰ فٹ کا تھا، بجز چہرہ کے سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا، اور اس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا! وف۹۵۳ (آخرت میں) لشکر طالوت میں مومن تو سب ہی تھے، بہتوں پر لشکر جالوت کی ہیبت طبعی طور پر طاری ہو گئی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا ایمان خدا اور آخرت پر بالکل پختہ و غیر متزلزل رہا۔ اس وقت بھی ان کے ذہن میں یہ عقیدہ مستحضر تھا اور وہ ہنگامی طور پر بھی مرعوب و دہشت زدہ نہ ہوئے۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ بولے۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔ اے یعلمون و یستیقنون (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اے یوقنون بالشهادة (مدارک) یحتمل ان یکون الظن بمعنی الایقان اے یوقنون بالبعث والرجوع الی اللہ فالہ السدی (بحر) وف۹۵۴ (اس بے دشمن کی کثرت تعداد سے خوف ہی کیا) ان مومنین راسخین نے اس وقت بھی کہا کہ اصل شے تو ایمان کی مضبوطی ہے۔ ایمان سے بہرہ اقلیت بارہا اکثریت پر غالب آ چکی ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ میں اذن، مشیت تکوینی کے معنی میں نہیں، حکم و توفیق الٰہی کے معنی میں ہے۔ اے بحکمه و تیسیره (روح) بِاِذْنِ اللّٰهِ کی قید نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اہم ترین شے ذاتی ہمت و شجاعت نہیں، بلکہ تائید غیبی ہوتی ہے۔ وف۹۵۵ (ان لیے اہم و مقدم شے صبر و ثبات اور احتیاج بھی اللہ ہے) مَعَ سے ظاہر کی معیت جسمانی مراد نہیں، اس کی معیت نصرت و امداد کے ساتھ مراد ہے۔ المراد منه المعیة بالنصر و الاحسان (روح) اے بالنصر (مدارک) المراد به معية نصره و توفيقه (ابوسعود) وف۹۵۶ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آداب جنگ کی تعلیم ہے، کہ یہ خلاف

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے وف۹۴۴ کہ تمہارے پاس وہ صندوق (از خود)

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا

آ جائے گا جس میں (سامان) تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے وف۹۴۳ اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں

تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ

جنہیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں وف۹۴۴ اس (صندوق) کو فرشتے لے آئیں گے وف۹۴۵

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

بے شک اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشان ہے، وف۹۴۶ اگر تم ایمان والے ہو

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بڑھے تو بولے وف۹۴۷ کہ اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے وف۹۴۸ سو جو کوئی اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا

مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ

نہیں ہے وف۹۴۹ اور جو کوئی اسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے، مگر ہاں جو کوئی

اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا

اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (اس کا مضائقہ نہیں) وف۹۵۰ لیکن ان (سب) نے اس سے پی لیا بجز ان میں سے

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ

تھوڑے سے (آدمیوں) کے، وف۹۵۱ پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اس (دریا) سے اتر گئے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں وف۹۵۲

باعدد نبوی سپاہیوں کے ان کا تکیہ قوت و شوکت پر نہیں، بلکہ نصرت الٰہی پر ہوتا ہے۔ قرآن اور توریت موجودہ کے بیانوں کا مقابلہ کر لیا جائے۔ توریت میں نفس جنگ کے خشک وغارجی واقعات کی تفصیل قرآن سے کہیں زائد ہے۔ لیکن وہ بس اسی پر قانع ہے۔ گویا کوئی کتاب تذکرہ وتاریخ کی ہے۔ قرآن مجید اس کے برخلاف ہر موقع پر تعلیم اصول دین اور اخلاق عالیہ کی دیتا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے یہاں بھی کیا۔ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہمیں ثبات قلب کی توفیق دے۔ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ یعنی ہمیں ثبات قدم نصیب کر۔ فَانْصُرْنَا۔ ثبات قلب وثبات قدم کے بعد کافروں پر غلبہ تو قدرتی نتیجہ کے طور پر شاید حاصل ہوہی جاتا۔ لیکن مومنین عارفین کی نظر اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی سے کہیں بڑھ کر تائید الٰہی پر رہتی ہے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ فتح وغلبہ کی دعا بھی ان کی زبان سے نقل کی گئی ف۹۵۷ فَهَزَمُوهُمْ۔ انہوں نے انہیں یعنی طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دے دی۔ اِذْن۔ یہاں بھی حکم وتوفیق کے معنی میں ہے۔ توریت میں فلسطینیوں کی اس شکست فاش کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔ ”اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ ان کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے۔ اور اسرائیل اور یہوداہ کے لوگ اٹھے اور للکارے، اور فلسطینیوں کو وادی تک اور عقران کے پھاٹک کی راہ تک رگیدا“۔ (۱۔سموئیل۔۱۷:۵۲) ف۹۵۸ داؤد۔ داؤد بن یسّی بن عوبید (۱۰۲۲ تا ۹۶۳ ق۔م) ایک پیغمبر برحق ہوئے ہیں۔ قرآن میں آپ کا ذکر ۱۶ مقاموں پر آیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، نہ ملک وسلطنت سے۔ توریت میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ ”اور ایسا ہوا کہ جب فلسطی اٹھا اور آگے بڑھ کر داؤد علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے نزدیک ہوا تو داؤد نے جلدی کی۔ اور صفوں کی طرف دوڑا۔ سے مقابلہ کرنے دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور اس میں سے ایک پتھر لیا۔ اور فلاخن میں دھر کے فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر اس کے ماتھے میں غرق ہو گیا۔ اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا“۔ (۱۔سموئیل۔۱۷:۴۸۔۵۰)

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

اور وہ لوگ جنہیں یقین تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہوں گے، ف۹۵۳ بولے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ

بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئی ہیں ف۹۵۴ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا

ساتھ ہے ف۹۵۵ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غلبہ کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ ۭ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ڐ

کافر لوگوں پر ف۹۵۶ پھر انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی، ف۹۵۷

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا ف۹۵۸ اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت اور دانائی عطا کی،

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا ف۹۵۹ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا ف۹۶۰ لیکن اللہ تو

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے ف۹۶۱ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم انہیں آپ کو پڑھ

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

کر سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک، ف۹۶۲ اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں ف۹۶۳

ف۹۵۹ (یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا) اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ یہ بادشاہی خدائی عطیہ تھی، پہلے تو اسی کو قرآن نے صاف کیا۔ یہ فرماں روائی تو اسرائیل کو عطا ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نسل اسرائیل کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ تاجدار اول طالوت تھے۔ آپ انہی کے داماد تھے طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدان جنگ میں کام آ گئے تو قبیلہ یہوداہ نے آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ اور دو سال کی کشمکش کے بعد باقی قبیلوں نے بھی آپ ہی پر اتفاق کر لیا۔ سات سال تک آپ نے اپنا پایہ تخت حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اسے دارالسلطنت بنایا۔ آپ نے اپنے گرد و پیش کے خطرناکوں کو مسخر ومغلوب کیا۔ اور اپنے حدود سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ آپ کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحات ملکی اور حسن انتظام دونوں کے لیے یادگار ہے۔ الْحِكْمَةَ۔ حکمت سے یہاں مراد نبوت ہے۔ جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ حکمت کے عام معنی تمیز ودانائی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ قيل الحكمة العلم والعمل بها و فسرها بعضهم بالنبوة (بحر) اى النبوة (بیضاوی) الحكمة به وضع الامور مواضعها على الصواب والصلاح و كمال هذا المعنى يحصل بالنبوة فلا يبعد ان يكون المراد ههنا النبوة (کبیر) عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ۔ علوم انبیاء کا احاطہ کون کر سکتا ہے! مِمَّا يَشَآءُ کے عموم میں وہ تمام علوم، فنون وصنائع آ گئے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھا دیے گئے تھے۔ مِمَّا میں من تبعیضیہ نہیں ابتدائیہ ہے ف۹۶۰ (غلبۂ بدی وبدکاری سے) بِبَعْضٍ۔ یعنی مفسدوں، نافرمانوں، قانون شکنوں، باغیوں کو۔ بَعْضَهُمْ۔ یعنی دوسرے بندوں کو حیثیت تکوینی کا آلۂ کار بنا کر۔ یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بے ضرورت ومصلحت ”گردش گردوں سے“ نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ بامقصد و پر حکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم وعصیان وطغیان کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالم اسباب میں مشیت تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے ف۹۶۱ (اس لیے وہ اپنے فضل وکرم سے روئے زمین پر اس فساد عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ وتسلط کو دوسروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے) غرض یہ کہ ہر ایسے انقلاب حکومت کے عقب میں رحمت الٰہی ہی کام کرتی ہے ف۹۶۲ بِالْحَقِّ یعنی بالکل بے کم وکاست، اپنی اصلی حالت میں، اور غرض صحیح کے ساتھ۔ باليقين الذى لا يشك فيه اهل الكتب (مدارک) بالوجه المطابق الذى لا يشك فيه اهل الكتاب وارباب التواريخ (بیضاوی) اى ملتبسة باليقين الذى لا يرتاب فيه احد من اهل الكتاب و ارباب التواريخ (ابوسعود) گویا یہاں یہ ظاہر کر دیا کہ صحیح ومستند بیان صرف قرآن ہی کا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں کی طرح اس کے قصے غلط سلط اور مسخ شدہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال خود یہی قصہ طالوت ہے۔ بائبل والوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے ف۹۶۳ (پس آپ اپنے پیغمبر برحق ہونے میں اصلا شک نہ کیجیے ان حقائق کا نزول پیغمبروں ہی پر ہوتا ہے) مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ لفظ مرسلین کی معنویت قابل غور ہے۔ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمام تر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے۔ اور جو مرسل (بھیجا ہوا) ہوتا ہے، ظاہر ہے، کسی کی طرف سے، کسی کے پاس ہی بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مرسلین پیامبر، خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس ایلچی بن کر آتے ہیں۔ ان کی عظمت وبزرگی جو کچھ بھی ہے، ان کے اسی منصب متعارف پیامبری سے وابستہ ہے۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے ہیں نہ دیوتا، نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کیے ہوتی ہے۔ معبودیت یا تم معبودیت کی صلاحیت بھی ذرا سی بھی نہیں رکھتے اللہ اکبر! شرک، بلکہ شائبۂ شرک سے بھی بچنے کا قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام ہے۔ اور الفاظ تک کے انتخاب میں وہ اس کا کیسا لحاظ رکھ لیتا ہے۔

ضمیمہ پارہ ۲

متعلق آیت نمبر ۱۸۳ حاشیہ نمبر ۲۵۱

(۱)

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لیے ہے، یا انسان کی زندگی اس لیے ہے، کہ اُسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادی دنیا نے شق دوم کو اختیار کیا ہے، اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شق اول کو اختیار کیا ہے، اور اپنے پیرووں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دین فطرت کا دوسرا نام ہے اس میں کوئی شے فطرت انسان وفطرت کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیرووں کو جائز لذتوں سے لطف اٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف قدم قدم پر لَا تُسْرِفُوْا! دائرۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جھک پڑنے کا نام فسق ہے، اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ فسق ورہبانیت، دونوں سے بیچ کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں، تو رہبانیت کے ڈھرے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے۔ نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا قدرتی میلان موجود ہے۔ انسان اکثر ادنیٰ لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ رُوح کو چاہیے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے، تاکہ جب جسم سے جدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکز اصلی کی جانب پرواز کرے، جو از سرتا پا نور ولطافت ہے، وصل ووصال کا وہ انتہائی لطف وسرور حاصل کرے، جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی اُن مادی لذتوں میں پڑ جاتا ہے، جو اس کی روحانی صحت کے حق میں مضر ہیں، تو رفتہ رفتہ اس کی روح کثافت اور گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اس میں اپنے مرکز اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اور مجبوراً اُسے تنزل کر کے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے، جو اس سے کوئی بھی طبعی وخلقی مناسبت نہیں رکھتے، اس لیے اسے انتہائی اذیت وتکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت وسرور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین رہبر ہے۔ اس نے چن چن کر اپنے نظام وآئین میں وہی باتیں رکھی ہیں، جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں، اور گندگی وکثافت میں آلودہ ہونے سے اُسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے۔ محض بھوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی وتشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا، ہرگز روزہ کا مدعا نہیں۔ روزہ کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لیے تمام ادہم لذات مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر روح کو اپنی صفائی وپاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے۔ قرآن پاک میں روزہ کی غایت دولفظوں میں فرما دی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ) تقویٰ کے معنی 'بچنے' کے ہیں۔ بچنا کس شے سے؟ ہراُس شے سے جو روح کی پرواز ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہراُس شے سے جو روح کے جوہر لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہراُس شے سے جو روح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ تَتَّقُوْنَ، کے ذریعہ سے ادا کر دیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جداگانہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی وسلبی، مثبت ومنفی دو پہلو ہیں۔ نماز کی حیثیت فاعلی ہے، یعنی دربار خداوندی میں حاضری دو، اپنی روح جزئی کا براہ راست تعلق روح کلی سے پیدا کرو۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے، یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو روح کو اس رفتار ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیب حاذق علاج بھی کرتا ہے، اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اُسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے۔ نماز بمنزلہ دوا ہے اور روزہ بمنزلہ پرہیز۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

یہیں سے ہے، کہ دُنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبوب تھی، وہ روزہ تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہل خاندان اور اصحاب رضی اللہ عنہم بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین روح کو روحانی پاکیزگی وصفائی کے نمونے بھی بہترین اور کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ جس جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا، عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھوٹ بولنا سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دُکھانا، کسی کے پیچھے اس کا برائی سے ذکر کرنا، مال ودولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو روح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں، اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں، اس میں تازگی کی بجائے پژمردگی پیدا کرتی ہیں۔ اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔ اور روزہ دار کے لیے یہ سب اُمور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، لیکن کم از کم سال کا بارہواں حصہ تو اس طرح گزارنا اپنے لیے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لیے مقرر کر لیں، جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت واجتماع کی بنا پر نفس روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں، کسی کو کبھی سہولت ہوگی، کسی کو کبھی۔ اس لیے خود شریعت نے (راحت وسرور ابدی کی منزل کے بہترین ہموار ترین ومحفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کر دیا، جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع وسجود، ہماری تکبیر وتسبیح سے بے نیاز ہے، اسی طرح اسے ہمارے بھوکے اور پیاسے رہنے، ہمارے روزہ وتراویح، ہماری سحری وافطاری کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تمام امور صرف ہمارے نفع وفائدہ کے لیے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لیے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دور ہو جائیں گے، جب آنکھیں کھل جائیں گی اس وقت اندازہ ہو سکے گا کہ روح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے اور ابدی سرور ودائمی راحت حاصل کرنے کے لیے روزہ کتنا سہل، آسان، مفید، موثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھل جائیں۔

(منقول از "سچ" لکھنو ہفتہ وار۔ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ ایڈیٹر عبدالماجد)

(۲)

بہار کا موسم آتے ہی چمن دہر میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں، اور چستی وتوانائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے، اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادہ فاسد کے دفع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح روح وجان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے مہتاب کو عشق کے سودا زدوں سے مناسبت ہے۔ ظاہر ہے، ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے، تو عشق ومحبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی وجنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں، طبیعت ان کے دفع کرنے کے لیے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لیے رحمت کاملہ ومحبوبیت مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں، اپنے سرمستوں کے لیے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کر دیا۔ جس کو اصطلاح میں ماہ رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، اے حسن ازل سے پیمان وفا باندھنے والو۔ اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو، اگر اپنے دعوی میں سچے ہو، آؤ، اپنے طریق عشق وآئین اُلفت میں، ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو، اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو، کہ یہی نفسانی لذتیں، اس شاہد حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے

حاشیہ ۱۔ "صوم کے معنی ہیں باز رہنے اور رکنے کے، خواہ کھانے سے ہو یا کلام کرنے سے، یا کسی اور چیز سے، جس پر نفس حریص ہو، یا جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعمًا کان او کلامًا او شیئًا (راغب) الصوم امساک عن طعام او کلام او نحوھما (جرجانی) الصوم فی اللغۃ الامساک عما تنازع الیہ النفس (بیضاوی)

بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ شرط محض تمہارے ساتھ مخصوص نہیں، اکیلے تم ہی اس آزمائش میں نہیں ڈالے گئے ہو، بلکہ تمہارے اگلوں میں سے جس جس گروہ نے ہم سے پیمان وفا باندھا، جس جس جماعت نے راہِ اُلفت میں قدم رکھنے کا دعویٰ کیا، ان سب کو اپنے دعوے کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے، ان سب کو کچھ ایسی ہی آزمائشوں سے دوچار رہنا پڑا ہے، ہراساں نہ ہو، بہتوں کی آزمائش اسی طرح ہوچکی ہے۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور اس حکم سے غرض تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشوونما اور تمہاری ہی ترقی ہے۔ تمہی میں ضبطِ نفس پیدا کرتا ہے۔ تمہی کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دیتا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو اُبھارنا، اور تمہیں حیوانیت کے غار سے نکال کے ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے، اسی کو توڑنا منظور ہے۔ تمہاری ہی راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنا مدنظر ہے، اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں، یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اور پھر یہ آزمائش بھی دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لیے نہیں۔ کسی بڑی طویل مدت کے لیے نہیں، بلکہ صرف گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینے کے بعد، رمضان کا ایک مہینہ[1]۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

پھر ان عاشقین صادقین اور مومنین مخلصین میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود اپنے صدق و خلوص کے، اپنی جسمانی کمزوری یا پردیس میں ہونے کی بنا پر، آسانی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل نہ کرسکیں گے، ان کے لیے یہ آزمائش زیادہ سخت ہوگی۔ ایسے معذوروں کے لیے اس کی اجازت ہے کہ انہیں جب اطمینان و فراغت نصیب ہو، تو اس ماہِ مبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کو پورا کرلیں۔ ”بلبل بیمار“ اگر اپنے جذبِ دل میں صادق ہے تو اس کے لیے سال کا ہر موسم موسمِ گل کا حکم رکھتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ بعض بیچارے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بہ سبب اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور مجبوری کے، ماہِ مبارک کے بعد بھی، روزہ رکھنے میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں[2]۔ ایسوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ اپنی معذوری کے کفارہ کے طور پر کسی صاحبِ احتیاج کو پوری طرح کھانا کھلا دیا کریں۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ اس رخصت و اجازت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص سخت مشقت گوارا کرکے اس بڑی نیکی یعنی روزہ کو اختیار کرتا ہے، یا ایک مسکین سے زائد کو کھانا کھلاتا ہے، تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ ایسی نیکی جو فرض نہ رہی ہو، اگر اختیار کی جائے تو اس کے افضل و برتر ہونے میں کیا شبہ۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ یہ ایک عام اصول بتایا گیا۔ باقی اگر روزہ کی حقیقت پر نظر ہو جائے، روزہ سے جو باطنی ترقیاں مقصود ہیں، اگر ان کا علم ہوجائے، تو کون ایسا ہے جو روزہ کی جانب بہ شوق و رغبت نہ دوڑے۔

یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں، کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے، کہ اسی ماہ میں اول اول، دنیا کے لیے بہترین، کامل ترین، و جامع ترین ہدایت نامہ اُتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پرانوار بنایا گیا، اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار نغمۂ ازل کی سریلی آواز بے ہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالمِ تصور میں بھی موجود نہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ[3]۔ قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا، تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہوجاتا، اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا! حسنِ ازلی کے شیدائی بھی، نامۂ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں جب جب یہ زمانہ آئے گا، اس کی یاد میں بیتاب ہوجائیں گے، اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک کو بھول جائیں گے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

موسمِ بہار کی فرحتیں، فراوانیں اور نشاط انگیزیاں، بڑے سے بڑے افسردہ دلوں تک میں امنگ پیدا ہی کردیتی ہیں اور گل و گلزار کی سیر سے کوئی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ماہِ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر سن کر بڑے سے بڑے بدہمت اور افسردہ دل کی رگوں میں جوش پیدا ہو جاتا، اور بڑے سے بڑے فرزانہ و دوراندیش میں شورش و شوریدگی کا اُبھر آنا قدرتی ہے۔ حالانکہ یہ آزمائش صرف ان کے لیے ہے جو اس کی جسمانی قوت بھی رکھتے ہیں۔ معذوروں پر خواہ مخواہ بارِ مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں۔ اُن کے جذبۂ شوق کو تسکین دینے کے لیے ایک بار پھر اس ارشاد کی ضرورت ہوئی، کہ معذوروں کو ان دنوں کی گنتی بعد میں پوری کرلینی چاہیے، کہ مقصد آسانی راہ ہے، نہ کہ تنگی۔ اللہ کی بڑائی کرنے، اور اس کا شکر ادا کرنے کا مقصد، بعد کو بھی گنتی کے دن پورے کرلینے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

یہ پربہار موسم جب کسی کے شوق و ارمان میں گزرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی، اور نفس میں پاکیزگی، پیدا نہ ہوجائے۔ حیوانیت دور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے، کہ سوزِ دل اور تیز ہوجائے، قرب و وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ و مجاہدہ کے اثر سے، زنگ دور ہوکر، کسی کا عکس قبول کرنے کے لیے آئینۂ قلب بے قرار و مضطر ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی، ذوقِ طلب اور ذوقِ عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجتمندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لیے قدرۃً اس منزل پر پہنچتے ہی، تجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے، کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے، اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں، تو اُن کو بتادو کہ ہم اُن سے کچھ دور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار کو سنیں گے۔ وہ صرف ہم سے اپنی لو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پاکر، اور منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہیں گے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔

(منقول از سچ لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۱۳، اپریل ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۳)

دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو اُن پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہوجاتا ہے، دوسرا وہ جو نفس کو اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ، کسی شے پر قابو نہیں رکھتا، دوسرا وہ جو ان میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ دو ایسے شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے؟ یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے، تو پھر یہ کیا ہے، کہ ماہِ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرت و خندہ جبینی کے ساتھ کیوں بڑھتے؟

حاشیہ [1] واولی ذلک بالصواب عندی قول من قال عنی اللّٰہ جل ثناءہ بقولہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ، ایام شھر رمضان (ابن جریر) والمراد بھا رمضان (بیضاوی) المراد بھذہ الایام المعدودات شھر رمضان (ابو مسلم)

[2] عن عبداللّٰہ قال یقول و علی الذین یطیقونہ ای یتجشمونہ (ابن کثیر) و قرأ ابن عباسؓ یطوقونہ بمعنی الطاقۃ والقلادۃ ای یکلفونہ او یتکلفونہ علی جھد منہ و عسر وھم الشیوخ والعجائز (زمخشری) یصومونہ جھدھم و طاقتھم و مبلغ وسعھم (زمخشری) و ھو الرخصۃ لمن یتعبہ الصوم و یجھدہ وھم الشیوخ والعجائز فی الافطار والفدیۃ (بیضاوی) من صام بالکلفۃ والمشقۃ فعلیہ فدیۃ طعام مسکین (گازرونی)

[3] ای ابتدی فیہ انزالہ (بیضاوی) ابتدی فیہ انزالہ (زمخشری) ابتدی فیہ انزالہ (روح المعانی) یکون ابتداء نزول القرآن علی محمد ﷺ فی شھر رمضان وھو قول ابن اسحاق و ابی سلیمان الدمشقی (خازن) اولت الآیۃ بان المراد انہ ابتدی فیہ انزالہ ھذا قول محمد بن اسحاق (نیشاپوری)

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ دائم الصوم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کر گزارے، حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا مقولہ مشہور ہے کہ مجھے جو کچھ ملا، سب بھوک اور گرسنگی ہی کی طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے روم علیہ الرحمۃ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا، کہ منزل حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں، سب بھوک اور پیاس سے۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گزرے ہیں، سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔ مگر پھر یہ کیوں ہے، کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے، اور ان کے ماننے کے، اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا، اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاق الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت ومشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، قوت واختیار، حلم وتحمل، عفو و درگزر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں، یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے، کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لیے سہی، آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اُسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمت عظیمہ کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجئے، الصوم لی و انا اجزی بہ۔ "روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں"۔ حوریں نہیں، جنت کے قصر ومحل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں، جسے مادی عقل سمجھ سکے۔ بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں"۔ یہ کون، کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں، بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی، کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت وبے پروائی کے نذر کر دیا جائے!

(منقول از سچ (لکھنو) ہفتہ وار۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۴)

کھانا کھانے میں آپ کو لطف کس وقت آتا ہے؟ اس وقت جب کہ بھوک کھل کر لگی ہو، یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو۔ پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت ملتا ہے؟ اس وقت جب کہ پیاس لگی ہوئی ہو، اور پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں میں آپ کو روزمرہ، ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی پوری طرح لطف اٹھانے کے لیے کسی قدر ضبط، صبر واحتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے، یہی آپ کا تجربہ ہے، اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہیں کرتے کہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے منہ میں نوالے چباتے رہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اُتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا، کہ دن اور رات، صبح اور شام، ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

"روشن خیالی" جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے، تو تعطیل اور چھٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالت عالیہ کے ایوان، ہفتوں سے بند چلے آ رہے ہیں، اس لیے کہ موسم گرما کی 'تعطیل کلاں' کا زمانہ ہے! کچہریاں اور دفتر بند ہیں، اس لیے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ اور تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں، اس لیے کہ آج اتوار ہے! یہ سب اس لیے ہے کہ دماغ کو آرام ملتا رہے، اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا رہے، آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام پر شرماتے نہیں، فخر کرتے ہیں۔ اور آپ کی عقلیت وروشن خیالی کا یہ ایک مسلمہ ہے، کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری Efficiency کے لیے جسم اور اعضائے جسم کو آرام دیتے رہنا لازمی ہے! یہ نہیں کیجئے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ حرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے، کہ سال کے ایک خاص زمانہ میں چند گھنٹوں کے ایک محدود وقت کے لیے معدہ کو آرام دیتے رہو، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو تو معاً آپ کی عقلیت وروشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات وعملیات، سب کو پس پشت ڈال دیتے ہیں رمضان کی آمد کو اپنے لیے ایک قہر ومصیبت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں۔ اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے! بیشک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اڑانے والے بیرسٹر ہیں، اگر آپ اپنی "سرکار ابد قرار" کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کی پارٹیوں میں شریک ہونے والوں میں ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لیے موٹریں، اور رہنے کے لیے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں، تو آپ کی محرومی اور حرماں نصیبی نے، اجر روحانی وراحت سرمدی کی طرح، روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے، اور آپ کی اس بے مائیگی پر جن وبشر، حور وملائک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی خوش بختی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں، کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمتگار ہیں، بھاری بھاری بوجھ کی گٹھریاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں، دھوپ میں جل جل کر اور بھن بھن کر کام کرنے والے ہیں، تو انشاء اللہ آج آپ اپنے خالق ومالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان مبارک کے باران رحمت سے سیراب ہو رہے ہوں گے! یقین کیجئے کہ آج آپ کے مرتبہ پر، زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اڑنے والے، فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریم عرش کے پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاء اللہ حقیقت ہو کر رہے گی، اور ان بے خبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی، جو آج روزہ داری کے طبی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں!

(منقول از سچ (لکھنو) ہفتہ وار۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۵)

نیند پورے سکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اُس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے، یا اُس محنتی کو جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ وجسم کو چند گھنٹوں کے لیے آرام دینے کو لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اُس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطرداریوں میں لگا رہتا ہے، اور طرح طرح کی بدپرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اُس غریب کو جو محنت ومشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت اور چاقی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اُس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے، یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند لیتا رہتا ہے؟ پس اگر کسی کو نیند پورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پورا مزہ نہیں ملتا، یا سو کر اُٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پوری طرح دور نہیں ہوتا، تو اُس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری، اُسی کی بے احتیاطیوں، بدپرہیزیوں اور بے اعتدالیوں پر آتی ہے۔

روزہ، جسم وروح دونوں کے ایک خاص ضبط وانضباط، تزکیہ وتطہیر، پرہیز واحتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لطف وراحت، لذت وفرحت محسوس ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقیناً یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں، اور اس کے جو آداب لگا رکھنے کے تھے وہ آپ نے نہیں رکھے۔ جسم ودماغ کو اگر آپ دن بھر صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں، تو شب کو نیند کی حالت میں بھی سکھ ملے گا اور نیند پوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی ٹھیک اسی طرح اگر جسم وروح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں، اگر آپ وہی کرتے رہے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہیے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی صبح اور آپ کی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کی شام، غرض آپ کے وقت کی ہر گھڑی، آپ کے دل کی کلی کو کھلی رکھے گی۔ افسردگی اور اُداسی آپ کے لیے بے مفہوم ہوگی اور سرور ونشاط کی ہوائیں، آپ کی روح کو تر وتازہ رکھیں گی۔

روزہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے، آپ کے سامان زندگی کے مہیا

کرنے والے، اور آپ کی موت و زندگی، بیماری و تندرستی، ہر چیز پر قدرت رکھنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارے دن آپ اپنے تئیں، اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور اپنے دماغ، اپنے ہاتھ اور پیر، اپنے جسم اور جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر مخالف راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج روی سے باز رکھیں گے اور صرف اُسی کے لیے وقف رکھیں گے جو اُس کا اصلی کام اُس کی سیدھی راہ، اُس کا فطری حق، اور اُس کی سچی غایت ہے۔ زبان اگر کھلے گی تو صرف کلمۂ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف سچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امر حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔ مادّی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر، سورج کے ڈوب جانے پر، جب آپ اُس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر کی ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو —— دنیا کے کس لفظ اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے! رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہوں گے! راحت ولذت، لطف و مسرت، سرور و نشاط، شادی و انبساط، یہ سارے الفاظ بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں جو اُس سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے، جس سے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیمبر، باوجود شوق و تمنا، اس دنیا میں محروم رہے!

(سچ لکھنؤ۔ ۱۳/مارچ ۱۹۲۷ء)

ضمیمہ

روزہ

(متعلق حاشیہ نمبر ۱۴۳ سورۃ البقرۃ)

آپ کو معلوم ہے کہ اطبائے یونانی کتنے متعدد امراض میں فاقہ کو مفید بتاتے ہیں؟ آپ کو خبر ہے کہ ڈاکٹروں کے اصول سے اب فاقہ کتنے امراض کا علاج ہے؟ آپ واقف ہیں کہ ہر طریقہ علاج کے ماہرین فن نے کتنی شدید اور مہلک بیماریوں کا علاج اپنے تجربہ میں فاقہ ہی کو پایا ہے؟ خود آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟ آپ کو جب بھی بیماری میں طبیب یا ڈاکٹر فاقہ کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ کیسی خاموشی کے ساتھ بے چون و چرا اور بغیر بحث و مناظرہ اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کھانے اور پینے کی لذتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں! لیکن جب اس سے کم تکلیف اور اس سے ہزاروں گنی زاید راحتوں اور نعمتوں کے وعدہ کے ساتھ اس قسم کی احتیاط خورد و نوش کا حکم، آپ کو سب سے بڑے حکیم کے مطب سے ملتا ہے، تو یہ کیا ہے کہ آپ اس خوش دلی کے ساتھ اس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے جن سے اکثر خود آپ کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اُسے ٹال جانا چاہتے ہیں!

آپ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں اور ماہ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں محسوس ہوتا۔ غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کے عیب چینی میں اب آپ کو ویسا ہی مزہ آرہا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ دن میں بے شبہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں، یا پھر سحری، طعام شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام میں! وہ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ سال میں گیارہ مہینے بالکل نا مانوس رہتا ہے، آپ صرف اسی ماہ صبر و تقویٰ کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، اور وقت اور روپے کا اچھا خاصا حصہ اسی ماہ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں! کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپ کے خیال میں، ماہ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے، مگر اُس میں کچھ مکھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کی بابت کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ اور بہتر سے بہتر کھانے خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اُس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل و فہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ یقین فرمائیے کہ اس سے کہیں زائد موجب تاسف و مستحق ماتم اُس بے عقل و بدنصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کر کر کے عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے، نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ رہ کے، روزہ کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے! اور جو حرماں نصیب سرے سے روزہ ہی کو ترک کیے ہوئے ہیں، اُن بیچاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق نصیب کرے!

(سچ لکھنؤ ۱۲/مارچ ۱۹۲۷ء)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ف۹۶۴ ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا

جن سے اللہ نے کلام کیا ہے ف۹۶۵ ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں ف۹۶۶ اور ہم نے

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

عیسیٰ ابن مریم ف۹۶۷ کو شواہد عطا کئے ف۹۶۸ اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے

الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

ذریعہ سے کی ف۹۶۹ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ان کے بعد کے لوگ آپس میں

بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد آچکے تھے ف۹۷۰ لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ

(لوگ) آپس میں جھگڑنے والے ف۹۷۱ کوئی تو ان میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے کفر ہی کرتا رہا ف۹۷۲

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

اور اگر اللہ کی مشیت ہی ہوتی تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے ف۹۷۳ لیکن اللہ وہی کرتا ہے

مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

جو ارادہ کر لیتا ہے ف۹۷۴ اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

خرچ کرو ف۹۷۵ قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے ف۹۷۶ جس میں نہ تجارت کام آئے گی

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی تو ظالم ہیں ف۹۷۷

ف۹۶۴ (مراتب قرب و منزلت میں) الفضل کے لفظی معنی بزرگی کے ہیں۔ یعنی ایسی صفت جس سے انسان دنیا میں مدح و ثنا کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز۔ فَضَّلْنَا۔ میں ضمیر متکلم کا لحاظ رہے۔ یہ تفضیل یا باہمی فضیلت و افضلیت جو کچھ ہے محض عند اللہ ہے۔ خالق کے ہاں درجات و مراتب قربت کے لحاظ سے ہے۔ خلق کے لیے بہ حیثیت مطاع سب یکساں ہیں۔ عام خلقت کے لیے رسول سب برابر ہیں۔ اطاعت و تعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیت اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں آرہی ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ ليس مقام التفضيل اليكم انما هو الى الله عز وجل و عليكم الانقياد والتسليم له والايمان به (ابن کثیر) تِلْكَ الرُّسُلُ۔ مراد وہی مرسلین ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے۔ الرُّسُلُ کے اعراب رفعی کی بنا پر ترکیب کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ تلك الجماعة الرسل (کبیر) اہل لطائف نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء کے تعین یعنی اولیاء کاملین کے بھی فرق مدارج کے باب میں عوام کو بحث و گفتگو جائز نہیں، ان کا تقابل و تفاضل عوام کے منصب سے باہر ہے۔ ہاں بجائے خود ان کے مقامات و احوال، واقعات و فضائل ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ یہاں بھی آگے ہو رہا ہے۔ ف۹۶۵ (براہ راست اور بلا توسط ملائکہ) جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنی میں تو جس نبی پر بھی وحی آئی اللہ کا مکالمہ اس سے ہوہی گیا۔ اتفقوا على ان موسى عليه السلام مراد بقوله تعالى (کبیر) وهو موسى عليه السلام (مدارک) ف۹۶۶ (بہت زاید) اشارہ ہے جامع کمالات و خاتم نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف۔ المراد ببعضهم هنا النبي ﷺ (روح) و هو محمد ﷺ و هو قول مجاهد (بحر) والظاهر انه اراد محمدا ﷺ (کشاف) زمخشری نے یہاں یہ نکتہ ادب و بلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت و تعیین میں کوئی دقت ہی نہ ہو وہاں کنایہ و ابہام صراحت و تفصیل سے بڑھ کر بلیغ و مؤثر ہوتا ہے۔ ف۹۶۷ کہ وہ بھی انہی پیغمبران برحق میں سے تھے۔ ابن مریم یعنی مریمؑ نامی ایک خاتون کے فرزند نہ کہ خدا زادہ یا ابن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بایں شرف و سروری بہرحال ایک انسانی شکل و صورت اور بشری گوشت و پوست رکھنے والی عورت ہی کی اولاد تھے نہ خدا تھے نہ خدا زادے، الوہیت کا کوئی سا بھی جزو ان میں نہ تھا انہیں خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی۔ اور اسی کی وضاحت کے لیے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ ابن مریمؑ کہنے کی کہ محض اسی نشان دہی اور پتہ ہی سے نصرانیت پر ضرب لگ جائے۔ ورنہ نام تو اور بھی پیمبروں کے لیے گئے ہیں۔ کہیں ابن فلاں کرکے تعارف نہیں کرایا گیا ہے! نہ ابن داؤد نہ ابن ابراہیم۔ نہ ابن اسحٰق نہ ابن یعقوب نہ ابن زکریا نہ ابن عمران علیہم السلام۔ اس طرح کا تعارف صرف ابن مریمؑ ہی کے لیے مخصوص ہے کہ انہیں کے لیے ابن اللہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ ف۹۶۸ (ان کی حقانیت اور پیمبری کے) یہاں یہ فرمایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق اور مؤید من اللہ تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری یا کذاب۔ جس طرح نصاریٰ نے غلو و افراط سے کام لے کر آپ کو حد عبدیت و عبودیت میں سے باہر نکال رکھا تھا۔ اسی طرح یہود نے تفریط و عناد کو کام میں لاکر آپ کو سرے سے ایک بازیگر اور شعبدہ باز قرار دے دیا تھا۔ قرآن مجید ابھی ابھی نصرانی شرک کی تردید کر چکا ہے، اب یہودی دجل کی تردید کر رہا ہے۔ الْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں وہ تمام کھلی ہوئی چیزیں شامل ہیں جنہیں دیکھ کر ہر عقل سلیم والا منصف مزاج نبوت عیسوی کا قائل ہو جائے۔ كلها يدل على نبوته (روح) ف۹۶۹ کہ وہ قدم قدم پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ رُوْحِ الْقُدُسِ۔ قرآن مجید اور اسلام کی اصطلاح میں اس سے مراد فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ نصرانی تثلیث کے اقنوم ثانی سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ جبرئیل ملکوتی مخلوق ہیں اور بہت مقرب لیکن بہرحال مخلوق ہی ہیں۔ الوہیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اَيَّدْنٰهُ۔ ان کی تائید ہم نے کی جو ہر طرح قادر مطلق ہیں۔ یہ تائید خود بخود نہیں ہوگئی۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام بایں کمالات و فضائل بہرحال انسان ہی تھے اور وہ انسانوں کی طرح دفع ضرر اور حصول نفع دونوں کے محتاج۔ قدرت کاملہ نے ان کی محافظت و تقویت و رفاقت کے لیے ایک دوسری مخلوق لطیف و غیر مرئی جنس کی مقرر کردی۔ ف۹۷۰ الْبَيِّنٰتِ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ بینات کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے۔ عقلی و حسی دونوں قسم کے روشن شواہد۔ یعنی ایک طرف دلائل و براہین اور دوسری طرف خوارق و معجزات سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے مشیت الٰہی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ غیر پیمبروں کی طرف سے یعنی ان پیمبروں کے ظہور کے بعد۔ اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ یہ باہم خونریزی کرنے والے کون لوگ تھے؟ یقیناً پیمبروں کے منکرین اور انکاری بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہری اور صوری تو اقرار ہو اور حقیقی و معنوی انکار ہی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اہل کتاب کا ظاہر میں اقرار اور معنوی انکار۔ دوسرے یہ کہ انکار صورۃً و معنیً دونوں طرح پر ہو جیسے مشرکین کا انکار توحید و رسالت میں۔ ف۹۷۱ گو بینات کا تقاضائے طبعی تو یہی تھا کہ ایمان سب کے سب لے آتے لیکن ایک گروہ نے کج روی اور کج رائی سے کام لیا، اور یہ لوگ منکر ہی رہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی نہ ہوئی۔ اور حکمت کاملہ نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھنا چاہا۔ اس لیے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا۔ ف۹۷۲ (تو جب یہ اختلاف دینی شروع سے اور انبیاء سابقین کے وقت سے چلا آرہا ہے تو آپ اے پیمبر اپنے زمانہ کے کافروں پر بہت زیادہ رنج و غم نہ کریں۔ اور اپنے کو اس فکر و مشقت میں نہ ڈالیں کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں) فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے وہ تو نجات پا گئے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ سزائے ابدی کے مستحق قرار پائے۔ مَنْ اٰمَنَ اور مَنْ كَفَرَ

دونوں کے صیغوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان اور کفر بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں، خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔ ف۹۷۳ یعنی اگر سب کی خلقت ہی یکساں رکھ دی گئی ہوتی، اور کفر و گمراہی کی آزادی ہی سلب کر لی گئی ہوتی جب البتہ نہ اختلاف ہوتا اور نہ نوبت قتل و قتال کی پہنچتی ف۹۷۴ اللّٰهَ يَفْعَلُ ۔ اللہ وہی کرتا ہے بہ مقتضائے قدرت کاملہ۔ مَا يُرِيْدُ ۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے بہ مقتضائے حکمت بالغہ۔ یعنی نہ اس کی قدرت و قوت پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویزوں، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو و خطا کا امکان ہے۔ ارسطو جیسے مشہور فلسفی نے خدا کی قدرت و قوت کو محدود مانا ہے۔ اور سہو و خطا کا امکان تو مشرکوں نے اپنے خداؤں میں کثرت سے تسلیم کیا ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی اچھی بری کوئی سی شے بھی ہو، بہرحال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔ و فی الاٰیۃ دلیل علی ان الحوادث تابعۃ لمشیۃ اللہ تعالٰی خیرًا کانت او شرًا ایمانًا او کفرًا (روح) ف۹۷۵ اللہ کی راہ میں مصارف خیر میں) رَزَقْنٰكُمْ ۔ ضمیر متکلم لا کر اور رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے صاف بتا دیا کہ مالی دولت جو کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود سے نہیں خدا ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کی دین ہے اور اسی کو حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہے ان کے صرف کرنے کا حکم دے دے۔ ف۹۷۶ یعنی روز قیامت۔ مطلب یہ ہے کہ مصارف خیر میں صرف کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ وقت کی قدر کرو، فرصت عمر کو غنیمت سمجھو۔ ف۹۷۷ (اپنے حق میں) ظُلم کے اصلی معنی وضع الشیء فی غیر محلہ (کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے) کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون کو نہ ماننے سے بڑھ کر کون سا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لَا بَيْعٌ ۔ جاہلی اور نیم جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے سے روز جزا ہی کی قائل نہیں۔ اہل کتاب نے اس کے وقوع کو مانا، تو اس میں بھی یہ شگوفے لگا دیے کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خرید لے گا۔ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کر دے گا وقس علی ھذا۔ قرآن نے اس ساری لغو خیالی کا خاتمہ کر دیا۔ وَلَا خُلَّةٌ ۔ خلۃ گہری جگری دوستی کو کہتے ہیں۔ مقصود ایسی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم کو نجات دلا سکے۔ اہل کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کی نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی خانگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائے گا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے کی نفی ہوگئی۔ تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لا حاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا شَفَاعَةٌ ۔ پہلی دو گمراہیوں کا بھی تعلق مسیحیوں سے تھا اور یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت کے خصوصیات میں سے ہے۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ ابن اللہ کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لیے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔ ہمارے ہاں کے عام واعظوں اور نعت گو شاعروں نے شفاعت مصطفوی ﷺ پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کیا ہے یہ صاف مسیحیت سے تاثر کا نتیجہ ہے۔ الْكٰفِرُوْنَ ۔ یہاں وہی کافر مراد ہیں جو اسی قسم کے عقائد کفریہ میں مبتلا ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت سے بخل کی مذمت نکلتی ہے جو لوگ ضروری مصارف خیر میں خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے کو اہل کفر اور اہل جہنم کے حکم میں لا رہے ہیں۔ ف۹۷۸ (نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ اصلی نہ ظلی، نہ خدا نہ خدا زادہ) خدا کے نفس وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں، البتہ وہ اس معبود اعظم (ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور) کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ اس ایک خدا کے سوا کسی اور خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبود اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔ عیسائی بھی چونکہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس لیے ان کے مقابلہ میں بھی توحید کامل کے اثبات اور پھر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی اس قدر ضرورت تھی۔ یہ آیت اٰیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ اس کی معنویت اور جامعیت ہے بھی اتنی نمایاں اور اس درجہ کی۔ اپنے تو خیر اپنے ہی ہیں، بیگانے جیسے سیل مترجم قرآن مجید اور میور اور وہیری جیسے معاندین نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔ ف۹۷۹ اَلْحَيُّ ۔ وہ مستقلاً زندہ ہے وہ ازلی اور ابدی ہے صفت حیات اس کی جزو ذات ہے۔ موت یا عدم حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو سکتی ہیں۔ تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور سوئی صفت میں بھی شبہ کیا ہو -- ایک نہیں متعدد قوموں نے شک و اشتباہ کیا۔ معنًی انکار تک اس صفت کا کیا ہے! بحر روم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے، اور دوسرے دن از سر نو وجود میں آ جاتا ہے! چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پتلا بنا کر جلا یا جاتا تھا اور دوسری صبح اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں -- اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے! مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدی باقی و غیر فانی خدا کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر ان کے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا بھی اور کسی حال میں کسی معنی میں اور کسی لحاظ سے حادث و فنا پذیر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آخر آج بھی کروڑوں کی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ خدا کی اسی فنا پذیری کو تسلیم کر رہے ہیں یا نہیں؟ الْقَيُّوْمُ ۔ مسیحیوں نے جس طرح حضرت حق کی صفت حیات کے باب میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفت قیومیت سے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا نہیں ف۹۷۸ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے ف۹۷۹ اسے نہ اونگھ آ سکتی ہے

وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

نہ نیند ف۹۸۰ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۹۸۱

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ

کون ایسا ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ف۹۸۲ وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اس سب کو ف۹۸۳ اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی

بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے ف۹۸۴ سوا اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے ف۹۸۵ اس کی کرسی نے سما رکھا ہے ف۹۸۶

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

آسمانوں اور زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ف۹۸۷

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ

اور وہ عالیشان ہے عظیم الشان ہے ف۹۸۸ دین میں کوئی زبردستی نہیں ف۹۸۹ ہدایت تو گمراہی سے

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

صاف صاف کھل چکی ہے ف۹۹۰ تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے

وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ

الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

تھام لیا ف۹۹۱ جس کے لیے کوئی شکستگی نہیں ف۹۹۲ اور وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے ف۹۹۳

متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کیے خدا کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے اثبات کے لیے مسیح کا محتاج ہے ــــ صفت قیومیت کا اثبات کرکے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔ قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب وباعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ القیوم القائم الحافظ لکل شیء والمعطی له ما به قوامه (راغب) به القائم بنفسه مطلقا لابغیره و هو مع ذٰلک یقوم به کل موجود حتی لایتصور وجود شیء ولا دوام وجود الا به (تاج) ائمہ تفسیر نے بھی اسی معنی میں لیا ہے القیم لغیره فجمیع الموجودات مفتقرة الیه وهو غنی عنها ولا قوام لها بدون امره (ابن کثیر) و۹۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ لیا ہے) جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے مجبور بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم، بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماوراء خدا ہے۔ و۹۸۱ لـهٗ کو مقدم کردینے سے معنی میں زور اور تاکید آگئی اور مفہوم حصر کا پیدا ہوگیا، یعنی ساری کائنات کی ملکیت اور مالکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ اور اس کی ملک سے مخلوق کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ خارج نہیں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو کائنات کا مالک مانا بھی ہے تو اندھے، لولے، لنگڑے ناقص قسم کا۔ اسلام نے آکر اس پر زور دیا کہ صحیح رشتہ وتعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ ملکیت کامل ہی کا ہے۔ لهٗ میں ل مخصوص طور پر ملک کے معنی میں ہے۔ واللام للملک (بحر۔ نہر) و۹۸۲ مَنْ ذَا الَّذِیْ کون ایسا ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی ایسا نہیں۔ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ۔ شفاعت پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مسیح کی شفاعت کبریٰ مسیحیوں کا ایک عقیدۂ خصوصی ہے۔ مسیح کے لیے ان کے ہاں بالاستقلال شفاعت ہی ثابت نہیں، بلکہ تخلیق کائنات بھی خدا نے (نعوذ باللہ) اپنے اسی فرزند کے واسطے سے کیا ہے۔ قرآن مجید مسیحیوں سے مخاطبہ کے وقت اُن کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ وشفاعت وغیرہ پر برابر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ پاؤنہ یہ تصریح بھی بہت ضروری تھی۔ مسیحیوں نے جہاں نجات کا دارومدار شفاعت پر رکھا ہے وہاں کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانون مکافات (ہندی میں کرم) کے ضابطوں سے ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی کی اور اس کے ہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ اسلام نے توسط واعتدال کی شاہراہ اختیار کرکے بتایا کہ نجات کا مدار ہرگز کسی کی شفاعت پر نہیں، البتہ خدا نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو دوسروں کی شفاعت کا (جو درحقیقت دعا ہی کی ایک صورت ہے) موقع دے گا اور اُن کی دعائیں قبول کرے گا۔ اور مقبولین کے سب سے بڑے رئیس وسردار ہمارے رسول کریم ﷺ ہیں۔ و۹۸۳ یعنی حاضر وغائب محسوس ومعقول مدرک وغیر مدرک سب کا علم اُسے پورا پورا حاصل ہے۔ ماکان قبلهم وماکان بعدهم (کشاف) نام یہاں آگے اور پیچھے صرف دو ہی سمتوں کا لیا گیا ہے لیکن مراد جمیع جہات ہیں اور یہ کنایہ عربی زبان میں عام ہے۔ هٰذا کنایة عن احاطة علمه تعالیٰ بسائر المخلوقات من جمیع الجهات۔ اَیْدِیْهِمْ اور خَلْفَهُمْ میں ضمیر جمع غائب یا تو مَنْ ذَا کے مدلول کی جانب ہے جس میں انبیاء وملائکہ سب آگئے اور یا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی جانب ہے اور ضمیر مذکر اس لیے کہ مراد زمین وآسمان کے اہل عقل سے ہے) والضمیر لما فی السموات والارض لان فیهم العقلاء اولمادل علیه من ذا من الملائکة والانبیاء (کشاف) صفات باری میں حیات کا، قیومیت کا، مالکیت کا اثبات اوپر ہوچکا ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا ہورہا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت علم بھی کامل ہے۔ سعی وسفارش کا ایک موقع دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جس حاکم یا مالک کے سامنے مقدمہ درپیش ہو اس کا علم محیط وکامل نہیں اس لیے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اس کے معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اس کے علم کو کامل کردیا جائے۔ یہاں یہ بتلا کر کہ اللہ کا علم خود ہر خفی وجلی پر حاوی ہے۔ گویا یہ بتادیا کہ اس کے علم پر کسی کے اضافہ کرنے اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتلانے اُسے کسی نامعلوم شے پر آگاہ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی۔ و۹۸۴ کون نہیں گھیر سکتے؟ وہی مخلوقات جن میں بڑے پیمبر، فرشتے سب شامل ہیں مِنْ عِلْمِهٖ میں علم سے مراد معلومات الٰہی سے ہے۔ ای من معلوماته (کشاف) العلم هنا المعلوم (بحر) بڑے سے بڑے صاحب علم ومعرفت کے بھی بس میں یہ نہیں کہ معلوماتِ الٰہی میں سے کسی ایک ہی چیز کی کنہ وحقیقت سے پوری طرح واقف ہوجائے۔ محدود ولامحدود کے علم کا مقابلہ ہی کیا۔ و۹۸۵ (اپنی حکمت ومصلحت کے موافق) یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ بندہ بڑے سے بڑا بھی عالم وعارف ہو، بہرحال اس کا علم محدود ہوتا ہے اور بعین مشیت الٰہی کے ماتحت ومطابق۔ و۹۸۶ (تو وہ خود بڑی سے بڑی چیز میں کیسے سما سکتا ہے) اس کی کرسی علم وقدرت تو خود سارے کائنات پر محیط ہے اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے تو آسمان پر، عرش پر، کسی وسیع سے وسیع چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اُسے کون گھیر سکتا ہے۔ اس صفت کے اثبات سے اُن مشرکوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہوگئی جو خدائے تعالیٰ کے مجسم ہونے اور کسی مکان میں اس کے محدود ومقید ہونے کے قائل ہیں۔ کرسی سے مراد علم الٰہی لی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے بھی یہی معنی منقول ہیں اور متعدد اہل تفسیر نے اس کی پیروی کی ہے۔ کرسیه ای علمه (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل مجاز عن العلم (روح) الکرسی هو العلم (کبیر) ای علمه و منه الکراسة لتضمنها العلم (مدارک) ای وسع علمه وسمی العلم کرسیا تسمیة بمکان الذی هو کرسی العالم (کشاف) کرسی کے عام متعارف معنی وہی ہیں جو اُردو میں چلے ہوئے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے سلسلہ میں کہیں وہ معنی تھوڑے ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی کوئی جسم رکھتا ہے جو وہ اس عام معنی میں کرسی نشین ہوگا۔ ولا کرسی فی الحقیقة ولا قاعد (بیضاوی) کرسی کے اصلی معنی علم ہی کے ہیں اور کراسة جو علمی مجموعوں کے لیے آتا ہے وہ اسی اصل سے ماخوذ ہے اور اہل لغت نے کرسی کے جہاں ایک معنی سریر کے کیے ہیں، وہاں دُوسرے معنی علم کے کیے ہیں۔ الکرسی السریر والعلم (قاموس) اصل الکرسی العلم و منه قیل للصحیفة یکون فیها علم مکتوب کراسة (ابن جریر) کرسی کے دوسرے معنی قدرت وحکومت کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہتیرے اہل لغت واہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ الکرسی السریر (قاموس) و قیل کرسیه ملکه (راغب) المراد من الکرسی السلطان والقدرة والملک (کبیر) قیل کرسیه ملکه و سلطانه والعرب تسمی الملک القدیم کرسیا (معالم) قال قوم کرسیه قدرته التی یمسک السمٰوٰت والارض (کشاف) ای وسع ملکه تسمیة بمکانه الذی هو کرسی الملک (کشاف) غرض یہ کہ اس کی کرسی علم ہو یا کرسی حکومت وہ جمیع کائنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بڑی چھوٹی، لطیف کثیف، جلی خفی، ہر چیز اس پر عیاں وروشن ہے۔ و۹۸۷ (کہ اس سے تھک کر اسے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت پڑے) مشرک قوموں نے یہ فرض کرلیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق ودق سلسلۂ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک کرسکتا ہے۔ اس لیے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہوجاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لیے اُسے ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑ گئی ہے۔ خود یہود اور مسیحیوں کا عقیدہ خدا کے ستانے اور آرام لینے کے باب میں بھی اسی تخیل کی طرف مشیر ہے۔ حِفْظُهُمَا میں تثنیہ کے صیغہ سے مراد ہے ایک طرف سلسلۂ سمٰوٰت اور دوسری طرف زمین اور اسی لیے قرآن مجید نے ہر ایسے موقع پر صیغہ بجائے جمع کے تثنیہ کا استعمال کیا ہے۔ و۹۸۸ یعنی ایک طرف ہر نقص سے ماوراء اور ہر عیب سے بالاتر۔ دوسری طرف تمام صفات کمال کا جامع۔ علی اور عظیم دونوں لفظوں کا لانا معنی سے خالی اور بیکار نہیں۔ علو کا حاصل ہے تمام صفات نقص کی نفی سارے عوارض حدوث سے برتری۔ لا یحدّ المعالی عن الاشباه و الانداد والامثال والاضداد و عن امارات النقص و دلالات الحدوث (روح) العلی الرفیع فوق خلقه المتعالی عن الاشباه والانداد (بحر) اور عظمت کا حاصل ہے تمام صفاتِ کمال کا اثبات اور ایسی ذات کا ایجاب نہ جس کے مرتبہ کی انتہا ہو اور نہ جس کی کنہ دریافت ہوسکے۔ ای ذوالعظمة و کل شیء بالاضافة الیه حقیرا (روح) العظیم الذی لا منتهٰی لعظمته ولا یتصور کنه ذاته (روح) العظیم ذوالعظمة الذی کل شیء دونه فلاشیء اعظم منه (بحر) گویا ان دو صفات کے اندر عظمت وکمال کے سلبی وایجابی پہلو سارے کے سارے آگئے۔ اور ہر اُس

ضلالت کی تردید ہوگئی جو شرک فی الصفات سے پیدا ہوسکتی ہے۔ و**۹۸۹** دین کا تعلق اصلاً عقیدۂ قلب سے ہے اور قلب پر جبر و اکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لیے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و اختیار سے ہے جبر و اضطرار پر نہیں۔ ای لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار و القسر ولکن علی التمکین والاختیار (کشاف) ولولا ذلک لما حصل الابتلاء ولبطل الامتحان والی ذلک ذھب القفال (روح) قال ابو مسلم والقفال معناہ انہ ما بنی تعالی امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکین والاختیار (بحر) جزیہ کو کم فہموں نے اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہوجائے کہ جزیہ کی مشروعیت یہیں اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصود اصلی قانونِ اسلام و حکومتِ اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو۔ جبر مسلم بنانا۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہ کی نفی ہے۔ اس لیے کہ اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ تقاضے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا شریعت میں حکم ہے تو یہ نفی اکراہ فی نفسہ کے معارض نہیں اور یہ اکراہ بھی صورتِ دین پر ہوگا۔ نہ کہ حقیقتِ دین پر، کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اس لیے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو۔ ای ھو من وضوح الدلائل والحجج بحیث لایکون فیہ اکراہ بل یجب الدخول فیہ بانشراح صدر و اختیار (نہر) الدِّیۡنِ۔ دین سے مراد مطلق دین نہیں۔ دینِ اسلام ہے۔ والدین ھنا ملۃ الاسلام واعتقادہ (بحر) و**۹۹۰** اور دلائل و شواہد نے دونوں کے درمیان علانیہ امتیاز پیدا کردیا ہے۔ الرُّشۡدُ یعنی راہِ اسلام۔ الۡغَیِّ۔ یعنی طریق کفر۔ یعنی اب تو کفر و اسلام کے درمیان بہت کھلے ہوئے فرق اور امتیازات پیدا ہوچکے ہیں۔ اب کسی پر خفا و التباس کی کوئی وجہ نہیں! و**۹۹۱** یعنی جس نے دینِ اسلام قبول کرلیا اور جو باطل کی پیروی سے باز آگیا اسے دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آگیا۔ الطَّاغُوۡتِ۔ طاغوت۔ کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہوسکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبودِ باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔ قال ابو اسحق کل معبود من دون اللہ جبت و طاغوت (لسان) الطاغوت عبارۃ عن کل معتد و معبود من دون اللہ (راغب) مالک بن انس اور بعض اور اہل تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں۔ قال مالک ابن انس کل ماعبد من دون اللہ تعالی (روح) مردۃ من الجن والانس و کل ما یطغی (کبیر) ماعبد من دون اللہ تعالی قالہ الطبری (بحر) و**۹۹۲** (نہ دنیا میں نہ آخرت میں)۔ بندہ کا فاطرِ کائنات سے صحیح و فطری تعلق ہی کا نام دینِ اسلام ہے۔ یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہوجاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر آخرت کی بھی منزلیں آسان رہتی ہیں۔ اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، کمزور اور بودے ہیں۔ بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ عروۃ الوثقی نسبت مع اللہ ہے۔ وہ حاصل ہوجانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔ و**۹۹۳** سَمِیۡعٌ سننے والا الفاظ کا اور اقوال کا۔ عَلِیۡمٌ جاننے والا احوال کا اور اعمال کا۔ یعنی اللہ کو ظاہر و باطن، کلی، جزئی ہر قسم کا علم و اطلاع ہے۔ اللہ کی باخبری اور ہمہ علمی مسلمانوں کو ایک معمولی اور موٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جاہلی قوموں میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسی ہیں جو حق تعالیٰ کی صفتِ علم میں بھی شبہ کرچکی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی فلاسفہ یہ بھی کہہ گزرے ہیں کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہے جزئیات کا نہیں ہوتا۔ کلامِ مجید کی اس قسم کی آیتوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ پر نظر ہو۔۔۔! و**۹۹۴** وَلِیُّ۔ ولی کا ترجمہ بھی کسی ایک لفظ سے مشکل ہی ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ اور اہل تفسیر سے یہ سب معنی منقول ہیں۔ محبھم ومتولی امورھم (بیضاوی) نصیرھم و ظھیرھم یتولاھم بعونہ (ابن جریر) الولی المتکفل بالمصالح (کبیر) معینھم و محبھم او متولی امورھم (روح) اہل ایمان کے بگڑے کام بنانے والا۔ آڑے وقت ان کے کام آنے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ابن اللہ یا کوئی دیوی دیوتا۔۔۔ نفی زدہ مسیحیوں اور مشرکوں کا یہاں بھی کیا گیا۔ بعض صوفیہ نے آیت سے ولایتِ عامہ کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔ و**۹۹۵** (اور یہی مومنین کے حق میں سب سے بڑی اور کارآمد نصرت و پشت پناہی ہے) الظُّلُمٰتِ سے مراد کفر، انواعِ کفر اور متعلقات و ملحقاتِ کفر ہیں۔ مثلاً شک و ارتیاب، شہوتِ ممنوع میں غلو وغیرہا۔ النُّوۡرِ سے مراد ایمان و انوارِ ایمان ہیں۔ عقلِ سلیم و ذوق و شوق وغیرہا۔ کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لیے ظلمات کو صیغۂ جمع میں لائے۔ انواعِ کفر و اسبابِ کفر بہت زائد ہیں۔ دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط بے شمار ہوسکتے ہیں۔ سیدھا خط ایک ہی ہوسکتا ہے۔ راہِ راست ایک ہی ہے اس لیے النُّوۡرِ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغۂ واحد ہی میں آیا ہے۔ و**۹۹۶** (ترغیب، تحریص و تخویف کے ہر ممکن حربے سے کام لے کر) طاغوت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں معنی میں جمع ہی مراد ہے۔ اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے اور ایمان و تقویٰ کے محرکات کتنے گھٹ جاتے ہیں۔ شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال، اس کے تمام طرح طرح کے خوبصورت رکھ اُسے سامنے لانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اہل ایمان، اہل تقوی ہیں وہی نکو بن کر رہ جاتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی۔

معنوی کو بھی بد نہ کہیے ترغیب ہے یہ ۔۔۔ کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ

شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن ۔۔۔ اک شور مچا خلافِ تہذیب ہے یہ

و**۹۹۷** (کہ انہوں نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لے کر راہِ کفر و ضلالت اختیار کی) و**۹۹۸** (اے مخاطب) اَلَمۡ تَرَ اِلَی۔ عربی ادب میں یہ اسلوبِ بیان حیرت و استعجاب کے موقع کے لیے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لیے ہوئے۔ جب بھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اسے شروع اس طریقہ پر کرتے ہیں جیسے اردو میں "کہیے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے؟" وکذلک تفعل العرب اذا ارادت التعجب من رجل فی بعض ما انکرت من فعلہ قالوا ما تری الی ھذا (ابن جریر) ھی کلمۃ یوقف بھا المخاطب علی تعجب منھا و لفظھا لفظ الاستفھام (کبیر) و**۹۹۹** (منکر و مخالف کی حیثیت سے) یہ بحث و مناظرہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا۔ یہ تصریحات تو قرآن مجید بلکہ اس آیت کے اندر موجود ہیں۔ مفسرین نے اس موقع پر نمرود کا نام لیا ہے اور چونکہ اس خاص قصہ کا ذکر اہل کتاب کی کتاب میں موجود نہیں اس لیے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامل کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید توریت کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگزاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے۔ اتنا تو بہرحال تاریخ توریت اور روایاتِ یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا۔ بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا۔ توریت میں ہے:۔ "اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبار ہونے لگا۔ خداوند کے سامنے وہ صیاد و جبار تھا۔ اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود سا صیاد و جبار (پیدائش ۱۰۔ ۹،۸) اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبار ہونے لگا (۱۔ تواریخ ۱۰۔ ۱۰) اور حسبِ روایاتِ یہود، یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آلِ یافث کو شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہوگیا۔ اور آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا۔ اس کے بعد اپنی عظمت کے نشہ میں نمرود خدا سے بیگانہ ہوگیا۔ اور بہت سخت قسم کا مشرک ہوگیا"۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۹ صفحہ ۳۰۹۔ بابل (کلد انیہ) ہی کی تاریخ میں ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا۔ بعض مورخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۲ نمبر ۳۳۶) انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں فرنگی، ذہنیت و عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور "نیچریت" کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں ہی سے سرے سے انکار کردیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مورخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں اعتراف ہے، کہ نصف صدی پیشتر ان قصوں کو جیسا بے اصل و نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا۔ یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ مناظرہ ابراہیمی علیہ السلام کا قصہ بھی (جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۵) رَبِّہٖۤ میں ضمیر ابراہیم کی طرف ہے لیکن بعض نے اسے نمرود کی جانب بھی جائز رکھی ہے۔ اور اس صورت میں ترجمہ ہوگا اپنے رب کے باب میں۔ والضمیر یحتمل ان یعود الی ابراھیم و یحتمل ان یرجع الی الطاعن والاول اظھر (کبیر) بہرحال قابل لحاظ لفظ یہاں رب ہے گفتگو "رب" کے بارہ میں تھی۔ "اللہ" کے بارہ میں نہ تھی۔ مسئلہ ربوبیت میں تھی، بابِ الوہیت میں نہ تھی۔ و**۱۰۰۰** یعنی اُسے وسعتِ سلطنت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور

برخود غلط بنا رکھا تھا۔ روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لیے اس نے ایک عرشِ الٰہی تیار کرایا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینزبرگ Ginzburg کی حکایت یہود Legends of the Jews جلد اول صفحہ ۱۷۸) اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ میں ان سببیہ ہے لان کے معنی میں ای ابطرہ ایتاء الملک و حمله علی المحاجة (بیضاوی) کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب خوب خیال رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا۔ یعنی سورج دیوتا کی پوجا اور یہی سب دیوتاؤں کے سردار تھے۔ نمرود کلدانی فرعون مصری کی طرح اپنے کو اسی خدائے اعظم کا مظہر یا بروز یا اوتار سمجھتا تھا۔ اور اہل توحید کو اپنے ملک کا غدار و باغی اور اپنے مذہب کا دشمن اور منکر قرار دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہل توحید کے خدائے واحد سے بھی جلنے لگا تھا جوزیفس یہود کا مورخ قدیم اپنی تاریخ آثار یہود میں لکھتا ہے:۔ ''وہ لوگوں کی خوشحالی کو خدا کی جانب نسبت دینے سے روکنے لگا۔ گویا کہ وہ خود قادر علی الاطلاق ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اب کی خدا نے طوفانِ نوحؑ کی طرح دنیا کو ڈبویا تو میں اس سے انتقام لوں گا''۔ (باب اول۔ ۲:۳) ف۱۰۰۱ (آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کونسا خدا ہے جس کے تم پرستار ہو؟) نمرود تو مدعی اپنے خدا ہونے اور مظہر خدا ہونے کا تھا۔ اس نے داعیِ توحید کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو؟ ذرا میں تو اس کے اوصاف سنوں۔ مشرک افراد آج بھی بڑی حیرت اور بڑے اچنبھے کے ساتھ پوچھا کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں دیوتا اور فلاں فلاں دیوی کے علاوہ اور ان سے ماوراء آخر خدا ہے کونسا؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اس کے افعال وصفات کیا ہیں؟ ف۱۰۰۲ یعنی حیات وموت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی سارے نظام ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ کائنات حیاتی کی بقا و فنا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جا کر ٹھیرتے ہیں۔ کسی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظامِ حیاتی وافنائی کو بدل دے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر دکھائے۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے دہریت کا ابطال ہو رہا ہے۔ محققین صوفیہ نے محاجۂ ابراہیمی سے یہ استنباط کیا ہے کہ ضرورتِ دین کے وقت بحث ومناظرہ ہرگز تجرید وتفرید کے منافی نہیں۔ خصوصاً کامل کے لیے۔ اور علم کلام کا سنتِ انبیاء میں سے ہونا تو بیان سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ وھذہ الآیة تدل علی صحة المحاجة فی الدین واستعمال حجج العقول والاستدلال بدلائل اللہ تعالی علی توحیدہ وصفاته الحسنی (جصاص) اور ایک محقق نے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ حضرات انبیاء توحید باری میں صرف افعالِ حق سے استدلال کرتے تھے اور ایسی صفات کو پیش نہ کرتے جن سے مذہبِ تشبیہ وتجسیم کے لیے گنجائش نکل سکے۔ تدل علی انه تعالی لا یشبه بشیء وان طریق معرفته ما نصب من الدلائل علی توحیده لان انبیاء علیهم السلام انما حاجوا الکفار بمثل ذلک ولم یصفوا اللہ تعالی بصفة توجب التشبیه وانما وصفوه بافعاله واستدلوا بها علیه (جصاص) ف نمرود نے موت وحیات کے اسباب بعید وخفی کو چھوڑ کر اور صرف اسباب ظاہری وسطحی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کہ سامانِ معیشت تو سب میرے ہاتھ میں ہے میں جسے چاہوں روزی دوں اور جسے چاہوں بھوکوں مار ڈالوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس کی زندگی ختم کر دوں۔ ف۱۰۰۳ (اگر تو اپنے دعوائے قدرت وتصرف میں کچھ بھی سچائی رکھتا ہے) نمرود اوتار تھا سورج دیوتا کا۔ اور سورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ میں معبودِ اعظم تھا۔ اسی کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کے لیے موحدِ اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو سورج کے قادر ومتصرف ہونے کے قائل ہو تو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سورج اپنے ارادہ سے عام سنتِ الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رخ ہی بدل دے دوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا۔ خود اپنے ہی پر ذرا اپنا ارادہ وصرف کر دکھائے۔ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رخ بدل دینے کا۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے استدلال وہی قائم رکھا۔ صرف مخاطب کی سطحی ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دوسری پیش کر دی اور فرمایا کہ اچھا کائنات حیاتی نہ سہی کائناتِ طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھا دو۔ نمرود سورج دیوتا کا اوتار تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل۔ اس کے عقیدہ کے ابطال وتردید میں سورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی۔ ف۱۰۰۴ یعنی عاجز ولاجواب ہو گیا۔ اس کا جواب کسی مشرک وآفتاب پرست کے پاس ہو کیا سکتا تھا؟ نہ اس وقت کسی سے بن پڑا نہ آج کسی سے بن پڑنا ممکن ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق صاحب ارادۂ عظیم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تجربہ ومشاہدہ سے ارادۂ خفیف سے بھی معریٰ ثابت ہو رہی ہے۔ ف۱۰۰۵ عاجز ولاجواب ہو جانے کے باوجود وہ ایمان نہ لایا۔ اور ایمان لاتا ہی کیسے؟ جو لوگ غصہ اور عناد سے کجروی اختیار کیے رہتے ہیں انہیں ہدایت کبھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ الظلمین۔ وہی لوگ ہیں جو خلوص ذہن کے ساتھ حق وحقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد ونفسانیت پر قائم رہتے ہیں۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان مستقیم اور فہم سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ف۱۰۰۶ (اے مخاطب) آیت کا عطف معنوی ہے آیت سابق پر۔ اور تقدیرِ کلام اکثر نحویین کے نزدیک یہ ہے۔ ارأیت کالذی حاج ابراهیم او کالذی مر علی قریة و هو قول الکسائی والفراء و ابی علی الفارسی واکثر النحویین (کبیر) اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے۔ اور أیت مثل الذی مر الخ زمخشری بیضاوی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے ف۹۹۴ اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف
اِلَی النُّوْرِ ۬ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ
نکال کر لاتا ہے ف۹۹۵ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں
یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ
جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ف۹۹۶ یہی لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ
اہل دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ف۹۹۷ کیا تو نے اس شخص کے حال پر
اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ
نظر نہیں کی ف۹۹۸ جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا ف۹۹۹ اس سبب سے کہ اللہ نے
الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ
اسے بادشاہت دے رکھی تھی ف۱۰۰۰ جبکہ ابراہیمؑ نے اس سے کہا کہ میرا رب ف۱۰۰۱ تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے
وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
اور موت دیتا ہے ف۱۰۰۲ وہ بولا کہ زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں ف ابراہیمؑ نے کہا
فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ
اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے
بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ
تو اسے مغرب سے نکال دکھا ف۱۰۰۳ اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا ف۱۰۰۴ اور اللہ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ
ظالم لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا ف۱۰۰۵ یا (پھر) اس شخص (کے حال پر نظر کی) ف۱۰۰۶

و۱۰۰۷ یعنی اس کی عمارتیں بالکل منہدم و مسمار ہو چکی تھیں۔ خاویۃ علی عروشھا۔ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ چھتیں گریں پھر چھتوں کے اوپر دیواریں۔ جاں سقط السقف اولا ثم تھدمت الجدران علیہ (روح) یہ کون صاحب تھے اور کس تباہ شدہ بستی سے ان کا گزر ہوا تھا؟ اَلَّذِیْ مَرَّ۔ مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت عزیر ﷺ نبی سے لی ہے۔ سلسلۂ اسرائیلی کے ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ ۴۵۰ ق م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں انکا نام عزرا کاتب یعنی کاتب توریت کی حیثیت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ۔ سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں بلکہ یہی قول حضرت علی، حضرت ابن عباس ﷺ وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہوا ہے۔ ذکر انہ عزیر (ابن جریر۔ عن قتادہ) ھو عزیر (ابن جریر عن السدی) المار ھو عزیر کما اخرجہ الحاکم عن علی واسحق بن بشر عن ابن عباسؓ و عبداللہ بن سلام، الیہ ذھب قتادۃ و عکرمۃ والربیع والضحاک والسدی و خلق کثیر (روح) دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہوا ہے۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیغمبر ہوئے ہیں۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے۔ اور تاریخ یہود میں آتا ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶ ق م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار سے امکان ان کے بارے میں بھی ہے۔ گوذرا ضعیف۔ حضرت باقر ﷺ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے۔ قیل ھو ارمیا بن خلقیا و ھو المروی عن ابی جعفر والیہ ذھب وھب (روح) بائبل میں اس سے ملتا جلتا ہوا ایک قصہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے، جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی قبل مسیح ﷺ میں تھے۔ لیکن بائبل میں یہ قصہ بصورت واقعہ نہیں، بلکہ کشف یا رؤیا کے طور پر ہے (حزقیل۔ باب ۳۶ و ۳۷) قَرْیَۃٍ۔ یہ بستی کون سی تھی، تا مختلف شہروں کے لیے گئے ہیں۔ لیکن اکثریت یروشلم، بیت المقدس کی طرف گئی ہے۔ یہ شہر بخت نصر شاہ بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق م میں پوری طرح تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ بظاہر یہ واقعہ اسی شہر سے متعلق اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔ القریۃ بیت المقدس قالہ وھب وقتادۃ والضحاک و عکرمۃ والربیع (بحر)

عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ

جو ایک بستی سے گزرا تھا اس حال میں کہ وہ (بستی) اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی و۱۰۰۷ وہ کہنے لگا

اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ

اللہ اس (آبادی) کو اس کے مرے پیچھے کیوں کر جلا اٹھائے گا؟ و۱۰۰۸ سو اللہ نے اس (شخص) کو سو سال تک

مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ

مردہ رکھا، پھر اسے جلا اٹھایا و۱۰۰۹ (پھر) پوچھا تو کتنی مدت (اس حالت میں) رہا اس نے کہا

لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ

میں رہا (اس حالت میں) کوئی دن بھر یا اس کا کچھ حصہ و۱۰۱۰ فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال

مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

(کی مدت) تک رہا۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ (کہ اب تک) وہ سڑا گلا

لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً

نہیں ہے و۱۰۱۱ اور اپنے گدھے کو دیکھ و۱۰۱۲ اور (یہ سب) اس لیے کہ ہم تجھے ایک نشان لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا

بنائیں و۱۰۱۳ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ

اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں و۱۰۱۴ پھر جب اس پر (یہ سب) روشن ہو گیا تو اس نے کہا میں یقین رکھتا ہوں

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۱۰۱۵ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ

ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا و۱۰۱۶ ارشاد ہوا

و۱۰۰۸ (قیامت کے دن) ھٰذِہٖ۔ اشارہ مردہ شہر کے مردہ باشندوں کی جانب ہے۔ اہل بصیرت کے لیے ہر حسرتناک منظر ایک درس عبرت و معرفت ہوتا ہے۔ عجب کیا جو خدا کے نبی کا ذہن اپنے پیش نظر منظر سے کائنات کے ہولناک ترین منظر کی طرف منتقل ہوا ہو، اور اس سے انہوں نے ایک اور سبق معرفت کا حاصل کرنا چاہا ہو۔ المشار الیہ اما نفس القریۃ بدون تقدیر او تقدیر مضاف ای اصحاب ھذہ القریۃ (روح) ای اھل ھذہ (مدارک) اَنّٰی یہاں کیف کے مرادف اور کس طرح، یا کس کیفیت کے ساتھ کے معنی میں ہے۔ اعتراف العجز عن معرفۃ طریقۃ الاحیاء (کشاف) ای علی ای حال یحیی (روح) آخرت میں حشر احیاء پر یقین تو نبی کیا معنی ہر مومن کو ہوتا ہے۔ سوال سے نبی کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے نفس وقوع میں شبہ ظاہر کیا جائے۔ وہ صرف اس کی نوعیت جاننے اور کیفیت سمجھنے کے آرزومند تھے۔ و۱۰۰۹ (بطور خرق عادت) معجزات یا خوارق پر کوئی عقلی اعتراض اگر کسی ملحد کی طرف سے ہو تو خیر اس کے لیے تو کچھ گنجائش بھی ہے لیکن خدا کے ماننے والے کی طرف سے یہ "عقلی اعتراض" یا اس کے امکان میں گفتگو بالکل بے معنی ہے۔ جب معجزہ کا فاعل خدا تعالیٰ ہے تو وہ قادر مطلق تو جس طرح اپنی عادت یا معمول عام کے اجرا و بقاء پر قادر ہے۔ ٹھیک اسی طرح اور ہمیشہ اسی درجہ میں اس کے ترک و خرق پر بھی! اس کے نزدیک تو یہ اور وہ یہ اور وہ یہ دونوں بالکل یکساں و مساوی ہیں بلکہ اس ہستی مطلق کے لیے یہ عادت، خلاف عادت کے معنی ہی کیا؟ یہ موافق عادت و خارق عادت کی اصطلاحیں تو محض بندوں کے علم کے لحاظ سے ہیں، یہ تو ہم نے جس چیز کا بار بار اور متواتر مشاہدہ کیا اسے عادت الٰہی میں داخل کر دیا۔ اور جس چیز کو ایسا نہ پایا اسے خلاف عادت اور خارق عادت سے تعبیر کرنے لگے! — لفظ "معجزہ" تو خود ہمارے عجز کا پردہ پوش ہے۔ حق تعالیٰ کے لیے کوئی تعبیر معجزہ ہو سکتی ہے؟ غرض کوئی مذہبی شخص کسی بڑے سے بڑے معجزہ کے نفس امکان میں تو زبان کھول ہی نہیں سکتا، گفتگو جو کچھ بھی چلے گی روایت و درایت معتبر کے لحاظ سے چلے گی۔ اور یہ بحث ظاہر ہے کہ تمام تر نقلی اور تاریخی ہوگی نہ کہ عقلی۔ وقوع معجزہ کے راوی اگر معتبر اور شاہد عینی ہیں تو وہ خارق عادت بھی ہمارے لیے ایسا ہی قابل یقین ہوگا جیسے کہ روزمرہ کے عام واقعات ہوتے ہیں اور پھر جس معجزہ کے راوی خود حق تعالیٰ یا نبی معصوم ہوں اس کے باب میں تو ظاہر ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ آگے کوئی گفتگو چل ہی نہیں سکتی۔ کس وقت کس خارق عادت کے ظہور کی کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، یہ حال بجز حکیم مطلق کے اور کون جان سکتا ہے؟ و۱۰۱۰ یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم و شعور اور اپنے حساب و اندازہ کے مطابق دیا۔ اور بشری اندازہ و تخمین کی یہ غلطی ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ جب دماغ و دل، شعور و اندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے باطل ہو گئی تھی۔ تو کوئی بشر اندازہ کر ہی کیونکر سکتا تھا اور یوں بھی گھنٹوں اور راتوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سیکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں۔ و۱۰۱۱ (اتنی مدت کے باوجود) فقہاء و مفسرین نے اس جواب سے جواز اجتہاد پر استشہاد کیا ہے۔ فیہ دلیل جواز الاجتھاد (مدارک) اور یہ نظیر ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جتنی مدت تک بھی چاہے محفوظ و سالم رکھ سکتا ہے۔ بشری عقل و فہم مادی مثالوں اور نظیروں کی ہمیشہ حریص رہی ہے۔ اور آج کی "روشن خیالی" اور تجربیت کے سارے مطالبات کا لب لباب صرف یہی نظیر کی فراہمی ہے۔ و۱۰۱۲ (جس کی ہڈیاں اس وقت تک باقی تھیں اور گوشت پوست سب خاک میں مل چکا تھا) جانوروں کے ڈھانچے مدتوں تک باقی

رہتے ہیں۔ بعض بعض ڈھانچے سینکڑوں ہزاروں سال کے بعد سالم و محفوظ برآمد ہوئے ہیں۔ حِمَارِ۔ گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں۔ لیکن عرب، شام، مصر، فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا جاتا تھا۔ اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بہ کثرت آیا ہے۔ اور حضرت موسٰی اور حضرت مسیح علیہما السلام دونوں کا اسی پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔
و۱۰۱۳ (اپنی قدرت کاملہ کا، اور ایک نظیر واقعۂ بعث کی) و۱۰۱۴ یعنی اپنے مردۂ صد سالہ گدھے کے ڈھانچے کو چشم خود دیکھئے کہ ہم اس کا جوڑ جوڑ بٹھاتے ہیں اور پھر از سر نو روح پھونک کر زندہ کر اٹھاتے ہیں۔
و۱۰۱۵ یعنی ان پیمبر پر جب یہ ساری کیفیتیں تجربۃً اور مشاہدۃً گزر لیں تو وہ تر و تازہ جوش ایمانی کے ساتھ بے اختیار پکار اٹھے کہ بیشک یہ پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور اب میرا ایمان و اعتقاد سو گنا اور بڑھ گیا۔
اَعْلَمُ۔ علم سے یہاں مراد علم مشاہدہ و رؤیت ہے۔ ورنہ علم بالدلیل تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ تاویلہ ان قد علمت مشاہدۃ مما کنت اعلمہ قبل ذالک الاستدلال (کبیر) و۱۰۱۶ (قیامت کے دن) کَیْفَ۔ یعنی کس خاص کیفیت کے ساتھ۔ کس متعین طریقہ پر۔ فی ای حال او علی ای حال (ابو سعود) یہ وقوع تو اسے پوری طرح مسلم ہے اور سوال اس کی صرف کیفیت کے بارہ میں کر رہا ہے۔ الاستفہام بکیف انما ہو سوال عن حال شئ متقرر الوجود عند السائل والمسئول فان الاستفہام ھھنا عن ھیئۃ الاحیاء المتقرر عند السائل (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ

أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ

کیا آپ کو یقین نہیں ہے، و۱۰۱۷ عرض کی، ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان

قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

ہو جائے، و۱۰۱۸ ارشاد ہوا کہ اچھا، چار پرندے لیجیے و۱۰۱۹ پھر انہیں اپنے سے

إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

ہلا لیجیے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیجیے و۱۰۲۰

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

پھر ان کو اپنی طرف بلائیے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے و۱۰۲۱ اور یقین رکھیے کہ اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے و۱۰۲۲ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے

ع ۳۵/۲

فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ

رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے و۱۰۲۳ جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ

بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں و۱۰۲۴ اور اللہ جسے چاہے

يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

افزونی دیتا رہتا ہے و۱۰۲۵ اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے و۱۰۲۶

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے

لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى ۙ لَّهُمْ

عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے و۱۰۲۷ ان کے لئے

ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیاء موتی کے نفس وقوع میں نہیں۔ صوفیہ اہل لطائف نے اس قصہ ابراہیمی سے ذیل کے نکات پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ اللہ تعالٰی سے کشف مقامات کا سوال موجب قبول ہے۔ ۲۔ مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتب عرفان و کمالات ایقان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ ۳۔ اور پھر اس سے ان کے تقرب و اعزاز حضور میں اضافہ ہوتا ہے۔ و۱۰۱۷ سوال سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے۔ اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدان ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے۔ و۱۰۱۸ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔ ورنہ یقین مرتبہ تصدیق تک تو جسے اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے مومن اعظم کو کیوں نہ حاصل ہوتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان ہی بڑھتے بڑھتے اطمینان قلب پیدا ہو جاتا ہے اور محققین کہتے ہیں کہ یہ ترقی کبھی مشاہدہ و معائنہ سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے۔ اطمینان مقابل ہے سکون کے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عدم سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں اور طمانیت کا جو درجہ ولایت و صدیقیت کے مناسب ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اب بھی حاصل تھا اور آپ کو طلب اُس طمانیت کی تھی جو درجۂ نبوت کے مناسب مقام ہو۔ و۱۰۱۹ ان پرندوں کے نام بھی تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن اوّل تو سند کچھ قوی نہیں اور پھر یہ تعیین ہی سرے سے بے ضرورت ہے۔ البتہ اہل لطائف و اشارات نے ان چار پرندوں سے نکتے خوب پیدا کیے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ان سے اشارہ انسان کے اُن چار قوی کی جانب ہے جو مشاہدۂ حق اور حیات حقیقی سے مانع ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ چار قوتیں یہ متعین کی ہیں:۔ (۱) خود بینی و خود ستائی۔ (حُبِّ جاہ) (۲) افراط شہوت جنسی۔ (۳) حرص و طمع (حُبِّ مال) (۴) طول امل یا محبت دُنیا۔ و۱۰۲۰ (ان کو ذبح کر کے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد) فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ۔ یعنی ان پرندوں کو پال کر اور اپنے پاس رکھ کر انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لیجیے کہ پھر شناخت میں دقت نہ ہو۔ صُرْهُنَّ کا مصدر صور ہے۔ معنی میل کے ہیں۔ اسی لیے صرھن کی تفسیر عموماً املھن اور وجھھن سے کی گئی ہے۔ ای اضممھن الیک وجھھن نحوک (ابن جریر) فاملھن واضممھن الیک (کشاف) اور بعض نحویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اجزاء آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی اِلَيْكَ کا تعلق صرھن سے نہیں فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ سے ہے۔ اور اِلَيْكَ صلہ فعل خذ کا ہے۔ کان فی الکلام تقدیم و تاخیر و یکون معناہ فخذ اربعۃ من الطیر الیک فصرھن و یکون الیک من صلۃ خذ (ابن جریر) فَصُرْهُنَّ کے آگے اتنی عبارت محذوف مانی گئی ہے کہ اپنے سے ہلا چکنے کے بعد ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دیجئے۔ قرآن مجید کے اسلوب بلاغت میں اس قسم کے محذوفات و مقدرات کی مثالیں نایاب نہیں۔ اسی سورۂ بقرہ کے شروع کے رکوعوں میں ہے فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو) اور اس کے معاً بعد آتا ہے۔ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (پس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) یہاں سب نے اتنا کلام محذوف مانا ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور عصا کی ضرب چٹان پر لگائی ایسے محذوفات و مقدرات کی نظیریں تو اپنے شاعروں کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ پھر خدا کا کلام تو ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے کلام سے فصیح تر و بلیغ تر ہے۔ بعض ائمہ لغت و تفسیر ادھر گئے ہیں کہ فعل صار یصور اور صار یصیر کے معنی ہی قطع کرنے کے ہیں۔ اس لیے کسی حذف و تقدیر کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت کے معنی ہی براہ راست یہی ہیں۔ صار الشئ یصورہ صورًا قطعہ و فصلہ صورۃ صورۃ (تاج) قیل قطعھن صورۃ صورۃ (راغب) قال ابو عبیدۃ معناہ قطعھن والصور القطع (معالم) علامہ ابن جریر نے جو تفسیر کے ساتھ لغت کے بھی امام ہیں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو اس پر کیا ہے کہ صار یصور اور صار یصیر دونوں کے معنی لغت عرب میں قطع کے مشہور و معروف ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔ ففی ذٰلک اوضح الدلیل علی جھل من زعم ان قول القائل

صارِ یصور و صارِ یصیر غیر معروف فی کلام العرب بمعنی قطع بہرحال حذف مانا جائے تو اور نہ مانا جائے تو دونوں صورتوں میں: تنے پر بجز ایک ابومسلم اصفہانی کے سب کا اتفاق ہے کہ مراد یہاں ذبح کر کے پارہ پارہ کرنے ہی سے ہے۔ اجمع اھل التفسیر علی ان المراد بالآیۃ قطعھن (کبیر) کل المفسرین الذین کانوا قبل ابی مسلم اجمعوا علی انہ حصل ذبح تلک الطیور تقطیع اجزائھا فیکون انکار ذلک انکارًا للاجماع (کبیر) فان کان بمعنی التقطیع فلا حذف او بمعنی الامالۃ فالحذف او قطعھن اجزاء (نہر) واجمع اھل التفسیر علی ان ابراھیم قطع اجزاء ھا (بحر) ابن عباسؓ جلیل صحابی اور حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ بہ کثرت تابعین سب اسی طرف گئے ہیں۔ معناہ قطعھن وھو قول ابن عباس و سعید بن جبیر و مجاھد (کبیر) قالہ ابن عباس و مجاھد و ضحاک و ابن اسحاق (بحر) قالہ ابن عباس و عکرمہ و سعید بن جبیر و ابو مالک و ابو الاسود الدؤلی ووھب بن منبہ والحسن والسدی و غیرھم (ابن کثیر) اور ابومسلم کا یہ قول آج چودھویں صدی ہجری میں بعض نیچری ملحدوں کی زبان سے پھر چکا یا گیا ہے اس کی بابت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ لایخفی ان ھذا خلاف اجماع المسلمین و ضرب من الھذیان لا یرکن الیہ ارباب الدین۔ صُرْهُنَّ۔ کی دوسری قرأت متواتر صِرھن (بہ کسرصاد) کی ہے اور اس قرأت پر تو کھلے ہوئے معنی قطع و تشقیق ہی کے ہوتے ہیں۔ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ یعنی جو پہاڑیاں آپ کے آس پاس ہیں ان پر یہ مراد نہیں کہ روئے زمین پر جتنی بھی پہاڑیاں ہوں سب کو تلاش کر کے سب پر رکھیے۔ المعنی علی کل جبل من الجبال التی بحضرتک (کشاف) العموم فی کل جبل مخصّص بوصف محذوف ای یلیک او بحضرتک۔ قالہ مجاھد (بحر) مِّنْهُنَّ جُزْءًا یعنی ان کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔ جزء کے اصل معنی عربی میں ٹکڑے کے ہیں۔ جس کا فارسی مرادف پارہ ہے۔ الجزء النصیب والقطعۃ من الشیٔ (تاج) جزء الشیٔ مایتقوم بہ جملتہ کاجزاء السفینۃ و اجزاء البیت (راغب)۔ جزء بافتح پارہ پارہ کردن (صراح) وھن اجزاء متفرقات (ابن جریر) ای ربعًا من کل طائر (ابن قتیبہ) بلکہ امام ابن جریر جن کی نگاہ لغوی اور ادبی نکتوں پر خوب رہتی ہے انہوں نے تو یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ جزء اور سھم کے استعمال میں فرق ہے کہ سھم کا اطلاق مسلم حصہ پر ہوتا ہے اور جزء کا لفظ عام ہے۔ الجزء من کل شیٔ ھو البعض منہ کان معناہ جمیعہ علی صحۃ او غیر منقسم فھو بذلک من معناہ مخالف ففی السھم لان السھم من الشیٔ ھو البعض المنقسم علیہ جمیعہ علی صحۃ۔ اور ایسا ہی دوسرے نے بھی کہا ہے و ظاھر ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءًا یدل علی ان تلک الطیور جعلت جزأً جزأً (بحر) ای قطعۃ و بعضًا (روح) مِّنْهُنَّ سے پہلے تو مراد چاروں پرندوں کا مجموعہ لینا اور پھر جُزْءًا سے مراد اس مجموعہ کا ایک ایک جزء یا ایک ایک مسلم پرندہ لینا خوا مخواہ کا تکلف اور ایک غلط قسم کا لغوی اجتہاد ہے۔ صحابیوں اور تابعین کے بعد سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہل تفسیر عربی کا ذوق سلیم رکھنے والے ہوئے ہیں سب نے مراد ہر ہر پرندے کے ٹکڑے ٹکڑے سے لی ہے۔ جزأ ھن اجزاءً و جعل علی کل جبل منھن جزءًا (ابن کثیر) جزئھن و فرق اجزاء ھن علی الجبال (کشاف) ف۱۰۲۱ (صحیح و سالم اس طرح کہ زندہ ہو کر ان میں سے ہر ایک کے متفرق و منتشر اجزاء آپس میں مل ملا کر ٹھیک ہو جائیں گے) اُدْعُهُنَّ یعنی آواز دے کر انہیں اپنی طرف پکاریے۔ ف۱۰۲۲ عَزِیْزٌ۔ یعنی ایسا زبردست جو ہر شے پر یکساں قادر ہے۔ محال و ممکن، اشد اور سہل کی تفریقیں اور تقسیمیں تو انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ قادر مطلق کے ہاں کسی چیز کے اشد یا محال ہونے کے کوئی معنی ہی سرے سے نہیں۔ حَكِیْمٌ۔ یعنی باوجود عموم قدرت و اختیار مطلق کے وہ کرتا صرف وہی ہے جو عین اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسے عزیز و حکیم کے لیے احیاء موتی میں دشواری ہی کیا ہے۔ جب بھی وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے مناسب سمجھے گا حشر برپا کر دے گا۔ ف۱۰۲۳ (اللہ کی نظر میں اور اپنی برکت و افزائش اجر کے لحاظ سے) فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی احکام شریعت کے مطابق نیک کاموں میں۔ اَمْوَالَهُمْ۔ اور فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دونوں عام ہیں۔ تمام مصارف خیر ان میں آجاتے ہیں۔ ف۱۰۲۴ (تو جس طرح غلہ کے ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اللہ کار خیر میں صرف کرنے والوں کو ان کے حسن عمل کا اجر سات سو گنا دیتا ہے) ایک عام فہم مادی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیر اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے ایسی مثالیں تو دنیا میں روز مرہ مل جاتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری شکلیں تو قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ زرعی اور کاشتکاری شکلیں بھی مفقود نہیں ف۱۰۲۵ یعنی اس کے اجر میں جس حد تک بھی چاہے اور بہ قدر اس کے اخلاص و شفقت کے۔ یہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے اہل لطائف نے دو نکتے اور پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ اپنے مصارف خیر کی حفاظت و نگہداشت بھی اہل زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریا، نمائش، عجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کر دینا چاہیے۔ ۲۔ جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار، محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو تا ہم حسن قبول و قرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت و اخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ف۱۰۲۶ وَاسِعٌ۔ اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لیے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ عطاء و بخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ عَلِیْمٌ۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں چھپ سکتا اس لیے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی شخص و مستحق نظر انداز ہونے پائے گا۔ ف۱۰۲۷ یعنی جس کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا

ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ

هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ

غمگین ہوں گے ف۱۰۲۸ مناسب بات اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے

مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس کے عقب میں اذیت ہو ف۱۰۲۹ اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بردبار ہے ف۱۰۳۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو ف۱۰۳۱ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو اور

یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ف۱۰۳۲ سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے

عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا

جس پر کچھ مٹی ہے پھر اس پر زور کی بارش ہو گئی اور اس کو بالکل صاف کر دے ف۱۰۳۳ (ایسے لوگ) ہاتھ بھی نہ

یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا

حاصل کر سکیں گے اپنی کمائی سے ف۱۰۳۴ اور اللہ کافر لوگوں کو

یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ

راہ ہدایت نہ دکھائے گا ف۱۰۳۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال

اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ

رضائے الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے) کی

ساتھ کچھ سلوک کیا ہے اس پر بڑا احسان رکھتے ہیں اور نا اُسے اپنے برتاؤ سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی کچھ خدمت اپنے سے بن پڑ جائے یہ تو خود اپنے لیے باعث اجر وموجب سعادت ہے نہ یہ کہ اُلٹا اس پر فخر کیا جائے۔ اور جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اُسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھیرایا جائے۔ ف۱۰۲۸ (قیامت کے دن) اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو پورا پورا اجر ملے گا۔ ان کے درجۂ اخلاص کے تناسب سے ف۱۰۲۹ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یعنی معذرت کی نرم بات کہہ دینا۔ مَغْفِرَةٌ۔ یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو اس وقت ٹال جانا جب وہ سختی یا بدتہذیبی سے پیش آنے لگے۔ آیت میں صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاح قلب ہے اور اس کے بعد دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا۔ بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بلکہ اُلٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اُس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔ اَذًى۔ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کے آزار کو شامل۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں آ گیا۔ خَيْرٌ۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا اور سائل کی سختی کو پی جانا موجب قرب واجر ہیں، اس لیے انہیں خیر سے تعبیر فرمایا۔ ف۱۰۳۰ غَنِيٌّ۔ وہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدہ کے لیے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لیے کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ دیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا ہمارے زر ومال کا محتاج ہے۔ حَلِيْمٌ۔ اس لیے مجرموں اور قانون شکنوں کو جو سزائے بالفور نہیں دیتا، سائل کی بدتہذیبی، غنی کی بد دماغی سب کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے۔

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

غرض سے) ف۱۰۳۶ ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو پھر وہ

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

دوگنے پھل لایا ہو ف۱۰۳۷ اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار

فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ

(ہی کافی ہے) ف۱۰۳۸ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ف۱۰۳۹ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا

اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ

ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

بہہ رہی ہوں (اور) اس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ

اور اس کا بڑھاپا آ چکا ہو اور اس کے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا

اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو ف۱۰۴۰ اے ایمان والو،

اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ

جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو ف۱۰۴۱ اور اس میں

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ

سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں ف۱۰۴۲ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو

ف۱۰۳۱ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ۔ یعنی ان ممنوع طریقوں سے اضافۂ اجر وازدیادِ ثواب کو ملیامیٹ نہ کردو۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح صدقہ کا ابطال یہاں حرام وممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کوئی سا بھی نیک عمل ہو اسے باطل کرڈالنا حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ نفل نماز کی نیت باندھ کر اسے توڑ ڈالنے کی حرمت وممانعت اسی قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ف۱۰۳۲ (اور یہ شخص صدقہ کے نفس اجر وثواب ہی کو ضائع کرکے رہتا ہے) دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ پہلی صورت میں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ نفس صدقہ تو ان لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقی درجات واضافۂ اجر سب سلب ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں ذکر اہل کفر کا ہے۔ یہ جب خدا اور آخرت پر ایمان ہی سے محروم ہیں تو ان کے صدقہ وخیرات سے بظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو۔ سب کا حاصل دنیا ہی ہوگا۔ ایسوں کو اجر کس چیز کا؟ رضائے الٰہی کی طلب تو کسی درجہ میں بھی ان کے عمل کا جز نہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ۔ انجیل میں بھی اس سے ملتی جلتی ہدایت موجود ہے (متی۔ ۶:۲) محققین نے لکھا ہے کہ ریاء کی مذمت میں یہ آیت نص صریح ہے۔ ف۱۰۳۳ (اور وہ دیسا ہی کورا رہ جائے جیسا پہلے تھا) تشبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ کافر اسی طرح اپنے کو قیامت کے دن ہر خیر وخیرات کے اجر سے محروم پائے گا۔ اس کا انفاق۔ الی حقیقتہ کسی صدقہ وخیرات کے حکم میں آتا ہی نہیں۔ صَفْوَانٍ۔ تشبیہ محرومی اجر کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ ف۱۰۳۴ ذرا نہی لوگوں کا ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ مِّمَّا كَسَبُوْا۔ یعنی جسے وہ اپنے خیال وپندار میں اپنی کمائی سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ بندہ کی کمائی تو حقیقۃً وہی ہے جس پر عمل صالح کا اطلاق ہو سکے اور عمل صالح کی پہلی اور بنیادی شرط ایمان ہے۔ ف۱۰۳۵ (قیامت کے دن ثواب کے گھر یعنی جنت کا) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور اپنا قوت فیصلہ سے صحیح کام نہیں لے رہے ہیں انہیں زبردستی راہِ ہدایت دکھا دینے کا قانون الٰہی ہے ہی نہیں۔ ف۱۰۳۶ (جیسا کہ ہر مومن مخلص کا شیوہ ہوتا ہے) تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اتنے ٹکڑے میں نفسیات بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی۔ معصیت کی طرح ہر طاعت کا بھی خاصہ ہے کہ وہ متجانس اعمال کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر عمل صالح کے بعد نفس میں دوسرے اعمال صالح کے لیے آمادگی وپختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس بشری کا خاصہ ہے کہ ہر عمل سے تکرار وعادت کے بعد اس عمل سے متعلق ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب وضعیف ہوتی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصول اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ وہ خرچ اس لیے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں وہ صرف مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعث گرانی۔ ف۱۰۳۷ (کہ ہوا کی لطافت وزمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت مل ملا کر قوت بارآوری کو خوب بڑھا دیں گی) بِرَبْوَةٍ۔ ٹیکرے کی ہوا قدرۃً لطیف وبارآور ہوتی ہے۔ ف۱۰۳۸ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر درجۂ اعلیٰ میں نہ ہو جب بھی نفس ایمان، اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہنچانا) بجائے خود صدقات وخیرات کو مقبول بنا دینے کے لیے کافی ہیں ف۱۰۳۹ (اور اسی لیے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر، مومن مخلص، غیر مخلص سب کے محرکات عمل اور سب کے درجۂ اخلاص وعدم اخلاص سے خوب واقف ہے۔ ف۱۰۴۰ (اور اپنے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق عمل کرتے رہو) مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ۔ تصریح کے ساتھ نام انہی میووں کا لیا گیا جو اہل عرب کے لیے خاص اہمیت اور خصوصی معنویت رکھتے تھے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سرسبز وشاداب بھی تھا۔ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شان غنا ظاہر کرنے کو ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ۔ یعنی وہ مالک باغ اب محنت ومشقت کے قابل نہ رہے۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آ جائے اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہو جائے۔ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ۔ یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو

کہ تحصیل معاش میں اس کے کچھ کام آسکے، گویا اس کی معذوری ہر طرح روشن و آشکارا ہو جائے۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ۔ کہ وہی باغ وجہ معاش تھا۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ اس شخص کا بھروسہ ظاہری طاعات و اعمال صالحہ پر تھا۔ فَاحْتَرَقَتْ۔ یعنی اُس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں۔ تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اُسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائط قبول و مقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے۔ اس لیے اجر و ثواب کیسا اب تو حرمان محض اس کے نصیب میں آیا ہے۔ اٰلْاٰيٰتِ۔ یہاں مثالوں اور نظیروں کے معنی میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ یعنی تمہارے نفع کے لیے۔ تمہیں سمجھانے کو۔ ذرا صورت حال کی حسرت ناکی کا تصور کیجیے۔ ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز و شاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور، کم سن، جو بجائے اس کے کہ کسب معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اُلٹے اس کے لیے بار خاطر ہو رہے ہیں۔ عین اُس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ باغ کے مالک کے غم و حسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اُس بدنصیب انسان کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکے گی۔ اور اب وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفتر عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے۔ کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت و حرمان نصیبی کا ہو سکتا ہے؟ وف۱۰۴۱ (الله کی راہ میں، نیک کاموں میں) مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز، پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے بہ قاعدہ اشارۃ النص مَا كَسَبْتُمْ ہی سے نکالا ہے کہ زکوٰۃ اُس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو اضطرارًا حاصل ہو جائے، اس میں زکوٰۃ نہیں۔ وف۱۰۴۲ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔ لَكُمْ یعنی تمہارے کام کے لیے۔ مِنَ الْاَرْضِ۔ اس کے تحت میں زراعت، باغبانی، کاشتکاری وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں، جس طرح مَا كَسَبْتُمْ کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔ فقہاء نے مِنَ الْاَرْضِ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت، معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوئی، برخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے کہ وہ زمین سے نہیں سمندر سے نکلتے ہیں۔ وف۱۰۴۳ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں کہ اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً ان کی طرف سے چشم پوشی کر لو۔ تو الله کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اَلْخَبِيْثَ ردی، ناکارہ چیز۔ تُنْفِقُوْنَ مراد وہی الله کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے۔ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ یعنی جب وہ تمہیں قیمتًا ہدیۃً مل رہی ہو۔ وف۱۰۴۴ غَنِيٌّ۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو۔ اُس کی نذر اس کے دربار میں پیش کرنا چاہو۔ اُس کے ہاں اجر میں کوئی بخل نہیں۔ اُس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم و خاسر نہیں ہو سکتا۔ حَمِيْدٌ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے۔ تمہاری داد و دہش سے اس کی محمودیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں! ضمنًا یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے تو اُس کے ہاں مقبولیت بھی انہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اس کی صفات حسنہ سے رکھتے ہوں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مسلّم ہے صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔ وف۱۰۴۵ (کہ راہ خدا میں خرچ کر ڈالو گے تو خود مفلس رہ جاؤ گے) روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو چیز نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے سے روکتی ہے۔ وہ یہی خیال ہوتا ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد پھر اپنی ضرورتوں کے لیے کیا رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ کے بلیغ الفاظ سے یہ تعلیم دے دی کہ یہ خیال تمام تر ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ اور یوں اس خیال کے باطل ہونے کا بہترین پیرایہ اختیار کر لیا اَلْفَحْشَآءِ عربی میں فحش و فحشاء کا اطلاق ہر شدید برائی، ہر بری صفت پر ہوتا ہے۔ هو كل ما يشتد قبحه من الذنوب والمعاصي (تاج) و قيل كل خصلة قبيحة فهي فاحشة من الاقوال والافعال (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق علی الخصوص ہوتا ہے۔ الفاحش البخيل (قاموس) قيل الفاحش هو البخيل جدًا (تاج) والعرب تسمي البخيل فاحشًا و البخل فحشًا و فحشاء (جصاص) اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں اَلْفَحْشَآءِ سے مراد ادائے زکوٰۃ و صدقات میں بخل ہے قال المفسرون اي يامركم بان لاتتصدقوا (تاج) قيل الفحشاء ههنا البخل في اداء الزكوة۔ (تاج) يعني باعظم القبح في البخل (راغب) يغريكم على البخل و منع الصدقات (كشاف) المراد بها في هذا الموضع البخل (جصاص) وف۱۰۴۶ (خوش دلی کے ساتھ الله کی راہ میں خرچ کرنے پر) مَغْفِرَةً وَّفَضْلًا وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور وعدۂ فضل کا دنیا سے۔ ماحصل یہ ہے کہ خدائی احکام پر خدائی قانون کے مطابق چلو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود یقینی ہے۔ شیطانی راہ بربادی و ہلاکت کی ہے۔ اور خدائی راہ فلاح و صلاح کی وف۱۰۴۷ وَاسِعٌ۔ ایسے وصف والے کے ہاں انعام و اکرام کی کیا کمی۔ عَلِيْمٌ۔ ایسے علم کامل والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے۔ اس لیے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا

کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی

فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ

کر جاؤ وف۱۰۴۳ اور جانے رہو کہ الله بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے وف۱۰۴۴ شیطان

يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ

تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے تمہیں بخل کا وف۱۰۴۵ اور الله

يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا وعدہ کرتا ہے وف۱۰۴۶ اور الله بڑا وسعت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

بڑا علم والا ہے وف۱۰۴۷ وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطاء

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

ہو گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گئی وف۱۰۴۸ اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ

ہی قبول کرتے ہیں وف۱۰۴۹ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا

نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

جو نذر مانتے ہو یقیناً الله (سب کچھ) جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

کوئی بھی نہ ہو گا وف۱۰۵۰ اگر تم صدقات کو ظاہر کر دو جب بھی اچھی بات ہے

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقیروں کو دو جب تو یہ تمہارے حق میں

ف۱۰۴۸ (جس کے مقابل دنیا کی کوئی دولت نہیں)۔ الْحِكْمَةَ حکمت کی تشریحیں بہت سی کی گئی ہیں۔ لیکن بہترین اور جامع ترین تشریح یہ ہے کہ وہ امور دین میں فہم صحیح کا نام ہے۔ اور اس فہم صحیح میں نقل سے بیزاری اور مصارف میں توازن بھی شامل ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ حکمت کی تقسیم وعطا مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہوتی رہتی ہے۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ یہ حکمت ودانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے سب کا سب اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اڑا دیا جائے۔ یعنی دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل پھل ہی پھل ہاتھ لگیں، اور ایمان وطاعت کا ایسا بیمہ کرا دیا جائے جو آئندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔ خَيْرًا كَثِيرًا۔ تنکیر واظہار عظمت کے لیے ہے یعنی بہت ہی بڑی نعمت ف۱۰۴۹ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل سلیم سے کام لینے والے۔ نصیحت سے مراد راہ حق پر چلنے کی اور راہنمایان دین کی اطاعت کی نصیحت ہے۔ اہل لطائف نے کہا ہے کہ آیت میں شیطانی وسوسہ کا علاج علم (حکمت) کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ جس طرح اس سے قبل تَثْبِيتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ میں عمل سے بتایا جا چکا ہے۔ ف۱۰۵۰ (یوم جزا میں) مِّنْ نَّفَقَةٍ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ اچھے برے کسی مصرف میں۔ مِّنْ نَّذْرٍ۔ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اردو میں منت مانا کہتے ہیں۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز لازم کر لینا ہے جو واجب نہ تھی۔ النذر عقد، ترتب على شئ والتزامه على وجه مخصوص (روح) النذرما يلتزمه الانسان بايجابه على نفسه (کبیر) یہ نذر عبادت بدنی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز یا روزہ اور عبادت مالی کی صورت میں بھی۔ يَعْلَمُهٗ یعنی اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا وسزا بھی ہوگی۔ كناية عن مجازاته سبحانه عليه (روح) لمجازيكم عليه (بیضاوی) لِلظّٰلِمِيْنَ یعنی قانون الٰہی توڑنے والوں کا اپنے حق میں ناانصافی کرنے والوں کا ف۱۰۵۱ نیکی کی طرح صدقات وخیرات کے بھی مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے، لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان واظہار بھی ضروری ہو جاتا ہے ایک شخص ہے کہ بھوک پیاس سے خستہ حال یا بیماری میں مبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دے کر کہنا چاہیے کہ از سر نو زندہ اٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریا ونمائش میں نہ ہو جائے اس کے پاس سے کترا تے اور خاموش گزرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تقویٰ نہیں، عین معصیت اور انتہائی وہم پرستی ہوئی۔ یہاں ضرورت فی الفور مدد رسانی کی تھی خواہ اس کے لیے اعلان بہ بانگ دہل ہی کرنا پڑے۔ نہ یہ کہ شبہ ریا، وشائبہ نمائش سے بچنے کے لیے تلاش پہلے گوشہ تنہائی کی شروع ہو جائے۔ جن مذہبی طبقوں نے نیکی کے اہتمام یا اخفاء میں تاکید حد سے زیادہ کی ہے اور خدمت خلق کو مخفی رکھنے کے ساتھ محدود ومقید کر دیا ہے، ان کی تعلیم یقیناً ناقص، ناتمام، یکطرفہ ہے اور انہوں نے زندگی میں شب وروز اس قسم کے پیش آنے والے بہ کثرت واقعات کو نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عمل خیر کے اعلان واخفاء میں اختیار ہے اور ساتھ ہی افضلیت اخفاء کی ہے، جب اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ اِنْ تُبْدُوا وَاِنْ تُخْفُوْهَا۔ یعنی حسب ضرورت ومصلحت دینی اعلان واخفاء جو بھی مناسب ہو۔ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ۔ یعنی فقیروں کے حوالے کرو اہتمام اخفاء کے ساتھ۔ فَهُوَ یعنی وہی اہتمام اخفاء ف۱۰۵۲ (ان نیکیوں کی برکت سے) قرآن مجید نے ازالہ سیئات کی جہاں اور صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیئات کو محو کرتی رہتی ہیں۔ یہ چیز محض عقیدہ کی نہیں، مشاہدہ وتجربہ کی بھی ہے کہ حق کی نظر سے چھپ کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد نفس کی اصلاح خود بخود ایک بڑی حد تک ہو جاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کرنے کے لیے خدائے رحمن ورحیم کا لطف وکرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مسیحیوں کے اس بنیادی عقیدہ کو ایک بار پھر یاد کر لیا جائے کہ گنہ گاروں کی نجات اور گناہوں کے دھلنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ ”خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا“ انسان کے قالب میں دنیا میں آئے اور اپنی جان کو صلیب پر دے کر رب کی طرف سے کفارہ ادا کرے ف۱۰۵۳ (اور اس لیے وہ ثمر بھی اعمال واحوال کے مطابق دے گا) گناہوں سے باز رکھنے میں خدائے علیم وخبیر کے علم کل ونظر محیط کا استحضار اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور اسی لیے قرآن مجید نے اسے ہر ایسے موقع پر بار بار دہرایا ہے۔ ف۱۰۵۴ (اے پیغمبر!) هُدٰىهُمْ۔ ان کی یعنی کافروں کی ف۱۰۵۵ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق) رسول کا کام صرف تبلیغ ہے، یعنی ہدایت کا پیام دنیا تک پہنچا دینا، باقی کس کو قبول حق کی توفیق ہوتی ہے اور کس کو نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر مشیت الٰہی سے ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض دفعہ کسی کافر مشرک صاحب حاجت کو خیرات دینے سے اس مصلحت سے رک جاتے تھے کہ شاید یہ احتیاج ہی کی بنا پر اسلام قبول کر لیں۔ آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اتنے بعید اہتمام کی ضرورت نہیں محض تبلیغ کافی ہے۔ فقہائے امت نے کہا ہے کہ کافر کو خیرات دینا بالکل جائز ہے بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو۔ المراد اباحة الصدقة عليهم و ان لم يكونوا على دين الاسلام و قد روى ذلك عن جماعة من السلف (جصاص) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں۔ مراد اس سے طعام دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت۔ پس تعارض کا شبہ نہ کیا جائے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کافر حربی کو صدقہ وغیرہ جائز نہیں (تھانوی) کافر ذمی یعنی غیر حربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں (تھانوی) اور دوسرے صدقات واجب ونفل سب جائز ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت میں ذکر زکوٰۃ کا نہیں عام صدقات کا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

لَكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

اور بہتر ہے ف۱۰۵۱ اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دے گا ف۱۰۵۲ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے، ف۱۰۵۳ ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ف۱۰۵۴ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے ف۱۰۵۵ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے (کرتے ہو) ف۱۰۵۶ اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو ف۱۰۵۷ اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (سب) تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر (ذرا بھی) زیادتی نہ کی جائے گی ف۱۰۵۸ (اصل) حق ان حاجتمندوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ف۱۰۵۹ ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے ف۱۰۶۰ ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے ان کی احتیاط سوال کے باعث ف۱۰۶۱ تو انہیں ان کے بشرہ ہی سے پہچان لے گا، ف۱۰۶۲ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ف۱۰۶۳ اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ف۱۰۶۴

کہ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ کسی کے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھے کہ کفار کو صدقہ نہ دینا تدبیر ہی کی ایک شق تھی و۱۰۵۶ یعنی اپنے ہی اجر اخروی کے لیے نہ کہ کسی اور کے لیے۔ فھو لانفسکم لاینتفع به غیرکم (کشاف) مَا تُنْفِقُوْا یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو مِنْ خَیْرٍ یعنی اپنے مال میں سے۔ خیر یہاں مال کے مرادف ہے۔ ای من مال (معالم) من مال (کشاف) خیر۔ اصلا شر کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل و اخلاق پُر منفعت شے وغیرہ الخیر ما یرغب فیه الکل کالعقل مثلا والعدل والفضل والشیٔ النافع اور قرآن مجید میں مال کے لیے خیر کا لفظ متعدد مقامات پر مال کے حسن استعمال کے سلسلہ میں آیا ہے۔ مثلاً ان ترک خیرًا۔ وانه لحب الخیر لشدید۔ ما انفقتم من خیر فللوالدین وغیرھا و۱۰۵۷ (سو یہ مقصد ہر حاجتمند کی حاجت برآری سے پورا ہو جاتا ہے خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں) کان النبی ﷺ لا یتصدق علی المشرکین فنزلت وما تنفقون الا ابتغآء وجه الله فتصدق علیھم (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مقصود جب اپنے لیے نفع اخروی و حصول اجر ہے تو وہ تو ہر حاجتمند کی امداد سے ہو سکتا ہے صدقہ کو مسلمانوں ہی پر محدود رکھنے کی قید کیوں لگائی جائے۔ وجه الله کے عام طور پر معنی ذات الٰہی کے کیے گئے ہیں۔ وربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) لیکن دوسرے معنی رضاء الٰہی کے بھی ہو سکتے ہیں اور بعض محققین اس طرف بھی گئے ہیں۔ عبر بالوجه عن الرضا کما قال ابتغاء مرضاة الله و ذلک عادة العرب (بحر) محض للہ کے مقابلہ میں ابتغاء وجه الله کہنے میں ایک تو زور زیادہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہو گئے کہ کسی درجہ کی شرکت مقصود و مطلوب نہیں، صرف اللہ ہی کی رضا مقصود ہے۔ گویا یہ ترکیب، تاکید اور حصر دونوں کی جامع ہے۔ ای ما تنفقون بسبب من الاسباب الا لھذا السبب (روح) ای ثوابه لاغیرہ من اغراض الدنیا (جلالین) آیت میں رد ہے ان جاہل صوفیہ کا جو ثواب اور اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو بار بار صاف صاف صراحۃً ترغیب دی ہے اجر و ثواب کے تلاش کرنے کی و۱۰۵۸ (کہ اجر میں کچھ کسر رہ جائے اور ثواب کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے) مِنْ خَیْرٍ خیر کے مرادف مال ہونے پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔ یعنی سارا اجر و ثواب آخرت میں و۱۰۵۹ یعنی صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجتمند ہیں جن کا ذکر اب آ رہا ہے۔ مبتداء یہاں محذوف ہے۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ ھذه الصدقات للفقرآء (مدارک) اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد یہاں مجاہدین ہیں ھم الذین احصرھم الجھاد فمنعھم من التصرف (مدارک) احصار۔ میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ علی ھذا فی سبیل الله میں بھی بڑی وسعت ہے۔ دین کا کوئی سا کام، کوئی سی ضرورت ہو سب اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں کہ علم دین میں جس مشغولی وانہماک کی ضرورت ہے اس کے ساتھ اگر فکر معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی و۱۰۶۰ (آزادی سے طلب معاش کے لیے) یعنی ان کا وقت خدمت دین میں ایسا گھرا رہتا ہے کہ کسب معاش کے لیے انہیں مہلت نہیں ملتی و۱۰۶۱ یعنی ان کی غیرت و خودداری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوشحال ہیں محتاج و مستحق امداد نہیں۔ (تونگری) شریعت میں حاجت اصلی سے مال کے زائد ہونے کو کہتے ہیں۔ الغنی ھو ما یفضل عن مقدار الحاجة (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہیے جس سے عام اہل دنیا سے ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہو و۱۰۶۲ (کہ یہ محتاج و مستحق امداد ہیں۔ اے مخاطب!) یعنی یہ لوگ زبان سے کچھ بھی نہ کہیں۔ لیکن ان کی طرز و ہیئت خود سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر و فاقہ کی غمازی کرے گی۔ بعض فقہاء نے یہیں سے قرآن سے استنباط قیافہ کا جواز نکالا ہے و۱۰۶۳ (شدت احتیاج کے باوجود) اور یہ دلیل ہے ان کے کمال غیرت کی۔

التَّعَفُّفِ اوپر مِنَ التَّعَفُّفِ کے ضمن میں ابھی آ چکا ہے کہ یہ غیور و خوددار لوگ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے اور اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ لپٹ لپٹ کر نہیں۔ مانگتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ الحاف (لپٹ لپٹ کر مانگنے کی عادت) بری عادت ہے۔ بعض محققین نے معنی مطلقاً عدم سوال کے کیے ہیں۔ والمعنی انھم لایسئلون اصلا و ھو المروی عن ابن عباس والیه ذھب الفراء والزجاج واکثر ارباب المعانی (روح) و۱۰۶۴ (تمہارے اخلاص کا، اور اسی نسبت سے اجر بھی دے گا) وَمَا تُنْفِقُوْا۔ یعنی ایسے لوگوں پر خرچ کرتے رہو و۱۰۶۵ (قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر) بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔ یعنی جس وقت اور جس گھڑی بھی ضرورت و مصلحت ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً۔ یعنی پوشیدہ تو حسب عادت اور علانیہ حسب ضرورت و مصلحت۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی اللہ کی راہ اور خدمت دین میں۔ انفاق کی ترغیب جہاں جہاں بھی ہے۔ مطلق انفاق کی نہیں بلکہ مراد وہی انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدمت دین میں خرچ ہے و۱۰۶۶ (اسے جائز قرار دے کر) یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا سے مراد اردو محاورہ میں سود لینا ہے۔ عربی اور فارسی محاورہ میں سود کھانا آتا ہے۔ اور اردو میں بھی سود کھانا نامانوس نہیں۔ الرِّبٰوا ربو کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ ربا ای زاد و علا (راغب) الربا الزیادة فی راس المال (راغب) اصطلاح شریعت میں ربوا کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خُصَّ فی الشرع بالزیادة علی وجه دون وجه (راغب)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَھٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ

جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۱۰۶۵ جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں و۱۰۶۶ وہ لوگ کھڑے نہ ہوں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو و۱۰۶۷ یہ سزا اس لئے ہو گی کہ وہ کہتے ہیں و۱۰۶۸ کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے و۱۰۶۹ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے و۱۰۷۰ پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہو چکا و۱۰۷۱ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا و۱۰۷۲ اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے و۱۰۷۳ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے و۱۰۷۴ اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو

كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوست نہیں رکھتا ۱۰۶۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کا اجر

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۱۰۶۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے

مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ

اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو ۱۰۶۷ لیکن تم نے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ۱۰۶۸

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں ۱۰۶۹ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ

نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا ۱۰۸۰ اور اگر تنگدست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک

اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مہلت ہے ۱۰۸۱ اور اگر معاف کر دو تو تمہارے حق میں (اور) بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

علم رکھتے ہو ۱۰۸۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے

ھو فضل مالٍ خالٍ عن العوض فی معاوضۃ مالٍ بمالٍ (مدارک) اہل عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اردو میں اسی کا ترجمہ سود ہے اور سود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے ۱۰۶۴ اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اٹھنے پر یہ سود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے۔ مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ بازار رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سود یا بیوپار ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص و طمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اس مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہل کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اسی صورت کے ساتھ اٹھے گا۔ جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ قال العارف الرومی ؎

سیرتے کو بر نہادت غالب است ہم بر آں تصویر حشرت واجب است

من المس۔ مس اور مس شیطانی سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ کنّی بالمس عن الجنون (راغب) المس الجنون (کشاف) ان الفاظ کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مس شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہل عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ قرآن انہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ قیل اضیف الی الشیطان علی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرعہ فورًا علی ما کانوا یعتقدون (بحر) الناس یضیفون الصرع الی الشیطان والی الجن فخوطبوا علی ماتعارفوہ من ھذا ومن عادۃ الناس انھم اذا ارادوا تقبیح شیءٍ ان یضیفوہ الی الشیطان (کبیر) ۱۰۶۸ (حکم حرمت ربٰو کے جواب میں بطور استدلال کے) مراد سود خواروں اور جواز سود کے قائلوں کی جماعت ہے۔ یہ عہد جاہلیت کے "روشن خیال" تھے ۱۰۶۹ (حصول نفع و اضافہ دولت کے لحاظ سے) آج کل کے "روشن خیالوں" کی طرح اس عہد کے سفیہوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں حرام ہو؟ ان نادانوں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک سطح نہ اخلاقی حیثیت سے ہے نہ معاشی حیثیت سے۔ سود کی تو ایک متعین رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع و نقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لیے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں حرمت سود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرز ادا و تعبیر کی تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد آج بھی پوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نمبر اول پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ ۱۰۷۰ (اور معلوم ہے کہ اللہ وہ ہے جو شرائع و احکام کا مالک ہے اور حکیم بھی ہے اور حاکم بھی) جب حکیم مطلق نے ایک معاملت کو جائز اور دوسری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز کے اندر بیشمار منافع و مصالح اور حرام کے اندر بے شمار مفاسد و نقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مفاسد نہ بھی آئیں۔ جب بھی حاکم مطلق کا حکم واجب العمل تو بہرحال ہے۔ اسلام کے جو احسانات ساری دنیا پر اور بہت روشن و نمایاں حیثیت سے ہیں ان میں سے ایک حرمت سود بھی ہے۔ اس کے مفاسد روشن سب پر ہو چکے تھے۔ اس سے عاجز سب ہی آچکے تھے لیکن قطعی اور کلی صورت میں حرام اسے دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی اور حرص مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آجانے سے نفس میں دناءت اور زر پرستی اور ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل یہ واقعات و مشاہدات کہنا چاہیے کہ پیش پا افتادہ تھے۔ لیکن اس کی قطعی بندش کا خیال کسی انسانی دماغ کو نہ آیا۔ اصلاح حال کی جو کوششیں زیادہ سے زیادہ ہوئیں وہ بس شرح سود کی تحدید تک رہیں۔ یونان میں سولن، انگلستان میں بیکن اور یورپ میں آبائے کلیسا کے جوش اصلاح والہ وہ خلق کی کائنات کل اسی قدر ہے۔ یہ فخر قیامت تک کے لیے عرب کے امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا کہ اس انسانیت کش رسم کی حرمت کی منادی اس کی زبان سے کرائی گئی اور خدا بیزار ربٰو کا زلزلہ افگن نعرہ اس کے دہن سے بلند کروایا گیا ۱۰۷۱ (اور وہ اس کھائے ہوئے نوالہ کے اگلنے پر مجبور نہیں) مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یعنی یہی حرمت سود کا حکم فَانْتَهٰى یعنی وہ باز آگیا سود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ یعنی حکم حرمت سے قبل جو کچھ لے چکا ہو لے چکا۔ توبہ کے بعد اس کے لیے گنجائش ہے کہ اس مال کو اپنے پاس رہنے دے۔ پچھلی رقموں کی واپسی پر شریعت اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتی ۱۰۷۲ (جو دلوں کے اسرار و خفایا کا عالم ہے) مقصود یہ ہے کہ یہاں بیان بندوں کے سامنے معاملہ کے صرف ظاہری اور قانونی پہلوؤں کا ہو رہا ہے۔ باقی قلب کے تقویٰ و طہارت اور نفس کی اصلاح کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اَمْرُهٗ میں ضمیر باز رہنے والے (من انتھی) کی طرف ہے۔ الظاھر ان الضمیر فی امرہ عائد الی المنتھی (بحر) ۱۰۷۳ یعنی جو کوئی اس تبلیغ کے بعد بھی عقیدۂ جواز سود پر قائم

رہے، یا سودی معاملت کرتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یہ سزا ہے سودی معاملت کرنے والوں کی۔ معاملت سود گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کی سزا جہنم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ سزا ہے جواز سود کے قائلوں کی۔ جواز سود کا عقیدہ کفر ہے اور کفر کی سزا خلود جہنم ہے۔ معتزلہ نے آیت کے اتنے جزء سے مومن اہل معاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ لیکن تفسیر کا جو پہلو یہاں اختیار کیا گیا اس پر یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر کبیر میں اس مقام پر خوب تقریر کی ہے۔ ف ۱۰۷۳ آخرت میں تو اس وعدہ و وعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر ہی رہے گا کہ سود میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا۔ لیکن دُنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے۔ سود خوار قوموں کا انجام بار ہا آپس کی خونریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سود خواری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کوئی نفسہٖ محبوب بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود خوار زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا۔ اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، بلی غمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت و معاونت قوموں اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سودی کاروبار کی ترویج ہے ف ۱۰۷۴ اس کے اندر دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ حرمت سود کے عقیدۃً بھی منکر ہیں۔ كَفَّارٍ کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ ناشکرے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے مفہوم میں کفور کا مرادف اور اس سے بلیغ تر۔ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جو جواز سود کے قائل ہیں۔ ای عظیم الکفر باستحلال الربوا (مدارک) مصرّ علی تحلیل المحرمات (بیضاوی) الکفور المبالغ فی کفران النعمة والکفار ابلغ من الکفور (راغب) اَثِيْمٍ۔ بڑے گنہگار۔ یعنی سود خواری جیسی شدید معصیت میں مبتلا۔ متماد فی الاثم باکله (مدارک) منهمک فی ارتکابه (بیضاوی) كَفَّارٍ۔ کے لفظی معنی بڑے ناشکرے کے ہیں۔ جس شخص پر اللہ دینا اتنا فضل کرے کہ اُسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور وہ اس مال کو بندوں کی آزار رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوءِ استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہو گی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ ف ۱۰۷۵ (قیامت میں) خیر آخرت میں تو ایسے نیک کردار، متقی، خاشع، خادم خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دنیا میں بھی جو سکون قلب، یکسوئی، طمانیت خاطر اور قناعت کی مسرتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں اُن کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتا۔ جو چوبیس گھنٹہ آنہ، پائی کی میزان لگا تا رہتا ہے جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر پیسہ پیسہ گنتا رہتا ہے اور جس پر ہر گھڑی بہی کھاتہ سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے ف ۱۰۷۶ (کہ ایمان کا مقتضیٰ سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے) محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار کرنا ہے۔ فیه دلیل علی ان من کفر بشریعة واحدة من شرائع الاسلام کان کافرًا کما لو کفر بجمیع شرائعه (کبیر) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ خوف خدا ہی اصل ہے تمام نیکیوں کی اور اجتناب معاصی کی۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ۔ یعنی حرمت سود کے نزول حکم سے قبل جو رقم سودی تم ٹھہرا چکے ہو اس کا وصول کر لینا اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو۔ ف ۱۰۷۷ یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ کما یحارب الفئة الباغیة (کبیر) کحرب المرتد و کحرب البغاة (روح) اعلام بانهم ان لم یفعلوا ما اُمِرُوا به فهم محاربون لله و رسوله (جصاص) اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لیے نہیں آئی ہے۔ العظمة لله حرمت سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلا کر رسالہ "جواز سود" پر شائع کیے جائیں اور اپنی تحریر و تقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اُس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں، ان پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی اگر اس حکم حرمت سود پر عمل نہ کرو گے ف ۱۰۷۹ یعنی حکومت اسلامی تمہارا اصل سرمایہ تمہیں واپس دلا دے گی۔ اگر توبہ نہ کرو گے تو راس المال بھی بحق حکومت اسلام ضبط ہو جائے گا۔ اِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر سود خواری کی معصیت سے توبہ کر لو گے ف ۱۰۸۰ لَا تَظْلِمُوْنَ ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کر لی۔ بطلب للزیادة علی راس المال (کبیر) لَا تُظْلَمُوْنَ۔ مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض لی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔ ای بنقصان راس المال (کبیر) ف ۱۰۸۱ یعنی مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اسی وقت تک کے لیے مہلت دے دی جائے۔ جب تک وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے ف ۱۰۸۲ (کہ اس احسان و حسن سلوک پر کتنا اجر عظیم موعود ہے) اَنْ تَصَدَّقُوْا۔ یعنی نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کر دو۔ عقائد اسلامی کی طرح قوانین اسلامی کی بھی پوری قدر اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابلہ میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین رکھے جائیں۔ خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرض داروں کے حق میں سرتاسر ظالمانہ ہیں۔ رومی قانون (مرعوب کن Roman Law) میں مدیون کو قتل تک کیا جا

اللّٰهِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

جائے گے ف ۱۰۸۳ پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ

يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ

ہو گا ف ۱۰۸۴ اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین

بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ

تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو ف ۱۰۸۵ اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ

لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے

كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ

جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھا دیا ہے ف ۱۰۸۶ پس چاہیے کہ وہ لکھ دے اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ

الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔا ۭ

حق واجب ہے ف ۱۰۸۷ اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ف ۱۰۸۸

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو ف ۱۰۸۹

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ

اور اس قابل نہ ہو کہ وہ خود لکھوا سکے ف ۱۰۹۰ تو لازم ہے کہ اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک

بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

لکھوا دے ف ۱۰۹۱ اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو ف ۱۰۹۲

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ

پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

جنہیں تم پسند کرتے ہو ف۱۰۹۳ تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ

اگر کوئی ایک ان دو میں سے بھول جائے ف۱۰۹۴ اور گواہ جب بلائے جائیں

اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا

تو انکار نہ کریں ف۱۰۹۵ اور اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی میعاد

اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

تک لکھنے سے اکتایا نہ کرو یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرین عدل ہے

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور زیادہ سزاوار اس کی کہ تم شبہ میں نہ پڑو ف۱۰۹۶ بجز اس کے کہ

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے ہی رہتے ہو سو تم پر اس میں کوئی

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪

الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو ف۱۰۹۷ اور جب خرید وفروخت کرتے ہو (تب بھی) گواہ کر لیا کرو ف۱۰۹۸

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا

اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے ف۱۰۹۹ اور اگر (ایسا) کرو گے

فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ

تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ (شمار) ہوگا ف۱۱۰۰ اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۱۱۰۱ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے ف۱۱۰۲

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى

اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۳ اور اگر تم سفر میں ہو

سکتا تھا اور روی تاریخ میں واہنوں کی ظلم وزیادتی سے بارہا نوبت شدید ہنوں تک آگئی ہے۔ ایک اور نکتہ۔ اسلامی نظام معاشیات کی بنیاد مادیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت وروحانیت وتقوائے الٰہی پر رکھی ہے۔ اور یہ خصوصیت اُسے دنیا کے قدیم وجدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کیے ہوئے ہے ف۱۰۸۳ (اپنے اپنے اعمال کی پیشی کے لیے) خطاب یہاں اہل ایمان سے ہے ف۱۰۸۴ (کہ کسی کا نیک عمل بلا معاوضہ رہ جائے یا کسی کے نامۂ عمل میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے) تُوَفّٰی۔ مَا كَسَبَتْ۔ یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا ف۱۰۸۵ (اور اس صاف صاف لکھا پڑھی کو نہ دلیل بے اعتمادی کی سمجھو اور نہ اس میں شرماؤ) دَیْنٌ۔ دَین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلہ میں ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے، جس کے معاوضہ کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔ هو عبارة عن كل معاملة كان احد العوضين فيها نقدا والآخر في ذمة النسيئة كان العين عند العرب ما كان حاضرا والدين ما كان غائبا (ابن عربی) تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ۔ دَین یا ادھار معاملت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چیز ابھی خرید لی اور قیمت کے لیے طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دوسری یہ کہ قیمت ابھی وقت دے دیں اور چیز کے لیے یہ طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد لیں گے۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونا چاہیے۔ گول اور مجمل نہ رہے۔ "جاڑوں کے زمانہ میں" "برسات کے موسم میں" "ربیع کی فصل میں" ان مبہم مدتوں کی بجائے تعیین وصراحت ہونا چاہیے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔ فقیہ ابن عربی مالکی نے ایک اس آیت کے ذیل میں ۵۲ مسئلے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع میں اہم ترین آیت ہے۔ هي اصل في مسائل البيوع و كثير من الفروع۔ کی صوفیہ اور جاہل مشائخ نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ معاشرت ومعاملت کی اصلاح ودرستی سلوک وطریقت کے منافی ہے وہ غور کریں کہ قرآن کو اس باب میں کتنا اہتمام بلکہ جزئیات تک کا انضباط مد نظر ہے! ف۱۰۸۶ باہمی لین دین اور قانونی معاملات کے سلسلہ میں ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک کے لیے شریعت کا یہ اہتمام اللہ اللہ! عالمگیر ہدایت و رہنمائی کا حق اگر کسی کتاب کو پہنچتا ہے تو بیشک وہ یہی کتاب ہو سکتی ہے۔ کہاں ایک طرف یہ مکمل نظام زندگی اور مفصل ضابطۂ حیات اور کہاں اس کے مقابلہ میں انجیل جس کے صفحات قانون ومعاملت کی چھوٹی چھوٹی ہدایات تک سے خالی ہیں! بِالْعَدْلِ یعنی کسی فریق سے متاثر ہوئے، کسی کی رورعایت کیے ہوئے بغیر لکھے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ کاتب کو متدین اور شرائط تحریر کا عالم ہونا چاہیے اور فریقین پر لازم ہے کہ ایسے ہی کاتب کی تلاش کریں۔ فيه دليل ان يكون الكاتب فقيها عالما بالشروط وهو للمتداينين بتخيير الكاتب (مدارک) وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ فقہاء نے کہا ہے کہ کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔ ف۱۰۸۷ دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ قدرۃً اسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ وَلْيُمْلِلْ۔ یعنی دستاویز کو لکھائے ف۱۰۸۸ یعنی جو حق جس طرح اور جتنا اس پر واجب ہے اس میں سے کاتب دستاویز کو بتلائے اور لکھاتے وقت کچھ بھی کتر بیونت نہ کرے، وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔ خوف خدا تو مسلمان کے لیے جزء زندگی اور اس کی زندگی بھر رہنا چاہیے۔ دستاویز لکھاتے وقت اس کی تاکید و یاد دہانی کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح ہیں ف۱۰۸۹ اور یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ دستاویز لکھانے والا وہی ہونا چاہیے۔ سَفِيْهًا۔ یہ مراد نہیں کہ پاگل ہو بلکہ صرف ضعیف العقل مراد ہے۔ ضعيف الرأي ناقص العقل من البالغين (کبیر) ضَعِيْفًا۔ یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ نابالغ اور پیر فرتوت سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ الصغير والمجنون والشيخ الخرف وهم الذين فقدوا العقل بالكلية (کبیر) ف۱۰۹۰ (کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہو، یا پردیسی ہو، ملک کی زبان سے ناواقف ف۱۰۹۱ (اسکی ہر صورت میں اس کی طرف سے ٹھیک ٹھیک) وَلِيُّهٗ سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار۔ (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی صورت جب ایسی پیش آ جائے کہ صاحب معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہ جائے تو اعتبار اُس کے کارکن کے بیان واقرار کا کیا جائے

ف۱۰۹۲ (جو عاقل ہوں، بالغ ہوں، آزاد ہوں، دیندار ہوں) ای من رجال المومنين والحرية والبلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک) مِنْ رِّجَالِكُمْ کی قید نے صاف بتا دیا کہ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیے۔ یہودی قانون میں بھی گواہ کا اسرائیلی ہونا ضروری ہے۔ کافروں کی گواہی کافروں کے معاملات میں مقبول ہو سکتی ہے۔ وشهادة الكفار بعضهم على بعض مقبولة عندنا (مدارک) وَاسْتَشْهِدُوْا۔ گواہوں کی یہ گواہی تحریر دستاویز کے علاوہ ہونا چاہیے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اصل مدار ثبوت انہی گواہوں کی گواہی ہوگی ف۱۰۹۳ (یعنی جو تمہارے نزدیک ثقہ وقابل اعتبار ہوں) فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ۔ یعنی دو مرد گواہی کے لیے میسر نہ آ سکیں۔ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ۔ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابل تسلیم نہیں۔ اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف رکھا ہے۔ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ۔ دیانت، ضمیر، سیرت، کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لگا کر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز ومنصب ہے ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت وکردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ ف۱۰۹۴ (اور اس طرح شہادت مکمل ہو جائے) اَنْ تَضِلَّ۔ بھول جائے شہادت کے کسی حصہ کو۔ واقعہ کے کسی جزء کو، رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے

سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ

اور کوئی کاتب نہ پاؤ ف۱۱۰۴ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو قبضہ میں دے دی جائیں ف۱۱۰۵

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

اور اگر تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے ف۱۱۰۶ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت (کا حق)

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

ادا کردے اور چاہیے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے ف۱۱۰۷ اور گواہی کو مت چھپاؤ

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا ف۱۱۰۸ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کا

عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۹ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ف۱۱۱۰

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کردو ف۱۱۱۱ یا اسے چھپائے رکھو

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

بہرحال اللہ اس کا حساب تم سے لے گا ف۱۱۱۲ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

اور جسے چاہے گا عذاب دے گا ف۱۱۱۳ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ

والا ہے ف۱۱۱۴ پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

نازل ہوا ہے ف۱۱۱۵ اور مومنین (بھی) یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر

مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیت کی دنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا اور مرد کو باوجود اس کے قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھا گیا؟ یہ فاطر کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اس کے پیش نظر ذہنیات و اخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلز Hoolock Ellis نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکا اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۱۰۹۵ (کہ اس میں اہانت ہے معاملات امت کی اور خدمت ہے دین کی) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ۔ یعنی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں ف۱۰۹۶ (یعنی وہی کتابت معاملہ دین سے متعلق) عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے قانون و ضابطہ میں۔ ای فی حکمه سبحانه (روح) وَلَا تَسْأَمُوٓا۔ بار بار لکھنے لکھانے سے نفس میں ایک قسم کی کاہلی پیدا ہو جانا تقریباً طبعی ہے۔ تَكْتُبُوْهُ میں ضمیر اسی معاملہ دین سے متعلق ہے۔ تاقیموں نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد معدودہ سے پرکھا جائے اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لیے سب سے زیادہ عملی مذہب کون ہے؟ روزانہ مسائل زندگی کے حل کرنے میں کون مذہب سب سے زیادہ دور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ اسی معیار کو مانے ہوتے ہیں کم از کم وہ تو خلوص ذہن کے ساتھ غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے! ف۱۰۹۷ یہ اس لیے کہ دست گرداں معاملتیں کثرت سے برابر واقع ہوتی رہتی ہیں اور عموماً مقداریں بھی ان کی خفیف ہوتی ہیں اور عموماً ان میں احتمال نزاع و اختلاف کا بھی کم ہی ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقعوں پر کتابت دستاویز کے التزام سے حرج لازم آتا تھا اس لیے شریعت نے التزام کو یہاں سے اٹھا دیا۔ لیکن اگر کوئی معاملت ایسی ہو کہ شکل کے اعتبار سے ہو تو دست بدست لیکن مالیت بڑی ہو یا آئندہ اختلاف و نزاع کے احتمالات موجود ہوں۔ یا اور کسی اعتبار سے حالات وہاں وہ نہ ہوں جو عموماً تجارت حاضر و معاملہ دست گرداں میں ہوا کرتے ہیں تو ایسے موقع پر ترک کتابت کی علت مفقود ہوگی اور اہتمام کتابت مطلوب ہوگا ف۱۰۹۸ یعنی ایسے موقع پر گواہی کرا لینا بہتر ہوگی۔ وَاَشْهِدُوْٓا صیغہ امر یہاں وجوب کے لیے نہیں صرف استحسان کے لیے ہے۔ والامر للندب (مدارک) والاوامر التی فی هذه الاية للاستحباب عند اكثر الائمة (بیضاوی) ف۱۰۹۹ یعنی فریق اپنی مصلحت کی خاطر کاتب یا گواہ کو زحمت میں نہ ڈالے ادھر کاتب اور گواہوں کو حکم مل چکا ہے کہ کتابت اور گواہی سے پہلوتہی نہ کریں اب فریقین کو حکم مل رہا ہے کہ وہ بھی کاتب اور گواہوں کی مصلحت و آسائش کا خیال رکھیں۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ۔ کاتب کو نقصان پہنچانا مثلاً یہ کہ اسے بلا اجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔ وَلَا شَهِيْدٌ۔ گواہ کو تکلیف میں ڈالنا۔ مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے ف۱۱۰۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا ہو اسی کو کر رہے ہو) فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ۔ کی تصریح کرکے حکم کی اہمیت کو کس درجہ بڑھا دیا ہے ف۱۱۰۱ (چھوٹے بڑے سارے معاملات اور کارروائیوں میں) سبحان اللہ! تقویٰ الٰہی کی تاکید کن کن موقعوں پر کی ہے ف۱۱۰۲ (تمام تر حکمت کی باتیں) بعض اہل علم نے "يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ" کو فقرۂ سابق "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" سے بالکل مربوط پاکر استنباط یہ کیا ہے کہ علم حقیقی یعنی نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو اور از خود علم الٰہی مرحمت ہونے لگے گا ف۱۱۰۳ چنانچہ اپنے اس علم کے مطابق معاملت بھی مطیع و عاصی سے کرے گا ف۱۱۰۴ (کتابت دستاویز کے لیے، درآنحالیکہ معاملہ رہن کی ضرورت آپڑے) رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر شاید اس لیے کر دیا گیا ہو کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آجانے کا احتمال زیادہ ہے ف۱۱۰۵ (صاحب حق کے۔ مدیون کی طرف سے) یعنی ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ یہی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ رہن بالخصوص صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لیے ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ شے مرہون سے فائدہ بھی اٹھاتا رہے ف۱۱۰۶ (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہیں سمجھتا) ف۱۱۰۷ معاملات کے سلسلہ میں یہ تقویٰ الٰہی کی تاکید ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ۔ یعنی مدیون۔ فَلْيُؤَدِّ۔ ادا کرے پورا پورا۔ ف۱۱۰۸ (اور اصل شی قلب ہی کی گنہگاری ہے) اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ سب سے بڑا گناہ تو قلب ہی کا گناہ ہے۔ چنانچہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ قلب ہی کا گناہ ہے اس لیے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کردیا کہ کتمان شہادت شدید ترین گناہ ہے۔ لان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح الاترى ان اصل الحسنات والسيئات الايمان والكفر وهما من افعال القلوب واذا جعل كتمان الشهادة من اثام القلوب فقد شهدله بانه من معاظم الذنوب (مدارک) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ ادائے شہادت کے وقت۔ یہ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات و نزاعات کے لیے۔ مثلاً نکاح، مہر، وصیت وغیرہ۔ صرف معاملہ رہن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس ممانعت کے اندر آجاتی ہیں۔ مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا یا شہادت میں واقعات صحیح نہ بیان کرنا۔ قس علی ہذا۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا۔ اور یہ کتمان خواہ جزئی ہو یا کلی۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے۔ فقہاء نے اس پر اجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے البتہ آمد و رفت اور خوراک پر جو کچھ صرف ہوا اس کا بقدر واقعی وصول کرنا جائز ہے ف۱۱۰۹ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دے گا) بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ مثلاً ایک عمل اخفائے شہادت کا ہے جو معصیت ہے۔ اور دوسرا عمل ادائے شہادت کا ہے۔ جو طاعت ہے۔ ف۱۱۱۰ (اور کسی دیوی، دیوتا، بروز، مظہر، اوتار کی شرکت اس میں نہیں) قرآن مجید کی طویل ترین سورہ کا آخری رکوع

شروع ہو رہا ہے یہاں پر عقیدۂ توحید کامل کا اعادہ و اثبات ہے۔ سورہ کا آغاز اصولِ دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا۔ سورہ کا خاتمہ بھی اسی طرح جامعیت و ماضیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے ف۱۱۱۱ (زبان سے یا عمل سے) مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ جو کچھ دلوں کے اندر ہے۔ افعال ارادی و اختیاری میں ہے مثلاً کوئی عقیدۂ فاسد یا عزم معصیت، اس میں وسوسہ اور گزرنے والے خیالات داخل نہیں کہ وہ حدود مواخذہ سے خارج ہیں۔ ولا تدخل الوساوس و حدیث النفس فیما یخفیه الانسان لان ذلک مما لیس فی وسعة ولکن ما اعتقدہ و عزم علیه (مدارک) ف۱۱۱۲ (مثل تمام معاصی کے) ف۱۱۱۳ مغفرت ہوگی تو قانونِ رحمت عامہ کے مطابق اور عذاب ہوگا تو قانونِ حکمت کاملہ کے ماتحت ف۱۱۱۴ اللہ فاعل بالارادہ ہے، حق کل ہے اور اس سے منزہ ہے کہ عفو و مغفرت کے لیے اسے ضرورت بطور فدیہ یا کفارہ کے کسی "خدائے مصلوب" کی ہو۔ آیت میں اشارۃً رد آگیا عقیدۂ نصاریٰ کا اور متعدد مشرک قوموں کے عقائد کا۔ خدا بس اپنے ہی ارادہ و مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں جیسا کہ ہندی مشرک قوموں نے عقیدۂ کرم سے خیال کر رکھا ہے ف۱۱۱۵ (یعنی قرآن پر) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ اپنی رسالت یعنی پیام حق کی حقانیت کامل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے خود پیمبر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان ایمان تو سب برابر ہے۔ لیکن باعتبار ظرف و بہ لحاظ کیفیت پیمبر کے ایمان عام اور عام افراد امت کے ایمان کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ہر ایک کے ایمان کا مرتبہ بھی اس کی حیثیت اور مرتبہ کے متناسب ہوتا ہے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر، ف۱۱۱۶ ہم اس کے پیغمبروں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے ف۱۱۱۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی ف۱۱۱۸ ہم تیری مغفرت (طلب کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ف۱۱۱۹ اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق ف۱۱۲۰ اسے ملے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا ف۱۱۲۱ اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں ف۱۱۲۲ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے ف۱۱۲۳ اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو ف۱۱۲۴ اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے ف۱۱۲۵ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے ف۱۱۲۶ سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر ف۱۱۲۷

ف۱۱۱۶ اس جامع آیت کے اندر تمام لوازم ایمان بیان ہو گئے ہیں۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات اور صفت دونوں کی تصدیق کی جائے۔ حسب تصریحات قرآنی و تعلیمات نبوی، یہ تردید ہوگئی دہریت، لاادریت، ارتیاب وغیرہ کی۔ خدائے واحد کی جزم کے ساتھ تصدیق کرنا لازمی ہے۔ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ۔ فرشتہ کی تعریف اوپر گزر چکی ہے کہ وہ ایک نوری مخلوق ہے جس سے صدور معصیت کا امکان نہیں۔ کثرت سے مشرک قوموں کو ٹھوکر اسی عقیدہ میں لگی ہے۔ فرشتوں کو بجائے تابع خدائی کارندہ ہونے کے ان کی عظمت سے متاثر ہو کر انہیں کائنات کے مختلف شعبوں میں مستقل متصرف سمجھنے لگے۔ اور انہیں دیوی دیوتا کہہ کر پکارنے لگے مثلاً فلاں آگ کا دیوتا ہے فلاں ہوا کی دیوی ہے فلاں بارش کا دیوتا ہے۔ وقس علی ہذا۔ قرآن مجید نے جو فرشتوں کے عقیدہ پر بار بار زور دیا ہے اس کا مقصد شرک کی اس خاص قسم یعنی دیوتا پرستی کا استیصال ہے۔ فرشتے گو نوری ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں لیکن بہرحال خالق کائنات کے سامنے انسان ہی کی طرح ایک عاجز و بے بس مخلوق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ ان کی ذات یا صفات کو مدغم کر دینا انتہائی حماقت ہے۔ وَکُتُبِهٖ۔ آسمانی نوشتوں اور ہدایت ناموں کے باب میں بھی بڑی افراط و تفریط ہوتی آئی ہے۔ کسی کسی قوم نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ خدا نے کوئی ہدایت نامہ نہیں بھیجا۔ اور بہت سی قوموں نے انہیں ذہن انسانی کی پیداوار قرار دیا۔ جنہیں چند بڑے اور ہدایت یاب انسانوں نے مل کر لکھ لکھا لیا۔ وَرُسُلِهٖ۔ رسالت کا عقیدہ بھی مشرک قوموں نے بالکل مسخ کر دیا تھا۔ دنیا رسولوں کو بھول چکی تھی اور قائل اس کی رہ گئی تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہدایت اور پھر نجات ہوتی ہے، وہ یا تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے یا خود خدا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں۔ قرآن مجید نے آکر بتایا کہ یہ انسان اور بندے ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔ سلسلہ وحی کو ماننا بھی گویا "اوتار" کے عقیدہ پر ضرب لگاتا ہے ف۱۱۱۷ (کہ بعض کے قائل ہوں اور بعض کے منکر۔ بلکہ سب کو برحق سمجھتے ہیں اور سب کے مسلک ہدایت پر اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں) یہ مقولہ مومنین کا ہے۔ ای یقولون لانفرق (بیضاوی و مدارک) یہود کی طرح نہیں کہ بجز اپنی نسل یعنی اسرائیلی انبیاء کے اور کسی کو نبی نہیں اور ان میں سے بھی جس کا جی چاہے انکار کر دیں۔ یہاں تک کہ سلسلۂ اسرائیل کے خاتم (حضرت مسیح علیہ السلام) سے تو وہ عداوت رکھیں کہ اپنے خیال میں ان کی جان ہی لے ڈالیں۔ اور نہ نصرانیوں کی طرح کہ ایک اسرائیلی نبی کے ماننے میں تو وہ غلو کریں کہ پیمبری سے اٹھا کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچا دیں اور اسمٰعیلی شاخ سے پیمبری پانے والے سے عداوت ہی ٹھان لیں۔ انگریزوں میں ایک مشہور مورخ گبن ہوا ہے۔ قرآن مجید اس کے نزدیک کلام الٰہی نہیں، کلام محمدی ﷺ ہی ہے۔ بایں ہمہ اس آیت کی وسعت پر حیران ہو کر کہتا ہے: "محمد کی وسیع المشربی نے اپنے پیش رووں کے لیے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لیے اور ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر نزول قرآن تک سلسلہ وحی کو قائم رکھا"۔ (تاریخ زوال رومن امپائر۔ جلد ۵ صفحہ ۳۴۰) بعض اہل طریق نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ اولیاء کاملین میں بھی یہ تفریق نہ کرنا چاہیے کہ کسی سے اعتقاد رکھے اور کسی سے انکار کرے ف۱۱۱۸ سَمِعْنَا۔ سن لیا ہم نے اللہ کے پیام کو۔ اَطَعْنَا اطاعت کی ہم نے اللہ کے پیامبر کی ف۱۱۱۹ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا۔ یعنی وہ مغفرت جو تو ہی عطا کرے گا۔ اس میں رد آگیا نصاریٰ اور دوسری قوموں کا۔ جو مغفرت کو عطیہ الٰہی نہیں۔ بلکہ "ابن اللہ" یا کسی اور کی عنایت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ ف۱۱۲۰ لَا یُکَلِّفُ۔ اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا احکام شرعیہ میں بجز الخ۔ احکام شرعی کی قید لگا دینے سے امور تکوینی خارج ہوگئے۔ ذمہ دار بنا دینے سے مراد ہے ان اعمال سے متعلق سوال و باز پرس ہونا۔ اِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی اس کے اختیار کے اندر ہوں۔ گو بعض کسی قدر مشکل ہوں اس قید کے لگا دینے سے وسوسہ اور خیالات غیر اختیاری سب حد محاسبہ سے نکل گئے۔ الوسع من القدرۃ ما یفضل عن قدر المکلف (راغب) قال لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها تنبیها انه یکلف عبده ما ینوء به قدرته (راغب) الا طاقتها و قدرتها لان التکلیف لا یرد بفعل لا یقدر علیه المکلف (مدارک) الا ما تسعه قدرتها فضلا و رحمة (بیضاوی) صوفیہ محققین نے اس آیت سے ایک سبق تو یہ لیا ہے کہ مجاہدہ میں طالب کی حالت کی

رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور دُوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تجلیات کا ورود ونزول بھی طالب کی طاقت واستعداد کے متناسب ہی ہوتا ہے۔ اور اگر ان میں کمی بھی ہو تو طالب کو تنگدل نہ ہونا چاہیے۔ ف۱۲۱ ۱ یعنی اُس نیک عمل پر ثواب وجزا جو بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرے۔ اور اس بدعمل پر عذاب وسزا جو بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرے۔ یہ رد ہے۔ ہندی وبدھ مت کے عقیدۂ ''کرم'' کا۔ یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال واعمال کا۔ گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ واختیار سے کچھ کرہی نہیں سکتا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔ اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم وملزوم ہیں۔ قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔ اور یہیں سے نصاریٰ کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رد نکل آیا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو اب عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں۔ ''ابن اللہ'' سب کی طرف سے بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان اُن کی مصلوبیت سے ہوگیا ہے! ف۱۲۲ ۱ یہ مومنین کو جامع وکامل دعا کی تعلیم ہورہی ہے اِنْ نَّسِیْنَا۔ یعنی باوجود یاد رکھنے کی کوشش کے بھول جائیں اَوْ اَخْطَاْنَا۔ یعنی باوجود عزم واہتمام کے بھی چوک جائیں۔ ف۱۲۳ ۱ (اور جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، وہ ہم پر نہ ڈال) عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ یعنی بعض سابق اُمتوں پر۔ انجیل میں پطرس، حواری مسیح علیہ السلام کا قول غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے کہ اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا رکھو کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔ خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ (اعمال ۱۵: ۱۰)

اٰیاتها ۲۰۰ ۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رکوعاتها ۲۰

اس میں ۲۰۰ آیتیں سورۂ آل عمران ف۱ مدنی ہے اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ

الف۔ لام۔ میم ف۲ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے ف۳ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا ف۴ (خدا ہے) اس نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

(یہ) کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کے ساتھ ف۵ ان کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ

آچکی ہیں ف۶ اور اس نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو (اس سے) پیشتر

قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ

لوگوں کی ہدایت کے واسطے ف۷ اور اس نے فرقان کو اتارا ف۸ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ

جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا ان کے لئے عذاب سخت ہے ف۹

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى

اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ لینے والا ہے ف۱۰ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی

عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵

نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ف۱۱

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ

وہ وہی (خدا) ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح

گویا اسرائیلی شریعت ان کے حق میں ایسا سخت جوا تھا جو اٹھائے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ اِصْرًا سے مراد ہے سخت حکم جو حد بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت وکلفت زیادہ پڑے۔ **استعیر للتکلیف الشاق** (کشاف) **والمراد به التکالیف الشاقة** (روح) قرآن مجید نے ضمناً اس مبالغہ بیان کی بھی اصلاح کردی اور یہ اشارہ کردیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے لیکن نہ ایسے کہ ان پر نا قابل برداشت ہونے کا اطلاق ہوسکے۔ ف۱۲۴ ۱ (نہ حوادث تکوینی میں نہ احکام شرعی میں اور حق پرستی کو ہمارے لیے آسان کردے) دعا کا یہ جزو کمال عبدیت کا مظہر ہے۔ شان رحمت کا اقتضاء تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے گا لیکن عقلاً اس کا امکان تو بہرحال تھا اور ہے۔۔۔ مالک کامل کو مملوک پر اور خالق کو عبد پر اختیار وتصرف تو ہر وقت، ہر طرح کا حاصل ہے۔ ف۱۲۵ ۱ (بلا کسی رکاوٹ کے۔ بغیر ادنیٰ شائبہ سزا کے) عَنَّا۔ ہم سے یعنی ہماری بھول چوک سے۔ ف۱۲۶ ۱ (ہر عالم میں) وَارْحَمْنَا۔ یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔ ف۱۲۷ ۱ (کہ یہ دشمن ہیں تیرے دین اور تیرے آئین کے) فَانْصُرْنَا عَلٰی۔ نصر کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبہ کے ہوجاتے ہیں۔ اور غلبہ سے مراد دونوں میں بہ لحاظ دلائل وعلوم غلبہ علمی ومعنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی وملکی۔ **ای فی محاربتنا معهم و فی مناظرتنا بالحجة معهم و فی اعلاء دولة الاسلام علی دولتهم** (کبیر)

سورۂ آل عمران۔ ف۱ عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔ عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔ ۱۰ھ ہجری میں ان کے ۱۴۔ اکابر وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران گفتگو میں ان کے عقائد تثلیث وابنیت کی لغویت ان پر پوری طرح واضح کردی۔ سورہ میں اشارے جابجا اس طرف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خطاب جس طرح خاص طور پر یہود کی جانب تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اسی طرح اس سورۃ میں مسیحیوں کی جانب ہے۔ بقرہ ہی کی طرح آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ ف۲ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا۔ عجب نہیں جو یہ حروف مخفف ہوں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔ ف۳ (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اُس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ افعال میں۔ دنیا میں بہ کثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کرکے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی کسی دُوسرے خدا کا نہیں، نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت وربوبیت تمامتر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔ ف۴ اَلْحَیُّ۔ وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی ہے۔ زندہ ہی رہا اور زندہ ہی رہے گا۔ موت کا اس کے لیے کوئی امکان ہی نہیں، نہ صلیب کے اُوپر نہ کسی اور سطح پر۔ اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے۔ کبھی وہ انسان بن جائے اور کبھی نعوذ باللہ حیوان۔ وہ زندہ معاذ اللہ اس طرح کا نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیات تازہ حاصل کرتا رہے۔ اَلْحَیُّ کے لفظ نے اُس کی صفت حیات کا اثبات کرکے ان سارے خرافات کی تردید کردی۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۷۹ پارۂ ہٰذا) اَلْقَیُّوْمُ۔ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنی میں کسی دوسرے کا محتاج ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ: ''جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۷ صفحہ ۵۳۶) گویا نعوذ باللہ ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفت قیومیت کا اثبات کرکے قرآن مجید نے فرزندی خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہے۔ (ملاحظہ

ہو حاشیہ نمبر ۹۷۹ پارہ ہذا) ف ۵ (لفظاً لفظاً اے پیغمبر!) نَزَّلَ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کے لیے بکثرت آیا ہے۔ بخلاف اَنْزَلَ (مصدر انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لیے آیا ہے۔ تنزیل میں تدریج اور ٹکڑے ہو کر نازل ہونے کا تخیل تو موجود ہی ہے۔ القران نزل نجوما شیئا بعد شیء و التنزیل مرة بعد مرة (قرطبی) لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کچھ عجب نہیں جو اس کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت وزبان ہی سے ہاتھ آ جائے۔ بِالْحَقِّ۔ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوت دلائل بھی اور یہ لفظ ہزل کے مقابل بھی ہے۔ انہ قول فصل و لیس بالھزل (کبیر) نزل بالحق لا بالمعانی الفاسدة المتناقضة (کبیر) بالصدق و قیل بالحجة الغالبة (قرطبی) ف ٦ (کتب آسمانی میں سے) مُصَدِّقًا۔ قرآن نے بار بار صراحت کر دی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے۔ قرآن اجمالاً ان کے مضامین کی تصدیق و توثیق بھی کرتا ہے۔ یہیں سے اُن دشمنان دین کی نادانی بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت و انجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑی ہے۔ ف ۷ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ ”حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہو گیا“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۵۱۳ طبع چہاردہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند ”مقدس نوشتوں“ کی تصدیق و توثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل، یعنی عہد عتیق و عہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن سے قبل عہد موسیٰ اور عہد عیسیٰ میں اُن کی امتوں کے لیے۔ ف ۸ الْفُرْقَانَ فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانه يستعمل فی الفرق بین الحق و الباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کل کتب آسمانی کے لیے۔ جنس للکتب السماوية (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مراد معجزات و دلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من هذا الفرقان المعجزات التی قرنها الله تعالٰی بانزال هذه الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ هو القران انزل علی محمد و فرق به بین الحق و الباطل (ابن جریر عن قتادة) المراد هو القران (کبیر) ای القران (قرطبی) الفرقان ههنا القران (ابن کثیر عن قتادة والربیع) ف ۹ (آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بھی احتمالاً) كَفَرُوْا یعنی باوجود اس کے کہ ان پر تبلیغ دین پوری طرح ہو چکی تھی، وہ کفر اختیار کیے رہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں۔ اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل و شواہد۔ ف ۱۰ خوب خیال رہے کہ سورۃ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید ہے۔ عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے۔ جن سے مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔ عَزِيْزٌ۔ ہر سزا پر قادر ہے اور -- ہر حال میں سب سے بالادست وقوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کر کے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر سولی پر موت تک پا جائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے ابا کرتی ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ۔ وہ رحمٰن و رحیم و رؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت معدلت کا اظہار مجرموں اور سرکشوں کے مقابلہ میں سزا و انتقام ہی سے ہو سکتا ہے۔

اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ اس عار سے بچنے کے لئے اسے مصلوبیت اور کفارہ کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو صرف رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کامل نہیں ناقص ہے۔ ف ۱۱ جاہلی مذہبوں کے حکماء تک آخر جاہلی تھے! یونان کے نامی گرامی عقلاء و حکماء تک یہ کہہ گئے اور سکھلا گئے کہ علم باری صرف کلیات تک محدود رہتا ہے۔ جزئیات کو محیط نہیں ہوتا۔ اور مسیحیوں نے خیر نبوت کی برکت سے کھلا اس عقیدہ کو تو نہ مانا، تاہم مرعوب اس ”حکیمانہ“ تعلیم سے اچھے خاصے رہے۔ قرآن مجید نے للکار کر بتایا کہ یہ علم باری کا کمال نہیں، عین نقص ہوا، علم باری ہر حیثیت سے کامل ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی۔ الْاَرْضِ وَ السَّمَآءِ۔ آسمان اور زمین کے نام اس سلسلہ میں اس لئے دیئے گئے کہ علم انسانی کی وسعت گرفت انہی حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً خطاب مسیحیوں سے بھی ہے کہ تم جو مسیح علیہ السلام کو خدا مانتے ہو تو بتاؤ ان کا علم کامل کہاں سے تھا اور خدا نے بندہ کی شکل اختیار کر کے کیسے اتنا بڑا نقص اپنے اندر گوارا کر لیا؟ ف ۱۲ (خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے) قادر وہ ہر طرح اور ہر صورت سے ہے۔ باپ محض واسطہ تخلیق ہوتا ہے اور خالق جس واسطہ کو جب چاہے ہٹا دے۔ يُصَوِّرُكُمْ۔ میں خطاب عام ہے۔ سارے انسان مخاطب ہیں فِي الْاَرْحَامِ یعنی ماؤں کے رحم میں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بھی رحم مادری میں بنی تھی۔ اوپر ذکر اللہ کے علم کامل کا آ چکا ہے۔ اب اشارہ اس کی قدرت کی طرف ہو رہا ہے کہ جس طرح اس کا علم کامل محیط کل و غیر محدود ہے اسی طرح اس کی قدرت تخلیق بھی غیر محدود و نامتناہی ہے۔ وانسان کا اس کی حد بندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔ ف ۱۳ (نہ ذات کے لحاظ سے نہ صفات کے) پھر یاد دلا دیا کہ کون اس کے معاملات تخلیق میں دخل دے سکتا ہے یا مشورہ کا حق رکھتا ہے وہ ذات پاک ہر اعتبار سے یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے۔ ف ۱۴ الْعَزِيْزُ۔ عزیز پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ خدائے تعالیٰ تخلیق کی ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ الْحَكِيْمُ۔ اسکی صفت حکمت کا اثبات ہے یعنی جو صورت جہاں قرین حکمت و مصلحت ہوتی ہے وہ وہی اختیار کرتا ہے۔ ف ۱۵ (اور وہی بطور معیار کے بن کر ان پر باقی کلام کو پیش کرنا چاہیے) مُحْكَمٰتٌ محکم قرآن مجید کی وہ واضح و صریح آیتیں ہیں جن کی دلالتیں متعین ہیں اور ان کے معانی میں کوئی خفا و اشتباہ نہیں۔ المحکم مالا یعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی (راغب) واضحة المعنی ظاهرة الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباه (روح) المحکمات فی آی القران ما عرف تاویله و فهم معناه و تفسیره (قرطبی عن جابر بن عبد اللہ والشعبی وسفیان الثوری) قال النحاس احسن ما قیل فی المحکمات ان المحکمات ما کان قائما بنفسه لایحتاج ان یرجع فیه الی غیره (قرطبی) فالمراد به اللفظ الذی لا اشتراک فیه ولا یحتمل عند سامعه الا معنی واحدا (جصاص) اُمّ ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔ يقال لکل ما کان اصلا لوجود شیئ او تربیته او اصلاحه او مبدئه اُمٌّ (راغب) ای اصله و العمدة فیه یرد الیها غیرها (روح) یہاں اس حقیقت کو بیان کر دیا کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بالکل واضح و صاف ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔ وہی اصل مدار و معیار ہیں۔ دوسری آیتوں کو جن سے کئی کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ انہیں پر پھر پیش کرنا چاہیے۔ فبیّن الله تعالی ان القران تشتمل علی محکم و علی متشابه والتمسک بالمتشابهات غیر جائز (کبیر) والامّ هی التی منها ابتداؤه و الیها مرجعه فسماها اُمًّا فاقتضی ذلک بناء المتشابه علیها و ردہ الیها (جصاص) ف ۱٦ مُتَشٰبِهٰتٌ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ باہم تفریق و تمیز مشکل ہو اور اس کی تعبیر و تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ ما اشکل تفسیره لمشابهته بغیره امامن حیث اللفظ او من حیث المعنی (راغب) واما المتشابه فهو ان یکون احد الشیئین مشابها للاخر بحیث یعجز الذهن عن التمییز (کبیر) انما المتشابه فی هذه الأية من باب الاحتمال والاشتباه وقیل ان المتشابه ما یحتمل وجوها (قرطبی) المتشابهات فهن تصریف وتحریف

يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

وہ چاہتا ہے ۱۲ کوئی خدا نہیں بجز اس کے ۱۳ وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۴

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں ۱۵ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۱۶

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ

سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے ۱۷ شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں ۱۸

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

درآنحالیکہ کوئی اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے ۱۹ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ۲۰

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ

اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں ۲۱ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر بعد اس کے کہ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر ۲۲ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے ۲۳ اے ہمارے پروردگار بے شک تو (تمام) لوگوں کو

وتاویل اهتلی الله فیهن العباد (قرطبی عن مجاہد وابن اسحٰق) ۱۷ (اور محکمات سے قطع نظر کر لیتے ہیں) اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ ۔ کھلا ہوا اور براہ راست اشارہ ہے مسیحیوں کی جانب جنہوں نے اپنے پیمبروں کی صاف و واضح و صریح ہدایات توحید کو پس پشت ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دے لیا تھا لیکن الفاظ عام و وسیع ہیں۔ ہر کج راہ، ہر کج رو، ہر زندیق و صاحب بدعت اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ هذه الاٰية تعم كل طائفة من كافر وزنديق و جاهل و صاحب بدعة وان كانت الاشارة بهافي ذلك الوقت الى نصارٰی نجران (قرطبی) هم اهل البدع (مدارک) محققین نے اہل اسرار کے باب میں تصریح کر دی ہے کہ ان سے اگر ایسا کلام منقول ہو جو اپنی ظاہری صورت میں شریعت کے مطابق نہ ہو، تو سلامتی اس میں ہے کہ نہ اس کلام کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور نہ ان اشخاص ہی سے انکار کر دیا جائے۔ ۱۸ (تاکہ عقائد و احکام کے باب میں اس کلام سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں) جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی و تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اس ادھیڑبن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوص کلام الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقۂ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ الفتنة هي الكفر والضلال في هذا الموضع (جصاص) اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ۔ اس غلط تعبیری میں بھی یہ لوگ مخلص نہیں۔ مقصود ہی ان کا عوام مسلمین کو تشویش میں ڈالنا اور وحدت دینی میں رخنہ پیدا کرنا ہے۔ طلبًا للتشكيك في القراٰن واضلال العوام كما فعلته الزنادقة والقرامطة (قرطبی) وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ یعنی تاکہ اس کے غلط سلط معنی اپنی مرضی کے موافق تراش لیں۔ تاویل یہاں تحریف کے مرادف ہے، ای تحريفه علی مايريدون (ابن کثیر) الاضافة في تاويله للعهد ای بتاويل مخصوص وهو مالم يوافق المحكم بل ماكان موافقا للتشهي (روح) والمراد منه انهم يطلبون التاويل الذی ليس في كتاب الله عليه دليل ولا بيان (کبیر) ای التاويل الذی يشتهونه (مدارک) ۱۹ (اور وہی جس کو جتنا چاہے بتلا دے۔ چاہے نصوص قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً۔ چاہے اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً) ۲۰ پس سارے کا سارا حق ہے۔ اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہرحال حق ہیں) الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ یعنی علم دین میں پختہ اور صاحبان عقل سلیم۔ اکثر محققین کا مذہب یہ ہے کہ وقف تام وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر ہے اور الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے جس کی خبر يَقُوْلُوْنَ ہے قرطبی نے صحابہ و تابعین میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عروۃ بن زبیر، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، اور عمر بن عبدالعزیز کا اور ائمہ لغت و نحو میں کسائی اور اخفش اور فراء اور ابو عبید کا مذہب یہی بتلایا ہے اور حنفیہ بھی عموماً اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ وهو الذی ذهب اليه الحنفية (روح) والوقف عندالجمهور علی قول الا الله (مدارک) بلکہ اکثر صحابہ و تابعین اور محققین اہل سنت کا بھی مذہب ہوا ہے هومذهب الاكثرين من اصحاب رسول الله والتابعين واتباعهم خصوصًا اهل السنة وهواصح الروايات عن ابن عباس (روح) رسوخ کے معنی مضبوط ہو جانے اور جڑ جم جانے کے ہیں۔ الرسوخ الثبوت في الشئ كل ثابت راسخ (قرطبی) تو الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ وہ ہوئے جن کے دلوں میں دین کے حقائق ثبت ہو چکے ہیں۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا خواہ اس کے بعض حصوں کے معنی بالکل ظاہر و واضح ہوں اور خواہ اس کے بعض حصوں کے مفہوم میں خفا و اشتباہ ہو تقدیر کلام یوں ہے۔ كله من عند ربنا اور كله میں ضمیر کتاب اللہ کی طرف ہے۔ ۲۱ (جو دین کے باب میں عقل و فہم سے کام لیا کرتے ہیں) بیان فہم سلیم رکھنے والوں کی عام ہے کہ ان لوگوں نے جب قرآن کے مجموعہ اور کل کو کلام الٰہی مان لیا، تو اب اس کے کسی حصے سے متعلق بھی بے اعتقادی اور ریب دل میں نہیں لاتے۔ ۲۲ یعنی ہم کو اس صراط مستقیم پر قائم رکھ اور ہمارا حال کہیں یہود و نصاریٰ کا سا نہ ہو جائے، جو کتاب و نبوت کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ یہ ساری دعا الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کی زبان سے ہے۔ یعنی علم دین میں پختہ کاروں کی زبان سے۔ یہ لوگ اپنے رسوخ فی العلم اور پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۔ انہیں خود اپنے کسی عمل پر ناز یا دعویٰ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں ہمارے حسن عمل کے انعام میں راہ راست پر قائم رکھ بلکہ کہتے ہیں کہ محض اپنے فضل و کرم لطف و عنایت سے راہ ہدایت پر مستقیم رکھ۔ ای من عندک و من قبلک فضلا لاعن سبب بيّن ولا عمل (قرطبی) گویا اس میں ادب دعا کی تعلیم بھی آ گئی۔ رَحْمَةً کا صیغہ نکرہ اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے ہے۔ وتنوينه للتفخيم (روح) ۲۳ (تو ایسے کے لئے اس درخواست کا قبول کر لینا مشکل کیا ہے) مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ جاہل صوفیہ اور باطنیہ زنادقہ نے اس آیت سے یہ من گھڑت مسئلہ نکالا ہے کہ علم وہی ہے جو اللہ کی طرف سے محض وہبی ہو، کسبی نہ ہو اور علم کتابی حجاب کے حکم میں ہے۔

وف ۲۴ (اس لئے قیامت کا آنا برحق اور بندوں کو اس کی یاد اور اس کا اہتمام ضروری) مومنین، کاملین کی یہ دعائیں خوف آخرت سے ہوتی ہیں، کسی مادی دنیوی غرض سے نہیں۔ جَامِعُ النَّاسِ یعنی لوگوں کی موت کے بعد اٹھانے والا اور اکٹھا کرنے والا۔ ای باعثهم ومحییهم بعد تفرقهم (قرطبی) وف ۲۵ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں اور فرقوں نے گمان کر رکھا ہے) جاہلی قوموں کے عجیب عجیب معتقدات میں سے یہ عقیدہ بھی ہیں کہ خدا کے لئے جائز ہے کہ وعدہ کر کے بھول جائے یا وعدہ کا ایفاء اسے خلاف مصلحت نظر آئے اور اس لئے اسے وہ ٹال جائے۔ اور افسوس ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں نے ان خرافات میں ان کی تقلید شروع کر دی ہے۔ خلف وعید کا مسئلہ جو اہل سنت کے ہاں ہے وہ اس سے بالکل الگ ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کوئی منقصت نہیں نکلتی بلکہ عظمت و کرمت کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔ وف ۲۶ النَّار یعنی آتش جہنم۔ جہنم کے عذاب آتشیں پر توریت وانجیل کے حوالہ پارہ اول میں گزر چکے آیۂ کریمہ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کے تحت میں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں گے۔ ای من عذاب الله (قرطبی) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ۔ جاہلی قوموں کا ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ اولاد اگر مرے ہوئے ماں باپ کی طرف سے دان پُن کر دے تو والدین کی نجات ہو جائے گی خواہ وہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے اٹھے ہوں۔ وف ۲۷ (مجرموں اور باغیوں کو) وَقُودُ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اللہ کوئی بے بس اور ہمہ بجز مہا تما نہیں کہ بندوں کو ہر طرح کے ظلم و عدوان کا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا

جمع کرنے والا ہے اس دن جس کے وقوع میں (ذرا) شک نہیں، وف ۲۴ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے

يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ

خلاف نہیں جاتا، وف ۲۵ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ

مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام

شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ

نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے وف ۲۶ جیسا کہ معاملہ

آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا

فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے ساتھ انہوں نے ہماری

بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ

نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

بڑا سخت سزا دینے والا ہے وف ۲۷ آپ (ان) کفر والوں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے

وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ

اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے وف ۲۸ بے شک

كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ

لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر وف ۲۹ یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے ان سے

مرتکب دیکھے اور پھر دم نہ مارے۔ وہ جب سزا دینے ہی پر آ جاتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی گرفت اس کی گرفت سے شدید تر و الیم تر نہیں۔ كَدَأْبِ۔ داب کے معنی حالت یا معاملہ کے ہیں۔ الدأب العادة والشان۔ (قرطبی) یہ تمثیل بے سود ہونے میں ہے۔ گویا تاریخ سے استشہاد ہے کہ جس طرح ماضی میں فرعونیوں کے کام ان کا مال اولاد کچھ نہ آ سکا۔ اور عذاب الٰہی سے انہیں کوئی چیز نہ بچا سکی، اسی طرح ان کافروں کے حق میں بھی یہ سارے مادی سہارے بالکل عبث و لاحاصل ثابت ہوں گے۔ آلِ فِرْعَوْنَ۔ فرعون اور فرعونیوں پر مفصل حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ ان کی ہلاکت مسیحیوں کو مسلم تھی اور سورہ کا روئے سخن خاص طور پر مسیحیوں ہی کی جانب ہے الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ نافرمان قومیں جو عہد موسوی سے بھی قدیم تر ہوئی ہیں۔ آيَاتِنَا۔ یہ نشانیاں خواہ آسمانی صحیفوں اور نوشتوں کی صورت میں ہوں یا معجزات و خوارق نبوت ہوں یا دلائل توحید ہوں۔ يحتمل ان يريد الآيات المتلوة ويحتمل ان يريد الآيات المنصوبة للدلالة على الوحدانية (قرطبی) اما المتلوة في كتاب الله تعالى او العلامات الدالة على توحيد الله تعالى و صدق انبيائه (روح) فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ۔ اور انہیں ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں مع ان کی ساری عظمت و شوکت کے نیست و نابود کر دیا۔ خطاب دین حق سے بغض و عناد رکھنے والوں سے رسول کے واسطے سے ہے۔ وف ۲۸ تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ کا تعلق تو ظاہر ہے کہ آخرت ہی سے ہے۔ سوال آیت کے وعید اول سَتُغْلَبُونَ سے متعلق ہے کہ دشمنان دین کی اس مغلوبیت و مقہوریت کا تحقق کہاں ہوگا؟ آخرت میں تو خیر ہوگی ہی لیکن آیا اس کے قبل اہل حق کے ہاتھوں میں اس دنیا میں بھی؟ اہل تفسیر نے بالاتفاق اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا وقوع عنقریب اس دنیا میں ہوگا۔ چنانچہ ہوا۔ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ باقی یہ کہ اس سے کافروں کا کون سا گروہ متعین طور پر مراد ہے بعض نے پیشگوئی کا مصداق بدر میں حکومت مکہ کی ہزیمت کو ٹھہرایا ہے۔ المراد مشركي مكة (معالم عن مقاتل) قل لمشركي مكة ستغلبون يعني يوم بدر (بیضاوی) قيل نزلت في قريش قبل بدر بسنتين (بحر) لیکن اکثر نے مدینہ میں یہود کے پرقوت جتھوں اور جرگوں کی شکست و پامالی مراد لی ہے۔ يعني اليهود اي تهزمون (قرطبی، عن ابن عباس) فالمراد من الموصول اليهود (روح) سَتُغْلَبُونَ میں س قرب وقوع کے لئے ہے یعنی اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ والسين لقرب الوقوع اي تغلبون عن قريب واريد منه في الدنيا (روح) لیکن بہتر یہ ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود و مشرکین جو بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار و مغلوب ہوئے، سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ والظاهر ان الذين كفروا يعم الفريقين المشركين واليهود وكل قد غلب بالسيف والجزية والذلة وظهور الدلائل والحجج (بحر) بہرحال قرآنی پیشگوئی کا اعجازی رنگ ہر صورت میں عیاں ہے نزول آیت کے وقت مسلمانوں کی بے بسی بے سروسامانی و زبوں حالی دیکھ کر کوئی بھی انسانی دماغ یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ حکومت مکہ یا دولت یہود کسی سے بھی یہ ایسی زبردست ٹکر لے سکتے ہیں۔ وف ۲۹ (میدان بدر میں ۸ نبوی ۲ ہجری میں) آيَةٌ۔ نشان اللہ کی قدرت و کارسازی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا۔ فِي فِئَتَيْنِ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہ مومنین بے سروسامان، دوسرا گروہ مشرکین باسروسامان کا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا۔ تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ تعداد میں کل ۳۱۳ تھے اور وہ بھی بغیر سامان حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصہ میں ایک ایک پڑتا تھا۔ گھوڑے لشکر بھر میں کل دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ۔ یہ لشکر حکومت مکہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا۔ یعنی ۹۵۰ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیر قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ شتر سواران میں ۷۰۰ تھے اور سب سوار و زرہ پوش ۱۰۰ تھے۔

وف۳۰ (لیکن یہ کثرت تعداد پھر بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت وشکست لشکر مکہ ہی کو نصیب ہوئی) یَرَوْنَهُمْ رَأْیَ الْعَیْنِ ۔یعنی یہ محض وہم وخیال نہ تھا بلکہ واقعۃً مشاہدہ کر رہے تھے۔رؤیۃ آیت میں رؤیت چشم کے لئے ہے۔قال ابو علي الرؤية في الأية رؤية عين ولذلك تعدت الى مفعول واحد (قرطبی) يعني رؤية ظاهرة مكشوفة (کشاف) یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ۔کون کس کو کتنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہل تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے اور بالکل بلادلیل قول کسی کا بھی نہیں۔سب سے اسلم واحوط قول مفسر تھانوی کا نظر آتا ہے۔جنہوں نے یَرَوْنَهُمْ میں فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیریں کافروں کی طرف پھیری ہیں۔اور مِثْلَیْهِمْ میں هم سے مراد مومنین سے لی ہے۔مثلین۔سے مراد دو چند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی اور مطلق کثرت تعداد بھی بغیر کسی عدد خاص کے تعیین کے۔ زعم الفراء ان معنى يرونهم مثليهم ثلاثة امثالهم (بحر) المراد بالمثلين مطلق الكثرة لاخصوص المثلين (جمل) وف۳۱ (چنانچہ اس موقع پر اس کی مشیت نصرت مومنین سے متعلق ہوگئی اور کافروں کے کام نہ ان کی تیاریاں آسکیں نہ کثرت تعداد) مَنْ یَّشَآءُ۔اس کی تائید اس عالم اسباب میں مصالح تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ وف۳۲ (یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کے لئے ہے جو بصیرت سے کام ہی لیتے رہتے ہیں۔عبرۃ۔تنوین عظمت کے لئے ہے یعنی ہدایت وبصیرت کا بہت بڑا سبق۔التنوين للتعظيم اي عبرة عظيمة كائنة (روح) وف۳۳ اور انہی کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کرکے معصیت کا سبب بن جاتی ہے۔حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔شہوات یہاں مشتهيات کے معنی میں ہے۔یعنی مرغوب ودلپسند چیزیں۔وقد يسمى المشتهى شهوة (راغب) جعل الاعيان التي ذكرها شهوات مبالغة في كونها مشتهاة (کشاف) مِنَ النِّسَآءِ الخ ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونہ کے طور پر لے دیے گئے ہیں۔ان میں حصر مراد نہیں۔زُیِّنَ لِلنَّاسِ۔یہ صراحت ہے اس باب میں کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت وکشش بطور امر طبعی کے ہے۔اور بذات خود معصیت نہیں۔انسان ان کے شوق کے ازالہ کا مکلف نہیں صرف انہیں عقل سلیم واحکام شریعت کے ماتحت کرکے رکھنا چاہیے۔ وف۳۴ (سو اس حقیقت کو سمجھ کر ان کی محبت جائز حدود کے اندر محدود رکھنی چاہیے) مَتَاعُ۔کہتے ہی اس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے کچھ مدت کے لئے نفع حاصل کیا جائے۔كل ماينتفع به على وجه ماّفهو متاع (راغب) والمتاع انتفاع عند الوقت (راغب) مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔البتہ دنیوی زندگی برتنے میں مفید ومعین یقیناً ہیں۔سو ان کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیے۔یہ نہ ہو کہ یہ مقاصد حیات بن جائیں۔دنیا خود ہی فانی ہے اور اس کے یہ سارے ساز وسامان بھی فانی۔والمعنى تحقير امر الدنيا والاشارة الى فنائها وفناء ما يستمتع به فيها (بحر) وف۳۵ (سو آئی اور غیر فانی راحت کے لئے فکر واہتمام صرف اللہ کی رضا کا رکھنا چاہیے اس کے آگے دنیا کی آنی وفانی بڑی سے بڑی لذت بھی بے بساط ہی ہے) او معنى الآية تقليل الدنيا و تحقيرها والترغيب في حسن المرجع الى الله في الآخرة (قرطبی) وف۳۶ (کیا بہ لحاظ کیفیت، کیا بہ لحاظ کمیت اور کیا بہ لحاظ قیام ودوام) خطاب عام انسانوں سے۔رسول ﷺ کے واسطہ سے ہے۔ذٰلِكُمْ۔یعنی یہ چیزیں جو سرتا سر بے ثبات وبے حقیقت ہیں۔ وف۳۷ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔خوف خدا پر رحمت الٰہی کے مرتب ومتوجہ ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں نہیں اگلے صحیفوں میں بھی بار بار آیا ہے۔چنانچہ توریت کے حوالہ پارۂ اول کے حواشی میں گزر چکے۔مسیحیوں کے مقدس نوشتے بھی خوف وخشیت کے ذکر سے خالی نہیں۔" اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے (لوقا ۱:۵۰)

رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ

(یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا وف۳۰ اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وف۳۱ بے شک

فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ

اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے (بڑا) سبق ہے وف۳۲ لوگوں کے لیے خوشنما کر دی گئی ہے

حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو، بیٹوں سے ہو، ڈھیر

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ

لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان پڑے ہوئے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ

گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے وف۳۳ یہ (سب) دنیوی زندگی کے

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

سامان ہیں وف۳۴ اور حسن انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے وف۳۵

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا

آپ کہیے کہ کیا میں تمہیں اسی چیز کی خبر دوں جو ان (چیزوں) سے (کہیں) بہتر ہے وف۳۶ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ

ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں وف۳۷ اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی وف۳۸ اور اللہ کی خوشنودی

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

ہوگی وف۳۹ اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے وف۴۰ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار

" آؤ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی آلودگی سے پاک کر دیں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں"۔(۲۔کرنتھیوں۔۷:۱) " وہ وقت آپہنچا ہے کہ چھوٹے بڑے نبیوں اور مقدسوں اور ان چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے۔ وف۳۸ (ان کے لئے جنت میں) مُطَهَّرَةٌ۔پاک صاف کی ہوئی ہر جسمانی آلودگی ونجاست سے۔قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ اہل جنت کے لئے راحت ولذت کا سامان ہر قسم کا ہوگا مادی حظ کا بھی، روحانی لطف کا بھی، ذہنی لطف کا بھی، پھر اگر انہیں وہاں بیویاں بھی عنایت ہوں، ہر طرح پاک صاف اور لطف ازدواجی بھی پوری طرح اٹھانے کا موقع ملے تو اس میں "روشن خیالی" کے شرمانے کی کونسی بات ہے؟ وف۳۹ (جو حاصل اور عطر ہے ساری نعمتوں ولذتوں، راحتوں کا) رِضْوَانٌ۔کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے) اي رضا عظيم على مايشعر به التنوين (روح) وف۴۰ (اور ان کے احوال، اقوال، اعمال کے ایک ایک جزئیہ سے پوری طرح خبردار ہے) پس اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی حساب یا صدور جزا سے رہ جائے۔

ف۴۱ یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر الَّذِيْنَ اتَّقَوْا کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ اپنے اعمال واحوال پر نازاں ہونا الگ، ہاں اپنے فرط خشیت و ہیبت سے اپنی مغفرت و حسن خاتمہ کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں اٰمَنَّا۔ یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی شریعت پر ایمان لے آئے۔ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا۔ ایمان پر مطالب مغفرت کو مرتب کرتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ مغفرت میں اصل حائل عدم ایمان ہی تو ہوتا ہے۔ جب یہ مانع رفع ہو گیا تو اب کیا ہے۔ اب ہماری باقی خطاؤں لغزشوں کو تو معاف کر ہی دیجئے۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی انتہائی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بہت خوب تقریر کی ہے۔ ذلک یدل علی انهم توسلوا بمجرد الایمان الی طلب المغفرة والله تعالٰی حکی ذلک عنهم فی معرض المدح لهم والثناء علیهم فدل هذا علی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمة والمغفرة من الله تعالٰی (کبیر) اور انہی کی پیروی صاحب بحر و صاحب روح نے بھی کی ہے۔ **ف۴۲** بِالْاَسْحَارِ۔ سحر نام اس وقت کا ہے جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ السحر والسحرة اختلاط ظلام اٰخر اللیل بضیاء النهار وجعل اسما لذلک الوقت (راغب) آخر شب کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ وقت

اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

ہم یقیناً ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لے ف۴۱

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

(یہ) صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ

اور پچھلی رات میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں ف۴۲ اللہ کی گواہی ہے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے ف۴۳) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ

معبود ہے، ف۴۴ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس زبردست حکمت والے کے ف۴۵ یقیناً

الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے ف۴۶ اور جو اختلاف کیا اس میں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم پہنچ

بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

چکا تھا ف۴۷ اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

والا ہے ف۴۸ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں ف۴۹ تو پھر آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رخ

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں (وہ بھی) ف۵۰ اور آپ

خاص طور پر دلجمعی اور روحانی قویٰ کی بیداری و بالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی زیادہ ہوتا ہے۔ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ۔ یعنی صبر کرنے والے اور راستی برتنے والے اپنے سارے معاملات میں۔ الْقٰنِتِيْنَ۔ یعنی فروتنی کرنے والے اللہ کے حضور میں۔ الْمُنْفِقِيْنَ یعنی خرچ کرنے والے اللہ کی راہ میں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔ **ف۴۳** (اس لئے شرک ہر درجہ اور نوعیت کا باطل ہے) شَهِدَ اللّٰهُ۔ اللہ کی یہ گواہی کتب آسمانی سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور صحیفہ کائنات سے بھی۔ ومن وحدانیته بنصب الدلائل الدالة علیها وانزال الاٰیات الناطقة بها۔ (بیضاوی) کتب الٰہی کی شہادت دلیل نقلی کا حکم رکھتی ہے۔ اور مصنوعات فطرت کی دلالت دلیل عقلی کا۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ وہی مخلوق ہے جسے اکثر مشرک قوموں میں دیوتا کا لقب دے کر شریک خدائی سمجھ رہی ہیں۔ اُولُوا الْعِلْمِ۔ علم سے مراد علم حقیقی ہے نہ کہ علوم دنیوی۔ محققین نے آیت سے علماء کا خاص شرف و فضل نکالا ہے۔ فی هذه الاٰیة دلیل علی فضل العلم و شرف العلماء فانه لو کان احد اشرف من العلماء لقرنهم الله باسمه واسم ملٰٓئکته کما قرن اسم العلماء (قرطبی) **ف۴۴** (ساری کائنات کا) قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ عدل سے مراد ہے کہ ہر شے اپنے محل مناسب میں ہو۔ بعض جاہل قوموں نے خدا کا وجود تو تسلیم کیا ہے لیکن وجود معطل یا ایسی صفات سے موصوف ہے جو کمالات الٰہیہ کے منافی ہیں۔ اسلام کا خدا، خدائے معطل نہیں، منتظم ہے، کارساز ہے، ہر ایک کا اور ہر کام بنانے والا ہے۔ **ف۴۵** الْعَزِيْزُ۔ وہ جس کی قوت سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ الْحَكِيْمُ۔ وہ جس کی حکمت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دونوں صفات کے اثبات سے مقصود یہ ہے کہ اسے نہ قوت کے لحاظ سے اور نہ علم و حکمت سے کسی شریک کی ضرورت ہے۔ **ف۴۶** (تو کیا مطلقاً ہر وہ چیز جسے دین کے نام سے موسوم کر دیا جائے) یہ آیت بادشاہ اکبر اور دوسرے بدبختوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ ہر دین دین حق ہے اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے۔ اور یہ کہ کفر و ایمان میں فرق صرف لفظی و اصطلاحی ہے۔ خط مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے باقی سب خطوط منحنی و کج ہوں گے، راہ مستقیم خدا اور بندے کے درمیان صرف ایک ہی ہے۔ اور اسلام ہے جو انبیاء و ادیان حق کا دین ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ الدِّيْنَ۔ یعنی دین مقبول الدِّيْنَ اور الْاِسْلَامُ دونوں کا معرفہ ہونا حصر کے معنی دے رہا ہے یعنی دین مقبول صرف یہی ہے۔ وتعریف الجزئین للحصر ای لادین مرضی عندالله تعالٰی سوی الاسلام (روح) **ف۴۷** (نہ کہ کسی اجتہادی فکری اور اختلاف فہم کی بنا پر) یہاں پھر ایک بار کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف کسی خطاء اجتہادی کی بناء پر نہیں نفسانیت و ہوا پرستی کی بنا پر ہے۔ یہود پہلے سے بھی یہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ راہ حق ہماری راہ ہے۔ اس لئے کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے مورث ہوئے ہیں اور سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کا کہنا یہ تھا کہ نبوت تو اسرائیلیوں کا حق رہی ہے۔ یہ نعمت ایک اسمٰعیلی کے حصہ میں کیونکر جا سکتی ہے؟ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یعنی نفسانفسی اور ضد ضدی آپس میں بھی اور دین حق سے بھی۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی ان پر دین حق کی تصحیح پوری طرح ہو چکی اور دین برحق کی حقانیت و صداقت کے دلائل واضح انہیں پہنچ چکے۔ **ف۴۸** (اور حساب کا جو انجام منکرین و معاندین کے حق میں ہونے والا ہے، بالکل ظاہر ہے) **ف۴۹** (خواہ مخواہ از راہ عناد اور پوری تبلیغ کے بعد بھی) اشارہ اہل کتاب کی جانب عموماً ہے اور نصرانیوں کی جانب خصوصاً۔ حَآجُّوْكَ۔ ای جادلوک بالاقاویل المزورة والمغالطات (قرطبی) **ف۵۰** (اب تم مانو یا نہ مانو، تمہیں اختیار ہے) اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ۔ پورا رخ اللہ کی جانب کر لینا مترادف ہے اسلام کے یعنی میں اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر چکا۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ۔ میں ہو سکتا ہے کہ واؤ عطف کا نہ ہو، بلکہ مع کا مرادف ہو۔ (ویجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف) اہل طریق نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وضوح حق کی پوری کوشش ہو لے اور مخاطب پھر بھی قبول نہ کرے تو اب بحث و مباحثہ قیل و قال ترک کر دینا چاہیے۔

ف ۵۱ یعنی ایک صاف اور صریح معنی تو وہی ہیں جو متن ترجمہ میں درج ہو چکے ہیں لیکن بعض اہل علم نے صیغہ امر میں معنی "اسلام لاؤ" کے بھی لئے ہیں۔ اور نحویین نے کہا ہے کہ الف استفہام بھی امر کے بھی معنی دیتا ہے۔ بلکہ امر کے معنی میں زور اور زیادہ پیدا کر دیتا ہے۔ المقصود منه الامر (کبیر) قال النحویون انما جاء الامر فی صورة الاستفهام (کبیر)۔ استفہام کی صورت میں بھی استفسار محض مراد نہیں بلکہ مقصود تہدید ہے جیسے اردو محاورہ میں بھی تہدید کے موقع پر کہتے ہیں "کیوں جی۔ سنتے ہو کہ نہیں"۔ قال الزجاج ء اسلمتم تهدید وهذا حسن لان المعنی ء اسلمتم ام لا (قرطبی)

الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اہل کتاب سے اور امیوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسلام لاتے ہو ف ۵۱ سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو بس

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ

راہ ہدایت پر آ گئے ف ۵۲ اور اگر وہ روگردان رہے تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے ف ۵۳ اور اللہ

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے ف ۵۴ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں ف ۵۵ اور ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

جو عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں قتل کر ڈالتے ہیں بس آپ انہیں عذاب دردناک کی

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

خوشخبری سنا دیجئے ف ۵۶ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۲

اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ف ۵۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى

انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے ف ۵۸ یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ

والامیین۔ مطلقاً ان پڑھ یا کتب سماوی سے ناآشنا۔ مراد بہر صورت مشرکین عرب ہیں۔ الامی هو الذی لایکتب ولایقرء من کتاب (راغب) ای الذین لاکتاب لهم (ابن جریر) الذین لاکتاب لهم وهو مشرکوا العرب (قرطبی) ف ۵۲ (اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی شبہ نہ رہا) جاہلیت کے نظریہ حیات (Ideology) میں اصلاح و تبدیلی ہی کا نام اسلام ہے پس جس نے بھی اسلام کے نظریۂ حیات کو قبول کر لیا وہ کسی بھی نسل، قوم، رنگ، وطن کا ہو بہر حال اب اس کا تعلق کائنات و خالق کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہو گیا ہے۔ ف ۵۳ (آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکر مند نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ ف ۵۴ (وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا۔ ف ۵۵ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ کسی کتاب الٰہی سے یا اس کے کسی جز سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین، قانون و ضابطہ کے خلاف۔ ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور خدا کے نزدیک تو ہمیشہ ہی ناحق رہے گا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتل ناحق پر حاشیہ پارہ اول رکوع ۷ میں گزر چکا۔ ف ۵۶ (آخرت میں) يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایتیں کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔ يَقْتُلُوْنَ۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں۔ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی حق بیزاری کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً "وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے"۔ (عاموس۔ ۵:۱۰) غزل ان نبیؤ۔ ایسے مجرموں اور خطا کاروں پر خدائی لعنت حضرت داؤد کی کتاب میں مفصل موجود ہے۔ "وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہرے سبزے کی طرح مرجھا جائیں گے اور شریر نہ ہوگا تو غور کرکے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہوگا۔ ان کی تلوار انہی کے دلوں میں چھیدے گی۔ ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی"۔ الخ (زبور ۳۷:۱۔۳۰) آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سابق امتوں میں امر بالمعروف واجب تھا اور یہ فرض انبیاء اور ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔ و تحت هذه الاية على ان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر كان واجباً فى الامم المتقدمة و هو فائدة النبوة (قرطبی) ف ۵۷ (سزا کے وقت کہ انہیں عذاب سے چھڑا لے۔ یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے) ف ۵۸ حق و اعیان حق سے یہ مسلسل انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً "تم کب تک مجھ سے بحث کرو گے۔ تم سب مجھ سے پھر گئے ہو"۔ (یرمیاہ۔ ۲:۲۸،۲۹) نیز ہوسیع ۱۰:۱۲) مفصل حاشیے پارۂ اول رکوع ۱۰،۷ کے ذیل میں گزر چکے۔ اَلَمْ تَرَ۔ خطاب یہاں رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ ذکر وہی یہود کا چل رہا ہے۔ الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ یعنی کتاب الٰہی اپنے عموی و کلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جز توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اسی عموی و کلی کتاب کا دوسرا جز قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کرے۔

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪

کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز (چند) گنے ہوئے دنوں کے ف۵۹

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ

اور جو کچھ یہ تراشتے رہتے ہیں اس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ف۶۰ سو اس روز

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

جس میں ذرا شک نہیں جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے تو کیا حال ہوگا ف۶۱ اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائے گا ف۶۲ آپ کہیے

مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ

اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے

الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ

حکومت چھین لے ف۶۳ تو جسے چاہے عزت دے ف۶۴ اور تو جسے

مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

چاہے ذلت دے ف۶۵ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

قادر ہے ف۶۶ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور رات میں دن کو

فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ

داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور تو جاندار سے

الْمَيِّتَ مِنَ الْـحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ

بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق

ف۵۹ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ سرکشی اور عدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے مشرک ہونے ہی کے گویا قائل نہیں۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی وہ ۴۰ روز کی مدت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزء پارۂ اول میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ ف۶۰ (چنانچہ اپنی نجات کا یقین کئے ہوئے بیٹھے ہیں) مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ عقاید کے باب میں کوئی بات بے دلیل عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افتراء علی اللہ کی ایک صورت ہے۔ اور یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقائد کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا۔ اور انہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتش دوزخ (بجز برائے نام صورت کے) حرام ہے۔ ان کے لئے ان کے بزرگوں کی نسبت وشفاعت کافی ہے۔ اور ان کی نجات ومغفرت بلا ایمان وعمل خود بخود ہو جائے گی۔ ف۶۱ (ان بدبختوں اور شامت زدوں کا) لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی قیامت کے دن۔ اس طرز تعبیر سے مقصود قیامت کا محض ذکر ہی کر دینا نہیں۔ بلکہ اس کے وقوع کی قطعیت کو ذہن میں تازہ کر دینا ہے۔ فَكَيْفَ۔ اس طرز استفہام سے مقصود عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔ استعظام وتهويل وهدم لما استندوا اليه (روح) لِيَوْمٍ۔ میں ل فی کے معنی میں ہے۔ واللام فی قوله ليوم بمعنی في قاله الكسائي (قرطبی) ف۶۲ (کہ کسی کو سزا بلا جرم یا زائد از جرم مل جائے یا کسی کی کوئی نیکی بغیر اجر کے چھوٹ جائے) مَّا كَسَبَتْ۔ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات۔ ف۶۳ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے طریق دعا کی تعلیم امت کو دی جا رہی ہے۔ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ ملک سے مراد سارا جہان ہے۔ مالک کا لفظ دعا کے شروع ہی میں لا کر یاد دلا دیا کہ کامل تصرف کا حق واختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جا رہی ہے تُؤْتِي وَتَنْزِعُ۔ حکومت کی نعمت دینا یا اس نعمت کو واپس لے لینا۔ تمامتر احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے اور نفس بادشاہت یا حکومت میں تقدس یا الوہیت ذرا سی بھی نہیں۔ اس میں رد آ گیا اس کثرت سے پھیلے ہوئے جاہلی عقیدہ کا، کہ بادشاہی خود ایک درجہ الوہیت یا نیم الوہیت کا ہے اور کسی کا بادشاہ ہو جانا گویا خدا کے اوتار کے مرتبہ پر پہنچ جانا ہے۔ مصر میں فرعون کی پرستش ہوتی رہی۔ ہندوستان میں چندر بنسی اور سورج بنسی راجہ مہاراجہ خدائی اوتار سمجھے گئے۔ جاپان میں میکاڈو آج تک مظہر خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلام نے آ کر بتایا کہ بادشاہی بھی ساری دوسری نعمتوں کی طرح ایک خدائی تصرف ہے اور بادشاہ بھی بندگی، بے بسی، بیچارگی میں بالکل ایسے ہی ہوتا ہے جیسے سارے دوسرے بندے۔ حقیقت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس وقت اس کا نظارہ پوری قوت وشدت کے ساتھ مسولینی (آمر اٹلی) ہٹلر (آمر جرمنی) کے انجام سے کرا دیا گیا ہے۔ ف۶۴ (اپنی حکمت کاملہ کے مطابق) اس مَنْ تَشَاۗءُ (جسے تو چاہے) کی وسعت اطلاق میں قومیں بھی آ گئیں اور فرد بھی۔ اور عزت کا سب سے بڑا ممکن مرتبہ یاد کر لیا جائے کہ نبوت ہے۔ اس طرح گویا اہل کتاب کو یہ یاد دلا دیا کہ جس قوم کے جس فرد کو وہ چاہے مرتبہ نبوت سے سرفراز کر دے۔ اس پر حسد بالکل بے معنی ہے۔ ف۶۵ (اس کے پاداش عمل میں) مَنْ تَشَاۗءُ کا عموم اطلاق یہاں بھی فرد وقوم دونوں پر حاوی ہے۔ کوئی فرد تو مرتبہ نبوت سے معزول ہوا نہیں ہے۔ البتہ یہ نعمت قوموں سے سلب ہو سکتی ہے چنانچہ قوم اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرفراز رہنے کے بعد معزول کی گئی۔ اور یہ نعمت اپنی انتہائی اور آخری شکل میں عرب قوم کے ایک ممتاز فرد کے حصہ میں آئی۔ ف۶۶ (تو اہل کتاب اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نعمت نبوت سے عرب قوم کے ایک فرد کو سرافراز کیا جا رہا ہے) اَلْخَيْرُ۔ یعنی بھلائی ہر قسم کی اور ہر مرتبہ ودرجہ کی۔ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے ذکر اسی کا کیا گیا اس کے مقابل کی چیز یعنی شر محض ایک سلبی حقیقت کا نام ہے۔ یہاں جو بجائے بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ کے صرف بِيَدِكَ الْخَيْرُ کا ارشاد واقع ہے اس سے عارفین صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جس چیز میں بندہ کے ارادہ واختیار کو دخل نہ ہو وہ محض خیر ہی ہے۔ اسے ناگوار نہ جانے اور اسے اپنے حق میں عذاب ومصیبت نہ سمجھے۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ

اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے ۷۹؎ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت

اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

رکھتے ہو ۸۰؎ تو میری پیروی کرو ۸۱؎ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا ۸۲؎ اور تمہارے گناہ بخش دے گا،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۸۳؎ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ۸۴؎

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس پر بھی اگر وہ روگرداں رہیں تو اللہ کافروں سے (ذرا) محبت نہیں رکھتا ۸۵؎

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ

بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا

اور خاندان عمران کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے ۸۶؎ ایک دوسرے کی اولاد ہیں

مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ۚ اِذْ قَالَتِ

اور اللہ (خوب) سننے والا ہے (خوب) جاننے والا ہے ۸۷؎ (اور وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی

امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا

بیوی نے عرض کیا ۸۸؎ کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے

فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اس (بچہ) کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) آزاد رکھا جائے گا ۸۹؎ سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو تو

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۹۰؎ پھر جب اس نے (مریم) کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار

۷۹؎ (چنانچہ یہ بار بار کی تنبیہ وتہدید بھی اسی شفقت ورافت ہی کا نتیجہ ہے کہ کاش بندے اب بھی سنبھلیں اور راہ ہدایت پر چلنے سے باز رہیں) ۸۰؎ (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے۔ ورا پنے ہی زعم کی بنا پر جو توقع رکھتے ہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا) خطاب رسول ﷺ کے واسطے عامۃ الناس سے ہے۔ تُحِبُّوْنَ۔ محبت کے جو معنی عربی میں ہیں اس میں ارادہ کا شمول ضروری ہے۔ قال ابن عرفة المحبة عند العرب ارادة الشئ علی قصدله (قرطبی) ۸۱؎ (کہ میں جو مع کمالات انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری زندگی ساری کائنات انسانی کے لئے ہر شعبہ میں معیار ونمونہ کا کام دے گی) محبت الٰہی کے دعوی کی جانچ کے لئے کیا اچھا معیار بتادیا گیا۔ یعنی اتباع رسول ﷺ جو جتنا زیادہ متبع رسول ﷺ ہوگا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلم ومعتبر ہوگی۔ اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیان مشیخت ومدعیان محبت الٰہی کے دعووں کو جانچئے تو بھتوں کی قلعی کھل کر رہے ۸۲؎ (کہ اس کے آگے اور کوئی درجہ کمال نہیں) یہ طریقہ جو پچھلوں کو بتایا گیا، یہی آواز اگلوں کے کان میں ڈالی گئی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے جو اقوال انجیل مروجہ میں نقل ہوئے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" (یوحنا ۱۴:۱۵،۱۶) یہ مددگار کا لفظ اردو انجیلوں کے متن میں ہے۔ حاشیہ پر وکیل اور شفیع دونوں لفظ درج ہیں گویا اصل یونانی لفظ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ انگریزی انجیل میں لفظ "کمفارٹر" (Comforter) آیا ہے جس کے معنی تسلی دہندہ کے ہیں تو چوتھا مفہوم اس لفظ کا یہ ہوا۔ بہر حال وہ سب کا مددگار اور وکیل اور شافع اور تسلی دہندہ، اس پیشگوئی کرنے والے مسیح علیہ السلام کے پانچ صدی بعد آیا۔ وہ ایک ابدی اور غیر منسوخ شریعت لے کر ابد تک ساتھ رہنے ہی کے لئے آیا۔ اور اسی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے خاتم النبیین کہلایا۔ پر صلیب کے پرستاروں اور مسیح علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں نے اسے برابر جھٹلایا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اللہ کی محبت بندہ کے ساتھ یہی ہے کہ اسے مغفرت سے سرافراز فرمائے۔ محبة الله للعباد انعامه عليه بالغفران (قرطبی) ۸۳؎ غَفُوْرٌ اس کی شان غفر کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی "ذنوب" کی مغفرت کر دے گا۔ رَحِیْمٌ۔ سو اس کی شان رحمت کا تقاضہ ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ وہ تمہاری تقصیروں کو نظر انداز کر دے گا اور تمہارے مراتب قرب میں ذرا کمی نہیں آنے دے گا۔ ۸۴؎ خطاب عامۃ الناس سے پیغمبر کے واسطہ سے ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ اللہ کی اطاعت اصالۃً اور بطور مقصود کے ہے۔ وَالرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت محض نیابۃً ہے بطور آلہ وواسطہ کے۔ یعنی اس حیثیت سے کہ پیغمبر اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ ۸۵؎ (اور یہ لوگ کافر ہی تو ہیں جو اطاعت رسول سے منہ موڑے ہوئے ہیں خواہ محبت الٰہی کے کیسے ہی دعوے ان کی زبانوں پر ہوں)۔ یعنی ذرا بھی ایسے صاف وصریح حکم کے ماننے سے انکار کریں۔ ۸۶؎ (چنانچہ وہ خود اور ان کے گھرانے والے توحید کے علمبردار رہے ہیں) اِصْطَفٰی۔ یہ برگزیدگی توحید کے علمبرداری کی حیثیت سے رہی ہے۔ اٰدَمَ۔ حاشیہ پارہ نمبر ۱ رکوع ۴ کے ذیل میں گزر چکے۔ نُوْحًا۔ حضرت نوح بن لامک (یا ملک) عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گزرے ہیں۔ حسب روایت توریت حضرت آدم علیہ السلام سے دسویں پشت میں تھے۔ عمر ۹۵۰ سال پائی۔ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ۔ آل ابراہیم ہی کے تحت میں اسمٰعیل علیہ السلام اور خاندان اسمٰعیل علیہ السلام بھی آگئے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں پر حاشیہ پارہ اول رکوع ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ اٰلَ عِمْرٰنَ۔ عمران کے نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں۔ ۱۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ماجد عمران بن یصہر۔ ۲۔ دوسرے ان کے کئی صدی بعد حضرت مریم کے والد ماجد اور حضرت مسیح علیہ السلام کے جد مادری۔ عمران بن ماتان۔ یہاں مراد دونوں سے ہو سکتی ہے۔ لیکن بہ لحاظ سیاق ترجیح عمران ثانی کو ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور وہب رحمۃ اللہ علیہ تابعین سے یہی قول منقول ہے۔ والمراد بعمران هذا هو والد مريم بنت عمران (ابن کثیر) والمراد بال عمران عيسى عليه السلام وامه مريم بنت عمران قاله الحسن ووهب (روح) فقد اختلفوا فيه فمنهم من قال المراد عمران والد موسى وهارون ومنهم من قال بل المراد عمران بن ماتان (کبیر) ۸۷؎ سَمِیْعٌ۔ سننے والا تمام زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات کا۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا تمام دل کے اندر کے جذبات وخیالات کا۔ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ نوح اولاد میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی اولاد میں۔ اور حضرت عمران ان تینوں کی اولاد میں۔ ۸۸؎ یہ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ۔ حضرت مریم کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی جدہ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حنہ (Hannae) آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ شام وغیرہ میں کلیسا کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ ودير حنة بالشام معروف وثم دير اخريعرف بدير حنه (بحر) وقبر حنة جدة عيسى بظاهر دمشق (بحر) ۸۹؎ (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت وعبادت کے لئے وقف رہے گا) حضرت مریم کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نذر مانی تھی۔ اس کی بہت بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں۔ لیکن بزرگان کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کر کے مستند اناجیل ازسرنو مرتب کرنا شروع کیں تو ان مضامین اور بیانات کو ان سے خارج کر دیا۔ اور اس کی شہادت آج ان ہی کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ کیتھولک ڈکشنری صفحہ ۴۸۔ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔ نَذَرْتُ۔ مراد وارد ہیں "میں نے منت مانی ہے"۔ لَکَ میں لام تعلیل ہے یعنی مخصوص تیری خدمت وعبادت کے لئے۔ ای لعبادتک (قرطبی) لخدمة بيتک (روح) مُحَرَّرًا۔ ای حقيقا خالصا لله تعالى خادما للكنيسة حبيسا عليها (قرطبی) ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے اولاد کو نذر کر دینے کا دستور یہود کے ہاں جاری تھا۔ ۹۰؎ سَمِیْعٌ۔ سننے والا میری دعاؤں کا۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا میرے اخلاص کا

ف۹۱ (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟) حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ بہ صد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کیونکہ تمنا تو لڑکے کی اس لیے کی تھی کہ اسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ ہیکل کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کرتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون میں لڑکی سے اس خدمت کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ ف۹۲ یہ پورا فقرہ والدہ مریمؑ کی تقریر کا حصہ نہیں۔ بطورِ ایک مستقل جملہ معترضہ کے براہِ راست ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ قال مکی هو اعلام من الله تعالى لنا على طريق التثبيت (قرطبی) الذّکر۔ یعنی جو لڑکا والدہ مریمؑ کے حسب خواہش ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ یعنی اس مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔ ای الله اعلم بالشئ الذی وضعته وما علق به من عظائم الامور ودقائق الاسرار وواضح الآيات وهي غافلة عن ذٰلك كله (روح) ف۹۳ والدہ مریمؑ کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وَذُرِّيَّتَهَا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدہ مریمؑ اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلے گا۔ ف۹۴ یعنی والدہ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کر لیا۔ جو تاریخ خدمت ہیکل میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بموجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کر لی گئی تھیں اور معبد کے چھوٹے

إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ؕ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ

میں نے تو لڑکی جنی ہے ف۹۱ اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۚ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا ف۹۲ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں

الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ

دیتی ہوں ف۹۳ پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کر لیا ف۹۴

وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

اور اس کو اچھی نشوونما دیا ف۹۵ اور اس کا سرپرست زکریا کو بنا دیا ف۹۶ جب بھی

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ

زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے (پینے) کی پاتے ف۹۷

قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ

(ایک بار) بولے کہ مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ ف۹۸ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے

عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ

آ جاتی ہیں ف۹۹ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق

حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ

دے دیتا ہے ف۱۰۰ (بس) وہیں زکریا اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے ف۱۰۱ عرض کی

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ

اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر ف۱۰۲

بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہسٹنگز Hastings کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۳، صفحہ ۲۸۸ بجٹ (Budget) کی حکایت خاتون مریمؑ Legends of Lady Mary ف۹۵ یا اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو اور ممکن ہے کہ قوائے روحانی و اخلاقی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیتوں سے ہو۔ يعني سوّى خلقها من غير زيادة ولا نقصان (قرطبی) اي ربّاها الرب تربية حسنة في عبادة وطاعة لربها قاله ابن عباس (روح) مجاز عن تربيتها بما يصلحها في جميع احوالها (بیضاوی) عبارة عن حسن النشأة والجودة في خلق و خلق فانشاها على الطاعة والعبادة (بحر) عجیب تماشہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف و عظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے بالکل خاموش ہے۔ ف۹۶ زکریاؑ اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرہ سے گویا بیگانہ ہیں، چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبری کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ و راستباز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام کا ایک کاہن تھا (لوقا ۱:۵) یہ حضرت زکریا علیہ السلام رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ یعنی آپ کی خالہ کے شوہر۔ حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہو گئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہودی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریا علیہ السلام کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ و ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ کَفَّلَهَا کے لفظ میں اشارہ اسی طرف بھی ہو گیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریا علیہ السلام کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی ف۹۷ الْمِحْرَابَ۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس در میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ المحراب الغرفة (قاموس) قال الازهري وسمي المحراب محرابا لانفراد الامام فيه وبعده من الناس (لسان) تعمیر۔ ہیکل کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر ادھر زاویے، حجرے، یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے۔ انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریمؑ کا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک تو یوں بھی سردار خدام تھے۔ اور اس حیثیت سے ہر خادم و خادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریمؑ کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی۔ قرآن حکیم کے ایک ذرا سے لفظ کُلَّمَا نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کر دیا۔ وكلما تقتضي التكرار فيدل على كثرة تعهده وتفقده لاحوالها ودلت الاية على وجود الرزق عندها كل وقت يدخل عليها (بحر) رزقا کھانے پینے کا سامان۔ مثلاً تر و تازہ میوے۔ بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کر جانا ہے۔ ابعد من فسّر الرزق هنا بانه "فيض" (بحر) هذا شبيه بتفسير الباطنية (بحر) رزقاً کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔ التنكير في قوله رزقا يدل على تعظيم حال ذلك الرزق كانه قيل رزقا اي رزق غريب عجيب (کبیر) مریمؑ اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہرحال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کرامات اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقۂ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔ واستدل بالاية على جواز الكرامة للاولياء لان مريم لانبوة لها و هذا هو الذي ذهب اليه اهل السنة والشيعة وقالت في ذلك المعتزلة (روح) وهو دليل جواز الكرامة للاولياء (بیضاوی) احتج اصحابنا على صحة القول بكرامة الاولياء بهذه الاية (کبیر) ف۹۸ یعنی لاتا تو میں ہی لاتا۔ میرے سوا اور کون اس سامان کا پہنچانے والا ہو سکتا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔ استغرب زكريا وجود الرزق عندها وهو لم يكن

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (٣٨) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ

بے شک تو دعا کا (بڑا) سننے والا ہے وا۱۰۳ پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ

قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

دیتا ہے وا۱۰۴ جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتداء ہوں گے

وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (٣٩) قَالَ رَبِّ

اور بڑے ضبط نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے۔ وا۱۰۵ (زکریاؑ) بولے اے میرے

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ

پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہو گا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (٤٠)

بانجھ ہیں وا۱۰۶ ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے وا۱۰۷

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

(زکریاؑ) بولے اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے، وا۱۰۸ ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو

النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا

لوگوں سے بات نہ کر سکے گا تین دن تک بجز اشارہ کے وا۱۰۹ اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو

وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (٤١) ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی اور صبح بھی وا۱۱۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ

اے مریم بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا ہے وا۱۱۱ اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی

ع ۱۲

الی به فسال علی سبیل التعجب من وصول الرزق الیها (بحر) وا۹۹ (براہ راست اور بلا کسی واسطہ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اور بالفرض اس موقع پر اگر اس موسمی قات کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ سے بھی پہنچ رہے ہوں۔ جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالی پر ہی وا۱۰۰ (خواہ واسطوں سے ہو۔ خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق) اللہ اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزئیہ میں جس طرح آزاد ہے اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں ہے۔ اس میں رد آگیا ان مشرک قوموں کا جنہوں نے خوشحالی اور بدحالی کو پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے وا۱۰۱ (قدرت الہی کے تازہ مشاہدہ سے متاثر ہو کر) هُنَا کا دوسرا ترجمہ (وہیں) کے علاوہ (معا) بھی ہو سکتا ہے۔ ہنا ظرفیہ کے لئے ہے۔ اور اس میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں شامل ہیں۔ یعنی اسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔ اسم یشاربه للمکان القریب وقدیشاربه للزمان اتساعا (جمل) گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہے۔ یستعمل للزمان والمکان واصله للمکان (قرطبی) ای فی ذلک المکان اوفی ذلک الوقت فقد یستعارهنا و ثم وحیث للزمان (کشاف) هنا ظرف مکان و جوّزان یراد بها الزمان مجازا (روح) هُنَالِكَ دَعَا۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علی ہذا وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریا علیہ السلام کو جب یہ مشاہدہ ہو گیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی وہیں دعا کرنے لگے۔ فی قوله هنالک دعا دلالة علی ان یتوفی المعبد بدعائه الامکنة المبارکة والازمنة المشرفة (بحر) وا۱۰۲ (جو میرے سلسلہ روحانی کو آگے چلا سکے) هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ۔ مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح دے جیسے کہ والدہ مریم کو مریمؑ عنایت ہو چکی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھ لی گئی تھیں۔ ایک خارق عادت کو دیکھ کر آپ کا ذہن معا اسی طرف زور شور کے ساتھ منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری یہاں بے فصل تر و تازہ میوے پہنچا دے، وہ یقینا اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرفراز کر دے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ یہ قید صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ ذُرِّيَّةً۔ اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے بھی منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کر کے بتا دیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دور ہیں جنہوں نے بیوی بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت حقہ میں اولاد کی خواہش تو سنت انبیاء و صدیقین بتائی گئی ہے اور صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلب ولد کے فضائل میں ہیں۔ دلت هذه الآیة علی طلب الولد وهی سنة المرسلین والصدیقین (قرطبی) وقد ترجم البخاری علی هذا باب طلب الولد والاخبار فی هذا المعنی کثیر ماتحث علی طلب الولد وتندب الیه (قرطبی) ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ طیبہ کے اضافہ نے اسے صاف کر دیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہر حال رہتی ہے اولاد کی خواہش میں بھی مطلق کوئی مقصد نہ تھا لیکن حضرت زکریا علیہ السلام محض اولاد ہی نہیں چاہتے، اولاد صالح چاہتے ہیں جو ان کے بعد ان کے مشن تبلیغ توحید کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی و روحانی فضائل بہر صورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے امور کے لئے دعا کرنا جو اسباب قریبہ سے بعید ہوں آداب دعا کے منافی نہیں۔ وا۱۰۳ (اور بڑا قبول کرنے والا ہے) حق تعالی کی اس صفت پر بار بار زور دینا دہری اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رد میں ہے جو واقعات کو تمامتر اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادۂ حق تعالی کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ انجیل میں ہے کہ ”زکریا نام کا ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے“۔ (لوقا۔ ۱: ۵۔ ۷) وا۱۰۴ (دعا معا قبول ہوئی۔ اور آپ کو حالت نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی)۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغہ جمع ہے لیکن لازمی نہیں کہ آواز دینے والے کئی ہوں۔ صیغہ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آواز دینے والا ایک ہی فرشتہ ہو۔ وجائز فی العربیة ان یخبر عن لفظ الجمع (قرطبی) قال الزجاج ای اتاه النداء من هذا الجنس الذین هم الملئکة (ابوسعود) ذلک جائز فی کلام العرب بان تخبر عن الواحد بمذهب الجمع (ابن جریر) يَحْيٰى۔ عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا نام یوحنا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر آتا ہے:۔ ”فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی (لوقا ۱: ۱۳) حضرت عیسی علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے سن میں حسب روایت انجیل صرف چھ مہینہ بڑے تھے، ۳۰ء میں والئ شام ہیرود کے حکم سے شہید ہوئے۔ وا۱۰۵ كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ جس طرح روح القدس لقب حضرت جبرئیل کا ہے کلمۃ اللہ لقب حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے۔ یعنی عیسی فی قول اکثر المفسرین (قرطبی) وهو اختیار الجمهور (کبیر) قاله ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة والسدی وغیرهم (بحر) مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی اصل حیثیت مسیح علیہ السلام کے پیش رو اور نقیب ہی کی تھی۔ بعض نے کلمۃ اللہ سے مراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔ قال ابو عبید معنی بکلمة من الله بکتاب من الله (قرطبی) سَيِّدًا۔ یعنی دین کے باب میں مقتداء و پیشوا۔ یحیی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں۔ یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں، وہ بھی آپ کی مرجعیت و مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔ حَصُوْرًا۔ یعنی لذات و شہوات پر اسے قابو حاصل ہو گا۔ اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہو گا۔ انجیل میں آپ کے زہد و تجرد کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے۔ مثلاً:۔ ”وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہو گا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس

سے بھر جائے گا"۔ (لوقا۔ ۱:۱۶) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جوان کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ انبیاء کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے"۔ (لوقا۔ ۱:۱۷، ۱۸) "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا"۔ (لوقا۔ ۱:۸۰) نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بنا ہوا انسان سمجھتے تھے اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو مسلم ہے لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت وتقویٰ لازمۂ نبوت نہیں۔ وف۱۰۶ انجیل میں اس موقع پر ہے۔ "زکریا علیہ السلام نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے"۔ (لوقا۔ ۱:۱۸) "ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا ۱:۷) اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ۔ یعنی اس بشارت کے تحقق کی متعین صورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کر آئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدہ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صورت جاننا چاہتے ہیں لیکن بالفرض عدم اطمینان بھی مراد لی جائے، جب بھی خلاف اسباب عادیہ کسی شے کے ظہور وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امور طبعی میں بالکل بشر ہی تھے۔ وف۱۰۷ (کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے رفع کر دینے کے لئے کافی ہے) كَذٰلِكَ یعنی عود شباب وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ بس اسی موجودہ حالت کے ساتھ ولادت فرزند ہوگی۔ وف۱۰۸ (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانہ ولادت قریب ہے اور میں ادائے شکر کا سامان کر سکوں) اٰيَةً ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرت الٰہی نصرت غیبی خاص طور پر ظاہر ہو رہا ہو۔ ایسی چیز کو قدرۃً معمول عام سے کسی قدر ہٹا ہونا چاہیے اور اس واقعہ میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہیے۔ وف۱۰۹ (اور تسبیح وعبادت الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی) اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ۔ انجیل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریا علیہ السلام سے سرزد ہوگئی تھی۔ اور اس کی سزا میں ان کی قوت گویائی چند روز کے لئے سلب کر لی گئی تھی۔ "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر ہوں گی یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رؤیا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا"۔ (لوقا ۱:۲۰، ۲۲) قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مُهَيْمِن یا نگران و نگہبان ہے اور ان کی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے، یہاں بھی اس نے حسب معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام سے یہ بہتان رفع کر کے صحیح صورت حال یہ بیان کی کہ ایک علامت غیبی واعجازی کی تو انہوں نے خود درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح وذکر الٰہی تو اپنی جگہ پر بدستور کرتے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔ تُكَلِّمَ النَّاسَ میں النَّاسَ ہی تو فقرہ کی جان ہے۔ انما خص تكليم الناس ليعلم انه يحبس لسانه عن القدرة على تكليمهم خاصة مع ابقاء قدرته على التكلم بذكر الله (مدارک) ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہوگئی ہے۔ سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب وادیان میں جزء عبادت رہ چکا ہے۔ رَمْزًا۔ رمز میں سر کے اشارے بھی آ گئے اور ہاتھوں کے بھی۔ انجیل میں ہے:۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا"۔ (لوقا ۱:۱۳) فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائم مقام ہے۔ ففي هذه الاٰية دليل على ان الاشارة تنزل منزلة الكلام و ذلك موجود في كثير من السنة (قرطبی) وف۱۱۰ (دل وزبان سے) وَاذْكُرْ۔ وَسَبِّحْ۔ یعنی ذکر الٰہی وتسبیح کا شغل دل میں بھی جاری ہے اور زبان سے بھی یہ نہ ہوگا کہ آپ کی زبان بہ طور مرض یا عذاب الٰہی کے مطلقاً بند ہو جائے اور آپ بالکل "گونگے" ہو جائیں (جیسا کہ انجیل میں درج ہے) بلکہ ذکر وتسبیح میں آپ برابر لگے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ رہیں گے اور یہی

اس امر کی علامت ہوگی کہ حمل قرار پا گیا اور ظہور یحییٰ علیہ السلام کا زمانہ قریب آ گیا۔ عَشِيّ۔ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت اس میں آ گیا۔ العشي من حين ان تزول الشمس الى ان تغيب (کشاف) اِبْكَار۔ طلوع فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے۔ الابكار من طلوع الفجر الى وقت الضحى (کشاف) محاورہ میں مراد صبح وشام کے اوقات کی تعیین وتخصیص ہی نہیں بلکہ دوام بھی ہو سکتی ہے۔ وف۱۱۱ (بعض خصوصیات کے لحاظ سے) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ۔ یہ قول خواہ بہ طور الہام ہو جس کا تعلق محض قلب وباطن سے ہے خواہ بہ طور ندا ہو جس کا تعلق سماعت اور ظاہر سے ہے ملٰۗىِٕكَة کے صیغہ جمع سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہنے والے کئی کئی فرشتے ہوں۔ ملٰۗىِٕكَة سے مراد جنس ملائک بھی ہو سکتی ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کا غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلام ہونا آیت سے ثابت ہے البتہ ملائکہ کے لائے ہوئے پیام تبلیغ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اصْطَفٰىكِ۔ اس اصطفاء کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے تو شروع ہی سے آپ کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعت وجود بخشا گیا۔ پھر ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے زکریا علیہ السلام نبی تک کو متحیر کر دیا۔ یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔ طَهَّرَكِ۔ یعنی آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف کر دیا۔ آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنا دیا۔ يعني طهر دينك من الريب والادناس التي في اديان نساء بني اٰدم (ابن جریر) اى نزهك عن الاخلاق الذميمة و الطباع الردية (روح) روى عن الحسن وابن جبير ان المراد طهرك بالايمان عن الكفر و بالطاعة عن المعصية (روح) طهرك من الافعال الذميمة والعادات القبيحة (کبیر) عن مجاهد عما يعم النساء في خلق و خلق و دين (بحر) عن مجاهد من الريب والشكوك (بحر) یہ خصوصیت کے ساتھ یہود کے رد میں ہے جو اپنی خباثت سے طرح طرح کے گندے الزامات حضرت مریم پر لگاتے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ وف۱۱۲ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ پہلے اصطفاء کا تعلق مریم کے بچپن سے ہے۔ یعنی پیدائش ہی ایسی ہوئی اس اصطفاء کا تعلق ان کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یہ دوسری برگزیدگی خاص خاص حیثیات سے تھی۔ مثلاً اس صفت میں کہ مرد کے توسط کے بغیر محض مس ملک سے انہیں ماں بنا دیا گیا انجیل میں بھی فضیلت مریم کا ذکر ہے لیکن قرآن مجید سے کہیں ہلکے لفظوں میں:۔ "اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے (لوقا۔ ۱:۲۷، ۲۸) وف۱۱۳ آیت ماقبل اگر یہود کے رد میں تھی جنہوں نے مریم کی ذات کو اتہامات کا ہدف بنا رکھا تھا تو یہ آیت یہود ونصاریٰ دونوں کے رد میں ہے۔ یہود کو تو یہ بتایا گیا کہ آپ بڑی عبادت گزار وطاعت شعار خاتون تھیں اور نصرانیوں کو یہ جتلایا گیا کہ مریم نہ (نعوذ باللہ) خدا کی ماں تھیں اور نہ کسی قسم کی دیوی، کہ ان کی پرستش کی جائے یا انہیں کسی درجہ میں بھی شریک عبادت کیا جائے۔ بلکہ ان کی ساری بزرگی وبرگزیدگی تو بس یہ تھی کہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کی مخلص پرستار، فرمانبردار اور نہایت درجہ عبادت گزار وطاعت شعار تھیں۔ وف۱۱۴ (اے پیغمبر!) یعنی یہ واقعات وہ ہیں جو آپ سے کئی سو سال قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے اور ان کے علم واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں۔ آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعہ سے القاء کئے جا رہے ہیں اور یہ بجائے خود ایک دلیل آپ کی صداقت کی ہے۔ وف۱۱۵ (شام کے دریائے یردن میں تفاؤل کے لئے) اِذْ يُلْقُوْنَ۔ اس فعل کے فاعل کون تھے؟ یروشلم کے ہیکل مقدس کے خدام اور کاہن (بہ اصطلاح یہود) اَقْلَامَهُمْ۔ ہیکل سلیمانی کی خدمت ونگہداشت کے لئے خادموں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لئے جاروب کشوں، فراشوں دربانوں مؤذنوں وغیرہ کا پورا عملہ رہتا ہے، حضرت مریم کے والد حضرت عمران اپنے زمانہ میں ان خادمان حرم کے سردار تھے۔ ان

کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا کہ اب مریم کا سرپرست کون ہو۔ رشتہ ان خادموں میں سب سے قریب حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا کہ آپ مریم کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال اشارۂ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نے کے قلم جو توریت لکھنے کے ہوتے تھے، ان پر توریت شریف ہی کے کچھ کلمات لکھ کر انہیں دریائے یردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور قلم عموماً دریا ہی کے رخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رخ کو چڑھتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی جیت ایسے ہی قلم کے۔ لک کی سمجھی جاتی۔ گویا غیب سے ڈگری اس کے حق میں ہوگئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یعنی جب یہ مریم کی کفالت و سرپرستی کا قضیہ طے ہو رہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر چشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی، پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں اپنی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔ ان کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے اور ہو کیا سکتا ہے؟ ف ۱۱۶ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ کے صیغہ جمع پر حاشیے دوبار ابھی اوپر گزر چکے۔ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ۔ کلمۃ اللہ پر حاشیہ ابھی چند آیتیں قبل گزر چکا ہے۔ بشارت یہاں مریم کو بیٹے کی مل رہی ہے۔ وہ بیٹا جسے بن باپ کے ہونے کی بنا پر کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ حضرت مریم اس وقت تک یہودی رسم و رواج کے لحاظ سے ناکتخدا اور کنواری تھیں، البتہ آپ کی منگنی آپ ہی کے کنبہ و قبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہو چکی تھی۔ جن کے ہاں کاروبار چوب سازی کا ہوتا تھا۔ انجیل کا بیان ہے۔

عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ

بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے ف ۱۱۲ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو

وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو ف ۱۱۳ یہ (واقعات)

اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ

غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کر رہے ہیں ف ۱۱۴ اور آپ تو ان لوگوں کے پاس تھے نہیں اس

اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪

وقت جب وہ اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے ف ۱۱۵ (وہ وقت یاد کرو) جب

الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے

مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ

اپنی طرف سے ایک کلمہ کی ان کا نام (لقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ

ہوگا ف ۱۱۶ دنیا و آخرت (دونوں) میں معزز اور مقربوں میں سے ف ۱۱۷

وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے۔ گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ

ہوں گے ف ۱۱۸ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح

"جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ لوقا۔ ۱: ۲۶، ۲۷) "یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی۔ ۱: ۱۸) رسم منگنی کی جو اہمیت یہود کے ہاں تھی اس کے لحاظ سے ہمیں اپنی اصطلاح و زبان میں یوں کہنا چاہیے کہ آپ کا عقد ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا خلوت کی نوبت ابھی عرفاً نہیں ہوئی تھی۔ اِسْمُهٗ۔ اسم کی وسعت مفہوم و جامعیت پر حاشیہ پارۂ اول میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ اسم مسمّٰی کے تعارف کے لئے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کے تعارف کے لئے یہ پوری عبارت ضروری تھی۔ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ اَلْمَسِيْحُ۔ لفظ مسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن خواہ یہ لفظ عربی الاصل ہو خواہ عبرانی کے کسی لفظ کا معرب۔ بہر صورت اپنے معنی کے لحاظ سے "مبارک" کا مرادف ہے۔ عِيْسٰى۔ انجیل کے تلفظ اور املا میں "یسوع"۔ ف ۱۱۷ (اللہ تعالیٰ کے) ابْنُ مَرْيَمَ۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں کے رد ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ابْنُ مَرْيَمَ کہہ کر قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام خود تو بشر تھے ہی۔ فرزند بھی کسی دیوی دیوتا کسی مافوق البشر کے نہ تھے۔ محض عورت ذات کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین و افتراء روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت و اکرام ہیں۔ یہودی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین و تحقیر کا اٹھا نہیں رہا ہے۔ یہ قرآن ہی کی برکت و اعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب خود یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے۔ آخرت کے اعزاز کا مشاہدہ تو خیر جب ہوگا، ہوگا۔ دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے ۴۰۔۵۰ کروڑ مسلمان آج انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں۔ یہ عقیدہ گو احمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم و احترام ہی سے ناشی ہے۔ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ قرآن مجید کا یہ کمال اعجاز ہے کہ ایک ایک لفظ سے پورا پورا مضمون ادا ہو جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے ایک طرف تو آپ کا اصل مقام بتا دیا، یعنی تقرب الٰہی۔ دوسری طرف یہودیت کے رد میں آپ کی شہادت دے دی۔ تیسری طرف مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ کی ترکیب سے یہ ظاہر کر دیا کہ اس مقبولیت میں وہ منفرد نہیں، دوسرے بندے بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور مسیح علیہ السلام باایں عظمت و اجلال بہرحال عبدیت سے مافوق کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ ف ۱۱۸ (نہ کہ معاذ اللہ ساحر یا شعبدہ باز یا بد اخلاق جیسا کہ یہود نے افتراء کر رکھا ہے) لیکن باایں عظمت و اجلال بہرحال دوسرے ہی بندگان صالح کی طرح ہوں گے۔ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ نہ کہ ان سے مافوق کچھ اور جیسا کہ مسیحیوں نے اپنے دل سے ٹھہرا لیا ہے۔ يُكَلِّمُ النَّاسَ۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے آپ کے جوش تبلیغ کی جانب۔ لوگوں سے آپ کی گفتگو قصہ کہانی کی نہیں، یقیناً توحید و صحیح عقائد ہی پر ہوگی۔ انجیلوں سے بھی جتنی شہادتیں ملتی ہیں سب سے تائید آپ کے جوش تبلیغ ہی کی ہوتی ہے۔ فِي الْمَهْدِ۔ یعنی بالکل بچپن سے۔ یا اس سن سے جو گہوارہ میں لیٹے رہنے کا ہوتا ہے۔ ای طفلا (کشاف) حال کونه طفلا (بیضاوی) اتنی کم سنی سے گفتگو پر یہ قدرت اعجازی رنگ میں تھی۔ انجیلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارہ سال کے سن میں تبلیغ کرنے لگے تھے۔ اور اچھے اچھے دانا آپ کی گفتگو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ (لوقا۔ ۲: ۴۲، ۴۶، ۴۷) كَهْلًا۔ سے مراد پختہ عمر سے ہے یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی زمانہ اس کا اطلاق ۳۰ سے اوپر ۵۰ سال کے سن تک ہوتا ہے۔ الکھل بین حال الغلومة و حال الشیخوخة (قرطبی) الکھل مابین الشاب والشیخ (روح) حضرت مسیح علیہ السلام کے بچپن اور پھر پختہ عمری کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ ہر انسان کی طرح آپ کا نشو و نما بھی تدریجاً ہوتا رہا۔ اور یہ نشو و نما خود ایک مستقل دلیل رد الوہیت پر ہے۔

۱۱۹ (بطریق مواصلت) حسب بیان انجیل حضرت مریم کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی کے قبل نامزد شوہر سے خلوت یہودی قانون میں بالکل ممنوع تھی۔ قَالَتْ رَبِّ۔ انجیل میں اس مقام پر ہے کہ "مریم نے فرشتہ سے کہا" (لوقا۔ ۱: ۳۴) قرآن مجید نے اپنے حسب دستور اس موقع پر بھی انجیل کے بیان کی تصحیح کر کے یہ بتا دیا کہ مریم کی مخاطبت اب فرشتہ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے تھی، اور ہر صاحب نظر پر واضح ہے کہ اس سے مریم کا مرتبہ معرفت وایمان کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ۔ فرشتہ کی زبان سے وہ پوری تقریر سن کر اب حضرت مریم اپنے مالک ومولیٰ سے یہ عرض کر رہی تھیں۔ آپ کا یہ سوال ظاہر ہے کہ حیرت اور واقعہ کی غرابت کی بنا پر تھا نہ کہ شک وانکار کی بنا پر۔ فرشتہ یا فرشتوں سے دو بدو ہو جانے اور ان کی گفتگو سن لینے کے بعد انکار کا تو اب کوئی محل رہا ہی نہیں تھا۔ استبعاد البتہ باقی تھا جو عین لازمہ بشریت تھا۔ انجیل نے اس موقع پر جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔ "فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا کلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع ہو گا وہ بزرگ ہو گا۔ ۔ مریم نے فرشتہ سے کہا۔ یہ کیونکر ہو گا جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی" (لوقا۔ ۱: ۲۸، ۳۳) ۱۲۰ رفع استبعاد کے لئے حضرت مریم کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے کہ وہی فاعل حقیقی ہے نہ کہ اسباب طبعی وظاہری پر کہ ان کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے کَذٰلِكِ۔ یعنی مس بشر کے بغیر ہی۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آ چکا ہے۔ وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وہاں يَفْعَلُ اور یہاں يَخْلُقُ کا استعمال محض اتفاقی نہیں۔ مفسر محقق ابو حیان غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنت الٰہی کے مطابق یعنی مرد وزن کے اتصال سے تھی اگرچہ وہ مرد وزن سن سے اتر چکے تھے وہاں قدرت الٰہی کے اظہار کے لئے یفعل بالکل کافی تھا۔ برخلاف اس کے یہاں عام وجاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مرد وزن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرانا ہے۔ اس لئے یہاں لفظ بھی يَخْلُقُ لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد واختراع پر دلالت کر رہا ہے۔ هناک يفعل لانه ممكن اذهو من ذكر وانثى مسنين وهنا يخلق لانه لم يعهد مولود من غير ذكر فجاء بلفظ يخلق الدال على الاختراع الصرف من غير مادة ذكر (نہر) من حيث ان امر زكريا داخل في الامكان العادي الذي يتعارف وان قل وفي قصة مريم يخلق لانه لايتعارف مثلا وهو وجود ولد من غير والد فهو ايجاد واختراع من غير سبب عادي فلذلک جاء بلفظ يخلق الدال على هذا المعنى (بحر) ۱۲۱ (اور وہ ہو جاتا ہے خواہ اسباب کے واسطہ سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اس قسم کی آیتیں برابر ان فلسفیوں اور باطل مذہبوں کی رد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلہ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔ لِّٰہ۔ نادانوں نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب اس سے ہوتا کس طرح ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج میں بھی موجود ہو جا۔ يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ۔ قول کُنْ سے مراد اس دو حرفی لفظ کا تلفظ نہیں کہ یہ حروف تو خود ہی حادث ہیں۔ مراد اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کے شان کمال کے لائق ہے۔ اور جس طرح اس کی تمام صفات کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی بھی کیفیت تفصیل سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ مراد صرف یہ کہ ارادۂ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی شی حائل یا حاجب نہیں۔ ۱۲۲ يُعَلِّمُهٗ میں ضمیر مفعول ظاہر ہے کہ ولد مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ حضرت کا جو مقام عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریم کی بھی تشفی خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہوا جا رہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ بے شوہری اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی، اس کی تلافی کے لئے

وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ

ہو گا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے ۱۱۹ ارشاد ہوا ایسے ہی

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ۱۲۰ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ

اس سے کہتا ہے کہ ہو جا ۱۲۱ سو وہ ہو جاتی ہے اور (اللہ) اسے کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھا دے گا ۱۲۲ اور وہ پیمبر ہو گا

اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ

بنی اسرائیل کے لئے ۱۲۳ (اور کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ

نشانی لے کر آیا ہوں، ۱۲۴ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا

صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ

بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور ابرص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں

الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو

وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں بے شک ان (سارے واقعات) میں

اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جا رہی ہے۔ اَلْكِتٰبَ۔ یعنی کتب سماوی۔ لفظ کتاب بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ ذهب كثيرون الى ان ال فيه للجنس والمراد جنس الكتب الالهية (روح) وَالْحِكْمَةَ۔ حکمت سے مراد یا تو جمیع امور دین ہیں (اور اس سے ضمناً اس پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آئے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق۔ جميع ما علمه من امور الدين (روح) المراد بالحكمة تعليم العلوم و تهذيب الاخلاق (کبیر) ۱۲۳ رَسُوْلًا۔ آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہو گا۔ نہ آپ معاذ اللہ ساحر وشعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا۔ اور نہ (نعوذ باللہ) آپ خود خدا یا فرزند خدا ہوں گے۔ جیسا کہ نصرانیوں نے اپنی بیہودگی سے فرض کر لیا۔ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ یہ بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیمبروں کی طرح آپ بھی صرف قومی نبی تھے۔ انجیل تک میں یہ تصریح۔ اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے:۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی۔ ۱۰: ۵۔ ۷)" اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا" (متی۔ ۱۶۔ ۲۴) تقریباً دو ہزار سال کی کلیسا کی ساری ملمع سازیوں کے بعد بھی آج بھی خود مسیحی فاضلوں کو اقرار ہے کہ تبلیغ نصرانیت کی یہ

عالمگیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں۔ مسیح علیہ السلام نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۵ ص ۴۳۱ طبع چہاردہم) اور مسیح علیہ السلام تو مسیح علیہ السلام حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا:۔ "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا۔ (ایضاً ۱۳۲) ف۱۲۴ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ۔ ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے۔ معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام و متعارف سلسلۂ اسباب سے الگ ہو۔ پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرت حق و تائید الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے۔ معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے، معمولی غیر معمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے پیمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ایک قادر مطلق کے وجود کے قائل ہیں ان کے لئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفسی امکان تو قابل انکار بلکہ قابل اشتباہ بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ طبعی، غیر طبعی، عادی، غیر عادی، متعارف و مجہول، جلی و خفی اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادر مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے۔ عقل سے نہیں نقل سے درایت سے نہیں روایت سے ہے۔ ظن و تخمین کا یہاں دخل نہیں۔ اب گفتگو صرف سند متصل اور شہادت معتبر کی رو سے ہوگی۔ معجزات مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں بکثرت آیا ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ یہ اضافہ اس حقیقت کی تائید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار و قدرت سے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے مقصود پیمبر ہی کی تائید و نصرت ہوتی ہے ف۱۲۵ یعنی اگر تم خبث باطن اور ضد و عناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اَخْلُقُ۔ فعل خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے اندازہ کرنا ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھلی ہوئی مراد یہی ہے۔ **خلقه تقديره ولم يرد انه يحدث معلومًا** (تاج) **الخلق اصله التقدير المستقيم** (راغب) **الذى يكون بالا ستحالة فقد جعله الله تعالى بغيره فى بعض الاحوال والخلق لايستعمل فى كافة الناس الاعلى وجهين احد هما فى معنى التقدير** (راغب) **اى اقدر و اصور** (کبیر) **والمراد بالخلق التصوير والابراز على مقدار معين** (روح) لَكُمْ۔ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ **اى لاجل تحصيل ايمانكم ودفع تكذيبكم اياى** (روح) **واللام فى لكم معناه التعليل** (بحر) عوام ہمیشہ بجائے دلائل و عقلیات کے معجزہ و خارق عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔ مِنَ الطِّيْنِ۔ اس فقرہ نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت کی زبان سے ادا کر دیا ہے کہ میں عدم محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب و ترتیب کے ساتھ تصرف کر دیتا ہوں **تقييد بانه لايوجد من العلم الصرف بل ذكر المادة التى يشكل منها صورة الطير** (بحر) كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ یعنی پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔ طَیر یہاں بہ طور اسم جنس کے ہے۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا۔ یعنی میرے پھونک دم سے ان میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے نزدیک مستند ہیں ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیل کلیسائے قبطی (مصر) Coptic Church کی مستعمل ہے، اس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج Budge نے اپنی کتاب Legends of our lady Mary کے مقدمہ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ:۔ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے"۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں، اسے کہیں میری قوت و قدرت کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے سب محض مشیت خداوندی و قدرت الٰہی کا ثمرہ ہے۔ الْاَكْمَهَ۔ اندھوں کو بغیر اپریشن کے بینا کر دینا یوں بھی آسان نہیں چہ جائے کہ مادرزاد اندھوں کو! اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزۂ مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً انجیل متی۔ ۹: ۲۷۔ ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸: ۲۲۔ ۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹: ۱۔ ۷ میں ہے اور اس میں تصریح اندھے کے مادر زاد یا پیدائشی ہونے کی ہے۔ الْاَبْرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کو "جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا" (متی ۸: ۱۔ ۳)" اور ایسا ہوا کہ یروشلم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انہوں نے دور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اے یسوع، اے صاحب ہم پر رحم کر۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے (لوقا۔ ۱۷: ۱۱۔ ۱۴) انجیل کے جدید ناقدوں نے طرح طرح پر جرح کر کے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے۔ لیکن اتنے جرح پر یہ ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے معجزات شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ ص ۶۲) نیز انسائیکلوپیڈیا بیلیکا جو خاص انہی تنقیدات کے لئے ہے۔ اس کا کالم ۲۴۴۵۔ اَحْيِ الْمَوْتٰى برنابا حواری کی جو انجیل چلی آرہی ہے اس میں تو معجزہ احیاء اموات کی تصریح بھی موجود ہے (ص ۲۴۳، ۲۴۴۔ انگریزی ایڈیشن) رہیں اور اور انجیلیں جو موجودہ مسیحیوں کو مسلم اور ان کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں بلکہ ان میں متعدد مثالیں اس قسم کے معجزہ

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱۲۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں ف۱۲۶ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں، ف۱۲۷

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ف۱۲۸ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے

فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّآ

سو اس کی عبادت کرو یہی میری راہ ہے ف۱۲۹ پھر جب

اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ

عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا ف۱۳۰ تو بولے میرا کون مددگار ہو گا

اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ

اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ف۱۳۱

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَآ

ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہئے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں ف۱۳۲ اے ہمارے پروردگار

اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ

ہم ایمان لے آئے اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کر لی رسول کی سو ہم کو بھی گواہوں کے ساتھ

الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ

لکھ لے۔ ف۱۳۳ اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی، اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے

کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے ان کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے:۔ ''تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نامی ایک شہر کو گیا اور اس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا ایک مردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے اسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اس سے کہا رو نہیں۔ پھر اس نے پاس آکر جنازے کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اسے اس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھا گئی (لوقا۔ ۷:۱۱۔۱۶) نیز (۷:۲۲) انجیل متی (۹:۱۸۔۲۵) میں ایک تازہ میت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱:۱۔۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مردہ لعزر کے احیاء کا۔ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ مزید تاکید وتصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہے کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو میری جانب نہ منسوب کر دینا۔ جو کچھ بھی ہوا۔ محض خدائے برحق کی قدرت ومشیت سے ہوا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہل حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب ایسے افعال کو منسوب کر گئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرط صحت نقل وہ دعویٰ غلبہ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہل ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگا دیتے ہیں۔ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ یہ بات آپؑ نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ اٰيَةً۔ یعنی نشان میرے پیمبر اور مؤید من اللہ ہونے کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے خوارق کا بہ کثرت صدور ہونا تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ منکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر وشعبدہ باز کہنا شروع کر دیا چنانچہ جوزیفس (متوفی ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ آثار یہود میں آپ کا ذکر اس حیثیت سے کیا ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:۔ ''یسوع نے بہ حیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بہ حیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت وناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی'' (جلد ۷ صفحہ ۱۶۷) **وف ۱۲۶** (یہ ارشاد خداوندی) مُصَدِّقًا ...... التَّوْرٰىةِ کوئی نیا نبی پرانے نبی کی تردید وتغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف حکماء وفلاسفر کو مبارک رہے) بلکہ ہر جدید پیامبر پیام قدیم کی تجدید وتکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میں شریعت موسوی کے مٹانے کے لئے نہیں ان کی تجدید وتصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات مروجہ انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں'' (متی ۵:۱۷) ''آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے'' (لوقا۔ ۱۶:۱۷) (انجیلی زبان میں شریعت سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یعنی شریعت موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم وتسہیل، عمومی تصدیق وتائید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُحِلَّ لَكُمْ مسیحی تعلیم نے قدیم موسوی شریعت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مروجہ میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً:۔ ''اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو۔ سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا نرم ہے اور میرا بوجھ ہلکا'' (متی۔ ۱۱:۲۸۔۳۰) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ تمہارے حبروں اور ربیوں نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط ملط کر دیئے ہیں میں اس سارے بوجھ کو تم سے دور کرنے آیا ہوں **وف ۱۲۷** (اپنی نبوت ورسالت کا) اٰيَةٍ۔ نشان کا لفظ دلائل، معجزات سب پر حاوی ہے۔ اور لفظ کے مفرد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغۂ واحد میں ہے اور کوئی ایک مخصوص نشان مراد ہے۔ اٰيَة بطور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرت علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ انما وحد وهي ايات لانها جنس واحد في الدلالة على رسالته (قرطبی) خطاب بنی اسرائیل سے ہے **وف ۱۲۸** (بہ حیثیت رسول خدا ہونے کے) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کی تکذیب کی جرأت نہ کرو **وف ۱۲۹** (جس کی تعلیم ابتداء سے لے کر آخر تک سارے ہی پیمبر دیتے آئے ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ظالموں نے اسے مسخ کر کے تثلیث بنا دیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھلی ہوئی شکل ہے۔ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ۔ اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیمبر اور امتی سب یکساں ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ۔ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت وآمیزش کے۔ آج جو انجیلیں دنیا کے پردہ پر موجود ہیں ان میں سے ایک انجیل برنابا بھی ہے اس کے انگریزی، عربی، اردو ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برنابا نامی حضرت علیہ السلام کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے۔ اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور حضرت ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں ایسے صاف وصریح لفظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں خیر وہ تو ہر سچے سفیر الٰہی کے کلام کی طرح توحید کی تعلیم وتاکید سے لبریز ہی ہے لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ مثلاً۔ ''یسوع نے اس سے کہا۔ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی۔ ۴:۱۰) تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہر حال حضرت مسیح کا دامن اقدس اس آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے **وف ۱۳۰** (اپنی ہر سعی اور تبلیغ کے باوجود) اَحَسَّ یعنی پا لیا محسوس کیا حواس ظاہری سے۔ معناه علم و وجد قاله الزجاج وقال ابو عبيدة معنى احسّ عرف (قرطبی) لايقال ذلك الا في ما كان من جهة الحاسة (راغب) تحقق مايدرك بالحواس (بیضاوی) مِنْهُمْ۔ یعنی اپنے مخاطبین کی طرف سے جو بنی اسرائیل یہود تھے۔ اى من بنى اسرائيل (قرطبی) الْكُفْرَ۔ یعنی انکار نبوت عیسوی سے اور انکار بھی ظلم وتعدی کے ساتھ۔ یہ انکار وطغیان علانیہ وبرملا تھا۔ کوئی دقیق ومخفی شے نہ تھی جو مستنبط کی جاتی بلکہ حواس ظاہری ہی سے محسوس ہونے والی کھلی ہوئی چیز تھی اور یہی نکتہ ہے کہ یہاں فعل احس استعمال کیا گیا جس کے معنی بالکل ظاہر ظہور پانے کے ہیں۔ فتنبيه انه قد ظهر منهم الكفر ظهورًا بان للحس فضلا عن الفهم (راغب) **وف ۱۳۱** آپؑ نے اپنی قوم کو نصرت دین کے لئے جو پکارا، اس سے محققین نے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل دین سے دین کے بارہ میں مدد طلب کرنا توکل کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ان سے یہ مدد طلب کرنا اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ نصرت الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے دین کے لئے۔ قال الحسن المعنى من انصاري في السبيل الى الله (قرطبی) قال ابو علي القاري معنى الى الله لله (بحر) الى ههنا بمعنى مع اوفي او اللام (بیضاوی) الحواريون حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے والے کے ہیں۔ حورت الشئ اى بيضته ودوّرته (راغب) واصل الحور في اللغة البياض وحورت الثياب بيضتها (قرطبی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپ کے بعد کے بھی رفیقوں، شاگردوں کا یہی لقب پڑ گیا۔ مجازی معنی مخلص مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ الحواري ايضا الناصر (قرطبی) وقوله صلى الله عليه وسلم لكل نبي حواري وحواري الزبير (راغب) حواري الرجال صفوته وخالصته (کشاف) بہر حال وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مسیح علیہ السلام کے صحابیوں کے لئے لقب یہی چلا ہوا تھا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنے مددگار طلب کئے تھے من انصاری کو خدا کے کام کے لئے۔ حواری جواب میں اپنے کو خدا کے مددگار انصار اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ نحن انصارك الى الله محققین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا **وف ۱۳۲** مُسْلِمُوْنَ۔ مسلم ہی کا لفظی ترجمہ فرمان بردار ہے۔ مسلم کا اطلاق ہر نبی کے پیرو پر ہوتا ہے کہ حقیقۃً ہر نبی کی دعوت اللہ کی فرمان برداری ہی کی ہوتی ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ حواریوں کا سارا زور ایمان باللہ پر ہے۔ ''ابن اللہ'' کے تخیل سے بھی وہ بیچارے آشنا نہ تھے **وف ۱۳۳** مسیح علیہ السلام کے صحابی ابھی مسیح علیہ السلام سے گفتگو کر رہے تھے دفعۃً براہ راست حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔ قرآن مجید

اکثر ایسے موقعوں پر بھی کرتا ہے کہ بندوں کے خطاب کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس اہتمام توحید کا۔ وَ نَفَخَ فِیْہِ الرُّوْحَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے معاصر مسیحی آپ کو رسول بھی تسلیم کرتے تھے۔ ''ابن اللہ'' ''اقنوم'' وغیرہ کے خرافات اس وقت تک نہ ایجاد ہوئے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ گواہ تیری توحید کے اور تیرے پیمبروں کی پیمبری کے ف ١٣٣ مَکَرُوْا کا اسم فاعل یہود ہیں۔ یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت وایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ختم ہی کر دینا چاہیے چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا۔ پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزء تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی جیسے انگریزی حکومت کے ماتحت والیان ریاست کو حاصل رہتی ہے۔ شہنشاہ روما کی طرف ایک نائب السلطنت (وائسرائے) شام کا تھا۔ اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر فلسطین کا تھا۔ رومیوں کا مذہب شرک وبت پرستی کا تھا۔ یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کے لئے انہیں پھر انہی مجرموں کو ملکی عدالتوں کے سامنے لانا پڑتا تھا۔ جرم الحاد میں فتویٰ قتل خود یہود کی مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن واقعۃً

الْمٰکِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

بہتر ہے ف ١٣٤ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا ف ١٣٥ اے عیسیٰ میں تم کو موت دینے والا ہوں ف ١٣٦

وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اور تم کو اپنی طرف (ابھی) اٹھا لینے والا ہوں ف ١٣٧ اور ان لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنے والا

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا

ہوں ف ١٣٨ اور جو تمہارے پیرو ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ

جو منکر ہیں ف ١٣٩ تم سب کی واپسی میری طرف ہو گی سو میں تمہارے درمیان

بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ

اس بات میں فیصلہ کر دوں گا جس میں تم (باہم) اختلاف کرتے رہتے تھے ف ١٤٠ سو جن لوگوں نے

کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُہُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا

کفر (اختیار) کیا انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَہُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ

دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ف ١٤١ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْہِمْ اُجُوْرَہُمْ ؕ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے سو اللہ انہیں ان کے پورے پورے صلے دے گا

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِکَ نَتْلُوْہُ عَلَیْکَ

اور اللہ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا ف ١٤٢ یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں

مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی

نشانیوں میں سے ہے اور پرحکمت مضمون میں سے ف ١٤٣ بے شک عیسیٰ کا حال

ع ١٣ — ربع

سزائے موت کا نفاذ صرف رومی ملکی عدالت کے قبضہ میں تھا۔ اور سزائے موت رومی حکومت میں سولی کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔ یہود کی اسی گہری اسکیم کی جانب اشارہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔ وَ مَکَرَ اللّٰہُ یعنی اللہ نے مخالفین ومعاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی کی موت سے بچا لیا۔ عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ''حملہ'' مطلق نہ ہو گا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہو گی یا زیادہ سے زیادہ ''جوابی حملہ'' یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہو گا کہ اس نے مجھے ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے گزرئیے۔ (١) مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ''مکر'' کیا۔ (٢) اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا وہ ''کید'' سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ''کید'' سے کام لیتا ہوں۔ (٣) جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُھَا ''برائی'' کی سزا ویسی ہی ایک ''برائی'' ہے۔ (٤) قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ''ہنسی'' کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ (٥) فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ جو تم پر زیادتی کرتا ہے تم اس پر زیادتی کرو۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے، نہ ''کید'' کید ہے، نہ ''سیئہ'' سیئہ ہے، نہ استہزاء، استہزاء نہ زیادتی زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی وتعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ المکر الخدیعة والاحتیال وقال اللیث احتیال فی خفیة (تاج) و فی البصائر المکر ضربان محمود وھو ما تجری بہ امر جمیل ومذموم وھو ما تجری بہ فعل ذمیم (تاج) المکر صرف الغیر عما یقصدہ بحیلة وذلک ضربان مکر محمود ومذموم (راغب) پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر وفریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ۔ اور اللہ کی تدبیریں سب سے اونچی اور سب پر غالب آنے والی ہیں اس کا مقابلہ جس طرح کوئی جسمانی قوت اور مادی زور سے نہیں کر سکتا اسی طرح کسی کی عقل، تدبیر اس کے سامنے پیش نہیں پا سکتی۔ چنانچہ یہاں بھی اس کی حکمت وتدبیر کارگر رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ وسلامت رہے۔ اور صلیب دیتے وقت یہود عوام نے تو ہجوم وازدحام کے گڑبڑ اور وقت کی تنگی سے اور سولی گھر کے رومی سپاہیوں نے شناخت نہ ہونے کی بنا پر یوں کہا کہ حضرت علیہ السلام ہی کے قوم کے کسی ہم شکل، ہم عمر، ہم وضع کو سولی پر چڑھا دیا۔ کلیسا کا آج عام عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے اصلیب پر وفات پانے اور پھر تیسرے دن جی اٹھنے کا ہے۔ لیکن مسیحیوں کے بعض قدیم فرقہ Basilidians (بسلیدیہ وغیرہ) ٹھیک اسی اسلامی عقیدہ کے ہوئے ہیں ف ١٣٥ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی گرفتاری کے موقع پر) واقعات وحالات کی رفتار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا انجام یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کرکے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے۔ اور پھر رومیوں کی ملکی عدالت میں لے جا کر انہیں سزائے موت دلوائیں گے۔ یہ ارشاد الٰہی حضرت علیہ السلام سے ان کی تسکین کے لئے اسی موقع گرفتاری پر ہوتا ہے ف ١٣٦ (تمہارے وقت معہود پر) سو تم ان ظالموں کے مکر وعداوت سے گھبراؤ نہیں۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ای مستوفی اجلک ومعناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک (کشاف) ممیتک حتف انفک

لاقتلا بایدیھم (مدارک) مؤخرک الی اجلک المسمّٰی عاصمًا ایاک من قتلھم (بیضاوی) الی متمم عمرک فحینئذٍ اتوفاک فلا اترکھم حتی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقر بک بملائکتی و اصونک عن ان یتمکنوا من قتلک وھذا تاویل حسن (کبیر) اَلتَّوَفِّی کے معنی میں پورا پورا دینے کا مفہوم شامل ہے۔ اس لئے اشارۃً گویا یہ بھی ارشاد ہو گیا کہ تمہیں طولِ حیات پورا پورا ملے گا وکےا ۱۳ (اس درمیان میں) یعنی تمہاری وفات تو اپنے وقت مقرر پر جب ہو گی ہو گی۔ تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سردست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔ اِلَیَّ یعنی آسمان کی طرف۔ ملاء اعلیٰ کی جانب۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے۔ جہاں تعظیم وتفخیم مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ مثلاً ہجرت ابراہیمی کی عظمت کا اظہار مقصود تھا تو پیرایۂ بیان یہ رکھا گیا۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہجرت ابراہیمی عراق سے شام کی طرف ہوئی تھی۔ ای الی سمائی و مقرّ ملائکتی (کشاف) ای محل کرامتی و مقرّ ملائکتی (بیضاوی) ای سمائی ومقرّ ملائکتی (مدارک) رَافِعُکَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کی صراحت تو قرآن مجید میں موجود تھی۔ لیکن قریب بہ صراحت ہونے کے تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے تو اسے اور صاف اور مؤکد کر دیا ہے۔ واولی ھذہ الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنی ذٰلک انی قابضک من الارض ورافعک الیّ لتواتر الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء ورافعک الاٰن (مدارک) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لتواتر الاخبار عن رسول اللہ کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اور اسی عقیدہ پر محققین امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدۂ توالد وتناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخ جبریلی سے ہوئی تو اس میں استبعاد کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اور قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو نفسِ ملکی نے آپ کے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسی رکھ دی ہو جو آپ کے صعود آسمانی میں معین ہو سکے۔ اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپ کے رفع آسمانی سے آپ کی فضیلت دوسرے انبیاء خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آ جاتی ہے۔ آخر خدا معلوم کتنے فرشتے دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو گئے؟ ایک یورپین فاضل DeBenson ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت Islam or Ture Christianty کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے صفحہ ۱۴۳ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا تھا۔ نہ کہ وفات مسیح علیہ السلام کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی کے کمال "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے وا ۱۳۸ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لفظاً بڑا عموم ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی لوگ مراد ہیں جو حضرت کی نبوت وصداقت کے منکر تھے یعنی یہود۔ المراد من الموصول الیھود (روح) مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی ان لوگوں کی نحستوں سے ان کی افترا پردازیوں سے۔ مما قالوہ فیک وفی اٰیتک (بحر) مطلب یہ ہے کہ یہود کے سارے مکائد کل کر رہ جائیں گے اور انہوں نے جیسے جیسے گندے الزامات تراشے ہیں سب کی قلعی اتر کر رہے گی۔ وا ۱۳۹ (تمہاری نبوت وصداقت کے) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے یہاں پہلی کھلی ہوئی مراد یہود ہی ہے جیسا کہ اوپر کے حاشیہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وھم الیھود (کبیر) اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ۔ یعنی جو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت کے قائل ہیں مراد مسلمان اور سچے عیسائی ہیں۔ وقیل اراد بہ النصارٰی (معالم) قال قتادۃ والربیع والشعبی ومقاتل و الکلبی ھم اھل الاسلام (معالم) واما بعد الاسلام فھم المسلمون واما النصارٰی فھم ان اظھروا من انفسھم موافقتہ فھم یخالفونہ اشد المخالفۃ من حیث ان صریح العقل یشھد انہ علیہ السلام ما کان یرضی بشیءٍ مما یقولہ ھٰؤلاءِ الجُھّال (کبیر) فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ یہ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود ومعاندین مسیح پر قیامت تک کس معنی میں اور کس حیثیت سے رہے گا؟ قوت دلائل کے لحاظ سے اور معنوی حیثیت سے تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مادی، حربی، ملکی وسیاسی حیثیتیں مراد ہوں، تو بھی اس وقت تک جو کیفیت یہود کی دنیا کے ہر حصہ میں ہے انہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہر حال مراد دونوں شقیں ہو سکتی ہیں۔ ای ظاھرین قاھرین بالعزۃ والمنعۃ والحجۃ (معالم) المراد من ھذہ الفوقیۃ فوقیۃ بالحجۃ والدلیل (کبیر) ای بالقھر والسلطان والاستعلاء (کبیر) یعلونھم بالحجۃ و فی اکثر الاحوال بھا و بالسیف (مدارک) صاحب کبیر و صاحب معالم دونوں کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے دونوں نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ یہود کو دیکھو۔ ہر جگہ ذلیل، خوار اور حکومت سے محروم ہیں بہ خلاف اس کے عیسائی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں وا ۱۴۰ (اور وہ فیصلہ عملی شکل میں اور انتقامی طور پر ہوگا، ورنہ جہاں تک حجت اور دلیل کا تعلق ہے وہ فیصلہ تو اس وقت بھی ہو چکا ہے) مَرْجِعُکُمْ خطاب یہاں مومن وکافر، مسلمان ویہود۔ نصاریٰ سب سے ہے۔ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ لفظ عام ہیں۔ لیکن سیاق میں جس اختلافی ونزاعی امر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت ہے۔ وا ۱۴۱ فِی الدُّنْیَا (دنیوی سزا کا حال تاریخ یہود کے صفحات سے پوچھ دیکھئے۔ کون سی تباہیاں ہیں جو اس دو ہزار سال کی مدت میں بیچاروں پر نہیں آ چکی ہیں۔ اور آج دولت وثروت کے باوجود بھی کیسی نکبت سوار ہے! بلکہ جیسا کہ جیوش انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے پارہ اول کے ایک حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ تو قومی ثروت وتمول کا خیال بھی ایک افسانہ ہی ہے ورنہ حقیقۃً قوم پر بجائے دولت کے افلاس مسلط ہے) جرمنی۔ اٹلی۔ ہنگری، رومانیا وغیرہ سے جس بیدردی کے ساتھ نکالے گئے وہ داستان خونیں تو ابھی بالکل تازہ ہے۔ وَالْاٰخِرَۃِ۔ رہی آخرت تو سزا کا پورا پورا ظہور تو وہیں ہوگا۔ وا ۱۴۲ الظّٰلِمِیْنَ ظلم کی حقیقت افراط وتفریط ہے۔ یہاں ظالموں سے مراد یہود کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت وصداقت بلکہ شرافت نسب تک کے منکر تھے لیکن دوسری طرف اس کے تحت میں مسیحی بھی آئے جاتے ہیں۔ جو حضرت کو عبد کے بجائے معبود اور رسول کے بجائے مظہر یا اوتار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح حضرت علیہ السلام کے باب میں دونوں ہی ظالم ہیں۔ یعنی مقام عدل واعتدال سے بہت ہی ہٹے ہوئے۔ وا ۱۴۳ (اے ہمارے پیغمبر!) ذٰلِکَ۔ یعنی یہ قصۂ مسیح علیہ السلام، اشارۂ بعید اظہار شرف وتکریم کے لئے ہے۔ اشارۃ الی ما تقدم من نبأ عیسٰی وزکریا وغیرھما (کبیر) والاتیان بما یدل علی البعد للاشارۃ الی عظم شان المشار الیہ و بُعد منزلتہ فی الشرف (روح) مِنَ الْاٰیٰتِ۔ یعنی آپ کی صداقت ونبوت کی نشانیوں میں سے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات وواقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی تاریخوں نے غلو وافتراء کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں، یہ جو آپ قرآن کے ذریعہ سے بالکل صحیح ومعتبر طور پر سنا رہے ہیں یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ ہیں اور آپ وہی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپ سے کہلا رہا ہے۔ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ اشارہ اس طرف سے ہے کہ آپ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پُر حکمت وپُر معرفت ہیں۔

عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اللہ کے نزدیک مثل آدمؑ کے حال کے ہے، اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر

قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

ان سے کہا وجود میں آ جاؤ چنانچہ وہ وجود میں آ گئے ف۱۴۴ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ

سو (کہیں) تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ف۱۴۵ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے ف۱۴۶ تو آپ کہہ دیجئے ف۱۴۷ کہ اچھا

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ

آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی

وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ

اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی، پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر

اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

اللہ کی لعنت بھیجیں ف۱۴۸ بے شک یہی ہے سچا

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

واقعہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اللہ کے اور بے شک اللہ ہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱۴۹ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی رکھیں تو بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ

مفسدوں کا ف۱۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی طرف

ع ۹

ف۱۴۴ (اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم بشر محض اور حادث و مخلوق ہیں انہیں قدیم اور غیر مخلوق کس طرح مان رہے ہو) مَثَلِ۔ یہ حیثیت کس لحاظ سے تھی؟ بشر محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں تھی۔ اٰدَمَ۔ جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی بشر محض تھے۔ ہٗ۔ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہ کا، کہ جب مسیح علیہ السلام کی پیدائش ساری دنیا کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے توسط کے ہوئی، تو انہیں بجائے فوق البشر کے محض بشر کیسے تسلیم کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو اور آنحالیکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دار و مدار کسی خاص و متعین طرز ظہور و وجود پر نہیں مطلق حدوث پر ہے اور وہ آفرینش عیسیٰ علیہ السلام میں پوری طرح موجود تھا۔ مسیحیوں میں ایک قدیم فرقہ ایرین Arians ہوا ہے۔ اس کا بانی Arius چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیح علیہ السلام قدیم و غیر مخلوق نہیں، مخلوق و حادث تھے (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۲ صفحہ ۵۰۸ طبع چہاردہم) اس سے قبل بھی الطیوخ کے بطریق پال محوطوی (مشہور و معروف پاؤلس طرسوی سے اسے خلط نہ کیجئے) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں بھی یہی تھی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی پیدائش ایک دوشیزہ کے بطن سے ہوئی تھی بہ واسطہ روح القدس۔ اس لیے وہ بشر محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انہیں خود ہی مقدس بنا دیا تھا۔ اور اس لیے وہ مسیح تھے لیکن شریک الوہیت بہرحال نہ تھے (ایضاً۔ جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۸ نیز انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱) مسیحیوں کے صاحب فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اٹھتی رہی ہیں لیکن کلیسائے عام جمود و تعصب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام نہ ہونے دیا۔ ف۱۴۵ (اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!) قرآن مجید میں خطاب کہیں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کہیں عام مخاطب افراد امت ہیں اور ضمیر واحد حاضر دونوں کے لیے یکساں مشترک ہے دونوں کا فرق و امتیاز مفسر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کا کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور مراد آپ کی امت ہے اس لئے کہ خود آپ سے تو اس کا امکان ہی نہ تھا۔ الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امته (قرطبی) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ حقائق پروردگار عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں اس لئے شک و شبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔ ف۱۴۶ (اے پیغمبر!) فِيْهِ۔ یعنی ربوبیت و الوہیت مسیح علیہ السلام کے باب میں۔ سورہ کے شروع میں جو حاشیے ہیں انہیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے۔ سورہ کا اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام کا رد ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔ فَمَنْ حَآجَّكَ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپ سے اپنی حجت پروری جاری رکھے۔ الْعِلْمِ۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنی و تخمینی نہیں۔ حتمی۔ قطعی۔ یقینی۔ ف۱۴۷ بہ طور اتمام حجت کے۔ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم اور دلائل کے سارے مرحلے طے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پر اڑے ہوئے ہیں) ف۱۴۸ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔ نَدْعُ۔ ضمیر متکلم سے مراد ہر دو فریق اور ان کے افراد ہیں۔ اَبْنَآءَ۔ محض صلبی بیٹے مراد نہیں نواسے، داماد وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نِسَآءَ۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ صفحہ ۱۲۱ حاشیہ ۱ میں بیان ہو چکا ہے کہ ۹ ہجری میں مسیحیان نجران کے ۱۴ کا رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے گفتگو الوہیت مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ مسیحی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخرکار آپ نے وہی کیا جو ایک سچا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دے دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص اقربا کو لے کر اپنے پروردگار سے بہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی، سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر آپ تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے سر ولیم میور مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی ہی نہیں مشنری بھی۔ ان کے قلم سے ملاحظہ ہو:- "سارے واقعہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انہی کے ساتھ ہے۔ درآنحالیکہ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن و تخمین کے اور کچھ نہ تھا" (میور کی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۶۰) ف۱۴۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔ یعنی یہ سارا سلسلہ واقعات جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور والدۂ مسیح علیہما السلام دونوں بشر محض تھے۔ ای المذکور فی شان عیسیٰ علیہ السلام قاله ابن عباس (روح) ای مافصل من نباء عیسیٰ و مریم (بیضاوی) تکرار و اعادہ تاکید کے لئے ہے۔ الضمیر للقصر والتاکید (روح) مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بہ لحاظ ذات اور نہ بہ لحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصے سب خرافات ہیں۔ مِنْ زائدہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ من زائدة للتاکید (قرطبی) فی افادة معنی الاستغراق الْعَزِيْزُ۔ ہر اراوہ پر غالب۔ قادر مطلق۔ یہ صفت بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہے؟ الْحَكِيْمُ۔ حکیم مطلق۔ علیم مطلق اس صفت کا تحقق بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہوتا ہے؟ ف۱۵۰ یعنی ان لوگوں کا جو دین و اعتقاد میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اپنی سرتابی جاری رکھیں۔ عَلِيْمٌ۔ علم کامل رکھنے والا اور اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا۔

سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ

آ جاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا

بِهٖ شَيْـًٔـا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا

شریک نہ ٹھہرائیں ف۱۵۱ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

نہ ٹھہرائے ف۱۵۲ پھر بس اگر وہ روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو ف۱۵۳ کہ گواہ رہنا ہم تو

مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

فرمانبردار ہیں ف۱۵۴ اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو ف۱۵۵

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا

درآنحالیکہ توریت و انجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں تو تم کیوں عقل سے کام

تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ

نہیں لیتے ف۱۵۶ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو

بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

علم تھا سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۱۵۷ ابراہیمؑ

اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہ راست

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ

والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے ف۱۵۸ بے شک

ف۱۵۱ (نہ فرزند کہہ کر، نہ اقنوم ٹھہرا کر، نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے) لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کیسہ روم کے تبع تھے۔ اور اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود تھیں۔ مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شبیہ پرستی وغیرہا۔ آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی، خفی، ساری صورتوں کی تردید کررہا ہے۔ قُلْ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ اَهْلَ الْكِتٰبِ۔ تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ میں ہو چکی ہے۔ مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے۔ بَيْنَنَا۔ اس صیغۂ جمع متکلم سے مراد مسلمان ہیں۔ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلم ہے جس کی تعلیم تمہارے پاس کے پیمبران برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ اور یہودیت و نصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے۔ توریت تو خیر تاکید توحید و ممانعت شرک سے لبریز ہی ہے۔ انجیل تک میں بھی تعلیم موجود ہے۔ "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔ (متی ۴ : ۱۰) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ پھر پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کرلیا کرو۔ ف۱۵۲ (کہ عملاً اسے مرتبۂ خدائی پر رکھ دے) اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ مخلوق پرستی اور مخلوق کی الوہیت کی تردید تو اوپر ہو چکی۔ اب تردید مخلوق کی ربوبیت کی ہو رہی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مطاع مطلق مان لینا اس کو رب قرار دے لینا ہے۔ دُوْنِ یہاں غیر یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ دون هنا بمعنى غير (قرطبی) پاپا کی عصمت کیتھولک مسیحیوں کا اور پادریوں کے اجماع یعنی کلیسا Church کی عصمت کل مسیحیوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ "ایک مخصوص کلیسہ کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے۔ اس لئے مسائل میں کلیسا سے امکان خطا ہی نہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۹۳۰) قرآن مجید نے انسان کی ان ساری خود ساختہ عصمتوں پر ضرب لگادی۔ یہیں سے ان گمراہ فرقوں کی بھی تردید نکل آئی جو اپنے ان اماموں کے مجرد قول کو بلا دلیل شرعی واجب القبول ٹھہرائے ہیں۔ هذا يدل على بطلان القول بالاستحسان المجرد الذي لايستند الى دليل شرعي وفيه رد على الروافض الذين يقولون يجب قبول قول الامام دون ابانة مستند شرعي وانه يحل ماحرمه الله من غيران يبين مستندا من الشريعة (قرطبی) اى لانطيع احبارنا فى ما احدثوا من التحريم والتحليل (مدارک) انزلوهم منزلة ربهم فى قبول التحريم والتحليل (بحر) کسی کو رب قرار دینے کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس لفظ کا بھی اطلاق اس پر کیا جائے بلکہ اس کے اندر اگر صرف صفات ربوبیت مان لئے گئے تو عملاً وہ رب ٹھہر ہی گیا۔ و ان لم يطلقوا عليه لفظ الرب الاانهم اثبتوا فى عقبه معنى الربوبية (کبیر) بَعْضُنَا بَعْضًا۔ مفسر ابن حیان نے اس سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ الوہیت و ربوبیت کی تردید تو بس اسی فقرہ ہی سے ہو گئی۔ جب ایک دوسرے میں تثلیث اور رشتۂ ہم نسبی قائم ہو گیا تو سب بندے ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے۔ الوہیت و ربوبیت اب باقی ہی کہاں رہ گئی۔ و فى قوله بعضا بعضا اشارة لطيفة وهي ان البعضية تنافي الالهية اذهي تماثل في البشرية (بحر) ف۱۵۳ (اے مسلمانو!) یعنی اگر اب بھی قبول حق سے روگردانی کرتے رہیں اور اپنے اس گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے باز نہ آئیں) ف۱۵۴ (اور بہرحال و بہرصورت وہی توحید خالص کے علمبردار و مبلغ ہیں) مُسْلِمُوْنَ۔ لفظی معنی فرمانبردار کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا۔ اشْهَدُوْا۔ کیا اللہ کی شان ہے کہ یہود و نصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔ ف۱۵۵ (اور انہیں خواہ مخواہ یہودی یا نصرانی ٹھہرا رہے ہو) خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کے بارہ میں۔ هٰٓ۔ مخفف ہے ہا کا۔ خبر کے التباس سے بچنے اور محض استفہام کا مفہوم رکھنے کے لئے آخر سے الف گرادیا گیا۔ الاصل لما فحذفت الالف فرقا بين الاستفهام والخبر (قرطبی) ف۱۵۶ یعنی جن کتابوں پر تم اپنی نامنہاد یہودیت اور نصرانیت کی بنیاد قرار دیتے ہو وہ تو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں، تو کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کہ یہ مذہب ان کے سر چپکائے چاہتے ہو! ف۱۵۷ یعنی اس دین ابراہیمی سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسے بھٹکے، حالانکہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمہیں حاصل تھا تو اب دین ابراہیمی کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہو جس کے بارہ میں تو کوئی شائبہ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ هٰٓؤُلَآءِ۔ میں ها کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر و تنقیص کے لئے ہے۔ والاشارة للتحقير والتنقيص (روح) ف۱۵۸ (بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے۔ اور دنیائے شرک میں توحید کے پہلے علمبردار) حَنِيْفًا مُّسْلِمًا۔ حنیفا اردو میں "سیدھے سادے مسلمان"۔ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا۔ جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی۔ ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ حضرت علیہ السلام کی توحید پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلم تھی۔ حضرت علیہ السلام کے دین توحید پر حاشیہ پارہ اول کے رکوع آخر میں گزر چکے۔ فقیہ مفسر جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے دین حق کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور اہل باطل کے جواب دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ وفي هذه الأيات دليل على وجوب المحاجة في الدين و اقامة الحجة على المبطلين (جصاص)

اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا

ابراہیمؑ سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ

النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے و۱۵۹

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہے

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ

حالانکہ وہ بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اس کی بھی) خبر نہیں رکھتے و۱۶۰ اے

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو و۱۶۱

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کئے جاتے

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ

اور حق کو چھپائے جاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو و۱۶۲ اور

طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے و۱۶۳ کہ ایمان لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ

اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو،

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں و۱۶۴ اور واقع میں بجز اس کے کہ جو تمہارے دین کا

ع ۱۵

و۱۵۹ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیم علیہ السلام سے قریب بہ لحاظ دین و عقائد۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ وہ لوگ جنہوں نے آپ کے زمانہ میں آپ کی پیروی کی تھی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ۔ اور یہ نبی جو کو ذ انہی کا پیام لے کر آئے ہیں۔ اور انہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمان۔ فرنگی مورخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور رومہ کے جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہو گئے ہیں بلکہ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو" مورخین کی تاریخ عالم" Historians History of the World و۱۶۰ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انہیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود اسلام قبول کرنا الگ رہا، مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جاگتی موجود ہے کہ مسلمان مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں بہر حال اپنے اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔

مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں تو کامیاب ہوتے نہیں۔ خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ مَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ایسے بے عقل، نافہم ہیں کہ حقیقت حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔ و۱۶۱ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ان آیتوں سے جو خود تمہاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن میں نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں، جان بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔ و۱۶۲ یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں:۔ ۱۔ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے، باطل حق کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے۔ فسر اللبس بالخلط والتغطیۃ (بحر) ۲۔ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔ حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہور اسلام کی صاف موجود ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔ ۳۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ سب کچھ اپنے قصد و ارادہ سے کر رہے ہو۔ محض اتفاقی طور پر یہ نہیں ہو رہا ہے۔ تحریفات اہل کتاب پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں۔ و۱۶۳ (آپس میں) قال بعضهم لبعض (قرطبی) فی ما بینهم (مدارک) یہ اشارہ ہے یہود خیبر و عرینہ کی جانب۔ کان احبار قری عرینۃ اثنی عشر حبرًا فقالوا لبعضهم ادخلوا فی دین محمد اول النهار فاذا کان اخر النهار فاکفروا (ابن جریر) و۱۶۴ (اس چال اور تدبیر سے) اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ۔ یہاں ایمان اظہار ایمان کے معنی میں ہے یعنی صبح ایمان ظاہر کرو۔ ای اظهروا الایمان (کشاف) ادخلوا فی دین محمد باللسان دون الاعتقاد (معالم عن الحسن وقتادۃ) والمراد اظهروا الایمان ولا یمکن ان یراد به التصدیق (بحر) وجه النهار یعنی اوله (قرطبی) اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جو ان مومنین کے خیال میں ان پر نازل ہوا ہے۔ ای علی زعمهم (بحر) لَعَلَّهُمْ۔ ضمیر ان لوگوں کی جانب ہے جو واقعۃً مسلمان تھے مدینہ و مضافات مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں ایک بار آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقت اسلام کا اقرار کر لیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کر لیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور و فکر اور مطالعہ توریت کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔ اہل عرب پر ہمارے علم و اخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پرانے مسلمان بھی اکھڑ جائیں۔ تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بہ صراحت درج ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوی کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا اور آمنا صدقنا کہہ دیا مگر دل میں سب کے سب منکر ہی تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول ۴۳۲، ۴۳۳) اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ نبوی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور منقبت اعظم اور "مثیل موسیٰ" کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں کچھ خلل دماغ سا تھا۔ یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر چرا لیتے تھے وقس علی ہذا۔ تو یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس۔

دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى

چلتا ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے ف۱۶۵ اور یہ سب اس غصہ میں

اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ

کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں ملی تھی یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں

رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ

غالب آ جائیں ف۱۶۶ آپ کہہ دیجئے کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۷۳ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

عطا کرتا ہے ف۱۶۷ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے، ف۱۶۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۷۴ وَمِنْ اَهْلِ

خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے ف۱۶۹ اور اہل کتاب میں سے

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ

کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر (کا ڈھیر) امانت رکھ دے تو وہ (بھی) تجھے ادا کر دے ف۱۷۰

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھا دے تو وہ تجھے اس کو واپس نہ کرے

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

بجز اس صورت کے کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے ف۱۷۱ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے

عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اوپر امیوں کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں، یہ لوگ اللہ کے اوپر جھوٹ گڑھ

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ

رہے ہیں درآنحالیکہ خوب جان رہے ہیں ف۱۷۲ کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے

ف۱۶۵ ایمنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق تو بس اپنے ہی والوں کی کیا کرو۔ وہی یہود کا قول چل رہا ہے۔ ف۱۶۶ (جواب اسلام کے ہر سے ظاہر ہوئی ہے اور جس کی صداقت پر دلائل عقلی ونقلی قائم ہیں نہ کہ تمہارے محدثات ومخترعات) قل۔ میں خطاب پیغمبر ﷺ سے ہے۔ اور یہ فقرہ کلام یہود کے جواب میں ہے۔ ف۱۶۷ (اور اسی ڈر سے جے جا رہے ہو) مثل ما اوتیتم۔ یعنی دولت نبوت۔ خطاب قوم یہود سے ہے۔ یعنی تمہیں اصل خلش تو بس اس کی ہے کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری نسل وقوم سے پیدا ہوتے رہے ہیں اب ایک عرب اور اسمٰعیلی کو یہ دولت کیسے مل جو رہی ہے۔ یحاجوکم عند ربکم۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان یہود پر یہ کہہ کر غلبہ نہ حاصل کر لیں کہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں ہماری تصدیق کی تھی۔ مفسر واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیت تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے (روح) ف۱۶۸ (اپنی حکمت مطلقہ اور مصلحت کاملہ کے مطابق) قل۔ میں خطاب پیغمبر ﷺ سے ہے۔ واسع۔ اس کے کارخانہ فضل وعطا میں کمی نہیں پھر یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہے گی۔ علیم۔ وہ اپنے علم کامل کے مطابق جس کی جیسی استعداد دیکھتا ہے اسے وہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔ ف۱۶۹ (بخل اور کمی کا اس کے ہاں گزر کہاں) من یشاء۔ وہ جسے چاہتا ہے حسب مصلحت تکوینی۔ ف۱۷۰ (با احتیاط ودیانت تمام) یعنی یہود سب کے سب یکساں نہیں۔ بعض ان میں ایسے ایسے امین ومتدین بھی ہیں۔ یہی لوگ آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔ ف۱۷۱ یہود کے خبث زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔ دینار Denarius رومی حکومت کا ایک طلائی سکہ۔ عرب میں بھی مستعمل تھا۔ آج بھی یورپ کے مختلف حصوں میں چل رہا ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم اشرفی سے ادا ہو سکتا ہے۔ ما دمت علیہ قائما۔ یعنی وہ ادائے امانت میں برابر حیلہ وحوالہ کرتا رہے گا اور اس سے تقاضہ برابر جاری رکھنا پڑے گا۔ اراد بابقاء ادامۃ المطالبۃ لاعین القیام (قرطبی) ف۱۷۲ (کہ ایسا کوئی مسئلہ ہرگز شریعت اسرائیلی وموسوی میں موجود نہیں) الامیین یعنی ام القری مکہ کے باشندے۔ یہود نسلی فخر وعصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہوئے یہود اہل مکہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ لیس علینا فی الامیین سبیل۔ یہود غیر یہود یا Gentiles کے ساتھ کاروباری تعلق کے سلسلہ میں بدمعاملگی کے لئے برابر بدنام رہے ہیں۔ قومی مفاخرت اور نسلی نخوت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ گوروں کا برتاؤ کالوں کے ساتھ آج دنیا کے ہر علاقہ میں کیا ہے! سبیل۔ سبیل کے معنی یہاں حجۃ کے ہیں۔ اور یہ معنی قرآن اور کلام عرب میں عام ہیں۔ السبیل الحجۃ وقولہ فاولٰئک ما علیہم من سبیل من ھذا المعنی وھو کثیر فی القرآن و کلام العرب (بحر) یقولون علی اللہ الکذب۔ یہ جھوٹے ہیں اپنے اس دعوٰی اور اس انوکھے اصول مذہب واخلاق میں۔ اس تفصیل نے یہود کے جرم کی شناعت کہیں زیادہ بڑھا دی۔ وہ صرف فسق عملی ہی میں مبتلا نہ تھے بلکہ ایک بے اصل عقیدہ بھی گڑھ لیا تھا۔ اور اعمال سے کہیں گزر کر عقائد کی خرابی میں مبتلا ہو چکے تھے۔

وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور (اللہ سے) ڈرے تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، و۱۷۳ بے شک جو لوگ

يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں و۱۷۴ یہ وہی لوگ ہیں

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ

جن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ

نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے تو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ

درد ناک عذاب ہے و۱۷۵ اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں کج

بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ

کرتے ہیں و۱۷۶ تاکہ تم اس (جزو) کو بھی کتاب میں سے سمجھو درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے

الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ

نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درآنحالیکہ وہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں درآنحالیکہ (خوب)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جانتے ہوتے ہیں و۱۷۷ کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا

اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم میرے بندے

و۱۷۲ (اور یہی خوف خدا اور تقویٰ ہی ساری خوش معاملگی کی بنیاد ہے) بلیٰ۔ یعنی ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور ضرور ہے۔ عَهْدِہٖ۔ عہد خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق کے اس کی پابندی بہرحال لازمی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت سے وفاء عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے۔ اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک احکام الٰہی کی تعظیم۔ دوسری خلق اللہ پر شفقت اور وفاء عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے (کبیر) و۱۷۳ یعنی کسی دنیوی طمع میں آکر ان پابندیوں کو توڑ رہے ہیں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ دنیوی معاوضہ ہمیشہ اخروی اجر کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوگا۔ یہ مراد نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل رہا ہو تو بد دیانتی اور عہد شکنی جائز ہو جائے گی۔ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا اور یہ سوداگری کر بیٹھنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عَهْدِ اللّٰهِ۔ یعنی وہ عہد متابعت جو اللہ سے کر چکے ہیں۔ اَيْمَانِهِمْ۔ یعنی جو قسمیں آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں۔ فقہا مفسرین نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ کوئی فریق جو جانتا ہے کہ میں باطل پر ہوں اس بنا پر اپنے کو حق پر قرار نہیں دے سکتا کہ عدالت ظاہرہ سے فیصلہ اس کے موافق ہو گیا ہے۔ ودلت هذه الأية والاحاديث ان حكم الحاكم لايحل المال فى الباطن بقضاء الظاهر اذاعلم المحكوم له بطلانه (قرطبی) و۱۷۵ (اس کفر وفسق کے پاداش میں) لَا خَلَاقَ۔ یعنی بھلائی کا کوئی حصہ نہیں۔ اى لا خير (بخاری) لَا يُكَلِّمُهُمْ۔ یعنی بہ طریق لطف ان سے خطاب نہ کرے گا۔ جو خطاب برائے عتاب و مواخذہ ہو اس کی نفی مراد نہیں۔ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ۔ یعنی نگاہ مہر والتفات سے ان کی طرف نظر نہ کرے گا۔ نگاہ قہر کی نفی مقصود نہیں۔ لَا يُزَكِّيْهِمْ۔ یعنی گناہوں کی گندگی سے پاک صاف نہ کرے گا۔ اَلِيْمٌ۔ درد پہنچانے والے یا مؤلم کے معنی میں ہے۔ اى مؤلم موجع من الالم وهو فى موضع مفعل (بخاری) و۱۷۶ اپنے صحائف آسمانی پڑھتے وقت) مِنْهُمْ۔ یعنی انہی یہود میں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ۔ اس کے اندر تحریف لفظی و معنوی کی ساری صورتیں آگئیں۔ لی لسان سے عربی محاورہ میں مراد ہی ہوتی ہے جھوٹ۔ تلبیس۔ تحریف۔ لوى لسانه بكذا كناية عن الكذب وتخرص الحديث (راغب) اور یہاں تحریف بالقصد مراد ہے۔ والمعنى يحرفون الكلم ويعدلون به عن القصد (قرطبی) و۱۷۷ یعنی ان کی یہ تحریفیں دانستہ ہوتی ہیں لِتَحْسَبُوْهُ میں ضمیر مخاطب سے مراد سامعین ہیں اور ضمیر غائب سے مراد کتاب کا اختراعی حصہ۔ وهو المحرف (کبیر) يَقُوْلُوْنَ۔ ضروری نہیں کہ ان کا یہ کہنا لفظاً و صراحۃً ہو۔ اگر اجمالاً و دلالۃً ہو جب بھی کافی ہے۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ فقیہ جلیل ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاصی کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ فيها دلالة على ان المعاصى ليست من عندالله ولا من فعله (جصاص) لیکن مفسر و محدث ابوحیان غرناطی کی تنقید اس پر یہ ہے کہ یہ مذہب تو معتزلہ کا ہے اور ابوبکر رازی کا میلان خود اسی مذہب کی جانب تھا۔ هذا مذهب المعتزلة وكان الرازى يحتج الى مذهبهم (بحر) صاحب کبیر اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ عربی دانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔

ف۱۷۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے دعوت و پیام مسیح علیہ السلام کا خلاصہ گڑھ رکھا ہے) درمیان میں مناسبت مقام سے ردِ یہود آ گیا تھا۔ اب یہاں سے ردِ نصاریٰ پھر شروع ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ ...... وَالنُّبُوَّةَ۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ نہیں ہو سکتا۔ جنہیں یہ ساری نعمتیں ملی تھیں۔ جن کے نفس ایسے طاہر و مطہر ہوں، ان سے ایسے دعوٰی کا صدور ممکن ہی کیونکر ہے۔ اَلْحُكْمَ۔ حکم سے مراد علم و فہم ہے یا فہم احکام شریعت۔ الحکم العلم والفھم وقیل ایضًا الاحکام (قرطبی) قیل بمعنی الحکمۃ والظاھر ان الحکم ھنا القضاء (بحر) اَلْكِتٰبَ۔ کتاب یہاں جنس کتاب کے معنی میں ہے۔ الکتاب ھنا اسم جنس (بحر) ف۱۷۹ (جیسا کہ فی الواقع مسیح علیہ السلام کی دعوت رہی ہے) رَبّٰنِيّٖنَ۔ ربانی وہ ہے جو رب کی جانب منسوب ہو۔ ربی کا مرادف ہے۔ ان کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بڑا اللہ والا۔ بڑا باخدا۔ معنی الربانی العالم

لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا

بن جاؤ علاوہ اللہ کے ف۱۷۸ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ ف۱۷۹ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ

كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

تم پڑھاتے ہو کتاب (آسمانی) کو اور خود بھی (اسے) پڑھتے ہو ف۱۸۰

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور پیمبروں کو پروردگار قرار دو ف۱۸۱

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو ف۱۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت

كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ

(کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا ف۱۸۳ (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے

وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ

ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ

تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ف۱۸۴ پھر جو کوئی

تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ

اس کے بعد بھی روگردانی کرے گا، سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں ف۱۸۵ سو کیا یہ لوگ

بدین الرب الذی یعمل بعلمہ (قرطبی) قال محمد بن الحنفیۃ یوم مات ابن عباسؓ الیوم مات ربانی ھذہ الامۃ (قرطبی) ھو شدید التمسک بدین اللہ وطاعتہ (مدارک) ف۱۸۰ یعنی اس لئے تو تمہیں اور زیادہ ایسے لغو مشرکانہ عقائد سے بچنا چاہیے۔ ای بسبب کونکم معلمین الکتاب وبسبب کونکم دارسین لہ (بیضاوی) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم و تعلیم و دراست کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ انسان باخدا بن جائے۔ پس اگر ان مشغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور ایسے ہی علم اور قلب سے حدیث نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔ نعوذ باللہ من علم لاینفع وقلب لایخشع (کبیر) خطاب نصاریٰ سے ہے یعنی تمہارے پاس تعلیم و تعلم کے لئے کتاب آسمانی موجود اور پھر تم ایسے جہل و ضلالت میں گرفتار۔ ف۱۸۱ وَلَا يَاْمُرَكُمْ میں لَا معنی نفی کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ لامزیدۃ لتاکید معنی النفی (مدارک) مسیحیوں کی حیثیت تو ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ لیکن یہ کمتر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملائکہ پرستی بھی ان کے ہاں زوروں پر رہ چکی ہے اور صدیوں تک یہ تعلیم ان کے ہاں جاری رہی ہے کہ "خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمامتر فرشتوں پر چھوڑ رکھے ہیں" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس صفحہ ۵۷۸) نیز یہ کہ "خدا کائنات کی صرف کلی ربوبیت کرتا ہے باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضًا) مسیحیت کی تاریخ ملائکہ کی باضابطہ عبادت و پرستش سے بھی ناآشنا نہیں۔ ان کی مورتیاں تک ان کے ہاں پوجی گئی ہیں۔ ہمارے قدیم مفسرین بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ ھذا موجود فی النصاریٰ یعظمون الملائکۃ والانبیاء حتّٰی یجعلوھم لھم اربابًا (قرطبی) ف۱۸۲ (اور توحید خالص کا اقرار کر چکے ہو) اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء پرستی و ملائکہ پرستی صاف کفر کے حکم میں داخل ہے۔ آیت سے سبق ان مسلمانوں کو بھی لینا چاہیے جو اپنے شیوخ و اکابر کی خواہ وہ زندہ ہوں یا گزر چکے ہوں، تعظیم و عقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جملہ کا سوالیہ انداز اظہار حیرت و انکار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ علی طریق الانکار والتعجب (قرطبی) ف۱۸۳ (یہ ایمان دل و جان سے ہو اور نصرت دست و زبان سے) اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ یعنی ارواح انبیاء سے عہد لیا۔ عالم ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے ان میں ان کی امتیں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ کتاب سے مراد کتاب آسمانی ہونا ظاہر ہے۔ حِكْمَةٍ سے مراد معرفت الٰہی بھی ہو سکتی ہے اور نبوت بھی۔ مُصَدِّقٌ۔ تصدیق ہونے سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ وہ بعد کا آنے والا رسول خود ان پچھلی تعلیمات

وہدایات کا مصداق بھی ہو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ شیوخ پر لازم ہے کہ ان کا جو معاصر علم و عمل میں ان سے فوق ہو بلکہ ان کا مساوی ہو اس سے وہ کرانے میں عار نہ کریں۔ رَسُوْلٌ۔ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ ایک فرد معین کی جانب کر رہا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ الرسول ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی قول علیؓ وابن عباسؓ واللفظ وان کان نکرۃ فالاشارۃ الٰی معین (قرطبی) ف۱۸۴ انبیاء کی زبان سے اقرار یوں بھی اقرار صالح اور حلف مؤکد کے برابر ہیں۔ اللہ کی اس گواہی نے مؤکد کو مؤکد تر کر دیا۔ اِصْرِيْ۔ اصر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں۔ مراد عہد ہی سے ہے۔ الاصر فی اللغۃ الثقل فسمی العھد اصرا لانہ منع وتشدید (قرطبی) ف۱۸۵ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی موسنوں میں جو کوئی اس عہد سے اعراض کرے گا۔ خود انبیاء معصومین سے تو اس کا احتمال ہی نہیں، اس لئے لامحالہ افراد امت مراد ہوں گے۔ ھٰذا الحکم بالنسبۃ الی اتباعھم (بحر)

دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں؟ درآنحالیکہ اسی کے فرمانبردار ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

میں ہیں (خواہ یہ فرمانبرداری) رضا و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور (سب) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ف۱۸۶

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي

آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا ہے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰي وَعِيْسٰي وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دوسرے) نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے ف۱۸۷

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے ف۱۸۸ اور ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں ف۱۸۹

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا ف۱۹۰ اللہ کیسے ایسے لوگوں کو

اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

ہدایت دے گا جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر (اختیار) کر لیا اور (بعد اس کے کہ) شہادت دے چکے تھے کہ

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

رسول برحق ہیں اور (بعد اس کے کہ) ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ (ایسے) ظالم

ف۱۸۶ (قیامت کے دن) سو ذرتے رہنا اس ہستی سے چاہیے جو آج بھی اس قدر با اختیار ہے اور کل بھی سابقہ اسی سے پڑے گا۔ اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔ یَبْغُوْنَ۔ یہ باطل کے تلاش کرنے والے عام اہل باطل ہیں۔ دِیْنِ اللہِ۔ یہاں صراحت کے ساتھ اسلام کے لئے دین اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں مراد ہے انقیادِ تکوینی۔ یعنی اس کی مشیت سے باہر تو کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ طَوْعًا۔ یعنی اپنے ارادہ و اختیار سے۔ کَرْهًا۔ یہ اشارہ وغیرہ ذوی العقول، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ کی طرف ہے۔ ف۱۸۷ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر دہرا دی گئی ہے کہ اسلام کوئی نیا، نو پیدا اور انوکھا دین نہیں، وہی پرانا دین توحید ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اسی کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مسلمان کا ایمان سارے پیغمبروں پر یکساں ہوتا ہے۔ قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ اپنی امت کی طرف سے کہہ دیجیے۔ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ یعنی قرآن مجید۔ نزول قرآن کا انتساب جس طرح عموماً پیغمبر کی طرف کیا گیا ہے، اسی طرح کبھی کبھی پیغمبر کی امت کی جانب بھی کر دیا گیا ہے۔ اور فعل انزال کا صلہ قرآن مجید میں حرف علٰی اور الٰی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ الْاَسْبَاطِ۔ یعنی اولاد یعقوب میں سے جو جو پیغمبر ہوئے ہیں۔ اس لفظ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ان سب انبیاء کے اسماء گرامی پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ف۱۸۸ (ان کی صداقت کے لحاظ سے، کہ بعض کو مانیں اور بعض کو جھٹلائیں جیسے کہ یہود، نصاریٰ وغیرہ مشہور اور معروف امتوں کا شیوہ ہے) ف۱۸۹ مُسْلِمُوْنَ۔ ایک طرف امت محمدی ﷺ کا اصطلاحی نام بھی ہے۔ اور دوسری طرف اس کے لفظی معنی فرمانبردار کے ہیں ف۱۹۰ الْاِسْلَامِ۔ سے یہاں کھلی ہوئی مراد اصطلاحی دین اسلام ہے۔ ورنہ لفظی معنی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اعلم ان ظاهر هذه الاية يدل على ان الايمان هو الاسلام (کبیر) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ۔ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے۔ جس کی کتاب قرآن ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں۔ لیکن جب چل نہ سکے تو ان کا سکہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ واضح و آشکار کر رہی ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دین حق کی طرح سچا سمجھنا۔ ہر دین مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا۔ سب مذہبوں کو ملا جلا کر ان کا ایک ملغوبہ تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کے لئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں۔ اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہل قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۱۹۱ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ

اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے ف۱۹۲ وہ اس میں (ہمیشہ ہمیش) پڑے

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

رہنے والے ہیں نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۱۹۳

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ

البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنے کو) درست کر لیں سو بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ

اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ف۱۹۴ بے شک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان (لانے) کے

اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی ف۱۹۵

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ تو گمراہ ہیں ف۱۹۶ بے شک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ

اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا

مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

زمین بھر (بھی) سونا اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے ف۱۹۷ یہی وہ لوگ ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے

ف۱۹۱ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ایسے بے انصافوں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اتنے دلیر ہیں۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی دین حق سے مرتد ہو گئے۔ بَيِّنٰتُ۔ کھلی ہوئی نشانیاں، رسول اسلام اور دین اسلام کی صداقت کی۔ دلائل، معجزات، سب ان بینات کے تحت میں داخل ہیں۔ ف۱۹۲ لَعْنَةُ۔ رحمت الٰہی سے محرومی و مہجوری پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ ف۱۹۳ (جہنم میں پڑنے سے قبل) لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ۔ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی کوئی تخفیف عذاب میں نہ ہوگی۔ فِيْهَا۔ یعنی اس حالت ملعونیت ومغضوبیت میں۔ ای خالدین فی اللعنة (کبیر) دوسرے معنی جہنم میں پڑے رہنے کے بھی مروی ہیں۔ قال ابن عباس ای فی جهنم (کبیر) ف۱۹۴ تَابُوْا۔ یعنی صدق و اخلاص کے ساتھ توبہ کر لیں۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی اس صفت غفر کے تقاضہ سے ان کی پچھلی خطاؤں کو بخش دے گا۔ رَحِيْمٌ۔ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے ان پر مزید فضل کرے گا۔ ف۱۹۵ (دوسرے معاصی وسیئات سے) یعنی پڑے تو رہیں کفر وارتداد میں اور چاہیں کہ انہیں ان کے دوسرے اعمال حسنہ کا صلہ مل جائے۔ سو بغیر ایمان واعتقاد صحیح کے ان اعمال پر سرے سے ''حسنہ'' و ''صالحہ'' کا اطلاق ہی نہ ہو سکے گا جو ان پر اجر وصلہ کی توقع رکھی جائے ف۱۹۶ یعنی گمراہ کامل، انتہا درجہ کے گمراہ۔ ورنہ گمراہ تو سب ہی کافر ہوتے ہیں۔ هذا محمول علی انهم هم الضالون علی سبیل الکمال (کبیر) ف۱۹۷ (قیامت کے دن) یعنی بالفرض قیامت کے دن کافر مال کا مالک ہو اور اس کے دے ڈالنے پر بھی قادر ہو۔ ذَهَبًا۔ ذهب سے سونے کی تخصیص و تعیین دھات ہی مراد نہیں۔ بلکہ مراد کسی عزیز سے عزیز اور زیادہ سے زیادہ قیمتی شے کے فدیہ سے ہے۔ الذهب کناية عن اعز الاشياء (کبیر) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالت کفر میں قائم رہ کر روئے زمین کے برابر روپیہ کار خیر میں خرچ کر دے اور اس کے معاوضہ میں قیامت میں نجات حاصل کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔ ای من مات علی الکفر فلن یقبل منه خیر ابدًا ولو کان قد عمل ملء الارض ذهبًا فيما يراه قربة'' (ابن کثیر)

و۱۹۸ (اے مسلمانو!) البر۔ مطلق نیکی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کمال خیر ہے۔ اور نیکی کا درجہ اعلیٰ یا یہ کہا جائے کہ حقیقت خیر ابواب خیر کی جامعیت ہی مراد لی گئی ہے۔ البر الاحسان و كمال الخير (روح) ای لن تبلغوا حقيقة البر (مدارک) قال ابو منصور البر خير الدنيا و الآخرة (تاج) تُنْفِقُوْا یعنی اللہ اور اس کے دین کی راہ میں نہ خرچ کرو گے۔ انفاق یہاں بہت وسیع معنی میں ہے اس میں خیر یا نیکی کے تمام ابواب آگئے۔ قيل هي سبل الخير كلها و هي الصحيح لعموم الاية (ابن عربی) قال الزجاج كل ماتقرب به الى الله من عمل خير (بحر) قال الزجاج قال بعضهم كل ما تقرب به الى الله عزوجل من عمل خير فهو انفاق (تاج) مِمَّا تُحِبُّوْنَ محبوب چیز کے ماتحت ہر وہ چیز آجاتی ہے جسے انسان عزیز رکھتا ہے، مال، دولت، عزت، حکومت، قوت، وقت وغیرہ تنہا مال و دولت ہی مقصود نہیں بعض اوقات جاہ کی قربانی مال کی قربانی سے کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوتی ہے۔ ای من المال اوماينعمه وغيره كبذل الجاه فى معاونة الناس و البدن فى طاعة الله و ..... فى سبيله (بیضاوی) مِمَّا میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ من فی مما تحبون للتبعيض (بحر) و۱۹۹ (اور وہ جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مطلب یہ ہے کہ نیک کام کے لیے جو کچھ بھی لگاؤ گے اس کا اجر تو بہر حال ملے گا۔ باقی خیر کامل کا جو درجہ اعلیٰ ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہوگا جب راہ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔ والحاصل انه لا وصول الى المطلوب الا باخراج المحبوب (مدارک) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو۔ مِنْ یہاں تبیین کے لیے ہے۔ من للتبيين ای من ای شئ كان. (مدارک) ای من ای شئ محبوب او غيره و من لبيان ما (بیضاوی)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَمَا

جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکو گے و۱۹۸ اور جو کچھ بھی

تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ

کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے و۱۹۹ ہر

الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جو خود

اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ

اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا قبل اس کے کہ توریت

التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ

اترے و۲۰۰ تو آپ کہیے کہ توریت لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ

سچے ہو و۲۰۱ سو جو شخص اللہ پر اس کے بعد جھوٹ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ

گھڑ لے تو بس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں و۲۰۲ آپ کہہ دیجیے

صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا

کہ اللہ نے سچی بات فرما دی ہے، سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ

مشرکوں میں سے نہ تھے و۲۰۳ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے وضع

لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

کیا گیا و۲۰۴ وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لیے) برکت والا اور سارے جہان کے لیے راہنما ہے و۲۰۵

و۲۰۰ (اپنے اس دعویٰ میں کہ فلاں فلاں غذائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام چلی آتی ہیں) یہود کو تو روز ایک نیا فتنہ مسلمانوں کے خلاف اٹھانا تھا، آپ پر ایک اعتراض یہ ہوگیا، فلاں فلاں غذائیں تم جائز سمجھتے ہو اور اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کا متبع بھی کہے جاتے ہو، حالانکہ یہ چیزیں تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ یعنی وہ غذائیں جن کے باب میں یہود سے بحث و گفتگو ہو رہی ہے، ساری دنیا کے کھانے مراد نہیں۔ ای المطعومات التي فيها النزاع (مدارک) حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے آپ نے بعض طبی ضرورتوں سے بعض جائز غذائیں بالکل ترک کر دی تھیں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کو مرض عرق النساء کی شکایت تھی تو آپ نے اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز شروع کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ قيل فعل ذلك للتداوى باشارة الاطباء (بیضاوی) قيل اشارت عليه الاطباء باجتنابه ففعل ذلك باذن من الله فهو كتحريم الله ابتداء (کشاف) بعض جاہل صوفیہ کا یہ سمجھنا کہ ترک حیوانات یا بعض دوسری غذاؤں کے ترک کو قرب الٰہی میں کوئی دخل ہے تمام تر نادانی ہے۔ عاملوں کی مشقیں اور ریاضتیں بالکل دوسری چیز ہیں ورنہ جو غذائیں انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں وہ خود ہی حرام کر دی گئی ہیں۔ کسی غذا کے حلال ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اس راہ میں مانع نہیں۔ و فى هذه الاية دلالة على بطلان قول الممتنعين من اكل اللحوم و الاطعمة اللذيذة تزهدا لان الله تعالى قد نهى عن تحريمها (جصاص) قُلْ (یعنی ان یہود سے کہیے جو معترض ہو رہے ہیں) فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ توریت میں تو آج تک یہ لکھا چلا آ رہا ہے: "وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لیے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے" (پیدائش ۹:۳) و۲۰۱ (اپنے حق میں) یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیزیں خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی اس واضح شہادت کے بعد ای من بعدما لزمتهم الحجة (بیضاوی) بعد ظهور الحجة (جلالین) و۲۰۲ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا ہے۔ اور تم نے جو جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے، ان کی قلعی کھول دی و۲۰۳ اِبْرٰهِیْمَ۔ ملة ابراهيم، حنيف، سب پر حاشیے پارۂ اول کے ختم کے قریب سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ و ۱۶ میں گزر چکے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ یعنی انہی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنہیں تم بھی اپنا مقتدیٰ و پیشوا مانتے ہو۔ و۲۰۴ (دنیا میں بطور عبادت گاہ کے) مراد خانہ کعبہ ہے جس کی اولین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لیے بنا۔ ای وضعه الله موضعا للطاعات والخيرات و العبادات (کبیر) ای لعموم الناس لعباداتهم و نسكهم يطوفون به و يصلون به و يعتكفون عنده (ابن کثیر) وضع للناس يعبد الله فيه (معالم) اَوَّلَ بَیْتٍ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال تابعین سب میں اس کی اولیت اور اقدمیت کی تصریح ملتی ہے۔ ثبت فى صحيح مسلم عن ابى ذر قال سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اول مسجد وضع فى الارض قال المسجد الحرام (قرطبی) قال مجاهد خلق الله موضع هذا البيت قبل ان يخلق شيئا من الارض بالفى سنة (قرطبی) و۲۰۵ (بطور قبلہ کے) کعبہ کو سب سے پہلے معبد بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔ بَكَّةَ۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً لازم اور لازب میں یا راتم اور راتب میں یا نمیط اور نبیط میں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا۔ هى علم للبلد الحرام و مكة و بكة لغتان فيه (کشاف) بكة لغة فى مكة عند الاكثرين (روح) قال مجاهد بكة هى مكة۔ (قرطبی) بكة من اسماء مكة على المشهور (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر۔ بَكَّةَ۔ هو موضع المسجد (ابن عباس رضی اللہ عنہ) بكة موضع البيت

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ

اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے ۲۰۶ؔ اور جو کوئی اس میں داخل ہو

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

جاتا ہے وہ امن سے ہوجاتا ہے ۲۰۷ؔ اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لیے اس مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمہ

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو ۲۰۸ؔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ

غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

سارے جہان سے بے نیاز ہے ۲۰۹ؔ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى

اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

گواہ ہے ۲۱۰ؔ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب جو ایمان لا چکا اسے تم کیوں اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

ہٹا رہے ہو اس (راہ) میں کجی نکال نکال کر درآنحالیکہ تم (خود)

شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

گواہ ہو اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ۲۱۱ؔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ایمان والو اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے ۲۱۲ؔ

و مكة ماسوى ذلك (ابن جریر عن ابن مالک) بكة موضع البيت و مكة سائر البلد عن مالك بن انس (قرطبی) قال ابو مالك و ابو صالح و ابراهيم النخعي و عطية العوفي و مقاتل بن حيان بكة موضع البيت ماسوى ذلك مكة (ابن کثیر) بائبل میں بھی ایک جگہ ذکر وادی بکہ کا تحریفات کے باوجود رہ گیا ہے "وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے" (زبور ۸۴: ۶) بائبل کے قدیم مترجمین نے اپنی تحریف کی عادت مستمرہ کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علَم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص (بے آب) وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵) ہاں ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دے دے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔ مُبٰرَكًا۔ یہ وہ مقام ہے جس میں مادی اور روحانی دنیوی اور دینی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لَلَّذِىْ میں لام تاکید کا ہے۔ واللام توكيد (قرطبی) مکہ کی قدامت پر باوں ناخواستہ مسیحی مؤرخین کو بھی اب شہادت دینی پڑی (ملاحظہ ہو حواشی تفسیر انگریزی) ۲۰۶ؔ تقدیر کلام یوں ہے۔ منها مقام ابراهيم و التقدير منها مقام ابراهيم قال الاخفش (قرطبی) فِيْهِ یعنی اسی اول بیت میں اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کھلے ہوئے توحید الٰہی کے شعائر یا حج کے شعائر۔ والمراد بالآيات شعائر الحج (کبیر) مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ پر حاشیہ پارۂ اول کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ بَيْتٌ سے یہاں مراد خانہ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر نہیں باہری ہے۔ المراد بالبيت هنا الحرم كله لان هذه الايات موجودة في الحرم و مقام ابراهيم ليس في البيت انما هو خارج البيت (جصاص) ۲۰۷ؔ (شریعت الٰہی کی نظر میں) اٰمِنًا پر حاشیہ پارۂ اول کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا ۲۰۸ؔ (بہ لحاظ زادِ سفر و امن راہ وغیرہ) اِسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ استطاعت سبیل سے مراد وہاں تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ استطاعة السبيل اليه هي امكان الوصول اليه (جصاص) استطاعة السبيل الى الشئ عبارة عن امكان الوصول اليه (کبیر) حِجُّ الْبَيْتِ۔ حج و فرضیت حج پر حواشی پارۂ دوم کے وسط میں گزر چکے۔ عَلَى النَّاسِ میں عَلٰى شدت تاکید کے لیے ہے۔ هي من اوكد الفاظ الوجوب عند العرب فاذا قال العربي لفلان على كذا فقد وكده و اوجبه (قرطبی) ۲۰۹ؔ (سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکے گا) اللہ تعالیٰ کی صفت غنا کا اثبات ان مشرک قوموں کے رد میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود اُن کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لیے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔ ۲۱۰ؔ (اور اس حاضر و ناظر۔ ہمہ بین۔ ہمہ دان حاکم کے آگے کوئی حیلہ بہانہ نہ چل سکے گا) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح پر بہکاتے رہتے تھے۔ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیت اللہ سے مراد خاص طور پر نبوت محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں۔ اور کفر سے مراد نبوت محمدیؐ سے انکار ہے۔ المراد من ايات الله الايات التي نصبها الله تعالى على نبوة محمد عليه الصلوة والسلام و المراد بكفرهم بها كفرهم بدلالتها على نبوة محمد عليه الصلوة والسلام (کبیر) مشرکوں کو بار بار یہ جتلانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ اللہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح بے خبر۔ ناقص العلم اور کم بیں نہیں ۲۱۱ؔ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہود خود تو اسلام سے منکر تھے ہی اب ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ طرح طرح کے مکروں سے دوسروں کو بھی دین حق سے ہٹانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یہود مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کرتے رہتے تھے کہ اگر اور کچھ نہیں بن پڑتا تو یہی ہو کہ یہ آپس میں مر کٹ کے تباہ ہو جائیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک مجمع میں جہاں مدینہ کے دونوں مشہور اور جنگجو قبیلوں اوس اور خزرج کے مسلمان جمع تھے ایک یہودی شاس بن قیس نے اُن کی عہد جاہلیت کی مشہور لڑائی جنگ بعاث کے پرجوش جنگ نامہ کے اشعار پڑھوا دیے۔ دلوں میں گزشتہ عداوتوں کی یاد تازہ ہو گئی اور فریقین قدرۃً بھڑک اٹھے اور عین موقع پر اگر رسول اللہ ﷺ خود تشریف نہ لے آتے تو خانہ جنگی شروع ہی ہو چکی ہوتی۔ تَبْغُوْنَهَا میں ضمیر مؤنث غائب سبیل کی طرف ہے۔ الهاء في تبغونها عائدة الى السبيل (کبیر) وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ اسلام دین حق ہے۔ ۲۱۲ؔ (عقیدۃً نہ سہی عملاً سہی۔ تو یہی عملی ارتداد بھی کیا کم ہے) اِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اپنے عقائد و اعمال میں ان لوگوں سے متاثر ہونے لگو گے۔ فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو، درآنحالیکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی

اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اُس کے رسول موجود ہیں؟ ف۲۱۳ اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ ضرور

هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے ف۲۱۴ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے ف۲۱۵ اور جان نہ دینا بجز

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

اس حال کے کہ تم مسلم ہو ف۲۱۶ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو

وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اور باہم نااتفاقی نہ کرو ف۲۱۷ اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم)

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ

دشمن تھے تو اُس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی ف۲۱۸ سو تم اُس کے انعام سے (آپس میں)

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے (گڑھے) کے کنارے پر تھے

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

سو اُس نے تمہیں اُس سے بچا لیا، ف۲۱۹ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

سناتا رہتا ہے تاکہ تم راہ یاب رہو اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے

یہ نام کے تو اہل کتاب ہیں لیکن نکلے ہوئے ہیں عداوت اسلام پر ف۲۱۳ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے دینِ حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تم میں قرآن اور سنت رسول ﷺ موجود و محفوظ ہے؟ ذلک لان تلاوته ایات الله علیهم حالاً بعد حال مع کون الرسول فیهم الذی یزیل کل شبهة و یقرر کل حجة کالمانع من و قوعهم فی الکفر (بحر) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔ میں کفر سے مراد اعمالِ کفر کی طرف بازگشت ہے اور کیف اظہارِ تعجب کے لیے ہے۔ قاله تعالٰی علی جهة التعجب (قرطبی) قیل المراد بکفرهم فعلهم افعال الکفرة (روح) اٰيٰتُ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیتیں اور قرآن کے درمیان موجود و محفوظ ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ یعنی سردست تو وہ بہ نفس نفیس تشریف فرما ہیں ہر شبہ مٹا سکتے اور راہ بتا سکتے ہیں باقی ان کے بعد ان کے سنن و آثار بھی کام دیں گے۔ قیل الخطاب بجمیع الامة لان اثاره و سننه فیهم و ان لم یشاهدوه (بحر) ف۲۱۴ یہ صراطِ مستقیم یا سیدھی راہ دنیا میں فلاح کامل کی ہے اور آخرت میں جنت کی۔ فَقَدْ هُدِيَ۔ یعنی اللہ سے تمسک کرتے ہوئے یہ راہِ راست ضرور ہی مرتب ہو کر رہے گی۔ ف۲۱۵ (ہماری طاقت اور استطاعت کے لحاظ سے) ورنہ حق تعالٰی سے اُس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔ والمعنی حق تقته ما استطعتم (قرطبی) ف۲۱۶ یعنی جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع۔ زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے ف۲۱۷ اس تعلیم کے ایک عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے:۔ "اسلام نے اُن قبیلوں کو متحد کر دیا جو اس وقت تک برابر ایک دوسرے سے مصروفِ پیکار رہتے تھے"۔ (آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۱) حَبْلِ اللّٰهِ محاورۂ عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ یستعار الحبل للعهد (روح) واستعیر للوصل و بکل ما یتوصل به الی شیء (راغب) یہاں مراد شریعت اسلامی یا قرآن ہے۔ متعدد قول نقل ہوئے ہیں اور وہ سب متقارب ہیں۔ قال ابن مسعود حبل الله القران و رواه علیؓ و ابو سعید الخدری عن النبی ﷺ و عن مجاهد و قتادة مثل ذلک (قرطبی) العهد او القران او الدین او الطاعة او اخلاص التوبة او الجماعة او اخلاص التوحید او الاسلام اقوال السلف یقرب بعضها من بعض (بحر) جَمِيْعًا۔ یعنی اُمت مجموعاً بھی اور افرادِ اُمت بھی ف۲۱۸ (اور سب کو رشتۂ اسلام میں متحد و منسلک کر دیا) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اس انعام کے تحت میں علاوہ فلاحِ اُخروی کے اتحادِ قومی کی فلاحِ دُنیوی بھی شامل ہے۔ اتحادِ اُمت بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً۔ ظہورِ اسلام سے قبل یعنی زمانہ جاہلیت تک۔ عرب قبائل کی باہمی دشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بات بات میں چھڑ جاتی تھی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ رہ گئی ہیں اُن کی تعداد ۱۷۰۰ ہوتی ہے۔ ف۲۱۹ (دینِ اسلام اور شریعت اسلامی مرحمت کر کے) دُنیا میں یوں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دینا اسلام کا معجزہ ہی تھا۔ اس کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوت حد ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھی اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص بھی بے نظیر رہا۔ جہاں کی مکی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا۔ وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر و شکر کرا دیا کہ دونوں واقعی آپس میں بھائی بھائی معلوم ہونے لگے برتانیکا اور کیمن دونوں کے صفحات میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ ذکر زمانۂ قبل اسلام کا ہے کہ اس وقت عقائد و اعمالِ مشرکانہ کی بنا پر اہلِ عرب دوزخ کے کنارہ تک پہنچ ہی چکے تھے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب بھی تو ہیں ف۲۲۰

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے بعد اس کے کہ

مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

انہیں شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفرق کر لی اور مختلف ہو گئے ف۲۲۱ عذاب عظیم انہی کو تو

عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

ہوتا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ

گے اُن سے کہا جائے گا کہ کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے اپنے

اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

ایمان کے بعد؟ ف۲۲۲ سو عذاب چکھو اپنے کفر کی پاداش میں

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ

اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں

اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

ہوں گے ف۲۲۳ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں تم کو ٹھیک ٹھیک

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا ف۲۲۴

ف۲۲۰ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ اُمت کا ہے۔ لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے۔ معروف (بھلے کاموں) کی طرف بلائے منکر (برے کاموں) سے روکے۔ اُمَّةٌ۔ یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری اُمت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامور کیا گیا، ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لیے جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے ف۲۲۱ (توحید، رسالت، وحی، جزا وسزا وغیرہ اُصولی وبنیادی عقائد کے باب میں) كَالَّذِيْنَ مراد سابق اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ ہیں۔ يعني اليهود و النصارٰى في قول جمهور المفسرين (قرطبی) تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی از راہِ نفسانیت و شرارت وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے الگ الگ مذہب گڑھ لیے۔ مسائل وجزئیاتِ احکام میں اختلاف جو اخلاصِ نیت کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو، وہ اسلام میں ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو اُمت کے حق میں عین رحمت ہے، اختلافِ مذاق وطبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک میں آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کسی میں۔ الْبَيِّنٰتُ اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آ گئے ف۲۲۲ یہ خطاب اہلِ دوزخ سے تو بہرحال ہوگا، گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ ان سب سے ہوگا یا اُن کے صرف بعض گروہوں سے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب منافقین سے ہوگا اور ایمان سے یہاں مراد اظہارِ ایمان ہے۔ هم المنافقون (ابن جریر۔ عن الحسن) ایک قول ہے کہ مخاطب اہلِ کتاب ہیں اور حجت ان پر قائم کی جائے گی کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کا ذکر پوری طرح موجود اور پھر تم مکر گئے۔ المراد اهل الكتب (کبیر عن عکرمہ والاصم والزجاج) بعض اہلِ نظر نے ترجیح اسی قول کو دی ہے۔ والظاهر من السياق و السباق ان هؤلآء اهل الكتاب (روح) ابن جریر نے بعض تابعین سے استناد کر کے یہ شق اختیار کی ہے کہ خطاب سارے کافروں کے لیے عام ہے اور جس ایمان کا یہاں ذکر ہے وہ اظہارِ ایمان عالمِ ارواح میں عہدِ الست کے وقت کا ہے۔ هو الايمان الذى كان قبل الاختلاف في زمان ادم (ابن جریر۔ عن اُبی بن کعب) عنى بذلك جميع اهل الكتاب (ابن جریر) تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ۔ یومِ حشر تو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا، ضرور ہے کہ اہلِ حق کے چہرے اس دن انوارِ حق سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ کشفِ حقائق کے وقت یہ بالکل قدرتی ہے کہ اندرکی سیاہیاں اور باطن کی کدورتیں نکل نکل کر اہلِ باطل کے چہروں پر چھا چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابيضاض وجه اور اسوداد وجه سے مراد محض مسرت، غم بھی ہو سکتی ہے ف۲۲۳ اور اسی محلِ رضا ومحلِ رحمت کا نام جنت ہے۔ جنت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محلِ ترغیب میں ذکر کیا ہے۔ وہ رضائے الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گستاخ شاعروں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ ف۲۲۴ (اس لیے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور حکیمانہ ہوتے ہیں) اسلام کا خدا تمام تر رحیم ہے۔ عادل ہے۔ شفیق ہے۔ مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم وخونخوار نہیں ہے۔ قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفاتِ ذمیمہ سے کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور توراۃ تک کے خدا میں صفاتِ قہری کہیں زیادہ زور وقوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آ رہے ہیں۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اى بالصدق (قرطبی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

کی طرف (سارے) اُمور لوٹائے جائیں گے، ۲۲۵ تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

کی گئی ہے ۲۲۶ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۲۲۷ اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا ۲۲۸ اُن میں سے (کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

نافرمان ہیں ۲۲۹ وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے ۲۳۰ اور اگر وہ تم سے مقابلہ

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، ۲۳۱ پھر ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی ۲۳۲ اُن پر لیس

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ

دی گئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضب الٰہی کے مستحق

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ہو گئے ہیں ۲۳۳ اور ان پر پستی لیس دی گئی ہے (سب) اس سبب سے ہوا کہ

ف ۲۲۵ (اور کوئی دیوی دیوتا اس مرجعیت امور میں اس کا شریک وسہیم ہے نہ آسمان وزمین کے کسی جزء کی ملک وتصرف میں) جاہل قوموں کی ان گمراہیوں کا ذکر پچھلے حاشیوں میں بار بار آچکا ہے۔ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ میں تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا متعلق ہوگا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ف ۲۲۶ یعنی تم تو اس لیے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں، تم ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب امت محمدی ﷺ اور ملت اسلامی سے ہے۔ كُنْتُمْ۔ كان یہاں یا تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مراد دوام نسبت ہے۔ قيل هو كان التامة المعنى خلقتم و وجدتم خير امة و قيل كان زائدة المعنى انتم خير امة (قرطبی) لا يراد ههنا الدلالة على معنى الزائد و انقطاع النسبة بل المراد دوام النسبة (بحر) ف ۲۲۷ (پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا) آیت کے اس جزء میں اُمتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل ومکمل ہونے کا پورا فوٹو آگیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولیس کے ہو۔ الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لیے، دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظام حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال (اگر یکتو) جماعت کو جدال وقتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود وتعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جا رہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دے دیں تو وہ ملک کے محسن۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دار وگیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور "تہذیب" کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے۔ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں، آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمت کی خیریت وافضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی وسلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے ف ۲۲۸ (حالاً بھی اور مآلاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی) یہ ایمان لے آنا تو ان اہل کتاب کا فرض ہی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی دیکھ بھی رہے تھے ف ۲۲۹ فٰسِقُوْنَ یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حد عبودیت سے باہر نکل جانے والے۔ كامل في فسقه متمرد في كفره (بحر) عبر عن الكفر بالفسق (روح) اى الكافرون (معالم) الضلالة الكفر الفسق العصيان (ابن کثیر) مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اس گروہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام یہودی کی طرح دوسرے اہل کتاب بھی داخل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے ف ۲۳۰ اشارہ ہے یہود کی طرف۔ جن کا خاص مدینہ اور حوالی مدینہ میں بڑا زور وغلبہ تھا۔ آپ نے وقوع سے بہت قبل پیشگوئی کردی کہ یہود اپنے بڑے مضبوط قلعوں کے باوجود، بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود مسلمان کو ہرگز کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اَذًى۔ ضرر کے مقابلہ میں بہت ہلکی اور چھوٹی چیز ہے۔ اى ضررًا يسيرًا كطعن و تهديد (بیضاوی) الاذى بمعنى الضرر اليسير (روح) ف ۲۳۱ یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں کہ تم سے مقابلہ ومقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پاسکیں گے بلکہ ذاتی شکست کھا کر بھاگیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی نہیں۔ مجموعہ ہے کئی پیشگوئیوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن وقیاسات کے خلاف پوری طرح پیشگوئیاں صحیح نکلیں۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، یہود خیبر سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم وخبیر کے اور کون جرأت بھی ایسی پیشینگوئیوں کی کرسکتا تھا ف ۲۳۲ ایک اور پیشگوئی۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر ومنصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مشرک قبیلوں کی حمایت کا غرہ ان یہود کو ہے، اُن میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی تو نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ہی ان کے کام آسکیں گے۔ ف ۲۳۳ بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی وذلت پر حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۷ کے ذیل میں مفصل گزر چکے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا۔ ابھی دو ہی چار سال اُدھر یہود کی جو گت جرمنی میں، ہنگری میں، اٹلی میں زیکوسلاویکا میں اور دوسرے ملکوں میں باوجود ان کی اس خوش حالی وامارت کے بن چکی ہے وہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے ان کی ایسی آبادی مراد ہو سکتی ہے جسے خود شریعت الٰہی نے قتل، ہلاکت اور تعزیری وانتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے مراد ان کی وہ جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔ حَبْل کے معنی پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد وذمہ سے ہے۔ الحبل العهد و الذمة و الامان (لسان) وَحَبْلٍ میں و عطف کے لیے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ

وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ

بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے نکل نکل جاتے تھے ف۲۳۴

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

سب یکساں نہیں ف۲۳۵ (انہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے،

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ف۲۳۶

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ

اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ

یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں ف۲۳۷ اور جو بھی نیک کام

خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کیے جائیں گے، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ف۲۳۸

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ہرگز ان کے ذرا بھی کام اللہ کے مقابلہ میں نہ ان کے مال آئیں گے

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

نہ اُن کی اولاد یہی لوگ دوزخ والے

ف۲۳۴ یعنی حدود عبدیت وطاعت سے۔ یہود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہد عتیق، عہد جدید اور خود یہود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ وَ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ كَانُوْا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی زندگی میں نہ تھا، بلکہ کفر وعدوان ان کی قومی خصلت بن گئے تھے، ان کی سرشت کے جزء بن گئے تھے۔ عَصَوْا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے رسولوں ہی کی نہیں کی بلکہ آخر میں خاتم رسل کی بھی کی۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی انبیاء کو خود اپنے معیار عدل وقانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے۔ مسکنت، قتل انبیاء، کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں گزر چکے

ف۲۳۵ (اپنی حق ناشناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرز عمل کے لحاظ سے) ليس اهل الكتاب مستويا (بحر) والضمير لاهل الكتاب (بیضاوی) اُوپر جو کچھ ذکر ہوا۔ اہل کتاب کی یہ اکثریت کا تھا، باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس، انصاف دوست بھی تھے اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔

ف۲۳۶ یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ والمراد هم يصلون (روح) يصلون عن الفراء والزجاج (قرطبی) نماز شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ۔ یہ وہ جماعت تھی جو دین حق پر قائم وثابت رہی۔ ای المستقيمة العادلة (بیضاوی) انها ثابتة على التمسك بالدين الحق ملازمة له (کبیر) اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیات۔ والمراد يقرءون القراٰن (روح) مفسرین نے یہاں عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید اسید بن سعید اسد رضی اللہ عنہم بن عبید وغیرہم کے نام درج کیے ہیں جو یہودیت سے ایمان لائے تھے

ف۲۳۷ قرآن مجید جنہیں صالح قرار دیتا ہے۔ ان کے اوصاف وخصوصیات یہاں کس جامعیت وایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیے گئے ہیں۔ پہلی بات یہ بتائی کہ وہ ایمان میں کامل ہوں گے، جو کچھ بھی خرچ کریں گے، مقصد صحیح کے ساتھ اور راہ حق میں کریں گے، دُوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی وسلبی ہر حیثیت سے اخلاق اور پاکیزہ کرداری کے پتلے ہوں گے بلکہ دُوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق ورغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یعنی نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی کے ساتھ گویا ہار اور تھک کر نہیں، بلکہ بڑے شوق واشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔ المسارعة فى الخير ناشئة عن فرط الرغبة (بحر) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کے معنی مَعَ الصّٰلِحِيْنَ کے بھی کیے گئے ہیں (قرطبی)

ف۲۳۸ (اور چونکہ یہ پرہیزگار ہیں، اس لیے انہیں بھی خوب جانتا ہے) یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی متقی اللہ تعالیٰ کے علم میں آجانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لیے اس جزء کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ۔ یعنی کہیں نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات ومغفرت کی اُمید ہی کیا اور اب ایمان وحسن عمل سے حاصل کیا؟ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی عقائد گڑھ رکھے تھے۔ اس لیے تنبیہ ضروری تھی۔ يُّكْفَرُوْهُ میں ضمیر عمل خیر کے اجر وثواب کی جانب ہے۔ ای لن تجحدوا ثوابهٗ (قرطبی) ای لن تمنعوا ثوابه و جزاءه (کبیر)

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ

ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۲۳۹ یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں

فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا

خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں

صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ پھر وہ (ہوا) اس

فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

(کھیتی) کو برباد کر دے تو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

ظلم کرتے ہیں، ف۲۴۰ اے ایمان والو اپنے سوا (کسی کو) گہرا دوست

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا

نہ بناؤ ف۲۴۱ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں، کوئی بات اٹھا نہیں رکھتے اور تمہارے دکھ پہنچنے کی

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ

آرزو رکھتے ہیں، بغض تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جو کچھ ان کے دل چھپائے ہوئے ہیں، وہ اور بھی بڑھ کر ہے ف۲۴۲ ہم تو تمہارے لیے نشانیاں

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ

کھول کر ظاہر کر چکے ہیں ف۲۴۳ اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو، تم تو ایسے ہو کہ

تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

ان سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت نہیں رکھتے، تم کتاب (آسمانی) پر ان کے کل پر ایمان

ف۲۳۹ اُولٰٓئِکَ سے مراد ایمان سے محروم کفار ہیں۔ اور چونکہ اس لفظ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اہل سنت نے اس آیت سے معتزلہ کے خلاف استدلال کر کے کہا کہ خلود نار کی سزا صرف کافروں کے لیے ہے، گنہگار مومنین کے لیے نہیں ولما افادت هذه الكلمة معنى الحصر ثبت ان الخلود في النار ليس الا للكافر (کبیر) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ مال کو بطور کفارہ یا توبہ پیش کر کے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہود کے جو غلط سلط عقیدے اس باب میں ہو چکے تھے، ان کا ذکر پارۂ اول کے حاشیوں میں آ چکا ہے۔ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ۔ ہندوؤں اور جینیوں میں یہ گمراہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے۔ اولاد نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑا لیتا ہے۔ منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں "پتر" کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ باپ کو "پت" (دوزخ) سے چھڑا لاتا ہے ف۲۴۰ آسان اور عام فہم مثال میں اُن لوگوں کے مال کے ضائع جانے کو بیان کیا ہے جو ایمان سے محرومی کی حالت میں اس دنیا کے حصول کے لیے، ریاء و ناموری کے لیے اپنی دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ مَثَلِ۔ مثال ضائع جانے اور عبث ہونے میں ہے۔ صِرٌّ۔ سخت ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں جیسے پالا یا برف۔ قال ابن عباس الصر البرد الشديد (قرطبی) قال اكثر المفسرين و اهل اللغة الصر البرد الشديد۔ قال ابن زيد (کبیر) ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی کفر اور بے دینی کر کر کے۔ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کے صرف مال کو خواہ مخواہ لا حاصل اور ضائع کر دیا۔ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ وہ خود ہی تو اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ مال کو بے محل اور خلاف اذن الٰہی خرچ کر رہے ہیں۔ ف۲۴۱ (ایسا کہ اس سے اپنے ذاتی اور ملی راز کہہ ڈالو) مِنْ دُوْنِكُمْ۔ یعنی بجز اپنی ملت والوں کے بِطَانَةً۔ کہتے ہیں راز دار دوست کو۔ اى مختصا بكم يستبطن امور كم (راغب) بطانة الرجل خاصته الذين يستبطون امره (قرطبی) قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم کو یا اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشے اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے "تنگ نظری" رکھا ہے

سبحان اللہ! امراض وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ "اصول حفظان صحت" رکھا جائے۔ اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لیے کیا جائے اس کا نام "تنگ نظری" پڑ جائے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ فقہاء مدینہ بلکہ فقہاء حجاز نے عموماً آیت سے استنباط کیا ہے کہ دشمن کی شہادت دشمن کے حق میں معتبر نہیں، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جائز ہے۔ و في هذه الاية دليل على ان شهادة العدو على عدوه لا تجوز و بذلك قال اهل المدينة والحجاز و روى عن ابى حنيفة جواز ذلك (قرطبی) افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع ہی سے برتنی شروع کر دی اور ابھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ حسرت، قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں۔ "و قد انقلبت الاحوال فى هذه الازمان باتخاذ اهل الكتاب كتبة و امناء و تسودوا بذلك عند الجهلة الاغنياء من الولاة والامراء۔ یہ حال جب اُس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کافروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے۔ صورتحال پر اظہار خیال کن لفظوں میں کیا جائے! فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تشبہ تک جب جائز نہیں تو اُن کے ساتھ مصاحبت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ لا خلاف بين علماء نا ان المراد به النهى عن مصاحبة الكفار من اهل الكتاب حتى نهى عن التشبه بهم (ابن عربی) ف۲۴۲ یعنی ان کی مخفی عداوت کا درجہ تو اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ۔ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم اس بات کی آ گئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلموں کا حقیقی دوست اور ہوا خواہ ہو نہیں سکتا۔ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ شدت عداوت میں غیر اختیاری طور پر زبان سے بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اشارہ زیادہ تر یہود مدینہ کی جانب ہے۔ یہ لوگ اب اپنا بغض اسلام مسلمانوں سے چھپا بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور بے اختیار ان کی زبانوں سے ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ ف۲۴۳ آیت کے معنی دو طرح پر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کافروں کے بغض و عداوت کے آثار و علامات تم پر روشن ہو گئے ہیں، جن سے تم انہیں فوراً پہچان سکتے ہو۔ ثم بيّن الله تعالى ان اظهار هذه الاسرار للمومنين من ...... عليهم (کبیر) دوسرے معنی یہ کہ تمہارے لیے اُن سے ترک موالات کی آیتیں کھول کر بیان کی جا چکی ہیں۔ اى اظهرنا لكم الايات الدالة على النهى عن موالاة اعداء الله تعالى و رسوله (روح) الدالة على موالاة المؤمنين و معاداة الكافرين (بیضاوی)

كُلِّهٖ ۚ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا اٰمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا

رکھتے ہو ف۲۴۴ اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں

عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۗ قُلْ مُوْتُوا

تو تم پر (شدت) غیظ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں ف۲۴۵ آپ کہہ دیجئے کہ تم غیظ میں

بِغَيْظِكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

مر رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ف۲۴۶

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ

اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر کوئی بری حالت

سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں ف۲۴۷ اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کیے رہو تو

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ ان کے عمل پر (پورا)

مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ

احاطہ رکھتا ہے ف۲۴۸ اور وہ وقت یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے

الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

مسلمانوں کو قتال کے لیے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے، ف۲۴۹ اور اللہ بڑا سننے والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

بڑا جاننے والا ہے ف۲۵۰ جب تم میں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں

تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کہ ہمت ہار دیں ف۲۵۱ درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا ف۲۵۲ اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر

ف۲۴۴ یعنی ساری کتب الٰہی پر الکتب۔ یہ طور ہم جنس استعمال ہوا ہے۔ والکتاب اسم جنس قاله ابن عباس (قرطبی) بجنس الكتاب كله (بیضاوی) تُحِبُّوْنَهُمْ۔ یہ مسلمانوں کی سادہ دلی اور نیک طبعی کا ذکر ہے۔ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ۔ یہ محبت تو تم سے کیا رکھتے۔ اُلٹے عداوت رکھتے ہیں، اور تمہاری کتاب الٰہی کے منکر ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تم تو ان کی کتابوں تک پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ پھر بھی تم سے کسی درجہ میں بھی علاقہ محبت نہیں رکھتے۔ ف۲۴۵ غضبا علیکم الانامل من الغیظ۔ غصہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھانا عربی محاورہ میں کنایہ شدید جھنجھلاہٹ سے ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں اپنی بوٹیاں نوچنا ''بوٹیاں چبانا'' ''دانت پیسنا'' وغیرہ۔ ذکر منافقین مدینہ کا ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) ف۲۴۶ (چنانچہ اس نے تمہارے دلوں کے اندر کے کینہ اور عداوت کو کھول کر بیان کردیا ہے) مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ۔ یعنی شدت ناکامی و نامرادی میں مر رہو، اس لیے کہ جو تمہاری تمنا ہے یعنی اسلام کی مغلوبیت، ہزیمت وہ پوری ہونے کی نہیں۔ ف۲۴۷ منافقوں کی خباثت نفس اور کینہ پروری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور ان کی خوشی اور خوشحالی سے رنجیدہ۔ حَسَنَةٌ مسلمانوں کی اندرونی تنظیم یا کافروں پر ان کی فتح و غلبہ۔ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً کوئی جنگی شکست۔ ف۲۴۸ (اللہ ان کی سزا پر ہر طرح قادر ہے) وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ منافقین کے کید و مکر اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا کتنا آسان اور سہل الحصول نسخہ یہاں مسلمانوں کو بتادیا گیا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ استقامت علی الحق کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ صبر و تقویٰ، ان دو مختصر سے عنوانات کے اندر ساری تنظیمی جد و جہد و مشغولیت کس ایجاز و جامعیت کے ساتھ آگئی۔ آیت میں اس کی تعلیم بھی آگئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بہترین حربہ صبر و تقویٰ کا ہے۔ هذا تعليم من الله وارشاد الى ان يستعان على كيد العدو بالصبر والتقوى (مدارک) ف۲۴۹ (دامن جبل اُحد کی طرف) اب ذکر جنگ اُحد کا شروع ہو رہا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ بدر میں شکست کھائے ہوئے مشرکین مکہ جوش انتقام سے دیوانہ ہو رہے تھے۔ ہجرت کا تیسرا سال قریب ختم کے تھا۔ اور واقعہ بدر پر ایک سال گزر چکا تھا، کہ مکہ والوں کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ اب کی تیاریاں بڑے انتظام و اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ قریش کی جمعیت ۳ ہزار کی تھی، ان میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، ۲۰۰ سوار اور باقی شتر سوار تھے، قوم اور قبیلہ کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے، بڑی بات یہ کہ عورتیں بھی شریک جنگ ہوئیں۔ ہاتھوں میں باجے لیے ہوئے پرجوش نظمیں پڑھتی جاتی تھیں اور مقتولین بدر کے انتقام پر اپنے عزیزوں، قریبوں کو خوب ابھارتی جاتی تھیں۔ جنگ میں عورتوں کی شرکت آج بیسویں صدی کی ''جدت'' نہیں۔ جاہلی مشرک قوموں کا پرانا شعار ہے۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ رسول اللہ (ﷺ) کی سواری مبارک فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ صبح سویرے عین اس وقت جب غنیم سامنے نظر آیا اور مسلمان اپنے مقدس امیر الجیش کے ساتھ ابھی تیاری میں مشغول تھے، عبد اللہ بن ابی مدینہ کا پرانا اور ذی اثر لیڈر یہ عذر کرکے کہ جب ہماری رائے نہیں سنی جاتی اور شہر کے اندر ہی محصور ہو کر نہیں لڑا جاتا تو ہم بیکار اپنی جانیں دوسرے کے کہنے پر کیوں دیں اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے کر شہر کو واپس چلا گیا۔ لشکر اسلام کی کل جمعیت ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں بھی زرہ پوش کل ۱۰۰۔ مقابل فوج تعداد میں چوگنی سے زائد اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی کہیں زیادہ آراستہ! وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ میں مِنْ۔ بِعِنْدِ کے معنی میں ہے اور آنحضرت ﷺ اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ كان الخروج من حجرة عائشة (روح) يعني خرجت بالصباح من منزلك من عند عائشة (قرطبی) مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ ترتیب صفوف اور مورچوں کی تناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی، جدید فن حرب میں بھی بالکل مسلم۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں ''پوزیشن'' Position کی اہمیت کی تشریح میں صفحہ کے صفحہ وقف رہتے ہیں، اُمت کا رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ دار اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ Tor Andre (تور آندرے) بیسویں صدی کا ایک مسیحی مؤرخ عرب ہے، وہ اپنی سوانح محمد ﷺ میں آپ کے اس کمال خصوصی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ''برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے محمد ﷺ نے چاہا ہے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے احتیاطی اور اندھا دھند جیوٹ کے مقابلہ میں محمد ﷺ نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و انضباط سے کام لیا''۔ (صفحہ ۲۰۳) (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مولانا شبلی مرحوم نے الفاظ کے ذریعہ سے گویا پورا معرکہ اُحد کا کھینچ دیا ہے: ''آنحضرت ﷺ نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا۔ زبیر بن عوام رسالہ کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا۔ اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔ عبد اللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔ قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابو جہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیر اندازوں کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، اور سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ

اعتماد رکھنا چاہیے ف۲۵۲ اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم

اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

پست تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو، عجب کیا کہ شکرگزار بن جاؤ ف۲۵۴ (وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ مومنین سے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ

کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ

تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے ف۲۵۵ کیوں نہیں،

اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا ف۲۵۶ اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے ف۲۵۷

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ

کرے گا ف۲۵۸ اور یہ تو اللہ نے اس لیے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے، ورنہ نصرت تو بس زبردست

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے ف۲۵۹ (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ

میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں خوار کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں ف۲۶۰ آپ

کے وقت کام آ گئیں (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷۳ طبع اول) ف۲۵۰ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ سمیع و علیم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس وقت مخلصین و منافقین جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سن رہے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا، اور اس موقع پر مخلصین و منافقین دونوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شے اس سے مخفی نہ رہی۔ ف۲۵۱ (اور جنگ سے الگ ہو بیٹھیں۔ لیکن اس ارادہ پر عمل نہیں کرنے پائیں) هَمَّتْ۔ همّ کے معنی عربی میں پختہ قصد و عزم کے بھی ہیں اور محض خفیف سے خیال اور شائبہ قصد کے بھی، یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں الهم قد يراد به العزم و قد يراد به الفكر و قد يراد به حديث النفس (کبیر) والظاهر ان هذا الهم لم يكن عن عزم بل كان مجرد حديث نفس و وسوسة (روح) طَّآئِفَتٰنِ ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ الطائفتان بنو سلمة من الخزرج و بنو حارثة من الاوس (ابن ہشام) ان دونوں دستوں نے عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ آن کی آن کمزوری اور بدہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یہ خیال بھی جو انہیں پیدا ہوا، اپنی قلت تعداد، قلت سامان، غرض ضعف مادی کی بنا پر پیدا ہوا نہ کہ ضعف ایمان سے۔ انما كله ذلك منها من ضعف او وهن اصابهما من غير شك في دينهما (ابن ہشام) انیسویں صدی عیسوی کا انگریز باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزوات اسلام سے متعلق جو عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ مظاہرے اخلاص و ایثار و شجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں (محمد اینڈ محمڈنزم صفحہ ۲۰۷) ف۲۵۲ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) آیت ان دونوں ٹکڑیوں پر اظہار عتاب کے لیے نہیں، اظہار عنایت خاص و التفات کے لیے ہے''۔ حافظهما و ولاهما عن ذلك (ابن عباسؓ) ف۲۵۳ (اور چاہیے کہ آئندہ یاس و بدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں) توکل طریقت کے اعلیٰ صفات میں سے ہے اور محققین صوفیہ نے اس کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ ف۲۵۴ (یعنی تقویٰ کی عادت تمہیں شکرگزار بنا دے گی) بَدْرٍ مدینہ کے جنوب و مغرب میں کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ اس وقت اسے اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا قاطع ذکر تصادم بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ ہجری (۱۱ مارچ ۶۲۳ء) کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رخ ہی پلٹ دیا تھا، فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ ''فتوحات اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے''۔ (جلد ۸ صفحہ ۱۲۲) اور امریکی پروفیسر ہٹی Hitti کی ''ہسٹری آف دی عربس'' میں ہے:۔ ''یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی'' (صفحہ ۱۱۷) وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ مسلمان تعداد میں کل ۳۱۳ تھے، اس ''فوج'' کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ۷۰ کی تعداد میں، انہی پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اى بقلة العدد والسلاح (جلالین) معناها قليلون (قرطبی) في حالة قلة و ذلة (بحر) يعني ما كانوا عليه من الضعف و قلة السلاح والمال والمركوب (بحر) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی جیسا کہ ابھی واقعہ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کر دیا، تو ادھر سے فضل باری اور نصرت الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ۔ خطاب مومنین سے ہے، انہیں مستقبل میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے، کہ دیکھو ابھی پچھلے ہی سال تم نے کس قدر نازک موقع پر اعتماد علی اللہ سے کام لیا تو فضل الٰہی نے تمہیں کیسے حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب کر دکھایا۔ ف۲۵۵ (جو آسمان سے خاص اسی غرض کے لیے اتارے گئے ہوں) اِذْ تَقُوْلُ میں ذکر اس وقت کا ہے، جب میدان بدر میں یہ خبر اڑ گئی تھی کہ غنیم کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے، اور آپ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ تمہارے لیے کافی نہیں، یعنی کیا تمہاری تسکین و تسلی کے لیے یہ کافی نہیں۔ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ۔ امداد غیبی کے موقع پر صفت ربوبیت کا اظہار اور وہ بھی مخاطبین کی طرف اضافت کے ساتھ بہترین پیرایہ بلاغت و اسلوب بیان ہے۔ آج کے ماہرین فن حرب پر بھی خوب روشن ہے کہ سپاہ کی ہمت قائم رکھنا، ان کے Morale کا درست رکھنا جنگ میں کامیابی کا کتنا بڑا اور اہم عنصر ہے۔ ف۲۵۶ (میدان جنگ میں اور اطاعت رسول ﷺ سے منہ نہ موڑو گے) غور کر کے دیکھ لیا جائے سارا زور صبر و ثبات اور اطاعت رسول ﷺ پر ہے۔ جنگ احد سے قبل امت کے سپہ سالار اعظم ﷺ نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا، اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے، اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ:۔ ''اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تمہی کو مظفر و منصور کرے گا۔ اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو، اور فتح تمہی کو نصیب ہوگی''۔ ف۲۵۷ (اور اپنی تیز حملہ کی حالت میں امداد ''بشری'' عادۃً ممتنع ہوتی ہے) يَاْتُوْكُمْ کے فاعل وہی مخالفین و معاندین ہیں۔ اى المشركون (روح) مِّنْ فَوْرِهِمْ۔ لفظة الفور تدل على السرعة والعجلة (بحر) استعير للسرعة (بیضاوی) ف۲۵۸ مُسَوِّمِيْنَ۔ یعنی کسی امتیازی علامت کے ساتھ ممتاز۔ اى معلمين بعلامات (قرطبی) رہا یہ امر کہ واقعۃً نزول ملائکہ ہوا اور انہوں نے کافروں سے قتال کیا تو قرآن اس باب میں خاموش ہے، اور روایتوں میں قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ ''لم تتعرض الاية الكريمة لنزول الملئكة ولا لقتالهم المشركين و قتلهم بل هو امر مسكوت عنه

في الاية (بحر) قال ابن عباس و مجاهد لم تقاتل الملائكة الايوم بدر و قال بعضهم انما كانت الفائدة في كثرة الملائكة انهم كانوا يدعون و يسبحون و يكثرون الذين يقاتلون يومئذ فعلى هذا لم تقاتل الملائكة يوم بدر و انما حضروا للدعاء بالتثبيت والاول اكثر (قرطبی) لا دليل فيها على و قوع قتالهم ولا على عدمه لاحتمالها الامرين و بكلٍ قال بعض (روح) عامر شعبی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کو خبر پہنچی تھی کہ مشرکین کی مدد کے لیے کرز بن جابر محاربی آ رہا ہے، اس ذکر کو مسلمانوں کے دل سے دور اور انہیں ڈھارس بندھانے کے لیے ان سے کہہ گیا کہ تمہاری کمک پر بھی تو فرشتوں کے جھنڈ موجود ہیں، لیکن اُدھر نہ کرز مع اپنی جماعت کے آیا اور نہ اِدھر فرشتوں کو قتال کی ضرورت پڑی۔ فبلغت الكرز الهزيمة فرجع ولم يمدهم بالخمسة (ابن جریر) فبلغ كرز او اصحابه الهزيمة فلم يمدهم و لم تنزل الخمسة (ابن جریر) ف۲۵۹ (نہ کہ فرشتوں، یا اور کسی مخلوق کی طرف سے) یہ گویا صاف طور پر بتا دیا کہ حقیقۃً متصرف ذات باری تعالیٰ ہے، فرشتے ہوں یا کوئی اور، کسی کا بھی ذریعہ امداد ہونا سبب ظاہری کے درجہ سے زیادہ نہیں، ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ ضمناً اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اسلام کی کامیابی، اور محمدی حقیقۃً تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ میں ضمیر اسی وعدہ امداد ملائکہ کی جانب ہے۔ الهاء للوعد او الامداد (قرطبی) ای الامداد (روح) اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ

آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں، (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے، خواہ

يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

انہیں عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں ف۲۶۱ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

عذاب دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۲۶۲ اے ایمان والو

آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا

سود کئی کئی حصے بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے

اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، ف۲۶۳ اور اس آگ سے ڈرو جو

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ

کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ف۲۶۴ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے ف۲۶۵ اور مغفرت کی طرف

مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، دوڑو اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں ف۲۶۶

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ

اور جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، ف۲۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخت اور تنگی (دونوں) میں

قُلُوبُكُمْ بِهٖ۔ یعنی یہ تو فتح و نصرت کا صرف مقدمہ تھا۔ وَمَا النَّصْرُ۔ سے مراد نصرت حقیقی و واقعی ہے۔ الْعَزِيزِ۔ اس پر قادر کہ جب اور جیسے بلا اسباب ظاہر، بلکہ خلاف اسباب ظاہر فتح دلا دے اور کامیاب کرا دے۔ الْحَكِيمِ۔ عام فطرت بشری کی رعایت سے اسباب ظاہری کا جمع کر دینے والا۔ ف۲۶۰ ذکر ابھی غزوۂ بدر کا چل رہا ہے، اور اشارات و تصریحات اسی کی جانب ہیں۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا۔ قطع یہاں ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور ل کا تعلق نصرکم (آیت ماقبل) سے ہے۔ و نظم الاٰية ولقد نصركم الله ببدر ليقطع (قرطبی) ای ليهلك جماعة (راغب) ليهلك طائفة منهم (کشاف) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی کافروں کو تمہارے ہاتھوں تباہ و ہلاک کرا دے جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر ہوا، کہ قریش کے لیڈروں میں سے ستر کی تعداد میں اس روز قتل ہوئے اور اسی قدر قید بھی۔ يَكْبِتَهُمْ۔ یعنی دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا۔ ف۲۶۱ (اور اس لیے فوری عذاب کے مستحق) روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددعا کی تھی، اس پر آیت نازل ہوئی۔ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے، اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ مکہ کے کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔ يُعَذِّبَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں عذاب دے دے۔ ف۲۶۲ (سو معاملہ مغفرت و رحمت کرنے کے لیے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت ہی نہیں) يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ۔ اور یہ مغفرت اس کے عام قانون رحمت کے مطابق ہوگی۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ۔ اور یہ عذاب اس کے خاص قانون حکمت کے ماتحت ہوگا۔ اللہ کی ملکیت آسمان و زمین پر حاشیے سورۂ بقرہ میں گزر چکے۔ ف۲۶۳ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ تقویٰ اور فلاح میں یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکام تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ۔ لعل کے لفظی معنی "عجب نہیں" کے ہیں۔ لیکن اُوپر گزر چکا ہے کہ لعل جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ترجمہ "تاکہ" سے صحیح ہوتا ہے۔ قال اهل التفسير ان لعل و عسى من الله للتحقيق (مدارک) لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا۔ یعنی سودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو، حرمت سود پر حاشیے پارۂ سوم میں ختم سورۂ بقرہ کے قریب گزر چکے۔ أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً، سود کم بخت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ آیت میں سود کے اسی دوگنے چوگنے ہو جانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مراد نہیں کہ سود مرکب نہ لو اور سود مفرد لے سکتے ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقۂ مرجئہ کا رد نکل رہا ہے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں، اور نہ مومن کے لیے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے، فيه رد على المرجئة في قولهم لا يضر مع الايمان ذنب ولا يعذب بالنار اصلاً (مدارک) ف۲۶۴ یعنی وہ جہنم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کے لیے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو ان کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔ اکثر ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو سودخواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لیے حدود کفر میں داخل تھے۔ قال كثير من المفسرين و هذا الوعيد لمن استحل الربوٰا و من استحل الربوٰا فانه يكفر (قرطبی) و قال ابن عباس هذا تهديد للمؤمنين لئلا يستحلوا الربوٰا (بحر) و قال الزجاج والمعنى، اتقوا ان تحلوا ما حرم الله فتكفروا (بحر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے، کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے، جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے۔ كان ابو حنيفة يقول هي اخوف اٰية في القراٰن حيث اوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكفرين ان لم يتقوه في اجتناب محارمه (مدارک) ف۲۶۵ (دنیا اور آخرت، دونوں میں) لعل پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَأَطِيعُوا۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوش دلی کے ساتھ کرو۔ ف۲۶۶ (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ وَجَنَّةٍ

وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ
خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر
النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴ وَالَّذِيْنَ
کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے و۲۶۸ اور یہ وہ لوگ ہیں
اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا
کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ
یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں و۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا
کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کیے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے
وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ
درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں و۲۷۰ ایسے لوگوں کی جزا اُن کے پروردگار کی طرف سے
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
بخشش ہے اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶ قَدْ
ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے۔ اور کام کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا معاوضہ ہے و۲۷۱ یقینا
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
تم سے قبل (مختلف) طریقے گزر چکے ہیں، سو تم روئے زمین پر چلو پھرو
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ هٰذَا
اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے و۲۷۲ یہ ایک

ذٰ بِلّٰهِ۔ ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزل مقصود یہی مغفرت پروردگار ہونا چاہیے۔ و۲۶۷ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں، محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنت کو حاصل کر کے رہیں جو رضاء الٰہی کا محل اور ظہور رحمت کامل کا مقام ہے۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے، اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور عدم گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنت کی بجنسہٖ پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے، عربی محاورہ میں انتہاء وسعت کے اظہار کا یہی پیرایہ ادا ہے۔ كناية عن غاية السعة بما هو في تصور السامعين (روح) المقصود في وصف سعة الجنة و ذلك لانه لاشئ عندنا اعرض منهما (کبیر) قال القفال ليس المراد ههنا ما هو خلاف الطول بل هو عبارة عن السعة (کبیر) و۲۶۸ آرنلڈ وغیرہ فرنگی فضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تند خو، جنگجو، جدل پیشہ قوم کے سامنے علم وضبط، صلح و آشتی کے ایسے معیار پیش کرنا، اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک اعجاز ہے۔ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی راہ حق میں، دین کی خدمات میں خرچ کرتے رہتے ہیں، مطلق خرچ کرتے رہنا، چاہے کیسے ہی بیہودہ مقاصد کے لیے ہو، ظاہر ہے کہ شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین اور اُمت کی مالی ضرورتوں سے متعلق خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خوش حال ہوئے تو مسرفانہ عیش پرستیوں میں پڑ کر نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا یا تنگدست ہوئے تو ناشکری میں آکر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ كظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو، تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے، بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اُسے زیر کر لیتے ہیں، اور اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقدی الغيظ ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہیں ہو، بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے، اور عقل جذبات کے اُوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارت طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں، مقصود اسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہے، غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں، نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لیے صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ من كظم غضبا وهو يقدر على انفاذه ملأ الله قلبه امنا و ايمانا۔ (قدرت نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے جائے اللہ اس کا قلب امن و ایمان سے لبریز کر دے گا۔ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے قصوروں، اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں، یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطا وار سے انتقام نہیں لیتے، بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں، یہ درجہ کاظمین الغيظ سے بلند تر ہے، وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی، تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ الْمُحْسِنِيْنَ محسنین کا درجہ کاظمین و عافین دونوں سے بلند تر ہے۔ یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے اکثر تدریج کو پیش نظر رکھا ہے، اور اس کی بہترین مثال یہ آیت ہے، تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ محدث بیہقی نے سیدنا حضرت علی بن حسین علیہما السلام سے متعلق روایت نقل کی ہے کہ آپ کو ایک جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ پر گرا۔ غصہ آنا امر طبعی تھا۔ جاریہ نے فوراً الفاظ قرآنی وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ اپنی زبان سے ادا کیے۔ آپ کا غصہ دُور ہو گیا، پھر جاریہ نے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھا، آپ نے فرمایا "میں نے معاف کر دیا" اب جاریہ کی زبان پر وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آیا، آپ نے فرمایا "جا میں نے تجھے آزاد کر دیا" (روح)۔ رسول اسلام ﷺ کی زندگی تو خیر من و عن، قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی ہی۔ رسول ﷺ سے متعلق قرب و قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوس قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ و۲۶۹ (قاعدہ شرعی کے مطابق) فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشة کا اطلاق ہر گناہ کے لیے عام ہے، یہاں مراد وہ برائی ہے جو کسی دوسرے کے ساتھ کی جائے یعنی کسی حق عبد کی ادائی میں کوتاہی ہو جائے۔ الفاحشة مطلق على كل معصية (قرطبی) اصل الفحش مجاوزة الحد في السوء (روح) الفاحشة الذنب الذي فيه ..... (بحر) اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یعنی حقوق اللہ کا اتلاف اگر ان سے ہو جائے۔ ولعل الفاحشة مايتعدى و ظلم النفس ما ليس كذلك (بیضاوی) ظلم النفس ما بين العبد و بين ربه (بحر) ذَكَرُوا اللّٰهَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نافرمانیاں ان سے پورے قصد و عمد کے بعد خباثت نفس کی بنا پر سرزد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ احکام الٰہی کا ذہول اُن کے ذہن سے وقتی طور پر ہو جاتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گاہ گاہ لغزشوں کا صادر ہوتے رہنا قرب و تعلق مع اللہ کے منافی نہیں۔ اصل اور مقدم شے ہر غلطی اور کوتاہی کی تلافی اور تدارک کی فکر اور اس کی مناسب تدبیر ہے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ استغفار صحیح و معتبر وہی ہے جو محض زبان سے نہیں دل کی حسرت و ندامت کے ساتھ، اور اس عزم کے ساتھ ہو کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہیں ہونے پائے گا ورنہ اگر ہاتھ میں تسبیح چل رہی ہے اور دل بدستور گناہوں سے لذت لے رہا ہے تو اکابر نے کہا ہے کہ یہ استغفار خود قابل استغفار ہے اور عجب نہیں کہ ایسے استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے الاستغفار المطلوب هو الذي يحل عقد الاصرار و يثبت معناه في الجنان لا التلفظ باللسان (قرطبی) روى عن الحسن البصري انه

قال استغفارنا يحتاج الى استغفار (قرطبی) هذا يقوله في زمانه فكيف في زماننا هذا الذي يرى فيه الانسان قائما على الظلم حريصا عليه لا يقلع والسبحة في يده زاعما انه يستغفر الله من ذنبه ...... واستخفاف (قرطبی) ۲۷۰ (یعنی اپنی کسی غلطی پر جان بوجھ کر ہرگز جمے نہیں رہتے) وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ گناہوں کی معافی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ ان کے نائبوں کے اختیار میں ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل: ”جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، میں تمہیں بھیجتا ہوں، اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا کہ روح القدس کو لو، جن کے گناہ تم بخشو، ان کے بخشے گئے ہیں اور جن کے گناہ تم قائم رکھو، ان کے قائم رکھے گئے ہیں“۔ (یوحنا۔ ۲۰: ۲۱۔ ۲۳) يَعْلَمُوْنَ ۔ ای يعلمون قبح فعلهم (روح) والمراد لم يصروا عالمين (روح) ۲۷۱ اُولٰٓئِكَ کا اشارہ صاف انہی لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے، غلطیاں، خطائیں، لغزشیں بھی ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں، اور ساتھ ہی وہ ان کی تلافی اور تدارک بھی کرتے رہتے ہیں، انہی کے لیے یہ جنت کی نعمتیں بیان ہو رہی ہیں، عٰمِلِيْنَ ۔ لفظی معنی عمل کرنے والے کے ہیں۔ محاورۂ قرآنی میں اس سے مراد عمل صالح کرنے والے ہیں۔ ۲۷۲ سُنَنٌ یعنی مختلف طور طریقہ اور ان طور طریقوں پر عمل کرنے والے مختلف مسلکوں

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

اعلان ہے (سارے) لوگوں کے لیے اور ڈرنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے ۲۷۳

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے ۲۷۴

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے ۲۷۵ اور ہم ان ایام کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں ۲۷۶ تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنانا تھا اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ۲۷۷

وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے ۲۷۸

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

شاید تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا ۲۷۹

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے قبل اس کے کہ

اور مشربوں کے لوگ، مشرک و کافر بھی، موحد و مومن بھی۔ قال الزجاج والمعنى اهل سنن فحذف المضاف (قرطبی) ساری گزشتہ امتوں اور قوموں کی طرف جامع اشارہ ان الفاظ میں آگیا۔ اور سنة کے معنی خود امة کے بھی کیے گئے ہیں، اس لیے سنن۔ امم کا مرادف ہوگا۔ السنة الامة والسنن الامم (قرطبی) و قال المفضل ان المراد بها الامم و قد جاءت السنة بمعنى الامة في كلامهم (روح) سِيْرُوْا ۔ فَانْظُرُوْا ۔ دونوں صیغہ امر کے ہیں۔ لیکن مقصود سیاحت نہیں بلکہ سرکش جاہل قوموں سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو۔ سیاحت سے، تاریخ سے، وقس علیٰ ہذا۔ ليس المراد الامر بذالك لا محالة بل المقصود تعرف احوالهم فان حصلت هذه المعرفة بغير السير في الارض كان المقصود حاصلاً (کبیر) تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطۂ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی دین حق کی جھٹلانے والی قوموں اور امتوں کا۔ ۲۷۳ مطلب یہ ہوا کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دنیا کے لیے لیکن اس سے نفع وہی لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خوف خدا موجود ہوگا۔ هٰذَا ۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ يعني القرآن عن الحسن وغيره (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جريج والربيع الاشارة الى القران (بحر) اي هذا القران (معالم) بعض نے وہ امر و نہی، وعدہ و وعید مراد لیے ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں۔ يعني يقول هذا ما تقدم بين امره و نهيه و وعده و وعيده (کبیر) الاشارة الى ما لخص من امر الكفار والمتقين والتائبين (روح) اي القران او ما تقدم من الكتب (مدارک) ۲۷۴ (اے ایمان والو) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ وعدۂ غلبہ کے لیے شرط ایمان پر ثبات کی لگی ہوئی ہے۔ یہ خوب خیال رہے۔ اَلْاَعْلَوْنَ ۔ یہ علو و غلبہ کا وعدہ ہر قسم کے علو و غلبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، گو بیان پر نظر کر کے غلبہ مادی ہی اغلب ہے۔ يعني الغالبين على الاعداء (قرطبی) ۲۷۵ (تو تمہاری کسی افتاد سے ان مخالفوں کو کیا تسلی ہو سکتی ہے، انہیں تو ایسی ہی افتاد پیش آچکی ہے) اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ ۔ اشارہ ہے ہونے والی جنگ احد کی طرف۔ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف، اس میں قریش کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ ۲۷۶ (مصالح تکوینی کے اعتبار سے) سو مجرد فتح و شکست کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھا جائے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ یعنی فتح و ظفر کا زمانہ۔ والمراد بالايام اوقات الظفر و الغلبة (کشاف) ۲۷۷ (سو ظالموں کے برسر حق ہونے کا تو گمان بھی نہ کیا جائے، خواہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں عارضی اور ہنگامی کامیابیاں کیسی ہی حاصل ہو جائیں) لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی مومنین کا ایمان عالم آشکار ہو جائے، ان کے اعمال ایثار اور جانبازی کی بنا پر۔ وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۔ شہادت راہ حق، معلوم ہے کہ شریعت اسلامی میں روحانی ترقی کی معراج اور قرب الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ۲۷۸ (انہیں اسی عارضی کامیابی پر اور زیادہ مغرور کر کے) ذکر اسی غزوۂ احد کا چل رہا ہے، ایک فرنگی مورخ نے حال میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ گو قریش احد میں فتحمند ہوئے لیکن یہی عارضی فتح مندی ان کے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اہل ایمان کو ابتلاء جب بھی پیش آتا ہے تو دفع سیئات کے لیے ہوتا ہے اور یا رفع درجات کے لیے ۲۷۹ (ان کے اعمال کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کے علم سرمدی میں جو کچھ بھی ہے، اشخاص کا استحقاق تو جنت میں کسی درجہ کے لیے بھی اس مادی دنیا میں اعمال کے بعد ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی لیے ترجمہ میں مفہوم ”شاید“ سے ادا کیا گیا ہے۔ ام بمعنى بل (قرطبی) ام اي بل (جلالین) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی جنت میں امتیاز خاص کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ خطاب یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصول جنت ہی کے مشتاق نہ تھے بلکہ اس کے اعلیٰ درجوں اور مرتبوں کا بھی حوصلہ اور ظرف رکھتے تھے اور ان مدارج کے لیے جہاد کی کڑی کڑی منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔

وف۲۸۰ (پھر اب اس سے خوف و ہراس کیوں ہے؟) خطاب صحابہؓ کی ایک جماعت سے ہے۔ الخطاب للمومنين و ظاهره العموم والمراد الخصوص (بحر) خوطب به الذين لم يشهدوا بدرًا (مدارک) الخطاب للذين لم يشهدوا بدرًا و تمنوا ان يشهد وامع رسول الله ﷺ (بیضاوی) معرکہ بدر میں مسلمانوں کی غیر متوقع بلکہ خلاف توقع کامیابی سن کر بعض اشخاص کو خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہے ہم اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ اب کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا پیش آئے تو ہم بھی اپنی جانوں کی بازیاں لگا لگا کر شہداء بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔ یہاں انہی کو جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی۔ سو اب اتنی پست ہمتی کا اظہار کیوں ہو رہا ہے! وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ و یہاں حتی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے یعنی جب تک ان کا صبر نہ ثابت ہو جائے۔ الواو هنا بمعنى حتى قاله الزجاج (قرطبی) اى حتى يعلم صبرهم (قرطبی) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (یعنی اس معرکہ احد کے وقوع سے قبل) تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ موت سے مراد سبب موت۔ ذریعۂ موت یعنی جہاد و قتال ہے یا خود موت شہادت الموت اى سبب الموت (معالم) اى الحرب فانها من اسباب الموت او الموت بالشهادة (بیضاوی) رَاَيْتُمُوْهُ ضمیر موت یا سبب موت کی جانب ہے۔ یعنی الموت (ابن کثیر) یعنی اسباب الموت (معالم) وف۲۸۱ (اور اس سے فنا پذیر بھی ہیں۔ کوئی خدا یا جزء خدا یا مظہر خدا تو ہیں نہیں جو قانون حیات و ممات سے بالاتر ہوں) مُحَمَّدٌ۔ اسم مبارک قرآن میں پہلی بار آیا ہے۔ لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ يقال فلان محمد اذا كثرت خصاله المحمودة (راغب) اسم علم ہے ہمارے رسول ﷺ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المحبر صفحہ ۱۳۰) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ ان کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔ كان سفيان الى الشام لنزل على راهب فاعجبه فصاحته و عقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الى مضر فقال له اما انه يبعث فى العرب نبى يقال له محمد فسمى سفيان ابنه محمدًا تاج العروس اور لسان العرب میں بھی یہی سات نام نقل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا۔ اور تصریحات اس قسم کی ملتی ہیں کہ لم يكن شائعًا بين العرب هذا الاسم اور تاج میں بھی اسی سے ملتا جلتا قول موجود ہے۔ راقم آثم کے ایک قدیم اور جواں مرگ دوست مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کا ایک مستقل مقالہ اسم پاک محمد ﷺ پر ہے۔ ان کی یادگار کے طور پر اور ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر اس مقالہ کا بیشتر حصہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے شامل کیا جاتا ہے۔ وف۲۸۲ (اور ان سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہا، سو یہ بھی اپنے وقت موعود پر وفات پائیں گے اور اس میں نہ کوئی بات حیرت کی ہوگی اور نہ کوئی پہلو آپ کی اہانت کا نکلے گا) رسول کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے۔ رسول محض عبد ہوتے ہیں صاحب وحی۔ عقیدۂ حلول، مظہریت، الٰہیت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لیے مرتبۂ رسالت اور رسولیت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔ حضور ﷺ کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باوقار عالی ظرف بھی صبر و ضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے، جس اس وقت ایک ان سے بھی برتر شخصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی اس آیت کی برمحل تلاوت کرکے ان کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔ وف۲۸۳ (کفر اور بے دینی کی طرف) مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دین کی حقیقت تمہاری نظر میں ثابت ہو چکی، تو اب قاصد یا پیغامبر کی زیست یا وفات کا اس حقیقت و صداقت پر کیا اثر! غزوۂ احد میں جب حضور ﷺ کو زخم پہنچا اور کسی شیطان نے یہ افواہ اڑا دی کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو بعض صحابہ نے اس انتہائی صدمہ انگیز خبر سے بددل اور شکستہ خاطر ہو کر میدان جنگ چھوڑنا شروع کر دیا تھا اور منافقین کی وقتی طور پر بن آئی تھی۔ انہوں نے برابر کفر کرنا

تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا

اس کے سامنے آؤ، سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا وف۲۸۰ اور

مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

محمد تو بس ایک رسول ہی ہیں وف۲۸۱ ان کے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں وف۲۸۲

اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ

سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے وف۲۸۳ اور جو

يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کوئی بھی الٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا وف۲۸۴

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

اور اللہ عنقریب شکرگزاروں کو بدلہ دے گا وف۲۸۵ اور ممکن نہیں کسی کے لیے

اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ

کہ وہ ایک میعاد مقرر پر حکم خدا کے بغیر مر جائے وف۲۸۶ اور جو کوئی

يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

چاہتا ہے تو اسے اس آخرت کا حصہ دے دیں گے اور عنقریب ہم شکرگزاروں کو بدلہ دے دیں گے وف۲۸۷

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ

اور کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں وف۲۸۸

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

سو جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا

اور ارتداد کی ترغیب دینی شروع کر دی تھی۔ آیت میں ان سب پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ۔ اشارہ طبعی اسباب سے آنے والی موت کی طرف ہے۔ اَوْ قُتِلَ اشارہ معرکہ جنگ وغیرہ میں شہادت کی طرف ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ محاورہ میں کنایہ ہے ارتداد سے۔ جنگ سے فرار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مجاز من الارتداد او الانهزام (مدارک) وف۲۸۴ (بلکہ اس کا وبال خود اپنے ہی سر لائے گا) جاہلی مذہبوں میں دیوتاؤں اور پجاریوں کے درمیان ایک طرح کی مساوات ہمیشہ رہتی ہے۔ یعنی معبود بھی اپنی پرستش و عدم پرستش سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن نے بار بار اسی جاہلی ذہنیت پر ضرب لگائی ہے وف۲۸۵ شاکرین۔ یہ شکر یہ (کافر) کے مقابلہ میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عنقریب جزائے خیر ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی اصلی اور بڑی نعمت دین حق کا شکریہ اس کے قبول و اختیار کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ الشاكرين على نعمة الاسلام بالثبات عليه (بیضاوی) وف۲۸۶ (اور اس میعاد مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں پھر آخر شرکت جنگ میں انقباض و خوف سے کیا حاصل؟) موت جب بھی آئے گی حکم خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون نہیں آ سکتی۔ اور پھر جب آئے گی وقت موعود میں آئے گی اس کے قبل نہیں آ سکتی۔ خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حد اعتدال پر قائم رہے۔ وف۲۸۷ (جنہوں نے نعمت الٰہی کا شکر یوں ادا کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چرایا) پہلی

آیت میں شاکرین سے وہ لوگ مراد تھے جنہوں نے دین حق کو قبول کیا اور اعمال نیک پر قائم رہے۔ یہاں شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اعمال میں آخرت کی نیت کیے ہوئے جہاد میں شریک

وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ف۲۸۹

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے باب میں ہماری زیادتی کو بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ف۲۹۰

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

سو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا بھی عمدہ عوض اور اللہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ف۲۹۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پچھلے پیروں واپس کر دیں گے اور تم گھاٹے میں آ کر رہ جاؤ گے ف۲۹۲

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

البتہ تمہارا دوست اللہ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے ف۲۹۳

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا جس کے لیے کوئی دلیل (اللہ نے)

ہوئے۔ الذین شکروا نعمة اللہ فلم یشغلهم شیء عن الجهاد (بیضاوی) وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ دنیا کا نفع چاہنا مطلق صورت میں ممنوع نہیں ہے۔ یہاں مراد اس نفع سے ہے جو خالص دنیا ہی کے لیے ہو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ ہی نہ ہو۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا سے مراد ہے کہ مقصود یہی دنیا ہو اور فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً سے مراد ہے کہ بھلائی حاصل ہو اور اس کا محل حصول یہ دنیا ہی ہو۔ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہوئی تو اس کی یہ آرزو پوری کر دیں گے اور آخرت سے محروم کر کے نہ سہی بقدر کا قدر معاوضہ دے دیں گے۔ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یہ ثواب آخرت جو ہے اللہ کی طرف وعدہ اور ذمہ ہے اس نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور قبل کے نُؤْتِهٖ مِنْهَا کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ف۲۸۸ (راہ حق میں جہاد فی سبیل اللہ میں) یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سنت انبیاء قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہرووں کو برابر ان منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ رِبِّيُّوْنَ۔ ربی ربانی کے مرادف ہے اور اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔ ای ربانیون (کشاف) اخرج سعید بن منصور عن الحسن الهم العلماء الفقهاء و اخرجه ابن جبیر عن ابن عباس ایضا فهو منسوب الی الرب (روح) كَاَيِّنْ کم کے مرادف ہے یعنی بہت سے کتنے ہی۔ كاین بمعنی کم (قرطبی) صارت بمعنی کم (بیضاوی) ف۲۸۹ (اور دنیا اور آخرت میں اس کا درجہ اور مرتبہ بڑھتا رہتا ہے) فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں۔ وَ مَا ضَعُفُوْا یعنی ہراس و دہشت کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیا۔ وَ مَا اسْتَكَانُوْا یعنی کفر و اہل کفر کے سارے ساز و سامان و شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ وَهَنُوْا۔ ضَعُفُوْا۔ اسْتَكَانُوْا تینوں متقارب المعنی الفاظ کے درمیان فرق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نقل کیا ہے کہ وهن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بدحواسی کو۔ اور ضعف مطلق ہے، اس کا تعلق جسمانی قوت و مادی قدرت سے زیادہ ہے اور استکانۃ اظہار عجز کو کہتے ہیں۔ ف۲۹۰ وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اس سے اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں کے عمل میں تو لغزش کیا ہوتی، زبان تک بھی ان کی کلمات تحمید و تمجید اور اعتراف عجز و قصور کے لیے وقف رہتی ذُنُوْبَنَا۔ اِسْرَافَنَا۔ ذنوب سے یہاں مراد صغائر سے لی گئی ہے اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ذنوبنا یعنی الصغائر و اسرافنا یعنی الکبائر (قرطبی) ابن فورک نے کہا ہے کہ اس سے قدریہ کا رد بھی نکل رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ افعال عبد کا خالق نہیں ہے (بحر) ف۲۹۱ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب بنایا اور آخر میں نکوکاری کی بشارت اللہ کی محبوبیت کی صورت میں دی ... دنیا اور آخرت کے سارے انعامات سے بڑھ چڑھ کر۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا یعنی فتح و ظفر۔ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں۔ ف۲۹۲ سو کافروں کی ہم خیالی، ہم مذاقی سے بچو۔ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ یعنی تمہیں الٹے پاؤں ارتداد اور بے دینی کی طرف دھکیل لے جائیں گے۔ ف۲۹۳ (سو اس کے ہوتے ہوئے تم نصرت و اعانت کے لیے مخلوق پر کیوں نظر رکھتے ہو؟) اَللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ۔ تمہارا دوست و محافظ ہے۔ سو وہی تمہیں بچائے گا۔

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیسی بری جگہ ظالموں کے لیے ہے وف۲۹۴

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ

اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ (نصرت) جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ

کر رہے تھے وف۲۹۵ یہاں تک کہ جب تم (خود ہی) کمزور پڑ گئے اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے وف۲۹۶

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے وف۲۹۷ اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ

چاہتے تھے وف۲۹۸ پھر اللہ نے تم کو ان سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری (پوری) آزمائش کرے، وف۲۹۹ اور اللہ نے یقیناً

عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تم سے درگزر کی، وف۳۰۰ اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے وف۳۰۱ سو (اللہ نے) تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں وف۳۰۲

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ

تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے۔

وف۲۹۴ (یعنی ان کے لیے جو خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں) مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی شرک کی تائید میں نہ کوئی عقلی ہی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ دشمنان دین کے دلوں میں القاء رعب یا ہیبت حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ احد جب آخری فتح بہ ظاہر مشرکین مکہ کو ہوگئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے۔ فاصداب رو ہی کتنا گیا تھا...... لیکن اس کی ہمت انہیں کسی طرح نہ پڑی اور الٹے انہیں واپس ہی جاتے بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود "شکست خوردہ" مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالار لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد تک کیا، یہاں تین دن تک ان کا کیمپ رہا اور لگے ہاتھوں غنیم کا ایک آدمی بھی گرفتار کرتے لائے۔ قال ابن اسحاق فخرج رسول الله ﷺ حتى انتهى الى حمراء الاسد و هي من المدينة على ثمانية اميال فاقام بها الاثنين و الثلاثاء و الاربعاء (ابن ہشام) اور یہ اہم جنگی کارروائی اس غدائی سپہ دار اعظم نے کی ہی اس غرض سے کہ مشرکین مکہ پر پورا رعب پڑ جائے اور ان کا یہ وہم و گمان مٹ کر رہے کہ مسلمانوں نے ہار مان لی ہے۔ و انما خرج رسول الله ﷺ ترهيبا للعدو و ليبلغهم انه خرج في طلبهم ليظنوا به قوة و ان الذين اصابهم من عدوهم (ابن ہشام) بِمَآ اَشْرَكُوْا میں ب تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی یہ رعب ان کے شرک کی بنا پر ڈالا گیا۔ اي كان سبب القاء الرعب في قلوبهم اشراكهم (قرطبی) الباء للسبب اي بسبب اشراكهم بالله الهة (بحر) وف۲۹۵ (غزوۂ احد کے اندر) پوری آیت میں بیان غزوۂ احد کے مختلف پہلوؤں کا ہے۔ یہاں ذکر اس وقت کا ہے جب تک مسلمان ابتداء معرکہ میں اطاعت احکام رسول ﷺ پر قائم تھے۔ تَحُسُّوْنَهُمْ سے اشارہ دشمنان دین مشرکین مکہ ہیں۔ حس کے معنی قتل کے ہیں۔ مُعَبَّرٌ بِهٖ عن القتل (راغب) اي تقتلونهم قتلا ذريعا (کشاف) قال ابو عبيده الحس الاستئصال بالقتل (قرطبی) بِاِذْنِهٖ میں اذن سے مراد اللہ کا حکم تکوینی ہے۔ اي بعلمه او بقضاءه و امره (قرطبی) بتيسيره و توفيقه (روح) اي بارادته (جلالین) وف۲۹۶ یعنی اپنی فتح اور غنیم کی شکست جس کا مشاہدہ تم برای العین کر رہے تھے۔ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ یعنی فتح و فیروز مندی کی کیفیت اس وقت تک قائم رہی، جب تک تم اپنی استقامت میں کمزور نہ پڑ گئے۔ اس وقت تم اپنی رائے میں مذبذب ہوگئے اور تیر اندازوں کے دستہ نے خود رائی سے کام لے کر اطاعت رسول ﷺ کی پروا نہ کی۔ معرکۂ احد میں جنگ شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کے مقدس اور نہایت درجہ بالغ نظر سالار لشکر نے امکانات نقشۂ جنگ کا بالکل صحیح اندازہ کر کے ایک گھاٹی میں ایک بلند ٹیکری پر ۵۰ چیدہ و ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور احکام دے دیئے تھے کہ اس مورچہ سے کسی حال میں نہ ٹلنا یہاں تک کہ اگر ہم شکست کھا جائیں، جب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ بلکہ اپنے عقب کا خیال رکھنا جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں نے پورے جوش شجاعت کے ساتھ یلغار کی۔ مشرکین کا لشکر باایں فراوانی اور باایں سروسامانی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا اور اس کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمان اور آگے بڑھے اور بدر کا جوش و خروش تازہ ہو گیا۔ لیکن اب کی افراط جوش میں توازن قائم نہ رہا، ان کا خط ٹوٹ گیا اور صفوف میں ترتیب باقی نہ رہی اور ایک جماعت نے مزید پیش قدمی کر کے غنیم کے خیمے ڈیرے لوٹنے شروع کر دیئے۔ ادھر ٹیکری والے تیر انداز دستہ نے جو یہ دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے اور مال غنیمت لٹنا شروع ہو گیا ہے تو یہ سوچ کر اب یہاں مورچہ پر جمے رہنے کے کیا معنی۔ حکم جس وقت تک کے قیام کے لیے تھا، اس کی تعمیل ہو چکی۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۵۰ میں سے ۴۰ تیر انداز سپاہی اپنی پوزیشن چھوڑ کر نیچے میدان میں دوسروں کے ساتھ غنیمت کی تاخت میں شریک ہو گئے۔ خالد بن ولید جو بعد کو ایمان لائے اور سیف اللہ کہلا کر مسلمانوں کے مشہور جنرل ہوئے، اس وقت تک مشرکوں کے رسالہ کے سردار تھے۔ ان کی دور بین نگاہ موقع کے گھات ہی میں تھی، اپنے سواروں کے ساتھ کاوا کاٹ اسی درہ کی طرف سے دھاوا بول دیا، گنتی کے دس سپاہی کتنی دیر ٹھہر سکتے تھے، جنگ کا پانسہ آناً فاناً پلٹ گیا، اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ سے آ کر چھن گئی، قرآن اپنے معجزانہ رنگ میں اس سارے پس منظر پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ یعنی اپنے قائد اعظم ﷺ کے حکم کے باب میں بحث کرنے لگے کہ آیا اب بھی وہ حکم قائم اور واجب الاتباع ہے، ۵۰ میں سے ۴۰ تاوک افگن سپاہی لوٹ پر ٹوٹ پڑے تھے اور باقی ۱۰ امیر لشکر کے حکم پر آخر تک قائم رہے۔ وَعَصَيْتُمْ یعنی اپنے سالار لشکر اور رسول برحق ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہ حالت ایک استثنائی تھی اور اسی لیے اس پر گرفت بھی اتنی سخت ہوئی ورنہ اسلامی فوجیں عام طور پر تو نظم و ضبط، اطاعت و امتثال (ڈسپلن) کی تصویر ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) وف۲۹۷ (اور اسی لیے غنیمت کی لوٹ میں پڑ گئے) اشارہ انہی ۴۰ جلد باز تیر اندازوں کی طرف ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ لوٹ بھی مبنی و متفرع دشمنان دین کی شکست ہی پر تھی، اس لیے ایسی دنیا طلبی بھی تمام تر مذموم نہیں۔ یہاں برا اسے اس لیے ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت تھی حکم رسول کی، گو وہ بھی اجتہادی تھی۔ وف۲۹۸ یہ وہ دس تیر انداز تھے جو نص نبوی کے تمام تر متبع ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ وف۲۹۹ (ایک عارضی و ہنگامی شکست کے ذریعہ سے) یہ ثبوت ہے صحابہ نبوی پر کمال رحمت کا، یہ عارضی شکست بھی غضب الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوت ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ یعنی جب تم میں عدم ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ف۳۰۳ پھر اس نے اس غم کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً

تمہارے اوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

غلبہ ہو رہا تھا ف۳۰۴ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ اللہ کے بارے میں

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ

خلافِ حقیقت خیالات، جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے ف۳۰۵

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟ ف۳۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارا

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ

اللہ کا ہے ف۳۰۷ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں

لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

کرتے ف۳۰۸ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

نہ مارے جاتے ف۳۰۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی)

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

وہ لوگ تو جن کے لیے قتل مقدر ہو چکا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے ف۳۱۰

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے، اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

ف۳۰۰ (اس لیے اب مؤاخذہ آخرت کا کھٹکا نہیں) کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابہ رسول ﷺ پر بالخصوص شفقت کا کن کن عنوانات سے تسلی دی جا رہی ہے۔ ف۳۰۱ (کہ ادھر آؤ۔ میں ادھر ہوں) یہ بیان ہو رہا ہے مسلمان سپاہ کی بھگدڑ اور شدت بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بے حواسی پھیل جاتی ہے، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کی نہیں سنتا، ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ یعنی جب بھاگتے ہوئے چڑھے جا رہے تھے۔ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علاوہ اپنے دوسرے کمالات وفضائل کے ہمت وشجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے۔ ف۳۰۲ یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسول اللہ ﷺ کو اٹھانا پڑا تھا، تمہیں بھی ایک رنج دے دیا گیا۔ ای اثابکم غما بسبب غم اذقتموه رسول الله ﷺ بعصيانكم له و مخالفتكم امره (روح) ف۳۰۳ (اور اسی باخبری کے مطابق جزا وسزا بھی دے گا) لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعہ شکست میں پوشیدہ تھیں۔ لِكَيْ یعنی تاکہ آئندہ کے لیے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت واستقلال کو کام میں لاؤ۔ ف۳۰۴ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی، دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اس سے تازہ دم ہو گئے۔ تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت کے میسر آ جانے کی قدر کوئی اہل فوج ہی کے دل سے پوچھے۔ ف۳۰۵ (اور مسلمانوں سے حجت اور تکرار کر رہے تھے کہ تم سے جو وعدۂ فتح ونصرت تھا، وہ کیا ہوا؟) مراد منافقین ہیں..... مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے ہوئے تھے، اس لیے خطاب بھی ان سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔ يعني المنافقين (قرطبی) هم المنافقون (بیضاوی) اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اس قسم کا سوچ بچار کر دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوگا، اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بری چیز نہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسول ﷺ کا کوئی خیال تھا۔ ما همهم الا انفسهم و خلاصها لا هم الدين و لا هم رسول الله (مدارک) يَظُنُّوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ ۔ اللہ سے متعلق ان کی بدگمانیاں خلافِ واقعیت وحقیقت تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرتِ حق وتائید بھی نصیب نہ ہوگی۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی ہی قوموں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدۂ تائید ونصرت کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔ ایسے عقائد مشرک قوموں میں عام تھے۔ الْجَاهِلِيَّةِ ۔ جاهلية محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دور شرک ہے، یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ کی ترکیب یوں بھی کی گئی ہے۔ كظن اهل الجاهلية۔ ف۳۰۶ (ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے، کسی نے ہماری نہ سنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی) یہ منافقین اپنی خفت وندامت مٹانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ ف۳۰۷ (اور قضاء الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب وحاکم ہے) خطاب پیغمبر ﷺ سے ہے کہ آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے۔

ف۳۰۸ یعنی اپنا کفر ونفاق۔ اس کو رسول ﷺ اور مومنین سے مخفی رکھنے کا ہی تو خاص اہتمام تھا۔ ف۳۰۹ یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی ہی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور اتنے مقتولین کی۔ ف۳۱۰ مطلب یہ ہوا کہ احکام تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لیے کسی صورت میں ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ظاہری سبب بھی مقتل تک ان کے کھنچ آنے کا ضرور نکل آتا۔

۳۱۱ (شیطانی اور نفسانی میل کچیل سے) لِیُمَحِّصَ تمحیص کے معنی ہیں آمیزشوں سے، کدورتوں سے پاک کرنا۔ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ یعنی تمہارے اخلاص کی آزمائش ہو جائے۔ ۳۱۲ (میدان اُحد میں) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مراد وہی صحابی ہیں جن سے اُحد کے موقع پر کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔ انہی کی تسکین و تسلی کے لیے نیز آئندہ کی تنبیہ و ہدایت کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ۳۱۳ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ آ گیا کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید و جدید معصیت کا۔ یہاں مراد ہے حب حیات اور مال غنیمت کی ہوس۔ وقال بعض العلماء حبهم الغنيمة والحرص على الحياة (بحر) معنى السببية انجرارها اليه لان الذنب يجر الذنب كما ان الطاعة تجر الطاعة (روح) اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ اس میں اس ادب کی تعلیم آ گئی کہ گناہ جو بھی سرزد ہو جائے اس کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں بلکہ شیطان کی جانب دینا چاہیے۔ قال الكعبي الاية تدل على ان المعاصي لا تنتسب الى الله فانه تعالى نسبها في هذه الاية الى الشيطان (کبیر) فالاضافة الى الشيطان لطف و تغريب و التعليل بكسبهم وعظ و تاديب (مدارک) خود کلام مجید میں بھی دوسری آیتیں اسی قسم کی ہیں مثلاً حضرت موسیٰ کی زبان سے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یا حضرت یوسف کی زبان سے مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ یا خادم موسیٰ کی زبان سے وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ ۳۱۴ (ان کے توبہ و استغفار کی بنا پر) یہی مضمون تین آیت قبل بھی بیان ہو چکا ہے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ تکرار سے ان صحابیوں کی مزید تسلی و اطمینان مقصود ہے جو لوگ ان صحابیوں کو اس واقعۂ اُحد کی بنا پر مورد طعن سمجھ رہے ہیں وہ صاف آیات قرآنی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ

اسے صاف کر دے۔ ۳۱۱ اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں ۳۱۲ تو بس

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ

اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی ۳۱۳ اور یقیناً

عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰٓاَيُّهَا

اللہ انہیں معاف کر چکا ہے ۳۱۴ یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ۳۱۵ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا

ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقۃً کفر اختیار کیے ہوئے ہیں ۳۱۶ اور

لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى

اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب کہ وہ لوگ زمین پر سفر کرتے ہیں یا انہیں غزوہ کرنے جاتے ہیں

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ

کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ۳۱۷ (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آئی ہے)

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے ۳۱۸ اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے ۳۱۹

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ

اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے ۳۲۰ اور اگر تم اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے کہیں

ع

۳۱۵ یہاں دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ غَفُوْرٌ ایک صفت غفر کا، اس کا ظہور آخرت میں ہو گا۔ حَلِیْمٌ دوسرے صفت حلم کا، اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے کہ فوراً مواخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ و استغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے۔ ۳۱۶ (لیکن زبان پر دعویٰ اسلام و ایمان کا رکھتے ہیں) مراد منافقین ہیں۔ يعني المنافقين (بیضاوی) هؤلاء المنافقون اصحاب عبدالله بن ابي (ابن جریر عن السدی) لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ہدایت مومنین کو ہو رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین کے مثل نہ ہو جاؤ ان کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔ اس قسم کی باتیں صرف ان ایمان سے محروموں کے شایان ہے۔ نهى تعالى المؤمنين ان يكونوا مثلهم في هذه المقالة الفاسدة (بحر) امام رازی ؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں منافقین پر اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ منافقین کو زبانی دعویٰ اسلام کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوائے اسلام ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک کہ تصدیق قلب بھی شامل نہ ہو۔ فالاية تدل على ان الايمان ليس عبارة من الاقرار باللسان كما تقول الكرامية (کبیر) ۳۱۷ (اور کسی جہاد یا اسلامی سفر پر روانہ نہ ہوتے تو مزے سے زندگی بسر کرتے رہتے اور کسی خطرہ میں نہ پڑتے) لِاِخْوَانِهِمْ میں لِ تبلیغ کا نہیں، اس لیے اس کے معنی "سے" کے نہیں بلکہ تعلیل یا نسبت کا ہے، اس کے معنی "کی بابت" یا "کے باب میں" کے ہوں گے۔ اى لاجل اخوانهم (کشاف) واللام لام السبب اى لاجل اخوانهم وليست لام التبليغ (بحر) اِخْوَانِهِمْ۔ اِخْوَان سے مراد نسبی بھائی یعنی مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اعتقادی بھائی یعنی دوسرے منافقین بھی، ترجیح نسبی بھائیوں یا مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کی موت یا شہادت کی خبر جب منافقین سن پاتے تو اسی طرح کے فقرے کہتے۔ و معنى الاخوة اتفاق الجنس او النسب (کشاف) اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی کسی اسلامی، دینی مقصد سے سفر کو جاتے اور وہیں وفات پا جاتے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى یعنی جہاد پر جاتے اور اسی میں شہید ہو جاتے۔ اِذَا اگرچہ عموماً مستقبل کے لیے ہے، لیکن اِذْ اور اِذَا دونوں کا ایک دوسرے کے بجائے لانا بھی درست ہے۔ قال قطرب كلمة اذ و اذا يجوز اقامة كل واحدة منهما مقام الاخرى والقول هذا الذى قاله قطرب كلام حسن (کبیر) ۳۱۸ یعنی ایسے خیالات دماغ میں موجزن ہونا اور ان کا زبان پر آنا یہ خود ایک وبال ان کی منافقت اور نور ایمان سے محرومی کا ہے۔ دل میں وہ ایقان تو ہوتا ہی نہیں جو تسکین پیدا کرتا ہے، اس لیے ہر امر تکوینی تقدیری سے ان کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اى يجعل ظنهم انهم لو لم يخرجوا ما قتلوا حسرة (قرطبی) ۳۱۹ موت و زندگی دونوں تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب و علت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علت تامہ قرار دینا کیسی شدید جہالت و سفاہت ہے۔ امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن Denison اپنی کتاب Emotion a basis of Civilisation میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "مسلمانوں کی اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں اسے ۷۲ حوریں ملتی ہیں، اور کھانے کے لیے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی۔" (صفحہ ۳۰۹) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو بے اختیار پا رہا ہے۔ ۳۲۰ (سو اگر کہیں خدانخواستہ تم نے منافقین کے طرز خیال و گفتگو کی تقلید کی تو یہ بھی سب اس خدائے دانا و بصیر و ہمہ بین و ہمہ داں کے علم میں آ کر رہے گا)

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ

بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ۳۲۱ اور تم لوگ خواہ مر جاؤ یا مارے جاؤ

لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

ضرور اللہ ہی کے پاس سمیٹے کیے جاؤ گے ۳۲۲ پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے

اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے ۳۲۳ اور اگر آپ تند خو، سخت طبع ہوتے

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے ۳۲۴ سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کرتے رہیے

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے ۳۲۵ لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ

بھروسہ رکھیے ۳۲۶ بیشک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں ۳۲۷ اگر

يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ

اللہ تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا ۳۲۸ اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے

فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى

تو کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہارا ساتھ دے؟ ۳۲۹ اور ایمان والوں کو

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ

تو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ

يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

خیانت کرے ۳۳۰ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کرے گا ۳۳۱

ف۳۲۱ (حظوظ دنیوی میں سے) مطلب یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعود ہی پر آئے گی جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ تو آنہ جائے گی البتہ اگر اس حالت میں وقت ہی پورا ہو گیا تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ مُتُّمْ یعنی چاہے وہ موت طبعی ہی ہو لیکن مشغولی اس وقت اللہ کے کام میں ہو۔ ف۳۲۲ (سو مومن کے لیے تو کوئی خوف و ہراس کی بات ہی نہیں) مُتُّمْ یعنی طبعی موت سے اپنے وطن میں وفات پا گئے۔ قُتِلْتُمْ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے۔ ف۳۲۳ لِنْتَ یعنی ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے جو جنگ احد میں آپ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کی شکست و تفضیح کا سبب بنے تھے، نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکہ جنگ میں خود رائی سے کام لینے والے سپاہیوں کے ساتھ، شفقت و ملاطفت کا معاملہ قائم رکھنا دنیا کی جنگی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ بِمَا میں مَا زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ ترجمہ میں اسی لیے ''ہی'' لایا گیا ہے۔ وما مزيدة للتاكيد و التنبيه (بیضاوی) و ما مزيدة للتاكيد و عليه اجلة المفسرين و به المأثور عن قتادة (روح) صلة فيها معنى التاكيد (قرطبی) والدلالة على ان لينه لهم ما كان الا برحمة من الله (کشاف) ف۳۲۴ حضور انور ﷺ کے حلم و تحمل، نرمی و خوش خوئی، شفقت و ملاطفت کے واقعات سے تو حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کہاں تک گنائے اور یہ حقیقت تو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی ذات کے لیے آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ غیروں (اور غیر ہی کیسے، بعض معاند تک) کے روایتی قول سننے کے قابل ہیں۔ لیمن پول نے کہا ہے:- ''ظلم محمد ﷺ کی سرشت ہی میں نہ تھا''۔ اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے:- ''انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔۔۔ کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ عفو بہت کثرت سے کیا کرتے''۔ اور اسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:- ''پیمبر کا میلان طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا''۔ مفصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لیکن نرمی و ملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکام دین کے اجراء کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ اللين والرفق انما يجوز اذا لم يفض الى اهمال حق من حقوق الله فاما اذا ادى الى ذلك لم يجز (کبیر) ف۳۲۵ (حسب دستور سابق) گویا اسلام کے نظام مشورتی جمہوری میں حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو بھی مسائل ملکی میں رائے زنی سے محروم نہ کیا جائے اور ان سے ووٹ کا حق سلب نہ کیا جائے۔۔۔ کیا حد ہے اس رحمت کی آج دنیا کی بڑی بڑی آزاد جمہوریتیں بھی اس کی مثال پیش کر سکیں گی؟ فَاعْفُ عَنْهُمْ یعنی جہاں تک آپ کے حقوق کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ معاف کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں ان خطا کاروں کو زبانی تہدید بھی نہ فرمائی۔ لم يخاطبهم الرسول ﷺ بالتغليظ والتشديد و انما خاطبهم بالكلام اللين (کبیر) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی جہاں تک حقوق اللہ کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہ کبیرہ اور کیا ہو گا لیکن قرآن مجید نے ان اصحاب نبی ﷺ کے عفو و مغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ ان حضرات سے کبائر بھی معاف ہو گئے تھے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ مشورہ کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشورہ کا حکم جب رسول صاحب وحی کو مل رہا ہے تو دوسروں کے لیے اس کی اہمیت کتنی زائد رہے گی۔ فقہاء و مفسرین نے اس آیت سے اجتہاد اور قیاس شرعی کے جواز کی دلیل پکڑی ہے۔ فيه دلالة جواز الاجتهاد و بيان ان القياس حجة (مدارک) ف۳۲۶ یعنی جب کسی امر میں مشورہ ہو لے تو پس اب تذبذب و تامل کو دخل نہ دیجئے اور بلا تکلف و توقف اللہ کے بھروسہ پر عمل اسی پختہ عزم پر کرنے لگئے۔۔ شخصیت و اجتماعیت، فردیت و شوریت کا یہ کیا حکیمانہ امتزاج ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ اعتماد کی چیز اللہ کی ذات ہے، نہ کہ انسانی مشورے۔ قال قتادة امر الله نبيه ﷺ اذا عزم على شيء ان يمضي و يتوكل على الله لا على مشاورتهم (قرطبی) والمقصود ان لا يكون للعبد اعتماد على شيء الا على الله في جميع الامور (کبیر) ف۳۲۷ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی نظام شرعی سے اس قدر بعد کے بعد بھی مسلمانوں کو صبر و قناعت کی دولت لازوال حاصل ہے اور خودکشی کے فیشن سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ ف۳۲۸ (جیسا کہ معرکہ بدر میں تم نے دیکھ لیا اور وہ ثمرہ طاعت کا تھا) المقصود من الاية الترغيب في الطاعة والتحذير عن المعصية (کبیر) ف۳۲۹ (جیسا کہ معرکہ احد میں تمہیں تجربہ ہو گیا اور وہ ثمرہ خود رائی کا تھا) مِنْ بَعْدِهٖ یعنی اس کی ترک نصرت کے بعد۔ اي من بعد خذلانه (کشاف) آیت سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ ایمان ثمرہ ہوتا ہے اعانت الٰہی کا اور کفر خذلان الٰہی کا۔ احتج الاصحاب بهذه الاية على ان الايمان لا يحصل الا باعانة الله والكفر لا يحصل الا بخذلانه (کبیر) ف۳۳۰ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔ المراد ان النبوة والخيانة لا يجتمعان (کبیر) والمعنى انه لا يمكن ذلك منه لان الغلول معصية والنبي ﷺ معصوم و هذا النفي اشارة الى الله لا ينبغي ان يتوهم فيه ذلك (بحر) آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ رنگ کا جبہ ذخیرہ سے غائب معلوم ہوا۔ اس پر کوئی بول اٹھا کہ رسول ﷺ نے لے لیا ہو گا۔ یہ قول اب اگر کسی منافق کا تھا تو اس بدبخت نے کھلا ہوا حملہ رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر کر دیا اور اگر کسی نو مسلم کی زبان سے نکلا تھا تو وہ یقیناً اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول

کو بغیر اطلاع بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ آیت بر مفروضہ کی تردید کر رہی ہے۔ اور ایسے عمل کو خیانت سے تعبیر کر رہی ہے۔ مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصب عظیم کا

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل

يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ

ظلم نہ ہوگا ف۳۳۲ کیا جو شخص رضاء الٰہی کا تابع ہے ف۳۳۳ وہ بھلا اس جیسا ہو جائے گا

بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

جو غضب الٰہی کا مستحق ہے ف۳۳۴ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری

الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

جگہ ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک (مختلف) طبقوں میں ہوں گے اور اللہ ان کے اعمال کو

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

خوب دیکھنے والا ہے ف۳۳۵ حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف رکھتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

تعلیم دیتا ہے ف۳۳۶ اور بیشک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں

مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ

تھے ف۳۳۷ اور جب تمہیں ایسی بار افتاد پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر)

مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

ڈال چکے تھے ف۳۳۸ تو تم کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی آپ کہہ دیجیے کہ وہ تمہاری ہی

نام ہے اور پیغمبرانہ اخلاق کے معنی کیا ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیغمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی کو کاہن کی قسم کا محض ایک پیشین گوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا۔ آیت سب غلط خیالیوں کی اصلاح کر رہی ہے۔

ف۳۳۱ اتنی بڑی رسوائی اور فضیحت کو پیغمبرانہ تقدس سے کوئی دور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ غلول یا خیانت معصیت کبیرہ ہے۔ قال العلماء الغلول كبيرة من الكبائر (قرطبی) و قد عظم النبی ﷺ امر الغلول حتى اجراه مجرى الكبائر (جصاص) اور یہ بھی کہا ہے کہ حکام کا ہدیہ قبول کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ومن الغلول هدايا العمال و حكمه في الفضيحة في الآخرة حكم الغال (قرطبی)

ف۳۳۲ پیغمبروں کا اعزاز و اکرام قطعی ہے۔ تو کسی نبی کی جانب خیانت جیسے ذلیل جرم کی نسبت کی ہی کیونکر جا سکتی ہے؟ ف۳۳۳ (جیسا کہ ہر نبی لازمی طور پر ہوتا ہے) ف۳۳۴ (جیسے خائن یا اور کوئی مجرم) ف۳۳۵ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے) یعنی یہ سب لوگ رضاء حق پر چلنے والے ہیں۔ اور راہ حق کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ هُمْ دَرَجٰتٌ یہ مختلف طبقہ اللہ کے ہاں محبوبیت اور مغضوبیت کے لحاظ سے ہوں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے هم ذو درجٰت یا لهم درجٰت۔ معنى هم درجٰت۔ اى ذو درجٰت او لهم درجٰت (قرطبی) و تقدير الكلام لهم درجٰت عند الله (کبیر) عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی عدالت میں۔ اى في حكم الله و علمه (کبیر)

ف۳۳۶ اللہ کی بہترین نعمت ہونے کے لحاظ سے بعثت رسول ﷺ کا احسان ہے تو سارے عالم پر۔ مسلمانوں کی تخصیص ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ بعثت سے فائدہ اٹھانے والے یہی لوگ تھے۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی انہی کی جنس میں سے اس میں مومنین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ پیغمبر بھی بس تمہارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اراد به المؤمنين كلهم و معنى من انفسهم انه واحد منهم و بشر مثلهم (قرطبی) رسول ﷺ کی تلاوت آیات، تزکیہ، تقویٰ، تعلیم کتاب و حکمت پر حاشیہ پارۂ اول کی آیت کے ذیل میں گزر چکے۔ ف۳۳۷ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قرآنی دستور العمل اور محمدی ﷺ نمونۂ عمل سے قبل دنیا پر عقائد، معاملات، عبادات، اخلاق ہر اعتبار سے اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور انسانی آبادی صحیح معنی میں فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کی تصویر تھی۔ اِنْ۔ یہاں اِنَّ کا مخفف ہے اور تاکید کے معنی دے رہا ہے۔ ان هي المخففة يعني الثقيلة (کشاف) ف۳۳۸ (اس کے قبل بدر میں) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ یعنی احد میں جب تمہیں شکست ہوئی اور تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے۔ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا یعنی بدر میں جب مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر گرفتار۔ اَوَ میں واو عطف کا ہے اور ا، تقریع استفہام کا۔ الهمزة للتقريع و التقرير و الواو عاطفة (بیضاوی) الالف للاستفهام و الواو للعطف (قرطبی)

أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

طرف سے ہوئی ف۳۳۹ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳۴۰

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ

اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے

اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ

ہوئی، ف۳۴۱ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے اور ان لوگوں کو بھی جان لے

نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ

جنھوں نے منافقت اختیار کی ف۳۴۲ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو

اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ

یا دفعیہ میں جاؤ ف۳۴۳ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے ف۳۴۴

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ

یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے ف۳۴۵

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ

یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ف۳۴۶

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا

اور جو کچھ یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے (خود) بیٹھے رہے، اپنے

لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ

بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے ف۳۴۷ تو نہ مارے جاتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ

فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ

(اچھا تو) اگر تم سچے ہو تو اپنے کو موت سے

ف۳۳۹ یعنی تمہارے اپنے ہاتھوں ہوئی۔ ہمارا وعدۂ فتح و نصرت تمہاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا۔ جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو اب وعدہ کہاں باقی رہا۔ انّی ھٰذا حیرت طبعی میں مسلمان بار بار استعجاب سے کہتے تھے کہ ہم صاحب ایمان بندہ، اللہ کی راہ میں لڑنے والے پھر ہم میں نبی موجود اور مقابل مشرکین اور پھر بھی شکست ہم ہی کو۔ ف۳۴۰ فتح دینے پر بھی قادر اور فتح سے محروم کر دینے پر بھی قادر۔ ف۳۴۱ (اور اللہ کی ہر مشیت اللہ ہی جانتا ہے کتنی حکمتوں اور مصلحتوں کی سرمایہ دار ہوتی ہے) باذن اللہ۔ اذن یہاں مشیت کے معنی میں ہے۔ ای بقضاءہ و قدرہ (قرطبی) المراد من الاذن قضاء اللہ بذلک (کبیر عن ابن عباسؓ) یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ یعنی معرکۂ اُحد میں مکہ کا ایک لشکر ابوسفیان کی کمان میں اور مدینہ کی فوج محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں۔ المراد یوم احد (کبیر) ف۳۴۲ یعنی علانیہ اس کا امتحان ہو جائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون ہے۔ ف۳۴۳ یہ منافقین سے کہا گیا تھا۔ لھم میں ھم کی ضمیر انہی کی طرف ہے۔ ای للمنافقین (مدارک) اَوِ ادْفَعُوا۔ یعنی اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اپنی شمولیت ہی سے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظر میں بڑھائے رہو۔ ای کثروا سواد المسلمین (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) قال السدی و ابن جریج و غیرھما کثروا سوادنا وان لم تقاتلوا معنا (قرطبی) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب منافقین کا تین سو کا گروہ آغاز جنگ میں مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ کو واپس آ رہا تھا۔ ف۳۴۴ (لیکن یہ تو جنگ نہیں صریح خودکشی ہے) ولا یقال لمثلہ قتال ھو القاء بالانفس الی التھلکۃ (کشاف) منافقین کا کہنا یہ تھا کہ دشمن اول تو تعداد میں تم سے چوگنا پھر سر و سامان میں کہیں زائد ایسی حالت میں شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا سارے اصول جنگ کے خلاف، صریح دیوانگی ہے۔ ف۳۴۵ (یعنی ایمان ظاہری و لفظی سے بھی بہت دور ہو گئے اور حقیقی ایمان تو خیر کبھی تھا ہی نہیں) اور کفر سے قریب تر علانیہ بھی ہو گئے۔ یَوْمَئِذٍ یعنی جس روز ایسی باتیں زبان سے نکالیں۔ ف۳۴۶ (چنانچہ ان کا یہ عذر بھی مخلصانہ نہیں) اصل نیت ان منافقین کی کسی حال میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی نہ تھی۔ اور کیوں ہونے لگی تھی جبکہ سرے سے ایمان ہی دلوں میں نہ تھا۔ بِأَفْوَاهِهِمْ۔ بِأَفْوَاهِهِمْ کا اضافہ زور اور تاکید کے لیے ہے جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں "یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔ یا۔ "اپنے کانوں یہ سنا ہے"۔ والتقیید بالافواہ للتاکید (مدارک) ف۳۴۷ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہے) لِإِخْوَانِهِمْ۔ إِخْوَانٌ سے مراد اخوان دینی و اعتقادی نہیں۔ بلکہ اخوان نسبی و وطنی ہیں۔ ذکر منافقین کی زبان سے مسلمان شہداء کا ہو رہا ہے۔ فی النسب لا فی الدین ھم شھداء اُحد (معالم) و ھم اخوۃ نسب مجاورۃ لا اخوۃ الدین (قرطبی) ل۔ واسطہ کا ہے معناہ لاجل اخوانھم (قرطبی) إِخْوَان اور ل دونوں پر حاشیہ اوپر قریب ہی گزر چکا ہے۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ

بچا لینا وف۳۴۸ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

رزق پاتے رہتے ہیں وف۳۴۹ ان (نعمتوں) سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

عطا کی ہیں اور جو لوگ ان کے بعد والوں سے ابھی ان سے نہیں

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

جا ملے ہیں وف۳۵۰ ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

غمگین ہوں گے وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام اور

وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

فضل پر اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا وف۳۵۱

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا وف۳۵۲ بعد اس کے کہ

اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ

انہیں زخم لگ چکا تھا وف۳۵۳ ان میں سے جو نیک اور

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

متقی ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے وف۳۵۴ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا وف۳۵۵

وف۳۴۸ یعنی اگر تمہارا نظریہ یہ ہے کہ موت معرکۂ جنگ ہی میں جانے سے ہوتی ہے تو تم تو بہرحال جنگ سے احتراز کیے ہوئے ہو، دیکھنا ہے کہ موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔ وف۳۴۹ (عالم برزخ میں ایک حیات مخصوص کے ساتھ) وَلَا تَحْسَبَنَّ… اَمْوَاتًا شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ انہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اَحْيَآءٌ…… يُرْزَقُوْنَ یہ حیات اور یہ رزق سب اسی عالم برزخ کے مناسب ہوتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں۔ عندھنا تقتضی غایة القرب (قرطبی) بمعنی القرب والشرف (روح) پارۂ دوم، آیت رکوع ۳ کے حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ وف۳۵۰ (مگر آخرکار شہید ہوکر ان سے جا ملنے والے ہیں) مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس فضل خداوندی کے اندر ہر قسم کی نعمتیں اور سرافرازیاں آگئیں۔ وف۳۵۱ اس حقیقت کا تو انہیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ نعمت یہ کہ اجر انہیں پورا پورا مل رہا ہے۔ ای ثوابا لاعمالهم (بیضاوی) فَضْلٍ فضل یہ کہ انعام و اکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا۔ ای زیادة علیه (بیضاوی) وف۳۵۲ (اور رسول کی اطاعت میں خوش دلی کے ساتھ جنگ کے لیے نکل پڑے) اِسْتَجَابُوْا یہاں اجابوا کے معنی میں ہے اور حروف س و ت اس میں زائد ہیں۔ بمعنی اجابوا والسین والتاء زائدتان (قرطبی) استجاب بمعنی اجاب (کبیر) وف۳۵۳ (جنگ اُحد میں، اور وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا) معرکۂ اُحد میں لشکر اسلام کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس نے اہل مکہ کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ سال ہی بھر بعد ایک بار پھر ابوسفیان قرشی اُموی کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ (ابوجہل، ابولہب، عتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد اب قوم قریش کی سرداری کی باگ ابوسفیان ہی کے ہاتھ میں تھی) دو ہزار پیادہ فوج، مع پچاس سواروں کی جمعیت کے، لیکن دو ہی ایک روز بعد خود ان لوگوں پر کچھ ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ آیات قرآنی میں اشارہ انہی واقعات کی جانب ہے۔ وف۳۵۴ (اور نیک اور متقی تو یہ سب ہی ہیں) مِنْهُمْ جس طرح تبعیض کے لیے آتا ہے، یعنی کل میں سے کسی جزء کے بتانے کو، اسی طرح تبیین یعنی توضیح کے لیے بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے اور اَحْسَنُوْا اور اتَّقَوْا کے لے آنے سے مقصود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا کی ممدوحیت کی علت بھی وہ دو صاف احسان و تقویٰ ہیں۔ و من للبیان والمقصود من ذکر الوصفین المدح والتعلیل لا التقیید لان المستجیبین کلهم محسنون متقون (بیضاوی) قد احسنوا کلهم واتقوا لا بعضهم (مدارک) وف۳۵۵ (اور یہ ابوسفیان کے سکھائے پڑھائے ہوئے اس کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے تھے) تاریخ میں اس پروپیگنڈسٹ جماعت کے لیڈر کا نام نعیم آتا ہے۔ یہ شخص قبیلہ ثقیف کا تھا۔

ربع　ع ۱۷/۸　نصف

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے ف۳۵۶ ان سے ڈرو

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ

لیکن اس نے ان کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین

الْوَكِيلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

کارساز ہے ف۳۵۷ سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے

لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۙ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ

کہ انہیں کوئی ناگواری (ذرا) نہ پیش آئی اور یہ لوگ رضاء الٰہی کے تابع رہے ف۳۵۸

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۷۴﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ

اور اللہ بڑا فضل والا ہے ف۳۵۹ یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں

يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ

کے ذریعہ سے ڈراتا ہے ف۳۶۰ سو تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ

اگر ایمان والے ہو ف۳۶۱ اور آپ کے لیے یہ لوگ جو

يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ

جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں باعث غم نہ بنیں ف۳۶۲ یقیناً یہ لوگ اللہ کو ذرا سا بھی نقصان نہیں

شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي

پہنچا سکتے ف۳۶۳ اللہ کی یہی مشیت ہے، کہ اُن کے لیے آخرت میں ذرا بھی

الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ

حصہ نہ رکھے ف۳۶۴ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یقیناً جن لوگوں نے

ف۳۵۶ (اور تم کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو) ان الناس۔ یہاں ناس سے مراد قوم قریش ہے۔ اس روایت کی نشر و اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے دلوں میں قریش کا رعب بٹھانا اور ان کی طرف سے دہشت پیدا کرنی تھی۔ "حربِ اعصاب" War of Nerves جس طرح آج حربِ اسلحہ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس کا ایک اہم جزء ہے، زمانہ قدیم میں بھی ہوتی رہتی تھی اور ابوسفیان اپنے وقت اور اپنی قوم میں اس فن کا ماہر تھا، اس نے اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں سے مل مل کر انہیں قریش کی عسکری قوت اور حربی عظمت سے ایسا مرعوب کر دیں کہ ان کی ہمت پست پڑ جائے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔ ف۳۵۷ (ہماری حمایت، حفاظت، سب کے لیے) یعنی اس خبر کی اشاعت اور پروپیگنڈا نے بجائے ان میں پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی اور تیز کر دیا اور وہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی پوری قوت کے ساتھ بول اُٹھے کہ غنیم جو چاہے کرے ہمارا کارساز تو اللہ ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ زادھم قول الناس ایمانا (قرطبی) ف۳۵۸ (اور یہی رضاء الٰہی سرچشمہ ہے دُنیوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا) فَانْقَلَبُوْا یعنی مقام بدر تک جا کر مسلمان واپس آئے۔ اہل سیر و تاریخ کی زبان میں یہ واقعہ غزوۂ بدر ثانیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کا زمانہ شعبان سنہ ۴ ہجری کا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:۔ "آپ نے ابوسفیان کے چیلنج کے جواب میں بدر کا قصد فرمایا چنانچہ وہاں پہنچ گئے اور یہاں آپ نے ابوسفیان کا انتظار آٹھ دن تک کیا اور ابوسفیان بھی مکہ والوں کو لے کر روانہ ہوا مگر نواحی ظہران میں پہنچا تو اس کی رائے مکہ واپس چلے آنے کی ہوئی اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے سفر کے لیے تو ایسا موسم مناسب ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا بھی سکو اور دودھ بھی خوب پی سکو اور یہ موسم تو خشکی کا ہے سو میں تو واپس چلا تم بھی واپس چلے چلو چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے"۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللہِ یعنی نعمت مقبولیت اور ترقی ایمان کے ساتھ۔ فَضْلٍ یعنی دُنیوی نفع کے ساتھ بھی۔ مال کی نکاسی خوب ہوئی۔ ف۳۵۹ چنانچہ یہاں اس کا فضل مسلمانوں پر ان صورتوں میں ظاہر ہوا۔ ۱۔ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ۲۔ انہیں معرکہ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ۳۔ وہ ہر قوت دشمن کی شوکت و صولت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ۴۔ مالی و تجارتی دنیوی نفع حاصل ہوئے۔ ۵۔ اجر عظیم کی بشارت ملی۔ ف۳۶۰ شیطان کہیں اپنی اصلی صورت میں سامنے آکر حملہ نہیں کرتا جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی شکل و قالب میں آکر اور یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں، یہاں اس جماعت کا لیڈر نعیم ثقفی تھا۔ اولیاءہ ای باولیاءہ (قرطبی) ف۳۶۱ (کہ اللہ کے خوف کو مخلوق کے خوف پر غالب رکھنا لازمۂ ایمان ہے) لَا تَخَافُوْهُمْ۔ هُمْ۔ سے مراد ہیں شیطان کے دوست یا اللہ کے دشمن۔ ف۳۶۲ یعنی ان لوگوں کے لیے آپ فکر و غم میں نہ پڑیں اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مراد منافقین ہیں۔ اِدھر مسلمانوں کو خفیف سی بھی شکست ہوئی اور اُدھر یہ کھلم کھلا کفر میں جا پڑے۔ اور کافروں کے علانیہ بھی شریک ہو گئے۔ نزلت فی المنافقین (کبیر)

ف۳۶۳ یعنی اللہ کے دین کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آیت سے مقصود پیغمبر علیہ السلام کو تسکین دینا ہے کہ آپ کو بڑی فکر اس کی ہے کہ منافقین کی چالوں سے کہیں اشاعت اسلام نہ رُک جائے۔ سو اطمینان رکھیے ان کی چالیں ذرا بھی کامیاب نہ ہوں گی۔ ف۳۶۴ (ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں) اوادته ان لا یکون لهم ثواب فی الاٰخرة لا تکون بدون ارادة کفرهم و معاصیهم (مدارک)

اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

ایمان کے عوض کفر کو خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں

شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پہنچا سکتے ف۳۶۵ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ

یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں ف۳۶۶ یہ ان کے حق میں بہتر ہے،

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ہم تو انہیں بس اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں ف۳۶۷ اور اُن کے لیے رسوا کن

مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

عذاب ہے جس حال پر تم ہو اللہ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے

عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ

رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ

الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ

نہ کر لے ف۳۶۸ اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے ف۳۶۹

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠

البتہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے انتخاب کر لیتا ہے ف۳۷۰

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا

تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ ف۳۷۱ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کر لیا

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔ اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں ف۳۷۲ جو کچھ

ف۳۶۵ (بلکہ اپنے خود ہی ہر طرح کے خسارہ میں رہیں گے) اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اس میں اسلام کے دشمن خفیہ و علانیہ ہر قسم کے آ گئے۔ ف۳۶۶ (اور فوراً انہیں عذاب کی گرفت میں نہیں لے رہے ہیں)۔ ف۳۶۷ (عمر و مہلت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ) یعنی ہمارے قانون تکوینی کا اقتضاء یہی ہے کہ جب گرفت فوری نہیں ہوتی تو غفلت و جسارت اور بڑھتی جاتی ہے۔ ف۳۶۸ (طرح طرح کے امتحانوں سے اور آزمائشوں کے ذریعہ سے) خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ علی ما انتم ایها الناس (جلالین) لِيَذَرَ میں ل تاکید نفی کے لیے ہے۔ واللام لتاکید النفی (مدارک) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (یعنی مومنین و منافقین کی ملی جلی ہوئی قوم) علی ما انتم علیه من اختلاط المؤمن بالمنافق (قرطبی) من اختلاط المؤمن المخلص والمنافقین (مدارک) المعنی لا یترککم مختلطین لا یعرف مخلصکم من منافقکم (بیضاوی) اَلْخَبِيْثَ اور الطَّيِّبِ سے ظاہر مراد منافقین اور مومنین ہیں۔ ف۳۶۹ (مثلاً یہی کہ وہ بتلا دے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن) یہ منافقین کے جواب میں ارشاد ہوا ہے جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اچھا بڑے سچے بنتے ہو تو یہی بتا دو کہ منافق کون کون سے ہیں۔ يُطْلِعَكُمْ میں خطاب عالم انسانی سے ہے یا صرف مسلمانوں سے۔ الْغَيْبِ سے تکوینی حقیقتیں مراد ہو سکتی ہیں جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ ف۳۷۰ (بعض امور غیب کی اطلاع کے لیے) مَنْ يَّشَاۗءُ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی مصلحت و حکمت تکوینی کے ماتحت۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت نص ہے عقیدۂ باطنیہ کے مقابلہ میں جو علم غیب کا اثبات علاوہ رسول کے اپنے امام کے لیے بھی کرتے ہیں۔ الاية حجة علی الباطنية فانهم يدعون ذلك العلم لامامهم (مدارک) ف۳۷۱ رُسُلِهٖ صیغۂ جمع میں۔ رسوله صیغۂ واحد میں۔ مقصود تو اب صرف نبوت محمدی ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے لیکن اس ضمنی موقع پر بھی حکم تمام انبیاء پر ایمان لانے کا مل رہا ہے۔ کس قدر اہتمام قرآن کو وحدت پیام اور سلسلۂ وحی کی اہمیت و عظمت کا ہے۔ ف۳۷۲ (صرف واجب کے موقع پر) البخل في اللغة ان يمنع الانسان الحق الواجب عليه (قرطبی) نزلت في مانعي الزكوٰة المفروضة قاله ابن مسعود و ابو هريرة و ابن عباس والشعبي و مجاهد (بحر)

يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں و۳۷۳ کہ یہ

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ

ان کے حق میں کچھ اچھا ہے، نہیں، بلکہ ان کے حق میں (بہت) برا ہے، یقیناً انہیں

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

قیامت کے دن طوق پہنا یا جائے گا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا و۳۷۴ اور اللہ ہی وارث ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

آسمانوں اور زمین کا، و۳۷۵ اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے و۳۷۶

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

بیشک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ

فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں و۳۷۷ ہم ضرور ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے و۳۷۸

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا

اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی و۳۷۹ اور ہم کہیں گے کہ (اب) و۳۸۰ آگ کے عذاب کا

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

مزہ چکھو یہ ان (حرکتوں) کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ج اَلَّذِيْنَ

اور اس لیے کہ اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں و۳۸۱ (یہ وہ لوگ ہیں)

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ

جو کہتے ہیں و۳۸۲ کہ خدا نے ہمیں حکم دے رکھا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں

وقف لازم

و۳۷۳ (یعنی یہی شیوۂ بخل) ھو ای البخل (مدارک) و۳۷۴ (اور یہ طوق سانپ کی شکل میں ہوں گے ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے) حشر میں جب مجردات اور معانی مادی جسم اور شکلیں اختیار کرلیں گے۔ بخل اور منع زکوۃ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں پڑے گا۔ قال رسول اللہ ﷺ ما من احد لا یؤدی زکوۃ مالہ الا مثل لہ شجاع اقرع یطوقہ (ابن جریر عن ابن مسعود) سَيُطَوَّقُوْنَ میں س تاکید کے لیے ہے۔ السین مزیدۃ للتاکید (روح) و۳۷۵ (اور وہی آج بھی سب کا مالک حقیقی ہے) سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اسی کے مال میں کررہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ و للبس ھذا بمیراث فی الحقیقۃ لان الوارث فی الحقیقۃ ھو الذی یرث شیئا لم یکن ملکہ قبل واللہ سبحانہ تعالی مالک السموت والارض وما بینھما (قرطبی) والمقصود من الایۃ انہ یبطل ملک جمیع المالکین الا ملک اللہ سبحانہ و تعالی (کبیر) و۳۷۶ (اس لیے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھنا لازمی ہے) و۳۷۷ یہ کہنے والے یہود تھے اور ان کا یہ قول بطور مضحکہ و تمسخر کے تھا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواح مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں ساہوکاروں کا گروہ تھا۔ انہی نے آیۂ کریمہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا سن کر بطور تعریض و تضحیک اس قسم کی بدگوئی شروع کردی تھی۔ یہود کی بدتمیزیوں اور گستاخانہ طنز و تمسخر کو کوئی آج بھی سمجھنا چاہے تو آریہ سماجیوں کا مناظرانہ لٹریچر اٹھا کر پڑھ لے! و۳۷۸ یعنی فرشتوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا کر رہیں گے اور ایسی گستاخانہ پھبتیوں کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دیں گے۔ سَنَكْتُبُ۔ س یہاں بھی تاکید کے لیے ہے۔ السین للتاکید ای لن یفوتنا ابدا تدوینہ (روح) و۳۷۹ جو اس درجہ شقی القلب ہوں کہ اپنے پیغمبروں تک کو ہلاک کر ڈالیں ان سے ایسے گستاخی کے کلمے بعید ہی کیا ہیں؟ قتل انبیاء اور ناحق قتل انبیاء پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ رکوع ۷۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو یہود قتل انبیاء سے راضی و مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً قتل میں شریک اور قتل کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ حقیقت کلی درج کی ہے کہ رضا بالمعصیت بھی معصیت ہے۔ ھذہ مسالۃ عظمی حیث یکون الرضا بالمعصیۃ معصیۃ (قرطبی) و۳۸۰ (قیامت کے دن) و۳۸۱ یعنی اس کی صفت عدل کا تقاضا ہوگا کہ ایسے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، نہ یہ کہ اس میں ذرا بھی شائبہ ظلم ہو۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ظالم، جابر سب ہی کچھ مانا ہے۔ یہاں ان عقائد کی بھی پوری تردید ہوگئی۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ حشر میں عذاب تو صرف متشکل ہو کر سامنے آجائے گا ورنہ ہوگا تو حقیقۃً ان مجرموں کی دنیوی کرتوتوں ہی کا ثمرہ۔ و۳۸۲ (اور تمامتر جھوٹ کہتے ہیں)

حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ

جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی نیاز نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے ف۳۸۳ آپ کہہ دیجئے

جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ

کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے جسے

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا، اگر تم سچے ہو ف۳۸۴

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

سو اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بھی پیغمبروں کی تکذیب ہو چکی ہے

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

جو شواہد اور فرشتوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے ف۳۸۵

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ف۳۸۶ اور تم کو تمہاری پوری مزدوری تو بس

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ

قیامت ہی کے دن ملے گی ف۳۸۷ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا

وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں،

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ

بجز ایک دھوکے کے سودے کے ف۳۸۸ یقیناً تم اپنے مال اور جان سے

وَاَنْفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

آزمائے جاؤ گے ف۳۸۹ اور یقیناً تم بہت سی دلآزاری کی باتیں ان سے (بھی) سنو گے جنہیں

ف۳۸۳ یعنی مدعی نبوت کے لیے یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو قربانی مذبح میں پیش کی جائے اسے آگ آسمان سے آکر جلا جائے۔ سوختنی قربانی کا ذکر توریت میں کثرت سے آیا ہے۔ عَهِدَ اِلَيْنَا یعنی ہم نے نسل اسرائیل کو حکم دیا تھا۔ ف۳۸۴ یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرتبۂ نبوت اور اس خاص معجزہ کا ظہور لازم ملزوم ہیں تو آخر تمہاری قوم کے جن انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا تم خود ان کے منکر کیوں رہے؟ جَآءَكُمْ رُسُلٌ یعنی خاص تمہاری ہی نسل وقوم کے پیغمبر جو تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ توریت میں اس قسم کے متعدد واقعات مندرج ہیں مثلاً "ایلیاہ نبی نزدیک آیا اور بولا کہ اے خداوند ابرہام اور اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیرے کہے سے کیا ہے ۔۔۔ تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختنی قربانی اور لکڑیوں اور پتھروں اور پانی کو جلایا" (۱۔سلاطین۔ ۱۸: ۳۶و۳۸) "اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا" (۲۔تواریخ ۷: ۱) ف۳۸۵ (اس لیے آپ کچھ غم نہ کریں، کہ یہ معاملہ تو سارے انبیاء ومرسلین کے ساتھ ہوتا آیا ہے) بِالْبَيِّنٰتِ بینات دلائل عقلی اور معجزات سب کا جامع ہے۔ ای الحجج والمعجزات (کبیر) ای الحجج والبراهين القاطعة (ابن کثیر) اَلزُّبُرِ زبور کی جمع ہے، مراد وہ مختصر رسالے ہوتے ہیں، جن میں صرف اخلاقی مواعظ ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں اناجیل اربعہ ہیں۔ قیل الزبر المواعظ و الزواجر (بیضاوی) اَلْكِتٰبِ اصطلاح قرآنی میں اس سے مراد ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں احکام وشرائع سب ہوں۔ اور پوری طور پر ہادی ہو۔ والکتاب فی عرف القران ما یتضمن الشرائع والاحکام (بیضاوی) ف۳۸۶ (خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو) گویا اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ وتکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لیے بطور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ اس میں مسیحیوں اور یہود دونوں کا رد آگیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔ انجیل کے صحیفوں میں ہے:۔ "جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیون ۵: ۱۲) "گناہ کی مزدوری موت ہے" (رومیون ۶: ۲۳) "خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے" (یعقوب ۱: ۱۵) یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کا معتبر ومستند جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ میں درج ہے۔ ف۳۸۷ (سو اگر آج کوئی شخص یہاں قانون مکافات کی گرفت سے بچ بھی گیا تو اس کی یہ محفوظیت عارضی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کا ایک بہت ہی ناقص وناتمام حصہ ہے) خطاب یہاں عام نوع انسانی سے ہے۔ اُجُوْرَ۔ اجر کا لفظ اپنے وسیع معنی میں جزاء کی طرح عذاب وثواب دونوں کے لیے عام ہے۔ فاجر المومن ثواب و اجر الکافر عذاب (قرطبی) تعطون جزاء اعمالکم خیرا کان او شرا تاما وافیا (بیضاوی) ف۳۸۸ (اور یہاں کے سارے عیش تمامتر عارضی، فانی اور بے ثبات ہیں) ایک اس عقیدہ کا استحضار رہے تو ہر انسان کس قدر فرشتہ خصلت بن جائے۔ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ یہ بچنا خواہ شروع ہی سے ہو، خواہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ ف۳۸۹ (اے مسلمانو!) یعنی نقصان مال اور نقصان جان دونوں طرح تمہاری آزمائش ہوگی۔ اَنْفُسِكُمْ اس سے رد نکل آیا ان فلاسفہ ومتکلمین کا جنہوں نے مادیین کی طرح نفس کو صرف جسم مادی ومرئی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وهذا الاية دليل على ان النفس هي الجسم المعاين و ان مافيه المعنى الباطل كما قال بعض اهل الكلام و الفلاسفة (مدارک)

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے اور اُن سے بھی جو

اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ

مشرک ہیں ف۳۹۰ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ

تاکیدی احکام میں سے ہے ف۳۹۱ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب اللہ نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا

اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا (عام) لوگوں پر اور اسے

تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا

چھپانا مت ف۳۹۲ سوانہوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت پھینک دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا

عوض میں بیچ ڈالا ف۳۹۳ سو کیسی بری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں، جو لوگ

تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ

اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کیے ہیں،

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

ان پر بھی ان کی مدح کی جائے ف۳۹۴ سو ایسے لوگوں کے لیے ہرگز نہ خیال کرو

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ف۳۹۵

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ

ف۳۹۰ (سو صبر و ثبات، تحمل و استقامت کی عادت برابر قائم رکھنا چاہیے) اَذًى کثیرًا میں دین کی تحقیر، پیمبر کی توہین وغیرہ سب چیزیں آگئیں۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی آج تک کیسی صحیح چلی آتی ہے۔ یہود کی، مسیحیوں کی، ہندوؤں کی زبانوں سے اپنے پیمبر، اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارہ میں کیا کچھ سننا نہیں پڑ چکا ہے! ف۳۹۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب العمل) ای من معزومالها التی یعزم علیها (جلالین) ای الامور التی ینبغی ان یعزمها (روح) این از کارہائے مقصود است (ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) ذلک یعنی یہی صبر و تقویٰ یعنی الصبر والتقوی (بیضاوی) ف۳۹۲ (چنانچہ اس حکم کی شہادت کسی درجہ میں تو موجودہ محرف توریت اور انجیل بھی دے رہی ہے۔ ”تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو“ (استثناء ۴:۲) ”تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا“ (استثناء ۴:۹) ”اس نے ..... بنی اسرائیل میں ایک شریعت ٹھہرائی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلا دیں تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہوویں سیکھیں اور وہ اٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلا دیں“ (زبور ۷۸: ۵، ۶) ”جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اجالے میں کہو اور جو کچھ تم کان میں سنتے ہو کوٹھوں پر اس کی منادی کرو“ (متی ۱۰:۲۷) لَتُبَيِّنُنَّهٗ۔ تبیین کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ ہ کی ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ یعنی جو کتاب تمہیں ملے، اس کو اور اس کے مضامین کو خوب پھیلاؤ۔ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ یعنی اس کے کسی حصہ، کسی مضمون کو کسی غرض سے بھی نہ چھپاؤ۔ ف۳۹۳ یعنی احکام الٰہی کو سستے داموں بیچ کر دنیا خرید کی! ثَمَنًا قَلِيْلًا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہمیشہ کم قیمت ہی رہے گی۔ یہ مراد نہیں کہ ان نافرمانوں نے تحریف کا معاوضہ ہلکا لیا بلکہ اس سے زیادہ لینا تھا۔ نَبَذُوْہُ ضمیر اسی عہد کی طرف ہے۔ ای المیثاق (بیضاوی) ف۳۹۴ خاص طور پر مراد ہیں علماء یہود اور منافقین یہود۔ عُنِیَ بذلک قومٌ من اهل النفاق (ابن جریر) عُنِیَ بذلک قومٌ من احبار الیهود (ابن جریر) بِمَآ اَتَوْا مثلاً ان کا یہی کارنامہ کہ حق کا اخفاء اور اپنی بدکرداریوں کا کتمان کرتے رہے۔ بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا مثلاً یہی کہ دین حق کی نشر و اشاعت نہ کی۔ ف۳۹۵ (آخرت میں) بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ اس عذاب سے مراد اسی دنیا میں سزا کی ہیں۔ چنانچہ یہود چند ہی سال کے اندر قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، جلاوطن ہوئے، اور منافقین یہود ذلیل و رسوا ہوئے۔

ف۳۹۶ (چنانچہ مجرموں کی دنیوی واُخروی سزاؤں پر بھی) اللہ کی ملکیت تامہ اور قدرت کاملہ کا استحضار رہے تو شاید ایک بھی معصیت نہ سرزد ہو۔ ف۳۹۷ (اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت و صنعت کی اور اس کی قدرت وحاکمیت کی) نظام فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، ان کے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات وتاثرات، ان کی گردشوں کی پیچش، گرہن کے اسباب واوقات، اُن کے طلوع وغروب، نور وحرارت وغیرہ کے قاعدہ ضابطہ، اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ ... رہی زمین تو ہیئت ارض، مساحت ارض، طبقات ارض، معدنیات ارض، کشش ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لیے تو کوئی ایک پورا فن بھی کافی نہ ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹیرولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کے انداز اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں! آیت میں ضمناً ان مشرک قوموں کا بھی رد آگیا جنہوں نے آسمان یا زمین یا رات دن کو دیوی دیوتا سمجھا ہے، معبودیت کی صلاحیت ان میں سے کسی میں بھی نہیں، یہ سب کے سب مملوک ومسخر ہیں ایک صانع اعظم کے۔ ف۳۹۸ یعنی یاد الٰہی خواہ دل سے ہو یا زبان سے، ہر حال اور ہر ہیئت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ المراد منه کون الانسان دائم الذکر فان الاحوال لیست الا هذه الثلاثة (کبیر) قال سائر المفسرین اراد به المداومة علی الذکر فی عموم الاحوال (معالم) علی جنوبهم سے مراد ہے لیٹے ہوئے۔ ای مضطجعین (قرطبی) ف۳۹۹ کائنات طبعی کے ان عظیم الشان موجودات سے قوانین طبعی اور قواعد تکوینی سے صانع اعظم و خالق عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلیٰ واشرف عبادت ہے۔ هو افضل العبادات کما قال علیه الصلوٰة لا عبادة کالتفکر لانه المخصوص بالقلب والمقصود من الخلق (بیضاوی) دلت الآیة علی ان اعلی مراتب الصدیقین التفکر فی دلائل الذات والصفات (کبیر) کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات، وغیرہ علوم طبعی پر دینی وایمانی نقطۂ نظر سے قلم اٹھاتے! ف۴۰۰ یعنی بلاغایت وبے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بڑے بڑے مصالح ومقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ اس میں رد آگیا علاوہ مادیین ودہریین کے جو کائنات کو محض بخت واتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن مذاہب باطلہ کا بھی جن کے نزدیک یہ نظام کائنات محض کسی دیوتا کا کھیل تماشہ یا ایک طرح کا طلسم وشعبدہ ہے۔ ف۴۰۱ (ہر فعل عبث اور لاحاصل سے) تنزیها عن الوصف بخلق الباطل (مدارک) ف۴۰۲ (اور وہ اس طرح کہ ہمیں راہ ہدایت پر چلائے اور راہ ضلالت کے سایہ سے بھی بچائے) ف۴۰۳ (کہ انہیں میرے عذاب سے کچھ بھی بچا سکے) الظّٰلمین۔ ظالم سے یہاں مخفی ہوئی مراد کافر سے ہے۔ ای الکفار (قرطبی) والمراد الکفار (مدارک) القرآن دل علی ان الظالم بالاطلاق هو الکافر (کبیر) مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر وشرک میں مرے اور عذاب ابدی کے لیے دوزخ میں جھونکے جائیں گے، وہ گنہگار مسلمان مراد نہیں ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہونے کے لیے عارضی ووقتی طور پر دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ قال سعید بن المسیب الآیة خاصة فی قوم لا یخرجون من النار (قرطبی) حکماء وعلماء اسلام کے گروہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عذاب روحانی عذاب جسمانی سے بھی بڑھ کر زبردست وشدید ہوگا اس لیے کہ قرآن نے خزی (رسوائی) کا ذکر عذاب دوزخ کے بعد کیا ہے (کبیر) ف۴۰۴ (اس داعی حق کی ہدایت کے مطابق) ایمان شریعت میں وہی معتبر ومستند ہے جو پیمبر کی ہدایات کے مطابق ہو، نہ کہ اپنے ظن وتخمین کے ماتحت۔ امام ماتریدی نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اپنے ایمان کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید ومشروط کرنا درست نہیں۔ قال الشیخ ابو منصور فیه دلیل بطلان الاستثناء فی الایمان (مدارک) مُنَادِیًا پکارنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ یہ ضرور نہیں کہ پیمبر کی دعوت براہ راست ہی آپہنچی ہو، کسی واسطے سے بھی پہنچے، بہرحال پیمبر ہی کی دعوت ہوگی۔ لِلْاِیْمَانِ میں لِ اِلیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی الی ای الی الایمان (قرطبی)

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
ہر چیز پر قادر ہے ف۳۹۶ بیشک آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ
پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل

لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا
کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں ف۳۹۷ یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ
اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں ف۳۹۸ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
غور کرتے رہتے ہیں ف۳۹۹ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں

بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ
پیدا کیا ہے ف۴۰۰ تو پاک ہے ف۴۰۱ سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے ف۴۰۲ اے ہمارے پروردگار

اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ
تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا اسے واقعی رسوا ہی کر دیا

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا
اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ف۴۰۳ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو

مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ
سنا ایمان کی پکار کرتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ

فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سو ہم ایمان لے آئے ف۴۰۴ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہماری خطاؤں کو

وف۴۰۵ (اور آخرت میں اُن کی رفاقت نصیب کر) مخصوصین بصحبتهم و معدودین فی زمرتهم (بیضاوی) ذُنُوْبَنَا۔ ذنوب سے مراد بڑے گناہ ہیں۔ ای کبائرنا (بیضاوی) سَیِّاٰتِنَا۔ سیاٰت سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ای صغائرنا (بیضاوی) وف۴۰۶ یعنی ابتداء ہی سے ہم پر فضل و کرم رکھ۔ جہنم وغیرہ کے جو شدید ترین عذاب ہیں، وہ تو خیر الگ رہے، باقی میدان حشر میں پبلک رسوائی، عام تفضیح، کچھ کم ہے، ذرا اس پر خیال تو کیا جائے۔ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا یعنی اجر موعود، جنت موعود۔ عَلٰی رُسُلِكَ۔ اللہ کے وعدے معتبر تمامتر وہی ہیں جو پیمبروں کی وساطت سے ہوں، مہر تصدیق صرف انہی پر لگی ہے نہ کہ اپنی عقل و ذہانت سے فرض کیے ہوئے وعدوں پر۔ رَبَّنَا اس سلسلۂ دعا میں بار بار اس لفظ کی تکرار، اللہ کی صفت ربوبیت کو بار بار مخاطب کرنا اور گویا اسے اس کی صفت کا واسطہ دینا دلیل ہے دعا کرنے والے کی خشیت اور الحاح اور تضرع کی۔ وف۴۰۷ (اس لیے تیرے وعدہ پر تو قطعاً بھروسہ ہے لیکن اس کا اطمینان تو نہیں کہ ان وعدوں کا تحقق ہمارے حق میں ہو، ہم ہی ان وعدوں کے مصداق ٹھہریں) وف۴۰۸ (اور انہیں اپنے فضل و کرم کی جنت میں داخل کر دیا)۔ استجاب یہاں بھی اجاب کے معنی میں ہے۔ استجابة ای اجابة (قرطبی) وف۴۰۹ (اور تم دونوں الگ الگ قسم کی مخلوق نہیں ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہو) اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ ہر زبان کا ایک مخصوص اسلوب بیان و طرز انشاء ہوتا ہے، اوپر سے برابر صیغہ غائب چلا آ رہا ہے۔ اب دفعۃً اس آیت کے اندر صیغہ متکلم آ گیا۔ عربی ادب و انشاء میں یہ فوری انتقال صیغہ داخل عیب نہیں، داخل ہنر ہے اور اپنے موقع و محل پر ایک خاص صفت، یہاں صیغہ متکلم خاص طور پر دلالت کر رہا ہے تخصیص و شفقت پر۔ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی جاہلی مذہبوں میں یہاں تک کہ مسیحیت میں بھی عورت ہونا بجائے خود ایک جرم و نقص تھا، عورت غریب محض اس لیے کہ عورت تھی بہت سے درجات سے، بہت سے ثوابوں سے محروم تھی اس گمراہی کو مٹانے کے لیے صراحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ جنس مذکر و مونث سے عمل و اجر عمل پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا، عمل کے لحاظ سے ہر عامل یکساں ہے۔ نماز اس کی بھی قبول اس کی بھی، روزہ اس کا بھی مقبول اس کا بھی، عصمت اس کی بھی قابل غور اس کی بھی و قس علی ہذا۔ لَاۤ اُضِیْعُ لا کر یہ بھی بتا دیا کہ عمل پر ثمرات کا ترتب تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ تصریح ہے اس کی کہ انسانیت دونوں جنسوں میں مشترک ہے اس لیے حکم بھی دونوں کا مشترک ہی رہے گا۔ لانهما من اصل واحد (بیضاوی) لا تفاوت فی الاجابة ولا فی الثواب بین الذکر والانثی (کبیر) بینت فیها شرکة النساء مع الرجال فی ما وعد الله عباده الصالحین (مدارک) ذرا اسے یاد کر لیا جائے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اشتراک انسانیت کی یہ تعلیم بیسویں صدی عیسوی میں نہیں ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مل رہی ہے، جبکہ فرنگستان اور ہندوستان دونوں میں عورت ہونا خود ایک جرم تھا اور عورت کا وجود مرادف تھا گندگی اور ناپاکی کے۔ مِنْ ذَكَرٍ میں مِنْ تاکید کے لیے ہے۔ دخلت من للتاكيد (قرطبی) وف۴۱۰ (اور یہ کفارہ سیئات والا انعام علاوہ اس اجر کے ہوگا جو انہیں اپنے اعمال شاقہ اور حسنات پر ملے گا) اَلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا … وَ قُتِلُوْا یہ ذکر ہو رہا ہے حضور ﷺ کے رفیقوں اور صحابیوں کی جان نثاریوں کا۔ اور بیان میں چند اعمال کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے، بطور مثال و نمونہ کے یا فہرست حسنات کے مہتمم عنوان کے طور پر بتایا گیا کہ انہی پر سارے اعمال حسنہ کا قیاس کر لیا جائے ان سے حسنات کا حصر مقصود نہیں۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ اس تصریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ حضرات باوجود ان مرتبوں کے، باوجود صحابی اور مہاجر اور مظلوم فی سبیل اللہ اور غازی اور شہید ہونے کے معصوم نہ ہوں گے، لغزش و خطا سے ماوراء نہ ہوں گے، صاحب سیئات ہوں گے عام بشری لغزشوں کے یہ بھی مرتکب ہوں گے البتہ فضل خداوندی ان کے حسنات کو ان کے سیئات پر ہمیں غالب رکھے گا۔ آج جو ہر "شیخ" اور ہر "بزرگ" کو عملاً تقدس مآب و معصوم اور بشریت سے ماوراء سمجھ جانے لگا ہے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید قرآن مجید قدم قدم پر کر رہا ہے۔ وف۴۱۱ صیغہ حصر کا وارد ہوا ہے یعنی یہ بہترین و برترین نعمت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ ای یختص به و لا یقدر علیه غیره (مدارک)

سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا

دور کر دے، اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے وف۴۰۵ اے ہمارے پروردگار ہمیں عطا کر

مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ

وہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کر چکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن

الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

رسوا نہ کرنا وف۴۰۶ بیشک تو تو وعدہ خلافی نہیں کرتا وف۴۰۷ سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

قبول کر لیا وف۴۰۸ اس لیے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے خواہ

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپس میں

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ

ایک دوسرے کے جزو ہو وف۴۰۹ تو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے شہروں سے

دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا

نکالے گئے اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے،

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ

ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کر دی جائیں گی وف۴۱۰ اور میں ضرور انہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ

ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، (یہ) اللہ کے پاس سے

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے وف۴۱۱

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

(یہ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے ف۲۱۲

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ

(یہ) چند روزہ بہار ہے ف۲۱۳ پھر تو ان کو ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بری

الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ

آرام گاہ ہے البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے باغ ہوں گے،

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے (یہ تو) مہمانی (ہوگی)

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے ف۲۱۴

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور اہلِ کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ

اور جو کچھ تم پر اُتارا گیا ہے، اور جو کچھ اُن پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ سے

لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

ڈرنے والے ہیں، اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے ف۲۱۵

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ

انہیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ضرور ملے گا بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

حساب بہت جلد لے لیتا ہے، ف۲۱۶ اے ایمان والو

ف۲۱۲ یعنی اے مخاطب اہل کفر کا حظوظ دنیوی سے بہرہ ور ہونا، مادی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ ان کی حالت بھی قابل وقعت اور مستحق احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ الخطاب لکل احد (مدارک) هٰذا خطاب لكلّ مَنْ سمعهٗ من المكلفين كَانّهٗ قيل لا يَغُرَّنَّكَ ايها السامع (کبیر) ف۲۱۳ (آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرافرازیوں سے ان حظوظ دنیوی کو نسبت ہی کیا؟ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے پھر دیکھے کتنا پانی اس میں آیا ہے۔ ف۲۱۴ (ہر دنیوی لذت ونعمت سے، کیفیت میں، کمیت میں، غرض ہر اعتبار و ہر جہت سے) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اُخروی نعمتوں کی قسموں میں سے۔ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اور اس تقویٰ الٰہی کی پہلی منزل قبول اسلام ہے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اللہ نے اہل جنت کو اپنا "مہمان" ٹھہرا کر ان کا مرتبۂ اعزاز و اکرام جس حد تک بڑھا دیا ہے الفاظ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ النزل ما يهيّأ للضيف (کبیر) ف۲۱۵ یعنی کسی بھی مصلحت ومنفعت کے خیال سے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، ترمیم، تصحیف، تلبیس گوارا نہیں کرتے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا پر حاشیہ اُوپر گزر چکے، ہر دنیوی معاوضہ بڑا ہو یا چھوٹا حقیر ہی قیمت کا کہا جائے گا۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر ایمان پورے توحیدی رنگ میں ہے اس میں شرک کی آمیزش نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ خطاب مومنین سے ہے، یعنی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ یعنی اپنی اپنی آسمانی کتابوں توریت، انجیل وغیرہ پر اُن کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ مدح جیسا کہ ظاہر ہے اُن اہل کتاب کی ہو رہی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام قبول کر لیا۔ ف۲۱۶ (سو وہاں کسی کو انتظار کی بھی زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی) حشر کے مجمع عظیم کو دنیوی مجمعوں کی بھیڑ بھاڑ اور دنیوی عدالتوں کی تعویق اور تاخیر پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔

ضمیمہ ۴ پ

اسم پاک محمد ﷺ

(بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ۲۸۱ ۴ پ)

حضور کا نام نامی آپ کے دادا "عبدالمطلب" نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وجاء ان یحمد عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد ﷺ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار ﷺ محمود، محامد اور مرجع خلائق بنے۔ ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمد ﷺ" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عموماً انواع و اجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ مثلاً انسان، مسلم، قوم۔ شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے "مسیح" اور "بدھ" یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مورخین اکثر لکھتے ہیں۔ و لم یکن شائعا بین العرب ھذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نام مبارک" کا "عبدالمطلب" کے ذہن میں آنا منشاء خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل و کمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح و ستائش ہیں اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحب مفردات "محمد" کے معنی لکھتے ہیں الذی اجتمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنی مجموعۂ خوبی کے ہیں

مع اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

کارساز قدرت کی وسعت لامحدود اس کے کرشمے ناقابل شمار اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا "حیوانات" "نباتات" اور "جمادات" تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں، ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں، ہم مقصود فطرت اور نقطۂ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطۂ تحقیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجۂ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضاء و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء و اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل و مابعد ادیوں، زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول خدا ﷺ کی ہے لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ "محمد ﷺ" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خُلق و خَلق، دماغ و کیرکٹر ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائنات تخلیق کا لب لباب ہیں اول ثانی کے لیے بنیاد ہے عمل علم پر، کیرکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے، یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کی تشریح کسی دوسرے مقام پر آئے گی کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہوگی اسی قدر اس کی خلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہوگی ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیرکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ محاورات عرب سے حمد کے یہ بھی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حمدتُ بلاءَہ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اقدس ﷺ کا نام نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تا ہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب روحی فداہ ﷺ کے کمالات سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے، بادلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون

دنیا کی ضرورتوں کے تکفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم محمد رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوتا جاتا ہے" یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ اپنے پچھلے سبق دہرائے۔ دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا اس حیثیت سے نام مبارک محمد ﷺ کا ترجمہ سلسلۂ اوصاف ومحامد ہوگا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ ونادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خلاصہ دوست ودشمن کی یکساں تنقید حاضر وغائب کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم وعمل، ظاہر وباطن، خُلق وخَلق ہر حیثیت سے حضور ﷺ کی زندگی قابل تعریف تھی اور اسی خلاصۂ حیات کا ترجمہ ہے محمد ﷺ۔

اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال وکمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی وعملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور کی جامعیت آپ کی سوانح وتعلیمات سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ لفظ "محمد" کے معنی مجموعہ خوبی اور "مخلوق کامل" کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم میور اور مارگولیث جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لا سکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات سیرت طیبہ تعلیم وتلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا لفظ "محمد" عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لیے مجبور کیا جیسے صرّف (پھیر دیا)۔ یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا اسی طرح "محمد" کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوتِ جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے هذا ليس بوجه كذاب یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خدا ترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جا رہی ہیں انہوں نے تجربہ کرا دیا کہ جب بھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے کوئی جزء اس سے چھوٹا ہوا نہیں استعمال میں آتا ہے قَتَّلْتُهُ تَقْتِيلًا یعنی خوب خوب قتل کیا اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" یعنی جس کا جزء جزء قابل تعریف ہے "اصلاح نفس" "تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب ونظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے۔ جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو۔ جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ سختی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالا تر ہو۔ وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہے اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا۔ یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشو ونما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت وروحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اُسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا۔ لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق وروحانیت سے گیا غریب تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں۔ اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں اور ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی محمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے پس لفظ "محمد" کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جا سکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی آپ کی تعلیم کا انتشار آپ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد وجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اُس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

والحمد لله رب العالمين

ف۲۱۷ اِصْبِرُوْا یعنی جو صعوبتیں راہِ حق میں ازخود پیش آئیں اُن پر صبر کیے جاؤ۔ ای علی مشاق الطاعات و مایصیبکم من الشدائد (بیضاوی) ای الصبر بالطاعات و عن الشهوات (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جریج و الضحاک اصبروا علی طاعة الله (جصاص) صَابِرُوْا یعنی جو مصیبتیں مخالفین و معاندین کے ہاتھوں پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو۔ ای غالبوا اعداء الله. فی الصبر علی شدائد الحروب (بیضاوی) معناه مصابرة الاعداء قاله زید بن اسلم (قرطبی) صابروا اعداء الله (جصاص) رَابِطُوْا یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی دشمن (نفس) دونوں سے مقابلہ کے لیے مستعد رہو۔ الرباط حمل النفس علی النیة الحسنة والجسم علی فعل الطاعة ومن اعظمه ارتباط الخیل فی سبیل الله وارتباط النفس علی الصلوٰة (ابن عربی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ صبر و مصابرہ و مرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے۔ آخر میں اس کی تاکید ہے اور اسی کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فلاح ہے۔ ولا بدّ للانسان فی کل فعل یفعله من داعیة و غرض و جب ان یکون للانسان فی هذه المجاهدة غرض و باعث و ذلک هو تقوی الله لِنَیْل الفلاح والنجاح (کبیر)

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

(خود) صبر کرو، اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو، اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ ف۲۱۷

ایاتها ۱۷۶	۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲	رکوعاتها ۲۴
اس میں ۱۷۶ آیتیں	سورۃ النساء مدنی ہے	اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

ایک ہی جان سے پیدا کیا ف۱ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا ف۲

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیے ف۳ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو

اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ

جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو ف۴ اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) ف۵ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

اللہ تمہارے اوپر نگران ہے ف۶ اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور پاکیزہ کو گندی چیز سے مت تبدیل کرو اور اُن کا مال

ف۱ یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے۔ وحدتِ نوعِ انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دوررس نتائج کے لحاظ سے کتنا اہم ہے! آخری جدِ اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے کے، ہر وحشی اور ہر مہذب کے، ہر ہندی اور ہر چینی کے، ہر حبشی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں، یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورثِ اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہماجی کے منہ سے پیدا ہوئے اور کھشتری نسل والے اُن کے سینہ سے اور ویش جاتی والے اُن کے پیٹ سے اور شودر ذات والے اُن کی ٹانگوں سے، اصلاً انسان انسان سب ایک ہیں۔ خَلَقَكُمْ مسئلہ ارتقاء کسی حد تک کسی معنی میں صحیح ہے یا نہیں، قرآن مجید کو اس سے مطلق سروکار نہیں، انسان بہر حال و بہر صورت مخلوق ضرور ہوا ہے۔ قرآن انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی مخلوقیت کے منافی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے، خواہ کوئی کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، ایمان اور ایک درجہ میں تقویٰ کے مکلف سب ہیں۔ اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ پروردگار سے ڈرنا اُس کے احکام کی مخالفت سے ڈرنا ہے۔ لفظ رب میں خود یہ اشارہ موجود ہے کہ جن احکام کی مخالفت سے ڈرایا اور روکا جا رہا ہے، خود اُن کی غایت بھی ربوبیت اور پرورش ہے۔ ف۲ یعنی حضرت حوا کو۔ تخلیق حوا کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید تو یکسر ساکت ہے رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حوا کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس میں ذکر نہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے نہ حضرت حوا کا۔ بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے۔ آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت توریت کی آواز بازگشت ہے اور توریت کا بیان حسب ذیل ہے:۔ "خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس بھیجا" (پیدائش ۲: ۲۲و۲۳) مِنْهَا ضمیر ھا عموماً نفس کی طرف پھیری گئی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مِنْهَا یہاں من جنسها کے مرادف ہے۔ القول الثانی ماهو اختیار ابی مسلم الاصفهانی ان المراد من قوله و خلق منها زوجها ای من جنسها (کبیر) اور یہی قول علاوہ ابو مسلم کے ابن بحر سے بھی نقل ہوا ہے۔ وقیل هو علی حذف مضاف التقدیر و خلق من جنسها زوجها قاله ابن بحر و ابو مسلم (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کے عدم ثبات کو ظاہر کرنا ہو جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے کہ انسان کی پیدائش جلد بازی سے ہوئی ہے۔ یحتمل ان یکون ذلک علی جهة التمثیل لاضطراب اخلاقهن و کونهن لا یثبتن علی حالة واحدة کما جاء خلق الانسان من عجل (بحر) و یحتمل ان یکون المعنی من جنسه لامن نفسه حقیقة (نہر) اور اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ حوا کا۔ ویؤید هذا التاویل قوله ان المرأة فانی بالجنس و لم یقل ان حواء (بحر) اور بعض شارحین حدیث بھی حدیث مذکور کی شرح میں اسی طرف گئے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف استعارہ ہے:۔ استعارة للمعوج ای خلقهن خلقا فیه اعوجاج (کرمانی بحوالہ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴) وقد حمل العوج بعض العلماء علی المجاز والمعنی ان العوج هو المیل عن الاعتدال و حب الشذوذ هو شان المرأة (حاشیہ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر) بخاری کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة کالضلع ان اقمتها کسرتها (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۱۵) اور یہی حدیث مسلم نے بھی (کتاب الرضاع میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی سند سے نقل کی ہے۔ خود ضلع کے پسلی کا مفہوم تو ثانوی ہے، اصل معنی کجی و انحراف یا میل ہی کے ہیں۔ الضلع المیل (کتاب الفائق، زمخشری) الضلع الاعوجاج ای الزیغ حتی یمیل صاحبه عن الاستواء والاعتدال (نہایہ۔ ابن اثیر) ف۳ دونوں جنسیں اُسی ایک جوڑے یعنی حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا سے دنیا میں چلی ہیں۔ كَثِيْرًا آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک جو آبادی ہر ملک اور ہر زمانہ کی رہی ہے یا جو قیامت تک ہوگی اس کے مجموعہ پر

بھی اگر کثیر کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔ و۴ (اپنے حقوق اور مراعات) قال الزجاج تطلبون به حقوقكم (بحر) یعنی اس کے نام کا واسطہ دلا دلا کر۔ آیت سے اللہ کے واسطہ سے مانگنے کا جواز نکل آیا۔ و في الاية دلالة علي جواز المسئلة بالله تعالى (جصاص) و۵ اَلْاَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے۔ یہ ہے قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں، حقیقت میں اُمت کے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد شریعت نے قرابت یا رحم ہی کو قرار دیا ہے۔ و في عطف الارحام علي اسم الله دلالة علي عظم ذنب قطع الرحم (بحر) و قدنبه سبحانه تعالى اذا قرن الارحام باسمه الكريم علي ان صلتها بمكان منه (بیضاوی) فيه تعظيم لحق الرحم و تاكيد للمنع عن قطعها (جصاص) رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ جملہ اعزہ و اقرباء اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ الرحم اسم لكافة الاقارب من غير فرق بين المحرم وغيره (قرطبی) من المجاز الرحم القرابة و بينهما رحم اي قرابة قريبة (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔ الرحم معلقة بالعرش تقول الامن وصلني وصله الله و من قطعني قطعه الله۔ (رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے) فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ اتفقت الملة علي ان صلة الرحم واجبة و ان قطيعتها محرّمة (قرطبی) و۶ (اور اس نگرانی میں انسان کے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے معاملات آ گئے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں! و۷ یتیم یعنی بن باپ کے بچوں اور بچیوں کا مسئلہ ہر قوم میں اہم و نازک رہا ہے۔ قرآن اب یہاں اسی باب میں ہدایتیں دے رہا ہے۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ یعنی ان یتیموں کے بالغ ہونے پر ان کی جائیداد، اُن کا سامان ان کے حوالہ کر دو، اور اس کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یتیم اپنی جائیداد کا مطالبہ کرے بھی۔ وفيه دلالة علي وجوب تسليم اموال اليتمي بعد البلوغ و ايناس الرشد و ان لم يطالبوا باذانها (جصاص) خطاب یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے ہے۔ یتیموں کے سپرد ان کی جائداد ان کے بالغ اور سمجھدار ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہیے اس کے قبل نہیں۔ ان اليتيم لا يجب اعطاء ه ماله قبل البلوغ (جصاص) انما يجب الدفع اليتيم بعد البلوغ و ايناس الرشد (جصاص) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ ان نابالغ یتیموں کی اچھی چیز نکال کر اپنے مال میں ملا لی اور اپنی طرف کی کوئی گھٹیا چیز ان کے حصہ میں شامل کر دی۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ یعنی اپنے حصہ کے ساتھ یتیموں کے حصہ کو خلط ملط کر کے۔ اي لا تاكلوها مضمومة الي اموالكم (بیضاوی) الي اموالكم اي مع اموالكم (بحر) اِنَّهٗ ضمیر اسی دست درازی اور یتیموں کے مال میں گڑبڑ کرنے کی طرف ہے۔ اي الاكل (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹسن مسلم نہیں، کافر ہیں اس پر بھی اس کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیمبر نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۸ یعنی جو یتیم لڑکیاں تمہاری نگرانی و سرپرستی میں ہیں اُن کے حقوق مہر وغیرہ پوری طرح ادا نہ کر سکو گے۔ خطاب یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے۔ جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ یتیم لڑکیاں جو مردوں کی سرپرستی میں ہوتیں تو ان کے وہی سرپرست اکثر یہ دیکھ کر کہ کوئی اور ان کی طرف سے مہر وغیرہ کا مطالبہ کرنے والا اور ان کی حمایت پر کھڑا ہونے والا ہے نہیں، ان کے حقوق مار لینے آسان ہیں، اُنھی کے ساتھ نکاح کر لیتے ان کی جائیدادیں اپنی طرف شامل کر لیتے یا اور طریقوں سے ان کے ادائے حقوق کی طرف سے بے التفاتی برتتے۔ و۹ (ان یتیم، صاحب جائداد مگر بے حمایتی لڑکیوں کے علاوہ جو اپنی رضا و عدم رضا کھل کر آزادی کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتیں) مَا طَابَ لَكُمْ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کے پسند میں طبیعت کے مقتضی پر عمل کی بھی پوری اجازت شریعت میں موجود ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ۔ امروا ان ينكحوا سواهن من النساء (جصاص) اي غيرهن (قرطبی) اس میں بالغ نابالغ سب آ گئیں۔ والصغار و الكبار (جصاص) و۱۰ یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں۔ اپنی زیر نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیر عقد لانے میں اتلاف حقوق کا اندیشہ بھی ہو تو اس خیال کو جانے دو۔ باہر والی آزاد عورتوں میں سے انتخاب کر سکتے ہو۔ ایک ہی کا نہیں، ایک سے لے کر چار تک کی گنجائش ہے۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں و عطف کا نہیں تخییر کا ہے اور اَوْ کے مرادف ہے۔ وقد تخرج الواو عن الافادة مطلق الجمع و ذلك علي اوجه احدها تكون بمعني اَوْ (تاج) والواو بمعني او للتخيير (معالم) خود قرآن مجید میں و کے اس معنی میں استعمال کی مثالیں متعدد ملتی ہیں مثلاً:۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى (سبا۔ ع۶) اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر۔ ع۱) بعض اہل زیغ نے ۲ اور ۳ اور ۴ کے عدد کو جوڑ کر آیت سے استدلال ۹ بیویوں کے جواز کا کیا ہے۔ اور بعض ظالموں نے تو اس تعداد کو ۱۸ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سرتا سر جہل و زیغ ہے، جہل زبان عرب سے بھی اور جہل سنت رسول ﷺ سے بھی۔ و هذا كله جهل باللسان والسنة و مخالفة لاجماع الامة (قرطبی) اگر نو ہی کی تعداد منظور تھی تو صاف ہی کیوں نہ ارشاد ہو گیا، اس قدر گھما پھیر کر بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تعدد ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مغرب زدہ مسلمان کو شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت عورتوں میں ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی نہیں ہوتی، مرد و عورت

أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا

مت کھاؤ اپنے مال کے ساتھ بیشک یہ بہت بڑا

كَبِيرًا ﴿٢﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ

گناہ ہے و۷ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے و۸

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ

تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں و۹ اُن سے نکاح کر لو دو دو سے

وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے و۱۰ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو و۱۱

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾

یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہو و۱۲ اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے و۱۳

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ

اور تم بیویوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو و۱۴ لیکن اگر وہ خوشدلی سے

لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا

تمہارے لیے اس میں کا کوئی جزء چھوڑ دیں تو تم اُسے مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

مَّرِيئًا ﴿٤﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي

کھاؤ و۱۵ اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو

جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا

اللہ نے تمہارے لیے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے

وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٥﴾

اور پہناتے رہو اور اُن سے بھلائی کی بات کہتے رہو و۱۶

کے اتفاق و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں، برخلاف اس کے عورت کے لیے اس دو منٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ مہینوں اور برسوں نہیں حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی ڈھائی سال تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر حمل کے بغیر بھی ہر جوان تندرست عورت کے لیے ہر مہینہ ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبعی ہے۔ اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے اور عورت کی طبعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی سہولت جائز نہ رکھے! پھر یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہرین حیاتیات کی شہادتیں اس تجربہ و مشاہدہ کی تائید میں ہیں کہ طبعی ضرورت سے قطع نظر مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند بھی ہے اس لیے جو شریعت اس کی اس جبلت کی کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہرحال خدائی اور مطابق فطرت نہیں کہی جا سکتی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخ جب سے ساتھ دیتی ہے، داعیان توحید نے اس دستور کو نہ صرف جائز رکھا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اور زیادہ قوت پہنچا دی ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام میں سے کسی کے ہاں بھی یک زوجی کی سند نہیں ملتی، بلکہ بعض کی حرمسرا تو کثرت تعداد کے لیے بھی مشہور ہے۔ ہند قدیم میں اکابر ہنود کی بابت بھی روایتیں وحدت کی نہیں، تعدد ہی کی ہیں اور یورپ و امریکہ میں آج رسم نکاح کو درمیان میں لائے بغیر جو اندھیر کھلے بندوں ہو رہا ہے اُس کی نقل و حکایت کی بھی تاب ان صفحات میں کہاں سے لائی جائے۔ اسلام نے ایک طرف تو یک زوجی کی قید اڑا کر تعدد کو سند جواز دے دی اور دوسری طرف اس کی مناسب حد بندیاں بھی کئی کئی طرح کر دیں اور یہی اس کی حکمت کا کمال رہا۔ ف ١١ (کہ جب تعدد کی صورت ہی نہ ہو گی تو عدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا) اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ یعنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے اور ان کے حقوق واجب ادا نہ کر پاؤ گے۔ عدل سے یہاں مراد ادائے حقوق واجب میں عدل و مساوات ہے جو انسان کے قصد و اختیار کے اندر کی چیز ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی بیوی بغیر کھانے، کپڑے، مکان کے نہ رہے باقی جہاں تک محبت طبعی اور تعلق قلب کا سوال ہے اس میں مساوات قدرت بشری سے باہر ہے، اور اس باب میں شریعت نے کوئی گرفت نہیں رکھی ہے۔ اور اس عدل اختیاری میں بھی یہ لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر بالکل دوسری چیزوں کی ہو گی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مُسن اور ادھیڑ سن کی بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کمسن نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جا سکیں، مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود عدل کی تفسیر عدم ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ و ظاهر الاٰية انه فرض ان يعدل اي ان لا يجور (ردمختار) فَوَاحِدَةً کوئی شوہر اگر ظلم و بے انصافی کے ساتھ دو یا زائد بیویاں رکھے تو اس پر ظلم و بے انصافی کا گناہ برابر ہوتا رہے گا لیکن یہ نہیں کہ دوسری بیوی یا بیویوں سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ ظلم وجور قانونی انعقاد نکاح کا مانع نہیں۔ ف ١٢ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے لفظی معنی ہیں ..... وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں" محاورہ میں اس سے مراد شرعی مملوک، غلام اور کنیزیں ہوتے ہیں۔ جن کا اب مدت دراز سے ہندوستان بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں کہیں وجود نہیں۔ اسیران جنگ کا معاملہ ہمیشہ ایک اہم و دشوار معاملہ رہا ہے یعنی یہ کہ جو مرد اور عورتیں شکست خوردہ غنیم کے ہاں سے گرفتار ہو کر آئیں۔ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہیں کہاں اور کیسے رکھا جائے۔ کسی نے اس کا حل جبری مزدوری Forced Labour یا بیگار کو نکالا۔ کسی نے کچھ اور۔ ہماری شریعت نے حکم یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی آبادی کا بار حکومت State پر ڈالا جائے، اس تعداد کو افراد میں تقسیم کیا جائے اور ہر فرد اس نو وارد کو اپنے خاندان کا ایک جزو بنا لے۔ اس سے کام ہر طرح کا یقیناً لے لیکن اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھے۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے ہمبستری کا حق بھی حاصل رہے۔ اس کا قیدی ہو کر آنا یہ خود اعلان نکاح کا قائم مقام ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ایجاب و قبول اور شاہدین کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ آسان شرائط پر اپنی آزادی ہر وقت خرید سکتے ہیں (شرائط کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی) بلکہ ان کے آزاد کرنے کی فضیلتیں اور اس کے لیے طرح طرح کی ترغیبات خود قرآن مجید ہی میں درج ہیں۔ اور حدیث میں تو اور

زائد ہے۔ .. حیرت ہے کہ ایسے صاف، سیدھے، شریفانہ، حکیمانہ قانون سے شرمانے اور اسے غیروں سے چھپانے کی ضرورت تجدد زدہ مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ان کا ذہن معاً انگریزی کے لفظ Slave اور ان ساری تلخیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اس لفظ کے تخیل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حالانکہ ہمارے ہاں تو غلاموں اور غلام زادوں نے بارہا بادشاہتیں کی ہیں اور اُمراء تو ان میں کثرت سے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت سے بڑے بڑے علماء، فقہاء و ائمہ فن ان میں تابعین ہی کے زمانہ سے پیدا ہونے لگے تھے۔ کنیز کے حقوق بیوی سے کمتر ہوتے ہیں، اس لیے ان کا ادا کرنا بھی قدرۃً سہل تر ہے۔ ف ١٣ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کے ساتھ نباہ ہو گا تو ظلم اور زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایک پر قناعت۔ اشارة الى اختيار الواحدة (مدارک) اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ عول کے معنی ایک طرف جھک جانے اور جور کرنے کے ہیں، تَعُوْلُوْا کے معنی ہوئے کہ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ العول هو ترك النصفة باخذ الزيادة (راغب) من قولهم عال الميزان عولاً اذا مال و عال الحاكم في حكمه اذا جار (کشاف) معناه لا تجوروا ولا تميلوا وهذا هو المختار عند اكثر المفسرين (کبیر) لا خلاف بين السلف و كل من روى عنه تفسير هذه الاية ان معناه ان لا تميلوا و ان لا تجوروا (جصاص) ف ١٤ صَدُقٰتِهِنَّ۔ صداق یا مہر شریعت اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مہر بطور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بہ غرض اکرام و اعزاز براہ راست بیوی کو پیش کرتا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل (ہدایہ) عورت کی شرمگاہ نکاح ہو جانے سے شوہر کی ملک نہیں ہو جاتی بلکہ عورت ہی کی رہتی ہے شوہر کے لیے صرف جائز ہو جاتی ہے۔ الزوج لا يملك بدله شيئاً لان البضع في ملك المرأة بعد النكاح كهو قبله (جصاص) وانما الذي يستحقه الزوج منها بعقد النكاح به الاستباحة لا الملك (جصاص) وَاٰتُوا النِّسَآءَ یہ رقم مہر اپنی بیویوں کو دو نہ کہ ان کے اولیاء، و والدین کو۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ اُمت کا عمل اس کے برعکس ہے مہر کو محض ایک وہمی اور فرضی چیز سمجھ رکھا گیا ہے۔ ف ١٥ یعنی اس اجازت کے بعد بے تکلف اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ بیویوں کی طرف سے یہ ابراء بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیے، مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرا لیا گیا ہے تو قاضی و عدالت کے ہاں سے جو کچھ بھی فیصلہ ہو جائے عند اللہ معاف نہیں سمجھا جائے گا۔ عَنْ شَيْءٍ چاہے وہ جزء چھوٹا ہو یا بڑا، یہاں تک کہ کل کا کل بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو اسے ہبہ کہیں گے اور اگر لیے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اس کا نام اصطلاح فقہ میں ابراء ہے اور شرعاً دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا محاورۂ زبان میں مراد اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو بے تکلف اپنے تصرف و استعمال میں لا سکتے ہو۔ تصرفوا فيه تملكاً (روح) لا اعتبار بلفظ الاكل في ذلك و ان المقصد فيه جواز استباحته بطيبة من نفسها (جصاص) ليس المقصود صورة الاكل و انما المراد به الاستباحة باى طريق كان (قرطبی) ف ١٦ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ سیاق میں سفہاء سے مراد وہ یتیم ہیں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکے ہیں لیکن صرف مال کا سلیقہ و انتظام ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور وہ بے تکان اور بے تحاشا اسراف میں مشغول رہتے ہیں۔ المبذرين اموالهم الذين ينفقونها في ما لا ينبغي ولا قدرة لهم على اصلاحها (مدارک) وصف اليتامى بانهم سفهاء باعتبار خفة احلامهم و اضطراب آرائهم لما فيهم من الصغر و عدم التدرب (روح) ليس السفه في هؤلاء صفة ذم ولا يفيد معنى العصيان لله تعالى و انما سموا سفهاء لخفة عقولهم و نقصان تميزهم عن القيام بحفظ المال (جصاص) سفہ و سفاہت سے یہاں کسی معصیت یا جرم اخلاقی کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ محض ان لوگوں کی انتظامی نا قابلیت کا اظہار مقصود ہے۔ اَمْوَالَكُمْ مراد اس مال سے ہے جو ملک یتیموں ہی کی ہے لیکن فی الحال سرپرستوں کی ولایت میں ہے۔ اى اموالهم التي في ايديكم (جلالین) انما اضاف الاموال الى الاولياء لانها في تصرفهم و تحت ولايتهم (بیضاوی) لَكُمْ قِيٰمًا۔ ضمیر مخاطب سے مراد عام

انسانیت ہے یعنی مال جو انسان کے بے مایہ زندگی ہے، جس کے اُوپر انسان کی حیات مادّی و معاشرتی کا دار و مدار ہے۔ وبه قوامًا لا بدانكم و معاشا لاهلكم و اولادكم (مدارک) المراد من القيام ما به القيام (روح) نکتہ کا مطلب یہ ہے کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز۔ ابھی اسے ناسمجھ یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو۔ کہ اس کی قدر و مرتبہ سے ناواقف ہیں وہ ناقدری سے اسے اُڑا دیں گے۔ فقہاء نے آیت سے حفظِ مال و عدم تضییع مال کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے۔ و فيه الدلالة على النهي عن تضييع المال و وجوب حفظه و تدبيره و القيام به (جصاص) وَّارْزُقُوْهُمْ۔ مَعْرُوْفًا مطلب یہ ہوا کہ اسی جائداد سے یتیموں کی ضرورتیں پوری کرتے رہو اُن کی راحت و آسائش کے سامان کرتے رہو اور بجائے اُن کے ہاتھ میں جائیداد دے دینے کے اُن سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ یہ ملک تمہاری ہی ہے تمہاری ہی ہوا خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ تم میں پوری طرح سمجھ آجائے۔ ان کی یہ سفاہت ان کے نان و نفقہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اور یہیں سے فقہاء نے نالائق اولاد اور بیوی کے نان و نفقہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے:۔ في ذٰلك دليل على وجوب نفقة الاولاد السفه والزوجات (جصاص) مَعْرُوْفًا۔ معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو علماً خواہ عملاً عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ كل ما سكنت اليه النفس لحسنه عقلاً او شرعاً من قولٍ او عملٍ فهو معروف (مدارک) اى كلاماً تطيب به نفوسهم (روح)

ف۱۷ یعنی سیانے اور بالغ ہو جائیں۔ يعني القدرة على الوطى (ابن عربی) حتى اذا بلغوا حدالبلوغ (بیضاوی) اور بلوغ کی عمر حنفیہ کے ہاں لڑکے کے لیے ۱۸ سال کی اور لڑکی کے لیے ۱۷ سال کی رکھی گئی ہے۔ و شاع عن الامام الاعظم ان السن للغلام تمام ثماني عشرة سنة وللجارية تمام سبع عشرة سنة (روح) هكذا قاله ابن عباس و تابعه القتبي (روح) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیزداری کی کرلیا کرو۔ والاختبار في استبراء حاله في المعرفة بالبيع والشرى و ضبط اموره و حفظ ماله (جصاص) خطاب وہی یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے چل رہا ہے۔ ف۱۸ (بغیر اُن کے عمرِ بلوغ کا انتظار کیے) من غير تاخير عن حد البلوغ (مدارک) فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر ان میں انتظام اور صرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرف انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کہ ان کی عبادت و تقویٰ رُشْدًا ارشد یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ نہ کہ تقویٰ و ہدایت کے عام معنی میں۔ اى نوعاً من الرشد و هو الرشد في التصرف والتجارة (کشاف) و بين الرشدين اعني الرشد المونس من اليتيم والرشد الذى اوتي ابراهيم علیه السلام بون بعيد (راغب) اى هداية في التصرفات و صلاحاً في المعاملات (مدارک) و تنكير الرشد يفيدان المراد رشد مخصوص و هو الرشد في التصرف والتجارة (مدارک) فاعتبار الدين في دفع المال غير واجب باتفاق الفقهاء لانه لو كان رجلا فاسقاً ضابطاً لاموره عالماً بالتصرف في وجوه التجارات لم يجزان يمنع ماله لاجل فسقه (جصاص) ف۱۹ (اور اس وقت تو بہرحال اُن کے حوالہ کرنا ہی پڑے گا) وما يكبروا فيطالبوا باموالهم (جصاص) حدِ کبر میں داخل ہونے کے بعد جائیداد بہرحال صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی خواہ رشد سے انتظامی صلاحیت حاصل ہو یا نہ ہو فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ فيها دلالة على انه اذا صار في حدالكبر استحق المال اذا كان عاقلا من غير شرط ايناس الرشد (جصاص) اور حدِ کبر میں داخلہ کی عمر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۲۵ سال کی ہے کہ اس سن میں انسان دادا بن سکتا ہے۔ و جعل ابو حنيفة حدالكبر في ذٰلك خمسا و عشرين سنة لان مثله يكون جدًا و محال ان يكون جدًا ولايكون في حد الكبار (جصاص) بِدَارًا کے معنی جلدی کرنے کے ہیں۔ بدارًا اى مسارعة (راغب) بدارًا اى مبادرة (بخاری) ف۲۰ (جائداد یتیم میں تصرف سے) وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا۔ ذکر انہی اولیاء یتامیٰ کا ہے۔ حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو انہیں فیس، آنریریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال میں سے نہ لینا چاہیے۔ بلکہ اسے محض حسبۃ للہ کرتے رہنا چاہیے۔ ف۲۱ یعنی بہ قدر اپنی ضرورت کے اى بقدر الحاجة (ابن عربی) بقدر حاجته الضرورية (روح) یہ رقم، محققین حنفیہ نے صاف کردیا ہے کہ بطور اُجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی کے فرائض میں ہے اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اُجرت جائز نہیں۔ بلکہ یہ رقم تو الگ سے رزق کی مقرری ہوئی ایک مد ہے۔ انّ الرزق ليس باجرة لشيء وانما هو شيء جعله الله له (جصاص) فاخذ الاجرة للقاضي و لمن قام بشئ من امور الدين غير جائز (جصاص) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی یہ تدبیر کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اسے معاشرہ میں متعارف ہو۔ ف۲۲ یعنی یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی ضابطہ کی تکمیل کے لیے دیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً ہر خیانت اور ہر امانت کا علم تو اللہ کو ہے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ یعنی جب بعد تحقق شرائط مذکور (بلوغ و قابلیت انتظام) یتیموں کے سپرد ان کی جائیداد یں کرنے لگو۔ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ گواہ اس امر پر کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کر دیا گیا۔

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں ف۱۷

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ

تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال

اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

کر دو ف۱۸ اور مال کو جلد جلد اسراف سے اور اس خیال سے

اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

کہ یہ بڑے ہو جائیں گے ف۱۹ مت کھا ڈالو، بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ تو اپنے کو بالکل روکے رکھے ف۲۰

وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے ف۲۱

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

اور جب اُن کے مال اُن کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ

کر لیا کرو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے ف۲۲ مردوں کے لیے بھی

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠

اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور عورتوں کے لیے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے

وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا

قرابت دار چھوڑ جائیں اس (متروکہ) میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ (بہرحال) ایک حصہ

مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

قطعی ہے ف۲۳ اور جب تقسیم کے وقت اعزہ

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس میں سے (کچھ) دے دو

وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَ لْيَخْشَ

اور ان سے ہمدردی کی بات کہو ف۲۴ اور ایسے لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں

خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا

تو ان کی انہیں (کیسی) فکر رہے پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور بات

سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

پکی کہیں ف۲۵ بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ

جاتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں ف۲۶

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ؑ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ

اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے، اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے

اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ

بارہ میں حکم دیتا ہے ف۲۷ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے ف۲۸ اور اگر

كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا

دو سے زائد عورتیں (ہی) ہوں ف۲۹ تو ان کے لیے دو تہائی (حصہ) اس (مال) کا ہے جو مورث

ع ۲

ف۲۳ یعنی یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں۔ حصوں کی یہ تقسیم اور ترکہ کا یہ استحقاق شریعت الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں کہ جو روشن خیال جب جب چاہیں اسے، اور اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھ دیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ ... وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ یعنی حق میراث مردوں عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مذہبوں کا جنہوں نے عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر حق وراثت سے محروم رکھا ہے۔ ہندوؤں کی طرح جاہلیت عرب میں بھی عورتوں کا کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ منہ میں ضمیر مجرور ترکہ یا مال کی طرف ہے۔ والضمير يعود الى ما ترك (مدارک) ف۲۴ یعنی نرمی اور خوش اسلوبی سے معذرت کر دو۔ خشونت سے کام نہ لو۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ یعنی جس وقت وارثوں کے درمیان تقسیم ترکہ ہو رہی ہو۔ ای قسمة التركة (مدارک) اُولُوا الْقُرْبٰى۔ ایسے عزیز مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ۔ منہ میں ضمیر ترکہ کی طرف ہے۔ ای مما ترك الوالدان و الاقربون (مدارک) یہ تقسیم صرف بالغوں کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر و خیرات یا کسی کی مراعات جائز نہیں۔ فَارْزُقُوْهُمْ۔ اس میں بڑی بحث و گفتگو ہوئی ہے کہ یہ حاضر الوقت غیر وارثوں کو ترکہ میں سے دے دینے کا حکم وجوبی ہے یا محض استحبابی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ درجہ استحباب کی چیز ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ابتداء میں واجب تھا بھی تو اب حکم وجوب منسوخ ہے۔ ابن عباس ؓ صحابی، ابن جبیر تابعی، حسن بصری تابعی، اور محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ قال ابن عباس ؓ و ابن جبیر و الحسن هو ندب (بحر) .... هذا كله يوجب ان يكون اعطاء هؤلاء الحاضرين عند القسمة استحبابا لا ايجابا (جصاص) والصحيح ان هذا على الندب (قرطبی) ف۲۵ (اور ان یتیموں کے حسب مصلحت) یعنی ان کی تعلیم، تادیب، تسلی، دلجوئی ہر پہلو کا لحاظ رہے۔ ذكروا بالنظر في مصلحتهم (ابن عربی) القول السديد من الاوصياء ان لا يؤذوا اليتامى و يكلموهم كما يكلمون اولادهم بالادب الحسن والترحيب (کشاف) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ خطاب اوصیاء کو نہیں بلکہ قریب الموت شخص کے عزیزوں قریبوں کو ہے کہ وہ اسے سمجھائیں کہ اسے حق صرف ایک ثلث میں صدقہ کا ہے اور باقی مال مقررہ وارثوں کے لیے چھوڑ جائے۔ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں خود ان کے چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ کر رہے۔ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا۔ ضعیف سے مراد بوڑھی نہیں، کمزور اور کم سن اولاد ہے۔ ای اولادا صغارا (معالم۔ جلالین) قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی پکی اور سچی بات جس میں کوئی پہلو شر و فساد و اتلاف حقوق کا نہ نکلتا ہو۔ هو العدل والحق الذي لا خلل فيه ولا فساد في رجحان بوارث او حرمان لذي قرابة (جصاص) ف۲۶ خیانت، غصب، بددیانتی ہر صورت میں بری ہیں، یتیموں کے مال میں ان کا وقوع قبیح تر ہے۔ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى۔ یاکلون سے مراد یتیم کا مال کسی طریقہ سے بھی بے جا صرف میں لے آنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف کھانے ہی کے کام میں آئے۔ اردو محاورہ میں بھی "روپیہ کھا جانا" ایسے موقع پر بڑے وسیع معنی میں آتا ہے۔ خص الاكل بالذكر لانه اعظم ما يبتغى له الاموال (جصاص) اِنَّمَا ..... نَارًا یعنی اس حرام خوری کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ف۲۷ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے۔ اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں، جو ایسے اہم مسئلہ کی تفصیلات سے خالی ہوں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اب تصریح سے یہ بتلا دیا کہ یہ احکام کسی بندہ کے تجویز کیے ہوئے نہیں۔ حکیم مطلق اور عالم الغیب حاکم برحق کے ارشاد کیے ہوئے ہیں۔ ف۲۸ یہ ایک عام اصل بیان کر دی کہ ہر لڑکے کو دہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی۔ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دنیا کی بہت سی مذہبی اور غیر مذہبی شریعتیں ایسی ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں اور عرب جاہلیت میں بھی ترکہ کے حصہ دار صرف مرد (اور مردوں میں بھی بالغ اور قابل حرب مرد) تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلاف فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے ردعمل کے طور پر بعض حلقوں سے جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے یہ دوسری بے اعتدالی اور افراط کی جگہ تفریط ہے۔ عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور عضویاتی فرائض نے اسے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور اس لیے صحیح اور سچی شریعت نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ چلانا اس کے سر رکھا ہے۔ اس لیے یہ ظلم نہیں عین عدل ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دوہرے حصے حاصل رہتے ہیں۔ ایک ادھر میکہ میں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا ادھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ، اس طرح صوری اور ظاہری اعتبار سے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی۔ ف۲۹ (یا صرف دو ہی اولاد میں) اِنْ كُنَّ نِسَآءً یعنی اگر وارث صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ۔ فوق کے معنی یہاں لازمی طور پر "زائد" کے نہیں۔ یہ صلہ محاورہ عرب میں اکثر زائد بھی آ جاتا ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کے زائد استعمال کی مثالیں موجود ہیں مثلاً فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ای ذکر فوق ههنا صلة للكلام (جصاص)

تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

چھوڑ گیا ہے ف۳ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے نصف (حصہ) ہے، ف۳۱

وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لیے اس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ

تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

چھوڑ گیا ہے، ف۳۲ بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد ہو، ف۳۳ اور اگر مورث کے کوئی اولاد

وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ

نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، ف۳۴ لیکن اگر مورث کے

اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک چھٹا حصہ ہے، ف۳۵ وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مورث اس کی وصیت

يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا

کر جائے یا ادائے قرض کے بعد ف۳۶ تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں

تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً

جانتے ہو کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے ف۳۷ یہ سب

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَكُمْ

اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بیشک اللہ ہی علم والا ہے، حکمت والا ہے، ف۳۸ اور تمہارے لیے

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے کوئی

لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

اولاد نہ ہو ف۳۹ اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے بیویوں کے ترکہ کی

ف۳۰ لڑکیاں اگر صرف دو ہوں تو ان کا کل حصہ ۲/۳ ہوتا ظاہر ہے ہر ایک کو ۱/۳ کے حساب سے۔ لیکن یہ شرح یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ تین کو ۲/۳ یعنی کل کا کل نہیں بٹ جائے گا۔ بلکہ لڑکیاں جتنی بھی ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا ۲/۳ ہی رہے گا، باقی ۱/۳ میں اور اعزاء خاص شریک ہوں گے۔ تفصیل فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ف۳۱ (کل ترکہ کا) اور بقیہ نصف حصہ میں دوسرے متعین اعزہ شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ نہ موجود ہوئے تو پھر وہ نصف بھی اسی لڑکی کی طرف عود کر آئے گا۔ ف۳۲ اور بقیہ ۵/۶ اولاد اور دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ف۳۳ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور خواہ تعداد میں ایک ہو یا زائد۔ ف۳۴ (اور بقیہ دو تہائی باپ کا) وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ یعنی علاوہ اولاد کے بھائی بہن بھی نہ ہوں، صرف ماں باپ ہی وارث ہوں، ف۳۵ (اور بقیہ ۵/۶ حصہ باپ کا) باپ کے باعث بھائی بہنوں کو نہ ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ یہ بھائی بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ یہ وہ صورت ہے کہ میت کے اولاد کوئی نہیں۔ لیکن ماں باپ بھی ہیں اور بھائی بہن بھی۔ اِخْوَةٌ کا لفظ یہاں بھائی بہن دونوں کے لیے ہے۔ صیغۂ مذکر قاعدۂ زبان کے مطابق محض تغلیباً لایا گیا ہے۔ ف۳۶ (اگر کچھ ہو) وارثوں کو حصہ اس وقت ہوگا جب پہلے مورث کا قرض ادا ہو لے اور اگر وہ ایک ثلث جائداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجراء ہو لے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے۔ گو قرآن مجید میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ الدّین مؤخر فی اللفظ و هو مبتدأ به فی المعنی علی الوصیة (جصاص) انما قدم منا الدّین علی الوصیة لقوله ﷺ الا ان الدّین قبل الوصیة (مدارک) دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجراء وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز و تکفین کے لیے خرچ نکالنا ضروری ہے۔ ف۳۷ یعنی نفع دنیوی ہو یا اخروی تمہیں کون زیادہ پہنچا سکے گا! اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ۔ اٰبَآؤُكُمْ کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، اوپر کے سارے اصول آ گئے۔ اسی طرح اَبْنَآؤُكُمْ کے تحت میں نہ صرف صلبی بلکہ اولاد در اولاد نیچے کے سارے فروع آ گئے۔ یہاں یہ جتا دیا ہے کہ ترکہ کی تقسیم مورث کی رائے و اجتہاد پر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ آیت سے حسن معاملت کے ساتھ ساتھ حسن معاشرت کی بھی تعلیم نکل آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت و رحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اسے کیا خبر کہ کون اس کے زیادہ کام آ کر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ف۳۸ اور اللہ کے علم و حکمت سے بھلا کسی بندہ کی فہم و دانش کو کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احکام میراث کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ تاکید اور اہتمام منظور ہے۔ شروع يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ سے کیا، اور آیت کے خاتمہ پر پھر دوہری دوہری بلکہ تہری تہری تصریح و تاکید موجود ہے ... اور پھر ہم لوگ بھی ٹھیک اس کے مقابل غفلت اور بے پروائی میں کس قدر پڑے ہوئے ہیں۔ كَانَ یہاں ماضی کے معنی میں نہیں، بلکہ دوام و استمرار کے اظہار کے لیے ہے فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ چند حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں میراث جاری نہ ہوگی مثلاً (۱) وارث مرتد ہو جائے (۲) وارث اپنے مورث کے قتل عمد کا مجرم ہو۔ (۳) وارث جا کر دار الحرب میں قیام اختیار کر لے۔ تفصیل ان موانع میراث کی، فقہ و فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ف۳۹ (نہ تم سے نہ کسی اور شوہر سے) ظاہر ہے کہ لَكُمْ میں خطاب شوہروں سے ہے۔

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

چوتھائی ہے ف۴۰ وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

یا ادائے قرض کے بعد ف۴۱ اور ان (بیویوں) کے لیے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے ف۴۲ بشرطیکہ تمہارے

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ

تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا ف۴۳ بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً

یا ادائے قرض کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں

اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

چھٹا حصہ ہے اور اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ایک تہائی میں شریک ہوں گے ف۴۴ بعد وصیت (نکالنے) کے،

يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے ف۴۵ یہ حکم اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ

ہے ف۴۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا بردبار ہے ف۴۷ یہ سب خداوندی ضابطے ہیں ف۴۸

ف۴۰ (اور بقیہ ۴/۳ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے) بیوی کے ترکہ میں ۴/۱ حصہ شوہر کا ہر صورت میں ہے۔ خواہ بیوی کوئی اولاد چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے۔ ف۴۱ حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم ہر حال میں اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہی ہوگی اور ان دونوں میں بھی ادائے قرض مقدم ہے۔ ف۴۲ اور بیویاں اگر کئی ہوں تو شوہر کے ترکہ کی وہی چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ ف۴۳ (اور شوہر کے ترکہ کا بقیہ ۸/۷ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) بیویوں کو ۸/۱ بہر صورت ملے گا خواہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ انہی بیویوں سے ہو یا کسی اور عورت سے۔ ف۴۴ (اور بقیہ ۳/۲ حصہ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) فَهُمْ شُرَكَآءُ یہ شرکت برابری کی رہے گی، یعنی مذکر و مؤنث کا حصہ برابر کا رہے گا۔ كَلٰلَةً اُردو میں اس کے لیے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کلالہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد، اولادِ اولاد میں سے۔ ف۴۵ یعنی مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیت ۳/۱ سے زائد کی کر دی ایسی وصیت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابلِ نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیت رکھے تو ۳/۱ کے اندر ہی۔ لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ وارث کا حصہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا لیکن وصیت کرنے والا عند اللہ گنہگار ٹھہرے گا۔ اسلام اپنے پیرووں سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیت کا بھی اخلاص و صداقت چاہتا ہے۔ ف۴۶ ختم کے قریب پھر یاد دلا دیا کہ یہ سارا قانونِ میراث شریعت کے ہر دوسرے حکم کی طرح حاکمِ مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل، کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو اور کل اس میں ترمیم ہو جائے۔ ف۴۷ چنانچہ علمِ کامل کی بنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلمِ کامل کے اقتضاء سے بہت دفعہ مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔ ف۴۸ (جنہیں ہلکا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے) تِلْكَ کا اشارہ اُن تمام احکام کی جانب ہے جو تیمیوں اور وصیتوں اور ترکہ کے باب میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اشارة الى الاحكام التي ذكرت في باب اليتامى والوصايا والمواريث (مدارک)

اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کرے گا اللہ اسے (بہشت کے) باغوں میں داخل

جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

فِيۡهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ يَّعۡصِ

رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے ف۴۹ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ

اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا اسے وہ (دوزخ کی) آگ

نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾ ع وَالّٰتِىۡ

میں داخل کرے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا، اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا، ف۵۰ اور تمہاری

يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا

عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ف۵۱ ان پر چار (آدمی)

عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ

اپنے میں سے گواہ کر لو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر

فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ

بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، ف۵۲ یا اللہ ان کے لیے

اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاۡتِيٰنِهَا مِنۡكُمۡ

کوئی (اور) راہ نکال دے ف۵۳ اور تم میں سے کوئی دو جو وہ کام کریں

فَاٰذُوۡهُمَا ۚ فَاِنۡ تَابَا وَ اَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا

انہیں اذیت پہنچاؤ ف۵۴ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں ف۵۵ تو ان سے تعرض

ف۴۹ اور یہ فوز عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کے اندر اس قانون میراث کی پابندی بھی آ گئی۔ یُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد اس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اُتارا ہوا اور رسول ﷺ کا لایا ہوا ہے۔ ف۵۰ یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور مغضوب کے حق میں ذلت آفریں بھی۔ اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ یعنی حد سے اس قدر باہر نکل جائے، کہ ان احکام کے احکام الٰہی ہونے ہی سے انکار کر دے۔ الكافر هو الذي تعدي الحدود كلها (مدارک) اي يعد حدوده استحلالا (مدارک عن الکلبی) وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ میں معصیت سے مراد معصیت کفر و شرک ہے۔ فسر الضحاك هنا المعصية بالشرك وقال الكلبي و من يعص الله بكفره (مدارک) ف۵۱ یعنی زنا کے مرتکب ہوں۔ اَلۡفَاحِشَةَ۔ فاحشة قولی و فعلی ہر بڑی برائی کے لیے عام ہے۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال و الاقوال (راغب) الفعلة القبيحة (کبیر) یہاں مراد زنا ہے۔ كناية عن الزنا (راغب) واجمعوا على ان الفاحشة ههنا الزنا (کبیر) استعملت كثيرا في الزنا لانه من اقبح القبائح و هو المراد على الصحيح (روح) نِسَآئِكُمۡ نساء ہر عورت کے لیے عام ہے یہاں مراد بیویاں ہیں۔ ف۵۲ زنا کی ایک سزا ابتداء اسلام میں عمر قید یا دائم الحبس تھی۔ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ۔ اَرۡبَعَةً اول تو نصاب شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے یعنی جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عزت کا سوال ہے، گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہیے اور پھر یہ چاروں:۔ (۱) مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں (۲) آزاد ہوں، غلام نہ ہوں (۳) عاقل ہوں، فاتر العقل نہ ہوں (۴) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (۵) گواہی چشم دید ہیں۔ سماعی یا قیاسی شہادت کا یہاں دخل نہیں۔ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ یہ قید حکام یا اہل حل و عقد کے حکم سے ہونا چاہیے۔ هذا خطاب للحكام (معالم) فامسكوهن في البيوت یعنی گھروں کے اندر انہیں قید یا نظر بند کر دو بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مراد لیا ہے انہوں نے اپنی عقل و فہم پر ظلم کیا ہے۔ فاحبسوهن في البيوت واجعلوها سجنا عليهن (بیضاوی) ف۵۳ (اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ سے) فقرہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کے ذریعہ سے دوسری سزا تجویز ہوئی۔ یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تازیانے۔ اور سنت رسول ﷺ نے اس کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا کنوارا کے لیے ہے اور بیاہے ہوؤں کے لیے جرم کی سزا سنگساری ہے۔ وهذا كله كان قبل نزول الحدود فنسخت بالجلد والرجم والجلد في القرآن و الرجم في السنة (معالم) ف۵۴ یعنی سزا اس جرم کے سارے مجرموں کے لیے ہے۔ بہت سی قومیں اپنے کو مہذب کہلانے والی آج بھی موجود ہیں جن کے ہاں حرام کاری (جب تک کہ بہ جبر نہ ہو) سرے سے قابل تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی کے بعد ہے۔ بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کے لیے یہ کوئی جرم ہی نہیں، آیت اس سارے غلط و گمراہ کن نظریات کی تردید کر رہی ہے۔ وَالَّذٰنِ يَاۡتِيٰنِهَا۔ میں ھا کی ضمیر فاحشۃ کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو۔ اس عموم میں ہر طرح کے مرتکب آ گئے، بیاہے اور کنوارے، مرد و عورت سب، بجز فاتر العقلوں کے۔ فَاٰذُوۡهُمَا اجراء سزا کا یہ حکم حکام یا اہل حل و عقد کو ہے۔ الخطاب هنا للحكام (روح) ف۵۵ (اجرائے سزا کے بعد) جن جرائم کی حد شرعی مقرر ہے ان میں اجرائے حد سے قبل توبہ کافی نہیں۔

عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا

در گزر کرو ول۵۶ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے ول۵۷ توبہ جس کا

التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو بس انہی لوگوں کی ہے جو بری حرکت نادانی سے کر

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ

بیٹھتے ہیں، ول۵۸ اور پھر قریب ہی (وقت میں) توبہ کر لیتے ہیں ول۵۹ ایسے ہی لوگوں کی

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

توبہ اللہ قبول کرتا ہے ول۶۰ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ول۶۱

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے ول۶۲ جو (برابر) گناہ کرتے رہتے ہیں

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ

یہاں تک کہ موت اُن میں سے کسی کے سامنے آ کھڑی ہو ول۶۳ (اور تب) وہ کہنے لگے کہ اب میں

تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ

توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں (کی توبہ) جو اسی حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں ول۶۴

اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ

ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک

كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ

ہو جاؤ ول۶۵ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے

ول۵۶ یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن وملامت وغیرہ جائز نہیں۔ ول۵۷ اسلام کا خدا محدود ومقید قسم کا خدا نہیں کہ مغفرت ذنوب پر قادر ہی نہیں بلکہ کائنات میں گویا مشینوں کی طرح ایک قانون مکافات عمل کی حکومت ہے اور خدا (نعوذ باللہ) بیٹھا ہوا محض دیکھ رہا ہے۔ یہ خدا اگر مغفرت پر قادر ہے بھی جب بھی کفارہ کا محتاج ہے۔ ہندومت، مسیحیت وغیرہ تمام باطل ادیان کی تردید آیت سے ہوگئی۔ ول۵۸ جو طبائع غیر سلیم ہیں۔ اُن کے لیے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش آیت ماقبل سے نکل سکتی تھی اور وہ اپنے دل میں کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق وفجور میں پڑے رہ سکتے ہیں۔ جب مرنے لگیں گے۔ توبہ کر لیں گے۔ اس خدشہ کے دور کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود وشرائط کو صاف کر دیا جاتا۔ السُّوْٓءَ۔ لفظ جامع ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کے لیے۔ ای المعصیة صغیرة او کبیرة (روح) اَلتَّوْبَةُ۔ توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لیے ترک معصیت کا عزم ہو اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔ التوبة عبارة عن الندم علی ما مضی والعزم علی الترک فی المستقبل (کبیر) ای ان قبولها (مدارک) بِجَهَالَةٍ مراد یہ ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے وقت اس کے نتائج کا ذہن سے ذہول ہو گیا ہو اور عقل شدت جذبات (یا ہوائے نفس) سے اندھی ہوگئی ہو۔ عَلَى اللّٰهِ اہل حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر حقیقۃً واجب تو کوئی بھی چیز نہیں۔ یہاں مقصود صرف وعدہ کی تاکید ہے۔ ولیس المراد به الوجوب اذ لا یجب علی اللہ شیء ولکنه تاکید للوعد (مدارک) ول۵۹ معصیت پر ندامت اور اس کے ترک کا عزم عمل معصیت کے بعد جس قدر جلد بھی ہو سکے اس کا مطلوب ہونا ظاہر ہے۔ لیکن شریعت نے انتہائی شفقت سے کام لے کر اس قرب (من قریب) کی میعاد حضور موت سے قبل تک وسیع کر دی ہے۔ صحابیوں اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ والقریب فی مابینه و بین ان ینظر الی ملک الموت (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) کل شیء قبل الموت فهو قریب (ابن جریر۔ عن الضحاک) و هو ما قبل حضرة الموت (مدارک) دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں اور یہ معنی بھی لگتے ہوئے ہیں کہ قبل اس کے کہ برائی نفس پر چھا جائے۔ اور نیکیوں کو سوخت کر جائے۔ معناه قبل ان یحیط السوء بحسناته فیحبطها (معالم) مِنْ قَرِيْبٍ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ معناه التبعیض ای یتوبون بعض زمان قریب (کشاف) ول۶۰ یعنی وعدۂ مغفرت مرتب ایسے ہی لوگوں کی توبہ پر ہوتا ہے۔ ول۶۱ سو وہ اپنی شان علم سے خوب جانتا ہے کہ کس کس نے دل سے توبہ کی ہے اور اپنی شان حکمت سے دل سے توبہ کرنے والے کو بھی رسوا نہیں کرتا، اور تائب مخلص ہو یا غیر مخلص۔ بہرصورت اس کے لیے مزید ملامت روا نہیں رکھتا۔ ول۶۲ یعنی ایسے لوگوں سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں۔ باقی اگر اور کسی کے ساتھ محض فضل وکرم ہی کا معاملہ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں حائل کون ہو سکتا ہے۔ ول۶۳ (اور عالم برزخ اس پر منکشف ہونے لگے) یعنی حالت نزع وسکرات شروع ہو جائے کہ اب عذاب وملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی وہ اضطراری ہوگی اور اس لیے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔ معصیت کا صدور اگر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی المعصیت میں ہوگا اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوگا۔ سیّات۔ یہ صیغۂ جمع لانے سے یہ لازم نہیں کہ گناہوں کی مختلف قسمیں صادر ہوتی رہیں بلکہ ایک ہی معصیت کی عرصہ دراز تک تکرار اسے صیغۂ جمع میں لانے کے لیے کافی ہے۔ جمعت باعتبار تکرر وقوعها فی الزمان المدید (روح) ول۶۴ کافر کے ایمان کا مرتے وقت نامقبول رہنا تو اوپر کے فقرہ میں شامل تھا۔ مزید تصریح شدید تاکید اور مزید تقبیح کے لیے ہو۔ ول۶۵ عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن میں بھی رہ چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) پھر مرد اگر چاہتا تو ان سے جبراً یا خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دے دیتا۔ تَرِثُوا النِّسَآءَ میں بیویوں کے جسم کا مالک ہو جانا بھی آ گیا اور ان کے مال وجائداد کا بھی۔ عورتوں کے مال کے مالک ہو جانے کی تین صورتیں مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عرب میں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ عورت کا جو حق شرعی میراث میں نکل رہا ہو اسے خود لے لیا جائے اور اسے نہ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بلا وجہ مجبور کر دے کہ اسے کچھ مال دے جب یہ اسے چھوڑے۔ دنیا بداخلاقی اور بدعملی کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آ کر کن کن چیزوں کی اصلاح کی ہے۔

أَتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

رکھا ہے اس کو کچھ حصہ وصول کر لو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکرداری کی مرتکب ہوں ف۶۶

وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ

اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو ف۶۷ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں

فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ

تو عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی

خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ

رکھ دے ف۶۸ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ (دوسری) بیوی بدلنا

مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا

چاہو ف۶۹ اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو تو تم

تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُۥ بُهْتَٰنًا

اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو ف۷۰ کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کر کے

وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُۥ وَقَدْ أَفْضَىٰ

اسے (واپس) لو گے ف۷۱ اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک

بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَٰقًا

دوسرے سے خلوت کر چکے ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار

غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ

لے چکی ہیں ف۷۲ اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ

ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً

نکاح کر چکے ہیں، مگر ہاں جو کچھ ہو چکا (ہو چکا) ف۷۳ بیشک یہ بڑی بے حیائی اور

ف۶۶ (کہ جب البتہ عورتوں کو قید رکھنا یا ان سے کچھ مال وصول کرنا جائز ہوگا) ایک دستور عرب جاہلیت میں یہ بھی تھا کہ مالدار بیوی کو وارث اس خیال سے کہیں نکاح نہ کرنے دیتے کہ یہ اپنا مال اپنے ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ومحبوس بیوہ اس کے گھر میں اپنی جان دے دیتی۔ یا پھر اسے اپنا مال ومتاع حوالہ کر کے اپنی جان چھڑاتی۔ ''اس مضمون میں بھی تین صورتیں آ گئیں۔ ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتا تاکہ ہم کو یہ کچھ دے۔ دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرتا کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں۔ تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی اس سے کچھ لیے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دیتا'' (تھانوی ؒ)۔ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی جو چیزیں خود تم نے دی ہوں یا تمہارے قرابت والوں نے۔ فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ اس سے مراد زناکاری ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ وھو الزنا (ابن جریر عن السدی) ای الزنا (ابن الجریر عن الحسن) لیکن دوسرے معنی شوہر کی نافرمانی کے بھی ائمہ فن سے منقول ہیں۔ وھو النشوز (ابن جریر۔ عن ابن عباس ؓ) وھو النشوز (ابن جریر۔ عن قتادة) محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ زناکاری اور نافرمانی دونوں مفہوموں کا جامع ہے۔ کل فاحشة من بذاءة باللسان علی زوجھا واذی لہ و زنا بفرجھا (ابن جریر) خلاصہ یہ کہ سوء معاشرت کا سبب ان بیویوں کا پیدا کردہ نہ ہو۔ ای الا ان یکون سوء العشرة من جھتھن (کشاف) ف۶۷ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ جزئیات احکام کے درمیان ایک کلی مسئلہ بھی بیان کر دیتا ہے اور کلیات کے ضمن میں جزئیات بھی لے آتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہے کہ جزئی احکام بیان کرتے کرتے اس نے ایک اہم اصل بیان کر دی عورتوں کے ساتھ معاشرت کی۔ یہ حسن معاشرت کا مرکزی، بنیادی، کلیدی حکم سہاگنوں، بیواؤں، طلاقنوں، سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے۔ اور یہ ہدایت اس مذہب کی ہے جو کہتے ہی کور چشم مسیحیوں، آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں ظالمانہ ہے۔ ف۶۸ (حال یا مستقبل میں) شکایت کرنے والے شوہروں کو اپنی تسکین وتسلی کے لیے اس مراقبہ سے بڑھ کر اور کون خیال ہو سکتا ہے۔ خَیْرًا کَثِیْرًا خیر کے اندر دنیوی واخروی، عاجل وآجل ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آ گئی۔ محض خیر ہی نہیں خیر کثیر (بھلائیوں کا ایک ڈھیر۔ ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین دہ اور کون خیال ہو سکتا ہے؟ اِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ یہاں وہ کراہت مراد ہے جو طبعی طور پر یا خواہ مخواہ ہو۔ نہ کہ کوئی ایسا قابل شکایت امر جس کے اندر عورت کا ارادی قصور شامل ہو۔ ف۶۹ بلا اس کے کہ اس پہلی بیوی کا کوئی قصور ہو۔ یعنی محض اپنی رغبت وخواہش سے تم ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کرنا چاہتے ہو ف۷۰ (اور اس طرح اقرار کیے ہوئے مال کو روک بھی مت رکھو) اِحْدٰھُنَّ یعنی اس پہلی بیوی کو جسے اب چھوڑ رہے ہو۔ قِنْطَارًا کے معنی مال کے انبار کے ہیں۔ القنطار المال العظیم (کبیر وکشاف) اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حدیث میں تو مہر کی زیادتی کی ممانعت آئی ہے لیکن خلیفہ راشد حضرت عمر ؓ نے ایک بار مسجد میں سر منبر گو پہلے مہر کی زیادتی سے روکا لیکن ایک ضعیفہ کے ٹوکنے پر اس کا جواز بھی تسلیم کر لیا اور خود اس آیت سے بھی ڈھیروں مال کا جواز ثابت ہو رہا ہے؟ سوال کا ایک مشہور جواب تو امام رازی ؒ کے قلم ودماغ سے ہے یعنی آیت سے جواز کہاں ثابت ہوا؟ آیت نے تو محض ایک مفروض ومشروط حالت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو جب بھی اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔ اس سے اس مفروضہ یا شرط کا صحیح ہونا تو لازم نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے بھی صاف، دلنشین اور بے تکلف جواب ہمارے زمانہ کے امام شریعت مفسر تھانوی ؒ کے قلم سے نکلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنی صحت نفاذ ہے۔ اور حدیث میں جواز بہ معنی اباحت مطلقہ وعدم کراہت کی نفی ہے، پس کچھ تعارض نہیں۔ اور حضرت عمر ؓ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لیے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا نہ حضرت عمر ؓ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔'' ف۷۱ یعنی بلاوجہ واپس لو گے تو یہ تو صریح ظلم کے مرتکب ہو گے اور یا پھر بات بنانے کے لیے عورت پر کوئی جھوٹا سنگین الزام، زناکاری یا نافرمانی کا لگاتا ہو گا۔ ف۷۲ نکاح کے وقت کہ تم مہر ادا کرو گے۔ مِّيثَاقًا غَلِيظًا یعنی عہد مستحکم۔ وصفہ بالغلظ لقوتہ و عظمہ (کشاف) عھدا وثیقا (مدارک) وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ یعنی جب انہوں نے اپنا جسم تمتع وتلذذ کے لیے تمہارے سپرد کر دیا تو اب مہر ان سے واپس لینا یا اسے انہیں ادا نہ کرنا بڑی بے مروتی بلکہ کم ظرفی کی بات ہے۔ افضی۔ افضا ملفوظ خلوت صحیحہ اور اصل عمل صحبت دونوں کو شامل ہے۔ حنفیہ نے مراد خلوت صحیحہ لی ہے۔ افضی الی امرأتہ ای خلا بھا (راغب) قال الکلبی الافضاء ان یکون معھا فی لحاف واحد جامعھا او لم یجامعھا و ھذا القول اختیار الفراء و مذھب ابی حنیفة (کبیر) ذکر الفراء ان الافضاء ھو الخلوة و ان لم یقع دخول و قول الفراء حجة فی ما یحکیہ من اللغة (جصاص) ای خلا بلاحائل (مدارک) حنفیہ کے ہاں مہر خلوت صحیحہ پر واجب ہوتا ہے۔ والآیة حجة لنا فی الخلوة الصحیحة و ھنا تؤکد المھر (مدارک) ف۷۳ یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہو چکا۔ اب اس پر باز پرس نہیں۔ ای قبل نزول آیة التحریم فانہ معفو عنہ (کبیر) وَلَا تَنْکِحُوْا میں نکاح اپنے لغوی معنی یعنی صحبت کرنے کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ فیہ تحریم وطی موطوءة الاب بنکاح او بملک یمین او بزنا کما ھو مذھبنا و علیہ کثیر من المفسرین (مدارک) مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ عرب جاہلیت کے اس دستور کی طرف اشارہ ہے کہ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیا جاتا تھا۔ قال ابن عباس و جمھور المفسرین کان اھل الجاھلیة

يتزوجون بازواج ابائهم (كبير) مَا نَكَحَ میں مَا . مَنْ کے معنی میں ہے۔ ما بمعنی مَنْ (جلالین) اٰبَآؤُكُمْ اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آ گئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔
وٗ۵۴ قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔ فَاحِشَةً یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مَقْتًا۔ مذاق سلیم رکھنے والوں کے عرف میں بڑی گندی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بری چیز کو جسے دیکھ ہی کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ المقت بغض شديد لمن تراه تعاطي القبيح (راغب) خود اہل جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔ سَآءَ سَبِيْلًا یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبح کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی، فاحشۃ میں اشارہ اوّل کی جانب ہے، مقتا میں دوم کی جانب، ساء سبیلا میں سوم کی طرف۔ وٗ۵۵ اس لیے جو غلطیاں نزول حکم سے قبل ہو چکیں، ان پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اور ان پر وہ خط عفو کھینچ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ایک مفصل فہرست دے کر بتا دیا کہ ان ان عورتوں سے مطلقاً یا فلاں فلاں صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ اور یہ فہرست محرمات قرآن مجید کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ موجودہ انجیل اور خدا معلوم کتنی نام نہاد آسمانی کتابوں میں تعلیم کا یہ ورق سرے سے سادہ موجود ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں اور اسی طرح ماں کی مائیں، دادیاں، نانیاں وغیرہا۔ والجدة من قبل الام والاب ملحقة بهن (مدارک) بَنٰتُكُمْ تمہاری بیٹیاں اور اسی طرح بیٹیوں کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہا۔ وبنات الابن و بنات البنت ملحقات بهن (مدارک) اَخَوٰتُكُمْ۔ اس میں حقیقی کے علاوہ سوتیلی بہنیں بھی آ گئیں۔ لاب و ام او لاب او لام (مدارک) عَمّٰتُكُمْ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں کی بہنیں آ گئیں۔ من الاوجه الثلاثة (مدارک) خٰلٰتُكُمْ۔ اس میں ماں کی اور ماں سے اوپر والوں کی بہنیں آ گئیں۔ من الاوجه الثلاثة (مدارک) بَنٰتُ الْاَخِ یعنی سگی اور سوتیلی بھتیجیاں۔ كذلك (مدارک) بَنٰتُ الْاُخْتِ یعنی سگی اور سوتیلی بھانجیاں۔ كذلك (مدارک) اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید دودھ پلائیوں کو ماں کے لقب سے یاد کر رہا ہے۔ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ رضاعت کے اوقات گو مختلف ہوں، مگر دودھ ہو ایک ہی ماں کا۔ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اس میں بیوی کی نانیاں، پرنانیاں وغیرہ بھی آ گئیں۔ ان کی حرمت محض عقد سے لازم آ جاتی ہے۔ وهن محرمات بمجرد العقد (کشاف) رَبَآئِبُكُمُ اس میں بیوی کی بیٹیوں کے علاوہ نواسیاں وغیرہ بھی آ گئیں۔ فِيْ حُجُوْرِكُمْ لفظی معنی ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہوں، مراد ہے تربیت و پرورش میں ہونا۔ یہ محض عام عادت و عرف کا بیان ہے کوئی قید یا شرط نہیں۔ ذكر الحجر على غلبة الحال دون الشرط (مدارک) مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ماں سے مجرد نکاح اس کی بیٹی کی حرمت کے لیے کافی نہیں۔ حرمت کے لیے ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اصلاً تو کنایہ صرف صحبت سے ہے۔ وهي كناية عن الجماع (بیضاوی۔ کشاف) لیکن حنفیہ نے لمس شہوانی اور بوس و کنار کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت ائمہ فقہ اس میں حنفیہ کے ہمراہ ہیں۔ واللمس و نحوه يقوم مقام الدخول (مدارک) هو التمتع من اللمس او القبل قال المالک و ابو حنيفة (ابن العربی) واتفق اصحابنا والثوری و مالک و اوزاعی والليث والشافعی ان اللمس بشهوة بمنزلة الجماع في تحريم ام المراة و بنتها (جصاص) الجماع هو الاصل و يحمل عليه اللمس لانه

وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

نفرت کی بات تھی اور بہت برا طریقہ تھا ۵۴ تمہارے اوپر حرام کی گئی ہیں

اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے

اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ

تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی

نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہتی ہیں

نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ

ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو بیٹے تمہاری

اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا

نسل سے ہوں اُن کی بیویاں اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

دو بہنوں کو یکجا کرو مگر ہاں جو ہو چکا (ہو چکا) بیشک اللہ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ۙ

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۵۵

استمتاع مثله و يدخل تحت عمومه (ابن العربی) حنفیہ و مالکیہ نے علاوہ لمس شہوانی کے شہوانی نظروں کو بھی سبب تحریم قرار دیا ہے۔ قال اصحابنا جميعا اذا نظر الى فرجها بشهوة كان ذٰلک بمنزلة اللمس في ايجاب التحريم (جصاص) وقال مالک اذ انظر الى شعر جاريته تلذذاً او صدرها او ساقها او شيء من محاسنها تلذذاً حرّمت عليه امُّها و بنتها (جصاص) و اما النظر فانه في الدرجة الثالثة شبه في الزنا ذريعة الذريعة (ابن العربی) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ایسی غیر مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں۔ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یہ صلب یا نسل کی قید اس لیے لگا دی کہ حقیقی یا محض منہ بولے بیٹوں کی بیویاں اس میں نہ شامل ہو جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا۔ من اوما تبنيتم (کشاف) اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا رضاعی اُن کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

وے (بطور کنیز شرعی کے) وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ یعنی ایسی بیاہی ہوئی عورتیں جو اب مسلمانوں کی قید میں جہاد کے بعد آگئی ہیں، ان کی ازدواج بن سکتی ہیں باوجود اس کے کہ ان کے شوہر زندہ اور دارالحرب میں موجود ہیں، ان کا وہ نکاح کافرانہ ان کے مسلمانوں کے ملک یمین میں جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ ف مُحۡصَنٰتُ اَلۡمُحۡصَنٰتُ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے پ، حاشیہ ۱۰ لفظی معنی ہیں" وہ جن کے مالک تمہارے دونوں ہاتھ ہوجائیں" مراد شرعی کنیزیں ہیں مُحۡصَنٰتُ۔ احصان کے معنی ہیں روک میں آجانا۔ قید میں آجانا۔ الاحصان هوان يحمى الشيء و يمنع منه (ابن قتیبہ) الاحصان في اللغة المنع (کبیر) مُحۡصَنٰتِ کے معنی ہوئے قید میں آجانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ عقد نکاح کو قید سے تعبیر کرنے سے یہ اشارہ نکلا کہ ازدواج خود محافظ عفت ہے۔ اي هن النساء ذوات الازواج لان الازواج احصنوهن و منعوا منهن (ابن قتیبہ) قيل المحصنت المزوّجات تصوّراان زوجها هو الذى احصنها (راغب) والمراد بالاحصان هنا العفة (روح) مطلب یہ ہوا کہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے اب دوسرا نکاح حرام ہے۔ یہ تو عام قاعدہ ہوا۔ استثناء اس سے شرعی کنیزوں کا ہے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ وَالۡمُحۡصَنٰتُ کا عطف نحوی اعتبار سے ان محرمات پر ہے جو قبل میں مذکور ہوچکے۔ عطف على المحرمات المذكورات قبل (قرطبی) وے نظام خانگی ہی کی درستی پر ساری ہیئت اجتماعی کی درستی کا انحصار ہے اور نظم خانگی کا ایک بڑا اہم جزیہ ہے کہ عقد نکاح کس کس

وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ‌ۚ

اور وہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) جو قید نکاح میں ہوں بجز ان کے جو تمہاری ملک میں آجائیں وے

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰ لِكُمۡ

اللہ نے فرض کردیا ہے (ان احکام کو) تم پر، اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں وے

اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ‌ ؕ

یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو (اس طور پر کہ) قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے وے

فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

پھر جس طریقہ سے تم نے ان عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقرر شدہ مہر

فَرِيۡضَةً‌ ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ

دے دو اور تم پر اس (مقدار) کے بارہ میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم لوگ مہر کے طے ہوجانے

بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا

کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ وے بیشک اللہ بڑا جاننے والا ہے

حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ

بڑا حکمت والا ہے و۸۰ اور تم میں سے جو کوئی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ

يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ

آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے و۸۱ تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں

اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ‌ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ

سے جو تمہاری ملک (شرعی) میں ہوں (نکاح کرے) و۸۲ اور اللہ تمہارے ایمان (کی حالت) سے

بِاِيۡمَانِكُمۡ‌ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ

خوب واقف ہے و۸۳ تم (سب) آپس میں ایک ہو و۸۴ سو ان کے مالکوں کی اجازت سے

کے ساتھ جائز ہے اور کس کس کے ساتھ ناجائز۔ ضروری تھا کہ اس کے اصول قرآن مجید ہی میں محفوظ کردیے جاتے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ۔ وہی تاکید و اظہار اہمیت کے لئے ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ حدیث وسنت سے جن دوسری عورتوں سے حرمت نکاح ثابت ہے مثلاً رضاعی بہنوں کے ساتھ پھوپھی کا بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کا بھانجی کے ساتھ جمع کرنا۔ یہ سب کنایۃً قرآن مجید کی آیات بالا میں آگئیں۔ حدیث نے انہیں صرف کھول کر بیان کردیا ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ۔ تقدیر کلام یوں مانی گئی ہے۔ الزموا ما كتب الله عليكم (معالم) یا یوں كتاب الله عليكم كتاباً (مدارک) و۷۸ یعنی مقصود فرد و جماعت دونوں کے نزدیک یہ ہے کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے پاک و منزہ، باعفت مستقل زندگی بسر کریں گے۔ اور نکاح کی شرطیں معلوم و معروف ہیں مثلاً کم سے کم دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کی رضامندی کا اعلان، نکاح کا موقت نہ ہونا وغیرہا۔ المراد بالاحصان هنا العفة و تحصين النفس عن الوقوع في مالا يرضى الله تعالى (روح) معناه متعففين عن الزنا (قرطبی) غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ۔ یعنی مقصود حیوانات کی طرح تمام تر ایک مادی شہوت یا جنسی تقاضہ کا پورا کرنا نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مستقل نباہ کرنے، رہنے، بسنے، آباد کرنے کا ارادہ اور اس کی وقعت ومحبت کسی درجہ میں تو ہو تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ۔ مال سے مراد مہر ہے۔ یا ملک یمین کی قیمت۔ ان تبتغوا النساء باموالكم بالصرف في مهورهن (بیضاوی) اى تنكحوا بصداق اوتشتروا بثمن (معالم) يعني المهور (مدارک) فقہاء نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ مہر نکاح کا لازمی جزء ہے گو تعداد مہر معین نہ ہو۔ وفيه دليل على ان النكاح لايكون الا بمهر وانه يجب وان لم يسم (مدارک) مہر کی بار بار تاکید سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کو عورتوں کے حقوق کا کس درجہ اہتمام مطلوب ہے۔ نفس تخریج نکاح وسفاح دونوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی انسانوں کی طرح مقید و پابند ہوجاتی ہے اور سفاح میں انسان جانوروں کی طرح چھوٹا ہوا رہتا ہے۔ تَبۡتَغُوۡا۔ بغی کے معنی تلاش کرنے طلب کرنے کے ہیں اور حکم کے مخاطب مرد ہیں۔ گویا نکاح کی درخواست کرنا یا انگریزی محاورہ میں "(پروپوز)" کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت کا کام صرف قبول کرنا منظوری دینا ہے۔ نر اور مادہ کے درمیان یہ فاعلیت وانفعالیت کا فرق زندگی کے ہر شعبہ پر محیط وحاوی ہے۔ و۷۹ یعنی مقدار مہر ایسی شے نہیں جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح قابل تبدیلی نہ ہو۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں یا بالکل معاف بھی کرسکتے ہیں۔ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ یعنی بعد نکاح لطف اٹھایا ہے۔ الاستمتاع التلذذ والاجور المهور (قرطبی) و۸۰ اللہ کا علم کامل ہے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا۔ اور اسی علم کامل کے لحاظ سے اس نے قانون اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔ و۸۱ یعنی ان آزاد شریف بیویوں کا مہر نفقہ وغیرہ، پوری طرح ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ مُحۡصَنٰتِ سے یہاں مراد شریف آزاد بیویاں ہیں۔ اى الحرائر (معالم) يريد الحرائر وقالت فرقة معناه العفائف وهو ضعيف۔ (قرطبی) طول کے معنی وسعت ومقدرت کے ہیں۔ الطول السعة والغنى قاله ابن عباس و المجاهد و سعيد بن جبير والسدى و ابن زيد (قرطبی) و۸۲ اور کنیز کو بیوی بنالینے میں عار محسوس نہ کرے۔ یہ مشورہ اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ باندی کا مہر نفقہ وغیرہ نسبۃً ہلکا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے مالک انہیں غریب شوہروں کے نکاح میں دے دینے میں عار بھی محسوس نہ کریں گے فَتَيٰتِكُمُ۔ فتاة کا لفظ جب باندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں جوان عمر کی قید باقی نہیں، بوڑھی، جوان ہر سن وسال کی باندیاں فتیات ہی کہی جائیں گی۔ العجوز الحرة لاتسمى فتاة والامة شابة والعجوز كل واحدة منهما تسمى فتاة (جصاص) اى امائكم (راغب) اى المملوكات وهي جمع فتاة (قرطبی) فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ حنفیہ کے یہاں کنیز کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے اور آیت میں مومنات کی قید محض استحبابی ہے۔ ونكاح الامة الكتابية يجوز عندنا والتقييد في النص للاستحباب (مدارک) و۸۳ (اور ایمان ہی معیار و مدار فضیلت ہے) پھر کوئی آزاد کیوں بوقت ضرورت کسی باندی سے عقد کرنے میں عار محسوس کرے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے ظاہر ایمان کے قبول کرنے پر استدلال کیا ہے نیز اس پر کہ ایمان

تصدیق قلب کا نام ہے نہ کہ اقرار زبانی کا۔ فیه تنبیه علی قبول ظاهر ایمانهن ودلیل علی ان الایمان هو التصدیق دون عمل اللسان (مدارک) و۸۴ (مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی اور اولاد آدم ہونے کے لحاظ سے بھی) انتم وارقائکم متناسبون نسبکم من ادم و دینکم الاسلام (بیضاوی) ای لاتستنکفوا من نکاح الاماء فکلکم بنو ادم (مدارک) عرب سوسائٹی میں باندیوں سے نکاح کرنا عار اور ذلت کی چیز سمجھی کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ کنیز زادی کہلائے گی۔ قرآن مجید نے اس عار کو مٹایا اور بتایا کہ وقت ضرورت اس میں ذرا تکلف نہ کرنا چاہیے۔ ان العرب کانوا یفتخرون بالانساب فاعلم فی ذکر هذا الکلمة ان الله لاینظر ولا یلتفت الیه (کبیر) و۸۵ مجرد نکاح سقوط ملک کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے مالک کی اجازت بہرحال ضروری ہے۔ اذنہن۔ المراد به الموالی لانه لاخلاف انه لایجوز لها ان تتزوج بغیر اذن مولاها وانه لا اعتبار باذن غیر المولی (جصاص) لیکن نفس نکاح میں رضامندی خود باندیوں کی معتبر ہوگی نہ کہ ان کے مالکوں کی۔ وهو حجة لنا فی ان لهن ان یباشرن العقد بانفسهن لانه اعتبر اذن الموالی لاعقدهم (مدارک) و۸۶ (اور ان کے کنیز ہونے کی بنا پر ادائے مہر کو غیر اہم یا غیر ضروری نہ سمجھو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ مالک اپنی باندیوں کی ہر کمائی کے مالک ہوتے تھے اس لئے باندیوں کا مہر بھی ان کے مالکوں ہی کو دیا جائے گا، اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وآتوا مواليهن اجورهن. فكان اداء ها اليهن اداءً الى الموالى لانهن وما فى ايديهن مال الموالى (مدارک) و۸۷ یعنی یہ ادائے مہر بہ معاوضہ نکاح ہو بطور اجرت زنا نہ ہو۔ آزاد شریف بیویوں کے مقابلہ میں باہر نکلنے والیوں کے بدچلنی کے امکانات یوں بھی زائد ہوتے ہیں، چونکہ باندیاں جو عرفاً حقیر، غیر معزز ہی سمجھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذیل میں ان قیدوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ضروری ہوا۔ مُسٰفِحٰتٍ سے مراد ہیں کھلی ہوئی اور عام کسبیاں۔ اور متخذٰت اخدان سے مراد ہیں وہ جن کا کوئی ایک آدھ متعین آشنا ہوتا تھا۔ دنیائے حسن میں بیسواؤں کی دو قسمیں تقریباً ہر جگہ قائم رہی ہیں۔ ایک کھلی ہوئی کسبیاں، دوسرے چھپی ہوئی داشتائیں۔ جاہلیت عرب کے تمدن میں بھی یہی تفریق قائم تھی۔ قال اكثر المفسرين المسافحة هي التي تؤاجر نفسها مع اى رجل ارادها و متخذة الخدن هي التي تتخذ خدناً معيناً وكان اهل الجاهلية يفصلون بين القسمين وما كانوا يحكمون على ذات الخدن بكونها زانية (کبیر) و۸۸ (جیسا کہ نفس نکاح بھی تھا) باندیاں خواہ نکاحی ہوں یا کنواری ان کی سزائے زنا ہر حال میں آزاد شریف بے نکاحی عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔ باندیاں جس طرح اکثر حقوق میں بیویوں کا نصف مرتبہ رکھتی ہیں، اسی طرح اس جرم کی سزا بھی ان کے لئے نصف ہی رکھی گئی ہے۔ شاید اس لئے کہ جرم کی ترغیبات بھی ان کے لئے زائد ہیں اور موانع کمتر ہیں۔ بفاحشۃ۔ جرم بے حیائی یہاں زنا کاری کے معنی میں ہے۔ وهي الزنا (ابن جریر) مِنَ الْعَذَابِ۔ سے مراد حد شرعی ہے۔ ای من الحد (مدارک) عَلَى الْمُحْصَنٰتِ۔ مُحْصَنٰتِ سے یہاں مراد بیاہی ہوئی نہیں بلکہ بن بیاہی شریف خواتین ہیں۔ احصان کے تحقق کے لئے اس کا محض حرہ (آزاد) ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی البكرة الحرة سما هاوان لم تتزوج لان الاحصان يكون لها بها اذا كانت حرة ولايكون بالامة احصان (ابن قتیبہ) المحصنات هنا الحرائر اللاتى لم يزوجن (مدارک) ای الابكار الحرائر (قرطبی) ای ما على الحرائر الابكار (معالم) ایک آیت اوپر اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ کے ذیل میں بھی محصنات متعلق شریف عورتوں کے معنی میں آچکا ہے۔ و۸۹ یعنی باندی کی زنا کاری کی سزا پچاس درے ہے، شریف کنواری عورت کی سزائے زنا کاری سو درے ہے۔ فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة اس کے نصف پچاس ہی درے ہوتے ہیں۔ شریف نکاحی عورت کے لئے سزائے زنا سنگ زنی ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں اور مملوک پر سرے سے رجم ہی نہیں۔ اس کی سزا بہرصورت وہی پچاس درے ہے۔ نصف ما على المحصنت يدل على انه الجلد لا الرجم لان الرجم لا يتنصف (مدارک) غلاموں کی حرامکاری کی سزا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کر کے ان کی سزا بھی یہی پچاس درے رکھی ہے۔ فرقہ خوارج سزائے رجم کا بالکل منکر ہے اور اس کا مستدل یہی آیت ہے۔ (کبیر) و۹۰ (خواہ اس لئے کہ طبعی تقاضا مجبور کر رہا ہو خواہ اس لئے کہ شریف بیوی میسر نہ آرہی ہو) ذٰلِكَ یعنی باندی سے نکاح۔ يعني نكاح الامة عند عدم الطول (معالم) ای نکاح الاماء (مدارک) الْعَنَتَ عنت کے لفظی معنی ضرر وزیان کے ہیں۔ اصل العنت الضرر والفساد (ابن قتیبہ) یہاں مراد زنا میں پڑ جانا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ضرر مسلمان کے لئے ہو سکتا ہے۔ ای الزلة والفجور منكم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) العنت الزنا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الاثم التی تؤدی اليه غلبة الشهوة (مدارک) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ شدید ضبط جس سے انسان جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے مثلاً اختناق رحم کی شکایت ہو جائے یا مردوں کو درد پشت وغیرہ کی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے اس قول کو یوں نقل کرتے ہیں:۔ والثاني ان الشبق الشديد والغلمة العظيمة قد تؤدي بالانسان الى الامراض الشديدة اما في حق النساء فقد تؤدي الى اختناق الرحم واما في حق الرجال فقد تؤدي الى اوجاع الوركين والظهر (کبیر) و۹۱ یعنی اگر خواہش نفس کا اتنا غلبہ نہیں ہے جس سے حرامکاری میں پڑ

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ان سے نکاح کر لیا کرو و۸۵ اور ان کے مہر انہیں دے دیا کرو مقررہ کے موافق و۸۶

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ

اس طرح کہ وہ قید نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں ہوں و۸۷

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پھر جب وہ (کنیزیں) قید نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ (بڑی) بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ

اس سزا کا نصف ہے و۸۸ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے و۸۹ یہ اس کے لئے

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ

ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو و۹۰ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو تمہارے حق میں کہیں بہتر

لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ

ہے و۹۱ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے و۹۲ اللہ کو منظور ہے کہ تم سے (احکام) کھول کر بیان

لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

کر دے اور تم کو تم سے قبل والوں کے حالات بتلا دے

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ

اور تم پر توجہ فرمائے و۹۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، اور بڑا حکمت والا ہے۔ و۹۴ اور اللہ کو

يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے و۹۵ اور جو لوگ خواہشوں کے

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ

بندے ہیں و۹۶ انہیں یہ منظور ہے کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ و۹۷ اللہ کو منظور ہے

ع ۴

جانے کا قوی اندیشہ ہو رہا ہو تو پھر کنیزوں سے نکاح کرنے سے یہی بہتر ہے کہ خود خواہش نفس پر قابو حاصل کرلیا جائے۔ ای الصبر عن نکاح الاماء خیر لکم (ابن جریر) ظاهره الاخبار عن صبر خاص و هو غير نكاح الاماء قاله ابن عباس و مجاهد و ابن جبیر و السدی (بحر) و۹۲ چنانچہ اس کی صفت رحیمی اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے نکاحوں کی حرمت کا حکم نہیں رہا اور شان غفوریت یہ ہے کہ کنیزوں سے بلاضرورت شدید نکاح کرلینا کراہت تنزیہی کے باوجود نجات کی راہ میں حائل کسی طرح نہیں۔ و۹۳ (رحمت و مغفرت کے ساتھ) يُبَيِّنَ لَكُمْ۔ چنانچہ وہ آیات احکام و مسائل تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے۔ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ چنانچہ وہ آیات قصص و حکایات تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے و۹۴ چنانچہ بندوں کی کوئی سی بھی ضرورت و مصلحت اس کے علم کامل سے باہر نہیں۔ اور اپنی حکمت کاملہ سے اس نے احکام ایسے رکھے ہیں جو ہر مصلحت کی پوری پوری رعایت کرنے والے ہیں۔ و۹۵ (شفقت و رحمت کے ساتھ اپنی احکام و تعلیمات کے ذریعہ سے) و۹۶ (اور ہوائے نفس ہی کو اپنا دین و ایمان بنائے ہوئے ہیں) یہ کون لوگ ہیں؟ الفاظ کا مصداق کفار کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی فسق پیشہ افراد بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کے معنی اہل کتاب کے بھی مروی ہوئے ہیں، یہود کے بھی اور زانیوں کے بھی وقس علیٰ ہٰذا۔ قیل المجوس (کبیر) قیل المجوس و قیل الیهود (بیضاوی) قال بعضهم هم

اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کہ تمہارے ساتھ تخفیف کرے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے و۹۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر

بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

نہ کھاؤ و۹۹ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی

مِّنْكُمْ ۟ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ

سے ہو و۱۰۰ اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو و۱۰۱ بیشک اللہ تمہارے حق میں

رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا

بڑا مہربان ہے و۱۰۲ اور جو کوئی ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم کی راہ سے

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لئے

يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

آسان ہے و۱۰۳ اگر تم ان بڑے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہے

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم تم سے تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کردیں گے و۱۰۴ اور تمہیں ایک معزز مقام پر داخل کردیں گے و۱۰۵

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى

اور تم ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر

بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ

بڑائی دی ہے و۱۰۶ مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے

الزناة و قال آخرون بل هم اليهود و النصارى (ابن جریر) هم الزناة او اليهود و النصارى او اليهود خاصة او المجوس (بحر) قول فیصل یہ ہے کہ الفاظ ان سارے معانی کے محتمل ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی نافرمانی پر دلیر ہے وہی اپنی خواہش نفس کا بندہ ہے۔ كان داخلا فی الذين يتبعون الشهوات اليهود و النصارى و الزناة و كل متبع باطلا لان كل متبع مانهاه الله عنه متبع شهوة نفسه (ابن جریر) الفجرة (المدارک) ای متبعوا كل شهوة قاله ابن زياد و رجحه الطبری و ظاهره العموم (بحر) و۹۷ (اور راہ راست سے ہٹ کر انہی جیسے ہوجاؤ)۔ مَيْلًا عَظِيْمًا۔ اس سے بڑھ کر بھی اور کیا ہوگی کہ انسان یا تو حرام کو حرام سمجھنے ہی سے انکار کردے اور یا بے باکانہ ارتکاب حرام کرتا رہے۔ و۹۸ (کمزور جسم کے لحاظ سے بھی اور کمزور ارادہ کے لحاظ سے بھی) اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ۔ چنانچہ شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ چنانچہ جتنے بھی احکام شرعی ہیں سب انسان کے ضعف جسمانی و ضعف ارادی ہی کی رعایت سے ہیں۔ و۹۹ یعنی نہ کھاؤ۔ یعنی غیر مشروع طریقوں پر۔ خیانت اور بددیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اس ایک حکم کے اندر آگئی۔ کاش اسلام کے ایک اسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہوجائے۔ و۱۰۰ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرف کرسکتے ہو، مثلاً سرمایۂ مشترک سے تجارت، کہ یہ تو عین باعث برکت ہے۔ و۱۰۱ اَنْفُسَكُمْ۔ کے معنی عموماً اخوانكم یا من جنسكم کئے گئے ہیں۔ اور مراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اتفقوا على ان هذا نهى عن ان يقتل بعضهم بعضا (کبیر) قتل بعضكم بعضا (ابن جریر عن عطاء) ای اهل ملتكم (ابن جریر عن السدی) یعنی اخوانكم (معالم۔ عن الحسن) من كان من جنسكم من المؤمنين (مدارک) دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو اور یہ معنی بھی منقول ہیں۔ ولا يقتل الرجل نفسه (مدارک) بعض مذہبوں میں خودکشی خود ایک عبادت رہی ہے۔ مثلاً جوگیوں میں یا بعض قدیم ہندی مذہبوں میں۔ بالبخع كما تفعله جهلة الهند (بیضاوی) و۱۰۲ (چنانچہ یہ سارے احکام بھی اسی شفقت و رحمت کا نتیجہ ہیں) و۱۰۳ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اتفاقی طور پر یا بطور خطائے اختیاری کے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ کرتے رہتے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ ای مانهى عنه (جلالین) یعنی ماسبق ذكره من المحرمات (معالم) عُدْوَانًا۔ یعنی حدود شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے یا دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے۔ قيل اراد بالعدوان تعدى على الغير (بیضاوی) العدوان تجاوز الحد (قرطبی) ظُلْمًا۔ یعنی اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے قيل اراد بالظلم ظلم النفس (بیضاوی) كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔ اللہ کی قوت کو یہ دیوتا پرست مشرک کہیں انسانوں یا دیوتاؤں کے محدود قویٰ پر قیاس نہ کریں و۱۰۴ (اور نتیجۃً تمہیں عذاب سے بھی بچا لیں گے) یہ قانون الٰہی ہے جس کی تکرار قرآن مجید میں کئی بار آئی ہے۔ اور ایک جگہ اسے بالکل کلی اور عمومی صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ اس قسم کی آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء و اتقیاء میں بھی معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کثرت طاعات پر نظر مرحمت کرکے ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرجاتا ہے اور انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ عصمت انبیاء کا مسئلہ ایک دوسرے قانون سے ثابت ہے۔ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ یعنی بڑے بڑے گناہ لیکن خود کبیرہ کا اطلاق کس کس عمل پر ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ سفیان ثوری تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ کبیرہ بندوں کے اتلاف حقوق کا نام ہے اور صغیرہ صرف اللہ کے اتلاف حقوق کا۔ قال سفيان الثورى الكبائر ما كان فى المظالم بينك و بين عباد الله تعالى و الصغائر ما كان بينك و بين الله تعالى (معالم) اس ہیچمدان کے خیال میں کبیرہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آچکی ہو۔ اور اس کا معصیت ہونا کسی دقیق استنباط یا دلالت خفی کا محتاج نہ

ہو۔ یا کم از کم یہ کہ حدیث صحیح میں اس کی مرتکب صراحت اور تاکید کے ساتھ آچکی ہو۔ ممتاز صحابیوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ قال علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب هی کل ذنب ختمه اللہ بنار او غضب او لعنة او عذاب (معالم) اور یہی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ سیئاتکم۔ سیات سے مراد چھوٹی برائیاں یعنی گناہ صغیرہ ہیں۔ ای صغائرکم (بیضاوی) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ پر عتاب کے ساتھ ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہل سنت کا مذہب ہے۔ بخلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں (مدارک) و۱۰۵ یعنی جنت میں۔ پہلا وعدہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تھا۔ اب بشارت دخول جنت کی مل رہی ہے۔ و۱۰۶ (طبعی و وہبی طور پر بلا دخل کسی عمل و کسب کے مثلاً مردوں کو جو فضیلت عورتوں پر حاصل ہے) کوئی دولت مند ہے، کوئی حسین و جمیل ہے، کوئی خوش آواز ہے، کسی کے قوائے جسمانی بہت مضبوط ہیں۔ اس قسم کے وہبی و طبعی فضائل کو قرب حق میں مطلق دخل نہیں۔ آیت میں تعلیم ہے کہ ان کی بنا پر ایک دوسرے پر رشک کرنا، ایک دوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت و تمنا کرنا درست نہیں۔ قرب حق میں دخل صرف عمل و اکتساب کو ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے اپنے احساس کمتری کی بنا پر مردوں پر رشک کا اظہار کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بتا دیا گیا کہ نجات و مغفرت اور قرب حق کا مدار تو اپنے اعمال ارادی و

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ

اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے و۱۰۷ اور اللہ سے اس کے فضل کی

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

طلب کرو و۱۰۸ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے و۱۰۹

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے لئے ہم نے وارث

وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ

ٹھیرا دیئے ہیں و۱۱۰ اور جن لوگوں سے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ

نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع

دے دو و۱۱۱ بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں و۱۱۲ اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے و۱۱۳ اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے و۱۱۴

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ

سو نیک بیبیاں اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی

اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

ہوتی ہیں و۱۱۵ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو و۱۱۶ تو انہیں نصیحت کرو و۱۱۷

وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ

اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو و۱۱۸ اور انہیں مارو و۱۱۹

اختیاری پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔ عورتوں کے لئے بھی قانون حسن عمل وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے اور اس لئے انہیں مردوں پر رشک کا کوئی محل نہیں۔ یہ فرق تو محض تکوینی مصلحتوں سے رکھ دیے گئے ہیں۔ لان ذلک التفضیل قسمة من الله تعالی صادرة عن حکمة و تدبیر و علم باحوال العباد (مدارک) و۱۰۷ (یہ نہ ہوگا کہ مرد کا اجر اس کے مرد ہونے کی بنا پر کچھ بڑھ جائے اور عورت کا اجر اس کے عورت ہونے کی بنا پر کچھ گھٹ جائے) مرد بہ حیثیت مرد ہرگز اللہ کے ہاں مقرب تر اور نجات کا مستحق تر نہیں۔ اور عورت اپنی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر و قرب سے محروم نہ رہے گی۔ جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے۔ اس میں عورت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ اپنا احساس کمتری دور کرے اور سمجھے کہ ایک مکلف مخلوق کی حیثیت سے وہ اور مرد دونوں بالکل ایک سطح پر ہیں اور حصول نجات و قرب حق میں وہ مرد سے ذرا بھی فروتر نہیں۔ ہندوؤں نے اپنی منوسمرتی کے اوراق میں اور کیتھولک کلیسا نے صدیوں تک اپنی مجلسوں میں جو فیصلہ عورت کی پستی اور پست فطرتی کے کئے ہیں۔ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مما اکتسبوا۔ مما اکتسبن۔ اکتساب سے مردو دونوں جگہ اعمال خیر کا کسب ہے۔ و۱۰۸ (توفیق اعمال میں) رشک و تمنا ذلیل اور ادنیٰ سے طلب کرنے والی اصل چیز وہبی اور طبعی نعمتیں نہیں بلکہ توفیق حسن عمل ہے۔ و۱۰۹ (چنانچہ اپنے اس علم کامل کے مطابق اس نے ہر مخلوق کو صلاحیت و استعداد بخشی اور وہی ہر ایک کے فرد عمل پر پوری طرح مطلع بھی ہے) و۱۱۰ (قانون میراث کے ذریعہ سے) وارثوں کی تفصیل اسی سورت میں چند رکوع قبل گزر چکی۔ تقسیم ترکہ کی کچھ عارضی صورتیں آغاز اسلام ہی میں بتا دی گئی تھیں وہ مکمل قانون میراث کے نازل ہونے کے بعد اب قدرۃً منسوخ ہو گئیں۔ نیز مضاف الیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لکل احد و۱۱۱ یعنی کل ترکہ کا ۱/۶ حصہ۔ الذین عقدت ایمانکم۔ اصطلاح میں یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے ہیں۔ عرب قدیم میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول و قرار کر کے ایک دوسرے کے اس طرح دوست و مددگار ہو جاتے کہ اگر ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور ایک کی وفات پر دوسرا اس کی میراث پائے۔ اسی عہد کو عقد موالاۃ کہتے۔ شریعت نے شروع شروع اس دستور کو تھوڑی سی ترمیم کے بعد قائم رکھا۔ اور انصار و مہاجرین میں مواخات قائم کر کے باہم میراث جاری کرا دی۔ پھر اس عہد والے کا حصہ ۱/۶ متعین کیا۔ پھر جب سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض تو سب وارثوں کے حصے متعین ہو گئے اور اب اس کے لئے گنجائش نہ رہی۔ و۱۱۲ ابھی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ روحانیات کی دنیا میں یعنی قرب حق اور حسن عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور ساری عبادتیں جس طرح اور جس پیمانہ پر مرد کی قبول ہو سکتی ہیں۔ وہی ساری راہیں عورت کے لئے بھی کھلی ہوئی ہیں اب یہاں یہ بتایا گیا کہ مرد و زن کی یہ مساوات دنیوی معاملات میں اور انتظامی حیثیت سے قائم نہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں بہ حیثیت عبد بالکل ایک ہیں۔ عند اللہ اعمال کی مقبولیت کے معیار سے دونوں بالکل مساوی ہیں۔ لیکن دنیا میں شریعت ہی کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے اور بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا حکم مانے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے۔ الزوجان مشترکان فی الحقوق و للرجال علیهن درجة بفضل القوامیة (ابن العربی) قوّٰمون۔ قوام کے معنی ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ عورتوں کے امور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔ قوام اور قیم ہم معنی ہیں قوام فصیح تر ہے۔ قام الرجل المرأة ای قام متکفلا بامرها فهو قوام وقد یجئ القیام بمعنی المحافظة والاصلاح (تاج) الرجال متکفلون بامور النساء (لسان) صاروا قواما علیهن نافذالامر علیهن (ابن جریر) فکانه تعالی جعله امیرا علیها ونافذالحکم فی حقها (کبیر) قیامهم علیهن بالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانة (جصاص) القوام والقیم بمعنی واحد والقوام ابلغ وهو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب (معالم) بائبل نے

عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا:۔" خداوند خدا نے..... عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا" (پیدائش ۳: ۱۶)" اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے۔ جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے۔ اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے، لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں"۔ (افسیوں ۵: ۲۲۔ ۲۴) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر وتذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم وجاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ ومقام دیتا ہے جو نظام کائنات نے اسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی وہم رتبہ ہے لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔ **و۱۱۳** (طبعی اور تکوینی طور پر) مرد کی یہ افضلیت اس کے قوائے جسمانی کی مضبوطی اور دل ودماغ کی برتری دونوں سے عیاں ہے۔ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یعنی صنف ذکور کو صنف اناث پر۔ بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء (کشاف) بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ میں ب سببیہ ہے اور اس کا تعلق قوامون سے ہے۔ الباء للسببية وهي متعلق بقوامون اى قوامون عليهن بسبب تفضيل الله تعالى اياهم عليهن (روح) **و۱۱۴** (عورتوں پر مہر میں اور نفقہ میں) مطلب یہ ہوا کہ مرد کی افضلیت عورت پر دوہری حیثیت رکھتی ہے۔ ایک تو طبعی یعنی جسمانی ودماغی قویٰ میں خلقی برتری۔ دوسری قانونی یا معاشری کہ عورت خرچ میں مرد کے دست نگر رہتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ قرآنی نظام کی رو سے کمانا یا کسب معاش کرنا اور بیوی کے خرچ اٹھانا مردوں کے ذمہ ہے۔ دلت على وجوب نفقتها عليه (جصاص) **و۱۱۵** نیک بیویوں کی۔ مومنات صالحات کی علامت یہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ شوہر کی غیبت میں اس کے عزت وناموس اور اس کے مال وجائداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی ہوئی لڑکیاں غور کریں کہ انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ۔ میں ف نتیجہ کا ہے۔ یعنی اوپر کے مقدمات سے ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے بِمَا میں ب سببیہ ہے۔ یعنی ان کا ایسا کرنا توفیق الٰہی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ والباء سببية اى بسبب حفظ الله لهن (جمل) اى بتوفيقه لهن (جمل) **و۱۱۶** ذکر مہذب، شریف وشائستہ بیویوں کا ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ اب اس کے مقابل ناشائستہ اور رذیل فطرت کی بیویوں کے باب میں کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ وہ نظام قانون کامل نہیں ناقص ہے جو ذکر صرف اچھوں کے انعام واکرام کا کرتا ہے اور بدوں کا تذکرہ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ نُشُوْزَهُنَّ۔ عورت کے نُشُوْز کے اصل معنی یہ ہیں کہ شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے۔ نشزت المرأة بزوجها اى استعصت على زوجها وارتفعت عليه وابغضته خرجت عن طاعته (تاج) نشوز المرأة بغضها لزوجها ورفع نفسها عن طاعته (راغب) واصل النشوز الترفع على الزوج بمخالفته (جصاص) ائمہ تفسیر نے اسی معنی کی توثیق کی ہے۔ يعنى استعلائهن على ازواجهن وارتفاعهن عن فرشهم بالمعصية منهن والخلاف عليهم فى مالزمهن طاعتهم فيه بغضاً منهن واعراضاعنهم (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب) گویا پرمسرت ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم وبغاوت شروع ہو جائے۔ تَخَافُوْنَ۔ خوف یہاں علم کے معنی میں ہے۔ یعنی جب ان کی بغاوت ونافرمانی تجربہ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ محض بدگمانیاں یا دور کے احتمالات کو اس کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ تخافون اى تعلمون (ابن عباس) والخوف هنا قيل معناه اليقين ذهب فى ذلك الى ان الاوامر التى بعد ذلك انما يوجبها وقوع النشوز لا توقعه (بحر) حمل الخوف على العلم (معالم) فارسی مترجمین قرآن نے بھی یہاں خوف کا ترجمہ علم یا دانستن سے کیا ہے آں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں (ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) آن زنانے کہ میدانید نافرمانی ایشاں را (سعدی رحمۃ اللہ علیہ) **و۱۱۷** اب سرکش ونافرمان بیویوں کا علاج بیان ہو رہا ہے۔ پہلی منزل یہ ہے کہ انہیں نرمی وآشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ اسی میں شوہر کو بھی تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھو۔ **و۱۱۸** یعنی ان سے تعلقات ہم بستری منقطع کر لو اور ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دوسری منزل ہے۔ جب زبانی گفتگو وفہمائش سے اصلاح حال نہ ہو اور نافرمانی وسرکشی بدستور قائم رہے۔ جب پہلا عملی قدم یہ اٹھاؤ لیکن تحقیق وتجربہ کے بعد۔ اس کے قبل محض ظن وبدگمانی کی بنا پر نہیں۔ ان تحققتم و علمتم النشوز (جمل) فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ محض بدگمانی پر دوسری اور تیسری سزاؤں کا قدم اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ فالحاصل ان كلامن الهجر والضرب مقيد بعلم النشوز ولا يجوز بمجرد الظن (جمل) وَاهْجُرُوْهُنَّ۔ هجر کے دوسرے معنی ترک کلام کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دو۔ قال ابن عباس وعكرمة والضحاك والسدى هجر الكلام (جصاص) اى لا يكلمها وان وطئها قاله عكرمة وابو الضحى (ابن العربی) **و۱۱۹** (ہلکے ہلکے) ضربا غير مبرح ولا شائن (ابن عباس) قال الحسن ضربا غير مبرح وغير مؤثر (جصاص) یہ تیسرا علاج اس وقت کے لئے ہے جب دوسرا علاج بھی ناکام ثابت ہو لے۔ والامور الثلاثة مرتبة ينبغى ان يتدرج فيها (بیضاوی) اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے۔ یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو یہ منقول

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو **و۱۲۰** بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ

اللہ بڑا رفعت والا ہے، بڑا عظمت والا ہے، **و۱۲۱** اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشاکش

بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ

کا علم ہو **و۱۲۲** تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے

اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

مقرر کر دو **و۱۲۳** اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، **و۱۲۴**

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا

بیشک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے، **و۱۲۵** اللہ کی عبادت کرو اور

تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى

کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو **و۱۲۶** اور حسن سلوک (رکھو) والدین کے ساتھ اور

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى

قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور دور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ

اور جو تمہاری ملک میں ہے ان کے ساتھ **و۱۲۷** قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو

كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۨ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

خود بین ہیں شیخی باز ہیں، **و۱۲۸** جو بخل کرتے رہتے ہیں

ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ قال ابن عباس بالسواک ونحوه (بحر) قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (لیکن بار بار اسے یاد کر لینے کی بھی ضرورت ہے) کہ کسی ایک طبقہ کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں۔ اس کے مخاطب عرب وعجم، چینی اور حبش، انگریز اور ہندی، رومی اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنیٰ، شریف ورذیل، عالم وعامی، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی اور دھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بد باطن، ہر طبقہ، ہر سطح، ہر ذہنیت کے لوگ پہلی صدی ہجری سے لے کر قیامت تک ہر زمانہ اور ہر دور والے ہیں اور اس کے احکام ومسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کر لیا گیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں۔ علاج کی یہ صورت ظاہر ہے کہ انہی طبقوں کے لئے ہے۔ پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے ورنہ سیاق عبارت نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے۔ وسوق الكلام للرفق في اصلاحهن (جمل) فالتخفيف مراعى في هذا الباب على ابلغ الوجوه (کبیر) وقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ والضرب مباح وتركه افضل (کبیر) اور اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہو جائے تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ مهما حصل الغرض بالطريق الاخف وجب الاكتفاء به ولم يجز الاقدام على الطريق الاشد (کبیر) یورپ میں بیویوں کی مار پیٹ کا دستور جہاں جہاں رہا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید میں اس حکم کا ملنا قرآن مجید کے حق میں ذرا بھی معترض نہیں جیسا کہ بعض یورپ زدہ مسلمان سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ تو عین دلیل ہے

وَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ

اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں ف۱۲۹ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار

مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ

کر رکھا ہے ف۱۳۰ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

رہتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر (تو یہ سب کافروں ہی کے حکم میں داخل ہیں) ف۱۳۱

وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور جس کا مصاحب شیطان ہوا سو برا مصاحب ہوا ف۱۳۲

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور انہیں کیا خرابی لاحق ہو جاتی اگر یہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آتے

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ

اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ف۱۳۳ اور اللہ ان سے

عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ

خوب واقف ہے بیشک اللہ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا ف۱۳۴ اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

ایک نیکی ہو گی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

اجر عظیم دے گا ف۱۳۵ سو اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک ایک

اس کی کہ قرآن مجید کے احکام ہر طبقہ اور ہر مزاج اور ہر سطح انسانی کے لئے ہیں۔ ف۱۲۰ (ان پر سختی اور زیادتی کرنے کے لئے) اوپر کی تدبیر تو محض ضرورت کے لئے ہے۔ بلا ضرورت اس کا استعمال بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لئے ہرگز درست نہیں۔ ف۱۲۱ (سو تم ایسی رفعت والے، عظمت والے پروردگار کے حقوق میں کوتاہی سے کب ماوراء ہو؟) شوہر اگر یہ مراقبہ کرتے رہیں تو بیویوں سے اپنے مطالبات میں یقیناً نرم پڑ جائیں اور ان کی طرف سے ادائے حقوق پر اتنا اصرار جاری نہ رکھیں۔ ف۱۲۲ خطاب عام امت اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہل حل وعقد کو بدرجۂ اولیٰ۔ الخطاب كما قال ابن جبير والضحاك وغير هما للحكام (روح) وقال اٰخرون المراد كل واحد من صالحي الامة (کبیر) خطاب لجميع المؤمنين (کبیر) بَيْنِهِمَا۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان۔ شِقَاقَ۔ یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ امت اور افراد امت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۱۹ والمراد فان علمتم كما قال ابن عباس رضی اللہ عنہ (روح) والخوف بمعنى اليقين وقيل هو بمعنى الظن يعني ان ظننتم شقاقا بينهما (معالم) ف۱۲۳ (جو تصفیہ کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیق حال کریں) فَابْعَثُوْا۔ یعنی تصفیہ کی غرض سے ان دو حکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاق طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کارروائی کی نوبت آ جائے۔ بلکہ پہلے یہ کوششیں مصالحت ومفاہمت کی کر لی جائیں۔ رشتہ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ ف۱۲۴ اِنْ يُّرِيْدَا۔ میں ضمیر تثنیہ دونوں حکموں کی جانب ہے اور بَيْنَهُمَا میں زوجین کی جانب۔ الضمير الاول للحكمين والضمير الثاني للزوجين (بیضاوی) والضمير في ان يريدا للحكمين و في بينهما للزوجين (مدارک) ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیریں زوجین ہی کے لئے ہوں۔ وقيل كلاهما للزوجين (بیضاوی) او الضميران للزوجين (مدارک) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا۔ یعنی اگر اخلاص ودیانت کے ساتھ نیت مصالحت ومفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دے گا۔ اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔

فقیہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے، اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور من اهله واهلها کی قید سب کے لئے مستحب ہے۔ ف۱۲۵ ہر انسانی ضرورت ہر بشری مصلحت پر اس کا علم محیط ہے۔ ف۱۲۶ (نہ ذات میں نہ صفات میں) ف۱۲۷ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ! اور پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر!۔۔ دنیا کی کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس بے نظیر تعلیم کی نظیر ملے گی؟ اور اسی کے ساتھ محققین کی یہ تصریح کہ ''اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے۔ البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔'' (تھانوی) وَالْجَارِ۔ حدیث میں آیا ہے جیسا کہ مفسرین نے محدث ابونعیم اور محدث بزار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ (۱) ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حق جوار، حق قرابت، حق اسلام، (۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں، حق جوار، حق اسلام۔ (۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حق جوار، اور وہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تصریح بھی یاد رہے کہ دونوں قسم کے پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دور والے اور اجنبیت والے بھی۔ مسلمان اگر آج ایک اسی تعلیم کو یاد رکھیں تو کتنی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بلکہ ایک تفسیر تو یہ بھی منقول ہے کہ جار ذی القربی سے مراد مسلمان پڑوسی ہے اور جار الجنب سے یہودی ونصرانی۔ والجار ذي القربى قال نوف الشامي هو الجار المسلم والجار الجنب هو الجار اليهودي والنصراني

فهى عنده قرابة الاسلام واجنبية الكفر (بحر) يحتمل ان يراد بالجار ذى القربىٰ من له مع الجوار قرب واتصال بنسب اودين وبالجار الجنب الذى لا قرابة له ولو مشركا (روح) و لفظ جنب بمعنی اجنبی۔ اس ہم مجلسی یا صحبت میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت و مصاحبت خواہ سالہا سال کی ہو خواہ چند منٹ کی، بہرحال اپنا حق قائم کر جاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز کے ساتھی، شریک تجارت، شریک صنعت سب آ جاتے ہیں۔ و ابن السبیل۔ یہ ضرور نہیں کہ مسافر مہمان "ہی" بن کر آئے۔ خاطر تواضع بہ قدر وسعت و ہمت ہر آیندہ و روندہ کی ضروری ہے۔ **ف۱۲۸** اب یہاں سے ان موانع کا بیان ہے جو ادائے حقوق کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے پہلی چیز خود بینی ہے اور دوسری چیز نمائش و خبط جاہ۔ مختال وہ ہے جو اپنی بڑائی کے خیال میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں کی طرف التفات کرنے میں کسر شان سمجھتا ہے فخور۔ وہ ہے جو دوسروں پر اپنا فخر زبان سے جتلاتا رہتا ہے۔ **ف۱۲۹** (کہ ان تینوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ مخلوق میں داخل ہیں) ادائے حقوق میں خود بینی اور طراری کے بعد تیسرا بڑا مانع بخل ہوتا ہے۔ ما اتھم اللہ من فضلہ۔ سے مراد مال و دولت کا ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے معنی علم دین کی دولت کے بھی کئے گئے ہیں اور وعید میں وہ لوگ شامل سمجھے گئے ہیں۔ جو مسائل دین کے اظہار میں بخل کرتے رہتے ہیں۔ **ف۱۳۰** انسان عموماً

بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

گواہ حاضر کریں گے **ف۱۳۶** اور ان لوگوں پر آپ کو بہ طور گواہ پیش کریں گے **ف۱۳۷**

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیمبر کی نافرمانی کی ہے

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

وہ اس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے، اور اللہ پر کوئی بات نہ چھپا

حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

سکیں گے **ف۱۳۸** اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ

وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا

اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو اسے سمجھنے لگو **ف۱۳۹** اور نہ

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ

حالت جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو **ف۱۴۰** بجز اس حال کے کہ تم مسافر ہو **ف۱۴۱** اور اگر

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ

تم بیمار ہو یا سفر میں ہو **ف۱۴۲** یا تم میں سے کوئی

مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

استنجا سے آیا ہو **ف۱۴۳** یا تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو **ف۱۴۴** پھر تم کو پانی نہ ملے

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ

ہاتھ پھیر لیا کرو **ف۱۴۵** بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے **ف۱۴۶** کیا تو نے نہیں دیکھا

بخل اسی لئے کرتا ہے کہ مال بچا کر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا القدرۃ یہ ملے گی کہ عذاب تخت و درد ناک ہونے کے علاوہ اسے خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا کرنے والا بھی ہوگا۔ **ف۱۳۱** رئاء الناس۔ یعنی یہ لوگ اہل حقوق پر خرچ نہیں کرتے بلکہ موقع نمود پر خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایمان خدا اور روز جزا پر نہیں ہوتا وہ جس موقع پر اور جس مقصد سے بھی خرچ کریں گے، بہرحال کوئی نہ کوئی صورت رضاء خلق ہی کی ہوگی۔ حالانکہ اسلام نے جونی کی طرح (گو اس سے کم درجہ میں) مال کی بھی خرچ کی اجازت رضاء خالق ہی کے تحت دی ہے **ف۱۳۲** (جو ہمیشہ برائی ہی کی ترغیب دیتا رہے گا) فمن یکن الشیطٰن لہ قرینا۔ جس کا مصاحب شیطان ہوا۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ **ف۱۳۳** (دین کی راہ میں اور اخلاص کے ساتھ) ماذا علیھم۔ محاورہ عربی میں ایسے موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں: کیا غضب ہو جاتا، کون سی بڑی بات تھی! **ف۱۳۴** (قیامت کے دن) یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جائے یا کوئی بدی کسی کے حساب میں خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ ان اللہ لا یظلم۔ اللہ جو خالق مطلق، حاکم مطلق، مالک مطلق ہے، حقیقۃً ظلم کا اطلاق تو اس کے کسی فعل پر بھی کسی حال میں نہیں ہو سکتا۔ یہاں مراد تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور مجازی معنی میں بھی ظلم نہیں کرتا۔ آیت میں دو پہلو اور بھی ہیں۔ ایک تو مشرک قوموں نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو ظالم، ستمگر، خون خوار مانا ہے (مثلاً کالی دیوی) حق تعالیٰ کی تنزیہ اس قسم کی صفات سے کلیۃً ہو گئی۔ دوسرے جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی قوت مطلق اختیارات کامل کا اثبات ہے، ان سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہو جاتا کہ ہر طرح کا ظلم اس قادر مطلق کے لئے روا ہے۔ اس کی تردید بھی آیت سے ہو گئی۔ **ف۱۳۵** (سو کیا ٹھکانا ہے ایسے پروردگار کی رحمت و کرم کا) من لدنہ۔ اپنے پاس سے، یعنی زاید از استحقاق بلکہ بے استحقاق۔ اسلام کا خدا نہ کوئی خون خوار دیوتا ہے نہ ایسا معذور کہ کسی پر کرم کرنا چاہے بھی تو اپنی صفت عدل کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور پر ظلم اسے کرنا پڑے! شرک اور مسیحی شرک دونوں کی تردید آیت سے ہو گئی۔ **ف۱۳۶** (قیامت کے دن، اس امت سے متعلق اظہار دینے) یہ گواہ ہر امت کے مقابل اس امت کے رسول ہوں گے۔ جو اس کی شہادت دیں گے کہ وہ احکام کی پوری پوری تبلیغ کر آئے تھے۔ **ف۱۳۷** (اے پیغمبر!) ھٰؤلاء (ان لوگوں) کا اشارہ کس جانب ہے؟ بظاہر وہ لوگ مراد معلوم ہوتے ہیں جو قرآن کے براہ راست یا بالواسطہ مخاطب تھے، اور جن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سابقہ تھا۔ ای علی امتک (ابن جریر) یعنی قومہ المخاطبین بالقران (کبیر) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اشارہ ان گواہوں کی جانب ہے، یعنی ان گواہوں کے صدق بیان پر گواہ ہو کر، تشهد على صدق هؤلاء الشهداء لعلمك بعقائدهم (بیضاوی) بہرصورت جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آیت پر پہنچے تھے تو اپنی ذمہ داری کے احساس اور فرط خشیت سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنسو چشم مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی علیھا فاضت عیناہ (ابن جریر) جن بیدردوں نے قرآن کو کلام محمدی ٹھیرایا، وہ غور کریں، اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہو سکتے ہیں؟ **ف۱۳۸** (بلکہ ہر چھپا ہوا راز اس روز ظاہر ہو کر رہے گا) یومئذ۔ اس روز سے ظاہر ہے کہ روز حشر مراد ہے۔ لو تسوی بھم الارض۔ تاکہ وہ پیوند زمین ہو کر حشر کی رسوائی اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ **ف۱۳۹** یعنی نشہ اتر جائے اور زبان قابو میں آ جائے۔ آیت اس وقت کی ہے جب کہ حرمت شراب کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، مطلب آیت کا یہ کہ اوقات نماز میں تو شراب پینے سے باز رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ شراب تو اسی طرح پیتے چلے جاؤ اور نشہ کی حالت میں نماز چھوڑے رہو۔ **ف۱۴۰** یعنی حالت جنابت کے بعد غسل کرنا فرض ہے، بغیر اس کے نماز درست نہ ہوگی۔ مرد کو انزال ہو جائے۔ عورت کو حیض آ جائے، مرد و عورت دونوں کا عمل مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ الصلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ بھی لی گئی ہے۔ یعنی مسجدیں۔ ای مواضع الصلوة وهى المساجد (مدارک) المراد مواضع الصلوة وهو قول الشافعی (قرطبی) **ف۱۴۱** یعنی بجز حالت سفر کے کہ جب پانی کا ملنا اور غسل کا انتظام ہونا دشوار ہو۔ ایسی حالت کا

ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ ولایصح لاحدان یقرب الصلوٰۃ وھو جنب الابعد الاغتسال الاالمسافر فانه یتیمم وھذا قول ابی حنیفة (قرطبی) ابن قتیبہ نے الصلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لی ہے انہوں نے الاعابری سبیل سے جنبی کی ضرورت کے وقت مسجد سے گزرنے کو جواز نکالا ہے۔ فیجوز للجنب العبور فی المسجد عندالحاجة (مدارک) ھذا یقتضی جواز العبور للجنب فی المسجد لا الصلوٰۃ (قرطبی) و۱۴۲ (اور مرض اور سفر دونوں صورتوں میں پانی کا استعمال یا متعذر ہو یا اس کا بہم پہنچنا دشوار ہو یا غسل کا انتظام نہ ہو سکتا ہو) و۱۴۳ (اور اس لئے وضو باقی نہ رہا ہو) و۱۴۴ (اور اس لئے غسل فرض ہو گیا ہے) لمس اور مس دونوں کے لفظی معنی چھونے کے ہیں۔ اس لئے بعض فقہا نے یہاں بھی محض ملامست مراد لی ہے اور ملامست نساء کو موجبات وضو میں سے قرار دیا ہے لیکن لمس کے مجازی معنی ہمبستری کے ہیں۔ ویکنی به و بالملامسة عن الجماع (راغب) من المجاز اللمس والملامسة المجامعة (تاج) اور مس تو قرآن مجید میں بھی ہمبستری کے معنی میں آیا ہے۔ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن اس لئے فقہا حنفیہ نے یہاں لمس سے بھی ہمبستری ہی مراد لی ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور مجاہد و طاؤس، حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہم تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ای جامعتم النساء (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قوم ھو المجامعة وھو قول ابن عباس والحسن والمجاھد وقتادة (معالم) روی عن علی و ابی ابن کعب و مجاھد و طاؤس والحسن و عبید بن عمیر و سعید بن جبیر والشعبی و قتادة و مقاتل بن حیان نحو ذلک (ابن کثیر) وکنی بالملامسة من الجماع والی ذلک ذھب علی کرم اللہ تعالی وجھه وابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما والحسن (روح) و۱۴۵ یعنی ایسی مٹی ہو جو خود طاہر یا گندی نہ ہو، دو بار ہاتھ مار کر پہلی بار پورے چہرہ اور دوسری بار ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لیا کرو۔ فلم تجدوا ماءً۔ یعنی کسی سبب سے بھی سہی۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ ماء کے صیغہ نکرہ میں آنے سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی کسی قسم کا بھی ہو وضو کے لئے درست ہے۔ فھو عام فی کل ما کان من سماء او بحر اوعین عذب او ملح (قرطبی) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اتنی وسعت پیدا کی ہے کہ رنگ، مزہ یا بو بدلے ہوئے پانی تک کی اجازت دے دی ہے۔ واجاز ابوحنیفة الوضوء بالماء المتغیر (قرطبی) پانی کی معدومیت ایک تو حقیقی ہے وہ یہی کہ پانی موجود نہ ہو۔ دوسری حکمی ہے یعنی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال مرض پیدا کرا دے یا مرض کو بڑھا دے یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال سے معذوری ہو۔ فقہاء نے نام صرف چند چیزیں ان کے گنائے ہیں۔ فلم تقدروا علی استعماله لعدمه اوبعده اوفقد آلة الوصول الیه اوالمانع من حیة اوسبع اوعدو (مدارک) لو کان یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم (ہدایہ) واما ان یخاف فوات الرفیق اوعلی الرجل بسبب طلبه او لصوصا اوسباعا اوفوات الرفیق او عطشا علی نفسه او علی غیره و کذلک بطبخ یطبخه لمصلحة بدنه فاذا کان احد ھذه الاشیاء تیمم وصلی (قرطبی) صعیدا طیبا۔ صعید لغت میں کہتے ہیں زمین کے بالائی رخ کو نہ کہ محض مٹی کو۔ الصعید یقال لوجه الارض (راغب) قال الزجاج لیس ھو التراب انما ھو وجه الارض ترابا کان او غیره (تاج) والذی یعضد الاشتقاق وھو صریح اللغة انه وجه الارض علی ای وجه کان من رمل او حجر او مدر او تراب (ابن العربی) اس سے حنفیہ کے ہاں جنس ارض کی تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد پڑی ہو یا نہ پڑی ہو اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دوسرے ائمہ فقہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم زبان ہیں۔ ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمد بکل ما کان من جنس الارض (ہدایہ) یتیمم المطھر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع (درمختار) یتیمم بوجه الارض کله ترابا کان او رملا او حجارة او معدنا او صبغة ھذا مذھب مالک وابی حنیفة والثوری والطبری (قرطبی) جنس ارض میں سے ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جل جائے نہ اس سے پگھل جائے۔ چنانچہ گیرو، پتھر، سرمہ، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر اس قاعدہ کے موافق اور چونہ پر اس قاعدہ کے خلاف کل جائز ہے۔ البتہ خاکستر (راکھ) پر جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم صرف مٹی ہی پر جائز ہے۔ و۱۴۶ (چنانچہ دشوار موقعوں کے لئے اس نے کیسے آسان حکم دے رکھے ہیں) و۱۴۷ (اے مسلمانو!) یہود خود تو علم توریت کے باوجود کفر و ضلالت اختیار کئے ہوئے تھے ہی، مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ جنہیں نصیب کتاب سے مراد جنس کتاب ہے یعنی توریت۔ یریدون۔ میں خطاب عام ہے ہر مخاطب کے لئے۔ و۱۴۸ (اور اس نے تم کو بھی خبردار کر دیا) و۱۴۹ اللہ کا حامی ہونا یہ ہے کہ وہ مومن بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا رہتا ہے اور اس کا مددگار ہونا یہ ہے کہ وہ انہیں دشمنوں کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھتا ہے و۱۵۰ (اور لفظی و معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے رہتے ہیں) الکلم۔ کلام سے مراد کلام الٰہی یا توریت ہے۔ الذین ھادوا۔ یہ وہ لوگ تھے جو نسلاً اسرائیلی نہیں، بلکہ عرب تھے لیکن یہودی طویل صحبت سے متاثر ہو کر خود بھی یہود کے شعائر و عقائد اختیار کر کے رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو چکے تھے۔ شرارت و خباثت میں یہ بھی نسلی یہود سے کچھ کم نہ تھے تفصیل پارہ اول میں گزر چکی۔ نحوئین کہتے

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ

رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ و۱۴۷ اللہ

اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۤ وَّكَفٰى

تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے و۱۴۸ اور اللہ کا حامی ہونا کافی ہے اور اللہ کا

بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

مددگار ہونا کافی ہے و۱۴۹ جو لوگ یہودی ہو گئے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

ان کے موقعوں سے پھیرتے رہتے ہیں و۱۵۰ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا مگر ہم نے مانا نہیں

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ

اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے، اور "راعنا" میں زبانوں کو توڑ موڑ کر

وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا

دین میں طعنہ زنی کی راہ سے اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور ہم نے قبول کیا، اور (ہماری) سنو اور "انظرنا" تو ان کے حق میں کہیں بہتر

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور درست تر ہوتا و۱۵۱ لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے و۱۵۲ سو وہ ایمان نہ لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

مگر تھوڑے سے و۱۵۳ اے وہ لوگو جنہیں کتاب مل چکی ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ

بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ

جسے ہم نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والی اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے و۱۵۴ قبل اس کے کہ

نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ

ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور چہروں کو ان کے پیچھے کی جانب اُتار دیں و۱۵۵ یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ‌ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ

جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی و۱۵۶ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی

مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ

رہتا ہے و۱۵۷ اللہ اس کو تو بیشک نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے و۱۵۸ لیکن اس کے علاوہ

مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ

جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے

فَقَدِ افۡتَـرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ

اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا و۱۵۹ کیا تو نے ان پر نظر نہیں کی جو

يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ

اپنے کو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں و۱۶۰ حالانکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ ٹھہرائے و۱۶۱

وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۴۹﴾ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ

اور ان پر دھاگا برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا و۱۶۲ دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹا

عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۵۰﴾ ع

طوفان باندھتے ہیں اور یہی کافی ہے جرم صریح کے لئے و۱۶۳

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ

کیا تو نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جنہیں کتاب سے بہرہ دیا گیا تھا و۱۶۴

ہیں کہ هٰذَا اور يُحَرِّفُوْنَ کے درمیان مَنْ محذوف ہے۔ قال الفراء المحذوف من المعنی من الذین هادوا من یحرفون (قرطبی) و۱۵۱ (یعنی ان کے حق میں نافع بھی اور مطابق واقعہ بھی) عرب یہود کی منجملہ شرارتوں اور خباثتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) کو مخاطب کرتے وقت ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں پہلوئے ذم بھی نکلتا رہتا اور تحقیر یا بددعا پیدا ہوتی رہتی۔ پارۂ اول میں بھی یہ ذکر پوری وضاحت سے آچکا ہے۔ یہود کی ان گستاخیوں کا دارومدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے سوء استعمال پر ہے اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر ہی نہیں ہوسکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے گمراہ کن مخالف و معاند کا قول نہیں مانا۔ لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سن لی لیکن اسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ ظاہراً مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا۔ راعنا کا ظاہر مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمائیے لیکن تلفظ میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہوجاتا تھا۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ۔ یعنی یہ بظاہر لہجہ سے تعظیم و توقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لیتی ہوتی تھیں اور دل کے بغض و عناد کو چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ اس تصریح نے بتادیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریح طبع کے طور پر تھیں۔ بلکہ حفہ کے دین پر طعن کرنا اسے مجروح کرنا مقصود بھی تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اسمع، انظرنا۔ تعلیم ان الفاظ کی ہوئی کہ یہ پہلوئے ذم سے خالی ہیں۔ و۱۵۲ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں کو اپنی رحمت خاصہ سے دور کردیا۔ لعنت پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ بِكُفْرِهِمْ اس سے یہ صاف ہوگیا کہ رحمت خاصہ سے بھی یہ دوری اور مہجوری خود بخود اور بلاسبب نہیں ہوئی بلکہ یہ انہی کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے و۱۵۳ اور یہ تھوڑے سے وہی تھے جو آگے چل کر مسلمان ہوگئے باقی سب کا خاتمہ علم الٰہی کے مطابق کفر ہی پر ہوا۔ و۱۵۴ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ میں کتاب سے مراد توریت ہے۔ بِمَا نَزَّلْنَا۔ اس کتاب پر جسے ہم نے اب اپنے رسول پر نازل کیا ہے یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ یعنی قرآن تو اصل توریت کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ اس کے محرف اجزا ظاہر ہے کہ اس عام تصدیق سے مستثنیٰ ہیں۔ و۱۵۵ (غرض اسی طرح کے کسی عذاب شدید ہولناک میں مبتلا کردیں) نَطْمِسَ وُجُوْهًا۔ طمس وجہ سے مراد ہے چہرہ کے نقش و نگار اور آنکھ و ناک منہ وغیرہ اعضا کو مٹا دینا۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَا۔ یعنی ان لوگوں کے چہروں کو گدیوں کی طرح صفاچٹ کردیں۔ ف ہمیشہ تعقیب ہی کے لئے نہیں ہوتی کبھی تفصیل اجمال کے لئے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں اسی غرض سے ہے۔ اور یہ دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کی تفصیل و توضیح کررہا ہے۔ یہ مزائیں سب عذاب اخروی کے ہیں لیکن وجوہ کے معنی مجازاً سرداروں اور رئیسوں کے بھی آتے ہیں قیل عنی بالوجوہ الاعیان والرؤساء (راغب) یراد بالوجوہ رؤسہم ووجہاؤهم (کشاف) اس لئے فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار کریں۔ چنانچہ کشاف و کبیر وغیرہ میں یہ معنی بھی نقل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کے متصل فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ "ہم ان کی وجاہت و اقبال کو سلب کرلیں اور ان پر ذلت و ادبار نازل کریں" چنانچہ کشاف، بیضاوی وغیرہ میں یہ قول بھی نقل ہوا ہے۔ مِنْ قَبْلِ کا صحیح مفہوم پیش نظر نہ رہنے سے ایک سوال یہ پیدا ہوگیا ہے کہ طمس و مسخ کی یہ سزا ملی ہی کب؟ ظاہر ہے کہ ان سزاؤں کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور من قبل ہمیشہ کسی واقعہ کے واقع ہوجانے ہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے ہوسکنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور محل تہدید میں آتا ہے تو اس معنی میں اس کا استعمال قرآن مجید میں کثرت سے ہوا ہے۔ حدیث نبوی میں ایک دعا آئی ہے اللّٰهم ارزقنی عینین هطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا۔ قبل کے یہاں یہ کوئی معنی بھی نہیں سمجھتا کہ بعد کا واقعہ صرف زمانًا مؤخر ہے اور واقع ہوکر رہے گا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس کے وقوع سے اپنے کو بچایا جائے۔ اردو ہی کے محاورہ میں ہم برابر کہتے رہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ دوزخ میں پڑو گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ دوزخ میں تو بہرحال پڑنا ہے صرف زمانًا اس سے قبل توبہ کرلینا چاہیے بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ اسی طرح آیت کا خلاصہ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ طمس و مسخ کی سزاؤں سے بچنے کے لئے قرآن و صاحب قرآن کی تصدیق کرلو۔ و۱۵۶ اَصْحٰبَ السَّبْتِ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ و۱۵۷ (سو طمس، مسخ، لعنت جس چیز کا بھی حکم ہوگیا وہ بہرحال پورا ہوکر رہے گا) و۱۵۸ (سو مشرک عذاب دائمی میں مبتلا رہے گا) مشرک کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہی اپنے میں باقی نہ رکھی۔ و۱۵۹ (اور اس جرم عظیم کی بنا پر وہ قابل مغفرت نہ ہوگا) اِفْتَرٰۤى اِثْمًا۔ گناہ سمیٹنا کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کو ہے۔ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اور جتنے بھی گناہ ہوسکتے ہیں وہ بہرحال شرک سے کمتر ہی ہوں گے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ جس شرک تو آسمانی حکومت سے صریح بغاوت کے مرادف ہے بس اسے چھوڑ کر باقی ہر معصیت مغفرت کی گنجائش رکھتی ہے اور جس کسی کے حق میں مشیت الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی۔ خواہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ وقد ابانت هذه الآية ان کل صاحب کبیرة ففی مشیئة الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه علیه ما لم تکن کبیرته شرکا بالله (ابن جریر) ای

يغفر مادون الشرك وان كان كبيرة مع عدم التوبة (مدارک) آیت میں رد ہے خوارج وغیرہ ان گمراہ فرقوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ہر گناہ شرک ہے اور ہر گناہ کی سزا عذاب ابدی ہے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ مشیت کا اطلاق بلا کسی قید وشرط کے ہے۔ یہیں سے رد نکل آیا معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ مغفرت ان کی ہوگی جو توبہ کرلیں، نہ ان کی جو توبہ نہ کریں گے۔ توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہل کفر وشرک کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے تھے کہ جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ توحید کے ساتھ کوئی عمل ضرر نہیں کرتا۔ یہ قول حضرت عمر کے سامنے دہرایا گیا تو آپ نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ و۱۶۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ۔ یعنی ایسے لوگوں کی حماقت بھی قابل دید ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے توحید وتقوی کو جو معیار فضیلت ومقبولیت رکھ دیا ہے، اسے چھوڑ چھاڑ لوگوں نے نسل وغیرہ کے طرح طرح کے معیار شرف وبزرگی کے گڑھ لئے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے کو معظم ومقدس سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تمام تر حماقت وضلالت ہے، آیت کا اشارہ خاص یہود کی جانب ہے۔ اپنے کو نسل انبیاء میں سے ہونے کی بنا پر مقدس سمجھ رہے تھے باقی ہندوستان میں برہمن، چھتری وغیرہ اپنے کو محض مقدس خاندانوں سے انتساب کی بنا پر مقدس سمجھنے والے، اپنے چندر بنسی، سورج بنسی ہونے پر فخر وناز کرنے والے یا جاپانیوں کی طرح اپنے کو دیوتاؤں کی نسل میں قرار دینے والے سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ اور ہاں پھر کسی درجہ میں مسلمان پیرزادے، مخدوم زادے، سیدزادے وغیرہا۔ و۱۶۱ یعنی معتبر تو پاکیزگی اسی کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے اور اپنے زعم وپندار میں اپنے کو پاکیزہ ٹھیرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ و۱۶۲ یعنی جو سزا انہیں ملے گی، وہ ان کے جرم سے ذرہ بھر بھی زائد نہ ہوگی۔ ان کا جرم ہے ہی اسی سزا کا مستحق۔ فَتِيْلًا۔ فتیل کے لفظی معنی دھاگے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں مراد حقیر سے حقیر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ جیسے ایک دوسری جگہ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا۔ بھی آیا ہے۔ يرجع الى الكناية عن تحقير الشيء وتصغيره (قرطبی) اشارة الى اقل شيء (بحر) جیسے اردو میں ایسے موقع پر "ذرہ بھر" "رتی بھر" "بال برابر" استعمال ہوتے ہیں۔ و۱۶۳ (تو ایسے صریح جرم پر اس کی سزا کیا کچھ ظلم وزیادتی ہے؟) بہٖ میں ضمیر افترا یعنی افترا علی اللہ کی جانب ہے۔ والضمير فى به عائد على الافتراء وهو الذى انكر عليهم (بحر) و۱۶۴ یعنی یہود۔ اور کتاب سے مراد کتاب الٰہی یا توریت ہے۔ و۱۶۵ الجبت۔ جبت کا اطلاق تو اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے۔ يقال لكل ماعبد من دون الله جبت (راغب) لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کے لئے ہوتا ہے۔ سمى الساحر والكاهن جبتا (راغب) صحابہ اور تابعین دونوں سے یہ معنی منقول ہیں۔ قال عمر الجبت السحر (ابن جریر) قال ابن عباس وابن جبير وابو العالية الجبت الساحر (قرطبی) یہود میں عملیات کا اور سحر، کہانت، نجوم، وغیرہ علوم سفلی کا ذوق ابتدا سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ پارۂ اول میں آیۃ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ کے تحت میں دکھایا جاچکا ہے۔ جبت کا لفظ لاکر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو۔ الطَّاغُوْت۔ طاغوت پر حاشیہ پارۂ سوم میں گزر چکا۔ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو انسان میں طغیان وعدوان پیدا کردے۔ الطاغوت كل ما يطغى الانسان (قرطبی) عجب نہیں کہ یہ لفظ لاکر یہود کے رجحان مادیت اور ذوق مادہ پرستی کی طرف توجہ دلانا منظور ہو۔ و۱۶۶ روایتوں میں آتا ہے کہ سرداران یہود مکہ میں آئے تو قریش نے ان سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروان محمد ﷺ کا۔ اور سوال میں اپنے دینی کارناموں، مثلاً خدمت حجاج، خدمت کعبہ کا ذکر بھی کردیا۔ سرداران یہود بولے کہ ان کے دین سے تو تمہارا ہی دین بہتر ہے۔ اور ان سے زیادہ ہدایت یاب تم ہی ہو۔ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ الذين كفروا سے مراد قریش ومشرکین مکہ ہیں۔ ل کے معنی "بابت" یا "متعلق" کے ہیں۔ للذين اى فى حقهم (روح) واللام للتبليغ (بحر) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد مسلمان ہیں۔ و۱۶۷ خود دین توحید رکھ کر اور آئین انبیاء سے آشنا ہوکر، دین توحید سے اتنی بیزاری اور ذات رسول ﷺ سے اتنا بغض کہ شرک اور مشرکین تک کو ان سے بہتر بتا رہے ہیں۔ ملعونیت کا تحقق ان سے بڑھ کر اور کس پر ہوگا۔ و۱۶۸ (جو عذاب سے اسے بچالے یا اس میں کچھ کمی بھی کرادے) مشرک قوموں اور قبیلوں نے خدا کے ساتھ ساتھ اپنے اور بھی حمایتی گڑھ رکھے تھے۔ و۱۶۹ یعنی اپنی مقبولیت اور روحانی عظمت الگ رہی۔ یہود کو اگر دنیوی امارت وسیادت نصیب ہوتی تو یہ اتنے بخیل اور تنگ دل ہیں کہ اس میں بھی کسی کو شریک نہ ہونے دیتے۔ بلکہ لوگوں کے حقوق تک نہ ادا کرتے۔ اور شاید اسی بخیلی، تنگ دلی کی قومی جبلت کی بنا پر یہود دنیوی اقتدار سے بھی محروم کردیئے گئے ہیں۔ نَقِيْرًا۔ نقیر کے لفظی معنی اس گڑھے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔ عربی محاورہ میں مثل فتیل کے حقیر سی حقیر اور چھوٹی سی چھوٹی چیز اس سے مراد ہوتی ہے۔ جیسے اردو میں رائی بھر، رتی بھر وغیرہ بولتے ہیں "تل برابر" ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہے۔ لايؤتون نقيرا اى يمنعون الحقوق (قرطبی) و۱۷۰ (مثلاً نعمت نبوت) النَّاسَ۔ کے لفظی معنی تو "لوگوں" کے ہیں لیکن یہاں مراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا خود رسول ﷺ اور مومنین ہیں۔ الناس هنا العرب حسد تها بنو اسرائيل (بحر۔ عن قتادہ) حسدت اليهود قريشا لان النبوة فيهم (قرطبی عن الضحاک) المراد ههنا الرسول ومن معه من المؤمنين (کبیر) یہود کو اصلی خلش اسی کی تھی کہ انبیاء تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں ہوتے ہیں، یہ ایک عرب کو کیسے نبوت مل گئی۔ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

(اس پر بھی) یہ بت اور شیطان کو مانے ہوئے ہیں و۱۶۵ اور کفر کرنے والوں کی بابت

كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یاب ہیں و۱۶۶

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے و۱۶۷ اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

مددگار ہرگز نہ پائے گا و۱۶۸ کیا انہیں بھی کچھ اقتدار نصیب ہو جائے

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

تو یہ تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں و۱۶۹ کیا یہ لوگوں پر

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

حسد کر رہے ہیں ان چیزوں کے باعث جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھی ہیں و۱۷۰

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی ہے اور ہم نے انہیں بڑا اقتدار

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

بھی دیا ہے و۱۷۱ اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ

اور کوئی کوئی اس سے رکے رہے اور دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے و۱۷۲ بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۚ

جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا، ہم انہیں عنقریب (دوزخ کی) آگ میں جھونکیں گے

فضیلت مراد نبوت ہے۔ قتادہ وابن جریج تابعین سے یہی معنی مروی ہیں معنی الفضل فی هذا الموضع النبوة التی فضل الله بها محمدا وشرف بها العرب (ابن جریر۔ عن قتادہ وابن جریج) اولی التاویلین فی ذلک بالصواب قول قتادة وابن جریج الذی ذکرناه قبل (ابن جریر) ف۱۷۱ آلَ اِبْرٰهِيْمَ اور اس نسل ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل۔ یہاں یہود کو یاد دلایا گیا ہے کہ ہماری نعمتوں کے وعدے تو کل نسل ابراہیم ؑ سے ہیں نہ کہ اس کی ایک شاخ سے۔ پھر تم تنہا اپنے ہی کو ان نعمتوں کا حق دار کیسے سمجھنے لگے ہو۔ اور جب ایک اسمٰعیل کو یہ نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا
جب کبھی ان کی جلدیں پک جائیں گی ہم ان کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا
غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا
کریں گے تاکہ وہ (برابر تازہ) عذاب چکھتے رہیں ف۱۷۳ بیشک اللہ زبردست ہے
حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
حکمت والا ہے ف۱۷۴ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
انہیں ہم عنقریب باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ
ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے ان باغوں میں صاف ستھری بیویاں ہوں گی
وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ
اور ہم انہیں بڑے گنجان سایہ میں لا اتاریں گے ف۱۷۵ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے
اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ
کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو ف۱۷۶ اور جب لوگوں کے
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو ف۱۷۷ بیشک اللہ
نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝
تم کو بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، ف۱۷۸ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا دیکھنے والا ہے ف۱۷۹
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی

اس پر حسد یا حیرت کیوں ہے؟ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ دونوں روحانی نعمتیں ہیں۔ ان کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اور مُلْكًا عَظِيْمًا دنیوی نعمت ہے اس کا ذکر الگ کر کے کیا ہے۔ ف۱۷۲ (سو دنیا میں سزا ملنا نہ ملنا چنداں قابل التفات نہیں) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ بعض نے مراد کتاب لی ہے۔ بعض نے وہ سارا فقرہ جو آلِ ابراہیم سے متعلق گزرا ہے اور بعض نے ذات محمدی ﷺ کو۔ ماحصل تینوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ من اٰمن بالکتب (کبیر) بمحمد ﷺ او بما ذکر من حدیث ال ابراهیم (بیضاوی) یعنی بالنبی (ﷺ) (قرطبی) ف۱۷۳ آیت کا مقصود اہل دوزخ کے دوام عذاب کا اعلان ہے۔ نَضِجَتْ۔ نضج کے لفظی معنی پک جانے کے ہیں۔ یہاں مراد جل چکنے سے ہے۔ مقصود یہاں یہی ہے کہ عذاب منقطع نہ ہوگا۔ اور احساس عذاب ہمیشہ تازہ ہوتا رہے گا۔ یمکن ان یقال هذا استعارة عن الدوام وعدم الانقطاع (کبیر) المقصود بیان دوام العذاب وعدم انقطاعها (کبیر) صاحب بحر نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اگرچہ قبول نہیں کیا ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اس میں مزید الم کا ادراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ کھال کا احساس ہر دم تازہ ہوتا رہے گا اور جدت حس کبھی بھی نہ ہونے پائے گی -- آخرت میں خواص اشیاء کو دنیا کے خواص طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ ف۱۷۴ چنانچہ صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نئے و پرانے ہر قسم کے عذاب پر ہر وقت قادر ہے اور صفت حکیم کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب ہو یا تجدید عذاب۔ کوئی بھی نئے حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں۔ ف۱۷۵ یعنی انہیں عیش وراحت ہر طرح کی حاصل رہے گی۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں ف۱۷۶ الْاَمٰنٰتِ۔ امانات کے اندر جملہ حقوق آ گئے جن کی ادائی واجب ہے اور اَهْلِهَا۔ سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ انہیں حکم ہو رہا ہے کہ جس جس کے جو حقوق واجب ہیں، سب ادا کرتے رہو۔ اسی میں حقوق اللہ وحقوق العباد سب آ گئے۔ هو یعم جمیع الامانات الواجبة علی الانسان من حقوق الله علی عباده و من حقوق العباد بعضهم علی بعض (ابن کثیر) حکمها عام ولهذا قال ابن عباس و محمد بن الحنفیة هی للبر والفاجر ای هی امر لکل احد (ابن کثیر) هذه الاٰیة من امهات الاحکام تضمنت جمیع الدین و الشرع (قرطبی) والاظهر فی الاٰیة انها عامة فی جمیع الناس (قرطبی) ف۱۷۷ (ان کے آپس کے حقوق کے باب میں) اب خطاب حکام اور اہل حل وعقد سے ہو رہا ہے۔ انها نزلت فی الامراء یعنی الحکام بین الناس (ابن کثیر) ف۱۷۸ (کہ اسی طریق معدلت سے دنیا میں بھی انتظامات درست رہیں گے اور آخرت میں بھی اجر اسی کا ہے) يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ سے اشارہ اسی طریق معدلت کی جانب ہے۔ ف۱۷۹ چنانچہ وہ ادائے حقوق اور عدل گستری سب کے باب میں تمہارے لفظ وقول کو بھی سنتا رہتا ہے اور تمہاری نیتوں اور محرکات عمل پر بھی نظر رکھتا ہے۔

وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ

اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، و۱۸۰ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو و۱۸۱ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

ایمان رکھتے ہو و۱۸۲ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے و۱۸۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو دعوی رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں جو

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ

آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے و۱۸۴ (لیکن) چاہتے یہ ہیں

اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ

کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں و۱۸۵ حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے کہ

يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا

اس کے مقابلہ میں کفر اختیار کریں، و۱۸۶ اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز

بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ

لے جائے و۱۸۷ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل

اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی

عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ

کر رہے ہیں و۱۸۸ پھر کیسی گزرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے

و۱۸۰ (کہ ان کے احکام بھی احکام خدا اور رسول پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہوں گے) اَطِيْعُوا اللّٰهَ۔ مطاع اصلی اور حاکم حقیقی صرف اللہ تعالی ہے اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول مطاع مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ اللہ کے احکام کے وہی پہنچانے والے اور وہی ان احکام کی شرح و تفصیل کرنے والے ہیں۔ اُولِي الْاَمْرِ۔ اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل و قال ہوئی ہے۔ علماء و فقہاء امت بھی مراد لئے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد لئے جائیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ اى الولاة او العلماء (مدارک) روى عن جابر بن عبدالله وابن عباس رواية والحسن وعطاء و مجاهد انهم اولوا الفقه والعلم وعن ابن عباس في رواية وابي هريرة انهم امراء السرايا ويجوز ان يكونوا جميعا مرادين بالأية لان الاسم يتناولهم جميعه (جصاص) اولوا الامر۔ خواہ وہ علماء و فقہاء ہوں یا امراء و حکام۔ بہرحال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں، وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اس حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ مِنْكُمْ۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے، انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔ اطاعت تو مسلم امیر کی بھی ہر صورت و حال میں جائز نہیں۔ چہ جائیکہ کسی غیر مسلم کی۔ وہ اگر جائز ہے بھی تو کم از کم اس آیت سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں۔ و۱۸۱ (اور اس کی تحقیق مزید کرلیا کرو، کہ اولوالامر کا حکم احکام شریعت سے کہاں تک مطابق ہے) اِلَى اللّٰهِ۔ اللہ کے احکام کی طرف مراجعت کرنا تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہر وقت ممکن ہے۔ لیکن اِلَى الرَّسُوْلِ۔ کی تعمیل کی کوئی صورت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفتر احادیث و سنن کی طرف رجوع کیا جائے۔ حدیث و سنت کی حجیت اس طرح فرقہ اہل قرآن کی سطحیت کے علی رغم خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اولوالامر اور عام افراد امت ہیں۔ اس تصریح نے یہ حقیقت اور کھول دی کہ حکام و علماء سے عوام کا اختلاف بالکل جائز ہے۔ آخری اپیل کتاب و سنت ہی کی عدالت میں ہونی چاہیے اور وہی ساری شریعت کا ماخذ ہے۔ یہیں سے اس فرقہ کا بھی رد نکل آئے گا جو رسول معصوم کے علاوہ مستقل ائمہ معصوم کا بھی وجود تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہر امام وقت، اپنی ساری بزرگیوں کے باوجود بہرحال غیر معصوم ہے و۱۸۲ (اور اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو، بلکہ اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس رکھتے ہو) و۱۸۳ یعنی دنیا میں بھی یہی ذریعہ امن و راحت ہے اور آخرت میں بھی وسیلہ نجات و سعادت۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی طریق عمل جس کا ذکر ابھی ہو چکا۔ اصل اور غیر مشروط اطاعت اللہ کی۔ اللہ ہی کے نائب معصوم کی حیثیت سے اطاعت رسول کی۔ اور پھر ان دونوں کے واسطہ سے اور انہی کی موافقت و سازگاری کے ساتھ مشروط، اطاعت حکام و علمائے اسلام کی۔ و۱۸۴ مراد یہود اور منافقین ہیں۔ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ یعنی توریت يَزْعُمُوْنَ۔ زعم کے اصل معنی مطابق قول کے ہیں۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل لیکن عموماً اس کا استعمال جھوٹ یا مشکوک بات کے لئے ہوتا ہے۔ الزعم القول الحق والباطل و اكثر مايقال فيما يشك فيه ولا يتحقق (تاج) واذا شك فيه فلم يدرلعله كذب او باطل قيل يزعم فلان (لسان) محاورۂ قرآنی میں یہ ہمیشہ ذم ہی کا پہلو لئے ہوئے آیا ہے۔ جاء في القران في كل موضع ذم القائلون به (راغب) و۱۸۵ (بجائے اس کے کہ اسے شریعت کی عدالت میں لائیں) طاغوت۔ پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت و اقتدار ہے۔ و۱۸۶ یعنی اس کی حاکمیت کے تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ اور طاغوت کے اقتدار کے آگے گردن نہ جھکائیں۔ و۱۸۷ یعنی بنی آدم کے دشمن ازلی شیطان کی تو تمنا ہی یہ رہتی ہے کہ انہیں راہ حق سے زیادہ سے زیادہ دور کردے۔ و۱۸۸ منافقین یوں تو اسلام کے مدعی تھے۔ لیکن جب بھی کوئی مقدمہ معاملہ آ پڑتا تو فیصلہ کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت ہی گھبراتے کہ یہاں تو بہرحال بلا رو رعایت دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔ اور کسی قسم کی سخن سازی و خیانت نہ چل سکے گی۔ تَعَالَوْا اِلَى الرَّسُوْلِ۔ رسول کی طرف آؤ کہ آپ قانون شریعت کے موافق فیصلہ کردیں۔

ف۱۸۹ مثلاً یہی کہ ان کی خیانت یا منافقت کا راز کھل گیا۔ اور اس پر ان کی دھر پکڑ شروع ہوگئی۔ ف۱۹۰ یعنی جب ان کی دورنگی کھل جاتی ہے اور باز پرس شروع ہو جاتی ہے تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگتے ہیں کہ ہم بھی تو مومن ہیں۔ اور ہمیں رسول ﷺ کی حاکمیت سے کچھ انکار تھوڑے ہی ہے۔ ہم تو محض نیک نیتی اور فریقین کی خیر خواہی کے خیال سے مقدمہ کو دوسری جگہ لے گئے تھے۔ آیتوں کی شان نزول میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر اعتماد کر کے کہا کہ چلو وہیں تصفیہ کرائیں۔ منافق کا پہلو کمزور تھا، بولا نہیں بلکہ سردار یہود کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ بالآخر مقدمہ رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں آیا اور یہاں سے فیصلہ یہودی کے موافق ہوا کہ وہی اس معاملہ میں حق پر تھا۔ منافق نے کہا کہ چلو اب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں وہ غالباً اپنے دل میں یہ سمجھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شدت و غلظت کافروں پر بہت بڑھی ہوئی ہے اور میں ظاہر میں تو بہر حال مسلمان ہوں۔ وہاں میری ہی چل جائے گی۔ آیات میں تلمیح اسی واقعہ کی جانب ہے۔ منافقین اپنا یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم کسی اور کے پاس مقدمہ کچھ اس خیال سے تھوڑے ہی لے جاتے ہیں کہ فیصلہ کا حق رسول ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے، بلکہ ہم تو اس لئے لے جاتے ہیں کہ وہاں حق و انصاف و قانون سے زیادہ فریقین کی مصلحت اور دلجوئی پر نظر رہے گی۔ ف۱۹۱ (اور ان کے کرتوتوں کو علم خداوندی اور مواخذۂ خداوندی کے حوالہ رکھیے، خود مواخذہ سر دست نہ فرمائیے) مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں کفر و نفاق کی قسم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ف۱۹۲ یعنی تاہم ان کی اصلاح سے متعلق ان پر کافی مضامین کی تبلیغ کرتے رہیے کہ ان پر حجت الٰہی قائم رہے۔ وَعِظْھُمْ۔ انہیں نصیحت کرتے رہیے جیسا کہ منصب رسالت کا اقتضا ہے۔ ف۱۹۳ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کو حکم اعلیٰ اور مقتدا تسلیم کیا جائے اور امت اسی کے لائے ہوئے قانون اور بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا سیکھے۔ ورنہ محض زبانی رسول مان لینے سے تو کوئی حاصل ہی نہیں۔ مِنْ رَّسُوْلٍ۔ میں مِنْ زائد تاکید کی غرض سے ہے۔ من زائدۃ للتاکید (قرطبی) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اس قید نے واضح کر دیا کہ مطاع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول ﷺ مطاع اس کے نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ف۱۹۴ (اور ان کی توبہ قبول ہوگئی ہوتی) اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔ اپنی جان پر ظلم اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ رسول زندہ سلامت اپنے درمیان موجود اور پھر ان عدالت سے اعراض۔ فَاسْتَغْفَرُوا۔ مغفرت چاہتے اپنے اس گناہ کی اور گناہ و نفاق کی۔ جَآءُوْكَ۔ آپ کے پاس ندامت کے ساتھ حاضر ہوتے۔ تقدیر کلام یہاں یوں بھی کی گئی ہے ثم جاؤک فامنوا و استغفروا۔ استغفار کے لفظ میں خود ایمان کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے امنوا کی تصریح کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر ایمان لائے محض حاضری ہرگز کافی نہ تھی۔ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ۔ رسول ﷺ کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلب مغفرت، یہ دونوں چیزیں یقیناً آپ کے قلب سے اثر ناگواری کو دور کر دیتیں اور اس کے بجائے انشراح پیدا کر دیتیں اور آپ ضرور ان کے لئے مغفرت طلب کرنے لگتے۔ ایک نو پیدا باطل فرقہ کا آیت کے یہ معنی کرنا کہ ''کتاب اللہ بھی انہیں معافی دے دیتی'' لغت اور قرآن دونوں کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۱۹۵ یعنی اللہ کے ہاں ان کا ایمان اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں سے مراد وہی منافقین اور اسلام کے ظاہری اور زبانی دعویدار ہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ۔ میں لا زائد و تاکید قسم کے معنی میں ہے۔ مزیدۃ لتاکید معنی القسم (مدارک)

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ

اپنے ہی ہاتھوں ف۱۸۹ پھر آپ کے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم

بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ

کھاتے ہوئے کہ ہمارا مقصد تو محض بھلائی اور مصالحت تھا ف۱۹۰ یہ وہ لوگ ہیں کہ

الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ

جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ (اسے) سب جانتا ہے، تو آپ ان سے چشم پوشی کر جایا

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

کیجیے ف۱۹۱ اور انہیں نصیحت کرتے رہیے، اور انہیں ان کے باب میں موثر بات

بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

کہتے رہیے ف۱۹۲ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اس کی اطاعت

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اللہ کے حکم سے کی جائے، ف۱۹۳ اور کاش کہ جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آجاتے

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

پھر اللہ سے مغفرت چاہتے، اور رسول بھی ان کے حق میں مغفرت چاہتے

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا

تو یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے ف۱۹۴ سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ

يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے ف۱۹۵ جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو آپ کو حکم نہ بنا لیں

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں

ف۱۹۶ آیت نے اسے صاف کر دیا کہ رسول ﷺ کی عدالت میں مقدمات محض لے آنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں، عقلی و اعتقادی حیثیت سے طبیعت کو بھی رسول ﷺ کے فیصلہ پر ہونا چاہیے۔ ہاں اس کے بعد بھی کوئی طبعی تنگی باقی رہ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر معاف ہوگی۔ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ آپ کی حیات مبارک میں تو آپ کا حکم بنانا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات آپ کی شریعت حکم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم میں شک و شبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ و فی هذه الآیة دلالة علی ان من رد شیئا من اوامر الله تعالی او اوامر رسول الله ﷺ فهو خارج من الاسلام سواء رده من جهة الشک فیه او من جهة ترک القبول والامتناع من التسلیم (جصاص) ف۱۹۷ (اور وہی تھوڑے سے مومن کامل ہوتے) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ۔ ایک معنی میں تو دونوں حکم اب بھی موجود ہیں یعنی جہاد و قتال اور ترک وطن یا ہجرت اپنے اپنے موقع پر اور تحقق شرائط پر اب بھی واجب ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اگر یہ احکام خود بھی مقصود بالذات ہوتے اور قتال و ہجرت ہر حال میں فرض ہوتے۔ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ۔ قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ۔ یہ عَلَیْهِمْ اور مِنْهُمْ میں ضمیر جمع غائب کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ منافقین کی جانب ہو۔ والضمیر قیل یعود علی المنافقین (بحر) لیکن بہتر یہ ہے کہ مطلق انسانوں یا الناس کی جانب مانی جائے۔ لو کتب الله علی الناس ما ذکر (کبیر) یخبر تعالی عن اکثر الناس (ابن کثیر) مَا فَعَلُوْهُ۔ ضمیر حکم کی جانب ہے والضمیر للمکتوب و دل علیه کتبنا (بیضاوی) اِلَّا قَلِیْلٌ۔ کی ایک قراءت بجائے رفع کے نصب کے ساتھ اِلَّا قَلِیْلًا بھی آئی ہے۔ لیکن ائمہ نحو نے ترجیح اسی مشہور قراءت کو دی ہے۔

وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ

اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں ف۱۹۶ اور اگر ہم نے ان پر فرض کر دیا ہوتا کہ

اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ مَّا

اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے نہ

فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا

کرتے کوئی مگر بجز تھوڑے سے لوگوں کے ف۱۹۷ اور اگر یہ (لوگ) وہ کر ڈالتے جس کی

یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِیْتًا ﴿۶۶﴾ۙ

انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے حق میں یہ بہتر بھی ہوتا اور انہیں ثابت قدم رکھنے والا بھی ف۱۹۸

وَّ اِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۶۷﴾ۙ وَّ لَهَدَیْنٰهُمْ

اور اس وقت ہم انہیں ضرور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے ف۱۹۹ اور ہم انہیں سیدھی

صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۸﴾ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ

شاہراہ دکھا دیتے ف۲۰۰ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ

تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (اپنا خاص) انعام کیا ہے (یعنی)

النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ

پیمبر اور اولیاء اور شہید اور صالحین

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں ف۲۰۱ یہ فضل ہے اللہ کی

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾ ۧ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ف۲۰۲ اے ایمان والو!

ع ۹

ف۱۹۸ (ایمان کے معاملہ میں) یعنی اگر شک، تذبذب، تزلزل کی راہ چھوڑ کر اطاعت رسول میں یکسوئی کے ساتھ لگ جائیں تو انہیں ایمان میں ثبات و استقلال اور اس کی برکتیں از خود نصیب ہونے لگیں۔ ذکر انہی منافقین اور کمزور ایمان والوں کا چل رہا ہے۔ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت اگر انہوں نے بہ دل و جان کر لی ہوتی۔ ای ما یؤمرون به من التوبة والاخلاص (ابن عباس) من متابعة الرسول ﷺ و مطاوعته طوعا و رغبا (بیضاوی) لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ۔ یعنی دنیوی و اخروی انفرادی و اجتماعی ہر اعتبار سے ان کے فلاح کی صورت پیدا ہو جاتی۔ تَثْبِیْتًا۔ پہلے یہ بتایا کہ احکام دین پر اگر عمل کرتے تو یہ چیز انہی کے کام آتی اور انہی کے حق میں بہتر ہوتی۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ احکام پر عمل کرنے سے خود قوت ایمانی ضعف سے قوی اور قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد و یقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ف۱۹۹ (آخرت میں) اِذًا۔ یعنی اگر انہوں نے احکام خدا اور رسول کا اتباع کیا ہوتا اور نتیجۃً انہیں خیر و صلاح بھی حاصل ہو چکتی اور دین میں ثبات و استقامت بھی نصیب ہو چکتی۔ ای لو اتبعوا (جلالین) ف۲۰۰ (کہ بے روک ٹوک سیدھے رضاء الٰہی کے مقام، جنت میں داخل ہو جائیں) اور عجب نہیں کہ اسی کی برکت سے دنیا میں بھی سچی دین کی صراط مستقیم ان پر خوب روشن ہو کر رہے۔ ف۲۰۱ دنیا کی مادی اور حسی نعمتیں چاہے جتنی بھی ہوں، انسان ان سے لطف و لذت لینے میں کچھ کمی سی محسوس کرتا ہے۔ اگر ساتھ ہی یاران بزم اور شرکاء صحبت بھی اپنے ہم مذاق اور دل پسند نہ ہوں۔ یہاں بشارت اسی نعمت عظیم کی مل رہی ہے کہ اہل جنت کو مادی و روحانی ہر قسم کی نعمتوں کے علاوہ صحبت بھی پاکیزہ ترین، بہترین، انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے والوں کی نصیب ہوگی۔ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ میں ایک پہلو حیرت کا بھی ہے اور اسی لئے ترجمہ "کیسے اچھے" سے کیا گیا ہے۔ فیه معنی التعجب کانه قیل وما احسن اولئک رفیقا (کشاف) وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ۔ اس اطاعت کا تعلق احکام اور واجبات ضروری سے ہے۔ ورنہ اگر فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات، نوافل، تطوعات کا بھی اسی قدر اہتمام ہو جائے تو پھر درجہ ولایت خود ہی حاصل ہو جائے گا اور بہ طور انعام رفاقت اولیاء نصیب ہونے کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ یعنی باوجود اپنے اعمال میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور باوجود بالذات ان کاملین سے مرتبہ میں فروتر ہونے کے انہیں ان کاملین کی جنت نصیب ہو جائے گی۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ یہ انعام کمال قرب و وصول کی صورت میں ہوگا۔ صِدِّیْقِیْنَ۔ یعنی بات کے کھرے اور معاملہ کے سچے ایسے کہ سچائی اور حق پسندی گویا ان کی فطرت میں رچ گئی اور ان کی طبیعت کا جز بن گئی ہے۔ ایمان کے ہر جزء سے متعلق ان کی تصدیق کامل ہوتی ہے۔ ریب و شک کے حدود سے بالاتر۔ کل من صدق بکل الدین لایتخالجه فیه شک فهو صدیق (کبیر) البالغ فی الصدق والتصدیق (قرطبی) اردو میں انہی کو اولیاء کہتے ہیں۔ قرب حق میں ان کا نام انبیاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ افضل الخلق هم الانبیاء علیهم السلام وبعد هم الصدیقون (کبیر) اَلشُّهَدَآءِ۔ شہید وہ ہے جو دین کی محبت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرے۔ اور عمل سے ثابت کر دے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا وہ اسے اس قدر عزیز تھی کہ اس کی خاطر اس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ اَلصّٰلِحِیْنَ۔ صالحین وہ افراد امت کہلاتے ہیں جو پورے دیندار اور متبع شریعت ہوتے ہیں۔ ف۲۰۲ اللہ کا علم حاوی و محیط ہے۔ ان کی نیتوں کو بھی، ان کے عمل کو بھی، ان کے مقتضائے عمل کو بھی۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی تمام مومنین کو جو کاملین کی معیت و رفاقت نصیب ہوگی، یہ محض فضل خداوندی کا ظہور ہوگا۔ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوگا۔

خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (۷۱)

اپنی احتیاط کر لو پھر گروہ گروہ کوچ کرو یا اکٹھے ف ۲۰۳

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے ف ۲۰۴ اور پھر تم پر اگر کوئی مصیبت

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ

آ پڑتی ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ میں

مَّعَهُمْ شَهِيْدًا (۷۲) وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ

ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوا ف ۲۰۵ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پیش آتا

اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ

ہے تو بول اٹھتا ہے (اس بے تعلقی کے ساتھ کہ) گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی (رشتہ) محبت

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۷۳)

تھا ہی نہیں کہ کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ف ۲۰۶

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ

تو (اگر یہ ہے تو) اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑے ف ۲۰۷ ان لوگوں سے جو دنیا کی زندگی خریدے

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ

ہوئے ہیں آخرت کے عوض میں ف ۲۰۸ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

لڑتا ہے تو مارا جائے یا جیت جائے (بہر صورت) ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا (۷۴) وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دیں گے ف ۲۰۹ اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے ہو اللہ کی راہ میں ف ۲۱۰

ف ۲۰۳ (جیسا موقع اور جیسی مصلحت ہو) قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اُحد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرۃً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردوپیش کے دوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کو ہمت، ثبات واستقامت کے یہ درس عین اس وقت دیئے جارہے ہیں۔ خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ حذر کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے۔ ہر چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام آتی ہے۔ اس میں شامل ہے۔ خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علی ہذا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو۔" حذركم اى ما فيه الحذر من السلاح وغيره (راغب) مايحذربه كالحزم والسلاح (بیضاوی) خذ حذرك اى استعد بانواع ما يستعد به للقاء من تلقاه (بحر) ف ۲۰۴ (ایسی کہ جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتا اور پیچھے رہ جاتا ہے) یہاں مراد منافقین ہیں جو جہاد میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔ المبطئون منافقوهم تثاقلوا و تخلفوا عن الجهاد (بیضاوی) مِنْكُمْ۔ خطاب یہاں مومنین اور ظاہری مومنین (منافقین) کے مجموعہ سے ہے اور اس مضمون کی آیتوں میں قرآن مجید کا عام طریق خطاب یہی ہے۔ الخطاب لعسكر رسول الله ﷺ المؤمنين منهم والمنافقين (بیضاوی) انما جمع بينهم فى الخطاب من جهة الجنس والنسب لامن جهة الايمان (قرطبی) ف ۲۰۵ (نہیں تو میں بھی اسی مصیبت کا شکار ہوتا) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ۔ مصیبت مثلاً جنگ میں شکست۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ یہ وہ فخر ومسرت کے ساتھ کہتا ہے۔ ف ۲۰۶ منافقین کی دورنگی اور سیرت منافقانہ کو آشکار کیا ہے کہ مومنین کو جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو منافقین اپنی بے تعلقی اور علیحدگی پر جھٹ اپنی مسرت وفخر کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ خوب ہوا جو ہم شریک نہ تھے ورنہ ہم بھی اسی بلا میں پھنستے اور مسلمانوں کو جب فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش! مال غنیمت ہمارے حصہ میں بھی آتا۔ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ مثلاً جنگ میں فتح ونصرت۔ كَاَنْ..... مَوَدَّةٌ۔ یعنی اس خودغرضی کے ساتھ کہتا ہے جیسے تم مسلمانوں کی خوشی سے اس منافق کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور اسے تاسف وحسرت صرف اپنی ہی قوت ودولت پر ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ امت اسلامیہ کی خوشی سے خوش ہونا علامات ایمان میں سے ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ منافق کی زبان سے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں بھی خوب دولت حاصل کرتا۔ مال غنیمت میں میرا بھی بڑا سا حصہ ہوتا! ف ۲۰۷ (اخلاص کامل اور اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے) فَلْيُقَاتِلْ۔ میں ف کے معنی ہیں کہ اگر واقعی اسے فوز عظیم ہی منظور ہے۔ ف ۲۰۸ یعنی کافروں سے قتال کرے جو دین کی صحیح تعلیم کو بھلائے ہوئے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ يَشْرُوْنَ۔ شراء لغات اضداد میں سے ہے۔ یعنی اس کے معنی خریدنے کے بھی ہیں اور فروخت کرنے کے بھی۔ کچھ اس بناء پر اور کچھ آیت کی ترکیب الفاظ کی بناء پر آیت کے ایک بالکل دوسرے معنی بھی کئے جاسکتے ہیں اور کئے گئے ہیں، یعنی "وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں۔" اور اس صورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی خوشحالی اور کامرانی کو رضاء الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے دونوں ہی پہلو اختیار کئے ہیں۔ وللمفسرين وجهان الاول ان يشرون معناه يبيعون والقول الثانى معنى قوله يشرون اى يشترون (کبیر) يشرون بمعنى يشترون ويبيعون (کشاف) نزلت فى المنافقين ومعنى يشرون يشترون وقيل نزلت فى المؤمنين المخلصين و معنى يشرون يبيعون (معالم) ف ۲۰۹ (آخرت میں) یہ آخرت کا اجر عظیم مجاہدین کے لئے غلبہ اور شکست (کہ اس کی انتہائی صورت کو فَيُقْتَلْ۔ سے تعبیر کیا ہے) کہ ہر صورت میں موعود ہے۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ فوز عظیم کو اجر سے تعبیر کرنا وعدہ کے تاکد اور ترتب کے تیقن کے لئے ہے۔ ف ۲۱۰ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ اعلاء کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے۔ مَا لَكُمْ۔ استفہام سے مقصود ترغیب وتحریص ہے اور خطاب مومنین صادقین سے ہے۔ خطاب للمامورين بالقتال على طريقة الالتفات مبالغة فى التحريص والحث عليه وهو المقصود من الاستفهام (روح)

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے اور عورتوں اور لڑکوں (میں سے) و۲۱۱

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں و۲۱۲ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی دوست

وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ

پیدا کر دے، اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حامی کھڑا کر دے و۲۱۳ جو

اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں و۲۱۴ اور جو کافر ہیں

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں و۲۱۵ سو تم لڑو شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

ساتھیوں سے اور شیطان کی چال تو لچر ہی ہوتی ہے و۲۱۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو و۲۱۷ پھر جب ان پر

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا

و۲۱۱ یہ دوسرا داعی جہاد کے لئے ارشاد ہوا۔ کمزوروں کی دستگیری ونصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجہ سے رہائی دلانا بجائے خود مقصد جہاد میں سے ہے۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی فی سبیل اللہ والمستضعفین۔ زجاج اور زہری سے یہی ترکیب منقول ہے۔ عطف علی اسم اللہ عزوجل ای وفی سبیل المستضعفین وھذا اختیار الزجاج وقالہ الزھری (قرطبی) و۲۱۲ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مراد مکہ کا شہر اور مکہ کی حکومت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ القریۃ ھنا مکۃ باجماع من المتاولین (قرطبی) اَلظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ مکہ والے خاص دہرے معنی میں تھے۔ ایک تو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ دوسری طرف شرک کر کے خود اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ ووصف اھلھا بالظلم اما لاشراکھم واما کما حصل منھم من شدۃ الوطاۃ علی المؤمنین واذلالھم (بحر) لاجل انھم کانوا یؤذون المسلمین ویوصلون الیھم انواع المکارہ (کبیر) بالشرک الذی ھو ظلم عظیم و باذیۃ المؤمنین ومنعھم عن الھجرۃ (روح) و۲۱۳ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بچوں، عورتوں، مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام لا چکی ہے۔ مگر یہ لوگ سرداران قریش کے تشدد کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ نہ دفع ظلم ہی پر قادر ہیں اور نہ ہجرت پر۔ یہ ساری مناجات اور فریاد انہی لوگوں کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ظلم وشقاوت سے بچے، عورتیں، بوڑھے کوئی بھی محفوظ نہ تھے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ لفظی معنی ہیں ”اپنے پاس سے“ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر ”اپنی قدرت سے“ آتا ہے۔ یعنی غیب سے اس کا سامان کر دے۔ وَلِيًّا۔ ایسا دوست وہمدرد جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ رہے۔ ہم سے ہمدردی وغمخواری کرے۔ نَصِيْرًا۔ ایسا حامی جو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلائے۔ و۲۱۴ (اور جیسا کہ خود حق تعالیٰ ہر قسم کی نفسانی آمیزش وآلائش سے منزہ و پاک ہے۔ اللہ والوں کا لشکر بھی کبھی عدوان وطغیان، ظلم وخیانت، بے نوشی و بدکاری کے آلات حرب سے مسلح ہو کر جنگ کر ہی نہیں سکتا) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے۔ بے معنی نہیں بہت ہی پُرمعنی ہے۔ درحقیقت یہ آیت مسئلہ جہاد کی آیتوں میں سے ایک کلیدی آیت ہے اس نے صاف صاف اسلامی جہاد کا فرق دنیا جہان کی تمام جنگوں اور جنگی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ سچا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہتھیار اٹھائے گا تو توسیع ملک کے لئے نہیں، قومی تفوق کے لئے نہیں، تجارتی منڈیاں قائم کرنے کو نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کو نہیں، دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کو نہیں، رشک وہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ دنیا کے بلند ترین مقصد، انسانیت کے برترین نصب العین، کلمۂ توحید کی برتری اور سربلندی کے لئے! رنگ اور نسل، مرز بوم اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت وحمیت پر کٹ مرنے والے، اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو کچھ بھی سمجھ سکتے ہیں؟! اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا، کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لئے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لئے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ ــ مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک اقدام کا حساب دینا ہے۔ کبھی ان کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ سکتا ہے؟ و۲۱۵ طاغوت کے لفظی معنی پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی، سپاہیوں کے تمرد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر ”نفس“ سے کیا جائے تو اردو میں شاید پورا مفہوم ظاہر ہو جائے۔ طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قومیں وطن پرستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ جنگ کرتی رہتی ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے۔ شقاوت و سنگدلی، فریب وخیانت، شراب خواری وحرامکاری جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی کہیں ابتر حالت نکلے گی ــ یہ سب کرشمہ فی سبیل الطاغوت لڑنے کے ہیں۔ محاسبہ آخرت سے بے نیاز ہو کر جنگ کرنے کے ہیں۔ و۲۱۶ (سو شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائدار فتح حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہو سکتی) فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے۔ مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانیوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ میں۔ ان کے مقابلہ میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔ اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم وآمر نہیں۔ تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہوا بھاگے گا۔ اس میں جان تو ہے ہی نہیں۔ حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق ومعاشرت، معاملات وعبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ و۲۱۷ (کہ حالت امن میں اسی قسم کی عبادات پر عمل کافی ہے) كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ یعنی جوش انتقام اور قتال سے ابھی باز رہو۔ یہ ذکر کن لوگوں کا ہے؟! اسے سمجھنے کے لئے اس وقت کے حالات پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں قریش کے مظالم سہتے سہتے ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قدرۃً انتقام کی خواہش ان کے دلوں میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ لوگ بھی آخر اسی خون اور اسی گوشت وپوست کے تھے۔ اور جوش میں آ کر بار بار جنگ کی اجازت طلب کرنے لگتے تھے۔ ادھر وحی الٰہی ابھی برابر عفو وحلم، مسامحت ودرگزر کا سبق دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم آ گیا۔ اور مسلمان مدینہ کی پر امن فضا میں منتقل ہو آئے۔ ۱۳۔۱۴ سال کی صحبت رسول ﷺ کی زبردست ٹریننگ کے بعد جب علم الٰہی میں مسلمانوں کے اخلاق کا ضبط

پختہ ہوگئے۔ اور تحمل اور بے نفسی ان کے کردار کے جزء بن گئے تو حکم جہاد وقتال نازل ہوا۔ لیکن ادھر مدینہ کی پرامن فضا میں رہتے رہتے مسلمانوں کے جذبات انتقام دھیمے پڑ گئے تھے اور وہ جوش وولولۂ قتال باقی نہیں رہا تھا۔ اب طبعی اقتضاء سے میدان جنگ میں جانے سے حیلے حوالے ڈھونڈے جانے لگے۔ یہاں ذکر انہی عافیت کوش مسلمانوں کا ہے۔ ف۲۱۸ اللہ کے عقاب کا خوف لا کھ دل میں ہو۔ لیکن یہ عقیدہ بھی تو ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ اللہ رحمن ورحیم ہے۔ غفور ہے از خود ٹل جینوں ہے۔ عجب کیا جو تمام تر عفو وفضل ہی کا معاملہ فرمائے بہ خلاف اس کے دشمنوں سے بجز ایذارسانی کے اور کسی برتاؤ کی توقع ہی نہ تھی۔ امام ماتریدی نے فرمایا کہ یہ خوف خوف طبعی تھا۔ اس لئے اس پر گناہ نہیں ہوا۔ قال الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ هذه خشية طبع لما انه ذلک منهم كراهة لحكم الله فالمرء مجبول علی كراهة ما فيه خوف هلاكه غالباً (مدارک) فهي علی ما طبع عليه البشر من المخافة لاعلی المخالفة (قرطبی) قالوا خوفا وجبنا لا اعتقادًا ثم تابوا (معالم) اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً۔ اَوْ یہاں بجائے مفہوم میں ہے قيل بمعنی بل (بحر)

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

جیسے اللہ سے ڈرنا (ہوتا) ہے یا اس سے بھی بڑھ کر ڈرنا ف۲۱۸ اور وہ لوگ بولے کہ اے ہمارے پروردگار

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش تھوڑی مدت تو اور ہم کو (جینے کی) مہلت دے

قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ

دیتا ف۲۱۹ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لئے کہیں

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا

بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کرے، ف۲۲۰ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا ف۲۲۱ تم جہاں کہیں بھی

تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ

ہوگے وہیں تمہاری موت آلے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں

مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

ہو ف۲۲۲ اور اگر انہیں کوئی سکھ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

خدا کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پیش آجاتا ہے تو کہتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ

یہ آپ کے سبب ہوا ف۲۲۳ کہہ دیجئے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ

کیا ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے ف۲۲۴ تجھے جو بھی سکھ

مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ

پیش آتا ہے وہ بس اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو دکھ

ف۲۱۹ (اور ہم دنیا میں کچھ دن اور اطمینان سے جی لیتے) قَالُوْا۔ مسلمانوں کی زبان سے یہ قول بہ طور تمنا کے تھا۔ بہ طور اعتراض نہ تھا۔ وقولهم محمول علی التمني لتخفيف التكليف لاعلی وجه الانكار (کبیر) لاعلی وجه الاعتراض علی حكمه تعالی والانكار لايجابه بل علی طريق تمني التكليف (ابوسعود) یہ قول اگر زبان سے تھا جب بھی چونکہ درجۂ تمنا میں تھا، اعتراض وانکار اس سے مقصود نہ تھا، اس لئے قابل مؤاخذہ جب بھی نہ تھا۔ لیکن خود لفظ قَالُوْا سے یہ لازم نہیں آتا کہ زبان سے بھی ادا کیا گیا ہو۔ قول عربی میں جس طرح کلام لسانی کے لئے آتا ہے اسی طرح حدیث نفس کے لئے بھی۔ يقال للمتصور في النفس قبل الابراز باللفظ قولٌ فيقال في نفسي قولٌ لم أظهره (راغب) اور علم الٰہی میں یہ دونوں برابر ہیں۔ اور حدیث نفس یا وسوسہ کا معصیت نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ ائمہ تفسیر نے یہاں حدیث نفس مراد لی ہے۔ يحتمل انهم ما تفوهوا به ولكن قالوه في انفسهم فحكی الله تعالی عنهم (بیضاوی) بالسنتهم او بقلوبهم (روح) يجوز ان يكون اعتقدوه و قالوا في انفسهم فحكی ذلک تعالی عنهم (بحر) قد جوزان يكون هذا مما نطقت به السنة حالهم من غيران يتفوهوا به صريحا (ابوسعود) بہرصورت آیت ان ظالم پادریوں کی پرزور تردید کررہی ہے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمان تو غنیمت کی طمع میں جنگ کے لئے تلے بیٹھے تھے، رسول کو صرف اشارہ کی دیر تھی یا معاذ اللہ۔ یہاں الٹے ان کو ترغیب دینے اور آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ ف۲۲۰ (اور ہر حکم الٰہی کو بہ خوشی بجالائے) عدم فرضیت جہاد اور زیست مزید کی مہلت کی تمنا، چونکہ حب دنیا اور مافی الدنیا سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے نہایت حکیمانہ انداز میں اصل ضرب اسی پر لگائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی بالکل فانی وبے ثبات، طلب وتمنا کے قابل شے تو آخرت ہے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ اور احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ سو ایسی حقیر اور بے ثبات چیز کی خاطر التواء حکم جہاد کی تمنا! خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ اور اس تقویٰ ہی کی ایک فرد جہاد ہے۔ ف۲۲۱ (سو یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاد کے اعلیٰ ثمرات سے محروم رہ جاؤ) فَتِيْلًا۔ نَقِيْرًا۔ ہی کی طرح عربی میں حبہ بھی تحقیر وتصغیر کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے اردو محاورہ میں رتی بھر، رائی برابر، ذرہ بھر وغیرہا۔ ف۲۲۲ (تو جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر ومراتب بے حساب سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟) ف۲۲۳

ذکر اب منافقین کا ہو رہا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی بات بنی رہتی، یہ لوگ بھی برابر ان کے شریک رہتے اور کہتے کہ یہ تو عین فضل خداوندی ہے جس میں ہم تم سب یکساں شریک ہیں اور جب بات بگڑ جاتی تو جھٹ سارا الزام مسلمانوں اور ان کے سردار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ دیتے کہ یہ جو کچھ پیش آیا، سب آپ ہی کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے۔ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس میں حصہ رسدی ان کو بھی مل گیا۔ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کا خمیازہ حصہ رسدی انہیں بھی اٹھانا پڑا۔ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ کامیابی تو طبعی حالات کی بنا پر تکوینی اسباب سے حاصل ہوگئی۔ اس میں مسلمانوں یا ان کے سردار اعظم کے کسی حسن تدبیر کو کیا دخل۔ منافقین کا یہ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہنا بھی بہ طور حسرت تھا۔ بلکہ بہ طور محاورۂ زبان تھا۔ جیسے اردو میں لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔ ف۲۲۴ یہ تو جہد دلائی ہے منافقین کی حماقت شعاری اور بے غوری کی عادت پر۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی دکھ ہو یا سکھ، رنج ہو یا راحت، سب کا مسبب الاسباب حقیقی اللہ ہی ہے۔ سکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہ راست اس کے فضل وکرم کا ظہور ہے بلا توسط اعمال۔ اور دکھ یا رنج اگر پیش آرہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے یہ توسط اعمال۔

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ
پہنچتا ہے وہ تیرے اپنے ہی سبب سے ہے ف۲۲۵ اور ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف پیمبر بنا کر

رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ
بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ف۲۲۶ جس نے رسول کی اطاعت کی،

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ
اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ف۲۲۷ اور جو کوئی روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان پر

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا
نگران کر کے نہیں بھیجا ہے ف۲۲۸ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ طاعت (قبول ہے) ف۲۲۹ لیکن آپ کے پاس سے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ
باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت شب کے وقت اس کے برخلاف مشورہ کرتی ہے جو کچھ کہ

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ
وہ کہہ چکے تھے اور اللہ ان کے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے، تو آپ ان کی طرف سے بے التفات

عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾
رہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ف۲۳۰

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ
کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا
طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے ف۲۳۱ اور جہیں

جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ
جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں ف۲۳۲

ف۲۲۵ (اے انسان!) خطاب اب عموم نوع انسانی سے ہے۔ یاانسان خطابا عاما (کشاف) الخطاب عام کانه قيل ما اصابك يا انسان (بحر) والخطاب فيه كما قال المجاهد وروى عن قتادة عام لكل من يقف عليه لا للنبي ﷺ (روح) فَمِنَ اللّٰهِ یعنی اس کے فضل و کرم کا نتیجہ۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں عِنْدَ اور یہاں مِنَ اللّٰهِ ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ زبان و ادب کے ماہرین نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ دوسرا محاورہ برے بھلے سارے افعال تکوینی کے لئے عام ہے بخلاف اس کے پہلے محاورہ کا استعمال صرف محل رضا پر ہوتا ہے۔ من عند الله اعم يقال في ما كان برضاه و بسخطه ولا يقال هو من الله الا في ما كان برضاه و بامره (بحر) فَمِنْ نَّفْسِكَ یعنی اسے بندہ تیری ہی بداعمالی کے سبب سے اور بہ اقتضائے عدل الٰہی۔ سَيِّئَة کا اطلاق اس سیاق میں صرف اس برائی پر ہوتا ہے جو واقعۃً بھی برائی ہو، محض صورۃً ہی برائی نہ ہو۔ صالحین و ابرار کو جو حوادث و مصائب پیش آتے رہتے ہیں، وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں۔ حقیقۃً تو ان کی بلندیٔ مراتب کے لئے اور ذریعۂ رحمت ہوتے ہیں۔ اور اس لئے ان کے حق میں بداعمالی کا ثمرہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ف۲۲۶ (اور اللہ کی یہ گواہی دنیا میں رسول ﷺ کے کمالات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ معجزات و خوارق بھی انہی کمالات کا ایک جز ہیں۔ وہ زمانہ بند نہیں رہتے۔) یہاں صاف بیان فرمایا ہے۔ للعرب نہیں فرمایا۔ خاتم النبیین کے پیام کی عالمگیری پر دوسری آیات کے علاوہ یہ آیت بھی ایک نص قاطع ہے۔ والناس عام عربهم وعجمهم (بحر) فيه رد لمن زعم اختصاص رسالته عليه السلام بالعرب فتعريف الناس للاستغراق (روح) تعريف الناس للاستغراق اى مرسلا لكل الناس لا لبعضهم (ابوسعود) ف۲۲۷ (کہ عام انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ احکام الٰہی کی معرفت کا نہیں بجز واسطۂ رسول کے) آیت میں رد آ گیا ان گمراہ فرقوں کا جو رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ آیت عصمت رسول کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسول سے ذرا بھی خطا و غلطی کا امکان ہوتا تو ان کی اطاعت عین اطاعت الٰہی کیسے قرار پا سکتی۔ من اقوى الدلائل على انه معصوم في جميع الاوامر والنواهي و في كل ما يبلغه عن الله (کبیر) اور علاوہ حدیث نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریح آیا ہے، فقہاء نے خود اس آیت سے بھی نکالا ہے کہ رسول کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ افاد بذلك ان معصية معصية الله (جصاص) ف۲۲۸ (سو اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ اس کے زیادہ فکر و غم میں پڑئیے۔ حَفِيْظًا یعنی جو آپ کا ذمہ دار ہے اور آپ کی طرف سے بہ جبر بھی اختیار کرے۔ ف۲۲۹ ذکر منافقین کا چل رہا ہے۔ يعني المنافقين (ابن عباس) یہ زبان سے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی عرض کرتے تھے کہ ان کے احکام سر آنکھوں پر، آپ کے ارشادات کی تعمیل ہمیں قبول و منظور۔ طَاعَةٌ خبر ہے مبتدا المحذوف ہے۔ وبه امرنا و شاننا طاعة (کشاف) ف۲۳۰ اس کی کارسازی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آپ کو ان کے شر سے اور سازشوں سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں انہیں شدید سزائیں دے گا۔ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یعنی ان منافقوں کے سردار اور سرغنہ۔ بَيَّتَ۔ رات کی تاریکی اور پوشیدگی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں، منصوبے بنائے جاتے تھے۔ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ۔ یعنی خدائی ریکارڈ میں ان کی سازشیں اور منصوبے سب مندرج و محفوظ ہیں۔ وقت آنے پر یہ سارا دفتر کھلے گا۔ ف۲۳۱ (جو بشری تالیف و تصنیف کا لازمہ ہے) اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس کے مفہوم میں بہت کچھ قیل و قال ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ بیان میں تناقض مراد ہے اور کسی نے کہا کہ تحقیقات میں فرق مراتب اور کسی نے کہا کہ عبارت کی عدم یکسانی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود اختلاف کثیر کا لفظ بڑا وسیع اور جامع ہے۔ معنوی اور ادبی ہر قسم کی بے آہنگی ہر طرح کا جھول جہاں اس کے اندر داخل ہے ۔۔۔ قرآن مجید نے اس آیت سے دنیا کے سامنے اپنی یکتائی کا ایک مستقل چیلنج پیش کر دیا کہ ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لو، ہر طرح جانچ پڑتال کر لو، مضامین کی پستی و بلندی، عبارت کی ناہمواری، کسی قسم کی کوئی کمی کوئی کوتاہی اس کے اندر نہ پاؤ گے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ بشر اور مخلوق کا کلام نہیں۔ قرآن کے جملہ منکرین کے خواہ وہ کسی وجہ اور کسی پہلو سے ہوں، یہ قیامت تک کے لئے تحدی ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن مجید میں تدبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا لفظی و معنوی اعجاز بالکل واضح ہو جائے گا۔ اور اس وضوح سے آپ کی رسالت کی جانب سے شبہات کافور ہو جائیں گے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ معاصر و متاخر منکرین کا خیال تھا اور جیسا کہ آج بعض "روشن خیال" مرتدین کا خیال ہے۔ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے بحث قیاس پر بھی دلیل نکل آئی۔ اور ان فرقوں کا بھی رد ہو گیا جو سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن صرف رسول ﷺ اور امام معصوم کا حق ہے۔ ف۲۳۲ (بغیر اس تحقیق کے کہ وہ خبر صحیح بھی ہے اور بغیر اس پر غور کئے کہ اگر صحیح ہے بھی تو اس کی فوری اشاعت کہاں تک مناسب و قرین مصلحت ہے) اشارہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔ نزل في جماعة من المنافقين او ضعفاء المسلمين (جلالین) ابتداء اسلامی تمدن ہی سے ایک حد تک منظم، بلکہ نیم عسکری جماعت تھی اور یہ امر بہر اجتماعی تنظیم کے منافی عموماً اور عسکری تنظیم کے منافی تو خصوصاً ہے کہ امت کے عوام اور عام افراد جس خبر کو جہاں سن پائیں بلا اپنے سرداروں اور اہل حل و عقد کی طرف رجوع کئے بے تحقیق اسے لے دوڑیں اور بے تحاشا اسے پھیلانا شروع کر دیں۔ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ۔ مثلاً کہیں باہر سے لشکر اسلام کی فتح و ظفر کی خبر آئی۔ اَلْخَوْفِ۔ مثلاً کہیں باہر سے مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کی خبر آئی۔

و۲۳۳ (بجائے اس کے کہ خود اس خبر کی شہرت واشاعت میں لگ گئے) اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ۔ یعنی صاحبان فہم سلیم۔ یہاں مراد ہیں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ ذوی العقل والُلبّ من المؤمنین یعنی ابابکر واصحابہ (ابن عباس) ذوی العلم والرأی منھم (کبیر) وھم اھل العلم و الفقہ عن الحسن وقتادہ وغیرھما (قرطبی) یجوزان یرید بہ الفریقین من اھل الفقہ والولاۃ لوقوع الاسم علیھم جمیعاً (جصاص) و۲۳۴ یعنی اس خبر کی صحیح حیثیت متعین کر لیتے۔ اَلَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس سے ایک بڑی اہم فقہی حقیقت روشنی میں آ گئی۔ معلوم ہوا کہ استنباط مسائل واجتہاد احکام، بعد صحابہ کے ہر ایک کا کام نہ تھا۔ اس کے لئے ایک خاص فہم وسلیقہ اور مرتبہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہر فرد امت اس سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ مِنْهُمْ۔ آیت میں دو ۲ جگہ آیا ہے۔ دونوں جگہ اس سے مراد مجموعہ امت ہے اس میں حسب الظاہر منافقین بھی شامل تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت سے چار امور ثابت ہوتے ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ نئے نئے مسائل جو پیش آئیں گے ان کی بابت احکام نص سے نہیں، استنباط سے حاصل ہوں گے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ استنباط بھی ایک حجت شرعی ہے۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ احکام میں عامیوں پر اہل علم کی تقلید واجب ہے۔ ۴۔ چوتھے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مامور تھے کہ استنباط احکام کرتے رہیں۔ آیت سے عقیدۂ امامت کا بھی رد نکل رہا ہے۔ اگر کسی امام معصوم کا وجود امت میں ہوتا تو استنباط احکام کی ضرورت کیا تھی۔ امام خود ہی الہاماً ان احکام سے واقف ہوتا۔ ھذہ الایۃ تدل علی بطلان قول القائلین بالامامۃ لانہ لو کان کل شیء من احکام الدین منصوصا علیہ لعرفہ الامام ولزال موقع الاستنباط (جصاص) و۲۳۵ (اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم!) یعنی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے تو تم کو ان نعمتوں کی قدر خاص طور پر کرنی چاہیے کہ اس نے تمہیں قرآن دیا، شریعت دی، صاحب شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیا۔ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اور یہ تھوڑے سے جو محفوظ رہ جاتے وہ بھی عقل سلیم کی بدولت رہتے کہ وہ خود بھی فضل ورحمت خاص ہی کی صورت ہے۔ و۲۳۶ (اے پیغمبر!) ادھر مضمون جہاد وقتال کا چل رہا تھا۔ درمیان میں دوسرے مضمون ضمنی مضامینوں سے آ گئے تھے، اب پھر اس مستقل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ و۲۳۷ (نہ کہ کسی دوسرے کے عمل کی) مقصد یہ ہے کہ آپ خود جہاد پر آمادہ ہو جایئے خواہ کوئی دوسرا ساتھ دے یا نہ دے۔ آپ پر ذمہ داری کسی دوسرے کے عمل کی نہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزوۂ احد جب شوال میں پیش آ چکا تو اس کے معاً بعد ذی قعدہ میں آپ مشرکین کے وعدہ کا خیال کر کے بدر کی طرف پھر چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت منافقین تو اپنی بے اعتقادی کے سبب سے نکل گئے۔ اور مومنین بھی ساتھ دینے میں بہت پس وپیش کرنے لگے۔ کچھ تو اس لئے کہ ابھی احد کے زخم بالکل تازہ تھے۔ اور کچھ اس لئے بھی کہ افواہی خبروں پر یقین کر بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کا سپہ دار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم یہ رنگ دیکھ، بالکل تن تنہا چل کھڑے ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا ٹھکانا تھا فرض شناسی اور نصرت الٰہی پر اعتماد کا۔ قلت وکثرت اور اکائی اور سیکڑوں کی عددی نامناسبت کا گویا خیال بھی سامنے نہیں رہا۔ و۲۳۸ (جہاد پر) یعنی درجہ ترغیب میں تبلیغ آپ کے فرائض رسالت میں داخل ہے۔ حَرِّضِ۔ تحریض کے معنی ہیں کسی شے کی خوبیاں بہ کثرت بیان کر کر کے اس کی جانب شوق ورغبت دلانا۔ گویا صحیح اور سچا پروپیگنڈہ کرنا۔ التحریض الحث علی الشیء بکثر التزیین وتسھیل الخطب فیہ (راغب) آیت ان ظالم اور بیدرد پادریوں کا پول کھول رہی ہے جنہوں نے یہ جھوٹ اچھال رکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ مار کے شوق میں جہاد پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کیا بار بار ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کی ضرورت حریصوں کو ہوا کرتی ہے؟ و۲۳۹ (اور انہیں ان کی زور آوری کے باوجود مغلوب کر دے) قرآن مجید کی یہ پیش خبری مستقبل قریب وبعید دونوں میں پوری ہو کر رہی۔ مخالفین ومعاندین میں سے قریش کا زور تو اسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا۔ رہیں دور دراز کی پُرقوت، پُرشوکت بادشاہتیں اور حکومت سو وہ مغلوب ہوتی گئیں۔ عَسٰی۔ اس پر پہلے ہی حاشیہ گزر چکے ہیں کہ اس کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کے کسی قول میں ہوتا ہے تو اس کے معنی محض امید یا توقع کے بجائے وعدہ اور یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عسٰی من اللہ واجبۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اطماع۔ والاطماع من اللہ عزوجل واجب (قرطبی) و۲۴۰ اَشَدُّ بَاْسًا۔ اس قوت وشدت کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا۔ اس صفت سزا دہی کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔ و۲۴۱ یعنی جو کوئی عمل خیر میں بہ طریق مشروع ساعی ہوگا، اسے اس کا اجر بھی ملتا رہے گا کہ وہ کسی درجہ میں سبب بنا عمل خیر کا۔ و۲۴۲ (اس لئے کہ وہ سبب اور ذریعہ بنا معصیت کا) شَفَاعَةً سَیِّئَةً۔ اس کے تحت میں علاوہ عمل بد کے وہ عمل خیر بھی آ جاتے ہیں جو غیر مشروع طریق پر کئے جائیں۔ و۲۴۳ تو ہر نیکی پر اجر اور ہر بدی پر عذاب کا ترتب اس کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کر دیتے و۲۳۳

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ

تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے و۲۳۴ اور اگر تم پر اللہ کی رحمت

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

شامل نہ ہوتی تو تم (سب) بجز تھوڑے سے لوگوں کے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے و۲۳۵

فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ

تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے و۲۳۶ آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بجز آپ کی اپنی ذات کے و۲۳۷

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ

اور آپ مسلمانوں کو بھی آمادہ کرتے رہیے و۲۳۸ اور عجب نہیں کہ اللہ

بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ

کافروں کا زور روک دے و۲۳۹ اور اللہ بڑا ہی زور والا ہے،

تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

بڑا ہی سزا والا ہے و۲۴۰ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں سے

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

حصہ ملے گا و۲۴۱ اور جو کوئی بری سفارش لائے گا اس پر اس میں سے

يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

بار رہے گا و۲۴۲ اور اللہ ہر چیز پر

مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ

طاقت رکھنے والا ہے و۲۴۳ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام

ف۲۴۳ (اس لئے معاشرت کے ان جزئیات کو حقیر سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیا جائے) سلام کے جواب میں سلام تو بہر حال واجب ہے۔ اس کے بعد اختیار دو دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جواب سلام، سلام سے بہتر ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسا ہی ہو۔ بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کے الفاظ دہرائے جائیں۔ ردوھا بالفضل منھا فی الزیادۃ علی اھل دینکم وملتکم اور ذوھا مثل ما سلم علیکم علی غیر اھل دینکم (ابن عباس) اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے طریق شروع پر۔ سلام کے شرعی طریقوں کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔ تَحِيَّةٍ۔ حیاک اللہ کے اصل معنی تو زندگی سے خبر دینے کے ہیں۔ پھر دعاء زندگی کے معنی ہو گئے۔ ذلک اخبار ثم یجعل دعاء (راغب) اہل عرب جب آپس میں ملتے تھے تو اس کلمہ دعا کو استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اسے سلام کے معنی میں کر دیا۔ فلما جاء الاسلام ابدل ذلک بالسلام فجعلوا التحیۃ اسما للاسلام (کبیر) ف۲۴۴ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے چھوٹے بڑے سارے ہی ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل قائم رہنا چاہیے۔ اگر ریب وتذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل بلکہ عزم عمل میں بھی کوتاہی رہ جائے گی۔ اِلٰی۔ یہ بھی فی کے معنی میں بھی آ جاتا ہے اور یہاں تو اسی معنی میں ہے۔ الی بمعنی فی (جمل) المراد لیجمعنکم فی الموت (کبیر) فِيْهِ میں ضمیر یَوْم کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور جمع کی طرف بھی۔ فی الیوم او فی الجمع (بیضاوی) معنی بہر صورت یہ ہیں کہ کوئی شبہ اس بیان کی حقیقت اور اس خبر کی صداقت میں نہیں۔ لاشک فی حقیقۃ ما اقول لکم فی ذلک واخبر کم من خبری (ابن جریر) ف۲۴۵ (اے مسلمانو! کہ تم میں سے بعض ان کو اب بھی مومن کہے جا رہے ہیں) یہ آیت کس گروہ منافقین کے باب میں ہے؟ روایتیں اس بارہ میں مختلف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہ منافقین ہوں جو غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی سیادت میں جنگ سے قبل ہی واپس چلے آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ گروہ ہو جس نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں، جو دار الحرب مکہ سے دار الہجرت مدینہ میں آئے۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ مال تجارت لے کر مکہ گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ مشرکوں میں مل جل کر وہیں دار الحرب میں رہ پڑے اور سیاق قرآنی کی رو سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے بہر حال وہ کوئی سے بھی ہوں، تھے منافقین ہی، جو مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شرکت جنگ سے جی چراتے تھے بلکہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور منصوبوں میں لگے رہتے تھے۔ جیسا کہ قبل والے رکوع میں ذکر آ چکا ہے۔ بلکہ بعض تو دار الاسلام کا قیام جو اس وقت عین علامت اسلام تھی، ترک کر کے دار الحرب میں کافروں سے جا ملے تھے۔ ف۲۴۶ (ان کے علانیہ کفر کی جانب) کافر تو حقیقۃً وہ پہلے ہی سے تھے، اب ان کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں کہ علانیہ دشمنان اسلام کے ساتھ ہو کر میدان میں مسلمانوں کے مقابل آ گئے۔ بِمَا كَسَبُوْا۔ یہ ان کا اکتسابی رد عمل تھا کہ باوجود قدرت انہوں نے دار الاسلام کو چھوڑ دیا تھا۔۔ اس وقت جب کہ ترک اقرار اسلام کی طرح یہ بھی ایک علامت کفر کی تھی من ارتدادھم ولحوقھم بالمشرکین (مدارک) ف۲۴۷ یعنی جب انہوں نے گمراہی کا قصد کر لیا تو اللہ کا قانون تکوینی یہ ہے کہ ہر عزم فعل پر فعل پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق مشیت تکوینی نے انہیں گمراہی میں ڈال دیا تو اب انہیں نکال کون سکتا ہے؟

مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

کرو یا اسی کو لوٹا دو بیشک اللہ ہر چیز کا

حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

حساب لینے والا ہے ف۲۴۴ اللہ وہ ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ ضرور تم (سب) کو

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ

قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں

اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ

سچا ہے ف۲۴۵ سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو گئے ہو ف۲۴۶

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

درانحالیکہ اللہ نے ان کے کرتوتوں کے باعث انہیں الٹا پھیر دیا ہے ف۲۴۷ کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں راہ دکھاؤ

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

جنہیں اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے ان کے لئے تو ہرگز راہ نہ

سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

پائے گا ف۲۴۸ یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تا کہ تم (سب) برابر

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

ہو جاؤ، ف۲۴۹ سو تم ان میں سے (کسی کو) دوست نہ بنانا جب تک اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

ہجرت نہ کریں ف۲۵۰ اور اگر وہ روگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں کہیں انہیں پاؤ

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا

انہیں قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) دوست

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ بندہ کی طرف اس اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت منافقین کے کفر اختیاری کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ اَتُرِيْدُوْنَ...... اللّٰهُ۔ یعنی کیا تم ان کے قلوب میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں کرتے۔ ف۲۴۸ یعنی ان کے مومن ہونے کا کیا ذکر ہے۔ ان کے غلو و کفر کا تو یہ حال ہے کہ الٹے وہ تمہی کو اپنے رنگ میں رنگ لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی دھن میں ہیں۔ ف۲۴۹ (اور دار الحرب کو ترک کر کے دار الاسلام میں نہ آ جائیں) اس وقت ہجرت بھی اسلام کے لئے اقرار شہادتین کی طرح لازمی تھی۔ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ۔ یعنی ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ مت رکھو کہ دوستی کے جواز کے لئے شرط ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ قید بہت ضروری تھی۔ ورنہ یوں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو کافر بھی دار الہجرت میں آ سکتے تھے۔ دنیا کے قانون میں اسلام کا ثبوت انہی ظاہری چیزوں سے ملتا ہے۔ رہی تصدیق قلب، سو وہ صرف عند اللہ ہے۔ بندوں کے ذمہ اس کی تفتیش نہیں۔

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

اور مددگار نہ بناؤ وا۲۵ مگر ایسوں کے جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

عہد ہے و۲۵۲ یا تمہارے ہی پاس اس طرح آتے ہیں کہ ان کے سینے اس سے تنگ ہو رہے ہیں

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ

کہ تم سے لڑیں یا اپنی ہی قوم سے لڑیں و۲۵۳ اور اگر اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

انہیں تمہارے اوپر مسلط کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے و۲۵۴ تو اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

اور تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں تو اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لئے

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

کوئی راہ نہیں رکھی ہے و۲۵۵ عنقریب کچھ لوگ اور بھی پاؤ گے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا

جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں و۲۵۶ انہیں جب بھی

رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

فساد کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں پلٹ پڑتے ہیں و۲۵۷ تو اگر یہ تمہیں چھوڑے نہ رہیں

وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ

اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو (تم سے) روکیں تو تم بھی انہیں پکڑو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا

اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یہی لوگ تو ہیں جن کے خلاف ہم نے

و۲۵۱ یعنی کسی حال میں کوئی علاقہ ان سے محبت کا نہ رکھو۔ نہ حالت امن میں دوستی کا نہ حالت خوف میں استعانت کا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اگر یہ ہجرت اور اسلام سے روگردانی رکھیں اور بدستور دارالحرب میں کافر ہی بنے رہیں۔ عن الایمان والهجرة (ابن عباس) عن الایمان الظاهر بالهجرة (بیضاوی)۔ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ اس لئے کہ یہ بھی مشرکین محاربین کے حکم میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین محاربین کے ساتھ ہوتا ہے۔ كما كان حكم سائر المشركين (مدارک) و۲۵۲ (اور ان کے بھی جا کر ہم عہد ہو جاتے ہیں تو گویا اس طرح تمہارے بھی حلیف ہو جاتے ہیں) حلیف کا حلیف بالواسطہ کسی اپنا ہی حلیف ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مصالحت و امن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے اخذ و قتل کا حکم نہیں۔ گویا بنائے حکم ان کا کفر نہیں بلکہ ذہ ضرر رسانی ہے۔ و۲۵۳ یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح و آشتی رکھنا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمان ان کی طرف سے بھی امن میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے منافقین کو حکم قتل و اسیری سے مستثنیٰ کر کے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کر دیا کہ اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت و نقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔ و۲۵۴ (لیکن اللہ نے ایسا نہیں ہونے دیا اور تمہیں کلفت و پریشانی سے بچا لیا) لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ و۲۵۵ یعنی ایسوں سے جنگ جائز نہیں۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے نہ لڑیں اور ان کے ساتھ صلح و سازگاری سے رہنا چاہیں، اگرچہ وہ مسلمانوں کا بھی ساتھ کافروں کے مقابلہ میں نہ دیں، ان سے جنگ و قتال جائز نہیں۔ و۲۵۶ اور ان کا یہ چاہنا مکر و خداع کی راہ سے ہے نہ اس سے کہ ان کا دل واقعی نرائی سے بھر گیا اور وہ اخلاص کے ساتھ صلح و امن چاہتے ہیں۔ یہ وہ منافقین تھے جو اپنے عقیدۂ اسلامی کی طرح اس صلح جوئی اور مصالحت پسندی میں بھی منافقت برت رہے تھے۔ سَتَجِدُوْنَ۔ میں س زمانہ مستقبل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور استمرار کے معنی میں بھی۔ ليل السين للاستمرار لا للاستقبال (جمل) و۲۵۷ (اور موقع پانے پر مسلمانوں سے لڑنے پر بلا تامل آمادہ ہو جاتے ہیں) الْفِتْنَةِ۔ سے مراد کفر و شرک یا فساد عقائد بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن سیاق کھلا ہوا اشارہ قتال مسلمین کی جانب کر رہا ہے فساد عقائد میں تو وہ پہلے ہی سے مبتلا تھے۔ اب موقع پا جانے پر مسلمانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ای كلما دعاهم قومهم الى قتال المسلمين (کبیر) اُرْكِسُوْا فِيْهَا۔ یعنی اس میں اندھا دھند الٹے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ ان کی شان کفر و بغض مسلمین کے اظہار کے لئے ہے۔ هذا استعارة لشدة اصرارهم على الكفر وعداوة المسلمين (کبیر) گویا ان کے کفر اور بدنفسی اور عداوت مسلمین کا اب عملی ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

ف۲۵۸ یعنی ان کا حکم کھلے ہوئے محاربین کا ہے، اور ان پر کھلی ہوئی گرفت، ان کی بدعہدی اور عملی عداوت اسلام کی ہے۔ لظهور عداوتهم ووضوح كفرهم و خيانتهم (روح) لظهور عداوتهم والكشاف حالهم في الكفر والغدر و اضرارهم باهل الاسلام (بحر) سلطان یہ لفظ قرآن مجید میں جہاں آیا ہے گرفت اور دلیل ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ قال عكرمة حيثما وقع السلطان في كتاب الله فالمراد به الحجة (بحر) ف۲۵۹ (خواہ وہ غلطی قصد میں ہوئی ہو یا نفس عمل میں) شرک، کفر وغیرہ اعتقادی معصیتوں سے قطع نظر، عملی گناہوں میں انسان کے لئے اکبر الکبائر قتل مومن ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی جسارت کسی مومن سے بہ ثبات ہوش و سلامتی عقل بہت مستبعد ہے۔ ہاں غلطی اور دھوکے ہی سے ہو جائے تو اور بات ہے۔ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا۔ جرم قتل کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں: ایک قتل عمد جس میں آلۂ قتل سے کام لیا گیا ہو، دوسرے قتل شبہ عمد جس میں کام آلۂ قتل سے نہ لیا گیا ہو۔ جو قتل کسی حجت شرعی کی بنا پر، مثلاً قصاص میں کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس پر جرم قتل کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ اِلَّا خَطَـًٔا۔ فقہاء نے قتل خطا کی دو بڑی قسمیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ غلطی قصد و ظن میں ہوئی، مثلاً دور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا یا آدمی ہوتا تو پہچانا مگر مومن کے اوپر کافر حربی کا دھوکا ہوا۔ دوسرے یہ کہ غلطی نفس عمل میں ہوگئی۔ مثلاً نشانہ لگایا جانور کے مگر پڑ گیا آدمی کے اوپر۔ ف۲۶۰ (جو مقتول کے شرعی وارثوں کے درمیان بہ قدر ان کے حصہ میراث کے تقسیم ہوگا) اگر کوئی وارث نہ ہوا تو ان کا قائم مقام بیت المال قرار پائے گا۔ دِيَةٌ اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیت کی مقدار سنت سے صرف سو اونٹ ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قیاس کرکے ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درہم شرعی ٹھیرا دی ہے۔ لیکن جس طرح عراق و مصر و شام کے حالات عرب سے مختلف تھے۔ اسی طرح ہندوستان وغیرہ کے حالات خود ان ملکوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے دیت کی مقدار کو ہر ملک کے عرف کے ماتحت قاضی کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی شرعی مقدار سے کم و بیش نہ کرے۔ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ خوں بہا بالکل معاف کر دیں یا کم کر دیں۔ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ اس کے تحت میں جس طرح غلام ہے، کنیز بھی شامل ہے۔ ف۲۶۱ (خواہ کل، خواہ کوئی جزو) اَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ خون بہا کی معافی کو لفظ تصدق سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ افضل یہی ہے۔ سمى العفو عنها صدقة حثا عليه و تنبيها على فضله (بيضاوی) ف۲۶۲ (اور دیت اس موقع کے لئے نہیں) ظاہر ہے کہ مقتول جب کافروں کے درمیان رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ میں جائے گی۔ اور کافر کے لئے مسلم کی میراث ممنوع ہے۔ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔ یعنی مقتول تھا تو مومن، لیکن کسی سبب سے حربی کافروں کے درمیان رہ رہا تھا۔ عَدُوٌّ۔ لفظاً واحد ہے لیکن معناً یہاں جمع ہے، اعداء کے مرادف۔ مومن اگر دار الحرب ہی میں رہ گیا اور ہجرت کرکے دار الاسلام میں نہ پہنچ سکا تو اس کی جان تو بہرحال اس کے اسلام کی بناء پر محفوظ بھی جائے گی۔ اور اس کے لئے کفارہ دینا پڑے گا۔ لیکن دیت کا تعلق اس کے ایمان سے نہیں بلکہ اس کے مقام سے ہے اور وہ دار الاسلام ہے نہیں، اس لئے یہ واجب نہ آئے گی۔ سقطت الدية لوجهين احدهما ان اولياء القتل كفار فلايصح ان تدفع اليهم فيتقووا بها والثانى ان حرمة هذا الذى لم يهاجر قليلة (قرطبی) ف۲۶۳ (صلح کا یا ذمہ کا) یہاں حکم اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ مقتول گو غیر مسلم ہے لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں سے معاہدۂ صلح و اتحاد کئے ہوئے یا فقہاء کی اصطلاح میں ذمی یا مستامن ہے۔ هم اهل الذمة من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) هم المعاهدون من الكفار (کبیر عن الحسن) هذا فى الذمى والمعاهد يقتل خطأ فتجب الدية والكفارة قاله ابن عباس والشعبى والنخعى والشافعى واختاره الطبرى (قرطبی) ف۲۶۴ گویا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلم کے برابر ہی حق رکھتا ہے۔ وان كان من قوم كفرة معاهدين او اهل الذمة فحكمه حكم المسلمين فى وجوب الكفارة والدية (بيضاوی) ان كان المقتول ذميا فحكمه حكم المسلم و فيه دليل على ان دية الذمى كدية المسلم (مدارک) فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ۔ یعنی اس کافر کا بھی خون بہا اس کے کافر وارثوں کو دیا جائے گا۔ ف۲۶۵ بس ایسے علیم کل اور حکیم مطلق کے قانون میں کسی ترمیم، کسی تنسیخ کی گنجائش کسی بندہ کو نہیں) تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ لفظ توبہ بہت اہم اور جامع ہے، ندامت، شرمساری، اصلاح کے سارے پہلو اس کے اندر آگئے۔ مِّنَ اللّٰهِ میں اس کی تاکید و تصریح ہے کہ کفارہ اور دیت کے یہ طریقے اللہ کی طرف سے مشروع ہیں، کسی بندہ کی طرف سے نہیں۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ یعنی جس کو باندی یا غلام کی استطاعت ہی نہ ہو۔ اور یہ صورت اس وقت ہندوستان میں تمام تر عائد ہے جب کہ شرعی کنیز اور غلام کا وجود ہی نہیں۔ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فعليه صيام شهرين (قرطبی) مُتَتَابِعَيْنِ۔ ان دو مہینوں میں اگر ایک دن کا بھی ناغہ بلا عذر شرعی ہو جائے گا۔ تو پھر سے ان دو مہینوں کا شمار پورا کرنا ہوگا۔ حتى لو افطر يوما استانف هذا قول الجمهور (قرطبی)

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

تم کو صاف گرفت دے رکھی ہے ف۲۵۸ اور یہ کسی مومن کے شایان نہیں

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے، ف۲۵۹ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (اس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے

اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

حوالہ کیا جائے گا ف۲۶۰ سوا اس کے کہ وہ لوگ (خود ہی) اسے معاف کر دیں، ف۲۶۱ تو اگر وہ ایسی قوم میں ہو

عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ

جو تمہاری دشمن ہے درانحالیکہ (وہ بذات خود) مومن ہے تو ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) ف۲۶۲

وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ

اور اگر ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، ف۲۶۳ تو خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ

واجب ہے، جو اس کے عزیزوں کے حوالہ کیا جائے گا اور ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (بھی) ف۲۶۴ پھر جس کو

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً

یہ نہ میسر ہو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا (واجب ہے) یہ توبہ

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ

اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۲۶۵ اور جو کوئی

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ

پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے عذاب عظیم

عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ

تیار رکھے گا ۲۶۶ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى

اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق کر لیا کرو ۲۶۷ اور جو تمہیں سلام کرتا ہو ۲۶۸ اسے یہ مت

اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

کہہ دیا کرو کہ تو تو مسلمان ہی نہیں ۲۶۹ تم دنیوی زندگی کا سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

تلاش کرتے ہو تو اللہ کے پاس تو (بہت) کثرت سے مال غنیمت ہے ۲۷۰ ایسے ہی

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ

تم بھی تو پہلے تھے ۲۷۱ پھر اللہ نے تم پر کرم کیا ۲۷۲ تو (خوب) تحقیق کر لیا کرو، بیشک

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِى

تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ۲۷۳ مسلمانوں

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ

میں سے بلا عذر (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ

ہو سکتے ۲۷۴ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو

۲۶۶ اتنی سخت وعید یں بجز کفر و شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں اور اسی لئے قتل مومن، اشاعرہ و معتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر ہے اور بیہ ڈرنے اور لرز جانے کی چیز ہے۔ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا: قتل عمد کی جو معروف اور براہ راست صورتیں ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتل مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین و نظام کے ماتحت کی جاتی ہیں مثلاً کسی کافر حکومت کی فوج یا پولیس میں داخل ہو کر اس حکومت کے باغی اور مجرم مسلمان پر گولی چلا دینا یا کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر مجسٹریٹ یا جج کی حیثیت سے بیٹھ کر کسی مسلمان کو سزائے موت کا حکم سنا دینا وقس علی ہذا۔ مُتَعَمِّدًا۔ تعمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقتول کے ایمان ہی کی بنا پر اسے قتل کیا جائے۔ یہ صورت تو صاف کفر کی ہے۔ دوسری یہ کہ قتل مسلم کو جائز سمجھ کر۔ یہ صورت بھی کفر ہی کی ہوئی۔ ای قاصدا قتله لايمانه وهو كفر اوقتله مستحلا لقتله وهو كفر ايضاً (مدارک) فَجَزَآؤُهٗ۔ آگے سزا ایسے قاتل کی مذکور ہو رہی ہے جو اس قتل کو جائز سمجھے یا بلا توبہ مر جائے۔ والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب (بیضاوی) وهو عندنا مخصوص لما مستحل له (بیضاوی) پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ نوعیت جرم کی شدت کے لحاظ سے اصل سزا یہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی، لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر مومن کو بھی انتہائی سزا مل کر ہی رہے اور یہ تفسیر حدیث نبوی سے ماخوذ اور اسی پر مبنی ہے۔ دنیوی قانون میں بھی جرائم کی ایک انتہائی سزا مقرر ہوتی ہے لیکن یہ حاکم کی رائے تمیزی پر ہوگا کہ اس حد کے اندر جتنی سزا مناسب سمجھے دے۔ معناه هي جزاءه ان جازاه ولكنه ان شاء حذبه وان شاء غفرله بكرمه فانه يغفر لمن يشآء (معالم) قال عليه السلام هي جزاءه ان جازاه (مدارک) جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قاتل اگر مسلم ہے تو اس کی توبہ بھی بالآخر قبول ہو جائے گی۔ اور خلود في النار کی سزا صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے رہ جائے گی۔ اس عقیدہ کے دلائل کتاب و سنت سے ماخوذ کلام و عقائد کی کتابوں میں اپنی جگہ پر مبسوط درج ملیں گے۔

۲۶۷ (ہر امر کی اور خصوصاً قتل کے باب میں) یہ مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد میں ہو تو بلا خوب پہچان بین کئے محض شک و شبہ کی بنا پر قتل میں جلد بازی نہ کر دیا کرو۔ فَتَبَيَّنُوْا۔ خوب سوچ بچار لو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر کے خیال میں کسی کلمہ گو کو قتل کر ڈالو۔ تحققوا حتى يتبين لكم المومن من الكافر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) المقصود من هذه الأية المبالغة في تحريم قتل المومنين (کبیر) یہ تحقیق و احتیاط، سفر و حضر ہر حال میں واجب ہے۔ سفر جہاد کی قید آیت میں صرف اس لئے ہے کہ نزول آیت سے قبل ایسا واقعہ اتفاق سے سفر جہاد ہی میں پیش آیا تھا۔ والتبين اى التثبت في القتل واجب حضرا وسفرا لاخلاف فيه وانما خص السفر بالذكر لان الحادثة التى فيها نزلت الأية وقعت في السفر (قرطبی) احادیث نبوی میں یہ مضامین بار بار آئے ہیں کہ ایک کلمہ گو کا قتل ہو جانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کے زندہ بچ جانے سے، بلکہ ساری دنیا کے فنا ہو جانے سے شدید تر ہے۔ فان ابقاء الف كافر اهون عندالله من قتل امرئ مسلم (بیضاوی) وفي الحديث زوال الدنيا اهون على الله من قتل امرئ مسلم (کشاف) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی راہ جہاد میں اى فرغتهم في الجهاد (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

۲۶۸ مسلمانوں کے طریقہ پر یا اور کسی ایسی ہی علامت سے اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو)

۲۶۹ (بلکہ محض جان بچانے کو اظہار اسلام کر رہا ہے) مقصد یہ ہے کہ قتل سے دستکشی اس شخص کے مجرد اظہار اسلام سے واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے باطن کی تفتیش ہرگز تمہارے ذمہ نہیں۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جان و مال کو محفوظ کر دینے والی شے کلمہ شہادت ہے۔ کافر غیر معاہد بھی اگر اسے پڑھ دے گا تو مسلم کے لئے اس پر تلوار اٹھانا حرام ہو جائے گی) المسلم اذا لقى الكافر ولا عهدله جازله قتله فان قال لا اله الا الله لم يجز قتله لا نه قداعتصم بعصام الاسلام المانع من دمه و ماله واهله (قرطبی) آیت سے بعض فرقوں نے استدلال یہ کیا ہے کہ ایمان مجرد قول کا نام ہے لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ ایمان فقط اقرار لسانی کا نام نہیں اور زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق قلب بھی شامل ہے البتہ بندوں کے پاس علم کا کوئی ذریعہ بجز لفظ و قول کے نہیں۔ استدل بهذه الاية من قال ان الايمان هو القول وليس في ذلك ان الايمان هو الاقرار فقط الاترى ان المنافقين كانوا يقولون هذا القول وليسوا بمومنين خشية ان الايمان هو الاقرار وغيره وان حقيقة التصديق بالقلب ولكن ليس للعبد طريق اليه الاماسمع منه فقط (قرطبی)

۲۷۰ یعنی اگر مال غنیمت کی طمع تمہیں ایک مدعی اسلام کے قتل میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی طرف لا رہی ہے تو یہ یاد رکھو کہ مال اور مال غنیمت کا سرچشمہ بھی تو اللہ ہی کی ذات ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اس کی بڑی سے بڑی مقدار قانون شریعت کے اتباع ہی سے دے دے۔ عنایت سے دے دے۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (عرض وہ چیز ہے جو بذات خود قائم نہ رہ سکے اور اسی لئے متکلمین نے جوہر کے مقابل کی اصطلاح رکھی ہے) العرض ما لايكون له ثبات ومنه استعار المتكلمون العرض لمالاثبات له الا بالجوهر (راغب) یہاں عرض سے مراد مال ہے اور بجائے مال کے عرض اسی لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مال کی بے ثباتی اور زود فنائی کی جانب بھی پورا اشارہ ہو جائے۔ ثم تعالى بتسميته عرضا على كونه سريع الفناء قريب الانقضاء (مدارک) العرض المال سمى به لسرعة فنائه (کبیر)

۲۷۱ یہ تو مسلم صحابیوں اور

دوسروں کو یاد دلایا ہے کہ آخر تمہارے اوپر بھی تو یہ دور گزر چکا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے اسلام وایمان کا ثبوت بجز تلفظ کلمہ اور زبانی دعویٰ کے اور تھا کیا؟ تمہارے اخلاص قلب اور تمہارے حسن اعمال کی شہادت تو بہت بعد کو پیش ہوئی۔ اول ما دخلتم فی الاسلام سمعت من افواھکم کلمۃ الشھادۃ فحصنت دماء کم واموالکم من غیر انتظار الاطلاع علی مواطاۃ قلوبکم لالسنتکم (کشاف) و۲۷۲ (کہ تمہارے اس اعلان اسلام اور وعدے کو کافی سمجھ لیا گیا اور تمہارے ایمان کو معتبر قرار دینے کے لئے تفتیش باطن کا حکم نہیں دیا) فعلیکم بان تفعلوا بالداخلین فی الاسلام کما فعل بکم وان تعتبروا ظاھر القول (کبیر) ھذا ھو الذی اختارہ اکثر المفسرین (کبیر) دوسری صورت اللہ کے فضل وکرم کی یہ بھی قرار دی جاسکتی ہے کہ اس نے تمہارے اس ابتدائی اسلام کو اب مشہور ومعلوم کرا دیا اور تمہیں استقامت اور حسن عمل کی توفیق دی۔ لاشتھار بالایمان والاستقامۃ فی الدین (بیضاوی) حیث نوّر نور الایمان فی قلوبکم و ایمانکم علی العمل بہ والمحبۃ لہ (کبیر) بالاستقامۃ والاشتھار بالایمان (مدارک) و۲۷۳ (سو اگر تم نے کوئی بھی بے احتیاطی کی تو اس کے ساتھ تمہارا کون ساعذر چل سکے گا) فَتَبَیَّنُوْا۔ تحقیق واحتیاط کے لئے تکرار دعوت یا اہتمام حکم کی غرض سے۔ اعادۃ الامر بالتبیین لتدل علی المبالغۃ فی التاکید من ذلک الفعل (کبیر) کرر الامر بالتبیین لیؤکد علیھم (مدارک) اعاد الامر بالتبیین التاکید (قرطبی) ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا زندیق کی توبہ قبول ہوگی؟ فقہاء نے اس آیت کی رو سے جواب دیا ہے کہ قبول ہوگی۔ اختلفوا فی ان توبۃ الزندیق ھل تقبل امرلا فالفقھاء قبلوھا واحتجوا علیہ بوجوہ الاول ھذہ الآیۃ (کبیر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کرکے فرمایا ہے کہ بچوں کا اسلام بھی قبول ہوگا۔ اس لئے کہ آیت عام ہے۔ بالغ اور نابالغ کی اس میں کوئی قید نہیں۔ قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ دلت ھذہ الآیۃ علی صحۃ اسلام الصبی لان قولہ ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمنا عام فی حق الصبی وفی حق البالغ (کبیر) بلکہ منافقین خود بھی جو اپنے جان ومال کو مسلمانوں سے بچائے ہوئے تھے، وہ کلمۂ اسلام کے تلفظ ہی کی بنا پر تو تھا، درآنحالیکہ عنداللہ ان کا کفر بالکل ظاہر تھا۔ اور رسول اللہ پر بھی اکثر صورتوں میں روشن ہوگیا تھا۔ وقد کان المنافقون یعصمون دماءھم واموالھم باظھار ھذہ الکلمۃ مع علم اللہ تعالیٰ باعتقادھم الکفر و علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفاق کثیر منھم (جصاص) و۲۷۴ (اللہ کے ہاں درجہ اور مرتبہ میں) اُولِی الضَّرَرِ کے لفظی معنی تو ہوئے "بے دکھ والے" لیکن یہاں ضرر مرض سے کہیں زیادہ وسیع معنی میں ہے اور ہر قسم کے عذر ومانع کو شامل ہے اور اہل العذر اہل العذر کے مرادف ہے۔ قال العلماء اھل الضرر ھم اھل الاعذار (قرطبی) الضرر النقصان سواء کان بالعمی او العرج او المرض او کان بسبب عدم الاھبۃ (کبیر) اَلْقٰعِدُوْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ۔ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ القاعدون الذین ھم غیر اولی الضرر (قرطبی) مطلب صاف ہے۔ اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرنے والے اور بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اللہ کے ہاں فضیلت ومقبولیت میں برابر نہیں ہوسکتے۔ یہیں سے یہ مطلب بھی صاف ہوگیا کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اگر فرض عین ہوتا یعنی ہر ہر فرد پر فرض ہوتا تو ان بیٹھ رہنے والوں اور نہ شریک ہونے والوں پر یقیناً عتاب ووعید کے الفاظ وارد ہوتے رہتے۔ فیہ دلالۃ علی ان الجھاد لیس بفرض عین بل ھو فرض کفایۃ (ابن کثیر) قال الفقھاء فیہ دلیل علی ان فرض الجھاد علی الکفایۃ ولیس علی کل احد بعینہ (کبیر) وھذا دلیل علی ان فرض الجھاد علی الکفایۃ ولیس علی کل احد بعینہ (جصاص) فرقۂ شیعہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ظاہر ہورہی ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد وقتال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ کیا ہے اور اس کو آیت میں معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ استدلال باطل ہے۔ اگر مطلق قتل کفار ہی معیار فضیلت ہوتا تو بہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل واشرف ہوتے۔ حالانکہ اس کے قائل شیعہ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ افضلیت کلی کے اجزاء اور بھی متعدد ہیں۔ مثلاً تبلیغ دین میں معروفیت، اقامت احکام واستحکام ملت میں مشغولیت وغیرہا۔ اور ان سارے امور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ٹھیک اپنے آقا سردار کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی وتبلیغ سے ایمان لائے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجاہدانہ جوہر مدینہ میں آکر چمکے۔ جب اسلام کو یک گونہ غلبہ حاصل ہوچکا تھا۔ برخلاف اس کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دین کی گرانبہا خدمتیں اس وقت سے انجام دینا شروع کردی تھیں جب ملت غایت ضعف وپستی میں تھی اور امت ہر طرف سے نرغۂ اعداء میں محصور! (کبیر) و۲۷۵ (مجاہدین سے ان کے جہاد کی بنا پر۔ اور قاعدین سے ان کے دوسرے اعمال حسنہ کی بنا پر) کُلًّا۔ (یعنی مجاہدین اور قاعدین دونوں سے) ای کل فریق من القاعدین و المجاھدین (قرطبی) اَلْحُسْنٰی۔ یعنی جنت اور آخرت کی نعمتیں۔ المثوبۃ الحسنی وھی الجنۃ (بیضاوی) الجنۃ والجزاء الجزیل (ابن کثیر) اَلْمُجٰھِدِیْنَ وَالْقٰعِدِیْنَ۔ دونوں لفظوں میں جہاد اور قعود کے عموم مفہوم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہاں یقیناً میدان جہاد میں جانے والوں اور میدان جنگ سے رہ جانے والوں کا ہے۔ لیکن لفظ جہاد کو قتال کے معنی میں مخصوص ومحدود کر

وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ

بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دے رکھی ہے اور بھلائی کا وعدہ

اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى

تو اللہ نے سب (ہی) سے کر رکھا ہے و۲۷۵ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم

الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً

کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے و۲۷۶ یعنی اللہ کی طرف سے (بہت سے) درجے اور بخشش

وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور رحمت، اور اللہ ہے ہی بڑا بخشش والا، بڑا رحمت والا و۲۷۷ بیشک ان لوگوں کی جان جنہوں نے

تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ

اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتے قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں

كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا

تھے و۲۷۸ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے و۲۷۹ فرشتے کہیں گے کہ

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے و۲۸۰

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ

بجز ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾

(کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کرسکتے ہوں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں و۲۸۱

دینا صحیح نہیں۔ بلکہ نصرت دین کی ہر سعی وفکر اس کے اندر آجاتی ہے (جس کی ایک فرد یقیناً قتال بھی ہے) علی ہذا قعود یا خانہ نشینی کے تحت میں ہر امر شریعت میں سستی آجاتی ہے۔ اور اسی کی ایک اہم فرد قتال سے جی چرانا بھی ہے) گویا فضیلت دین کے ہر کام کرنے والے کو نہ کرنے والے پر حاصل ہے۔ اور اس سے یہ شبہ مٹ گیا کہ لشکر قتال کا ایک ایک سپاہی ہر غیر مقاتل سے افضل ہے خواہ وہ غیر مقاتل کسی پایہ ومرتبہ کا محدث، مفسر، فقیہ، متکلم وصوفی وغیرہ خادم دین ہو۔ و۲۷۶ اہل لطائف نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ المجاهدون باموالهم وانفسهم (جان ومال سے جہاد کرنے والوں) کا ذکر تو اوپر آچکا ہے۔ اب یہاں ذکر مطلق مجاہدین کا بغیر کسی قید کے ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا رخ تمام تر غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر لیں اور یہ مجاہدات صوفیہ کا اعلیٰ مقام ہے۔ وجب ان يكون المراد منه من كان مجاهدا على الاطلاق في كل الامور وهو اشرف انواع المجاهدة وحاصل هذا الجهاد صرف القلب من الالتفات الى غير الله الى الاستغراق في طاعة الله (کبیر) و۲۷۷ چنانچہ شان غفوریت کے تقاضہ سے وہ ان کا ہر عذر قبول کرلے گا اور شان رحیمیت کے تقاضہ سے انہیں اجر مزید عنایت کرے گا۔ و۲۷۸ یعنی دار الکفر دار الحرب میں رہ کر دین کے کن کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ یہ تعریض ہے ان کے ہجرت نہ کرنے پر اور دار الحرب میں رہنے پر قانع وراضی ہو جانے پر۔ التوبيخ بانهم لم يكونوا في شيء من

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا اور اللہ تو ہے ہی

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا و۲۸۲ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ

وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا و۲۸۳ اور جو کوئی

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اسے پھر موت آ جائے و۲۸۴ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي

اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان و۲۸۵ اور جب تم زمین میں

الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں

الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

کمی کر دیا کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے و۲۸۶

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا

بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہی ہیں اور جب

كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں کا ایک گروہ

الدين حيث قدروا على المهاجرة ولم يهاجروا (کبیر) یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اقرار کر چکے تھے لیکن جب ہجرت فرض ہوئی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے۔ المراد بالجماعة من اهل مكة كانوا قد اسلموا واظهروا للنبي ﷺ الايمان به فلما هاجر النبي ﷺ اقاموا مع قومهم وفتن منهم جماعة فافتتنوا (قرطبی) نزلت في اقوام من اهل مكة كانوا قد اسلموا وامنوا بالله وبرسوله وتخلفوا عن الهجرة مع رسول الله ﷺ حين هاجر وعرض بعضهم على الفتنة فافتتن (ابن جریر) نزلت في قوم من المنافقين كانوا يظهرون الايمان للمؤمنين خوفا فاذا رجعوا الى قومهم اظهروا لهم الكفر ولا يهاجرون الى المدينة (جصاص) یہ عتاب خود اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت اس وقت فرض عین تھی۔ هذا يدل على فرض الهجرة في ذلك الوقت (جصاص) فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہ رہی۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ لا هجرة بعد الفتح۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہجرت کا وجوب اس وقت اس لئے تھا کہ منکرین کی ایذا اور مزاحمت سے محفوظ رہ کر مسلمان حکومت الٰہی کے اندر رہیں اور قانون الٰہی کا نفاذ اپنے ہاں کر سکیں۔ جب لشکر اسلام کو کافی قوت حاصل ہو گئی اور منکرین کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی لیکن پھر کہیں اور جب کبھی وہی وجوہ ہجرت پائے جانے لگیں گے ہجرت واجب ہو جائے گی۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغہ جمع ہے۔ مراد ہیں ملک الموت اور ان کے انصار۔ المراد ملك الموت واعوانه (بحر) لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ تنہا ملک الموت مراد ہے اور صیغہ جمع ان کے لئے ان کی عظمت کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے۔ الملئكة هنا قيل ملك الموت هو من باب اطلاق الجمع على الواحد تفخيما له وتعظيما لشانه هذا قول الجمهور (بحر) اور واحد پر لفظ جمع کا اطلاق محاورۂ عرب میں عام ہے۔ والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع (معالم) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تک ذکر جہاد کا تھا۔ جس کا خلاصہ ہے شر کفار کا دفع عام۔ اب ذکر ہجرت کا شروع ہو رہا ہے جس کا ماحصل ہے شر کفار کا دفع خاص۔ پہلا حکم اجتماعی تھا اور یہ دوسرا انفرادی ہے، دونوں میں غرض مشترک اقامت دین ہے۔ و۲۷۹ یعنی ہم اپنے ملک میں محض مغلوب اور بے بس تھے۔ احکام دین پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اس لئے ترک فرائض میں معذور رہے۔ و۲۸۰ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائض دین پوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں فرائض دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والأية تدل على ان من لم يمكن اقامة دينه في بلده كما يجب وعلم انه يمكن من اقامته في غيره حقت عليه المهاجرة (مدارک) هذا يدل على الخروج من ارض المشرك الى اي ارض كانت من ارض الاسلام (جصاص) و۲۸۱ یعنی ایسے لوگ جو فی الواقع اپنے ضعف جسمانی کی بنا پر نہ سفر ہجرت پر قادر ہوں۔ اور نہ کسی دار الاسلام کا پتہ نشان انہیں مل رہا ہو۔ ای لا يجدون اسباب الهجرة ومباديها ولا يعرفون طريق الموضع المهاجر اليه (روح) حِيْلَةً۔ عربی میں تدبیر کے لئے عام ہے۔ اردو کے "بہانہ" کے مرادف نہیں۔ و۲۸۲ عفو کا تعلق ماضی سے ہے اور غفور کا مستقبل سے یعنی ان کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا ہے اور آئندہ ان کے حق میں مغفرت کرنے والا ہے۔ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ۔ یعنی ان سے یہ فریضہ ہجرت سرے سے ساقط ہی کر دیا جائے۔ عَسَى اللّٰهُ۔ عسیٰ سے متعلق اوپر ذکر گزر چکا ہے کہ جب اس کے فعل کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے تو مراد محض توقع یا امید نہیں رہ جاتی ہے بلکہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ وعسى ان كان للاطماع فهو من الله واجب (مدارک) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ غَفُوْرًا لا کر ادھر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ باوجود عذر موجود ہونے اور اس لئے گناہ نہ ہونے کے مشابہ اس کے ہے کہ گناہ ہوا۔ اگرچہ معاف بھی کر دیا گیا۔ و۲۸۳ (اقامت دین اور اظہار کلمۂ حق

کے لئے) یعنی کوئی ہجرت کر کے دیکھے تو۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں۔ اس زمین پر اسے متعدد جگہیں مل جائیں گی جہاں وہ آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکے گا۔ بعض اہل لطائف نے کہا کہ مراغم اور سعۃ دو الگ الگ لفظ لانے میں اشارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اظہار دین کی جگہیں مل جائیں گی اور آخرت میں فراخ اور وسیع بہشتیں ملیں گی۔ ف۲۸۴ (قبل اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود یا ہجرت گاہ تک پہنچ سکے۔ اور اس لئے گویا بہ ظاہر نا کام رہے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ایسی مجبوری جو انسان کو عاجز و بے بس کر دے، موت ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ایسے مقام کی طرف چلے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کا اظہار کر سکے۔ ای الی حیث امر اللہ ورسولہ (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ ہر ایسا سفر جو رضاء الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفر حج، یا طلب علم دین کے لئے سفر، با اجر کے لحاظ سے سفر ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔ قالوا کل هجرة لطلب العلم او حج او جهاد او فرار الى بلد يزداد فيه طاعة او قناعة او زهدا او ابتغاء رزق طيب فهي هجرة الى الله ورسوله (مدارک) ف۲۸۵ (تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس ناکامی پر بھی پورا وہی اجر دے دے جو کامیابی پر موعود تھا) هذا يدل على ان من خرج متوجها لفعل شيء من القرب ان الله يجازيه بقدر نيته وسعيه وان انقطع دونه (جصاص) ف۲۸۶ یہ آخر کا فقرہ جیسا کہ شارع علیہ السلام کا عمل اس پر گواہ ہے اور سارے اہل علم بجز خوارج کے اس پر متفق ہیں، بہ طور شرط کے نہیں کہ صرف

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا

آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں ف۲۸۷ پھر جب

فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى

وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے

لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ

آ جائیں اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے

وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ

ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں ف۲۸۸ کافروں کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان

عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ

سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر یک بارگی ہی

مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ

ٹوٹ پڑیں ف۲۸۹ اور تمہارے لئے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں

اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو ف۲۹۰ بیشک اللہ نے کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم (اس) نماز کو ادا کر چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا

تو اللہ کی یاد میں لگ جانا کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ف۲۹۱ اور پھر جب

اسی حالت میں نماز قصر کی جائے بلکہ اس فقرہ میں نزول آیت کے وقت کی صرف حالت واقعی کا بیان ہے ورنہ قصر صلوٰۃ کا حکم ہر سفر کے لئے عام ہے۔ والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج بظاهر النص وعند الجمهور ليس بشرط (مدارک) والذي عليه الائمة ان القصر المشروع في الامن ايضا وقد تظاهرت الاخبار على ذلك (روح) اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ سفر شرعی کی مسافت تین منزل کی قرار پائی ہے اور منزل کا اندازہ فقہا نے ۲۰ میل کا کیا ہے۔ لیکن یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس سے بہت کم فاصلہ پر بھی قصر نماز ثابت ہے۔ جمہور فقہا کا قول ہے کہ سفر جس جائز غرض، مقصد سے بھی ہو، شرعی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ الجمهور على جواز القصر في السفر المباح كالتجارة ونحوها (قرطبی) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ یعنی بادی النظر میں رکعات نماز میں کمی کر دینا ایک گناہ کی چیز معلوم ہوتی ہے اور وسوسہ تمہیں بھی گناہ کا ضرور ہو رہا ہے۔ لیکن اطمینان رکھو کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ جائز کیا جا رہا ہے۔ اَلصَّلٰوةِ۔ صلوٰۃ (نماز) سے مراد صلوٰۃ مکتوب یا نماز فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں سفر میں نماز قصر مستحب ہی نہیں واجب ہے۔ قلنا القصر عزيمة غير رخصة ولا يجوز الاكمال (مدارک) روي عن جماعة انه فرض وهو قول عمر بن عبد العزيز والكوفيين والقاضي اسمعيل وحماد بن ابي سليمان (قرطبی) اور یہ قصر چار رکعتوں والی تینوں نمازوں میں ہوتا ہے۔ ظہر، عصر، عشا میں فرض کی دو دو رکعتیں رہ جاتی ہیں۔ مسائل قصر کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ فِي الْاَرْضِ۔ سے مراد یہ نہیں کہ سفر صرف خشکی ہی میں ہو۔ ارض کا لفظ بر و بحر کے لئے عام و مشترک ہے اور مقصد یہ ہے کہ کوئی سا بھی ہو۔ المراد من الارض ما يشمل البر والبحر والمقصود التعميم اي اذا سافرتم في اي مكان يسافر فيه من بر وبحر (روح) ف۲۸۷ یعنی حالت نماز میں بھی مسلح رہیں۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ۔ صیغہ واحد حاضر ہے مخصّص رسول اللہ ہی مراد نہیں۔ آپ ہوں یا آپ کا کوئی قائم مقام۔ قال الائمة نواب عن رسول الله ﷺ في كل عصر (مدارک) هذه الاية خطاب للنبي صلى الله عليه وسلم وهو يتناول الامراء الى يوم القيمة هذا قول كافة العلماء (قرطبی) فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب وقت نماز آ جائے پر آپ میدان جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دے گا۔ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ یعنی ایسے موقع پر چاہیے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ لوگ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ یہ سب بیان صلوٰۃ الخوف کا ہو رہا ہے۔ پوری تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ ف۲۸۸ فقہا نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ عین عبادت منصوص کی حالت میں بھی اسباب و انتظام پر نظر رکھنا اولیٰ ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا۔ یعنی پہلا گروہ ایک رکعت تمام کر لے۔ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ۔ یعنی پہلے گروہ والے تمہارے پاس سے ہٹ کر دشمن کے مقابلہ میں آ جائیں۔ وَلْتَاْتِ...... لَمْ يُصَلُّوْا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ابھی نماز شروع بھی نہیں کی ہے اور ابھی تک وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے وہ اب پہلے گروہ کی جگہ پر آ جائیں۔ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ۔ یعنی نماز کی جو رکعت ابھی امام کے لئے باقی ہے، اس میں آ کر اس کے شریک ہو جائیں۔ ف۲۸۹ کیا ٹھکانا ہے ہماری شریعت کی پیدا کی ہوئی اس چستی، مستعدی، ہوشیاری اور ہمہ وقتی بیداری کا، دشمن سامنے ہے قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ جان کا سودا ہو رہا ہے۔ عین اس وقت نماز بھی ہوئے جائے اور ہتھیار بھی برابر ساتھ رہیں۔ سستی، کاہلی، غفلت، آرام طلبی کہیں شریعت اسلامی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں؟ ف۲۹۰ نماز خوف کی جو صورتیں یہاں ارشاد ہوئی ہیں، وہ سب اس وقت کے لئے ہیں جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور ﷺ کی موجودگی میں سب کا آپ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا۔ لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ

اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو ؁۲۹۲ بیشک نماز

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي

تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ؁۲۹۳ اور (مخالف) قوم کے

ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

تعاقب میں ہمت نہ ہارو ؁۲۹۴ اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی تو

يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ

دکھ اٹھائے ہوئے ہیں، جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے ہو

مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع اِنَّآ

جو وہ نہیں رکھتے ؁۲۹۵ اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ؁۲۹۶ یقیناً ہم نے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ

النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ

اس کے مطابق کریں جو اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے ؁۲۹۷ اور (ان) خائنوں کے طرفدار

خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

نہ ہو جائیے ؁۲۹۸ اور آپ اللہ سے مغفرت چاہیے، بیشک اللہ بڑا ہی مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

بڑا ہی رحیم ہے ؁۲۹۹ اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجیے جو اپنے حق میں خیانت

اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا

کرتے رہتے ہیں ؁۳۰۰ اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا جو بڑا خائن

۴ : ۱۰۳ منزل ۱ ۴ : ۱۰۷

عین معرکۂ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ بن پڑے ایسی حالت میں نماز جماعت آزادی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۲۳۹ میں موجود ہے۔ شدت خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے۔ رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا۔ (۲) دوسرے یہ کہ ہو تو میدان جنگ میں، لیکن قتال ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ اور نماز جماعت کا موقع ہو، جیسا کہ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے۔ ؁۲۹۱ (غرض ہر صورت حال کے مناسب) علی ای حال کنتم (قرطبی) عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ۔ کے لفظی معنی ہیں، اپنے پہلوؤں پر۔ یا اپنی کروٹوں پر، اردو محاورہ میں مراد لیٹنے سے ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ۔ مطلب یہ ہوا کہ تخفیف نماز میں تو یہ ہوگی۔ باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور اسی لئے ہے۔ یہاں تک کہ عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری ہی رہ سکتا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام شریعت کا اتباع بجائے خود ذکر الٰہی ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ ۔ الصلوٰۃ سے یہاں مراد وہی نماز خوف ہے، جس کی ایک ہیئت مخصوص ہے عام نماز کی ہیئت سے بنی ہوئی۔ اس نماز کے لئے لفظ قَضَيْتُمُ ارشاد فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ بظاہر ناتمکمل، ناتمام نماز بھی عند اللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ؁۲۹۲ (اصلی قاعدہ کے مطابق اور پورے شرائط کے ساتھ) اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ صلوٰۃ اصلی کے لئے یہاں لفظ اقامت استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد نماز کا اس کے جملہ شرائط ہی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ ۔ یعنی سفر اور خوف کی حالتیں ختم ہو جائیں۔ ؁۲۹۳ یہاں نماز کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ علاوہ فرض ہونے (کتابا) کے، پابندی وقت کے لحاظ سے فرض ہے۔ مَوْقُوْتًا ۔ اس لئے سوا حالت معذوری کے، اسے وقت سے ہٹا دینا جائز نہ ہوگا۔ موقوتا ای محدود الاوقات لایجوز اخراجها من اوقاتها فی شیء من الاحوال (روح) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ادا کرنا ضرور ہے اور موقت ہونے کی وجہ سے وقت پر ہی ادا کرنا ضرور۔ اس لئے مخصوص حالات میں اس کی ہیئت کچھ کچھ تبدیل کر دی گئی تھی۔ جب وہ عارض دور ہو گیا تو اس کی اصل ہیئت واجب الحفظ ہو گی۔ ؁۲۹۴ (جب تعاقب کی ضرورت آ پڑے) روایتوں میں آتا ہے کہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر غزوۂ احد کے سلسلہ میں سورۂ آل عمران رکوع ۱۸ میں آ چکا ہے۔ آیت اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے ماتحت۔ ؁۲۹۵ یعنی اجر آخرت کی۔ جس کے مقابل کوئی چیز منکروں کے پاس نہیں۔ تو قوت قلب کے لحاظ سے تم ان سے کہیں بڑھے چڑھے رہے۔ دنیوی فتح مندیوں اور کامیابیوں کی پیش گوئیاں بھی اس کے تحت میں آ سکتی ہیں۔ ؁۲۹۶ چنانچہ علیم کل ہونے کی بنا پر اس نے تمہاری قوت تحمل سے زیادہ تمہیں کوئی حکم نہیں دیا۔ ؁۲۹۷ (اسی قرآن کے ذریعہ سے) اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔ یہاں بتا دیا، سمجھا دیا، سکھا دیا کے مفہوم میں ہے۔ بما اراک الله ای بما علمک (راغب) بما علمک الله فی القرآن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بِالْحَقِّ ۔ یعنی قانون عدل کے مطابق۔ آیت اس باب میں صریح ہے کہ فیصلے جو کچھ بھی کئے جائیں قرآن ہی کے مطابق وماتحت کئے جائیں نہ کہ اپنے ہوائے نفس کے موافق یا کسی انسانی دماغ کے گڑھے ہوئے آئین ودستور کے ماتحت

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنو ابیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بشیر، بشر اور مبشر مسلمان تھے اور ان کا ایک بھائی بشیر منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر ان کے ہتھیار اور میدے کی ایک بوری لے گئے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بشیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے برادرزادہ جناب قتادہ بن نعمان سے کہا کہ تم آستان نبوت میں جا کر واقعہ بیان کرو تو عجب نہیں کہ ہمارا مال مل جائے۔ انہوں نے جا کر سارا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ جب بشیر کے اقرباء نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استغاثہ ہوا تو وہ آ کر کہنے لگے یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ ہمارے آدمی پر جو مسلمان ہو چکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں۔" اس کے بعد قتادہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگاتے ہو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ خالق کردگار نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن) ؁۲۹۸ خائنوں سے بنو ابیرق مراد ہیں۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو بنو ابیرق نے بشیر اور اس کے ساتھیوں کو مجبور کر کے چوری کا مال برآمد کر لیا اور تمام اسلحہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھجوا دیے۔ بشیر نفاق کا لباس فریب اتار کر علانیہ مشرکوں سے جا ملا۔ (ترمذی) ؁۲۹۹ یہ استغفار کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کے لئے مل رہا ہے؟ اپنے حق میں یا امت کے حق میں۔ بظاہر یہ حکم استغفار ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جو برادری کے خیال سے اس مجرم منافق کے حق میں ساعی اور سفارشی تھے اور قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی مثالیں اور جگہوں پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ یا وَ لَئِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ وغیرہا۔ چنانچہ اہل تفسیر کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ قیل الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم المراد بنو اُبیرق (قرطبی) والمعنی استغفر الله للمذنبین من امتک والمتخاصمین بالباطل (قرطبی) یحتمل ان یکون المراد واستغفروا الله لاولئک الذین یذبون عن طعمة ویریدون ان یظهروا براءته عن السرقة (کبیر) لیکن اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اے پیمبر آپ اپنے حق میں مغفرت طلب کیجیے تو اس سے اشارہ آپ کے صرف اس میلان طبع کی جانب ہے کہ آپ

نے بنوابیرق کی شکایت پر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے اظہار ناراضی فرمایا۔ یہ میلان طبع ظاہر ہے کہ معصیت کبیرہ کیا معنی صغیرہ کا بھی درجہ نہیں رکھتا لیکن پیمبر تقویٰ اور طہارت قلب کے جس بلند ترین

اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ

اور گنہگار ہو ف۳۰۱ یہ لوگ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے

مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

نہیں شرماتے درانحالیکہ وہ ان کے ساتھ اس وقت بھی رہتا ہے جب وہ رات میں اس بات کا

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

مشورہ کرتے ہیں جو اسے پسند نہیں، اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے ف۳۰۲

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫

تم لوگوں نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے وکالت کر لی

فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ

لیکن قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون

يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ

ان کا کام بنانے والا ہو گا ف۳۰۳ اور جو کوئی بھی برائی کرے یا

يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ

اپنی جان پر زیادتی کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا

بڑا مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا ف۳۰۴ اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب

يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

کرتا ہے تو اس کا ارتکاب اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۳۰۵

وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ

اور جو کوئی کسی قصور یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر

۴ : ۱۱۲ منزل ۱ ۴ : ۱۰۷

مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس قدر ارادہ اور میلان طبع بھی قابل استغفار قرار پایا۔ ف۳۰۰ (یہ ہدایت آیندہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ اب تک بھی آپ نے پیش کیا ہے) ف۳۰۱ خوان اور اثیم کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ جو کم درجہ کے خائن اور گنہگار ہیں وہ اللہ کی نظر میں غیر محبوب نہیں۔ بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ منافق کی برادری کے جن لوگوں نے اسے مجرم جان کر بھی خواہ مخواہ حق پوشی اور باطل کوشی کی، وہ خائن اور گناہگار بڑے درجہ کے تھے۔ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ خیانت کا ضرر و وبال بالآخر خود خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اس لئے خیانت کو خیانت نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جعلت خيانة الغير خيانة لانفسهم لان وبالها وضررها عائد عليهم (روح) ف۳۰۲ (اس کے احاطہ علم سے کون سی کارروائی مخفی سے مخفی بھی باہر رہ سکتی ہے؟) اس حقیقت کا استحضار ہر جرم، ہر معصیت سے باز رکھنے کو کافی ہے۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی خلق کے سامنے ذلت و رسوائی سے شرماتے ہیں۔ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے حضور میں بہ طور مجرم پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ..... الْقَوْلِ۔ اشارہ ہے اس طرف کہ اس خاص معاملہ میں رات کو باہم راز دارانہ مشورہ ہوا تھا کہ صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گفتگو اس طریقہ پر کی جائے گی۔ وَ هُوَ مَعَهُمْ۔ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، وغیرہ نے اس قسم کی آیتوں سے حق تعالیٰ کی معیت مکانی پر استدلال کیا ہے۔ قال الجهمية و القدرية و المعتزلة هو بكل مكان تمسكا بهذه الاية و ما كان مثلها (قرطبی) لیکن اہل سنت اسے شان تنزیہی کے منافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے مراد صرف معیت علمی لی ہے۔ اى بالعلم و الرؤية و السمع هذا قول اهل السنة (قرطبی) يريد بالعلم و القدر و الرؤية (کبیر) ف۳۰۳ اس حقیقت کبریٰ کو یاد دلایا ہے کہ اصل پیشی اور جوابدہی تو عدالت آخرت ہی کی ہے۔ یہاں کسی طرح اگر بات بنا بھی لی گئی تو کیا ہوتا ہے مومن کے لئے اصل خوف کی چیز تو وہی آخرت کی عدالت ہے جہاں کسی قسم کی بھی تلبیس کی گنجائش نہیں هٰۤاَنْتُمْ۔ خطاب ہے مجرم کی برادری اور محلہ والوں کی طرف جنہوں نے سازش کر کے مجرم کی پشت پناہی کی تھی۔ ف۳۰۴ اوپر کی وعیدی و انذاری آیتوں کے بعد گنہگاروں اور کمزور ایمان والوں کے لئے یہ کیسی حکیمانہ اور مناسب حال دلدہی ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا۔ متعدی برائی مراد ہے یعنی کسی دوسرے کے ساتھ برائی کی جائے۔ مثلاً ظلم، دغا، سود خواری، رشوت ستانی وغیرہا۔ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔ وہ برائی جو خود اپنے ہی حق میں کی جائے۔ مثلاً ترک نماز، شراب خواری وغیرہا۔ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ یہ استغفار قواعد شرعی کے مطابق ہونا چاہیے۔ ف۳۰۵ علیم کل ہونے کی حیثیت سے وہ سب کے چھوٹے بڑے گناہوں سے باخبر ہے۔ حکیم ہونے کے اعتبار سے وہ جزا و سزا سب کے مناسب حال ہی تجویز کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ یعنی گناہ کا ضرر و وبال خود اسی کو بھگتنا ہو گا۔ اس لئے توبہ و استغفار، تدارک و تلافی لازمی ہے۔

بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ لَوْ

لگا دے تو درحقیقت اس نے ایک بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا ف۳۰۶ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

آپ پر اللہ کا فضل (خاص) اور رحمت نہ ہوتی، تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تہیہ ہی کر

مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا کر رہیں گے حالانکہ یہ بس اپنے ہی آپ کو بھٹکا کر رہتے ہیں

وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

اور آپ کو کسی چیز میں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ف۳۰۷ اور اللہ نے آپ پر

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے ف۳۰۸

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ

اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ف۳۰۹ سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں

كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

جن میں کوئی بھلائی نہیں ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ

یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ف۳۱۰ اور جو کوئی

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا ف۳۱۱ سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

دیں گے اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی

ف۳۰۶ (اور اپنے جرم کو کسی بےگناہ کے سر تھوپ کر اپنا گناہ بڑھا دیا) تو بجائے اس کے کہ اپنی جگہ پر نادم و منفعل نہ ہوتا، تلافی و کفارہ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتا یہ جرائم بجائے خود! کیا کم ہیں۔ چہ جائیکہ اپنا گناہ الٹا کسی بےگناہ کے سر تھوپ دیا جائے۔ قرآنی اخلاقیات میں یہ جرم ضمیر و اخلاق کی انتہائی پستی کا نمونہ ہے اور اس لئے لازمی طور پر اس پر گرفت بھی سخت رکھی گئی ہے۔ خَطِيْٓئَةً۔ وہ چھوٹا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی نہیں یا وہ گناہ ہے جو صرف خدا اور بندہ کے درمیان ہو۔ الخطيئة قد تكون من قبل العمد وغير العمد (ابن جریر) ای صغيرة او ما لا عمد فيه من الذنوب (روح) ذنب بينه وبين ربه (مدارک) اثم۔ وہ بڑا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی طور پر ہو۔ یا جو بندوں کا گناہ ہو۔ الاثم لا يكون الا من العمد (ابن جریر) او كبيرة او ما لا يكون من العمد (روح) ذنب في مظالم العباد (مدارک) ف۳۰۷ یعنی اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہونا تو ان کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ اس سعی سے اپنے ہی کو یہ مستحق عقوبت بنا رہے ہیں۔ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ۔ اللہ کا فضل و کرم تو آپ پر عموماً اور ہر حال میں تھا لیکن اس خاص قضیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور رہا۔ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یعنی آپ کو غلطی اور دھوکے میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ حاصل کر لیں۔ ان يخطئوك عن الحكم (ابن عباسؓ) اى بان يضلوك عن القضاء بالحق (روح) ف۳۰۸ (احکام دین و قضایا کے باب میں) یعنی شیطان اور اس کے چیلوں (منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ آپ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ میں ڈال سکیں۔ ف۳۰۹ یہ کتاب کا نزول، حکمت کا نزول، علوم خاصہ کی تعلیم یہ سب اسی فضل عظیم کے شواہد ہیں اور اللہ کا فضل جس پر عظیم ہو اس پر کس کا قابو چل سکتا ہے؟ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ۔ اور اس کتاب ہی کے ذریعہ سے منافقین کی معاندانہ روش کا پردہ بھی چاک کیا گیا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن منکشف نہ تھے۔ اب سب منکشف ہو گئے۔ ف۳۱۰ (اور ان اغراض کے لئے خفیہ گفتگو اور سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں البتہ کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہوگی) نَجْوٰىهُمْ۔ میں ضمیر هم مطلق انسان کی جانب ہے۔ ای نجوى الناس جميعا (ابن جریر) يعنى كلام الناس (ابن کثیر) المراد لا خير في ما يتناجى فيه۔ ف۳۱۱ (نہ کہ اپنے ذاتی دنیوی اغراض کے لئے) اخلاص نیت اور حصول رضاء الٰہی کی شرط ہر اہم موقع کے لئے یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ

ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے و۳۱۳ اور وہ بڑا

مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

ٹھکانا ہے بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ

اور اس کے سوا (اور گناہوں کو) بخش دے گا جس کے لئے منظور ہوگا اور جو کوئی

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ

اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا و۳۱۴ یہ لوگ

يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ

اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں تو بس زنانی چیزوں کو و۳۱۵ اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں

اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

تو بس شیطان سرکش کو و۳۱۶ اس پر لعنت کی ہے اللہ نے و۳۱۷ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ

اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا و۳۱۸ اور میں انہیں گمراہ کرکے رہوں گا

وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور ان میں ہوس پیدا کرتے رہوں گا اور انہیں حکم دوں گا و۳۱۸ چنانچہ وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے و۳۱۹

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ

اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے و۳۲۰ اور جو کوئی

و۳۱۲ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى۔ اسے صاف کر دیا کہ آیت میں بیان مرتدوں کے فضائل رذیلہ کا ہو رہا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔ یعنی ہم اسے اسی طریق پر چھوڑے رکھتے ہیں اسے قانون مشیت تکوینی کے موافق۔ مقصود یہ ہے کہ جبر و اکراہ سے کسی کو راہ حق کے قبول کرنے اور ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا، بلکہ وضوح حق کے بعد جو بد بخت اپنی کجروی پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اسی پر اسے قائم رہنے دیا جاتا ہے۔ وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس اتباع کا تعلق امور دین سے ہے۔ يَتَّبِعْ آیت کے اس جزء سے فقہاء کو ایک بہت بڑی اصل ہاتھ آ گئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اجماع امت کے حجت شرعی ہونے کا مستقل قرار دیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستحق جہنم ٹھہرا تو لازمی ہے کہ اس کا عکس یعنی اتباع طریق مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد ناجائز ٹھہرے۔ اور یہاں قرآن مجید نے عدم اتباع طریق مومنین کو مخالفت رسول ﷺ کے ساتھ جمع کر کے فرمایا ہے۔ هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لا تجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالى جمع بين اتباع غير سبيل المؤمنين و بين مشاقة الرسول في الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبا كموالاة الرسول (مدارک) وقرن اتباع غير سبيل المؤمنين الى مباينة الرسول في ما ذكر له من الوعيد فدل على صحة اجماع الامة لالحاقه الوعيد بمن اتبع غير سبيلهم (جصاص) وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين واجبا (کبیر) وهو من احسن الاستنباطات واقواها (ابن کثیر)

و۳۱۳ (ایسا کہ اب حق کی طرف اس کی مراجعت ممکن نہیں) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ شرک ضد ہے توحید کی۔ اور جس طرح توحید اصل اصول ہے تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی، اسی طرح شرک اصلی بنیاد ہے ساری شرارتوں اور برائیوں کی اس لئے اور کسی معصیت پر شرک کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ راہرو کا رخ اگر منزل مقصود کی طرف ہو تو گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا بھی کبھی منزل تک پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اگر رخ ہی غلط ہے تو ظاہر ہے کہ ہر قدم اسے منزل سے دور تر ہی کرتا رہے گا اور قیامت تک بھی اگر چلتا رہے تو منزل تک نہ پہنچ سکے گا۔ شرک قبول رحمت کی ساری صلاحیتوں و استعدادوں ہی کو سوخت کر دیتا ہے اس لئے وہ آخرت کی کسی نعمت، کسی لذت، کسی راحت کے قابل ہی نہیں رہ جاتا۔ ملاحظہ ہوں اس سورت کی آیت ۹ ۴ کے حاشیہ ۱۴۰ آیت میں خوارج کے اس عقیدہ کا بھی رد آ گیا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ فيه رد على الخوارج حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة كافر (قرطبی)

و۳۱۴ مشرک قوموں کی دیومالا (میتھولوجی) میں ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں کی ایک بڑی اور اہم تعداد رہی ہے۔ ہندوؤں میں درگا دیوی، کالی مائی، لکشمی جی، سرسوتی دیوی کے نام ایک ایک کی زبان پر ہیں۔ عرب جاہلی میں یہ دیوی پرستی اور زیادہ زور کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی جاہلی معبودوں کے سلسلہ میں صراحت جن ناموں کی آئی ہے وہ دیویوں ہی کے ہیں۔ یعنی لات، منات اور عزیٰ، ملاحظہ حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اناث۔ لغت میں اس کے ایک معنی دیوی، کمزور اور ضعیف الاصل چیزوں کے بھی آتے ہیں۔ قيل لما يضعف عمله انثى (راغب) پھر چونکہ جمادات تمام تر انفعالیت کے مظہر ہوتے ہیں اور پتھر کے بت یا مورتیاں اکثر کسی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں نہ جان ہوتی ہے اور نہ کوئی قوت فاعلی۔ اس لئے لغت نے لفظ اناث کا مجازی استعمال ان کے لئے بھی جائز رکھا ہے۔ لما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التي هي منفعلة غير فاعلة سماها الله تعالى انثى (راغب) من كل شيء اخسه (ابن جریر) چنانچہ اکابر تفسیر میں سے بھی بہت سے اسی طرف گئے ہیں۔ اسی اصناما بلا روح (ابن عباسؓ) ميتا لا روح فيه (ابن جریر عن قتادہ) و۳۱۵ یہ مشرکوں کی حماقت کو واضح کیا ہے کہ ان بتوں اور دیویوں کو پکارنا عین شیطان کو پکارنا ہے۔ و۳۱۶ (اور لعنت کی باعث اسکی یہی سرکشی اور بے حسی ہوئی ہے) و۳۱۷ یعنی آدم کو وضاحت سے بتا دیا ہے کہ شیطان تو ان کا پرانا دشمن اور بدخواہ ہے۔ لَاَتَّخِذَنَّ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا یعنی اپنی راہ پر لگا کر رہوں گا۔ و۳۱۸ یعنی ان کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دوں گا۔ اور ان کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی ابھاروں گا۔ گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آ سکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کر سکتا ہے۔ ایک عقل و فکر کی راہ سے۔ دوسرے جذبات اور احساسات کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کر لیا۔ ضلال کے تحت میں ہر قسم کی عقلی، فکری، نظری گمراہیاں آ گئیں اور تمنی کے تحت میں معاصی و فواحش کی جانب میلان اور فطرت سے ان کی مغفرتوں کا غائب ہو جانا آ گیا۔ و۳۱۹ (بتوں کے نام پر) عرب جاہلیت کے ایک خاص دستور کی طرف اشارہ ہے۔ کان کے پیچھے جو غدود ہوتے ہیں وہ غدود بندروں کے کاٹ کاٹ کر انسان کے جسم میں ان کی قلم کی ہو جو اس زمانہ میں چلنی شروع ہوئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ کل بندروں سے گزر کر دوسرے جانوروں اور چوپایوں تک پہنچ جائے۔ ادھر اگر فاطر کائنات کے کلام میں اشارہ ہے تو کچھ عجب نہیں۔

و۳۲۰ تغيير خلق الله کی دو بڑی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک خلق تکوینی میں تغیر، دوسرے خلق تشریعی میں تغیر۔ قدیم مفسرین نے تغیر خلق تکوینی کی مثال میں داڑھی منڈانے اور جسم گدانے کو پیش کیا ہے۔ لیکن جاہلیت جدید کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کر لی ہیں بلکہ انہیں فیشن میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً مردوں کو چہرہ کے بال بالکل صاف کر کے اور طرح طرح کی

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً کھلے ہوئے نقصان میں

مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ

رہے گا ف۳۲۱ (شیطان) ان سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے اور شیطان

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ

ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے، ف۳۲۲ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور یہ لوگ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور انہوں نے عمل نیک کئے ہم انہیں عنقریب (بہشت کے) باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ

نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ کا

اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ

وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے؟ ف۳۲۳ نہ تمہاری

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ

تمناؤں پر ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر (بلکہ) جو کوئی بھی برائی کرے گا

سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا

اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا ف۳۲۴ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی دوست پائے گا

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

نہ مددگار اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ)

نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع ولباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت ہو جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔ خلق تشریعی میں تغییر کے معنی دین اور احکام دین تحریف کر دینا ہے۔ قيل معناه يغيرون حكمه (راغب) ابن جریر نے خلق اللہ کے معنی دین اللہ کے ابن عباس ﷺ صحابی اور مجاہد تابعی اور عکرمہ تابعی سے نقل کئے ہیں اور دوسروں نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔ اى دينه بالكفر و احلال ماحرم وتحريم ما أحل (جلالین) قال معناه ابن عباس و عن عكرمة وابو صالح وذلك كله تعذب للحيوان و تحريم وتحليل بالطغيان وقوله بغير حجة ولا برهان (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی وغیرہ سب اس تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کہ مشرک ان سے وہ کام لے رہا ہے جس کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہی نہ تھی۔ (قرطبی)

ف۳۲۱ شیطان کا دوست بنانا یہی ہے کہ احکام شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ طور طریقوں کو اختیار کیا جائے اور مخلوق کے چلائے ہوئے رسم ورواج کو دلیل راہ بنا لیا جائے۔ ف۳۲۲ چنانچہ ان وعدوں کی بے حقیقتی اکثر تو اسی دنیا میں روشن ہو کر رہتی ہے ورنہ موت کے وقت تو بہر صورت کھلتی ہی ہے۔ يَعِدُهُمْ۔ شیطانی وعدے مثلاً یہ کہ حشر نشر، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے یہی مادی دنیا ہے۔ عقل جزوی ہی سب سے بڑا معیار اور آخری معیار ہے۔ وحی الٰہی محض وہم ہے۔ مادہ کی قوتیں، اور قوانین ہی سب کچھ ہیں۔ ان کے اوپر کوئی مشیت اعلیٰ حاکم نہیں۔ وقس علیٰ ہذا يُمَنِّيْهِمْ۔ شیطانی جذبات مثلاً یہ کہ فحش کاری میں کوئی عیب وہرج نہیں۔ شراب صحت کے لئے ضروری ہے۔ قانون حجاب ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ ف۳۲۳ دائمی راحت کی زندگی صرف قرآن اور شریعت کے اتباع سے ممکن ہے۔ ف۳۲۴ (اس برائی کے متناسب اور اس شخص کے مناسب حال) یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ مدار کار طاعت ہے محض آرزوئیں اور خوش خیالیاں لاشئ محض ہیں خواہ وہ کسی کی بھی ہوں۔ سُوْۗءًا۔ کے معنی یہاں شرک کے بھی کئے گئے ہیں لیکن جمہور مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے۔ قال الجمهور لفظ الأية عام و الكافر والمومن مجاز بعمله السوء (قرطبی)

ف۳۲۵ (کہ ان کی کوئی نیکی لکھنے سے چھوٹ جائے یا گھٹا دی جائے) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی قید بہت ضروری ہے۔ ہر عمل کے واقعۃً صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ محرک عمل بھی صحیح ہو۔ ریا، نمائش یا اوہام پرستی مقصود نہ ہو۔ اسی اخلاص نیت کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے۔ اور بغیر اخلاص نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں اس کے بغیر عمل صالح صرف صورۃً ہی صالح ہوگا۔ حقیقت صالحیت سے خالی۔ یہیں سے اس بحث کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے جو بعض سطحی دماغ والوں نے آج کل پیدا کر رکھی ہے یعنی آیا کافروں کے اعمال صالحہ قبول ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ بغیر اخلاص نیت یا ایمان کے کسی عمل پر عمل صالح کا اطلاق ہی درست نہیں، تو اس کے اجر کا کیا سوال ہے یَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ۔ کے بعد وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ کے اضافہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ایمان اور عمل صالح دو الگ الگ چیزیں ہیں، باہم مرادف نہیں۔ فيه اشارة الى ان الاعمال ليست من الايمان (مدارک) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس میں تردید آ گئی ان تمام جاہلی مذہبوں کی جو حسن عمل کے باوجود عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر ثمرۂ حسن عمل سے محروم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اسلام میں عورت کو اس کی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر سے محروم نہیں کیا ہے۔ تفسیر پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ ف۳۲۶ یعنی فرمانبرداری دل سے ہو، منافقانہ نہ ہو۔ موحد محسن بالقول والفعل (ابن عباس رضی اللہ عنہ) متابعا للشريعة فيصح ظاهرة بالمتابعة و باطنة بالاخلاص (ابن کثیر) اَسْلَمَ وَجْهَهٗ۔ یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی، اعمال میں بھی۔ اى اخلص دينه وعمله لله (ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ

ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ف۳۲۵ اور دین میں اس سے

دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

بہتر کون ہے جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو ف۳۲۶

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ

اور ابراہیمؑ راست رو کے مذہب کی پیروی کرے ف۳۲۷ اور اللہ نے تو ابراہیمؑ کو اپنا دوست

خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

بنا لیا ف۳۲۸ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع وَيَسْتَفْتُوْنَكَ

اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ف۳۲۹ لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ

فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى

طلب کرتے ہیں، ف۳۳۰ آپ کہہ دیجئے اور تمہیں ان کے بارہ میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے ف۳۳۱ وہ (آیات بھی) جو

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا

تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم عورتوں کے باب میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں

تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

وہ نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے، ف۳۳۲ اور اس سے بیزار ہو کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ

ان سے نکاح کرو ف۳۳۳ اور جو (آیات) کمزور بچوں کے (باب میں ہیں) اور (جو آیات اس باب میں

ف۳۲۷ (کہ اسی ملت ابراہیمی کا دوسرا نام دین اسلام ہے) ف۳۲۸ توریت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا لقب خدا کا "دوست" آیا ہے:۔ "کیا تو ہمارا خدا نہیں جس نے اس سرزمین کے باشندوں کو اپنی گروہ اسرائیل کے آگے سے خارج کیا اور اسے اپنے دوست ابرہام کی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیا" (۲۔ تواریخ ۲۰: ۷) "اے اسرائیل میرے بندے، اے یعقوب جسے میں نے پسند کیا، جو میرے دوست ابرہام کی نسل سے ہے" (یسعیاہ ۴۱: ۸) خَلِيْلًا۔ خلة کہتے ہیں محبت خالص کو اور خلیل دوست خالص کو۔ الخلة هي المودة التي ليس فيها خلل (بحر) محبة تامة لاخلل فيها (تاج) قال الزجاج الخليل هو المحب الذى لاخلل فى محبته (تاج) سمّى خليلا لان الله احبه واصطفاه (معالم) قال ثعلب انما سمى الخليل خليلا لان محبتهٗ تتخلل القلب فلاتدع فيه خللا الاملاته (قرطبی) خلت الٰہی سے مراد ہے تقرب و مقبولیت کا اعلیٰ مقام۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو ملت ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اس میں صاف اشارہ یہ نکل آیا کہ اسی ملت کی پیروی سے آج بھی کوئی نہ کوئی درجہ خلت کا حاصل ہو سکتا ہے۔ ف۳۲۹ (اپنے علم وقدرت سے) وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ میں بیان کیا گیا اللہ کے کمال قدرت و وسعت سلطنت کا اور كان الله بكل شىء محيطا میں بیان آ گیا اس کے کمال علم کا۔ یعنی چھوٹی بڑی کوئی سی شے کائنات میں نہ اس کی ملک و سلطنت سے باہر ہے اور نہ اس کے احاطۂ علم سے۔ مشرکین کو علی العموم انہی دو صفات باری (صفت علم و صفت ملک و قدرت) میں ٹھوکر لگی ہے۔ اس لئے انہی صفات کا اثبات قرآن مجید بار بار کرتا ہے۔ ف۳۳۰ یعنی ان کے مہر، میراث وغیرہ کے باب میں، ان کے حقوق و فرائض کے بارہ میں۔ اى يطلبون منك تبيين المشكل من الاحكام فى النساء و مما يجب لهن وعليهن (روح) یہ سوال کرنے والے صحابی حضرات تھے۔ نزلت بسبب سوال قوم من الصحابة امر النساء واحكامهن فى الميراث وغير ذلك (قرطبی) آیت کے مضمون کا ربط سورت کی ابتدائی آیتوں سے ہے۔ هذه الاية مرجوع الى ما افتتحت به السورة من امر النساء (قرطبی) ف۳۳۱ (جو پہلے نازل ہو چکا ہے) مثلاً یہ کہ عورتوں کو ترکہ سے محروم نہ رکھو۔ ایک بندھا ہوا حصہ انہیں دو جو یتیم عورتیں تمہاری پرورش میں ہیں ان کا نکاح کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کر دو، اگر اپنے ہی سے کرتے ہو تو ان کا مہر پورا ادا کرو۔ وقس علی ہذا۔ ف۳۳۲ یعنی ان کا مہر، ترکہ میں ان کا حصہ۔ وقس علی ہذا۔ اَلَّتِيْ فِي الْكِتٰبِ۔ یعنی وہ آیتیں جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اشارہ جاہلیت کے ظالمانہ دستوروں کی جانب ہے کہ مثلاً یتیم عورتوں کے ساتھ معاملہ یہ رکھتے ہو کہ اگر وہ صاحب مال اور صاحب جمال ہوئیں تو ان سے عقد تو کر لیتے ہو لیکن ان کے جو حقوق مقرر ہیں وہ انہیں ادا نہیں کرتے ہو۔ یتیموں کے حقوق اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تو آج ہے ظہور اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد۔ باقی اگر ان احکام کی اہمیت کا پورا اندازہ کرنا ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کی خصوصاً اور ہندوستان، ایران، چین، یورپ کل دنیا کی عموماً کیا حالت حقوق نسواں کے باب میں تھی۔ ف۳۳۳ یعنی چونکہ وہ صاحب جمال نہیں، اس لئے اپنے عقد میں انہیں لینے سے گریز کر رہے ہو، اور ساتھ ہی چونکہ صاحب مال ہیں۔ اس لئے دوسری جگہ بھی انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے ہو کہ اس طرح مال ہاتھ سے چلا جائے گا۔ تَرْغَبُوْنَ۔ کے ساتھ اس کا صلہ عن یہاں مذکور نہیں، لیکن اکثر ائمہ تفسیر نے مقدر مانا ہے اور اسی لئے تفسیر بیزاری سے کی ہے۔ اور خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ترغبون عن نكاحهن (ابن عباس) اى ترغبون عنهن (ابن جریر۔ عن الحسن) اى وترغبون عن ان تنكحوهن ثم حذفت عن (قرطبی) وحديث عائشة رضی اللہ عنہا يقوى حذف عن (قرطبی) دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مقدر بجائے عن کے فی یا الی کو مانا جائے اور

تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
ہو) کہ یتیموں کے معاملات میں انصاف پر (قائم) رہو ف۳۳۴ اور تم جو کچھ بھی
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝۱۲۷ وَاِنِ امْرَاَةٌ
نیکی کرو گے، سو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ف۳۳۵ اور اگر کسی عورت کو
خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا
اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی میں ان کے لئے کوئی
جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ
مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کر لیں ف۳۳۶
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ
اور صلح (بہرحال) بہتر ہے ف۳۳۷ اور طبیعتوں میں تو بخل ہوتا ہی ہے ف۳۳۸
وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
اور اگر تم حسن سلوک رکھو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ بیشک اس کی
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۲۸ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
پوری خبر رکھتا ہے ف۳۳۹ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان
بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ
(پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اس کی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو ف۳۴۰ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک
الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا
جاؤ ف۳۴۱ اور اسے ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو ف۳۴۲ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کر لو
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹ وَاِنْ
اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بے شک بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ف۳۴۳ اور اگر

معنی یہ کئے جائیں کہ "تم رغبت تو ان سے عقد کی رکھتے ہو ان کے صاحب مال یا صاحب جمال ہونے کی بنا پر، لیکن ان کے مہر پورے نہیں دینا چاہتے ہو۔" اکابر کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ قال سعید بن جبیر و مجاهد و یرغب فی نکاحها اذا کانت کثیرة المال (قرطبی) کشاف نے فی اور عن دونوں کے احتمالات نقل کر دیے ہیں، اور کبیر میں ابو عبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ معنی رغبت اور بیزاری دونوں کے نکلتے ہیں۔ قال ابو عبیدة هذا یحتمل الرغبة والنفرة۔ لب لباب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے باب میں عدم ادائے حقوق۔ ف۳۳۴ تقدیر کلام یوں ہے:۔ یفتیکم فی یتامی النساء وفی المستضعفین وفی ان تقوموا (مدارک) یہاں یہ بتانا ہے کہ یہ ساری آیات احکام جو پہلے گزر چکی ہیں، بدستور واجب العمل ہیں۔ ان احکام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوتی ہے۔ یتیموں کی حق رسی، یتیم لڑکوں کے ساتھ حسن سلوک، عورتوں کی مردوں کے ساتھ من وجہ مساوات وغیرہ کے باب میں آیات ذیل پیچھے گزر چکی ہیں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى الخ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ الخ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا الخ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا۔ ف۳۳۵ (اور اسی علم کامل کے مطابق جزائے خیر بھی دے گا) وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ۔ اسی عمل خیر میں یتیموں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک و حسن معاشرت بھی آ گیا۔ ف۳۳۶ (بہ شرطیکہ شرائط صلح اصلاً جائز ہوں، حرام و ممنوع نہ ہوں) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ صلح اگر کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہو گی تو باطل ہو گی۔ مثلاً شوہر نے صلح کی یہ شرط لگا دی کہ وہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی زوجیت میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور کر لیا، جب بھی چونکہ یہ ایک امر حرام ہے، اس لئے یہ مصالحت باطل رہے گی۔ صُلْحًا۔ کی تنوین تنویع کے لئے ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کی صلح۔ پوری صلح اگر طیب خاطر کے ساتھ ہو جائے تو پھر تو کسی شرط وغیرہ کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا۔ مثلاً اس طور پر کہ بیوی اپنے شوہر کو رضامند رکھنے کے لئے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ اپنا مہر معاف کر دے، یا اس میں کمی کر دے، اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دے دے، اپنے مصارف کا بار ہلکا کر دے وقس علی ہذا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر۔ دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مثلاً نفقہ یا ہم بستری، صلح کے لئے عورت دستبرداری دونوں قسم کے حقوق سے کر سکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اول کے حقوق میں نقض صلح کا اختیار نہ رہے گا۔ یعنی جو چھوڑا، بس وہ ساقط ہو گیا۔ اور الساقط لا یعود۔ لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہے گا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سر نو کر دے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ۔ بیوی کی طرف سے یہ دستبرداری بظاہر ایک صورت رشوت کی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس وہم کو دفع فرمایا ہے اور بتا دیا ہے کہ نہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز و درست ہے۔ نُشُوْزًا۔ نشوز کے معنی پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ۔ بیوی کی طرف سے جو نشوز ہو اس کا علاج اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ نشوز اگر شوہر کی طرف سے ہو تو وہ بھی لا علاج نہیں۔ اس کی بھی تدبیریں ہیں۔ خَافَتْ۔ خوف یہاں توقع کے معنی میں ہے خافت یعنی توقعت (قرطبی) ف۳۳۷ (ہر نزاع و افتراق سے، ہر فساد و عناد سے) من الفرقة او سوء العشرة او من الخصومة (بیضاوی) نزاع و افتراق یوں بھی عقل و شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ خانگی زندگی میں اور میاں بیوی جیسے قریب ترین رشتوں کے درمیان!۔ ف۳۳۸ بیوی کے لئے ان الفاظ میں صاف ترغیب ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ ہی دے بلا سے۔ تعلق زوجیت تو قائم رہے۔ تو شوہر جب دیکھے گا کہ اس کے اپنے حقوق و حظوظ میں کچھ فرق نہیں آتا اور بیوی ہی اپنے بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑے دے رہی ہے تو عجب نہیں کہ مصالحت پر جلد آمادہ ہو جائے الشُّحَّ۔ شح ایسے بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص ملی ہو۔ الشح بخل مع حرص (راغب) مراد یہ ہے کہ خودغرضی اور نفس کی آرام طلبی سے کوئی بھی فریق خالی نہیں۔ یہ اپنی راحت ڈھونڈتا ہے، وہ اپنی۔ ای کل واحد منهما یطلب ما فیه راحته (مدارک) ف۳۳۹ (اور اس کی طرف سے وعدہ ہر تقویٰ اور حسن سلوک پر اجر کا ہے) اس میں در پردہ شوہروں کو نصیحت ہے کہ نفاق و افتراق تو خیر بہت دور کی چیز ہے انہیں تو تقویٰ اور حسن سلوک کی روش پر قائم رہ کر بیویوں سے کسی حق کی دستبرداری کی بھی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ ذکر یہاں شوہروں کے نشوز و اعراض کا چل رہا ہے اس لئے یہ خطاب بھی شوہروں سے ہے تُحْسِنُوْا۔ تو شوہر جب بیوی سے حسن سلوک کا خوگر ہو جائے گا تو اس سے اس کی بھی توقع نہیں رکھے گا کہ وہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہو جائے۔ وَتَتَّقُوْا۔ اور جب تقویٰ اختیار کرے گا تو نشوز و اعراض خود ہی کافور ہو جائیں گے۔ خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حسن معاشرت زوجین کا ذکر آیا ہے میاں بیوی میں سے کسی کو ادائے حقوق پر توجہ دلائی ہے۔ ایک جامع لفظ تقویٰ کا لایا گیا ہے اور اس خانگی حسن معاشرت کو تقویٰ ہی کی ایک اہم فرد قرار دیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر اور موثر تر تدبیر کوئی اور ہے ہی نہیں۔ ف۳۴۰ (سو یہ حد تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے تم اس حد کے مکلف بھی نہیں)۔ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ۔ برابری ہر چیز میں، یہاں تک کہ رغبت قلب اور امور غیر اختیاری میں بھی۔ شروع سورت میں جہاں چار تک کی تعداد ازواج کی اجازت صراحت کے ساتھ مرحمت ہوئی تھی۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ وہاں معنی یہ

بھی ارشاد ہوا تھا کہ ان کے درمیان عدل رکھنا اور اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی پر قناعت رکھنا۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ اس موقع پر عدل سے مراد تھی عدل معاملات میں، عدل امور اختیاری میں، یعنی ہر بیوی کی ضروریات کا، مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا، برخلاف اس کے یہاں جس عدل کی نفی کی جا رہی ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے عدل پر تم قادر ہی نہیں ہو سکتے چاہے لاکھ اس کی تمنا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ۔ اس عدل سے مراد ہے مساوات امور غیر اختیاری میں، کیفیات قلب میں، مثلاً محبت و رغبت میں اور ایسی مساوات کامل تو والدین تک عادۃً اپنی ساری اولاد کے درمیان نہیں رکھ سکتے -- لفظ عدل دونوں جگہ مشترک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔ اور اس اسلوب بیان کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اخبر تعالى بنفي الاستطاعة في العدل بين النساء و ذلك في ميل الطبع في المحبة والجماع والحظ في القلب (قرطبی) روى عن ابي عبيدة قال يعني المودة وميل الطباع و كذلك روى عن ابن عباس والحسن وقتادة (جصاص) پس بعض جدید محرفین نے اس آیت سے یہ جو نکالنا چاہا ہے کہ قرآن مجید نے عدل بین الازواج کو ناممکن بتایا ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت صرف عدل کے ساتھ دی ہے تو اس طرح اس اجازت کو ایک بار دے کر پھر واپس لے لیا ہے تو ایسے لوگوں نے دانستہ سہی، لیکن بہرحال قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اس کی جانب بے تکلف اس عیب کو منسوب کر دیا ہے کہ وہ جس چیز کو رد کرنا چاہتا ہے اسے براہ راست منع نہیں

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ

دونوں جدا ہی ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کر دے گا ف ۳۴۴ اور

اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ ہے ہی بڑا وسعت والا بڑا حکمت والا ف ۳۴۵ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ ہی کی ملک ہے ف ۳۴۶ اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے قبل

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

کتاب مل چکی ہے اور خود تمہیں بھی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو ف ۳۴۷

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رہے کہ) جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ہی کی

الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملک ہے ف ۳۴۸ اور اللہ بڑا بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف ۳۴۹ اور جو کچھ بھی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کافی

وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّھَا النَّاسُ وَيَاْتِ

کارساز ہے ف ۳۵۰ وہ اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے اور دوسروں کو

بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ

لے آئے ف ۳۵۱ اور اللہ اس پر قادر ہی ہے ف ۳۵۲ جو کوئی

كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ

دنیا کا انعام چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا

کر دیتا بلکہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایک پر پیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ف ۳۴۱ (کہ مساوات کامل اور رغبت قلب کی بے اختیاری کو بہانہ کر کے بیوی کے ظاہری اور اپنے اختیار کے اندر والے حقوق بھی پامال کرنے لگو) قال مجاهد لا تتعمدوا الاساءة بل الزموا التسوية في القسم والنفقة لان هذا مما يستطاع (قرطبی) ف ۳۴۲ (کہ وہ بیچاری نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد و خود مختار پائے) فَتَذَرُوْھَا۔ میں ضمیر مؤنث مظلوم بیوی کی جانب ہے۔ اى لاهي مطلقة ولا ذات زوج قاله الحسن (قرطبی) التي ليست ذات بعل ولا مطلقة (بیضاوی) شریعت نے اس ادھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ اپنے امکان بھر پوری کوشش حسن معاشرت کی اور تعلق زوجیت کے حق کی کرے۔ لیکن جب دیکھے کہ کوئی صورت اس میں کامیابی کی نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدہ شرعی کے مطابق طلاق دیدے۔ یہ ظالمانہ صورت بہرحال نہ اختیار کرے کہ عورت بظاہر سہاگن اور شوہر دار ہو، لیکن حقیقۃً اپنے کسی حق سے بھی متمتع نہیں ہو رہی ہے۔ ف ۳۴۳ (سو اس کے ہاں ماضی کی اصلاح حال کی احتیاط، اور مستقبل کے عزم احتیاط کے بعد تمام تر مغفرت و رحمت ہی ہے) اِنْ تُصْلِحُوْا۔ یعنی اپنی پچھلی بدعنوانیوں کی اصلاح حسب قاعدہ شرعی کر لو۔ وَتَتَّقُوْا۔ اس تقوی کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے۔ ف ۳۴۴ (ایک کو دوسرے سے) یعنی اگر صلح و موافقت کی ہر تدبیر ناکام رہے اور نوبت بالآخر علیحدگی ہی کی آ جائے تو زیادتی (نشوز) اور بے التفاتی (اعراض) کرنے والا فریق یہ سمجھے رہے کہ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا۔ وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلا دینے کے لئے کافی ہے۔ ف ۳۴۵ (اسے ہر ایک کے لئے مناسب شکل نکال لینا کیا مشکل ہے) ف ۳۴۶ (سو اس مالک الملک اور ملک الملوک کی رضا جوئی کے بجائے کسی اور کی رضا طلبی کیسی شدید حماقت ہے وہ زمین و آسمان کے سارے خزائن کا مالک ہے۔ اسے دوسروں کو غنی بنا دیتے کیا دیر لگ سکتی ہے۔ ف ۳۴۷ (کہ یہی خوف خدا اور تقوی الٰہی بنیاد ہی تمام احکام الٰہی کی تعمیل کی ہے اور اسے آسان اور خوشگوار بنا دینے والی بھی) انسان کی ساری زندگی کا سنگ بنیاد بھی تقوی ہے اور اس لئے یہ عین مقتضائے حکمت ہے کہ قرآن مجید اس کی تاکید سے لبریز ہے۔ مسیحیوں کا دعوی ہے کہ ان کے مذہب کی بنا، خوف خدا پر نہیں، بلکہ محبت الٰہی پر ہے اور ان کے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کی انجیل ان تاکیدوں سے خالی نہیں مثلاً: "اس سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔" (متی ۱۰:۲۸) اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو" (لوقا ۱۲:۵) رہی توریت تو اس کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف ۳۴۸ (سو ایسے کی ناشکری اور نافرمانی سے اس کا کیا ضرر۔ ضرر تو خود تمہارا ہی ہے) اِنْ تَكْفُرُوْا۔ احکام الٰہی کی مخالفت ہی کا نام ناشکری ہے۔ ف ۳۴۹ مشرک جاہلی قوموں کے دیوی دیوتا اپنی صفات میں ناقص اور اپنی ذات کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں، ان کے پرستار اور پجاری جو منتروں سے جاپ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ان کے نقائص کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی الوہیت و معبودیت کے لئے غذا حاصل کرتے رہتے ہیں -- قرآن مجید نے یہاں ان دو صفت کا ذکر کر کے ان خرافات کی تردید کر دی۔ اللہ بذاتِ خود ہر طرح کامل و مکمل ہے۔ کسی کی عبادت سے اس کی تکمیل کا خیال ہی مہمل ہے اور اس کی صفات سب عالی و ستودہ ہیں نقص کا گزر نہیں۔ ف ۳۵۰ اس کی کارسازی عالم کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق کی طرف التفات کرنا اور اس سے کارسازی کی توقع رکھنا کیسی خرافت ہے) خلقت کائنات و تدبیر کائنات سب اس کے لئے آسان ہیں۔ ف ۳۵۱ (اور جو کام اسے لینے ہیں، وہ اسی نئی مخلوق سے لے) یہ بیان اس کے کمال قدرت کا ہے اٰخَرِيْنَ۔ یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔ اى خلقا اخرين مكان الانس (بیضاوی) جوز الزمخشري وابن عطية ومقلده وهما ان يكون المراد جنسا غير جنس الناس (روح) ف ۳۵۲ (سو اس قدرت کے باوجود وہ اگر ایسا نہیں کرتا اور تمہارے

بجائے کسی جدید مخلوق کو وجود میں نہیں لا رہا ہے تو اس کا تمبر رہے تنی او پر کرلی احسان ہے کہ وہ اس طرح حصول اجر کا موقع دیے جا رہا ہے) کَانَ لانے سے مفہوم ماضی مقصود نہیں۔ بلکہ صفت قدرت کی ازلیت اور غیر متناہیت کا اثبات مقصود ہے۔ القدرة صفة ازلية لا تتناهى معلوماته والماضى والمستقبل فى صفاته بمعنى واحد (قرطبی) صیغۂ ماضی لانے میں نکتہ یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ ذات وصفات کو کوئی حادث نہ سمجھ لے۔ انما خص الماضى بالذكر لئلا يتوهم انه يحدث فى ذاته و صفاته (قرطبی) ف۳۵۳ (سواس لازوال انعام ولذت کو چھوڑ کر صرف عارضی اور وقتی لذتوں پر قناعت کر لینا کس درجہ بے دانشی اور عاقبت نااندیشی ہے) ف۳۵۴ سو وہ سب کی دعاؤں کو، التجاؤں کو خوب سنتا رہتا ہے۔ خواہ وہ معروضۂ دنیوی کے باب میں ہوں یا اجر اخروی سے متعلق اور سب کی نیتوں کے اخلاص وعدم اخلاص کو دیکھتا رہتا ہے۔ ف۳۵۵ (اپنے تمام معاملات میں) احکام کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں بار بار ترغیب راہ حق و دیانت سے ہٹنے کی ہوتی رہتی ہے اور کہیں اپنے ذاتی نقصان کے خیال سے، کہیں بزرگوں، عزیزوں کی مروت اور خاطر سے قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ یہاں تاکید ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق و دیانت پر قائم رہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔ اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ گواہی سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہے۔ اى تقيمون الشهادات لوجه الله (بیضاوی) اى لا يراعى فى الشهادة الا جهة الله (بحر) لذات الله ولوجهه ولمرضاته وثوابه (قرطبی) اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "اللہ کے گواہ بن جاؤ" یعنی تمہاری شہادت شہادت الٰہی کے قائم مقام ہو جائے۔ فقہاء نے یہی معنی لے کر استنباط یہ کیا ہے کہ جو امر گواہوں سے ثابت ہو جائے، وہی قطعی ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔ چنانچہ قاضی اگر معتبر آدمیوں کی شہادت پر مدعی کو ڈگری دے دے اور مدعی علیہ خوب علم رکھتا ہو کہ حق مدعی کا نہیں اور فیصلہ غلط اور نا منصفانہ ہوا ہے۔ تاہم اگر وہ تعمیل نہ کرے گا تو قاضی اسلام کی مخالفت اور گواہوں کی تکذیب کا مجرم ہو گا۔ ف۳۵۶ یعنی مروت اور رعایت نہ خود اپنی کرو نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ کسی عزیز کی، بلکہ صرف اللہ کی اور حق وصداقت کی۔ قرآن مجید پر عامل مسلمان۔ حلفیہ شہادت کا ذکر نہیں، بلا حلف بھی کبھی جھوٹی گواہی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ حکم عام ہے ہر قسم کی گواہی کے لئے۔ صرف مالی اور عدالتی معاملات کی حد تک محدود نہیں۔ محققین لکھتے ہیں کہ اس کے پورے مصداق تو حضرات محدثین ہوئے ہیں کہ انہوں نے روایات حدیث کے باب میں کسی کی ذرا رعایت نہ کی۔ اسی لئے وہ اللہ کے گواہ بن گئے۔ اور ان کی روایتوں پر دین کے ایک حصہ کا مدار ٹھہر گیا۔ ف۳۵۷ یعنی جس کے خلاف آکر تمہاری سچی گواہی پڑ رہی ہے اور اس کی خاطر تم سچے اظہار سے بچنا چاہتے ہو، اس پر جتنا حق تمہارا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حق اللہ کا ہے۔ جھوٹی گواہی کے محرک عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ فریق اگر امیر ہے تو اس کا دباؤ، لحاظ، مروت اور اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ جذبۂ ہمدردی۔ یہاں دونوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دونوں صورتوں میں، جتنا تمہارا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ کا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ ف۳۵۸ (ادائے شہادت میں) تاکید ہے کہ شہادت بالکل واقعہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ شاہد کے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ ف۳۵۹ یعنی ذاتی رجحانات کو دخل دینے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ قدم راہ حق سے ادھر یا ادھر ہو جائے گا۔ اَنْ تَعْدِلُوْا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ان لا تعدلوا (جلالین) اى مخافة ان تعدلوا (ابوسعود) ف۳۶۰ ہر معصیت، ہر بداخلاقی کی طرح ادائے شہادت کی بھی ہر بے عنوانی سے روکنے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی کا استحضار ہے۔ جتنا یہ عقیدہ قوی، زندہ اور تازہ ہو گا، اسی قدر سخت پہرہ انسان کے نفس پر قائم رہے گا۔ اِنْ تَلْوٗا۔ یعنی شہادت دی تو جائے لیکن بد دیانتی، خیانت اور اینچ پینچ کے ساتھ۔ تُعْرِضُوْا۔ یعنی سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ ف۳۶۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا۔ آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلمۂ اسلام پڑھ کر اجمالاً تو ایمان لا چکے ہیں اور اسی لئے لقب مومنین سے مشرف ہیں اور انہی کو تاکید ہو رہی ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جزء پر اپنا عقیدہ مضبوط کریں۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر، اس کی اور توحید کے تضمنات پر بہ تفصیل ایمان لاؤ۔ وَرَسُوْلِهٖ۔ رسول ﷺ پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ اس کی شریعت کے ہر ہر جزء کو بے چون و چرا مان لیا جائے۔ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ مراد یہاں جنس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں المراد به جنس ما انزل على الانبياء قبله من الكتب (کشاف) نزلت فى جميع المؤمنين والمعنى يا ايها الذين صدقوا اقيموا على تصديقكم و اثبتوا عليه (قرطبی) يا ايها الذين امنوا بحسب الاستدلالات الجملية امنوا بحسب الدلائل التفصيلية (کبیر) ف۳۶۲ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے بھی انکار دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے کے لئے کافی ہے۔ و یہاں چاروں جگہ اَوْ کے معنی میں ہے۔ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کی ذات سے انکار کی طرح اس کی صفات سے بھی انکار داخل کفر ہے۔ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ۔ بجائے فرشتوں کے جاہلی قوموں کی طرح دیوتاؤں کو ماننا فرشتوں ہی سے کفر کی ایک شکل ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ جاہلی مشرک قومیں چونکہ عقیدۂ وحی سے محروم ہیں، اس لئے کتب آسمانی کی بھی قائل نہیں۔ وَرُسُلِهٖ۔ بجائے پیمبروں کے اوتاروں یا خدا کے مظہروں کو ماننا رسولوں سے کفر کرنا ہے۔ اى من يكفر بشىء من ذلك (بیضاوی۔ بحر۔ مدارک) لان الكفر ببعضه كفر بكله۔ (مدارک)

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

انعام موجود ہے ف۳۵۳ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ف۳۵۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

گواہی دینے والے رہو ف۳۵۵ چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى

خلاف ہی ہو ف۳۵۶ وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ

بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا

حقدار ہے ف۳۵۷ تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ف۳۵۸ کہ (حق سے) ہٹ جاؤ ف۳۵۹ اور اگر تم کجی کرو گے

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

یا پہلوتہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے ف۳۶۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور (اس) کتاب پر ایمان لاؤ

الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ

جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اس سے قبل

مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

نازل کر چکا ہے ف۳۶۱ اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اس کے پیمبروں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے ف۳۶۲

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا
بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
پھر کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت کرے گا
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ
اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ف۳۶۳ آپ منافقین کو سنا دیجئے کہ
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ
ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۳۶۴ (یعنی وہ لوگ) جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ
دوست بنائے ہوئے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش
الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ
کر رہے ہیں سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے ف۳۶۵ اور وہ تمہارے اوپر
عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
یہ (فرمان) کتاب میں نازل ہی کر چکا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ
کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا
یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں کہ اس حالت میں یقیناً تم بھی انہی جیسے
مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ
ہو جاؤ گے ف۳۶۶ بیشک اللہ دوزخ میں منافقوں اور کافروں سب کو

ف۳۶۳ (جنت وہدایت کی) ذکر ان لوگوں کا ہے جو اسلام پر قائم نہ رہے بلکہ مرتد ہو گئے۔ اور دوبارہ ایمان لا کر پھر بھی ایمان پر قائم نہ رہے۔ اور توبہ نہ کی۔ بلکہ اسی حالت کفر وارتداد پر ختم ہو گئے۔ مگر متعین طور پر کون گروہ مراد ہے؟ ایک قول ہے کہ یہود مراد ہیں۔ پہلے حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لائے۔ پھر انہی کی زندگی میں گوسالہ پرستی کی اور کافر ہو گئے۔ تائب ہوئے اور ان کی ذریت حضرت عیسیٰ ؑ سے انکار کر کے پھر کافر ہو گئی۔ اور آخر میں رسول اللہ ﷺ سے انکار کر کے اپنا کفر بڑھاتے ہی رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرتدین کا کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ جو مکرر مرتد ہوا اور آخر تک مرتد رہا۔ تیسرا قول اور یہ سب سے زیادہ لگتا ہوا ہے۔ یہ ہے کہ مراد منافقین ومترددین ومذبذبین ہیں اور مقصود ان کے تردد ومذبذب کا اظہار ہے۔ نہ کہ ان کے ارتداد کا تعدد۔ سیاق قرآنی بھی منافقین ہی کو چاہتا ہے۔ كما نحسبهم المنافقين ويدخل في ذلك من كان مثلهم (ابن جریر۔عن مجاہد) هؤلاء المنافقون (ابن جریر۔عن ابن زید) روى عن ابن عباس ان الآية في المترددين (بحر) ليس المراد بيان هذا العدد بل المراد ترددهم كما قال مذبذبين بين ذلك (کبیر۔عن القفال) جعلها ابن عباس عامة لكل منافق في عهده ﷺ في البر والبحر (روح) لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ یہ ظاہر نفی تاکید ہے۔ حالانکہ واقعۃً تاکید نفی کے لئے ہے۔ ان نفي التاكيد اذا ذكر على سبيل التهكم كان المراد منه المبالغة في تاكيد النفي (کبیر) ف۳۶۴ بَشِّرِ تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ التبشير الاخبار بما يظهر اثره على البشرة (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز وزجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ قوله بشر تهكم بهم والعرب تقول تحيتك الضرب وعتابك السيف (کبیر) ذلک قول الشاعر تحية بينهم ضرب وجيع اردو میں تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔ ف۳۶۵ یعنی اعزاز تو تمام تر اللہ کی ملک اور قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے معزز بنا دے۔ منکرین کے بڑے بڑے امراء ورؤسا تک حقیقی عزت سے خالی ہیں۔ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی یہ منافقین اہل ایمان سے سچے دلی عقائد تو کیا رکھتے۔ ظاہری تعلقات بھی ان سے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بجائے ان کے الٹے کافروں سے لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلا ضرورت میل جول، خلاملا۔ ان کی وضع قطع بلا ضرورت بنانا، ان کا فیشن اختیار کرنا، ان کے لباس، تمدن ومعاشرت کو فخر وعزت کی چیز سمجھنا یہ سب داخل نفاق ہے۔ ف۳۶۶ (نفس معصیت میں) یہ مثلیت اور یکسانی نفس معصیت میں ہو گی۔ ورنہ منکرین کا استہزاء ظاہر ہے کہ کفر اعتقادی سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے جلسوں، محفلوں میں مسلمانوں کی شرکت محض فسق ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اى في العذر اذا مكثتم معهم ولم يرد به التمثيل من كل وجه فان خوض المنافقين فيه كفر ومكث هؤلاء معهم معصية (مدارک) اى في العصيان وان لم تبلغ معصيتهم منزلة الكفر (جصاص) فِي الْكِتٰبِ حوالہ اسی کتاب قرآن کا ہے۔ واذا رايت الذين يخوضون في اياتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره (سورۂ انعام آیت ۶۷) یہ سورۂ نساء مدنی ہے اور سورۂ انعام اس سے بہت قبل کی مکی ہے اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی نشانیوں کا لفظ عام ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی انہی میں شامل ہیں۔ حکم کی تکرار یعنی ایک بار مکہ میں نزول اور دوبارہ مدینہ میں۔ حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کفر اور تمسخر کرنے والے تھے کون لوگ؟ مکہ میں تو مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود اور منافقین۔ آیت کا حکم عام ہے۔ بے دینی کا ہر مشغلہ، کفر وانکار کا ہر مظاہرہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ مسیحی یا ہندوانہ تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی وسیاسی ماحول کے جو گہرے اثرات طبعی طور پر مسلمانوں پر پڑ رہے ہیں، وہ سب اس وعید کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ اپنے شعائر واصول دین پر مضحکہ سنتے رہنا خواہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا بازاروں اور میلوں میں یا تھیٹروں اور سینماؤں میں۔ یوں بھی بہرصورت بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت، جس وقت وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

ف۳۶۶ (کہ آخرت میں ایک کا چھپا ہوا اور ڈھکا ہوا کفر اور دوسرے کا کھلا ہوا کفر دونوں یکساں روشن وظاہر ہوں گے) اسی سے یہ تعمیم بھی نکلتی ہے کہ اصلی جوڑ اور ساتھ تو کافروں اور منافقوں کا ہے۔ حقیقۃً مناسبت انہی دونوں کے درمیان باہم ہے۔ پاک وصالح انسانوں یعنی مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ مجلسی اختلاط ہی کیسا؟ جَامِعُ یہاں مضارع یجمع کے معنی میں ہے۔ الاصل جامعٌ بالتنوین محذوف استخفافا فانه بمعنی یجمع (قرطبی) ف۳۶۸ منافقین کی پوری ذہنیت آشکارا وبےنقاب کی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا۔ جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکر اسلامی کے ساتھ ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کو فتح ہو جاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آکر اپنی شرکت، معیت ورفاقت کا حق جتلاتے اور مال غنیمت وغیرہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتے۔ لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ ان کے پاس جا کر ان پر اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکر اسلامی کا پلہ بھاری ہو رہا تھا۔ اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے۔ ہم نے اپنی کوشش وتدبیر سے تمہارا پلہ وزن دار کرا دیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتا دی۔ تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ یعنی تمہارے لئے آفت ومصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ای ینتظرون بکم یعنی الدوائر والشدۃ (ابن عباس) اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ معیت کا تعلق سفر جہاد سے ہے۔ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ یہاں صیغۂ جمع متکلم میں منافقین اپنے کو مجموعہ لشکر اسلام میں شامل کر رہے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا جب ہی وہ اسے مانگتے اور اس کے لئے مطالبہ کرتے۔ والاٰیة تدل علی ان المنافقین کانوا لایعطونهم الغنیمة ولهذا طلبوها (قرطبی) فتح کے لفظ میں شان وعظمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی کامیابی کو اس سے تعبیر کیا گیا اور نصیب میں حقارت اور پستی ہے۔ اس لئے کافروں کی کامیابی کے لئے یہ لفظ دیا گیا۔ سمی ظفر المسلمین فتحاً تعظیماً لشان المسلمین وسُمّی ظفر الکافرین نصیبًا تخسیسًا لحظ الکافرین (کشاف) ف۳۶۹ یعنی آج تو اظہار اسلام کر کے ہر قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن قیامت میں کیا کریں گے۔ وہاں تو ان کا کفر علانیہ ظاہر ہوگا اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر رہیں گے۔ ف۳۷۰ (اپنے اسی آخری اور اُخروی فیصلہ میں) آخرت دار الجزاء ہے۔ وہاں اس دار العمل کی طرح کسی تکوینی امتحان التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بہرحال وصورت الگ ہو کر رہے گا دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اسی دنیا میں کافروں کو مومنوں پر غالب نہ آنے دے گا۔ حجت عقلی وشرعی کے لحاظ سے۔ قال علی رضی اللہ عنہ معنی یوم القیمة یوم الحکم وکذاقال ابن عباس ذاک یوم القیمة قال ابن عطیة وبهذا قال جمیع اهل التاویل (قرطبی) المراد بالسبیل الحجة (بیضاوی) ای حجة شرعیة لاعقلیة (بحر) ای حجة عقلیة ولاشرعیة یستظهرون بها الاابطلت ودحضت (قرطبی) اس نفی غلبہ وولایت کفار کا تعلق اسی عالم تکوینی سے ہے اور بعض فقہاء نے اس سے ذیل کے استنباطات کئے ہیں:۔ (۱) کافر کی گواہی اگر مسلمان کے مضر پڑ رہی ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ (۲) کافر کی ولایت کسی مسلم نابالغ کے نکاح میں جائز نہ ہوگی۔ (۳) کافر کو کسی مسلمان کی وراثت نہ پہنچے گی۔ ف۳۷۱ (ان کی چالوں کو ناکام دیکھ کر ان کی چالوں کی سزا ان کو دے دے کر) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کر کر کے اللہ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ خداع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد مجازات خداع ہوتی ہے۔ الخداع من الله مجازاتهم علی خداعهم اولیاءه ورسله (قرطبی) سمی الجزاء علی العمل باسمه علی مجاوزة الکلام (جصاص) ای یجازیهم بالعقاب علی خداعهم (کبیر) ای هو الذی یستدرجهم فی طغیانهم وضلالهم ویخذلهم عن الحق والوصول الیه فی الدنیا وکذلک یوم القیمة (ابن کثیر) ف۳۷۲ یعنی یہ منافقین اول تو نماز پڑھتے ہی کہاں ہیں۔ جب مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی پڑھنا ہی پڑی۔ تو صرف ہیئت ظاہری کے لحاظ سے کچھ دیر اٹھک بیٹھک ہی کر لی۔ قَامُوْا كُسَالٰى عبادت میں نشاط، مستعدی اور چستی تو صرف ایمان واعتقاد کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے یہی مفقود ہے تو ظاہر ہے کہ کاہلی اور بدبختی کیسے نہ پیدا ہوتی۔ یہاں تو مقصود تمام تر ظاہر داری تھی۔ خلقت کی نظر میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا۔ اِلَّا قَلِيْلًا عارفین نے کہا ہے کہ یہ عمل قلیل ہی اگر اللہ کے لئے ہوتا تو اللہ اسے کثیر ہی قرار دیتا۔ قال الحسن لو کان ذلک القلیل لله تعالی لکان کثیرا (مدارک) انماسماه قلیلا لانه لغیر وجهه فهو قلیل فی المعنی وان کثر الفعل منهم (جصاص) يُرَآءُوْنَ النَّاسَ محض لوگوں کے دکھاوے کو، تاکہ یہ بھی مسلمان ہی سمجھے جائیں اور ان کے ساتھ بھی مسلمانوں ہی کی سی مراعات ہوتی رہے۔ ریا کے معنی ہیں کسی اچھی چیز کو دکھاوے کے لئے اختیار کرنا نہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں۔ الریاء اظهار الجمیل لیراه الناس لا لاتباع امر الله (قرطبی) اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ جب نماز جیسے اہم ترین رکن اسلام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا، ظاہر ہی ہے۔ نماز کی تصریح خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی ہے کہ اعمال میں نماز ہی ایمان واسلام کا ظاہری معیار ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس نماز ریائی کا یہاں ذکر ہے اور جو معصیت کے درجہ میں ہے اور جس نماز کا دہرانا لازم

فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ

اکٹھا کرے گا ف۳۶۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو تمہارے لئے مصیبت کے منتظر رہتے ہیں

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ

تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے فتح حاصل ہوگئی تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم

مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْۤا

تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ مل گیا تو (ان سے) کہنے لگتے ہیں کہ

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا ف۳۶۸

فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَنْ یَّجْعَلَ

تو اللہ ہی تم (سب) لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا ف۳۶۹ اور اللہ

اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ

کافروں کو ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا ف۳۷۰ بیشک

الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ

منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے، ف۳۷۱

وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ

اور یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو

النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ

دکھاتے ہیں، اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں ف۳۷۲ درمیان ہی میں

بَیْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ

معلق نہ (پورے) ادھر ہی کے ہیں نہ (پورے) ادھر ہی کے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
اور جسے اللہ گمراہ رکھے تو اس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا ۳۷۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ
ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا
دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
اللہ کی حجت صریح قائم کر لو؟ ۳۷۴ یقیناً منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار

نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا
نہ پائے گا، ۳۷۵ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور اللہ کا سہارا

بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
پکڑے رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
ہوں گے ۳۷۶ اور اللہ مومنوں کو عنقریب

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ
اجر عظیم دے گا ۳۷۷ اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے، اگر

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
تم شکرگزاری کرو اور ایمان لے آؤ، اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم والا ہے ۳۷۸

ہے وہ وہ ہے جو عقیدہ کے بغیر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے پڑھی جائے کہ اس سے اسے لوگ مسلمان سمجھنے لگیں۔ باقی جو نماز اس ارادہ سے پڑھی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کے مومن اور مقبول الشہادۃ ہونے کی اور اس کے جواز امانت کی شہادت دیں تو ایسی نماز اس وعید کے تحت میں نہیں آتی۔ یعنی انھم یفعلونھا لیراھا الناس وھم یشھدونھا لھم فھذا ھو الریاء والشرک فاما ان صلاھا لیراھا الناس یعنی ویرونہ فیھا فیشھدون لہ بالایمان فلیس ذلک الریاء المنھی عنہ وکذلک لو ارادبھا طلب المنزلۃ والظھور لقبول الشھادۃ وجواز الامانۃ لم یکن علیہ حرج وانما الریاء والمعصیۃ ان یظھرھا صیدا للدنیا وطریقا الی الاکل بھا فھذہ نیۃ لا تجزی وعلیہ الاعادۃ (ابن عربی) ۳۷۳ (ایمان اور ہدایت کی) مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی کافروں اور مومنوں کے درمیان۔ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ یعنی ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مومن اور معنی اور حقیقت کے لحاظ سے کافر۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اللہ کا یہ فعل اضلال اس کی سنت تکوینی کے مطابق ہے جس کے ماتحت وہ ہر عزم عمل پر عمل کا ترتب کر دیتا ہے۔ ۳۷۴ (اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کی) اتنی صریح وعیدوں کے باوجود ہم لوگ جو بلا ضرورت ہر قسم کے غیر مسلموں، بے دینوں، بددینوں سے دوستی اور محبت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں کا کیا انجام ہونا ہے۔ اللھم احفظنا۔ لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ کافروں کے تحت میں پوری طرح وہ چھپے ہوئے کافر بھی داخل ہیں جنھیں منافقین کہا گیا ہے۔ اقتضت الاٰیۃ النھی عن الاستنصار بالکفار والاستعانۃ بھم والرکون الیھم والثقۃ بھم (جصاص) فقہاء حنفیہ نے ذمیوں کو وکیل مال بنانا اور ان سے شرکت تجارت (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے۔ وقد کرہ اصحابنا توکیل الذمی فی الشری والبیع ودفع المال الیہ مضاربۃ وھذہ الاٰیۃ دالۃ علی صحۃ ھذا القول (جصاص) ۳۷۵ (کہ انہیں بچا سکے یا ان کی سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے۔ منافق کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر و فریب کا اضافہ کئے ہوئے ہے اس لئے اگر اسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر سزا ملے تو یہ عین مقتضائے عدل ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا سے فقہاء مفسرین نے محض گنہگاروں کی شفاعت پر استدلال کیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ یہ عدم نصرت کی تہدید چونکہ اہل نفاق کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جو منافق نہ ہوں گے، ان کی نصرت و شفاعت ہو سکے گی۔ واحتج اصحابنا بھذا علی اثبات الشفاعۃ فی حق الفساق من اھل الصلوٰۃ (کبیر) ۳۷۶ (جنت اور درجات جنت میں) مومنین کے ساتھ ان نئے تائبین کا ذکر لانے سے مومنین ہی کی تکریم اور شرف مرتبت نکلتی ہے۔ اوقع اجر المومنین فی التشریف لانضمام المنافقین الیھم (کبیر) مع المومنین کے معنی من المومنین کے بھی کئے گئے ہیں۔ قال الفراء ای من المومنین (قرطبی) تَابُوْا یعنی اپنے عقائد شرک و کفر سے توبہ کر لیں۔ اَصْلَحُوْا یعنی اپنے اعمال و احوال کو شریعت کے مطابق و ماتحت کر لیں۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے۔ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ۔ اللہ کے ساتھ اخلاص کی یہ شرط منافقت کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ فقہاء نے آیت کے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ اعمال تقرب و عبادت ہر قسم کے شائبہ ریا اور ہر قسم کے دنیوی معاوضہ و نفع سے خالی ہونا چاہیے۔ یدل علی ان کل ما کان من امر الدین علی منھاج الحق فسبیلہ ان یکون خالصا للہ سالما من شوب الریاء وطلب عرض من الدنیا (جصاص) اور یہ بھی نکالا ہے کہ نماز اذان و حج وغیرہ اعمال عبادات پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہیں۔ ھذا یدل علی امتناع جواز اخذ شیء من اعراض الدنیا علی ما سبیلہ ان لا یفعل الا علی وجہ القربۃ من نحو الصلوٰۃ والاذان والحج (جصاص) پوری آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو اس قدر وعیدوں کے مستحق ہیں، وہ بھی اللہ کی رحمت و مغفرت سے ہمیشہ کے لئے مایوس نہ ہو جائیں۔ توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی اختیاری چیز ہے۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کر کے مومنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح دکھائی ہو۔ ۳۷۷ (اور جب یہ تائبین اور نو مسلمین، مومنین کے ساتھ ہوئے تو ظاہر ہے کہ اجر عظیم ان کے حصہ میں بھی آ کر رہے گا) اس میں سبق ہے ان خاندانی اور پشتینی مسلمانوں کے لئے جو آج ہر کفر و فسق سے تائب نو مسلم یا نو صالح کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسلامی اور ایمانی برادری میں نئے شامل ہونے والے بھائی ہیں جو اور زیادہ عزت و اکرام کے مستحق ہوتے ہیں۔ ۳۷۸ خطاب منافقوں سے ہے۔ انھیں بتایا ہے کہ تمہاری سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام تو معلق ہے نہیں۔ یہ تو محض تمہارا کفر اور کفران نعمت ہے جو تمہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ کے ناقابل بنائے ہوئے ہے۔ اگر اپنے ان عقائد کو چھوڑ دو تو رحمت حق تو خود بخود تمہیں آ لے گی۔ اس میں یہ تعلیم بھی آ گئی کہ اسلام کا خدا مشرک اور جاہلی قوموں کے خونخوار و سفاک دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جسے بندوں کے آزار دہی ہی میں لطف آ رہا ہے۔ شَاكِرًا یعنی خدمت اور عبودیت اور اخلاص کا قدر دان۔ عَلِيْمًا یعنی ہر ایک کے درجہ اخلاص سے واقف۔ آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مومن شاکر عذاب الٰہی سے بالکل دور رہے گا۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ صاحب کبیرہ پر عذاب نہیں ہے۔ قال اصحابنا دلت ھذہ الاٰیۃ علی انہ لا یعذب صاحب الکبیرۃ (کبیر)

ف ۳۷۹ آیت نے اخلاق کی اصطلاح میں غیبت و بدگوئی کو اور قانون کی زبان میں ہتک عزت کو بالکل ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اور فرد و جماعت، شخص و ملت دونوں کے ہاتھ میں فلاح و اصلاح کی ایک بڑی اصل دے دی ہے۔ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔ کے تحت میں پس پشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آ گئی اور اس کے روبرو تلخ کلامی بھی۔ بلا ضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ سامنے نہ پیچھے۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر بھی نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جا سکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا ہے؟ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جھوٹی بات کی شہرت مظلوم کو بھی جائز نہیں ـــــ لیجیے مظلوموں کے ساتھ ساتھ ظالموں کے حق بھی اسی سچی، فطری، الٰہی شریعت نے تسلیم کر لیے۔ سَمِيْعًا۔ اس میں ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے اللہ تو بہرصورت اس کی سن ہی رہا ہے۔ اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ خلق کے آگے خواہ مخواہ زیادہ رونا گاتا نہ پھرے، یہ یقین رکھے کہ اللہ تو سننے والا ہے ہی۔ عَلِيْمًا۔ یہ صفت لا کر بھی ظالم و مظلوم دونوں کو یاد دلا دیا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے، اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت و حقیقت عیاں ہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے انتقام کی اجازت نکل رہی ہے، جس کی ایک جزو شکایت بھی ہے۔ اور ضعفاء کی اس میں بڑی رعایت ہے، کہ اس

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ

اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا

ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا

مظلوم کے، اور اللہ تو ہے ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ف ۳۷۹ تم کسی بھلائی کو ظاہر

خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

کرو یا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کر جاؤ ف ۳۸۰ تو اللہ تو (بہرصورت)

عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

بڑا معاف کرنے والا ہے، بڑا قدرت والا ہے۔ ف ۳۸۱ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں سے کفر کرتے ہیں

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ

کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں ف ۳۸۲ اور یہ چاہتے ہیں کہ

يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

ایک راہ درمیانی نکالیں ف ۳۸۳ تو یہی لوگ حقیقی کافر

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ

ہیں ف ۳۸۴ اور ہم نے کافروں کے لئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے ف ۳۸۵ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

اللہ اور اس کے پیمبروں پر ایمان لائے، اور وہ لوگ ان کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے، ف ۳۸۶

اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

تو ایسے لوگوں کو (اللہ) ضرور ان کا اجر دے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا

سے دل کا کینہ دور ہو جاتا ہے۔ ف ۳۸۰ (جو بہرصورت افضل اور اولیٰ ہے) انسان اپنے نفس کو ٹٹولے تو نظر آئے کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا اس پر مال خرچ کرنے سے کہیں زیادہ شاق نفس پر یہ گزرتا ہے کہ کوئی اسے دکھ پہنچائے اور ہم اس سے درگزر کر جائیں، اور انتقام نہ لیں۔ اسی لیے فعل خیر سے الگ اور ممتاز کر کے اس وصف چشم پوشی اور عدم انتقام کو بیان کیا ہے۔ فندب الی العفو و رغب فیه (قرطبی) ف ۳۸۱ اخلاقی حیثیت سے یہ تین مرتبے الگ الگ ہیں۔ اور انہیں یہاں کیسی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی۔ ساتھ ہی وہ اس کا اظہار و اعلان بھی کر دیتا ہے۔ خلق سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک طبعی ہے۔ ایک درجہ نیکی کا یہ بھی ہوا نیکی یہ بھی ہوئی مگر ہلکی قسم کی۔ مبتدی کی سطح کی۔ اَوْ تُخْفُوْهُ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کرے، اور خلق سے داد و صلہ کی پروا ہی نہ رکھے، بلکہ اسے خلق کے علم میں آنے ہی نہ دے اور مقصود اس سے تمام تر رضاء حق ہی رکھے۔ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں، اور وہ انہیں نظر انداز کر جائے اور برائی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ نفس کے لیے بہت ہی شاق ہے۔ اور اس کا مرتبہ سلوک و اخلاق کے منتہی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ عَفُوًّا۔ اس صفت کو لا کر یہ یاد دلا دیا کہ درگزر کی صفت تو صفات کمالیہ الٰہیہ میں سے ہے۔ کیا خوب ہو جو بندہ بھی اپنے کو اسی رنگ میں رنگ لے! قَدِيْرًا یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ بندہ بیچارہ انتقام لے ہی کیا سکتا ہے۔ انتقام پر قدرت کامل تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور وہ اس کمال قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا رہتا ہے ـــــ بندوں کو عفو و درگزر کی راہ پر لانے کا کتنا موثر و حکیمانہ طریقہ یہ ہے! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جن کی نکتہ رسی قرآن فہمی میں قابل صد رشک ہے، یہاں پر خوب بات فرمائی ہے کہ آیت کے ان دو مختصر سے فقروں میں سارا خلاصہ اخلاق و سلوک آ گیا۔ دخل فی هاتین الکلمتین جمیع انواع الخیر واعمال البر (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح پہلی آیت میں ضعفاء کی رعایت تھی، یہ آیت اہل ہمت کے مناسب حال ہے۔ اس میں مصلحت عروج الی القرب ہے۔ ف ۳۸۲ یہ ارشاد کن لوگوں کی طرف ہے؟ اس باب میں بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ بہرحال اتنا تو صاف ہے کہ اصل ارشاد یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے بہتوں کے تو قائل تھے۔ لیکن اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے منکر تھے۔ اور پھر نبوت مصطفوی کے۔ لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کے تحت میں نہ صرف مسیحی آ جاتے ہیں، جو نبوت مصطفوی کے تو صاف منکر، اور رسالت مسیح علیہ السلام کے بھی منکر ہو کر الوہیت مسیح علیہ السلام کے قائل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بہت سے "آزاد خیال" اور "روشن خیال" بھی اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ یورپ میں ایک فرقہ (خدا پرستوں) کا کہلاتا ہے، اور ہندوستان میں برہمو سماج ہے۔ یہ لوگ توحید کے تو قائل ہیں۔ لیکن عقیدۂ وحی و نبوت کے منکر۔ یہ سب مثالیں اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی ہیں، جسے اسلام بڑھانا اور پیدا کرنا نہیں، بلکہ مٹانا اور رفع کرنا چاہتا ہے۔ ف ۳۸۳ جیسے دہلی کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر و اسلام کو ملا جلا کر ایک "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا، اور پھر تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ دارا شکوہ نے بھی کچھ اسی قسم کی کوشش شروع کی تھی۔ اور بعض ملحد طبع آج بھی شرک و توحید، کفر و اسلام کو مخلوط و ممزوج کر کے طرح طرح کے خوشنما ناموں کے ساتھ ایک نئے دین کی ترکیب و اختراع کی فکر میں لگے رہتے ہیں ... ان لوگوں کی نظر دین اسلامی کی وحدت، اور اس کے عقائد و ارکان کے اندرونی نظم و ارتباط پر سرے سے ہے ہی نہیں! ف ۳۸۴ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہرحال بہتر ہوگا۔ نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ حَقًّا کا اضافہ تاکید مزید کے لیے ہے۔ ای وهم الکاملون فی الکفر (کشاف) ای لا عبرة بایمانهم هذا (بیضاوی) و هو تاکید لمضمون الجملة الخبریة (بحر) اولئک هم الکافرون کفرًا کاملًا ثابتًا حقًا یقینًا (کبیر) ف ۳۸۵ ایسے لوگوں کے خیالات و نظریات کی تہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے۔ شعوری یا لاشعوری طور پر، بہرحال یہ

رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

بڑا رحم والا وے۳۸۷ آپ سے اہل کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر ایک نوشتہ

كِتَٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوا۟ مُوسَىٰٓ أَكْبَرَ مِن

آسمان سے اتروا دیں و۳۸۸ سو یہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑی فرمائش کر چکے

ذَٰلِكَ فَقَالُوٓا۟ أَرِنَا ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ

ہیں و۳۸۹ (ان سے) یہ بولے تھے کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو۔ سو ان کی (اس) زیادتی پر انہیں

بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

کڑک بجلی نے آ پکڑا پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں، انہوں نے گوسالہ

ٱلْبَيِّنَٰتُ فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَءَاتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَٰنًا

کو (معبود) تجویز کر لیا۔ لیکن ہم نے اس سے (بھی) درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ کو ایک صریح اقتدار

مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ ٱلطُّورَ بِمِيثَٰقِهِمْ وَقُلْنَا

عطا کیا و۳۹۰ اور ہم نے ان کے اوپر طور کو معلق کر دیا تھا ان سے قول و قرار لینے کے لئے، اور ہم نے

لَهُمُ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا۟ فِى

ان سے کہا کہ دروازہ (شہر) میں داخل ہو عاجزی کے ساتھ اور ہم نے ان سے کہا کہ سبت کے بارہ میں

ٱلسَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَٰقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا

زیادتی نہ کرنا، اور ہم نے ان سے سخت قول و قرار لیا و۳۹۱ سو ہم نے یہ سب کچھ

نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَقَتْلِهِمُ

ان کی عہد شکنی اور بہ سبب آیات الٰہی سے ان کے کفر کے اور بہ سبب ان کے قتل ناحق انبیاء

ٱلْأَنۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ بَلْ طَبَعَ

کے، اور بہ سبب ان کے اس قول کے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں، (ہم نے انہیں سزا میں مبتلا کیا) و۳۹۲ نہیں بلکہ

لوگ سمجھتے بھی ہیں کہ ان کی عقل وحی الٰہی کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور پیمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئیں، ان کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے۔ اسی کبر و خود بینی کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر بھی رہیں گے۔ و۳۸۶ یعنی یہ نہیں کرتے کہ کسی پیمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ قرآن مجید نے وحدت وحی پر بڑا زور دیا ہے اور سارے انبیاء کو ایک مستقل نظام و سلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔ و۳۸۷ سوف۔ یہاں قرب زمانی کے لیے نہیں، جزم و تیقن کے لیے ہے۔ معناه ان ايتاء ها كائن لا محالة و ان تاخر (کشاف) فالغرض به توكيد الوعد و تحقيقه لا كونه متاخرا (کبیر) متکلمین نے آیت سے معتزلہ کا رد بھی نکالا ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کے دوام عذاب کے قائل ہیں، حالانکہ آیت میں صاف مضمون موجود ہے کہ ایمان محض پر بھی اجر ملے گا۔ والاية تدل على بطلان قوله المعتزلة في تخليد المرتكب الكبيرة لانه اخبر ان من امن بالله و رسله و لم يفرق بين احد منهم يوتيه اجرة و مرتكب الكبيرة فيمن من امن بالله و رسله و لم يفرق بين احد فيدخل تحت الوعد (مدارک) تمسک اصحابنا بهذه الاية في اثبات العفو و عدم الاحباط فقالوا انه تعالى وعد من امن بالله و رسله بان يوتيهم اجورهم و المفهوم يوتيهم اجورهم على ذلك الايمان (کبیر) و۳۸۸ یہ فرمائش کرنے والے یہود مدینہ تھے۔ خصوصاً کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی۔ ای کعب و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہ) یہود کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کے قائل نہیں جو فرشتہ کے ذریعہ سے قلب نبی پر نازل ہو۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہمارے پیمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھے لکھائے ہوئے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے تو اگر اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو، تو اسی طرح کا کوئی لکھا لکھایا صحیفہ پیش کرو۔ قالت اليهود ان كنت صادقا فجئ بكتاب من السماء جملة كما جاء موسى بالكتاب (بحر عن السدی) سال اليهود رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان ينزل عليهم كتابا من السماء كما نزلت التورية على موسى مكتوبة (ابن کثیر عن محمد بن کعب القرظی والسدی و قتادہ) فاتنا بكتاب من السماء جملة كما جاء موسى بالالواح (کبیر) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو برکات معنوی کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اس سے اضافہ کی درخواست کر رہا ہے۔ و۳۸۹ (سو ایسی قوم سے ایسی فرمائشیں کچھ انوکھی اور نادر نہیں) ضمناً جواب بھی نکل آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ایسی چیز لائے تھے، پھر اس پر ان ظالموں نے کب بس کیا؟ ان سے تو یہ فرمائش کر دی کہ براہ راست اللہ میاں کا دیدار ہی ہمیں کرا دیجئے۔ یہ سارے واقعات اس غرض کے لیے یاد دلا دیے گئے کہ ان لوگوں کی ساری قومی تاریخ ہی ضد و عناد سے بھری پڑی ہے۔ ایسی فرمائشوں سے ان کا مقصود تحقیق حق نہیں بلکہ محض مجادلہ و مکابرہ ہے۔ هذا يدل على ان طلب هؤلاء لنزول الكتب عليهم من السماء ليس لا جل الاسترشاد بل لمحض العناد (کبیر) و۳۹۰ (چنانچہ وہ محض نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے حاکم اعلیٰ اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے) أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً۔ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اس شخص پر رد نکل رہا ہے، جو وقوع رویت کا اسی دنیوی زندگی میں قائل ہے۔ يدل على الانكار على من يعتقد وقوع الروية في النشاة الدنيوية (روح) بِظُلْمِهِمْ میں ب سببیہ ہے۔ بسبب ظلمهم (بیضاوی) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں استبعاد کے لیے ہے۔ یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ گوسالہ پرستی کی شروع کر دی۔ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کئے ہوئے دلائل، معجزات جانتے، سمجھتے، دیکھتے کے بعد، شرک خصوصاً اپنی قبیح ترین صورت گوسالہ پرستی میں، یوں بھی برا ہی تھا، فطرت سلیم خود اس سے ابا کرتی ہے۔ لیکن پیمبر برحق کے لائے ہوئے دلائل قوی اور شواہد بیّن کے بعد تو اس پستی میں گرنا بدبختی کی انتہا ہے۔ و۳۹۱ (ان احکام نیز دوسرے احکام کی تعمیل کے لیے) رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ ٱلطُّورَ۔ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا۔ لَا تَعْدُوا۟ فِى ٱلسَّبْتِ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ بِمِيثَٰقِهِمْ میں ب اظہار غرض و غایت کے لیے ہے۔ ای بسبب ميثاقهم ليقبلوه (بیضاوی) و الباء للسبب (بحر) سُجَّدًا یہاں سجدۂ شرعی مراد نہیں۔ بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی میں ہے۔ یعنی تواضع کے ساتھ۔ اى متطامنين خاضعين۔ (روح) و۳۹۲ یہود کے نقض میثاق اور کفر بآیات الٰہی اور انبیاء کے قتل ناحق پر، اور ان کے قول قُلُوبُنَا غُلْفٌ ان سب پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فَبِمَا نَقْضِهِم کی اصل تقدیر کلام یوں ہے۔ فبنقضهم ميثاقهم لعناهم۔ التقدير فبنقضهم ميثاقهم لعناهم عن قتادة وغيره (قرطبی) عربی اسلوب بیان میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ مخاطبین کے علم کی بنا پر محذوف کر دیے جاتے ہیں۔ حذف هذا العلم السامع (قرطبی) قال ابن عطية و حذف جواب هذا الكلام بليغ متروك على ذهن السامع (بحر) بما میں ما زائدہ تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما زائدة مؤكدة (قرطبی)

ق۳۹۳ یہ مہر ابتداءً کبھی نہیں لگتی، جزاءً ہی لگتی ہے۔ اور یہاں تو اس کی تصریح ہی موجود ہے۔ بکفرھم ای جزاء لھم علی کفرھم (قرطبی) ق۳۹۴ (اور وہ بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) یہ ایمان قلیل غیر نافع اس لیے ہوگا کہ یہ کل انبیاء پر ایمان پر شامل نہیں۔ ای الا ایمانا قلیلا ای ببعض الانبیاء و ذلک غیر نافع لھم (قرطبی) و ھو غیر مفید لان الکفر بالبعض کفر بالکل (روح) اہل کتاب کا "ایمان" بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تصدیق کی، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تکذیب، مثلاً حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو تو مان لیا، لیکن خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیے گئے۔ ایسی حالت میں لفظ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق ہو ہی کا نہیں۔ ایمان اصطلاح شریعت میں تو وہ ہے، جو سارے سلسلۂ نبوت پر ہو، ورنہ ایک نبی پر ایمان لا کر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لانہ ایمان لغوی لا شرعی (تھانوی) فقد بینا ان من یکفر برسول واحد فانہ لا یمکنہ الایمان باحد من الرسل البتۃ (کبیر) ق۳۹۵ (کہ نعوذ باللہ وہ بدوضع تھیں) بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ یہود کی کتابوں میں ایسی ایسی متعدد روایتیں اس پاک سرشت خاتون کی بابت لکھی ہوئی ہیں، کہ ان صفحات پر بغرض رد بھی نقل ہونے کے قابل نہیں۔ قرآن مجید نے اس سارے طومار خرافات کی طرف بہ کمال بلاغت، بہتان اور بہتانِ عظیم تک اشارہ کر دیا۔ حاشیہ پ ۳ میں گزر چکے۔ یہ عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نکاح حسب روایات تاریخی یوسف سے ہوا تھا۔ جو نجاری کا کارخانہ قائم کیے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے عابد و خدا رسیدہ تھے۔ بِكُفْرِهِمْ۔ ذکر یہود کی سزا کا چل رہا ہے کہ اُن پر جو یہ عذاب مسلط ہے فلاں فلاں اسباب سے ہے۔ یہاں کفر یہود سے مراد اُن کا کفر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ ای بعیسی علیہ السلام (بیضاوی) ق۳۹۶ یہ قول کس کا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہود ہی کا تھا، جو اس پر خوش بھی ہوئے تھے، اور اس کا دعویٰ بھی فخر کے ساتھ کر رہے تھے۔ الْمَسِيْحَ۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یہ دونوں الفاظ یہود کے نہیں، وہ انہی دونوں منصبوں یعنی مسیحیت اور رسالت ہی کے تو منکر تھے۔ قرآن مجید نے نفس واقعہ کے لحاظ سے ان کا صحیح منصب بیان کر دیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ ھو اخبار من اللہ تعالیٰ بصفۃ عیسیٰ (بحر۔ عن ابن عطیہ) یجوزان یضع اللہ الذکر الحسن مکان ذکرھم القبیح فی الحکایۃ عنھم (کبیر۔ کشاف) یحتمل ان یکون استئنافا من اللہ تعالیٰ بمدحہ (بیضاوی) یحتمل ان اللہ وصفہ بالرسول و ان لم یقولوا ذلک (مدارک) وَمَا قَتَلُوْهُ۔ قتل کے اصل معنی روح کو جسم سے جدا کر دینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ اسی کو اردو محاورہ میں "ختم کر دینا" یا "کام تمام کر دینا" کہتے ہیں۔ اصل القتل ازالۃ الروح عن الجسد (راغب) قتلہ ای اماتہ بضرب او حجر او سم او علۃ (تاج) ھو ازالۃ الروح عن الجسد کالموت (ابو البقاء) اور امام قرطبی نے ایک دوسری آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ کے تحت میں لکھا ہے القتل ھو کل فعل یفیت الروح و ھو انواع من النحر والذبح والخنق والرضخ و شبھہ۔ یہاں اصطلاح فقہ کا قتل مراد نہیں جس کے معنی محض کسی دھار دار آلہ سے ہلاک کرنے کے ہوتے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی۔ اور رومی ملکی عدالت نافذ سزا پر قادر تھی، لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لیے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہود ہی کا کام کر رہا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے بھی، جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل یا اقدام قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو پر متفق المعنی (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطس آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہود ہی تھے، جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گڑھا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر اسے حکم سنانے پر مجبور کر دیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:۔ "..... جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ الٹا بلوہ ہوا جاتا ہے، تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے، اور کہا میں راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تا کہ صلیب دی جائے"۔ (۲۷: ۲۴۔ ۲۶) اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کر دیا۔ (۲۳: ۲۲) یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین حیات مسیح دنیا کے معلوم میں موجود ہے، یعنی جوزیفس کی اور جس کا ترجمہ انگریزی میں Antiquities of Jewish کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ (حاشیہ صفحہ ۴۶) انجیلوں میں جو پیشگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے اپنے قتل ہونے کی بابت منقول ہیں، اُن میں بھی ساری ذمہ داری سرداران یہود ہی کے سر ملتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا:۔ "اس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دکھ اٹھاؤں، اور قتل کیا جاؤں"۔ (متی۔ ۱۶: ۲۱) "پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دکھ اٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے"۔ (مرقس ۸: ۳۱) "ضرور ہے کہ ابن آدم علیہ السلام بہت دکھ اٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے"۔ (لوقا ۹۔ ۲۲) ق۳۹۷ یعنی آپ کا کام تمام کر دینا تو الگ رہا یہود تو واقعۃً اتنا بھی نہ کر سکے کہ اس زمانہ میں

اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾

بلکہ) اللہ نے ان پر مہر لگا دی، بہ سبب ان کے کفر کے، ق۳۹۳ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر (بہت) تھوڑا سا ق۳۹۴

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

نیز بہ سبب اُن کے کفر کے اور بہ سبب ان کے مریمؑ پر بہتان عظیم رکھنے کے ق۳۹۵

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور بہ سبب ان کے (اس) قول کے کہ ہم نے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو مار ڈالا، جو مسیح اور

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

اللہ کے پیغمبر تھے ق۳۹۶ حالانکہ نہ وہ آپ کو مار ڈال سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا پائے ق۳۹۷ بلکہ ان پر شبہ

لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ

ڈال دیا گیا ق۳۹۸ اور یہ لوگ آپ کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں ق۳۹۹ وہ آپ کی طرف سے شک میں پڑے

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

ہوئے ہیں، ق۴۰۰ ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں بس گمان کی پیروی ہے، ق۴۰۱ اور یقینی بات ہے کہ انہوں

يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

نے آپ کو مار نہیں ڈالا ق۴۰۲ بلکہ آپ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا ق۴۰۳ اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ

بڑا حکمت والا ہے ق۴۰۴ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ پر اپنے مرتے وقت

قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾

ایمان نہ لے آئے ق۴۰۵ اور آپ قیامت کے دن اُن پر گواہ (کی حیثیت سے پیش) ہوں گے ق۴۰۶

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

سو یہود کی (انہی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے اُن پر بہت سی چیزیں جو ان پر حلال تھیں،

اس ملک میں جو طریقہ سزائے موت کا تھا اُس تک پہنچ جاتے! یعنی آپ کو سولی پر چڑھا تک نہ سکے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ صلبوا کے اصل معنی محض سولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں، چڑھا کر ختم کر دینے کے نہیں۔ ھو تعلیق الانسان للقتل (راغب) اُردو میں یہ مفہوم "سولی دینے" سے نہیں "سولی چڑھانے" ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی ترجمہ، اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُردو ترجموں میں بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ و۳۹۸ یا "وہ دھوکے میں ڈال دیئے گئے یا "حقیقت اُن پر مشتبہ ہوگئی"۔ یہ شبہ میں کون پڑ گئے یا حقیقت کن پر مشتبہ وملتبس ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا اعدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اُوپر سے چلا آرہا ہے۔ کانہ قیل وقع علیھم الشبہ (مدارک) التبس علیھم الامر (بیضاوی) یا یوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقتول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت کے بارہ میں پڑ گئے۔ شبہ لھم المقتول و المصلوب (جلالین) بہرحال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے، کہ یہود کو دھوکا ہوا، اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔ لیکن یہ شخص کون تھا، اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اس کے چارہ نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کر کے لایا جائے، اُس وقت کے پس منظر کو سامنے لایا جائے۔ اور جو صورت واقعہ نسبۃً قرین قیاس اور مطابق مقتضائے حال معلوم ہو، اُسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کے لوگوں سے ملتے جلتے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپ کی گرفتاری کا وقت آیا، تو اس کے لیے اکابر یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ اس ضرورت کے لیے کافی ثابت نہ ہوا، بلکہ آپ کی شناخت کے لیے آپ ہی کی مختصری پارٹی کے ایک منافق وغدار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے لیکن امام المفسرین امام رازی اس راز سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ والناس ما کانوا یعرفون المسیح الا بالاسم بانہ کان قلیل المخالطۃ للناس (کبیر) متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک "بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لیے ہوئے" سپاہیوں کی شامل تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لیے انہیں یہوداہ منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے، تو "یسوع نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں"۔ (۱۸: ۳۔ ۸) "حضرت مسیح علیہ السلام" کا تعظیمی تخیل تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین ومعاندین کی نظر میں تو آپ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام وغیر معروف مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور پھر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا، حالانکہ سب آئے تھے اُسی کی تلاش میں! دوسری بات یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرت علیہ السلام کو، یا بالفاظ یہود یسوع ناصری کو تبدیل ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ انجیلوں میں حضرت علیہ السلام کی اسی قدرت کو بطور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ "چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اُونچے پہاڑ پر الگ لے گیا۔ اور اُن کے سامنے اُس کی صورت بدل گئی، اور اُس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا"، (متی۔ ۱۷: ۱، ۲) "جب وہ دُعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی"۔ (لوقا ۹: ۲۹) نیز مرقس ۹: ۲۔ یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہرحال آپ کو نفس قدرت اس پر حاصل تھی۔ تیسرے، اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے، کہ ملک (شام و فلسطین) کی آبادی اُس وقت اسرائیلیوں (یہود) کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپ بھی تھے۔ لیکن ملک پر حکومت رُومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین وعقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت شکل، وضع ولباس، زبان ومعاشرت وغیرہ میں بھی اُن سے ایسے ہی الگ تھے جیسے آج انگریز ہندوستانیوں سے مختلف وممتاز ہیں...... اور جس طرح آج ہندوستانیوں کو سب فوجی گورے یکساں اور گوروں کو سارے "کالے" ایک سے معلوم ہوتے ہیں، بدیسی رومی سپاہیوں اور فوجیوں کی نظر میں سب یہود یہود، اور اسرائیلی اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔ چوتھی کڑی اس سلسلہ کی یہ ملا لیجیے، کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھر فاصلہ پر تھا، اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) T کے مشابہ یا ریلوے سگنل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا ستون زمین میں گڑا ہوا رہتا تھا، باقی جو لکڑی اُس کے اُوپر آڑی آڑی پڑتی تھی، اس کے لیے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اُوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔ یہاں تک جو کچھ عرض ہوا، اس پر ایک نظر دوبارہ کر کے اُمور ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آیئے:۔ (۱) حکم جب سنایا گیا ہے، جمعہ کا دن تھا۔ اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پا کر شاموں شام گھر واپس آ جائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے اُن کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزادہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار، عیدفسح (Passover) بھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت ہی عجلت تھی کہ کسی طرح اُن کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پا کر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔ (۲) لاغر و ناتوان مجرم (یعنی خود حضرت مسیح علیہ السلام) کے لیے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں۔ خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے، اور اُن کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمایئے کہ رومی سپاہی، جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپ کے ساتھ سولی کے لیے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لیے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے، ایسے موقع پر کیا کرتے؟ --- خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو اُن کی جگہ پر کوئی بھی اُن جیسا انسان کرتا۔ انہوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو پکڑ لیا، اور صلیب کی لکڑی اُسی پر لادوی!...... انگریز گارد ایسے موقع پر، یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لیے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس وقرینہ نہیں، انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے:۔ انہیں شمعون نام ایک کرینی آدمی ملا۔ اُسے بیگار پکڑا کہ اُس کی صلیب اُٹھائے"۔ (متی۔ ۲۷: ۳۲) "اور شمعون نام ایک کرینی آدمی اسکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گزرا۔ انہوں نے اُسے بیگار میں پکڑا کہ اُس کی صلیب اٹھائے" (مرقس۔ ۱۵: ۲۱) "اور جب اس کو لیے جاتے تھے، تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا، پکڑ کے صلیب اُسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے" (لوقا ۲۳: ۲۶) جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ ومنظم مجمع نہیں، بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا، اُس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا، تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا، اب اُس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل ودخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں، کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے۔ وہ اپنے حسب دستور مجرم اُسی کو سمجھے جس کے اُوپر صلیب لدی ہوئی تھی...... ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیجیے کہ جیل کے رومی سپاہیوں کے لیے سب یہودی اجنبی ہی تھے، اور اس لیے باہم گرہم شکل اور یکساں۔ انہیں ایک اسرائیلی (یسوع ناصری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا، انہیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آ سکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا، لیکن اِدھر مجمع کا شور وہنگامہ اُدھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت، اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی، اسی افراتفری کے عالم میں اُسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور وہ چیختا چلاتا رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام فلدفۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو گئے۔ اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹاک ٹوئیے مارتے رہ گئے! وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یہ عقیدہ نو ایجاد نہیں۔ خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ (Basilidian) کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات

سنہ ۶۴ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا۔ اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہوئے، بلکہ شمعون کروینی ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن پولوس (متوفی ۶۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی، اُس کی تو بنیاد ہی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسم ہو کر، اور صلیب پر جانکنی کی تکلیف اٹھا کر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس لیے یہ رواجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیح علیہ السلام کو مانے اور فرض کیے ہوئے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لیے لامحالہ اسی پولوسی اور کلیسائی مسیحیت نے کل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو "بدعتی" اور "مبتدع" قرار دے کر کلیسا سے خارج کر دیا۔ اور خود ہی کہنے لگے جو دشمنان عیسیٰ علیہ السلام یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے۔ یعنی یہی کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر وفات پا گئے! گو ظاہر ہے کہ اس اشتراک عقیدہ میں نیتیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰ علیہ السلام کو موقع تحقیر واہانت میں بیان کرتے ہیں، اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں۔ لیکن نفس عقیدہ بہرحال دونوں میں مشترک ہے۔ اور بڑے تاسف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض "مسلمان" فرقے بھی اسی گمراہی کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وفات مسیح علیہ السلام کے اس باطل اور خلاف تحقیق عقیدہ کو "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں! **ف۳۹۹** (آپس میں، کہ کوئی آپ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچائے دیتا ہے، اور کوئی مرتبۂ عبدیت کاملہ سے بھی نیچے اتارے لاتا ہے) فِيْهِ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے ای فی شان عیسیٰ علیہ السلام (روح) ای فی عیسیٰ (مدارک) ای فی عیسیٰ (جلالین) الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے مراد یہود و نصاریٰ اور اُن کے مختلف فرقے ہیں۔ کہ کوئی آپ کو نعوذ باللہ شعبدہ باز قرار دے رہا ہے، اور کوئی نعوذ باللہ آپ کی خدائی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ المراد من الموصول ما یعم الیہود والنصاریٰ جمیعًا (روح) قیل الضمیر عائد علی الیہود والنصاریٰ (بحر) **ف۴۰۰** شَكٍّ کی بہترین تفسیر مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کی ہے، یعنی قول بلا دلیل۔ یعنی نظریہ پر نظریہ قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ مسیحی مسیحیوں سے دست و گریبان ہیں اور یہود یہودیوں سے۔ اندر ہی اندر خدا معلوم کتنے فرقے ہو گئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ **ف۴۰۱** (اور گمان یا اٹکل حقیقت رسی میں کہاں تک کافی ہو سکتی ہے!) مسیحیوں نے تو غضب ہی کر رکھا ہے، اپنے سارے مذہب یعنی الوہیت مسیح، وفات مسیح، احیاء مسیح علیہ السلام کی بنیاد تمامتر ظن و وہم پر رکھی ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا کی طرف ہے۔ یعنی وہ لوگ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں جھگڑ رہے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اُن کے اندرونی فرقے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ علم سے مراد علم صحیح، علم ثابت بالدلائل ہے۔ اور مِنْ زائد ہے۔ من زائدۃ (قرطبی) چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند: یہود اور مسیحی دونوں قوموں کی رواجوں اور رسماتوں کی بالکل صحیح تصویر قرآن مجید نے ان مختصر و جامع الفاظ میں کھینچ دی ہے۔ لکن یتبعون فیہ الظن الذی تخیلوہٗ (جلالین) ظن یہاں مقابل علم کے ہے۔ یعنی ایسا قول جو بالکل بلا دلیل ہو اور جس کا مبنیٰ نہ کوئی نص ہو، نہ اُس سے کوئی استنباط ..... یعنی کج فہموں نے آیتوں کے الفاظ سے نفی قیاس پر جو دلیل قائم کرنا چاہی ہے وہ بے اصل ہے۔ قیاس فقہی تو خود ایک دلیل شرعی ہے استنباط و استخراج کے مرادف۔ **ف۴۰۲** وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں يَقِيْنًا نفی قتل کی تاکید کے لیے ہے۔ کذلک ما قتلوہ حقًا (کشاف) ما قتلوہ حقًا فیجعل یقینا تاکیدا لقولہ و ما قتلوہ (مدارک) ای حق انتفاء قتلہ حقًا (مدارک) حال موکدۃ لنفی القتل (جلالین) عقیدۂ وفات مسیح علیہ السلام یا قتل مسیح علیہ السلام چونکہ بہت بڑی غلط فہمی یا گمراہی کا باعث ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں یہود اور مسیحی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو اس کی تردید کی ضرورت بھی بہت وضاحت اور تاکید کے ساتھ پیش آئی۔ **ف۴۰۳** اِلَيْهِ۔ اپنی طرف یا اپنے آسمان کی طرف۔ قرآن مجید میں اس طرح کے حذف مضاف کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ اور جس طرح "اللہ نے اپنی طرف بلا لیا ہے مراد" آخرت کی طرف بلا لینا بھی جاتی ہے، اُسی طرح عربی اور اُردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اُٹھا لینے سے مراد آسمان کی طرف اُٹھا لینے سے ہے۔ یحتمل رفعہ الی السماء (راغب) ای الی السماء واللہ تعالیٰ متعال عن مکان (قرطبی) الی السماء (مدارک) الی سمائہ (بحر) رَّفَعَهٗ۔ رفع کے اصلی معنی رفع جسمانی یا رفع مادی ہی کے ہیں۔ الرفع یقال فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتہا عن مقرہا (راغب) مجازی معنی، یعنی رفع مراتب کے بھی جائز ہیں۔ ای رفعہ من حیث التشریف (راغب) لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کی کوئی وجہ تو قوی موجود ہونی چاہیے۔ اور وہ یہاں موجود نہیں۔ بعض نادان اور نو خیز فرقوں کا یہ استدلال کہ چونکہ رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس لیے رفع جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور اس لیے لامحالہ رفع مجازی یعنی قرب و منزلت ہی مراد ہو گی، قرآن فہمی سے بُعد پر مبنی ہے۔ آخر قرآن مجید ہی میں اس طرح کی آیات موجود ہیں یا نہیں:۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ یہاں مہاجرت الی اللہ سے کسی نے مہاجرت الی دار الاسلام یا مہاجرت الی المدینہ نہیں لی ہے؟ یا پھر قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ یہاں کون نہیں سمجھتا کہ ذہاب الی رب سے مراد ذہاب الی الشام مراد ہے؟ وقس علیٰ ھذا۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے خوب لکھا ہے کہ تعظیم و تشریف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ کا ہے، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص چیز ہے، متقین و صالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی و حسی سے الگ۔ رفعہ الیہ اعظم فی باب الثواب من الجنۃ و من کل ما فیہا من اللذات الجسمانیۃ (کبیر) رفع جسمانی کا عقیدۂ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام ہو یا نہ ہو، بہرحال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے۔ **ف۴۰۴** صفت عزیز لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو بچا لینے پر بھی قادر، اسے اٹھا لینے پر بھی قادر، رفع جسمانی و رفع روحانی دونوں پر قادر۔ صفت حکیم لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا۔ **ف۴۰۵** (جب عالم برزخ کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے، اور اس لیے وہ ایمان نافع نہیں ہوتا) قَبْلَ مَوْتِهٖ میں ضمیر کتابی کی طرف ہے، اور مراد ہے موت کے وقت۔ یؤمن بعیسیٰ اذا عاین الملک ولکنہٗ ایمان لا ینفع لانہ ایمان عند الیاس و حین التلبس بحالۃ الموت (قرطبی) لا یموت یہودی حتیٰ یؤمن بعیسیٰ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) کل صاحب کتاب یؤمن بعیسیٰ قبل موتہ (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھذا قول اکثر المفسرین و اھل العلم (معالم) یعنی اذا عاین قبل ان تزھق روحہ حین لا ینفعہ ایمانہ لانقطاع وقت التکلیف (کشاف) حیث یعاین ملئکۃ الموت فلا ینفعہ ایمانہٗ (جلالین) قَبْلَ کا اطلاق عربی میں جس طرح تقدم منفصل پر ہوتا ہے، تقدم متصل پر بھی ہوتا ہے۔ یستعمل فی تقدم المتصل والمنفصل (راغب) اور یہاں تقدم متصل ہی مراد ہے، یعنی مرتے وقت۔ بِهٖ میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ یعنی آپ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے، اسے وہ جان کر، اور اس کا اعتراف و اقرار کر کے رہیں گے۔ اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ لفظ عام ہے۔ لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہودی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی عبارت کا سیاق و سباق انہی کی جانب مشیر ہے۔ ای من الیہود (بحر) لا یموت یہودی حتیٰ یؤمن بعیسیٰ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الیہود خاصۃ کما اخرج ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) اور اگر وہی عام ہی معنی لیے جائیں اور یہود و نصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں، جب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی الیہود والنصاریٰ کما ذھب الیہ کثیر من المفسرین (روح) مراد یہ ہو گی کہ مسیحیوں، یعنی مقام عیسیٰ علیہ السلام میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی منصب عیسیٰ علیہ السلام میں تفریط کرنے والوں، دونوں پر موت کے وقت صحیح مقام عیسیٰ علیہ السلام کا انکشاف کر دیا جائے گا۔ **ف۴۰۶** یعنی یہ بتلائیں گے کہ فلاں فلاں نے میری تصدیق کی تھی، اور فلاں فلاں نے تکذیب۔ یعنی شاھدا علیہم بتکذیب من کذبہ منہم و تصدیق من صدقہ منہم (ابن جریر) شَهِيْدًا کے معنی حکم لگانے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ و قد یعبر بالشہادۃ عن الحکم (راغب)

أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾
حرام کر دی تھیں ۴۰۷ اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ۴۰۸

وَّأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ
اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سود لیتے تھے حالانکہ انہیں اس کی ممانعت کر دی گئی تھی ۴۰۹ اور (اس سبب سے بھی

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا
کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھا لیتے تھے ۴۱۰ اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر

أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ
رکھا ہے ۴۱۱ البتہ ان میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں کہ ایمان رکھتے ہیں

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
اس (کتاب) پر جو آپ پر اتری ہے اور اس پر (بھی) جو آپ سے قبل اتر چکی ہے

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ
اور نماز کے پابند اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا
روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں انہیں کو ہم اجر عظیم ضرور

عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلٰى نُوحٍ
دیں گے ۴۱۲ یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوح

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ
اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ
اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوب اور عیسٰیؑ اور ایوبؑ

ف ۴۰۷ جس طرح افراد کے نفس سرکش کی اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض مباحات سے بھی اسے روک دیا جائے، اسی طرح جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے تو اس کے لیے بھی مناسب صورت یہی ہوتی ہے کہ جن جائز چیزوں کی وہ عادی تھی اُن سے اسے محروم کر دیا جائے۔ بظلم۔ میں با سببیہ ہے۔ اس سے یہ صاف نکل آیا کہ امت اسرائیلی پر بعد کو جو کچھ بھی تختیاں ہوئیں، خود اُنہی کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں، بلا وجہ نہیں ہوئیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض اسی کے مشابہ ہے۔ ف ۴۰۸ یہود کی قومی فرد جرم کی یہ دوسری دفعہ ہے۔ یعنی خود اپنی جانوں پر تو وہ ظلم کرتی رہے تھے، ان کی گمراہی متعدی بھی تھی۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہے تھے۔ کَثِیْرًا۔ کثیر کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ وہ بہت لوگوں کو راہ حق سے روک دیتے تھے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی روک یا گمراہ کرنے کی خصلت بہت زائد تھی۔ تیسرے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مدت طویل تک روک تھام کرتے رہے۔ غرض کثرت کا تعلق کمیت، کیفیت اور زمانہ تینوں سے ہو سکتا ہے۔ ای جمعا عظیما من الناس اوصدا کثیرا وقدرہ بعضھم زمانا کثیرا۔ (بحر) ف ۴۰۹ (ان کے پیمبروں کے ذریعہ سے انہی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعت سود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آ رہے ہیں۔ ”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر، اور سود مت لے“۔ (خروج۔ ۲۲:۲۵) ”تو اس سے سود اور نفع مت لے۔ اپنے خدا سے ڈرتا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اسے نفع کے لیے کھانا کھلا“۔ (احبار۔ ۲۵:۳۶، ۳۷) یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہی یہود ہو۔ اور ان کے شائلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہوں۔ ف ۴۱۰ یعنی ان کی شریعت میں سود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کر دیا گیا تھا، انہی کو اختیار کر کر کے جن نعمتوں سے یہود محروم کر دیے گئے تھے، وہ جتنی اور جو کچھ بھی ہوں، بہرحال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کر دیے گئے ہیں:۔ (۱) ایک ان کی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں، گنہگاریاں۔ (فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا) (۲) دوسرے اُن کی متعدی گمراہیاں (بِصَدِّھِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَثِیْرًا)۔ (۳) تیسرے اُن کی سود خوری، وہ بھی ممانعت کے بعد (اَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ) (۴) چوتھے (ناجائز آمدنیوں سے ان کا تامل نہ کرنا (اَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ) ف ۴۱۱ (آخرت میں) اور دنیوی سزاؤں میں خود یہ نعمتوں سے محروم ہو جانا کیا کچھ کم ہے؟ آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سزائیں تو عموی و اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ فلاں فلاں نعمتوں سے ساری قوم محروم کر دی گئی۔ لیکن آخرت میں سزائیں تمامتر انفرادی اور شخصی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ہر ہر فرد اپنے اپنے اعمال کو بھگتے گا۔ جہنم کا عذاب الیم صرف انہی افراد کو ہوگا جو کافر ہوں گے۔ ف ۴۱۲ (آخرت میں) آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزاء (اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) آ گئے۔ اور عبادات کے بھی اہم ترین عنوانات، یعنی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ۔ علم سے مراد علم دین ہے۔ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی جو ایمان لے آنے والے ہیں۔ سَنُؤْتِیْھِمْ۔ س یہاں تحقیق کے لیے ہے۔ والسین لتوکید الوعد (روح)

ف۴۱۳ یہ جتنے نام یہاں آئے ہیں ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ خطاب کا رخ زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ انہی کو بتایا اور سمجھایا ہے کہ سلسلۂ وحی کو تو آخر تم بھی مانتے ہو، اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہو، پھر ایک نئے نبی کی شناخت و معرفت میں تمہیں اتنی دشواری کیوں پیش آ رہی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ وا یسے انبیاء کے ساتھ جن کی نبوت یہود کو مسلم تھی، چند ایسے پیغمبروں کے نام بھی سنا دیئے گئے ہیں، جن کی نبوت کے یہود منکر (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تقریباً منکر تھے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام) ف۴۱۴ زَبُوْرًا۔ زبور یہاں لفظی معنی میں ہے اور لفظی معنی اس کے ہر لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ الزبر الکتابۃ وزبر الکتاب کتبہٗ (لسان) اور الزبور کے بھی معنی لکھی ہوئی کتاب کے ہیں۔ الزبور الکتاب الزبور (لسان) الزبور الکتب المسطور (تاج) زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہد عتیق کے مجموعہ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے۔ اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں، بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں۔ اور جا بجا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں بھی، پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔ ف۴۱۵ (اب تک) پھر بعض پیغمبر ایسے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید میں آ گیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے آیا ہی نہیں۔ والاکثرون غیر مذکورین علی سبیل التفصیل (کبیر) متکلمین نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر ہر نبی پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ضروری نہیں۔ البتہ سب نبیوں کی اجمالی تصدیق ضروری ہے۔ والایۃ تدل علی ان معرفۃ الرسل باعیانھم لیست بشرط لصحۃ الایمان بل من شرطہ ان یومن بھم جمیعاً اذ لو کان معرفۃ کل واحد منھم شرطاً لقص علینا کل ذلک (مدارک) مِنْ قَبْلُ۔ یعنی اس آیت کے نزول سے پیشتر۔ ف۴۱۶ تَكْلِيْمًا۔ فعل کے بعد اسی مصدر کو اور پھر تنوین کے ساتھ لانے کے معنی یہ ہیں کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے۔ ورنہ کلام و تخاطب اپنے عام معنی میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے ... ایسا کلام جو ہمکلامی و مخاطبۂ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عام عقول کے لیے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ مصدر معناہ التاکید (قرطبی) ھو الکلام الحقیقی الذی یکون بہ المتکلم متکلماً (قرطبی) والمعنی ان التکلیم بغیر واسطۃ منتھی مراتب الوحی و اعلاھا (روح) اشارۃ الی ان المصدر و تنوینہ للتنویع لانہ نوع عجیب لایدرک کنھہ (تھانوی) ف۴۱۷ یعنی پیغمبروں کے آ جانے کے بعد اب کسی کو قیامت میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہا، کہ ہماری عقل مسائل و حقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ متکلمین نے یہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ بندوں پر حجت الٰہی ارسالِ رسل کے بعد ہی قائم ہوئی ہے نہ کہ مجرد عقل کی بنا پر۔ یدل علی ان قبل البعثۃ یکون للناس حجۃ فی ترک الطاعات والعبادات (کبیر) احتج اصحابنا بھذہ الایۃ علی وجوب معرفۃ اللہ تعالٰی لا یثبت الا بالسمع (کبیر) فی ھذا کلہ دلیل واضح انہ لا یجب شیء من ناحیۃ العقل (قرطبی) فیہ تنبیہ علی ان بعثۃ الانبیاء الی الناس ضرورۃ بقصور الکل عن ادراک جزئیات المصالح والاکثر عن ادراک کلیاتھا (بیضاوی) ف۴۱۸ صفت عزیز لا کر یاد دلا دیا کہ وہ مالک حقیقی ہے، فاعل مختار، پیغمبروں کے بھیجے ہوئے بغیر بھی ہر عذر کو قطع کر سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی تو ہے۔ اس صفت کو لا کر یہ بتا دیا کہ اس کی حکمت کا مقتضی اس کی ہوئی کہ وہ ظاہری عذر بھی نہ باقی رہنے دے۔ ف۴۱۹ لٰکِنْ کلمۂ استدراک ہے، اور استدراک قول ماسبق پر ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اگر یہ لوگ خصوصاً یہود اب بھی اور اس کے باوجود بھی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں تو ... روایتوں میں آتا بھی ہے کہ یہود نے پچھلی آیات اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ کو سن کر کہا تھا کہ ہم تو ان کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ معنہ قال انا اوحینا الیک قال القوم لا نشھدلک بذلک فنزل لکن اللہ یشھد (کبیر) فی الکلام حذف دل علیہ الکلام۔ کان الکفار قالوا ما نشھدلک یا محمد فی ما تقول فمن یشھدلک (قرطبی) ف۴۲۰ (اور اسی کمال علمی ہی نے تو قرآن کو معجزہ بنا دیا ہے) اَللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ۔ یعنی اللہ کی شہادت اسی قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ اس میں قرآن کے لیے صفت کمال کا اثبات ہے۔ والمراد من قولہ وصف القرآن بغایۃ الحسن ونھایۃ الکمال (کبیر) معتزلہ نے جو صفات باری سے انکار کیا ہے، اس کا رد بھی متکلمین اہل سنت نے یہیں سے نکالا ہے۔ فیہ نفی قول المعتزلۃ فی انکار الصفات فانہ اثبت لنفسہ العلم (مدارک) دلت علی انہ تعالٰی عالم بعلم (قرطبی) ف۴۲۱ یعنی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اللہ کی شہادت ہر دوسری شہادت سے بے نیاز ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ۔ اللہ کی گواہی تو قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہی ہے، لیکن فرشتوں کی گواہی سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ فرشتے جو ان منکرین سے کہیں افضل و اشرف ہیں، جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر گواہ ہیں، تو ان منکرین کی ہستی اور حقیقت کیا ہے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارا تکوینی کاروبار فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے تو گویا کائنات کی فعلی شہادت جو درحقیقت فرشتوں ہی کی شہادت ہے، خود تمام تر رسول اسلام اور دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید میں ہے۔ بِاللّٰهِ میں ب زائد ہے۔ والباء زائدۃ (قرطبی) ف۴۲۲ اس ظلم سے مراد دونوں قسم کے ظلم ہو سکتے ہیں، ایک ظلم تو خود اپنے نفس اور جان پر کفر و انکار کر کے۔ دوسرا ظلم یہ ہے کہ دوسروں کو اسلام و ایمان کے راستہ سے ظلم یا مکر سے روکا جائے۔

وَيُونُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر (بھی وحی بھیجی تھی) ف۴۱۳ اور ہم نے داؤد کو ایک صحیفہ دیا تھا ف۴۱۴

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا

اور (دوسرے) پیغمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیغمبروں

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

پر (بھی) کہ ان کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ف۴۱۵ اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام فرمایا ف۴۱۶

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ

اور پیغمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تاکہ لوگوں کو

عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

پیغمبروں کے (آنے کے) بعد اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے ف۴۱۷ اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست، بڑا

حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

حکمت والا ف۴۱۸ لیکن ف۴۱۹ (ان کے ساتھ) اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعہ سے جو اس نے آپ پر نازل

بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

کی (اور) اسے اس نے اپنے (کمال) علم سے نازل کیا ہے ف۴۲۰ اور فرشتے (بھی) گواہی دے رہے ہیں اور اللہ ہی کی گواہی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ

کافی ہے ف۴۲۱ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) روکا، وہ بڑی ہی

ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ

دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں، یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا ف۴۲۲ اللہ ایسا نہیں کہ

يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا

انہیں بخش دے اور نہ یہ ہے کہ انہیں کوئی راستہ دکھائے بجز

طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ

راہ جہنم کے ف۴۲۳ اس میں وہ پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) اور اللہ کے نزدیک

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ

یہ آسان ہے ف۴۲۴ اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس (یہ) رسول تمہارے پروردگار کے پاس سے آئے ہیں،

بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا

سچی بات لے کر ف۴۲۵ پس ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا ف۴۲۶ اور اگر تم کفر کرتے رہے ف۴۲۷

فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا

تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا

بڑا حکمت والا ہے ف۴۲۸ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو ف۴۲۹ اور اللہ کے بارہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

حق کے سوا نہ کہو ف۴۳۰ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس

رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ ۚ أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ

اللہ کے ایک پیمبر ہی ہیں ف۴۳۱ اور اس کا کلمہ ف۴۳۲ جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک ف۴۳۳ اور ایک جان ہیں

مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ۚ

اس کی طرف سے ف۴۳۴ پس اللہ اور اس کے پیمبروں پر ایمان لاؤ ف۴۳۵ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں ف۴۳۶

انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحٰنَهُ

(اس سے) باز آجاؤ ف۴۳۷ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے ف۴۳۸ وہ پاک ہے

أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ

اس سے کہ اس کے بیٹا ہو ف۴۳۹ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۴۴۰

ف۴۲۳ یہ بیان ہو رہا ہے قانون مجازات اور مکافات عمل کا۔ کفر اور ظلم کے نتیجے قدرۃً اسلام اور عدل کے نتیجوں سے بالکل مختلف نکلیں گے۔ ف۴۲۴ اسلام کا خدا مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح محدود اور ناقص قوتیں رکھنے والا خدا نہیں، جو اُسے اس سزا وہی کے لیے کسی خاص اہتمام یا تکلف کی ضرورت پڑے۔ وہ مطلق الاختیار ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ جو کچھ چاہے بات کی بات میں کر سکتا ہے۔ ف۴۲۵ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب صرف اہل عرب یا اہل مکہ کو نہیں، سارے جہان کو ہے۔ دعوت قرآنی کی عالمگیری کا ایک اور ثبوت۔ هذا خطاب للكل (قرطبی) خطاب لجميع المكلفين (روح) ذكر خطابا عاما يعمهم ويعم غيرهم (کبیر) اَلْحَقُّ۔ اس میں سچے دعوے اور سچے دلائل دونوں آگئے۔ ف۴۲۶ ایمان لانے اور زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے میں نفع تمام تر بندہ کا اپنا ہی ہے۔ حق تعالیٰ کی کوئی غرض اس سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کے بارہ میں تصور کر رکھا ہے۔ فَآمِنُوا۔ میں ف سے اشارہ اس جانب ہے کہ صحیح دعویٰ اور صحیح دلیل کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایمان لے آیا جائے۔ ف۴۲۷ (سو اس کا ضرر کسی طرح بھی نہیں، ضرر سر تا سر تمہارا ہی ہے) مشرکوں کو یہ حقیقت بار بار یاد دلانے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنا ہی جیسا محتاج اور غرض مند تصور کرتے تھے۔ ف۴۲۸ صفت علیم لا کر یاد دلا دیا کہ ہر ایک کا کفر و ایمان اُس پر روشن ہے، اس کے حدود علم سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور صفت حکیم لا کر یہ اشارہ کر دیا کہ وہ سزا بھی موقع مناسب ہی پر دے گا۔ ف۴۲۹ دین میں غلو کرنا یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اضافہ و افراط کو اپنی طرف سے دخل دے دیا جائے۔ خواہ کسی نیت سے ہو۔ الغلو في الدين هو مجاوزة حد الحق فيه (جصاص) اَهْلَ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد اہل انجیل یا نصاریٰ ہیں۔ اى اهل الانجيل من النصارى (ابن جریر) والتقدير يا اهل الكتب من النصارى (کبیر) ينهى تعالى اهل الكتب عن الغلو والاطراء و هذا كثير في النصارى (ابن کثیر) نزلت في النصارى (معالم) یہود کے مطاعن کا ذکر کر کے اور ان کا جواب دے کر اب ذکر عیسائیوں کا شروع ہو رہا ہے، جو یہود کی تفریط کے مقابلہ پر افراط کی انتہاء پر پہنچ گئے تھے۔ اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بجائے ایک صالح اور مقبول بندہ کے خدا یا خدا کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکام ظاہری میں تعمق تھا اور مسائل باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائل باطن میں تعمق اور ظاہر کی طرف سے اعراض تھا۔ طریق حق ظاہر و باطن کو جمع کرنا ہے۔ ف۴۳۰ یعنی الوہیت کے باب میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گڑھ کر نہ پیش کرو۔ اور توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔ ف۴۳۱ (نہ کہ خود معبود یا خدا یا مظہر خدا) اللہ کے بھیجے ہوؤں کو، اُس کے نائبوں اور رسولوں کو خود معبود سمجھ بیٹھنے کا مرض مشرک قوموں میں عام رہا ہے۔ مسیحیوں نے بھی مصری، یونانی، رومی مشرکوں اور مشرک فلاسفہ سے متاثر ہو کر اپنے پیمبر برحق کو بھی مظہر خدا یا فرزند خدا کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ اُس کی تردید ہو رہی ہے۔ ف۴۳۲ یعنی ان کی پیدائش اللہ کے ایک کلمہ ہی کا نتیجہ ہے۔ اى صار بكلمة من الله مخلوقا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) والمعنى انه وجد بكلمة الله وامره عن غير واسطة ولا نطفة (کبیر) اى هو مكوّن بكلمة كن (قرطبی) کلمہ سے مراد یا تو کلمہ کن ہے یا وہ کلمہ جو بواسطہ جبرئیل حضرت مریم پر القاء کیا گیا تھا۔ و معنى كونه كلمة الله حصل بكلمة كن من غير مادة معتادة و الى ذلك ذهب حسن و قتادة (روح) اى قوله كن (معالم) ليست الكلمة صارت عيسى و لكن بالكلمة صار عيسى (ابن کثیر، عن شاذان بن یحییٰ) و تسمية عيسى بكلمة لكونه موجدا بكن (راغب) ف۴۳۳ (بواسطہ فرشتہ جبرئیل کے) اى القاء الكلمة كان من الله ثم من جبرئيل (ابن العربی) ف۴۳۴ یعنی اللہ کے زندہ کیے ہوئے اور اللہ کی بنائی ہوئی روح ہیں، جو بلا اسباب عادی ظاہری مریم کے بطن میں مجسم ہو گئے۔ اى تخليقه و تكوينه (مدارک) اى بامره صار ولدا بلا اب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى احياء الله اياه بتكوينه (ابن جریر) نسب الى انه روح من الله لانه بامره (ابن جریر) اى من خلقه و من عنده (ابن کثیر) اى مخلوق من روح مخلوقة (ابن کثیر) رُوْحٌ مِّنْهُ۔ روح کا انتساب اللہ کی جانب محض اُس کے شرف و عظمت کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ یا نعمت من اللہ میں نسبت تشریفی و تعظیمی ہوتی ہے۔ والمراد من قوله منه التشريف والتفضيل كما يقال هذه نعمة من الله. (کبیر) أضيفت الروح الى الله على وجه التشريف كما أضيفت الناقة والبيت الى الله (ابن کثیر) هو روح كسائر الارواح الا انه تعالى اضافه الى نفسه تشريفا (معالم) اضافه الله تعالى اليه تشريفا له كما يقال بيت الله و سماء الله (جصاص) یہ مراد نہیں کہ صرف اُنہی میں اللہ کی روح تھی، کسی اور میں اللہ کی روح نہیں ہوتی۔ اللہ کی روح تو ہر فرد بشر میں ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ قرآن مجید میں موقع تخصیص و امتیاز پر بھی کسی کو عَبْدُہٗ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بھی کسی کو عبدنا سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کے عبد سب ہی ہیں۔ ف۴۳۵ (ان ہی پیمبروں کی تعلیمات کے مطابق) فَآمِنُوا کی ف میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان صحیح حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب واجب ہے کہ اپنے خود تراشیدہ عقائد و خیالات کو چھوڑ کر ایمان اللہ اور اس کے رسولوں کی ہدایات پر لاؤ۔ ف۴۳۶ خواہ وہ تین اقنوم ہوں یا تین مستقل بالذات ہستیاں۔ مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں، جیسا باپ ہے، ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، اور روح قدس غیر مخلوق باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور

روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں۔ اور نہ تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا'' ۔ ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف وسادہ کلمہ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۔۔۔ کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟ ف۴۳۷ (کہ یہ غالیانہ عقائد کفر بلکہ شرک تک پہنچا دینے والے ہیں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ آیت حلول واتحاد کے بطلان صریح پر دال ہے، جس کے قائل بعض جہلاء صوفیہ ہوئے ہیں۔ ف۴۳۸ واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے، نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ تر کیب صورتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ

اور اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے ف۴۴۱ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے

اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَ مَنْ

کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے بھی ف۴۴۲ اور جو کوئی

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ ضرور اپنے پاس سب کو

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جمع کرے گا ف۴۴۳ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہوں گے

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا

تو وہ ان کو ان کا پورا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے اور زائد دے گا ف۴۴۴ اور جن

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہو گا سو انہیں وہ دردناک عذاب دے گا

وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

اور وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ کو نہ دوست پائیں گے نہ مددگار ف۴۴۵

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ

اے لوگو تمہارے پاس یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے ف۴۴۶ اور ہم تمہارے اوپر

اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا

ایک کھلا ہوا نور اتار چکے ف۴۴۷ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اسے انہوں نے مضبوط

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ

پکڑا انہیں وہ ضرور اپنی رحمت وفضل میں داخل کرے گا ف۴۴۸ اور انہیں اپنے تک ا

ہے۔ ف۴۳۹ یہ ولدیت کا عقیدہ دغلط ہی نہیں، بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہ الوہیت کے بے باعث توہین، شان الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ ف۴۴۰ خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے۔ مالک ومملوک میں مباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد ومولود کے درمیان مجانست ۔ ہم جنسی وہم قومی ۱۲ شرط ہے۔ تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ ف۴۴۱ کیا اسے بندوں کی حاجت روائی اور اپنی کارسازی میں کسی کی اعانت کی محتاجی ہے، جو وہ کسی کو شریک کرے؟ ف۴۴۲ (نہ عالم ناسوت میں، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں) اَلْمَسِيْحُ۔ الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ ایک طرف حضرت مسیح ؑ اور دوسری طرف ملائکہ مقربین، یہی دونوں دنیا میں کثرت سے پجے ہیں۔ مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی دیوتا کے نام دے کر شریک الوہیت ٹھہرایا، اور مسیحیوں نے مسیح ؑ کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچایا، اسی لیے خصوصیت کے ساتھ تصریح سے ان دونوں کی نفی الوہیت کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی عبدیت کوئی چیز توہین والی نہیں۔ مسیح ؑ اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مراتب شرف میں عبدیت مرتبہ اعلیٰ ہے۔ ف۴۴۳ یہاں بیان اس عام قانون کا ہو رہا ہے کہ کوئی اللہ کی بندگی میں عار اور تکبر کر ہی کیونکر سکتا ہے، اللہ تو ایسا حاکم مطلق ہے کہ وقت موعود پر سب ہی کو اس کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ف۴۴۴ (جس کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے) فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ۔ یعنی جتنا اجر مقرر وموعود ہے، وہ تو انہیں پورا ملے ہی گا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جو لوگ عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے عبد بنے رہے۔ ف۴۴۵ خلاصہ یہ کہ نیک سے نیک، بزرگ سے بزرگ، مقبول سے مقبول بندے بھی بہرحال بندے ہی ہوتے ہیں۔ غالی مریدوں، معتقدوں کا اپنے شیخ یا کسی پیمبر کو اس کی حد عبدیت سے باہر نکال دینا اپنے کو مستحق جہنم بنانا ہے۔ الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا۔ یعنی جنہوں نے عبد بننے سے عار رکھا۔ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۔ ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی ایجابی طور پر ایصال نفع پر قادر ہوتا ہے، اور نصیر سلبی طور پر دفع مضرت پر۔ ولیا ای قریباً ینفعهم (ابن عباس ؓ) نصیرا ای مانعا یمنعهم من عذاب الله (ابن عباس ؓ) ف۴۴۶ (کافی اور محکم) بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اس برہان سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے، جن کی سیرت پاک اور تعلیم کی جامعیت نے ہر مشکل کو آسان اور ہر پتھر کو پانی بنا دیا ہے ای رسول من ربکم (ابن عباس ؓ) یعنی محمدا ﷺ عن الثوری (قرطبی) الجمهور علی ان البرهان هو محمد ﷺ (بحر)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ۔ خطاب ساری نسل انسانی، جملہ اہل مذاہب کو عام ہے۔ یایها الناس من جمیع اصناف الملل (ابن جریر) یقول تعالٰی مخاطباً جمیع الناس (ابن کثیر) خطاب لکافة المکلفین (روح)۔ ف۴۴۷ یعنی قرآن مجید جس کے اندر چھوٹے بڑے، انفرادی اور اجتماعی، سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ ای کتاباً مبینا (ابن عباس ؓ) النور المنزل هو القران۔ عن الحسن (قرطبی) و هو القران کما قاله قتادة و مجاهد والسدی (روح) ف۴۴۸ یعنی جنت میں داخل کر کے اور بھی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توحید اور نفی شرک پر ایمان لائے۔ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ۔ یعنی اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہے۔

ف۴۴۹ یعنی دنیا میں انہیں طریق رضا پر ثابت وقائم رکھا جائے گا۔ اور اطاعت کی برکت سے انہیں ثبات علی الطاعات کی توفیق ہوگی۔ ای یثبتھم علی طریق مستقیم فی الدنیا مقدم و مؤخر

إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ

سیدھی راہ دکھا دے گا۔ ف۴۴۹ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں (میراث) کلالہ کے

يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ

بارے میں ف۴۵۰ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے، اور اس کے کوئی

وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا

اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو ف۴۵۱ تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا ف۴۵۲ اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن کے کل

إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ

ترکہ) کا اگر اس (بہن) کے اولاد نہ ہو ف۴۵۳ اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ

ملے گا ف۴۵۴ اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے

مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا

برابر ملے گا ف۴۵۵ اللہ تمہارے لئے (یہ احکام) کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی میں نہ پڑو ف۴۵۶

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

اور اللہ ہر شے کا پورا علم رکھتا ہے ف۴۵۷

آیاتھا ۱۲۰ — ۵ سُورَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ — رکوعاتھا ۱۶

اس میں ایک سو بیس آیتیں — سورہ مائدہ ف۱ مدنی ہے — اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُم

اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو ف۲ تمہارے لئے چوپائے مویشی

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) اسی سے تارکین ایمان واعمال صالحہ کی حالت معلوم ہوگئی، کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۴۵۰ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو، اور نہ والدین زندہ ہوں۔ ف۴۵۱ اور یہ بہن حقیقی یا عینی ہو، یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہو۔ اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بہن کا حکم سورۃ کے شروع (آیت ۱۲) میں آچکا ہے۔ ف۴۵۲ (اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہوا تو اُسے ملے گا، ورنہ خود اسی بہن پر لوٹ آئے گا) چچا، چچازاد بھائی وغیرہ عصبات میں داخل ہیں۔ ادائے قرض اجرائے وصیت پر بہرحال مقدم ہے۔ ف۴۵۳ (اور والدین بھی نہ ہوں) ف۴۵۴ اور بقیہ ایک تہائی عصبہ کو ملے گا ورنہ بطور رد پھر انہی بہنوں کو مل جائے گا۔ بہنیں اگر دو سے زائد ہوں، تو اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ ف۴۵۵ یعنی بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ بیان عام قاعدہ یا اصول کا ہے۔ باقی تفصیلات کہ عینی بھائی اور عینی بہن کا اثر علاتی بھائی بہنوں پر کیا پڑے گا، کتب فقہ وفرائض میں ملیں گی۔ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً یعنی ایسی میت کے بھائی بہن ہوں، جس پر اطلاق کلالہ کا ہو۔ ف۴۵۶ (اور معاشرت دنیوی اور جزائے آخرت دونوں میں نقصان سے محفوظ رہو) ف۴۵۷ اپنی صفت علم لا کر یہ دلا دیا کہ ان احکام میں بندوں کی ساری رعایتیں اور مصلحتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

ف۱ سورۃ مدنی اس معنی میں ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ (بلکہ آخر عمر شریف) کا زمانہ ہے، ورنہ واقعۃً اس کے بیشتر حصہ کا نزول مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۹ھ) کے موقع پر ہوا ہے۔ اور کچھ صلح حدیبیہ (۶ھ) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ھ میں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس کا نزول ہوا ہے، آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ نزول وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا، اور وہ بیٹھ گئی۔ ف۲ الْعُقُودِ۔ عقد کا لفظ عام ہے۔ اور ہر عہد شرعی کو شامل، خواہ اس کا تعلق خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ العھود التي بينكم و بين الله او بين الناس (ابن عباس رضی اللہ عنہما) والظاهر عموم العقود في كل ربط يوافق الشرع سواء كان اسلاميًا او جاهليًا (بحر) عبادات کے علاوہ بھی جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات واخلاقیات سے متعلق ہو سکتے ہیں، سب اس میں آ گئے۔ قال الحسن يعني بذلك عقود الدين و هو ما عقده المرء على نفسه من بيع و شراء اجارة و كراء و مناكحة و طلاق و مزارعة و مصالحة و تمليك و تخيير و عتق و تدبير و غير ذلك من الامور ما كان ذلك غير خارج عن الشريعة و كذلك ما عقده على نفسه لله من الطاعات (قرطبی)

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي

جائز کیے گئے ہیں بجز (ان چیزوں کے) جن کا ذکر (آگے) تم سے کیا جاتا ہے، وٓ ہاں شکار اس حال میں

الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

کہ تم احرام میں ہو جائز نہیں وٓ بیشک اللہ جو چاہے حکم دے وٓ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّيْنَ

حرمت والے مہینوں کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کی،

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ

اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں وٓ

وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

اور جب تم احرام کھول چکو تو اب تم شکار کر سکتے ہو وٓ اور ایسا نہ ہو، چاہیے کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری

اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ

اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، تو تم (اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو وٓ

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۠ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی

وَ الْعُدْوَانِ ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

مدد نہ کرو وٓ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے وٓ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا

تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت وٓ اور جو جانور

وٓ اور وہ ذکر کہیں دور نہیں۔ آیت نمبر ۳ ہی میں آرہا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ الخ کے تحت میں۔ بَہِیْمَةُ الْاَنْعَامِ۔ اضافت تشبیہ کے لیے ہے، یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے ہوئے چوپائے، جو نہ درندے ہوں نہ شکاری، اضافتها الی الانعام لملابسة الشبه (بیضاوی) ای مماثل الانعام فی الاجتراء و عدم الانیاب (بیضاوی) مراد ہیں، ہرن، نیل گائے وغیرہ ایسے چوپائے جو شکاری اور درندے نہ ہونے میں مویشیوں (گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری) سے مشابہ ہوں، البتہ خچر، گدھے، وغیرہ جن کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے، اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وٓ یعنی شکار حلال چوپایوں کا بھی۔ الصَّیْد۔ شکار سے یہاں مراد صرف اُن جانوروں کا شکار ہے جن کا کھانا جائز ہے۔ الصید فی هذا الموضع مختص بما یو کل لحمه (راغب) باقی سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ اُن کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے۔ صید ہی کے لفظ نے اسے بھی واضح کر دیا کہ شکار ان جانوروں کا مراد ہے جو وحشی ہوتے ہیں، اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے، اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں، ان کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ ای ما کان صیدًا فهو حلالٌ فی الاحلال دون الاحرام و مالم یکن صیدًا فهو حلال فی حالین (قرطبی) وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ حالت احرام میں ہو یا حدود حرم کے اندر داخل ہو۔ خواہ بلا احرام ہی سہی۔ ممانعت کا اصل مدار صید کا حدود حرم کے اندر موجود ہونا ہے۔ وٓ (کہ وہی حکم ہمیشہ عین مطابق مصلحت ہوگا) ارادۂ الٰہی سے بالاتر کوئی قانون نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو۔ وہ خود ہی سب سے بالاتر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اسرار احکام کی تفتیش کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ وٓ (اپنے زعم و پندار میں) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا۔ مشرکین عرب بھی اُس وقت حج وعمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتے رہتے تھے۔ فضل سے مراد تو اُن کی منفعت دنیوی ہو سکتی ہے۔ (حج کے موقع پر تجارت بھی خوب زوروں پر ہوتی تھی) رضوان سے مراد ان کے حسب پندار رضاء الٰہی ہے۔ قال فیه جمهور المفسرین معناه یبتغون الفضل والارباح فی التجارة و یبتغون مع ذلک رضوانه فی ظنهم و طمعهم (قرطبی) شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ شَعَآئِر جمع شعیرہ کی ہے۔ مراد اعلام الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب واحترام کے تحفظ کے لیے اللہ نے کچھ احکام مقرر کر دیے ہیں جمیع معالم دین الله (جصاص) ان احکام وآداب کی خلاف ورزی کرنا اُن شعائر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ مثلاً حدود حرم اور جامہ احرام کا ایک ادب یہ ہے کہ ان میں شکار بند کیا جائے۔ اب اس کی خلاف ورزی کرنا شعائر حرم واحرام سے بے ادبی کرنا ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ لفظاً واحد معنیً جمع۔ یعنی سارے حرمت والے مہینے۔ الشهر مفرد محلی باللام الجنسیة فالمراد به عموم الاشهر الحرم (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان چاروں متبرک مہینوں میں قتال کی ابتدا نہ کرو۔ الْهَدْیَ۔ لفظ اُن قربانیوں کے لیے مخصوص ہے جو کعبہ مقدس کو لے جائی جاتی ہیں۔ الهدی مختص بما یهدی الی البیت (راغب) هی اسم ما اشعرای جُعل شعاراً و علماً (مدارک) ان کی بے حرمتی یہ ہوگی کہ ان قربانیوں سے تعرض کیا جائے۔ الْقَلَآئِدَ۔ یہ پٹے اسی نشانی کے لیے گلے میں پڑے رہتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔ الْقَلَآئِد سے مراد ذوات القلائد ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے تبرکات کی تعظیم بوجہ تعلق ذات واجب التعظیم کے مفہوم میں ہوتی ہے۔ پھر چونکہ فضل و رضوان کا تعلق مشرکین سے ہے، اس لیے یہ مفہوم بھی ہوا کہ طالب رضائے حق قابل رعایت ہے اگرچہ اخذ طریق میں اس نے غلطی کی ہو۔ اسی طرح رَبِّهِمْ سے اشارہ رحمت الٰہی کے عموم و وسعت کی جانب نکلتا ہے۔ وٓ (جب کہ خود وہ شکار حدود حرم میں نہ ہو) فَاصْطَادُوْا۔ صیغۂ امر ہے، لیکن وجوب کے معنی میں نہیں، بلکہ صرف اجازت کے مفہوم میں۔ ای فلا جناح علیکم بالاصطیاد لزوال المانع (روح) فالامر للاباحة بعد الحظر (روح) هو اطلاق من حظرٍ (جصاص) اباحة للا صطیاد بعد حظره علیهم (مدارک) ای فقد ابحنالکم ما کان محرما علیکم فی حال الاحرام من الصید (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محض ایک امر مباح کے لیے صیغۂ امر کا وارد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس مباح کے ترک سے اس کے ممنوع ہونے کا شبہ ہونے لگے، اس مباح کا کرنا ہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اُن متشددین کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے، جو مباحات کے ترک کر دینے میں حرام ہی کی طرح تشدد وغلو رکھتے ہیں۔ وٓ (بلکہ اس عقلی ناگواری اور طبعی انقباض کے باوجود معاملہ اُن سے بھی حق وانصاف ہی کا رکھو) مراد کفار قریش ہیں، جنہوں نے ۶ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے موذی اور خدا ناترس دشمنوں سے بھی باوجود ہر غصہ واشتعال کے برتاؤ عدل ہی کا رکھو...... للہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس سے بغض فی اللہ ہو اس کے معاملات میں بھی حدود شرعی سے تجاوز جائز نہیں۔ وٓ کیسے زرّیں اصول کی تعلیم مل رہی ہے! نیکی میں سب کے شریک رہو، بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو!..... ”مہذب“ قوموں کا سا شیوہ نہ رکھو، کہ اپنی قوم سب پر مقدم، اور اپنی پارٹی بہرحال اپنی پارٹی! اُدھر قاعدے اور اصول غیروں سے معاملت کے بتائے تھے، اب یہاں ارشاد آپس کی معاملت سے متعلق ہو گیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ حسن وقبح میں مقدمات کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے، اور مشائخ اہل تربیت کے ہاں اسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے وجوب اُن

مجلسوں میں شرکت کا نکل آیا جس کا مقصد اشاعت دین و نصرت دین ہے، اور حرمت ان اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو وف۱۰ (نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں) اشد العقاب۔ خشیت الٰہی ہی اصل چیز ہے، جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا سکتی ہے۔ وف۱۱ آیت نمبر ایک میں الا ما یتلی علیکم گزر چکا ہے۔ اب اسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ المیتۃ۔ یعنی وہ جانور جو بلا ذبح شرعی مر جائے۔ الدم۔ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون مراد ہے۔ لحم الخنزیر۔ اسی میں سور کی چربی وغیرہ اس کے جسم کے دوسرے اجزا بھی شامل ہیں۔ اکلہ نجس و انما خص اللحم لانہ معظم المقصود (مدارک) فانہ قد تناول شحمہ و عظمہ و سائر اجزائہ و لا خلاف بین الفقہاء فی ذلک (جصاص) سور کے گوشت کی انسانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ اخلاقی و روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ وف۱۲ (بہ خیال تقرب اور بہ نیت عبادت) حرمت کا اصل مدار ذبح کی نیت پر ہے۔ اور یہ غیر اللہ کی طرف نامزدگی خواہ عین ذبح کے وقت ہو یا اس سے قبل۔ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لیے بھی سوچ لیں۔ وف۱۳ (عام اس سے کہ نامزدگی غیر اللہ کی جانب زبان سے بھی کی جائے یا محض دل میں نیت رکھی جائے) حرمت کی اصل بنا اعتقاد خبیث ہے، خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ پتھروں پر ذبح فی نفسہ حرام نہیں، حرام یہ نیت خبیث ہے۔ ما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب (کبیر) والنیۃ فیہا تعظیم النصب لا ان الذبح علیہا غیر جائز (قرطبی) علیٰ ہو سکتا ہے کہ یہاں لِ کے مرادف ہو۔

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

غیر اللہ کے لئے نامزد کردیا گیا ہو وف۱۲ اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اوپر سے گر کر

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ

مر جائے اور جو کسی کے سینگ سے مر جائے اور جس کو درندے کھانے لگیں سوا اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو اور

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ

جو جانور استھانوں پر بھینٹ چڑھا دیا جائے وف۱۳ اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں وف۱۴ سے تقسیم کیا جائے یہ سب

فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا

گناہ (کے کام) ہیں وف۱۵ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہوگئے وف۱۶ سو تم ان سے

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو وف۱۷ آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین کے

دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

پسند کر لیا وف۱۸ ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے بیقرار ہو جائے، گناہ کی طرف رغبت کے بغیر وف۱۹

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ

سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وف۲۰ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ان پر حلال

لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

کی گئی ہے وف۲۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم پر (کل) پاکیزہ جانور حلال ہیں، وف۲۲ اور تمہارے سدھے ہوئے

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا

شکاری جانوروں کا شکار، جو شکار پر چھوڑے جاتے ہیں وف۲۳ تم انہیں اس طریقہ پر سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے وف۲۴

یعنی تھانوں پر چڑھائے جانے کی غرض سے۔ قال قطرب علی بمعنی اللام ای وما ذبح لاجل النصب (معالم) قیل علی بمعنی اللام ای لاجلہا (قرطبی) الموقوذۃ۔ یہ وہ جانور ہے جو کسی ضرب سے مر جائے۔ المقتولۃ بالضرب (راغب) فقہاء نے ایسے جانور کو بھی جو محض غلیل گولی سے بلا ذبح مر جائے، اسی حکم میں داخل کیا ہے۔ و یدخل فی الموقوذۃ ما رمی بالبندق فمات۔ (کبیر) المتردیۃ پہاڑی سے گر کر مر جانا یا کنوئیں میں گر کر مر جانا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ ما اکل السبع۔ یعنی وہ جانور جسے درندے کھانے لگیں اور وہ اسی صدمہ سے مر جائے۔ الا ما ذکیتم یعنی تم اسے ذبح کر ڈالو قبل اس کے کہ اس کا دم نکلے۔ اس استثنا کا تعلق اوپر کی لکھی ہوئی سب صورتوں سے ہے۔ یعنی گردن سے مروڑے ہوئے، چوٹ کھائے ہوئے وغیرہ سب حلال جانور بھی حرام ہیں، بشرطیکہ ابھی جانور کا دم نہ نکلا ہو اور وہ مطابق شرع ذبح کر لیا جائے۔ ایسا جانور حکم حرمت سے مستثنیٰ اور حلال ہے۔ نصب علی الاستثناء المتصل عند الجمہور من العلماء والفقہاء و ہو راجع علی کل ما ادرک ذکاتہ من المذکورات و فیہ حیاۃ (قرطبی) ذکیتم۔ ذکاۃ۔ ذبح کے معنی میں ہے۔ الذکاۃ فی کلام العرب الذبح قالہ قطرب (قرطبی) التذکیۃ الذبح (کبیر) وف۱۴ ازلام۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا یہ ہے کہ تیروں پر اجازت و ممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے، اور بعض خالی چھوڑ دیتے تھے، اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ انہی تیروں سے جا کر فال لیتے۔ اور جو حکم نکل آتا اسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ والاستقسام ان یحیل القداح فان نہتہ انتہی و ان امرتہ فعل ما امرتہ و قد اعلموا القداح اعلاما بضروب یستقسمون بہا۔ صحابہ، تابعین اور اکثر مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں۔ یعنی القداح کانوا یستقسمون بہا فی الامور (ابن جریر عن ابن عباس ؓ) و کذا روی عن مجاہد و ابراہیم النخعی والحسن البصری و مقاتل بن حیان (ابن کثیر) فمعنی الاستقسام بالازلام طلب معرفۃ الخیر والشر بواسطۃ ضرب القداح و ہو اختیار الجمہور (کبیر) مجاہد تابعی ؒ کے ایک قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی، فال گیری اور وہم پرستی کی یہ شکل اہل عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ایران اور روم کی بڑی بڑی مہذب و متمدن قومیں اس میں مبتلا تھیں۔ قال سہام العرب و کعاب الفارس والروم کانوا یتقامرون بہا۔ (ابن جریر۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ عن مجاہد) مفسر تھانوی ؒ نے کہا ہے کہ آج کل چھپی ڈالنے کا جو دستور نکلا ہے، وہ اسی سے ملتی جلتی ہوئی ایک شکل قمار کی ہے۔ وف۱۵ (اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے دین و آئین کی حدود سے نکل جانا) ذٰلکم کا اشارہ ممکن ہے کہ استقسام بالازلام تک محدود ہو۔ لیکن زیادہ قابل قبول یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی طرف ہو جن کی ممانعت اوپر آچکی ہے۔ یرجع الی جمیع ما ذکر من الاستحلال لجمیع ہذہ المحرمات و کل شئ منہا فسق و خروج من الحلال الی الحرام (قرطبی) راجعاً الی جمیع ما تقدم ذکرہ من التحلیل و التحریم (کبیر) ذٰلک اشارۂ بعید ہے۔ یہاں کنایہ ان افعال کی بُعدِ منزلت سے ہے۔ و معنی البعد فیہ الاشارۃ الی بعد منزلتہ فی الشر (روح۔ ابو سعود) وف۱۶ (کہ یہ دین کبھی بھی مغلوب یا گمنام ہو سکے گا) آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ، ۶/مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر، مقام عرفات ہے۔ نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعۃ و یوم عرفۃ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن عن ابن عباس ؓ) رسول اللہ ﷺ نے اس کے نزول کے کل دو مہینے ۲۱ دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس و دقیقہ سنج اصحاب نبی آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل و مستحکم ہو چکا، نبی کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی، نبی کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت کیا رہی۔ زمانہ مفارقت نبوی کا قریب آگیا۔ چنانچہ حدیث و سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ آیت کو سن کر رو پڑے تھے۔ وف۱۷ یعنی میرے احکام کی مخالفت نہ

کرو۔ یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش و تردد کی چیز غلبۂ کفر و استیلاء کفر نہیں۔ بلکہ احکام شریعت سے تجاوز و تزلزل ہے۔ یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے، اور اُن کے ملی وجود کے لیے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔ خشیت الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کر سکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت۔ **ف ۱۸** (قیامت تک کے لیے) اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ یہ اکمالِ دین بہ لحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام و قواعد بھی۔ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ یہ اتمام نعمت اسی دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس اکمالِ دین و اتمامِ نعمت کے بعد ظاہر ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت۔ ختمِ نبوت پر اگر دلائل صریحہ موجود ہوتے تو یہاں سے بھی مسئلہ کا استنباط ہو سکتا تھا۔ شیعی عقیدۂ امامت کا رجو درحقیقت اجراء نبوت ہی کی ایک شکل ہے، رد بھی یہیں سے نکل آتا ہے۔ البتہ ہر دور میں نئے نئے مسائل کا انکشاف اہل علم و اجتہاد اپنی بصیرت سے کتاب و سنت کے اصول و قواعد کے مطابق و ماتحت قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اشیاء کی حلت و حرمت کا ذکر اُوپر سے چلا آ رہا تھا۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کتاب واضح کے اندر آ گیا اور اس میں بھی اب کسی تغیر و تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ اَلْيَوْمَ۔ دین الٰہی چلا تو شروع ہی سے آ رہا تھا، لیکن ہر نبی کے عہد میں زمان و مکان کے مصالح و مقتضیات کے لحاظ سے احکامِ شریعت وقت و مقام کے ساتھ محدود و مخصوص رہتے تھے۔ دین اب پہلی بار عالمگیر اپنے جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اَلْيَوْمَ میں اشارہ اسی جانب ہے کہ اب خدائی پروگرام میں وحدت نسل انسانی کا زمانہ شروع ہونے کو ہے دنیا اب تک مختلف جغرافی حصوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر نہایت دشوار تھا، اور اس میں نامہ و پیام کی بھی کوئی آسان راہ نہ تھی۔ ہر علاقہ کہنا چاہیے اپنے جغرافی و طبعی سرحدوں کے اندر محفوظ تھا۔ دریا، پہاڑ، سمندر وغیرہ جو راہ میں حائل رہتے، ان کا عبور کرنا گویا محال تھا۔ ریل، موٹر، لاری، تار، ٹیلیفون وغیرہ خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ اب کائنات ارضی کی تاریخ میں پہلی بار اس کا وقت آ رہا تھا کہ انسانیت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملیں۔ رسل و رسائل کے ذرائع وسیع ہوں۔ اور جس طرح نظام تکوینی میں ہر فرد کے لیے، اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس کے لیے ہوا کا، اور روشنی کا اور پانی کا سامان حکمت الٰہی موجود رکھتی ہے اسی طرح نظامِ تشریعی میں رحمت حق نے چاہا کہ نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کا انتظام پیشتر سے موجود رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہاء ظاہر اور حکماء باطن نصوص سے جو مستنبط کرتے ہیں، وہ بھی سب دین ہی میں داخل ہے، ورنہ اکمالِ دین کے بعد اس کی اجازت نہ ہوتی۔ **ف ۱۹** (اور حرام ماکولات میں کسی شے کو کھا بھی لے) فلما اباح اللہ عند الضرورۃ اکل جمیع ما نص علی تحریمہ فی الآیۃ (جصاص) مَخْمَصَةٍ۔ کے معنی شدید بھوک کے ہیں۔ المخمصۃ جوع و خلاء البطن من الطعام (قرطبی) قال ابن عباس والسدی و قتادۃ المخمصۃ المجاعۃ (جصاص) قال اہل اللغۃ الخمص والمخمصۃ خلو البطن من الطعام عند الجوع (کبیر) غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ۔ یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر کھالی جائے، حصولِ لذت کی نیت نہ ہو، اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔ ای غیر متعمد لمعصیۃ فی قصدہ قالہ قتادۃ والشافعی رحمہما اللہ (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس چیز کی اجازت بہ ضرورت دی جائے، اُس سے حظ نفس کا قصد جائز نہیں۔ جیسے طبیب یا گواہ عورت یا اُس کے جسم کو بہ ضرورت دیکھے، تو بہ قصد شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ **ف ۲۰** صفت غفور لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اگر قدر ضرورت سے کوئی ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا، جب بھی معاف کر دیا جائے گا اور صفت رحمت سے یہ اشارہ ہے کہ قانون ایسے موقع کے لیے دیکھو کیسا نرم و آسان رکھ دیا۔ **ف ۲۱** (کتے اور باز کے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے) یہ سوال کرنے والے منکرین نہ تھے مومنین و صحابہ ہی تھے۔ اور حلت و حرمت اشیاء کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا۔ یسئلک یا محمد اصحابک ما الذی اُحل لہم (ابن جریر) لَهُمْ یعنی مسلمانوں پر۔ صحابہ کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں (مثلاً کتے اور باز) کے ذریعہ سے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے کون کون حلال ہیں؟ آیا سب ہی حلال جانور اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں، اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ماتحت؟ للہ حضرات صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، اُمت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر ڈالیں! یہ معلومات پیشتر سے نہ موجود ہوتے تو آج کتنی دقتیں ہوتیں! **ف ۲۲** جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں، وہ اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔ طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کرلے۔ **ف ۲۳** دو شرطیں اتنے ہی جواب سے نکل آئیں۔ پہلی شرط تو یہ نکلی کہ وہ شکاری جانور سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے ہوں۔ اور فقہاء نے بات سے بات یہ پیدا کی ہے کہ یہ قید صرف وحشی جانوروں کے لیے نہیں، بلکہ گھریلو جانوروں کے لیے بھی ہے، چنانچہ گھریلو جانور اگر ٹریننگ پایا ہوا نہ ہو تو اُس کا کیا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ البتہ جو جانور (وحشی ہو یا گھریلو) سکھایا ہوا ہوگا، اُس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائے گا۔ دوسری شرط یہ پیدا ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں، یہ نہیں کہ از خود شکار پکڑ کر لائیں، اور تمہارے سامنے ڈال دیں۔ اَلْجَوَارِحِ۔ جارحہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں ہر شکاری جانور کے، خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ تسمی الصائدۃ من الکلاب و الفہود والطیور جارحۃ (راغب) جارحہ کا نام ہی اس لیے جارحہ پڑا ہے کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے قیل فی الجوارح انہا ما تجرح بناب او مخلب (جصاص) سمیت جوارح من الجرح لانہا تجرح الصید عند امساکہ (خازن) وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ترکیب میں اس کا عطف الطَّيِّبٰتُ پر ہے۔ اور صید مضاف محذوف ہے۔ عطف علی الطیبات ای احل لکم الطیبات و صید ما علمتم فحذف المضاف (کشاف) ای و صید ما علمتم (قرطبی) مُكَلِّبِيْنَ۔ مُكَلِّب کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور اہل لغت نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ المکلب معلم الکلاب الصید مضرلہا علیہ و قد یکون التکلیب واقعاً علی الفہد و سباع الطیر (تاج) مکلب مضر للکلاب علی الصید معلم لہا و قد یکون التکلیب واقعاً علی الفہد و سباع الطیر (لسان) المکلب الذی یعلم الکلب (راغب) التکلیب ہی التضریۃ بالشئ والتسلیط علیہ لغۃ (ابن العربی) مُكَلِّبِيْنَ۔ کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ تعلیم و تربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ لا یخصص ذلک بالکلاب دون غیرہا فوجب حملہ علی العموم و لا نعلم خلافاً بین فقہاء الامصار فی اباحۃ صید الطیر (جصاص) گویا یہ پہلی شرط کی تفصیل ہوگئی (ملاحظہ ہو اسی حاشیہ کی پہلی سطر) **ف ۲۴** فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے۔ اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے، تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ **ف ۲۵** اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی وہ شکار مسلمان شکاری ہی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ جانور کے اپنے لیے۔ اس نص نے اُسے صاف کر دیا جو فقہاء قبل کے الفاظ سے استنباطاً سمجھے تھے۔ اور اس کا معیار وہی ہے، جو اُوپر کے حاشیہ میں بیان ہو چکا تو اگر کتا اس شکار کو خود کھانے لگے۔ یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لیے نہیں، اپنے لیے پکڑا ہے۔ عَلَيْكُمْ میں عَلٰی لِ کے معنی میں ہے۔ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور خود اُس شکار کو نہ کھائے، اور اسے شکاری کے لیے روکے رکھے۔ ای حبس لکم و لم یاکل (قرطبی) الامساک علی صاحبہ ان لا یاکل منہ (مدارک) اور قرطبی نے اس معنی پر صحابیوں میں سے ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عکرمہ و قتادہ، ابن جبیر اور عطاء کا اور ائمہ فقہ میں سے نخعی، شافعی، احمد، اسحٰق، ابو ثور اور ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ والیہ ذہب اکثر الفقہاء (بیضاوی) البتہ باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے۔ اس لیے فقہاء کے ایک گروہ نے انہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا۔ و قال بعضہم لا یشترط ذلک فی سباع الطیر لان تادیباً الی ہذہ الحد متعذر (بیضاوی) قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر یوکل صید البازی و ان اکل (جصاص) و اما البازی فانہ معلوم انہ لا یمکن تعلیمہ بترک الاکل و انہ لا یقبل التعلیم من ہذہ الجہۃ (جصاص) فان اکل منہ لم یوکل اذا کان صید کلب و نحوہ فاما صید البازی و نحوہ فاکلہ لا یحرمہ (مدارک) **ف ۲۶** یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی اذا ارسلت جارحک فقل بسم اللہ

(ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای سموا علیه عند ارساله (مدارک) و من شرائط ذکاۃ الصید التسمیة علی الارسال (جصاص) حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:۔ عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ارسلت کلابک المعلمة و ذکرت اسم اللہ فکل مما امسکن علیک (صحیح بخاری) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سکھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر چھوڑ دو تو پھر وہ جو تمہارے لیے پکڑے رکھے، اُسے کھا سکتے ہو۔ فقہاء نے حدیث بالا ہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے۔ کہ ذبح حیوانات کے وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اسی کے قائم مقام وہ بسم اللہ ہے جو شکار پر شکاری جانور کے چھوڑتے وقت پڑھی جائے۔ ھذا یدل علی ان حال الارسال بمنزلة حال الذبح فی وجوب التسمیة علیه (جصاص) و تشترط التسمیة من الذابح حالة الذبح اوالرمی بصیداو الارسال (درمختار) ف۲۷ (ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے) ذرا موقع کی تصویر چشم تصور میں لائیے۔ خوب بھوک لگی ہوئی ہے، بڑے لذیذ گوشت کا جانور شکرہ یا کتا پکڑ کر لایا ہے۔ شوق بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اس کے کباب لگیں، اور بھنے ہوئے شکار سے جی بھر کر لذت حاصل کی جائے۔ اب کون اس موقعہ پر یاد دلائے کہ شرائط حلت ذرا مستحضر کر لیجئے۔ جانور سدھا ہوا ہے یا نہیں، اُسے چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ دی گئی تھی یا نہیں، وغیرہا...... بجز تقویٰ الٰہی کے

مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪

سو کھاؤ اس (شکار) کو جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑے رکھیں ف۲۵ اور اللہ کا نام اس (جانور) پر لے لیا کرو ف۲۶

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۲۷ بیشک اللہ حساب جلد کر دینا ہے ف۲۸ آج جائز کر دی گئیں

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

تم پر پاکیزہ چیزیں ف۲۹ اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے

لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

جائز ہے ف۳۰ اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز ف۳۱ اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) مسلمان

الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب مل

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

چکی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو ف۳۲ اور قید نکاح میں لانے والے ہو،

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ

نہ کہ (محض) مستی نکالنے والے، اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے ف۳۳ اور جو کوئی

يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

ایمان سے انکار کرے گا تو اُس کا عمل اکارت جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ

میں سے ہو گا ف۳۴ اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو ف۳۵

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا

اور کس میں اس وقت یہ یاد دلانے کی قوت ہے؟ ف۲۸ (اور یہی مراقبہ ہر دشوار حکم کی تعمیل کو آسان بنا دے گا) خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن حکیم میں احکام جہاں جہاں بھی آئے ہیں، اُن کے متصل ہی کوئی اس قسم کا فقرہ بھی ضرور مل جاتا ہے، جس سے یاد آخرت یا اللہ کے علم کل کا استحضار ہو جائے ہر دشواری کو آسان بنا دینے کا، ہر پتھر کو پانی کر دینے کا نسخہ اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتا ہے۔ ف۲۹ (اور یہ جواز قیامت تک رہے گا، کوئی نئی شریعت اسے منسوخ کرنے والی اب نہیں آنے کی) ف۳۰ (بہ شرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے دیا گیا ہو) "تثلیث مقدس" کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح ہوا ہوگا تو وہ محققین حنفیہ کے ہاں حلال نہیں، حرام ہوگا۔ قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد و زفر من کان یھودیا او نصرانیا من العرب و العجم فذبیحته مذکاۃ اذا سمی اللہ علیھا وان سمی النصرانی علیھا اسم المسیح لم توکل (جصاص) طعام سے مراد حلال جانور ہیں، جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمہ تفسیر نے سمجھا ہے ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی جائز ہے۔ کچھ اہل کتاب کی تخصیص نہیں۔ و فی المراد بالطعام ھھنا وجوہ الثلاثة الاول انه الذبائح والاکثرون علی القول الاوّل (کبیر) ھو ھنا خاص بالذبائح عند کثیر من اھل العلم بالتاویل (قرطبی) و علیه اکثر المفسرین (روح) روی عن ابن عباس و ابی الدرداء والحسن و مجاھد وابراھیم و قتادہ والسدی انه ذبائحھم وظاھرہ یقتضی ذلک (جصاص) بعض فقہاء اُمت نے تصریح اور تاکید کی ہے کہ جن اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، انہیں واقعۃً اور عملاً یہودی یا نصرانی ہونا چاہیے۔ محض اسماً یا نسلاً اُن کا "قوم" اہل کتاب سے ہونا کافی نہیں۔ ورنہ جو علت مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کی ہے، وہی یہاں بھی مشترک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابیوں کے فتوے اس باب میں موجود ہیں۔ اُس وقت جو نصرانی محض نام کے تھے، اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیة الا بشرب الخمر (ابن جریر) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لا تاکلوا ذبائح نصاری العرب و ذبائح نصاری ارمینیه (ابن جریر) و قال بھذا من الصحابة علی رضی اللہ عنہ و عائشة رضی اللہ عنہا و ابن عمر رضی اللہ عنہما و ھو قول طاؤس والحسن (قرطبی) امام مالک کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ وقال مالک اکرہ ذلک ولم یحرمه (قرطبی) لیکن اس کے مقابل بہت سے اکابر تابعین اور ائمہ فقہ کا قول یہ بھی موجود ہے کہ کتابیوں کا ذبیحہ بہر صورت جائز ہے۔ و ذھب اکثر اھل العلم الی انه یحل وھو قول الشعبی و عطاء والزھری و مکحول (معالم) حسن بصری تابعی کا یہ قول دل کو بہت زیادہ لگتا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سن لو، جب تو نہ کھاؤ، ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ و قال الحسن اذا ذبح الیھود و النصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تاکله واذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک (معالم۔ روح) لیکن واضح رہے کہ یہ سارے اختلافات اس صورت حال کے موقعہ پر ہیں، جب جانور، بہر حال ذبح ہوا ہو۔ لیکن جب ذبح ہی کی نوبت سرے سے نہ آئے، مثلاً مرغ کو گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا گیا، تو ایسے غیر مذبوح جانور کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آج کی بہ اصطلاح نام مسیحی قوموں میں جو عام دستور ہے، سب پر ظاہر ہے۔ ف۳۱ (سو تم اپنے کھانے سے انہیں بلا تکلف کھلا سکتے ہو) مسلمان رُک رہے تھے، کہ معلوم نہیں ہمارے لیے جائز بھی ہے یا نہیں کہ ہم کتابیوں کو اپنے کھانے میں سے کھلا سکیں، یہاں تصریح کر دی گئی کہ بے تکلف جائز ہے۔ فلا جناح علیکم ان تطعموھم (مدارک) ای ویحل لکم ان تطعموھم من طعامکم (کبیر) یہ صراحت اس لیے بھی ضروری تھی کہ نکاح کا بیان معاً بعد آ رہا ہے۔ ذبیحہ تو طرفین سے حلال ہے۔ لیکن مناکحت کا قیاس اس پر درست نہ ہوگا نکاح صرف اُن کی عورتوں

سے مسلمان مرد کا جائز ہے۔ مسلمان عورت کا نکاح اُن کے مرد سے جائز نہیں۔ لا جرم ذکر الله تعالٰی ذٰلک تنبیهاً علی التمییز بین النوعین (کبیر) وا۳۲ ابھی ذکر کھانے کی حلال چیزوں کا تھا، اب ذکر عورتوں کا ہے، کہ زن مسلم اور زن کتابی تمہارے لیے حلال ہے.... مواکلت کی طرح مناکحت بھی انسان کی ایک طبعی خواہش ہے۔ اس لیے دونوں کے احکام اگر اکٹھے لائے گئے تو یہ عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ــــــ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلۂ وحی و نبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں، اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں۔ بہرحال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلۂ وحی و نبوت کے ماننے والے۔ اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں۔ البتہ یہ خیال رہے کہ "نصرانیت" موجودہ یورپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔ نکاح کتابیوں کے ساتھ بالکل جائز ہے۔ نفس جواز میں کوئی گفتگو اس نص کے بعد چل ہی نہیں سکتی۔ البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کرکے اور مصلحت شرعی کا لحاظ کرکے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلاضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہیے۔ یجوز تزوج الکتابیات والاولی ان لایفعل (فتح القدیر) و صح نکاح کتابیة وان کره تنزیهاً (درمختار) اور کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کی کراہت میں تو شبہ نہیں۔ و تکره الکتابیة الحربیة اجماعاً لا فتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) واصحابنا یکرهون مناکحات اهل الحرب من اهل الکتاب (جصاص) یجوز للمسلم ان یتزوج کتابیة فی دار الحرب ولکنه یکره (مبسوط) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علیؓ کا ایک اثر ہے، جس میں آپؓ نے کتابیہ مقیم دارالحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر کی ہے۔ بلغنا عن علیؓ بن ابی طالب انه سئل عن مناکحة اهل الحرب من اهل الکتاب فکره ذٰلک وبه ناخذ (مبسوط) علامہ شامی نے فیصلہ کیا ہے کہ نکاح غیر حربیہ کے ساتھ تو محض مکروہ تنزیہی ہے، لیکن حربیہ کے ساتھ مکروہ تحریمی۔ قوله والاولی ان لا یفعل یفید کراهیة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراهیة التحریم فی الحربیة (ردالمحتار) وَالْمُحْصَنٰتُ۔ ترکیب میں عطف ہے الطیبات پر اوپر کی آیت میں۔ المحصنات۔ پر حاشیہ پارۂ پنجم کی ابتداء میں گزر چکا۔ یہاں مراد ہے کہ قید عصمت کی پابند اور پارسا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ادھر کسی کے عقد میں بھی آگئیں، اور اُدھر بدچلنی اور عصمت فروشی بھی جاری رکھیں۔ ای حصان فی النساء هی العفة عن الزنا (ابن کثیر) لفظ کے لانے سے مقصود عصمت کی عظمت کو بڑھانا اور اس کی ترغیب دینا ہے، ورنہ قانونی حیثیت سے نکاح منعقد تو ہر نیک چلن، بدچلن اور بیوی و باندی سب کا ہوسکتا ہے۔ هی الحرائر والعفائف و لیس هذا بشرط لصحة النکاح بل هو للاستحباب لانه یصح نکاح الاماء من المسلمات و نکاح غیر العفائف (مدارک) روی عن الحسن والشعبی و ابراهیم والسدی انهم العفائف (جصاص) قال ابو عبید یعنی العواهر فهٰذا یدل علی ان معنی الاحصان عقده هٰهنا کان علی العفة (جصاص) اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ مہر شرط نکاح نہیں، لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید بار بار اس کا ذکر تصریحاً کرتا ہے۔ و تقیید التحلیل بایتاء الاجور یدل علی تاکد وجوبها (کبیر) و تقیید الحل بایتائها لتاکید وجوبها (روح) وا۳۳ نکاح اسلام میں کوئی محض اور ثانوی حیثیت کی چیز نہیں۔ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی، روحانی ادارہ ہے اس کے منافع و مصالح فرد کے، خاندان کے، معاشرہ کے، سب کے لیے بیشمار ہیں۔ نکاح یا شادی کے لیے اسی لیے اُردو میں بھی دوسرا لفظ "خانہ آبادی" کا ہے.... اُجڑے ہوئے سنسان اور ویران گھر گھرانے اسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں۔ مرد و زن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے، کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ اپنے کو مہذب و متمدن کہلانے والی، لیکن حقیقۃً جاہلی قوموں میں اس صورت مناکحت کے علاوہ دو اور صورتیں بھی مرد و زن کے تعلق کی پہلے بھی جاری رہی ہیں، اور اب بھی جاری ہیں۔ ایک شکل تو کھلم کھلا بدکاری کی ہے۔ عورت زنا کے لیے آزاد رہے۔ اس کو باقاعدہ اپنا پیشہ بنالے۔ نہ سوسائٹی اُسے اس سے روک سکے نہ حکومت۔ جو مرد جب چاہے، اس کے ہاں جا کر ایک خاص کرایہ دے کر اپنے جسم کا پانی بہا آئے، اور منہ کالا کر کے چلا آئے۔ دوسری صورت چوری چھپے آشنائی کی ہے۔ یعنی عصمت کے معنی ہی مٹ جائیں اور شریف و بیسوا

میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ البتہ اس سے پبلک فضیحتا (Scandal) نہ پھیلا ہو، یعنی جانتے اپنی جگہ سب ہوں، لیکن عام زبانوں پر چرچے نہ پھیلیں۔ اسلام نے ان دونوں مہذب جرموں کو ایک لعنت قرار دیا اور جائز صورت مرد و عورت کو جنسی شہوانی تعلق کی صرف نکاح بتائی۔ نکاح چوری چھپے نہیں، اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا نام درمیان میں لاکر، خالق کائنات کا واسطہ ڈال کر، مرد عورت کی راحت، آسائش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داریوں کو قبول کر لیتی ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں، فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے کو مستقل نباہ کے لیے عمر کے ہر دور، مال و اقبال کے ہر اتار چڑھاؤ کے لیے، حتی الامکان تیار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ لاکر قرآن مجید نے ازدواجی و خانگی زندگی کا وہ بلند ترین معیار پیش کر دیا، جہاں کوئی مادی تہذیب آج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ وا۳۴ (گو اس کا حال اور مستقبل قریب بہ ظاہر کیسا ہی خوش نما ہو) بِالْاِيْمَانِ۔ یعنی مقتضیات ایمان سے۔ اُن چیزوں سے جو ایمان لانے سے واجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی میں حلت و حرمت کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ ای بشرائع الاسلام و ما احل الله و ما حرم (کشاف) قال الزجاج معناه من احل ما حرم الله او حرم ما احل الله فهو کافر (بحر) حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ کوئی عمل، کیسا ہی خوشنما ہو، اگر روح سے خالی ہے، تو اس کا شمار نیکی میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ایمان نام اسی روح عمل کا ہے۔ تو جس کی نیت ہی سرے سے درست نہیں، اور جو ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہے ظاہر ہے کہ اس کے اعمال صرف صورۃً نیک ہو سکتے ہیں، نہ کہ معنی و حقیقت کے لحاظ سے۔ نیکی کی نقل اور چیز ہے، اور خود نیکی اور۔ وا۳۵ یعنی نماز کا ارادہ کرو اور حالت وضو میں نہ ہو۔ ای اذا اردتم (قرطبی) ای اذا اردتم القیام عبر عن ارادة الفعل بالفعل المسبب عنها للایجاز (بیضاوی) اتنا فقرہ کہ حالت وضو میں نہ ہو، یا محدث ہو، محذوف مانا گیا ہے، اجماعاً، اسی لیے وضو پر وضو نماز کے لیے ضروری نہیں۔ وظاهر الاٰیة یوجب الوضوء علی کل قائم الی الصلوٰة و ان لم یکن محدثا والاجماع علی خلافه (بیضاوی) مطلق ارید به التقیید والمعنی اذاقمتم الی الصلوٰة محدثین (بیضاوی) و قدروی نفی ایجاب الوضوء بکل صلاة من غیر حدث عن ابن عمر و ابی موسٰی و جابر بن عبدالله و عبیدة السلمانی و ابی العالیة و سعید بن المسیب و ابراهیم والحسن ولا خلاف بین الفقهاء فی ذٰلک (جصاص) گو تازہ وضو کی فضیلت بہت زائد وارد ہوئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کا عام تعامل بھی یہی تھا۔ چنانچہ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں۔ وقدروی عن النبی ﷺ اخبار فی تجدید الوضوء (جصاص) و قد روی عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی انهم کانوا یتوضئون لکل صلاة و هٰذا محمول علی انه فعلوه استحباباً (جصاص) و قال ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالوضوء عند کل صلوة فهٰذا کله یدل علی استحباب الوضوء عند کل صلاة و ان لم یکن محدثا (جصاص) قال ابن سیرین کان الخلفاء یتوضئون لکل صلاة (قرطبی) حملوا الامر علی الندب و کان کثیر من الصحابة منهم ابن عمر یتوضئون لکل صلاة طلباً للفضل و کان ﷺ یفعل ذٰلک (قرطبی) وا۳۶ اب تعلیم ارکان وضو کی ہو رہی ہے۔ اسلام بخلاف دوسرے مذہبوں کے، باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری و جسمانی صفائی کا بھی بہت قائل ہے۔ اور اس نے اپنی مرکزی عبادت نماز سے قبل وضو کو لازمی ٹھیرایا ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں۔ آیت احکام قرآنی کی اہم ترین آیتوں میں سے ہے۔ ذکر العلماء ان هٰذه الاٰیة من اعظم اٰیات القراٰن مسائل و اکثرها احکاماً فی العبادات و یحق ذٰلک (ابن العربی) یہاں تک کہ اس ایک آیت کے اندر سے بعض بعض علماء و فقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسئلے مستخرج اور مستنبط کیے ہیں۔ ولقد قال بعض العلماء ان فیها الف مسئلة واجتمع اصحابنا بمدینة السلام فتتبعوها فبلغوها ثمان مائة مسئلة ولم یقدروا ان یبلغوها الالف (ابن العربی) وضو میں فرض صرف چار چیزیں ہیں، اور انہی کا آیت میں بیان ہے:۔ (۱) فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ چہرہ کا دھونا۔ (۲) وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ سر کا مسح کرنا، یا پانی میں تر کیا ہوا ہاتھ اس پر

پھیرنا۔ (۴) (واغسلوا) اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ پیروں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان کے علاوہ
اور جو چیزیں ہیں، کلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا، وغیرہ ذٰلک، ان میں سے
بعض امور مسنون ہیں، اور بعض مستحب۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ تفسیر سے اس کا تعلق
نہیں اعضائے وضو پر پانی بہانا، انہیں دھونا، ملنا، صاف کرنا، اپنے اندر حفظی بھی حکمتیں اور جسمانی
مصلحتیں رکھتا ہے اور حضورِ قلب میں جس حد تک معین ہوسکتا ہے، ان پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے
کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ مالکیہ کے ہاں چہرہ دھونے
کے معنی یہ ہیں کہ پانی اُس پر بہایا جائے اور ہاتھ اُس پر پھیرا جائے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں محض پانی
کا اُس پر بہہ جانا کافی ہے، ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا لازمی نہیں۔ و لا بد فی غسل الوجہ من
نقل الماء الیہ و امرار الیدعلیہ و ھذہ حقیقۃ الغسل عندنا (قرطبی) قال اٰخرون
و ھو قول اصحابنا و عامۃ الفقہاء علیہ اجراء الماء علیہ و لیس علیہ دلکہ بیدہ
(جصاص) وَاَیْدِیَکُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ اِلٰی اظہار غایت و انتہاء کے لیے آتا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق
سیاق سے ہے کہ اِلٰی کا مابعد بھی الٰـی کے ماقبل کے ساتھ شامل رکھا جائے یا اس سے الگ سمجھا
جائے بعض ماہرین نحو نے یہ بھی کہا ہے کہ مابعد اگر ہم جنس ہے تو ماقبل کے ساتھ شامل سمجھا جائے
گا۔ اور اگر غیر جنس ہے تو اس سے خارج رہے گا۔ لان ما بعد الی اذا کان من نوع ما
قبلھا دخل فیہ قالہ سیبویہ و غیرہ (قرطبی) قال الخلیل فی قولہ تعالٰی الی
المرافق ان المرافق فیما یغسل (تاج) القول الثانی ان الی حد والحد اذا کان
من جنس المحدود دخل فیہ (ابن العربی) اِلٰی۔ کبھی معیت کے معنی بھی دیتا ہے، اور
مع کا مرادف ہوتا ہے۔ و تاتی للمعیۃ (تاج) چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس معنی
میں آیا ہے۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى
اَمْوَالِكُمْ وغیرہا۔ اور بہت سے نحویین نے یہاں بھی اِلٰی اسی معنی میں لیا ہے۔ فان جماعۃ
النحویین جعلوا الی بمعنی مع ھھنا و اوجبوا غسل المرافق و الکعبین (تاج)
رسول اللہ ﷺ کا تعامل بھی کہنیاں دھونے کا تھا۔ بہرحال لفظ اِلٰی سے اگر کچھ اشتباہ رہ بھی گیا
ہو تو سنتِ رسول ﷺ نے اُسے رفع کردیا ہے۔ روی جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ ان النبی
ﷺ کان اذا بلغ المرفقین فی الوضوء ادار الماء علیھما و فعلہ ذٰلک عندنا
علی الوجوب لورودہ مورد البیان (جصاص) عن النبی ﷺ انہ کان یدیر الماء
علی مرفقیہ (مدارک) حنفیہ کے ہاں تو کہنی کا اعضاء وضو میں داخل ہونا ایک متفق مسئلہ ہے ہی
(اختلاف صرف امام زفر سے منقول ہے) والذی ذکرنا من دخول المرافق فی الوضوء
ھو قول اصحابنا جمیعًا الا زفر (جصاص) باقی دوسرے مذاہب فقہ نے بھی کہنی کا دھونا
لازم قرار دیا ہے۔ و جمہور الفقہاء علی دخولھا و حکی عن الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انہ قال
لا اعلم خلافًا فی ان المرافق یجب غسلھا (روح) فقد نقل ابن ھبیرۃ اجماع
الائمۃ الاربعۃ علی فرضیۃ غسل الیدین مع المرفقین (روح) قال الجمہور
غسل الیدین الی المرفقین واجب معھما (کبیر) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ مسح سے مراد
بھیگے ہوئے ہاتھ کے پھیر لینے سے ہے۔ جملہ کی ترکیب (بِرُءُوْسِكُمْ) اس کی مقتضی ہے کہ مراد
پورے سر کا مسح نہیں، بلکہ اس کے کسی حصہ کا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے ہاں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح
کافی ہے۔ اور ب تبعیض کے لیے ہے۔ یقتضی مسح بعضہ (جصاص) روی عن
اصحابنا فیہ روایتان احدھما ربع الرأس و الاخری مقدار ثلاثۃ اصابع
(جصاص) اخبر ابراھیم ان الباء للتبعیض و قد کان من اھل اللغۃ مقبول القول
فیھا (جصاص) الباء مزیدۃ و قیل للتبعیض (ابوسعود) نحویین کے ایک گروہ نے ب کے
تبعیضیہ ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ و قیل الباء للتبعیض و کونھا للتبعیض ینکرہٗ اکثر
النحاۃ حتی قال بعضھم و قال من لاخبرۃ لہ بالعربیۃ الباء فی مثل ھذا للتبعیض
و لیس بشیء یعرفہ اھل العلم (بحر) تاہم ربع سر کے لیے حنفیہ کے ہاں دلیل سنتِ رسول
سے ہے۔ آپ کا تعامل پیشانی پر مسح کا تھا۔ اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوتی ہے۔
واخذنا ببیان نبی ﷺ و ھو ماروی انہ مسح علی ناصیتہ و قدرت الناصیۃ
بربع الرأس (مدارک) وَاَرْجُلَكُمْ۔ شامی و نافع و علی و حفص سب سے اس کی قرأت نصب کے
ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے۔ جس سے اَرْجُلَكُمْ۔ فاغسلوا کا مفعول ٹھہرتا ہے۔ اور وجوھکم اور
ایدیکم پر عطف ہوتا ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔
بالنصب شامی و نافع و علی و حفص و المعنی فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم و
ارجلکم (مدارک) قرأ نافع ابن عامر و الکسائی ارجلکم بالنصب (قرطبی) عن
ابی عبدالرحمٰن قال قرأ علی الحسن والحسین رضی اللہ عنہما فقرا و اَرْجُلَكُمْ الی
الکعبین تسمع علیّ رضی اللہ عنہ ذٰلک و کان یقضی بین الناس فقال و ارجلکم و ھذا من
المقدم و المؤخر من الکلام (ابن جریر) قرأ علی و عبداللہ بن مسعود و ابن عباس فی
روایۃ و ابراھیم و الضحاک و نافع و ابن عامر و الکسائی و حفص عن عاصم
بالنصب و کانوا یرون غسلھا واجبًا (جصاص) دونوں پیروں کا دھونا ہی نہ کہ ان پر مسح کرنا،
سنتِ رسول سے بھی ثابت ہے اور تعامل صحابہ سے بھی۔ اور عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں
کوئی اختلاف نہ تھا۔ ھذا مذھب الجمہور و الکافۃ من العلماء و ھو الثابت من فعل النبی
ﷺ (قرطبی) عن علی رضی اللہ عنہ قال اغسلوا الاقدام الی الکعبین (ابن جریر) و عن عطاء
قال و اللہ ما علمت ان احدًا من اصحٰب رسول اللہ ﷺ مسح علی القدمین و انما
امر بغسل ھذہ الاعضاء (مدارک) و لنا ان النبی ﷺ واظب علی غسل
الرجلین و بہ امر من علمہ الوضوء و رأی رجلاً یلوح عقبہ فقال ویلٌ للاعقاب من
النار (مبسوط) النبی ﷺ غسل و ما مسح قط (ابن العربی) یؤیدہ السنۃ الشائعۃ
و عمل الصحابۃ و قول اکثر الائمۃ (بیضاوی) قال جمہور الفقہاء و المفسرین
فرضھما الغسل (کبیر) و الجواب بان وجوب واحدۃ بالعبارۃ و اخری بالدلالۃ لا
طائل تحتہ بعد انعقاد الاجماع القطعی علی افتراضھما ..... فان الاجماع انعقد
علی غسلھما (بحرالرائق) اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی ٹخنوں کو شامل کرکے۔ و حکم الکعبین
کالمرفقین (بحرالرائق) اِلٰی کے مفہوم سے متعلق یہاں بھی وہی بحثیں ہوئی ہیں، جو اِلَى
الْمَرَافِقِ کے تحت میں گزر چکی ہیں۔ وضو ہی کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت
کی آجاتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں نیت واجب نہیں، دوسرے ائمہ کی بابت روایتیں مختلف آئی ہیں۔
و قال کثیر من الشافعیۃ لاحاجۃ الی نیۃ و ھو قول الحنفیۃ (قرطبی) النیۃ فی الطھارۃ
واجبۃ فیہ و بہ قال مالک و الشافعی و اکثر العلماء و روی الولید بن مسلم عن
مالک انھا غیر واجبۃ فیہ و بھا قال ابوحنیفۃ و الاوزاعی۔ سواء قارنتہ النیۃ اولم
تقارنہ (جصاص) قال ابوحنیفۃ و ابو یوسف و محمد کل طھارۃ بماء تجوز بغیرنیۃ
و ھو قول الثوری و قال الاوزاعی یجزی الوضوء بغیرنیۃ (جصاص) قال
الشافعی رحمۃ اللہ علیہ النیۃ شرط لصحۃ الوضوء و الغسل و قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ لیس
کذٰلک (کبیر) اختلف علماء الامصار ھل النیۃ شرط صحۃ الوضوء ام لا۔
فذھب فریق منھم الی انھا شرط و ھو مذھب الشافعی و مالک و احمد و ذھب
فریق اٰخر الی انھا لیست بشرط و ھو مذھب ابی حنیفۃ و الثوری (بدایۃ المجتہد)
ف ۳۷ یعنی غسل کرلو۔ یا سارے جسم کو پانی سے دھوڈالو۔ ای فاغتسلوا (معالم۔ بیضاوی)
امر بالاغتسال بالماء (قرطبی) جُنُبًا۔ جنابت پر حاشیہ سورۃ النساء میں گزر چکا۔
فَاطَّهَّرُوْا۔ تطھیر باب تفعیل سے ہے یہیں سے تخریج فقہاء نے سارے جسم کے دھونے کا
حکم نکالا ہے، اور محض بعض اعضاء کے دھو ڈالنے کو کافی نہیں سمجھا ہے، اور غسل واجب میں کلّی،
غرغرہ اور ناک میں پانی لینے کا حکم بھی یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ عموم سائر البدن فلا یجوز
الاقتصار علی بعضہ (جصاص) یقتضی تطھیر داخل الفم و الانف (جصاص)
ف ۳۸ (یا کسی اور طریقہ سے غسل ٹوٹ چکا ہو اور اب غسل کی ضرورت ہو) لٰمَسْتُمُ۔ ملامست
سے کنایہ جماع سے ہے، صحابہ، تابعین، اہلِ لغت سب سے یہی ثابت ہے۔ الملامسۃ ھنا
الجماع (قرطبی) یکنی بالملامسۃ عن الجماع (راغب) قال علی و ابن
عباس و ابو موسٰی رضی اللہ عنہم و الحسن و عبیدہ و الشعبی ھی کنایۃ عن الجماع
(جصاص) فمن قرأ اولٰمستم فظاھرہ الجماع لا غیر لان المفاعلۃ لاتکون الا
من اثنین الا فی اشیاء نادرۃ (جصاص) ف ۳۹ اس کا تعلق ضرورتِ وضو و غسل کی سب
شکلوں سے ہے۔ یعنی پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ یہ بسبب مرض کے، خواہ بسبب
فاصلہ کے، یا کسی اور سبب سے معناہ فلم تقدروا علی الماء (راغب) سردی لگ

جانے کا خوف، بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ، پانی لانے میں بہت زیادہ دشواریاں، یہ ساری چیزیں پانی نہ ملنے ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ عمرو بن العاص ؓ نے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلیا، اس لیے کہ پانی سے انہیں سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اُسے جائز رکھا۔ فقدروی فی حدیث عمرو بن العاص انہ تیمم مع وجود الماء لخوف البرد فاجازہ النبی ﷺ و لم ینکرہ (جصاص) حنفیہ کے ہاں سردی کے عذر پر بجائے غسل کے تیمم کرلینا بالکل جائز ہے۔ قال ابو حنیفۃ و محمد و من خاف برد الماء ان اغتسل جازلہ التیمم لما یخاف من الضرر (جصاص) تیمم کے ساتھ نماز جماعت میں بھی شرکت کی پوری اجازت حدیث میں موجود ہے۔ و حدیث عمران بن حصین نص فی ذلک و ھو ان رسول اللہ ﷺ رای رجلا معتزلا لم یصل فی القوم فقال یا فلان ما منعک ان تصلی فی القوم فقال یا رسول اللہ اصابتنی جنابۃ و لا ماء قال علیک بالصعید فانہ یکفیک۔ اخرجہ البخاری (قرطبی) فقہاء اُمت نے جنہیں حقیقۃً عقلائے اُمت کہنا چاہیے اسے خوب صاف کردیا ہے۔ کہ پانی مل سکتا تو ہو لیکن بہت گراں قیمت پر، یا موجود تو ہو لیکن اتنی کم مقدار میں کہ پینے کے لیے نہ بچ سکے گا، تو ایسے ہر موقع پر پانی کا وجود اس کے عدم ہی کے برابر ہے، اور تیمم بالکل درست ہوگا۔ و الجملۃ التی اتفق اصحابنا علیھا ان الوجود امکان استعمال الماء الذی یکفیہ لطھارتہ من

الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى

کہنیوں تک اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت

الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ

(دھولیا کرو) ٣٦ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو ٣٧ اور اگر تم

مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے آئے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو ٣٨ پھر تم کو پانی نہ ملے ٣٩ تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ

کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلیا کرو ٤٠ اللہ

اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ

نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے ٤١ بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ٦

کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے ٤٢ اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکرگزاری کرو ٤٣

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرلیا کرو ٤٤ اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا اس نے تم سے معاہدہ

بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیا ہے (یہ اس وقت) جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ٤٥ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ٧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا

سینوں کے اندر تک کا علم رکھتا ہے ٤٦ اے ایمان والو اللہ کے لئے پوری پابندی

غیر ضرر فلو کان معہ ماء و ھو یخاف العطش او لم یجدہ الا بثمن کثیر تیمم و لیس علیہ ان یغالی فیہ (جصاص) ٤٠ تیمم کا بیان اور اس کا طریقہ سب سورۂ نساء کی آیت متعلقہ کے تحت گزر چکا ہے۔ صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ صعید سے مراد مٹی کی جنس ہے۔ جس چیز میں بھی اجزاء ارضی شامل ہوں، اس حکم میں آجائے گی۔ و کان الصعید اسما للارض اقتضی ذلک جواز التیمم بکل ما کان من الارض (جصاص) قال ابو حنیفۃ یجزی التیمم بکل ما کان من الارض التراب و الرمل و الحجارۃ و الزرنیخ و النورۃ و الطین الاحمر و المراد اسنج و ما اشبھہٗ و ھو قول محمد و زفر۔ (جصاص) ٤١ (احکام شریعت کے ذریعہ سے۔ بلکہ وہ تو تنگی رفع کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ احکام تیمم سے ابھی ابھی ظاہر ہوگا) آیت میں ایک بہت بڑی اصل کا بیان آگیا۔ یعنی یہ کہ اللہ نے شریعت میں مشقت و تعب نہیں رکھی ہے۔ اور اس ایک اصل سے بیسیوں مسائل نکل سکتے ہیں۔ اور محقق رازی علیہ الرحمۃ کی نظر اس نکتہ تک خوب پہنچی ہے۔ اعلم ان ھذہ الایۃ اصل کبیر معتبر فی الشرع و ھو ان الاصل فی المضار ان لا تکون مشروعۃ (کبیر) احکام کا وہ مجموعہ جس پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تو نام ہی بہترین نقشۂ زندگی کا ہے۔ اور اس کا مقصود بھی یہ ہے کہ جو کوئی اس ہدایت نامہ پر عمل کرے، وہ زندگی کی دشواریوں کو بہترین اور سہل ترین طریقہ پر عبور کرسکے ... احکام شریعت کو سخت سمجھ لینا ایسا ہے جیسے کوئی بچہ اپنے شفیق اور تجربہ کار باپ کی ہدایتوں کو، یا کوئی مریض اپنے دلسوز اور حاذق طبیب کے احکام کو ظلم و جبر سے تعبیر کرنے لگے، بلکہ ان دونوں مثالوں سے بھی کہیں بڑھ کر احمقانہ ٤٢ (معنوی و ظاہری ہر اعتبار سے) طہارت کا لفظ صفائے قلب اور جسمانی پاکیزگی دونوں کے لیے یکساں وسیع ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکام دونوں اقسام کے جامع ہیں۔ مَا یُرِیْدُ۔ یُرِیْدُ۔ متکلمین نے آیت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے۔ دلت الایۃ علی انہ تعالیٰ مرید و ھذا متفق علیہ بین الائمۃ (کبیر) یہی الفاظ ان نیم مشرک نیم ملحد قوموں کی تردید کے لیے بھی کافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو صفت ارادہ سے محروم، محض مشین کی طرح چند قاعدوں کا پابند و محکوم سمجھے ہوئے ہیں۔ تطھیر۔ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح تمہیں پاک و صاف کردے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے، کہ ایک طرف صوفیہ محققین اور دوسری طرف فقہاء اُمت نے کتاب و سنت ہی سے جو جزئیات اعمال نکال نکال کر پیش کیے ہیں، ان سے مقصود بھی تمام تر اسی تطہیر ظاہری و باطنی کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنا ہے، نہ کہ اور مشقتیں بڑھانا۔ ٤٣ (اور ادائے شکر کی اعلیٰ ترین فرد ان احکام کی تعمیل ہے) لِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ۔ اور وہ اتمام نعمت یہی ہے کہ وہ اپنے قرب اور رضا کے راستے سہل ترین اور کامل ترین صورت میں تمہیں بتادے۔ نعمتہ بالاسلام و ببیان شرائع الدین (جلالین) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے متکدر ہونا اور ان پر نفس کا شبہ کرنا جیسا کہ عمل میں غلو رکھنے والے کرتے رہتے ہیں، مزاحمت حق ہے۔ ٤٤ (اور اس کی بڑی نعمت یہی ہے کہ اس نے فلاح دنیوی و اُخروی کے طریقے اس تفصیل اور اس تکمیل کے ساتھ تمہیں بتادیے ہیں) النعمۃ ھنا الاسلام (بحر) و ھی نعمۃ الاسلام (روح) امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ نِعْمَۃَ اللہِ سے یہاں مراد ان نعمتوں کی تعداد نہیں بلکہ جنس نعمت ہے۔ نِعْمَۃ یہ بطور اسم جنس مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے ضرورت صیغۂ جمع کی نہیں پڑی۔ ٤٥ مِیْثَاقَہٗ۔ اس سے کون سا عہد مراد ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد عالم ارواح کا وہ عہد ہے جو سارے بنی آدم سے اقرار ربوبیت کی بابت لیا گیا تھا۔ قال مجاھد و کلبی و مقاتل ھو المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ منھم حین اخرجھم من ظھر ادمؑ (کبیر) روح انسانی کے اندر جو فطری طلب خداری کی اور طبعی خواہش خداطلبی کی ہے، یہ اسی عہد کا عکس و ظہور ہے۔ لیکن خطاب یہاں عام نوع بشر سے نہیں، بلکہ اہل ایمان سے ہے۔ اس لیے آسان اور بے تکلف صورت یہ ہے کہ وہ عہد مراد لیا جائے جو ہر کلمہ گو اسلام قبول کرتے وقت کرتا ہے یعنی تعمیل احکام کا اجمالی عہد۔

قیل المیثاق اقرار کل مومن بما التزمہ (بحر) اس سے بھی زیادہ دلنشین تفسیر یہ ہے کہ میثاقکم سے مراد بیعت واطاعت کے وہ عہد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے لیے تھے۔ ابن عباس صحابی اور سدی تابعی وغیرہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ والذی علیہ الجمھور من المفسرین کابن عباس رضی اللہ عنہ والسدی ھو العھد والمیثاق الذی جری لھم مع النبی ﷺ علی السمع والطاعۃ من المنشط والمکرہ کما جری لیلۃ العقبۃ و تحت الشجرۃ۔ (قرطبی) المراد ھو المواثیق التی جرت بین رسول اللہ ﷺ و بینھم فی ان یکونوا علی السمع والطاعۃ فی المحبوب و المکروہ۔ (کبیر) و ھذہ ھی البیعۃ التی کانوا یبایعون علیھا رسول اللہ ﷺ عند اسلامھم (ابن کثیر) و ذلک حین بایعوا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعۃ فی ما احبوا و کرھوا و ھو قول اکثر المفسرین (معالم) ایسے عہد لیے تو تھے رسول اللہ ﷺ نے لیکن حق تعالیٰ نے ان کے اہتمام شان کے اظہار کے لیے انہیں منسوب اپنی ہی جانب فرمایا۔ و اضافہ تعالیٰ الی نفسہ کما قال انما یبایعون اللہ فبایعوا رسول اللہ ﷺ (قرطبی) انہ تعالیٰ اضاف المیثاق الصادر عن الرسول سدی تابعی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس میثاق سے مراد حقانیت اسلام کے دلائل عقلی ونقلی ہیں۔ اور متکلمین نے عموماً یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ قال السدی المراد بالمیثاق الدلائل العقلیۃ والشرعیۃ نصبھا اللہ تعالیٰ علی التوحید والشرائع و ھو اختیار اکثر المتکلمین۔ (کبیر) ف۴۶ اس حقیقت کے استحضار سے تعمیل احکام میں اخلاص کا پیدا ہوجانا لازمی ہے۔ ورنہ عمل بلا اخلاص سے تو محض مشقت ہی مشقت ہاتھ رہے گی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرنا یہ کہ اُس کے احکام کی مخالفت سے بچو۔ پہلے یہ تھا کہ تعمیل احکام میں نفع تمہارا ہی ہے۔ اپنی ہی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان احکام پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ یاد دلا دیا کہ تم عہد و معاہدہ بھی تو کر چکے ہو، اب اخلاقی فرض ان معہدوں کو پورا کرنا ہے۔ اب وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں اشارۃ یہ بتایا جارہا ہے کہ مخالفت و عدم تعمیل میں ضرر بھی تمہارا ہی ہے۔ ف۴۷ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام کی پوری پابندی کرتے رہو۔ معناہ کونوا قوامین للہ بالحق فی کل ما یلزمکم القیام بہ من الامر بالمعروف و العمل بہ والنھی عن المنکر واجتنابہ (جصاص) والمراد حثھم علی الانقیاد لتکالیف اللہ تعالیٰ (کبیر) لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہ کہ لاجل ثواب اللہ (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کی ادائی میں ہمہ وقت مستعد رہو۔ اشارۃ الی التعظیم لامر اللہ (کبیر) شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی ہر معاملہ میں مرتبۂ انصاف کا لحاظ رکھو۔ یہ تاکید ہوئی حقوق العباد کی ادائی کی۔ اشارۃ الی الشفقۃ علی خلق اللہ (کبیر) ف۴۸ گویا ادائے حقوق ہی کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا۔ یہ بالکل حکیمانہ ترتیب کے مطابق پہلے ممانعت ناانصافی اور زیادتی سے ہوئی۔ پھر اس سلب کے بعد ایجابی حکم عدل کا ملا۔ شَنَاٰنُ قَوْمٍ جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان کے دشمنی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دشمن اسلام کافروں ہی کی ہوگی۔ تو گویا تاکید اس کی ہوئی کہ دشمنوں تک کے ادائے حقوق میں کمی نہ کرو... اللہ اللہ! دنیا کا کون قانون ایسا ملے گا، جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہو! فقہاء نے آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ کافر کا کفر اُسے اس سے محروم نہیں کردیتا کہ اس کے حق میں عدل کیا جائے، یا اس کے حقوق ادا کیے جائیں۔ دلت الایۃ علی ان کفر الکافر لا یمنع من العدل علیہ (قرطبی) اور عدل کا وجوب جب کفر کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے، تو کفر سے کمتر درجہ کی چیزوں، فسق، بدعت وغیرہ کے ساتھ اس کا وجوب کیونکر نہ جمع ہوگا۔ جب منکروں، باغیوں، سرکشوں کے ساتھ عدل واجب ہے تو توحید و رسالت کے قائلوں کے ساتھ یہ وجوب کتنا اور مؤکد ہوگا! اکابر شارحین نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ فیہ تنبیہ عظیم علی ان وجوب العدل مع الکفار الذین ھم اعداء اللہ اذا کان بھذہ الصفۃ من القوۃ فما الظن بوجوبہ مع المؤمنین۔ (کشاف۔ کبیر۔ مدارک) و فی الایۃ تنبیۃ علی مراعاۃ حق المؤمنین بالعدل اذ کان تعالیٰ قد امر بالعدل مع الکافرین۔ (بحر) شدت غضب میں کون اپنے آپ پر قابو رکھ سکتا ہے۔ یہاں تاکید اسی کی ہورہی ہے کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کافروں کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں اُن کے مقابلہ میں زیادتی پر نہ آمادہ کردے۔ تو زیادتی نہ ہونے پائے۔ عدل واعتدال کا لحاظ ہر معاملہ میں رہے۔ عداہ بعلی لتضمنہ معنی الحمل والمعنی لا یحملنکم شدۃ بغضکم للمشرکین علی ترک العدل فیھم فتعتدوا علیھم بارتکاب مالا یحل (بیضاوی) نھاھم اولا عن ان یحملھم البغضاء علی ترک العدل ثم استانف فصرح لھم بالامر بالعدل تاکیدا و تشدیدا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاملات میں طبعیات پر عمل نہ کرنا ایک مجاہدہ ہے، اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ ف۴۹ اللہ کی اس ہمہ بینی و ہمہ دانی کا استحضار ہی تقویٰ کی ہر منزل اور ہر مرحلہ کو آسان بنا سکتا ہے۔ اسی لیے یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقویٰ کا حکم ہے، اکثر اسی کے متصل ہی اس مضمون کا بھی بیان ملتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک آیت پارۂ پنجم، سورۃ النساء میں بھی آئی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ الخ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ یا تو کسی فریق کی رعایت و مروت اور یا کسی فریق کی عداوت و مخالفت سورۃ النساء میں اقامت عدل کا حکم سبب اول کی مناسبت ہے، اور یہاں سبب دوم کی مناسبت ہے۔ ف۵۰ وَعَدَ اللّٰهُ۔ آیت میں جان ڈال

قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو ف۴۷ اور کسی جماعت کی

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ

دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کردے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے

لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧

بہت قریب ہے، ف۴۸ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو ف۴۹

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے، اللہ نے اُن سے وعدہ کرلیا ہے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

کہ اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف۵۰ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کو جھٹلایا (سو) ایسے لوگ دوزخ والے ہیں ف۵۱ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اللہ کی نعمت کو (جو) تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے

يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں ف۵۲ لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے ف۵۳

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۵۴ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں ف۵۵ اور بیشک

اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا ف۵۶ اور ہم نے ان میں

دینے والا لفظ بھی وعدۂ الٰہی ہے، اہلِ ایمان کے لیے کس قدر شوق افزا، اور کس درجہ محرک عمل! اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ اللہ جس اجر وصلہ کو "عظیم" کہے، کون بندہ اُس کا اندازہ بھی کر سکتا ہے! **و ۵۱** اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ صاحب میں مفہوم عارضی و ہنگامی اجتماع کا نہیں، بلکہ مستقل اور طویل تعلق کا پایا جاتا ہے۔ اس لیے کافروں کو اصحاب دوزخ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ گویا دوزخ ہی کے لیے بنے ہیں یا دوزخ اُنھی کے لیے بنی ہے اگر صرف وعید کی صورت ہوتی تو کچھ اُمید نجات کی باقی بھی رہ جاتی۔ المصاحب الملازم ولا یقال فی العرف الأالمن کثرت ملازمته (راغب) والمصاحبة والاصطحاب ابلغ من الاجتماع لاجل ان المصاحبة تقتضی طول لبثه (راغب) ای ملابسوا النار الشدیدة التاجج ملابسة مؤبدة (روح) فخر المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ معمول اس موقع پر بھی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اور دوسرے بھی اُن کی راہ پر چلے ہیں:۔ یفید الحصر والمصاحبة تقتضی الملازمة کما یقال اصحاب الصحراء ای الملازمون لها (کبیر) فهم دائمون فی عذاب اذ حتم لهم انهم اصحاب الجحیم ولم یات بصورة الوعید فکان یکون الرجاء لهم فی ذلک (بحر) لم یوت بالجملة فی سیاق الوعید قطعا لرجائهم (روح) اور آیت ہی سے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ خلودِ جہنم کفار ہی کے لیے ہے۔ فهذه الآیة نصٌ قاطع فی ان الخلود لیس الا للکفار (کبیر) **و ۵۲** (اور اس تنبیہ کے ساتھ کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہر میں قرائن بھی اُن کے اسی ارادہ کی تائید میں

اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ

بارہ سردار مقرر کئے تھے **و ۵۷** اور اللہ نے (ان سے یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں **و ۵۸** تو اگر

اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ

نماز کے پابند رہو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے، اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہو گے،

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور اُن کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے، تو میں

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کر دوں گا، اور ضرور تمہیں (بہشت کے) باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی **و ۵۹** اور جو کوئی تم میں سے اس کے بعد بھی کفر کرے گا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ

تو بیشک اُس نے ضائع کر دی راہ راست **و ۶۰** غرض ان کی پیمان شکنی ہی کی بنا پر ہم نے انہیں رحمت سے

لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

دور کر دیا **و ۶۱** اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا **و ۶۲** وہ کلام کو اس کے موقع محل سے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ

بدل دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک (بڑا) حصہ بھلا بیٹھے ہیں **و ۶۳** اور ان میں سے بجز

تَطَّلِعُ عَلٰی خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

معدودے چند کے، آپ کو ان کی خیانت کی اطلاع آئے دن ہوتی رہتی ہے **و ۶۴** سو آپ ان کو معاف

عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

کر دیجیے اور (ان سے) درگزر کیجیے **و ۶۵** بیشک اللہ نیک کاروں کو پسند کرتا ہے **و ۶۶**

تھے) اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ۔ بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے، مارنے کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ یستعمل تارة للصولة والضرب (راغب) یقال بسط الیه یده اذا بطش به (کبیر) اُردو میں بھی "دراز دستی" ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ۔ یہ کون لوگ تھے؟ مخالفین و معاندین سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہاں متعین طور پر کن کی جانب اشارہ ہے؟ اشارہ اگر اسلام کی ابتدائی تاریخ کی طرف سمجھا جائے، تو اس وقت تو سب سے بڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ اور ارباب تفسیر کا ایک گروہ اسی جانب گیا ہے۔ وهم المشرکون (کبیر) روی ابو صالح عن ابن عباس انها نزلت من اجل کفار قریش (بحر) اور اگر مراد ما بعد کے زمانہ سے لی جائے، تو اس وقت سب سے پر قوت مخالفین یہودِ عرب تھے۔ اور ایک گروہ سے یہی تفسیر منقول ہے موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں، لیکن ان میں تعارض و تناقض کچھ بھی نہیں۔ اور قوم کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی جماعت ہی مراد ہو۔ کوئی مخصوص لیڈر یا سرغنہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لا یخفی ان سبب النزول یجوز تعدده و ان القوم قد یطلق علی الواحد (روح) **و ۵۳** (بلکہ آخر میں تم ہی کو قرائن ظاہری کے خلاف تمہی کو کامیاب اور غالب کر دیا) کفّ ید، بسط ید کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دشمنوں نے تم پر حملہ کر کے تمہارا قلع قمع کر دینا چاہا تھا، لیکن اللہ نے ان کے منصوبوں کو ناکام رکھا، اور ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زد ہے اُن وفراط پسند جاہلوں کا جو اللہ کی دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ **و ۵۴** (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہو) غلبہ و کامیابی کی مسرت کو یاد دلا کر معاً بعد تقویٰ الٰہی کے ہاتھ رہنے صاف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ غلبہ و کامیابی میں بڑا دخل تقوی الٰہی کو ہے۔ قناعت، بے طمعی، بے نفسی، ہمدردی، صداقت شعاری، ایثار، حفظ حدود، غرض سیرت و کردار کی ساری انفرادی و اجتماعی خوبیاں اس ایک جامع لفظ "تقوی" کے اندر آ گئیں۔ **و ۵۵** (نہ کہ اپنے دست و بازو، اپنی ہمت و تدبیر پر) کامیابی و کامرانی کے بعد بڑا خطرہ لگا رہتا ہے کہ گھمنڈ اپنی قوت بازو اور اپنی عقل و فرزانگی پر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو پست ہمتی اور تعطل کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ اُسے سرگرم عمل برابر رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا بھی روادار نہیں کہ انسان خود پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو جائے۔ وہ تعلیم بار بار اسی کی دیتا ہے کہ نظر اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیے۔ اسی نے پہلے بھی بگڑے کام بنائے تھے، اور اسی کی ذات کا سہارا آخرت تک قائم ہے۔ **و ۵۶** (ان کی اطاعت و وفاداری کا، ان کے پیمبروں کے واسطے سے) ابھی تاکید اللہ پر اعتماد اور اس کے احکام کی تعمیل کی آ چکی ہے۔ اب شہادت بنی اسرائیل کی تاریخ سے لائی جا رہی ہے کہ دیکھو اس موحد قوم نے جب نافرمانی اختیار کی، کیسے کیسے وبال میں پڑنے لگی **و ۵۷** (ان کے قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قوم اسرائیل ۱۲ قبیلوں میں تقسیم تھی۔ اور ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ۱۲ سرداروں کا قرآنی عدد توریت کے بیان کے عین مطابق ہے۔ توریت میں ہے کہ مصر سے نکلنے کے دوسرے برس خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا:۔ "تو بنی اسرائیل کی ساری جماعت کا، مطابق اُن کے فرقوں کے اور ان کے آبائی خاندانوں کے اسم شماری کے ساتھ ہر ایک مرد سر بسر گن کر حساب کر۔۔۔ اور ہر فرقہ سے ایک ایک آدمی ہر ایک جو اپنے اپنے آبائی خاندان کا سردار ہے تمہارے ساتھ ہو"۔ (گنتی۔ ۱: ۲۔ ۴) آگے ان سرداروں کے نام درج ہیں، اور وہ تعداد میں ۱۲ ہیں۔ اسی طرح توریت میں ایک دوسری جگہ، کنعان (فلسطین) پر فوج کشی سے ذرا قبل کے موقع پر ہے:۔ "خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تا کہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اس میں سردار ہے بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران میں ان کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے"۔ یہاں بھی سرداروں کی تعداد ۱۲ درج ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اصل ہے مشائخ اہل تربیت کی اس عادت کی کہ وہ مریدوں پر ان کی اصلاح، نگرانی کی غرض سے اپنے نائبوں کو مقرر کر دیتے ہیں۔ اور اس میں ان کی باہمی مناسبت کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔ **و ۵۸** یہ معیت الٰہی کا تصور ایک خدا پرست قوم کے لیے کس درجہ ہمت آفرین و شوق افزا ہے! دل اس

کے بعد کس قدر قوی اور مطمئن ہو جاتا ہے اور شکست کا کوئی امکان بھی اس کے بعد ذہن کے سامنے نہیں آسکتا..... آج محض وائسرائے اگر رعایا کے ایک معمولی فرد سے کہہ دے کہ "گھبراؤ مت ہم تمہارے ساتھ رہیں گے" تو اُسے کس قدر قوت واستقامت حاصل ہو جائے۔ چہ جائیکہ یہاں خالق کائنات مالک الملک، حاکم علی الاطلاق اپنی معیت کا یقین دلا رہا ہے! تسکین واطمینان کا کوئی درجہ اس کے بعد اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ ایک پہلو تھا۔ اب دوسرے پہلو سے دیکھئے۔ کوئی معصیت اس استحضار معیت الٰہی کے بعد بندہ سے ممکن ہے؟ جہاں کوئی اپنے سے ذرا بڑا اگر نگرانی کے لیے پاس موجود رہتا ہے، جب تو اس کی مروت لحاظ یا دباؤ سے ہم اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، اور کوئی لغزش یا معصیت سرزد نہیں ہونے دیتے، چہ جائیکہ ہمہ بین وہمہ داں مالک ومولا کی معیت کا استحضار! کوئی معصیت بھی اس کے بعد ممکن رہ سکتی ہے؟ غرض ترغیب وترہیب کے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے معیت الٰہی کا مراقبہ بہترین موثر ہے۔ محققین نے یہ بھی صاف کر دیا ہے کہ معیت سے یہاں مراد نعوذ باللہ معیت جسمانی نہیں جیسے مخلوق مخلوق کے درمیان ہوتی ہے، بلکہ احاطہ علم وقدرت ونصرت کے لحاظ سے ہے۔ انی معکم بالعلم والقدرة فاسمع كلامكم و ارى افعالكم واعلم ضمائركم و اقدر على ايصال الجزاء اليكم (کبیر) ای بالعلم والحياطة و فی هذه المعية دلالة علی عظم الاعتناء والنصرة (بحر) ای ناصركم و معينكم (مدارک) **ف۵۹** خوب خیال رہے کہ ایمان وحسن عمل کی اصل جزاء قرآن مجید نے آخرت ہی میں رکھی ہے۔ اور سارا زور جنت اور اُس کی نعمتوں ہی پر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود وغیرہ قدیم قوموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں بھی اسی کو بار بار دُہرایا ہے..... دنیوی کامیابی اور غلبہ کو بھی بیان کیا ہے، لیکن صرف کہیں کہیں، اور وہ بھی گویا ضمنی اور ثانوی طور پر، بہ طور انعام اصلی کے تتمہ کے..... اور یہی بڑا فرق قرآن اور توریت کے درمیان ہے۔ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ۔ یعنی جو پیمبر میری طرف سے آئندہ آتے رہیں گے، اُن کی تصدیق کرو گے۔ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ۔ یعنی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرو گے۔ ای رددتم عنهم اعداءهم (قرطبی) نصرتموهم بان ترد‍وا عنهم اعداء هم (مدارک) اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں اخلاص وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہو گے۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں جو دوسری زبان والوں کو نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے عربی کا یہ محاورہ ہے۔ جو اُردو خوانوں کو بہت ہی اجنبی سا محسوس ہوتا ہے۔ قرض کی حقیقت عربی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ مال ہے جس کی واپسی کچھ مدت بعد لینے والے پر لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ سمی ما يدفع الى الانسان من المال بشرط ردّ بدله قرضًا (راغب) تو اسی واپسی کے لزوم ووجوب کی بنا پر اللہ کی خدمت میں مال پیش کرنے کو قرض سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور حَسَنًا کے اضافہ نے یہ قید لگا دی، کہ وہ صرف مال اخلاص اور خوشدلی کے ساتھ ہو۔ **ف۶۰** (اور بھٹک گیا) بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس عہد و پیمان کے بعد۔ **ف۶۱** چنانچہ خود توریت بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی، عہد شکنی اور ملعونیت کی داستان سے لبریز ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ اور ف نے یہ صاف کر دیا کہ یہ ساری لعنتیں بیکار گئیں۔ اور بنی اسرائیل خود اپنے عہد وقرار کے توڑنے پر تل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے گئے۔ لعنت کے مفہوم یعنی رحمت الٰہی سے محرومی پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ لعنّاهم ای طردناهم و ابعدناهم من الرحمة قاله عطاء والزجاج (بحر) بِمَا۔ میں ما نے معنی تاکید کے پیدا کر دیئے۔ ما زائدة للتوكيد عن قتادة و سائر اهل العلم و ذٰلك انها مؤكد الكلام بمعنى تمكنه في النفس من جهة حسن النظم و من جهة تكثيره للتوكيد. فالتاكيد بعلامة موضوعة كالتاكيد بالتكرير (قرطبی) الباء سببية و ما مزيدة لتوكيد الكلام و تمكينه في النفس (روح) ما مزيدة لا فادة تفخيم الامر (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ نکلا کہ بعض معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ **ف۶۲** (کہ حق بات قبول نہیں کرتے) یہ قلب کی قساوت یعنی کلمۂ حق کے قبول کرنے سے گریز اسی ملعونیت کے اثر سے ہے۔ اور لعنت کی حقیقت ہے، لطف حق سے دُوری اور رحمت حق سے مجوری۔ اللعن الابعاد والطرد من الرحمة (قرطبی) يحتمل التاويل الباطل و يحتمل تغيير اللفظ (کبیر) یہود کی قساوت قلب کا ذکر انجیل میں بھی بار بار آیا ہے: "اُس نے اُن کی سخت دلی کے سبب غمگین ہو کر اور چاروں طرف اُن پر غصہ سے نظر کر کے اس آدمی سے کہا" (مرقس۔ ۳:۵) "اُن کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی"۔ (مرقس۔ ۱۶:۱۴) "تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس قہر کے دن کے لیے اپنے واسطے غضب کما رہا ہے"۔ (رومیوں۔ ۲:۵) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قبض سے معاصی پیدا بھی ہو جاتے ہیں **ف۶۳** (اور اسی بڑے حصہ میں تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے)۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ تركوا نصيبًا بما اُمروا به في كتابهم و هو الايمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (کبیر) حَظًّا۔ تنکیر معنی کی بڑائی کے لیے ہے، یعنی بڑا حصہ ای نصيبًا جزيلًا و قسطًا وافيًا (مدارک) نصيبًا وافيًا۔ (بیضاوی) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں آ گئیں۔ ای يتاولونه على غير تاويله (قرطبی) قيل معناه يبدلون حروفه (قرطبی) یہود مسیحیوں کی طرح خود بھی وحی لفظی کے قائل نہیں اور نہ اپنے صحیفوں بلکہ خود توریت تک کی محفوظیت کے مدعی۔ اُن کا تو سارا کام مسیحیوں کی طرح بجائے اصل متن کے، ترجمہ کے زور پر چل رہا ہے۔ اور ترجمہ بالفرض بہتر سے بہتر ہو، جب بھی اصل سے جتنا دُور ہوتا ہے، ہر صاحب علم پر روشن ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ میں یہ لوگ ارادی ترمیم وتصرف سے شرماتے نہیں، فخریہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ **ف۶۴** یہود کی دینی ودنیوی خیانتوں کی مثالیں خود قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہیں۔ مثلاً اُن کا اخفاء احکام توریت، ان کی جھوٹی اور جعلی شہادتیں پیش کرنا، وقس علیٰ ہذا۔ خائنة سے مراد خیانت ہے۔ اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ الخائنة الخيانة قال قتادة و هذا جائز في اللغة (قرطبی) الخائنة في هذا الموضع الخيانة وضع و هو اسم موضع المصدر (ابن جریر) بمعنى المصدر و نظيره كثير كالكافية والعافية و قال تعالىٰ فاهلكوا بالطاغية اي الطغيان (کبیر) خائنة کا اطلاق کبھی علامہ وشاہد کی طرح مبالغہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔ ان تقع خائنة للواحد كما يقال رجل نسّابة علّامة فخائنة على هذا للمبالغة يقال رجل خائنة اذا بالغت في وصفه بالخيانة (قرطبی) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور وہ معدودے چند منکرین وہ تھے، جو بعد کو ایمان لے آئے۔ **ف۶۵** یعنی اُن کے ان جرائم کے باوجود ابھی ان سے انتقام نہ لیجئے اور بلا ضرورت شرعی اُن کی تفضیح ورسوائی کا سامان نہ کیجئے۔ **ف۶۶** (اور اُسی نیک کاری کی ایک فرد یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعی کسی کی تفضیح ورسوائی نہ کی جائے) مُحْسِنِيْنَ۔ احسان کے معنی عربی میں صرف حسن عمل اور نیک کاری کے ہیں۔ اُردو کے "احسان" کا اسے مرادف نہ سمجھا جائے۔ نکتہ سنجوں نے یہیں سے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ جب کافروں اور کافر بھی کیسے، غیر متدین وخائن کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ حسن عمل اور نیک کاری قرار پایا تو پھر مسلمان کے ساتھ عفو ودرگزر کے معاملہ کی فضیلت کا کیا کہنا! تنبيه على ان العفو عن الكافر الخائن احسانٌ فضلاً عن العفو عن غيره (بیضاوی) **ف۶۷** (ویسا ہی عہد جس کا ذکر ابھی بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر آ چکا ہے) قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ انداز بیان کی احتیاط ملاحظہ ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم نے نصاریٰ سے عہد لیا بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا نصٰرٰى۔ نصرانی کی جمع ہے۔ اور اس لفظ پر حاشیے پ میں گزر چکے۔ زیر آیت وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ الخ **ف۶۸** (اور اسی بھلائے ہوئے بڑے حصہ میں توحید الٰہی بھی شامل ہے اور تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی) یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے، کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صدہا تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں۔ حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں ہے: "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ اُس نے اقرار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اُس سے پوچھا، پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا۔ ۱:۱۹۔ ۲۲) "انہوں نے اُس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے، نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"؟ (یوحنا۔ ۱:۲۵) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنی؟ ضرور ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آ رہی ہے، اور یہ النبی یقیناً مسیح علیہ السلام سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔ اور آگے چلئے۔ خود مسیح علیہ السلام نے ایک بار عید کے اخیر دن کھڑے ہو کر پکارا کہ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آ کر زندگی کا پانی پیئے۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا، بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا، یہ مسیح علیہ السلام ہے"۔ (یوحنا ۷:۴۰) ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنے شاگردوں کو

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا ف٦٧

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی (اس کا) بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے ف٦٨ تو ہم نے ان میں باہم بغض اور

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

عداوت قیامت تک کے لئے ڈال دیا ف٦٩ اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

انہیں عنقریب وہ جتلا دے گا ف٧٠ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ جو) رسول

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ

آئے ہیں، یہ تمہارے سامنے کتاب (الٰہی) کے (وہ مضامین) کثرت سے کھول دیتے ہیں جنہیں تم چھپاتے

الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

رہے ہو ف٧١ اور بہت سے امور کو نظر انداز بھی کر جاتے ہیں ف٧٢ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک

نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے ف٧٣ اس کے ذریعہ سے اللہ انہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کی

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

پیروی کرتے رہتے ہیں ف٧٤ اور انہیں اپنی توفیق سے نور کی طرف،

اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ دکھائے رہتا ہے ف٧٥

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم

تسلی دیتے ہیں۔ ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے“۔ (یوحنا۔ ۱۴:۱۶) (”مددگار“ کے لفظ پر اردو انجیل میں نسخہ ”یا وکیل یا شفیع“ بھی درج ہے) اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار یا شفیع یا وکیل بجز نبیؐ ”خاتم النبیین“ کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ملاحظہ ہو:۔ ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھیرائے گا“۔ (یوحنا ۱۶:۷، ۸) اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ وہ نبی آکر پرانی شریعتیں منسوخ کرے گا، اور نئی شریعت چلائے گا۔ خطًا پر حاشیہ ابھی نمبر ۹۳ میں گزر چکا۔ ف٦٩ بَيْنَهُمْ ۔ یعنی مسیحی قوموں کے درمیان۔ اشارہ نصرانیوں کے اندرونی مذہبی اختلافات کی جانب ہے۔ مسیحیوں کے اندر جس کثرت سے فرقے ہیں اور پھر ان میں باہم جس درجہ شدید اختلافات ہیں، یہ ہر والوں کو اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور اگر اس مفہوم میں یورپ کی موجودہ سیاسی قومیں شامل کبھی جائیں تو ان کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں تو اور زیادہ ظاہر و روشن ہیں۔ جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ روس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے، امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے، وغیرہا۔ اندرونی نفسانیت اور کشمکش کی حد و حساب ہی نہیں۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ یعنی ہمیشہ، مستقل طور پر۔ قرآن مجید ظاہر ہے کہ محاورۂ انسانی کے مطابق ہے۔ اور محاورہ میں ”قیامت تک سے“ مراد یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس شے کا وجود باقی ہے۔ قرآن مجید ہی میں ابلیس کے ذکر میں ہے کہ اس پر لعنت قیامت تک رہے گی۔ معنی بالکل ظاہر ہیں کہ وہ لعنت اس پر ہمیشہ رہے گی۔ نہ یہ کہ وہ یوم حشر کے بعد لعنت سے نجات پا جائے گا۔ اس لیے زائغین جدید میں سے ایک صاحب کا آیت کے ذیل میں یہ کہنا کہ ”اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت کے دن تک رہیں گے..... اور یہ خیال کہ کسی وقت کل کے کل مسلمان ہو جائیں گے، اس آیت کے رو سے غلط ٹھیرتا ہے“۔ جہل محض ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی جس طرح عقاب اُخروی کا سبب بنتے ہیں، عقاب دنیوی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ ف٧٠ سَوْفَ ۔ یعنی قیامت میں۔ قرآن مجید نے قرب آخرت کے استحضار کے لیے بار بار اس کی آمد و وقوع کے لیے سَوْفَ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ القاء عداوت و بغض باہمی میں ذکر وبال دنیوی کا تھا۔ اب سزائے آخرت کا آگیا۔ ف٧١ (اور یہ بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ علم کی) مطلب یہ ہوا کہ یہ پیمبر اُمی ہونے کے باوجود، توریت و انجیل کے اصل مضامین کو تمہاری کوشش اخفاء کے باوجود وحی الٰہی سے معلوم کر کے ظاہر کر دیتے ہیں۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔ اب خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ ف٧٢ (اور یہ حلم و عفو بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ اخلاق کی) يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ یہ مضامین جنہیں آپ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہیں، جن کے اظہار سے بجز مجرموں کی تفضیح کے اور کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں۔ انما لم يظهره لانه لا حاجة الى اظهاره فى الدين (کبیر) لا يبينه اذا لم تضطر اليه مصلحة دينية و ما فيه احياء الشريعة و اماتة بدعة (کشاف) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہیں سے اہل اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب تک کوئی مصلحت دینی نہ ہو مقتضائے غیظ پر عمل نہیں کرتے، اور عداوت میں بھی شفاء غیظ نفسانی کا قصد نہیں کرتے۔ ف٧٣ نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔ یعنی بالنور محمدا صلی اللہ علیہ وسلم و كتاب مبين هو القرآن الذى انزله على نبينا (ابن جریر) نور قيل محمد صلی اللہ علیہ وسلم عن الزجاج و كتاب مبين اى القرآن فانه يبين الاحكام (قرطبی) ف٧٤ یعنی رضائے حق کا ارادہ کرتے ہیں، اور اس کی تلاش و فکر میں رہا کرتے ہیں۔ اى من يعلم الله تعالى انه يريد اتباع رضاء الله تعالى بالايمان به (روح) یہیں سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ راہ ہدایت انہی کے نصیب میں آتی ہے، جو از خود اس کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ سُبُلَ السَّلٰمِ ۔ پوری سلامتی، مادی و روحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جا کر نصیب ہو سکتی ہے۔ اُس کے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے صحیح عقائد اور صحیح اعمال ہیں۔ طرق السلامة الموصلة الى دار السلام و هى الجنة (قرطبی) قيل طرق الجنة (بحر) بِهٖ میں ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ اى بالكتاب المبين (کبیر) ظاهره انه يعود على كتاب الله (بحر) اى بالقرآن (مدارک) ف٧٥ یعنی عمر بھر انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ الظُّلُمٰتِ ۔ سے مراد کفر کی تہ بہ تہ تاریکیاں ہیں۔ اى من ظلمات الكفر و الجهالات (قرطبی) النُّوْرِ سے مراد ایمان و طاعت کی روشنی ہے۔ اى الى نور الاسلام و الهدايات (قرطبی) بِاِذْنِهٖ سے مراد ارادۂ الٰہی، توفیق الٰہی، یا مشیت تکوینی ہے۔ اى بتوفيقه (کبیر) اى بارادته و توفيقه (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل مقصود طلب رضا ہے، دخول جنت اس کے تابع ہے۔

ف۷۶ اس عقیدہ کو جو کھلا ہوا شرک ہے، خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید "نصرانیت" سے تعبیر نہیں کرتا۔ نہ ایسے لوگوں کو نصرانی یا اہل الکتاب سے موسوم کرتا ہے۔ ان کا ذکر تو اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا نصاریٰ کے تحت میں ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اب جن لوگوں کا ذکر ہے، اُن کے لیے تو کھلا ہوا اور قطعی حکم تکفیر ہی کا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ الخ مسیحیت موجودہ کی متعدد شاخوں کے عقیدے تو کھلے ہوئے مشرکانہ ہیں، مثلاً Sabellianism، Docetism، Monarchianism وغیرہا۔ ان کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ اردو میں ان کی اصطلاحوں کے ترجمے بھی دشوار ہیں۔ اب رہی وہ مسیحیت جو مسلک جمہور کے مطابق ہے اور صدیوں سے دنیا میں خوب پھیلی ہوئی ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں عقیدۂ اتھانیاسیس (Athanasian Creed) جو کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ سب مشہور و مقبول فرقوں میں مشترک ہے، اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر، عظمت ازلی یکساں۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا...... باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود...... باپ ازلی، بیٹا ازلی...... یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق...... ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا"۔ کھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مسیح اور مریم دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہیں مسیح کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود ایک ضرب کاری ہے۔ عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام پر، کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو، وہ تو خود ایک خاتون کا فرزند تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صریح رد ہے ان لوگوں پر جو خالق و مخلوق میں اتحاد کے قائل ہیں۔

مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ

ہے ف۷۶ آپ کہیے کہ ف۷۷ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ

اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي

ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو ف۷۸ اور جو کوئی بھی

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

زمین پر ہے سب کو ف۷۹ اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس (سب) پر

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہی کی حکومت ہے ف۸۰ وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری

قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ

قدرت ہے ف۸۱ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے اور اس کے

وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ

چہیتے ہیں ف۸۲ آپ کہہ دیجئے تو پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے ف۸۳ نہیں بلکہ تم (محض) بشر ہو

مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

مخلوقات میں سے ف۸۴ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا ف۸۵

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ

اور اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس (سب) پر بھی ہے اور اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ

واپسی ہے ف۸۶ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول جو تمہیں صاف صاف

لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا

بتاتے ہیں، آپہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا آنا بند تھا ف۸۷ کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی

ف۷۷ (اس مسیح پرستی کی تردید میں، اے ہمارے پیغمبر!) ف۷۸ (طبعی موت سے) اَنْ يُّهْلِكَ اہلاک ایک تو ہوتا ہے بصورت عذاب، وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں اہلاک بصورت موت طبعی مراد ہے۔ المراد بالاھلاک الاماتة والاعدام مطلقاً لاعن سخط و غضب (روح) فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا۔ ملک یہاں قدرت کے معنی میں ہے۔ الملک ھو القدرة (کبیر) یملک بمعنی یقدر من قولھم ملکت علی حلاف امرہ ای اقتدرت علیه (قرطبی) پورے فقرہ کا مفہوم یہ ہوا کہ کون اللہ کے ارادہ کی راہ میں حائل و مانع ہو سکتا ہے؟ یعنی فمن الذی یقدر علی دفع شیء من افعال اللہ تعالٰی و منع شیء من مرادہ (کبیر) ای فمن یقدر ان یمنع من ذلک شیئا (قرطبی) فمن یمنع من قدرته و ارادته شیئا (بیضاوی) فَمَنْ میں مَنْ لانے سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے تو بتاؤ۔ اسی مفہوم کو ترجمہ میں "اچھا تو" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وَاُمَّهٗ۔ مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم کا ذکر لانے کی ایک مناسبت یہ ہے کہ دنیائے مسیحیت کی ایک بڑی آبادی کے نزدیک وہ بھی شریک الوہیت ہیں، اور، لاکھوں بلکہ کروڑوں مسیحیوں کے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر فائز ہیں۔ اصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ حاصل استدلال یہ ہوا کہ قوت، قدرت، ارادہ، اختیار میں کوئی مخلوق، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام و مریم بھی خدائے تعالٰی خالق کائنات کے مقابلہ میں کچھ بھی لا سکتے ہیں؟ اور اللہ کی مشیت کی راہ میں ذرا بھی حائل ہو سکتے ہیں؟ کھلا ہوا جواب ہے کہ نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو تمہاری عقل کیسی ماری گئی ہے، کہ تم مسیح علیہ السلام (یا مسیح و مریم دونوں) کو شریک الوہیت ٹھہرا رہے ہو! ف۷۹ (کہ بے اختیاری، بے بسی، اور مخلوقیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم بھی ساری ہی مخلوق جیسے ہیں، اور اس اعتبار سے ان میں اور ان میں کوئی فرق نہیں) اراد بعطف من فی الارض علی المسیح و امه انھما من جنسھم لاتفاوت بینھما و بینھم فی البشریة (کشاف) یعنی ان عیسی مشاکل بمن فی الارض فی الصورة والخلقة والجسمية والتركيب و تغيير الصفات والاحوال (کبیر) ف۸۰ (بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) "آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر" یعنی ساری موجودات و کائنات پر۔ ف۸۱ مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس سے ان کا استدلال یہ تھا کہ ایسے محیر العقول وجود کو انسان یا بشر کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ وہ یقیناً فوق البشر ہے اور الوہیت کا حصہ دار۔ یہاں جواب اسی کا دیا گیا ہے، کہ اللہ تو پیدا کرنے کی ہر صورت پر، ہر صورت سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس نے اگر کسی مخلوق کو عام اور عمومی عادت کے خلاف طریقہ سے پیدا کر دیا، تو اس سے اُس مخلوق کی الوہیت یا غیر مخلوقیت کیسے ثابت ہو گئی؟ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ۔ جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، خواہ سنت عادی کے موافق ہو یا مخالف، پیدا کر سکتا اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی قوت خلاقی کسی صورت اور کسی طریق کے ساتھ مخصوص و معین نہیں۔ تخلیق کی ہر نوع اور ہر صنف، بلا واسطہ، بہ واسطہ سب پر یکساں قادر ہے۔ ای یخلق ای خلق یشاءہ فتارة یخلق من غیر اصل و اخری من اصل و تارة من اصل یجانسه و یخلق بلا توسط شیء من المخلوقات و قد یخلق بتوسط مخلوق اخر (روح) ای ان خلقه لیس مقصورا علی نوع واحد بل ماتعلقت مشیئته بها بجاده او جدہ و اخترعه (بحر) ف۸۲ (اور اس لیے عام نوع انسان سے کہیں افضل و اشرف) نَحْنُ صیغہ جمع متکلم (ھم) سے مراد یہاں افراد نہیں بلکہ قوم یا ملت، بحیثیت مجموعہ افراد مراد ہے۔ یعنی یہود من حیث القوم اور نصاریٰ بہ حیثیت ملت۔ موجودہ محرف اور مسخ شدہ بائبل تک میں اس قسم کے حوالے موجود ہیں:۔ "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ (خروج۔ ۴: ۲۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو"۔ (استثناء ۱۴: ۱) "جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا"۔ (ہوسیع۔ ۱۱: ۱) (جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۲۔ صفحہ ۱۵) میں بھی انہیں عقائد کی تکرار

موجود ہے)" جتنوں نے اُسے قبول کیا، اُس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا"۔ (یوحنا۔ ۱۲:۱) "جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے ملتے ہیں، وہی خدا کے بیٹے ہیں"۔ (رومیوں۔ ۸: ۱۴) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر۔ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ میں اَبْنٰٓؤُا سے مراد حقیقی صلبی بیٹے نہیں اور نہ ابن کے یہ معنی ہی لازمی طور پر ہیں اس کے لیے عربی میں دوسرا لفظ ہے۔ ولد۔ ابن کا اطلاق مجازی منہ بولے لڑکوں پر پوری طرح ہوتا ہے۔ اور عربی میں اس کا مجازی استعمال بہت عام ہے یقال لکل ما یحصل من جھة شیء او من تربیته او بتفقدہ او کثرة خدمته لہٗ او قیامه بامرہ ھو ابنہٗ نحو فلانٌ ابن حرب و ابن السبیل للمسافر و ابن اللیل و ابن العلم و فلان ابن بطنه و ابن فرجه اذا کان ھمّته مصروفاً الیھما و ابن یومه اذا لم یتفکر فی غدہٖ (راغب) اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ اب، ابن، بنت یہ تین لفظ ایسے ہیں کہ بڑی کثرت سے چیزیں ان کی جانب منسوب و مضاف مستعمل ہوتی ہیں۔ وللاب والابن والبنت اسماء کثیرة تضاف الیھا (تاج۔ لسان) اور آگے ازہری لغوی اور ابن العربی لغوی کے حوالہ سے ایک بڑی طویل فہرست ایسے ناموں کی دے دی ہے جو عربی میں کسی کے 'ابن' کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہیں، مثلاً ابن الطین حضرت آدم علیہ السلام کے لیے، ابن اللیل چور کے لیے، ابن الاقوال باتونی شخص کے لیے وغیرہا۔ ہمارے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی بغیر اس کے کہ بائبل کے محاوروں کا مطالعہ کیا ہو، محض اپنے اشراق ایمانی سے یہاں یہی معنی قرار دیے ہیں، یعنی ہم خاصانِ خدا میں سے ہیں ہمارا اور عام خلقت کا مقابلہ ہی کیا۔ کما کان یقول رھط مسیلمة نحن انبیاء اللہ ویقول اقرباء الملک و ذووہٗ و حشمه نحن الملوک (کشاف) ای اعزة علیه کالابن علی الاب (مدارک) لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضاً علی من یتخذ ابناً و اتخاذہ ابنا بمعنی تخصیصه بمزید الشفقة و المحبة (کبیر) ارادوا ان اللہ تعالیٰ لنا کالاب فی الحنو والعطف و نحن کالابناء له فی القرب والمنزلة (معالم۔ ابوسعود) قالوا ھذا یطلق عندھم علی التشریف والاکرام (ابن کثیر) و مرادھم بالابناء المقربون ای نحن مقربون عنداللہ تعالیٰ قرب الاولاد من والدھم (روح) البنوة ھنا بنوة الحنان والرأفة (بحر) حاصل تقریر ان کا یہ تھا کہ ہم سب سے اونچی ذات والے، اور خاص مقربین حق میں ہیں... ٹھیک وہی ذہنیت جو ہندوستان میں برہمنوں کی اور اپنے کو چندر بنسی اور سورج بنسی کہلانے والے راجپوتوں کی ہوتی ہے۔ و مقصود الفریقین ھو المعنی المتضمن مدحًا و حاصل دعواھم ان لھم فضلاً و مزیةً عنداللہ تعالیٰ علی سائر الخلق (روح) و جملة الکلام ان الیھود والنصارٰی کانوا یرون لانفسھم فضلاً علی سائر الخلق بسبب اسلافھم الافاضل من الانبیاء حتی انتھوا فی تعظیم انفسھم (کبیر) اور یہ ذہنیت خود مسلمانوں کے اندر بھی پیرزادگی، مشائخ زادگی، مخدوم زادگی کے گھمنڈ سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں۔ ف۸۳ (جس کے تم خود قائل ہو) بداعمالی پر دنیوی سزاؤں کا ترتب تو ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی، جس سے یہود و نصاریٰ کسی کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔ اور ان دنیوی سزاؤں کے تذکرہ سے عہد عتیق کے صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں صریح رد ہے اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ ایسے قرب کا قائل ہو جس میں معصیت پر بھی مواخذہ نہ ہو۔ ف۸۴ (اور بلا امتیاز و استثناء انہیں کی طرح عام قاعدوں کے تحت میں داخل ہو) یعنی جزاء و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لیے ہے۔ وہی تمہارے لیے بھی ہے۔ ف۸۵ (اور وہی قادر مطلق، حاکم برحق یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت ہے، اور اہل کفر کے لیے دائمی عذاب) یعنی اسی کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ کسی کی محکوم نہیں۔ ف۸۶ (نہ کہ کسی نبی یا ولی کی طرف، فرشتہ یا دیوتا کی طرف) مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ابن اللہ مسیح کے دربار میں پیش ہوں گے، اور یہود اس خیال میں تھے، کہ ان کے آباؤ اجداد، یعقوب اور اسحق اور ابراہیم علیہم السلام انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچا لیں گے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لفظ بہ لفظ نقل ہونے کے قابل ہے:۔ "یہ دعویٰ مذکورہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کا انتساب تو ندیا اتصال سلسلہ کی بنا پر گھمنڈ ہے کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ایک گونہ ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے قطع نہیں ہوتی۔ اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اس انتساب یا اتصال کے زور سے کھڑے جنت میں جا ئیں گے"۔ ف۸۷ (اور دنیا صد ہا سال سے وحی تازہ کی نعمت سے محروم تھی) رَسُوْلُنَا۔ ہمارے یہ رسول جن کی آمد آمد تم اہل کتاب مدت سے سن رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر "وہ نبی" The Prophet کا یہود کی زبان سے آتا ہے۔ اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آنا مدتوں سے مسلم چلا آرہا تھا۔ یُبَیِّنُ لَکُمْ تمہیں صاف صاف احکام شریعت بتاتے رہتے ہیں۔ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ علی حین فترة من الرسل۔ ای جاء کم علی حین فترة من ارسال الرسل (کشاف) ای علی فتور من الارسال (کبیر) فترة کے لفظی معنی انقطاع عمل یا سکون کے ہیں۔ ای سکون والاصل فیھا انقطاع العمل عما کان علیه من الجد فیه (قرطبی) اصطلاح میں دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں۔ الفترة ما بین کل نبیین (تاج) ای علی انقطاع ما بین النبیین عن ابی علیؓ و جماعة من اھل العلم (قرطبی) سمیت المدة التی بین الانبیاء فترة (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وقفہ کم و بیش چھ سو سال کا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۷۰ء ہے اور سال بعثت ۶۱۰ء ہمارے

مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ
نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنے والا ف۸۸ (اب تو) آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا ف۸۹

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
اور اللہ ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھتا ہے ف۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
اپنی قوم سے کہا ف۹۱ کہ اے میری قوم! اللہ کا وہ احسان تم اپنے اُوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر

فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ
نبی پیدا کیے اور تمہیں خود مختار کیا ف۹۲ اور تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ
کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا ف۹۳ اے میری قوم! اُس زمین مقدس میں

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى
داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے ف۹۴ اور پیچھے پیروں

اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ
واپس نہ ہو ورنہ بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے ف۹۵ وہ بولے کہ اے موسیٰ اس

فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا
سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے ف۹۶ اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے

مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ
نہ نکل جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو ہم بیشک داخل ہونے کو تیار ہیں ف۹۷ (اس پر) دو

رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے (اور) ان دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے ف۹۸

ہاں بھی متعدد تابعین سے یہی مدت منقول ہے۔ و قال قتادۃ کان بین عیسیٰ و محمد علیہما السلام ستمائۃ سنۃ و قال مقاتل و الضحاک و وھب بن منبہ الا ان وھبا زاد عشرین سنۃ (قرطبی) و۸۸ (اس لیے ہم کو دین کے باب میں صحیح اور تفصیلی کافی علم ہونے ہی نہیں پایا) اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی کہیں قیامت کے دن یہ عذر نہ پیش کرنے لگو۔ اَنْ یہاں لئلا کے معنی میں ہے۔ ای لئلا او کراھۃ ان تقولوا (قرطبی) قدرہ الفراء لئلا تقولوا (ابوسعود) مِنْۢ بَشِیْرٍ میں مِنْ نفی وانکار میں زیادتی کے لیے ہے، کہ کوئی بھی تو نہیں آیا۔ و زیادۃ من فی الفاعل للمبالغۃ فی نفی المجیء (روح) و۸۹ (سو ان لوگو اب عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا، نہ ماننا تمہارا فعل ہے) والتقدیر ھنا لا تعتذروا فقد جاء کم۔ (روح) والفاء متعلق بمحذوف ای لا تعتذروا فقد جاء کم (مدارک) و۹۰ (اور یہ اسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اس نے صدیوں کے بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں سے بڑا، مبعوث کردیا) آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو اس نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیغمبر مبعوث کردیا تاہم اگر وہ چاہتا تو بغیر اس کے بھی تم پر حجت قائم کردیتا، اور تمہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ و۹۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا وہ زمانہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی ومحکومی سے آزاد ہوکر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل وحرکت کررہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک ہی وقت میں اُن کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دنیوی لیڈر بھی، انہیں آمادہ کررہے ہیں کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم وغاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال دو اور خود اس پر حکمرانی کرو۔ تازہ ترین تاریخی اور اثری تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م کا ہے، اور فلسطین پر اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ ق۔م کا۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا زمانہ اسی درمیانی مدت کا ہے۔ عجب نہیں کہ آپ کے بالکل آخری زمانہ کی ہو۔ جیسا کہ توریت کے صحیفہ استثناء، باب اول سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اس صحیفہ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے یردن کے اسی پار موآب کے میدان میں، واقعہ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد کی تھی۔ و۹۲ یٰقَوْمِ۔ خطاب یہاں قوم سے بہ حیثیت مجموعی ہے، افراد سے نہیں۔ فِیْكُمْ میں فی، من کے مرادف ہے۔ فیکم ای منکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نبوت ایک انفرادی اور شخصی منصب ہوتا ہے۔ اسی لیے فِیْكُمْ وارد ہوا ہے۔ یعنی تمہاری قوم کے اندر افراد انبیاء ہوتے رہے۔ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ ملک کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ و تاجدار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خودمختار اور صاحب حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یقال من استغنی عن غیرہ فھو ملک (قرطبی) الملک اسم لکل من یملک السیاسۃ اما فی نفسہ و اما فی غیرہ سواء تولی ذٰلک او لم یتول (راغب) کل من کان مستقلا بامر نفسہ و معیشتہ و لم یکن محتاجا فی مصالحہ الی احد فھو ملک (کبیر) کل من ملک بیتا و خادما و امراۃ فھو ملک (ابن جریر) حدیث میں ہر ایسے شخص پر ملک کا اطلاق آیا ہے، جو اپنا ذاتی مکان اور زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ بیت او قال منزل یاوی الیہ و زوجۃ و خادم یخدمہ فھو ملک (قرطبی) عن زید بن اسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ بیت و خادم فھو ملک (ابن جریر) اور قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ملک سردار، افسر یا فوجی قائد کے معنی میں آچکا ہے۔ ابعث لنا ملکا (بقرہ۔ رکوع ۳۲) خود اہل فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۷ صفحہ ۵۰۰) اسی لیے یہاں متعدد ائمہ اکابر نے ملک کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے ہی مترادفات سے کیا ہے۔ ای ھم مخدومون کالملوک و عن ابن عباس ایضا یعنی الخادم و المنزل و قالہ مجاھد و عکرمۃ و الحکم بن عیینۃ۔ (قرطبی) اصحاب خدم و حشم (جلالین) قال ابن اسحٰق یعنی اصحب خدم و حشم (کمالین) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب و مقہور تھے۔ اور اب ہر طرح آزاد خودمختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لیے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا۔ بعد ما کنتم مما لیک فرعون (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال السدی یعنی و جعلکم احرارًا تملکون انفسکم بعد ما کنتم فی ایدی القبط بمنزلۃ اھل الجزیۃ فینا (کبیر) و۹۳ یہ نعمت عظمیٰ نعمت توحید ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اقوام عالم میں نسلی وقومی حیثیت سے توحید اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے، ورنہ اور قومیں تو من حیث القوم شرک ہی میں مبتلا رہی ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس مضمون کی آیتوں کی تفسیر میں بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل مان لیا جائے، تو پھر اُمت محمدی کے لیے کون سا مقام باقی رہ جائے گا؟ اشکال اور دشواری کی بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ یہاں مقابلہ تو دنیا کی ساری قوموں اور نسلوں کا ہورہا ہے۔ اُن میں بیشک سب سے افضل، اشرف، نسل اسرائیلی ہی ہے۔ کہ بہ خلاف دوسری قوموں کے شرک اور وہم پرستیوں کے توحید اور اس کے لوازم یعنی رسالت، وحی، حشر وغیرہ عقائد صحیحہ کی حامل، دنیا کی تاریخ میں یہی ایک قوم رہی ہے۔ بہ خلاف اس کے اُمت محمدی تو کسی قوم یا نسل کا نام ہی نہیں۔ یہاں تو اسرائیلی، اسمٰعیلی، حبشی، چینی، رومی، جاپانی جو کوئی بھی عقائد اسلامی پر ایمان لے آئے۔ وہی اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ اس پر مفصل حاشیے اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ کے تحت میں سورۂ بقرہ کے رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے، کیونکہ اس تعلق سے دین اس پر سہل ہوجاتا ہے، البتہ اس پر فخر اور گھمنڈ روا نہیں۔ و۹۴ (لوح محفوظ میں، یا اپنے علم میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام موقع ترغیب پر فرمارہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لیے مقدر ہوہی چکی ہے، ذرا سی ہمت وکوشش کرو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ۔ مقدس سرزمین سے مراد شام ہے۔ فلسطین (کنعان) اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ ھی الشام (ابن جریر۔ عن قتادۃ) الارض المقدسۃ دمشق و فلسطین و بعض الاردن۔ (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) توریت میں ان وعدوں کی صراحتیں موجود ہیں۔ "دیکھو۔ میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے، تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دوں گا، میراث میں لو"۔ (استثناء۔ ۱:۸) "تو اس سرزمین میں جس کی بابت خداوند نے تیرے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کے کہا کہ اسے میں تمہیں دوں گا، سکونت کرے۔" (استثناء۔ ۳۰:۲۰) "مضبوط ہوجاؤ اور دلاور ہو خوف نہ کھاؤ اور اُن سے مت ڈرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا وہی ہے جو تیرے ساتھ جاتا ہے۔ وہ تجھ سے غافل نہ ہوگا اور تجھ کو نہ چھوڑے گا"۔ (استثناء ۳۱:۶) و۹۵ دنیوی خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ حکومت اور اتنی بڑی حکومت سے محروم ہوجاؤ گے، اور اخروی خسارہ یہ کہ حکم جہاد کی نافرمانی کا خمیازہ آخرت میں اٹھانا پڑے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی سے کبھی کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ و۹۶ یہ قوم عمالقہ کی تھی۔ جو ایک بڑی زورآور اور جنگ آزما قوم تھی۔ بنی اسرائیل کی پرانی حریف توریت اور تاریخ اسرائیل اس کی خونریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ توریت میں اس قوم پر بنی اسرائیل کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے گئے ہیں:۔ "ہمیں زور نہیں کہ ہم ان لوگوں پر چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زورآور ہیں"۔ (گنتی۔ ۱۳:۳۲) "یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے۔ اور سب لوگ جنہیں ہم نے وہاں دیکھا، بڑے قدآور ہیں۔ اور ہم نے وہاں جباروں کو ہاں بنی عناق کو جو جباروں کی نسل میں ہیں دیکھا اور ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے۔ اور ایسے ہی ہم اُن کی نظروں میں تھے۔" (گنتی۔ ۱۳:۳۳) جَبَّارِیْنَ۔ جبار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں، کلّے ٹھلّے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔ ای عظام الاجسام طوالا (قرطبی) یقال رجل جبارًا اذا کان طویلا عظیما قویا و القوم کانوا فی غایۃ القوۃ و عظم الاجسام (کبیر) روایات یہود میں ذکر بہت مبالغہ کے ساتھ اُن کے قد وقامت کی درازی کا آیا ہے اور اُن کی درازدستیاں بھی بہت کچھ مذکور ہیں..... لفظ جبار جو قرآن مجید نے ان کے لیے استعمال کیا ہے، یہ وہی ہے جو خود توریت میں ان کے لیے آیا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباسات میں نقل ہوچکا۔ و۹۷ بنی اسرائیل ایک طرف تو اپنے ان مخالفین یعنی عمالقہ کی ہیبت وشوکت سے اس قدر مرعوب تھے، اور دوسری طرف تن آسانیوں کے طالب اور فرائض جہاد سے جی چرانے والے بھی۔ اپنے وطن تک کے لیے، اپنے پیمبر اور دنیوی لیڈر کی ترغیب کے باوجود بھی آمادہ نہ ہوئے۔ توریت میں اُن کی زبان سے ادا کیا گیا ہے:۔ "وہ لوگ جو وہاں بستے ہیں زورآور ہیں۔ اور اُن کے شہر بڑے مضبوط قلعوں میں ہیں۔ اور ہم نے بنی عناق کو بھی وہاں دیکھا۔ اور اس زمین میں دکھن کی طرف عمالیقی بستے ہیں ... ہمیں زور نہیں کہ ہم اُن لوگوں پر

اُدۡخُلُوۡا عَلَیۡہِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡہُ فَاِنَّکُمۡ

تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت

غٰلِبُوۡنَ ۬ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۳﴾

غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۹۹

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡہَا

وہ لوگ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں،

فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾

سو آپ خود اور آپ کے خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں ف۱۰۰

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ

(موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار میں تو سوا اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار رکھتا نہیں، سو تو ہی

بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ

ہمارے اور (اس) بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ف۱۰۱ ارشاد ہوا کہ اچھا تو وہ ملک ان پر

عَلَیۡہِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۚ یَتِیۡہُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا

چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے ف۱۰۲ سو آپ (اس)

تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿٪۲۶﴾ وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ

بے حکم قوم پر (ذرا) غم نہ کیجئے ف۱۰۳ اور آپ انہیں آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ

اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِہِمَا

ٹھیک ٹھیک پڑھ سنائیے ف۱۰۴ (یہاں وقت ہوا) جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی ف۱۰۵ ان میں سے ایک کی تو قبول ہوگئی

وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ قَالَ اِنَّمَا

اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی ف۱۰۶ (اس پر وہ دوسرا) بولا کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہوں گا ف۱۰۷ (پہلے نے) کہا

ع ۹ یٰنسیٰ

چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زورآور ہیں"۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۸، ۳۲) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔ اسرائیلیوں کا یہ قول بھی بہ طریق استبعاد تھا۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ نہ عمالقہ وہاں سے از خود نکلیں گے، اور نہ ہمیں چڑھائی کی نوبت آئے گی۔ انما قالوا هذا على سبيل الا ستبعاد (کبیر) قيل قالوا ذلك على سبيل الاستبعاد ان يقع خروج الجبارين منها (بحر) ف۹۸ (ان کم ہمتوں کو حوصلہ دلانے کے لیے) یعنی۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا۔ اور دوسرے کا کالب بن یوقنا۔ یوشع سردار تھے قبیلہ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلہ بنی یہودا کے۔ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ۔ یعنی وہ لوگ جن میں خوف خدا تھا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ الٰہی اور خشیت تھی۔ ای یخافون الله سبحانه و یتقونه (بیضاوی) كانه قيل رجلان من المتقين (کشاف) اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمَا۔ اللہ کا فضل و انعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی وحق پرستی کی توفیق دی۔ اور وہ شوکت کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ ای باليقين و الصلاح (قرطبی) موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ ہر دانشمند فوجی لیڈر کو ایسے موقع پر کرنا چاہیے، کیا یہ تھا، کہ فلسطین پر فوج کشی سے قبل اپنی قوم کے ہر ہر قبیلہ سے اس کے لیڈر کو چن کر کل ۱۲ معززین و شرفاء کو ملک کے متعلق تحقیق حال کے لیے بہ اصطلاح توریت "جاسوسی" کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ ان میں سے دس نے آکر یہ مبالغہ آمیز رپورٹ دی، کہ غنیم بہت ہی طاقتور ہے، اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کھونا ہے۔ باقی دو نے اس کے برعکس ہمت افزا باتیں بیان کیں۔ توریت کے بیانات اس موقع پر بھی حسب معمول بڑے طویل ہیں۔ تاہم کچھ اقتباسات تو بہرحال قابل نقل ہیں:۔ "پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں، جاسوسی کریں ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران سے ان کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے اور ان کے نام یہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھیجا کہ زمین کنعان کی جاسوسی کریں ..... اور اس زمین کو دیکھو کہ کیسی ہے۔ وہ لوگ جو وہاں کے بسنے والے ہیں، کیسے ہیں، زورآور ہیں یا کمزور، تھوڑے ہیں یا بہت۔ اور وہ زمین جس میں وہ رہتے ہیں کیسی ہے، اچھی ہے کہ بری اور وہ شہر جن میں وہ بستے ہیں کیسے ہیں خیموں میں ہیں یا قلعوں میں۔ اور زمین کیسی ہے، جید یا بنجر۔ اس میں درخت ہیں یا نہیں"۔ (گنتی۔ ۱۳: ۱۔ ۲۰) "وہ لوگ چڑھے اور زمین کی جاسوسی دشت سین سے حوب تک جو حمات کے راستہ میں ہے کی۔ وہ چالیس دن کے بعد اس زمین کی جاسوسی کر کے پھرے"۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۱۔ ۲۵) انہوں نے آکر جو کچھ کہا، وہ حاشیہ نمبر ۹۷ میں نقل ہو چکا۔ ف۹۹ ان لوگوں نے ایک بڑی گہری اور عارفانہ حقیقت بیان کر دی، کہ اصل امتحان تو حضرت حق کے ہاں بس عزم وہمت ہی کا ہوتا ہے۔ باقی نتائج میں برکت تو از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ توریت میں اس مقام کی منظر کشی یوں کی ہے:۔ "تب کالب نے موسیٰ کے حضور لوگوں کو چپ کروایا اور کہا کہ البتہ ہم لوگ چڑھیں گے اور ملک پالیں گے۔ کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس کے لینے کا زور ہے"۔ (گنتی۔ ۱۳: ۳۰) "اور نون کے بیٹے یشوع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے اپنے کپڑے پھاڑے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہا، وہ زمین جس پر ہو کر ہم اس کی جاسوسی کے لیے ہوا نہایت خوب زمین ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کرے گا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ ان کا سایہ ان سے جا چکا ہے پر خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ ان کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت نے چاہا کہ ان پر پتھراؤ کرے"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۶۔ ۹)

ف۱۰۰ یہ کہنے والی بنی اسرائیل کی عام جماعت تھی، جو ان فہمائشوں سے غیر متاثر رہی تھی۔ توریت میں اس موقع کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ "تب ساری جماعت چلا کر روئی اور لوگ اس رات بھر رویا کیے، پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون پر کڑکڑائے اور ساری جماعت نے انہیں کہا کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اسی بیابان میں فنا ہوتے! خداوند کس لیے ہم کو اس زمین میں لایا کہ تلوار سے گر جائیں اور ہماری جوروآں اور بچے پکڑے جائیں"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۔ ۳) "تب ساری جماعت نے چاہا کہ ان پر (یوشع اور کالب پر) پتھراؤ کرے"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۰) فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ۔ اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طرز تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہو کر یہ موحد قوم بھی اپنے عقیدہ میں شرک اس حد تک داخل کر چکی ہو۔ مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدان جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ ان کے دیوتا بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ۔ یہ واضح رہے کہ اسرائیلیوں کی اس وقت تک کوئی الگ باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ ساری قوم کا ہر بالغ و تندرست مرد مسلح اور فوجی سپاہی تھا۔ ف۱۰۱ یعنی فیصلہ ان دو فریقوں کے درمیان، جن میں ایک طرف ہم دو بھائی ہیں، بے بس و بے اختیار، اور دوسری طرف یہ جم غفیر ہے، ہر طرح گستاخ و نافرمان۔ اَخِیۡ۔ بھائی سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ جو خود بھی پیغمبر برحق تھے۔ یہ دعا ظاہر ہے کہ ان پیمبران برحق نے اپنی ناکارہ قوم کی سرکشی اور بغاوت اور اپنی بے بسی پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ہی کی۔ توریت کے صفحات اسرائیلیوں کی گستاخانہ روش کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ آیت میں بڑی تسکین کا سامان اکابر امت کے لیے ہے۔ قوم جب سرکشی اور نافرمانی کے لیے تل جائے، تو پیمبران برحق تک کی کوششیں ناکام رہتی ہیں۔ پھر کسی ولی یا بزرگ کی سعی اصلاح اگر ناکام رہے،

تو وہ دل شکستہ کیوں ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعائے موسوی میں لفظ اخی کے بڑھانے سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ شیخ اپنے مخلص تابع میں بھی وہی حاکمانہ تصرف رکھتا ہے جو خود اپنے نفس میں۔ وٓ۱۰۲ (اور اسی جزیرہ نمائے سینا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے) مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اُن کے لیے تکوینی طور پر اب یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ ۴۰ سال سے قبل اس ارض مقدس میں داخل ہو سکیں اور جو نعمت انہیں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد فی الفور ملی جارہی تھی۔ اب اس کے لیے انہیں ۴۰ سال کا انتظار کرنا ہوگا، اور اُن کی موجودہ نسل کا بڑا حصہ اسی انتظار میں ختم ہو جائے گا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ میں اُن سے جو وعدہ تھا وہ بالکل مطلق اور غیر مشروط صورت میں نہ تھا وہ مشروط تھا اُن کی جدوجہد کے ساتھ۔ والمراد بقوله كتب الله لكم اى بشرط ان تجاهدوا اهلها فلما ابوا الجهاد قيل فانها محرمة عليهم (مدارک) ينبغى ان يكون الله قد جعلها على شريطة القيام بطاعته و اتباع امره فلما عصوا حرمهم اياها (جصاص) توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ''مجھے اپنی حیات کی قسم کہ ساری زمین خداوند کے جلال سے معمور ہوگی کہ وہ سب لوگ جنہوں نے میری شوکت اور میرے معجزے جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں ظاہر کیے دیکھے اب تک مجھے اس مرتبہ آزماتے اور میری آواز پر کان نہ دھرتے وہ اس زمین کو جس کی بابت میں نے اُن کے باپ دادوں سے قسم کی تھی نہ دیکھیں گے، بلکہ کوئی ان میں سے جنہوں نے مجھے غصہ دلایا اُسے نہ دیکھے گا''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۱، ۲۲) ''مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا، تمہاری لاشیں اور اُن سب کی جو تم میں شمار کیے گئے اُن کے کل جمع کے مطابق ۲۰ برس والے سے لے کے اُوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں، اس بیابان میں گریں گی''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۸، ۲۹) ''تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے۔ اور تمہاری بدشتگی کے اُٹھانے والے ہوں گے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۳) ''ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اُٹھاتے رہو گے۔ تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔ میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے کہ میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری مخالفت پر جمع ہیں، ایسا ہی کروں گا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائیں گے اور یہیں ہلاک ہوں گے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۳۴، ۳۵) عصر حاضر کے ایک فرنگی ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کے تخمینہ کے مطابق یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م اور ۱۴۰۰ ق۔م کے درمیان کا ہے۔ اَرْبَعِيْنَ۔ فعل حرم کا ظرف ہے۔ اربعين ظرف التحريم (مدارک) وٓ۱۰۳ پیمبر آخر پیمبر ہوتے ہیں، رحمت و شفقت کے پتلے، عفو و کرم کے مجسمے۔ کہاں خود ہی تو دعا کی تھی کہ نافرمان قوم کو سزا ملے۔ اور کہاں اب جو سزا، وہ بھی صرف دنیوی، ملنے لگی تو لگا خود آپ ہی کا دل پسیجنے اور اُن لوگوں پر غم کرنے عین اُسی وقت حکم ہوا کہ حکمت کاملہ میں ایسے نافرمانوں کے لیے سزا یہی مناسب ہے اور آپ ان پر غم نہ کیجیے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے، جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے، اور سیاق خود اسی کا مقتضی ہے۔ فالخطاب لموسى عليه السلام كما هو الظاهر و اليه ذهب اجلة المفسرين (روح) وٓ۱۰۴ (اے ہمارے پیمبر!) عَلَيْهِمْ میں ضمیر کس طرف ہے؟ اہل کتاب، خصوصاً معاندین اہل کتاب کی طرف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ واتل على اهل الكتاب (کبیر) اى القصص على هؤلاء البغاة الحسدة (ابن کثیر) و اتل على هؤلاء اليهود الذين هموا ان يبسطوا ايديهم اليكم (ابن جریر) لیکن عام نوع انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واتل على الناس (کبیر) قصہ کا مقصود دو اُموری تعلیم دینا ہے، (۱) ایک یہ کہ نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی۔ مقبول صرف وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ ابْنَيْ اٰدَمَ۔ مراد قابیل و ہابیل ہیں، یا بہ اصطلاح توریت قائن و ہابل۔ قابیل بڑے تھے، ہابیل چھوٹے۔ حسب تصریح توریت قابیل کاشتکار تھے اور ہابیل بھیڑ بکری کے چرواہے یا گلہ بان۔ بِالْحَقِّ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ متلبساً بالحق۔ تلاوة متلبسة بالحق والصحة (کشاف) عجب نہیں مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ قرآن کی یہ بیان کی ہوئی روداد بالکل سچ ہی سچ ہے۔ توریت وغیرہ کی روایتوں کی طرح یہ قصہ بھی حق و باطل کی ملاوٹ نہیں رکھتا۔ محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پہلو اور بھی رکھا ہے۔ یعنی یہ قرآنی حکایت، دوسری قرآنی حکایتوں کی طرح ہدایت کا سبق لینے کے لیے ہے۔ جاہلیت جدیدہ و جاہلیت قدیم کی طرح، قصہ محض قصہ کی غرض سے، آرٹ محض آرٹ کی غرض سے قرآن مجید کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ اى ليعتبروا به لا ليحملوه على اللعب والباطل مثل كثير من الاقاصيص التى لا فائدة فيها و انما هى لهو الحديث (کبیر) اور یہ بات اسی ایک حکایت کے ساتھ خاص نہیں۔ قرآن مجید کی ساری حکایتوں اور قصوں سے مقصود یہی عبرت، موعظت و ہدایت ہے و هذا يدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القرآن العبرة لا مجرد الحكاية (کبیر) وٓ۱۰۵ (اللہ کے حضور میں) قُرْبَانًا قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔ القربان ما يتقرب به الى الله (راغب) القربان اسم لما يتقرب به الى الله تعالى من ذبيحة او صدقة (کبیر) القربان ما يقصد به القرب من رحمة الله تعالى من اعمال البر (جصاص) قربان اسم جنس ہے۔ واحد و جمع دونوں موقعوں پر اسی صورت سے آتا ہے۔ اسم جنس فهو يصلح للواحد والعدد (کبیر) وٓ۱۰۶ (اس لیے کہ وہ مخلصانہ تھی) روایتوں میں آتا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی۔ اُس نے اپنے گلے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی، وہ قبول ہوگئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، وہ قبول نہ ہوا..... قبول نیاز کی علامت اُس زمانہ میں یہ تھی، کہ ایک آگ آسمان سے آ کر نذر قبول کر لے جاتی تھی۔ توریت میں اس کے اشارے بار بار آئے ہیں۔ وٓ۱۰۷ قابیل ہابیل سے خفا پہلے ہی کسی معاملہ میں تھا، اور یوں بھی سن میں بڑا تھا، اپنے کو بزرگی و مقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدت حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بے گناہ بھائی کی جان لینے تک پر آمادہ ہو گیا۔ توریت میں یہ پورا قصہ یوں درج ہے:۔ ''چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت میں سے خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا، پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لیے قائن نہایت غصہ اور ترش رو ہوا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تجھے کیوں غصہ آیا اور اپنا منہ کیوں بگاڑا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا؟ اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے۔ پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا، اور اسے مار ڈالا''۔ (پیدائش۔ ۴: ۳۔ ۸) وٓ۱۰۸ (اور تم چونکہ مقام تقویٰ و اخلاص پر قائم نہ رہے، اس لیے قبول نذر کے معاملہ میں ناکام رہے۔ اس میں میری کیا خطا ہے؟) لان حصول التقوى شرط فى قبول الاعمال (کبیر) محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تقویٰ میں ان تین اُمور کی رعایت لازمی ہے۔ ایک یہ کہ قبول طاعت میں غایت خشیت کا استحضار ہو، اور اپنی طرف سے کوئی بات تکمیل طاعت میں اٹھا نہ رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ امکانی کوشش اس امر کی رہے کہ طاعت سے رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ غیر اللہ کی شرکت و آمیزش ذرا بھی اس طاعت میں نہ ہو۔ و حقيقة التقوى امور احدها ان يكون على خوف و وجل من تقصير نفسه فى تلك الطاعة فيتقى بالقصى ما يقدر عليه عن جهات التقصير و ثانيها ان يكون فى غاية الاتقاء من ان ياتى بتلك الطاعة لغرض سوى طلب مرضاة الله تعالى و ثالثها ان يتقى ان يكون لغير الله تعالى فيه شركة (کبیر) محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ تقویٰ سے اس سیاق میں مراد تقویٰ شرک ہے۔ تو جو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رہا، تو جن اعمال میں اُس نے صدق نیت سے کام لیا، وہ مقبول ٹھہریں گے اور جو شرک و معصیت دونوں سے بچا، وہ قبول و رحمت دونوں کا حقدار ٹھہرا۔ قال ابن عطية المراد بالتقوى هنا اتقاء الشرك باجماع اهل السنة فمن اتقاه و هو موحد فاعماله التى تصدق فيها نيته مقبولة (قرطبی۔ بحر) واما المتقى الشرك والمعاصى فله الدرجة من القبول و الختم بالرحمة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے کسی کمال کا اظہار موقع شکر پر جائز ہے، بہ طور فخر نہیں وٓ۱۰۹ (باوجود اپنے اس علم کے کہ میں بے قصور ہوں) وٓ۱۱۰ (حالانکہ تیرے ارادۂ قتل پر مطلع ہو کر اور تیری آمادگی قتل دیکھ کر میرے پاس جواز قتل کا عذر بھی موجود ہے) فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جس طرح آغاز قتل میں دلیر ہو، میں ابتداء بالقتل کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ مطلب نہیں کہ مدافعت میں تلوار اُٹھانا جائز نہ ہو۔ شریعت اسلامی میں جب قرآئن قوی سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل حملہ کیا ہی چاہتا ہے، تو جواب و مدافعت میں تلوار اٹھانا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر مصلحت

اسلامی اس کی مقتضی ہو، تو ایسے موقع پر واجب ہو جاتا ہے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لئن بدأتنی بقتل لم ابدأک به و لم یردانی لا ادفعک علی نفسی اذا قصدت قتلی (جصاص) یجب علی من قصده انسان بالقتل قتله اذا امکنه (جصاص) انه فی شرعنا یجوز دفعه اجماعاً و فی وجوب ذلک علیه خلاف والاصح وجوب ذلک (قرطبی) واختلف فی هذا الآن فالصحیح من المذهب انه یلزم الرجل دفع الفساد عن نفسه وغیره و ان ادی للقتل (روح) محققین اہل سنت نے اس فتویٰ پر علاوہ احادیث نبوی کے متعدد آیات قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً:۔ (۱) وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ، کہ قصد قتل یقیناً فتنہ میں شامل ہے۔ (۲) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کہ اس سزائے قتل کے خوف سے قاصد قتل باز رہے گا۔ (۳) فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ الخ کہ فئہ باغیہ قصد قتال ہی رکھتی ہے۔ اور انہی آیات قرآنی واحادیث نبوی سے استدلال کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال، ان کے قصد قتال کی بنا پر جائز رکھا تھا، اور سب صحابیوں نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ وقد قتل علی بن ابی طالب الخوارج حین قصدوا قتل الناس و اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معه والفقون علیه و قدروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آثار فی وجوب قتلهم (جصاص) مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ کے فقرۂ نفی میں ایک تو بجائے فعل کے اسم فاعل اور پھر حرف ب نفی بسط کی تاکید و استمرار کے لیے ہے۔ لتاکید النفی

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ

اللہ تو متقین کا (عمل) قبول کرتا ہے ف۱۰۸ تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا

يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

کہ مجھے قتل کر ڈالے ف۱۰۹ تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں ف۱۱۰

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

(کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں ف۱۱۱ میں تو یہی چاہتا ہوں

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

کہ تو میرے (قتل کا) گناہ اور اپنا (پچھلا) گناہ (دونوں) اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے ف۱۱۲

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی ف۱۱۳ غرض اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

قتل پر آمادہ کر دیا، تو اس نے اُسے مار (ہی) ڈالا، ف۱۱۴ جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا ف۱۱۵

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

اس پر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کو کھودتا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ

اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ف۱۱۶ (یہ دیکھ کر) وہ بولا، ہائے میری کمبختی کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا کہ

اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا ف۱۱۷

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا

غرض وہ (بہت ہی) شرمندہ ہوا ف۱۱۸ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر

بما فی خبرها من الباء للمبالغة فی اظهار براءته عن بسط الید بیان استمراره علی نفی البسط (ابوسعود) و اکد النفی بالباء (بیضاوی) ذکر الشرط بلفظ الفعل والجزاء بلفظ اسم الفاعل مقروناً بالباء المزیدة لتاکید النفی (نیشاپوری) ف۱۱۱ (اور مدافعت تک میں ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ تیری سی جسارت کہاں سے لا سکتا ہوں کہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتا، اور بالکل بلا وجہ میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ہے) اصل مسئلہ شرعی تو وہی ہے جو اوپر کے حاشیہ میں مذکور ہو چکا۔ البتہ الفاظ قرآنی کے ظاہر سے سند پکڑ کے بعض بزرگوں نے ایسے موقع پر بھی عفو و درگزر ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری وقت کا طرز عمل اسی آیت کے مطابق تھا۔ یعنی اپنی جان دینا گوارا کر لی، اور جان کے دشمنوں سے مقابلہ و قتال قبول نہ فرمایا۔ قال ایوب السختیانی ان اوّل من اخذ بهذه الآیة من هذه الامة عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رواه ابن ابی حاتم (ابن کثیر) و هذا فی الشرع جائز لمن ارید قتله ان ینقاد و یستسلم طلبا للاجر کما فعل عثمان رضی اللہ عنہ (معالم) قال بعضهم المقصود بالقتل ان اراد ان یستسلم جاز له ذلک و هکذا فعل عثمان رضی اللہ عنہ (کبیر) انما استسلم کما استسلم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (بحر) اِنِّيْٓ اَخَافُ جملہ تعلیلیہ ہے، اور اسی سے ترجمہ میں "کیونکہ" بڑھا دیا گیا۔ اشارة الی کون الجملة تعلیلیة لما قبله و هذا التقریر احسن من کل مایوجد فی التفاسیر (تھانوی) علل ذلک بقوله انی اخاف اللہ (ابوسعود) تعلیل للامتناع عن بسط یده لیقتله (روح) ف۱۱۲ (جو کھلا ہوا نتیجہ تیری بدکرداریوں کا ہوتا ہے) اِثْمِيْ کے معنی "میرے" گناہ کے نہیں، بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک "میرے قتل کے گناہ" کے ہیں۔ اور تقدیر کلام یوں ہے، باثم قتلی من قتلک ایای (ابن جریر عن ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہ وناس من اصحاب الرسول) ای باثم قتلی (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و الضحاک و قتادہ و السدی) ای باثم قتلی و هذا قول اکثر المفسرین (معالم) اِثْمِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو قاتل اس تازہ اقدام گناہ سے قبل کر چکا تھا۔ یا وہ پہلا گناہ جس کے پاداش میں اس کی نذر قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ و اثمک فی معصیة اللہ بغیر ذلک من معاصیک (ابن جریر عن ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ناس من اصحاب الرسول) اثم الذی علیک قبل ذلک (ابن کثیر و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و الضحاک و قتادہ و السدی) اثمک الذی لا جله لم یتقبل قربانک (مدارک) قال اکثر العلماء ان المعنی ترجع باثم قتلی و اثمک الذی عملته قبل قتلی قال الثعلبی هذا قول عامة اکثر المفسرین (قرطبی) فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ اس جزو سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قاتل کافر تھا، اس لیے کہ اصحاب النار کا اطلاق قرآنی اصطلاح میں کافروں ہی پر ہوتا ہے۔ و قد استدل بقول هابیل لاخیه قابیل انه کان کافرا لان لفظ اصحاب النار انما ورد فی الکفار حیث وقع فی القرآن (قرطبی) لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ اصحاب النار وہ بھی ہیں جو کچھ دیر کے لیے بھی دوزخ میں جائیں، اور یہ سزا مومن عاصی کے لیے ممکن ہے۔ و هذا مردود بما ذکرناه عن اهل العلم فی تاویل الآیة و معنی من اصحاب النار مدة کونک فیها (قرطبی) ولا یقوی هذا الاستدلال لانه یکفی عن المقام فی النار مدة بالصحبة (بحر) اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ سارا وبال تجھی پر پڑے، مجھ پر نہ پڑے۔ یہ مراد نہیں کہ میں چاہتا ہوں، تم بھی گناہ کرو کسی کے لیے یہ چاہنا کہ وہ گناہ کرے، جائز نہیں۔ البتہ اس چاہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ گناہ کا وبال گنہگار ہی پر پڑے۔ والمراد انی ارید ان تبوء بعقاب الاثم و المعک لانه لایجوزان یکون مراده حقیقة الاثم لاخیر جائز لاحد ارادة معصیة اللہ من نفسه ولا من غیره (جصاص) معناه انی اریدان تبوء بعقاب قتلی فیکون ارادة صحیحة لانها موافقة لحکم اللہ عزوجل (معالم) تَبُوْٓاَ۔ باء کے معنی الٹ کر پڑنے کے ہیں۔ و معنی تبوء ترجع والبواء الرجوع بالقود

(جصاص) و قيل تحتمل (معالم) ف١١٣ اپنے عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق قرآن مجید نے یہاں بھی ایک مخصوص واقعہ کے بیان کے معاً بعد ہی قانون عام بھی سنا دیا۔ ف١١٤ ہابیل کی اس موثر تقریر سے قابیل ذرا بھی متاثر نہ ہوا، بلکہ مقابلہ و مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر عجب نہیں جو قتل پر اور زیادہ آمادہ ہو گیا ہو۔ فَقَتَلَہٗ۔ توریت میں ہے۔ ”اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اٹھا اور اسے مار ڈالا“۔ (پیدائش ۴:۸) فطوعت۔ یعنی اسے نفس نے اس کام پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنا دیا اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔ ای فحسنت و سولت نفسه و شجعته على قتل اخيه (ابن کثیر) یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے۔ ابتداً ہر فطرت سلیم اس سے رکتی ہے، ہچکچاتی ہے لیکن نفس رفتہ رفتہ اس کی جانب مائل اور اس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ ف١١٥ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل بیجا قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔ فاصبح سے یہ مراد نہیں کہ قتل رات ہی کے وقت ہوا تھا۔ اصبح کا اطلاق وقت مبہم کے لیے عام ہے۔ وقوع قتل و حصول خسران دن رات کے جس حصہ میں بھی ہوا ہو، اس لفظ کے اعتبار سے بے تکلف جائز ہے۔ اصبح ہو گیا کے معنی میں اور صار کے مرادف عرب کا عام محاورہ ہے۔ بعضوں کو اس محاورہ کے سمجھنے میں عجب غلطی ہوئی ہے۔ ولا دلالة في قوله فاصبح على ان القتل

عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے (عوض کے) یا زمین پر

اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے ف١١٩ تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا ف١٢٠

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ

اور جس نے ایک کو بچا لیا، تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا ف١٢١ اور یقیناً

جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے ف١٢٢ اس پر بھی ان میں سے بہت سے لوگ

بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا

ملک میں زیادتی کرنے والے ہی رہے ف١٢٣ جو لوگ

الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

رہتے ہیں ف١٢٤ ان کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں، یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ

اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں ف١٢٥ یہ تو ان کی

لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی دنیا میں ہوئی، ف١٢٦ اور آخرت میں ان کے لیے بڑا

عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

عذاب ہے ف١٢٧ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر

كان ليلا و انما المراد به وقت مبهم جائز ان يكون ليلا و جائز ان يكون نهارا وهذا عادة العرب في اطلاق مثله والمراد به الوقت المبهم (جصاص) اصبح بمعنى صار (بحر) الا ترى انهم جعلوا اضحى وظل و امسى و بات بمعنى صار (بحر) ف١١٦ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا، اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی، کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو آخر کرے کیا۔ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ، انتظامات تکوینی کے ماتحت اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ سوءة کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصے کے ہیں۔ یہاں مراد نعش سے ہے۔ اى جيفة اخيه (کبیر) قيل جميع جيفته فان الميت كله عورة (بحر) ف١١٧ قاتل اب بکمال حسرت و ندامت کہہ رہا ہے، کہ مجھے تو اس مردار خوار جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں۔ توریت میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں، البتہ شارحین توریت نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے، کہ اس کے عمل تدفین کو دیکھ کر آدم علیہ السلام و حوا نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا لیکن پرندہ کا نام بجائے کوے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد اول صفحہ ۴۹۔ فيتحيرت ان اكون مثل هذا الغراب۔ بعض فقہاء نے اس بیان سے جواز قیاس تمثیلی کا استنباط کیا ہے۔ فيه دليل على قياس الشبه (ابن العربي) ف١١٨ (اپنی اس تباہ حالی پر) یہ ندامت نفس قتل پر بالکل نہ تھی، جو توبہ کی قائم مقام کسی درجہ میں بھی ہو سکتی، بلکہ قتل کے بعد اسے جو دشواریاں نظر آئیں، صرف ان پر تھی۔ جسے ندامت طبعی کہا جا سکتا ہے، جو کسی حد تک بھی توبہ کا کام نہیں دے سکتی۔ گویا قاتل صرف پریشان ہوا، پشیمان اب بھی نہ ہوا۔ و لم يكن ذلك ندم توبة (قرطبی) قيل انه ندم على القتل على غير جهة القربة الى الله تعالى منه و خوف عقابه (جصاص) ..... فكان ندمه لاجل هذه الاسباب لا لكونه معصية (کبیر) حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ ندامت عواقب قتل پر نہیں، بلکہ قتل ہی پر ہوتی جائے، جب بھی ہر ندامت توبہ نہیں۔ جب تک معذرت اور انکسار اور فکر تدارک بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ یہ ندامت اگر کہیں معصیت کو معصیت سمجھ کر، اور خوف خدا سے ہوتی تو توبہ قبول ہی ہو گئی ہوتی۔ ولو ندم على الوجه المامور به لقبل الله توبته و غفر ذنوبه (جصاص) الندم له شروط فكل من جاء بشروطه قبل منه و من اخل بها او بشيء منها لم يقبل (ابن العربي) الندم على المعاصي انما ينفع بشرط العزم على ان لا يفعل في المستقبل (ابن العربي) ف١١٩ (اور اس طرح قتل ناحق کا مرتکب ہو) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجز ان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہوگا۔ نفسا بغير نفس۔ یعنی وہ قتل بطور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فساد في الارض۔ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ۔ من اجل ذلك۔ یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذلك سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ هو اشارة الى ما مر ذكره في هذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام (کبیر) آیت کے اس ٹکڑے سے فقہاء نے قیاس شرعی کا بھی اثبات و استناد کیا ہے۔ فيه ابانة عن المعنى الذي من اجله كتب على بني اسرائيل ما ذكر في الاية (جصاص) و فيه دليل على اثبات القياس و وجوب اعتبار المعاني التي علق بها الاحكام و جعلت عللا و اعلاما لها (جصاص) ف١٢٠ آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے، کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو یہ لفظ فكانما پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے، کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اس کی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے، تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے۔ اصل شے تو اس کی نظر میں

قانون شریعت کی بے وقری اور اس کے خلاف ورزی پر اُس کی دلیری ہے۔ من حیث انہ ھتک حرمة الدماء و سنّ القتل و جرأ الناس علیہ (بیضاوی) المقصود من تشبیہ قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فی تعظیم امر القتل العمد العدوان و تفخیم شانہ (کبیر) قیل المعنی من استحل واحدا فقد استحل جمیعا لانہ انکر الشرع (قرطبی) حدیث نبوی ﷺ میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے، اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانی اوّل اس جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔ عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقتل نفس ظلما الا کان علی ابن آدم الاول کفل من دمھا لانہ اول من سنّ القتل (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب خلق آدم وذریتہ) موجودہ توریت میں تو جرم قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔ ”جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے گا، کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے“۔ (پیدائش۔ ۹:٦) لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔ ”جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالے گا، اس کے لیے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا“۔

ف ۱۲۱ ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون، ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے:۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهَا و مثل اجر من عمل بھا لا ینقص من اجورھم شیئا و من سن سنة سیئة فعمل بھا کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا لا ینقص من اوزارھم شیئا۔ جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اس پر عمل بھی کرے اُسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے، اور اس پر عمل بھی کرے اُس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے، اور اُس کے بعد اُس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔ اگر نص کی اتنی تصریحات نہ موجود ہوتیں، جب بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پر عقلی تھا۔ أَحْيَاهَا۔ احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچا لینے اور اسباب ہلاکت سے دُور رکھنے کے ہیں۔ قال مجاھد نجاھا من الھلاک (جصاص) من سلم من قتلھا (معالم) المراد من احیاء النفس تخلیصھا عن المھلکات مثل الحرق والغرق والجوع المفرط والبرد والحر المفرطین (کبیر) یہ بچا لینا مستحق مدح و اجر جب ہے جب خونِ حق سے بچایا جائے، ورنہ بچا لینے کو اگر اپنے مطلق اور عمومی معنی میں رکھا جائے، تو موقع قصاص وغیرہ پر قتل واجب سے کسی کو بچانا بجائے خود ایک معصیت اور اعانت علی الحرام ہے۔

ف ۱۲۲ (اور انہی احکام میں قتل ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی داخل تھی) اَلْبَیِّنٰتِ سے مراد دلائل و معجزات بھی ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں زیادہ چسپاں معنی احکام و ہدایات کے ہیں۔ ای بالامر و النھی و العلامات (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ”صاف حکم“ (شاہ عبدالقادر دہلوی) جَآءَتْهُمْ۔ ھُمْ کی ضمیر انہی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔

ف ۱۲۳ (یہاں تک کہ بعض اوقات تو خود انہی پیغمبروں کو قتل کر ڈالا) ثُمَّ۔ کبھی استبعاد کے لیے بھی آتا ہے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والاستبعاد (روح) چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے کہ جو نتیجہ ان پیغمبروں کے آنے کا نکلنا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا، البتہ اس کے برعکس نکلا۔ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اسراف میں ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے گناہ آ گئے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ پیغمبروں کی آمد کے باوجود، اسرائیلیوں کی اکثریت قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی۔ الاسراف فی کل امر التباعد عن حد الاعتدال مع عدم مبالاة بہ (روح) ای ان اکثرھم مجاوزون الحد وتارکون امر اللہ (قرطبی) ای محادوا اللہ و رسلہ باتباعھم اھواءھم و خلافھم علی انبیاءھم و ذلک کان امر الھم فی الارض (ابن جریر)

ف ۱۲۴ یہ کون لوگ ہیں؟ اور آیت کے ان دو جملوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان کا واو تفسیری ہے، اور اس لیے دوسرا فقرہ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ پہلے فقرہ اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کی تشریح و تفسیر اور اس کی مراد متعین کر رہا ہے۔ و یسعون فی الارض فسادا ھذا ھو معنی محاربة المسلمین (جمل) مراد یہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہوں یا مسلم۔ یہی گروہ جب نکلتا ہے تو ہتھیار باندھ کر، پوری شان و شوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ بھی نہ کر سکیں۔ عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ ذھب اکثر المفسرین و علیہ جملة الفقھاء الی انھا نزلت فی قطاع الطریق (روح) والصحیح ان ھذہ الآیة عامة فی المشرکین و غیرھم فی من ارتکب ھذہ الصفات (ابن کثیر) یتناول کل من کان موصوفا بھذہ الصفة سواء کان کافرا او مسلما (کبیر) نزلت فی قطاع الطریق من المسلمین و ھذا قول اکثر الفقھاء (کبیر) المراد قطاع الطریق من اھل الملة (جصاص) و لم یسم بذلک کل عاص للہ تعالی اذ لیس بھذہ المنزلة فی الامتناع و اظھار المغالبة فی اخذ الاموال و قطع الطریق (جصاص) ایک قول بعض غیر مستند متاخرین (عن بعض المتاخرین ممن لا یعتد بہ) کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آیت کے مصداق مرتدین ہیں۔ لیکن محققین نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ یہ قول سرتاسر لغو و باطل ہے۔ ھو قول ساقط مردود مخالف للآیة و اجماع السلف والخلف (جصاص) لا خلاف بین السلف و الخلف من فقھاء الامصار ان ھذا الحکم غیر مخصوص باھل الردة و انہ فی من قطع الطریق و ان کان من اھل الملة (جصاص) یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ممکن تھا، لیکن کبھی کسی مسلم سے واقع نہیں ہوا، اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی المعصیة ای یعصونہ (لسان) ای یعصونہ (تاج) اور اہل تفسیر تو سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الذین یخالفون احکام اللہ و احکام رسولہ (کبیر) المحاربة ھی المضادة و المخالفة و ھی صادقة علی الکفر و علی قطع الطریق و اخافة السبیل (ابن کثیر) يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں ان کے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اور جان دونوں اللہ اور اس کے رسول کے بخشے ہوئے حفظ و امن میں ہوتے ہیں، اب جو کوئی ان پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ پوری طرح سعی فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ بھی ہے۔ سمی قاطع الطریق محاربا للہ لکون المسافر معتمدا علی اللہ تعالی فالذی یزیل امنہ فحارب لمن اعتمد علیہ فی تحصیل الامن (فتح القدیر) سموا محاربین تشبیھا لھم بالمحاربین من الناس (جصاص) فقہاء حنفیہ نے یہاں یہ قید لگائی ہے کہ جس رہزنی کا یہاں ذکر ہے۔ اور جس کی سزا یہاں درج ہے، یہ شہر یا قرب شہر میں معتبر نہیں۔ شہر اور قرب شہر صرف تعزیر و قصاص کا محل ہے۔ یہاں حد جاری نہ ہوگی۔ و مذھب ابی حنیفة و جماعة ان المحاربین ھم قطاع الطریق خارج المصر واما فی المصر فیلزمہ حلما اجترح من قتل او سرقة او غصب و نحو ذلک (بحر) و قال قوم المکابرون فی الامصار لیس لھم حکم المحاربین فی استحقاق ھذا الحد و ھو قول ابی حنیفة (معالم) قالت طائفة لا تکون المحاربة فی المصر انما تکون خارجا عن المصر ھذا قول سفیان الثوری و اسحق و النعمان (قرطبی)

ف ۱۲۵ چار سزائیں یہاں مذکور ہوئیں اور چاروں الگ الگ موقعوں کے لیے ہیں۔ قول صحیح و معتبر یہی ہے، نہ یہ کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک موقع کے لیے اختیار دے دیا گیا ہے، اگرچہ بعض اکابر اس طرف بھی گئے ہیں۔ ذھب اکثرون الی ان ھذہ العقوبات علی ترتیب الجرائم لا علی التخییر (معالم) و قال ابن عباس و ابو مجلز و قتادہ والحسن و جماعة بکل رتبة من المحاربة رتبة من العقاب (بحر) والمراد منہ واللہ اعلم التوزیع علی الاحوال (ہدایہ) اَوْ۔ حرف اَوْ جو یہاں سزاؤں کے درمیان بار بار آیا ہے، تخییر کے لیے نہیں، تفصیل کے لیے ہے۔ و اَوْ فی الآیة علی ھذا للتفصیل (بیضاوی) قال ابن عباس فی روایة عطاء کلمة او ھھنا لیست للتخییر بل ھی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات و ھذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر) يُقَتَّلُوْا۔ یہ سزا اُس موقع کے لیے ہے، جب رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو، اور نوبت مال لینے کی نہ آئی ہو۔ تقتیل باب تفعیل سے ہے اور اس کے معنی میں باب فعل یا قصاص پر زیادتی ہے۔ یہیں سے اشارہ اس نکتہ کی طرف ہو رہا ہے کہ یہ حق شریعت ہے۔ محض ولی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا۔ و یقتلون حدا حتی لو عفا الاولیاء عنھم لا یلتفت الی عفوھم لانہ حق

الشرع (ہدایہ) رہزنی کا جرم تنہا فرد یا افراد کے خلاف نہیں، معاشرہ کے خلاف بھی ہے۔ اس لیے مستغیث افراد کی دستبرداری، ایسے مقدمہ کو ختم کرنے کو کافی نہیں۔ یُصَلَّبُوْا۔ یہ سولی پر چڑھانا اس صورت کے لیے ہے جب رہزنی میں قتل و غارت دونوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ حنفیہ کے ہاں سولی کی سزا کے لازمی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوالحسن قدوری کا قول ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے کہ سولی دینے نہ دینے کا امام کو اختیار ہے۔ ثم ذکر فی الکتاب التخییر بین الصلب و ترکہ و ھو ظاهر الروایۃ (ہدایہ) فی ظاھر الروایۃ ھو مخیر فی الصلب ان شاء فعلہ و ان شاء لم یفعلہ و اکتفی بالقتل (مبسوط) لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سولی ضروری دی جائے، اس لیے کہ اولاً تو یہ نص قرآنی کے مطابق ہے اور دوسرے سزا سے جو مقصود تشہیر اور دوسروں کے لیے عبرت ہے، وہ بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ و عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ لا یترکہ لانہ منصوص علیہ المقصود و التشھیر لیعتبر بہ غیرہ (ہدایہ) و عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ قال لیس للامام ان یدع الصلب لان المقصود بہ الاشتھار لیعتبر غیرہ (مبسوط) خود صاحب ہدایہ کا کہنا یہ ہے کہ تشہیر جو نفس قتل ہی سے ہو جاتی ہے، البتہ سولی سے اس تشہیر میں اور زیادتی ہو جاتی ہے، اس لیے یہ امام ہی کی رائے پر چھوڑنا چاہیے۔ و نحن نقول اصل التشھیر بالقتل و المبالغۃ فی الصلب فیخیر فیہ (ہدایہ) تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا۔ یہ سزا اس صورت میں ہے کہ صرف مال لوٹا ہو اور جان نہ لی ہو۔ اس سزا کے باب میں بھی فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ امام محمد سے منقول ہے کہ جب قتل یا سولی کی سزا اپنے اپنے دفعات جرم کی بنا پر نافذ ہو رہی ہو تو یہ قطع اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائے گی، اس لیے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی، اور سنگساری کے ہوتے ہوئے، ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ قطع اعضاء اور سولی، یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں، بلکہ مجرم کے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل یا سولی ایک ہی سزا ہوئی۔ یہ سزا سخت تر بیشک ہے، لیکن یہ اس لیے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے، اور جرم کی اشدیت یہ ہے کہ مجرم نے قتل و غارت (مار اور لوٹ) دونوں کر کے امن عامہ کو انتہاء درجہ کا نقصان پہنچا دیا...... یہ ساری تفصیلات ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ یہ اس صورت میں کہ ابھی نوبت نہ جان لینے کی آئی، نہ مال لوٹنے کی، محض قصد و اقدام ہی کے بعد گرفتاری ہوگئی۔ ملک سے نکال دیئے جانے سے مراد ایک تو جلاوطنی ہے۔ دوسرے یہ کہ مجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، ان کی آزادی سب کر لی جائے، اور وہ قید خانہ میں بند کر دیئے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے یہی آخری معنی اختیار کیے ہیں، اور لغت بھی اس کی تائید میں ہے۔ و قال ابو حنیفۃ النفی من الارض ھو الحبس و ھو اختیار اکثر اھل اللغۃ (کبیر) و المراد بالنفی عندنا ھو الحبس والسجن والعرب تستعمل النفی بذلک المعنی لان الشخص یفارق بیتہ و اھلہ (روح) قیل نفیھم ان یخلدوا فی السجن (تاج۔ لسان) فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ جلاوطنی کی صورت میں مجرم یا تو کسی دوسرے اسلامی شہر میں چلا جائے گا تو وہاں جا کر فتنہ و فساد کا باعث بنے گا۔ یا اگر دارالحرب چلا گیا تو وہاں دشمنان اسلام کی تقویت کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے...... مبسوط۔ ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ میں یہ بحثیں تفصیل سے ملیں گی۔ ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کر کے چھوڑ دیا ہو، تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص و ضمان کی دفعات چلیں گی۔ اور یہ حق العبد ہونے کے باعث معاف بھی ہو سکے گا۔ "روشن خیالی" اور "تجدد نوازی" جو دوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر، صرف عملی اور تجربی حیثیت سے نہ دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم سے نرم کر کے سزائیں ہلکی سے ہلکی کر دی ہیں، ان کے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے، اور ان قوموں کے ہاں کیا، جن کے ہاں اب تک اسلامی تعزیرات و حدود کا نفاذ جاری ہے؟...... امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کا ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے، بلووں اور ڈاکوں، قتل و غارت کے لحاظ سے، کیا ہے، اور نجد و حجاز، یمن کا کیا؟ Gunmen اور Gangster قسم کی نئی نئی اصطلاحیں روز کہاں پیدا ہو رہی ہیں؟ بدنام تو لوٹ مار، نوچ کھسوٹ، کشت و خون کے لیے عرب کے بدوی تھے، لیکن اب کیا نسبت انہیں مہذب دنیا کے روز روشن میں ڈاکوں سے رہتی ہے؟ ... یہ تو واقعات ہیں واقعات، خوش اعتقادی کا کوئی سوال نہیں۔ عقلاً اور اصلاً یہ بھی یہی بات کہ اسلام نے معاش اور معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور فرد و جماعت دونوں کے لیے فراغ خاطری اور آسائش و سہولت کے جتنے موقعے بہم پہنچا دیے ہیں، ان کے بعد بھی جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی شدید ناشکری کر کے امن عامہ پر ڈاکہ ڈالتا، اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال بہ جبر لے لینا چاہتا ہے، اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبث نفس کا دے رہا ہے، ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔ ف ۱۲٦ عبرت و موعظت کے لیے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں، تفضیح و رسوائی، دماغی و قلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں نمایاں ہونا چاہیے۔ فقہاء نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ رہزنی اور ڈکیتی کا ارتکاب اگر ایک غول یا جتھے نے کیا ہے، تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں۔ محض اس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اس لیے کہ جتھے کے کسی فرد نے بھی جو کچھ کیا ہے، جتھے ہی کی قوت کے بھروسہ پر کیا ہے چنانچہ قتل بالفرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے، تو محاربہ میں بہرحال پورا جتھا شریک ہوا اور قصاص میں قتل سب ہوں گے۔ فان باشر القتل احدھم اجری الحد علیھم باجمعھم لانہ جزاء المحاربۃ (ہدایہ) ان باشر القتل احدھم یجب الحد علی الجمیع (شرح وقایہ) ف ۱۲۷ (اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا کی سزا ایسے مجرموں کے لیے کافی ہوگی) یہیں سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اجراء حد کفارۂ معصیت کے لیے کافی نہیں۔ یدل علی ان اقامۃ الحد علیہ لا تکون کفارۃ لذنوبہ (جصاص) و الآیۃ اقوی دلیل لمن یقول ان الحدود لا تسقط العقوبۃ فی الاخرۃ (روح) اور یہی مذہب مالکیہ کا بھی ہے۔ و اذا خرج المحاربون فاقتتلوا مع القافلۃ فقتل بعض المحاربین و لم یقتل بعض قتل الجمیع (قرطبی)۔ ف ۱۲۸ (اس لیے وہ توبہ کرنے والوں سے حد بھی ساقط کیے دیتا ہے) اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، نہ سولی اور نفی فی الارض (حبس) کا اختیار باقی رہے گا۔ یہ متعین حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں، توبہ کے بعد ساقط ہو جائیں گی۔ اور کوئی دعویٰ اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہے گا البتہ وارثوں اور مدعیوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ معاف کر دیں، خواہ مال پر صلح کر لیں، خواہ خون کے بدلہ میں خون کا مطالبہ کریں، اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔ و ان اخذ بعد ما تاب و قد قتل عمداً فان شاء الاولیاء قتلوہ و ان شاءوا عفوا عنہ لان الحد فی ھذہ الجنایۃ لا یقام بعد التوبۃ (ہدایہ) و متی سقط الحد المذکور فی الآیۃ وجبت حقوق الآدمیین فی المال و النفس و الجراحات (جصاص) فان کان قد قتل فان شاء الاولیاء قتلوہ و ان شاءوا عفوا عنہ لان ھذا القتل قصاص فصح العفو عنہ والصلح بہ (فتح القدیر) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ۔ توبہ کے تحقق کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کا وجود مجرموں پر قابو پائے جانے سے پہلے پایا جائے بغیر اس کے صدق توبہ اور اخلاص ثابت نہ ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ توبہ محض زبانی و لفظی کافی نہیں۔ عملی علامتیں بھی اصلاح حال اور صدق توبہ کی ظاہر ہونی چاہیے۔ حتی یتوب لا بالقول بل بظھور سیماء الصلحاء (درمختار) ف ۱۲۹ یعنی اس کے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے، جو جاہ و مال کی ہر حرص بچا سے بچا سکتا ہے۔ ف ۱۳۰ (طاعتوں کے ذریعہ سے) وسیلۃ کے معنی قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی بالوسیلۃ القربۃ (ابن جریر) توسلت الی فلان بکذا بمعنی تقربت الیہ (ابن جریر) الوسیلۃ القربۃ التی ینبغی ان یطلب بھا (قرطبی) الوسیلۃ ھی القربۃ عن ابی وائل و الحسن و مجاھد و قتادہ و عطاء و السدی و ابن زید و عبداللہ بن کثیر (قرطبی) الوسیلۃ القربۃ الزلفۃ یقال توسل الی ھکذا ای تقرب (ابن قتیبہ) اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اطلبوا الیہ القرب فی الدرجات بالاعمال الصالحۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) استعیرت لما یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی من فعل الطاعات و ترک السیئات (مدارک) فالمراد طلب الوسیلۃ الیہ فی تحصیل مرضاتہ و ذلک بالعبادات و الطاعات (کبیر) و حقیقۃ الوسیلۃ الی اللہ تعالٰی مراعاۃ سبیلہ بالعلم و العبادۃ و تحری مکارم الشریعۃ و ھی کالقربۃ (راغب) جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں بزرگان دین کی استعانت اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے، انہوں نے عربی کے وسیلہ (بہ معنی قرب) کو اردو کے وسیلہ (بہ معنی

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يٰٓاَيُّهَا

تو جان لو کہ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۲۸ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۲۹ اور اس کا قرب تلاش کرو ف۱۳۰

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ

اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو ف۱۳۱ تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۱۳۲ بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ساری دنیا کی چیزیں ہوں، اور اتنی ہی ان کے پاس

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور بھی ہوں، تاکہ وہ انہیں معاوضہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں،

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ

تو وہ ان سے (ہرگز) قبول نہ کی جائے گی، اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہی) ہے ف۱۳۳ چاہیں گے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ

کہ نکل آئیں آگ سے حالانکہ اس سے (کبھی) نہ نکل پائیں گے،

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

اور ان کے لئے مستقل عذاب ہے ف۱۳۴ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت،

فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ف۱۳۵ ان کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بطور عبرت کے سزا کے، ف۱۳۶

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ

اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۳۷ پھر جو شخص اپنی حرکت ناشائستہ کے بعد توبہ کرلے،

ذریعہ) کا مرادف کھہرایا ہے۔ اور ایسی شدید و فحش غلطیوں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ: و اما اذا کان المطلوب منه میتا او غائبا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف (روح) (میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا ہے) اور لکھا ہے کہ:۔ ولم یرو عن احد من الصحابة رضی الله تعالی عنهم و هم احرص الخلق علی کل خیر انه طلب من میت شیئا (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے، لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو) صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے، ان کی حالت میں تھی۔ فقد صح عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه کان یقول اذا دخل الحجرة النبوية زائر السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابت ثم ینصرف ولا یزید علی ذلک ولا یطلب من سید العلمین صلی اللہ علیہ وسلم او من صجیعیه المکرمین شیئا وهم اکرم من ضمته البسیطة وارفع قدرا من سائر من احاطت به الافلاک المحیطة۔ (جب روضہ نبوی میں زیارت کے لیے داخل ہوتے تو صرف اس قدر کہتے کہ السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک ابا جان، اور اس سے زائد کچھ نہ کہتے نہ کچھ مانگتے نہ سرور عالم سے نہ ان کے ان محترم مقربین سے۔ درآنحالیکہ سارے زمین و آسمان کی مخلوقات میں ان سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے) روضہ مبارک کے سامنے دعا کرنے سے بڑھ کر کون سی شے مقبول ہوسکتی ہے، لیکن فقد کانت الصحابة تدعوا الله تعالی هناک مستقبلین القبلة و لم یرو عنهم استقبال القبر الشریف عندالدعاء مع انه افضل من العرش یہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے دعا کرتے تھے قبلہ رخ ہوکر۔ اور یہ نہیں کرتے تھے کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کرلیں باوجود اس کے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے) اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کے لیے۔ واختلف الائمة فی استقباله علیه السلام فعن ابی حنیفة انه لا یستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلة (ائمہ میں اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس موقع کے لیے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے، بلکہ ادھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے) غرض یہ کہ بعض اہل بدعت نے لفظ وسیلہ سے جواپنے لیے یہ ڈھونڈی ہے، وہ سرتاسر بودی اور بے بنیاد ہے۔ ف۱۳۱ وسیلہ ہی کی طرح عربی کے جہاد کو بھی لوگوں نے اردو کے جہاد کے مفہوم میں لے رکھا ہے۔ اردو میں جہاد ایک دینی اصطلاح کی حیثیت سے صرف قتال فی سبیل الله کے معنی میں مخصوص ہوچکا ہے۔ عربی میں یہ حصر و تحدید صحیح نہیں۔ عربی میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ ہر سخت کوشش جو کسی بھی دینی غرض سے کی جائے، خاص کر دشمنان دین کے مقابلہ میں اصطلاح قرآنی میں جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ الجهاد و المجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو (راغب) و هو المبالغة والاستفراغ ما فی الوسع والطاقة من قول او فعل (تاج) اور جہاد جس طرح میدان جنگ میں تیغ و تفنگ سے ہوسکتا ہے، اسی طرح جہاد مال و دولت سے اور قلم و زبان سے بھی ہوسکتا ہے۔ ف۱۳۲ فلاح کا لفظ دنیوی، اخروی، مادی، روحانی ہر طرح کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر شامل ہے۔ لیس فی کلام العرب کلمة اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والآخرة کما قاله ائمة اللسان (تاج) اور سب سے بڑی کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لعل پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں کہ جب اس کا استعمال حق تعالی کی زبان سے ہوتا ہے، تو معنی میں مفہوم شک و احتمال کا باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین پیدا ہوجاتا ہے۔ ف۱۳۳ توحید و رسالت کی طرح معاد و آخرت کے مسئلہ میں اہل جاہلیت سیکڑوں غلطیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑی اہم غلطی یہ ہے کہ وہاں کے معاملات کو بھی دنیا پر قیاس کرکے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ جس طرح یہاں کی عدالتوں، دفتروں، محکموں میں لین دین سے کام چلا لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی نذرانوں، رشوتوں کی گرم بازاری وہاں بھی ہوگی، اور ہر خطا و لغزش پر کسی نہ کسی مالی معاوضہ سے قلم پھیر دیا جاسکے گا۔ قرآن مجید کو اس عالمگیر غلطی کی بار بار تردید کرنی پڑی، اور بتانا پڑا ہے کہ کفر کا فدیہ یا کفارہ آخرت میں کسی مال و دولت سے بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اَنَّ لَهُمْ۔ ان لکل واحد منهم کے معنی میں ہے۔ یعنی ان میں سے ایک ایک کے پاس بھی اگر اتنا مال ہوتا۔ مَعَهٗ میں ضمیر واحد غائب اسی مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کی طرف ہے۔ لَوْ۔ یہ حرف اکثر جس عبارت پر آتا ہے، اس سے مراد ایک ان ہونی بات بطور فرض محال کے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اس فرض محال پر بھی کوئی صورت عذاب سے نجات کی نہ ہوسکے گی۔ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اس کے تحت میں وہ سب کچھ آگیا، جو ذہن انسانی میں سما سکتا ہے۔ ف۱۳۴ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ وہ عذاب پائدار و مستقل ہے، جو کبھی بجھنے والا اور مٹنے والا نہیں۔ معناه دائم ثابت لا یزول ولا یحول (قرطبی) عذاب دائم ثابت لا یزول عنهم ولا ینتقل ابدا۔ (ابن جریر) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ عذاب اور وہ بھی عذاب الیم!.... ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو کیسی کچھ تڑپ، کیسی کچھ حسرت، کیسی کچھ تمنا اس عذاب سے نکل بھاگنے کی ہوگی! وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اس ارشاد سے ان حسرت نصیبوں کی حسرت نصیبی پر گویا مہر لگ گئی۔ عذاب سے نکلنے کا نہ کوئی امکان ہے، نہ کوئی تدبیر کام دے سکتی ہے۔ بلکہ اب یہ بھی سنا دیا گیا کہ یہ عذاب جس درجہ کا شدید و ہولناک ہوگا، اسی طرح لازوال بھی ہوگا.... اشد ارعذاب قبل کی آیت

میں بیان ہو چکا، اشد او عذاب اب بتا دیا گیا۔ اس عذاب دائمی کی خصوصیت چونکہ کافروں کے ساتھ بیان ہوئی، اس سے متکلمین نے یہ نتیجہ اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ مخلص کلمہ گو ہر صورت عذاب سے مخلصی پا جائے گا۔ احتج اصحابنا بھذہ الاٰیۃ علی انہ تعالٰی یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ علی سبیل الاخلاص (کبیر) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ وَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ کی ترکیب خود حصر پر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی یہ عذاب دائمی صرف کافروں کے لیے ہوگا، نہ کہ غیر کافروں کے لیے۔ و ھذا یفید الحصر فکان المعنی و لھم عذاب مقیم لا لغیر ھم (کبیر) وـ۱۳۵ (اے حکام) اجرائے حدود شرعی و قصاص کا حق صرف اہل حل و عقد یا حکومت اسلامی کے حکام ہی کو حاصل رہتا ہے، اس لیے خطاب بھی قدرۃً انہی سے ہے۔ خطاب مع قوم فیحتمل ان یکون واقعًا علی شخص معین منھم و ھو امام الزمان کما یذھب الیہ الاکثرون (کبیر) اَلسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ۔ لاکر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مجرم قابل تعزیر کی حیثیت سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہوگا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اس کی سزا کچھ بڑھا دی جائے یا عورت ہونے کی بنا پر اس کی سزا کچھ گھٹا دی جائے۔ دوسری قوموں کے قانون میں مرد و عورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ سرقہ اپنے لغوی معنی میں تو مطلقاً ہر چوری کو کہیں گے۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا کر لینا۔ السرقۃ اخذ ما لیس لہ اخذہ فی خفاء و صار ذٰلک فی الشرع لتناول الشیء من موضع مخصوص و قدر مخصوص (راغب) قد ثبت عندنا ان الحکم متعلق بمعنی غیر الاسم یجب اعتبارہ فی ایجابہ و ھو الحرز و المقدار (جصاص) ان دو قیدوں کے لگ جانے سے ایسی بے شمار چیزیں جو ہر جگہ اور ہر مقدار میں مل جاتی ہیں، ان کی چوری، چوری کی فقہی تعریف سے خارج ہو گئی۔ پھر چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک جرم کا اقرار، دوسرے عادل گواہوں کی شہادت۔ السرقۃ انما تظھر باحد الامرین اما بالبینۃ او بالاقرار (محیط) جس چوری پر حد جاری ہوگی، اس کی مالیت حنفیہ کے ہاں کم از کم ایک دینار یا دس درہم کی ہونا چاہیے۔ اور اس چیز کو کسی محفوظ مقام میں ہونا چاہیے۔ اور خود وہ چور جس پر حد واجب ہوگی، اُسے عاقل و بالغ ہونا چاہیے۔ اذا سرق العاقل البالغ عشرۃ دراھم او ما یبلغ قیمتہ عشرۃ دراھم مضروبۃ من حرز لا شبھۃ فیہ وجب القطع (ہدایہ) حفاظت عرف عام کے تابع ہے، کوئی جامع و مانع معیار اس کا خارج میں موجود نہیں۔ الحرز ھو ما نصب عادۃ لحفظ اموال الناس و ھو یختلف فی کل شیء بحسب حالہ (قرطبی) فقہاء نے اور بھی متعدد شرطیں، کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کر کے لگائی ہیں، حنفی فقہ میں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے: (۱) چور عاقل و بالغ ہو۔ بچہ اور مجنون پر حد نہیں ہے۔ (۲) مال نظر بچا کر لے گیا ہو، کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ غاصب اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں، حد سرقہ نہیں۔ (۳) مال کسی کی ملک ہونا چاہیے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن جو کسی کی ملک نہیں ہوتا) کی چوری سرقہ مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئے گی۔ (۴) مال کسی غیر کی غیر مشترک ملک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط و مشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی، اولاد وغیرہ پر حد اسی لیے جاری نہ ہوگی، کہ ان کے مال کے ساتھ خلط و اشتراک رہا کرتا ہے۔ (۵) مال کسی حد اور درجہ تک حفاظت میں ہو، خواہ حقیقۃً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے پہرہ میں) خواہ حکمًا (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سر راہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اُٹھا لینے پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔ چوکیدار، پہرہ دار وغیرہ اگر چوری کریں، تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہوں گے۔ حد سرقہ کے مستوجب نہ ہوں گے۔ علماء متکلمین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ اُمت کے لیے نصب امام ضروری ہے۔ اس لیے کہ اجرائے حدود کا حکم درجہ فرض میں ہے، اور اجراء کی صورت اجماع اُمت سے طے ہو چکا ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لیے امام معین کا ہونا لازمی ہے۔ احتج المتکلمون بھذہ الاٰیۃ فی انہ یجب علی الامۃ ان ینصبوا لانفسھم امامًا معینًا و الدلیل علیہ انہ تعالٰی اوجب بھذہ الاٰیۃ اقامۃ الحد علی السراق و الزناۃ فلا بد من شخص یکون مخاطبًا بھذا الخطاب و اجمعت الامۃ علی انہ لیس لاحاد الرعیۃ اقامۃ الحدود علی الجناۃ بل اجمعوا علی انہ لا یجوز اقامۃ الحدود علی الاحرار الجناۃ الا للامام (کبیر) فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَھُمَا۔ چوری کی سزا میں پہلی بار داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے گا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنے سے قطع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت ہی سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ اب مزید سزا قطع اعضاء کی نہیں، بلکہ قید کی دی جائے گی۔ چوری کی سزا، قطع ید، عرب میں قبل سے جاری تھی۔ اسلام نے آکر اسے قائم رکھا، اور اس میں چند قیود و شرائط کا اضافہ کر دیا۔ و قد کان القطع معمولًا بہ فی الجاھلیۃ فقرر فی الاسلام و یزید شروط اُخر۔ (ابن کثیر) دنیا کے اور قانونوں اور دوسری تہذیبوں میں بھی چوری کی یہ سزا کہیں تو ایک طویل مدت کی اسیری رہی ہے، اور کہیں جلاوطنی اور کہیں قطع اعضاء اور کہیں پھانسی یا اور کسی طریقہ سے ہلاکت رہی ہے۔ وـ۱۳۶ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا۔ چوری شریعت اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کے لیے امن و امان اور سکون خاطر کا جو بہترین و کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اُس میں رخنہ ڈالتا، اور اس ساری فضا کو درہم و برہم کر ڈالنا چاہتا ہے آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ چوری کا بدبخت مجرم ہے ہی ایسی سخت سزا کا مستحق۔ شریعت موسوی کا قدم بھی اس باب میں کچھ پیچھے نہیں، کچھ آگے ہی ہے نقب زن کی جان سے امان اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اُسے قتل کر ڈالے تو اُس کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ ”اگر چور سیندھ مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اُسے مار بیٹھے اور وہ مر جائے، تو اُس کے لیے خون نہ کیا جائے گا“۔ (خروج۔ ۲۲: ۲) اجازت ہی نہیں، ایک جگہ تو حکم تک نقب زن کے قتل کا ملتا ہے:۔ ”اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں بنی اسرائیل میں سے کسی کو چرانے میں پکڑا جائے اور اس کا بیوپار کرے یا اُسے بیچ ڈالے تو چور مارا جائے۔ اور تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کر“۔ (استثناء۔ ۲۴: ۷) نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ۔ نکال کہتے ہیں ایسے عذاب و سزا کو جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ ای ما یوجب ان ینکل بہ عن ذٰلک الفعل (قرطبی) ای عظۃ من اللہ بھما عوقبا بہ لمن راٰھما (ابن تیمیہ) فلسفہ تعزیر کے واقفین جانتے ہیں کہ مجرم کے لیے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو پیش نظر ہوتے ہیں:۔ ایک انتقامی۔ یعنی مظلوم یا مستغیث کے جذبات کی تسکین۔ دوسرے انتظامی۔ یعنی آئندہ کے ممکن مجرموں کی حوصلہ فرسائی و ہمت شکنی۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید و تقویت کے لیے ہے۔ اور پھر مِنَ اللّٰہِ سے اشارہ یہ بھی ہو گیا، کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ جَزَآءً۔ نَکَالًا۔ دو لفظ الگ الگ آئے، اور دونوں مفعول لہٗ بلا عطف میں۔ علماء بلاغت نے کہا ہے کہ جزاء میں اشارہ حق العبد کے اتلاف کا ہے۔ اور نکال میں حق اللہ کے اتلاف کا۔ و الجزاء اشارۃ الی ان فیہ حق العبد و النکال اشارۃ الی ان فیہ حق اللہ تعالٰی۔ (روح) وـ۱۳۷ صفت عَزِیْزٌ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اللہ حاکم مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے، مقرر کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حَكِیْمٌ سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی سا بھی حکم حکمتوں، اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے چوری کی بھی سزا وہی مقرر کی، جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۂ مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا، یہ آیت آئی، اور یہاں سہوًا میری زبان سے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نکلا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ بولا، کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا، اور اب مجھے تنبیہ ہوئی کہ بجائے عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ کے میری زبان سے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا کہ بیشک اب ٹھیک پڑھا۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اُس نے جواب دیا کہ سیاق کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا و عقاب کا ہے تو یہی مقتضائے بلاغت بھی ہے کہ صفات بجائے غفور و رحیم کے عزیز و حکیم ہی لائی جائیں۔ وـ۱۳۸ (رحمت کے ساتھ یوں کہ پچھلا گناہ معاف کر دے گا، اور توبہ پر استقامت کی بھی توفیق دے گا) فَمَنْ تَابَ یہ توبہ قاعدۂ شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز مالک کو واپس کر دینا چاہیے، اور اگر تلف ہو چکی ہو تو اُس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو، تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے، کہ یہ سب شرائط تکمیل توبہ میں سے ہیں۔ سزائے قطع ید جو حق العباد کی اتلاف کی سزا ہے، محض توبہ سے معاف نہیں ہو جاتی۔ فاما القطع فلا یسقط عنہ بالتوبۃ عند الاکثرین (معالم) و القطع لا یسقط بالتوبۃ (قرطبی) لم یسقطہ شیء ولا توبۃ السارق (ابن العربی) و قال الجمہور لا یسقط عنہ ھذا الحد (کبیر) حنفیہ نے لکھا کہ اس پر

اتفاق ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں اس سے اختلاف نقل ہوا ہے اور ایک گروہ نے اس پر استدلال اس سے کیا ہے کہ آیت کے آخر میں غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جوآ گیا ہے۔ قال بعض العلماء التابعین یسقط عنه الحدلان ذکر الغفور الرحیم فی اٰخر هٰذه الاٰیة (کبیر) فقیہ مفسرابن العربی مالکی نے اس موقع پر شافعیہ کو مخاطب کر کے جو کچھ لکھا ہے (احکام القرآن، جلد اول۔ صفحہ ۲۵۴) وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی آیندہ کے لیے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے۔ توبہ کا تعلق ماضی سے تھا۔ اور اصلاح حال کا تعلق مستقبل سے ہے۔ باریک بین فقہاء نے لفظ وَاَصْلَحَ سے یہ بھی استنباط کرلیا ہے کہ مجرم نے جب توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کر لی، تو اب اس پر طعن جائز نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف ہے۔ مثلاً سرقہ وغیرہ کا مال بہ شرط امکان واپس کردینا، ورنہ مالک سے معاف کرالینا، اور جب مالک نہ معلوم ہو تو اللہ کی راہ میں تصدق کر دینا۔ و۱۳۹ چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے اُس نے پچھلا گناہ معاف کر دیا۔ اور صفت رحمت کے تقاضہ سے آئندہ کے لیے توفیق تقویٰ کی دے دی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت میں ان صفات کے آنے سے جو موقع مدح پر لائی گئی ہیں، معتزلہ کے رد میں یہ استدلال کیا ہے کہ توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔ واجب ہوتی تو یہ فضل واحسان کو یاد دلانے والی صفات نہ لائی جاتیں۔ دلت الاٰیة علی ان قبول التوبة غیر واجب علی الله تعالٰی لانه تعالٰی تمدح بقبول التوبة والتمدح انما یکون بفعل التفضل والاحسان لابا داء الواجبات (کبیر) و۱۴۰ (اے مخاطب!) پھر یاد دلا دیا ہے کہ جس نے یہ سزائیں تجویز کی ہیں، بس وہی ایک مالک حقیقی اور قادر حقیقی ہے۔ الم تعلم میں خطاب عام ہر انسان کے لیے ہے۔ قیل معناه الم تعلم ایها الانسان فیکون خطابا لکل واحد من الناس (معالم) و۱۴۱ (اور کوئی چیز اس پر قدرت نہیں رکھتی) وہ حاکم مطلق ہے، آمر علی الاطلاق ہے۔ وہ کسی قانون سے مجبور نہیں کہ مجرم کو ہمیشہ سزا ہی دے۔۔ اس میں تردید آگئی ہندی مشرکوں کے قانون ''کرم'' (ناگزیر مکافات عمل) کی۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ لیکن وہ سزا اسی کو دیتا ہے جو سزا ہی کے لائق ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کاملہ خود ہی جانچ کر لیتی ہے کہ کون کس لائق ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یہ معافی چاہے صرف آخرت میں، چاہے دونوں جگہ۔ و۱۴۲ یعنی آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے رنج نہ قبول کریں۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ قرآن مجید جیسی قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صیغۂ غائب میں صرف الرسول والنبی سے، اور صیغۂ حاضر میں ایها الرسول اور ایها النبی سے بغیر صفات کے لانا بجائے خود اس امر کی طرف مشیر ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصف نبوت و رسالت میں شریک آنے والا نہیں۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ۔ یعنی کفریات کی طرف بے تکلف اور بہ شوق و رغبت لپکتے ہیں۔ یُسَارِعُوْنَ مضارع ہے مسارعة، باب مفاعلة سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کی جانب ایسے ساعی ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ تو قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ لیکن یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ سے مخاطبت صرف دو ہی جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک یہاں، اور دوسری جگہ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ میں، اور یہ طرز خطاب شرف و تعظیم کے لیے ہے۔ وهٰذا الخطاب لاشک انه خطاب تشریف و تعظیم (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اہل طریق کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ اہل اعراض کی بدحالی پر کچھ زیادہ فکر نہیں کرتے۔ و۱۴۳ ظاہر ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ زبان پر دعوائے ایمان، دل میں ایمان کا گزر نہیں۔ مِنَ الَّذِیْنَ میں مِن بیانیہ ہے۔ مراد ہے من المنافقین۔ اور اسی پر عطف ہے، وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا کا جو ابھی آرہا ہے۔ و۱۴۴ منافقین اور یہود دونوں قسم کے لوگوں میں وصف مشترک یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کے بڑے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ میں سمع قبول کرنے کے معنی میں ہے، اور عربی میں یہ استعمال عام ہے۔ والسمع یستعمل و یراد منه القبول (کبیر) ای قابلون لما تفتریه الاحبار (بیضاوی) لِلْکَذِبِ کے معنی لاجل الکذب کے بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ خبریں اس لیے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور غلط شہرت دیں۔ ای یسمعون منک لکی یکذبوا علیک (کبیر) و۱۴۵ (بربنائے کبر و بغض) تجافوا عنک تکبرا و افراطا فی البغضاء (بیضاوی) یعنی کچھ تو ایسے ہیں جو بربنائے کبر و بغض آپ کی خدمت میں آتے ہی نہیں، مثلاً یہود خیبر۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں، لیکن طلب حق کی غرض سے نہیں، بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ و۱۴۶ یہ وصف اُنھی اکابر یہود کا بیان ہوا، جو فرط عداوت و کبر سے خود تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے، اور جب موقع دیکھتے تو اپنے ہاں کے کلام الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے۔ روایات میں آتا ہے کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے فرمایا کہ توریت میں حکم سنگساری کا موجود ہے، اُسی کے مطابق سزا جاری کرو۔ وہ ظالم اس سزا ہی کو چھپا گئے۔ و۱۴۷ یعنی اس کے مان لینے کا اقرار نہ کرنا۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اپنے والوں سے، اپنے جتھے کے لوگوں سے، جنھیں یہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجتے رہتے تھے، کہتے ہیں۔ هٰذَا۔ یعنی یہ حکم محرف۔ اصلی اور آسمانی حکم کے بجائے ان کا اختراعی حکم۔ فَخُذُوْهُ یعنی اس کے ماننے کا اقرار کرلینا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اُس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو اہل علم کی طرف رجوع اس غرض سے نہیں کرتا کہ مسئلہ پر عمل کرے گا۔ بلکہ اس اُمید پر کرتا ہے کہ اگر اس کی مرضی کے موافق قول مل گیا تو اس کو اپنی بدنامی کی سپر بنا لے۔

وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اپنی اصلاح کرلے، تو بیشک اللہ اس پر توجہ کرے گا و۱۳۸ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ

بڑا مہربان ہے و۱۳۹ کیا تو نہیں جانتا کہ بس اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ

میں ہے و۱۴۰ وہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے

وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا

اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے و۱۴۱ اے پیمبر! آپ

یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ

کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں پڑتے ہیں و۱۴۲ (خواہ) ان میں سے ہوں جو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚۛ وَمِنَ

اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے و۱۴۳ (خواہ) ان میں سے ہوں

الَّذِیْنَ هَادُوْا ۚۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ

جو یہودی ہیں جھوٹ کے بڑے سننے والے و۱۴۴ سننے والے دوسرے لوگوں کی

اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْکَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ

خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے و۱۴۵ کلام کو اس کے صحیح موقعوں سے

مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

بدلتے رہتے ہیں و۱۴۶ کہتے رہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ ملے تو قبول کر لینا

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ

اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا و۱۴۷ اور جس کے لئے اللہ ہی کو گمراہی منظور ہو

و۱۴۸ (کہ تو اس گمراہی کو پیدا ہونے سے روک دے، اے مخاطب!) وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ۔ اس ارادۂ اللہ کا ترتب خود اس شخص کے عزم گمراہی پر ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے قانون تکوینی کے مقابلہ میں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ شیخ کی شفقت وتوجہ بدون فضل وتوفیق الٰہی کچھ نفع نہیں دیتی۔ و۱۴۹ (ان کے کفریات سے، اس لیے کہ یہ لوگ خود ہی اس کا عزم نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ جب یہ لوگ خود ہی اپنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس یہ مصر ہیں، تو یہ عادات الٰہیہ تکوینیہ میں سے ہے کہ بندہ کے عزم فعل پر اُس فعل کی تخلیق بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ اور اس قانون تکوینی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کو تسکین دے دی گئی۔ اور دوسری طرف معتزلہ کا رد بھی نکل آیا، جو خالق افعال اللہ کو نہیں، بندہ کو سمجھتے ہیں۔ و۱۵۰ عذاب آخرت کا ظہور تو آخرت میں ہوگا۔ لیکن دنیا کے عذاب تفضیح کا ظہور تو اس شدومد سے چند ہی روز کے اندر ہو کر رہا، کہ دوست دشمن سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ منافقین میں سے نفاق ایک ایک کا ظاہر ہو کر رہا۔ سب کے سب سوسائٹی میں حقیر وذلیل ہوئے۔ رہے یہود، تو ان کے بڑے سے بڑے پرقوت قبیلے، بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع، سب کے سب قید ہوئے، جلاوطن ہوئے، قتل ہوئے۔ و۱۵۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ۔ یہ وصف یہود کے خواص وعوام دونوں کا بیان ہوا۔ سمع میں یہاں سننے کے ساتھ کذب وباطل کا قبول کرنا بھی داخل ہے۔ ابھی یہ لفظ آیت ماقبل میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ زور وتاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ کرّرہ تاکیدًا و تعظیمًا (قرطبی) کرّر للتاکید (مدارک) اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ سحت ہر حرام خوری کے لیے عام ہے۔ السحت الحرام او ما خبث من المکاسب (قاموس) و ھو کل مالایحل کسبہ (مدارک) یہاں مراد رشوت ہے اور یہی معنی اب اس کے خاص ہو گئے ہیں۔ سمی الرشوۃ فی الحکم سحتا (تاج) سمی الرشوۃ سحتا (راغب) قال الزجاج سمیت الرشوۃ التی کانوا یاخذونھا بالسحت (کبیر) و فی الحدیث ھو الرشوۃ فی الحکم (مدارک) ھو الرشوۃ (ابن کثیر) یہ وصف یہود کے خواص واکابر کا بیان ہو رہا ہے جو رشوت اور نذرانے لے لے کر غلط سلط احکام بتانے اور مسائل کے مسخ کر ڈالنے کے عادی ہو گئے تھے خود ان کی کتاب آسمانی میں ان کو عدل پر قائم رہنے اور رشوت نہ لینے کے باب میں حکم یہ ملا تھا کہ ”اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرر کیجیو۔ وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدمہ مت بگاڑیو۔ تو طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیرتی ہے۔“ (استثناء۔ ۱۶: ۱۸۔ ۱۹) لیکن اُنہی کے بزرگوں نے تالمود میں احکام یہ جاری کر دیئے تھے، کہ جب کسی مقدمہ میں ایک فریق اسرائیلی ہو، اور دوسرا غیر اسرائیلی، تو اگر اسرائیلی کے موافق فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق ہو سکتا ہے تو وہی کر دو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہی ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اس کے موافق فیصلہ غیر اسرائیلی قانون کے مطابق ہو سکتا ہو تو یہی کر دو۔ اور غیر اسرائیلی سے کہہ دو کہ تمہارے ہاں کا ضابطہ یہی ہے۔ اور اگر ایسا فیصلہ دونوں ضابطوں میں سے کسی ضابطہ سے بھی نہ ہو رہا ہو تو کسی حیلہ سے کام لو“۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت اللہ کی رحمت پر بڑی دلیل ہے کہ اس میں مذمت کو کثرت وعادت معصیت پر مرتب فرمایا۔ سرسری خطا پر مذمت نہیں فرمائی جس سے عادۃً کوئی خالی نہیں ہوتا۔ یہی شان ہوتی ہے مشائخ اہل تربیت کی کہ خفیف اُمور سے تسامح کرتے ہیں۔ و۱۵۲ (آپ کو دونوں چیزوں کا اختیار ہے، جیسی بھی آپ کو مصلحت معلوم ہو) فَاِنْ جَاۗءُوْكَ یعنی جب یہ کوئی مقدمہ معاملہ لے کر آپ کے پاس آئیں۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ اب حاکم اور دنیوی حیثیت سے بھی آمر ومقتدر تھے۔ کچھ تو اس لیے بھی یہود کو اپنے معاملات آپ کے سامنے لامحالہ لانے پڑتے تھے، پھر یہ بھی تھا کہ بہت سے مسائل میں شریعت محمدی ﷺ، شریعت یہود سے کہیں زیادہ نرم تھی۔ اس لالچ میں بہت سے یہود مدینہ اپنے قصے قضیے فیصلہ کے لیے رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ فیصلہ واجب امیر اسلام پر تو ذمیوں ہی کے درمیان ہے۔ دوسرے کافروں کے لیے واجب نہیں، صرف جائز ہے، حسب ضرورت ومصلحت۔ ھذا تخییر من اللّٰہ تعالٰی ولا یجب علینا الحکم بین الکفار اذا لم یکونوا اھل ذمۃ بل یجوز الحکم ان اردنا (قرطبی) ھذا التخییر مختص بالمعاھدین الذین لاذمۃ لھم (کبیر) و۱۵۳ (اور وہ قانون عدل اب منحصر ہے قانون اسلام میں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ آپ کا یہ ٹالنا بھی کسی مصلحت دینی ہی کے ماتحت ہوتا۔ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا اس لیے آپ اندیشہ نہ کریں کہ ناخوش ہو کر یہ لوگ آپ سے دشمنی نکالیں گے۔ بالقسط ای بالعدل الذی امرت بہ وھو ما تضمنہ القراٰن واشتملت علیہ شریعۃ الاسلام (روح) اختیار اس امر میں تو دیا گیا تھا کہ غیر ذمی کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن فیصلہ اگر کیا جائے، تو یہ قطعی ہے کہ قانون شریعت ہی کے ماتحت کیا جائے۔ اس کا اختیار نہیں کہ فیصلہ کسی اور قانون کے مطابق کر دیا جائے۔ و۱۵۴ (اور اللہ جن کے ساتھ محبت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ انہیں توفیق بھی حق پر قیام کی دیتا رہے گا) یہاں یہ یاد دلا دیا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہی اہل جور ہوں، آپ بہر حال ان کے معاملہ میں بھی طریق حق وعدل سے ذرا تجاوز نہ کیجیے۔ بالقسط ای بالحق والعدل وان کانوا ظلمۃ خارجین عن طریق العدل (ابن کثیر) و۱۵۵ (جس کا کتاب الٰہی ہونا انہیں مسلم ہے) كَيْفَ کلمہ تعجب ہے۔ یعنی اس پر اظہار حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی رکھنے کے باوجود دین کے کسی معاملہ میں فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آتے ہیں! تعجیب من تحکیمھم من لایؤمنون بہ والحال ان الحکم

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ

تو اس پر تیرا زور اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا و۱۴۸ یہی لوگ وہ ہیں جن کے لئے

يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ

اللہ کو منظور نہ ہوا کہ ان کے دلوں کو پاک (صاف) کرے و۱۴۹ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے،

وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ

اور ان کے لیے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے و۱۵۰ جھوٹ کے بڑے

لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ

سننے والے ہیں حرام کے بڑے کھانے والے ہیں و۱۵۱ اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) ان کے درمیان فیصلہ

بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

کر دیجیے (خواہ) انہیں ٹال دیجیے و۱۵۲ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں جب بھی

يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

یہ آپ کو ذرہ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان (قانون) عدل کے

بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

مطابق فیصلہ کریں، و۱۵۳ بیشک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، و۱۵۴ اور آپ سے یہ کیسے

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

فیصلہ کراتے ہیں درانحالیکہ ان کے پاس توریت موجود ہے، و۱۵۵ اور اس میں اللہ کا حکم (درج) ہے۔ و۱۵۶ پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ۧ

ان کے بعد ہٹ جاتے ہیں و۱۵۷ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں و۱۵۸

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا

بے شک ہم ہی نے توریت نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے و۱۵۹ اسی کے مطابق

ع ۶/۱۰

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا ... النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ

وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور (اسی طرح) ان کے

وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا

مشائخ وعلماء (بھی) ۱۶۰ اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا ۱۶۱ اور وہ

عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا

اس کے گواہ تھے ۱۶۲ سو تم انسانوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ۱۶۳

تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ

اور میرے احکام کو دنیا کی متاع قلیل کے عوض نہ بیچ ڈالو ۱۶۴ اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ

مطابق فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ تو کافر ہیں ۱۶۵ اور ہم نے ان پر اس میں یہ فرض کر دیا تھا ۱۶۶

اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ

کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا

بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ

ناک اور کان کا کان اور دانت کا دانت ۱۶۷ اور زخموں میں

قِصَاصٌ‌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ‌ ؕ وَمَنۡ

قصاص ہے سو جو کوئی اسے معاف کر دے ۱۶۸ تو وہ اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا ۱۶۹ اور جو کوئی

لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾

اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ۱۷۰

وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والے

منصوص علیه فی الکتب الذی هو عندهم (بیضاوی) تعجیب من تحکیمهم (کشاف) اوپر کسی حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا معرفت حق کے لیے تو ہوتا نہ تھا، اپنے مطلب اور اپنی غرض کے لیے تھا کہ شاید کوئی آسان تر حکم مل جائے۔ تنبیہ علی انهم ما قصدوا بالتحکیم معرفة الحق و اقامة الشرع و انما طلبوا به ما یکون اهون علیهم و ان لم یکن حکم الله تعالیٰ فی زعمهم (بیضاوی) ف ۱۵۶ جس خاص حکم کا یہ ذکر برابر چل رہا ہے، اور یہود نے اسے رسول اللہ ﷺ سے چھپا ڈالنا چاہا تھا، وہ حکم رجم یا سنگساری ہے۔ اور قرآن کے اعجاز کے لیے یہ دلیل بھی بجائے خود کافی اور قوی ہے کہ یہود کی ہزار کوشش اخفاء کے باوجود شادی شدہ زنا کاروں کے لیے حکم قتل و رجم کسی نہ کسی صورت میں آج تک باقی ہے، اور موجودہ توریت سے پیہم تحریفات بھی اُسے یکسر اور تمامتر دور نہ کر سکیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کیے جائیں“۔ (احبار۔ ۲۰:۱۰) ”اور وہ مرد یا عورت جس کا یار دیو ہے یا جادوگر ہو تو دونوں قتل کیے جائیں اور چاہیے کہ تم اُن پر پتھراؤ کرو۔ اُن کا خون اُنہی پر ہووے“۔ (احبار۔ ۲۰:۲۷) ”اگر کوئی جورو کرے اور اس سے خلوت کرے، ..... اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، اور جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے اُسے کنواری نہ پایا..... اگر یہ بات سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں تو وہ اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اُس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مر جائے“۔ (استثناء۔ ۲۲:۱۳۔ ۲۰، ۲۱) ”اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، مرد جس نے اس عورت سے صحبت کی، اور عورت بھی“۔ (استثناء ۲۲:۲۳) اور انجیل کے واسطے سے جو گواہی پہنچی ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی ہے:۔ ”فقیہ اور فریسی ایک عورت کو جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اُسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاد، یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟“ (یوحنا ۸:۳۔ ۴) ف ۱۵۷ پہلے تو خود ہی فیصلہ کرانے کے لیے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے، اور جب فیصلہ سن لیا، تو اس سے ہٹ بھی گئے۔ ثمّ تعجب میں ترقی کے لیے ہے، یعنی حیرت بالائے حیرت کے اظہار کے لیے۔ ثم للتراخی فی الرتبة (روح) تصریح بما علم لتاکید الاستبعاد والتعجب (روح) ف ۱۵۸ ان کے اس طرز عمل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا ایمان قرآن و صاحب قرآن پر تو کیا ہوتا، توریت و صاحب توریت پر بھی مکمل و مستحکم نہیں۔ مومنین بک او بکتابهم کمایدعون (مدارک) مومنین بکتابهم کما یدعون (کشاف) ف ۱۵۹ هُدًی یعنی عقائد و مسائل سے متعلق ہدایات و احکام تھے۔ نُوْرٌ یعنی وضوح تھا احکام عملی سے متعلق۔ تَوْرٰىةَ پر حاشیہ سورۂ آل عمران کے شروع میں گزر چکا۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ۔ اس میں رد آ گیا یہود کے موجودہ عقیدہ کا کہ توریت، صاحب الہام انبیاء کی مرتب کی ہوئی ایک انسانی کتاب ہے۔ توریت، اسلامی عقیدہ کے مطابق، خدا کے ہاں سے نازل شدہ کتاب ہے۔ ف ۱۶۰ مقصود توریت کی اہمیت و شرف کا اظہار ہے۔ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جو پچھلی صدیوں میں معیار حق و عدل رہا کی ہے، علماء و مشائخ و انبیاء بنی اسرائیل کے لیے۔ النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا۔ یہود کی اصطلاح میں ”نبوت“ اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ اُن کے ہاں یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی ہو۔ وہ ”نبی“ یا ”نبوت“ کے قائل صرف اُن کے لفظی معنی میں تھے۔ نبی اُن کے ہاں پیشگوئی کرنے والا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحب کشف بھی ہو۔ جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ خود یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ توریت میں ذکر ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر جھوٹی اور جھوٹے نبیوں کا آیا ہے، جو کفر و شرک کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ صرف چند بطور نمونہ کے ملاحظہ ہوں:۔ ”اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور..... کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں۔ تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو..... وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا“۔ (استثناء۔ ۱۳:۱۔ ۳، ۵) ”وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے“۔ (استثناء۔ ۱۸:۲۰۔ ۲۲) ”انبیاء میرا نام لے کر جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نہیں بھیجا، اور حکم نہیں دیا، نہ انہیں کہا..... یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیے جائیں گے“۔ (یرمیاہ ۱۴:۱۳۔ ۱۶) قرآن مجید نے انہی عقاید کے مدنظر الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا کی قید لگا کر بتا دیا کہ النَّبِيُّوۡنَ سے مراد جھوٹی اور شیطانی نبوت کرنے والے نہیں، بلکہ سچے اور وحی الٰہی سے مشرف نبی ہیں۔ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ۔ مراد اہل اللہ و مشائخ و علماء باطن ہیں۔ العلماء الحکماء (قرطبی) الربانیون فوق العلماء (قرطبی) الاحبار۔ مراد علماء ظاہر و فقہاء ہیں۔ قال ابن عباس هم الفقهاء (قرطبی) الحبر الرجل العالم و هو ماخوذ من التحبیر فهم یحبرون العلم ای یبینونه و یزینونه (قرطبی) لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا میں لِ علیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی علی ای علی الذین هادوا (بحر) ف ۱۶۱ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ توریت حفاظت اور عملدرآمد کے لیے اکابر یہود کی سپردگی میں دے دی گئی تھی۔ اُسۡتُحۡفِظُوۡا۔ استحفاظ کے معنی ہیں کسی سے سوال کرنا کہ وہ حفاظت و نگہداشت رکھے۔ اسی

بسبب ما طلب اللہ منہم حفظہم لکتاب اللہ و کلفہم حفظہا و اخذ عہدہ علیہم فی العمل بہا و القول بہا (بحر) من کتاب اللہ میں من بیانیہ ہے۔ من للتبیین (بیضاوی) بما میں ب سببیہ ہے الباء فی بما للسبب (بحر) و۱۶۳ گواہ اس امر کے کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اور محافظ اس کے متن و عبارت کے۔ ای علی الکتب بانہ من عند اللہ (قرطبی) کانوا علیہ رقباء لئلا یتبدل (بحر) رقباء لایترکون ان یغیر (بیضاوی) شہداء علی ان کل ما فی التورٰۃ حق و صدق و من عند اللہ (کبیر) و۱۶۳ (کہ کہیں ہی انکار حق پر ہم سزا پر قادر ہوں) خطاب قرآن اپنے معاصر مقتدایان یہود سے کر رہا ہے۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ۔ خلقت سے ڈرتے ہو کہ اگر ہم نے حسب بشارات توریت نبوت محمدی ﷺ کی تصدیق کر دی تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ رؤسا یہود کا یہود کے لیے قبول حق یا تصدیق محمدی ﷺ سے پہلا مانع یہی حب جاہ تھا، یہ ضرب اسی پر لگائی گئی۔ و۱۶۴ (اور یہ نذرانے وغیرہ جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بند ہو جانے کا ڈر دل سے نکال ڈالو) مقتدایان یہود کو قبول حق و تصدیق اسلام سے پہلا مانع تو حب جاہ تھا، جس کا ذکرا بھی اوپر آ چکا ہے، اور دوسرا مانع یہ حب مال تھا۔ و۱۶۵ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ بلکہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دے دے۔ اور انسانی قانون کو خدائی قانون کہہ کر چلا دے۔ مقتدایان یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوئے قوانین و مسائل کو خدائی قوانین و مسائل کہہ کر چلاتے تھے۔ فتوی خود اور اپنی طرف سے دیتے، اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے۔ اتنی جسارت رکھنے والوں کے کفر میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تفسیر بعض اکابر تابعین سے منقول ہے۔ عن ابن زید قال من حکم بکتاب الذی کتب بیدہ و ترک کتاب اللہ وزعم ان کتابہ ھذا من عند اللہ فقد کفر (ابن جریر) اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ و من لم یحکم میں مَنْ، اَلَّذِی کا مترادف ہے۔ اور آیت یہود کے حق میں ہے۔ من ھنا بمعنی الذی (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ وہ یہود جو احکام الٰہی رجم و قصاص وغیرہ کو مٹا کر اپنی تجویزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیتے، وہ کافر ہو گئے۔ والتقدیر والیہود الذین لم یحکموا بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکفرون فھذا من احسن ما قیل فی ھذا (قرطبی) آیت سے خوارج نے بڑے زور و دعویٰ کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ مسلمان فاسق بھی کافر کے حکم میں داخل ہے، جب اس نے غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ شروع کر دیا تو وہ کفر میں داخل ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال (خوارج کے دوسرے استدلالات کی طرح) تمام تر غلطی ہے۔ اس لیے کہ جس فیصلہ کا یہاں ذکر ہے، اس کا تعلق عمل سے نہیں، بلکہ عقیدہ سے ہے۔ اور وہ شخص کافر یقیناً ہو جاتا ہے، جو عقیدۃً بھی اللہ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ المراد بہ ھنا عمل القلب و ھو التصدیق و لا نزاع فی کفر من لم یصدق بما انزل اللہ تعالیٰ (روح) آیت کے عام نہ ہونے بلکہ کفار خصوصی یہود کے ساتھ مخصوص ہونے پر ابو صالح، عکرمہ، ضحاک، قتادہ وغیرہ تابعین کے علاوہ حذیفہ، ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ بلکہ خود نبی کریم ﷺ تک کی سند موجود ہے۔ عن البراء بن عازب عن النبی ﷺ فی قولہ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون فی الکافرین کلھا (ابن جریر) عن ابی صالح قال الثلاث الآیات التی فی المائدۃ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون و الظالمون و الفاسقون لیس فی اھل الاسلام منھا شیٔ ھی فی الکفار (ابن جریر) عن الضحاک قال نزلت ھؤلاء الآیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن ابی جعفر قال انزلت فی الیہود و النصارٰی و اھل الشرک او نحوا من ھذا (ابن جریر) عن عکرمۃ قال ھؤلاء الآیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن عبید اللہ بن عبد اللہ قال انما عنی بذٰلک الیہود و فیہم نزلت ھذہ الصفۃ (ابن جریر) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال انما انزل اللہ تعالیٰ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون و الظٰلمون و الفاسقون فی الیہود خاصۃً (روح) قال البراء بن عازب و حذیفۃ بن الیمان و ابن عباس و ابو مجلز و ابو رجاء العطاردی و عکرمہ و عبید اللہ بن عبد اللہ و الحسن البصری و غیر ھم نزلت فی اھل الکتاب (ابن کثیر) قال قتادۃ و الضحاک نزلت ھذہ الآیات الثلاث فی الیہود دون من اساء من ھذہ الامۃ (معالم) امام ابن جریر طبری حسب دستور، موافق و مخالف سارے اقوال کو نقل کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں، کہ آیت کا تعلق صرف کفار اہل کتاب سے ہے کہ انہی کا ذکر سیاق میں بھی ہے۔ اور انہی کا ذکر سباق میں بھی، اور دوسرے محققین مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ و اولی ھذہ الاقوال عندی بالصواب قول من قال نزلت ھذہ الآیات فی کفار اھل الکتاب لان ما قبلھا و ما بعدھا من الآیات ففیھم نزلت و ھم المعنیون بھا (ابن جریر) قال الشعبی ھی فی الیہود خاصۃ و اختارہ النحاس (قرطبی) یعنون ان من جحد حکمًا او حکم بغیر حکم اللہ تعالیٰ ثم قال ان ھذا حکم اللہ فھو کافر کما کفرت بنو اسرائیل حین فعلوا ذٰلک (جصاص) کفر کی دفعہ اگر کسی غیر خدائی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے مسلمان پر عائد ہوگی بھی، تو صرف اس صورت میں جب وہ بیّن و صریح حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کرے، نہ اس وقت جبکہ حکم کی دلالت ہی خفی ہو اور نادانستہ تعبیر ہی غلط کر رہا ہو۔ قال العلماء ھذا اذا رد نص حکم اللہ عیانًا فاما من خفی علیہ و اخطأ فی تاویل فلا (معالم) عکرمہ تابعی نے کہا ہے، اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی تصویب کی ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم الٰہی کو دل سے مان رہا ہے، اور زبان سے اس کا اقرار کر رہا ہے، اس وعید کے تحت میں آ کیونکر سکتا ہے؟ عمل اس کا اس کے مخالف ہی ہو، جب بھی وہ شخص عاصی یا تارک کہا جائے گا نہ کہ منکر یا باغی۔ قال عکرمۃ قولہ و من لم یحکم بما انزل اللہ انما یتناول من انکر بقلبہ و جحد بلسانہ اما من عرف بقلبہ کونہ حکم اللہ و اقر بلسانہ کونہ حکم اللہ الا انہ اتی بما یضادہ فھو حاکم بما انزل اللہ تعالیٰ و لکنہ تارک لہ فلا یلزم دخولہ تحت ھذہ الآیۃ و ھذا ھو الجواب الصحیح (کبیر) خارجیوں کے مذہب کی ہمارے زمانہ میں پھر زبردست تجدید شروع ہوئی ہے، بڑے بڑے خوشنما القاب و اسماء کے ساتھ، اور اس دعوے میں خاص کام اسی آیت سے لیا جاتا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ آیت کی تفسیر مذہب اہل سنت کے مطابق ذرا تفصیل سے کر دی جائے۔ و۱۶۶ (قتل عمد یا دانستہ ضرب رسانی کی صورت میں) عَلَيْهِمْ ضمیر یہود کی طرف ہے۔ ذکر انہی کا برابر چل رہا ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک دلیل اس امر کی ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا تعلق بھی یہود ہی سے ہے۔ فِيْهَا ضمیر منفقہ طور پر توریت کی جانب ہے۔ وَكَتَبْنَا سے اس کی صراحت ہوگئی کہ توریت کی تعزیرات اللہ ہی کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ و۱۶۷ موجودہ توریت میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے:۔ ”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ پاؤں کے بدلہ پاؤں۔ جلانے کے بدلہ جلانا۔ زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ“۔ (خروج۔ ۲۱: ۲۳۔ ۲۵) ”اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگا دے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بعد توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ایسا ہی کیا جاوے“۔ (احبار ۲۴: ۲۰) ”اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا“۔ (استثناء۔ ۱۹: ۲۱) و۱۶۸ بہٖ۔ اس کو یعنی اس قصاص کو۔ اس بدلہ لینے کے حق کو۔ ای تصدق بالقصاص (قرطبی) وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ قصاص سے مراد ہے کہ زخم محل قصاص ہیں ای ذات قصاص (بیضاوی) ای متقاصۃ (قرطبی) ای یقتص فیھا (جلالین) و۱۶۹ یعنی موجب اجر و ثواب، اور اس معاف کر دینے والے کے گناہوں کے دور ہونے کا باعث بن جائے گا۔ هُوَ۔ یعنی یہ معاف کرنا۔ یہ اپنے جائز حق سے دستبرداری۔ لَهٗ یعنی اس معاف کر دینے والے کے حق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ترغیب ہے عفو کی، اور یہ اہل اللہ کی عادات میں داخل ہے۔ و۱۷۰ (اپنے حق میں) یعنی بہت برا کام کرنے والے ہیں۔ یہود کا ذکر اب بھی چلا جا رہا ہے پہلے ذکر یہ تھا کہ ان کے اکابر و مشائخ اپنی طرف سے ایک فتویٰ گھڑ کر دے دیتے ہیں، اور اسے شریعت الٰہی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے یقیناً کافر ہو جاتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ اب ذکر انہی یہود کا ہے کہ یہ اجراء حدود قصاص میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تو یہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۶۵۔ و۱۷۱ یہ تصدیق خود موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے موجود ہے:۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“۔ (متی۔ ۵: ۱۷) اٰثَارِهِمْ میں ضمیر انبیاء اسرائیل کی جانب ہے۔ ای النبیین الذین اسلموا من قبلک یا محمد ﷺ (ابن جریر) وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ یعنی ہم نے ان کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ

اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کے واےا اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں

هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

ہدایت اور نور ہے وےا تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی وےا

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ

اور پرہیزگاروں کے لئے ایک ہدایت اور نصیحت وےا اور اہل انجیل

الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

پر بھی لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں، وےا اور جو کوئی اللہ کے

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں وےا اور ہم نے آپ پر (یہ)

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

کتاب اتاری ہے سچائی کے ساتھ، تصدیق کرنے والی اُن کتابوں کی جو اس سے پیشتر اتر چکی ہیں

وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا

اور ان پر محافظ وےا تو آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ کیا کیجیے اور

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ

ان لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجیے وےا اُس سچائی سے الگ ہوکر جو آپ کے پاس آچکی ہے وےا تم میں سے

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی، وےا اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

تو تم (سب) کو ایک ہی امت بنا دیتا وےا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تمہیں آزماتا رہے اس میں جو

بھیجا۔ ان الفاظ میں اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسی طرح کے ایک نبی تھے، جیسے کہ ان کے قبل بنی اسرائیل میں اور نبی ہو چکے تھے، اُن کی شخصیت اور اُن کی وحی دوسرے انبیاء کی شخصیت اور وحی سے کچھ مختلف نہ تھی۔ وےا قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نامی کوئی کتاب وحی یا الہام کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے معدوم ہے۔ اور آئندہ کے کسی اسلامی محقق کا کام یہ پتہ لگانا ہے کہ آخر یہ کتاب آسمانی ہوئی کیا؟ اور کب اور کیسے غائب ہوگئی" عہد نامہ جدید" جسے عوام انجیل کا مرادف سمجھتے ہیں، اس کے کتاب الٰہی یا آسمانی ہونے کا دعویدار تو کوئی بھی نہیں نہ عیسائی، نہ غیر عیسائی۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، آپ کے بہت بعد مجہول الحال لوگوں کے لکھے ہوئے۔ هُدًى۔ یعنی عقائد و مسائل صحیحہ۔ نُوْرٌ یعنی واضح احکام عملی۔ وےا انجیل کی اصطلاح میں" شریعت" (Law) سے مراد شریعت موسوی یا توریت ہوتی ہے، اور اس کی بابت موجودہ انجیل میں تصریح موجود ہے کہ" آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے"۔ (لوقا۔ ۱۷:۱۶) وےا یعنی نفع اس سے صرف پرہیزگار ہی اٹھائیں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب اس ملک اور زمانہ کے عام و خاص سب ہی تھے۔ وےا خود انجیل مروجہ کی تعلیم اس سلسلہ میں یہ ہے:" جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا، اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا"۔ (متی۔ ۵:۱۹) مگر ایک لطیفہ یہ ہے کہ موجودہ" انجیل" میں احکام قانونی کا حصہ کہنا چاہیے کہ بس برائے نام ہی ہے۔ فوجداری اور دیوانی کے قانون کے بیسیوں باب سرے سے خالی ہیں۔ اخلاقی مواعظ ان کے بجائے البتہ ملتے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ پچھلی شریعتوں سے جو حصہ منسوخ نہیں ہوا ہے وہ اس معنی میں اب بھی واجب العمل ہے کہ وہ اب بعینہٖ ہماری شریعت کا جزو بن گیا اور اسی میں شامل ہو گیا۔ فيه دلالة على ما لم ينسخ من شرائع الانبياء المتقدمين فهو ثابت على معنى انه صار شريعة النبي صلی اللہ علیہ وسلم (جصاص) انهم مامورون باستعمال احكام تلك الشريعة على معنى انها قد صارت شريعة للنبي عليه السلام (جصاص) وےا ظاہر ہے کہ آیت کا خاص تعلق اہل انجیل ہی سے ہے۔ مسیحیوں ہی کو حکم مل رہا ہے کہ جب دعوی انجیل کے ماننے کا ہے، تو عمل بھی اسی کتاب الٰہی کے مطابق و تحت ہونا چاہیے۔ وقد تقدم ان هذه الاية نزلت في النصارى و هو ظاهر من السياق (ابن کثیر) امر القسيسين والرهبان ان يحكموا بما في الانجيل (معالم) قال الاصم في النصارى (کبیر) آیت کو آج مسلمانوں پر چسپاں کرنا، خوارج کی وراثت کو دانستہ یا نادانستہ شکار ہو جانا ہے۔ وےا (اے پیغمبر!) توریت و انجیل کے بعد اب ذکر قرآن مجید کا شروع ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی ایسی کتاب جو بجائے خود حق ہے، ہر شک و کذب سے بری۔ اى بالامر الحق (قرطبی) يعني بقوله بالحق بالصدق ولا كذب فيه ولا شك انه من عند الله (ابن جریر) مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب بطور اسم جنس آیا ہے۔ من جنس الكتب (قرطبی) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ۔ تصدیق کرنے والی اُن پچھلی کتابوں کی کہ وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں۔ اس تصدیق سے اُن کتابوں کی تحریفات و تصحیفات کی تصدیق ہرگز لازم نہیں آتی، مُهَيْمِنًا۔ مہیمن کے لغوی معنی ہیں حفظ و نگہبانی کرنے والا۔ اصل المهيمنة الحفظ والارتقاب (ابن جریر) مراد یہ کہ قرآن ہی سب اگلی کتابوں کے لیے معیار صحت و صداقت ہے۔ شهيدا على الكتب كلها و يقال امينا على الكتب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مؤتمنا عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال قتادة معناه الشاهد و قيل الحافظ (قرطبی) قال بعضهم معناه شهيدا و قال بعضهم معناه امينا عليه (ابن جریر) عن ابن عباس اى شاهدا عليه و هو قول مجاهد و قتادة والسدى والكسائى (معالم) قال سعيد بن جبير و ابو عبيدة مؤتمنا عليه (معالم) محقق ابن کثیر نے" حاکم" اور" امین" اور" شہید" اور" مؤتمن" وغیرہ متعدد معنی نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ سب قریب المعنی ہیں اور مہیمن کا مفہوم ان سب پر شامل ہے۔ اور قرآن سب کتابوں کی خاتم اور سب سے اکمل واعظم و احسن ہے۔ هذه الاقوال كلها متقاربة المعنى فان اسم المهيمن يتضمن هذا كله فهو امين و شاهد و حاكم على كل كتاب قبله جعل الله هذا الكتاب العظيم الذى انزله آخر الكتب و خاتمها اشملها و اعظمها و اكملها۔ مجاہد تابعی کی جانب منسوب ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مہیمن سے مراد ذات محمدی ہے، اور عَلَيْهِ میں ضمیر قرآن (الکتب) کی طرف ہے، گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پر بطور مہیمن کے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں کہیں غلطی ہوگئی ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ معنی تو قواعد عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں۔ اگر یہی مراد ہوتی تو مُصَدِّقًا اور مُهَيْمِنًا کے درمیان واو عطف نہ ہوتا۔ عطف کے بعد تو دونوں صفتیں ایک ہی موصوف قرآن کی ہو سکتی ہیں۔ وهذا التاويل بعيد من المفهوم في كلام العرب بل هو خطأ و ذلك ان المهيمن عطف على المصدق فلا يكون الا من صفة ما كان المصدق صفة له (ابن جریر) قرآن مجید کی دو صفتیں پہلے بیان ہو چکی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بذات خود صحیح اور سچی ہے، دوسری یہ کہ وہ قبل کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ تیسری صفت مہیمن کی اب بیان ہوئی۔ مصدق و مہیمن۔ ان دو صفات کے لانے سے قرآن مجید کی دو حیثیتوں کو بیان کرنا ہے۔ ایک یہ کہ سابق کتابوں کے کل مضامین اس کے اندر آ گئے۔ اور اس میں جمع و محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن اُن کتابوں پر بطور نگران کے بھی کام دے گا، یعنی اُن کی تحریفات و تصحیفات کے لیے معیار کا کام بھی دے گا۔ وےا (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جو اب سب کے سب قرآن میں محفوظ ہیں۔ اى بما في القرآن (مدارک) بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل

کتاب کے درمیان، جبکہ اُن کے معاملات آپ کے سامنے پیش ہوں۔ ای بین الیھود (کبیر) ای بین اھل الکتاب کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) ف۱۷۹ (اور وہ سچائی وحی الٰہی کی روشنی ہے) ای بالقرآن و الوحی الذی نزلہ اللہ تعالٰی علیک (کبیر) ف۱۸۰ خطاب عام ہے، نوع انسان بھی مراد ہو سکتی ہے، اور اہل کتاب بھی۔ ایھا الناس (مدارک، بیضاوی) ایھا الامم الباقیۃ (روح) شِرْعَۃً سے مراد ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے۔ اور منھاج اُس پیمبر کا تعامل یا سنت ہے۔ گویا یہ بتادیا کہ کتاب وسنت کی دوگونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصہ میں بھی ودیعت رہی ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سبیلاً و سُنَّۃً و کذاروی عن مجاھد و عکرمۃ و حسن البصری و قتادۃ و ضحاک والسدی (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعۃ سے مراد مطلق شریعت ہے، اور منھاج سے مراد کمالاتِ شریعت۔ قال اٰخرون بینھما فرق فالشرعۃ عبارۃ عن مطلق الشریعۃ والطریقۃ عبارۃ عن مکارم الشریعۃ و ھی المراد بالمنھاج فالشریعۃ اول والطریقۃ اٰخر و قال المبرد الشریعۃ ابتداء الطریقۃ والطریقۃ المنھاج المستمر (کبیر) ف۱۸۱ (اور آپس میں کوئی دینی اختلاف باقی ہی نہ رکھتا سب کے سب دین حق پر متحد و متفق ہوتے) ای فجعل شریعتکم واحدۃ فکنتم علی الحق (قرطبی) فجمع الناس کلھم علی دین واحد و شریعۃ واحدۃ (ابن کثیر) وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ اگر اللہ تعالٰی کو مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ مخاطبت یہاں ساری نوعِ انسانی یا مختلف اقوام سے ہے۔ ھذا

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

وہ تمہیں دیتا رہا ہے، تو تم نیکیوں کی طرف لپکو، ف۱۸۲ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ۙ وَاَنِ

ہے، تو وہ تمہیں وہ بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ف۱۸۳ اور آپ

احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ

اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اُن کی خواہشوں

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

پر عمل نہ کیجیے ف۱۸۴ اور اُن لوگوں سے احتیاط رکھیے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اتارے ہوئے

اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

کسی حکم سے ف۱۸۵ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو جان لیجیے کہ اللہ کو بس یہی منظور ہے

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

کہ ان کے بعض جرموں پر انہیں پاداش کو پہنچا دے ف۱۸۶ اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی

لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ

ہوتے آئے ہیں ف۱۸۷ تو کیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ف۱۸۸ اور جو

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ۧ يٰٓاَيُّهَا

قوم یقین (و ایمان) رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟ ف۱۸۹ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ڤ

ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ ف۱۹۰

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ف۱۹۱ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا

خطاب لجمیع الامم و اخبارٌ عن قدرتہ (ابن کثیر) ف۱۸۲ یعنی قانون اسلام کی طرف، جو تمام ہی نیکیوں اور بھلائیوں کے تسلسل کا ہے۔ اَلْخَیْرٰتِ۔ خیرات کا لفظ جامع ہے۔ اس کا اطلاق نیکیوں کے جملہ اقسام پر ہوگا۔ المراد کل ما امراللہ تعالٰی بہ (مدارک) یہاں جبر و اختیار، خیر و شر کے پورے فلسفہ کی طرف ارشاد کردیا ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ اگر حکمت مطلقہ کا تقاضہ یہ ہوتا کہ سب کو یکساں راہِ حق ہی پر رکھا جاتا تو تکوینیات کے قانون ہی دوسرے ہوتے۔ نہ یہ اختلاف عقول باہم باقی رکھا جاتا، نہ یہ اختلاف طبائع، نہ یہ اختلاف استعدادات۔ سب انسان، اختلاف ماحول کے باوجود یکساں و یک رنگ ہوتے۔ بظاہر سب حق ہی پر ہوتے، لیکن حقیقۃً سب بے ارادہ، بے اختیار، مجبور مشین کی طرح حرکت کرتے رہتے۔ لیکن مشیت تکوینی کو یہ منظور ہی نہ ہوا۔ اس لیے انسان کی خلقت و ترکیب ہی دوسرے طریق پر ہوئی۔ وہ فاعل مختار و بااراد بنا کر بھیجا گیا کہ اپنے قصد و ارادہ سے کام لے کر ایک راستہ کو چھوڑ، دوسرے کو انتخاب کر سکے۔ لِیَبْلُوَکُمْ۔ اس میں انسان کے صاحب ارادہ و اختیار ہونے کی غایت و مقصود کی جانب اشارہ ہوگیا۔ حق کا باطل سے، صالح کا فاسد سے، خیر کا شر سے انتخاب ہی ارادہ و اختیار کا صحیح استعمال ہے، اور یہی انسان کی آزمائش۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ۔ یعنی طاعتوں کی طرف قدم بڑھاؤ، لپکو۔ ای سارعوا الی الطاعات (قرطبی) فقہاء نے لفظ استباق سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ عبادات واجب میں عجلت کرنا تاخیر سے افضل ہے۔ و ھذا یدل علی ان تقدیم الواجبات افضل من تاخیرھا (قرطبی۔ جصاص) ف۱۸۳ (باوجود وضوحِ حق کے۔ اور جزا بھی اسی کے مطابق رہے گا) مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا۔ سب کی واپسی اُسی کے حضور میں ہوتا اور اُسی سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس میں رد آگیا اُن تمام مشرکانہ خیالات کا، جن کا ماحصل یہ ہے کہ حشر کی داوری، بجز حق تعالٰی یا علاوہ حق تعالٰی کے کسی اور کے سپرد ہوگی۔ یُنَبِّئُکُمْ۔ خبر دینا یہاں محض اطلاع دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ سزا دینے پر بھی شامل ہے۔ ای فیفصل بحکم من الجزاء الفاصل بین المحق و المبطل (روح) فالانباء ھنا مجاز عن المجازاۃ بما فیھا من تحقق الامر (روح) ف۱۸۴ (اے پیغمبر!) فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ۔ یعنی ان اہل کتاب خصوصاً یہود کے درمیان فیصلہ کیجیے جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے سامنے لائیں۔ آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر آچکا تھا، دوبارہ اس کا ورود تاکید کے لیے ہے۔ و تکرر و ان احکم بینھم للتاکید (قرطبی) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے مراد قرآن مجید کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن اگر توریت و انجیل ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اُن کتابوں کے بھی ٹھیک الہامی اور وحی شدہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کیجیے۔ نہ کہ اُن اضافوں اور تحریفوں کے مطابق جو انہوں نے اپنے دل سے اُن کتابوں میں کرلیے ہیں۔ اَھْوَآءَھُمْ۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حکم دو مختلف مسئلوں کے بارہ میں ہے، اس لیے تکرار صرف ظاہری ہے، حقیقی نہیں۔ لیس بتکرار لماتقدم من مثلہ لانھما نزلا فی شیئین مختلفین احدھما فی شان الرجم والاٰخر فی التسویۃ بین الدیات (جصاص) ف۱۸۵ اس حذر کا التزام اور اتنی احتیاط کا اہتمام ہر بار کرتے رہنا، بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود باعث اجر ہے۔ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی حکم الٰہی سے بچلنا قصد و عمد سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ سہو و نسیان ہی کی بنا پر ہوگا۔ اور یہیں سے ہے کہ آیت سے بعض محققین نے پیغمبر کے لیے جواز نسیان پر استدلال کیا ہے۔ و فی الاٰیۃ دلیل علی جواز النسیان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) قال اھل العلم ھذہ الاٰیۃ تدل علی ان الخطاء والنسیان جائزان علی الرسول (کبیر) ف۱۸۶ (اسی دنیا میں) بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ۔ جرموں سے یہاں مراد یہود کا فیصلہ قرآنی اور تحکیم رسول سے انکار ہے۔ یعنی ذنب التولی عن حکم اللہ سبحانہ و تعالٰی (بیضاوی) یہ حقیقت مدنظر رہے کہ کفر یا محض بدعقیدگی کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے۔ لیکن حربیت یا دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔ چنانچہ یہود کو قید کی، جلاوطنی کی، اور قتل کی سزا پاتے سب نے اسی دنیا میں دیکھ لیا۔ بِبَعْضِ کا لفظ لانے سے اظہار عظمت و اہمیت مقصود ہے، جیسا کہ لفظ کے نکرہ لانے سے ہوتی ہے۔ فیہ دلالۃ علی التعظیم کما فی التنکیر (بیضاوی) ھذا الابھام فیہ تعظیم التولی و فرط اسراف فی ارتکابھم (بحر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ روگردانی آپ کے فیصلہ سے ہوگی، جو عین حکم قرآنی کے مطابق ہوگا۔ عن الحکم المنزل و ارادوا غیرہ (بیضاوی) ف۱۸۷ (اس لیے آپ زیادہ رنج و تردد میں نہ

فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

وہ ان ہی میں (شمار) ہو گا ف۱۹۲ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ف۱۹۳

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ

سو تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے ان کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے

يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ

(وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی وقت نہ پڑ جائے ف۱۹۴ لیکن کیا عجب کہ اللہ (کامل) فتح

يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ

ہی دے دے، یا (اور کوئی) خاص بات اپنی طرف سے (کر دے) تو اس وقت

مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ

یہ اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر شرمندہ ہو کر رہیں، ف۱۹۵ اور جو لوگ

آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ

ایمان والے ہیں وہ (حیرت سے) کہیں گے ارے، کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں بڑے زور و شور سے کھایا کرتے

إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا

تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں! ف۱۹۶ ان کے عمل (سب) غارت گئے اور یہ لوگ گھاٹے میں

خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ

آ گئے ف۱۹۷ اے ایمان والو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے

عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ

پھر جائے، سو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئے گا ف۱۹۸ جنہیں وہ چاہتا ہو گا

وَيُحِبُّونَهُ ۙ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى

اور وہ اسے چاہتے ہوں گے ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں

پڑیں) الناس سے مراد عام نوع انسانی بھی لی گئی ہے، اور قوم یہود بھی جن کا ذکر برابر چلا آ رہا ہے۔ والمراد من الناس العموم و قیل الیہود (روح) ظاهر الناس العموم و یحتمل ان یکون الناس للعهد و هم الیهود الذین تقدم ذکرهم (بحر) ف۱۸۸ (حالانکہ اس ذور سے خود ہی پناہ مانگتے ہیں) یہود و نصاریٰ کو قائل کیا جا رہا ہے کہ تم جو اسلام کے قانون سے گریز کر رہے ہو، تو یہ تو عمداً دورِ جاہلیت ہی کی طرف واپس جانا ہوا۔ جس قانون کی بنیاد تمام تر عدل اور ہر حقیقی انصاف پر ہے، وہ تو اسلام ہی کا خدائی قانون ہے۔ ورنہ جاہلی قوموں کے قانون کا عملدرآمد تو اسی اصل اصول پر رہا ہے (اور وہ جاہلیت عرب اس سے مستثنیٰ نہ تھا) کہ زبردست کا ساتھ دو، جو قوی ہے اُسے قوی تر کرو، اور زیر دستوں کی کوئی پروا نہ کرو۔ خود یہود اہل کتاب و صاحب شریعت ہونے کے، باوجود اس فضا سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ ان کے دو فرقے بنو نضیر اور بنو قریظہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، ان میں بنو نضیر چونکہ زبردست تھے اس لیے انہوں نے قاعدہ یہ مقرر کر لیا تھا کہ قتل وغیرہ کے معاملات میں دیت کی جتنی رقم خود دیتے، اس کی دوگنی شرح سے بنو قریظہ سے وصول کرتے! اَلْجَاهِلِيَّة۔ جاهلیت پر حاشیہ پارہ ۳ آل عمران آیت ۱۵۴ میں گزر چکا ہے۔ قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہو گا جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں بڑے سخت الفاظ میں اور بہت تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جو خدائی قانون کے مقابلہ میں، اور اسے کھلا یا جزءاً بےدخل کر کے غیر قوموں کے قانون چلاتے ہیں، یا بشری اختراعات کو دخل دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے، جن سے جہاد واجب ہے۔ پوری عبارت گو طویل ہے لیکن ہے نظر میں رکھنے کے قابل۔ ینکر تعالى على من خرج عن حكم الله المحكم المشتمل على كل خير الناهي عن كل شر و عدل الى ما سواه من الآراء والاهواء والاصطلاحات التي وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله كما كان اهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات و الجهالات بما يضعونها بآرائهم و اهوائهم و كما يحكم به التتار من السياسات الملكية الماخوذة عن ملكهم فان الذي وضع لهم الياسق و هو عبارة عن كتاب مجموع من احكام قد اقتبسها عن شرائع شتى من اليهودية والنصرانية والملة الاسلامية و غيرها و فيها كثير من الاحكام اخذها من مجرد نظره و هواه فصارت في نبيه شرعا متبعا يقدمونه على الحكم بكتاب الله و سنة رسول الله فمن فعل ذلك فهو كافر يجب قتاله حتى يرجع الى حكم الله و رسوله فلا يحكم سواه في قليل و لا كثير ف۱۸۹ شریعت الٰہی سے بڑھ کر عادلانہ، حکیمانہ، صحیح و مناسب قانون اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اتنی موٹی سی بات بھی محسوس وہی کرتے ہیں۔ جن کی عقلیں شرک و الحاد کے زنگ سے صاف اور ایمان و ایقان کی روشنی سے منور ہوتی ہیں۔ ف۱۹۰ (جو صاحب کتاب ہونے کے باوجود قانونِ الٰہی کے منکر بلکہ اس کے باغی ہیں) اَوْلِيَاءَ۔ ولی کی جمع ہے۔ اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر و مددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تعلق دوستی، محبت، قرب اختصاصی کا ہے۔ رہا عدل و حسن سلوک، تو اس کا تعلق کفر و اسلام سے نہیں۔ وہ تو ہر فرد بشر، بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے۔ ایک تیسری اور درمیانی صورت مصالحت و معاملت کی رہ جاتی ہے تو وہ اہل اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد و پیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ ممانعت قطعی صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرت کی ہے۔ هذا يدل على قطع الموالات شرعا (قرطبی) ای لا تعتمدوا على الاستنصار بهم ولا تتوددوا اليهم (کبیر) اور پھر یہ ممانعت جب اہل کتاب سے دوستی اور یگانگت کی ہے، جو توحید، مسئلہ نبوت اور جزائے آخرت کے عقائد میں کم از کم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں، تو ظاہر ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہ ممانعت کتنی مؤکد اور اشد ہو گی جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدر مشترک نہیں رکھتے ...... یہ نہ بھی ہو، جب بھی کافر تو اپنے درجہ میں تو وہ بہرحال رہیں گے فاذا امرنا بمعاداة اليهود والنصارى لكفرهم فغيرهم من الكفار بمنزلتهم (جصاص) ف۱۹۱ (اپنی مناسبت باہمی اور اسلام سے عداوت مشترک کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ یہودی یہودی اور نصرانی نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں، باقی خود یہود و نصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے، کم از کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں۔ ان کے آپس میں اگر تمہارے خلاف ساز باز ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہل ایمان ہو تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا، اور اشتراک کیسا؟ آج جب کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں (جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مئی ۱۹۴۶ء) فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانیوں کی ساز باز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کر رہا ہے۔ ف۱۹۲ یعنی وہ بھی انہی میں داخل و شامل اور انہی کا ایک جزو یا ضمیمہ سمجھا جائے گا۔ ای من جملتهم و حكمه حكمهم و هذا تغليظ من الله و تشديد في وجوب مجانبة المخالف في الدين (مدارک) غیروں، بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے، اور مسلمان اپنی پختگی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے۔ قومی تشخص اور ملت کی خودی کے لیے لازمی ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے بالکل ممنوع قرار دے دیے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلا ملا میل جول زیادہ رکھتے ہیں، ان کے اندر سے فہم دین اور دینی تصلب اور ملی خودداری رخصت ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع و لباس اختیار کرنے کی، ان سے تشبہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ عجب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ ف۱۹۳ یعنی دین کی سمجھ اور غیرتِ ملی ایسے لوگوں سے سلب ہو جاتی ہے۔ ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین خدا کے باغیوں کو دوست و رازدار بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ الذين ظلموا

الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا

سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے ف۱۹۹ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ

عطا کرے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف۲۰۰ تمہارے دوست تو بس اللہ

وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں،

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں ف۲۰۱ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا، سو بے شک اللہ ہی کا گروہ

هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

غالب ہے ف۲۰۲ اے ایمان والو! جن لوگوں کو

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی ہے اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

بنا رکھا ہے ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ف۲۰۳ اور اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو ف۲۰۴ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو ف۲۰۵

ع ۱۲

انفسھم بموالاۃ الکفرۃ (کشاف۔ مدارک) ف۱۹۴ (اور اس وقت یہودی ساہوکاروں سے دوستانہ تعلقات کام آئیں گے) دائرۃ۔ مراد ہے گردش زمانہ سے کوئی اتفاقی مصیبت مثلاً قحط، گرانی، شکست جنگ وغیرہ۔ قال الواحدی الدائرۃ من دوائر الدھر کالدولۃ و ھی التی تدور من قوم الی قوم (کبیر) والدائرۃ ھی التی تخشٰی کالھزیمۃ والحوادث المخوفۃ (کبیر) من دوائر الزمان ای صرف من صروفہ و دولۃ من دولہ فیحتاجوا الیھم (کشاف) اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ سے مراد منافقین مدینہ ہیں۔ جنہیں ان احکام امتناعی کے باوجود یہودی مہاجنوں، ساہوکاروں سے برابر رشتہ موالات قائم کیے ہوئے تھے۔ مرض سے مراد شک و نفاق کا مرض ہے۔ مرض شک و نفاق والمراد ابن اُبیّ واصحابہ (قرطبی) المنافقون مثل عبداللہ بن ابی واصحابہ (کبیر) فَتَرَی میں خطاب عام ہے، یعنی اے دیکھنے والے۔ فِیْھِمْ یعنی ان کی دوستی کی طرف جس سے ان کا لین دین جاری تھا۔ ای فی موالاتھم و معاونتھم (بیضاوی۔ قرطبی) فی مودۃ الیھود و نصارٰی نجران لانھم کانوا اھل ثروۃ و کانوا یعینونھم علٰی مھماتھم و یقرضونھم (کبیر) یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی مسلمانوں سے بطور حیلہ بازی اور سخن سازی کے کہتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں جو پرقوت جتھا عبداللہ بن ابی کی سرداری میں منافقوں کا تھا، وہ برابر متمول یہودو نصاریٰ سے میل دین جاری رکھے ہوئے تھے، اور مسلمانوں سے کہتا رہتا کہ کل کی کیا خبر، اگر کہیں یہی لوگ تم پر غالب آگئے یا اور کوئی مصیبت ہم تم پر پڑ پڑی تو بغیر ان لوگوں سے مدد لیے کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اس لیے انہیں ساتھ لیے رہنا ضروری ہے۔ ف۱۹۵ اور شرمندگی بھی کیسی، دوہری بلکہ تہری تہری شرمندگی اٹھانا پڑے۔ پہلی کھسیاہٹ تو اسی کی کہ جو کچھ کیا تھے، اور ہوا کیا۔ دوسری جھنجھلاہٹ اپنی رسوائی پر جو نفاق کمبخت کی بدولت ظہور میں آئی۔ تیسرا غصہ پیچ اس کا کہ ادھر کافروں سے دوستی کچھ کام آئے نہ آئی، اور ادھر مسلمانوں سے بھی برے بنے! عَسَی اللّٰہُ۔ عسی کے لیے اوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب اس کا تعلق حق تعالیٰ کے کسی فعل سے ہوتا ہے تو معنی میں شک و احتمال نہیں رہتا، بلکہ مفہوم یقین کا پیدا ہو جاتا ہے۔ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ یہ فتح مسلمانوں کو انہی کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوگی جو آج ان منافقوں کی امیدوں کا سہارا اور جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ۔ اللہ کی طرف سے کوئی خاص بات، مثلاً انہی منافقین کی پردہ دری ان کے ناموں کی تعیین کے ساتھ۔ ف۱۹۶ (لیکن اب تو حقیقت حال کچھ اور ہی ظاہر ہو رہی ہے) یہ کہنے والے مومنین ہوں گے اور آپس میں کہیں گے جب منافقین کا نفاق کھل کر رہے گا۔ ف۱۹۷ (آخرت اور دنیا دونوں میں) استحقوا اللعن فی الدنیا و العقاب فی الاخرۃ (کبیر) دنیا میں یوں کہ کافروں کی معاونت ان کا حاصل نہ ہوئی، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل کر رہی۔ اور آخرت میں یوں کہ ان کی ظاہری نیکیاں بالکل بے وزن نکلیں۔ اَعْمَالُھُمْ۔ میں اعمال سے ان کے وہ اعمال تو مراد ہیں ہی جن پر انہیں طاعات ہونے کا گمان تھا۔ لیکن ان سے مراد ان کی منافقانہ کارروائیاں اور دوڑ دھوپ چالیں بھی ہو سکتی ہیں۔ ف۱۹۸ (ان مرتدوں کے بجائے، دین کی خدمت کے لیے) سو کسی فرد یا جماعت کے ارتداد سے دین اسلام یا فدائے اسلام کو مطلق ضرر نہیں۔ ف۱۹۹ (دین و جہاد کے باب میں) یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ۔ قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے کہ خدائے اسلام بعض مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح ایک بے جان و بے حس مشین اور محض علت العلل نہیں۔ وہ خوش بھی ہوتا ہے اور ناخوش بھی۔ وہ پسند بھی کرتا ہے اور ناپسند بھی۔ وہ حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ یہاں یہ بتایا کہ وہ فلاں فلاں اوصاف والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ لوگ بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ یہی مضمون سورۂ الفتح، رکوع ۴ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اَذِلَّۃ کے معنی ہیں نرم و شفقت سے لبریز۔ ای یرأفون بالمؤمنین ویرحمونھم و یلینون لھم (قرطبی) لیس المراد بکونھم اذلۃ ھو انھم مھانون بل المراد المبالغۃ فی وصفھم بالرفق ولین الجانب (کشاف) اَعِزَّۃ۔ کے معنی ہیں غالب، سخت، مستقل۔ ای اشداء غلاظ علی الکفار یعادونھم ویغالبونھم (معالم) ھم فی الغلظۃ علی الکفار کالسبع علی فریستہ (ابن عباسؓ) یُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ یُجَاهِدُوْنَ کے ساتھ ہر جگہ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید لگی رہنا بے معنی نہیں۔ نفس مجاہدے اور سخت قسم کی مشقتیں مشرک، ملحد، منافق سب ہی اپنے اپنے دنیوی، ملکی، وطنی، شخصی، قومی اغراض و مقاصد کے لیے کیا کرتے ہیں۔ جیل جاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، گولیاں سینہ پر سہتے ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتے ہیں۔ مومن مسلم کی شان امتیازی یہ ہے کہ اس کے مجاہدے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، جو بھی ہوں اللہ کی راہ میں رضائے الٰہی کی غرض سے، دین خدا کی سربلندی کی خاطر ہوں۔ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ یہ شان مومنین مخلصین کی ہے۔ برخلاف منافقین کے کہ وہ اگر جہاد میں شریک ہوتے بھی ہیں تو دبے دبائے، شرمائے ہوئے، کافروں کی طعنہ زنی سے ڈرے سہمے ہوئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اہل طریق کے طرز عمل کی تصریح آگئی۔ ف۲۰۰ ذٰلِکَ۔ اشارہ ایمان اور ان اوصاف عمل کی جانب ہے جو ابھی اوپر بیان ہو چکے۔ اشارۃ الی ماتقدم من الاوصاف (بیضاوی) وَاسِعٌ۔ اس کے ہاں کی وسعتوں اور گنجائشوں کا کیا پوچھنا۔ وہ چاہے تو سب ہی کو ان اوصاف سے متصف کر دے۔ عَلِیْمٌ۔ لیکن اس کا علم بھی تو ہمہ گیر و دقیق ترین ہے۔ وہ انہی کو ان اوصاف سے متصف کرتا ہے جو اس کے علم کامل میں اس کے اہل ہوتے ہیں۔ ف۲۰۱ وَلِیُّکُمْ۔ یہاں ولی اس معنی میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہیے۔ یعنی تمہارے حقیقی دوست۔ اور خطاب امت اسلامی سے ہے۔ اوپر ذکر اس کا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ اب گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ دوست اللہ اور رسول اور اہل ایمان کو بناؤ۔ فکأنہ قیل لا تتخذوا اولٰئک اولیاء انما اولیاءکم اللہ تعالٰی و رسولہ والمومنون فاختصوھم بالموالاۃ (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ایسے شخص سے علیحدہ رہنے پر دلالت

ہے جو اللہ اور ان کے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ میں و حالیہ ہے۔ والواو للحال (کشاف) ای یعملون ذلک فی حال الرکوع (کشاف) لیکن خود رکوع کے اس سیاق میں کیا معنی ہیں؟ رکوع یہاں بمعنی خشوع ہے نہ کہ اصطلاحی ہیئت متعارف مراد نہیں۔ و هو الخشوع والاخبات والتواضع لله اذا صلوا و اذا زكوا (کشاف) والركوع هنا ظاهره الخضوع لاالهيئة التى فى الصلوٰة (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان کی اقامت صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ محض صورت ظاہری کے لحاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ صحیح کیفیت باطنی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ۱۔ اٰمَنُوْا۔ ۲۔ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ ۳۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ غرض یہ کہ وہ لوگ عقائد اور اعمال بدنی و مالی اور اخلاق و اخلاص سب کے جامع ہوں گے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ عین ذکر میں اگر کسی ایسے شغل کا ہجوم و تقاضا ہو کہ اگر اس سے فارغ نہ ہو تو اس کا قلب مشغول رہے تو اس سے جلد فارغ ہو جانا ہی مستحسن ہے۔ ف۲۰۲ (باعتبار اصل حقیقت کے گو بعض اوقات اس غلبہ کے آثار کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ظاہر نہ ہوں) یہ قول مفسر تھانوی ؒ کا ہے۔ حقیقۃً ارفع تو مومنین ہی ہیں گو حکمت ابتلاء وغیرہ کی بنا پر کسی خاص محل میں مثلاً اس دنیا میں، اور کسی خاص وقت تک اس ارفعیت کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ واقعیت بجائے خود قائم ہے خواہ اس کے آثار بعد ایک مدت کے اسی دنیا میں ظاہر ہو جائیں خواہ کسی دوسرے محل کے لیے، مثلاً آخرت میں اپنے ظہور کے اصلی اور مقدر وقت پر اٹھا رہیں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ علی تفسیر اگر توت قلب سے کی جائے تو فہم سہل تر ہو جائے۔ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا ظاہراً کتنا ہی ہجوم ہو لیکن ان کو ضعف و اشکالات بوجہ توکل و تعلق مع اللہ کے نہیں ہوتا۔ ف۲۰۳ جو لوگ دین حق سے تمسخر و استہزاء کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ وہ کتابی کافر ہوں یا غیر کتابی، ان سے انقطاع تعلقات و دوستی کے باب میں یہ آیت ایک نص قطعی ہے۔ ذكر ههنا النهى العام عن موالاة جميع الكفار (کبیر) الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ مشرکین سے مدد لینا ناجائز ہے۔ فيه نهى عن الاستنصار بالمشركين لان الاولياء هم الانصار (جصاص) مِنَ الَّذِيْنَ میں من تبیین و تشریح کے لیے ہے۔ انتخاب و تبعیض کے لیے نہیں۔ من للبيان (جلالین) اس لیے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک طبقہ اس قسم کا ہے بلکہ مراد ہے اہل کتاب جو سب کے سب اسی قماش کے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اور مفسر تھانوی دونوں نے اپنے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وَالْكُفَّارَ۔ کفار سے مراد کافر غیر کتابی ہیں۔ ای المشركين وقد ورد بهذا المعنى فى مواضع من القرآن (روح) ف۲۰۴ علم، اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار حکم کی تعمیل اور ادائے فرض پر تقویٰ الٰہی ہی آمادہ کر سکتا ہے۔ اور خود تقویٰ ایمان کی پختگی کے لوازم میں سے ہے۔ امرهم بتقوى الله فانها هى الحاملة على امتثال الاوامر واجتناب النواهى (بحر) ثم نبه على الوصف الحامل على التقوى و هو الايمان (بحر) ف۲۰۵ اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے۔ اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اوّل تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ) اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے تو اس موقع پر کام گھنٹہ کی ٹھناٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے!۔۔۔ یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا، جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے! اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجہ نہ گاجا، نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملی ترانہ۔ بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا! الفاظ کل یہی ہوتے ہیں کہ۔ اللہ اکبر (چار بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (دو بار) لپکو نماز کی طرف۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (دو بار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دو بار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے۔ (صرف فجر کے وقت) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دو بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمایئے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے، مؤذن اس پاک گھر میں خود بھی پاک و صاف ہو کر، وضو کر کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر، اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمد کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کے لیے عبادت و فلاح کی دعوت بغیر کسی مادی آلہ کی مدد کے فضا میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے!۔۔۔ ظالم وہی صدائے خیر و فلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔ غیر قوم والے اس قدرتی لحن سے جس طرح متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۰۶ اس پاکیزہ صدا کا کون جزو آخر قابل مضحکہ ہے؟ کونسا پہلو اس کا قابل تمسخر ہے؟ اتنا صحیح سچا سنجیدہ پیام آخر کس اعتبار سے ناقابل التفات ہے؟۔۔۔ اور جو اسے قابل تحقیر سمجھیں کیا ان کی انتہائی بے عقلی، کج فہمی پر کسی مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے؟ اِتَّخَذُوْهَا میں ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور ندا (اذان) کی طرف بھی۔ الضمير للصلوٰة او للمناداة (کشاف) سیاق کے لحاظ سے اذان ہی مراد لینا بہتر ہوگا۔ ف۲۰۷ یعنی ہمارے اصول دین میں سے تمہیں عداوت اور ضد اس کے کس جزو سے ہے؟ ہمارا جرم بس یہی ہے نا کہ ہم توحید کے پرستار ہیں، اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟ قُلْ۔ خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ سب مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دیں۔ قال على سبيل التعجب هل تجدون فى هذا الدين الا الايمان بالله والايمان بما انزل على محمد ﷺ والايمان بجميع الانبياء (کبیر) تَنْقِمُوْنَ مِنَّا۔ نقم کے معنی ہیں برا سمجھنا یا بغض رکھنا، اور عیب لگانا یہاں دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ معناه تسخطون و قيل تكرهون و قيل

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝۵۸ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝۶۰ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝۶۱ وَتَرٰى كَثِيْرًا

تو یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (بالکل) عقل سے کام نہیں لیتے ف۲۰۶ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہم سے بس یہی ضد رکھتے ہو نا کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر اترا ہے اس پر اور جو کچھ ہم سے پیشتر اتر چکا ہے اس پر؟ ف۲۰۷ اور یہی کہ تم سے اکثر نافرمان ہیں ف۲۰۸ آپ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں جتلا دوں وہ جو اللہ کے ہاں پاداش کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) بڑا ہے ف۲۰۹ وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان پر غضب کیا ہے ف۲۱۰ اور ان میں سے بندر اور سور بنا دیے ف۲۱۱ اور انہوں نے شیطان کی پوجا کی ف۲۱۲ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر اور راہ راست سے بہت دور ہیں ف۲۱۳ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کو لے آئے تھے اور اسی کو لے کر چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں ف۲۱۴ اور آپ ان میں سے بہتوں

تکرون والمعنی متقارب (قرطبی) ھل تنکرون منا او تعیبون (بیضاوی) ف۲۰۸ (خود اپنے دین کے معیار سے بھی) اہل کتاب اُس وقت دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید بے تکلف انہیں اس لحاظ سے بھی مجرم قرار دے رہا ہے۔ ای فسقکم ثابت معلوم عندکم (بیضاوی) انتم فی دینکم فساق لاعدول (کبیر) و اَنَّ میں و، مع کے معنی بھی دے سکتا ہے۔ یجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف۔ کبیر) اس ترکیب کے بعد آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ہم سے ہمارے ایمان ہی کی بنا پر تو خفا ہو باوجود اس کے کہ اکثر تم خود ہی نافرمان ہو۔ ما تنقمون منا الا الایمان مع ان اکثرکم فاسقون (کشاف) ای لان اکثرکم فاسقون تنقمون منا ذلک (قرطبی) ف۲۰۹ (جسے تم اپنے پیے برا سمجھ رہے ہو) یعنی تم تو ہمارے طریقہ کو برا سمجھ رہے ہو لیکن میں تمہیں اس طریقہ کا پتہ بتائے دیتا ہوں جو واقعی عنداللہ سزا و پاداش کے لحاظ سے بدترین ہے۔ من ذٰلک یعنی ہمارے اس طریقہ سے جو تمہارے نزدیک موجب صد عیب ہے۔ ای من ذلک المتقدم (بیضاوی) ای بشر من نقمکم علینا (قرطبی) اشارۃ الی المتقدم (کبیر) ف۲۱۰ (ان کے اسی طریق مبغوض کے باعث) لعنہ۔ لعنت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس کے معنی رحمت الٰہی سے دوری اور مہجوری کے ہوتے ہیں۔ من لعنہ اللہ کا مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں بھی کی گئی ہے بشر من اھل ذلک من لعنہ اللہ او بشر من ذلک دین من لعنہ اللہ (بیضاوی) لا بد من حذف المضاف و تفسیرہ بشر من اھل ذلک (کبیر)

مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ

کو دیکھتے ہیں گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر

السُّحۡتَ‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ

لپکتے ہوئے کیسے برے ان لوگوں کے کرتوت ہیں ف۲۱۵ کیوں ان کے

الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ

مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کے کھانے سے نہیں روکتے

السُّحۡتَ‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ‏ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ

ہیں کیسی بری ان کی کارستانیاں ہیں! ف۲۱۶ اور یہود کہتے ہیں کہ

يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ‌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا‌ ۘ بَلۡ

خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ف۲۱۷ ہاتھ ان ہی کے بند ہوں! اپنے اس کہنے سے یہ ملعون ہو گئے ف۲۱۸

يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ‌ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ

اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں ف۲۱۹ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ف۲۲۰ اور جو کچھ آپ پر

كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا

آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔ وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر

وَّكُفۡرًا‌ ؕ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ

بڑھا رہا ہے، ف۲۲۱ اور ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لئے ڈال دیا

الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ‌ ۙ

ہے ف۲۲۲ جب جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بجھا دیتا ہے ف۲۲۳

وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا‌ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ف۲۲۴ درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں کو

ذکر یہود کا ہے۔ ف۲۱۱ یہ لوگ جو بندر اور سور بنا دیے گئے کون تھے کہاں کے تھے، کس زمانہ کے تھے قرآن مجید اس باب میں خاموش ہے اور احادیث صحیح میں بھی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اس پر محض اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ البتہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قردۃ بننے والے سے مراد یہود یا اصحاب السبت ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ پارۂ اول میں آچکا ہے۔ اور خنازیر سے مراد مسیحی اصحاب المائدہ ہیں، جن کا ذکر اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے۔ قال اھل التفسیر عنی بالقردۃ اصحاب السبت و بالخنازیر کفار مائدۃ عیسیٰ (کبیر) ای مسخ بعضھم قردۃ و ھم اصحاب السبت و بعضھم خنازیر و ھم کفار مائدۃ عیسیٰ (روح) لیکن یہ قول بھی سلف ہی سے مروی چلا آرہا ہے کہ مسخ محض معنوی ہوا تھا صوری نہ تھا، یعنی صورتیں وہی رہی تھیں، صرف سیرتیں بندروں اور سوروں کی ہو گئی تھیں۔ مفردات میں لغت خنزیر کے تحت میں ہے:۔ قیل عنی من اخلاقہ و افعالہ مشابھۃ لا خلاقھا لا من خلقتہ خلقتھا و روی ان قومًا مسخوا خلقۃ و کذا ایضاً فی الناس قوم اذا اعتبرت اخلاقھم وُجِدُوا کالقردۃ والخنازیر و ان کانت صُوَرُھم صُور الناس (راغب) اس ناچیز نے اس آیت کی تفسیر کے باب میں خاص طور پر تردد تھا۔ مسودۂ اول کی تحریر کے وقت (اپریل ۱۹۴۳ء میں) حکیم الامت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ و سلامت تھے۔ حل مشکل کے لیے عریضہ ان کی خدمت میں بھیجا، اور اس میں امام راغب کی عبارت مذکورہ بالا نقل کردی۔ جواب جو موصول ہوا اس کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے، کہ "اولاً تو ایسی تاویلیں ان تصحیح مسلم اور عقلی قواعد کے کہ مخالف پڑتی ہیں۔ النصوص تحمل علی ظواھرھا لایعدل الی المجاز الا اذا تعذرت الحقیقۃ الناطق یقضی علی الساکت۔ ثانیاً خود الفاظ قرآنی اس تاویل کو مستبعد بنا رہے ہیں۔ مثلاً لفظ جَعَلَ تصییر پر دال ہے تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلی کے خلاف ہو۔ اور قردۃ و خنازیر بہ تاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے اس میں جعل کے کیا معنی۔ اس جعل کا تو یہ حاصل ہوا کہ جعل القردۃ قردۃ و جعل الخنازیر خنازیر۔ یہ عبارت مثل جعل الخبیثین خبیثین کیا اس سے کلام کے بے معنی ہونے کا شبہ قوی نہیں ہو سکتا، جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔ ثالثاً جب وہ خود خبیث ہو چکے تھے تو اب ان کو خبیث بنانے کے کیا معنی۔ رابعاً سورۂ بقرہ میں ہے فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ تو سزا پر تو نکال اور موعظۃ صادق آتا ہے مگر عقائد و اخلاق فاسدہ تو خود موجب سزا ہیں نہ کہ سزا۔ غایۃ ما فی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے لیکن کیا بدعت بھی نہ کہیں گے؟ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے، تو یہ بدعت اجتہادی محل وعید نہیں، ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آئے گا۔" مختصراً بہرحال اس تاویل کی بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ف۲۱۲ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب عَبَدَ بطور فعل پڑھا جائے۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَ مَنۡ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ عطف اس صورت میں مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ پر ہوگا۔ جعلوہ فعلا ماضیا و عطفہ علی فعل ماض و ھو غضب و لعن (قرطبی) عطف علی صلۃ من کانہ قیل و من عبد الطاغوت (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ عبد کو اسم اور عبد کی جمع سمجھا جائے۔ اس صورت میں عبد کا عطف الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ پر ہوگا۔ اور پورے فقرے کے معنی ہوں گے کہ "انہیں بندر اور سور اور پرستار شیطان بنا دیا"۔ طاغوت پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہود رفتہ رفتہ کاہنوں کے بہت معتقد اور گرویدہ ہو گئے تھے اور کہانت وغیرہ تمام شیطانی قوتیں ان پر غالب آ گئے تھے۔ اسی کو شیطان کی پرستاری سے تعبیر کیا گیا۔ عن عباس رضی اللہ عنہ الطاغوت الکھنۃ و کل من اطاع احدا فی معصیۃ اللہ فقد عبدہ (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مصلحت دینی ہو تو مخالف کی ذم کو خوب ظاہر کر دیا جائے اور یہ صبر و حلم کے منافی نہیں۔ ف۲۱۳ (اس دنیا میں) شَرٌّ مَّكَانًا آخرت میں کہ وہ مکان دوزخ ہے۔ شر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے، اور مراد اس سے اہل مکان ہی ہیں۔ لان مکانھم النار و اما المومنون فلا شر فی مکانھم (قرطبی) جعلت الشرارۃ للمکان و ھی لاھلہ للمبالغۃ (مدارک) ف۲۱۴ یعنی ان کے عقائد کفر و نفاق کو۔ ذکر اب منافقین کا ہے، خصوصاً منافقین یہود کا، جو اپنے عقائد کفر کے باوجود اپنے کو مسلمان آبادی کے درمیان چالاکی سے ملے جلے رکھتے تھے۔ ھذہ صفۃ المنافقین (قرطبی) ای

منافقوا الیھود (جلالین) اِذَا جَآءُوْكُمْ یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں کی مجلسوں میں آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس کے اندر عقائد کفر لیے ہوئے آئے۔ خَرَجُوْا بِالْكُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس سے باہر وہی عقائد کفر لیے ہوئے واپس ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کی مجلس میں آنے سے نفع مطلق نہ ہوا۔ جو کفریہ عقائد لے کر آئے تھے، وہی لے کر چلے بھی گئے۔ والمعنی انھم لم ینتفعوا بشیء مما سمعوہ بل دخلوا کافرین و خرجوا کافرین (قرطبی) ف٢١٥ ذکر یہود کا ہے۔ الْاِثْمِ۔ جھوٹ کے قسم کے سارے گناہ اس میں شامل ہیں۔ یا وہ گناہ جو گنہگار کی ذات تک محدود ہیں۔ الاثم الکذب و قیل الاثم ما یختص بھم (کشاف) یعنی عن قول الکذب والزور (ابن جریر) الْعُدْوَانِ۔ یہ لفظ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور سرکشی پر حاوی ہے۔ یا وہ گناہ جو دوسروں تک متعدی ہو۔ العدوان الظلم و قیل العدوان ما یتعدی اثمہ الی غیرھم (کشاف) اَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ اس میں سود، رشوت اور جبر یا مکر سے حاصل کی ہوئی ہر آمدنی آ گئی۔ پرانے حکماء کی تحلیل نفس کے مطابق اثم قوت نطقیہ سے صادر ہوتا ہے۔ اور عدوان قوت غضبیہ سے اور اکل سحت قوت شہویہ سے۔ ف٢١٦ آیت ماقبل میں ذکر عوام یہود کا تھا۔ اس آیت میں ذکر خواص و اکابر یہود کا ہے۔ لَوْلَا۔ الا کے معنی میں ہے۔ لولا بمعنی الا (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا داخلہ مستقبل پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی صیغہ امر کے اور ممانعت کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ فاذا کانت للمستقبل فھی فی معنی الامر لم لا تفعل و ھی ھٰھنا للمستقبل یقول ھلّا ینھا ھم ولم لا ینھا ھم (جصاص) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ صحابہ و تابعین اور علماء سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی سخت ترین آیتوں میں سے ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ھی اشد ایۃ فی القراٰن (کشاف) عن الضحاک ما فی القراٰن ایۃ اخوف عندی منھا (کشاف) کان العلماء یقولون ما فی القراٰن ایۃ اشد توبیخا للعلماء من ھٰذہ الایۃ ولا اخوف علیھم منھا (ابن جریر) ف٢١٧ یہ مسلمانوں کے افلاس پر طنز و استہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا۔ محاورہ میں اس سے مراد بخل و تنگدستی ہوتی ہے غل الید و بسطھا مجاز عن البخل والجود (کشاف) غل الید و بسطھا مجاز مشھور عن البخل والجود (کبیر) یہود کے یہاں لفظی معنی لینا مستحق خیز ہیں۔ یہ تو محض محاورۂ زبان اور ایک اسلوب بیان ہے۔ کسی کے ہاتھ بالکل کٹے ہوئے ہوں جب بھی اُس کے بخل وجود کے لیے غل ید و بسط ید کا محاورہ بلا تکلف استعمال ہوگا۔ اس لیے یَدُ اللّٰهِ کے لفظ کے آ جانے سے حق تعالیٰ کے اثبات ید کا قطعاً کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لا یقصد المتکلم بہ اثبات ید و لا غل ولا بسط (مدارک) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے، لیکن اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لیے یہ قول منسوب افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کر دیا گیا۔ لما قال قوم ھٰذا و لم ینکر الباقون صار کانھم باجمعھم قالوا ھٰذا (قرطبی) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہود کا یہ قول گو ان کے اعتقاد پر مبنی نہ ہو لیکن کلمہ کفر کا تلفظ بھی بلاضرورت اور بغیر تردید کے کفر ہی ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ ہے کہ آگے فقرہ میں لُعِنُوْا کی علت بِمَا قَالُوْا ارشاد ہوئی ہے۔ بما اعتقدوا نہیں۔ ف٢١٨ چنانچہ دنیا میں اس ملعونیت کا اثر قید، قتل، ذلت وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اور آخرت میں عذاب جہنم سے ظاہر ہوگا۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ۔ یہ دعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس و تنگدستی، بدحالی اُن ہی پر چھا کر اور اُن ہی پر اُلٹ کر رہے گی۔ یجوزان یکون دعاء علیھم (قرطبی) یجوزان یکون معناہ الدعاء علیھم بالبخل (کشاف) اس پیش خبری کا ظہور عین اُس وقت بھی ہوا۔ یعنی چند ہی سال کے اندر یہود مدینہ مفلس و بے زر ہو کر رہ گئے۔ اور خود آج بھی باوجود اپنے شہرۂ آفاق تموّل کے خوشحالی اور دولت اُن کے کچھ افراد ہی تک محدود ہے، ورنہ بحیثیت قوم ایک نہایت درجہ مفلس و نادار قوم ہے۔ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ، آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے تحت میں پارۂ اول میں گزر چکا ہے۔ ف٢١٩ یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور رزاقی بدستور جاری ہیں۔ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔ اُردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور و تاکید کے لیے ہے۔ لیکون ردقولھم و انکارہ ابلغ و ادلّ علی اثبات غایۃ السخاء و نفی البخل عنہ (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ دوسری نعمتوں کے اظہار کے لیے ہے۔ ایک نعمت دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ ف٢٢٠ (حسب حکمت و مصلحت) اور وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مصلحت تکوینی سے غنی و تونگر کر دیتا ہے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے اختیار مطلق غیر مقید و غیر محدود کے قائل ہیں۔ اسی لیے اس آیت سے انہوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور معتزلہ کے رد کا کام لیا ہے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ پر اجر طاعت و جزاء اعمال واجب ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الایۃ ردّ علی المعتزلۃ و ذٰلک لانھم قالوا یجب علی اللہ تعالٰی اعطاء الثواب للمطیع و یجب علیہ ان لا یعاقبہ (کبیر) ف٢٢١ یعنی اپنے ضد و عناد کی بنا پر یہی نسخۂ شفا یہ لوگ اپنے حق میں ازدیادِ مرض کا سبب بنا لیتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ یعنی یہی قرآن۔ ف٢٢٢ یعنی اُن کا ہر قبیلہ اور فرقہ دوسرے کا دشمن ہے۔ بَيْنَهُمُ۔ مراد یہود کے اندر کے فرقہ اور قبیلے ہیں کہ یہودی کا ذکر قریب میں ہے۔ ای القینا بین طوائف الیھود (قرطبی) المراد وقوع العداوۃ بین فرق الیھود (کبیر) جائز یہ بھی ہے کہ ضمیر کل اہل کتاب کی طرف ہو جس کا ذکر ذرا اور قبل آ چکا ہے۔ قال مجاھد ای بین الیھود والنصاری (قرطبی) المراد منہ ما بین الیھود والنصاری من العداوۃ و ھو قول الحسن و مجاھد (کبیر) ف٢٢٣ آگ کا بجھانا یہ کہ اللہ اُن کی یہ شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا ہے۔ خصوصاً اس طرح کہ اُن ہی میں کے ایک دوسرے کے مخالف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اطفاؤھا صرف اللہ عنھم ذٰلک و تفرق ارائھم وحل عزائمھم و تفرق کلمتھم و القاء الرعب فی قلوبھم (بحر) اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ۔ یعنی مومنین کے خلاف جنگ کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ جنگ کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ جنگ کی آگ روشن کرنا، عربی محاورہ میں کنایہ ہے جنگ کی تیاری سے۔ قال الجمھور ھو استعارۃ و ایقاد النار عبارۃ عن اظھار الحقد و الکید و المکر بالمومنین و القتال (بحر) ایقاد النار کنایۃ من ارادۃ الحرب (روح) عرب جنگ کے وقت واقعۃً بھی آگ روشن کیا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے یہ فقرہ محض مجازاً و استعارۃً نہیں بلکہ لفظاً بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ ف٢٢٤ (دوسرے دوسرے ذرائع سے) دنیا میں قانون الٰہی کے نفاذ کی مخالفت کرنا خواہ وہ کسی عنوان سے بھی ہو، بہرحال اور بہرصورت فساد فی الارض ہی ہے، انفرادی بربادی و اجتماعی ہلاکت دونوں کا پیش خیمہ۔

ف۲۲۵ (اللہ کی رضامندی کو فساد فی الارض سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ف۲۲۶ اٰمَنُوْا۔ یعنی قرآن اور حامل قرآن پر ایمان لاتے۔ اٰمَنُوْا کے مطلق رکھنے میں بعض اہل علم نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اہل کتاب اگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں تو یہ تو خیر عین مقصود ہی ہے لیکن اگر اپنے پیمبر اور اپنی ہی کتاب پر سچا اور پورا ایمان رکھیں، تو اُن کی ہدایت اور عبارت بھی تو بالآخر اسی ایمان مصطفوی ﷺ پر لائے گی۔

عشق گر زیں سر وگر زاں سر ست — عاقبت ما را بداں شہ رہبر ست ف۲۲۷ (بواسطہ نبی آخر الزماں ﷺ) مراد قرآن و شریعت اسلامی ہے۔ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ مراد ہے اِن کتابوں کی عدم تحریف اور ان کے احکام پر عمل۔ و اقامة التورٰة والانجيل العمل بمقتضاهما وعدم تحريفهما (قرطبی) وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اس کے معنی علاوہ قرآن مجید کے خود اُن کے انبیاء کی دوسری کتابوں کے بھی کیے گئے ہیں۔ قيل كتب انبياء هم (قرطبی) من سائر كتب الله لانهم مكلفون الايمان بجميعها (مدارک) ف۲۲۸ یعنی اس دنیا میں آسمانی اور زمینی برکتوں سے خوب تمتع حاصل کرتے۔ فوق و تحت کے الفاظ عموم تمتع دنیوی اور زور و تاکید کے لیے ہیں۔ ذكر فوق و تحت للمبالغة فی ما يفتح عليهم من الدنيا (قرطبی) المراد منه المبالغة فی شرح السعة

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

پسند نہیں کرتا ف۲۲۵ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیتے، اور ہم ضرور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کر دیتے ف۲۲۶

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور اگر وہ توریت اور انجیل کی پابندی کرتے اور اس کی جو اُن پر ان کے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

(اب) نازل ہوا ہے ف۲۲۷ تو یہ لوگ (خوب) کھاتے (پیتے) اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پیروں کے نیچے سے (بھی)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

ف۲۲۸ انہی میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے ف۲۲۹ لیکن اکثر ان میں کے ایسے ہیں جو بہت ہی برا

يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

کر رہے ہیں ف۲۳۰ اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے پہنچا (سب) آپ (لوگوں

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

تک) پہنچا دیجیے ف۲۳۱ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں ف۲۳۲

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ف۲۳۳ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

راہ نہ دے گا ف۲۳۴ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر بھی نہیں

شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

جب تک تم توریت و انجیل کی پابندی نہ کرو اور اس (کتاب) کی جو تمہارے

ع ۱۳

(کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ طاعت و عمل صالح خوشحالی اور وسعت رزق کے موجبات میں سے ہیں۔ دلت الاية على ان العمل بطاعة الله تعالى سبب لسعة الرزق (مدارک) ف۲۲۹ (اور یہی میانہ رو جماعت آگے چل کر ایمان لے آنے کی) مُقْتَصِدَةٌ۔ اقتصاد۔ کے معنی عمل میں راہ اعتدال اختیار کرنے کے ہیں۔ والاقتصاد الاعتدال فی العمل (قرطبی) یہاں مراد اُن لوگوں سے ہے، جو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے باب میں نہ افراط کے غلو تک پہنچ جاتے ہیں، نہ تفریط کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ مقتصدة فی القول فی عيسى ابن مريم (ابن جریر) مسیحیوں میں نجاشی شاہ حبش اور اُن کے رفقاء اور یہود میں عبد اللہ بن سلام اور ان کی جماعت یہ سب اسی اُمت مقتصدہ کے افراد ہوئے ہیں۔

ف۲۳۰ اشارہ اہل کتاب کی تحریف کتب و تکذیب انبیاء کی جانب ہے۔

ف۲۳۱ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ اس میں قرآن مجید کے سرے کا سارا آ جانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جو چیزیں وحی خفی کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ کو تعلیم ہوتی تھیں، وہ بھی اسی عموم میں شامل ہیں۔ قال ابن عباسؓ المعنى بلغ جميع ما انزل اليك (قرطبی) فيه امر للنبی ﷺ بتبليغ الناس جميعا ما ارسله به اليهم من كتابه و احكامه و ان لا يكتم منه شيئا خوفا من احد ولا مداراة له (جصاص) جميع ما انزل اليك (مدارک) يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ تبلیغ کے موقع پر یہ انداز خطاب بجائے خود نہایت بلیغ و حکیمانہ ہے کہ اے مخاطب تمہاری تو حیثیت ہی تمام تر رسول کی، پیغام پہنچانے والے کی ہے۔ ف۲۳۲ یعنی اگر آپ نے کوئی بات احکام خداوندی میں سے چھپا لی، تو گویا آپ نے فریضہ رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ فان كتمت شيئا منه فما بلغت رسالته (قرطبی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) اخبر انه ان ترک تبليغ شيء منه فهو كمن لم يبلغ شيئا (جصاص) فكانک لم تبلغ الرسالة اصلا (مدارک) لان كتمان بعضها ككتمان كلها (جلالین) اور ایسے مفروضات، محالات عادی ہی نہیں محالات عقلی تک، مثلاً ایک کے بجائے دو خداؤں کا ہونا، تو قرآن مجید نے بیان توحید تک میں روا رکھے ہیں۔ اس میں رد آ گیا اُن غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ دلت على انه ﷺ لم يسر الى احد شيئا من امر الدين (قرطبی) اور حقیقۃً یہ بھی مرتبہ رسالت سے بہت ہی گری ہوئی چیز کہ پیمبر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر کہی ہے کہ اگر آپ نے کوئی سا بھی جزو قرآن کریم کا چھپایا ہوتا، تو وہ یہی جزو ہوتا! قالت لو كان محمد ﷺ كاتما شيئا من القرآن لكتم هذه الاية (ابن کثیر) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسول کی طرح علماء اُمت کے لیے بھی کسی مسئلہ شریعت کا اخفاء و کتمان جائز نہیں۔ فهذا تاديب للنبی ﷺ و تاديب لحملة العلم من امته الا يكتموا شيئا من امر شريعته (قرطبی) ف۲۳۳ (کہ آپ کے قتل و ہلاک پر قدرت حاصل کر سکیں) اس لیے آپ تبلیغ کے باب میں تو اپنی جان کی ذرا فکر نہ کیجیے۔ مخالفین و معاندین جو کچھ بھی چاہیں کرتے رہیں۔ يعصمک من القتل فلا يصلون الى قتلک (معالم) ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا گیا ہے کہ جب محفوظیت کا وعدہ ہو چکا تھا، تو پھر جنگ اُحد میں جسم مبارک کو جراحتیں کیسے پہنچیں؟ مفسرین نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف جواب مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے یہ ہے کہ وعدۂ محفوظیت سیاق تبلیغ میں کیا گیا ہے، اس لیے اس کا تعلق بھی قدر و اتنی ہی محفوظیت سے ہے جو آپ کے فرائض تبلیغ میں مانع نہ ہو۔ بالکلیہ محفوظیت نہ مقصود تھی نہ ہو سکتی تھی۔ مرض، صدمہ، زخم وغیرہ تو حکمت تکوینی کے ماتحت رفع درجات و ترقی مراتب کے لیے ضروری ہیں۔ آیت سے علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ علماء حق پرست خدا کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اسی کے فضل کو سمجھے رہیں۔

ف۲۳۴ (کہ آپ تک پہنچ کر اپنے ملعون منصوبوں کو پورا کر سکیں) لا يمكنهم مما يريدون انزاله بک من الهلاک (کشاف)

وف ۲۳۵ یہاں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ مدار فضیلت کا، مقبولیت کا، احکام الٰہی کا اتباع ہی ہے۔ تو پھر جب سرے سے اس سے گریز ہے، تو کیسی فضیلت اور کہاں کی مقبولیت؟ علی شیء۔ یعنی راہ راست ودین حق۔ ای علی دین یعتد بہ (کشاف۔ بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر اتباع شریعت کے کوئی کمال معتبر نہیں۔ وف ۲۳۶ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۲۲۔ وف ۲۳۷ حضور انور ﷺ فرط شفقت و ترحم سے کافروں کے حال پر بے چین و مضطر رہا کرتے تھے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اتنا غم و تاسف نہ کیجئے۔ یہ تو اپنی ضد وعناد کی بنا پر مستحق کسی ہمدردی و رعایت کے نہیں۔ آیت رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے ہے۔ آپ کو ممانعت حزن سے نہیں کی گئی ہے، کہ وہ آپ کے لیے ایک امر طبعی تھا، بلکہ افراط حزن سے کی گئی ہے۔ و ھذہ تسلیۃ للنبی ﷺ و لیس بنھی عن الحزن لانہ لا یقدر علیہ و لکنہ تسلیۃ و نھی عن التعرض للحزن (قرطبی) لا تتاسف بسبب نزول اللعن والعذاب علیھم فانھم من الکافرین المستحقین لذلک (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اعراض کرنے والوں پر زیادہ قلق نہ کرے جیسا کہ بعض مبالغین فی الشفقۃ کرتے ہیں۔ وف ۲۳۸ آیت کے الفاظ و مطالب کی تشریح پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ حاشیہ نمبر ۲۱۸ سے حاشیہ نمبر ۲۲۲ تک۔ وف ۲۳۹ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کی تاریخ گویا انبیاء مرسلین ہی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ میثاق بنی اسرآءیل پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ یہ عہد توحید ہی سے متعلق تھا۔ وف ۲۴۰ یعنی کم و بیش مخالفت تو اُنہوں نے سب ہی انبیاء کی کی، جو ذرا سا بھی کوئی حکم ان کی مرضی کے خلاف لے کر آئے۔ لیکن بعض کو تو تکذیب سے گزر کر ہلاک تک کر ڈالا۔ یہود کے قتل انبیاء وغیرہ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ انجیل میں یہ الزام اس سے کہیں زیادہ زور دار الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔ ”اے سانپو، اے افعی کے بچو تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ ان سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے“۔ (متی ۲۳: ۳۳، ۳۴) ملاحظہ ہوں پارۂ اوّل کے حاشیے آیت نمبر ۶۱ پر۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سارے کبائر کی اصل اتباع ہوی ہے، اس لیے صوفیہ اس کے استیصال کی سخت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وف ۲۴۱ (ان پر تکذیب انبیاء اور قتل انبیاء کا)۔ فِتْنَةٌ کے ایک معنی سزا کے بھی ہیں۔ الفتنۃ العذاب (قاموس) قرآن مجید میں بھی فِتْنَةٌ ایک دوسرے موقع پر اسی معنی میں آیا ہے۔ ذوقوا فتنتکم ای عذابکم (راغب) اہل تحقیق نے یہی معنی یہاں بھی لیے ہیں۔ ای عذاب و قتل (معالم) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مناجات بھی اسی معنی و مفہوم کی تائید میں ہے:۔ ”اے خداوند شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے۔ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔ سارے بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے۔ وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں، اور تیری میراث کو دکھ دیتے ہیں۔ اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، خداوند نہ دیکھے گا، یعقوب کا خدا ہرگز نہ سمجھ لے گا“۔ (زبور۔ ۹۴: ۳۔ ۷) فِتْنَةٌ کے مشہور و متعارف معنی آزمائش کے ہیں، وہ بھی یہاں بے جا نہیں اور بعض مفسرین نے یہی اختیار کیے ہیں۔ انہ لا یقع من اللہ عز وجل ابتلاء و اختبار بالشدائد (قرطبی) وف ۲۴۲ یعنی ان کے اس گمان و پندار نے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مہلت نے انہیں قبول حق وکلام حق کی طرف سے اور زیادہ غافل و بے نیاز کر دیا۔ عموا عن الھدی و صموا عن سماع الحق (قرطبی) عموا عن الرشد و صموا عن الوعظ (مدارک) وف ۲۴۳ (اور مزید ہدایت کے لیے کوئی اور پیغمبر ان میں بھیجا)

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

پروردگار کی طرف سے تمہارے اوپر اتری ہے، وف ۲۳۵ اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا کر رہے گا وف ۲۳۶ تو آپ کافر لوگوں پر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

افسوس نہ کیجیے وف ۲۳۷ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور جو لوگ یہودی ہوئے

وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور صابی اور نصرانی (غرض) جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

رکھتا ہو اور نیک عمل بھی کرے، سو ایسوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

غمگین ہوں گے وف ۲۳۸ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیے

وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر بھیجے وف ۲۳۹ جب جب کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لاتے،

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا

جس کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو بعض کو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی

يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

کر ڈالتے تھے وف ۲۴۰ اور گمان بھی کرتے رہے کہ وہاں کچھ نہ پڑے گا وف ۲۴۱ سو اندھے

وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا

اور بہرے ہوگئے وف ۲۴۲ پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی وف ۲۴۳ پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے

كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ

اور بہرے ہی رہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے ان کے کرتوت ف۲۴۴ یقیناً

كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ

وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے ف۲۴۵

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ

حالانکہ (خود) مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میرے پروردگار اور اپنے پروردگار (یعنی) اللہ کی

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ

عبادت کرو ف۲۴۶ جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے گا، سو اللہ اس پر جنت حرام

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے، اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار

أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ

نہ ہو گا ف۲۴۷ یقیناً وہ (بھی) کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے

ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا

تیسرا ہے ف۲۴۸ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے ف۲۴۹ اور اگر یہ لوگ اپنے (ان) اقوال سے

عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

باز نہ آئے تو اُن میں سے جو لوگ کافر رہیں گے اُن پر عذاب دردناک واقع ہو کر

أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ

رہے گا ف۲۵۰ سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؟ درآنحالیکہ اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے ف۲۵۱ مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں بجز

ف۲۴۴ (اور وقت مناسب پر انہیں سزا دے کر رہے گا) فیجازیھم بحسب اعمالھم (مدارک) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ ''اے قوم کے حیوانو! کچھ سمجھو۔ اے جاہلو! تم کب ہوشیار ہو گے۔ وہ جس نے کان لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی، کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دیتا ہے، کیا وہ سزا نہ دے گا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھلاتا ہے کیا وہ واقفیت نہ رکھتا ہو گا؟'' (زبور۔ ۹۴:۹) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ معاصی پر اصرار سے استعداد بالکل مضمحل ہو جاتی ہے، اور اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے۔ ف۲۴۵ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴۷ سورۃ ہذا۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید اغلاطی اور ان صریح کافروں بلکہ مشرکوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اُن کا ذکر نام کے ساتھ نہیں، صرف صفات کے ساتھ کرتا ہے، اور انہیں ایک الگ مستقل اُمت قرار دیتا ہے۔ ہبرٹ جرنل (لندن) دنیائے مسیحیت کا ایک بلند پایہ علمی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اُس کے اکتوبر ۱۹۳۴ء نمبر میں ہے:۔ ''ٹھیٹھ مسیحی کے عقیدہ میں مسیح تمام تر خدا ہیں۔ عقیدہ جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو، اسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے''۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول واتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیہ ہوئے ہیں۔ ف۲۴۶ ملاحظہ ہو پ۱، حاشیہ نمبر ۱۲۹۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں:۔ ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اُسی کی عبادت کر''۔ (متی۔ ۴:۱۰) ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر''۔ (لوقا۔ ۴:۸) ''یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا''۔ (لوقا۔ ۱۸:۱۹) ف۲۴۷ (جو شفاعت کی حد تک بھی ان کی مدد کر سکیں) یہ سب وعیدیں مسیحیوں یا عیسائیوں کے لیے آ رہی ہیں، جو مسیح پرستی کے شرک کو اپنے لیے باعث ننگ نہیں، باعث فخر سمجھے ہوئے ہیں۔ مَنْ یُّشْرِکْ یا بعد ہر قسم کے شرک پر حاوی ہے خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ مِنْ اَنْصَارٍ۔ صیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ ف۲۴۸ موجودہ مسیحیوں کے کافر بلکہ مشرک ہونے پر یہ صاف نصوص موجود ہیں۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا، روح القدس، یہ تینوں اقنوم (اصل) منفرداً بھی خدا ہیں، اور مجتمعاً بھی۔ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ ف۲۴۹ (جو نہ اقنوموں میں تقسیم ہے نہ اور کسی طرح) مِنْ اِلٰہٍ میں مِنْ زائد کلیت یا استغراق کے لیے ہے۔ اور آیت کے معنی ہیں کہ سرے سے ایسے معبود کا کوئی وجود ہی نہیں، جو صفت وحدانیت سے متصف نہ ہو۔ من مزیدۃ للاستغراق (بیضاوی) والمعنی و ما الٰہ قط فی الوجود الا الٰہ موصوف بالوحدانیۃ لا ثانی لہ (کشاف) اکد ذلک بزیادۃ من الاستغراقیۃ (بحر) ف۲۵۰ (آخرت میں ان کے کفر صریح کے پاداش میں) عما یقولون۔ یعنی تثلیث کے اس مشرکانہ قول وعقیدہ سے ای یکفوا عن القول بالتثلیث (قرطبی) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ۔ یعنی ان میں سے جو لوگ کافر رہ جائیں گے اس کے بعد بھی کہ ان کے عقائد کی گمراہی ان پر پوری طرح واضح ہو چکی۔ ای الذین اقاموا علی ھذا الدین (کبیر۔ عن الزجاج) الذین بقوا منھم علی الکفر (بیضاوی) مِنْھُمْ میں مِن تبعیضیہ ہے۔ علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اس مشرکانہ عقیدہ سے باز آ جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ ایسے لوگ اس وعید سے خارج ہیں۔ خص الذین کفروا بعلمہ ان بعضہ یومنون (معالم) ف۲۵۱ ان لوگوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ابھی مہلت باقی ہے، اور پھر ایسے غفور و رحیم خدا کے سامنے توبہ و استغفار کر کے اُس کے غفور و رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے! غَفُوْرٌ۔ اُس کے حق میں جو طالب مغفرت ہو رَحِیْمٌ۔ اس کے حق میں جو طالب رحمت ہو۔ مسیحیوں کے رد کے موقع پر ان صفات کے لانے میں شاید یہ بھی ایک مصلحت، مناسبت ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خود غفور و رحیم ہے۔ اس کے ان صفات کو بروئے کار لانے کے لیے اس کی کوئی ضرورت تھوڑے ہی ہے کہ کوئی ''ابن اللہ'' اپنے کو سب کی طرف سے کفارہ کے لیے پیش کرے!

رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَ اُمُّهٗ

ایک رسول کے وا٢٥٢ ان سے قبل بھی (اور) رسول گزر چکے ہیں و٢٥٣ اور ان کی ماں

صِدِّيْقَةٌ ۗ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

ایک ولیہ تھیں و٢٥٤ دونوں کھانا کھاتے تھے و٢٥٥ دیکھو کہ ہم کس کس طرح صاف دلائل

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ

ان کے سامنے بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کدھر الٹے بہے جا رہے ہیں و٢٥٦ آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ۗ وَ اللّٰهُ

ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع، اور اللہ ہی (سب کی)

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے و٢٥٧ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں

فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ

ناحق غلو نہ کرو و٢٥٨ اور ان لوگوں کی من مانی باتوں پر نہ چلو و٢٥٩

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ

جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہ راست

السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

سے (بہت) بھٹک چکے ہیں و٢٦٠ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن پر لعنت ہوئی

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے و٢٦١ یہ اس لئے کہ

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ

انہوں نے (برابر) نافرمانی کی، اور حد سے آگے نکل نکل جاتے تھے و٢٦٢ جو برائی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی، اس

ع ١٢

و٢٥٢ (نہ کہ خدا یا فرزند خدا۔ یا معاذ اللہ دشمن خدا) یہ حضرت مسیح علیہ السلام کا صحیح مرتبہ بیان کر دیا۔ اس میں رد آ گیا ایک طرف مسیحی افراط کا جو آپ کو مظہر خدا یا اوتار سمجھتے تھے، اور دوسری طرف یہودی تفریط کا، جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ سورۂ نساء کے حواشی نمبر ٨٤٦، نمبر ٨٥١ وغیرہ بھی ایک بار پھر ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ابن مریم۔ ابن مریم لا کر مسیح علیہ السلام کو یہ یاد دلا دیا کہ مسیح علیہ السلام تو ایک عورت، فانی عورت کے بطن سے تھے، بشر کے سوا اور ہو کیا سکتے تھے۔ و٢٥٣ (اور آپ ہی کی طرح ایک رسول یہ بھی ہیں، نہ وہ اوتار یا دیوتا تھے، نہ یہ اوتار یا دیوتا ہیں) و٢٥٤ صدیقہ وہ ہے جو نافرمانی سے غایت بُعد اور فرمانبرداری میں کمال رکھتی ہو۔ المراد بكونها صديقة غاية بعدها عن المعاصي وشدة جدها واجتهادها في اقامة مراسم العبودية (کبیر) اور محاورہ میں پورا مفہوم لفظ "ولیہ" یا ولی بیوی ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس ایک لفظ میں پورا رد آ گیا یہود کا، جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کر رہے تھے۔ و٢٥٥ (اور اپنے سارے کمالات بشری کے باوجود، حوائج بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے) اس میں بتا دیا کہ یہ مقدس ماں اور مقدس تر فرزند، دونوں بہرحال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے، اور کھانے پینے سمیت ساری بشری ضرورتوں کے محتاج تو جو ایسے صاحب احتیاج ہوں، انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے، تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ و٢٥٦ وہ اس طرح کے خرافات میں بری طرح پڑے ہوئے ہیں کہ "باپ، بیٹا اور روح القدس تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں"۔ "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے۔ تین خدا نہیں"۔ "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا۔ اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے"۔ "روح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے"۔ "خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا، اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصہ دار ہیں"۔ "یہ ہی ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے"۔ "اقنوم وجود باپ ہے، اقنوم حیات بیٹا اور اقنوم علم روح القدس ہے"۔ یہ صرف چند عقیدے بطور نمونہ مسیحیوں کے "اسرار الٰہیات" سے پیش کیے گئے، ورنہ اسی طرح اور بھی بہت سے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آ جانے والے بیان توحید کو دیکھو، اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو! امام رازی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا جب یہ کہا کہ ایسے لغو و مہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہوں گے۔ ولا يرى في الدنيا مقالة اشد فسادا واظهر بطلانا (کبیر) و٢٥٧ اس ایک عالم کل، ہمہ دان ہمہ بین کے سوا عبادت و پرستش کے قابل اور ہے کون؟ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ سارا خطاب مسیحیوں ہی سے ہے، اور ان کے مشرک ہونے پر نص قرآنی کی مہر لگ رہی ہے۔ مسیحیوں کی مشہور و ضخیم و مستند انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ کلیسا نے اپنی ہولی تاریخ میں "کبھی بیان نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی جائے"۔ (جلد اول۔ صفحہ ١٠٣) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں رد ہے مشائخ کو مستقل متصرف سمجھنے والے جاہلوں کا۔ و٢٥٨ (بلکہ اپنے اصل دین اور عقائد حق پر قائم رہو) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے یہاں مراد مسیحی ہیں اور الکتب سے انجیل۔ يعني بالكتب الانجيل (ابن جریر) قل يا محمد لهؤلاء الغالية من النصارى في المسيح (ابن جریر) قيل الخطاب للنصارى خاصة (بیضاوی) لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٨٤٢۔ ٨٥٣ سورۂ نساء۔ و٢٥٩ اس میں صاف اشارہ اس حقیقت کا آ گیا کہ مسیحیوں کی گمراہیاں اور بد عقیدگیاں کسی اور کج رو اور گمراہ قوم کی ریس اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں۔ اقتدا، عمل لغو، بے بنیاد خیالات، من گھڑت عقائد، خیالی ڈھکوسلے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں ان رسوم کا بطلان ہے جو شریعت کے خلاف ہیں، اگرچہ وہ منسوب مشائخ کی جانب ہوں۔ مشائخ اگر محقق ہیں تو ان کی طرف یہ نسبت ہی صحیح نہ ہوگی، اور یا پھر کسی عذر صحیح پر انہیں محمول کیا جائے گا۔ و٢٦٠ جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں، اور خود فرنگیوں کی موجودہ Biblical Criticism سے پوری طرح سے واقف ہیں۔ وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کر جائیں گے۔ چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب اُمی، نا کوئی مؤرخ ہو، ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا، تاوقتیکہ عالم الغیب والشہادۃ براہ راست اسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔ مصری شرک یونانیوں میں پوری طرح طلوع کر آیا تھا، اور بڑے بڑے یونانی فلاسفر اسکندریہ کے مرکز "عقلیت" و "روشن خیالی" سے مرعوب و متاثر تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم جب شروع شروع پھیلی تو آپ کی یونانیوں میں اکابر یہود (مثلاً فائلو) پہلے ہی سے یونانیوں کے آگے گردن ڈال چکے، اور ان سے Logos وغیرہ کے عقائد اخذ کر چکے تھے۔ مسیحیوں نے ان تعلیمات کو بلا تامل قبول کر لیا، اور پھر پولوس (سینٹ پال) نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب اور تعلیمات کو تمام تر مسخ کر کے اسے یونانی شرک کی ایک شاخ ہی بنا دیا۔ آخر میں رہی سہی کسر رومیوں کے مشرکانہ عقائد و خرافات نے پوری کر دی۔ موجودہ مسیحی قوموں کے عقائد و رسوم کثرت سے مصری یونانی رومی شرک ہی کی صدائے بازگشت ہیں اور بس۔ و٢٦١ ان دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد کی زبان سے ہے:۔ "خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا، اس لیے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی، اور اسرائیل پر قہر بھی اٹھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتقاد نہ کیا، اور اس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا"۔ (زبور۔ ٧٨: ٢١، ٢٢، ٢٣) اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ "غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے"؟ (متی۔ ٢٣: ٣١، ٣٢) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اسرائیلیوں کا یہ کفر اپنے اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تو قانون سبت کو توڑا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو خود ان کی نبوت ہی کا انکار کر دیا۔ و٢٦٢ ان مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے خود بھرے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔ "انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ دلایا۔ کیونکہ انہوں نے بت پوجے باوجودیکہ خداوند نے انہیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو۔ اور باوجود اس کے کہ خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہوداہ پر باتیں جتائی تھیں ..... پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کی مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے، گردن کشی کی۔ اور اس کے قانونوں کو، اور اس کے عہد کو جو اس نے ان کے باپ دادوں سے باندھا تھا اور اس کی گواہیوں کو جو اس نے ان پر دی تھیں رد کیا اور بطالتوں کو اختیار کیا، اور بیہودہ ہوئے اور ان

مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى

سے باز نہ آتے تھے، کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے ف۲۶۳ آپ ان میں سے

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ لَبِئْسَ مَا

بہتوں کو دیکھیں گے کہ کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں ف۲۶۴ کیسا برا ہے وہ جسے

قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں، جس سے اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ لوگ

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ

عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے! ف۲۶۵ اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے

بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ

اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اس پر، تو وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے ف۲۶۶

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ

لیکن ان میں سے اکثر تو نافرمان ہی ہیں ف۲۶۷ آپ لوگوں میں

النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو

اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ

پائیں گے ف۲۶۸ اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انہیں پائیں گے

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ف۲۶۹ یہ اس لیے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

عالم اور درویش ہیں، اور اس لیے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ف۲۷۰

اُمتوں کے پیرو ہو گئے جو ان کے گرد و پیش تھیں، جنہیں دکھا کے خداوند نے انہیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو۔ اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کیے۔ اور اپنے لیے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے۔ اور یسیرت تیار کی۔ اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی، اور بعل کی عبادت کی۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا۔ اور فال گیری اور جادوگری کی۔ اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اُسے غصہ دلاویں۔ ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا'۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۲۔ ۱۸) پارۂ اول آیت نمبر ۸۷ کے حاشیے بھی ملاحظہ ہوں۔ ف۲۶۳ (باوجود بار بار کی تبلیغ وہدایت کے) یعنی بجائے ندامت واستغفار کے انہیں اپنی کفریات پر شدید اصرار تھا۔ ای کانوا لاینتھون عن منکر اتوہ (ابن جریر) التناھی بمعنی الانتھاء (روح) دوسرے معنی لایتناھون کے یہ ہو سکتے ہیں کہ "وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے" اور یہی معنی اکثر نے لیے ہیں۔ و ھو الذی علیہ الجمھور انہ تفاعل من النھی ای کان لا ینھی بعضھم بعضا (کبیر) اور یہ معنی لے کر فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہ روکنا بڑا سنگین گناہ اور اُمت کے لیے بڑی حسرت کی چیز ہے۔ فیہ دلیل علی ان ترک النھی عن المنکر من العظائم فیا حسرۃ علی المسلمین فی اعراضھم عنہ (مدارک) ف۲۶۴ یعنی مشرکین عرب سے ساز و باز رکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے کہ رسول اسلام ﷺ کی مخالفت وعناد میں اور اسلام کو مٹانے کی خاطر یہود نے مشرکین عرب سے ہر طرح کی سازشیں کی تھیں۔ ف۲۶۵ یہی اُن کا عذاب دوزخ میں پڑے رہنا اللہ کی ناخوشی کا ظہور ہے۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ میں اَنْ موصولہ کا کام دیتا ہے۔ ای الذی اوجب لھم سخط اللہ علیھم (جمل) مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی اپنے اعمال و عقائد کفریہ جنہیں آخرت میں وہ بھگتیں گے۔ ف۲۶۶ (بلکہ ایسی صورت میں تو وہ اسلام کے جان نثاروں میں ہوتے) اَلنَّبِيِّ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ یصدقون نبیہ محمدا ﷺ (ابن جریر) وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ۔ یعنی قرآن۔ و یقرون بما انزل الی محمد ﷺ (ابن جریر) اَلنَّبِيِّ سے اشارہ حضرت موسیٰ اور مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ سے توریت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ف۲۶۷ اور اسی نافرمانی کے آثار میں سے ان کی عداوت اسلام و مسلمین کے ساتھ اور اُن کی موالات مشرکین عرب کے ساتھ ہے۔ فٰسِقُوْنَ۔ فاسق یہاں محض بدعمل کے معنی میں نہیں، بلکہ خارج از ایمان کے معنی میں ہے۔ ای خارجون عن الایمان (قرطبی۔ جلالین) ف۲۶۸ یعنی اسلام سے مخالفت و عداوت تو ہر غیر مسلم کو ہے۔ لیکن اس عموم میں مرتبہ خصوصی مشرکین و یہود کو حاصل ہے کہ وہ شدید ترین دشمنان اسلام ہیں۔ ف۲۶۹ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ آیت پر اشکالات متعدد وارد ہوئے ہیں، اور جوابات بھی متعدد دیے جا چکے ہیں۔ مثلاً ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف رسول اللہ ﷺ کے معاصر مسیحی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن بنیادی اشکال صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ آیت کے لفظ نصاریٰ پر کافی غور نہ کیا گیا اور اسے "مسیحیوں" کا مرادف سمجھ لیا گیا۔ آیت میں مسیحی یا عیسائی سرے سے مراد ہی نہیں، بلکہ نصاریٰ سے مراد نصاریٰ ہی ہیں، جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے والا، نہ کہ انہیں ابن اللہ قرار دینے والا ایک قدیم فرقہ ہوا ہے، اور جس کا شمار آج ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے موجودہ مسیحی "ملحدوں" میں کر رہے ہیں۔ قال قتادۃ نزلت فی ناس من اھل الکتاب کانوا علی شریعۃ مما جاء بہ عیسیٰ امنوا بالرسول فاثنی اللہ علیھم (بحر) قال اخرون ھذہ صفۃ قوم کانوا علی شریعۃ عیسیٰ من اھل الایمان (ابن جریر) لفظ نصاریٰ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا ہے، وہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ قَالُوْٓا کا لفظ بھی حشو نہیں۔ ذکر ان کا ہو رہا ہے جو اپنے نصاریٰ ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ موجودہ فرنگی قومیں اور حکومتیں تو اپنی مسیحی ہونے کا بھی کھلی طرح اقرار نہیں کر رہی ہیں، چہ جائیکہ اپنے کو نصرانی کہیں!...... ان نیم ملحد، نیم مشرک قوم کو قدیم "نصرانیت" سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اس لیے ان کی مودت وغیر مودت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَقْرَبَهُمْ ذکر یہاں قرب مطلق کا نہیں صرف قرب اضافی کا ہو رہا ہے۔ ف۲۷۰ یہاں نصاریٰ کے اسلام سے نسبۃً قریب تر ہونے کے دو وجوہ بھی بیان کر دیے۔ ایک یہ کہ ان کی جماعت میں علم دوست، شب بیدار علماء اور تارک الدنیا درویش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے قلوب میں تواضع کی نرمی ہوتی ہے۔ ان دو خصوصیات نے اس حقیقت کو اور زیادہ روشن ومؤکد کر دیا کہ مراد عام مسیحی خصوصاً فرنگی قومیں ہو ہی نہیں سکتیں، یہاں ان دونوں اوصاف کا قحط ہے۔ بلکہ مراد اسی قدیم فرقہ نصاریٰ (Nazarenes) ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نصاریٰ کا اسلام سے قرب اضافی۔ قِسِّيْسِيْنَ۔ قس کے لفظی معنی عربی میں رات کو کسی شی کے طلب کرتے رہنے کے ہیں۔ اصل القس تتبع الشيء و طلبہ باللیل (راغب) اور علماء نصاریٰ چونکہ شب بیدار ہوتے تھے، اس لیے انہیں بھی قسیس کہنے لگے۔ والقسیس العالم العابد من رءوس النصاریٰ (راغب) لیکن یہ بھی اہل لغت سے مروی ہے کہ قسیس کسی بیرونی زبان، سریانی یا لاطینی سے منتقل ہو کر عربی میں آیا ہے۔ اور لغت عرب میں داخل ہو گیا ہے۔ قال قطرب القس والقسیس للعالم بلغۃ الروم (کبیر) و لفظ القسیس اما ان یکون عربیاً واما ان یکون بلغۃ الروم ولکن خلطتہ العرب بکلامھم فصار من لغتھم اذلیس فی الکتاب ما لیس من لغۃ العرب (قرطبی) محققین نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ تواضع وغیرہ صفات محمودہ بہرحال قابل قدر ہیں خواہ وہ کہیں مل جائیں یہاں تک کہ نصاریٰ میں بھی۔ و فی الآیۃ دلیل علی ان التواضع و الاقبال علی العلم و العمل و الاعراض عن الشھوات محمودۃ اینما کانت (روح) و فی ھذا التعلیل دلیل علی جلالۃ العلم وانہ سبیل الی الھدایۃ و علی حسن عاقبۃ الانقطاع (بحر) و فیہ دلیل علی ان العلم انفع شیء و اھداہ الی الخیر و ان کان علم القسیسین و کذا علم الاخرۃ و ان کان فی راھب والبراءۃ من الکبر وان کانت فی نصرانی (مدارک) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ علوم واخلاق کو اعمال میں دخل عظیم ہے، اور اسی لیے مشائخ طریقت کو علوم واخلاق کا اہتمام اعمال سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

واﮯ۴ یہ تصدیق کرنے والے کون لوگ تھے؟ حدیث وسیر کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد نجاشی شاہ حبشہ (متوفی ۹ ہجری) اور اس کے درباری ہیں۔ یہ لوگ سچے مسیحی تھے۔ قبل ہجرت نبوی جب آپ نے مکہ معظمہ سے صحابیوں کی ایک جماعت کی ہجرت ملک حبشہ کو کرائی تھی تو ایک موقع پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کی فرمائش پر سردربار سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی اور اہل دربار متاثر ہو کر رو پڑے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یرید النجاشی و اصحابه (کبیر) عن عبداللہ بن زبیر قال نزلت هذه الاية في النجاشي و اصحابه (ابن کثیر) فبكى والله النجاشي حتى اخضلت لحيته وبكت اساقفته حتى اخضلوا مصاحفهم حين سمعوا ماتلا عليهم و ثم قال النجاشي ان هذا والذى جاء به عيسى ليخرج من مشكاة واحدة (ابن ہشام) مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ۔ یہ سورۂ مریم کی آیتیں تھیں۔ فقرأ عليه صدرًا من كٓهٰيٰعٓصٓ (ابن ہشام) ثم امر جعفر ان يقرأ عليهم القرآن فقرأ سورة مريم (قرطبی)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ

اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں دیکھیں گے کہ

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ

ان سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے واﮯ۴ اور آخر کیوں ہم

نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ

ایمان نہ لائیں اللہ پر اور (اس) حق پر جو ہمیں (اب) پہنچا ہے اور (پھر) امید اس کی رکھیں

اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ

کہ ہمارا پروردگار ہم کو صالح لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا واﮯ۴ تو اللہ ان کو اس قول کے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

عوض میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ (ہمیشہ)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

رہیں گے اور نیکو کاروں کا ایسا ہی معاوضہ ہے واﮯ۴

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تو وہی دوزخ والے

الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ

ہیں واﮯ۴ اے ایمان والو! اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہیں

مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

حرام نہ کر لو اور حدود سے آگے نہ نکلو۔ بیشک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ افاضہ یعنی آنسو کثرت سے رواں ہو گئے۔ خبرٌ مستفيضٌ اذا كثر وانتشر كفيض الماء عن الكثرة (قرطبی) اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو چلنے لگتے ہیں۔ وهذه احوال العلماء يبكون ولا يصعقون و يسالون ولا يصيحون (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ کلام حق سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہو آنا اور گریہ طاری ہو جانا گویا سنت صالحین ہے۔ توریت میں ہے:۔ "سب لوگ شریعت کی باتیں سن کے روتے تھے" (نحمیاہ ۸: ۹) زیادہ ہنسی جس طرح غفلت کی دلیل ہے اسی طرح رقت قلب علامت عبرت پذیری اور بیداری روح کی ہے۔ الحق کا لفظ لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے جس آخری نبی کی پیش گوئی درج ہے اسے تعبیر بھی "روح حق" ہی سے کیا (یوحنا ۱۴: ۱۷۔ یوحنا ۱۶: ۱۳) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے وجد صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور وجد نام ہے بے اختیاری کی کیفیت محمودہ کا۔ حالة محمودة غريبة غير اختيارية۔ فَاكْتُبْنَا۔ اکتاب یہاں قطعی طور پر بنا دینے یا کر دینے کے معنی میں ہے۔ و معنى فاكتبنا اجعلنا فيكون بمنزلة ما قد كتب و دون (قرطبی) الشّٰهِدِيْنَ یعنی قرآن کے کلام الٰہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی گواہی دینے والے۔ قال ابو علي الذين يشهدون بتصديق نبيك و كتابك (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ میں پہلا مِنْ سببیہ ہے اس لیے کے معنی میں اور دوسرا مِن تبعیضیہ ہے بعض الحق کے معنی میں۔ الاول لابتداء الغاية والثانية للتبعيض (کبیر)

واﮯ۴ یعنی ہماری اس آرزو کا پورا ہونا موقوف ہی ہے اسلام لانے پر۔ استفهام انكار و استبعاد لانتفاء الايمان مع قيام الداعي و هو الطمع في الانخراط مع الصالحين (بیضاوی) مع مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر عمل کے محض آرزو یا طمع مفید یا معتدبہ نہیں۔ واﮯ۴ خاص سے عام کی طرف آنا اور جزئیات سے کلیات پیدا کرنا قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان ہے۔ اوپر ایک خاص گروہ کے انعامات کا ذکر تھا۔ اب عام قاعدہ بیان کر دیا ہے کہ ہمارے قانون میں ایسی جزائے خیر تو ہر نیکوکار کو ملتی ہی رہتی ہے اور اخلاص طلب رائگاں نہیں جاتا۔ وهكذا من خلص ايمانه وصدق يقينه يكون ثوابه الجنة (قرطبی) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے معلوم ہوا کہ جنت اس اقرار اور اس معرفت سے معاً واجب ہو جاتی ہے اگرچہ صاحب اقرار و صاحب معرفت صاحب کبیرہ ہی ہو۔ اسی لیے متکلمین نے کہا ہے کہ آیت میں قوی دلیل اس کی موجود ہے کہ مومن فاسق کی سزا خلود فی النار نہیں۔ الاية دالة على ان المؤمن الفاسق لايبقى مخلدًا في النار (کبیر) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے اہل سنت نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اقرار داخل ایمان ہے وفيه دليل على ان الاقرار داخل في الايمان كما هو مذهب الفقهاء (مدارک) مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ میں مَعَ فِي کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قيل مع بمعنى في (قرطبی) و نطمع میں و حالیہ ہو گیا ہے۔ والواو في و نطمع واو الحال (کشاف) واﮯ۴ اُولٰٓئِكَ کے حصر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اصحاب جحیم یعنی دوزخ میں مستقل رہنے والے کافر ہی ہوں گے نہ کہ غیر کافر یا فاسق مسلم۔ يفيد الحصر اى اولئك اصحاب الجحيم لا غيرهم فهذا يقتضي تخصيص هذا الدوام بالكفار (کبیر)

ف۲۷۵ تحریم حلال کی ایک عام اور چلی ہوئی صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بہ قصد قربت حق اپنے کو ہمیشہ کیلیے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذہب والے اس عادت کا شکار بہ کثرت ہو چکے ہیں کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت سے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر نہ کرنے میں کمی ہوئی ہے اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے سلسلہ میں جو جو باتیں منقول ہیں، سمجھنا چاہیے کہ وہ اسی قبیل سے ہوں گے۔۔ کم از کم حسن ظن کا تقاضا تو یہی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا۔ تحریم اعتقادی، تحریم قولی، تحریم عملی کی تینوں صورتوں پر شامل ہے۔ ای لا تعتقدوا تحریم ما احل الله تعالٰی لکم و لا تظهروا باللسان تحریم ما احل الله لکم و لا تجتنبوا عنها اجتنابا یشبه الاجتناب من المحرمات (کبیر) طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ ان پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا، لباس، ازدواج وغیرہ ہر قسم کی لذتیں آگئیں اور طیبات کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ الطیبات اللذیذات التی تشتهیها النفوس و تمیل الیها القلوب (کبیر) الطیبات اسم یقع علی ما یستلذ و یشتهی و یمیل الیه القلب (جصاص) وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر ان میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اس میں ایک ذرہ کا اضافہ کر دینا بھی اس کے کمالِ حسن کے غارت کر دینے کے لیے ایسا ہی کافی ہے جیسا اس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔ فالنهیان علی هذا تضمنا الطرفین ای لا تشددوا فتحرموا حلالا و لا تترخصوا فتحلوا حراما (قرطبی) ای لا تبالغوا فی التضییق علی انفسکم تحریم المباحات علیکم کما قال من قاله من السلف (ابن کثیر) محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دو طرف رد ہے۔ ایک طرف زہاد متشددین کا اور دوسری طرف رخصت میں بہت ڈھیل ڈال دینے والے صوفیا اہل باطل کا۔ قال علماء نافی هذه الایة و ما شابهها رد علی غلاة المتزهدین و علی اهل البطالة من المتصوفین (قرطبی) ف۲۷۶ (کہ یہ تقویٰ یا خوف خدا ہی راہ اعتدال و احتیاط و فرمانبرداری پر قائم رکھے گا) اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گڑھے ہوئے نہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہو۔ وہ تو تمام تر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سرتاسر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہاء محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ یدل علی انه لا فضیلة فی الامتناع من اکلها (جصاص) خود رسول اللہ ﷺ نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ قد روی ابو موسی الاشعری انه رای النبی ﷺ یاکل لحم الدجاج (جصاص) فواکہ اور شیرینی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپ سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ رای انه کان یاکل الرطب والبطیخ (جصاص) روی ان رسول الله ﷺ کان یاکل الدجاج والفالوذ وکان یعجبه الحلواء والعسل (مدارک) كُلُوْا۔ کے امر و اجازت کا دائرہ صرف کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، سواری و مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس کے اطلاق میں داخل ہیں۔ الاکل فی هذه الایة عبارة عن التمتع بالاکل والشرب واللباس و الرکوب و نحو ذلک (قرطبی) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو۔ بس لحاظ صرف اس کا رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کے حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔ عن طاؤس قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول کل ما شئت و اکس ما اخطاتك اثنتین سرفا او مخیلة (جصاص) فقیہ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابیوں میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت عمران بن حصین، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے (احکام القرآن) كُلُوْا۔ صیغہ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ کلوا صیغة امر و ظاهرها للوجوب الا ان المراد منها للاباحة والتحلیل (کبیر) مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ اس میں ادھر اشارہ ہے کہ جائز چیزوں میں سے کچھ کھاؤ پیو اور کچھ دوسروں کی نذر کر دو، تاکہ اسراف سے بھی بچے رہو۔ کلمة من للتبعیض فکانه قال اقتصروا فی الاکل علی البعض و اصرفوا البقیة الی الصدقات و الخیرات لانه ارشاد الی ترک الاسراف کما قال ولا تسرفوا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا طریق ہے۔ ف۲۷۷ مواخذہ سے مراد یہاں سزائے دنیوی ہے۔ یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔ اللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ بے معنی قسموں پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پ۲ آیت ۲۲۵۔ ف۲۷۸ (اور اس کے توڑنے کی سزائے دنیوی کفارہ ادا کرنا ہے) بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔ جھوٹی قسم ایک تو کسی گزشتہ واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی واقعہ کا وقوع قسم کھا کر بیان کیا حالانکہ وہ خلاف واقع تھا۔ یہاں ایسی قسموں کا ذکر نہیں، قسموں کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کو قسم سے مؤکد کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہی قسم مراد ہے۔ عَقَّدْتُّمْ۔ عقد کے لفظی معنی گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد، قسم، بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ ف۲۷۹ یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوگا۔ اس کے قبل نہیں ادا ہو سکتا۔ یہ قسم خواہ ارادۃً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو،

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا

نہیں کرتا ف۲۷۵ اور اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال، پاکیزہ چیزیں دے رکھی ہیں ان میں

طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

سے کھاؤ (پیو) اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۷۶

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا ف۲۷۷ لیکن

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مواخذہ کرتا ہے ف۲۷۸ سو اس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ

کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ف۲۷۹ لیکن جس

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

کو (اتنا) مقدور نہ ہو تو اس کے لیے تین دن کے روزہ ہیں ف۲۸۰ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے

اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

جب کہ تم حلف اٹھا چکے ہو اور اپنی قسموں کو یاد رکھا کرو ف۲۸۱ اور اس طرح اللہ تمہارے لیے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو ف۲۸۲ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں

فقہاء نے لکھا ہے کہ کفارہ دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ اِطْعَامُ۔ یہ کھانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہے دس شخصوں کو ایک دن کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جاتا رہے۔ کِسْوَتُھُمْ۔ کپڑا ایسا ہو کہ جسم کے اکثر حصہ کے لئے کافی ہو۔ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ۔ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں۔ مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ رَقَبَۃٍ کا لفظ سورۃ النساء رع ۱۳ آیت ۹۲ میں آچکا ہے اور اس کی جمع رقاب سورۃ البقرہ ع ۲۲، آیت ۱۷۷ میں۔ آیۃ۔ کفارہ کی یہ تینوں صورتیں جو یہاں ارشاد ہوئیں ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر عمل بھی نمبر وار اسی ترتیب سے ہو۔ بلکہ اختیار ہے کہ ماحول کا لحاظ کر کے جو کفارہ بہتر ہو وہی دیا جائے۔ لا خلاف فی رد کفارۃ الیمین علی التخییر (قرطبی) ومعنی او التخییر وایجاب احدی الکفارات الثلاث (مدارک) بلکہ فقہاء مالکیہ نے تو تصریح کر دی ہے کہ ضرورت کا اعتبار کیا جائے۔ وعندی انھا تکون بحسب الحال فان علمت محتاجًا فالاطعام افضل لانک اذا اعتقت لم ترفع حاجتھم وزدت محتاجًا (ابن العربی) و۲۸۰ (اور یہ تینوں روزے متواتر ہونے چاہئیں) یہ رعایتی کفارہ ساقط ہو جائے گا جونہی کہ عدم مقدرت کا عذر ختم ہو گیا۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے یہ کفارہ کے روزے شروع کئے اور دو روزے ہو بھی چکے تھے کہ اسے طعام یا لباس کی مقدرت حاصل ہو گئی تو اب تیسرا روزہ رکھنے کے بجائے اسے اصل کفارہ ہی دینا چاہیے۔ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں مقدرت کا معیار صاحب نصاب ہونا ہے و۲۸۱ (تاکہ اس کے توڑنے اور پھر کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے) اِذَا حَلَفْتُمْ یعنی جب تم حلف لے چکے اور اسے توڑ بھی چکے و۲۸۲ شکر یہ اس کا کہ حاکم علی الاطلاق و حکیم مطلق نے تمہاری چھوٹی بڑی، دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی۔ و۲۸۳ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں فطرت انسانی اور طبیعت بشری سے پھر کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے لیکن یہ چاروں چیزیں تو ایسی ہیں کہ انسان ان کی جانب تمام تر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے۔ فطرت بشری ان سے خود ابا کرتی ہے۔ خمر اور میسر پر حاشیہ سورۃ البقرہ رع ۲۸ کے تحت میں اور انصاب اور ازلام پر اسی سورۃ مائدہ کے شروع میں درج ہو چکے۔ شراب اور جوئے کی دنیوی مضرتوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ لانہ مسبب عن تسویلہ وتزیینہ (بیضاوی) لانہ یحمل علیہ فکانہ عملہ (مدارک) و۲۸۴ اور فلاح میں دینی و دنیوی، مادی و روحانی، جسمانی و دماغی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔ مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر و میسر کے متعدد طریقے قرآن نے اسی آیت میں جمع کر دیئے:۔ (۱) آیت کی ابتدا کلمہ حصر اِنَّمَا سے کی یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ (۲) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب و ازلام جیسی مسلم گندی چیزوں کے ساتھ کیا (۳) انہیں رجس قرار دیا (۴) انہیں عمل شیطان ٹھہرایا (۵) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا (۶) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتلایا (۷) ان کی دینی و دنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔ فَاجْتَنِبُوْہُ میں ضمیر رِجْسٌ یا عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کی جانب ہے۔ الضمیر للرجس (بیضاوی) الضمیر یرجع الی الرجس او الی عمل الشیطان (مدارک) حرمت خمر پر اگر دوسرے نصوص نہ موجود ہوں جب بھی یہی ایک آیت کافی ہے اس لئے کہ اول تو لفظ رجس موجود ہے جو خود تحریم کا مقتضی ہے اور پھر فَاجْتَنِبُوْہُ بہ صیغہ امر ہے۔ اقتضت ھذہ الآیۃ تحریم الخمر من وجھین احدھما قولہ رجس لان الرجس اسم فی الشرع لما یلزمہ اجتنابہ والوجہ الآخر قولہ تعالی فاجتنبوہ و ذلک امر والامر یقتضی الایجاب (جصاص) و۲۸۵ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت، خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شراب و قمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل میں روز مرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی اور جرائم کا قریبی تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کئے ہوئے اعداد سے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے قدیم ترین قصہ مہا بھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے ٹھیک اسی طرح جیسے آج جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر القرآن۔ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ میں فی سببیہ ہے یعنی ان کے ذریعہ یا واسطہ سے۔ ای بسببھا (جمل) ای بسبب تعاطیھما (روح) اَلْخَمْرُ۔ خمر کے اصل معنی اگرچہ صرف شراب انگوری کے تھے لیکن بعد کو یہ لفظ ہر قسم کی نشہ آور شراب کے لئے استعمال ہونے لگا۔ الخمر ھی عصیر العنب المشتد (جصاص) کل شیء اسکر فھو خمر (جصاص) الخمر سمیت لکونھا خامرۃ لمقر العقل وھو عند بعض الناس اسم لکل مسکر، عند بعضھم اسم للمتخذ من العنب والتمر (راغب) شراب کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ جس طرح اس کا پینا ناجائز ہے اسی طرح اس کا بنانا، اس کا بیچنا، اس کے کاروبار میں حصہ لینا، اس سے کسی طرح نفع اٹھانا سب ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ان اللہ حرم الخمر وثمنھا صاف آچکا ہے۔ اور فقہاء نے تمام متعلقات شراب کی حرمت پر دلائل نقل کئے ہیں۔ آبکاری کا عظیم الشان محکمہ اور پر منفعت کاروبار اسلامی حکومت کے تحت میں ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں خوب فرمایا کہ معاصی میں جیسے اخروی مضرتیں ہیں، دنیوی قباحتیں بھی بہت ہیں۔ و۲۸۶ ذِکْرِ اللّٰہِ اور الصَّلٰوۃِ میں مناسبت باہمی یہ ہے کہ نماز ذکر الٰہی ہی کی فرد اعلیٰ و افضل ہے اور عام کے ساتھ اس کی صورت

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ
ہیں شیطان کے کام و۲۸۳ سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح

تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ
پاؤ و۲۸۴ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں

الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ
دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے ڈال دے و۲۸۵ اور تمہیں اللہ کی یاد

عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ﴿۹۱﴾
اور نماز سے روک دے و۲۸۶ سو اب بھی تم باز آؤ گے و۲۸۷

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ
اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور رسول کی اور احتیاط رکھو اور اگر

تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾
اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس و۲۸۸

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ
جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں ان پر اس چیز میں

فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے ہوں، جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں و۲۸۹ اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰہُ
ہوں پھر تقویٰ کریں، و۲۹۰ اور ایمان رکھتے ہوں اور پھر تقویٰ کریں، اور خوب نیک کاری کریں و۲۹۱ اور اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ
تو محبت رکھتا ہے خوب نیکو کاری کرنے والوں سے۔ و۲۹۲ اے ایمان والو اللہ تمہیں آزمائے گا

خاص کی تصریح کردینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ضمناً اس سے نماز کی عظمت اور اہمیت واشرفیت پر پوری روشنی پڑگئی۔ خص الصلوٰۃ من الذکر بالا فراد للتعظیم والاشعار بان الصاد عنها کالصاد عن الایمان (بیضاوی) وخص الصلوٰۃ من بین الذکر لزیادۃ درجتها کانه قال وعن الصلوٰۃ خصوصًا (مدارک) شراب اور جوئے کے دنیوی نقصانات کی طرف اشارہ ابھی اوپر ہو چکا اب بیان ان کی دینی مضرتوں کا ہو رہا ہے۔ میسر کی حرمت کی جو تفصیلیں یہاں بیان ہوئیں وہی شطرنج وغیرہ تمام قماری کھیلوں میں بھی مشابہ ہیں اسی لئے فقہاء نے ان کے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ روی عن علی ؓ انه قال الشطرنج من المیسر وقال عثمان وجماعة من الصحابة والتابعین النرد وقال قوم من اهل العلم القمار کله من المیسر (جصاص) هذه الأیة تدل علی تحریم اللعب بالنرد والشطرنج قمارًا اوبغیر قمار (قرطبی) و ۲۸۷ (شراب اور قمار سے) اصحاب نبی ﷺ جو آیت کے مخاطب اولین تھے، اسے سنتے ہی پکار اٹھے، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ قال عمر انتهینا انتهینا (ابن جریر) فقالو انتهینا یا رب (ابن جریر) فقالو انتهینا ربنا انتهینا ربنا (ابن جریر) کیا ٹھکانا تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس امی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنادیا — سچ کہا ہے اکبر الٰہ آبادی نے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ۔۔۔ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ حرمت شراب وقمار کی تاکید در تاکید تو اوپر سے چلی آرہی تھی اب اس فقرہ نے اسے اور مؤکد کرکے گویا شدت ممانعت پر مہر لگادی۔ اعاد الحث علی الانتهاء بصیغة الاستفهام مرتبًا علی ما تقدم من انواع الصوارف (بیضاوی) ایذانا بان الامر فی المنع والتحذیر بلغ الغایة وان الاعذار قد انقطعت (بیضاوی) علامہ زمخشری نے ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا ہے کہ پہلی آیت میں خمر و میسر کا ذکر انصاب و ازلام کے ساتھ کیا ہے اور اب کی تنہا انہی دو کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور خود ہی اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہی کو شراب اور قمار سے روکنا مقصود ہے۔ پہلی آیت میں چاروں منکرات کا ذکر ایک ساتھ اس امر کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں کو شراب وقمار سے مزید نفرت دلانے کے لئے تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کا ارتکاب اہل جاہلیت ومشرکین ہی کرسکتے ہیں۔ ذکر الانصاب والازلام لتاکید تحریم الخمر والمیسر واظهاران ذلک جمیعًا من اعمال الجاهلیة واهل الشرک ثم افردهما بالذکر لیری ان المقصود بالذکر الخمر والمیسر (کشاف) و ۲۸۸ (احکام اور پیام کی، سو وہ تبلیغ پوری پوری کرچکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ یہ اطاعت اللہ اور رسول کی سارے احکام شریعت میں ہوگی۔ وَاحْذَرُوْا۔ یہ احتیاط کا حکم احکام کی نافرمانی سے چل رہا ہے۔ و ۲۸۹ (اور اس لئے اس وقت کی حرام چیزوں سے محترز ہوں) فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔ جبکہ وہ وہ چیزیں کھا رہے ہوں جو اس وقت میں حلال ہوں۔ طعموا بما لم یحرم علیهم (بیضاوی) روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب وقمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان کا کیا حشر ہوگا جو اب تک شراب پیتے اور قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور پھر اب زندہ بھی نہیں، جو توبہ واستغفار سے کام لیں بلکہ وفات پاچکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی ۔۔۔ سوال اسی قسم کا تھا جیسے حکم تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابیوں نے سوال کیا تھا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی جاچکی ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔۔۔ سوال دونوں موقعوں پر بالکل قدرتی تھا۔ اور آج جن لوگوں نے سوال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے خود اپنی سطحیت وکم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ چار چار صحابیوں ابن عباس، جابر، براء بن عازب وانس بن مالک ؓ اور چار چار تابعیوں حسن، مجاہد، قتادہ، ضحاک کی سند سے جصاص نے لکھا ہے کہ لما حرم الخمر کان قد مات رجال من اصحاب رسول اللہ ﷺ وهم یشربون الخمر قبل ان تحرم فقالت الصحابة کیف بمن مات منا وهم یشربونها فانزل اللہ تعالٰی هذه الأیة۔ و ۲۹۰ یعنی ان چیزوں کو ترک کردیا جو پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہوگئی ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ عمل صالح خود دلیل ہے ان کے ایمان وتقویٰ کی۔ و ۲۹۱ مطلب یہ ہوا کہ نزول شریعت کے ہر دور میں، ہر منزل میں وہ اتباع احکام اور احترام قیود پر حریص ہوں۔ احسان سلوک شرعی میں آخری مرتبہ کا نام ہے۔ ایک تو ہوا کسی کام کو محض کردینا اور ایک ہے اس کام کو بہ وجہ احسن کرنا، دل وجان سے کرنا، اس میں حسن وزیبائی کے کمالات پیدا کرکے کرنا۔ اسی کا نام احسان ہے لفظ "احسان" اردو میں جس مفہوم کے لئے چلا ہوا ہے، اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا۔ اس تقویٰ سے بھی یہی مراد ہے کہ جو چیز اب حرام ہوئی ہے اسے ترک کردیں۔ وَاٰمَنُوْا۔ ایمان کی تصریح سے اشارہ اوپر ہوگیا کہ وہی ایمان ہی مبنیٰ اور منشا سارے اعمال صالحہ کا ہے۔ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئی مراد ہے پہلے تقویٰ سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف۔ اور تیسرے سے مراد بندوں پر ظلم وزیادتی سے بچنا ہے۔ واعاد ذکر الاتقاء فی الأیة ثلاث مرات فاما الاول فمن اتقی فی ما سلف والثانی الاتقاء منهم فی مستقبل الاوقات والثالث اتقاء ظلم العباد والاحسان الیهم و ۲۹۲ (سوایسے ایمان، تقویٰ وحسن عمل والوں کے مبغوض ومردود ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ ان کا شمار تو محبوبوں اور مقبولوں میں ہے) علماء نے اس پوری آیت سے ہر مباح لذت سے پورے استلذاذ وانتفاع کا جواز نکالا ہے۔ قال ابن خویز منداد تضمنت هذه الأیة تناول المباح والشهوات والانتفاع بکل لذیذ من مطعم ومشرب ومنکح وان بولغ فیه وتنوهی فی ثمنه (قرطبی) و ۲۹۳ یعنی وہ شکار کے جانور تم سے بہت دور بھی نہ ہوں گے۔ قریب ہی پھرتے رہیں گے کہ تمہارے نئے ان کا شکار بہ آسانی ممکن ہوگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ کا ہے۔ شکار کے جانور بالکل آس پاس لگے پھرتے تھے لیکن مسلمان حالت احرام میں تھے اس لیے شکار سے محتاط ومحترز رہے۔ انزلت هذه الأیة فی عمرة الحدیبیة فکانت الوحش والطیر والصید تغشاهم فی رحالهم (ابن کثیر)

اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ

قدرے شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں ف۲۹۳

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

تاکہ اللہ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بے دیکھے ڈرتا ہے ف۲۹۴ سو جو کوئی اس کے بعد حد سے

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

نکلے گا تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے ف۲۹۵ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ

والو شکار کو مت مارو جب کہ تم حالت احرام میں ہو ف۲۹۶ اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے

مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

مار دے گا تو اس کا جرمانہ اسی طرح کا ایک جانور ہے جس کو اس نے مار ڈالا ہے ف۲۹۷

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

(اور) اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے خواہ وہ جرمانہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

جاتے ہیں خواہ مسکینوں کو کھانا (کھلا دیا جائے) ف۲۹۸ یا اس کے مساوی روزہ رکھ لیے جائیں

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ

تاکہ وہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے ف۲۹۹ جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا ف۳۰۰ لیکن جو کوئی

عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

پھر یہ حرکت کرے گا اللہ اس سے انتقام لے گا ف۳۰۱ اور اللہ زبردست ہے انتقام پر قادر ہے ف۳۰۲

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ

تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا تمہارے نفع کے لیے

بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ ۔ سورہ کے شروع میں آچکا ہے کہ حالت احرام میں شکار ممنوع ہے اب یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوگی۔ ملاحظہ ہوں سورۂ مائدہ کے حواشی نمبر ۴ ومابعد۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَيَبْلُوَنَّكُمُ سند ہے ان مشائخ کے لئے جو اپنے طالبین کے صدق واخلاص کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ مِنَ الصَّيْدِ میں مِنْ یا تو تبعیض کے لئے ہے یا تمیز کے لئے یا جنس کے لئے۔ قيل في موضع من ههنا انها للتبعيض وقيل انها للتمييز (جصاص) ومن للتبعيض او لبيان الجنس (مدارک) يريد بعض الصيد فمن للتبعيض (قرطبی) ف۲۹۴ یعنی اس ان دیکھے معبود کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ ۔ یعنی تاکہ اللہ دنیا کی نظر میں بھی اس شخص کے عمل سے معلوم کرلے۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ ہی سے ہے۔ ایسے موقعوں پر مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کے عمل سے بھی یہ کیفیت ظاہر ہوجائے۔ ف۲۹۵ بَعْدَ ذٰلِكَ ۔ یعنی اس حکم حرمت کے بعد یا اس شکار کی آزمائش کے بعد۔ بعد ذلك الابتلاء بالصيد (بیضاوی) اِعْتَدٰى ۔ یعنی احکام شرعی کی حد سے نکلے گا اور شکار ممنوع کا مرتکب ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شکار کے خاص طور پر عادی تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا پورا امتحان ہو رہا تھا۔ بِشَيْءٍ ۔ یہ دل بڑھانے کے لئے ہے کہ امتحان کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ایک حقیر ہی شے کا ہے۔ التقليل والتحقير في بشيء للتنبيه على انه ليس من العظائم (بیضاوی) ليعلم انه ليس بفتنة من الفتن العظام التي تدحض عندها اقدام الثابتين (کشاف) ف۲۹۶ (اور یا تم خود تو حالت احرام سے باہر ہو لیکن وہ شکار حدود حرم کے اندر ہو) یہ ممانعت خشکی اور تری کے ان جانوروں کے حق میں نہیں جن کے قتل یا شکار کا جواز قرآن مجید ہی کی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح سے ثابت ہوگیا ہے۔ مثلاً دریائی جانور یا سانپ بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہا۔ فروی ابن عباس وابن عمر وابو سعيد وعائشة عن النبي ﷺ قال خمس يقتلهن المحرم في الحل والحرم الحية والعقرب والغراب والفارة والكلب العقور (جصاص) واما ما كان من السباع لا يعدو (جصاص) لَا تَقْتُلُوا ۔ قتل کے معنی اردو میں ہلاک کی ایک بالکل خاص صورت کے ساتھ محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ عربی کے قتل کے مفہوم میں یہ تنگی نہیں، وہ جان لے لینے کی ہر صورت کے لئے عام ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ القتل هو كل فعل يفيت الروح وهو انواع (قرطبی) ف۲۹۷ یعنی اس شخص کو جرمانہ میں اسی قیمت کا جانور پیش کرنا چاہیے۔ مِثْلُ مَا قَتَلَ ۔ مثلیت کا معیار حنفیہ کے ہاں ہم قیمتی ہے قال ابو حنيفة وابو يوسف المثل هو القيمة (جصاص) وهو قيمة الصيد (مدارک) یہ جزاء (جرمانہ) جس طرح قصد وتعمد میں واجب ہے اسی طرح حالت خطا ونسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ من الزهري قال نزل القرآن بالعمد وجرت السنة في الخطا (ابن جریر) ان قتله متعمدا او ناسيا حكم عليه (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قائلون وهم الجمهور سواء قتله عمدا او خطأ فعليه الجزاء (جصاص) وانما شرط التعمد في الآية مع ان محظورات الاحرام يستوى فيها العمد والخطأ لان مورد الآية في معنى تعمد (مدارک) الاصل فعل التعمد والخطاء يلحق به وللتغليظ (مدارک) يحكم عليه في العمد والخطأ والنسيان قاله ابن عباس وروى عن عمر وطاؤس والحسن وابراهيم والزهري وبه قال مالك والشافعي وابو حنيفة واصحابهم (قرطبی) والذي عليه الجمهور ان العامد والناسي سواء في وجوب الجزاء عليه (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پوری آیت سے اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت مل جاتا ہے کہ پچھلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل اس کو آسان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خطا پھر عود کرے تو اسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اس پر قدرے دشوار ہو۔ ف۲۹۸ یعنی یہ کھانا اسی جانور کی تخمینی قیمت کے مساوی ہو۔ مِنَ النَّعَمِ ۔ چوپایوں سے مراد ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔ یعنی اس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین واہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۔ ”کعبہ تک“ سے مراد ہے کہ حدود حرم کے اندر پہنچا جائیں۔ حرمت فقہی کے اعتبار سے کعبہ اور کل حرم دونوں یکساں ہیں اور قربانی خاص کعبہ تک تو پہنچتی بھی نہیں۔ بلوغة الكعبة وجه في الحرم لاخلاف في ذلك وهذا يدل على ان الحرم كله بمنزلة الكعبة في الحرمة (جصاص) ويرسل من الحل الى مكة ولم يرد الكعبة بعينها فان الهدي لا يبلغها اذهي في المسجد وانما اراد الحرم ولا خلاف في هذا (قرطبی) الكعبة انما اريد بها كل الحرم لان الذبح والنحر لا يفعلان في الكعبة ولا عندها ملازقا لها (کبیر) ف۲۹۹ مساوی تعداد میں روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسکین کے حصہ کا ایک ایک روزہ رکھا جائے۔ گویا کفارہ کی تین صورتیں ارشاد ہوئیں۔ هدی۔ اطعام۔ صیام۔ اور تینوں مساوی ہیں۔ جیسا کہ اَوْ کلمہ تخییر کا اقتضاء ہے۔ وما ذكره الله تعالى في هذه الآية من الهدي والاطعام والصيام فهو على التخيير لان او يقتضي ذلك وروى نحو ذلك عن ابن عباس وعطاء والحسن وابراهيم رواية وهو قول اصحابنا (جصاص) ف۳۰۰ یعنی جو لوگ یہ جرمانہ ادا کر چکے وہ معاف ہو جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا اس سے درگزر کر دی جائے گی۔ عما كان في الجاهلية (ابن جریر عن عطاء) عما سلف منكم في جاهليتكم (ابن جریر) عما مضى في الجاهلية وعما سلف قبل التحريم في الاسلام (کبیر) ف۳۰۱ (اس جسارت اور ڈھٹائی کا) گناہ کا اعادہ خود ایک دلیل ہے ڈھٹائی کی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ توبہ سے یہ علت انتقام بھی منتفی ہو جائے گی۔ ف۳۰۲ اس میں رد آگیا بہت سی جاہلی قوموں کے عقیدہ کا جن کا معبود فعالیت سے یکسر محروم، اور ہر طرح بے حس اور جامد ہے۔

وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

اور قافلوں کے لیے وف۳۰۳ اور تمہارے اوپر جب تک تم حالت احرام میں ہو خشکی کا شکار حرام

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

کیا گیا اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے وف۳۰۴

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ

اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے وف۳۰۵

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا

(نیز) حرمت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی کو اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں کو وف۳۰۶ یہ اس لئے کہ تم یقین

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کر لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اس سب کا علم رکھتا ہے

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے وف۳۰۷ جانے رہو کہ اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَا

بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے وف۳۰۸ اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا بھی ہے وف۳۰۹

عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

رسول کے ذمہ تو بجز تبلیغ کے اور کچھ نہیں اور اللہ (اس کو بھی) جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو

وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ

اور (اس کو بھی) جو کچھ تم چھپاتے ہو وف۳۱۰ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔

وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي

گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو وف۳۱۱ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے

وف۳۰۳ بحری مسافروں کے لئے دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت ان کے حق میں رحمت خاص ہے۔ یہ جاہلیت حالت احرام کے بارہ میں چل رہی ہیں۔ وانتم حرم کے تحت میں۔ صَيْدُ الْبَحْرِ۔ بحر سے صرف سمندر مراد نہیں، ہر قسم کے دریا، ندی، جھیل، تالاب وغیرہ غرض پانی کا ہر ذخیرہ اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ وعنى بالبحر فى هذا الموضع الانهار كلها والعرب تسمى الانهار بحاراً (ابن جریر) اصل البحر كل مكان واسع جامع للماء الكثير (راغب) المقصد فيه صيد الماء فسائر حيوان الماء يجوز للمحرم اصطياده و لا نعلم خلافاً فى ذلك بين الفقهاء (جصاص) والمراد بالبحر جميع المياه والانهار (کبیر) والمراد بالبحر جميع المياه (معالم) اور دریائی جانور کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ وہ وہ جانور ہے جس کا مولد ہی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ اس لئے مرغابی، بط وغیرہ اس تعریف کے بعد دریائی جانور کے حکم سے نکل گئے۔ طَعَامُهٗ۔ میں ضمیر صید کی طرف ہے۔ قيل الضمير للصيد وطعامه اكله۔ اور اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بہت سے ارباب تفسیر ادھر بھی گئے ہیں کہ ضمیر بحر کی جانب ہے۔ ما قذفه او نضب عنه (بیضاوی) تو گویا اب دو چیزیں ہوئیں ایک صَيْدُ الْبَحْرِ اور دوسرے طعام البحر۔ یہ ترکیب مان کر دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ صید البحر وہ جانور ہے جس کا شکار کر کے اسے مارا جائے۔ اور طعام البحر وہ جانور ہے جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ آنے سے رہ جائے اور یہ تفریق حضرات صحابہ بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طعامه ما قذف به (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) طعام ما قذف منه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) و هو الاحسن ما ذكره ابو بكر الصديق رضی اللہ عنہ ان الصيد ما صيد بالحيلة حال حياته والطعام ما يوجد مما لفظه البحر اونضب عنه الماء من غير معالجة فى اخذه هذا هو الاصح (کبیر) اس اُحِلَّ لَکُمْ۔ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس میں زہد کی تعدیل اور اس میں غلو کرنے سے منع ہے۔ وف۳۰۴ ہر حکم، ہر قید کو نفس کے لئے خوشگوار بنا دینے والا یہی استحضار حاکم مطلق کی حکومت کا ہے۔ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ۔ یہ حکم حرمت عام ہے شکار پکڑنے والے اور اس میں معین ہونے والے دونوں پر۔ وف۳۰۵ (اور اس کے حفظ ادب اور تعظیم شان کے لئے تو یہ سب حرم و احرام کے احکام و قواعد ہیں) اَلْکَعْبَۃَ۔ جس طرح لفظ اللہ خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمّٰی کے سارے مخلوق سے بلند ہونے اور اس کے معبود ہونے پر اور لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی بزرگی اور ستودہ صفاتی کی۔ اسی طرح لفظ کعبہ کے اندر بھی دلالت اس کی عظمت و بزرگی کی موجود ہے۔ کعبہ کے معنی ہی بلند مقام کے ہیں اور یہ بلندی ظاہری و معنوی دونوں کی جامع ہے۔ سميت الكعبة كعبة لارتفاعها (کبیر) فالكعبة لما ارتفع ذكرها فى الدنيا واشتهر امرها فى العالم سميت بهذا الاسم (کبیر) اَلْبَیْتَ الْحَرَامَ۔ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں اور یہ حقیقت بیتیت ہے نہ اس لئے کہ اس میں کسی کی سکونت ہے۔ والبيت سُمى بذلك لانها ذات سقف وجدار وهى حقيقة البيتية وان لم يكن بها ساكن (قرطبی) قِیٰمًا۔ یعنی لوگوں کی حفاظت و نگہداشت کا ذریعہ و واسطہ اور پھر قياماً للعرب نہیں قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ہیں یعنی ساری کائنات انسانی اسی کے نام سے قائم انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے وابستہ۔۔۔۔ گویا اس میں اس کا وعدہ بھی آگیا کہ جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانہ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ اراد انه جعل ذلك قواماً لمعايشهم وعماداً لهم فهو قوام دينهم و دنياهم (جصاص) اصله قوام وهو ما يستقيم به الامر ويصلح (کبیر) يعنى يقومون بها (قرطبی) اى سبباً لقوام مصالح الناس (کبیر) هو سبب لامن الناس عن الآفات والمخافات وسبب لحصول الخيرات والسعادات فى الدنيا والآخرة (کبیر) اى سبب اصلاح امورهم (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کعبہ کے سبب قوام ہونے کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب درست ہوں اور کعبہ قیاماً للناس کسی ایک ہی جہت سے نہیں متعدد جہات سے ہو۔ لا يبعد حمل الآية على جميع هذه الوجوه وذلك لان قوام المعيشة اما بكثرة المنافع واما برفع المضار واما بحصول الجاه والرياسة واما بحصول الدين فلما كانت الكعبة سبباً لحصول هذه الاقسام الاربعة وثبت ان قوام المعيشة ليس الا بهذه الاربعة ثبت ان الكعبة سبب لقوام الناس (کبیر) احادیث میں آتا ہے جب خانہ کعبہ کا ہدم کافروں کے ہاتھ سے ہو جائے گا تو اس کے بعد قیامت بھی آجائے گی۔ وف۳۰۶ هدی اور قلائد پر حاشیہ پارہ ششم میں سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔ اَلشَّھْرَ الْحَرَامَ۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینے۔ وهو اسم جنس والمراد الاشهر الثلاثة باجماع من العرب (قرطبی) اراد بالشهر الحرام الاشهر الحرم الاربعة الا انه عبر عنها بلفظ الواحد (کبیر) عن الحسن انه قال هو الاشهر الحرم فاخرجه مخرج الواحد لانه اراد الجنس (جصاص) بعض نے صرف ماہ ذی الحجہ ہی مراد لیا ہے۔ وهو ذو الحجة لانه المناسب لقرنائه (بیضاوی) اى الذى يؤدى فيه الحج وهو ذو الحجة (روح) وف۳۰۷ (کہ اس کا علم ذاتی بھی اور محیط و کامل بھی ہے، اور اس لئے صرف اسی سے ایسی پیشگوئیوں کا صدور ممکن ہے) كان تعالى فى الازل عالماً بجميع المعلومات من الكليات والجزئيات (کبیر) ذٰلِکَ۔ یعنی خانہ کعبہ کا قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ہونا اور اس کی مصلحتیں خصوصاً یہ پیشگوئی کہ کائنات انسانی کی عمر کعبہ کے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشارة الى جعل الله هذه الامور قياماً (قرطبی) اى ذلك التدبير اللطيف لاجل ان تتفكروا فيه (کبیر) لِتَعْلَمُوْا۔ علم یہاں یقین کے معنی میں ہے (تھانوی) وف۳۰۸ (اس لئے اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو) وف۳۰۹ (اس لئے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو حسب قاعدہ توبہ و تدارک بھی کر لو)

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
رہو تاکہ (پوری) فلاح پا جاؤ ف۳۱۲ اے ایمان والو!
لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ
ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں ف۳۱۳ اور اگر
تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا
تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانہ میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی ف۳۱۴ اللہ نے
اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ
ان کی بات در گزر کی اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ف۳۱۵ لوگ تم سے قبل بھی ایسی ہی پوچھ پاچھ
مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ
کر چکے ہیں پھر اُن سے منکر ہو ہو گئے ہیں ف۳۱۶ اللہ نے نہ
اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ
بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو نہ حامی کو ف۳۱۷
وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں۔
وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
اور اُن میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۳۱۸ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ
اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا
نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ ف۳۱۹ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے ف۳۲۰ تو کیا چاہئے کہ ان کے بڑے نہ کچھ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت ہی کا بیان تھا۔ اور درمیان میں عقاب کا ذکر لا کر آیت کا خاتمہ بھی صفات غفر و رحمت کے ذکر پر ہو رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے۔ اور خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔ هذا تنبيه على حقيقة وهي ان ابتداء الخلق والايجاد كان لاجل الرحمة والظاهر ان الختم لا يكون الا على الرحمة (کبیر) ف۳۱۰ اللہ اور دین کے رسول کی جداگانہ حیثیتوں کی یہ تشریح مشرک منش مخاطبین کے لئے بار بار ضروری ہوئی۔ اور بار بار بتانا پڑا کہ رسول کے ہاتھ میں ہدایت یا تقسیم عذاب و ثواب کچھ بھی نہیں، صرف تبلیغ ہے۔ اى ليس له الهداية والتوفيق ولا الثواب وانما عليه البلاغ (قرطبی) البلاغ۔ یعنی تبلیغ احکام کی اور پیام کی۔ ما تبدون یعنی تمہارے اقوال اور تمہارے اعمال۔ ما تکتمون یعنی تمہارے اسرار اور محرکات عمل۔ اللہ کی ان دونوں صفات کو یاد دلا کر گویا یہ بتا دیا کہ اطاعت ظاہری بھی ہونا چاہیے اور اطاعت باطنی بھی۔ ف۳۱۱ (اے مخاطب) الخبیث۔ نافرمان یا نافرمانی، ذوات و صفات سب کے لئے جامع۔ والصحيح ان اللفظ عام في جميع الامور يتصور في المكاسب والاعمال والناس والمعارف من العلوم وغيرها (قرطبی) الطیب۔ فرمانبردار یا فرمانبرداری۔ لا یستوی اس لئے کہ ایک اللہ کے ہاں محبوب و محمود ہے اور دوسری مبغوض و مردود۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی و خبیث ہیں، وہ عالم جسمانیات میں بڑی مقدار والی اور بڑی لذت والی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کی یہ ظاہری تعداد اور لذت دائمی اور سرمدی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے والی ہے، اس لئے ان کا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی کیا؟ یعنی ان الذي يكون خبيثاً في عالم الروحانيات قد يكون طيباً في عالم الجسمانيات ويكون كثير المقدار وعظيم اللذة الا انه مع كثرة مقداره ولذاذة متناوله وقرب وجدانه سبب للحرمان من السعادات الباقية الابدية السرمدية (کبیر) وَلَوْ اَعْجَبَكَ۔ یعنی اس پر حیرت نہ کرو کہ جب نافرمان اور نافرمانی اس قدر مبغوض ہیں تو پھر ان کی کثرت و فراوانی کیوں ہے؟ یہ کثرت یقیناً دلیل مقبولیت نہیں، اس کی بنا دوسری ہی تکوینی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اعجابه له ان صار عنده عجباً مما يشاهده من كثرة الكفار والمال الحرام وقلة المومنين والمال الحلال (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حق کو اہل رسوم کی کثرت سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "گو تجھے بھلی لگے"۔ اى وان سرك ايها الناظر (روح) آج دنیا میں بدی کی کثرت بھی ہے اور ظاہری خوشحالی بھی۔ اور ایسا ہی کم و بیش ہر زمانے میں رہا ہے۔ ف۳۱۲ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی راہ ہدایت اور پاکیزگی ہی کی راہ اختیار کرو اور بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوشنمائی سے متاثر ہو کر ادھر نہ جھک جاؤ۔ اى اثروا الطيب وان قل على الخبيث وان كثر۔ (کشاف) تُفْلِحُوْنَ کو فَاتَّقُوْا پر مرتب کر کے گویا یہ بتا دیا کہ فلاح کی بنیاد تقویٰ ہی پر ہے۔ خطاب اولی الالباب سے کر کے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہی عقل و بصیرت کا تقاضا ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور راہ تقویٰ اختیار کی جائے۔ اولی الالباب۔ لب کے معنی عقل خالص کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش و کدورت سے پاک ہو۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) عقل انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو دبایا نہیں، بلکہ صحیح حدود کے اندر عقل سلیم سے کام لینے پر تاکید کی ہے۔ ف۳۱۳ ممانعت ایسے سوالات سے ہو رہی ہے جو سر تا سر فضول اور لایعنی ہوں مثلاً لوگوں کے جزئیات زندگی کی بابت سوالات کرتے رہنا۔ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی معاشی یا معادی ضرورت واقعی پیش آ جائے یا اس کے پیش آ جانے کا احتمال قوی ہو اور صاحب شریعت سے ادب و احترام کے ساتھ اس کی بابت پوچھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غرض و مقصد صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دور دور کے احتمالات پیدا کر کے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے، تشقیقات اپنے دل سے گڑھے جائیں اور گویا رسول کا امتحان لینے کو سوالات اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہاں ذکر اسی آخری قسم کا ہے اور اسی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہو جائے اور تمہیں تفضیح و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے یا ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کی تعمیل تم پر شاق گزرے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت آئی ہے کہ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے یہ بتائیے کہ میرا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص۔ اسی طرح ترمذی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنا شروع کر دیا کہ یہ ہر سال فرض ہے؟ ۔۔ یہ دو نمونے ہیں اس قسم کے بیجا سوالات کے جن کے خلاف یہاں تنبیہ کی جا رہی ہے۔" احکام میں جیسا یہ سوال ہو جیا فرا ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہا استہزاء پوچھتے تھے۔ پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے۔ گو صحت نہی کی کہیں افراط ہوگی، اور ناگواری جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہوگا کہیں رسوائی سے کہیں زجر سے۔ اور بعد نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روى مسلم عن المغيرة بن شعبة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الله كره لكم ثلاثا قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال وقال كثير من العلماء المراد بقوله كثرة السوال التكثير من السوال في المسائل الفقهية تنطعاً وتكلفا فى مالم ينزل والاغلوطات وتشقيق المولدات وقد كان السلف يكرهون ذلك يرونه من التكليف (قرطبی) ف۳۱۴ تو ایسے ہی سوالات جن میں یہ احتمالات ہوں ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ هذا تاديب من الله لعباده المومنين ونهى لهم عن ان يسالوا عن اشياء مما لا فائدة لهم في

يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
کا علم رکھتے ہوں نہ ہدایت؟ ف۳۲۱ اے ایمان

اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا
والو! تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو کوئی بھی گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جب

اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ
کہ تم راہ پر چل رہے ہو ف۳۲۲ اللہ ہی کی طرف تم سب کی واپسی ہے وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ
جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے ف۳۲۳ اے ایمان والو! جب کہ تم میں سے کسی کو

بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ
موت آ جائے وصیت کے وقت تمہارے آپس میں گواہ

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ
دو شخص تم میں سے معتبر ہوں ف۳۲۴ یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں ف۳۲۵ جب

اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
تم زمین پر سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا واقعہ

الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ
آ پہنچے تو اگر تم کو شبہ ہو جائے ف۳۲۶ تو دونوں (گواہوں) کو بعد نماز روک رکھو اور وہ دونوں اللہ کی

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ
قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے خواہ کسی قرابت دار

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾
(ہی کے لئے) ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے ورنہ تم بے شک گنہگار ہوں گے ف۳۲۷

السؤال والتخفیف عنها لانها ان ظهرت لهم تلك الامور بما ساء تهم وشق عليهم سماعها (ابن کثیر) ف۳۱۵ (اس لئے تحکم کی خلاف ورزی پر گرفت اگر فوری نہیں ہوئی تو اس سے مطمئن اور بے خوف نہ ہو جاؤ) عَفَا اللّٰهُ ۔ یعنی ان سوالات کے بارہ میں جو تم اب تک کر چکے۔ ای عن المسئلة التی سلف منهم (قرطبی) ای عما سلفکم من مسائلکم (کبیر) غَفُوْرٌ ۔ اس صفت غفور کا تقاضا ہے کہ اس نے ماضی کو معاف کر دیا۔ ف۳۱۶ اس فرد انکار کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک یہ کہ جو احکام دیئے گئے ان کا حق ادا نہ کیا، دوسرے یہ کہ جو واقعات بیان کئے گئے ان سے متاثر نہ ہوئے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۔ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے؟ عام طور سے بنی اسرائیل سے مراد لی گئی ہے کہ سابق انبیاء کی امتوں میں وہی کھود کھود کر اور کرید کرید کر سب سے زیادہ سوال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ گنجائش دوسری امتوں کے مراد ہونے کی بھی ہے۔ ف۳۱۷ مَا جَعَلَ اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا۔ والمعنی ما سمی اللّٰه ولا سن ذلک حکما ولا تعبدبه شرعا (قرطبی) یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ بَحِيْرَةٍ ۔ وہ اونٹنی ہے جو دس بچے جنتی اور ان میں کا آخری نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر اسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا اور کوئی کام اس سے نہ لیا جاتا۔ سَآئِبَةٍ ۔ وہ اونٹنی ہے جو کسی دیوتا کے نام پر سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی جاتی اور اسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔ وَصِيْلَةٍ ۔ یہ بھی اونٹنی ہی کی ایک قسم ہے مادہ بچے جننے والی۔ اسے بھی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حَامٍ ۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اہل شرک کی رسمیں ہر ملک میں ملتی جلتی سی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی گھڑی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب واحترام ہرگز مشروع نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے اس جاہلیت کی اس بدعت کا کہ بعض چیزوں کو غیر اللہ سے نامزد کر دیتے تھے جیسے کہ اب بھی بعض جہلا وارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ف۳۱۸ (اور سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان لغویات وخرافات سے خوش ہوگا) ای ما شرع اللّٰه هذه الاشیاء ولا هی عنده قربة ولکن المشرکون افتروا ذلک وجعلوه شرعا لهم وقربة یتقربون بها الیه (ابن کثیر) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔ اہل شرک اپنے عقائد وغیرہ دوسرے مسائل کی طرح رسوم کے باب میں بھی افترا علی اللہ پر بڑے جری واقع ہوتے ہیں اور گھڑنے والے عموماً مشرکین کے خواص واکابر ہوتے ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ یہ کورانہ تقلید کرنے والے مشرکین کے عوام ہوتے ہیں۔ اور انہی کی تعداد بڑی ہوتی ہے۔ والمعنی ان الرؤساء یفترون علی اللّٰه الکذب فاما الاتباع والعوام فاکثرهم لایعقلون (کبیر) ف۳۱۹ یعنی حق وباطل کا معیار محض احکام خدا ورسول کو قرار دو۔ اپنے مزعومات ومظنونات کو شریعت کی کسوٹی پر کسو، پرکھو، جانچو۔ ف۳۲۰ (اور ہمیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں) تقلید جامد جاہلوں کا شعار ہر ملک اور ہر دور میں رہا ہے کسی صاحب علم کی تقلید اگر اس اعتماد پر کی جائے کہ وہ احکام شریعت کا ماہر ہے۔ تو یہ ممنوع نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے باپ دادا کی راہ پر اس لئے چلتے رہنا کہ وہ باپ دادا تھے۔ یہ اندھی تقلید محض معصیت ہی نہیں بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی کا نام رسم پرستی ہے۔ آج ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس نہ کوئی "کتاب" ہے نہ کسی "رسول" کی تعلیم محفوظ۔ بس رسوم کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سینکڑوں ہزاروں برس ہوئے ہاتھ آ گیا تھا۔ اور اسی طرح بدعقیدہ اس کی پوجا ہوتی چلی آ رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ ف۳۲۱ یعنی کیا ان کا یہ خیال جب بھی ہے جب ان کے بزرگ علم نہ رکھتے ہوں حقائق دین سے کسی شے کا اور ہدایت نہ رکھتے ہوں کسی کتاب الٰہی کے ذریعہ سے۔ وتقدیره وحسبهم ذلک ولو کان اٰباؤهم (کشاف) اَوَ میں واؤ حالیہ ہے اور اس پر ہمزہ (ا) انکار کا داخل ہوا ہے واو الحال وقد دخلت علیها همزة الانکار (کشاف) ف۳۲۲ حکم افراد کو ہے کہ دوسروں کی فکر میں اتنا زیادہ کیوں گھلے جاتے ہو۔ مقدم فکر اپنی ہے۔ اپنے مطالبات دین ادا کئے جاؤ۔ تم پر دوسروں کی ذمہ داری نہیں تم سے پرسش تمہارے ہی احوال کی ہوگی۔ آیت میں ایک زبردست اصول یعنی شخصی ذمہ داری کا اثبات ہے۔ اور ان لوگوں کا ابطال ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت میں گم رکھنا چاہتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۔ یعنی اپنے نفس کی نگرانی اپنے اوپر لازم کرلو۔ معناه احفظوا انفسکم من المعاصی (قرطبی) عَلَيْكُمْ محاورہ میں جب صیغہ مخاطب میں آتا ہے تو اس کے معنی لازم پکڑ لینے کے ہوتے ہیں۔ صیغہ غائب وغیرہ میں نہیں آتا۔ تقول علیک زیدا بمعنی الزم زیدا ولا یجوز علیه زیدا بل انما یجری هذا فی المخاطبة (قرطبی) دوسروں کی بھی بہ قدر وسعت واستطاعت اصلاح شخصی مطالبات دین ہی میں شامل ہے۔ ان کے منافی نہیں۔ مقصود دوسروں کی اصلاح کے کام سے روکنا نہیں صرف اس کے مبالغہ آمیز تخیل میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو اچھی بری بات بتاؤ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور کھوج میں نہ پڑے رہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو بجائے خود ایک انفرادی فریضہ ہے اس کا سقوط مقصود نہیں۔ قال ابن خویز منداد تضمنت الآیة اشتغال الانسان بخاصة نفسه وترکه التعرض لمعایب الناس والبحث عن احوالهم بانهم لا یسالون عن حاله فلا یُسأل عن حالهم (قرطبی) ومن الاهتداء اتباع امر اللّٰه فی انفسنا وفی غیرنا فلا دلالة فیها اذا علی سقوط فرض الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص) اخبر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان هذه الآیة لا رخصة فیها فی ترک الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وانه لا یضر ضلال من ضل اذا اهتدی هو بالقیام بفرض اللّٰه من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص)

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے ف۳۲۸ تو دو گواہ اُن کی جگہ

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

اور مقرر ہوں اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبا ہے (میت کے) قریب تر لوگوں میں سے ف۳۲۹

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

اور یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے

وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ

اور ہم نے زیادتی نہیں کی ہے ورنہ بیشک ہم ہی ظالم ٹھیریں گے ف۳۳۰ یہ اس کا

اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا

قریب ترین (طریقہ) ہے کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں یا اس سے ڈرتے رہیں

اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ

کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے الٹی پڑیں گی ف۳۳۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ

اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ف۳۳۲ (اُس دن سے ڈرو) جس دن اللہ

اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ

پیمبروں کو جمع کرے گا ف۳۳۳ پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا ف۳۳۴ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو

لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

علم نہیں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جاننے والا تو بس تو ہی ہے ف۳۳۵ (وہ وقت یاد میں رکھو) جب اللہ عیسیٰ ابن مریم سے

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ

کہے گا کہ میرا انعام اپنے اور اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو ف۳۳۶ جب کہ

ع ۱۴ — ربع

آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ انسان جب یہ دیکھ لے کہ وعظ و پند مطلق کارگر نہیں ہوتا بلکہ الٹا اس پر اور مضحکہ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر چاہیے کہ سکوت سے کام لے اور بس اپنے ہی ذاتی عمل کی فکر میں لگا رہے۔ قيل الأية في اهل الاهواء الذين لا ينفعهم الوعظ فاذا علمت من قوم انهم لا يقبلون بل يستخفون ويظهرون فاسكت منهم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی طریقہ ہے عارفین سالکین کا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کر دینے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔ ف۳۲۳ (کہ حشر ہی اصلی وقت ومقام نتائج کے ظہور تام کا ہوگا) ف۳۲۴ قرآن محض ایک چند نامہ اخلاق نہیں قانون کی بھی کتاب ہے زندگی میں قانون اخلاق، خطابت سب ہی کی اپنی اپنی جگہ ضرورت پڑتی ہے اور قرآن نے جو مکمل ہدایت نامہ اور زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ سب میں اپنی اپنی جگہ کام دیا ہے۔ اس جگہ قانون وصیت ووراثت کا بیان مختلف پہلوؤں سے آرہا ہے۔ بَیْنِکُمْ۔ یعنی تمہارے آپس کے معاملات میں، مثلاً موت کے وقت ورثہ کو مال سپرد کرنے کے وقت۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اصطلاح فن میں انہی کو وصی کہتے ہیں۔ اور انہی کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف بطور مشورہ مناسب کے ارشاد ہو رہا ہے۔ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ مِنْكُمْ یعنی مسلمان ہوں ہم میں ہوں تمہارے غیر نہ ہوں۔ ان اوصیاء کا مسلمان اور عادل ہونا صرف افضل ہے۔ شرط لازم نہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وصی اگر دو نہ ہوں، یا ایک بھی نہ ہو، جب بھی وصیت جائز رہے گی۔ یہ آیتیں اپنی ترکیب نحوی وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں اور یہ دشواری اس بے علم و کم سواد ہی کو نہیں محسوس ہوئی ہے، اکابر قدیم بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ هذه الأيات الثلاثة عند اهل المعاني من اشكل ما في القران اعرابا ومعنى وحكما (قرطبی) وقال ابن عطية هذا كلام من لم يقع له الثلج في تفسيرها (قرطبی) اتفق المفسرون على انها في غاية الصعوبة اعرابا ونظما وحكما (کبیر) ف۳۲۵ یعنی اگر حالت سفر وغیرہ میں مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں، تو غیر مسلم گواہ بھی جائز ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور فقہاء میں سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ مِنْ غَيْرِكُمْ۔ ضمير للكافرين وهذا اشبه لبيان الأية مع ما تقرر من الاحاديث وهو قول ثلاثة من الصحابة الذين شاهدوا التنزيل ابو موسى الاشعرى وعبدالله بن قيس وعبد الله بن عباس رضی اللہ عنہم (قرطبی) هذا معنى الاية على مذهب ابى موسى الاشعرى وسعيد بن المسيب ويحيى بن يعمر وسعيد بن جبير وابى مجلز وابراهيم وشريح وعبيدة السلماني وابن سيرين ومجاهد وقتادة والسدى وابن عباس وغيرهم وقال به من الفقهاء سفيان الثورى واختاره احمد بن حنبل كلهم يقولون منكم من المؤمنين ومعنى من غيركم يعني الكفار (قرطبی) ف۳۲۶ (ان اوصیاء کی دیانت وشہادت کے باب میں) خطاب یہاں وارثوں سے ہے۔ ف۳۲۷ شریعت اسلامی، جو انفرادی واجتماعی ہر بشری ضرورت کی کفیل ہے، یہاں ایک اکثر پیش آجانے والی ضرورت کا صحیح طریقہ تعلیم کر رہی ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی موت کے وقت اپنا مال کسی کو حوالہ کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کر جائے۔ لیکن گواہ اگر مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ حالت سفر وغیرہ میں اکثر اتفاق ہو جاتا ہے تو پھر دو غیر مسلموں ہی کو گواہ بنا لے۔ پھر اگر ان گواہوں کی دیانت ہی سے متعلق شبہ ہو جائے اور وارث اپنا دعویٰ ان کے بیان کے خلاف پیش کر دیں لیکن گواہ نہ رکھتے ہوں تو اس وقت خود ان اوصیاء سے مؤکد بہ حلف بیان لیا جائے -- کب اور کہاں؟ بعد نماز کہ وہ وقت عموماً عظمت الٰہی کے استحضار کا ہوتا ہے۔ اور مسجد میں کہ خلق کے سامنے انسان دروغ کذب بیانی سے شرماتا ہے۔ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ نماز سے یہاں مراد عموماً نماز عصر لی گئی ہے، گو جائز ہر نماز کا وقت سمجھا گیا ہے۔ يريد صلاة العصر قاله الاكثر من العلماء وقيل اى صلاة كانت (قرطبی) اى صلاة العصر كما روى عن ابى جعفر وقتادة وابن جبير وغيرهم وجوزان تكون اللام للجنس اى بعد اى صلاة (روح) تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مقصود قسم کی قوت اور اہمیت کو اور بڑھا دینا ہے، زمان متبرک اور مکان اجتماع خلق کی قید کے ساتھ۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ انسان عموماً اور عادۃً عزیزوں قریبوں ہی کے نفع کا لحاظ کر کے جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اٹھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ خالق فطرت کا کلام ہے۔ فطرت بشری کے کیسے کیسے چھپے ہوئے چوروں کا لحاظ رکھا ہے۔ شَهَادَةَ اللّٰهِ۔ یعنی جس بات کے بیان کرنے پر ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں..... عظمت الٰہی کے استحضار اور خشیت قلب کے بیدار کرنے کے لئے قرآن مجید اسلوب بھی کیسے کیسے مؤثر اختیار کرتا ہے۔ یہاں محض شہادت کو شہادۃ اللہ سے تعبیر کر کے اس کی کتنی اہمیت بڑھا دی۔ ف۳۲۸ یعنی ظاہراً ان گواہوں کا کاذب وخائن ہونا معلوم ہو جائے۔ عُثِرَ عَلٰۤى۔ یعنی اگر اس کی خبر ہو گئی۔ اگر یہ کھل گیا۔ عثر على كذا اى اطلع عليه (قرطبی) آیت کی ترکیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اہل زبان صحابی اور زجاج جیسے نحوی کو دشوار معلوم ہوئی ہے اور دوسرے مفسرین کرام کا ذکر ہی نہیں۔ قال عمر هذه الأية اعضل ما في هذه السورة من الاحكام وقال الزجاج اصعب ما في القران من الاعراب (قرطبی) ف۳۲۹ اب مقدمہ کا رخ بدل گیا۔ اوصیاء جو پہلے مدعا علیہ تھے ورثہ کے مقابل، اب خود مدعی ہو گئے۔ اور ورثہ جو اوصیاء کی خیانت کا دعویٰ لے کر آئے تھے۔ اب مدعا علیہ بن گئے۔ یعنی في الايمان اولى الشهادة (قرطبی) يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا۔ اگر دو کے بجائے ایک ہی گواہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں مال وصیت پہنچا تھا۔ یعنی میت کے قریب تر اور مال کے وارث۔ روى عن سعيد بن جبير قال معنى الاولیان بالميت يعني الورثة (جصاص) الاقربان الى الميت (کبیر) اَلْاَوْلَيٰنِ آیت میں بدل

ہے فاٰخران سے۔ والمعنی عند اہل التفسیر من الذین استحقت علیہم الوصیۃ الاولیان بدل من قولہ فاٰخران قالہ ابن السری واختارہ النحاس (قرطبی) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے ذمیوں کے آپس کے معاملات میں ان کے قبول شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استدل ابو حنیفۃ بہذہ الآیۃ علی جواز شہادۃ الکفار من اہل الذمۃ فی ما بینہم قال ومعنی او اٰخران من غیرکم ای من غیر اہل دینکم فدل علی جواز شہادۃ بعضہم علی بعض (قرطبی) ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ۔ ضرب فی الارض کے معنی محاورہ میں سفر کرنے کے آتے ہیں (مطلق ضرب کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے نہیں جیسا کہ آج کل کے ایک نادان فرقہ نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیا ہے بلکہ جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، اس وقت یہ معنی ہو جاتے ہیں) ای سافرتم (قرطبی) پوری تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت فاوصیتم الی اثنین عدلین فی ظنکم ودفعتم الیہما ما معکم من المال ثم متم وذہبا الی ورثتکم بالترکۃ فارتابوا فی امرہما وادعوا علیہما خیانۃ فالحکم ان تحبسوہما من بعد الصلاۃ ای تستوثقوا منہما (قرطبی) اگر تم سفر کر رہے ہو اور اس حال میں تمہیں موت آ گئی اور تم نے اپنے خیال میں دو معتمد شخصوں کو اپنا وصی مقرر کر کے مال ان کے سپرد کر دیا اور تمہاری وفات ہو گئی۔ اور دونوں وصی تمہارا ترکہ لے کر تمہارے وارثوں کے پاس گئے اور ان لوگوں کو ان گواہوں کے بیان میں شک پیدا ہوا اور ان دونوں پر انہوں نے دعویٰ دائر کر دیا تو اب چاہیے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو روک لو اور ان سے پوچھ پاچھ کرو۔ ف ۳۳۰ یہ سب تعلیم اس غرض سے دی جا رہی ہے کہ یہ گواہ بھی اپنی ذمہ داری کا خوب اچھی طرح احساس واستحضار کر لیں۔ وَمَا اعْتَدَیْنَآ۔ یعنی ہم نے حق وصداقت سے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے۔ نہ مال کے مطالبہ میں اور نہ اوصیاء پر الزام خیانت لگانے میں۔ ای ما اعتدینا فی طلب ہذا المال وفی نسبتہم الی الخیانۃ (کبیر) ف ۳۳۱ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں۔ پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں، یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں، جانیں کہ ہماری قسم الٹی پڑے گی" (موضح القرآن) ذٰلِکَ۔ یعنی یہی قانون جو دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ای الحکم الذی ذکرنا والطریق الذی شرعنا (کبیر) عَلٰی وَجْہِہَا۔ یعنی مطابق حقیقت، بلا آمیزش۔ ای علی حقیقتہا من غیر تغییر لہا (روح) اَوْ یَخَافُوْآ..... اَیْمَانِہِمْ اور اس ڈر سے جھوٹی قسم کھانے سے رک جائیں۔ "اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی تو قسم کھا لیں اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کر دیں۔ یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثہ میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف ۳۳۲ یہ راہ ہدایت سے محرومی دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے حصہ میں آتی ہے جو گویا نافرمانی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس عادی نافرمانی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ نہ دنیا میں انہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ آخرت میں انہیں اس کا ثمرہ یعنی جنت نصیب ہوگی۔ ای لا یہدیہم الی حجۃ او الی طریق الجنۃ (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ یعنی تقویٰ الٰہی پر نظر اپنے تمام معاملات میں رکھو اور ادائے شہادت میں بھی۔ وَاسْمَعُوْا۔ یعنی اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔

ف ۳۳۳ (مع ان کی امتوں کے) ذکر قیامت کے موقع کا ہے تقدیر کلام یوں ہے واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل۔ بعض نے احذروا اور بعض نے اذکروا فرض کیا ہے، مقصود ہر صورت میں تخویف وتہدید ہے۔ قیل التقدیر واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل عن الزجاج وقیل التقدیر اذکروا او احذروا یوم القیٰمۃ حین یجمع اللہ الرسل والمعنی متقارب والمراد التخویف والتہدید (قرطبی) ف ۳۳۴ (ان امتیوں کی طرف سے) یعنی تمہاری دعوت آیا قبول کی یا رد کی؟ ماذا یہاں بماذا کے مرادف ہے۔ بای شیء اُجبتم (بیضاوی) قیل التقدیر بماذا اُجبتم (روح) امت کے نافرمانوں کے مواجہ میں یہ مکالمہ بجائے خود ایک عذاب ان نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں ہوگا۔ انہ ارادان یفضحہم علی رءوس الاشہاد لیکون ذٰلک نوعاً من العقوبۃ لہم (قرطبی) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک کہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ احکام وشرائع کے مفصل بیان کے معاً بعد یا تو ذکر صفات الٰہی کا شروع کر دیا جاتا ہے یا حالات انبیاء کا، یا احوال قیامت کا، اور مقصود ان سب صورتوں میں ان احکام کی تعمیل کے لئے قلب کو زیادہ آمادہ کر دینا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اعلم ان عادۃ اللہ تعالیٰ جاریۃ فی ہذا الکتاب الکریم انہ اذا ذکر انواعاً کثیرۃ من الشرائع والتکالیف والاحکام اتبعہا اما بالالٰہیات واما بشرح احوال الانبیاء او بشرح احوال القیٰمۃ لیصیر ذٰلک موکداً لما تقدم ذکرہ من التکالیف والشرائع (کبیر) ف ۳۳۵ یعنی ہمیں علم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کیا یا یہ کہ ان کے واقعی عقائد کیا تھے؟ ہم تو اپنے سامنے ان کے صرف ظاہری اقوال واعمال کو جانتے تھے۔ باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے اور جزا صرف انہی اصل عقائد پر ملے گی۔ معناہ لا علم لنا بباطن ما اجاب بہ اممنا لان ذٰلک ہو الذی یقع علیہ الجزاء (قرطبی) دوسری تفسیر اسی سے ملتی جلتی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ جواب محض غلبۂ خشیت سے ادا ہوگا۔ یعنی تیرے علم کامل ومحیط کے آگے ہمارا علم ہیچ ہے۔ جو کچھ ہمیں علم ہے بھی، خود اس کا بھی تو ہم سے عالم تر ہے۔ بعض صحابیوں اور تابعین سے یہی معنی مروی ہیں لاعلم لنا لانک تعلم ما اظہروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظہروا فعلمک فیہم انفذ من علمنا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام المفسرین ابن جریر طبری اور فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا (ابن جریر) وہو الاصح (کبیر) دونوں تفسیروں کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہے وہ محض درجہ ظن کی چیز ہے اور آج جو کشف حقائق کا دن ہے محض ظن کام نہیں دے سکتا، آج تو علم ہی کام دے گا اور وہ بس تجھی کو حاصل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ذہول کی وجہ بعض نے تجلی جلال کے آثار ظہور کو بتایا ہے۔ ف ۳۳۶ انعامات کا سرچشمہ صرف وہی ذات تبارک وتعالیٰ ہے۔ مسیح علیہ السلام اس کے صرف ایک انعام پائے ہوئے معزز ومقرب بندے ہیں اور والدہ مسیح علیہا السلام اس کی صرف ایک انعام پائی ہوئی معزز ومقرب بندی۔ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔ عیسیٰ سے یاد دلا دیا گیا کہ وہی جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ابن اللہ۔ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ۔ اس طریق تخاطب سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی اولاد میں ہونا بھی ایک نعمت وشرف ثابت ہوتا ہے۔

وک۳۳ مختلف انبیاء کی امتیازی شانیں بھی مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان امتیازی یہ تھی کہ آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کی تائید ایک درجہ خاص میں حاصل تھی۔ سورۂ آل عمران میں اس فقرہ اور لفظ روح القدس پر حاشیہ گزر چکے۔ وف۳۳۸ اس پورے فقرہ پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ وف۳۳۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام براہ راست حق تعالیٰ کے شاگرد تھے جیسا کہ اور سب انبیاء ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَلْکِتٰبَ۔ یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔ یعنی آسمانی کتابوں کی جنس۔ المراد منه جنس الكتاب (کبیر) الكتاب والحكمة لان المراد بهما جنس الكتاب والحكمة (کشاف) اَلْحِکْمَۃَ۔ اَلتَّوْرٰىۃَ۔ اَلْاِنْجِیْلَ۔ ان سب پر حاشیے گزر چکے۔ وف۳۴۰ ان سب معجزات پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ معجزہ اصطلاح میں ہر اس خارق عادت کو کہتے ہیں جس کا ظہور پیغمبر کے ہاتھ سے کافروں اور منکروں پر پیغمبر کی تائید غیبی اور نصرت الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اور خارق عادت وہ واقعہ بھی ہے جو تکوینیات میں بندوں کے سمجھے اور قرار دیئے ہوئے کسی قاعدہ سے الگ ہو مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان میں جون کے مہینہ میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیغمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو چلنے لگے۔ تو یہ اس پیغمبر کا معجزہ کہا جائے گا۔۔۔ نیچر پرستوں یا منکرین معجزات کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ و تجربہ کو خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور قانون کو قانون ساز اور قاعدہ گر کی مرضی و ارادہ سے بے نیاز، خود مستقل، مستمر، ازلی، ابدی، حقیقی سمجھ بیٹھے۔ بِاِذْنِیْ۔ کی تکرار اس سارے سلسلۂ معجزات میں قابل غور ہے۔ جو کچھ بھی ہورہا تھا۔ بادی النظر میں کیسا ہی عجیب و غریب ہو، بہر حال تھا وہ اذن الٰہی و قانون تکوینی ہی کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت۔ انما اعاد قوله باذني تاكيدا لكون ذلك واقعاً بقدرة الله وتخليقه لا بقدرة عيسىٰ وايجاده (کبیر) تَخْلُقُ۔ خلق کے معنی یہاں صورت بنانے کے ہیں۔ تخلق اي تصور (روح) اي تصوره وتشكله على هيئة الطائر (معالم) تَنْفُخُ فِیْھَا۔ میں ضمیر مونث ھیئۃ کی طرف نہیں بلکہ کھیئۃ کے ک کی جانب ہے۔ الضمير للكاف لانها صفة الهيئة التي كان يخلق عيسىٰ ولا يرجع الى الهيئة المضاف اليها لانها ليست من خلقه (کشاف) وف۳۴۱ ان سارے معجزوں پر بھی حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ بِاِذْنِیْ کی تکرار ہر فقرہ میں بہت ہی قابل لحاظ ہے۔ پیغمبر کے سارے معجزات کی تہ میں کارفرما خالق کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون تھا۔ باذني اي بفعلي ذلك عند دعائك (کبیر) ذكر الاذن في هذه الافاعيل انما هو على معنى اضافة حقيقة الفعل الى الله تعالىٰ۔ (کبیر) وف۳۴۲ یہ اشارہ ہے اس حقیقت تاریخی کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کی کوشش بار بار کی تھی اور ہر دفعہ اس میں ناکام رہے تھے۔ انجیل بھی اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ مثلاً "انہوں نے اس کو مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا" (یوحنا ۸۔۵۹) "انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا" (یوحنا ۱۰۔۳۹) بِالْبَیِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل عقلی اور معجزات دونوں آگئے۔ اي الدلالات والمعجزات (قرطبی) اِذْ جِئْتَھُمْ۔ ضمناً سہی تاہم ایک بار پھر یہ حقیقت معرض بیان میں آگئی کہ حضرت کا خطاب صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ ملاحظہ ہوں سورۂ آل عمران کے حاشیے وف۳۴۳ یہود کی جو قدیم ترین کتابیں ملتی ہیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی کی لکھی ہوئی ان میں بھی آپ کے سحر پیشہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی جو اس بیسویں صدی عیسوی میں یہودی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ۔ سے مراد وہی یہود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے عام اس سے کہ وہ اسرائیلی انبیاء سابقین کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ يعني الذين لم يومنوا بك وجحدوا نبوتك (قرطبی) وف۳۴۴ یا یہ کہ "ہم پورے مسلم ہیں"۔ "مسلم" کا لفظ کوئی نو پیدا اصطلاح نہیں، انبیاء کے ماننے والے تو ہمیشہ اور ہر نبی کے دور میں مسلم ہی کہلائے ہیں۔ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ۔ حواری۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ وحی کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ وحی کے معنی قلب میں القاء یا الہام کے بھی ہوتے ہیں۔ الوحي كل شيء دللت به من كلام او كتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) والوحي في كلام العرب معناه الالهام..... اي الهمتهم وقذفت في قلوبهم (قرطبی) المراد بذلك الوحي الالهام والالقاء في القلب (کبیر) قيل المراد بالوحي الهمهم الهامه تعالىٰ اياهم (روح) عن السدي يقول قذفت في قلوبهم (ابن جریر) قيل المراد بهذا الوحي وحي الهام (ابن کثیر) وحی کے یہ معنی تو لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وحی کو امر کے مرادف بھی قرار دیا گیا ہے۔ قال ابو عبيدة اوحيت بمعنى امرت وقيل اوحيت هنا بمعنى امرتهم (قرطبی) وجاء استعمال الوحي بمعنى الامر في كلام العرب كما قال الزجاج (روح) اس صورت میں صرف اتنا محذوف ماننا پڑے گا کہ "اے عیسیٰ علیہ السلام تمہارے ذریعہ سے" اي امرتهم في الانجيل على لسانك (روح) يحتمل ان يكون المراد اذ اوحيت اليهم بواسطتك (ابن کثیر)

أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ

جب میں نے تمہاری تائید روح القدس (کے واسطہ) سے وک۳۳ کی تھی تم آدمیوں سے کلام (ان کی) گود میں بھی کرتے تھے

وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ

اور بڑی عمر میں بھی وف۳۳۸ اور جب کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کی

وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

تعلیم دی وف۳۳۹ اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں

بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ

لاتے تھے پھر تم اس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا وف۳۴۰ اور تم مادرزاد

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ

اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا

بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ

کرتے تھے وف۳۴۱ اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا

إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ

جب تم ان کے پاس روشن (نشانیاں) لے کر آئے تھے وف۳۴۲ پھر ان میں سے جو کفر اختیار کیے رہے وہ بولے کہ یہ تو

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٠﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ

اور کچھ نہیں، ایک کھلا ہوا جادو ہے وف۳۴۳ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا

أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا

کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر، تو وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیے

مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کہ ہم (پورے) فرمانبردار ہیں وف۳۴۴ اور (وقت قابل ذکر ہے) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم

وه۳۴ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ۔اس طرز خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ حواری بھی آپ کو ابن مریم ہی سمجھتے تھے ۔ابن اللہ کا کوئی شائبہ بھی ان کے خیال میں نہ تھا۔ ھَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ ۔حواری بہرحال صاحب ایمان تھے۔سوال سے ان کی مراد بہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی امر مثلاً اس کا خلاف حکمت ہونا، اس سے مانع تو نہیں! المراد من هذا الکلام استفهام ان ذلک هل هو جائز فی الحکمة ام لا (کبیر)قیل هذه الاستطاعة علی ما تقتضیه الحکمة والارادة فکانهم قالوا هل ارادة الله تعالٰی وحکمته تعلقت بذلک او لا (روح) مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ مائدہ کے معنی طعام کے بھی ہیں اور خوان طعام کے بھی۔ المائدة فی المشهور الخوان الذی علیه الطعام وتطلق المائدة علی نفس الطعام ایضاً (روح) المائدة الطبق الذی علیه الطعام ویقال لکل واحدة منهما مائدة (راغب) یہاں مراد کھانے ہی سے لی گئی ہے۔ قیل الدعوا طعاماً (راغب) و۳۴۶ یعنی بلاضرورت خرق عادت کی طلب وفرمائش آداب ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ اتقوا الله فی تعیین المعجزة فانه جار مجری العنت والتحکم (کبیر) اتقوا الله من امثال هذا السؤال واقتراح الآیات (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زجر ہے کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کیا جائے۔

هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً

کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر کھانا آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾

اُتارے و۳۴۵ (اس پر عیسیٰ نے) کہا کہ اللہ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو و۳۴۶

قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡکُلَ مِنۡہَا وَ تَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا وَ نَعۡلَمَ

وہ لوگ بولے کہ ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں اور یقین کرلیں

اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَ نَکُوۡنَ عَلَیۡہَا مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۱۱۳﴾

کہ آپ ہم سے سچ بولے ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں و۳۴۷

قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰہُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ و۳۴۸ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ایک (خوان) طعام آسمان سے

مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا

ایسا اتار دے کہ وہ ہمارے لئے (یعنی) ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن بن جائے

وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَ ارۡزُقۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾

اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے و۳۴۹

قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ ۚ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ

اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور تم پر اتار دوں گا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر اختیار کرے گا

فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُہٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

اسے سزا بھی وہ دوں گا کہ وہ سزا دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا و۳۵۰

وَ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ

اور (وہ وقت بھی قابل یاد رکھنے کے ہے) جب اللہ فرمائے گا و۳۵۱ کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے

و۳۴۷ حواری اپنی صفائی میں یہ تقریر کر رہے ہیں کہ سوال سے ہماری غرض کوئی بے ادبی نہیں مقصود صرف اس قدر تھا کہ نَّاۡکُلَ مِنۡہَا ۔ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت وبرکت حاصل کریں۔ اکل تبرک (روح) وَ تَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا ۔ اور اس خرق عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان اور ترقی حاصل کرے۔ بازدیاد الیقین کما قال عطاء (روح) وَ نَعۡلَمَ ۔ اور ہم مشاہدہ کی مزید قوت کے ساتھ یقین حاصل کرلیں۔ علم مشاهدة وعیان علی ما قلمناه (روح) اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا ۔ کہ آپ اپنے دعوئ نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ ای انه قد صدقتنا فی ادعاء النبوة (روح) ونکون علیها من الشّٰهدین۔ اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے اور اسی طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ عند من لم یحضرها من بنی اسرائیل (روح) نُرِیۡدُ ۔ارادہ یا تو اپنے عام معنی میں ہے، یا شوق وتمنا کے معنی میں۔ والارادة اما معناه الظاهر او بمعنی المحبة (روح) و۳۴۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لئے حضرت حق سے دعا ومناجات کی۔ و۳۴۹ دعا کے الفاظ اَللّٰہُمَّ رَبَّنَا ، وَارۡزُقۡنَا ، وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ کس کس طرح عقیدۂ الوہیت مسیح پر ضرب لگانے والے ہیں۔ خوب خیال کر لیا جائے۔ اَللّٰہُمَّ اور رَبَّنَا دونوں میں الوہیت وربوبیت کا مکرر انتساب حق تعالیٰ کی جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ہے۔ عِیۡدًا ۔عید کہتے ہیں اس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آتی رہے۔ یعنی اپنے تہوار کا دن منالیں۔ العید السرور العائد (کشاف) یستعمل العید فی کل یوم فیه مسرة (راغب) ای یکون یوم نزولها عیداً (مدارک) لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا ۔ یعنی ہم لوگ جو موجود ہیں ان کے لئے بھی اور جو ہمارے بعد آئیں ان کے لئے بھی۔ ای لاهل زماننا ولمن یجیء بعدنا (روح) اٰیَۃً مِّنۡکَ ۔ ایک الٰہی نشان بن جائے میری پیمبری کا، کہ اس سے مومنین کا ایمان بڑھ جائے اور منکرین پر حجت قائم ہو جائے۔ اٰیة کائنة منک دالة علی کمال قدرتک وصحة نبوتی (روح) علی صحة نبوتی (مدارک) مِّنَ السَّمَآءِ ۔ یہ لازمی نہیں کہ نزول آسمان ہی سے مراد ہے بلکہ صرف جہت آسمان سے بلندی ہی سے نزول بھی مراد ہو سکتا ہے۔ والمراد بها اما المحل المعهود وهو المتبادر من اللفظ واما جهة العلو (روح) و۳۵۰ ایسی کھلی ہوئی حسی ومشاہدہ میں آئی ہوئی نعمت کا انکار جس شدید درجہ کی ناشکر گزاری ہے۔ سزا بھی اسی درجہ میں شدید ملے گی۔ اجر ایمان کا دارومدار غیبیت پر ہے اور جو واقعہ سلسلہ اسباب عادیہ سے اس قدر الگ ہو جیسا کہ بلا اسباب ظاہری بلکہ خلاف اسباب ظاہری، آسمان سے یا جہت آسمان سے تیار شدہ کھانے کا اتر آنا، نہایت بیّن اور معمول سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے، اتنے کھلے ہوئے خارق عادت سے ایمان پر انکار گویا غیب ہی نہیں، کہنا چاہیے کہ شہود کے بعد بھی انکار پر قائم رہنا ہے۔ جو جحود کی قبیح ترین شکل ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا بھی شدت جرم ہی کی مناسبت سے شدید ترین ہوگی۔ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ ۔ مفسرین کے ایک گروہ نے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نزول مائدہ ضرور واقع ہو کر رہا۔ لیکن مفسرین ہی کے دوسرے گروہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی بھی قید لگا دی ہے۔ یعنی ان سالشم اور نزول سے انکار بعض تابعین تک سے منقول ہے فقال مجاهد والحسن لم تنزل (معالم) و۳۵۱ (قیامت کے دن) قال قتادة وابن جریج واکثر المفسرین انما یقول له هذا یوم القیامة (قرطبی) الجمهور علی ان هذا السؤال یکون فی یوم القیامة (مدارک) قال سائر المفسرین انما یقول الله له هذا القول یوم القیامة (معالم)

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰـہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ

یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو؟" ف۳۵۲

قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ

(عیسیٰ) عرض کریں گے، پاک ہے ف۳۵۳ تو، میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا

لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕ؎ اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُہٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَہٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا

جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا، اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا، ف۳۵۴ تو جانتا ہے جو کچھ

فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ

میرے دل میں ہے، اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، بیشک تو ہی تو ہے

عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلۡتُ لَہُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ

پوشیدہ چیزوں کا خوب جاننے والا ف۳۵۵ میں نے تو ان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ۚ وَ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا

یعنی یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی پرستش کرو ف۳۵۶ میں ان پر گواہ رہا

مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ

جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر

عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ اَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنۡ تُعَذِّبۡہُمۡ

نگران ہے اور تو تو ہر چیز پر گواہ ہے ف۳۵۷ تو اگر انہیں عذاب دے

فَاِنَّہُمۡ عِبَادُکَ ۚ وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَہُمۡ فَاِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ

تو یہ تیرے بندے ہیں ف۳۵۸ اور اگر تو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے

الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰہُ ہٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ

حکمت والا ہے ف۳۵۹ اللہ فرمائے گا آج وہ دن ہے جب سچوں کے کام

ف۳۵۲ مسیح پرستی تو خیر موجودہ مسیحیت کے مرادف ہی ہے۔ لیکن مریم پرستی بھی مسیحی دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، دعائیں اس "خدائی کنواری" کو مخاطب کر کے کی جاتی ہیں، منذریں نیازیں ان کے نام پر کی جاتی ہیں۔ کیتھولک گرجاؤں میں قد آدم تصویریں ان کی لگی ہوتی ہیں جن کے آگے مراسم پرستش بجالائے جاتے ہیں۔ مریم پرستی پر مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ سوال سے مقصود ظاہر ہے کہ استفہام واستفسار نہیں، بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اور زیادہ مجحض وہ جواب کرنا اور انہیں خود انہی کی نظر میں ذلیل کرنا ہے۔ ولیس ھو باستفھام .... انہ سالہ عن ذلک توبیخاً لمن ادعٰی ذٰلک علیہ لیکون انکارہ بعد السوال ابلغ فی التکذیب واشد فی التوبیخ والتقریع (قرطبی) ف۳۵۳ (ہر قسم کی شرکت کی آلودگی سے، اور ہر ایسے انتساب سے جو تیری شان کے لائق نہ ہو) ف۳۵۴ (میری مجال بھی کہ میں ایسا صریح کلمۂ باطل زبان سے نکال سکتا) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے براہ راست ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کا جواب براہ راست مَا قُلْتُ دینے اور یوں اپنی صفائی پیش کرنے کے بجائے اسے تمام تر علم الٰہی کے حوالہ کر دیا اور یہی مقام ادب وتواضع کے زیادہ مناسب بھی تھا۔ فلم یقل بانی ما قلت ھذا الکلام لان ھذا یجری مجری دعوی الطھارۃ والنزاھۃ والمقام مقام الخضوع والتواضع (کبیر) ف۳۵۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور ہی تیرے علم میں ہوتی اور جب تیرے علم میں نہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ میرے ناقص ومحدود علم اور تیرے کامل وغیر محدود علم کا مقابلہ ہی کیا، میری ہر چھپی ہوئی چیز آپ تجھ پر روشن، لیکن تیری کوئی سی بھی چھپی ہوئی چیز مجھ پر روشن نہیں، اور ایک میرے ہی مغیبات پر کیا موقوف ہے، تجھ پر تو ہر غیب روشن ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ سے مقصود حق تعالیٰ کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ اور اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کے عقائد واہیہ کا۔ مَا فِیْ نَفْسِکَ۔ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول تو نفس وذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ النفس عبارۃ عن الذات یقال نفس الشیٔ وذاتہ بمعنی واحد (کبیر) قال الزجاج النفس عبارۃ عن جملۃ الشیٔ و حقیقتہ یقول تعلم جمیع ما اعلم من حقیقۃ امری ولا اعلم حقیقۃ امرک (معالم) ای ذاتک فنفس الشیٔ و ھویتہ والمعنی تعلم معلومی ولا اعلم معلومک (مدارک) اور پھر نَفْسِیْ کے مقابلہ میں نَفْسِکَ لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔ ذکر ھذا الکلام علی طریق المطابقۃ والمشاکلۃ و ھو من فصیح الکلام (کبیر) ف۳۵۶ موجودہ انجیلیں بھی باوجود اپنی تثلیثی شرک کے اس توحیدی تعلیم کو مٹا نہ سکیں:۔ "یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر، تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اس کی خدمت کرنے لگے" (متی۔ ۴:۱۰،۱۱) "یسوع نے جواب میں اس سے کہا۔ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔ ۴:۸) اَنِ اعْبُدُوْا۔ میں اَنْ مفسرہ اَیْ کے مرادف ہے۔ ان مفسرۃ بمعنی ای (مدارک) ان مفسرۃ (کبیر) حضرت کا یہ کلام آپ کی کمال عبدیت اور انتہائی عبودیت پر دلالت کر رہا ہے۔ آپ نے اس پیام توحید کو بھی براہ راست اپنی جانب منسوب نہیں کر دیا کہ میں انہیں یہ پیام دے آیا تھا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ میں تو وہی کہہ آیا تھا جس کا تو نے ہی حکم دیا تھا۔ یہ پیام توحید بھی میری اپنی طرف سے نہ تھا، تیرے ہی ارشاد کی تعمیل یہ بھی تھی۔ ف۳۵۷ آیت میں ایک بار پھر حضرت حق کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ۔ یعنی میں جب تک دنیا میں موجود رہا، میری اُمت کا حال میرے علم ومشاہدہ میں آتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ۔ یعنی جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا، اس کے بعد سے مجھے کچھ خبر نہیں۔ تَوَفَّیْتَنِیْ۔ یہ لفظ دونوں مفہوموں کو شامل ہے۔ زندہ آسمان پر اٹھا لیے جانے کو بھی اور دوبارہ اپنے وقت اصلی پر وفات کو بھی۔ المراد منہ وفاۃ الرفع الی السماء (کبیر) ای قبضتنی بالرفع الی السماء کما یقال توفیت المال اذا قبضتہ وروی ھذا عن الحسن و علیہ الجمھور (روح) ف۳۵۸ (اور تو ان کا مالک ومختار ہے۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے۔ میں دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا) ف۳۵۹ تو ان کی مغفرت ہی کر دے، چاہے تو کون تجھے روک سکتا ہے۔ تو سب پر غالب اَلْعَزِیْزُ ہے۔ تیرا ارادہ سب پر حاکم ومقتدر لیکن تو اسی کے ساتھ اَلْحَکِیْمُ بھی تو ہے۔ تیرا کوئی فیصلہ خلاف حکمت ہو نہیں سکتا۔ تو کرے گا وہی جو تیرے آئین حکمت ومصلحت کے مطابق ہوگا۔ میں ایک بندہ ہو کر اس میں دخل دینے والا کون؟ یعنی انت قادر علی ما ترید، حکیم فی کل ما تفعل لا اعتراض لا حد علیک فمن انا والخوض فی احوال الربوبیۃ (کبیر) واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو قیامت میں ہوگی۔ جہاں کافروں اور منکران دین حق کے لیے کوئی محل ہی شفاعت کا نہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام میں ان کے پیمبر جلیل القدر ہونے کے باوجود کوئی شائبہ شفاعت کا نہیں۔ بلکہ مقصود تمام تر اللہ کی طرف تفویض ہے۔ و مقصودہ منہ تفویض الامور کلھا الی اللہ و ترک التعرض والاعتراض بالکلیۃ (کبیر) اول ذٰلک علی ان غرضہ تفویض الامر بالکلیۃ الی اللہ تعالٰی و ترک التعرض لھذا الباب من جمیع الوجوہ (کبیر) ضمناً حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام سے تردید بھی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی نکل آئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کے نہیں، خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگا، چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے:۔ "باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا۔ ۵:۲۲)

وـ۳۶۰ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اوپر کے سب مکالمات ومخاطبات کے بعد ہوگا۔ صِدۡقُهُمۡ وہ ہیں جو دنیا میں عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ پر قائم رہے ہوں۔ المعنى ان صدقهم في الدنيا ينفعهم في القيامة (کبیر) اس کے تحت میں انبیاء کے علاوہ عام مومنین بھی داخل ہیں۔ وـ۳۶۱ ذٰلِكَ یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم کس چیز کو کہا گیا ہے؟ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اشارہ پوری آیت کی جانب یعنی نعمت جنت اور نعمت رضوان الٰہی سب کی جانب ہے۔ الجمهور على ان قوله ذلك عائد الى جملة ما تقدم من قوله لهم جنات الى قوله و رضوا عنه (کبیر) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اَلۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ کا تعلق صرف رضوان الٰہی سے ہے جس کے مقابلہ میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ و عندي انه يحتمل ان يكون ذلك مخصصا بقوله رضي الله عنهم و رضوا عنه فانه ثبت عند ارباب الالباب ان جملة الجنة بما فيها بالنسبة الى رضوان الله كالعدم بالنسبة الى الوجود و كيف والجنة مرغوب الشهوة و الرضوان صفة الحق و اى مناسبة بينهما (کبیر) امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے۔ خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہو گئے۔ خود بھی خشک متکلموں سے عاجز تھے۔ چنانچہ یہیں اپنا خیال لکھ کر فرماتے ہیں:۔ وهذا الكلام يشمئز منه طبع المتكلم الظاهري ولكن كل ميسر لما خلق (کبیر) اَبَدًا۔ صراحت کے ساتھ یہ دوام اور ہدایت کی خوشخبری اہل جنت ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ ورنہ اہل دوزخ کے لیے وعید صرف لفظ خلود کی حد تک ہے۔ اشارة الى الدوام (کبیر) وـ۳۶۲ مخلوقات پر

صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

اُن کا سچ آئے گا وـ۳۶۰ اُن کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی،

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ اللہ سے

عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ

خوش رہے، یہی بڑی کامیابی ہے وـ۳۶۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور زمین کی اور جو کچھ اُن میں ہے اُس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وـ۳۶۲

آیاتها ١٦٥ ٦ سُوۡرَةُ الۡاَنۡعَامِ مَكِّيَّةٌ ٥٥ رکوعاتها ٢٠

اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں سورۂ انعام مکی ہے اور بیس رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ

اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا، اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو)

يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى

ٹھہرا رہے ہیں وـ۱ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت

اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

مقرر کیا اور معین وقت اُسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو وـ۲

حکومت وسلطنت جو کچھ ہے وہ خدائے واحد ویکتا کی ہے۔ نہ کہ کسی فرزند خدا یا مظہر خدا وغیرہ کی۔ مَا فِيۡهِنَّ۔ مَا غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے۔ اور مَن ذوی العقول کے لیے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال قائم کر کے کہ یہاں مَن کے بجائے مَا کا استعمال کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضا و قدرت کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے اُن میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے، اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بے قدرت اور اللہ کے علم کے سامنے وہ گویا لاعلم ہیں۔ و لم يقل و من فيهن فغلب غير العقلاء على العقلاء والسبب فيه التنبيه على ان كل المخلوقات مسخرون في قبضة قهره و قدرته و قضائه و قدره و هم في ذلك التسخير كالجمادات التي لا قدرة لها و كالبهائم التي لاعقل لها فعلم الكل بالنسبة الى علمه كلا علم و قدرة الكل بالنسبة الى قدرته كلا قدرة (کبیر)۔

ع

وـ۱ جیسے عیسائی قومیں مسیح علیہ السلام کو، روح القدس کو، مریم علیہا السلام صدیقہ کو۔ اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔ خَلَقَ۔ یہاں ایجاد و ابداع، یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔ اى اخترع و اوجد و انشاء و ابتدع (قرطبی) اَلسَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لیے دیے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں جوہر کہتے ہیں۔ اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لیے دیے گئے۔ جنہیں اصطلاح فلسفہ میں عرض کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق و فاطر وہی ایک ہے۔ کوئی شے اس کے لئے غیر مخلوق نہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ۔ مجوس نے خصوصا نور و ظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے۔ اور ان کے خالق الگ الگ مانے ہیں۔ جَعَلَ یہاں خَلَقَ کا مرادف ہے اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ قال النحاس جعل بمعنى خلق و اذا كانت بمعنى خلق لم تتعد الا الى مفعول واحد (قرطبی) اَلظُّلُمٰتِ کے صیغہ جمع اور اَلنُّوۡرَ کے صیغہ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہو سکتی ہیں۔ اور راہ حق صرف ایک ہی ہے۔ دونوں نقطوں کے درمیان خطوط منحنی بے شمار ہو سکتے ہیں۔ خط مستقیم ایک ہی ممکن ہے۔ ثُمَّ یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔ قال ابن عطية ثم دالة على قبح فعل الكافرين (قرطبی) الفائدة فيه استبعاد ان يعدلوا به بعد وضوح آيات قدرته (کبیر) اَلۡحَمۡدُ۔ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خود ستائی بندوں کے حق میں عیب ہے، لیکن جس نے حمد الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا۔ اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی واساسی غلطی یہی ہے۔ دلّ هذا على انه لا يمكن قياس الحق على الخلق فكما ان هذا قبيح من الخلق مع انه لا يقبح من الحق فكذلك ليس كل ما يقبح من الخلق وجب ان يقبح من الحق وبهذا الطريق وجب ان يبطل كلمات المعتزلة في ان ما قبح منا وجب ان يقبح من الله (کبیر) اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ اصل بھی درج کیا ہے کہ جس طرح افعال خلق پر افعال حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا، اسی طرح صفات خلق پر صفات حق کو اور ذوات خلق پر ذات حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا (کبیر) اللہ اسم ذات ہے، اور خالق، جاعل، رب اسماء صفات۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفات خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بحیثیت ذات بھی ہے اور بحیثیت صفات بھی (من حيث الذات کے معنی نفی صفات کے نہیں بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں) وـ۲ (مسئلہ بعث بعد الموت میں) خَلَقَكُمۡ۔ ضمیر مخاطب نوع انسانی کی جانب ہے۔ ثُمَّ اَنۡتُمۡ۔ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔ معناه ان بعد ظهور مثل هذا الحجة الباهرة انتم تمترون (کبیر) قَضٰۤى اَجَلًا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔ بقضاء الدنيا قاله ابن عباس و مجاهد (قرطبی) قال الضحاك اجلا في الموت (قرطبی) اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ۔ یعنی یہ دوسرا معین وقت اسی کو معلوم ہے۔ اس سے مراد وقت بعث ہے۔ قال ابن

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی (ایک) اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی) ف۳ وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ

اور ظاہر (حال) کو بھی اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے ف۴ اور جو نشانی بھی اُن کے پاس

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴

ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے آتی ہے وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں ف۵

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ

سو انہوں نے (کلام) حق کو بھی جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا ف۶ سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

ہو جائے گی اس چیز کی جس کے بارے میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۷ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا

کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جنہیں ہم نے روئے زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو

لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠

تمہیں نہیں دی ہے ف۸ اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں، پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے باعث

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ

ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ف۹ اور اگر

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

ہم آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

عباس ومجاهد لابتداء الاخرة (قرطبی) قال الضحاک لاجل القيامة (قرطبی) تَمْتَرُوْنَ یعنی وہم پیدا کر کر کے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلة علي مذهب الشک (قرطبی) ف۳ (نہ یہ کہ زمین کے دیوتا اور ہوں اور آسمان کے اور) اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ شبہ نقل کر کے کہ اس سے حق تعالیٰ کی تجسیم ثابت ہوتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں۔ لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی، یہ پیش نظر ہو، تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ فی السمٰوٰت اور فی الارض میں فی سے یہ مراد ہی نہیں کہ اللہ آسمانوں یا زمین "میں" کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سب کا خدا وہی ایک ہے، نہ یہ کہ ہر عالم کے دیوتا الگ الگ ہوں۔ فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں" کے "کا" سے کیا جائے تو شبہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف۴ (اور اسی علم پر مدار جزاء ہے) یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ۔ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔ اس میں رد آ گیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔ ف۵ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیات الٰہی آ گئے۔ یعنی ایک طرف ادیان حق کا ظہور اور ان کے پیام و تعلیمات اور دوسری طرف ان کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تکوینی آیات۔ مُعْرِضِيْنَ۔ اعراض کے معنی ہیں ترک التفات کے۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ مِنْ استغراق جنس کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی) مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے من للتبعيض (قرطبی) ف۶ الحق سے مراد قرآن مجید ہے۔ صاحب قرآن سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔ يعني القران وقيل محمداً عليه السلام (قرطبی) جب خدائی نشانیوں کی تکذیب تو ان کا شعار ہی ہو چکی ہے اس لئے حسب عادت انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔ ف۷ یعنی عذاب الٰہی ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ واراد بالانباء وهي الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لا نفس الانباء بل العذاب الذي انبأ الله تعالى به (کبیر) عذاب سے مراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے۔ جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔ والمراد ما نالهم يوم بدر ونحوه (قرطبی) يحتمل ان يكون عذاب الدنيا وهو الذي ظهر يوم بدر (کبیر) عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قيل يوم القيامة (قرطبی) ويحتمل ان يكون عذاب الاخرة (کبیر) ف۸ (اے اہل عرب) مراد قرآن کے مخاطبین اول ہیں۔ كَمْ اَهْلَكْنَا۔ یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ تمکین فی الارض کے تحت میں ہر قسم کا غلبہ و اقتدار شامل ہے۔ ف۹ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوشحالی اور مادی فارغ البالی اسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔ السَّمَآءَ۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ يريد المطر الكثير (قرطبی) اى المطر والسحاب (بیضاوی) اى المطر كمارُوي عن هرون التيمي ونسب الى ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) يريد الغيث والمطر (کبیر) اَرْسَلْنَا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہوگا۔ الارسال والانزال متقاربان في المعنى (بحر) تَحْتِهِمْ۔ یعنی ان کے باغوں اور بستیوں میں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی سرزمینیں خوب گل و گلزار اور خوب شاداب و سرسبز ہیں۔ اى من تحت اشجارهم ومنازلهم (قرطبی) والمراد منه كثرة البساتين (کبیر) مِدْرَارًا۔ یعنی خوب کثرت سے پانی تار۔ دالة على التكثير كمذكار للمراة التي كثرت ولادتها للذكور (قرطبی) هو للمبالغة في اتصال المطر ودوامه وقت الحاجة (بحر) المدرار الكثير الدر يقال سحاب مدرار اذا تتابع امطاره (کبیر)

ف۱۰ (تو یہ حالت ان کے شدت عناد و حسد و دشمنی کی ہے) مطلب یہ ہوا کہ ان کو تو قرآن و اسلام سے اس قدر ضد و عداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی مادی کتاب کی شکل میں آسمان سے اتر آئے اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اسے اترتا ہوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اسے ہاتھ سے چھو کر ٹٹول کر بھی اپنا پورا اطمینان کر لیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے، کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کیا جا رہا ہے! انسان جب قبول حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے دل میں اتار لے، تو ہر دلیل اس کے سامنے بے کار و غیر مؤثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارف رومی صاحب مثنوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ پیش کس بے مستمع زنجیر درد صد کس گوینده را عاجز کند مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں معاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا۔ اسی لیے اہل طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ف۱۱ بشر محض کا رسول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اوتار بن سکتے تھے، مظہر خدا مان سکتے تھے، فرزند خدا مان سکتے تھے، دیویوں، دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو سکتے تھے۔ لیکن بشری رسالت کو ان کا ذہن کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ برابر ان کی طرف سے مطالبہ "ماورق البشریت" کا "خارق عادت" کا ہوتا رہتا تھا۔ کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ لگا رہے۔ جب جا کر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں۔۔ حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے! اِذًا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکوں ہی کا کوئی گروہ تھا۔ و ظاهر الاية يقتضي انها في كفار العرب (بحر)۔ ف۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آ جائے۔ یہ تو دستور الٰہی میں عین وقوع

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا ف۱۱ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی ف۱۲ اور اگر ہم اس کو فرشتہ ہی تجویز کرتے

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾

تو اسے بھی آدمی ہی بناتے اور ان پر (پھر) وہی اشتباہ ڈال دیتے جس اشتباہ میں وہ اب (پڑے ہوئے) ہیں ف۱۳

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے پھر ان لوگوں کو

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع قُلْ

جو ان (پیمبروں) کی ہنسی اڑاتے تھے اسی (عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۱۴ آپ کہیے کہ

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

زمین پر چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ

کیا انجام ہوا ف۱۵ آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجیے

لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

کہ اللہ (ہی) کی ہے ف۱۶ اس نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے وہ یقیناً تمہیں اکٹھا کرے گا

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

قیامت کے دن، اس کے باب میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں

عذاب کے وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟" آیت قاہرہ اور پھر وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت نہ ماننا حسب عادت الٰہیہ موجب ہلاک فوری ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ان سنة الله جارية بان عند ظهور الاية القاهرة ان لم يومنوا جاء هم عذاب الاستيصال (کبیر) قُضِيَ الْاَمْرُ۔ قضاء امر سے مراد عذاب الٰہی کا واقع ہو جانا ہے۔ قال الحسن و قتادة لاهلكوا بعذاب الاستيصال (قرطبی) اى لاتم امر اهلاكهم (روح) قال ابن عباس و قتاده والسدى لقضى الامر بعذابهم (بحر) اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالم ناسوت کے گویا حجابات اٹھ جاتے ہیں اور غیبت کے پردہ کے بجائے مواجہہ و یا شہود کے میدان کا ہو جاتا ہے۔ جو عالم برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عالم برزخ کشف حقائق کا محل ہے۔ اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس طاری شدہ عالم برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور اور عذاب کا ترتب لازمی ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۔ ثم یہاں اظہار شدت کے لیے ہے۔ یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی۔ فی الفور واقع ہو جائے گا۔ گویا شدت عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔ و معنى ثم ما بعد ما بين الامرين قضاء الامر و عدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاة الشدة اشد من نفس الشدة (کشاف) ف۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات اور احتمالات اور وہی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کھونچ نکالتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کر رہے ہیں۔ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ۔ اس کو یعنی اس نبی ہونے والے کو۔ اى لجعلنا الرسول ملكا (بحر) الضمير للنذير المحدث للناس (روح) مَلَكًا۔ فرشتہ یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان اپنے عام و معروف حواس سے دیکھ سکتا اور نہ اس کے ملکات کے لحاظ سے اس کا اتباع کر سکتا ہے۔ لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ یعنی اسے بھی شکل و جسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ تو سکتے۔ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ درد کا خالق ہے۔ یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے۔ قال لبسنا بالاضافة الى نفسه على جهة الخلق (قرطبی) ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیت اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آ جانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسے کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر ہی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے۔ جب انکشاف و شہود شروع ہو گیا تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔ رَجُلًا۔ رجل کے معنی مطلق انسان کے نہیں۔ بلکہ مرد یعنی مذکر کے ہیں اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لیے نہیں، صرف مرد کے لیے مخصوص ہے۔ و فيه اشعار كما قال عصام الدين و غيره بان الرسول لا يكون امراة و هو متفق عليه (روح) ف۱۴ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت و استہزاء سے مغموم و متفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی و اخروی عذاب کا مستحق بناتے جا رہے ہیں) انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جا بجا ہے۔ مثلاً:۔ "اور حزقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو بلا بھیجا اور افرائیم اور منسی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے۔۔ سو قاصد افرائیم اور منسی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ ان پر ہنسے اور انہیں ٹھٹھے میں اڑایا" (۲۔ تواریخ۔ ۳۰: ۱ و ۱۰) "لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) "انہوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اڑایا اور ہماری حقارت کی اور کہا یہ کیسا کام ہے کہ تم کرتے ہو" (نحمیاہ ۲: ۱۹) سَخِرُوْا۔۔۔ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ سخریہ اور استہزاء دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ هما متحدان معنا و استعمالا (روح) ف۱۵ اس میں تعلیم و ترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب و باقبال سلطنتوں کے

آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے۔۔۔ نقطۂ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لیے جغرافیہ، تاریخ اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ هذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار بآثار من خلا من الامم و اهل الديار (قرطبی) ثُمَّ انْظُرُوْا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ ثُمَّ انْظُرُوْا نے سفر کا دارومدار اس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کر دی۔ اب سفر ہر جائز غرض کے لیے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قوله سيروا في الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السير في الارض للتجارة و غيرها من المنافع و ايجاب النظر في آثار الهالكين (کبیر) وف۱۶ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجال انکار نہیں، یہ تو جو کچھ ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ اس اقرار توحید کے مضمرات اور تفریعات سے) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔ اي لمن الكائنات جميعا (روح) وف۱۷ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامن رحمت کی پناہ میں آجائیں) الرحمة لمن ترک التكذيب بالرسل و تاب و اناب (کبیر) خدائے اسلام کی صفت ذاتی تو بس رحیمیت و رحمانیت ہے۔ باقی قہر و غضب جو کچھ ہے اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہوگا۔ کیسے ظالم و ناخدا ترس ہیں وہ مسیحی مشنری جنہوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔ نفسه۔ نفس سے یہاں مقصود نفس وجود ہے۔ اور وعدہ کی تاکید اور بجائے وسائط کے براہ راست و اصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔ و ذكر النفس هنا عبارة عن وجود و تاكيد وعده و ارتفاع الوسائط دونه (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے۔ چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔ وف۱۸ یہ پیشین خبری ان کے حق میں ہے جنہوں نے اپنی صلاحیت ایمان تک کو ضائع کر دیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے قبول حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کر دیا ہے۔ بتضييع رأس مالهم و هو الفطرة الاصلية و العقل السليم (بیضاوی) الی یہاں فی کے معنی میں ہے۔ قيل الى بمعنى في (قرطبی۔ کبیر) لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جمع تو کرے گا قیامت کے دن اور زندگی بھر اپنی اس رحمت کے اقتضاء سے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ ل قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس یوم میں جمع کیے جانے کی طرف بھی۔ في اليوم او الجمع (بیضاوی) اي جمعا لا ريب فيه (روح) فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ف نے اسے صاف کر دیا کہ ان کا یہ عدم ایمان نتیجہ ہوگا خود ان کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔ والفاء للدلالة على ان عدم ايمانهم مسبب عن خسرانهم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوهم والانهماک في التقليد و اغفال النظر ادى بهم الى الاصرار على الكفر والامتناع من الايمان (بیضاوی) وف۱۹ صفت السمیع کا تعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے۔ صفت العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوال قلب سے ہے۔ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ۔ ابھی اوپر ما في السموت والارض میں سارے موجودات کائنات کا ذکر وجود مکانی کے اعتبار سے آچکا ہے۔ اب ذکر وجود زمانی کے اعتبار سے ہے۔ موجودات کے یہی ظرف دو ہی ہیں۔ ظرف مکان و ظرف زمان۔ ظرفیت مکانی کا ذکر ابھی آچکا تھا۔ ظرفیت زمانی کا ذکر اب آ گیا۔ ليس المراد من هذا السكون ما هو ضد الحركة بل المراد السكون بمعنى الحلول كما يقال فلان يسكن بلد كذا اذا كان محله فيه (کبیر) یہ سکون حرکت کی ضد نہیں، بلکہ حرکت کو شامل ہے۔ اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔ معناه هدأ واستقر والمراد ما سكن و ما تحرک فليس المراد بالسكون ضد الحركة بل المراد الخلق (قرطبی) اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطہ کامل ہو گیا۔ ذكر في الآية الاولى السموت والارض اذ لا مكان سواهما و في هذه الآية ذكر الليل والنهار اذ لا زمان سواهما فاخبر سبحانه انه مالک للمكان والمكانيات و مالک للزمان والزمانيات و هذا بيان في غاية الجلالة (کبیر۔ عن ابی مسلم) وف۲۰ (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے لیا ہے) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمان و زمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے بغیر روح، مادہ، ہیولیٰ کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ اس ساری مشرک و نیم مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے۔ جو اللہ کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔ فاطر کے معنی مبدع کے ہیں اور فعل فطر ابتداء کرنے کے لیے آتا ہے۔ فطر اي ابدع و فطرنا اي ابدعنا و اوجدنا (راغب) و عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ما عرفت فاطر السموت حتى اتاني اعرابيان يختصمان في بئر فقال احدهما انا فطرتها اي ابتدأتها (کبیر) اي خالقها و مبدعها و مبتدئها (معالم) السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمان و زمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انہیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے۔ یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنہیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انہیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) هُوَ يُطْعِمُ ساری مخلوق کے لیے، ساری کائنات حیات کے لیے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہنچاتا ہے۔ وَ لَا يُطْعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر۔ مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ انہیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ

لائیں گے وف۱۸ اور اسی کی ملک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے وف۱۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ

ہے اور وہ (سب) کو کھلاتا ہے (خود) اس کو کھلایا نہیں جاتا، کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں؟ وف۲۰ آپ کہہ دیجیے

اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

نہ ہو جانا وف۲۱ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ

عذاب سے ڈرتا ہوں وف۲۲ جس کسی پر سے وہ (عذاب) اس روز ہٹا لیا جائے گا

فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ

اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی کھلی کامیابی ہے وف۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ

پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا (بھی کوئی) نہیں بجز (خود) اسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی

بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

پہنچائے تو وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے وف۲۴ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے

عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

اوپر اور وہ بڑا صاحب حکمت ہے، بڑا باخبر ہے وف۲۵ آپ کہیے شہادت سب سے بڑھ کر

اپنے معبود ''ابن اللہ'' کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا۔ چنانچہ مقدس عشائے ربانی Eucharist کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) و۲۱ ایمان اور مقتضیات ایمان سے پیغمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو اسی کو فرمان بردار بننے کا حکم ملتا ہے۔ اور پیغمبر تو اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اُسے تو اہل ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہیے و هو امام امته و مقتداهم و ينبغي لكل امران يكون هو العامل اولا بما امر به (روح) اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ یہ اولیت اپنے ملک و قوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اول من اخلص اي من قومي و امتي عن الحسن وغيره (قرطبی) لان النبي ﷺ سابق امته في الدين (بیضاوی) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ تکالیف شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔ و۲۲ یعنی مجھ جیسا نبی معصوم بھی قانون الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ روز قیامت کو روز عظیم اُن واقعات عظیم کے لحاظ سے کہا ہے کہ جو اس روز واقع ہو کر رہیں گے۔ اي عذاب يوم القيامة و عظمه بعظم ما يقع فيه (روح) و۲۳ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نجات کامل یا دفع عذاب، یا رحم الٰہی۔ اسم النجاة البينة (قرطبی) اي الصرف بعد الرحمة (بیضاوی) و۲۴ آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ

شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ

کس چیز کی ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ کہ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے و۲۶ اور میرے پاس

إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ

یہ قرآن بطور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اُس کو جسے یہ پہنچے و۲۷ تو کیا تم

لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُل لَّا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں و۲۸ آپ کہہ دیجیے کہ میں

أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا

تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجیے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اُس سے بری ہوں جو شرک

تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا

تم کرتے ہو و۲۹ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو پہچانتے ہیں جس طرح

يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں و۳۰ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان

يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

نہیں لانے کے و۳۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان اللہ پر لگائے

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ

اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے بیشک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا و۳۲ اور (وہ دن یاد رکھو) جس دن

نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ

ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ہیں، اُن سے کہیں گے کہ تمہارے

شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن

وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے و۳۳ پھر اُن کا

میں ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف، واقعات کائنات و حوادث دہر میں ہے ..... بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اس میں آگئی ہے۔ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے۔ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں بطور جزاء ہو یا تکوینی مصلحت سے۔ يَمْسَسْكَ۔ كَاشِفَ۔ امساس اور کشف دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں۔ ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔ المس والكشف من صفات الاجسام وهو هنا مجاز و توسع (قرطبی) یہیں سے ہے کہ (صوفیہ) محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر اور ہر طرف سے انقطاع تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد کرنے پر دیا ہے۔ شیخ اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی ؒ کی فتوح الغیب میں ہے۔ من اراد السلامة في الدنيا والأخرة فعليه بالصبر والرضاء و ترك الشكوى الى خلقه وانزال حوائجه بربه و انتظار الفرج منه سبحانه و تعالى والانقطاع اليه۔ (جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو، اُسے چاہیے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلق خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دے اور کشائش کی اُمید صرف اُسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کا ہو رہے)۔ اور مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے نصرت مستقل کی۔ یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔ و۲۵ ربوبیت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی شرکت روا رکھی جائے۔ و هو القاهر يفيد الحصر و معناه انه لا موصوف بكمال القدرة و كمال العلم الا الحق سبحانه و تعالى (کبیر) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ قہر کے معنی غلبہ حاکمانہ کے ہیں۔ القهر الغلبة و القاهر الغالب و في القهر معنى زائد ليس في القدرة و هو منع غيره عن بلوغ المراد (قرطبی) القاهر مشعر بكمال القدرة و تمام المكنة (کبیر) فوق کا تعلق یہاں اُوپر کی سمت سے نہیں بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔ فوقية الاستعلاء بالقهر و الغلبة عليهم اي هم تحت تسخيره لا فوقية مكان (قرطبی) يوجب حمل تلك الفوقية على فوقية القدرة لا على فوقية الجهة (کبیر) الْحَكِيْمُ۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔ الْخَبِيْرُ۔ قدرت و حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔ و۲۶ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں) اللہ کی شہادت زبان حال سے خود اس قرآن کا معجزہ بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔ شیء کا یہاں لفظی ترجمہ ''چیز'' سے کرنا مناسب نہیں۔ شیء یہاں ذات حق کے لیے ہے۔ لفظ شيء هنا واقع موقع اسم الله تعالى المعنى الله اكبر شهادة اي انفراده بالربوبية و قيام البراهين على توحيده اكبر شهادة و اعظم (قرطبی) متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شیء کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں، جمہور کا فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔ احتج الجمهور على تسمية الله تعالى بالشيء بهذه الاية (کبیر) و في المواقف و شرحه والشيء عند الاشاعرة يطلق على الموجود فقط فكل شيء عندهم موجود و كل موجود شيء (روح) اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً۔ یعنی کس کی شہادت سب سے زیادہ معتبر باوزن و باوقعت ہے؟ و۲۷ (اس کے احکام و ہدایات کی مخالفت سے) مَنْۢ بَلَغَ کی تقدیر کلام یوں بھی گئی۔ من بلغه القرآن۔ حذف ضمیر طوالت سے بچنے کے لیے ہے۔ اي من بلغه القرآن فحذف الهاء لطول الكلام (قرطبی) وَ مَنْۢ بَلَغَ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہ راست اور اولین مخاطبین تک محدود نہیں رہے گا۔ اي كل من بلغه القرآن من العرب والعجم و قيل من الثقلين (کبیر) من بلغه القرآن من العجم و غيرهم من الامم الى يوم القيامة (معالم) دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے، جن تک قرآن پہنچ چکا ہے۔ هو نذير لكل من بلغه (ابن کثیر) من يبلغه القرآن غير مؤاخذ بترك الاحكام الشرعية (روح) و۲۸ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے) سوال کے مخاطب

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہ تھے ف۳۲

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

دیکھو تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے وہ (سب) چیزیں ضائع ہوگئیں جنہیں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

یہ گڑھا کرتے تھے ف۳۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف۳۶

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى

ان کے کانوں میں بوجھ ہے ف۳۷ اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) ان پر ایمان نہ لائیں

اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

ف۳۸ یہاں تک کہ یہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ

ہیں کہ یہ تو نری اگلوں کی خرافات ہیں ف۳۹ اور یہ اس سے (دوسروں کو) روکتے ہیں

وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا

اور (خود بھی) اس سے الگ رہتے ہیں، اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس کی بھی)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا

خبر نہیں رکھتے ف۴۰ اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ

کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں

مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔ ف۲۹ اثبات توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفی شرک بھی قبول اسلام کے لیے ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نو مسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبری بھی کرنا چاہیے۔ قال العلماء المستحب لمن اسلم ان یاتی بالشهادتین و یتبرأ من کل دین سوی دین الاسلام و نص الشافعی رحمۃ اللہ علیہ علی استحباب ضم التبری الی الشهادة (جصاص) قُلْ لَّآ اَشْهَدُ۔ ایسے کھلے ہوئے امر باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد ہی ہے۔ انما کلمہ حصر کا ہے۔ کلمة انما تفید الحصر و لفظ واحد صریح فی التوحید و نفی الشرکاء (کبیر) ف۳۰ یعنی اپنے ابنائے قوم کو فرزندان اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی آخر الزمان کی بھی شناخت کی اتنی کھلی ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جیسی خود انہی کے قوم و نسل کے انبیاء کی۔ اَلْكِتٰبَ۔ کتاب آسمانی۔ خصوصاً توریت۔ والمراد من الکتاب جنسه الصادق علی التوراة و الانجیل (روح) يَعْرِفُوْنَهٗ۔ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ای یعرفون النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن و قتادہ و هو قول الزجاج (قرطبی) انهم یعرفونه بالنبوة و الرسالة (کبیر) یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف راجع کی جائے۔ و قیل الضمیر للکتاب و اختاره ابو البقاء (روح) قیل یعود الی الکتاب (قرطبی) حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکہ مجموعہ ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا۔ اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں گزر چکا ہے۔ اس کے حاشیہ ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ف۳۱ (اسی لیے انہوں نے اپنی فکر و نظر کو معطل کر رکھا ہے) آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸ و ف۳۲ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادی و معنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہے گی۔ باقی دنیا میں بھی اہل کفر، مومن کی سی حقیقی راحت قلب و سکون ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر افتراء کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی و انکار واجب ہے، ان کا اقرار و اثبات کرنے لگے۔ مثلاً دیویوں دیوتاؤں کا، خدا کے بیٹوں بیٹیوں کا، روح یا مادہ کی قدامت، آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب آیات الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار و اثبات واجب ہے، اُن سے انکار کرنے لگے مثلاً توحید، رسالت، یوم جزاء، حقانیت قرآن وغیرہ۔ ف۳۳ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں) سوال ظاہر ہے کہ حصول جواب کی غرض سے نہیں، بلکہ تفضیح کے لیے ہوگا۔ المقصود منه التقریع و التبکیت لا السؤال (کبیر) يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ واذکر یوم نحشرهم۔ علی معنی واذکر یوم نحشرهم (قرطبی) ف۳۴ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرکے بدحواسی میں یوں بھی پکار اٹھیں گے لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہونا ہے۔ فتنة کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کیے گئے ہیں۔ والمعنی ثم لم تکن عاقبة کفرهم (کشاف) قال الحسن و معنی فتنتهم عاقبة فتنتهم ای کفرهم (قرطبی) دوسرے معنی رد جواب کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای علوهم و جوابهم (ابن عباس رضی اللہ عنہ) و یجوزان یراد ثم لم یکن جوابهم (کشاف) الفتنة الاختبار ای لم یکن جوابهم حین اختبروا بهذا السؤال (قرطبی) قال قتادة معناه معذرتهم (قرطبی) ف۳۵ یعنی جو جو باطل امیدیں اور آرزوئیں وہ پالے ہوئے تھے وہ عین وقت پر انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے معبود اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے! ف۳۶ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس لیے نافع نہیں ہوتا اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں) مَنْ يَّسْتَمِعُ میں مَنْ لفظاً واحد ہے۔ لیکن معناً جمع کا کام دیتا ہے۔ ف۳۷ یہ سب نتیجہ تکوینی طور پر اُن کے ارادی انکار حق و شدت عناد پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ ای فعلنا ذلک بهم مجازاة علی کفرهم (قرطبی) اَنْ يَّفْقَهُوْهُ۔ معنی نفی کے ہیں۔ یعنی "جس سے وہ نہ سمجھ سکیں"۔ المعنی کراهیة ان یفقهوه اولئلا یفقهوه (قرطبی) ف۳۸ یہ بیان ان کی شدت عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت انہیں قبول حق کی جانب نہ لا سکے گا قال ابن عباس رضی اللہ عنہ و ان یروا کل دلیل و حجة لا یؤمنوا بها (کبیر) ف۳۹ قرآن مجید کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اسطورہ یا اسطارہ کے معنی پرانی دہرائی داستان یا فرسودہ لغو کہانی کے ہیں۔ ای ما سطره الاولون فی الکتاب و قال الجوهری و غیره الاساطیر الاباطیل و الترهات (قرطبی) حَتّٰٓى سے مقصود کفر و عناد میں اُن کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ اُن کی تکذیب آیات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آپ تک کے پاس مجادلہ کے لیے آتے ہیں۔ والمعنی انه بلغ تکذیبهم الآیات الی انهم یجادلونک و یناکرونک (کشاف) يُجَادِلُوْنَكَ۔ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات و اکاذیب کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ ان کی تکذیب کی انتہا ہے۔ ای یجعلون کلام اللہ و اصدق الحدیث خرافات و اکاذیب و هی الغایة فی التکذیب (کشاف) ف۴۰ کیا ٹھکانا ہے اُن کی حماقت و غباوت کا! وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفی علم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے۔ حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔ و نفی الشعور عنهم باهلاکهم انفسهم ابلغ فی نفی العلم اذ البهائم تشعر و تحس (بحر) و نفی الشعور ابلغ من نفی العلم کانه قیل و ما یدرکون ذلک اصلاً (روح) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رُکے رہتے ہیں عَنْهُ کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔ والضمیر علی قول قتادة للقرآن (قرطبی) هؤلاء المشرکون المکذبون بآیات اللہ ینهون الناس عن اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم و القبول منه و یتباعدون عنه (ابن جریر) الضمیر المرفوع للمشرکین

والمحجور للقران (روح) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ "دوسروں کے ضرر کو رسول اللہ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رُکے رہتے ہیں یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں" اور آیت سے اشارہ خواجہ ابو طالب اور ان کے پیروؤں کی جانب سمجھا گیا ہے جو کو دشمنوں سے رسول علیہ السلام کا دفاع کرتے تھے۔ لیکن خود ایمان بھی نہیں لے آتے تھے۔ قیل هو خاص بابی طالب ینهی الکفار عن اذایة محمد علیه السلام و یتباعد من الایمان به (قرطبی) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال عطاء او مقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینهی قریشًا عن ایذاء النبی ﷺ ثم یتباعد عنه و لا یتبعه علی دینه (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ فی اللہ کے ساتھ حب طبعی اور نصرت قوی بدون حب عقل کے نافع نہیں۔ **ف ۴۱** یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔ وَلَوْ تَرٰٓى یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپ کو بڑا ہولناک منظر نظر آئے۔ لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہار عظمت و اہمیت کے لیے یا علم مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قد حذف تفخیمًا للامر و تعظیمًا للشان و جاز حذفه لعلم المخاطب به و اشباهه کثیرة فی القران والشعر (کبیر) عَلَى النَّارِ میں عَلٰی کے معنی ب کے بھی لیے گئے ہیں اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔ قیل علی بمعنی الباء ای انقوا بقربها و هم یعاینونها (قرطبی) علی بمعنی فی ای انقوا فی النار (قرطبی) یعنی فی النار فوضعت علی موضع فی (ابن جریر) **ف ۴۲** یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں اُن پر چھپی رہتی ہے اب علانیہ و بے نقاب نظر آنے لگے گی۔ من قبائحهم و فضائحهم فی صحفهم و بشهادة جوارحهم علیهم (کشاف) مبرد لغوی سے منقول ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔ قال المبرد بدالهم و بال عقائدهم و اعمالهم و سوء عاقبتها و ذلک لان کفرهم ما کان بادیًا ظاهرًا لهم لان مضار کفرهم کانت خفیة (کبیر) **ف ۴۳** یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی توبہ صادق و مخلصانہ نہیں محض جان بچانے کو ہے۔ لَكٰذِبُوْنَ میں لام تاکید کا ہے۔ ترجمہ میں اسی لیے "بالکل" بڑھا دیا ہے۔ **ف ۴۴** عرب میں جہاں شرک بہ کثرت پھیلا ہوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنی میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزا و سزا، حشر و نشر کے قائل ہی نہ تھے۔ آج کل کے مادیئین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ هِیَ ضمیر حیاۃ کی طرف ہے۔ الضمیر للحیاة (بیضاوی) **ف ۴۵** (تو آپ کو ایک بڑا عجیب منظر نظر آئے) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر لو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ و جواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی) عَلٰى رَبِّهِمْ۔ علی یہاں عند کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رب سے مراد ملائکہ رب سے لی گئی ہے۔ حکم الٰہی بھی مراد لی گئی ہے۔ قیل علی بمعنی عند ای عند ملائکته و جزائه (قرطبی) بمعنی علی حکم اللہ و قضائه (ابن جریر) وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ سے بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ **ف ۴۶** (یا اب بھی اس کی واقعیت سے انکار ہے جیسا کہ دنیا میں تھا؟) **ف ۴۷** بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یہ عذاب کفر کے بدلہ میں ہوگا۔ ای بسبب کفرکم (کبیر) **ف ۴۸** السَّاعَةُ سے مراد قیامت ہونا بالکل ظاہر ہے۔ سمیت القیامة ساعة لسرعة الحساب فیها (قرطبی) المراد بالساعة القیامة (کبیر) لیکن موت بھی مقدمات قیامت میں سے ہے۔ بلکہ من وجہ اسی میں شامل۔ اس لیے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لما کان الموت و قوعًا فی احوال الاٰخرة و مقدماتها جعل من جنس الساعة و سمی باسمها (کشاف) فسر بعضهم هنا بوقت الموت (روح) بِلِقَآءِ اللّٰهِ۔ لقاء اللہ سے مراد ہے بعث بعد الموت اور جزاء اعمال۔ قیل بالبعث بعد الموت و بالجزاء (قرطبی) حَتّٰى کا تعلق تکذیب سے ہے خسران سے نہیں۔ حتی غایة لکذبوا لا لخسر لان خسرانهم لاغایة له (کشاف) **ف ۴۹** اس کے لیے ہم نے کوئی تیاری نہ کی۔ یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔ فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ ضمیر قیامت یا السَّاعَةُ کی طرف ہے۔ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کی بابت بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ ای فی الساعة ای فی التقدمة لها عن الحسن (قرطبی) الضمیر للحیوة الدنیا (کشاف) يٰحَسْرَتَنَا۔ ترکیب یہاں بہ امنادی کی نہیں۔ بلکہ یہ اسلوب شدت تحسر کے اظہار کا ہے۔ وضع النداء علی الحسرة ولیست بمنادی فی الحقیقة ولکنه یدل علی کثرة التحسر (قرطبی) والعرب تعبر عن تعظیم امثال هذه الامور بهذه اللفظة (کبیر) **ف ۵۰** يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ یہاں اوزار کے معنی ذنوب سب کو مسلم ہیں۔ ای ذنوبهم (قرطبی) آثامهم و ذنوبهم (ابن جریر) قال ابن عباس رضی اللہ عنہ الاٰثام و الخطایا (کبیر) وزر جمع اوزار کا واحد ہے۔ اس کے معنی ثقل و حمل کے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے، اور وزر کے معنی گناہ ہی رکھے ہیں۔ فقد زعم بعضهم ان الوزر الثقل والحمل و لست اعرف ذلک کذلک فی شاهد ولا من روایة ثقة عن العرب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک غیر مادی شے ہے، گناہ پیٹھ پر کیسے لدے ہیں گے! جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورہ زبان مراد ہے۔ مجاز و توسع و تشبیه بمن یحمل ثقلًا (قرطبی) والمعنی انهم لزمتهم الاٰثام فصاروا مثقلین بها (قرطبی) لیکن خود یہ ماننے میں کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات ہی کی طرح باوزن ہوں گے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے، یا اعمال بہ شکل اجسام متمثل ہو جائیں گے، اکابر اہل سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ جب حقیقی معنی لینے ممکن ہیں تو یہاں بھی انہیں مجاز کے لئے ترک نہ کیا جائے گا۔ لا مانع من الحمل علی الحقیقة و اجراء الکلام علی ظاهره و قد قال کثیر من اهل السنة بتجسیم الاعمال فی تلک الدار و هو الذی

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

میں سے ہو جائیں، **ف ۴۱** ہاں اب ان پر وہ چیز ظاہر ہو کر رہی جسے اس کے قبل چھپایا کرتے تھے **ف ۴۲**

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾

اور اگر یہ واپس بھیج دیے جائیں جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ روکے گئے تھے اور یقینًا یہ (بالکل) جھوٹے ہیں **ف ۴۳**

وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

اور یہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دنیا کی زندگی ہے اور ہم زندہ

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ

اٹھائے جانے والے نہیں ہیں **ف ۴۴** اور اگر آپ اس وقت دیکھتے ہوں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا

ف ۴۵ اور وہاں سے ارشاد کرے گا کیا یہ (قیامت) **ف ۴۶** امر واقعی نہیں؟ یہ کہیں گے بیشک ہے قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی، وہ

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ارشاد کرے گا اچھا تو عذاب (کا مزہ) چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے **ف ۴۷** یقینًا وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنہوں

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ (مقرر) گھڑی ان پر یک بیک آ پہنچے گی **ف ۴۸**

قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ

تو بول اٹھیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم اُس کے بارہ میں کرتے تھے **ف ۴۹** اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ

اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾

اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے **ف ۵۰** دیکھو تو (کیا ہی) برا (بوجھ) ہے جس کو یہ لادے (لدے پھر رہے) ہوں گے،

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقینًا

بمقتضیٰ ظاہر الوزن (روح) والظاہر ان ھذا الحمل حقیقۃ وھو قول عمیر بن ھانی وعمرو بن قیس الملائی والسدی واختارہ الطبری (بحر) ف۵۱ (اور فکر آخرت چھوڑ کر اسی سامان دنیوی میں منہمک ہو) جس دنیا کی یہ مذمت ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادہ پرستوں کو ہوتی ہے، وہی لوگ جن کا قول ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا۔ فالمقصود بالایۃ تکذیب الکفار فی قولھم ان ھی الا حیاتنا الدنیا (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ھذہ حیاۃ الکافر لانہ یزجیھا فی غرور و باطل (قرطبی) المراد منہ حیاۃ الکافر قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یرید حیاۃ اھل الشرک و النفاق والسبب فی وصف حیاۃ ھؤلآء بھذہ الصفۃ ان حیاۃ المومن یحصل فیھا اعمال صالحۃ فلا تکون لعباً و لھوًا (کبیر) ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاریوں کے لیے ہوتی ہے، جیسی ہر مومن کی ہونی چاہیے وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے۔ لیس من اللھو و اللعب ما کان من امور الاخرۃ فان حقیقۃ اللعب ما لا ینتفع بہ واللھو ما یلتھی بہ (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فاما حیاۃ المومن فتنطوی علی اعمال صالحۃ فلا تکون لھوًا و لعباً (قرطبی) جعل اعمال الدنیا لعباً و لھوًا و اشتغالاً بما لایعنی و لا یعقب منفعۃ کما تعقب اعمال الاخرۃ المنافع العظیمۃ (کشاف) لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ تقویٰ میں تو معاصی سے بھی پرہیز آ گیا۔ لیکن یہاں خاص طور پر مراد شرک والحاد سے پرہیز ہے۔ ف۵۲ (سو آپ غم وحزن میں زیادہ نہ

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ

آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۵۲ بیشک ہمیں خوب معلوم ہے

اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے تو یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ

بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار کر دیتے ہیں ف۵۳ اور آپ سے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

قبل پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں سو انہوں نے اس پر صبر کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی

وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ

اور انہیں ایذا دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری نصرت آ پہنچی، اللہ کی باتوں کو کوئی بدل

اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ

نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے ہیں ف۵۳ اور

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ

آپ پر اگر ان کا اعراض گراں گزرتا ہے ف۵۴ تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ

تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

زمین (میں جانے) کے لئے کوئی سرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں تو ضرور کوئی نشان ان کے لئے

بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ

لے آئیں ف۵۵ اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت پر جمع کر دیتا ف۵۶ تو آپ نادانوں میں سے

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

نہ ہو جایئے ف۵۷ قبول تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں ف۵۸

پڑیے۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے) مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذبین آپ کی ذاتی صداقت وامانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں۔ انہیں تو ضد اس پیام الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو ان کا معاملہ آپ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ حدیث و سیر کی روایتوں میں صراحتاً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں۔ ہم تو اس پیام کو جھوٹا کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔ قال ابو جھل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انا لا نکذبک ولکن نکذب بما جئت بہ (ابن کثیر۔ عن علی رضی اللہ عنہ) قال ابو میسرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بابی جھل واصحابہ فقالوا یا محمد واللہ ما نکذبک وانک عندنا لصادق ولکن نکذب ما جئت بہ (قرطبی) يَجْحَدُوْنَ۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کیے جائے۔ منکرین ومکذبین رسول میں بہت سے ایسے ہی تھے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباتہ واثبات ما فی القلب نفیہ (راغب) قد کان فیھم العناد فی جحود نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم مع علم منھم بہ وصحۃ نبوتہ (ابن جریر) وکان بعضھم قد تبین امرہ وعلم صحۃ نبوتہ وھو فی ذلک یعاند ویجحد نبوتہ حسدًا لہ وبغیًا (ابن جریر) قَدْ نَعْلَمُ میں قد کا ترجمہ اردو میں "خوب" ہی سے مناسب ہے۔ قد بمعنی ربما الذی یجیء لزیادۃ الفعل و کثرتہ (کشاف) مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور اسے قول غیر مشہور للنحاۃ قرار دیا ہے۔ تاہم تحقیق وتاکید کے معنی انہوں نے بھی تسلیم کیے ہیں۔ تکون حینئذ للتحقیق والتوکید (بحر) ف۵۳ (جس سے نصرت الٰہی کی تحقیق وتصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ نصرت الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے) كَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں مراد اللہ کا وعدۂ نصرت ہے۔ ای مواعیدہ (کشاف) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ای مواعید اللہ (بحر) مِنْ نَّبَاِى۔ میں من تبعیض کا ہے۔ ترجمہ کچھ سے کیا گیا ہے۔ من ھھنا للتبعیض (کبیر) ف۵۴ (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پورے ہو کر رہیں) اعراض وہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ ف۵۵ مطلب یہ ہوا کہ ہم تو ان کی فرمائشیں بوجہ عدم ضرورت ولزوم ضرور پوری کرنے کے نہیں۔ ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجیے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَنْ تَبْتَغِيَ۔ یعنی آپ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھایئے، مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپ میں ان کافروں کے حال پر شفقت اور ان کے اسلام نے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپ کے اختیار میں ہو تو آپ ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔ فافعل یعنی انک لا تستطیع ذلک والمراد بیان حرصہ علی اسلام قومہ وتھالکہ علیہ وانہ لو استطاع ان یاتیھم بایۃ من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بھا رجاء ایمانھم (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادۂ عبد حصول مراد کے لئے قطعی اور لازمی نہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھی، پھر کسی بزرگ سے متعلق اہل غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے۔ ف۵۶ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہ ہدایت ہی دکھا دی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور دنیا میں اختلاف مسلک وعقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ طلب معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ ای لاراھم ایۃ تضطرھم الی الایمان ولکنہ اراد عز وجل ان یثیب منھم من امن ومن احسن (قرطبی) ف۵۷ (کہ ایسی ان ہونی بات کی توقع کرنے لگیں) مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا اور ارادہ کی قوت سونپی گئی۔ اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ روش اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی ومرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن وبنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔ والمقصود من تغلیظ الخطاب التبعید والزجر لہ عن مثل ھذہ الحالۃ (کبیر) ف۵۸ (کلام حق وپیام حق کو بقصد قبول حق) قبول حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیام حق کو بلا عناد وقصد مخالفت، خلوئے ذہن کے ساتھ سن تو جائے۔ ای سماع اصغاء وتفھم وارادۃ الحق (قرطبی) والمراد بالسماع

وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا

اور مردوں کو اللہ جلا کھڑا کرے گا پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے ف۵۹ اور یہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ

ان (صاحب) پر کوئی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اتارا گیا ف۶۰ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ یقیناً قادر ہے

عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

(ایسا) معجزہ اتارنے پر لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو (خود ہی) علم نہیں رکھتے ف۶۱

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرند اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہے

اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

وہ سب تمہارے ہی طرح کے گروہ ہیں ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

پھر یہ (سب) اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے ف۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں

صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

وہ بہرے اور گونگے ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں میں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اسے بے راہ کر دے

وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ

اور جسے چاہے وہ سیدھی راہ پر لگا دے ف۶۳ آپ کہئے

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے،

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ

تو کیا اللہ کے سوا اور کو پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو ف۶۴ نہیں بلکہ

مساع الفهم والتدبر (روح) ف۵۹ (حساب کے لئے) اس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی۔ دنیا میں پوری سزا اعراض وانکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟ ف۶۰ (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کر دے) یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہل منکرین تھے۔ جن کے نزدیک حقانیت وصداقت کا ثبوت صرف مادی خوارق اور حسی معجزات تھے۔ ملجئة للايمان (روح) كما تقترح (مدارک) ای خارق علی مقتضى ما كانوا يريدون ومما يعتنون (ابن کثیر) ف۶۱ یعنی علم صحیح سے محروم ہیں اور عقل سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔ یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیمات صحیح اور ہدایات صادق کے لئے مثلاً عقیدۂ توحید کے لئے عقیدۂ جزا وسزا کے لئے کسی معجزۂ حسی اور خارق مادی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بالفرض ہو تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں۔ پھر ان سے حاصل کیا ہوا جو نئے معجزات طلب کئے جا رہے ہیں؟ فرمائشی معجزات طلب کرنے والے پر انجیل میں بھی بڑی لے دے آئی ہے۔ "اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔" (متی ۱۶:۴) "پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔" (مرقس ۸:۱۱-۱۲) ف۶۲ مقصود حکم حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔ ای للجزاء (قرطبی) دل بهذا على ان البهائم تحشر يوم القيامة وهذا قول ابی ذروابی هريرة والحسن وغيرهم (قرطبی) اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔ ای فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص هذا اختيار الزجاج (قرطبی) قيل فی الخلق والموت والبعث (معالم) فی انهم يحشرون والمقصود بيان ان الحشر والبعث كما هو حاصل فی حق الناس فهو ايضاً حاصل فی حق البهائم (کبیر) اراد تعالٰى انما امثالنا فی انها تحشر يوم القيامة يوصل اليها حقوقها (کبیر) یہ التزام وانتظام جب غیر مکلفین وغیر مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف وذمہ دار ہے کیونکر اس سے بچ سکتا ہے؟ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ چوپائے، چرند، پرند ہر قسم کے جانور خدائی رجسٹر میں حساب وکتاب کے لئے سب مندرج اور منضبط ہیں۔ الْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے۔ جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔ عن الحسن وقتادة ان المراد بالكتاب الكتاب الذی عند الله تعالٰى وهو مشتمل على ما كان ويكون وهو اللوح المحفوظ (روح) ف۶۳ صُمٌّ۔ یعنی سماع حق سے بہرے۔ بُكْمٌ۔ یعنی کلام حق سے گونگے۔ فِي الظُّلُمٰتِ۔ صیغہ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے۔ اور ہر تاریکی کفر ہے۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ۔ مَنْ يَّشَاْ دونوں جگہ قانون مشیت تکوینی کا بیان ہے۔ يُضْلِلْهُ۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراض ارادی پر الزاماً مرتب ہو جائے گا۔ ف۶۴ (اپنے دعوائے شرک میں) یعنی اگر تم واقعی خلوص دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو تو انتہائی نازک وقتوں پر انہیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اگر تم پر عذاب الہی یک بیک آ پڑے۔ جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے۔ مراد عذاب دنیوی کی کوئی شکل ہے۔ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ۔ قیامت آ جائے۔ جو مجموعہ ہوگی بہت سی ہولناکیوں کا۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دور کرنے کو پکارو گے؟

إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ

خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اُسے پکارتے ہو وہ چاہے تو اُسے دور بھی کردے

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّنْ

اور تم ان سب کو بھول بھال بھی جاؤ جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ف۶۵ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) امتوں

قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

کی طرف (پیمبر) بھیجے پھر ہم نے انہیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟

ڈھیلے پڑ جائیں ف۶۶ سو جب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے

وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا

بلکہ ان کے دل تو (ویسے ہی) سخت رہے ف۶۷ اور جو کچھ وہ کرتے رہے، شیطان اُسے ان کی نظر میں خوشنما کر

كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَتَحْنَا

دکھاتا رہا ف۶۸ پھر جب وہ اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ بھلائے رہے تو ہم نے ان پر

عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟

ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس پر جو انہیں ملا تھا اترا گئے

أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ

تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے ف۶۹ اس طرح جڑ کاٹ دی گئی

ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ۚ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٥﴾

ان لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے ف۷۰

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَٰرَكُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کرلے

ف۶۵ آیت میں مخاطبہ ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانع عالم کے تھے لیکن اس کے ساتھ اعمال ربوبیت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ اِنْ شَآءَ ۔ یعنی اگر ان مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیت تکوینی کے مطابق ہو۔ ف۶۶ (اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کرلیں) یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کردی، کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت و خشیت پیدا کرنا تھا۔ يَتَضَرَّعُونَ ۔ تضرع کے معنی خشوع و خضوع، انابت و رجوع کے ہیں۔ معنی التضرع التخشع وهو عبارة عن الانقياد وترك التمرد (کبیر) پچھلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے۔ مثلاً: "خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ پر چالیس برس تجھ کو لئے پھرا تا کہ تجھے عاجز کرے اور تجھے آزماوے۔ اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ اس کے احکام مانے گا کہ نہیں۔" (استثناء ۸:۲) بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ ۔ بأساء سے مراد فقر و فاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضراء سے بیماری وغیرہ جسمانی مصائب گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔ ومعنى بالبأساء بالمصائب في الاموال والضراء في الابدان هذا قول الاكثر وقد يوضع كل واحد منهما موضع الآخر (قرطبی) قال الحسن البأساء شدة الفقر من البؤس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر) ف۶۷ (بجائے نرم پڑنے کے) ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یوں درج ہے:۔ "وہ جو باوجود بار بار تنبیہ پانے کے گردن کشی کرتا ہے، ناگہاں برباد کیا جائے گا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا۔" (امثال۔ ۲۹:۱) فَلَوْلَآ ... تَضَرَّعُوا۟ ۔ اور اس تضرع سے ان کا جرم بھی معاف ہو جاتا۔ فقرہ کے شروع میں لَوْلَآ کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد و قسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں۔ ذكر كلمة لو لا يفيد انه ما كان لهم عذر في ترك التضرع الا عنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم زينها الشيطان لهم (کبیر) قَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۔ قساوت قلب یہی تھی کہ کفر اور اصرار معاصی پر قائم رہے۔ هي عبارة عن الكفر والاصرار على المعصية (قرطبی) ف۶۸ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق و معصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذت کا ضرور دکھا دیتا ہے۔ اور انسان کا کمزور نفس اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی، سود خواری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک سب میں یہی خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔ ف۶۹ (ہر طرح مایوس ہوکر) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ و ثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمامتر حماقت و سفاہت ہے:۔ اس کا لازمی تعلق حق و صداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہل حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بطور انعام مل جاتی ہیں۔ نَسُوا۟ ۔ نسیان سے یہاں وہ عدم حافظہ کا عمل مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک اختیاری مراد ہے۔ نسوا بمعنى تركوا عن ابن عباس وابن جريج وهو قول ابي علي (قرطبی) مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ ۔ یعنی ایمان و اطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہو گئے۔ اى من النعم والخيرات اى كثرنا لهم ذلك (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرت سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہ حق پر آجائیں۔ وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اس شخص کا حال ہے جس کا ذوق و حال باوجود معصیت و فسق کے باقی رہے، یہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ وہ جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے۔ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟ ۔ یعنی دنیوی جاہ و حشمت کی غفلت و مستی میں پڑ کر ان کا کفر خوب بڑھ گیا۔ فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۔ گویا اردو محاورہ میں ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور وہ غایت یاس میں مبتلا ہو گئے۔ آیسون من كل خير قال الفراء المبلس الذى انقطع رجاءه وقال الزجاج المبلس شديد الحسرة الحزين (کبیر) ف۷۰ یعنی اس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظام تکوینی کا اور اس سے ہر رخنہ اندازی کو دور کرتا رہتا ہے۔ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے رہے۔ اور نظام کائنات پر بھی۔

وسے (اور جن مقدمات و مبادی سے توحید لازم آتی ہے۔ان پر غور ہی نہیں کرتے ، وہ نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں) یَصْدِفُوْنَ ۔ صدف ۔ اعراض کے مرادف ہے۔ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی ، یقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی) کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ۔تصریف آیات یہ کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف اعتبارات سے پیش کیا جائے۔ وتصریف الآیات الاتیان بها من جهات من اعذار وانذار وترغیب وترهیب ونحو ذلک (قرطبی) المراد من تصریف الآیات ایرادها علی الوجوه المختلفة المتکاثرة بحیث یکون کل واحد منها یقوی ما قبله فی الایصال الی المطلوب (کبیر) اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ ۔یعنی تمہاری سماعت و بصارت سے تمہیں اس طرح محروم کردے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے۔ سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے۔اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔ وحد سمعکم لانه مصدر یدل علی الجمع (قرطبی) خَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ ۔تمہارے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ تمہاری عقلیں مخبوط و معطل ہو جائیں۔ یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اس مہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے جو کفر وفسق پر اصرار سے بطور نتیجۂ طبعی کے لگ جاتی ہے اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آچکا ہے۔ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ۔ بہٖ

وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ

اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو بجز اللہ کے اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رخی کئے ہوئے ہیں وسے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آپڑے

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ

تو کیا بجز ظالم لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا؟ وسے اور ہم پیمبروں کو تو

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اپنی درستی کرلے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے وسے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہی کو عذاب لگے گا اس لئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کرکر

يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ

جاتے ہیں وسے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے

اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ

ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں وسے

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى

میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔ آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر

میں ضمیر واحد اس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔ ای باحد هذه المذکورات (قرطبی) جوزان یکون راجعا الی احد هذه المذکورات (روح) وسے عذاب الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں اور مطیعین اس سے بچا لئے جاتے ہیں۔ حقًا علینا ننج المؤمنین۔ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً ۔ بَغْتَةً وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آجائے۔ اور جَهْرَةً وہ عذاب ہے جو پورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو اس کے دفع کرنے کی قوت وقدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ هذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنی انه لا دافع لنوع من انواع العذاب الا الله سبحانه (کبیر) ای لا یهلک الا من بشر کحکم والظلم هنا بمعنی الشرک (قرطبی) آیت میں تعلیم اس مضمون کی ہے کہ ہلاکت و بربادی تو بہر حال کافروں ہی کے لئے ہے۔ باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں۔ خوشحالی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے بدحالی بھی اس معنی میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات یا رفع مراتب کا کام دے گی۔ ذلک تنبیه علی ان المؤمن المتقی التقی هو السعید سواء کان فی البلاء او فی الآلاء والنعماء وان الفاسق الکافر هو الشقی کیف دارت قضیته واختلفت احواله (کبیر) وسے (قیامت کے دن) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے، بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعۃً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔ وَمَا نُرْسِلُ ... مُنْذِرِيْنَ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض تمام تر ترغیب و ترہیب ہوتی ہے۔ یہ کھاتی پوجا کرانے کے لئے نہیں آتے، نہ اس لئے کہ خارق عادت عجائبات دکھایا کریں۔ والمقصود هنا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرة لهم علی اظهار الآیات وانزال المعجزات بل ذلک مفوض الی مشیة الله تعالی وکلمته وحکمته (کبیر) فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ ۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضاء ظاہری سے۔ الایمان الذی هو عمل القلب والاصلاح الذی هو عمل الجسد (کبیر) وسے (اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۔یعنی ان کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر و انذار کے بعد بھی جاری ہے ایات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزات نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقرآن والمعجزات (قرطبی) يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ ۔ یہ عذاب عام ہے۔ خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ یہ وعید انہی فاسقین کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے بھی ہوں۔ وسے (کہ لوازم بشریت سے منزہ ہوں) قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔یعنی نہ میری ملک وقدرت کامل کہ جس کو جو چاہوں عطا کردوں۔ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔ اور نہ میرا علم کامل ومحیط کہ وہ خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ آیت کے ان تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے لیکن اس کے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آگیا ہے۔ جس نے مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کا ہم پایہ و ہمسر بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اناجیل رائج الوقت کی چند آیتیں: "باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔" (یوحنا ۳:۳۶) "میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا ۱۰:۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔" (یوحنا ۱۶:۱۵) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا۔ پہلا اثبات عبدیت کا، جس کے لوازم میں افتقار امر اور احتیاج ہی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا، جس کے لوازم میں اکل وشرب، خوف ورجاء ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے۔ پہلی نفی عبد سے خواص الوہیت کی مثلاً قدرت کامل، علم محیط کی ہے۔ دوسری نفی بشر سے تنزہ عن البشریة کی ہے۔

ف۷ (جو اتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آ جائے کہ کہیں نور وحی سے منور، صاحب بصیرت اور کہیں فیضان نور سے محروم، بے بصر دونوں برابر ہو سکتے ہیں) اَلْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ۔ سے مراد کافر و مومن ہیں۔ ای الکافر والمومن عن مجاهد (قرطبی) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی، صاحب وحی کا ہر قدم وحی الٰہی کی ہی روشنی میں اٹھتا ہے۔ اور نبی تمام تر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے۔ ... نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا، وہ تمام تر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائض رسالت میں احکام الٰہی کا پیرو ہو گیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا! آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے، اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب امتیوں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہ زاید ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابل اجتہاد نہیں، وہاں تمام تر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ ف۸ (اور ایمان و طاعت کی راہ اختیار کر لیں) اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا۔ پیمبر اپنا وعظ سنا تا تو سب کو ہے لیکن اس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں خوف خدا و خوف عاقبت کسی درجہ میں موجود ہو، یا جن کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے۔ خص فی هذه الایة الذین یخافون الحشر لان انتفاعهم بذلک الانذار اکمل بسبب ان خوفهم یحملهم علی اعداد الزاد لیوم المعاد (کبیر) لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ۔ کہ شاید آپ کے موعظہ سے متاثر ہو کر وہ پوری طرح راہ ہدایت پا جائیں، راہ ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں۔ ای فی المستقبل و هو الثبات علی الایمان (قرطبی) وَاَنْذِرْ بِهٖ۔ ضمیر اسی وحی کی جانب ہے جس کا ذکر ابھی آ چکا ہے۔ والضمیر لما یوحی الی (بیضاوی) ای انذر بما اوحی الیک (بحر) ای بالقران (قرطبی) قال ابن عباس والزجاج بالقران (کبیر) انذار یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق و عام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذار خاص ہے۔ جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع متوقع ہوتا ہے۔ انذار کے معنی یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔ الانذار الاعلام (قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافة (کبیر) وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ۔ یہ غیر اللہ سے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ بہت زائد پھیلا ہوا تھا۔ اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شدومد سے آتی ہے۔ اس سے اس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہل سنت کے نزدیک انبیاء و بعض صالحین کی طرف سے ثابت ہے، اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً و اصالۃً نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی ---مِنْ دُوْنِهٖ۔ اور الا باذنہ کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قوله لیس لهم من ولی ولا شفیع لانها فی مذهبنا فی اثبات الشفاعة للمومنین لان شفاعة الملائکة والرسل للمومنین انما تکون باذن الله فکلما کانت تلک الشفاعة باذن الله کانت فی الحقیقة من الله تعالٰی (کبیر) اِلٰی رَبِّهِمْ۔ یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی سمت و جہت میں قائم ہیں اور حشر وہاں ہوگا بلکہ مراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کیلئے مقرر کیا ہے۔ المراد المکان الذی جعله ربهم لاجتماعهم وقضائهم (کبیر) المراد الحشر الی المکان الذی جعله عزوجل محلا لاجتماعهم وللقضاء علیهم (روح) ف۹ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہتے ہیں۔ الغداوة والعشی سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ ذکر هذین القسمین تنبیها علی کونهم مواظبین علی الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذکر الغداوة والعشی الدوام (کشاف) المراد بهما هٰهنا الدوام (روح) یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ کے تحت میں عبادت الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آ گئے۔ المراد بالدعاء المحافظة علی الصلوٰة المکتوبة فی الجماعة قال ابن عباس و مجاهد والحسن (قرطبی) یواصلون دعاء ربهم ای عبادته و یواظبون علیها (کشاف) وَلَا تَطْرُدِ۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالیے۔ عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء و رؤساء اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے۔ جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک ہوں، انکی رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلح اعظم ﷺ کے ہاں کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تو ہم لوگوں کے لیے گنجائش نکلے قرآن کو ان شعار جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی۔ جواب ان آیات کے ذریعہ عطا ہوا۔ ف۱۰ یعنی مخلصین اور غرباء کو سرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کر دینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ یعنی یہ اطاعت و عبادت بھی تمام تر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔ یخلصون نیاتهم فی عباداتهم (بحر) ای طاعته والاخلاص فیها (قرطبی) ای مخلصین له سبحانه فیه (روح) وَجْهَهٗ سے محاورہ میں مراد کسی شے کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ الوجه یعبر به عن ذات الشیء و حقیقته (کشاف) یذکرون لفظ الوجه للتعظیم کما یقال هذا وجه الرای و هذا وجه الدلیل (کبیر) حِسَابِهِمْ حِسَابِکَ حساب سے مراد باطن کی تفتیش سے لی گئی ہے۔ یعنی جس طرح ان کے باطن کی تفتیش آپ کے ذمہ ذرا بھی نہیں۔ اسی طرح آپ کے باطن کی تفتیش ان کے ذمہ بھی نہیں، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں مریدین کے حق بعض حقوق کا بیان ہے کہ انہیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کریں۔ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ پہلا مِنْ تبعیض کے لیے ہے اور دوسرا مِنْ زور و تاکید کے لیے ہے۔ من الاولی للتبعیض و الثانیة زائدة للتوکید (قرطبی) فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی شخص کی عزت و تعظیم اس کی خوش علاقی کی بنا پر اور کسی کی تحقیر اس کی بدلباسی کی بنا پر کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ و قد حصل من قوة الایة والحدیث

وَالْبَصِیْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ

ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے ف۷ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انہیں ڈرائیے

یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ

جو اندیشہ رکھتے ہیں اس امر کا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اس حال میں کہ ان کے حق میں

دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ

نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں ف۸ اور ان لوگوں کو نہ نکالئے

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ

جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں ف۹ خاص اسی کی رضا کا قصد

وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا

کرتے ہوئے آپ کے ذمہ ان کا حساب ذرا بھی نہیں، اور نہ ان کے ذمہ آپ کا ذرا بھی

مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ

حساب ہے جس سے آپ انہیں نکالنے لگیں اور آپ کا شمار بے انصافوں میں

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵۲ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

ہو جائے ف۱۰ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے

لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ

جس سے یہ لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر

اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ۝۵۳ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ

اللہ نے اپنا فضل کیا ہے؟ ف۱۱ کیا اللہ شکرگزاروں سے خوب واقف نہیں؟ ف۱۲ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں

یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ

جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے

النهي عن ان يعظم احد لجاهه و لثوبه و عن ان يحتقر احد لخموله و لرثاثة ثوبه (قرطبی) ف۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء و غرباء کثرت سے تھے۔ سرکش و شریر الطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز و تعریض سے کہتے تھے کہ "ارے ان لوگوں کی بدحالی دیکھو یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتاتے ہیں تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟" وَ كَذٰلِكَ۔ یعنی امارت و افلاس کے درمیان فرق قائم کر کے۔ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ۔ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ سے۔ المفتون بالغنى والفقر او بالشرف والوضاعة والقوة والضعف (بحر) لِّيَقُوۡلُوۡۤا۔ میں لِ عاقبت کا ہے یعنی امارت و افلاس کی اس طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے۔ یہ کہنے والے امراء و رؤساء تھے۔ اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء و فقراء تھے۔ يعني الاشراف والاغنياء و هؤلاء يعني الضعفاء والفقراء (قرطبی) ف۸۱ (چنانچہ ان غریبوں، مسکینوں نے حق کو پہچانا اور قدر کی۔ انہیں دولت ایمان سے سرفراز کردیا گیا، رؤساء و امراء قریش کفران و انکار میں لگے رہے۔ قسمت سے محروم رہ گئے) ف۸۲ رحمت و شفقت کل کائنات کے لیے عمومی اور مطیعین و مومنین کے لیے خصوصی، اور اس قانون رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے جو آگے بیان ہو رہی ہے۔ كَتَبَ۔ یہاں اوجب کے مرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اوپر محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی کے توسط کے لازم یا واجب کرلیا ہے۔ اى اوجب ذلك بخبره الصدق و وعده الحق (قرطبی) اى اوجبها على ذاته المقدسة تفضلا و احسانا بالذات لا بتوسط شئ اصلا (روح) کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے اور پھر جب علی اس کے ساتھ آگیا تو تاکید اور دہری ہوگئی۔ كتب كذا على فلان يفيد الايجاب و كلمة على ايضاً تفيد الايجاب و مجموعهما بالغة في الايجاب (کبیر) عَلٰى نَفۡسِهِ۔ نفس سے مراد یہاں ذات و حقیقت ہے نہ کہ جسم۔ النفس ههنا بمعنى الذات و الحقيقة و اما بمعنى الجسم والدم فالله سبحانه و تعالى مقدس عنه (کبیر) معناه وعدكم بالرحمة وعدا مؤكدا (مدارک) سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ۔ السلام علیکم تو مسلمانوں کے ہاں کا اصطلاحی سلام بھی ہے جو دوسرے فرق اور قوم کے طریق سلام و تحیت سے ممتاز، نہ ڈنڈوت نہ پالاگن، نہ گڈ مارننگ نہ "جے رام جی کی" نہ "نمستے" نہ "آداب و بندگی" بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ ہر طرح فلاح و سلامتی نصیب رکھے ..... وہ جامع و بے نظیر دعا جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو دن اور رات کے ہر وقت بلا تکلف دی جاسکتی ہے۔ اور یہاں سیاق میں سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ کے معنی ہوں گے کہ اللہ تمہیں ان تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جو کفر و انکار کے لازمی نتیجے کے طور پر دنیا اور آخرت میں پیش آئیں۔ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ایک جامع ترین دعا ہے جس میں دنیوی اور اخروی ہر قسم کی سلامتی آگئی۔ معناه سلمكم الله في دينكم و انفسكم (قرطبی) نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ۔ آیات سے مراد یہاں آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں اور دلائل بھی۔ والمراد بالايات الايات القرانية۔ او الحجج مطلقاً (روح) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول یہاں بھی غایت نکتہ رسی سے کام لیا ہے، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہو سکتا ہے۔ وہ سب آیات یا اس کی ذات و وجود کی ہیں یا اس کی وحدانیت کی اور یا اس کی صفات عالیہ کی۔ اور اس معنی میں آیات الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے۔ کل آیات الٰہی کا احاطہ حد بشر سے باہر ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائے گا، تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو اسے سلامتی کی بشارت پہنچا دو۔ كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ۔ دوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ ذات باری تعالیٰ کے لیے نفس کا استعمال جائز ہے۔ دلت هذه الاية على ان الله لا يمتنع تسمية ذات الله تعالى بالنفس (کبیر) ف۸۳ چنانچہ وہ شان غفور کے تقاضا سے معاصی کی عقوبتوں سے بھی بچا لے گا۔ اور شان رحمت کے تقاضہ سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔ غفور بسبب ازالة العقاب رحيم بسبب ايصال الثواب (کبیر) مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر دقتی غلبہ نفس سے جہل و غفلت کی بنا پر ہو جائے۔ تَابَ وَاَصۡلَحَ۔ یعنی وقوع معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہو جائے۔ اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دوسری طرف حال و مستقبل میں بچنے کا اہتمام کرلیا جائے۔ تاب اشارة الى الندم على الماضي واصلح اشارة الى كونه اتيا بالاعمال الصالحة في الزمان المستقبل (کبیر) ف۸۴ (اور اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہو کر خود بخود واضح ہو جائے گا) والحق والباطل لا واسطة بينهما فمتى استبانت طريقة المجرمين فقد استبانت طريقة المحققين ايضا لا محالة (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جیسے اس سورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کرچکے ہیں۔ اى كما فصلنا لك في هذه السورة دلائلنا ومحاجتنا مع المشركين (قرطبی) كما فصلنا لك في هذه السورة دلائلنا على صحة التوحيد والنبوة والقضاء والقدر (کبیر) الۡاٰيٰتِ۔ یعنی وہ احکام و دلائل جن کی ضرورت اقامت دین اور مقابلہ اہل باطل کے لیے مومنین کو پڑ سکتی ہے۔ اى في كل ما تحتاجون اليه من امر الدين وتبين لكم ادلتنا وحجتنا في كل حق ينكره اهل الباطل (قرطبی) نميز ونفصل لك دلائلنا وحجتنا في تقرير كل حق ينكره اهل الباطل (کبیر) ف۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہر جہتی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی پستی و تنگی دونوں پر یکساں روشنی پڑ جاتی ہے۔ رسول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں، ان تک کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تمہارے قاعدے اور ضابطے، تمہاری عبادتیں اور پوجا پاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں ان کی پیروی کرنے لگوں تو

عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا

اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، ف۸۳ بیشک تم میں سے جو کوئی نادانی سے برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ

کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی حالت درست کر لے، تو وہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيۡمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلِتَسۡتَبِيۡنَ سَبِيۡلُ

بڑا رحمت والا ہے ف۸۴ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ

الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۵﴾ ع قُلۡ اِنِّىۡ نُهِيۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِيۡنَ

واضح ہو کر رہے ف۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهۡوَآءَكُمۡ ۙ

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا،

قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۵۶﴾ قُلۡ اِنِّىۡ

ورنہ میں بھی بے راہ ہو جاؤں گا، اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا ف۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس

عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَكَذَّبۡتُمۡ بِهٖ ؕ مَا عِنۡدِىۡ

تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے اور تم اسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو

مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ

وہ میرے پاس نہیں ف۸۶ حکم (تو اور کسی کا) نہیں بجز اللہ کے وہی حق کو بتلاتا

الۡحَـقَّ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفٰصِلِيۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِىۡ

ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ف۸۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی

مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِىَ الۡاَمۡرُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ؕ

جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو (اب تک) میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا،

اپنے مرتبہ سے کہیں گر جاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے۔ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی تمہارے خود ساختہ اور تراشیدہ معبود۔ ای تدعونهم فی امهات امورکم علی جهة العبادة اراد بذلک الاصنام (قرطبی) اَهْوَآءَكُمْ۔ هوی کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی "عقل آرائی" کام میں لائی جائے گی، اس کا شمار ہوائے نفس میں ہوگا۔ ف۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔ ای العذاب (قرطبی) مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا دیر لانے کی قدرت کہاں؟ لا قدرة لی علی تقدیمه او تاخیره (کبیر) منکرین طنز کے لہجہ میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اسی بیہودہ فرمائش کا دیا جا رہا ہے۔ فانهم کانوا لفرط تکذیبهم یستعجلون نزوله استهزاء (قرطبی) عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ سب سے بڑا بینة یہی قرآن مجید ہے جو دنیا کا عظیم ترین، دائمی و مستقل معجزہ ہے۔ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل، اپنی ہدایت و احکام کے لحاظ سے بے مثل، اور اپنی انشاء و طرز بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ ای علی حجة من جهة ربی وهی القرآن (کشاف) بینة کا صیغہ نکرہ و تنوین کے ساتھ اظہار عظمت کے لئے ہے۔ یعنی بہت بڑی دلیل۔ التنوین للتفخیم ای بینة جلیل الشان (روح) وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ۔ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو۔ بِهٖ ضمیر مذکر البینة کی جانب ہے، وہ اس کے معنی بیان، یا اس کے مفہوم و مراد "قرآن" کے لحاظ سے۔ ای بالبینة لانها فی معنی البیان وقیل بالقرآن (قرطبی) ذکر الضمیر علی

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ف۸۸ اور اسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے،

لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ

انہیں بجز اس کے کوئی نہیں جانتا ف۸۹ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے،

وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ

اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ

ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب

مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ

میں (موجود) ہیں ف۹۰ وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دے دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى

کرتے رہتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمہیں اس سے جگا دیتا ہے کہ میعاد معین تمام

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا

کر دی جائے ف۹۱ پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

کرتے رہتے تھے ف۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر

وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ

اور وہ تمہارے اوپر نگران (فرشتے) بھیجتا ہے ف۹۳ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا

موت آجاتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ (سب)

تاویل البیان او القرآن (کشاف) ای ما جئت به (معالم) بینة کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان و توضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی لغت میں عام ہے۔ ای انی علی بیان وبینة وبرهان قد وضح لی من ربی وکذلک تقول العرب فلان العرب فلان علی بینة من هذا الامر اذا کان علی بیان منه (ابن جریر) ای علی بیان وبصیرة وبرهان (معالم) ف۸۷ (چنانچہ اپنی حکمت مطلقہ کے مطابق وہ صحیح و مناسب وقت پر اپنا عمل اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرما دے گا) والمراد ان ذلک العذاب ینزله اللہ فی الوقت الذی اراد انزاله فیه (کبیر) يَقُصُّ الْحَقَّ۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صورت میں پیش کر دیا۔ ای یحکم بالحق بدلیل (معالم) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی اختیار و حکومت تو تمام تر اللہ کی ہے۔ کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے۔ میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔ ای فی تاخیر العذاب وتعجیله (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ههنا ان الحکم الا للہ فقط فی تاخیر عذابهم (کبیر) فمعنی الکلام اذا ما الحکم فی ما تستعجلون به ایها المشرکون من عذاب اللہ فی ما بینی وبینکم الا للہ (ابن جریر) انما ای یرجع امر ذلک الی اللہ ان شاء عجل لکم ما سالتموه من ذلک وان شاء انظرکم واجلکم (ابن کثیر) آیت کے اس جزء کو فرقۂ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفۂ راشد و برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کر کے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی، مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت "غیر اسلامی" حکومت قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون ناجائز بلکہ حرام ٹھیرا رہا ہے سیاق قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمام تر حکومت تکوینی و ارسال آیات و معجزات کا ہے۔ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔ یعنی احقاق حق کے واسطے اس عذاب کو میں اب تک نازل کرا چکا ہوتا۔ ای من العذاب لا نزلت بکم حتی ینقضی الامر الی اخره (قرطبی) لاهلکتکم عاجلا غضبا لربی (کشاف) لا وقعت لکم ما تستحقونه من ذلک (ابن کثیر) اس فقرے نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سے مراد حکومت تکوینی ہی تھی۔ ف۸۸ اور وہی سارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرین حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اخروی) اللہ اعلم بالظلمین وبما یجب فی الحکمة من وقت عقابهم ومقداره (کبیر) یعنی انه هو العالم بکل شیء فهو یعجل ما تعجیله اصلح ویؤخر ما تاخیره اصلح (کبیر) عِنْدِيْ۔ یعنی میرے قبضہ واختیار میں۔ ای فی قدرتی (کشاف) ای فی قدرتی وامکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذلک الیّ (ابن کثیر) ف۸۹ یعنی قدرت کامله تو الگ رہی، علم کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں، مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم الٰہی تینوں صفات میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید بھی اسی لئے انہی تینوں صفات کے بارہ میں کثرت تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے جس چیز کو ظہور میں لے آئے۔ مَفَاتِحُ۔ جمع مفتح (بالفتح) کی بھی ہے اور مفتح (بالکسر) کی بھی۔ مفتح کے معنی خزانہ کے مسلم ہیں۔ مفتح کے لفظی معنی کنجی کے ہیں لیکن مراد اس سے بھی یہاں وسائل واسباب ہی سے ہوگی۔ غرض معنی خواہ یہ لئے جائیں کہ غیب کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ اراد انه هو المتوصل الی المغیبات وحده لا یتوصل الیها غیره (کشاف) لفظ المفاتح یمکن ان یکون المراد منه المفاتیح ویمکن ان یراد منه الخزائن (کبیر) ف۹۰ یعنی لوح محفوظ میں، جو علم الٰہی ہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ یا کتاب مبین سے مجرد علم الٰہی ہی مراد لیا جائے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ الکتاب المبین علم اللہ تعالی او اللوح (کشاف) ذلک الکتاب المبین هو علم اللہ تعالی و لا غیر و هذا هو الاصوب (کبیر) اِلَّا هُوَ مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر) مختلف مثالوں کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کلیات ہر شے پر محیط ہے۔ اس میں رد آگیا

ان مشرک فلاسفہ کا جو علم الٰہی کو صرف کلیات پر محدود مانتے ہیں۔ آیت کی اہمیت و معنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب مشرک قوموں کے ان عقائد کا پوری طرح علم ہو۔ و۹۱ یعنی میعاد معین تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری و خواب کے دوران سے پوری کر دی جائے اے انسانو! اجل مسمی ای اعمار کم المکتوبۃ و معنی القضاء فصل الامر علی سبیل التمام و معنی قضاء الاجل فصل مدۃ العمر من غیرھا بالموت (کبیر) ای یستوفی کل انسان اجلا ضرب له (قرطبی) یتوفٰی۔ یعنی سونے کے وقت جو توفی عادۃ (نہ کہ کلیۃ و لازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔ عبر النوم (ابن جریر عن السدی) و تخصیص التوفی باللیل والجرح بالنھار للجری علی السنن المعتاد والا فقد یعکس (روح) محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ تھیں۔ یتوفٰکم۔ یعنی تمہاری روح نفسیاتی کو جس سے احساس و ادراک متعلق ہیں معطل کر دیتا ہے یا اسے قبض کر لیتا ہے۔ جدید نفسیات کی اصطلاحی بولی میں تمہارے شعور کو معطل کر دیتا ہے۔ فیتو فی انفسکم التی بھا تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لا تخرج منه الروح ولکن یخرج منه الذھن (قرطبی) ایک جدید فرقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قرآن مجید کے الفاظ متوفیک اور توفیتنی سے ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ عموماً دوسرے قطعی دلائل کے یہاں پہنچ لفظ کے استعمال میں بھی اپنا رد دیکھ لے۔ یوقظہ۔ یعنی بیداری میں جب شعور پوری طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ و۹۲ (دنیا میں اور اسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حفظہ موت

إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ أَسْرَعُ

واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔ و۹۳ سن رکھو کہ فیصلہ اسی کا ہوگا اور وہ بہت ہی جلد

الْحٰسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

حساب لے لے گا و۹۵ آپ کہیے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی

وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجٰىنَا

تاریکیوں سے (اور) اسے تم پکارتے رہتے ہو عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ

ان (مصیبتوں) سے تو ہم یقیناً شکر گزاروں میں (داخل) ہو کر رہیں و۹۶ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی

يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

تمہیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو و۹۷

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ

آپ کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلط کر دے

فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا

تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے ٹکرا دے،

وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے آپ دیکھیے ہم کس کس طرح دلائل کو الٹ پھیر

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں و۹۸ اور آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے

وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ

درآنحالیکہ وہ برحق ہے، آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے اوپر کچھ داروغہ تو ہوں نہیں و۹۹ ہر خبر (کے وقوع) کا

و بعثت مجازی کے ذریعہ تو تمہیں رات دن، خواب و بیداری کے ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اٹھا کھڑا کرے۔ اجل مسمی۔ ہر شخص کی مدت عمر۔ معین لکل فرد وھو اجل بقائه فی الدنیا (روح) و۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لیے بھی ہوتے ہیں اور جان کی حفاظت کے لیے بھی۔ حفظۃ میں دونوں مفہوم آگئے۔ گو حفظ و کتابت اعمال کا پہلو ظاہرتر ہے۔ اتفقوا علی ان المقصود من حضور ھؤلاء الحفظۃ ضبط الاعمال (کبیر) ای ملائکۃ حافظین لاعمالکم (کشاف) عن قتادۃ یحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئکۃ بما حملوا من الحفظ الذی امروا به (قرطبی) فوق عبادہ۔ فوق عبادہ۔ اس کا غلبہ اپنے بندوں پر اس کے علم و عظمت و قدرت کے لحاظ سے نہ کہ سمت و مکان کی بلندی کے اعتبار سے۔ لا یجوز ان یکون المراد من ھذہ الایۃ الفوقیۃ بالمکان والجھۃ بل یجب ان یکون منھا الفوقیۃ بالقھر والقدرۃ (کبیر) یعنی فوقیۃ المکانۃ والرتبۃ لا فوقیۃ المکان والجھۃ (قرطبی) و۹۴ (تعمیل احکام میں) ای لا یقصرون فی ما امروا به (کبیر) ای لا ینقصون مما امروا به ولا یزیدون فیه (کشاف) رسلنا۔ مراد وہ فرشتے ہیں جن کا کام ہی قبض روح کرنی ہے۔ وھم ملک الموت واعوانه (کشاف) قبض روح کا عمل اصلاً صرف قدرت حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور انہی کے لئے یہاں صیغہ جمع آیا ہے۔ التوفی فی الحقیقۃ یحصل بقدرۃ اللّٰه وھو فی عالم الظاھر مفوض الی ملک الموت وھو الرئیس المطلق فی ھذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللّٰه علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبض ارواح کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دوسرے فرشتے (رسل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔ آیت نے اسے بھی صاف کر دیا کہ اختیار ان ملائکہ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیل احکام ہے۔ جس میں یہ قصور کرتے ہی نہیں۔ یہیں سے رد نکل آیا ان مشرک قوموں کا جو خود فرشتہ موت کو فاعل مختار و متصرف بالذات سمجھ کر اس کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔ آیت منجملہ ان قرآنی دلائل کے ہے جو عصمت ملائکہ پر ناطق ہیں۔ دلت ھذہ الایۃ علی ثبوت عصمۃ الملائکۃ علی الاطلاق (ابن جریر) ردّوا الی اللّٰه۔ الی سے یہاں یہ مراد نہیں کہ یہ مراجعت کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر مکان و جہت سے منزہ ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مراجعت اللّٰه کے حکم سے ہوگی۔ یجب ان یکون ذلک الرد مفسرا بکونه منقادا لحکم اللّٰه مطیعا لقضاء اللّٰه (کبیر) ای الی حکمه وجزائه (روح) مولٰھم الحق۔ مالک حقیقی وہی اللّٰه ہے۔ اس کا انکشاف اس روز خاص و عام، کافر و مومن سب کو ہو کر رہے گا۔ ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکان باطل انسان پر حکمران رہتے ہیں۔ و۹۵ اس میں بھی رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی طرح کسی بڑے طویل و پیچیدہ حساب میں الجھنا ہوگا۔ الا له الحکم۔ یہاں یہ دہرا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ مسیح یا کسی اور شریک قدرت کا۔ یومئذ لا حکم فیه لغیرہ (کشاف) ای له الحکم وحدہ یوم القیمۃ ای القضاء والفصل (قرطبی) و۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے۔ ہجوم مصائب کے وقت اور شدت اضطرار میں جب تمام مادی و دنیوی سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرت بشری خود بخود حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتی اور دعا و زاری سے کام لینے لگتی ہے تو سوال کر کے فطرت بشری کے اسی احساس توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔ ظلمٰت البر والبحر۔ سے مراد مطلق شدائد ہی لی گئی ہے۔ ای من شدائد ھما استعیرت الظلمۃ للشدۃ (بیضاوی) مجاز عن مخاوفھما واھوالھما (کشاف، کبیر) امام رازی نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لئے چار صفات کا اثبات ہے۔ (۱) دعا، (۲) تضرع، (۳) اخلاص قلب (وھو المراد من قوله خفیۃ) اور (۴) التزام شکر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللّٰه علیہ نے فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی و جلی، قلبی و لسانی ہر قسم کے ذکر کی مشروعیت پر دال ہے۔ و۹۷ عام نفس بشری کی خباثت کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت تو ہر طرف انسان رونے گڑگڑانے چلانے لگتا ہے۔ اور ادھر مصیبت ختم ہوئی کہ ادھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی

ہے۔ وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ۔ یعنی ایک وہی معصیت کی کیا تخصیص ہے۔ نجات جس غم سے بھی ملتی ہے۔ نجات دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔ ۹۸ یہاں دنیوی مصائب کی تین عام و متعارف صورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی اوپر سے آنے والا عذاب۔ جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔ یحمل هذا اللفظ علي مجازه قال ابن عباس عذابا من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمة (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف) دوسرے مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یعنی نیچے سے آنے والا عذاب، زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی مثالیں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مراد لئے گئے ہیں۔ قال ابن عباس من العبید والسفلة (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف) یُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ تیسری قسم عذاب الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات سال خوب ہو چکا ہے۔ اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء، ۱۳۶۵ھ) میں بھی ہو رہا ہے۔ ای یجعلکم فرقا یقاتل بعضکم بعضا (قرطبی) ای بالحرب والقتل في الفتنة (قرطبی) هُوَ الْقَادِرُ۔ یعنی وہ کامل القدرت ہے، اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔ ای هو الذی عرفتموه قادرا وهو الكامل القدرة (کشاف) مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذاب تفرقہ کا ذکر ہے۔

نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۙ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ

ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا ۱۰۰ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے

يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں ۱۰۱ تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا

بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو

تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا

یاد آ جانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ ۱۰۲ اور جو

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

لوگ بچتے رہتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا

وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ

البتہ (ان کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ وہ بچتے رہیں ۱۰۳ اور ان لوگوں کو چھوڑے رہ

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ۱۰۴

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ

اور اس (قرآن) کے ذریعہ سے سمجھاتا بھی رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کئے کے بدلے پھنس نہ جائے

لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ

اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، اور اگر وہ ہر (ممکن) معاوضہ

عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا

بھی دے (جب بھی) اس سے قبول نہ کیا جائے گا ۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلے

اویلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیل هی فی الکفار خاصة (قرطبی) لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔ عن مجاهد الاٰیة عامة فی المسلمین والکفار (قرطبی) قال الحسن هی فی اهل الصلاة (قرطبی) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے۔ اور صحیح ہوتا کیا معنی یہ تو مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لٹا اور ایک نے دوسرے کی جان و مال کو حلال سمجھا۔ انا لله۔ قلت هو الصحیح فانه المشاهد فی الوجود فقد لبسنا العدو فی دیارنا واستولی علی انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولیة علینا بقتل بعضنا بعضا واستباحة بعضنا اموال بعض (قرطبی) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔ یعنی ہم دلائل و شواہد اسی لئے واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک و معصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔ یرید بطلان ما هم علیه من الشرک والمعاصی (قرطبی) ۹۹ (کہ عذاب کے وقوع کر دینے پر قادر ہوں، میں تو اس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا ہوں) كَذَّبَ بِهٖ۔ ضمیر عذاب الٰہی کی طرف ہے۔ ای بالعذاب (بیضاوی) یجوز ان یکون المراد عنه عذاب الاٰخرة ویجوز ان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) والضمیر راجع الی العذاب المذکور فی الاٰیة السابقة (کبیر) هُوَ الْحَقُّ۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ الواقع لا محالة (بیضاوی) ای لا ابدان ینزل بهم (کبیر، کشاف) ۱۰۰ (کہ عذاب آ کر آیا) اس عذاب سے عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبین اول قریش پر شدید و ذلیل شکست کی صورت میں مسلط ہو کر رہا۔ یجوز ان یکون المراد منه عذاب الاٰخرة ویجوز ان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) سَوْفَ۔ یہاں تاکید کے لئے ہے۔ سوف للتاکید (روح) مُسْتَقَرٌّ۔ کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے۔ بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دے رہا ہے وہ اپنے وقت و مقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔ والمعنی ان لکل خبر یخبره الله تعالی وقتا او مکانا یحصل فیه من غیر خلف وتاخیر (کبیر) قال ابن عباس وغیر واحد لکل نبا حقیقة ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل ایک جزا ضرور رکھتا ہے۔ قیل ای لکل عمل جزاء (قرطبی) ۱۰۱ (تکذیب، طنز و استہزاء کے ساتھ) بالتکذیب والاستهزاء بها والطعن فیها (بیضاوی) اِذَا رَاَيْتَ۔ خطاب یہاں عام ناظرین قرآنی سے ہے۔ ای اذا رایت ایها السامع (کبیر) الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ آیات میں یہاں معجزات، دلائل، احکام سب آ گئے، لیکن بالخصوص مراد قرآن ہے۔ ایات الله وهی القراٰن (جصاص) یعنی فی القراٰن (معالم) خوض۔ کے لفظی معنی بیہودہ گوئی، بے کار حجت نکالنے کے ہیں۔ لفظ الخوض فی اللغة عبارة عن المفاوضة علی وجه العبث واللعب (کبیر) خوض پر حاشیہ پارہ نمبر ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء آیت ۱۴۰ کے تحت میں) ۱۰۲ یہاں اہل ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو بے دین مذہبی احکام و مسائل کے ساتھ مضحکہ و تمسخر کرتے ہیں، ان کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ هذا یدل علی ان علینا ترک مجالسة الملحدین وسائر الکفار عند اظهارهم الکفر والشرک وما لا یجوز علی الله تعالی (جصاص) هذا دلیل علی ان مجالسة اهل المنکر لا تحل (ابن العربی) پھر جن قوموں نے وقتی و ہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز و تمسخر بنا رکھا ہے۔ ان کی صحبتوں سے کنارہ کشی، ان کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم و ضروری ہوگی! ۔۔۔ بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا اور بلا کسی مصلحت کے مجالست و مخالطت اس حکم ممانعت کے تحت میں آ گیا۔ فَلَا تَقْعُدْ۔ یہاں بیٹھنے کے لفظی معنی لے کر یہ مراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ قعود اپنے

وسیع معنی میں ہے۔ اور بے دینوں سے صحبت واختلاط کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ۔ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت وہم نشینی رہے، محض سہو ونسیان سے شریعت نے جو مواخذہ اٹھا دیا ہے اس کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ یفید ان التکلیف ساقط عن الناسی (کبیر) مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہل کفر سے مجالست ومخالطت علی العموم ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اس خاص وقت میں اپنی شرارت وخباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں۔ ذلک عموم فی النھی عن مجالسة سائر الظالمین من اھل الشرک واھل الملة لوقوع الاسم علیھم جمیعا سواء کانوا مظھرین فی تلک الحال للظلم والقبائح او غیر مظھرین له لان النھی عام عن مجالسة الظالمین (جصاص) ف۱۰۳ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاد دہانی کرنے والوں کو مل ہی جائے گا) مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علیحدگی سے تو تعذر رہوگا، مثلاً آغاز اسلام ہی میں کہ جب مومنین مسجد کعبہ میں مصروف طواف وعبادت ہوتے۔ اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے۔ یا آج بھی اسکولوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر غرض کثرت سے موقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے پیش آسکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھا دیا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمہارے نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بیہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں۔ تم اس سے زیادہ گھبراؤ۔ ضرورت کے وقت تم ان

كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا

پھنسے ہیں ان کے لئے پینے کو تیز گرم پانی ہوگا اور عذاب دردناک ہوگا بعوض اس کفر کے جو

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

یہ کرتے رہتے ہیں ف۱۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے سوا ایسے کو پکاریں، جو نہ

يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ

ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکے اور (کیا) ہم الٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ

ہم کو اللہ ہدایت دے چکا ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کر دیا ہو (اور وہ)

حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ

بھٹکتا پھرتا ہو ف۱۰۷ اس کے ساتھی ہوں کہ وہ اس کو ہدایت کی جانب بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ ف۱۰۸

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

آپ کہہ دیجئے کہ راہ تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی) راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱ۙ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ

پروردگار کے (پورے) مطیع ہو جائیں ف۱۰۹ اور یہ کہ نماز کے پابند رہو، اور اس سے ڈرتے رہو،

وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِيْ

اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ف۱۱۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ کہے گا کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ

ہو جا بس وہ ہو جائے گا ف۱۱۱ اسی کا قول با اثر ہے، اور اسی کی حکومت ہوگی اس روز جب صور پھونکا

کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان ووسعت بھر انہیں تلقین وتبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے وہ راہ راست پر آ ہی جائیں اور نہ بھی آئیں جب بھی تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ۔ استغراق کے لئے ہے یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔ من زائدة للاستغراق (روح) الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو کفر وبے دینی ومعاصی سے بچے ہوئے ہیں۔ مِنْ حِسَابِهِمْ۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں یعنی قوم الظلمین، الذین یخوضون فی ایاتنا کی طرف ہے۔ لٰكِنْ ذِكْرٰى یعنی تبلیغ وتفہیم میں لگے رہیں اپنی حسب قدرت واستطاعت۔ ای یذکروتھم ویفھمونھم (کبیر۔ عن ابن عباس) لکن علیھم ان یذکروھم ویمنعوھم عماھم فیه (روح) ولکن علیھم تذکرة لھم وموعظة (جلالین) ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آجائیں۔ والمعنی لعل ذلک الذکری یمنعھم من الخوض (کبیر)

ف۱۰۴ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست ومخالطت ترک کئے رہو۔ یہ مراد نہیں کہ ان پر تبلیغ وتلقین کرنا چھوڑ دو۔ ومعنی ذرھم اعرض عنھم ولیس المراد ان یترک انذارھم (کبیر) المراد ترک معاشرتھم وملاطفتھم ولا یترک انذارھم وتخویفھم (کبیر) اعرض عنھم ولا تشغل قلبک بھم (کشاف) اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا۔ ایسے کون ہیں جنہوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو ولعب یا مشغلہ تفریح بنا لیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلہ تفریح بنا سکتی ہے؟ مفسرین کو اسی لئے یہاں دین کو متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گرد وپیش جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کے بعد کوئی دشواری باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ ہولی جیسے مقدس تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی وشراب نوشی کا جلسہ بنا لینا، یہ دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنا لینا، یا یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ دینا۔ یہ "بڑے دن" (کرسمس) کے پاک دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظریں اگر دین کو لہو ولعب اور مشغلہ تفریح بنا لینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟ .. اللہ اپنی نعمتوں اور سرفرازیوں سے مالا مال کرے حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کو کیسی گہری اور نکتہ رسی کی بات فرما گئے ہیں! قال ابن عباس ؓ جعل اللہ لکل قوم عیدا یعظمونه ویصلون فیه ویعمرونه بذکر اللہ تعالٰی ثم ان الناس اکثرھم من المشرکین واھل الکتاب اتخذوا عیدھم لھوا ولعبا غیر المسلمین (کبیر) عبرت کے ساتھ ہمارے اہل اعراس غور کریں کہ خود ان کے عرس بھی جو بدعات اور منکرات کے مجموعہ ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ اور دنیا سے اسی گہری فریب خوردگی ہی کا یہ اثر ہے کہ انہیں اپنے تمسخر کا انجام کچھ نظر نہیں آتا۔ ف۱۰۵ (قیامت کے دن) تشریع قانون مجازات ومکافات کی ہورہی ہے، وَذَكِّرْ بِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای ذکر بالقرآن (کبیر) اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ آیت سے ایک تو اسی حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبلیغ وتذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبہ شفقت علی الخلق ہی کام کر رہا ہے۔ ای مخافة ان تسلم الی الھلکة والعذاب (کشاف) لَهَا۔ تَعْدِلْ۔ مِنْهَا۔ یہ سب مؤنث ضمیریں نفس کے لئے ہیں۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔ اس میں تردید ہے اسی عالمگیر مشرکانہ وہم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزاء کے وقت فلاں دیوتا اوتار یا فلاں دیوتا تو خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی بنانے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یا ان کی سفارش ومداخلت کام کر جائے گی۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے حشر میں بھی کام آجائیں گے۔ ف۱۰۶ یہ بیان ہو رہا ہے ان بدکرداروں، بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا جو آخرت میں واقع ہوگا۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ اوپر جس طرز وتمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے۔ ف۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت وسفاہت دکھانا ہے۔ قُلْ۔ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہیے۔ اَنَدْعُوْا۔ کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو، نُرَدُّ.. اللّٰهُ۔ شرک یوں بھی ایک تمامتر احمقانہ، طفلانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پا جانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا! مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں

فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

جائے گا، وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے،

الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

خبر رکھنے والا ہے ف۱۱۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو

اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا)

مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ

دیکھتا ہوں ف۱۱۳ اور اسی طرح ابراہیم کو ہم نے دکھا دی آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ

حکومت، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ف۱۱۴ تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر

عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ

چھا گئی، انہوں نے ایک تارہ کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ف۱۱۵ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی

مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ

گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں ف۱۱۶ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ

یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو میں

اس نے شخص محمد ﷺ نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آ جاؤ اور اپنے قومی وملی دین کی تقویت کا باعث ہو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اسی طریق کی طرف واپس آ جائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے، انہیں قادر مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقائق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد! ف۱۰۸ (مگر وہ بہکا ہوا ہو کر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو) تمثیل کے اس دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ اپنی ایسی حالت بنالیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر راہ اور رفیقان راہ سے جدا ہو گیا اور اس کے رفیق اسے آواز پر آواز دیئے جارہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط وسرگرداں کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پنجہ میں پڑ کر جادۂ حقیقت سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہادی اور پرانے رفیق پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کئے جائیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟ ف۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل، ہر جہتی، ہمہ گیر ودائمی قانون کے پورے فرمانبردار ہو جائیں) لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العالمین کے لفظ میں یہ اشارہ آ گیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جارہی ہے، جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھ لی گئی ہے۔ لِنُسْلِمَ میں ل تعلیل کا ہے۔ هي تعليل للامر بمعنى امرنا وقيل لنا اسلموا لاجل ان نسلم (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ل کو اَنْ کا مرادف قرار دیا جائے۔ عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ ترکیب بھی درست ہے۔ اى ان نسلم والعرب يقول امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل (معالم) اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔ اس میں بتا دیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہو سکے وہ تو بس وہی ہے جو خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی سجھائی ہوئی ہے۔ هو الهدى يعنى هو الهدى الكامل النافع الشريف كما اذاقلت علم زيد هو العلم وملك عمر هو الملك (کبیر) ف۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی، دیوتا، پیر، پیغمبر، جن وملک کے حضور میں) جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی حشر اسی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے۔ وتقديم المعمول لافادة الحصر مع رعاية الفواصل اى اليه سبحانه لا الى غيره تُحْشَرُوْنَ (روح) اَنْ یہاں بِاَنْ کے معنی میں ہے اور جملہ کا عطف نُسْلِمَ پر ہے۔ اَنْ اى بان (جلالین) اى امرنا بالايمان واقامة الصلوٰة (روح) حکم اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ثابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوا ہر باطنی اصلاح کی۔ واتقوه میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اى الرب فى مخالفة امره (روح) ف۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے، جس وقت وہ حشر کو واقع ہو جانے کا حکم دے گا وہ واقع ہو جائے گا۔ یہ شبہ محض عامیانہ نہیں کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں تو اسے حکم کیسے دیا جا سکے گا؟ اول تو اس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالم آب وگل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سرتاسر جہل ہے۔ پھر حکم کا مخاطب بنانے کے لئے کسی شے کا وجود خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے۔ اپنے ہر موجود ذہنی کو حکم دیتے رہنا، مخاطب کرتے رہنا، ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔ التقدير خلق يوم يقول كن فيكون والمراد من هذا اليوم يوم القيامة (کبیر) یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم وخطاب نہ ہوگا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہار قدرت ونفاذ مشیت ہے۔ المراد منه التنبيه على نفاذ قدرته ومشيته فى تكوين الكائنات وايجاد الموجودات (کبیر) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ وہ کوئی ناقص العمر، ناقص القویٰ، دیوی دیوتا نہیں، ساری موجودات کا خالق۔ سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اس کے سوا اور کر ہی کون سکتا ہے؟ زمین وآسمان کا نام لے دینے سے مراد سارے سفلیات وعلویات ہوتے ہیں۔ وعلم التصريح بذلك الظهور اشتمالهما على جميع العلويات والسفليات (روح) بِالْحَقِّ۔ یہ ساری تخلیق یوں ہی بغیر کسی غرض ومقصد کے نہیں ہوگئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اى قائما بالحق والحكمة (کشاف) اى بالعدل (ابن کثیر) بالحق کو للحق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس کی یہ کاری گری منشائی اس کی حکمت وعظمت ووحدانیت پر دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے۔ قيل الباء بمعنى اللام اى اظهارًا للحق لانه جعل صنعه دليلاعلى وحدانيته (معالم) ف۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزا ہر ایک کو بالکل مناسب وقرین مصلحت ہی دے گا۔ اور صفت خبیرت کے لحاظ سے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ اس کا قانون مجازات ظاہر وباطن، علانیہ ومخفی سب پر یکساں جاری ہوگا۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ۔ اس کا قول نہ غلط جا سکتا ہے، نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ اى الصدق الواقع لا محالة يريد ان ما وعده حق كائن (معالم) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس کے قول كُنْ فَيَكُوْنُ سے جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ عین حکمت وصواب ہی ہوتا ہے۔ اى لا يكون شيئا من السموٰت والارض وسائر المكونات الاعن حكمة وصواب (کشاف) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اس کی حکومت ظاہراً اور علانیۃً بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی جیسی وہ حقیقۃً اس وقت بھی ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اسی کی ہوگی۔ اور کسی کی نہیں اس میں بھی رد آ گیا ان مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے ہیں۔ والامر لله فى كل وقت ولكن لا امر فى ذلك اليوم لاحد مع امر الله (معالم) ف۱۱۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حاشیے پہلے گزر چکے، آپ ایک بت پرست وستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں یہ

حیثیت مبلغ توحید، دعوت اسلام وتوحید سب سے پہلے اپنے خاندان ہی کے رکن اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آزر عربی توریت میں اس نام کا املا تارح ملتا ہے۔ اور انگریزی میں تیرا Terab اور تالمود میں تراہ...... جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جا جا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار کر لیتا ہے...... فلسطین کے قدیم مسیحی مورخ یوسیبس (۲۶۴ تا ۳۴۰ء) کے ہاں "آثر" یا "ہاثر" آیا ہے۔ ان دونوں تلفظوں کی مشابہت ومماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے۔ اور آزر و زارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، انیبیہ۔ ایک گمراہ فرقے اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ و پشت پناہی کی خاطر شروع سے کہتا آرہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ اور حال کے ایک آدھ جدید گمراہ فرقے بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں، سب محض احتمالات وامکانات، یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اَبٌ کو اس کے بالکل کھلے ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ تارح (آزر) کی بت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے: "خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارح ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے" (یشوع۔ ۲۴:۲) اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے: "وہ علاوہ بت پرست ہونے کے بت ساز اور بت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۱۰۷) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرۂ اہل باطل میں کوئی تنافی نہیں، بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔ وف۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحد کامل ہونے کے علاوہ خدمت تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بلا رہے اور لا رہے تھے) لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ یعنی زمین وآسمان پر حق تعالیٰ کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے ان کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا، اور ازدیاد معرفت نے انہیں مرتبہ ایقان تک پہنچا دیا۔ یستدل بها ليكون من الموقنين (کبیر) انا اريناه هذه الأيات ليراها ولاجل ان يكون من الموقنين (کبیر) اليقين عبارة عن علم يحصل بعد زوال الشبهة بسبب التامل (کبیر) ليكون من الموقنين اشارة الي درجات انوار التجلي وشروق شمس المعرفة والتوحيد (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے ان پر ان کی قوم اور ان کے والد کی گمراہی روشن کر دی تھی۔ ای كما ارينا اضلال ابيه وقومه (جلالین) المعنى ومثل ما ارينا من قبح عبادة الاصنام نرى ملكوت السموٰت والارض (کبیر) ای كما ارينا البصيرة في دينه والحق في خلاف قومه (معالم) مَلَكُوْتَ۔ یعنی حکومت آسمانی کے کرشمے۔ ملکوت۔ اس ملک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔ الملكوت مختص بملك الله تعالى (راغب) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت ومالکیت کے طریقے ہم نے ان کے دل میں اتار دیئے۔ ای آيات السموٰت والارض (ابن جریر۔ عن مجاہد) يعني الربوبية والالهية وهديناه لطريق الاستدلال (کشاف) ای ربوبيته تعالى ومالكيته لها (روح) ملکوت کی اضافت کی قدر علاوہ ارض کے سموات کی طرف ہونے کی اس وقت بہت بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہو جاتی ہے، جب یہ یاد کر لیا جائے کہ اہل بابل (کلدان) محض بت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ نری۔ یہ اراءہ کس طرح کی تھی؟ مادی آنکھوں سے یا چشم ہوش سے؟ دیدۂ بصارت سے یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارت حسی سے نہیں بلکہ بصیرت عقلی سے۔ فتلك الاراءة كانت اراءة بحسب بصيرة العقل لا بحسب البصر الظاهر (کبیر) نرى ابراهيم ملكوت السموٰت والارض اشارة الي مراتب الدلائل والبينات۔ (کبیر) ای نبين له وجه الدلالة في نظره الي خلقهما علي وحدانية الله عز وجل في ملكه وخلقه (ابن کثیر) ای نری ببصيرته لطائف خلق السموٰت والارض (مدارک) وف۱۱۵ (اور نہ ایسوں کی الوہیت ومعبودیت کا قائل ہو سکتا ہوں) فَلَمَّا۔ یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے مختلف اجزاء مختلف اوقات میں ہوئے ہوں۔ فَلَمَّا ہو سکتا ہے کہ آیت ماسبق کی تفصیل وتشریح ہی ہو۔ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ۔ یہ کسی موقع پر کسی رات میں ہوا ہوگا۔ رَاٰ كَوْكَبًا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملک وقوم کی ستارہ پرستی آفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہوں راقم کی انگریزی تفسیر کے حواشی۔ كَوْكَبًا۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مراد ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم وروشن ہی ستارہ ہوگا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری Jupiter اور زہرہ Venus کی رہی ہے۔ ادھر ہمارے مفسرین کی صفائے قلب کا اثر دیکھئے کہ ان کے قلم سے بھی علی العموم انہی دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں! الكوكب الزهرة قاله ابن عباس وقتادة (بحر) او المشتري قاله مجاهد والسدي (بحر) والمراد بالكوكب في ماروي عن ابن عباس المشتري (روح) عن قتادة انه قال ذكر لنا انه الزهرة (روح) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا...... مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ ومناظرۂ علمی کے معمولات میں سے ہے۔ بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہ دہرا دیتے ہیں اور سیاق ولہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا قول وخیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے "اَيْنَ شُرَكَآءِيْ، اللہ تعالیٰ کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح وظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم وپندار میں میرے شریک تھے، یہ مطلب کوئی احمق سے احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالیٰ خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انہیں بلا رہے ہیں۔ يريد ان يستدرجهم بهذا القول ويعرفهم خطأهم وجهلهم في تعظيمهم شان النجوم ولقضائهم علي الامور (ابن قتیبہ) ما جرى بينه وبين قومه كان احتجاجاً ولا اعتقاداً (ابن العربی) تاول بعضهم ذلك علي اضمار القول وكثيرا ما يضمر تقديره قال يقولون هذا ربي على حكاية قولهم وتوضيح فساده مما يظهر عليه من سمات الحدوث ولا يحتاج هذا الي الاضمار بل يصح ان يكون هذا كقوله تعالى اين شركائي اى على زعمكم (بحر) قال الزجاج الجواب عندي انه قال هذا ربي على قولكم ونظير هذا قوله تعالى اين شركائي والمعنى شركاءى على قولكم (قرطبی) المقصود منه حكاية قول الخصم ثم ذكر علي عقيبه ما يدل علي فساده (کبیر) معناه هذا ربي في زعمكم واعتقادكم ونظيره قال تعالى وانظر الي الهك الذى ظلت عليه عاكفا (کبیر) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ آپ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت معبودی کی کر رہے ہیں۔ آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں، ان کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت ووقعت کی کیسے ہو سکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ كني بعدم المحبة عدم العبادة لانه يلزم من نفيها نفيها بالطريق الاولى (روح) لا احب عبادة الارباب المتغيرين عن حال الي حال (کشاف) سرآمد موحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم ومسخر ہے، وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لیے نہ تھا، بلکہ اپنے مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کے لیے تھا، وف۱۱۶ (لیکن اس کی حاجت تو اول روز سے میرے شامل حال ہے اور اسی لیے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر یہ تقریر ضروری نہیں کہ آپ نے اسی وقت کی ہو، ہو سکتا ہے کہ اس ستارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی دوسرے موقع پر کی ہو۔ هٰذَا رَبِّيْ۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے۔ اور اہل بابل بھی اس کا شکار تھے۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ۔ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمامتر عطیہ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ وف۱۱۷ اَوْ مِمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد للہ اب اس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جس شرک میں تم لوگ، میری قوم والو، مبتلا ہو میں اس سے بری اور بیزار ہوں، هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔ سورج دیوتا کی پوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے، بڑے زوروں پر ہوا کی ہے۔ اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ هٰذَا رَبِّيْ تینوں موقع پر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی لفظ رب سے کرائی گئی ہے۔ الله یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے۔ جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی میں لگی ہے۔ اور یہی دھوکا آج تک چلا آرہا ہے۔ سورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ ہماری ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں۔ ہماری آرزوئیں یہی پوری کرتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔ رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ وف۱۱۸ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ توجیہ وجہ یا رخ کے یکسو کرنے سے مراد طاعت ہے نہ کہ لفظی معنی۔ توجيه الوجه اليه كناية عن المطاعة (کبیر) لِلَّذِيْ۔ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الی الذی ہوتا۔ لیکن الی سے معنی سمت وجہت اور مادی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ جسمیت اور جہت سے

ماوراء ومنزہ ہے اس لئے بجائے الی کے صرف ل لایا گیا۔ ترک کلمة الی ھنا و الاکتفاء بحرف اللام دلیل ظاھر علی کون المعبود متعالیا عن الحیز والجھة (کبیر) فَطَرَ۔ یعنی انہیں عدم سے وجود میں لایا۔ ومعنی فطر اخرجھما الی الوجود (کبیر) حَنِيفًا۔ حنیف وہ ہے جو اور ہر معبود سے یکسو ہوکر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے۔ قیل انه العادل عن کل معبود دون اللہ تعالی (کبیر) لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دعویٰ پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی و آسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔ سارے مکالمہ میں آپ کوئی ایسی بات نہیں فرماتے، جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ پہلے کبھی مشرک تھے اور اب پہلی بار مسلم و موحد ہوئے ہیں۔ و ۱۱۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ کو حیرت واستعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائے گا جب مفہوم پوری طرح واضح ہوگا۔ آپ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ "اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث وجدل کرنے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو۔ جو میرے اوپر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے"۔ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ۔ بجائے اس کے کہ قوم ابراہیم علیہ السلام حضرت کی صاف، سیدھی، فطری تعلیم کو مان لیتی الٹی آپ کے سر ہوگئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسے کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے۔ حاجّ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں، بلکہ لڑنے جھگڑنے کے ہیں۔ حاجه ای خاصمه و جادله (معالم) و ۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کرسکو) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا۔ یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو بے شک وہ اپنے ارادہ پر قادر ہے۔ وہ تمہارے دیوتاؤں کی طرح ناقص

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ

اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ یکسو ہوکر اس کی طرف کرلیا ہے جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ

نہیں ہوں و ۱۱۸ اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، وہ بولے کہ کیا تم جھگڑا مجھ سے

فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ

اللہ کے باب میں کرتے ہو؟ درآنحالیکہ وہ مجھے ہدایت کرچکا ہے و ۱۱۹ میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہرا

اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا

رہے ہو، ہاں البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے،

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

تو کیا تم خیال نہیں کرتے و ۱۲۰ اور میں ان سے کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے،

وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ

درآنحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جن کے باب میں اس نے تم پر کوئی بھی

بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ

دلیل نہیں اتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا

اگر تم جانتے ہو و ۱۲۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو

اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

شرک سے مخلوط نہیں کیا، انہیں کے لئے تو امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں و ۱۲۲

الشیء محدود القدرة نہیں۔ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل و محیط بھی اسی ذات کا خاصہ ہے۔ اہل کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل کے بھی قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی تقریر میں انہی دو صفات باری کا ذکر کرکے ان کے عقائد پر بھرپور ضرب لگا دی۔ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔ ما حرف موصول بے جان کے لئے آتا ہے۔ حضرت نے یہ پیرایۂ بیان اختیار کرکے گویا اوپر اشارہ کردیا کہ تمہارے دیوتا تو صفت حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور ان سے ڈرنے کے معنی ہی کیا؟ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعویٰ کی پیدا ہوسکتی تھی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر مٹا ہوا کون ہوگا۔ معاً اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ بھی بڑھا دیا۔ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپ نے اثبات توحید پر یہ دلائل قائم کئے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بن پڑا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو مگر دیکھنا کہ وہ بھی تمہیں سمجھ لیں گے، ان کی قوت وغضب سے واقف نہیں ہو، تمہیں تہس نہس کر ڈالیں گے --- وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد، وہم پرست گروہ اہل توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔ وقد خوفوہ ان معبوداتھم تصیبه بسوء (کشاف) ذلک انھم قالوا له احذر الاصنام فانا نخاف ان تمسک بسوء من خبل او جنون لعیبک ایاھا (معالم) و ۱۲۱ اگر تم صاحب علم وصاحب ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی اور بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے؟ اہل توحید یا اہل شرک۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ غایت تواضع وکسر نفسی سے حضرت نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون مستحق امن ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اہل توحید اور اہل شرک ان دو میں سے کون مستحق امن ہے۔ ادب واحتیاط کوئی سیکھنا چاہے تو انہی حضرات انبیاء سے سیکھے ولم یقل فاینا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزکیه نفسه فعدل عنه (کشاف) سُلْطٰنًا۔ سلطان، ذرہ مجھ کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو حاکم یکتا کی یکتائی کا قائل ہوں یا تم کو جنہوں نے بے دلیل، بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج کھڑی کر رکھی ہے۔ کیسی الٹی بات کر رہے ہو کہ مجھے ڈرا رہے ہو۔ میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں، اور تم جو اعظم ذنوب شرک میں مبتلا ہو تو تم بے خوف بنے رہو! و ۱۲۲ (اس دنیا میں بھی) یعنی راست روی صرف اہل توحید کا حصہ ہے۔ بِظُلْمٍ۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہے وہ شرک ہے۔ یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل وضمیر اور روح پر کرسکتا ہے یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرالے۔ قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (سورۂ لقمان) اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ بہ کثرت تابعین سے مروی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر منقول ہے اور تفسیر کے ائمہ محققین اسی طرف گئے ہیں۔ واولی القولین بالصحة فی ذلک ما صح به الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الخبر الذی رواہ ابن مسعود عنه انه قال الظلم الذی ذکرہ اللہ تعالی فی ھذا الموضع ھو الشرک (ابن جریر) فالمراد ھھنا الذین امنوا باللہ ولم یثبتوا للہ شریکا فی المعبودیة والدلیل علی ان ھذا ھو المراد ان ھذہ القصة من اولھا الی اخرھا انما وردت فی نفی الشرکاء او الاضداد والانداد ولیس فیھا ذکر الطاعات والعبادات (کبیر) و ۱۲۳ (اور اپنی انہی صفات حکمت کامل وعلم محیط کے تحت، جو کمال جس کے حال واستعداد کے مناسب ہوتا ہے، وہی اس کو عطا کرتا ہے) تِلْكَ۔ یعنی یہی مکالمہ ابھی جو اوپر گزر چکا۔ اشارة الی کلام تقدم (کبیر) اشارة الی جمیع ما احتج به ابراھیم علیه السلام علی قومه (کشاف) عَلٰى قَوْمِهٖ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیل خود ان کے مقابلہ میں بتائی گئی۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے مقابلہ میں بتائی گئی، علی قومه ہے علی نفسه نہیں ہے، یہ بجائے خود اس امر کی تائید میں ہے کہ آپ شروع ہی سے موحد تھے، شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ۔ اس استدلال توحیدی کو اپنی جانب نسبت دے کر حق تعالیٰ نے اس میں شرف خصوصی اور امتیاز خاص پیدا کردیا۔ جیسے دنیوی بادشاہ موقع عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ لما ذکر نفسه تعالی ھھنا باللفظ الدال علی العظمة وجب ان تکون تلک العظمة عظمة کاملة رفیعة شریفة و ذلک یدل علی ان ایتاء اللہ تعالی ابراھیم تلک الحجة من اشرف النعم و من اجل مراتب العطایا والمواھب (کبیر) نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ۔ یہ درجے علمی وعملی ہر قسم

کے ہو سکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔ والتنوین لا یدل الا علی الدرجات الکثیرۃ (کبیر) مَنْ نَّشَآءُ۔ سب کچھ مشیت تکوینی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مشیت بھی حکمت مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثبات توحید میں لگے رہتے ہیں اُن کے شرف مرتبہ کا پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا۔ اور کچھیں سے اُن لوگوں کا زہد بھی نکل آیا جو دلائل کلامی پیش کرتے رہنے کو فضول و لاحاصل بتاتے ہیں فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔ لانہ تعالی اثبت لابراھیم حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لا جل انہ ذکر الحجۃ فی التوحید و قررھا و ذب عنھا و ذلک یدل علی انہ لا مرتبۃ بعد النبوۃ و الرسالۃ اعلی و اشرف من ھذہ المرتبۃ (کبیر) اوضح دلالۃ علی وجوب الاستدلال علی التوحید (جصاص) فلما استدل ابراھیم علی توحید اللہ واحتج بہ علی قومہ ثبت بذلک ان علی مثلہ (جصاص) ف ۱۲۴ یہ سب کے سب راہ ہدایت پر تھے، ہدایت یافتہ بھی اور ہادی بھی۔ اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے نام لانے میں تعلیم ہے اہل عرب بنی اسمٰعیل کو کہ تم کہیں یہودی بنی اسرائیل کی بد نامیوں سے مشتعل ہو کر ان کے قبیلہ و خاندان کے بزرگوں، ان دونوں پیغمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر نے لگنا۔ اسحٰق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے تھے۔ ۲۰۶۱ ق م تا ۱۸۸۱ ق م۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ۔ ہم نے اُن کو اسحٰق و یعقوب علیہما السلام عطا کیے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا کر کے۔ یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادہ ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۳ ق م۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا، اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ ف ۱۲۵ نوح بن لمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں، توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل حضرت نوح علیہما السلام کی گیارھویں پشت میں ہیں۔ آپ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اس ابتدائی دور میں نسل انسانی کا وطن تھا، یعنی عراق کا دوآبۂ دجلہ و فرات۔ آپ کا زمانہ قیاسی و تخمینی طور پر ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۹۸ ق م سمجھا گیا ہے۔ ذُرِّیَّتِهٖ۔ میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے؟ مراد حضرت نوح علیہ السلام ہو سکتے ہیں کہ اول تو آپ ہی کا ذکر سب سے قریب واقع ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آرہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی۔ ای من ذریۃ نوح (معالم) بعض نے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لی ہے اس لیے کہ اصلاً انہی کے قصے کی یہاں مقصود ہیں، اس گروہ نے ذریۃ کے معنی وسیع کر لیے ہیں کہ اولاد دختری و اولاد معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔ روی عن ابن عباس ان ھؤلاء انبیاء علیھم السلام کلھم مضافون الی ذریۃ ابراھیم و ان کان منھم من لم یلحقہ بولادۃ من قبل ام و لا اب (روح) والضمیر عند جمع لا براھیم (روح) ف ۱۲۶ (جیسے ابراہیم علیہ السلام ہوئی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور خاصان خدا کا پیدا کر دیا) داؤد بن یسی۔ نبی برحق، بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ۔ متوفی ۹۶۲ ق م۔ سلیمانؑ بن داؤد۔ جملہ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۳۲ ق م۔ ایوبؑ۔ آپ کا شمار پیغمبران عرب میں ہے۔ مسکن شمالی عرب میں علاقہ فلسطین کی مشرقی سرحد تھا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے پانچویں پشت میں تھے۔ اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ یوسفؑ بن یعقوبؑ۔ پیدائش ملک کنعان (فلسطین) میں، بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ ق م۔ موسیٰ بن عمران۔ صاحب توریت، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۲۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م۔ ھارون بن عمران۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، عمر میں تین سال بڑے۔ ان سب میں ایک مشترک چیز یہ نظر آتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ دولت یا حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہت دنیوی سے بھی مشرف تھے۔ ف ۱۲۷ یعنی اللہ کے ہاں معزز و مقرب، ان کی اگر دنیا میں بدنامی ہوئی اور بعض گروہوں نے ان کی بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا تو اس سے متاثر نہ ہو جانا۔ قرآن تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے۔ زکریا حضرت مسیح کے خالو ہوتے تھے، انجیل میں ان کا اور ان کی زوجہ محترمہ کا ذکر قدرے تفصیل سے موجود ہے۔ یحییٰ بن زکریا۔ متوفی ۳۰ء، انجیل میں ان کا نام یوحنا آیا ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ مشہور و معروف نبی ۲۹ء میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ الیاس۔ یہ غالباً وہی ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور ان کے خارق عادت بہت سے دیے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ میں Elijah اہل کتاب نے اپنے ہاں کے انبیاء کی سیرتوں کو بھی بگر کر داغدار کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے آ کر ان سب کی عصمت قائم کی۔ الصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ الکاملین فی الصلاح (بیضاوی) اور ان تمام خرافات سے بری ہیں جو یہود و نصاریٰ نے ان حضرات کی جانب جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے گندے قصوں پر قیاس کر کے منسوب کر دیے ہیں۔ ف ۱۲۸ (انہیں نبوت سے سرفراز کر کے) ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانے کے تمام غیر انبیاء سے افضل ہی ہو گا۔ قال القاضی ویمکن ان یقال المراد کلا من الانبیاء یفضلون علی کل شیء عن سواھم من العالمین (کبیر) اِسْمٰعِیْلَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۷۴ ق م تا ۱۹۳۷ ق م۔ الیسع بن سفط توریت کے بعض صحیفوں میں ان کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے۔ انگریزی تلفظ میں Elisha یونس بن متی نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیغمبر تھے ۸۱۰ ق م تا ۷۳۰ ق م۔ لوط بن ھاران۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جہاں اب بحر لوط یا بحر مردہ Dead Sea ہے اسی کے کنارے آپ کی نافرمان و جرم پیشہ امت آباد تھی۔ اس کی ہلاکت عذاب الٰہی سے، کہا جاتا ہے کہ ۲۰۶۱ ق م میں واقع ہوئی۔ ف ۱۲۹ جتنے حضرات کا اوپر ذکر آ چکا ہے یہ سب انبیاء صادقین تھے۔ اللہ کے مقبول و برگزیدہ، ان کے فسق اعتقادی و عملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں، اگرچہ وہ بائبل ہی کے ذریعہ سے ہوں، سب کی سب موضوع و باطل ہیں۔ مِنْ اٰبَآئِهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ "کچھ" کے معنی میں۔ من للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم و ذریاتھم (قرطبی) وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ۔ ھم کی ضمیر انہی انبیاء علیہم السلام کی

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی، ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف ۱۲۳

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی ف ۱۲۴ اور نوحؑ کو ہم ہدایت دے چکے تھے زمانہ ماقبل میں اور ان کی نسل میں سے ف ۱۲۵ داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ف ۱۲۶

وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾

(اور ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، (یہ) سب صالحین میں سے تھے ف ۱۲۷

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور (ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوطؑ کو، اور (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی ف ۱۲۸

وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

اور (ہم نے ہدایت دی تھی) ان کے کچھ باپ دادوں کو اور ان کی کچھ اولاد کو اور ان کے کچھ بھائیوں کو، اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست کی ہدایت کی تھی ف ۱۲۹

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

یہ اللہ کی (راہ) ہدایت ہے اس کی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کر دیتا ہے جس کو وہ چاہے،

وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کرتے رہے سب ان سے اکارت جاتا ف۱۳۰

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کریں تو ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے

بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

منکر نہیں ہیں ف۱۳۱ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان کے طریقہ پر

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

چلئے آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ (یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے (دنیا) جہان والوں

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَآ

کے لئے ف۱۳۲ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اس کے پہچانے کا حق تھا، جب انہوں نے (یہ) کہہ دیا

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اتاری ف۱۳۳ آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

جسے لے کر موسیٰ آئے تھے (بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت بھی جس کو تم نے (مختلف) اوراق

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

کر رکھا ہے، کہ ظاہر کر دیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں

ع ۸ / ۱۶

جانب ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ۔ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصول فروع اور فروع اصول تینوں کا ذکر موقع شرف ومدح میں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سے ہر قسم کا رشتہ باعث شرف ہے۔ ذلک یدل علی ان اللہ تعالیٰ خص کل من تعلق بھؤلاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامۃ (کبیر) ف۱۳۰ (اور ان کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آتی) ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ بِهٖ کی ضمیر هدی اللّٰہ کی طرف ہے اور هدی اللّٰہ سے یہاں مراد توحید ومعرفت الٰہی ہے۔ یجب ان یکون المراد من ھذا الھدی معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالیٰ عن الشرک (کبیر) وَلَوْ اَشْرَكُوْا۔ بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے۔ جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ نبوت پر سرفراز وقائم رہنا کیا معنی، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن قرآن جب ان کے محسن ومصلح ومہدی وافضل عالم ہستی وصاحب کتاب ونبی ہونے کا اثبات اس شدومد سے کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں وہ سرتاپا باطل اور افترا شدید ہیں۔ ف۱۳۱ یعنی گروہ صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں نہ ان انبیاء سابقین کے۔ قیل ھم اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وکل من اٰمن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینۃ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر) اٰتَيْنٰهُمْ۔ ہم نے تو ان صالحین وابرار کو کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اس پر بھی فرق بیشترلوگ ان کے کمالات وفضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے۔ یا کتاب وحکم ونبوت کی جانب۔ والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین ومکذبین۔ ای کفار عصرک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) کفار قریش (کبیر) بِكٰفِرِيْنَ۔ میں ب زائد ہے تاکید کے لئے۔ والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) وفی بکافرین تاکید النفی (کشاف) ف۱۳۲ (خود اپنی کسی نفع ومصلحت کے لئے) اقْتَدِهْ۔ میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر اقتد ہے۔ ہ وقف ووصل کی ہے۔ ھاء السکت وقفاً ووصلاً (جلالین) الھاء للوقف (بیضاوی) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ ان حضرات کا وہ هدی (طریق) کیا تھا، جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے؟ وہ ان کا طریقہ صبر واستقامت کا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت مصائب اٹھائے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیۂ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں بھی سب کچھ پیش آتا ہے سو آپ بھی انہی کی طرح ثابت قدم رہیے۔ المعنی اصبر کما صبروا (قرطبی) ای اقتد بھم فی تحمل مشاقات الجھال فی ھذا الباب (کبیر) هدی کے دوسرے معنی توحید واصول دین کے بھی کئے گئے ہیں۔ والمراد بھدیھم طریقھم فی الایمان باللہ وتوحیدہ واصول الدین دون الشرائع (کشاف) ای اقتد بھم فی نفی الشرک واثبات التوحید (کبیر) لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ علیہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ سنت انبیاء ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے۔ یہ تو ان کا عین مشن (مقصد زندگی) ہی ہوتا ہے۔ وکان من جملۃ ھداھم ترک طلب الاجر فی ایصال الدین وابلاغ الشریعۃ (کبیر) بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیم قرآن وروایت حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں۔ فیہ دلیل علی ان اخذ الاجر علی تعلیم القرآن وروایۃ الحدیث لا یجوز (مدارک) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى۔ قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس وفلسفہ کی کتاب، تاریخ وجغرافیہ کی کتاب، ادب وشعر کی کتاب نہ سمجھو۔ یہ تو تمامتر ایک ہدایت نامہ ہے، ایک نصیحت نامہ ہے، ایک دستور العمل ہے۔ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ ذکری کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا۔ یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک وقوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں۔ ۔۔۔ اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔ یدل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی کل اھل الدنیا لا الی قوم دون قوم (کبیر) استدل بالاٰیۃ علی عموم بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح) ف۱۳۳ یہ کہنے والے کون تھے؟ روایت میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاق قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوش مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ قیل ان صدور ھذا القول کان عن غضب وذھول عن حقیقتہ (روح) یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اتاری۔ ۔۔ آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی کی نہ گئی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو معاً بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر جو نزول توریت ہوا اس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلہ وحی ہی کے قائل نہ تھے۔ لان کفار قریش والبراھمۃ کما ینکرون رسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکذٰلک ینکرون رسالۃ سائر الانبیاء (کبیر) اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آ کر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ فی ھذہ الاٰیۃ بحث صعب (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اس یہودی کا مقصد صرف نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب تھی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰ علیہ السلام کے صاحب وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطب نہیں کرتا اور اس لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی آنا ناممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ تو ان سے ان کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ والمقصود منھا انک لما سلمت ان اللہ تعالیٰ انزل التوراۃ علی موسی

ﷺ فقصد هذا لا يمكنك الاصرار علي انه تعالي ما انزل علي شيئ لاني بشر وموسي بشر ايضا (کبیر) ما قدروا اللہ حق قدرہ۔ قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حق عظمت تھا، وہ ان لوگوں نے ادا نہ کیا۔ قال الحسن ما عظموا حق عظمته ونسبوا الله عزوجل الي انه لا يقيم الحجة علي عباده (قرطبی) لیکن دوسرے معنی جو سیاق کلام کے موافق تر ہیں یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا نہیں جو اس کی بابت یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا۔ قال ابو عبيدة اي ما عرفوا الله حق معرفته قال النحاس وهذا معني حسن والمعنيان متقاربان (قرطبی) وما عرفوه حق معرفته في الرحمة علي عباده واللطف بهم حين انكر وابعثة الرسل والوحي اليهم وذلك من اعظم رحمته واجل نعمته (کشاف) حيث انكروا النبوة والرسالة (کبیر) اذ قالوا۔ یہ کہنے والا ایک یہودی تھا۔ قال الحسن وسعيد بن جبير الذي قال احد اليهود (قرطبی) هذه الاية في حق اليهود وهو القول المشهور عند الجمهور (کشاف) ف۱۳۱ حجت الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو وہ تو آج بھی زندہ وقائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستور حیات اس سے بھی جامع تر و کامل تر نازل کر دے۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ۔ تقدیر کلام في القراطيس سمجھی گئی ہے۔ اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اي في القراطيس (قرطبی) اي جعلوه قراطيس مقطعة و ورقات مفرقة (کشاف) تُبْدُوْنَهَا۔ یعنی ظاہر کرتے ہو اس کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پا کر۔ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔ اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو جنہیں اپنے

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَ لَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ

جانتے تھے، نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے، پھر آپ انہیں اُن کے مشغلوں میں

خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

بیہودگی سے پڑے ہوئے رہنے دیجیے ف۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے، برکت والی ہے،

مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ

تصدیق کرنے والی ہے اُن کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں تاکہ آپ ڈرائیں اُم القریٰ اور اس کے

حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

گرد والوں کو ف۱۳۵ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں،

وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ف۱۳۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ

اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے درآنحالیکہ اس پر کچھ بھی وحی

اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

نہیں کی گئی ہے، اور (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے،

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

میں بھی (ایسا ہی) نازل کروں گا ف۱۳۷ کاش آپ اس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور

بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ

فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جسد) نکالو ف۱۳۸ آج تمہیں ذلت کا

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ

عذاب ملے گا بہ سبب اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے

مصالح کے خلاف پاتے ہو۔ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا۔ تمہیں تعلیم دی گئی اسی کتاب کے ذریعہ سے ان حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے۔ اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ۔ نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزر تی چلی گئیں اور تمہیں اپنی بشری کوششوں سے ان حقائق کا علم نہ ہو سکا۔ قُلِ اللّٰهُ۔ اللہ ہی نے یہ سب کچھ کیا۔ اور وہی آج بھی سب کچھ کرانے پر قادر ہے۔ ف۱۳۵ یعنی سارى دنیا کو۔ مُبٰرَكٌ۔ پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے۔ کہ سے خلق جتنا چاہے بقدر اپنے ظرف وہمت کے استفادہ کرے۔ اي كثير المنافع و الفوائد (کشاف) قال اهل المعاني كتاب مبارك اي كثير خيره دائم بركته و منفعته يبشر بالثواب والمغفرة و يزجرعن القبيح والمعصية (کبیر) فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ تو بجنسہ نقل ہونے کے قابل ہے۔ بقول مصنف هذا الكتاب محمد بن عمر الرازي و انا قد نقلت انواعا من العلوم النقلية والعقلية فلم يحصل لي بسبب شيء من العلوم من انواع السعادات في الدين والدنيا مثل ما حصل بسبب خدمة هذا العلم (کبیر) (اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کیے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔) مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اھل یہاں محذوف ہے اور اُمَّ الْقُرٰى سے مراد یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔ اتفقوا علي ان ههنا محذوفا والتقدير و لتنذر اهل ام القري و اتفقوا علي ان ام القري هي مكة (کبیر) اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام اُمَّ الْقُرٰى (جس سے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) پڑا کیوں؟ بعض نے کہا کہ اس لیے کہ ساری بستیوں کی روحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس لیے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا۔ کسی نے کہا اس لیے کہ اس وقت حجاز خصوصاً اس کا یہ شہر تین تہذیبوں کا سنگم تھا۔ یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن۔ کسی نے کہا کہ اس لیے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرا ساحل حجاز سے چھوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کے سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ جب مکہ معظمہ ناف زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوئی سب من حولها ہی کے تحت میں آ گئی۔ یعنی جميع الافاق (قرطبی) اي اهل الشرق والغرب (مدارک و بیضاوی) يتناول جميع البلاد والقرى المحيطة بها فيدخل فيه جميع بلاد العالم (کبیر) من اهل المدر والوبر في المشارق والمغارب لعموم بعثته ﷺ (روح) ف۱۳۶ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہو جاتے ہیں۔ صلوٰۃ یہاں بطور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰۃ کی انتہائی اہمیت واشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔ المقصود منه التنبيه علي ان الصلوة اشرف العبادات بعد الايمان بالله و اعظمها خطرا الاترى انه لم يقع اسم الايمان علي شئ من العبادات الظاهرة الا علي الصلوة (کبیر) وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بِهٖ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوف آخرت رکھتے ہیں وہ مواخذۂ اخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش وطلب میں رہتے ہیں۔ اور اس لیے قرآن کی بھی صداقت وحقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ذلك ان اصل الدين خوف العاقبة فمن خافها لم يزل به الخوف حتي يؤمن (کشاف) الذي يؤمن بالآخرة هو الذي يؤمن بالوعد والوعيد والثواب والعقاب و من كان كذلك فانه يعظم رغبته في تحصيل الثواب و رهبته عن حلول العقاب و يبالغ في النظر والتامل في دلائل التوحيد والنبوة فيصل الي العلم والايمان (کبیر) ف۱۳۷ رسول اللہ ﷺ کے معاصرین میں نزول وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بھی بدبخت تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کر سکتے ہیں۔ حدیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہوئے ہیں۔ والمراد عبدالله بن ابي سرح الذي كان يكتب الوحي لرسول الله ﷺ ثم ارتد و لحق بالمشركين (قرطبی) عن عكرمة ان هذه الاية نزلت في النضر بن الحارث (قرطبی) یہ عبد اللہ بن ابی سرح وہی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی تھے۔ کتابت وحی ہی کے سلسلہ میں مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے۔ ایک مدت تک مرتد و ہیں الدم رہے کے بعد فتح مکہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سن کر روپوش ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہو گئے، پھر بڑے بڑے کارنامے ان کے ہاتھ سے انجام پائے، ان میں سے فتح مصر و تخیر نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں۔ وفات اپنی حسب دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے وقت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ ۔ مشلاً کوئی اس کا قائل ہو جائے کہ خداوند سے بھی کوئی مخاطبہ و مکالمہ کرتا ہی نہیں۔ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیان نبوت آ گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی واردہ الہام کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے الہاموں خیالات کو یقینی سمجھے وہ بھی اسی ضمن میں آ جاتے ہیں۔ بعض فقہاء و مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ و سنن اور آثار سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور یہ احکام عوام کے لیے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لیے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آ جاتا ہے۔ و من هذا النمط من اعرض عن الفقه و السنن وما كان عليه السلف من السنن فيقول وقع في خاطري كذا او اخبرني قلبي بكذا (قرطبی) ف۱۳۸ (جنہیں سو طرح بچاتے پھرتے ہو) یہ کافر معاند کے ہول موت کا بیان ہو رہا ہے۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ ۔ ظالم سے مراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصاً ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل ہوں۔ المراد بالظالمين ما يشمل الانواع الثلاثة من الافتراء (روح) الْمَلَائِكَةُ

وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ

اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے ف۱۳۹ اور اب تو تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے

كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ

جیسا کہ ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو کچھ ہم نے تم کو

ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ

دیا تھا اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت

زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں، اب تو تمہارے آپس کا تعلق ٹوٹ رہا اور تم سے

وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ

گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے ف۱۴۰ بیشک (اللہ ہی) دانہ اور گٹھلیوں کو

الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ

پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے، اور بے جان کو

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ

جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ف۱۴۱ وہ صبح کو

الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

برآمد کرنے والا ہے اور اسی نے رات کو راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو

حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي

حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے، بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا ف۱۴۲ وہ وہی تو ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ

تمہارے لئے ستارے بنائے، تاکہ تم اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں

مراد ہے فرشتوں کی جنس یا ملک الموت کے اعوان و انصار۔ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۔ یہ بطور امر نہیں، بطور زجر و تعریض ہے۔ کافروں کی شدائد نزع کو اور بڑھانے کے لیے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتہ نکال رہے ہوں گے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔ ليس بامر بل هو وعيد و تقريع كقول القائل لمن الان لتري ما يحل بك (کبیر) أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۔ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔ هذا يدل على ان النفس مغايرة للاجساد (کبیر) ف۱۳۹ (اور اپنی عقل و رائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے) عَذَابَ الْهُونِ ۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی یہ تصریح سے بیان کر دیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور تختیوں کے ساتھ توہین و رسوائی کا جز بھی پوری طرح شامل ہوگا۔ دنیا کے استکبار کا نتیجہ آخرت میں تفضیح و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔ المراد منه انه تعالى جمع هناك بين الايلام و بين الاهانة (کبیر) ف۱۴۰ یہ سارا خطاب کافروں سے حشر کے دن ہوگا۔ لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ ۔ اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں، نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ رہا کرتا تھا۔ اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے ہو جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ والمعنى جئتمونا واحدا واحدا كل واحد منكم منفردا بلا اهل و لا مال ولا ولد و لا ناصر ممن كان يصاحبكم في الدنيا ولم ينفعكم ما عبدتم من دون الله (قرطبی) اى منفردين عن الاعوان والاوثان التي زعمتم انها شفعاء كم وعن الاموال و الاولاد وسائر ما آثرتموها من الدنيا (روح) وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۔ کنبہ، مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم بھولے رہتے تھے۔ وہ سب تم وہیں چھوڑ آئے تھے اور آخرت میں ان میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔ شُفَعَاءَكُمُ ۔ شُرَكَاءُ ۔ وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذہ سے بچا لیں گے۔ وہ سب کدھر غائب ہو گئے۔ یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ یہود اہل توحید تک میں گھس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ ف۱۴۱ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنف موجودات کا نظام تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اسی کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دارومدار اسی پر ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا، کسی مشرکانہ نظریہ کو ذرا بھی قابل التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۔ نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ احمق مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود ہو جاتی ہے۔ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا یہ سب کام اسی پروردگار عالم کا ہے۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۔ بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ اوپر مثال عالم نباتات کی آ چکی ہے، یہاں ذکر جمادات و حیوانات کا ہو رہا ہے۔ ف۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانہ حیات، یہ نظام ارضی و نظام فلکی یوں ہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے جو الْعَزِيزِ ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر، جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے۔ اور جو ساتھ ہی الْعَلِيمِ بھی ہے۔ جس کی ہر جنبش تکوینی و تخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرپور رہتی ہے۔ اور جو ہر علم و حکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہی بھی۔ والعزيز اشارة الى كمال قدرته والعليم اشارة الى كمال علمه (کبیر) فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۔ وہ پردۂ شب سے صبح کو برآمد کرنے والا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ذلكم الله ربكم فالق الاصباح ۔ پچھلی آیت میں ذکر نظام ارضی کا تھا۔ اب ذکر نظام فلکی کا ہے۔ جَعَلَ ۔ حُسْبَانًا ۔ رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اسی قادر مطلق و حکیم برحق کے دست قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبہ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے۔ جس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندر ماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافت کی انتہا ہے۔ حُسْبَانًا ۔ یعنی مصالح خلق کے بالکل مناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا۔ اى بحساب يتعلق به مصالح العباد (قرطبی) اى جعل الله سير الشمس والقمر بحساب لا يزيد ولا ينقص (قرطبی) ذَٰلِكَ ۔ یعنی اجرام سماوی کی یہ حکمت بندی اور ان کی تسخیر۔ اشارة الى جعلهما كذلك (روح) ف۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔ جَعَلَ ..... النُّجُومَ ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے

ہیں خود مسیحیوں کا عقیدہ ابنیت الٰہی (حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔ بغیر علم۔ یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہل شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اس پر لگا رکھے ہیں۔ اس کی ذات والا صفت ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔ قوله سبحانه تنزيه لله عن كل ما لا يليق به (کبیر) والمقصود ههنا تنزيه الله تعالى عن هذه الاقوال الفاسدة (کبیر) سُبْحٰنَهٗ اور تَعٰلٰى سے مقصود دونوں سے اگرچہ اثبات تنزیہ ہی ہے، لیکن سُبْحٰنَهٗ کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثبات تنزیہ سے ہے۔ برخلاف اس کے تَعٰلٰى سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفت تقدس و تعالیٰ کی طرف نکل رہا ہے۔ عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔ فالمراد بقوله سبحانه ان هذا القائل يسبحه وينزهه عما لا يليق به والمراد بقوله وتعالى كونه في ذاته متعاليا متقدسا عن هذه الصفات سواء سبحه مسبح اولم يسبحه فالتسبيح يرجع الى اقوال المسبحين والتعالي يرجع الى صفته الذاتية التي حصلت لذاته لا لغيره (کبیر) ۱۴۹ ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور مخلوقیت کا ہے۔ وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا علم کلی رکھتا ہے۔ اس سے کوئی رشتہ نسبی اور مادی عزیز داریوں پر قیاس کر کے جوڑنا تو مرتبۂ الٰہی کو شبہ دینا ہے۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین سب اسی کی مخلوق ہیں نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں نہ کوئی دھرتی مائی۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں بلکہ عدم محض سے ہست کرنے والا۔ بدیع پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پارہ نمبر ۱ آیت نمبر ۱۱۷ الابداع عبارة عن تكوين الشيء من غير مثال (کبیر) اَنّٰى ... صَاحِبَةٌ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحب اولاد ہونے کے قائل ہو تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحب زوج ہونے کے قائل ہوئے۔ سو اس کا ثبوت لاؤ۔ کیسی لغویات اس کے لئے منہ سے نکال رہے ہو۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ اس میں تردید آ گئی مصر، کلدانیہ، یونان اور روما کی قدیم مشرک قوموں کی جنہوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔ ۱۵۰ سورشتۂ عبدیت اس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں۔ آیت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ اپنی ذات سے منفرد ہے۔ اور خالق و کارساز بھی ہر شے کا وہی ایک ہے۔ ۱۵۱ وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواس ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ برعکس اس کے اس کی گرفت علمی میں سب ہی ہیں۔ ادراک احاطہ و تحدید کے معنی میں ہے۔ اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہ حدوث سے ہے۔ بيّن سبحانه انه منزه عن سمات الحدوث ومنها الادراك بمعنى الاحاطة والتحديد (قرطبی) قال الزجاج اى لا يبلغ كنه حقيقته (قرطبی) قال ابن عباس لا تدركه الابصار في الدنيا ويراه المؤمنون في الآخرة (قرطبی) اعلم ان الادراك غير الرؤية لان الادراك هو الوقوف على كنه الشيء والاحاطة به (معالم) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رویت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسول اللہ ﷺ کو کیسے ہوئی؟ مفسرین محققین نے شبہ کو نقل کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں۔ لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اسی مادی و ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہوں گے۔ عالم ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے دیدار کو تعلق ہی کیا؟ علی ہذا واقعہ معراج میں رسول ﷺ کی زیارت حق کا تعلق ہی ان قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں۔ وہ واقعہ تو خود ہی عالم آخرت کا ہے جس کا تجربہ و مشاہدہ بطور معجزہ کے رسول ﷺ کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بصر سے مراد اگر بصارت ہے تو نفی رویت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مراد ہیں تو نفی ادراک کے معنی نفی ادراک بالکنہ کے لئے جائیں گے۔ ۱۵۲ (کہ میرے اوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آ گئی ہو) یہ خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجیے۔ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ قرآن کے دلائل، رسول کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔ اى ايات وبراهين يبصر بها ويستدل (قرطبی) يعني بالبصيرة الحجة البينة الظاهرة (قرطبی) البصائر هي البيانات الحجج التي اشتمل عليها القرآن وما جاء به الرسول (ابن کثیر) فَمَنْ اَبْصَرَ۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائے گا۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے اہل طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حق ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

پاک اور برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اس کے باب میں) بیان کرتے ہیں ۱۴۸ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے؟ درآنحالیکہ اس کے بیوی ہی نہیں، اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۴۹ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اس کے، ہر شے کا پیدا کرنے والا، پس اسی کی عبادت کرو، اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے ۱۵۰ اسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور وہ نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے بڑا باخبر ہے ۱۵۱ اب تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصیرت سے کام لے گا، وہ اپنے ہی لئے، اور جو کوئی اندھا رہے گا اس پر (وبال) رہے گا، اور میں کوئی تمہارا نگران تو ہوں نہیں، ۱۵۲ اور اسی طرح ہم دلائل کو (خوب) پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ (کافر) یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے ۱۵۳ اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۱۵۴ پیروی کئے جایئے اس کی جو آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے کوئی خدا

۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحب علم سے) چنانچہ یہی ہوا، ایک امی کی زبان سے بلند پایہ علوم معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایۂ بیان میں سن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی انہوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں، اور جاہلیت کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق مزید کر رہے ہیں۔ لِيَقُوْلُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ لام علت کا نہیں۔ اللام لام العاقبة (بیضاوی) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہونا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیے۔ لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے۔ اس سے مراد ایک چیز ہوتی ہے جو بطور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔ وهي اللام التي تدخل على ما يترتب على شيء وليس مقصودا (کازرونی حاشیہ بیضاوی) ۱۵۴ وَلِنُبَيِّنَهٗ۔ ضمیر قرآن کی تفہیم و ہدایت کی جانب ہے۔ يَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی اس سے پورا فائدہ وہی اٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔ ۱۵۵ یعنی فرط شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجیے اور اپنے التفات کا مرکز قرآن و وحی الٰہی کو رکھیے۔ مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجیے۔ اى لا تشغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی) ۱۵۶ (ہماری طرف سے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں یا قبول ہدایت پر انہیں مجبور کر دیں) اى فيهم بامورهم في مصالحهم لدينهم او دنياهم حتى تلطف لهم في تناول ما يجب لهم (قرطبی) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبول ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ بھی اس باب میں نہ پاتی۔ لیکن مشیت تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص کو قبول ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔

شرک بھی مشیت تکوینی سے ہو رہا ہے جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس کے تحت ہی تک ہے۔ نص علی ان الشرک بمشیته وهو ابطال لمذهب القدرية (قرطبی) مراعیاً لا عمالهم ما خوذاً باجرامهم (مدارک) وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔ آپ ان لوگوں پر کوئی نگران تو ہیں نہیں کہ ان کی سب حرکتوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر عائد ہو یا یہ کہ آپ انہیں عذاب الٰہی سے کسی درجہ میں بچا سکیں۔ ای لا یمکنک حفظهم من عذاب الله (قرطبی) وف۱۵۶ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجہ واجب میں نہ ہو، اور کسی معصیت کا سبب بنتی ہو تو اس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔ قال العلماء حکمها باق فی هذه الامة علی کل حال فمتی کان الکافر فی منعة وخیف ان یسب الاسلام او النبی علیه السلام او الله عزوجل فلا یحل لمسلم ان یسب صلبانهم و لا دینهم و لا کنائسهم و لا یعرض الی ما یؤدی الی ذلک لانه بمنزلة البعث علی المعصیة (قرطبی) منع الله تعالٰی فی کتابه احدا ان یفعل فعلاً جائزا یؤدی الی محظور و لاجل هذا تعلق علماؤنا بهذه الایة فی سد الذرائع وهو کل عقد جائز فی الظاهر یؤول او یمکن ان یتوصل به الی محظور (ابن العربی) "یعنی کوئی اپنا حق مباح بھی ہو مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام معصیت کا تو ممنوع ہو جائے گا۔ اس سے یہ تکلف یہ ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فی هذه الایة ضرب من الموادعة و دلیل علی وجوب الحکم بسد الذرائع و فیها دلیل علی ان المحق قد یکف عن حق له اذا ادی الی ضرر یکون فی الدین (قرطبی) فی ذلک دلیل علی ان المحق علیه ان یکف عن سب السفهاء الذین یسرعون الی سبه علی وجه المقابلة له لانه بمنزلة البعث علی المعصیة (جصاص) "لیکن جو امر درجہ واجب و فرض میں ہو۔ مثلاً اثبات توحید و رسالت یا ابطال شرک، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائے گا" الحق ان کان واجباً فیاخذه بکل حال وان کان جائزا ففیه یکون هذا القول (ابن العربی) الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ جنہیں یہ مشرکین بطور معبود پکارتے ہیں۔ مفسرین نے یہاں شبہ نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب جنہیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بت تھے۔ پھر ان کے لئے الذین کیوں آیا جو صیغہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انہیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے۔ عبّر عن الاصنام وهی لا تعقل بالذین علی معتقد الکفرة فیها (قرطبی) لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ الذین یدعون من دون الله سے مراد صرف بے جان بت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں جن کے معتقد اہل شرک ہر قوم اور ہر دور میں رہے ہیں۔ عَدْوًا۔ ای جهلا واعتداء (قرطبی) وف۱۵۸ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائے گا) جس طرح یہ عالم، عالم ابتلاء ہے، اسی طرح عالم آخرت عالم جزا ہے۔ جہاں کشف حقائق کے ساتھ ساتھ پورا پورا عوض بھی ہو کر رہے گا۔ فَيُنَبِّئُهُمْ۔ یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزائیں بفور کیوں نہیں مل جاتی، دنیا میں تو آزادی عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے۔ دار ہی یہ تو اس عالم کا نام عالم ابتلاء ہے۔ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا۔ جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں ان کے یہ عمل خوشنما اور پسندیدہ کر دکھائے ہیں اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر امت کی نظر میں اس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔ ای کما زینا لهؤلاء اعمالهم کذلک زینا لکل امة عملهم (قرطبی) ای مثل ذلک التزیین (مدارک) وف۱۵۹ یہ پیش خبری عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے ہے۔ اور کسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پورے ہو جائیں جب بھی غایت عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ محاورہ میں مراد بڑی سخت اور مغلظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب اپنی قسم اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔ هذه باغلظ الایمان عندهم (قرطبی) جهد الایمان اشدها واوثقها (قرطبی) لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں اور صاحب معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں۔ کوئی معجزہ سے مراد فرمائشی متعین معجزہ ہے۔ ای من مقترحاتهم (بیضاوی۔ مدارک) روایت میں آتا ہے کہ خاص فرمائش ان معجزوں کی تھی کہ صفا کوہ صفا سونے کا بن جائے۔ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معجزات و خوارق کا وقوع پیغمبر یا کسی بندے کے ہاتھ میں نہیں، تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت سے نظام کائنات کے کسی مقررہ اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور ان کا تمام تر تصرف کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا ہے اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافق حکمت ہوگا اور کس کا مخالف حکمت، پس کسی خصوصیت و تعیین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔ البتہ نفس کوئی معجزہ یا غیر معمولی نشان پیغمبر کے دعوی کی تصدیق و تقویت کے لیے عین موافق حکمت ہے۔ اور ایسے نشانات ایک نہیں بے شمار تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر ہو چکے تھے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ۔ بعض مسلمانوں کو بتقاضائے طبع یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں تو شاید کہ یہ لوگ اس طرح مسلمان ہو جائیں۔ یہاں جواب اس کا دیا ہے اور ضمیر کُم کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔ یا معشر المسلمین (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و قال الفراء و غیره الخطاب للمؤمنین لان المؤمنین قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول الله لو نزلت الایة لعلهم یؤمنون (قرطبی) و کان المؤمنون یطمعون فی ایمانهم (مدارک) اِنَّهَا۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات، ای الایة المقترحة (مدارک) وف۱۶۰ (ان کے ضد اور عناد کے نتیجے کے طور پر) یعنی حق کی طلب و تلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لیے ہزار معجزات دیکھ لیں، ہدایت انہیں نصیب نہ ہوگی اور یہ یوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالی کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلہ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔ عن قبول الحق و عن رؤية الحق عند الایة التی اقترحوها (مدارک) لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں، طریق ہدایت صرف اتباع بینات ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ شیخ کے کرامات و خوارق کی تلاش میں نہ پڑے۔ بلکہ اس کے علم و عمل پر اطمینان کے بعد اس کی پیروی میں لگ جائے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

نہیں ہے بجز اس کے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے وف۱۵۵ اور اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو (لوگ) یہ

اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

ان پر مختار ہیں وف۱۵۶ اور انہیں دشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے سوا پکارتے

دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا

رہتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اللہ کو حد سے گزر کر براہ جہل دشنام دیں گے وف۱۵۷ اسی طرح ہم نے ہر طریق کے

لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

لوگوں کی نظر میں اُن کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے سو وہ انہیں جتلا دے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

گا جو کچھ بھی وہ کرتے رہتے تھے وف۱۵۸ اور انہوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھائی کہ

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اگر ان کے پاس کوئی نشان آ جائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

کے پاس ہیں اور تم خبر نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آ جائے گا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے وف۱۵۹

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ

اور ہم بھی اُن کے دلوں کو اور اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس کے اوپر پہلی بار ایمان

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہیں گے وف۱۶۰

ف۱۶۱ (اس لیے کہ فرط شرارت اور شدت عناد سے یہ طلب حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرین اسلام کی شدت عناد و قساوت قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پوری کر دی جائیں اور دنیا بھر کے خوارق انہیں دکھلا دیئے جائیں۔ جب بھی چونکہ دوا ہے میں طلب صادق پیدا ہی نہیں کرتے، اس لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کر ہی لیں گے۔ اور ایمان بہر حال نہ لائیں گے۔ وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں ہیں۔ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں تھیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ۔ وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا۔ یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کر دیتے۔ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہرگز لازمی نہیں، اصل شے طلب صادق ہے۔ عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست اور مولانائے رومیؒ صاحب مثنوی کی زبان میں۔ آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست۔ امام المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک معجزہ تو پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق و کاذب کے درمیان فرق کر سکیں۔ لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی رہے گی۔ اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ المعجزة الواحدة لا بد منها ليتميز الصادق من الكاذب فاما الزيادة عليها فتحكم محض و لا حاجة اليه و الا فلهم ان يطلبوا بعد ظهور المعجزة الثانية ثالثة و بعد الثالثة رابعة

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے اور (خواہ) ان سے مردے (بھی) باتیں کرنے لگتے

وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا

اور (خواہ) ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے لا کر جمع کر دیتے، جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے نہ تھے ف۱۶۱

اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر جہالت ہی سے کام لیتے ہیں ف۱۶۲

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے

وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

پیدا کر دیئے تھے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں

غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا

دھوکے کے لئے ف۱۶۳ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انہیں اور جو کچھ یہ افترا کر رہے ہیں

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا

اس کو چھوڑے رہیے، ف۱۶۴ تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو یہ پسند کرنے لگیں اور تاکہ یہ مرتکب ہونے لگیں اس کے جس کے

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ

مرتکب ہو رہے ہیں ف۱۶۵ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو بہ طور حاکم تلاش کروں درآنحالیکہ اسی نے

الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ

تو تمہارے پاس کتاب مفصل نازل کی ہے ف۱۶۶ اور جن لوگوں کو

و يلزم ان لا تستقر الحجة (کبیر) ف۱۶۲ جہالت یہی کہ ایمان کا تو قصد ہی نہیں اور فرمائشیں خوارق و معجزات کی پھر بھی کیے جاتے ہیں۔ پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد و غایت پر غور ہی نہیں کرتے۔ اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھتے ہیں۔ یہ معنی بھی لیے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ و خارق عادت تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قال اصحابنا المراد يجهلون بان الكل من الله و بقضائه و قدره (کبیر) اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ان کی تقدیر ہی بدل دی جائے۔ مشیت انہیں زبردستی راہ ہدایت پر لے آئے تو اور بات ہے۔ ف۱۶۳ یعنی تا کہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں۔ انسان شیطان کے فریب ہی میں آ کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دور میں شیاطین انس و جن ہی دھوکے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کیے ہیں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ کافر آپ کے دشمن ہیں۔ ای كما ابتليناك بهؤلاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لک عدوا كما جعلنا لمن قبلک من الانبياء (کبیر) شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن نے جنہیں اپنی بولی میں شیاطین کہا ہے وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے۔ جو انسان بھی شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالب انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش و نافرمان کے لیے ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا بشر۔ المعنى مردة الانس والجن والشيطان كل عات متمرد من الانس و الجن و هذا قول ابن عباس و مجاهد و الحسن و قتادة (کبیر) يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ۔ اس میں اشارہ ہے کہ شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب و تاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رخ ہی کیوں کرے؟۔ يُوْحِيْ۔ یعنی وحی کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی بھی بالکل خفیہ ہوتی ہے۔ سمي وحيا لانه يكون خفية (قرطبی) جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غور کر لیجیے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہوں گے۔ ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور رکھتا ہے۔ آج اہل باطل کے جتنے مختلف نظریات، مغرب و مشرق سے آ رہے ہیں اور ism کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہم روٹی کے سوال کو حل کیے دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا سے مفلسی اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا یہ سارے نمونے اسی زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے ہیں۔ غُرُوْرًا۔ یہ سارے دعوے نرے دھوکے ہی ہوتے ہیں۔ حقیقت اور اصلیت ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ ف۱۶۴ (ہمارے اوپر۔ اور خود زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ رہیے)۔ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی۔ مَا فَعَلُوْهُ۔ یعنی یہ سب کے سب اضطراراً بھی مومن و متقی ہوتے لیکن اس نے اپنے مصالح تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر و مجبور نہیں بنایا ہے۔ بلکہ انہیں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ۔ یعنی دین کے باب میں انہوں نے جو جو مسئلہ اور عقیدے گڑھ گڑھ کر رکھے ہیں۔ ف۱۶۵ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض و غایت کا بیان ہے۔ لِتَصْغٰۤى۔ میں لِ غرض و غایت کے اظہار کے لیے ہے۔ اللام لام کی (قرطبی) الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ سرکشی اور نافرمانی سے اصلی بچانے والی چیز یعنی خوف آخرت ہے۔ اس بنیاد کا کمزور ہونا شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ۔ گمراہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ اسی میلان نفس کا ہوتا ہے۔ وَ لِيَرْضَوْهُ۔ دوسرا درجہ ان گمراہانہ عقائد کا اعتقاد قلبی کے ساتھ پسند کر لینے کا ہوتا ہے۔ وَ لِيَقْتَرِفُوْا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہو جانے کی ہوتی ہے۔ ف۱۶۶ (جس کی ہدایات و تعلیمات دنیا و آخرت کے ہر معاملہ، ہر مرحلہ سے متعلق جامع، واضح اور مکمل ہیں) یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ حَكَمًا۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔ المعنى افغير الله اطلب لكم حاكما و هو الذي كفاكم مؤنة المسألة في الآيات بما انزله اليكم (قرطبی) ای قل لهم يا محمد افغير الله اطلب من يحكم بيني و بينكم (بیضاوی)

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) واقعیت کے ساتھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝١١٤ وَ تَمَّتْ

نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جائیں ف١٦٧ اور آپ کے

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

پروردگار کا (کلام) صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے، کوئی بدل نہیں سکتا اس کے کلام کو،

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١١٥ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ

اور وہی خوب سننے والا ہے، پورا علم رکھنے والا ہے ف١٦٨ اور جو (لوگ) زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا

فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ

اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر رہیں ف١٦٩ یہ تو

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝١١٦

بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں ف١٧٠

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ

بیشک آپ کا پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے،

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝١١٧ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

اور وہی راہ پائے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے ف١٧١ سو اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝١١٨ وَ مَا

لیا جائے، اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو ف١٧٢ اور

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ

تمہارے لئے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے جب کہ (رب) نے تفصیل

ف١٦٦ یعنی شک و تردد اس بارے میں کرنے کی نہیں کہ اہل کتاب پر وضوح حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔ ای من الشاكين في انهم يعلمون انه منزل من عند الله (قرطبی) في ان اهل الكتاب يعلمون انه منزل من ربك (کبیر) ای المترددين في انهم يعلمون ذلك لما لا يشاهد منهم اثار العلم و احكام المعرفة (روح) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ يريد اليهود والنصارى (قرطبی) يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ ايراد الطائفتين بعنوان ايتاء الكتب للايذان بانهم علموا ما علموا من جهة كتابهم (روح) بِالْحَقِّ۔ یعنی گڑھی ہوئی چیز شک و شبہ والی چیز نہیں تحقیقی و واقعی چیز ہے۔ ف١٦٨ خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا۔ اَلسَّمِيْعُ۔ کوئی اسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے، پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقائد اور دلی خیالات کا۔ اَلْعَلِيْمُ۔ کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ اہل معانی نے لکھا ہے کہ كلمة واحد ہے لیکن اس کا اطلاق مجموعۂ کلام پر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ پورا کلام حکم واحد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ کلمۂ ''زہیر'' سے مراد قصیدۂ زہیر اور كلمة سے مراد خطبۂ عربی میں عام ہے۔ الكلمة قد يراد بها الكلمات الكثيرة اذا كانت مضبوطة بضابط واحد كقولهم قال زهير في كلمته يعني قصيدته و قال قس في كلمته اى خطبته (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلام الٰہی میں کاٹ، چھانٹ، گھٹ بڑھ کر سکے، یہ ترمیم و تغیر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ قال قتادة الكلمات هي القران لا مبدل له لا يزيد فيه المفترون ولا ينقصون (قرطبی) المراد انها تبقى مصونة عن التحريف والتغيير (کبیر) دوسرے معنی امام رازیؒ نے یہ بھی کیے ہیں کہ ان دلائل قوی میں منکروں کے شکوک و شبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے۔ تلك الشبهات لا تاثير لها في هذه الدلائل التي لا تقبل التبديل البتة (کبیر) وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا۔ تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے۔ ماضی کے جتنے واقعات اس نے بیان کیے ہیں، دنیا میں تاریخی و اثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا، وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائے گی۔ یکسر عدل اپنے احکام و ہدایت کے لحاظ سے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے۔ قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل و اعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔ امام رازیؒ نے کل مضامین قرآنی کو خبر اور تکلیف کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہاں صفات صدق و عدل کو انہی دونوں سے متعلق کیا ہے۔ صدقا ان كان من باب الخبر وعدلا ان كان من باب التكاليف (کبیر) الصدق في الاخبار والمواعيد والعدل في الاقضية والاحكام (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحات قرآنی کی طرح دلالات قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں۔ دلت الاية على وجوب اتباع دلالات القران لانه حق لا يمكن تبديله بما يناقضه (قرطبی) ف١٦٩ (کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے) ف١٧٠ وحی الٰہی کے نور مبین اور علم قطعی کے سوا دنیا میں ''عقل'' اور ''علوم'' کے نام سے جو کچھ بھی ہے چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کینٹ کے مقولات سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ظن یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف والہام حجت نہیں۔ اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے۔ ف١٧١ سو اس کے اس علم کامل و محیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداروں کا انعام دونوں یقینی ہیں۔ مَنْ۔ یہاں ای کا مرادف ہے۔ من بمعنى اى (قرطبی) ف١٧٢ آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔ فَكُلُوْا۔ میں ف کا تعلق آیت نمبر ١١٦ سے سمجھا گیا ہے۔ جہاں اتباع ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔ مسبب عن انكار اتباع المضلين الذين يحللون الحرام و يحرمون الحلال (کبیر) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیۂ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیے۔ اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیے۔ اور جانور کا حلال ہونا تو بہرحال ظاہر ہی ہے۔ كُلُوْا۔ صورۃً صیغۂ امر ہے، مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت و اباحت ہے۔ ظاهره امر و معناه الاباحة (جصاص) محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباح صرف اسی صورت میں ہے، جب اپنے ذائقہ کے لیے کھائے۔ باقی اگر نیت ہو کہ اس سے طاعت الٰہی کے لیے قوت آئے گی تو یہی چیز باعث اجر بن جائے گی۔ هذا اذا اراد باكله التلذذ فهو اباحة و يحتمل الترغيب في اعتقاد صحة الاذن فيه في اكله للاستعانة به على طاعة الله تعالى فيكون اكله في هذه الحال ماجورا (جصاص) اٰيٰتِهٖ۔ میں آیات احکام کے معنی میں ہے۔ باٰياته اى باحكامه و اوامره (قرطبی)

وٹ۱ (اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مل جائے گی، یا پھر حامل وحی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کرلیا جائے۔ اَلَّا تَاْكُلُوْا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے غلوفی الزہد کی مخالفت نکلتی ہے۔ جیسے بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔ وٹ۱ اور یہاں معتدین (حد سے نکل جانے والوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل و تحریم اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ ای الذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معالم) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ۔ اور کوئی حلال غذا ندل رہی ہو۔ تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائے گی۔ یرید من جمیع ما حرم کالمیتة وغیرها (قرطبی) ای دعتکم الضرورة الی اکله بسبب شدة المجاعة (کبیر) يُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی انہیں خواہشات کی پیروی دوسروں کو بلاکسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ مشرکین وملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ بس یونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے، اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے۔ تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور پیمبر کی سی باریک نظری، یہ کہاں سے لاسکتے ہیں۔ انما یتبعون فیه الهوٰی و الشهوة ولا بصیرة عندهم ولا علم (کبیر) هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرار قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انہیں سزا بھی پوری پوری دے گا۔ مقصود اس فقرہ سے تخویف و تہدید ہے۔ اذا کان عالما باحوالهم و کان قادرا علی مجازاتهم فهو تعالٰی یجازیهم علیها والمقصود من هذه الکلمة التهدید والتخویف (کبیر)

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

تفصیل بتادی ہے ان (جانوروں) کی جنہیں اس نے تم پر حرام کیا ہے وٹ۳ سوا اس کے کہ اس کے لئے تم مضطر

اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ

ہو جاؤ، اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی

عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ ذَرُوْا

علم کے، بیشک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو وٹ۱ اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ

گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اس کے باطن کو (بھی) بیشک جو لوگ گناہ کما

الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا

رہے ہیں انہیں عنقریب بدلہ مل جائے گا اس کا جو کچھ کر رہے ہیں وٹ۵ اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ

مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے اور بے شک

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ

شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَ مَنْ

اور اگر تم ان کا کہا ماننے لگو تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے وٹ۱ کیا جو شخص

كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ

مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ

فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے

ع ۱۴

وٹ۱ (سو مکافات عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے) سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہے گا)۔ يَكْسِبُوْنَ۔ يَقْتَرِفُوْنَ۔ ان سب الفاظ سے ثابت و ظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے۔ ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو۔ گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ۔ گناہ کے ظاہر و باطن سے مراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے۔ الظاهر ما کان عملا بالبدن مما نهی الله عنه و باطنه ما عقد بالقلب من مخالفة امر الله فی ما امر و نهی (قرطبی) قال مجاهد ظاهره ما یعمله الانسان بالجوارح من الذنوب و باطنه ما ینویه و یقصده بقلبه (معالم) قیل ما عملتم و ما نویتم (کبیر) ای قلیله و کثیره (ابن جریر۔ عن قتادہ) لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاهر الاثم سے وہ گناہ مراد لیے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کیے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کیے جاتے ہیں۔۔۔۔ جاہلی تہذیبوں میں فسق و معصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں۔ صرف ان کا کھل جانا گناہ ہے۔ یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی۔ چوری کا کھل جانا جرم تھا۔ آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں، صرف اس کا منظر عام پر آجانا، عام رسوائی و تفضیح پیدا ہو جانا، اس کا Public Scandal. بن جانا بس صرف یہ جرم ہے۔۔۔۔ عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی حرامکاری بجائے خود جائز تھی۔ صرف اس کا افشاء جرم تھا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ و علانیہ ہر حرامکاری کو جرم ہی قرار دیا۔ کان اهل الجاهلیة یستسرون بالزنا و یرون ذلک حلالا ما کان سرا فحرم الله السر منه و العلانیة ما ظهر منها (ابن جریر۔ عن الضحاک) قیل هو ما کان علیه الجاهلیة من الزنا الظاهر و اتخاذ الحلائل فی الباطن (قرطبی) قال الضحاک کان اهل الجاهلیة یرون اعلان الزنا اثما والاستسرار به غیر اثم (جصاص) و اکثر المفسرین علی ان ظاهر الاثم الاعلان بالزنا و هم اصحاب الروایات و باطنه الاستسرار به و ذلک ان العرب کانوا یحبون الزنا و کان الشریف منهم یتشرف فیسره و غیر الشریف لایبالی به فیظهره (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔ وٹ۱ (اے مسلمانو!) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ مشرک وملحد تو بہر حال اللہ کا نام نہ لے گا۔ اس لیے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔ سوال صرف مسلمان کے ترک تسمیہ کے باب میں رہ جاتا ہے۔ سو مسلم کے لیے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترک تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمداً و دانستہ ہو، اور یا محض سہو ونسیان سے ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت و حرمت صرف اس صورت کے لیے ہے۔ جب ترک تسمیہ دانستہ و عمداً ہو۔ ان ترکها عمدا لم یؤکل قاله مالک و ابن القاسم و هو قول ابی حنیفة واصحابه والثوری والحسن بن حی و عیسٰی و قاله سعید بن جبیر و عطاء واختاره النحاس و قال هذا حسن لانه لا یسمی فاسقا اذا کان ناسیا (قرطبی) قال اصحابنا و مالک والحسن بن صالح ان ترک المسلم التسمیة عمدا لم یؤکل و ان ترکها ناسیا اکل (جصاص) اور مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں۔ المذهب الثالث فی المسئلة ان ترک التسمیة علی الذبیحة نسیانا لم یضر و ان ترکها عمدا لم

تحل هذا هو المشهور من مذهب الامام مالک و احمد بن حنبل و به يقول ابو حنيفة و اصحابه و اسحاق بن راهويه و هو يحكى عن علي و ابن عباس و سعيد بن المسيب و عطاء و طاؤس والحسن البصري و ابي مالک و عبدالرحمن بن ابي ليلى و جعفر بن محمد و ربيعة بن ابي عبدالرحمن (ابن کثیر) اور اس حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے۔ یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لے لیا جائے۔ ويدخل فيه ما ذكر عليه غير اسم الله بعموم انه لم يذكر عليه اسم الله و بزيادة ذكر غير اسم الله سبحانه عليه الذي يقتضي تحريمه نصاً (قرطبی) اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں کے سامنے آ کر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے۔ مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ سے مرجائے وہ حرام ہو...... ہزار ہا سیدھے سادے، بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب، دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ خود امت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلتے ہیں، سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ پر ہے۔ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے۔ ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔ هو راجع الى الامرين يعني ترک التسمية و من الاكل (جصاص) الضمير قيل عائد على الاكل و قيل عائد على الذبح بغير الله (ابن کثیر) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہ اطاعت اسی مسئلہ تحلیل مردار میں مراد ہو۔ اى في تحليل الميتة (قرطبی) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرا لینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دلت الاية على ان من استحل شيئا مما حرم الله تعالى صار به مشركا (قرطبی) قال الزجاج و فيه دليل على ان من احل شيئا مما حرم الله او حرم ما احل الله فهو مشرک (معالم) لیکن یہ تفصیل بھی فقہاء ہی نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۂ قلب کے ساتھ ہو ورنہ محض عملی تقلید درجہ معصیت تک رکھے گی۔ منزل کفر تک نہ پہنچائے گی انما يكون المومن بطاعة المشرک مشركا اذا اطاعه في الاعتقاد و ان اطاعه في الفعل و عقده سليم مستمر على التوحيد و التصديق فهو عاص (ابن العربی) آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے۔ جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفت امر الٰہی داخل ہے۔ قال الكعبي الاية حجة على ان الايمان اسم لجميع الطاعات كما جعل تعالى الشرک اسما لكل ما كان مخالفا لله تعالى (کبیر) ۱۷۷ یعنی وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہے۔ اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ التفسير الماثور عن ابن عباسؓ ان المراد بالميت الكافر الضال و بالاحياء الهداية و بالنور القران و بالظلمات الكفر والضلالة (روح) وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ یعنی وہ نور ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اى اماما يهتدى به سبل الخير و النجاة (ابن قتیبہ) فِي الظُّلُمٰتِ۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اى في الكفر (ابن قتیبہ) اى الجهالات والاهواء والضلالات المتفرقة (ابن کثیر) نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نور ایمان اور نور ہدایت ہے۔ النور عبارة عن الهدى والايمان (قرطبی) يمشي به اى بالنور (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین کے یہاں معرفت طریق حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔

مِنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

نہیں پاتا ۱۷۸ اسی طرح کافروں کی نظر میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۷۹

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

تاکہ وہ وہاں چال چلا کریں حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی خلاف چلتے ہیں اور (اس کو بھی)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

نہیں سمجھتے ۱۷۹ اور جب انہیں کوئی نشان پہنچتا ہے ۱۸۰ تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے

حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

جب تک ہم کو بھی وہی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں کو مل چکا ہے ۱۸۱ اللہ ہی بہتر جانتا ہے

حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے ۱۸۲ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انہیں اللہ کے پاس (پہنچ کر)

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا

ذلت نصیب ہو گی اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کی پاداش میں جو وہ کیا

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

کرتے تھے ۱۸۳ اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے ہدایت نصیب کرے اس کا سینہ اسلام کے لئے

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ

کھول دیتا ہے ۱۸۴ اور جس کے لئے وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے گمراہ رکھے اس کے سینہ

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

کو وہ تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو ۱۸۵

۱۷۸ اس عالم ابتلاء کے قیام و بقاء کا تو سارا راز ہی اس کی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ ظاہری لذت اور عارضی راحت کا نہ ہو تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح مومن نور ایمان سے حیات تازہ پا جاتا ہے۔ کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔ الاشارة بذلک الى احياء المومن (بحر) ۱۷۹ یہ سرکش مجرمین جتنے چالاک بھی ہوں بہرحال دانا و صاحب فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح آج سرداران مکہ آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے اور منصوبے باندھ رہے ہیں۔ يعني و كما جعلنا في مكة صناديدها ليمكروا فيها (کشاف) جَعَلْنَا۔ میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علۃ العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضا بھی اس میں شامل ہے۔ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا۔ ذکر پرانی اُمتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اول اول رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریک اصلاح کی مخالفت میں قدم اُٹھایا۔ اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔ خص الاكابر لانهم هم الحاملون مع الضلال و الماكرون بالناس (کشاف) لانهم لاجل رياستهم اقدر على الغدر والمكر و ترويج الاباطيل على الناس من غيرهم (کبیر عن الزجاج) لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ یعنی وہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے۔ جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے گا۔ ل۔ لام۔ عاقبت کا ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قيل لام العاقبة والصيرورة (بحر) وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخرکار خود اُنہی پر پڑتا ہے۔ اى وبال مكرهم راجع اليهم (قرطبی) لان مكرهم يحيق بهم (کشاف) ۱۸۰ (اور وہ تصدیق نبوت کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے) اٰيَةٌ کے معنی آیت تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں۔ بعض نے مراد آیت قرآنی بھی لی ہے۔ ۱۸۱ یعنی معجزات مادی یا مرتبہ مخاطبہ الٰہی۔

فرط جہالت و غباوت سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبہ نبوت پر فائز کر دیے جائیں۔ اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں۔ قالوا لن نومن حتی نکون انبیاء فنوتی مثل ما اوتی موسی و عیسی من الایات (قرطبی) و قال ابو جهل واللہ لانرضی به ولا نتبعه ابدا الا ان یاتنا وحی کما یاتیه (قرطبی) قالوا لن نومن حتی یحصل لنا مثل هذا المنصب من عند اللہ (کبیر) ف۱۸۲ یعنی شرف رسالت کا فی ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔ مرتبہ رسالت کے ظرف و اہلیت کا فیصلہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انہیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہو جائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا کہ ملکہ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ حیث۔ یہاں بطور ظرف کے۔ موضع و موقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اس کے معنی میں ہے۔ و حیث لیس ظرفا هنا بل هو اسم نصب نصب المفعول به علی الاتساع ای اللہ اعلم اهل الرسالة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ استعداد ذات حصول فیضان کی شرط عادی ہے۔ ف۱۸۳ (دنیا میں حضرات انبیاء کے مقابلہ میں) اَلَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا۔ یہ جرم بھی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔ عِنْدَ اللّٰہِ سے مراد ہے "حشر میں" ای یوم القیمة (بیضاوی۔ روح) سَیُصِیْبُ۔ میں س تاکید و تیقن کا ہے۔ السین للتاکید (روح) صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہوگی ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا و آخرت دونوں میں حاصل رہے گا۔ عذاب شدید فی الدارین من الاسر و القتل و عذاب النار (کشاف) فحصل بهذا الکلام انه تعالی اعد لهم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بین ان ذلک انما یصیبهم لاجل مکرهم و کذبهم و حسدهم (کبیر) ف۱۸۴ (چنانچہ وہ شخص قبول اسلام میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا) فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ۔ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیت تکوینی ہے۔ ف۱۸۵ (اور چڑھنا پاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اسے کس درجہ میں مشقت انتہائی پڑ رہی ہوگی۔ اور اس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی) تشبیہ سے مقصود اس تکلیف شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔ شبه اللہ الکافر فی نفوره من الایمان و ثقله علیه بمنزلة من تکلف ما لا یطیقه کما ان صعود السماء لایطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع و یبعد من الاستطاعة و تضیق عنه المقدرة (کشاف) والمراد المبالغة فی ضیق صدره (روح) وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ۔ یہ ارادۂ الٰہی بھی مشیت تکوینی و تقدیری کے معنی میں ہے۔ رضاء الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اصل نکل آئی صوفیہ محققین کے اصطلاحات بسط و قبض عقلی کی۔ ف۱۸۶ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالی کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور مسبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادی کفر و شرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور انہیں راہ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔ کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگی صدر محسوس کرتا ہے۔ کجعله ضیق الصدر فی اجسادهم (قرطبی) الرِّجْسَ۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں۔ یہاں مراد ہے محرومی، و بے توفیقی۔ یعنی الخذلان و منع التوفیق (کشاف) ف۱۸۷ (اے مخاطب) هٰذَا۔ یعنی دین اسلام۔ ای هذا الذی انت علیه یا محمد والمومنون (قرطبی) اشارة الی البیان الذی جاء به القرآن او الی الاسلام (بیضاوی) مُسْتَقِیْمًا۔ تاکید کے لیے ہے ورنہ صراط رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگی۔ یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مصدق قرآن میں آتا ہے۔ و هو حال مؤکدة کقوله و هو الحق مصدقا (بیضاوی) ف۱۸۸ آیتیں مفصل ہیں تو سب ہی کے لیے۔ البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے۔ جن کے دلوں میں نصیحت و ہدایت کی طلب ہے۔ ف۱۸۹ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب و ولایت ہے۔ یہ ان بندوں کے حسن عمل کا نتیجہ ہے۔ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور اسی سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگان صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہو رہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور وَلِیُّهُمْ بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر۔ والولی معناه القریب فقوله عند ربهم یدل علی قربهم من اللہ تعالی و قوله هو ولیهم یدل علی قرب اللہ منهم ولا نری فی العقل درجة للعبد اعلی من هذه الدرجة (کبیر) هُوَ وَلِیُّهُمْ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اللہ ہی ان کا دوست و کارساز ہے۔ نہ کوئی اور۔ یفید الحصر ای لا ولی لهم الا هو (کبیر) بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبہ ولایت الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترک اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ دَارُ السَّلٰمِ۔ یعنی دار السلامة وہ مکان جو ہر قسم کے آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنت ہے۔ ای التی یسلم فیها من الآفات (قرطبی) المعنی دار السلامة والعرب تلحق هذه الهاء فی کثیر من المصادر و تحذفها (کبیر) ای دار السلامة من المکاره (بیضاوی) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ۔ کی ترکیب حصر کے لیے ہے۔ یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ نہ کہ دوسروں کے لیے۔ هذا یوجب الحصر فمعناه لهم دار السلام لا لغیرهم (کبیر) ف۱۹۰ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔ ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائهم و اضلالهم (بیضاوی) یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا۔ سارے خلائق کے حشر کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ المراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامة

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا
اس طرح اللہ گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ
نہیں لاتے ف۱۸۶ اور یہی تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے ف۱۸۷ ہم نے
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ
آیتوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ف۱۸۸ ان کے واسطے سلامتی
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَ يَوْمَ
کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی ان کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ف۱۸۹
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ
اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور کہے گا) اے جماعت جنات تم نے
مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں ف۱۹۰ اور انسانوں میں سے ان کے دوست (بھی) کہیں گے اے ہمارے پروردگار
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِيْۤ اَجَّلْتَ
(واقعی) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم آ پہنچے اپنی میعاد معین تک جو تو نے ہمارے لئے معین
لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ
کی تھی ف۱۹۱ (اللہ) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ کو) رہو گے سوا اس کے کہ اللہ ہی (کا منشا)
اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ
چاہے، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے، ف۱۹۲ اور اسی طرح ہم ظالموں کو
الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ
ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بسبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہتے تھے ف۱۹۳ اے جماعت

الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

جن و انس! کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں سناتے تھے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

اور تمہیں اس آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے

شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

(بیشک) ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں ف۱۹۴ ان کو (آج) دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے

وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ

اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بیشک ہم کافر رہے ف۱۹۵ یہ اس وجہ سے ہے

اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا

کہ آپ کا پروردگار بستیوں کو ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کر دیتا کہ وہاں کے باشندے

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ

بے خبر ہوں ف۱۹۶ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اس نے عمل کئے ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ف۱۹۷ اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحب رحمت ہے ف۱۹۸

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

وہ چاہے تو تم (سب) کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ

يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ؕ

لا بسائے جس طرح تم کو پیدا کر دیا ایک دوسری قوم کی نسل سے ف۱۹۹

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بیشک آ کر رہے گا، اور تم (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ف۲۰۰

(قرطبی) الضمير يعود الى المعلوم لا الى المذكور و هو الثقلان و جميع المكلفين الذين علم ان الله يبعثهم (کبیر) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فيقال لهم يٰمعشر الجن۔ یہ صیغہ مجہول اس لیے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہ راست کلام کرے۔ قال الزجاج التقدير فيقال لهم يا معشر الجن لانه يبعد ان يتكلم الله تعالى بنفسه مع الكفار (کبیر) ف۱۹۱ یعنی قیامت آ گئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کر لیا۔ مِّنَ الْاِنْسِ۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے، اور ان کی باتوں میں آ جایا کرتے تھے۔ حصل من الجن بالدعآء و من الانس القبول و المشاركة حاصلة بين الفريقين (کبیر) اى الذين اطاعوهم (بیضاوی) اِسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر و شرک میں لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔ اى انتفع الانس بالجن بان دلوهم على الشهوات و ما يتوصل به اليها والجن بالانس بان اطاعوهم و حصلوا مرادهم (بیضاوی) ف۱۹۲ (اس کے یہاں نہ کوئی سزا نامناسب و غیر حکیمانہ ہو سکتی ہے نہ کسی مجرم کا جرم اس کے علم سے باہر ہو سکتا ہے) مَثْوٰىكُمْ۔ اس مخاطبہ میں کفار جن و انس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے۔ وہی سب پر حاکم و غالب ہے اور مشیت الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند و محکوم نہیں۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ما کو من کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور اِلَّا سے استثناء اہل ایمان کا کیا گیا ہے۔ قال ابن عباس والاستثناء لاهل الايمان فما على هذا بمعنى من (قرطبی) اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے بارے میں کیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہو۔ عن ابن عباس انه قال هذه الاية توجب الوقف فى جميع الكفار و معنى ذلك انها توجب الوقف فى من لم يمت اذ قد يسلم (قرطبی) ف۱۹۳ یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہو گا۔ کوئی ظلم و زیادتی ہرگز ہرگز نہ ہو گی۔ ارواح میں باہم مشابہت و ہم جنسی ہوتی ہے۔ خبیث روحیں جن و انس کی ایک جگہ رہیں گی۔ اور طاہر روحیں جن و انس کی یکجا۔ لان الجنسية علة الضم فالارواح الخبيثة تنضم الى ما يشاكلها فى الخبث (کبیر) كَذٰلِكَ یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقۂ قرب و ولایت تھا۔ قرناء هم فى العذاب كما كانوا فى الدنيا (بیضاوی) نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا۔ میں نولی کے معنی "ہم مسلط کر دیں گے" کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال ابن زيد تسلط ظلمة الجن على ظلمة الانس (قرطبی) اور یہ معنی لے کر محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے۔ خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغابازی سے یا اور کسی طریقہ سے۔ يدخل فى الاية جميع من يظلم او يظلم الرعية او التاجر يظلم الناس فى تجارته او السارق وغيرهم (قرطبی) مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔ الاية تدل على ان الرعية متى كانوا ظالمين فالله تعالى يسلط عليهم ظالما مثلهم (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ بنیاد اس تولیت یا تسلط کی وہی ہم جنسی ہو گی۔ اى بسبب كون ذلك البعض مكتسبا للظلم والمراد منه ما بينا ان الجنسية علة للضم (کبیر) ف۱۹۴ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ بیشک ہمارے پاس کوئی عذر و جواب نہیں) یہ مخاطبہ قیامت میں ہو گا۔ اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لیے ہو گا۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور ان کے افراد کے درمیان معاشرت و مخالطت ہو۔ قال اهل اللغة المعشر كل جماعة امرهم واحد و يحصل بينهم معاشرة و مخالطة (کبیر) رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کر دی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلۂ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسول ﷺ سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انہوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ یعنی بذلك رسلا من الجن و رسلا من الانس (ابن جریر۔ عن الضحاک) ایک اور قول بھی اسی مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جن و انس کے درمیان پیغمبر انہی کے ہم جنس آتے رہے ہیں۔ و تعلق بظاهره قوم و قالوا بعث الى كل من الثقلين رسل من جنسهم (بیضاوی) و عليه ظاهر النص (مدارک) لیکن اکابر کا بڑا گروہ اس جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعہ جن و انس ہے نہ کہ دونوں فریق فرداً فرداً۔ والرسل من احد الفريقين كما قال مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ثم قال يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ و انما معنى ذلك يخرج من بعضهما او من احدهما (ابن جریر) فمعنى "منكم" اى من احدكم (قرطبی) اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ جنات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔ لم يرسل منهم اليهم رسول ولم يكن لله من الجن قط رسول مرسل و انما الرسل من الانس خاصة فاما من الجن فالنذر (ابن جریر) و معنى منكم فى الخلق و التكليف و المخاطبة ولما كانت الجن ممن يخاطب و يعقل قال منكم و ان كانت الرسل من الانس و غلب الانس فى الخطاب كما يغلب المذكر على المؤنث (قرطبی) الرسل من الانس خاصة لكن لما جمعوا مع الجن فى الخطاب صح ذلك (بیضاوی) قال مجاهد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصة و انما قيل رسل منكم لانه لما جمع الثقلين فى الخطاب صح ذلك و ان كان من احدهما (مدارک) اى من جملتكم والرسل من الانس فقط

و ليس من الجن رسل كما قد نص على ذلك مجاهد و ابن جريج و غير واحد من الائمة من السلف والخلف (ابن کثیر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں اور نہ اس پر کوئی حجت قطعی قائم ہے۔ القول الثاني و هو قول الاكثرين انه ما كان من الجن رسول البتة و انما كان الرسل من الانس وما رأيت في تقرير هذا القول حجة الا ادعاء الاجماع و هو بعيد لانه كيف ينعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (کبیر) اس نامہ سیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسول کو اگر محض لفظی و وسیع معنی میں لیا جائے، اور مخصوص اصطلاحی معنی نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ جو کوئی بھی پیام ہدایت پھیلائے لفظی معنی میں وہی رسول ہے۔ اور اس معنی میں ہر عالم، ہر مبلغ، ہر نائب رسول، رسول ہی ہے، اور جنات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ ایٰتی۔ آیات کا لفظ یہاں عام ہے۔ احکام، کتب الٰہی، سب پر شامل۔ ف١٩٥ (دنیا میں) شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دیں گے۔ وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصود اعظم سمجھ کر، ان میں منہمک ہو جانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا۔ آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کر کے دیکھ لیا جائے، سب کے کفر والحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔ ف١٩٦ یہاں یہ صراحت کر دی ہے کہ پیغمبروں کا بھیجنا تو اسی لیے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمام حجت ہو جائے، ان میں تبلیغ حق کما حقہ پوری طرح ہو جائے۔ کیوں کہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر منکروں

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

آپ کہہ دیجئے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب ہی

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی ف٢٠١

الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ

اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ ہی نے) پیدا کیے ہیں کچھ حصہ

وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اللہ کا مقرر کر رکھا ہے ف٢٠٢ اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ)

لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لیے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا

اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ ان کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا کیسی بری ہے

يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ان کی تجویز! ف٢٠٣ اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا

میں ان کی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے ف٢٠٤ جس سے وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور ان کے دین کو

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

ان پر مخلوط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو آپ ان کو اور ان کی گڑھت کو (ان کے حال پر)

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۤ

چھوڑے رہیں ف٢٠٥ اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مواشی اور کھیت ممنوع ہیں

اور بدمذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سنت الٰہی ہے بھی نہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔ اشارة الى ما تقدم من بعثة الرسل اليهم (مدارک) اشارة الى ارسال الرسل (بیضاوی) مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ۔ یہاں یہ سنت الٰہی بیان کر دی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمام حجت نہیں کی جاتی۔ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ احکام الٰہی سے بے خبر ہوں۔ ف١٩٧ وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری رُوداد موجود ہے۔ اُسے سب کو ان کے مناسب حال جزا و سزا دینا مشکل کیا ہے؟ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ ہر ایک کے لیے الگ الگ درجے ہیں جزا و سزا کے۔ اى لكل عامل بطاعة درجات في الثواب ولكل عامل بمعصية دركات في العقاب (قرطبی) ف١٩٨ صفت غنا لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ جو بار بار پیغمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لیے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج و متمنی ہے۔ یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پجاریوں کی پوجا پاٹ کے محتاج رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احتیاج و شائبہ احتیاج سے پاک ہے۔ اور صفت رحمت لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اس کا یہ بار بار پیغمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے۔ تاکہ بندے مرضیات الٰہی سے آگاہ و باخبر ہو کر دنیا میں نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کر رہی ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ اور صاحب رحمت بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ و علم ان قوله وربك الغني ذو الرحمة يفيد الحصر (کبیر) فثبت انه لا غني الا هو حيث انه لا رحيم الا هو (کبیر) امام المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ نے آیت کے ذیل میں مذہب اہل سنت اور مسلک معتزلہ پر بحث کر کے آخر میں اپنے والد ماجد کے حوالہ سے شیخ ابو القاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ و صفت عدل پر۔ اور دونوں کی تشفی و توقع اجر کے لیے یہی کلمہ وربك الغني ذو الرحمة کافی ہے۔ اعلم يا اخي ان الكل لا يجادلون الا التقديس والتعظيم و سمعت الشيخ الامام الوالد ضياء الدين عمر بن الحسين قال سمعت الشيخ ابا القاسم سليمان بن ناصر الانصاري يقول نظر اهل السنة على تعظيم الله في جانب القدرة و نفاذ المشية و نظر المعتزلة على تعظيم الله في جانب العدل والبراءة عن فعل ما لا ينبغي فاذا تاملت علمت ان احدا لم يصف الله الا بالتعظيم والاجلال والتقديس والتنزيه ولكن منهم من اخطأ و منهم من اصاب ورجاء الكل متعلق بهذه الكلمة وهي قوله وربك الغني ذو الرحمة (کبیر) ف١٩٩ یعنی جس طرح پرانی نسلیں معدوم ہو گئیں، اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کر کے ایک نئی نسل انسانی اٹھا کھڑی کرے۔ يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہیں ہلاک کر دے۔ اذهاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے۔ اماتت بھی مراد لی گئی ہے۔ الاقرب ان المراد به الاهلاك و يحتمل الاماتة ايضا (کبیر) خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین معاصرین سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہلاکت کے بعد۔ يعني من بعد اذهابكم (کبیر) ف٢٠٠ (اپنے کسی حیلہ و تدبیر سے) یعنی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔ مَا تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی وعدۂ قیامت و وعدۂ عذاب۔ ف٢٠١ (نہ آخرت میں نہ دنیا میں آخر کار) قُلْ۔ اس پیام کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور اتمام حجت کے مل رہا ہے۔ اور مقصود اس سے تہدید ہے۔ مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم و ثابت رہنے کی اجازت نہیں۔ هذا تهديد شديد و وعيد اكيد (ابن کثیر) هي تفويض الامر اليهم على سبيل التهديد (کبیر) والتهديد بصيغة الامر مبالغة في الوعيد (بیضاوی) مَكَانَتِكُمْ۔ کے معنی طور و طریقہ کے ہیں۔ المكانة الطريقة (قرطبی) الظّٰلِمُوْنَ۔ اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر و مشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ ف٢٠٢ جاہلیت عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بطور خیر و خیرات الگ نکال رکھتے اس میں ایک جزو اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے۔ اور اسے مسافروں، مسکینوں، مہمانوں پر خرچ کرتے، اور ایک جزو اپنے دیوتاؤں کے لیے نامزد کر دیتے، اُسے مجاوروں، پنڈتوں، پروہتوں کے ذریعہ

مندروں میں بتوں اور مورتیوں پر چڑھ جاتے۔ اصولی اور نظری حیثیت سے تو یہی تقسیم تھی لیکن عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ خلط ہو جاتا تو کل کا کل دیوتاؤں ہی کے لیے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے یا اگر یہ دیکھتے کہ مدِ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے، جب بھی اُسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے۔ یہاں اُن کی اس دوہری، دوہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔ صرفوا من مالهم طائفة الى الله بزعمهم و طائفة الى اصنامهم قاله ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادة (قرطبی) جَعَلُوْا۔ کے فاعل وہی مشرکین عرب ہیں۔ اور جعلوا لله نصيبا کے معنی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لیے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لیے۔ قال الزجاج و تقدير الكلام جعلوا لله نصيبا ولشركائهم نصيبا و دل على هذا المحذوف تفصيله القسمين فى ما بعد (کبیر) ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ۔ میں یہ اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات، بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں کی نذر کر رہے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی تو ان دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ ف۲۰۳ ایک تو نفسِ تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت و جہالت اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت! ف۲۰۴ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں!) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دختر کشی کی طرف گیا ہے۔ یہ

لَا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

انہیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ ان کی پشت حرام

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

کر دی گئی ہے اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں (یہ سب) اللہ پر

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بہتان باندھتے ہوئے ف۲۰۶ (اللہ) انہیں ابھی بدلہ دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھ رہے ہیں ف۲۰۷

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے ف۲۰۸ اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں

فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

وہ سب شریک، ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا ہے ان کے (اس) بیان پر، بیشک وہ بڑا حکمت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا

بڑا علم والا ہے ف۲۰۹ بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کر دیا محض حماقت

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى

بغیر کسی بنیاد کے ف۲۱۰ اور جو کچھ انہیں اللہ نے نصیب کر رکھا تھا اسے (اپنے اوپر) حرام کر لیا اللہ پر

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع وَهُوَ الَّذِيْٓ

افترا کرتے ہوئے (یہ لوگ) خوب ہی بھٹکے اور (کسی طرح) راہ یاب نہ ہوئے ف۲۱۱ اور وہ وہی (اللہ) تو ہے

اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ

جس نے باغ پیدا کئے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت

بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دختر کشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولاد کشی کی جانب ہے۔ غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب و شائستہ" لیکن جاہلی و مشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ و وحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں! اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں۔ اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ شُرَكَآؤُهُمْ۔ شرکاء سے مراد پہلی نظر میں ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انہی کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔ بعض نے اس کے معنی شیاطین کے کیے ہیں۔ قيل هم الشياطين و سمي الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله فاشركوهم مع الله فى وجوب طاعتهم (قرطبی) قال مجاهد شركاء هم شياطينهم و سميت الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله تعالى (کبیر) بعض اہلِ تحقیق نے صرف اس سے مراد مندروں کے پجاریوں، پروہتوں سے لی ہے۔ قال الفراء والزجاج شركاء هم ههنا هم الذين كانوا يخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الكلبى كان لالهتهم سدنة وخدام و هم الذين كانوا يزينون للكفار قتل اولادهم و على هذا القول الشركاء هم السدنة (کبیر) ف۲۰۵ (اور بہت زیادہ اس کی فکر اپنے سر نہ لیں) لِيُرْدُوْهُمْ۔ کے فاعل پر وہ حاشیہ ملاحظہ ہو جو ابھی شُرَكَآؤُهُمْ پر گزر چکا ہے۔ لِيُرْدُوْهُمْ میں لِ عاقبت کا ہے۔ یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عمل کا نتیجہ یہی ہوتا تھا اللام ههنا محمولة على لام العاقبة (کبیر) واللام للعاقبة ان كان من السدنة اذ ليس محط نظرهم ذلك لكنه عاقبته (روح) دِيْنَهُمْ۔ یہ واضح رہے کہ عرب یعنی بنی اسماعیل کا اصل دین توحیدِ خالص تھا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ اگر اس کی مشیتِ تکوینی یہی ہوتی۔ آیتِ بالا کو پڑھتے وقت ہمارے ملک کے ناظرین اپنے ہاں کی بھی مشرکانہ خرافات کو یاد کر لیں۔ شیخ سدو کا بکرا، ہنسلیے کا مرغا وغیرہ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جعلوا لله مما ذرا سے لے کر آخر رکوع یعنی قد ضلوا و ما كانوا مهتدين تک آیات میں ہمارے زمانہ کی بہت سی بدعات کا رد آ گیا ہے۔ جو بدعات مذکور کے بہت مشابہ ہیں۔ اور یہ مشابہت و مطابقت ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گی۔ اور غضب یہ ہے کہ آج کل کے بعض شیوخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ ف۲۰۶ یہ سب جاہلیتِ عرب کے مختلف دستوروں کا بیان ہو رہا ہے۔ اور ان سے ملتی جلتی رسمیں دوسری مشرک قوموں میں بھی عام ہیں۔ بِافْتِرَآءٍ عَلَيْهِ۔ کمال افتراء یہ ہے کہ ان مشرکانہ رسموں کو عبادت اور ذریعہ تقرب الٰہی مشہور کر رکھا ہے! حِجْرٌ۔ یعنی عام استعمال کے لیے ممنوع اور ہمارے استعمال کے لیے مخصوص۔ يقال فلان فى حجر فلان اى فى منع منه عن التصرف فى ماله و كثير من احواله (راغب) الحجر لفظ مشترك و هو هنا بمعنى الحرام واصله المنع (قرطبی) المحجر الممنوع منه بتحريمه (راغب) قال قتادة يعني حراما واصله المنع (جصاص) اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ۔ یہ کھانا مخصوص انہی مندروں کے پجاریوں، پروہتوں کے لیے تھا۔ وهم خدام الاصنام (قرطبی) يعنون خدم الاوثان والرجال دون النساء (کبیر) حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ تحریم ظہر سواری اور بار برداری سے متعلق تھی۔ عرب بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کر کے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے کہ پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جا سکتا نہ بار برداری کا۔ فلا تركب و لا تحمل عليها (روح) ہندوستان کے مشرکوں میں بھی بیل، بھینس وغیرہ کو بھوانی دیوی کے نام چھوڑ دینے کا عام رواج ہے۔ ف۲۰۷ ابھی سے مراد موت کا وقت ہے جو کچھ بھی دور نہیں اور جزاء کا ابہام شدتِ تخویف کے لیے ہے۔ وابهم الجزاء للتهويل (روح) يَفْتَرُوْنَ۔ افتراء کا لفظ لانے سے مقصود وعید کی اہمیت ہے۔ المقصود منه الوعيد (کبیر) سَيَجْزِيْهِمْ۔ میں س یقین کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ لابد (روح) ف۲۰۸ منجملہ اور اوہام پرستیوں کے ایک ضعیف الاعتقادی یہ بھی پھیلی ہوئی تھی کہ فلاں فلاں چوپایوں کے شکم کے اندر کی چیزوں سے نفع اٹھانا صرف مردوں کے لیے جائز ہے اور

عورتوں کے لیے ناجائز۔ مَا فِیْ بُطُوْنِ ۔ اس کے تحت میں دُودھ بھی آ گیا۔ اور بچہ بھی، ائمہ تفسیر سے دونوں معنی منقول ہیں۔ قال ابن عباس هو اللبن و قيل الاجنة (قرطبی) قال مجاهد والسدى يعني بها الاجنة و قال غيرهم اراد بها الالبان و الاجنة جميعا (جصاص) خَالِصَةٌ۔ کی ۃ ائمہ نحو سے منقول ہے کہ لفظ کے معنی میں مبالغہ اور قوت پیدا کرنے کے لیے ہے جیسے علام سے علامہ نساب سے نسابہ۔ والهاء في خالصة للمبالغة في الخلوص و مثله رجل علامة و نسابة عن الكسائي والاخفش (قرطبی) قال الكسائي معنى خالص و خالصة واحد الا ان الهاء للمبالغة (قرطبی) انما انثت خالصة على المبالغة في الصفة (جصاص) ف۲۰۹ سو اپنی صفت حکمت کی بنا پر وہ ہمیشہ ہر ایک کو سزا مناسب حال ہی دے گا اور اپنی صفت علم کی بنا پر کسی مجرم سے بھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً۔ یہ مردہ کونسی چیز ہے؟ وہی جو ان چوپایوں کے شکم میں تھی، یعنی بچہ۔ ای ان یکن ما في البطون ميتة (قرطبی) فِيْهِ۔ یعنی اس مردہ سے نفع اٹھانے کے باب میں۔ فَهُمْ۔ یعنی مرد و عورت سب۔ ای الرجال والنساء (قرطبی) ایک جاہلی دستور یہ تھا کہ بچہ اگر زندہ ہے جب تو اس سے انتفاع مردوں کے لیے مخصوص ہے اور اگر مر چکا ہے تو پھر اس میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔ يعني اجنة الانعام اذا كانت ميتة اصتوى ذكرهم واناثهم فيها فاكلوها جميعا (جصاص) مشرکین عرب نے ان سب مسائل کو اپنے دین کا جزو بنا رکھا تھا۔ اصولیین نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عالم کو چاہیے کہ اپنے مخالف پر اطلاع تو حاصل کرے اس کے رد کرنے کی غرض سے۔ و في الأية دليل على ان العالم ينبغي له ان يتعلم قول من خالفه و ان لم ياخذبه حتى يعرف فساد قوله و يعلم كيف يرد عليه (قرطبی) ف۲۱۰ اولاد کشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی۔ عرب، ہندوستان، یونان، روم، سب اس بلا میں مبتلا رہے ہیں۔ اسلام نے آکر اور اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں، بلکہ ایک عالمی اور کائناتی اصلاح انجام دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یہ لا کر صاف بتلا دیا ہے کہ اس جاہلی تو "مہذب" دستور کی بنیاد ہرگز نہ کسی وحی الٰہی پر ہے نہ کسی دلیل عقلی و تجربی پر بلکہ یہ تمام تر جہل و نادانی کا ثمرہ ہے۔ اردو محاورہ کی رعایت سے قَدْ خَسِرَ۔ کا ترجمہ "بڑے ہی گھاٹے میں آ گئے" سے کیا گیا ہے۔ ف۲۱۱ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ۔ عام طور پر مفسرین نے اس فقرہ سے مراد کھانے پینے کی چیزیں لی ہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مقتول اولاد ہی ہو، جن کا ذکر چل رہا تھا۔ یعنی ملی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج "منع حمل" کے نام سے جو فنون تحریک و عمل و تدبیر کی انتہائی خوشنمائیوں اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ وہ پوری طرح اس کے تحت میں آ جاتی ہے۔ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔ جس طرح احکام شریعت میں حک و اضافہ کھلا ہوا افتراء علی اللہ ہے۔ اسی طرح فقہ کے قوانین تکوینی میں بھی "ایجاد بندہ" گو وہ رنج اور لمبے لمبے دعوے بڑ کے رہنا کہ ہمارے اس مجوزہ نظام میں فلاں فلاں اجتماعی مصالح ہیں یہ بھی ایک قسم افتراء علی اللہ ہی کی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ تاکید اور تصریح کے لیے ہے کہ یہ لوگ خوب ہی بھر کر گمراہ ہوئے ہیں اور انہیں صحیح فلسفہ کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ ف۲۱۲ ان سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا یا بارش کی کوئی دیوی وغیرہ، مثالوں میں نام قدرۃً انہی چیزوں کے آئے جن سے مخاطبین اول یعنی عرب خوب مانوس و واقف تھے۔ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔ یہ مماثلت و عدم مماثلت رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر اعتبار سے ہو سکتی ہے۔ ف۲۱۳ (مسکینوں اور اہل حاجت کو دے دلا کر) حَقَّهٗ۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں حق شرعی سے مراد خیر و خیرات ہیں عشر مراد نہیں جو زمین کی زکوٰۃ ہے اور بہت سے تابعین اور بعض صحابہ کا یہی قول ہے۔ قال علي بن الحسين و عطاء والحكم و حماد و سعيد بن جبير و مجاهد هو حق في المال سوى الزكوة امر الله به لدبا و روى عن ابن عمر و محمد بن الحنفيه۔ ايضا (قرطبی) عن الشعبي ان هذا حق في المال سوى الزكوة (روح) مِنْ ثَمَرِهٖ۔ میں ضمیر مندرجہ بالا اثمار میں سے ہر ایک کی جانب ہے۔ ای من ثمر كل واحد من ذلك (بیضاوی) ف۲۱۴ اور سب سے بڑا

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

اور کھیتی کہ ان کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار

مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ

باہم مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ (بھی) ف۲۱۲ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ٘ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور اس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو ف۲۱۳ اور اسراف مت کرو بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو

الْمُسْرِفِيْنَ ۟ۙ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

پسند نہیں کرتا ف۲۱۴ اور چوپایوں میں بڑے قد کے (بھی) ہیں اور چھوٹے قد کے (بھی) اللہ نے تمہیں

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ

جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ف۲۱۵ وہ تو

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۟ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کیے) ف۲۱۶ دو قسمیں بھیڑ میں

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

سے اور دو قسمیں بکری میں سے، آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

یا دونوں ماداؤں کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے ہیں؛

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۟ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ

مجھے بتلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو ف۲۱۷ اور (اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی) آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

اسراف یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں، دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا۔ اسراف کے لفظی معنی کسی انسانی فعل میں سے حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ السرف تجاوز الحد في كل فعل يفعله الانسان (راغب) قال ابن الاعرابي السرف تجاوز ما حدلك (کبیر) قرآن مجید کا ایک اعجاز یہاں یہ ہے کہ احکام کے جزئیات بلکہ بعض اوقات تو جزئیت در جزئیات کے ضمن میں وہ ایسے حکیمانہ کلیات، اصول بیان کر جاتا ہے، جو زندگی کے سارے ہی شعبوں پر یکساں منطبق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی چلتے چلتے ایک ایسا جملہ بیان کر دیا کہ انسان اگر اسی ایک پر عمل کر لے، تو اخلاق معاملات، سیاسیات، معاشرت، غرض کیا انفرادی اور کیا اجتماعی ہر زندگی کے سارے شعبوں کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں اور بڑے سے بڑے پتھر پانی ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ فخر المفسرین امام رازی نے یہاں بھی ایک نکتہ خوب پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وقالت اليهود والنصرى نحن ابنوا الله و احباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے محب و محبوب ہیں وہ اہل نار و مستلائے عذاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب یہ ثابت ہے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ جو اللہ کے غیر محب و محبوب ہیں بعض ان میں کے اہل نار ہیں۔ ف۲۱۵ (کہ جس چیز کو چاہا اپنے دل سے حرام کر ڈالا، اپنے دل سے حلال ٹھیرا لیا) ای في التحليل والتحريم من عند انفسكم كما فعله اهل الجاهلية (کبیر) ذکر شرک کی انہی صورتوں کا ہو رہا ہے، جو عرب میں عام طور پر رائج تھیں۔ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اشارہ یہ کر دیا کہ

یہ جانور بھی صرف اللہ ہی کے پیدا کیے ہوئے، اللہ ہی کے عطیہ ہیں۔ کسی دیوی، دیوتا کے نہیں۔ جو تم انہیں خواہ مخواہ شریک کیے لیتے ہو۔ رزق۔ سے مراد حلال ہی جانور ہیں۔ یرید ما احلها لکم (کبیر) جانوروں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے جیسا باغ اور زراعت کا تھا۔ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا۔ تقدیر کلام یوں بھی گئی ہے۔ و انشا حمولة و فرشا من الانعام (قرطبی) و هو الذی انشا لکم من الانعام حمولة و فرشا (جصاص) زمخشری اور رازی دونوں نے لکھا ہے کہ ومن الانعام کا واو آیت کا عطف آیت۔ قبل و هو الذی انشا جنٰت سے کررہی ہے۔ حَمُوْلَةً کے معنی بڑے اور قد آور جانور کے کیے گئے ہیں، جیسے اونٹ جو بوجھ اٹھانے اور سواری اور محنت کے قابل ہوں۔ الحمولة ما اطاق الحمل والعمل (قرطبی) ما تحمل الاثقال (کشاف، کبیر) صالحة للحمل علیها کالابل الکبار (جلالین) فَرْشًا اور فرش وہ چھوٹے قد کے جانور ہیں، جو گوشت اور دودھ کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔ جیسے بکری۔ قال ابن زید الحمولة ما یرکب والفرش ما یوکل لحمه و یحلب (قرطبی) ما یفرش للذبح (کشاف، کبیر) لا تصلح للحمل کالابل الصغار و الغنم سمیت فرشا لانها کالفرش للارض لدنوها منها (جلالین) ف۲۱۶ (ان چوپایوں کے جن کی حلت و حرمت میں تم اپنی تراش خراش سے کام لے رہے ہو) ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۔ کی تقدیر کلام یوں بھی گئی ہے۔ و انشا ثمانية ازواج (قرطبی) اَزْوَاجٍ۔ سے مراد جانوروں کی قدرتی تقسیم نر و مادہ میں ہے۔ ثمانية ازواج یعنی ثمانية افراد و کل فرد عندالعرب محتاج الی اخر یسمٰی زوجاً (قرطبی) اور یہی مراد آگے چل کر اثنین سے بھی ہے۔ ای الذکر و الانثی (قرطبی)

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

یا دونوں مادوں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لیے ہوئے ہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ف۲۱۸ تو اس سے بڑھ کر

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ، بہتان باندھے بغیر علم کے، تاکہ لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

گمراہ کرے اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۲۱۹

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِىْ مَاۤ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى

آپ کہہ دیجیے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا

طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

کسی کھانے والے کے لیے جو اسے کھائے سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا

خون یا سور کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ (بالکل) گندہ ہے ف۲۲۰ یا جو فسق (کا ذریعہ) ہو

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ف۲۲۱ لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالب لذت نہ ہو، نہ حد سے تجاوز کرے،

فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

تو بیشک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۲۲۲ اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

ان پر ہم نے کھر والے کل جانور حرام کر دیئے تھے ف۲۲۳ اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر

ف۲۱۷ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں، فلاں حرام ہے) ف۲۱۸ ابھی اوپر آچکا ہے۔ نَبِّئُوْنِىْ بِعِلْمٍ۔ یعنی کسی نبی الٰہی کی سند یعنی حرمت پر لاؤ۔ اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کر سکتے ہو تو کیا حق تعالٰی نے براہِ راست تم کو مخاطب کر کے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ بِهٰذَا۔ یعنی تمہارے قول و زعم کے مطابق اس تحلیل و تحریم کا حکم۔ مِنَ اثْنَيْنِ۔ بغیر نبی کے تحت میں جنس بھی آجاتی ہے۔ اصولیین نے آیت سے تحقیق میں مناظرہ کا حکم نکالا ہے۔ چنانچہ یہاں پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس و استنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ قال العلماء الاٰیة دلت علی اثبات المناظرة فی العلم لان الله تعالٰی امر نبیه علیه السلام بان یناظرهم و یبین لهم فساد قولهم و فیها اثبات القول بالنظر و القیاس (قرطبی) ف۲۱۹ یعنی ایسے لوگوں کو جو افترا علی اللہ میں دلیر ہوں۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اور ایک بڑا افترا علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل و تحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ اس کا نحوی تعلق۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ سے ہے یعنی بغیر یہ علم حاصل رکھے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالٰی کے یہاں سے ہوئی ہے اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہراتا ہے۔ ای افتری علیه سبحانه جاهلا بصدور التحریم عنه جل شانه (روح) بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم و تحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (و من اظلم ممن افتری) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہوگا جو عدم علم و بے تحقیقی کے ساتھ نہیں، بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیل حرام یا تحریم حلال کرتے رہتے ہیں۔ فان من افتری علیه سبحانه بغیر علم بصدور ذٰلک عنه جل جلاله مع احتمال صدوره اذا کان فی تلک الغایة من الظلم فما الظن ممن افتری و هو یعلم علم الصدور (روح) ف۲۲۰ (اور اسی لیے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں) فَاِنَّهٗ۔ میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ ای اللحم او الخنزیر لانه الاقرب ذکرا (روح) و استدل الشافعیة بقول سبحانه فانه رجس علی نجاسة الخنزیر بناء علی عود الضمیر علی خنزیر لانه اقرب مذکور (روح) اذا احتمل للضمیر العود علی شیئین کان عوده علی الاقرب ارجح (بحر) فِىْ مَاۤ اُوْحِىَ۔ یعنی ان جانوروں کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلت و حرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے۔ یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے، ان سے مراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے و تجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو۔ وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام تو بس یہی چیزیں کی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے۔ آیت مکی ہے اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورۂ مائدہ ہی میں مل جائیں گی۔ شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے وہ اس کے علاوہ۔ والمعنی قل یا محمد لا اجد فی ما اوحی الی محرما الا هٰذه الاشیاء لا ما تحرمونه بشهوتکم والاٰیة مکیة ولم یکن فی الشریعة فی ذٰلک الوقت محرم غیر هٰذه الاشیاء ثم نزلت سورة المائدة بالمدینة و زید فی المحرمات کالمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة والخمر وغیر ذٰلک و حرم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة اکل کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر (قرطبی) هٰذه الاٰیة مکیة و کل محرم حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم او جاء فی الکتاب مضموم الیها فهو زیادة حکم من الله عزوجل علی لسان نبیه علیه السلام و نظیره نکاح المرأة علی عمتها و علی خالتها مع قوله و احل لکم ما وراء ذٰلکم و کحکمه بالیمین مع الشاهد مع قوله فان لم یکونا رجلین فرجل و امرأتان (قرطبی) علی هٰذا اکثر اهل العلم من النظر و اهل الفقه و الاثر (قرطبی) ذٰلک مخصوص بالاتفاق لاتفاق المجمیع من الفقهاء علی تحریم اشیاء غیر مذکورة فی الاٰیة کالخمر و لحم القردة والنجاسات وغیرها (جصاص) فیه ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من الله تعالٰی دون التشهی والهوی (روح) عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ۔ عام ہے ہر کھانے والے کے لیے۔ مرد، عورت، کوئی بھی ہو۔ ای طاعم کان من ذکرا و

انثی رَدًّا علی قولھم محرم علی ازواجنا (روح) مَّیْتَۃً۔ دم مسفوح۔ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ سب پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکے۔ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ یعنی سؤر چونکہ نجس ہے اس لیے حرام ہے۔ اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی۔ یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نصِ قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائے گی۔ وہاں حرمت کا حکم بھی نصِ قرآنی ہی کے ماتحت لگادیا جائے گا۔ فھذا یقتضی ان النجاسۃ علۃ لتحریم الاکل فوجب ان یکون کل نجس بحرم اکلہ (کبیر) ف۲۲۱ (بہ قصد تقرب وعبادت) یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال وطیب ہیں لیکن ذابح کی نیت فاسد نے انہیں حرام بنادیا ہے۔ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکا۔ فِسْقًا۔ ذریعہ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید واظہار اہمیت کے لیے ہے۔ سمی ما اھل لغیر اللہ بہ فسقا لتوغلہ فی باب الفسق (کبیر) ف۲۲۲ (اور انہی صفات غفر ورحمت کے تقاضہ سے اس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کردیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اٹھالیا) فَمَنِ اضْطُرَّ۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہورہا ہو۔ اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ غَيْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس حرام جانور کو لذت وذائقہ کے لیے نہ کھائے۔ وَّلَا عَادٍ۔ یعنی شدت گرسنگی کی اصل ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔ ان سب فقروں پر حاشیہ پہلے گزر چکے۔ ف۲۲۳ ذِيْ ظُفُرٍ۔ ظفر کا اردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ پرندوں میں تو اس میں کل وہ پرندے آجاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں۔ جیسے چیل، گدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سم ہوتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اونٹ وغیرہ۔ وھو من البھائم والطیر ما لم یکن مشقوق الاصابع (ابن جریر) قال عبداللہ بن مسلم انہ کل ذی مخلب من الطیر وکل ذی حافر من الدواب ثم قال کذالک قال المفسرون (کبیر) قال مجاھد و قتادۃ ذی ظفر مالیس بمفرج الاصابع من البھائم والطیر (قرطبی) قال ابن عباس و سعید بن جبیر و قتادہ والسدی و مجاھد ھو کل ما لیس بمفتوح الاصابع (جصاص) الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یعنی جنہوں نے شریعت یہود کو قبول کیا تھا۔ موجودہ توریت محرف میں حلت وحرمت حیوانات کے احکام مقامات ذیل میں ملیں گے: کتاب احبار باب ۱۱، کتاب استثناء باب ۱۴۔ ف۲۲۴ (اور ہمارے اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابل التفات نہیں) ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ۔ یعنی ان چیزوں کی حرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بطور سزا تھا۔ اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حرمت اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہوجاتی ہے و فی ھذا دلیل علی ان التحریم انما یکون بذنب لانہ ضیق (قرطبی) اَوِ الْحَوَايَآ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اوما حملت حوایا ھما والالف واللام بدل من الاضافۃ (قرطبی) ف۲۲۵ (جب اس عذاب کا وقت حکمت الٰہی اور مصلحت تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے) توریت وانجیل کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے تو یہودی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ای الیھود کما قال مجاھد والسدی و ھوالذی یقتضیہ الظاھر (روح) الظاھر عود الضمیر علی اقرب مذکور و ھم الیھود (بحر) لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین ومعاندین کے حق میں جامع سمجھا جائے۔ اور یہود ومشرکین اور ان کے اشباہ وامثال سب ہی مراد لیے جائیں۔ ای فان کذبوک یا محمد مخالفوک من المشرکین والیھود و من شابھھم (ابن کثیر) فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ۔ اور اسی رحمت وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش بھی بہت زیادہ دیے رہتا ہے۔ یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ ف۲۲۶ خلاصہ اہل شرک وضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے، اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک وتحریم حلال سے طبعًا وتکوینًا نہ روک دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک وتحریم حلال اسے ناپسند ہی نہیں بلکہ اس کی عین مرضی سے ہورہے ہیں۔ مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیت تکوینی اور پسند ورضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔

عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ

ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس (چربی) کے جو ان کی پشتوں پر

اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

یا ان کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، یہ سزا دی تھی ہم نے ان کو

بِبَغْيِهِمْ ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ

ان کی شرارت پر اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں ف۲۲۴ سو اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجیے کہ

رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ

تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم لوگوں

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ

سے ٹل نہیں سکتا ف۲۲۵ جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے کہ اللہ اگر

اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ

چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا کرتے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرسکتے ف۲۲۶

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا ف۲۲۷

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ

آپ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل؟ (ہو) تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو ف۲۲۸

تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ

تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو ف۲۲۹ آپ کہہ دیجیے

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر (اللہ) چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا ف۲۳۰

حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دوسرا ہے۔ اور مشیت الٰہی تکوینی کا دوسرا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کار فرما ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تصادم وتزاحم نہیں۔ قانون مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریق عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ اپنے ارادہ کا مالک ومختار ہے۔ اچھی وبری جو راہ چاہے، اپنی پسند وقصد سے اختیار کرے۔ لیکن رضاء الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے۔ اور نیکی کی راہ پر چلے۔ ...... بہ حیثیت خالق وقادر مطلق اس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی، لیکن بہ حیثیت حاکم وآمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے۔ جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لیے حیلہ اور آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے ہر آزار میں اپنے کو معذور ومجبور کیوں نہیں سمجھتے؟ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ کا مفہوم قرآن مجید کی اصطلاح میں المشرکین سے وسیع تر ہے۔ المشرکین سے مراد مشرکین عرب ہی ہوتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کے عموم میں ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کے اہل شرک داخل ہیں۔ سَيَقُوْلُ۔ یہ بطور پیشگوئی کے اور صیغہ مستقبل کے لیے ہے۔ اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر اللہ عزوجل بالغیب عما سیقولون (قرطبی) معتزلہ نے یہ کہہ کر شرک کا تابع مشیت ہونا موقع ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ مزید غور وتدبر سے کام لیتے تو ان پر ظاہر ہوجاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہورہی

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ
آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو

اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ
حرام کیا ہے ف۲۳۱ اور اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ ان کے ساتھ گواہی دیجیے

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا
اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا
آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھیراتے رہتے ہیں، ف۲۳۲ آپ کہیے کہ آؤ میں

اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا
تمہیں پڑھ کر سناؤں، وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں (یعنی یہ کہ) اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
مت ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ف۲۳۳ اور اپنی اولاد کو افلاس (کے خیال) سے قتل مت

اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
کر دیا کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی ف۲۳۴ اور بے حیائیوں کے پاس بھی

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا
نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ ف۲۳۵ اور جس جان کو اللہ نے

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
محفوظ کر رکھا ہے اسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے ف۲۳۶ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا
دے رکھا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ف۲۳۷ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ۔

ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔ ف۲۲۷ كَذٰلِكَ ۔ منکرین و مکذبین کا یہ طرز استدلال کچھ نیا اور اس اُمت کے ساتھ مخصوص نہیں، پرانی اُمتوں کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔ ف۲۲۸ مکذبین کی دلیل عقلی کی لغویت ابھی اُوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اب مطالبہ ان سے دلیل نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟ مِنْ عِلْمٍ ۔ یعنی دلیل تمہارے اس مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔ ف۲۲۹ یعنی علم و تحقیق سے قطعی محروم۔ تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے، نہ کوئی دلیل نقلی۔ آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے۔ بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔ ف۲۳۰ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی تو تم سب لوگ محروم الارادہ و مسلوب الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے۔ لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمان اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔ انه قدشاء منهم الايمان اختيارًا و لوشاء الله الايمان منهم قسرًا لكان عليه قادرًا و لكنهم كانوا لا يستحقون به الثواب والمدح۔ (جصاص) فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہوگی۔ ف۲۳۱ (اور شہادت مقبول وہی ہوگی جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے، کسی آسمانی کتاب سے، اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش کرو۔ ف۲۳۲ (اور یہی ان کی شرک پسندی، اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلب حق نہیں پیدا ہونے دیتی) فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجیے، بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجیے۔ ای فلا تصدقهم فيه و بين لهم فساده (بیضاوی) ف۲۳۳ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معاً بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔ اِحْسَانًا ۔ احسان کا لفظ یاد رہے۔ حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا ہو رہا ہے۔۔۔ جو لوگ خدمت والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے۔ کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں! ای احسانًا كاملًا لا اساءة معه (روح) عن ابن عباس يريد البر بهما مع اللطف ولين الجانب (روح) قُلْ تَعَالَوْا ۔ خطاب آیت میں، یہود، مشرکین بلکہ ساری نوع انسانی کے لیے عام ہے۔ اَلَّا ۔ مرکب ہے اَنْ اور لَا کا اور اَنْ مفسرہ ہے اُردو کے ”یعنی“ کے مرادف۔ اَنْ مفسرة بمعنى اى (مغنی) مفسرة ولا للنهى (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں۔ بلکہ زائدہ ہے جو حکم میں نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدة الداخلة فى الكلام لمجرد تقويته و توكيده (مغنی) تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَّا تُشْرِكُوْا سے قبل اوصاكم محذوف مانا جائے جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ موجود بھی ہے۔ اور کلام عرب میں اس طرز کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔ و كان فى الكلام محذوفًا دل عليه السياق و تقديره اوصاكم الا تشركوا و تقول العرب امرتك ان لا تقوم (ابن کثیر) ف۲۳۴ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے۔ جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۔ یہ قتل اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ فلاسفہ مادیئین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی خفی و باریک صورت کی ”منع حمل“ کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے۔ مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتداء میں ہوا ہے اور قتل اولاد یا ”منع حمل“ کی تحریک اصلاً اُسی کی چلائی ہوئی ہے، اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوف افلاس ملک ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ۔ اور بعض علمائے سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل) کے عدم جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔ و قد يستدل بهذا من يمنع العزل لان الوأد يرفع الموجود و النسل والعزل منع اصل النسل فتشابها الا ان قتل النفس اعظم وزرًا و اقبح فعلًا (قرطبی) ف۲۳۵ الْفَوَاحِشَ ۔ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زنا کاری کے نہیں۔ بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آ گئیں۔ پھر لَا تَقْرَبُوْا کی تعمیم ”یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ“۔ اور پھر مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ نے تو تعمیم کی حد ہی کر دی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں، یکساں حرام قرار پا گئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سینما اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی زد سے حرام ٹھیرے جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی، اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی جو نظیر شریعت اسلام نے قائم کر دی ہے وہ کہیں اور تلاش سے بھی نہ ملے گی۔ والاولى ان لا يخصص هذا النهى بنوع معين بل يجرى على عمومه فى جميع الفواحش ظاهرها و باطنها (کبیر) ف۲۳۶ مثلاً جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جرم شرعی میں واجب القتل نہ قرار دیا جائے۔ و هذا الاية نهى عن قتل

النفس المحرمة مومنة كانت او معاهدة الا بالحق الذى يوجب قتلها (قرطبی) و۲۳۷ (اوران ہدایات پر عمل کرو) قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیب فرنگ کی پھیلائی ہوئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں۔ لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزو کو لے کر خوب غور سے دیکھئے:۔ (۱) ممانعت شرک۔ا۔ آج کے "روشن خیال" کتنے مختلف قسموں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں! اُن کی تہذیب اوران کے علوم کی بنیاد ہی ترک توحید پر ہے۔ (۲) تعظیم و الدین۔ اخلاقیات جدیدہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔ (۳) اولادکشی سے ممانعت۔ "منع حمل"، "ضبط تولید" وغیرہ تو تمدن جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں۔ وہ بھی معاشیات کا لقب منہ پر ڈالے ہوئے۔ (۴) منع فواحش۔ تمدن جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ وخفی فواحش کی گرم بازاری سے ہے۔ (۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگ چین وجاپان، جنگ جرمنی وفرانس، جنگ جرمنی وبرطانیہ، جنگ جرمنی وروس وغیرہ کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا۔ اور دنیا کو ناقابل پیائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔ کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخۂ شفاء صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لیے نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں اور ہر مابعد صدی کی کل دنیا کے لیے ہے! ذٰلِكُمْ۔ یعنی یہی اُوپر کے محرمات، کم خطاب کا ہے۔ اشارة الى هذه المحرمات والكاف والميم للخطاب (قرطبی) و۲۳۸ (اور سن بلوغ پر جب یتیم پہنچ

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا

مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے و۲۳۸ اور ناپ اور

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو و۲۳۹ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زائد بار نہیں ڈالتے و۲۴۰

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو، اگرچہ وہ (شخص) قرابت داری ہو و۲۴۱ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے

اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ

اُسے پورا کرو، اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو و۲۴۲ اور (یہ بھی کہہ دیجیے) کہ

هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہی میری سیدھی شاہراہ ہے سو اسی پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) راہوں پر نہ چلو

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

کہ وہ تم کو (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى

تاکہ تم متقی بن جاؤ و۲۴۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، جس سے اچھی طرح عمل

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

کرنے والوں پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر (ضروری) چیز کی تفصیل (اس کے ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث)

وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع وَهٰذَا

ہدایت ہو، اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین لائیں و۲۴۴ اور یہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے (خیر و) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو، اور ڈرو، تاکہ تم پر

جائے گا تو اس کی جائیداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی نہ رہ جائے گا) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ۔ یعنی یتیم کی جائیداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔ يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔ یعنی اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے۔ اور قوت میں قوت جسمانی اور قوت عقل وتجربہ دونوں آگئیں۔ بمعنى قوته و قد تكون في البدن و قد تكون في المعرفة بالتجربة ولا بمعنى حصول الوجهين فان الا شد وقعت هنا مطلقة (قرطبی) الاشد واحدها شد و هو قوة الشباب عند ارتفاعه (جصاص) و لم يشرط البلوغ فدل على انه بعد البلوغ يجوزان يحفظ عليه ماله اذا لم يكن مانوس الرشد و لا يدفعه اليه (جصاص) کون سا سن پختگی کا کہلائے گا؟ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔ و قد اختلف في بلوغ الاشد فقال عامر بن ربيعة و زيد بن اسلم هو بلوغ الحلم و قال السدى هو ثلاثون سنة و قيل ثماني عشرة سنة و جعله ابو حنيفة خمساً و عشرين سنة (جصاص) اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اور شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع مقصود ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے۔ و۲۳۹ دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا، اس بظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آگئے... شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی، کاروباری، اخلاق کی بھی پاکیزگی مسلمان کے لیے لوازم میں سے ہے۔ اى بالاعتدال فى الاخذ و العطاء عند البيع والشراء (قرطبی) فيه امر بايفاء الحقوق على الكمال (جصاص) و۲۴۰ اس لیے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ نہیں۔ ... ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ وصرف ہمت کی ہے۔ و۲۴۱ (اور کسی کی قرابت یا عزیز داری تمہیں اس کے معاملہ میں نہ منصفانہ فیصلہ کرنے سے روکے نہ سچی گواہی دینے سے) وَاِذَا قُلْتُمْ۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ، معاملہ میں زبان کھولو۔ يتضمن الاحكام والشهادات (قرطبی) و۲۴۲ (ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو اور ان پر عمل کرتے رہو) بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آجاتا ہے جو جائز ہو۔ اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر باندھا گیا ہو۔ و۲۴۳ غرض وغایت ساری تعلیمات اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ اُمت بہ حیثیت مجموعی بھی اور اس اُمت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائنات انسانی کے لیے ایک نمونہ بن جائے۔ وَاَنَّ۔ عطف بیانات مقدم پر ہے۔ اور و کے بعد اتل محذوف ہے۔ عطفها على ماتقدم و ان فى موضع نصب اى و اتل انّ هذا صراطى عن الفراء و الكسائى (قرطبی) هٰذَا۔ یعنی مکمل نظام حیات ودستور زندگی۔ جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔ اَلسُّبُلَ۔ ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں میں اسلام کے باہر کے کل دوسرے مذاہب آگئے اور اسلام کے اندر کے بھی اہل بدعت وضلالت کے فرقے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق مستقیم سے الگ ہیں۔ وهذه السبل تعم اليهودية و النصرانية والمجوسية و سائر اهل الملل و اهل البدع والضلالات من اهل الاهواء (قاله ابن عطیہ، قرطبی) وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (قرطبی) قال مجاهد السبل البدع۔ اس میں رد آگیا اس مغالبہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط بے تکی اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام اس کی خطرناک، مفسدہ انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔ و۲۴۴ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ یہی تھا کہ ان کا اعتقاد آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا۔ مذہب کو جس حد تک مانتے بھی تھے۔ محض دنیوی بہبود وترقی کے خاطر... ٹھیک وہی نقطۂ نظر جو آج بھی یورپ زادوں اور یورپ زدوں کا ہو گیا ہے۔ مذہب کے ان پہلوؤں سے انہیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات وصفات باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے۔ نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں۔ غرض یہ کہ دائمی راحت کے حصول میں وہ کہاں تک معین ہے، بلکہ تلاش صرف ان مسئلوں کی رہ گئی ہے۔ جن سے اس دنیا میں فوری سکھ حاصل ہو سکے! ثُمَّ۔ اوپر اثبات توحید وابطال شرک کا مضمون مع فروع کے تھا۔ اب

اس کے ختم ہونے پر نبی و نبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ۔ اسی اظہار کے لیے ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثم کے بعد قل محذوف ہے اور ثم کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے۔ فقیل عطف علی قل و فیه حذف ای قل تعالوا ثم قل اتینا موسی (روح) معناه ثم قل اتینا موسی لانه عطف علی قل تعالوا (جصاص) ثم لترتیب الاخبار لا لتراخی الزمان (کمالین) ثُمَّ۔ جب جملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنی بھی دیتا ہے۔ اور یہ معنی بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ ثم مع الجملة تاتی بمعنی الواو (مدارک) مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور شہرت سے اختلاط یہود کے باعث مشرکین عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے بچازاد بھائی بھی تھے۔ الَّذِيْٓ۔ بطور اسم جنس آیا ہے اس لیے جمع کے معنی دیتا ہے۔ یرید جنس المحسنین (مدارک) تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی صحیفہ موسوی میں محض اجمالاً کچھ اصول و قواعد نہیں بتادیئے گئے تھے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کردی گئی تھی۔ ای بیانا مفصلا لکل ما یحتاج الیه فی الدین (روح) بیانا مفصلا لکل ما یحتاجون الیه فی دینهم (مدارک) هُدًى۔ یعنی وہ باعث ہدایت ہوا اپنے مخاطبین کے لیے۔ رَحْمَةً۔ یعنی وہ ذریعہ رحمت ہوا اپنے ماننے والوں کے حق میں۔ وف۲۴۵ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اتباع کے تحت میں عقائد، اعمال سب کا اتباع حسب مراتب آگیا۔ هو امر باتباع الکتاب علی حسب ما تضمنه من فرض او نفل

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

رحمت کی جائے، وف۲۴۵ (اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس ان دو

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے، اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

بے خبر ہی رہے وف۲۴۶ یا یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

تو ہم ان سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے سو اب تو آ چکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

کی طرف سے ایک روشن دلیل وف۲۴۷ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ

نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے (دوسروں کو) روکے ہم ابھی برے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس) روکنے کے

يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

وف۲۴۸ یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں

اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ

یا آپ کا پروردگار خود آئے یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آجائے وف۲۴۹ (حالانکہ) جس روز آپ کے

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے

او اباحة و اعتقاد کل منه علی مقتضاه (جصاص) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں اور برکت کے تحت میں خیر دینی و خیر دنیوی دونوں آگئیں۔ ای کثیر الخیر دینا و دنیا (روح) ای القرآن کثیر الخیر (مدارک) وف۲۴۶ خطاب اب مشرکین عرب سے ہے۔ والخطاب متوجه الی کفار قریش باثبات الحجة علیهم (بحر) اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بطور عذر و جواب یہ نہ کہنے لگتے۔ اَنْ، لئلا۔ کے معنی میں ہے۔ قال الکوفیون لئلا تقولوا و قال البصریون انزلناه کراهیة ان تقولوا (قرطبی) ای ل ان لا (جلالین) طَآئِفَتَيْنِ۔ یعنی گروہ یہود و نصاریٰ۔ تابعین و صحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادة والسدی و ابن جریج ارادبهما الیهود والنصاری (جصاص) والکتاب هنا جنس والطائفتان هما اهل التورٰة والانجیل الیهود والنصاری بلا خلاف (بحر) حنفیہ نے لفظ طَآئِفَتَيْنِ سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل کتاب یہی دو گروہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر مجوسی بھی اہل کتاب ہوتے تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔ و فی ذلک دلیل علی ان اهل الکتاب هم الیهود والنصاری و ان المجوس لیسوا اهل الکتب لانهم لو کانوا اهل کتاب لکانوا ثلاث طوائف (جصاص) هذا دلیل علی ان المجوس لیسوا باهل الکتاب (مدارک) اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔ دِرَاسَتِهِمْ۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔ و لم یقل عن دراستهما لان کل طائفة جماعة (قرطبی) واعاد الضمیر جمعا لان کل طائفة منهم جمع (بحر) وف۲۴۷ یعنی یہی معجزہ کتاب خود تمہاری زبان میں جو اپنے دعووں پر دلیل روشن ہے۔ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ ضمیر هم قوموں کے موشین کی جانب ہے یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھ کر راہ حق پر ہوتے۔ عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت و شرافت طبع کا تھا۔ یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔ لحدة اذهاننا و ثقابة افهامنا و غزارة حفظنا لایام العرب و و قائعها و خطبها و اشعارها واسجاعها و امثالها علی انا امیون (کشاف) فَقَدْ جَآءَكُمْ۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کردی۔ اَوْ تَقُوْلُوْا۔ یہ آیت سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔ عطف علی ان تقولوا (قرطبی) وف۲۴۸ یہاں گویا یہ جتلا دیا کہ نفس سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی۔ اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا کہیں زیادہ بڑھ کر رہی۔ وف۲۴۹ منکرین کی نفسیات کا بیان ہو رہا ہے۔ هَلْ

يَنْظُرُوْنَ۔ هل یہاں ما کے معنی میں ہے۔ ای ما ینظرون (بیضاوی) هل استفهام معناه النفی (کبیر) فقرہ بطور تعریض کے ہے۔ یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوح حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اور ایمان لانے کی کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے تو ان کی بےفکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں، جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔ يَاْتِيَ رَبُّكَ۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہو جائے۔ جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا۔ مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں رب اکبر کے ظاہر ظہور آ جانے کے منتظر ہیں۔ اتیان رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل "آنا" کا اطلاق بالکل جائز ہے۔ اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت و انتقال سے بری و منزہ ہے۔ لیس مجیئه تعالی حرکة ولا انتقالا ولا زوالا لان ذلک انما یکون اذا کان الجائی جسما او جوهرا والذی علیه جمهور ائمة اهل السنة انهم یقولون یجیء و ینزل و یاتی ولا یکیفون (قرطبی) يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے۔ جیسا کہ قیامت کے قرب میں یقیناً آئے گی۔ مشرکانہ اور جاہلی نقطہ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا ایسے عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں۔ شہود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ آیت کا ایک سہل، بے تکلف مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ

منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذاب الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔ یاتی ربک ای امرہ بمعنی عذابہ (جلالین) یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔ یَاْتِیَ رَبُّکَ۔ کو متعدد اہل تفسیر نے یاتی امر ربک کے معنی میں لیا ہے۔ و۲۵۰ اس لیے کہ نزع وسکرات کے وقت جب عالم برزخ کا یا خود اہوال قیامت سے مشاہدہ عالم غیب کا شروع ہوگیا۔ تو ایمان اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ ایمانِ اضطراری کا نام ایمان نہیں۔ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا۔ یعنی ایمان تو پہلے سے بھی رکھتا ہو۔ لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل کیا ہو۔ بلکہ سرتا سر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو۔ اور آج سے توبہ کر کے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے تو اب مقدمات قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہوگی۔ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ۔ مراد ہیں قرب قیامت کی نشانیاں۔ مثلاً آفتاب مغرب سے طلوع آفتاب کو ہیئت وفلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت وفلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں۔ سب موجودہ نظام تکوینی ہی کے ماتحت ہیں۔ لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست ہو جائے گا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔ و۲۵۱ (تم خود ہی دیکھ لو گے کہ نجات کسے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو) قُلِ۔ یعنی اے پیغمبر آپ جماعت مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ

ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کر لی ہو و۲۵۰ آپ کہہ دیجیے

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ

کہ تم انتظار کیے جاؤ ہم (بھی) منتظر ہیں و۲۵۱ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا

وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر ان کی کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں، ان کا معاملہ بس

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ

اللہ ہی کے حوالہ ہے و۲۵۲ پھر وہی انہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں و۲۵۳ جو کوئی

جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ

نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کے مثل دس (نیکیاں) ملیں گی و۲۵۴ اور جو کوئی

بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

بدی لے کر آئے گا اس کو بس اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا و۲۵۵ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا و۲۵۶

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے، ایک

قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ

دین محکم، طریقہ ابراہیم راست رو کا اور وہ مشرکین میں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ

نہ تھے و۲۵۷ آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی

وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ

اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں و۲۵۸ (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی

اِنْتَظِرُوْا۔ یہ بطور آخری تہدید کے ہے جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام وشائع ہے، یہ مراد نہیں کہ پیغمبر انہیں انتظار کی دعوت دے رہے ہیں:۔ و۲۵۲ (کہ وہی خوب سب کو دیکھ بھال رہا ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ۔ یعنی دین حق کو بتمامہ قبول نہ کیا خواہ سب کو چھوڑ دیا۔ خواہ اس کے بعض حصوں کو۔ دِیْنَهُمْ۔ مراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔ اما دینھم فقد قیل الذی امرھم اللہ بہ وجعلہ دیناً لھم (جصاص) وَكَانُوْا شِیَعًا۔ یعنی کفر وشرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کر کر کے ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اس کا مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہے۔ من الیھود والنصاریٰ (ابن جریر۔ عن قتادة) ھؤلاء الیھود والنصاریٰ (ابن جریر۔ عن السدی) یعنی الیھود والنصاریٰ (ابن جریر۔ عن الضحاک) مشرکین بھی مراد لیے گئے ہیں:۔ یرید المشرکین (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال الحسن ھو جمیع المشرکین (قرطبی) اس اُمت کے اہل بدعت واہل ضلالت سے بھی مراد لی گئی ہے۔ ھم اھل البدع واھل الشبھات واھل الضلالة من ھذہ الامة (ابن جریر۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) ھم اھل البدع والشبھات (ابن جریر عن مجاہد) انما ھم اصحاب البدع واصحاب الاھواء واصحاب الضلالة من ھذہ الامة (قرطبی۔ عن عمر رضی اللہ عنہ) الفاظ قرآنی میں گنجائش یقیناً سب تفسیروں کی ہے۔ لیکن اگر قرائن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف معاصرین پیش نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلیں گے اور ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدت کلمہ کے قائم وبرقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور اُمت کا تفرق وتشتت حق تعالیٰ کو کس درجہ مبغوض ہے۔ اعلم ان المراد من الآیة الحث علی ان تکون کلمة المسلمین واحدة وان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر) ھو تحذیر من تفرق الکلمة ودعاء الی الاجتماع والالفة علی الدین (جصاص) و۲۵۳ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہوگا) "چونکہ لفظ فرقوا۔ سب کو شامل ہو سکتا ہے، اس لیے عام مراد لینا انسب ہے البتہ مراتب وعید کے متفاوت ہوں گے۔ یعنی کفار کو عذاب مخلد ہوگا اور مبتدعین کو بوجہ وجود ایمان کے بعد سزائے عقائد فاسدہ کے نجات ہوگی" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۲۵۴ یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا۔ گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اور یہ تو مرتبہ اقل میں ہے، ورنہ بعض نیکیوں پر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے .... یہ نمونہ ہے فضل خداوندی کا! صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے، کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مسلّم ہے کہ محبت الٰہی اور شوق لقاء خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاء حق کا منتظر ومشتاق بنا رکھا ہے، انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب بے نیاز تو خود ان کی لقاء کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہوگا۔ و۲۵۵ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی ..... یہ نمونہ ہے عدل خداوندی کا! و۲۵۶ (انسانی معیار سے بھی) مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے یا کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔ و۲۵۷ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی پر حاشیے سورۂ بقرع ۱۵ (پ ۱) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔ و۲۵۸ آیت لب لباب ہے سارے دین اسلام کا، اور عطر یا مغز کل ملت ابراہیمی کا۔ صلوٰۃ۔ یعنی نماز اور نسک یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظام تشریعیات سے ہے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظام تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی رب برحق منفرد ہے اور ربوبیت میں بھی وہی۔ نسک سے یہاں مراد جمیع عبادات ہیں۔ قال قوم النسک فی ھذہ الآیة جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت توحید کامل کی تعلیم پر دال ہے۔ یعنی جمیع حالات تشریعی وتکوینی میں تسلیم وتفویض عمل واطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔

وف ۲۵۹ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا، اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیٹیئن گو یا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ محض ایک داعی کی نہیں، جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر رکھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحب عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ بہ حیثیت اقنوم نہ بہ حیثیت مظہر، نہ اور کسی حیثیت سے۔ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے بہ حیثیت فرد بھی اور بہ حیثیت نبی بھی۔ یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اسی کی دعوت بھی دوسروں کو دوں۔ وف ۲۶۰ یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں جیسا کہ مشرکوں اور یونان وغیرہ کے جاہل فلسفیوں نے خیال کیا ہے۔ کوئی صنف کائنات، کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ قُلْ۔ یعنی آپ ان منکرین توحید اور اہل باطل کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیجیے۔ وف ۲۶۱ (اور اسی کے مطابق جزاء وسزا ہوگی) علم بھی اسی کا کامل ہے اور قدرت وحکومت بھی اسی کی کامل۔ تَكْسِبُ۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بطور گناہ یا ثواب کے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ تمام تر مہمل و باطل ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدم علیہ السلام کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ ساری اولاد آدم علیہ السلام کو ملتی رہے گی۔ یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جس کی بجائے جس کو چاہے سزا دے دے۔ اخبار بان اللہ تعالٰی لا یؤاخذ احدًا بذنب غیرہ و انہ لا یعاقب الابناء بذنب الاباء (جصاص) ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ سب کی آخری واپسی پروردگار عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی "ابن اللہ" وغیرہ کے پاس۔ وف ۲۶۲ (کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا کرتا ہے اور اس آزمائش کے بعد روحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے) جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ خطاب پوری نسل آدم کو ہے۔ خلافت کی دولت ادنٰی واعلٰی ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عالم انسانی کی کثیر آبادی نے اپنے کو نااہل خلافت الٰہی کا ثابت کیا ہو۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔ یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار، کوئی نادار۔ فی الخلق والرزق والقوۃ والبسطۃ والفضل والعلم (قرطبی) لِّيَبْلُوَكُمْ۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ای بعضکم ببعض (قرطبی) وف ۲۶۳ یہاں تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور تینوں کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔ سَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ بہت جلد سزا کو پہنچا دینے والا وہ مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں ہے۔ غَفُوْرٌ۔ غفور وہ ان کے لیے ہے جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔ رَّحِيْمٌ۔ اس کی رحمت کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔ سورۃ اعراف وف ۱ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا) یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان حروف کے دو معنی منقول ہیں۔ ایک انّ اللہ افضل۔ دوسرے انا اللہ اعلم و افضل (کبیر)

أُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ

کا حکم ملا ہے، اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں وف ۲۵۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی کو بطور پروردگار تلاش

رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

کروں درآنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا وف ۲۶۰ اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ

وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم (سب) کی واپسی

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ

تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے وف ۲۶۱ اور وہ وہی

الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رتبے دوسرے پر

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

بلند کیے تاکہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں وف ۲۶۲ بیشک آپ کا پروردگار

سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وف ۲۶۳

ایاتها ۲۰۶ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتها ۲۴

اس میں ۲۰۶ آیت سورۂ اعراف مکی ہے اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ

الف۔ لام۔ میم۔ صاد وف ۱ (یہ) ایک کتاب ہے آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو)

ف ۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے تو نفع اہل ایمان ہی اٹھائیں گے۔ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ۔ یعنی یہ خیال کر کے اپنا دل تنگ نہ کر ڈالیے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔ ای لا یضیق صدرک الایومنوا بہ (قرطبی) لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ انذار، کافروں کے لیے ہے اور ذکریٰ مومنین کے حق میں۔ الانذار للکافرین و ذکری للمومنین لانھم المنتفعون بہ (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا آیت میں شیخ کے لیے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔ ف ۳ یہ رفیق وہی ہیں جنہیں دوسری جگہ قرآن میں شیاطین الجن والانس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ای یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی) اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے پیمبر کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ ابھی انزل الیک میں خطاب پیمبر سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے جن کا ذکر ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ کے تحت میں ابھی آ چکا ہے۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ سے مراد نزول بواسطہ پیمبر ہے۔ دونوں طرز تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی کی ایک صورت ہے، یعنی الکتاب والسنۃ (قرطبی) یتناول الکتاب والسنۃ (کبیر) ای القرآن والسنۃ (مدارک) لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ دلیل علی وجوب اتباع القراٰن فی کل حال

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

ڈرائیں۔ سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو، اور (یہ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ف ۲

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

پیروی اس کی کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (دوسرے) رفیقوں

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ كَمْ مِّنْ

کی پیروی مت کرو ف ۳ کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ف ۴ اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور ان پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ

قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ

دوپہر کو آرام میں تھے ف ۵ لیکن وہ کچھ نہ بول سکے جب اُن پر ہمارا عذاب

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ

پہنچا ہاں بولے تو یہ بولے کہ بیشک ہم ہی ظالم (و خطاوار) تھے ف ۶ سو ہم اُن لوگوں سے

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾

بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے، اور پیمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ف ۷

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم ان کے روبرو (سب) بیان کر دیں گے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ف ۸

وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اور اس روز وزن (ہونا) برحق ہے ف ۹ جس کسی کا وزن بھاری ہوگا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا ہوگا

وانہ غیر جائز الاعتراض علی حکمہ باخبار الآحاد لان الامر باتباعہ قد ثبت بنص التنزیل و قبول خبر واحد غیر ثابت بنص التنزیل وھذا یدل علی صحۃ قول اصحابنا فی ان قول من خالف القراٰن فی اخبار الاحاد غیر مقبول (جصاص) مِنْ دُوْنِهٖ۔ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔ والھاء تعود علی الرب سبحانہ والمعنی لا تعبدوا معہ غیرہ (قرطبی) ای من دون اللہ (مدارک) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔ و دلت الایۃ علی ترک اتباع الآراء مع وجود النص (قرطبی) ف ۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔ مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ میں ما زائدہ قلت تذکر کی تاکید کے لیے ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ تذکرون تذکرًا قلیلًا۔ ما مزیدۃ لتوکید القلۃ (کشاف، بیضاوی) ف ۵ یعنی عموماً ایسے وقت جب وہ غفلت اور بے فکری میں پڑے تھے ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لیے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت و بے فکری کے ہوتے ہیں۔ نص ھذان الوقتان لانھما وقتا الغفلۃ (مدارک) معنی الآیۃ انھم جاء ھم باسنا وھم غیر متوقعین لہ اما لیلًا و ھم نائمون اونھارًا و ھم قائلون والمقصود انھم جاء ھم العذاب علی حین غفلۃ منھم (کبیر) اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔ یعنی القائلۃ وھی القیلولۃ و ھی نوم نصف النھار و قیل الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر و ان لم یکن معھا نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولۃ نومۃ نصف النھار و قال الازھری القیلولۃ عند العرب الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر وان لم یکن مع ذلک نوم (کبیر) ف ۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم ادبار و تباہی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو جدکو اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار ہی کرتے اُسے بنتا ہے، اور پھر اسباب پر بحث شروع ہوتی ہے۔ ف ۷ ان اُمتوں سے تو یہ کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور پیمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ف ۸ اس میں اثبات ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و علم صادق کا۔ ابھی اوپر حشر میں سوالات کا ذکر ہے۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ پاچھ کچھ اس لیے تو ہوگی نہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم کچھ ناواقف تھے۔ علم و تحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے...... ہر کیفیت ہم پر خود آئینہ ہے۔ پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کر دیں گے اور کیوں نہ بیان کریں۔ کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لیے چلے گئے یا غائب ہو گئے تھے؟ ہر وقت تو ہم خود ہی حاضر و موجود رہے ہیں ... اس میں رد آ گیا اُن احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں۔ ف ۹ الفاظ میں ''وزن'' ہوتا رہے میں ''وزن'' ہونا، معانی میں ''وزن'' ہونا یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روز مرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں یوم حشر کشف حقائق کا دن ہوگا، ہر مجاز عین حقیقت بن جائے گا۔ ''وزن'' کے لیے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالم ناسوت کے ساتھ ہے۔ اُس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہوں گے۔ .. الْوَزْنُ کے مجازی معنی بھی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکابر اہل سنت کے یہاں بلاضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔ وقد اجمعت الامۃ فی الصدر الاول علی الاخذ بھذہ الظواھر من غیر تاویل و اذا اجمعوا علی منع التاویل وجب الاخذ بالظاھر و صارت ھذہ الظواھر نصوصًا (قرطبی) يَوْمَئِذِ ۔ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔ وہ دن تو کشف حقائق کا ہوگا، کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو، لیکن آج ہمارے قویٰ کے لیے غیر مدرک ہو، اور اُس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سو گنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے۔ ... بار کلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کیے گئے ہیں، ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے۔ اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں۔ اعمال کی صفت وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لیے غیر محسوس ہے کل ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لیے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔ الْوَزْنُ۔ عقائد و اعمال کا وزن مراد ہے، اور یہ معنی صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ صحائف اعمال کا وزن بھی مراد

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا

سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے بہ سبب اس کے کہ

بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ

ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے ف۱۰ اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ دی

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ شکر کرتے ہو ف۱۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی ف۱۲ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ

آدمؑ کے روبرو جھکو، سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ سجدہ

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ

کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ف۱۳ (اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے،

اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

جب میں تجھے حکم دے چکا ف۱۴ بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے

نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ف۱۵ (اللہ نے) فرمایا تو تو اتر اس (جنت) سے

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ

تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے بس تو نکل بیشک تو

مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

ذلیلوں میں سے ہے ف۱۶ بولا تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب سب اُٹھائے جائیں گے ف۱۷

بیا گیا ہے۔ ای وزن الاعمال (مدارک) و الجمهور على ان صحائف الاعمال توزن بميزان (بیضاوی) والمراد بالوزن اعمال العباد بالميزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیمة قیل الاعمال و ان کانت اعراضا الا ان الله تعالی یقلبها یوم القیامة اجساما (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرین کا عام مذہب اس باب میں وزن صحائف اعمال کا ہے۔ سئل رسول الله ﷺ عما یوزن یوم القیامة فقال الصحف وهذا القول مذهب عامة المفسرين فی هذه الاية (کبیر) ف۱۰ دین حق کو نہ قبول کرنا اور نظام خداوندی سے انکار و بغاوت کیے جانا بھی آیات الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصل زندگی اصل جان، اصل حسن، اصل وزن، بصرف طاعتوں یا نیکیوں میں ہے جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں نمایاں ہوگا۔ اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمائشی ہے۔ ان کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشف حقائق کا مقام ہے خوب نمایاں ہوگا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے۔ جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو۔ انہیں صالح ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ ان میں خفیف جزء نقص کا بھی ہو۔ البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ ف۱۱ (اے انسانو!) خطاب عام عالم انسانی کو ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ گرفت کے قابل اور اصل جرم یہ عدم شکرگزاری یا برائے نام شکرگزاری ہے۔ اور ادائے شکر کے معنی ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعت الٰہی نے بتائے ہیں انہیں برتنا۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ۔ زمین پر سکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامان معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکات شکر ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ ان سے اول کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال، تو جاہ و مال کا ذکر موقع نعمت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابل شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔ ف۱۲ یعنی پہلے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کو مادہ بنایا، پھر اس مادہ کو صورت بشری دی، اور آدم علیہ السلام وجود میں آگئے۔ ف۱۳ (ازراہ استکبار) فَلَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا تو جو مخلوق (مثلاً جن) ان سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجہ اولیٰ ملا۔ ملاحظہ ہو حواشی نمبر ۱۴۳، نمبر ۱۴۴، پ۱ اُسْجُدُوْا۔ سجدہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئت متعارف و مخصوص کے ساتھ ہو، سجود کے لفظی معنی تواضع و تذلل کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ۱ حاشیہ ۱۲۵۔ لِاٰدَمَ۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدم علیہ السلام کو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲۵، پ۱۔ اِبْلِيْسَ۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ مسیحیت کے اثر سے ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۲، پ۱۔ ف۱۴ ارشاد الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں، پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ کوئی چیز تجھے اس پر لائی؟ اَلَّا۔ یہاں لا نافیہ یا نہیہ نہیں بلکہ زائدہ ہے۔ اور زائدہ اصطلاح نحو میں حشو کے مرادف نہیں، بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اس میں اور زور و تاکید پیدا کر رہا ہے۔ زائدة ای لتاکید معنی النفی فی منعک (جمل) ف۱۵ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی) ابلیس کے اس دعویٰ اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات اور نتائج کی صورت حسب ذیل ہوگی:۔ (۱) آگ خاک سے افضل ہے۔ (۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی، اور آدم علیہ السلام فرع ہیں خاک کی۔ اس لیے میں آدم علیہ السلام کے آگے نہیں جھک سکتا۔ ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بہت ناز ہے۔ لیکن یہ استدلال تو سفسطوں کی ایک پوٹ ہے۔ اول تو یہ بنیادی دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ، خاک سے افضل ہے۔ آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیت ہیں، کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ۔ پھر یہ دعویٰ بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہیے۔ بہت سے موقع اعلیٰ کے لیے بھی ادنیٰ کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے، ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں، وہ تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور روئیت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ ف۱۶ یعنی یہ جگہ تو خاشعین اور فرمانبرداروں کے لیے ہے۔ تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہو کر۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ فقہاء و مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔ دل هذا ان من عصى مولاه فهو ذليل (قرطبی) فَاهْبِطْ مِنْهَا۔ یہ نکلنے اور نیچے اترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہوا آسمان سے زمین کی طرف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قیل من السماء الى الارض (معالم) ای من السماء (قرطبی) لیکن اکثر نے ضمیر ها جنت کی جانب بھی ہے۔ اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔ قال كثير من المفسرين الضمير عائد الى الجنة (ابن کثیر) ای من الجنة (معالم) قال ابن عباس يريد من الجنة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہ الٰہی سے نکالا جانا، اس کی دلیل ہے کہ کبر وصول حق سے مانع ہے۔ ف۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔ سال النظرة والامهال الى يوم البعث والحساب (قرطبی) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ یعنی قیامت تک۔ شیطان کا صاحب کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے۔ جانتا تھا ضرور منظور ہو جائے گی۔ باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کر دی۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ

(اللہ نے) فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی ف۱۸ بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا ف۱۹ پھر ان کو ان کے سامنے

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ

سے بھی آ لوں گا اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے داہنے سے بھی

وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ان کے بائیں سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے ف۲۰

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ

(اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل وخوار ہو کر ان میں سے جو کوئی تیری پیروی

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ يٰٓاٰدَمُ

کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا ف۲۱ اور اے آدم

اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور

شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل)

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

ہو جاؤ گے ف۲۲ پھر دونوں (کے دل) میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے پردہ کے بدن میں سے

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا

جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے روبرو بے پردہ کر دیا ف۲۳ اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے

ف۱۸ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کر لینا بس حضرت حق ہی کا حصہ تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں، دعا تو شیطان کی بھی قبول ہوگئی لیکن شیطان بدستور مردود رہا۔ ف۱۹ (آدم علیہ السلام وذریت آدم علیہ السلام کی رہزنی کرنے کے لیے اور انہیں راہ حق سے بے راہ کر کے رہوں گا) بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ پر ورد دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمام تر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری، ہر سبب کا خالق ہے غوایت ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنی میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا۔ اس معنی میں یہ تمام تر حقیقت وصداقت سے معریٰ ہے۔ بِمَا میں ب سببیہ ہے۔ اے بسبب اغوائک ایای (کبیر۔ مدارک) ای لاجل انک اغویتنی (معالم) لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ۔ فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔ عبر عن الترصد للشیٔ عن القعود لہ (راغب) ف۲۰ (اس لیے ان اکثر کو میں اپنی راہ پر لگا لوں گا) ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انہیں ہر سمت سے گھیر لوں گا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔ باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسرین وحکماء اسلام سے منقول ہیں۔ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے مراد دنیا لی گئی ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے دین گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستے سے بھی۔ ... حکماء اسلام نے اول الذکر سے مراد انسان کی قوت خیالی لی ہے۔ اور آخر الذکر سے قوت وہمی۔ عَنْ اَيْمَانِهِمْ سے مراد نیکی سے روکنا اور عَنْ شَمَآئِلِهِمْ سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے۔ گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کروں گا ... حکماء اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوت شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوت غضبی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ سے ایک نکتہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لیے یہ نقشہ کھینچ دیا۔ ف۲۱ (سوائے مردود تو یہ ڈراتا دھمکاتا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہوتا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک متنفس بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا ضرر؟) کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے ..... قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ مکالمہ کا سارا لب ولہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے۔ جنہوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کیے ہوئے ہے۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں ایک مد مقابل ہمسر وحریف یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمام تر حقیر وخوار۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محض مکالمت ومخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں۔ ف۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ (پارۂ اول) میں گزر چکے۔ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ ان کا جی چاہے۔ ف۲۳ (اس درخت کا پھل کھلا کر) معلوم ہوتا ہے کہ اس شجر ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی۔ لِيُبْدِيَ۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہونا تھا۔ اللام لام العاقبۃ (قرطبی) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ اس تصریح نے صاف کر دیا کہ معصیت کا خیال آدم علیہ السلام کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تمام تر باہر سے ڈالا گیا۔ اور ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا۔ وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسانی وخیالی کا نام ہے۔ اس لیے اتصال مادی یا قرب مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدم وحوا علیہما السلام سے ملا ہو، بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ اس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدم علیہ السلام کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہوا ہو۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء (کبیر) بائبل میں اغوائے آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو انہی یہودی ومسیحی روایتوں سے متاثر ہو کر ہمارے ہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کر کے داخل جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے۔ فتلک القصۃ الرکیکۃ مشہورۃ (کبیر) فَوَسْوَسَ لَهُمَا۔ نے ذمہ داری آدم علیہ السلام وزوج آدم (حوا علیہا السلام) پر یکساں رکھ دی ہے برخلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حوا ہی کو ٹھہراتی ہے:۔ "اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے، اور دیکھنے میں خوشنما، اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا"۔ (پیدائش۔ ۳:۶) لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کے جسم اس وقت تک لباس نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان کے جسم کے قابل ستر حصے خود ان کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سے تردید ہوگئی بائبل کے اس بیان کی کہ "اور وہ دونوں آدم اور اس کی جورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے"۔ (پیدائش۔ ۲:۲۵) فقہاء ومفسرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشف ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔ وفیہ دلیل علی ان کشف العورۃ من عظائم الامور (مدارک) دل ھذا علی قبح کشفھا (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قصہ آدم علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرف شیطانی اس حد

تک جمع ہوسکتا ہے جو درجہ معصیت کو نہ پہنچے، اس لیے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیت لغوی تھی معصیت باصطلاح شرعی نہ تھی۔ ف۲۴ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیات ابدی آپ کے لیے اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں۔ لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کر گئی ہے اس لیے اب وہ ممانعت کا حکم باقی ہی نہیں رہا) بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناعِ خداوندی کی علت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہو جائے گی! کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ۲:۱۷) اِنِّيْ لَكُمَا۔ یعنی یمین ایسا نہ ہو جائے کہ بمعنی الاکراهیة ان (قرطبی) ف۲۵ (دل وجان سے) یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں اور اپنے اخلاص و خیر خواہی کا خوب یقین دلایا۔ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام جنتی بھولے، اپنے اوپر قیاس کر کے یہ خیال بھی نہیں کر سکے کہ کوئی اللہ کے نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قسماقسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جزء تھی۔ ف۲۶ (اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لیے) اس سے معلوم ہوا کہ شرم و حجاب انسان کے لیے بالکل فطری و طبعی ہے، اور بے ستری و بے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جارہی ہیں۔ سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ دلت هٰذه الأية علي ان كشف العورة من المنكرات وانه لم يزل مستهجنا في الطباع مستقبحا في العقول (كبير) و في الأية دليل علي قبح كشف

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

تم کو اس درخت سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتے (نہ) بن جاؤ

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝٢٠ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا

یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ ف۲۴ اور دونوں کے روبرو قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں کا

لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢١ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

خیر خواہ ہوں ف۲۵ غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پھر جب دونوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

درخت (کا پھل) چکھا بے پردہ ہوگیا دونوں کے روبرو، ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے اپنے اوپر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ

جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ف۲۶ اور دونوں کو پکار کر ان کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے

اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

تمہیں منع نہیں کر دیا تھا، فلاں درخت سے اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں سے کہ شیطان

لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٢٢ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫

تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ف۲۷ دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ف۲۸

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقینا ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ۝٢٣ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

ہو جائیں گے ف۲۹ (اللہ نے) فرمایا اترو تم (سب) کوئی کسی کا دشمن (ہو کر)

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝٢٤ قَالَ

اور زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقت معلوم تک ف۳۰ (اللہ نے)

العورة و ان الله وجب عليهما الستر (قرطبی) فيه دليل علي ان كشف العورة قبيح من لدن ادم (كبير) طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ بائبل میں اس موقع پر ہے کہ: " تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں (پیدائش ۳:۷) ان پتوں کے نام ہمارے یہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ ولم يثبت تعيينها لا في القرآن ولا في الحديث الصحيح (بحر) عَلَيْهِمَا۔ میں ضمیر تثنیہ اہل نحو نے لکھا ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورة کی جانب ہے، اور تقدیر کلام یوں ہے علي عورتيهما۔ و تقديره يخصفان علي بدنيهما (بحر) ولا يجوزان بعود الضمير علي ادمؑ و حواءؑ (بحر) فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ ادلاء کے معنی اوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار اور نزول مرتبہ و حیثیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور مکان مادی کے اعتبار سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فریبی کے دھوکے میں آکر آدم علیہ السلام اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہو گئے۔ جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیے گئے۔ بِغُرُوْرٍ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ آپ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی، ایک مکار کے کہے میں آجانے سے ہوئی نہ کہ کسی قصد نافرمانی سے۔ قصہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کے لیے ملاحظہ ہو پارہ ۱ کے آخر میں ضمیمہ۔ ف۲۷ (اس لیے اس کے کہنے میں نہ آجانا) ف۲۸ (کہ بلا تحقیق و تامل شیطان کی بات کو مان گئے) مقبولین و خاصان خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبہ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے۔ اور اس پر انتہائی ندامت و استغفار کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ف۲۹ بائبل، آدم علیہ السلام اور زوج آدم کی اس موثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشر علیہ السلام اور ام البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لیے قیامت تک ہے۔ ف۳۰ یعنی وقت موت تک۔ گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے، مدت العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہوگا۔ اِهْبِطُوْا۔ یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدم علیہ السلام و حوا سے نہیں۔ ذریت آدم علیہ السلام و ذریت ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لیے اب خطاب میں صیغہ تثنیہ کا نہیں جمع کا ہے۔ یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہوا تھا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔ اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ اس لیے مسلمان کے لیے سکوت ہی اولیٰ ہے۔ و قد ذكر المفسرون الاماكن التي هبط فيها كل منهم و يرجع حاصل تلك الاخبار الي الاسرائيليات والله اعلم بصحتها (ابن کثیر) اور مفسر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے جو صرف اسی موقع کے لیے نہیں بلکہ ہر ایسے موقع کے لیے کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن و حدیث دونوں اس تعین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں، کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کا علم دین و دنیا کی ضروریات میں داخل نہیں۔ ولو كان في تعين تلك البقاع فائدة تعود علي المكلفين في امر دينهم او دنياهم لذكرها الله تعالي في كتابه و رسوله صلی اللہ علیہ وسلم۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ دنیا میں انسان بھی انسان کا دشمن ہے۔ لیکن اصلی دشمنی تو ذریت آدم سے ذریت ابلیس ہی کو ہے۔ بمعني العداوة ثابتة بين الجن والانس لاتزول البتة (كبير) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی۔ وہیں تم آباد ہو گے۔ اور وہیں تمہیں اسباب معیشت موجود ملیں گے۔ بائبل نے آدم علیہ السلام کی جنت کو آسمان پر نہیں اسی روئے زمین پر مانا ہے اور ہمارے ہاں کے جو مفسرین زمینی جنت کے قائل ہو گئے ہیں وہ عجب نہیں جو بائبل ہی سے متاثر کا نتیجہ ہو ورنہ قرآن کے الفاظ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدم علیہ السلام (معہ اپنی آئندہ ذریت کے) زمین پر پہلی بار بھیجے جارہے ہیں۔ اِلٰى حِيْنٍ سے اشارہ اس جانب بھی ہو رہا ہے کہ زمینی زندگی بھی مستقل نہیں اور آدم زاد کو اس پر قانع نہ ہو جانا چاہیے۔

ف ۳۱ (قیامت کے دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بہ طور خرق عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رُو سے جھٹلانا اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت قرآنی کے خلاف ہے محض اپنی سطحیت کا مظاہرہ ہے...... یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے۔ اور معمولات عام کے خلاف مستثنیات وعجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ جو خرق عادت بہ طور معجزہ کے ہوا ف ۳۲ آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس وحجاب مقاصد شرعی میں سے ہیں۔ اور برہنگی ونیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو بہر حال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قال کثیر من العلماء هذه الاٰية دليل على وجوب ستر العورة (قرطبی) يدل على

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾ ع

فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے نکلنا ہے ف ۳۱

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے ف ۳۲ اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں ف ۳۳ اے اولاد آدم!

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ

ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ

نکلوا دیا اس طرح کہ دونوں سے اُن کا لباس بھی اتروا دیا تھا جس سے کہ ان دونوں کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

لگے ف ۳۴ بیشک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے ف ۳۵

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے تو شیطانوں کو رفیق انہی لوگوں کا بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ف ۳۶

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا

اور جب یہ لوگ کوئی بیہودگی کر گزرتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے

وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ

اور خدا نے ہم کو بھی بتایا ہے ف ۳۷ آپ کہہ دیجئے اللہ ہرگز بیہودگی نہیں بتلاتا ہے

فرض ستر العورة لاخباره انه انزل علينا لباسا يوارى سواٰتنا (جصاص) وقد اتفقت الامة على معنىٰ ما دلت عليه الاٰية من لزوم فرض ستر العورة (جصاص) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے بہ طور اپنے ایک انعام خاص کے۔ انزلنا کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ قيل انه وصفه بالانزال لان البركات تنسب الى انها تاتى من السماء (جصاص) غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسباب آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ رِيْشًا۔ ہربرٹ اسپنسر و ویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک غایت زینت و آرائش ہی بتائی ہے۔ ف ۳۳ (اس انعام الٰہی کو، اور ادائے حق نعمت کرتے رہیں) وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا، جس سے ستر جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں، اللہ کے فضل وکرم کی نشانیوں میں سے ہے۔ ف ۳۴ حجاب وستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصہ آدم علیہ السلام کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار وتاکید کے ساتھ آ رہا ہے۔ وفى هذا ايضا دليل على وجوب ستر العورة (قرطبی) لَا يَفْتِنَنَّكُمْ۔ یعنی اب جبکہ تمہیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا۔ ہرگز اس کے پھندے میں نہ آ جانا۔ انما معناه التحذير من فتنة الشيطان والزام التحرز منه (جصاص) اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرا دیا، جس سے انہیں جنت چھوڑنا پڑی۔ اى اغواهما حتى فعلا ما استحقابه الاخراج منها (جصاص) ف ۳۵ (عموماً وعادۃً) اور چونکہ وہ مخلوق تمہارے لیے غیر مرئی ہے، اس لیے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لیے بھی بڑی احتیاط اور ہمہ وقت چوکنے رہنے کی ضرورت ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادت عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ ورؤيتهم اياها من حيث لانراهم فى الجملة لا تقتضى امتناع رؤيتهم و تمثلهم لنا (بیضاوی) هُوَ وَقَبِيْلُهٗ سے مراد جن وشیاطین سمجھے گئے۔ قال مجاهد يعنى الجن والشياطين (قرطبی) مِنْ حَيْثُ۔ کیفیت کا بیان ہے یعنی اس طرح پر شیطان اور شیطانی لشکروں کے غیر مرئی ہونے کا اثبات ہے۔ ف ۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہے میں آؤ گے، معلوم ہو گا کہ اُسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو) آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لیے ہے۔ شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔ ف ۳۷ آج بھی اہل باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بیہودگی کی حمایت میں رہتا ہے۔ پہلے تو خاندانی رواج اور برادری کے دستور اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے۔ یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم کرتے کیسے؟ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشة کے تحت میں اعتقادی، عملی، ہر قسم کی بیہودگی آ گئی۔

ف۳۸ یہ کیسا جہل مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمہیں آزادی عمل دے رکھی ہے، اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرز زندگی سرتاسر قانون الٰہی کے منافی ہے، اُسے اُس کا منظور شدہ بتارہے ہو؟ ف۳۹ یعنی ہر امر میں توسط وتوازن کا طریقہ جو مغز شریعت ہے۔ اور اصل اصول ہے عبادات، معاملات واخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشة (بیہودگی) سے نسبت کیا؟ ای بالعدل و هو الوسط من كل شئ المتجافي عن طرفي الافراط والتفريط (بیضاوی) ف۴۰ (اپنے وقت مقرر پر یعنی حشر میں) كَمَا بَدَاَكُمْ۔ یعنی جس طرح اوّل بار تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔ قال ربيع بن انس توجهوا بالاخلاص لله تعالى لا لوثن ولا لغيره (جصاص) عِنْدَ۔ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ عند بمعنى في (روح) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد ظرف زمان ومکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں۔ اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل القدر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔ في كل وقت سجود او في كل مكان سجود (کشاف) واختلفوا في ان المراد منه زمان الصلوة او مكانها والاقرب هو الاول (کبیر) اي في وقت كل سجود (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے سلوک ظاہر وباطن کی اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ سے طاعت ظاہری اور مخلصین سے طاعت باطنی کی جانب اشارہ ہے۔

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي

کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو، جس کی (کوئی بھی) سند نہیں رکھتے ہو ف۳۸ آپ کہہ دیجئے کہ میرے

بِالْقِسْطِ ۗ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

پروردگار نے تو عدل (واعتدال) بتایا ہے ف۳۹ اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو

وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ

اور اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو دین کو اسی کے واسطے خالص کر کے اس نے جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اسی

تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ

طرح تم پھر پیدا ہو گے ف۴۰ ایک گروہ کو تو اس نے راہ دکھا دی، اور ایک گروہ ہے کہ ان پر گمراہی ثابت

الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ

ہو چکی، انہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے، اللہ کو

دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ يَا بَنِي

چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پڑے ہوئے ہیں ف۴۱ اے

آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا

اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ

وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ع

اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ف۴۲

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ

آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے،

وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا

اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟ ف۴۳ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے

ف۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہل باطل اپنے لیے ہی حسن ظن رکھے ہوئے ہیں۔ فَرِيْقًا هَدٰى۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوت اختیار وانتخاب سے صحیح کام لیا ہے۔ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ یہ گمراہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوت اختیار وانتخاب سے غلط کام لیا۔ ف۴۲ (اس لیے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ) اسراف نام ہے صرف کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے کا الاسراف هو مجاوزة حد الاستواء فتارة يكون بمجاوزة الحلال الى الحرام و تارة يكون بمجاوزة الحد في الانفاق (جصاص) اور اندازہ معتبر شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی نہ کہ اندازۂ نفسانی یا جذباتی۔ اسی لیے لَا تُسْرِفُوْا کے معنی یہ بیے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ لا تسرفوا اي بالافراط في الطعام والشراب كما ذهب اليه كثير (روح) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات ومشروبات میں اصل حلت ہی ہے۔ صرف حرمت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ اباحت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ يتناول جميع المطعومات والمشروبات فوجب ان يكون الاصل فيها هو الحلّ في كل الاوقات و في كل المطعومات والمشروبات الا ما خصّه الدليل المنفصل والعقل ايضا مؤكد له لان الاصل في المنافع الحل والاباحة (کبیر) زِيْنَتَكُمْ۔ یہاں زینت لباس یا لباس زینت کے معنی میں ہے۔ اي زينتكم و لباس زينتكم (کشاف) یعنی الثياب قال مجاهد ما يواري عورتك (معالم) المراد من الزينة لبس الثياب (کبیر) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد یہاں نماز وطواف کے معنی میں ہے۔ اي كلما صليتم او طفتم (کشاف) اي طواف او صلاة و الى ذلك ذهب مجاهد و ابو الشيخ وغيرهما (روح) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مشرکین عرب طواف کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے۔ وجوب اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہورہا ہے۔ روی عن ابن عباس و ابراهيم و مجاهد و طاؤس والزهري۔ ان المشركين كانوا يطوفون بالبيت عراة (جصاص) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے، اس وقت کے ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے۔ نیز اس وقت وجوب اور زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ فقہاء ومفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ هذه الأية تدل على فرض ستر العورة في الصلوة (جصاص) يدل على ان حكم الأية غير مقصور على الطواف و ان المراد بها الصلوٰة (جصاص) خذوا زينتكم امرٌ و ظاهر الامر الوجوب فهذا يدل على وجوب ستر العورة عند اقامة كل صلاة (کبیر) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ اس کے تحت میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلف بندہ ایسا نہیں جو کسی حال میں ثواب وعقاب دونوں سے خالی ہو۔ اب جب ثواب کی اس سے نفی ہورہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجب عتاب ہو۔ لان معنى محبة الله تعالى للعبد ايصاله الثواب اليه لعدم هذه المحبة عبارة عن عدم حصول الثواب و متى لم يحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع على انه ليس في الوجود مكلف لايثاب ولا يعاقب (کبیر) ف۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مَنْ حَرَّمَ۔ استفہام انکاری ہے اور انکار میں زور وتاکید مقصود ہے۔ المراد منه تقرير الانكار والمبالغة في تقرير ذلك الانكار (کبیر) زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ زینت خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباس فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ الزينة منها الملبس الحسن اذا قدر عليه صاحبه (قرطبی) لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامان آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔ اي من الثياب و كل الملبس يتجمل به (کشاف، بیضاوی) امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید وقت نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کیے ہیں۔ بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ زینت سے مراد انہوں نے جمیع انواع

زینت لی ہے۔ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی کھانے پینے کی جائز، پاکیزہ، لذیذ اشیاء۔ الطیبت اسم عام لما طاب کسبا و طعما (قرطبی) قیل ھی کل مستلذ من الطعام (قرطبی) کل ما یستلذ ویشتھی من انواع الماکولات والمشروبات (کبیر) یتناول جمیع انواع الزینۃ فیدخل تحت الزینۃ جمیع انواع التزیین و یدخل تحتھا تنظیف البدن من جمیع الوجوہ و یدخل تحتھا المرکوب و یدخل تحتھا ایضا انواع الحلی لان کل ذلک زینۃ ولو لا النص الوارد فی تحریم الذھب والفضۃ والابریسم علی الرجال لکان ذلک داخلا تحت ھذا العموم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات ولذات بھی اس کے اندر مانے ہیں۔ مثلاً خوشبو یا حسن نسوانی۔ یدخل ایضا تحتہ التمتع بالنساء و بالطیب (کبیر) آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز و حلال ہیں اور کچھ ناجائز و حرام اور یہیں سے تردید ہوگئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ”کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہوکر اسے ناپاک نہیں کرسکتی“۔ (مرقس ۷:۱۵) فقہاء و مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ دلت الایۃ علی لباس الرفیع من الثیاب والتجمل بھا فی الجمع والاعیاد و عند لقاء الناس و مزاورۃ الاخوان (قرطبی) محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابل ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے۔ البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو شغل آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے، منع کیا ہے۔ قال ابو الحسن علی بن المفضل المقدسی شیخ اشیاخنا و ھو الصحیح ان شاء اللہ عزوجل فانہ لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ امتنع من طعام لاجل طیبہ قط بل کان یاکل الحلوی و العسل والبطیخ والرطب و انما یکرہ التکلف لمافیہ من التشاغل بشھوات الدنیا عن مھمات الاخرۃ (قرطبی) ف۴۳ (اور اپنی قوت علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں) ھِیَ لِلَّذِیْنَ ...... یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ یعنی ساری نعمتیں اہل ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں۔ اور آخرت میں تو خالص الخاص انہی کے لیے ہوں گی ہی۔ بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔ تم الکلام علی الحیوۃ الدنیا ثم قال خالصۃ یوم القیمۃ ای یخلص اللہ الطیبات فی الاخرۃ للذین امنوا و لیس للمشرکین فیھا شیءٌ کما کان لھم فی الدنیا من الاشتراک فیھا (قرطبی) و ھی خالصۃ لھم دون المشرکین (جصاص) ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ھذا قول ابن عباس والضحاک والحسن و قتادہ والسدی و ابن جریج و ابن زید (قرطبی) زمخشری نے کہا کہ صرف ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور لغیرھم کی تصریح نہ کرنے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو ان نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں۔ کافروں کو بھی یہ نعمتیں اگر دنیا میں مل رہی ہیں تو محض تبعاً۔ لینبہ علی انھا خلقت للذین امنوا علی طریق الاصالۃ و ان الکفرۃ تبع لھم (کشاف) دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں خاص اہل ایمان ہی کا حصہ ہیں۔ و قیل المعنی ان ھذہ الطیبت الموجودات فی الدنیا ھی خالصۃ یوم القیامۃ للمؤمنین فی الدنیا و خلوصھا انھم لایعاقبون علیھا ولا یعذبون (قرطبی) ھی خالصۃ یوم القیمۃ لھم من شوائب التنغیص والتکدیر (جصاص) ف۴۵ یعنی اس کی ذات و صفات سے متعلق مشرکانہ و ملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام و ہدایات اس کی طرف سے نہیں انہیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم و ظن سے یا تقویٰ کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون۔ حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد و اعمال کے دائرہ میں فلاں اور فلاں ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس طرح امر ربی بالقسط الخ میں تمام مامورات داخل ہوگئے۔ اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آگئے۔ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کی تصریح و تاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ فضیحے ہی نہیں جو منظر عام پر آچکے ہوں، بلکہ بدی کا فی نفسہ استیصال کرنا چاہتا ہے، خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہونے پائے...... پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آسکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو صرف ظاہر کی لیپ پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ الْفَوَاحِشَ۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ الاعمال المفرطۃ فی القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحہ ای تزاید (کشاف) الْاِثْمَ۔ اس کے تحت میں جملہ معاصی آگئے۔ الاثم اسم للافعال المبطئۃ عن الثواب (راغب) عام لکل ذنب (کشاف) الْبَغْیَ۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آگئیں۔ یعنی معاصی متعدی۔ ای الظلم و تجاوز الحد فیہ (قرطبی) ای الظلم والکبر (کشاف) روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الْفَوَاحِشَ سے اشارہ رذائل قوت بہیمیہ کی جانب ہے۔ اور الْبَغْیَ سے رذائل قوت سبعیہ کی جانب اور اَنْ تَقُوْلُوْا سے رذائل قوت نطقیہ کی جانب۔ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری، نہ جزوی نہ کلی، نہ عقلی نہ نقلی۔ ف۴۶ (بلکہ علم الٰہی میں جو وقت بہ تقاضائے حکمت اس سزا کے لیے معین ہے۔ مجرد اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہوجائے گی) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی ہر قوم کے لیے، عذاب و ہلاکت کا ایک وقت علم الٰہی میں مقرر ہے۔ سَاعَةً۔ ساعت کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ عرف عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کے لیے مستعمل ہے۔ ساعت اصطلاحی وفلکی مراد نہیں۔ لانھا اقل الاوقات فی استعمال الناس

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ كَذٰلِكَ

دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خالص (انہی کے لئے) ہم اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ

کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ف۴۴ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ

نے تو بس بیہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (ان کو بھی) اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی) اور گناہ کو اور

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ناحق کسی پر زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے ف۴۵ اور ہر امت کے لئے

اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

ایک میعاد معین ہے سو جب ان کی میعاد معین آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ف۴۶ اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ

آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں، سو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کرلے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۴۷ اور جو لوگ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

جھٹلائیں گے ہمارے احکام اور ان سے تکبر کریں گے وہی لوگ تو دوزخ

يقول المستعجل لصاحبه في ساعة يريد اقصر وقت و اقربهٔ (کشاف) ذکر الساعة لان هذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان في غاية القلة و ليس المراد بها الساعة في مصطلح المنجمين (روح) وٹ ۴۷ (ایسے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کرلینا بھی دشوار نہیں) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ۔ یہ ذکر ارواح کا ہے۔ یہ مخاطب انسان سے

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

والے ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وٹ ۴۸ سو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے، اُن کے نصیب کا جو کچھ

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

حصہ ہے وہ انہیں مل رہے گا وٹ ۴۹ چنانچہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد ان کی جان

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

قبض کرنے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے

اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

تھے؟ وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہو گئے اور گواہی دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

کافر ہی تھے وٹ ۵۰ (اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ دوزخ میں جنات اور

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا

انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں، جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں)

دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا

داخل ہوگی اُس کی ہم مسلک دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی وٹ ۵۱ یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ

انہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ

اس وقت ہوا تھا جب اس کی آفرینش ابھی عالم ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی۔ اور ابھی وہ عالم ارواح ہی میں تھا۔ اِمَّا۔ اِنْ شرطیہ ہے اور ما صلہ کا۔ ما صلة اى ان يأتكم (قرطبی) ان شرطية ضمت اليها ما مؤكدة بمعنى الشرط (کشاف) اٰیٰتِیْ۔ یعنی میرے احکام و ہدایات۔ اى فرائضي و احكامي (قرطبی) جن علمائے محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین و مطیعین کو کوئی خوف و غم نہ ہوگا، وہ اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں (کبیر) وٹ ۴۸ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بتا دیئے ہیں۔ ایک طرف اہل صلاح و تقوٰی کا گروہ ہے۔ دوسری طرف ان منکرین و متکبرین کا۔ هُمْ۔ آیت میں موقع حصر پر آیا ہے۔ اور اسی سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائے گا، عذاب دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین و منکرین ہوں گے۔ و قد تمسک اصحابنا بهذه الآية على ان الفاسق من اهل الصلوٰة لا يبقى مخلدا في النار لانهٗ تعالٰى بيّن ان المكذبين باٰيات الله والمستكبرين عن قبولها هم الذين يبقون مخلدين في النار و كلمة "هم" تفيد الحصر (کبیر) اِسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا۔ یعنی ہمارے آیات و احکام کے قبول کرنے سے تکبر کریں گے۔ اپنی عقل کو وحی الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھیں گے۔ وٹ ۴۹ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افتراء علی اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں، بلکہ انسانی ہوں انہیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب بایات اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اسے اس کا فرمان نہ ماننا۔ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ۔ یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ اُن کے لیے مقدر ہو چکے ہیں۔ اى ما كتب لهم من رزق و عمر و عمل (قرطبی) وٹ ۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہے گا) رُسُلُنَا۔ رسل یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے۔ اى ملائكة العذاب (کبیر) حَتّٰى۔ یہاں، یہاں تک کے معنی میں نہیں، چنانچہ، کے معنی میں ہے۔ حتى ليست غاية بل هي ابتداء خبر عنهم (قرطبی) وٹ ۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہل دوزخ اس آخری اور بہانے نام راحت سے بھی محروم ہوں گے۔ وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا۔ ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔ اُمَمٍ۔ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ جن و انس دونوں کے بدگروہ ظاہر ہے کہ کافر ہی ہوں گے۔ اور آگے پیچھے، نئے پرانے ہر قسم کے کافر جہنم میں اکٹھے ہوں گے۔ فِيْٓ اُمَمٍ۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے۔ بعض نے في ما بينهم کے معنی میں بھی لیا ہے۔ اى مع امم ففى بمعنى مع (قرطبی) و معنى الدخول في الامم الدخول في ما بينهم (کبیر) اُخْتَهَا۔ یعنی اسی کی ہم عقیدہ و ہم مسلک۔ اى اختها في الدين والملة (قرطبی)

ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ
تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمہیں علم نہیں ف۵۲ اور ان کے اگلے
لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا
اپنے پچھلوں سے کہیں گے پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
چکھو ان حرکتوں کے عوض جو تم کرتے رہے ہو ف۵۳ بیشک جن لوگوں نے جھٹلایا
بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ
ہماری آیتوں کو اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے
وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ
اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں
الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ
نہ سما جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ف۵۴ ان کے لئے
جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ
دوزخ ہی کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اُوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح
نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
سزا دیتے ہیں ظالموں کو ف۵۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ
نیک عمل کئے ہم کسی شخص کے ذمہ اُس کی قدرت سے زائد کام نہیں رکھتے، یہی لوگ تو
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَ نَزَعْنَا مَا
جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے ف۵۶ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں

ف۵۲ (کہ عذاب کی زیادتی تمہاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بے خبری میں بھی ایک حکمت ہے اگر دوسروں کی زیادتی عذاب کا علم انہیں ہوجاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہوجاتی۔ اس لیے انہیں ان کے حال کی خبری سرے سے نہ دی گئی۔ ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الآخر اذلو علم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابہ لکان نوع سلوۃ لہ (قرطبی) رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا۔ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر و ضلالت میں تو بس انہی کے تابع اور پیرو تھے۔ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ۔ ضعف کے عام مشہور معنی تو دو گنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی و شدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ، مقدار مراد نہیں ہوتی۔ قال الازهری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد و لیس بمقصور علی المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادۃ غیر محصورۃ (کبیر) جائز فی الکلام العرب ان یقال لک ضعفہ یریدون مثلیہ وثلاثۃ امثالہ لانہ ای الضعف فی الاصل زیادۃ غیر محصورۃ (تاج) خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے۔ فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا کہ یہاں کوئی معین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ ضعفا ای زائدا علی عذابنا (بحر) و اختارہ ھنا غیر واحد (روح) اور اگر معنی دو گنے ہی کے سمجھے جائیں تو توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لیے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا۔ لِاُخْرٰىهُمْ۔ میں ل اجل کا ہے یعنی "ان کی بابت" کہیں گے۔ نہ کہ "ان سے" کہیں گے۔ اللام لام اجل لانھم لم یخاطبوا اولھم و لکن قالوا فی حق اولھم (قرطبی) اُخْرٰىهُمْ کے معنی پیروؤں، مقتدیوں اور کم درجہ والوں کے بھی ہوسکتے ہیں۔ اور اُوْلٰىهُمْ کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے۔ چنانچہ زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔

ف۵۳ غرض اہل جہنم میں باہم سخت گلخپ شروع ہوجائے گی۔ ایک دوسرے پر الزام و طعن سے کام لینے لگیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ یعنی تخفیف عذاب کے بارے میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں۔ تخفیف سے جس طرح ہم محروم ہیں تم بھی محروم ہو۔

ف۵۴ یعنی یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے جو جیسا کرے گا بھگتے گا۔ ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ براء بن عازب صحابی کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مرداری کی ہوتی ہے۔ اس پر آسمان کے فرشتے اُسے راستہ دینے اور اس کے لیے در آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قال السدی وغیرہ لا تفتح لارواحھم ابواب السماء و تفتح لارواح المومنین (کبیر) ذکروا فی صعود الروحین الی السماء الاذن لروح المؤمن و رد روح الکافر احادیث و ذلک عند موتھما (بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہیں گے اور آسمان کی طرف بلند نہ کیے جائیں گے۔ ای لا یصعد لھم عمل صالح (کشاف) و قیل لا تنزل علیھم البرکۃ ولا یغاثون (کشاف) حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ محاورۂ زبان میں اس سے مراد مطلقاً ایک امر محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل سکے گا اور نہ فلاں فعل ہوگا۔ و قد کثر فی کلامھم مثل ھذہ الغایۃ و مراد ھم لا الفعل کذا ابدًا (روح) ھذا نفی مغیاہ بمستحیل (بحر) انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے "اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔ (متی۔ ۱۹: ۲۳۔ ۲۴) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی ابواب ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

ف۵۵ یہ الظّٰلِمِيْنَ۔ یا اپنے اُوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اُوپر فَمَنْ اَظْلَمُ سے شروع ہوا ہے۔ قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا باللہ واتخذوا من دونہ الھًا و علی ھذہ التقدیر فالظّٰلمون ھھنا ھم الکافرون (کبیر) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ عذاب ہی کا اوڑھنا عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ ف۵۶ بندوں کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لیے قرآن مجید کا ایک عام دستور رہا ہے کہ اہل جہنم کی وعیدوں کے مقابل اہل جنت کی بشارتوں کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ یہاں ذکر جنت کے ضمن میں یہ جملہ معترضہ لا کر یہ بتا دیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں۔ اس کا ذریعہ عمل صالح ہے اور عمل صالح انہی احکام کی تعمیل کا نام ہے جو ہر بندہ کو اس کی وسعت و طاقت کے اندر ہی دیے جاتے ہیں۔ جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کر کے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کے لیے خدا معلوم کیسی کیسی دشوار منزلوں سے ہو کر گزرنا ہوگا۔۔۔ دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے اُسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وسع کے معنی خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہوسکے۔ سخت و شدید کوشش کے لیے لفظ جہد کا آتا ہے۔ وسع کا نہیں۔ معنی الوسع ما یقدر الانسان علیہ فی حال السعۃ والسھولۃ لا فی حال الضیق والشدۃ (کبیر) واما اقصی الطاقۃ یسمٰی جھدًا لا وسعًا (کبیر)

وک۵۷ (اور اس رفع کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف وانبساط کے ساتھ خوشی خوشی رہیں گے) ابھی اوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہم بغض ونفرت کا۔ اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہو رہا ہے ان کے باہمی رفق والفت کا...... خوشدل دوستوں کی یکجائی ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ میرا اور عثمان وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ) آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا میں اہل حق کے درمیان بھی کدورت ومخالفت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخول جنت سے مانع نہیں۔ وک۵۸ (چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا) مِنْ تَحْتِهِمُ۔ ''ان کے نیچے'' سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے والمراد تجری من تحت غرفها مياه الانهار (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ... الله عبدیت تو اہل جنت کے رگ وریشہ میں رچی ہوگی۔ وہاں پہنچ کر بھی زبان تمام تر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔ لِهٰذَا میں هٰذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ قدر ومنزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی۔ مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔ ای الی هذا الفوز العظیم و هو الایمان (مدارک)

فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ

غبار (رنج) ہوگا اسے ہم دور کر دیں گے وک۵۷ اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا

اور وہ کہیں گے کہ (ساری) تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس (مقام) تک پہنچا دیا اور ہم تو (کبھی بھی یہاں

لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

تک) نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچا دیا ہوتا واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر

رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا

سچائی کے ساتھ آئے تھے وک۵۸ اور انہیں ندا دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اب وارث ہوگئے ہو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

بہ عوض اس کے کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو وک۵۹ اور جنت والے ندا دیں گے

اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

دوزخ والوں کو کہ ہم نے تو جو ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ پایا وک۶۰

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ

اب (تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ وک۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔

مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر وک۶۲ جو

یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ

اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے اور اس میں کجی تلاش کیا کرتے اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی

آخرت کے منکر تھے وک۶۳ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی وک۶۴ اور اعراف کے

هَدٰىنَا اللّٰهُ۔ (چنانچہ ہمیں ایمان واعمال کا وہ طریقہ بتا دیا جو جنت تک پہنچاتا ہے اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وصول الی المقصود وہبی ہے کسبی نہیں اور جس کسب کا ظاہراً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔ وک۵۹ (اور جنت تو تمہاری اصلی میراث اور تمہارے مورث اعلیٰ آدم علیہ السلام کی جگہ تھی ہی) تِلْكُمُ۔ تلک جو اشارہ بعید کے لیے آتا ہے۔ یہاں هذه کے معنی میں اشارہ قریب کے لیے ہے۔ تلکم بمعنی هذه (قرطبی) وَنُوْدُوْٓا۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا۔ اس لفظ میں کمال تعظیم و احترام اور مزید تقویت ہے اہل جنت کے لیے۔ یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو۔ اب کوئی تمہیں یہاں سے بے دخل نہ کر سکے گا۔ معناه صارت اليكم كما يصير الميراث الى اهله (کبیر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اس سے ظاہراً دخول جنت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں لیکن حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی اپنے اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ رحمت الٰہی سے جائے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تشریح کی ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ وک۶۰ (اور انہی کے وعدہ کے مطابق ایمان اور عمل صالح سے جنت کے حقدار ہوگئے) وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ۔ اہل جنت یہ ندا فرط فرحت وسرور میں آکر دیں گے۔ بعضوں نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جو بعد مسافت دکھایا گیا ہے اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل جنت کی آواز اہل جہنم تک کیسے پہنچے گی؟ سوال تمام تر سطحی ہے اور سائل نے عالم آخرت کے قویٰ کو ناسوت کے قویٰ اور ناسوتیوں کی پابندیوں پر قیاس کیا ہے۔ وک۶۱ (کہ کفر کے باعث دوزخ میں پڑ گئے اور اب تو اللہ اور رسول کے صدق کی اور اپنی گمراہی کی حقیقت ظاہر ہو کر رہی؟) وک۶۲ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ یعنی من الملئکة (قرطبی) و هو ملک یسمع اهل الجنة والنار (مدارک) وک۶۳ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔ معنی ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔ ای کانوا بها کافرین فحذف و هو کثیر فی الکلام (قرطبی) یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی دین حق میں عیب واعتراض تلاش کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے تھے المراد القاء الشکوک و الشبهات فی دلایل دین الحق (کبیر) یَصُدُّوْنَ۔ جس طرح متعدی ہے، لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔ ای یعرضون (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالب صادق کو اس سے نفرت ہو جائے۔ مثلاً اہل بدعت واہل ریاء۔ وک۶۴ (بطور دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی تلخیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک) اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہل جنت واہل جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی۔ عالم آخرت کی فضا کو تمام تر اس عالم عنصری کے مادی قوانین کا پابند ومحکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ آڑ تو صرف اسی لیے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے نظر کی حائل نہ ہوگی۔ ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے۔ ليس يعني به ما يحجب البصر و انما يعني ما يمنع من وصول لذة اهل الجنة الى اهل النار واذية اهل النار الى اهل الجنة۔ (راغب) بَیْنَهُمَا۔ هما سے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں مقام بھی۔ ای بین النار و الجنة (قرطبی) بین الجنة والنار او بین الفریقین (کشاف۔ مدارک)

الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اوپر (بہت سے) اشخاص ہوں گے وہ سب کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے، اور اہل جنت کو

أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوهَا

پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور (ابھی) یہ لوگ اس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ

اور وہ (اس کے) آرزومند ہوں گے، وف۶۵ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف

أَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

جا پھریں گی تو بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو شامل نہ کرنا (ان) ظالم لوگوں کے

الظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ ع وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا

ساتھ وف۶۶ اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو

يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمٰهُمْ قَالُوا مَا أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ

جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور) کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ

اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا وف۶۷ کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے

لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

کہ ان پر اللہ رحمت نہ کرے گا وف۶۸ (ان کو تو یہ حکم ہو گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف

عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ

واقع ہوگا اور نہ تم مغموم ہو گے وف۶۹ اور دوزخ والے پکاریں گے

أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا

جنت والوں کو کہ ہمارے اوپر کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اس سے جو تمہیں

وف۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائے گی اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اَلْاَعْرَاف۔ لفظی معنی بلند چیز کے ہیں الاعراف فی اللغة المكان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس انه قال الاعراف الشیء المشرف (قرطبی) یہاں مراد جنت وجہنم کی اس درمیانی دیوار سے ہے جس کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے هو الذی علیه الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذلک السور المضروب بین الجنة والنار و هذا قول ابن عباس (کبیر) و هو السور الذی ذکره الله فی قوله فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ (قرطبی) سورٌ بین الجنة والنار (راغب) عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ۔ یہ اہل اعراف کون لوگ ہوں گے؟ متعدد صحابیوں اور متعدد تابعین سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔ قال عبدالله بن مسعود و حذیفة بن الیمان و ابن عباس والشعبی والضحاک و ابن جبیر هم قومٌ استوت حسناتهم وسیاٰتهم (قرطبی) یَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰهُمْ۔ علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہوں گے۔ اور اس لیے بھی پہچان لیے جائیں گے کہ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ان کی پیشانیاں اور چہرے بھی ذریعہ شناخت ہوں گے۔ اہل جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی۔ اور اہل دوزخ کے چہرہ پر ظلمت و کدورت۔ ای بعلاماتهم التی اعلمهم الله بها کبیاض الوجه و سواده (بیضاوی) ای بعلاماتهم و هی بیاض الوجوه و حسنها فی اهل الجنة و سوادها و قبحها فی اهل النار الی غیر ذلک من معرفة حیز هؤلاء و حیز هؤلاء (قرطبی) وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ یہ اہل جنت کو پکارنے والے وہی اصحاب اعراف ہوں گے۔ وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ۔ طمع کے ایک معنی علم کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن جانتے ہوں گے کہ اب داخل ہوں گے۔ بمعنی و هم یعلمون انهم یدخلونها و ذلک معروف فی اللغة ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) وف۶۶ یہ مناجات فرط خشیت و عبودیت سے ہوگی۔ ورنہ اہل اعراف تو جانتے ہی ہوں گے کہ ان کا شمار اہل جہنم میں نہیں ہو سکتا۔ و قد علموا انه لا یجعلهم معهم فهذا علی سبیل التذلل (قرطبی) وف۶۷ (اور اپنی اس قوت و جمعیت کی بنا پر انبیاء کی راہ کا اتباع نہ کرنا) قَالُوْا۔ یہ بول انتہائی فرط ہول و دہشت سے ہوگا۔ وف۶۸ (اور تمہارے خیال میں ہر طرح حقیر و ذلیل اور مستحق حقارت و ذلت تھے) اَهٰؤُلَآءِ الَّذِیْنَ۔ یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں۔ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے مادی دولت و وجاہت سے دنیا میں تہی دامن ہوتے ہیں اور اس لیے اہل کبر و ضلال کی نظروں میں حقیر و ذلیل۔ جیسے حضرات صحابہ میں بلال حبشی و سلمان فارسی رضی اللہ عنہما وغیرہما تھے۔ اشارة الی قوم من المؤمنین الفقراء کبلال و سلمان و خباب وغیرهم (قرطبی) الاشارة الی ضعفاء اهل الجنة الذین کان الکفرة یحتقرونهم فی الدنیا (روح) وف۶۹ قول انہی اہل اعراف کا اہل دوزخ کو مخاطب کر کے چل رہا ہے کہ تم تو دنیا میں اہل ایمان کو ہر طرح حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ مگر یہاں تو دیکھو انہیں اس اعزاز و تکریم کا مقام مل گیا۔

واے (اس کے علم کے خلاف بھروسہ کیسے اور ہم دین بھی تو تمہیں نفع کیا ہوا؟ تم نے اپنے قوی کو ان سے لطف اٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پھر تمہارے مسخ شدہ اور قہر زدہ حلق اور معدہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ انگاریں گی) حرمهما على الكفرين۔ تحریم سے مراد دار الجزاء میں حرمت شرعی تو ہو نہیں سکتی۔ مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمہارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔ حضرت مولانا ئے رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظ فیہ ما فیہ کوفن تصوف وسلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتہ بھی اس میں خوب آ گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "اہل دوزخ با اہل بہشت فغان کنند کہ آخر کرم شما۔ ازاں عطاہا و بخششہا کہ حق تعالیٰ بہ شما کردہ است، از روئے صدقہ بندہ نوازی بہرہ ما نیز اگر چیزے ریزیدہ ایثار کنید چہ شود؟ وللارحی من کاس الاکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم ومی گدازیم ازاں میوہ یا دازاں آبہائے زلال قطرہ بر جان ما بریزید چہ شود۔ بہشتیاں جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دار دنیا بود۔ چوں آنجا نہ کشتید و نورزیدہ و آں ایمان وصدق بود وعمل صالح۔ اینجا چہ برگیرید؟ اگر، از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہا را بسوزاند و بہ گلو فرو نہ رود۔ و اگر در کیسہ نہید در یدہ شود و بیفتد (فیہ ما فیہ صفحہ ۷۷، ۷۸، معارف پریس اعظم گڑھ) ۔

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۚ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام

الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا

کر رکھا ہے واے (وہ کافر) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا سو آج ہم (بھی) انہیں بھلائے رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا

لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱

پیش آنا بھلائے رہے تھے اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تھے واے

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچا دی ہے جسے ہم نے علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے ان لوگوں کے

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

حق میں بطور ہدایت و رحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں، واے وہ بس اس کے مصداق ہی کا انتظار

تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کر رہے ہیں (سو) جس روز اس کا مصداق پیش آ جائے گا تو وہ لوگ جو اس کو پیشتر سے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

بھولے ہوئے تھے بول اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے واے سو اب ہے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا

ہمارا سفارشی جو ہماری سفارش کر دے؟ یا کیا ہم (پھر) واپس جا سکتے ہیں تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف

نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

کچھ اور کریں؟ یقیناً انہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان سے گم ہو گیا جو کچھ وہ

نادی اصحب النار اصحب الجنة۔ اہل دوزخ کی یہ فریاد اہل جنت سے فرط اضطرار و شدت اضطراب سے ہوگی۔ ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے۔ ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے جاتے ہیں بھوک اور پیاس کی شدت سے اہل دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔ ویکون فی الآیة دلیل علی نهاية عطشهم و شدة جوعهم (روح) حرمهما۔ ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا کھانا پانی ہے۔ یعنی طعام الجنة و شرابها (قرطبی) بعض فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ في هذه الآية دليل على ان سقي الماء من افضل الاعمال (قرطبی) واے جحد کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بناء پر انکار کے نہیں بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کیے چلے جانے کے ہیں۔ الجحود نفي ما في القلب اثباته و اثبات ما في القلب نفيه (راغب) ما کانوا۔ میں ما مصدری ہے یعنی جیسا کہ انہوں نے بھلا دیا تھا۔ ما مصدرية اي كنسيهم (قرطبی) دینهم۔ سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔ الذي امرهم الله تعالى به (روح) لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود دین جسے وہ اختیار کیے ہوئے تھے اسی کو انہوں نے بجائے زاد آخرت بنانے کے محض ایک کھیل، تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ عبادات ہیں تو ان میں ناچ گانا، روشنی و چراغ، عقاید ہیں تو ان میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ تعلق، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گزار دیتے ہیں۔ غرتهم الحيوة الدنيا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور یقینی وبال ان پر نہیں آتا۔ یہ دھوکے میں آ جاتے اور اپنے انہی عقائد باطلہ پر جم جاتے ہیں۔ ننسهم۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان وانساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔ و قد جاء النسيان بمعنى الترك كثيرا (روح) ف بکتاب۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بجائے الکتب کے کتاب تنوین کے ساتھ اظہار عظمت شان کے لیے ہے۔ الكتاب هو القران و تنوينه للتفخيم (روح) واے (اور جس کتاب میں کسی خطا و غلطی کا امکان نہیں) على علم منا به لم يقع فيه سهو ولا غلط (قرطبی) واے (اور اب تو بس ان حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے) ھل ینظرون۔ یعنی منکرین یا اتمام حجت و وضوح حق کے بعد بھی انکار کیے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔ تاویله۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجے کے ہیں عاقبة ما وعدلهم في القرآن (ابن عباس رضی اللہ عنہ) ای الا عاقبة امره و ما یؤل الیه من تبین صدقه (کشاف)

یوم یاتی تاویله۔ یعنی ان آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت۔ یوم آخرت۔ ای تبدو عواقبه یوم القیامة (قرطبی)

يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

گھڑا کرتے تھے وا۷ے بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں

وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اور زمین کو پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر و۵۸ے

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ

ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، وہ جلدی سے آ لیتی ہے اور سورج

وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ

اور چاند اور ستاروں کو (اسی نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی)

وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ

اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہوا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، و۷ے اپنے پروردگار سے دعا کرو

تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۵۵﴾

عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا وا۷ے

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ

اور ملک میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو

خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ

ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی) بیشک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا

بہت نزدیک ہے و۸۷ے اور وہ (خدا) وہی (خدا ہے) جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے

بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا

خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے و۹۷ے چنانچہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں

و۷ے یعنی یہ اقرار و اعتراف اب سب بے اثر رہے گا اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ لَوْ رُدُّ۔ یعنی ہم دنیا میں جو دار العمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی دنیا میں جا کر ان اعمال کفر و فسق کے برعکس اب کی ایمان و اعمال صالحہ اختیار کریں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خلق یعنی عدم محض سے انہیں وجود میں لے آیا۔ یہ نہیں کہ وہ سب پہلے سے خود بخود یا خود آفرید موجود تھا اور خدا نے ان میں صرف ترکیب و ترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بہت سی جاہل مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ پر عظمت و ہیبت ناک آسمان جن کی پرستش بطور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری، ہندی اور یونانی سب اپنے اپنے اوج تمدن کے وقت کرتے آتے ہیں اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بہ کثرت پوجی گئی ہے۔ یہ معبود مسجود ہونا تو الگ رہا، خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں۔ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکت ارض یا حرکت شمس کا اور بیان اس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے۔ یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔ ای فی ستة اوقات (بیضاوی۔ روح) اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔ قد یعبر به عن مدة من الزمان ای مدة كانت (راغب) البتہ توریت (کتاب پیدائش باب اوّل) میں صبح شام کی تصریح بار بار آئی ہے۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اب اس کے بعد اس نے حکومت و تدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔ و کنی بالعرش عن العز و السلطان و المملكة (راغب) و المراد بالاستواء علی العرش نفاذ القدرة و جریان المشیة (کبیر) و اذا استقام له ملكه و اطرد امره و حكمه قالوا استوی علی عرشه هذا ما قاله القفال واقول من الذی قاله حق و صدق و صواب (کبیر) یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحب ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد و خواہش سے اپنا ظہور و نمود کرتی رہیں۔ اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمامتر ارادۂ الٰہی کے تابع و محکوم ہیں۔ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا۔ دن آنا فانا گزرتا معلوم ہوتا ہے، حتی کہ دفعۃً رات آجاتی ہے (تھانوی) حث کے عام معنی جلدی و تیزی کے ہیں۔ الحث الاعجال والسرعة۔ لیکن حثیثاً کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای یطلبه دائما من غیر فتور (قرطبی) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ۔ چاند، سورج، ستارے ان میں سے کوئی بھی صاحب ارادہ و صاحب تصرف دیوی دیوتا نہیں بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، اختیار میں ہر شے میں مجبور و محکوم ہے۔ اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرفات کرے۔ بِاَمْرِهٖ۔ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، ستارے، احکام تشریعی کے مکلف نہیں۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں۔ نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کر کے انتظامات خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق و امر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔ و۷ے (یعنی وہ پروردگار عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے) وا۷ے (اور دعا میں آداب دعا و عبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آداب دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دعا نہ محالات عقلیہ و عادیہ کی مانگی جائے۔ اور نہ معاصی کی طلب و تمنا پیش کی جائے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لیے دی جا رہی ہے۔ رَبَّكُمْ۔ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلا دیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم اور سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے۔ وہی تو تمہاری مادی و روحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔ تَضَرُّعًا۔ دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے۔ چاہیے کہ حسب شان عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوع قلب کے ساتھ ہو۔ بہ طور حکومت کے نہ ہو کہ جیسے موکلوں، جنات یا شیاطین کے لیے منتر عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ خُفْیَةً۔ اور دعا چلا چلا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے کہ: ”اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائے گی“۔ (متی۔ ۶:۷) دوسری بات یہ ہے کہ دعا چپکے چپکے مانگنے میں ریا و نمائش کا بھی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث میں ایسی ہی دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آئی ہے کہ لوگ دعا چلا چلا کر مانگ رہے تھے، ان پر آپ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دور ہے وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سنتا بھی ہے۔ عن ابی موسی الاشعری قال رفع الناس اصواتهم بالدعاء فقال رسول الله ﷺ ایها الناس اربعوا علی انفسكم فانكم لا تدعون اصم و لا غائبا ان الذی تدعون سمیع قریب اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی جو دعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ ہی چاہیے۔ ولقد استدل اصحاب ابی حنیفة بهذا علی ان اخفاء آمین اولی من الجهر بها لانه دعاء (قرطبی) و فی ذلك دلیل علی ان اخفاء آمین من قراءة فاتحة الكتاب فی الصلوة افضل من اظهاره لانه دعاء (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں

اشارہ ہے طریقِ جلوت وخلوت یا عباداتِ جوارح وعباداتِ قلب کی طرف۔ ف۷۸ (سو تمہیں اجر ہی ملنا یقینی نہیں ہے اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے) وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ کائنات کی اصلاح و درستی قانونِ اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فسادِ عقاید اور پھر فسادِ اعمال، فسادِ اخلاق، جرائم ومعاصی، قتل و خونریزی ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائط قبول دُعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو، اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔ای مع الخوف من وقوع التقصیر فی بعض الشرائط المعتبرۃ فی قبول ذلک الدعاء و مع الطمع فی حصول تلک الشرائط باسرھا (کبیر) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کر دیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں۔ ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیے البتہ آرزو اس کے فضل کی رکھنا چاہیے۔ قال ابن جریج خوف العدل و طمع الفضل (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ ناز، عجب و پندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید مایوسی کے مقابلہ میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ رحمة کا لفظ مؤنث ہے اس لیے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبة ہونا تھا۔ لیکن رحمة کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے یہاں رحم یا ثواب یا غفران کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ انما ذکر قریب علی تاویل الرحمة بالرحم او للتراحم (کشاف) او لان تانیث الرحمة غیر حقیقی (کشاف) قال سعید بن جبیر الرحمة ھھنا الثواب فرجع النعت الی المعنی دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قیل قریب لان الرحمة والغفران فی معنی واحد و کذلک کل تانیث لیس بحقیقی (امالی ابن الشجری جلد ۲ صفحہ ۲۵۶) قال النضر بن شمیل، الرحمة مصدر و من حق المصادر التذکیر کقولہ فمن جاءہ موعظة (کبیر) ف۷۹ (عموماً و عادۃً) قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں پچاسوں کی ہے، یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعات تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے۔ حصر وکلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات وخوارق کا تو سرے سے سدباب ہو جائے...... خارق کے معنی بھی ایک عمومی دستور میں خرق ہو جانے کے ہیں۔ ف۸۰ یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لیے دُہرائی گئی کہ تم اس مشاہدۂ فطرت سے توحیدِ الٰہی اور مُردوں کے زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال کر سکو۔ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔ سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهٖ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ضمیر پانی کی طرف ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّیِّبُ...... شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ۔ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ رحمتِ الٰہی کی بارش سب پر یکساں ہوتی رہتی ہے۔ خوش طینت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدطینت پر وہ سارا لطف ضائع جاتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلا دیا کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ ہی آپ مشینین کی طرح نہیں ہوتا رہتا بلکہ کوئی اس نظامِ فطرت کا ناظم منتظم بھی ہے۔ سب کچھ اسی کی مشیت تکوینی سے ہوتا ہے۔ متکلمین نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مومن خیر وطاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے سب توفیقِ الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔ ذلک یدل علی ان کل ما یعملہ المومن من خیر و طاعة لا یکون الا بتوفیق اللہ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلہ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا۔ شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔ ف۸۱ (یعنی وہ لوگ جو انہیں اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان کی قدر کرتے، ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ف۸۲ حضرت نوح علیہ السلام بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں۔ زمانہ کی تعیین دشوار ہے۔ بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۳۸۰۰ ق، م تا ۲۸۵۰ ق، م سمجھئے۔

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

تو ہم اسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے پانی نازل کرتے ہیں

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

پھر ہم اس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم (اس سے)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

نصیحت حاصل کرو۔ ف۸۰ اور ستھری بستی میں پیداوار اس کے پروردگار کے حکم سے (خوب)

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

نکلتی ہے اور جو (بستی) خراب ہے اس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم، ہم اسی طرح

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا

دلائل ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر گزار ہیں ف۸۱ بالیقین ہم نے نوح کو

اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی

غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾

معبود نہیں مجھے تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ف۸۲

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾

ان کی قوم کے سردار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں ف۸۳

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

(نوح نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

رسول ہوں ف۸۴ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں،

توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب بھی موجود ہیں۔ قَوْمِهٖ۔ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے۔ اور دنیا کی ہر جاہلی، گو بظاہر مہذب قوم کی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد دونوں عذاب ہو سکتے ہیں۔ عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔ ولا شک ان المراد منه اما عذاب یوم القیامة او عذاب یوم الطوفان (کبیر) ف۸۳ (کہ آبائی دین سے باغی و منحرف ہو کر ایک نئے عقیدہ توحید کی دعوت دے رہے ہو) اَلْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ۔ ہر نبی اور ہر اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء و اہل وجاہت ہی ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں رکھا ہے۔ الملاء اشراف القوم و رؤساؤھم (قرطبی) ف۸۴ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ مشرک نظامِ کائنات کو متفرق و منتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں، فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے وف۸۵ کیا تم اس پر حیرت کرتے ہو کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے وف۸۶ پر ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

تو ہم نے نوح کو بچا لیا اور اُن لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے وف۸۷

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہود کو (بھیجا) وف۸۸ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو،

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ

اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ وف۸۹ ان کی قوم میں جو سردار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ

لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں

وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ

اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں وف۹۰ (ہود نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی)

سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے، پہنچاتا ہوں تمہیں

وف۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوتِ توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑ کر رہے گا) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا۔ صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں یہ بات ابھی پہلے بھی آچکی ہے۔ اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لیے ہے۔ مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی، اسی طرح رسالت کا تصور بھی اُن کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اَنْصَحُ لَكُمْ۔ شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اُمتِ اجابت تو خیر اُمتِ دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاص و شفقت ہی پر ہوتی ہے۔ جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ النصح اخلاص النية من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی) اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں۔ اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔ وف۸۶ (باوجود تمہارے پچھلے انبار معاصی کے) اَوَعَجِبْتُمْ...... مِّنْكُمْ۔ مشرک جاہلی قوموں کی اُلٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آجاتا ہے۔ یعنی یہ کہ خالقِ کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آگیا۔ لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علی رجل سے مراد منزل علی رجل ہے۔ المعنی ان جاء کم ذکر من ربکم منزل علی رجل منکم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے ہمعصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جاہلوں کا آج تک شیوہ چلا آرہا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرہ میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے۔ یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لیے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے، تقویٰ کا اور تقویٰ سبب بن جاتا ہے جلبِ رحمت کا۔ وف۸۷ (اپنی فرط جہالت سے، اور انہیں حق و باطل نفع و نقصان کچھ نہیں سوجھتا تھا) فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اس نجات کا تعلق عذابِ طوفان سے ہے۔ یعنی انہیں ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچا لیا۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بطور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہلِ فن کو ملتے رہتے ہیں۔ توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ "وہ نوح علیہ السلام چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا"۔ (پیدائش ۷:۶) "جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔" (پیدائش ۷:۱۱، ۱۲) طوفانِ نوح علیہ السلام کا تخمینی سال، ۳۲۰۰ ق م ہے یعنی آج (۱۹۳۶ء) سے پورے ۵۱۴۲ سال قبل۔ فِي الْفُلْكِ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اُوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اُس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی ہوئی ہے:۔ "اُس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اُس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی"۔ (پیدائش۔ ۶:۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایتِ توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینہ) تک چلتا رہا۔ وف۸۸ (بطور پیغمبر کے) ھود۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہود علیہ السلام کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے۔ جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عِبر کر کے آیا ہے۔ عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے۔ جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحرِ قلزم کے جنوب تک وسیع تھے...... گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایۂ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لیے ضرب المثل۔ اَخَاهُمْ۔ اخ سے مقصود ہے اشتراکِ وطنیت یا اشتراکِ قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنتِ الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لیے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہم وطن بھیجا جاتا تھا۔ ای اخاھم فی القبیلة (قرطبی) و معنی کونه علیه السلام اخاھم انه منھم نسباً و ھو قول الکثیر من النسابین (روح) و العرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر) وف۸۹ (شرک کے دنیوی و اُخروی وبال سے) شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاء کی تبلیغ کا لب لباب رہی ہے۔ تَتَّقُوْنَ۔ میں اشارہ ادھر بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے انجام غرقابی سے بھی تم نہیں ڈرتے! اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔ وف۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے "روشن خیالوں" کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقلاء و دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ

اپنے پروردگار کے پیامات اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں ف۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے، تم ہی میں سے ایک مرد کے واسطے سے نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے)

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۹۲ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں؟

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾

سو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اسے لے آؤ ہمارے پاس ف۹۳

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ

(پیغمبر نے) کہا (تو اچھا) اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب ف۹۴

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ

آ ہی پڑا کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو محض ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہیں جو تم نے

وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا

اور تمہارے باپ (دادوں) نے ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اتاری نہیں سو تم بھی انتظار کرو

ف۹۱ رب العلمین۔ رسول۔ رسلت ربی۔ ناصح۔ وغیرہ پر حاشیے ابھی ابھی اوپر گزر چکے ہیں۔ ف۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اخروی ہر پیغمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے) جعلکم خلفآء من بعد قوم نوح۔ یعنی بعد قوم نوحؑ کے بہ حیثیت ایک زبردست و پر قوت قوم کے تم ہی کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر محض آبادی کی جانشینی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قوم نوحؑ کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو۔ چنانچہ قوم ہودؑ و قوم نوحؑ (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔ من علیهم بان جعلهم سکان الارض بعد قوم نوح (قرطبی) وزادکم فی الخلق بصطۃ۔ قوم عاد جسمانی حیثیت سے بڑے قد آور و قوی ہیکل لوگ تھے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے۔ فاذکروا آلآء اللہ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس کے احسانات یاد کرکے اس کی شکر گزاری پر زیادہ راغب و مائل ہو۔ ف۹۳ (ابھی اور فی الفور) دور انبیاء میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیغمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل و جواب میں کچھ بن نہ پڑتا تو یہی کہنے لگتے کہ "لے آؤ نا اپنا عذاب دیکھیں تو وہ کیسا ہے"؟ گویا پیغمبروں کا دعویٰ فی الفور عذاب کا تھا۔ اور گویا عذاب الٰہی کا نزول پیغمبروں کے اختیار کی چیز تھی! اجئتنا۔ استفہام: اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب و غریب بات سمجھ کر کہتے۔ مشرکوں کو اصلی چڑ ہمیشہ توحید سے رہی ہے۔ انکار انہیں نفس وجود باری سے نہیں۔ وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں۔ یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہیے لیجئے مگر جب بھی لیجئے تنہا نہ لیجئے۔ دوسروں کے ساتھ ملا جلا کر لیجئے ف۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے۔ اب نزول عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔ معنی وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم و وجب (کشاف)

ف۹۵ (عذاب الٰہی کے) فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ یعنی تمہارے ان دیوتاؤں اور منہ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گڑھے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معریٰ۔ بِهَا۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔ ای فی عبادتها (قرطبی) مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمہارے ان گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقل سلیم کو اور فطرت بشری کو ملتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے۔ نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی۔ اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ معیت سے مراد رفاقت ایمانی ہے۔ یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔ ای من امن به (مدارک) عذاب الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی وتکوینی قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وباء وغیرہ جس سے فاسق وزاہد، کافر ومومن بلا امتیاز یکساں ہوتے رہتے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عذاب الٰہی کے نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا۔ ف۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا۔ ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ تنبیه علی ان الفارق بین من نجا و بین من هلک هو الایمان۔ (بیضاوی) ف۹۷ قوم کے مورث اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔ اور مشہور نسب نامہ یہ ہے:۔ ثمود بن جثیر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ عاد جس طرح عرب جنوبی ومشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی وشمالی پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ عمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی وثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ (ارض القرآن) از سلیمان الندوی جلد اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹) اَخَاهُمْ۔ یعنی قوم ثمود کے ہموطن یا ہم قوم۔ صٰلِحًا۔ توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلح آتا ہے۔ اگر انہی کو حضرت صالح علیہ السلام فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ پڑتا ہے۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے۔ صالح بن عبید بن اصف بن شیح بن عبید بن جور بن ثمود۔ (خطبات احمدیہ از سید احمد خاں) آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) ف۹۸ وہی پیام توحید جو سارے انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔ ف۹۹ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادی نشان وہ بھی تمہاری خواہش وفرمائش کے مطابق۔ مشرک وجاہلی قوم نے فرمائش کی تھی کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ، تو ہم تمہیں سچا سمجھیں۔ ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ۔ ناقہ کی اضافت یہاں اللہ کی جانب اسی طرح کی ہے جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب۔ یعنی تشریف وتعظیم وتخصیص کے لیے۔ واضیفت الناقة الی الله علی جهة اضافة الخلق الی الخالق و فیه معنی التشریف و التخصیص (قرطبی) اضیفت الی اسم الله تعظیما لها و تفخیما لشانها (کشاف) اللہ نے قوم کی درخواست معجزہ قبول کر کے، ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کر دی تھی اور پیمبر ﷺ کے ذریعہ سے حکم یہ دے دیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں۔ یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی۔ اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائے گا بس وہی گھڑی عذاب الٰہی کی ہو گی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطور خارق عادت برآمد ہوئی تھی اس میں اب تک ایک شگاف (۶۰) ساٹھ فٹ کا موجود ہے۔ اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب "ناقة النبی" کا نقش قدم آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ

اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں، ف۹۵ پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچا لیا ان (پیمبر ہود) کو اور

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے، اور ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو

بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے تھے ہی نہیں ف۹۶ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو

صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

(بھیجا) ف۹۷ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی (اور) تمہارا

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

خدا نہیں ہے ف۹۸ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آ پہنچا، یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ

اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو اللہ کی زمین پر

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ

آ پکڑے گا ف۹۹ اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو آباد کیا (قوم) عاد

عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

کے بعد اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا تم اس (زمین) کے نرم حصوں پر محل

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ

بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو اللہ کی نعمتوں کو

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ

یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو ف۱۰۰ ان کی قوم کے جو متکبر زوردار لوگ تھے وہ ان کمزور لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، بولے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالحؑ اپنے رب کے فرستادہ (پیغمبر) ہیں وہ بولے ہم تو اس (پیام) پر ایمان لے آئے ہیں جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے، ف۱۰۱ وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لا چکے ہو ف۱۰۲ غرض اونٹنی کو (بھی) مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالحؑ اگر پیغمبر ہو تو اس (عذاب) کو لے آؤ جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو ف۱۰۳ پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ف۱۰۴ تب (صالحؑ) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی

ف۱۰۰ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ۔ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب و تمدن کا، ملک تمہیں بنایا۔ یہ مطلب نہیں کہ انہی کا ملک تمہیں دیا ۔۔۔ عاد و ثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے۔ عاد کا مستقر جنوب مشرقی عرب تھا۔ اور ثمود کا جولانگاہ و ترقی شمال مغربی عرب۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں، یعنی ریاضی، ہندسہ، انجینئری ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم و فنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے۔ اور انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے۔ بعض نے اس جزء سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محل نعمت ہوتے ہیں۔ و ھذا یدل علی ان الکفار منعم علیھم (قرطبی) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ تہذیب و تمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑ کر خوف آخرت سے بے نیاز ہو جانا، قانون شریعت کے حدود کو توڑ کر اپنے کو فسق و فجور میں ڈال دینا۔ اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کر جانا، یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔ استدل بھذہ الآیة من اجاز جواز البناء الرفیع کالقصور و نحوھا (قرطبی)

ف۱۰۱ یہ لوگ بولے کہ صالح علیہ السلام کو سچا نبی سمجھنا کیا معنی ہم تو اُن کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں۔ ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابل بحث ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے۔ سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہوگئی ہے۔ کانھم قالوا العلم بارسالہ و بما ارسل بہ مالا کلام فیہ ولاشبھة تدخلہ لوضوحہ و انارتہ و انما الکلام فی وجوب الایمان بہ فنخبرکم انابہ مومنون (کشاف) تنبیھا علی ان ارسالہ اظھر من ان یشک فیہ عاقل و یخفی علی ذی رأی و انما الکلام فی من امن بہ و من کفر (بیضاوی) اَلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنی خیز ہے۔ رؤساء منکرین تو متکبر و نخوت پرست تھے۔ قرآن مجید نے یہ صاف و بے تکلف کہہ دیا۔ مومنین صادقین بجائے خود ضعیف و حقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیے گئے تھے۔ حقیر سمجھ لیے گئے تھے ۔۔۔ اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟ متکبرین میں تو ذم خود انھی انکباری ہے اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ للذین استضعفوا ای للذین استضعفھم رؤساء الکفار و استذلوھم (کشاف) کونھم مستکبرین فعل استوجبوا بہ الذم و کون المومنین مستضعفین معناہ ان غیرھم مستضعفھم و یستحقرھم و ھذا لیس فعلا صادرا عنھم بل عن غیرھم فھو لا یکون صفة ذم فی حقھم بل الذم عائد الی الذین یستحقرونھم و یستضعفونھم (کبیر) ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر و فسق کا، اور مومنین کو حقیر و ضعیف سمجھنا بھی انہی کا شیوہ ہے۔ اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنی سے فقیر بہتر ہے۔ بین اللہ تعالٰی ان کثرة المال و الجاہ حملھم علی التمرد والاباء والانکار و الکفر و قلة المال والجاہ حملھم علی الایمان و التصدیق و الانقیاد و ذلک یدل علی ان الفقر خیر من الغنی (کبیر)

ف۱۰۲ ”قوم“ کے ”خواص“ اور ”روشن خیالوں“ کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کر رہا ہے!

ف۱۰۳ گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عقر کے معنی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے۔ فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کر رہا ہے حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہوں گے۔ لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی و اتفاق رائے سے ہوا۔ اس لیے اسے منسوب بھی قوم ہی کی جانب کیا گیا۔ اسند العقر الی جمیعھم لانہ کان برضاھم و ان لم یباشرہ الا بعضھم۔ اَمْرِ رَبِّهِمْ یہ امر پروردگار کا کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید و رسالت کا تھا۔ ای ما امربہ علی لسان صالح ۔۔۔ اوثان ربھم و ھو دینہ (کشاف)

ف۱۰۴ قوم ثمود کی زلزلہ سے ہلاکت تو زمانہ قبل تاریخ کی ہے۔ یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل و گلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی عہد تاریخ کی بات ہے۔ ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ و ہلاک ہو کر رہ گئے۔ اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتش بازی نے بھون ڈالا۔ دَارِهِمْ میں دار بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ قیل وحد علی طریق الجنس (قرطبی) دار کو بلد کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای بلدھم (قرطبی) یعنی فی بلدھم و لذلک وحد الدار کما یقال دار الحرب (کبیر)

و۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے۔ جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا) وَنَصَحْتُ لَكُمْ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا، بجھایا! فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ. ہلاک شدہ افراد اُمت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہار قلق وحسرت کے لیے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے نزد میں نہ ہو۔ و۱۰۶ حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن تارخ (آزر) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ توریت میں اُن کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفین توریت نے اپنے حسب معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کر دی ہیں۔ باب ۱۹۔ آپ نے جس ملک کو اپنا وطن بنایا تھا۔ وہ شرق یردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا۔ جو دریائے یردن کے اردگرد ہے۔ لِقَوْمِهٖ عربی کا لفظ "قوم" یہاں اُردو کے لفظ "اُمت" کے مفہوم میں ہے۔ عام قاعدہ اس سارے سیاق میں اُمت اور نبی کے درمیان "بھائی" کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں ہے بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی۔ اس لیے وہ عام طرز بیان یہاں حذف کر دیا گیا...... قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی حقائق کی رعایت اور کون کر سکتا ہے؟ آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے۔ یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے یردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم، عمورہ کا یہ علاقہ خوب سرسبز وشاداب تھا۔ "یردن کی ساری ترائی...... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی" (پیدائش۔ ۱۰:۱۳) و۱۰۷ مراد افعال جیسے گندے عمل سے ہے۔ اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار، تصور ہی سے ہر فطرت سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ جو جگہ تمام تر گندہ فضلہ کے لیے ہو اور جو عضو بجز اخراج فضلات کے اور کسی ضرورت سے اندر کی جانب گھستا ہی نہیں اُسے محل شہوت سمجھ لینا اور اُسے لطف ونشاط کا آلہ بنالینا انتہائی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دیتا ہے۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اور آج تو یہ یورپی اور امریکی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جارہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے۔ لیکن قوم لوط علیہ السلام سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قول میں دہری دہری ملامت اپنی قوم پر آگئی۔ یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو! كانه وبخهم اولاً باتيان الفاحشة ثم باختراعها فانه اسوأ (بیضاوی) مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ پہلا مِن زائد ہے تاکید نفی واستغراق معنی کے لیے ہے۔ اور دوسرا مِن تبعیض کے لیے ہے۔ من اولى زائدة لتوكيد النفي افادة معنى الاستغراق والثانية للتبعيض (کشاف) من لا ستغراق الجنس (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قوم لوط علیہ السلام کی بدکاری کے ساتھ اس کے عدم مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجاد منکرات کا ہے۔ تو اسی پر بدعت کے درجہ شناعت کا قیاس کر لیا جائے۔ و۱۰۸ (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے) اى انتم مسرفون فى كل الاعمال (کبیر) توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ "اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گناہگار تھے"۔ (پیدائش ۱۳:۱۳) و۱۰۹ (اور ہم کو گندہ بتاتے ہیں تو ہم گندوں میں ان پاکوں کا کیا کام۔ یہ نکلیں ہمارے شہر سے) اَخْرِجُوْهُمْ میں ضمیر جمع غائب اتباع حضرت لوط علیہ السلام کی جانب ہے۔ اى لوطاً و من امن معه (مدارک) يَّتَطَهَّرُوْنَ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں۔ بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں اى يدعون الطهارة (مدارک) و۱۱۰ توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی:۔ "مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا۔ اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی (پیدائش۔۱۹: ۲۶) اَنْجَيْنٰهُ یعنی اپنے عذاب سے انہیں بچا دیا۔ اَهْلَهٗ۔ اهل میں خاندان والے اور دوسرے معتقدین مومنین سب شامل ہیں اى انصارة و اتباعه الذين قبلوا دينه (کبیر) اِمْرَاَتَهٗ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔ كانت كافرة موالية لاهل سدوم (مدارک) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا سبب مشترک علاوہ فسق عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا۔ و۱۱۱ خطاب یہاں عام مخاطب قرآنی سے ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا یعنی ان پر پتھراؤ کیا۔ یہ بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۲۰۶۱ ق م کا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کیے گئے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ و۱۱۲ ان پیمبر شعیب علیہ السلام بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے۔ (مثلاً خروج ۳: ۱ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ۱۰: ۲۹ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے۔ شعیب علیہ السلام بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ مَدْيَنَ۔ اس شہر کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا۔ کوہ طور کے جنوب ومشرق میں شمالاً جنوباً عرض البلد ۲۹ درجہ، ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان...... حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ایک زوجہ محترمہ بیوی قطورہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ایک صاحبزادہ مَدْيَن نامی تھے۔ شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انہی کے نام سے موسوم ہوا۔

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ

لیکن تم تو خیرخواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے و۱۰۵ اور (ہم نے) لوط (کو بھی بھیجا) جب انہوں نے

لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اپنی قوم سے کہا کہ ارے و۱۰۶ تم تو ایسے بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کسی نے نہیں کیا تھا و۱۰۷ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا

شہوت رانی کرتے ہو نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ تم ہی حد سے گزرے ہوئے لوگ و۱۰۸ ان کی قوم سے

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ کہنے لگے (آپس میں) کہ انہیں اپنی بستی سے

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں و۱۰۹ پھر ہم نے بچا لیا لوط کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی و۱۱۰

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور ہم نے ان پر مینہ برسایا سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ

انجام ہوا و۱۱۱ اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) و۱۱۲ انہوں نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ

اے میری قوم والو! اللہ ہی کی پرستش کرو بجز اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں اب تو

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ

تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آ چکا وسااا سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي

اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو، ملک میں فساد

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

ایمان لائے ہو وسماا اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح کہ دھمکیاں

تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک رہے ہو جو اس پر ایمان لا

بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو وھاا اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے،

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

پھر (اللہ نے) تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ لو اہل فساد کا کیسا انجام ہوا ولااا

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لا چکا ہے جسے کہ مجھے بھیجا

بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے وکاا تو صبر کیے رہو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے

اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

درمیان فیصلہ کر دے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، ✱

وسااا ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو، جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔ ای معجزة و ان لم تذكر في القران (مدارک) ای معجزة مشاهدة بصحة نبوتي (کشاف) یجب ان یکون المراد من البینة ههنا المعجزة (کبیر) اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو۔ و هو مجيء شعيب بالرسالة (قرطبی) وسماا (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو) فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ اہل مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ ان کا اصلی فسق معاملات تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی اسی لیے پیمبر وقت بعد دعوت توحید کے، سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کا دے رہے ہیں۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ۔ کیل سے مراد آلۂ کیل یعنی پیمانہ ہے یا وہ چیز جو ناپی جائے۔ ارید بالكيل آلة الكيل وهو المكيال او سمي ما يكال به بالكيل (کشاف) وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ اصلاح نظام یعنی شریعت خداوندی کو جزءاً یا کلاً قبول کرنے سے انکار کرنا، اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔ وَ لَا تَبْخَسُوا کے اطلاق وعموم کے ماتحت خیانت وبددیانتی کی ہر صنف آ گئی۔ چوری، ڈکیتی، رشوت غصب وغیرہا۔ المراد من البخس التنقيص بجميع الوجوه ويدخل فيه المنع من الغصب والسرقة و اخذ الرشوة و قطع الطريق و انتزاع الاموال بطريق الحيل (کبیر) وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ مرشد تھانوی ﷫ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کرکے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم وتوقیر کا حق واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آ جاتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یعنی دو چیزیں عقاید میں سے ایک اقرار توحید، دوسرے اقرار رسالت اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علی خلق اللہ، دوسرے ترک بخس، تیسرے ترک افساد (کبیر) وھاا (اعتراض واعراض کی نیت سے) تُوْعِدُوْنَ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔ کانوا یوعدون العذاب من امن (قرطبی) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ضمیر اسم اللہ کی طرف ہے اور شعیب ﷤ کی طرف بھی جائز ہے۔ یحتمل ان یعود الی اسم اللہ و ان يعود الى شعيب (قرطبی) ای باللہ (مدارک) قوم کے امراض خبیثہ ایک ایک کرکے بیان ہو رہے ہیں۔ امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تاسف وقلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع جبر ستانی اور ظلم وزیادتی کے طریقے جاری ہو گئے ہیں۔ اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے۔ لم يبق من الاسلام الا رسمه و لا من الدين الا اسمه۔ ولااا یعنی ان مکذب ومنکر حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں۔ کس کس طرح تباہ وبرباد ہو کر رہی ہیں اور ان کے علوم وفنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت وحشم، ان کی تہذیب وتمدن ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ وکاا (اور دونوں فریقوں کی حالت یکساں ہے اور اس ظاہری یکسانی نے تمہیں تردد میں ڈال رکھا ہے) ✱ (اور اس کا فیصلہ اپنے وقت مناسب پر عذاب کے ذریعہ سے ہوگا) فَاصْبِرُوْا وعید وتہدید کے مفہوم میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ انہیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ ليس هذا امرًا بالمقام على الكفر و لكنه و عيد تهديد (قرطبی)

وا۱۱۸ گفتگو میں لاجواب ہوکر اب قوم شعیبؑ جبر وتشدد پر اتر آئی ہے۔ اور پیمبر اور ان کے رفیقوں کو شدید دھمکیاں دے رہی ہے وا۱۱۹ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ عاد کے ایک معنی تو صار کے ہیں۔ قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبته بعض النحاة واللغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی) یہ معنی لے کر تو فقرہ کا مطلب صرف اس قدر رہوا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن عود کے عام معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

ان کی قوم کے متکبر زوردار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو

یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ

اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے وا۱۱۸

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾

یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ (شعیبؑ نے) کہا کہ اگرچہ ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں؟ وا۱۱۹

قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ

ہم تو اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے اگر ہم تمہارے مذہب میں آجائیں

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ

بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے بچا چکا وا۱۲۰ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ

نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

ہم اس میں پھر آجائیں لیکن ہاں یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کی مشیت ہو وا۱۲۱ ہمارا پروردگار ہر شے کو (اپنے) علم

شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا

سے گھیرے ہوئے ہے، اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کیا ہے وا۱۲۲ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور

وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾

ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وا۱۲۳

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ

اور (شعیبؑ کی) قوم میں کافروں میں جو زوردار لوگ تھے وہ کہنے لگے کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی

شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

کرنے لگے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے وا۱۲۴ پھر انہیں زلزلہ نے آپکڑا

العود الرجوع الی الشیء بعد الانصراف عنه (راغب) اس پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے۔ پھر ان سے ملت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟ لیکن یہ اشکال کچھ یونہی سا ہے پیمبر ظاہر ہے کہ بعثت سے قبل اپنے یہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس نئے دو قدر رد ہی میں سمجھا ہی جاتا ہے۔ یہ تو جوں جوں اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔ وہ گرد و پیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔ بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیبؑ کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی ہے۔ یراد بعود شعیب فی الملة حال سکوته عنهم قبل ان یبعث (بحر) حضرت شعیبؑ کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ جب ہم بہ دلیل اور علی وجہ البصیرت مذہب جاہلیت کو لغو و باطل سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا ذوق اور ہماری عقل بیزار ہے تو ہم اسے اختیار کیسے کر لیں؟ وا۱۲۰ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کر دیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کر لیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم قصداً تنزیہ و توحید باری سے متعلق افتراء و اختراع کرتے رہے۔ عُدْنَا۔ یہ لفظ حضرت نے انہی لوگوں کا کہا ہوا دہرا دیا ہے۔ وا۱۲۱ (کسی مصلحت تکوینی کے اعتبار سے) عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کر دیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے۔ لیکن یہ ایک صورت دعویٰ اور اثبات خودی کی تھی، اس لیے معاً یہ جزو بھی اضافہ کر دیا۔ عام مومنین کے لیے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہوا ہے۔ باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لیے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اور اکابر انبیاء سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبة وانقلاب الامر الاتری الی قول الخلیل وَ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ و کثیرا ما کان محمد ﷺ یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینک وطاعتک وقال یوسف تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (کبیر) وا۱۲۲ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا) عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے۔ یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ تکیہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے۔ فهذا یفید الحصر ای علیه توکلنا لا علی غیره وکانه فی هذا المقام عزل الاسباب وارتقی عنها الی مسبب الاسباب (کبیر) وا۱۲۳ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کر دیجئے۔ المراد منه ان ینزل علیهم عذاباً یدل علی کونهم مبطلین وعلی کون شعیب وقومه محقین (کبیر) وا۱۲۴ کہ ہماری سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دنیوی نقصان جو کچھ ہوگا ظاہر ہی ہے اور اپنے آباء کے دین سے انحراف جس درجہ کا مذہبی وبال ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ حضرت شعیبؑ کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ جاہلی قومیں اسے اپنی مالی بربادی و معاشی تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہتی ہیں۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لیے ہے۔ جیسے اردو میں کہیں کہ "بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے۔"

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا

سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ف۱۲۵ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے) کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا نقصان اٹھانے والے وہی رہے ف۱۲۶ اس وقت وہ اُن سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو، میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی، تو اب میں کیوں کر غم کروں کافر لوگوں پر؟ ف۱۲۷ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے تنگی اور بیماری میں جکڑ لیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ف۱۲۸ اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ بدل کر کے خوشحالی پھیلا دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ داداوں کو بھی پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے ان کو یک بہ یک پکڑ لیا اور وہ (اس کا) گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ف۱۲۹ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی
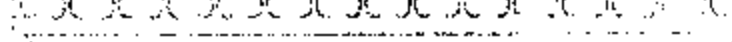
ف۱۲۵ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی) توریت میں بھی ذکر اہل مدین کی یہودی اور پھر اسرائیلیوں کے ساتھ اُن کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آتا ہے (گنتی باب ۳۱ و باب ۳۵) لیکن قرآن مجید اس زمانہ سے قبل کا حال بیان کر رہا ہے۔ دَارِهِمْ۔ مرادف مساکنھم کے ہے۔ فی دارھم ای فی مساکنھم (کبیر) ف۱۲۶ منکرین و مستکبرین دعویٰ کے ساتھ پیشین گوئی مومنین کے نقصان اُٹھانے کی کر رہے تھے۔ واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ اور دنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ یہی مآل آخر کار اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔ فِيْهَا۔ میں ضمیر دَارِهِمْ کی طرف ہے۔ لَمْ يَغْنَوْا فِيْهَا۔ غنی فی مکان کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اسی سے ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای لم یقیموا فیھا یقال غنینا بمکان کذا ای اقمنا فیہ (ابن قتیبہ) آیت سے ظاہر ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ مادی ہی اسباب سے نہیں آتی بلکہ کثرت معاصی بھی باعث ہو جاتی ہے۔ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا کی تکرار اور كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ کی ترکیب واقعہ کے اظہار اہمیت کے لیے ہیں والتنبیہ علی ھذا والمبالغۃ فیہ کرر الموصول (بیضاوی) العرب تکرر مثل ھذا فی التفخیم والتعظیم (کبیر) وفیہ معنی الاختصاص ای ھم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعہ (کشاف) ف۱۲۷ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد اسے تم اپنے اوپر لائے ہو۔ اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ۔ یہ ذکر اس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ۔ یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا نَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی فرط شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔ بجائے عَلَيْهِمْ کے قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ عدم استحقاق تاسف و ہمدردی کفر اختیاری ہی کی بناء پر ثابت ہوا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحم نہیں ہوتے ف۱۲۸ (اور استکبار و خودبینی چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کر لیں) بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کر لیں۔ التضرع ھو الخضوع والانقیاد للہ تعالیٰ (کبیر) اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ۔ یہ تنگدستی اور مرض میں ابتلاء بطور تنبیہ کے ہوتا ہے۔ ف۱۲۹ یعنی اس قدر غفلت اور مدہوشی میں پڑے ہوئے تھے حَتّٰى عَفَوْا۔ یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت، کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی کثروا ونموا فی انفسھم واموالھم (کشاف) قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے رہتے ہیں۔ انہیں عقاید کی صحت و گمراہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ای وما ذالک الا من عادۃ الدھر یعاقب فی الناس بین الضرّاء والسرّاء وبدا ولھما بینھم (روح) فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔ یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ضرور ملی ہے۔ تاکہ حجت الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے البتہ یہ نصرت و اعانت اولیاء صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ

تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ

انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے ان کی کرتوتوں کے پاداش میں ان کو پکڑ لیا ف ۱۳۰ تو کیا بستی والے

اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں ف ۱۳۱

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى

یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ پڑے

وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ

درآنحالیکہ وہ کھیل میں لگے ہوں ف ۱۳۲ کیا (یہ لوگ) اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو گئے ہیں سو اللہ کی

مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ

تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز ان لوگوں کے جو گھاٹے میں آ چکے ہیں ف ۱۳۳ کیا ان لوگوں پر جو اب

يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

زمین کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو

اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

انہیں بھی معصیت میں مبتلا کر دیتے ان کے گناہوں کے عوض میں، ف ۱۳۴ اور ہم بند لگائے ہوئے ہیں ان کے دلوں

لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ

پر سو وہ سنتے ہی نہیں ف ۱۳۵ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصے ہم آپ سے

اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

بیان کر رہے ہیں اور ان (سب) کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے پھر بھی

ع ۱۲

ف ۱۳۰ (اور ہلاک کر دیا) اَهْلُ الْقُرٰۤى۔ وہی آبادیاں مراد ہیں جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے اور جو ان کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کر دی گئیں وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں اور برکات سماوی وارضی سے مراد بھی وہ کل چیزیں ہیں جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک ومفید ہوتی ہیں قيل المراد بالبركات السماوية والارضية الاشياء التي تحمد عواقبها ويسعد في الدارين صاحبها ولا يفتح ذلك الا للمومن (روح) لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ ہر طرح کی برکتیں ان پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے۔ آسمان وزمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں۔ اور "فتح برکات" سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کر دینا ہے۔ منهما يحصل جميع المنافع والخيرات (کبیر) اي لأتيناهم بالخير من كل وجه (کشاف) ومعنى فتح البركات عليهم تيسيرها عليهم كما يسر امر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) اى يسرنا عليهم الخير من كل جانب (روح) ف ۱۳۱ (یعنی خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں) نَآئِمُوْنَ۔ نوم سے مراد یہاں غفلت لی گئی ہے۔ اى غافلون عن ذلك (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اَهْلُ الْقُرٰۤى۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین منکرین اہل مکہ ہیں۔ اى اهل مكة (ابن عباس) المراد بالقرى مكة وما حولها (قرطبی) قيل المراد بهم اهل مكة وما حوالها وهو الاولى عندي والى ذالك ذهب محي السنة (روح) ف ۱۳۲ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں۔ اهل القرى سے مراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا۔ یعنی ان پر ہمارا عذاب آ پڑے جیسا کہ منکرین سابقین پر آ چکا ہے ف ۱۳۳ مَكْرَ اللّٰهِ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ اى اخذه العبد من حيث لا يشعر (مدارک) الْخٰسِرُوْنَ۔ سے مراد محاورۂ قرآنی میں عموماً کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ معنی لے کر آیت سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہو جانا کفر ہے۔ ف ۱۳۴ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟ اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ۔ هداية کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تبیین کے یعنی روشن وواضح ہو جانے کے انما عدى يهد باللام بمعنى يبين (بیضاوی) لِلَّذِيْنَ ... اَهْلِهَا۔ مراد کفار عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین ہیں يريد كفار مكة ومن حولهم (قرطبی) ف ۱۳۵ (کلام حق وپیام حق کو توجہ والتفات یا ارادۂ قبول سے) قُلُوْبِهِمْ۔ میں ضمیر انہی کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پر جمے ہوئے تھے۔ اى على قلب من لم يرد منه الايمان۔

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

ان سے یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ف۱۳۶ اسی طرح

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ

اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ف۱۳۷ اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں

مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ف۱۳۸

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنے نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس

وَ مَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بھیجا پر ان لوگوں نے ان (نشانوں) کا حق ادا نہ کیا سو دیکھئے مفسدوں کا کیسا (برا) انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ

ہوا ف۱۳۹ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ۙ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ

پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ف۱۴۰ قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

اللہ پر بجز حق کے نہ کہوں البتہ حق ہی (کہوں گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان

رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ؕ قَالَ اِنْ

لے کر آیا ہوں ف۱۴۱ سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے ف۱۴۲ (فرعون) بولا اگر

كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں)

ف۱۳۶ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوت قلب اور شدت عناد کا کہ جس سے ایک بار (پیغمبر) وہاں میں انکار کر بیٹھے اس پر انہیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی اور ہر دلیل ہر ثبوت، ہر معجزہ ان کے لئے بیکار ہی رہا۔ بِالْبَيِّنٰتِ۔ دلائل و معجزات سب پر حاوی ہے۔ اى الحجج على صدقهم (ابن کثیر) اى الايات والمعجزات والعجائب (معالم) ف۱۳۷ (ان کے کفر اختیاری کی بنا پر) اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آ چکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اسی راہ پر بڑھا دیتا ہے اور ان کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ لما علم منهم انهم يختارون الثبات على الكفر (مدارک) ف۱۳۸ خطاب پیغمبر سے ہے کہ ان نافرمانوں کی سرشت اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ سو آپ ان پر زیادہ غم نہ کریں۔ اكثرهم میں ضمیر الناس (لوگوں) کی طرف ہے، یا امم سابقہ کی طرف۔ الضمير للناس على الاطلاق يعنى ان اكثر الناس نقضوا عهد الله (مدارک) اى لا كثر الامم الماضية (ابن کثیر) مِنْ عَهْدٍ۔ عَهْد یہاں وفاء العہد کے معنی میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ اى من وفاء عهد (بیضاوی) لیکن خود عهد سے یہاں مراد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔ قال ابن عباس يريد الوفاء بالعهد الذى عاهدهم الله وهم فى صلب ادم (کبیر) قال ابن مسعود العهدهنا عهد الايمان (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ جتلائے مصیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دور ہو جانے پر پھر اسے بھلا دیتے تھے۔ اى ما عهدوا اليه حين كانوا فى ضر ومخافة (بیضاوی) مِنْ عَهْدٍ میں من زائد ہے جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔ من زائدة وهى تدل على معنى الجنس (قرطبی) ف۱۳۹ (اسی دنیا میں چنانچہ وہ غرق و ہلاک ہو کر رہے) من بعدهم میں هم کی ضمیر رسل کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے یا پھر امم کی طرف۔ الضمير للرسل فى قوله ولقد جاء تهم رسلهم او للامم (مدارک و بیضاوی) اى الرسل المتقدم ذكرهم (ابن کثیر) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ یعنی ان نشانیوں کا حق ادا نہ کیا بلکہ برابر انکار و تکذیب ہی کرتے رہے۔ ان نشانیوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ ان پر ایمان لے آتے۔ بها میں ضمیر آیات کی طرف ہے جو دلائل و معجزات سب کی جامع ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ اى بحججنا ودلائلنا البينة (ابن کثیر) بآياتنا اى بادلتنا (معالم) نیز حواشی پر حاشیے سورۂ بقرہ رکوع ۵ میں گزر چکے۔ آیت سے متکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔ هذا الاية تدل على ان النبى لابدله من اية ومعجزة بها يمتاز عن غيره (کبیر) ف۱۴۰ مصر کا یہ فرعون قاہر تو خود الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجود رب العٰلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ عقیدۂ رسالت کے یعنی اس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے اور ف۱۴۱ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آ جائے۔ حَقِيْقٌ عَلٰى الْحَقِّ۔ پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل و غیر مشتبہ دیانت، اور امانت و راست بازی ہوتی ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان فرماتے ہیں حقیق۔ قيل معناه جدير وقيل واجب (راغب) قَدْ جِئْتُكُمْ۔ صیغہ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں ف۱۴۲ بنو اسرائیل اصلاً ایک موحد قوم تھی اور اس وقت ایک مشرک جابر کے ظلم و ستم کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ و جاہلی فضا سے دور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا۔ آج (۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں) ہندوستان میں جو تحریک ایک مستقل اور جداگانہ اسلامی آبادکاری کی پاکستان کے نام سے چلی ہوئی ہے اس تحریک کو خلاف اسلام کہنے والے علماء براہ کرم اس آیت پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ

سچے ہو وت۱۴۳ اس پر (موسیٰ) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً ایک صاف اژدہا

مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

بن گیا وت۱۴۴ اور (موسیٰ نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے روبرو یک بیک خوب روشن تھا وت۱۴۵

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر

عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا

ہے وت۱۴۶ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے وت۱۴۷ سو بتاؤ تمہاری اب کیا

تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ

صلاح ہے بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور ہرکارے شہروں

حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ

بھیجئے کہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں وت۱۴۸ اور جادوگر

السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

آگئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی (بڑا) انعام تو ضرور ہی ملے گا اگر

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

ہم غالب آگئے وت۱۴۹ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربین میں (داخل) ہو جاؤ گے وت۱۵۰

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

وہ (ساحر) بولے اے موسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا

ہم ہی ڈالیں وت۱۵۱ (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو وت۱۵۲ پھر جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی

وت۱۴۳ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور شہادت ضمیر و وجدان کے، وہی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آتے ہیں اور وہ فرمائشیں ہمیشہ مادی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں وت۱۴۴ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہندوستان میں گائے بلکہ ہندوستان میں تو خود سانپ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن ''ناگ پنچمی'' بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ثُعْبَانٌ کہتے ہیں ایک بڑے اور موٹے قسم کے سانپ یا اژدرکو۔ الحیة الضخم الذکر وھو اعظم الحیات (قرطبی) الثعبان الحیة الضخمة الذکر فی قول جمیع اھل اللغة (کبیر) عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا۔ باقی جہاں اس کی تیز رفتاری کا اظہار مقصود ہے وہاں قرآن مجید اس کے لیے جان لایا ہے۔ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کبھی ثعبان بن جاتا ہو اور کبھی جان۔ توریت میں یہ واقعات درج ہیں مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی اژدر بھی ایسا جس کے اژدر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ای حیة لا لبس فیھا (قرطبی) لایشک فیه انه ثعبان (کشاف) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وت۱۴۵ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے کیوں کہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی، جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا'' (تھانوی) نَزَعَ يَدَهٗ۔ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔ وت۱۴۶ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا۔ وت۱۴۷ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کرے) دنیا پرستوں کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی اہل حق اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر خالصۃ للہ بھی کام کرسکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا۔ یہی حال اہل باطل کا ہے کہ عوام کو اہل حق سے نفرت دلانے کے لیے اُن کے حق کو برے برے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔ وت۱۴۸ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰ و ہارون کو سردست مہلت دے دی جائے اور اس درمیان میں قلمرو بھر میں سرکاری ہرکاروں کے ذریعہ سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ اَرْجِهْ۔ یعنی انہیں روکے رکھیے، ٹالے رکھیے۔ یقال ارجاته وارجیته ای اخرته وقال ابن عباس اخره (قرطبی) وت۱۴۹ مشورہ پر عمل ہوا اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے۔ لَاَجْرًا میں تنوین اجر کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ التنکیر للتعظیم (کشاف) وت۱۵۰ یعنی مال وجاہ ہر طرح کے انعام و اعزاز سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ وت۱۵۱ اب بیان ایک دوسرے منظر کا ہو رہا ہے۔ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ قرآن مجید شعر بلیغ کی طرح درمیانی مضامین کی جو از خود سمجھ میں آسکتے ہیں صراحت نہیں کرتا۔ انہیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کر دیتا ہے۔ ساحر اس وقت تک موسیٰ علیہ السلام نبی کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہر فن ساحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے۔ اب یہ بتلاؤ شروع کون کرے گا؟ کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اننگز (innings) کس کی ہوگی؟ وت۱۵۲ احقاق حق کے لیے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہرحال ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاق حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا۔ ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر اس آخر میں اس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔

ف۱۵۳ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے اور انھوں نے پورا ثبوت اپنے کمال فن کا دے دیا۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا۔ یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ نظر بندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحر ہی کی قسم ہے۔ قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلی حقیقت کا مدعی نہیں اور یہ دعویٰ کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔ اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا۔ قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا

اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ

آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو

عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ

کر دکھایا ف۱۵۳ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو یک بہ یک اس نے ان کے گڑھے ہوئے

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

(شعبدہ) کو نگلنا شروع کر دیا ف۱۵۴ سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہوگیا اور جو کچھ وہ (ساحر) کرتے رہے تھے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

سب ضائع ہو کر رہا ف۱۵۵ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور ذلیل ہو کر

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا

رہے ف۱۵۶ اور ساحر سجدے میں گر پڑے (اور) بولے

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے موسیٰ اور ہارون کا ف۱۵۷

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ

فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں ہو نہ ہو

هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے ہو تاکہ تم اس (شہر) سے یہاں والوں کو

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

نکال دو ف۱۵۸ سو تم کو ابھی (حال) معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور تمہارے پیر اُلٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ کر رہوں گا ف۱۵۹

کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا۔ اور وہ سانپ ہوگیا۔ (خروج۔ ۷: ۱۱، ۱۲) قرآن کے شارحین تو سب اُسے خیال بندی ہی کے معنی میں لیتے ہیں ای خیلوا لھم وقلبوھا عن صحۃ ادراکھا (قرطبی) اروھا بالحیل والشعوذۃ وخیلوا الیھا ما الحقیقۃ بخلافہ (کشاف) ای خیلوا الی الابصار ان ما فعلوہ لہ حقیقۃ فی الخارج ولم یکن الا مجرد صنعۃ وخیال (ابن کثیر) ای صرفوا اعینھم عن ادراک حقیقتہ ما فعلوہ من التمویہ والتخییل وھذا ھو السحر (معالم) معجزہ حق دیکھئے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں۔ قرآنی بیان کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے یُخَيَّلُ اِلَيْهِ۔ تو اس سے امور ذیل مستنبط ہوئے۔ (۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اس لیے کہ یہ تو اہل باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمال باطنی کے منافی نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے (۴) اہل حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ ف۱۵۴ (اژدہا بن کر) مَا يَاْفِكُوْنَ۔ کا فاعل السحرۃ (جادوگر ہے) اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ۔ یعنی اپنا عصا ڈال دیجیے جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں ف۱۵۵ (جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا وہ ظاہر بھی حق ہو کر اور جو باطل تھا اُس کے بطلان کا بھی مکمل ظہور ہو کر رہا۔ ف۱۵۶ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۔ انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا۔ صار کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ای صاروا اذلاء (روح) ف۱۵۷ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندے سے نکل آئے۔ ہم نے دین توحید اختیار کر لیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی ہم تصدیق کر رہے ہیں ساحروں کو اب اس کا احساس ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے۔ اور اسی احساس نے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ سٰجِدِيْنَ۔ لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنی میں ہو، ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جھک جانا اور اطاعت اختیار کر لینا مراد ہو۔ وحمل السجود علی الخضوع ای انھم خضعوا (روح) ف۱۵۸ (اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے سازش کر کے اپنی حکومت قائم کر لو) قبل سے مراد ہمیشہ پیشتر ہی نہیں ہوتا۔ ”بغیر“ بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ۔ (کہف) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اللّٰھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دما والاضراس جمرا۔ ف۱۵۹ سولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِلَافٍ۔ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ

وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار ہی کے پاس تو لوٹیں گے و۱۶۰ اور تو آخر ہمیں کیوں سزا دے رہا ہے

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ

بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

صبر (کے مشکیزے) انڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال۔ و۱۶۱ اور قوم فرعون

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

کے سردار بولے کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فساد

فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

پھیلاتے پھریں اور موسیٰ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑے رہیں و۱۶۲ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے

وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

لڑکوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہی ہیں۔ و۱۶۳ موسیٰ

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کئے رہو زمین

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے و۱۶۴ (وہ لوگ) کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے

تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے آنے کے بعد بھی و۱۶۵ (موسیٰ نے) کہا کہ عنقریب تمہارا پروردگار

و۱۶۰ (تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈراتا کیا ہے؟) اللہ اللہ، ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ یہ ساحر وہی ہیں کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال و جاہ، انعام و اکرام کے طالب تھے۔ اور کہاں اب سر فروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے و۱۶۱ خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے رہنا خاص شیوۂ مومنین ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر کہ ہم ہر سختی پر ثابت قدم رہیں۔ باوجود کمال عزم و ہمت اپنے عزم و ہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہتے جانا خاص شعار مومنین ہے۔ و۱۶۲ یعنی آپ موسیٰ علیہ السلام کو اس کی آزادی برابر دیئے رہیں گے کہ وہ خوب آپ کی، آپ کے دین کی، آپ کے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں اور موسیٰ علیہ السلام اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب و بغاوت پھیلاتے رہیں؟ يَذَرَكَ۔ لِيُفْسِدُوْا۔ میں ابھی ابھی ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے اب ضمیر واحد غائب کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے گویا ملکی انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے۔ باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اٰلِهَتَكَ۔ فرعون خود تو سورج دیوتا کا اوتار تھا ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا موجود تھے۔ و۱۶۳ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں بے تکلف کر سکتے ہیں) سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ۔ یعنی ہم پھر وہی طریقے انسداد شر و فساد کے اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کر چکے ہیں۔ و۱۶۴ (سو دنیوی عارضی حاکمیت ہرگز کوئی معیار مقبولیت و حقانیت کا نہیں) یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہو گئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں۔ بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے نہ یہ ضرور ہے جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ محکومیت، مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں و۱۶۵ بنی اسرائیل کے اس شکوہ سے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ قَالُوْٓا کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔

يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ

تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین کا حاکم بنا دے گا

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ

پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ۱۶۶ اور ہم نے فرعون والوں کو

فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ

نصیحت حاصل کریں ۱۶۷ لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے لیے ہی ہے

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ

اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے ۱۶۸

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

سن لو! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی)

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

نہ جانتے ۱۶۹ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان ہمارے سامنے لاؤ

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا

جس سے ہم کو مسحور کرنا چاہو ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ۱۷۰ پھر ہم نے ان پر

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ

بلا نازل کی اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک

وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا

اور خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ۱۷۱ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی

۱۶۶ (اور اپنے فرائض خلافت ارضی کہاں تک انجام دیتے ہو) سو دیکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی فِی الْاَرْضِ۔ ارض کا لفظ عام ہے۔ مخصوص ارض مصر ہی مراد نہیں شام فلسطین کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد و خود مختار حاکم ہو جانا اس وعدہ کے ایفاء و تحقق کے لئے کافی ہے عسى۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک واحتمال نہیں رہتا بلکہ یقین اور وعدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عسى من الله واجب (قرطبی) عن ابن عباس كل عسى في القرآن فهي واجبة الافي موضعين (ابوالبقاء) عَسٰى۔۔۔۔ فِي الْاَرْضِ۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیۃ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمت عظیم ہے۔ پس ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر و مجبوری کے ذلت و خواری کے ساتھ پڑا رہے ۱۶۷ یہ اس وقت پیش آیا جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے انکار و مخالفت بڑھتی ہی گئی بِالسِّنِيْنَ ۔ سنين۔ سنة۔ کی جمع ہے جس کے معنی محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق قحط والے سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے يعني الجدوب وهذا معروف في اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب واكثر ما يستعمل في الحول الذي فيه الجدب (راغب) لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ غایت اس نافرمان وسرکش قوم کے ابتلاء کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی ۱۶۸ (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب و بدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات و حوادث سے عبرت کا سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرتے) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ۔ یعنی اسے تمام تر اپنی خوش بختی خوش تدبیری پر محمول کرتے۔ بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید و طاعت کی راہ اختیار کرتے ۱۶۹ یعنی یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے سر تھوپتے حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے۔ اور ان کی دنیوی محرومیاں انہی اعمال کفریہ کا وبال تھیں۔ انما سبب شئو مهم عند الله وهو عملهم المكتوب عنده (کشاف) ۱۷۰ جب حق کے مقابلہ میں ضد و عناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کر سکتا ہے۔ بجنسہ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عناد میں رہی اور جاہلین فرنگ کی آج تک چلی آ رہی ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا۔ اُلٹے سے اُلٹے نتیجے نکالنا یہ خاص الخاص جوہر آج کے "روشن خیال محققین فرنگ" کے ہیں۔ مَهْمَا اصل ما مکرر سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لیے ہے پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا ہے۔ اصلها ما الشرطيه ضمت اليها ما المزيدة للتاكيد ثم قلبت الفها هاء استثقالاً للتكرير (بیضاوی) خلیل نحوی اور نحویین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔ هذا قول الخليل والبصريين (کبیر) ۱۷۱ (قہر خداوندی کے بھی اور صداقت موسوی کے بھی) توریت کی کتاب خروج باب ۷۔ ۸۔ ۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن الْجَرَادَ۔ ٹڈیوں نے مصریوں کی زراعت کو برباد کر دیا۔ الْقُمَّلَ۔ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے الضَّفَادِعَ۔ مینڈکوں کی ہر جائی افراط نے مصریوں پر کھانا، پانی سب حرام کر دیا۔ الدَّمَ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خون ہو گیا تھا۔ الطُّوْفَانَ۔ عربی میں طوفان ہر شدید و ہلاکت خیز حادثۂ ابتلاء کو کہتے ہیں۔ الطوفان كل حادثة تحيط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من كل شيء ما كان كثيرا محيطاً مطبقاً بالقوم كلهم (کبیر) توریت میں ذکر آتشیں ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج۔ ۹: ۲۳۔ ۲۷) ہو سکتا ہے کہ الطُّوْفَانَ سے اشارہ اسی جانب ہو۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔ الطوفان هو الموت (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قيل الجدري وقيل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء ومجاهد تفسيره بالموت (روح)۔

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا

(عادی) مجرم ف۱۷۱ اور جب ان پر کوئی عذاب آ پڑتا تو کہتے کہ

يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ

اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ف۱۷۲

كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

آئیں گے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ف۱۷۳ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو

الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اک مدت تک کے لیے ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے ف۱۷۴

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

غرض ہم نے انہیں سزا دے دی اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے، اور ف۱۷۶ ہم نے ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

جو کمزور سمجھ لیے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا

وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ

مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۷۷ اور آپ کے پروردگار کا

رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ

نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا

ف۱۷۱ (کہ اتنے کھلے عجائب قدرت دیکھ کر بھی قائل نہ ہوئے) ف۱۷۲ کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹا لے گا) بما میں ما، الذی کے معنی میں ہے ما بمعنی الذی ای بما استودعک من العلم (قرطبی) ف۱۷۳ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے مثلاً: ۔تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے۔ اور میں اُن لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج ۸:۸) تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلوایا اور انہیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے۔ خداوند عادل ہے میں اور میری قوم گنہگار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو (کہ بس) کہ آگے کو اس طرح سے نہ گرجے اور اولے نہ گریں تب میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے (خروج ۹:۲۷۔۲۸) تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دور کرے۔ (خروج ۱۰:۱۶۔۱۷) ف۱۷۴ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر ان سے ٹل جاتا تو معاً اُن کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی۔ توریت میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً: جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سنی۔ (خروج ۸:۱۵) فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی۔ (خروج ۸:۳۲) اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸، ۹ میں بار بار آئی ہیں باب ۱۱ میں آتا ہے: ۔ اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا (خروج ۱۱:۱۰) اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ یعنی اس وقت کے لئے جو علم الٰہی میں ان کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔ ای الی اجل معین (کبیر) ف۱۷۵ غرق فرعون پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۲ کی تفسیر میں گزر چکے۔ اِنْتَقَمْنَا۔ انتقام کے معنی محاورۂ عرب میں عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے ہیں۔ الانتقام فی اللغۃ سلب النعمۃ بالعذاب (کبیر) فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقوبت دنیوی بھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ اس میں تصریح کر دی کہ سزا کی بنا ان لوگوں کی تکذیب آیات الٰہی اور ان کی طرف سے اعراض تھا۔ عَنْهَا میں ضمیر ایات کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور نقمت کی طرف بھی جو فَانْتَقَمْنَا کا مدلول ہے۔ الکنایۃ عائدۃ الی الایات وھو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انھا عائدۃ الی النقمۃ (کبیر) غٰفِلِيْنَ۔ غفلت سے یہاں وہ کیفیت قلب مراد نہیں جو انسان کے اختیار کے باہر ہے بلکہ اعراض اختیاری مراد ہے۔ المراد بالغفلۃ ھنا الاعراض عن الایات وعدم الالتفات الیھا فھم اعرضوا عنھا حتی صاروا کا لغافلین (کبیر) فانتقمنا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انہیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔ ف۱۷۶ (ظاہری و باطنی، مادی و روحانی، دونوں قسم کی) مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ یعنی سرزمین شام جس کی آبادیاں دریائے یردن کے مشرقی و مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ المراد بارکنا فیھا بالخصب وسعۃ الارزاق وذالک لا یلیق الا بارض الشام (کبیر) الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ۔ ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں۔ علاقۂ شام پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں ہوا۔

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا

اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے

كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ملیا میٹ کر دیا۔ ف۱۷۸ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے

الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

پار اتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے بتوں کو لیے بیٹھے تھے

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ

(اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجیے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ

(موسیٰ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ف۱۷۹ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر

فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ

رہے گا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بھی (بالکل) باطل ف۱۸۰ (موسیٰ نے) کہا کیا میں اللہ کے سوا

اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کر دوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے ف۱۸۱

وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں

الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

ڈالے ہوئے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے

وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَ وٰعَدْنَا

اور اس میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔ ف۱۸۲ اور ہم نے وعدہ کیا

ف۱۷۸ مَا كَانَ يَصْنَعُ سے مراد عمارتیں ہیں۔ یرید المصانع (کبیر۔ عن ابن عباس ؓ) ما کانوا یعملون ویسوّرون من العمارات وبناء القصور (کشاف) وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ سے بھی مراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔ قال ابوعبیدة یبنون (راغب) یرفعون الابنیة المشیدة فی السماء (کبیر) یہ فرعون مغرور اپنے شوق تعمیرات کے لیے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے وما کانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعون کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔ ای ما کانوا یعرشون من الجنات (کبیر) كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى۔ یعنی وعدۂ نیک۔ فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خودمختاری کا تھا و معنی تمام الکلمة الحسنی انجاز الوعد الذی تقدم باھلاک عدوھم واستخلافھم فی الارض (کبیر) بِمَا صَبَرُوْا۔ یعنی یہ مرتبے جو کچھ حاصل ہوئے انہیں صبر ہی کی بنا پر نصیب ہوئے۔ انما حصل ذالک التمام بسبب صبرھم (کبیر) ف۱۷۹ (کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بت پرستی جیسی لعنت پر مرتے ہو) وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ۔ یعنی جب بنی اسرائیل بحر احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھ چکے۔ اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ یہ قوم ممکن ہے کہ عمالقہ کی ہو اور ممکن ہے کہ لخم ہو۔ بہرحال تھی کوئی بت پرست قوم۔ اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا۔ بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے عجب نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھیرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ ف۱۸۰ یعنی ان کا یہ شغل بت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے۔ تم آخر کیا ایسوں کی تقلید کی طرف جا رہے ہو؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسوم عبادات وغیرہ میں۔ ف۱۸۱ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے) حضرت علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمہارے لیے جو شروع سے توحید کے حامل اور علمبردار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔ ف۱۸۲ ان سب واقعات پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔

مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

موسیٰ سے تیس شبوں کا پھر ان کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰ کے

رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ

پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری ہوئی ۱۸۳ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ

نہ چلنے لگنا ۱۸۴ اور جب موسیٰ ہمارے وقت (موعود) پر آگئے اور ان سے ان کا پروردگار

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

ہم کلام ہوا ۱۸۵ موسیٰ بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ

وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

لوں۔ ۱۸۶ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا

فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

تو تم بھی دیکھ سکو گے ۱۸۷ پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی نے پہاڑ کو) ریزہ ریزہ

وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کر دیا۔ ۱۸۸ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، ۱۸۹ پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے

تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰۤى

میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ۱۹۰ (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۫ۖ

میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا ۱۹۱

۱۸۳ ان چالیس شبوں پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔ اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد و خود مختار ہو چکی ہے اور اب اس قوم کے لئے ایک دستور شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو لینے کے لیے کوہ طور پر طلب کیے گئے ہیں پہاڑ پر ایک چلہ کی مدت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا لَيْلَةً۔ میں دن اور رات دونوں شامل ہیں۔ اور لفظ لَيْلَةً۔ ہی سے استنباط کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے دلت الاٰية علی ان التاريخ يكون بالليالي دون الايام (قرطبی) اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صوفیہ کے ہاں کے چلہ کی جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔ ۱۸۴ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تر تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی امور میں مفصل احکام و ہدایت دے جاؤں) اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ حضرت ہارون علیہ السلام تو خود نبی تھے۔ ان کی یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں، بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم کے تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نبوت کی جانشینی سونپ کر نہیں جا رہے ہیں بلکہ بہ حیثیت نائب سردار اپنا جانشین بنا رہے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات بھی دے رہے ہیں — یہ نیابت و خلافت اسی طرح کی تھی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی امور کی باگ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، کبھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے اس کو خلافت نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ۱۸۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جناب باری سے ہم کلامی کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ایک بار اس سے قبل عطائے نبوت کے وقت کوہ طور پر ہی اس شرف سے مشرف ہو چکے تھے گو اس وقت کلام اس حد تک بے واسطہ اور براہ راست نہیں ہوا تھا جیسا کہ نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِمِيْقَاتِنَا۔ میں ل اختصاص کا ہے۔ ای لوقتنا الذی وقتناه واللام للاختصاص (روح) ۱۸۶ (اپنی انہی مادی آنکھوں سے) ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رویت باری مادی آنکھوں سے عقلاً محال و ممتنع نہیں۔ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول فرط اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا۔ ۱۸۷ اصل درخواست کا جواب لَنْ تَرٰىنِيْ۔ پر ختم ہو گیا۔ یعنی اس ناسوتی دنیا میں اپنی مادی آنکھوں سے تم نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رویت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البنیان ہے۔ اس کے قوائے ظاہری اس عالم عنصری میں رویت جمال باری کی تاب نہیں لا سکتے۔ اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا آگے مزید شفقت و کرم سے ایک موقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عملی تجربہ اور اطمینان قلب کا اور دیا جا رہا ہے۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو پہاڑ جو ظاہری و مادی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں۔ اگر وہ اسے برداشت کر لے گیا تو تمہارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا — پیمبر بھی آخر جسمانی قویٰ وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔ ۱۸۸ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہو گیا کہ بصر بشری میں رویت جمال باری کا تحمل نہیں) جَعَلَهٗ دَكًّا۔ ضمیر ہٗ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔ تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔ یعنی جو حجابات نور خداوندی کو بہ ارادہ خداوندی آج نظر خلائق سے محجوب کیے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک مرتفع کر دیے گئے۔ ۱۸۹ (اپنے سے جسامت میں قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کر کے) حضرت کی غشی کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ محل تجلی (پہاڑ) سے آپ بھی گونہ تعلق و تلبس رکھے ہوئے تھے۔ ۱۹۰ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر کہ "مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"۔ (لن ترانی) بانک لاتری فی الدنیا لوعدک السابق فی ذلک (قرطبی) فَلَمَّاۤ اَفَاقَ۔ یعنی جب آپ کے ہوش بجا ہوئے۔ الافاقة رجوع العقل والفهم الى الانسان بعد ذهابهما عنه (روح) سُبْحٰنَكَ۔ یعنی تو پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ عالم ناسوت میں انسانی حاسۂ بصری کی گرفت میں آ سکے۔ تُبْتُ اِلَيْكَ۔ یعنی اپنی اس مشتاقانہ و بے تابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔ قال مجاهد من مسألة الرؤية فی الدنيا (قرطبی) یہ خیال رہے کہ توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی۔ ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ واجمعت الامة على ان هذه التوبة ما كانت من معصية (قرطبی) مذہب اہل سنت میں رویت باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے۔ صرف شرعاً ممتنع ہے۔ ۱۹۱ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کچھ کم ہیں؟) بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔ دونوں کے درمیان عطف مغایرت لا کر گویا ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں۔ اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔

ف۱۹۲ (بہ خلاف اپنی ناشکری قوم کے) مَآ اٰتَيْتُكَ۔ کے عموم میں رسالت ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔ ف۱۹۳ یعنی مسائل واحکام دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کردی گئی۔ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ سے ساری دنیا کی چیزیں مراد نہیں بلکہ وہی احکام ومسائل دین مراد ہیں۔ ای مما یحتاج الیه فی دینه من الاحکام (قرطبی) ولا شبهة فیه انه لیس علی العموم بل المراد من کل ما یحتاج الیه موسٰی وقومه فی دینهم (کبیر) مِنْ یہاں مزیدہ ہے نہ کہ تبعیضیہ من مزید لا لبعضیة (روح) لَهٗ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ الْاَلْوَاحِ۔ انہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا۔ اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:۔ اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر اور اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ (خروج ۳۲: ۱۵) مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ جار ومجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ وتفصیل احکام میں سے ہر چیز وبدل من الجار والمجرور ای کتبنا له کل شیء من المواعظ وتفصیل الاحکام والی هذا ذهب غیر واحد من المعربین (روح) ف۱۹۴ یعنی اس کے سارے احکام کو، کہ اچھے تو اس کے سب ہی احکام ہیں۔ خُذْهَا بِقُوَّةٍ۔ یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) کوشش واہتمام کے ساتھ اُن پر عمل کرو۔ ف۱۹۵ (اے قوم اسرائیل) خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا اب صیغۂ جمع میں امت موسوی سے ہو رہا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ۔ سے مراد سرکش وبے دین عمالقہ ہیں جو اُس وقت تک ارض کنعان پر قابض تھے۔ اٰيَة کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ عنقریب تمہیں تمہارے دشمنوں کے ملک پر قابض ومالک کر دیا جائے گا۔ ای سیورثهم ارض اعدائهم ودیارهم (کبیر) اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہوگے۔ اُن کے انجام سے عبرت حاصل کرو گے چنانچہ قتادہ تابعی سے یہی معنی مروی ہیں فادخلکم الشام واریکم منازل الکافرین الذین کانوا متوطنین فیها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها (کبیر) ف۱۹۶ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا اس لیے تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا) یعنی ایسے لوگ قصداً راہ کبر وانانیت اختیار کئے ہوئے ہیں، انہیں کبھی بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوگی اور یہ برابر راہِ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبول حق پر مجبور کر دیا جائے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ یعنی یہ راہ کبر وگردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سرتاسر مہمل وباطل ہے۔ ف۱۹۷ معاندین حق کی یہ نفسیت آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ نیک سے نیک نمونے ان کے لیے بے اثر رہتے ہیں اور بدی کی ہر مثال ان کے لیے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے۔ ساری آیت ان کے قساوت قلب کی ترجمان ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کر دیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا وبال خود ذہنی کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔ ذلک مجازاة من تکبرهم (قرطبی) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انہوں نے بالقصد محض اپنے عناد سے تکذیب کی۔ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا اور قصداً اُن سے اعراض کئے رہے۔ غفلة۔ یہاں نادانستہ بے خبری ولاعلمی کے معنی میں نہیں دانستہ اعراض کے معنی میں ہے۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ

سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکرگزاروں میں سے رہو ف۱۹۲ اور ہم نے ان کو تختیوں پر

فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

ہر چیز لکھ دی نصیحت اور تفصیل ہر چیز سے

لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

متعلق ف۱۹۳ تو انہیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کرلیں ف۱۹۴ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام دکھا دوں گا ف۱۹۵

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر ناحق تکبر کرتے

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ

رہتے ہیں ف۱۹۶ اور اگر یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ

ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنا لیں یہ (ساری برگشتگی) اس سبب سے ہے کہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ

ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا ف۱۹۷ اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ

ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت گئے

ف۱۹۸ یعنی یہ سزا اُن کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی۔ تمام سراُن کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ سزا انہیں قیامت میں پہنچ کر ملے گی۔ جن جن اعمال پر انہیں دنیا میں بھروسہ اور ناز تھا قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! اُن کی کوئی وقعت کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی۔ اس لئے سراسر سے خالی۔ صحیح مقصد تو اُن کا تھا ہی نہیں پھر نتیجہ بھی ٹھیک کیسے نکلے۔ ف۱۹۹ اس نئے معبود زریں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا، بے جان، ایک قالب تھا، بے روح، ایک جسم، حیات سے معری، بس اُس میں سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں بھیں کرتا ہے۔۔ اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں تک میں صنعت سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلات صناعی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ بچھڑا سچ مچ کا نہیں بن گیا، وہی چاندی سونے کا رہا تھا جیسا کہ محققین سلف نے کہا ہے۔ كان جسداً من ذهب لا روح فيها كان يسمع منه صوت (معالم) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توریت کے لینے کو تشریف لے گئے تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سنہری مورت بنائی جس کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔ مِنْ حُلِیِّهِمْ۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے۔ اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی۔ (خروج ۱۲: ۳۵، ۳۶) یہ

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ اتَّخَذَ

اور ان کو بدلہ اسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ف۱۹۸ اور موسیٰ کی

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا

قوم نے ان کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی)

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

ایک قالب جس کے اندر ایک آواز تھی ف۱۹۹ کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا

وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور نہ انہیں کوئی راہ بتلا سکتا تھا اسی کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ف۲۰۰

وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا

اور جب وہ نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے

لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کر دے تو ہم تو بالکل گھاٹے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ

میں پڑ گئے ف۲۰۱ اور جب موسیٰ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم

غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ

کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے میرے پیچھے بہت ہی بری

بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ

حرکت کی کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کر لی ف۲۰۲ اور تختیاں تو (ایک طرف)

وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ

ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انہیں اپنی طرف کھینچنے ف۲۰۳ (ہارون نے) کہا اے

زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے۔ اور قرآن مجید یہاں ان کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے۔ اس سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر کا مال جب مسلم کے قبضے میں آ جائے تو اُس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔ فيه دليل على ان الاستيلاء على اموال الكفار يوجب زوال ملكهم عنها (مدارک) اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى۔ ''قوم موسیٰ علیہ السلام'' کی یہ تصریح موجودہ توریت محرف کی تردید میں ہے جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون علیہ السلام کے سر ڈال دی ہے۔ (خروج باب ۳۲) ف۲۰۰ کیسی شدید حماقت وجہالت تھی ایسے بے بس و بے قدرت کو اپنا معبود بنا لیا! اِتَّخَذُوْهُ۔ توریت میں ہے:۔ ''انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا''۔ (خروج ۳۲: ۴) ''انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پوجا اور اُس کے لیے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا'' (خروج ۳۲: ۸) اَلَمْ يَرَوْا۔۔۔۔ سَبِيْلًا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔ ف۲۰۱ یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کا ہے، جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ آیت نمبر ۱۴۸ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت نمبر ۱۵۰ کو پڑھا جائے یہ آیت نمبر ۱۴۹ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ اور قرآن مجید کا عام اسلوب بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم و تاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیان کلام میں لے آتا ہے۔ سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں۔ يعني الندم (راغب) تقول العرب لكل نادم على امر قد سقط في يديه (معالم) قال ابو عبيدة يقال لمن ندم على امر و عجز عنه سُقط في يده (بحر) يقال للنادم المتحير قد سقط في يده (قرطبی) سقط الندم قاله الازهري والنحاس وغيرهما (قرطبی) ف۲۰۲ یعنی میں تو احکام شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم اُسی کا انتظار کر لیا ہوتا! رَجَعَ۔ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور ہی پر تھے کہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ حال معلوم ہو گیا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ۔ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ف۲۰۳ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا اور اس بے ہودگی کو کیسے روا رکھا!) وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ توریت میں ذکر تختیوں کے ''توڑ ڈالنے'' کا ہی ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکرگاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسیٰ علیہ السلام کا غضب بھڑکا اور اس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے''۔ (خروج ۳۲: ۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سارے افعال غیرت توحید کے جوش اور بے خودی میں سرزد ہوئے اس لیے نہ اُن پر گرفت کی جا سکتی ہے اور نہ یہ افعال دوسروں کے نیے ارادے کے بعد سند و نظیر کا کام دے سکتے ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب چونکہ تمام تر للہ تھا اس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کر سکتے جس میں نفس کا واسطہ شامل ہوتا ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ جو سکر حرام سے پیدا ہوا ہے شارع نے عذر نہیں قرار دیا ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ان افعال موسوی کو اپنے حالت تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند و نظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو و باطل ہے۔ كيف تقاس احوال الانبياء على احوال هؤلاء السفهاء وقد سئل ابن عقيل عن تواجدهم وتخريق ثيابهم فقال خطاء وحرام (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معاملہ حضرت ہارون علیہ السلام سے اپنے اس اجتہاد کی بناء پر کیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقع ہونا ضروری نہیں تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔ امام ابن جریر طبری کا شمار اکابر و مشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے معصوم بہرحال وہ بھی نہیں اپنی تفسیر میں طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالے سے اس مفہوم کی بھی نقل کر دی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح و ستائش اُن کی اُمت کی نہیں بلکہ ایک دوسری اُمت (اُمت محمدی) کی درج تھی۔ ایسی روایت ایک معمولی صالح و متقی انسان کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر و اولوالعزم پیمبر کے متعلق: اور مقام

مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کردی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ظاهر السياق انه انما القى الالواح غضبًا على قومه وهذا قول جمهور العلماء سلفًا وخلفًا وروى ابن جرير عن قتادة فى هذا قولًا غريبًا لا يصح اسناده الى حكاية قتادة وقد رده ابن عطية وغير واحد من العلماء وهو جدير بالرد وكانه تلقاه قتادة عن بعض اهل الكتاب وفيهم كذابون ووضاعون وافاكون وزنادقة۔

سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ آپ نے جو تختیوں کو پھینکا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہوکر پھینکا ہے اور یہ قول جدید و قدیم اہل علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے اس کی سند بھی قتادہ تک نہیں پہنچی۔ اور ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے اس کی پوری طرح تردید کردی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں جو وہ روایت قتادہ کو اہل کتاب سے پہنچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاڑیے پڑے ہوئے تھے۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا

میرے ماں جائے (قوم کے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ف۲۰۴

تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ

سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوایئے اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے زمرے میں نہ داخل

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا

کریجیے ف۲۰۵ (موسیٰ نے اب) کہا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی سے درگزر کر اور ہم دونوں کو

فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ

اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ف۲۰۶ بیشک

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ

جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنا لیا ہے۔ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی

غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی

الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا

سزا دیا کرتے ہیں ف۲۰۷ اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کیے پھر ان کے بعد انہوں نے

مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

توبہ کر لی اور ایمان لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد (ان کے حق میں) بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ

بڑا رحمت والا ہے ف۲۰۸ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو

الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ

اٹھا لیا اور اس نسخہ (توریت) میں ہدایت و رحمت تھی، ان لوگوں کے لیے

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:۔

ولا التفات لما روى عن قتادة ان صح عنه ولا يصح...... وهذا قول ردئ لا ينبغى ان يضاف الى موسى عليه السلام۔

قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابل التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہی نہیں ... وہ روایت بالکل لغو ہے اس قابل ہی نہیں، کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

ف۲۰۴ حضرت ہارون علیہ السلام اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی میری بات تو سن لیجیے میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے میری ایک نہ چلنے پائی بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہا تو الٹے مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہوگئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے۔ کہاں عصمت انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی و باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے! کتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کی زبان سے یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہو رہی ہیں۔ جب تک توریت میں درج کی ہوئی فرد جرم سامنے نہ ہو نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ابنَ اُمَّ۔ محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقع پر آتا ہے۔ كلمة لين وعطف (قرطبی) وتخصيص الام بالذكر للترقيق (روح) ف۲۰۵ توریت کے بیانات کے پیش نظر اور ان کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ۔ یعنی آپ میرے اوپر بلاقصور اتنی سختی کر رہے ہیں اس سے دشمنوں کو ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا ف۲۰۶ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ دان اور کون ہوسکتا ہے۔ صحیح صورت حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ استغفار و مناجات میں مشغول ہوگئے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ۔ درخواست مغفرت اپنے ہی لیے نہیں اپنے ان بھائی کے لیے بھی ہے جن پر ابھی ابھی یہ تشدد ہو رہا تھا! اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرت توحید سے بے خود ہو کر بلا تحقیق ہارون علیہ السلام نبی پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کردی تھی۔ اے لما اقدمت عليه من هذا الغضب والحدة (کبیر) بما صنعت باخى (بیضاوی) اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفع فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ اے فى تركه التشديد العظيم على عبدة العجل (کبیر) لوهمًا بانهٗ قصّر فى كفّهم (بیضاوی) بھائی کو اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ملا لینا اس لئے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہو جائے۔ ضمه الى نفسه فى الاستغفار ترضية له ودفعا للشماتة عنه (بیضاوی) ف۲۰۷ یہ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ۔ یعنی مفتری دنیا میں بھی مغضوب و ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔ گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ ف۲۰۸ یہ عام قاعدہ غفر و رحمت کا بیان کردیا کہ گنہگار و منکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدائے اسلام ان بے رحم و خونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ میں ضمیر ھا توبہ و تجدید ایمان کے لیے ہے۔

ف۲۰۹ (اور اس خوفِ خدا کی بنا پر اس نسخہ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی چاہتے ہیں) سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا عذر معقول سن کر قدرۃً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوشِ غضب فرو ہو جاتا ہے۔ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی تمس تختیاں نہ کہ ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے۔ اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔ وظاهر هذا يدل على ان شيئا منها لم ينكسر ولم يبطل (کبیر) فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ۔ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے اور رحمت کی طرف لے جانے والے تھے۔

هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ف۲۰۹ اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد

سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

انتخاب کیے ہمارے وقت موعود کے لیے ف۲۱۰ پھر جب انہیں زلزلہ نے آ پکڑا ف۲۱۱

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ

تو (موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے (یہی) منظور تھا تو تو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا

ہوتا تو کیا تو ہمیں اس (حرکت) پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے (چند) بیوقوفوں

فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ

نے کی ف۲۱۲ یہ تو بس تیری طرف سے آزمائش ہے، ان (آزمائشوں) سے تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور

تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ

جس کو چاہے ہدایت پر قائم کر دے ف۲۱۳ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر ہم پر رحم کر اور تو ہی

خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بہترین مغفرت کرنے والا ہے ف۲۱۴ ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں (بھی)

حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

اور آخرت میں (بھی) ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں ف۲۱۵ (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِیْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ

اپنا عذاب میں اسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی

كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ

ہوئی ہے ف۲۱۶ سو اسے ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم کر دوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ

ف۲۱۰ یعنی وقت معین پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لیے۔ یہ حاضری دوبارہ تھی یا یہ اسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں اور ہمارے یہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں بلکہ نزول توریت کے وقت کی اسی حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ایک دوسری آیت فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ۔ (سورۂ نساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے واللہ اعلم۔ ف۲۱۱ (اور وہ ستر کے ستر مردہ یا نیم مردہ ہو کر رہ گئے) اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے پھر دوبارہ زندہ کیے گئے۔ والكثير على انهم ماتوا جميعاً ثم احياهم الله تعالى (روح) لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے پھر ہوش میں لائے گئے۔ قيل غشي عليهم ثم افاقوا (روح) ف۲۱۲ یعنی گستاخی کا اور تجھے عیاناً دیکھنے پر اصرار کا جرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے کہیں یہ تھوڑے ہی ہو سکتا ہے کہ تو اس کے پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے! اَتُهْلِكُنَا۔ یہ استفہام، استفہام استعظام کہلاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ قال المبرد المراد بالاستفهام استفهام استعظام كانه يقول لا تهلكنا (قرطبی) لَوْ شِئْتَ۔ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ۔ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا نہ میری بدنامی ہوتی اور نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی! لیکن تو نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اہلاک بالذات مقصود نہیں۔ ف۲۱۳ (اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کا اور زیادہ قائل ہو جائے) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ۔ تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کر دے اور وہ تیرے شکوہ و شکایت اور ناشکری میں لگ جائے۔ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ۔ یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے، نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کر دینا۔ ف۲۱۴ (سو تو اگر مجرموں اور خطاکاروں پر بھی مغفرت و رحمت کی نظر کر دے تو کیا بعید ہے) اَنْتَ وَلِيُّنَا۔ تو ہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ فرمائی پر بھروسہ ہے ف۲۱۵ (اخلاص و اطاعت کے ساتھ) وَاكْتُبْ لَنَا۔ کے معنی لازمی طور پر یہ نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لیے تحریر کر دے، بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم و مقرر کر دے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنی عام ہیں، اے اوجب لنا والكتابة تذكر بمعنى الايجاب (کبیر) واثبت لنا (کشاف) ويعبر عن الاثبات والتقدير والايجاب والفرض والعزم بالكتابة (راغب) هُدْنَاۤ اِلَيْكَ۔ یعنی ہم تیرے آگے رجوع و توبہ کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں۔ قال المفسرون اے تبنا و رجعنا اليك (کبیر) ف۲۱۶ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم و غیر مجرم نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ البتہ قانون مکافات و مجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔

ف۲۱۷ مناجات موسوی کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ میری رحمت تو بہ طور کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لیے عام ہے تو اس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقاید و اعمال میں صفات ایمان وتقوی سے آراستہ ہیں۔ فسا کتبھا۔ میں ضمیر رحمت کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے۔ الذین یتقون۔ تقوی سے اشارہ اعمال قلب کی طرف ہے یؤتون الزکوۃ۔ اس سے اشارہ اعمال جوارح وعبادات کی طرف ہے۔ بایٰتنا یؤمنون۔ میں اشارہ عقاید کی جانب ہے۔ ف۲۱۸ الذین۔ کا خطاب انسانوں کے لیے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہل کتاب کی جانب ہے۔ اُمّی سے مراد ان پڑھ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ تھے اور ام القری والے یعنی مکی بھی، اور اُمت والا بھی۔ اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے یعنی ان پڑھ ہونا۔ قیل منسوب الی الامۃ الذین لم یکتبوا لکونہ علی عادتھم وقیل سمّی بذلک لانہ لم یکن یکتب ولا یقرء من کتاب و قیل سمّی بذلک لنسبتہ الی ام القری (راغب) قال الزجاج معنی الامی الذی ھو علی صفۃ امۃ العرب فالعرب اکثرھم ما کانوا یکتبون ولا یقرءون والنبی علیہ الصلوۃ والسلام کان کذلک (کبیر) ای الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح) ف۲۱۹ "جسے" یعنی جس کی صفات وعلامات کو۔ ای یجد نعتہ (کشاف) ف۲۲۰ یہاں تک کہ اتنی تحریف وتصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت وانجیل سے اب تک بالکل نہ دھل سکے چنانچہ توریت میں ہے:۔ خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو (استثناء ۱۸: ۱۵) اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء ۱۸: ۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی"۔ (استثناء ۳۳: ۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسول ﷺ کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپ ہی داخل ہوئے شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہ رضی اللہ عنہم (قدسیوں) کے جلو میں اور سینا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور شعیر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نور نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے)" اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا، (پیدائش۔ ۱۷: ۲۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدے ہمارے رسول ﷺ کی ذات سے جا کر پورے ہوئے ہیں۔ "یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ (پیدائش ۴۹۔ ۱۰) زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی Dowcy version کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسول ہی کے علم کے نیچے جمع ہوئیں وہی نبی مرسل تھے۔ اُنھی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہو گیا اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے:۔ "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے" (زبور ۴۵: ۱۷) ستائش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں اسم محمد ﷺ صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں (یسعیاہ ۴۲: ۱۔ ۴) یہ میرا بندہ (عبدہٗ ورسولہ) اور میرا برگزیدہ (مصطفیٰ) جس کا "زوال نہ ہوگا" (خاتم النبیین) صرف ہمارے ہی رسول اکرم ﷺ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے" نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ اور انجیل میں ہے۔ "یسوع نے ان سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا"۔ (متی ۲۱: ۴۲: ۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسمٰعیل تھے آخر میں اسی اسمٰعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی، اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود ونصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چور چور ہو کر رہ گئے یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ "جب تک عالم بالا پر سے تم کو خوف کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو۔ (لوقا ۲۴: ۴۹) جب تک ہو رہے حضور کا نزول اجلال نہ ہو لیا القدس شہر یروشلم ہی کا قیام رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے بعد "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱: ۱۹۔ ۲۱) "انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔ (یوحنا۔ ۱: ۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی "وہ نبی" (النبی ﷺ) کی معلوم ومعروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصہ سے تھا۔" پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں

الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ
دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ف۲۱۷ جو لوگ
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ
اس اُمی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ف۲۱۸ جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ
پاتے ہیں ف۲۱۹ توریت اور انجیل میں ف۲۲۰ انہیں وہ نیک کاموں کا
بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ
حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز
الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ
جو ان پر (اب تک) تھیں اتارے دیتا ہے ف۲۲۱ سو جو لوگ
اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ
اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ
اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا
اتارا گیا ہے سو یہی لوگ تو ہیں جو (پوری) فلاح پانے والے ف۲۲۲ کہہ دیجیے کہ اے
النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ
انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ف۲۲۳ اسی (اللہ) کا جس کی حکومت ہے
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ
آسمانوں اور زمین میں سوا اس کے کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے

سن کر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا ۷: ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی موعود (النبی۔ اس نبی،،) کا انتظار برابر تھا اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۴: ۱۶) جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵: ۲۶) یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنہوں نے آکر حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ حوالے ان نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مسلم ہیں باقی انجیل برنباس تو اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے ف۲۲۱ یعنی اس کی شریعت تمام رسم ورواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ اور ان پر حاکم ہے یَاْمُرُهُمْ ... عَنِ الْمُنْكَرِ۔ چنانچہ جیسا کہ ظاہر ہے شریعت اسلامی جامع ہے تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبہ حیات میں انفرادی واجتماعی بہترین احکام وقوانین کی۔ یُحِلُّ ... الْخَبٰٓئِثَ۔ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی، پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ ف۲۲۲ (دنیا آخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستور حیات ونظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش، فراغت سے مالا مال۔ ای هم الفائزون بالمطلوب فی الدنیا والآخرة (کبیر) اَلنُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔ اس نازل شدہ نور سے مراد ہے قرآن وسنت وهو القرآن وقیل الهدی والبیان والرسالة (کبیر) ف۲۲۳ جس میں استثناء نہ کسی قوم ونسل کا ہے نہ کسی ملک وزمانہ کا) آیت ایک محکم وروشن دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ پر ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے، اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم، یا چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی کی دنیا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ۔ اس طرز خطاب نے صراحت کر دی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ ان کا کوئی خاص ٹکڑا۔ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ اس نے ایک بار اور صراحت کر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد اور سفیر ہیں اور بس، نہ کہ اس کے مظہر یا اوتار، یا اس کے فرزند ورشتہ دار ف۲۲۴ یہ نہیں کہ بقاء وحیات کے دیوتا وشنو جی ہوں اور موت وہلاک کے دیوتا شو جی۔ ہُوَ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ نہیں کہ معبود اعظم تو وہ ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی، دیوتا اس کے ماتحت ہزاروں ہیں۔ نہیں بلکہ کسی دوسرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔ اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خدائے اسلام کی ربوبیت والوہیت ہمہ گیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعوت عالمگیر ہے۔ ف۲۲۵ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، معادی ہر قسم ونوعیت کی فلاح پا جاؤ) رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ۔ رسول اور نبی دہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زور کلام ہے۔ رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتائے گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی بشر کے لیے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے۔ اسمان لمعنیین فان الرسول اخص من النبی وقدم الرسول اهتماما لمعنی الرسالة والا فمعنی النبوة هو المتقدم (قرطبی) اَلَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود اس رسول اشرف واکرم کے لئے یہ امر باعث شرف واکرام ہے کہ اُس کا ایمان اللہ اور اُس کے سارے کلاموں پر کامل ومحکم ہے۔ كَلِمٰتِهٖ۔ یعنی جو وحی خدا اُن پر نازل ہوئی اُس پر اور اُس سے سابق کی ساری وحیوں پر۔ ای ما انزل علیه وعلی سائر الرسل علیهم السلام من كتبه ووحیه (روح) ف۲۲۶ یہود میں یہ وہی اہل حق واہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔ قیل هم الیهود الذین كانوا فی زمان الرسول علیه الصلوة والسلام واسلموا (کبیر) وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی۔ قَوْمِ مُوْسٰی۔ قوم موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں بِهٖ یَعْدِلُوْنَ۔ ضمیر الحق کی طرف ہے، اور یعدلون یعنی حکم وفیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔ به ای بالحق ویعدلون بینهم فی الحكم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحكم بالحق (کبیر) یَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ۔ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ ای یدعون الناس الی الهدایة (قرطبی) ف۲۲۷ (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا) یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا۔ توریت میں اسی سلسلہ میں ہے: "یہ سب بنی اسرائیل کے بارہ فرقے ہیں اور یہی ہے جو ان کے باپ نے انہیں کہہ کے برکت دی۔" (پیدائش۔ ۴۹: ۲۸) نیز (خروج ۲۸: ۲۱) اَسْبَاطًا اُمَمًا۔ اسباط یہاں بدل ہے۔ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ سے اور اُمَمًا صفت ہے اسباط کی۔ اسباطا بدل من اثنتی عشرة امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطا (بیضاوی) قَطَّعْنٰهُمُ۔ یعنی انہیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ای صیرناهم قطعا ای فرقا (کبیر) ف۲۲۸ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۷ کے تحت میں گزر چکے۔ فَانْۢبَجَسَتْ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنی میں ہے اور انبجاس وانفجار مرادف ہیں اس قول پر آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یقال بجس الماء یبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر هذا قول اهل اللغة (کبیر) ای انفجرت كما قال ابن عباس (روح) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتداء کا ذکر ہے اور سورۂ بقرہ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے وہاں آخر میں جوش وخروش سے جاری کرنے کا بیان ہے۔ قال اخرون الانبجاس خروج الماء بقلة والانفجار خروجه بكثرة وطریق الجمع ان الماء ابتدأ بالخروج قلیلا ثم صار كثیرا وهذا الفرق مروی عن ابی عمرو بن العلاء (کبیر) ف۲۲۹ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

وَ یُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

اور (وہی) مارتا ہے، ف۲۲۴ سو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے اُمی رسول و نبی پر

الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر، اور اس کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ

راہ پا جاؤ ف۲۲۵ اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کو)

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ

ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۲۲۶ اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں

عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى

جماعتوں میں تقسیم کر دیا، ف۲۲۷ اور ہم نے موسیٰ کو جب کہ اُن کی قوم نے اُن سے

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

پانی طلب کیا وحی کی کہ اپنے (اس) عصا کو (فلاں) پتھر پر مارو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ

تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا مقام

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ

معلوم کر لیا ف۲۲۸ اور ہم نے اُن پر ابر کا سایہ کر دیا

وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ

اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ف۲۲۹ اور انہوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

کرتے رہے ف۲۳۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار کرو،

وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا

اور وہاں کھاؤ، جہاں بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی سے) جھکے ہوئے داخل

الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ

ہو، ہم تمہاری خطائیں تمہیں معاف کر دیں گے، ہم نیک کاروں کو

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

اور زیادہ دیتے ہیں ف۲۳۱ لیکن ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ

خلاف اس کے کہ جو ان سے کہا گیا تھا تو ہم نے اُن پر آسمان سے ایک

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ

آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے تھے ف۲۳۲ اور آپ اُن سے اس بستی (والوں) کی بابت

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

دریافت کیجیے جو سمندر کے کنارہ تھی ف۲۳۳ جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ

(اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت

لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

نہ ہوتا تو نہ آتیں ف۲۳۴ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی اس لیے کہ وہ

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

نافرمانی کر رہے تھے ف۲۳۵ اور جب کہ اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں

ع ۲۰ وقف لازم معانقہ

ف۲۳۰ (احکام الٰہی کی نافرمانی کر کر کے) مشرک جاہلی قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعث مصیبت سمجھی گئی ہے۔ یہ اسی کی تردید ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان؟ نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ ف۲۳۱ حاشیے پارۂ اول سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ف۲۳۲ حاشیے سورۂ بقرہ، پارۂ اول، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ف۲۳۳ (اے پیغمبر) وَسْئَلْهُمْ۔ میں ضمیر عہد رسول ﷺ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔ ای واسئل الیهود الذین هم جیرانک عن اخبار اسلافهم (قرطبی) اَلْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۷ میں گزر چکے۔ عَنِ الْقَرْيَةِ۔ القریہ سے مراد اهل القریة ہیں۔ ای عن اهل القریة (قرطبی) ف۲۳۴ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں) حِيْتَانُهُمْ۔ یعنی اُن کے سمندر کی مچھلیاں۔ تَاْتِيْهِمْ...... شُرَّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں سطح آب پر پانی سے سر نکال نکال کر نمودار ہو جاتی تھیں، ای شوارع ظاهرة علی الماء کثیرة (قرطبی) ف۲۳۵ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آ رہے تھے، آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں لیکن جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، اہل طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔ بعض اہل علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ واستدل بعض اهل العلم بقصة هؤلاء المعتدین علی حرمة الحیل فی الدین (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا مشروع ہونا فقہاء و حکماء امت سے وارد ہوا ہے وہ احکام شرعی کی تعمیل کے لئے ہے نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

نصیحت کیے جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے

شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے ف۲۳۶ وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

تقویٰ اختیار کریں، ف۲۳۷ پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ

لیا جو بری بات سے روکا کرتے تھے، اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا

بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ

اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ف۲۳۸ پھر جب وہ اس چیز کی حد سے نکل گئے

مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ف۲۳۹

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ

رکھے گا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا ف۲۴۰ بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد

الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِى

سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۴۱ اور زمین پر ہم نے انہیں مختلف

الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ

جماعتوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے (بعض) نیک بھی تھے اور ان میں سے (بعض) اس کے علاوہ

ف۲۳۶ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں) ۔ قَالَتْ اُمَّةٌ۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود نیک کار تھے لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے اور یہ کہا انہوں نے ان نیک کاروں سے جو اب تک وعظ و نصیحت میں لگے ہوئے تھے۔ ف۲۳۷ (اور اس خشیت الٰہی سے اپنی اصلاح کر لیں) مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ۔ یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کر دیں گے کہ ہم نے اپنی والی پند و نصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیے، ایک یہ کہ اپنے اوپر تو تلقین و اتمام حجت کا بار نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کر لیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی امید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو دلیل عالی ہمتی ہے۔ چنانچہ اہل حق میں سے جنہوں نے لِمَ تَعِظُوْنَ کا سوال کیا انہوں نے بوجہ یاس فتوائے عدم وجوب پر عمل کیا اور جنہوں نے مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ سے جواب دیا انہیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی اور یا انہوں نے عالی ہمتی سے کام لیا اور دونوں فریقوں نے پورا پورا اجر پایا۔ ف۲۳۸ عذاب الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لیے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گنہگار ہی مبتلا کیے جاتے ہیں اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔ جو لوگ راہ ہدایت پر قائم رہے اور اس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے۔ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ ف۲۳۹ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکا۔ ف۲۴۰ اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے) اس کا مشاہدہ آج تک (۱۹۳۶ء تک) ہو رہا ہے جرمنی میں ابھی کل تک ان پر جو قیامت برپا رہی وہ اظہر من الشمس ہے۔ باقی یوں بھی بنی اسرائیل اس دنیا کے پردہ پر کسی خطہ و علاقہ میں مطمئن نہیں، روس، برطانیہ، فرانس، امریکہ کوئی بھی ان کا دوست اور مخلص نہیں ہر ایک موقع پا کر انہیں پیس ہی ڈالنا چاہتا ہے، اور مشہور عالم دولت و ثروت کے باوجود یہ قوم آج تک مقہور ہی چلی آ رہی ہے۔ عَلَيْهِمْ۔ ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قول جمہور یہ ہے کہ اس سے عہد نبوی کے معاصر یہود مراد ہیں انہی کو یہ خبر پہنچا دینا مقصود ہے کہ اگر اب بھی ایمان نہ لائے تو بس حشر تک اس دنیا میں ذلت و خواری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ رہنا ہے۔ قال الاکثرون هذه الآیة فی الیهود الذین ادرکهم الرسول ﷺ ودعاهم الی شریعته وهذا اقرب (کبیر) لیکن خود سیاق قرآنی اس خیال کی تائید میں ہے کہ یہ وعید انہی قدیم سبت شکن یہود کو سنائی جا رہی ہے کہ تم نے اگر اپنی اصلاح حال نہ کر لی تو قیامت تک محکومیت کے دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے جاؤ گے۔ توریت کے بھی بعض بیانات اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں: ”اگر تم میرے سننے والے نہ ہو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو۔۔۔ اور مجھ سے عہد شکنی کرو، تو میں بھی تم سے ایسا ہی کروں گا۔۔۔ اور میرا چہرہ تمہارے برخلاف ہو گا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے۔ اور جو تمہارا کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار ۲۶: ۱۴۔۱۷)“ ”تیرے بیٹے اور عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی، اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گے۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہو گا۔ (استثناء ۲۸: ۳۲)“ ف۲۴۱ (تائبوں کے حق میں) بدکار نافرمان قومیں مایوس نہ ہوں۔ ان کے لیے اب بھی توبہ و رجوع کے بعد اللہ کے غفر و رحمت سے پوری طرح استفادہ کا موقع باقی ہے اور یہود کے لئے تو اس میں خاص بشارت کا اشارہ نکلتا ہے کہ اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز آ گئے تو اللہ کی رحمت ان کی پوری دستگیری کو موجود ہے۔ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ اس کی اس صفت کا ظہور صرف مجرموں اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔

ف۲۴۲ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے، اور ایمان و اطاعت کی طرف لوٹ آئیں) ای لیرجعوا عن کفرھم (قرطبی) یرید کے یتوبوا (کبیر) بَلَوْنٰھُمْ۔ ضمیر جمع افراد کی طرف نہیں بلکہ مجموعاً قوم یا اُمت کی طرف ہے۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولت مند ہو، صحیح و تندرست ہو، قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم و ماتحت ہو، ذلیل و ضعیف ہو، مفلس و تنگدست ہو۔ بَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری و مادی تنگی و فراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلا کبھی حسنات و طنی سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً معاصی کے ہوتے ہوتے بھی ذوق و وجد حاصل ہوجاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں اہل حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہوجائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ ابتلا بھی اصلاح ہی کی غرض سے تھا قال اھل المعانی و کل واحد من الحسنات والسیئات یدعوا الی الطاعة اما النعم فلاجل الترغیب واما النقم فلاجل الترھیب (کبیر) قَطَّعْنٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا۔ یعنی وہ قوم منتشر و متفرق ہوکر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہوگئی۔ ای فرقناھم فی البلاد (قرطبی) فرقناھم تفریقا شدیدا۔ (کبیر) ف۲۴۳ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں) یہ بیان ہورہا ہے یہود کے کسب مال، رشوت خواری و بدویانتی کا۔ یہ ایسے حریص ہیں کہ اپنی ہدایات آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں حالانکہ ان کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت اور خیانت تو الگ رہی ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔ ”تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ ہدیہ دانشمندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے۔ (خروج ۲۳: ۸) خَلْفٌ۔ (بسکون لام) کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔ المتاخر بقصور منزلته یقال له خلف (راغب) قال ابن الاعرابی الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخلف بالاسکان فی الذم وخلف بالفتح فی المدح ھذا ھو المستعمل المشھور (قرطبی) قیل ان الا غلب فی خلف بتسکین العین انه للذم (جصاص) عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی۔ عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلوئے بے ثباتی اور ناپائیداری کا بھی آگیا۔ اور یہاں مراد رشوت سے لی گئی ہے جو انہیں احکام دین میں تحریف پر ملتی تھی۔ وروی ان معناة الرشوة علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونه من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر) وَاِنْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ۔ یہ اشارہ یہود کی حرص غلیظ اور رشوت خواری وغیرہ کی جانب ہے۔ والاشارة فی ھذه الاٰیة الی الرشا والمکاسب الخبیثة (قرطبی) یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی۔ یعنی اپنی حرص غلیظ کے آگے ہر سامان دنیوی پر گرے پڑتے ہیں العرض متاع الدنیا واخبر عنھم انھم یاخذون ما یعرض لھم من متاع الدنیا لشدة حرصھم ونھمھم (قرطبی) یَّاْتِھِمْ۔ میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول اللہ کی جانب ہے۔ یعنی جیسے ان کے اسلاف مال حرام کے حریص تھے ویسے تم یہ بھی ہیں۔ ای ان یات یھود یثرب الذین کانوا علی عھد النبی ﷺ عرض مثله یاخذوه کما اخذ اسلافھم (قرطبی) یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا۔ یہود کو اپنی نجات و مغفوریت پر گھمنڈ اپنی اسی فرد نسب اور نسل کی بنا پر تھا۔ پارہ اول کی آیت لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ اور دوسری متعدد ہم معانی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔ مفسر آلوسی بغدادی نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لیے ڈیڑھ سو سال کے بعد آج کے اہل ہند کے سامنے کتبہ پیش کردیا جائے۔ ھذا حال کثیر من المتصوفة رأینا فانھم یتھا فتون علی شھوات تھافة الفراش علی النار ویقولون ان ذالک لایضرنا لانا واصلون۔ وحکی عن بعضھم انه یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضرره وھو خطأ فاحش وضلال بین اعاذنا اللہ تعالی من ذلک (روح) (ترجمہ) یہی حال ہمارے زمانے کے بکثرت صوفیہ کا ہے شہوات و لذات دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لیے کہ ہم واصل ہیں اور کسی کی نسبت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اس کے ضرر کو دفع کردیتا ہے۔ یہ لغزش صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ

ذٰلِكَ ۬ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

بھی اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آجائیں ف۲۴۲

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ہوئے ایسے نالائق (لوگ) کہ کتاب کو تو ان سے حاصل کیا (لیکن) اس دنیا کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہوجائے گی اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اسے (بھی) لے لیں ف۲۴۳

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

کیا ان سے کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جاچکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات بجز حق کے نہ کہیں ف۲۴۴ اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے اور آخرت ہی کا گھر ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں سو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے ف۲۴۵

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ کتاب (آسمانی) کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنی اصلاح کرچکے ہوتے ہیں ف۲۴۶

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کردیا تھا اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے اور انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ ان کے اوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ) جو

ف۲۴۴ توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”تو ہر ایک بات پر جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اس سے کم کرنا“ (استثناء ۱۲: ۳۲) ”تم اس کلام میں جو تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو“ (استثناء ۴: ۲) ”فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرتا کہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسیٰ نے تجھ کو حکم کیا کہ دھیان کرکے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں ہاتھ کو مت پھر تاکہ تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جاتا ہے کامیاب ہو“ (یشوع ۱: ۷) مِیْثَاقُ الْکِتٰبِ۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے یعنی المیثاق المذکور فی الکتاب۔ ای المیثاق المذکور فی الکتاب (کشاف) الاضافة بمعنی فی (جلالین) ف۲۴۵ (اس لیے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق ان پر خود روشن ہوکر رہیں) وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ۔ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف بھی ہوچکے ہیں۔ اور اس لیے ناواقفیت کا عذر بھی پیش نہیں کرسکتے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کیے رہتے ہیں اور عقاید کفر و اعمال فسق سے پرہیز کیے رہتے ہیں۔ ف۲۴۶ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا و آخرت دونوں عالموں میں پاکر رہتے ہیں) یہاں یہ بتلا دیا کہ اپنی اصلاح کے اہم ترین اجزاء یہ دو ہیں ایک کتاب آسمانی کے احکام کی تعمیل دوسرے نماز کی پابندی۔ اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ۔ اور ”کتاب“ میں رسول اسلام پر ایمان لانے کا حکم بھی درج ہے تو تمسک

بالکتب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں۔ اَلْکِتٰبِ ۔ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔ای بالتورٰۃ (قرطبی) اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتب میں شامل ہی ہے۔ پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے تو وہ اس حکم کی عظمت خاص و امتیاز کے اظہار کے لیے ہے۔ اظہار العلو مرتبۃ الصلوۃ وانھا اعظم العبادات بعد الایمان (کبیر) ف۲۴۷ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیے) اس رفع طور پر حاشیے سورۂ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ۔ اور توریت میں اہم ترین تعلیم توحید کی تھی۔ ظَنُّوْٓا ۔ ظن۔ یہاں گمان وخیال کے معنی میں نہیں علم ویقین کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون ای علموا وایقنوا (کبیر) ای تیقنوا (بیضاوی) ف۲۴۸ (بقدر ضرورت انہیں سمجھ عطا کر کے) واقعہ عالم ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاق توحید کا تھا۔ اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار اُن کا میثاق توحید یاد دلایا جا چکا ہے۔ اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لیے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسل انسانی سے لیا جا چکا ہے اور توحید شناسی، توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جا چکی، اور بشری سرشت میں رچی جا چکی ہے۔ فطرت اگر مسخ نہیں ہو چکی ہے تو ایک خالق ورازق ومربی کا اعتراف ہر فطرت سلیم کا جزو ہے۔ ھی عامۃ لجمیع الناس لان کل احد یعلم انہ کان طفلاً فغذی وربی وان لہ مدبرا وخالقاً (قرطبی) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۔

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَ اِذْ اَخَذَ

(کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

ف۲۴۷ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو پیدا کیا

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا

اور خود انہی کو اُن کی جانوں پر گواہ کیا ف۲۴۸ (اور کہا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے

بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ

ضرور، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو

هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ

اس سے بے خبر تھے ف۲۴۹ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا پہلے ہی سے

قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

کرتے آئے اور ہم تو اُن کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہلاک کر دے گا ہمیں (اصلی) اہل باطل کے کرتوت

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ

کی بنا پر ف۲۵۰ اور ہم اسی طرح نشانیوں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگ)

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

لوٹ آئیں ف۲۵۱ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دیجیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا ف۲۵۲

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ اُن (اپنی نشانیوں) کے ذریعے سے اونچا کر دیتے ف۲۵۳ لیکن وہ زمین کی طرف

یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پشت آدم علیہ السلام سے نسل آدم وجود میں آ چکی ہے۔ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ترکیب میں من بنی ادم سے بدل اشتمال ہے۔ بدل اشتمال من قولہ من بنی ادم والفاظ الآیۃ تقتضی ان الاخذانما کان من بنی ادم۔ (قرطبی) ف۲۴۹ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عاید ہوتی) عَنْ هٰذَا ۔ یعنی اس عقیدۂ ربوبیت اور عقیدۂ توحید سے شَهِدْنَا ۔ یہ قول بلٰی کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے۔ شھدنا من بقیۃ کلام الذریۃ (کبیر) قال ابن عباس وابی بن کعب قولہ شھدنا ھو من قول بنی ادم (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ اعتراف توحید اُن کے دل میں اتر گیا اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔ ای نصب لھم دلائل ربوبیتہ ورکب فی عقولھم ما یدعوھم الی الاقرار بھا حتی صاروا بمنزلۃ من قیل لھم الست بربکم قالوا بلٰی فنزل تمکینھم من العلم بھا وتمکنھم منہ بمنزلۃ الاشھاد والاعتراف علی طریق التمثیل (بیضاوی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شَهِدْنَا ۔ کلام باری تعالیٰ ہے اور بلٰی کا تتمہ نہیں بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاق توحید پر حق تعالیٰ کی شہادت۔ ھو خبر من اللہ عن نفسہ وملائکتہ (ابن جریر عن السدی) وقد قیل ان قولہ شھدنا من قول اللہ تعالیٰ والملائکۃ والمعنی فشھدنا علی اقرارکم قالہ ابو مالک وروی عن السدی ایضاً (قرطبی) قَالُوْا بَلٰي یہ اقرار خالق گویا ان پر واجب ہو گیا ہے۔ ای ان ذالک واجب علیھم (قرطبی) اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی تاکہ کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ ای کراھۃ ان تقولوا (بیضاوی) ف۲۵۰ یہاں قرآن نے گویا تصریح کر دی کہ نسل انسانی کا اصل اور ابتدائی دین توحید ہے اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے۔" دانایان فرنگ "ابھی چند سال اُدھر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسل انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ رفتہ پہنچا ہے، لیکن اب ان کے ماہرین فن (Ethnologists.) کی آنکھیں کھلی ہیں اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہوں حاشیے انگریزی تفسیر القرآن کے۔ ف۲۵۱ (دین توحید کی طرف اور باز آ جائیں کفر وشرک سے) ف۲۵۲ ایسا کوئی شخص حقیقۃً سلف میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس بارہ میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اُمیہ بن ابی الصلت کی جانب ہے۔ وھو صاحبکم امیہ بن ابی الصلت (ابن جریر۔ عن ابن عمر) ایک گروہ کی رائے میں اشارہ عہد بنی اسرائیل کے مشہور زاہد بلعم باعور کنعانی کی طرف ہے ھو بلعم بن باعورا (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) رجل من بنی اسرائیل یقال لہ بلعم (ابن جریر۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) قال اٰخرون کان من الکنعانیین (ابن جریر) قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ ھو بلعام بن باعوراء (قرطبی) اسی بلعم باعور کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ (گنتی۔ باب ۲۲۔ باب ۲۳۔ باب ۲۴) بہرحال اشارہ جس بھی فرد متعین کی طرف ہو اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام ہے اور ہر اس شخص پر صادق آتی ہے کہ جو دین حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہو گیا ہو۔ قتادہ۔ عکرمہ وغیرہ تابعین اور اکثر مفسرین کا مسلک یہی ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بطور مثال ونظیر پڑھ کر سنا دیجیے۔ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ۔ یعنی اسے اپنے احکام علم کی نعمت ہم نے عطاء کی تھی۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا ۔ یعنی اُس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی بلکہ تمرد وسرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ ضمیر ھا، آیات کی طرف ہے ای من معرفۃ اللہ تعالیٰ ای نزع منہ العلم الذی کان یعلمہ (قرطبی) فانسلخ من الآیات (مدارک) فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ ۔ سو شیطان اُس پر مسلط ہو گیا۔ انسان جب اپنے ارادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔" محدث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہو جائے گا کہ علماء سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں مال وجاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں پھنسے ہوئے۔ عن الطیبی ان من تفکر فی ھذا المثل تحقق لہ ان علماء السوء اسوء واقبح من ذالک (روح) ف۲۵۳ یعنی بہرحال وبہرصورت اُسے ان آیات پر عمل کی توفیق

دیتے ہی رہتے۔ وَلٰكِنَّهٗٓ۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے ارادہ میں دخل دے کر اسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا۔ بها کے معنی بالعمل بها کے کئے گئے ہیں۔ اے بالعمل بها (قرطبی) ف۲۵۳ یعنی عقیدہ وعمل کا معیار بجائے وحی الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنا لیا۔ وَلٰكِنَّهٗٓ۔ یعنی یہ قانون تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ وہ اپنے قصد واختیار سے دنیا کی پستیوں کی طرف جھک گیا، اے مال الی زينة الحيوة الدنيا وزهرتها (ابن کثیر) رای الی شهوات الدنيا ورغب فيها (بحر) ف۲۵۵ تشبیہ پریشانی وپریشان خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں۔ پریشانی، ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آگئی۔ کفر وارتداد پر جو یہاں ذلت وپریشانی کو مرتب فرمایا گیا، تو آخرت میں اس کا تحقق ظاہر ہی ہے۔ دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے تو اہل حق کی سی عزت وراحت نصیب نہیں ہوتی خصوصاً ارتداد کی حالت میں هذا المثل في قول كثير من اهل العلم بالتاويل عام في كل من اوتي القرآن فلم يعمل به وقيل هو في كل منافق (قرطبی) ف۲۵۶ یہاں یہ صاف کردیا کہ مقصود کسی قرون ماضیین کی تاریخ یا سیرت کو سنانا نہیں بلکہ کل منکرین، مکذبین، مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے هو مثل جميع الكفار (قرطبی) ف۲۵۷ آیات الٰہی کی تکذیب سے شامت زدہ انسان نقصان کسی اور کا نہیں، خود اپنا ہی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا یہاں ایک بار پھر اعادہ ہے۔ ف۲۵۸ اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود بہ خود نہیں ہوگا۔ بلکہ بندہ کے قصد ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔ ف۲۵۹ یعنی ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو نہ قصد اور طلب ہدایت کی کریں گے۔ اور نہ ہدایت انہیں نصیب ہوگی اس لیے لامحالہ ان کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف اس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے یعنی بہ طور علۃ العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے۔ لِجَهَنَّمَ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرض آفرینش یہ نہیں بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوکر رہے گا۔ واللام للعاقبة عند الكثير (روح) توریت وانجیل، دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔ "شریر ہلاکت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے۔" (ایوب ۲۱: ۳۰) "خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اس نے برے دن کے لیے بنایا۔ (امثال ۱۶: ۴) "یہ لوگ بے عقل جانوروں کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں..... اپنی خرابی میں خود خراب کیے جائیں گے۔" (۲ پطرس ۲: ۱۲)۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ

مائل ہوگیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا ف۲۵۳ سو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر

يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے ف۲۵۵ یہ مثال ہے ان (سب)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجیے (یہ) حالات شاید کہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۷۶ سَاۗءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

لوگ سوچیں ف۲۵۶ (کیسی) بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۷۷ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں ف۲۵۷ جسے اللہ راہ دکھائے

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

بس وہی راہ پانے والا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو یہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۷۸ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ

نقصان اٹھانے والے ہیں ف۲۵۸ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات اور انسان

وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ

پیدا کئے ہیں ف۲۵۹ ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں

لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ

(مگر) ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مگر) ان سے سنتے نہیں،

اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں، یہی لوگ تو

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

غافل ہیں ۔ ف۲۶۰ اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں سو انہی سے اسے پکارو

وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ

اور ان لوگوں کو چھوڑے رہو جو اس کے صفات سے کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انہیں اس کا بدلہ ملے گا

مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ

جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں ۔ ف۲۶۱ اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں ۔ ف۲۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِیْ

جھٹلاتے ہیں انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جا رہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبری نہیں ہوتی ۔ ف۲۶۳ اور میں انہیں مہلت

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٚ

دیتا رہتا ہوں ۔ بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ۔ ف۲۶۴ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا ،

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے

مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ

والے ہیں ۔ ف۲۶۵ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں

وَ الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤى

کی اور اس پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر بھی ف۲۶۶ اور اس بات پر کہ ممکن ہے

اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ

ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو ف۲۶۷ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد یہ کس بات پر

ف۲۶۰ یعنی عقل سے کام لینے میں اور فکر آخرت رکھنے سے بے پرواہ رہتے ہیں ۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں ۔ جو لوگ انسان انسان کو بلا قید کفر و اسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتب انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے کہنا چاہیے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے ۔ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کبھی کام ہی نہیں لیتے ۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ایک مضمون توریت میں اس سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے : ۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو . . . بنی اسرائیل نہیں جانتے یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے ۔ (یسعیاہ ۔ ۱ : ۳) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کا ۔ لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے شہوات و حرص دنیا کے جہنم کی ۔ جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنت قناعت و انوار کا ۔ اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں ۔ ف۲۶۱ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں انہیں چھوڑے رہو ۔ ایسوں سے بالکل بے تعلق رہو لیکن خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے؟ الحد کے لفظی معنی کجروی کے یا انحراف کے ہیں ۔ اور یلحدون فی اسمائه کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں، یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں ۔ انہیں اس کی جانب منسوب کر دیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں ۔ ان میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کر لیا جائے ۔ والالحاد فی اسمائه علی وجهین احدهما ان یوصف بما لا یصح وصفه به والثانی ان یتأول اوصافه علی ما لا یلیق به (راغب) یہاں ممانعت دونوں چیزوں کی ہے ۔ نہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو اور نہ اس کے کمالات میں دیوی، دیوتاؤں اپنے من گھڑت معبودوں کو شریک کرو ۔ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔ اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کے صفات کمال کے حامل ہیں ۔ اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا اسماء الٰہی ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے ۔ یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول ہے کہ ذات الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا نام ۔ اکابر یہود بھی اس جاہل فلسفہ سے متاثر ہو گئے تھے ۔ یہاں ان کی تردید بھی مد نظر ہے ۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے ۔ الاسماء الحسنی سے مراد صفات عالیہ بھی ہیں ۔ المراد بها الالفاظ و قیل الصفات (بیضاوی) ف۲۶۲ یعنی ہماری مخلوق میں سب کے سب ہی گمراہ نہیں ۔ ایک جماعت اہل حق کی بھی ہے ۔ جو دوسروں کو دین حق کے مطابق ہدایت کرتی رہتی ہے اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات میں اسی قانون حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے ۔ ف۲۶۳ پھر جب ان لوگوں کو آخری منزل جہنم معلوم ہو گئی تو ان کی ظاہری فلاح سے یا مادی چمک و دمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنی ؟ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ۔ یعنی چپکے چپکے انہیں جہنم کی طرف لیے جا رہے ہیں ۔ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی انہیں اصل منزل مقصود کا احساس ہی نہیں ہوتا ۔ اور اپنی شامت سے ہمیشہ دوسرے اسباب کے الجھاوے میں پڑے رہتے ہیں ۔ ف۲۶۴ اور خدائی تدبیر کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے ۔ اعمال موجب عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہو جاتا ۔ اور گرفت فوراً نہیں ہوتی ۔ مجرم کو یہ غرہ ہو جاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اور اس لیے جرأت عصیان اور بڑھتی جاتی ہے ۔ ف۲۶۵ (منکروں کو کہ جو قانون الٰہی کی نافرمانی کریں گے ۔ وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے) اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا ۔ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر منکرین کی طرف ہے ، صاحبهم ۔ یعنی تمہارے ہر وقت کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے مزاج و سیرت و اوضاع و اطوار اخلاق و معاملات کی تم ہر طرح جانچ پڑتال کر سکتے ہو ۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ یعنی شائبہ جنون ہوتا تو کجا وہ تو ایسے ایسے کارناموں اور کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ گئی ہے ۔ اور کمال ہے تمہیں کہ تم انہیں مجنون قرار دیے چلے جا رہے ہو ! ف۲۶۶ (کہ اس غور و فکر سے انہیں توحید کا علم استدلالی حاصل ہو جاتا) ف۲۶۷ (کہ اس مراقبہ استحضار موت سے احتمال عذاب سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے) ۔

ف۲۶۸ (کہ سب سے زیادہ مؤثر و بلیغ کلام تو یہ ہے) بعدہٗ میں ضمیرہٗ قرآن مجید ہی کی طرف ہے۔ ف۲۶۹ (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا) مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ

بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ

ایمان لائیں گے؟ ف۲۶۸ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا

لَہٗ ؕ وَ یَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ

نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتا ہے ف۲۶۹ یہ لوگ آپ سے قیامت

عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ

کی بابت دریافت کرتے ہیں ف۲۷۰ کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی

رَبِّیۡ ۚ لَا یُجَلِّیۡہَا لِوَقۡتِہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕۘ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ

کے پاس ہے اس کے وقت پر اسے کوئی نہ ظاہر کرے گا بجز وا۲۷۱ اُس (اللہ) کے بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں

وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً ؕ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ

اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آپڑے گی آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو (اس طرح کہ) گویا آپ

حَفِیٌّ عَنۡہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ اللّٰہِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ

اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا

لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے ف۲۷۲ آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا

وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ

اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے ف۲۷۳ اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا

لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ ۚۖۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ ۚۛ اِنۡ اَنَا

تو (اپنے لیے) بہت سے نفع حاصل کر لیتا ف۲۷۴ اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی ف۲۷۵ میں تو

اِلَّا نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ ہُوَ الَّذِیۡ

محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۷۶ وہ وہی

بار بار پہلے آچکا ہے، بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجے کے طور پر ہوتا ہے۔

ف۲۷۰ (علم و واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزاء کی راہ سے) منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی۔ محض تمسخر مقصود ہوتا۔ کانوا یسئلون عن وقت الساعۃ استبعادا لوقوعھا وتکذیبا لوجودھا (ابن کثیر)

وا۲۷۱ اور وہ ظاہر کرنا بھی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی) التجلیۃ اظہار الشیء (قرطبی) یُجَلِّیۡہَا۔ یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔ اِلَّا ہُوَ۔ اس کلمۂ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی بھی مخلوق، نبی ہو یا فرشتہ باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ انجیل تک میں یہ قول موجود ہے: ۔ اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ (متی ۲۴: ۳۶) اَیَّانَ۔ متی کے معنی میں ہے۔ متی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ عبارۃ عن وقت الشیء ویقارب معنی متی (راغب) لِوَقۡتِہَا۔ ل یہاں فی کے معنی میں ہے۔ اے فی وقتھا (قرطبی)

وا۲۷۲ جاہل منکرین حشر کے استدلال میں ترتیب مقدمات یہ تھی کہ جب آپ رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضروری ہوگا اور جب علم غیب ہے، تو وقوع قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوائے رسالت بھی صحیح نہیں کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ غیب دانی کو کوئی جزو منصب رسالت کا فرض کر لیا گیا تھا۔ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡہَا۔ وقت قیامت کے علم کی یہ تکرار اور تاکیدی نفی اُن تمام ظنی و تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے۔ جو دنیا کی مدت عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی اور کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ فی ھذہ الآیۃ دلیل علی بطلان قول من یدعی العلم ببقاء مدۃ الدنیا (جصاص) وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقت قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔ یعنی وہ ایسا پرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ قال قتادۃ وغیرہ المعنی لا تطیقھا السمٰوٰت والارض لعظمھا (قرطبی) وا۲۷۳ (اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی، اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں) وا۲۷۴ لیکن چونکہ میرا علم کامل و محیط نہیں اس لئے نفع تکوینی کے بہت سے مواقع ہاتھ سے جاتے ہی رہتے ہیں) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ نص ہے اس باب میں کہ قدرت مستقل اور علم محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں اور جہلاء اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں۔ ف۲۷۵ (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسب مشیت الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں) یہ سیر بھی کبھی بیمار پڑتے ہیں کبھی مالی نقصان اُٹھاتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔ اور یہ امور ان کے کمال نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔ وا۲۷۶ (تو اس لیے میں علوم شرعی اور احکام شرعی سے تو خوب بہرہ ور کر دیا گیا ہوں باقی اُمور تکوینی کے علم کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟)۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

(پروردگار) ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا و۲۷۷ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا و۲۷۸

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا

تاکہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے و۲۷۹ پھر جب وہ (یعنی مرد) اسے ڈھانک لیتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل

خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

رہ جاتا ہے پھر وہ اسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے و۲۸۰ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم (اولاد) دے دی تو ہم (تیرے) بڑے شکر گزار ہوں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ

گے و۲۸۱ لیکن جب (اللہ) انہیں صحیح و سالم (اولاد) دے دیتا ہے تو وہ لوگ (اللہ) کی دی ہوئی چیز میں (اللہ کے)

اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا

شریک قرار دینے لگتے ہیں و۲۸۲ تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔ کیا (اللہ کے ساتھ) ایسوں کو شریک کرتے

لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں (بلکہ) خود ہی پیدا کیے گئے ہیں و۲۸۳

لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ

وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی نہیں دے سکتے ہیں (بلکہ) خود اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے و۲۸۴ اور اگر

تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری پیروی نہ کر سکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کہ خواہ انہیں پکارو خواہ خاموش رہو و۲۸۵ بیشک جنہیں

و۲۷۷ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ نہ کہ متعدد مورثوں سے۔ قال جمهور المفسرين المراد بالنفس الواحدة ادم (قرطبی) خَلَقَكُمْ۔ میں ضمیر نوع انسان کی جانب ہے، یعنی کل نسل انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قوموں نسلوں قبیلوں کے مورث اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔ و۲۷۸ یعنی حضرت حوا کو۔ مِنْهَا۔ ضمیر نفس کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود نفس سے مراد جنس بھی لی جا سکتی ہے اور لی گئی ہے۔ قيل يريد به الجنس (جصاص) و المراد خلق من النوع الانساني زوجة ادم والمقصود التنبيه على ان الله تعالى جعل زوج ادم انسانا مثله (کبیر) ای من جنسها (روح) ملاحظہ ہو پارہ ۴ سورۃ النساء کی آیت اول و۲۷۹ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے راحت و سکون حاصل کرے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا۔ کے عموم کے تحت میں مادی، روحانی، دماغی، جسمانی، ہر قسم کی راحتیں آ گئیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ضمنا یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصود آفرینش اصلا مستقلا مرد ہے اور عورت تو گویا مرد کے لیے ہے۔ اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔ و۲۸۰ اب ابوالبشر و ام البشر کے قصہ سے گزر کر مرد و زن کی عام خلقت کا بیان شروع ہو گیا۔ خاص سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔ كناية عن الوقاع (قرطبی) اي جامعها و الغشيان اتيان الرجل المراة (کبیر) و۲۸۱ (اور ادائے حقوق توحید کریں گے) فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کے مشکلات و خطرات کا سامنا شروع ہو جاتا ہے۔ و۲۸۲ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آ گئیں۔ جَعَلَا۔ کی ضمیر تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدم و حوا علیہما السلام مراد ہیں۔ لیکن قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الحسن وقتادة الضمير في جعلا عائد الى النفس وزوجه من ولد ادم لا الى ادم وحواء (جصاص) جعل الزوج والزوجة لله شركاء (کبیر۔ عن القفال) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قفال کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ هذا جواب في غاية الصحة والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدم علیہ السلام و حوا علیہما السلام کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور نہ ایسے قصے پیمبروں کے لائق ہیں۔ لم تثبت في قران ولا حديث صحيح فاطرحت ذكرها (بحر) وامثال ذالك لاتليق بالانبياء (بیضاوی) و۲۸۳ اس میں مورتیاں بت، عناصر غیبی وغیرہ سارے ہی معبودان باطل آ گئے۔ و۲۸۴ مشرکوں کی کمال حماقت دکھائی ہے کہ ایسوں کے آگے جھکتے ہیں اور گرتے ہیں۔ جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بلکہ اپنی پیدائش تک کے لئے دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں۔ دوسری آیت میں ترقی کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت اور کمال حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے! و۲۸۵ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى۔ کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اگر تم انہیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمہیں کوئی راہ بتلائیں، تو تمہارا کہنا یہ نہ کر سکیں۔ یعنی راہ نہ بتلا سکیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر تم انہیں اس لئے پکارو کہ تم انہیں راہ دکھلا دو تو یہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کر سکیں۔ تَدْعُوْهُمْ میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔ قيل الخطاب للمشركين وهم ضمير الاصنام (بیضاوی)۔

ف۲۸۶ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمہارے دعوے کو بدیہی البطلان بنا دینے کے لئے کافی ہے) عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔ یہ مثلیت ومشابہت انسان اور ان دیوتاؤں کے مخلوق ہونے اور بے بس وبے اختیار ہونے میں ہے۔ قال الحسن فی کونها مملوكة لله وقال التبریزی فی کونها مخلوقة (بحر) ای مماثلة لکم من حیث انها مملوكة لله تعالی مسخرة لامره عاجزة عن النفع والضر (روح) من حیث انها مملوكة مسخرة (بیضاوی) اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں، سورج، چاند، زہرہ، مشتری، آتش دیوتا وغیرہ کی جانب۔

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ

تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں سو تم انہیں پکارو

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ

وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تم سچے ہو ف۲۸۷ کیا ان کے

اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ

پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟

اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے (سب) شریکوں کو بلا لو پھر میرے خلاف چال چلو

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

اور مجھے مہلت نہ دو ف۲۸ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے (مجھ پر یہ) کتاب نازل کی ہے

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے ف۲۸۸ اور جن کو تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَآ اَنْفُسَهُمْ

پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا

کر سکتے ہیں ف۲۸۹ اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں ف۲۹۰

وَ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے ف۲۹۱

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو۔ ان کے معبود ورب ہونے کے باب میں۔ توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلہ ذکر میں ہے:۔ ”انہوں نے وہ بیل جو انہیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا۔ اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سن، پر کچھ آواز نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا۔ اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا اور بولا، بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے۔ شاید وہ باتیں کر رہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے۔ سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے“ (۱۔سلاطین ۱۸: ۲۶، ۲۷) تَدْعُوْنَ۔ میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوهم میں دعاء سے مراد اُن سے طلب نفع ودفع ضرر چاہنا ہے۔ عنی بالدعاء الاول تسمیتهم الاصنام الهة۔ والدعاء الثانی طلب المنافع وکشف المضار من جهتهم (جصاص) تدعون ای تعبدونهم وتسمونهم الهة (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نداء غیر اللہ بطور استغاثہ آیت کی رو سے ناجائز ثابت ہو رہی ہے۔ ف۲۸ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو۔ اور میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہنچا سکتے ہو۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ ان بت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یوں فرمائیے۔ اَلَهُمْ ... يَّمْشُوْنَ بِهَا۔ جسمانیات میں کمال کا تحقق انہی آلات واعضاء پر موقوف ہے۔ اس لیے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی۔ آیت میں یہ پہلو بھی آ گیا ہے کہ انسان میں قوت وقدرت کے ظاہری آلات، پیر، ہاتھ، آنکھ کان تو کم سے کم ہیں بھی۔ یہ بے جان وبے حس بت تو ان سے بھی محروم ہیں پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہوا ہے جو خود اس سے بھی ابتر وکمتر ہیں۔ المقصود من هذا الاية بيان ان الانسان افضل واكمل حالا من الصنم واشتغال الافضل الاكمل بعبادة الاخس الادون جهل (کبیر) ف۲۸۸ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا افضل الانبیاء کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟ یہاں اکیلے اور سچے معبود کے دو وصف بیان کر دیے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا وآخرت میں نافع اور سارے علوم کی جامع ہے دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت وکارسازی کرتا ہے۔ دیوی دیوتا نام کے معبود ان دونوں ہی وصفوں سے عاجز وعاری! ای ومن عادته تعالی ان یتولی الصالحین من عباده فضلا عن انبیائه (بیضاوی) ف۲۸۹ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۸۳ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا اس لیے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ہے ف۲۹۰ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۸۵ لَا يَسْمَعُوْا۔ ابھی اوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لَا يَتَّبِعُوْكُمْ وارد ہوا ہے۔ یہاں اس سے ترقی کر کے لَا يَسْمَعُوْا ہے۔ عدم سماع یقیناً عدم اتباع سے بڑھ کر ابتر وصف ہے یہ معبودان باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ هذا ابلغ من نفی الاتباع (روح) ف۲۹۱ تَرٰىهُمْ میں ضمیر انہی معبودان باطل کی طرف ہے۔ صناع مشرک وجاہلی قومیں اپنی صنائع کے زور سے حسین ”جاندار“ مورتیں تراش لیتی ہیں۔ ان کے اوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ

درگزر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کش

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

ہو جایا کیجیے ف۲۹۲ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے ف۲۹۳ یقیناً جو لوگ

اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد (الٰہی) میں لگ جاتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

جس سے یکایک انہیں سوجھ آجاتی ہے ف۲۹۴ اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا

کھینچے رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے ف۲۹۵ اور جب آپ ان کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ

آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے ف۲۹۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر میرے

رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ

پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے ف۲۹۷ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا

رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا

لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ

کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ف۲۹۹ اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں

ف۲۹۲ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہوجئے) خُذِ الْعَفْوَ۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلانہ اور اشتعال انگیز حرکتوں سے درگزر ہی کرتے رہیے۔ ای خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنهم والی هذا ذهب جمع من السلف يشهد له ما اخرجه ابن جرير وابن المنذر وغيرهما عن الشعبي (روح) آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں، تحصیل علم، اعراض اہل ظلم اور ترک مجادلۂ سفہاء وغیرہ کے۔ الحض على التخلق بالعلم والاعراض عن اهل الظلم والتنزه عن منازعة السفهاء (قرطبی) اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح اور شفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے۔ ف۲۹۳ اس لیے آپ کے استعاذہ کو خوب سنے گا۔ اور آپ کے مقصود کو خوب سمجھے گا۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ نزغۂ شیطانی سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصہ واشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے، جو مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہوتا تقریباً ایک امر طبعی تھا لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالح انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا۔ نزغ الشيطان وساوسه (قرطبی) الاغواء بالوسوسة واكثر ما يكون عند الغضب (جصاص) اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا پیمبر کے لیے نزغ شیطانی ممکن بھی ہے؟ سیدھا اور صاف جواب یہ کہ ممکن کیوں نہیں پیمبر سے صرف صدور معصیت ممتنع ہے، گناہ کی رائے و تجویز کا پیغمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں، اور نزغ شیطان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپ کے سامنے پیش کی اور قرآن مجید تو ہر بری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ آپ منہ سے پناہ مانگئے وہ خود آپ کو پناہ میں لے لے گا۔ یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دور کردے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسہ شیطانی محض مس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لیے لفظ مس آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین و متقین امت کا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو اس کی اذیت مثل نزغ کے محسوس ہوتی تھی۔ ایراد النزغ في موضع والمس في اخر لعله للاشارة الى ان لطافة قلبه صلی اللہ علیہ وسلم ازيد من غيره حيث يكون الوسوسة التي لا يكون وروده اكثر من المس نزغا وايذاء شديدا في حقه ولذا اكد باسناده الى النزغ نفسه مبالغة (تھانوی) ف۲۹۴ یعنی حقیقت امر اُن پر منکشف ہوجاتی ہے مکاید شیطانی ان پر واضح ہوجاتے ہیں۔ اور وہ شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ تَذَكَّرُوْا۔ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی دعاء استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کرکے اپنے ایمان کو تازہ کرلیتے ہیں۔ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ واشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے۔ الشیطٰن سے یہاں مراد جنس شیاطین ہے نہ کہ ذات ابلیس۔ والمراد بالشيطن ولذلك جمع ضميره (بیضاوی) انما جمع الضمير في اخوانهم والشيطان مفرد لان المراد به جنس (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ وسوسہ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ اور اس محفوظیت کے تین درجہ ہیں۔ درجہ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور درجہ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہوجائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصۂ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور درجہ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے۔ ذرے جھجکے اور باز آجائے۔ یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے۔ اور ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحب دل ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امر و نہی کی تصریح ہے۔ ف۲۹۵ (گمراہیوں سے) اور باز آئیں بھی تو کیسے؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ ولا يكفون عن الغي ولا يقصرون كالمتقين (بیضاوی) لا يتوبون ولا يرجعون (قرطبی) اِخْوَانُهُمْ۔ یعنی مشرکین واہل جاہلیت جو اہل طاعت و تقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں۔ ضمیر۔ هم۔ الشیطٰن (اسم جنس) کی جانب ہے۔ المعنى اخوان الشياطين وهم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتادة والسدى اخوان الشياطين في الضلال يمدهم الشياطين (جصاص) اى اخوان الشياطين من شياطين الانس (مدارک) يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ۔ ضمیر هم اُنہی اخوان کی طرف ہے۔ وهم الفجار من ضلال الانس يمدهم الشياطين في الغي (قرطبی) يَمُدُّوْنَهُمْ۔ مَدَّ اور اَمَدَّ۔ دو قریب المعنیٰ لفظ ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں برابر آتے ہیں۔ امد عموماً موقع مدح پر مد عموماً محل ذم میں۔ قال الواحدى عامة ما جاء في التنزيل مما يحمد ويستحب امددت على افعلت وما كان بخلافه فانه يجيء على مددت (کبیر) ف۲۹۶ (کہ جب آپ نبی ٹھہرے تو سب کچھ آپ کے اختیار میں ہوگا) لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے آپ کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ كانوا يطلبون ايات معينة ومعجزات مخصوصة على سبيل التعنت (کبیر) ف۲۹۷ یعنی میرا کام تو صرف فرائض رسالت کو انجام دینا ہے، نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات بہ اختیار خود دلانا۔ جاہل مشرک قوموں کے سمجھانے کے لئے جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مصر رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں

مرتبہ مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے۔ عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمالِ عبدیت وعبودیت کا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امورِ غیبی غیر اختیاری ہیں اس لیے وہ کمال کی علامت بھی نہیں۔ کمال کی بڑی علامت بس اتباعِ وحی ہے و۲۹۸ یعنی قرآن تو اپنے اعجاز لفظی و اعجاز معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات و دلائل کا قائم مقام ہے و۲۹۹ حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفار و منکرین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سنو تاکہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لا کر مستحق رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے اس سے حالتِ نماز میں مقتدی کے لیے قرآنی سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ اور اس باب میں علمائے امت کے درمیان طویل مباحثے ہیں جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔ ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرآن في الصلوٰة والتهليل ونحو ذالک (مدارک) وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرء القرآن مطلقاً (بیضاوی) فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر میں ہیں لیکن امر سے مراد یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہاء نے جواب یہ دیا ہے کہ بہ سبب حرج اور اختلاف مجتہدین کے اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ صیغۂ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) اَنْصِتُوْا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی کے غرض سے اور بہ طور ادب ہو۔ الانصات السكوت للاستماع والاصغاء والمراعاة (قرطبی) قال اهل اللغة الانصات الامساك عن الكلام والسكوت لاستماع القرآن (جصاص) و۳۰۰ (کہ ذکر الٰہی سے غفلت سے بڑھ کر اور کون غفلت ہوگی) دُوْنَ الْجَهْرِ۔ جو چیز ممنوع ہے وہ جہر مفرط ہے ورنہ جہر مطلق یا جہر معتدل ممنوع نہیں۔ المراد منه ان يقع ذالك الذكر بحيث يكون متوسطاً بين الجهر والمخافتة (کبیر) ملاحظہ ہو اسی سورۃ کی آیت نمبر ۵۵ پر حاشیہ پارہ ۸ میں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً مقصود تعلیم ادب ہے۔ ہیئت آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیے۔ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۔ یعنی ہمیشہ مقصود انہی دو وقتوں کا حصر نہیں۔ قيل المراد ادامة الذكر باستقامة الفكر (مدارک) المراد مداومة الذكر والمواظبة عليه بقدر الامكان (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولا تكن من الغفلين سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو۔ یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی حرکت نہ ہونا بھی نہ تھی۔ و۳۰۱ یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے، سب طرح اس کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے کو کسی صفتِ باری میں شریک نہیں سمجھتا۔ یہ آیت آیتِ سجدہ کہلاتی ہے۔ اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بقولِ اصح چودہ ہیں اور بعض کے شمار میں پندرہ (اختلاف سورۂ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیتِ سجدہ کی تلاوت کے وقت حنفیہ کے یہاں واجب ہے۔ تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں ملیں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ۔ مراد اصلی تو فرشتے ہیں لیکن توسیع کر کے انبیاء و اولیاء مقربین بھی اس میں داخل کیے جا سکتے ہیں۔ يعني الملائكة بالاجماع (قرطبی) عِنْدَ سے مراد قربِ منزلت و مرتبت ہے نہ کہ قربِ مکانی۔ هو عبارة عن قربهم في الكرامة لا في المسافة (قرطبی) مكانةً ومنزلةً لا مكاناً ومنزلاً (مدارک) القرب المعتبر هو القرب بالشرف لا القرب بالجهة (کبیر) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ باایں شرف و عظمت بروقت عبادتِ الٰہی و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر مستعد رہنا چاہیے والمعنى ان الملائكة مع نهاية شرفهم و غاية طهارتهم لما كانوا مواظبين على العبودية والسجود والخضوع والخشوع فالانسان مع كونه مبتلى بظلمات عالم الجسمانيات اولى بالمواظبة على الطاعة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوالِ کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لیے بہ منزلہ شرط ہے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظِ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمالِ قلوب، اعمالِ جوارح پر مقدم ہیں۔

قال الملا ۹ — ۴۱۰ — الانفال ۸

فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

یاد کیا کر عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کہ چلانے کی آواز سے

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

صبح اور شام کو اور اہلِ غفلت میں نہ شامل ہو جانا و۳۰۰

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

بیشک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں و۳۰۱

اٰيَاتُهَا ۷۵ — ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

اس میں پچھتر آیتیں — سورۂ انفال مدنی ہے — اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ

(یہ لوگ) آپ سے غنیمتوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں و۱ آپ کہہ دیجیے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ

(اصلاً) اور رسول کی (تبعاً) و۲ پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو و۳ ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ

جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں و۴ اور جب انہیں اس کی آیتیں

۷ : ۲۰۵ — منزل ۲ — ۸ : ۴

سورۃ الانفال و۱ (کہ یہ ملک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے) تقسیم مالِ غنیمت کے قدیم دستور کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا، کہ (state property) حکومت کی آمدنی ملک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ اَلْاَنْفَالِ۔ جمع ہے نَفَل (بہ حرکت فاء) کی اور نَفل (بہ سکون فاء) کے معنی زاید یا اس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔ النفل اي الزيادة على الواجب (راغب) نَفَل (بہ حرکت فاء) سے مراد (اصطلاح شریعت میں) وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت قبل تقسیم پر ہوتا ہے۔ النفل ما يحصل للانسان قبل القسمة من جملة الغنيمة (راغب) لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔ قال ابن عباس ومجاهد والضحاك وقتادة وعكرمة وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سميت الغنائم انفالاً لان المسلمين فضلوا بها على سائر الامم (کبیر) اي الاموال الماخوذة من الكفار لهذا (کبیر) یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ میں سے تھے، انہی میں آپس میں یہ سوال اٹھا تھا کہ مالِ غنیمت

مہاجرین، انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ولا شک انھم کانوا قواما لھم تعلق بالغنائم و الانفال وھم اقوام من الصحابة (کبیر) و لقد وقع اختلاف بین المسلمین فی غنائم بدر فی قسمتھا فسألوا رسول اللہ ﷺ کیف تقسم ولمن الحکم فی قسمتھا (مدارک) وسلا (اور وہی دونوں مالک ومختار ہیں۔ کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کریں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مال غنیمت اصلی حق غازیوں اور مجاہدوں، اور لشکر اسلامی کے سپاہیوں کا ہے۔ ان سے وعدہ تو اجر آخرت کا ہے ان کا صلہ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہ یہ کہ راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مال غنیمت کے وہ مالک ومتصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن ومہذب، پر قوت وشوکت سلطنتیں موجود تھیں۔ عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں۔ اور ہوتی رہتی تھیں۔ مصر، ہند، ایران یونان، روما سب میں بڑے بڑے سیاسی ومعاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے، جنہوں نے غنائم جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے۔ قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج دیا اور بتایا کہ مال غنیمت نہ تو بادشاہ کی ملک ہے نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک وقوم کی، بلکہ اصلاً وحقیقۃً صرف اللہ ہی کی ملک ہے۔ اب سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں یہاں سوال کا جواب کتنا بلیغ وحکیمانہ ملا کہ وہی اس کا بھی مالک ہے جو جان ومال ہر چیز کا مالک ہے۔ گویا ارشاد یہ ہوا کہ جس طرح ربوبیت اُس ذات پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اُسی کا وصف مخصوص ہے۔ ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظام حکومت میں قانون اُسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا مال بھی اُسی کا۔ اُسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے، یا جو کچھ چاہے کرے۔

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہیں وھ اور وہ اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا

توکل رکھتے ہیں ول (اور) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ

انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں وے یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن ہیں

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ

بڑے درجات ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی (بھی) وھ

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ

جیسا کہ آپ کے وہ پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا ول اور

فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ

مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا ولا وہ آپ سے اس حقیقت کے باب میں

فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ

بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا اس طرح رد وقدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں

وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى

اور وہ دیکھ رہے ہوں وا اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

دو جماعتوں میں سے ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی وسا اور تم (یہ) چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

جماعت تمہارے ہاتھ آجائے درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ کہ رسول ﷺ ہی کی معرفت اس حکم الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک ومختار کی مرضی واقتدار کے نمایندہ ہیں۔ ومعنی الجمع بین ذکر اللہ والرسول ان حکمھا مختص باللہ ورسولہ یامر اللہ بقسمتھا علی ماتقتضیہ حکمتہ ویمتثل الرسول امر اللہ فیھا ولیس الامر فی قسمتھا مفوضًا الی رأی احد (مدارک) وسم (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے) یہاں ادھر توجہ دلا دی کہ طالب آخرت کے رہو نہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے وتجویز سے غنیمت تقسیم کرنے لگو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔ اپنے آپس کے سابقہ کو اب سنبھالو، سنوارو کہ باہمی رشک ومسابقت کا نام ونشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو گویا تقویٰ واصلاح کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا۔ وسم (عظمت الٰہی کے استحضار سے) اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا، خوف خدا وخشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ توریت میں ایک مقام پر ہے "خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ، ۵: ۲۲) اور انجیل میں ہے، جو سرتا سر رحمت وشفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔" اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا؟ کیوں کہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵: ۴) وھ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے) یہ بیان مومنین کاملین کی صفائے باطنی کا ہوا۔ ول یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کی عملی حالت کا۔ توکل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے تحت میں گزر چکا۔ وے یعنی حقوق اللہ میں شعبۂ بدنی اور شعبۂ مالی دونوں کی ادائی کا پورا پورا اہتمام رکھتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اعمال باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔ خص من الصفات الباطنة التوکل بالذکر علی التعیین ومن الاعمال الظاھرة الصلوة والزکوة علی التعیین تنبیھا علی ان اشرف الاحوال الباطنة التوکل واشرف الاعمال الظاھرة الصلوة والزکوة (کبیر) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے اور عقاید بھی ہیں ایمان کے واسطہ سے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہری بھی صلوٰۃ وانفاق کے واسطوں سے، اور آیت کا اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ وٰ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی جزا بھی انہیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔ وو یعنی مال غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلاف مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزر رہے لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پر مصلحت ہے جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ کما اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے اضطرب المفسرون فی قولہ کما اخرجک (بحر) چنانچہ صاحب بحر نے ۱۵ مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔ الانفال ثابتة للہ ثباتًا کما اخرجک ربک (بحر) زمخشری جیسے امام ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے الانفال استقرت للہ والرسول وثبتت مع کراھیتھم ثباتًا مثل ثبات اخراج ربک ایاک من بیتک وھم کارھون (کشاف) صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور وفکر میں ایک روز سو گیا تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ اس خواب کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے کما کے معنی میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔ الکاف لیست لمحض التشبیہ بل فیھا معنی التعلیل (بحر) لیکن امام رازی رحمہ اللہ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ کان التقدیر

بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ

اپنے احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ﴿۱۴﴾ تاکہ حق کا حق ہونا

وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾ اِذْ

اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے ﴿۱۵﴾ اور اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا رہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب

تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ

تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ﴿۱۶﴾ پھر اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَ مَا جَعَلَهُ

ایک ہزار فرشتوں کے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دوں گا ﴿۱۷﴾ اور اللہ نے یہ بس اس لیے کیا کہ

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ

(تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے درآنحالیکہ نصرت تو

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

بس اللہ ہی کے پاس ہے بیشک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے ﴿۱۸﴾

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر غنودگی کو طاری کر دیا تھا اور آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ

تمہارے اوپر پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ

شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث

بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ

(تمہارے) قدم جما دے ﴿۱۹﴾ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں کی جانب کہ میں

انهم رضوا بهذا الحکم فی الانفال وان کانوا کارهین له کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الی القتال وان کانوا کارهین له (کبیر) ﴿۱۰﴾ (معرکہ بدر کے لئے) رسول اللہ ﷺ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کیے ہوئے یعنی وطن کو چھوڑ کر بہ حکم الٰہی جلاوطن ہوئے دوسرا سال ہو چکا تھا مگر مکہ کے مشرکوں کی ایذارسانیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلہ پچاس ہزار اشرفیوں کے مال تجارت سے لدا پھندا ایک مشہور مکی لیڈر ابوسفیان کی قیادت و رہنمائی میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے اور مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور صحابی برسوں سے ان کے مظالم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیے (مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار اسی تجارتی قافلہ پر تھا) آپ تین سو تیرہ رفیقوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، نہ یہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان و سلاح سے آراستہ اس وقت آپ نے اپنی بے مثال تنظیمی قابلیت کی بنا پر اتنے ہی لوگوں کو فوجی دستوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ ساتھ میں کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ خبر قافلے والوں کو بھی لگ گئی۔ انہوں نے فوراً اپنے آدمی فوجی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود بالا بالا راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل آئے۔ جمہوریہ مکہ کا رئیس ابوجہل اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے رؤساء اور عام مسلح سپاہی ۹۵۰ کی تعداد میں لے کر جوش و خروش کے ساتھ مدینہ والوں پر چڑھ آیا، اور بدر کی منزل پر آ کر دم لیا۔ جو مدینہ سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ یہ واقعہ رمضان ۲ھ مارچ ۶۲۴ء کا ہے۔ ادھر رسول ﷺ پر وحی آئی کہ قافلہ یا لشکر دونوں میں سے ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے۔ لیکن صحابہ تو بہرحال صاحب وحی نہیں تھے۔ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آ پڑا ہے تجارتی قافلہ سے یا فوج کے سامان رسد سے نہیں، بلکہ خود لشکر جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زاید! قدرۃً ایک گروہ کو اب تذبذب، تامل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ ﷺ کو اس کم ہمتی پر تاسف ہوا لیکن خود صحابہ ہی کے گروہ میں سے، مہاجرین میں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور انصار میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس نے جوش اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آیت بالا میں انہی واقعات کی طرف اشارات ہیں۔ معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانہ حال کے ایک ماہر فن قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:۔ ”ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر اُن کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور اُن کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد و رفت کو اپنے زیر اثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے، حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں، ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے“۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کی ”عہد نبوی کے میدان جنگ“ صفحہ ۱۷) بِالْحَقِّ۔ یعنی مقصد صحیح و صالح و پرحکمت کے ساتھ، یوں ہی اور بلاوجہ نہیں۔ ای اخراجا متلبسا بالحکمۃ والصواب (کبیر) مِنْۢ بَيْتِكَ - یعنی شہر مدینہ سے جو اب آپ کا وطن اختیاری تھا۔ یرید بیته بالمدینة او المدینة نفسها لانها موضع هجرته وسکناه (کبیر) ﴿۱۱﴾ کہاں ۳۱۳ اور وہ بھی بے سروسامان، کہاں ۹۵۰ اور پھر ہر طرح مسلح و باساز و سامان۔ خوف و اندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت مورد عتاب نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی و صالح شخص سانپ کا یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر لرز جائے پھر فریقاً سے یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ یہ خوف و تردد بھی سب کو نہ تھا۔ وهذا فيما لا يدخل تحت القدرة والاختيار فلا يرد انه لا يليق بمنصب الصحابة (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفع کبھی بہ صورت ضرر ہوتا ہے، اور عارفین کو اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ﴿۱۲﴾ یہ تفصیل بیان ہوئی اسی کراہت طبعی لکارھون کی (ملاحظہ ہوں اوپر کے دونوں حاشیے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلہ سے ملیں گے یا امدادی دستہ سے مٹ بھیڑ ہو گی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لا رہا تھا، اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لیے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینہ سے زیادہ دور مکہ کی سمت جانا بہتوں کے لیے موت کے منہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔ (کتاب مذکور) صفحہ ۱۷، ۱۸ يُجَادِلُوْنَكَ۔ جدال مجادلہ قرآنی میں ہمیشہ موقع ذم ہی پر نہیں آتا، بلکہ اس کے معنی کہیں صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کہیں پیمبران معصوم تک کے حق میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے لیے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ...... فِي الْحَقِّ یعنی لشکر مکہ سے قتال کے بارے میں درآنحالیکہ وہ صرف قافلہ پر حملہ کے خیال سے گھر سے آئے تھے والحق الذی جادلوا فیه رسول اللہ ﷺ تلقی النفیر (کبیر) بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔ ای بعد ما تبین لهم انک لا تامر بشیء الا باذن اللہ (قرطبی) ﴿۱۳﴾ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اس پر غالب آ جاؤ گے۔ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ و لشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔ ﴿۱۴﴾ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر

ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ جمہوریہ مکہ کی قسمت کا پانسہ اسی نے ہمیشہ کے لیے پلٹ دیا۔ اور نئے دین کی جڑ جمادی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے، جس پر انہیں فتح بلا حرب وقتال کے حاصل ہوجائے۔ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ۔ یعنی وہی تجارتی قافلہ۔ شوکۃ کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مراد ہوتی ہے۔ مايدق ويصلب راسه من النبات ويعبّر بالشوك والشكة من السلاح والشدة (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبھی ضرر بصورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات و معاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ۔ یعنی حق کا حق ہونا عیاناً و مشاہدۃً ظاہر کردے۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے مراد احکام شرعی بھی ہوسکتے ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لیے حکم فرمانا وغیرہ اور احکام تکوینی بھی مثلاً رسد وکمک کا اتنی تیاریاں کرکے آنا، اور پھر بھی مغلوب ومقہور ہونا وغیرہ۔ وف ۱۵ یہاں بھی وہی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عیاناً ومشاہدۃً واقع ہونا مراد ہے۔ اور يُحِقَّ الْحَقَّ میں تکرار معنوی اس لیے نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ خود مقصود ہے اور دوسری جگہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے۔ وف ۱۶ (اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت تعداد و ساز وسامان پر نظر کرکے) وف ۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔ مُرْدِفِيْنَ۔ سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح آج میدان جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اسی جنگی نظام وترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔ المردف المتقدم الذی اردف غیرہ (راغب) ای متتابعین تاتی فرقة بعد فرقة وذالک اهيب فی العيون (قرطبی) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔ یہ وعدہ امداد الٰہی پیمبر کے ذریعے ہوا وف ۱۸ چنانچہ وہ بالکل براہ راست بلا کسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعہ ملائکہ کی جانب ہے۔ إِلَّا بُشْرٰى۔ یعنی تو قع فتح ونصرت سے دل خوش ہوجائے۔ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ۔ اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی کہیں وسائط وذرائع پر زیادہ نظر کرکے انہی میں نہ الجھ جاؤ۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری منہ ہی کی طرف سے ہے۔ نبه علی ان النصر من عنده عزوجل لا من الملئكة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے بعد پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ وف ۱۹ بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے، اور پانی پر قبضہ کرلیا تھا۔ مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (اور تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا) ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے قلب سخت پریشان ہوا، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول ومنصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لیے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے اول باران رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہوگئی۔ پیا بھی، وضو، غسل بھی کیا۔ اور اس سے ریتا جم گیا اور وہ سن جاتی رہی، برخلاف اس کے کفار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہوگئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلف ہونے لگا۔ غرض سب وساوس وتشویشات دفع ہوگئے۔ اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا۔ جس سے پوری راحت ہوگئی اور سب بے چینی جاتی رہی۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) أَمَنَةً مِّنْهُ۔ یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا، ایک خاص حکمت ومصلحت کا نتیجہ تھا، منه میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الهاء فی منه لله (قرطبی) لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔ یعنی وضو، غسل، وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہوجائیں۔ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔ وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے ہم مخذول، غیر مقبول ہیں۔ جب ہی تو پانی سے محروم ہیں۔ قوت ارادی میں ضعف وسوسۂ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔

مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ

تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو وف ۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ وف ۲۱ یہ (حکم قتال) اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ سزا دینے میں سخت ہے وف ۲۲ سو یہ (سزا) چکھو اور (جان لو) کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے وف ۲۳ اے ایمان والو جب تمہارا سامنا ہوجائے گا کافروں کے لشکر کا تو ان سے پشت مت پھیرنا وف ۲۴ اور جو کوئی ان سے اپنی پشت اس روز پھیرے گا سوا اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو لڑائی کے لیے یا (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے وف ۲۵ سو ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ

لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ خطرناک موقعوں پر شجاعت وثابت قدمی اسی قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ بِهٖ۔ میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔ الضمير فی به عائد على الماء (قرطبی) وف ۲۰ یعنی اپنے تصرفات ملکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔ اِلَى الْمَلٰۗئِكَةِ۔ یعنی انہی فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لیے نازل ہوئے تھے اَنِّيْ مَعَكُمْ۔ یعنی تم حسب ارشاد اپنا کام کیے جاؤ اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے یہی معیت الٰہی ہے وف ۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے فَثَبِّتُوا۔ کی سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ یہ بیان ہے اَنِّيْ مَعَكُمْ کا۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ میں فوق، علی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ فوق بمعنى على (معالم) بنان کہتے ہیں انگلیوں اور ان کے پوروں کو۔ البنان الاصابع (راغب) البنان الاصابع يريد الاطراف (کشاف) وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ جنگ ظاہر ہے کہ دست بدست تھی۔ نیزوں، اور تلواروں سے، ایسی جنگ کے لیے (بلکہ کہنا چاہیے کہ ہر جنگ کے لیے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہوسکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کرو اور ان کی جان لیے بغیر انہیں لڑائی کے ناقابل بنادو۔ خصه لاجل انهم بها تقاتل وتدافع (راغب) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ یعنی گردن کے اوپر کے حصہ پر وار کرو۔ تاکہ حریف فوراً مر جائے خواہ مخواہ اور بلاضرورت مدت تک تڑپتا، اور موت وزندگی کے درمیان جھولتا نہ رہے، والمعنى فاضربوا المقاتل والشوى لان الضرب اما واقع على مقتل او على غير مقتل فامرهم بان يجمعوا عليهم النوعين معاً (کشاف)

دونوں ہدایتیں فن حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریق حرب وضرب کی جامع ہیں۔ **ف۲۲** (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں۔ یا دونوں جگہ) شَآقُّوا اللّٰهَ۔ سے مراد شاقوا اولیاء اللہ بھی لی گئی۔ ای اولیاءہٗ (قرطبی) **ف۲۳** (کہ اصلی عذاب تو وہی ہے اور دنیوی سزا سے اس کا ٹل جانا لازم نہیں آتا) **ف۲۴** جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ یہ حکم یہی ہے، جو استثناء اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے۔ ان کی تفصیل کچھ تو یہیں قرآن مجید میں آرہی ہے اور کچھ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا۔ یعنی کافروں سے مڈبھیڑ ہو حالت جہاد میں۔ زحفا زحف کے لفظی معنی چھوٹے بچے کا گھسٹ گھسٹ کر چلنا ہے، مجازاً اس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رک رک ہی کر چلنا ہوتا ہے۔ كالعسكر اذا كثر فيعثر انبعاثه (راغب) الزحف الدنو قليلا قليلا ثم سمي كل ماش في الحرب الى اخر زاحفا (قرطبی) **ف۲۵** سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدان جنگ سے ہٹنے کی ذرا بھی گنجائش رکھ دی جائے تو نظام عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے۔ اسی لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک ناقابل عفو جرم ہے۔ اور پھر لشکر اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدہ جنت لیکر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے۔ اس کے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔ الفرار كبيرة موبقة بظاهر القرآن واجماع الاكثر من الائمة (قرطبی) قال ابن القاسم لا تجوز شهادة من فر من الزحف ولا يجوز لهم الفرار وان فر امامهم (قرطبی)

اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (ان پر) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب کہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے

رَمٰى ۚ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

پھینکی **ف۲۶** تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش بیشک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے **ف۲۷** یہ تو ہو چکا **ف۲۸** اور بیشک اللہ کمزور کرکے رہے گا کافروں کی

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ

تدبیر کو **ف۲۹** اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا

وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ

ف۳۰ اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے

وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ

اور تمہاری جماعت تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (کتنی ہی) زائد ہو اور (جانے رہو) کہ

اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا

اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے **ف۳۱** اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو **ف۳۲**

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی) سنتے (سناتے) نہیں **ف۳۳**

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ

بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا)

يَوْمَئِذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد حریف کو دھوکا دے کر اس پر اکبارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا۔ اور اب بھاگ کے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور ساز و سامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ۔ محققین نے یہاں پر یاد دلا دیا ہے کہ اس دخول جہنم سے خلود جہنم لازم نہیں آتا۔ وهذا لا يدل على الخلود (قرطبی) **ف۲۶** (تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں۔ کہ مؤثر حقیقی صرف اسی کی قدرت ہے۔) سید دو عالم رسول اللہ ﷺ نے حالت جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکیں ہر ایک کی آنکھوں میں جا گھس گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ حدیث میں روایت غزوۂ بدر و غزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ سیاق قرآن صاف غزوۂ بدر کے سلسلہ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائید غیبی کے ایسے ایسے عجائب و خوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔ آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعل حقیقی و مؤثر اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالم اسباب میں وہ کام آلات و وسائط ہی سے لیتا رہتا ہے۔ فنزلت الاٰية اعلاماً بان الله تعالى هو المميت والمقدر لجميع الاشياء وان العبد انما يشارك بتكسبه وقصده (قرطبی) اے ليس بحولكم وقوتكم قتلتم اعداءكم مع كثرة عددهم وقلة عددكم اى بل هو الذى اظفركم عليهم (ابن کثیر) وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے وہ ذرے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہنچا دیں رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا۔ عنى بذالك ان الله بلغ بذالك التراب وجوههم وعيونهم اذلم يكن فى وسع احد من المخلوقين ان يبلغ ذالك التراب عيونهم من الموضع الذى كان فيه النبى ﷺ (جصاص) وما رميت يا محمد رميا توصله الى اعينهم ولم تقدر عليه اذ رميت اے اذ رميت بصورة الرمى ولكن الله رمى اے اتى بما هو غاية الرمى فاوصلها الى اعينهم جميعاً حتى انهزموا (بیضاوی) **ف۲۷** اس پر بندوں کے الفاظ و اقوال بھی اور جوارح و اعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا۔ مومنین کی اس آزمائش سے مقصد یہ کہ انہیں ان کے قصد سے اختیار کئے ہوئے اعمال پر خوب اجر وصلہ دے۔ **ف۲۸** یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی **ف۲۹** (اور وہ بھی کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اس کی قدرت و حکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے **ف۳۰** (اور جو فریق حق پر تھا اسے غلبہ حاصل ہو گیا) خطاب مشرکین مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو سردار قریش ابوجہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہو۔ كان المشركون حين خرجوا من مكة الى بدر اخذوا باستار الكعبة فاستنصروا الله وقالوا اللّٰهم انصر اعلى الجندين واكرم الفئتين وخير القبيلتين (ابن کثیر عن السدی) وقيل قاله ابوجهل وقت القتال (قرطبی) **ف۳۱** اس لیے فتح و غلبہ اصلاً حق ہی کا ہے گو کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت اس کا ظہور نہ ہو) وَ اِنْ تَنْتَهُوْا۔ یعنی اتنے نمایاں وضوح حق کے بعد اگر اب بھی اسلام و رسول اسلام ﷺ کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔ اِنْ تَعُوْدُوْا۔ یعنی اسی طرح مخالفت و معاندت پر مصر رہو گے۔ نَعُدْ۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے۔ **ف۳۲** (اعتقاد کے ساتھ) مسلمانوں کا کلام الٰہی کا سننا ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سن رہے ہو ویسے ہی عمل بھی کرو۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے۔ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ۔ ''اس سے'' یعنی اس اطاعت سے۔ ضمیر حکم کی جانب ہے۔ الضمير للجهاد او للامر الذى دل عليه الطاعة (بیضاوی)

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

کام نہیں لیتے ف۳۴ اور اگر ان میں کسی خوبی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ

لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

انہیں سنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سنوا دے تو یہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ف۳۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا

اے ایمان والو اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب کہ وہ (یعنی رسول)

دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ

تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں ف۳۶ اور جانے رہو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان

الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

انسان کے اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس اکٹھا ہونا ہے ف۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا

جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ف۳۸ اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ

کہ بے شک اللہ سخت ہے سزا دینے میں اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم

قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

تھوڑے تھے (اور) ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے ڈرتے رہتے تھے کہ

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو (اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی

وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور تم کو ستھری چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو ف۳۹ اے

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ سے فقہاء ومفسرین نے یہ استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے۔ دلت الاٰية علی ان قول المومن سمعت واطعت لا فائدة فيه مالم يظهر اثر ذالک عليه بامتثال فعله (قرطبی) ف۳۳ (مراد کفار ومنافقین ہیں) مسلمانوں کو ہدایت ہورہی ہے کہ ترک اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ف۳۴ (اور ان کا عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے جو بہرے اور گونگے ہیں۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کفار ومنافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ ان کی تحقیر واہانت کے لیے ہے۔ عنی به الاشرار الذين هم فی الجهل بمنزلة الدواب (راغب) ف۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلب حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو منہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بھی دے دیتا۔ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ۔ یعنی انہیں اس بے پروائی کی حالت میں سنوا دے، جیسا کہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سن ہی رہے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنی ہی اس شے کی نفی کے ہیں۔ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ ٹکڑا ان کی بے توجہی کو اور نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ ف۳۶ یعنی احکام شریعت کی طرف۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیات ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز بھی نظام دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد ہے۔ لِلرَّسُوْلِ۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر بجائے اسم ذات کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی سے آتا ہے۔ یہ آپ کی حیثیت رسالت کو نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے۔ اِسْتَجِيْبُوْا۔ یہاں اجيبوا کے معنی میں ہے۔ ف۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اسی سے پڑتا ہے) يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یوں کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر ومعصیت کو نہیں آنے دیتا۔ دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان وطاعت کو آنے نہیں دیتا۔ ف۳۸ (بلکہ ان گنہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا۔ جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور خود بھی اس طرح جرم مداہنت کے مرتکب ہوئے یا شریک جرم رہے) اسلام امت کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے افراد کا زمرۂ صالحین میں ہونا کافی نہیں، بلکہ ہر فرد بشر کو بہ قدر اپنی وسعت وبساط کے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے جرم وجرم سے مداہنت اسلام کے اندر خود ایک جرم ہے۔ "جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بہ طریق امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترک اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے۔ کوشش کرو ورنہ در صورت مداہنت ان منکروں کا وبال جیسا مرتکبین منکرات پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔" (تھانوی) ف۳۹ (اور طاعت واطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ) اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ مسلمانوں کو ان کی مکی زندگی قبل ہجرت کی یاد دلائی جارہی ہے۔ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ النّاس سے مراد مخالفین واعداء ہیں۔ اٰوٰىكُمْ۔ یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ۔ یعنی تمہاری تعداد بھی بڑھ گئی۔ بے سروسامانی بھی دور کی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی تمہیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا

ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ اور رسول کی اور نہ

اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو ف۴۰ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور

وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور یہ بھی کہ بہت بڑا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے ف۴۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ

ہے ہی بڑے فضل والا ف۴۲ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر

كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ

سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کر دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ف۴۳

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں بس ہم نے سن لیا ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

تو اس کا سا ہم بھی کہہ لائیں یہ ہے ہی کیا بجز اگلوں کی کہانیوں کے ف۴۴

ف۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد اور مضرتیں کیا کیا ہیں) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اللہ اور رسول کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہی کو پوری طرح ادا نہ کرنا بھی ان میں خیانت کرنا ہے۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ۔ اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے اعمال سے جو منافع مرتب ہوتے ہیں انہی کو یہاں امانتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ف۴۱ (جس کے آگے ساری دنیوی لذتیں فانی، مصلحتیں ہیچ ہیں) فِتْنَةٌ۔ یعنی یہ مال و اولاد کی محبت بھی ایک چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ف۴۲ (اور اس بڑے داتا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم و گمان میں بھی کب آسکتی ہیں) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اس تقویٰ و خشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت و اطاعت میں لگے رہو گے۔ فُرْقَانًا۔ فرقان کی تشریح اہل تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ ان سب مفہوموں کا جامع سمجھا جائے اور ہدایت اور نور قلب جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے اور غلبہ گلی اعداء اور نجات آخرت جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہو جائے سب کو شامل رہے۔ ف۴۳ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں) اِذْ يَمْكُرُ بِكَ۔ مکہ کے رئیسوں سرداروں نے باہم جمع ہو کر آپ کی قید، جلاوطنی، قتل سب تدبیروں پر غور کیا۔ اور اخیر رائے قتل ہی کی قرار پائی۔ آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ خاموشی سے نقل مکان کر، غار ثور میں پوشیدہ ہو گئے اور بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مکر پر حاشیے سورہ آل عمران آیت مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ پر گزر چکے۔ لِيُثْبِتُوْكَ۔ اثبات یہاں قید یا حبس کے معنی میں لیا گیا ہے۔ الاثبات هو الحبس (ابن جریر عن السدی) ای لیسجنوک (ابن جریر عن عطاء و عبداللہ بن کثیر) و معنی لیثبتوک لیحبسوک (قرطبی) ف۴۴ (اور کلام حق ہرگز نہیں) یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور "روشن خیال" ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کیے ہوئے۔ جیسے آج کا "ولایت پلٹ" ہندوستانی قد قيل ان قائل لذالک هو النضر بن الحارث كما قد نص على ذالک سعيد بن جبير والسدی و ابن جريج وغيرهم فانه لعنه الله كان قد ذهب الى بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوكهم رستم واسفنديار (ابن کثیر) هٰذَا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ... بولے کہ بس ہم نے سن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور (وہ وقت بھی یاد دلائیے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا پھر (کوئی اور ہی) عذاب دردناک لے آ وف۴۵ حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں وف۴۶ ہاں یہ بھی ان لوگوں کے لیے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے) نہ لائے درآنحالیکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں وف۴۷ اس کے متولی تو بس متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر تو علم (بھی) نہیں رکھتے وف۴۸ اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سو عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی پاداش میں وف۴۹ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کیے ہوئے ہیں اپنے مال کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں

وف۴۵ (یعنی اسی طرح کا کوئی خارق عادت) صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہرحال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجر نے فیصلہ کیا ہے ممکن ہے دونوں نے ہی کہا ہو، لیکن ترجیح ابوجہل والی روایت کو ہے۔ **ولانها في ذالک ما في الصحيح لا حتمال ان يكون قالاه ولكن نسبته الى ابى جهل اولى** (فتح الباری) یہ بھی بآسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اس کے ہم زبان اور بہت سے اہل قریش ہو گئے ہوں۔ **قال الجمهور قائل ذالک كفار قريش** (بحر) **وان كان هذا القول نسب الى جماعة فلعله بدأ به ورضى الباقون فنسبت اليهم** (فتح الباری) هٰذَا۔ یعنی وہ کلام جسے محمد ﷺ بطور خدائی کلام کے پیش کر رہے ہیں۔ وف۴۶ (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عدم موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کیلئے کافی نہ ہو) یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارق عادت عذاب یہ لوگ طلب کر رہے ہیں، اس کی راہ میں دو، دو مانع موجود ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان زندہ و سلامت موجود ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ باوجود ان کے کفر و شرک و معصیت شعاری کے، ربّہ سے تعلق استغفار ان کا کسی درجہ میں باقی و قائم ہے چنانچہ طواف کے وقت یہ اس وقت بھی غفرانک، غفرانک کہتے جاتے ہیں۔ وف۴۷ (اور عبادت الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارق عادت کیلئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفس عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں بلکہ اس کا تو عین مقتضاء موجود ہے۔ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف کے اندر داخلہ سے اس میں نماز پڑھنے سے، اس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام ﷺ کو برابر روک رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ۔ قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانہ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں۔ ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آرہی ہے یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔ اَوْلِيَآؤُهٗ میں ضمیر الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طرف ہے۔ وف۴۸ (کہ منصب تولیت کے سرے سے نااہل ہیں) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور تقویٰ کی پہلی شرط ایمان و اسلام ہے۔ وف۴۹ (چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔ وَمَا كَانَ ۔۔۔۔ تَصْدِيَةً۔ یہاں مشرکوں کی عبادت کی تحلیل کر کے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں، اور ان کی عبادت تھی ہی کیا؟۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں ان کا جز واعظم بھی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں؟ فقہاء و مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں ان جاہل صوفیہ کے لیے بھی وعید ہے جو وجد و حال لا کر اچھلتے کودتے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اور اسے کوئی کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ یہ صاف تشبیہ اعمال مشرکین کے ساتھ ہے۔ **فيه رد على الجهال من الصوفية الذين يرقصون ويصفقون وذالک كله منكر يتنزه عن مثله العقلاء ويتشبه فاعله بالمشركين فيما كانوا يفعلونه عند البيت** (قرطبی) يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ قولی، بدنی اور مالی، قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہو چکی۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لئے وقف ہیں۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام سے۔ ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ یہاں پیشگوئی فرما دی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رائیگاں رہیں گی اور آثار ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ یہ حسرت اس وقت دہری ہو گی۔ ایک حسرت تو اپنے مال و دولت کے ضائع جانے پر، دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ۗ

سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ

جائیں گے اور جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا وف۵۰ تاکہ

اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ

اللہ ناپاکوں کو الگ کر دے پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ

یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر اس مجموعہ کو دوزخ میں ڈال دے

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ

یہی لوگ تو ہیں (پورے) خسارہ میں رہنے والے وف۵۱ آپ کہہ دیجیے (ان) کافروں سے کہ اگر

يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا

یہ لوگ باز آ جائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا وف۵۲ اور اگر وہی (عادت)

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى

دہراتے رہیں گے تو (ہمارا) معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے وف۵۳ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہو جائے وف۵۴ لیکن اگر یہ باز آ جائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا

تو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کو وف۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

کہ تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار وف۵۶

وف۵۰ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا و حسرت کے علاوہ ہے۔ وف۵۱ یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتا دیا ہے۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ میں ف تفسیری ہے۔ خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہے۔ ای المومن من الکافر (قرطبی) وف۵۲ (اور اب پچھلے گناہوں پر باز پرس نہ ہوگی) اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ان الاسلام یهدم ما کان قبله فقہاء نے کہا ہے کہ مواخذہ وحقوق عبد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کا قرطبی سے تو ساقط ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ وہ حالت کفر میں ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لیے کہ وہ ذمہ دار تھا۔ باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قال ابو حنیفة ما کان لله مسقط وما کان للآدمی لا یسقط قال ابن العربی وهو قول علمائنا لان الله تعالى مستغن عن حقه والآدمی مفتقر الیه (قرطبی) عام فی الحقوق التی لله تعالى (قرطبی) اِنْ يَّنْتَهُوْا۔ باز آ جانے سے مراد کفر سے باز آ جانا ہے۔ یرید عن الکفر (قرطبی) ان ینتهوا عن الکفر وعداوة الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر) مَا قَدْ سَلَفَ۔ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہو جائے گی وہ اس لیے کہ زندقہ بھی بہرحال کفر کی ایک نوع ہے۔ فان قوله یغفرلهم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر) وف۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین ومعاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب کی پیش آتی رہی ہے وہی انجام ان جدید منکرین اور معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔ عبارة تجمع الوعید والتهدید والتمثیل بمن هلک من الامم فی سالف الدهر بعذاب الله (قرطبی) ای عادة الله الجاریة فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیهم وخذلانهم وتدمیرهم (روح) وف۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبول اسلام پر) ای یضمحل عنهم کل دین باطل ویبقی فیهم دین الاسلام وحدة (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلة کلها اما بهلاک اهلها جمیعا او برجوعهم عنها خشیة القتل (روح) اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارۂ دوم میں گزر چکے۔ قَاتِلُوْهُمْ۔ ضمیر۔ هُمْ مشرکین عرب کی جانب ہے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے الی ان لا یوجد فیهم شرک قط (مدارک) ای کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لا یکون شرک (جصاص) یہ تفسیر تو حنفی کے مطابق ہے بعض ائمہ نے فتنة سے مراد فساد وحرب لی ہے۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فقہاء نے آیت کے عموم سے جملہ اصناف کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھہرایا ہے بجز ان کے جن سے استثناء کی دلیل کتاب وسنت سے مل جائے۔ یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اهل الکفر الا ما خصه الدلیل من الکتاب والسنة (جصاص) وف۵۵ (اور وہی احتساب کے لیے کافی ہے، بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کرید کی حاجت نہیں) فَاِنِ انْتَهَوْا۔ یہ باز آ جانا کس چیز سے ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مراد کفر سے باز آ جانا اور اسلام قبول کر لینا ہے۔ ای عن الکفر واسلموا (مدارک) بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آ جانا مراد لیا ہے۔ (مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے) وف۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے بچنے کا خیال ہی نہ کرو۔ اور اللہ ہی کی رفاقت ونصرت پر بھروسہ رکھو) وَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسلام سے روگردانی مراد ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے روگردانی مقصود ہوگی۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو و۵۷ سو اس کا پانچواں حصہ اللہ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ

اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے

وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا

اور مسافروں کے لئے ہے و۵۸ اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے

عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ

ہم نے اپنے بندہ (محمد) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن و۵۹ جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں

وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ

اور اللہ ہی ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے و۶۰ (یہ وہ وقت تھا) جب تم (میدان جنگ کے) نزدیک

الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ

والے کنارہ پر تھے اور وہ دور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے (کی جانب)

مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ

کو تھا و۶۱ اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہو جاتا و۶۲ لیکن

لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ

(لڑائی بلا قصد ٹھن گئی) تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا و۶۳ (یعنی) تاکہ جسے برباد ہونا ہو وہ

هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ (بھی) کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ ہو و۶۴ اور

اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ۙ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ

بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۶۵ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب

و۵۷ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصرف غنیمت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ مَا غَنِمْتُمْ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہر وہ شے جو انسان کوشش سے حاصل کرے۔ الغنیمة فی اللغة ما يناله الرجل او الجماعة بسعی (قرطبی) اصطلاح فقہاء میں اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بزور قوت حالت جنگ میں حاصل ہو۔ الغنیمة ما نیل من الکفار عنوة و الحرب قائمة (المغرب) الغنیمة فی الشریعة ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القهر بالخیل و الرکاب (کبیر) مال الکفار اذا ظفر به المسلمون علی وجه الغلبة و القهر (قرطبی) مَا۔ الذی کے معنی میں ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ الذی غنمتموہ و۵۸ یعنی کل مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائے گا اور باقی ۱/۵ اللہ کی نذر ہوگا یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا۔ اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ یہ ۱/۵ حصہ بھی اب یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصوں میں تقسیم رہے گا۔ لِلّٰهِ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ ذکرہ تعالی للتبرک باسمه فی ابتداء الکلام اذا الکل لله (درمختار) فاما ذکر الله تعالی فی الخمس فانه لافتتاح الکلام تبرکا باسمه (ہدایہ) قال الشعبی هو مفتاح الکلام (جصاص) وعن الحسن بن محمد بن الحنفیة قال هذا مفتاح کلام لیس لله نصیب فی الدنیا والاخرة (جصاص) لِلرَّسُوْلِ۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصے الگ الگ نہیں۔ کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو زمان حیات میں ملتا تھا۔ نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا۔ سرکاری ۱/۵ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا ۱/۲۵ حصہ اس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمر حکومت بھی تھا، امیر لشکر بھی، حامل رسالت بھی اور وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ وسهم النبی ﷺ سقط بموته (ہدایہ) وسهم النبی ﷺ انما کان له مادام حیا فلما توفی سقط سهمه (جصاص) شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا۔ لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔ لانه علیه السلام کان یستحقه برسالته ولا رسالة بعدہ (ہدایہ) خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے بھی رسول ﷺ کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لِذِی الْقُرْبٰی۔ یہ دوسرا حصہ ہوا۔ (پہلا حصہ اللہ اور رسول کا ملا کر ایک تھا) یہ جاں نثاروں کا وہ گروہ تھا جس نے مکہ سے مدینہ تک ہر حال میں، ہر مصیبت میں ساتھ دیا تھا۔ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حصہ ان حضرات کی نصرت قدیم ہی کی بنا پر تھا۔ ان المراد من النص قرب النصرة لا قرب القرابة (ہدایہ) فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ لذی کا ل ملک و استحقاق کے اظہار کے لئے نہیں۔ محل و مصرف کے بیان کے لئے ہے۔ لیست اللام لبیان الاستحقاق والملک وانما هی لبیان المصرف والمحل (قرطبی) جو وفات نبوی یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ واما بعد رسول الله ﷺ فسهمه ساقط بموته کذلک سهم ذوی القربی (مدارک) وَ الْیَتٰمٰی۔ یہ تیسرا حصہ ہوا۔ وَ الْمَسٰكِیْنِ۔ یہ چوتھا حصہ ہوا۔ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ یہ پانچواں حصہ ہوا۔ فقہاء حنفیہ کی تحقیق میں اب وہ سرکاری خمس (۱/۵) انہی تین حصوں میں تقسیم ہوگا چنانچہ خلفاء راشدین سے انہی تین حصوں میں تقسیم منقول ہے۔ لنا ان الخلفاء الاربعة الراشدین قسموہ علی ثلثة اسهم وکفی لهم قدوة (ہدایہ) فان الخلفاء الاربعة متفقون علی انه لا یستحق الا بالفقر (جصاص) یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے۔ ان تین حصوں کے اندر بھی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے۔ ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔ الخمس الباقی یقسم اثلاثا عندنا للیتیم والمسکین و ابن السبیل (درمختار) سهم للیتمی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل (ہدایہ) خاندان رسالت کے حاجت مند بھی انہی میں داخل سمجھے گئے ہیں بلکہ ان کا حق مقدم ہے۔ البتہ خوش حال قرابتداروں کو کچھ نہ ملے گا۔ یدخل فقراء ذوی القربی فیهم ویقدمون ولا یدفع الی اغنیائهم (ہدایہ) وقدم فقراء ذوی القربی من بنی هاشم ولا حق لاغنیائهم عندنا (درمختار) اس طرز تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ سرکاری خزانہ کا ۳/۵ ہی نہیں۔ پورے کا پورا ۵/۵ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی غریب نواز و ہمدرد عوام سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں (لا وارث یتیموں محتاج مسکینوں اور بے زاد راہ مسافروں پردیسیوں) کے لئے وقف ہے؟ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ مسافروں کی یہ اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زاد و راحلہ تھکے ماندے، بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور چھوت چھات کے ماننے والوں کے درمیان دیہات میں جس طرح گرمی کی چلچلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، اُن کا ہلکا اور سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر نہیں کر سکتے۔ و۵۹ یعنی معرکہ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان عملی اور حسی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آ گیا اور کفر و اسلام کے درمیان اس پہلی دو بدو ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلابی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔ ای الیوم الذی فرقت فیه بین الحق والباطل وهو یوم بدر (قرطبی) مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔ یعنی نصرت غیبی، جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔ والمراد منه ما انزل علیه من الآیات والملائکة والفتح فی ذلک الیوم (کبیر) عَبْدِنَا۔

قَلِيلًا ۚ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے و۶۶ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں

الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾

جھگڑنے لگتے اس باب میں و۶۷ لیکن اللہ نے (تم کو) بچالیا، بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب و۶۸ جانتا ہے،

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اس نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا

وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ

اور ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا و۶۹

وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے و۷۰ اے ایمان والو، جب

لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

تم کسی جماعت کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو

تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا

تاکہ فلاح پاؤ و۷۱ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور (آپس میں) جھگڑا مت کرو

فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ

ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں

الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن

کے ساتھ ہے و۷۲ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جو اپنے گھروں سے

دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن

تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ

موقع تخصیص وتشریف پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر اسی عنوان سے کرنا قرآنی بلاغت کا ایک خالص جزء ہے۔ یہ جنگ رمضان ۲ ھ (۶۲۳ء) میں لڑی گئی۔ مسلمان ۳۱۳ اور مشرک ۹۵۰ کی تعداد میں تھے۔
و۶۰ اس میں افراد امت کو تنبیہ ہے کہ یہ ۴/۵ جو تمہیں مل رہا ہے، اُسے اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہیں محض فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھو۔ الْجَمْعٰنِ ۔ مراد ایک طرف لشکر قریش ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔
و۶۱ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے۔ وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارہ کنارہ چلا جارہا تھا۔ الْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ۔ یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں۔ شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی، اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال ومغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی، الْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ۔ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں، یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب ومشرق میں تھی۔ ابوجہل اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ مقام بدر سمندر (بحر احمر) سے اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکہ سے آٹھ منزل کی راہ پر۔ اسلامی فوج شمال ومشرق سے آئی تھی، اور مشرکوں کا لشکر جنوب ومشرق سے۔ اس موضوع خاص کے محقق خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔ "تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے۔ مکہ، مدینہ اور شام کے راستوں کے منقطع ہونے سے قریشی قافلہ کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت ﷺ مدینہ سے آکر شمال مغربی دروں میں مقیم اور گھات میں رہے۔ ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدر آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزلہ کو یک منزلہ کر کے قافلہ کو بچالیا۔ قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت ﷺ بدر ہی میں کسی کام سے مقیم رہے تو مکہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آپہنچی، پیشگی اطلاع ملنے پر آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے دشمن کی تگنی چوگنی فوج کو شکست دی۔ مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے۔" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عہد نبوی کے میدان جنگ" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاذ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے قدرۃً بلند اور ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا، نشیبی۔
و۶۲ یعنی عام دستور ومعمول تو یہ ہے کہ مقاتلہ کے لئے فریقین اپنے قصد ومرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کرلیتا، جس سے مقابلہ ومقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آرہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے، اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کردیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد وارادہ کے بغیر بھی لڑنا پڑ گیا۔ اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہوگئے۔
و۶۳ یعنی جس امر کے وقوع سے مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں۔ تکوینی حالات ایسے جمع کئے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد واختیار کے بغیر خود بخود اس کا اظہار ہوکر رہا۔ لِيَقْضِيَ ۔ میں ل متعلق ہے فعل محذوف کے۔ واللام في ليقضي متعلقة بمحذوف والمعنى جمعهم ليقضي (قرطبی) و۶۴ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہوجائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسی قلت عدد وکم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک خارق عادت اور دل میں یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام حق اور اس سے حجت الٰہی تمام ہوگئی، اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ وضوح کے بعد ہوگا جس سے عذاب کا پورا استحقاق ہوجاتا ہے اور عذر کی گنجائش نہیں رہتی، اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرے گا۔ عَنْ بَيِّنَةٍ ۔ عن دونوں جگہ بعد کے مرادف ہے اور بینۃ کے معنی اقامت دلیل کے ہیں۔ اے بعد مشاهدة هذه المعجزة (کبیر) اے بعد حجة ظاهرة (جلالین) والبينة اقامة الحجة والبرهان (قرطبی) لِيَقْضِيَ ۔ اور لِيَهْلِكَ دونوں میں ل غرض وغایت کا ہے۔ اللام لام الغرض وظاهره يقتضي تعليل افعال الله واحكامه بالاغراض والمصالح (کبیر) و۶۵ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد کون کون زبان پر کلمۂ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کئے جاتا ہے اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیئے ہوئے ہے۔ و۶۶ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا، جس سے اُن کے دل قوی ہوگئے)۔ يُرِيكَهُمُ ۔ میں ضمیر ظاہر ہے کہ لشکر قریش کی جانب ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ صحیح اترنا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحین امت کے خوابوں کا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی ﷺ سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرت پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف وخواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آرہا ہے۔ و۶۷ یعنی اس قیل وقال، بحث ومباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ کی بھی جائے یا نہیں لَفَشِلْتُمْ اور لَتَنَازَعْتُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہ باوجود اپنی قوت قدسی اور مقام عالی کے بہر حال بشر ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے محفوظ ومصئون نہیں کردیئے گئے تھے۔ و۶۸ (اور اس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہوگا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اُس نے انتظام کردیا) سَلَّمَ ۔ یعنی اس اختلاف وکم ہمتی کے مظاہرہ سے تم کو بچالیا۔ و۶۹ اب ذکر خواب کا نہیں عالم بیداری کا ہو رہا ہے۔ اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مشاہدات وواقعات عین حکمت پر مبنی تھے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۔ مراد دو چیزیں ہیں، ایک تو کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ

سے روکتے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ۔ ١٩ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ

شیطان نے انہیں ان کے اعمال خوش نما کر دکھائے ۲۰ اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ۲۱ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ

وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں

اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا

الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

دینے ہیں ۲۲ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی)

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال رکھا ہے ۲۳ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ

فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

کرتا ہے سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے ۲۴ اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان)

كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارتے جاتے ہوں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ۲۵ یہ (عذاب) اس کے بادائش میں ہے جو کچھ تمہارے

ہلاکت وذلت اور اسلام کی فتح وسربلندی۔ کرر هذا لان المعنى في الاول من اللقاء وفي الثاني من قتل المشركين و اعزاز الدين وهو اتمام النعمة على المسلمين (قرطبی) مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، پارہ ۴ میں گزر چکے۔ ١٦ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہوگا) آیت میں اشارہ اس طرف بھی آ گیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آ رہا ہے یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہوگا الغرض منه التنبيه على ان احوال الدنيا غير مقصود لذواتها وانما المراد منها ما يصلح ان يكون زادالیوم المعاد (کبیر) ١٧ یہ حکم عام ہے۔ یہاں یہ بتا دیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ بھی ثبات قلب وثبات قدم کا اجتماع ہے۔ اور فلاح کے عموم میں شخصی واجتماعی، دنیوی واخروی ہر قسم کی فلاح آ گئی۔ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً۔ اس لقاء یا مڈبھیڑ ہو جانے سے جہاد میں سامنا ہو جانا مراد ہے۔ فَاثْبُتُوْا۔ یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ کہ قلب میں قوت وثبات اسی ذکر الٰہی اور کثرتِ ذکر الٰہی سے پیدا ہوگی۔ امر بالذكر حتى يثبت القلب على اليقين و يثبت اللسان على الذكر (قرطبی) ١٨ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس بیان میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالت جہاد میں بھی احکام شریعت کے دائرہ سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے۔ وَلَا تَنَازَعُوْا۔ کوئی نزاع نہ افراد امت میں باہم ہونی چاہیے نہ امام یا امیر قوم سے۔ یہ اندرونی کشمکش، ذہنی (نظم واطاعت) کے حق میں زہر قاتل ہے۔ فَتَفْشَلُوْا۔ یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشار قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہے گا۔ اے قوتكم ونصركم كما يقال الريح لفلان اذا كان غالبا في الامر (قرطبی) وَاصْبِرُوْا۔ یعنی جو ناگوار حالات گردوپیش میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اُن پر بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر، محمود تو ہر حال میں ہے، موقع قتال پر اور زیادہ۔ امر بالصبر وهو محمود في كل المواطن وخاصة موطن الحرب (قرطبی) مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یہ معیت حق خود ضامن نصرت ہے۔ ١٩ (اور وقت مناسب پر جزاء اعمال بھی دے گا) اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ مراد قریش کے لشکریان بدر ہیں جو ناحق وباطل کی راہ میں حمیت جاہلی کے علمبردار ہو کر لڑنے کو نکلے تھے۔ بَطَرًا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہے اور اسی کی رضا جوئی میں انہیں لگائے اور اس کا نام شکر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے یہی بطر ہے قال الزجاج البطر الطغيان في النعمة والتحقيق ان النعم اذا كثرت من الله على العبد فان صرفها الى مرضاته وعرف انها من الله تعالى فذلك هو الشكر اما ان توسل بها الى المفاخرة على الاقران والمكاثرة على اهل الزمان فذلك هو البطر (کبیر) وَرِئَآءَ النَّاسِ۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شے واقعۃً زشت ہو اُسے خوشنما کر کے ظاہر کرنا۔ الرئاء عبارة عن القصد الى اظهار الجميل مع ان باطنه يكون قبيحا (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطر اور رئاء تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی نحوی وادیب کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار وتمکین یا مستقل کیفیت پر اور فعل اُس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر ونمائش قریش کا وصف مستقل تھا، اُس کے لیے اسم لایا گیا۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ ومقاتلہ وقتی وعارضی کیفیت تھی اس کا اظہار فعل سے کیا گیا اور یہ بلاغت قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔ یہ فخر ونمائش، غرور اور اترا ہٹ کے اوصاف آج کی "مہذب" فرنگی قوموں اور ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں ان کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کی بمباریوں اور اُن کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں! ٢٠ (جو وہ اسلام ورسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کر رہے تھے)۔ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان ظاہر ہے کہ بطر ورئاء میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے۔ آج کے مسلمان سوچیں کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں اور کیسی کیسی حرام ومکروہ چیزوں میں مشابہت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ شیطان کی اصلی کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما ودلفریب بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کوئی قوت اُسے ہرگز حاصل نہیں۔ انسان کی تربیت اگر صحیح ہوئی ہے۔ اور اُس نے اپنی عقل سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے تو وہ ہر ترغیب شیطانی سے محفوظ رہے گا۔ ٢١ قال سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ کی مدد سے کی ہو۔ دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پوری طرح قول سے ادا ہو جاتا ہے لفظ قول عربی زبان میں بڑی ہی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالت حال پر شامل ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اپنی قوت وحشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سرداران قریش کے دل میں گزرا۔ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جار یہاں حامی وپشت پناہ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم عربی زبان میں عام ہے۔ معنى الجار ههنا الدافع عن صاحبه انواع الضرر كما يدفع الجار عن جاره والعرب تقول انى جار لكم من فلان اى حافظ لك من مضرته فلا يصل اليك مكروه منه (کبیر) حسن بصری اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا

بلکہ اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔ وفی کیفیۃ ھذا التزیین وجھان، الاول ان الشیطان زین بوسوسۃ من غیر ان یتحول فی صورۃ الانسان وھو قول الحسن والاصم (کبیر) وسوس الیھم (کشاف) و۷۷ جتنا علم شیطان کو اللہ کی عظمت وقوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محل اشکال نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوف خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے۔ تَرَاۗءَتِ ۔ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ الْفِئَتٰنِ ۔ سے مراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ ۔ سے مراد ہر خدائی قوت ہو سکتی ہے۔ یہاں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔ وفیہ وجوہ الاول انہ رای الملا ئکۃ والثانی انہ رای اثر النصرۃ والظفر فی حق النبی علیہ السلام (کبیر) اَخَافُ اللّٰهَ ۔ خوف خدا سے لازمی طور پر خوف آخرت مراد نہیں ہو سکتا ہے کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لے لی جائے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں مثلاً:۔ (۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے، کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ ۔ میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترک وہ اُس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسے کے بھی گناہ کرے گا۔ (۲) کشف اہل باطل کے لئے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ کشوف ہو گئے۔ (۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں۔ مطلوب خوف ایمانی ہے۔ و۷۸ (کہ اُس میں آ کر یہ اس بے سروسامانی پر اتنے زبردست لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے ہیں) حالات ظاہری کی بنا پر منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا بالکل قدرتی تھا۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ المنافقون سے تو منافقین مدینہ کا مراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ الذین فی قلوبھم مرض سے مکہ کے کچے دل والے مسلمان مراد ہیں۔ ھم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامھم فی قلوبھم ولم یھاجروا (کبیر) و۷۹ (وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلا سکتا ہے اور جب نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی خاص حکمت ومصلحت ہی کے ماتحت ہوتا ہے) و۸۰ یعنی یہ تکلیفیں تو صرف نزع وسکرات کی ہیں۔ ابھی کیا ہے ابھی آگے چل کر عذاب جہنم کو برداشت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع وسکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنان دین کے لئے ہیں۔ مطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں الفاظ "غمرات" یا "سکرۃ" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کو مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت، غشی اور بے ہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ انسان جس شے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔ قال الواحدی ھذا یدل علی ان الانسان شیء مغایر لھذا الجسد (کبیر) يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۔ سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو اُدھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اُس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ فیہ معنی اخرا لطف منہ وھوان روح الکافر اذاخرج من جسدہ فھو معرض عن عالم الدنیا مقبل علی الاخرۃ وھو لکفرہ لایشاھد فی عالم الاخرۃ الا الظلمات فبسبب مفارقتہ لعالم الدنیا تحصل لہ الالام بعد الالام و بسبب اقبالہ علی الاخرۃ مع عدم النور والمعرفۃ ینتقل من ظلمات الی ظلمات فھا تان الجھتان ھما المراد من قولہ یضربون وجوھھم وادبارھم و۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے) بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ۔ تصریح کر دی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا کفر کے پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی اُن خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی جو وہ اپنے معبودوں کے جبار وظالم ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ و۸۱ (جس کی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادی قوت وتدبیر نہ بچا سکی) خدائے اسلام جس طرح ظالم وجابر نہیں اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضو معطل اور بے دست وپا بھی نہیں، کہ سب کچھ دیکھے اور محض دیکھتا رہ جائے، اُس کی گرفت بھی اُس کے مرتبہ عظمت وحرمت کے لحاظ سے شدید وبے پناہ ہوتی ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔ یہ تشبیہ کفر وعناد و مسلسل پر معذب ہونے میں ہے۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر ومشرک قومیں مراد ہیں جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔ و۸۲ یعنی جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت اُس سے مختلف نہ کر لے جو نزول نعمت کے وقت اُس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت پیدا کر لے نعمت اور خبث کا اجتماع خلاف حکمت الٰہی ہے۔ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا۔ یہ کہ بے جرم شدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ نِعْمَةً ۔ کا لفظ عام ہے دنیوی واخروی، مادی وروحانی، انفرادی وقومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آ گئیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوار وبرکات مقصودہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ و۸۳ چنانچہ وہ ہر تغیر قولی کو سن رہا ہے اور ہر تغیر فعلی کو جان رہا ہے۔ و۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر ونافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ یہ تشبیہ تغیر نعمت کے لحاظ سے ہے۔ یہ امر سب میں مشترک رہا۔

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ كَدَاْبِ

ہاتھوں نے سمیٹ ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں و۸۰ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیات الٰہی سے

اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ

کفر کیا سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر، بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے، سخت سزا دینے

الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً

والا ہے و۸۱ یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر

اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

کر چکا ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں، جو کچھ ان کے پاس ہے، و۸۲ اور بیشک اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، و۸۳ ان کی حالت فرعون والوں کی سی ہے اور ان لوگوں کی سی جو ان سے

قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ اِنَّ

اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا اور (وہ) سب (کے سب) ظالم تھے و۸۴ بیشک

شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا

بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ ایمان تو

يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

لاتے ہی نہیں جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے ہیں پھر بھی اپنا عہد وہ ہر بار

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝٥٦ فَاِمَّا

توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ۸۵ سو اگر

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے علاوہ ہیں،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝٥٧ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ

تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں ۸۶ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کی

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝٥٨ ع وَ لَا

طرف اسی طرح واپس کر دیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۸۷ اور

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝٥٩

کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۸۸

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ

اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور

رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ

پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ۸۹

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ

اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے ۹۰

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا

اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝٦٠ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ

دے دے گا اور تمہارے لئے (ذرا بھی) کمی نہ ہوگی ۹۱ اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف

ف۸۵ اشارۂ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جا کر انہی کے شریک ہو جاتے۔ قال ابن عباس هم قريظة (کبیر) شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کر لیا۔ بيّن تعالى انّ من جمع بين الكفر الدائم وبين نقض العهد على هذا الوجه كان شر الدواب (کبیر) مِنْهُمْ۔ میں مِن تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدہ ان کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔ ومن للتبعيض لان العهد انما كان يجري مع اشرافهم (قرطبی) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں ف۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے) لعلهم يعظون (کشاف) حتى لا يجسر عليك احد بعدهم اعتبارا بهم و اتعاظاً بحالهم (کشاف) تَثْقَفَنَّهُمْ۔ یعنی آپ ان پر قابو پا جائیں۔ فاما تصادفنهم وتظفرن بهم (کشاف) قال الليث يقال ثقفنا فلانا في موضع كذا اي اخذناه وظفرنا به (کبیر) فَشَرِّدْ بِهِمْ۔ یعنی ان کے واسطہ سے، انہیں نمونہ بنا کر انہیں پارہ پارہ کر دے۔ التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب (کبیر) والتشريد في اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) مَّنْ خَلْفَهُمْ۔ خلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے اور من، الذی کے مرادف ہے۔ اي من وراءهم (کشاف) من بمعنى الذي (قرطبی) ف۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے مطابق ہیں، اردو ادب میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ خدا خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے۔ اي اذا ظهرت آثار الخيانة وثبتت دلائلها (قرطبی) فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اس فریق کو کر دیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ امر واجب نہیں، تخییری ہے۔ اور امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی ابتداء مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔ لئلا يتوهموا انك نقضت العهد بنصب الحرب (جصاص) ف۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔ ف۸۹ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے) آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے، وہ یہ کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے، تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔ مِنْ قُوَّةٍ۔ قوة کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامان جنگ کی قوت، آلات حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آ گیا، یہاں تک کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی، وقد روي في القوة انها الرمي (جصاص) عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب (جصاص) عن الحكم بن عمير قال امر رسول الله ﷺ ان لا نحفي الاظفار في الجهاد وقال ان القوة في الاظفار وهذا يدل على ان جميع ما يقوى على العدو فهو مامور باستعداده (جصاص) اي من كل ما يتقوى به في الحرب كائنا ما كان (روح) صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ، اور ٹینک اور جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ وضمیمہ، ف۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی ان سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہوگی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو آ ہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں آ سکتی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں ان سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی وناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔ ف۹۱ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں حاصل کچھ نہ ہوگا۔ یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

تو (آپ کو اختیار ہے کہ) آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بے شک وہ خوب سننے والا ہے

الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

خوب جاننے والا ہے ف۹۲ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو

حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ۙ

اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی ف۹۳

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ

اور اس نے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ

جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ

کر ڈالتے جب بھی ان کے قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں اتحاد

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ

پیدا کر دیا بے شک وہ بڑا قدرت والا بڑا حکمت والا ہے، ف۹۴ اے نبی آپ کے لئے اللہ

اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ؑ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنہوں نے آپ کا اتباع کیا ہے ف۹۵ اے نبی

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

مومنین کو قتال پر آمادہ کیجیے ف۹۶ اگر تم میں سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ

بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں

ف۹۲ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکام خداوندی کے تحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہئے اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھئے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں۔ لیکن اصل اعتماد اللہ ہی پر رکھیے۔ اس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی باطن کو بھی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا۔ مراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔ فَاجْنَحْ لَهَا۔ ضمیر مؤنث السَّلْمِ کی جانب ہے۔ سلم مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔ السلم یذکر ویؤنث (ابوالبقاء) یذکر ویؤنث (لسان تاج) فَاجْنَحْ لَهَا۔ یہ حکم نہیں ہے صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔ صحیح ان الامر فی من تقبل منهم الجزية على ما يرى فيه الامام صلاح الاسلام واهله من حرب اوسلم وليس بحتم ان يقاتلوا ابدا ويجابوا الى الهدنة ابدا (روح) وعقد الصلح ليس بلازم للمسلمين وانما هو جائز بالفاقهم اجمعين (ابن العربی) ف۹۳ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے) اَنْ يَّخْدَعُوْكَ۔ یعنی اسی صلح ومصالحت کی آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔ یہ محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کید وخدع سے کامیابی ثابت نہیں۔ بِنَصْرِهٖ۔ کوئی خاص نصرت غیبی مثلاً نزول ملائکہ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔ ف۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی تفریقیں مٹ مٹا کر سب نصرت دین پر متحد و یکجا ہو گئے۔ بغیر اس یکجہتی کے نصرت دین پوری طرح پر ممکن ہی نہ تھی۔ اللہ کا خاص موقع احسان پر اس نعمت اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم وعظیم الشان ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحب حکمت، صاحب تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمت اتحاد واتفاق پر قادر نہ ہو پاتے۔ یہ تو محض فضل خداوندی کا کرشمہ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفت محمود کا پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں ف۹۵ (مرتبہ تحقیق میں صرف اللہ۔ اور درجہ ظاہری میں مومنین متبعین بھی۔ ف۹۶ (خواہ وہ طبعاً آمادہ ہوں یا نہ ہوں) حَرِّضِ۔ کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادہ قتال اور جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک اتہام تراش رکھا ہے، بلکہ انہیں قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اَلْقِتَالِ۔ واضح رہے کہ قرآن وشریعت نے اسلامی غزوات وجہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے ساتھ کید وخدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔

ع ۲

و٩٧ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مصر ہیں اور اس لئے امداد غیبی سے محروم ہیں اور بآسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا اعداد کی یہ نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو۔ اِنْ يَّكُنْ۔ سے دونوں جملے جو شروع ہوئے ہیں اُن سے مراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیشگوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت وقائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ قرار واجب ہے اور فرار حرام۔ عربی زبان اور بلاغت قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور وتاکید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ وان کان لفظه لفظ الخبر فمعناه الامر (جصاص) لیس المرادمنه الخبربل المراد الامر (کبیر) شرط فی معنی الامر (بیضاوی) قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ فتح وغلبہ میں بڑا دخل اعتقاد صحیح وثبات قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ عِشْرُوْنَ۔ مِائَتَيْنِ۔ مِائَةٌ...... اَلْفًا۔ بعض اہل تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوئے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امر جہاد موقوف ہے جماعت وفوج پر، یہ نہیں کہ ایک ایک، دو دو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ و٩٨ (اور جوش طبعی طور پر سرد پڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے) اَلْـٰٔنَ۔

لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ

جو کچھ نہیں سمجھتے و٩٧ اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ

فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

تم میں جوش کی کمی ہے و٩٨ سو (اب) اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں

يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ

تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ

اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے و٩٩ نبی کی شان کے لائق نہیں

يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۗ تُرِيْدُوْنَ

کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے تم لوگ دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ

مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ

بڑا حکمت والا ہے، و١٠٠ اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اس کے بارہ میں

اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی و١٠١ سو جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے اس کو حلال پاک

طَيِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا

سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے و١٠٢ اے

النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ

نبی ان قیدیوں سے کہہ دیجیے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو

یعنی ایک مدت کے بعد۔ پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان ایک خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خَفَّفَ۔ کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اوپر بیان ہو چکا۔ صرف مشقت تم پر گھٹا دی گئی۔ یعنی اب اگر تم تحمل نہ ہو سکو اور ذرا اکھڑ جاؤ تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔ ضَعْفًا۔ سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں بلکہ جوش وہمت کی کمی مراد ہے۔ لم یرد به ضعف القوی والابدان وانما المراد ضعف النیة لمحاربة المشرکین (جصاص) قال الخلیل الضعف فی العقل والرای (راغب) و٩٩ (تو مدار نصرت وتائید غیبی کا بھی صبر وثبات قدمی پر ہے) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کی قید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ غلبہ وکامیابی خود بخود مشین کی طرح نہ حاصل ہو جائے گی بلکہ تمام تر اذن الٰہی ہی کے طفیل میں ہوگی، اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی تو نصرت وغلبہ بھی نہ ہوگا۔ اس قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ مسبب حقیقی پر رکھنی چاہیے۔ و١٠٠ وہ جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالا مال کر دے اور جب اور جس کے لئے چاہے کسی حکمت کے تقاضے سے اس نتیجہ میں تاخیر کر دے۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکہ بدر کے بعد غنیم کے ٧٠ آدمی گرفتار ہو کر آئے۔ سپہ سالار اعظم ﷺ نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہل شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اُمت کو بڑی ضرورت روپیہ کی ہے اور مصالح ملت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ خود آپ بھی اپنی خُلقی رحم دلی کے مقتضاء سے اسی طرف مائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ چند تو قتل کئے گئے اور باقی فدیہ لے کر بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیئے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ۔ اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت ومقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پیمبر کو قتل وقتال اس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے۔ الی ان یعز الاسلام بذل الکفر واهله (تھانوی) یعنی حتی یذل الکفر باشاعة القتل فی اهله ویعز الاسلام بالاستیلاء والقهر (مدارک) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ فدیے لاکھ صالح ومتقی سہی بہر حال ان کی نظر سطحی اور محدود ہی ہو گی۔ یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنان توحید بالکل مقہور ومغلوب ہو جائیں ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق در جوق مسلمان ہونے لگیں۔ توریت کا قانون ایسے موقع پر یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے:۔ "جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے۔" (استثناء ٢٠: ١٣، ١٤) "انہوں نے بارہ ہزار مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ عاد کے باشندوں کو بچے کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہم بستر ہوئی ہوں ہلاک کر دینا۔" (قاضیون ٢١: ١١) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب معصوم تک کے لئے جائز ہے تو شیوخ غیر معصوم کے متعلق امتناع خطا کا اعتقاد کس درجہ غلو ہے فتیح ہے۔ و١٠١ قانون الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے تو اگر یہ قانون میں بتایا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی بھی تو تحت مواخذہ اور سزا کے قابل۔ ان لا یعذب احدا علی العمل بالاجتهاد وکان هذا اجتهادا منهم (مدارک) وهو ان لا یعاقب المخطی فی اجتهاده (بیضاوی) و١٠٢ چنانچہ شان غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کر دی۔ اس پر کچھ گرفت نہ کی۔ اور شان رحمت کے تقاضہ سے زر فدیہ کو تمہارے لئے حلال وطیب بھی قرار دے دیا۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہو گیا ہے اُس کے جائز وپاک ہونے میں شک وشبہ نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا اقتضاء یہ ہے کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط زیادہ رکھو گے۔

اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ

تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا وسا۱۰

وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا

اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وسا۱۰ اور اگر یہ آپ سے خیانت کرنے کا

خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں پھر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا وہ۱۰

وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا

اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، و۱۰۶ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں و۱۰۷

وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں و۱۰۸

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث

مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں و۱۰۹ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں

فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ

دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا و۱۱۰ بجز اس کے کہ اس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور

وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیْنَ

تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو و۱۱۱ اور جو لوگ

و۱۰۳ (اسی دنیا میں) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکہ بدر کے بعد فدیہ میں ۲۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً دس روپے کا ہوتا ہے گویا ۲۰ اوقیہ تقریباً ۲۰۰ کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں اور ہر غلام مالدار ہے پس دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہو گیا۔ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا۔ اس سے مراد ایمان ہے مع خلوص ایمان وصحة نیة (مدارک) ایمانا و اخلاصا (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا و آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت میں یا مقامات باطنی کی صورت میں۔ و۱۰۴ (اور ان صفات کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے اور اس ٹکڑے میں اخروی انعام کا۔ و۱۰۵ (اور ان کی خیانت کو چھپنے نہ دیا) مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی نیت خالص نہ بھی ہو، اور ان کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو، جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے۔ اللہ ان کی چالاکی چلنے نہ دے گا۔ اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرا دے گا جیسا کہ اس کے قبل جنگ بدر میں کر چکا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ۔ یعنی یہ اگر دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ خیانة کا لفظ وسیع ہے۔ ہر قسم کی چالاکی اس کے تحت میں داخل ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ۔ اور آپ کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آ چکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ۔ یعنی اللہ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ مثلاً معرکہ بدر میں۔ امکن الظفر کے علیهم جسما رایت فی البدر (روح) و۱۰۶ چنانچہ وہ خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ایسی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں۔ و۱۰۷ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے۔ یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لے کر ایمان لائے۔ پھر ترک وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے علوقات وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے۔ پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا۔ پھر اپنی جانوں کو معرکہ قتال میں پیش کر دیا۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ کی قید بڑی اہم اور لازمی ہے۔ وطن و قوم کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں کہنا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے۔ و۱۰۸ (جب تک کوئی مستقل قانون وراثت نازل نہیں ہوتا) قانون وراثت (سورۃ النساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہو گیا۔ اور اس کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔ ثم نسخ الله ذلک بفتح مكة والمیراث بالقرابة سواء كان الوارث فی دار الحرب اوفی دار الاسلام لسقوط اعتبار الهجرة بالسنة (ابن عربی) عن ابن عباس قال كان المهاجر لا یتولی الاعرابی ولا یرثه وهو مومن ولا یرث الاعرابی المهاجرفنسختها واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض (جصاص) وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا۔ یہ مدح انصار مدینہ کی ہو رہی ہے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انہیں آسائش پہنچا پہنچا کر پردیس ان کے لئے دیس بنا دیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ ولایت سے یہاں مراد وارثت میں حصہ ہے۔ فی هذا دلالة علی ان اطلاق لفظ الموالاة یوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدی عن ابن عباس والمفسرین كلهم ان المراد هو الولایة فی المیراث (کبیر) فی المیراث علی ما هو المروی عن ابن عباس والحسن ومجاهد والسدی وقتاده (روح) و۱۰۹ آغاز اسلام میں ہجرت لوازم ایمان میں سے تھی مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی نہ تم ان کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتاده ذلک فی المیراث (بحر) معناه نفی الموالاة فی التوارث (بحر) حَتّٰی یُهَاجِرُوْا۔ چنانچہ جب انہوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہو گئے۔ ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولیٰ اور موجب اجر عظیم ہے۔ ولقد كانت الهجرة فرضا حین هاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان فتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مكة (جصاص) و۱۱۰ اِسْتَنْصَرُوْكُمْ۔ کے فاعل غیر مہاجرین ہیں یعنی دین کے باب میں یا قتال کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمہیں دینا واجب ہے۔ و۱۱۱ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے تو بجز عہد تک مدد نہ دی جائے گی، البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد تو ڑنا کب واجب ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ و احکام میں ملے گی۔ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ اللہ کے عالم کل اور بصیر مطلق ہونے کا استحضار تمہیں ہر نقض عہد، ہر بے احتیاطی سے روکے گا۔

و۱۱۲ (اور تم نہ ان کے وارث، نہ وہ تمہارے وارث) دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔ ولایۃ کے معنی اس بیان میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراک عداوت اسلام کے ہیں کہ یہود اور نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں سب ایک ہو گئے۔ الحق ان یقال ان کفار قریش کانوا فی غایۃ العداوۃ للیھود فلما ظھرت دعوۃ محمد ﷺ تناصروا وتعاونوا علی ایذائہ ومحاربتہ فکان المراد من الایۃ ذلک (کبیر) و۱۱۳ (کیونکہ باہمی توارث سے سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل وعلیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت وشوکت حاصل نہ ہوگی) اِلَّا تَفْعَلُوْهُ۔ یعنی اگر اس حکم عدم توارث پر عمل نہ کیا اور باوجود تخالف دین، محض قرابت کی بنا پر مومن وکافر میں علاقہ توارث قائم رکھا۔ اے الا تفعلوا ما امرتکم بہ من تواصل المسلمین وتولی بعضھم بعضا (کشاف) ای تولی المسلمین وقطع الکفار (جلالین) یعنی ان لا تفعلوا ما امرتم بہ فی ھاتین الایتین من ایجاب الموالاۃ والتناصر والتوارث بالاخوۃ والھجرۃ ومن قطعھا بترک الھجرۃ (جصاص) تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ شوکت وقوت اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ وفساد عالم کا سرمایہ ہے۔ و۱۱۴ (جنت میں) آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے جو دنیا میں سارے مراتب ایمان بجا لے آئے۔ اَلَّذِيْنَ ...... فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی طبقہ مہاجرین جنہوں نے ایمان، ہجرت وجہاد کا حق ادا کر دیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا۔ یعنی گروہ انصار جنہوں نے نصرت مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتب ایمان کے طے کر جانے والے، لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔ مغفرۃ کا صیغہ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پورے کمال پر ہوگی۔ وتنکیر لفظ المغفرۃ یدل علی الکمال والمعنی لھم مغفرۃ تامۃ کاملۃ عن جمیع الذنوب والسیات (کبیر) و۱۱۵ (باعتبار احکام شرعی کے) مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں باعتبار فضل ومرتبہ جو کچھ بھی فرق ہو، باعتبار احکام شرعی سب برابر ہیں۔ و۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں یا ان مہاجرین سابق کے قرابت دار ہوں وہی حقدار میراث کے ہیں نہ کہ غیر قرابت دار خواہ فضل ومرتبہ میں یہ غیر قرابت دار ہی بڑھے ہوئے ہوں۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ۔ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے یا مہاجرین سابق سے ہے۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی حکم شرعی میں۔ اے فی حکمہ وقسمتہ (کشاف) اے فی حکمہ او فی اللوح المحفوظ (روح) یہ حکم فتح مکہ کے بعد سے باقی نہیں رہا۔ اب میت کا وارث مسلمان عزیز ہی ہوگا خواہ وہ کہیں ہو۔ و۱۱۷ (اور اسی نے ہر وقت کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکام میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پورا لحاظ رکھ لیا ہے)

كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ

کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں و۱۱۲ اگر یہ نہ کرو گے تو

فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا و۱۱۳ اور جو لوگ ایمان لائے

وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

اور انہوں نے ہجرت (بھی) کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

(انہیں) رہنے کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ تو ہیں پورے پورے مومن، ان کے لئے

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مغفرت اور معزز روزی ہے و۱۱۴ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں

وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا

اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں شامل ہیں و۱۱۵ اور (ان میں کے)

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

قرابت دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں و۱۱۶ کتاب اللہ کے نوشتہ میں بے شک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے و۱۱۷

اٰیاتها ۱۲۹ ۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ رکوعاتها ۱۶

اس میں ۱۲۹ آیتیں سورۂ توبہ مدنی ہے اور ۱۶ رکوع ہیں و۱

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

قطعی بیزاری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد

و۱ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں۔ حضرت عثمان ؓ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتب ہونے لگا تو اس سورت میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء۔ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسول اللہ ﷺ سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمان ؓ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کر لی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بہ صورت بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔ فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاس شرعی ایک مستقل حجت ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورہ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال سے مشابہ پا کر ایک کو دوسرے سے ملحق کر دیا۔ اور جب خود تدوین قرآن میں قیاس شرعی سے کام لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔ ھذا دلیل علی ان القیاس اصل فی الدین الا تری الی عثمان واعیان الصحابۃ کیف لجئوا الی قیاس الشبہ عند عدم النص ورأوا ان قصۃ براءۃ شبیھۃ بقصۃ الانفال فالحقوھا بھا فاذا کان اللہ تعالٰی قد بین دخول القیاس فی تالیف القراٰن فما ظنک بسائر الاحکام (قرطبی) ”اور یہ جو حضرت علی ؓ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں، بطور نکتہ کے ایک حکمت ہے“۔ (تھانوی) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورۂ براءۃ میں چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لئے اس میں بھی مذاق عرب کی رعایت رکھی گئی اور حضرت علی ؓ نے جب اسے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ قیل کان من شان العرب فی زمانھا فی الجاھلیۃ اذا کان بینھم وبین قوم عھد فارادوا نقضہ کتبوا الیھم کتابا ولم یکتبوا فیہ بسملۃ فلما نزلت سورۃ براءۃ بنقض العھد الذی کان بین النبی ﷺ والمشرکین بعث بھا النبی ﷺ علیا فقرأھا علیھم فی الموسم ولم یبسمل فی ذلک علی ما جرت بہ عادتھم فی نقض العھد من ترک البسملۃ (قرطبی)۔

ف۲ (بلاتعیین مدت) مسلمانوں نے مشرک قبائل عہد سے معاہدے کر رکھے تھے۔ بعض سے میعاد معین کے لئے بعض سے غیر میعادی۔ یہاں انہی آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔ براءۃ کے معنی ترک موالات ورفع امان کے ہیں۔ البراءة هي قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامن (جصاص) معنى البراءة انقطاع العصمة (کبیر) مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدہ ختم۔ بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ براءۃ کی تنوین تفخیم کے لئے ہے۔ یعنی کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ التنوين للتفخيم (روح) الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ۔ صیغہ جمع۔ حالانکہ معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ ﷺ تھے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت آمر و حاکم آپ کا فعل حکما ساری امت کا فعل تھا۔ ولم يعاهدهم الا النبي ﷺ وحده ولكنه كان الآمر والحاكم وكل ما امر به اواحكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعني الى الذين عاهدهم رسول الله ﷺ لانه كان المتولي للعهود واصحابه كلهم بذلك راضون وكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی) ف۳ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اس کی مشیت پر غالب آ جاؤ) یہاں پر بتا دیا کہ یہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے یہ نہیں کہ اس میں قادر مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو۔ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری

مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَؕ ۝۱ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ

کر رکھا تھا ف۲ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ

اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ

چل پھر لو اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ف۳ بلکہ اللہ ہی

مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ۝۲ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ

کافروں کا رسوا کرنے والا ہے ف۴ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ

لوگوں کے سامنے بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ

دست بردار ہیں ف۵ پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ف۶

وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ

اور اگر تم روگردانی کئے رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ف۷

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ

اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجیے ف۸ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے

مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَمْ

مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ

یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی

تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک

مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ

پورا کرو ف۹ بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے ف۱۰ سو جب حرمت والے

میں شامل ہو جاؤ یا اس جغرافی مرکز توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ عین عتاب کے موقع پر اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے۔ انہیں مہلت پورے ۴ مہینہ کی دے رہا ہے۔ یہ چار مہینہ کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ عام چار محترم مہینہ تو ظاہر ہے کہ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم ہیں۔ لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں۔ اس بنا پر کہ آیت کا زمانہ نزول زمانہ شوال ہے۔ وهي شوال وذو القعدة وذو الحجة والمحرم عند الزهري لان الآية نزلت في المشهر الاول (روح) فَسِیْحُوْا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں۔ اب خطاب براہ راست کافروں سے شروع ہو گیا قل محذوف ہے۔ اے سیروا هي المسياحة (ابن العربی) رجع عن الخبر الى الخطاب اے قل لهم سيحوا (قرطبی) ف۴ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی الٹا انہیں رسوا کر کے رہے گا۔ اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا۔ باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ قال ابن عباس بالقتل في الدنيا والعذاب في الآخرة (کبیر) آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلا دیا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ کر رہیں گے۔ قال الزجاج هذا ضمان من الله عزوجل لنصرة المؤمنين على الكافرين (کبیر) ف۵ یعنی انہیں امن دیئے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ اِلَی النَّاسِ۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آ گئے۔ الناس ههنا جميع الخلق (قرطبی) مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ مشرکین سے سیاق آیت میں مراد وہی مشرکین ہیں جو نقض عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ۔ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں۔ کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف حج اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔ هذا هو الحج الاكبر لان العمرة تسمى الحج الاصغر (کبیر) قال مجاهد الحج الاكبر القران والحج الاصغر العمرة (ابن العربی) قال القاضي اذا نظرنا في هذا الاقوال فالمنقح منها ان الحج الاكبر الحج كما قال مجاهد (ابن العربی) اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں مراد ۹ ہجری کا یوم الحج ہے جو یوم الحج کی اصطلاح ۹ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں۔ ثبت الحج في اليوم التاسع من ذي الحجة وهو يوم عرفة والنحر يوم العاشر منه (جصاص) قال ابن عباس في رواية عكرمة انه يوم عرفة وهو قول عمر وسعيد بن المسيب وابن الزبير وعطاء وطاؤس ومجاهد واحدى الروايتين عن علیؓ (کبیر) قيل يوم عرفة روي عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاهد وهو مذهب ابي حنيفة وبه قال الشافعي (قرطبی) لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ۱۰ ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔ یہ اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام قبائل عرب کے روبرو کیا تھا۔ امیر الحج اس سال رسول اللہ ﷺ نے اپنے بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ۔ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار تو امت کو حاصل رہتا ہے لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں بلکہ خود اللہ اور رسول کی جانب کیا جا رہا ہے۔ ف۶ یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجات اخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔ فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر اپنے عقاید کفر و شرک سے اب بھی توبہ کر لو۔ اے عن الشرک (قرطبی) ف۷ (کہ اس کے قبضہ قدرت سے کہیں نکل بھاگو) فانه محيط بكم ومنزل عقابه عليكم (قرطبی) ف۸ اس عذاب سے مراد عذاب آخرت ہے۔ ف۹ (اور اپنی طرف سے ذرہ عہد شکنی نہ ہونے دو) لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا۔ یعنی اپنی طرف سے اس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے، تو وہ ناقض عہد ہو گیا۔ يدل على ان المعاهد متى عاون علينا عدونا فقد نقض عهده (جصاص) ف۱۰ (اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاء عہد بھی ہے)۔

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

مہینے گزر لیں اس وقت ان مشرکوں کو قتل کرو جہاں کہیں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا

تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو باندھو اور ہر گھات کے موقع پر ان کی

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

تاک میں بیٹھو وٖ۱۱ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں

وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وٖ۱۲

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجیے تاکہ

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

وہ کلام الٰہی سن سکے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے یہ (حکم مہلت) اس سبب سے ہے

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ

کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے وٖ۱۳ (ایسے عہد شکن) مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ

عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

واجب رہے گا، مگر ہاں جن لوگوں سے تم نے عہد لیا

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ

مسجد حرام کے نزدیک وٖ۱۴ سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو وٖ۱۵ کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابل رعایت رہے گا) جب کہ یہ حال ہے کہ اگر وہ کہیں

وٖ۱۱ غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔ واقعدوا سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت احصروھم کے لئے ہے۔ لیس معناہ حقیقة القعود بل المراد ترقبهم وترصدهم (روح) واحصروهم ای امنعوهم عن الخروج اذا تحصنوا منكم بحصن (عن ابن عباس۔ روح) اَلْمُشْرِكِيْنَ۔ عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب، عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنہوں نے اپنے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غداری کی۔ تبین ان المراد بالاية اقتلوا المشركين الذين يحاربونكم (ابن العربی) ای المشركين الناكثين (بیضاوی) الذين نقضوكم وظاهروا عليكم (مدارک) حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔ من حل او حرم (مدارک) عام فی كل موضع وخص ابو حنيفة المسجد الحرام (قرطبی) وَ خُذُوْهُمْ۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی کہ یا انہیں قتل کیا جائے یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔ الاخذ هو الاسر والاسر انما يكون للقتل او الفداء او المن على ما يراه الامام (قرطبی) وٖ۱۲ (چنانچہ ایسے ایسے مجرموں کی بھی معافی کا حکم دے دیا اور ان کی جان بچالی) فَاِنْ تَابُوْا۔ یہ توبہ عقاید کفر و شرک سے ہونی چاہیے۔ ای عن الكفر (مدارک) ای من الشرك (قرطبی) وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ بعینہٖ یہی دو عمل مراد نہیں" یہ دونوں عمل تو بطور نمونہ کے ہیں مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں۔ فقہائے مفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز کا پڑھنا (جو اپنے وقت ہی پر واجب ہو گی) اور زکوٰۃ دینا (جس کی ادائگی سال بھر گزرنے ہی پر ہو گی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد ہے۔ لا خلاف انهم لو قبلوا امر الله فی فعل الصلوٰة والزكوٰة ولم يكن الوقت وقت صلاة انهم مسلمون وان دماءهم محظورة فعلمنا ان شرط الزوال القتل عنهم هو قبول اوامر الله والاعتراف بلزومها دون فعل الصلوٰة والزكوٰة (جصاص) اكتفی بذكرهما لكونهما رئيسی العبادات البدنية والمالية (روح) فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ چنانچہ اب اُن کے لئے حکم قید، قتل وغیرہ کا نہ رہے گا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اسی لئے یہ عدم اخذ وحصر اور "تخلیۂ سبیل" کا حکم انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلم ہے۔ وٖ۱۳ (بس انہیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے) اس علیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدار حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو اور بے خبری ولاعلمی کا کوئی قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی انہی واجب القتل مشرکین میں سے۔ ای من الذين امرتك بقتالهم (قرطبی) حتی کو یہاں بجائے "یہاں تک" کے "تاکہ" کے معنی میں لینا اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہو گا۔ حتی للتعليل (روح) يصح ان تكون للتعليل (بحر) يَسْمَعَ۔ سماع سے یہاں مراد محض سماع آواز نہیں بلکہ فہم و تدبر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد ہے۔ والمراد بالسماع الفهم (بحر) ويتدبره (مدارک) ليس يريد مجرد الاصغاء فيحصل العلم له بظاهر القول وانما اراد به فهم المقصود من دلالته على النبوة (ابن العربی) ای يفهم احكامه واوامره ونواهيه (قرطبی) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل دین حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ كان علينا اقامة الحجة وبيان توحيد الله وصحة نبوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جصاص) ويطلع على حقيقة الامر (مدارک) ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حربی امن گزین کو چھیڑا ستایا نہ جائے۔ بلکہ اُس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی جائے۔ فيه دليل على ان المستامن لا يؤذی (مدارک) يدل على ان على الامام حفظ هذا الحربی المستجير وحياطته ومنع الناس من تناوله بشر (جصاص) ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔ وفی هذا دليل ايضا على ان على الامام حفظ اهل الذمة والمنع من اذيتهم والتخطی الى ظلمهم (جصاص) یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دار الاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ اُسے چاہیے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔ وفيه الدلالة على انه لا يجوز اقرار الحربی فی دار الاسلام مدة طويلة وانه لا يترك فيها الا بمقدار قضاء حاجته (جصاص) یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا واجب ہے۔ فيه الدلالة ايضا على ان علينا تعليم كل من التمس منا تعريفه شيئا من امور الدين (جصاص) وٖ۱۴ (اور اُن سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے) الْمُشْرِكِيْنَ۔ سے مراد یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ المراد من المشركين الناكثون (روح) كَيْفَ۔ یہاں استفہام کے معنی میں نہیں، استنکار کے معنی میں ہے اور اظہار تعجب کے لئے ہے استفهام بمعنی الانكار والاستبعاد (کشاف۔ بیضاوی) كيف هنا للتعجب كما تقول كيف يسبقنی فلان ای لا ينبغی ان يسبقنی (قرطبی) وٖ۱۵ (اور تقویٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔ ولم يظهر منهم نكث۔ ای فما اقاموا على وفاء العهد (مدارک) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدت عہد پوری کرو۔

لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا تمہیں پرچارہے ہیں (صرف) اپنی زبانی باتوں سے

وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ

اور ان کے دل انکار کئے جا رہے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعمل ہی ہیں و۱۶ انہوں نے آیات الٰہی کے معاوضہ میں

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

بضاعت قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، بے شک بہت برا ہے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا

جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، و۱۷ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس کریں

وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا

اور نہ قول و قرار کا، اور یہ لوگ ہی ہیں زیادتی کرنے والے و۱۸ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي

اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے

الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَ اِنْ

دین میں و۱۹ اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں و۲۰ اور اگر

نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ

یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر

دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ

طعن کریں تو تم قتال کرو (ان) پیشوایان کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

تاکہ یہ لوگ باز آجائیں و۲۱ تم ویسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا

و۱۶ (اورفسق وبدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے) گویا ان مشرک جاہلیوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔ اِلًّا۔ اِل کے معنی قرابت وعزیزداری کے ہیں۔ الالّ علی ماروی عن ابن عباس الرحم والقرابة والی ذلک ذهب الضحاک (روح) فٰسِقُوْنَ۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہے، یہاں مقصود ان کی بد اعمالی خصوصاً عہد شکنی کو نمایاں کرنا ہے۔ ای ناقضون العهد وکل کافر فاسق ولكنه اراد هٰهنا المجاهرین بالقبائح ونقض العهد (قرطبی) و۱۷ یعنی انہوں نے احکام الٰہی کی لازوال دولت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاعِ ناپائدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لِم بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو اُن کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔ و۱۸ (اور اس لیے ہرگز قابل اعتماد نہیں) لَا يَرْقُبُوْنَ۔۔۔ الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ سو اخذ ہ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے۔ جس کے جوہر بلا قید ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اُس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول وقرار کا پاس بہرحال کرتا ہے۔ یہ ننگ انسانیت معاندین اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرے سے تکرار ہی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں، قال النحاس لیس هذا تکریرًا ولكن الاول لجمیع المشرکین والثانی للیهود خاصةً (قرطبی) و۱۹ یعنی اگر یہ لوگ عقاید کفر وشرک سے اپنی تبرّیٰ کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کرلیا جائے گا اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ اسلامی برادری کے جزء سمجھے جائیں گے اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ اور اب ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔ یدل علی من اظهر لنا الایمان واقام الصلوٰة واتی الزکوٰة فعلینا موالاته فی الدین علی ظاهر امره مع وجودان یکون اعتقادهٗ فی المغیب علی خلافه (جصاص) فَاِنْ تَابُوْا۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کرلیں اور احکام اسلام پر قائم ہو جائیں۔ ای عن الکفر (مدارک) عماهم علیه من الکفر وسائر العظائم کنقض العهد وغیره (روح) ای عن الشرک والتزموا احکام الاسلام (قرطبی) وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ یعنی اعمال ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا ان کی فرضیت کا اقرار کرے۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے اور اُمت کا ایک رکن بن جانے کے لئے صرف اس قدر کافی ہے۔ اس سے زاید کے مطالبات کو جزء لازمی سمجھنا محض تعمق وتشدد ہے۔ فی الدین نے اسے بھی صاف کردیا کہ یہ اخوت وہمسری دین کے لحاظ سے ہوگی، اور فقہاء نے جو بحث کفوکی کی ہے۔ اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔ ای لا فی النسب (مدارک) و۲۰ (کہ وہ سوچیں سمجھیں، غور وتدبر سے کام لیں) ای یفهمون فیتفکرون فیه (مدارک) و۲۱ (اپنے عقاید کفریہ سے) وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ۔ یعنی یہ عہد شکنی کرکر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ یہ علامت مزید اُن کے کفر وعناد کی ملی۔ طعن کے لغوی معنی نیزہ مارنے کے ہیں۔ طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے وعقیدہ پر نہیں ہوتا۔ طعن کہتے ہی ایسی بات کو ہیں جو دل کو چھید دے زخمی کردے، طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہل دین کی دلآزاری۔ ایسی زبان درازی اس "روشن خیال" بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔ ذمی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، معاہدہ اُس سے نکل جاتا ہے، اور اس کا قتل جائز ہوجاتا ہے۔ اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنًا ظاهرًا جاز قتله، لان العهد معقود معه علٰی ان لا یطعن فاذا طعن فقد نکث عهدهٗ وخرج من الذمه (مدارک) فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ سرداروں کی تصریح اہتمام وخصوصیت وتاکید کے لئے ہے۔ ان کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر اور یا مطیع ومنقاد ہونے لگیں گے۔ ای فقاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانهم هم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر) تخصیصهم بالذکر لان قتلهم اهم لا لانه لایقتل غیرهم (روح) سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو:۔ "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کرے گی خواہ وہ مسافر ہو، خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ۲۴:۱۶) آیت سے ظاہر ہورہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہوجائے گا۔ فیه دلالة علی ان اهل العهد متی خالفوا شیئًا مما عوهدوا علیه وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العهد (جصاص)۔

وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور انہوں نے تمہارے مقابلہ میں خود ہی ابتدا کی پہلے پہل ف٢٢

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حق دار ہے اس کا کہ اس سے ڈرو اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

ایمان والے ہو ف٢٣ ان سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے دلوں کو

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ

ٹھنڈا کرے گا ف٢٤ اور ان کے دلوں سے جھنجلاہٹ کو دور کرے گا ف٢٥ اور اللہ جس پر وہ چاہے گا

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ

رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف٢٦ کیا تمہارا یہ خیال ہے

اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ

کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو تم میں سے جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا

يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو گہرا دوست

وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ؑ مَا كَانَ

نہ بنایا اور اللہ کو خبر ہے اس (سب) کی جو تم کرتے رہتے ہو ف٢٧ مشرکین اس

لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى

لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درآنحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی

ع

ف٢٢ وہ یوں کہ تمہاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔ ف٢٣ ایمان والوں کو ان کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ کافروں مردودوں سے ڈرنا ہی کیا۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ۔ کیا تم ان سے اس لیے ڈرتے ہو کہ یہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ف٢٤ (کافروں کی ہزیمت اور تمہاری نصرت سے) يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ اعداء دین کو دنیا میں سزا خادمان دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے اور یہ انسان عذاب الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعدائے دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا امر طبعی بلکہ امر محمود ہے ف٢٥ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کڑھا کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امور طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں چنانچہ بیان صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے ف٢٦ (چنانچہ اپنے علم کامل سے سب کا حال جان کر اپنی حکمت کاملہ سے سب کے مناسب حال احکام جاری فرمائے) يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا، ایمان کی توفیق دے دے گا۔ ف٢٧ اَنْ تُتْرَكُوْا۔ یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان و آزمائش چھوڑ دیے جائیں گے۔ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی تحقیقی اور ازلی ہے۔ لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں، علم الٰہی کا تعلق فعلی ان سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو یہاں لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ سے تعبیر کیا ہے۔ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ اس سے فقہاء نے حجیت اجماع اور اتباع مومنین کا استنباط کیا ہے۔ يقتضي لزوم اتباع المومنين وترك العدول عنهم كما يلزم اتباع النبي ﷺ وفيه دليل على لزوم حجة الاجماع (جصاص)

اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی

گواہی دے رہے ہوں ف۲۸ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جا چکے اور

النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ

دوزخ میں وہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۲۹ اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ

جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور روز آخرت پر، اور پابندی کرتے ہوں نماز کی، اور زکوۃ دیتے رہتے ہوں

وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا

اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگ امید ہے کہ

مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

راہ یاب ہو جائیں ف۳۰ کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

آباد رکھنے کو (برابر) قرار دے لیا ہے اس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور روز آخرت پر

وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور اس نے جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

راہ نہیں دکھاتا ظالم لوگوں کو ف۳۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ

اور اللہ کی راہ میں جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے کیا

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ف۳۲

ف۲۸ یعنی ایسے عقاید کا اقرار کر رہے ہوں جو داخل کفر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقاید شرکیہ کے ساتھ تعمیل آبادیٔ مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے۔ یہ اگر آبادی مساجد کریں بھی تو اس سے انہیں کیا نفع حاصل ہوگا؟ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس کے لائق ہی نہیں۔ انہیں اس سے روکا جائے گا۔ اے لا ینبغی لهم ولا یلیق وان وقع (روح) ما ینبغی للمشرکین بالله ان یعمروا مساجد الله التی بنیت علی اسمه وحده لا شریک له (ابن کثیر) ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد الله اوجب علی المسلمین منعهم من ذلک لان المساجد تعمر لعبادة الله وحده (معالم) اَنْ یَّعْمُرُوْا۔ عمارۃ۔ عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، ان میں داخل ہونا، ان کی تعمیر کرنا، ان کی خدمت کرنا سب کچھ آگیا۔ بعض نے عمارت سے مراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اس کی مرمت وغیرہ مراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے۔ چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کر جائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔ ذهب جماعة الی ان المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب فیمنع منه الکافر حتی لو اوصی به لا یتمثل (معالم) بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مراد لی ہے۔ وحمل بعضهم العمارة ههنا علی دخول المسجد والقعود فیه (معالم) مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آگئی۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی و خادم ہونے کے لائق نہیں، فاقتضت الاٰیة منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولی مصالحها والقیام بها (جصاص) البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اس کافر کے ہاں خود اس کے مذہب کی رو سے تعمیر مسجد میں اجر ہے اور اسے تعمیر مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائے گی۔

ف۲۹ (کہ یہ خلود عذاب سزائے موعود ہے کفر کی) اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی ایمان جو قبول اعمال کی بنیاد ہے وہی ان کے ہاں معدوم ہے۔ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلود عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی، یعنی صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔ واحتج اصحابنا بهذه الاٰیة علی ان الفاسق من اهل الصلوة لایبقی مخلداً فی النار (کبیر) ف۳۰ (اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں جو نجات اور جنت ہے) اے الی الجنة وما اعد الله تعالی فیها لعباده (روح) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یہ بیان ہوا ان کے بنیادی عقاید کا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ یہ بیان ہوا ان کے اعمال واحوال کا۔ عسی کے لئے اوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے تو اس میں معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا احتمال باقی نہیں رہتا۔ عسی من الله واجب (معالم) وعسی من الله واجبة عن ابن عباس وغیرها (قرطبی) وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، یہ مراد نہیں کہ جن چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے ان میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔ اے فی ابواب الدین فان الخشیة عن المحاذیر جبلیة لایکاد العاقل یتمالک عنها (بیضاوی) واما الخوف الجبلی عن الامور المخوفة فلیس من هذا الباب ولا هو مما یدخل تحت التکلیف (روح) المراد من هذه الخشیة الخوف والتقوی فی باب الدین وان لایختار علی رضاء الله رضا غیره (کبیر) المعنی ولم یخش الا الله مما یعبد (قرطبی) اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو ان سے حسن ظن رکھنا لازم ہے۔ ولذا قال بعض السلف اذا رأیتم الرجل یعمر المسجد فحسنوا به الظن (قرطبی) اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابو سعید الخدری صحابی ﷺ کی روایت سے موجود ہے کہ اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدوا له بالایمان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔ ف۳۱ کہ جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کہاں ایمان صحیح و کامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقاد صحیح محض سقایۂ حجاج و خدمت حرم! کہاں مومن کامل و مجاہد اور کہاں غیر مومن ساقی حجاج! کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی مقدس تھا اس کی خدمت اور اس کے زائروں کی خدمت سرداران قریش نے بھی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس ﷺ بن عبد المطلب نے اپنے زمانہ کفر میں اور شیبہ نے حضرت علی ﷺ کے مقابلہ میں اپنی خدمات کعبہ و زائرین کعبہ پر فخر کیا تھا۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے یا مشرکین۔ من اٰمن سے قبل عمل محذوف ہے۔ اے اجعلتم عمل من سقی الحجاج کعمل من اٰمن (قرطبی) ف۳۲ یہاں یہ بتایا ہے کہ اصل شے تو ایمان باللہ اور اقرار توحید ہے۔ اور پھر جو اس پر ہجرت و جہاد کا اضافہ کرے اس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانہ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکز توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو درجہ و مرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ والمراد انهم قدروا لانفسهم الدرجة بالعمارة والسقی فخاطبهم علی ما قدروه فی انفسهم وان کان التقدیر خطأ (قرطبی)

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ

انہیں ان کا رب خوش خبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور (ایسے) باغوں

لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ

کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی ف۳۳ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے،

اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ف۳۴ اے ایمان والو

تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

کفر سے ایمان کے مقابلہ میں محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو ایسے ہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ

لوگ تو ظالم ہیں ف۳۵ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے

وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ

اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور وہ مال

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ

جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ

تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ف۳۶ اور اللہ

ف۳۳ اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعامات جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔ استعارۃ للدائم (روح) رحمۃ اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت وکثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمۃ والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر) ف۳۴ یہاں خلود کے ساتھ اَبَدًا ۔ کی بھی تصریح کر دی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانہ طویل کے بھی آتے ہیں۔ اکد الخلود بالتابید لانہ قدیستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہوگئی ہے کہ اجر جنت عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبت طبعی مراد نہیں ہے وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے۔ قید صرف یہ لگا دی ہے کہ وہ محبت طبعی عمل میں محبت ایمانی پر غالب نہ آنے پائے، مغلوب ہی رہے اور غالب ہمیشہ ہر معاملہ میں محبت ایمانی رہے۔ ف۳۵ (خود اپنے حق میں) ہجرت کی راہ میں عموماً انہی عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہو جاتی تھی، شریعت نے ایسی اور اس درجہ کی محبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۔ یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو تو اس مصلحت سے اس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہوں گے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے۔ قال ابن عباس ھو مشرک مثلھم لان من رضی بالشرک فھو مشرک (قرطبی) ف۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترک ہجرت کا ہوگا) اَحَبَّ اِلَيْكُمْ ۔ نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کر دیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آ چکا ہے یعنی عزیزوں کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکام شریعت کی تعمیل میں سدراہ بننے لگے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔ وفی الاٰیۃ دلیل علی وجوب حب اللہ ورسولہ ولا خلاف فی ذلک بین الامۃ (قرطبی) مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۔ سے مراد من العمل بِاَمرِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۔ ہے یعنی احکام خدا اور رسول پر عمل سے عزیز تر۔ وفی الکلام حذف ای احب الیکم من امتثال امر اللہ تعالٰی ورسولہ (بحر) اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ ۔ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہ سب عزیز قریب چھوٹ جائیں گے۔ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا ۔ دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال واملاک تلف ہو جائیں گے، تجارت کا انتظام وسلسلہ بگڑ جائے گا۔ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ۔ تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ راحت وآسائش کے گھربار چھوٹ جائیں گے۔ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ۔ ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے۔ مسلمان کو تو جہاد تک کو ہر دنیوی ومادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔ فَتَرَبَّصُوْا ۔ ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید وتخویف ہوتی ہے۔ صیغتہ صیغۃ امر ومعناہ التھدید (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

ف۳۷ چنانچہ انہیں ان مرغوبات و مالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے بھی خلاف توقع ان کی موت لے آتا ہے بھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کرتا ہے۔ ف۳۸ جیسے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علی ہذا۔ نصرت غیبی و تائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے ۱۸۰ ایسے موقع گنائے ہیں۔ وان ائمۃ التاریخ و علماء المغازی نقلوا انما کانت ثمانین موطنا (بحر) حنین، طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالباً ۳ میل کے فاصلہ پر، فتح مکہ کے دو ہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیر انداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۶ شوال ۸ ہجری مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔ ف۳۹ مسلمان فتح مکہ کے ۲ ہزار طلقاء یعنی جدید العہد نو مسلموں کو ملا کر ۱۲ ہزار کی تعداد میں تھے مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے چنانچہ اول اول ہوئی بھی مسلمانوں کو فتح۔ مشرکین بھاگے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، مشرکین موقع دیکھ پلٹ پڑے اور تیر اندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے۔ مشرکین کے تیر انداز دستے پہاڑیوں کی آڑ میں بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کو جگہ بڑی تنگ ملی۔ سورج جما کر صفیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے پیر طلقاء کے اکھڑے پھر عام مسلمانوں کے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع چند مخصوص صحابہ ابوبکر، عمر، عباس، علی ابن سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ کے میدان جنگ میں رہ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب آپ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اور آپ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے۔ بار بار پکار کر فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب، میں عبد المطلب کا بیٹا، نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں، الی عباد اللہ انی رسول اللہ۔ آخر مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے۔ کچھ قتل ہوئے۔ شرر کی تاریخ اسلام میں ہے:۔ ۱۰ ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علم اسلام کے ساتھ آئے تھے اور ۲ ہزار اہل مکہ تھے ان میں بہت سے مشرک بھی تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ مفتوح ہونے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے (جلد اول صفحہ ۹۲) اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شکست کا اصل راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرت تعداد پر ناز وغیرہ فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی آیات احکام میں شمار کیا ہے۔ اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔ قال مالک ولم یکن ذلک بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا اری ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدما او نواتیۃ (قرطبی) دوسرے ائمہ فقہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں جب کلمہ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔ وقال ابو حنیفۃ والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذلک اذا کان حکم الاسلام ھو الغالب وانما تکرہ الا ستعانۃ بھم اذا کان حکم الشرک ھو الظاھر (قرطبی) ف۴۰ چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، وہ پھر میدان میں آکر جم گئے۔ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلی نہیں، وہ تو آپ کو اور جو صحابی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے جس سے سب کو غلبہ کی امید ہو گئی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ترک عجب نزول سکینت کا سبب ہو جاتا ہے۔ ف۴۱ (یعنی ملائکہ آسمانی) یعنی الملائکۃ (مدارک) ھم الملائکۃ بلا خلاف (بحر) لَمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بہ طور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آ گیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔ ف۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزار ہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت عذاب دنیوی۔ ف۴۳ چنانچہ انہی صفات مغفرت و رحمت کے تقاضہ سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہو گئے۔ ف۴۴ (بہ لحاظ خبث عقاید) نَجَسٌ۔ مراد اس نجاست سے نجاست عقاید ہے نہ کہ نجاست اعیان و اجسام۔ والمراد انھم ذو نجس لخبث بواطنھم وفساد عقائدھم (روح) ف۴۵ (بہ غرض خدمت و تولیت یا بہ غرض حج و طواف وغیرہ) یعنی حدود حرم کے اندر بہ غرض حج و عمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلہ حرم و داخلہ مسجد حرام سے نہیں۔ ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاھلیۃ (مدارک) حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلہ حرم یا داخلہ مساجد کی ممانعت نہیں، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب بھی اس حیثیت سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) حدیثوں سے تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ثابت ہے۔ مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی۔ چنانچہ حسب وصیت آپ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا۔ اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب و دخول بہ طور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ نا جائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں۔ ..... اور جب حرم کے

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

نا فرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا ف۳۷ بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

تمہاری نصرت کی ہے ف۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

غرہ ہو گیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ف۳۹ اس کے بعد

اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل کی ف۴۰

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور نازل کئے (ایسے) لشکر جنہیں تم دیکھ نہ سکے ف۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی

وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ

اور یہی کافروں کی جزا ہے ف۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو

بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۴۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

اے ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ف۴۴ سو

يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ

اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں ف۴۵ اور اگر

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ

تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو ف۴۶ سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز

اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

کر دے گا ف۴۷ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۴۸ اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ

جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰي يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں (اپنے) ہاتھ سے

يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹ۧ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُۨ ابْنُ

ف۴۹ اور اپنی پستی کا احساس کر کے ف۵۰ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے

اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

فرزند (مجازی) ہیں ف۵۱ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے فرزند (مجازی) ہیں ف۵۲ یہ ان کا

قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

قول ہے (محض) ان کے منہ سے (بک دینے کا) ف۵۳ یہ بھی انہی لوگوں کی ریس کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر

مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ڬ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا

ہو چکے ہیں ف۵۴ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ف۵۵ انہوں نے

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ف۵۶ اور

ع ۴ / ۱۰

اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے" (تھانوی) بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ اس سال سے مراد ۹ ہجری ہے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا۔ اس کے بعد سے مراد ۱۰ ہجری ہے جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا۔ سنة عشر قاله قتادة وقال ابن العربي وهو الصحيح الذي يعطيه مقتضى اللفظ (قرطبی) اس سال کے بعد کی قید سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاست اعتقادی (کفری) فی نفسہ مانع داخلہ مساجد نہیں۔ وفي ذالك دلالة على ان نجاسة الكفر لا يمنع الكافر من دخول المسجد (جصاص) ف۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو ہے نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا ہے۔ تو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر غیر مسلموں سے معاشی و تجارتی تعلقات بھی منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پئیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے۔ ف۴۷ (چنانچہ اس نے بھی یہی کر دیا۔ اس طریقہ پر کہ خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا) اِنْ شَآءَ۔ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں۔ محض اس کی مشیت کافی ہے۔ چنانچہ جب اس کی مشیت ہوئی، سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ سامان تجارت دور دور سے بہ کثرت آنے لگا۔ بارشیں اچھی ہوئیں۔ پیداوار خوب ہونے لگی۔ فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کھل گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غنا ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلق خاطر اسباب ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ في هذه الاية دليل على ان تعلق القلب بالاسباب في الرزق جائز وليس ذلك بمناف للتوكل (قرطبی) مِنْ فَضْلِهٖ۔ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ رزق ثمرہ کوشش کا نہیں ہوتا بلکہ عطیہ خداوندی ہے۔ دليل على ان الرزق ليس بالاجتهاد وانما هو من فضل الله تولى قسمته بين عباده (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحت دنیوی کو تکمیل مصلحت دینی میں مانع نہ ہونا چاہیے اور اگر مزاحم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیے۔ ف۴۸ (چنانچہ وہ اپنے علم کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے اور حکمت کاملہ سے تمہارے افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کر دے گا) ف۴۹ یعنی ان سے جنگ و قتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر، امن طلب کر کے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ۔ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے۔ آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آ جاتے ہیں قتال ان سب سے واجب ہے۔ اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف ان کے شرف مرتبہ اور ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ امر سبحانه وتعالى بمقاتلة جميع الكفار لاتصالهم على هذا الوصف وخص اهل الكتاب بالذكر اكراما لكتابهم ولكونهم عالمين بالتوحيد والرسل والشرائع والملل (قرطبی) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ یہ تصریح تو اہل کتاب کی ہے لیکن جو صفات اُن کی بیان ہوئی ہیں وہ اُن سے کہیں بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشرکین سے قتال بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب سنت و احادیث رسول کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے حق میں جزیہ نہیں۔ جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اُس کے حدود کے اندر کفر و شرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً فقاتلوهم حتى لا تكون فتنة۔ وغیرہا مجوس و مشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔ ومن الذين اوتوا الكتاب بيان للذين قبله فاما المجوس فملحقون باهل الكتاب في قبول الجزية وكذا الترك والهنود وغيرهما بخلاف مشركي العرب (مدارک) ليث جواز اخذها من سائر الكفار اهل كتاب كانوا او غير اهل كتاب الاعبدة الاوثان من العرب بان النبي صلی اللہ علیہ وسلم لم يقبل منهم الا الاسلام او السيف (جصاص) قال اصحابنا لا يقبل من مشركي العرب الا الاسلام او السيف وتقبل من اهل الكتاب ومن سائر كفار العجم الجزية (جصاص)" حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔ اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں۔ بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجہ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذين اوتوا الكتاب میں من بیانیہ ہے۔ پس سب اہل کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ پس مدار وضع جزیہ کا یہ ٹھیرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لا یؤمنون فرمایا ہے۔ اور مشرکین تو خود ان عقاید کی اصل ہی میں مخالف ہیں۔ پس جب مدار حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہو گئے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا، اور اس کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے" (تھانوی) واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافا ان الجزية توخذ منهم (قرطبی) جزیہ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔ الجزية خراج الارض وما يوخذ من اهل الذمة (لسان) وهي فعلة من الجزاء كانها جزت عن قتله (ابن کثیر) اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے بوقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کفر یا کسی اعتقادی گمراہی کا نہیں بلکہ معاوضہ فوجی خدمات کا ہے۔ فقہاء کے ہاں اس کی پوری تصریحات ملتی ہیں۔

وجب نصرة للمقاتلة! جزیہ واجب اس لئے کیا گیا ہے کہ جنگ کرنے والوں کی امداد باشندوں کی طرف سے ہو۔ خلفا عن نصرة مقاتلة اهل الدار لان من هو عن اهل دار الاسلام عليه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر) یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے۔ اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں۔ اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔ بعض فارسی اہل لغت نے اسے فارسی لفظ گزیت (بروزن تفعیل) اور گزیٹ (بروزن فعلة) کا معرب بتایا ہے (برہان قاطع) وقال الخوارزمی انها معرب کزیت وهو الخراج بالفارسية (روح) بہر حال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو مراد اس سے یہی ہے۔ "یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رہبان اور تارکان دنیا، اُن پر جزیہ نہیں اور اگر بوجہ قرار علی الکفر کے ہوتا تو اُن پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر میں مشترک ہیں" (تھانوی) جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔ "عورت، بچے، بیمار، معذور بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر کسی جزیہ ہے تو اُس کی مقدار معین تھی۔ ورنہ یوں معمولاً امراء سے تقریباً ایک روپیہ ماہوار یعنی ۱۲ روپے سالانہ، متوسط طبقہ والوں سے ۸/ ماہوار یعنی ۶ روپے سالانہ ادنیٰ طبقہ سے ۴/ ماہوار یعنی ۳ روپے سالانہ، اور دوران سال میں اگر کوئی مر جاتا تو اُس سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔" (اسلامی معاشیات از علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ) روم اور

وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا

مسیح ابن مریم کو (بھی) ۵۵ حالانکہ انہیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

معبود (برحق) کی عبادت کریں ۵۸ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ اس سے پاک ہے جو یہ (اس کے ساتھ)

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

شریک کرتے رہتے ہیں۔ ۵۹ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں

وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

حالانکہ اللہ کو نا منظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ

گزرے ۶۰ وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ اسے وہ غالب کر دے سارے بقیہ دینوں پر خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو ۶۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ

اے ایمان والو اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ

وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں ۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی

الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ۶۳

ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ اُن محصولوں سے کہیں کم تھی جو ان لوگوں کو پچھلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی۔ یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہل قلم جرجی زیدان مصری کی ہے۔ والجزية التي كانوا يتكلفون دفعها الى المسلمين اقل كثير عن مجموع الضرائب التي كانوا يودونها الى الروم او الفرس ۵۰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ۔ اس میں اشارہ آ گیا کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اور شریعت اسلام نے انہیں جو آرام و آسائش دی اُس نعمت کا احساس کر کے جزیہ پیش کریں۔ اے يعطون ما يعطون عن مقابلة نعمة عليهم في مقارتهم (راغب) عن انعام منكم عليهم (قرطبی) يحتمل (عن يد) عن نعمة فيكون تقديره حتى يعطوا الجزية عن اعتراف منهم بالنعمة فيها عليهم بقبولها منهم (جصاص) وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس حال میں کہ اپنی پستی کا احساس رکھتے ہوں۔ الصاغر الراضي بالمنزلة الدنية (راغب) اے تؤخذ منهم على الصغار والذل (کشاف) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ نقل عن الشافعي ان الصغار هو جريان احكام المسلمين عليهم (روح) ۵۱ عزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۷ ق م)۔ یہود کے مذہبی نوشتوں میں زیادہ "کاتب" کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کے حملہ اور کامل تباہی اور بربادی کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس سے بالکل غائب ہو گئے تو انہی عزیر (عزرا) نے توریت کو از سر نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود مثیل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ اِبْنُ اللّٰهِ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لڑکے اور بیٹے کے مرادف لفظ ہیں اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلہ میں دو اصطلاحیں Son of god اور Child of god کی الگ الگ ہیں۔ ابن اللہ جو ترجمہ ہے۔ Child of god کا اس سے مراد صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی و مجازی ہے۔ جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابنٰٓؤا الله واحباءه یہاں پر ابناء اللہ کے کھلے ہوئے یہی مجازی معنی ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر کو اپنا مطاع کل اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے تھے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید، دوسری شدید تر الگ الگ ہیں۔ ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا ولد Son of god قرار دینا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے، اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے۔ تكاد السمٰوٰت يتفطرن منه وغیرہا۔ دوسری گمراہی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مجازی (Child of god) قرار دینا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے اور گو یہ بھی بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ہمارے بعض پرانے مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔ قال ابن عطية ويقال ان بعضهم يعتقدها بنوة حنو ورحمة و هذا المعنى ايضا لايحل ان تطلق البنوة عليه و هو كفر (قرطبی) يقال ان بعضهم يعتقدها بنوة حنو و رحمة (بحر) ۵۳ (جس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں) یہ فقرہ تاکید کلام کے طور پر لایا گیا ہے۔ قيل معناه التاكيد (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے، اسے تردید کی غرض سے دہرانا اور نقل کرنا بالکل درست ہے۔ في هذا من قول ربنا دليل على ان من اخبر عن كفر غيره الذى لا يجوز لا حدان يبتدى به لا حرج عليه لانه انما ينطق به على معنى الاستعظام له والرد عليه فلا يمنع ذلك منه (ابن العربی) ۵۴ یعنی ان مہمل عقاید پر اُن کے پاس نہ دلیل عقلی نہ نقلی۔ یہ تو محض ان جاہلی مشرک قوموں کی نقالی ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کو ماننے والی تھیں۔ اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ اُنہی کے "حکماء فلاسفہ" کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ

آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے، (جو) اس روز (واقع ہوگا) جب کہ اس (سونے چاندی)

نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ

کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو

وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزہ چکھو

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ

اپنے جمع کرنے کا و۶۳ بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک

اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بارہ ہی مہینہ ہیں کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان اور زمین

وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ

پیدا کئے و۶۵ اور ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں و۶۶ یہی دین مستقیم ہے ۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ

سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو و۶۷ اور لڑو مشرکوں سے

كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانے رہو کہ اللہ متقیوں

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ

کے ساتھ ہے و۶۸ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے و۶۹ اس سے (عام) کفار

بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا

گمراہ کئے جاتے ہیں وہ کسی سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں

دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے، اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقاید کا جزء بناتے چلے گئے تھے۔ مسیحیت پر یونانی اور رومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی کے نصف آخر کے محققین وفضلاء کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جبکہ کوئی نام بھی Higher Criticism کا نہیں جانتا تھا، ایک اُمّی کی زبان سے دنیا کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا، ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ و۵۵ (کہ صاحب کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہو کر، انبیاء کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر باندھتے چلے ہیں) قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ فطرت بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ ونفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انہیں غارت کرے۔ قرآن نے فطرت بشری کا لحاظ کرکے گویا یہ فقرے پڑھنے والے کی زبان سے ادا کرکے، اس کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ و۵۶ یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحب اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں۔ جو چیز ہیں وہ جائز کر دیں، جو چاہیں، وہ حرام ٹھیرا دیں۔ سارے اختیارات شریعت وقانون سازی کے گویا انہی کو حاصل ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے۔ اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ربیوں کے احکام خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انہم اعتقدوا الھھم انہم الھۃ العالم بل المراد انہم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم (کبیر) آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے۔ عدی بن حاتم نومسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال وحرام کے اختیارات اُن میں۔ ان لینا، عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچا دینا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے۔ انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین جامد گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ اُن کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیونکر سکتی ہیں۔ اور تاویل بجائے اُن کے اقوال کے خود ان آیات میں کرنا چاہیے۔ یہ قول نقل کرکے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ:۔ لو تاملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا! یعنی غور کرکے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اسی بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعت چھوڑ کر۔ و۵۷ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ مسیح علیہ السلام کو علاوہ ولد اللہ اور ابن اللہ سمجھنے کے مطاع مطلق بھی سمجھتے تھے، اور مطاع مطلق بھی، بالکل اور براہ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رتبہ کی حیثیت سے۔ اور اُن کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً و مستقلاً ہے اس لئے قرآن مجید نے اس کا ذکر بھی احبارھم ورھبانھم سے الگ کرکے کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انہیں بدعات ومنکرات سے منع کیا جاتا ہے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔ و۵۸ (اور یہ حکم انہیں اپنے پیمبروں کے ذریعہ سے اُن کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا جو کسی حد تک آج بھی موجود محفوظ ہے) چنانچہ توریت میں ہے:۔ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲۰:۳) نیز (استثناء ۵:۷) اور انجیل میں ہے:۔ "سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے، اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (مرقس، ۱۲:۲۹) و۵۹ یہاں ذکر قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا ہے جو توحید کی دولت سے بار بار مشرف کئے جا چکے تھے۔ و۶۰ آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود ونصاریٰ، مشرکین غرض ہر مخالف ومعاند مکر وحیلہ، زور وجبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروان اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ نُوْرَ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ۔ جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھا دیا جاتا ہے یہ مخالفین ومعاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ الْكٰفِرُوْنَ۔ اشارہ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے اور کافر انہیں ان کے منکر نبوت محمدی ﷺ ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔ و۶۱ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یہ غلبہ دین بلحاظ قوت دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔ ای بالحجۃ والبراھین (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقلی واستدلالی کی رو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت وزمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے۔ الْمُشْرِكُوْنَ۔ اشارہ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے۔ اور مشرک انہیں ان کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ و۶۲ اور خود حق کی تلاش وطلب رکھنا تو الگ رہا، اُسے قبول تک نہیں کرتے)

یاکلون اموال الناس بالباطل ۔ جیسی وہ مبہم اردو میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کر انہیں ان کے موافق فتوی دے دیا اور ان سے نذرانہ وصول کر لیا ۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ۔ بالباطل ۔ کے تحت میں رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آ گئی ۔ یصدون عن سبیل اللہ ۔ عوام ان کے انہی جھوٹے سچے فتووں میں آ کر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں ۔ وف ٦٣ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارف خیر میں ۔ یکنزون ۔ کنز کے لغوی معنی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زیر زمین دفن کر دیا گیا ہو ۔ الکنز اسم للمال اذا احرز فی وعاء ولما یحرز فیه وقیل الکنز المال المدفون (لسان) اور یکنزون ۔ یدخرون کے مرادف ہے لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا ۔ محدث بیہقی نے نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں ، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو ۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو ۔ ما ادی زکاته فلیس بکنز (بخاری ۔ کتاب الزکوۃ) کل ما ادیت زکاته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز و کل ما لاتؤدی زکاته فهو کنز وان کان ظاهرا علی وجه الارض (فتح الباری ۔ کتاب الزکاۃ) اذا اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزا وان کان مکنوزا وهو حکم شرعی تجوز فیه عن الاصل (لسان) هو فی الشرع مالم یؤد زکاته (جصاص) روی عن عمر و ابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدی قالوا مالم یؤد زکاته فهو کنز (جصاص) ولا ینفقونها فی سبیل اللہ ۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو نہایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے ۔ فالمراد منها مالم یؤد حقها (بیضاوی) مرادہ من الزکاۃ (جصاص) اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذر رضی اللہ عنہ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ، تابعین اور جمہور امت کا اتفاق ہے ۔ قال ابن عبد البر الجمهور علی ان الکنز المذموم مالم تؤد زکاته ۔ لم یخالف فی ذلک الا طائفة من اهل الزهد کابی ذر (فتح الباری ۔ کتاب الزکوۃ) وکان ابوذر یحمل الحدیث علی اطلاقه فلا یری باذخار شیء اصلا ۔ خالفه جمهور الصحابة ومن بعدهم (ایضا) مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرف میں ملے گی : ''اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو'' (متی ۔ ٦: ١٩، ٢٠) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں بہت سے فقراء تھے وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہم ۔ ولقد کان کثیر من الصحابة رضی الله عنهم کعبدالرحمن بن عوف وطلحة یقتنون الاموال ویتصرفون فیها وما عابهم احد (مدارک) الذهب والفضة ۔ سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لے دیا گیا کہ عموماً مال و جائداد کے بڑے ذریعے یہی ہیں ۔ یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کو منحصر انہی دو چیزوں میں سمجھا ہے ۔ خصا بالذکر من بین سائر الاموال لانهما قانون التمول واثمان الاشیاء و ذکر کنزهما دلیل علی ما سواهما (مدارک) الحکم عام وتخصیصهما بالذکر لانهما قانون التمول (بیضاوی) وف ٦٤ اتنی صریح ، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں ۔ ما کنتم تکنزون ۔ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے ۔ ای عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی) وف ٦٥ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینے ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں، روز آفرینش سے ۔ فی کتب اللہ ۔ یعنی شریعت خداوندی میں ۔ ای فی ما اثبته واوجبه من حکمه (مدارک) یا لوح محفوظ میں، فی اللوح (مدارک) یوم خلق السموت والارض ۔ اس تصریح سے مقصود وہ تاکید پیدا کرنا ہے ۔

لِيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

تاکہ ان (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کر لیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بدعملیاں انہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا وائے اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین سے لگے جاتے ہو وائے کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے وائے اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلے ایک دوسری قوم پیدا کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر شے پر قادر ہے وائے اگر تم لوگ نبی کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جب کہ ان کو کافروں نے (وطن سے) نکال دیا تھا وائے جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے جب کہ وہ اپنے رفیق

والمقصود بیان ان هذا الحکم حکم محکوم به من اول خلق العالم وذلک یدل علی المبالغة والتاکید (کبیر) وف ٦٦ اور وہ بھی متعین و معروف یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ مثل جاہلیت کی طرح اپنی اپنی مصلحتیں دیکھ کر جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے دیا ۔ اور سال کے مہینہ جب چاہا بڑھا دیے ۔ حرم ۔ حرمت والے مہینے وہ جن میں قتال ممنوع تھا ۔ یہ تو فقہی پہلو ہوا ۔ باقی یہ مہینے وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے ۔ معنی الحرم ان المعصیة فیها اشد عقابا والطاعة فیها اکثر ثوابا (کبیر) لا یبعدان یعلم الله تعالی ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثیرا فی طهارة النفس ووقوع المعاصی فیها اقوی تاثیرا فی خبث النفس وهذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر) وف ٦٧ (عادت جاہلیت کا اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کر کے) ذلک الدین القیم ۔ یعنی مذہب کی تلاقی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے ۔ اس کے خلاف روش اختیار کرنا بددینی ہے ۔ لیکن دین کے معنی ''حساب'' کے بھی آئے ہیں ۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے گو ترجیح اسی پہلے معنی کو ہے ۔ الدین قد یراد به الحساب فتفسیر الایة علی هذا التقدیر ذلک الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) ای الحساب الصحیح والعدد المستوفی والاصوب عندی ان یکون الدین هٰهنا علی اشهر وجوهه ای ذلک الشرع والطاعة (قرطبی)

فِیْهِنَّ۔ یہ ضمیر جمع مونث کس کی طرف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا کی جانب ہو، یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کرکے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اے فلا تظلموا فی الشهور الاثنی عشر انفسکم (ابن عباس رضی اللہ عنہ) علی قول ابن عباسؓ راجع الی جمیع الشهور (قرطبی) اور یہ بھی درست ہے کہ اربعة حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کرکے گنہگار نہ ہو۔ قول الاکثرین ان الضمیر فی قوله فیهن عائد الی الاربعة الحرم (کبیر) علی قول بعضهم راجع الی الاشهر الحرم خاصة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ متبرک اوقات میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو وائے بر حال اُن لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات ومقابر پر اور وہ بھی زمانہ عرس میں فجور وبدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول اس پر تفصیل وتحقیق سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا۔ جس میں ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں۔ لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کرکے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود ونصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بحساب شمسی متعین کر دیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے وٹ۷ سو اللہ نے اپنی تسلی

سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ

ان (رسول) کے اوپر نازل کی، اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا وٹ۷ اور اللہ

كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ

نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات اونچی رہی،

وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۰ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا

اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے وٹ۸ نکل پڑو ہلکے اور بوجھل

وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ

اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں وٹ۹

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ لَوْ كَانَ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو وٹ۸۰ اگر کچھ

عَرَضًا قَرِیْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ

مال کے ہاتھ لگ جانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ

انہیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی وٹ۸۱ اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر

اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں وٹ۸۲

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۴۲ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ

حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں وٹ۸۳ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا (لیکن)

ع ۱۲

معاملات وعبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی وسنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔ قال اهل العلم الواجب علی المسلمین بحکم هذه الآیة ان یعتبروا فی بیوعهم و مدد دیونهم واحوال زکوتهم وسائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولایجوزلهم اعتبار السنة العجمیة والرومیة (کبیر) وٹ۷۸ (بلحاظ اپنی نصرت کے) مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں یا اُن کے سامان وجمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان وتقویٰ پر قائم رہو تو نصرت الٰہی تو تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ الْمُشْرِكِیْنَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں، جو یہ اُن کے حق میں نہ تھا، انہیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا كَآفَّةً۔ یعنی ان سے ہر موسم میں، سال کے ہر مہینہ لڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ وٹ۷۹ یعنی کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔ النَّسِیْٓءُ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی شمسی حساب سے رائج ہے، اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت بھی کبھی ایک مہینہ کو دہرا دیتے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں۔ مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا یعنی اساڑھ کی مدت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی۔ یہ تو محض حسابی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔ عرب جاہلی کے رواج یہ کرتے تھے کہ محض ان مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دہرا دیا کرتے اور سال کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ چودہ ماہ کا کر دیا کرتے۔ اس سے سارے نظام تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔ وٹ۸ یعنی شریعت الٰہی نے تو چار مخصوص ومتعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی ونفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا اور کبھی اُس مہینہ کو، اور اسی طرح چار کی گنتی بلا تخصیص وتعیین پوری کر لی۔ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ گمراہ جو کئے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں اور گمراہ کرنے والے اُن کے سردار اور رہنما ہوتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے۔ رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔ هذه الآیة تدل علی ان الواجب تعلیق الاحکام من العبادات وغیرها انما یکون بالشهور والسنین التی تعرفها العرب دون الشهور التی تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد علی اثنی عشر شهرا (قرطبی) وٹ۸ (وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے) سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ "لوند کا مہینہ جو صحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا بعض اہل زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں تو فرق وخلل نہیں پڑتا اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے۔ جیسا اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنا لیوے جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے۔ سب گنہگار رہوں گے۔ اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے۔ اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے افضل واحسن ہے۔" (تھانوی) زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بدعملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے۔ اہل طریق نے اس سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں۔

آنچہ در کون ست زاشیا آنچہ ہست گر ہمی کرد ہمہ اے شیر آفریں دائما جاں را بہر حالت کہ ہست شیر را مکمار بر ما زیں کمیں آب خوش را صورت آتش مدہ اندر آتش صورت آبے منہ از شراب قہر چوں مستی دہی نیستہا را صورت ہستی دہی

وٹ۸۱ یعنی مستعدی کے ساتھ اٹھنے اور چلنے نہیں۔ اشارہ رجب ۹ھ، ۶۳۰ء کے غزوۂ تبوک کی جانب ہے، تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اُس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ نے خود ہی بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ تاہم اب کے ایک طرف مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ تواعد دان شاہی فوج سے کرنا تھا پھر

موسم بھی شدید گرمی کا، فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دور و دراز، تقدرؤ ہمتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکر نصاریٰ کو جب لشکر اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور ان کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی۔ لشکر اسلام ایک مدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔ مَا لَكُمْ۔ کلمہ ملامت و توبیخ ہے یعنی آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ معناه التقرير والتوبيخ التقدير اى شيء يمنعكم عن كذا (قرطبی) فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی جہاد و قتال کے لئے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو، جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ اقتضى ظاهر الأية وجوب النفير على من لم يستنفر (جصاص) ف۸۳ امت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیہ عمل یہی اجر آخرت ہے جیسا کہ قرآن مجید کی کثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ "روشن خیالی" نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اب مسلمان کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جاتی ہے۔ دنیوی ترقی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہ وغیرہ اور زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک وہی اجر آخرت کا۔ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔ اے بدل الاخرة ونعيمها (بیضاوی) فِی الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔ اے في جنب الاخرة (بیضاوی) ف۸۴ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہوگا۔ یعنی تمہارے اوپر موت و ہلاکت مسلط کر دی جائے گی۔ وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ۔ اور اللہ اپنا کام کسی دوسری قوم سے لے گا۔ تَنْصُرُوْهُ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے، خود اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بھی ضمیر جا سکتی ہے۔ قيل الهاء لله تعالى وقيل للنبي ﷺ (قرطبی) ف۸۵ (اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور ان کی سخت ترے کسی کا تھا) اشارہ ہے واقعہ ہجرت کی طرف۔ جب مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تل گئے تھے اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر خیاشب تنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے کر غار میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ف۸۶ آپ دونوں صاحب غار ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے اس غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ نشان شناس نے بتایا کہ نشان قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے۔ کون انسان تھا جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھتے پریشان و مضطرب نہ ہو جاتا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خیال پر سخت مضطرب تھے کہ اگر خدا نخواستہ دشمنان دین نے رسول اللہ پر قابو پا لیا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ لیکن آپ اللہ کے فضل سے اس وقت بھی بالکل مطمئن تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید و نصرت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی اس کی نصرت و حفاظت ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اے بالنصر والرعاية والحفظ والكلاءة (قرطبی) مَعَنَا۔ سے معیت نصرت ہی مراد ہے ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ اے بالعصمة والمعونة فهى معونة مخصوصة والا فهو تعالى مع كل واحد من خلقه (روح) فِی الْغَارِ۔ یہ غار غار ثور مضافات مکہ میں سے تھا۔ مکہ سے جنوب و مشرق میں۔ آپ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ۔ بِصَاحِبِهٖ۔ دو سے مراد ایک ذات رسول ہے دوسرے آپ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ صاحب رسول ﷺ یا رفیق رسول کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت و شرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے محتاج بیان نہیں۔ بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ وقال بعض العلماء ما يدل على ان الخليفة بعد النبي ﷺ ابو بكر الصديق لان الخليفة لا يكون ابدا الا ثانيا (قرطبی) علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آ جاتا ہے۔ وقالوا من انكر صحبة ابي بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذلك لسائر الصحابة (مدارک) ف۸۷ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے اب ممکن ہے یہ وہ فرشتے ہوں جو تسکین قلب عالم غیب سے لے کر آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے مراد ان فرشتوں سے ہو جنہوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزوات نبوی میں امداد کی۔ واللہ اعلم۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ۔ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ ف۸۸ ہر تدبیر اس کے لئے حاضر بھی اور تدبیر پر قادر بھی۔ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى۔ چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ چلنے نہ پایا۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا۔ چنانچہ اسی کی تدبیر غالب رہی۔ ف۸۹ خِفَافًا اور ثِقَالًا دو متقابل کے لفظ ہیں۔ ان کی مختلف و متعدد تفسیریں آئی ہیں، مثلاً تندرست اور خوشحال، جوان تیز رو اور سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوشدلی سے اور بیدلی سے وغیرہا۔ اے شبانا وشيوخا (ابن جریر عن الحسن) اے اغنياء ومساكين (ابن جریر عن قتادہ) اے مشاغيل وغير مشاغيل (ابن جریر عن الحکم) اے نشاطا وغير نشاط (ابن جریر عن ابن عباس و قتادہ) مقصود بہر صورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔ ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آ جاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا باتوں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔ حثو على المؤمنين في الخروج معه على كل حال في المنشط والمكره والعسر واليسر (ابن کثیر) فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ جہاد خواہ اپنے عام وسیع معنی میں ہو یا محدود اصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف، فی سبیل اللہ کی قید ہر

اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے

وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اور آپ جھوٹوں کو جان نہ لیتے ف۸۴ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رکھتے ہیں وہ (کبھی) آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے

وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

جہاد نہ کریں اور اللہ پرہیز گاروں سے خوب واقف ہے ف۸۵ آپ سے اجازت تو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ

وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوْ اَرَادُوا

پڑے ہوئے ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں ف۸۶ اور اگر ان لوگوں نے

الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے ف۸۷ لیکن اللہ نے ان کے

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

جانے کو پسند ہی نہ کیا اس لئے انہیں جما رہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ف۸۸

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا

اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہو کر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ

فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے ف۸۹ اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں،

حال میں گی ہوئی۔ فقہ ونے انفروا خفافا وثقالا سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے ساتھ بھی واجب رہتا ہے۔ فان قیل ھل یجوزا لجھاد مع الفساق قیل له ان کل احد من المجاھدین فانما یقوم بفرض نفسه فجائز له ان یجاھد الکفار وان کان امیر الجیش وجنودہ فساقا (جصاص) چنانچہ اصحاب نبی ﷺ سے خلفائے راشدین کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔ وقد کان اصحاب النبی ﷺ یغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ایوب الانصاری مع یزید اللعین۔ (جصاص) اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہو گیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہو گیا۔ فان الفساق اذا جاھدوا فھم مطیعون فی ذلک (جصاص) ف۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہر ا یقینی ہے یعنی وہاں کا اجر وقرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہی ہو جاتی ہے یعنی فتح وعزت اور مال غنیمت وغیرہ۔ ف۸۱ (اور اس لئے یہیں رہ گئے) ذکر منافقین کا ہو رہا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے ۱۲ منزلوں کی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں سالک کے لئے اپنے اخلاص کے امتحان کا طریقہ درج ہے یعنی وہ یہ دیکھے کہ جس امر میں کوئی نفع دنیوی نہیں بلکہ مشقت ہی ہے۔ اس میں نفس کا کیا رنگ ہے۔ نفع دنیوی والے ہی اعمال کا کرتے رہنا دلیل اخلاص نہیں۔ ف۸۲ (جھوٹی قسمیں کھا کھا کر)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ ف۹۰ یہ تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر میں

قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ

لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم

اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ

غالب آ کر رہا اور ان کو ناگوار گزرتا رہا ف۹۱ اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت

لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

دے دیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے ف۹۲ خوب سن لو کہ خرابی میں تو یہ پڑ ہی چکے ہیں، اور بے شک دوزخ

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ

کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ف۹۳ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ

تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ

انہیں غمگین کر دیتی ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے

اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

اپنا امر (احتیاط) اختیار کر لیا تھا اور خوش خوش منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں ف۹۴ آپ کہہ دیجئے

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى

کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ

کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیے ف۹۵ آپ یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو

اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ

بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو، ف۹۶ اور ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا کرتے رہتے

سَيَحْلِفُوْنَ۔ میں س یعنی عنقریب سے مراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آ جاؤ گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور طاعات کی راہ میں طرح طرح کے باطل عذرات تراشتا رہتا ہے۔ ف۸۳ (چنانچہ اُن کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے)۔ ف۸۴ ذکر اُن منافقین کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہو گئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ اَلَّذِيْنَ صَدَقُوْا۔ سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی۔ البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا۔ عفو جس طرح گناہ اور جرم کے جاتے ہیں، اسی طرح معافی خلاف احتیاط اور خلاف اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا، یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے کہ عین عتاب میں بھی اپنا لطف دکھاتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ الخ میں یہ شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مریدوں کے عذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی وصحیح ہے بھی۔ ف۸۵ (اور انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا) لَا يَسْتَاْذِنُكَ۔ الخ بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے چھوٹنا کیا، اُلٹا تعمیل حکم الٰہی کیلئے اور دوڑ پڑیں گے۔ یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے اس سے مراد استیذان بلا عذر ہے۔ ورنہ عذر واقعی کی بناء پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمال ایمان وتقویٰ کے منافی نہیں مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن جب خیر کو سنتا ہے تو بلا تامل اُس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا، ف۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ امت اسلامیہ کے دائرہ سے انہیں اپنے کو بالکل نکالتے ہی بن پڑتا ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ۔ تردد کے معنی ہیں حیران وسرگرداں ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ۔ یعنی جہاد سے بلا عذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یہ شک ان کو اسلام کی صداقت وحقانیت کے بارہ میں ہے۔ ف۸۷ یہ منافقین اب بعد کو عذر یہ کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آ گئیں۔ جرح ان کے اس بیان پر ہو رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدم ارادہ کی چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ ف۸۸ سارے افعال کا حق تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اسی معلوم ومعروف قرآنی محاورہ واسلوب بیان کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعل تکوینی کی نسبت مسبب الاسباب کی جانب کر دینی درست ہے۔ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت ان لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بناء پر ہے۔ فَثَبَّطَهُمْ۔ یعنی انہیں چلنے کی ہمت وتوفیق ہی نہ دی۔ اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص وارادت کے لئے توفیق الٰہی شرط ہے۔ وَقِيْلَ۔ اس "قول" سے مراد حکم تکوینی ہے۔ الْقٰعِدِيْنَ۔ وہ پیچھے رہ جانے والے مراد ہیں جنہیں کسی عذر صحیح کی بناء پر مجبوری تھی۔ ای الرجال الذین یکون لھم عذر یمنعھم عن الخروج (روح) ف۸۹ مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکر اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا۔ یہ ساتھ جاتے تو سوا اس کے اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے۔ جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے، اور دشمن کا خوف ورعب دلوں میں بٹھاتے۔ فِيْكُمْ۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہو کر۔ ای فی جیشکم وفی جمعکم (جمل) قیل فی بمعنی مع ای معکم (جمل) وَلَا۔ میں و عطف تفسیری کے لئے ہے۔ ف۹۰ (چنانچہ اس سے بھی خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں۔ اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مضر بھی نہیں) سَمّٰعُوْنَ۔ کے معنی اس

سیاق میں جاسوس کے پانو دینے والوں کے ہیں۔ ای جواسیس للکفار (ابن عباس رضی اللہ عنہما) المراد فیکم عیون لهم ینقلون الیهم ما یسمعون منکم (کبیر۔ عن مجاہد و ابن زید) وفیکم مخبرون لهم یؤدون الیهم ما یسمعون منکم وهم الجواسیس (معالم عن مجاہد) ف۹۱ (تو آیندہ بھی اسی طرح ہوگا آپ فکر و تردد میں نہ پڑیں) ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ۔ اشارہ ہے جنگ احد وغیرہ کی جانب۔ قَلَّبُوا لَكَ الْاُمُوْرَ۔ مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے تاکہ مسلمان پراگندہ خاطر و دل شکستہ ہو جائیں۔ ف۹۲ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار اور اپنی بےحجابی و عشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں بعض چالاک منافقوں نے اس کو ایک عذر تراش لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے آکر عرض کیا تھا کہ ہم کو تو یہیں رہ جانے دیجیے۔ ہمیں اپنی شرست سے فتنے اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی انہی منافقین متخلفین میں سے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدے ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا ہوا ہے۔ ف۹۳ (جس کا ظہور کامل تو آخرت میں ہوگا لیکن بہر حال اعمال کفریہ کی بنا پر اس احاطت جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا ہے) اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور آپ کی شریعت سے کفر سے بڑھ کر خرابی اور ہوکون سی سکتی ہے۔ اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی و اخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بو چکے۔ دین کو مصیبت اور طاعت کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہد رسول ﷺ اور دوران نزول قرآن میں امن میں نہ رہ سکے۔ صحابہ کرام سربکف سرگرم جہاد رہے۔ اور دنیا میں ہر طرح کامیاب و منصور۔ منافقین نے جتنی تمنائیں احکام دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدف مصائب بنتے گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ و اعمال قبیحہ جو آج کفار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں کل بصورت نار ظاہر ہوں گے۔ ف۹۴ هُمْ۔ اور سارے صیغے جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔ حَسَنَةٌ۔ مُصِيْبَةٌ۔ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطۂ نظر سے ہے یعنی اسی مادی دنیا کا نفع و ضرر۔ قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنی میں ہے۔ امرنا ای حذرنا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۹۵ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فضل خدا پر بھروسہ اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہل ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔ قُلْ۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجیے جو اہل ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔ لَنْ ... الْمُؤْمِنُوْنَ۔ سو وہ جو کچھ بھی کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ یہ ”ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود“ سکون خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان، سستا اور موثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے بدنصیب ترین ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کر دے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔ ف۹۶ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ رہی مصیبت تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے رفع درجات و کفارۂ سیئات کا بہترین ذریعہ۔ ف۹۷ عَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلا توسط دست انسانی۔ بِاَيْدِيْنَا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔ ف۹۸ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دو جوابوں کی ہوئی۔ ”پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں۔ اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔“ (تھانوی) حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہو گئی تو فوری مسرت ظاہر ہے۔ اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب، حسرت و تاسف میں بھی ہے۔ صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایت الٰہی کی ہیں۔ طالب عارف کو مستقل مزاج ہر صورت میں رہنا چاہیے۔ ف۹۹ اور نافرمانی جو یہاں فقدان

يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ف۹۷

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا

سو تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) منتظر ہیں ف۹۸ آپ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو

اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا کیونکہ تم تو نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ

لوگ ہو ف۹۹ اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کیے جائیں کوئی امر مانع نہیں

اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ

بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے ف۱۰۰ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے

اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ ف۱۰۱

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ

سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں ف۱۰۲ اللہ کو تو بس یہ

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

منظور ہے کہ انہی (نعمتوں) کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں بھی عذاب دیتا رہے،

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ

اور ان کی جانیں اسی حالت میں نکالے کہ وہ کافر ہوں ف۱۰۳ اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ

لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدل لوگ ہیں ف۱۰۴

ایمان کے مرادف ہے تمہاری مالی اعانت کی مقبولیت سے۔ نکتہ یہ ہے۔ ایمان تو عند اللہ پہلی شرط قبول ہے اور عمل قبول کیسے ہوتا جبکہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے امراء و روساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو تنگی ایمان اور حسن عمل کی طرف سے غافل محض اپنے بھاری بھاری قومی چندوں پر نازاں اور انہی پر تکیہ کیے رہتے ہیں۔ مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی، لیکن نفس ایمان اور ایمان صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔ ف۱۰۰ یہاں صاف تصریح کر دی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل قبول نہیں۔ ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرط قبول اعمال کی ہے۔ ف۱۰۱ اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گرانی بار بھی خود دلیل ہیں ان کے فقدان ایمان کی۔ ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی امید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب ہم کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے۔ ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ خیر خیرات میں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے۔ اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدان ایمان ہی کا لگا! خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کا یہ حشر ہو۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسل نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترک نماز پر ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذت عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمال معبود سے محروم ہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو آمر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل سے اٹھے گا اور جس کے دل میں آمر کی

معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے اُٹھے گا۔ ف۱۰۲ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ یہ جب غیر مقبولین میں ہیں تو انہیں مال اور اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوشحالی، کثرت آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ بہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔ تُعْجِبْكَ ۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔ هذا الخطاب وان كان في الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال و زینت کو مستحسن نہ سمجھیں اور کبھی اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ ف۱۰۳ (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں) "دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا خوب دنیا کے لئے لازم ہے۔ اول اس کی تحصیل و تمنا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی و روحانی اُٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا، ذرا مرض ہو گیا۔ بس ایک کوہ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آ جائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دونا پڑے گا جس پر عذاب آخرت موعود ہے"۔ (تھانوی) منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہل ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں انہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔ انهم

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰ وَمِنْهُمُ

یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل پڑتے ف۱۰۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں طعن کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں ان میں سے مل جاتا ہے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں ف۱۰۶ کاش! یہ اس پر راضی ہوتے جو کچھ انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے، اللہ ہم کو اپنے فضل سے اور اس کے رسول (بھی اور) دے دیں گے ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں ف۱۰۷ صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں ف۱۰۸ اور ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے ف۱۰۹ اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں ف۱۱۰ اور قرض داروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں، ف۱۱۱ اور اللہ کی راہ میں ف۱۱۲ اور مسافروں (کی امداد) میں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۱۱۳ اور ان میں وہ

كانوا يبغضون محمدا عليه الصلوة والسلام بقلوبهم ثم كانوا يحتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم في خدمته ولاشك ان هذه الحالة شاقة شديدة (کبیر) فقہاء نے اس آیت سے یہ عبارۃ النص (کیونکہ لَا تُعْجِبْكَ بمعنی نہی تحریمی ہے) یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر ان کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ لِيُعَذِّبَهُمْ ۔ میں لام عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام یہی ہوتا ہے کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں عذاب بن کر رہیں۔ یہ مراد نہیں کہ انہیں یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں مجوزین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں اُن کو راحت نہیں محض جمع و حفاظت کی مشقتیں ہی ہیں اور پھر چونکہ اعتقاد اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔ ف۱۰۴ (اور اس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقائد کا کھلم کھلا اظہار کر دیں تو ان کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کیے ہوئے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کیے ہوئے ہیں) آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیے ہوئے، اپنے آپ کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں! اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۔ یعنی قسمیں اسی کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔ يَفْرَقُوْنَ ۔ فرق کے معنی خوف سے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا ڈالنے کے ہیں۔ الفرق تفرق القلب من الخوف (راغب) اي يخافون القتل و ما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالاسلام تقية (کشاف) ف۱۰۵ (اور اظہار اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے) یعنی یہ تو اظہار اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں جب ہی اتنی ظاہرداری بھی ہے۔ اگر انہیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔ ف۱۰۶ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے اعتراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۔ یعنی یہ منافقین آپ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ۔ یعنی اگر خود انہی کو ان کی حسب مرضی و خواہش مل جائے۔ ف۱۰۷ (اور اسی سے سب اُمیدیں قائم کیے ہوئے ہیں) مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے رسول کے ذریعہ سے دلوائے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ ۔ یعنی جتنا ہمیں اللہ نے دلوا دیا وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل رضا کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آ جائے اس پر شاداں رہے اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔ ف۱۰۸ یعنی صدقات کی آمدنی انہی مدوں میں خرچ ہونی چاہیے۔ اِنَّمَا ۔ کلمہ حصر کا ہے۔ یعنی صرف انہی مدوں میں، کسی اور مد میں نہیں۔ الصَّدَقٰتُ ۔ صدقة سے یہاں مراد صدقہ واجب ہے یعنی زکوٰۃ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ۔ دونوں لفظوں کی تعبیر و تفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ محققین نے یہ معنی لئے ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور حسن بصری اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الزهري الفقير الذي لا يسئل والمسكين الذي يسئل وروى ابن سماعة عن ابي يوسف عن ابي حنيفة في حد الفقير والمسكين مثل هذا (جصاص) وروى عن ابن عباسؓ والحسن وجابر بن زيد والزهري ومجاهد قالوا الفقير المتعفف الذي لا يسال والمسكين الذي يسال فكان قول ابي حنيفة موافقا لقول هؤلاء السلف (جصاص) فقراء و مساکین کی تفسیریں جتنی بھی مختلف ہوں لیکن حکم زکوٰۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں البتہ حکم وصیت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیت اگر فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگ مراد ہیں اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ۔ یعنی جو ان صدقات کی تحصیل و وصول کرنے پر مامور ہیں، ان کی تنخواہوں میں۔ ف۱۰۹ مؤلفة القلوب سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو۔ یا اُن کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود ہو۔ اور پھر ایسے مسلمان جو

الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ

لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں ف۱۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ وہ

اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ

تمہارے حق میں خیر ہی کے باب میں کان دے کر سنتے ہیں ف۱۱۵ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، ف۱۱۶ اور مومنین کا

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ

یقین رکھتے ہیں، ف۱۱۷ اور ان پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، ف۱۱۸ اور جو لوگ

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے، ف۱۱۹ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں

لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ

کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کرلیں، ف۱۲۰ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ خوش اس کو کرلیں

اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ

اگر (واقعی) یہ لوگ ایمان والے ہیں ف۱۲۱ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت کرے گا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ

اللہ اور اس کے رسول کی سو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا

ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ

اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے ف۱۲۲ منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ

تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو منافقین کے مافی الضمیر کی خبر دے دے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزا کئے جاؤ، یقیناً اللہ اسے ظاہر کرکے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے رہتے ہو ف۱۲۳

اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ درپیش ہو۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔ "صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا اُن کے عدم استحقاق پر جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا بسبب عدم ضرورت واستغناء کے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی مدظلہ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ "انہی مصارف میں ایک مد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے۔ ان لوگوں کے چپ کرنے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی۔ حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ ان الله اعز الاسلام فاذھبا (اب خدا اسلام کو عزت وشوکت عطا کر چکا، پس تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملے گا)) لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مد کو ساقط کر دیا میری کچھ سمجھ میں نہ آیا قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جا سکتا بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے یا امام اور حکومت وقت کے صواب دید پر ہے جس وقت جن لوگوں کے لئے ان کی ضرورت سمجھے، دے جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے، نہ دے"۔ (اسلامی معاشیات از فاضل گیلانی) ف۱۱۰ یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔ "گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے"۔ (تھانوی) ف۱۱۱ (خواہ وہ قرضدار بجائے خود غنی وحصول ہی ہو) جس کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرضدار ہے، اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (تھانوی) دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء ومساکین ہی کی طرح حاجت مند سمجھا ہے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی لکھتے ہیں:۔ "یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے ستانے والوں اور ان پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑنے والوں کو صرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد واعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی فوجی اور عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو زر ومطالبہ ہے صرف اصل ہی نہیں۔ بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کرا دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے اور تہذیب وتمدن کی برقی روشنیوں میں سے یہ اندھیر کھلا ہوا دھم مچائے ہوئے ہے۔ (اسلامی معاشیات) ف۱۱۲ یعنی مجاہدین کی امداد میں، بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ وقیل المراد طلبة العلم واقتصر علیه فی الفتاوی الظهیریة (روح) اور بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کے جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ وفسره فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله تعالی وسبل الخیرات (روح) ف۱۱۳ وہ ہر مناسب نامناسب کو جانتا ہے اور اُس کے احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ یہ تاکید ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے کی۔ ف۱۱۴ (اور اس لئے انہیں دھوکے میں لے آنا اُن کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں) منهم ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اُذُنٌ۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سنے اُس کا یقین کر لے۔ الاذن الرجل الذی یصدق ویقبل قول کل واحد (کشاف) ای یقبل کل ما قیل له (ابن قتیبه) یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی ﷺ کے لئے باعث اذیت ہیں۔ ف۱۱۵ قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو ان پر دہرا کر اُسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اُذن خیر کے درمیان کی اضافت فی کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں جو بات خیر کی ہے اسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔ ای هو اذن فی الحق والخیر (کشاف) ف۱۱۶ یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنی میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اسی لئے اس کا صلہ "ب" کے ساتھ آیا ہے۔ ای التصدیق بالله الذی هو نقیض الکفر فعدی بالباء (کشاف) ف۱۱۷ یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔ "رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سن لینا دو طور پر ہے ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اُس کو صحیح سمجھیں۔ دوسرا خوش خلقی اور کرم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خلق وکرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر دار وگیر سے اُس کی صریح تکذیب نہ کریں۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں" (تھانوی) ایمان یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی مومنین کی بات کی تصدیق اور اسی لئے اس کا صلہ ل کے ساتھ آیا ہے۔ فقصد السماع من المؤمنین وان یسلم لهم ما یقولونه فعدی باللام (کشاف) معناه الاستماع منهم والتسلیم لقولهم فیعدی

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ
اور اگر آپ ان سے سوال کیجیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے ف۱۲۴
قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾
آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم استہزا کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ف۱۲۵
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ
(اب) بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد ف۱۲۶ اگر ہم تم میں سے ایک
عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ
مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ
مجرم رہیں گے ف۱۲۷ منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
کے ہیں، بری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے رہتے ہیں
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ
اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں بھلا دیا، بے شک
الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں ف۱۲۸ اللہ نے منافق مردوں اور
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے اس میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے
هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾
وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لئے عذاب دائم ہے ف۱۲۹

بالکلام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق و ایمان الامان (جصاص) ف۱۱۸ (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو اور اسی شفقت و خوش خلقی کی بنا پر تمہاری باتیں بھی سن لیتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت خوب سمجھے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول ﷺ تو تمہارے اظہار ایمان ہی کو زبان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں۔ ای اظهروا الایمان (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے آپ کا کمال کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہار ایمان پر ہی آپ کی شفقت مرتب ہو جاتی ہے۔ ف۱۱۹ (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً) اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس ایذا کے عموم کے تحت میں سب کچھ آ گیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے۔ ف۱۲۰ اور اس طرح ہمارے انتقام وتعزیر سے اپنے جان و مال کو بچالے جائیں) لکم یعنی تم مسلمانوں کے سامنے تمہیں سنا سنا کر۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں۔ ف۱۲۱ یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انہیں جاننا چاہیے تھا کہ مؤمنین کی رضا جوئی پر اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کہیں مقدم ہے۔ يُرْضُوْهُ۔ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہو سکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام نکالنے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ رسول کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے اور یہ کمال قرب وقبول رسول ﷺ کا ہے۔ انما وحد الضمیر لانه لا تفاوت بین رضاء الله ورضا رسوله ﷺ فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف) اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ اس پر اشارہ اوپر آ گیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص وایمان پر۔ ف۱۲۲ اَلَمْ يَعْلَمُوْا۔ اس طرز خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسول ﷺ انہیں تعلیم دے رہے ہیں اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔ قال اهل المعانی قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعليمه مدة وبالغ فی ذلک التعليم ثم انه لم يعلم فيقال له الم تعلم بعد هذه الساعات الطويلة والمدة المديدة (کبیر) مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ جو کوئی اللہ اور رسول کی مخالفت کرے گا جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ۔ خبر محذوف ہے۔ ای فحق ان له (کشاف) ف۱۲۳ خفائی کہ جو باتیں اپنے جلسے میں دین کے ساتھ استہزاء کی کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں پر وہ ظاہر ہو جائیں۔ قُلُوْبِهِمْ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے۔ الضمیر فی قلوبهم للمنافقین (کشاف) عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ۔ ضمیر دونوں جگہ مؤمنین کی جانب ہے۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز رکھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنی میں ہو اور مراد لیحذر المنافقون ہو۔ خبر بمعنی الامر ای لیحذر المنافقون (مدارک) قال الحسن ومجاهد کانوا یحذرون فحملاه علی معنی الاخبار عنهم بانهم یحذرون وقال غیرهما صورته صورة الخبر ومعناه الامر تقدیره لیحذر المنافقون (جصاص) ف۱۲۴ (اور کچھ واقعی برائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی) یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے۔ شعر وادب کے پردہ میں کون سی گستاخی اللہ اور اس کی شریعت اور اس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض ادبی دلچسپیوں کے لئے تھا، کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی مقصود تھی! ف۱۲۵ یعنی بالغرض تمہاری غرض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزاء کن چیزوں سے کر رہے ہو اللہ سے؟ اس کے احکام سے؟! اس کے رسول سے؟ یہ چیزیں کیا استہزاء کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں) ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء کی یہ تینوں قسمیں (استہزاء باللہ، استہزاء بآیات اللہ واستہزاء برسول اللہ) برابر ہیں۔ دل علی ان الاستهزاء بآیات الله او بشیء من شرائع دینه کفر فاعله (جصاص) فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادہ و سنجیدگی سے ادا کیا جائے خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر، حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے کہ قرآن نے ان کے عذر لہو ولعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکم کفران پر باقی رکھا۔ ہاں حالت جبر واکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔ فیه الدلالة علی ان اللاعب والجاد سواء فی اظهار کلمة الکفر علی غیر وجه الاکراه (جصاص) فاخبر ان هذا القول کفر منهم علی ای وجه قالوه من جد او هزل فدل ذلک علی استواء حکم الجاد والهازل فی اظهار کلمة الکفر (جصاص) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔ انه تعالی بین ان ذلک الاستهزاء کان کفرا والعقل یقتضی ان الاقدام علی الکفر لاجل اللعب غیر جائز (کبیر) اَبِاللّٰهِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمل استہزاء کا وقوع اللہ تعالیٰ پر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لا محالہ مراد یا تو احکام شرعی سے ہوگی یا اسماء الٰہی سے اور یا قدرت الٰہی سے۔ المراد بالاستهزاء بالله هو الاستهزاء بتکالیف الله تعالی (کبیر) یحتمل ان یکون المراد الاستهزاء بذکر الله فان اسماء الله قد یستهزئ الکافر بها (کبیر) ثم ان بعض الجهال من المنافقین ذکر کلاما مشعرا بالقدح فی قدرة الله کما هو عادات الجهال والملحدة (کبیر) ف۱۲۶ (اس لئے اب بات بنانے کی کوششیں سب بے کار ہیں) بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ بعد اظهار ایمانکم کے معنی میں ہے ورنہ اصل ایمان ظاہر ہے کہ منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ ای بعد اظهارکم الایمان (کشاف) ای کفرتم بعد ایمانکم الذی اظهرتموه (کبیر عن الحسن) دین کے ساتھ استہزاء فقہاء نے تصریح کر دی ہے اگر قصداً ہے تو خواہ بداعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔ قَدْ كَفَرْتُمْ۔ یعنی اس استہزاء کے بعد تمہارا کفر

ظاہری ہو گیا ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ ای قد اظهرتم کفرکم باستهزاء کم (مدارک) قال الحسن المراد کفرتم بعد ایمانکم الذی اظهرتموه وقال آخرون ظهر کفرکم للمؤمنین بعد ان کنتم عندهم مسلمین (کبیر) لَا تَعْتَذِرُوْا۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔ ای لا تشتغلوا باعتذاراتکم الکاذبة (مدارک) ف۱۲۷ (اور آخر وقت تک انہیں توفیق توبہ نصیب نہ ہوئی) اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ۔ یہ معافی انہیں تائب ہو جانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہوگی۔ ف۱۲۸ (اور سب دائرۂ ایمان سے خارج ہیں) بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں صفت نفاق میں سب شریک و متحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔ ای فی صفة النفاق کما یقول الانسان انت منی وانا منک ای امرنا واحد ولا مباینة فیه (کبیر) وفیه نفی ان یکونوا من المؤمنین (مدارک) اضاف بعضهم الی بعض باجتماعهم علی النفاق فهم متشاکلون متشابهون فی تعاضدهم علی النفاق (جصاص) يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ۔ یعنی فسق و کفر و عداوت اسلام کی طرف بلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ یعنی ایمان واتباع نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔ فَنَسِيَهُمْ۔ اللہ کا انہیں بھلا دینا یہ ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاصہ ان پر سے ہٹالی۔ قاعدۂ مشاکلت دیباچہ میں ملاحظہ ہو۔ ای فجازاهم بان صیرهم بمنزلة المنسی من ثوابه ورحمته (کبیر) قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہ ترکیب فسق پر زور و تاکید کے لئے ہے یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔ ای هم الکاملون فی الفسق الذی هو التمرد فی الکفر والانسلاخ عن کل خیر (مدارک) ف۱۲۹ یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔ هِيَ حَسْبُهُمْ۔ یعنی اس آتش دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں، اور وہی ان کے لئے ہوگی۔ فیه دلالة علی عظم عذابها وانه بحیث لا یزاد علیه (مدارک) والمعنی ان تلک العقوبة کافیة لهم ولا شیء ابلغ منها ولا یمکن الزیادة علیها (کبیر) لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ کئی بار اوپر آچکا ہے، اللہ کی رحمت خاصہ سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ ف۱۳۰ یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ و ثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور غرہ بے چارہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری ولفریبیوں اور مادی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔ خطاب منافقین ہی سے چل رہا ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یہ تمثیل جس طرح کفر مشترک میں ہے اسی طرح جزائے کفر مشترک میں بھی ہے۔ ف۱۳۱ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت و راحت سے محروم ہو گئے) مطلب یہ ہوا کہ جب حبط اعمال اور سزائے شدید اخروی سے وہ قدیم قومیں باایں جاہ و شوکت نہ بچ سکیں تو تم ان سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو۔ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا۔ خوض کے معنی گھسنے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقع ذم پر ہوتا ہے۔ الخوض الدخول فی الباطل واللهو (مدارک) ظاہری تہذیب و تمدن کے ساتھ بری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے، اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی "مہذب" قوموں کے شفا خانوں، محتاج خانوں، ڈاک خانوں، درسگاہوں، کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، ان کے تھیٹر اور ان کے سنیما دیکھ لئے جائیں۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

(تمہاری حالت) ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں، وہ شدت قوت میں

وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے سو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے

قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ

قبل ہو چکے ہیں ف۱۳۰ اور تم لوگ بھی گھسے، جیسا وہ لوگ گھسے تھے۔

اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو کر رہے

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ

اور یہی لوگ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں ف۱۳۱ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو

مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

ان سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوح اور عاد و ثمود کی، اور قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

و اہل مدین کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو ان پر (کوئی) ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں البتہ وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ف۱۳۲ اور ایمان والے اور ایمان والیاں

ف۱۳۲ (سو انہی قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) نَبَاُ الَّذِيْنَ۔ ان لوگوں کی خبر، یعنی ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر۔ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ۔ مراد قوم شعیب ہے۔ الْمُؤْتَفِكٰتِ۔ الٹی ہوئی بستیاں، یعنی قوم لوط کے اجڑے ہوئے، برباد شدہ شہر۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ یعنی ان قوموں کے پیمبر تو کھلے نشانات لے کر آتے رہے۔ پر ان لوگوں کی طرف سے انکار بھی اسی شدت سے جاری رہا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ۔ خدائے اسلام دوسری قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ بلاوجہ و سبب کسی پر سختی کرنا اس کی شان عدل و حکمت دونوں کے منافی ہے لانه حکیم لا یعاقبهم بغیر جرم (مدارک)۔

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں

وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوۡنَ

اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ

رہتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

رحمت کرے گا ف۱۳۳ بے شک اللہ بڑا اختیار والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۳۴ اللہ نے ایمان والوں اور

وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، باغوں کا کہ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ

یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا ہمیشگی کے باغوں میں

وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۷۲﴾ ع

اور اللہ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی یہی تو ہے ف۱۳۵

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ

اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد کیجیے ف۱۳۶ اور ان پر سختی

عَلَيۡهِمۡ ؕ وَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۷۳﴾

کیجیے ف۱۳۷ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور (وہ) بری جگہ ہے

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَ لَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ

یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انھوں نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی تھی

ف۱۳۳ ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں۔ المنافقون و المنافقات بعضهم من بعض اب اس کے بالمقابل ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین و مومنات بھی سب ایک گروہ ہیں ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہوا خواہ اور اس گروہ مومن کے صفات و خصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں جو ابھی گروہ منافق کے بیان ہوئے تھے۔ يُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ۔ رسول کی اطاعت آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی شریعت کی اطاعت ہے۔ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ۔ س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ السين مفيدة وجود الرحمة لا محالة فهي تاكد الوعد (کشاف) لا محالة فان السين موكدة للوقوع (بیضاوی) والسين على ماقال الزمخشري وتبعه غير واحد لتاكيد الوعد (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا اور دوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔ اس سے جو سلوک و محبت باہمی مومنین کے لئے ثابت و لازم ہے وہ کفار و منافقین سے نہ رکھنی چاہیے اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا مجرد قصد سے بھی ضرر پہنچائے۔ يطيعون سے صوفیہ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدم اطاعت یا معصیت سلب ایمان کی طرف لے جانے والی ہوگی۔ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ منافقین و منافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضهم من بعض سے ادا ہوا ہے اور مومنین و مومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولياء بعض سے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کفر و نفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں۔ یہ خلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ف۱۳۴ یعنی ہر جزا و صلہ پر قادر اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و صلہ دینے والا۔ اى غالب على كل شيء قادر عليه وواضع كلا موضعه (مدارک) ف۱۳۵ (اور یہ اہل جنت کو تمام تر نصیب رہے گی) رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ۔ یعنی رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیل احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے، لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔ ف۱۳۶ (ہر ایک کے حسب حال) لفظ جہاد، قتال کے مرادف نہیں، قتال اس کی صرف ایک فرد ہے۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہوگی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ و قتال سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (کبیر) وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول و لفظ اور عملی برتاؤ سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی۔ عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم و باللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارة و بترك الرفق ثانيا و بالانتهار ثالثا (کبیر) ف۱۳۷ (جس کے وہ مستحق ہیں) غلظة کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے۔ اور غلظ لغت میں رافت یا نرمی کی ضد ہے، مراد یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔ الغلظ نقيض الرافة وهي شدة القلب (قرطبی) آج کے دور دجل و تلبیس میں لفظ "رواداری" جس معنی میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔ دوستان حق سے وہ اس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اسی طرح دشمنان حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اٹھا اٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں، بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں "رواداری" سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں سختی بھی حسب طاقت و ضرورت استعمال کی جائے گی۔ كل من وقف منه على فساد فى العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارک)۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہو سکی ف۱۳۸

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ

اور انہوں نے بدلہ صرف اس بات کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا

مال دار کر دیا تھا ف۱۳۹ سو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر روگردانی کریں

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو اللہ انہیں ایک دردناک سزا دنیا اور آخرت میں دے گا

وَ مَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَ مِنْهُمْ

اور ان کا (روئے) زمین پر نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار ف۱۴۰ اور ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا کرے تو ہم خوب (اس میں سے) تصدق کریں گے

وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ

اور ہم خوب نیک کام کیا کریں ف۱۴۱ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل

فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

سے (مال) دیدیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے اور منہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی، ف۱۴۲

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

سو (اللہ نے) ان کی سزا میں ان کے قلوب میں نفاق قائم کر دیا جو اس کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

کہ انہوں نے اللہ سے اس کے خلاف کیا جو کچھ اس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے، ف۱۴۳

ف۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضور اکرم ﷺ سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزریں گے سب مل کر آپ پر ہاتھ چلائیں اور ہو سکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کر دیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے آپ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے عمار رضی اللہ عنہ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا لیکن حذیفہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت کام آئی اور یہ بزدل منتشر ہو گئے۔ رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے باعث پہچانے نہ گئے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے۔ ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا تو وہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مرادف ہے، اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ فيه دلالة على ان الايمان والاسلام واحد لانه قال و كفروا بعد اسلامهم (مدارک) كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو یا پائی جائے۔ و كلمة الكفر كل كلمة فيها جحد لنعمة الله او بلغت منزلتها في العظم (جصاص) ف۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقین مدینہ عموماً غریب تھے، اسلام ہی کی بدولت انہیں مال غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا اور اسی سے ان میں کچھ خوشحالی آ گئی تھی۔ پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہو گیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کا ممنون کرم تھا کہ آپ نے ایک بار اس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا۔ ایسے طنز یہ محاورہ ہر زبان میں ہیں۔ اردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اس شخص کے کام آ گیا تھا" ف۱۴۰ (کہ انہیں اس سزائے دردناک سے بچا لے اور جب دنیا ہی میں انہیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ نفی ہو گا) فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو دنیا و آخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے، بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہار ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ في ما قص الله علينا من شان المنافقين دلالة على قبول توبة الزنديق المسر للكفر والمظهر للايمان (جصاص) يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اس بہتری کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔ ف۱۴۱ (اسی مال و دولت کے ذریعہ سے) شان نزول کی روایتوں میں یہاں ایک خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایات شان نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سبب نزول وہ مخصوص واقعہ تھا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت صرف اس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فيه الدلالة على ان من نذر نذرًا فيه قربة لزمه الوفاء به (جصاص) ف۱۴۲ (یعنی ایمان ان کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا، مگر، پر اعمال ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی۔ اب عمل بھی ترک کر دیا۔ اے وهم قوم عادتهم الاعراض عن الطاعات فلا ينكر منهم هذا (روح) ف۱۴۳ (شروع ہی سے) "یعنی نیت ایفاء کی اس وقت بھی نہ تھی، پس نفاق تو اس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادت غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاق سابق اب دائم و غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی۔ اسی حالت پر مر کر ابد الآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا" (تھانوی) فَاَعْقَبَهُمْ الخ۔ یعنی چونکہ انہوں نے اپنے ارادہ سے گمراہی اختیار کر لی، اللہ بھی ان کے ارادہ کے خلاف ان کی گمراہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انہیں بدستور اسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔ قال الزجاج ان معناه انهم لما ضلوا في الماضي فهو تعالى اضلهم عن الدين في المستقبل (کبیر) مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے۔

ف۱۴۳ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہار اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے؟) روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تینوں کی خلافت میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا اور ہر دفعہ وہ رد ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔" "احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا، بلکہ دفع عار و بدنامی کے لئے تھا۔ کیونکہ اعقبھم الخ سے اس کا دائما کافر رہنا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور شاید ممانعت قبول سے مراد حضور ﷺ کی یہی ہو، اس طرح کہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفا مخصوص ہے پس مشروط بھی منتفی ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا قبول نہ کرنا آپ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا۔" (تھانوی) اَلَمْ يَعْلَمُوْا۔ ہمزہ یا تو انکار و توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور یا پھر اس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر ان سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے والھمزۃ اما للانکار والتوبیخ والتھدید ای الم یعلموا ذلک حتی اجترءوا علی ما اجترءوا علیہ من العظائم اوللتقریر والتنبیہ علی ان اللہ سبحانہ مؤاخذھم ومجازیھم بما علم من اعمالھم (روح) اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور ان کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغہ فعل (مضارع) کے ساتھ فرمایا گیا۔ وفی ایراد العلم المتعلق بسرھم ونجواھم الحادثین شیئا فشیئا بصیغۃ الفعل الدال علی الحدوث والتجدد (روح) اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو اور پھر اسم بھی صیغہ مبالغہ کا۔ والعلم المتعلق بالغیوب الکثیرۃ بصیغۃ الاسم الدال علی الدوام والمبالغۃ من الفخامۃ والجزالۃ ما لا یخفی (روح)

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَىٰهُمْ وَأَنَّ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے (دل کے) راز کا اور ان کی سرگوشی کا (سب کا) علم ہے اور یہ کہ

ٱللَّهَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾ ٱلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ٱلْمُطَّوِّعِينَ

اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے، ف۱۴۴ یہ ایسے ہیں جو صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے

مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ فِى ٱلصَّدَقَٰتِ وَٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ

مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر جنہیں بجز ان کی محنت مزدوری کے

إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ ٱللَّهُ

کچھ نہیں ملتا سو ان سے یہ تمسخر کرتے ہیں اللہ ان سے تمسخر کرتا

مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ ٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا

ہے ف۱۴۵ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۴۶ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ ان کے لئے

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن

استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ

يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۗ

انہیں نہیں بخشے گا ف۱۴۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا،

وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ ٱلْمُخَلَّفُونَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ف۱۴۸ (یہ) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ

بِمَقْعَدِهِمْ خِلَٰفَ رَسُولِ ٱللَّهِ وَكَرِهُوٓا أَن يُجَٰهِدُوا

کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے ف۱۴۹ اور ان کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال

بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا

اور اپنی جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں

ف۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے) يَلْمِزُوْنَ۔ ھم الذین کے مرادف ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منکرین اولیاء کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی ان کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ ف۱۴۶ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں) سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ یعنی ان کے تمسخر کی خوب سزا انہیں دے کر رہے گا۔ عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو الٹ دینے کا دستور عام ہے جیسا کہ دیباچہ میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں بار بار یہ استعمال ہوا ہے۔ ای جازاھم جزاء السخریۃ (ابن قتیبہ) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزاء دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ ف۱۴۷ (اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے اور منافقین کے حق میں دعا اور عدم دعا دونوں عدم نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں) سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ ستر سے مراد یہاں عدد کامل و کثرت استغفار ہے اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے جیسے کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔ والسبعون جار مجری المثل فی کلامھم للتکثیر (کشاف) ذکر السبعین علی وجہ المبالغۃ فی الیاس من المغفرۃ (جصاص) لان العرب فی اسالیب کلامھم تذکر السبعین فی مبالغۃ کلامھا ولا ترید التحدید بھا (ابن کثیر) روایتوں میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا۔ اس کا لڑکا مومن مخلص تھا۔ باپ کے مرنے پر آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی۔ آپ کھڑے ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے منع کر دیئے گئے ہیں، آپ نے کہ مجسمہ رحمت و شفقت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیف قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہ دوررس میں تھی، بوجہ اہل زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھا دی۔ آیت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا اس کے بعد اتری۔ آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپ نے منافق کے کفر کے علم کے باوجود اس کے لئے استغفار کیسے کر دیا۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے کفر کا علم قطعی تو آپ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا نہ کہ اس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شان نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیے کہ آیات عذاب میں تاویل اور وعدہ ہائے انعام میں توسیع کرتا رہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرط رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ عدم استغفار اصل ضابطہ شریعت اور استغفار کی عدم نافعیت کی بنا پر ہوتا۔ کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبر برحق ﷺ تک کی سفارش بے اثر رہتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔ فیہ اخبار بان استغفار النبی ﷺ لھم لا یوجب لھم المغفرۃ (جصاص) ف۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم رہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اس کی نماز جنازہ درست نہیں، آیت میں استغفار رسول ﷺ کی عدم نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا رفع عدد استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔ بین ان العلۃ التی لاجلھا لا ینفعھم استغفار الرسول وان بلغ سبعین مرۃ کفرھم وفسقھم وھذا المعنی قائم فی الزیادۃ علی السبعین (کبیر) اَلْفٰسِقِيْنَ۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے محض گنہگار ہونا مراد نہیں، بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔ ای الخارجین من الایمان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی دائمی۔ اشارۃ الی

فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا
(گرمی) مت نکلو ف۱۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی گرمی (اس سے بھی) زائد تیز ہے، ف۱۵۱ کاش وہ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ
سمجھتے ہوتے! سو تھوڑے دن ہنس لیں اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہیں

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى
ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہتے ہیں ف۱۵۲ تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے ان کے کسی

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ
گروہ کی طرف اور یہ لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی

تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ
میرے ساتھ نہ چلو گے، اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے ف۱۵۳ تم وہی ہو کہ

رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو ف۱۵۴

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ
اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر

عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ
کھڑے ہوجیے ف۱۵۵ بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا
نافرمان تھے ف۱۵۶ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں! ف۱۵۷ اللہ کو تو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ
یہی منظور ہے کہ انہیں ان کے ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور ان کی جانیں

ایاس من المغفرة (مدارک) ف۱۴۹ (جب کہ آپ غزوہ تبوک پر روانہ ہو چکے) حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے" رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ خِلٰفَ۔ کے معنی بعد کے ہیں۔ اے خلفه (کشاف) بمعنى بعد وخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنى خلف وان يونس رواه عن عيسى بن عمر ومعناه بعد رسول الله (کبیر) لیکن دوسرے معنی "مخالفت میں" کے بھی ہیں۔ قيل هو بمعنى المخالفة (کشاف وروح) يعنى مخالفة لرسول الله ﷺ (کبیر عن قطرب والزجاج) ف۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ غزوہ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ ان اہل باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائد دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کر کے سالکین وطالبین کو راہ سلوک سے روکتے ہیں۔ ف۱۵۱ (لیکن اس آگ سے نہ ڈرتے ہوئے اس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو) ف۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور رونے کا عالم آخرت سے جس کی مدت ختم ہونے والی نہیں۔ فليضحكوا اور وليبكوا گو صورۃً امر ہیں لیکن مراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے جو اپنے وقوع میں تمام تر یقینی ہے۔ والامر بالضحك والبكاء فى معنى الخبر (بحر) اخرجه على صيغة الامر للدلالة على انه حتم واجب (بیضاوی) قَلِيْلًا وَّكَثِيْرًا۔ قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب، فقليلا اشارة الى مدة العمر فى الدنيا وكثيرا اشارة الى تابيد الخلود (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگ وَلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا کو جو خبر بصورت انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں رونا نہیں آتا حالانکہ گریہ اگر خشیت ومحبت سے ہے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں۔ احکام تو صرف امور اختیاری میں ہیں اور گریہ امر غیر اختیاری ہے۔ ف۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا۔ اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں) فَاسْتَاْذَنُوْكَ۔ یہ ان کا اجازت طلب کرنا خوشامد وتملق کی راہ سے ہوگا ف۱۵۴ (اس لئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے اب بھی یہی ہے) الخالفين۔ یعنی وہ کل لوگ جو کسی عذر حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے، مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔ اے المتخلفين لعدم لياقتهم كالنساء والصبيان والرجال العاجزين وجمع المذكر للتغلب (روح) وتفسير الخالف بالمتخلف هو الماثور عن اكثر المفسرين السلف (روح) ف۱۵۵ (دفن وغیرہ کے واسطے تعظیماً) "قیام علی القبر سے مراد وہ ہے جو بطور اکرام کے ہو، خواہ غرض زیارت ہو یا بغرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر موت کے لئے ہو، یا ضرورت کے لئے ہو تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بہ غرض عبرت میں کوئی مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں۔" (تھانوی) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ۔ مراد نماز جنازہ ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر پر حاضر ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع دور سے زاید ہے جتنا غیبت میں دعا کرنے سے ہوتا۔ آیت سے فقہاء نے کئی مسائل نکالے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ ضروری ہے۔ اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے فيه الدلالة على معان احدها فعل الصلوة على موتى المسلمين وحظرها على موتى الكفار (جصاص) كان هذا يصنع من اكبر القربات فى حق المؤمنين فشرع ذلك وفى فعله الاجر الجزيل كما ثبت فى الصحاح وغيرها (کبیر) دوسری بات یہ کہ قبر مسلم پر اہتمام دفن کے لئے کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ اس پر رسول اللہ (ﷺ) کا عمل بھی تھا۔ ويدل ايضا على القيام على القبر الى ان يدفن وعلى ان النبى ﷺ قد كان يفعله (جصاص) عن عثمانؓ كان رسول الله ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه وقال استغفروا لاخيكم واسالوا له التثبيت فانه الآن يسئل (ابوداؤد) ف۱۵۶ فاسقون یہاں کافروں کے معنی میں ہے۔ اے متمردون فى الكفر خارجون عن حدوده (روح) فاسقون اے كافرون (جلالین) اور جو کافر مرے اس کے لئے دعا واستغفار یا اس کے کفن ودفن میں شرکت درست نہیں۔ وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یہ گویا ممانعت نماز جنازہ وغیرہ کی علت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان سے خالی ہیں ان میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ تعليل للنهى اے انهم ليسوا باهل للصلوٰة عليهم لانهم كفروا بالله ورسوله (مدارک) ف۱۵۷ (کہ جب یہ مغضوب ومردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں کیسی؟) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۲ بالا۔

أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ

اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں و۱۵۸ اور جب کوئی ٹکڑا (قرآن کا) اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ

کہ اللہ پر ایمان لاؤ و۱۵۹ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدرت والے

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں،

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى

وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں، اور ان کے دلوں

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ

پر مہر لگ گئی سو وہ سمجھتے ہی نہیں و۱۶۰ البتہ رسول اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں

اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

ایمان لا چکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

خوبیاں ہیں اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں و۱۶۱ اللہ نے ان کے لئے

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جا رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ

رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز

مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا

لوگ آئے کہ انہیں اجازت مل جائے و۱۶۲ اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول

و۱۵۸ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں) یُرِیْدُ اللّٰہُ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے کہ اس کی مشیت تکوینی ہی مراد ہے۔ آیت ابھی چند سطریں قبل اوپر آچکی تھی۔ تکرار سے مقصود اور زور دینا ہے۔ التکریر للمبالغة والتاکید (مدارک) و۱۵۹ (محض زبان سے نہیں دل سے بھی) سُوْرَةٌ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مراد نہیں، لفظی معنی مراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی ٹکڑا خواہ وہ پوری سورت ہو یا اس کا کوئی جزء۔ یجوز ان یراد سورة بتما مها اوان یراد بعضها (مدارک) ای طائفة من القرآن (جلالین) لفظ قرآن سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن ہی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصہ بھی۔ اور لفظ الکتاب سے بھی اسی طرح کل کتاب بھی مراد ہوتی ہے اور ہر حصہ کتاب بھی۔ اُولُوا الطَّوْلِ۔ یعنی وسعت ومقدرت والے لوگ۔ ای اصحٰب الفضل والسعة (کشاف) اُولُوا الطَّوْلِ کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ صرف اہل مقدرت رخصت مانگتے تھے بلکہ اس سے غیر اہل مقدرت پر بھی روشنی پڑگئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا تو غیر اہل مقدرت کا حال ضروری یہ ہوتا۔ وَقَالُوْا۔ و یہاں عاطفہ نہیں تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے اسْتَاْذَنَكَ کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔ عطف تفسیری (ابوالسعود) و۱۶۰ (اور ان سے احساس ہی اپنی دون فطرتی کا رخصت ہو گیا ہے) اَلْخَوَالِفِ۔ سے مراد یہاں عورتیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔ عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں اسی لئے انہیں خوالف کہتے ہیں۔ الخوالف ای النساء (ابن جریر۔ عن ابن عباس وقتادہ ومجاہد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قاله الجمهور کابن عباس ومجاهد وقتادہ وشمر بن عطیه وابن زید والفراء (بحر) ای النساء اللاتی تخلفن فی البیوت (جلالین) رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔ شریعت اسلام نے جو مشاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو ان سے الگ کر رکھا ہے، ان میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے۔ آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہو کر اچھے خاصے عورت بنے جا رہے ہیں۔ تهجین لهم ومبالغة فی الذم والخوالف النساء قاله الجمهور ...... وذلک ابلغ فی الذم لانهم نزلوا انفسهم منزلة النساء (بحر) طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ان کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر ونفاق اختیاری کی بنا پر توفیق خیر ہی ان سے سلب ہو گئی ہے۔ لاختیارهم الکفر والنفاق (مدارک) فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۔ کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے ای لا یفهمون اسرار حکمة الله فی الامر بالجهاد (کبیر) و۱۶۱ (دنیا وآخرت دونوں میں) اَلْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح کی وسعت وعموم مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اول میں اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے تحت میں گزر چکا۔ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں ذکر رسول لے آنا مومنین کی ہمت افزائی وقدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں ان کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسول کا اخلاص اکمل ہے۔ اَلْخَيْرٰتُ۔ یہ دنیوی واخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔ وظاهر اللفظ عمومها هنا لمنافع الدارین کالنصر والغنیمة فی الدنیا والجنة ونعیمها فی الاخرٰی (روح) تناول منافع الدارین لاطلاق اللفظ (مدارک) و۱۶۲ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے۔ اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔ اَلْاَعْرَابِ۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اور اعراب اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ صار ذلک اسما لسکان البادیة (راغب) هم سکان البادیة خاصة (تاج) اَلْمُعَذِّرُوْنَ۔ مُعَذِّرٌ ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں۔ المعذر هو المظهر للعذر اعتلالا من غیر حقیقة له فی العذر وهو لاعذر له والمعذرین الذین یعتذرون بلا عذر (لسان) هم الذین لا عذر لهم ولکن یتکلفون عذرًا (تاج) المعذر الذی یعتذر بلا عذر (کبیر) بلکہ معذِّر ومعتذر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے غلط ہو۔ لیکن معذِّر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔ المعتذر یکون محقًا ویکون غیر محق والمعذر الذی لیس بمحق یعتذر بلا عذر (لسان) قال الازهری قد یکون المعذر غیر محق وهم الذین یعتذرون بلا عذر (تاج)۔

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ف۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذاب دردناک میں مبتلا ہوں گے ف۱۶۴ کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں ف۱۶۵ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۶۶ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری دے دیں اور آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں جس پر تمہیں سوار کردوں، تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ میسر نہیں جو وہ خرچ کریں ف۱۶۷ الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآنحالیکہ وہ اہل مقدرت ہیں، یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں خانہ نشین عورتوں کے ساتھ اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ف۱۶۸

ف۱۶۳ (اور ایسے بے باک نکلے کہ ظاہرداری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے) كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یہ کذب دعویٰ ایمان میں تھا۔ یعنی ان کا دعویٰ ایمان کذب خالص تھا۔ قَعَدَ الَّذِيْنَ۔ ذکر انہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔

ف۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے) اے فی الدنیا بالقتل وفی الاخرۃ بالنار (کبیر) مِنْهُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ عالم الغیب کو معلوم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے خلاصی حاصل کرلیں گے۔ انما قال منھم لانہ تعالٰی کان عالما بان بعضھم یومن ویتخلص عن ھذا العقاب (کبیر)

ف۱۶۵ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کے قاعدۂ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔ نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی دوسرے احکام میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا تو وہ اس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔

ف۱۶۶ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اس کے ہاں امکان ہی نہیں۔

ف۱۶۷ (سامان جہاد میں) آیت میں اُن مخلص، معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اُن کے لئے سواری کا انتظام کردیں۔ احملنی اے اعطنی ظھرًا ارکبہٗ (تاج) اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ یہ طرز ادا بلیغ تر ہے۔ یفیض دمعھا سے، کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنا دیا گیا ہے۔ ھو ابلغ من یفیض دمعھا لان العین جعلت کان کلھا دمع فائض (کشاف)

ف۱۶۸ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے۔ اور حمیت و بے حمیتی کیا ہے) يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔ اور طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۶۰ بالا

ف۱۶۹ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا) یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ۔ خطاب میں اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں اور ذکر انہی منافقین مخلفین کا چل رہا ہے۔ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ۔ نزول آیت کا زمانہ سفر تبوک کا زمانہ ہے۔ یہ بات بطور پیشگوئی فرمائی جا رہی ہے کہ جب لشکر اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔ قُلۡ۔ یعنی اے رسول ﷺ آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔ لَا تَعۡتَذِرُوۡا۔ اعتذار یہاں بہانہ بنانے کے معنی میں ہے۔ **یعنی انه لا عذر لهم والمعاذیر بشوبها الکذب** (لسان) لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنی یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے، تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔ **ای لن نصدقکم** (قرطبی) اَخۡبَارِکُمۡ۔ یعنی تمہاری وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔ **ای اخبرنا بسرائرکم** (قرطبی) **ف۱۷۰** منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں تم سب پر بھی روشن ہو کر رہے گا لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کیے دیتا ہے۔ سَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَ رَسُوۡلُہٗ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر رہے گا کہ تم اخلاص واطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اس عالم مطلق سے تمہارا کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل۔ نفاق و اخلاص دونوں کا امور غیب سے ہونا ظاہر ہے۔ **ف۱۷۱** (اور کسی قسم کی مذمت و مؤاخذہ ان سے نہ کرو) سَیَحۡلِفُوۡنَ۔ یہ حلف اس مضمون کا ہوگا کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ۔ یعنی جب تم معرکۂ جہاد سے مدینہ واپس ہو گے۔ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ۔ اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنی میں ہے۔ **ای لتصفحوا من لومهم** (قرطبی) **ف۱۷۲** (اور اس دنیا میں ان کی اصلاح کی امید نہ رکھو) یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تعرض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔ فَاَعۡرِضُوۡا۔ اعراض یہاں رد و ترک اور قطع تعلق کے مفہوم میں ہے۔ **ف۱۷۳** (اپنے عقیدۂ کفر و نفاق کے اعتبار سے اور اس خبث کا علاج آتش جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات تو ان کی طرف بے کار ہے) اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ۔ تقدیر کلام یہاں ذو رجس کی بھی گئی ہے اور معنی یہ لیے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔ **تعلیل لترک معاتبتهم ای ان المعاتبة لا تنفع فیهم** (مدارک) **ای عملهم رجس والتقدیر انهم ذو رجس** (قرطبی) فقہاء امت نے ان الفاظ سے کافروں سے ترک موالات و ترک مخالطت وغیرہ کا حکم مستنبط کیا ہے۔ **هذا یدل علی وجوب مجانبة الکفار و ترک موالاتهم و مخالطتهم وایناسهم و تقویتهم** (جصاص) **المعنی ان خبث باطنهم رجس روحانی فکما یجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانیة فوجوب الاحتراز عن الارجاس الروحانیة اولی خوفا من سریانها الی الانسان** (کبیر) **ف۱۷۴** (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنان دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے) منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اس کے بندوں کی رضا جوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو مستلزم نہیں۔ **انما قیل ذلک لئلا یتوهم ان رضا المومنین یقتضی رضا اللّٰه عنهم** (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبول عذر لازمی نہیں۔ **یدل علی ان الحلف علی الاعتذار ممن کان متهما لا یوجب الرضا عنه و قبول عذره لان الآیة قد اقتضت النهی عن الرضا عن هؤلاء مع ایمانهم** (جصاص) لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی ان کی غرض صرف اس قدر ہے کہ یہ دنیا میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔

ف۱۷۵ (اپنی سخت مزاجی اور تندخوئی کی بنا پر) ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ اَلۡاَعۡرَابُ۔ اعرابی کی جمع ہے۔ اردو میں بھی انہیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔ **وجمع الاعرابی اعراب و اعاریب** (قرطبی) **یجمع الاعرابی علی الاعراب والاعاریب** (کبیر) اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی اہل عرب پر ہوتا ہے۔ **الاعراب سکان البادیة خاصة** (قرطبی) **صار ذلک اسما لسکان البادیة** (راغب) **فمن استوطن القری العربیة فهم عرب و من نزل البادیة فهم اعراب** (کبیر) ان میں کثرت سے منافقین تھے۔ **مراده الاعم الاکثر منهم** (جصاص)

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ

بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے۔ بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں

اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ

دے چکا ہے ف۱۶۹ اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر

تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس واپس کئے جاؤ گے، تو وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے ف۱۷۰ عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم ان کے پاس

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا

واپس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو ف۱۷۱

عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ

سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو، ف۱۷۲ بیشک یہ گندے ہیں ف۱۷۳ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ میں

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا

اس کے جو کچھ وہ کرتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم ان سے راضی

عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ

ہو جاؤ، سو تم اگر ان سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا

راضی نہیں ہوتا ف۱۷۴ دیہاتی (منافقین) کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں ف۱۷۵

وَ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى
اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل

رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ
کئے ہیں و۱۷۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۱۷۷ اور دیہاتیوں میں

مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ
کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اسے جرمانہ سمجھتا ہے اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ
رہتا ہے و۱۷۸ بری گردش خود انہی (منافقین) کے لئے ہے و۱۷۹ اور اللہ خوب سننے والا ہے،

عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
خوب جاننے والا ہے و۱۸۰ اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان

الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ
رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسولؐ کی

وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
دعائیں (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں سو بیشک یہ (خرچ کرنا) ان کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے،

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ
بڑا رحمت والا ہے و۱۸۱ اور (جو) مہاجرین و انصار میں سے سابق و مقدم

وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ
(ہیں) و۱۸۲ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی و۱۸۳ اللہ ان (سب) سے

و۱۷۶ اور اسی جہل، بعد و بےگانگی کی بنا پر اسلام سے بعیدتر ہیں۔ اَجْدَرُ۔ یعنی اسی قابل، اسی لائق ہیں۔ اے اولی و احق (کبیر) اَجْدَرُ الخ اعراب کا یہ جہل صحبت علماء و عقلاء سے بعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔ ذلک لقلة سماعهم للقرآن ومجالستهم للنبی ﷺ فهم اجهل من المنافقين الذين كانوا بحضرة النبی ﷺ (جصاص) عارفوں نے کہا ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل طریق صحبت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ حدود یہاں احکام کے معنی میں ہے۔ اے فرائض ما انزل اللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اے حدود الدين وما انزل الله من الشرائع والاحکام (کشاف) اے فرائض الشرع (قرطبی) بعض فقہاء نے اعرابی کی امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اس کی بنا بھی یہی ہے کہ یہ دیہاتیوں کو مجالست علماء اور سماع احکام کے مواقع کم تر ملتے ہیں۔ ولذلک کرہ اصحابنا امامة الاعرابی فی الصلاة (جصاص) و۱۷۷ چنانچہ صفت علم کے تقاضہ سے وہ واقف بھی ان تمام امور خفی و جلی پر ہے اور صفت حکمت کے تقاضہ سے سب کو سزا ابھی وقت مناسب ہی پر دے گا۔ و۱۷۸ (کہ تمہیں مصائب و تباہی سے دوچار ہونا پڑے) مَا يُنْفِقُ۔ یعنی زکوٰۃ، جہاد وغیرہ امور خیر میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔ انفاق کے معنی تو مطلق خرچ کرنے کے ہیں خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو۔ لیکن قرآن مجید نے اسے عموماً موقع مدح ہی پر استعمال کیا ہے اور مطلق انفاق سے مراد کار خیر میں خرچ ہی لی ہے۔ جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ برے اور بے جا موقعوں پر خرچ کے لیے قرآن مجید نے عموماً لفظ "اسراف" کا استعمال کیا ہے۔ يَتَّخِذُ۔ مَغْرَمًا۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرماشرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں، لیکن اسے جرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لیے گراں سمجھتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے ان کے بخل کا۔ محققین نے لکھا ہے کہ مصارف شرعی کو تکلیف و جبر تصور کرنا علامات نفاق میں سے ہے۔ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر یہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے حسد و عداوت اسلام کا۔ الدَّوَآئِرَ۔ دائرۃ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔ الدوائر هی المصائب التی لا مخلص منها تحيط به كما تحيط الدائرة (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ پیسہ کا مالک سمجھے گا، اُسے خرچ کرنا یقیناً گراں گزرے گا اور جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا اور اپنے کو محض امین یا متولی، اُسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ و۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے اس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ انہی پر الٹ دیئے اور عملاً یہ پیش گوئی لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ اسلام کی فتح مندیوں میں وسعت ہوتی گئی۔ منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں۔ ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بدبین خود ہی گرفتار بلا ہوتے ہیں۔ و۱۸۰ چنانچہ وہ منافقین کی گفتگوئے نفاق بھی خوب سن رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ و۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت و مغفرت کی بارش کر دے گا) اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے۔ بہت سے ان میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر ان کا ہو رہا ہے۔ يَتَّخِذُ مَا ۔۔۔ الرَّسُوْلِ۔ یعنی ان کا یہ امور خیر میں خرچ نمائشی اور شرماشرمی میں نہیں ہوتا، اخلاص و حسن نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِنَّهَا۔ ضمیر ما خرچ یا نفقہ کی طرف ہے۔ یعنی النفقة (ابن عباس رضی اللہ عنہ) یعنی نفقاتهم (قرطبی) قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی رضائے الٰہی ان کا اصلی اور آخری مقصود ہو گیا ہے اور صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ یعنی رسول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔ لا نها غاية القصوی وصلوة الرسول من ذرائعها (روح) مَا يُنْفِقُ۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے کار نہ جائے گا۔ واقعی اس سے قرب الٰہی و مقبولیت حاصل ہو کر رہے گی۔ سَيُدْخِلُهُمْ۔ س تاکید و تحقیق وعدہ کے لئے ہے۔ وما فی السين من تحقيق الوعد (کشاف) السين للتحقيق والتاكيد (روح) و۱۸۲ (ساری امت سے، ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر و انصار ہیں) السّٰبِقُوْنَ۔ اور الْاَوَّلُوْنَ۔ دونوں میں ال استغراق و جنس کا ہے۔ اور مِنْ تبعیض کا نہیں، تبیین کے لئے ہے۔ اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے اس کے مصداق سارے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں نہ کہ ان کا کوئی مخصوص طبقہ۔ الْمُهٰجِرِيْنَ۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسول ﷺ کی اطاعت و متابعت کے لئے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ الْاَنْصَارِ۔ انصار وہ مسلمان اہل مدینہ کہلائے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسول ﷺ اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت و نصرت کی۔ و۱۸۳ (اور اس میں امت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آ گئے) اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ باحسان کی قید بہت قابل غور ہے۔ مہاجرین ہوں یا انصار، صحابہ کرام کی کوئی سی بھی قسم ہو، بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے۔ اس لئے حکم ان حضرات کے اتباع مطلق کا نہیں۔ بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری میں ان کا اتباع کیا جائے۔" باحسان اے ما يتبعون فيه من افعالهم واقوالهم لا فی ما صدر عنهم من الهفوات والزلات اذلم يكونوا معصومين (قرطبی) وهو ان يقتدوا بهم فی الاعمال الحسنة ولا يقتدوا بهم فی غير ذلک (کبیر۔ عن محمد بن کعب القرظی) محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحاب نبی ﷺ مقتدایان امت ہیں اور تمام صالحین ان کے تابع۔ انہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ایک کے اتباع

کے دور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں، پس امیر المومنین حضرت علی ؓ تو خیر اجل اصحاب نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، امیر معاویہ جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہرحال صحابی ہیں۔ ان تک کے حق میں زبان طعن کھولنا درست نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ. فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اس کا تابع و مقلد، اور سابق کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ فيه الدلالة على تفضيل السابق الى الخير على التالي لانه داع اليه بسبقه والتالي تابع له فهو امام له وله مثل اجره (جصاص) وف۱۸۴ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اس نے ان سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ و جزا سے سرفراز کیا اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انہوں نے دل سے طاعت و اطاعت اختیار کی) رضا العبد عن الله ان لا يكره ما يجرى به قضائه ورضا الله عن العبد هو ان يراه مؤتمرا لامره ومنتهيا عن نهيه (راغب) بہرحال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کر دی بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پورا پورا ہو گی۔ يعني ان منهم السابقين الى الهجرة وان منهم التابعين والتي عليهم (قرطبی) دلت على ان من اتبعهم انما يستحقون الرضوان والثواب بشرط كونهم متبعين لهم باحسان (کبیر) رَضُوْا عَنْهُ. کے تحت میں عارفین و مشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقے قرار دیئے ہیں:۔ (۱) دل مانے یا نہ مانے مگر اتباع احکام بالالتزام و مقدم جانے۔ یہ مبتدی صاحب تقویٰ کا مقام ہے۔ (۲)

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے وف۱۸۴ اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں

تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ

کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

بڑی کامیابی ہے وف۱۸۵ اور کچھ تمہارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں سے

مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى

اور کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں وف۱۸۶

النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

آپ (بھی) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی انہیں جانتے ہیں ہم انہیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

دوہری سزا دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے وف۱۸۷

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا

اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے

صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ

(کچھ) بھلے اور کچھ وف۱۸۸ برے، توقع ہے کہ اللہ ان پر توجہ

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ

کرے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وف۱۸۹ آپ ان کے

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے وف۱۹۰

تقدیر الٰہی اور احکام حضرت حق ایسے بامزہ و محبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو۔ یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. ہوتا ہے۔ (۳) کمال توحید و عرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ یہ تمام کائنات ذاتی و صفاتی عین فعل و امر حضرت حق ہی دکھائی دے، اسباب کا حجاب اور وسائط و وسائل کا دخل ہی نہ رہ جائے۔ یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے ..... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مقام رضا سے فائق و افضل کوئی مقام نہیں۔ وف۱۸۵ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں، تکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی و حقیقی کامیابی اخروی ہی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو۔ مسلمان کا منتہائے مقصود فلاح آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ وف۱۸۶ (اور اسے حد کمال تک پہنچا دیا ہے) اے اقاموا عليه ولم يتوبوا (ابن جریر۔ عن ابن زید) اے لجوا واستمروا فيه ولم يتوبوا عنه (کبیر) اے تمہروا فيه (کشاف) مِّمَّنْ حَوْلَكُمْ۔ "تمہارے گردوپیش" یعنی تمہارے شہر کے گردوپیش، یعنی حول بلدتكم وهي المدينة (کشاف۔ مدارک) وف۱۸۷ لَا تَعْلَمُهُمْ۔ یعنی ان کا نفاق اس حد کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر مخفی ہے کہ آپ کو بھی، بایں فطانت و ذکاوت و کمال باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی صریح نفی موجود ہے۔ جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔ وورودت الاية في نفي علم الغيب عن رسول الله ﷺ صريحا (تھانوی) کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیے۔ لا ينبغي الاقدام على دعوى الامور الخفية من اعمال القلب ونحوها (روح) یہ اور اسی قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب و اشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور و اطلاع غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں صلحاء کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔ وهذه الأيات ونحوها اقوى دليل في الرد على من يزعم الكشف والاطلاع على المغيبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضهم يتساهلون في هذا الباب جدا (روح) امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (۶۱ھ تا ۱۱۷ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں کے جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اور پھر کئی آیات قرآنی نقل کی ہیں۔ قتادہ بھی پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے، علامہ ابن حیان غرناطی (۶۵۴ھ تا ۷۴۵ھ) ان کا یہ قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ حال اس زمانہ کا ہے جو عہد صحابہ سے اس قدر متصل تھا اور کثرت خیر کے لئے ممتاز تھا لیکن شیاطین انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے جب بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے ہی دعووں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ سنت رسول ﷺ کی طرف اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں! (بحر) ..... یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا غریب رہنے والا اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے! اور یہیں سے اکابر اہل سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی پر قطعی طور پر جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم لگا دینا درست نہیں۔ هذا يمنع ان يحكم على احد بجنة او نار (قرطبی) نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا۔ یہ صرف علم خداوندی کا خاصا ہے۔ وهذا يمنع ان يحكم على احد بجنة او نار (قرطبی) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ (یہ دوہری سزا قتل آخرت ہو گی۔ ایک سزا نفاق کی، دوسری سزا کمال نفاق کی) لعل تكرير عذابهم لما فيه من الكفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤكد بالتمرد فيه (روح) ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ. یہ عذاب عظیم ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہے۔ دو عذاب اس کے قبل کے۔ جس پر لفظ ثُمَّ۔ دلالت کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سزا اسی دنیا کی ہو، اور دوسرا عذاب قبر ہو۔ قبل آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔ احدهما في الدنيا والاخرى في القبر (ابن جریر) اے عذاب الدنيا وعذاب القبر (قرطبی۔ عن الحسن۔ وقتادہ)

اکثر الناس علی ان عذاب الثانی ھو عذاب القبر (بحر) ھما القتل وعذاب القبر او الفضیحة وعذاب القبر (مدارک) و۱۸۸ غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے بیان ان کا شروع ہو رہا ہے۔ ان میں بھی کچھ ایسے تھے جنہیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انہوں نے جب آپ کی واپسی کی خبر سنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپ کھولیں تو خیر، ورنہ یوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نور استعداد پوری طرح باقی تھا۔ عَمَلًا صَالِحًا۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت یا خود اسی موقع پر یہ احساس ندامت۔ اٰخَرَ سَیِّئًا۔ جیسے بے عذر معقول اسی غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد عام حالت میں صرف فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امیر المسلمین (چہ جائیکہ رسول اللہ) حکم عام دے دیں تو اب فرض عین ہو جائے گا اور یہی صورت یہاں تھی۔ وَّ اٰخَرَ۔ میں و علاوہ عطف و جمع کے بائے الصاق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ قالوا وبمعنی الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے۔ جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہو کر اعمال صالح کرنے لگتا اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا ہے۔ و۱۸۹ چنانچہ اسی شان غفر و رحمت کے تقاضہ سے ان لوگوں کا قصور معاف ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً آکر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول دیئے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

اور آپ ان کے لئے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے حق میں (باعث) تسکین ہے، اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۱۹۱ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ

کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے اور وہ

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ

بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے و۱۹۲ اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، سو تمہارے عمل کو

عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى

اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب و شہود کے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

جاننے والے کے پاس واپس جانا ہے تو وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم اب تک کیا کرتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

رہے ہو۔ و۱۹۳ اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (ان کا معاملہ) اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے خواہ

يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کرے و۱۹۴ اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

بڑا حکمت والا ہے و۱۹۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے

وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا

اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اس غرض کے لئے جو اس

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ عسیٰ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کیلئے نہیں بلکہ یقین دلانے کے لئے آتا ہے۔ قال الحسن عسی من اللہ واجب (جصاص) آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں۔ اور امید قبول بخوبی برابر اس وقت تک قائم ہے جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کئے جاتا ہے۔ فی ھذہ الاٰیة دلالة علی ان المذنب لا یجوز له الیاس من التوبة وانما یعرض ما دام یعمل مع الشر خیر (جصاص) و۱۹۰ (ہر ظلمت و کدورت سے) "جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آگے تطہیر و تزکیہ کے کیا معنی۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مؤاخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقة تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے یہ ظلمت و کدورت عموماً مندفع ہو جاتی ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُطَهِّرُ وَ تُزَكِّيْ۔ کو صدقہ کی صفت بھی سمجھا گیا ہے، اور حال بھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بہترین ترکیب یہ ہے کہ ضمیر ین مخاطب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی جائیں۔ والاجود ان تکون المخاطبة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ای فانک تطھر وتزکیھم بھا (قرطبی۔ عن الزجاج) گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آگئی، اب اس کے بعد تزکیہ کا معنی میں مزید ترقی کے لئے ہے۔ التزکیة مبالغة فی التطھیر وزیادة فیه (کشاف۔ مدارک) تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرط اخلاص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ خُذْ۔ امر وجوبی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف و تردد جائز نہیں، صدقہ سے یہاں مراد زکوٰۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں۔ لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ لیس المراد الصدقة الواجبة و انما ھی صدقة کفارة الذنب الذی صدر منھم (کبیر۔ عن الحسن) روی عن الحسن انھا لیست بالزکوٰة المفروضة و انما ھی کفارة الذنوب التی اصابوھا (جصاص) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے، اس سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے، اس لئے کسی شخص کا یہ طور خود صدقہ ادا کر دینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے۔ یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانه متی اداھا من وجبت علیه الی المساکین لم یجزه لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل له الی اسقاطه (جصاص) و۱۹۱ سو اس نے ان کے توبہ و استغفار کو اور ان کے الفاظ اعتراف کو خوب سن بھی لیا اور ان کے احساس ندامت کو خوب جان بھی لیا۔ وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ۔ علماء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دعا دینا مستحب ہے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین و منتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین و محتاج تو بدرجہ اولیٰ دعائے خیر و ادائے شکر پر مامور ہو گا مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کر کے بعد فراغ ضیافت صاحب ضیافت کے حق میں دعائے خیر و برکت اختیار کی ہے اور مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے امداد ہمت اور افاضہ انوار صحبت کا حکم نکل رہا ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اس میں اثبات ہے ان اشخاص کے کمال اخلاص کا۔ فقہاء صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے تزکیہ اخلاق و تصفیہ قلوب اور عطائے مقام تسکین و رضا پر مامور تھے اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہیے۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسول کی دعا امت کے حق میں، امام کی رعایا کے حق میں، مشائخ کی شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی چھوٹوں کے

حق میں دعوۂ قبول رکھتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے، مثلاً اعتراف ذنوب کی فضیلت، معترف کا قبول عذر، بعض اعمال (مثلاً صدقہ) کی برکات، شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا) (قس علی ہذا۔ وٓ۱۹۲ (چنانچہ اس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کر لی اور اس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دے دیا) يَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ اخذ یہاں لفظی معنی میں نہیں بلکہ قبول کر لینے کے مفہوم میں ہے۔ الاخذ هنا استعارة للقبول (روح) أَلَمْ يَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔ یہاں پر زور دے کر بتا دیا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب رحیم سے ہے نہ کہ رسول ﷺ سے۔ اے ان ذلک لیس الی رسول اللہ ﷺ انما اللہ هو الذی یقبل التوبة (مدارک) هذا نص صریح فی ان اللہ تعالی هو الآخذ لها والمثیب علیها وان الحق له عزوجل والنبی ﷺ واسطة (قرطبی) الفائدة الثانیة فی هذا التخصیص هو ان قبول التوبة لیس الی رسول اللہ ﷺ انما الی اللہ الذی هو یقبل التوبة تارة ویردها اخری فاقصدوا اللہ بها و وجهوها الیه (کبیر) عَنْ عِبَادِهٖ۔ فعل قبول کا صلہ عن کے ساتھ آیا ہے تو تجاوز عن الذنوب کے مفہوم کے لئے۔ تعدیة بعن لتضمن معنی التجاوز (بیضاوی) اے یقبل ذلک متجاوزًا عن ذنوبهم التی تابوا عنها (روح) وٓ۱۹۳ نفاق قلب اور ضعف ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت رجزائے اعمال کا استحضار پوری پوری طرح رہے اور قرآن مجید ہر

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ

کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے ایک کمین گاہ مل جائے وٓ۱۹۶ اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے

إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ

کہ ہماری غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں وٓ۱۹۷ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ

(بالکل) جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں وٓ۱۹۸ (البتہ جس) مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ

تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں وٓ۱۹۹

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ

اس میں (ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو

الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

پسند کرتا ہے وٓ۲۰۰ سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اور رضا مندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے وٓ۲۰۱ پھر وہ (عمارت) اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑی

وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا وٓ۲۰۲ ہمیشہ ان کی

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ إِلَّآ أَنْ

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ

ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے۔ فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ۔ س تقریب یا ابھی کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی دنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا۔ اِعْمَلُوْا۔ اس صیغۂ جمع کے مخاطب کل لوگ ہیں۔ خطاب للجمیع (قرطبی) وٓ۱۹۴ (شرائط قبول توبہ کے نہ موجود اور موجود ہونے کی بنا پر، عدم اخلاص و اخلاص کی بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۹۔ اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے، نہ دوسری طرف متعین صادقین کی طرح یہی کیا کہ اپنے کو ستونوں سے باندھ دیتے یا کوئی اور سزا اپنے کو دینے لگتے، انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری دے کر محض سیدھی اور سچی بات عرض کر دی، انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو، جیسا بھی حکم تمہارے رب میں نازل ہو۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قبول توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو۔ ذلک یدل علی ان الندم وحده لا یکون کافیًا فی صحة التوبة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف و امید کے درمیان معلق ہی چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے توحش پھر مایوسی پھر بعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں۔ کچھ روز تک معلق رہنے میں اسی کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اِمَّا۔ کلمہ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالت امید میں رہیں۔ واللہ عالم بمصیر الاشیاء ولکن المخاطبة للعباد علی ما یعرفون اے لیکن امرهم عندکم علی الرجاء لانه لیس للعباد اکثر من هذا (قرطبی) وٓ۱۹۵ چنانچہ وہ سب کے اخلاص، درجۂ اخلاص و عدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے اور جیسا بھی مقتضائے حکمت ہو وہ بلا توبہ یا بعد توبہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔ وٓ۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا۔ الذین کی تقدیر کلام ومنهم الذین ہے اور جملہ کا عطف جملۂ سابق پر ہے۔ اے ومنهم الذین اتخذوا (کبیر) اے ومنهم الذین (روح) عطف جملة علی جملة (قرطبی) رسول اللہ ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافات شہر کی آبادی محلہ قبا میں قیام فرمایا۔ اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر لی۔ پھر جب آپ شہر میں آ گئے تو مومنین مخلصین نے محلہ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر لی۔ اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی۔ اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں، جلسے اور منصوبہ بازیاں ہوا کریں۔ مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ ضِرَارًا۔ یعنی مقاصد اسلام و مسلمین کو ضرر پہنچانے کو۔ كُفْرًا۔ یعنی عداوت رسول کا چرچا کرنے کو۔ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آ جاتی۔ انما کان مرادهم التفریق بین المؤمنین وان یتحزبوا فیصلی حزب فی المسجد و حزب فی مسجد آخر لتختلف الکلمة و تبطل الالفة والحال الجامعة وارادوا به ایضاً لیکفروا فیه بالطعن علی النبی ﷺ والاسلام (جصاص) وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابو عامر کی جانب۔ منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اسی وہاں میں ٹھہرایا کریں گے۔ یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ہرقل مسیحی شہنشاہ روم سے دوستی کا مدعی تھا۔ کہتا تھا ان سے باقاعدہ فوج لا کر اسلام کو نیست و نابود کر دوں گا۔ قال ابن عباس ومجاهد ارادوا به اباعامر الفاسق وکان شدید العداوة للنبی ﷺ عنادًا وحسدًا لذهاب رياسته التی کانت فی الاوس قبل هجرة النبی ﷺ الی المدینة فقال للمنافقین سیاتی قیصر وآتیکم بجند فاخرج به محمدًا واصحابه (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے کمال

شناعت اس شخص کے فعل کی معلوم ہوئی جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حسن وقبح کا حکم ارادۂ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔ انه دلت هذه الاية على ترتيب الفعل في الحسن او القبح بالارادة (جصاص) و۱۹۷ منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو امت اسلامیہ کی عین آسائش اور اس کے لئے مزید گنجائش ہی مقصود ہے بجائے ایک کے دو مسجدیں ہوگئیں، قریب والوں کو کتنی آسانی ہوگئی۔ وقس علی ہذا ۔ آہ، کہ آج بھی کتنے الا الحسنی کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں! و۱۹۸ (نماز کے لیے) ای لا تقم فيه للصلاة (قرطبی) یہ مسجد ضرار تو صرف صورۃً مسجد تھی ورنہ حقیقۃً تو عداوت اسلام کے لیے ایک کمین گاہ تھی جیسے کہ ابھی قرآن مجید تصریح کر چکا ہے۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفت مومنین پر ہو گرا دینے کے قابل ہے۔ فيه الدلالة على ان المسجد المبنى لضرار المومنين والمعاصى لا يجوز القيام فيه و انه يجب هدمه (جصاص) بعض نے لا تقم سے مجاز مراد لی ہے۔ یعنی کسی قسم کا التفات ونصرت اس عمارت اور اس کے بانیوں کی جانب نہ کریں۔ ای لا تنصره و لا تلتفت اليه ولا تكن معهم (جصاص) محض نام یا نیت جبکہ حقیقت سے خالی ہو ہرگز کسی حکم شرعی پر مؤثر نہیں ہو سکتا، چنانچہ نام اس عمارت کا بھی مسجد ہی تھا تاہم چونکہ حقیقت مسجدی سے بالکل خالی تھی اس لیے قابل تو قیر واحترام تو کیا ہوتی الٹے گرادیے جانے اور جلا دیے جانے کے قابل بھی گئی۔ چنانچہ احادیث میں یہ تصریح

تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ

ان کے دل ہی فنا ہو جائیں و۲۰۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۲۰۴ بلاشبہ اللہ نے

اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ

مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں

لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ

جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں

وَ یُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ

اور (کبھی) وہ مار ڈالے جاتے ہیں و۲۰۵ اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت

وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ

اور انجیل اور قرآن میں و۲۰۶ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ

والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی بیع پر جس کا تم نے سودا کیا ہے

وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ

اور یہی بڑی کامیابی ہے و۲۰۷ (وہ مجاہدین) توبہ کرتے رہنے والے ہیں، عبادت کرتے رہنے والے ہیں،

الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

حمد کرتے رہنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں رکوع کرتے رہنے والے ہیں، سجدہ کرتے رہنے والے ہیں،

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیک باتوں کا حکم کرتے رہنے والے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہنے والے ہیں

وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے و۲۰۸

آتا ہے کہ آپ نے صحابہ کو بھیج کر اسے منہدم کرا دیا اور اس میں آگ لگوا دی ...... اور یہی حکم ہر خلاف شریعت رسم کا ہے خواہ اس کا انتساب اکثر کسی ولی یا کسی نبی کی جانب ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امر مکروہ شرعی کے لیے سبب بننے سے بھی تحرز ضروری ہے۔ و۱۹۹ (اور نماز پڑھا کریں) لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مسجد قبا۔ لام ابتداء کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام قسم کا ہے۔ اللام لام الابتداء (معالم) و قيل لام القسم تقديره والله مسجد اسس (معالم) اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو صفائے وقت وطیب حال وذوق وجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے جو خلاف تقویٰ پر مبنی ہوگی اس میں کدورت اور تفرق اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ ''مسجد ضرار'' کے لیے منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں تو بڑی برکت حاصل ہو جائے اس کا جواب اوپر مل چکا اور مسجد قبا کے لیے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہوگئی۔ فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لیے دوسری عمارتوں سے افضل ہوتی ہیں اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے هذا يدل على ان بعض الاماكن قد يكون اولى بفعل الصلوة من بعض و ان الصلوة قد تكون منهية عنها فى بعضها ويدل على فضيلة الصلوة فى المسجد بحسب ما بنى عليه فى الاصل (جصاص) و۲۰۰ (پس مسجد قبا والے تو عین مقام محبوبیت پر ٹھہرے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مسجد کی فضیلت خود مسجد کی اور اس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فيه الدلالة على ان فضيلة اهل المسجد فضيلة للمسجد والصلاة فيها (جصاص) بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں۔ مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بہ عبارت النص ہے اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے یعنی جب صحابہ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھیری تو مسجد نبوی کے بانی امام المتقین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرور عالم تھے وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے عموم الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت کو لازم ومحبوب بنائے، اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں اس لیے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر ۔ اور رجال سے بھی مرد ہی مخصوص نہیں، مرد عورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت کو بھی اثر عظیم ہے (جیسا کہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو فرمادیا گیا) غرض یہ کہ حصول جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور افق طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمانہ کی رعایت کو بھی دخل ہے۔ و۲۰۱ مراد اس سے اغراض باطلہ کفریہ ہیں۔ تشبیہ ناپائداری بے ثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے اور دوسری کی معصیت وکفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل، دوسری ذلیل ہے اور گرا دیے جانے کے قابل ہے۔ و حاصل الكلام ان احد البنائين قصد بانيه ببنائه تقوى الله و رضوانه و البناء الثانى قصد بانيه ببنائه المعصية والكفر فكان البناء الاول شريفاً واجب الابقاء و كان الثانى خبيثاً واجب الهدم (كبير) و۲۰۲ یعنی ان کو جو تمام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسدہ دین ہی میں برپا کرتے رہتے ہیں۔ فانهار به۔ ضمیر بانی عمارت کی طرف ہے جو اس میں رہا کرتا تھا۔ ای بالبانى (معالم) ای المؤسس البانى (بحر) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرادی گئی۔ لیکن بہتوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال وتشبیہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ کفر ونفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم وہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔ قيل هذا ضرب مثل اى من اسس بنيانه على الاسلام خير ام من اسس بنيانه على الشرك والنفاق و بين ان بناء الكافر كبناء على شفا جرف هار يتهور اهله فى جهنم (بحر) واختار غير واحد ان معنى

الأية الممن اسس بنيان دينه على قاعدة محكمة هي التقوىٰ و طلب الرضا بالطاعة خير ام من اسس على قاعدة هي اضعف القواعد وارخاها فادى به ذٰلک لخوره و قلة استمساكه الى السقوط في النار (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتداء اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص نیت سے کی جاتی ہے اُسے پائیداری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ في هذه الأية دليل على ان كل شئ ابتدئ بنية تقوى الله والقصد لوجهه الكريم فهو الذي يبقى و يسعد به صاحبه و يصعد الى الله و يرفع اليه (قرطبی) وٖ۲۰۳ (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہو جائیں۔ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ یعنی ہمیشہ موجب حسرت و حرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ کنایہ ہے دوام حسرت سے۔ یہ مراد نہیں کہ موت و فنا کے بعد انہیں راحت نصیب ہو جائے گی۔ هذا كناية عن تمكن الريبة في قلوبهم التي هي محل الادراک و اضمار الشرک بحيث لا يزول منها ما داموا احياء (روح) والمقصود ان هذه الريبة باقية في قلوبهم ابدًا و يموتون على هذا النفاق (کبیر) وٖ۲۰۴ وہ سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے۔ اور ایک ایک سے اُسی کے حال کے مطابق و مناسب معاملہ کرے گا۔ وٖ۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے) اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین اپنے جان و مال کو بلا شرط و قید و حجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر رہے ہیں اور ادھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔ يخبر تعالى انه عاوض من عباده المومنين عن انفسهم و اموالهم اذ بذلوها في سبيله بالجنة (ابن کثیر) جہاد و قتال اسی اصل کی ایک اہم فرع ہے۔ اِشْتَرٰی۔ لفظ اشتراء کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت و کرم ہی سے ہے ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی ملک ہے کب؟ یہ ملک تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے...... اپنی ہی ملک کو دوسرے سے "خرید کر" لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا بجز احسان بے غایت کے اور کیا ہے؟ وهذا من فضله و كرمه و احسانه فانه قبل العوض عما يملكه (ابن کثیر) وهو عوض عظيم لا يدانيه المعوض و لا يقاس به فاجزى ذٰلک على مجاز ما يتعارفونه في البيع والشراء فسمى هذا شراء (قرطبی) روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۳ھ ق ھ ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے) اور ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہ ؓ نے عرض کی کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا "جنة"۔ وہ لوگ بول اٹھے ربح البيع لا نقيل ولا نستقيل یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں! تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بذل نفوس و اموال کا تھا۔ قتال و مقاتلہ اسی کی فرع ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے امت محمدیؐ کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ثم هي بعد ذٰلک عامة في كل مجاهد في سبيل الله من امة محمد ﷺ الى يوم القيامة (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔ هذه الأية دليل على جواز معاملة السيد مع عبده وان كان الكل للسيد (قرطبی) فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ۔ اس ٹکڑے نے صاف کر دیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت، مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں۔ محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے۔ دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔ ولم يجعل المعقود عليه كونهم مقتولين فقط بل كونهم قاتلين ايضاً لاعلاء كلمة الله تعالى ونصرة دينه سبحانه (روح) وٖ۲۰۶ قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ توریت و انجیل کے ناموں کا اضافہ تاکید بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔ عَلَیْهِ۔ یعنی اسی بذل نفوس و اموال پر، ایثار جان و مال پر۔ وَعْدًا۔ حَقًّا۔ سچا وعدہ جنت کا۔ فِی التَّوْرٰىةِ۔ توریت جس کی تحریفات دوست دشمن سب کو مسلم ہیں، اب اس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاید قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اللہ کی محبت و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں:۔ "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔" (استثناء ۶: ۴، ۵) اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کرے گا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست رکھے۔" (استثناء ۳۰: ۶) وَالْاِنْجِیْلِ۔ انجیل تو توریت سے بھی محرف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے۔ تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا ہے:۔ "جس کسی نے گھروں، یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔" (متی ۱۹: ۲۹) وٖ۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان اور جنت کا یقین۔ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ انتہائی تاکید و تنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خلف وعدہ کا ہو۔ وعدہ اس کا ہے جس کے وعدہ میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فَاسْتَبْشِرُوْا۔ اوپر سے صیغہ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب معاً بہ قاعدہ صنعت التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا۔ جو دلیل ہے مخاطبین کے کمال شرف و اکرام کی۔ ہر مومن جب توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے، تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے۔ اور شاید اسی لئے حسن بصری نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت امت محمدیؐ کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔ وقال الحسن والله ما على الارض مومن الايدخل في هذه البيعة (قرطبی) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں۔ مثلاً لفظ وعداً اور پھر علیہ اور پھر حقاً وغیرہا۔ وٖ۲۰۸ (اسی جنت کی) اَلتَّآئِبُوْنَ۔ مراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفات بالا بھی موجود ہوں جن پر جنت کا وعدہ ہے۔ اَلتَّآئِبُوْنَ...... اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفات کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں۔ یہ صفات اجر جہاد کی شرط نہیں، البتہ ان کے اجتماع پر ثواب و فضلیت میں کثرت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجا لاتے رہیں۔ اَلسَّآئِحُوْنَ۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور صحابہ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ الصائمون عن ابن مسعود و ابن عباس وغيرهما (قرطبی) رواه ابوهريرة مرفوعاً عن النبي ﷺ انه قال سياحة امتي الصيام (قرطبی) عن ابن مسعودؓ و ابی هريرةؓ ان النبي ﷺ سئل عن ذٰلک فاجاب بما ذكروا اليه ذهب جلة من الصحابة والتابعين (روح) ایک معنی طلبہ علم کے بھی لیے گئے ہیں جو علم کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ المراد طلاب العلم ينتقلون من بلد الى بلد في طلب العلم (کبیر۔ عن عکرمۃ) قيل هم الذين يسافرون لطلب الحديث والعلم (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر اس تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔

ف۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انہوں نے نہ کیا ہو) حکم اسی ظاہر پر لگایا جائے گا باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ ظاهر حال المرء عند الموت يحكم عليه بها فان مات على الايمان حكم له به وان مات على الكفر حكم له به وربك اعلم بباطن حاله (قرطبی) اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ۔ مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورۂ مجر میں برابر کافروں سے ترک تعلقات کے احکام ہیں۔ اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے۔ اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہوجائیں۔ جرم شرک و کفران کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا (یہاں تک کہ نسبت نسبی بھی) نجات کے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔ ف۲۱۰ (اس کی حالت حیات میں، جبکہ آپ کو یہ علم ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی موت کفر پر ہوگی اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت و سند نہیں) اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے۔ ساستغفر لک ربی انه کان بی حفیا۔ مَا کَانَ۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے کہیں تو تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں ما کان لنفس ان تموت الا باذن الله۔ اور کہیں تشریعی طور پر نہی یا ممانعت مثلاً اسی آیت میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مرید کو منع کرے اور خود اس کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہئے کہ مرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کردے تاکہ وہ اس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔ ف۲۱۱ (اور اس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی) جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں، لیکن زندگی بھر تو یہ امید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ شاید اب اسے توفیق ہدایت ہو جائے اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلق ممنوع نہیں۔ وقد قال كثير من العلماء لا باس ان يدعوا الرجل لابويه الكافرين ويستغفر لهما ما داما حيين (قرطبی) بلکہ حضرات صحابہ کا عمل ہی یہی تھا۔ قال ابن عباس كانوا يستغفرون لموتاهم فنزلت فامسكوا عن الاستغفار ولم ينههم ان يستغفروا للاحياء حتى يموتوا (قرطبی) ف۲۱۲ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے، یہاں تک کہ جوش شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کرلیا) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔ اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کو دوزخ میں دیکھ کر دعا کریں گے کہ مجھے حسب وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آزر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے۔ اسی کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔ اَوَّاهٌ کہتے ہیں خشیت الٰہی سے مغلوب کو۔ يعبر بالاواه عمن يظهر خشية الله (راغب) حدیث نبوی ﷺ میں اس کی شرح الخاشع المتضرع سے آئی ہے۔ رواه عبد الله بن شداد بن الهاد عن النبی ﷺ (قرطبی) ف۲۱۳ (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفار مشرکین سے ممانعت کی نہیں کی گئی تھی اس استغفار کی یہ سزا تمہیں مل نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کردیا جائے)" ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ ان کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا مادہ غریبہ پیدا ہو جاتا ہے......اور اس پر نظر کرکے مومن خائف کو توہم ہوسکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار ناجائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو۔ اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے، کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے۔" (تھانوی) لِیُضِلَّ۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کسی کو کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے، بلکہ آیت پر پورے غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم مَا یَتَّقُوْنَ کی پروا نہیں کرتا اور اس کی "تبیین" ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کیے جاتا ہے، جب جا کر اس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔ ففي هذا ادل دليل على ان المعاصي اذا ارتكبت وانتهك حجابها كانت سببا الى الضلالة والردى وسلما الى ترك الرشاد والهدى (قرطبی) ف۲۱۴ (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اس کے بتائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق اضلال کون) ف۲۱۵ وہی قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ ...... یُمِیْتُ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اسی کا ہے، وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچالے۔ کسی شے میں فی نفسہ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت و منفعت کی جو بھی خاصیت پیدا ہوتی ہے، اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت و ارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا

نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی

لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ

تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ

ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ ہیں ف۲۰۹ اور ابراہیم کا

اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ

اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے

اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ

اس سے کرلیا تھا ف۲۱۰ پھر جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بےتعلق ہوگئے ف۲۱۱ بیشک

اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ

ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے ف۲۱۲ اور اللہ یہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت

قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ

کئے پیچھے گمراہ کردے جب تک ان لوگوں کو صاف صاف نہ بتادے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں ف۲۱۳

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ف۲۱۴ بیشک وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ

آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ

تمہارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں ف۲۱۵ بیشک اللہ نے نبی کے

وف۲۱۶ ذکراب پھر غزوۂ تبوک کا چلا جواوپر بھی دور تک آچکا ہے۔ تَابَ اللہُ عَلَی النَّبِیِّ ۔ نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کہ آپ کو نبوت سے اور امامت جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ بہ رحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ۔ اس غزوہ کے خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعة العسرة فرمایا گیا ہے، حسب ذیل تھے:۔ (۱) شدید گرمی کا موسم۔ (۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔ (۳) مسافت دور دراز کا سفر۔ (۴) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد داں رومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامانِ جنگ سے آراستہ۔ (۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔ (۶) سامان رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا ہے اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔ ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں ملے گی۔ تَابَ ۔۔۔ الْاَنْصَارِ ۔ آیت مدح صحابہ کے باب میں بالکل شافی و وافی ہے۔ اور جن فرقوں نے اصحاب نبی ﷺ پر زبان طعن دراز کی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ فیہ مدح لاصحاب النبی ﷺ الذین غزوا معہ من المھاجرین والانصار واخبار بصحة بواطن ضمائرھم وطھارتھم لان اللہ تعالٰی لا یخبر بانہ قد تاب علیھم الا وقد رضی عنھم افعالھم (جصاص) وف۲۱۷ (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہمت ہار جائے) ای کادوا لا یثبتون علی اتباع الرسول (کبیر) لفظ ما کاد'' (قریب تھا)'' خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔ وف۲۱۸ (کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ ساتھ ہو لئے) وف۲۱۹ (چنانچہ ہر ایک کے حال پر رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی) وف۲۲۰ (اور جن کا ذکر آیت نمبر ۱۰۶ میں گزر چکا ہے) احادیث میں ان تین صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں۔ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیعہ الانصاری، ہلال بن امیہ الواقفی رضی اللہ عنہم۔ خُلِّفُوْا ۔ یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا، وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔ ای خلفوا امرھم (بیضاوی) خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ لیس الذی ذکر اللہ مما خُلِّفْنَا تخلفنا عن الغزو وانما ھو تخلیفہ ایانا وارجاءہ امرنا عمن حلف لہ واعتذر الیہ فقبل منہ (قرطبی) وف۲۲۱ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آرہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابل برداشت ہو چلی تھیں۔ ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ ان کا کوئی دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز و قریب۔ حد یہ ہے کہ ان کی بیویوں تک نے (جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت لی فی نفسی الارض فما ھی بالارض التی کنت اعرف (لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا (یعنی وطن پردیس بن گیا تھا) اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں:۔ فقد ضاقت علی نفسی وضاقت علی الارض بما رحبت (میں اپنی جان سے تنگ آگیا اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اوپر تنگ ہوگئی) اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی۔ سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی! ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے۔ (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے!۔۔۔۔ یہ سزا ایسے ایسے اکابر کو مل رہی ہے! یہ معنی ہیں نظام اسلامی میں ڈسپلن یا اطاعت کے! یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو (تھانوی) وف۲۲۲ ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے مخلصین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو پھر ان پر کرم کی بارش کی جاتی ہے یعنی انہیں توفیق نیک دی اور پھر ان کا قصور معاف کر دیا۔ ای وفقھم للتوبة (قرطبی) وف۲۲۳ یعنی آیندہ بھی ہر موقع معصیت و معصیت میں اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔ قبل توبتھم من التخلف لیتوبوا فی المستقبل اذ صدرت منھم ھفوة ولا یقنطوا من کرمہ سبحانہ (روح) وف۲۲۴ یعنی صادقوں کی راہ پر چلو۔ انہی کی طرح صدق اختیار کرو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجماع امت کے حجت شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ دل علی قیام الحجة علینا باجماعھم (جصاص) والآیة تدل علی ان الاجماع حجة لانہ امر بالکون مع الصادقین فلزم قبول قولھم (کبیر) یدل علی ان اجماع الامة حجة (مدارک) عارفین نے شیوخ کامل و ائمہ مجتہدین کی اقتداء و صحبت کا اشارہ بھی اس سے سمجھا ہے۔ الصّٰدِقِیْنَ ۔ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔ الذین صدقوا فی الدین نیة وقولا وعملا (مدارک) مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ بعض نے معیت کی تفسیر قرب و قرین رہنے سے کی ہے۔ اس صورت میں صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔

عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا ف۲۱۶ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں

فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ

کچھ تزلزل ہو چلا تھا ف۲۱۷ پھر (اللہ نے) ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ف۲۱۸ بیشک وہ ان کے حق میں بڑا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى

شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا ف۲۲۰ یہاں

اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

تک کہ جب زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ

تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز

اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اسی کی طرف کے ف۲۲۱ پھر اس نے ان پر رحمت سے توجہ فرمائی ف۲۲۲ تاکہ وہ رجوع کرتے رہا کریں ف۲۲۳ بیشک

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

اور راستبازوں کے ساتھ رہا کرو ف۲۲۴ مدینہ والوں

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ

اور ان کے اردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں نہ چاہیے تھا کہ

ف۲۲۵ یعنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور مشقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ ﷺ جھیلتے رہیں۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت و نصرت صرف عرب تک محدود یا شان رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ نصرت دین مقصود ہے۔ اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت و حفاظت میں مستعد رہے۔ آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے۔ حالانکہ مراد نہی یا امر امتناعی ہے۔ یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔ **ف۲۲۶** (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسول اللہ کے ساتھ جاتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا) یہ مقتضٰے مقبولیت و محبوبیت ہے کہ امور اضطراریہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دے گئے (تھانوی) لیکن یہ اعمال و کیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں،

رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز رکھیں ف۲۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا

یہ (رفاقت ضروری) اس لئے تھی کہ ان (مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی

مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

اور جو بھوک لگی اور جو چلنا وہ چلے کافروں کو غیظ میں

یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ

لانے والا اور دشمن سے انہیں جو کچھ حاصل ہوا ان سب پر ان کے نام

لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ

(ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا ف۲۲۶ بیشک اللہ نیکوکاروں کا اجر

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۙ وَ لَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّ لَا

ضائع نہیں کرتا ف۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انہوں نے کیا

كَبِیْرَةً وَّ لَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ

اور جو میدان انہوں نے طے کئے یہ سب ان کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ انہیں ان کے

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ مَا كَانَ

کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ف۲۲۸ اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ

نہ چاہیے کہ (آیندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں ف۲۲۹ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے

فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ

ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ف۲۳۰

جیسے بس چلنا تو بہرحال تمام تر اختیاری تھا، تھکن جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بطور نظیر ہے، یہ مراد نہیں کہ اجر صرف انہی چند اعمال و کیفیات پر محدود ہے۔ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ ۔ لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ لا زائدة للتوكيد (قرطبی) لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا ۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کی چیزیں۔ یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت۔ دوسری طرف زخم، قتل، گرفتاری وغیرہ مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ اے لا يصيبون من عدوهم قتلا او اسرا او غنيمة او هزيمة (معالم) اے قتلا او هزيمة (قرطبی) وهو قتلهم او اخذ اموالهم او اخراجهم عن ديارهم هذا كله نيل منهم (جصاص) **ف۲۲۷** (سو اس کے وعدہ میں کسی تخلف کا احتمال ہی نہیں) **ف۲۲۸** یعنی ان میں کی سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھی گئی۔ اللہ کی راہ میں ہر قدم اٹھانے کے لئے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہے تو اس کے بعد پھر جہاد و قتال کی محنت سے سخت کلفتوں کے پہاڑ بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ **ف۲۲۹** غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آیندہ کے لئے مستقل ہدایت ہوگئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز ساری کی ساری نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیر عام کا حکم دے، اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے مختل نہ ہونے پائیں۔ **ف۲۳۰** (تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے) مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ۔ یعنی شہر کی کل آبادی سے فرقة کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہوا ہے۔ كاهل بلدة او قبيلة عظيمة (روح) فرقة اے جماعة كثيرة (کشاف۔ مدارک) مِنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ ۔ طَآىِٕفَةٌ کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقة کے مقابل ہے۔ اے جماعة قليلة (کشاف۔ مدارک) فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہیے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصہ عام ملکی و شہری ضروریات (سول ڈیپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تاکہ رفاہ خلق صحت نفوس نظم امت و شوکت اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے، سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملت اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ ۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔ هذه الاية اصل فى وجوب طلب العلم (قرطبی) وفى هذا ايجاب التفقه فى الكتاب والسنة (قرطبی) فقہاء نے لکھا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب عاصی ہوں گے۔ وفى هذه الاية دلالة على وجوب طلب العلم وانه مع ذلك فرض على الكفاية (جصاص) اذا قام به بعضهم سقط عن الباقين (جصاص) فقیہ و صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض و غایت تفقه فى الدين اور امر بالمعروف رہنی چاہیے نہ کہ حصول جاہ جمع مال یا بحث و جدال۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریات دین کی تعلیم و تعلم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ استبق المؤمنين عن اخرهم الى النفير و انقطعوا جميعا عن التفقه فى الدين فامروا ان ينفر من كل فرقة منهم طائفة الى الجهاد و يبقى سائرهم يتفقهون حتى لا ينقطعوا عن التفقه الذى هو الجهاد الاكبر اذ الجهاد بالحجاج اعظم اثرا من الجهاد بالنصال (مدارک)

ف۲۳۱ (ہر بدی اور بدکاری سے۔ اور اس طرح ساری قوم میں نیک کرداری کا دور دورہ برابر قائم رہے) آج "مہذب" و "شائستہ" قوموں کی قومیں ہر قسم کے اخلاق کی جس ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی توجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ امت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کے مہمات امور میں سے ہے۔ قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین وغیر مجاہدین کو برابر علما حقانی اور فقہا ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیے۔ لیتفقھوا۔ ولینذروا۔ دونوں میں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ٹھیرا رہنا تھا الضمیر للمقیمین مع النبی ﷺ قالہ قتادۃ ومجاهد (قرطبی) ضمیر یتفقھوا وینذروا عائد الی الفرقة الباقیة المفهومة من الکلام (روح) اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد وقتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آ جائیں۔ وَلِيُنْذِرُوْا۔ یعنی احکام الٰہی سنا سنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علما حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں، وہ ساری آبادی گنہگار رہے گی۔ بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے۔ علماء حق اس کے خصوصاً ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔ ف۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے۔۔۔ گویا

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آ جائیں ڈراتے رہیں

يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ
عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں ف۲۳۱ اے ایمان والو ان کافروں سے جنگ کرو جو

يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً
تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے ف۲۳۲

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ
اور جانے رہو کہ اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ف۲۳۳ اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا

سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا
نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی؟

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ
سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
خوش ہو رہے ہیں ف۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ
سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی ف۲۳۵ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ
کافر ہی تھے ف۲۳۶ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار

مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾
کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ف۲۳۷

موجودہ جنگی اصطلاح میں ملت کو ایک مستقل لام بندی (Perpetual mobilisation) کی حالت میں رہنا چاہیے۔ غِلْظَةً۔ یہاں خشونت کے معنی اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے۔ جس سے ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے بلکہ الٹا ہمارا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ غلظة ای شدة وقوة وحمیة (قرطبی) اذا کان ذلک یوقع المھابة لنا فی صدورھم والرعب فی قلوبھم (جصاص) شدة وحمیة (معالم) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرت نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نیز خلفاء راشدین نے بہ اختیار خود جتنے بھی جہاد کیے، یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ ولھذا بدأ رسول اللہ ﷺ بالعرب فلما فرغ قصد الروم وکانوا بالشام (قرطبی) ای ابدءوا بقتال الاقرب فالاقرب الیکم دارا دون الابعد فالابعد وکان الذین یلون المخاطبین بھذہ الآیة یومئذ الروم لانھم کانوا سکان الشام یومئذ والشام کانت اقرب الی المدینة من العراق (ابن جریر) محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قرب ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہیے اور یا پھر شدت کفر کے لحاظ سے۔ مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔ فقہا ومفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔ القتال واجب مع جمیع الکفرة قریبھم وبعیدھم ولکن الاقرب فالاقرب واجب (مدارک) فاوجب قتال جمیع الکفار ولکنه خص بالذکر الذین یلونا من الکفار اذا کان معلوما انه لا یمکننا قتال جمیع الکفار فی وقت واحد وان الممکن منه ھو قتال طائفة فکان من قرب منھم اولی بالقتال ممن بعد (جصاص) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیے کہ یہی سب سے قریب تر ہے۔ نفس اگر کافر (لغوی معنی میں) ہے تو ان مجاہدات سے وہ مطیع اور مومن اور مطمئنہ ہو جائے گا۔ ف۲۳۳ (سو جہاد وقتال کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر رہنا چاہیے) یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لا کر جہاد وقتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی اور جمع مال اور حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیے تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاقہ معیت اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف وہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لئے تو ہر قوی سے قوی تر ناصر وحافظ موجود ہے۔ ای اتقوا اللہ فقاتلکم ایاھم ان اللہ معکم وھو ناصرکم علیھم (ابن جریر) فان اللہ ناصر من اتقاہ ومعینہ (ابن جریر) واعلموا ان اللہ معکم اذا اتقیتموہ واطعتموہ (ابن کثیر) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے یہ تقویٰ کی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری رکھا۔ ان کے زمانہ میں فتوحات بھی برابر ہوتی رہیں۔ اور جوں جوں وہ شرائط تقویٰ سے ہٹتے گئے، فتح مندی بھی ان سے کنارہ کرتی گئی۔ ف۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے) مومن کا دل انوار تصدیق ویقین سے لبریز ہوتا ہے۔ ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت وتازگی میں اضافہ ہو۔۔۔ پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقی ایمان اور ادراک سے خوش بھی ہو۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ۔۔۔ اِيْمَانًا۔ منافقین یہ سوال عوام مومنین سے بہ طور طنز وتعریض کرتے تھے۔۔۔ کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟۔۔۔ جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہتے تھے کہ کسی کے نہیں۔ لیکن برعکس اس کے واقعۃً انہیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں!" ف۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصہ قرآن سے انکار تھا اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا) منافق کا دل انکار ونفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے، لازمی ہے کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔ ف۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مر چکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر مریں گے وہ کافر مریں گے۔ ف۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ آیت سے ضمناً حکمت ابتلاء پر بھی روشنی پڑ گئی۔ بلائیں اور

مصیبتیں عمومی طور پر تازیانہ غیبی ہوتی ہیں جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہی ہوتا ہے۔ و فی الاثر البلاء سوط من سیاط اللہ تعالیٰ یسوق بہ عبادہ الیہ (روح) مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔ کسی عدد متعین کا بیان مقصود نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔ والمراد من المرة والمرتین علی ما صرح بہ بعضھم مجرد التکثیر لا بیان الوقوع علی حسب العدد المزبور (روح) يَفْتِنُوْنَ۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انہیں منافقت کی بناء پر آفتوں ہی سے دو چار ہونا پڑتا ہے کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انہیں سزائیں کر رہی اور فضیحت جو ہوئی سو الگ کبھی یہ کہ ان کے حلیف مشرکوں کو شکست ہوئی اور ان کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔ ای یفضحون باظہار نفاقھم (بحر عن مقاتل) ف۲۳۸ (مجلس نبوی سے) منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ۔ یعنی اٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا لگائے۔ او پر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے، اب ذکر ان کے اس تنفر کا ہے جو انہیں مجلس نبوی سے تھا۔ ف۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بے حس ہو گئے ہیں اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے، اس سے کام نہیں لیتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے، ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ ہر خیر و طاعت سے پھیر دیا۔ عن الایمان بسبب انصرافھم عن ذلک المجلس (روح) قال ابن عباس عن کل خیر و رشد و ھدی (بحر) بِاَنَّهُمْ۔ میں باء سببیہ ہے۔ الباء للسببیۃ ای بسبب انھم (روح) ف۲۴۰ (یعنی تمہارے دکھ سے یہ خود دکھ محسوس کرتے ہیں اور تمہارے ہر نفع کے بڑے آرزو مند رہتے ہیں!) یہ تھی شفقت رسول خدا کی خلق خدا کے ساتھ! لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کُمْ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہل عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے۔ لیکن قول محقق یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے۔ آپ کی بعثت تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کی جانب تھی۔ قال الزجاج ھی مخاطبۃ لجمیع العالم و المعنی لقدجاءکم رسول من البشر (قرطبی) یرید انہ بشر مثلکم (کبیر) قیل الخطاب للبشر علی الاطلاق (روح) یحتمل ان یکون خطابا لبنی ادم (بحر) مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصب رسالت پر کوئی بشر بھی مامور ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ صفات شفقت علی الخلق اس میں بھی ہونے ضروری ہیں۔ ف۲۴۱ جب آپ کی شفقت ساری خلق اللہ کے لیے تھی اور آپ کے دل میں درد نوع انسانی کے لیے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجہ رافت و کرم اور شفقت و تعلق قلب کا کہنا ہی کیا! ف۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے، اس کی تحت اور ملک کامل میں اور سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے) فیدخل فیہ مادونہ اذا ذکرہ (قرطبی) خص العرش لانہ اعظم المخلوقات (بحر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جانتے، سمجھتے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے مجھے تمہارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ

کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں ف۲۳۸ اللہ نے ان کا دل ہی

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۲۷ لَقَدْ جَآءَكُمْ

پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں ف۲۳۹ بیشک تمہارے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸

تمہاری (بھلائی) کے حریص ہیں ف۲۴۰ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں مہربان ہیں ف۲۴۱

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ

پھر اگر (وہ لوگ) روگردانی کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲۹ ع

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ف۲۴۲

آیاتھا ۱۰۹ ۱۰ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ رکوعاتھا ۱۱

اور اس میں ایک سو نو آیتیں سورہ یونس مکی ہے اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ

الٓرٰ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں ف۱ کیا لوگوں کو اس پر

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ یعنی میرا تکیہ اسی ذات عظیم پر ہے نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذوات کے اوپر۔ ف۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب الاحترام ہیں) الۗرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الۗمّۗ۔ میں گزر چکا۔ الۗرٰ۔ کو یہاں ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ اور ضحاک تابعی نے انا اللہ اری کا مخفف قرار دیا ہے۔ (ابن جریر) الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور پکی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے اور ہر طرح کلام الٰہی مانے جانے کے قابل ہے۔ حکیم محکم کے معنی میں ہے جیسے الیم مؤلم کے معنی میں آتا ہے۔ و معنی الحکیم فی ھذا الموضع المحکم صرف مفعل الی فعیل کما قیل عذاب الیم بمعنی مؤلم (ابن جریر) تِلْكَ یہاں ھٰذَا کے مرادف ہے اور ایات سے مراد آیات قرآنی ہیں۔ ذٰلِكَ پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ و اولی التاویلین فی ذالک بالصواب تاویل من تاوّلہ ھذہ ایات القراٰن ووجہ معنی تلک الی معنی ھذہ (ابن جریر) قال الضحاک وغیرہ ای ھذہ ایات القراٰن المحکم المبین (ابن کثیر)

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ

حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں کو

النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوشخبری سنایئے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

اونچا مرتبہ ہے ف۲ کافر کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو کھلا ہوا

مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

جادوگر ہے ف۳ بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ

اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ

(ہر) کام کی تدبیر (وہی) کرتا ہے ف۴ کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اس کی اجازت کے ف۵

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَيْهِ

یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار، سو اسی کی عبادت کرو ف۶ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ف۷ تم سب کو

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا

اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، بیشک اسی نے خلق

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اس کو دہرائے گا، تاکہ انصاف کے ساتھ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

نیک عمل کئے ف۸ اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ان کے لئے پینے کو

ف۱ دنیا شرک پسند دنیا دیوی دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بآسانی قبول کر لیتی ہے لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا یہ کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔قرآن مجید کہتا ہے کہ ان کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔ لِلنَّاسِ۔ الناس سے مراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہام مشرکانہ میں گرفتار ہے۔ مفسرین نے کفار عرب مراد لی ہے۔ المراد بالناس کفار العرب (روح) اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ۔ یعنی محمد ﷺ کے پاس۔۔۔محض ایک شخص کے پاس، ایک مرد کے پاس!۔۔۔ جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لے گا لیکن نہ مانے گا تو انسان کو رسول خدا! اے الی بشر من جنسهم (روح) ان یعجبوا من ان یجعل الله بشرا رسولا (کبیر) اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں۔ ایک انذار دوسرے تبشیر۔ قَدَمَ صِدْقٍ۔ یعنی درجۂ عالی۔ قال الزجاج درجة عالية ومنزلة رفيعة (بحر) ف۳ مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثیر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے۔ اور آج جاہلیت جدیدہ کے علمبردار بڑے بڑے "دانایانِ فرنگ" بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز محیر العقول محمدی ﷺ کامیابیوں اور فتح مندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ساری اسکیمیں کسی بڑے "چالاک دماغ" کا نتیجہ تھیں۔ ف۴ (سورۂ یونس مکی ہے۔ اب تک سورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ احکام فقہی و تفصیلات شریعت سے لبریز۔ اب اس سورۃ میں عام مکی سورتوں کی طرح بیان عقائد ہی کا شرح و تفصیل کے ساتھ ہوگا توحید، رسالت، معاد وغیرہ، آیت میں متعدد صفات الٰہی کا اثبات کیا جا رہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم و آمر ہے، زمین و آسمان سب میں احکام اسی کے جاری، ساری ہیں۔ رَبَّكُمْ۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ رب العالمین کے تحت میں گذر چکا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ سب کا حاکم و خالق ہی نہیں، سب کو تربیت دینے والا، سب کو پستی سے بلندی تک، ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس میں دوہرے دوہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے۔ پہلی بات تو یہی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں، مخلوق ہیں، کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں آگئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ یوم سے مراد ۲۴ گھنٹہ والا دن نہیں۔ ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے۔ جب یہ "دن" "رات" اور ان کی تقسیم کا وجود ہی کہاں تھا۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ۔ عرش اور استویٰ دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ مراد یہ ہے کہ خالق کل ہونے کے ساتھ حاکم کل بھی وہی ہے۔ خلق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام بھی اسی کی مشیت کر رہی ہے۔ قال مجاهد يقضيه ويقدره وحده (قرطبی) ف۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں۔ ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے۔ تو اصل اور مقدم شے شفاعت نہیں۔ بلکہ اذن شفاعت ہوئی۔ اذن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے۔ شفاعت ہونے دینا اور نہ ہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں جاہلی مشرک قوموں کا رد تو ظاہر ہے ہی، پوری تردید مسیحیت کی بھی آگئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دارومدار ہی عقیدہ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ عربی شرک میں بھی دیوتاؤں کے شفیع ہونے کا عقیدہ بہت زیادہ گھسا ہوا تھا۔ ف۶ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو) اے وحدوه واخلصوا له العبادة (قرطبی) ف۷ (اور اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مصر ہو) ف۸ انصاف سے جزا دینے کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے، اس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اس سے زائد اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کر دے۔ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ۔ ابداء میں یہ بات بھی آگئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے، کسی مادہ وغیرہ سے نہیں، جیسا کہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ
کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بہ سبب اس کے کہ کفر کرتے رہتے تھے، وہ (اللہ)
الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ
وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن وف۹ اور اس کے لئے منزلیں
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا
مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو وف۱۰ اللہ نے
خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کے لئے
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا
جو علم رکھتے ہیں وف۱۱ بیشک رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور اللہ نے
خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے)
يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا
ڈرتے رہتے ہیں وف۱۲ بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں وف۱۳ اور وہ
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا
دنیوی زندگی پر راضی وف۱۴ ہو گئے اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں وف۱۵ اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے
غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾
(بالکل) بے پرواہ بنے ہیں وف۱۶ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب اس کے جسے وہ کرتے دھرتے رہے،
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انہیں پہنچا

وف۹ یہاں یہ بتا دیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادر مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی کے حاشیے ملاحظہ ہوں۔ ضِيَآءً۔ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نُوْرًا وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔ وف۱۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ نے ان اجرام فلکی کو خود انسان کی خدمت و راحت و نفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ الٹی انہی کی پوجا شروع کر دیتا ہے! قَدَّرَهٗ۔ ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے۔ یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مَنَازِلَ۔ منزل سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ۔ کو قَدَّرَهٗ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ وف۱۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں) بِالْحَقِّ۔ کل مقاصد و مصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں۔ سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور ان کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحید باری اور دوسرے پر استدلال کرے۔ اے ما اراد اللہ بخلق ذالک الا الحکمۃ والصواب واظہار الصنعۃ وحکمۃ ودلالۃ علی قدرتہ وعلمہ (قرطبی) وف۱۲ (اور برائیوں سے بچتے رہتے ہیں) لَاٰيٰتٍ۔ اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر اور اللہ کی صنعت، قدرت، تصرف و حکومت پر استدلال۔ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ۔ یہ دلائل ہیں تو ساری ہی خلقت کے لئے۔ لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہل تقویٰ ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگر آیت ماقبل کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبعیات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ لیکن قید واقعاً نے ان تمام علوم کو اصلاح معاد و معاش تک بہ شرط اتباع شریعت محدود کر دیا ہے۔ وف۱۳ یا ”جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں۔“ رجاء لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنی ”اندیشہ“ اور ”امید“ دونوں کے ہیں۔ اور مطلق توقع کے بھی۔ الرجاء یطلق علی توقع الخیر وعلی الخوف وتوقع الشر وعلی مطلق التوقع (روح) بہرحال آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔ وف۱۴ (اور اس سے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اسی دنیوی زندگی میں مگن ہیں) گمراہی کی یہ دوسری منزل ہوئی۔ وف۱۵ (اور دنیوی زندگی پر شاد و شادماں ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں) گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی۔ پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمت آخرت کی تمنا و طلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام بقا کی طرف بھی خیال نہیں جاتا۔ اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے کہ ”اوپر“ کی کھٹک کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی۔ وف۱۶ یعنی روزمرہ کی غفلت و بے حسی، بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، ناگہانی مالی و جانی صدمات، یہ تک بھی انہیں بیدار نہیں کرتے۔ اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پرواہی رہتے ہیں ..... شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے! اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان اور دنیوی علوم و فنون و صنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی کا جزء اعظم ہیں! ”مہذب“ اور ”اعلیٰ“ سوسائٹی میں دوزخ، جنت، برزخ اور وقت نزع کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

دے گا (ان کی منزل تک) بوجہ ان کے ایمان کے ان کے نیچے نہریاں بہ رہی ہوں گی

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

عیش (ومسرت) کے باغوں میں وےا اس میں ان کا قول ہوگا، پاک ہے تو اے اللہ و۱۸

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ

اور اس میں ان کی (باہمی) دعا "سلام" ہوگی و۱۹ اور ان کی آخری بات ہوگی کہ ساری تعریف

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ۧ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اللہ پروردگار عالمین کے لئے ہے و۲۰ اور اگر اللہ لوگوں پر برائی واقع کر دیا کرتا

اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ

جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو ان کی میعاد (کبھی کی) پوری ہو چکی ہوتی و۲۱ لیکن ہم ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں و۲۲

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ لیٹے بھی اور بیٹھے بھی

اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ

اور کھڑے بھی و۲۳ پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے

اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

پہنچی ہے اس کے لئے ہم کو پکارا ہی نہ تھا و۲۴ اسی طرح فضول کاروں کو ان کے اعمال خوشنما

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا

کر دکھائے جاتے ہیں و۲۵ اور بالیقین ہم تم سے قبل (بہت سی) نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ

ع

و۱۷ جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شے ایمان ہے۔ نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اعمال صالحہ اس میں صرف معین ہو جاتے ہیں اسی لیے یَھْدِیْھِمْ کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا یَھْدِیْھِمْ۔ انہیں پہنچا دے گا ان کی منزل تک اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔ یھدیھم بسبب ایمانھم الی ماواھم ومقصدھم وھی الجنۃ (روح) قال ابوروق یھدیھم ربھم بایمانھم الی الجنۃ (قرطبی) و۱۸ یہ نعرہ بے اختیار اس وقت زبانوں پر آئے گا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۃً معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) و۱۹ یہ اس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے ملیں گے اور باہم مخاطب ہوں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) ای یحیی بعضھم بعضاً بالسلام (معالم) و۲۰ یہ اس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش وسرور سے کریں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) دَعْوٰھُمْ۔ دعوی یہاں دونوں موقعوں پر دعا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔ دعوٰھم ای دعائھم (قرطبی) آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں اذکار وعبادت بطور شعار وعادت ہوگا۔ تکلیف وجہد کا وجود نہیں۔ ورنہ صبر ومشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ بعض صوفیہ عارفین نے اٰخر دعوٰھم الخ سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ عاشقان صدق کے لئے آخرت میں حجاب لذات بھی حائل نہ ہوگا۔ و۲۱ (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے) لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ۔ مثلاً میں الشَّرَّ اسْتِعْجَالَھُمْ بِالْخَیْرِ۔ مشرکین مکہ نے کہا یہ نبی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع یہ باب رحمت میں رکھتے ہیں تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔ قیل المعنی لو فعل اللّٰہ مع الناس فی اجابتہ الی المکروہ مثل ما یرید ان فعلہ معھم فی اجابتہ الی الخیر لا ھلکھم (قرطبی) بِالْخَیْرِ۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب ورحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر ورحمت کے موقع دعا پر حق تعالی کا دستور ہے۔ ای کما یحبون استعجالھم بالخیر (معالم) ای کما یستجیب لھم اذا دعوا لانفسھم اولاموالھم اولاولادھم بالخیر (ابن کثیر) و۲۲ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمت تکوینی کے منافی ہے) و۲۳ یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ شدت اضطراب واضطرار میں ناشکر انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔ قیل المراد بالانسان ھنا الکافر (قرطبی) و۲۴ یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔ انما اراد جمیع حالاتہ (قرطبی) ای فی حال اضطجاعہ وقعودہ وقیامہ وفی جمیع احوالہ (ابن کثیر) و۲۵ عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع وابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔

سے آب خوش را صورت آتش مدہ!

و۲۶ (بدرجہا اپنی غایت قساوت قلب وعناد کے) مراد یہ ہے کہ جب بعثت رسل اور ان کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی تو اب مزید تاخیر وامہال سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔ لَمَّا ظَلَمُوْا۔ اس ظلم کے تحت میں کفر وشرک کے جملہ اقسام آگئے۔ نیز حدود شرعی سے تجاوز اور بدنی ومالی حق تلفیاں۔ بِالْبَيِّنٰتِ۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہا آگئے۔ لِيُؤْمِنُوْا۔ میں لِ تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاكيد النفى (مدارک۔ بیضاوی) **و۲۷** یعنی آیا و یسے ہی کفر وشرک میں لگے رہتے ہو یا ایمان لے آتے ہو۔ لِنَنْظُرَ۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمہاری جانچ کرلیں۔ **و۲۸** (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے) اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ۔ مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے ''روشن خیال'' جاہلیت فرنگ کے ''روشن خیالوں'' کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے اور اس لئے قدرۃً فرمائش بھی آپ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنایئے یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کر دیجیے۔ **و۲۹** یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف حامل شریعت ہیں، بانی شریعت نہیں۔ احکام الٰہی کا اتباع آپ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ۔ یعنی تمہاری اس فرمائشی ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ فقہانے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے۔ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیمبر معصوم ﷺ تک کو حاصل نہ ہو سکا تو کسی غیر معصوم کو کب اس کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ ....اور علماء حق نے یہ جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہو جاتی ہے۔ سو ''نسخ'' سے ان کی مراد ترمیم وتبدیل ہرگز نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے۔ ''نسخ'' سے ان کی اصطلاح میں مراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا۔ سنت نے اس کی تفصیل کر دی۔ اور جس باب میں اجمال تھا اس کی تصریح کر دی۔ یا یہ کہ جو حکم موقت تھا اور اس کا موقت ہونا ہم پر مخفی تھا، اسے واضح کر دیا۔ اور پھر جو سنت کسی معنی میں بھی قرآن کو ''نسخ'' کرتی ہے وہ بھی رسول ﷺ کی اپنی رائے وفہم کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔ ان نسخ القران لا يجوز عندنا الا بسنة هى وحى من قبل الله قال الله وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى فنسخ حكم القران بالسنة انما هو نسخ بوحى الله لا من قبل النبى ﷺ (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے۔ البتہ فتنہ اور خوف حاکم سے سکوت کی گنجائش نکالی ہے۔ پیر پرستی بلکہ پیرزادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ رسول معصوم ﷺ تک امکان عذاب آخرت سے خائف ہو رہے ہیں۔ ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہرحال مامون ومحفوظ سمجھتے رہنا تعلیمات اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے! **و۳۰** ''روشن خیالان'' عرب کی اسی فرمائشی ترمیم کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ (۱) اپنی عمر کے ۴۰۔۴۵ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں۔ میرے تدین، راستبازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ ہو کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افتراء سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افتراء کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکاروں، آخر مجھے جرأت ہوئی کیونکر سکتی ہے؟ تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں؟ (۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ میں گزار چکا۔ میری ایک ایک خو بو سے تم واقف ہو چکے۔

ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

انہوں نے ظلم کیا در آنحالیکہ ان کے پاس ان کے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان لے آتے ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو **و۲۶** پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر نائب کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو **و۲۷** اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں ترمیم کر دو، **و۲۸** آپ کہہ دیجیے میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں **و۲۹** آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع کرتا، اور پھر میں تو تمہارے درمیان اس کے قبل بھی اپنے حصۂ عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے **و۳۰**

میری بولی، میرے انداز کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے۔ تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ میں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہو سکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا تو آج کیسے ہوا جا رہا ہے؟ قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پورا وزن دار اس وقت بھی تھا۔ پھر جس وقت سے احادیث رسول مدون ہو گئیں اس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑ گئی ہے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعے ایک دو کی نہیں، دسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں صدیوں سے شائع چلے آ رہے ہیں۔ کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہو سکتی ہے؟.....زبان، انداز بیان، اسلوب کلام، نوعیت تراکیب کا اتنا نمایاں وواضح فرق بھی کیا شام، مصر، فلسطین، عراق وغیرہ کے اہل زبان یہود ونصرانیوں کو نہیں سجھائی دیتا؟ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ۔ میں ضمیر فاعل حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ ای لا اعلمكم الله (قرطبی) بعض نے رسول کی طرف بھی سمجھی ہے۔ مقصد ومآل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

ف۳۱ یہاں یہ بتایا کہ اپنے دل کی گڑھی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی الٰہی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرائم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔ ف۳۲ اس آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے اور ان کا یہ جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں ہم تو ان کی حیثیت مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔ عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ مسیح پرستی کے سلسلہ میں تو کھلا ہوا اور سب کا اور اولیاء پرستی کے سلسلہ میں اُن کے فرقہ کیتھولک کا۔ اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھیراتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اہل بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبور اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے۔ اور ہر طرح عذاب الٰہی سے اُن کے آڑے آجائیں گے اور یہ بلا اس اُمت پر آج سے نہیں۔ کم از کم امام رازی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۰۶ ہجری) کے زمانہ سے تو ضرور مسلط ہے۔ و نظيره فی هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله (کبیر) اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدود علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا ان "معبودوں" کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لیے مرتبہ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں۔ استدلال مشرکین کے صغریٰ اور کبریٰ دونوں ہی مہمل تھے ف۳۳ (اور ایک گروہ ان میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی ابتداءً سب کے سب موحد تھے۔ قرآن اِن کھلے ہوئے الفاظ میں دین میں "ارتقاء" کی قطعی تردید کر رہا ہے۔ ابتداءً صرف دین توحید ہی تھا۔ اس کے بعد ارتقاء کے نہیں، انحطاط کے اثر سے شرک اور بت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام و ماہرین اثریات پروفیسر (Schmidt) (اشمٹ) پروفیسر (Langdcn) (لینگڈن) سر چارلس مارسٹن وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اور "ارتقاء عقیدۂ توحید" کا وہ نظریہ جو انیسویں صدی کے آخر میں بہ طور فیشن کے چلا ہوا تھا علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو گیا ہے۔ ف۳۴ یعنی عذاب موعود جو محض فیصلہ ہے اسی دنیا میں نازل ہو گیا ہوتا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ كلمة سے مراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لیے انہیں مہلت آخرت تک کی ملے گی۔ اشارة الى القضاء والقدر اى لولا ما سبق فى حكمه (قرطبی) الكلمة هنا هو القضاء و التقدير لبنى ادم بالآجال الموقتة (بحر) ف۳۵ (ہمارے فرمائشی نشانوں اور معجزات میں سے) پیمبر کی زندگی تو سرتاپا معجزہ ہی ہوتی ہے اس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی رہتی اور قدم قدم پر اس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔ ع روئے و آواز پیمبر معجزہ ست لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لیے ہے۔ باقی معاندین، جہلاء ہر زمانہ میں مخصوص فرمائشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادّی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ یہاں بھی اٰیۃ سے مراد اسی قسم کے متعین فرمائشی معجزات ہیں۔ اى من الايات التى اقترحوها (بیضاوی) يَقُوْلُوْنَ۔ یہ طلب ہی تحقیق حق کی راہ سے نہیں۔ عناد و تعریض کے طور پر تھی۔ ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی ﷺ کا تو ایک ایک جزیہ معجزہ تھا، ہر دوسرے اور خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔ ولعمری لو انصفوا لاستغنوا من كل اٰية غيره عليه الصلوٰة والسلام فانه الاٰية الكبرى و من رأه و سبر احواله لم يكد يشك فی انه رسول الله ﷺ (روح) ف۳۶ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت و عبدیت پر یہ کیسے کھلے کھلے نصوص موجود ہیں اور حیرت ہے کہ ایک گروہ ان تک کو پس پشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے! پیمبر کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں۔ ظہور معجزات تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے۔ جہاں تم وہیں میں ہوں۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ

نشانیوں کو جھٹلائے، یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی، ف۳۱ یہ اللہ کے سوا (ایسی چیزوں کی)

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ

عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ

هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا

یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو

لَا يَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ

(اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ف۳۲ وہ پاک

وَ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ

اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۳۳ اور انسان تو ایک ہی طریقہ پر

اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾

ٹھیر چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس باب میں، جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ف۳۴

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوا ف۳۵ سو آپ کہہ دیجیے

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾ ع

کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۳۶

وکے۳ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ، کسی آیت سے بھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انہیں مقصود ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادی توجیہ و تاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اعتراض کر۔ جھٹ دوسرے معجزہ کی فرمائش شروع کر دیتے ہیں۔ مَكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا۔ یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی تاویلیں اور توجیہیں۔ سمی تكذيبهم بآيات الله مكرًا لان المكر عبارة عن صرف الشيء عن وجهه الظاهر بطريق الحيلة (کبیر) الاحتيال في دفعها (روح) ليجعلوا لتلك الرحمة سببًا آخر (ابن قتیبہ) النَّاسَ ۔ سے مراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔ الناس عام لجميع الكفار (روح) رَحْمَةً ۔ صحت و عافیت، جاہ و ثروت یہ سب اسی رحمت کی فردیں ہیں۔ و۳۸ (اور وقت معین پر انہیں پوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی) رُسُلَنَا۔ رُسل یہاں فرشتوں کے لیے ہے۔ اي الرسل الحفظة (قرطبی) اَللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا نہ انہیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دے گا۔ اي اعجل عقوبة على جزاء مكرهم (قرطبی) عربی کے قاعدہ مشاکلت کا ذکر دیباچہ تفسیر میں آچکا ہے۔ مکر کا لفظ اللہ کے سلسلہ میں بقاعدہ مشاکلت ہی آیا ہے۔ مکر پر حاشیہ والله خير الماكرين کے تحت میں پ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ المراد به الجزاء والعقوبة على المكر مجازًا مرسلًا او مشاكلةً (روح) و۳۹ (اور اب نجات پانے کی کوئی شکل مادی اسباب و ذرائع سے ممکن نہیں)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

اور جب ہم (ناشکر) لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو، اپنی رحمت کا مزا چکھا

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ

دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ "لوگ" ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں وکے۳ آپ کہہ دیجیے اللہ چالوں میں

مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ

ان سے بھی بڑھا ہوا ہے یقیناً جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے قاصد انہیں لکھتے جا رہے ہیں، و۳۸ وہ

الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي

وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں (سوار)

الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا

ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ

کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتی

مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ

چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے و۳۹ (تو اس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ

اعتقاد کو (بالکل) خالص کر کے پکارتے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ

تو ہم یقیناً بڑے شکر گزاروں میں ہوں گے و۴۰ پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی

يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا

زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں و۴۱ اے لوگو یہ

هُوَ الَّذِيْ ...... الْبَحْرِ یعنی انہیں سفر بری و سیاحت بحری کے آلات و اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ زمین اور سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل، موٹر لانچ، آبدوز کشتی، آہن پوش جہاز وغیرہا تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آئندہ نکل سکیں، یہ سب بالکل آخر میں جا کر کسی علت فاعلی پر ٹھیرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علت حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔ جَرَيْنَ بِهِمْ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچہ تفسیر۔ حاضر سے معاً غیب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب و انشاء میں عام ہے۔ خروج من الخطاب الى الغيبة وهو في القرآن واشعار العرب كثير (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نکتہ رسی سے لکھا ہے کہ جس طرح صیغہ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب و اکرام کے لئے ہوتا ہے، یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس بُعد و بیزاری کے اظہار کے لئے ہو۔ وهو الذي خطر بالبال في الحال ان الانتقال في الكلام من لفظ الغيبة الى لفظ الحضور يدل على مزيد التقرب والاكرام واما ضده وهو الانتقال من لفظ الحضور الى لفظ الغيبة فانه يدل على المقت والتبعيد (کبیر) بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ۔ یعنی ہوائے نرم۔ مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔ والمراد بطيبة حسبما يقتضيه المقام لينة الهبوب موافقة المقصد (روح) رِيْحٌ عَاصِفٌ ۔ یعنی ہوائے تند و تیز، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو۔ العاصف الشديدة (قرطبی) ومعنى عصفت الريح اذا اشتدت واصل العصف السرعة (کبیر) ظَنُّوْٓا۔ ظن کے معنی جس طرح گمان و قیاس کے ہیں۔ یقین یا خیال اغلب کے بھی ہیں۔ اي ايقنوا (قرطبی) بِهِمْ۔ میں ب تعدیہ کی ہے اور بريح اور بها میں دونوں جگہ سببیت کی۔ و۴۰ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے) ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع و انابت کی توفیق نہیں پاتے ان کے دل نور انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ یہ حالت اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اخروی کے لئے کافی نہیں۔ والدعاء ان لم يكن عن ايمان بل عن الاضطرار لا ينفع (روح) البتہ کشائش دنیوی یعنی غرق سے بچانے میں مؤثر ہو سکتا ہے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کر لوں گا۔ شریعت میں معتبر نہیں۔ ظَنُّوْٓا ...... الشّٰكِرِيْنَ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ دور تک اپنی ملت کے حال زار پر نوحہ و ماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے موقع پر خدائے واحد و قدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے، کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے سو خدا کے لئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ فبالله تعالى عليك قل لي اي الفريقين من هذه الحيثية اهدى سبيلا واي الداعيين اقوم قيلا (روح) ہمارے ملک کے "یا غوث" اور "یا خواجہ" کی صدائیں لگانے والے اور "یا علی مشکل کشا" کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے اپنے انجام پر غور کر لیں۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت بحری میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تند و تیز کا تھپیڑا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع و شکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اس نے کہا، بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع و شکستگی نے رخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے۔ (کبیر) و۴۱ (اور اپنے اس وعدہ و اقرار کو بھول بھال کر پھر شرک و فساد میں لگ جاتے ہیں) بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود ان کے ضمیر میں اور ان کے معیار سے بھی جرم تھی۔

بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا
تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (الٹ پڑنے والی) ہے (یہی) دنیوی زندگی کا چندروزہ نفع ہے پھر ہماری ہی طرف

مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ
تمہاری واپسی ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو ف۴۲ بس دنیا کی زندگی کا

الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ
حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی سبزی

بِہٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَ الۡاَنۡعَامُ ؕ
گنجان ہو کر نکلی جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَ ازَّیَّنَتۡ
یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہنچ چکی اور اس کی زیبائش ہو گئی

وَ ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا
اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا حکم اس پر (اچانک)

لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ
رات کو یا دن کو آپڑا، سو ہم نے اسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی

بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾
نہ تھی ف۴۳ ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں۔

وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا
راہِ راست پر چلا دیتا ہے ف۴۴ جو لوگ نیکی کرتے رہے ان کے لئے

ف۴۲ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر و معصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش و کامرانی جمع ہو سکتی ہے وہ محض چندروزہ ہے اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔ ف۴۳ (سو یہ دنیا اپنی ساری زیب و زینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائدار اور سریع الزوال ہے) حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا۔ یعنی اس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اے استوفت و استکملت حسنها (روح) یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور شور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہو۔ آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو، پھر جب ہر طرف سرسبزی و شادابی پھیل جائے، لہلہاتا کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ ہر طرف پورے زیب و زینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کے پوری طرح مالک و مختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آ جائے کہ سارا گل و گلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں! یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے سے بڑے نامور و باقبال انسان کا بھی خاتمہ دفعۃً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے! اور یہ حال ہے دنیا کا جس میں غافل انسان ہمہ تن مصروف رہتا ہے! وَ ازَّیَّنَتۡ۔ یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا۔ امر سے مراد ہے کوئی تکوینی عذاب مثلاً پالا، پتھر، سیلاب وقس علیٰ ہذا۔ اے عذابنا (قرطبی) قال ابن عباس یرید عذابنا (کبیر) ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ۔ ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقن (قرطبی) ف۴۴ اور یہی لوگ ہیں جنہیں اس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا۔ اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام و ہدایات کے ذریعہ سے۔ اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ۔ سلامتی کا گھر یعنی اس فانی و ناپائدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مراد جنت ہے۔ اے الی الجنة (قرطبی) قال قتادة و الحسن السلام هو الله وداره الجنة وسميت الجنة دار السلام لان من دخلها سلم من الآفات (قرطبی) لا شبهة ان المراد من دار السلام الجنة الا انهم اختلفوا فی سبب الذی لاجله حصل هذا الاسم (کبیر) عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت و نعمت سے محروم رہے جا رہے ہیں اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ۔ اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔

الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا
بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی ف٢٥ ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت
ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾
ہو گی، اہل جنت یہی ہیں یہ اس میں ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے ف٢٦
وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ
اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو) بدی کی سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے
وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
اور ایسے لوگوں کو ذلت چھالے گی اور کوئی انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا ف٢٧
كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ
گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے لپیٹ دیئے گئے ہیں
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَ يَوْمَ
دوزخ والے یہی ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف٢٨ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس دن
نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
ہم ان سب کو جمع کریں گے ف٢٩ پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ
تم اور تمہارے شرکاء (خدائی) اپنی جگہ ٹھیرو ف٥٠ پھر ہم ان میں باہم خوب پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے (وہ
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
مزعومہ) شرکاء (ان سے) کہیں گے تم ہماری عبادت تو کرتے نہ تھے ف٥١ تو اللہ ہمارے
شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر ہی

ف٢٥ یعنی دیدار الٰہی جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔ زِيَادَةٌ۔ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔ عن النبی ﷺ فی هذه الاٰية قال اذا دخل اهل الجنة الجنة فيكشف الحجاب فيتجلى لهم فوالله ما اعطاهم شيئا احب اليهم من النظر الى الله (ابن جرير) قال رسول الله ﷺ الزيادة النظر الى وجه الله الكريم (قرطبی عن انس رضی اللہ عنہ) یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔ الزيادة النظر الى وجه الله تبارك وتعالى (ابن جریر عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) زيادة النظر الى الرب (ابن جریر عن الحسن رضی اللہ عنہ) الزيادة هنا النظر الى وجه الرحمٰن (ابن جریر عن قتادہ) وهو قول ابى بكر الصديقؓ وعلىؓ فى رواية وحذيفة وعبادة بن الصامت وكعب بن عجرة وابى موسٰى وصهيب وابن عباسؓ فى رواية وهو قول جماعة من التابعين (قرطبی) دیدار الٰہی کو لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے ما فوق ہے۔ اشارة الى انعام واحوال لا يمكن تصورها فى الدنيا (راغب) اَحْسَنُوا۔ نیک کام کئے، نیک کرداری کرتے رہے۔ اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔ الْحُسْنٰى۔ یعنی اجر عمل۔ نیک کرداری کا صلہ۔ یا خود جنت۔ المنزلة الحسنى وهى الجنة (روح) آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک روی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا لیکن اس کے علاوہ "کچھ اور بھی" ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔ ف٢٦ یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے ہی گا۔ لیکن اس کے علاوہ کسی صدمہ اور غم و الم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہوسکیں گے۔ ف٢٧ اور ان کے دیوی، دیوتا، اکابر و اعاظم جن پر آج انہیں اتنا بھروسہ ہے، یہ سب اس روز بیکار ہی نظر آئیں گے۔ بِمِثْلِهَا۔ یعنی بدی کی سزا بس بدی کے برابر ہی ملے گی۔ اس سے زائد نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وزیادۃ کے مقابل آیا ہے جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملے گا، اس سے زائد نہیں۔ والمقصود من هذا القيد التنبيه على الفرق بين الحسنات وبين السيئات لانه تعالٰى ذكر فى اعمال البر انه يوصل الى المشتغلين بها الثواب مع الزيادة واما فى عمل السيئات فانه تعالٰى ذكر انه لا يجازى الا بالمثل (کبیر) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ یعنی ہر طرح کی توہین و رسوائی بھی ان کے شامل حال رہے گی۔ يصيبهم ذلٌّ وخزىٌ وهوانٌ (فتح القدیر) اى يغشاهم هوانٌ وخزىٌ (قرطبی) مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ اى من عذاب الله (قرطبی) ف٢٨ حشر جو حقائق کے ظہور و انکشاف کا وقت ہوگا، اس وقت اہل کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔ كَاَنَّمَا ... مُظْلِمًا۔ یہ حالت ان روسیاہ دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔ حکماء اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل و ضلالت کی ہوگی۔ اعلم ان حكماء الاسلام قالوا المراد من هذا السواد المذكور ههنا سواد الجهل وظلمة الضلالة (کبیر) صاحب بحر المحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر جوش میں آکر "حکماء اسلام" کو بہت ہی برا بھلا کہا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو حقیقۃً جہلاء و سفہاء کہنا چاہیے، یہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیے۔ وقس علیٰ ہذا۔ يعنى بحكماء الفلاسفة الذين خلقوا فى هذه الملة الاسلامية هم احق بان يسموا سفهاء جهلاء من ان يسموا حكماء انهم اعداء الانبياء والمحرفون للشريعة وهم اضر على المسلمين من اليهود والنصارى الخ لیکن ستم یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لے لیا اور ان کا ذکر صرف "ہذا الرجل" سے کیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے۔ ف٢٩ (میدان حشر میں) نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی سارے خلائق کو۔ ف٥٠ (ذرا ذرا، تاکہ تم پر تمہارے عقیدہ کی حقیقت روشن ہو جائے) شُرَكَآؤُكُمْ۔ یعنی وہ جنہیں تم اپنے زعم میں شریک خدائی سمجھتے رہے ہو۔ مَكَانَكُمْ۔ یعنی اپنی اپنی جگہ ٹھیرے رہو۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ امكثوا مكانكم۔ اى امكثوا مكانكم وقفوا فى موضعكم (ابن جریر) اى الزموا مكانكم (روح) ف٥١ (تو آج ہم تمہارے شرک کے وبال میں کیوں پھنسیں) زَيَّلْنَا۔ زيلنا کے کھلے ہوئے معنی فرقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل سے لایا گیا ہے تاکہ معنی سے شدت و تکثیر کا اظہار ہو سکے وقال فزيلنا ارادة تكثير الفعل وتكريره ولم يقل فزلنا بينهم (ابن جریر) التضعيف للتكثير لا للتعدية (روح) اہل شرک کے لئے سب تکلیفوں اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ خود انہی کے معبود الٹے ان سے تبری و بیزاری کر رہے ہیں۔ ذلك يدل على نهاية النكال والخزى فى حق هؤلاء الكفار (کبیر)

و۵۲ (چہ جائیکہ ہم اس سے راضی ہوتے!) عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی مورتیاں اور ٹھاکر دواروں کے بت اپنے پجاریوں سے کر رہے ہوں۔ قيل الاصنام ينطقها الله تعالى فتكون بينهم هذه المحاورة (قرطبی) و۵۳ یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اس وقت سب گم ہو جائیں گے۔ هُنَالِكَ ...... اَسْلَفَتْ۔ یعنی ہر شخص عیانا دیکھ لے گا جو اعمال اس نے کئے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصل طور ہوگا۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک۔ کوئی گڑھا ہوا معبود نہیں۔ اے المتحقق الصادق في ربوبيته لا ما اتخذوه ربا باطلا (روح) یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو بہ ملکیت باعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمد میں جہاں اس کی نفی آئی ہے۔ ان الكافرين لا مولى لهم۔ وہاں "مولیٰ" حامی، ناصر اور سہارے کے معنی میں ہے۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق و انصاف کے مطابق انہیں جزا دے گا۔ قال ابن عباسؓ اے الذي يجازيهم بالحق (قرطبی) هُنَالِكَ۔ اصلی معنی تو اس جگہ کے ہیں۔ مجازاً اس وقت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ معناه في ذلك المقام وفي ذلك الموقف اويكون المراد في ذلك الوقت على استعارة اسم المكان للزمان (کبیر) و۵۴ یہ سارے سوالات مشرکین سے بطور جرح ہو رہے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی

لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ

تھے و۵۲ اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے

وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ (معبود) انہوں نے گڑھ رکھے تھے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

وہ ان سے غائب ہو جائیں گے و۵۳ آپ کہیے کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق

وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ

پہنچاتا ہے؟ یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟

وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے و۵۴ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو کہیے کہ پھر کیوں تم

تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ

بچتے ہو؟ و۵۵ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی اور (امر) حق کے بعد

الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ

رہ کیا گیا بجز گمراہی کے تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو؟ و۵۶ اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی کہ وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

ایمان نہ لائیں گے و۵۷ آپ کہیے کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار

ہے۔ پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلۂ ربوبیت میں نمبر اول پر ہے۔ پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے جن کے بغیر بشر و جماد سب برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخری انتظام امور سے متعلق ہے۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے اسے زرخیز بناتا ہے، اس سے نباتات اگاتا ہے؟...... غرض زمین و آسمان دونوں جگہ اس کی قدرت و حکمت کی مستقل کار فرمائیاں ہیں اور السماء اور الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔ مَنْ يُّخْرِجُ ...... الْحَيِّ۔ بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی۔ جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ الامر میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے۔ و۵۵ (شرک سے اور افعال شرکیہ سے) و۵۶ (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رخ کئے ہوئے) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالات ربوبیت جمع ہیں۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ مطلب یہ کہ امر حق کی جو ضد ہے اسی کا نام گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں شطرنج نرد وغیرہ کے جواز و عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اسی ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علماء نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اس کی حرمت پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اس کی اباحت ہی نکلتی ہے لیکن جن الفاظ میں آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گرفت کو رد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے۔ واما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك ابن انس وليس في القرآن ولا في السنة دليل على تحريمه اما ان في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث الصحيح ان ابا بكر دخل على عائشة عندها جاريتان حادثتان من جاديات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابو بكر امز مار الشيطان في بيت رسول الله ﷺ فقال رسول الله دعهما يا ابا بكر فانه يوم عيد فلو كان الغناء حراما ما كان في بيت رسول الله ﷺ وقد انكره ابو بكر بظاهر الحال فاقره النبي ﷺ بفعل الرخصة والرفق بالخليفة في اجمام القلوب اذليس جميعها يحمل الجد دائما وتعليل النبي ﷺ بانه يوم عيد يدل على كراهية دوامه ورخصته في الاسباب كالعيد والعرس وقدوم الغائب ونحو ذلك وكل حديث يروى في التحريم او آية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتقدا خبرا وتاويلا وقد ثبت ان النبي ﷺ رخص في الغناء في العيدين (ابن العربی) و۵۷ (تو پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں) كَذٰلِكَ۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے۔ وضوح حق کے بعد ضلال کا اور قیام دلائل کے بعد انکار پر جمے رہنے کا حق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلم ہے اسی طرح کلمۂ رب یعنی تخویف عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔ الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔ اے تمردوا في كفرهم وخرجوا الى الحد الاقصى فيه (مدارک) اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ میں اَنَّهُمْ تعلیلیہ ہی مانا گیا ہے۔ لانھم کا مرادف۔ تعليل اے لانهم لا يؤمنون (مدارک) اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لئے ہو کر رہے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پیدا کرے پھر دوبارہ بھی کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

بھی کرے گا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ وف۵۸ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ

ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتلاتا ہے تو پھر جو کوئی

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ

حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو (خود ہی) راستہ نہ ملتا ہو،

اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا

بلکہ اسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ وف۵۹ ان میں سے

يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ

اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات) میں ذرا بھی

الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا

مفید نہیں یقیناً اللہ خوب واقف ہے اس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں وف۶۰ اور

كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یہ قرآن ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا جائے وف۶۱

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

بلکہ یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس (کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے)

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ

احکام کی اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہ کی بات) ہی نہیں، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے، وف۶۲ کیا

وف۵۸ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر جواب میں "اللہ" بھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔ فسیقولون اللہ۔ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ نبی اللہ خود اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں... راز اس فرق کا یہ ہے کہ مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب تو سرے سے عقیدۂ بعثت ومعاد کے قائل ہی نہ تھے۔ وف۵۹ (کہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو۔ اور شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کئے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟ من یھدی الی الحق۔ یعنی حق پر چلاتا ہوا اپنی قدرت ونصرت سے۔ افمن لا یھدی الا ان یھدی۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے... باقی اگر شیاطین ہی مراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گزرے ہوئے ہیں انہیں تو بتانے اور سمجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔ وف۶۰ (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل ومحیط کے مطابق جزا وسزا بھی دے گا) وما... ظنا یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین ومنکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم۔ یہ لوگ تو اندھیرے میں بڑے محض انکل کے تیر چلا رہے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانی نے یہ بات بہت خوب کہی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہیے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ کے ثبوت میں لائیں! ان... شیئا یہاں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسانی ظن وتخمین، وہم وخیال جن کا شاندار اور مرعوب کن نام "حکمت وفلسفہ" یا "علوم عقلیہ" رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں۔ قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں۔ "علوم نظری" "اصول موضوعہ" اور "نظریات" انہیں کو مبارک رہیں جن کی تحقیقات ہر صبح اور ہر شام بدلتی رہتی ہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔ وفی ھذہ الآیۃ دلیل علی انہ لا یکتفی بالظن فی العقائد (قرطبی) فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً:۔ (۱) یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔ (۳) اطلاق وعموم قرآنی کی تحدید وتقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔ (۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں قطعی ویقینی کے معارض ومقابل نہ ہو سکیں گے۔ (۵) ایمانیات اعتقادیات امر ثابت وحق سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔ (۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بمقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔ (۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظنی ہے اور یہاں ظن مفید اور مسائل اعتقادی میں تاویل واختلاف ممنوع۔ اس لئے کہ ان کا مدار یقین پر ہے۔ پس فرق ضالہ دائرۂ اہل حق سے خارج ہیں۔ ان... شیئا مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر متکلمین اہل ظاہر کے دلائل (ذات وصفات حق کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے۔ چاہیے کہ وہ سلف صالح کے اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو۔ جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ وف۶۱ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق، ایسے بے مثل وبے مثال کلام پر جو عبارت اور معنی دونوں کے اعتبار سے بے نظیر ہے، قادر ہی کب ہو سکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ وف۶۲ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنا دیے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ ومفروضہ کی تفصیل ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے اندر کہیں شک وشبہ کا گزر نہیں۔ ہر چیز اس کی یقینی ہے اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔ الکتب۔ یہاں احکام مکتوبہ ومفروضہ کے معنی میں ہے۔ اراد بتفصیل الکتاب مابین فی القرآن من الاحکام (قرطبی) ای ما کتب واثبت من الحقائق والشرائع (روح) ای ما کتب وفرض من الاحکام والشرائع (مدارک)

یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گڑھ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اچھا تم ایک ہی سورۃ مثل

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اس کے لے آؤ اور اللہ کے سوا تم جس کسی کو بلا سکو بلا لو اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا

سچے ہو ف۶۳ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی چیز کو جھلانے لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ف۶۴ اور ابھی

یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ان کے پاس انجام نہیں پہنچا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھلایا تھا جو ان سے قبل ہو چکے ہیں

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ

سو دیکھ لیجیے کیسا (برا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ف۶۵ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب)

یُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ

پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا پروردگار ہی

بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴۰﴾ ع وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ

مفسدوں سے خوب واقف ہے، ف۶۶ اور اگر وہ آپ کو جھلاتے رہیں تو کہہ دیجیے کہ میرا عمل میرے لئے

وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ

اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ؕ

ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو ف۶۷ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے بھی کام نہ لے رہے ہوں؟ ف۶۸

ف۶۳ (اپنے اس دعویٰ میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کر سکتا ہے تو کئی بلکہ سب انسانی دماغ مل کر تو اس سے کہیں چھوٹی چیز یعنی اس کی ایک سورۃ تو بہر حال تیار ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ! اِفْتَرٰىهُ۔ افتری میں ضمیر فاعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے یعنی اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گڑھ لی ہے۔ سُوْرَةٍ۔ پر حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکے۔ مِثْلِهٖ۔ مثلیت لفظی و معنی ہر اعتبار سے مراد ہے۔ مثله فی البلاغة وحسن الارتباط وجزالة المعنی (روح) قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے یہ مستقل تحدی تو سارے عالم کے لئے ہے۔ یعنی قرآن کی معنوی بلندی اور جامعیت کے لحاظ سے کوئی ایسی کتاب بھلا تیار تو کر دکھائے۔ لیکن جہاں تک اس تبلیغ کے ظاہری جزو کا تعلق ہے۔ یعنی فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء کی خوبیوں کا اس کے مخاطب صرف اہل زبان عرب ہیں، خصوصاً نزول قرآن کے وقت کے عرب، جو ادبیت کے نشہ میں جھومتے رہتے تھے، اور جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا کمال ادبیت ہی کا کمال تھا۔ ف۶۴ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے، جھٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہو گئے۔ المراد انهم سارعوا الی تكذيبه من غير ان يتدبروا ما فيه (روح) وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ۔ تاویل کے معنی اصل حقیقت کی طرف رجوع کے بھی ہیں اور مآل علمی و فعلی کے بھی۔ الرجوع الی الاصل (راغب) رد الشیء الی الغاية المرادة منه علما كان او فعلا (راغب) ف۶۵ یہاں مراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے۔ اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔ ای ولم یاتهم حقيقة عاقبة التكذيب من نزول العذاب بهم (قرطبی) جوز ان يراد بالتاويل وقوع مدلوله وهو عاقبته (روح) كَذٰلِكَ۔ یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔ ای مثل تكذيبهم من غير تدبر وتامل (روح) كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ منکرین سابق نے اپنے اپنے زمانے کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔ ف۶۶ یعنی ان سے جو ایمان لانے والے نہیں۔ ای من يصر علی كفره (قرطبی) ای بالمعاندین او المصرین (مدارک) ف۶۷ (تو جس طریقہ پر چاہو، قائم رہو) یہ آخری اور انتہائی جواب ہے اس موقع کے لئے، جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل طریق اسی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے۔ برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسر شان سمجھتے ہیں۔ ف۶۸ (یعنی ان کے دل ارادۂ ایمان و طلب حق سے بالکل خالی ہوں) وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ۔ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے...... آج یہ تصویر بہت سے ”مستشرقین“ یورپ پر، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت اسلامی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ

اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے

وَ لَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ

جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہیں لے رہے ہیں ۶۹ یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں

شَيۡـئًا وَّ لٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ يَوۡمَ

کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۷۰ اور انہیں اس دن

يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

کی یاد دلایئے جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کل) ایک گھڑی بھر رہے ۷۱

يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ

ایک دوسرے کو پہچانیں گے ۷۲ واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آگئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو

اللّٰهِ وَ مَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ

جھٹلایا ۷۳ اور وہ ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں، اور اگر ہم آپ کو کچھ (حصہ اس عذاب کا) دکھلا بھی دیں

الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ

جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کی واپسی (بہر حال) ہے ہی

اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ

اللہ کو خوب اطلاع اس کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں، ۷۴ اور ہر امت کے لئے

رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ

ایک پیام رساں ہوا ہے پھر جب ان کے پاس پیامرساں آچکتا ہے تو ان کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا

وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ يَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ

ہے اور ان پر ظلم (ذرا) نہیں کیا جاتا، ۷۵ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا

۶۹ اندھے انہیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ ان کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں اور وہ دلائل حق کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ۔ یعنی ان کے دیکھنے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ ۷۰ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان سے کام نہیں لیتے) اِنَّ ..... شَيۡـئًا یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انہیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر ان سے مؤاخذہ کرنے لگے۔ ۷۱ (اس دنیا میں) یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ وخواب ناسوت دونوں سے بیدار ہوں گے۔ تو اب انہیں اپنے اندازہ میں جو زمان حشر کے مطابق ومانحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں۔ بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔ راوا ان طول اعمارهم فى مقابلة الخلود كساعة (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) یعنی تقليل لبثهم وذلك لهول ما يعاينون من شدائد القيامة (بحر) یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَاعَةً۔ بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار مدت نہیں، بلکہ صرف قلت مدت بتانا مقصود ہے اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدت ہی کا ہوتا ہے۔ اى شيئا قليلا منه فانها مثل فى غاية القلة (روح) الوقت القليل من الزمان (راغب) آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور ان خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداری تام کے عالم میں آجاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی سویا تھا..... احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کر کے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔ فنقول انه متى فوبلت الخيرات الحاصلة بسبب الحياة العاجلة بالآفات الحاصلة للكافر وجدت اقل من اللذة بالنسبة الى جميع العالم فقوله كان لم يلبثوا الاساعة من النهار اشارة الى ما ذكرناه من قلتها وحقارتها فى جنب ما حصل من العذاب الشديد (کبیر) ۷۲ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے) وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا۔ آج بھی انتہائی کرب واذیت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑ جاتی ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیتیں ہیں، جن میں یہ مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا بھی نہیں۔ وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔ ۷۳ (اور اسی لئے اپنی زندگی واشغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) ۷۴ (اور اس لئے اگر انہیں دنیا میں پوری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی) وَاِمَّا..... نَعِدُهُمۡ۔ یعنی خواہ آپ کی حیات ہی میں کچھ حصہ عذاب موعود کا ان منکرین ومکذبین پر آبھی جائے چنانچہ معرکہ بدر، فتح مکہ وغیرہ متعدد واقعات آپ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آکر رہے جن میں مکذبین منکرین کو ہر طرح ذلت، رسوائی، شکست نقصان جانی ومالی ہی نصیب رہا۔ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ یعنی اس نزول عذاب کے قبل ہی آپ کو اٹھائیں اور اپنے وعدۂ فتح اسلام، ہزیمت کفار کی تکمیل آپ کے بعد کریں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔ اعلم ان هذا يدل على انه تعالى يرى رسوله انواعاً من ذل الكافرين وخزيهم فى الدنيا وسيزيد عليه بعد وفاته ولا شك انه حصل الكثير منه فى زمان حياة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحصل الكثير ايضاً بعد وفاته (کبیر) ۷۵ پوری طرح تبلیغ احکام اور اتمام حجت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ امت سے مراد امت مکلف ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہر وہ امت جسے ارادۂ الٰہی نے مکلف بنانا چاہا، اسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔ وقد يقال ان المراد من كل امة كل جماعة اراد الله تعالى تكليفها (روح) اس تشریح کے بعد یہ سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دور فترۃ میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟..... جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب ان پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مکلف ہی نہیں ٹھیرے۔ ان سے سوال صرف ان کی استعداد وفہم وبصیرت کے مطابق ہوگا۔ رَسُوۡلٌ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا اور اس عموم کے تحت میں رسول اصطلاحی اور اس کے نائب، شاگرد وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں "رسول" (بمعنی اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے۔ احتمال ہے کہ وہ لوگ رسول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسول ہوں۔ اخذ منه المحققون الاحتياط بكف اللسان عن من لم يعلم حاله من القرون الاولى فى الاقاليم لم يعرف بعث الرسل فيها لاحتمال كونهم رسلاً الى اهل تلك الاقاليم (روح) قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ اور وہ فیصلہ حق وانصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں، باغیوں، طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ اور وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ۔ دو دو فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور اس امر کے بالکل صاف کر دینے کو کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔ فالتكرير لاجل التاكيد والمبالغة فى نفى الظلم (کبیر)

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا

اگر تم سچے ہو ۷۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کے لئے (بھی) ضرر

وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَآءَ

اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے ۷۷ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا

أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۷۸

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا

آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے

يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ

جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ۷۹ کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا

اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۗ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ

جب اس کا یقین کرو گے؟ ۸۰ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ۸۱ پھر

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ

جنہوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو بدلہ

تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ

اسی کا تو مل رہا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو ۸۲ اور یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں

أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِيْ وَرَبِّيْٓ إِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ أَنْتُمْ

کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے، اور تم کسی

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي

طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ہو ۸۳ اور اگر ہر ہر ظالم کے پاس دنیا بھر کا (زر و مال) ہو تو بھی اسے فدیہ میں

۷۶ سوال بہ طور استفسار حال اور بہ غرض اظہار حقیقت نہیں بلکہ تعریض و تکذیب کی غرض سے ہے۔ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ سوال کے مخاطب تنہا رسول اللہ ﷺ نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے۔ چنانچہ صیغۂ جمع اسی لئے ہے۔ ۷۷ (اور بس اتنے ہی نفع و نقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ و اولیاء امت کو اپنے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر پہنچا دینے والے حضرات ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں۔ ۷۸ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہوجاتا ہے) لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ۔ یعنی نافرمان و سرکش ہر امت کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک معین و مقرر وقت علم الٰہی میں ہے۔ أُمَّةٍ۔ کے عام لفظ سے مراد وہی عذاب زدہ امتیں ہیں۔ ای من الامم الذین اصرّوا علی تکذیب رسلهم (روح) سَاعَةً۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں بلکہ زمانے کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا وقت مراد ہے۔ ای شیئا قلیلا من الزمان (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) ۷۹ یعنی عذاب الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے یہ اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنی؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ و استغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلا ضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوع عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں۔ معصیت کے صدور کے ساتھ ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ و تدارک پر متوجہ ہوجائے۔ مِنْهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے والضمیر فی منه قیل یعود علی العذاب (قرطبی) ۸۰ (اور اس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی۔ اس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر و مجبور پاؤ گے) ثُمَّ۔ کی ایک قراءۃ ثَمَّ۔ (بالفتح) بھی آئی ہے۔ بہ معنی هنالک۔ ۸۱ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو، اور بدحواس ہو رہے ہو، تم تو خود اسی عذاب کی طرز فرمائشیں کیا کرتے تھے! شریعت کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ جب ملائکۂ عذاب نظر آنے لگیں اور عالم برزخ کا انکشاف شروع ہوجائے، تو پھر وہ ایمان مقبول نہیں۔ به تستعجلون علی سبیل السخریة والاستهزاء (کبیر) ۸۲ یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ ای تقول لهم خزنة جهنم (قرطبی) لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی مشرکین سے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ یعنی تمہارے کفر و بے دینی کا بدلہ۔ ای جزاء کفرکم (قرطبی) ۸۳ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہے اور تم بچ جاؤ) يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ۔ سوال اور اظہار حیرت و استعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں بلکہ تکذیب و تعریض تھی۔ إِنَّهٗ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔ الضمیر عائد علی العذاب (بحر) ای العذاب الموعود (روح) إِيْ۔ موقع اثبات میں تاکید و تحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں، ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔ کلمة تحقیق و ایجاب و تاکید بمعنی نعم (قرطبی)

الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

دے دینا چاہے گا اور جب (اول اول) عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو

رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا

چھپائیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم (ذرا) بھی نہ کیا

یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

جائے گا ف۸۴ یاد رکھو کہ جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی

وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

ملک ہے ف۸۵ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

نہیں جانتے ف۸۶ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۸۷

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے آ گئی ہے

وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًی وَّرَحْمَةٌ

اور شفا بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت

لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

اور رحمت ف۸۸ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، ہاں ان سے چاہیے

فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ

کہ (لوگ) خوش ہوں وہ اس (دنیا) سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے ف۸۹ آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ

مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا

اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اس میں سے (کچھ) حرام اور (کچھ) حلال

ف۸۴ فیصلۂ روزِ جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہر حال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ ...... یہ یوم قیامت کے ہول وشدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو، تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہو جائیں گے۔ كُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ۔ یعنی ہر ہر مشرک۔ ای اشرکت و کفرت (قرطبی) اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامۃ سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء اثارھا کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔ وھذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الھتھم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ ای بین الرؤساء والسفل بالعدل (قرطبی) ف۸۵ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے) اَلَاۤ۔ حرف تنبیہ ہے۔ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جا رہی ہے جسے خاص توجہ سے سننا چاہیے۔ کلمة تنبیه للسامع تزادفی اول الکلام ای انتبهوا لما اقول لکم (قرطبی)

ف۸۶ یعنی ایسے قطعی اور یقینی حقائق سے بھی غافل و بے خبر ہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ سو قیامت اپنے وقت معین پر ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ ف۸۷ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، اگنی دیوتا کی طرف، یا کسی اور کی بھی طرف) کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے، خالق کردگار کے علاوہ، یہاں اسی کی تردید ہو رہی ہے۔ هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو۔ ایک خدا پیدا کرنے والا ہو۔ ایک خدا قائم، سلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت وہلاکت لانے والا۔ یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔ ف۸۸ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ مَوْعِظَةٌ۔ شِفَآءٌ۔ هُدًی۔ رَحْمَةٌ۔ یہ سب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں ہیں یہ تنکیر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنکیر ھنا للتفخیم (روح) ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصول کمال میں چار مرتبے یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ (۱) پہلا مرتبہ تہذیب ظاہر کا یعنی معاصی سے اور اعمال بد سے بچنے کا ہے۔ موعظة اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا یعنی اخلاق ذمیمہ وعقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے۔ اس کو شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ عقائد حقہ واخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے۔ یہ منزل هُدًی کی ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مقام رحمة کا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے۔ یا ایھا العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم وملک نہیں۔ مَوْعِظَةٌ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد واشخاص کے حق میں بھی اور اقوام وجماعات کے حق میں بھی۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراض قلب اور عوارض باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے۔ ف۸۹ دنیا کا نفع اول تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔ بِفَضْلِ...... فَلْیَفْرَحُوْا ذٰلك سے اشارہ اسی الفضل و رحمة ہی کی جانب ہے۔ اور مقصود اس ترکیب کلام میں تاکید وزور ہے۔ ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فَبِذٰلِكَ کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ والاصل ان فرحوا بشیء فبذٰلک لیفرحوا لا بشیء آخر (روح) قوله فبذالک فلیفرحوا یفید الحصر یعنی یجب ان لا یفرح الانسان الا بذٰلک (کبیر) بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ۔ فضل اور رحمة دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔ لفظ چونکہ دو ہیں، اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمة سے مراد اسلام ہے۔ قال ابو سعید الخدریؓ وابن عباسؓ فضل الله القرآن ورحمته الاسلام (قرطبی) فَلْیَفْرَحُوْا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی وکامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔ ثبت ان الفرح باللذات الجسمانیة فرح باطل واما الفرح الکامل فهو الفرح بالروحانیات والجواهر المقدسة وعالم الجلال ونور الکبریاء (کبیر)

وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قرار دے لیا آپ کہیے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گھڑ ہی رہے ہو؟ ف۹۰ اور کیا روز قیامت کی نسبت ان لوگوں کا خیال ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں ف۹۱ بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے لیکن انہی میں سے اکثر ناشکرے ہیں ف۹۲ اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں، اور تم لوگ بھی جو کوئی کام کر رہے ہو ہم تمہارے برابر گواہ رہتے ہیں جب تم اسے کرنے لگتے ہو ف۹۳ اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں ف۹۴ سنو، سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے ف۹۵ یہ وہ ہیں جو ایمان لائے!

ف۹۰ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام وحلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعت الٰہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھیرا رہے ہو۔ اتنی دوررس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب وبُعد، جلی وخفی سارے فوائد ونقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں۔ بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رُو سے ناجائز ٹھیرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقیہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم وذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہرحال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدل بهذه الآية من نفى القياس وهذا بعيد فان القياس دليل الله تعالى فيكون التحريم والتحليل من الله تعالى (قرطبی) ربما احتج بعض من نفاة القياس بهذه الآية في ابطاله لانه زعم ان القائس يحرم بقياسه ويحل وهذا جهل من قائله لان القياس دليل الله تعالى كما ان حجة العقل دليل الله تعالى وكالنصوص والسنن كل هذه دلائل فالقائس انما يتبع موضع الدلالة على الحكم فيكون الله هو المحرم والمحلل بنصبه الدليل عليه (جصاص) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بربنائے تقشف وتزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں بطور اپنے معالجے کے کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو ترک کر دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ف۹۱ (اور اس سے ڈرتے نہیں۔ تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی؟) ف۹۲ (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبر ہی پر نہیں یقین کرتے اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں) اِنَّ۔۔۔۔ النَّاسِ چنانچہ اسی فضل کا مقتضاء یہ ہے کہ اس نے انہیں اتنے قبل سے وقوع قیامت کی اطلاع، اور منکرین کو توبہ واصلاح کی پوری مہلت دے دی۔ ف۹۳ (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا) قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ آیت بھی پوری طرح واضح اس وقت ہوتی ہے، جب اہل ضلال کے عقائد بھی پیش نظر ہوں۔ بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اس کا علم صرف قدیم ہے۔۔۔۔ اس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم اس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جو کوئی فعل واقعۃً وعملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔ وَ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال تو سب ہی اعلیٰ تھے لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعے سے تبلیغ وہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجہ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔ التلاوة اعظم شؤنه صلی اللہ علیہ وسلم ولذا خصت بالذكر (روح) مِنْهُ ضمیر شان کی طرف ہے۔ جن مفسرین نے قُرْاٰن کی بابت بھی ہے وہ مِنْ قُرْاٰنٍ کی تکرار سے تعظیم وتفخیم مراد لیتے ہیں۔ والضمير للشان (کشاف) قال الفراء والزجاج الهاء في منه تعود على الشان (قرطبی) من قرآن اعاد تفخيما كقوله انني انا الله (قرطبی) وَ لَا تَعْمَلُوْنَ۔ خطاب ابھی صیغۂ واحد (مَا تَكُوْنُ۔ مَا تَتْلُوْا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تھا۔ اب صیغۂ جمع میں آپ کے ساتھ آپ کی ساری امت سے بھی ہو گیا۔ ف۹۴ (شروع ہی سے مندرج) ایک گمراہی کا ابھی ابھی شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ سے سدباب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے۔ اب اس کے مقابل کی دوسری گمراہی کی تردید ہو رہی ہے اور فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ لا کر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف حدوث کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ضلال سمجھ رہے ہیں بلکہ روز ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ يعني اللوح المحفوظ مع علم الله تعالى به (قرطبی) وَ مَا يَعْزُبُ۔۔۔۔ السَّمَآءِ یعنی چھوٹی بڑی، ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علم الٰہی میں موجود ہے۔ کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ جاہل قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنہوں نے خدا کو تو مانا ہے لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان ومصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا ہے۔ آیت انہی گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ عرف عام میں اس سے مراد دائرۂ وجود وامکان ہوتا ہے۔ اور قرآن بھی انسانی ہی محاورہ میں نازل ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔ اے في دائرة الوجود والامكان والتعبير عنها بالارض والسماء لان العامة لا تعرف سواهما (ابو سعود) ف۹۵ یعنی نہ آنے والے مہلکات وحوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے اور عاشقانِ سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔ اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔ امر مکروہ کے پیش آ جانے سے۔ محققین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو محبوب اور اس کے عشووں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنی۔

و۹۶ (کفر ومعصیت سے) ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے۔ اب ان کی پہچان بھی بتادی۔ وہ کیا ہے۔ وہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ آیت کو مکرر پڑھ کر غور کرلیا جائے۔ ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہورہی ہیں۔ نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ! اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر

وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور پرہیز گاری اختیار کئے رہے و۹۶ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی

وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی تو

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ

بڑی کامیابی ہے و۹۷ اور آپ کو ان (کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، غلبہ

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ

تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے، وہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے۔ و۹۸ سنو، سنو! اللہ ہی کی ملک تو ہیں جو بھی

فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے و۹۹ اور وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ شرکاء کو بھی

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ یہ اتباع کر رہے ہیں محض

الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ

خیال کا اور یہ محض انکل سے کام لے رہے ہیں و۱۰۰ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے

لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ

رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا ان (سب) میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

ان لوگوں کے لئے جو (غور وتدبر کے ساتھ) سنتے ہیں دلائل (موجود) ہیں۔ و۱۰۱ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِيْ

ہے سبحان اللہ! بے نیاز ہے وہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ بھی ہے

کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ و۹۷ یعنی یہی مقبولیت یا دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ۔ ایے ما ذکران لھم البشرٰی فی الدارین (روح) اَلْبُشْرٰی۔ یہ خوشخبری ای خوف وحزن سے محفوظ رہنے کی ہے۔ اور خوف وغم سے مراد دنیوی خوف وغم ہے جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہوجاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ و۹۸ وہ منکرین کے طنز وتعریض اور آپ کی تبلیغ وموعظت سب سن رہا ہے۔ اور ان کی شرارت وعناد اور آپ کا تحمل اور دردِ اصلاح سب اس پر روشن ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا۔ آپ کی اسی سے تسلی کی جارہی ہے۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت وحمایت کرے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بظاہر نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ غیر اس کی عزت کا ایک مظہر ہے جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق یا سبب اس کا ظہور ہوجاتا ہے۔ و۹۹ انسان، جنات، ملائکہ کوئی مخلوق کیسی ہی پرعظمت ہو بہرحال سب حق تعالیٰ ہی کے مملوک ہیں۔ اس کے وعدۂ حفاظت یا اس کے وعید مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہوسکے۔ و۱۰۰ حقائق کے حامل اور مالک تو صرف اہل ایمان ہیں۔ ایمانیوں کے علاوہ جو بھی ہیں، ان کے پاس بجز اوہام، ظنون، نظریات ومفروضات کے اور ہے کیا؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ انکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا گیا، باقی اثبات حق واستنباط حق میں ظن وتخمین کا کچھ دخل نہیں۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ الخ ۔ یعنی ان کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا؟ قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے۔ توحید پر تو ماشاء اللہ قوی سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن شرک پر آخر کونسی دلیل موجود ہے؟ و۱۰۱ (حق تعالیٰ کی توحید اور صفت اور قدرت کا) هُوَ الَّذِيْ .... مُبْصِرًا دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ نور وظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں۔ وقت کے یہ دونوں حصے خدائے واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور سب مخلوقات ہیں اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام آتا ہے۔ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان اس میں آرام واستراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور کرکے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہوجائے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحت الٰہی اور ادب کی رعایت زیادہ ہے۔ مُبْصِرًا۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ بھال سکتا ہے۔ ایے مضیئا لتھتدوا بہ فی حوائجکم۔ (قرطبی)
فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

ف۱۰۲ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی بشری ہو یا غیر بشری اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت اور عزیز داری کی..... دیوتاؤں کے ساتھ فوق البشر انسانوں کی قرابت عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت قدیم اور مشترک عقیدہ ہے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اس عقیدہ پر ضرب لگا تا رہتا ہے۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین ہی تھے اور مسیح پرست مسیحیوں کے بعض فرقے بھی۔ اتخاذ ولد پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ اول آیت نمبر ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔ سُبْحٰنَهٗ۔ حق تعالیٰ پاک و منزہ ہے مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے! للکار اور پھٹکار ہے اہل باطل کو کہ کیسے جہل و سفاہت میں مبتلا ہوا ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! هُوَ الْغَنِيُّ۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے ماوراء ہے اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آسکتی ہے! لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے اعلیٰ و ادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا مالک سب اس کے مملوک جس سے جو چاہے کام لے ملک کا تعلق تو فرزندی و تبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے آخر کس ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کو گود لینے یا متبنیٰ بنانے کی ضرورت پیش آئے۔

الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ

زمین میں ف۱۰۲ تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس (دعوے) کی نہیں

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ

تو کیا اللہ پر ایسی بات گھڑتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ف۱۰۳ آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً جو لوگ

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي

اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ف۱۰۴ دنیا (ہی) میں

الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ

(بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے پھر ہم انہیں سزائے سخت کا مزہ

الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ

چکھائیں گے اس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ف۱۰۵ آپ انہیں نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دیجئے

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي

جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ف۱۰۶ کہ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام (تمہارے درمیان)

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا

اور میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں گزر رہی ہے تو میں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا ف۱۰۷ تم اپنی تدبیر

أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً

پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے

ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا

پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ف۱۰۸ اور اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ سو

سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ

میں تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے

ف۱۰۳ (کسی دلیل سے بھی) قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثبات توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کوئی رکھتے ہو؟ تم تو سراسر ایک دعویٰ بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو۔ اِنْ عِنْدَكُمْ۔ میں اِنْ نافیہ ہے۔ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی بھی دلیل۔ بِهٰذَا یعنی ایسے لغو و باطل دعویٰ کی۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ۔ قال کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گڑھ لینے، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں۔ قال علیه ای افتری (تاج) ف۱۰۴ فلاح۔ حقیقی فلاح کم از کم جس معنی میں عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل رہے پا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر مکذب مشرک کے نصیب میں نہیں۔ عارضی چند روزہ دنیوی عیش و تنعم جس کا خاتمہ یقینی طور ذلت و مصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ف۱۰۵ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر و مکذب قوموں کی بالکل تصویر کھینچ دی ہے۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو روس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی "مہذب" "ترقی یافتہ" اقبال مند قوموں کا حال... ان کے آپس کے رشک و حسد کا حال، ان کی جرائم کاریوں کا حال،

ع

ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی سود خواریوں کا حال، ان کے جرائم کا حال، ان کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، ان کے ہاں کی اسٹرائیکوں اور ہڑتالوں کا حال، ان کے ہاں کی کثرت طلاق اور کثرت فواحش کا حال، ان کے ہاں کی معاشی ابتری اور بیروزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجیے کہ متاع دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں" کے فلاح کسی معنی میں بھی حاصل ہے؟ اور آج جو کج فہم "ہمدردان قوم" "قوم و ملت کو انہی "ترقی یافتہ قوموں" کی روش پر چلانا چاہتے ہیں وہ ملت کو فلاح کی جنت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟... قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے۔ اور ہمارے مشاہدہ سے اسی کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری و سطحی ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلا۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے۔ والتنوین للتحقیر والتقلیل (روح) یعنی متاع دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔ ف۱۰۶ (جس کا مذہب شرک و بت پرستی تھا) حضرت نوح علیہ السلام جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے ان کی شخصیت ان کے زمانہ، ان کے ملک وغیرہ پر حاشیے بیشتر گزر چکے۔ ف۱۰۷ حضرت نوح علیہ السلام جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آگئے ہیں اور مایوس ہو چکے ہیں تو اب اس سے انتہائی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔ مَقَامِيْ۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تبلیغی وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔ وعظ و خطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت منقول ہے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ۔ تو اب میں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا۔ مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبے تمہارے ذہن میں ہوں انہیں پختہ کر لو۔ اجماع کے معنی ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ قال الفراء الاجماع العزم علی الامر والاحکام علیه (تاج) قال ابن عرفة ای اعزموا علیه (تاج) امر سے مراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔ والمعنی امرهم بالعزم والاجماع علی قصده والسعی فی اهلاکه (روح) وَشُرَكَآءَكُمْ۔ یعنی جن جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو ان سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کر لو۔ ان کی منتیں مان لو۔ ان سے فریاد کر دیکھو۔ فال اور شگون ان کے استھانوں سے حاصل کر لو۔ و یہاں مع کے مرادف ہے۔ قال ابو اسحق والواو بمعنی مع (تاج) والواو بمعنی مع (کشاف) قال ابو اسحاق الزجاج المعنی مع شرکائکم (قرطبی) لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے آزادانہ کھلم کھلا کر گزرو۔ چرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی ولا یکن قصدکم الی اهلاکی مستورا علیکم ولکن مکشوفا مشهورا تجاهرونني به (کشاف) ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ۔ جو کچھ تمہیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔ المراد ان وجهوا کل تلک الشرور الی (کبیر) قصہ میں تسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دو

جار ہوتا پڑا اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ جلد سے جلد کر گزرو۔ مہلت مجھے اب ذرا سی بھی نہ دو۔ امر عجلوا ذلک باشد ما تقدرون علیه من غیر انظار (کبیر) اس قطعیت کے لب ولہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کرسکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوت ضرر رسانی و قوت نفع رسانی دونوں سے بکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔ ف۱۰۸ پیمبر قانون الٰہی کی پابندیوں سے مافوق وماوراء نہیں ہوتا، بلکہ ساری امت کی طرح وہ خود بھی اس کا پوری طرح پابند ہوتا ہے اس میں رد ہے جاہلی قوموں کا جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو بر اخلاقی قانون سے ماوراء سمجھتے ہیں۔ فَإِنْ۔۔۔ اَجْرٍ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں جس کے رک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو، خوف خلق کی نفی اوپر کی آیت میں ہو چکی تھی۔ طمع خلق کی نفی اب ہو گئی..... پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے بکسر بے نیاز رہتا ہے۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے، اس پر اجرت جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے۔ سو اب مجھے غم و فکر ہی کیا؟ ف۱۰۹ (روئے زمین پر) فَنَجَّيْنٰهُ۔۔۔ الْفُلْكِ یعنی نوح علیہ السلام اور ہمراہیان نوح علیہ السلام کو عذاب طوفان وسیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفان عظیم کے آثار قدیم ماہرین سائنس کو آج بھی ارض نوح علیہ السلام میں مل رہے ہیں۔ یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں رہوں ف۱۰۸ سو ایسا ہم وہ لوگ نوح کو جھٹلاتے رہے۔

فَنَجَّیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

پھر ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں آباد کیا ف۱۰۹

وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا ف۱۱۰ سو دیکھ کہ

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی

جو ڈرائے جا چکے تھے ان کا کیا انجام ہوا ف۱۱۱ پھر ہم نے (نوح کے بعد (اور) پیمبروں کو ان کی قوم

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا

کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ

انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے ف۱۱۲ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا

الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی

کرتے ہیں ف۱۱۳ پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰ اور

وَ هٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، سو انہوں نے تکبر کیا،

وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے ف۱۱۴ سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے

عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰۤی

حق پہنچا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ف۱۱۵ موسیٰ نے کہا

اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ، موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔ الْفُلْكِ۔ کشتی نوح علیہ السلام کا طول حسب تصریح توریت ۳۰۰ ہاتھ کا عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ گویا یہ کشتی اتنی ہی بڑی تھی جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز یا (LINERS) عموماً ہوتے ہیں۔ غرقابی قوم نوح علیہ السلام کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اسی علاقہ میں آباد ہوئے اور انہی سے سلسلۂ نسل آدم علیہ السلام چلا۔ نوع انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں صرف اسی سرزمین کے حدود تک محدود تھی۔ ف۱۱۰ یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصہ ہو کر ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ:۔ "خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔" (پیدائش ۶: ۶۔ ۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذبین حق (الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا) تک محدود رکھتا ہے..... یہ ایک الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اس وقت تک بجز قوم نوح علیہ السلام کے نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کو ابھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں۔ خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی ملک کے اندر سمٹا سمٹایا ہوا تھا۔ غرقابی عام و عالمگیر رہی ہے یا اسی امت نوح علیہ السلام کے ساتھ مخصوص۔ یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آ چکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن وحدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ هل عم جمیع اهل الارض او كان لبعضهم وهم اهل دعوته المكذبین به كما هو ظاهر كثیر من الآیات والاحادیث قال ابن عطیة الراجح عند المحققین هو الثانی وكثیر من اهل الارض كاهل الصین وغیرهم ینكرون عموم الغرق (روح) ف۱۱۱ یعنی وہ مکذبین منذرین عذاب الٰہی سے کس طرح مٹ کر اور ہلاک و برباد ہو کر رہے! الْمُنْذَرِیْنَ۔ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کی ہدف وہی سرکش و نافرمان قوم ہی تھی۔ فَانْظُرْ۔ یعنی دیکھو اور سوچ سمجھو اے مخاطب! دیکھنے سے مراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہری آنکھوں سے رؤیت کرنا نہیں۔ بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کر لینا ہے۔ نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔ النظر تقلیب البصر والبصیرة لادراك الشیء ورؤیته (راغب) قرآن مجید میں غور و تامل تفحص و تدبر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے اور اردو محاورہ میں بھی "دیکھنا" دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔ ف۱۱۲ اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آ رہی ہے۔ جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے "نہیں" نکل گئی۔ بس آخر تک وہی قائم رہے گی۔ چاہے ہزار شواہد و دلائل نظر سے گزر جائیں۔ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ۔ یہ سب قومی انبیاء تھے یعنی ان کے مخاطب انہی کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے۔ انسانیت اس وقت تک یوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور رسائل و مواصلات کے موجودہ ذرائع اس وقت یکسر ناپید تھے۔ ایک عالمگیر پیام، ساری نوع انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔ فیه اشارة الی ان عموم الرسالة الی البشر لم یثبت لاحد من اولئك الرسل علیهم الصلوة والسلام ظاهر كلامهم الاجماع علی ان ذلك مخصوص بنبینا ﷺ ولم یثبت لاحد ممن ارسل بعد نوح (روح) ف۱۱۳ مراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق میں نہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان سے توفیق بھی قبول حق کی سلب ہو جاتی ہے۔ ف۱۱۴ یعنی شرک و مخلوق پرستی اور حق دشمنی و نفس پرستی میں مبتلا۔ بِاٰیٰتِنَا۔ "نشانیوں کا لفظ دلائل و معجزات دونوں کے لئے عام ہے۔ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ۔ بائبل میں اس کی تصریح کہیں پر نہیں کہ ان دونوں پیمبران برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا حالانکہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے۔

اور کفر، شرک اور ضلالتوں کو اسی حال پر چھوڑے رکھے۔ یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصہ نسبۃً محفوظ ہے اس میں بھی کیسے کیسے تغیرات وتصرفات ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کس طرح ضروری ضروری موقعوں پر اس کی فروگزاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی ان کی بڑائی انہیں اس سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے۔ فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسیٰ وہارون اسی نسل بنی اسرائیل سے تھے جو ہر طرح اُس کی محکوم اور رعایا تھی۔ اپنے محکوموں اور "غلاموں" کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کرسکتی تھی۔ **ف۱۱۵** جاہلی قومیں فضائل اخلاق وکمالات روحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں۔ انبیاء کے خوارق حسی جب دیکھتیں تو انہیں سحر وکہانت پر محمول کرنے لگتیں ؎ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اَلْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا۔ یعنی

أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا

کہ کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا یہ (واقعی) جادو ہے؟ درآنحالیکہ

يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا

جادوگر فلاح نہیں **ف۱۱۶** پاتے۔ وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹا دے اس (طریقہ) سے

وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي

جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا) کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے

الْأَرْضِ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ

ہو جائے تو ہم تو تم دونوں کو (بھی) ماننے والے نہیں **ف۱۱۷** اور فرعون

فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ

بولا کہ لاؤ میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو **ف۱۱۸** پھر جب

السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾

جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چکو **ف۱۱۹**

فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۖ إِنَّ

پھر جب انہوں نے (رسے) ڈال دیئے تو موسیٰ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو یقیناً

اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

اللہ اسے ابھی توڑ پھوڑ دے گا یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں

الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ

دیتا **ف۱۲۰** اور اللہ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے وعدوں کے موافق خواہ مجرموں کو (کیسا ہی)

الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾ ع فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ

ناگوار گزرے **ف۱۲۱** پھر موسیٰ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز ان کی قوم کے تھوڑے سے

دین حق کی تبلیغ، جس کے اندر احکام، دلائل، خوارق سب کچھ آ گیا۔ **ف۱۱۶** فلاح۔ یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں، شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں! ذرا دیر کے لئے وہ گرمیٔ محفل جیسی بھی پیدا کر دیں، لیکن کمالات اخلاق سے وہ عاری اور تصرفات روحانی سے ان کا دامن خالی۔ دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال ان میں نہیں ہوتا۔ اَسِحْرٌ هٰذَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمال حیرت وحیرانی سے فرما رہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی ہوئی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ "سحر" کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت کی شے ہے۔ **ف۱۱۷** مصری مذہب کے "ہزار دیوتا" مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی۔ بندر، کتے، بلی وغیرہ ان کے مقدس جانور تھے۔ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ وقس علی ہذا.... تبلیغ موسوی سے ان سارے عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام محض قومی لیڈر نہ تھے جو اپنی قوم اسرائیل کو "سوراج" دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ وپیام کر رہے تھے وہ سب سے پہلے توحید وعقیدۂ آخرت کے منادی تھے، اور پھر کچھ اور۔ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ۔ دنیا پرست مادی زاویۂ نظر رکھنے والا اپنے نفس پر قیاس کر کے دوسروں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۔ ایمان یہاں شرعی اصطلاحی معنی میں نہیں، مراد صرف بات کا ماننا یا تسلیم کرنا ہے۔ صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل کے ساتھ آیا ہے۔ **ف۱۱۸** یہ بادشاہ نے اپنے اہل دربار وعمال سلطنت کو حکم دیا.... تشخیص چونکہ یہی ٹھیری تھی کہ یہ دونوں نئے مبلغ بڑے ماہر ساحر ہیں اس لئے ان کا زور توڑنے، ان سے مقابلہ کرنے، انہیں نیچا دکھانے کے لئے اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے! **ف۱۱۹** (اپنے جادو کے سامان میں سے) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ۔ یعنی میدان مقابلہ طے پا گیا اور جادوگر وہاں جمع ہو لئے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ فراء نحوی ولغوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پہلے فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیام کو سن کر کہا تھا ہذا سحر۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس قول کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ سحر وہ تو نہیں تھا یہ البتہ ہے۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ۔ اسی لئے سحر (نکرہ) کو یہاں الف لام کے ساتھ لا کر السحر (معرفہ) کر دیا گیا۔ انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) **ف۱۲۰** (جبکہ وہ بنیادی معجزات انبیاء سے معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں) قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی جسے فرعون اور فرعونی سحر سے موسوم کر رہے تھے۔ البتہ سحر تو یہ ہے جسے تم لے کر آئے ہو! اَلسِّحْرُ۔ یہاں ال کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون هٰذَا السِحْرٌ۔ (نکرہ) کے جواب میں ہے۔ قال الفراء انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) قال الفراء وانما قال السحر بالالف واللام لان النكرة اذا اعيدت اعيدت بالالف واللام (بحر) قال ابن عطية والتعريف هنا في السحر ارتب لانه قد تقدم منكرا في قولهم ان هذا السحر فجاء هنا بلام العهد (بحر) **ف۱۲۱** حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مد نظر ہے وہ بہر حال وصورت واقع ہو کر رہے گا منکرین خواہ کچھ بھی کر ڈالیں۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل وشواہد سب داخل ہیں۔ ای بحجة التي جعلها الله تعالى لكم عليهم سلطانا مبينا (راغب) ای بکلامه وحججه وبراهينه (قرطبی) یہاں مراد وعدہائے نصرت سے لی گئی ہے۔ ای بوعده النصر لمن جاء به (روح۔ عن الحسن)

قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ
لوگوں نے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں
یَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ
نہ ڈال دے اور واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ
لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ف۱۲۲ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴿۸۴﴾
اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اسی پر کرو اگر تم فرماں بردار ہو ف۱۲۳
فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا ظالم
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
لوگوں کا اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے
الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی وَ اَخِیْهِ اَنْ
کافر لوگوں سے ف۱۲۴ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ
تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً
تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو ف۱۲۵
وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالَ
اور نماز کی پابندی رکھو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ف۱۲۶ اور موسیٰ نے عرض کی
مُوْسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً
کہ اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (سامان) تجمل

ف۱۲۲ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بے جا تھا بھی نہیں) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰی۔ اٰمَنَ۔ امن کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آ رہا ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ کی بات کی تصدیق نہ کی۔ ذُرِّیَّةٌ یہاں قلت عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بس مٹھی بھر لوگ۔ ھھنا معناھا تقلیل العدد (کبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔ قال ابن عباس لفظ الذریة یعبر به عن القوم علی وجه التحقیر والتصغیر (کبیر) اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیر عددی ہی ہے۔ مِنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ مراد قوم موسیٰ علیہ السلام بھی ہو سکتی ہے اور قوم فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ ان چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے۔ ابن عباس کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے۔ سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔ الهاء عائدة علی موسی (قرطبی) ای طائفة من ذراری بنی اسرائیل (کشاف) والضمیر لموسی کما هو احدی الروایتین عن ابن عباسؓ (روح) عَلٰی خَوْفٍ۔ خوف کی تنوین شدت خوف کے لئے ہے۔ التنوین للتعظیم ای کائنین مع خوف عظیم (روح) ف۱۲۳ (اور خواہ کتنا ہی زیادہ حیران پریشان نہ ہو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا) یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومت فرعونی کے مظالم سے اسرائیلی بلبلا اٹھے ہیں ف۱۲۴ اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بیشک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور پھر معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے! ف۱۲۵ آیت میں قِبْلَةً۔ کا لفظ قرآن کا ایک دشوار ترین لفظ ہے۔ بہرحال قبلة کے ایک مشہور معنی اس مکان کے ہیں جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ فی المتعارف صار اسماً للمکان المقابل المتوجه الیه للصلوٰة (راغب) یہ معنی لے کر مراد یہ ہوگی کہ گو امت میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رخ ضروری ہے۔ لیکن تمہارے لئے حالات موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں انہی کی طرف رخ کر لیا کرو۔ لیکن یہاں معنی علی العموم ”نماز کی جگہ“ یا مصلّٰی کے لئے گئے ہیں۔ ای مصلّٰی (بیضاوی۔ روح) اور مراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔ ای صلوا فی بیوتکم (کبیر) کانوا خائفین فامروا ان یصلوا فی بیوتهم (ابن کثیر) اور عجب نہیں جو مظالم فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرائیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔ ف۱۲۶ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آ گیا) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔ کہ اقامت نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلائے گا۔

ف۱۲۷ لِیُضِلُّوْا ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش وانعام سے مقصود ہی یہ تھا۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہو سکتا ہے۔ واضح ما قیل فیھا ھو قول الخلیل وسیبویہ انھا لام العاقبة والصیرورة (قرطبی) اللام لام العاقبة لما کانت عاقبة قوم فرعون ھو الضلال وقد اعلمہ اللہ تعالٰی لا جرم عبر عن ھذا المعنی بھذا اللفظ (کبیر) ف۱۲۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذاب الٰہی کے پوری طرح مستحق ہو کر اس سے ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بدبختوں کی ہلاکت و بربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاک کی تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو ان کا انجام کشوف ہی ہو چکا تھا، ان کے لئے دعائے ہلاکت میں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا، اپنی دعوت وتبلیغ اور کوشش واصلاح سو وہ آخر تک جاری رہی۔ ف۱۲۹ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہو کر رہیں گے) اس جواب کے صیغہ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعاء میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے۔ بلاغت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے از خود روشن ہو جائیں قرآن ان کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ف۱۳۰ (ہمارے وعدوں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف وبتاخیر ہو) فَاسْتَقِيْمَا ۔ یعنی اپنے فرض منصبی پر قائم رہو اور دعوت وتبلیغ میں بدستور لگے رہو۔ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی ہماری حکمت تاخیر ومصالح توقف سے بے خبر ہیں۔ لا یعلمون صدق الاجابة وحکمة الامھال (مدارک) ف۱۳۱ (کہ انہیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں) بنی اسرائیل کے اس سفر بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ الٓمٓ میں گزر چکے۔ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۔ یعنی جو سرتا سر ناحق پر تھا، کیا از روئے قول اور کیا از روئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے ہے، اور عدو کا عمل سے۔ قال المفسرون بغیًا طلبًا للاستعلاء بغیر حق فی القول وعدوًا فی الفعل (قرطبی) قیل بغیًا فی القول وعدوًا فی الفعل (معالم) ف۱۳۲ (بدحواس وسراسیمہ ہو کر اور ملائکہ عذاب کو معاینہ کرنے کے بعد جیسا کہ ہر کافر ومنکر کو موت کے وقت فرشتگان عذاب کا معاینہ ہوتا رہتا ہے) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۔ اس میں بیان اس امر کا آ گیا کہ عمل غرقابی شروع ہو چکا تھا اور ڈوبنے والے کو اب عالم برزخ کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ فامن حیث لا ینفعہ الایمان (ابن کثیر) لما اکمت الامواج فوق فرعون وغشیتہ سکرات الموت فقال وھو کذالک (ابن کثیر) ف۱۳۳ (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور رسالت موسوی کی تصدیق کرتا ہوں) اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ ۔ "بنی اسرائیل کے خدا" کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی۔ دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر وذلیل تھی۔ آج تصدیق اسی کے برسرحق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے! محض یہ کہنے میں کہ "میں خدائے واحد پر ایمان لایا" یہ بات کہاں تھی۔ خدائے واحد کی تصدیق میں بڑی رکاوٹ اب تک فرعون اور اس کے ہم قوموں کو یہی تھی، کہ ہم اعلیٰ وبرتر اور حاکم قوم کے افراد ایسے خدا کا اقرار کیونکر کر لیں جو ہمارے محکوموں اور ہماری رعایا کا خدا ہے۔ ف۱۳۴ (تو اب مجھے نجات ملے اس غرق سے بھی اور عذاب آخرت سے بھی) ف۱۳۵ (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجات آخرت کی کوئی صورت) آٰلْـٰٔنَ ۔ یہ اب! جبکہ انکشاف آخرت شروع ہو چکا اور قبول ایمان کا وقت نہیں رہا۔ اتؤمن بالساعة فی وقت الاضطرار حین ادرکک الغرق وایست من نفسک (مدارک) وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ ۔ یعنی یہیں اس لمحہ سے قبل تک تیری ساری عمر تو ہماری مخالفت وسرکشی ونافرمانی میں گزری اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا تو اب اقرار تسلیم واطاعت کو چلا ہے۔ انما تؤمن عند نزول العذاب والایمان فی ھذا الوقت غیر مقبول (کبیر) مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۔ مفسد یہاں منکر اور باغی، گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ ای الذین اضل الناس (ابن کثیر) حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحت ایمان پر اصرار ہے۔" اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کر دیا ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس میں تفصیل موجود ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
اور (طرح طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دیئے ہی تھے اس نتیجہ کے ساتھ کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے (لوگوں

سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ
کو) گمراہ کریں ف۱۲۷ اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نابود کر دے اور ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے، سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو

الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا
دیکھ لیں ف۱۲۸ (اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی ف۱۲۹ سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو، اور ان

تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ
لوگوں کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ف۱۳۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا
سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی (کے ارادہ) سے

وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ
ان کا پیچھا کیا ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا ف۱۳۲ میں ایمان لاتا ہوں کہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ
کوئی خدا نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ف۱۳۳ اور میں مسلموں میں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ
(داخل ہوتا) ہوں ف۱۳۴ (یہ) اب! حالانکہ تو تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک اور تو مفسدوں (ہی) میں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ
شامل رہا ف۱۳۵ سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تو

ف۱۳۶ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بنا رہے) فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمام تر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی، اسی طرح اور اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اس کے حق میں تمام تر بے سود رہی۔ اٰيَةً۔ یہاں عبرة کے مرادف ہے۔ اے عبرة وعظة (معالم) عبرة (جلالین) عبرة ونكالا من الطغيان (روح) ایک غرق شدہ فرعون مصری کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مورخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا ـــــ رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے۔ اور یا فرعون مغروق، اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرین فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی۔ ف۱۳۷ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا ان چیزوں سے ذرا بھی اثر قبول کرنے والے۔ اے لا يعتظون بها ولا يعتبرون بها (ابن کثیر) ف۱۳۸ (اسی ملک اور وطن میں) مراد فلسطین و شام کے سرسبز و شاداب علاقے ہیں اور ذکر اب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مُبَوَّاَ صِدْقٍ۔ کے لفظی معنی منزل حسن اور مکان خوب و دلپسند کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔ اے كانا محمودا (کبیر) منزلا صالحا مرضيا (کبیر) لان عادة العرب انها اذا مدحت شيئا اضافته الى الصدق تقول رجل صدق وقدم صدق

لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے لئے رہے ف۱۳۶ اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے

لَغٰفِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ

غافل ہیں ف۱۳۷ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا

صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا

دیا اور ہم نے انہیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ف۱۳۸ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم (حق) آ گیا ف۱۳۹ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ

ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کر دے گا ف۱۴۰ پھر اگر (بالفرض) آپ کو

شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ

شک ہو ان (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ف۱۴۱ تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاۗءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ف۱۴۲ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھی

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

(کتاب) آ چکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ف۱۴۳ اور آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اِنَّ

جائیے جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ آپ بھی تباہ کاروں میں (شامل) ہو جائیں گے ف۱۴۴ بیشک

الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے

(کبیر) وفي العباب كل ما نسب الى الصلاح والخير اضيف الى الصدق (تاج) مراد شام وارض فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔ هو الاردن والشام (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) المراد به الشام وبيت القدس (بحر۔ عن قتادہ وابن زید والضحاک) وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ ملک شام اور اس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آ رہے ہیں۔ توریت موجودہ میں ہے: " میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں ..... کی جگہ میں لاؤں۔ (خروج ۳ : ۸) آج بھی جغرافیہ کی جن کتابوں اور جن سیاحت ناموں میں چاہیے یہی تفصیلات پڑھ لیجئے۔ ف۱۳۹ (پہلے انہی کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے) فَمَا اخْتَلَفُوْا۔ یعنی راہ حق سے انحراف نہیں کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید و رسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ اس کے برعکس انہوں نے دین حق سے اختلاف و انحراف شروع کر دیا۔ اور وہ بھی بیانات نبوت سننے کے بعد۔ ف۱۴۰ اور وہ فیصلہ عملی، مشاہد و مرئی ہوگا۔ علمی، عقلی تحقیقی فیصلہ تو اب بھی ہو چکا ہے۔ ف۱۴۱ (اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق) ذکر ابھی بالکل متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونوں کی سرگزشت کا آیا ہے۔ اس لئے مما انزلنا اليك کا تعلق بھی انہی قصص و حکایات ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔ اے من القصص (بیضاوی) اے من القصص المنزلة اليك التي من جملتها قصة فرعون وقومه واخبار بني اسرائيل (روح) لیکن اگر یہ محدود معنی نہیں بلکہ وہ وسیع معنی مراد لئے جائیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی کل مضامین کتاب میں شک جب کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ قرآن نے تو یہ بات محض بہ طور فرض و احتمال کے کہی ہے اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات، یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔ ان كان للرحمن ولد۔ ان كنت في شك۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ سمجھا جائے۔ مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔ اے ان كنت ايها الانسان في شك مما انزلنا اليك من الهدى على لسان رسولنا محمد (معالم) یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمۂ ادب ولغت سے منقول ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کافر سے کہیے کہ اگر تجھے شک ہو تو الخ۔ قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاهد سمعت الامامين ثعلبا والمبرد يقولان اے قل يا محمد للكافر فان كنت في شك الخ (قرطبی) ف۱۴۲ (ان کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں) مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف و تحریف سے الگ کر کے اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق و تائید ہی کریں گی۔ ف۱۴۳ (اس کے کسی مضمون سے متعلق بھی) نزول قرآن کے زمانہ میں علم و تحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی اور نمبر دوم پر عیسائی تھے۔ یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکذیب و تضحیک پر بات بات پر تیار و آمادہ رہتے تھے۔ اور پر قرآن انہی اہل علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے دھڑلے سے ادا کرا رہا تھا۔ بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سید البشر بھی، اس کا ایسے موقعوں پر رکنا، جھجکنا، بالکل ایک امر طبعی تھا خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہو کر حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں الوجہ الثالث کے ماتحت کی ہے۔ ف۱۴۴ (اے مخاطب!) خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔ او الخطاب لكل سامع يجوز عليه الشك (مدارک)

وَ لَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿٩٧﴾

خواہ ان کے پاس نشانیاں ساری (کی ساری) آجائیں جب تک کہ وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے ف۱۴۵

فَلَوۡ لَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اسے نفع پہنچاتا بجز قوم یونس

يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡيِ فِي

کے ف۱۴۶ جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے ان پر سے رسوائی کے عذاب کو

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿٩٨﴾ وَ لَوۡ شَآءَ

دنیوی زندگی میں دور کر دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لئے خوش عیشی دی ف۱۴۷ اور اگر آپ کا پروردگار

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ

چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے ف۱۴۸ سو کیا آپ

تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٩٩﴾ وَ مَا كَانَ

لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان لے ہی آئیں ف۱۴۹ اور کسی شخص کو

لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَجۡعَلُ

(یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ ایمان لے آئے بجز اللہ کی مشیت کے ف۱۵۰ وہ گندگی (کفر کی)

الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انۡظُرُوۡا مَاذَا

واقع کراتا ہے انہی لوگوں پر جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۱۵۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا

فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا تُغۡنِي الۡاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ

چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ف۱۵۲ اور کوئی بھی نشانیاں اور ڈراوے

عَنۡ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلۡ يَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ

ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے ف۱۵۳ سو وہ تو بس ان لوگوں کے سے حوادث کا

ف۱۴۵ (اور اس وقت" معائنہ" عذاب کے بعد ایمان لانا بھی بے سود ہوگا) حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ کلمة رب" پروردگار کی بات" سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی ہے۔ اے وعیدہ انهم يصيرون الى العذاب (بحر) اے حکمه وقضاءه المفسر عند الاشاعرة بارادته تعالى (روح) كُلُّ اٰيَةٍ۔ یعنی توحید و رسالت کے کل شواہد و دلائل۔ ف۱۴۶ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی اور عذاب دنیوی سے نجات پا گئی) فَلَوۡ لَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ۔ ذکر ان بستیوں کا ہو رہا ہے جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک و برباد ہوئیں۔ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہو جاتی۔ قَوۡمَ يُوۡنُسَ۔ یونس سے مراد پیغمبر برحق یونس علیہ السلام ہی ہیں۔ توریت میں ان کا نام (JONAN) یاونا کر کے آیا ہے ان کا زمانہ آٹھویں صدی ق م کے وسط کا ہے۔ ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا۔ جس کا زمانہ ۷۸۱ ق م تا ۷۴۱ ق م ہے۔ باشندہ شہر نینوا کے تھے۔ جو اپنے زمانہ میں اسیریا کی پرقوت سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا۔ اس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے۔ ف۲۲۸۵ ق م میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۴۷ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں باطمینان و بفراغت رہنے دیا۔ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا۔ یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزول عذاب نہیں ہوا تھا۔ صرف نزول عذاب کی علامتیں دور سے نظر آتی تھیں۔ قال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التى تدل على العذاب ولو رأوا عين العذاب لما نفعهم الايمان وقلت قول الزجاج حسن (قرطبی) اے عند ما رأوا امارات العذاب ولم يوفروا الى حلوله (روح) كَشَفۡنَا ...... الدُّنۡيَا یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے۔ باقی ایمان کے بعد نجات اخروی کا مفہوم خود بخود متوقع ہو جاتا ہے۔ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو گو وہ فیضان شیخ ہی کی برکت سے ہو۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی امت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یونس نبی علیہ السلام ہی کی برکات سے تھا۔ ف۱۴۸ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیت الٰہی نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر و مجبور نہیں کیا ہے) فلاشاعرة لكونه مخالفًا للحكمة التى عليها بناء اساس التكوين والتشريع (روح) اے لا ضطرهم اليه (قرطبی) كُلُّهُمۡ۔ تاکید کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک من في الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جَمِيۡعًا کی تاکید کے لئے۔ ف۱۴۹ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم و محزون نہ ہوں۔ یہیں سے بعض علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ ف۱۵۰ اذن آیت میں مشیت و توفیق کے معنی میں ہے۔ اے بمشيته او بقضائه او بتوفيقه (مدارک) الا بقضائه وقدره ومشيئته وارادته (قرطبی) ف۱۵۱ یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے، جو اپنی عقل و فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، اور حق کے قبول و اتباع کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان و ہدایت کی راہ میں اصلاً رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ الرِّجۡسَ۔ (یعنی کفر و بدعقیدگی کی گندگی) رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنی کفر کے ہیں۔ الرجس الذى يقابل الايمان ليس الا الكفر (کبیر) ف۱۵۲ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)۔ انۡظُرُوۡا۔ یعنی چشم بصیرت سے دیکھو، سوچو اور غور کرو۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوت تکوینیات میں غور و فکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔ اے تفكروا (بیضاوی) امر بالنظر والا ستدلال فى الدلائل حتى لا يتوهم ان الحق هو الجبر المحض (کبیر) انۡظُرُوۡا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لیے نظر کرنا نظر الی الحق کا منافی نہیں۔ ف۱۵۳ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی و ترہیبی دلائل و شواہد لاحاصل ہیں۔ النُّذُرُ۔ نذر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں مع مصدر انذار کے مرادف ہے۔ النذر الرسل المنذرون او الانذارات (کبیر) والنذر جمع نذير بمعنى منذر او بمعنى الانذار اى الانذارات (روح) جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع و اقسام کے ارادے اس میں شامل ہو جائیں۔ جمع لارادة الانواع (روح) مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ خَلَوۡا کے لفظ میں قبلیت کا مفہوم تو خود ہی شامل ہے۔ پھر جو مِنۡ قَبۡلِهِمۡ کا اضافہ آیا ہے اس سے مقصود ایک تو تاکید ہے دوسرے یہ اشارہ بھی کہ یہ موجودہ منکرین بھی عنقریب اسی طرح گزر جائیں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ گذر چکے ہیں۔ متعلق بخلوا جئ به للتاكيد والايماء بانهم سيخلون كما خلوا (روح)

اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ

جو ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ۱۵۵ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تم انتظار کیے جاؤ میں

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ

بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۱۵۵ پھر ہم اپنے پیمبروں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان

اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ

والے تھے بچا لیتے تھے اسی طرح ہم (سب) مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں (یہ) ہمارے ذمہ ہے ۱۵۶ آپ کہہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

دیجیے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے شبہ میں ہو ۱۵۷

فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ

سو میں ان (معبودوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے رہتے ہو اللہ کے سوا بلکہ میں (تو)

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے ۱۵۸ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

ایمان لانے والوں میں ہوں اور یہ کہ اپنا رخ دین کی طرف

حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَ لَا تَدْعُ

خالص کر لینا اور کہیں شرکوں میں نہ ہو جانا ۱۵۹ اور اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

علاوہ کسی (اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے پھر اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ

تو نے (ایسا) کیا تو یقینا تو ظالموں میں ہو جائے گا ۱۶۰ اور اگر اللہ تجھے کوئی

ع ١٥

ف۱۵۴ یعنی ان موجودہ منکروں اور معاندوں کے وجود سے تو بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ سابق ہلاک شدہ قوموں کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں! هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ۔ یعنی دلالت حال سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اَيَّامِ۔ محاورۂ عرب میں ایام کا اطلاق اہم ترین شدید ترین واقعات و حوادث پر ہوتا ہے۔ الایام هنا بمعنى الوقائع والحروب تسمى العذاب ايامًا والنعم ايامًا كل ما مضى لك من الخير او الشر فهو ايام (قرطبی) اى وقائع الله تعالى فيهم (کشاف) ومنها استعمال الايام فى الوقائع كقولهم ايام العرب وهو مجاز مشهور من التعبير بالزمان عما وقع فيه (روح) الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ پرقوت و شوکت نافرمان و سرکش قومیں جو ان سے قبل عذاب سے ہلاک و برباد ہو چکی ہیں، ان میں سے بعضوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہا۔ المراد المشركون من الامم الماضية (روح) ف۱۵۵ (عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے)۔ ف۱۵۶ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کیا ہے کہ عذاب الٰہی جب آتا ہے صرف کافروں اور منکروں پر آتا ہے۔ اور مومنین اس سے بچا لیے جاتے ہیں۔ اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ تکوینی حادثے جن میں مومن و کافر سب بلا امتیاز و تفریق یکساں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قحط، سیلاب، وباء یہ ہرگز صحیح معنی میں "عذاب الٰہی" نہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں صورت عذاب الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ ثُمَّ۔ ربط کلام انہی پچھلی ہلاک شدہ قوموں سے ہے۔ نُنَجِّيْ۔ یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔ ف۱۵۷ (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح و مغز کے اعتبار سے ہے کیا) ف۱۵۸ یہاں داعی اسلام کی زبان سے اصلی و اساسی فرق دین اسلام و دین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے۔ ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے کہ اگر اب بھی ابہام و اشتباہ باقی ہے تو سن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دین جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو اور میری دعوت خالص توحید کی ہے۔ میں اس خدا کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں جو مطلق الاختیار ہے، تمہاری موت و زندگی دونوں پر حاکم ہے۔ اَللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے۔ اور موت و ہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے عقائد میں مبتلا ہوں۔ اور یہ نہ ہو جب بھی يَتَوَفّٰىكُمْ۔ یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تم پر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے۔ سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اسی سے چاہیے۔ ف۱۵۹ اَنْ اَكُوْنَ۔ سے لے کر مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ تک برابر اسی مضمون کا بیان رسول ﷺ کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضع قانون کی نہیں صرف حامل قانون کی ہے، جو قانون حیات لے کر میں آیا ہوں خود بھی اس کے دائرۂ نفاذ سے مستثنیٰ اور مافوق نہیں ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ سے بہ قاعدۂ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے، جو معیت مومنین میں اتباع نبی سے حاصل ہو، نہ وہ جو محض استدلال نظری و فلسفی سے حاصل ہو جائے۔ ف۱۶۰ (اے مخاطب) خطاب یہاں عام ہے ہر ناظر قرآن سے۔ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آ گئیں۔ نفع رسانی و ضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ اَلظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والے۔

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ
تکلیف پہنچا دے تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ
تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کر دے،

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۶۱ آپ کہہ دیجیے اے لوگو،

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ف۱۶۲ سو (اب) جو کوئی راہ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
اپنے ہی لئے ہدایت پائے گا اور جو کوئی بھٹکا رہے گا اس کے بھٹکنے کا (وبال) بھی اسی پر رہے گا

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ۭ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ
اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار (بنا کر) نہیں (بھیجا گیا) ہوں ف۱۶۳ اور آپ اس کی پیروی کے جائیے جو آپ پر وحی کیا جا رہا

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ؑ
ہے اور صبر کئے رہیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ف۱۶۴

آیاتها ۱۲۳ ۔ ۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ۔ رکوعاتها ۱۰

اس میں ایک سو تیئس آیتیں ۔ سورہ ہود مکی ہے ۔ اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع (ہے)

الۗرٰ ۣ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ
الف ۔ لام ۔ را۔ یہ ایک کتاب ہے کہ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں ف۱ ایک

ف۱۶۱ اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم و معروف و مسلم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انہی صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے انہی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں ف۱۶۲ (دلائل وشواہد کے ساتھ) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی یہی پیام قرآنی اور وحی الٰہی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ایک بار پھر عام نسل انسانی سے ہے۔ پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل۔ ف۱۶۳ شخصی ذمہ داری اور انفرادی جواب دہی کی ایک اور تاکید۔۔۔ کفارہ، توسل وغیرہ جو دوسرے مذاہب کی جان ہیں، ان پر ایک اور ضرب ف۱۶۴ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا میں اس نے یہ فیصلہ آگے چل کر حکم جہاد و قتال کی صورت میں صادر کر دیا۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی منکرین مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیے۔ ف۱ (اور متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزء سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے) اُحْكِمَتْ۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں دلائل وشواہد کے ساتھ۔ ثُمَّ۔ کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں پوری طرح "مزید برآں" یا "اور اس پر یہ کہ" سے واضح ہوگا۔ ثُمَّ۔ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد ان کی تفصیل کی گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں قوت و پختگی و استحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل و وضاحت کا ہے۔ ليس معنا ها التراخي في الوقت ولكن في الحال كما تقول هي محكمة احسن الاحكام ثم مفصلة احسن التفصيل (کشاف) ثم جاءت لترتيب الاخبار لا لترتيب الوقوع في الزمان (بحر)

منزل ۱۶

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکیم باخبر کی طرف سے ہے ف۲ (اس مضمون کے ساتھ) کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے، میں تم کو

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اور (یہ مضمون بھی ہے) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دے گا ایک وقت مقرر تک ف۳

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ

اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ (اجر) دے گا ف۴ اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳

تم روگردانی کرتے رہے تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے،

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

تم (سب) کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے ف۵ سنو، سنو! وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کئے دیتے ہیں

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں سنو، سنو! وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

(اس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ (ان کے) دلوں کے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

اندر (کی باتوں) سے خوب واقف ہے۔ ف۶

ف۲ یعنی اس کتاب حکیم وخبیر کا سب سے اہم ومقدم مضمون یہی ہے۔ ف۳ یعنی مدت حیات تک۔ آیت سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ تقوی وطہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں جاتا بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت وسکون میں اور معین ہی ہوتی ہے۔ آن اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یعنی کفروشرک وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو۔ اور ایمان صحیح اختیار کرو۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت، عمل صالح کے ذریعہ سے رہنا چاہیے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت صالحانہ زندگی گذارنا دنیوی عیش وراحت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔ ف۴ (آخرت میں) یعنی جو عالی ہمت طالبان حق ہیں، انہیں آخرت میں مرتبے بھی انہی کی جانکاہیوں کے مطابق ملیں گے۔ اور جس طرح طاعت وتقوی کی کوئی حد معین نہیں، مراتب اخروی کی بھی کوئی حد ونہایت نہیں اور فضل سے مراد موجبات فضل ہی لی گئی کہ موجبات فضل بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ معناه ویؤت كل ذی فضل موجب فضله ومعلوله (کبیر) ذِيْ فَضْلٍ۔ سے مراد عمل میں صاحب فضل ہے۔ ای ذی فضل في العمل (جلالین) ف۵ (تو پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو ماننے کے بعد تمہیں نظام آخرت اور سلسلۂ جزا کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں ہے؟) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ۔ یعنی آخری واسطہ اسی ایک سے پڑتا ہے نہ کسی اور سے ترکیب کلام کلمۂ حصر کی ہے۔ فيه دقيقة وهي ان هذا اللفظ يفيد الحصر يعني ان مرجعنا الى الله لا الى غيره فيدل هذا على انه لا مدبر ولا متصرف هناك الا هو (کبیر) فخر المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکور کے تحت میں جو نکتہ بحثی کی ہے، اس کے لئے اصل تفسیر کبیر ہی مطالعہ کرلی جائے۔ ف۶ منافق اور کافر اللہ کی اس صفت عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے ہیں، ورنہ ان کی ہمت بھی سازشوں کی نہ پڑے۔ قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا ہے۔ اِنَّهُمْ...... مِنْهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر مزاج وطبیعت اور ہر ذہنیت کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے اسلام اور رسول اسلام کے خلاف سازشیں کرتے سوان سرگوشیوں کے وقت افراط سعی اخفاء میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا اپنے سینوں کو دوہرا کئے ڈالتے ہیں۔ اور کپڑا اپنے اوپر الگ ڈالتے چلے جاتے! ...... قرآن مجید نے ان کی اسی ہیئت کذائی کو بے نقاب کردیا اور ان پر گرفت یہ کی کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالی عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی! روی ان طائفة من المشركين قالوا اذا اغلقنا ابوابنا وارسلنا ستورنا واستغشينا ثيابنا وثنينا صدورنا على عداوة محمد فيكف يعلم بنا (کبیر) صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً جاری رکھے۔ اور اپنی ہر خلوت ومجلس اور خطرۂ قلب وحدیث نفس میں اللہ تعالی کو حاضر وناظر یقین کرے اور یہ سمجھے رہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تو گناہ کی جرأت ہی شاید نہ ہوسکے...... تقوی کی اصل بنیاد یہی اللہ کی عالم الغیبی کا استحضار ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو وے

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ

اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب میں

مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

درج ہے وٛ اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ

چھ روز میں پیدا کر دیا اور اس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے

أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ

کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہترین کون ہے وٍ اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ

اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں ضرور کہہ اٹھیں گے کہ یہ

إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

تو کھلا ہوا جادو ہے وٛا اور اگر ہم ان پر سے عذاب

إِلٰٓى أُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ أَلَا يَوْمَ

ملتوی رکھیں کچھ مدت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے روک رہی ہے سن رکھو جس دن

يَأْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

وہ ان پر آ ہی پڑے گا تو ان سے ٹل کر نہ رہے گا اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا

وہ انہیں آ ہی گھیرے گا وٛا اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ

وٛ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تکیہ اسباب پر نہ کرے، سبب کا مبدأ، مرجع و منتہی اللہ کو ہی سمجھے رہے۔ دَآبَّةٍ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔ قال الزجاج الدابة اسم لكل حيوان واطلق على كل حيوان ذی روح (کبیر) یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔ والمراد بهذا اللفظ فی هذه الآية الموضوع الاصلی اللغوی فيدخل فيه جميع الحيوانات وهذا متفق عليه بين المفسرين (کبیر) عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اى واجب على الله بحسب الوعد والفضل والاحسان (کبیر) ورنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسَبِّب۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں حاصل یہ کہ وثوق اور ربط قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ وٛ (اور اسی صحیفہ علم الٰہی کا دوسرا نام لوح محفوظ ہے) مُسْتَقَرّ۔ اور مُسْتَوْدَع۔ کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرین لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے۔ ترجیح اسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا۔

وٛ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی جو کل سلسلۂ حیات وکائنات کا ایک بہت مختصر ومحدود حصہ ہے اس کی آفرینش کی غرض وغایت، ہی یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کر کے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔ ایام عرش...... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مراد یہ بعد آفرینش والا ۲۴ گھنٹے کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں۔ علیٰ ہذا عرش سے مراد کوئی بچھا ہوا مادی تخت نہیں بلکہ تخت حکومت ہی مراد ہو سکتا ہے۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان وزمین اور سارا نظام کائنات سب حادث ومخلوق ہیں ان کو قدیم اور معبود سمجھنے والے، انہیں دیوی دیوتا قرار دینے والے، ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سن لیں کہ یہ سب اسی قادر مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے۔ اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم دمافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک اس کی حکومت قدیم ہے۔ وہ اس عالم سے قبل اس عالم پر تھی جو اس وقت موجود تھا یعنی عالم آب! كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادہ حیات پانی ہی ہے۔ وجعلنا من الماء كل شیء حی (سورۃ الانبیاء) لِيَبْلُوَكُمْ۔ کا نحوی تعلق خلق سے ہے یعنی آفرینش کی غرض وغایت یہی امتحان آزمائش اور جانچ ہے۔ اللام للتعليل متعلقة بخلق (روح) اى خلقهن لحكمة بالغة وهى ان يجعلها مساكن لعباده وينعم عليهم فيها بفنون النعم ويكلفهم الطاعات واجتناب المعاصی فمن شكر و اطاع اثابه ومن كفر وعصى عاقبه ولما اشبه ذلك اختبار المختبر قال ليبلوكم يريد ليفعل بكم ما يفعل المبتلى لاحوالكم كيف تعملون (کشاف) وٛا (جو موثر تو ضرور ہے لیکن حقیقت وصداقت سے خالی) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ عقیدۂ بعث وحشر کے منکر ہیں۔ منکر ومومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر "آج" کا دامن "کل" سے وابستہ سمجھتا ہے۔ هٰذَآ یعنی وہ کتاب جو اس عقیدۂ حشر کی تبلیغ کر رہی ہے یا خود یہ عقیدہ ہی۔ اشاروا بهذا الى القران لان القران هو الناطق بالبعث (کشاف) والظاهر الاشارة بهذا الى القول (بحر) اى القول به اوالقران المتضمن لذكره (بیضاوی) سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی اور غیر خدائی لیکن بڑا موثر...... بجنسہ اسی خیال باطل کی ترجمانی "عقلاء فرنگ" فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی، زمانہ شناس، بڑے صاحب تدبیر! وٛا جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب الٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت ومصلحت سے ہیں اور یہ لگتے ہیں طنز وتعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذاب موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ۔ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت وحکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ لَيَقُوْلُنَّ۔ ان کا یہ قول محض استفسار انہیں ہوتا انکار واستہزاء ہی سے ناشی ہوتا ہے۔ أُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ۔ أُمَّة یہاں اپنے مجازی معنی میں یعنی حصہ وقت کے مرادف ہے۔ معناه الى حين ووقت معلوم (بحر) ابن عباس ؓ صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لئے ہیں۔ الامة هنا المدة من الزمان قاله ابن عباس وقتادة ومجاهد والجمهور (بحر) يوم ياتيهم سے مراد اس عذاب کا وقت موعود ہے۔ حَاقَ۔ صیغۂ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغۂ ماضی لانا کمال تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اخبر عن احوال القيامة بلفظ الماضی مبالغة فی التاكيد والتقرير (کبیر) وضع الماضی موضع المستقبل تحقيقا ومبالغة فی التهديد (بیضاوی)

رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

چکھاتے ہیں اور پھر اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نا امید (و) ناشکرہو جاتا ہے، ف۱۲

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اسے واقع ہو چکی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ۙ

کہ میرا دکھ درد رخصت ہو گیا بیشک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے ف۱۳

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

بجز ان لوگوں کے جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ

جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے ف۱۴ سو (ان کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس

مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا

میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے، ف۱۵ اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ

لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ

کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس (شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ

اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲ۭ اَمْ

تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی ہے ف۱۶ کیا یہ

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ

کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم بھی دس سورتیں اسی کی مثل

مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

گڑھی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم (بلا) سکتے ہو بلا لو

ف۱۲ (کہ گویا اسے اعادۂ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا) عام فطرت بشری کا بیان ہے۔ ف۱۳ (کہ گویا اب پھر وہ دکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں) اب بیان اسی فطرت بشری کے دوسرے پہلو کا ہو رہا ہے...... واقعی ان گڑھ، تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط وتفریط کے دونوں سروں کے درمیان جھولا کرتا ہے۔ ف۱۴ عام فطرت بشری اور اس کے مقتضائے طبعی کا بیان اوپر ہو چکا۔ اب ذکر ان خوش نصیبوں کا ہے جنہیں ایمان وتقویٰ کی تربیت مل چکی ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ ہر زوال نعمت کے وقت صبر وتسلیم سے اور حصول نعمت کے وقت شکر وطاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۱۵ (رسول معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے) لَعَلَّ۔ کے عام معنی توقع وترجی کے ہیں۔ اس صورت میں بے تکلف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپ سے اس جزئی ترک تبلیغ کی لو لگائے بیٹھے ہیں۔ ای یظن بک الناس ذٰلک (راغب) ای انک بلغت من التہالک علٰی ایمانھم مبلغا یرجون ان تترک بعض ما یوحی الیک (ابو البقاء) اور یہ آپ کے لئے عصمت رسالت کی بنا پر ممتنع ہے۔ تو آپ کو چاہیے کہ آپ باب تبلیغ میں اور زیادہ مستعد وباہمت ہو جائیں۔ والمقصود من ذٰلک تحریضہ ﷺ وتھییج داعیتہ لاداء الرسالۃ (روح) باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجی کے موقع تبعید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اظہار بُعد کے لئے اس صورت میں مفہوم صاف یہ ہوگا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ آپ ہرگز اسے ترک نہ کیجیے گا۔ قیل اِنّ لعل ھنا لیست للترجی بل ھی للتبعید وقد تستعمل لذٰلک کما تقول العرب لعلک تفعل کذا لمن لا یقدر فالمعنی لا تترک (روح) المراد ھنا الزجر و العرب تقول للرجل اذا ارادوا ابعادہ عن امر لعلک تقدر ان تفعل کذا مع انہ لا شک فیہ (کبیر) ف۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسول) آیت میں اہل جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خدا اور فرستادۂ خدا کے حدود الگ الگ ہیں رسول کا کام تو محض پیام الٰہی صداقت ودیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔ لَوْ لَا...... مَلَكٌ۔ اہل جاہلیت نے رسول ﷺ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے ہی اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔ ضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ۔ مصلح اعظم ﷺ کی طبع لطیف وفطرت سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسوس کرنا ایک بالکل امر طبعی تھا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ اِنَّ کے حصر نے اسے خوب واضح کر دیا کہ رسول کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ تو تمام تر ایک مبلغ ومنادی ہوتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ وصوفیہ، کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضول اور بے معنی نہ سمجھیں۔ اِفْتَرٰىهُ۔ ضمیر و ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ مِثْلِهٖ۔ میں مثلیت زبان وحسن بیان، معنویت وخوبی مضامین ہر اعتبار و لحاظ سے ہے۔ بہ لحاظ معنویت چیلنج ساری دنیا کے لئے ہے اور بہ لحاظ ادب وانشاء اہل عرب کے لئے۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہود مکی ہے اس وقت تحدی دس سورتوں کی بابت رکھی گئی۔ سورۂ بقرہ جو اس سے بہت متاخر اور مدنی ہے۔ اس میں یہ مقدار دسویں حصہ تک گھٹا کر صرف ایک سورت تک لے آئی گئی ہے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سورت کا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا

اگر تم سچے ہو وے۱ پھر اگر یہ تم لوگوں کا یہ کہنا نہ کرسکیں سو (ان سے کہو کہ) یقین کرلو

اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ

کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (وقدرت) سے اترا ہے اور (یہ بھی یقین کرلو) کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے تو

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ وے۱۸ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور

وَ زِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَ هُمْ فِیْهَا

اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال (کی جزا) اسی (دنیا) میں پوری طرح دے دیتے

لَا یُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی

ہیں اور ان کے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی۔ وے۱۹ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے

الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖۗ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَ بٰطِلٌ

آخرت میں کچھ بھی نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں

مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ

ناکارہ نکل جائے گا اور بے اثر وے۲۰ (سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کرسکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

(آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو، وے۲۱ اور اس کے ساتھ ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس

مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب وہ امام ہے وے۲۲ اور رحمت ہے، ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں

وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ

اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کرے گا سو اس کے لئے وعدہ گاہ دوزخ ہے وے۲۳

وے۱۷ (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے۔) آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی یہی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدی ﷺ ہے ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمد ﷺ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؟ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو۔ پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟ وے۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟) لَكُمْ۔ یہ خطاب جمع عام مومنین سے ہے ۔ تحدی جس طرح رسول اللہ ﷺ کر سکتے تھے ساری امت بھی کر سکتی ہے۔ جمع الضمیر لان المؤمنین ایضا کانوا یتحدونهم (بیضاوی) فَاعْلَمُوْۤا۔ تقدیر کلام یہاں یوں مانی گئی ہے کہ اے مومنین! کفار سے کہو کہ یقین کرلو۔ فیه اضمار والتقدیر فقولوا ایها المسلمون للکفار اعلموا (کبیر) اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ ہی کے علم وقدرت سے اترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔ وے۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتا سر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا مطمح نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے ہوئے ہیں وہ گھبرائیں نہیں، انہیں مایوسی نہ ہوگی۔ انہیں اپنی ساری جدوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے۔ ...وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارون وقت ہو کر رہے گا۔ انہیں حکومت کی ہوس ہے دنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے۔ انہیں عزت وناموری فتح مندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے دل کے ارمان نکال کر رہیں۔ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا۔ حیات وزینت حیات سے الفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا محقق انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیات دنیوی اور زینت دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنالینا اور اپنے وقت وقوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یرید سے ظاہر ہے۔ ای تکون ارادته مقصورة علی حب الدنیا وزینتها ولم یکن طالبا لسعادات الاٰخرة کان حکمه کذا وکذا (کبیر) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر وتلاوت ہی پر شامل ہوں، موجب ثواب وحسن آخرت نہ ہوں گے۔ هذا یدل علی ان ما سبیله ان لا یفعل الا علی وجه القربة لا یجوز اخذ الاجرة علیه لان الاجرة من حظوظ الدنیا فمتی اخذ علیه الاجرة فقد خرج من ان یکون قربة بمقتضی الکتاب والسنة (جصاص) وے۲۰ ظاہر ہے کہ جب دوسری دنیا کا تخیل ہی سرے سے ان کے دماغوں میں نہیں اور اس کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انہیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔ مَا صَنَعُوْا۔ اس عموم میں ان کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنھیں وہ کار خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے۔ فِیْهَا۔ اس کا تعلق حَبِطَ۔ سے ہے اور ضمیر ها سے مراد الْاٰخِرَةِ ہے۔ والظاهر انه عائد علی الاٰخرة (بحر) بٰطِلٌ۔ نفس الامر اور ان لوگوں کے فساد نیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے۔ آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائے گا۔ وے۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے) بَیِّنَةٍ۔ سے مراد قرآن ہی سمجھی گئی ہے۔ البینة هو القراٰن (کبیر) والمراد بها القراٰن (روح) بَیِّنَةٍ۔ تنوین اس دلیل کی عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ التنوین فیها هنا للتعظیم ای بینة عظیم الشان (روح) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ افمن کان علی بینة من ربه کمن یرید الحیٰوة الدنیا (کبیر) وے۲۲ امام تو اپنی تعلیمات واحکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمت اس معنی میں کہ باعث رحمت ہے۔ وَ یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ یتلوه کو یتبعه کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مراد یہ لی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔ ومعنی کونه منه انه غیر خارج منه (روح) وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤی۔ یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مدتوں قبل نازل ہو چکی تھی اور کلام کا عطف شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ پر ہے۔ عطف علی شاهد والضمیر المجرور له ای یتلوه فی التصدیق کتاب موسیٰ منزلا من قبله (روح) اِمَامًا۔ یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا ومتبوع۔ ومعنی کونه اماما انه کان مقتدی العالمین واماما لهم یرجعون الیه فی معرفة الدین والشرائع (کبیر) مؤتما به فی الدین ومقتدی (روح) رَحْمَةً۔ یعنی رحمت کا ذریعہ وسبب۔ لانه یهدی الی الحق فی الدنیا والدین وذلک سبب لحصول الرحمة والثواب فلما کان سببا للرحمة اطلق اسم الرحمة علیه (کبیر) وے۲۳ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ میں اُولٰٓىٕكَ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے۔ مِنَ الْاَحْزَابِ۔ احزاب سے مراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی ملک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ الاحزاب جمیع الملل قاله ابن جبیر (بحر) عن قتادة ان الاحزاب الکفار مطلقا لانهم تحزبوا علی الکفر (روح) آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ قرآن کا منکر کوئی بھی ہو اور کفار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی ہے۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ

پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ

البتہ بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ف۲۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے

مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ

جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے پروردگار کے سامنے

عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ

باتیں لگائی تھیں ف۲۵ سنو سنو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو

يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم

اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں اور

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٩﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا

آخرت تک کے منکر ہیں ف۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو)

مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ

عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا

اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا

کوئی بھی مددگار ہوا ف۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا ہو گا یہ نہ

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

سنتے ہی تھے اور نہ دیکھتے تھے ف۲۸

وقف لازم

ف۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود) تنگ زنگ۔ خطاب اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے ف۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب عالم آخرت کے واقعات ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر جھوٹ گڑھنا یہی ہے کہ اس کی توحید سے یا رسول ﷺ کی رسالت سے یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے لیا جائے۔ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ۔ ان گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید تفضیح ورسوائی تو خیر ہو ہی گی لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہوں گے کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر سے منقول ہے کہ یہ گواہ کاتب اعمال فرشتے ہوں گے۔ هم الملئكة الذين كانوا يحفظون اعمالهم عليهم في الدنيا (کبیر عن مجاہد) لیکن لفظ قرآن کا عموم سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور خود ان کافروں کے اعضاء جوارح بھی شامل کئے جائیں۔ قيل المراد بهم الملٰئكة والانبياء والمؤمنون (روح) من الملائكة والنبيين او من جوارحهم (بیضاوی) ف۲۶ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ یہ ایک ہی اسم کے لئے ضمیر هم کی تکرار تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ تكريرهم لتاكيد كفرهم واختصاصهم به (بیضاوی) قال الزجاج كلمة هم كُرِّرَت علی جهة التوكيد (کبیر) اس مفہوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اردو ترجمہ میں "تک" لایا گیا ہے۔ يَبْغُوْنَهَا۔ میں ضمیر ها اسی سَبِيْلِ اللّٰهِ کی جانب ہے۔ ف۲۷ (کہ کوشش کر کے یا سفارش کر کے انہیں چھڑا دیتا)۔ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔ میں مِنْ۔ زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے۔ من زائدة لاستغراق النفي (روح) اردو ترجمہ میں "بھی" اسی مفہوم کے اظہار کے لئے ہے۔ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ۔ ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے۔ اور اگر يَصُدُّوْنَ کے معنی محض يُعْرَضُوْنَ کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بناء پر نہیں شدت عمل کی بنا پر ہو گا۔ ف۲۸ یعنی نہ کلام حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے نہ سننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوگنی سزا یوں کہ ایک سزا خود کافر رہنے کی، اور دوسری دوسروں کو کافر بنانے کی۔ يُضٰعَفُ۔ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی...... اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی دلالت کے لئے ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا اور (آج) ان سے غائب ہو گئے

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ

(وہ سب معبود) جو انہوں نے گڑھ رکھے تھے ف۲۹ لازمی طور پر آخرت میں

هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

یہی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے ف۳۰ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ

الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ف۳۱ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے

كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ

جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا (یہ)

يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

دونوں حالت میں برابر ہیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ف۳۲ اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو

نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ أَن

ان کی قوم کی طرف بھیجا ف۳۳ میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں (چاہیے) کہ

لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں تمہارے حق میں دردناک دن کے

يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ

عذاب سے ڈرتا ہوں ف۳۴ اس پر ان کی قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ

ف۲۹ (اور کوئی بھی ان کے کام نہ آیا) ف۳۰ لَا جَرَمَ۔ کا مفہوم عربی میں وہی ہے جو اردو میں "لامحالہ" یا "ناگزیر ہے" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ معناہ انہ لا یقطع قاطع عنھم (کبیر) قال الفراء انھا بمنزلۃ قولنا لابد ولا محالۃ (کبیر) اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ جملہ کی ترتیب ھُمْ کی تکرار اَنَّ اور لَا جَرَمَ۔ کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ف۳۱ اَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ۔ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع و انقیاد دل میں پیدا کر لیا۔ الاخبات ھو الخشوع والخضوع (کبیر) اصحاب جنت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیح عقائد کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ دوسرا مرتبہ عمل صالح کا یا اصلاح اعمال واخلاق کا ہوا۔ وَاَخْبَتُوْٓا۔ تیسرا مرتبہ تزکیہ نفس کا ہوا۔ ف۳۲ یعنی دونوں کے درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس نہیں کرتے؟ فَرِیْقَیْنِ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ ایک طرف مؤمن اور فرمانبردار ہیں اور دوسری طرف کافر ونافرمان جن کے انجام ومآل کا فرق ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔۔۔ ایک ہدایت سے موصوف دوسرا ہدایت سے محروم۔ ف۳۳ (پیغمبر بنا کر اور یہ پیام دے کر) نوح علیہ السلام اور قوم نوح علیہ السلام پر حاشیے پارہ نمبر ۱۱ میں سورۂ یونس میں گزر چکے۔ ف۳۴ پیغمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی پیام توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعید عذاب۔۔۔ کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی قوم متمدن، پیغمبر بہر حال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور عقائد میں راس المسائل یہی عقیدۂ توحید ہے۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیغمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

ع ۲

وف ۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مرد خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادہ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آ رہا ہے وہ بزرگی کے صرف اسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا پر اڑتا ہو غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے "مافوق البشر" ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو۔۔۔۔ بشر کو دیوتا تسلیم کر لینا ان کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندہ مقرب وحقوں اور اپنی تصور کریں۔ مثلنا۔ بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرہ ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھانے پینے، رہنے بسنے والے۔ وف ۳۶ (سو ان کا تمہیں نبی مان لینا کون سی سند اور افتخار کی بات ہے بلکہ ہم شرفاء ومعززین کو تو الٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھنے سے۔ بڑے اور چھوٹے اونچ اور نیچ کا یہ نسبی ونسلی معیار جاہل قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے دعوت توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لاتے تھے یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔ وف ۳۷ (تمہارے اس ادعائے نبوت وزعم رسالت میں) مِنْ فَضْلٍ۔ سے مراد مال، جاہ، ثروت وریاست ہیں جو دنیوی ومادی اعتبار سے معیار فضیلت سمجھے گئے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہل جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری ومادی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرض حب دنیا میں مبتلا ہیں اور عزت وتحقیر کا معیار اسی دولت دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ كانوا جهالا ما كانوا يعلمون الا ظاهرا من الحياة الدنيا فكان الاشراف عندهم من له جاه ومال كما ترى اكثر المتسمين بالاسلام يعتقدون ذلك ويبنون عليه اكرامهم واهانتهم (کشاف) اور آگے بھی سطروں پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحب مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دہرا دیا ہے) ۔۔۔ حب دنیا اس امت مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آ چکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کے باطنی کمالات، ان کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔ وف ۳۸ (اور اپنے کو صرف صاحب وحی پا رہا ہوں) وف ۳۹ یعنی دلائل وشواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتار دوں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا۔ الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کر سکے گا۔ وف ۴۰ (جیسا کہ تم چاہتے ہو) اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی میرا سہارا تو صرف رضائے الٰہی اور اجر اخروی ہے۔ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا۔ میں کیا اپنے موعظت ودعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہوں جو تم اس کی گراں باری سے بچتے جاتے ہو۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادت واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے۔ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفات خاص سے محروم نہ رکھنا عین سنت انبیاء ہے) وف ۴۱ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرت سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جا رہے ہو) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ لوگ عزت ومقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ سو ان کی اہانت میں کیسے کر سکتا ہوں۔ لانهم من اهل الزلفى المقربون الفائزون عند الله تعالى (روح) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اى مصدقون بلقاء ربهم يؤمنون به (کشاف)

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ

ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں وف ۳۵ اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو

اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ مَا نَرٰى

وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے، وف ۳۶ اور ہم تم

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں پاتے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں وف ۳۷

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

نوح نے کہا اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر

رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

قائم ہوں وف ۳۸ اور اس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں

عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

نہ سوجھی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر چپکا دیں درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ وف ۳۹

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اور اے میری قوم والو، میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو بس

عَلَى اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ

اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور میں تو ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں نکالنے والا نہیں وف ۴۰

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں، البتہ میں تمہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جا رہے ہو وف ۴۱

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ

اور اے میری قوم والو کون میری حمایت کرے گا اللہ کے مقابلہ میں، اگر میں انہیں نکال بھی دوں

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ

کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ف۴۲ اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے

اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ

خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ

میں ان لوگوں کے لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ

اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ

بھلائی دے ہی گا نہیں ف۴۳ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ف۴۴ ورنہ میں بھی

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

ظالم ٹھیروں گا ف۴۵ وہ بولے اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ

سچے ہو ف۴۶ (نوحؑ نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا اگر اس کی مشیت ہوئی

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ

اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ف۴۷ اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی

اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ

گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا

اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ

گمراہ کرنا منظور ہو ف۴۸ وہی تمہارا (مالک و) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے کیا یہ لوگ

ف۴۲ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پوری کرنے کو انہیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دوں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آ جاؤں گا۔ اس وقت مجھے کون بچائے گا؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آ گئے۔ آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہیے کیونکہ اس کی طرف حق تعالیٰ کو بھی توجہ ہوتی ہے۔ ف۴۳ یہاں حضرت نوح علیہ السلام اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہ کا ازالہ فرما رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اسے دلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ (ان) عوام ہی کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمراہی کا رد موجود ہے۔ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلہ سے دنیوی فلاح و ترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہو جائے۔ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی کو بھی سمجھا ہے۔ اِنِّیْ مَلَكٌ۔ ملک کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں "دیوتا" یا "مافوق البشر" سے ہونا چاہیے۔ لَاۤ اَقُوْلُ... خَیْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آ جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف ہونا یا صاحب کشف ہونا، یا ضروریات بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ صرف صاحب علم و عمل ہونا ضروری ہے۔ ف۴۴ (میں ان کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون، اگر یہ مخلص و صادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور ان کے صدق و اخلاص کا جاننے والا اللہ ہے،) ف۴۵ یعنی اگر میں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیروؤں کو منافق ٹھہرا دیا۔ ف۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ اب لے آؤ نا! یٰنُوْحُ ۔ جٰدَلْتَنَا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام عقائد حق کی تائید میں دلائل و شواہد ایک طویل مدت تک پیش کرتے رہے۔ ف۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو) اِنَّمَا...... شَآءَ۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام اور پیام کا پہنچا دینا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسی ہی کہنا اہل حق کی شان ہے ورنہ اہل باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا۔ ف۴۸ (تمہارے عناد و استکبار کی بناء پر) اِنْ كَانَ اللّٰهُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں۔

ف۴۹ یہ آخری اور انتہائی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو اپنا جرم میں خود بھگت لوں گا تم خود اپنی خبر لو۔ منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت نمبر ۱۳ کے ذیل میں آ چکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کر سکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن نہ سہی اس کی دس ہی سورتیں تیار کر کے دکھا دو۔ اوپر سے حکایت حضرت نوح علیہ السلام کی چل رہی تھی آگے بھی وہی چلے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معاندمعاصرین سے متعلق آ گئی۔ عن مقاتل انها في شان النبي صلی اللہ علیہ وسلم مع مشركي مكة (روح) هذا كلام معترض في وسط هذه القصة مؤكد لها مقرر لها بقوله تعالى لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ام يقول هؤلاء الكافرون الجاحدون افترى هذا وافتعله من عنده (ابن کثیر) لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوح علیہ السلام ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔ مِمَّا تُجْرِمُوْنَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔ اي من اجرامكم في اسناد الافتراء الي (کشاف۔ بیضاوی) عَلَيَّ اِجْرَامِيْ۔ یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اوپر رہے گا۔ تقدیر کلام فعلي عقاب اجرامي کہی گئی ہے۔ اي ان كنت افتريته فعلي عقاب جرمي و ان كنت صادقا و كذبتموني فعليكم عقاب ذلك التكذيب (کبیر) ف۵۰ (جب دعوت و تبلیغ کو مدت مدید ہو چکی) توریت میں ہے:۔ اور نوح علیہ السلام خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ

کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے (یعنی قرآن کو) گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو میرے ہی

وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵ وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ

اوپر میرا یہ جرم رہے گا اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری رہوں گا ف۴۹ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

ف۵۰ کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی) ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جو (اب تک) ایمان لا چکے

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ وَ اصْنَعِ

سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو ف۵۱ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي

اور ہمارے حکم سے تیار کرو ف۵۲ اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷ وَ يَصْنَعُ

جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے ف۵۳ اور (نوح) کشتی بنانے

الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

لگے ف۵۴ اور جب جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تھے

سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا

تو ان سے تمسخر کرتے ف۵۵ (نوح) بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

تم پر ہنستے ہیں جیسے کہ تم ہنستے ہو ف۵۶ سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

کہ وہ کون ہے جس پر (ایسا) عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ف۵۷

ع ۳

اپنے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا۔" (پیدائش ۶: ۱۱، ۱۲) ف۵۱ (کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں) گویا حضرت نوح علیہ السلام کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت و انتظار بے سود ہے بددعا کیجئے سزا دی جائے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے نوح سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آ پہنچی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں ان کو زمین کے ساتھ نابود کروں گا۔" (پیدائش ۶: ۱۳) ف۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤ گے) الْفُلْكَ۔ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ، عرض میں ½ ۸۷ فٹ اور بلندی میں ½ ۵۲ فٹ تھی، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ الثانی سورہ یونس میں حواشی متعلقہ۔ توریت میں ہے:۔ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اوپر سے نیچے ایک ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کی ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا بھی بنا۔" (پیدائش ۶: ۱۴۔۱۶) یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی؟ اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہو جانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں۔ مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے۔ (کبیر) اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔ بِاَعْيُنِنَا۔ محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت و نگرانی سے۔ جعل العين كناية عن الاحتياط فلهذا قال المفسرون معناه بحفظنا اياك (کبیر) قيل ان ملابسة العين كناية عن الحفظ وملابسة الاعين لمكان الجمع كناية عن كمال الحفظ والمبالغة فيه (روح) ذكر العين لتضمنها معنى الرعاية وقوله تعالى واصنع الفلك باعيننا اي برعاية منا وحفظ (ابوالبقا) ف۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے) توریت میں ہے:۔ "اور دیکھ میں آپ، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے، آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا۔ (پیدائش ۶: ۱۷) ف۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے۔ اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ ف۵۵ (کہ یہ کیسے خبطی ہیں پانی کا نام و نشان اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے تجارتی بھی کرنے لگے۔ يقولون له صرت نجارا بعد ما كنت نبيا (بیضاوی) جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی کشتی والا علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اس لئے ان لوگوں کا اپنے نقطہ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا تھا بھی نہیں۔ ف۵۶ (کہ عذاب کا وقت موعود اتنا قریب آ لگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آ رہی ہے) فانا نسخر منكم مما انتم فيه من الاعراض عن استدفاعه بالايمان والطاعة (روح) دوسرے معنی صیغۂ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو، ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ ان تسخروا منا في هذه الساعة فانا نسخر منكم سخرية مثل سخريتكم اذا وقع عليكم الغرق في الدنيا والخزي في الآخرة (کبیر) يعني في المستقبل (کشاف) رہا یہ شبہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے بالکل ہی سطحی ہے جواب و مقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔ جزاء سيئة سيئة مثلها۔ انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا۔ و مكروا و مكر الله۔ وقس على هذا اور دیباچہ تفسیر میں اسلوب عرب کی صنعت مشاکلہ کا ذکر مستقلاً آ چکا ہے۔ واطلاق السخرية عليهم حقيقة و عليه عليه السلام للمشاكلة (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔ ف۵۷ عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالم آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے۔ عذاب یخزیہ۔ یرید بالعذاب عذاب الدنیا وھو الغرق (مدارک) عذاب مقیم و ھو عذاب الاٰخرۃ (مدارک) ف۵۸ (جو علامت تھی آغاز عذاب موعود کی) اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی جب غرقابی کے ذریعہ ان پر عذاب دنیوی کے نزول کا حکم آپہنچا۔ فَارَ التَّنُّوْرُ۔ فقرہ کے صحیح معنی صرف اس قدر ہیں کہ زمین سے پانی نے جوش مارنا شروع کیا۔ تنور کے معنی صرف سطح زمین یا بلند سطح زمین کے ہیں یا چشمہ پھوٹنے کی جگہ کے ہیں۔ ابن عباس صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ التنور وجہ الارض (ابن جریر عن ابن عباس) وجہ الارض (ابن جریر عن الضحاک وعکرمۃ) التنور وجہ الارض والعرب تسمیہ تنورا قالہ ابن عباس و عکرمۃ والزھری و ابن عیینۃ (بحر)۔۔۔ وجہ الارض و کل مفجر ماء و محفل ماء الوادی (قاموس) التنور اشرف الارض وارفعھا (ابن جریر عن قتادہ) اہل لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی نہیں بلکہ فارسی سے معرب ہو کر آیا ہے۔ فارسی معرب (لسان) لفظی ست مشترک میان فارسی و عربی و ترکی (برہان قاطع) تاج العروس میں ہے کہ دیباج، دینار، سندس، استبرق وغیرہ کی طرح اس باہر سے آئے ہوئے لفظ کو بھی عرب اپنا چکے ہیں۔ تنور کے اُردوی معنی لیے جائیں جو اُردو میں متعارف و متداول ہیں تو التنور سے مراد یا تو کوئی مخصوص و متعین تنور ہوگا اور یا جنس تنور۔ یحتمل ان تکون ال فیہ للعھد لتنور مخصوص و یحتمل ان تکون للجنس (بحر) قیل لیس المراد بہ تنورا معینا بل الجنس والمراد فار الماء من التنانیر (روح) بہرحال معنی جو بھی لیے جائیں پانی کا یہ جوش مارنا بطور طوفان عظیم کی علامت کے ہوگا۔ ف۵۹ (ای نوح) اس کُلٍّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع و اقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ ای من کل نوع من الحیوانات ینتفع بہ الذین ینجون من الغرق (روح) لفظ کُلٍّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ یہ صراحت کہ اس چھوٹے سے جہاز میں پاک و ناپاک پرندے اور چار پائے اور حشرات الارض ہر قسم کے جانور آگئے تھے صرف بائبل میں ملتی ہے۔ وہاں وعدۂ الٰہی بھی یہی ملتا ہے کہ سب وہ جاندار موجودات کو جنہیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔'' (پیدائش ۷:۴) اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ ''سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور، اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا ان میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں، انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں۔'' (پیدائش ۷:۲۱۔۲۳) زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔ ف۶۰ چنانچہ وہی بہت قلیل التعداد مومنین جہاز پر سوار کیے گئے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی بجز ان کے جن پر ان کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا۔ باوجود نوح علیہ السلام کے رشتہ دار ہونے کے توریت میں اس مقام پر ہے:''اور تو کشتی میں جائے گا، تو اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جوروان تیرے ساتھ اور سب جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں۔ چاہیے کہ وہ نر و مادہ ہوں''۔ (پیدائش ۶:۸۔۹) ف۶۱ (اس لیے اس پر سوار ہو کر غرق کا اندیشہ بھی نہ کرنا) قَالَ ارْكَبُوا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے متبعین ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ ای بقدرتہ او بامرہ او باذنہ (روح) کان فی معزل من الکفار وکانہ انفرد عنھم فظن نوح علیہ السلام ان ذلک انما کان لانہ احب مفارقتھم (کبیر) مَجْرٖىهَا۔ عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے ''مجری'' کے ''مجرے'' ہی پڑھا جائے گا۔ ف۶۲ اصل مقصود طوفان کی شدت کا اظہار ہے۔ المقصود منہ بیان شدۃ الھول والفزع (کبیر) یہ اور بات ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:''اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ سو برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ (پیدائش ۷:۱۱۔۱۲) ف۶۳ (سفینۂ نوح و اہل نوح علیہ السلام دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی) ابنہ یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ فِيْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری و معنوی دونوں قسم کی مراد ہو سکتی ہیں۔ والمراد بعدہ عنھم اما جسماً او معنیً (روح) عزل فیہ نفسہ عن ابیہ او عن دینہ (بیضاوی) ف۶۴ (نہ معنوی و اعتقادی حیثیت سے اور نہ صوری و جسمانی حیثیت سے) يٰبُنَيَّ۔ کلمہ محبت و شفقت کا ہے و نداؤہ بالتصغیر من باب التحنن والرافۃ (روح) التصغیر للشفقۃ (تھانوی) يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔ حضرت کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لا کر ہمارے ساتھ آجا۔ انما ناداہ ظنا منہ انہ مؤمن او ظنا منہ انہ یؤمن ان کان کافرا (بحر)

مُقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا

(اس طرح کے مکالمات جاری رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا،

احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا

ف۵۸ ہم نے کہا کہ اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو ف۵۹ اور اپنے گھر والوں کو

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ

بھی بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے اور (ہاں دوسرے) ایمان والوں کو بھی اور ایمان

مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے ف۶۰ اور (نوح نے) کہا (آؤ) اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے

مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھیرنا، ف۶۱ بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے،

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي

اور وہ (کشتی) انہیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں ف۶۲ اور نوح نے اپنے لڑکے کو

نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

پکارا اور وہ کنارے پر تھا ف۶۳ کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ،

وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى

اور کافروں کے ساتھ مت رہ ف۶۴ وہ بولا میں ابھی کسی

جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ

پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچا لے گا ف۶۵ (نوح نے) کہا آج کے دن

الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا

کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے البتہ وہی جس پر رحم کر دے، اور دونوں کے درمیان:

و۶۵ (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے لیے گھبرا کیوں رہے ہیں) بدنصیب کیا جانتا تھا کہ طوفان طبعی نہیں ہے قہرِ الٰہی جوش میں آیا ہوا ہے۔ بولا کہ مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے پیرنے میں مشاق ہوں ابھی پانی کا دھارا چیرتا ہوا کسی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا اور پہاڑ تو ڈوبنے سے رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسباب مباح سے تمتع کرنا توکل کے منافی نہیں جیسے سفینۂ نوح کے اندر آ جانا البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے۔ مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔ و۶۶ اس سبق آموز قصۂ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے عذاب وقہر سے۔ ای من عذاب اللّٰہ (معالم۔ کبیر) لَا عَاصِمَ …… ترجمہ۔ حقیقت میں پیمبر علیہ السلام اور شفیق باپ نے فرمایا کہ اے نا سمجھ یہ سیلاب وطوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں قہرالٰہی ہے۔ اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو، ہاں اللہ خود ہی جس کو بچا لینا چاہے بچا لے۔ بائبل میں اس شدت طوفان کے ذکر میں ہے:۔ "اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اُوپر اُٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اُٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اُوپر بہتی رہی، اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اُونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے پندرہ ہاتھ پانی اُن کے اُوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے"۔ (پیدائش ۷:۱۷۔۲۱) و۶۷ (بارش اور طوفانی بارش سے) پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کر دے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کر دے۔ بے تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی۔ اب جب مقصد پورا ہو گیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف …… دیر ارشاد کی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا"۔ (پیدائش ۸:۱۔۲) قِیْلَ یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کر چکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس دن درج ہے اور ایک جگہ ۵ مہینہ چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی"۔ (پیدائش ۷:۱۷) "اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی"۔ (پیدائش ۷:۲۴) و۶۸ اس آیت کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے۔ ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گزرا ہے۔ اس نے بزعم خود قرآن کا جواب کہنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب اس آیت پر پہنچا، تو قلم جواب سے رُک گیا عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشری طاقت سے باہر ہے۔ (بحر) مستشرق اور لغوی لین (Lane) نے بھی اس کی داد دی ہے۔ الجودی کوہستان اراراط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (Vam) کے جنوب ومغرب میں واقع ہے اس جوار میں کردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ کشتی نوح علیہ السلام یہیں آ کر رُکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان اراراط کا ہے۔ (پیدائش ۸:۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ و۶۹ (تیری قدرت لا انتہاء تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لیے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مومن بنا کر اس کی نجات کا سامان کر دے) وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ یہ مناجات حضرت نوح علیہ السلام نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان اب ڈوبنے ہی پر ہے۔ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہی کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا بچا دیا جائے گا۔ و۷۰ (ہمارے علم ازلی میں) اہل سے مراد وہی اہل ایمان گھر والے ہیں جن کے لیے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابت ایمانی ہے نہ کہ قرابت نسبی۔ ای لیس منهم اصلا لان مدار الاهلية هو القرابة الدينية (روح) هذه الاية يدل على ان العبرة بقرابة الدين لا بقرابة النسب لان في هذه الصورة كانت قرابة النسب حاصلة من اقوى الوجوه ولكن لما انتفت قرابة الدين لاجرم نفاه الله تعالى بابلغ الالفاظ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرف نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ

موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا و۶۶ اور ارشاد ہوا کہ اے زمین

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ

اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا و۶۷ اور پانی گھٹ گیا

وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ

اور کام پورا ہو گیا اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر)

بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ

ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے و۶۸ اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا

وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے و۶۹ (اللہ نے) فرمایا اے نوحؑ یہ تمہارے گھر والوں ہی

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ

میں سے نہیں و۷۰ یہ ایک تباہ کار شخص ہے و۷۱ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ

جس کی تمہیں خبر نہ ہو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں)

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ

نادان نہ بن جاؤ و۷۲ (نوحؑ) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں

اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ

کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے

و۷۱ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا) عمل سے مراد ذو عمل لی گئی ہے۔ مداومت عمل فاسد کی بنا پر۔ واصله انه ذو عمل فاسد فحذف ذو للمبالغة بجعله عين عمله لمداومته عليه (روح) ای انه ذو عمل باطل فحذف المضاف لدلالة الكلام عليه (کبیر) و۷۲ (اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو) منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوح علیہ السلام ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لیے تھا وہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ۔ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم وغیر متعین رکھا گیا تھا سو تمہارا یہ فرزند اسی استثناء کے تحت میں آ جاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے ممانعت آ چکی ہے تو جن لوگوں کا فسادِ عقیدہ ظاہر ہو چکے ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔ فيكون النهي وارداً في مشتبهة الحال و يفهم منه حال معلوم الفساد بالطريق الاولى (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی، عہدہ کی، جس چیز کی بھی دعا کرائی جاتی ہے وہ بلا لحاظ حرام وحلال اس کے لیے دعا کر دیتے ہیں۔

وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ

اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا ف۴۶ ارشاد ہوا کہ اے نوح

اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَ عَلٰٓی اُمَمٍ

اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی

مِّمَّنْ مَّعَکَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُھُمْ ثُمَّ یَمَسُّھُمْ

جو تمہارے ساتھ ہیں ف۴۷ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ

طرف سے عذاب دردناک ہوگا ف۴۸ یہ (قصہ) اخبار غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک

نُوْحِیْھَآ اِلَیْکَ ۚ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُکَ

پہنچا دیا، اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ

مِنْ قَبْلِ ھٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ ع

آپ کی قوم ف۴۹ سو صبر کیجیے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے ف۵۰

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ

اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا ف۵۱ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں باقی (سب) تم محض افتراء کر رہے ہو ف۵۲

یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس

عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ یٰقَوْمِ

اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے؟ ف۵۳ اور اے میری قوم والو

ف۴۶ حضرات انبیاء کی شان عبدیت کا کیا کہنا! گویا ہر وقت مناجات وابتہال واستغفار کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی لغزش محض اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم وتعبیر کی بنا پر ہوئی اور انہیں بس عرض حال کا موقع مل گیا۔ ف۴۷ (بلحاظ ایمان واعتقاد) مِمَّنْ مَّعَکَ۔ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ موجود تھی اور ان سے چلنے والی ایمانی نسلیں بھی گویا معیت ایمانی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اس وقت تک کے مومنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دور کے اہل ایمان شامل ہو گئے۔ المراد ممن معک نسلاً و تولدًا (کبیر) و من فی قولہ ممن معک لابتداء الغایۃ والمعنی و علی امم ناشئۃ من الذین معک (کبیر) من لابتداء الغایۃ ای ناشئۃ من الذین معک و ھم الامم المؤمنون الی اٰخر الدھر (بحر) اِھْبِطْ۔ جہاز سے کوہ جودی پر اترنے کا حکم تو اوپر مل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اترو۔ الھبوط النزول قبل من الجبل الی الارض (روح) قِیْلَ۔ یہ حکم اس وقت ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ آیت میں مِنَّا کا اضافہ حضرت نوح علیہ السلام کے مرتبہ عرفان وصدیقیت کے لحاظ سے ہے۔ ف۴۸ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔ اُمَمٌ۔ تقدیر کلام یوں بھی گئی ہے۔ و امم منھم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مومنین قیامت تک کے لیے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کے لیے شامل ہو گئے ایک کے لیے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لیے عذاب کی وعید۔ قال المفسرون دخل فی تلک السلامۃ کل مؤمن و کل مؤمنۃ الی یوم القیمۃ و دخل فی ذلک المتاع و فی ذلک العذاب کل کافر و کافرۃ الی یوم القیامۃ (کبیر) ف۴۹ یعنی واقعات نوح علیہ السلام کا صحیح اور مستند ومفصل علم اہل تاریخ واہل توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحی الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ۔ یہ غیب ظاہر ہے کہ علم بشری کے اعتبار سے ہوگا ورنہ علم الٰہی میں ظاہر ہے کہ غیب کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ف۵۰ تو آپ اے رسول بددل وشکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلاتے جائیں گے لیکن آپ ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اور حکایت نوح علیہ السلام سے تسکین حاصل کیجیے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا برا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آ کر رہے گا۔ فَاصْبِرْ۔ میں ف جزا کی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔ ای و اذقد اوحینا ھا الیک اوعلمتھا بذلک فاصبر علی مشاق تبلیغ الرسالۃ و اذیۃ قومک (روح) اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی وکامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فیہ تنبیہ علی ان الصبر عاقبتہ النصر والظفر والفرح والسرور کما کان لنوح علیہ السلام ولقومہ (کبیر) ف۵۱ قوم عاد اور حضرت ہود نبی پر حاشیے سورۃ الاعراف کے رکوع ۹ میں گزر چکے۔ اِلٰی عَادٍ۔ عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن وحضرموت کا علاقہ تھا۔ مزار نبی ہود کے نام سے علاقہ حضرموت میں قسم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔ ف۵۲ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گڑھے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ۔ یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔ معناہ لا تعبدوا غیر اللہ (کبیر) ای وحدوا اللہ (معالم) امرا لھم بعبادۃ اللہ وحدہ لا شریک لہ ناھیا لھم عن الاوثان التی افتروھا (ابن کثیر) اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ ونادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظامات کائنات میں ان کا دخل وتصرف۔ فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحت ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجود باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے۔ صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بت پرستی میں مبتلا ...... یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے۔ کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کل کتنے دن رہے تھے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادم دین کی ضرور ہو جاتی۔ ف۵۳ ضروری اور مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ

اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو ف۸۱ وہ تم پر خوب بارشیں

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا

برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا

اور مجرم ہو کر روگردانی مت کرتے رہو ف۸۲ وہ بولے اے ہود تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر

بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

تو آئے نہیں اور ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ

اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں ف۸۳ ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا نے تم کو

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

شامت میں مبتلا کر رکھا ہے ف۸۴ (ہود نے) کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں

وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ

اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو اللہ کے

دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ

علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ

اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ جتنے بھی جاندار ہیں

اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ

سب کی پیشانی وہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراط مستقیم

ف۸۱ یعنی استغفار تو گزرے ہوئے یعنی ماضی سے متعلق اور اب توبہ و رجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لیے۔ ف۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت و حسن عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ گو اصل دار الجزاء عالم آخرت ہی ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ قوم عاد تین سال سے خشک سالی میں مبتلا تھی۔ ف۸۳ بینہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں ان جاہلین کی مراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات و عجائب سے تھی۔ ف۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی مار یوں ماری کہ تمہیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے۔ جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی!

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ

پر ف۸۵ لیکن اگر تم پھرے رہے تو میں نے تمہیں وہ (پیام) پہنچا دیا جسے دے کر مجھے

بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دے گا

وَلَا تَضُرُّونَهٗ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو بیشک میرا پروردگار ہر شیء پر

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَّالَّذِينَ

نگہبان ہے ف۸۶ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ

ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا ف۸۷ اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت

غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

عذاب سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا

وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے ف۸۸

وَأُتْبِعُوْا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ أَلَآ

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خوب سن لو

إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ ع

کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ ہودؑ کی قوم عاد کو دوری (نصیب) ہوئی ف۸۹

وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو (ہم نے بھیجا) وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی

ف۸۵ یعنی وہی صراط مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ خود بھی صراط مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہودؑ کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ و داعی کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ ہے۔ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اس کے حکم کے کان نہیں ہلا سکتا۔ ای ما من حیوان الا هو تحت قهره و قدرته و منقاد لقضائه و قدره (کبیر) و اعلم ان العرب اذا وصفوا انسانًا بالذلة والخضوع قالوا ما ناصية فلان الا بيد فلان ای انه مطيع له فخوطبوا فی القراٰن بما يعرفون (کبیر) ف۸۶ (اس سے نہ کوئی شے مخفی ہے نہ اس کی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہے) فَاِنْ ...... اِلَيْكُمْ۔ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہو گیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کر دیے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اس کے لیے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا۔ یعنی تمہاری ان بدبختانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر...... ضرر تو سرتا سر تمہارا اپنا ہی ہے۔ ف۸۷ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آ پہنچا۔ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ عذاب ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی ابھی اس آیت کے اندر آ چکا ہے۔ اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذاب سخت سے نجات پانا۔ فالمراد من النجاة الاولٰى هی النجاة من عذاب الدنيا والنجاة الثانية من عذاب القيامة (کبیر) ف۸۸ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے منہ پھیرے رہے۔ کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آ جانے کے بعد محض ضد و عناد سے کیا جائے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباته و اثبات ما فی القلب نفيه (راغب) عَصَوْا رُسُلَهٗ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہودؑ کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بطور آپ کے نائب کے ہوں گے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ ف۸۹ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے) فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً۔ دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی ان پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا...... یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا کی مادی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کر دی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ آخرت میں لعنت سے مراد اسی عذاب دائمی میں گرفتار ہو جانا ہے۔

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

عبادت کرو اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں و۹۰ اسی نے تمہیں

الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ

زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا و۹۱ سو تم اس سے گناہ معاف کراؤ اور

تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا

اسی کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا و۹۲ وہ بولے

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ

اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں (بڑے) ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد

تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

میں پڑے ہوئے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو و۹۳ (صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو و۹۴

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا

سو (یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچا لے گا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں، سو تم تو

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ

سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو و۹۵ اور اے میری قوم یہ اونٹنی

اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا

اللہ کی ہے، اور تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو

و۹۰ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔ مِنْ اِلٰہٍ۔ مِنْ جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔ ثمود اور صالح پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق عرب میں آباد تھی، اسی طرح قوم ثمود کا تسلط عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القریٰ میں تھا اور نبی ہود علیہ السلام کی طرح نبی صالح علیہ السلام کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادیٔ سیر میں۔ اَخَاھُمْ۔ اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ و۹۱ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں جو قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور ابقاء کے الگ الگ خداؤں (برہما اور وشنو) کی قائل تھی۔ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ زمین سے پیدا کیا، یعنی زمینی مادّہ سے پیدا کیا۔ نسبھم الی الارض لان اصلھم و ھو ادم خلق من تراب الارض (جصاص) وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقت نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔ و فیہ الدلالۃ علی وجوب العمارۃ للزراعۃ والغراس والابنیۃ (جصاص) و۹۲ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لیے کی جائے) تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرف طاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور توبوا الیہ میں آئندہ کی اصلاح کی جانب۔ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب ہی ہے اور کوئی درخواست معافی اور ندامت اس کے سامنے نامسموع نہ رہے گی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔ و۹۳ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا۔ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں اور ہم سمجھے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہو گے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟ ہر پیمبر میں دیانت و صداقت ذہن و ذکاء عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ سوال بہ طور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔ قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلاء" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے! و۹۴ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو) رَحْمَةً سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ای نبوۃ (بیضاوی) نبوۃ و حکمۃ (معالم) اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو و۹۵ (یہ فرمائش کر کے کہ میں دعوت توحید ترک کر دوں) اِنْ عَصَيْتُهٗ۔ یعنی تمہاری حسب فرمائش میں دعوت توحید میں تساہل و تغافل سے کام لینے لگوں۔

تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو قریبی عذاب آ پکڑے گا وا۹۶

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ

پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالحؑ نے) کہا تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کرلو یہ ایسا

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں وا۹۷ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ

صالحؑ کو اور ان کو جو ان کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت سے بچا لیا

خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

اور اس دن کی رسوائی سے بھی بیشک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے وا۹۸

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آ پکڑا سو وہ

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ لا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے وا۹۹ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو

ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع وَلَقَدْ

کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ قوم ثمود کو دوری ہوگئی و۱۰۰ اور بالیقین

جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ

ہمارے فرستادے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے و۱۰۱ (اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیمؑ نے)

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَآٰ

کہا (تم پر) سلام پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے و۱۰۲ پھر جب (ابراہیمؑ) نے دیکھا کہ ان

و۹۶ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی اور جو تم کو یہیں اسی مادی دنیا میں محسوس ہو جائے گا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ۔ اضافت تعظیم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔ الاضافة للتشريف (روح) اس اونٹنی اور اسکے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ و۹۷ (اس لیے کہ خدائی وعدہ ہے) تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔ و۹۸ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کرسکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے وہی دوسری نجات ذلت و رسوائی سے۔ و۹۹ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہو گئے) الصَّيْحَةُ۔ یہاں صیحة وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اس موقع کے لیے رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ اور بلند آواز کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں جس کے لیے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گڑگڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آچکا ہے۔ و۱۰۰ (اپنے پروردگار کی رحمت سے) اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ۔ اس نے خوب واضح کر دیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔ و۱۰۱ (آپ کے صاحبزادے اسحٰق کے تولد کی) رُسُلُنَا۔ یعنی فرشتے بشری شکل میں۔ توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔ ”اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں“ (پیدائش ۱۸:۱۔۲) و۱۰۲ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دور سے بہت ہی پہلے اور سراؤں کے دور سے بھی بہت پہلے مسافروں، راہگیروں، نوواردوں کی خاطر و مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان! آپ کی مہمان نوازیاں تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہیں ...... اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ کر فوراً ان کی خاطرداری میں لگ گئے۔ توریت میں اس ضیافت و مہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں:۔ ”اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانے آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اس نے گھی اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا۔“ (پیدائش ۱۸:۷۔۸) اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لیے (معاذ اللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپ شناخت نہ کر سکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔ قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور اہل اسلام میں بھی ہر دور میں رائج و شائع رہا ہے۔ فيه الدلالة على ان السلام قد كان تحية اهل الاسلام وانه تحية الملئكة (جصاص)

ف۱۰۳ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں) وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اُس کے ہاں کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھا لیتے پھر اس کو نہ ستاتے حضرت ابراہیمؑ کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گزرا اور اُن سے خوف وہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا ۔۔۔ خوف وہراس اُمور طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرہ بھر منافی نہیں۔ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ ''انہوں نے کھایا'' قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لیے یہ صراحت کرنی پڑی۔ ف۱۰۴ (ایک خاص مقصد کے لیے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں) مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف اُن کے دعویٰ پر نہ تھا بلکہ

اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ

کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں

خِيْفَةً ۗ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ

خوفزدہ ہوئے ف۱۰۳ وہ بولے کہ ڈریئے نہیں ہم تو قوم لوطؑ کی طرف

لُوْطٍ ۝۷۰ وَامْرَاَتُهٗ قَاۤىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

بھیجے گئے ہیں ف۱۰۴ اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں ف۱۰۵ پھر ہم نے انہیں بشارت دی

بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَاۤءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝۷۱ قَالَتْ

اسحٰق کی اور اسحٰق کے آگے یعقوب کی ف۱۰۶ بولیں

يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۗ اِنَّ

ہائے خاک پڑے کیا (اب) میں بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے

هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝۷۲ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ

یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے ف۱۰۷ وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو

اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ

اللہ کے کام میں ف۱۰۸ اے خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی برکتیں

الْبَيْتِ ۗ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝۷۳ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ

(نازل ہوتی رہتی) ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ف۱۰۹ پھر جب ابراہیمؑ سے خوف

اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَاۤءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ

زائل ہو گیا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوطؑ کے باب

لُوْطٍ ۝۷۴ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝۷۵

میں بحث کرنے ف۱۱۰ بیشک ابراہیمؑ بڑے حلیم بڑے درد مند بڑے نرم دل تھے ف۱۱۱

قوت مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔ ف۱۰۵ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آ جانا بالکل امر طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جا رہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔ اِمْرَاَتُهٗ۔ مراد حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ اُولیٰ حضرت سارہؓ ہیں۔ مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؓ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہو گیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن ہی کے لفظ فَاَقْبَلَتْ۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ ف۱۰۶ (بہ طور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آ گئی کہ اسحٰق زندہ رہیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے۔ توریت میں ہے:۔ ''پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا میں جو ایسی بوڑھی ہو گئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۱۳۔ ۱۴) ف۱۰۷ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سن کر اسباب ظاہری و مادی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔ و ھو استعجاب من حیث العادۃ دون القدرۃ (بیضاوی) اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن کے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی عادت موقوف ہو گئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہو گئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہو گی؟'' (پیدائش ۱۸: ۱۱۔ ۱۲) يٰوَيْلَتٰى۔ عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں۔ تقولھا العرب عند التعجب من الشیء (ابن جریر) اُردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسر تھانوی علیہ الرحمہ کا کیا ہوا ہے۔ ف۱۰۸ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرت الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہیں) زوج پیمبر حضرت سارہؓ کے اس اظہار حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں۔ محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔ ف۱۰۹ (کہ اس کے نزدیک کوئی بڑا سا بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبر ؑ کے زوج پر ''اہل بیت'' کا اطلاق تو بہر حال ہوتا ہے بلکہ اہل بیت نبوی کا مفہوم اول تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں۔ یدل علی ان ازواج النبی ﷺ من اھل بیتہ (جصاص) ف۱۱۰ یعنی قوم لوطؑ کی سفارش میں اصرار بیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں انشاء اللہ ملیں گی۔ فَلَمَّا ۔۔۔۔۔۔ الْبُشْرٰى۔ جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں، اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کر چکا۔ آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۲۳۔ ۳۳) ف۱۱۱ حضرت ابراہیمؑ کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گزر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ف۱۱۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء و سفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان لانے والے اور سدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔ آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ مقبول سے مقبول بندہ کی بھی ہر دعا یا سفارش کا قبول ہو جانا لازمی نہیں۔ بندہ کی نگاہ بہرحال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے۔ ف۱۱۳ (دیکھا چاہیے جو عزت و آبرو سے گزر جائے) لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے شہر سدوم میں (جو ملک شام میں بحر مردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ قوم لوط علیہ السلام کی غیر طبعی اور خلاف وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہو گی۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آنا جی کو کھل گیا۔ وضاقت نفسه غمًّا (ابن جریر) ف۱۱۴ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسب معمول) قَوْمُهٗ سے مراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مراد ہیں اُن کی قوم کے کچھ لوگ۔ ف۱۱۵ قوم لوط علیہ السلام والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو اُن کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔ ف۱۱۶ بَنَاتِی۔ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں اور یہاں مجمع کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا۔ مراد اُمت کی عورتیں ہیں اُمت کی عورتیں پیمبر کے لیے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ المراد نساء امته (کبیر عن مجاہد و سعید بن جبیر) و هذا القول عندی هو المختار (کبیر) يعنی نساء امته فانكحوهن (ابن جریر عن ابن جریج) الاحسن ان تكون الاضافة مجازية ای بنات قومی اذا النبی يتنزل منزلة الاب لقومه (بحر) اَطْهَرُ۔ یہاں طاہر کے معنی میں ہے۔ جیسے الله اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنی میں ہے یہ مراد نہیں کہ عمل نکاح نسبۃً طاہر تر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہ طاہر و پاکیزہ ہے (کبیر) و صيغة افعل فی ذلک مجاز (روح) توریت میں اس موقع پر ہے۔ "شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لیکر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوط علیہ السلام کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم اُن سے صحبت کریں تب لوط علیہ السلام دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو اُن کو تمہارے پاس نکال لاؤں اور جو تمہاری نظر میں پسند ہو اُن سے کرو مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سائے میں آئے۔ (پیدائش ۱۹: ۴۔۸) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ آپ کی اصلی اپیل تو یہی ہے آپ نے انہیں خوف خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ۔ آپ نے دوسری اپیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انہیں عرف عام کا واسطہ دلایا۔ مہمانوں کے سامنے سبکی عرفاً بھی بہت معیوب تھی۔ ف۱۱۷ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت و التفات ہے کب؟ ہم تو کسی اور ہی پھیر میں ہیں جو تم پر خوب روشن ہے۔ ای و انک یلوط لتعلم ان حاجتنا فی غیر بناتک (ابن جریر) والظاهر ان معنی من حق من نصیب ولا من غرض ولا من شهوة (بحر) من حق ای حاجة (جلالین) ای من حاجة (بیضاوی)

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

اے ابراہیم اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آ چکا ہے اور

رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَ لَمَّا

ان پر ضرور ایک نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے ف۱۱۲ اور جب

جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ

ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے کڑھے اور ان کی وجہ سے

ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَ جَآءَهٗ

بہت تنگدل ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ف۱۱۳ اور ان کے پاس ان کی

قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا

قوم (کے لوگ) دوڑے ہوئے آئے ف۱۱۴ اور وہ پہلے ہی سے

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

بدکاریاں کیا کرتے تھے ف۱۱۵ (لوطؑ) بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

تمہارے حق میں پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ف۱۱۶ وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ

مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ

نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى

ہم ارادہ رکھتے ہیں ف۱۱۷ (لوطؑ) بولے کاش میرا تم پر کچھ زور (چلتا) ہوتا یا میں کسی مضبوط پایہ

رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ

کی پناہ لیتا ف۱۱۸ وہ (فرشتے) بولے اے لوطؑ ہم تو آپ کے پروردگار کے فرستادے ہیں

يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ

ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہو سکے گی ف۱۱۹ آپ رات ہی کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ

اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپ کی بیوی (دیکھے گی) ف۱۲۰ اسے بھی

مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ

وہی آفت آئے گی جو ان (سب) پر نازل ہوگی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے

اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا

اور صبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟ ف۱۲۱ سو جب ہمارا حکم آ پہنچا

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

ہم نے اس (زمین) کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ

کنکر کے تہ بہ تہ ف۱۲۲ خاص نشان کئے ہوئے آپ کے پروردگار کے پاس

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ

اور وہ (مقام) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ف۱۲۳ اور مدین کی طرف ہم نے

اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ف۱۲۴ وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارے لئے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ

بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

ف۱۱۸ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بہ زور حکومت تم کو تمہارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا! حضرت لوط علیہ السلام تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لیے قدرۃً آپ کے ساتھ عزیزوں، قریبوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔ پریشان کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت میں بالکل جائز ہے۔ ف۱۱۹ فرشتوں کو حضرت لوط علیہ السلام ابھی تک تو اپنے نوعمر وحسین مہمان سمجھے جا رہے تھے اب انہوں نے آپ کا اضطراب واضطرار دیکھ کر اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم ان فساق کی اتنی بھی مجال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔ ف۱۲۰ یہ عورت دل سے کافرہ اور ان بدمعاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں اٹکا ہوا ہے عین نزول عذاب کے وقت یہ بہ کمال ہمدردی اُدھر مڑ کر دیکھے گی ضرور۔ اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔ توریت میں ہے:۔ ”مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی“۔ (پیدائش ۱۹:۲۶)۔ ف۱۲۱ توریت میں ہے:۔ ”اور جس وقت لوط علیہ السلام ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اُس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غیست کر دیا“ (پیدائش ۱۹:۲۳۔۲۵) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۲۲ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔ جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی عذاب موعود کا وقت آ پہنچا۔ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔ یعنی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ سِجِّيْلٍ۔ سے مراد ہے سکھائی ہوئی مٹی کا پتھر جسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔ ف۱۲۳ یعنی اہل مکہ سے۔ قوم لوط علیہ السلام کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحر مردہ واقع ہے اور لوطیوں کے بڑے شہر سدوم اور عمورہ بحر مردہ کے ساحل پر واقع تھے۔ اور قریش مکہ اپنے سفر شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے اور ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانہ وقوع جدید تحقیق کے مطابق ۱۹۰۱ ق۔م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مُسَوَّمَةً۔ یعنی دوسرے پتھروں سے ممتاز۔ عِنْدَ رَبِّكَ۔ یعنی عالم غیب میں۔ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں عذاب الٰہی وہ بہرصورت تھا۔ ف۱۲۴ مَدْيَنَ اور شعیب دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ اَخَاهُمْ۔ بھائی سے مراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔ نسبی اور وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آ جاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

ع ۷

اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ
میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے

مُّحِیْطٍ ۝۸۴ وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ
عذاب سے ف۱۲۵ اور اے میری قوم ناپ اور تول پوری کیا کرو

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی
اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۸۵ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ
کرتے نہ پھرو ف۱۲۶ اللہ (کے دیئے میں سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝۸۶ قَالُوْا
تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو ہوں نہیں ف۱۲۷ وہ بولے

یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ
اے شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے

اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ
آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں واقعی تم ہی تو

الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝۸۷ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی
بڑے عقل مند بڑے دیندار ہو ف۱۲۸ (شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں

بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ
اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ف۱۲۹

اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ
اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ف۱۳۰ میں تو بس

ف۱۲۵ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ۔ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اسے مجبور و بے بس کردے گا اور کوئی صورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔ یٰقَوْمِ..... غَیْرُهٗ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوت توحید ہی ہوتی ہے۔ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ۔ اہل مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور ان کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے..... قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشری معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے۔ ف۱۲۶ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتادیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک وقوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے..... اور اس سب کے لیے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ ف۱۲۷ اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیے) حضرت شعیبؑ نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہرحال بہرصورت گندے اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔ بَقِیَّتُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لیے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔ ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم و لم یحرمہ علیکم (بحر) ف۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر بہ طور طنز و تمسخر ہے۔ قال ابن عباس، و میمون بن مهران، و ابن جریج، و اسلم و ابن جریر یقولون ذلک اعداء اللہ علی سبیل الاستهزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علی وجه الاستهزاء (معالم) وصفوه علیه السلام بهذین الوصفین الجلیلین علی طریقة الاستعارة التهکمیة فالمراد بهما ضد معناهما و هذا هو المروی عن ابن عباسؓ والیه ذهب قتادة والمبرد (روح) وہ بار بار اس پر الجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعار کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے اور دوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ الٹے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔ اَنْ نَّفْعَلَ۔ کا عطف مَا یَعْبُدُ۔ پر ہے۔ ف۱۲۹ یعنی دولت نبوت۔ هو النبوة و الحکمة (روح) اس کو کہیں رحمة سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۶۳ میں حضرت صالحؑ کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔ اشارة الی ما اتاه اللہ من المال الحلال (بیضاوی) اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ ف۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں، کہ میں تمہیں کوئی راہ بتاؤں اور خود کسی اور راہ پر چلوں میری یہ تبلیغ تو سرتاسر خیرخواہی و دلسوزی سے ہے اور دلیل یہ ہے کہ میں تمہیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اپنے نفس کے لیے بھی پسند کرتا ہوں۔

اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا

اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کر سکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے

بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَ يٰقَوْمِ لَا

اللہ ہی کی طرف سے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۳۱ اور اے میری قوم میری

يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

ضد تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مصیبت آ پڑے جیسی مصیبت آ پڑی تھی

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ

قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ۱۳۲ اور قوم لوطؑ

لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہوئی ۱۳۳ اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا

اسی کی طرف توبہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے، بڑا محبت والا ہے، ۱۳۴ وہ لوگ بولے

يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ

اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو تو اپنے (مجمع) میں

فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَآ

کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور تم

اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ

ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں، ۱۳۵ شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق،

عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ

تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟ درآنحالیکہ اسی کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے
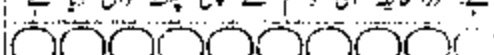
۱۳۱ یہ ہوتا ہے پیمبروں کا کمال عبدیت! اپنی دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دُنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا ہو جاتے ہیں لیڈر کی نظر اپنے مجمع، جتھے، مادی طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے۔ برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اوّل بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے۔ ۱۳۲ ہر پیمبر اپنی اُمت کے حق میں رافت رحمت و شفقت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آ کر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر انہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مشہور و مخذول قوموں پر آ چکی ہیں۔ شِقَاقِيْ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی دردمندی روشنی میں آ جاتی ہے وہیں سرکش و متمرد قوموں کی ضد و عناد کا درجہ بھی سامنے آ جاتا ہے۔ ۱۳۳ چنانچہ حضرت شعیبؑ کے شہر مدین کا فاصلہ حضرت لوطؑ کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔ بِبَعِيْدٍ۔ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بعد و قرب زمانی پر محمول کر کے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اُمت لوطؑ کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"۔ و ذلک انھم کانوا حدیثی عھد بھلاک قوم لوط" (معالم) یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح علیہم ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوط ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید کو بعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن اُمت لوطؑ اور مسکن اُمت شعیبؑ کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔ ای ما دار قوم لوط منکم ببعید (ابن جریر) ذلک انھم کانوا جیران قوم لوط (معالم) بہرحال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں اُمت لوطؑ کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔ قیل المراد فی الزمان و قیل فی المکان و یحتمل الامران (ابن کثیر) ۱۳۴ چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور صفت ود کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرح رجوع طاعت و عبادات کے ساتھ کرو۔ ۱۳۵ جاہلی قومیں زیادہ صرف قوت کی قائل تھیں چنانچہ اب سلسلۂ بحث و استدلال کو چھوڑ کر قوم شعیبؑ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب و حاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہارے کنبہ و قبیلہ کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر سزائے سنگساری جاری کر چکے ہوتے۔ رَهْطُكَ۔ رھط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔ ای مراعاۃ رھطک۔ والظاھر ان مرادھم لولا مراعاۃ جانب رھطک (روح) پرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس و لحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لَرَجَمْنٰكَ۔ پرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لیے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔

اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۹۲﴾ وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

بیشک میرا پروردگار احاطہ میں اس سب کو لئے ہوئے ہے جو تم کر رہے ہو ف۱۳۶ اور اے میری قوم والو تم اپنی

عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

حالت پر عمل کرتے رہو میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، کہ کس پر

یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا

عذاب اس کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے اور تم انتظار کرو

اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا

تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ف۱۳۷ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچا لیا

شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ

شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں

الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ

کو ایک زور کے کڑاکے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے

جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا

رہ گئے ف۱۳۸ جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے! خوب سن لو

لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

مدین کو (رحمت سے) دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہو چکی تھی ف۱۳۹ اور بالیقین ہم نے

مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ

موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون

وَ مَلَاۡئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ

اور اس کے سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم ذرا (بھی)

ف۱۳۶ اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی غیرت اور شعور دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت و جلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔ ف۱۳۷ اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا کون مستحق تھا۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بالکل آخری اپیل ہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہوا تو آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کیے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا مستحق کون؟ ف۱۳۸ (مردہ و بے جان ہو کر) اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکم عذاب۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضل خداوندی ہی سے ملتی ہے۔ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرین توحید و معاندین نبوت۔ ف۱۳۹ رحمت الٰہی سے محروم و بعید ہو جاتے ہیں تو اہل مدین کی مثال ہر پرانی مغضوب و مقہور قوم سے دی جا سکتی ہے۔ قوم ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قوم ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہل مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی! بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہل مدین بھی قوم ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے۔ اور ان کی بے دینی اور بداعمالی بھی انہی کی سی تھی۔ کانوا جیرانهم قریبا منهم فی الدار شبیها بهم فی الکفر و قطع الطریق و کانوا عربا مثلهم (ابن کثیر)

بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ

درست نہ تھا۔ ف۱۴۰ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر ان کو دوزخ میں

النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ

جا اتارے گا اور بری ہے وہ جگہ اترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے ف۱۴۱ اس (دنیا) میں بھی لعنت ان

هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) بری ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی ف۱۴۲

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ

یہ ان بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (بعض) ان میں سے قائم ہیں

وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور (بعض) ختم ہی ہوگئیں ف۱۴۳ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اوپر ظلم کیا

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ

سو ان کے وہ دیوتا ان کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا

اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا اور وہ (الٹے)

زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ

ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے ف۱۴۴ اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے

اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ

جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ

بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے۔ ف۱۴۵ بیشک ان (واقعات) میں اس کے لئے نشانی ہے جو آخرت کے

ف۱۴۰ یعنی حکومت فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح وخیر سے خالی تھی۔ ای لیس فیه رشد و لا هدی (ابن کثیر) موسی، فرعون، ملاء فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۱۴۱ فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں، محققین نے لکھا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی ذریات کو لے کر ہی داخل جہنم ہوگا۔ ورد اصلاً مصدر ہے یہاں بہ معنی جائے ورود و فرودگاہ۔ مراد دوزخ سے ہے۔ ف۱۴۲ آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل ترین صورت میں ہوہی گا، دنیا میں بھی قہر و غضب کے ساتھ غرق ہوتے ہوئے سب نے دیکھ لیا۔ ف۱۴۳ یہاں یہ بتا دیا کہ مغضوب و مقہور بستیوں میں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے سے ملیامیٹ ہوگئیں مثلاً امت لوط علیہ السلام کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف آبادی ہلاک کردی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمین مصر کہ فرعونی ڈبو دیے گئے۔ لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔ ذٰلك۔ اشارہ اوپر بیان کیے قصص و حکایات کے مجموعہ کی طرف ہے۔ اشارة الی ماقص من انباء الامم و بعدهٗ باعتبار تقضیه (روح) القُرٰی۔ یعنی سابق کی تباہ و ہلاک شدہ بستیاں۔ ف۱۴۴ یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے الٹے ان کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے نہ یہ ان کی پوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔ ف۱۴۵ (اور وہ انہی لوگوں کے لیے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں) القُرٰی۔ قری سے مراد اہل قریٰ ہیں۔

عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ

عذاب سے ڈرتا ہو ۱۴۶؎ وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں (کل) انسان جمع کیے جائیں گے

وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا

اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لئے

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿١٠٤﴾ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا

ملتوی کئے ہوئے ہیں ۱۴۷؎ جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اللہ کی اجازت کے پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ۱۴۸؎ سو جو لوگ

شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ۙ

شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ۱۴۹؎

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ

اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾

ہاں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کے پروردگار جو چاہے پورے طور پر کر سکتا ہے ۱۵۰؎

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ

اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے اس میں رہیں گے (ہمیشہ ہمیش)

فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ

جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار

رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿١٠٨﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

چاہے (یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ۱۵۱؎ سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں

ف۱۴۶ یعنی نشانی عبرت وبصیرت کی۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب دُنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے، حالانکہ دُنیا مہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دار الجزاء ہی ہے وہاں کے عذاب کی شدت کا کہنا ہی کیا! ف۱۴۷ یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک قلیل مدت کے لیے رکھا گیا ہے۔ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ مشهود کے معنی مشهود فيه کے لیے گئے ہیں۔ای مشهود فيه (کشاف) والمراد بالمشهود الذی كثر مشاهدوه (کشاف) ف۱۴۸ شَقِيٌّ۔ یعنی بدبخت یا سزاوار نار۔ الذی وجبت له نار لاساءته (کشاف) سَعِيْدٌ۔ یعنی خوش نصیب یا قابل عفو وسزاوار جنت۔ الذی وجبت له الجنة لاحسانه (کشاف) لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یہ بیان یوم قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل محشر میں سے۔ ضمیر هم اہل موقف کے لیے ہے اور ایسے موقع کے لیے جو سیاق سے بخوبی سمجھ میں آ جائے عربی اسلوب بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔ الضمير لاهل الموقف و لم يذكر لان ذلك معلوم (کشاف) ف۱۴۹ زَفِيْرٌ۔ اور شَهِيْقٌ۔ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں۔ زفیر اس کی شروع کی آواز شهیق اس کے آخر کی آواز۔ قال الضحاك ومقاتل والفراء الزفير اول نهيق الحمار والشهيق آخره (بحر) قال اهل اللغة من الكوفية والبصرية الزفير بمنزلة ابتداء صوت الحمار والشهيق بمنزلة اخر نهيقه (روح) مراد یہ ہے کہ اہل دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیختے چلاتے رہیں گے۔ ف۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس کا اقتدار اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ کوئی اور قوت ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ، آیت میں رد آ گیا ان تمام ادیان باطل کا جنہوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود قوائی اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا کہ خدا صرف انصاف کر سکتا ہے عفو پر قادر نہیں۔ ہندو یہ تعلیم دی ہے کہ "کرم" (ہندی زبان میں قانون مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالا دست ہے! اس طرح کا کوئی عجیب وغریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا نہیں...... وہ جس عاصی، خاطی، مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا بہت خفیف سزا کے بعد بخش دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین وآسمان تو اس وقت فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ عبارة عن تابيد ونفي الانقطاع (کشاف) العرب يعبرون عن الدوام والابد بقولهم ما دامت السمٰوت والارض (کبیر) هٰذا عبارة عن التابيد ونفي الانقطاع على منهاج قول العرب (روح) التعبير عن التابيد والمبالغة بما كانت العرب يعبرون به عنه (بیضاوی) من عادة العرب اذا ارادت ان تصف الشيء بالدوام ابدًا قالت هٰذا دائم بدوام السمٰوت والارض (ابن جریر) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ یہ استثناء اَلَّذِيْنَ شَقُوْا۔ سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں پڑا رہے گا۔ عام قاعدہ وضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ کی مشیت اس پر بھی غالب ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچا لے۔ جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا۔ جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ واما الجمهور الاعظم من الامة فقد اتفقوا على ان عذاب الكافر دائم (کبیر) كانه تعالى يقول اظهرت القهر والقدرة ثم اظهرت المغفرة والرحمة لاني فعال لما اريد وليس لاحد على حكم البتة (کبیر) ف۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ استثناء اَلَّذِيْنَ سُعِدُوْا۔ سے ہے یعنی ہر مطیع وسعید بھی مشیت الٰہی وفضل خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ معنى الاستثناء ههنا ان دوامهم في ما هم فيه من النعيم ليس امرًا واجبًا بذاته بل هو موكول الى مشية الله تعالى (ابن کثیر) مذہب اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہرحال خلود نار کا مستوجب نہیں۔ اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائے گا۔ احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث کی گرفت سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث ہی سے انکار کر بیٹھے۔ والمعتزلة لما لم يروا خروج العصاة من النار ردوا الاحاديث المروية في هٰذا الباب وكفى به اثمًا مبينًا (مدارک) اور یہی دستور ہمارے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا بھی ہے۔

مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

جس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادا

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ

ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم یقیناً ان کو حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں

مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ

بے کم وکاست ف۱۵۲ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف

فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

کیا گیا ف۱۵۳ اور اگر ایک بات پہلے ہی سے آپ کے پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو

بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ

ان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف شک کر کے تردد میں پڑے ہوئے ہیں، ف۱۵۴ بیشک

كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں ان کے اعمال کا (عوض) پورا پورا دے گا بیشک جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ

یہ کرتے ہیں اس کی وہ پوری خبر رکھتا ہے ف۱۵۵ تو آپ مستقیم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے (اور وہ لوگ بھی) جو

تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں ف۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اسکو وہ خوب دیکھ رہا ہے، ف۱۵۷

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) ف۱۵۸ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ

اور (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہو گا پھر

ف۱۵۲ (قیامت کے دن) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ۔ یعنی مذہب شرک شک وتذبذب کا مستحق نہیں صاف صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔ كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی جیسے ان کے آباواجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ نَصِيْبَهُمْ۔ یعنی ان کے عذاب وسزا کا حصہ۔ ف۱۵۳ یعنی کچھ نے اسے مانا اور کچھ اس میں بھی طرح طرح کے شبہات اعتراضات بھی نکالتے رہے، حالانکہ کتاب توریت تو اسرائیلیوں کی اپنی "قومی" کتاب بھی تھی تو پھر قرآن کے باب میں تو جو کچھ بھی تردد وانکار ہو کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ ف۱۵۴ یعنی اس فیصلہ حق کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہو گا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ بَيْنَهُمْ سے مراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ ف۱۵۵ اچھے برے مومن وکافر، صالح فاسق، بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فرد عمل اس کے سامنے موجود ہے۔ اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی، سہو ونسیان کا امکان ہی نہیں۔ ف۱۵۶ یعنی آپ راہ دین پر پوری طرح قائم رہیے اور کفار ومنکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیے۔ اور یہی حکم آپ کے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے۔ آپ کا درجہ استقامت آپ کے مرتبہ کے لائق اور آپ کے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق۔ محققین نے لکھا ہے کہ اصلی استقامت یہی ہے کہ حقوق حق اور حقوق خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔ ای فی القیام بحقوق الحق والخلق (روح) وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پیغمبر علیہ السلام کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا ایک مرتبہ کی چیز ہے اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔ والعطف لا یقتضی اکثر من المشارکۃ فی مطلق الفعل (روح) تَابَ۔ توبہ کس چیز سے مراد ہے؟ کفر وضلالت سے توبہ۔ ف۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔ وَ لَا تَطْغَوْا۔ طغیان سے مراد ہے عقائد وعبادات یا اخلاق ومعاملات کسی بات میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔ ف۱۵۸ (اے مسلمانو!) خطاب عام امت سے ہے۔ وَ لَا تَرْكَنُوْٓا۔ یہ رکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف

ع ۹

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ

تمہاری مدد بھی کی نہ جائے گی ف۱۵۹ اور آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر

وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

اور رات کے کچھ حصوں میں ف۱۶۰ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو ف۱۶۱

ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے ف۱۶۲ اور صبر کرتے رہیے بیشک اللہ

لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ف۱۶۳ پس کاش تمہارے پیشتر کی

الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ

امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے

الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا

ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا

مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ

لیا تھا ف۱۶۴ اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے

وَ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ

اور (عادی) مجرم ف۱۶۵ ہو گئے، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو

الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوْ شَآءَ

ہلاک کر دے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ف۱۶۶ اور اگر

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ

آپ کے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی امت بنا رہتا لیکن وہ اختلاف ہی کرنے والے

ف۱۵۹ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہونے پر بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے! علماء محققین کے حسب تصریح بلا ضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا ان کی تعظیم و توقیر کرنا بلا ضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت و مجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آ جاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔ فاقتضی ذلک النھی عن مجالسۃ الظالمین و مؤانستھم والانصات الیھم (جصاص) ف۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آ گئیں۔ طَرَفَیِ النَّهَارِ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مراد ایک طلوع فجر ہے دوسرے بعد زوال ..... پھر بعد زوال بجائے خود ظہر و عصر کے دو حصوں پر شامل ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ کے اندر مغرب و عشاء کے اوقات آ گئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء مجددین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں۔ انہوں نے عجب عجب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔ ف۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو) یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب و غریب دفعہ ہے، جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفۂ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ از باب سیئہ (بدی کو مٹانے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا..... اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں، لغزشوں، خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہوتا جاتا ہے۔ ف۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے حق میں جو اسے سنا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ ف۱۶۳ (سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے) وَ اصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔ ف۱۶۴ یعنی اگلی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ ولکن قلیلا ممن انجینا من القرون نھوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوْا بَقِیَّةٍ۔ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی۔ ای اولوا فضل وخیر (کشاف) ای ذو وخصلۃ باقیۃ من الرأی والعقل (روح) الفساد فی الارض۔ قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بد دینی آ جاتی ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے۔ مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ ف۱۶۵ (کہ اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بدین بدستور اپنی مادی عیش و عشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔ ف۱۶۶ (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے۔ جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں) مُصْلِحُوْنَ۔ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔ بِظُلْمٍ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلم کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔ والتنکیر للتفخیم (روح) لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔ المراد من الظلم ھھنا الشرک والمعنی انہ تعالی لا یھلک اھل القری بمجرد کونھم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فی ما بینھم والحاصل ان عذاب الاستیصال لا ینزل لاجل کون القوم معتقدین للشرک والکفر بل انما ینزل ذلک العذاب اذا اساء وا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لا یھلک القری بسبب شرک اھلھا وھم مصلحون فی المعاملات فیما بینھم لا یضمون الی شرکھم فسادًا اخر (مدارک) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔ وھذا تاویل اھل السنۃ لھذہ الآیۃ (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔ و من ذلک قدم الفقھاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد (بیضاوی) لِیُهْلِكَ۔ میں لِ تاکید نفی کے لئے ہے۔ اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذلک زائدۃ لتاکید النفی عند الکوفیۃ (روح)

مُخْتَلِفِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ

ہمیشہ رہیں گے و۱۶۷ بجز اس کے جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو، اور اسی لئے اس نے

خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

انہیں پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ

جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا و۱۶۸ اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم

عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

یہ سب (قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

وَ جَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰی

اور ان (قصوں) کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور (ان میں) نصیحت اور یاد دہانی

لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا

اہل ایمان کے لئے ہے و۱۶۹ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم

عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا

اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں اور تم انتظار کرو ہم بھی

مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

منتظر ہیں و۱۷۰ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی

وَ اِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ

اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں و۱۷۱ سو آپ اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ

عَلَیْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

رکھیے اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو و۱۷۲

و۱۶۷ گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں کچھ اہل ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم و کرم کے مظہر اہل حق واہل جنت ہیں اسی طرح صفت غضب کے مورد اہل باطل واہل جہنم ہوتے رہیں۔ وذلک لیکونوا مظاهر جماله وجلاله ولطفه وقهره (روح) وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی سب کے سب اضطرارًا وجبلۃً حق پر جمع ہو جاتے اور دنیا میں بس ایک ہی قوم اہل حق کی رہتی۔ قال قتادة یجعلهم مسلمین وذلک بالالجاء الی الایمان (جصاص) و۱۶۸ (سوا ے پیغمبر ﷺ آپ طبقہ اہل ضلال کے وجود پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں) لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں اہل ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ ﷺ کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں۔ یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان و جنات کی غایت آفرینش عبادت الٰہی ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے خلق کا تعلق رَحِمَ سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کی غرض سے انہیں پیدا کیا ہے۔" روی عن ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاک خلقهم للرحمة (جصاص) اَجْمَعِیْنَ۔ سے ظاہر ہے کہ مراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن وانس سب ہی ہوں گے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ اختلاف باطل سے محفوظ رکھ لے۔ انما هو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب (جصاص) و۱۶۹ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصوں کے مضامین ومطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی، پھر ایک تو برے کاموں سے رکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاد دہانی ان سے ہوتی ہے اور ثبات قلب ان سے جو آپ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب وتقویت قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے و۱۷۰ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل مایوسی ہو جاتی ہے وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۔ انتظار سے مراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔ و۱۷۱ علم اور ملک بھی اسی کا کامل اور اختیار وتصرف بھی اسی کا کامل۔ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ زمین وآسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز للہ ہی کے لئے ہے باعتبار علم بھی اور باعتبار ملک بھی۔ و۱۷۲ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَیْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لایئے اور یقین یہی جمائے رکھیے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔

ع ۱۰

وا یعنی ایسی کتاب کہ جس کی عملی تعلیمات میں کسی قسم کا خفاء وابہام نہیں عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔ الٓرٰ۔ ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی انا اللہ اری منقول ہیں۔ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ حرف حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور الٓرٰ۔ پر شروع سورہ یونس میں۔ و۲ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو) عَرَبِیًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے نہ کہ صرف اہل عرب کو قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا۔ کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرہ خطاب سمٹ کر صرف اہل عرب تک محدود رہ جاتا ہے لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح وواضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔ العربی المفصح (راغب) العربی الفصیح البیّن من الکلام (راغب) التعریب التبیین والایضاح ویقال اعرب عنه لسانه وعرّب ای ابان وافصح (تاج) خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔ واختلف فی سبب تسمیة العرب فقیل لاعراب لسانهم ای ایضاحه وبیانه لانه اشرف الالسن واوضحها واعربها وقد مال الیه جماعة وجحود من وجوه (تاج) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ جس کے اندر قصہ یوسف علیہ السلام مذکور ہے۔ والتقدیر انا انزلنا الکتب الذی فیه قصة یوسف فی حال کونه قرانا عربیا (کبیر) و۳ یعنی اس قصہ کے صحیح تفصیلات آپ کو نہ اپنے ذوق ووجدان سے معلوم تھے اور نہ کسی راوی یا مؤرخ کے ذریعہ سے۔ احسن القصص سورہ تقریباً ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا اخذ تو ظاہر ہی ہے۔ باقی مختلف اہل تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں...... عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کر دی گئی ہوں، اور یہ تو بہر حال واقعہ ہے کہ فطرت بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق واسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ نَحْنُ نَقُصُّ۔ عربی کے اس دوہرے صیغۂ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی یہ صحیح مستند و مفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ مِنْ قَبْلِهٖ۔ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپ کی جانب وحی کریں۔ ای قبل ایحائنا الیک ذلک (روح) و۴ یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے شرف نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آ رہا تھا زمانہ بقول انسب ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ق م۔ مولد ومسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۹ میل جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ترین محل حضرت راحیل علیہا السلام کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین وخوبرو اور والد وجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر بھی ہونے والے تھے۔ آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے۔ توریت میں ہے:۔ "اسرائیل یوسف کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لیے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لیے ایک بوقلموں قبا بنائی" (پیدائش ۳:۳۷) لِاَبِیْهِ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ و۵ سٰجِدِیْنَ۔ سجدہ سے یہاں اصطلاحی وشرعی سجدہ مراد نہیں جس کے معنی ایک متعین ومعروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں بلکہ سجدہ یہاں اپنے اصلی ولغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت وتذلل کے مرادف آیا ہے۔ اصل السجود التطامن والتذلل (راغب) ساجدین ای متواضعین (مدارک) اِنِّیْ رَاَیْتُ۔ یعنی خواب میں دیکھا۔ رایت رویت سے بھی ہو سکتا ہے اور رؤیا سے بھی لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔ رایت من الرؤیا لا من الرؤیة (کشاف) اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آ رہی ہے لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ -- توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ اجرام سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید حدیث نبوی بلکہ توریت بھی خاموش ہے البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ منظر بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا۔ جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آ سکتی ہے مجسم ومتمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آ جاتی ہے اس لیے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہوتے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہو سکتے تھے مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند اور ستاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا؟ وقس علی ہذا۔ یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمال ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامت تعظیم تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لیے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر و ناقابل التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی "روشن خیالی" میں بغیر کسی دلیل کے فرض کر لی گئی ہے۔

آیاتها ۱۱۱ — ۱۲ سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ — رکوعاتها ۱۲

اس میں ۱۱۱ آیتیں — سورۂ یوسف مکی ہے — اور ۱۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

الف۔لام۔را یہ ایک کتاب واضح کی آیتیں ہیں وا بیشک ہم نے اتارا ہے

قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ

قرآن فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو و۲ ہم نے جو یہ

عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ

قرآن آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین

هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

قصہ بیان کرتے ہیں اور اس کے قبل آپ اس سے (محض)

الْغٰفِلِیْنَ ۞ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ

بے خبر تھے و۳ جب یوسف نے اپنے والد سے کہا و۴ کہ اے باپ میں نے

رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا،

رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۞ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھک رہے ہیں و۵ وہ بولے اے میرے پیارے بیٹے اپنے (اس) خواب کو

رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ

اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا و۶ ورنہ وہ تمہاری (ایذا) کے لئے کوئی چال چل کر رہیں گے

و۶ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آ گئی...... آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دہرا دینا وہ بھائی بھی بہرحال خاندان نبوت ہی سے تھے اور تعبیر خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون جذبات رشک وحسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہرحال کافی تھا۔ اِخْوَتِكَ۔ آپ سے بڑے بھائی آپ کی دوسری ماؤں سے دس تھے گیارہویں بھائی بنیامین آپ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپ سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے نبی کوئی بھی نہ تھا۔ یٰبُنَیَّ۔ بنی صیغہ تصغیر کا ہے۔ مگر ایسی تصغیر جو

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾ وَ كَذٰلِكَ

بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ف۸ اور اسی طرح

یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ

تمہارا پروردگار تم کو منتخب کرے گا ف۹ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا ف۱۰

وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ

اور اپنا انعام تمہارے اوپر اور اولاد یعقوب پر پورا کرے گا جیسا کہ

اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ

وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ

وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶﴾ؑ لَقَدْ كَانَ

پر بیشک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۱ یقیناً

فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ﴿۷﴾

یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں (موجود) ہیں پوچھنے والوں کے لئے ف۱۲

اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے

مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ

کہیں زیادہ پیارے ہیں ف۱۳ درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں، ف۱۴ بیشک ہمارے باپ تو بالکل

مُّبِیْنِۚۖ ﴿۸﴾ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا

بہک گئے ہیں ف۱۵ (لاؤ) یوسف کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی سرزمین پر ڈال آؤ

یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

تو تمہارے لئے تمہارے باپ کا رخ (خالص) ہو جائے گا اور اس کے بعد تمہارے سب کام

ع ۱

تحقیر پر نہیں بلکہ محبت وشفقت پر مبنی ہو۔ صغرہ للشفقۃ ویسمی النحاۃ مثل ھذا التصغیر التحبب (روح) ف۷ ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپ سے کشیدہ تھے اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے ابتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے:۔"یوسف علیہ السلام ان کے باپ کے پاس ان کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا"۔ (پیدائش ۳۷:۲) دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی:۔"اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کر سکتے تھے۔" (پیدائش ۳۷:۴) لیکن ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپ کا سعید ورشید ہونا۔ گیارہواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی بھائی تھا) مخالف نہ تھا لیکن اس کی کمسنی کی بنا پر یہ ممکن تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو۔ اس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے۔ و ھو اصل فی جواز ترک فی اظھار النعمۃ و کتمانہ عند من یخشی حسدہ و ان کان اللہ قد امر باظھارہ (جصاص) ف۸ (اسے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا۔ توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر زبان سے بھی اپنے غصہ کا اظہار کر ڈالا:۔"تب اس کے بھائیوں نے اسے کہا کہ کیا تو سچ مچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا۔ اور انہوں نے اس کے خوابوں اور اس کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا"۔ (پیدائش ۳۷:۸) توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسب معمول تحریفات سے پر ہے، تاہم جا بجا اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق بھی ہوتی جاتی ہے۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کینہ کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لیے پیمبر زادگی ہرگز کافی نہیں۔ چہ جائیکہ مشائخ وصالحین کی اولاد میں سے ہونا! ف۹ (اے یوسف نبوت کے لیے) قال الحسن یجتبیک ربک بالنبوۃ (کبیر) كَذٰلِكَ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آئندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمہیں دکھا دی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اسی طرح اور بھی عزتیں تمہارے لیے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔ ف۱۰ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے اگرچہ اس نعمت میں زندگی رزق صحت، دولت وغیرہ دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ کے عام و متداول معنی تو تعبیر خواب ہی کے ہیں۔ قال مجاھد والسدی تاویل الاحادیث عبارۃ الرؤیا (بحر) و ذلک تعبیر الرؤیا (ابن جریر) لیکن احادیث کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے علم و حکمت و فہم مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ قال الحسن عواقب الامور (بحر) قال ابن زید العلم والحکمۃ (بحر) و یجوز ان یراد بتاویل الاحادیث معانی کتب اللہ و سنن الانبیاء و ما غمض و اشتبہ علم الناس فی اغراضھا و مقاصدھا یفسرھا لھم و یشرحھا (کشاف) خواب کی بنا پر آئندہ کے واقعات تکوینی کے مکشوف ہو جانے کا نام غیب دانی نہیں۔ ف۱۱ وہ علیم کل ہر ایک کے ظرف واستعداد سے بھی خوب واقف ہے اور صفت حکمت کے تقاضے سے ہر ایک کے مناسب حال عطائے فیض کرنے والا بھی ہے۔ وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ آل یعقوب بنی اسرائیل کا مرادف ہے اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادران یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت ملی ہو۔ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ۔ اتمام نعمت کے تحت میں ساری دنیوی و اخروی نعمتیں آگئیں۔ كَمَاۤ ... اِسْحٰقَ۔ مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اتمام نعمت کے موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔ اِبْرٰهِیْمَ۔ اِسْحٰقَ۔ دونوں پر حاشیے پارۂ اول کے آخر میں گزر چکے۔ ف۱۲ یعنی عام طالبان حق اور جویندگان علم کے لیے عموماً اور ان اہل کتاب کے لیے خصوصاً جنہوں نے امتحان کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔ اٰیٰتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمال قدرت وحکمت کی نشانیاں ..... مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی لینا چاہے۔ ف۱۳ یعنی یوسف علیہ السلام اصلاً اور ان کے بھائی بنیامین مبعاً۔ توریت میں ان کے بھائی کا نام بنیامین درج ہے۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مرید کے ساتھ دوسرے مریدوں سے زیادہ شفقت واختصاص رکھے جبکہ اس میں آثار رشد دوسروں سے زائد پائے۔ ف۱۴ (پس تعداد وقوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہیے نہ کہ ان دو کمسن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آسکتے) یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی۔ ۔ ۔ تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوت اہمیت کا جو درجہ رکھتی تھی وہ آج خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ ف۱۵ (کہ خود اپنے نفع ونقصان کا اندازہ نہیں کرتے) ضَلٰلٍ۔ سے مراد کوئی دینی اعتقادی یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی و کم فہمی مراد ہے۔ المراد منہ الضلال من رعایۃ المصالح فی الدنیا لا البعد عن طریق الرشد والصواب (کبیر) یعنون عن صواب الرای (جصاص) اپنے حق میں کمال حسن ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوء ظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور یہ پیمبر زادے اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض اوقات مریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔

قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

بن جاؤ گے و۱۶ (اتنے میں) انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

کرو بلکہ انہیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انہیں کوئی راہگیر

بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قَالُوْا

نکال لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو و۱۷ وہ بولے

يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا

اے ہمارے ابا جان آپ کو یہ کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے و۱۸ درآنحالیکہ ہم تو

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

ان کے بڑے خیر خواہ ہیں، انہیں کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ ذرا کھائیں کھیلیں،

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ

اور ہم ان کے محافظ تو ہیں ہی و۱۹ (یعقوب نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے یہی رنج ہوگا کہ تم

تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

اس کو لے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

اس کی طرف سے بے خبر رہو و۲۰ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم

عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ

ایک پوری جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گذرے ہی ہوئے و۲۱ سو جب وہ ان کو لے گئے

وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

اور جٹ ارادہ کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں و۲۲

و۱۶ (اور یہ قضیہ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا) ای صالحین فی امر دنیاکم فانہ ینتظم لکم بعدہ (روح) انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دور تک جا سکتا تھا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ۔ جس طرح کمیٹی یا جلسہ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے بھلے آدمی بن جانا اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ ای بالتوبۃ والتنصل الی اللہ تعالیٰ عما جنتم بہ من الذنب والیہ ذھب الجمھور (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی یہ یوسف علیہ السلام کا قصہ پاک کرنے کے بعد۔ ای بعد یوسف علی معنی بعد الفراغ من امرہ (روح) و۱۷ یعنی واقعی اگر کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہاں سے یوں دفع کرو۔ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔ اَلْقُوْهُ ... السَّيَّارَةِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطح تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے جو عام رہگذر ہوں۔ قافلے جب ان کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمدورفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب و مصر کے درمیان برابر رہا کرتی تھی۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ۔ سے بعض اہل تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی وہ ان بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔ و۱۸ (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ سیر وشکار کے لئے نہیں بھیجتے) جب باہم مشورہ سے وہ خاص صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو شروع کی توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں اس روایت کو بھی بالکل غلط ملط کر کے درج کیا ہے۔ توریت کا بیان ہے کہ یوسف خود ہی اپنے باپ کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہنچے جہاں وہ اپنے گلے چرا رہے تھے اور ان کے قتل وغیرہ کے منصوبے وہیں ہوئے:۔ ”اور جونہی انہوں نے اسے دور سے دیکھا اس سے پیشتر کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اور ایک نے دوسرے سے کہا دیکھو یہ صاحب خواب آتا ہے سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوگا۔ تب روبن نے سن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیے کہ ہم اسے قتل نہ کریں اور ان سے کہا خونریزی نہ کرو بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو تاکہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچ کے اس کے باپ تک پہنچا دے۔“ (پیدائش ۳۷: ۱۸۔ ۲۲) و۱۹ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلے چرانے جنگل جایا کرتے تھے محافظت کا وعدہ اس لئے کیا کہ جنگل پرخطر جانوروں سے بھرے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام ابھی کمسن بھی تھے۔ دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا سخن سازی کی مشق کر لینا بناوٹی زندگی اختیار کر لینا فطرت بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر وتفریح جائز کھیل ہیں۔ وفی الآیۃ دلالۃ علی ان اللعب الذی ذکروہ کان مباحا لولا ذلک لانکرہ یعقوب علیہ السلام (جصاص) المراد من اللعب الاقدام علی المباحات وھذا یوصف بہ الانسان (کبیر) مطلق کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جز معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیث نبوی میں موجود ہے۔ جاز ان یکون المراد من اللعب الاقدام علی المباحات لاجل انشراح الصدر کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لجابر فھلا بکرا تلاعبھا وتلاعبک (کبیر) و۲۰ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تو یوسف علیہ السلام کی جدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ تم لوگ تو جا کر اپنے مشاغل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آ کر اٹھا لے جائے۔ ارض فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیے اب تو خال خال رہ گئے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور سے آباد تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۰ طبع چہاردہم) حضرت یعقوب علیہ السلام تو بہرحال نبی تھے اتنی فراست ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔ لَيَحْزُنُنِيْۤ۔ اَخَافُ۔ آیت میں حزن اور خوف دونوں کا اثبات حضرت یعقوب علیہ السلام پیمبر کے حق میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کیفیات طبعی کا طاری ہونا کاملین کے لئے ان کے کمال کے منافی نہیں۔ و۲۱ روایات یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادران یوسف علیہ السلام بڑے تنومند وقوی ہیکل تھے اپنی قوت وتعداد دونوں پر ان کا ناز کچھ بے جا نہ تھا۔ و۲۲ (اور اس پر عمل بھی کر گزرے) توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ یوسف جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلموں قبا کو جو وہ پہنے تھا اتار کے اسے ننگا کیا اور اسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا وہ کنواں اندھا تھا اس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔“ (پیدائش ۳۷: ۲۳۔ ۲۴) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ۔ قیل وقال کے بعد بالآخر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لے جانے کی اجازت ان کے چرب زبان بھائیوں کو دے دی تھی۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ

اور ہم نے (یوسفؑ پر) وحی کی کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت)

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾

وہ جانتے بھی نہ ہوں گے ۲۳ اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے ۲۴

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ

بولے اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا انہیں کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین کریں گے

لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ

نہیں گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں ۲۵ اور ان کے کرتہ پر

بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ

جھوٹ موٹ کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ نہیں) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا

ہے ۲۶ سو صبر (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی

تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ

مدد کرے ۲۷ اور ایک قافلہ آ نکلا ۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ

اور اس نے اپنا ڈول ڈالا اور بول اٹھا ارے واہ واہ یہ تو ایک لڑکا نکل آیا ۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت

بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوْهُ

(قرار دے کر) چھپالیا اور اللہ خوب واقف تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے ۳۰ اور انہوں نے یوسف کو

۲۳ رحمت الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسفؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے۔ غیب سے الہام ہوا کہ شکستہ دل وملول نہ ہو خوف نہ کرو ان کے کید سے تمہیں رہائی مل کر رہے گی اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انہیں یاد دلاؤ گے اور یہ تمہیں پہچانیں گے تک نہیں تم اس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہو گے۔ توریت کا قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مراد نہیں جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے یہ وحی الہام کے معنی میں ہے جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے وھو وحی الھام (بحر عن مجاہد) ۲۴ (اپنا مصنوعی رنج والم ظاہر کرنے کو) یہ لوگ گھر روزانہ شام کو واپس آتے ہوں گے آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو کہ اتنی دیر یوسفؑ کی تلاش کرنے میں لگی۔ ایک جرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرت بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔ ۲۵ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صحیح نکلا۔ برادران یوسفؑ نے آکر ایک گھڑی ہوئی کہانی گڑھ کے بیان کر دی۔ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے۔ یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہوا ہو سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔ ۲۶ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے:۔ ”پھر انہوں نے یوسفؑ کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلمون قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا۔ آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کی قبا ہے کوئی برا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۱۔۳۳) گویا حسب بیان توریت پیمبرؑ نے ان فسوں سازوں کے دعوائے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا!.... قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔ ۲۷ (کہ مجھے توفیق صبر دے) فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ مبتداء بھی ہوسکتا ہے اور خبر بھی تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔ ای فامری صبر جمیل اور فصبر جمیل اجمل (بیضاوی) ای فامری صبر جمیل او فصبری صبر جمیل (روح) بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف سے ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں اور ہر طرح رحیم وشفیق بھی تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ یہ تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہر حال ہماری ہی ہر طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں صبر جمیل اسی کا نام ہے اور اس کے حقدار ایک پیمبر برحق نہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے:۔ ”تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کو سلے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۴) ۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسفؑ مقید تھے اور وہ قافلہ یمن یا مصر کو جا رہا تھا) توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔ اور ”وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انہیں مصر کو لے جائیں۔“ (پیدائش ۳۷: ۲۵) ۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔ غُلٰمٌ۔ کی تنوین اگر تعظیم کے لئے بھی جائے تو ترجمہ ہوگا ”ایک بڑا اچھا لڑکا“۔ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ۔ حضرت یوسفؑ اسی کنوئیں میں تھے چنانچہ آپ رسی کو تھام کر باہر آگئے۔ ۳۰ یعنی اس کی نظر سے نہ برادران یوسف کی کارروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہل قافلہ کی۔ بردہ فروشی کا رواج اس وقت عام تھا۔ یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔

ف۳۱ برادران یوسف کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی دوڑے ہوئے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برادران یوسف کو یوسف علیہ السلام کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود ان کے منظور نظر ہو کر رہیں۔ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ۔ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم ۲۰ روپیہ تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۲۸) دراہم میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ سکے ملے نہ کہ سونے کے دینار۔ بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادران یوسف نے آپ کو اپنا غلام بیان کیا ہے تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے حالانکہ حر (آزاد) کی بیع شریعت اسلامی میں جائز نہیں اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوف ضرر سے امر منکر سے انکار نہ کرنا اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے۔" (پیدائش ۳۷: ۲۶، ۲۷) ف۳۲ یعنی انہیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں جو کچھ وہ دام بڑھاتے انہیں مقصود تو اپنے خیال کے مطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا اونے پونے جو کچھ بھی دام مل گئے اسے غنیمت سمجھے۔ كَانُوْا۔ کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب لی ہے اور یہی لگتی ہوئی بھی ہے۔ والضمیر فی وکانوا ان کان للاخوۃ فظاهر (روح) ف۳۳ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی خاطر داریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ "اور خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ صاحب اقبال ہوا۔ سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے سب کاموں میں اسے اقبال مند کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام اس کی نظر میں مورد لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی، اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا۔" (پیدائش ۳۹: ۴-۵) اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ۔ قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لائے اور ملک مصر میں بہ حیثیت غلام کے فروخت کیا یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے ہونہار اور صاحب آثار رشد غلام کو خرید کیا وہ حکومت مصر کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا۔" (پیدائش ۳۷: ۳۶) "یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعون کا امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا سردار تھا اسے اسمعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لائے تھے مول لے لیا۔" (پیدائش ۳۹: ۱) من مصر یہاں تو مضاف اهل مصر کے قبل محذوف ہے اور یا خود من کو فی کے معنی میں لے لیا جائے۔ لِامْرَاَتِهٖ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا ان کے لئے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عقد نکاح میں آ گئی تھیں لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے ف۳۴ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی) مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ ہم انہیں مادی و روحانی ہر انعام سے مالا مال کریں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم انہیں پہلے اندھیرے کنوئیں سے نجات دلا چکے تھے اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسف علیہ السلام کے ہر قسم کے انتظامی تجربہ اور واقفیت تدبیر منزل پر شامل ہے محض خوابوں کی تعبیر تک محدود نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اس نے اسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسف کے سبب سے برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسف خوبصورت اور نور پیکر تھا۔" (پیدائش ۳۹: ۳-۶) ف۳۵ دنیا کی مشرک اور جاہل قومیں (اور اکثریت انہی کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقاید میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔ جو امور عقل انسان کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی مخفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔ ف۳۶ قرآن مجید کا یہ ایک عام و حکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے کرتے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہو گیا کہ یہ دینی و دنیوی اکرام و اعزاز یوسف علیہ السلام کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی ایمان و حسن عمل کو اپنا شعار رکھے وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اَشُدَّهٗ۔ اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم کا کوئی قول سلف سے منقول نہیں البتہ ابن جریر نے ۱۸ سال کو بھی اس کا ایک محتمل مصداق بتایا ہے۔ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ حکم سے مراد عام طور پر دنیوی قوت و اقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ف۳۷ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہوگی جیسا کہ آیہ کریمہ او نتخذہ ولداً سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی یہاں تک کہ ان سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تل گئی۔ حرامکاری آج تہذیب فرنگ میں عورت کے لئے کب عیب ہے جو اس کا عیب ہونا مصر جاہلی تہذیب میں فرض کر لیا جائے؟ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا۔ قرآن مجید صاف بیتها (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے۔ بیته (عزیز کا گھر) نہیں کہتا ... مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک "آزاد" خود مختار تھی۔ رَاوَدَتْهُ ... هَيْتَ لَكَ۔

بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَكَانُوۡا فِيۡهِ

بہت کم قیمت پر گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ف۳۱ اور وہ ان کے بارے میں

مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ۞ وَقَالَ الَّذِى اشۡتَرٰٮهُ مِنۡ

بیزار (سے) تھے ف۳۲ اور جس نے انہیں مصر میں خریدا تھا

مِّصۡرَ لِامۡرَاَتِهٖۤ اَكۡرِمِىۡ مَثۡوٰٮهُ عَسٰٓى اَنۡ يَّـنۡفَعَنَاۤ

اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر سے رکھنا کیا عجب کہ ہمارے کام آوے

اَوۡ نَـتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ

اور یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں ف۳۳ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو (اس) سرزمین میں

فِى الۡاَرۡضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ

خوب جگہیں دی تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں ف۳۴

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی)

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا

نہیں جانتے ف۳۵ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں حکومت اور علم

وَّعِلۡمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۲۲﴾

عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیک کاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ف۳۶

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھے وہ انہیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی

وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ قَالَ

اور دروازے بند کر لئے اور بولی کہ بس آ جاؤ ف۳۷ یوسف نے کہا

ع ۱۲

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ

اللہ کی پناہ ف۳۸ (اور پھر) وہ میرا مربی ہے ف۳۹ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ف۴۰ بیشک

لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ

ظالم فلاح نہیں پاتے ف۴۱ اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا ف۴۲ اور انہیں بھی

بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ف۴۳ اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا، ف۴۴ اسی طرح

عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

(ہم نے انہیں بچا دیا) تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، ف۴۵ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ

میں سے ف۴۶ تھے اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے ف۴۷ اور اس نے ان کا کرتہ

مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ

پیچھے سے پھاڑ ڈالا، ف۴۸ اور دونوں نے اس کے آقا (یعنی شوہر) کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا وہ بول اٹھی

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ

کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ وہ قید میں

یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ

ڈالا جائے یا (اور کوئی) عذاب دردناک (اسے ملے) ف۴۹ (یوسف) بولے کہ یہی (خود) تو مجھے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

نکالنے کے لئے پھسلا رہی تھی، ف۵۰ اور اس (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ

ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ

توریت میں ہے:۔ ”اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔“ (پیدائش ۳۹:۷) ”اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی، پر اس نے ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اس کے ساتھ رہے۔“ (پیدائش ۳۹:۱۰) ف۳۸ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں) حضرت یوسف علیہ السلام کا اس فرمائش حرامکاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ معصیت بہرحال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔ وهذا اجتناب منه علیه السلام علی اتم الوجوه واشارة الی التعلیل بانه منکر هائل یجب ان یعاذ بالله (روح) ف۳۹ (اس کے ناموس میں خیانت کی جرات کس طرح کر سکتا ہوں) اِنَّهٗ۔ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّیْ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔ کل من ملک شیئا فهو ربه (ابو البقاء) ولا یقال الرب مطلقا الا لله تعالٰی وبالاضافة یقال له ولغیره (راغب) حضرات انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے ان کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمامتر حقائق کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پرجوش خطیبوں کا سا انداز بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سرتاسر محکوم اور رعیت ہو کر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محسن اگرچہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہیے اور اہل طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپ فرما رہے ہیں کہ حرامکاری ایک تو بجائے خود کیسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے ہی آقا کے حرم کے ساتھ۔ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زنا کاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوق شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرت علیہ السلام نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے ہی کے لئے اضافہ کیا ہو؟ ...... جواب کے اس جزء کو جنہوں نے مرتبۂ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے۔ یہ جواب تو حضرت علیہ السلام کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔ ف۴۰ (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!) یہ تیسرا جواب حضرت یوسف علیہ السلام کا ہوا فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن و شفیق! گویا کفران نعمت کی حد ہوگئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی پستی بے شک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے واقف نہیں ہے۔ اور اس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا۔ اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی اور یہ اس لئے ہے کہ تو اس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوں۔“ (پیدائش ۳۹:۹) ف۴۱ بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ و پریشان و رسوا ہو کر رہتے ہیں) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق و بدکار کے مرادف ہے۔ یہ گویا بہ طور تتمہ کلام کے حضرت علیہ السلام کا چوتھا جواب ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار و فاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا و نامراد ہی رہتے ہیں۔ ف۴۲ (درجۂ عزم و اقدام عمل میں) ای قصدت المخالطة وعزمت علیها عزما جازما (روح) بمعنی القصد الجازم والعقد الثابت کما هو المراد ههنا (روح) توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔“ (پیدائش ۳۹:۱۱) ف۴۳ (امر طبعی کے درجہ میں) خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جبکہ پیش قدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہو رہی ہو تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح و تندرست اور مرد ہونے کی۔ ای مال الی مخالطتها بمقتضی الطبیعة البشریة ومثل ذلک لا یکاد یدخل تحت التکلیف (روح) والمراد بهمه علیه الصلوٰة والسلام میل الطبع ومنازعة الشهوة لا القصد الاختیاری (بیضاوی) قال الشیخ ابو منصور الماتریدی

وھمّ بھا ھمّ خطرۃ و لا صنع للعبد فی ما یخطر بالقلب و لا مؤاخذۃ علیہ (مدارک) فعل ھَمَّ۔ کے دونوں معنی آئے ہیں خیال قوی بدرجہ عزم بھی اور خیال ضعیف بدرجہ امر طبعی بھی زلیخا کے لئے ھَمَّ پہلے معنی میں آیا ہے اور یوسف علیہ السلام کے لئے دوسرے معنی میں۔ انما عبّر عنہ بالھم لمجرد وقوعہ فی صحبتہ ھمّھا فی الذکر بطریق المشاکلۃ لا لشبھہ بھا (روح) پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم اور محفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے احساسات بھی مردہ ہوجاتے ہیں (اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تو یہ بھی مسلم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی)...... پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ و خوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہرحال محسوس کرے گی گو اس حرام غذا کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہوگا۔ ف۴۴ (لیکن وہ دلیل خداوندی تو ان کے علم و مشاہدہ میں تھی اس لئے وہ ادنیٰ خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا) بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ سے مراد ہے علم شریعت تقویٰ و طہارت والمراد برؤیتہ لھا کمال ایقانہ بھا و مشاھدتہ لھا و مشاھدۃً واصلۃ الی مرتبۃ عین الیقین (روح) فرق یہ کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہوجاتے جب بھی عصمت نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا چہ جائیکہ آپ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔ ف۴۵ (چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے) اَلسُّوْٓءَ۔ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور اَلْفَحْشَآءَ۔ سے مراد کبیرہ۔ السوء مقدمات الفحشاء وقیل ھو الامر السیئ مطلقا (روح) ف۴۶ (چنانچہ ان سے صدور معصیت کیا معنی ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا) ف۴۷ (آگے آگے آپ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی) آپ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کر لیا باوجود اس کے کہ دروازے بند تھے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشاد و قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کھل جاتی ہیں اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اپنی مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے۔ ؎

نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید۔ خیرہ یوسف وار می باید دوید

ف۴۸ (جیسا کہ اس موقع پر بالکل قدرتی ہوتا ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اسے پیچھے سے پکڑنا چاہے) توریت میں ہے:۔ "تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔" (پیدائش ۳۹: ۱۲) صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے تاہم نیک بندے کسی طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔ ف۴۹ زلیخا نے جب دیکھا کہ اب تو راز فاش ہوا ہی جاتا ہے تو جھٹ یوں بات بنائی اور الٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور با اختیار شوہر کو سنانا شروع کر دی توریت میں اس مقام پر بھی حسب معمول ایک بلاضرورت طویل عبارت ہے اور اس کے بعد ہے:۔ "سو اس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو نے ہم پاس لا رکھا گھس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلا اٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا۔" (پیدائش ۳۹: ۱۵۔۱۸) مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا۔ زلیخا کی اس فرد قرار داد جرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس ملک اور وقت کے قانون میں اقدام زنا بجائے خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ ناموس شوہری میں خیانت اصل جرم تھی۔ ف۵۰ (اور اب الٹا الزام میرے اوپر ڈالے دیتی ہے۔) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفاء میں اپنے ضرر کا احتمال ہو مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔

وا۵ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evidence) کہتے ہیں یہاں شاہد اور شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں جو گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے وقوع واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں یہ گواہ تو صرف اس معنی میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سجھا دیا۔ تفسیروں میں ایک حدیث مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا بہ طور خرق عادت کے حضرت یوسف ﷺ کی صفائی میں بول اٹھا۔ لیکن بہت سے ائمہ تفسیر نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حاکم وقت تھے تقرب سلطانی رکھنے والے اور درباری مشوروں میں شریک ہونے والے۔ ما کان بصبی ولکن کان رجلا حکیما (ابن جریر عن عکرمہ) کان من خاصۃ الملک (ابن جریر عن ابن عباس) کان رجلا حکیمًا من اھلھا ذا رأي یا خذ الملک برأیہ ویستشیرہ (بحر عن قتادہ) کان لھا ابن عم وکان رجلا حکیمًا وھذا قول طائفۃ عظیمۃ من المفسرین (کبیر) قال الحسن وعکرمۃ وقتادۃ ومجاھد لم یکن صبیًا ولکنہ کان رجلًا حکیمًا ذا رأي (معالم) عن ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس کان من خاصۃ الملک وکذا قال مجاھد وعکرمۃ والحسن وقتادۃ والسدی ومحمد بن اسحق وغیرھم اللہ کان رجلًا (ابن کثیر)

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ

جھوٹے۔ اور اگر ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا

ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچے وا۵۱ سو جب (عزیز نے)

رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بیشک یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے،

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ

بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے وا۵۲ اے یوسف (اب) تم اسے جانے

هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

دو وا۵۳ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر معافی مانگ بیشک تو ہی (سر تا سر)

الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ؒ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ

خطا وار ہے وا۵۴ اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی

الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھسلاتی ہے (اس کے) عشق میں دیوانی

حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا

ہو گئی ہے ہم تو اسے کھلی حماقت میں (مبتلا) پاتے ہیں وا۵۵ جب

سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ

اس (عورت) نے ان عورتوں کی زبان درازی سنی تو انہیں بلا بھیجا وا۵۶ اور ان کے واسطے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

مسندیں لگا دیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی

ع ۱۳

فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گمشدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی ملک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصاص کی احکام القرآن میں اسی باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے قیاس شرعی کے جواز اور عرف وعادت قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔ وفی الأیۃ دلیل علی القیاس والاعتبار والعمل بالعرف والعادۃ (قرطبی) وا۵۲ ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عورت میں جو ایک خاص مادہ ناز وانداز کا ہوتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے قدرۃً اس نے عورت کے ہاتھ میں اثر اندازی کا ایک زبردست حربہ دے دیا ہے۔ یہاں یہ قول اگرچہ عزیز مصر کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے اپنے تجربہ کچھ اسی قسم کے ہوں گے لیکن قرآن نے بھی اسے بلا نکیر نقل کر دیا ہے۔ عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ علماء نے ایک سوال یہاں پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے۔ ان کید الشیطن کان ضعیفًا اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا گیا ہے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔ فلا یضر کون ضعف کید الشیطان انما ھو فی مقابلۃ کید اللہ تعالی وعظم کید ھن انما ھو بالنسبۃ الی کید الرجال (روح) وا۵۳ انکشاف حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چالبازی پر نفرت کرتا ہے پھر حضرت یوسف ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا اب تم بھی اس پر خاک ڈالو نہ اس کا چرچا دوسروں سے کرو نہ اس کا غبار اپنے دل میں رکھو۔ وا۵۴ (کہ اول تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری اور پھر خواہ مخواہ ایک بیگناہ کو پھانسی دینا چاہا) وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ پھر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جائے؟ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ خدا سے۔ دوسرا جواب یہ منقول ہے کہ اپنے شوہر سے۔ مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وا۵۵ (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن وہم نسب نہیں پردیسی اور کنعانی!) قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ واقعہ کے چرچے سوسائٹی میں شروع ہو گئے اور سوسائٹی کی عورتوں نے حسب معمول اس میں خوب دلچسپی لی اور برابر کی وزیرزادیوں اور امیرزادیوں نے یہ طعنہ زنی شروع کر دی۔ نسوۃ جمع تکسیر ہے جو قلت عدد پر دلالت کرتی ہے گویا یہ لفظ لا کر قرآن مجید نے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ ایسی بیویوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہ تھی صرف گنتی کی چند تھیں جو ہر طرح بیگم وزیر کی ہمسر وہم چشم تھیں۔ شَغَفَهَا۔ شغف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ داء یصل الی القلب فیدخل الی القلب (بحر) وا۵۶ خواتین مصر کے طبقہ امراء میں اس وقت اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھنے اور مہمانوں کے بٹھانے کا رواج عام تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر ان لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی اور انہیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سوجھی سب کو دعوت میں اپنے ہاں بلا بھیجا۔ مکر یہاں لعن طعن طنز وتعریض کے معنی میں ہے۔ ھو اغتیابھن ایاھا وسوء مقالتھن (بحر)

وَ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
اور بولی کہ (اے یوسف) ذرا ان کے سامنے تو آ جاؤ ف۵۷ اب جب ان لوگوں نے (یوسف کو) دیکھا اس
وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا
پر حیران رہ گئیں ف۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ف۵۹ اور بولیں حاش للہ یہ
بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ
آدمی نہیں ہے تو کوئی فرشتہ ہے نورانی ف۶۰ وہ بولی
فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ
یہی وہ شخص ہے جس کے باب میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں ف۶۱ بیشک میں نے اس سے اپنا مطلب
عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ
نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک صاف رہا ف۶۲ اور اگر (آیندہ) اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے
اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
کہہ رہی ہوں تو یہ ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا ف۶۳
قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ
(یوسف نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف
اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ
مجھے یہ لوگ بلا رہی ہیں ف۶۴ اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو میں انہی کی (جانب) کی
اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ
طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا ف۶۵ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا
رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
قبول کر لی اور ان سے ان عورتوں کے چرتر کو دور رکھا ف۶۶ بیشک وہ تو ہے ہی بڑا سننے والا

ف۵۷ یوسف علیہ السلام بہر حال خادم تو اب تک تھے انہیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آ جاؤ۔ آ گئے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے چہرہ نور عصمت سے جگمگایا ہوا اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین وجمیل وزیر زادیوں امیر زادیوں کا مجمع۔ سِكِّيْنًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں۔ مصری تمدن کھانے کے لئے چھری کانٹوں سے بیگانہ نہ تھا۔ ف۵۸ (کہ یہ حسن وجمال کا پتلا کیسا نوجوان ہے کہ اپنی زہد شکن فضا میں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا) ای اعظمته و دهشن برؤیة جماله الفائق (روح) ف۵۹ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی معجزہ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے لیکن عادت طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیش نظر کر لیجئے۔ دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے۔ میزبان وزیر سلطنت کی بانوئے محترم ہیں۔ عشوہ و ناز سے لبریز وزیر زادیاں امیر زادیاں جمع ہیں۔ میووں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے۔ چھری کانٹے کے رواج سے یوں بھی مصری تمدن نا آشنا نہ تھا اور اس وقت تو ذوری میووں اور پھلوں کا چل رہا ہے۔ ہاتھوں میں چھریاں ہیں گپ شپ ہو رہی ہے یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نور پیکر سامنے لے آیا جاتا ہے۔ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے، چہرے پر عصمت کے سہرے جن کے چہرے اس وقت تک خود ہی سب کو دعوت نظارہ دینے کے عادی تھے وہ آپ اس وقت تماشائی بنی ہوئی اس حسن وجمال عصمت وعفاف کے پتلے کے نظارے میں محو! اور وہ نہ کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہے نہ کسی سے دلچسپی لیتا ہے ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی بندھ گئی ہو اور پلک جھپکانا تک بار ہو رہا ہو ...... اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں! پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں چند کا بھی زخمی ہو جانا صیغہ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔ اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے محض زخمی کر لینا خراش آ جانا بھی کافی ہے۔ ای جرحنها (کشاف) ای جرحتها بما فی ایدیهن (روح) ف۶۰ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں ممتاز تو تھے ہی، توریت میں ہے:۔ ”اور یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نور پیکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹: ۶) تقویٰ وعفاف میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقویٰ وعفاف کے اس معیار سے بھلا کیا واقف دنگ ہو گئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اپنی زبان میں یوں اٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کاہے کو ہے یہ تو کوئی دیوی دیوتا ہیں۔ آکاش سے اترے چلے آ رہے ہیں۔ جاہلی قوموں نے فرشتوں ہی کو اپنی زبان میں دیوتا کہا ہے۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی شرافت وتقدس کا پتلا۔ ای شریف کثیر المحاسن (روح) حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمہ تعجب ہے جو مصر کی فیشن ایبل لیڈیاں حسین کنعانی نوجوان کے کمال عفت وتقویٰ پر دنگ ومتحیر ہو کر زبان پر لا رہی ہیں۔ فالتعجب عن قدرته علی خلق عفیف مثله (بحر) ف۶۱ (تو اب تو قائل ہوئیں اور جسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان نکلا!) ف۶۲ یوسف صدیق علیہ السلام کی پاک دامنی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔ فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام۔ نام ہے کمال پاکبازی اور شدت احتیاط کا۔ الاستعصام بناء مبالغة یدل علی الامتناع البلیغ والتحفظ الشدید (کشاف) ف۶۳ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دھمکانے اور ستانے کو کہا اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں امیر زادیاں اور وزیر زادیاں بھی عجب نہیں جو یوسف علیہ السلام کو سمجھانے بجھانے لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے جو ایسی حسین ونازنین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔ لَيُسْجَنَنَّ۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ مصری حکومتوں میں جیل خانہ کا رواج ہو چکا تھا۔ ف۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی اس پر یوسف علیہ السلام دعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگارا! مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں۔ للہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا۔ خوب خیال رہے حضرت یوسف علیہ السلام جیل جانے کی دعا نہیں کر رہے ہیں۔ جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور تو مجھے جیل کی سختیوں سے بھی ناگوار تر ہے۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ مصیبت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے اور اپنے تقویٰ وتحمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی واسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔ ف۶۵ کمال عبدیت وخلیلی یہ ہے کہ کمال تقویٰ پر بھی ناز واعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا وہ بس للہ تعالیٰ ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھیے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کیا خوب فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں کیونکہ یہ عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہی کے ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل موثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد وناز ذرا نہیں ہوتا۔ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ۔ کے کھلے ہوئے معنی اصرف عنی ہے جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ۔ سے ظاہر ہوا جاتا ہے۔ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقویٰ کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے لفظ جاہلیت کا تعلق تمام تر کردار وسیرت سے ہے خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو خاطی اور عاجز جاننا اور ہر توفیق خیر کو جانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین ومتقین کی روش ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے جوان حسین امیر زادی اپنی طرف بلا رہی ہے اور آپ بھی نوجوان ہیں حسین ہیں اس پر بھی خوف خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔ وهذا فی غایة مقامات الکمال انه مع شبابه وجماله وکماله تدعوه سیدته وهی امراة عزیز مصر وهی مع

الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ

خوب جاننے والا ہے ۶۷ پھر ان لوگوں کو بعد اس کے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت معلوم ہوئی

لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ

کہ (یوسف کو) ایک مدت کے لئے قید میں رکھیں ۶۸ اور (یوسف کے) ساتھ جیل خانہ میں دو (اور)

فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ

جوان داخل ہوئے ۶۹ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) یہ دیکھتا ہوں کہ میں (انگور

وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي

کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں ۷۰ اور دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں

خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا

اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر) کھا رہے ہیں ۷۱ آپ ہم کو اس کی تعبیر بتایئے

نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ

بیشک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں ۷۲ وہ بولے جو کھانا تم دونوں کے کھانے کے لئے آتا ہے وہ ابھی

تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ

آنے نہ پائے گا کہ میں اس کی تعبیر تم سے بیان کر دوں گا قبل اس کے کہ (کھانا) تم دونوں کے پاس

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے، وہ ۷۳ یہ اس میں سے ہے جس کی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے ۷۴ میں تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے

لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾

ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل) منکر ہیں ۷۵

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

اور میں نے تو اپنے بزرگوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا مذہب اختیار کر

ھذا فی غایۃ الجمال والمال والریاسۃ ویمتنع من ذلک ویختار السجن علی ذلک خوفاً من اللہ ورجاء ثوابہ (ابن کثیر) و۶۶ (یعنی آپ کو عصمت وعفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا) فاستجاب لہ ربہ۔ آپ کی دعا دونوں ہی تھی جو قبول ہوئی؟ وہ دعا بھی ثبات عصمت کی تھی کہ دیئے تقویٰ تحسین حالات میں بھی میرے قدم ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔ و۶۷ بڑا سننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا اور خوب جاننے والا دلوں کے سوال و اسرار کا۔ قرآن مجید توہیم پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ہر اصلی بڑائی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ و۶۸ (اور یہ غالباً رفع بدنامی کے خیال سے) ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیر زادی کی بڑی ہو چکی تھی اس کے لئے انتقاماً یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دور کہیں محبوس کر دیا جائے۔ بدا لھم۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو۔ یعنی للعزیز واصحابہ فی الرای (معالم) ای للعزیز واصحابہ المتصدین للحل والعقد (روح) من بعد ما راوا الایت۔ یعنی بعد اس کے کہ ساری شہادتیں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بےقصوری کی مل چکی تھیں اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی زمانۂ میں قصہ اسی طرح کا مذکور ہے کہ راجہ رام چندر جی کو اگرچہ بذات خود اپنی بیوی سیتا کی عصمت و وفاداری پر پورا اعتماد تھا تاہم پبلک کی بدظنی رفع کرنے کے خیال سے انہیں گھر سے نکال دیا۔ لیسجننہ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا۔ سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ”اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے قید میں ڈالا“ (پیدائش ۳۹:۲۰) الایت۔ سے مراد یوسف کی پاکبازی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔ ای الشواھد الدالۃ علی براء تہ علیہ السلام وطھارتہ (روح) حتی حین۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص و متعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہوا سے قید رکھتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی سزایابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو۔ ہماری تفسیروں میں اس میعاد قید کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معین کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ محض ایک طویل مدت مراد لی جائے۔ والاولی ان لا یجزم بمقدار وانما یجزم بالمدۃ الطویلۃ (روح) والصحیح ان ھذہ المقادیر غیر معلومۃ وانما القدر المعلوم انہ بقی محبوساً مدۃ طویلۃ (کبیر) و۶۹ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا دوسرا شاہی نان پز۔ الزام دونوں پر یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔ تحقیقات اسی جرم کی ہو رہی تھی اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ توریت میں ہے:۔ ”بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصے ہوا اور اس نے ان کو نگہبانی کے لئے جلو داروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا قید خانہ میں ڈالا“ (پیدائش ۴۰:۱۔۳) معہ۔ یعنی اسی زمانہ میں۔ یہ لازم نہیں کہ یہ دونوں حضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں۔ و۷۰ (انگور سے) متقی کہیں بھی ہو کیسی فضا و ماحول میں بھی ہو آثار تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے۔ چند ہی روز میں ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی کے آثار پائے تھے اور ان کے سامنے اپنے اپنے خواب عرض کئے، پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولے ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا کیا تعبیر کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجئے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی اس تاک میں تین ڈالیاں تھیں ان میں کلیاں نکلیں اور ان میں پھول آئے اور اس کے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا“ (پیدائش ۴۰:۸۔۱۱) اعصر خمرا۔ سے شراب و شربت دونوں کے مفہوم نکل سکتے ہیں۔ یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا۔ و۷۱ یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا۔ توریت میں اسی کی زبان سے ہے:۔ ”میں بھی خواب میں تھا اور دیکھ کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا اور پرندے میرے سر پر اس ٹوکری میں سے کھاتے تھے۔“ (پیدائش ۴۰:۱۶،۱۷) و۷۲ حسن و جمال کی طرح فضل و کمال بھی چھپنے والی چیز نہیں۔ اور اس کا اثر کا فریک محسوس کر لیتے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۰،۲۱) قتادہ تابعی کے قول میں ہے کہ آپ مریضوں کا علاج کرتے تھے غمگینوں کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ قال قتادۃ کان یداوی مریضھم ویعزی حزینھم ویجتھد فی عبادۃ ربہ (جصاص) وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ویعود المریض (جصاص) معناہ انا نراک تؤثر الاحسان وتاتی بمکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدۃ (کبیر) اور توریت میں ہے:۔ ”قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بےفکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۲،۲۳) بتاویلہ۔ میں ضمیر دونوں خوابوں کے ماجرے کی طرف ہے۔ والضمیر للرؤیتین بتاویل ما ذکر او ماروی (روح)

و۷۳ آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتادوں گا بس ایک ذرا دم لو۔ اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ کا ہاتھ آگیا۔ بِتَاْوِیْلِہٖ۔ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔ ای بتاویل ما قصصتما علیّ (بیضاوی) و۷۴ (نہ کہ علم جوتش نجوم کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا) آپ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپ کا ملکۂ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کے قسم کا ہے اور پھر آپ اپنے ذاتی کمال کی نفی کر کے اپنے علم کو تمامتر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں۔۔۔ اور یوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کر دی۔ ذٰلِکُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔ ای ذٰلک التاویل (بیضاوی) ذٰلِکَ۔ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف و منزلت کے اظہار کے لئے ہے۔ ومعنی البعد فی ذٰلک الاشارۃ الی بعد منزلۃ وعلو درجتہ (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات و اوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ ان سے نفع اٹھائیں تو جائز ہے۔ و۷۵ مصری مذہب مسئلہ توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔ تَرَکْتُ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے ترک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔ الترک عبارۃ عن عدم التعرض للشیء ولیس من شرطہ ان یکون قد کان خائضا فیہ (کبیر)

وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ
رکھا ہے و۷۷ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شی کو بھی شریک
مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا
قرار دیں یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہمارے اوپر
وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾
اور (کل) لوگوں کے اوپر لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے و۷۸
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ
اے یاران مجلس جدا جدا معبود اچھے
اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
یا اللہ اکیلا سب پر غالب و۷۹ تم لوگ تو اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی
دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ
عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں و۸۰
مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا
اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری ہے و۸۱ حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا
لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ
حق ہے و۸۲ اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین
الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾
مستقیم ہے و۸۳ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے و۸۴
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ
اے یاران مجلس تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب

والمراد بالترک الامتناع (روح) یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ اب تک مصری آپ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے اور آپ نے کھل کر کبھی اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا آج پہلی بار آپ علانیہ توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے دین سابق سے نکل رہے ہیں۔ ھُمْ۔ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے وقوع آخرت کے اہل مصر خصوصیت سے منکر تھے۔ کرر ھذا اللفظ للتاکید (کبیر) توریت حسب معمول ان مطالب عالیہ سے بالکل خالی ہے و۷۶ اپنا عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے مقصد اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق و توجہ کو ترقی دینا تھا۔ یوسف علیہ السلام خود تو اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام شخص تھے بخلاف اس کے ان کے آباؤ اجداد کا نام اس وقت بھی بہ حیثیت موحد و داعی دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا اور ان کی شہرت حدود کنعان سے باہر اچھی خاصی پھیل چکی تھی۔ و۷۷ (خواہ کسی حیثیت سے ہو) اس میں شرک کی ہمہ جہتی نفی آگئی اور شرک کی ہر قسم سے انکار آگیا۔ بت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، نیچر پرستی وغیرہ سب سے۔ مِنْ شَیْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔ لَنَا۔ سے مراد گروہ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیم علیہ السلام بھی۔ لیکن ایک مراد نوع انسانی بھی ہو سکتی ہے یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔ و۷۸ یعنی نہ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں نہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی عقیدۂ توحید و دین حق۔ ای التوحید (بیضاوی) ھو ترک الاشراک (کبیر) علینا وعلی الناس یعنی ہمارے اوپر براہ راست اور ساری خلقت پر ہمارے واسطے سے۔ و۷۹ مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنہوں نے ہر ہر شعبہ زندگی میں اپنے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے۔۔۔۔ حضرت علیہ السلام ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد و تفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی ایک خدائے واحد و زبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیویوں اور دیوتاؤں کی؟ اَلْقَھَّارُ۔ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔ ای الغالب الذی لا یغالبہ احد (روح) و۸۰ یعنی تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ ان کا وجود خارجی بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی۔ نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو ان کی خدائی کا لاؤ۔ وَاٰبَآؤُکُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ دین شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔ و۸۱ (نہ عقل نہ نقلی) یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں۔ تم دلیل توحید پر مانگتے ہو حالانکہ کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔ بِھَا۔ میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے۔ ای بعبادتھا (جلالین) و۸۲ حکم تکوینی صرف اسی کا چل رہا ہے کائنات کا کون سا شعبہ ہوا، پانی، آگ، بادل، موت، زندگی، بیماری، صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم و اختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ ہی ثبوت پیش کرو۔ اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے ان مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل و بصیرت دے کر بندوں ہی کے اوپر چھوڑ دیئے ہیں۔ حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔ آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم و جدید کو کوئی موقع اپنے دعویٰ کے اثبات کا نہ رہا۔ و۸۳ (جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے) قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوے کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دین فطرت اور انسان کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ''روشن خیال'' مدتوں اس منزل میں بھی بھٹکتے رہے اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ و۸۴ یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود رسم پرستی یا عناد کی بنا پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔

وف ۸۵ (جیسا کہ پہلے پلاتا رہتا تھا) یہ خطاب ساقی سے ہے ...خواب کی تعبیر اب جاکر شروع ہوتی ہے۔ اتنی مفصل اور حکیمانہ دعوت توحید کے بعد، توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا۔" (پیدائش ۴۰: ۱۳) رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہ مصر ہے، اور قرآن مجید میں رب آقائی مجازی کے معنی میں کثرت سے آیا ہے۔ وف ۸۶ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔ توریت میں ہے:۔ "یوسف نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کرے گا اور ایک درخت پر تجھے ٹانگے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔" (پیدائش ۴۰: ۱۸۔ ۱۹) وف ۸۷ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر وحی الٰہی کے ماتحت تھی۔ وف ۸۸ (کہ ایک شخص بیا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے) حضرت علیہ السلام کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آ چکی تھی اور وہ کہہ چکے تھے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ حضرت علیہ السلام نے اس سے کوئی اور نئی بات کہنی چاہی صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آ چکی ہے بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا۔ یعنی اس ساقی سے۔ توریت میں ہے:۔ "لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھ پر مہربانی کیجیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو اور مجھے اس گھر سے نکلوا دیجیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قید خانہ میں رکھیں۔" (پیدائش ۴۰: ۱۴۔ ۱۵) عِنْدَ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے ..... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیمبر علیہ السلام حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں پر جوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۹ صفحہ ۵۱۸ ذلک معروف فی اللغة ان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح والمعبود (ابوالبقاء) محققین نے لکھا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے اس لئے اس باب میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جا رہی ہے وہ تو سرے سے مومن ہی نہ تھا کافر ہی تھا۔ اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق تھا! .. یہاں سے ان تقویٰ میں غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ وف ۸۹ اس "چند سال" کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی۔ عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی مدت قیام جیل میں ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ بِضْعَ سِنِيْنَ۔ سے مراد آپ کی کل مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔ یہ آپ کے جیل خانہ میں پڑے رہنے کا ذکر بطور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا اس لئے کوئی سامان آپ کے نکلنے کا نہ ہو سکا... اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسباب عادیہ کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیر خواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقویٰ کے منافی نہیں تو عام دینداروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے روبکاری کی اور اس نے سردار ساقی کو اس کی خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا ... پر سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔" (پیدائش ۴۰: ۲۰۔ ۲۳) وف ۹۰ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکان دولت سے بیان کیا..... یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) توریت میں اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے (پیدائش ۴۱: ۱۔ ۷) وف ۹۱ اب آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پروا بھی نہ کرے لیکن اس وقت مصر میں سحر، نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ توریت میں ہے:۔ "اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا پر ان میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا۔" (پیدائش ۴۱: ۸) وف ۹۲ درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

پلایا کرے گا ۸۵ اور رہا وہ دوسرا سو اسے سولی دی جائے گی پھر اس کے سر کو

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ

پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے ۸۶ وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت تم دونوں

تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

پوچھ رہے ہو ۸۷ اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اس سے (یوسف نے) کہا کہ

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا ۸۸ لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾ وَ قَالَ الْمَلِكُ

تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے ۸۹ اور بادشاہ نے کہا

اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

کہ میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں انہیں کھائے جاتی ہیں سات

عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ

دبلی (گائیں) اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) خشک ۹۰

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ

اے سردارو! میرے (اس) خواب کا حکم مجھے بتاؤ اگر تم

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا

خواب کی تعبیر دے سکتے ہو ۹۱ وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خوابیں ہیں اور ہم

نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ

پریشان خوابوں کی تعبیر کے ماہر نہیں ۹۲ اور وہ (قیدیوں) میں جس کو

الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ

رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا (اور بولا) کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر

بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجئے ف۹۳ اے یوسف اے صدق مجسم

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

ہم لوگوں کو حکم تو بتایئے (اس خواب کا) کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں سات (گائیں)

عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ

دبلی کھائے جاتی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک

لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ف۹۴

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

(یوسف نے) کہا تم سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ف۹۵

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ

پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے کہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ

جو تم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ

ف۹۶ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے (خوب) بارش ہو گی

یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں ان کی تعبیر کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ف۹۳ (جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام صدیق تک) الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا۔ ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا۔ وَ ادَّكَرَ۔ یعنی اسے حضرت یوسف کا ماجرا بادشاہ سے کہنا یاد آ گیا۔ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ امۃ مدت طویل کے معنی میں ہے۔ ای بعد مدۃ طویلۃ (کشاف۔ بحر) توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۹۔ ۱۳) ف۹۴ ساقی آپ کی بزرگی کا پوری طرح معتقد ہے جیسا کہ اس کے خطاب اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ۔ سے بالکل ظاہر ہے۔ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ۔ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں جنہوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ انہیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے اور پھر ضمناً آپ کی بزرگی اور پاکبازی بھی ان پر روشن ہو جائے۔ ف۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمامتر ایک زرعی ملک تھا۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۹۶ حضرت یوسف علیہ السلام آخر نبی ہی تھے یا اس وقت ہونے والے نبی تھے آپ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ و شکایت کے بجائے پوری خوش دلی کے ساتھ اسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتائے جاتے ہیں: توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۲۵۔ ۲۶)

وَفِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِىۡ بِهٖ‌

اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑیں گے ۹۷ اور بادشاہ نے کہا میرے پاس تو لاؤ ۹۸

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰى رَبِّكَ فَسۡئَلۡهُ

پھر جب قاصد ان کے پاس پہنچا تو (یوسفؑ نے) کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کرکہ

مَا بَالُ النِّسۡوَةِ الّٰتِىۡ قَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ‌ؕ اِنَّ

ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کرلئے تھے ۹۹ بے شک

رَبِّىۡ بِكَيۡدِهِنَّ عَلِيۡمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطۡبُكُنَّ

میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے خوب واقف ہے ۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ ہے

اِذۡ رَاوَدْتُّنَّ يُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ؕ قُلۡنَ حَاشَ

جب تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب نکالنے کی خواہش کی تھی؟ ۱۰۱ وہ بولیں حاشا للہ

لِلّٰهِ مَا عَلِمۡنَا عَلَيۡهِ مِنۡ سُوۡٓءٍ‌ ؕ قَالَتِ امۡرَاَتُ

ہم کو تو ان میں کوئی بھی بات برائی کی نہ معلوم ہوئی ۱۰۲ عزیز کی بیوی

الۡعَزِيۡزِ الۡـئٰنَ حَصۡحَصَ الۡحَـقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

بولی کہ اب تو سچی بات سب پر ظاہر ہو ہی چکی ہے، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی

عَنۡ نَّـفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۵۱﴾ ذٰ لِكَ

کوشش تو میں نے کی تھی اور وہی بیشک سچے ہیں ۱۰۳ یہ (سب) اس لئے تھا

لِيَـعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ

کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہوجائے کہ میں نے ان کے پیچھے بھی ان کی خیانت نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ

لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَـآئِنِيۡنَ ﴿۵۲﴾

خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا ۱۰۴

و۹۷ تعبیر و تدبیر کے بعد اب آپ بشارت بھی غالباً وحی الٰہی کے ماتحت سنا رہے ہیں۔ یہ قحط جو اس قوت پڑا دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہوا ہے اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے آگے چل کر یہ حدود مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز فلسطین شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی، بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا اور ساری دنیا اس مصیبت سے مبتلا تھی:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی۔" (پیدائش ۴۱: ۵۴) "اور تمام روئے زمین پر کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۶) "سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۷) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ۔ حضرت کا مخاطب براہ راست یاد کرلیجئے کہ شاہی ساقی ہے جس کا تعلق ہی شیرہ اور شراب سے ہے اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے يُغَاثُ۔ مصدر غیث کا صیغہ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ سے یہی منقول ہے اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ مصدر غوث کا صیغہ ہے جس کے معنی کشائش ہوجانے، فریادرسی ہونے کے ہیں۔ او یغاثون من الغوث (بیضاوی) قیل هو الغوث اے الفرج (روح) یحتمل ان یکون من الغوث وهو الفرج (بحر) من الغوث اے یجاب مستغیثهم (مدارک) يغاث۔ یعصرون۔ اوپر سے حضرت یوسف علیہ السلام کا تخاطب اہل مصر سے چلا آرہا ہے اور ہر جگہ صیغہ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے یعنی "لوگوں کے لئے" بارش یا فریادرسی ہوگی اور "لوگ" شیرہ نچوڑیں گے گویا صاف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہوگی۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان کہ ضمناً بھی کہاں کہاں باتیں بتا جاتا ہے اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ عَامٌ۔ کے معنی بھی سنۃ کی طرح سال ہی کے ہیں لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنۃ لایا جاتا ہے اور شادابی وخوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔ العام کالسنة لكن كثيراً ماتستعمل السنة في الحول الذي يكون فيه الشدة والجدب والعام في ما فيه الرخاء والخصب (راغب) و۹۸ ساقی آکر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے بادشاہ اتنی مفصل اور دلنشین تعبیر سن کر یوسف علیہ السلام کا غائبانہ معتقد ہو جاتا ہے اور قدرۃً مشتاق زیارت بھی۔ و۹۹ (کبھی انہیں بلا کر میرے حال کی بھی تحقیق کی؟) رَبِّیْ ربک۔ رب کا لفظ اس سورۃ میں بار بار آقائے مجازی وظاہری کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہوا ان کو میرے پاس و۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہو جائے۔ كَيۡدِهِنَّ۔ میں ضمیر بعض نے کہا کہ انہی مخصوص عورتوں کی جانب ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسوان کی جانب ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔ و۱۰۱ (یعنی آیا تم نے ان میں اپنی جانب رغبت والتفات پایا تھا؟) هل وجدتن فيه ميلا (کشاف) اب وہ "لیڈیاں" دربار میں بلائی گئی ہیں اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔ و۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک وصاف ہیں) حَاشَ لِلّٰهِ۔ کلمہ تعجب یوسف علیہ السلام کے کمال عصمت و پاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔ قلن حاشا لله تعجباً من عفته و ذهابه بنفسه عن شئ من الريبة ومن نزاهته عنها (کشاف) مِنۡ سُوۡٓءٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی برائی، کوئی شائبہ بھی برائی کا ان میں نہ پایا۔ و۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف ہی گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کرلیا کہ قصور سرتاسر میرا ہے دامن یوسفی ہر لوث ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی و پاکباز رہے۔ و۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہتی ۔۔۔ یہ سارا قول یوسف علیہ السلام کا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ اہتمام برأت ورفع تہمت۔ ای ذلک التثبت والتشهير لظهور البراءة (کشاف) ای ذلک التثبت (بیضاوی) لِيَعۡلَمَ۔ ضمیر عزیز کی طرف ہے۔ ليعلم العزيز (معالم) ليعلم العزيز (کشاف۔ بیضاوی) عزیز کو یوسف کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زائد ہو جائے۔ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ۔ عزیز کی خیانت اس کے غیب میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے ـــــ حضرت یوسف علیہ السلام ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبری کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔ اور یہیں سے ان مفسرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے جنہوں نے انہ ربی احسن مثوای میں رب سے مراد عزیز ہی سے لی ہے۔ سطور ماسبق میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ مصری تہذیب وتمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت:۔

ف۱۰۵ (جیسا کہ وہ ہر ایک کے نفس کو اس آلائش سے پاک کر دیتا ہی ہے) نبی برحق حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اب سب پر روشن ہو چکی ہے۔ اور آپ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ذلک لیعلم انی لم اخنه کے معاً بعد آپ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفس بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے۔ اور خود میرا نفس بھی بذات خود اس سے مستثنیٰ نہیں، جیسا ملکہ بدی سب انسانوں کے نفس میں ہے، میرے نفس میں بھی ہے، لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اسے نفس بشری کے ساتھ ایک نفس پیمبری بھی دے دیتا ہے، ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہر وقت برقرار رہتا ہے اور یہی ہمہ وقتی تعلق اسے ہر معصیت سے، ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے۔ پس میں اگر معصوم رہا یا معصوم رہوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال ذرا سا بھی نہیں۔ یہ تو تمام تر میرے مالک و مولیٰ کے فضل خاص کا نتیجہ ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ ۔ اَلنَّفْسَ ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہرحال بدی کی ترغیب دیتا اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبرئہ کیونکر ممکن ہے۔ یعنی ان النفس کثیرة النزاع الی السوء فلا یبری نفسه وان کان لا یطاوعها (جصاص) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۔ حضرات انبیاء کے مرتبہ تواضع کا کیا کہنا۔ اپنی خوبی کے حصہ کو منسوب اپنی جانب کرنے کے بجائے اسے نتیجہ تمام تر فضل خداوندی کا قرار دیا جا رہا ہے۔ ف۱۰۶ چنانچہ شان غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو بھی توبہ وانابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کر دیتا ہے اور شان رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبت خاص سے انبیاء کو نفس مطمئنہ عطا کر دیتا ہے۔ ف۱۰۷ کہ یہ تو اپنی سیرت خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری و شاہی مناصب کے لائق ہیں۔ یہ اب تک جیل کی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے) توریت میں ہے:۔ "یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے، پا سکتے ہیں؟" (پیدائش ۴۱: ۳۸) ف۱۰۸ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپ کے مزید کمالات وفضائل منکشف ہوئے) ف۱۰۹ (ان اونچے اور بھروسے کے عہدہ ومنصب کے لائق) توریت میں ہے:۔ "اور فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا از بس کہ خدا نے اس سب میں تجھے بینائی دی ہے۔ سو کوئی تجھ سا عاقل ودانشور نہیں ہے۔ تو میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر۔ فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔" (پیدائش ۴۱: ۳۹۔۴۰) ف۱۱۰ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے ضرورت دو چیزوں کی ہوتی ہے۔ ایک دیانت وامانت، دوسرے اس کام سے واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ حضرت یوسف کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال (ریوینیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریوینیو منسٹر (وزیر محصل ومالگذاری) اور فنانس منسٹر (وزیر مال وخزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ ومنصب کے لئے پیش کر دینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ ومنصب قبول کر لینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کے لئے اپنے فضل وکمال کو بیان کر دینا بالکل جائز ہے اور فلا تزکوا انفسکم کے تحت میں نہیں آتا۔ فوصف نفسه بالعلم والحفظ وفی هذا دلالة علی انه جائز للانسان ان یصف نفسه بالفضل عند من لا یعرفه وانه لیس من المحظور من تزکیة النفس (جصاص) دلت الاٰیة علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بما فیه من علم وفضل (قرطبی) دلت الاٰیة علی جواز ان یخطب الانسان عملاً یکون له اهلاً (قرطبی) توریت میں ہے۔ "پھر فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو۔ اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسف کو کہا، میں فرعون ہوں اور تیرے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا۔" (پیدائش ۴۱: ۴۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، منافی کمال نہیں۔ ف۱۱۱ (اور ملک اپنی کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا) كَذٰلِكَ مَكَّنَّا ۔ یعنی اس عجیب وغریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے...... کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چار دیواری کے اندر وہ بے بسی اور بے کسی تھی اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہو گیا، اس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں! توریت میں ہے:۔ "اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا...... اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا...... اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا۔" (پیدائش ۴۱: ۴۴) مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۔ خوب خیال کر لیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح واحسان پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ ف۱۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر موعود تو موعود ہی ہے، باقی رحمت وفضل کا ذکر کوئی ضابطہ متعین نہیں۔ جس پر وہ چاہے بلا حق واستحقاق کر دے۔ ف۱۱۳ یعنی اہل ایمان وتقویٰ کے لیے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت ونعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نیکوکاری کا اصلی صلہ نہیں۔ ف۱۱۴ یہ ذکر اس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہو چکے ہیں اور یہ ذکر یوسف علیہ السلام کے ان دس سوتیلے بھائیوں کا ہو رہا ہے،

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ

اور میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بری ہی بات کا بتلانے والا ہے

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

بجز اس (نفس) کے جس پر میرا پروردگار رحم کر دے ف۱۰۵ بیشک میرا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۰۶

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ

اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا ف۱۰۷

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾

پھر جب ان سے گفتگو کی ف۱۰۸ تو ان سے کہا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز ومعتبر ہو ف۱۰۹

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ

(یوسف نے) کہا مجھے ملک کے پیداواروں پر مامور کر دیجئے میں دیانت (بھی) رکھتا ہوں، علم (بھی) رکھتا ہوں!

عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ

ف۱۱۰ اور ہم نے اسی طرح یوسف کو ملک میں با اختیار بنا دیا

یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ

کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ف۱۱۱ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت

نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ

نازل کریں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ف۱۱۲ اور آخرت کا

الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

اجر کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں ف۱۱۳

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ

اور یوسف کے بھائی بھی آئے، پھر ان کے پاس پہنچے ف۱۱۴ سو (یوسف نے) ان کو پہچان لیا

وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

درآنحالیکہ وہ لوگ ان سے نا آشنا رہے ف۱۱۵ اور جب (یوسفؑ) ان کا سامان تیار کر چکے

قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ

(تو) ان سے کہا کہ (اب کی) اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں

اُوْفِی الْكَیْلَ وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ

پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں اور میں مہمان نوازی خوب کرتا ہوں ف۱۱۶ لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ

بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

لائے تو نہ تمہارے پیمانہ (کا غلہ) میرے پاس ہوگا اور نہ تم خود میرے پاس آنا ف۱۱۷ وہ بولے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ قَالَ لِفِتْیٰنِهِ

ہم اس کے باپ سے ضرور اس کو طلب کریں گے، اور (ایسا) ہم ضرور کریں گے ف۱۱۸ اور (یوسفؑ) نے اپنے

اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ

خادموں سے کہا کہ ان کی نقدی انہی کے سامان میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس واپس پہنچیں

اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

تو اسے پہچانیں اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ف۱۱۹

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو بولے اے ہمارے باپ! ہمارے لیے

الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ

غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تو ہم غلہ لا سکیں، اور ہم ان کے

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ

پورے محافظ ہیں ف۱۲۰ انہوں نے کہا کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا (اس سے) قبل

جو آپ کے سر مصیبت لائے تھے۔ یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری اور جگہوں میں قحط ہی قحط تھا۔ اور یہاں یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا۔ ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا۔ ... "راشننگ" اور "کنٹرول" کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے روئداد زندگی کا جزء ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی۔ پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کے لیے فرعون کے لیے آگے چلائی ... اور تمام روئے زمین پر کال تھا ...... اور سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا"۔ (پیدائش ۴۱: ۵۴۔ ۵۷) "سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے"۔ (پیدائش ۴۲: ۳) آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی معاملات میں حسن انتظام و تدبر اعلیٰ، کمالات نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اسے کسی اور مقبول و برگزیدہ بندہ کے کمالات روحانی کے منافی سمجھا جائے۔ وَ جَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ۔ یعنی برادران یوسف مصر میں غلہ لینے کے لیے آئے۔ ف۱۱۵ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا۔ وہ غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، ان کا تو ذہن بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا کہ جس "ذلیل غلام" کو وہ قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ آئے ہیں وہ کہیں اتنی بڑی سلطنت کا وزیر اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے! اور کہاں لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ اور کہاں اب پختہ سن و سال کا چہرہ مہرہ! توریت میں ہے:۔ "سو یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اُس کے حضور خم ہوئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا ..... یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچانا، پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا"۔ (پیدائش ۴۲: ۷۔ ۹) ف۱۱۶ یعنی اب تو تمہیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصہ دیتا رہتا ہوں۔ کسی کا حصہ کاٹتا نہیں۔ گیارہ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہ حصے ملیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "اور تم کال کے لیے اپنے گھر میں غلہ لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ پاس لے آئیو۔ تمہاری باتیں یوں ثابت ہوں گی اور تم نہ مرو گے"۔ (پیدائش ۴۲: ۱۹۔ ۲۰) ائْتُوْنِیْ ..... اَبِیْكُمْ۔ ان دس بھائیوں کو جب اُن کے حصہ کا پورا غلہ مل گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ اس کا حصہ بھی عطا ہو۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اُس کو لا کر حاضر ہو۔ جب تمہارا دعویٰ ثابت ہو۔ اور جب ہی اُس کا حصہ بھی ملے۔ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ۔ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں۔ اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں راشننگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ ہو بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تواضع کے منافی نہیں۔ ف۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا۔ اور یہی نتیجہ نکالنا ہوگا کہ تم نے مجھے دھوکا دے کر ایک زائد حصہ وصول کرنا چاہا تھا، غلہ ایک ایک کو ایک مقدار معین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعویٰ کا ثبوت لا حاضر کرو، ورنہ تمہارا دعویٰ سرے سے باطل سمجھا جائے گا ... نفع اندوزی (پرافیٹرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابی اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے۔ عجب کیا ہے جو اُس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، ہمیشہ حکام کے لیے جائز ہے کہ ہر فرد کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دی جائے۔ وفی ما قص اللّٰہ تعالٰی علینا من قصة یوسف و حفظه للاطعمة فی سنی الجدب و قسمتهٗ علی الناس بقدر الحاجة دلالة علی ان الائمة فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذٰلک اذا خافوا هلاک الناس من القحط (جصاص) ف۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سن کے اُس بھائی کے لانے کی کوشش اپنی والی تو ضرور ہی کر ڈالیں گے۔ ف۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچ کر یہ قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان و کرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "تب یوسف علیہ السلام نے حکم کیا کہ اُن کے بورے غلہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اُس کے بورے میں رکھ کر پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیویں۔ اُن سے یوں سلوک کیا گیا"۔ (پیدائش ۔ ۴۲: ۲۵) ف۱۲۰ (آپ ان کو ہمارے ہمراہ کرنے میں ان کے متعلق کسی پس و پیش کو دخل نہ دیں، ہم ان کی بہ حفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں) فرزندان یعقوب علیہ السلام نے آ کر اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے گیارہویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آئندہ کے لیے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اُسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارہواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا۔ تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ بنیامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجیے۔ توریت میں ہے:۔ "آخر وہ زمین کنعان میں اپنے باپ یعقوب کے پاس پہنچے، اور اپنا سب حال جو اُن پر گزرا تھا اُس سے کہا اور بولے کہ وہ شخص جو اُس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھہرایا۔ ہم نے اُسے کہا ہم سچے آدمی ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ ہم میں سے ایک نہیں ملتا۔ اور سب سے جو چھوٹا ہے آج اپنے باپ کے پاس زمین کنعان میں ہے۔ تب اُس شخص نے جو ملک کا مالک ہے،

اٰمِنۡتُكُمۡ عَلٰۤى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ

اس کے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کرچکا ہوں سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر

حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوۡا

نگہبان ہے اور وہ ہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۲۱ اور پھر جب انہوں نے

مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ

اپنا سامان کھولا تو انہیں اپنی نقدی بھی مل گئی کہ انہی کی طرف واپس کر دی گئی تھی

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِىۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَا ۚ

وہ بولے اے ہمارے باپ اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہماری نقدی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ۱۲۲

وَنَمِيۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيۡرٍ ؕ

اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور لائیں گے

ذٰلِكَ كَيۡلٌ يَّسِيۡرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى

یہ غلہ تو تھوڑا سا ہے ۱۲۳ (یعقوب نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک

تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ

تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دو گے کہ تم اسے (واپس) لے ہی آؤ گے ہاں بجز اس کے کہ تم (خود) ہی (کہیں)

يُّحَاطَ بِكُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

گھر جاؤ ۱۲۴ پھر جب وہ انہیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوب) بولے ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے

مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ

ہیں اللہ کے حوالے ۱۲۵ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازہ

بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ

سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ۱۲۶ اور میں

ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچوں گا کہ سچے ہو کہ نہیں۔ اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑو اور اپنے گھرانے کے لیے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ۔ تب میں جانوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو۔ پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کردوں گا۔ اور تم ملک میں سوداگری کیجیو۔'' (پیدائش ۴۲: ۲۹۔ ۳۴) ف ۱۲۱ (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے بہتر کیا ہے) حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منہ سے پیش کر رہے ہو؟ تم وہی تو ہو جو یوسف کو بھی ایسی ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ لے گئے لیکن تم کہتے ہو کہ غلہ بغیر بنیامین کے ساتھ لیے ہوئے ملے گا نہیں تو خیر اگر لے ہی جانا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا۔ حفاظت و ذمہ داری بھی اسی کی سب سے بڑھی ہوئی اور شفقت و عنایت بھی اسی کی سب سے بڑھی ہوئی۔ ف ۱۲۲ (لیجیے ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے، اپنے اندازہ اور توقع سے بڑھ بڑھ کر اور اب تو بنیامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہوگیا ہے) ای **اعطانا الطعام ثم رد علینا ثمن الطعام علی احسن الوجوہ فای شی ء نبغی وراء ذلک** (کبیر) وَ نَزۡدَادُ …… بَعِیۡرٍ۔ توریت میں ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے بورے خالی کیے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اس کے بورے میں تھی۔'' (پیدائش ۴۲: ۳۵) ف ۱۲۳ یعنی یہ غلہ جواب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلے گا۔ تھوڑے ہی دن میں تو پھر ضرورت پڑ جائے گی۔ ای **ذلک مکیل قلیل لا یکفینا** (کشاف) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلہ ہے''۔ یعنی محض بنیامین کے ساتھ ہونے سے ایک اونٹ غلہ اور مل جاتا ہے۔ یہ سودا تو بڑے مزہ کا ہے۔ وَ نَزۡدَادُ کَیۡلَ بَعِیۡرٍ۔ (تو آپ اسے ساتھ لے جانے کی ہمیں اجازت دے ہی دیجیے) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اونٹ بھر غلہ ملتا تھا۔ ف ۱۲۴ (تو البتہ مجبوری کی بات ہے) زمانہ قدیم کے سفر ہر طرح کی بدامنی اور خطرات کے شکار رہتے تھے اور پھر یہ سفر تو کنعان سے مصر تک کا اس وقت کے معیار سے بہت دور دراز کا تھا۔ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰہِ۔ قول و قرار کا قسم سے مؤکد کرنا ظاہر ہے کہ مزید احتیاط اور مضبوطی کے لیے تھا۔ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِکُمۡ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء دلیل ہے شفقت پدری کی۔ توریت میں اس مقام پر یوں ہے:۔ ''اور ان کے باپ یعقوب علیہ السلام نے انہیں کہا تم نے مجھے بے اولاد کیا۔ یوسف نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں۔ بنیامین کو بھی لے جاؤ گے۔ یہ سب باتیں میرے مخالف ہیں۔ تب روبن نے اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر میں اس کو تجھ پاس نہ لاؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کیجیو۔ اسے میرے ہاتھ میں سونپ دے کہ میں اسے پھر تجھ پاس پہنچا دوں گا''۔ (پیدائش ۴۲: ۳۶، ۳۷) ف ۱۲۵ (کہ وہی تمہارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اسے پورا کرانے پر بھی قادر ہے) گویا اس ایک فقرہ میں تشریع، تاکید اور تکوینی توکل دونوں کے پہلو آ گئے۔ توریت میں ہے:۔ ''تب یہوداہ نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیج کہ ہم اٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جئیں اور مر نہ جاویں۔ اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔'' (پیدائش ۴۳: ۸، ۹) ف ۱۲۶ (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہر پناہ سے داخل ہونا) یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبہ جاسوسی اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔ **قیل نهاهم خشیة ان یستراب بهم لقول یوسف انتم جواسیس** (بحر) مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانہ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گرداگرد شہر کے اندر داخلہ کے متعدد پھاٹک ہوتے تھے۔ نظر بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا۔ اس لیے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوب علیہ السلام کی غرض مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں اور عزیز کی نظر عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی ہے۔ اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازے سے داخل ہو گے تو تم ٹھیرے پردیسی۔ تمہاری وجاہت تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور ان کے جذبات حسد کو حرکت میں لائے گی اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ رہنے کے الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو۔ تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے، اور تم ہدف حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ

اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا اختیار تو بس

اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ

اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے بھروسہ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ

رکھنے والوں کو ف۱۲۷ اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم

اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

دیا تھا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی ان کے کام نہ

شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ

آ سکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوب کے دل میں جو انہوں نے پورا کر لیا ف۱۲۸

وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اور بیشک وہ (بڑے) صاحب علم تھے اس لیے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا ف۱۲۹ لیکن اکثر لوگ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى

(اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ف۱۳۰ اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے (حقیقی) بھائی کو

اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا

اپنے پاس جگہ دی ف۱۳۱ (اور) کہا کہ میں تو تمہارا بھائی (یوسف) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ

كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ

کرتے رہے ہیں اس پر (اب) رنج نہ کرو ف۱۳۲ پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی کا گلاس

السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا

اپنے (حقیقی) بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ف۱۳۳ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا اے

ع

ف۱۲۷ (سو تم بھی اصل بھروسا اسی پر رکھنا۔ اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا) وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیریں کیا! میں کوئی تقدیر الٰہی تھوڑے ہی تم پر سے ٹال سکتا ہوں کیا شانِ عبدیت ہر پیمبر میں ہوتی ہے! آیت سے معلوم ہوا کہ نفسِ تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اس تدبیر پر پورا اعتبار کر بیٹھنا اور اسی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافیِ توکل ہے۔ مِنْ شَیْءٍ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے۔ یعنی میری تدبیریں کسی خفیف و ادنیٰ درجہ میں بھی مشیت الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سارے اختیارات تکوینی و تقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کو مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔ عَلَیْهِ ..... الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ کلام یعقوبی کا اصل مقصد اسی مسئلہ توکل پر زور دینا معلوم ہوتا ہے۔ ف۱۲۸ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے خدانخواستہ انہیں تقدیر الٰہی سے معارضہ تھوڑے ہی مقصود تھا) آیت میں بڑا سبق تسکین و تسلی کا، مراقبتیوں کے لیے ہے۔ اور جو تدبیر و تدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے امور ہیں جو دل میں آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے لیے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آ گئی۔ ف۱۲۹ (اور وہ علم مرضیاتِ الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں) حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو صرف درجہ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نامشروع و محمود نہیں بلکہ عین مشروع و محمود ہیں۔ ف۱۳۰ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں) مومن صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعہ تعمیل ارشاد کا بنا لیتا اور مستحق اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۱ (شفقت و عزت کے ساتھ) خاطر داریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں۔ لیکن دوسرے بھائیوں کے ضمن میں۔ ہمارے مفسرین نے مخصوص بنیامین کی خاطر داریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اسی کو قبول کرتی ہے۔ ف۱۳۲ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا) ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور یہ تجویز یقیناً زیر بحث آئی ہوگی کہ آئندہ کے لیے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بنیامین کی یوسف علیہ السلام ہی کے پاس رہنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ اور بالآخر ایک صورت طے پا گئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ۔ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپ نے کہیں تخلیہ میں ان سے کی ہوگی۔ ف۱۳۳ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے تو آپ ہی اس جام شاہی کی تلاش شروع ہو گی، اور شبہ خواہ مخواہ انہی قافلہ والوں پر ہوگا) یہ منصوبہ بنیامین کے مشورہ ہی سے تیار ہوا تھا، اس لیے وہ قدرۃً بے فکر اور مطمئن تھے اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا امکان نہ تھا۔ السقایة غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی تھا۔ اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا۔ ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور اس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلہ سے جتنا کہ وہ لے جا سکیں بھر اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا پیالہ روپے کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر دار اس کے غلہ کی قیمت سمیت رکھ دے چنانچہ اس نے یوسف علیہ السلام کے فرمانے کے موافق عمل کیا"۔ (پیدائش ۴۴: ۱، ۲)

وف ۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نے یہ بطور خود کیا یا حضرت یوسف ؑ کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ از خود کیا ہوگا۔ وزیر تک اس صاف اور سیدھی کارروائی کو لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسف ؑ کو حضرت یعقوب ؑ سے غائب کردیا تھا۔ لیکن سامعین معنی قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔ لیکن اگر یوسف ؑ کا اذن وحکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ وتاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے از خود ہی یہ قیاس کرکے یہ صدا لگائی) اکابر اہل تفسیر ادھر ہی گئے ہیں۔ لیس فی القران انھم نادوا بذلک النداء عن امر یوسف علیہ السلام والا قرب الی ظاھر الحال انھم فعلوا ذلک من انفسھم (کبیر) قال قائل من الموکلین بالصیحان وقد فقدوہ ولم یدروا من اخذہ ایتھا العیر انکم لسارقون علی ظن منھم انھم کذلک ولم یامرھم یوسف بذلک (جصاص) قیل قالوہ من غیر امر یوسف (معالم) وھو من قبل المؤذن بناءً علی زعمہ (روح) حضرت یوسف ؑ کو ملزم قرار دینے کی اصل ذمہ داری توریت پر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے:۔" جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی وہ سب اپنے گدھے لے کے چل نکلے جب وہ شہر سے تھوڑی دور باہر گئے یوسف

الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

قافلہ والو ضرور تم ہی چور ہو وف ۱۳۴ وہ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے

مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ

کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے وف ۱۳۵ وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے

وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اور جو کوئی اسے لے آئے گا اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں وف ۱۳۶

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ

وہ بولے بخدا! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں

وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ

اور نہ ہم چور ہیں وف ۱۳۷ وہ بولے اس (چور) کی کیا سزا اگر

كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

تم جھوٹے نکلے؟ وف ۱۳۸ وہ بولے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے تھلیہ میں

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

وہ (پیمانہ) مل جائے تو وہی شخص اپنا سزا ہے ہم لوگ مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں وف ۱۳۹

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

پھر (یوسفؑ) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسروں کے تھیلوں سے (تلاش کی) ابتدا کی، پھر اس

مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ

(پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا اس طرح کی تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کردی وف ۱۴۰

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ

(یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے وف ۱۴۱ مگر یہ کہ

نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں پاوے تو انہیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی۔" (پیدائش ۴۴: ۴، ۵) ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یعنی جب قافلہ کچھ دور نکل گیا اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا تو قدرۃً انہیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بناء پر اگر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فلم یکن قول ھذا القائل کذبًا اذ کان مرجعہ الی غالب ظنہ (جصاص) وف ۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہ چوری کا کر رہے ہو) برادران یوسف ؑ نے یہ صدا سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور حیران ہوکر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہوجانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے! عَلَيْهِمْ۔ کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا بلکہ متعدد سلطانی اہلکار تھے۔ وف ۱۳۶ یہ انعام خزانہ سرکاری کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور قحط وخشک سالی کے زمانہ میں غلہ کا ملنا اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور انا کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ لازمی نہیں کہ حضرت یوسف ؑ ہی سے مراد لی جائے۔ سرکاری اہلکار متعلقہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔ الزعیم ھو المؤذن (ابن جریر عن مجاہد) یقول المؤذن (مدارک ومعالم) وھو قول المؤذن (روح) وف ۱۳۷ برادران یوسف ؑ نے اپنے اوپر یہ عجیب وغریب اور توہین آمیز الزام سن کر ان اہلکاران سرکاری سے کہا کہ ہم اپنے ملک وقوم کے اعیان واشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا۔ اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں اور ہمارے اطوار وخصائل آپ پر واضح ہوچکے ہیں آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرنے یا قانون شکنی کرنے آئے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ داران سرکاری سے ہے اور تائے قسم اور لقد کی دوہری تہری تاکید سے اپنے دعویٰ پر انتہائی زور دینا مقصود ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔ تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے۔ اور یہ تائے قسم عربی میں صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ اس کے کسی مرادف رحمٰن۔ رب وغیرہ پر نہیں آتی۔ وف ۱۳۸ (اور چور ثابت ہوگئے) ان افسروں نے کہا اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تم ہی اپنے ملک وقوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟ وف ۱۳۹ یعنی ہماری شریعت اسرائیلی میں چوری کی سزا یہی ہے۔ توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعت موسوی کی ہیں شریعت اسرائیلی سے کئی سال بعد کی۔ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ یعنی چوری کی سزا میں صاحب مال چور کو اپنا غلام بنا لے۔ والمعنی ان استعبادہ ھو جزاء ذلک الجرم (کبیر) وف ۱۴۰ (بنیامین کو پاس رکھ لینے کی) كِدْنَا۔ صیغۂ متکلم لاکر گویا یہ صاف کردیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کارروائیاں تھیں سب ہمارے ایماء سے ہوئیں، یوسف ؑ کسی منزل پر بھی قابل الزام نہیں۔ فَبَدَاَ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسف ؑ نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو۔ ان کے کسی نائب کا فعل بھی انہی کا سمجھا جائے گا۔ کید، مکر کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتے ہیں تو ان سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے نہ کہ اردو محاورہ کے مطابق دغا فریب وغیرہ۔ الکید من الخلق الحیلۃ ومن اللہ التدبیر بالحق (معالم) امام رازی ؒ نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو ان سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔ انا ذکرنا قانونًا معتبرًا فی ھذا الباب وھو ان امثال ھذہ الالفاظ تحمل علی نھایات الاغراض لا علی بدایات الاغراض (کبیر) كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ دلالۃ علی اجازۃ الحیلۃ فی التوصل الی المباح (جصاص) وف ۱۴۱ مصری قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں، جرمانہ وتازیانہ تھی۔ لِيَاْخُذَ۔ اخذ کے یہاں معنی، پکڑ لینے کے نہیں، گرفتار تو بنیامین ہو ہی گئے تھے، یہاں اس سے مراد یوسف ؑ کا انہیں اپنے پاس رکھ لینا ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ما کان الخ۔

مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھی۔ ای لم یکن لہ اخذہ فی حکم ملک مصر قال الضحاک وغیرہ (ابن کثیر) یعنی ان یوسف لم یکن یتمکن من حبس اخیہ فی حکم الملک (معالم) والمعنی انہ کان حکم الملک فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ما سرق فما کان یوسف قادرًا علی حبس اخیہ عند نفسہ بناء علی دین الملک وحکمہ (کبیر) اور ظاہر ہے کہ یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ اصولاً اسی ملک کے قانون کے ماتحت تھے جس میں اس وقت مقیم تھے۔ جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ۔ یوسف علیہ السلام کو نور نبوت سے معلوم ہو چکا تھا کہ آئندہ کو نظام حکومت انہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے آپ سردست مصری آئین سے کوئی تعرض نہ فرماتے تھے۔ ف۱۴۲ (پس کوئی بھی اپنے علم پر نازاں نہ ہو، جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بھی اوپر اس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے۔ جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے) اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ۔ چنانچہ خود انہی لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کی بھی چوری ثابت ہوا سے اپنا غلام بنا لو یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو یوسف علیہ السلام کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بنیامین کو اپنے پاس روک رکھیں۔ یہ تو محض اللہ نے اپنی مشیت تکوینی سے یہ بات عہدہ داروں کے دل میں ڈال دی جو انہوں نے خود اسرائیلیوں سے ان کے قانون کی بابت سوال کر لیا۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجات علم مراد ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں اتنا بڑھ کر رہا۔ ای بالعلم کما رفعنا درجۃ یوسف علی اخوتہ (معالم) ف۱۴۳ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں) برادران یوسف علیہ السلام کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہوا ایک الزام یوسف علیہ السلام پر اور دھر دیا کہ انہوں نے اپنے بچپن میں اپنے نانا کے ہاں ایک سونے کی مورتی اٹھا کر غائب کر دی تھی اس خیال سے کہ اب بت پرستی سے باز رہیں گے۔ کان جدہ ابو امہ کافرا یعبد الاوثان فامرتہ امہ بان یسرق تلک الاوثان ویکسرھا فلعلہ یترک عبادۃ الاوثان ففعل ذلک فھذا ھو السرقۃ (کبیر عن سعید بن جبیر) ف۱۴۴ یوسف علیہ السلام کو اپنے برادران نامہربان کا یہ قول سن کر غصہ تو قدرۃً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔ ھا کی ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آ رہا ہے۔ فاسر الجملۃ واما الکلمۃ التی ھی قولہ انتم شر مکانا (کبیر عن الزجاج) یعنی الکلمۃ التی بعدھا (ابن کثیر) یعنی بہا الکلمۃ (معالم) دوسرے مرجع بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اجابۃ کہ یوسف علیہ السلام نے اس وقت جواب نہ دیا۔ یا مقالۃ کہ یوسف علیہ السلام نے سرقہ کی اصل حقیقت ان پر نہ کھول دی۔ ای فاسر یوسف اجابتھم فی نفسہ فی ذلک الوقت (کبیر) ویجوز ایضا ان یکون اضمارًا للمقالۃ والمعنی اسر یوسف مقالتھم، یعنی اسر یوسف فی نفسہ کیفیۃ تلک السرقۃ ولم یبین لھم انھا کیف وقعت (کبیر) اسرھا ای جواب ھذہ الکلمۃ (ابن عباسؓ) لم یبدھا ای جوابھا (ابن عباسؓ) ف۱۴۵ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔ قَالَ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔ ای فی نفسہ (ابن عباسؓ) اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا۔ کہ دوسرے تو مال ہی چراتے ہیں اور تم نے تو انسان کو چرا لیا! اور وہ بھی اپنے باپ سے اس کے محبوب ترین بیٹے کو! ف۱۴۶ برادران یوسف نے جب دیکھا کہ اب تو ہر پہلے اور ضابطے سے اب کوئی صورت بنیامین کی عزیز مصر کے قید سے چھوٹنے کی نظر نہیں آتی اور باپ کو جو زبردست اور حلفیہ قول و قرار دے آئے تھے وہ سب یاد آئے تو اب لگے خوشامد کی راہ سے کہنے کہ حضور والا اس لڑکے کے چاہنے والے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہو گا اس لئے آپ یہ کیجئے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور اسے جانے دیجئے اور حضور جیسے رحیم المزاج حاکم ہماری درخواست ضرور ہی منظور کر لیں گے ہمیں بڑی آس لگی ہوئی ہے۔ نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مدار المہامی پر فائز ہو چکے ہیں۔ ف۱۴۷ آپ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا! مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال کسی کے پاس نکلے اور سزا کسی کو ملے، حاشا مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ شریعت اسلامی میں بھی سزائے بدلی میں مبادلہ جائز نہیں۔ زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کر دے تو قاضی یا مدعی کو اس کے قبول کر لینے کا اختیار نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کمال احتیاط سے بنیامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا، سزا تم اس کے سوا کسی اور کو دلانا چاہتے ہو! ف۱۴۸ (کہ اب کیا کرنا چاہیے، نہ بنیامین کو چھوڑ کر واپس جا سکتے ہیں نہ یہاں ٹھہر سکتے) اَسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ۔ ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور بنیامین کی طرف بھی پہلی صورت میں "جب ان لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی طرف سے یوسف علیہ السلام کے جواب سے مایوسی ہو گئی" دوسری صورت میں "جب ان لوگوں کو بنیامین کی طرف سے بنیامین کے متعلق مایوسی ہو گئی۔"

يَشَآءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَ فَوْقَ

اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں اور ہر

كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ

صاحب علم سے بڑھ کر ایک علم والا ہے ف۱۴۲ (برادران یوسفؑ) بولے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو

سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ

اس کا (عینی) بھائی بھی اس کے پیشتر چوری کر چکا ہے ف۱۴۳ پس یوسف نے اسے اپنے دل میں

فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ

پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا ف۱۴۴ کہا کہ تم تو (اور بھی) بدتر

مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا

ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ف۱۴۵ وہ بولے اے

الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا

عزیز! اس کا باپ بہت ہی بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو

مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ

لے لیجئے ہم تو آپ کو بہت نیک مزاج پاتے ہیں ف۱۴۶ (یوسف نے) کہا اللہ اس سے

اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ

پناہ میں رکھے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا (کسی اور کو) ہم پکڑ رکھیں

اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع ۹ فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ

اس حالت میں تو ہم ہی بڑے ناانصاف ٹھہریں گے ف۱۴۷ پھر جب وہ اس کی طرف سے مایوس ہو گئے

خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ

تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے ف۱۴۸ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ

ف۱۴۹ (وہی ایک پرانی شرمندگی کیا کم ہے، کہ یہ نئی شرمندگی لے کر ان کے پاس جاؤں) قَالَ كَبِيْرُهُمْ۔ توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کر دی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبیر سے مراد لازمی طور پر سن کی بڑائی نہ ہو۔ عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مراد لئے جانے کی گنجائش ہے۔ قیل کبیرهم فی العقل وهو یهوذا وهو الذی نهاهم عن قتل یوسف (کبیر) ای اعقلهم (ابن قتیبہ) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قال ابن عباسؓ والکلبی هو یهوذا وهو اعقلهم (معالم) مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بنیامین کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں اور اس کی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کر سکیں۔ ف۱۵۰ یعنی یا تو والد ماجد ان حالات خصوصی کو سن کر خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں اور یا اللہ تعالیٰ بنیامین کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے اور ہم سب اسے ساتھ لے کر چلیں۔ ف۱۵۱ یعنی ہمیں کیا خبر تھی کہ بنیامین یہ حرکت کرے گا ورنہ ہم کبھی قول قرار نہ کرتے۔ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔ یعنی قول وقرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی جتنی ہمارے ظاہر علم میں آسکتی تھی۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی بغیر حقیقت علم کے شمول کے اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔ هذا یدل علی جواز اطلاق اسم العلم من طریق الظاهر وان لم یعلم حقیقة (جصاص) ف۱۵۲ یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجئے یا ہمارے ساتھ جو اور اس قافلہ تھے انہی سے دریافت کر لیجئے سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط وگرانی کی مصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی، آل یعقوب علیہ السلام کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اس طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔ ف۱۵۳ (جیسا کہ واقعہ یوسف علیہ السلام میں پہلے ہی تم کر چکے ہو) شدت غم وحزن میں انسان ایسے ہی کلمات پر طبعاً مضطر ہے اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، سارے انسانی جذبات کے ساتھ۔ یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بنیامین کو مصر میں چھوڑ اور سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں اور روئداد مصر سب سنائی ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم ومشتبہ ہو، اس کو یقین کے ساتھ نہیں، لیکن صدود ظن تک متہم ومشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس پر انسان طبعاً مضطر ہی ہے۔ ف۱۵۴ (اور میرے یوسف کے خواب کی تعبیر بھی نکل آئے) بِهِمْ جَمِيْعًا۔ بهم۔ صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی۔ یوسف علیہ السلام وبنیامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ کی ترکیب مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ سب سے صاف اور بے تکلف وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ متن میں درج کیا گیا ہے۔

قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا

تم سے اللہ کی قسم کھلا کر قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل

فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

یوسف کے بارہ میں تو تقصیر کر ہی چکے ہو ف۱۵۰ سو میں تو (اس) سرزمین سے ٹلتا نہیں جب تک

يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں فیصلہ کر دے اور وہی بہترین

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ

فیصلہ کرنے والا ہے ف۱۵۱ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا

اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو شاہد اتنے ہی کے تھے جتنا ہم جانتے تھے اور ہم

كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا

غیب کے تو جاننے والے تھے نہیں ف۱۵۲ آپ اس بستی والوں سے دریافت کر لیجئے جہاں

فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ہم تھے اور اس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم تو سچے ہیں ف۱۵۳

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ

(یعقوب نے) کہا (ایسا نہیں) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گڑھ لی ہے ف۱۵۴ سو میں صبر ہی کروں گا

جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ

بلا آمیزش شکایت، کیا عجب کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے ف۱۵۴ بیشک

هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۵۵ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے

جمیل سے مراد ایسا صبر ہے، جو بلا آمیزش شکوہ وشکایت ہو۔ ف۱۵۵ وہی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون، کس حال میں، کہاں کہاں ہے۔ اور وہی جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حال زار بھی اس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلاء میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت ومصلحت ہی سے ہے۔

يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ

ہائے یوسف! اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ

سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے ۱۵۶ (بیٹے) بولے تم تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا

يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ

لگے رہو گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جاؤ گے یا دم ہی

الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى

نکل جائے گا ۱۵۷ (یعقوب نے) فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے

اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا

کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۵۸ اے میرے بیٹو جاؤ

فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا

اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا

مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس

الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا

کافر ہی لوگ ہوتے ہیں ۱۵۹ پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے

الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے ۱۶۰ اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر

مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آئے ہیں سو آپ ہمیں ہمارے لئے غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے، بیشک اللہ

۱۵۶ جسے فطرت بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ تازہ ہو جاتی ہے اور تازہ غم سے پرانا غم ہرا ہو جاتا ہے۔ یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے۔ چنانچہ اسی کے اقتضاء سے آپ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو از سر نو شدت کے ساتھ یاد کرنے لگے...... پیمبر اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبق قصۂ یوسفی کے ایک ایک جزئیے سے بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ تَوَلّٰى عَنْهُمْ۔ یہ منہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا۔ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں (جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقتِ قلب کی علامت ہے۔ يجوز للنبي عليه السلام ان يبلغ الجزع ذلك المبلغ لان الانسان مجبول على ان لا يملك نفسه عند الحزن (مدارک) اور حضرت یوسف علیہ السلام تو خیر نوجوان تھے ہمارے حضور انور تو اپنے فرزند ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیر خوار ہی تھے۔ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔ یہ فقرہ اس لیے بڑھا دیا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہو جائے، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت طبعی محبت حق کے منافی نہیں۔ اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، بلکہ کاملین میں اس کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ ۱۵۷ لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور جز بز ہو کر کہا ہے...... بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں کا جھنجھلاہٹ فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔ ۱۵۸ نہ تمہیں اس کے الطاف بیکراں کا وہ علم ہے جو مجھے ہے اور نہ تمہیں وہ اسرار و علوم مرحمت ہوئے ہیں جو مجھے ہوئے ہیں۔ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض و معروض شکوہ و شکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں، تمہیں اس سے کیا سروکار اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے صبر جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی المخلوق نہ کہ شکایت الی الخالق جو عین دعاء و التجائے مطلوب ہے۔ ۱۵۹ کیا ٹھکانہ ہے اس اعتماد علی اللہ کا! یہ ہے شانِ نبوت! اظہارِ درد و غم اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش پر ان کے انہی بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں۔ ۱۶۰ (قحط کی ناداری سے) دَخَلُوْا عَلَيْهِ۔ ضمیر عزیز کی جانب ہے اور یوسف علیہ السلام ہی اب عزیز تھے۔ یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا ایک تو ”راشن“ کی حاجت شدید اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہو سکتی تھی۔ دوسرے بنیامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑ سکتی تھی۔ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زاید ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت یہ طریق اظہار جائز ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ دل ذلک علی جواز اظهار مثل ذلک عند الحاجة اليه وانه لا يجري مجرى الشكوى من الله تعالى (جصاص)

يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ

رعایت کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے ۱۶۱ (یوسفؑ) بولے وہ بھی تمہیں یاد ہے جو تم نے یوسف اور اس کے

بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ

بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے ۱۶۲ وہ بول پڑے ارے تو کیا

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ ٘ قَدْ

تم یوسف ہی ہو؟ ۱۶۳ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی واقعی

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہم پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا ۱۶۴ واقعی جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ۱۶۵ وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

تم کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں ۱۶۶ (یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں)

تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ٘ وَ هُوَ

آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ

سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۶۷ (اب تم) میرے اس پیراہن کو لئے جاؤ اور اس کو میرے والد کے

عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ

چہرہ پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی ۱۶۸ اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ؑ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ

میرے پاس لے آؤ ۱۶۹ اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ۱۷۰ تو ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ

ع ۱۰

۱۶۱ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر و ناقص کہہ کر پیش کرنا عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت و احتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے مزاج کی تمکنت سے خوب واقف تھے۔ اب جوان کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا۔ تو رہ گیا، دل پگھل گیا، شفقت پیمبری تو غیروں تک کا دکھ دیکھ نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔ تصدق۔ المتصدقین۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ قال سعید بن جبیر انما سالوا التفضل بالنقصان فی السعر ولم یسئلوا الصدقة (جصاص) ای تفضل علینا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة اوزد علی حقنا (مدارک) ای تفضل علینا ولا تنقصنا، ھذا قول اکثر المفسرین (معالم) سموا ما ھو فضل وزیادة لا یلزمه صدقة (کشاف) فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ۔ یعنی ہماری راشننگ میں کہیں کمی نہ کر دیجئے گا۔ ہماری ضرورتوں کا لحاظ کر کے للہ ہم پر رحم کیجئے۔ ۱۶۲ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر) اس طرز خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آ گئی۔ جٰهِلُوْنَ۔ اکابر سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالت ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ قال بعض السلف کل من عصی اللہ فھو جاھل (ابن کثیر) لما لم یفعلوا مایقتضیه العلم ولا یقدم علیه الا جاھل سماھم جاھلین (کشاف) ۱۶۳ عزیز کی زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آ گئی، اور وہ اپنے رشک کے جذبات اور یوسف علیہ السلام کے خواب سے ان خیالات میں ترقی اور یوسف علیہ السلام و بنیامین کے ساتھ عداوت وہ گھر سے جنگل میں لے جانا اور کنوئیں میں گرانا وہ وہاں انہیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا اور اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کر کے یاد آ گئیں اور ساتھ ہی یہ خیال تازہ ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا عجب نہیں کہ یہی اس کی تعبیر ہو رہی ہو۔ ءَاِنَّكَ۔ استفہام حیرت و حیرانی کا ہے۔ الاستفہام یدل علی الاستعظام ای انھم تعجبوا من ذلک (ابن کثیر) قَالُوْا۔ وہ لوگ یہ سن کر فرط حیرت سے بول پڑے۔ ۱۶۴ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر و تقویٰ عطا کی اور پھر اس کی برکت سے یہ دنیوی نعمتیں عطا کیں!) ۱۶۵ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے) قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول و کلیات ادا کرا دیتا ہے پھر یوسف علیہ السلام تو نبی ہی تھے۔ ان کی زبان سے ایک گہری اصولی حقیقت بیان کر دی۔ يَتَّقِ وَ يَصْبِرْ۔ تقوی سے مراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مراد بلا و مصیبت پر صبر کرنا ہے، ۱۶۶ (تمہارے اور بنیامین دونوں کے ساتھ اپنے معاملات میں) بڑے بھائیوں اور وہ بھی ایسے خیرہ سر بڑے بھائیوں کا، چھوٹے بھائی سے عجز و نیاز کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر، کیسا موثر سماں ہو گا! تاللہ سے الخاطئین تک پڑھ جائیے تو لب و لہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملیں گی۔ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔ ۱۶۷ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں، تو میرا خدا کیوں نہ معاف کرے گا۔ وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مواخذہ نہیں، میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ یہی آیت وہ تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھ کر یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا۔ ۱۶۸ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصہ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہ راست قدرت خداوندی کے مل رہے ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ۱۶۹ (والد ماجد تو بغیر یہاں آئے رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو بہر حال تشریف لائیں گے لیکن ان کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا) بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا بیٹے، بہوئیں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو مصر میں لایا۔“ (پیدائش ۴۶: ۶، ۷) سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے، ستر جانیں تھیں (پیدائش ۴۶: ۲۷)

۱۷۰ یعنی جب برادران یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔

ف۱ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایۂ بیان بھی اسی قسم کا اختیار فرمایا لولا ان تفندون حضرات انبیاء کی لطافت احساس اور قوت ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، ادھر قافلہ کو حرکت ہوئی اور ادھر آتی دور آپ کو پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی۔ لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوت حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی محض فیضان الٰہی کے تابع ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔ قصۂ یوسف اعجازی رنگ کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ تُفَنِّدُوْنِ۔ فند وہی شئی ہے جسے اردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں یعنی کبرسنی کی بناء پر عقل وحواس میں فتور آجانا۔ التفنيد النسبة الى الفند وهو الخرف وانكار العقل من هرم (کشاف) اے تنسبوني الى الفند والكبير (ابن کثیر) قال الحسن تهرمون (ابن کثیر) قال الضحاك تهرموني فتقولون شيخ كبير قد خرف و ذهب عقله (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آلگا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلے سے مدرک ہوگئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبۃً بہت قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی معاملہ حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے۔

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴿۹۴﴾ قَالُوْا

سمجھو تو مجھے تو یوسف کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے ف۱ (لوگوں نے) کہا

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

بخدا! آپ تو اپنے اسی قدیم وہم میں (مبتلا) ہیں ف۲ پھر جب خوشخبری دینے والا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

آپہنچا تو اس نے وہ پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں ف۳ روشن ہوگئیں، (یعقوب نے) فرمایا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۹۶﴾

میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے ف۴

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيْنَ﴿۹۷﴾

(بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت کی دعا کیجئے بیشک ہم ہی خطاوار ہے ہیں ف۵

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

فرمایا (اچھا) میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا۔ بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے

الرَّحِيْمُ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

بڑا رحمت والا ہے ف۶ پھر جب (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴿۹۹﴾ۭ

اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلے (اور) انشاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہیے گا) ف۷

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ

اور اپنے والدین کو انہوں نے تخت پر بٹھایا اور سب (یوسف) کے سامنے جھک گئے ف۸

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ

اور (یوسف نے) کہا اے میرے باپ یہ ہے میرے قبل والے خواب کی تعبیر

سے گئے برطارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم ف۲ وہی ہوا جو آپ کا خیال تھا۔ لوگوں نے آپ کے کہے کا یقین نہ کیا اور آپ کو سچا اور ٹھیک سمجھنے کے باوجود آپ کے اس "وہم" کو غلوئے محبت یوسفی پر محمول کرتے گئے۔ ف۳ خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعف بصر کے دور ہو جانے اور نور نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات "خلاف عقل" اور "خلاف فطرت" نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہی چونکہ معمول عام کے خلاف ہے یہاں اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "جب اس نے گاڑیاں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں دیکھیں تو ان کے باپ یعقوب کی زندگی دوبارہ ہوئی اور اسرائیل بولا یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے میں جاؤں گا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں اسے دیکھوں گا۔ (پیدائش ۴۵: ۲۷، ۲۸) اَلْبَشِيْرُ۔ بشیر جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے۔ یہاں مراد یہودا ابن یعقوب علیہ السلام سے لی گئی ہے۔ قال ابن مسعودؓ جاء البشير بين يدي العير قال ابن عباسؓ هو يهودا (معالم) ف۴ (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علم خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہو گیا) قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا نور بصارت عود کر آیا ہے۔ اس موقع کی گفتگو، ف۵ (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں۔ اب آپ خود بھی معاف فرما دیں اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دعا فرمادیں) برادران یوسف علیہ السلام آخر نبی زادے تھے اور اسحاق علیہ السلام نبی کے پوتے اور ابراہیم علیہ السلام خلیل کے پرپوتے انکی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول اپنا اثر آخر کب تک نہ دکھاتے۔ ف۶ چنانچہ پچھلی تقصیریں بھی معاف کر دیتا ہے اور آئندہ ترقی مراتب کے رستے برابر کھلے رکھتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبولِ دعاء کے موزوں ترین وقت پر۔ ف۷ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مبارک قافلے کا استقبال پایۂ تخت سے نکل کر سرحد مصر پر کیا تھا اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کا التماس کر رہے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور یوسف نے اپنی گاڑی تیار کی اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا اور اپنے تئیں اس پاس حاضر کیا اور اس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا"۔ (پیدائش ۴۶: ۲۸، ۲۹) اٰوٰٓى اِلَيْهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم واکرام کے ساتھ بٹھایا اور ہر طرح خاطر مدارات بزرگداشت کی۔ اَبَوَيْهِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی، یہاں مجازاً انہی کو والدہ کہا گیا۔ عَلَي الْعَرْشِ۔ عرش کا لفظ عام ہے ہر بلند تخت، اور چبوترہ (پلیٹ فارم) مراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں۔ قال اهل اللغة العرش السرير الرفيع والمراد بالعرش ههنا السرير الذي كان يجلس عليه يوسف (کبیر) ف۸ (جیسا کہ عبرانی آداب وتہذیب میں داخل تھا) سُجَّدًا۔ سجدہ سے جیسا کہ اوپر بھی کئی موقعوں پر آچکا ہے مراد ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا جو کسی مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مراد محض زمین بوس ہونا ہے جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے اور شریعت اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ فقد يسمى التواضع سجودًا وكان المراد ههنا التواضع (کبیر) وكان تحية الناس يومئذ السجود ولم يرد بالسجود وضع الجباه على الارض انما هو الانحناء والتواضع (معالم) سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم في ذلك الزمان (جلالین) قيل ما كانت الا انحناء ولا تعفير الجباه (مدارک) خَرُّوْا لَهٗ میں لہ کے معنی لاجل کے بھی لئے گئے ہیں۔ یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پا کر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کو سجدۂ شکر ادا کیا وهو قول ابن عباسؓ في رواية عطاء وان المراد بهذه الاية انهم خروا له اي لاجل وجدانه سجدا لله تعالى (کبیر)

وف۱۷۹ یعنی وہی خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہیں۔ وف۱۸۰ (اور اس مرتبہ سلطنت تک پہنچا دیا) بدی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون و شریعت میں حقیر و نا قابلِ التفات نہیں جیسا کہ متشددین نے اور اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ وف۱۸۱ (جس کا ظاہری اقتضا تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہو سکتی) نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر زبان آنے دیا بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک ہی رکھی۔ مِنَ الۡبَدۡوِ۔ یعنی اس دیہات یا ویرانے سے نکال کر اس شہر اور مرکز تمدن میں لے آیا۔ بدو، حضر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ البدو خلاف الحضر (راغب) اے من البادیة وقال الواحدی البدو بسط من الارض یظہر فیہ الشخص من بعید (کبیر) کنعان اس وقت مصر کے مقابلہ میں جو مرکز تہذیب و تمدن تھا ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کان یعقوب وولدہ بارض کنعان اہل مواشی او بریۃ (کبیر) وف۱۸۲ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت و مصلحت کے ماتحت ہی واقع ہونے دیتا ہے۔ لَطِیۡفٌ۔ یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا المخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کر دینے والا۔ اے لطیف التدبیر لہ (روح) فاذا اراد حصول شیء سہل اسبابہ فحصل وان کان فی غایۃ البعد عن الحصول (کبیر) ساری سورۃ کے واقعات اسی اسم لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ وف۱۸۳ (اور علم بھی کیسا ظنی، اور تخمینی نہیں، یقینی اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہو سکتی ہے) مِنَ الۡمُلۡكِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی باقاعدہ بادشاہت و فرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہر حال پہنچ چکے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ’’اور اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ میں فرعون ہوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اٹھائے گا اور فرعون نے یوسف علیہ السلام کا خطاب ’’جہاں پناہ‘‘ رکھا۔‘‘ (پیدائش ۴۱: ۴۳، ۴۴) اور بعض نے مِنۡ کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپ ملک کے تامتر فرمانروا تھے بلکہ بہر حال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔ قال الاصم انما قال من الملک لانہ کان دون ملک فوقہ (کبیر) مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ۔ یہاں بھی من کے تبعیضیہ ہونے سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو جب بھی بہر حال اس کا علم محدود و مقتدر ہی ہوگا۔ اے بعضا من ابعاض العلم فلہذا السبب ذکر فیہ کلمۃ من لانہا دالۃ علی التبعیض (کبیر) تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم انبیہ بھی اس میں شامل ہیں۔ المراد بتاویل الاحادیث اما تعلیم تعبیر الرؤیاء وہو الظاہر واما تفہیم غوامض اسرار الکتب الالہیۃ ودقائق سنن الانبیاء (روح)

قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ وَ قَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡۤ اِذۡ

اسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا وف۱۷۹ اور اس نے میرے ساتھ (کیسا) احسان اس وقت کیا جب

اَخۡرَجَنِیۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِکُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ

مجھے قید خانہ سے نکالا وف۱۸۰ اور آپ (سب) کو صحرا سے لے آیا

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ

بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا وف۱۸۱

اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾

بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے، بیشک وہی ہے علم والا، حکمت والا وف۱۸۲

رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی

الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ

دیا وف۱۸۳ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی

وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا

میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اٹھا

وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ

اور مجھے صالحین میں جا ملا وف۱۸۴ یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے

نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ ۚ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا

جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں وف۱۸۵ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا ارادہ

اَمۡرَهُمۡ وَ هُمۡ یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَ لَوۡ

پختہ کر لیا تھا اور وہ چالیں چل رہے تھے وف۱۸۶ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں گو آپ کا کیسا ہی

وف۱۸۴ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے آخرت میں بھی میرے سارے کام بنا دے۔ یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھا دے) تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا۔ سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے دین اسلام پر آئے۔ قال ابن عباسؓ فی روایۃ عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فہذا طلب لان یجعل اللہ وفاتہ علی الاسلام ولیس فیہ ما یدل علی انہ طلب الوفاۃ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوق لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں لذائذ دنیوی کی بے حاصلی اور زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں اور میں فکر و ہاب دنیوی سے عاجز آ کر اکثر اس دعائے یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ۔ اس پر شبہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامہ مومنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام خود ایک نبی جلیل القدر تھے۔ پھر آپ نے محض درجہ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے اس کا معیار ہر ایک کے درجہ و مرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے، حضرت علیہ السلام جس مرتبہ صالحین کی تمنا کر رہے تھے آپ کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرتبے وعظمت کے ’’صالحین‘‘ تھے۔ وف۱۸۵ (اے رسول!) یہاں پر زور دے کر ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔ وف۱۸۶ (یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں ڈالنے کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آ کر باتیں بنا رہے تھے) لَدَیۡهِمۡ۔ یعنی برادرانِ یوسف علیہ السلام کے پاس۔ یرید اخوۃ یوسف (روح) مطلب یہ ہوا کہ نہ آپ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے اور نہ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلومات صحیح کا بجز وحی الٰہی کے ہے کوئی دوسرا آپ کا رہنما نہیں۔

حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ

ہی چاہیے و۱۸۷ اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ تو مانگتے

اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ

نہیں یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے دنیا جہان کے لئے و۱۸۸ اور کتنی ہی

مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا

نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ان پر سے (یہ لوگ) گزرتے ہیں

وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ

اور ان کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں و۱۸۹ اور ان میں سے اکثر لوگ

بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ

اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کیے جاتے ہیں و۱۹۰ سو کیا یہ اس کی طرف سے بےفکر ہیں کہ انہیں

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

اللہ کا کوئی عذاب چھالے یا ان پر اچانک قیامت

بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ

آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو و۱۹۱ آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں و۱۹۲ دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے پیرو بھی و۱۹۳

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ مَآ

اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں و۱۹۴ اور

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ

ہم نے بستیوں والوں میں سے آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف

و۱۸۷ (اس لئے آپ توقع ہی نہ رکھیے کہ ان تمامتر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لے آویں گے) مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپ کے امتحان کے لئے آپ سے اس قصہ کی فرمائش کر رہے تھے اب آپ نے بغیر کسی ظاہری ومادی ماخذ کے جو صحیح ومستند قصہ اول سے آخر تک انہیں سنا دیا! تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فوراً آپ کے صاحب وحی ہونے پر ایمان لے آتے اور آپ کے دل سے لگی ہوئی بھی یہی تھی، لیکن اس کی توقع نہ رکھیے ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔ وَلَوْ حَرَصْتَ۔ حرص کے لئے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔ ومعنی الحرص طلب الشیء باقصی ما یمکن من الاجتھاد (کبیر) و۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کر کے دیکھے تو۔ و۱۸۹ یعنی نہ ان پر یہ توجہ کرتے ہیں۔ اور نہ ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ای لا یعتبرون بھا (کشاف) ولا یلتفتوا الیھا (کشاف) يَمُرُّوْنَ۔ ھم کی ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید وقدرت الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات وحوادث کائنات ہیں۔ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی وہ واقعات وحوادث ان منکرین آخرت کے علم ومشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ ای یشاھدونھا (روح) و۱۹۰ (جس سے ان کا دعوائے ایمان باللہ ہی باطل ہوا جاتا ہے) مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے منکر تو کثرت سے ہیں ہی، باقی جو لوگ انکار خدا نہیں بلکہ اقرار خدا کے مدعی ہیں ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف تو خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی اور دیوتا بھی، قرار دیے چلے جاتے ہیں، جو صاف الوہیت کے منافی ہے۔ مشرکوں اور جاہل مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے اسے چھوڑیے۔ خود ہماری قوم کے ”اہل قبور“ ٹھنڈے دل سے غور کریں، کہ مزارات ومقابر“ سے بالکل تعبد کا معاملہ رکھنا ان پر چادریں چڑھانا ان پر نذریں ماننا، نفع ونقصان انہیں سے وابستہ جاننا یہ سب کہیں ان کو اس آیت کی زد میں تو نہیں لے آتا۔ ومن اولئک عبدۃ القبور الناذرون لھا المعتقدون للنفع والضر من اللہ تعالٰی اعلم بحالہ فیھا دائم الیوم اکثر من الدود (روح) و۱۹۱ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہٖ سزا وعقوبت کا مستحق ومستوجب ہے، خواہ فوراً خواہ بتاخیر لیکن یہ شامت زدہ آخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بےفکر پڑے ہوئے ہیں۔ و۱۹۲ اتنے سے فقرہ میں توحید ورسالت دونوں کا اثبات ہو گیا۔ هٰذِهٖ۔ یعنی یہی اثبات توحید ورسالت ویوم آخرت جن کا ذکر اوپر آچکا۔ یعنی الدعوۃ الی التوحید والاعداء للمعاد (بیضاوی) ھذہ الدعوۃ التی ادعوا الیھا والطریقۃ التی انا علیھا (کبیر) و۱۹۳ یعنی میں تو اصالۃً اور بالذات اور میرے پیرو میرے واسطے سے اور میرے طفیل میں۔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ۔ سے اشارہ ہو گیا کہ اسلام کورانہ تقلید کا نام نہیں بلکہ دین حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خاص ویراثہ علم ہیں اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لئے ہوئی ہے۔ وھذہ الآیۃ تدل علی ان حرفۃ الکلام وعلم الاصول حرفۃ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وان اللہ ما بعثھم الی الخلق الا لاجلھا (کبیر) و۱۹۴ (میرے اور دین شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا میں اس کے ایک ایک جزئیہ سے علیحدہ وبیزار) سُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالٰی ہر قسم کی آلائش شرک سے پاک اور بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔

و۱۹۵ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیا معنی عین اس کا جز ءلازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست، اوتار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے باشارۃ النص دو اور مسئلے بھی روشنی میں آجاتے ہیں:۔(۱) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ بے تعلق خانہ بدوش جرگوں قبیلوں میں سے۔ من اهل القرى لم يبعث رسولاً من اهل البادية (کبیر) يعنى من اهل الامصار دون اهل البداوى (ابن جریر) (۲) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے کوئی عورت بھی

اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

بستی کی و۱۹۵ تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ورنہ دیکھ لیتے کہ و۱۹۶

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ

ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان کے قبل تھے اور عالم آخرت

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ہی ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کئے ہوئے ہیں، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ و۱۹۷

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ

(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہی ہو گئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے

كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ

غلطی ہوئی و۱۹۸ (کہ اتنے میں) انہیں ہماری مدد آپہنچی و۱۹۹ سو ہم نے جس کے لئے چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا

بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِىْ

عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں و۲۰۰ ان کے قصوں میں

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا

اہل فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے و۲۰۱ (قرآن) کوئی گھڑی ہوئی بات تو

يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ہے نہیں یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس کا جو اس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اور تفصیل (کرنے والا) ہے ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

ہدایت و رحمت ہے و۲۰۲

اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔ اِلَّا رِجَالًا۔ والآية تدل على ان الله تعالى ما بعث رسولاً الى الخلق من النسوان (کبیر) يخبر تعالى انه انما ارسل رسوله من الرجال لامن النساء وهذا قول جمهور العلماء (ابن کثیر) الذى عليه السنة والجماعة وهو الذى نقله الشيخ ابو الحسن على بن اسماعيل الاشعرى عنهم انه ليس فى النساء نبية (ابن کثیر) یعنی رجالاً لا نساءً (بحر عن ابن عباسؓ) فالرسول لا يكون امراة (بحر) قيل معناه نفى استنباء النساء (بیضاوی) و۱۹۶ (کفار ومنکرین میں سے) یعنی پچھلی سرکش و نافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور مقصود اگر عبرت و تذکر ہو تو سیاحت عالم اور علم آثار قدیمہ سے اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔ و۱۹۷ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے!) و۱۹۸ موجودہ کافروں کو تاخیر عذاب سے خوش و مطمئن نہ ہو جانا چاہیے، پچھلی بدکار اور نافرمان قوموں پر آمد عذاب موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو بالا ئی ہمہ استقامت و صبر و سلامت فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہم ہی سے تو وعدۂ نزول عذاب کے سمجھنے اور تعین مدت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے مگر سب سے زیادہ صاف بے تکلف اور بے غبار مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے، و۱۹۹ اور نصرت غیبی یہی کفار پر عذاب موعود تھی۔ و۲۰۰ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقرر پر آکر رہا اور کفار منکرین معاندین بہر حال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانون الٰہی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ۔ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیت الٰہی ہمیشہ مومنین ہی سے متعلق رہی ہے۔ وهم الرسل والمومنون لهم (روح) مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب بھی آیا تو اہل ایمان کو بچا لیا گیا۔ و۲۰۱ (اور وہ اہل فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا) قَصَصِهِمْ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کی طرف ہے۔ اى قصص الانبياء واممهم (بیضاوی) و۲۰۲ جب ہی تو اسی کے ذریعہ سے اہل ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت۔ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے۔ چنانچہ اصل دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو براہ راست یا بالواسطہ قرآن مجید میں نہ نکل آئے۔ كل شىء يحتاج اليه فى الدين اذ ما من امر دينى الا وله سند من القرآن بوسط او بغير وسط (بیضاوی) يستند الى القرآن بذات او بوسط (روح) تذییل۔ سورۂ یوسف میں جسے قرآن مجید خود احسن القصص قرار دے رہا ہے برادران یوسف علیہم السلام کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسی مشابہت سے یہ نامۂ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اسی خانوادۂ بزرگ کا ایک ادنیٰ و حقیر و ننگ خاندان نام لیوا ہے سلسلۂ نسب جہاں تک خاندانی شجروں سے پتہ چل سکا ہے اٹھاونویں پشت میں لاوی بن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ع ۱۲

آیاتہا ۴۳ ۔ ۱۳ سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۶ ۔ رکوعاتہا ۶

اس میں ۴۳ آیتیں ۔ سورۂ رعد مدنی ہے ۔ اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

الف ۔ لام ۔ میم ۔ را ۔ یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ①

نازل کیا جاتا ہے وہ (بالکل) حق ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ف۱

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ف۲

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ

پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو مطیع

وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

کیا ف۳ ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے ف۴ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا رہتا ہے،

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

نشانیوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کر لو ف۵

وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ

اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا

وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا

رکھ دیئے اور اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں

سورۂ رعد ۔ ف۱ (حالانکہ اس کلام کی حقانیت وصداقت کا مقتضاء یہ تھا کہ سب کے سب اس پر ایمان لے آتے) انتہٰی۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ یہاں ان حروف کو فقرہ انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے اور فقرہ انا اللہ الملک الرحمٰن کا بھی انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون (ابن عباسؓ) انا اللہ الملک الرحمٰن (کبیر عن عطاء) ف۲ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا اور اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری مادی سہارے کے ... یہ بجائے خود ایک دلیل خالق فطرت کی اعلیٰ صناعی وقدرت کی ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی کی گئی ہے۔ آیت میں ان یونانی ومصری حکماء وفلاسفہ کا رد آگیا۔ جو آسمان کو قائم بالذات مستقل وازلی وابدی تسلیم کرتے تھے۔ ترونہا ۔ کے ترجمہ میں ضمیر مونث السماوات کی طرف لی گئی ہے لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رویت عمد کی رہے گی یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون ہیں جو تمہارے لئے غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں۔ قیل ضمیر النصب فی ترونہا عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئیۃ (بحر) یحتمل وجہین احدھما انہا لہا عمدٌ ولا تری تلک العمد وھذا ذھب الیہ مجاھد وقتادۃ (بحر) وقال ابن عباسؓ وما یدریک انہا بعمد لا تری (بحر) اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے۔ سب آیت کے ماتحت غیر مرئی کے عموم میں داخل ہو جائیں گی۔ اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ وتدبیر ہیں اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔ وقد دللنا علی ان ھذہ الاجسام انما بقیت واقفۃ فی الجو العالی بقدرۃ اللہ تعالٰی وحینئذ یکون عمدھا ھو قدرۃ اللہ تعالٰی (کبیر) ف۳ (اپنے احکام تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا) سورج اور چاند یوں دیوتا ہونا تو خیر بڑی چیز ہے خود مختار اور آزاد بھی نہیں۔ مشیت الٰہی کے آگے تمام تر مسخر ومجبور ہیں ان کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ استوٰی علی العرش۔ یعنی قوانین جہانبانی کا نفاذ شروع کر دیا۔ استواء اور عرش دونوں پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۴ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانون خداوندی) کلٌّ ۔ یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک۔ ف۵ مطلب یہ ہوا کہ جو قادر مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق اور ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا کچھ دشوار ہے؟ یدبر الامر۔ ہر امر کا انتظام حکمت ومصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع وخالق ہی نہیں جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم ومتصرف بھی ہے۔ الآیات۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آگئے۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ

رکھ دیں ف ۶ وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ

ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے نشان موجود ہیں ف ۷ اور زمین میں

قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ

پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں

وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

اور کھجوریں شنیاں (بھی) اور چھترے (بھی) ایک ہی پانی سے

بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ

سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے پھلوں میں ایک کو دوسرے پر

فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

فضیلت دیتے ہیں بیشک ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل (موجود) ہیں ف ۸

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل (خود) ان کا (یہ) قول ہے کہ جب ہم خاک ہوگئے

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے

بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ

کفر کیا ف ۹ اور ایسی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اہل دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف ۱۰ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں

ف ۶ ایک دوسرے کے مقابل مثلاً بڑے اور چھوٹے یا ترش اور شیریں وقس علیٰ ہذا۔ سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب آیت کے تحت میں آجائے گا۔ رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیا چل نہ ننگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ نربدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود یا کسی دیوی دیوتا کا مسکن جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَدَّ الْاَرْضَ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی مائی جی۔ محض اللہ کا پھیلایا ہوا ایک فرش ہے جس پر اس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دوڑے دھوپے۔ مدّ و امتداد سے زمین کی کرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا اصلی شکل جو کچھ بھی ہو قرآن مجید کو اس سے مطلق بحث نہیں۔ بشری آنکھ کو تو بہرحال پھیلی ہوئی اور مسطح ہی نظر آتی ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کی تفسیر کبیر تو ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتداء کی تصنیف ہے، زمین کی کرویت اس وقت بھی مسلم ہوچکی تھی۔ ثبت بالدلائل ان الارض کرۃ فکیف یمکن المکابرۃ فیہ (کبیر) لیکن چونکہ یہ کرہ بے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے مسطح ہی نظر آتا ہے اور اس کی کرویت غیر مشاہد رہتی ہے۔ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں:۔ والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منہا تشاھد کالسطح (کبیر) ف ۷ یعنی تردید شرک وتعدد الٰہ کے اور اللہ کی توحید اور صنعت گری کے دلائل۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ۔ یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا دیتی ہے۔ دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے "رات" اور "دن" کو مستقل دیوتا مان کر ان کی پوجا کی ہے۔ پارۂ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ ف ۸ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ۔ یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس ہی پاس ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثرات مادی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں طبیعت ایک اور تخم مختلف یہ سب اس لئے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہی ہے، اس میں رد آگیا ان "نیچری" مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانین طبعی کا (بغیر کسی قانون گر و قانون ساز کے) مقید و محکوم سمجھتے ہیں۔ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں رد شرک اور اثبات توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ ف ۹ (آخرت سے انکار کرکے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان ونافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہوگئے تو دوبارہ پھر مجسم ومتشکل ہوکر برآمد ہوں تو دراصل حیرت واستعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر وتوانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کرچکا اور برابر پیدا کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ انہیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے؟ ... مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں بلکہ تمام تر قابل مضحکہ انکار آخرت ہے۔ ف ۱۰ (اور کبھی نجات نہ پا سکیں گے) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرین آخرت بھی ویسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرین توحید ومنکرین رسالت۔

وللہ یعنی یہ منکرین وقوع عذاب کو اس قدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ ان کی میعاد مہلت ختم ہو الٹے آپ سے نزول عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں! حالانکہ تاریخ کی شہادات انہیں خوب مل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکیں۔ مَثُلٰتُ۔ مثلة کی جمع ہے۔ یہاں مراد واقعات عذاب وعقوبت سے ہے۔ اے عقوبات امثالهم من المكذبين (جلالین) السيئة سے مراد عذاب اور الحسنة سے مقصود عافیت ہے۔ قال ابن عباسؓ السيئة العذاب والحسنة العافية (بحر) و۱۲ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے۔ صفت عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بے فکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں؟ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

معصیت کی قبل عافیت کے درآنحالیکہ ان کے قبل واقعات عقوبت

الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى

گزر چکے ہیں و۱۱ اور بیشک آپ کا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کی زیادتیوں کے

ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَ يَقُوْلُ

صاحب مغفرت ہے اور بیشک آپ کا پروردگار سخت سزا دینے والا بھی ہے و۱۲ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

کہتے ہیں کہ ان پر (فلاں) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ اَللّٰهُ يَعْلَمُ

بیشک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں و۱۳ اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے و۱۴ اللہ کو علم رہتا ہے

مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ

اس کا جو کچھ کسی عورت کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ (عورتوں کے) رحم میں کمی بیشی

وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝

ہوتی رہتی ہے اور ہر شے اس کے نزدیک ایک معین اندازہ ہی سے ہے و۱۵

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ

(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے و۱۶ (اس کے علم میں)

مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ

برابر ہے تم میں سے جو کوئی بات چھپائے اور جو کوئی اسے ظاہر کرے اور جو کوئی

مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

رات میں چھپ جائے اور (جو کوئی) دن میں چلے پھرے و۱۷ ہر ایک کے لئے

ع

حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پرامید و پرتسلی یہی آیت ہے۔ قال ابن عباسؓ ليس في القران اية ارجى من هذه (بحر) متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے قبل بھی ہو سکتی ہے۔ فاعلم ان اصحابنا تمسكوا بهذه الاية على انه تعالى قد يعفوا عن صاحب الكبيرة قبل التوبة (کبیر) و۱۳ (اور آپ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انہیں راہ بتانا ہے نہ کہ ہر فرمائشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں ان عجوبہ پرستوں کو دے دیا کہ یہ نادان رسول ﷺ کی صداقت کا معیار فرمائشی خوارق ومعجزات کو سمجھ رہے ہیں، یہ کس قدر جہل ہے؟ کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصلاً تعلق نہیں۔ انجیل میں حالانکہ صاحب انجیل اپنے خوارق ومعجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمائش کرنے والوں پر یوں تنبیہ آئی ہے:۔ ''اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔'' (متی۔ ۱۲:۳۹) ''جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ برے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں۔'' (لوقا ۱۱:۲۹) ''پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔'' (مرقس، ۸:۱۱۔۱۳) و۱۴ (اور اس قوم کے لئے ہادی اعظم آپ ہیں) هَادٍ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں ہے۔ اس کے تحت میں نبی اور نائبان نبی سب ہی آجاتے ہیں۔ اس لئے آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے ان کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجہ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی سے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث ومباحثہ غیر ضروری ہے۔ عن ابن عباسؓ الهادى الداعى الى الحق (جصاص) اعنى به ولكل قوم قائد (ابن جریر) عن ابى صالح قال لكل قوم قادة (ابن جریر) و۱۵ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں، اٹکل پچو نہیں، اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔ اَللّٰهُ ...... تَزْدَادُ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ ہر ہر جزئیہ اور سارے مخفیات ومغیبات پر شامل۔ یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدت حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے، اور کسی کے زائد۔ و۱۶ اسی کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم کوئی اس کا بالادست نہیں، اور اس کا علم محیط وکامل۔ ۔ وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔ مذاہب شرکیہ اور ادیان جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفات علم وقدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن مجید ان عقاید کو بار بار صاف کرتا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔ و۱۷ یعنی یہ سر وجہر، یہ پوشیدگی وظہور، یہ تاریکی وروشنی، سب تمہاری نسبت سے ہے۔ اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے ... مشرک قوموں نے اپنے دیوی، دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود اور ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے۔ اس کی اصلاح ضروری تھی۔

مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ
باری باری آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے

اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں وہ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدلتا نہیں جب تک وہ لوگ خود اپنے میں

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ
تبدیلی نہیں کر لیتے و۱۹ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی صورت ہی اس کے ہٹنے کی نہیں

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ
اور نہ کوئی اللہ کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہتا ہے و۲۰ وہ وہی (خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک)

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ ⑫
دکھاتا ہے ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے و۲۱

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ
اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ اور (دوسرے) فرشتے بھی اس کے رعب وجلال سے (یہی کرتے ہیں)

وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ
و۲۲ اور وہ (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر گرا دیتا ہے اسے جس پر چاہتا ہے و۲۳

وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ؕ ⑬
اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ہے و۲۴

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا و۲۵ اور جن کو (یہ لوگ) اس کے سوا پکارتے ہیں

لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ
وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے

و۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ عنایت شفقت وکرم سے سب کی حفاظت کی فکر واہتمام رکھتا ہے۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ توحید کی تاکید واہتمام مزید کے لئے ہے، فرشتے تک بھی متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ! توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔ مُعَقِّبٰتٌ۔ مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے۔ و۱۹ (مسلسل نافرمانیاں کرکے) یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے، اس کی طرف سے کسی ظلم وزیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب بھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا تو اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لے گا۔ يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اس تغیر کی نسبت فاعل قوم کی طرف کرکے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمد واختیار سے، ہوتی ہیں، باقی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں، کسی مجبوری یا اضطرار یا الاعلمی کے نتیجے کے طور پر ہو جائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔ مَا بِقَوْمٍ۔ مراد اچھی حالتوں سے ہے۔ ای من النعمة والعافية (روح) و۲۰ (ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے) اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا۔ اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اسی نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔ یہاں تک کہ جو فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں وہ بھی اب بہ حکم خدا اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ و۲۱ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں) مدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم وماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بے جان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں، اندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کے خدا نہیں۔ خَوْفًا۔ یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامان ہلاکت نہ بن جائے ـــــ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔ طَمَعًا۔ یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہوگی اور اس سے سرسبزی، شادابی، خوشحالی پھیلے گی۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے۔ و۲۲ (اپنے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت ومحکومیت سے باہر نہیں) الرَّعْدُ۔ رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔ صوت السحاب (راغب) اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظم ابر وسحابیت ہے۔ ملک من الملائكة موكل بالسحاب (جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن۔ عن ابن عباسؓ) انه ملك يسوق السحاب (راغب) الرعد هو الملك موكل بالسحاب (کبیر) مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گرج یا بادل کا کوئی مستقل اور متصرف بالذات دیوتا نہیں، جیسا کہ مشرق ومغرب کی جاہلی قومیں ہزارہا سال تک سمجھتی رہیں بلکہ یہ کام تو ایک محکوم ومطیع ایک حمد وتسبیح کرتے رہنے والے فرشتے کے سپرد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ حق تعالیٰ کا رعب وجلال بڑی ہی بڑی مقتدر ومعصوم مخلوق پر بھی غالب اور مسلط ہے۔ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ ملائکہ کے اس عطف سے یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ رعد بھی اگر کوئی فرشتہ ہی ہے تو ملائکہ ہی پر اس کا عطف کیسا؟ عربی میں عطف ہمیشہ مغائرت جنس ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ ہم جنسی کے باوجود تعظیم وتکریم کے لئے بھی آتا ہے، جس کی نظیریں خود قرآن مجید ہی میں موجود ہیں۔ لا يبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما في قوله وملائكته ورسله وجبريل وميكال وفي قوله واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (کبیر) و۲۳ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اسے حسب مصلحت ومشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا یہ سب کام اسی قادر مطلق حکیم کل کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی زیئس دیوتا کا حربہ ہے اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (مشتری) دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں مصروف تھیں۔ قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرے سے ان ساری وہم پرستیوں پر ضرب کاری لگا دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) و۲۴ (اپنی قدرت خلاقی اور قوت صناعی کے لحاظ سے بھی اور اپنی طاقت وگرفت وسزا دہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظام کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب وعظیم ہوں اور جس کا اختیار واقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اسی خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اس کی ذات وصفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ و۲۵ یعنی حقیقی دعا صرف اسی کے حضور میں ہو سکتی ہے۔ سننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اسی اکیلے میں تو ہے، اس کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے؟

وٹ۲۶ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے اور دعا مانگنے کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی جیسی بے جان، بے ارادہ، بے عقل چیز کی طرف اسی امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی از خود اس کے منہ تک پہنچ کر اس کی پیاس بجھائے گا تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعے فریاد رسی اس سے چاہتے ہیں جو سرے سے قادر ہی فریاد رسی پر نہیں! وٹ۲۷ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے) کافروں کی جو دعائیں بظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں ان واقعات کا تعلق دعاء سے بالکل نہیں ہوتا، ان کی وہ آرزوئیں یوں ہی بغیر دعا کے پوری ہو جاتی ہیں، تکوینی اسباب ومصالح سے عام نظام ربوبیت کے ماتحت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مراد ان کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں، نہ کہ دنیا سے متعلق۔ المراد دعاؤهم الله تعالى بما يتعلق بالآخرة (روح) وٹ۲۸ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کی قانون تکوینی کی مطیع ومنقاد ہے۔ وللہ یسجد۔ اس ترکیب کے اقتضاء سے معنی یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع ومنقاد ہے نہ کسی اور کی۔ اے لله وحده يخضع وينقاد لا لشيء غيره (روح) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد جمیع مخلوق سے ہے۔ المراد ما يشمل اولئك وغيرهم والتعبير بمن للتغليب (روح)

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں وٹ۲۶ اور کافروں کی پکار تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

محض بے اثر ہی ہے وٹ۲۷ اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور (جتنے) زمین میں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

ہیں وٹ۲۸ (کوئی) رضا (سے) اور (کوئی) جبرا (سے) وٹ۲۹ اور ان کے سائے بھی صبح وشام

وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ

کے وقت وٹ۳۰ آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ

اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

اللہ (پھر) کہئے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی) اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ہی ذات کے لئے

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے وٹ۳۱ آپ کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا

وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ

برابر ہو سکتا ہے؟ یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہوئی ہے وٹ۳۲ یا یہ کہ

جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

انہوں نے اللہ کے شریک ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اس کی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے جس سے ان کو

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ

خلق میں اشتباہ ہو گیا وٹ۳۳ آپ کہہ دیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ

واحد ہے، غالب ہے وٹ۳۴ (اسی نے) آسمان سے پانی اتارا جس سے نالے اپنی مقدار

السجدۃ

یسجد۔ سجدہ یہاں اصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی ولغوی معنی میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اس کی مشیت کے مطیع ومنقاد ہیں۔ السجود اصله التطامن والتذلل ... وذلك ضربان سجود باختيار وليس ذلك الا للانسان وسجود تسخير وهو للانسان والحيوانات والنبات وعلى ذلك قوله ولله يسجد من في السموت والارض (راغب) السجود عبارة عن الانقياد والخضوع وعدم الامتناع وكل من في السموت والارض ساجد لله بهذا المعنى لان قدرته ومشيئته نافذة في الكل (كبير) اى ينقاد لاحداث ما اراده فيهم من افعاله (كشاف) وٹ۲۹ یعنی افعال اختیاری میں تو قصد واختیار سے، اور غیر اختیاری میں اضطرارا۔ وٹ۳۰ یعنی علی الدوام ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔ والمراد بهما الدوام (بیضاوی) الباء بمعنى في (روح) وظللهم۔ سایہ ایک عدمی اور منفی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے زائل ہو جائے۔ جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے، یہاں پر اگر یہ لغوی معنی لیے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ مراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادر مطلق کے مطیع ومنقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں "سایہ" کو عالم بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقاد مشیت الٰہی ہے، لیکن محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اظلال سے مراد آثار وتوابع ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ہر موجود بذات خود بھی مطیع ومسجود ہے اور اس کے آثار وخواص وافعال بھی۔ وٹ۳۱ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی کچھ سن سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں) مطلب یہ ہوا کہ ان مشرکین عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اس سارے نظام کائنات کا خالق، موجد، حافظ، حقیقی مدبر، حاکم کون ہے تو یہ باوجود اپنے شرک کے اس کے قائل نکلیں گے کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر وتوانا ہے جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں، بس اس پر ان کی گرفت کیجئے، اور ان سے یہ کہئے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم تعدد الٰہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ جب ایک خدا کو مان لیا تو پھر اب دوسرے بے چاروں کے پاس کس قسم کا اختیار وتصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ وٹ۳۲ (اور جب یہ نہیں اور بداہۃً نہیں تو پھر موحد ومشرک نیز صاحب ایمان اور محروم الایمان اور شرک اور توحید یا کفر وایمان کیسے ایک سطح پر آ سکتے ہیں؟) آیت میں رد آ گیا آج کے ان "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں اور ان "آزاد خیالوں" کا جو فلاح دنیوی کے لیے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔ وٹ۳۳ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اس خلق عظیم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے!) مطلب یہ ہوا صفت خالقیت میں انہوں نے اپنے کسی گڑھے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ ومشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر آخر کیا یہ خدا کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت میں شریک کیے جاتے ہیں؟ وٹ۳۴ یہاں مختصراً تین صفات بیان کر کے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور کثیر التعداد مذاہب شرک کی جڑ کاٹ دی۔ پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جو ہر وعرض، اعیان وصفات، خوشگوار وناخوشگوار، سب کا خالق ہے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفات کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز" اور اس کے "اقنوم" کئی کئی ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب وحاکم ہے خود اس کے اوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم ومتصرف نہیں۔

أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ

کے موافق چلنے لگے ف۳۵ پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ

اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور یا (اور)

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ

اسباب بنانے کی غرض سے اس میں ایسا ہی جھاگ ہے ف۳۶ اسی طرح حق و باطل کی اللہ مثال بیان

وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا

کرتا ہے ف۳۷ سو جھاگ تو تھما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز

مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ

لوگوں کے لئے کار آمد ہے سو وہ زمین پر رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح

يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ

مثالیں بیان کیا کرتا ہے ف۳۸ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہنا مان لیا ان کے لئے

الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم

نیک (بدلہ) ہے ف۳۹ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر

مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا

دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اور اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب اپنی طرف سے بطور فدیہ

بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ

دے ڈالیں ف۴۰ سخت حساب ان لوگوں کا ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ

اور وہ کیسی بری قرارگاہ ہے ف۴۱ کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

ف۳۵ (یعنی چھوٹے نالے کم پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ سب اپنی اپنی بساط وحیثیت کے مطابق) ف۳۶ (اور وہ بھی اوپر آجاتا ہے) زَبَد۔ سے یہاں مراد ہے میل کچیل، خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ۔ ف۳۷ یعنی ایک طرف توحید و ایمان اور دوسری طرف کفر و شرک کی۔ ف۳۸ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لیے) فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لیے اصل چیز کے اوپر نظر آتا ہے لیکن آخرکار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لیے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے، اور حق باقی و ثابت رہتا ہے۔ ف۳۹ یعنی جنت۔ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کر لی۔ ف۴۰ (قیامت کے دن اس امید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے) لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ۔ یعنی بدستور راہ معصیت و کفر پر قائم رہے۔ ف۴۱ یعنی قیامت میں ساری کائنات اور اس سے بڑھ کر بھی تصدیق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اور یہ بدستور گرفتار عذاب رہیں گے۔

ف۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں) اَفَمَنْ يَّعْلَمُ ..... الْحَقُّ یعنی مومن و مسلم۔ مَنْ هُوَ اَعْمٰى ۔ یعنی کافر و منکر۔ يَعْلَمُ ۔ علم یہاں یقین و اعتقاد کے معنی میں ہے۔ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی رسول اللہ ﷺ نے وحی خفی کی بناء پر قرآن سے باہر جو احکام دیئے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ یہ اولوا الالباب یا صاحبان فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے اور یہی فرق ہے لُب اور مطلق عقل کے درمیان۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) وقيل هو ما زكى من العقل فكل لُبّ عقل و ليس كل عقل لُبًّا (راغب) واللُّبُّ اخص من العقل و هو الذى ذهب اليه الراغب (روح) فقہاء نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معاد ہی ہے وہی جو تذکر کرتی ہے اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے اگر چہ امور دنیوی میں وہ ناواقف ہو۔ ف۴۳ (جو اللہ سے یوم الست میں کر چکے ہیں) اہل فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہد الٰہی کے ایفاء کرنے والے ہیں — عَهْدِ اللّٰهِ ۔ سے مراد وہ عہد اطاعت ہے جو انسان روز اول اللہ سے کر چکا ہے۔ اے ما عقدوا على انفسهم من الاعتراف بربوبيته حين قالوا بلى (بیضاوی) وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لیے گئے ہیں جو دلائل شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اے كل ما قام الدليل عليه (کبیر) يدخل فيه الاتيان بجميع المامورات والانتهاء عن كل المنهيات (کبیر) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے۔ اور اس کی ادائی کا درجہ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے۔ و اقله درجة اجتناب الكبائر (ابن العربی) ف۴۴ (اور کبھی اپنی طاعت و اطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بے فکر نہیں ہو جاتے) يَصِلُوْنَ ۔ يوصل یہ اہل فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی۔ پہلی آیت میں جس طرح سے حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آ گیا۔ رعاية جميع الحقوق الواجبة للعباد (کبیر) حاصل الكلام ان قوله الذين يوفون بعهد الله اشارة الى التسليم لامر الله (قوله والذين يصلون ما امر الله به ان يوصل) اشارة الى الشفقة على خلق الله (کبیر) يَخْشَوْنَ .... الْحِسَابِ ۔ یعنی ان کے اس حسن کردار کی بنیاد ان کی خشیت الٰہی پر ہوتی ہے۔ ف۴۵ حق تعالیٰ کی رضا، یہی لوگ حاصل کریں گے اور یہی لوگ رضاء الٰہی کے محل و مقام میں ہوں گے۔ یہ سب شناختیں انہیں صاحبان فہم کی بیان ہوئیں۔ الَّذِيْنَ .... رَبِّهِمْ ۔ یعنی دین حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں۔ اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے۔ يدخل فى الصبر على فعل العبادات والصبر على ثقل الامراض والمضار و الغموم والاحزان والصبر على ترك المشتهيات و بالجملة الصبر على ترك المعاصى و على اداء الطاعات (کبیر) سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔ یعنی حسب موقع و مصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی بھی رکھتے ہیں، مثلاً جو رقم سلطنت اسلامی میں واجب الادا ہو اسے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔ اے يتبعون السيئة الحسنة فتمحوها (بیضاوی) عن ابن عباسؓ انه قال يدفعون بالصالح من العمل السىء من العمل و هو معنى قوله ان الحسنات يذهبن السيئات (معالم) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۔ یعنی اپنی جائز و حلال کمائی سے۔ حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔ قالت المعتزلة ذلك يدل على انه لا رزق الا الحلال و لو كان الحرام رزقًا لكان قد رغب فى انفاق الحرام و انه لا يجوز (کبیر) ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۔ یعنی ان کے صبر و ثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ محض اجر و رضاء الٰہی ہی مقصود رہتا ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

نازل ہوا ہے حق ہی ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو بس اہل فہم ہی

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

قبول کرتے ہیں ف۴۲ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ

اور (اس) پیمان کو توڑتے نہیں ہیں ف۴۳ اور جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

حکم دیا ہے جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا

سُوْۗءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ

اندیشہ رکھتے ہیں ف۴۴ اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط

رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

خفیہ بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

انہی کے حق میں نیک انجام ہے ف۴۵ (یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ

اور (وہ بھی) جو جنت کے لائق ہوں گے ان کے ماں باپوں میں سے اور ان کے میاں بیویوں میں سے اور ان کی اولاد میں

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

سے ف۴۶ اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوتے ہوں گے

معناه انه صبر لمجرد ثوابه و طلب رضا الله تعالىٰ (کبیر) لا غيره من اغراض الدنيا (جلالین) عُقْبَى الدَّارِ ۔ یعنی جنت جو اس دنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔ اے عاقبة الدنيا و هى الجنة (مدارک) ف۴۶ یعنی یہ نیک کردار اور اولوا الالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہوں گے، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائے گا، بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہو۔ مَنْ صَلَحَ ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہل جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفوریت کے لیے کافی نہیں مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہوگی البتہ ترقی درجات و مراتب کی گنجائش اعزہ و اقربا کی شفاعت کی بنا پر ہے۔ قال ابن عباسؓ يريد من صدق بما صدقوا به و ان لم يعمل مثل اعمالهم (کبیر) قال الواحدى والصحيح ما قال ابن عباسؓ (کبیر) والمعنى انه يلحق بهم من صلح من اهليهم و ان لم يبلغ مبلغ فضلهم تبعًا لهم تعظيمًا لشانهم (بیضاوی) و هو دليل على ان الدرجة تعلو بالشفاعة (بیضاوی) و فى التقييد بالصلاح دلالة على ان مجرد الانساب لا تنفع (بیضاوی) و ان لم يعملوا بعملهم يكونون فى درجاتهم تكرمة لهم (جلالین) اے يجمع بينهم و بين احبائهم فيها من الآباء والاهلين و الابناء بمن هو صالح لدخول الجنة من المؤمنين لتقرا عينهم بهم (ابن کثیر) اٰبَاۗىِٕهِمْ ۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آ جائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے۔ اَزْوَاجِهِمْ ۔ زوج میں میاں بیوی مذکر و مؤنث دونوں آ گئے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

(یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس کے صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے سو (تمہارا) اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ف۴۷

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اور اسے کاٹتے رہتے ہیں جس کیلئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد

فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ

کرتے رہتے ہیں ایسوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی

الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ

(ہی) ہے ف۴۸ اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کردیتا ہے اور (جس پر چاہے) تنگ کردیتا ہے ف۴۹

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے

فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

مقابلہ میں بس ایک حقیر ہی سودا ہے ف۵۰ اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر

لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا ف۵۱ آپ کہہ دیجیے کہ واقعی اللہ گمراہ رکھتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ

جسے چاہتا ہے اور راہ دکھا دیتا ہے اسے جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف۵۲ (یعنی) وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ

جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہوگیا ف۵۳ خوب سن لو کہ

ذُرِّيّٰتِهِمْ۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں کہ فروع وتوابع سب آجائیں لڑکے لڑکی، پوتے نواسے اور پھر شاگرد مسترشدین وغیرہ۔ ف۴۷ حالت سرور، فرحت ونشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی سننا چاہتا ہے جو اس کے لیے اور زیادہ کیف آور ونشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آآ کر ایسے ہی پیام پہنچا ئیں گے۔ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۔ "ہر ہر دروازے سے" کے ایک معنی تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے اور یہ پیام مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنی یہ لیے گئے ہیں کہ مومن نے دنیا میں جتنے قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسن معاملت، سچائی وغیرہ اس میں سے ہر ہر قسم کے لیے ایک ایک دروازہ قائم ہوجائے گا اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔ قال ابو بكر الاصم من كل باب من ابواب البر (کبیر) ف۴۸ اب اولوالالباب کے مقابلہ میں ناہم، کج فہم بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کی عادتیں بھی اس دنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرۃً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ... يُّوْصَلَ یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد سب میں یہ شریعت الٰہی کی خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ عقاید شرکیہ اور اعمال شرک وفسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ و ذلک الفساد هو الدعاء الى غير دين الله و قد يكون بالظلم فى النفوس والاموال و تخريب البلاد (کبیر) ف۴۹ (اس انتظام تکوینی کو مقبولیت وعدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق وباطل کا معیار معیشت کی خوشحالی وفارغ البالی اور تنگ دستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہورہی ہے، اور ارشاد ہورہا ہے کہ اس کا تعلق تمامتر مشیت تکوینی سے ہے۔ يَقْدِرُ ۔ کے معنی یہاں تنگ کردینے کے لیے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے۔ قال المفسرون معنى يقدرههنا يضيق (کبیر) ف۵۰ ان منکرین آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اسی محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے مابعد شروع ہونے والا ہے یکسر بے خبری کیے ہوئے ہیں ..... جیسے یہ سارا کارخانۂ حیات کسی صاحب شعور وصاحب ارادہ کا برپا کیا ہوا ہی نہیں۔ مَتَاعٌ ۔ میں تنوین تحقیر کی ہے۔ ف۵۱ یعنی یہ کافر ازراہ طعن وعناد کہتے ہیں، کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے ہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کے لائق لے کر کیوں نہیں آئے ہیں۔ ف۵۲ (اور یہ رجوع وانابت بندہ کا فعل اختیاری ہے) اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتیب ہدایت کا وعدہ ہے۔ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ۔ یعنی جسے اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے ..... گمراہی کی بابت کئی بار اوپر آچکا ہے کہ یہ انہی کے نصیب میں آتی ہے جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے۔ ف۵۳ (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہوگیا)

اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے ف۵۴ جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ
عمل کیے ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ف۵۵ اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ
ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی امتیں گزر چکی ہیں

لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ
تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے (مگر) وہ لوگ

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
رحمٰن کے ساتھ کفری کررہے ہیں ف۵۶ آپ کہہ دیجیے وہی میرا پروردگار ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا
اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (مجھے) واپس جانا ہے ف۵۷ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ
جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین (جلدی جلدی) طے ہو جاتی یا اس کے ذریعے

بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ
مردے بولنے لگتے (جب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) ف۵۸ بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے کیا پھر

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ
بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت

جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا
دے دیتا ف۵۹ اور (یہ) کافر تو ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے کہ (کوئی نہ کوئی) حادثہ ان پر

ف۵۴ یعنی ذکر الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے الجھاؤ سے بچاتا ہے، اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقین توحید اس کے لیے سپر ہو جاتا ہے...... البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے و مرتبے ہوتے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اسی نسبت سے اطمینان قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذکر الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف و خشیت کا ہے۔ اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوف خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم و مکمل ہیں۔ ف۵۵ خوشحالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں...... خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغ خاطر ہی مقصود ہے۔ ف۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اُلٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) کذٰلک۔ یعنی جس طرح ہم اور امتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ ای کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر، عن ابن عباسؓ والحسن وقتادة) ف۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) علیہ توکلت۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لیے کافی ہے اور آخری جزاء وصلہ کی توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔ ف۵۸ لو۔ کلمہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے جو متن ترجمہ میں قوسین میں ظاہر کر دی گئی اور اسلوب بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔ حرف بل خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرۂ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ موثر حقیقی نہیں۔ منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبر کا دعویٰ ہے تو داؤد پیمبر ﷺ کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے یا سلیمان ﷺ رسول کی طرح سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے یا عیسیٰ نبی ﷺ کی طرح مردے کیوں نہیں جلا دکھاتے، آیت انہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے۔ ف۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب موثرات خارجی جمع کر دیے جاتے جب بھی موثر حقیقی یہ خوارق بالکل نہیں۔ توفیق ہدایت تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے۔ بہت سے سادہ دل مسلمان اب بھی اپنی سادہ دلی سے یہ تمنا کیے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کفار شاید ایمان لے ہی آتے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی ان کے تعصب و عناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ امید لگائے بیٹھے ہو! فاطر کائنات اور ناظم فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہو ہی جاتی لیکن جب اس نے اس عالم کو عالم ابتلا بنا رکھا ہے اور ہر مکلف کے لیے طلب ہدایت لازمی رکھ دی ہے۔ تو اب ان معاندین کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے،

صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى

ان کے کرتوتوں کے باعث برابر تباہی رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے ف۶۰ یہاں تک

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

کہ اللہ کا (وقت) موعود آ جائے گا یقینا اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف۶۱

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

اور بالیقین رسولوں کے ساتھ آپ کے قبل بھی استہزاء ہو چکا ہے لیکن میں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی (سخت) تھی! ف۶۲

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا (وہ دوسروں کے برابر ہے؟) ف۶۳

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ

ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں۔ آپ کہیے ان کے صفات تو بتاؤ ف۶۴ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یہ ہے کہ (وہ محض) ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ ف۶۵

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا

بلکہ بات یہ ہے کہ (ان) کافروں کی نظر میں ان کا مکر خوشنما کر دکھایا گیا ہے اور یہ لوگ

عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں ف۶۶ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے کوئی راہ پر لانے والا

هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ

نہیں ف۶۷ ان (کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذاب آخرت (اس سے)

ف۶۰ (جس سے انہیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر یہ بلا آ پڑے) وَ لَا يَزَالُ۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہو گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو از راہ عناد خوارق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ قَارِعَةٌ۔ مثلاً جنگ میں شکست یا قید، یا قتل۔ ف۶۱ (اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے) وَعْدُ اللّٰهِ۔ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔ الموت او القيامة (بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہیں گے۔ یہاں تک کہ موت آ پہنچے گی اور عذاب برزخی و اُخروی کا مشاہدہ شروع ہو جائے گا ف۶۲ اور سرکش اور نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثری کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہو گئی انہیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر و ترحم کی نہ رہ گئی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہیے تھا کہ موجودہ کفار و معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئے گا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر عمل کر رہے گی۔ ف۶۳ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ دان، معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ، بے خبر معبودان باطل برابر ہو سکتے ہیں؟ قَآئِمٌ ..... كَسَبَتْ۔ یعنی ہمہ دان، ہمہ توان قادر مطلق و علیم کل۔ اے قادر على كل الممكنات عالم بجميع المعلومات (کبیر) اے رقيب و مهيمن (روح) ف۶۴ جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے) سَمُّوْهُمْ۔ اسم۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ علم آدم الاسماء كلها کے تحت میں گزر چکا ہے۔ مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اُردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجیے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کر دو۔ قيل صفوهم ثم انظروا هل هي اهل لان تعبد (معالم) والمعنى صفوهم فانظروا هل لهم ما يستحقون به العبادة (بیضاوی) و ليس المراد ان يذكروا اساميها نحو اللات والعزّى و انما المعنى اظهار تحقيق ما تدعونه الٰها و انه هل يوجد معاني تلك الاسماء فيها (راغب) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ شریک ٹھہرانا یہی ہے کہ کسی صفت خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔ ف۶۵ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں) تو اگر یہ شق قبول ہے، تو خود ہی اعتراف ان نام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے، اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ ..... الْاَرْضِ حق تعالیٰ تو اُنہی چیزوں کو موجود جانے گا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انہیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے نام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہی کہاں ہیں، جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو، ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے بس وہ تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔ ف۶۶ (اپنے عناد و تعصب اختیاری کی بنا پر) مَكْرُهُمْ۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات۔ ان کی طرح طرح کی چالیں عداوت اسلام و مسلمین میں۔ ف۶۷ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے بار بار آ چکے ہیں۔

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

بدرجہا سخت ہے ۶۸ اور انہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ۶۹

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ

جنت جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہو گا یہ

عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

انجام ہو گا اہل تقوے کا اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے ۷۰

وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

اور جن لوگوں کو کتاب ہم نے دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے ۷۱

وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ

اور انہی کے گروہ میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض (حصوں) کا انکار کرتے ہیں ۷۲ آپ کہیے کہ مجھے تو بس

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ

اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ کروں، اسی کی طرف میں

اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے (واپس) جانا ہے ۷۳ اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا بطور ایک

عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

صاف حکم کے ۷۴ اور اگر آپ کہیں ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح)

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا ۷۵

۶۸ (بہ لحاظ شدت بھی اور بہ لحاظ مدت بھی) عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ قتل و ہلاکت، اسیری و جزیت، مرض و قحط، بہت سی صورتیں عذاب دنیوی کی ہو سکتی ہیں۔ ۶۹ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) ۷۰ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں کفر و ضلالت اور ایمان و ہدایت کا انجام بتا دیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیے۔ اَلْمُتَّقُوْنَ۔ تقویٰ کی اولین شرط کفر و شرک سے احتیاط ہے۔ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ۔ جنت کی نہ تو کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ کوئی راحت زائل۔ ۷۱ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی) لانهم امنوا به و صدقوه (کبیر عن ابن عباسؓ) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہل کتاب تھے صحیح معنی میں اپنے اپنے دین و شریعت کے پیرو تھے، یہ رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے، هم الذین امنوا بالرسول من اهل الکتاب (کبیر عن ابن عباسؓ) ۷۲ یعنی ایسے حصوں سے انکار جو ان کی مرضی و خواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ اَلْاَحْزَابِ۔ یعنی کافروں و مشرکوں کے وہ جتھے جنہوں نے رسول اسلام کی مخالفت پر جتھے بنا لیے اور اس میں مشرکین و اہل کتاب سب آ گئے۔ والاحزاب بقیة اهل الکتاب و سائر المشرکین (کبیر عن ابن عباسؓ) یعنی کفرتهم الذین تحزبوا علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالعداوة (بیضاوی) ۷۳ ذرا اسے غور کر کے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد، تینوں بنیادی عقیدے آ گئے۔ هذا الکلام جامع لکل ما ورد التکلیف به (کبیر) اذا تامل الانسان فی هذه الالفاظ القلیلة ووقف علیها عرف انها محتویة علی جمیع المطالب المعتبرة فی الدین (کبیر) اُمِرْتُ۔ یعنی میرے پاس وحی سے حکم بھیجا ہے، اثبات رسالت۔ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ۔ اثبات توحید۔ اِلَیْهِ اَدْعُوْا۔ اثبات رسالت۔ اِلَیْهِ مَاٰبِ۔ اثبات معاد۔ ۷۴ (جس کے اصل مسائل و احکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی و کتاب نازل کی تھی۔ عَرَبِیًّا۔ صاف واضح، عربی پر حاشیہ پارہ ۱۲ سورۂ یوسف آیت ۲ کے ذیل میں گذر چکا۔ ۷۵ اللہ اکبر! دائرۂ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر بلکہ سرور انبیاء تک کو نہیں دی گئی ہے! اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہل کتاب کی جانب سمجھی گئی ہے اور ان کی اھواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آ گئیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور ان کے لئے بیویاں

اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

اور بچے بھی رکھے ۷۷ اور کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ

اللہ کے حکم کے لا سکے ۷۸ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے ۷۹ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے

مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ مَّا

مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے، ۷۹ اور جس چیز کا

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمْ

تو آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ۸۰ کیا یہ اسے نہیں

يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کی ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں ۸۱

وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِيْعُ

اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ

لینے والا ہے ۸۲ اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی) چالیں چل چکے ہیں حالانکہ تدبیر

الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

تمام تر اللہ ہی کی ہے ۸۳ وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ کرتا رہتا ہے

ف۷۷ (اور یہ عیالداری کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپ کے صاحب ازواج واولاد ہونے پر کیا اعتراض ہو رہا ہے؟) آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ رسالت تو بہت قدیم ہے اور آپ کا دعوے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، نوح علیہ السلام اور ابراہیم خلیل، اسحاق واسمٰعیل، یعقوب وموسیٰ کلیم، داؤد وسلیمان علیہم السلام آخر ان سب کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیالدار ہوئے ہیں، پھر آخر آپ کی عیالداری پر اعتراض کیوں ہے؟ آیت میں تردید ہے، بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی جہاں خانہ داری اور عیالداری کی زندگی کو تقرب الٰہی و خدا رسی کے منافی سمجھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت میں بڑی عبرت وبصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے "مجرد" اور "تارک الدنیا" مشائخ اور اہل خانقاہ کے لئے ہے، جنہوں نے شادی بیاہ، بیوی اور اولاد کو کمالات ولایت وروحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے، ف۷۸ (خواہ وہ آیت تکوینی تنزیلی ہو یا آیت تکوینی ہو معجزہ وخوارق) اٰیَۃٍ۔ کے دو مختلف معنی ہیں ایک تو آیت قرآنی یا حکم الٰہی، دوسرے نشانی یا معجزہ۔ یہاں مراد دونوں ہو سکتے ہیں، یعنی کوئی رسول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیل الٰہی لا سکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔ اکابر تفسیر سے منقول بھی دونوں معنی ہیں۔ لیکن آگے جو مضمون آ رہا ہے اس سے مناسب تر معنی آیت تکوینی وتنزیلی ہی کے ٹھیرتے ہیں۔ فقد یراد بالاٰیۃ اٰیۃ الکتابیۃ النازلۃ بالحکم علی وفق مراد المرسل الیھم وھو اوفق بما بعد (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبہ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے اور جب اس کی ممانعت پیمبروں سے ہے جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھیرتی ہے، جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے ہی نہیں، ف۷۹ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومناسب احکام لانے والی یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی کہ جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے)۔ لِکُلِّ اَجَلٍ۔ معنی ہر دور کے لئے۔ ہر مدت معین کے لئے۔ کِتَابٌ۔ کتاب کے معنی حکم کے بھی ہو سکتے ہیں اور حدیث میں بکتاب اللہ بحکم اللہ کے معنی میں آیا بھی ہے۔ بکتاب اللہ ای بحکم اللہ الذی انزل فی کتابہ وکتبہ علی عبادہ (تاج) ای حکم معین یکتب علی العباد حسب ما تقتضیہ الحکمۃ (روح) ف۷۹ چھوٹی بڑی ہر شے اسی کی مشیت اور قدرت کے ماتحت ہے۔ اُمُّ الْکِتٰبِ۔ سے عموماً مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ ای عندہ اصل الکتب وجملتہ (ابن جریر) اصل کل کتاب وھو اللوح المحفوظ (کشاف) ھو الذی یکون اصلا لجمیع الکتب (کبیر) ف۸۰ قبل اس کے کہ وہ عذاب موعود آئے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ) ضمناً وبجاراتے جزو سے دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔ (۱) ایک یہ کہ آپ کی وفات واقع ہوگی آپ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور دعووں کا اظہار آپ کی زبان سے کرایا گیا۔ ان میں سے بعض کا وقوع آپ کے بعد ہی ہوگا۔ اَلَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی عذاب الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔ وَ اِنْ مَا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئیں۔ یہ سب کافروں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا ہے؟ صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت وامتثال بہر صورت لازم ہے۔ دنیا میں کشود وفتوح سے اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہیے۔ الغرض عذاب جلد آئے یا بدیر، بہر صورت آپ زیادہ فکر وتشویش میں نہ پڑیں عذاب اپنے وقت معین پر آئے گا ضرور) آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کر دیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں رسول، مقرب ترین رسول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر سزا وجزا سوال وباز پرس کا تعلق صرف فاطر کائنات سے ہے۔ ف۸۱ (ان کے حق میں) یعنی یہ مغرور اور سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور حصے زمین ان کے ہاتھ سے نکال کر اسے اہل ایمان کے قبضے میں دیتے جاتے ہیں، عذاب دنیوی یہ اگر نہیں تو اور کیا ہے؟۔ ایک ایسا انسان جو بظاہر تمام تر تائیدی اسباب سے محروم ومعرا تھا اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آ جانا اگر تائید غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سورۃ مکی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ خاص آیت مدنی ہو۔ مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں۔ لیکن آیت اگر مکی ہی ہو جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا اسلام پھیل تو برابر رہا تھا اور مسلمانوں کی آبادی، مغلوبیت ومظلومیت کے باوجود بہر حال بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ف۸۲ پچھلی آیت میں یہ بتایا کہ حساب کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اب یہ بیان ہوا کہ حساب کتاب میں دیر نہ لگے گی۔ اللہ بہت ہی جلد سب کا حساب چکا دینے والا ہے۔ اور کوئی قوت اس کی مشیت وارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (جیسے کہ احمق مشرکین سمجھ رہے ہیں) ف۸۳ (اپنے اپنے رسول وقت کے مقابلہ میں اور بری طرح ناکام بھی رہ چکے ہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی ناکامی یقینی ہے۔

وف ۸۴ سَيَعْلَمُ۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے۔ یعنی اپنی موت کے وقت ۔س دلالت قرب کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے۔ یعنی ایسا یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔ قيل السين لتاكيد وقوع ذلك وعلمه به (روح) فَيَنْدَ امتُكُرُ جَمِيْعًا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازیوں کو چلنے نہیں دیتا۔ مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بہ طریق مشاکلت آتا ہے اور معنی جواب مکر کے ہوتے ہیں۔ اس پر حاشیہ کئی بار گزر چکا۔ محاورۂ اردو میں مکر صرف برائی کے موقع پر ہے۔ عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے اچھائی اور برائی ہر موقع کے لئے۔ وف ۸۵ وَمَنْ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ یعنی محققین اہل کتاب۔ هم اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اناس من اهل الكتاب. كانوا يشهدون بالحق ويقرون به (ابن جریر عن قتادہ) اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی و پارسائی سے، غرض آپ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہل کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپ کے متعلق کتب سابق میں موجود تھیں۔ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے۔ قيل قاله رؤساء اليهود (روح) قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیغمبر آخر الزمان کا آنا درست لیکن لَسْتَ مُرْسَلًا۔ تم وہ پیغمبر مرسل نہیں ہو، تمہارا دعویٰ نبوت صحیح نہیں...... ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہل کتاب کی شہادت پیش ہونا لا حاصل تھی:۔

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ

اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے وف ۸۴ اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان

شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع

اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے، بہ طور گواہ کے کافی ہیں وف ۸۵

آياتها ٥٢ ١٤ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ٧٢ ركوعاتها ٧

اس میں ۵۲ آیتیں سورہ ابراہیم مکی ہے اور ۷ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔ لام۔ را۔ (یہ) کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب ستودہ صفات

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿١﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کی راہ کی طرف وف ۱ وہی اللہ کہ اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

اور جو کچھ زمین میں ہے وف ۲ اور بڑی خرابی ہے عذاب شدید سے

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ

کافروں کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر

سورة ابراهيم عليه السلام :۔ وف ۱ یعنی اس کتاب مقدس کی تنزیل کی غرض وغایت تمامتر یہ ہے کہ آپ اس کے واسطہ سے لوگوں کو جو اب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں، توحید وہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ الٓرٰ۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا الله ارى کا۔ میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ لِتُخْرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبۂ تبلیغ میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے۔ مراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔ النَّاسَ۔ ال استغراق کا کلیت کو چاہتا ہے۔ یعنی جمیع نسل انسانی۔ یہ ایک مزید دلیل ہے اس کی کہ آپ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں، بلکہ عام اور کافۂ انام کی جانب تھی۔ والناس عام اذهو مبعوث الى الخلق كلهم (بحر) والمراد من الناس جميعهم (روح) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں۔ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ ظلمت کا صیغہ جمع اور نور کا صیغہ واحد اس کی دلیل ہیں کہ گمراہیاں اور اقسام کفر کثرت سے ہیں بہ خلاف اس کے راہ ہدایت ایک ہی ہے...... وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوط منحنی اور خط مستقیم میں ہوتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا، خدائے قادر وتوانا ہی کی قدرت ومشیت سے ہوگا۔ پیغمبر متصرف وحاکم اس حد تک بھی نہیں۔ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ غلبہ وقوت بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور مدح وتحسین کی حقدار بھی اسی کی ذات ہے...... وہی ایک صفات کمال وجمال دونوں کا مالک ہے۔ وف ۲ مالک حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے کوئی دوسری ہستی اس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جزء میں بھی شریک نہیں۔

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۳

ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے) ہیں ف۳

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اسی کی زبان میں کہ وہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ

ان لوگوں پر (احکام و تعلیمات کو) کھول کر بیان کریں ف۴ پھر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۵ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے ف۶ اور بالتحقیق ہم نے

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو نکال لاؤ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور انہیں اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ف۷ بیشک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَ اِذْ

ان میں (بڑی) نشانیاں ہیں ہر صابر ہر شاکر کے لئے ف۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

موسیٰ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

جب کہ اس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیف

ف۳ (اصل حقیقت سے بہت ہی دور) اَلَّذِیْنَ ..... الْاٰخِرَۃِ۔ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اسی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ محبت دنیا مطلق صورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہل غلو نے ٹھیرا لیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی وجبلی ہے۔ البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جرم اور جرم عظیم ہے۔ یَبْغُوْنَھَا عِوَجًا۔ یعنی اس میں شبہ نکال نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ف۴ تو گویا اصل مقصود پیغمبر کی زبان اور اس کی امت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام و تعلیمات کی خوب تبیین و تشریح ہو جائے جس سے امت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اول و براہ راست ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ اور تمام پیغمبروں سے ممتاز، دوہری حیثیت رکھتے تھے ایک حیثیت تو آپ کے رہبر عالم ہونے کی تھی جس کی توضیح قرآن مجید کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس۔ کافۃ للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیغمبر عرب ہونے کی تھی اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ف۵ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے) فَیُضِلُّ اللّٰہُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے وہ احکام شریعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مَنْ یَّشَاۗءُ۔ یعنی یہ اضلال وہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت ومصلحت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتی ہیں۔ ف۶ یہ صفات یہاں لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اس کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن، وہ ہدایت انہی کو دیتا ہے جن کی ہدایت مصالح تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے۔ ف۷ (رحمت وعذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزو تاریخ بن چکے ہیں) قَوْمَكَ۔ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔ فقہاء نے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے، کہ وعظ وتذکیر میں واقعات اثر انگیز رقت انگیز کا لانا جائز ہے۔ فی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین (ابن العربی) اَیّٰمِ اللّٰہِ۔ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت واقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا وقحط، محکومی وغلامی۔ غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آ جاتے ہیں۔ عن ابن عباسؓ والربیع ومقاتل وابن زید المراد بایام اللہ وقائعہ سبحانہ ونعمائہ فی الامم الخالیۃ (روح) وانذرھم بوقائع التی وقعت علی الامم قبلھم (کشاف) یعبر بالایام من الوقائع العظیمۃ التی وقعت فیھا یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعھا (کبیر) ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ اضافۃ الایام الی اللہ تعالیٰ تشریف لامرھا لماافاض اللہ علیھم من نعمۃ فیھا (راغب) اَنْ اَخْرِجْ۔ میں ان اے کے معنی میں ہے اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں۔ بمعنی اے اخرج لان الارسال فیہ معنی القول کانہ قیل ارسلنا وقلنا لہ اخرج (کشاف) ف۸ (صابر کے لئے یہ کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) فِیْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی ایام اللہ میں قوم کے ساتھ اللہ کے انہی تاریخی معاملات میں۔ یا ان کی تذکیر میں۔ اے فی التذکیر بایام اللہ تعالیٰ او فی الایام (روح)

سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع

زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ف۹

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دے دی تھی ف۱۰ کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں

كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَ قَالَ مُوْسٰٓى

ضرور زیادہ دوں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے ف۱۱ اور موسیٰ نے کہا

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

کہ اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ

تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے ستودہ صفات ہے ف۱۲ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں

مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِيْنَ

جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور جو لوگ

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

ان کے بعد ہوئے ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے بجز اللہ کے ف۱۳ ان کے پیمبر ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیئے

وَ قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

اور بولے ہم منکر ہیں اس (حکم) کے جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو ف۱۴ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو

ف۹ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ پارۂ اول سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں آچکی ہے۔ اور وہیں مفصل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۱۰ (میرے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی چل رہی ہے۔ ف۱۱ (دنیا اور آخرت دونوں میں) لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ زیادتی اور افزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اسی نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی اگر توفیق شکر وغیرہ بھی مراد لی جائے تو عموم لفظ سے یہ سب بھی بخوبی نکل سکتا ہے۔ بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ۔ شکر کی تعریف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے۔ اما الشكر فهو عبارة عن الاعتراف بنعمة المنعم مع تعظيمه وتوطين النفس على هذه الطريقة (کبیر) بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ امور ناگوار طبع پر تحمل اور ثبات اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور امور موافق طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح وثناء کرنا یہ شکر ہے، اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں لیکن ان حجابات لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف ورحیم پر رکھنا، اسی کو فاعل حقیقی سمجھنا اور حال طاری کی تلخی وشیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعل محبوب ہی سے لذت ومسرت حاصل کرتے رہنا اور اسی کے آگے بہ کمال ادب سر جھکائے رکھنا رضاء وتسلیم ہے اور اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ ف۱۲ (نہ اسے کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کے استکمال بالغیر کا گزر ہے۔ ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں۔ من نذر رام پاک از تسبیح شان ف۱۳ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے نہ ان کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام، قوم عاد، قوم ثمود سب پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۱۴ (اپنے زعم ودعوے کے مطابق) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل ومعجزات دونوں آگئے۔ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدت عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے کوشش یہ رہتی تھی کہ انہیں بولنے تک نہ دیا جائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر وانکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوء ادب ایک مستقل جرم ہے۔

مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں (جو ہم کو) تردد میں ڈالے ہوئے ہے، ف۱۵ ان کے پیغمبر بولے

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ف۱۶

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ

وہ تمہیں (توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایک مدت معین تک

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ

حیات دے ف۱۷ (اس پر وہ) کہنے لگے تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو ف۱۸

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اس سے ہم کو روک دو،

فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

سو لاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ ف۱۹ ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

(بیشک) ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ

چاہے احسان فرما دے ف۲۰ اور یہ ہمارے بس میں نہیں کہ

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ

ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں ف۲۱ اور ایمان والوں کو تو چاہیے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ف۲۲ اور ہم اللہ پر بھروسہ کیسے

ف۱۵ (کہ تم کیسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو) مِمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ۔ یعنی عقیدۂ توحید و قانونِ شریعت۔ فِيْ شَكٍّ۔ کے بعد مریب کا اضافہ تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات اور زیادہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ هو صفة توكيدية (روح) ف۱۶ پیغمبر یہ سن کر نہایت حیرت و استعجاب سے بول اٹھے۔ ارے تو کیا تمہیں شک و شبہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے۔ ف۱۷ (اس دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ)۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ یعنی تمہارا پچھلا کفر و انکار اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوئے ہیں۔ ف۱۸ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟) شرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے۔ اوتار یعنی خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے، انسانوں ہی کی طرح رہے سہے، چلے پھرے، سوئے جاگے، اور پھر دعویٰ کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالق کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ میں اس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے! آہ! کہ آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اسی مرض میں مبتلا ہے۔ سید الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں، ان کے ایک ایک خادم و چاکر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے، اسے فوق البشر بنائے بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ف۱۹ (جس کے بعد انکار و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے) معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیغمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چون و چرا کی گنجائش ہی سرے سے نہ رہ جائے! ... احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر و اضطرار کی ہوگی اور جب انسان ایمان پر مضطر اور مجبور ہو گیا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔ تُرِيْدُوْنَ...... اٰبَآؤُنَا۔ کفر و انکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا موثر و قوی حربہ یہی ہے۔ جب گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیغمبر وغیرہ (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے۔ تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین و آئین میں رخنہ ڈال دو اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو! ف۲۰ اور بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے) منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمام تر صحیح تھا۔ یعنی پیغمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں لیکن جب اس پر مقدمۂ اول (کبریٰ) ان پر لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے "تم رسول ہو ہی نہیں سکتے" تو ان کا استدلال تمام تر فاسد ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کا یہ مفروضہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، خود تمام تر باطل تھا۔ حضرات انبیاء کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں۔ یقیناً ہم بشر ہی ہیں لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل و افضل مرتبہ کا نام نبوت و رسالت ہے اور یہ انہی کو عطا ہوتا ہے جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے۔" بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں، منکروں کے درمیان ثابت ہے، اصل انسانیت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے۔ ف۲۱ یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مدعی ہی نہیں، وہ تو سب اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے تو کوئی امر دکھلا دیا جاتا ہے جو تمہیں خارق عادت معلوم ہوتا ہے۔ ف۲۲ (چہ جائیکہ پیغمبر جو مومنین میں افضل و اکمل ہوتے ہیں ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ و مرتبہ کا ہونا چاہیے) آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ کا مقتضائے کمال و قوت اس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل و رجوع الی اللہ ہے نہ کہ حصول اقتدار یا اس کا احساس۔

اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ
نہ رکھیں درآنحالیکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے وف۲۳ اور تم نے جو ہمیں ایذا پہنچائی اس پر ہم

اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع
صبر ہی کریں گے، اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے وف۲۴

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر

مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ
رہیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ وف۲۵ پھر ان (رسولوں) پر ان کے پروردگار نے

رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ۙ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ
وحی نازل فرمائی کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے وف۲۶ اور ان کے بعد تم کو زمین پر آباد

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ
کر دیں گے یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور میری وعید سے

وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
ڈر رکھے وف۲۷ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی

عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ
نامراد ہوا وف۲۸ اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا

صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ۙ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ
جائے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا جیسے وہ حلق سے نہ اترے گا وف۲۹ اور ہر طرف سے اس پر

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ
موت آئے گی اور وہ (کسی طرح) مرے نہ گا اور اسے ایک (اور)

وف۲۳ (تو ایسے شفیق محسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہو گیا) سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔ وف۲۴ (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر) توکل شریعت اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں۔ حضرات انبیاء اور ان کے اصحاب در رفقاء تدبیر امور سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ اس بات میں نہایت مستعد رہے۔ البتہ موثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے۔ بلکہ انجام وتاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل وکرم کے امیدوار رہے۔ وَ لَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اسی توکل علی اللہ کی ہے۔ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا۔ اس ایذاء کے تحت میں وہ گل جسمانی ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آ گئیں جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہتی ہیں۔ وف۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے۔ الٹے انہوں نے یہ معاندانہ تقریر شروع کر دی۔ لَتَعُوْدُنَّ۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر وشرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو حکومت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے اس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کر لیا کرتے تھے کہ یہ بہر حال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔ اور عَود کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آ جانے کے لئے جائیں جیسا کہ لغت عرب میں ہیں تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور متعدد ائمہ تفسیر ولغت اسی طرف گئے ہیں۔ العود بمعنى الصيرورة وهو كثير في كلام العرب كثرة فاشية (کشاف) عاد قد تستعمل بمعنى صار فلا تستدعي الرجوع الى حالة سابقة (ابو البقاء) والمراد من العود الصيرورة و الانتقال من حال الى اخرى وهو كثير الاستعمال بهذا المعنى (روح) وف۲۶ (تو یہ بے چارے تمہیں کیا نکال سکیں گے) قوم کی قوم جب مخالفت پر تل جائے اور اس کے پاس سامان قوت واقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب سے ہلاک ہونے والے ہیں۔ وف۲۷ ابھی ابھی فتح ونصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست ونابود کئے جائیں گے اور سرفرازی وسربلندی تو تم کو نصیب ہوگی۔ معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کر کے اسے ہر مومن کے لئے عام کر دیا جاتا ہے۔ اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور عقاب کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہو۔ وف۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک ہو کر رہا۔ وَ اسْتَفْتَحُوْا۔ کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے اي استنصروا يعني الامم (معالم۔ عن ابن عباسؓ ومقاتل) الضمير للكفار (روح۔ عن ابن زید) ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جا سکتی ہے۔ والضمير للانبياء عليهم السلام (بیضاوی) وف۲۹ (شدت حرارت یا غایت کراہت سے) مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے۔ اور اس کے معنی جس طرح ''پیچھے'' کے ہیں، ''آگے'' کے بھی آتے ہیں۔ ائمہ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔ قال ابو عبيده و ابن السكيت الوراء من الاضداد يقع على الخلف والقدام (کبیر) اي من بين يديه (کشاف) يقال لمن خلفه ويقال لمن قدامه (راغب)

وَرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب سخت کا سامنا کرنا ہوگا ف۳۰ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے

يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى

اڑا لے جائے ف۳۱ انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا جو کچھ انہوں نے کیا دھرا

شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

تھا (اس سے) بڑے دور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ف۳۲ کیا تو نہیں دیکھتا کہ

اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے ف۳۳ وہ اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٩﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى

تم (سب) کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ف۳۴ اور یہ اللہ کو (کچھ بھی)

اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

مشکل نہیں اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہوں گے ف۳۵ پھر کمزور لوگ ان سے کہیں گے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

جنہوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو تمہارے تابع تھے ف۳۶ سو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

اللہ کے عذاب کا کچھ جزء ہی ہٹا سکتے ہو؟ ف۳۷ تو وہ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ

اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے (اور اب تو) ہم دونوں کے لئے برابر ہے

ف۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا۔ سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے۔ برابر اس میں اضافہ وترقی ہی ہوتی جائے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۔ اور وہ کسی طرح مرنے چھٹے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔ عذاب دوزخ کی شدت اور ہولناکی کا جو منظر حق تعالیٰ نے خود کھینچ دیا ہے کسی شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکے۔ اللّٰھم احفظنا ف۳۱ (اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ جائے) مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بہ ظاہر اعمال حسنہ ہیں، ان کی بے اثری ولا حاصلی کے لحاظ سے دی جارہی ہے۔ ف۳۲ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسا اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انہیں کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ ف۳۳ یعنی یونہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع ومصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔ بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوق تفریح کا نتیجہ ہے۔ یہاں کا رد ہو رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ۔ یعنی اے مخاطب تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔ ف۳۴ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پورا کرنے والی) ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فنا پذیر اور قائم بالغیر ہے۔ ف۳۵ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ بجائے اللہ کے پیشی اس کے سامنے ہو۔ ف۳۶ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے) قَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام واصاغر سمجھے جاتے تھے وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص واکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔ ف۳۷ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی کل عذاب تو بہر حال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ بھی جزء ہٹ جائے تو ہم اسی کو غنیمت سمجھیں۔ وہ جو دنیا میں خواص واکابر سمجھے جاتے تھے وہ تمامتر اپنی بے بسی اور بے کسی کا اعتراف کریں گے۔

أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ﴿٢١﴾ وَقَالَ الشَّيْطَٰنُ

خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں، (بہر حال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ف۳۸ اور جب

لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ

(سب) فیصلہ ہو چکے گا شیطان کہے گا ف۳۹ کہ اللہ نے تم سے (جو) وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا)

وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم

اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی، ف۴۰ اور میرا تم پر کچھ زور تو

مِّن سُلْطَٰنٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

تھا نہیں البتہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا

لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم ۖ مَّا أَنَا

سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو ملامت اپنے آپ کو کرو ف۴۱ (آج) نہ میں

بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ

تمہارا فریادرس اور نہ تم میرے فریادرس ف۴۲ میں خود بیزار ہوں اس سے

بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّٰلِمِينَ لَهُمْ

کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے حق میں

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

دردناک عذاب ہے ف۴۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل

الصَّٰلِحَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ

کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی،

خَٰلِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

ان میں وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اس کے اندر ان کی دعا (آپس میں)

ع ١٥

ف۳۸ یہ سب دنیا کے خواص واکابر جہنم میں یہاں کے عوام اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن وتشنیع کے جواب میں کہیں گے۔ ف۳۹ (اہل دوزخ سے ان کے گلے شکووں کے جواب میں) قُضِيَ الْأَمْرُ۔ فیصلہ سے مراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔ ف۴۰ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزا وسزا کا آنے والا ہے۔ اہل ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت۔ دنیا میں اس عقیدہ پر دلائل توی قائم ہیں اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔ شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں اور کوئی جزا وسزا آخرت میں نہیں ہونا ہے۔ دنیا میں اس عقیدہ کے ابطال پر دلائل توی قائم ہیں اور آخرت میں اسی ابطال کا ظہور ہوگا۔ ف۴۱ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہوا ہے۔ میرا اس میں کیا دخل) مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَٰنٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ میں تمہیں مجبور کر دیتا۔ یہ عقیدہ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمراہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے۔ باقی دوسرے جنات وغیرہ کی طرح جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہیں۔ ان سے یہاں کوئی تعرض نہیں۔ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ۔ یعنی میں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بلایا۔ ترغیب وتشویق پیدا کی اور تم نے اپنے ارادہ واختیار سے بہ سلامتی حواس وصحت عقل، میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ میں۔ یہاں سے یہ حقیقت صاف ہو گئی ہے کہ ہر کفر ومعصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ شیطان کی حیثیت محض شریک جرم یا معین جرم کی ہے۔ فَلَا تَلُومُونِي۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھیرا رہے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید وغیر مستلزم تھا۔ ف۴۲ (آخرت میں کفار ومشرکین الگ رہے۔ شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق کے عجز کامل اور بے بسی کا انکشاف کامل ہو جائے گا۔ ف۴۳ (سو تم اپنے کئے ہوئے ظلم بھگتو اور میں اپنے کئے ہوئے بھگتوں گا۔ مجھ سے کسی قسم کی امید نہ رکھو) إِنِّي ... مِن قَبْلُ۔ میں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا اور اس سے بری وبیزار ہوں۔ أَشْرَكْتُمُونِ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کئے جانا ہی عملاً اس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔

سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً
سلام ہوگی وسامہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا
کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں
فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ
جا رہی ہیں، وے۴ وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے
رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
دیتا رہتا ہے، وے۴ اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ
خوب سمجھ لیں وکے۴ اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ
خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اسے کچھ بھی ثبات
قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
نہ ہو وہ۴ اللہ ایمان والوں کو اس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ
دنیوی زندگی میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) و۵ اور اللہ ظالموں کو بچلائے
الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۲۷﴾ۧ اَلَمْ تَرَ اِلَى
رکھتا ہے و۵ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے و۵۱ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ
جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی

و۴۴ یعنی اہل جنت جب آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا فرشتے انہیں سلام کریں گے تو سلامتی ہی کی دعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔ و۴۵ کلمۂ توحید کی شاخیں وہ اعمال حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہِ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ کلمۂ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف بلندی کی سمت ہے۔ ای فی جهة العلو (روح) ومعنى في السماء، جهة العلو (بحر) كَلِمَةً طَيِّبَةً۔ یعنی کلمۂ ایمان وتوحید۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔ کلمۂ توحید وایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلب مومن میں راسخ رہتا ہے۔ و۴۶ (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمال صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہد نامہ عتیق میں بھی ملتی ہے:۔ ”مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا...... سو وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے اور اپنے وقت پر میوے لائے۔ جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ شریر ایسے نہیں بلکہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے۔“ (زبور۔ ۱:۱-۳) و۴۷ (معنی و مقصود کو اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں) تمثیلات کی غرض وغایت بھی توضیح مطالب ومقاصد ہے۔ و۴۸ (زمین میں) تو ظاہر ہے کہ جب اس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی اور اس میں پھل کہاں سے آئیں گے؟ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ یعنی کلمۂ کفر وشرک۔ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ۔ راہِ ایمان وتوحید کے سوا جتنی بھی راہیں ہیں، خواہ انہیں مذہب کا لقب دیا جائے یا فلسفہ کہہ کر پکارا جائے یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے بہرحال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی۔ حق ان میں نام کو نہ ہوگا ویسا درخت جسے زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقلاً ہی کب ثابت ہیں؟ قرآنی فقرہ سے مقصود ان کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بو کے لحاظ سے گندہ، طبع سلیم ہرگز اس کی طالب نہ ہو۔ و۴۹ یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی اور آخرت کے امتحان میں بھی...... اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ یہی ایمان ہی کی صراط مستقیم ایسی ہے جو اسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید وایمان ہے۔ نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دین توحید کے اور کوئی نہیں۔ و۵۰ (دنیا وآخرت دونوں میں) بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے اور آخرت میں اس کی حرماں نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی راہِ توحید وایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے، والمراد بهم الكفرة (روح) و۵۱ (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق) نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع...... مشرک قومیں وجود باری کی قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب و محدود سمجھتی رہی ہیں قرآن مجید ان تمام باطل عقیدوں پر ضرب بار بار لگاتا ہے۔

دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے ف۵۲

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ

اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دے رکھے تھے تاکہ اس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں، آپ کہہ دیجیے

تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِعِبَادِيَ

چندے عیش کر لو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے ف۵۳ آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے

الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ

پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہیں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی

وَلَا خِلَالٌ ﴿۳۱﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور نہ دوستی (ہی) ف۵۴ اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ

اور آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بطور رزق

رِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

پیدا کئے اور تمہارے (نفع کے) لئے کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں

بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا ف۵۵ اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا)

ف۵۲ یہ ذکر سرداران کفر و پیشوایان ضلالت کا ہو رہا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبوں اور فلسفوں کے بانیوں کا اور اہل باطل کے رئیسان نامدار کا۔ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا۔ یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے اور اپنے ناشکری اور کوشش ابطال حق میں مصروف ہو گئے، نعمة الله میں نعمة بطور اسم جنس کے ہے ایک مفرد نعمت مراد نہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں۔ بِئْسَ الْقَرَارُ۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں داخلہ بطور گزرگاہ کے نہ ہوگا بلکہ قیام و دوام کے لئے ہوگا۔ ای المقر (کبیر) ف۵۳ دنیا کو مشیت حق نے دار العمل بنا رکھا ہے، دار الجزاء بنایا ہی نہیں، اس لئے کسی سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا ہرگز ضروری نہیں۔ جَعَلُوْا۔ جعل کے معنی یہاں ٹھہرا لینے، قرار دے لینے، سمجھ لینے کے ہیں۔ والمراد من هذا الجعل الحكم والاعتقاد (کبیر) جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنی مشکل ہیں...... ایک شرک ستارہ پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ مستقل دیویاں ہیں۔ ایک شرک آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا اور اس نظام کائنات میں دخیل و متصرف ہیں ایک شرک اوتار پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کر کے اس دنیا میں آ گیا اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا۔ لِيُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساجھی ٹھیرا لینے کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہ حق سے بھٹک کر رہیں۔ اللام لام العاقبة لان عبادة الاوثان سبب يؤدي الى الضلال (کبیر) ف۵۴ (جو خالص اور کامل انصاف ہی کا سہ چلے گا) لِعِبَادِيَ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایت اکرام و شرف کے لئے ہے خصهم بالاضافة تنويها لهم (بیضاوی) يُنْفِقُوْا۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں...... حکم انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں، بلکہ امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کر کے اوپر بھی اشارہ کر دیا کہ رزق حلال ہونی چاہیے، حرام کمائی کا گزر ہی نہ ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ پوشیدہ و علانیہ جہاں جیسی بھی مصلحت شرعی نظر آئے۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جا سکے — بعض جاہلی عقاید پر ضرب۔ وَلَا خِلٰلٌ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت اور رو رعایت سے کام نکل جائے یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولان الٰہی کی عزیز داری کام آ جائے گی، جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے وہ وہ دوستی اور تعلق ہے جو بغیر ایمان کے ہو۔ ف۵۵ (آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین و آسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں، آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں یہ سب وہی کرتا ہے۔ پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اگانا بھی تمام تر اسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انہیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کر دینا بھی سو فیصدی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ رِزْقًا لَّكُمْ ؕ وَسَخَّرَ لَكُمْ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح اور موکد کر رہے ہیں، کہ اس کارخانۂ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے نہ یہ کہ الٹا انسان، زمین، آسمان، شجر و حجر، دریا، سمندر کی پرستش شروع کر دے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے خلیفة الله ہونے کے۔ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔ تاکہ یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعہ سے تجارت، سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو۔ اسلام مسلمانوں کو راہب، بادیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا، بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ملحد و خدا فراموش نہیں، بلکہ مومن و مسلم "بحری تاجر"۔ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔ یعنی ہم کہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی و اجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آبپاشی کرو، ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض اپنی جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ، بس شرط صرف اتنی ہے کہ خود مسلمان اور صاحب ایمان بنے رہو۔

ف۵۶ (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانۂ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی نفع حاصل کرتے رہو) الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۔ آفتاب اور ماہتاب اور رات اور دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کے لئے ہیں۔ پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ انہی کو معبود سمجھ لیا جائے! دَآىِٕبَيْنِ ۔ یعنی اپنی عادت جاریہ پر ثبات و دوام رکھنے والے اپنی روشنی وا پنی گرمی، اپنی شرح رفتار اور اپنی دوسری طبعی خصوصیات سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہنے والے۔ معنی الدوٴب فی اللغۃ مرور الشیء فی العمل علی عادۃ مطردۃ (کبیر) الدأب والدیب مشی خفیف (راغب) قال المفسرون معناہ یدأبان فی سیرھما وانارتھما وتاثیرھما (کبیر) ف۵۷ (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں قرین مصلحت ہوا) مِنْ كُلِّ ۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا۔ ف۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ اور الٹا کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے) ظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں، اور سورۂ نحل میں اپنے دو وصف ذکر کئے ہیں۔ ان اللہ لغفور رحیم گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفران نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔ والمقصود کانہ یقول ان کنت ظلوما فانا غفور و ان کنت کفارا فانا رحیم (کبیر) نِعْمَتَ اللّٰهِ ۔ نعمت بطور جنس کے ہے اس لئے ترجمہ صیغۂ جمع کیا گیا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ حق

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ

مسخر کر دیا ف۵۶ اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی ف۵۷ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو

اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے بیشک انسان بڑا ہی نا انصاف ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے ف۵۸

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں ف۵۹ اے میرے پروردگار ان

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

(مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے ف۶۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے ف۶۱

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَاۤ اِنِّيْۤ

اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۶۲ اے ہمارے پروردگار میں نے

اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ

اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

معظم گھر کے قریب ف۶۳ (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، ف۶۴ سو تو کچھ

اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا

پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں ف۶۵ اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ

تعالیٰ کے احسان سے تو اہل نار تک خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہر حال ان سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا ... اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحْصُوْهَا ۔ احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں ہی بے پایاں ... انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائے گا! اَلْاِنْسَانَ ۔ انسان سے یہاں مراد ہر فرد انسانی نہیں بلکہ جنس انسانی ہے عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقق چند میں پایا جائے یا زائد میں۔ والمراد من الانسان ھھنا الجنس یعنی ان عادۃ ھذا الجنس ھو ھذا (کبیر) ف۵۹ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے) آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاء تک امکان کفر و شرک سے ماورا نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، کہنا چاہیے کہ اسی خوف لغزش ہی نے تو انہیں معصوم رکھا ہے تو بھلا ہم دنیا داروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی منہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ هٰذَا الْبَلَدَ ۔ یعنی شہر مکہ۔ اٰمِنًا ۔ یعنی اسے حرم مقرر کر دے جس کے رہنے بسنے والے مستحق امن ہوتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ ۔ یہ وقت وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر چھوڑ گئے ہیں۔ ف۶۰ یعنی یہ بت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بے جان مورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا ہے۔ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۔ اس میں دنیا میں بت پرستوں کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے جو مشاہد ہے۔ ف۶۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے) ف۶۲ (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اب انہیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت و رحمت کا سامان کر دے) وَمَنْ عَصَانِيْ ۔ یعنی جو لوگ دین حق کے پیرو نہ بنے، ف۶۳ یعنی خانہ کعبہ سے متصل، کعبہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم و متبرک تھی۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۔ ذریت سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کا سلسلۂ اولاد ہے۔ من تبعیضیہ ہے یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ مِنْ بمعنی بعض ای اسکنت بعض ذریتی (روح) ای بعض ذریتی اور ذریۃ من ذریتی (بیضاوی) غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ ۔ شہر مکہ جو ملک عرب کے صوبہ حجاز میں بحر احمر سے ۴۸ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتلی ہونے کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس وقت تک بھی ناقابل کاشت ہے ... اور اگر کہیں آئندہ مصنوعی ذرائع و تدابیر سے اسے کسی حد تک قابل کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں، انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں لا کر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کا اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔ لا یجوز لاحد ان یتعلق بہ فی طرح عیالہ وولدہ بارض مضیعۃ اتکالا علی العزیز الرحیم واقتداء بفعل ابراھیمؑ (ابن العربی) ف۶۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی خدا پرستی کے لئے ہے اور کعبہ خدا پرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کعبہ کے گرد بسانے کی غرض خدمت کعبہ بتا کر یہود و نصاریٰ کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں وادیٔ مکہ میں چھوڑ نا محض حضرت سارہؓ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ لِيُقِيْمُوْا کے لام کا نحوی تعلق اَسْكَنْتُ سے ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کی نو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام رکھا جائے۔ اللام متعلقۃ باسکنت ای ما اسکنتھم بھذا الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوۃ (مدارک) ف۶۵ (اور تیری ہی عبادت میں لگے رہیں) فَاجْعَلْ ... اِلَيْهِمْ ۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو اپنی اولاد کو یہاں لا بسایا ہے تو اول تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں کوئی یہاں آنے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا و آرزو ڈال دے! کہ خود بخود کھنچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں؟ تو انہیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کر دے! ... یہ دعا ابراہیمی پوری ہوئی اور کس معجزانہ حد تک پوری ہوئی اس کا کچھ اندازہ وسفر حج کے بعد ہی ہو سکتا ہے، وہ ہزارہا اور لکھوکھا انسانوں کا چین سے اور روس سے، جاپان سے اور جاوا سے، مصر سے

اور ایران سے، افغانستان سے اور شام سے، پاکستان سے اور ہندوستان سے، مراکش سے اور برما سے اس وادیٔ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ میں جمع ہو جانا اگر فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منٰی کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار و انگور اور سنترے اور ہر ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کا حیرت انگیز عملی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ۔ تقدیر کلام یوں ہے افئدة من افئدة الناس مِنَ النَّاسِ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من للتبعیض (مدارک) فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً الخ۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مال و جاہ کا بقدر ضرورت اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں خصوصاً جبکہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ سے ظاہر ہو رہا ہے:۔ ف۶۶ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو اب تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے بلکہ یہ دعائیں تو تمامتر ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوئی ہیں) آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہوگئی، جنہوں نے خدا کے علم کو ناقص، محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان سب کے بڑے بڑے ''حکماء'' اور ''عقلاء'' اس جہل میں شریک رہے۔ رَبَّنَآ۔ ندا کی تکرار تضرع و خشوع طلب کی دلیل ہے۔ النداء المکرر دلیل التضرع واللجا الی اللہ۔ (مدارک) مِنْ شَيْءٍ۔ مِنْ استغراق کے لئے ہے۔ من لاستغراق (مدارک) ترجمہ اسی لئے ''کوئی بھی چیز'' سے کیا گیا ہے۔

نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ

ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی

شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں ف۶۶ ساری حمد ہے اللہ کے لئے

الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ

جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے

اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ

بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے ف۶۷ اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا

الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

پابند رکھیے اور میری نسل میں سے بھی (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار ہماری دعا قبول کر ف۶۸

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ

اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی اور ایمان والوں کی جس روز حساب و کتاب

الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ

قائم ہو ف۶۹ اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ، جو کچھ (یہ) ظالم لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ؕ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ

کر رہے ہیں ف۷۰ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں نگاہیں

الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ

ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ف۷۱ اور آپ ڈرا دیجیے لوگوں کو

ع ۷ / ۱۸

ف۶۷ (چنانچہ اس نے جس طرح میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کرلیں اس کی ذات سے یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہے گا) لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی بڑا قبول کرنے والا۔ ای مجیب الدعاء (مدارک) ای انه یستجیب ممن دعاه (ابن کثیر) فالسمع بمعنی القبول والاجابة مجاز کما فی سمع الله تعالی لمن حمده (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ۔ اولاد خصوصاً کبرسنی کی اولاد، اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، مسرت و شکر کے قابل نہ کہ کوئی عیب جسے چھپایا جائے یا اس سے شرمایا جائے۔ عَلَى الْكِبَرِ۔ توریت میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی۔ (پیدائش ۱۶:۱۶) اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ۱۰۰ سال کی (پیدائش ۲۱:۵) اس وقت کے اوسط عمر کے لحاظ سے باپ بننے کا یہ سن اگرچہ ایسا غیر معمولی نہیں، پھر بھی بہرحال ضعیفی ہی کا تھا، علی الکبر میں علی مع کے مرادف ہے اور مراد حالت کبرسنی سے ہے۔ علی الکبر بمعنی مع وهو فی موضع الحال ومعناه وهب لی فی حال الکبر (کبیر) ف۶۸ دعاء کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاء ہی سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام کو وحی سے علم ہو گیا تھا کہ حضرت کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے کچھ غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعاء سب کے حق میں نہ فرمائی۔ ای بعض ذریتی ...... انما بعض لانه علم باعلام الله انه یکون فی ذریته کفار (مدارک) ف۶۹ حضرت علیہ السلام کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے البتہ شبہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعائے مغفرت کیسے کردی؟ سو اگر یہ دعاء آپ نے ان کی زندگی ہی میں کی تھی جب تو آپ کی مراد یہی ہوگی کہ انہیں توفیق ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کر دیا جائے۔ اور اگر بعد وفات یہ دعا کی تھی تو یہ دعاء ان کی ایمان کے ساتھ (علم الٰہی میں) مشروط ہوگی، یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو ان کی مغفرت کردے۔ اغْفِرْ لِيْ۔ غفر کے معنی ہیں رحمت الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے، معصوم کو بھی رہتی ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ف۷۰ (اے مخاطب!) الخطاب لغیر الرسول علیه السلام (مدارک) خطاب لکل من توهم غفلته تعالی (روح) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ سے یہاں مراد کافر ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا نہیں مل رہی ہے تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزاء و سزا کو ایک وقت مقرر کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ ف۷۱ (شدت ہول و ہراس سے) سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرط حیرت و ہیبت سے پھٹی رہ جائیں گی۔ مُهْطِعِيْنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ۔ یعنی فرط حیرت سے کسی اور طرف نظر جائے گی نہ خیال۔ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ۔ یعنی آنکھ جھپکنے کی تک نہیں۔ بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائے گی:۔

وسلے حشر میں جب انکشاف حقائق درجۂ تام میں ہو جائے گا اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہو جائیں گے، بدنصیب کافر عرض کریں گے کہ اب ہم نے خوب مزہ چکھ لیا اب ایک بار پھر ہمیں مہلت حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جا کر از سر نو زندگی بسر کریں اور اب کی اپنی پوری فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد کفار ہیں۔ اے الکفار (مدارک) وسلے (اس دنیا میں) ان کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا بلکہ تم تو الٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعویٰ کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر ونشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے وجود جو کچھ ہے صرف اسی مادی دنیا اور اسی مادی زندگی سے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو، جب بھی

يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

اس دن سے جس میں ان پر عذاب آپڑے گا پھر (یہ) ظالم کہیں گے اے ہمارے پروردگار

اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ

ہم کو (اور) مہلت دے دے ایک مدت قلیل تک، ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے اور پیمبروں کا اتباع

الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا

کریں گے وسلے کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا

لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ

نہیں ہے وسلے حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ

جو اپنے اوپر ظلم کر چکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

اور ہم نے (بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں، وسلے اور انہوں نے اپنی بھی (بڑی بڑی) چالیں چلیں

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اور اللہ کے سامنے ان کی یہ چالیں تھیں اور واقعی ان کی یہ چالیں ایسی تھیں

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ

کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں وسلے سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز

وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ؕ

نہ سمجھ لینا، وسلے بیشک اللہ زبردست ہے پورا بدلہ لینے والا ہے وسلے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ

(اور یہ اس روز ہوگا) جس روز کہ زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی اور آسمان بھی وسلے

زبان حال سے تو وہ بھی یہی کہتے رہے تھے۔ لعلهم اقسموا بطرًا وغرورًا او دل عليه حالهم (بیضاوی) او بألسنة الحال ودلالة الافعال (روح) مِنْ زَوَالٍ۔ میں مِنْ تاکید نفی کے لئے ہے۔ ومن صلة لتاكيد النفي (روح) وسلے یہ خطاب زمانہ مابعد کی نسلوں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو بعد کو آئے پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین ومنکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی وبربادی سے کوئی عبرت ونصیحت تم نے حاصل کی اور نہ کتب سابقہ کی ہدایتوں فہمائشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوئے۔ تمہارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے اتنے زبردست اسباب اکٹھے تھے، پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ وہی ہلاکت وبدانجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔ وَسَكَنْتُمْ۔ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی تم روئے زمین کے انہی خطوں، قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین ومعاندین رہ چکے تھے۔ تَبَيَّنَ۔ بِهِمْ۔ یعنی تمہیں تاریخ سے، روایات وحکایات سے، پوری طرح ان منکروں کی سزایابی، ہلاکت وبربادی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، انہی کے ذریعہ سے بار بار تنبیہیں ہو چکی تھیں۔ وسلے (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور ان کی ساری چالیں خود انہی پر الٹ گئیں) وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ۔ دین حق کو مٹا دینے کے لئے وہ کبھی کبھی زبردست چالیں چلتے رہے۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اس کے علم میں تھیں۔ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ ''پہاڑوں کے ٹل جانے'' کا استعارہ عربی اسلوب بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ وليس المقصود من هذا الكلام الاخبار عن وقوعه بل التعظيم والتهويل (کبیر) اے وان كان مكرهم في غاية الشدة والمهانة وعبر عن ذلك بكونه معدى لازالة الجبال عن مقارها لكونه مثلا في ذلك (روح) والذى يظهران زوال الجبال مجاز ضرب مثلا لمكر قريش وعظمه والجبال لا تزول وهذا من باب الغلو والايغال والمبالغة في ذم مكرهم (بحر) لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں۔ پہاڑوں کے توڑنے اور اڑا دینے کی تدبیریں ''جدید ومہذب'' انسان نے نکال ہی لی ہیں۔ وسلے (اس تاخیر عذاب سے شبہ میں پڑ کر اے مخاطب!) وسلے اس کی قوت بھی کامل، جزاوسزا پر قدرت بھی اسے پوری حاصل۔ پھر وعدہ خلافی کی اس کے ہاں گنجائش وامکان ہی کیا! وسلے یعنی قیامت کے دن جب یہ آسمان وزمین سب بدلے ہوئے ہوں گے، اور جس آسمان وزمین سے ہم واقف ہیں ان کے بجائے دوسرے ہی موجود ہوں گے۔ وهى هذه على غير الصفة المالوفة كما جاء في الصحيحين (ابن کثیر) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہوسکتی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہل حشر زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔ والتبديل قد يكون في الذات وقد يكون في الصفات والآية الكريمة ليست بنص في احد الوجهين (روح)

وف۷۹ یعنی اس خدائے قدوس کے حضور میں جو سب پر برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم و متصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات، صفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہ ہے، توحید خالص کی اس پر اجلال

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَ تَرَى الْمُجْرِمِیْنَ

اور (سب) اللہ واحد (اور) زبردست کے روبرو پیش ہوں گے، وف۷۹ اور اس روز تو مجرموں کو

یَوْمَىٕذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِیْلُهُمْ

ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا وف۸۰ ان کے کرتے

مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی وف۸۱

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تاکہ اللہ ہر جیسی شخص کو اس کے کرتوت کا بدلہ دے بیشک اللہ

سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِیُنْذَرُوْا

حساب بڑی جلدی ہی کر لینے والا ہے وف۸۲ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک پیام ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے

بِهٖ وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ

ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اہل فہم

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

نصیحت حاصل کریں وف۸۳

آیاتها ۹۹ — ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّیَّةٌ ۵۴ — رکوعاتها ۶

اس میں ۹۹ آیتیں — سورۂ حجر مکی ہے — اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾

الف۔ لام۔ راء۔ یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں وف۱

و پاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اس وقت ہوگی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے:۔ ”جب ابن آدم علیہ السلام اپنے جلال میں آوے گا، اور سب فرشتے اس کے ساتھ آویں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے ساتھ جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔“ (متی۔ ۲۵: ۳۱۔ ۳۲) یہ حال جب ”اہل کتاب“ مدعیان توحید کی کتاب کا ہے تو مشرک غریبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ اَلْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وہی ایک اکیلا، جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع و محکوم ہیں۔ای الذی قهر كل شيء و غلبه و دانت له الرقاب و خضعت له الالباب (ابن کثیر) الذی یفعل مایشاء و یحکم ما یرید (معالم) وف۸۰ (اے مخاطب!) اَلْمُجْرِمِیْنَ۔ یعنی کفار و منکرین کو۔ مُقَرَّنِیْنَ۔ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے، کفر و انکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہوگی۔ ضم كل لمشاركه في كفره و عمله (روح) والمراد ان تلك النفوس الشقية والارواح المكدرة الظلمانية لكونها متجانسة متشاكلة ينضم بعضها الى بعض و تنادى ظلمة كل واحدة منها الى الاخرى (کبیر) وف۸۱ قَطِرَانٍ کے مشہور معنی تو گندھک کے ہیں، دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں، بہرحال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہوگا جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کرلے۔ وف۸۲ (تو اس کے لیے تنہا مجرموں کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالنا کیا مشکل ہے) لِیَجْزِیَ۔ میں لِ تعلیل کا ہے یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہوگا کہ ہر مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے۔ وف۸۳ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ پر حاشیہ صفحہ ۵۳۶ نمبر ۳۲ میں گزر چکا۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کریں۔ بَلٰغٌ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی یہ پیام معظم لوگوں کی ہدایت کے لیے بالکل کافی ہے۔ وَ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے ذریعہ اور واسطے سے وہ عذاب الٰہی سے ڈرائے جائیں۔ لِلنَّاسِ۔ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے یعنی یہ پیام ہدایت ساری نوع انسانی کے لیے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لیے نہیں۔ وَ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ انسان کو درجۂ شرف و فضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔ هذه الاية دالة على انه لا فضيلة للانسان ولا منقبة الا بسبب عقله لانه تعالى بين انه انما انزل هذه الكتاب و انما بعث الرسول لتذكير اولي الالباب (کبیر)

وف۱ دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآن واضح بھی۔ قُرْاٰنٍ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ و تنكيره للتفخيم (بیضاوی) والتنكير للتفخيم (مدارک) و تنكير القرآن للتفخيم (کشاف) الٓرٰ۔ انا الله ارى کا مخفف سمجھا گیا ہے حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ف۲ آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑے رہیے یہ کھا (پی) لیں اور مزے اڑا لیں اور انہیں غفلت میں ڈالے رہے، عنقریب انہیں معلوم ہوا جاتا ہے، ف۳ اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اس کے لئے معین وقت کا نوشتہ تھا کوئی قوم اپنی میعاد مقررہ سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ف۴ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (بہ قول اس کے) نصیحت نامہ اترا ہے تو تو مجنون ہے ف۵ ہمارے پاس فرشتوں کو لے آ، اگر تو (اپنے دعویٰ میں) سچا ہے ف۶ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر (فیصلہ) حق کے لئے اور اس وقت ان کو مہلت بھی نہ دی جاتی ف۷ (اس) نصیحت نامہ کو ہم نے ہی تو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ف۸ اور بے شک ہم آپ کے قبل بھی (پیغمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ف۹ اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا

ف۲ (اور ان شدید ترین اور ناقابل برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے!) یہ کلمات حسرت وتأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہوں گے، جب اپنا حشر ان پر منکشف ہو چکے گا۔ اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ رُبَمَا۔ یہ کلمات حسرت کی تکرار شاید اس لئے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدر مشترک صفت کفر ہے۔ لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین۔ خاشعین وغیرہ نہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اسی مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جلے ہوئے ہوں گے۔ اس پر کافر ان سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت کچھ بھی کام نہ آیا۔ معاً اس سے غیرت الٰہی حرکت میں آئے گی، اور کل اہل قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔ اس وقت کافروں کی زبان سے یہ پر حسرت کلمات نکلیں گے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ) مفسرین کی اکثریت نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وعلی ھذا القول اکثر المفسرین (کبیر) روی ذلک عن کثیر من السلف الصالح (روح) آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتب طاعت وتقویٰ کا تو ذکر ہی نہیں، مجرد اسلام اور اقرار شہادتین بھی کتنی بڑی رحمت اور نعمت عظیم ہے۔ ف۳ یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔ ذَرْهُمْ۔ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم وحزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ یَاْکُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی الٹ پھیر میں لگے رہنا، مدت عمر کو دور دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں، آج بھی فرنگستان کی ''مہذب'' و ''روشن خیال'' قوموں پر کیسی صادق آ رہی ہیں!۔ یَتَمَتَّعُوْا۔ تمتع سے مراد انہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمامتر عاجل وفوری ہے۔ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ سے صاف اشارہ اسی طرف ہوگیا کہ طول امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے شایان شان نہیں۔ ف۴ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی ان کا وقت موعود نہیں آیا ہے) ف۵ (جو پیمبری اور وحی کے دعوے کرتا ہے) الذِّکْرُ۔ ذکر کے لفظی معنی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاح قرآنی میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ ای القرآن (روح) ف۶ ان کافروں نے فرط عناد سے مجبور ہو کر قرآن کے اصل دعویٰ ودلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہیں کیا بلکہ لغو مطالبہ ہی پیش کر دیا کہ سچے پیمبر ہو تو بطور خارق عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لا کر ہمیں دکھا دو۔ ف۷ مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں۔ فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمام حجت کے بعد عذاب ہی لے کر ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور ان پر اگر فرشتے نازل ہوتے، تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیے جاتے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں، جس کی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔ ف۸ (کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے اسے مٹنے دیں گے، نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دیں گے) قرآن کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل، اور پھر شروع ہی سے دعوے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجز دلیل اس کے کلام الٰہی ہونے کی ہے۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے، اپنے الفاظ، حروف نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آ رہی ہو۔ میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی رائیں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدہ حفاظت الٰہی کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا۔ زور اور تاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی وہی صورت ہے جو ترجمہ میں اختیار کی گئی۔ ثبوت ودلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعویٰ کہ یہ لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے، آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں۔ یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں۔ قرآن اس دعویٰ میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری کتابوں سے متعلق دعویٰ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے اندر مغز وروح خدائی تعلیم کی آ گئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمامتر انسانوں کی ہیں، اور ان کی عبارتیں صرف خاصانِ خدا کی لکھی ہوئی ہیں۔ ف۹ (اور اُن کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی۔ سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں)۔

رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ

نہیں آیا کہ اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزا) ہم (ان) مجرموں کے

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ

دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ) دستور

خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا

پہلوں سے چلا آتا ہے ف۱۰ اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں

مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا

کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں سے چڑھ جائیں ف۱۱ تب بھی یہ بس یہی کہیں

سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کر دیا گیا ہے ف۱۲

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے ان سے

لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

آراستہ کر دیا ف۱۳ اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ

رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

کر دیا ف۱۴ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ

مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

ہو لیتا ہے ف۱۵ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں بھاری پہاڑ ڈال دیے

وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ جَعَلْنَا

اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی ف۱۶ اور ہم نے اس میں

ف۱۰ ایک مخلص دہوا خواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت ومزاحمت اُسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہوا خواہی میں وہ گھلا جاتا ہے تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص وشفقت ہوا ہے! آپ کے دل پر اس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن کریم اسی لئے بار بار آپ کی تسکین وتشفی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اُسی طرح کا ہے، جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزا کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود خداوندی ہے۔ ف۱۱ (آسمان پر) ظَلُّوْا کے معنی ہیں کہ کسی فعل کو روز روشن میں کیا۔ یعنی یہ خارق عادت عمل میں آئے، اور ہوش و بیداری کے عالم میں پوری روشنی میں عمل میں آئے نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہات کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ لا تقول العرب ظل یظل الا لکل عمل عمل بالنهار (کبیر) یعبر به عما یفعل بالنهار (راغب) مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمائشی معجزہ یعنی کافروں کے نزول زمین سے کہیں بڑھے ہوئے خارق عادت یعنی اسرار وعجائب آسمانی کو بچشم خود جا کر دیکھ لیں۔ لَوْ فَتَحْنَا الخ۔ یہ سب باتیں بطور فرض کے کہی گئی ہیں، اور مخاطبین اول کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں۔ اس سے اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادی جسم ہے، جس کے دروازے کھل سکتے ہیں، درست نہیں۔ ف۱۲ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمائشی معجزہ یعنی ملائکہ کے نزول آسمانی پر کیا موقوف ہے، کوئی سا بھی خارق عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انہیں دکھا دیا جائے تو ان معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہو سکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض وانکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کر لیں گے۔ ف۱۳ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے) آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمک دار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ خود آفریدہ ہیں۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور ان کے وجود سے مقصود تو آسمان کو ناظرین کی نظر میں خوشنما بنانا ہے۔ ف۱۴ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ وہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے) ف۱۵ (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے) اہل سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں، اور کبھی زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ قرآن کو ان کی ترکیب، ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ ان سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے:۔ ف۱۶ زمین کا بنانا، پھیلانا اس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے ہر نباتات ایک مقدار معین کے مطابق اگانا، یہ سب کام اسی خدائے واحد، قادر وحکیم کے ہیں۔ نہ یہ چیزیں خود بخود ہو گئی ہیں، نہ انہیں کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔ وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کر دیے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم۔ گویا پہاڑ حکمت تکوینی میں زمین کا لنگر بٹھائے رہنے کے لئے، اس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے۔ اس کے آگے زمین کی گردش سالانہ اس کی حرکت محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اشارہ جنس نباتات کی جانب ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور ان کے لئے (بھی) جنہیں تم روزی نہیں دیتے وکا

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا

اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اسے

نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

ایک مقدار معین ہی سے اتارتے رہتے ہیں و۱۸ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ

بھیجتے ہیں پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں

وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ

اور تم اس کے جمع کر لینے والے نہ تھے و۱۹ اور ہم ہی، ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں

وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

اور ہم ہی وارث رہیں گے و۲۰ اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں

مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ

اور بالیقین ہم پچھلوں کو بھی خوب جانتے ہیں و۲۱ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی تو

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع وَ لَقَدْ خَلَقْنَا

انہیں (سب کو) جمع کرے گا، بے شک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے و۲۲ اور بالیقین ہم نے انسان کو

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ۚ

کس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا و۲۳

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ

اور جن کو ہم اس کے قبل گرم آگ سے پیدا کر چکے تھے و۲۴ اور (یاد کرو وہ وقت) جب

و۱۷ یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ ان مخلوقات کو بھی سامان زیست بہم پہنچا دیا گیا، جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں۔ یہ سب قانون الوہیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے۔ مَعَايِشَ کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آ گئے۔ و۱۸ (حسب حکمت ومصلحت) اللہ کے ہاں کی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ ہر چیز کا ظہور اپنی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے بس قانون حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترک التفات کا ہو گیا۔ و۱۹ یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لیے بارش سے مستغنی ہو جاؤ۔ نہ تمہیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسالو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دیا جائے، تو تم اپنے زور بازو سے نکال لو۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا، اَسْقَيْنَا، سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاروبار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں۔ کسی دیوی دیوتا کے دخل کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ و۲۰ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد) یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے۔ بلکہ اور سب فنا ہو جائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائے گی۔ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ۔ یہاں بہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمامتر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی وشنوجی ہیں زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے، اور نہ کوئی شیوجی ہیں، ہلاک کرنے اور عمل فنا طاری کرنے والے۔ و۲۱ یعنی ہمارے علم کامل ومحیط میں کسی غلطی، نقص، خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں — پہلے صفت قدرت کاملہ کا اثبات ہو چکا، اب صفت علم کامل کا اثبات ہو رہا ہے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو صفات باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ انہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور الْمُسْتَاْخِرِيْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔ اے من مات ومن بقي (ابن جریر عن عکرمہ ومجاہد) اے من استقدم ولادة وموتا ومن تاخر من الاولین والآخرین (کشاف) بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔ من تقدم في الاسلام وسبق الى الطاعة ومن تاخر (کشاف) و۲۲ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی وتفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت، عین انہی کے مناسب حال کرے گا۔ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی قیامت کے دن سب کا حشر اللہ ہی کرے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار، کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آ جائے! و۲۳ یعنی انسان اول کا پتلا اسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی ہے، اور پھر اسی ابو البشر سے ساری نسل انسانی نکالی ہے۔ و۲۴ یعنی اسی آگ سے جو اجزاء دخانیہ وکثیفہ سے خالی ہیں اور اسی لئے غایت لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھے۔ الْجَآنَّ۔ جنات بھی بالکل انسانوں جیسے بے بس مخلوق ہیں۔ کوئی وصف ذرہ بھر بھی ان میں معبودیت کا موجود نہیں۔ فرق صرف مادہ کا ہے۔ انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی اور ان کی آگ یا ہوائی آگ سے۔ ان کی مخلوقیت اور عجز کو دکھانے ہی کے لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر تخلیق انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں اس موقع پر زمین پر ''خدا کے بیٹوں'' کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور مخلوق کا، جس کے لئے انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ''جبار'' سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۶: ۲، ۴) شستہ وبامحاورہ اردو میں انہیں دیوزاد، ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ''دلائل مختلفہ سے جنات کے متعلق یہ امور معلوم ہوتے ہیں آگ سے پیدا ہونا۔ توالد وتناسل ہونا۔ عادۃً ان کا نظر نہ آنا۔ مختلف اشکال میں ان کا متشکل ہو سکنا۔ مگر جن اشکال میں متشکل ہونے سے کوئی التباس مضر دین ہوتا ہو اس پر بہ حکمت الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس میں التباس مضر دنیا ہوتا ہو اس پر کم قادر ہونا۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ

آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو
کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے وف۲۵ سو جب میں اسے پورا بنا چکوں
اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا وف۲۶
چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر ابلیس نے (نہ کیا)
اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، (اللہ نے) کہا اے ابلیس
تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں وف۲۷ بولا میں وہ نہیں کہ
بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے
پیدا کیا ہے وف۲۸ (اللہ نے) فرمایا تو تو نکل اس (آسمان) سے، بے شک تو مردود ہو گیا وف۲۹
اور بے شک تیرے اوپر روز قیامت تک لعنت رہے گی وف۳۰ بولا اے میرے پروردگار
تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک وف۳۱ (اللہ نے) فرمایا اچھا تو تجھے

وف۲۵ یہ خطاب جب ملائکہ نوری سے ہوا، جو اہل مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنات آتشیں تو بدرجہ اولیٰ ہوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۴ کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔ وف۲۶ (اس کی تعظیم وتکریم کے لئے) سَوَّیْتُهٗ میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اسی خاکی پتلے کی طرف ہے۔ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اللہ کا روح انسانی کی اضافت اپنی جانب کرنا، اس کے اظہار قدر ومنزلت کے لئے ہے۔ انما اضاف اللہ سبحانہ روح آدم الی نفسہ تشریفا له وتکریما (کبیر) اور اسی نفخ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روح انسانی میں خلافت الٰہی کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔ نَفَخْتُ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ روح انسانی اگر جسم لطیف ہو، جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنی مراد ہوں گے۔ یعنی جسم کے جن حصوں میں خلا ہو ان میں ہوا بھرنا۔ لیکن اسے غیر مادی جوہر مجرد تسلیم کیا جائے، تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہوگا۔ رُّوْحِیْ۔ روح کو ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گویا جسم لطیف ہے۔ الروح جسم لطیف یحی به الانسان (معالم) جمهور اهل السنة علی انها جسم لطیف یخالف الاجسام بالماهیة والصفة متصرف فی البدن حال فیه حلول الزیت فی الزیتون والی ذلک ذهب امام الحرمین (روح) لیکن بعض کی تحقیق میں (اور انہی میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ اس کے متصل نہ اس سے منفصل۔ هذا الروح عنده وكذا عند جماعة من المحققین لیس بجسم یحل البدن حلول الماء فی الاناء دخلا ولا هو عرض یحل القلب او الدماغ حلول السود فی الاسود والعلم فی العالم بل هو جوهر مجرد لیس داخل البدن ولا خارجه ولا متصلا به ولا منفصلا عنه ولهم علی ذلك عدة ادلة (روح) وف۲۷ یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہو گیا، فرشتہ نوری نہیں، جن ناری تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں نص موجود ہے۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ باقی عام قصہ آدم علیہ السلام وابلیس پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ رکوع ۴ میں گزر چکے۔ وف۲۸ یعنی ایسے حقیر وذلیل مادہ سے بنی ہوئی مخلوق کو اور میں سجدہ کروں، جو نورانی مادہ آتش سے بنا ہوا ہوں! آتشی کہیں خاکی کے آگے، نورانی کہیں ظلمانی کے آگے جھک سکتا ہے؟ — گویا مادۂ لطیف مادۂ کثیف سے افضل وبہتر ہر جہت واعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جھکنا غلط ہے! ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پوری طرح ہو چکی ہے۔ لِاَسْجُدَ میں ل تاکید نفی ہے، یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لئے ممکن نہیں۔ اللام لتاکید النفی و معناه لا یصح منی و ینافی حالی و یستحیل ان اسجد لبشر (کشاف) وف۲۹ (اپنی اس ضد ونافرمانی کی بنا پر) وف۳۰ (اور تو نہ راہ راست پر آئے گا، نہ تجھے توفیق توبہ ہوگی) لعنت کے معنی اوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مجبوری کے ہیں۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ 'قیامت تک' سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیام قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہے گی۔ المراد منه التابید و ذکر القیامة ابعد غایة یذکرها الناس فی کلامهم (کبیر) اور محاورۂ زبان سے قطع نظر تو بھی ظاہر ہے کہ جو محل رحمت قیامت تک نہ ہوا اس کے لیے بعد قیامت محل رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟ — دار الجزاء میں تو دار العمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اس سے قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔ وف۳۱ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدم علیہ السلام اور اولاد آدم سے لوں) یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ

مہلت ہے وقت معلوم کے دن تک ف۳۲ وہ بولا اے میرے پروردگار

بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے میں بھی یقیناً ان کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوش نما بنا کر اور ان سب کو بہکا کر

اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

کے رہوں گا بجز ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ف۳۳

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ

(اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے والا) ف۳۴ بے شک میرے بندوں پر

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بہکے ہوؤں میں سے جو بھی تیری پیروی

الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾

کرنے لگیں ف۳۵ اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے ف۳۶

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ

اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے (وہاں کے) الگ الگ

مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾

حصے ہیں ف۳۷ بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ

تم داخل ہو ان میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ف۳۸ اور جو کچھ ان کے دلوں میں

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ

کینہ ہوگا اسے ہم دور کر دیں گے ف۳۹ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے

ع ۳

ف۳۲ یعنی جب تک اس عالم ناسوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہوگی۔۔۔ ابلیس کی ہستی یا قوت اگر باقی نہ رہے، تو اس عالم ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں۔ لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوت جبر و استیلاء کی نہیں، صرف بہلانے، پھسلانے، سبز باغ دکھانے کی ہے۔ ف۳۳ (اور تو انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ تو بے شک میرے بہکانے میں نہ آئیں گے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھنسنے کی کوشش نہ کرے گا۔ جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے۔ البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لَهُمْ۔ یعنی آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کی نظر میں۔ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذات حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے، صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلل کے معنی میں ہے۔ بِمَا میں بائے سببیہ ہے۔ ای بسبب اغوائک ایای (روح) ف۳۴ وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آیت سے یہ بھی نکلا ہے کہ جو کوئی راہ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے، اسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔ حق علی ان اراعیه (بیضاوی) ف۳۵ سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں۔ توفیق الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میل قوی رکھنے لگتا ہے۔ شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسا خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب دلا دیتا ہے، بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ فان منتهى تزيينه التحريض والتدليس (بیضاوی) ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ابلیس نے اغواء کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے اوپر جو دعویٰ کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے۔ آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ۔ ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ چلنے لگے تو اسے اختیار ہے۔ غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی زور کر دی ہے الحاصل فی هذا القول ان ابلیس اوهم ان له علی بعض عباد الله سلطانا فبين تعالى كذبه فيه وذكر انه ليس له على احد منهم سلطان ولا قدرة اصلا (کبیر) ف۳۶ یعنی خود شیطان، اس کی ذریات اور اس کے پیروؤں کی وعدہ گاہ۔ قال ابن عباس يريد ابليس واشياعه ومن اتبعه من الغاوين (کبیر) ف۳۷ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا کوئی کسی سے) دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔ لان اهلها سبع فرق (بیضاوی) ای سبعة اطباق (ابن جریر۔ عن عکرمہ) ای سبع طبقات ينزلونها بحسب مراتبهم فی الغواية والمتابعة (روح) یہ بھی ممکن ہے کہ محض غلو مراد ہو، اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرت تعداد کا اظہار ہو۔ قيل المراد ان لها سبعة ابواب يدخلونها لكثرتهم والاسراع بتعذيبهم (روح) يدخلون منها لكثرتهم (بیضاوی) ف۳۸ یعنی اہل ایمان سے ارشاد ہوگا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔ متقون۔ متقی سے یہاں مراد وہ لوگ نہیں، جو جمیع معاصی صغیرہ و کبیرہ سے بچے رہے ہوں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک و کفر سے بچنے والے مقصود ہیں۔ وهو قول جمهور الصحابة والتابعين وهو المنقول عن ابن عباس ان المراد الذين اتقوا الشرك بالله تعالى والكفر به واقول هذا القول هو الحق الصحيح (کبیر) يتناول جميع القائلين بلا اله الا الله محمد رسول الله قولا واعتقادا سواء كانوا من اهل الطاعة او من اهل المعصية (کبیر) ف۳۹ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ و کدورت طبعی اسباب سے ہوگی، اسے بھی قدرت الٰہی آخرت میں یک قلم محو کر دے گی، جس سے سب اہل جنت ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اہل حق کے درمیان اگر طبعی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں اور ناگواریاں پیدا ہو جائیں۔ تو یہ تقویٰ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہل غلو نے سمجھ رکھا ہے۔

و۴۰ یعنی آپس میں مجالست ومخالطت غایت الفت ومحبت کے ساتھ رکھیں گے۔ و۴۱ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں صرف کامل واکمل ہی نہ ہوں گی بلکہ دائم وقائم بھی — اس عالم ناسوت میں مداومت عیش کا ایک ضمیمہ تعب یا خستگی بھی ہے۔ عیش جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہوگا۔ و۴۲ مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اس کا قلب ہمیشہ بیم ورجا، خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد انہی صفات الٰہی پر ہے — بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمت بیکراں اور مغفرت بے پایاں پر نظر کرتا ہے، تو اسے ہر طرف امید ہی امید نظر آتی ہے۔ لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کی طرف جاتی ہے، تو قلب کا خشیت الٰہی سے تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے۔ عبادی میں بندوں کی اضافت اللہ کی طرف ان کی انتہائی قدرومنزلت کے لئے ہے۔ اضاف العباد الی نفسه هذا تشريف عظيم (کبیر) اس عموم بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آ جاتا ہے۔ نبئ كل من كان معترفا بعبوديتي وهذا كما يدخل فيه المؤمن المطيع فكذلك يدخل فيه المؤمن العاصي (کبیر) اَنِّیٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ رحمت ومغفرت پر زوروتاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ ایک اِنِّیْ دوسرے انا تیسرے ال غفورورحیم پر۔ لما ذكر الرحمة والمغفرة بالغ في التاكيد بالفاظ ثلاثة اولها قوله انى وثانيها قوله انا وثالثها ادخال حرف الالف واللام على قوله الغفور الرحيم (کبیر) و۴۳ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں اس قصہ پر حاشیے گزر چکے۔ و۴۴ (کہ تم جو میرا پیش کیا ہوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے ہو) عرب، عراق وشام کی قدیم تہذیب ومعاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اس کے بعد اسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر ہی چھپے ہوتے تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان نوواردوں کی مہمانی کرنی چاہی، اور انہوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا، کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں — حضرت علیہ السلام ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے تھے — پیمبری کا کوئی جزو غیب دانی ہرگز نہیں۔ حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ و۴۵ مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں، آپ نبی تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحب علم بھی تھے۔ لَا تَوْجَلْ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیے۔ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ و۴۶ آپ کا مطلب تھا کہ یہ امر آثار وعلامات ظاہری اور اسباب عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے۔ و۴۷ یعنی اسباب عادی وظاہری پر نظر نہ کیجیے، ہم تو خالق کائنات کی طرف سے آپ کو خوشخبری سنا رہے ہیں۔ و۴۸ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس وناامیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا راز دان ابراہیم خلیل علیہ السلام سے بڑھ کر اور ہو کون سکتا تھا چنانچہ آپ نے اسی کا یہاں اظہار کیا ہے۔ و۴۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان آنے والوں کے فرشتے ہونے کا علم ہوگیا تو آپ فراست نبوت سے یہ بھی سمجھے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خطب کہتے ہیں مقصد اہم کو "مشن" کو۔ الخطب الامر العظيم الذي يكثر فيه التخاطب (راغب)

مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ

تختوں پر و۴۰ ان کے اندر ان کو کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے

مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا

(کبھی) نکالے جائیں گے و۴۱ میرے بندوں کو خبر کر دیجیے کہ میں یقیناً

الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ

بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب

الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ

ہے و۴۲ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر کر دیجیے و۴۳ جب کہ

دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ

وہ ان کے پاس آئے اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیم) بولے ہم کو تم سے

وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

ڈر لگ رہا ہے و۴۴ (فرشتے) بولے کہ آپ ڈریے نہیں ہم آپ کو بشارت ایک صاحب علم فرزند کی

عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ

دیتے ہیں، و۴۵ (ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا سو

تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

بشارت کس چیز کی دیتے ہو و۴۶ وہ بولے ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ

الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا

ناامید نہ ہوں و۴۷ (ابراہیم نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہوتا ہی کون ہے

الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

بجز گمراہوں کے و۴۸ (پھر ابراہیم نے) کہا اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو! و۴۹

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ

وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں بجز

لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

خاندانِ لوطؑ کے کہ ہم ان سب کو بچا لیں گے ف۵۰ بجز ان کی بیوی کے کہ اس کی نسبت ہم نے

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ

تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی، ف۵۱ پھر جب وہ فرستادے لوطؑ کے گھرانے

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا

میں آئے تو (لوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ (معلوم ہوتے) ہو ف۵۲ وہ بولے

بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَ اَتَيْنٰكَ

نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ شک کیا کرتے تھے ف۵۳ اور ہم آپ

بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ

کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں، اور بےشک ہم بالکل سچے ہیں سو آپ رات کے کسی حصہ میں

مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور آپ ان کے پیچھے پیچھے چلیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے

وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ

اور جہاں کا حکم تمہیں ملا ہے (سب) اسی طرف چلے جاؤ ف۵۴ اور ہم نے لوط کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ

ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

بھیج دیا کہ صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ تک (بالکل) کٹ جائے گی ف۵۵

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ

اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے آئے ف۵۶ (لوطؑ نے) کہا

ف۵۰ (عذاب وہلاکت سے، اور انہیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دیں گے) قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ یعنی لوط پیمبر علیہ السلام کی امت۔ حاشیے اوپر گزر چکے ہیں۔ ف۵۱ (اس قوم معذب کے ساتھ۔ اور انہی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہو گی) حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی، اور یہ ضرور نہیں کہ آپ کو اس کا علم بھی ہو۔ قَدَّرْنَآ۔ اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہ راست حق تعالیٰ کا تھا — یہ نسبت مجازی عجب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قرب واختصاص کے اظہار کے لئے ہو۔ ف۵۲ (اور ہمارے ملک کا دستور ہے کہ بیرونیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح کی شرارت وبدسلوکی کرتے رہتے ہیں) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۵۳ یعنی عذاب وہلاکت بل میں یہ سارا مضمون آ گیا کہ ہم انسان ہیں ہی نہیں، بلکہ فرشتے ہیں۔ ف۵۴ یعنی ملک شام ہی کے کسی دوسرے شہر کی طرف۔ توریت میں اس شہر کا نام ضُغر بتایا گیا ہے (پیدائش ۱۹: ۲۲)۔ موجودہ جغرافیہ میں تو کوئی شہر اس نام کا نہیں ملتا۔ لیکن بائبل کے علماء کا خیال ہے کہ یہ شہر بحر مردہ کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتوں رات نکال لے جایئے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہیے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر پھر کر دیکھے۔ ف۵۵ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذاب ہلاکت نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ۔ یہ فیصلۂ خداوندی حضرت علیہ السلام کے پاس انہی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلہ کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا اس فیصلہ کی اہمیت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ وفی ابھامہ اولا وتفسیرہ ثانیا تفخیم للامر وتعظیم لہ (کبیر) ف۵۶ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا) اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ۔ یعنی شہر سدوم والے۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ مسرت حیوانی وشیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی۔

و۵۷ حضرت لوطؑ ہر ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ نوواردتو میرے مہمان ہیں، ان کی تم نے بے عزتی کی تو پہلے میری ہی عزت اتار لی۔ میں تو تمہاری بستی کا ہوں، میری ہی طرف دیکھو، کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوف خدا لاؤ اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندہ حرکتوں میں جتلا ہو، اور کبھی ارشاد فرماتے، کہ اپنے والوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر ورسوا نہ ٹھیراؤ۔ و۵۸ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھیرانے کے ہم روادار نہیں۔ سوتم نے خود ہی ہماری اس مخالفت کی پرواہ نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھیرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی!) کسی پچھلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لوط والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر وہ آ جاتے تو ان سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے — جو اس وقت کی شریفانہ تہذیب ومعاشرت اور آئین مہمانی کے قطعاً منافی تھا۔ و۵۹ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں گزر چکا۔ اہل اُمت کی بیٹیاں خود رسول اُمت کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر، عقل وشرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو — قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپؑ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی؟۔ و۶۰ (اور جذبات سفلی کی بدمستی میں کوئی بات عقل وفہم کی کیوں سننے لگے تھے) لَعَمْرُكَ۔ عمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں۔ لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے۔ العمر والعُمر واحد لكن خص القسم بالعَمردون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب في القسم ولا يجوز فيه الضم (ابوالبقاء) ل قسم کا ہے۔ عربی اسلوب بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت وفنکاری ہے۔ اور بہترین ادیب وشاعر اس سے حسب موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے — یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں مذاق عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں۔ اور جو اہل زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض ونکتہ چینی کے لئے تلے ہوئے بیٹھے رہتے تھے ان میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کے فلسفہ یا ان کی توجیہات عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہل علم نے شروع کی۔ اس بحث پر تفصیلی نظر کے لئے سورۂ ہذا کا ضمیمہ ''قرآنی قسمیں'' ملاحظہ ہو۔ باقی یہاں رسول اسلام ﷺ کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مسلم تھی، بہ طور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔ اصل قصہ کے درمیان یہ اتنا جزو براہ راست رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطابات عرب کے موافق ہے۔ و۶۱ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہوا تھا، جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے، وہ وقت اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ توریت میں ہے:۔ ''جس وقت لوط ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی'' (پیدائش ۱۹: ۲۳) و۶۲ اور تاریخ آج تک ان کی اس ہلاکت وبربادی پر گواہ ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا نیست کیا۔'' (پیدائش ۱۹: ۲۴، ۲۵) و۶۳ (اللہ کی قدرت وحاکمیت کی، اور بدی کی مکافات کی) لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ وسم وتوسّم کے معنی فراست وفہم کے ہیں۔ وهذا التوسّم هو الذي سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة (راغب) اور متوسمين وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں اور اہل عبرت وعرفان میں سے ہوں۔ اي للمعتبرين العارفين المتعظين (راغب) اي للمتفرسين المتاملين (کشاف) و۶۴ یعنی عرب وشام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستہ پر — سدوم وعمورہ کے برباد شدہ شہر، بحر لوط یا بحر مردہ کے کنارے عین اس راستہ پر واقع تھے، جس پر حجاز وشام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبین اول، اہل عرب خوب واقف ومانوس تھے۔ مُقِيْمٍ وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔ ثابت يسلكه الناس (کشاف) وَاِنَّهَا۔ ضمير ها شہر قوم لوطؑ کی جانب ہے۔ الضمير عائد الى مدينة قوم لوط (کبیر) و۶۵ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے بخت واتفاق یا اسباب طبعی پر محمول نہیں کرتے) و۶۶ (جو مدین سے متصل رہتے تھے اور حضرت شعیبؑ ہی کی امت میں تھے) اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ۔ نولڈکی وغیرہ اہل فرنگ نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب، لیکن بعض اقوال ہمارے ہاں بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو تھیں۔ ایک ہی تھیں۔ وهم قوم شعيب عليه السلام (مدارک) اِنْ اور ل دونوں تاکید کے لئے ہیں۔ و۶۷ (جن سے اہل عرب کے قافلے اکثر گزرتے رہتے ہیں) اِنَّهُمَا۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لوط اور اصحب الايكہ کی بستیاں۔ يعني قرى قوم لوط والايكة (کشاف) لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو۔ اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لیے کہا گیا ہو کہ اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ الامام الطريق الواسع (تاج) قال الفراء جعل الطريق اماماً لانه يؤم و يتبع (تاج) الامام اسم لما يؤتم به فسمي به الطريق (کشاف)

هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا

یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر

تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ

میں) رسوا مت کرو، وہ بولے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا؟ و۵۸ (لوطؑ نے)

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ

کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے و۵۹ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی

سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے تھے و۶۰ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک سخت آواز نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا

پکڑ لیا و۶۱ چنانچہ ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کنکر کے پتھر برسا دیے و۶۲ بے شک اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لئے

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ

نشانیاں ہیں و۶۳ اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے و۶۴ بیشک اس (واقعہ)

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ

کے اندر ایمان والوں کے لئے نشانی ہے و۶۵ اور بے شک بن والے بھی

الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا

(بڑے) ظالم تھے و۶۶ سو ہم نے انہیں بھی ٹھیک کر دیا، اور دونوں بستیاں

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ

شاہراہ پر (واقع) ہیں و۶۷ اور بالیقین حجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو

و۶۸ الحجر۔ شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی امت قوم ثمود کا مسکن تھا۔ شام سے مدینہ کو آنے لگئے تو سب سے پہلے ارض لوط علیہ السلام پڑے گی، پھر سرزمین شعیب علیہ السلام (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقہ حجر یا مسکن قوم ثمود۔ تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں۔ اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔ الْمُرْسَلِيْنَ کے صیغۂ جمع سے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ قوم ہندی برہموں کی طرح کل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔ **لعل القوم كانوا براهمة منكرين لكل الرسل** (کبیر) و۶۹ یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات و دلائل ہر طرح کے پیش کر کر کے انہیں راہ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے۔ و۷۰ (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر) قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی۔ ہر قسم کے انجینئر اور ماہرین ریاضیات و تعمیرات ان میں موجود تھے۔ قوم ثمود پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ و۷۱ (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی) و۷۲ یعنی ان کے دنیوی علوم و فنون، ان کی ہنرمندی اور صناعیاں، ان کی ہندسہ دانی اور انجینئری، کوئی چیز بھی انہیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔ و۷۳ (ان کی شرارتوں سے۔ اور ان کا فیصلہ ہمارے اوپر حشر میں چھوڑے رہیے) اب خطاب درمیان میں پھر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا ...... بِالْحَقِّ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظام کائنات، آسمان و زمین، سورج اور چاند، یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں، یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور وہ منزل آخرت کی ہے جب سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ۔ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آ رہا ہے، آپ ان کے عناد و مخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑیے۔ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم و تردد میں نہ پڑا جائے۔ اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ و شکایت بھی نہ کیا جائے۔ و۷۴ (جس کے احاطۂ علم سے نہ آپ کا صبر و تحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں) الْخَلّٰقُ۔ جزو کل، صغیر و کبیر، جوہر و عرض، سب ہی کا خالق۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو۔ اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہل شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتی ہے و۷۵ (تو جب اتنی بڑی نعمت آپ کو مل چکی ہے، تو بس ہمارے ہی لطف و عنایت پر نظر رکھیے، اور کافروں کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے اسے خیال میں بھی نہ لائیے) سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ جو حقیقۃً اپنی عظمت و اہمیت خصوصی کے لحاظ سے مستحق اسی کی تھی کہ اس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔ سبع المثانی کی تفسیر سورۃ الفاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید الخدری کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور کلبی کا نقل ہوا ہے۔ ائمہ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ **وهو قول اكثر المفسرين انه فاتحة الكتب وهو قول عمر وعلي وابن مسعود و ابي هريرة والحسن وابي العالية ومجاهد والضحاك وسعيد بن جبير و قتادة وروي ان النبي صلى الله عليه وسلم قرأ الفاتحة وقال هي السبع المثاني رواه ابوهريرة** (کبیر) مِنَ الْمَثَانِيْ۔ من تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور محض بہ طور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔ **قال الزجاج فيها وجهان احدهما ان تكون للتبعيض من القرآن و يجوز ان تكون من صلة والمعنى آتيناك سبعا هي المثاني** (کبیر) و۷۶ (اور عنقریب ان سے جدا کر لی جائیں گی) یہ چند روزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہوا) چیز ہی کونسی ایسی ہے، جسے ایک دولت عظیم سمجھا جائے؟ مَتَّعْنَا بِهٖ صاف اشارہ ادھر ہو گیا کہ یہ کافر ان نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیے گئے ہیں۔ یہ تو سرتاسر عارضی اور فانی چیزیں انہیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کافروں کی مختلف قسمیں۔ یہود، نصرانی، مجوس، مشرکین وغیرہا۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نعمتوں پر شوق و التفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بغض فی اللہ کے ماتحت غصہ سے نظر فرماتے کہ یہ دشمنان خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صورت رنج و تاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ کہیں یہی چیزیں تو انہیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے! — آیت میں آپ کو غیظ و غم کی ان دونوں صورتوں سے نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

جھٹلایا و۶۸ اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں، پر وہ ان سے روگردانی ہی

مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

کرتے رہے و۶۹ اور وہ خوب پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

کہ (ان میں) امن چین سے رہیں و۷۰ سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے

مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

آ پکڑا و۷۱ سو جو کچھ انہوں نے حاصل کر رکھا تھا

يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ان کے کچھ کام نہ آیا و۷۲ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

درمیان ہے بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے،

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پس آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے و۷۳ بے شک آپ کا پروردگار تو

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

خالق اعظم ہے، بڑا علم والا ہے و۷۴ اور یقیناً ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) دی (جو) مکرر (پڑھی

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا) ہے و۷۵ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اتنا چیزوں کو نہ دیکھیے جو ہم نے

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

ان (کافروں کی) مختلف قسموں کو دے رکھی ہیں و۷۶ اور نہ ان لوگوں پر غم کیجیے

ف۷۷ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محل صحیح یہی اہل ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کریں گے) ۔ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ان پر غم و تاسف نہ کیجئے کہ یہ کافر و معاند سرے سے آپ کی شفقت و فکر مصلحت کے محل ہی نہیں۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد ہوتی ہے شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے کے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی شفقت کو تمام مومنین پر متوجہ رکھیے۔ و خفض الجناح كناية عن اللينة والرفق والتواضع والمقصود انه تعالى لمانهاه عن الالتفات الى اولئك الاغنياء من الكفار امره بالتواضع لفقراء المسلمين (کبیر) كناية عن التواضع لهم والرفق بهم (روح) ف۷۸ (تم منکروں کو) ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ اپنا فرض تبلیغ بس ادا کر دیجئے، باقی ان کا دل پھیر دینا تو آپ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں۔ آگے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ف۷۹ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے لے لیتے تھے، اور جن حصوں کو اپنے لیے ناخوشگوار پاتے تھے ان سے انکار کر دیتے تھے) یہ حال شروع شروع میں سب ہی منکرین قرآن کا تھا۔ اس کی صداقت کے وہ سو فیصدی منکر نہ تھے۔ جن حصوں کو چاہتے مان لیتے اور جسے نہ چاہتے نہ مانتے۔ یہاں انہی کا ذکر ہے کہ یا آخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے -- آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ صاف منکرین تباہ شدہ و ہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے۔ لیکن اگر مکی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اس کے لیے عربی اسلوب بیان میں ماضی کا

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ إِنِّيٓ أَنَا

اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیے ف۷۷ اور کہیے کہ میں تو

النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾

صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ف۷۸ جیسا ہم نے (وہ عذاب) نازل کر رکھا ہے قسمیں کھا کر

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ

لینے والوں پر جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے ف۷۹ سو آپ کے پروردگار کی قسم

لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان اعمال کی بابت جنہیں وہ کرتے رہے ہیں ف۸۰

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجیے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجیے ف۸۱

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۹۵﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ

ہم آپ کے لیے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں ف۸۲ وہ (تمسخر کرنے والے) جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ

دوسرا معبود بھی قرار دیتے ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ف۸۳ اور بالیقین

نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۹۷﴾

ہم کو معلوم ہے کہ (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے ف۸۴

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیے ف۸۵

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے، یہاں تک کہ آپ کو امر یقینی پیش آ جائے ف۸۶

صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک دو نہیں، بہ کثرت موجود ہیں۔ اَنْزَلْنَا۔ مراد حسب سیاق "نازل کر چکے ہیں" (بہ صیغہ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور "نازل کر کے رہیں گے" (بہ صیغہ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔ الْمُقْتَسِمِينَ۔ قسم سے مشتق ہے، اور اس کے معنی حلف اٹھانے والوں کے ہیں۔ یعنی وہ دشمنان اسلام جنہوں نے مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں باہم سازش کر کے حلف اٹھائے تھے۔ ای الذین تقاسموا شعب مكة و قيل الذين تحالفوا على كيده عليه السلام (راغب) قال ابن عرفة هم الذين تقاسموا و تحالفوا على كيد الرسول ﷺ (تاج) ای الذین حلفوا (بخاری کتاب التفسیر) قال مجاهد تقاسموا و تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا على عضه النبي ﷺ و ان تذيعوا ذلك بكل طريق (ابن قتیبہ) عِضِينَ۔ یعنی متفرق، پارہ پارہ۔ تعضیہ کے معنی حصوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔ ای مفرقا و العضة تجزئة الاعضاء (راغب) ف۸۰ (اور انہی اعمال کے مطابق انہیں سزائیں دی جائیں گی) یہ سوال قیامت میں بطور عتاب و مواخذہ ہوگا نہ بطور استفسار۔ ف۸۱ (یہ نہ مانیں گے اور طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے) فَاصْدَعْ۔ صدع کے معنی تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں۔ صدع الامر ای فصله (راغب) ف۸۲ مکی زندگی میں جہاں رسول اللہ ﷺ کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و ذہنی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں وہاں دوسری طرف طنز و تمسخر و استہزاء کا بھی ایک بے پناہ طوفان برپا تھا۔ بعض مفسرین ان جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور ان کا طریق استہزاء کیا کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ امام المفسرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، مفسر کو اس کا زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک پورا طبقہ صاحب اثر و وجاہت مستہزئین کا تھا۔ ولا حاجة الى شئ منه والقدر المعلوم انهم طبقة لهم قوة و شوكة و رياسة (کبیر) ف۸۳ (کہ تمسخر و شرک کا کیا انجام ہوتا ہے) سَوْفَ۔ یعنی قریب قیامت میں۔ ف۸۴ اور یہ دل کی تنگی ایک بالکل امر طبعی ہے۔ بلکہ اگر بغض فی اللہ سے تعلق پیدا ہو، تو عین عبادت ہے۔ بِمَا يَقُولُونَ۔ یعنی وہی کفر و شرک، انکار و انکار، طنز و تمسخر کی باتیں۔ ای بما يقول هؤلاء المشركون من قومك من تكذيبهم اياك و استهزاء هم بك و بما جئتهم به (ابن جریر) ف۸۵ (کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں انہماک تنگی صدر سے بھی نجات دلا دے گا) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں لگ جانے سے عالم قدس کے انوار کا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس سے دنیا بالکل حقیر و ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اسی لیے غم و الم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی اور بے فکر ہو جاتی ہے۔ السّٰجِدِينَ۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔ ای من المصلين (بیضاوی) والمراد والله اعلم من المصلين فكنى بالسجود عن الصلاة (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں غم و ضیق صدر کا علاج بتا دیا گیا ہے، اور وہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔ ف۸۶ (اسی حالت ذکر و عبادت میں) گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ منکرین سے تنگی و بیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے، گو خود بھی ایک عبادت ہے لیکن ذکر و تسبیح الٰہی کی مداومت اس سے بھی افضل ہے۔ وقت وفات آئے تو اسی نام جپنی پر آئے۔ الْيَقِينُ۔ یقین یہاں بمعنی موت ہے۔ ای حتى ياتيك الموت (...) اليقين الموت (لسان) اليقين الموت لانه تيقن لحاقه لكل مخلوق حي (تاج) اکثر ائمہ لغت کے نزدیک موت اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔ مال كثيرون الى انه حقيقي و صوّب بعضهم الى انه مجازي (تاج) خود قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے۔ و كنا نكذب بيوم الدين حتى اتانا اليقين (مدثر) اور حدیث میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون صحابی کی شہادت کے سلسلہ میں لفظ یقین اسی معنی میں آیا ہے۔ اما هو فقد جاءه اليقين و انی لارجو له الخير (صحیح البخاری کتاب الجنائز) حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں مجاہد، معالم، حسن بصری، ابن زید، قتادہ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الموت كماروى عن ابن عمر و الحسن و قتادة و ابن زيد (روح) اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ والجمهور على ان المراد باليقين الموت (بحر) انما المراد باليقين ههنا الموت (ابن کثیر) محققین نے لکھا ہے کہ یہ دنیا میں آن درمیان

باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے، جس میں تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔ و یستدل بھا علی تخطئة من ذھب من الملاحدة الی ان المراد بالیقین المعرفة فمتی و صل احدھم الی المعرفة سقط عنه التکلیف عندھم و ھذا کفر و ضلال و جھل (ابن کثیر)

سورۂ نحل۔ ف ۱ (اے منکرو!) منکرین بار بار شرارت وطعن کی راہ سے کہا کرتے تھے کہ عذاب الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے، تو آ کیوں نہیں جاتا۔ اس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اَمۡرُ اللّٰهِ یعنی سزائے کفر و شرک کا حکم الٰہی..... مراد عذاب دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور عذاب قیامت بھی۔ قریب تو دونوں ہی عذاب آ چکے۔ ذلک و عید من الله لاھل الشرک به اخبرھم ان الساعة قد قربت و ان عذابھم قد حضر اجله فدنا (ابن جریر) ھو تھدید من الله اھل الکفر به و برسوله و اعلام منه لھم قرب العذاب منھم والھلاک (ابن جریر) فالمراد به علی قول الجمھور یوم القیامة (روح) و عن ابن جریح تفسیر بنزول العذاب فقط فقال المراد بالامر ھنا ما وعدالله تعالٰی لنبیه ﷺ من النصر والظفر علی الاعداء والانتقام منھم بالقتل والسبی و نھب الاموال والاستیلاء علی المنازل والدیار (روح) ف ۲ اس کی ذات بھی منزہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق امور سے جو اہل شرک و جاہلیت اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ ف ۳ یعنی انبیاء و مرسلین پر۔ مَنۡ یَّشَآءُ نے ظاہر کر دیا کہ نبوت عطیہ الٰہی ہے، امر استحقاقی نہیں۔ بِالرُّوۡحِ۔ روح سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ بالروح ای بالوحی (ابن جریر۔ عن ابن عباس ؓ) المراد من الروح الوحی و ھو کلام الله (کبیر) مِنۡ اَمۡرِهٖ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزول ملائکہ و نزول وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے، کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔ یعنی ان ذلک التنزیل والنزول لا یکون الا بامر الله تعالٰی (کبیر) فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمام تر حکم الٰہی کے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی متعدد آیات نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ کل ھذہ الآیات دالة علی انھم لا یقدمون علی عمل من الاعمال الا بامر الله تعالٰی و اذنه (کبیر) دیوتا پرستی ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کا اسی لیے اس باب میں اس قدر اہتمام و احتیاط بالکل قدرتی ہے۔ الۡمَلٰٓئِکَةَ صیغۂ جمع میں بہ معنی جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیل ہی ہوں۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، رسول اللہ ﷺ پر نزول تنہا جبرئیل علیہ السلام کا تھا ہی کب۔ کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری پوری فوجیں اتاری جاتیں، کہیں ملک الجبال آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے، کبھی ملک البحار، کبھی کوئی اور۔ انه سبحانه و تعالٰی ما انزل علی محمد ﷺ جبرئیل وحده بل فی اکثر الاحوال کان ینزل مع جبریل افواجا من الملئکة (کبیر) المراد بالملئکة عندالجمھور جبریل علیه السلام و یسمی الواحد بالجمع کما قال الواحدی اذا کان رئیسا و عند بعض ھو علیه السلام و من معه من حفظة الوحی (روح) مِنۡ کو بعض نے بیانیہ تفسیر بیہ لیا ہے، اور مِنۡ اَمۡرِهٖ سے وحی ہی مراد رکھی ہے۔ من امرہ بیان للروح المراد به الوحی (روح) ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا:۔ "نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ"۔ اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیمبر پر وحی جو آتی ہے ملائکۂ امین و صادق کے ذریعہ سے آتی ہے، کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں۔ نیز آیت سے اس کی تعلیم بھی مل جاتی ہے کہ پیمبر صاحب وحی ہو جانے کے بعد بھی بندہ رہتا ہے، اور فرشتے بھی بہ ایں کمال تقرب و منزلت حد عبدیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔ ف ۴ (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ) انذار ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جلا ہو۔ الانذار ھو الاعلام مع التخویف (کبیر) ف ۵ آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ (۱) آسمان و زمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ (۲) مخلوق اللہ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ (۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض و مقصد کے، سیر و تفریح، کھیل و تماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔ ف ۶ اور اپنے رب کی ذات و صفات کے باب میں کیسے کیسے مناقشے برپا کر دیے۔ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ انسان جو استکبار و انانیت سے لبریز ہو جاتا ہے، حقیقۃً اس کی اصل مادی بے کتنی حقیر و پست! ف ۷ مطلب یہ ہوا کہ چوپایوں میں کوئی شان ربوبیت و الوہیت اصلاً نہیں۔ سب کے سب اللہ کے مخلوق و مربوب ہیں، انسان ہی کے نفع و خدمت کے لیے۔ نہ کہ الٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل --- یہ تردید ہو رہی ہے ان مشرک و جاہل قوموں کی جنہوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔ دِفۡءٌ لفظی معنی سرمائی پوشش کے ہیں۔ الدفء خلاف البرد (راغب) اس عموم میں دوشالے، شال، پوستین، دھسے، نمدے، ڈیرے وغیرہ سب آ گئے۔ وَّ مَنَافِعُ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسرے قسم کا چرمی سامان بنتا ہے۔ وقس علی ہذا فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ ذلک یقتضی جواز الانتفاع باصوافھا و اوبارھا فی سائر الاحوال من حیاة او موت (جصاص)

رکوعاتھا ۱۶	۱۶ سُوۡرَةُ النَّحۡلِ مَکِّیَّةٌ ۷۰	اٰیاتھا ۱۲۸
اور ۱۶ رکوع ہیں	سورۂ نحل مکی ہے	اس میں ۱۲۸ آیتیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا

اللہ کا حکم آ پہنچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ ف ۱ پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے جو

یُشۡرِکُوۡنَ ۝۱ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی

یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ف ۲ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے اپنے بندوں میں

مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

جس پر وہ چاہے ف ۳ (اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کر دو، کہ کوئی معبود بجز میرے

اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ

نہیں ہے۔ سو مجھی سے ڈرتے رہو ف ۴ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے حکمت کے ساتھ،

تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝۳ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ

وہ برتر ہے ہر شرک سے، جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ف ۵ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا

فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ۝۴ وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَکُمۡ

مگر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آ گیا ف ۶ اور چوپائے بھی اسی نے بنائے، ان میں

فِیۡهَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ ۝۵ وَ لَکُمۡ

تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے، اور (اور بھی) فائدے ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو ف ۷ اور ان کی

فِیۡهَا جَمَالٌ حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۝۶

وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ (ان کو) شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جب کہ (انہیں) صبح کے وقت

وف۸ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر رہنا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زائدہ کا قصد بھی معتبر نہیں، بجز مانع شرعی (مثلاً فخر وتکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر مباح مقصود ہو، مثلاً دفع مذلت یا حصول مسرت۔ وف۹ یعنی دُور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان منتقل کرنے میں کیسی مدد اور سہولت، اونٹ، گھوڑے، بیل وغیرہ سے میسر آ جاتی ہے۔ وف۱۰ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسائش کے لیے کیسے کیسے سامان اُس نے بہم پہنچا دیئے!) وف۱۱ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی قیامت تک کے لیے آ گئیں۔ انسانی صنعت وصناعت کی مدد سے جو جو طریقے حمل ونقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے اور گدھے کی بھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ عرب میں ان تینوں جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ہتی نے اپنی "تاریخ عرب" میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حسا کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں (صفحہ ۲۲) وَزِينَةً یعنی طرح طرح کے نفیس سامان آرایش وزینت انہی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور خود یہ جانور بھی تجمل وتزئین انسانی کا ذریعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، اُن کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ادھر جہاں انعام (مویشیوں) کا ذکر آیا، وہاں حق تعالیٰ نے وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ کی بھی تصریح کر دی۔ اور یہاں صرف لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لیے نہیں۔ وف۱۲ (طالبان حق کے لیے) عَلَى اللّٰهِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے طالبان حق کو راہ راست دکھا ہی دیتا ہے۔ یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہ راست دکھانا واجب ہے۔ والمراد على الله بحسبه الفضل و الكرم ان يبين دين الحق والمذهب الصحيح (کبیر) اى اقامة السبيل و تعديلها رحمةً و فضلًا (بیضاوی) و ليس ذلك للوجوب اذلا يجب على الله شيئًا ولكن يفعل ذلك تفضلًا (مدارک) قَصْدُ السَّبِيلِ۔ قصد یہاں صورةً مصدر ہے، لیکن معنی فاعل یعنی راہ قاصد یہ مستقیم۔ الطريق الموصل الى الحق (کشاف) مصدر بمعنى الفاعل وهو القاصد يقال سبيل قصد وقاصد اى مستقيم (کشاف) السَّبِيلِ۔ صورةً مفرد ہے لیکن مراد جنس سبیل ہے۔ المراد بالسبيل الجنس ولذلك اضاف اليها القصد (کشاف) وف۱۳ یعنی ایسے راستے جو دین حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے۔ اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے۔ مراد اس سے کفر وضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔ يعنى من السبيل ما هو جائر غير قاصد للحق وهو انواع الكفر والضلال (کبیر) مِنْهَا ضمیر سبیل کی طرف ہے، جو لغت حجاز میں مؤنث ہے۔ نعود على السبيل وهي مؤنثة في لغة الحجاز (کبیر) جَآئِرٌ۔ جور کے معنی حق سے انحراف یا کجی کے ہیں۔ اى عادل مائل ومعنى الجور فى اللغة الميل عن الحق (کبیر) وف۱۴ (لیکن اس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام وعالمگیر واضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف انہی افراد کے لئے رکھی گئی، جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں) وف۱۵ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ قال الزجاج كل ما نبت على الارض فهو شجر (کبیر) اى نبات مطلقًا سواء كان له ساق ام لا كما نقل عن الزجاج (روح) یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔ يعنى الشجر الذى ترعاه المواشى (کشاف) وف۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام وانتظام نباتی میں اہل فکر وتدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت، حکمت وتوحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ الزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ۔ زیتون، کھجور، انگور کے طبی فوائد نیز اہل عرب کے لئے ان کی اہمیت خصوصی پر ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آ گیا کہ یہ سارا انتظام نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا

(چوپائے) پہنچا دیتے ہیں وف۸ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر نفس کی سخت مشقت

بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۷﴾

کے پہنچ نہیں سکتے وف۹ تمہارا پروردگار بے شک بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، وف۱۰

وَّالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ

اور (اسی نے پیدا کئے) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی،

وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ

اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں وف۱۱ اور اللہ ہی پر ہے راستہ (کا دکھانا) وف۱۲

وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ ع هُوَ

اور بعض اس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں وف۱۳ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب کر دیتا وف۱۴ وہ (اللہ)

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے

وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ

اور اسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو، وف۱۵ اور اسی سے تمہارے لئے کھیتی

الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ

اگاتے ہیں نیز زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے

الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

پھل بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں وف۱۶

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ

اور اسی نے تمہارے (فائدہ کے) لئے (اپنا) مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو،

ف۱۷ یعنی اس سارے نظام فلکی کے جزئیات وتفصیلات پر اگر عقل وتدبر سے کام لو، تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس نے ایسے کامل ومستحکم انتظامات کر رکھے ہیں وہی ذات واحد قادر مطلق وحکیم کل اور سب کی پروردگار ہے۔ سَخَّرَ لَکُمْ ..... بِاَمْرِہٖ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے مخلوقات جو اپنے فرائض تکوینی انجام دیتے رہتے ہیں، ان سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوع بشری کی خدمت ہے، تو یہ کیسی الٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت وسخافت ہے کہ خود انہی خادموں کو دیوی، دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے! مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ۔ سارے اجرام فلکی باایں عظمت وبے تحریق عنہ کے قوانین طبعی ہی کے پابند ہیں، اور ان سے بال بھر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتے۔ مشرک قوموں کی دیومالا اٹھا کر دیکھئے چندرماں برہسپتی دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے۔ اور زہرہ وعطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔ ف۱۸ ایک ہی سطح زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں، ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل وصورت کے، مختلف جسامت کے، مختلف مزہ اور بوباس کے، مختلف رنگوں کے، مختلف خاصیتوں کے پھول، پھل، میوے، غلے پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظام قدرت پر دلالت کرسکتا ہے، کسی صاحب نظر واہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اَلْوَانُہٗ۔ لون کے اصلی معنی تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع واقسام بھی مراد ہوتی ہیں۔ ویعبر بالالوان عن الاجناس والانواع (راغب) ف۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا) اَلْبَحْرَ۔ بحر کا مفہوم عربی میں وسیع ہے۔ سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ البحر یشمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثیر (راغب) سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ یعنی دریا وسمندر بھی اسی کے قانون تکوینی کے محکوم ومسخر ہیں۔ نہ خود آفریدہ ہیں نہ خود مختار۔ مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے، جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی اور جمنا مائی، اور سرجو مائی اور نربدا مائی اور رتپی مائی اور بھاگیرتی مائی، اور اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے۔ ف۲۰ جیسے موتی یا مونگے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ پرزینت لباس جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو، خلاف طریق نہیں۔ ف۲۱ یہ ابتغاء فضل اور توقع شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارتیں کرنا، اور ان سے نفع اٹھانا ذرا بھی منافی تقویٰ نہیں۔ تَرَی الْفُلْکَ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے۔ فِیْہِ۔ یعنی دریا میں، سمندر میں۔ تَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کرو۔ ابتغاء فضل سے مراد تجارت ہے۔ ابتغاء الفضل اے التجارۃ (کشاف) ف۲۲ (اور یہ پہاڑ سطح زمین کا توازن قائم رکھیں) اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی ڈولائی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے ہلنے لگتا ہے۔ مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو، جو تمامتر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ ف۲۳ (وہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، چشمے وغیرہ سب علامات راہ کا کام دیتے ہیں۔ ف۲۴ ستاروں کی قدر وقیمت اس حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہازرانوں کشتی بانوں اور صحرا اور ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اس دور ترقی میں بھی بڑے بڑے دخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا بھی "قطب نما" ہی رہتا ہے! یعنی وہ آلہ جو قطب "ستارہ" کی سمت متعین کرتا رہتا ہے۔ بِالنَّجْمِ۔ نجم بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ صرف صورۃً مفرد ہے نہ کہ معنًی والمراد بالنجم الجنس (کبیر)

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر (قدرت) ہیں بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۟ۙ (۱۲) وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ

جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں، ف۱۸ اور (ان چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنہیں زمین پر تمہارے لئے پھیلایا،

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ

ان کے اقسام مختلف ہیں، بے شک اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے

یَّذَّكَّرُوْنَ ۟ (۱۳) وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

جو نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں ف۱۸ اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس میں

مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

سے تازہ گوشت کھاؤ ف۱۹ اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا

پہنتے ہو ف۲۰ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۟ (۱۴) وَ اَلْقٰی فِی

فضل سے تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرتے رہو ف۲۱ اور اس نے زمین میں

الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا

پہاڑ رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے ف۲۲ اور دریا اور راستے (بنا دیئے)

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۟ۙ (۱۵) وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ

تاکہ تم راہ پاتے رہو اور علامتیں بھی (بنائیں) ف۲۳ اور ستاروں سے بھی (لوگ)

یَهْتَدُوْنَ ۟ (۱۶) اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

راہ پاتے رہتے ہیں ف۲۴ اچھا تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اسی جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ تو کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

(اتنا بھی) غور نہیں کرتے ف۲۵ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ف۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ

بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۷ اور اللہ جانتا ہے اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو

وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ف۲۸ اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ؕ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود بھی مخلوق ہیں ف۲۹ اور وہ مردے ہیں نہ کہ

اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ

زندہ اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ (مردے) کب اٹھائے جائیں گے ف۳۰ تمہارا خدا

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ

ایک ہی خدا ہے اب جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر

مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ

ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کر رہے ہیں ف۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اس کو بھی کہ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو کچھ کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ

پسند نہیں کرتا ف۳۲ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی

قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ۙ لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ

تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے بے سند قصے ف۳۳ نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے (گناہوں کا بھی)

ف۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔ ف۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟ نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمة صورۃً مفرد ہے۔ معنی بطور اسم جنس آیا ہے۔ تمام اقسام نعمت کو شامل۔ ف۲۷ چنانچہ صفت غفور کے تقاضہ سے وہ مشرکین وملحدین تک کی توبہ قبول کر کے انہیں بخش دیتا ہے۔ اور صفت رحیم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو ان کی زندگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا۔ ف۲۸ یعنی یہ حاضر وغائب کی تفریق تو ہمارے معیار سے ہے۔ اللہ کے لئے ہر شے یکساں، اور اس پر سب عیاں ہے۔ اس کا علم کامل بھی ہے، محیط بھی۔ ف۲۹ یعنی ان مشرکین کی کیسی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا تجویز کئے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالق کائنات کے محتاج ہیں۔ ف۳۰ چنانچہ بعض کو تو مرنے سے بعث کا علم واحساس ہی نہیں۔ بعض جن کو اتنا علم ہے، انہیں بھی وقت معین کا علم نہیں۔ ایسے بے خبروں کو ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کر لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنی میں سارے معبودان باطل میں مشترک پائی جاتی ہے۔ مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جن "بزرگوں" کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پائے ہوئے ہوتے ہیں، اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں۔ ف۳۱ (قبول حق سے) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خطاب ساری نسل انسانی سے ہے۔ سب کو بتایا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی اور لاشریک ہے۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ۔ یعنی ان کے قلب ایسے ناکارہ اور فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ حق کی طلب وجستجو ہے، اور نہ کوئی فکر عاقبت ہے۔ ف۳۲ (چنانچہ ہر متکبر کو سزا بھی وقت مقرر پر دے گا) خوب غور کر کے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ دین حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال نفس کو قانون الٰہی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور یہ اکثر طبائع کو بھی سخت گراں گزرتا ہے۔ ان کے انکار والحاد کی بنیاد عموماً خودسری، خودبینی وخود رائی ہی پر ہوتی ہے۔ ف۳۳ یہ تبرا انتہائی قرآن مجید جیسی محقق کتاب سے متعلق!! مشرکین مکہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل ہی ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے "روشن خیال" مدعیان علم ودانش بیک بینی برس یہی کہتے ہیں کہ "قرآن" میں ہے کیا، یہود ونصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصے لے لئے کہ انہیں مسخ وتحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے۔ لَهُمْ سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی جب ان سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے۔ یا خود آپس میں یہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرتے ہیں۔

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ
پورا بوجھ اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بھی (گناہوں کا) بوجھ جنہیں یہ بغیر علم سے کام لئے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ
گمراہ کررہے ہیں دیکھو جی! (کیسا) برا ہے (یہ بوجھ) جو اپنے اوپر لاد رہے ہیں ف۳۴ بڑی بڑی چالیں وہ

مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ
لوگ چلے جو ان کے قبل تھے سو اللہ نے ان کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر ان کے اوپر سے

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
ان پر چھت آ پڑی اور ان پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ
ان کو خیال بھی نہ تھا ف۳۵ پھر قیامت کے دن (اللہ) انہیں رسوا کرے گا

وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ
اور کہے گا میرے وہ "شریک" کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ
کرتے تھے ف۳۶ علم والے (اس وقت) بول اٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی

وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
اور سختی کافروں پر ہے ف۳۷ جن کی جانیں فرشتوں نے

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا
اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کررہے تھے ف۳۸ تب وہ صلح کا پیغام ڈال چلیں گے

نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ
کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے ف۳۹ ضرور (کررہے تھے) بے شک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ

ف۳۴ وعید ان لوگوں کے حق میں ارشاد ہورہی ہے، جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا ثمرہ بھی چکھیں گے، اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔ لِيَحْمِلُوْٓا میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبة (کبیر) بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سروپا رائے یہ خود ہی بلاتحقیق، بلاسند، بلاثبوت دے بیٹھتے ہیں۔ ف۳۵ واقعات تاریخی کو یہاں تمثیلی رنگ انشاء میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جن پر قوت وشوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ان کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہوکر رہیں، اور وہ اس طرح برباد ونابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر ان کا خیال وگمان بھی نہیں ہوتا۔ ف۳۶ (اہل ایمان سے) یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت ورسوائی کے شکار ہوں گے، اور انہیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لیے اُن سے سوال ہوگا، کہ اب بتلاؤ، وہ تمہارے معبود کدھر گئے، جنہیں تم شریک الوہیت سمجھا کرتے تھے، اور جن کی خاطر تم اہل ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ شُرَكَآءِيَ یعنی میرے شریک تمہارے زعم و پندار کے مطابق۔ ای شركاءی فی زعمكم و اعتقادكم (کبیر عن الزجاج) علی الاضافة الی نفسه حكاية لاضافتهم (کشاف) الذين كنتم تزعمون فی الدنيا انهم شركاءی (ابن جریر) ف۳۷ وہ منکرین مردود ومخذول تو کیا جواب دیں گے، البتہ اہل حق پکار اٹھیں گے کہ آج کے دن (جیسا کہ ہم دنیا میں کہا کرتے اور سمجھتے رہتے تھے) پوری ذلت و رسوائی اور ساری سختی و مصیبت منکرین حق ہی کے لیے ہے! فرقہ مرجیہ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ عذاب آخرت کافروں ہی کے ساتھ مخصوص، محدود ہے، مومنین عاصی کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی انبیاء مرسلین اور اُن کے متبعین صادقین، و هم الانبياء عليهم السلام المؤمنون الذين اوتوا علماً بدلائل التوحيد (روح) قال يحيى بن سلام هم المؤمنون (بحر) ف۳۸ یعنی موت کے وقت تک کفر وشرک میں مبتلا رہے تھے۔ اے حال كونهم مستمرين على الشرك (روح) ف۳۹ اس پرہیبت و ہولناک منظر سے دوچار ہوکر منکرین حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی، جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے! — کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے، اور کہاں اب خوشامد پر اُتر آئیں گے۔ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی اپنے خیال وعقیدہ میں تو ہم کوئی بری بات نہیں کر رہے تھے۔ المراد ما كنا عاملين السوء فی اعتقادنا ای كان اعتقادنا ان عملنا غير سیء (روح)

ف۴۰ (تو اب تمہارے اقرار و انکار سے ہوتا کیا ہے۔ تمہارا حال تو عالم الغیب پر خود ہی سب روشن ہے) ف۴۱ یعنی ان لوگوں کا جو رعونت نفس کی بنا پر قبول حق سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ فَلَبِئْسَ میں لَ تاکید کا ہے۔ واللام فی فلبئس لام التاکید (بحر) مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر کی قدرتی جزاء دوزخ ہی ہے۔ ووصف التکبر دلیل علی استحقاق صاحبه النار (بحر) فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی اپنی اپنی منزل و طبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ خطاب لکل صنف منهم ان یدخل بابًا من ابواب جهنم (روح) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہاں تمام اہل جہنم کو سنا دیا، کہ درجاتِ عذاب گونسبۃً کم اور زائد ہوں، لیکن خلود و دوام بہرحال سب کے لیے ہے۔ رہائی مخلصی کی صورت کسی کے لیے نہیں۔ ف۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر و برکت ہی ہے۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی وہ لوگ جو کفر و شرک سے بچے رہتے ہیں۔ قال اصحابنا یرید الذین اتقوا الشرک واتقوا الله لا اله الا الله محمد رسول الله (کبیر) یعني المومنین (بیضاوی) آیت نمبر ۲۴ میں ابھی مکذبین قرآن کا ذکر آ چکا ہے کہ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اُتری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ 'اساطیر الاولین'۔ اب ٹھیک اُن کے مقابل گروہ مومنین کا ذکر ہے، کہ جب اُن سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اُسے سرتاسر خیر و برکت بتاتے ہیں۔ ف۴۳ اس دُنیا کی بھلائی سے تو مراد یہاں کی کل نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً فتح و مال غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینانِ قلب وغیرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر اجر آخرت کا وعدہ و بشارت۔ اور عالم آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اوّل تو وعدۂ اجر کے تحقق و ظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ تعداد، کیا بہ لحاظ مقدار اور کیا بہ لحاظ دوام و قیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت و نوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی، اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ یعنی اہل ایمان، و هؤلاء مومنون (ابن جریر، عن قتادۃ) ف۴۴ الْمُتَّقِيْنَ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل الذین اتقوا سے آ چکا ہے۔ یعنی اہل ایمان۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آ گئی ہے۔ جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہل جنت کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہے گا، سب پورا ہو کر رہے گا۔ ہر تمنا نکل کر، ہر آرزو حاصل ہو کر رہے گی۔ ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات و تفصیلات کہاں تک بیان کیے جا سکتے ہیں۔ بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لیے آ گیا۔ ف۴۵ (ہر کفر و شرک کی آلودگی سے) معناه علی ماروی عن ابی معاذ طاهرین من دنس الشرک و هو المناسب لجعله فی مقابلة ظالمی انفسهم (روح) قال ابو معاذ طاهرین من الشرک بالکلمة الطیبة (بحر) طاهرین من ظلم انفسهم بالکفر (مدارک) یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو آخر وقت تک توحید و ایمان پر قائم رہتے ہیں ـــ یہاں ٹھیک اُن طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے، جن کا ذکر آیت نمبر ۲۸ میں آ چکا ہے کہ فرشتے اُن کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے۔ طَيِّبِيْنَ جو لوگ کفر و شرک، فسق و فجور کی آلودگیوں سے پاک ہیں، اُن کی روحیں صحیح معرفت و محبت الٰہی سے معمور رہتی ہیں اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور و شوق کے ساتھ جاں آفریں کو سپرد کرتے ہیں۔ ف۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم و اکرام کے لیے ہوگا۔ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ محققین کا بیان ہے کہ مثالی، رؤیائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (خود برزخ جس عالم کا نام ہے، وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی مثالی، رؤیائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادّی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ و هو وقت قبض ارواحهم قاله ابن مسعود و محمد بن کعب و مجاهد والاکثرون جعلوا التبشیر بالجنة دخولاً مجازًا (بحر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی آپ ہی آپ یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خود آپ ہی کے حسن عمل و شیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے ـــ یہ کہہ کہہ کر مومنین اہل جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔ اس تصریح اور اُن نصوص کے درمیان، جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضال الٰہی سے ملے گی، کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ سبب حقیقی تو بے شک وہی رحمت الٰہی ہی ہے، لیکن سبب قریب و سبب عادی ان لوگوں کا حسن عمل ہے۔ ف۴۷ (جس کے بعد قبول ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے) ذکر اُن منکرین معاندین کا ہے جو وضوح حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ هل نفی کے معنی میں ما کا مرادف ہے۔ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آ جائیں جس کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ لقبض ارواحهم (روح۔ عن مجاہد و قتادۃ) لقبض ارواحهم (ابن جریر) يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی قیامت برپا ہو جائے، یا عذاب دنیوی نازل ہو جائے۔ ای العذاب المستاصل او القیامة (کشاف۔ مدارک) ای القیامة (روح۔ عن مجاہد و قتادۃ) قال بعضهم المراد بالعذاب الدنیوی (روح)

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

تم کرتے رہے تھے ف۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہوکر)

فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ

غرض کیسا برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ف۴۱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان سے

اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ

پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بڑی خیر نازل فرمائی ہے ف۴۲ جن

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

لوگوں نے نیکی کی، ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو

خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اور (زیادہ) بہتر ہے ف۴۳ اور اہل تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا

جن میں یہ داخل ہوں گے، ان (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، انہیں ہر چیز (مل جائے گی) جو کچھ

يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ۙ الَّذِيْنَ

وہ چاہیں گے اسی طرح کا عوض اللہ اہل تقویٰ کو دیتا ہے ف۴۴ (یعنی وہ لوگ)

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ف۴۵ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ف۴۶ یہ (منکرین) تو بس اسی کے منتظر ہیں

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آ جائے ف۴۷

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ

ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے قبل تھے ان پر اللہ نے ظلم (ذرا بھی)

اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ

نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے وف۴۸ آخر انہیں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ان کے اعمال کی سزائیں ملیں، وف۴۹ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

تمسخر کرتے تھے اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو

مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا

ہم اس کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

ہم اس کے بدون (حکم) کسی چیز کو حرام کر سکتے وف۵۰ ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

جو ان کے قبل ہوئے ہیں وف۵۱ سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف

الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ

پہنچا دینا ہے وف۵۲ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیامبر بھیجا ہے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کی راہ) سے بچو وف۵۳ سو ان میں وہ بھی ہوئے جنہیں

هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ

اللہ نے ہدایت دی اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی

ع ۱۰

وف۴۸ یعنی کفر، شرک وفسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔ فعل الذین من قبلھم یعنی انہوں نے بھی کفر وعناد پر اصرار کیا تھا، اور انہیں بھی سزا ملی تھی۔ وف۴۹ (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعد موت، خواہ دونوں جگہ)۔ وف۵۰ مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دی؟ — یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی (یا بندوں کی قوت اختیار وآزادی عمل) اور اس کی رضا وحکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے تھے! وف۵۱ یعنی یہی ضابطہ زمانہ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آ چکا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں، تو یہی سوال الٹ کر خود ان پر بھی عائد ہوتا ہے — آخر ان کے عقائد کی رو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ تو وہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟ وف۵۲ (اور اس فریضہ سے وہ ہر دور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے) ھل یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف ہے البلٰغ المبین پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، ان میں کوئی جھجک یا خفا باقی نہ رہ جائے۔ اور ہر دعوی پر دلیلیں صحیح، روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔ وف۵۳ (سو یہ توحید اور دین حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں۔ شروع سے چلی آ رہی ہے) رسولًا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک وقوم میں، مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنی میں) آئے ہوں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعہ سے۔ ہندوستان میں کوئی پیمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہرحال ہے، لیکن جزم ویقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیمبر قرار دے بیٹھنا، جب تک کہ ان کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔ الطاغوت یہ منجملہ ان الفاظ کے ہے، جن کا ترجمہ اردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ اس لفظ پر حاشیہ سورۂ آل عمران پ۳ (ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ) کے ذیل میں گزر چکا۔

وس۵۳ (اور تاریخ وعلم الآثار سے مدد لے کر دیکھو کہ وہ سرکش وخود فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کررہی ہیں) فَسِیْرُوْا خطاب مشرکوں سے ہے۔ ایھا المشرکون المکذبون (روح) فَیُهْدِیْهِ ... الضَّلٰلَةُ پیغمبر ﷺ کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردد نہ کیجئے، ضلالت وہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ وس۵۵ (سو آپ صبر سے کام لیجئے) اب پھر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائے گا،

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تو زمین پر چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا (برا)

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

انجام ہوا وس۵۴ اگر آپ کو ان کے راہ راست پر آنے کی تمنا ہے تو اللہ ایسے کو

يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

راہ نہیں دکھاتا جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ کرچکا ہے، اور نہ ان کا کوئی حامی ہوگا وس۵۵

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

اور یہ بڑے زور وشور سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے خدا اسے دوبارہ نہیں

يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اٹھائے گا وس۵۶ کیوں نہیں (کرے گا) اس وعدہ کو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے لیکن اکثر لوگ (اتنا بھی) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

نہیں رکھتے وس۵۷ (اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ہوگا) کہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے اس

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّمَا

کا ان کے روبرو اظہار کردے اور تاکہ اہل کفر یقین کرلیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے وس۵۸ ہم جب

قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ

کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرلیتے ہیں تو بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا،

فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

بس وہ ہو جاتی ہے، وس۵۹ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ

ظلم ہو چکا تھا وس۶۰ ہم ان کو دنیا میں (بھی) بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجر آخرت تو

وہ بدستور یوں ہی گمراہی میں پڑے رہیں گے۔ وس۵۶ (اور یہ حشر ونشر، جزا وسزا سب ڈھکوسلے ہیں) جاہلیت عرب کے ''روشن خیال'' آج بھی کل کے ''روشن خیالوں'' کی طرح آپس میں بڑے زور وشور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کیسا حشر ونشر؟ یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ وس۵۷ ان ''آزاد خیالوں'' کی تردید میں ارشاد ہورہا ہے کہ تمہاری لغو ولا یعنی تردید سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدہ جزاء وسزا تو دین حق کے بنیادی عقائد میں ہے، اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔ بَلٰی نفی کے جواب میں ہے۔ یعنی کیوں نہ کرے گا، ضرور کرے گا۔ لایجاب النفی ای بلٰی یبعث (روح) وس۵۸ (اور انبیاء ومومنین ہی سچے تھے) ارشاد ہورہا ہے کہ یہ وقوع معاد تو عین حکمت ہے۔ وہیں تو ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہوکر رہے گا کہ اس دار ابتلاء میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ان میں وہ کس قدر ناحق پر تھے۔ اور وہیں ان پر شہودا وعیاناً یہ روشن ہوکر رہے گا، کہ وہ خود سرتاسر باطل پر، اور انبیاء ومومنین حق پر تھے۔ لِيُبَيِّنَ۔ میں ل کا تعلق فعل مقدر نبعثهم سے ہے۔ لَهُمْ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر ومومن پر شامل ہے۔ ای من یموت وھو شامل للمومنین والکفار (بحر) وس۵۹ (سو ایسے قادر مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟) قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمۂ کن کا (جو خود ایک دوحرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتا ہو مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو، اس کی تکوین کے لئے، اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ ادھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اور اُدھر معاً اور فی الفور وہ شے عدم سے وجود میں آگئی۔ لشیئ اور لہ دونوں میں ل تبلیغ کا ہے۔ والظاھر ان اللام فی لشیء وفی لہ للتبلیغ (بحر) وس۶۰ (مشرکین معاندین کی طرف سے) مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو معہ وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بے شمار مرغوبات ومالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس پر شاق گزرتا ہے۔ شدید مظلومیت وبیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گنی اور بڑھ جاتی ہے۔ فِي اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔ لاقامة دینه (جلالین) فی حقه ولوجهه (مدارک۔ بیضاوی) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ یہاں ذکر ان مومنین سابقین وصادقین کا ہے، جنہوں نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے، نہ صرف شہر مکہ بلکہ ملک حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر، ایک دور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ هؤلآء اصحاب محمد ظلمهم اهل مكة فاخرجوهم من ديارهم حتى لحق طوائف منهم بالحبشة (ابن جریر۔ عن قتادہ) هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ۔ اس قید سے فقہاء مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر وہی ہے جو دین الٰہی کے خاطر ہو، ورنہ نفس ہجرت تو محض انتقال وطن کے مرادف وہم سنگ ہے۔ و دل تعالیٰ بقوله والذين هاجروا في الله ان الهجرة اذا لم تكن لله لم يكن له موقع وكانت بمنزلة الانتقال من بلد الی بلد (کبیر)

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

(کہیں) بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی ف۶۱ (وہ مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں

وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ف۶۲ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول بنا کر

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

(دلائل اور کتابوں کے ساتھ) بھیجے ہیں، ف۶۳ جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں،

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ۗ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو ف۶۴ اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾

تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں ف۶۵

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ

کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں اس امر سے بےفکر ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسے موقع سے آ پڑے کہ انہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

گمان بھی نہ ہو ف۶۶ یا انہیں ان کے چلتے پھرتے پکڑ لے، سو یہ لوگ (اللہ کو)

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ

عاجز نہیں کر سکتے ف۶۷ یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے لیکن

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ

تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۶۸ کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو

ف۶۱ یعنی کاش ان بےخبر کافروں کا آخرت کے اجر بےنہایت اور راحت دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا! كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ضمیر غائب کافروں کی جانب ہے۔ الضمير للكفار (كشاف) عائد الى الكفار (كبير) فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ چنانچہ مہاجرین مکہ کو بھی مدینہ پہنچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت وعزت حاصل ہوئی۔ اور ریاست مکہ ہی نہیں، سارا صوبۂ حجاز، کل ملک عرب، بلکہ اطراف مشرق ومغرب بھی ان کے زیر نگیں آ گئے۔ وهي الغلبة على اهل مكة الذين ظلموهم وعلى العرب قاطبة وعلى اهل المشرق والمغرب (كبير) ف۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے) خیال رہے کہ یہ سفر ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں خشکی اور تری دونوں سے مکہ سے سینکڑوں میل دور حبشہ کا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کی پرتکلف ریل گاڑیوں اور پرتعیش جہازوں میں نہ تھا۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۶۳ (نہ کسی فرشتہ، جن، یا فوق البشر کو رسول بنا کر) مشرکین عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے۔ لیکن نفس رسالت، یا کسی بشر محض کا پیمبری سے سرفراز ہو جانا ان کی سمجھ سے باہر تھا، اسی میں وہ بار بار الجھتے تھے، اور ذات مصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے بشر ہو کر پیمبر کیسے ہو گئے؟ یہاں منکرین کو سنا کر آنحضرت ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو ازل سے برابر بشر ہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ رِجَالًا کے لفظ سے یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبہ نبوت مردوں ہی کے لئے محدود ومخصوص ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں۔ دلت الاية على ان الله تعالى ما ارسل احدا من النساء (كبير) سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔ وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ۔ امام رازی ؒ نے فرمایا، اور بہت صحیح فرمایا کہ ان دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصۂ رسالت آ گیا۔۔ البينت کے اندر سارے معجزات وشواہد صدق پیمبر۔ اور الزُّبُر کے اندر اصل احکام وہدایات۔ الزبر لفظة جامعة لكل ما تكامل به الرسالة لان مدار امرها على المعجزات الدالة على صدق من يدعى الرسالة وهي البينات وعلى التكاليف التي يبلغها الرسول من الله تعالى الى العباد وهي الزبر (كبير) الاولى للدلالة على الصدق والثانية لبيان الشرائع والتكاليف (روح) بِالْبَيِّنٰتِ۔ البينت کے معنی دلائل (شواہد بھی) بالکل درست ہیں۔ اي بالحجج والدلائل (ابن كثير) ف۶۴ خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ اور ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جنہیں تم بھی اہل علم سمجھتے ہو، یعنی اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔ ذرا انہی سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ پاچھ کر کے اپنا اطمینان کر لو۔ مسئلہ رسالت میں، اور بشر ہی کے رسول ہونے میں تو وہ بھی مسلمانوں ہی کے ہم زبان ہیں۔ اَهْلَ الذِّكْرِ کے معنی اہل کتاب کے، صحابہ، تابعین، ائمہ لغت واکابر مفسرین سب سے منقول ہیں۔ اي اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جرير۔ عن ابن عباس ومجاہد والحسن والسدی) واهل الذكر اهل الكتاب وقيل للكتب الذكر لانه موعظة وتنبيه للغافلين (كشاف) الذكر الكتاب فيه تفصيل الدين ووضع الملل (قاموس) وكل كتاب من الانبياء ذكر (تاج) الذكر الكتب المتقدمة (راغب) ف۶۵ (ان مضامین قرآنی کے اندر) الذِّكْرَ سے مراد یہاں قرآن مجید ہی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔ یعنی تاکہ آپ ان مضامین کو اپنی تشریح وتوضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کر دیں۔۔۔ یہ آیت قرآنی اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل وحی یا ''خط رساں'' کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے۔ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ وواسطہ سے، ساری نوع انسانی ہے۔ ف۶۶ چنانچہ معرکۂ بدر میں ہوا بھی یہی، کہ سرداران قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ باوجود ساز وسامان اور باوجود کثرت تعداد تھوڑے سے اور وہ بھی بےسروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی بری طرح شکست کھا جائیں گے۔ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسول اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والا قرب ان المراد سعيهم في ايذاء رسول الله ﷺ واصحابه على سبيل الخفية (كبير) يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی مصیبت زمینی آ پڑے۔ ف۶۷ متمرد وسرکش انسان اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کر کے ایڑی، چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، آخرکار خود ہی ہار کر، تھک کر، مجبور ہو کر، بیٹھ جانا پڑے گا۔ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ۔ یعنی نزول عذاب کے لئے اسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انہیں گرفتار کر لے۔ ف۶۸ (چنانچہ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع وتوبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے) والمعنى انه يمهل في اكثر الامر لانه رؤف رحيم فلا يعاجل بالعذاب (كبير) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت وبربادی پر قادر ہے، چاہے اس کا ظاہر ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی وزبردست دشمن کو مسلط کر دے، چاہے وہ یونہی چلتے پھرتے ہلاک کر دے، اور چاہے پہلے سے جتا کر، بتلا کر، متنبہ کر کے کوئی سامان ہلاکت کا پیدا کر دے۔ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ۔ یعنی بار بار بلائیں لا کر، تدریجاً لوگوں کو ہلاک کر دے۔ اي ياخذهم على ان يتنقصهم شيئا بعد شيء في انفسهم واموالهم حتى يهلكوا (كشاف) تنقص شيئا فشيئا حتى يهلك الجميع (جلالين) تَخَوُّفٍ کے اصلی معنی انسان میں ظہور خوف کے ہیں۔ التخوف ظهور الخوف من الانسان (راغب) اور اس مصدر سے جو فعل متعدی آتا ہے، اس کے معنی اثر خوف سے گھٹانے کے ہیں۔ وتخوفناهم اي تنقصناهم تنقصا اقتضاء الخوف (راغب)

ف۲۹ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز، یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی، حکم الٰہی کے مطیع و منقاد ہیں۔ مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گڑھ رکھے ہیں۔ قرآن مجید ان سب کا قلع قمع کر کے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانون الٰہی ہی کی محکوم ہیں۔ ظِلٰلُهٗ۔ مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات وسببات، حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکم الٰہی ہی سے ہیں۔ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ سجدہ یہاں اپنے اصلی معنی میں ہے، یعنی فروتنی، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے روبرو ہونا ہی چاہیے۔ هذا سجود تسخير وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة على كونها مخلوقة وانها خلق فاعل حكيم (راغب) المراد بهذا السجود الانقياد والتواضع (کبیر) وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ۔ یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اسی کی مطیع و فرمانبردار ہیں۔ داخرون اى اذلاء (راغب) **ف۳۰** (تکوینی طور پر) یَسْجُدُ۔ سجود یہاں اپنے اصل مفہوم، انقیاد و استسلام کے معنی میں ہے -- آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کی سب عظمت الٰہی کی مسخر و منقاد ہیں۔ اى كل ما سوى الله سواء كان من عالم الارواح او من عالم الاجسام فهو منقاد خاضع لجلال الله تعالى و كبريائه (کبیر) **ف۳۱** یعنی اللہ کی مطیع و منقاد جب تکوینی طور پر زمین و آسمان کی ساری ہی زندہ و متحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں اور مشرکوں نے انہی کو دیوی دیوتا قرار دیا اور خدا کا مدمقابل سمجھا ہے، وہ تو خاص طور پر مطیع و منقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی، چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔ لا يطلبون ذلك فضلا عن فعله والاتصاف به (روح) مِنْ دَآبَّةٍ۔ دابۃ کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی۔ اور سجدۂ انقیاد کے ایک سرے پر دابۃ اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لا کر گویا یہ بتا دیا کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات زنجیر انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔ بين بهذه الأية ان الحيوانات باسرها منقادة لله تعالى لان اخسها الدواب واشرفها الملئكة (کبیر) **ف۳۲** یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ فوق سے یہاں محل ہوئی مراد فوقیت معنوی یا غلبہ ہے۔ ورنہ محض سمت یا جہت کے فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ المراد بالفوقية الفوقية بالقهر والقدرة لانها هي الموجبة للخوف (کبیر) اى عاليا عليهم بالقهر (جلالین) راغب نے فوق کے استعمال کے چھ موقع بتائے ہیں۔ مکان، زمان، جسم، عدد، منزلت اور انہی میں سے ایک معنی فوقیت باعتبار قہر و غضب کے رکھے ہیں۔ توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی و نافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے -- قرآن فرشتوں کو بار بار تمام تر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وهي دلالة قاهرة قاطعة على عصمة الملائكة عن جميع الذنوب (کبیر) يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ ملائکہ سے جب معصیت کا امکان ہی نہیں، تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں، جو اپنی معصیت سرکشی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمت الٰہی کے احساس اور حق تعالیٰ کی ہیبت و اجلال سے پیدا ہوتا ہے -- اس قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص و اہل معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موجزن رہا کرتا ہے۔ امام المفسرین رازیؒ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ذلك الخوف خوف الاجلال هكذا روى عن ابن عباسؓ والدليل على صحته قوله تعالى انما يخشى الله من عباده العلماء وهذا يدل على انه كلما كانت معرفة الله اتم كان الخوف منه اعظم وهذا الخوف لا يكون الا خوف الاجلال والكبرياء (کبیر) اور جب عصمت ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آ گئی، تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً ہاروت و ماروت کی بدذاتی زہرہ کے ساتھ، یا خود ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں سے سمجھا جانا ہے۔

اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ

نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف

وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ

جھکتے ہیں تابع ہیں وہ اللہ کے، اور (اللہ کے روبرو) عاجز ہیں **ف۲۹** اور اللہ ہی کو

یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ

مطیع ہیں **ف۳۰** جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں

وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ

اور فرشتے بھی اور وہ (اپنی) بڑائی نہیں کرتے **ف۳۱** وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے

مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۩ وَ قَالَ اللّٰهُ

جو ان پر بالادست ہے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا رہتا ہے **ف۳۲** اور اللہ نے کہہ رکھا ہے

لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

کہ دو معبود نہ قرار دیتے **ف۳۳** خدا تو بس وہی ایک ہے،

فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو **ف۳۴** اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ لَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَا بِكُمْ

اور اسی کا دین واجب الاطاعت ہے، **ف۳۵** تو کیا (پھر بھی) غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ **ف۳۶** اور تمہارے پاس

مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ

جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی (ہی) سے

تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ

فریاد کرتے ہو **ف۳۷** پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ

ف۳۳ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بددین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے) قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ قَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ **ف۳۴** (کہ میں ہی ہر طرح کے انعام اور عتاب پر قادر ہوں) هُوَ (صیغۂ غائب) کے معاً بعد اِیَّایَ (صیغۂ متکلم) کی طرف انتقال صنعت التفات کہلاتا ہے، اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلیٰ صنعت ہے -- اور اتنی بات تو اردو خوانوں کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے کہ تخویف و ترہیب کے موقع پر صیغۂ غائب سے کہیں زیادہ زور و اثر صیغۂ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو من طريقة الالتفات وهو ابلغ في الترهيب من قوله واياه فارهبوه (کشاف) **ف۳۵** (پھر اس میں کسی دوسرے دین کی شرکت کے کیا معنی) واصب کے معنی واجب و ثابت کے ہیں۔ الواصب الواجب الثابت (کشاف) اور دین واصب سے جزائے دائمی بھی مراد لی گئی ہے یعنی عذاب و ثواب۔ وله الجزاء ثابتة دائما سرمدًا لا يزال يعني والثواب والعقاب (کشاف) اى له تعالى الجزاء دائما لا ينقطع ثوابه للمطيع وعقابه للعاصي (روح) **ف۳۶** شرک کی اصل و بنیاد عموماً یہی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے۔ مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں سو انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آگے یوں نذر ماننی چاہیے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہیے۔ وقس علیٰ ہذا۔ (ملاحظہ ہو حاشیۂ انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے۔

وکے (اس کے رفع کرنے کو) یہاں اس حقیقت کو یاد دلا دیا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے، اس کا سر چشمہ ذات خداوندی ہی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے، چنانچہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے، تو وہ بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ فخر المفسرین رازی علیہ الرحمۃ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ ہجری کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں، صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا، اور لوگ دعا و تضرع میں مصروف ہو گئے، لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا، تو اسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ تَجْـَٔرُوْنَ۔ یعنی گڑ گڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو۔ جؤار کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلانے کے ہیں۔ ای ترفعون اصواتکم بالاستغاثۃ وتتضرعون الیہ بالدعاء (کبیر) والجؤار فی الاصل صیاح

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ

شرک کرنے لگتا ہے حاصل یہ کہ وہ اس کی ناشکری کرتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، وکے

فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا

سو (خیر) چند روز عیش کر لو، پھر تو عنقریب تمہیں معلوم ہی ہوا جاتا ہے وہ اور یہ جن کے بارہ میں انہیں کوئی

لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، ونہ قسم ہے اللہ کی کہ تم جو کچھ

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

گڑھتے رہتے ہو اس پر ضرور تم سے باز پرس ہوگی وا۸ اور اللہ کے لئے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں،

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

سبحان اللہ! اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جس کے لئے ان کا جی چاہتا ہے، و۸۲ اور جب ان میں سے کسی کو

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ (دل میں)

كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ

گھٹتا رہتا ہے و۸۳ اس بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ و۸۴ ہائے، کیسی بری تجویز

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ

یہ کرتے رہتے ہیں و۸۵ بری حالت ہے ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان

السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

نہیں رکھتے، اور اللہ کے لئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں و۸۶ اور وہ بڑا زبردست ہے،

الوحش واستعمل فی رفع الصوت بالدعاء والاستغاثۃ (روح) و۸ے (اپنی نعمتوں میں سے) — اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے۔ لِيَكْفُرُوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبۃ (روح) و۹ے (کہ اس کفر و شرک کا انجام کیا ہوتا ہے) سوف۔ عنقریب یعنی مرتے ہی۔ و۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری ان نعمتوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل ان کے پاس نہیں — ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے۔ ان کی ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام (پارہ نمبر ۸) میں آ چکا ہے۔ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وہ جن کی بابت ان کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے۔ بس بلا دلیل و حجت اندھا دھند انہیں اپنا دیوتا مانے جاتے ہیں۔ و۸۱ (اے مشرکو!) موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب ہوا اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا۔ تَاللّٰهِ۔ زور و تاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوب بیان کی ایک صناعت ہے۔ تَاللّٰهِ حرف قسم تا کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لَتُسْـَٔلُنَّ۔ باز پرس سے مؤاخذہ حشر مراد ہے۔ و۸۲ یعنی اولاد نرینہ — مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت و سفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے نزدیک حقیر و ذلیل جانتے ہو یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں! اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص رکھتے ہو! وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی۔ وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ھم خزاعۃ و کنانۃ (روح) و۸۳ (کہ کیسی عار و ننگ کی چیز خاندان میں آئی) لڑکی سے عار آنے کی بلا قبائل قریش کے علاوہ، یوں بھی دنیائے شرک میں عام رہی ہے۔ و۸۴ (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے) عرب میں قبیلۂ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں مشرک قوموں نے بکثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ ”دختر نوزاد کو زندہ دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے۔“ (جلد ۸۔ صفحہ ۸) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ دختر کشی کے اسباب و محرکات دو گانہ تھے۔ کبھی تو لڑکی کا وجود باعث عار سمجھتے تھے، اور شرم و حیا کے مارے اسے مار ڈالتے تھے، اور کبھی اس کے بار مصارف کے خیال سے۔ انھم کانوا یفعلون ذلک تارۃ للغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ (کبیر) اور یہ آخری محرک یورپ کی جدید تحریک ”برتھ کنٹرول“ کا بالکل نقش اول تھا۔ و۸۵ (کہ اول تو خدا کو صاحب اولاد ٹھیرایا اور پھر اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی!) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ، اور اس کے ساتھ یہ شقاوت کا برتاؤ، سب ان کی عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں۔ و۸۶ یعنی تمام صفات کمال و جمال، خصوصاً قدرت کاملہ اور نزاہت۔ مَثَلُ السَّوْءِ۔ دنیا میں بری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل و حمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں یہ کہ ہر طرح کی عقوبت و ذلت کے شکار ہوں گے۔

الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا

بڑا حکمت والا ہے ف۸۷ اور اگر اللہ لوگوں پر ان کی زیادتی کے سبب (فوراً) دارو گیر کرتا رہتا تو زمین پر

تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ

کوئی حرکت کرنے والا جاندار نہ چھوڑتا ف۸۸ لیکن وہ انہیں میعاد معین تک مہلت

مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

دیئے ہوئے ہے پھر جب ان کی وہ میعاد آ جائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے، ف۸۹ اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا

کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی (ہی) ہے ف۹۰ لازمی ہے

جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ

کہ ان کے لئے دوزخ ہو اور بے شک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ف۹۱ اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو)

اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

آپ کے قبل کی بھی امتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوش نما

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

کر دکھائے، ف۹۲ سو وہ آج بھی ان کا رفیق ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۹۳

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي

اور ہم نے آپ پر کتاب بس اسی لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ اس کو ان پر واضح کر دیں نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے ف۹۴

ف۸۷ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر، لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کر دیا ہے۔ ف۸۸ یعنی بدکار تو بہرحال اپنی بدی کے پاداش میں ہلاک کر ہی دیے جاتے، اور جب وہ باقی ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنی رہ جاتا۔۔۔ اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کرے گا؟ دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفت فیاضی کے ظہور کی کیا صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے، تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے کس کو تلاش کرے گا؟۔۔۔ غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہو جاتی۔ اور جب کوئی انسان نہ زندہ رہتا، تو پھر حیوانات کی بھی ضرورت نہ رہ جاتی جو تمام تر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔ دَآبَّةٍ کے معنی انسان کے لئے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن مفہوم کا عموم ہی بہتر سمجھا گیا ہے، جس میں ہر جاندار آ جائے۔ قال ابو عبیدة عنی الانسان خاصة والاولی اجراؤها علی العموم (راغب) عَلَيْهَا۔ ضمیر ھا زمین کی جانب ہے۔ ای علی الارض (بیضاوی) الکنایة فی قوله علیها عائدة الی الارض (کبیر) بِظُلْمِهِمْ۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر ومعصیت کو شامل ہے۔ ای بسبب کفرهم ومعاصیهم (روح) بکفرهم ومعاصیهم (بیضاوی) ف۸۹ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہو کر رہیں گے) ف۹۰ کسی اخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو، تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتاسر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں! ف۹۱ (دوزخ میں) یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بطور مقدمة الجیش کے ہوں گے۔ مُفْرَطُوْنَ۔ فرط اسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انہیں پانی تک پہنچا دے۔ مفرطون ای معجلون قال الواحدی وهو الاختیار ووجهه ما قال ابو زید وغیره فرط الرجل اصحابه یفرطهم فرطا وفروطا اذا تقدمهم الی الماء لیصلح الدلاء (کبیر) ف۹۲ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متاثر رہ کر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے) زَيَّنَ۔۔۔۔ اَعْمَالَهُمْ۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حسن وزیبائی سے خالی ہیں، ظاہری اور عارضی خوشنمائی دے دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں، ان کا جائزہ لے ڈالیے، سب میں یہی چیز مشترک ملے گی۔ شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سینما میں، جواری کو جوئے میں۔ وقس علی ہذا۔ اس سے بچنے کا آسان اور موثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوت فکر کا صحیح استعمال ہے۔ جہاں انسان نے غور وتامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حسن وقبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے ازخود مفقود ہو جاتی ہے:۔ ف۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ تو یہ سزا بھی لامحالہ انہی کی سی پائیں گے۔ آپ ان کے لئے غم وتردد میں نہ پڑیے) المراد منه کفار مکة (کبیر) الْيَوْمَ۔ آج یعنی اسی دنیا میں۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔ یعنی شیطان ان کا رفیق رہ کر انہیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔ ف۹۴ یعنی یہ کتاب الٰہی مومنین کے حق میں سراسر ہدایت ورحمت ہے۔ اور آپ پر یہ اس لئے نازل ہوئی، کہ آپ ان اہل باطل اور اہل حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلک حق کی خوب توضیح وتشریح کر دیں۔ لِتُبَيِّنَ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض بن وعن، پیام پہنچا دینے کا نہیں، بلکہ اس کی شرح وترجمانی کر دینے کا بھی ہے۔

وف۹۵ (ان باتوں کو گوش ہوش سے) وَاللّٰهُ ... اَنْزَلَ ... الخ۔ اُوپر سے پانی برسانا اور اس سے زمین خشک و مردہ کو از سر نو سر سبز کر دینا، جو روز مرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا۔ لَاٰيَةً۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے۔ نباتات کی حیات تازہ و نمو سے حشر و بعث اجساد کی طرف ہر فطرت سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ وف۹۶ ان گھریلو جانوروں کی ساخت و ترکیب اور ان کے اعضاء کے افعال میں جو صد ہا عجائب ہیں، ان کی تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زوآلوجی (حیوانیات) کے ہر ماہر پر روشن ہیں۔ یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صناع اعظم کا، ایک حکیم مطلق کا۔ لَعِبْرَةً۔ عبرۃ کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچنے کو۔ والعبرة مختصة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة المشاهد الى ما ليس بمشاهد (راغب) وف۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دودھ جیسی نفیس پاکیزہ نعمت انسان کے لیے تیار کر دینا، جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیا داں اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربہ کار گاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناع اعظم کے وجود پر نہیں، تو اور کیا ہے؟ بُطُوْنِهٖ میں ضمیر واحد مذکر غائب اس چیز کے لئے ہے، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، اور یہ معنی لے کر انعام کے لئے بجائے مؤنث کے ضمیر مذکر واحد جائز ہے۔ کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے، اور قرآن مجید ہی سے اس کی سندیں پیش کی ہیں۔ اے في بطون ما ذكرنا وهذا جواب الكسائي قال المبرد هذا شائع في القرآن (کبیر) سَآئِغًا۔ سائغ وہ مشروب ہے جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اترے۔ معناه جاريا في حلوقهم لذيذا هنيئا (کبیر) سهل المرور في الحلق (کشاف) وف۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کر دیں اور کہاں دوسری طرف لطیف و پاکیزہ مشروبات و ماکولات، عرق، شربت، مربہ وغیرہ) سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ گویا ایک ہی مادہ میں سم و تریاق دونوں کی خاصیتیں رکھ دیں۔ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں۔ عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔ سَكَرًا۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کر دیا؟— جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جا سکتے ہیں، اور مخاطب صرف مومنین نہیں، بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں، اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت مکی ہے، اور نشہ کی حرمت اس وقت تک ہوئی نہیں تھی۔ اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزق حسن سے علیحدہ و ممتاز کر کے ظاہر کر دیا، کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انہیں پھلوں سے لئے جا سکتے ہیں۔ وف۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انہی مقامات پر لگاتی ہیں۔ ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت و کاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مہندس یا انجینئر نے اسے تیار کیا ہے۔ اَوْحٰى۔ وحی یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، جو وحی نبوت کے مرادف ہے۔ بلکہ اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ دل میں بات ڈال دینے کے مرادف ہے۔ واصل الوحي الاشارة السريعة (راغب) اے انه تعالى قرر في انفسها هذه الاعمال العجيبة (کبیر) ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (جبلت) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور علامہ راغب نے اسی مفہوم کو "تسخیر" سے ادا کیا ہے۔ النَّحْلِ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست، دانائی، عقلی توانائی کے لحاظ سے ساری حیوانی دنیا میں مشہور و ممتاز ہے۔ فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست و دانائی اور حسن انتظام و تدبر پر لکھ ڈالی ہیں حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ سے مراد عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور انگور وخرما کی ٹہنیاں بھی۔ مِنَ الْجِبَالِ، مِنَ الشَّجَرِ، مِمَّا يَعْرِشُوْنَ۔ مِن ہر جگہ تبعیضیہ ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ مکھی اپنا چھتا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر اونچی عمارت پر لگاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اسے مناسب معلوم ہوتی ہیں، ان پر لگاتی ہے۔ وف۱۰۰ ان مکھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کر کے، بغیر راستہ بھولے بھٹکے، اپنے چھتے کی طرف واپس آ جانا ایک مشہور عالم واقعہ ہے۔ سُبُلَ رَبِّكِ۔ راستوں کا انتساب حق تعالیٰ نے اپنی جانب کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے آنے جانے کے راستہ اس حکمت سے بنانا صرف اسی ذات کا کام ہے، جسے اپنی ہر مخلوق سے رشتۂ ربوبیت حاصل ہے۔ ذُلُلًا۔ بے روک ٹوک، جیسے اور راستے خاص اس مکھی کے لئے مسخر و منقاد ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

اور اللہ نے اوپر سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد جلا دیا بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سنتے ہیں وف۹۵ اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے وف۹۶ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون (کے قسم) سے اس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں وف۹۷ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں (بھی تمہارے لئے سبق ہے) تم ان سے نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں وف۹۸ اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا کہ تو گھر بنا لے پہاڑوں میں (بھی) اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں (بھی) وف۹۹ پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے راستوں میں چل جو تیرے لئے آسان ہیں وف۱۰۰ اس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے

ع ۱۴

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کہ اس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ف۱۰۱ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ف۱۰۲ اس کے اندر (بڑی)

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ

نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ف۱۰۳ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر

يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ

وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے ف۱۰۴ بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ف۱۰۵

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا

اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ف۱۰۶

الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو بھی اس طرح

اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر ہو جائیں ف۱۰۷ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ

يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

انکار کرتے ہیں ف۱۰۸ اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں

اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً

اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ف۱۰۹ اور تمہیں

وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

نفیس چیزیں کھانے کو دیں ف۱۱۰ تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے

ف۱۰۱ کوئی آٹھ نو قسم کے شہد تو اکیلے ملک عرب ہی میں ہوتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اسی شیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں۔ ف۱۰۲ (بہت سی بیماریوں سے) شہد کے منافع وفضائل طب یونانی (عربی)، طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مسلم ہیں۔ اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کئے جائیں، تو خود ایک مستقل مقالہ ہو جائے۔ ف۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز، شفا بخش چیز پیدا کر دی) آیۃً۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی۔ ف۱۰۴ (جیسا کہ بہت زیادہ پیرانہ سالی کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے) یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اس کا شریک وسہیم نہیں۔ یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوت جسمانی ہی برقرار رہے، اور نہ قوت دماغی۔ لِکَیْ میں لِ عاقبت یا نتیجہ کا ہے۔ ف۱۰۵ وہ اپنی صفت علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت ومصلحت کا علم رکھتا ہے، اور صفت قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کر دیتا ہے۔ ف۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے) آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑ گئی کہ مال ودولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے، اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلاف فطرت ہے۔ فقہاء اور فقہا مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفی مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ قال ابو بکر قد تضمنت الأية انتفاء المساوات بين المولى وبين عبده فى الملک (جصاص) ف۱۰۷ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرت بشری پر ایک بار ہے) آیت جڑ کاٹ رہی ہے اہل باطل کے اس نظام معاشی کی، جس کا پرانا نام مزدکیت تھا، اور جدید نام سوشلزم، (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے۔ ف۱۰۸ شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمت الٰہی سے انکار کرنا ہے۔ ف۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کر دیا) مِنْ اَنْفُسِکُمْ۔ یعنی تمہاری ہی جنس ونوع سے۔ حَفَدَۃً۔ حافد کے عام معنی پوتے کے ہیں۔ المراد بالحفدة على ماروى عن الحسن والازهرى وجاء فى رواية عن ابن عباس واختاره ابن العربى اولاد الاولاد (روح) لیکن ایک معنی خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ روى عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والا عوان وقال الحسن اعانک فقد حفدک وقال مجاهد وقتاده وطاؤس الحفدة الخدم (جصاص) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد معانی ومفہومات بیان کر کے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی وسعت کو شامل رکھا جائے۔ والاولى دخول الكل فيه لما بينا ان اللفظ محتمل للكل بحسب المعنى المشترک الذى ذکرناه (کبیر) ف۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کر دیا) اَلطَّیِّبٰتِ۔ یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے، یعنی نفیس ولذیذ کے مرادف ہے۔ اے اللذائذ وهو معناها اللغوى (روح) اے اللذائذ (بیضاوی) مِنَ الطَّیِّبٰتِ۔ میں مِنْ تبعیض کا ہے۔ من للتبعيض (بیضاوی۔ روح)

وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے ف۱۱۱ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے

شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ

کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں ف۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

بے شک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ف۱۱۳ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے

عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ

کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ف۱۱۴ اور ایک وہ ہے، جسے ہم نے اپنے پاس سے

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ

خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے ف۱۱۵ کیا (ایسے لوگ

يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

باہم) برابر ہو سکتے ہیں؟ ف۱۱۶ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ف۱۱۷ لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا

ہی نہیں رکھتے۔ ف۱۱۸ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے، کہ دو شخص ہیں ایک ان میں سے گونگا ہے

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

کسی چیز پر قادر نہیں اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے اور وہ جہاں

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَ مَنْ

اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کرکے نہیں لاتا ف۱۱۹ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں، جو

ف۱۱۱ (اس کے سچے دین کے منکر رہ کر) اَفَبِنِعْمَتِ۔ ف سے مراد ہے پھر بھی، یعنی اللہ کی توحید ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سننے اور جاننے کے بعد۔ بِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی بے بنیاد ایسی چیزوں پر مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں۔ ف۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر چاہیں جب بھی یہ اختیار نہیں حاصل کر سکتے۔ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان سے رزق مثلاً بارش۔ ف۱۱۳ صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کر سکتا، اور صحیح صفت اپنی وہی بتا سکتا ہے۔ تم جب اپنی ناسمجھی سے کوشش کرو گے، ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرو گے۔ مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اس وقت یہی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہ راست عرض معروض کون کر سکتا ہے۔ درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہ اعظم ہے، اس سے براہ راست اور بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اور ہم جو ان مورتیوں کی اور ان ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ رب الارباب کے خادم اور اس کے ہاں مقرب ہیں۔ استدلال کی خرافت بالکل ظاہر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشری کے سے محدود و ناقص قویٰ رکھتا ہے۔ وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے۔ اس کے برخلاف کہاں رب العالمین، جو ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود، ہر حد و نہایت سے برتر ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مغالطہ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ — آیت کی یہ توضیح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق کے مطابق تھی۔ عام مفسرین نے امثال کو مثل کی جمع قرار دے کر معنی یہ کئے ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی شے کو اس کے مثل نہ بتاؤ۔ قال المفسرون یعنی لا تشبھوہ بخلقه (کبیر) ف۱۱۴ (کہ کسی مال میں تصرف کر سکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے) غلام کے لئے تو خیر مالک سے اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودان باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی مالکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود بطلان شرک کا اظہار ہے۔ ف۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں) ف۱۱۶ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں، تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں۔ جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہی نہیں۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ۔ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے۔ مقصود یہاں دو فرد نہیں، بلکہ ان متضاد صفات کے کل اشخاص ہیں۔ ایک ایک طرف، دوسرے دوسری طرف — صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے۔ ف۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودان باطل کے لئے) کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے۔ اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ای ھو المستحق للحمد دون ما یعبدون من دونه اذلا نعمة للاصنام علیھم فتحمد علیھا (بحر) ف۱۱۸ (اور شرک سے باز نہیں آتے) اَكْثَرُهُمْ۔ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔ ان لوگوں کا عدم علم حقیقت چونکہ عدم تدبر اور عدم توجہ کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے لوگ معذور بھی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ ف۱۱۹ گویا اس درجہ خرف و لاعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا۔ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ۔ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر۔ جو نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔ اَبْكَمُ کے ایک معنی اہل لغت سے، لاعقل اور سماعت و بصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔ عن ابن الاعرابی الابکم الذی لا یعقل (کبیر) قال الزجاج الابکم المطبق الذی لا یسمع ولا یبصر (کبیر) الابکم الذی ولد اخرس فلا یفھم ولا یفھم (کشاف) پیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے۔ جو نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سنا سکتا ہے۔ الابکم الاخرس المقارن للخلقة ویلزمه الصمم (روح) فکانه قیل احدھما اخرس اصم ولا یفھم (روح) لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ نہ اپنے متعلق قدرت، نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔ لا یقدر علی شیء من الاشیاء المتعلقة بنفسه او غیرہ بحدس او فراسة لسوء فھمه وادراکه (روح) تمثیل سے مقصود مشرک کی تمامتر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾

اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستہ پر ہے ف۱۲۰

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ

اور اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں ف۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بس ایسا ہو گا جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلد تر بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ

ہر چیز پر قادر ہے ف۱۲۲ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ

پیٹ سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

سماعت اور بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکرگزار ہو ف۱۲۳

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضاء میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انہیں

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

کوئی (اور) نہیں تھامے رکھتا ہے بجز اللہ کے ف۱۲۴ بے شک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

ایمان والوں کے لئے ف۱۲۵ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر رہنے کی جگہ بنائے

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

اور تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن

ف۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوت علمی و عملی کا جامع ہے۔ ف۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کی) للہ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہو گیا کہ یہ علم غیب خاصہ صرف حق تعالیٰ کا ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ للہ تعالی خاصۃ لا لاحد غیرہ استقلا لا ولا اشتراکا (روح) یفید الحصر معناہ ان العلم بھذہ الغیوب لیس الا للہ (کبیر) ف۱۲۲ آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا۔ دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے۔ جو قبل وقوع دیکھئے تو ایک مثال ہے کمال علم کی، اور بعد وقوع کے لحاظ سے نظر کیجئے تو ایک مثال ہے کمال قدرت کی۔ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ یعنی ایسی ہی آنا فانا۔ عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریق تعبیر یہی ہے۔ الغرض من التشبیہ بیان سرعتہ لا بیان مقدار زمان وقوعہ وتحدیدہ (روح) والمراد منہ تقریر کمال القدرۃ (کبیر) اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ او یہاں بل کا مرادف ہے۔ اظہار شک و تردد کے لئے نہیں۔ او قال الفراء بمعنی بل (روح) قیل بمعنی بل (بیضاوی) لا شبھۃ فی انہ لیس المراد طریقۃ الشک بل المراد بل ھو اقرب (کبیر) امر الساعۃ سے مراد ہے مردوں میں جان پڑ جانے کا ماجرا۔ ف۱۲۳ (یہ خیال کر کے کہ اس نے ان آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی کو علم سے بدل دی) جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں، کہ حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے نمونے مشاہدہ کرو۔ اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس، اور اس پر غور و تدبر کرو۔ جعل لکم السمع لتسمعوا مواعظ اللہ والابصار لتبصروا دلائل اللہ والافئدۃ لتعقلوا عظمۃ اللہ (کبیر) السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلات علم و ذرائع معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کہ حواس ظاہری و باطنی سب اسی کے تابع ہیں۔ وَجَعَلَ لَكُمُ الخ۔ و ہمیشہ ترتیب زمانی ہی کے لئے نہیں آتا۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جعل لکم السمع والابصار کو اخرجکم من بطون امھتکم کے بعد کیوں لایا گیا ہے۔ ف۱۲۴ یعنی اس صانع مطلق ہی نے ان کا جسم اس ہیئت و وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف و رقیق میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ آیت میں ضمناً پرند پرستی کی بھی تردید آ گئی۔ یعنی یہ پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذن خداوندی کے — مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے۔ باز، شکرا، الو، مور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ف۱۲۵ (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی)

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا

اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو ف۱۲۶ اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور

وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں، ف۱۲۷

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں ف۱۲۸ اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں

وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت (تمہاری آپس کی جنگ میں) کرتے ہیں، ف۱۲۹ (اللہ) اسی طرح اپنی

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو ف۱۳۰ لیکن اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو آپ کے ذمہ تو

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ف۱۳۱ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر ان سے انجان

وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

ہو جاتے ہیں اور اکثر تو ان میں کے کافر ہیں ف۱۳۲ اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے

شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ

ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی ف۱۳۳ اور نہ ان سے (اللہ کو)

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی ف۱۳۴ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ

ف۱۲۶ (اور اس لئے سفر میں ان کا لادنا، اکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے) جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا۔ یہ حالت حضر کا ذکر ہے، اور اس کے معاً بعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے — گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آ گئی۔ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی، اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے مسکن، انسان کے لئے راحت قلب وسکون خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کوئی اس غریب سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو! — جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں ان کا وزن تک نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا، کوئی نہ کوئی، اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہے، اس لئے اس کا پورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان بے کتنی بڑی نعمت — یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اسے وجہ سکون وما یۂ تسکین پکار کر کہہ دے۔ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہوا کئے ہیں۔ تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ۔ یہ خیمے ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں — عرب اہل بادیہ نے جس طرح نسلوں پر نسلیں خیموں ڈیروں ہی میں گزار دیں، کسی پر مخفی نہیں۔ یہود کی بھی قدیم عبری نسل مدتوں خیمہ بدوش رہی۔ آج بھی دنیا کی نیم وحشی "خانہ بدوش" قوموں سے اکثر کا، اور بڑی ہی بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے — ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔ ف۱۲۷ اس کے اندر کمل، ڈھسے، شال، دوشالے، کملیاں، جوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، مشکیزے، بکس، بیگ، پٹیاں، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آ گیا۔ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے، اور سامان تجارت، اسباب آرائش وزینت وغیرہ سب پر شامل ہے۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔ **الاثاث ما يكتسي به المرء و يستعمله في الغطاء و الوطاء والمتاع ما يفرش في المنازل ويزين به** (کبیر) آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔ **فيه الادلالة على جواز الانتفاع بما يؤخذ منها من ذلك بعد الموت اذلم يفرق بين اخذها بعد الموت و قبله** (جصاص) ف۱۲۸ (مثلاً غار کہ سردی گرمی سے، بارش سے، جنگلی جانوروں سے، سب سے پناہ کا کام دیتے ہیں) مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا درختوں کے، عمارتوں کے، ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ سے انسان کی آسائش اٹھانا بالکل ظاہر ہے۔ ف۱۲۹ یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔ سَرَابِيْلَ۔ سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لیے۔ **القميص من اى جنس** (راغب) یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے — سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اوپر آ چکا ہے **لكم فيها دفء** اور دوسری بات یہ ہے کہ مخاطبین اوّل عرب تھے۔ اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت، ظاہر ہے کہ بادسموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لیے ہے۔ **قال عطاء الخراساني المخاطبون بهذا الكلام هم العرب و بلادهم حارة فكانت حاجتهم الى ما يدفع الحر فوق حاجتهم الى ما يدفع البرد** (کبیر) سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ پوشش کی دوسری قسم سے مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ، جوشن وغیرہ۔ ف۱۳۰ (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں) ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی، بالکل قدرتی اور فطری ہیں، اور دوسری جو انسانی صنائی اور دستکاری کی رہین منت ہیں، اُن کا بھی مادہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور اُن کے بارہ میں انسان کو جو سلیقۂ ترتیب وترکیب ملا، وہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہی ہے۔ ف۱۳۱ (تو آپ ان کے لیے غم وتردد میں ہرگز نہ پڑیں) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ ف سے اشارہ ادھر ہو گیا، کہ وضوح دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید وایمان سے برگشتہ رہیں۔ صیغۂ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال صنعت التفات میں سے ہے، جس کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ ف۱۳۲ (جو زبانی بھی اقرار توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکر حق ہیں) **اي الجاحدون غير معترفين** (کشاف) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ یہ معذور بھی نہیں، کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے ہوں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا یعنی اپنی عملی زندگی میں اللہ منعم حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں۔ ف۱۳۳ (کہ اب کچھ عذر ومعذرت پیش کرسکیں) مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا یہ گواہ اُسی امت کا رسول ہوگا۔ یہ گواہ شہادت دے گا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پوری پوری کر دی تھی، اس پر بھی اُمت منکر وباغی رہی۔ اُمَّةٍ۔ امّۃ سے مراد ظاہر ہے کہ اُمت دعوت ہے۔ یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی۔ یہ مراد نہیں کہ جنہوں نے اُس پیام کو قبول بھی کیا۔ ف۱۳۴ اور وجہ بالکل ظاہر ہے۔ آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

ان سے ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی وف۱۳۵ اور جب مشرکین اپنے "شریکوں" کو

اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ "شرکاء"

الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ

جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے پھر وہ (شرکاء) ان کی طرف مخاطب ہو کر کہیں گے کہ

اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ

تم (بڑے) جھوٹے ہو وف۱۳۶ اور (مشرکین) اس روز اللہ سے صلح (واطاعت) کی طرح ڈال چلیں گے،

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جو کچھ وہ افتراء پردازیاں کرتے رہتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گی وف۱۳۷ جو لوگ کفر کرتے رہے

وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

بڑھا دیں گے بعوض ان کے فساد کے وف۱۳۸ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ

ہر امت سے ایک ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے اور ان (سب) لوگوں کے

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا

مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے وف۱۳۹ اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے، ہر بات کو کھول

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

دینے والی اور مسلمانوں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت وف۱۴۰

وف۱۳۵ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر بعد کیا جائے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کر لیں) اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ظالم سے مراد کافر ہیں یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے۔ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ یعنی جب وہ عذاب ان پر آ پڑے گا۔ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ ذرہ بھی کمی نہ کی جائے گی، چاہے وہ کتنا ہی روئیں، چیخیں، چلائیں۔ وف۱۳۶ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے) شُرَکَآءَهُمْ۔ شُرَکَآؤُنَا شریکوں، سے مراد ان کے وہی دیوی دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں، جنہیں یہ شریک خدائی سمجھا کرتے تھے۔ وف۱۳۷ (اور جتنے سہارے اپنے عقاید باطلہ کی بنا پر قائم کر رکھے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کے کام نہ آئے گا) وَ اَلْقَوْا اِلَی اللّٰهِ یَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے، جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پائیں گے — آخرت میں ان کا یہ طریق استسلام و اطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔ مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ افتراء پردازی یہی، کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچائیں گے، ہمارے کام آ جائیں گے۔ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ یہ چیزیں تو سب ان سے بالکل گم ہو جائیں گی۔ ان خیالات و اوہام کی واقعیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔ اے بطل ما کانوا یاملون منه ان الهتهم تشفع لهم عنداللہ تعالٰی (کبیر) وف۱۳۸ پہلی سزا جتلائے کفر رہنے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کے جتلائے کفر کرنے پر ملے گی۔ اے زادوا علی کفرهم صدغیرهم عن الایمان فهم فی الحقیقة ازدادوا کفرا علی کفر فلا جرم یزیدهم اللہ تعالٰی عذابا علی عذاب (کبیر) فَوْقَ الْعَذَابِ یہ عذاب تو وہی کفر والا ہے۔ المستحق بکفرهم (بیضاوی) زِدْنٰهُمْ عَذَابًا ... بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ یہ زاید عذاب سزائے اضلال و اغواء ہوگی۔ بکونهم مفسدین بصدهم (بیضاوی) وف۱۳۹ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی، سب کے مقابلہ میں حجت ہوگی شہادت تو ظاہر ہے کہ آپ بھی اپنی ہی امت کے متعلق دیں گے لیکن آپ کی امت دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے، اس لئے قدرۃً آپ کی شہادت بھی عالمگیر ہی ہوگی۔ فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ لفظ عام ہے۔ یہ گواہ یا پیغمبر ان امتوں کے خواہ ہم نسب ہوں، یا ہم وطن ہوں۔ وَ جِئْنَا بِکَ شَهِیْدًا عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ۔ هٰٓؤُلَآءِ سے عام طور پر مراد امت محمدی سے لی گئی ہے۔ امتک (بیضاوی۔ مدارک) اے الذین بعثت الیهم (معالم) بعض نے هٰٓؤُلَآءِ سے مراد انبیاء سابقین کو بھی لیا ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں۔ لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ و اما حمل هؤلاء الشهداء علی الانبیاء فبعید (کبیر) فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ۔ امة سے مراد ہر دور (قرن) یا جماعت ہے۔ واعلم ان الامة عبارة عن القرن والجماعة (کبیر)۔ وف۱۴۰ یعنی اس کتاب اعظم سے نفع دنیوی واخروی، مادی و روحانی، تو بس وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کر لیں۔ نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے۔ پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب عالمتاب کا عدم و وجود یکساں ہے۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ کل شیء۔ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے۔ یعنی دین شریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آ گئے۔ یعنی به بیان کل شیء من امور الدین بالنص والدلالة (جصاص) بیانا بلیغا لکل شیء من امور الدین علی التفصیل او الاجمال بالاحالة الی السنة او القیاس (بیضاوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم سمجھا گیا ہے۔ فما من حادثة جلیلة ولا دقیقة الا وللہ فیها حکم قد بینه فی الکتاب نصا او دلیلا فما بینه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانما صدر عن الکتاب (جصاص) اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس فقہاء سے جو احکام و مسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔ وما حصل علیه الاجماع فمصدره ایضا من الکتاب لان الکتاب قد دل علی صحة حجة الاجماع وما اوجبه القیاس واجتهاد الرای وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جمیع ذلک من تبیان الکتاب (جصاص) واما الفقهاء فانهم قالوا القرآن انما کان تبیانا لکل شیء لانه یدل علی ان الاجماع وخبر الواحد والقیاس حجة فاذا ثبت حکم من الاحکام باحد هذه الاصول کان ذلک الحکم ثابتا بالقرآن (کبیر) اما فی الاحکام المنصوصة فظاهر وکذا فی ما ثبت بالسنة او بالاجماع او بقول الصحابة او بالقیاس لان مرجع الکل الی الکتاب (مدارک)

وا۱۴۱ یہ آیت شریف جہاں تک کہ تعلیمات اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے۔ ایک معجزانہ ایجاز و جامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین و شریعت کے اہم ترین احکام باواتی دونوں آگئے۔ . احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔ کتاب اللہ کا وصف تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ابھی ابھی بیان ہوا تھا۔ یہ آیت خود اسی تبیانیت کی بہترین مثال و نمونہ ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ اور قتادہ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کر دیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں، جو امراً یا نہیاً ایجاباً یا سلباً اس کے اندر نہ آگیا ہو۔ اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔ جمع في هذه الأية ما يتصل بالتكليف فرضا ونفلا وما يتصل بالاخلاق والأداب عموما وخصوصا (کبیر) وعن ابن مسعود اجمع اية في القران لخير وشر هذه الأية وعن قتادة ليس من خلق حسن كان في الجاهلية يعمل ويستحب الا امر الله تعالى به في هذه الأية وليس من خلق سيء الا نهى الله تعالى في هذه الأية (کبیر) حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستور حیات کا ایک جامع و مکمل خاکہ اس آیت کے اندر آگیا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے یہ آیت اہل سنت کے خطبات جمعہ میں داخل ہوگئی، تاکہ ہر ہفتہ متواتر امت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں۔ اور اس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطبات جمعہ کا جزو بنی ہوئی چلی آرہی ہے۔ بِالْعَدْلِ۔ عدل سے مراد ہے قوائے علمی و عملی میں اعتدال و توسط۔ عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کے سارے شخصی مامورات اس کے اندر آگئے۔ اي بالتوسط في الامور اعتقادا وعملا وخلقا (بیضاوی) وَالْاِحْسَانِ۔ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے ان کا ذکر الگ کر کے کیا گیا۔ اور اسی میں اپنے اعمال و طاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آگیا۔ اي احسان الطاعات وهو ما بحسب الكمية اوبحسب الكيفية (بیضاوی) اي احسان الاعمال والعبادة اي الاتيان بها على الوجه اللائق وهو اما بحسب الكيفية اوبحسب الكمية (روح) وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ یہ اسی احسان کی اہم ترین و افضل ترین شکل ہے۔ اي اعطاء الاقارب ما يحتاجون اليه (بیضاوی) ان تین مامورات کے مقابل منہیات بھی تین ہی ہیں:۔ عَنِ الْفَحْشَآءِ۔ فحشاء۔ ایسی برائی ہے جو کھلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ، بے حیائی کی جاتی ہے۔ اس کے تحت میں وہ سب برائیاں آگئیں، جو قوت شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ عن الفحشاء اي عن الافراط في متابعة القوة الشهوانية (بیضاوی) اي الافراط في متابعة القوة الشهوية (روح) وَالْمُنْكَرِ۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائر اسلامی سے باہر ہو۔ اس کے تحت میں وہ سب معاصی آگئے جو قوت غضبیہ کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ما ينكر على متعاطية في اثارة القوة الغضبية (بیضاوی) ما ينكر على متعاطية من الافراط في اظهار القوة الغضبية (روح) وَالْبَغْيِ۔ بغی وہ ظلم و سرکشی ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آگئیں، جو قوت وہمیہ کے غضب و افراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ الاستعلاء والاستيلاء على الناس والتجبر عليهم (بیضاوی) اي الاستعلاء والا ستيلاء على الناس والتجبر عليهم وهو من آثار القوة الوهمية (روح) لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر و تنبہ پیدا کرو۔ معناه ان المقصود من هذا الوعظ ان يقدموا على تحصيل ذلك التذكير (کبیر) طلبا لان تعظوا بذلك وتنبهوا (روح) وا۱۴۲ (خواہ صراحۃً خواہ دلالۃً والتزاماً) بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آگیا، جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے بہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں، جو خلاف شریعت ہیں۔ المراد منه كل عهد يلتزمه الانسان باختياره (کبیر) قال القاضي العهد يتناول كل امر يجب الوفاء بمقتضاه (کبیر) وا۱۴۳ (ان معاہدات کا، اپنی قسموں کے ذریعہ سے) بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا۔ اللہ کا واسطہ درمیان میں لا کر معاہدہ اور مؤکد و مستحکم ہو جاتا ہے۔ اي بعد توثيقها بذكر الله (بیضاوی) وا۱۴۴ (اور معاہدہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق رہے گا) والمراد فيجازيكم على ما تفعلون (کبیر) وفاء عہد کے کرنے اور نقض عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آگئی۔ وا۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اس کی طرح اپنی قسموں کو، ان کی پختگی کے بعد توڑ ڈالنے لگو) روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی۔ دن بھر مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکا بوٹی کر ڈالتی۔ اولین مخاطبین قرآن اس سے خوب واقف تھے۔ اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اس کا سا نہ کر لینا۔ وا۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے) اَرْبٰى کے معنی ہیں کہ عدد یا مال میں بڑھ جائے۔ هي ازيد عددا واوفر مالا (کشاف) وهذه الزيادة قد تكون في العدد وفي القوة وفي الشرف (کبیر) یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے۔ لیکن تم نے پلّا دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ بس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے ——— یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری بڑھے گی اور دشمنوں میں ناگواری۔ دَخَلًا۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

بے شک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے، اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اس لئے کہ تم نصیحت قبول کرو وا۱۴۱ اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم عہد کر چکے ہو وا۱۴۲ اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑو درآنحالیکہ تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو وا۱۴۳ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو وا۱۴۴ اور تم اس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے اسے تار تار نوچ ڈالا وا۱۴۵ کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ بڑھ جائے وا۱۴۶ اللہ اسی سے تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے، اور (ان کی حقیقت) تمہارے اوپر ظاہر کر دے گا قیامت کے دن، جس چیز میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو وا۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا

وَ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۱۴۸

وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا

اور جو کچھ تم کر رہے ہو ضرور اس کے باب میں تم سے سوال ہو کر رہے گا ف۱۴۹ اور اپنی قسموں کو

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں (کسی اور کا) قدم اس کے جمنے کے بعد نہ پھسل جائے ف۱۵۰

وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ

اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بہ سبب اس کے کہ تم (دوسروں کے) مانع ہوئے اللہ کی راہ سے، اور تمہیں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

بڑا عذاب ہوگا ف۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے نفع کے عوض میں نہ بیچ ڈالو ف۱۵۲

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا

بے شک اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اگر تم علم (صحیح) رکھتے ہو ف۱۵۳ جو کچھ

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ

تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے ف۱۵۴ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ثابت قدم رہے ہم ان کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اس کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

عوض میں ف۱۵۵ نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت

وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے ف۱۵۶ اور ہم انہیں ان کے

الدخل کنایۃ عن الفساد والعداوۃ المستبطنۃ کالدغل (راغب) ای مفسدۃ ودغلا (کشاف) بَعْدِ قُوَّةٍ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد۔ ای بعد ان فتلته فتلا شدیدا الان العرب تسمی شدۃ الفتل قوۃ (جصاص) من بعد ابرام واحکام (بیضاوی) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد پھر اسے پورا نہ کرنا، سوت کات چکنے کے بعد اسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔ فمن عقد علی نفسہ عقدا اواوجب قربۃ اودخل فیھا ان لا یتمھا فیکون بمنزلۃ التی نقضت غزلھا بعد قوۃ (جصاص) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اسے اتمام تک پہنچانا واجب ہو جاتا ہے۔ وھذا یوجب ان کل من دخل فی صلوۃ تطوّع اوصوم نفل اوغیر ذٰلک من القرب ان لا یجوز له الخروج منه قبل اتمامه (جصاص) فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کر لیا ہوتا، تو آج دنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پر امن ہوتا، نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے، کہ آج پر قوت فلاں قوم ہے، تو ساتھ اس کا دے دیا گیا، اور قدیم معاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا، اور نہ اس کے نتیجہ میں یہ روز روز کی جنگ اور بدامنی دنیا پر مسلط رہتی! ف۱۴۷ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے) يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ۔ بِہٖ میں ضمیر یا تو فقرہ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى کی طرف ہے۔ یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت وثروت سے آزماتا ہے۔ اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے اس امر ونہی سے تمہیں آزماتا ہے۔ الضمیر لقوله ان تکون امۃ (کشاف) ای بھا یامرکم وینھاکم (کبیر) يَبْلُوْكُمْ۔ یعنی یہی آزمائش کر دیکھیں کہ اب بھی پاس وفا کون رکھتا ہے، اور پلا جھکتے دیکھ کر کون دوسری طرف خود ہی جھک جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقض عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے، جب بھی وفائے عہد لازم ہے۔ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً دکھایا جائے گا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔ ف۱۴۸ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی، کہ کوئی گمراہ ہونے ہی نہ پائے، تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتے، اور مذہب وملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں۔ اس نے تو ہدایت وضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔ ف۱۴۹ (سو تم کہیں جبریت کے فریب میں نہ آ جانا، اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو، تمہیں عقل، شعور، ارادہ واختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کے بابت سوال ہوگا) ف۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں) وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ وہ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کر دو ف۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقض عہد کے مرتکب ہوئے... اس عذاب سے، عذاب آخرت مراد ہے۔ وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ۔ السُّوْٓءَ سے اس سیاق میں مراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، جلاوطنی وغیرہ ہیں۔ والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنھب والجلاء وغیر ذٰلک (روح) السُّوْٓءَ۔ لفظاً صیغۂ واحد ہے۔ مراد مجموعۂ مصائب ہے۔ مراعاۃ للمجموع اوللفظ الجمع علی الوجه الکثیر (روح) ف۱۵۲ اجر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی قلیل ہی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مراد یہ ہے کہ اجر آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ عھد اللہ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ایمانی ہے، جس کے اندر سارے ہی احکام شریعت آ گئے۔ المراد به عند کثیر بیعۃ رسول اللہ ﷺ علی الایمان (روح) ف۱۵۳ (کہ اجر آخرت کیا قدر وقیمت رکھتا ہے) مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ دنیا کی ہر لذت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔ ف۱۵۴ یعنی دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سریع الزوال کیسا ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا۔ اور اجر آخرت اولاً تو بے حساب وبے نہایت، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال، غیر منقطع۔ موجودہ "مہذب" دنیا عقاید میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے۔ فسق ومعصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ وطاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔ ف۱۵۵ ترہیب وتخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب وتشویق سے بھی کیسا کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا۔ یعنی جو لوگ احکام دین پر قائم وثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے۔ صیغۂ مخاطب سے یہ صیغۂ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور ومعلوم اسلوب بلاغت، طریق التفات کے مطابق ہے۔ لَنَجْزِيَنَّ۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ نون العظمۃ (روح) ف۱۵۶ (اسی دنیا میں، جیسا کہ انبیاء، مومنین، متقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجر اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اس کے مساوی ہے۔ اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست وحقیر مخلوق ٹھہرایا ہے، اس کی پوری تردید ہو گئی۔۔ یہ تو ماضی کا قصہ تھا۔ لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کسی دن دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظام فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست وحقیر ہے، تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی

تردید کے لئے بھی کافی ہوگی۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی۔ بغیر اس کے کوئی عمل صالح، حقیقۃً صالح ہی نہیں، صرف صورۃً صالح کہا جاسکتا ہے۔ اہل سنت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے، کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔ وھو یدل علی ان العمل لیس من الایمان (مدارک) حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر اور تسلیم ورضا سے رہے گا اور سکون وجمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔ وے۱۵۷ (آخرت میں) گویا ایمان وعمل صالح یا مومنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیات طیبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائے گا۔ اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب میں آئے گا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۵۵ و ۱۵۸ (دل سے تو ضرور، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا۔ اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے۔ اور زبان سے بھی کلمات استعاذہ کا دہرانا مسنون ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قرأت قرآن کے وقت شیطان کا دخل وتصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمالِ صالحہ میں اس کی ضرورت جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ الخ۔ مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کرلے۔ یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرے۔ معناہ اذا قرأت فقدم الاستعاذة قبل القرأن وحقيقة معناه اذا اردت القرأن فاستعذ (جصاص) اي اذا اردت قراءة القرأن فعبّر عن ارادة الفعل بلفظ الفعل لانها سبب له (مدارک) اور محاورۂ قرآنی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ مثلاً ان آیتوں میں:۔ واذا قلتم فاعدلوا. واذا سألتموهن متاعًا فاسئلوهن من وراء حجاب. اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدي نجواكم صدقة. وغیرھا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے۔ وے۱۵۹ یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہل ایمان واہل توکل پر شیطان کا وسوسہ موثر نہیں ہوتا۔ شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔ یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو، وہ تم پر قابو پا نہیں سکتا۔ اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی ﷺ کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے، کرلیا جائے۔ وے۱۶۰ (کہ ان لوگوں کا طریق عمل ٹھیک ان مومنین، متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، ان کی شان میں عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یہ اَلَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ کے مصداق۔ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ فیه قولان الاول انه راجع الی ربهم (کبیر) جوّزان یکون الضمیر للرب تعالٰی شانه وروی ذلک عن مجاهد (روح) بعض نے ابلیس کی جانب بھی لی ہے۔ اور بہ کو من اجلہ کا مرادف قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے سبب سے۔ انما ارادهم من اجله مشرکون بالله وهذا کما یقال صار فلان بک عالما اي من اجلک (ابن قتیبہ) والقول الثاني انه راجع الی الشیطان والمعنی بسببه (کبیر) اي بسبب الشیطان واغوائه اياهم (روح) وے۱۶۱ (اے مدعی نبوت ورسالت) وَاِذَا ۔۔۔۔ اٰيَةٍ۔ مثلاً کسی آیت کے حکم کی تعمیم میں تخصیص پیدا کردیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعمیم۔ نسخ آیات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ (پ۱) میں ما ننسخ من اٰیة او ننسها کے تحت میں گزر چکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ۔ یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے، کون سا حکم، کس وقت مناسب وپُر مصلحت ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ۔ یہ بکواس معاندین رسول ﷺ کی ہوتی تھی۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ایسا حکم سنتے جو ان کے خیال میں

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ

اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے وے۱۵۷ تو جب آپ قرآن

الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ

پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وے۱۵۸

لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ

اس کا کچھ بھی قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ

بھروسہ رکھتے ہیں وے۱۵۹ اس کا قابو تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے رکھتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہتے ہیں وے۱۶۰ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ

آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ

بھیج دیتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجا رہتا ہے، تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم تو نرے گڑھ لینے والے ہو

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ

وے۱۶۱ نہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں وے۱۶۲ آپ کہہ دیجیے کہ اسے روح القدس نے آپ کے

مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى

پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں

وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا

ہدایت و بشارت بن جائے وے۱۶۳ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ

انہیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے وے۱۶۴ (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت کرتے ہیں اس کی

ع ۱۳ ۱۹

کسی سابق حکم کے معارض ہوتا، تو چٹ یہی کہنے لگتے، کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد وارادہ سے، اور اپنی مصلحت وقت دیکھ کر احکام میں ادل بدل کرتے رہتے ہو — گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہوسکتا تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا! اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلین قدیم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، بہت سے جاہلین جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں، انسان کا کلام ہے! وے۱۶۲ (کہ اپنے غایت جہل ونافہمی سے احکام کے ارتقاء وترتیب کو دلیل سمجھ رہے تھے افترا کی!) یہ "ارتقاء" مخاطبین، مکلفین کے فہم واستعداد کی نسبت سے کہا گیا۔ وے۱۶۳ رسول اللہ ﷺ کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کردیجیے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتہ مقرب جبریل امین، حکمتِ الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب وتدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں۔ اور ان کی تربیت ایک خاص آئین حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ یعنی فرشتہ جبریل۔ حاشیہ گزر چکا۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی آئین حکمت کے ماتحت ومطابق۔ اي ملتبسا بالحکمة (مدارک۔ بیضاوی) وے۱۶۴ یہ ایک نومسلم رومی نصرانی غلام تھا، انجیل وغیرہ سے واقف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ ودلچسپی کے ساتھ سنتا تھا، تو آپ بھی کبھی

کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت وانجیل بھی پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرتے، تو وہاں رک جاتے۔ بعض نافہموں نے ایک دن خود انہی سے پوچھ دیا کہ "کیا تمہی انہیں قرآن سکھاتے ہو؟" وہ بولے "ہم بھلا انہیں سکھا سکتے ہیں۔ ہم تو خود ہی ان سے سیکھتے ہیں۔" يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔ عجب کج فہم لوگ تھے۔ قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب، اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے، تو یہ کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے۔ اور اب ان کا عمق اس "کوئی نہ کوئی" کی تلاش کرنے لگتا۔ اور اس بدحواسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے کبھی اس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی خود حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کر لیتے!۔۔ ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے "روشن خیال" مستشرقین بھٹکتے رہتے ہیں۔ و۱۶۵ عرب کے اہل زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت وحسن انشاء کا بھی تم کچھ لحاظ نہیں کرتے، اور اس بے انتہا بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہل زبان تک نہیں! اَعْجَمِيٌّ وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ قال ابو الفتح الموصلي تركيب ع ج م وضع في كلام العرب للابهام والاخفاء وضد البيان والايضاح (کبیر)

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

زبان تو عجمی ہے اور یہ (کلام) تو فصیح عربی زبان (میں) ہے و۱۶۵ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی) نہیں کرتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے و۱۶۶

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور یہی لوگ (پورے پورے) جھوٹے ہیں و۱۶۷ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان (لانے) کے بعد

اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

کفر کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

(تو وہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب

مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

ہوگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا و۱۶۸ یہ اس سبب سے ہوگا کہ

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفر اختیار کرنے والے

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ

لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا و۱۶۹ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جن کی سماعت پر اور ان کی بینائی پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ تو

قال الفراء واحمد بن يحيى الاعجم الذي في لسانه عجمة وان كان من العرب (کبیر) وقال ابو علي الفارسي الاعجم الذي لا يفصح سواء كان من العرب او من العجم (کبیر) الاعجم من في لسانه عجمة عربيا كان او غير عربي (راغب) يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ۔ الحاد کے معنی راہ حق وصواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور ملحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ يقول لحد والحد اذا مال عن القصد ويقال للعادل عن الحق ملحد (کبیر) ومنه الملحد لانه امال مذهبه عن الاديان كلها (کبیر) هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ یعنی یہ کلام تو معجزانہ حد تک فصیح ہے۔ جسے ہر اہل زبان، مومن ہو یا منکر یقینی طور پر دیکھ سکتا ہے۔ و۱۶۶ (آخرت میں) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہی سے دیدہ ودانستہ منہ پھیرے رہتے ہیں۔ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپیک دیتا۔ و۱۶۷ (کہ جو صادق اور سرتاسر صدق ہے، اسے کاذب ومفتری بتا رہے ہیں، اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھیرا رہے ہیں) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ یعنی پکے جھوٹے، اول نمبر کے لپاڑیے۔ الكاملون في الكذب (کشاف) بعض محققین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے۔ اِنَّمَا کے کلمۂ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس انہی لوگوں سے ممکن ہے جو سرے سے آیات الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ في هذه الاية دلالة قوية على ان الكذب من اكبر الكبائر وافحش الفواحش والدليل عليه ان كلمة انما للحصر والمعنى ان الكذب والفرية لا يقدم عليهما الامن كان غير مومن بايات الله تعالى والا من كان كافرا وهذا تهديد في النهاية (کبیر) و۱۶۸ ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے، اور بہت ہی سخت ہونا چاہیے بھی۔۔۔۔ بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانون تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن کون ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد وپیمان مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آ گیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ یعنی اسے ڈرا دھمکا کر یا مبتلائے عذاب کر کے اسے زبان سے انکار پر مجبور کر دیا گیا ہو۔۔۔ ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ اکراہ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے، تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہو جائے گا، لیکن جبکہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے، تو یہ عذر کافی نہ ہوگا۔ الاكراه المبيح للملك هو ان يخاف على نفسه او بعض اعضائه التلف ان لم يفعل ما امره به فابيح له في هذه الحال ان يظهر كلمة الكفر (جصاص) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ دل ایمان پر مطمئن ہو، یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے، اور دل سے اس قول یا فعل کافرانہ کو برا سمجھے جائے۔ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔ یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا ہے، اور نہ اپنے اوپر اختیار ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں و۱۶۹ یعنی اللہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی توفیق ہدایت نہیں چپیک دیا کرتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اللہ کا غضب وعذاب۔ اِسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ اِسْتَحَبُّوْا کے لفظ میں عزم وقصد شامل ہے۔ بس اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کو عمداً وشعوراً آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیا کی جس قدر محبت درجہ طبعی میں ہے، اور عین مقتضائے بشریت ہے، وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آیت حب دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نص صریح ہے، جس طرح کہ اس باب میں کہ یہ حب دنیا مذموم وہ ہے جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

(اپنے انجام سے بالکل) غافل ہیں وے لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل ہی نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

میں رہیں گے وے ا پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے بعد اس کے

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

کہ (سخت) آزمائش میں پڑ چکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار بے شک

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، وے ا (یہ جزا وسزا اس روز ہوگی) جس روز ہر شخص

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

اپنی ہی طرف داری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم (ذرا)

يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

نہ کیا جائے گا وے ا اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں

مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت ان کے پاس ہر طرف سے آیا رہتا لیکن

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ

انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا

وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

مزہ چکھایا بہ سبب ان کے کرتوتوں کے وے ا اور ان کے پاس ایک رسول بھی

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

انہی میں سے آیا تھا سو اس کو انہوں نے جھٹلایا، پس انہیں عذاب نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں)

وے ا اپنے اختیاری حب دنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر) طبع ... یعنی جب دل اور کان اور آنکھ پر مہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارۂ اول) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے۔ یہ مہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بہ طور تکوینی علۃ العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یعنی پلے سرے کے غافل، غفلت میں حد سے گزر جانے والے۔ اے الکاملون فی الغفلة الذین لا اغفل منهم (کشاف)

وے ا جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ آخرت تو صرف دارالجزاء کا نام ہے، جب دارالعمل میں کوئی عمل سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی وے ا (جو مغفرت ورحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاق کے امتحان سے گزرنے پر مغفرت ورحمت کے درجات عالیہ وکاملہ کیوں نہ عنایت کر دے گا) لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ ہجرت سے مراد ہجرت مدینہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن ہجرت حبشہ بھی لی جا سکتی ہے۔ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغاز ظہور اسلام کے شدائد شاقہ کی جانب ہے۔... یعنی ابتلاء کفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جٰهَدُوْا۔ جہاد اپنے لغوی معنی میں ہر جہد نفس پر شامل ہے۔ قتال اصطلاحی اس کا مرادف نہیں۔ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر اعمال سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔ اے المذکورات من الفتنة والهجرة والجهاد والصبر (روح) سوال یہ اٹھایا گیا ہے، کہ سورۃ تو مکی ہے، پھر اس میں ہجرت وجہاد کا ذکر کیسا؟ لیکن اول تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے (اور مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مراد ہجرت حبشہ تو بہ آسانی ہو سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنی (جدوجہد) میں۔ پھر ان سب کے علاوہ، صیغۂ ماضی سے اخبار مستقبل کی مثالیں بھی قرآن میں شاذ نہیں۔ وے ا وہ وقت انصاف کامل کا ہوگا۔ دنیا کی طرح وہاں خیر وشر کو مخلوط اور حق وباطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔ وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہو گی، گو زیادتی ہو جائے اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی۔ گو کمی ہو جائے۔" (تھانوی) عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دوسرے نفس کے معنی عین یا ذات کے ہیں۔ اور پہلا نفس شخص کے مرادف ہے۔ یقال لعین الشیء وذاته نفسه (کشاف) والنفس الجملة کما هی فالنفس الاولی هی الجملة والثانیة عینها وذاتها (کشاف) تُجَادِلُ۔ مجادلہ یہاں عذر معذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنی میں ہے۔ ومعنی المجادلة عنها الاعتذار منها (کشاف) وے ا مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر وانکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود نتائج کفر پر متنبہ کرنا ہے۔ اٰمِنَةً ..... بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن وفراغت سے رہنا سہنا اور کافی سامان معیشت بہم پہنچتے رہنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکریہ کے قابل۔ فَاَذَاقَهَا ... يَصْنَعُوْنَ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ یہ ناشکری انہوں نے عقاید کفر وشرک کو اختیار کر کے کی۔

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪

ظالم تھے ف۱۷۵ سو جو چیزیں تمہیں اللہ نے جائز اور ستھری دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں) خاص اسی کی پرستش کرتے ہو ف۱۷۶

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت

وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کیا ہے لیکن جو کوئی بے قرار ہو جائے نہ کہ طالب لذت

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا

ہو اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو بے شک اللہ مغفرت والا ہے، رحمت والا ہے، ف۱۷۷ اور اپنی

لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

جس کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے ف۱۷۸ بے شک جو لوگ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪

جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے، (سو) عیش چند روزہ ہے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ف۱۷۹ اور جو لوگ دین یہود اختیار کئے ہوئے ہیں ان پر ہم نے وہ چیزیں

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے اس کے قبل کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی،

ف۱۷۵ (سوائے اہل مکہ ذرہ، کہ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو جائے) تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ کی بات اہل مکہ کے حق میں، ان کے انکار رسول ﷺ کے پاداش میں، پوری ہو کر رہی۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ مکہ میں قحط شدید پڑا جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔ وَالْخَوْفِ۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ عذاب الٰہی نے ان کی گرفت عین اس حال میں کی، کہ وہ ارتکاب کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔ اے حال التباسهم بالظلم وهو الكفران والتكذيب (روح) مِنْهُمْ۔ یعنی خود انہی کی جنس و قوم میں سے، جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔ اے من جنسهم يعرفونه باصله ونسبه (روح)

ف۱۷۶ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو، تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھیرالو۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے حلال کی ہیں، انہیں جائز ہی سمجھتے رہو انہیں اللہ کی نعمتیں سمجھ کر انہیں برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔

ف۱۷۷ (خود اس نے اپنی انہی صفات غفر و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کر دیا ہے) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ۔ یہاں ذکر انہی چیزوں کا ہے، جن کی حلت و حرمت مشرکین مکہ میں زیر بحث تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اِنَّمَا کا حصر محض اضافی ہے۔ یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھیرا لیا ہے۔ بلکہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیل شرعی سے حرام ٹھیرائی گئی ہیں، ان سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔ والحصر اضافی علی ما قال غير واحد اے انما حرم اكل هذه الاشياء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها (روح) وَالْمَيْتَةَ۔ وَالدَّمَ۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ ان سب پر حاشیے پ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہو جائے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ حاشیہ پ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکا۔

ف۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں جو تم بتا رہے ہو، تو تمہارا اس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا، اسے خدا پر گڑھنا ہی تو ہوا۔ لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں۔ محض تمہارے زبانی دعوے ہی ہیں۔ لِّتَفْتَرُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افترا علی اللہ ہے۔ واللام من التعليل الذى لا يتضمن معنى الغرض (كشاف) واظن ان هذا اللام ليس لام الغرض بل كان لام العاقبة (كبير) اللام لام العاقبة والصيرورة (روح) وَلَا تَقُوْلُوْا ... حَرَامٌ۔ ترجمہ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی نحوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے، اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ۔ اے لا تقولوا هذا حلال وهذا حرام لاجل وصف السنتكم الكذب والى هذا ذهب الكسائي والزجاج (روح)

ف۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح و عافیت کہاں نصیب؟ یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے، تمام تر عارضی و فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہے ف۱۸۰ پھر آپ کا پروردگار

لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ

ان لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) برا کام کر گزرے، پھر اس کے بعد توبہ

ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

کرلے اور اپنی حالت درست کرلے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

بڑا رحمت والا ہے۔ ف۱۸۱ بے شک ابراہیم بڑے مقتدا اللہ کے فرمانبردار (اور اسی کی طرف) یک رخ

حَنِيْفًا ۭ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا

رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ف۱۸۲ (اللہ کی) نعمتوں کے

لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

بڑے شکرگزار (اللہ نے) ان کو چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ف۱۸۳

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

اور ہم نے دنیا میں بھی انہیں بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو وہ

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ

صالحین میں ہیں ہی ف۱۸۴ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم کے طریقہ پر چلیے جو بالکل ایک رخ کے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ف۱۸۵

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ

سبت (کا احترام) تو بس انہی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنہوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا تھا ف۱۸۶

ف۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بہ طور سزا حرام کردیے گئے، ان کے باب میں بھی حقیقۃً سارا قصور انہی کا تھا۔ زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔ مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الانعام، آیت وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذي ظفر کے حاشیے۔ ف۱۸۱ (چنانچہ ان نادانوں نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کردے گا) ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا۔ یعنی حسب احکام وقواعد شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کرلے۔ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا...... وَ اَصْلَحُوْا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء رکوع ۳ کے حاشیے۔ السُّوْٓءَ۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی، معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر وشرک بھی۔ هو ما يسئ صاحبه من كفر او معصية ويدخل فيه الافتراء على الله وعن ابن عباس انه الشرك والتعميم اولى (روح) مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر توبہ واصلاح کی جانب ہے۔ اي التوبة كما قال غير واحد ولعل الاصلاح مندرج في التوبة (روح) ثُمَّ تَابُوْا میں ثم تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ للتوكيد والمبالغة (روح) بِجَهَالَةٍ۔ ہر معصیت ونافرمانی کی آخری بنیاد اسی ناسمجھی ونادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔ التقييد بالجهالة لبيان الواقع لان كل من يعمل السوء لا يعمله الا بجهالة (روح) ف۱۸۲ (تو تم کس منہ سے ان کی پیروی اور ان کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کررہے ہو، اے مشرکین عرب!) تم تو ہر معاملہ میں ان کی بالکل ضد ہو۔ وہ قانت وفرمانبردار تھے، تم نافرمان۔ وہ موحد حنیف، اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے ہوئے اور ایک رخ تھے، اور تم ادھر سے منہ موڑے ہوئے، دنیا طلبی پر گرے ہوئے۔ وہ موحد تھے، تم مشرک۔ تمہارے ان کے درمیان رشتہ اشتراک ہی کیا؟ اِبْرٰهِيْمَ۔ حضرت ابراہیم پر حاشیہ سورۃ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ اُمَّةً۔ یعنی اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور طاعات وحسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ اي قائما مقام جماعة في عبادة الله (راغب) اي كان وحده امة من الامم لكماله في جميع صفات الخير (كشاف) عن ابن عباسؓ اي كان عنده من الخير ما كان عند امة وهي الجماعة الكثيرة (روح) دوسرے معنی امام یا مقتداء کے ہیں، جو امور خیر میں بہ طور نمونہ کے کام دے۔ ابوعبیدہ لغوی نے بھی معنی لئے ہیں۔ اور مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ اور فراء لغوی سے معلم خیر کے معنی منقول ہیں۔ الامة الامام وبه فسر ابو عبيدة (تاج) وقال الفراء كان امة اي معلما للخير وبه فسر ابن مسعود ايضا (تاج) امة بمعنى ماموم اي يؤمه الناس لياخذوا منه الخير (كشاف) فهو الامام الذي يقتدى به (ابن كثير) حَنِيْفًا۔ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم۔ مائلا عن كل دين باطل الى الدين الحق غير زائل عنه (روح) ف۱۸۳ (چنانچہ انہی کے نقش قدم پر چلنے اور انہی کی ملت حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح ونجات ہے) اِجْتَبٰىهُ۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام دنیا کے تین مشہور وزبردست مذہبوں کے آج بھی مسلم مقتدا وپیشوا ہیں ـــ اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ۔ کہاں وہ اتنے شکرگزار بندہ تھے، اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔ انعم۔ پر سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر ان کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو (شاکرا) آپ کی شکرگزاری سے ہے۔ تو جب آپ قلیل نعمتوں تک کے شکرگزار تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکرگزاری کا پوچھنا ہی کیا: المراد انه كان شاكرا لجميع نعم الله ان كانت قليلة فكيف الكثيرة (كبير) ف۱۸۴ آیت منجملہ دوسری آیات کے اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی، مراتب اخروی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ وهذا لدفع توهم ان ما اوتيه في الدنيا ينقص مقامه في العقبى (روح) فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہوسکتی ہیں، سب حضرت علیہ السلام کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ مفسرین ہی نہیں، مورخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز۔ صالحین کے سرور وسردار۔ ف۱۸۵ (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کس منہ سے کہتے ہو؟) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔ ثم یہاں اظہار فضیلت کے لیے ہے۔ یعنی علاوہ ان فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انہیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔ في ثم هذه ما فيها من تعظيم منزلة رسول الله ﷺ واجلال محله والايذان بان اشرف ما اوتي خليل الله ابراهيم من الكرامة و اجل ما اولي من النعمة اتباع رسول الله ﷺ ملته (كشاف) اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اور وہ طریقہ ابراہیم علیہ السلام حنیف توحید کامل کا تھا -- چنانچہ اب وہ طریقہ ابراہیمی طریقہ محمدی میں منحصر اور اسی کے مرادف ہوکر رہ گیا ہے۔ والمراد من ملة ابراهيم التوحيد و نفي الشرك (روح) حَنِيْفًا سب سے یکسو، یک رخ یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸۲ مِلَّةَ۔ اِبْرٰهِيْمَ۔ حَنِيْفًا۔ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ سب پر حاشیے سورۃ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکے ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔ یہاں چونکہ رسول اسلام ﷺ کو ملت ابراہیمی ہی کی تجدید کا حکم مل رہا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت کو پھر دہرا دیا ہے، کہ آپ کی ملت بس توحید اور نفی شرک ہی کی تو تھی۔ ف۱۸۶ (اپنے پیمبروں کی ہدایات واحکام سے) جُعِلَ السَّبْتُ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بہ طور سزا عاید کیا گیا تھا۔ اصل دین ابراہیمی میں نہ تھا۔ السَّبْتُ۔ ہفتہ کا ساتواں دن، سنیچر یا شنبہ، جو شریعت یہود میں ایک مقدس دن تھا، جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ فِيْهِ۔ یعنی احکام حرمت سبت کے بارہ میں۔

وکے۱۸ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں یا اپنے پیغمبروں اور ہادیوں کی ہدایات سے۔ یحکم۔ اس فیصلہ سے فیصلۂ عملی ومشاہدہ یعنی ترتب اجر وعذاب مراد ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ والمعنی اللہ تعالٰی لیحکم یوم القیمۃ للمحقین بالثواب وللمبطلین بالعقاب (کبیر) و۱۸۸ (جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بالحکمۃ یعنی دلائل عقلی کے ساتھ۔ الموعظۃ الحسنۃ یعنی ترغیب وترہیب سے ان کے جذبات اپنی ابھارئے۔ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی جب بحث آ ہی پڑے تو شائستہ عنوان سے گفتگو کیجئے۔ و۱۸۹ (سو کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجئے۔ آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے) و۱۹۰ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو) انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا اور اب خود ظالم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید کی ہے، اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ وان عاقبتم۔ خطاب اب محض رسول اللہ ﷺ سے نہیں، عام امت سے ہے۔ شریعت میں عام فطرت بشری کا لحاظ کر کے انتقام لینا بالکل جائز رکھا گیا ہے۔ اور اس مقام کا نام اصطلاح سلوک میں مقام رخصت ہے۔ فعاقبوا۔ یہاں عقاب محض بہ طریق مشاکلت استعمال ہوا ہے۔ ورنہ عقاب کے عام لغوی معنی تو کسی جرم سابق پر سزا دینے کے ہیں۔ ای بمثل ما فعل بکم... علی نھج المشاکلۃ (روح) و

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

اور بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اس بارہ میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا جس بارہ میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ

یہ اختلاف کرتے رہتے ہیں وکے۱۸ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے

وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

طریقہ سے و۱۸۸ بے شک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا

سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ

ہوا ہے اور راہ پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے و۱۸۹ اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ

تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے و۱۹۰ اور اگر تم صبر کرو

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ

تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے و۱۹۱ آپ صبر کئے رہئے اور آپ کا صبر تو

اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے و۱۹۲ اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں،

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

تنگ دل نہ ہو جیے و۱۹۳ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں

وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور جو لوگ کہ حسن سلوک کرتے رہتے ہیں و۱۹۴

ان عاقبتم۔ الخ ترکیب کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے۔ لیکن اگر اس پر قدرت ہو اور مجرم کو سزا دیئے بغیر ہی کل چین نہ ہو، تو اتنی احتیاط تو بہرحال ضروری ہے کہ سزا اس جرم ہی کے متناسب ہو۔ اس سے زائد ہرگز نہ ہونے پائے۔ جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے تو فلاں مقدار سے زائد نہ کرنا۔ یعنی ان رغبتھم فی استیفاء القصاص فاقنعوا بالمثل ولا تزیدوا علیہ (کبیر) دلیل علی ان الاولی لہ ان لا یفعل (کبیر) و۱۹۱ (کہ اس سے خوب مراتب قربت بڑھتے ہیں) اس مقام کا نام اصطلاح سلوک میں عزیمت ہے.... اسلام نے بالکل صحیح طور پر فطرت بشری کے مطابق اجازت تو انتقام لے لینے کی بھی دی ہے، لیکن مقام بلند صبر وتحمل اور عفو ودرگزری کا ہے۔ متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھ دیا ہے، کہ یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور بالکل صحیح فرمایا، اس کو جہاد وقتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس میں تو ایک اخلاقی تعلیم حسن ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کی دی گئی ہے، اور وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ وھذا فی غایۃ البعد لان المقصود من ھذہ الایۃ تعلیم حسن الادب فی کیفیۃ الدعوۃ الی اللہ تعالٰی وترک التعدی وطلب الزیادۃ ولا تعلق لھذہ الاشیاء بایۃ السیف (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھ کر مرتبہ عفو کر دینے کا ہے۔ وقد دلت علی ان العفو عن القاتل والجانی افضل من استیفاء القصاص (جصاص) و۱۹۲ (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر توفیق الٰہی ہی سے ہوتا ہے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بدون توفیق الٰہی کوئی شخص نہ صبر کر سکتا ہے نہ اور کوئی طاعت یا حسنہ۔ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفس توفیق مشترک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیق الٰہی خاص اور زائد ہوتی ہے۔ اور ان کے اعمال میں مؤثر رہتی ہے۔ واصبر یعنی آپ صبر کیے رہیے، جیسا کہ اب تک بھی کیے رہے ہیں۔ اور آپ کیوں نہ کرتے، آپ تو عزیمت کے بلندترین مقام پر سرفراز تھے۔ باللہ یعنی اللہ کے لطف وتوفیق سے۔ ای بعون اللہ وتوفیقہ (تفسیری) وقال غیر واحد ای الابتوفیقہ ومعونتہ (روح) و۱۹۳ (اور یقین رکھیے کہ ان کی یہ بڑی سے بڑی چالیں بھی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکیں گی) ولا تحزن علیہم یعنی ان کے حال پر زیادہ غم وتاسف نہ کیجئے۔ و۱۹۴ (پھر آپ تو تقویٰ واحسان دونوں کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہیں۔ آپ کو تو اللہ کی معیت سب سے بڑھ کر حاصل رہے گی) مع الذین اتقوا۔ الخ حق تعالٰی کی یہ معیت متقین کے ساتھ اس معنی میں ہوتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں سے بچاتا رہتا اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور اپنی رحمت وفضل سے انہیں گھیرے رہتا ہے۔ ومعیۃ نصرتہ فی المامور وعصمۃ فی المحظور (مدارک) ای بالعون والنصرۃ (معالم) معیۃ بالرحمۃ والفضل والمرتبۃ (کبیر) والمراد بالمعیۃ الولایۃ الدائمۃ (روح) الذین اتقوا یہ وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کی پوری پوری تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تعمیل احکام کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارۃ الی التعظیم لامر اللہ تعالٰی (کبیر) الذین ھم محسنون یہ وہ لوگ ہیں، جو خلق کے ساتھ بہترین سلوک سے پیش آتے رہتے ہیں۔ اس میں مخلوق الٰہی کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارۃ الی الشفقۃ علی خلق اللہ (کبیر) محققین عارفین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فن سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق الٰہی کے ساتھ شفقت۔ ذلک یدل علی ان کمال السعادۃ للانسان فی ھذین الامرین اعنی التعظیم لامر اللہ تعالٰی والشفقۃ علی خلق اللہ۔ اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملۂ صدق اور خلق کے ساتھ معاملۂ خلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔ وعبر عنہ بعض المشائخ فقال کمال الطریق صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر)

رکوعاتھا ۱۲	۱۷ سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ ۵۰	اٰیاتھا ۱۱۱
اور بارہ رکوع ہیں	سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے	اس میں ایک سو گیارہ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا ف۱ جس کے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے ف۲ تاکہ اس (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں ف۳ بے شک سمیع بصیر وہی (اللہ) ہے

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِيْلًا ② ؕ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے (ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ کسی میرے سوا کسی (اور) کو کارساز مت قرار دے لینا ف۴ اے ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا ف۵ وہ بے شک بڑے شکر گزار بندہ تھے ف۶

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بتلا دیا تھا کہ تم ملک میں دو بار بڑی خرابی پیدا کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے ف۷ پھر جب

ف۱ (اور اپنے اس برگزیدہ بندہ کو اس عجیب اور انوکھی سرفرازی سے نواز دیا) سُبْحٰنَ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزہ، ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم الشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام (ابن کثیر) لَيْلًا یعنی رات کے ایک حصہ میں۔ ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں۔ اَسْرٰی کے معنی میں تو خود ہی رات کا سفر داخل ہے السری سیر اللیل (راغب) لفظ لَيْلًا بہ صیغہ نکرہ کے اضافہ سے یہ تاکید وتصریح مقصود ہے کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا ۴۰ دن کی مدت میں ممکن تھا فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں ہی میں انجام پا گیا اراد بقولہ لیلا بلفظ التنکیر تقلیل مدۃ الاسراء وانہ اسری بہ فی بعض اللیل من مکۃ الی الشام مسیرۃ اربعین لیلۃ (کشاف) وفائدتہ الدلالۃ بتنکیرہ علی تقلیل مدۃ الاسراء (بیضاوی) بِعَبْدِهٖ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ محل تخصیص پر قرآن مجید میں آپ کو اکثر عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً نزل الفرقان علی عبدہ یا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ وغیرہ لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ با ایں شرف وکرامت وبا ایں کمالات معجزانہ محمد مصطفیٰ ﷺ عبد محض ہی رہے، یہ نہیں ہوا کہ کچھ شرکت الوہیت وربوبیت میں ہو گئی ہو۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز مثال سب کے سامنے ہے۔ وقیل حکمۃ اخری ان فی التعبیر بہ ھھنا دون حبیبہ مثلاً سد الباب الغلو فیہ ﷺ کما وقع للنصارٰی فی نبیھم (روح) اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف عوام وجہلا کو نظر آتی ہے۔ محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔ والعبودیۃ علی ما نص علیہ العارفون اشرف الاوصاف واعلی المراتب (روح) یہ واقعہ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت سے قبل قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل ہے اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے، اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔ عن الزھری کان الاسراء قبل الھجرۃ بسنتہ وکذا قال عروۃ وقال السدی بستۃ عشر شھرا (ابن کثیر) اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ سے یہ حقیقت بھی صاف ہو گئی کہ اس سفر کا کرانے والا، اس عجیب ومعجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا، حق تعالیٰ تھا۔ رسول ﷺ خود نہ تھے۔ جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور علماء سلف میں سے کوئی اس طرف نہیں گیا ہے۔ ھذا بعید جدا ولم ینقل ھذا عن احد من السلف (ابن کثیر) معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالت خواب میں۔ مختلف جوابات مختلف فریقوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ہر ہر فریق کچھ نہ کچھ دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیت قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف ومعلق نہیں۔ واقعہ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ پیش آیا ہو بہر حال ایک حیرت انگیز معجزہ اور عام بشری تجربہ سے مافوق واقعہ ہوا ہے اور اس کے نفس وقوع پر ایمان رکھنا واجب ہے — پیمبران کو جو جو تجربے کرائے گئے ہیں (اکیلے سید الانبیاء ہی کو نہیں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو بھی) ان کی پوری تفصیلات عام انسانوں کے ذہن کی گرفت میں آ ہی کب سکتی ہیں؟ بقول عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے ھل کان الاسراء فی یقظۃ بجسدہ او کان فی نومہ بروحہ۔ (آپ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا حالت خواب میں محض روحانی؟) اور خود سیرۃ ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیر ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کو عجائب الٰہی میں سے یہ جو کچھ دکھلایا گیا یہ خواب یا بیداری کس حالت میں دکھایا گیا بہر حال جو بھی حالت ہو وہ عین حق وصدق ہے۔ قال ابن اسحٰق وکان رسول اللہ ﷺ یقول فی ما بلغنی تنام عینی وقلبی یقظان اللہ اعلم وھی ذلک کان قد جاءہ وعاین فیہ ما عاین من امر علی ای حالیہ کان نائما او یقظان کل ذلک حق وصدق۔ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ کی مسجد سے اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا یعنی قبلہ اول بیت المقدس کی مسجد تک اقصیٰ یعنی شہر مکہ سے بہت دور۔ ف۲ واقعہ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب وغریب، مکہ معظمہ سے یروشلم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہو جانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب ترین۔ الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ یعنی ملک شام جو برکات کے تحت میں۔ دینی وروحانی ہر قسم کی برکتیں آ گئیں، ملک کی سرسبزی وشادابی، سرزمین سے (بہ زبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا ابلنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اس سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا روحانی برکتوں کو واضح کر رہا ہے۔ برکات الدین والدنیا (بیضاوی) مِنْ اٰيٰتِنَا یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیات الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت وحکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، تفریح اور تماشہ کی نہ تھی۔ اوپر سے بیان صیغہ غائب چلا آ رہا تھا، یہاں مع صیغہ متکلم میں منتقل ہو گیا۔ یہ انتقال ان برکات وآیات کے اظہار عظمت وتکریم کے لئے ہے وصرف الکلام من الغیبۃ الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والآیات (بیضاوی) ف۳ (رسول ﷺ کے ان مراتب قرب وکمال

قرب سے کہیں یہ نہ سمجھنے لگنا کہ آپ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہو گئے تھے معاذ اللہ سمیع و بصیر تو بلا شرکت غیرے ذات حق تعالیٰ ہی ہے) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے۔ اس نے رسول ﷺ کے اقوال سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ ف۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً "خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں" (خروج۔ ۲:۲۰) تنبیہ توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ یہود برابر ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں، البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ وعید اسی پر ہو رہی ہے۔ ف۵ (اور اسی طرح ہلاکت عام سے بچا لیا تھا) سوائے اسرائیلیو! یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچا لیا تھا اور تم انہیں بچے ہوؤں کی نسل میں ہو۔ تم پر تو شکر گذاری اور زیادہ واجب ہے۔ مع نوح۔ نوح علیہ السلام ان کی کشتی اور طوفان سب پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ ذریۃ۔ صیغہ ندا کا ہے "اے ذریت" کے معنی میں قال مجاهد هذا نداء يعني يا ذرية من حملنا (معالم) ف۶ (اور شکر گذاری ہی کی ایک بڑی فرد عقیدۂ توحید ہے) ف۷ (خلق پر ظلم کر کے اور خالق کے قانون سے بغاوت اختیار کر کر کے) لفسادٍ في الارض اور علو دونوں سے مراد حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔ وقضينا ... الكتٰب یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیغمبروں کے ذریعہ سے دی گئی تھی -- خود توریت ہی کے بعض مقامات انذاری پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً احبار باب ۲۶۔ یا استثناء باب ۲۸۔ پھر اس کے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیش گوئیاں موجود ہیں اور حضرت یحیٰی نبی اور حضرت عیسیٰ نبی کی انذاری پیش گوئیاں، سب انہیں اسرائیلی صحیفوں میں درج ہیں۔ یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی کی ایک مسلسل سرگزشت ہے، تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں۔ ایک بار ۵۸۶ ق م میں بخت نصر تاجدار بابل و نینوا کے ہاتھوں اور دوبارہ ۷۰ء میں رومی شہنشاہ طیطوس (TITUES) کے زمانہ میں۔ ف۸ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنا دیں گے) یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزو ہے، دیکھی جا سکتی ہے۔ یہود کی شرارتوں، بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیوں کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں -- ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۹ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی) بعثنا عليكم عبادا لنا۔ اس عالم اسباب میں سزا اور غضب الٰہی کا نفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہوگا۔ بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں، بلکہ بعثت تکوینی ہے اور عباد سے مراد وہ انسان جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کے لئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عبادا لنا پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اس کے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کر لیا۔ یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت گذار کہا گیا ہے:۔ "رب الافواج یوں کہتا ہے۔ اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں دیکھو میں اتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمت گزار شاہ بابل بخت نصر کو بلا بھیجوں گا" (یرمیاہ ۹،۸:۲۵) اولی بأس شديد بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور بیرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکر سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ فجاسوا خلال الديار بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت و تاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی، ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان، مال، عزت سب کو برباد کیا، یہ سب اسی مختصر جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔ ف۱۰ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور کی دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔ "میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور

جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ

دو باروں میں سے پہلی کی میعاد آئے گی ف۸ تو ہم تمہارے اوپر اپنے (ایسے) بندوں کو مسلط کر دیں گے

بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا

جو بڑے جنگجو ہوں گے سو وہ گھروں میں گھس پڑیں گے ف۹ اور یہ وعدہ تو

مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ

پورا ہو کر رہے گا ف۱۰ پھر ایک بار پھر ہم تمہارا ان پر غلبہ کر دیں گے ف۱۱ اور مال اور بیٹوں سے

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ

تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں ایک بڑی جماعت بنا دیں گے ف۱۲ اگر

اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ

اچھے کام کرو گے اپنے ہی لئے اچھائی کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ہی حق میں ف۱۳

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ

پھر جب پچھلی بار میعاد آئے گی (ہم دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اور تاکہ (تمہاری) عبادت گاہ میں گھس پڑیں جیسے کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے

وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

اور تاکہ جس چیز پر بھی ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں ف۱۴ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر

يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ

مہربانی کرے ف۱۵ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور جہنم کو تو ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ

کافروں کا قید خانہ بنا ہی رکھا ہے ف۱۶ بے شک یہ قرآن ایسے (طریقہ) کی ہدایت کرتا ہے

خرمی کی آواز، دولہے کی آواز، دلہن کی آواز، چکی کی آواز اور چراغ کی روشنی بند ہوجائے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کریں گی اور ایسا ہوگا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہوں گے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے" (یرمیاہ۔ ۲۵:۹۔۱۲) "خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپا دیا۔ اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو نہ یاد کیا۔ خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا۔ اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھا دیا۔ اس نے انہیں خاک کے برابر کر دیا اس نے بادشاہت اور امیروں کو ناپاک کیا اس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا" (یرمیاہ کا نوحہ۔ ۲:۱۔۳) ف۱۱ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد و خیر خواہ ہوگی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہو گے) دارا نے اول سائرس یا خورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دے کر اور خود ان کے ملک پر قابض ہو کر ۵۳۹ ق م میں یہود کو جلا وطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور اسے دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے۔ ف۱۲ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہو گئے تھے

چھوٹ کر اپنے وطن آ جائیں گے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کر جائے گی۔ جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا، اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔ ف۱۳ (اور خود ہی سزا بھگتو گے) یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آ جاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ اوپر معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کر دیا -- یہود کا اصلی اور بنیادی جرم ہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی، توحید کے تو وہ بہر حال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔ ف۱۴ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانی اور بابلی سپاہیوں نے تمہیں ہلاک وتباہ کر ڈالا تھا اور تمہاری عبادتگاہ میں آگ لگادی تھی۔ اب کی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے موکل بن کر تم پر نازل ہوں گے -- ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا، اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جن دو وعدوں کا ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے، ان میں سے دوسری بار -- ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے عہد میں۔ پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک وتحریف پر ملی تھی۔ اب یہ دوسری سزا رسالت عیسوی کی مخالفت وانکار پر دی جارہی ہے۔ لِيَسُوْٓءٗا۔ لِيَدْخُلُوْا۔ لِيُتَبِّرُوْا۔ ان تینوں افعال میں لِ۔ لام تعلیل ہے، مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا -- مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضائے الٰہی کا۔ ف۱۵ (اور تم کو مزید ذلت وادبار سے بچالے) اب خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور

لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا

خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے ف۱۷ اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ ع

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ف۱۸

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ

اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح) بھلائی کی درخواست اور

الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝١١ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ

انسان ہے ہی جلد باز ف۱۹ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے ف۲۰

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

سو ہم نے رات والی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا

لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ

تاکہ اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے)

وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝١٢ وَكُلَّ

حساب معلوم کرلیا کرو اور ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے ف۲۱ اور ہر انسان

اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ

کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے ف۲۲ اور اس کے واسطے قیامت کے دن ہم (اس کا)

الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝١٣ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى

نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا ف۲۳ (لے) اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج

براہ راست مخاطب تھے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پچھلی تباہیاں جو آئیں آ چکیں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے خاتم النبیین ﷺ پر، شریعت موسوی وعیسوی کے جامع پر اگر آج ایمان لے آؤ اور شریعت اسلامی کو قبول کر لو، تو اب بھی بیڑا پار لگ سکتا ہے۔ ف۱۶ یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفت حق، وہی انانیت واستکبار جاری رکھا تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں -- بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سارے پرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع وغیرہ ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔ حَصِيْرًا۔ یہ عالم آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہوگا جس سے کافر کبھی مخلص حاصل نہ کر سکیں گے۔ لهؤلاء والاقوام لهم من عذاب الدنيا ما وصفناه و يكون لهم بعد ذلك من عذاب الأخرة ما يكون محيطا بهم من جميع الجهات ولا يتخلصون منه ابدا (کبیر) ف۱۷ صلاح وفلاح دارین، دنیوی واخروی فوز وکامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو تو۔ اَقْوَمُ۔ سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ سیدھی ہیں لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے۔ ای اقوم الطرق واسدها (روح) هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ اشارۂ ھٰذا تعظیم قرآن کے لئے ہے۔ وفی الاشارة بهذا تعظيم لما جاء به النبی ﷺ (روح) يَهْدِيْ۔ اس کا مفعول عام ہے۔ یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے۔ کسی مخصوص فرقہ کو نہیں۔ ای الناس كافة لا فرقة مخصوصة (روح) لِلَّتِيْ۔ یہاں الطریقۃ محذوف ہے۔ ای للطريقة التی (روح) ای الطريقة التی هی اقوم الملل والشرائع والطرق ومثل هذه الكناية كثيرة الاستعمال فی القرآن (کبیر) ف۱۸ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے۔ اس لئے کہ یہود باوجود دعوئ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کر دیتی ہے -- موجودہ توریت محرف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے۔ سارا زور اسی دنیا کے انعامات کا ہے ف۱۹ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا) يَدْعُ الْاِنْسَانُ۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔ والمراد بالانسان الجنس اسند اليه حال بعض افراده وهو الكافر واليه يشير كلام ابن عباس (روح) يَدْعُ ... بِالْخَيْرِ۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا، اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنہوں نے اپنے کو اتباع شریعت سے مہذب ومزین کر لیا ہے۔ اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ وباطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آ گئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے۔ ف۲۰ (اپنی قدرت، صنعت وحکمت کی) حکمت وعرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع وغروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔ بدبخت قوموں نے انہیں بھی دیوی دیوتا، مان کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ ف۲۱ (اس کتاب عزیز وحکیم کے اندر) محونا۔ جعلنا۔ دن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے، ان کی ترتیب، ترکیب سب کچھ اللہ ہی کی کاریگری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت واتفاق سے خود بخود وجود میں آ گئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انہیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔ لِتَبْتَغُوْا۔ لِتَعْلَمُوْا۔ سورج ہو کہ چاند، دن ہو کہ رات، سب کی خلقت کی غایت انسان کی خدمت ہے۔ نہ یہ کہ انسان الٹی ان کی پرستش میں لگ جائے۔ كُلَّ شَيْءٍ۔ کو اگر بالکل اپنے لفظی معنی میں لیا جائے اور اس کے اندر چھوٹی بڑی ہر قسم کی چیز سمجھ لی جائے تو

مراد بجائے قرآن کے لوح محفوظ ہوگی۔ لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی تلاش معاش میں مشغول رہو جس کی صورتیں بے شمار ہیں اور ان سب کے لئے دن کی روشنی اور اجالے کا انتظام حق تعالیٰ کی شفقت ربوبیت کا ایک نمونہ مظہر ہے۔ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ دنیا اور دین کے سارے کاروبار اسی وقت و زمان ہی کے حساب و کتاب پر معلق رہتے ہیں۔ **ف۲۲** یعنی ہر شخص کا عمل نیک ہو یا بد، ہر حال میں ہم نے اس کے ساتھ بطور جزو غیر منفک کے لازم کر دیا ہے۔ طٰٓئِرَهٗ۔ ہر مکلف انسان کے افعال اختیاری مراد ہیں۔ اے عمله الصادر منه باختياره (روح) مستعار للخير والشر بالطائر تسمية للشيء باسم لازمه (کبیر) اَلْزَمْنٰهُ فِيْ عُنُقِهٖ۔ محاورۂ عرب میں شدت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ تصور لشدة اللزوم وكمال الارتباط (روح) انما اراد به عمله من خير او شر على عادة العرب (جصاص) اخبر انه في عنقه كالطوق الذي يحيط به ويلازمه مبالغة في الوعظ والتحذير (جصاص) كناية عن اللزوم (کبیر) **ف۲۳** یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک عالم غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہوگا، حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ **ف۲۴** (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنا دے) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ۔ یہ بندے سے کہا جائے گا۔ نامۂ اعمال کے اس تھرا دینے والے ذکر پر اس نامہ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آ گئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولیٰ کی بے انداز شفقتوں اور بے حد

بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۞ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے **ف۲۴** جو کوئی راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا

راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى

کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا **ف۲۵** اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک

نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۞ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً

کسی رسول کو ہم بھیج نہیں لیتے **ف۲۶** اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

تو اس (بستی) کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۞ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ

ہے پھر اس (بستی) کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں **ف۲۷** اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو

مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

نوحؑ کے بعد سے ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۞ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا

خبر رکھنے والے، دیکھتے رہنے والے کی حیثیت سے کافی ہے **ف۲۸** جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو

لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم رکھیں گے

يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۞ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ

اس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا **ف۲۹** اور جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا

وحساب بندہ پروری کا بھی خیال آ گیا! اللہ غفرلہ رکھے اقبال مرحوم کی تربت کو کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے۔ گو یہ ادا ذرا خلاف ادب ہے۔

روز حساب جب میرا پیش ہو دفتر عمل آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

ف۲۵ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے ہاں انفرادی ذمہ داری سے متاثر سارا زور مسئلہ "شفاعت" و "کفارہ" وغیرہ پر دو گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقیدوں کی پر زور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔ **ف۲۶** یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ اور محققین نے اس سے استنباط کر کے کہا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اطلاع خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اصلاح نہ پہنچے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔ هذا يدل على من اسلم من اهل الحرب ولم يسمع بالصلاة والزكوة ونحوها من الشرائع السمعية انه لا يلزمه قضاء شيء منها (جصاص) فيه دليل على ان ما وجب وجب بالسمع لا بالعقل (معالم) اور یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی نے پیامات کی مخالفت نہ ہوئے محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے مذہب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔ انه لا يعذب عذاب الاستيصال الا بعد قيام حجة السمع بالرسول ان مخالفة موجبات احكام العقول قبل ورود السمع من جهة الرسول لا توجب في حكم الله عذاب الاستيصال (جصاص) **ف۲۷** یہاں اسی عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی شدت کفر و طغیان کی بنا پر حکمت الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور بستی تہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً۔ یہ کسی بستی کی ہلاکت بطریق عذاب اس کی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ اطاعت احکام الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو بہت سے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر، پیشوا، مقتدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ عوام تو بس انہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی پوری طرح موقع دیتے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ **ف۲۸** (اسے کسی اور کی اعانت کی ذرا بھی حاجت نہیں) صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے۔ اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بے قصور سزا مل جائے جو عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاں انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون و قاعدہ ہی نہیں گا بے بسلاۓ برتجند گا بے بدشاہ مصحت وخند کا معاملہ رہتا ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ یہ انہیں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر و طغیان کے پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے دنیا از سر نو طوفان نوحؑ کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہیے کہ اسی وقت سے ہوتا ہے۔ **ف۲۹** آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسرحق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت کھٹ کھٹ چلی آ رہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش

ہونے والی چیز نہیں دیکھنا تو یہ چاہیے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہے تو انجام تمامتر خراب ہی ہوتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اسی عارضی وفانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لئے اور جس حد تک مشیت الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔ و۳۰ (اللہ کے ہاں اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا) بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اس مکمل وپایدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ گویا قبول کی پہلی شرط صحیح نیت ہوئی۔ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے۔ محض آرزو وتمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن وتخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو ۔۔۔ گویہ دوسری شرط صحیح عمل ہوئی۔ حسب ضابطۂ شریعت۔ اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہو سکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔ تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ صحیح عقیدہ کی ہوئی۔ منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔ و۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک وبد، سعید وشقی، مقبول ومردود تکوینی طور پر خزانۂ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی ونباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ كُلًّا۔ یعنی ہر دو فریق۔ اے كل واحد من الفريقين (مدارک) و۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہیے) وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ۔ جس آخرت میں یہ مرتبے عطا ہوں گے، وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب ومدارج تمہارے لئے محسوس ومشاہد ہے وہ تو اس قدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا نمایاں ہوگا! فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اُنْظُرْ۔ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔ انظر بعين الاعتبار (مدارک) و۳۳ شرک کی ایک نمایاں قباحت اس دنیا میں تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے ہٹ کر بالکل بے سہارے اور بے یار ومددگار رہ جاتا ہے ۔۔۔ اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔ فَتَقْعُدَ۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع وہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے متمایز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہے" سے مراد صرف ناخوشوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے جیسے ان فقروں میں "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا روپیٹ کر بیٹھ رہے"، "تھک کر بیٹھ رہے"۔ اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستقر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔ معناه المكث اى فتمكث فى الناس مذموما مخذولا هذه اللفظة مستعملة فى لسان العرب والفرس فى هذا المعنى (کبیر) معناه المكث سواء كان قائما او جالسا (کبیر) و۳۴ ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل وبالغ اور صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کرلے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم وبلند ہے۔ بين الله تعالى بهذه الاية تاكيد حق الابوين لقرن الامر بالاحسان اليهما الى الامر بالتوحيد (جصاص) آیت میں کوئی نسخ وتخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہیے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت، لا نسخ ولا تخصيص لان الوالدين اذا كانا كافرين فله ان يدعوا لهما بالهداية والارشاد و ان يطلب الرحمة لهما بعد حصول الايمان (کبیر) فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اس کے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ فامر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرك (جصاص) و۳۵ دنیا میں اس سطح ارض پر ایسی ایسی مہذب وشائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مر جائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بدقسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر انہیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ جب ان کے سامنے ہوں کرنے کی بھی ممانعت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ جو چیزیں اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ

وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو سو یہ ہیں لوگ کہ ان کی

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ

کوشش مقبول ہوگی و۳۰ ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی

مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ

اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش

مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى

(کسی پر) بند نہیں و۳۱ تو دیکھ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت!

بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ

دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے

تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

فضیلت کے اعتبار سے بھی و۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ تو بیٹھ رہے گا

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

بدحال بے یار ومددگار ہو کر و۳۳ اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اس (ایک رب) کے

اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ

اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا و۳۴ اگر وہ تیرے سامنے

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ

بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہوں بھی

اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا و۳۵

ع ۲

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ
اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ
اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پرورش کیا وـ۳۶ تمہارا پروردگار خوب

بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ
جانتا ہے اس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، وـ۳۷ اگر تم (دل سے) سعادت مند ہو تو وہ بھی

لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ
توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا مغفرت کرنے والا ہے وـ۳۸ اور تو قرابت دار کو (بھی) اس کا حق ادا کر

وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾
اور محتاج اور مسافر کو (بھی ان کا حق) اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا وـ۳۹

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ
بے شک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور

الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ
شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے وـ۴۰ اور اگر تجھے ان سے پہلو تہی کرنا پڑے

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا
اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش آئے جس کی تجھے امید ہو تو ان سے نرمی کی بات

مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ
کہہ دے وـ۴۱ اور تو نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے

وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
اور نہ اسے بالکل کھول ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ، تہی دست ہو کر

میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں۔ ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہوگی۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ ''اف'' کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں۔ ثم انھم توسعوا فذکروا ھذہ اللفظة عند کل مکروہ یصل الیھم (کبیر) لا تقل لفلان اف مثل یضرب للمنع من کل مکروہ واذیة وان خف وقل (کبیر) المقصود من ھذا الکلام المبالغة فی تعظیم الوالدین (کبیر) و بالوالدین احسانا سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف ونرمی کا حکم نکلا تو فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما سے قول میں ان کے ساتھ ادب اور تمیز داری کی تاکید نکلی اور وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سے مخاطبت وگفتگو میں ان کے ادب وعظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔ وـ۳۶ خدمت والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں۔ ایجابی اوامر بھی مل رہے ہیں۔ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا تو ابھی آ ہی چکا ہے۔ اب دو ہدایتیں اور ملیں۔ واخفض لھما جناح الذل۔ محاورہ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔ ھو مجاز لان الذل لیس له جناح ولا یوصف بذلک ولکنه اراد المبالغة فی التذلل والتواضع (جصاص) مبالغة فی التذلل والتواضع لھما (کشاف) والمقصود منه المبالغة فی التواضع (کبیر) قُلْ ..... صَغِيْرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست وتنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بے کسی وبے بسی یاد دلا دی گئی۔ قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف ومعذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج ودست نگر ہونا ہے۔ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت وکشش بیدار ہو جائیں گے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کرکے دیکھ لے — اور پھر یہ دعا کرنا کہ ''اے پروردگار ان پر رحمت فرما'' گویا یہ دعا کرنا ہے کہ ''اے پروردگار انہیں دنیا وآخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر، کہ لفظ رحمۃ عرب میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔ ولفظ الرحمة جامع لکل الخیرات فی الدین والدنیا (کبیر عن القفال) كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہوتا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ وـ۳۷ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر وتعظیم اور ادب ولحاظ میں لگے رہنا) اللہ اللہ خدمت والدین واطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور ہے۔ وـ۳۸ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے بھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معاً نادم ہو کر اس کی تلافی کرو) صٰلِحِيْنَ۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے، ہماری زبان میں سعادت مند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ ای قاصدین الصلاح والبر دون العقوق والفساد (روح) قاصدین الصلاح والبر (کشاف) اَوَّابِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے ساتھ رجوع کریں۔ ای الراجعین الیه تعالیٰ التائبین عما فرط منھم مما لا یکاد یخلو منه البشر (روح) وـ۳۹ اسلام نفس جمع مال وکسب مال کا مانع نہیں۔ البتہ پہلے تو وہ کسب مال کے لئے شرائط جائز وحلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرف مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال ودولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں، پردیسیوں کے حق قائم ہیں یہ انہیں کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں۔ حَقَّهٗ۔ حق کا لفظ مالی وغیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے۔ حق کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ ان کا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں — یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کردے۔ خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے تعطاً روکتا ہے جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ایک معصیت بالذات مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ۔ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ (۲) دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو، لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت وتفاخر وغیرہ ہو۔ التبذیر انفاق المال فی غیر حقه (جصاص۔ عن ابن عباس وعبد اللہ بن مسعود وقتادہ رضی اللہ عنہم) التبذیر تفریق المال فی غیر الحل والمحل (مدارک) وـ۴۰ (کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا) اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ وہم سطح ہوتے ہیں۔ والمراد من ھذہ الاخوة التشبه بھم فی ھذا الفعل القبیح (کبیر) اِخْوَانَ۔ اخ کا

اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک ومشابہت کے لئے عام ہے۔ یستعار فی کل مشارک لغیرہ فی القبیلة اوفی الدین اوفی صنعة اوفی معاملة اوفی غیر ذلک من المناسبات (راغب) العرب یسمون الملازم للشیء اخاله فیقولون فلان اخو الکرم والجود واخو السفر اذا کان مواظبًا علی ھذہ الاعمال (کبیر) انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ وھی غایة المذمة لانه لا اشر من الشیطان (کشاف) ۴۱ یعنی نرم زبانی اور ان کی دلجوئی ملحوظ رکھ کر ان سے آئندہ کے لئے وعدہ کر لینا، کوئی کڑا اور دل شکن جواب انہیں ہرگز نہ دینا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمْ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود اس وقت تہی دست ہو۔ عَنْهُمْ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ۴۲ (جیسا کہ بے تحاشا اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے) خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصاد ومیانہ روی کی ہے۔ نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ اور نہ بالکل کنجوسی ہی نہ صرف بے محل، خلاف موقع، نہ موقع ومحل پر صرف سے گریز۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ ای لا تجعل یدک فی عنقها منها کا المغلولة الممنوعة عن الانبساط (کبیر) وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔

مَحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بیٹھ جائے گا ۴۳ بے شک تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی)

وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا

کر دیتا ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھنے والا ہے ۴۴ اور

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ

اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو ۴۵ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں

وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

اور تم کو بھی ۴۵ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور زنا کے پاس بھی مت

الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا

جاؤ یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے ۴۶ اور

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ

جس شخص (کی جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر ۴۷ اور جو کوئی

قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا

ناحق قتل کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے ۴۸ سو (اسے چاہیے کہ)

يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا

قتل کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے ۴۹ بے شک وہ شخص قابل طرف داری کے ہے ۵۰ اور یتیم کے

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

مال کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے ۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے

اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـــُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

سن پختگی کو پہنچ جائے ۵۲ اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد کی بازپرس ہو گی ۵۳

ای ولا تتوسع فی الانفاق توسعا مفرطا بحیث لا یبقی فی یدک شیء (کبیر) فتقعد۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳ و ۴۳۔ مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر وواقف کار اور کون ہو سکتا ہے؟ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر وباطن دونوں کی خبر ہے۔ اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیات حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق، تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیت تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اس کے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ ومحدود کر دیتی ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں ہی اندھا دھند اور بغیر کسی مقصد ومصلحت کے نہیں ہو رہا ہے۔ سب آئین حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت ومطابق ہو رہا ہے۔ فالتفاوت فی ارزاق العباد لیس لاجل البخل بل لاجل رعایة المصالح (کبیر) ۴۴ قتل اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ "منع حمل" کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس نظریہ باطل کی قطعی تردید کرتا ہے۔ سورۂ انعام، پ ۸ میں اس پر حاشیہ گزر چکا۔ متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا سب چونکہ عورتوں میں نہیں، صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔ العرب کانوا یقتلون البنات لعجز البنات عن الکسب وقدرة البنین علیه بسبب اقدامهم علی النهب والغارة (کبیر) ۴۵ (اور ہماری ربوبیت ورزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر کے موافق معاشیات واقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں) اسی طرح کی ایک آیت، ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام (رکوع ۱۹) میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں نرزقکم وایاھم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو، یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفس افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس، یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی ـــ قرآن مجید نے ان دونوں قتلوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر مِّنْ اِمْلَاقٍ آیا ہے اور آخر الذکر کے موقع پر من خشیة املاق لایا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے۔ نرزقکم وایاھم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہرحال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے اور جہاں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف ونازک فرق کر دیا ہے نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ہم انہیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی اور صالح تمدن ومعاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ اور جسمانی، معاشرتی، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار ولحاظ سے بھی قابل نفرت۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ الفاظ قرآنی پر غور رہے۔ لا تزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے لا تقربوا الزنی۔ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس کے مبادی ودواعی مقدمات تک سے بچو۔ یقول تعالٰی ناهیاً عن الزنی وعن مقاربته ومخالطة اسبابه ودواعیه (ابن کثیر) وهو نهی عن دواعی الزنا ولو ارید بالنهی عن نفس الزنا لقال ولا تزنوا (مدارک) گویا اس حکم امتناعی کے تحت میں بے حیائی وبے حجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہر آ گئے

— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم وجدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک کہ جبر کی آمیزش یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ف۴۷ یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔ وَلَا تَقْتُلُوا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنی ہلاک کے مرادف ہے۔ محدود اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں۔ جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف دھار دار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے۔ تا آنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے ف۴۸ (قصاص طلب کرنے کا) تسلطا على القاتل في الاقتصاص (مدارک) ای في استيفاء القصاص من القاتل (کبیر) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آ گیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتل عمد ہوگا۔ قتل خطا کو ظلم نہیں کہتے۔ ای غير مستوجب للقتل (بیضاوی) يدل على ان القتل عمد عدوان

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپو تو پورا پورا ناپ رکھو اور وزن بھی صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا

کیا کرو یہی اچھا ہے اور (یہی) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے ف۵۴ اور

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ

اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بے شک کان اور آنکھ

وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ

اور دل ان سب کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی ف۵۵ اور زمین پر

فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ

اترا کر نہ چلا کر تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ

تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ

پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے ف۵۶ یہ سارے برے کام تیرے

رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ

پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں ف۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے

مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

آپ پر وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو جہنم میں

فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

ملامت زدہ (اور) راندہ کر کے جھونک دیا جائے گا ف۵۸ تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو

بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

مخصوص کر لیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بے شک تم

فان الخطا لا يسمى ظلما (بیضاوی) وَلِيِّهٖ۔ اس ''وارث'' کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آ گئے۔ سُلْطٰنًا۔ سلطان کے معنی یہاں حجة کے لئے گئے ہیں۔ یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔ سلطانا ای حجة (جصاص۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن جبیر ومجاہد) ف۴۹ یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتل کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے — کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل ومتوازن تعلیم، اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی حکومتوں کا یہ عمل متواتر کہ اگر چار ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا! ف۵۰ قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت اور پشت پناہی پر آمادہ ہے اور حکومت اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بن جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کریں اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر ولی کی جانب بھی جا سکتی ہے اور خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ منقول دونوں ہیں۔ قال قتادة هو عائد الى الولي۔ وقال مجاهد على المقتول (جصاص) ف۵۱ (شریعت کی نگاہ میں) یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کی دست اندازی روا نہ رکھو بجز ان صورتوں کے کہ جنہیں خود شریعت نے روا رکھا ہے۔ یتیموں کی جائداد کے تحفظ کے باب میں قرآن مجید کو جو اہتمام ہے اس کا اندازہ پچھلے حاشیوں سے بھی ہو سکے گا جو پیچھے اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آ گئے جن سے خود یتیم کا نفع مقصود ہو خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔ الاحسن ما كان فيه حفظ ماله وتثميره (جصاص) وقد دلت الاية على جواز اجارة مال اليتيم والعمل به مضاربة (جصاص) ف۵۲ اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگے اور اس وقت اس کی جائداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اس کی جائداد ولی کی نگرانی وانتظام میں رہے اور ولی ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جائیں۔ بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اس کے جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں قوائے جسمانی وذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے۔ فقیہ ابوبکر الرازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔ واذا كان كذالك فالاشد ليس له مقدار معلوم في العادة لا يزيد عليه ولا ينقص منه وقد يختلف احوال الناس فيه فيبلغ بعضهم الاشد في مدة لا يبلغه غيره في مثلها (جصاص) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بھی اسی سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی وجسمی دونوں اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ وبلوغ العقل هو ان يكمل عقله وقواه الحسية والحركية (کبیر) ف۵۳ الْعَهْدَ کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آ گئے بلکہ اگر اسے ذرا زیادہ وسیع معنی میں لے لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ اعلم ان كل عقد تقدم لاجل توثيق الامر وتوكيده فهو عهد (کبیر) وحاصل القول فيه ان مقتضى هذه الاية ان كل عقد وعهد جرى بين انسانين فانهما يجب عليهما الوفاء (کبیر) ف۵۴ یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں اور نتائج بھی دنیا وآخرت دونوں میں انہیں سے بہتر نکلتے ہیں۔ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشرتی، قانونی زندگی کے ہر شعبہ اور معاملات باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت، امانت، وصداقت کے اصول پر کاربند رہو۔ اسلام محض عبادت، رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں۔ سارے نظام زندگی کو قانون الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔ ف۵۵ (قیامت کے دن) یعنی ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہو گا

کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا۔ اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا!۔۔۔ احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی واجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قصے آج دنیا سے مٹ جائیں! ۔۔۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ یعنی بلا تحقیق ہر کسی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے مناسب فقہاء واصولیین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں اور ظنیات میں ظنی۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اٹکل سے بتادینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ وقد اقتضى ذلك نهى الانسان عن ان يقول فى احكام الله ما لا علم به على جهة الظن والحسبان وان لا يقول فى الناس من السوء مالا يعلم صحته (جصاص) ف۵۶ (تو جب متکبرین کی وضع

قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

(بڑی) سخت بات کہہ رہے ہو ف۵۹ اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو) طرح طرح بیان کیا ہے

لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

تاکہ اچھی طرح سمجھ لیں لیکن انہیں نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے ف۶۰ آپ کہہ دیجیے کہ اگر اس (معبود برحق)

مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ

کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک انہوں نے عرش والے تک

سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا ف۶۱ پاک ہے وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو یہ لوگ

كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ

کہتے ہیں ف۶۲ اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو

وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو ف۶۳ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے

غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ

بڑا مغفرت والا ہے ف۶۴ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ۙ

درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کردیتے ہیں ف۶۵

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ

یعنی ہم ان کے دلوں پر اس طرح سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے

وہیئت اس قدر ممنوع ومذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع ومذموم ہوگا!) مقصود ہر طرح کے فخر وتکبر کی روک تھام ہے۔ ف۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہو چکی) مَكْرُوْهًا۔ مکروہ سے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔ المراد من المكروه المنهى عنه (کبیر) ف۵۸ (اے مشرک!) قرآن مجید میں خطاب بار بار اور جلد جلد بدلتا ہے۔ اب خطاب مشرکین سے ہے۔ ف۵۹ یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اس پر اولاد بھی اس کی محض لڑکیوں کو قرار دیتے ہو۔ جن کا انتساب خود اپنی جانب باعث ننگ وتحقیر سمجھتے ہو! خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۶۰ قرآن مجید کا اصلی، مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے۔ مذمت شرک ومدح توحید کی تکرار اور تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب دلوں میں گھر کر جائے۔ لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت وبیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے! ف۶۱ (اور نوبت مقابلہ ومقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظام عالم کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا! آیت میں رد ان مذاہب جاہلی کا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے جو عرش پر سریر آرا ہے۔ اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے تو خدا ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے بھی مستقلاً صاحب قوت، صاحب ارادہ، خود مختار ہونا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زائد خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت واختیار کا استعمال اور باہمی جدال وقتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال وقتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا تھا؟ ف۶۲ اس کی شان ربوبیت، اس کی شان الوہیت، اس کی شان حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں۔ وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے! ف۶۳ (اے مشرکو!) وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ انسان، جنات، حیوان، فرشتہ وغیرہ ساری ہی مخلوق اس میں آگئی۔ تُسَبِّحُ۔ يُسَبِّحُ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے مناسب ومطابق برابر کرتی رہتی ہے، خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے۔ موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث وامکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوب وجود کی بلکہ یکتائی، وصنائی قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔ محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی

دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی وقالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی عقل کو اندھا کر لیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق وصانع عالم کی قدوسیت وتوحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے! ان الكفار ما كانوا يتفكرون فى انواع الدلائل (کبیر) ف۶۴ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کر لو تو اس کی صفت غفر اب بھی سارے قصور معاف کر دے گی) اس کی اسی صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقاید واعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے۔ ف۶۵ (اور وہ بار یک پردہ عدم فہم وعدم ارادہ فہم کا ہے) مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں، یہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متاثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی جب آپ انہیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں۔ جَعَلْنَا الخ۔ یہ ضمیر متکلم لا کر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے، اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مَسْتُوْرًا۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔ ذلك الحجاب شىء لا يراه احد (کبیر)

أٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ

کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہیں ف٦٦ اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں

وَلَّوْا عَلٰٓى أَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا

تو وہ لوگ اپنی پیٹھ پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں ف٦٧ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے

يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ إِذْ يَسْتَمِعُوْنَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوٰٓى

یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف٦٨ اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں

إِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا رَجُلًا

جب کہ (یہ) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ مرد کی راہ پر

مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ

چل رہے ہو ف٦٩ آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْٓا أَإِذَا

سو یہ گمراہ ہوگئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ف٧٠ اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں

كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

اور چورا ہو جائیں گے تو ہم از سر نو پیدا اور جمع

جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً أَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا

کئے جائیں گے ف٧١ آپ کہہ دیجیے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور

مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۖ

چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو ف٧٢ پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا؟

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ إِلَيْكَ

آپ کہیے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا ف٧٣ پھر وہ آپ کے آگے

ف٦٦ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔ أَنْ يَفْقَهُوْهُ۔ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔ ای کراھة ان یفقھوہ (کشاف) ف٦٧ (کہ انہیں دلچسپی تو خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں دیویوں دیوتاؤں سے ہے) مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً وعملاً ان کے قلب کا سارا تعلق چھوٹے خداؤں یعنی دیویوں دیوتاؤں سے رہتا ہے — اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت، مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہوگیا ہے۔ جن بزرگ سے جس کسی کو اعتقاد ہوگیا ہے بس ساری توجہ وعقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ ف٦٨ (اور وہ غرض بھی عیب جوئی، اعتراض وطعن ہوتی ہے) بِهٖ يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ۔ به مترادف لاجله به کے ہے۔ ای بسببه ولاجله (بیضاوی) آج بڑے بڑے نامور ”مستشرقین“ کی بھی غرض قرآن پڑھنے یا اس کا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الا ماشاء اللہ ف٦٩ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے) وَإِذْ هُمْ نَجْوٰى۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ف٧٠ (حق وصواب کا) یعنی قرآن کے ساتھ اور رسول کے ساتھ استہزاء کرکے انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کردیا ہے۔ اور اب انہیں راہ ہدایت بھلا کیسے ملے گی!۔ فَضَلُّوْا۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہوگئے ہیں۔ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ۔ چنانچہ ان ”عقلاء“ قوم میں سے کوئی تو آپ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی یہ کہتا کہ آپ ساحر ہیں۔ کوئی روشن خیال صاحب یہ فرماتے کہ آپ ”مجنون“ ہیں اور کوئی یہ گمان لگاتے کہ ہو نہ ہو آپ کاہن ہیں بیسویں صدی کے ”روشن خیال“ بھی تو کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔ ف٧١ آج کے ”روشن خیالوں“ کی طرح جاہلیت عرب میں ”روشن خیالوں“ اور مادئین کا گروہ موجود تھا۔ جو امکان بعث وحشر کے منکر تھے۔ یہ قول انہیں کا نقل ہورہا ہے۔ قَالُوْا۔ یہ وہ برسبیل انکار واستہزاء کہہ رہے ہیں۔ ف٧٢ (قبول حیات سے پھر بھی دوبار زندہ کئے ہی جاؤ گے۔) یعنی او خلقا مما یکبر عندکم عن قبول الحیوۃ ویعظم فی زعمکم علی الخالق احداثہ فانه یحییه (کشاف) ای فافرضوا شیئا أخر بعد عن قبول الحیوۃ من الحجر والحدید (کبیر) یعنی تم ہڈیوں ہی کی حیات ثانی پر تعجب کررہے ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز قبول حیات سے بعید تر تصور کرلو، پھر بھی بہر حال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔ ف٧٣ (جب کہ تم معدوم محض تھے) یہ وہ گروہ تھا جو وجود باری کا نہیں، صرف امکان بعث وحشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہورہی ہے کہ تم جب اسے تسلیم کررہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی، تو اب کیا اس کی قدرت اس سے سلب ہوگئی ہے جو اب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجاد معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا ہے؟

رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ

(سر ہلا ئیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہوگا کب؟ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں یہ (وقت) قریب ہی)

قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

(آ پہنچا ہو ۵۴ ۔ یہ اس روز ہوگا جب (اللہ) تمہیں پکارے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے)

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ

(اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے ۵۵ اور آپ کہیے میرے بندوں سے)

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ

(کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو ۵۶ بے شک شیطان لوگوں میں فساد)

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

(ڈلواتا ہے بے شک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی ۵۷)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ

(تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے۔ وہ اگر چاہے تم پر فضل کر دے اور وہی اگر چاہے)

يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ

(تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ۵۸ اور آپ کا پروردگار)

اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

(خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو)

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ

(بعض (دوسرے) نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ۵۹ آپ کہیے)

ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ

(تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے)

ف۵۴ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائیں گے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ۔ سر کی یہ حرکت بطور اعراض وانکار ہوگی۔ ای یحرکون رءوسهم تكذيبا واستهزاء (ابن جریر۔ عن قتادہ) فسيحركونها تحرك تعجبا واستهزاء (کشاف) نغض کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینے کے ہیں۔ النغض في كلام العرب انما هو حركة بارتفاع ثم انخفاض او انخفاض ثم ارتفاع (ابن جریر) ف۵۵ (اس دنیا میں اور قبر کے برزخ میں) احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت وہول سے پیدا ہوگا۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی ونافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی، یہ سارا وقت تمام تر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہوگا۔ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ۔ یہ پکار فرشتہ کے ذریعہ سے میدان حشر میں جمع ہونے کی ہوگی۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ۔ یعنی تعمیل ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور ومضطر پاؤ گے۔ ف۵۶ (حسن اخلاق وشائستگی کے اعتبار سے) ای ولا يخاشنوا المشركين (بیضاوی) عِبَادِيْ۔ عباد سے یہاں مراد مسلم ومطیع بندے ہیں۔ المراد به المؤمنون (کبیر) آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ ومجادلہ میں حتی الامکان سب وشتم اور خشونت سے احتراز چاہیے — کاش ہمارے مولوی صاحبان اور لیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی! ف۵۷ (اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبول حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے) اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ۔ شیطان تو مؤمنین مخلصین کی زبان سے ایسے پر خشونت الفاظ نکلوانے کی پوری کوشش کرے گا جو دلوں کو قبول حق سے اور دور کر دیں اور غیروں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کر دیں۔ ف۵۸ (پھر آپ کو ان کے لئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے) رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوئی تو تمہیں توفیق ہدایت دے دے گا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہو جائے گی۔ اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔ آیت میں ان اہل حق کے لئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہل باطل سے مناظرہ ومذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں اور طبعاً اس پر جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں — کسی کے راہ ہدایت پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسول تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی! ف۵۹ (اور یہ فضیلت انہیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے) وَرَبُّكَ ..... الْاَرْضِ۔ چنانچہ اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔ وَلَقَدْ ..... بَعْضٍ۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہو گیا تو اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ داؤد پیمبر پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ زبور (تنکیر تنوین کے ساتھ) ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے۔ وكل كتاب غليظ الكتابة يقال له زبور (راغب) فكان معناه الكتب (کبیر) الزبور (بطور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبی پر نازل ہوئی تھی۔ وخص الزبور بالكتب المنزل على داود عليه السلام (راغب) بعض نے زبور کی تنکیر سے اس کی تعظیم اور کاملیت کے معنی پیدا کئے ہیں۔ التنكير ههنا يدل على تعظيم حاله (کبیر) كان معنى التنكير انه كامل في كونه كتابا (کبیر)

كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تکلیف دور ہی کر سکتے ہیں اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں ف۸۰ یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین)

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار کا قرب ڈھونڈ رہے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے ف۸۱

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ إِنَّ عَذَابَ

اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک آپ کے

رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ

پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل ف۸۲ اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم

مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

روز قیامت سے قبل (یا) ہلاک نہ کر دیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب

شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا

شدید نہ دیں ف۸۳ یہ کتاب میں لکھا ہوا (موجود) ہے ف۸۴ اور ہم کو

مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ إِلَّآ أَنْ كَذَّبَ بِهَا

معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب

الْأَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ

کر چکے ہیں ف۸۵ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعہ کے طور پر لیکن انہوں نے (بڑا) ظلم اس کے

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ إِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ

ساتھ کیا ف۸۶ اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع بھیجا کرتے ہیں ف۸۷ اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم

إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیر کر رکھا ہے ف۸۸ اور ہم نے جو منظر آپ کو

ف۸۰ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کر دیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کر دیں! ف۸۱ یعنی خود ہی طاعت وعبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ و جنات اور بعض انبیاء لیے گئے ہیں جنہیں مشرکوں اور جہلائے شرک اہل کتاب نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت و عبودیت کی بنا پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب و قرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔ اَلْوَسِيْلَةَ۔ وسیلة کے معنی قرب کے ہیں اور یہی یہاں بھی صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔ الوسيلة القربة (ابن جریر۔ عن ابن عباس ؓ) القربة والزلفى (ابن جریر۔ عن قتادۃ) القربة والزلفة (ابن جریر) ف۸۲ مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گڑھے ہوئے خدا خود ہی ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ ف۸۳ (قیامت کے دن) یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہر حال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔ وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ۔ بستیوں سے کافروں اور معاندین حق کی آبادیاں مراد ہیں۔ قيل المراد قرى الكفار (کبیر) إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا۔ اهلاك سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت وہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن وکافر سب کی ہوتی رہتی ہے۔ ف۸۴ یعنی ہر کافر کے معذب ہونے کی (وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں) صراحت لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ الْكِتٰبِ۔ سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ اے الكتاب الذى كتب فيه كل ما هو كائن وهو اللوح المحفوظ (ابن جریر) ف۸۵ یعنی یہ موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص ومتعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات پہلے، ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کیے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب بے اثر رہے۔ بِالْاٰيٰتِ۔ اٰيٰت سے مراد منکرین کے طلب کیے ہوئے، فرمائش کیے ہوئے معجزات ہیں۔ الأيات التى اقترحها قريش (بیضاوی) ف۸۶ یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی بلکہ اور الٹا ظلم کر کے اسے مار ہی ڈالا۔ مُبْصِرَةً۔ کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔ اے ذات بصيرة يبصرها الغير ويبصر بها (روح) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ اے فكفروا بها او فظلموا انفسهم بسبب عقرها (بیضاوی) ف۸۷ (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی، تو بس معاً عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتی ہے) بِالْاٰيٰتِ۔ اٰيٰت سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔ اے بالأيٰت المقترحة (بیضاوی) ف۸۸ (اپنے احاطۂ علم سے) حق تعالیٰ کی احاطت علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی، استقبال کا بھی۔ اے علماً كما رواه غير واحد عن ابن عباسؓ (روح)

الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ
دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا ف۸۹ اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں

فِی الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُہُمۡ ۙ فَمَا یَزِیۡدُہُمۡ اِلَّا طُغۡیَانًا
لعنت آئی ہے ف۹۰ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی ہی

کَبِیۡرًا ﴿۶۰﴾ ع وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا
چلی جاتی ہے ف۹۱ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو سو وہ (سب)

اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿۶۱﴾ ج
جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا وہ بولا کہ کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ ف۹۲

قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ
(اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے اگر تو نے

اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا
مجھے مہلت دے دی روز قیامت تک تو میں اس کی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا بجز

قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذۡہَبۡ فَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ فَاِنَّ
ایک قدرے قلیل (گروہ کے) ف۹۳ ارشاد ہوا چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بے شک

جَہَنَّمَ جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ
تم (سب) کے لئے سزائے جہنم سزا ہے پوری ف۹۴ اور ان میں سے جس جس پر

مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡہُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ
تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دے اور ان پر اپنے

بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ
سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان سے اپنا ساجھا کرلے مال اور اولاد میں

ف۸۹ اشارہ اس واقعۂ اسراء یا معراج کی جانب ہے، جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آچکا ہے۔ یعنی وہ عجائب قدرت جو ہم نے آپ کو شباشب کے سفر بیت المقدس میں دکھا دیئے تھے۔ وھی ما رایٔ فی لیلۃ الاسراء من العجائب (بحر) المراد بھا ما اراہ اللہ تعالٰی لیلۃ الاسراء وھو قول اکثر المفسرین (کبیر) المراد بالرؤیا ما عاینہ ﷺ لیلۃ اسری بہ من العجائب السماویۃ والارضیۃ کما اخرجہ البخاری والترمذی والنسائی وجماعۃ عن ابن عباسؓ (روح) الرُّءۡیَا۔ رؤیا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔ الرؤیا ما یری فی المنام (راغب) والمشہور اختصاصھا لغۃ بالمنامیۃ وبذلک تمسک من زعم ان الاسراء کان مناماً (روح) الرویا ما رایتہ فی منامک (قاموس۔لسان) لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہوسکتی ہے۔ جس کے تحت میں چشم بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔ وھی عند کثیر بمعنی الرویۃ مطلقاً (روح) قال الجمہور ھی رؤیا عین ویقظۃ (بحر) فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ۔ یعنی کسی نے تصدیق کیا۔ اور کسی نے خارق عادت جان کر تکذیب کی۔ ف۹۰ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہوگا۔ قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم۔ طلعھا کانہ رءوس الشیاطین۔ روی عن ابن عباس والحسن والسدی وابراھیم وسعید بن جبیر ومجاھد وقتادۃ والضحاک انہ اراد شجرۃ الزقوم (جصاص) والمراد بھا کما روی البخاری وخلق کثیر عن ابن عباس شجرۃ الزقوم (روح) الۡمَلۡعُوۡنَۃَ۔ لعنت سے مراد ہے مذمت۔ العرب تقول لکل طعام مکروہ ضار انہ ملعون (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔ فاراد انہ ملعون اکلھا (جصاص) المراد لعن الکفار الذین یاکلونھا (کبیر) والمراد بلعنھا لعن طاعمھا من الکفرۃ (روح) ف۹۱ چنانچہ سنہ ۱ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے روشن خیال ابوجہل نے (ٹھیک آج کے ”روشن خیالوں“ کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر واستہزا کے لہجہ میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے؟ — گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین کی نقل ہوں گے! وَ نُخَوِّفُہُمۡ۔ یعنی انہیں آیات واحکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔ ف۹۲ (درآنحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہوتا ہے) اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں پیشتر کی جاچکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے اور نہ یہ مسلم ہے کہ افضل ہے کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے! اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آجانا۔ اسۡجُدُوۡا۔ سجدہ سے یہاں لغوی نہ کہ اصطلاحی معنی کا مراد لیا جانا۔ لِاٰدَمَ۔ آدم کا کعبۃ اللہ کی طرح صرف سمت سجدہ ہونا نہ کہ مسجود ہونا۔ اِبۡلِیۡسَ۔ ابلیس کا مخلوق ناری وجنی ہونا۔ ان سب پر مفصل حاشیے سورۃ البقرۃ وسورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ف۹۳ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے) یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے، جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود ومطرود ہوچکا ہے۔ اسی لئے اس کے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے لفظ قَالَ الگ آیا ہے۔ حالانکہ اوپر سے بھی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ۔ ابلیس اس کی درخواست کرچکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ درخواست منظور ہوجائے گی۔ لَاَحۡتَنِکَنَّ ..... قَلِیۡلًا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کرکے شیطان اپنی فراست سے ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغوا واضلال میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ لَاَحۡتَنِکَنَّ۔ حنک کے معنی پوری طرح چھا جانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔ عبارۃ عن الاخذ بالکلیۃ (کبیر) تفسیر احتواء، استیلاء یعنی اپنے ذھب میں کرلینے ان کے اوپر چھا جانے سے آتی ہے۔ اور اہلاک واستیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔ اے لاستولین (ابن جریر۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے لاحتوینھم (ابن جریر۔عن مجاہد) لا ستاصلنھم بالاغواء (کبیر) ف۹۴ (تو چاہیے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہل باطل اپنے دلوں میں ڈریں) جَزَآؤُکُمۡ۔ کم کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔ اے جزاءک وجزاءھم (روح) اذۡہَبۡ۔ ذھاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا (”آنے“ کے مقابل) نہیں۔ بلکہ محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کرد یکھ۔ وھذا لیس من الذھاب الذی ھو نقیض المجیء وانما معناہ امض لشانک الذی اخترتہ والمقصود التخلیۃ وتفویض الامر الیہ (کبیر) لیس المراد بہ حقیقۃ الامر بالذھاب ضد المجیء بل المراد تخلیۃ، وما سولتہ نفسہ اھانۃ لہ کما تقول لمن یخالفک افعل ما ترید (روح)

وف۹۵ (تو چاہیے کہ انسان اب اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اس کے دام میں پھنسنے سے باز رہے) بِصَوْتِكَ۔ یعنی اپنے اغواء اور وسوسہ اندازی سے اپنے تخلی پروپیگنڈے سے۔ صوت کا خاص تعلق گانے اور کھیل تماشہ کی آوازوں سے بھی سمجھا گیا ہے۔ روی عن مجاهد انه الغناء واللهو (جصاص) قيل اراد بصوتك الغناء واللهو واللعب (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آواز بھی معصیت وفسق کی جانب لائے یا بلائے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔ قال ابن عباسؓ هو الصوت الذى يدعوا به الى معصية الله و كل صوت دعى به الى النساء فهو من صوت الشيطان (جصاص) وصوته دعاءه الى معصية الله تعالى (کبیر) وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کر دیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔ المراد منه ضرب المثل كما تقول للرجل المجد فى الامر جئتنا بخيلك ورجلك وهذا الوجه اقرب (کبیر) گو اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے تو اس کے انکار پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفسیر بھی صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ہیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔ روی عن ابن عباس ومجاهد وقتادة كل راجل او ماش الى معصية الله من الانس والجن فهو من رجل الشيطان وخيله (جصاص) فعلى هذا التقدير خيله ورجله كل من شاركه فى الدعاء الى المعصية (کبیر) وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ یعنی ان کے مال اور اولاد کو بھی ذریعۂ گمراہی بنا دیکھ۔ وَعِدْهُمْ۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا۔ مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہوگا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو، بس مرتے وقت توبہ کر لینا پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔ وف۹۶ (تو ایسوں کو فکر و تردد نہ کیا۔ بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں، ہم خود ہی ان کی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہیں گے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذاہب کی بھی تردید ہوگئی جنہوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت و طاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا ہے۔ اِنَّ... سُلْطٰنٌ۔ مومنین مخلصین کی تسکین و تسلی کے لئے ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق و مالک کی نافرمانی ہے۔ شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے۔ عِبَادِيْ۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ المراد اهل العقل والعلم والايمان (کبیر) عباد کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ بندوں کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ الاضافة للتعظيم (روح) وف۹۷ (چنانچہ یہ سامان بھی تمہارے نفع و آسائش کے لئے کر دیا ہے) لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو اس آیت سے صاف نکل رہا ہے — بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔ وف۹۸ (کہ اپنی جدی منعم کا انعام و احسان اور اپنا عجز و الحاح سب بھول جاتا ہے) ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ۔ یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے۔ اور جنہیں مدد کے لیے پکارتے رہتے ہو، سب گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی کام نہیں آتا۔ وف۹۹ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری حمایت و نصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے۔ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا۔ ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلا دے یا تم پر کنکر پتھر برسا دے۔ اَفَاَمِنْتُمْ۔ حَاصِبًا۔ یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت و نادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو، یہ خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آ جانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے یا اوپر سے۔

وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ

اور ان سے وعدہ کرنے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو ان سے بس جھوٹے ہی وعدے کرتا ہے وف۹۵ بے شک

عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

جو میرے (خاص) بندے ہیں ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا پروردگار ہی

وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ

کافی کارساز ہے وف۹۶ تمہارا پروردگار تو وہی ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا

تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو بے شک وہ تمہارے حق میں بڑی رحمت والا ہے وف۹۷ اور جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ

تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز اللہ کے

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو اور انسان

كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ

بڑا ہی ناشکرا ہے وف۹۸ کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا

يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ لا

تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ وف۹۹

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ

کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ لا ثُمَّ

سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے اور

ف۱۰۰ یعنی تمہارے اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی باز پرس کر سکے۔ ف۱۰۱ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے) بعض ادیان باطل خصوصاً یہودیت ونصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان ایک ذلیل ترین مخلوق ہے، جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا! ملاحظہ ہو توریت:۔ ”اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں“ (پیدائش۔ ۶:۶) آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ خلقۃً و

لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ

(تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے ف۱۰۰ اور ہم نے بنی آدم کو عزت

اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

دی ہے ف۱۰۱ اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت

تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ

دی ہے ف۱۰۲ (یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ف۱۰۳

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ

سو جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال

كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ

پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان ذرہ بھر بھی نہ کیا جائے گا ف۱۰۴ اور جو کوئی اس (دنیا) میں

اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ف۱۰۵

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اور یہ (کافر) آپ کو اس سے بچلایا ہی چاہتے تھے جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اس (حکم وحی) کے سوا ہم پر کوئی بات گڑھ لیں اور وہ اس حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ف۱۰۶

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب تھا کہ ان کی طرف قدرے

فطرۃً ہر انسان معزز ومکرم ہی بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کفر ومعصیت کی راہ اختیار کر کے اپنے کو انتہائی پستیوں میں ڈال دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا۔ ولذا استدل الامام الشافعی بالأیۃ علی عدم نجاسۃ الأدمی بالموت (روح) ف۱۰۲ انسان بجائے خود ایک معزز ومکرم ہستی ہے، اور بیشتر مخلوقات سے افضل، یہ تو نص قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا۔ لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ یعنی جانوروں پر اور کشتیوں پر دونوں پر سوار کرایا اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اسے عنایت کیں ۔۔ الفاظ قرآنی کا عموم جاندار اور بے جان، ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلۂ نقل وحرکت موٹر، لاری، ریل، موٹرکشتی، دخانی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔ ف۱۰۳ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے) امام کی تشریح یہاں عام طور پر یہی کی گئی ہے۔ الامام ما عمل و املی فکتب علیہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس) امہ بکتابھم الذی فیہ اعمالھم (ابن جریر۔ عن الحسن) قال ابن عباس و الحسن والضحاک امامہ کتاب عملہ (جصاص) لیکن دوسرے معنی یہ بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ در گروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ قال مجاھد و قتادۃ امامہ نبیہ (جصاص) قال ابوعبیدۃ بمن کانوا یاتمون بہ فی الدنیا (جصاص) اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے۔ فان الاغلب من استعمال العرب الامام فی ما ائتم و اقتدی بہ (ابن جریر) ف۱۰۴ یعنی ان کے ایمان واعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی۔ چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فَمَنْ ..... كِتٰبَهُمْ۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ میدان حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ اڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں ۔۔ تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انہیں پڑھنے ہی لگیں گے خوش ہو کر کہ اب پروانۂ مغفرت تو مل ہی گیا۔ ف۱۰۵ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہوگا، اسی دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج وثمرات کا تحقق ہوگا۔ کوئی اور نئی بات نہ ہوگی ۔۔ آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى۔ یعنی جو کوئی اس دارالعمل میں اپنی آنکھیں راہ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ سو ایسا شخص دارالجزاء میں جمال حق کی دید سے اور جنت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔ ف۱۰۶ (گو اس صورت میں آپ حمایت الٰہی ونصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے) روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں، لیکن اتنا جزء سب میں مشترک ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لیے تخفیف کر دیں تو ہم ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔

وے۱۰۶ (اس لیے کہ وہ طمع ایمان لانے کی دلا رہے تھے۔ اور آپ اس کے حریص ہیں) لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ۔ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا -- لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی، اور معصومیت لازمہ نبوت ہے۔ لَقَدۡ كِدۡتَّ.... قَلِيۡلًا۔ بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادح عصمت سمجھ ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں، صرف قرب رکون (كِدۡتَّ تَرۡكَنُ) مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبہ اولین (شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا) کے لحاظ سے -- گویا رکون ہی نہیں صرف وسوسہ رکون! اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ہلنے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بطور الزام نہیں بلکہ یہ تو آپ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے، اور بہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکون قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا" فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے، مثلاً یہ کہ (۱) شر ذریعہ خیر نہیں بن سکتا خیر کے ذرائع و وسائل کو بھی خیر ہی ہونا چاہیے۔ (۲) احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کیے جا سکتے ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔ (۳) ارتکاب شر بشری کی شامت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ (۴) توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا، ہم نے ثابت قدم رکھا۔ ثَبَّتۡنٰكَ (۵) انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے۔ محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطن کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ

قلیل جھک چلتے وے۱۰۷ اس حالت میں ہم آپ کو دوگنا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی

وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ۝

اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے وے۱۰۸

وَ اِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ

اور قریب تھا کہ یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال

مِنۡهَا وَ اِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ سُنَّةَ

دیں اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے وے۱۰۹ (جیسا کہ ہمارا) دستور

مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ان کے باب میں رہا ہے جنہیں آپ کے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا وے۱۱۰ اور آپ ہمارے (اس) دستور میں

تَحۡوِيۡلًا ۝ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ

کوئی تبدیلی نہ پائیں گے وے۱۱۱ نماز ادا کیا کیجیے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیرے ہونے تک وے۱۱۲

الَّيۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ

اور صبح کی نماز بھی وے۱۱۳ بے شک صبح کی نماز حضوری کا

مَشۡهُوۡدًا ۝ وَ مِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

وقت ہے وے۱۱۴ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ سو اس میں تہجد پڑھا کیجیے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے وے۱۱۵

عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝ وَ قُلۡ

عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے وے۱۱۶ اور آپ کہتے رہیے کہ

رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِىۡ

اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ وے۱۱۷ اور مجھے نکالتے وقت

وے۱۰۸ (مگر آپ چونکہ معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لیے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ علماء و خواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہوگی۔ مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ ان کے حق میں سزا وار وعید ہو جاتا ہے۔ اِذًا یعنی اگر اس میلان و رجحان کا ترتب و تحقق ہو جاتا جو کہ نہیں ہوا -- وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" اور فارسی مقولہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔ والسبب فی تضعیف هذا العذاب ان اقسام نعم الله تعالٰى فی حق الانبیاء علیهم السلام اکثر فکانت ذنوبهم اعظم فکانت العقوبة المستحقة علیها اکثر (کبیر) وے۱۰۹ یعنی انہیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی، اور یہ بھی زمانہ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔ وَ اِنۡ.... مِنَ الۡاَرۡضِ۔ ملک عرب میں آپ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے -- بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود سے لی ہے۔ انہوں نے آپ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ وہیں چلے جائیے۔ اور بعض نے مراد قریش سے لی ہے کہ وہی مکہ معظمہ سے آپ کے اخراج کے درپے تھے۔ بہرحال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین خواہ یہود، دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت بڑی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر، کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا نہ یہودی۔ سب کے سب اُمی محمد کی رسالت کے کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔ اِذًا یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا، جو نہیں ہوا۔ خِلٰفَكَ۔ خلاف یہاں بعد کے معنی میں ہے۔ ای بعدک (روح) زعم الاخفش ان خلفک فی معنی خلفک (کبیر) وے۱۱۰ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیغمبران برحق کو اپنے اور ان کے وطن سے نکال دیا، تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ سُنَّةَ۔ جملہ کی ترکیب مقدر یوں بھی گئی ہے۔ سَنَّ اللهُ ذٰلِكَ سُنَّةً اور سُنَّةَ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے۔ نصبت نصب المصدر المؤکد ای سَنَّ اللهُ ذٰلک سنۃ (کشاف) وے۱۱۱ یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے۔ آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔ لِسُنَّتِنَا۔ یہ سنت ہے سنت الٰہی ہی، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سُنَّةَ کی اضافت رُسُلِنَا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنت الٰہی رسولوں کے باب میں ہے۔ فالسنة لله عز و جل و اضیفت للرسل علیهم السلام لانها سنة لاجلهم (روح) وے۱۱۲ وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے، اور قرآن مجید نے اس کو اوقات عبادت کے لیے معیار قرار دیا ہے -- قرآن کا "اسٹینڈرڈ ٹائم" یہی ہے، ہر "گرینچ ٹائم" و "مدراس ٹائم" سے بے نیاز۔ الصَّلٰوةَ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے۔ دُلُوۡك کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں۔ معنی الدلوک فی کلام العرب هو المیل (ابن جریر) عن ابن عباسؓ و ابی برزة الاسلمی و جابر و ابن عمر دلوک الشمس میلها و کذٰلک روی عن جماعة من التابعین قال ابو بکر هؤلاء الصحابة قالوا ان الدلوک المیل و قولهم مقبول فیه لانهم من اهل اللغة (جصاص) و قال ابن عباسؓ و ابن عمر و جابر هو زوال الشمس و هو قول عطاء و قتادة و مجاهد والحسن و اکثر التابعین (معالم) دلوک

الشمس هو زوالها من كبد و هو اختيار الاكثرين من الصحابة و التابعين (کبیر) دُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ آفتاب ڈھلنے کے دو درجہ ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا۔ جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں۔ اوقات کی اس قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر وعصر کی تجویز ہوگئیں۔ غَسَقِ الَّيْلِ۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجہ ہیں۔ ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہو جائے۔ خواہ روشنی باقی ہو۔ دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے۔ انہیں دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب وعشاء کی قرار پائیں۔ غسق الليل هو اقباله و دنوه بظلامه (ابن جریر) لِدُلُوْكِ میں ل سببیت کا ہے بعض نے بعد کے معنی میں بھی لیا ہے۔ قال الواحدی اللام لام الاجل والسبب (کبیر) واللام في لدلوك قالوا بمعنى بعد (بحر) لِدُلُوْكِ ... الَّيْلِ۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتداء اور انتہاء، آغاز وختم دونوں کا بیان اس میں آگیا۔ بيان لمبدأ الوقت و منتهاه (بیضاوی) كانت الاية جامعة لمواقيت الصلاة كلها فدلوك الشمس يتناول صلاة الظهر والعصر والى غسق الليل يتناول المغرب والعشاء و قرأن الفجر هو صلاة الصبح (معالم) و۱۱۳ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ قرآن یہاں نماز کے معنی میں ہے۔ یا قرأت قرآن کے معنی میں۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے۔ یعنی

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا
خوبی سے نکالیو و۱۱۸ اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ
نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ
ملا ہوا و۱۱۹ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق (بس اب) آہی گیا اور باطل مٹ گیا بے شک
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
باطل تھا ہی مٹنے والا و۱۲۰ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو
شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ
ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا اس سے اور نقصان ہی
اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ
بڑھتا ہے و۱۲۱ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے
وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ
اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے و۱۲۲ آپ کہہ دیجیے
كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ
کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون
اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ۧ وَيَسْـــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ
صحیح تر راستہ پر ہے و۱۲۳ اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں و۱۲۴ آپ کہہ دیجیے
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا
کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے و۱۲۵ اور تمہیں علم تو بس تھوڑا ہی
قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
دیا گیا ہے و۱۲۶ اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے وہ سلب

صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن مجاہد) صلاة الفجر سميت قرانا (مدارک) اجمعوا على ان المراد منه صلاة الصبح (کبیر) تقدیر کلام یوں بھی کی گئی ہے۔ اقم قران الفجر. وانتصابه بالعطف على الصلاة والتقدير اقم الصلاة و اقم قرأن الفجر (کبیر) و۱۱۴ (فرشتوں کی) یہ تفسیر تو حدیث میں آگئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اس کے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تشهده ملائكة الليل وملائكة النهار (ابن جریر۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) و۱۱۵ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ۔ فرض یہ نہیں، بے زائد ہی لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہیے۔ نَافِلَةً لَّكَ۔ قال قتادة تطوعًا وفضيلة (جصاص) قال مجاهد وانما كانت نافلة للنبي صلی اللہ علیہ وسلم لانه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فكانت طاعاته نافلة اى زيادة في الثواب ولغيره كفارة لذنوبه (جصاص) فَتَهَجَّدْ۔ تہجد وہ نماز ہے جو شب میں سوتے سوتے اٹھ کر پڑھی جائے۔ التهجد في اللغة السهر للصلاة اولذكر الله وقيل التهجد التيقظ بما ينفي النوم (جصاص) التهجد التيقظ والسهر بعد نومة من الليل (ابن جریر) وَمِنَ الَّيْلِ۔ من تبعیضیہ ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصہ میں۔ اى بعض الليل (کشاف) نماز تہجد کا پر مشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر وصلہ بھی اسی درجہ کا ہے۔ احادیث اس کی فضیلتوں سے لبریز ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہوگئی تھی۔ خواہ بہ طور فرض زائد کے، خواہ بطور نفل کے والمعنى ان التهجد زيدلك على الصلوات المفروضة غنيمة لك اوفريضة عليك خاصة دون غيرك لانه تطوع لهم (مدارک) بِهٖ۔ ضمیر ہ القرآن کی جانب ہے۔ الهاء في به كناية عن قران الفجر (جصاص) والتقدير فتهجد بالقران في الصلوة (بحر) و۱۱۶ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔ مقام الشفاعة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى مقام الشفاعة يوم القيامة (ابن جریر۔ عن الحسن) وهو مقام الشفاعة عند الجمهور (مدارک) وعن ابى هريرة عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال هو المقام الذى اشفع لامتى فيه (ابن کثیر عن الامام احمد) عَسٰٓی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک نہیں تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ عسى من الله تعالى واجب (معالم) و۱۱۷ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر وراحت کے ساتھ اتاریو۔ اَدْخِلْنِيْ۔ وَاَخْرِجْنِيْ کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ۔ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔ اى المدينة حين هاجر اليها (ابن جریر۔ عن ابن زید) و۱۱۸ (سرزمین مکہ سے) یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر وخوبی کے ساتھ نکالیو۔ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ یعنی مکہ معظمہ۔ اى مكة حين خرج منها (ابن جریر) مفہوم میں توسیع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہمیں قبر میں داخل کیجیو ایمان وصدق کے ساتھ اور قبر سے باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان وصدق کے ساتھ۔ اى ادخلني في القبر مدخل صدق واخرجني من القبر يوم القيمة مخرج صدق (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۱۱۹ (کہ دینی غلبہ حقیقی اور پائدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحت تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے) و۱۲۰ آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں۔ الْحَقُّ۔ الْبَاطِلُ۔ حق سے مراد ہے دین توحید اور باطل اس کی ضد ہے اور ہر قسم کے کفر اور غیر پرستی پر شامل ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اندر کے بتوں اور مورتیوں کو توڑتے جاتے تھے اور زبان سے یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے۔ محققین صوفیہ نے الفاظ آیت کے عموم سے فائدہ اٹھا کر حق کے تحت میں نور باطن اور حب الٰہی کو بھی داخل کیا اور باطل کے تحت میں ظلمت اور حب خلق کو۔ و۱۲۱ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے ان کے کام

اشاعت قرآنی کے عموم سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شِفَآءٌ۔ یعنی عقاید فاسد اور اعمال فاسد سے نجات۔ رَحْمَةٌ۔ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شِفَآءٌ سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رَحْمَةٌ سے اشارہ ہے تحلیہ کی جانب۔ ف۱۲۲ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت و فضل کی طرف سے) الْإِنسَانِ۔ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گذار انسان ہے۔ یعنی الکفر من کثرة ماله و معیشته (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اَعْرَضَ وَنَاٰ۔ یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اِذَآ اَنْعَمْنَا۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی صحت، عافیت، مال و اولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد انہیں سے محرومی۔ یہ اعراض و یاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا۔ اَعْرَضَ کے بعد نَاٰ بِجَانِبِهٖ کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ فاکید للاعراض (کشاف) ف۱۲۳ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا) آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یونہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا۔ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت کے مطابق۔ اے علی مذهبه و طریقته التی تشاكل كل حاله فی الهدی والضلالة (کشاف) اے علی نیته وامره هو علیه (ابن عباس رضی اللہ عنہ) قال مجاهد علی طبیعته وقیل علی عادته التی الفها (جصاص) الشاكلة الطریقة والمذهب الذی قبل علیه قاله الفراء (بحر) ف۱۲۴ (کہ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے) یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے (جیسا کہ نسائی و ترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہر صورت سائل جو بھی ہوں سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔ ف۱۲۵ (اور اس سے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث و فانی ہے) قرآن کی اس مختصر و حکیمانہ، جامع و بلفظی جواب نے ان تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آ رہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔ روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر مذاہب باطلہ کو ٹھوکر لگی ہے اور روح کا قدیم و غیر فانی ہونا تو بہت مشرکانہ مذاہب میں مسلم رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور جو بت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ وہ خدا کی طرح پرش (روح) اور پرکرتی (مادہ) کو بھی قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ روح پرستی پر ضرب لگاتا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۱۲۶ (اور حقیقت روح کا علم نہ تمہارے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ تمہاری ضروریات دینی و علمی میں داخل ہے۔ اس لئے تمہیں عطا بھی نہیں ہوا) ف۱۲۷ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپ قرآن اپنے اختیار و ارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمال عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمال وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔ ف۱۲۸ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے) ف۱۲۹ (سو وہ آئندہ بھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دے گا۔ آپ اللہ کے اس فضل و رحمت کو یاد کر کے خوش رہیے اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجئے) ف۱۳۰ یہ دنیا کے سامنے کس زور و قوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر دور اور ہر ملک کے، بڑے بڑے باکمال اور فضلا و محققین سب مل کر بھی اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہے) اگر پورا زور لگا دیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کر سکتے۔ بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِمِثْلِهٖ۔ اس "مثلیت" میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسن ادا، حسن انشاء کے سارے پہلو آ گئے۔ ویستدل علی ذلک تجدید فی هذه الاٰیة العرب والعجم والجن والانس ومعلوم ان العجم لا یتحدون من طریق النظم فوجب ان یکون التحدی لهم من جهة المعانی (جصاص) ف۱۳۱ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی) صَرَّفْنَا۔ یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے بسہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے، ان کی نصیحت کے لئے۔ مَثَلٍ۔ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمہ پر تاثیر ہو۔ من کل وجه من العبر والاحکام والوعد والوعید وغیرها (معالم) اے بیّنا لهم الحجج والبراهین القاطعة ووضحنا لهم الحق وشرحناه وبسطناه (ابن کثیر) ف۱۳۲ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے اعجاز قرآنی کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے۔ — لیکن پیغمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات چاہتی رہی ہیں۔

إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝٨٦ إِلَّا رَحْمَةً

کریں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے ف۱۲۷ مگر یہ (آپ پر) رحمت ہی ہے

مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝٨٧ قُل

آپ کے پروردگار کی ف۱۲۸ بے شک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے ف۱۲۹ آپ کہہ دیجیے کہ

لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ

اگر (کل) انسان و جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن

هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

لے آئیں (جب بھی) اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے

لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝٨٨ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا

مددگار بھی بن جائیں ف۱۳۰ اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا

قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ بے انکار کئے

كُفُورًا ۝٨٩ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا

نہ رہے ف۱۳۱ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے

مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝٩٠ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ

زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو گے ف۱۳۲ یا خود تمہارے لئے ایک باغ

مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا

کھجوروں اور انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اس کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ

تَفْجِيرًا ۝٩١ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

نہریں جاری کر دو یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو جیسا کہ تم دعویٰ

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ

رکھتے ہو ف۱۳۲ یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو (ہمارے) سامنے لا کھڑا کر دو یا پھر

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ

تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر)

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

آپ کہہ دیجئے کہ پاک ہے اللہ میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں ف۱۳۴

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ

بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر کیا بشر کو بھیجا ہے؟ ف۱۳۵ آپ کہہ دیجئے

كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ چلتے بستے ف۱۳۶ تو

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ

البتہ ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو بہ طور رسول کے اتارتے ف۱۳۷ آپ کہہ دیجئے کہ

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

اللہ بہ طور گواہ کے میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کو

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے ف۱۳۸ اور جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے

ف۱۳۳ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت ونبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب وغریب حسی ومادی خوارق سے ہمیں دو چار کر دو — نبوت ورسالت کی کل کائنات ان ''عقلاء'' کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی ورسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیے! جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ۔ کھجور اور انگور کے باغ اہل عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔ فَتُفَجِّرَ..... تَفْجِيْرًا۔ پھر ان باغوں میں نہروں ندیوں کا چلنا اہل عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔ تُسْقِطَ السَّمَآءَ۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرانا اہل عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی۔ تَاْتِيَ..... قَبِيْلًا۔ یعنی آسمان اور فرشتوں کو روبرو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو۔ يَكُوْنَ..... زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ۔ یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری اور انتہائی عجائب وخوارق تھے۔ ف۱۳۴ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق ومعجزات پیش کرنے سے معذور ہوں) جواب ان خرافی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کر دیا گیا کہ معاذ اللہ میں تو محض بشر ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کے کام تو امانت ودیانت، صداقت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے اور بس! میری صداقت کا دار ومدار معجزات پر ہرگز نہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيْ۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شے تھی کہ جیسے کوئی آپ بھی نیم دیوتا سے تھے اور قوت وقدرت میں حق تعالیٰ کے کسی درجہ میں شریک! سُبْحَانَ رَبِّيْ میں یہی اشارہ ہے، کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کی شرک کی آلودگی سے پاک ہے! محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو درخواست کی جائے وہ اسے پورا کر دیں یا کرا دیں۔ ف۱۳۵ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجہ میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ — جو دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہو جاتے ہیں، انہیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے! اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ ھدی سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔ قَالُوْٓا۔ ان کا یہ کہنا بطور استفہام واستفسار کے نہیں، تعجب وانکار کے لہجہ میں تھا۔ ف۱۳۶ یعنی اس زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں فرشتہ موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ انسانوں کے بجائے اگر دنیا انہیں سے اسی طور پر آباد ہوتی اور انہیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی۔ ف۱۳۷ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا) یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے، اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے — ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بآسانی نہیں سیکھ سکتی۔ ف۱۳۸ (سو وہی تمہارے مفاد کو بھی خوب جان رہا ہے اور تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو) شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی وحقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں۔ لیکن اہل فساد اپنی ضد وجہل سے انکار کئے چلے جا رہے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت عقلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعی اسلام ﷺ ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

اور جسے وہ بے راہ کر دے تو آپ ایسوں کا مددگار کسی کو بھی اللہ کے سوا نہ پائیں گے ف۱۳۹

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا

اور ہم قیامت کے دن انہیں ان کے منہ کے بل چلائیں گے اندھا اور گونگا

وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

اور بہرا کر کے ف۱۴۰ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ (آگ) ذرا بھی دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا

سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

دیں گے ف۱۴۱ یہ سزا ہے ان کی اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا تھا

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو بھلا کیا اس وقت ہم از سر نو

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ

پیدا کئے جائیں گے ف۱۴۲ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے ف۱۴۳

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار کئے

اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ

نہ رہے ف۱۴۴ آپ کہہ دیجیے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے

رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

مالک ہوتے تو اس وقت ضرور تم (اس کے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے (ہاتھ) روک لیتے۔

ف۱۳۹ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اس کی مدد سے تو ان کا کفر انہیں محروم ہی رکھے گا۔ پھر ان کے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں! وَمَنْ يَّهْدِ ...... دُوْنِهٖ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت وضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد وتعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔ ف۱۴۰ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انہوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کر لیا تھا) ف۱۴۱ یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی، بلکہ دوزخ کی آگ ایسی ہوگی کہ اس کی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی — عذاب نار کے ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔ ف۱۴۲ مذہب مادیت کوئی آج کی نو پیدا کی نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال" "عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی — عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابیت، بت پرستی ہر مذہب وملت کا نمائندہ تھا، مذہب، مادیت، روشن خیالی وعقلیت کا نمائندہ بھی تھا — تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے۔ کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑگل چکیں گے اس کے بعد از سر نو پیدا کئے جائیں گے! ف۱۴۳ یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین وآسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کے لئے انسان جیسی نسبۃً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے! اَوَلَمْ يَرَوْا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے؟ ف۱۴۴ (باوجود حشر وبعث پر دلائل قوی کے قیام کے) وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا۔ کائنات انسانی کے حشر وبعث کے لئے تو ایک وقت معین وموعود ہے، اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر وبعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟ فِيْهِ۔ یعنی اس میعاد مقررہ کے آ جانے پر بحث ثانی نہیں۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى

انسان ہے ہی بڑا تنگ دل ف۱۴۵ اور ہم نے موسیٰ کو

تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ

نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ ان سے

جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

پوچھ دیکھئے ف۱۴۶ پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسیٰ سحر زدہ

مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

سمجھتا ہوں ف۱۴۷ انہوں نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائب بس

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ

آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں اور میں تجھے

يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ

اے فرعون ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں ف۱۴۸ سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ ۙ وَّقُلْنَا

اکھاڑ دے سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا ف۱۴۹ اور ہم نے

مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا

اس کے (غرق ہونے کے) بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ روئے زمین پر رہو بسو پھر جب

جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ

آخرت کا وعدہ آ جائے گا ہم تم (سب) کو سمیٹ لائیں گے ف۱۵۰ اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا

ف۱۴۵ (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل و تنگ دلی ہی سے کام لیتا) لَوْ اَنْتُمْ ...... رَبِّيْ۔ یعنی پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ۔ لفظ عام ہے، ہر قسم کے کمالات اور جملہ اقسام نعمت پر شامل، لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔ آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص و بخل کا پتلا ہے، یہاں تک کہ یہ نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ ف۱۴۶ ان کے معتدین اہل علم سے اس کی تصدیق و تحقیق کر لیجئے۔ تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔ ملاحظہ ہو پارہ ۹۔ رکوع کی آیت اول۔ ف۱۴۷ (اور اس لئے عقل و ہوش سے عاری) سحر مصری کا ذکر پیشتر آ چکا ہے۔ ف۱۴۸ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا۔ اب اس میں زیادہ دیر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب قول فرعون اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا کے عین مقابل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جب کہ تسامح و رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمداً ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ انکار زبان ہی کے چلی جا رہی ہے — بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ کا نام فرعون کے سامنے اسی حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی، ان میں سے ایک آسمان تھا دوسری زمین — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ بَصَآئِرَ۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔ اے علامة لنبوتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مَآ اَنْزَلَ ...... بَصَآئِرَ۔ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب و خوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں۔ بلکہ تمام تر حق تعالیٰ ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔ ف۱۴۹ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے وہ خود ہی ملیامیٹ کر دیا گیا۔ فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے پارہ اول میں گزر چکے۔ يَّسْتَفِزَّهُمْ۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔ ف۱۵۰ (جس میں مومن و منکر، مطیع و فاسق سب ہی ملے جلے ہوں گے) والمعني جئنا بكم من قبوركم الى المحشر اخلاطًا يعني جميع الخلق المسلم والكافر والبر والفاجر (کبیر) اسْكُنُوا الْاَرْضَ۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی و غلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی غرقابی فرعون کے بعد۔ اے من بعد فرعون على معنى من بعد اغراقه (روح)

و١٥١ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم و تردد کی کوئی وجہ ہے) ۔ وَبِالْحَقِّ۔ یعنی بلا تحریف و ترمیم و تصرف بعینہٖ اپنی اصلی حالت میں۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے پاس سے چلا تھا اسی طرح بلا تغیر و تصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ فهذا الكتاب كتاب تكفل الله بحفظه عن تحريف الزائغين وتبديل الجاهلين فكان هذا الكتاب حقًا من كل الوجوه (کبیر) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ ضمير الغائب للقران (روح) محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط آیت نمبر (۸۸) لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔ فهو مرتبط بقوله تعالى لئن اجتمعت الانس والجن۔ اہل عرب کے ادب و انشاء میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے، اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔ وهكذا طريقة العرب في كلامها تاخذ في شيء وتستطرد منه الى اخر ثم الى اخر ثم الى اخر تعود الى ما ذكرته اولًا (روح) **و١٥٢** (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے) فَرَقْنٰهُ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اي انزلناه مفرقًا (راغب) اي جعلنا نزوله مفرقًا منجمًا (کشاف) اس کی دوسری تفسیر بیّنّاہ سے بھی آئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔

وَّنَذِيْرًا ﴿١٠٥﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے و١٥١ اور قرآن! تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ

ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی تدریج سے ہے و١٥٢ آپ کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

(بہر صورت) جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں و١٥٣ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے و١٥٤ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿١٠٩﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ

روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے و١٥٥ آپ کہئے اللہ (کہہ کر) پکارو یا

ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ

رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے ہی اچھے

الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

نام ہیں و١٥٦ اور آپ (جہری) نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیے

وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجئے و١٥٧ اور آپ کہیے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

نہ اولاد رکھتا ہے و١٥٨ اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے و١٥٩

اي بينا فيه الاحكام وفصلناه (راغب) يعني فرقناه بالبيان عن الحق من الباطل (بصائر) عَلٰى مُكْثٍ۔ یعنی تاکہ آپ اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب و استخراج مسائل کر سکیں۔ یعنی على تثبت وتوقف ليفهموه بالتامل ويعلموا ما فيه بالتفكر ويتفقهوا باستخراج ما تضمن من الحكم والعلوم الشريفة (بصائر) فانه ايسر للحفظ واعون في الفهم (بیضاوی) **و١٥٣** (بطور ادائے شکر و اعتراف حقیقت کے) مطلب یہ ہوا کہ جو اہل علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیشگوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں اور قرآن کو پاکر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ سجدہ کی اصل ہیئت کو محاورہ عرب کے مطابق "ٹھوڑیوں کے بل سجدہ" سے ادا کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال للوجوه (بصائر) عن قتادة قال للوجوه (بصائر) الخرور للذقن اي السقوط على الوجه (کشاف) العرب تقول اذا خر الرجل فوقع على وجهه خر للذقن (کبیر) الَّذِيْنَ ... قَبْلِهٖ۔ یعنی حق پسند علماء اہل کتاب۔ قال مجاهد هم ناس من اهل كتاب (کبیر) هم العلماء الذين قروا الكتب السابقة (بیضاوی) قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اے من قبل نزول القران (کبیر) اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارہ حقارت ہے۔ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے ہوتا کیا ہے۔ **و١٥٤** (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا، اس کو پورا کر دیا) سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ قرآن مجید نے اس تسبیح کو وہی کو کل مدح میں بیان کیا ہے اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کر لیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔ فهم بهذا القول عند السجود فدل على ان المسنون في السجود من الذكر هو التسبيح (بصائر) **و١٥٥** خشیت حق سے گریہ طاری ہو جانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے اس کا محل فضیلت میں بیان ہوتا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود و مطلوب ہونے پر ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ فيه الدلالة على ان البكاء في الصلوة من خوف الله لا يقطع الصلوة لان الله تعالى فتمدحهم بالبكاء في السجود ولم يفرق بين سجود الصلاة وسجود التلاوة وسجدة الشكر (بصائر) حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے۔ جب آیۂ کریمہ انما اشكوا بثي وحزني الى الله پر پہنچے تو شدت گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی۔ نمازیوں میں صحابہ تھے، کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔ عن عبد الله بن شداد قال سمعت نشيج عمرؓ واني لفي اخر الصفوف وقرأ في صلاة الصبح سورة يوسف حتى اذا بلغ انما اشكوا بثي وحزني الى الله نشج ولم ينكر عليه احد من الصحابة وقد كانوا خلفه فصار اجماعًا (بصائر) يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ و بکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خوف خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت و اخلاص کی دلیل ہے۔ يعني به ان بكاءهم في حال السجود يزيد هم خشوعًا الى خشوعهم وفيه الدلالة على ان مخافتهم لله تعالى حتى تؤديهم الى البكاء داعية الى طاعة الله والاخلاص العبادة (بصائر) اور احادیث نبوی تو فضائل گریہ خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ وقد جاء في مدح البكاء من خشية تعالى اخبار كثيرة (روح) **و١٥٦** (تو اسے جس پاکیزہ نام سے بھی پکارو، مقصود و مطلوب وہی رہے گا) عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آ رہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم الرحمٰن کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانش مند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ دو دو خدا کیسے؟ — جواب ملا کہ دو خدا

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے ف۱۶۰ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے ف۱۶۱

آیاتها ۱۱۰ (۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹) رکوعاتها ۱۲

اس کی ایک سو دس آیتیں سورۂ کہف کی ہے اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ
ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندۂ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں
يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا
(ذرا) کجی نہیں رکھی ف۱ قائم و مستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو)
مِّنْ لَّدُنْهُ وَ يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
اللہ کے پاس سے ہوگا اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے رہتے ہیں خوش خبری
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ
سنا دے کہ ان کے لئے (بڑا) اچھا اجر ہے ف۲ جس میں وہ ہمیشہ
اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا
رہیں گے ف۳ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے ف۴ اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل
لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ
نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ
منہ سے نکل رہی ہے یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں ف۵ سو شاید آپ ان کے (اعراض کے) پیچھے

کیسے! یہ تو صرف دو نام ہیں، ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے اور نام اس کے پاک و پاکیزہ دو کیا معنی اور بھی بہت سے ہیں۔ ف۱۵۷ جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے) شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھیے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ف۱۵۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے) ف۱۵۹ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے) ف۱۶۰ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں نے فرض کر رکھا ہے) غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کا شریک، سہیم و مساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ و ناصر ہے — شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔ ف۱۶۱ اسی کے دین توحید کو پھیلایئے، اسی کی ذات و صفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔ والتکبیر ابلغ بلفظة للعرب فی معنی التعظیم والاجلال وفی الامر بذلک بعد ما تقدم مؤکدا بالمصدر المنکر من غیر تعیین اشارة الی انه مما لا تسعه العبارة ولا تفی به قوة البشرية (روح)

ف۱ (نہ لفظی نہ معنوی) لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی۔ یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل و جامع، پاکیزہ و اجمل ہے۔ نہ کہیں مبالغۂ شاعرانہ، نہ عبارت میں کہیں سے تناقض، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پراسرار ہونے کا۔ ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح۔ اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین اسلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط و تفریط نہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ عَبْدِهٖ۔ بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا اور الْكِتٰبَ سے قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقام عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس پر فائز ہیں۔ ف۲ یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم و مستقیم رکھنے والی) قیما۔ دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔ قیما ای ثابتا مقوّیا لامور معاشهم ومعادهم (راغب) قیما بمصالح العباد فیکون وصفا له بالتکمیل بعد وصفه بالکمال (بیضاوی) لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا۔ یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے۔ "ڈرائے" کا فاعل کتاب ہے اور مفعول "کفار و منکرین"۔ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ۔ یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق و بصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لی جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق و تحت ہو۔ ف۳ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم و گمان سے بھی بڑا تو بہرحال ہوتی گا ساتھ ہی اس کے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہوگا۔ فِيْهِ۔ یعنی اس مقام اجر یا جنت میں۔ ف۴ یعنی مسیحیوں کو۔ جو رسول کو خدا کا بیٹا بنائے ہوئے ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکا۔ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ۔ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی ابھی لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا میں آچکا ہے۔ اب اس پر اس يُنْذِرَ الَّذِيْنَ الخ، کے عطف کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید و تنبیہ تو عام تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید و تنبیہ خصوصیت کے ساتھ ہے اس عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے۔ ف۵ (اور ایسا مہمل اور خرافی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں۔ بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے) عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر بیہودہ و مکروہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجر تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ علم یہاں سند اور دلیل کے معنی میں ہے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ مِنْ زائد، تاکید نفی کے لئے ہے۔ لِاٰبَآئِهِمْ۔ یعنی ان کے احمق اسلاف جو اس قدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں۔ لفظ آباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب کی جانب ہو۔ كَبُرَتْ اَفْوَاهِهِمْ۔ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

ف۶ (یعنی کہ آپ کے شدت حزن اور افراط فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے) اس میں آنحضور ﷺ کو ممانعت ہو رہی ہے کہ افراط شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھایئے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جایئے۔ علیٰ اٰثارھم۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔ اذا ولوا عن الایمان (بیضاوی) ف۷ (اور کون ناقص و قاصر ٹھہرتا ہے) یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینا لازمی ہے کہ کوئی جتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف بہ ایمان اس لیے آپ کا غم مفرط بیکار ہے۔ ما علی الارض زینۃ لھا۔ اس روئے زمین پر زینت و آرائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں، بجائے خود ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ صرف ان کا غلط طریقہ استعمال انہیں ناجائز بنا دیتا ہے۔ صحیح طریقہ استعمال وہی ہے جو شریعت کے ماتحت و مطابق ہو۔ ف۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے) یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، بارونق و پربہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائے گی۔ اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور بوقلمونیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آ کر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا و سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہو گی۔ ف۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضور سے جو چند سوالات کیے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔ الکھف۔ کہف کے لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکھف الغار الواسع فی الجبل (کبیر) اصحٰب الکھف۔ کے لفظی معنی ہیں غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔ الرقیم۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوح مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک بڑی تختی لگا دی گئی تھی۔ جس پر ان کے نام و نسب اور مختصر حکایت درج تھی اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلائے۔ لوح رصاص نقش فیہ نسبھم و اسمائھم و قصصھم و دینھم لامم ھربوا و نقل ذلک عن الفراء و نقلہ السھیلی ایضا والجوھری (تاج) دوسرے معنی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کیے گئے ہیں جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔ ھی قریۃ اصحب الکھف التی خرجوا منھا و فی تفسیر الزجاج کانوا فیھا او جبلھم الذی کان فیہ الکھف او الوادی الذی فیہ الکھف (تاج) لیکن ابن عباس ؓ صحابی اور تابعین سے وہی پہلے معنی منقول ہیں۔ الرقیم ھو اللوح من رصاص فیہ اسماء الفتیۃ و قصصھم (ابن عباس ؓ) عن سعید بن جبیر قال لوح من حجارۃ کتبوا فیہ قصص اصحب الکھف ثم وضعوہ علی باب الکھف (ابن جریر) لوح او حجر او شیء کتب فیہ کتاب و قد قال اھل الاخبار ان ذلک لوح کتب فیہ اسماء اصحاب الکھف (ابن جریر)

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا
غم سے اپنی جان دے دیں گے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر

الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ
ایمان نہ لائے ف۷ ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ ہے

زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا
اسے اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل کے لحاظ سے ف۷ اور ہم

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ
اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ف۸ کیا آپ خیال کرتے ہیں

اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز

عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا
تھے؟ ف۹ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ ف۱۰ پھر بولے

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ
اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت (فضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں

اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ
درستی کا سامان کر دے ف۱۱ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ

سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ
ڈالے رکھا ف۱۲ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ

اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ
(اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے۔ ف۱۳ ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک

شہر اُفسوس (بہ کسرۂ اول) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر ایاسلوک قائم ہے۔ سمرنا سے ۳۶ میل اور سمندر سے کل ۴ میل کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں واقع تھا اور اسی کی نواح غالباً یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہے۔ ”شہر ہے مشہور طرسوس میں، اس کو شہر اصحاب کہف کہتے ہیں“ (مراصد الاطلاع یاقوت حموی ترجمہ اردو)

ف۱۰ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث و سروکار چونکہ صرف بصیرتوں و عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتی ہے اس لیے وہ تاریخی و جغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم و جدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈیسیس یا ڈیکیوس (متوفی ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی۔ اس سے تنگ آ کر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر معمولی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی اور وہ کوئی دو پونے دو سو سال تک سوتے رہے اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اسی درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیح ؑ سے قبل دور یہودیت کا ہے۔ ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اس قدر اعتنا و التفات اس کی جانب نہ کرتے۔ و قد ذکر انھم کانوا علی دین المسیح عیسی ابن مریم فاللہ اعلم۔ والظاھر انھم کانوا قبل ملۃ النصرانیۃ بالکلیۃ فانھم لو کانوا علی دین النصرانیۃ لما اعتنی احبار الیھود بحفظ خبرھم (ابن کثیر) ہمارے زمانہ کے بھی بعض مصنفین نے حکایت اسرائیلی سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ جب ملک شام کے ظالم بادشاہ (انطیوکس) چہارم نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ زیئس دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور مکابی خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہو اور رسول ﷺ نے بھی اس کی تفصیل پر اعتنا کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا بے حد مشکل۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دار و مدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لے کر اس مقام سے چلا جائے اور کلمہ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز رکھے۔ فیھا الدلالۃ علی ان علی الانسان ان یھرب بدینہ اذا خاف الفتنۃ فیہ و ان علیہ ان لا یعرض لا ظھار کلمۃ الکفر و ان کان علی وجہ التقیۃ (جصاص)

نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ

بیان کرتے ہیں وسلا یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انھیں ہدایت میں ترقی

هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا

دی تھی وہلا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے تھے جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے وسلا تو بولے

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ

ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اس کے علاوہ کسی

دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ

معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہوں گے وےلا ان لوگوں (یعنی)

قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ

ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں کے وجود پر

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لائے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ

جھوٹ تہمت لگائے؟ و۱۸ پھر جب تم انھیں بھی چھوڑ چکے اور ان معبودان غیر اللہ

اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

کو بھی، تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا

رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَ تَرَى

دے گا اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کر دے گا و۱۹ اور جب

الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے

و۱۱ یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر، اور ہمارے لیے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کر دے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لیے خوف فتنہ سے ترک وطن کرے تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو موقع مدح واستحسان میں پیش کیا ہے۔ یدل علی انه اذا اراد الهرب بدینه خوف الفتنة ان یدعوا بالدعاء الذی حکاه الله عنهم لان الله قدرضی ذلک من فعلهم و اجاب دعاء هم و حکاه لنا علی جهة الاستحسان (جصاص) و۱۲ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔ ای انمناهم انامة لا تنبههم فیها الاصوات (بیضاوی) ضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ۔ ضرب الاذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہوتا ہے۔ سِنِيْنَ عَدَدًا۔ عدد کا اضافہ یا تو تاکید کے لیے ہے اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لیے ہے۔ ذکر الله علی سبیل التاکید و قیل ذکره یدل علی الکثرة (معالم) و۱۳ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ اس گہری طویل نیند سے انھیں بیدار کیا۔ لِنَعْلَمَ۔ یعنی تاکہ ہم اپنے اس علم و خلق کے روبرو ہی مشاہدۃً وعیاناً لے آئیں۔ ای لنظهر لهم ما علمناه من امرهم (بحر) الْحِزْبَيْنِ۔ دو گروہوں سے مراد یا تو وہی اصحاب کہف کے اندر کے دو گروہ ہیں۔ یا ایک طرف وہ جاگنے والے اصحاب کہف اور دوسری طرف ان کے معاصر اہل شہر، اور جمہور اسی طرف گئے ہیں۔ و قال ابن عطية والظاهر ان الحزب الواحد هم الفتية اے ظنوا بعثهم قلیلا و الحزب الثانی هم اهل المدینة الذین بعث الفتية علی عهدهم و هذا قول الجمهور من المفسرین (بحر) و۱۴ (اس افراط وتفریط، مبالغہ بیانی، وحاشیہ آرائی سب سے الگ کر کے جو عام طور سے اس قصہ سے متعلق شائع ہو چکی تھی) و۱۵ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیح علیہ السلام توحید ہی پر قائم رہے) اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑا انہوں نے دین توحید اختیار کیا۔ و۱۶ (اور دین حق سے انہیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف بھی) ڈی سیس (دقیانوس) رومی کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر و ستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر و ثبات واستقلال دے کر ان کے دل مضبوط کر دیے تھے۔ و۱۷ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل وراسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنی میں۔ حضرت عیسیٰ نبی کے لائے ہوئے دین کے تبع تھے، نہ کہ پولوی وتثلیثی نام نہاد "مسیحیت" کے! لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا۔ اس انکار وتردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سے فرمائش شرک وبت پرستی کی کی جا رہی تھی۔ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ قدیم رومی مذہب میں زمین وآسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے — یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔ و۱۸ یعنی اس کی ذات وصفات میں کسی شرکت کا گزر کیسے۔ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔ و۱۹ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بہ طور مشورہ ہو رہی ہے۔ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ۔ میں ضمیر هُمْ۔ انھیں مشرک قوموں کی جانب ہے۔ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور و ستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر وعبادت بھی بہ اطمینان وفراغت ہو سکے گی۔ يَنْشُرْ ...... مِرْفَقًا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ واعتماد اپنے پروردگار کی رحمت وربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ

اور جب وہ ڈھلتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب اور وہ اس (غار) کے

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ

ایک کشادہ موقع میں تھے ف۲۰ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے ف۲۱ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا

وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار

مُّرْشِدًا ۟ۧ وَ تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ

راہ بتانے والا ف۲۲ اور (تو ان کو دیکھتا تو) تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے ف۲۳

وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلْبُهُمْ

ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا

بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ

دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا ف۲۴ اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا

لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۟

تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا ف۲۵

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآىِٕلٌ

اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ف۲۶ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ

ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہوگے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ

سے کم (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے ہو تو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ تو اب اپنے میں سے کسی کو

ف۲۰ (اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے) کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی۔ خوب کشادہ تھی۔ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اس کے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔ شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۴۰ شمال ہے۔ ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا۔ اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً داخل نہ ہوسکیں گی۔ اور اس کے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ تَزٰوَرُ۔ تَقْرِضُهُمْ۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے وقت پڑتی تھی، اور نہ ڈھلتے وقت۔ غار کی وضع وہیئت ہی ایسی تھی کہ غارنشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس سے خارج ہونے کے۔ تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا۔ اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ۔ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہونے کی صورت میں یا تو ان پر طلوع کے وقت دھوپ پڑتی اور یا غروب کے وقت۔ ف۲۱ یعنی یہ قصہ جو اوپر مع اپنے جزئیات وتفصیلات کے بیان ہوا، یہ حق تعالیٰ کی قدرت، حکمت وربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ف۲۲ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانون تکوینی کے تحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔ ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔ ف۲۳ یعنی اے مخاطب جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی تو اگر انہیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق وتازگی دیکھ کر انہیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا نوم ثقیل وغرقی کی کوئی ظاہری علامت ان میں نمایاں نہ تھی۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالت خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہو جاتا گو سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ ف۲۴ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے) کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا، اور انہیں کے ساتھ خود بھی غارنشین ہو گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور بھی ہوں گے۔ ایک بلعم باعور کا گدھا، دوسرا اصحاب کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح وغیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بشرط صحبت ورفاقت شامل ہو جاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی دولت وقرب بھی بہت غنیمت ہے، گو مجانست نہ بھی ہو۔ ف۲۵ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات کہف پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ طاری کر دی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔ ف۲۶ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور زیادہ منکشف ہو) وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی جس عجیب اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی تھی، اسی اعجازی انداز میں انہیں اس سے جگا بھی دیا۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی انہیں اس نوم طویل وثقیل سے بیدار کر دیا۔ لِیَتَسَآءَلُوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیداری اس غرض سے کئے گئے تھے۔ واللام فیہ لام العاقبۃ لانھم لم یبعثوا للسئوال (معالم)

وےٓ۲ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے) قَالَ ..... بِمَا لَبِثْتُمْ۔ نیند اتنی غفلت کی اور ایسی بیہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا بھی مطلق ادراک نہ ہوا، اور جب جیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہوں گے۔ کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ۔ آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔ فقہاء نے ان کے اس قول سے جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی اسی وقت کے کچھ سکہ ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ قال المفسرون كانت معهم دراهم عليها صورة الملك الذي كان في زمانهم (کبیر) محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر ہجرت میں زاد راہ ہمراہ لے کر چلنا توکل کے منافی نہیں وحملهم الورق عند فرارهم دليل على ان حمل النفقة وما يصلح للمسافر هو رأي المتوكلين على الله دون المتكلين على الاتفاقات (مدارک) وحملهم له دليل على ان التزود رأي المتوكلين (بیضاوی) وهذه الاية تدل على ان السعي في امساك الزاد امرهم مشروع وانه لا يبطل التوكل (کبیر) فقہاء نے آیت سے اس صورت

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو وےٓ۲ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا

پاکیزہ ہے ف۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

تمہاری خبر نہ ہونے دے ف۲۹ کہ اگر وہ تمہاری خبر پائیں گے تو تمہیں سنگسار

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا

کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی

اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا

تمہیں فلاح نہ ہوگی ف۳۰ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ف۳۱ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے)

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ

جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت

بُنْيَانًا ۗ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى

بنوا دو ف۳۲ ان کا پروردگار ہی (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

غالب (وقادر) تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے ف۳۳ عنقریب بعض لوگ کہیں گے

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے خریدیں اور سب اس میں سے کھائیں خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔ يدل على جواز خلط دارهم الجماعة والشرى بها والاكل من الطعام الذي بينهم بالشركة وان كان بعضهم قد ياكل اكثر مما ياكل غيره وهذا الذي يسميه الناس المناهدة ويفعلونه في الاسفار (جصاص)

ف۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت وحرمت کا خیال رہا ہے اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمتاً خرید نا پسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہیے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کر دیں۔ اَزْكٰى طَعَامًا۔ بعض نے اس کی تفسیر لذیذ ونفیس کھانے سے بھی کی ہے۔ قيل انها اطيب والذ (کبیر) اور یہیں سے ہے کہ بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ ونفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔ ف۲۹ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزا یابی یقینی ہے) وَلْيَتَلَطَّفْ۔ یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لطف ورفق برتنا چاہیے۔ ف۳۰ (اور تم شرک وارتداد کی ملعونیت ونحوست کے چکر میں پڑے رہو گے) اِنَّهُمْ۔ یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہل حکومت۔ يَرْجُمُوْكُمْ۔ سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کر لیتے تھے وہ مرتد سمجھے جاتے اور شدید ترین عقوبت کے مستحق قرار پاتے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ۔ یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب سے یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمہیں پھر دین توحید سے نکال کر دین شرک میں واپس لے لیں گے۔ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ یعنی جب ملت کفر میں شریک وشامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا وآخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ اي ان رجعتم الى دينهم لن تسعدوا في الدنيا ولا في الاخرة (کبیر)

ف۳۱ اصحاب کہف کی غار نشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہوئی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور شور سے چھڑ گیا کہ عقیدہ نشر وجزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈورس حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث ومباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے۔ اور ان کے عجیب معاملہ کا علم عوام وخواص سب کو ہوا ۔۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ۔ یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت وحکمت سے ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا۔ اسی طرح اپنی خصوصی حکمت وقدرت سے عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ یعنی تاکہ ان کے معاصرین کو بھی یقین آ جائے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ حشر ونشر کے باب میں سچا ہے ۔۔ ایک بڑا مانع عقیدۂ حشر ونشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد رہتا ہے۔ واقعہ اصحاب کہف یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل مادیت کو واقعہ بعث وحشر کی ایک سند ونظیر ہاتھ آ جاتی ہے۔ اور ذہن سے استبعاد دور ہو جاتا ہے۔ وہ صاحب جو روپیہ لیکر کھانا خریدنے چلے تھے۔ جب بازار پہنچے تو چونکہ قرنہا قرن کی مدت گذر چکی تھی۔ شہریوں کے وضع، لباس، زبان، مکانات، سب ہی کی ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اور بادشاہت اب بجائے دشمنان مسیحیت کے خود مسیحیوں کی قائم تھی۔ وہ صاحب اپنے صدیوں قبل کے لباس ووضع کے باعث یوں ہی تماشہ بنے ہوئے تھے اور جب انہوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکہ نکالا، جب تو لوگوں کی حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی۔ سب نے انہیں گھیر لیا اور انہیں حیران وپریشان ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگذشت دہرانی پڑی اور کچھ لوگ ان کے بیان کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔ ف۳۲ (کہ اس حیرت انگیز وعظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہو جائے) اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ۔ یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق در جوق آنے

لگے اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی۔ اور اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا۔ عَلَيْهِمْ سے ان کے غار کے اوپر۔ ان کے غار کے دروازہ پر۔ اے علی باب کھفھم (مدارک) ف۳۳ (تاکہ اس امر کی علامت قائم رہے کہ یہ لوگ عابد واہل توحید تھے۔ کوئی انہیں معبود نہ بنالے) جو غار اصحاب کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود ہے ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ۔ یعنی حکام وقت۔ قال قتادۃ هم الولاۃ (بحر) قیل المراد به الملک المسلم وقیل رؤساء البلد (کبیر) عَلَيْهِمْ۔ یعنی اس غار کے اوپر۔ غار کے دہانہ پر۔ اے علی باب الکھف (مدارک) مَّسْجِدًا۔ مسجد یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے۔ اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۔ مفسر تھانوی ؒ اور دوسرے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بننے سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبور کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے قبر پرستوں کو کوئی حجت ونظیر اس سے نہیں مل سکتی۔ ف۳۴ یعنی بغیر کسی علم صحیح کے، محض ظن وتخمین سے۔ رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے جو اردو میں ”اٹکل کے تکے

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ

کتا تھا اٹکل کے تکے ف۳۴ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا

كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا

کتا تھا آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ف۳۵ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز

قَلِيْلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا

قلیل کے۔ پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے اور آپ

تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ

ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے ف۳۶ اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ

لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ

کہا کیجئے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ف۳۷

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ

اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیے اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے

رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ

باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتادے ف۳۸ اور وہ (لوگ) اپنے غار میں

كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾

تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے ف۳۹

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے تھے۔ اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور زمین کا ہے ف۴۰ وہ کیا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی

ع ۳ / ۱۵

چلانے“ ہے۔ اور یہ شرعاً ممنوع بھی ہے ــــ محض اٹکل اور ظن وگمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو وممنوع، ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود ومستحسن۔ بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب۔ سَيَقُوْلُوْنَ۔ یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے۔ ان کے معاصرین یہ رائے زنی شروع کر دیں گے۔ سَيَقُوْلُوْنَ میں س مستقبل کا ہے۔ الضمیر فیه کما اختاره ابن عطیة، بعض المحققین للیهود المعاصرین له ﷺ الخائضین فی قصة اصحٰب الکھف (روح) ف۳۵ (اور اس نے قرآن سے اس کا کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے) لیکن حضرت ابن عباس ؓ وغیرہ اسی آخری عدد کے قائل ہوئے ہیں اور مفسر تھانوی ؒ نے کہا ہے کہ آیت سے بھی اشارۃً اسی کی صحت مفہوم ہوتی ہے کیونکہ اس اخیر قول کو نقل کر کے اس کا رد نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔ قال اکثر المفسرین هذا الاخیر هو الحق ویدل علیه وجوه (کبیر) ف۳۶ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہوگئی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غیر ضروری ہے) فَلَا تُمَارِ ... ظَاهِرًا۔ یعنی آپ وحی کے مطابق نفس قصہ تو بیان کر دیجئے۔ باقی اس کے آگے بحث ومباحثہ میں نہ پڑیئے۔ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ اور انہیں قلیل اشخاص میں ایک عبد اللہ بن عباس ؓ صحابی وترجمان القرآن ہیں۔ وکان ابن عباس یقول انا من اولئک العدد القلیل (کبیر) ف۳۷ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرے۔ اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں تو لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔ آیت کی شان نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آکر رسول اللہ ﷺ سے تین سوالات بطور امتحان دریافت کیے۔ ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی پندرہ دن تک نہ آئی۔ آپ کو قدرۃً غم وصدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔ لِشَايْءٍ۔ شیء بہ تنوین کے ساتھ نکرہ ہے۔ مفہوم عموم واستغراق کے لیے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر معلق اور اس سے وابستہ رکھیے۔ اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق وموجد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جبریہ کا جو بندہ کو جماد ومجبور محض مانتے ہیں۔ صحیح مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیت الٰہی کے بعد اور اس کے ماتحت۔ غَدًا۔ غد سے مراد مطلق زمانۂ مستقبل ہے، نہ کہ متعین ومخصوص (کل) ہی کا دن۔ اے فی ما یستقبل من الزمان ولم یرد الغد خاصة (کشاف) اے فی ما یستقبل من الزمان مطلقًا (روح) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اِلَّآ حرف استثناء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے الا ان تقول ان شاء اللہ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں قول کے لیے زبانی تلفظ شرط نہیں۔ اس لیے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے اور اعتقادیات میں محض تصدیق قلبی کافی ہے۔ ف۳۸ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلا دے۔ منکروں نے یہ قصہ اصحاب کہف سے متعلق سوال کر کے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ ﷺ کا لے ڈالا تھا۔ آپ کو یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔ معناه لعل الله یؤتینی من البینات والدلائل علی صحة انی نبی ما هو اعظم فی الدلالة واقرب رشدًا من نبا اصحاب الکھف (کبیر) اے اظهر دلالة علی انی نبی من نبا اصحاب الکھف (بیضاوی) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔ یعنی جیسے ہی خیال آ جائے اور تنبہ ہو جائے، مشیت الٰہی کا استحضار کر لیجئے۔ واذکر ربک اے مشیة ربک (مدارک) ف۳۹ یعنی حساب شمسی مسیحی رکھو تو پورے تین سو سال اور حساب قمری اسلامی رکھو تو ۳۰۹ سال تین سال کا فرق ہر صدی میں سنہ قمری اور سنہ شمسی کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر سلف سے بھی یہی سہل تفسیر

مروی ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود حضرت علیؓ سے ہے۔ حکی النقاش انھا ثلث مائة شمسیة ولما کان الخطاب للعرب زیدت التسع اذ حساب العربیة ھو بالقمر لاتفاق الحسابین (بحر) روی عن علیؓ انہ قال عند اھل الکتاب انھم لبثوا ثلثمأة شمسیة واللہ تعالٰی ذکر ثلثمائة قمریة (معالم) کان مقدارہ ثلثمائة سنة تزید تسع سنین بالھلالیة وھی ثلثمائة سنة بالشمسیة فان تفاوت ما بین کل مائة سنة بالقمریة الی الشمسیة ثلاث سنین (ابن کثیر) فالثلا ثمائة الشمسیة ثلاثمائة وتسع قمریة (جلالین) قیل ھو الاشارة الی انھا ثلاثمائة بحساب اھل الکتاب واعتبار السنة الشمسیة وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمریة وقد نقلہ بعضھم عن علیؓ (روح) قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ۳۰۷ سال درج ہے اور بعض نسخوں میں ۳۵۳ سال -- ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ غار نشینی کا زمانہ اگر (قول اکثر کے مطابق) ۲۳۹ء فرض کیا جائے تو اس پر ۳۰۰ سال شمسی اضافہ کرنے سے ۵۳۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلاد رسول ﷺ (۵۷۰ء) سے ۳۱ سال اور ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۲ سال قبل۔ تَبِلُوا فِیْ كَهْفِهِمْ۔ فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کر جانا جائز ہے بلکہ اولیاء انبیاء کے معمولات میں سے ہے۔ فیہ جواز الفرار من الظالم وھی سنة الانبیاء والاولیاء (ابن العربی) ف۴۰ یعنی مخلوق کے اعتبار سے

مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ

کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے ف۴۱ اور آپ پڑھ دیا کیجیے

مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ج لَا مُبَدِّلَ

جو کچھ وحی آپ پر آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی بدل اس کی

لِكَلِمٰتِهٖ ج وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

باتوں کا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ ہی پائیں گے ف۴۲

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ

صبح و شام محض اس کی رضاجوئی کے لئے ف۴۳ اور اپنی آنکھوں کو ان سے

عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ

نہ ہٹایئے دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا نہ مانیے

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ

اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ف۴۴ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس

شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ لا اِنَّآ اَعْتَدْنَا

کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ف۴۵ ہم نے ظالموں کے لئے آگ

لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ

تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں ان کے گھیرے ہوں گی اور اگر

جو کچھ بھی غیب ہے، سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے -- ایک اسی واقعہ مدت خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اس پر تو چھوٹا بڑا ہر واقعہ روشن ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتا دی، تو اب کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ف۴۱ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہو کر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کی رائے دے سکے) خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے نہ کوئی شریک کار -- شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ۔ کلمہ حیرت ہے۔ یعنی وہ کیا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے والا، جاننے والا ہے؟ ما ابصرہ واعلمہ بھم وشانھم (ابن عباسؓ) ھذہ کلمة تذکر فی التعجب والمعنی ما ابصرہ وما اسمعہ (کبیر) مَا لَهُمْ میں ضمیر ھم۔ اھل السمٰوٰت والارض کی جانب ہے۔ ای لاھل السمٰوٰت والارض المدلول علیہ بذکرھما (روح) ف۴۲ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہو گئے) حاصل یہ کہ رؤسا کفار کی طرف سے آپ پورا استغناء برتئے۔ وَاتْلُ ... رَبِّكَ۔ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اس فکر اور وہم میں نہ پڑیے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی تو دین کی اشاعت و ترقی کیونکر ہوگی۔ امام رازیؒ نے یہ معنی قرار دیے ہیں کہ آپ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہیے اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجیے جعل الاصل فی ھذا الباب شیئا واحدا وھو ان یواظب علی تلاوة الکتاب الذی اوحاہ اللہ الیہ والعمل بہ وان لا یلتفت الی اقتراح المقترحین وتعنت المتعنتین (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔ کلمات کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔ مُلْتَحَدًا کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ اتفقوا علی ان الملتحد ھو الملجا (کبیر) ف۴۳ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے) وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔ المراد کونھم مواظبین علی ھذا العمل فی کل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل ھذہ العبارة للدوام (روح) ف۴۴ (خواہش نفس کی پیروی میں) وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔ محاورہ میں اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ رسول اللہ ﷺ کو جوش و انہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسا قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان دنیوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے۔ خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء و غرباء و عوام الناس ہی میں ہو۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وَلَا تُطِعْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ اسی لئے اتباع فساق حرام ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل و تواضع جس کی بنیاد ان کا غنا ہو آیت اس کی مذمت میں ہے۔ آیت آج کل کے بہت سے ''مصلحین'' کے لئے قابل غور ہے۔ آج ہر ''اصلاح'' پر زور (خواہ وہ عقاید سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے وقس علی ہذا۔ غرض مقصود و مطلوب ہر ''اصلاح'' سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے بس دنیا اور اس کی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں -- تعلیم قرآنی اس ذوق فاسد سے کس درجہ ابا کرتی ہے! ف۴۵ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق

یَسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ

وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ چہروں کو بھون

بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

والے گا۔ کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ جگہ ۴۶ بے شک جو لوگ

اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو

اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ

عمل اچھے طور پر کرے ۴۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہمیشگی کے باغ ہیں

مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ

ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی ان کو اس میں سونے کے کنگن

ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ

پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز

وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ

پہنیں گے اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کیا اچھا

الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَ اضۡرِبۡ لَہُمۡ

صلہ ہے اور کیسی بہتر جگہ ہے ۴۸ اور ان سے دو شخصوں کا

مَّثَلًا رَّجُلَیۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِہِمَا جَنَّتَیۡنِ مِنۡ

حال بیان کیجیے ۴۹ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے

اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰہُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمَا

دے رکھے تھے اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی

تعالیٰ کی طرف سے آ ہی چکا ہے اور راہ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ فَمَنۡ شَآءَ … وَّ مَنۡ شَآءَ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں۔ تہدید و وعید مراد ہے۔ نقل عن علی بن ابی طالب انه قال هذه الصيغة تهديد و وعيد وليس بتخيير (کبیر) ۴۶ حق کی تمام و کمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا۔ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا۔ یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا۔ یہ فریاد شدت تشنگی سے ہوگی۔ بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ۔ کَالۡمُہۡلِ میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ میں اس کے مزہ کی تیزی اور گرمی کا بیان آ گیا۔ ۴۷ ہر انذاری اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولاتِ قرآنی میں سے ہے۔ اٰمَنُوۡا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واوِ عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ يدل على ان العمل الصالح مغاير للايمان لان العطف يوجب المغايرة (کبیر) اِنَّا … عَمَلًا۔ مسلک اہل سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔ عند اصحابنا ذلک الاستحقاق حصل بحكم الوعد (کبیر) ۴۸ اہل دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں یہ اہل جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے۔ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمامتر دار الجزاء ہے نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔ بالکل اس کا شمار اسبابِ زینت میں سے ہونے لگے گا اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوں گے۔ جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسبابِ زینت میں ہے جہاں جہاں یہ عرف رائج ہیں۔ ثِیَابًا خُضۡرًا۔ یہ رنگ سو اس کی سبزی یہاں بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے، حصر مقصود نہیں، چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے، پائیں گے۔ والظاهر ان لباسهم غير منحصر في ما ذكر اذلهم فيها ما تشتهي الانفس وتلذ الاعين (روح) یُحَلَّوۡنَ۔ یَلۡبَسُوۡنَ امام رازیؒ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یحلون صیغۂ مجہول میں اور یلبسون صیغۂ معروف میں کیوں ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہل جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یحلون اس اجر واجب سے زاید یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے۔ يحتمل ان يكون اللبس اشارة الى ما استوجبوه بعملهم وان يكون الحلي اشارة الى ما تفضل الله عليهم ابتداءً من زوائد الكرم (کبیر) ۴۹ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو) رَجُلَیۡنِ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد بے دین تھا، اور دوسرا موحد دیندار، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ

لگا رکھی تھی ف٥٠ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا

مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ ۙ وَّكَانَ لَهٗ

کمی نہ رہتی اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس

ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

(اور بھی) تمول تھا ف٥١ سو اس نے اپنے (اس) ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ

بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ف٥٢ اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں

لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ ۙ

داخل ہوا ف٥٣ اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو ف٥٤

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (بھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ

پہنچایا گیا (بھی) تو یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا ف٥٥ (اس پر) اس کا وہ ساتھی بولا

صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ

اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے! کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے ف٥٦ جس نے تجھے (پہلے) مٹی

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ ؕ

سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح و سالم آدمی بنایا ف٥٧

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْ

لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور تو

ف٥٠ (لیکن یہ شخص تھا بدعقیدہ و بددین) انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی، پھر ایک ہی نہیں، دو دو۔ اور پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بےکار اور خالی پڑی ہوئی نہیں، بلکہ سرسبز و شاداب کھیتی سے لدی ہوئی — عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی مرفہ حالی کا کامل و مکمل مرقع! ف٥١ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے۔ کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور پڑوس میں ندی۔ کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط اور عام دولتمندی اس پر مستزاد۔ دنیوی فراغت و خوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ثَمَرٌ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔ ویکنی به عن المال المستفاد (راغب) ومن المجاز الثمر انواع المال (تاج) اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔ اے انواع من المال من ثمر اذا كثر (کشاف) عن مجاهد الذهب والفضة اے كان له مع الجنتين اشياءٌ من النقود (کبیر۔ عن مجاہد) يراد بهما الذهب والفضة خاصة (بحر۔ عن مجاہد) ف٥٢ (درآنحالیکہ تو توحید کا قائل ہے اور اپنے کو اہل حق سے قرار دیتا ہے) کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ میرا طریقہ اگر خلاف حق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔ نَفَرًا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔ یعنی انصارًا و حشمًا وقيل اولادًا ذكورًا (کشاف) بصاحبه۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحد و دیندار تھا۔ ف٥٣ (مع اپنے اس دیندار ساتھی کے) وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔ ف٥٤ غیر خداپرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی و مادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشوونما، ترقی کے انہیں مادی و قریبی اسباب پر نظر کر کے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعًا کوئی آثار نہیں۔ یہ قول ایک فاضل محقق کے "اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسباب طبعیہ کو کوئی معطل کر سکے اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے، کس طرح مختل و ویران ہو" تَبِيْدَ۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ البيد ... الهلاك (بحر) ف٥٥ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشر نشر برحق نکلا تو میں جس عیش و عشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، اس سے زیادہ چین و آرام میں وہاں رہوں گا۔ ف٥٦ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید و قیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے) صَاحِبُهٗ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحد رفیق۔

ف٥٧ یعنی تیرے سب اعضا اور قویٰ درست کئے اور تجھے ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا۔ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ ہر انسان کا مادۂ بعید مٹی ہی ہے، بواسطۂ آدم علیہ السلام۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بواسطۂ رحم مادر۔

لَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾

بجز اللہ (کی مدد) کے۔ ف۵۸ (اور) اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے

فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ

تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے ف۵۹

وَ يُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ

اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان

صَعِيۡدًا زَلَقًا ۙ﴿۴۰﴾ اَوۡ يُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ

ہو کر رہ جائے ف۶۰ یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو

تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ

اس کی کوشش بھی نہ کر سکے ف۶۱ اور اس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ) پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر

عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ف۶۲

وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّـنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے)

مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَـقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ

بدلہ لے سکا ف۶۳ ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا ثواب سب سے بہتر اور (اسی

ف۵۸ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے، اسی کے سہارے ہے) بِاللّٰهِ۔ ب باء الاستعانۃ ہے۔ ای لا قوۃ لاحد علی امر من الامور الا باعانۃ اللہ (کبیر) موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے۔ وَلَوْ . . شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائے گا۔ اسباب طبعی سب اسی کی مشیت کے ماتحت ہیں، نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کی قوت سے۔ ای ھذا بقوۃ اللہ لا بقوتی (ابن عباسؓ) متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔ واحتج اصحابنا بھذا علی ان کل ما ارادہ اللہ وقع و کل مالم یردہ لم یقع (کبیر) ف۵۹ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) خَيْرًا۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا۔ اِنْ . . . . وَلَدًا۔ یہ موحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے، وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔ ف۶۰ یعنی بالکل اجڑ جائے۔ عَلَيْهَا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔ حُسْبَانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم نہی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری۔ بمعنی الحساب ای مقدراً قدرہ اللہ (کشاف) (کبیر) اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔ وانما ھو فی الحقیقۃ ما یحاسب علیہ فیجازی بحسبہ (راغب) وذلک الحسبان حساب ما کسبت یداک (جمل۔ عن الزجاج) ف۶۱ (چہ جائیکہ اسے حاصل کر سکے) یعنی پڑوس کی جس نہر پر تجھے بڑا ناز ہے، خود اسی کا پانی بالکل خشک ہو جائے، اور باغ و کاشت سب کا ستیاناس ہو جائے۔ ف۶۲ یہ قول ندامت ضرر کی بناء پر تھا، اس سے عقیدۂ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اس حسرت و ندامت سے بھی مقصود تمامتر دنیا ہی تھی، اس لئے یہ قول نجات کے لئے کافی نہ ہوا۔ انما رغب فی التوحید والردع عن الشرک لاجل طلب الدنیا فلھذا السبب ما صار توحیدہ مقبولاً عند اللہ (کبیر) يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ۔ محاورہ میں تقلیب کفین سے مراد حسرت و ندامت ہوتی ہے۔ و تقلیب الکفین کنایۃ عن الندم والتحسر (کشاف) و ھو کنایۃ عن الندم والحسرۃ (کبیر) ف۶۳ اپنے جس مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اعز منک مالاً واکثر نفراً اس کی حقیقت و بساط اس نے کیسی اسی دنیا میں دیکھ لی! يَنْصُرُوْنَهٗ . . . . . مُنْتَصِرًا۔ منتصر کے معنی بدلہ لینے والے کے بھی ہیں اور يَنْصُرُوْنَهٗ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ ینصرونہ ای ینجونہ من عذاب اللہ وما کان منتصرا ای ممتنعا من عذاب اللہ (ابن جریر۔ عن قتادہ) مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں۔ نصرت صرف اسی کی ہے۔ ای ھو اللہ تعالٰی وحدہ القادر علی نصرتہ ولا یقدر احد غیرہ ان ینصرہ (کبیر)

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ

کا) نتیجہ سب سے بہتر ہے ۶۴ اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان

الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

خوب گنجان ہوگئی ہے ۶۵ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۶۶ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

ایک رونق ہیں اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہے اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ۶۷ اور وہ دن (یاد رکھنے کے قابل

وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

ہے) جب ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تو زمین کو دیکھے گا کہ کھلا میدان ہے ۶۸ اور ہم ان (سب) کو جمع کر دیں

مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ

گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے ۶۹ اور وہ تیرے پروردگار کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کیے

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ

جائیں گے، آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا، لیکن تم تو یہ خیال کرتے

نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائیں گے ۷۰ اور نامۂ عمل رکھ دیا جائے گا سو تو مجرموں کو

و۶۴ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہوتا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔ الْوَلَایَۃُ۔ ولایۃ (بالفتح) کے معنی کارسازی وانصرام امور کے ہیں اور ولایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ الولایة النصرة و الوَلایة تولی الامر (راغب) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ قیل الوَلایة و الوِلایة واحدة و حقیقة تولی الامر (راغب) ابن جریر نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر ولایۃ (بالفتح) ہے، جس کے معنی دوستی یا مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قراءۃ ولایۃ (بالکسر) ہے۔ جس کے معنی حکومت وغلبہ کے ہیں۔ و۶۵ (اور خوب سرسبز و شاداب) دنیا کے مال وجاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گزر چکی، مذاق وفہم عرب کے خاص طور پر موافق۔ اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔ كَمَآءٍ۔ ک حرف تشبیہ ہے۔ اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔ و۶۶ ایجاد و اعدام، ابقاء و افناء سب پر یکساں قادر، جب اور جیسے چاہے، ہست سے نیست کر دے اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔ كَمَآءٍ... الرِّیٰحُ۔ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے، ابھی ہری بھری نظر آ رہی ہے، اور عنقریب ہلاک و برباد ہو کر رہے گی۔ و۶۷ نفس اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی وفانی بلکہ سریع الفناء چیزیں ہیں۔ لیکن ہر عمل خیر وشر سے جو اثر انسان پر مرتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب وعذاب ہے اور وہ ایک دائمی اور ثابت وقائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب وعذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمال صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرما دیا گیا۔ لما كانت الاعمال اسبابًا فی الثواب و العقاب كان الثواب و العقاب دائمین لا ینقطعان و باقیین لا یفنیان و صفت الاعمال بالبقاء عملاً مجازیا علیها (ابن العربی) اَلْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ محققین نے کہا ہے کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفت الٰہی یا محبت الٰہی یا طاعت الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔ كل عمل وقول دعاك الى الاشتغال بمعرفة الله وبمحبته وخدمته فهو الباقيات الصالحات (کبیر) عن قتادة هو كل ما ارید به وجه الله (بحر) زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ یعنی مال واولاد اسی دنیوی زندگی کی ایک بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں۔ تو جب خود دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اس کے تابع وضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بھی بڑھ کر ہوگی۔ یہ مال واولاد کو تعبیر الحض زینت حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال واولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے، اور ان سے طاعت الٰہی وخدمت دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال واولاد مقصود ومطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی عین باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہیں، ان کی رضا وطاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود بھی حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود ہی زود فنا ہوتے ہیں۔ و۶۸ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہو چکے ہوں گے۔ و۶۹ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدان حشر میں۔ و۷۰ (اور تم باوجود اپنے خلق اول کے علم ویقین کے اپنی خلق ثانی کے معتقد وقائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کر کے ارشاد ہوگا۔ والخطاب لكفار المنكرين البعث على سبيل تقريعهم وتوبيخهم (بحر) لَقَدْ...... مَرَّةٍ۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر وناز کیا کرتے تھے۔ بَلْ کا ترجمہ 'بلکہ' اور 'لیکن' دونوں سے ہو سکتا ہے۔ بل للاضراب بمعنی الانتقال من خبر الى خبر (بحر)

الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا

دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری کم بختی

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ

اس نامۂ عمل کی تو عجیب حالت ہے کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بغیر

اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا

اس کو قلمبند کئے ہوئے ولے اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے وہ (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور

یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا وٖلے اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

کہ آدم کے روبرو جھکو، سو وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) وٖلے وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ

سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا وٖلے سو کیا تم اسے اور اس کی نسل کو

اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ

میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں وٖلے ظالموں کے لئے بہت برا

بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

بدل ہے وٖلے میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت بلایا

وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ

اور نہ انہیں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست و بازو بنانے والا

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَ یَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ

ہی نہ تھا وٖلے اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ) فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنہیں

ولے منکروں کے حق میں منظر حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پرحسرت تصویر ہے! صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ اے لا یترک شیئاً من المعاصی سواء کانت صغیرة او کبیرة الا وھی مذکورة فی ھذا الکتاب (کبیر) وٖلے (کہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے، یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھا دی جائے۔) وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ بعض اہل کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہوں گے۔ یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہٖ وہی عمل کرتا ہوا پائے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔ وٖلے بِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ اِبْلِیْسَ۔ اور سارے واقعۂ آدم، ابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں میں گزر چکے۔ وٖلے (جیسا کہ ایک جنّی سے مستبعد بھی نہیں) كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں! فیہ بیان انہ لیس من الملٰئکة لانہ اخبر انہ من الجن فھو جنس غیر جنس الملٰئکة (جصاص) والظاھر من ھذہ الاٰیة انہ لیس من الملٰئکة وانما ھو من الجن (بحر) ابلیس کے جنّی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا اس نے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت ارادہ و اختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے اس مقتضائے طبعی کو بہ آسانی روک سکتا تھا اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ فَفَسَقَ میں ف فاء سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے سرکشی کی۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا۔ والفاء للسبب وفیہ دلیل علی ان الملک لا یعصی البتة وانما عصی ابلیس لانہ کان جنیًا فی اصلہ (بیضاوی) والفاء للسبب ایضًا جعل کونہ من الجن سببًا فی فسقہ یعنی انہ لو کان ملکًا کسائر من سجد لاٰدم لم یفسق عن امر اللہ لان الملٰئکة معصومون البتة (بحر) فسق اب جس معنی میں چل گیا ہے۔ یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی۔ یہ زبان عرب میں تمامتر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل یہ معنی شائع و رائج نہ تھے۔ وقال ابو عبیدة لم تسمع ذلک فی شیء من اشعار الجاھلیة ولا احادیثھا وانما تکلم بہ العرب بعد نزول القراٰن ووافقہ المبرد علی ذلک (روح) قال ابن العربی لم یسمع الناس فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب) وٖلے (جن کا کام ہی تمہیں بگاڑنا، ضرر پہنچانا ہے) اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ۔ یعنی میرے مقابلہ پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز و چارہ ساز سمجھتے ہو۔ ذُرِّیَّتَهٗ۔ ذریت کے معنی نسل یا اولاد کے ہیں۔ اور سلسلہ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے۔ جنات میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس لفظ ذریت سے استشہاد مزید یہ کیا ہے کہ سلسلہ نسل تو جنات ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔ واستدل نافی ملکیتہ بظاھر الاٰیة حیث افادت انہ لہ ذریة والملٰئکة لیس لھم ذلک (روح) اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ میں حرف ہمزہ انکار و حیرت کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں ارے یہ غضب کرتے ہو! الھمزة للانکار والتعجب (بیضاوی) الھمزة للتوبیخ والانکار والتعجب (بحر) وٖلے بَدَلًا۔ بدل کے معنی اگر عوض کے لئے جائیں جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے برے برے ملیں گے۔ لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز سمجھنا تو چاہیے حق تعالیٰ کو اور یہ بجائے اس کے دوست و کارساز ابلیس و ذریات ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں۔ لِلظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق متناقض اور بے جا قائم کئے ہوئے ہیں۔ صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعۃً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کی جانب ہے۔ وٖلے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد تک بھی اپنا معین یا مشیر بناتا۔ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کارخانۂ ایجاد و تکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی جن "معبودوں" کو تم شریک خدائی ٹھہرا رہے ہو، یہ کسی اور معاملہ میں مشیر و شریک تو کیا ہوتے، خود اپنے ہی وجود کے باب میں یہ کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟ وَ مَا كُنْتُ...... عَضُدًا۔ بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا جائز نہ ہے۔ واستدل بھا علی انہ لا ینبغی الاستعانة بالکافر وھو فی امور الدین کجھاد الکفار وقتال اھل البغی واما الاستعانة بھم فی امور الدنیا فالذی یظھر انہ لا باس بھا (روح)

زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا

تم گمان کرتے تھے ف۷۸ پس وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے

بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ

درمیان ایک آڑ کر دیں گے ف۷۹ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ

مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ﴿۵۳﴾ع وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا

اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی راہ بچنے کی نہ پائیں گے ف۸۰ اور ہم نے

فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ

اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور

الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ

انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے ف۸۱ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ

يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ

ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا بجز

اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ

اس کے کہ (ان کو اس کا انتظار ہو کہ) انہیں بھی اگلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب روبرو ان پر

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ

نازل ہو ف۸۲ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر)

وَمُنۡذِرِيۡنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ

بھیجا کرتے ہیں ف۸۳ اور کافر لوگ ناحق جھگڑے نکالتے ہیں

لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا

تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچاڑ دیں اور انہوں نے میری نشانیوں کو اور اس کو جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے

ف۷۸ یعنی اپنی امداد و اعانت کے لئے بلاؤ۔ شُرَكَآءِىَ۔ یعنی وہ تمہارے پندار کے مطابق میرے شریک خدائی تھے۔ ف۷۹ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی) بَيۡنَهُمۡ۔ یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان ف۸۰ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ اللہ! فَظَنُّوۡۤا۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقنوا (بیضاوی) قال ابن عطیة اطلق الناس ان الظن هنا بمعنی التیقن (بحر) ف۸۱ یعنی ہر ایک مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔ یعنی ان جدل الناس اکثر من جدل کل شیء (بحر) الۡاِنۡسَانُ۔ یعنی سرکش، نافرمان انسان۔ محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔ وکثیرا ما یذکر الانسان فی معرض الذم (بحر) ف۸۲ مطلب یہ ہے کہ جب صاف ہدایت آ چکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے جائیں یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں لیکن عذاب در عذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔ الۡهُدٰى۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل و شواہد کے وهو الرسول الداعی والقرآن المبین (بیضاوی) سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آ چکا تھا۔ یعنی عذاب ہلاکت و استیصال، وهو عذاب الاستیصال (کبیر) قُبُلًا۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنے جھنڈ جھنڈ کے یا متواتر و مسلسل انواع عذاب کے ہیں۔ قال مجاهد جماعة جماعة فیکون جمع قبیل (راغب) وهو جمع قبیل بمعنی ضروب من العذاب تتواصل مع کونهم احیاء (کبیر) ف۸۳ (اور جتنے دلائل و شواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انہیں دے دیتے ہیں) آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مبشر و منذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر و انذار ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات و خوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک امر لغو ہے۔

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

دل لگی بنا رکھا ہے ۸۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے پروردگار کی نشانیوں کے ذریعہ سے نصیحت کی

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا

جائے سو وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اسے بھلا دے ۸۵ ہم نے ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس کے سمجھنے سے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے ۸۶

وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ آئیں ۸۷

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے ۸۸ وہ اگر ان پر دارو گیر

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

ان کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ

ایک متعین وقت ٹھہرا رکھا ہے اس کے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے ۸۹ اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر

لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع وَ اِذْ قَالَ

ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت معین کیا تھا ۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تاآنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں ۹۱

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا

یا (یوں ہی) سالہا سال تک چلا کروں ۹۲ پھر جب دونوں وہ دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو

ف ۸۴ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنا لیا! کیا حد ہے ان کی ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی! وَمَاۤ اُنْذِرُوْا۔ یعنی میرے عذاب کو۔ وَيُجَادِلُ۔۔۔۔ الْحَقَّ۔ یعنی طرح طرح کی کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگا دیں۔ یجادل کے باب مفاعلہ سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ وهذا يدل على ان الانبياء كانوا يجادلونهم لما بيّنا ان المجادلة انما تحصل من الجانبين (کبیر) ف ۸۵ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔ نَسِيَ۔ نسیان سے یہاں غیر ارادی سہو مراد نہیں۔ بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔ والمراد من النسيان التشاغل والتغافل عن كفره المتقدم (کبیر) ف ۸۶ (اس کے سمجھنے سے) يَفْقَهُوْهُ میں ضمیرهٗ الحق کی طرف ہے جو ایک آیت قبل لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ میں گزر چکا۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً۔ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ دلوں پر پردہ پڑنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے کئی بار پہلے گزر چکے۔ بندہ جب اپنے قصد واختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے کہ نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔ قلوب اور اذان دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔ ف ۸۷ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے) اِذًا یعنی جب کہ ان کے دل اور ان کے کان، ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر چکے ہیں۔ ف ۸۸ چنانچہ اس صفت غفر کے تقاضہ سے اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان و کفر کے اگر راہ راست پر آ جائیں تو توبہ قبول ہو سکتی اور مغفرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور صفت رحمۃ کے تقاضہ سے اس نے انہیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔ ف ۸۹ اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی فوراً نہیں آتا بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی رہتی ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ ضمیر موعد کی طرف ہے۔ یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے کہ پیشتر ہی سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔ والضمير المجرور عائد على الوعد كما هو الظاهر (روح) یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف بھی جائے۔ قيل يعود على الله تعالى وهو مخالف للظاهر (روح) ف ۹۰ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین ومقرر پر ہلاک ہوئیں) تِلْكَ الْقُرٰى یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ والكلام على تقدير مضاف اى اهل القرى (روح) اشارہ ان سرکش ونافرمان پرقوت قوموں کی جانب ہے جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آ چکا ہے، اور جو ہر قرآن خوان کے لئے معلوم ومعروف ہیں۔ اى قرى عاد وثمود وقوم لوط واشباههم (روح) ف ۹۱ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے) توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں — اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ ومروجہ بہ حیثیت تاریخ وتذکرہ کے بھی ناکمل وناقص ہے۔ لِفَتٰىهُ۔ فتی کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں اور مجازی معنی غلام یا خادم کے۔ الفتى الطرى من الشباب والانثى فتاة ويكنى بهما عن العبد والامة (راغب) والعرب تسمى الخادم فتى لان الخدم اكثر ما يكونون فى سن الفتوة (روح) قيل للخادم فتى على جهة حسن الادب (بحر) مراد حضرت یشوع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں یہ تصریح موجود ہے اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں۔ حضرت یشوع حضرت موسیٰ کے عزیز خاص وخادم خاص تھے — بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ وانطلق معه بفتاه يوشع بن نون (بخاری۔ کتاب التفسیر) توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔ ''موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا'' (گنتی۔ ۱۱:۲۸) ''اور موسیٰ علیہ السلام اور اس کے خادم یشوع آئے (خروج۔ ۲۴:۱۳)'' اور وہ لشکرگاہ کو پھرا۔ پر اس کا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا'' (۳۳:۱۱) حسب روایت توریت ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ''اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا'' (یشوع۔ ۲۹:۲۴) مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ۔ اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں کے ملنے کی جگہ مراد ہو سکتی ہے اور اگر جیسا کہ اغلب ہے، سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا تو عجب نہیں کہ جو بحر قلزم کے شمالی دوشاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو۔ یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انہیں سفر میں رفیق رکھنا سنت انبیاء میں سے ہے۔ ف ۹۲ (تاآنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے) محققین نے لکھا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ ذلك تنبيه على ان المتعلم لو سافر من المشرق الى المغرب لطلب مسئلة واحدة لحق له ذلك (کبیر) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہیے جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔

حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا

دونوں بھول گئے ف۹۳ سو اس نے سرنگ بنالی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی ف۹۴ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے

جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

تو اپنے خادم سے بولے کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے ف۹۵ وہ

هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ

بولا کہ لیجئے ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو

فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ

بھول ہی گیا اور مجھے بس شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ

اس نے تو دریا میں عجب طرح اپنی راہ لی ف۹۶ (موسیٰ نے) کہا وہی تو وہ (مقام) تھا جس کی

ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ ۙ

ہم کو تلاش تھی ف۹۷ پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے تو انہوں نے ہمارے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ

بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے

عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

پاس سے ایک (خاص) علم سکھلایا تھا ف۹۸ موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾

رہ سکتا ہوں کہ جو علم (مفید) آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں ف۹۹ انہوں نے کہا

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ

آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا ف۱۰۰ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں

ف۹۳ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔ فاخذ حوتا فجعله فی مكتل ثم انطلق (بخاری۔ کتاب التفسیر) نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ یعنی اس مچھلی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے تھے۔ اس کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سفر پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے گی وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔ نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زادِ راہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ ف۹۴ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی۔ اور بطور خارق عادت زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ سَرَبًا یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنا لیا۔ السرب الذهاب فی حدور (راغب) یا محض راستہ پکڑ لیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ معنی مروی ہیں۔ سربا ای مذهبا. يسرب ای يسلك۔ ف۹۵ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں — ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑ گیا ہو۔ مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں۔ البتہ بے صبری و شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ يدل علی اباحة اظهار مثل هذا القول عند ما يلحق الانسان نصب او تعب فی قربة وان ذلك ليس بشكاية مكروهة (جصاص) آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔ زادِ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمالِ نبوت کے بھی منافی نہیں — آیت میں بڑا سبق ہے ان "خوش عقیدہ" مریدوں اور معتقدوں کے لئے جو "بزرگوں" کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمامتر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ فَلَمَّا جَاوَزَا۔ یعنی جس مقام کی نشان دہی انہیں کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔ ف۹۶ "عجب طرح" یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پا گئی۔ اَرَءَيْتَ کلمۂ تعجب ہے اور محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں "ارے!" یا "دیکھئے" یا "یہ ملاحظہ ہو!" نَسِيْتُ الْحُوْتَ۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ مذہب کی زبان میں ہر بری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ و نسیان کا پیش آ جانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ ف۹۷ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتہ تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ ف۹۸ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبد مقرب و مقبول کا نام خضر آیا ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اس خصوصی رَحْمَةً سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ نبوت ہی کی شکل میں ہو۔ چنانچہ حضرت خضر کی نبوت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فالجمهور علی انه عليه السلام نبی وليس برسول وقيل هو رسول وقيل هو ولی وعليه القشيری وجماعة (روح) ولم يكن الخضر نبيا عند اكثر اهل العلم (معالم) عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ یہ علم بلا واسطہ اسباب و اکتساب و تعلم براہ راست حضرت حق سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرار کونیہ کا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ جس علم پر قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے وہ علم اسرار کونیہ نہیں، علم اسرار الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔ اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انہیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں عالم ترین ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو۔ اور اس کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔ لا يبعد ان العالم الكامل فی اكثر العلوم يجهل بعض الاشياء فيحتاج فی تعلمها الی من دونه وهذا امر متعارف معلوم (کبیر) عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ وہ بزرگ بایں مرتبہ کمال بہرحال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے۔ "بندہ" سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے اور بندہ بھی کیسے؟ حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! — اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبہ شرک سے احتراز و احتیاط کا ہے! مِنْ عِبَادِنَا حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام و تخصیص کے لئے ہے۔ هذه اضافة تشريف واختصاص (بحر) ف۹۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام بایں جلالت مرتبہ و درجہ نبوت ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب و اکتساب کروں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع اور ادب و لطف کی رعایتیں جمع کر رہے ہیں۔ ف۱۰۰ (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پا کر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے) حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیمبر جلیل القدر کے جوش ایمانی کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کر سکیں گے۔

وا۱۰۱ یعنی وہ افعال بظاہر خلاف شریعت ہوں گے، اور آپ کو جب ان کے منشاء صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کے کیسے رہ سکتے ہیں!۔۔۔ یہ صاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کر دی ہے اور آپ کو وارد گیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔ و۱۰۲ یعنی نہ آپ کی نافرمانی کروں گا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کروں گا۔ صَابِرًا کا مفہوم یہاں بے ضبط کر جانے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کریں گے۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھر لی گویا حاشا ان کا وعدہ یہ تھا کہ امور مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ انشاء اللہ ملائی جس سے اقرار عہد و پیمان پیدا نہیں ہونے پایا اور اسی لئے ان دونوں باتوں کی بناء پر آئندہ نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاذ کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض ومخالفت کی عادت اختیار کرے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور تذلل برتے۔ هذا يدل على ان المتعلم يجب عليه فى اول الامر التسليم وترك المنازعة والاعتراض (کبیر) وقول موسى له تواضع شديد واظهار للتحمل التام والتواضع الشديد وكل ذلك يدل على ان الواجب على المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات (کبیر) و۱۰۳ یہ شرط حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے زائد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا۔ نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔ و۱۰۴ کوئی ایسا مقام سفر میں آ گیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا۔ سمندر یا دریا کے کنارے کنارے تو یوں بھی چل رہے تھے۔ و۱۰۵ (جس پر سکوت کرنا میرے حد عہد سے خارج ہے) اِمْرًا کہتے ہیں امر منکر ومعیوب کو۔ لِتُغْرِقَ میں لِ عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ بھی مرتب ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو۔ (گو حقیقت میں نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی زبان میں انہیں کو قطب التکوین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔ و۱۰۶ (سو دیکھئے وہی بات آگے آئی) اس نباہ نہ کر سکنے سے جس کا مبنی ومنشاء تمامتر غیرت دینی وجوش ایمانی تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منقصت نہیں اور مدح ومنقبت ہی نکلتی ہے۔ و۱۰۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہراً یکسر معصیت تھے قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضر کی ہدایت کا بھی پاس ولحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے۔ عدم مخالفت کا وعدہ بھی آپ نے وفور شوق ہی میں کیا تھا لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلا تامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے۔ سکوت محض کا اول تو آپ کی طرف سے وعدہ ہی نہ تھا، وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا۔ اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو ونسیان پر مؤاخذہ نہیں۔ ذكر ان النسيان لا يقتضي المؤاخذة وهذا يدل على ما قدمناه من انه لا يدخل تحت التكليف (ابن العربی) و۱۰۸ نُكْرًا کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ نكرا اى واهية (بخاری) قال ابو عبيدة نكرا اى عظيما (فتح الباری) النكر الدهاء والامر الصعب الذى لا يعرف (راغب) قال الليث الدهاء والنكر لغة للامر الشديد (تاج) نکر کا درجہ مجھ میں امر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ النكر اعظم من الامر فى القبح (کبیر) وقيل النكر ما انكرته العقول ونفرت منه النفوس وهو ابلغ فى تقبيح الشىء من الامر (کبیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو مامور ہی تھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر۔ اب کی آپ کے ٹوکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ اب کی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بے جا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہرحال ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ اى انكر من الاول لان ذلك كان غرقا يمكن تداركه بالسد وهذا لا سبيل الى تداركه (کشاف) زَكِيَّةً ... نفس۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ۔ تو قتل قصاص نہیں۔ چہ جائے کہ بالکل بے قصور قتل ہوا! بحمد اللہ آج سہ شنبہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۳ء مطابق ۲ جمادی الثانیہ کو بعد نماز ظہر اس پارہ پانزدہم کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔـا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔـا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے و۱۰۱ (موسیٰ نے) کہا آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا و۱۰۲ (خضر) بولے کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجیے گا جب تک کہ میں خود ہی اس کے ذکر کی ابتداء نہ کروں و۱۰۳ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو و۱۰۴ (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کر دیا کہ تجھے یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً آپ نے بہت بری بات کر ڈالی و۱۰۵ (خضر نے) کہا میں نے کہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکیں گے و۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجیے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے و۱۰۷ (اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بے جا حرکت کی و۱۰۸

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ

(خضر نے) کہا میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو

صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا

سکے گا ۱۰۹ (موسیٰ نے) کہا (اچھا اب) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں

فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بے شک آپ میرے بارہ میں حد عذر کو پہنچ چکے ۱۱۰

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ

پھر دونوں چلے ۱۱۱ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا

مانگا ۱۱۲ سو انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا ۱۱۳ پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی

يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ

جو گرا چاہتی تھی سو (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا اگر آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی

عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ

لے لیتے ۱۱۴ (خضر) بولے (بس) یہ (وقت) میری آپ کی علیحدگی کا ہے ۱۱۵

سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں جن کے بارہ میں آپ ضبط نہ کر سکے ۱۱۶

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ

وہ جو کشتی تھی سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے ۱۱۷

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ

سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا ۱۱۸

۱۰۹ (اور اب اس کا ظہور پوری طرح ہونے لگا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلا سوال تو غالباً بے خیالی سے کر گزرے تھے جیسا کہ ان کے عذر لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ سے متبادر ہو رہا ہے۔ لیکن یہ دوسرا سوال عمداً تھا چنانچہ اب کی وہ اپنے سہو و نسیان کا عذر بالکل نہیں پیش کرتے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو ظاہر ہے کہ پیغمبر برحق تھے۔ اور آپ کا کام تو ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔ "موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر کے پھر جو اعتراض فرمایا تو وجہ یہ کہ وہ وعدہ معنًی مقید تھا عدم مخالفت شریعت کے ساتھ گو صورۃً مطلق تھا۔ پس اس کو خلاف لازم نہیں آتا" تھانوی علیہ الرحمۃ ۱۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اچھا اب کی اور درگزر سے کام لیجئے۔ لیکن آپ بھی شرائط کی خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے عذر کی حد کو پہنچ گئے۔ اب اگر میں آپ سے کوئی اور سوال کروں تو آپ بیشک معذور ہیں اور مجھے فوراً اپنے ساتھ سے الگ کر سکتے ہیں۔ "بعض کو اس قصہ سے یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ پیر اگر کوئی خلاف شرع کام کرے اس پر انکار نہ کرے۔ چنانچہ اسی قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا کمال نص سے معلوم تھا۔ اس لئے سکوت جائز تھا۔ دوسرے کا ان پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) عَنْ شَىْءٍ۔ یعنی ان چیزوں سے متعلق جو آپ سے بہ سلسلہ عجائب و خوارق سرزد ہوتی ہیں۔ اے عن شیء تفعله من الاعاجیب (روح) ۱۱۱ (اور حضرت خضر علیہ السلام نے وہ بات رفت و گزشت ہو جانے دی) ۱۱۲ (کہ ہم اس اجنبی شہر میں مہمان ہیں) قدیم زمانہ میں جب کہ نہ قدم قدم پر مہمان سراؤں کا رواج تھا، نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکانوں کا۔ مسافر اور نوارد اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں اور بستی والے ان کی مہمانداری اپنا فرض سمجھتے تھے اور عموماً اسے بڑی خوش دلی سے بجالاتے تھے۔ قرآن مجید سے اشارۃً یہ بات بھی نکل آئی کہ میزبانی اور مہمانی کا یہی جذبہ صحیح تھا۔ ۱۱۳ (جو اس قدیم تہذیب میں ایک بہت ہی قبیح جرم تھا) ۱۱۴ (کہ ہم لوگوں کا کام بھی چل جاتا اور ان لوگوں کی تادیب بھی کسی قدر ہو جاتی) يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ۔ ارادة یہاں مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی قرب وقوع کو ارادہ وقوع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ والمراد من ارادة السقوط قربة من ذلک علی سبیل المجاز المرسل (روح) استعیرت الارادة للمداناة والمشارفة (کشاف) زمخشری صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عربی میں متعدد افعال ارادی کا انتساب مجازاً جمادات لا یعقل کے ساتھ ہوتا رہتا ہے مثلاً ہم، عزم، قول، نطق، صدق، کذب، سکوت، تمرد وغیرہا اور کلام عرب سے ان کی سندیں بھی پیش کی ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کسب معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ ۱۱۵ (جیسا کہ آپ خود ہی طے کر چکے ہیں) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس سے استنباط کیا کہ جب مرید سے خلاف و نزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو امید اس سے مناسبت و موافقت کی نہ باقی رہ جائے تو اسے جدا کر دینا درست ہے۔ ۱۱۶ اس قصہ سے بعض کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں۔ علم مرضیات الٰہی جو متعلق بالنفس ہیں اور علم اسرار کونیہ۔ پہلا تو شریعت کا ایک جزء ہے اور جزء کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا اور دوسرا چونکہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا اس لئے افضلیت کا احتمال بھی نہیں۔ دوسرا دھوکا یہ ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا اس قصہ سے ثابت ہے اور ابھی سن لیا ہے کہ وہ علم شریعت سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل نہیں ہے۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) بِتَاْوِيْلِ۔ تاویل سے یہاں مراد غایت و مصلحت یا مصلحت تکوینی ہے۔ التاویل رد الشیء الی مآله والمراد به هنا المآل والعاقبة (روح) ۱۱۷ (اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے کچھ کما لیتے تھے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آلات حرفہ و تجارت پر زکوٰۃ نہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان ملاحوں کو باوجود کشتی کے مالک ہونے کے مسکین ہی کہا۔ فقہاء مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مسکین کا اطلاق ہر اس شخص پر جائز ہے جو اگرچہ مال رکھتا ہو مگر وہ اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ وهو دلیل علی ان المسکین یطلق علی من یملک شیئا اذا لم یکفه (بیضاوی) وفیه دلیل علی ان المسکین وان کان یملک شیئا فلا یزول عنه اسم المسکنة اذا لم یقم ما یملک بکفایته (معالم) ۱۱۸ وَرَآءَ یہاں بہ معنی امام (سامنے) کے ہے۔ اور وَرَآءَ کے امام کے مترادف ہونے میں کسی لغوی کو اختلاف بھی نہیں۔ قاله قتادة امامهم (ابن جریر) وهو قول قتادة وابی عبید وابن السکیت والزجاج (روح) ولا خلاف عند اهل اللغة فی مجیء وراء بمعنی امام (روح) بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تو قراءت ہی بجائے وَرَآءَهُمْ کے اَمَامَهُمْ کی ہے۔ وکان ابن عباس یقرأ وکان امامهم ذلک (فتح القدیر) مراد یہ ہے کہ وہ کشتی جدھر جا رہی تھی، اسی طرف آگے بڑھ کر ایک ایسے ظالم و غاصب بادشاہ کی عملداری شروع ہونے والی تھی۔

ف۱۱۹ (سو اگر میں اس کشتی میں سوراخ نہ کر دیتا تو وہ بادشاہ اسے بھی پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعہ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ ہے کہ اس کی مرمت وہ لوگ تھوڑے میں کرالیں گے اور اس نقصان عظیم سے بچ جائیں گے) ف۱۲۰ (اور مجھ کو کشف تکوینی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ بڑا ہو کر کافر ہوگا) یہ علم مکاشفہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا کے تحت میں موقع مدح پر آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر ۶۵ اور حاشیہ نمبر ۹۸ پارہ ۱۵۔ ف۱۲۱ (اور وہ دونوں اپنی طبعی محبت سے اس کا ساتھ بے دینی میں دینے لگیں گے) خشینا۔ خشیت یہاں خوف و اندیشہ کے معنی میں نہیں۔ علم و یقین کے معنی میں ہے۔ والخشية والخوف توجههما العرب الى معنى الظن وتوجه هذه الحروف الى معنى العلم بالشيء الذي يدرك من غير جهة الحس والعيان (ابن جریر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خشیت اپنے اصلی معنی پر رہے اور حق تعالیٰ نے جب خضر علیہ السلام کو پوری اطلاع اس لڑکے کی آئندہ صلاحیتوں سے متعلق دیدی تو آپ نے خود ہی آئندہ کے اندیشوں سے اسے قتل کر دیا ہو۔ وانما خشي الخضر منه ذلك لان الله تعالى اعلمه بحاله واطلعه على سر امره وامره اياه بقتله (کشاف) فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد کے گناہوں میں والدین بھی توقتل و رضا و عدم منع کی صورت میں ماخوذ ہوں گے۔ ف۱۲۲ (اور اس لڑکے کا ہم کو ہی تمام مرویں) زکوۃ۔ پاکیزگی میں یعنی دین و اخلاق میں۔ اے طهارة من الذنوب والاخلاق الردية (بیضاوی) رحما۔ محبت کرنے میں یعنی ماں باپ سے محبت کرنے میں۔ رحما رحم سے ہے اور معنی میں زور و قوت رحمت سے زیادہ رکھتا ہے۔ رحما من الرحمة وهي اشد مبالغة من الرحمة (بخاری) ابو عبیدہ لغوی کا قول ہے کہ رحما رحم سے ہے جس کے معنی قرابت کے ہیں اور رحمت سے زیادہ زوردار ہے جس کے معنی محض رقت قلب کے ہیں وحاصل كلامه ان رحماً من الرحم التي هي القرابة وهي ابلغ من الرحمة التي هي رقة القلب (فتح القدیر) اقرب رحما اي ابرّ لوالديه (ابن جریر عن قتادہ) خشینا۔ ازذ ق۔ بعض محققین نے یہاں یہ نکتہ بھی کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نکیر چونکہ اس واقعہ قتل سے متعلق بہت شدید تھی اس لئے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کو صیغہ جمع متکلم تعظیمی استعمال کیا۔ ف۱۲۳ (جو ان کے باپ سے ان کو میراث میں پہنچا ہے) کنز۔ یہاں اصطلاح فقہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے عام لغوی معنی میں خزانہ یا مال عظیم کے مرادف ہے۔ المدینۃ۔ وہی شہر ہے جس کا ذکر ابھی قریہ کے نام سے اوپر آچکا ہے گویا قرآن مجید نے دونوں لفظ کو مرادف قرار دیا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ پہلا ذکر موقع ہجو و مذمت پر تھا (بہ سلسلہ بخل اہل قریہ) اس لئے لفظ بھی ہلکا لایا گیا اور یہاں محل مدح و تحسین کا ہے (بہ سلسلہ صالحیت یتیمین) اس لئے لفظ بھی اونچا لایا گیا۔ ف۱۲۴ (سو اس کی برکت سے اللہ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھنا چاہا) صالحاً یہاں محل تعلیل میں وارد ہوا ہے یعنی مال کے بچی تحفظ میں دخل والدین کی صالحیت کو بھی تھا۔ اس سے علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ والدین کی صالحیت اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ اولاد خود بھی صالح ہو اور پسر نوح علیہ السلام کی سی نہ ہو۔ فيه دلالة على ان الله يحفظ الاولاد لصلاح الآباء (جصاص) فيه دليل على ان الرجل الصالح يحفظ في ذريته وتشمل بركة عبادته لهم في الدنيا والاخرة (ابن کثیر) يدل على ان صلاح الآباء يفيد العناية باحوال الابناء (کبیر) ف۱۲۵ (تو میں نے دیوار کو درست کر کے دفینہ کو محفوظ کر دیا ورنہ دیوار گر جانے سے لوگ اس مال کو لوٹ کر لے جاتے) کنز کی متعدد تفسیریں مروی ہوئی ہیں لیکن عکرمہ و قتادہ نے اس کے وہی معنی لئے ہیں جو لغت میں عام ہیں یعنی مال مکنوز (ابن جریر) بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ دیوار کی بلا اجرت درستی پر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بہت ہلکا تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے جواب بھی بہت ہلکے انداز میں دیا اور ارادہ عمل میں اپنے نفس کی آمیزش بالکل نہیں آنے دی۔ ف۱۲۶ (بلکہ سارے کام باہمام الٰہی سرانجام دیئے) مطلب یہ کہ ان افعال خلاف شریعت ظاہر میں سے کوئی سا عمل بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں۔ سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔ ف۱۲۷۔ فعلت ما رأيت عن اجتهادي ورائي وانما فعلته بامر الله (کشاف) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی احکام شریعت ظاہری کے

كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ

جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا ف۱۱۹ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾

ایمان والے تھے ف۱۲۰ سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا ف۱۲۱

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

سو ہم نے یہ چاہا کہ اس کے عوض میں ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر

وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ

اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو ف۱۲۲ اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے

يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ

دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا دفینہ تھا ف۱۲۳ اور ان کا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

باپ ایک مرد صالح تھا ف۱۲۴ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں

وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا

اور اپنا دفینہ نکال لیں ف۱۲۵ (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

(کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا ف۱۲۶ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ

صبر نہ ہو سکا ف۱۲۷ اور آپ سے (لوگ) ذوالقرنین کے باب میں سوال کرتے ہیں ف۱۲۸ آپ کہہ دیجیے

سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ؕ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ

کہ ان کا ذکر میں ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں ف۱۲۹ ہم نے انہیں

ع ۱۱

خلاف نہیں جا سکتا تا آنکہ الہام صریح اپنی تائید میں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خود الہام صریح ہی پر اب بعد ختم نبوت کیا دلیل قائم ہو سکتی ہے؟ بعض کو یہاں یہ دھوکا ہوا ہے کہ الہام پر خلاف شرع عمل جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ یا تو وہ نبی ہوں گے اور یا یہ کہ شریعت سابقہ ہوگی۔ مگر اس شرع میں یہ جائز نہیں" (تھانوی علیہ الرحمۃ) مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ جس طرح انبیاء امر نبوت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے۔ اولیاء و اہل خدمت بھی مدارج خدمت میں تابع حکم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا احتجاج ساقط ہو گیا جو کاملین کے لئے امور خلاف شرع فی الواقع کا صدور جائز رکھتے ہیں، وجہ سقوط ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بالکل مامور من اللہ تھے اور یہی مامور بہ شرع ہے۔ اگر وہ نبی تھے تب تو یہ افعال شرع جزئی کی طرف مستند ہیں اور اگر نبی نہیں تھے تو شرع کلی کی طرف کسی اصل جامع کے ذریعہ استنباط ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے اطلاع نہیں ہوئی کہ ان پر وہ مصالح خاصہ منکشف نہیں ہوئے اس لئے وہ استنباط نہ کر سکے۔ ف۱۲۸ عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اس درخواست کا پورا کرنا بھی ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ تعلمن مما علمت رشدا وخصوصاً کے طور پر یہ کہ اور زیادہ ساتھ رہنے میں وہ خاص مناسب موقع پر خود ہی بتلاتے اور ہر واقعہ پر بتلاتے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا۔ اور گو یہ علم موسوی کے برابر مفید عام نہ ہو کیونکہ قابل اتباع نہیں۔ تاہم اس معنی کو مفید خاص کر ضرور ہے کہ بعض حکمتیں مفصلاً منکشف ہوتی ہیں۔ گو اجمالی عقیدہ کہ ہر واقعہ مشتمل حکمتوں پر ہوتا ہے قرب کے لئے کافی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہ کہا کہ تم خلاف شرع کرتے ہو۔

فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ

زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان دیا تھا ف۱۳۰ پھر وہ ایک راہ

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

پر ہو لئے ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے ایک

تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا

سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا ف۱۳۲ اور اس کے قریب ایک قوم کو (بھی) پایا ف۱۳۳

قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ

ہم نے کہا اے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ انہیں سزا دو خواہ

تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ

ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو ف۱۳۴ (ذوالقرنین نے) کہا کہ اچھا۔ مگر جو کافر رہے گا سو ہم اسے عنقریب

نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨٧﴾

سزا دیں گے پھر وہ اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا جائے گا تو وہ اسے بڑا ہی سخت عذاب دے گا ف۱۳۵

وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً

اور جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا سو اس کے لئے اچھا

الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ

معاوضہ ہے اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کے ساتھ نرم بات کہیں گے ف۱۳۶ پھر وہ

أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

ایک (اور) راہ پر ہو لئے ف۱۳۷ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے ف۱۳۸

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ

تو اسے ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے اس کے ادھر

وجہ یہ کہ بعد عصر فرو ہو جانے کے اجمالاً سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو ان کا فعل موافق ہوگا" (تھانوی) سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ پیمبر کے لئے شرط علوم متعلقہ نبوت سے اطلاع ہے نہ کہ تمام علوم سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس علم سے جس کے لئے اتنا بڑا سفر کیا تھا اور جس کے سیکھنے کے لئے اس شوق سے آئے تھے دست برداری گوارا کر لی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ خلاف منصب نبوت ایسے منکر افعال پر (ان کا منشاء باطن کچھ بھی سہی) سکوت گوارا کر لیں۔ اسی لئے محققین کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ کوئی شغل، کوئی کسب اپنے آثار روحانی و لطائف نورانی کے لحاظ سے کیسا ہی مزکی نفس و مجلی قلب ہو اگر احکام شریعت ظاہری کے خلاف ہوگا۔ ہرگز جائز و حلال نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہو جانا یا ان کا منکشف ہو جانا مقاصد میں سے نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ افضل نبی اور اولوالعزم اور صاحب شریعت مستقلہ ہونے کے خضر علیہ السلام سے اکمل ہیں۔ پھر بھی ان واقعات سے متعجب رہے۔ ف۱۲۹ یہ سوال کرنے والے قریش تھے بہ مشورہ یہود۔ بعض روایتوں میں صرف مشرکین کا ذکر ہے، اور بعض میں صرف اہل کتاب کا۔ لیکن قول مشہور و محقق یہی ہے۔ السائلون فی المشہور قریش بتلقین الیہود (روح) ذوالقرنین۔ طرز سوال سے یہ خود ہی نکل آیا کہ ذوالقرنین قرآن کا دیا ہوا نام نہیں بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا چنانچہ مفردات القرآن راغب میں اتنا ہی لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ ذوالقرنین معروف۔ قرن کے معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذوالقرنین کے لفظی معنی ہوئے" دو سینگوں والا"، اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔ قیل القرن القوة (صحاح، لسان) قرآنی تصریحات سے اتنا تو بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دیندار اور بڑے فاتح کشور کشا تھے مگر اس سے زیادہ تعیین قرآن میں نہیں۔ آگے شارحین و مفسرین کے قیاسات ہیں غالب خیال یہ ہے کہ مراد مشہور جنگی فاتح سکندر یونانی (متوفی ۳۲۳ ق۔م) سے ہے۔ والمشہور انه الاسکندر (بحر) یعنی اسکندر الرومی (بیضاوی) الاسکندر الذی ملک الدنیا (مدارک) اسمه سکندر (جلالین) وجب القطع بان المراد بذی القرنین الاسکندر بن فیلقوس الیونانی (کبیر) اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کر دی ہے۔ و ذوالقرنین المذکور فی التنزیل هو اسکندر الرومی (قاموس۔ تاج) وذوالقرنین الموصوف فی التنزیل لقب لاسکندر الرومی (لسان) اس قول کے تسلیم کرنے میں دقت یہ پڑتی ہے کہ سکندر کے موحد و مومن ہونے کا کوئی ثبوت تاریخ میں موجود نہیں۔ یہود، عبادت یہود اور معبد یہود کے ساتھ اس کے ہمدردانہ برتاؤ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسے دین توحید سے کوئی عناد و تنفر نہ تھا جیسا کہ عموماً مشرک بادشاہوں کو رہا کیا ہے۔ دوسرے اقوال جو ایران کے بادشاہ عظیم سائرس یا فورس یا کیخسرو (متوفی ۵۲۹ ق۔م) وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان کے ماننے میں تاریخی دقتیں کچھ کم حائل نہیں۔ قرن یا سینگ توریت کی اصطلاح میں شوکت و اقتدار کے معنی میں آیا ہے۔ اور روایات یہود میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے توریت لیکر واپس ہوئے ہیں تو آپ کے سر پر بھی دو سینگ نمودار تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ سے متعلق متعدد قول اور روایتیں منقول ہیں۔ ایک مشہور مرفوع روایت یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سیر کی تھی اس لئے ذوالقرنین مشہور ہوئے۔ انه طاف قرنی الدنیا ای شرقها وغربها وروی ذلک مرفوعا (روح) سمی بذلک لانه ملک المشرق والمغرب (عنایہ) ف۱۳۰ (حسب مرضی الٰہی) منه میں مضاف خبر محذوف ہے۔ منه ای من خیره (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۳۱ (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں اور منصوبوں کی تکمیل کر سکیں) ای من اسباب کل شیء اراده من اغراضه و مقاصده فی ملکه (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک بڑے بادشاہ اور جلیل القدر فرمانروا تھے۔ سبب کے معنی ذریعہ، واسطہ، سامان کے ہیں۔ جس سے مقصد پورا ہو سکے۔ کل ما یتوصل بها الی شیء (راغب) ما یتوصل به الی المقصود من علم او قدرة او آلة (کشاف) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مال کا حاصل ہونا یہاں تک کہ خزائن اور جاہ کا حاصل ہونا یہاں تک کہ سلطنت کمال کے منافی نہیں۔ ف۱۳۲ (جانب مغرب، بارادہ فتوحات) سبب کے معنی جس طرح ساز و سامان کے ہیں اسی طرح راہ، منزل، طریق کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی بالسبب المنزل (ابن جریر۔ عن ابن عباس) سببا ای منزلا و طریقا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ای منازل الارض و معالمها (ابن جریر عن قتادہ) سکندر اعظم کی ابتدائی فوجی مہمات شمال اور مغرب ہی کی جانب تھیں۔ ف۱۳۳ (جیسا کہ سمندر کے کنارہ کھڑے ہوئے ہر شخص کو سورج سمندر ہی میں ڈوبتا دکھائی دیتا ہے) مغرب الشمس۔ یعنی جہت مغرب میں منتہائے آبادی پر۔ الغرب، والمغرب دونوں سے مراد پچھم کی سمت ہی ہوتی ہے۔ ای منتهی الارض من جهة المغرب (روح) وجدها۔ وجد کے دو مختلف مفہوم لغت عرب میں ہیں۔ ایک معنی تو ہیں "پایا" "معلوم کیا"۔ "دریافت کیا"۔ گویا اس معنی میں واقعیت یا واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے اور دوسرے معنی ہیں "محسوس کیا" "مشاہدہ کیا" گویا اس کا تعلق محض وجدان و ادراک سے ہے واقعہ سے مطابقت ہرگز ضروری نہیں۔ اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ المراد وجدها فی نظر العین (روح) عین حمئة۔ یعنی گندے سیاہ کیچڑ میں۔ ای فی طین اسود (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ذات حمأة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الحمئة الحما السوداء (ابن جریر۔ عن قتادہ) اب تاریخ و جغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب) میں ایک بڑی جھیل آکریڈا (OCHRIDA) کے نام سے جنوبی سرویا (موجودہ یوگوسلاویا) میں واقع ہے۔ مناستر سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب۔ اس کا پانی جن زمین اور چشموں سے آتا ہے وہ بڑے گندلے یا سیاہی مائل ہیں یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام ہی دریائے سیاہ (Black River) ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۳۴ (جو کافر تھی، جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے) قوما کفارا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہاں وجد اپنے پہلے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳ یعنی اس گندے

دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ

کوئی آڑ نہیں رکھی تھی ف۱۳۹ یہ اسی طرح ہے اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی ہم کو

خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

پوری خبر ہے ف۱۴۰ پھر وہ ایک (اور) راہ پر ہو لئے ف۱۴۱ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

درمیان پہنچے تو ان کے ادھر ایک قوم کو پایا جو گویا کوئی بات

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ

ہی نہیں سمجھتے تھے ف۱۴۲ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین (قوم) یاجوج

وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ

و ماجوج (اس) سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ

خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

جمع کر دیں جس سے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں ف۱۴۳

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

(ذوالقرنین نے) کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے سو تم میری مدد محنت سے کرو ف۱۴۴

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ

تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں ف۱۴۵ تم لوگ میرے پاس لوہے کی

الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

چادریں لاؤ ف۱۴۶ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو کہا

انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ

کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ

چشمہ کے کنارے ایک قوم آباد تھی۔ ف۱۳۵ سزا دو تو ان کے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انہیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی ان کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر المومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ هذا التخيير على معنى الاجتهاد في اصلح الامرين (کبیر) قُلْنَا۔ یہ ارشاد خداوندی خواہ براہ راست الہاماً ہوا ہو خواہ بالواسطہ نبی وقت کے ذریعہ سے۔ ف۱۳۶ (آخرت میں) ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں وہی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔ مَنْ ظَلَمَ۔ ظلم یہاں کفر کے اور ظالم کافر کے معنی میں ہے۔ ظلم اے كفر بالله (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم العظيم الذي هو الشرك (روح) یعنی آپ نے فرمایا کہ جو میری دعوت ایمان کے بعد بھی کافر رہے گا۔ اے استمر على كفره واظركه بريئه (ابن کثیر) نُعَذِّبُهٗ۔ اس عذاب کے تحت میں قتل وغیرہ سب کچھ آ گیا۔ نُكْرًا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۰۸، پ۱۵۔ ف۱۳۷ یعنی فعلی سختی تو کیا قولی سختی بھی مومنین کے ساتھ روا نہ رکھی جائے گی۔ فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى۔ یعنی آخرت میں اس کے لئے بہشت ہی بہشت ہے۔ ف۱۳۸ یعنی سمت مشرق میں۔ سکندر کی فوجی مہمات بعد کو مشرق ہی کی سمت ہوئیں۔ ف۱۳۹ یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے ناآشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا نہ کپڑا۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ۔ یعنی سمت مشرق میں منتہائے آبادی پر۔ اے غاية الارض المعمورة من جهة المشرق (روح) وَجَدَهَا۔ وجد کے معنی یہاں بھی وہی معلوم ہونے، محسوس کرنے کے ہیں۔ سِتْرًا۔ ستر کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو ڈھانکے۔ هو ما يستر به (تاج) یہاں مراد ہر ایسی چیز سے لی گئی ہے جو دھوپ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا کام دے سکے اور اس میں مکان اور لباس دونوں آ گئے۔ لم يبنوا فيها بناء قط ولم يبن عليهم فيها بناء قط (ابن جریر۔ عن قتادہ) الستر الذي جعلنا لكم من الجبال والحصون والابنية والاكنان من كل جنس والثياب من كل صنف (کشاف) المراد لا شيء لهم يسترهم من اللباس والبناء (روح) معناه انه لا ثياب لهم ويكونون كسائر الحيوانات عراة ابدا (کبیر) ف۱۴۰ كَذٰلِكَ۔ تحقیق وتاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں یہی اصل حقیقت اور واقعہ ہے اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے ساز وسامان کی پوری اطلاع ہے۔ ف۱۴۱ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی میں) قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافیائی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت میں دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی کی تھی۔ اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اس لئے اب کسی مزید تصریح وتعیین کی ضرورت نہ تھی۔ ف۱۴۲ یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ ما كانوا يفهمون اللسان الذي يتكلم به ذو القرنين (کبیر) عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں، جن کی زبان، تلفظ، لب ولہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔ بَيْنَ السَّدَّيْنِ۔ سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔ الحاجزين الشيئين (ابن جریر) اور اس کے عموم میں پہاڑ، درہ وغیرہ سب شامل ہیں، یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔ السدين الجبلين (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يعني بين جبلين (ابن جریر۔ عن ضحاک) وهما جبلان (ابن جریر۔ عن قتادہ) ف۱۴۳ (تاکہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں) يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ بظاہر یہ دو منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ یاجوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مارواج سے کیا ہے۔ جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں۔ ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔ شبهوا بالنار المضطربة والمياه المضطرجة لكثرة اضطرابهم (راغب) بعض نے انہیں اسماء عجمی بھی کہا ہے اسمان اعجميان بدليل منع الصرف (کشاف) بائبل کی کتاب حزقی ایل کے باب ۳۸، ۳۹ میں یاجوج وماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور پیشگوئیاں بھی درج ہیں۔ لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یاجوج وماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ ماجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ماجوج یافث بن نوح کی نسل سے ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیائے کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں جو (سیتھین Saythians) کہلاتی ہیں۔ بہرحال بائبل اور اس کی شروح سے قرآنی یاجوج وماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔ قرآنی اشاروں سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ کوئی شورہ پشت وشورش پسند پہاڑی قبیلے تھے اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انہوں نے ذوالقرنین سے عرض کی کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں۔ کہیے تو ہم چندہ فراہم کر دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دے دیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہو سکیں۔ سَدًّا۔ یعنی روک۔ اے حاجزا يمنعهم من الوصول الينا (روح) ف۱۴۴ ذوالقرنین نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں کہا کہ مال وخزانہ تو میرے پاس خدا کا دیا ہوا خود ہی بہت کافی ہے۔ مجھے تمہاری مالی مدد کی ضرورت نہیں البتہ تم ہاتھ پیر سے میری مدد کرو۔ مجھے ضرورت مزدوروں اور کاریگروں کی ہے۔ ما جعلني فيه مكينا من المال والملك خير مما تبذلون لي من الخراج ولا حاجة لي اليه (بیضاوی) اے ما بسط الله لي من القدرة والملك خير من خرجكم (بحر) فقہاء نے یہاں دو مسئلے مستنبط کئے ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی درخواست پر اس کی رفاہ عام وتحفظ کے سامان بہ معاوضہ واجرت درست کر دے۔ دوسرے یہ کہ معاوضہ اجرت جس طرح مال سے صحیح ہے محنت یا کام سے بھی صحیح ہے چنانچہ ذوالقرنین نے کہا

کہ کام تم کرو دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔ اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آ گئی اور مال سے بھی۔ و ۱۴۵ (جس سے وہ پھر آ ہی نہ سکیں) ردما۔ ردم کہتے ہیں بہت پختہ اور سنگین اور مضبوط قسم کے حجاب کو۔ سد الثلمة بالحجر (راغب) حاجزا حصینا موثقا (کشاف) اور محاورہ میں ردم سد سے کہیں بڑے حجاب کو کہتے ہیں۔ والردم اکبر من السد (کشاف) و ۱۴۶ (اور سب سامان جمع کرو) چنانچہ سامان جمع ہو گیا اور کام شروع ہو گیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔ صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام دربند میں نظر آئی اور اس کا نام سد سکندری ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔ یہ دربند وہ نہیں جو بحر خزر ہی کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے، جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔ بلکہ یہ وہ دربند ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں۔ ۸ ۳ درجہ شمال عرض البلد اور ۶۷ درجہ مشرق طول البلد ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔ نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱۳ میں صفحہ ۵۲۲ پر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و ۱۴۷ (مزید استحکام کے لئے) ظاہر ہے کہ یہ سارے کام آلات جرثقیل وغیرہ اعلیٰ درجہ کی مشینوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجینئر اور مہندس ہوں گے۔ سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ۔ یعنی جو خلا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان رہ گیا تھا اسے پہاڑوں کے برابر کر دیا۔ الصدفان ای جانبا الجبلین (کشاف) جَعَلَهٗ نَارًا۔ یعنی خوب لال انگارہ کر دیا جیسا کہ لوہا تپنے کے بعد ہو جاتا ہے۔ و ۱۴۸ (اور اس دیوار کی بلندی و استحکام کے باعث ان وحشی و جنگجو قوموں کی تاخت و تاراج سے امن ہو گیا۔) اَنْ یَّظْهَرُوْهُ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آ سکے، اور اس پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکنا ہے۔ ان یظهروه ای ان یعلوه (کشاف) و ۱۴۹ (کہ میرے ہاتھوں سے ایسا مہتم بالشان کام انجام دلوا دیا) ذوالقرنین نے یہ بات بطور شکر و تحدیث نعمت کے کہی جو شیوہ ہے اہل حق کا۔ ھٰذَا میں اشارہ اس سد کی تعمیر کی جانب ہے یا اس تعمیر پر اقتدار و قوت کی جانب۔ الاشارة الی السد او ھذا الاقتدار والتمکین من تسویته (کشاف) و ۱۵۰ (جو بہر نوع و بہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے) ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سردست تو میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا ہے۔ باقی جب اس کے فنا کا وقت آئے گا تو یہ دیوار سنگ و آہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور جس طرح ہر شے فانی ہے یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔ وَعْدُ رَبِّیْ۔ "پروردگار کا وعدہ" یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔ ای وقت وعده تعالی (روح) و ۱۵۱ یہ کس روز؟ یَوْمَئِذٍ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ ظاہراً مراد اس دیوار کے عدم کے دن سے ہے یا اس وقت کے قرب سے ہے۔ الاقرب ان المراد الوقت الذی جعل الله ذلک السد دکاء (کبیر) ای یوم اذا جاء الوعد بمجیء بعض مبادیه (روح) ای یوم یدک ھذا السد (ابن کثیر) قیل ھذا عند فتح السد (معالم) لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لی ہے۔ اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں۔ اس صورت میں بَعْضَهُمْ میں ضمیر ھم بجائے یاجوج ماجوج کے خلق کی جانب ہو جائے گی۔ بعضھم ای بعض الخلق (کشاف) یَوْمَئِذٍ کی جو دونوں تعبیریں نقل ہوئیں۔ ان میں باہم کوئی منافات نہیں۔ ہدم دیوار کا وقوع عین قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔ تَرَکْنَا یہاں جعلنا کے مرادف ہے۔ (کشاف۔ بیضاوی) و ۱۵۲ اب بیان قیامت کا شروع ہو گیا...... ہر اہم دنیوی واقعہ و حادثہ میں آخرت کی یاد دلا دینا عین دستور قرآنی کے مطابق ہے۔ و ۱۵۳ (اس بغض و عناد کی بنا پر جو انہیں اسلام و رسول اسلام سے تھا) یہ ذکر دنیا کا ہے کہ جب کافر دنیا میں تھے تو نہ دین حق کو دیکھتے تھے نہ دعوت حق کو سنتے تھے۔ ذِکْرِیْ کے لفظی معنی تو "میری یاد" کے ہیں مراد اللہ کی توحید اور اللہ کی کتاب سے لی گئی ہے۔ ای عن توحیدی و کتابی (ابن عباس رضی اللہ عنہ) یعنی عن الایمان والقرآن وقیل عن رؤیة الدلائل (معالم) لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا۔ اس عدم استطاعت سے مراد کوئی اضطرار یا معذوری نہیں۔ بلکہ کافروں کے عناد ارادی ہی کی جانب اشارہ ہے۔ قال القاضی المراد منه تنفرهم عن سماع ذلک الکلام واستثقالهم اياه (کبیر) ای سمع القبول والایمان لغلبة الشقاوة علیهم (معالم) و ۱۵۴ (اور جو ہر طرح میرے مملوک و محکوم ہیں، انہیں معبود و حاجت روا سمجھنے لگیں) عبادی ای الذین ھم تحت ملکی وسلطانی (روح) ۔ف۔ یعنی جب کفر اتنی شدید وعید کا مستحق بنا دیتا ہے۔ استفہام بطور زجر و ملامت کے ہے وھو استفهام علی سبیل التوبیخ (کبیر) اَوْلِیَآءَ کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لئے یہاں آلہہ کے بجائے اولیاء لایا گیا ہے۔ تجارت میں، زراعت میں، بیماری سے صحت دینے میں، اولاد بخشنے میں، مقدمات میں کامیاب کرنے میں، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں بھی جب اصلی تکیہ بندوں پر اور بندوں کی بنائی ہوئی تدبیروں پر کیا جانے لگے تو یہ سب غیر اللہ کو کارساز ہی ٹھہرا لینا ہے۔

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا

تو میں اس پر ڈال دوں و ۱۴۷ سو وہ (قوم یاجوج و ماجوج) نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ

اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ

اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے و ۱۴۸ (تو ذوالقرنین نے) کہا کہ یہ (بھی) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے و ۱۴۹

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ

پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو وہ اسے ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے پروردگار کا ہر وعدہ

رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ

برحق ہے و ۱۵۰ اور ہم اس روز انہیں ایک دوسرے سے گڈمڈ

بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ لا

کر دیں گے و ۱۵۱ اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم سب کو جمع کر لیں گے و ۱۵۲

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ لا

اور اس روز ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا

جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

سن بھی نہیں سکتے تھے و ۱۵۳ کیا پھر بھی کافروں کا خیال ہے

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ

کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز قرار دے لیں؟ و ۱۵۴ بے شک ہم نے

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ

دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کا پتہ) بتائیں

ف۱۵۵ (جو ان کی مستقل فلاح کے لئے کافی ہو جائیں گے) اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ یعنی ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد، تگ و دو، کاوش و کوشش کا مدعا، اولاً بھی اور آخراً بھی، یہی دنیا اور اس کے حظوظات رہتے ہیں! بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدے اور خطابات، اونچی اونچی کوٹھیاں، نام و نمود، شہرت و اعزاز، "علمی ترقیاں"، معاشی فلاح یا بیان ... رضائے الٰہی و فلاحِ آخرت کا خیال بھی کبھی نہیں آتا! ضَلَّ کا لفظ بہت قابلِ غور ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری کوششیں بس اسی دنیا کے پیچھے ختم ہو جاتی، غارت جاتی ہیں! یَحْسَبُوْنَ۔ یعنی محض اپنے پندارِ باطل اور ہوائے نفس کے موافق، بغیر کسی دلیلِ شرعی کے، اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں! پورا رکوع اگر ذرا بھی خیال کر کے پڑھا جائے تو مومن کے دل کو تھرا دینے اور لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آہ، کہ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح و شام، رات اور دوپہر، سب اسی دنیا کے ادھیڑ بن میں، رضائے مولیٰ سے بالکل منہ موڑے ہوئے گزر رہی ہے، اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو محقق و مصنف، شاعر و ادیب، رومانس نگار اور آرٹسٹ، اور خدا معلوم روشن خیالی کے ایجاد کیے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں، تا آنکہ جب موت آ جاتی ہے، اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے ہم کس دھوکے میں پڑے رہے۔ یہاں تو پرسش ان "علوم" و "فنون" و "صنائع" میں سے کسی کی بھی نہیں! اللّٰھم احفظنا۔ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ۔ متعدد صحابیوں اور تابعین کا خیال ہے کہ الفاظ سے اشارہ خصوصی اہلِ کتاب کی جانب ہے۔ المراد بھم اھل الکتابین وروی ذلک عن ابن عباسؓ و سعد ابن ابی وقاصؓ و مجاھد (روح) اور بعض اقوال میں تصریح اہلِ صومعہ یعنی مسیحیوں کی آ گئی ہے۔ یقال اصحاب الصوامع (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۵۶ بعض اعراض جو اس عالمِ ناسوت میں مجردات سے متصف ہیں، آخرت کے بدلے ہوئے ماحول میں متشکل و مرئی ہو جائیں گے، اقوال خود وہاں، وہی پیکر اختیار کر لیں گے۔ اور اعمال کے ساتھ، علاوہ دوسرے اعراض و صفات کے ان کا وزن بھی مادی ہو کر نظر آنے لگے گا لیکن جو عمل فی نفسہ کوئی وزن رکھتا ہی نہیں، وہ وہاں کے ماحول میں جو سرتا سر آئینۂ حقیقت ہو گا، تمام تر بے وزن نظر آئے گا۔ اٰیٰتِ ... لِقَآئِہٖ۔ بدبختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت، اس کے انبیاء، اور وقوعِ آخرت سے انکار کر دیا جائے۔ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام، اس کے انبیاء، اس کی کتابوں سے۔ لِقَآئِہٖ۔ یعنی یومِ آخرت کے وقوع سے۔ اَعْمَالُھُمْ۔ یعنی وہ اعمال جو اپنے نزدیک وہ بہت نیک سمجھتے تھے اور جن پر انہیں ناز تھا۔ ف۱۵۷ کفر و طغیان میں جب ترقی ہو جاتی ہے تو انسان محض انکار ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ تکذیب کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی حق تعالیٰ کی کتابوں، پیمبروں اور احکام کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ف۱۵۸ یعنی جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود کبھی وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے۔ نُزُلًا۔ نزل کے لفظ نے ادھر اشارہ کر دیا کہ مومنین کا یہ اعزاز و اکرام بطور ان کے استحقاق کے ہو گا۔ — ٹھیک اسی طرح جیسے اہلِ کفر کا حق جہنم پر ہو گا۔ الْفِرْدَوْسِ۔ فردوس جنت کے وسط میں واقع ہے۔ اور اس کی بہترین و بلند ترین منزل کا نام ہے، اور وہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ فانہ اعلی الجنۃ و اوسط الجنۃ و منہ تفجر انھار الجنۃ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) لفظ کے ماخذ و اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عربی الاصل ہے اور بعض کا قول ہے کہ رومی زبان یا سریانی زبان سے آیا ہے۔ واختلف فی لفظۃ الفردوس فقیل عربیۃ و ھو قول الفراء او رومیۃ نقلت الی العربیۃ نقلہ الزجاج و ابن سیدہ او سریانیۃ نقلہ الزجاج ایضا (تاج) بہرحال اب عربی میں اس کے معنی چمن و گلشن کے ہیں۔ قال الزجاج حقیقۃ الفردوس انہ البستان الذی یجمع کل ما یکون فی البساتین قال و کذلک ھو عند کل اھل لغۃ (تاج) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی ان کا علم بھی صحیح ہو گا، اور اسی کے مقتضا سے عمل بھی صحیح۔ لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں، لذتوں کے ساتھ ان کے لیے ہر لحظہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی، اس لیے اہلِ جنت اپنی تبدیلی چاہیں گے بھی تو آخر کیوں؟

ہر لحظہ جمالِ خود نوع دگر آرائی — شور دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی

جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیا ہی کی

الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ ھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ

زندگی میں (صرف ہو) غارت ہو کر رہی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام

صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَ لِقَآئِہٖ

کر رہے ہیں ف۱۵۵ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

سو ان کے (سارے) کام غارت گئے سو ہم قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم

وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِکَ جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا

رکھیں گے ف۱۵۶ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری نشانیوں

اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ ھُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور میرے پیمبروں کی ہنسی اڑائی تھی ف۱۵۷ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

عمل بھی کیے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے

خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ کَانَ

ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہونا چاہیں گے ف۱۵۸ آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر (سارے

الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

کے سارے) روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے پروردگار

تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ

کی باتیں ختم نہ ہوں گی اور اگرچہ ہم ایسا ہی ایک (اور سمندر) اس کی مدد کے لئے لے آئیں ف۱۵۹ آپ کہہ دیجیے

ف۱۵۹ مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلماتِ الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ سارا سامانِ تحریر و تسوید ختم ہو جائے گا اور یہ متناہی کسی طرح غیر متناہیوں کی گرفت میں نہ آ سکے گا۔ سمندر لاکھ وسیع ہو بہرحال محدود ہی ہے۔ صفات نامتناہی و غیر محدود کو کوئی محدود و متناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیونکر سکتی ہے؟ الْبَحْرُ۔ مراد کوئی متعین سمندر نہیں۔ جنسِ بحر یا سارے سمندر مراد ہیں۔ والمراد بالبحر الجنس (کشاف) ای جنس البحر (روح) فاضل محقق علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "مطلب یہ ہے کہ فردوسی زندگی سے لوگ منتقل اسی لیے نہیں ہونا چاہیں گے کہ اس زندگی میں لامحدود کمالات رکھنے والی ذات اپنے انہیں لامحدود کمالات کو لامحدود کلمات کے ذریعہ سے ظاہر کرتی رہے گی۔ انسانی احساسات اپنے اردگرد، پس و پیش، اندر و باہر، ہر لمحہ، ہر لحظہ ایسے نت نئے تجلیات کو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے چاہتے چلے جائیں گے جن کی نہ کوئی حد ہو گی نہ انتہاء اور یوں لامحدود مطالبات والی فطرت کو لامحدود مطلوبات سے متمتع اور لذت گیر ہونے کا موقع ابدالآباد تک ملتا چلا جائے گا۔ اس وقت تک جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور جس کا کوئی اختتامی نقطہ نہیں ہے"۔ (اسلامی معاشیات صفحہ ۱۴۱) قَبْلَ سے یہ مراد نہیں کہ کوئی امکان مزید امداد پہنچ جانے کے بعد کلماتِ رب کے پورے لکھ لیے جانے کا ہے۔ قبل کا ایک مفہوم غیر یا دون کا بھی ہے، اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای من غیر ان تنفد (ابوسعود) قبل ھنا بمعنی غیر او بمعنی دون (جمل)

ف۱۶۰ یعنی امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی، میں صرف وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اِنَّمَآ ۔ اول تو خود ہی کلمہ حصر ہے۔ پھر مِّثْلُكُمْ میں اس کی مزید تصریح کہ میں بشری نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا بشر ہوں۔ صفات بشری میں تم سے ذرا الگ نہیں ہوں۔ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۔ میرا پیام تو پیام توحید ہی ہے۔ ف۱۶۱ اور شرک کے اندر شرک جلی اور شرک خفی دونوں آگئے۔ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ۔ عمل صالح کا معیار یہ ہے کہ عمل شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ یعنی علم کا نقطہ آغاز تو کم از کم صحیح ہو۔ ایمانیات کا جو اقل قلیل مطالبہ ہے، وہ تو بہرحال موجود ہو۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ

کہ میں تو بس تمہارا ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود

اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

ایک ہی معبود ہے ف۱۶۰ سو جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، تو اسے چاہیے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

کہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ف۱۶۱

اٰیاتها ۹۸ | ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ | رکوعاتها ۶

اس میں اٹھانوے آیتیں — سورۂ مریم مکی ہے — اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد ف۱ (یہ) تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی رحمت (فرمانے) کا اپنے بندہ زکریا پر ف۲ (قابل

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

ذکر ہے) وہ وقت جب انہوں نے اپنے پروردگار کو خفیہ طور پر پکارا ف۳ کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ

کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے اور تجھ کو پکار کر

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

(اے میرے پروردگار میں (کبھی) نامراد نہیں رہا ہوں ف۴ اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے

وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

اندیشہ رکھتا ہوں ف۵ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے

ف۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اول کے بالکل شروع میں گزر چکا۔ یہاں كٓهٰيٰعٓصٓ کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ فقرہ كاف هادٍ عالم صادق کا مخفف ہے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ک مخفف کریم کا ہے، ہ مخفف ھاد کا، ی مخفف حکیم کا ع مخفف علیم کا اور ص مخفف صادق کا (روح) کلبی تابعی سے یہ معنی مروی ہیں۔ كاف لخلقه هاد لعباده يده فوق ايديهم عالم ببريته صادق في وعده (معالم) دارمی، ابن ماجہ، ابن جریر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعاؤں میں یا كهيعص اغفرلي کہا کرتے تھے (روح) جس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ خود ایک روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی مضمون کی مروی ہے۔ قال ابن عباس هو اسم من اسماء الله تعالى (ابن کثیر) ف۲ زَكَرِيَّا پر حاشیہ سورۂ آل عمران پارہ ۳ میں گزر چکا۔ آپ کی رسالت کا اثبات صرف قرآن مجید کرتا ہے یہود اور نصرانی دونوں ان کی رسالت کے منکر ہیں۔ نصرانیوں کے ہاں ان کی حیثیت ہیکل بیت المقدس کے ایک بزرگ مجاور و خادم کی ہے۔ عَبْدَهٗ یعنی اس کا مقبول و معزز بندہ۔ اضافت اضافت تشریفی ہے — جب بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ خاص تقرب و شرف کا دکھانا ہوتا ہے تو محاورۂ قرآنی میں عموماً ایسے موقع پر ذکر عَبْدُ اللّٰهِ یا عبدنا یا عَبْدَهٗ ذکر کے لیا جاتا ہے۔ ف۳ اولاد کے لیے دعا یوں ہی عام طور پر چپکے ہی چپکے کی جاتی ہے اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء مقصود بھی تھا۔ اسروه و اخفوه من قومه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) انا جیل موجودہ میں ذکر اس دعا کا نہیں۔ صرف جواب دعا و قبول دعا کا ہے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت حاصل ہے۔ مدحه باخفاء الدعاء و فيه الدليل على ان اخفائه افضل من الجهربه (جصاص) ف۴ (تو پھر تیرے اس لطف مستقل و فضل مستمر پر نظر کر کے بعید سے بعید مقصود کے لیے بھی تجھ سے دعا کیوں نہ کروں) شَقِيًّا ۔ شقي یہاں محروم و ناکام کے معنی میں ہے۔ شقيا اي خائبا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) رَبِّ اِنِّيْ ۔۔ شَيْبًا یعنی گویا اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لیے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔ انجیل میں حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ الشبع کا ذکر کر کے ہے: ”اور ان کے اولاد نہ تھی، کیونکہ الشبع بانجھ تھی، اور وہ دونوں عمر رسیدہ تھے“ (لوقا۔ ۱:۷) آیت میں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ کبر سنی کے طبعی اثرات سے حضرات انبیاء کو مفر نہیں — ہم سب ناتوانوں، کم ہمتوں، کمزوروں کے لیے پیرانہ سالی کے آلام و عوارض میں اس سے بڑی تسکین و تسلی کا سبق ملتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا میں الحاح و لجاجت کی افضلیت آیت سے نکلتی ہے۔ بعض بزرگوں نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ضعف پیری اور موئے سفید بھی قول سابق کی طرح کشش ترحم میں معین ہیں۔ ف۵ (کہ وہ میرے بعد اس مرکز توحید کی خدمات دینی اور علوم عالی کو سنبھال نہ سکیں گے) الْمَوَالِيَ ۔ مراد وہ عزیز ہیں جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث و جانشین ہوتے۔ الموالي يعني الورثة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) آپ کو ان کی طرف سے یہی اندیشہ تھا کہ یہ بد مذہب، بدعمل لوگ ہیں، ہیکل کی خدمت میں قاصر رہیں گے۔ فخافهم على الدين انهم كانوا اشرار بني اسرائيل (جصاص) مِنْ وَّرَآءِيْ یعنی میری موت کے بعد۔ اي من بعد موتي (معالم۔ کشاف)

لَدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ

وارث دے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے ف۶

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ

اور اے پروردگار تو اسے پسندیدہ بنا دے اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی

اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ

اس کا نام یحیٰی ہوگا ہم نے اس کے قبل کسی کو (اس کا) ہم نام نہیں بنایا ف۸ (زکریا) بولے

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا

اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہو گا درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے

وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں ف۹ (اللہ نے) فرمایا (یونہی ہوگا)

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ

اسی طرح ف۱۰ (اے زکریا) تمہارے پروردگار کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور میں نے ہی تو تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ

تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ

تم کچھ نہ تھے ف۱۱ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشان مقرر کر دیجیے ف۱۲ (اللہ نے) فرمایا

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

تمہارے لئے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے ف۱۳ پھر وہ اپنی قوم

قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے ف۱۴ اور ان سے اشارہ کیا کہ (اللہ کی) پاکی

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ

صبح و شام بیان کیا کرو ف۱۵ اے یحیٰی کتاب کو مضبوط پکڑو ف۱۶ اور ہم نے ان کو لڑکپن

ف۶ (علوم نبوت ومعارف ولایت میں اپنے اجداد اسرائیلی کی طرح) یرثنی و یرث من آل یعقوب۔ (وراثت سے یہاں مراد مال و دولت کی وراثت نہیں۔ حقائق عالیہ اور اخلاق فاضلہ کی میراث ہے اور انبیاء سے مال و جائداد کی وراثت تو چلتی بھی نہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد بھی ہو چکا ہے۔ صحابیوں، تابعیوں، اکابر مفسرین، سب سے ارث کی تفسیر علوم نبوت و شریعت منقول ہے۔ اور لفظ ارث کا اطلاق نبوت پر بالکل جائز ہے۔ قال ابن عباسؓ و یرث من آل یعقوب النبوۃ فقد اجاز اطلاق اسم المیراث علی النبوۃ فکذلک یجوز ان یعنی بقولہ یرثنی یرث علمی (جصاص) انما اراد ارث النبوۃ و علیھا خاف ان تخرج من عقبہ (ابن العربی) یرثنی العلم و یرث من آل یعقوب النبوۃ و ھو مروی عن مجاھد (کبیر) المراد بالارث ارث الشرع والعلم لان الانبیاء ولا تورث (کشاف) ؛ بیٰ۔ ولی یہاں سب کا اتفاق ہے کہ ولد صلبی کے مفہوم میں ہے۔ من لدنک یعنی بلا اسباب عادی و ظاہری کے نعمتیں جو بھی آتی ہیں، سب اللہ ہی کے پاس سے آتی ہیں۔ یہاں من لدنک کی تصریح لانے سے مراد یہی ہے کہ بلا واسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطا کر۔ اعطنی من محض فضلک الواسع و قدرتک الباھرۃ بطریق الاختراع (روح) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں سے دو نکتے اخذ کیے ہیں، ایک یہ کہ اولاد صالح کی طلب رکھنا زہد کے منافی نہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا طلب کرنا جو اسباب بعیدہ ہی سے پیدا ہو سکے ادب دعا کے منافی نہیں۔ ف۷ (اپنی نظر میں) یعنی وہ ان کا علوم کا حامل بھی ہو اور ان پر عامل بھی۔ ای مرضیا عندک قولا و فعلا (روح) بعض عارفوں نے یہاں سے یہ نکتے پیدا کیے ہیں کہ طلب اولاد مستحب ہے اور اولاد کے حق میں دعائے خیر و صلاح سنت انبیاء ہے۔ ف۸ (تمہاری ذات برادری میں) یہ جواب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا کو فرشتوں کے واسطے سے ملا۔ انجیل میں حضرت یحییٰ کی ولادت اور نام رکھے جانے کا ذکر بہ تفصیل ہے ہے:۔ "اور الیشبع کے جننے کا وقت آ پہنچا اور وہ بیٹا جنی اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سن کر کہ خداوند نے اس پر بڑی رحمت کی، اس کے ساتھ خوشی منائی اور آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے۔ اور اس کا نام اس کے باپ کے نام پر زکریا رکھنے لگے۔ مگر اس کی ماں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبہ میں کسی کا یہ نام نہیں اور انہوں نے اس کے باپ کو اشارہ کیا کہ تو اس کا کیا نام رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے تختی منگا کے یہ لکھا کہ اس کا نام یوحنا ہے" (لوقا ۱: ۵۷-۶۳) بغلٰم۔ غلام کے معنی لڑکے کے علاوہ فرزند کے بھی ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں۔ الغلام الولد الذکر (روح) بغلٰم ای بولد (ابن عباسؓ) سمیا۔ سمی کے ایک معنی تو یہی ہم نام کے ہیں، چنانچہ اکثر تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔ لم یسم احد بیحیی قبلہ (کشاف، بیضاوی) و قال ابن عباسؓ و قتادۃ والسدی و ابن اسلم لم تسم قبلہ احدا یحیی (بحر) و ھو قول ابن عباسؓ والحسن و سعید بن جبیر و عکرمۃ و قتادۃ (کبیر) ای شریکا لہ فی الاسم (روح) اور انجیل کی روایت بھی اسی کے موافق ہے۔ لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے معنی "ہم صفت" یا مثل، شبیہ و نظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت و اکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔ قال مجاھد و غیرہ سمیا ای مثلا و نظیرا (بحر) المراد بالسمی النظیر کما فی قولہ ھل تعلم لہ سمیا (کبیر) عن مجاھد ان سمیا بمعنی شبیھا و روی عن عطاء و ابن جبیر مثلہ ای لم نجعل لہ شبیھا (روح) ف۹ حضرت زکریا کا یہ سوال بطور اعتراض نہیں، محض تفصیلی استفسار حال کے لیے ہے۔ یعنی اسباب عادی جب سرتاسر ناموافق ہیں، تو اب صورت حال ہوگی کیا؟ آیا ہم لوگ ازسرنو جوان کیے جائیں گے؟ یا میں دوسرا نکاح کروں گا؟ یا اور کچھ ہوگا؟ انی کے لفظی معنی متعدد ہیں۔ لیکن یہاں بلا تفریق کیف کے مرادف ہے۔ عتیا۔ عتی کے معنی ہیں بہت ہی بوڑھا۔ بوڑھا پھوس۔ والعتی المبالغۃ فی الکبر (بحر) ف۱۰ جواب ملا کہ نہیں۔ کوئی سی بھی اور نئی بات نہ ہوگی۔ موجودہ حالات بدستور رہیں گے پھر بھی اولاد ہوگی۔ ای علی ھذہ الحال (ابن جریر) ھذا کما قلت لک (ابن عباسؓ) ف۱۱ یعنی خود اپنی پیدائش پر غور کرو، تم خود آخر کیا تھے؟ معدوم محض تھے۔ عدم محض کو موجود کر دینا کس اسباب عادی کے تحت، اور کس مشاہدہ و تجربہ کے موافق ہے؟ محض ہماری قدرت و کارسازی کا کرشمہ ہے۔ یہ تخلیق تو تمامتر بلاواسطہ اسباب ہوئی رہتی ہے۔ تو بڑھاپے میں اولاد دے دینا، یعنی باوجود سبب ضعیف کے نتیجہ برآمد کر دینا تو اس سے کہیں کم مستبعد اور اس سے کہیں آسان تر ہے۔ یہ سب ارشاد آپ کی امید کو اور قوی کر دینے کے لیے تھا نہ کہ کسی رفع شبہ کے لیے۔ اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ تھا ہی نہیں۔ ھذا یعنی یہ عمل تخلیق خواہ باسبب ہو یا بلااسباب۔ زجاج لغوی کا اس سیاق میں قول آیۃ کی تفسیر میں نقل ہوا ہے۔ ای علامۃ اعلم بھا وقوع ما بشرت بہ (لسان) ف۱۲ (جس سے میں سمجھ جاؤں کہ اب ظہور وعدہ کا وقت قریب آ پہنچا اور میں بالکل مطمئن ہو جاؤں کہ تیرے فرشتہ نے مجھے جو بشارت پہنچائی ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے) گویا آپ یہ عرض کر رہے ہیں کہ نفس بشارت تو مل چکی، لیکن یہ بھی مجھے کسی غیبی اشارہ سے معلوم ہو جاتا تو اچھا تھا کہ اب حمل قرار پا چکا اور بشارت کا تحقق ایک درجہ میں ہو چکا۔ رب اجعل لی علما و دلیلا علی ما بشرتنی بہ ملائکتک من ھذا الغلام عن امرک و رسالتک لیطمئن الی ذلک قلبی (ابن جریر) ای علامۃ تدلنی علی تحقق المسئول و وقوع الخیر (روح) علامۃ اذا حملت امراتی (ابن عباسؓ) لتستقر نفسی و یطمئن قلبی بما وعدتنی کما قال ابراھیم علیہ السلام رب ارنی کیف الخ (ابن کثیر) یہ مفہوم بھی لیا جانا ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی

الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَكَانَ

ہی میں سمجھ دے دی تھی۔ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی وےا اور وہ بڑے

تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

پرہیز گار تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ اور سرکش و نافرمان نہ تھے وہا

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ

اور انہیں سلام (پہنچے) جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے

حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور جس دن کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ۱۹ اور (اس) کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

الگ ہو کر ایک شرقی مکان میں گئیں وٗ۲ پھر ان لوگوں کے سامنے سے انہوں نے

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

پردہ کر لیا وا۲ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا وہ ان کے سامنے بھلا چنگا انسان بن کر

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ

ظاہر ہوا و۲۲ وہ بولیں میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر

كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ

تو خدا ترس ہے و۲۳ (فرشتہ نے) کہا میں تو بس تمہارے پروردگار کا ایک ایلچی ہوں و۲۴ تاکہ تمہیں

لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ

ایک پاکیزہ لڑکا دوں و۲۵ وہ بولیں میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا درآنحالیکہ نہ

يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

مجھے کسی بشر نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہی ہوں و۲۶ (فرشتہ نے) کہا (بس) یوں ہی ہوگا و۲۷ تمہارے پروردگار

طرح حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنے مزید اطمینان قلب کے لیے کوئی خاص غیبی نشان طلب کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک قول اسی مضمون کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب ملتا بھی ہے۔ لیکن محققین متاخرین نے اس روایت کی صحت ہی کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور صراحت کر دی ہے کہ سوال کا تعلق صرف تعیین وقت و زمانہ سے ہے۔ (روح) و۱۳ سَوِیًّا کے معنی ہیں سالم، صحیح، غیر ناقص کے۔ یعنی آپ جو تین دن ان لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ آپ کے حسب درخواست محض علامت غیبی ہوگی۔ ظہور فرزندگی، اور گویا بالواسطہ آپ کی مقبولیت کی شہادت۔ نہ یہ کہ کوئی مرض یا عذاب ہوگا۔ رجل سوی کہتے ہیں اس مرد کو جو اپنی خلقت میں ہر عیب، نقص، افراط و تفریط سے پاک ہو۔ رجل سوی استوت اخلاقه و خلقته عن الافراط و التفريط (راغب) اور آیت میں یہی معنی اہل لغت اور ائمہ تفسیر دونوں نے لیے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے۔ اى تمنع الكلام و انت سوى لا اخرس فتعلم بذلك ان الله قد وهب لك الولد (لسان) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قال اعتقل لسانه من غير مرض (ابن جریر) اور دوسرا قول بھی انہی صحابی سے منقول ہے۔ صحيحا بلا خرس و لا مرض (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يقول من غير خرس (ابن جریر) اور مجاہد تابعی کا قول ہے۔ قال صحيحا لا يمنعك من الكلام مرض (ابن جریر) اور ایسے ہی اقوال عکرمہ اور قتادہ اور ابن زید اور وہب بن منبہ اور سدی سے بھی منقول ہیں۔ اور خود مفسر اعظم ابن جریر لکھتے ہیں يقول جل ثناءه علامتك لذلك و دليلك عليه ان لا تكلم الناس ثلاث ليال و انت سوى صحيح لا علة بك من خرس و لا مرض يمنعك من الكلام۔ اور یہی مسلک جمہور کا ہے۔ هذا ما عليه الجمهور (روح) اس لفظ کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصود انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیے گئے تھے، ملاحظہ ہو پارہ ۳ سورۂ آل عمران۔ لیکن آیت کی ایک دوسری ترکیب بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ اور بعض بزرگ اسی طرف گئے ہیں۔ یعنی سَوِیًّا کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے تین راتوں کی صفت قرار دیا جائے اور اس صورت میں سَوِیًّا مرادف ہوگا متتابعات کے۔ یعنی "تم لوگوں سے بول نہ سکو گے تین راتیں متواتر (برابر)" چنانچہ ابن جریر ہی میں ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس معنی میں بھی منقول ہے۔ و۱۴ (جہاں وہ عبادت کرتے رہتے تھے) محراب پر حاشیہ سورۂ آل عمران آیت ۳۷ کے تحت میں گزر چکا۔ مراد حجرۂ عبادت ہے۔ و محرابه موضع مصلاه (بحر) قيل ان المحراب الغرفة (صحاح) و۱۵ صبح و شام سے مراد یا تو دوام عبادت ہے کہ دن رات برابر عبادت میں لگے رہو۔ کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور یا ان کی شریعت میں یہی دو خاص وقت نماز کے ہوں گے ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اَوْحٰی۔ وحی کے عام لغوی معنی تو اشارہ کے ہیں۔ لیکن بعض نے یہاں اسے امر کے مرادف قرار دیا ہے۔ اور اَوْحٰۤی اِلَیْھِمْ کی تفسیر امرهم سے کی ہے۔ چنانچہ ابن زید سے یہی منقول ہے۔ اور ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ نے انہیں یہ لکھ کر دے دیا اور یہ معنی مجاہد، سدی کی جانب منسوب ہیں۔ وحی کے ایک معنی تحریر کے بھی آتے ہیں۔ والوحى فى كلام العرب الكتابة (بحر) و۱۶ الْکِتٰبَ سے یہاں مراد اس زمانہ کی کتاب شریعت الٰہی ہے۔ یہ ارشاد حضرت یحیی علیہ السلام سے اس وقت ہوا جب آپ سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ و۱۷ ملاحظہ ہوں حواشی سورۂ آل عمران۔ زیر آیت ۳۸۔ حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل و فہم بھی۔ الحكم النبوة او حكم الكتاب او الحكمة او اللب و هو العقل (بحر) اعلم ان فى الحكم اقوالا الاول انه الحكمة والثانى انه عقل والثالث انه النبوة (کبیر) الحكم الفهم والعلم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الحكمة و هو فهم التورة والفقه فى الدين (مدارک) بہر حال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے اور حَنَانًا و زَکٰوۃً کے تحت میں عملی و اخلاقی۔ گویا آپ کی ذات جامع تھی علمی و عملی، ذہنی و اخلاقی کمالات و اوصاف کی۔ زَکٰوۃً سے مراد اصطلاح فقہ والی زکوٰۃ مال نہیں بلکہ عام حسن عمل و پاکیزگی ہے۔ اى عملا صالحا زكيا (کبیر۔ عن ابن عباس و قتادة والضحاك۔ ابن جریر) الحكم۔ فقیہ جلیل ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی، دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغرسنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں (احکام القرآن) وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اصل اور دلیل ہے اس قول کی جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ فلاں شخص مادر زاد ولی ہے۔ و۱۸ (جیسا کہ ہیرود کے زمانہ میں یہود نے آپ پر تہمت لگائی، اور انہیں باغی و سرکش اور شورش پسند مشہور کرنا چاہا تھا) تَقِیًّا میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ادا کرنے والے تھے اور بَرًّا بِوَالِدَیْهِ میں یہ کہ وہ حقوق العباد کے پورے ادا کرنے والے تھے۔ جَبَّارًا کا تعلق خلق سے ہے۔ یعنی وہ مخلوقات کے ساتھ سختی اور سرکشی سے پیش آنے والے نہ تھے۔ اور عَصِیًّا کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قانون کو توڑنا چاہتے ہی نہ تھے۔ و۱۹ سَلٰمٌ یہاں اپنے وسیع معنی میں امن و حفظ کے مرادف ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ان پر سلامتی ان کی پیدائش کے وقت بھی رہی، اور ان کی موت اور بعث کے وقت بھی رہے گی۔ و۲۰ (غسل کے لیے یا بعض روایات کے بموجب نماز کے لیے) حضرت مریم علیہا السلام پر حاشیہ پارۂ سوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال و طلب سے بھی دیتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کو دیا۔ اور بلا سوال و طلب بھی دیتے ہیں جیسے حضرت مریم کو دیا۔ اور اس سے یہ بات نکلی کہ اللہ کا ہر معاملہ ہر شخص کے ساتھ جدا جدا ہے۔

ف۲۱ (کہ ان کی نگاہوں سے آڑ میں ہو جائیں) ذ۔ نیز۔ ہم ضمیر جمع سے مراد آپ کے گھر والے ہیں جن کا ذکر اھلھا میں موجود ہے۔ ف۲۲ یعنی ایک فرشتۂ خاص کو اس خلوت میں ان کے پاس انسان کی شکل میں بھیجا۔ روحنا۔ قرآن مجید نے ملائکہ مقربین وخواص کو روح ہی سے تعبیر کیا ہے۔ و سمی اشراف الملئکة ارواحا (راغب) اور فراء لغوی نے کہا ہے کہ یہاں روح کی اضافت اللہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسی اللہ کی زمین اور اللہ کا آسمان بولا جاتا ہے۔ اضاف الروح المرسل الی مریم الی نفسه کما تقول ارض الله و سمائه (لسان) بہرحال یہاں مراد جبرئیل ؑ ہیں قال الاکثرون انه جبرئیل علیه السلام (کبیر) انجیل میں بھی انہیں کے نام کی تصریح ہے۔ "چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا"۔ (لوقا۔ ۱:۲۶) سویا۔ یعنی بھلا چنگا، پورا پورا، صحیح وسالم۔ تمثل۔ مفسر تھانوی ؒ نے لکھا ہے کہ تمثل سے حقیقت ملکیہ کا معدوم ہو جانا لازم نہیں آتا۔ یہ اشباح اس حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس۔ ف۲۳ یعنی اگر تو کچھ بھی خوف خدا رکھتا ہے تو میں تجھے خدا ہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تیرا یہاں کیا کام۔ یہ آپ نے اس طرح گھبرا کر فرمایا، جیسے ہر شریف خاتون کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت میں آتے ہوئے دیکھ کر قدرۃً کہے گی۔ ف۲۴ یعنی مجھ سے ڈریئے اور گھبرایئے نہیں، میں تو انسان نہیں ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ ف۲۵ (اللہ کی طرف سے واسطہ بن کر) یعنی تم پر دم کردوں اور اس سے باذن حق تعالیٰ تمہارے حمل رہ جائے۔ ای لاکون سببا فی هبته بالنفخ فی الدرع (روح) اس معنی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایک دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ قول بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہو اور یہاں حکایۃً نقل ہوا ہو۔ تقدیر کلام اس صورت میں یوں ہوگی۔ ربک الذی قال ارسلت هذا الملک لاهب لک (روح) اور ایک قراءۃ میں بجائے لاھب کے لیھب آیا بھی ہے۔ چنانچہ خیر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اسی قراءۃ کو اختیار کیا ہے اور تفسیر میں تقدیر کلام یہ رکھی ہے۔ لکی یھب الله لک۔ اس سے بات اور زیادہ صاف وواضح ہو گئی۔ ف۲۶ غرض یہ کہ مردانی مقاربت سے جو حمل کے لیے شرط عادی ہے، میں جائز وناجائز ہر طرح سے دور ہوں۔ لم یمسسنی بشر۔ یعنی بطریق نکاح حاشیہ پارہ ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ حضرت مریم ؑ کو جب یقین ہو گیا کہ ان کا مخاطب انسان نہیں، فرشتہ ہے تو اب ان کا یہ قول بطور انکار نہیں بلکہ محض اظہار تعجب کے لئے ہے۔ لم اک بغیا۔ اس فقرہ سے تردید بھی مقصود ہے یہود مردودکی۔ جو آپ کو متہم کر رہے تھے۔ ف۲۷ (بلامس بشر) انجیل میں یہ قصہ یوں درج ہے:۔ "اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا، چپکے سے اس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے، وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا" (متی۔ ۱:۱۸۔۲۱) قرآن مجید کی توحید خالص اور انجیل کے شرک آمیز انداز بیان کا فرق اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو ہر جگہ قدرت پروردگاری کا کرشمہ قرار دیا ہے بخلاف اس کے انجیل میں ایک نہیں، دو دو جگہ اسے "روح القدس کی قدرت" کی جانب منسوب کیا ہے۔ ف۲۸ خدائے تعالیٰ تو کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جو سارے اسباب سے بالاتر اور مسبب الاسباب ہے۔ سلسلہ اسباب کا خالق وفاطر، اسباب اس کے پابند ومحکوم، وہ اسباب کا پابند ومحکوم نہیں۔ اور اگر کسی برتر ہستی کو محکوم وپابند ہی تسلیم کرنا ہے تو وہ اور جو کچھ بھی ہو بہرحال خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی خدا پرست کی زبان کا کسی خدائی فعل سے متعلق اس بنا پر انکار پر کھلنا کہ وہ خارق عادت ہے دلیل عقل کی نہیں، بے عقلی وحمق کی ہے۔ اب رہا خدا کا منکر تو اس سے گفتگو اصولاً نفس وجود باری پر کی جائے گی نہ کہ ان جزئیات پر۔

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے ف۲۸ اور (یہ اس لئے بھی) تا کہ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنادیں ف۲۹

وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ

اور اپنی طرف سے سبب رحمت ف۳۰ اور یہ ایک بات طے شدہ ہے ف۳۱ پھر ان کے حمل قرار پا گیا

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ

پھر وہ اسے لئے ہوئے کہیں ایک دور جگہ چل گئیں ف۳۲ سو انہیں دردِ زہ ایک کھجور کے

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا

درخت کی طرف لے گیا ف۳۳ (اور) وہ بولیں کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی

وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا

اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی ف۳۴ پھر (فرشتہ نے) انہیں ان کے پائیں سے پکارا کہ

تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّيْۤ

رنج مت کرو ف۳۵ تمہارے پروردگار نے تمہارے پائیں ہی میں ایک نہر پیدا کر دی ہے، اور اس

اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر ترو تازہ خرمے گریں گے ف۳۶

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

اور کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو ف۳۷ اور اگر کسی

الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا ف۳۸ کہ میں نے تو خدائے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ

سو میں تو آج کسی انسان سے بولوں گی نہیں ف۳۹ پھر وہ انہیں (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں

ھذہ۔ یعنی یہ تخلیق بلا اسباب عادیہ۔ ف۲۹ (اپنی قوت وقدرت کا، اور یہ دکھادیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں، بہ توسط اسباب عادیہ بھی اور بلاتوسط اسباب عادیہ بھی) ایه علامة لبنی اسرائیل ولد بلا اب (ابن عباس ؓ) ف۳۰ ان کے حق میں جو ہمارے اس نشان قدرت پر ایمان لائیں، اور اس سے ہدایت حاصل کریں) ف۳۱ (جو پوری ہو کر رہے گی) یہ سارا زور اور ساری تاکیدیں کس امر کی دلیل ہیں؟ اس امر کی کہ کوئی بات، معمول عام کے خلاف واقع ہونے کو جا رہی تھی...... اور وہ یہی ولادت بلا واسطۂ والد تھی۔ ورنہ اگر محض عام وطبعی ولادت کا ذکر مقصود تھا تو اس شد ومد اور اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مسیح ؑ کی بن باپ کی ولادت کا قائل نہیں وہ ذرا قرآن کے بین السطور پر بھی غور فرمائیں۔ ف۳۲ حضرت مریم علیہا السلام قصبہ ناصرہ (علاقہ گلیل ملک شام) میں رہا کرتی تھیں مگر زمانہ حمل میں آپ اپنے منگیتر سمیت اب مقام بیت لحم کو آ گئیں، جو ناصرہ سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ انجیل میں ہے:۔ "ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریا کے حاکم کورینس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا تا کہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے جننے کا وقت آ پہنچا۔"

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ

وہ لوگ بولے اے مریم تو نے تو بڑے غضب کی حرکت کی و۴۱ اے ہارون کی بہن!

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

نہ تمہارے والد ہی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں و۴۲

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي

اس پر مریم نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا و۴۳ وہ بولے ہم اس سے کیسے بات چیت کریں جو ابھی گہوارہ میں

الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ

(پڑا ہوا) بچہ ہی ہے و۴۴ (وہ بچہ) بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں و۴۵ اس نے مجھے کتاب دی

وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠

اور اس نے مجھے نبی بنایا و۴۶ اور (اسی نے) مجھے بابرکت بنایا، میں جہاں کہیں بھی ہوں و۴۷

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾

اور (اسی نے) نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں و۴۸

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

اور مجھے میری والدہ سے نیکی کرنے والا (بنایا) و۴۹ اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا و۵۰

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ

اور میرے اوپر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز

اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا و۵۱ یہ تھا عیسیٰ بن مریم (یہ ہے وہ) سچی بات

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ

جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں و۵۲ اور اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

(لوقا۔ ۲: ۱۔ ۶) بعض مسیحی علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ایک دوسرے بیت لحم کو تسلیم کیا ہے جو ناصرہ سے شمال و مغرب میں واقع ہے۔ و۳۳ (کہ اسی کے سہارے اٹھیں بیٹھیں) طلبا لسھولۃ الولادۃ للتشبث بھا (کبیر) کھجور شام و فلسطین میں اب بھی پیدا ہوتا ہے لیکن قدیم زمانہ میں تو بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ درخت اسی وقت بطور خارق عادت اگا دیا گیا تھا، لیکن اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ اور غالب احتمال یہی ہے کہ پہلے سے موجود ہوگا۔ والظاھر ان النخلۃ کانت موجودۃ قبل مجیء مریم الیھا (بحر) دوسرے احتمالات بھی ممکن ہیں۔ بحتمل للتقویۃ و الاستناد الیھا (کبیر) ویحتمل للتستربھا (کبیر) و۳۴ یعنی کسی کو میری یہ بدنامی یاد بھی نہ رہ گئی ہوتی کہ فلاں بے شوہری عورت کے اولاد ہوئی تھی۔ یہ کلمات آپ کی زبان پر فرط غیرت سے اور بدنامی کے خوف سے بے ساختہ آ گئے تھے۔ ..... محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ موت کی تمنا کسی دینی محرک و داعیہ کے باعث جائز ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی، جب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر قرار دیا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور میں شاید صبر نہ کر سکوں اور بے صبری کی معصیت میں مبتلا ہو جاؤں، موت آ جاتی تو اس معصیت سے حفاظت رہتی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔ و۳۵ (اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی کے خیال سے) یہ پکار کر کہنے والے جبریل علیہ السلام ہی تھے۔ قال ابن عباس وقتادۃ والضحاک والسدی جبریل علیہ السلام (جصاص) مِنْ تَحْتِهَا۔ یعنی جہاں وہ تھیں اسی مقام کے پائیں سے۔ من اسفل الوادی (ابن کثیر) و۳۶ یہ تروتازہ خرموں کا گرنا اگر بہ طریق اعجاز خرق عادت نہ تھا تو ظاہر ہے کہ مریم علیہا السلام کا وضع حمل ایسے ہی موسم میں ہوا ہوگا جو ملک شام میں کھجوروں کے تیار ہونے کا زمانہ ہوتا ہے ..... ولادت مسیح علیہ السلام کا زمانہ تقریبی و تخمینی طور پر تو اس سے بآسانی متعین ہو سکتا ہے۔ یونانی اطبا نے تازہ خرموں کو زچہ خانہ کے لئے بہترین غذا تسلیم کیا ہے۔ سَرِيًّا۔ بہتی ہوئی نہر۔ ای نھرا یسری (راغب) اتفق المفسرون الا الحسن وعبد الرحمن ابن زید ان السری ھو النھر (کبیر) عن ابن عباس السری النھر وبہ قال عمرو بن میمون نھر نشرب منہ (ابن کثیر) وقال السدی ھو النھر واختار ھذا القول ابن جریر وقد وردفی ذلک حدیث مرفوع (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں اشارہ اس طرف ہے کہ تحصیل رزق میں بھی فی الجملہ سعی کرنا مطلوب ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ و۳۷ یعنی یہ مفید و پرتغذیہ میوہ پھل جو ملا ہے، اسے کھاؤ اور اس چشمہ کا پانی پیو اور بچہ کو دیکھ کر قلب کی راحت حاصل کرو۔ "اکل و شرب کا حکم بظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔" (تھانوی) و۳۸ (اشارہ سے) آنے والا جو آئے گا وہ اغلب احوال میں بچہ کی پیدائش کو حیرت و اعتراض ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ اس موقع کے لئے حضرت مریم کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم سوال و جواب میں نہ پڑنا، بلکہ یہ کہہ کر کہ میں تو آج صوم سکوت نذر مانے ہوئے ہوں چپ ہو جانا۔ فَقُوْلِيْٓ کے تحت میں بعض مفسرین نے بڑھایا کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہنا ورنہ صوم سکوت سے تناقض لازم آتا ہے۔ لیکن اتنا تکلف غیر ضروری ہے۔ بآسانی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی ہوں۔ وقالت فرقۃ معنی فقولی ای بالاشارۃ لا بالکلام والاظھران تناقض منافی قولھا انتھی ولا تناقض لان المعنی فلن اکلم الیوم انسیا بعد قولی ھذا (بحر) و۳۹ گویا حکم یہ ملا کہ تم روزہ کی نذر مان لو۔ اور جب کوئی تم پر اعتراض کرنے لگے تو تم اس پر بھی ظاہر کر دینا، اور خود سوال و جواب میں نہ پڑنا۔ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔ روزہ بہت سی اگلی شریعتوں میں سکوت کے ساتھ ہوتا تھا۔ شریعت اسلامی میں صوم سکوت جائز نہیں۔ ایک شریف خاتون کے لئے جب خود اسی کی عصمت زیر بحث آنے لگے، اپنی بریت و صفائی میں بھی تقریر کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر صاحب فہم اور ہر صاحب تجربہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مریمؑ کی نزاکت جذبات کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ انہیں بتا دیا کہ تم اس سوال و جواب ہی میں نہ پڑنا، بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی سے دلوانا (جیسا آگے آ رہا ہے) ہم اسے بطور خارق عادت تمہاری صفائی میں گویا کر دیں گے۔ و۴۰ اب وہ وقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے اور آپ انہیں گود میں لئے ہوئے شہر کو آتی ہیں۔ و۴۱ یعنی (نعوذ باللہ) یہ بدکاری کا ثمر لے کر آئیں۔ یہ اس لئے کہا کہ حضرت مریمؑ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہود، بجز معصیت شدید کی بدگمانی کے اور کوئی دوسرا قیاس قائم نہ کر سکے۔ "حمل و تولد بلا توسط مرد کے خارق عادت ہے۔ اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں۔ لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب، عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے۔ اسی لئے مرض رجا میں کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے۔ کما صرح فی القانون۔ بس اگر یہی قوت عاقدہ اور زیادہ بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے" (تھانوی) جِئْتِ۔ یہاں یہ معنی فعلت ہے (روح) فَرِيًّا۔ فری کہتے ہیں گری پڑی چیز کو۔ چنانچہ افترا بھی اسی مادہ سے ہے۔ یہاں تفسیر عظیم، اور عجیب، اور مصنوعی چیز سے کی گئی ہے۔ قیل معناہ عظیما وقیل عجیبا وقیل مصنوعا (راغب) شیئا عظیما منکرا (کبیر) قال مجاھد والسدی الفری العظیم الشنیع (بحر) و۴۲ (تو یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ والدین کی برائی کا اثر تم میں آ گیا۔ ایسے نیک اور خوش چلن، شریف خاندان میں ہو کر اور یہ حرکت! کتنی شرم کی بات ہے) غیرت دلانے کا اس سے زیادہ مؤثر اور زوردار طریق اور ہو کیا سکتا تھا۔ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ۔ اخت صیغۂ مؤنث اخ کا ہے۔ اور جس

طرح اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور وطنی، دینی، صناعتی ہر قسم کے اشتراک وتشابہ پر حاوی۔ اسی طرح اخت کا اطلاق بھی نسب پر محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کے اشتراک کے لئے عام ہے۔ یہاں بھی مفہوم اسی مثلیت کا ہے۔ گویا وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اے ہارون جیسی خاتون، اے تقویٰ و پاکیزگی میں ہارون کی ہم شکل خاتون۔ نسبت الیه بمعنی التشبیه لا بمعنی النسبة (کبیر) والمراد بالاخت انها واحدة منهم کما یقال العرب اخا العرب وهو المروی عن السدی (روح) شبهوها به علی معنی انا ظننا انک مثله فی الصلاح ولیس المراد منه الاخوة فی النسب (معالم) خود قرآن میں بھی اخت مشابہ کے معنی میں آیا ہے۔ وما نریهم من ایة الاهی اکبر من اختها (زخرف۔ ع ۴) هٰرُوْنَ۔ یہ ہارون کون تھے؟ اغلب تو یہی ہے کہ وہی ہارون علیہ السلام نبی مراد ہوں۔ جو اپنے تقویٰ و پاکیزگی کے لئے اسرائیلیوں میں ضرب المثل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون مریمؑ کے معاصر ہوں، جن کا تقویٰ اس عہد کے لوگوں میں معروف ومسلم ہو۔ اور یا کوئی صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو اس میں بھی کوئی تاریخی استبعاد نہیں۔ جب کہ والدین مریمؑ کی اولاد کی تفصیل کہیں محفوظ نہیں۔ ف۴۳ (کہ جو کچھ کہنا سننا ہے اسی بچہ سے کہو سنو) ف۴۴ یہود اسے حضرت مریمؑ کی زبان سے طنز وتمسخر سمجھ کر اور زیادہ جھنجھلائے، اور بولے کہ کیا باتیں کرتی ہو؟ ہم مخاطب اس نا سمجھ، بے زبان بچہ سے ہوں جو ابھی گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔ لما اشارت الیه غضبوا غضبا شدیدا (کبیر عن السدی) کَانَ۔ ابوعبیدہ وبغوی کا قول ہے کہ یہاں زائدہ ہے (بحر) اور یہ تو بہرحال وزنی نہیں کہ اس کے معنی مضی کے لئے جائیں، یعنی اس زمانہ کے جو مکالمہ کے وقت منقطع ہو چکا ہے۔ اور خود قرآن مجید میں متعدد نظیریں کَانَ کے اس استعمال کی ہیں۔ مثلاً وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً کے یہ معنی آج تک کوئی نہیں سمجھا ہے کہ زنا کسی زمانہ گذشتہ میں فعل بد تھا۔ چنانچہ یہاں بھی محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کان سے مراد کوئی ایسا زمانہ نہیں جو اس وقت منقطع ہو چکا ہے۔ لا یدل ذلک علی الانقطاع (بحر) ف۴۵ (اور بندہ بھی خاص ومقرب) اس ذرا سے فقرہ میں تردید آگئی آپؑ کے متعلق ہر قسم کے غلو کی..... ایک طرف نصاریٰ کی افراط کی بھی اور دوسری طرف یہود کی تفریط کی بھی۔ اور آپؑ کی صحیح وحقیقی حیثیت واضح ومتعین ہوگئی۔ قَالَ۔ یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر آپؑ باذن الٰہی خود ہی بول اٹھے۔ اس خرق عادت کا ظہور، خود یہود کے مسلمات کے لحاظ سے آپؑ کی اعلیٰ مقبولیت کا ثبوت تھا۔ اور فساد نسب اس مقبولیت عظمیٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس سن میں آپؑ کا تکلم یہود کی بدگمانی رفع کے لئے بجائے خود کافی ہو جانا چاہیے تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ف۴۶ مستقبل کے واقعات کو جب کہ ان کا وقوع بالکل یقینی اور غیر مشتبہ ہو، بہ صیغہ ماضی بیان کرنا عادت قرآنی کے عین مطابق ہے۔ المراد بان حکم و قضی بانه یعطی من بعد (کبیر عن ابن عباسؓ) بعض اقوال یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ حضرت کا یہ قول اس وقت کا نہیں، بہت بعد کا ہے۔ پہلا قول عَبْدُ اللّٰهِ پر ختم ہو گیا۔ ف۴۷ یعنی خلق کو میرے ذریعہ سے دین کا نفع پہنچے گا۔ مبارک کے معنی معلم خیر کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال مجاهد معلمًا للخیر۔ قال غیره جعلنی نفاعًا (جصاص) ف۴۸ یعنی مجھے احکام شریعت دے کر بھیجا گیا ہے اور میرے اوپر بھی زندگی بھر عبادتیں اور احکام شریعت کی پیروی فرض ہیں۔ انجیل برنباس میں، جو حضرت مسیحؑ کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اور جسے مسیحی اپنے اغراض وعقائد کے مخالف پا کر جعلی قرار دیتے ہیں، اس میں اس مفہوم کی آیت موجود ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۴۹ اس میں تردید ہے انجیل مروجہ کی پیدا کی ہوئی اس غلط فہمی کی کہ آپؑ کا برتاؤ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اور آپؑ ان سے بے رخی، بے التفاتی، بے اعتنائی برت جاتے۔ (ملاحظہ ہو متی ۱۲:۴۶۔۵۰ مرقس ۳:۳۱۔۳۵ لوقا ۸:۱۹۔۲۱) اس حسن سلوک کے موقع پر بجائے والدین کے صرف والدہ کا نام لانا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ آپؑ کی پیدائش والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔ ف۵۰ (کہ میں خلق یا خالق کسی کے بھی ادائے حقوق میں کمی کر کے اس یا افعال کے ترک سے بدبختی خریدوں) انجیل میں آپؑ کی زبان سے ہے:۔ "میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن" (متی ۱۱:۲۹) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے اوصاف کمالی کا ظاہر کرنا بالکل جائز ہے، بشرطیکہ مقصود تعارف ہو، ناز وافتخار نہ ہو۔ یدل علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بصفات الحمد والخیر اذا اراد تعریفها الی غیره لا علی جهة الافتخار (جصاص) ف۵۱ سلام یہاں وسیع معنی میں ہے، یعنی اللہ کے حفظ وامن کے مرادف۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۔ ف۵۲ یہ ہے ان کی صحیح کیفیت۔ یہ ہے ان کے نبی اور بندہ مقبول ومقرب ہونے کا صحیح اور سچا بیان۔ نہ وہ خدا، نہ فرزند خدا، نہ مظہر خدا، جیسا کہ عیسائیوں نے گڑھ رکھا ہے۔ نہ وہ بندہ نامقبول ومردود، جیسا کہ یہود نے طرح طرح انہیں متہم کر رکھا ہے۔ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔ ان کے باب میں جھگڑا کرنے والے بھی افراط وتفریط میں مبتلا اور غلو کرنے والے فرقے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر کے قول اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ کی جانب ہے یعنی عیسیٰ بن مریمؑ وہی ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ الاشارة الی ماتقدم وهو قوله انی عبد الله اٰتانی الکتاب ای ذلک الموصوف بهذه الصفات هو عیسی بن مریم (کبیر) قَوْلَ الْحَقِّ۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے، نہ کہ وہ داستانیں جو اہل باطل نے گڑھ گڑھ لی ہیں۔ علی معنی انه ثابت لا یجوز ان یبطل (کبیر) ف۵۳ اس کی جانب اولاد کا انتساب معمولی اور فرعی غلطی نہیں۔ بنیادی، مرکزی اور ایک اہم ترین ضلالت ہے۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۂ بقرہ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ کے تحت میں گزر چکا۔ مِنْ وَّلَدٍ۔ من تاکید نفی

مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

وہ بالکل پاک ہے ف۵۳ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے تو بس اس سے صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے ف۵۴ اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے ف۵۵ پھر (مختلف) گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا ف۵۶ سو کافروں کے حق میں بڑی آفت (آنے والی) ہے (اس) بڑے دن کی آمد پر ف۵۷ یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے جس روز ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج تو یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں ف۵۸ اور آپ انہیں اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ بے پروائی میں (پڑے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے ف۵۹ ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف (سب) لوٹائے جائیں گے ف۶۰ اور آپ (اس) کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے ف۶۱ وہ بڑے راستی والے تھے نبی تھے ف۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے)

نصف

ع

کے لئے ہے۔ جیء من لتاکید النفي (مدارک) مَا كَانَ لِلّٰهِ۔ یہ اسی طرح کا فقرہ ہے۔ جیسے دوسری جگہ قرآن میں ہے۔ ما کان لله ان یظلمہ۔ اے لا یلیق ذلک بحکمته و کمال الهیته (کبیر) ف۵۴ (ایسے قوت واقتدار مطلق رکھنے والے کو اولاد کی حاجت کیا، اور ایسے کمال والے کے لئے اولاد کا ثابت کرنا عقلاً کمال کا نہیں نقص کا اثبات کرتا ہے) كُنْ فَيَكُوْنُ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ یٰ یعنی اسی امر سے، جو اپنے وقوع میں آنے سے پیشتر ہی حکم الٰہی میں موجود رہتا ہے۔ ف۵۵ اِنَّ اللّٰهَ الخ یہ رسول اللہ ﷺ کو تعلیم مل رہا ہے کہ آپ اپنی طرف سے کہہ دیجئے۔ التقدیر فقل یا محمد ان الله ربی و ربکم الخ (کبیر) ھٰذَا۔ مراد ان امور سے ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی توحید اور شرک سے تبری کامل۔ اے ما ذکر من التوحید (روح) ف۵۶ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف نہیں، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ہے بلکہ وہ اختلاف مراد ہے جو خود اہل باطل یا غالی مسیحیوں ہی کے مختلف فرقوں کے درمیان ہے جن کے جھگڑوں سے تاریخ کلیسا بھری پڑی ہے۔ اَلْاَحْزَابُ۔ مراد وہ فرقے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں مسیحیوں کے درمیان بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور یہود کے فرقے ان پر مستزاد۔ ف۵۷ يَوْمٍ عَظِيْمٍ سے مراد ظاہر ہے کہ روز قیامت ہے، جو با اعتبار امتداد کے بھی بہت بڑا ہوگا اور با اعتبار اشتداد کے بھی۔ مَشْهَدِ سے مراد نفس شہود بھی ہو سکتا ہے اور مکان شہود بھی اور زمان شہود بھی۔ یحتمل ان یکون المراد من المشهد نفس شهودهم و هو الحساب والجزاء في القيامة او مكان الشهود فيه او وقت الشهود (کبیر) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ کا اطلاق ہر کافر گروہ کے لیے عام ہے، لیکن یہاں اشارۂ خاص انہیں قوموں کی جانب ہے جو حضرت عیسیٰ سے متعلق گمراہ ہوئی ہیں۔ یہود و نصاریٰ مع اپنے تمام ذیلی و ضمنی فرقوں کے۔ اے تحزبوا في عیسی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۵۸ یعنی حشر میں تو انکشاف حقائق ان کافروں کو بھی کامل ہو کر رہے گا، لیکن آج دنیا میں تو یہ سرتاسر ظلمت ضلالت میں غرق ہیں۔ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ۔ محاورہ میں کمال تعجب کے موقع پر آتا ہے۔ یعنی آج تو یوں اندھے بہرے ہیں، کل قیامت میں سب کمال حیرت سے دیکھیں گے کہ آنکھیں خوب روشن اور کان خوب تیز ہو گئے ہیں! الجمهور علی ان لفظه امر و معناه التعجب (مدارک) ف۵۹ (اور چونکہ حقائق ایمانی پر پوری توجہ بھی کبھی صرف نہیں کرتے، اس لیے ان کی یہ غفلت یا بے پروائی بھی اختیاری ہی ہے، اور یہ اس میں معذور ذرا بھی نہیں) يَوْمَ الْحَسْرَةِ۔ حسرتیں تو کافروں کے نصیب ہی میں ہیں، یوم حشر میں ان حسرتوں کا شمار و عدد، اور کیفیت و کمیت کے ہر اعتبار سے شدید ترین و قوی ترین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ۔ یعنی جنت و دوزخ دونوں ہی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اہل جنت و اہل جہنم دونوں کو خلود کا حکم سنا کر موت کو ان کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ حدیث میں یہی تفسیر آئی ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر) ف۶۰ ذات حق جس طرح سب کا مبدء ہے، سب کا مرجع بھی ہے، یہ نہیں کہ مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی واپسی کسی اور کی جانب ہو۔ نَرِثُ الْاَرْضَ۔ یعنی جب زمین کی ساری جاندار مخلوق فنا ہو جائے گی تو بس ہم ہی اس کے وارث یا مالک رہ جائیں گے۔ صدیق صیغۂ مبالغہ ہے صدق کا۔ اصطلاح میں بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ اسی کا ہے۔ اور لفظی معنی ہیں "بہت بڑے سچے" اے ملازم الصدق لم یکذب قط (روح) توریت میں دو مرتبہ کذب کو حضرت ابراہیم خلیل سے منسوب کیا ہے۔ (پیدائش ۱۲: ۱۳ اور ۲۰: ۲) لفظ صدیق لانے سے ممکن ہے اس کی بھی تردید مقصود ہو۔ ف۶۱ (اے ہمارے پیغمبر) یعنی آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنائیے۔ ورنہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو ظاہر ہے کہ خود حق تعالیٰ ہی ہے۔ والمراد اتل علیهم نبأ ابراهیم و ذاکره و مورده في التنزیل هو الله تعالی (بحر) اے اتل علی الناس قصته (روح) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق م) پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پ ۱) رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ ف۶۲ صدیق، صدوق کا صیغۂ مبالغہ ہے اور لفظی معنی ہیں بہت بڑے سچے کے ہیں۔ اصطلاح میں ولی کامل کے مرادف ہے، اور بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔ الصدیقون هم قوم و دون الانبیاء في الفضیلة (راغب) الصدیق من کثرته الصدق و قیل بل یقال لمن لا یکذب قط (راغب) هو الذي یکون عادته الصدق (کبیر) المراد فرط صدقه و کثرة ما صدق به من غیوب الله (مدارک) الصدیق الکثیر الصدق القائم علیه (معالم) ف۶۳ (عقل سے سوچئے تو بت پرستی کی لا حاصلی آپ پر بالکل روشن ہو جائے) لِمَ تَعْبُدُ الخ۔ ظاہر ہے کہ مراد بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے ہے۔ عراق قدیم یا کلدانیہ کا شرک، بدترین قسم کا شرک تھا۔ دیوی دیوتاؤں کے نام ۵ ہزار کی تعداد میں اب تک کتبوں میں مل چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَا لَا يَسْمَعُ... شَيْـًٔا۔ مطلب یہ کہ جو ہستی واجب الوجود نہیں، وہ لائق عبادت تو کسی حال میں بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی ہستیاں جو سماعت، بصارت وغیرہ سے بھی عاری ہوں۔ ارشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے طریق دعوت و تبلیغ میں حسن خلق و ادب کو ملحوظ رکھا تا کہ مخاطب فساد و مکابرہ پر آمادہ نہ ہو جائے۔ ف۶۴ (جو توحید، ایمان اور نجات کا راستہ ہے) الْعِلْمِ۔ یعنی علم بالوحی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ فقہاء نے یہاں سے مسائل ذیل کا استنباط کیا ہے:۔ (۱) بے علموں پر علماء کی اتباع و اقتداء لازم ہے۔ (۲) باپ کو بیٹے سے استفادہ و تلمذ جائز ہے۔ (۳) فضل نسب فضل علم و کمال کا ہم سطح نہیں۔ ف۶۵ شیطان کے کہنے میں آ کر بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جانا خود شیطان پرستی ہے۔ اے لا تطعه في عبادتک هذه الاصنام فانه هو الداعي الی ذلک والراضي به (ابن کثیر) المراد الطاعة لانهم ما کانوا یعبدون الشیطان فوجب حمله علی الطاعة (کبیر) لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۔ صفت رحمانیت کو نمایاں کرنے سے مقصود مخاطب کو اور زیادہ غیرت دلانا ہے کہ شیطان کی یہ کفر اور

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنے نہ دیکھے

وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ

اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آ سکے ف۶۳ اے میرے باپ میرے پاس وہ علم

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا

آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا سو آپ میری پیروی کیجیے میں آپ کو سیدھا راستہ

سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

بتا دوں گا ف۶۴ اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجیے شیطان بے شک

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ

خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے ف۶۵ اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ

يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ

آپ پر خدائے رحمٰن کی طرف سے عذاب آ پڑے تو آپ شیطان کے ساتھی

وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ

بن جائیں ف۶۶ (آزر نے) کہا تو کیا اے ابراہیم تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا ف۶۷ اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو ف۶۸ (ابراہیم) بولے

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ

آپ پر سلام ہی رہے ف۶۹ اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا وہ بے شک مجھ

حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پر بہت مہربان ہے، اور میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے اور ان سے بھی جنہیں تم لوگ خدا کے سوا پکارتے ہو ف۷۰

وَ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۫ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَکُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعۡتَزَلَہُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۙ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ وَ کُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَہَبۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ جَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ؑ وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مُوۡسٰۤی ۫ اِنَّہٗ کَانَ مُخۡلَصًا وَّ کَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَیۡنٰہُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَ قَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَہَبۡنَا لَہٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَ کَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾ۚ وَ کَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ ۪

اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہ رہوں گا ف۷۱ پھر جب وہ کنارہ کش ہو گئے ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب کو عطا کیا ف۷۲ اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی ف۷۵ اور ہم نے ان سب کا نام نیک اور بلند کیا ف۷۶ اور آپ (اس) کتاب میں موسیٰ کا (بھی) ذکر کیجیے ف۷۷ بیشک وہ (اللہ کے) خاص کیے ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول تھے، نبی تھے۔ ف۷۸ اور ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لئے ف۷۹ اور ہم نے اپنی رحمت سے انہیں ان کے بھائی ہارون کو نبی کی حیثیت سے عطا کیا ف۸۰ اور آپ (اس) کتاب میں اسمٰعیل کا (بھی) ذکر کیجیے ف۸۱ بے شک وہ وعدہ کے (بڑے ہی) سچے تھے اور رسول تھے، نبی تھے ف۸۲ اور وہ اپنے والوں گھر کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے تھے۔

ناسپاسی بھی کیسے مالک کے مقابلہ میں ہے؟ ایسے کہ جو سرتا سر رحمت ہے۔ یٰۤاَبَتِ۔ یاابت کی تکرار بار بار کرنا اور اسی طرح آیت ماقبل میں ہدایت کا انتساب بجائے حق تعالیٰ کے اپنی جانب کرنا یہ سب اس لیے ہے کہ مخاطب کو بجائے وحشت کے انس پیدا ہو۔ ف۶۶ (دوزخ اور عذاب آخرت میں) عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ۔ یہاں یہ جتلا دیا کہ گو وہ رحمٰن ہے مگر سزا دینے میں اس کو مانع نہ عدم قدرت ہو سکتی ہے نہ عدم ارادہ۔ ف۶۷ سنگساری کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی۔ اور کلدانیہ کے قانون میں تو لڑکا عمر بھر باپ کا غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی زندگی بھر اسے خود مختاری کسی طرح کی حاصل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ۔ یعنی اگر اپنے اس انوکھے عقیدہ اور تعلیم سے باز نہ آئے۔ ف۶۸ یعنی میرا سامنا کرنا تو بہرحال چھوڑ ہی دو۔ مَلِيًّا۔ ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں، اور یہی یہاں بھی اکابر سے منقول ہیں۔ قيل للمدة الطويلة (راغب) زمانا طويلا (ابن جریر عن الحسن) حينا طويلا و دهرا (ابن جریر) روى عن الحسن و مجاهد و سعيد بن جبير والسدى قالوا دهرا طويلا (جصاص) ف۶۹ (اور میری اور آپ کی راہیں آج سے جدا ہیں) حضرت نے جب دیکھا کہ تبلیغ و نصیحت کا اثر الٹا ہو رہا ہے تو کہا، بہتر ہے میرا آخری سلام قبول ہو۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ سلام وداع اور رخصتی کا ہے کہ میری راہ الگ ہے، آپ کی راہ الگ۔ اس سے اس فقہی مسئلہ کو کہ کافر کو سلام جائز ہے یا نہیں، نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں۔ توادع و متارکة (کبیر) قال الجمهور هذا بمعنى المسالمة لا بمعنى التحية (بحر) هذا السلام للمتاركة بقرينة المقام فلامس بمسئلة السلام على الكافر جوازا و منعا بهذا المقام (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سلام رفق و آشتی و مسالمت کا ہے اور اس میں اس کی تعلیم ہے کہ سفیہ کو حلیم کی زبان سے ایسا ہی جواب ملنا چاہیے اور اس میں حق ابوت کا احترام بھی ہے۔ قيل سلام بر ولطف و هو جواب الحليم للسفيه (معالم) یعنی اما انا فلاينالك مني مكروه ولا اذى و ذلك لحرمة الابوة (ابن کثیر) مقابلة للسيئة بالحسنة اى لا اصيبك بمكروه (بیضاوی) ف۷۰ (اس طرح کہ آپ کو جیتے جی ہدایت نصیب ہو جائے کہ اسی پر مغفرت مرتب ہوتی ہے) معناه سأسأل الله تعالى لك توبة تنال بها المغفرة (معالم) انما استغفر لابيه لانه كان يرجوا منه الايمان (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سند ہے کافر کے لیے دعائے ہدایت کے جواز کی۔ ف۷۱ (اس لیے مجھے امید ہے کہ وہ میری دعا قبول بھی کرے گا، بشرطیکہ وہ کسی حکمت تکوینی کے معارض نہ ہوئی) ف۷۲ یعنی قلباً و اعتقاداً تو میں پہلے ہی سے علیحدہ تھا۔ اب سکونت بھی یہاں کی چھوڑے دیتا ہوں — چنانچہ اس کے بعد آپ ملک شام کو ہجرت فرما گئے تو ان کے مخاطبین اول، مشرکین عرب کے لیے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ وہ بھی نسل ابراہیمی سے تھے اور اپنے کو پیرو بھی انہیں کے دین کا ظاہر کرتے تھے۔ وَ اَعْتَزِلُكُمْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں معاندے سے یکسو ہو جانے کی تعلیم ہے۔ ف۷۳ (بہ خلاف مشرکوں کے، جو اپنے معبودوں کو پکار کر محروم ہی رہتے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر ہیں، اور پیمبر بھی کیسے جلیل القدر۔ اللہ کے خلیل۔ اس پر بھی دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ میری دعا قبول ہی ہو جائے گی۔ بلکہ عبدیت کی پوری شان تواضع کے ساتھ اس کی صرف امید ظاہر کرتے ہیں۔ ف۷۴ یعنی جب آپ اپنے شہر حران (ملک کلدانیہ) سے ہجرت کر کے ملک شام میں آ بسے، تو اس ترک وطن و اہل وطن سے آپ دنیوی و مادی اعتبار سے بھی گھاٹے میں نہ رہے۔ دوسرا وطن آپ کو مل گیا۔ صاحب اولاد آپ ہوئے، اولاد در اولاد تک پیمبر ہوئی، ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں آپ کی اس ہجرت اور ترک وطن کا ذکر توریت موجودہ میں ان الفاظ میں ہے:۔ ”اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل، اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا“۔ (پیدائش ۱۲: ۱ و ۲) ”سو وہ ملک کنعان میں آئے......اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا“ (پیدائش۔ ۱۲: ۹) اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ۔ اسحٰق بہ طور بیٹے کے اور یعقوب بہ طور پوتے کے۔ دونوں کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں ہوئی۔ ف۷۵ (اور انہیں ہر طرح کی دنیوی نعمتوں اور روحانی کمالات سے سرفراز کیا) حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام، ایک طرف انبیاء مرسلین اور خاصان خدا میں سے تھے اور دوسری طرف ہر طرح کی دنیوی نعمتوں مثلاً قبیلہ کی سرداری، کثرت اولاد وغیرہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ قال الكلبي المال والولد و هو قول الاكثرين (معالم) ف۷۶ (آئندہ نسلوں میں) چنانچہ آج تک ان تینوں کا نام دنیا کی تین بڑی قومیں مسلمان، مسیحی، یہودی، تعظیم تکریم و عقیدت ہی کے ساتھ لیتے ہیں اور ان حضرات کے حق میں جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا کی تفسیر اس سے بڑھ کر روشن اور جلی اور کیا ہوگی، کہ مسلمان کی کوئی نماز تک مکمل نہیں ہو پاتی جب تک ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر ان پر درود و سلام نہ بھیج لیا جائے۔ ف۷۷ یعنی آپ لوگوں کو اس کتاب میں سے پڑھ کر سنا دیجیے ورنہ ذکر کرنے والا تو حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۱۔ مُوْسٰى پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔ ف۷۸ رسول اور نبی کی تفسیر میں اقوال متعدد ہیں۔ تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ رسول شریعت جدیدہ۔ خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے توریت وغیرہ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت۔ وہی شریعت ابراہیمیہ تھی۔ لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا۔ اور خواہ

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے ؁۸۳ آپ (اس) کتاب میں اور ادریس کا بھی

اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ

ذکر کیجیے بے شک وہ بڑی راستی والے تھے نبی تھے ؁۸۴ اور ہم نے انہیں

مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

بلند مرتبہ تک پہنچایا ؁۸۵ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ نے انعام فرمایا ہے منجملہ

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫

(دیگر) نبیوں کے (جو) نسل آدم سے (تھے) ؁۸۶ اور بعض ان کی (نسل) سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں)

وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم ؁۸۷ و یعقوب کی نسل میں سے ہیں۔ اور (یہ سب) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے

وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا

ہدایت دی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں

سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ ۩ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ؁۸۸ پھر ان کے بعد (بعض ایسے) ناخلف جانشین ہوئے

الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ ۙ

جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات کی پیروی کی سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہوں گے ؁۸۹

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

البتہ جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ ۙ جَنّٰتِ

جنت میں داخل ہوں گے ؁۹۰ اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا ؁۹۱ وہ (جنت)

وہ رسول نبی ہو یا نہ ہو جیسے ملائکہ کہ ان پر رسل کا اطلاق کیا گیا ہے اور وہ انبیاء نہیں ہیں، یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب جیسا سورۂ یٰسین میں ہے اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل کہ شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ یعنی من وجہ وہ عام ہے، من وجہ یہ عام ہے۔ پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص و عام کا جمع ہونا صحیح ہے اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے جیسے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ چونکہ عام و خاص متقابل نہیں ہوتے اس لیے اس نبی کو عام نہ لیں گے بلکہ خاص کرلیں گے مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ۔ پس معنی یہ ہوں گے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ صاحب شرع جدید ولا صاحب غیر شرع جدید۔ لیکن چونکہ اب متبادر لفظ رسول سے صاحب نبوت ہوتا ہے اس لیے غیر نبی پر اطلاق اس کا بوجہ ایہام کے درست نہیں جیسے اس وقت بعض اہل زیغ اپنے لیے وحی اور رسالت بلکہ نبوت کے اطلاق کو جائز رکھتے ہیں اور تفسیر بھی ان الفاظ کی بدل ڈالی ہے۔ نعوذ باللہ" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مُخْلَصًا۔ مخلص وہ ہے جسے اللہ نے اپنا خاص کرلیا، اور اعتقاد و عمل کی ہر طرح کی غلطی سے محفوظ کرلیا ہو۔ **اے معصومًا من الکفر والشرک والفواحش** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **حقیقۃ الاخلاص التبری عن کل ما دون اللہ تعالٰی** (راغب) ؁۷۹ یہ گفتگو راز کی یا سرگوشی کی اس معنی میں تھی کہ اس مکالمت کے وقت اس کے سننے میں کوئی اور شریک نہ تھا۔ اَلطُّوْرِ۔ طور پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔ داہنے جانب سے مراد حضرت موسیٰ کی داہنی جانب ہے۔ **والمراد بہ یمین موسٰی علیہ السلام** (روح) ؁۸۰ یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو عمر میں بڑے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعانت و تقویت کے لیے ان کے منصب نبوت میں شریک کردینا سراسر ہمارا فضل و کرم ہی تھا۔ ؁۸۱ یعنی اسمٰعیل علیہ السلام (۲۰۰۷ تا ۱۹۳۳ ق۔م) بن ابراہیم علیہ السلام جو اپنے والد ماجد کی چھوٹی بیوی صاحبہ حضرت ہاجرہ شہزادی مصر کے بطن سے تھے۔ مصر اس وقت مرکز تمدن تھا۔ وہاں کی شہزادی قدرۃً تہذیب و تمدن کے لوازم سے آراستہ تھیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ؁۸۲ آپ قوم جرہم کی جانب نبی مرسل تھے۔ جو اصلاً و ابتداءً یمن کے باشندے تھے مگر اب وادیٔ مکہ میں آباد ہوگئے تھے، اور خالص عرب تھے۔ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی یہ صفت علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر خصوصیت سے غالب تھی۔ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷۸۔ یہ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو رسول اور نبی دونوں یہاں کہا ہے۔ بہ خلاف اس کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لیے صرف نبی کا لفظ آیا ہے۔ ؁۸۳ یعنی آپ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندہ تھے، نہ کہ خدانخواستہ مردود و غیر مقبول، جیسا کہ یہود اور نصرانیوں نے گڑھ لیا ہے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ تو وہی ہوسکتا ہے، جو ادائے طاعات و عبادات میں درجہ کمال پر ہو۔ **و ہو فی نہایۃ المدح لان المرضی عند اللہ ہو الفائز فی کل طاعاتہ باعلی الدرجات** (کبیر) اَهْلَهٗ۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی مصر ہی کی ایک خاتون تھیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور وہ فاران کے بیابان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس کے بیاہنے کو لی۔" (پیدائش۔ ۲۱:۲۱) اہل سے مراد محض گھر والے بھی ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ امام رازی اور صاحب کشاف و صاحب بیضاوی نے لیا ہے۔ اور تمام امت بھی مراد ہوسکتی ہے، جیسا کہ صاحب معالم و صاحب جلالین کا خیال ہے۔ اور حسن بصری تابعی سے بھی منقول ہے۔۔۔ اگر گھر والے ہی مراد لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے تبلیغ شروع ہی انہیں لوگوں سے کی۔ **قیل کان یبدا باہلہ فی الامر بالصلاح و العبادۃ لیجعلہم قدوۃ لمن سواہم** (کبیر) يَأْمُرُ ۔۔۔ الزَّكٰوةِ۔ یہ وصف ایک پیمبر کے سلسلۂ فضائل میں بیان ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اپنے اعزہ، اقارب و احباب کو عبادات بدنی و مالی کی ترغیب دلاتے رہنا کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ ؁۸۴ صدیق کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۲، ۶۰۔ اِدْرِيْسَ۔ اغلب یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کا نام توریت میں حنوک آیا ہے، یہ قابیل کے فرزند اکبر تھے۔ (پیدائش۔ ۴:۱۷) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے۔ توریت سے ان کے مزید حالات یہ ملتے ہیں:۔ "اور حنوک ۶۵ برس کا ہوا کہ اس سے متوسلح پیدا ہوا۔ اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک ۳۰۰ برس خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا (پیدائش ۵:۲۱۔ ۲۳) بعض مورخین نے ان کا زمانہ ۳۲۸۴ تا ۳۰۱۷ ق۔م۔ متعین کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ؁۸۵ (کمالات و مراتب روحانی کے لحاظ سے) یہودی و مسیحی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت ادریس یا حنوک آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں۔ چنانچہ توریت میں ہے:۔ "اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہوگیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔" (پیدائش ۵:۲۳) اور انجیل میں ہے:۔ "ایمان سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے اور چونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا تھا، اس لیے اس کا پتہ نہ ملا" (عبرانیون ۱۱:۵) قرآن مجید اس باب میں کوئی تصریح نہیں کرتا اور نہ کوئی حدیث صحیح ہی آپ کے رفع جسمانی کے باب میں وارد ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے اسرائیلیات سے اسی قصہ رفع جسمانی کو نقل کیا ہے۔ لیکن محققین کا قول یہی ہے کہ یہ رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عند اللہ ہے، جو ہر نبی کو حاصل ہے، جسمانی علو و رفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایت جو اس باب میں نقل ہوئی ہے، خود اس کے اندر کمزوری موجود ہے۔ **المکان العلی الشرف النبوۃ و الزلفی عند اللہ** (کشاف) یعنی **شرف النبوۃ والزلفی عند اللہ** (بیضاوی) **ہذا من اخبار کعب الاحبار الاسرائیلیات و فی بعضہ**

نکارۃ واللہ اعلم (ابن کثیر) و ھذا الرفع لاقتضائه علو الشان و رفعة القدر (روح) رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں اور جو قصہ علو حسی کا مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر کا موقوف علیہ بنانے کی ضرورت نہیں' (تھانوی رحمہ اللہ) امے رفعنا قدرہ و شرفناہ بالمناجاۃ (کبیر) **ف۸۶** یعنی یہ سب کے سب آدمی ہی تھے۔ کوئی ان میں سے فوق البشر یا اولاد آدم سے باہر نہ تھا۔ نہ کوئی جن تھا، نہ فرشتہ، نہ کوئی دیوی دیوتا۔ ذُرِّیَّۃ۔ یعنی یہ سارے لوگ جن کا ذکر زکریا علیہ السلام سے لے کر ادریس علیہ السلام تک اب تک اس سورۃ میں آچکا ہے۔ **ف۸۷** مثلاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کہ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے اور حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور خود حضرت اسرائیل علیہ السلام کہ تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ **ف۸۸** (اپنی اطاعت وعبودیت کے اظہار کے لیے) اللہ کے ہاں مقبولیت، کمال عبدیت عبودیت سے الگ نہیں، اسی کا دوسرا نام ہے۔ آیت میں انبیاء کے دو قسم کے اوصاف بیان ہوئے ایک ان کا مقبول و صاحب کمال ہونا، دوسرا ان کا خشوع وخشیت با کمال عبدیت۔ **ف۸۹** (آخرت میں) خَلْفٌ (بہ سکون لام) کے معنی ہیں بری اولاد، جیسے ہمارے محاورہ میں ناخلف بھی کہتے ہیں یعبر عن الردی بخلف (راغب) یقال فی عقب الخیر خلف بالفتح و قیل فی عقب السوء خلف بالسکون (کشاف) اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ۔ اضاعت عام ہے، خواہ اعتقادی بھی ہو، خواہ محض عملی۔ الشَّھَوٰتِ۔ خواہشوں سے نفسانی ناجائز خواہشیں مراد ہیں ضروری طاعتوں سے غافل کرنے والی۔ غَیًّا۔ غی ہر بڑی خرابی پر محیط اور حاوی ہے۔ کل شر عند العرب غیٌّ (کشاف) الغیّ عند العرب کل شر (بحر) **ف۹۰** (بے عمل و نشی۔ بغیر اس خرابی سے دو چار ہوئے) مَنْ تَابَ۔ یعنی کفر ومعصیت سے توبہ کرے۔ **ف۹۱** یعنی یہ نہ ہوگا کہ ان کا کوئی عمل لکھنے سے رہ جائے، یا ان کے توبہ و اصلاح کے بعد ان کے کفر سابق کے جرم ان پر برابر عائد ہوتے رہیں۔ **ف۹۲** آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ لفظ بالغیب ہے۔ ان صالحین و مومنین نے حق تعالیٰ کی آواز کو براہ راست تو سنا ہے نہیں، ان تک وعدۂ الٰہی صرف واسطہ در واسطہ، فرشتوں اور پیمبروں کی دو ہری منزلیں طے کرتا ہوا پہنچا ہے۔ وہ اسی پر اعتماد کامل کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ اعتقاد و ایمان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ جنت اور نعمائے جنت سب اسی ایمان بالغیب کا صلہ ہیں۔ عَدْنٍ۔ عدن کے معنی الاقامۃ کے ہیں۔ بہشت کا اصلی وصف یہ ہوگا کہ وہ فانی نہیں، باقی اور قائم رہنے والا باغ ہے، جس کا دنیا کے فانی باغوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ **ف۹۳** یعنی برابر اور علی الدوام۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا۔ اہل جنت کے کانوں میں کوئی بات بے تکی یا لغو پڑنے ہی نہ پائے گی۔ جتنی آوازیں بھی آئیں گی، سب خوشگوار اور دل پسند ہی ہوں گی۔ خواہ یہ آوازیں فرشتوں کی ہوں یا دوسرے جنتیوں کی۔ اے لا یسمعون فیھا الاقولا یسلمون فیه من العیب والنقیصة (مدارک) بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا اردو محاورہ میں بھی صبح وشام سے ایک مراد دوام ہوتی ہے، نہ کہ طلوع وغروب آفتاب کے دو متعین وقت۔ ے چسکا پڑا ہے جام کا شغل ہے صبح وشام کا عربی محاورہ میں بھی مراد یہی ہے۔ بلکہ اس سیاق میں تو اس کے سوا کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہوگی، جس سے یہ متعارف صبح وشام پیدا ہوتے ہیں۔ قیل اراد دوام الرزق و وروده كما تقول انا عند فلان صباحا و مساء و بكرة و عشيا تريد الديمومة ولا تقصد الوقتين المعلومين (کشاف) **ف۹۴** (کہ خوف خدا ہی ایمان اور عمل صالح کا منبع اور مخرج ہے) اتقیا من الکفر والشرک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نُوْرِثُ۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ کلمہ میراث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت انعام وتفضل محض ہے، نہ کہ صلۂ عمل۔ جس طرح میراث کے لیے محض صحت نسب کافی ہے۔ وراثت جنت کے لیے صحت ایمانی کافی ہے۔۔ حسن بصری تابعی سے ایسے ہی معنی منقول ہیں۔ **ف۹۵** (ہم کوئی خود مختار تو ہیں نہیں جو اپنے ارادہ سے آتے جاتے رہیں، ہم تو تمامتر امر الٰہی کے تابع ومحکوم ہیں) یہ قول حضرت جبرئیل کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب حقیقی کے پیامات کا جو اشتیاق غالب رہتا تھا اس کے تقاضا سے ایک روز آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے ہو۔ اس کا جواب یہاں جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ حدیث صحیح میں یہی تفسیر آئی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجبریل ما یمنعک ان تزورنا اکثر مما تزورنا فنزلت و ما نتنزل الا بامر (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ کتاب التفسیر) بِاَمْرِ۔ امر کے معنی آیت میں اذن کے بھی لیے گئے ہیں اور حکم کے بھی۔ اور لفظ دونوں کے لیے عام ہے۔ معناه الاذن بدلیل سبب النزول المذکور و یحتمل الحکم و یحتمل ان یکون المراد ما هو اعم من ذلک (فتح) **ف۹۶** (جیسا کہ بعض جاہل مشرک قوموں نے قرار دے رکھا ہے) لَہٗ ... ذٰلِکَ۔ مالکیت اسی کے لیے مخصوص ہے ہر مخلوق کی، زماناً بھی اور مکاناً بھی۔ ہمارا ارادہ تو تمامتر ارادۂ الٰہی کا مسخر ومحکوم ہے۔ وہ جب اور جہاں چاہے ہمیں بھیجے۔ الغرض ان امرنا موکول الی اللہ تعالیٰ یصرف فینا بحسب مشیته و ارادته و حکمته (کبیر) لا تنتقل من مکانٍ الی زمانٍ ولا تنتزل فی زمانٍ دون زمانٍ الا بامره و مشیته (بیضاوی) وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا۔ اس کے لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کہیں ہمارا بھیجنا مصلحت ہو اور وہ بھول جائے۔ **ف۹۷** (اگرچہ اس راہ میں مشکلات بھی پیش آئیں) یہاں خطاب عام ہے۔ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں۔ بعض نے خطاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے گھبرایئے نہیں اور کافروں کے تمسخر کی کچھ پروا نہ کیجئے۔ بلکہ بدستور عبادت میں لگے رہیے۔ اے لا تتشوش بابطاء الوحی وهزء الکفرة (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

عَدْنٍ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّہٗ
ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا وعدہ غائبانہ خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ

کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا
پورا ہو کر رہنے والا ہے **ف۹۲** اس (جنت) میں وہ کوئی فضول بات نہ سنیں گے۔ ہاں البتہ

سَلٰمًا ؕ وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا ﴿۶۲﴾ تِلْکَ
سلام (کی آوازیں سنیں گے) اور انہیں اس میں ان کا کھانا صبح و شام (ملتا رہے گا) **ف۹۳**

الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾
جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں اس کا وارث اس کو بنا دیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو **ف۹۴**

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا
اور ہم (یعنی فرشتے) نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے **ف۹۵** اسی کی (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے

وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ ۚ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾ۚ
ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں **ف۹۶**

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا فَاعْبُدْہُ
وہ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور اس سب کا جو دونوں کے درمیان ہے سو تو

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ ؕ ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾ۧ وَیَقُوْلُ
اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ **ف۹۷** بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟ **ف۹۸** اور انسان

الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا
کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو بھلا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ **ف۹۹** کیا

یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ
انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے قبل خلق کر چکے ہیں درآنحالیکہ وہ

آیت میں مجاہدات طریق کی طرف اشارہ ہے اور ان پر صبر و ثبات کی تعلیم ہے۔ ف۹۸ یعنی ذات کی طرح صفات باری میں بھی کوئی شریک نہیں۔ سَمِيًّا سمی کے معنی محض ہم نام کے نہیں، ہم صفات کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای نظیرًا له یستحق اسمه و موصوفًا یستحق صفته علی التحقیق (راغب) ای هل تعلم للرب مثلًا او شبهًا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) قال مجاهد و ابن جبیر و قتادة سمیًا مثلًا و شبهًا و روی ذلک عن ابن عباس ایضًا (بحر) ف۹۹ اَلْاِنْسَانُ سے مراد منکر آخرت انسان، یا آج کا ''روشن خیال'' و بری العقیدہ انسان ہے۔ یقول استفسار و استفہام کے طور پر نہیں۔ بلکہ اعتراض و استہزاء کے لہجہ میں کہتا ہے۔ ف۱۰۰ (تو جب عدم محض سے وجود میں لا چکے ہیں تو حیات ثانی تو اس سے کہیں آسان تر ہے) وَّلَمْ يَكُ شَيْئًا اس میں رد ان فلاسفہ جاہلین اور معقولین نامعقولین کا بھی آ گیا جو خلقت انسانی سے قبل ہیولیٰ وغیرہ کا وجود فرض کیے ہوئے ہیں۔ ف۱۰۱ (فرط ہیبت سے) الشَّيٰطِيْنَ یعنی ان لوگوں کو بہکانے والے، گمراہ کرنے والے۔ الذین کانوا یغوونهم (روح) الذین اغووهم (مدارک) ف۱۰۲ یعنی ہر فرقہ، ہر گروہ سے اس کے شریر ترین، سرکش ترین افراد چن کر الگ کر دیے جائیں گے۔ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ یعنی جس جس گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرتے رہے ہیں۔ المراد بالشیعة الطائفة التی شاعت ای تبعت تاديًا من الغواة (کبیر) ف۱۰۳ (سو پہلے وہی سرغنہ اور سردار ہی جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اور عذاب کی شدت اور اشدیت وغیرہ کی ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی) ف۱۰۴ (اے نوع انسان!) خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ایها الناس (ابن جریر) و اولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال یردها الجمیع (ابن جریر) التفات الی الانسان (بیضاوی) قال الاکثرون انه عام فی کل مومن و کافر (کبیر) یعنی دوزخ سے گزر تو بہرحال سب ہی کا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ مومنین کو اس سے ضرر ذرا بھی نہ پہنچے۔ جس طرح خود ملائکہ دوزخ کو دوزخ سے تکلیف مطلق نہ ہوگی۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب صرف اہل طغیان سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ بمعنی الکفار لا یردها مومن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال عکرمة الایة فی الکفار (معالم) قال بعضهم المراد من تقدم ذکرهٔ من الکفار (کبیر) وَارِدُهَا۔ ورود سے یہاں مراد داخلہ نہیں بلکہ محض پہنچنا یا گزر ہوتا ہے۔ قال قوم لیس المراد من الورود الدخول والمراد الحضور والرویة (معالم) قال عبدالرحمن بن زید بن اسلم ورود المسلمین المرور علی الجسر بین ظهرانیها و ورود المشرکین ان یدخلوها (ابن کثیر) قال بعضهم الورود الدنو من جهنم و ان یصیروا حولها (کبیر) خود قرآن مجید میں بھی فعل ورد دوسرے مقامات پر اس معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ (یوسف) وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (قصص)

شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ
کچھ بھی نہ تھا ف۱۰۰ تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے اور شیاطین کو (بھی) پھر

لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ
ان (سب) کو دوزخ کے گرد لا حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ف۱۰۱ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو

مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾
جدا کر لیں گے جو خدائے رحمن سے سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے ف۱۰۲

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾
پھر ہم ہی انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں ف۱۰۳

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا
اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر اس پر نہ ہو یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو پورا

مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ
ہو کر رہے گا ف۱۰۴ پھر انہیں ہم نجات دے دیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے اور ظالموں کو اسی میں پڑا رہنے دیں

فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ
گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ف۱۰۵ اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں سنائی جاتی ہیں ف۱۰۶ تو جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ
لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ (ہم) دونوں فریقوں میں مکان کس کا

مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے ف۱۰۷ حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی گروہ

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ
ہلاک کر چکے ہیں جو (ان سے بھی) بڑھ چڑھ کر تھے سامان و نمود میں ف۱۰۸ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ

وغیرہ۔ مَقْضِيًّا اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب کوئی بھی شے نہیں۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ کے حق میں وجوب بہ معنی اضطرار و لزوم مواخذہ ممتنع ہو (خدا کا فعل بھی اگر اضطراری یا کوئی قابل مواخذہ ٹھہر گیا تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کہاں باقی رہا؟) لیکن یہ وجوب و لزوم اگر تیقن وقوع کے معنی میں لیا جائے تو ممنوع نہیں اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ کے ارادہ و اختیار سے یہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ لزوم و وجوب اختیاری ہے اور جو ممنوع ہے، وہ غیر اختیاری و اضطراری ہے۔ ف۱۰۵ (اور ان ظالموں سے مراد کافر ہی ہیں) الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ اللہ سے ڈرتے تھے اور اسی لیے مومن بھی تھے۔ ورنہ ضروری میں متقی تو ہر مومن ہوتا ہے۔ اس لیے الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے مراد مومنین ہی لیے گئے ہیں۔ ای اتقوا الشرک و هم المومنون (معالم) قال ابن عباس المتقی هو الذی اتقی الشرک بقول لا اله الا الله واعلم ان الذی قاله ابن عباس هو الحق الذی یشهد الدلیل بصحته (کبیر) جو مومن کامل ہیں انہیں تو کسی تکلیف کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی بلکہ دوزخ کی حالت کا معاینہ اور پھر اس سے اپنی محفوظیت کا تقابل تو اور زیادہ ان میں فرح و سرور کی کیفیت پیدا کرے گا۔ اذا شاهدوا ذلک العذاب صار ذلک سببًا لمزید التذاذهم بنعیم الجنة (کبیر) البتہ جو مومنین ناقص ہیں انہیں کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد ہی نجات ملے گی۔ آیت میں جو لوگ مخاطب صرف نافرمانوں سے سمجھتے ہیں، انہوں نے الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے مراد یہ لی ہے، کہ ان کے اندر باوجود معاصی حقیقت ایمان موجود تھی۔ وہ بعد چندے نجات پا جائیں گے اور جو بالکل ظالم ہیں کافر ہی ہیں، وہ اس میں پڑے سڑا کریں گے۔ ف۱۰۶ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین کے لیے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے وعدے ہیں اور منکرین کے لیے طرح طرح کی وعیدیں۔ ف۱۰۷ (اور اسی سے ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے حق پر کون ہے؟) یہ جاہلی استدلال آج جس زور و شور سے پیش کیا جا رہا ہے پیشتر شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ صرف اہل باطل ہی نہیں، بلکہ ان سے مرعوب بہت سے مسلمان بھی مسیحی قوموں، مشرک قوموں، لامذہب قوموں کی مثالیں پیش کر کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ ان کی دولت، حکومت، عظمت، جاہ و ثروت دیکھو، ان کی اقبال مندی پر نظر کرو اور تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہیں کے طریقہ اختیار کرو، انہیں کی روش پر چلو اور وہی کرو جو یہ ''ترقی یافتہ'' ''اقبال مند'' قومیں کر رہی ہیں... ''ترقی'' ''و فلاح'' نام ہی انہیں دنیا پرست قوموں کی تقلید کا ہے! لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ل مخاطبت و تبلیغ کا ہے لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ لام اجل کا ہے یعنی مومنین کے حق میں کہتے ہیں۔ ای قالوا لاجلهم و فی حقهم (روح) مَّقَامًا و نَدِيًّا مقام سے مراد مکان و منزل لی گئی ہے

كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا

گمراہی میں پڑے ہیں خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے ف۱۰۹ یہاں تک کہ

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ

جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب وہ اس کو دیکھ لیں گے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو۔

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

ابھی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ مکان برا کس کا ہے اور حامی کمزور کس کے ہیں ف۱۱۰

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ

اور اللہ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ف۱۱۱

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال و اولاد مل کر

وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

رہیں گے ف۱۱۲ تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد

عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهُ مِنَ

لے رکھا ہے؟ ہرگز نہیں (البتہ) ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب

الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ نَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

بڑھاتے ہی چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے ف۱۱۳ اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾

ف۱۱۴ اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں ف۱۱۵

اور ندی سے مراد مجلس و مجمع۔ مقاما ای مکانا و منزلا (روح) ندیا ای مجلسا و مجتمعا (روح) خیر مقاما ای احسن منازل و ارفع دورًا (ابن کثیر) احسن ندیا هو مجتمع الرجال (ابن کثیر) قال ابن عباس المقام المنزل والندی المجلس (ابن کثیر) ف۱۰۸ جواب ملتا ہے کہ یہ ظاہری ساز و سامان، یہ دولت و حکومت، یہ زرق برق لباس تہذیب و تمدن ہی اگر دلیل حقانیت و ثبوت صداقت ہوتا تو آخر بڑی بڑی پرشوکت، پرقوت، پرثروت نافرمان قومیں کیوں غارت ہو گئیں؟ بابل و کلدانیہ کا تمدن کیا ہو گیا؟ اہرام مصر والی عمارتیں کیوں زمین کے برابر ہو گئیں؟ شاہان عجم کا کروفر وہ کیا ہوا؟ یونانیوں کا دم خم کہاں چلا گیا؟ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کیوں تاراج ہو کر رہے؟ — اور آج آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے زاروں کی حکومت قاہرہ کا تختہ کیسا الٹ کر رہا۔ قیصر ولیم اور اس کے آہنی ارادے کیوں گمنامی کی نذر ہو گئے؟ ہٹلر مع اپنے سارے سامان چنگیزی اور اتنے دم داعیہ کے کیوں فنا کے گھاٹ اتر گیا؟ ف۱۰۹ یہ اصل قانون تکوینی کا بیان ہے۔ یعنی کوئی قوم حکومت الٰہی سے متعلق کیسے ہی غلط سلط نظریے قائم کرے، دنیا میں اسے مہلت تو بہرحال ملتی ہی رہتی ہے اور گرفت اس پر فوراً نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں اہل باطل کے احوال کو بقاء بھی داخل ہے، پس احوال پر (جب وہ اعمال سے خالی ہوں) مغرور نہ ہونا چاہیے۔ ف۱۱۰ یعنی آج جنہیں اپنی مجلسی قوت پر فخر اور اپنے تمدن پر ناز ہے، اور اسی کو وہ دلیل اپنی صداقت و حقانیت کی بنائے ہوئے ہیں کل کشف حقائق کے وقت انہیں خود نظر آ جائے گا کہ ان کے حامی اور ان کے جتھے والے بودے اور بے بس ہیں! مکان اور جند اس آیت میں آیت نمبر ۷۳ کے مقام اور ندی کے ہیں۔ جُنْدًا۔ جند کا اطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔ يقال لكل مجتمع جند (راغب) یہاں مراد حامیوں کا گروہ یا جتھا ہے۔ الجند هم الراعون والانصار (کشاف) ضُعْفُ جُنْدًا سے یہ مراد نہیں کہ قیامت میں ان کے حامیوں کا گروہ ہو گا تو سہی لیکن کمزور۔ جند وہاں والوں کو نہیں بلکہ یہ تو دنیا کے اہل مجلس کو کہا گیا ہے جن کی حمایت و نصرت پر اہل دنیا کو ناز و غرور ہوا کرتا ہے۔ الْعَذَابَ۔ عذاب سے مراد یہاں اسی دنیا کا عذاب لیا گیا ہے۔ ف۱۱۱ یعنی ایک تو وہ نعمتیں خود ہی اعلیٰ درجہ کی، اور پھر باقی اور پائدار اور غیر منقطع۔ گویا آخری حالت اہل ایمان ہی کی بہتر ہوئی، بلحاظ کیفیت بھی بلحاظ کمیت بھی۔ وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ تو مومن کا اصل سرمایہ تو یہی ہدایت خداداد ہے، اور اسی پر اس کو مسرور و مطمئن ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس پر کوئی حد مقرر نہ ہونے سے مفہوم یہ ہوا کہ باطنی و معنوی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ دوسرے عارفین نے کہا ہے کہ ایمان کے لیے مراتب متفاوت ہیں، جس جس طرح اصل مقصود غیر متناہی ہے، قصد و منزل بھی غیر متناہی ہیں اور ہر سالک کے لیے ہادی کی ضرورت باقی ہے۔ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سے مراد علاوہ ایمان کے کل اعمال صالحہ ہیں جن کا ثواب دائمی اور اجر غیر منقطع ہے نہ کہ کوئی مخصوص و متعین عبادت۔ قال المحققون انها الايمان والاعمال الصالحة لان نفعها يدوم ولا يبطل (کبیر) ف۱۱۲ (آخرت میں) اس کا یہ قول بطریق تمسخر و استہزاء تھا۔ صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا (اور یہ معلوم ہے کہ مشرکین مکہ آخرت کے منکر تھے) جب انہوں نے اس سے تقاضا زائد کیا تو اس نے کہا کہ تم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار نہ کرو گے میں قرضہ نہ چکاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہونے کا نہیں، چاہے تو مر کر بھی زندہ ہو جائے۔ وہ منکر از راہ تمسخر و تمرد بولا کہ اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ بھی آ سکتا ہوں تو بس جبھی آنا اور اپنا قرضہ چکانا۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال و اولاد ہوں گا۔ ف۱۱۳ یعنی وہ منکر تو دنیا سے گزر جائے گا، اور اس کا اختیار نہ مال پر رہ جائے گا نہ اولاد پر۔ ہم ہی سب چیزوں کے مالک رہیں گے۔ ف۱۱۴ یعنی مال و اولاد سب سے معریٰ، بے ساز و سامان، بے یار و مددگار۔ ف۱۱۵ (دنیا میں اس طرح کہ ان کی حاجتیں اور مرادیں پوری کریں، اور آخرت میں اس طرح کہ ان کی شفاعت کریں) مشرکین کا ایک طبقہ بعث بعد الموت کا اور اپنے دیوتاؤں کی شفاعت کا قائل تھا، باقی اگر عِزًّا کا مفہوم صرف دنیوی مدد و نصرت تک محدود رکھا جائے تو آیت کا مضمون سارے ہی مشرکین پر صادق آئے گا۔ بڑی غرض اس پوجا پاٹ سے ہر قوم کے مشرکوں کی یہی ہوتی ہے کہ ہم بیماری سے اچھے ہو جائیں، مقدمہ میں کامیاب ہو جائیں، جنگ جیت جائیں، روپیہ خوب ملنے لگے وقس علیٰ ہذا۔

كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ۧ

ہرگز نہیں۔ (بلکہ) وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے وہ۱۱۶

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ۙ

کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جوان کوخوب ابھارتے رہتے ہیں وہ۱۱۷

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ۚ

تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجیے وہ۱۱۸ ہم خود ان کی (گنتیں) شمار کر رہے ہیں وہ۱۱۹

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ۙ

(سزا اسی روز واقع ہوگی) جس روز ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ۘ

اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے وہ۱۲۰

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ۘ

شفاعت کا اختیار کوئی بھی نہ رکھے گا بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے وہ۱۲۱

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ۭ

اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے وہ۱۲۲

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـــًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ۙ

تم نے یہ حرکت اسکی سخت کی ہے وہ۱۲۳

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ۙ

کہ کچھ بعید نہیں جو اس کے باعث آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ۚ

اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں وہ۱۲۴

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ۭ

اور خدائے رحمٰن کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا اختیار کرے وہ۱۲۵

اِنْ كُلُّ

جتنے جو کوئی بھی

وہ۱۱۶ (قالاً بھی حالاً بھی) قالاً اس طرح کہ کھل کر ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔ اور حالاً اس طرح کہ بجائے ان کی عزت ونصرت کے اوران کی ذلت ومقہوریت کا سبب بن جائیں گے۔ اے اعداء لھم و کانوا اولیاء ھم فی الدنیا (معالم) وہ۱۱۷ (اور یہ بدبخت اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر اس شیطانی اثر کو قبول کرتے رہتے ہیں) اَرْسَلْنَا۔ ارسال یہاں بھیجنے کے معنی میں نہیں، مسلط کردینے کے معنی میں ہے اور یہ ارسال تمامتر تکوینی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ارسلنا اے سلّطنا (ابن عباس ؓ) تَؤُزُّھُمْ اَزًّا۔ اَز کے معنی حیلہ یا تدبیر وتزویر سے اکسانے، بھڑکانے و ابھارنے کے ہیں۔ اے تغریھم علی المعاصی و تھیجھم لھا بالوساوس و التسویلات (کشاف) وقال الضحاک تغریھم اغراء (تاج) گویا ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیطان کو قوت صرف ترغیب، تدبیر وتزویر سے آمادہ کردینے کی حاصل ہے، مجبور کردینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوت تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آ جاتے ہیں۔ وہ۱۱۸ (کہ ان پر عذاب کسی طرح آ جائے تا کہ آئندہ کے لیے مخلوق ان کے فتنہ وشر سے محفوظ ہو جائے) معنی تستریح انت و المسلمون من شرورھم و تطھر الارض بقطع دابرھم (کشاف) ”حضور ﷺ کا جلد ہی عذاب چاہنا بعد مایوسی ان کے ایمان لانے کے شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کا ضرر کفر دوسروں تک متعدی نہ ہو جائے، پس ایسا استعجال منافی شان رحمت کے نہیں“ (تھانوی ؒ) وہ۱۱۹ (اور وقت مناسب پر سزا دے لیں گے، تعجیل سزا میں حکمت ابتلاء ہی فوت ہوئی جاتی ہے) اعمال یہاں مقدر ہے۔ نعدانفاسھم واعمالھم (کبیر) قیل تعد اعمالھم لنجازیھم (بحر) اور اسی کا ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے ”حرکتیں“ کیا گیا ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ”ہم ان کے مہلت کے دن خوب گنے جا رہے ہیں“۔ نعدلھم ایام اٰجالھم (بیضاوی) قیل ایامھم التی سبق قضاءنا ان نمھلھم الیھا (بحر) وہ۱۲۰ مجرمین سے ظاہر ہے کہ یہاں مراد مطلق کفار ہیں۔ اس کے مقابلہ پر متقین سے مراد ظاہر ہے کہ مومنین ہی ہوں گے۔ وہ۱۲۱ (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اہل کفر اس اجازت سے بھی نفع نہیں اٹھا سکتے) یہ اجازت ملائکہ، انبیاء اور صلحاء مومنین کو ملے گی۔ عَھْدًا۔ عہد سے مراد یہاں اذن لی گئی ہے۔ و قیل عھداللہ اذنہ لمن شاء فی الشفاعۃ (بحر) و قیل المراد بالعھد الامر و الاذن (روح) دوسری مراد عہد سے عہد توحید ونبوت یا کلمہ شہادت وایمان بھی ہو سکتا ہے اور ابن عباس ؓ سے یہی منقول ہے۔ وہ۱۲۲ مشرکوں کے عقیدہ میں تو خدا کے لیے اولاد کا اثبات ایک معمولی بات تھی ہی، مسیحیوں کے ہاں بھی ظہور اسلام کے قبل ہی مسیح کی ولدیت الٰہی کا عقیدہ ایک مسلم حقیقت بن چکا تھا۔ حد یہ ہے کہ یہودی جیسی موحد قوم بھی یونان اور روم کے مشرک حکیموں، فلسفیوں کے اثر کے ماتحت اس عقیدہ سے بالکل بیگانہ ونامانوس نہیں رہے تھے۔ یہاں اشارہ غالب مسیحیوں کی جانب ہے وہی اپنے خدا کی صفت رحمانیت کے سب سے بڑے مدعی رہتے تھے۔ وہ۱۲۳ یعنی بیٹی یا للہ کے فرزند قرار دینے کا قول۔ اِدًّا۔ اے امرًا منکرًا (راغب) قال ابن خالویہ الاد العجب و قیل العظیم المنکر والادۃ الشدۃ (کشاف) الاد فی کلام العرب من اعظم الدواھی (معالم) وہ۱۲۴ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اس نہایت درجہ بیہودہ قول کا جو اثر معنوی ہے وہ اگر کہیں محسوس ومادی شکل اختیار کر لیتا تو اس کے آثار خارجی یہ اور یہ ہو کر رہتے۔ یہاں یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابنیت الٰہی اور چیز ہے اور ولدیت الٰہی اور۔ ہیں دونوں ہی عقیدے سرتاسر باطل ونامعقول۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ اپنی بیہودگی میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ پہلے کو تو پھر بھی مجازی معنی میں لیا جا سکتا اور تاویل کی جا سکتی ہے کہ ابنیت سے مراد محض محبوبیت اور تعلق تخصیصی ہے۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ تو کھلا ہوا گستاخانہ ہے اور خدا کی خدائی ہی کو باطل کردینے والا۔ دَعَوْا کا مرادف یہاں نسبوا بھی رکھا گیا ہے۔ اور جعلوا بھی اور سموا بھی۔ (بحر) اور ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ وہ۱۲۵ خدا کو خدا مان کر یوں بھی تو کسی صورت میں اس کا صاحب اولاد تسلیم نہیں کیا جا سکتا، پھر جب اس کی صفت رحمانیت کو اس کی تمام صفات پر غالب ومقدم تسلیم کر لیا جائے (جیسا کہ مسیحیت میں ہے) جب تو اور بھی اس عقیدہ کی مہملیت اور مضحکہ خیزی کہیں زیادہ نظر آنے لگتی ہے کہ اسی رحمت مطلق کو معاصی خلائق کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کی ضرورت پڑے!

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ

آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے

عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ كُلُّهُمْ

حاضر ہوتے ہیں ف۱۲۶ اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے ف۱۲۷ اور قیامت

اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوگا ف۱۲۸ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

نیک کام بھی کئے خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا ف۱۲۹ سو ہم نے

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ

اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کر دیا کہ آپ اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوش خبری سنا ئیں

قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ

اور اس کے ذریعے سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں ف۱۳۰ اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا

تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

ف۱۳۱ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں؟ یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ ف۱۳۲

اٰیاتھا ۱۳۵ | ۲۰ سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ | رکوعاتھا ۸

اس میں ۱۳۵ آیتیں | سورۂ طٰہٰ مکی ہے | اور ۸ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

طا۔ہا ف۱ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں ف۲

ف۱۲۶ اللہ اور اس کی ساری مخلوق کے درمیان صحیح علاقہ صرف ایک ہی ممکن ہے۔ اور وہ رشتہ عبد و معبود کا ہے۔ مقبوں سے مقبول، مقرب سے مقرب بندہ کے لئے بھی بلند ترین مقام عبدیت ہی کا ہے۔ ولدیت الٰہی وغیرہ کا تخیل ہی سرے سے مہمل اور گستاخانہ ہے۔ کُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے عموم میں انبیاء، ملائکہ وغیرہ سب ہی آگئے۔ ف۱۲۷ احاطہ میں لے رکھا ہے اپنی قدرت سے۔ اور خوب شمار کر رکھا ہے اپنے علم سے۔ خوب شمار کر رکھنے میں مخلوقات کی ذات و صفت، عمل و کردار، سب کی جانچ، سب کی تحقیق آگئی۔ ف۱۲۸ (خدا ہی کا محتاج اور محکوم مال و اولاد، اعزہ و احباب، افسری و سرداری، جاہ و منصب کے تمام عوارض خارجی سے معری ہو کر) ف۱۲۹ (خلائق کے قلوب میں بلا اسباب ظاہری کے) مشاہدہ ہے کہ بے غرض، متدین، مخلص، خادم خلق و عبادت گذار سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ متقیوں کے جاوہ دوسروں کو جہاں کہیں محبوبیت حاصل ہوتی ہے، وہاں کوئی نہ کوئی قریبی سبب ظاہری موجود ہوتا ہے۔ مثلاً عزیزداری، ذاتی دوستی، ہم وطنی، ہمسائگی وغیرہا۔ يحبهم ويحببهم الى المومنين (ابن عباس ؓ) سيحدث لهم في القلوب مودة (کشاف) یہ تفسیر حدیث میں آئی ہے اور اس کا نعمت ہونا بلکہ اعظم نعمت ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ مغز نعمت کا راحت اور امن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محبوبیت اس کے اعظم اسباب سے ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا۔ بلکہ مقصود قرآن و حدیث کا یہ ہے کہ عام خلائق جن کا نہ کوئی نفع اس مومن سے وابستہ ہے نہ کوئی ضرر، وہ اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے۔ اور اہل انتفاع کا محبت کرنا جیسا کہ نفع رساں کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے یا اس تضرر کا بغض کرنا جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے قابل اعتبار نہیں، کیونکہ در حقیقت وہ محبت اور بغض اپنے نفع اور ضرر سے ہے۔ اگر دونوں سے قطع نظر کی جائے اس وقت مومن کی صفات میں یہ اثر ہے کہ اس سے عام قلوب کا انجذاب ہوتا ہے۔" (تھانوی) ایک معنی یہ بھی منقول ہیں کہ وُدًّا بمعنی محبوب ہے، یعنی اللہ ایسے لوگوں کے لئے وہ چیز مہیا کر دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتے ہیں۔ اے يهب لهم ما يحبون (کبیر۔ عن ابی مسلم) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خدائے رحمٰن ان کے دلوں میں اپنی محبت یعنی طاعت میں لذت و حلاوت ڈال دیتا ہے۔ اے سيجعل لهم لذة وحلاوة في الطاعة (روح) مرشد تھانوی ؒ نے ارشاد فرمایا کہ قلوب خلائق سے مراد وہ قلوب ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت موجود ہو۔ ورنہ جو دل محبت الٰہی سے خالی ہوتے ہیں، ان میں تو مومنین و صالحین کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا ہے۔ ف۱۳۰ آیت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرآن کی آسانی صاحب قرآن پر اسی غرض سے ہے کہ وہ ان کی فہم معانی میں مع اپنے جلی اور خفی پہلوؤں کے پوری طرح آ جائے۔ تاکہ وہ اس کے مطالب کو سمجھ کر ان سے بشارت اور انذار دونوں کا کام لیں۔ اور اسی سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ جس پر قرآن آسان ہو جائے یعنی علماء و ماہرین فن۔ ان پر واجب ہے کہ قرآن کی تعلیم و تذکیر کرتے رہیں۔ الْمُتَّقِيْنَ۔ مراد مومنین ہیں کہ شرک و کفر سے متقی ہر مومن ہوتا ہی ہے۔ المتقين المؤمنين (مدارک) قَوْمًا لُّدًّا۔ بڑی جھگڑالو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ ظاہر ہے کہ کل وہ منکر اسلام قومیں جو رسول اللہ ﷺ کی مخاطب اول تھیں لیکن جس تفصیل اور شدت کے ساتھ اس سورت میں عقیدۂ ولدیت الٰہی کا رد کیا گیا ہے اس سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ مراد مسیحی اقوام ہیں اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کو مقابلہ بھی سب سے زیادہ مسیحیوں ہی کا کرنا پڑا ہے۔ سورت میں خود لفظ رحمٰن کا بار بار آنا اور مادہ رحمت کا تو اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ آنا، اس امر پر گواہ ہے کہ سورت کا مقصود سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کی صفت رحم پر زور دینا اور اس کی رحمت کو مطلق اور بلا بدل و معاوضہ صورت میں پیش کرنا ہے۔ مسیحیوں کو سب سے بڑا دھوکا اللہ کی صفت رحمت ہی سے لگا ہے۔ اور اسی ایک صفت کے نہ سمجھنے سے وہ مسیح پرستی کے شرک میں جا پڑے ہیں۔ مسیحیت کا سارا فلسفہ ولفظوں میں یہ ہے کہ بندوں کی گنہگاری دیکھ کر خدا ان سے روٹھ گیا اور اس کی صفت عدل کا تقاضا یہ ہوا کہ سب کو جہنم میں جھونک دینا چاہیے۔ لیکن اس کا رحم و کرم اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی تدبیر اس نے یہ کی کہ وہ خود ایک انسان کے قالب میں ظاہر ہو کر دنیا میں آ گئے یا اپنے ایک اقنوم کو اپنا بیٹا بنا کر بھیجے اور ساری مخلوق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کر سب کی طرف سے کفارہ کو تیار ہو جائے، یعنی خود صلیب پر موت پا کر ایک مختصر مدت (تین دن) کے لئے دوزخ میں چلا جائے۔ اور سب کی طرف سے معاوضہ بن کر اور سب کو نجات دلا دے۔ گویا خدا بلا معاوضہ، بلا کفارہ، بلا بدل رحم و مغفرت سے کام لے ہی نہیں سکتا! مسیحیت کے اس سارے بنیادی فلسفہ کی تردید کے لئے قرآن کا ایک لفظ رحمٰن کافی ہے۔ یعنی اسلام کا خدا ایسا خدا ہے جو مطلقاً رحم پر قادر ہے۔ اپنی صفت رحمت کے ظہور کے لئے بے بسی اور مجبوری کے ساتھ کفارہ و معاوضہ کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ ف۱۳۱ ابھی ابھی انذار، ڈرانے کا حکم آ چکا ہے۔ اب ایک انذاری مضمون کے بیان میں تاریخ سے استشہاد ہو رہا ہے کہ نافرمان قومیں کیسی کیسی پرقوت و پرشوکت، اپنی نافرمانیوں ہی کے پاداش میں روئے زمین سے کس طرح مٹائی جا چکی ہیں۔ اور اثریات (آرکیالوجی) ان کے ایک ایک کھنڈر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور کھود کھود کر نکال رہا ہے! ف۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دیکھو وہ کیسے بے نام و نشان ہو کر تہس نہس ہو کر رہے! آج نہ خود ان کی کوئی دھیمی سی آواز ہی کسی کو آ رہی ہے، نہ ان کے متعلق کوئی بھنک کسی کے کان میں پڑ جاتی ہے۔ والحاصل اهلكتهم فلا يعن ولا لاخبر (روح) رکز کہتے ہیں آواز خفی کو۔ الركز۔ الركز الصوت الخفي (کشاف) جب نفی آواز خفی کی ہوگئی تو بلند آواز کی تو بدرجہ اولیٰ ہوگئی۔ نہ وہ خود باقی رہ گئے نہ کوئی ان کا نام لیوا۔ اهلكنا هم بالكلية بحيث لا ترى منهم احدا ولا تسمع من يخبر عنهم

ویذکرھم بصوت خفی (روح) ف۱ حروف مقطعات میں سے ہے اصل معنی تو اللہ ہی کو معلوم۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقر کے شروع کا حاشیہ۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعی حضرات سے اس کے معنی یا رجل (اے شخص!) کے مختلف زبانوں کے لحاظ سے مروی ہیں۔ معناہ یا رجل وھو مروی عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وسعید بن جبیر وقتادۃ وعکرمہ والکلبی (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں نے یہ کہنا شروع بھی کیا تھا کہ یہ شخص مصیبت میں پڑ گیا۔ فان قومہ قالوا لقد شقی ھذا الرجل (ابن جریر) اس لئے یہ معنی سیاق پر زیدہ چسپاں ہیں۔ سعید بن جبیر سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ اسم الطیب الطاہر الھادی کا مخفف ہے (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ یہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے (ابن جریر) تحسین امام ابن جریر نے ترجیح یارجل کے معنی کو دی ہے اس لئے کہ یہی معنی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین میں معروف تھے۔ ف۲ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب ومشقت اٹھانے کی خاص صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کافروں کے رد وانکار پر غم وحزن بہت زیادہ کرتے تھے، دوسرے یہ کہ شب میں آپ قراءت قرآن کے وقت قیام بہت زائد طویل فرماتے تھے وقس علی ہذا۔ آیت دونوں صورتوں کی نفی کر رہی ہے۔ اور آپ کو گویا یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو صرف تذکیر وتبلیغ ہے جسے ماننا ہو گا مانے گا، نہ ماننا ہو گا نہ مانے گا۔ آپ اتنے فکر مند نہ رہیے۔ علیٰ ہذا رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھایئے جس قدر باسانی تحمل ہو سکے بس اسی قدر پڑھیے۔ اہل اشارات کہتے ہیں کہ اگر تفسیر اول قبول کی جائے تو آیت اصل ٹھہرتی ہے اہل دل پر نزول سکینت کی۔ اور تفسیر ثانی مراد لی جائے تو اصل ٹھہرتی ہے مجاہدہ میں تعدیل کی۔ بعض نے کہا ہے کہ مقصود خطاب امت سے کرنا ہے اور شقی خاب کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اے مومنو۔ قرآن کے نزول کی یہ غرض وغایت نہیں کہ تم حالت محرومی ومغلوبی میں رہو۔ ف۳ قرآن کی غرض وغایت تو بھلائی اور خیر خواہی، اصلاح اور سدھار ہے، لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے قلب میں خوف خدا موجود ہے۔ ف۴ اَلرَّحْمٰنُ میں یہ اشارہ آ گیا کہ وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت ورحمانیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسْتَوٰی۔ استواء کے معنی استیلاء کے ہیں اور خود استیلاء سے مراد اقتدار واختیار ہے اور جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انا اذا فسرنا الاستیلاء بالاقتدار زالت ھذہ المطاعن کلھا (کبیر) عرش اور استویٰ دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف پارہ ۸ میں گزر چکے۔ خَلَقَ ...الْعُلٰی۔ زمین وآسمان نہ کوئی خود آفریدہ مخلوق ہیں اور نہ خالق۔ بلکہ تمامتر اللہ ہی کے محتاج اپنے وجود ونمایش ہیں۔ سمٰوٰت میں خود ہی بلندی کا مفہوم شامل ہے۔ صفت عُلا لا کر اور اس کی تاکید اور ذہن کی اس طرف تنبیہ مقصود ہے۔ ف۵ یعنی ساری کائنات میں مکانی حیثیت سے جہاں کہیں بھی کوئی شے ہے سب اسی کی مملوک ہے۔ تَحْتَ الثَّرٰی۔ ثری تو وہ گیلی مٹی ہے جو خود ہی سطح زمین کے نیچے ہے۔ الثری فی اللغۃ التراب الندی (کبیر) تحت الثری اس سے بھی نیچی ہوئی۔ مقصود اللہ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں نے (اور انہیں میں بعض قدیم مہذب ومتمدن قومیں بھی شامل ہیں) زمین کے نیچے کے الگ دیوی دیوتا مانے ہیں۔ ہمہ دان وہمہ بین خالق کا کلام اس شرک کی بھی تردید کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ ف۶ وہ ہمہ بین وہمہ دان تو مخفی اور مخفی در مخفی چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ سو پکار کر کہی ہوئی چیزوں کا علم اسے کیسے نہ ہو گا۔ گویا اصل کلام یوں ہوگا۔ و ان یجھر بالقول فاعلم ان اللہ تعالٰی یعلمہ فانہ یعلم السر و اخفی فضلا عنہ (روح) السِّرَّ وَاَخْفٰی۔ سر تو وہ ہے جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے اور اخفی وہ ہے جس کا علم خود اس کو بھی نہ ہو۔ السر ما اسررت فی نفسک و اخفی من ذلک ما لم تحدث بہ نفسک (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) السر ما حدث بہ العبد غیرہ فی خفی و اخفی منہ ما اضمرہ فی نفسہ مما لم یحدث بہ غیرہ (ایضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اوپر بیان اس کی قدرت کا تھا۔ اب بیان علم کا ہو رہا ہے کہ وہ بھی اسی طرح کامل وہمہ گیر ہے۔ ف۷ (اعلیٰ سے اعلیٰ صفات وکمالات پر دلالت کرنے والے) بعض محققین کے نزدیک خود لفظ اسماء مرادف ہے صفات کے۔ جاء الاسم بمعنی الصفۃ (روح) خود قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ اسم صفت کے معنی میں آیا ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ (رعد۔ ۳۳) ملاحظہ ہو سورۂ بقر و پ ۱ میں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا پر حاشیہ۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی ذات سے بالکل منفرد ہے گو اس کے اسماء صفاتی بکثرت ہوں۔ ای ھو واحد بذاتہ و ان افترقت عبارات صفاتہ (مدارک) ف۸ یعنی قصہ موسیٰ بھی سننے کے قابل ہے جو حکم ومعارف اور علوم توحید ونبوت سے پر ہے۔ ف۹ (اس وقت جب وہ مدین سے اپنی زوجہ محترمہ کو رخصت کرا کے مصر لا رہے تھے، موسم سردی کا تھا، اور رات اندھیری تھی) رَاٰ۔ مشرقی ممالک میں رات کو سفر کرنے کا یہی دستور عام ہے۔ اور یہ دستور بھی عام ہے کہ سردی میں رات کو باہر آگ کے بڑے بڑے الاؤ جلا کر بیٹھتے ہیں۔ اندھیرے میں ان کی روشنی بڑی دور سے نظر آتی ہے۔ رَاٰ جو روشنی آپ نے دیکھی وہ آپ کو آگ ہی کی معلوم ہوئی۔ یہ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ آگ ہی رہی ہو۔ اہل لطائف کہتے ہیں کہ اس آیت میں اصل ہے صوفیہ کے مسئلہ تمثیل کی۔ موسیٰ کے سامنے نور قدیم، نار حادث کی شکل میں متمثل ہوا۔ ف۱۰ یعنی میرے پیچھے پیچھے نہ آؤ میں اکیلا جاتا ہوں۔ امْكُثُوْا۔ صیغہ جمع ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تعظیم کے لیے ہو۔ اور مقصود اس سے اظہار عزت وتکریم ہو۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ فقد یخاطب الواحد بلفظ الجماعۃ

إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٣﴾ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو ف۳ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے جس نے پیدا کیا

الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ﴿٤﴾ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

زمین اور بلند آسمانوں کو وہ خدائے رحمٰن عرش (حکومت) پر

اسْتَوَىٰ ﴿٥﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا

قائم ہے ف۴ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں اور

بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ ﴿٦﴾ وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ

ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے بھی نیچے ہے ف۵ اور اگر تو پکار کر بات کہے

فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ﴿٧﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ

تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی کو جانتا ہے ف۶ (وہ) اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٨﴾ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿٩﴾

اچھے اچھے نام اسی کے ہیں ف۷ اور آپ کو موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ ف۸ (وہ وقت قابل ذکر ہے)

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا

جب انہوں نے آگ دیکھی ف۹ سو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو ف۱۰ میں نے آگ دیکھی ہے

لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ

کیا عجب میں اس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ (کا پتہ)

هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ﴿١١﴾ إِنِّي أَنَا

پا جاؤں ف۱۱ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ ف۱۲ میں تمہارا

رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

پروردگار ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو ف۱۳ بے شک تم ایک پاک میدان میں یعنی

طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

طُوٰی میں ہو ۱۴ اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے وف۱۵ سو سنو جو کچھ وحی کیا جا رہا ہے

اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ

بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں میرے سوا، سو میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز

لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى

پڑھا کرو ۱۶ بالیقین قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا

اس کی کوشش کا بدلہ مل جائے وف۱۷ سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو

يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ وَ مَا تِلْكَ

اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش (نفسانی) کی پیروی کرتا ہے ورنہ تم بھی تباہ ہو کر رہو گے وف۱۸ اور یہ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا

تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟ وہ بولے یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک

عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ

لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی

اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ

کام (نکلتے) ہیں وف۱۹ (اللہ نے) فرمایا اسے ڈال دو اے موسیٰ پس انہوں نے اسے ڈال دیا سو وہ

حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٚ سَنُعِيْدُهَا

ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا وف۲۰ (اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اس کی

سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ

پہلی حالت پر کئے دیتے ہیں وف۲۱ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو

تفخیما (کبیر) لیکن انسب یہ ہے کہ علاوہ زوجہ محترمہ کے کوئی چھوٹا سا قافلہ ساتھ ہو۔ جیسا کہ ابن حیان وغیرہ کی رائے ہے اور صیغۂ جمع کا اطلاق حقیقت ہی پر ہو، وخاطب امرأته وولدیه والخادم (بحر) والخطاب للمرأة والولد والخادم (روح) روایت توریت سے بھی اسی آخری خیال کی تائید ہوتی ہے۔ آپ جب چلے ہیں تو آپ کے ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا۔ اور جب گلہ تھا تو کچھ گلہ بان بھی ضرور ہمراہ ہوں گے۔ ''تب اس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خود پہاڑ حرب کے نزدیک آیا''۔ (خروج۔ ۳:۱) وف۱۱ اندھیرے میں آپ لوگ راستہ بھی بھولے ہوئے تھے۔ خیال ہوا کہ الاؤ پر جانے سے راستہ کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ آگ بھی ہاتھ آجائے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے صاحب کشف خود اپنے کشف کی حقیقت سے بے خبر ہو۔ حضرت موسیٰ کو ایک آگ کی سی روشنی مکشوف ہوئی اور وہ اسے متعارف آگ ہی سمجھے۔ وف۱۲ (من جانب اللہ) اس آواز کی کیفیت وصفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول حق مفسر تھانوی مدظلہ کا ہے:۔ ''اس ندا کی کیفیت و صفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جا سکتی ہے۔ بس بے تعیین بتخمین رجم بالغیب ہے۔ البتہ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت موسیٰ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ندا من جانب اللہ ہے۔ خواہ یہ یقین علم ضروری سے حاصل ہوا ہو یا کسی علم استدلالی سے۔ واللہ اعلم'' توریت کی مسخ شدہ روایت یوں ہے:۔ ''اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آیا تو خدا نے اسے بوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسیٰ اے موسیٰ وہ بولا میں یہاں ہوں''۔ (خروج۔ ۳:۲۔۴) وف۱۳ ''خلع نعلین یا تو بوجہ ان کے غیر طاہر ہونے کے تھا یا اس لیے کہ مقام کا ادب ہو۔ یا اس لیے کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے۔ اور نفس پانی اور الغیر ہر حال میں علت ہو سکتا ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں تصریح ہے کہ یہ حکم مقام کے تقدس و احترام کی رعایت سے تھا۔ ''تب اس نے کہا یہاں نزدیک مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اتار۔ کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے''۔ (خروج۔ ۳:۵) ہمارے ہاں کے بھی اکثر اکابر اسی طرف گئے ہیں۔ امرہ بذلک لان الحفوۃ تواضع و ادب (بیضاوی) فیل انما امرہ بخلع نعلیہ تعظیما للبقعة (ابن کثیر) قال الاصم لان الحفوۃ ادخل فی التواضع و حسن الادب (روح) یحمل ذلک علی تعظیم البقعة من ان یطأها الا حافیا لیکون معظما لها و خاشعا عند سماع کلام ربه (کبیر) لان الحفوۃ تواضع للہ (مدارک) اسرائیلی تہذیب میں جوتے اتار دینا تعظیم وتکریم کا ایک معروف و متعارف طریقہ تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وف۱۴ (اور تقاضائے ادب یہی ہے کہ برہنہ پا داخل ہو) طُوٰی۔ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔ بیان لسبب ورد الامر بذلک من شرف البقعة و قدسها (روح) صوفیہ کہتے ہیں، آیت میں اصل ہے مقامات مقدسہ کے ادب و تعظیم کی۔ وف۱۵ (اپنی نبوت و رسالت کے لیے) اہل لطائف کہتے ہیں کہ تمہید میں کلام کے بعد جب قلب موسوی قوی و متحمل ہو گیا براہ راست تجلیات خداوندی کا، تو اب اس پر رسالت کے بار عظیم کی تفویض ہوئی۔ وف۱۶ اس میں نماز کی غایت بیان کر دی کہ اس سے اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔ معناہ اقم الصلوۃ لتذکرنی فیھا (ابن جریر) لتذکرنی (کشاف) اور یہی معنی مجاہد تابعی سے بھی منقول ہیں۔ (روح) اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کے دل پر اگر حاکم اعلیٰ، ہمہ بین و ہمہ دان حاکم کی ہمہ وقتی معیت وہ کیت کا خیال اگر پوری طرح مستولی ہو جائے تو اس سے کوئی قصور سرزد ہی کیوں ہونے پائے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میری یاد آنے پر نماز پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ یہیں سے بعض فقہاء نے قضاء صلوۃ ذکر کا استنباط کیا ہے۔ وف۱۷ توحید و رسالت ان دو عقائد کی تعلیم پچھلی آیت میں آ چکی تھی۔ اب عقیدۂ معاد کا ذکر ہو رہا ہے اور یہی تینوں اصلی اور مرکزی عقائد ہیں دین الٰہی و شریعت خداوندی کے۔ آیت میں بیان قیامت کی غایت کا آ گیا۔ وہ اسی ناسوتی زندگی کی تکمیل کے لیے ہے۔ نتائج کا ظہور پوری طرح اس محدود و مختصر دنیوی زندگی میں ہو نہیں پاتا۔ ظہور کامل کے لیے ایک یوم موعود کا پیش آنا بالکل مطابق عقل اور عین تقاضائے عدل ہے۔ جو لوگ عقیدۂ حشر کے منکر ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان کے سطحی دماغ اس موجودہ زندگی کی محدودیت پر قانع کیسے ہو جاتے ہیں۔ لِتُجْزٰی کا تعلق اٰتِیَةٌ سے ہے۔ اَکَادُ اُخْفِیْھَا کا فقرہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے وف۱۸ یعنی کہیں تم کسی دشمن دین کی صحبت سے متاثر ہو کر فکر آخرت اور خیال عاقبت سے غافل نہ ہو جانا۔ موسیٰ علیہ السلام مقرب خاص ہیں اور اب پیمبر بھی بن چکے ہیں، یہ ارشاد ان تک سے ہو رہا ہے کہ کہیں تم دشمنان دین کی صحبت کا اثر نہ قبول کر لینا ورنہ خدائی قانون میں سزا تمہارے لیے بھی رکھی ہوئی ہے! ہم دنیا داروں کے لیے تو رونگٹے کھڑے ہو جانے کا مقام ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اباحت کا ابطال ہے۔ نیز اس حقیقت کا اثبات کہ تکلیفات شرعیہ ہستی کامل سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ وف۱۹ سوال سے عجب نہیں جو یہ مقصود ہو کہ عصا کو عصا ہونا، اور اس کے مخصوص فوائد و خصائص حضرت موسیٰ کے ذہن میں از سر نو تازہ ہو جائیں تاکہ پھر اس میں جو انقلاب امر الٰہی سے دیکھیں اس کا خارق ہونا اور زیادہ نمایاں ہو جائے۔ فن تعلیم کے ماہر جو استاد ہوتے ہیں وہ بھی طلبہ سے اکثر سوال اسی غرض سے کرتے ہیں۔ اہل اشارات نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کاملین بھی اسباب کے ساتھ تمسک کرتے رہتے ہیں۔

و۲۰ عصائے موسوی کا معجزہ توریت میں بھی درج ہے:۔ "تب خدا نے موسیٰ کو کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا۔ پھر اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے۔ اس نے زمین پر پھینک دیا اور وہ سانپ بن گیا"۔ (خروج ۴: ۲۔ ۳) یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسیٰ کو تبلیغ کرنا تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی، اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۲۱ یعنی یہ پھر سے عصا بنا جاتا ہے۔ اور تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ مس۔ "ابھی" یعنی تمہارے اسے پکڑتے ہی ـــ ایسے خوارق عادات انبیاء کی تاریخ میں کچھ نئے یا انوکھے نہیں۔ معجزہ میں پیغمبر کے کسی ذاتی کمال یا کوشش کو دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہی ہوتا ہے۔ براہ راست اور بلا توسط اسباب عادیہ۔ اس حقیقت کی خاص نظیر یہ عصا والا واقعہ بھی ہے۔ معجزہ حضرت موسیٰ کا، اور آپ خود ہی اس سے ڈرے بھی! "موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الواقع حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے۔ سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو اور دوسری آیت میں انک من الاٰمنین سے تسلی دینا اسی طرف مشیر ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ تو قول بہرحال ثابت و روشن ہے کہ امور طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں۔ توریت میں یہ صورت واقعہ یوں درج ہے:۔ "اور موسیٰ اس کے آگے سے بھاگا، تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا، اور دُم پکڑ لے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں عصا ہو گیا"۔ (خروج۔ ۴: ۴) و۲۲ (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی) حضرت موسیٰ کو جو متعدد معجزات عطا ہوئے تھے، ان میں سے یہ دو معجزے شروع ہی سے عنایت ہو گئے تھے اور ان کا ذکر بھی خاص اہتمام سے کیا گیا۔ "ید بیضا" جو ہمارے ہاں زبان زد ہے یہی مشہور معجزہ ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ مراد یہ ہے کہ یہ ہاتھ کی سفیدی کوئی مرض وغیرہ کی صورت نہیں۔ قرآن کو تصریح کے ساتھ یہ ٹکڑا اس لیے کہنا پڑا کہ توریت والوں نے صورت واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسیٰ کو برص کا مریض ہی بنا دیا! خود توریت کے الفاظ ہیں:۔ "پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھ۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھا۔ اور جب اس نے اسے نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کے مانند سفید "مبروص" تھا"۔ (خروج۔ ۴: ۶) اور بعد کے لوگوں نے اس پر اور اور روایات بھی اضافہ کر دیں۔ اٰيَةً اُخْرٰى پہلا نشان وہ عصا کے سانپ بن جانے کا تھا۔ دوسرا نشان یہ ہوا۔ و۲۳ وہ "بڑی نشانیاں" کیا تھیں؟ عام طور سے مراد دوسرے اور عظیم تر معجزات سے لی گئی ہے، جو آپ کو بعد میں عطا ہوئے۔ و۲۴ فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر توریت اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جو فرعون حضرت موسیٰ کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر و فاسق تھا۔ اور خدا کا اوتار تو بہرحال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۲۵ (کہ تبلیغ میں انقباض اور مخالفت و تکذیب سے دل تنگی نہ ہو اور میں سفارت خداوندی اور رسالت کے بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکوں) صَدْرِيْ۔ صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں لیکن راغب نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ قلب یا صدر آیا ہے، وہاں مراد عضو جسمانی نہیں، بلکہ علم و عقل اور انسان کے سارے قوائے باطنی ہیں۔ اور اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ مراد اس سے اپنے قوائے باطن کی اصلاح کی دعا کرنا ہے۔ ابن زید تابعی سے معنی جرأت و ہمت کے منقول ہیں (ابن جریر) اور اور بھی سب نے یہاں صدر کے معنی مجازی ہی لیے ہیں۔ یعنی تحمل شدائد کا حوصلہ۔ اشرح الصدر بسطه من دانی و مسكنة من جهة الله تعالیٰ منه (روح) اس دعا سے ظاہر ہے کہ دعا اور توکل کامل میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ کاملین تو اور زیادہ دعا کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔ و۲۶ (کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں) و۲۷ اس لکنت زبان کے اسباب مختلف روایت ہوئے ہیں۔ بہرحال سبب طبعی کچھ بھی رہا ہو، لکنت زبان میں موجود تھی۔ توریت میں ہے:۔ "تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے"۔ (خروج۔ ۴: ۱۰)

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی و۲۲ تاکہ ہم تمہیں اپنی

مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں و۲۳ (اب) تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش

طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَ يَسِّرْ لِيْٓ

ہو گیا ہے و۲۴ (موسیٰ نے) کہا اے میرے پروردگار میرا حوصلہ اور فراخ کر دے و۲۵ اور میرا کام مجھ پر آسان

اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا

کر دے و۲۶ اور میری زبان سے بستگی دور کر دے و۲۷ تاکہ (لوگ) میری بات

قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ

(خوب) سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجیے (یعنی) ہارون کو

اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ

کہ میرے بھائی ہیں میری قوت کو ان کے ذریعہ سے مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرے (اس) کام میں شریک

اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾

کر دیجیے و۲۸ تاکہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں و۲۹

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ

بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں و۳۰ (اللہ نے) فرمایا تمہاری درخواست منظور کی گئی

يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ

اے موسیٰ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تمہارے اوپر احسان کر چکے ہیں و۳۱ جب کہ

اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي

ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کے جانے کے قابل تھی و۳۲ (یعنی) یہ کہ (موسیٰ) کو

و۲۸ توریت میں بھی یہ واقعات درج ہیں مگر محرف و مسخ شدہ شکل میں۔ حضرت موسیٰ کی زبان سے حضرت ہارون علیہ السلام کو شریک کار کرنے کی درخواست کا کوئی ذکر توریت میں نہیں۔ حضرت ہارون کا ذکر جہاں ہے بھی، بہ طور شریک نبوت نہیں بلکہ بحیثیت ترجمان اور نائب کے۔ "تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا نہیں ہے لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے۔ اور دیکھ کہ وہ بھی تیری ملاقات کو آتا ہے اور تجھے دیکھ کے دل میں خوش ہوگا۔ اور تو اسے کہے گا اور اسے باتیں بتائے گا...... اور وہ تیرے عوض لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور وہ وہاں وہی تیری زبان کی جگہ ہوگا اور تو اس کے لیے خدا کی جگہ ہوگا"۔ (خروج۔ ۴: ۱۴۔ ۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت اور طلاقت لسانی مشہور و مسلم ہے۔ توریت کے اقتباس میں تو ابھی گزر ہی چکا کہ "وہ فصیح ہے"۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی ذکر ان کے فصیح البیان ہونے کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا الخ سے بھی کاملین کا تمسک اسباب کے ساتھ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ "معاون مانگنے میں اہل کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ ان کو طبعی الفت بھی زائد ہوگی۔ ان سے زیادہ معاونت ہو سکتی ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۲۹ دو آدمی مل کر تبلیغ و دعوت کا کام قدرۃً زیادہ قوت سے اور تسبیح و تذکیر کا کام بہتر

طریق پر کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں دلالت ہے اس پر کہ اسباب سے بھی اکابر کا قصد دین اور استعانت فی الدین ہی ہوتا ہے۔ ف۳۰ (اور ہماری احتیاج سے خوب واقف ہیں) ف۳۱ یعنی اب کی تمہاری درخواست پر کیوں نہ تمہارے ساتھ لطف و نوازش کا معاملہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ تو ہمارا یہ معاملہ بلا تمہاری خواہش و درخواست کے ایک بار بہت پہلے ہو چکا ہے۔ ف۳۲ (اپنی اہمیت کی بناء پر) یہ وحی، وحی نبوت نہ تھی، وحی الہام تھی۔ اور الہام غیر انبیاء کے لیے بھی جائز و ثابت ہے۔ بعض مسیحی فاضلوں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کے والد ماجد عمران کا گھر لب دریا تھا۔ نیل اسی طرف سے بہتا ہوا فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اور ایک وقت مقررہ پر دختر فرعون (قرآن نے اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ نہیں بلکہ آسیہ زوجہ فرعون) سیر دریا کے لیے آتی تھی۔ والدۂ موسیٰ نے سوچا کہ بچہ کی جان بچنے کی اور کوئی صورت تو ظالم حکومت کے کارندوں سے ہے نہیں۔ ایک لگتی ہوئی صورت یہ البتہ ہو سکتی ہے کہ بچہ از خود دختر فرعون (صحیح یہ کہ زوجہ فرعون) کے حضور تک پہنچ جائے۔ عورتیں یوں بھی نرم دل اور ترس کھانے والی ہوتی ہیں پھر یہ بچہ تو ہے بھی اس قدر پیارا اور موہنی صورت والا۔ عجب کیا جو اس محترم خاتون کو اس پر رحم آجائے، اور خود فرعون پر بھی اگر اثر کسی کے کہنے سننے کا ہو سکتا ہے تو اسی خاتون محترم کا۔ بس یہی سوچ سمجھ مادر مہربان نے صورتحال کا صحیح اندازہ کر کے موسیٰ کو بجرے پر بٹھا، پہاڑ کے رخ چھوڑ دیا۔ اور نتیجہ بالآخر بالکل حسب مراد نکلا۔ یہ بیانات تاریخ پر نہیں بلکہ تمام تر ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ لیکن بالفرض صحیح ہوں جب بھی نفس واقعہ کے اعجازی پہلو پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الہام الٰہی بہرحال الہام الٰہی ہی ہے خواہ بالکل مجمل اور براہ راست ہوا ہو یا تفصیلاً یہ درمیانی زینے سب عقل کو سمجھا دیئے گئے ہوں۔ ف۳۳ (اے موسیٰ! اور تمہیں محبوب بنا دیا) حضرت موسیٰ قدیم تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت و انجیل دونوں میں یہی مذکور ہے:۔ "اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا"۔ (خروج۔ ۲:۲) "انہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے" (عبرانیون۔ ۱۱: ۲۳) "موسیٰ پیدا ہوا جو نہایت خوبصورت تھا" (اعمال۔ ۷: ۲۰) عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ فرعون کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے جو حق تعالیٰ کا بھی دشمن تھا اور موسیٰ کا بھی۔ ف۳۴ سحر، نجوم، کہانت کے فنون اس زمانہ کے مہذب و متمدن ملکوں میں اسی طرح پھیلے ہوئے تھے، جیسے آج مادی علوم و فنون ہیں۔ اور مصر تو ان قدیم فنون کا ایک مرکز خاص تھا۔ فرعون کو منجموں اور کاہنوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب اسرائیلی قوم میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا، جو فرعون اور حکومت فرعون کے زوال اقتدار کا سبب بنے گا۔ فرعون نے اسی وقت سے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ اسرائیلیوں میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ جب ولادت حضرت موسیٰ کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ قدرتاً بہت پریشان ہوئیں۔ اس وقت آپ کو الہاماً یہ تدبیر سمجھائی گئی کہ ایک صندوق لے کر اس میں بچے کو لٹا صندوق دریائے نیل میں بہا دیا جائے۔ نیل شاہی محل کے نیچے سے گزرتا تھا اور دریا کا بہاؤ حضرت موسیٰ کے مکان سے اسی رخ پر تھا۔ جب صندوق بہتا بہتا محل کے نیچے پہنچے گا، روک کر بچہ اس میں سے نکال لیا جائے گا اور بچہ کی صورت اتنی محبوب ہے کہ جو اسرائیل کش اور اپنے قصد و نیت کے لحاظ سے موسیٰ کش ہے، خود اسی سے موسیٰ کی پرورش کرائی جائے گی۔ اور اسی کو سبب و ذریعہ موسیٰ کی حیات و بقا کا بنایا جائے گا۔ توریت میں یہ واقعات ہیں، مگر حسب معمول محرف و مسخ شدہ شکل میں:۔ "وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا۔ اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا ...... تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پھرنے لگیں اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا اور دیکھا وہ روتا ہے۔ اسے اس پر رحم آیا۔ اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے"۔ (خروج۔ ۲: ۲۔ ۶) عَیْنِیْ میں اضافت تشریف و اختصاص کے لیے ہے ورنہ اپنے عام معنی میں تو دنیا کی ساری ہی موجودات پروردگار عالم کی نگرانی میں رہتی ہے۔ ھذا الاختصاص للتشریف کا ختصاص عیسی علیہ السلام بکلمۃ اللہ تعالی والکعبۃ بیت اللہ (روح) ف۳۵ صندوق دریا میں بہا دینے کے بعد حضرت موسیٰ کی بہن بھی اجنبی اور انجان بن کر شاہی محل کی طرف چلیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ محل میں پہنچیں اور جب دیکھا کہ بچہ مچلا ہوا ہے تو خوش تدبیری کے ساتھ اپنی اور ان کی ماں ہی کو رضاعت کے لیے بلوایا۔ توریت میں ہے:۔ "تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کہ کہئے تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تاکہ وہ تیرے لیے اس لڑکے کو دودھ پلائے فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا وہ چھوکری گئی۔ اور لڑکے کی ماں کو بلایا فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور میرے لیے دودھ پلا۔ میں تجھے درماہہ دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو لیا اور دودھ پلایا"۔ (خروج۔ ۲: ۷۔ ۹) توریت میں ہے کہ ان صاحبزادی کا اسم مبارک مریم تھا۔ بقول بعض شارحین توریت کے یہ حضرت موسیٰ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ ف۳۶ (قبطیوں یا فرعونیوں میں سے اتفاقیہ و بلا قصد) مفصل قصہ سورۂ قصص میں آئے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کاملین سے لغزش صادر ہونے پر اور اس پر بھی کہ اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ ف۳۷ حضرت موسیٰ کو اس واقعہ قتل غیر عمد کے بعد فکر دو طرح کا لاحق ہوا۔ ایک تو خوف عقاب الٰہی سو وہ خوف تو اس طرح دور ہوا کہ استغفار کی توفیق ہوئی اور وہ اسے قبول کیا گیا۔ دوسرے خوف انتقام حکومت تو اس سے نجات یوں حاصل ہوئی کہ مصر سے مدین پہنچا دیا گیا۔

التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ

ایک صندوق میں رکھ پھر اسے دریا میں ڈال دو پھر دریا انہیں کنارہ لے آئے گا

یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً

(تو) انہیں وہ پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا

مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۝۳۹ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ

اثر ڈال دیا تھا ف۳۳ اور تاکہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے ف۳۴ (یہ اس وقت ہوا) جب کہ تمہاری بہن

فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

چلتی ہوئی آئیں پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو (خوب اچھی طرح) پالے؟ تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے

اِلٰۤی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا

پاس پھر پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں ف۳۵ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا ف۳۶

فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ۥ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ

تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی ف۳۷ اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا ف۳۸ پھر تم مدین والوں کے

فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۝۴۰

درمیان (کئی) سال رہے۔ پھر تم اپنے وقت معین پر (یہاں) آ گئے اے موسیٰ ف۳۹

وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۝۴۱ۚ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ

اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا ف۴۰ (سو اب) تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے

بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ۝۴۲ۚ اِذْهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

ساتھ جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا ف۴۱ فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ بے شک وہ حد سے تجاوز

طَغٰی ۝۴۳ۚۖ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝۴۴

کر گیا ہے ف۴۲ پھر اس سے گفتگو نرم کرنا ف۴۳ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے ف۴۴

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ

دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ

يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ

زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے ف۴۵ اللہ نے کہا تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ تو میں ہوں میں (سب) سنتا

وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ

اور دیکھتا ہوں ف۴۶ تم اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں سو تو ہمارے ساتھ

مَعَنَا بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

بنی اسرائیل کو جانے دے اور انہیں دکھ نہ دے ف۴۷ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ

نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلے ف۴۸ ہمارے پاس تو

اُوْحِىَ اِلَيْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

وحی یہ آچکی ہے کہ عذاب (قہری) اسی کے لئے ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے ف۴۹

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْۤ اَعْطٰى

(فرعون نے) کہا تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار ہے کون؟ ف۵۰ (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر

كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ

چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر (اس کی) رہنمائی کی ف۵۱ (فرعون نے) کہا اچھا تو پہلی نسلوں کا کیا حال

الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ

ہوا ہے؟ ف۵۲ (موسیٰ نے) کہا ان کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے میرا پروردگار نہ

رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ ۫ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا

بھٹک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے ف۵۳ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ف۵۴

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکابر کی لغزش اگرچہ موجب عتاب و مواخذہ نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود بھی ان پر ندامت غالب ہوتی ہے۔ ف۳۸ اس درمیان میں جو کچھ بھی آفتیں، مصیبتیں پیش آئی ہوں سب آزمائشوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ان تکلیفوں سے نجات دینا تو خیر لطف وعنایت ہے ہی باقی خود آزمائش بھی جواز و یا بہ مدارج کا سبب بن جائے بجائے خود ایک رحمت و نوازش ہے۔ ف۳۹ یعنی اس وقت پر جو تمہاری نبوت کے لیے متعین و مقدر ہو چکا تھا تم مدین سے پھر مصر لائے گئے۔ ای علی وفق الوقت الذی قدرته و عینته لتکلیمک و استنبائک بلا تقدیم و لا تاخیر عنه (روح) یہیں ملتی مکالمہ خداوندی میں بار بار یاموسیٰ کا آنا رحمت و اکرام کے لیے ہے۔ ف۴۰ ''اپنے لئے'' یعنی اپنا نبی بنانے کے لیے۔ ای لوحیی و رسالتی (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اخترتک لا قامة حجتی (روح۔ عن الزجاج) الاصطناع الاخلاص بالا لطاف و معنی لنفسی لتصرف علی ارادتی و حجتی (جصاص) ف۴۱ اہل حق کا اصلی مشغلہ و فریضہ یہی یاد الٰہی ہے جس کی تاکید سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ پیغمبر بھیجے ہی جاتے ہیں تذکر و تذکیر کے لیے دنیوی نظام حکومت قائم کرنے کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعلیم میں برکت جب ہی پیدا ہوتی ہے جب معلم خود بھی ذکر میں مشغول ہو۔ اٰیٰتِیْ سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو عطا ہو چکے تھے۔ ف۴۲ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۔ ف۴۳ (کہ یہ موثر ترین طریق تبلیغ ہے اور شروع میں خشونت و درشتی کو باوجود اشتعال طبع اپنے قریب نہ آنے دینا) فقہاء نے اس سے مسئلہ یہ نکالا ہے کہ قوت و نصرت کے یقین کے باوجود بھی (جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ کو نصرت غیبی کا پورا یقین تھا) مبلغ کے لیے پوری طرح جائز ہے کہ انداز تبلیغ نرم رکھے۔ فی هذا جواز الامر بالمعروف و النهی عن المنکر باللین لمن معه القوة و ضمنت له العصمة (ابن العربی) محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان و تمرد کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰ جیسے مقبول و برگزیدہ بندہ کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف و ملائمت ہی سے پیش آئیں۔ هذه الآیة فیها عبرة عظیمة و هو ان فرعون فی غایة العتو والاستکبار و موسٰی صفوة الله من خلقه اذذاک و مع هذا امران لایخاطب فرعون الا بالملاطفة واللین (ابن کثیر) ف۴۴ مقصود تو بہرحال ایمان لانا اور دینی تعلیم کو حق تسلیم کر لینا ہے۔ خواہ یہ صورت بہ طوع و رغبت، ذوق و شوق سے حاصل ہو۔ خواہ خوف خدا سے یا خوف عاقبت سے۔ آیت پر یہ اعتراض بالکل مہمل ہے کہ جب علم الٰہی میں فرعون کا ایمان لانا ناممکن تھا تو یہاں یہ کیوں کہا گیا۔ یہاں تو مقصود صرف ان بندوں کو یہ ہدایت دینا ہے کہ تم اپنی تبلیغی کوششیں اسی امید پر جاری رکھو۔ علم الٰہی و اقتضائے الٰہی کی صورت بالکل الگ ہے۔ اس کو بندوں کی کوشش سے کیا واسطہ۔ معناه اذهبا علی رجاء منکما و طمع و قضاء الله وراء امرکما (معالم) ف۴۵ (کہ اول الذکر صورت میں ہماری تبلیغ دھری کی دھری رہ جائے، وہ ہمیں اس کا موقع ہی نہ دے، اور آخری صورت میں کہیں اس کا جرم اور بڑھ نہ جائے) ف۴۶ کسی کا تخیل ہے اگر وہ افسر اسے کہہ دیں کہ ''فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو، ہم خود مع اپنی ساری قوت کے تمہارے ساتھ ہوں گے'' تو وہ کیسا باغ باغ ہو جائے گا، اور اسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آ جائے گا۔ پھر یہاں تو بندہ کو خدا کا سہارا ہاتھ آ رہا تھا! تسکین و تشفی و تقویت قلب کی اس سے بڑھ کر صورت خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ مَعَكُمَا۔ معیت سے مراد کمال حفظ و نصرت الٰہی ہے۔ معکما بالحفظ والنصر (بیضاوی) والمراد بمعیته سبحانه کمال الحفظ والنصرة (روح) توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ''وہ بولا یقیناً میں تیرے ساتھ ہوں گا'' (خروج۔ ۳: ۱۲) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَسْمَعُ وَاَرٰى اگر اِنَّنِىْ مَعَكُمَا کی تفسیر ہے تو دلیل ہے قرب صفاتی پر اور اگر مستقل ہے تو اِنَّنِىْ مَعَكُمَا دلیل ہے قرب ذاتی پر۔ ف۴۷ (بے قصور و بے خطا جب تک وہ تیرے ملک میں مقیم ہیں) فرعون کے مظالم اب حد سے بڑھ گئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف سے مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں ہمارے وطن کنعان (صوبہ شام) واپس چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ فرعونی حکومت ان لوگوں سے بیگار کا اور ادنیٰ قسم کی مزدوری کا کام لیتی رہتی تھی۔ اس لیے اس مطالبہ کو بھی نہیں مان رہی تھی۔ آج ہمارے ہاں کا بھی کون ظالم زمیندار یہ گوارا کرتا ہے کہ اس کی ادنیٰ رعایا بھی اس کی زمین سے نکل جائے۔ توریت میں ہے:۔ ''بعد اس کے موسیٰ اور ہارون آئے اور فرعون کو کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لیے عید کریں'' (خروج۔ ۵: ۱) رَسُوْلَا رَبِّكَ پروردگار کے قاصد یا رسول مرسل۔ ف۴۸ یعنی جو کوئی دین حنیف کو اختیار کرے اور سیدھی راہ چلنے لگے، اسے تھوڑے ہی قہر و عذاب کا ڈر رہ سکتا ہے؟ اسے کھٹکا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ ای السلامة من العذاب فی الدارین لمن اتبع ذلک بتصدیق اٰیٰت الله (روح) یہاں اسلام کی ایک عام خصوصیت بیان کر دی گئی کہ اس کا قانون اس کا آئین، اس کا نظام دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہترین دستور حیات ہے فرد کے لیے بھی، جماعت کے لیے بھی۔ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ۔ اٰیت بہ معنی نشان یا معجزہ۔ یعنی جس سے تجھے بھی ہماری صداقت کا یقین آ جائے۔ اٰیَةٍ کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے نہ کہ کوئی مفرد معجزہ۔ ف۴۹ (حق سے) توریت میں یہ واقعات تو خیر تھوڑے بہت درج ہیں، لیکن قرآن مجید بیچ بیچ میں اخلاق و عقائد سے متعلق جو تعلیمات دینا چاہتا ہے ان سے توریت کے صفحات یکسر خالی ہیں! حضرت موسیٰ کو وہ جو حکم ''قول لین'' (نرم بولی) کا ملا تھا یہ اسی کی تعمیل ہو رہی ہے کہ آپ نے براہ راست یہ نہ

فرمادیا کہ عذاب تیرے اوپر ہوگا، بلکہ اسے ایک کلیہ اور قانون کی صورت میں پیش کیا۔ وف۵۰ یہ دونوں حضرات فرعون کے دربار تک پہنچ چکے ہیں اور یہ گفتگو وہیں ہو رہی ہے۔ مصر میں فرعون سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا، اور عملاً تمام اختیارات خدائی کا مظہر۔ اب تک وہ اپنے ہی کو سب سے بڑے یعنی سورج دیوتا کے مظہر یا اوتار سمجھتے رہنے یا سمجھتے رہنے کا عادی رہا تھا۔ اب جو یہ نئی اور نامانوس آواز اس کے کان میں پڑی تو حیرت سے پوچھتا ہے کہ اچھا یہ بتاؤ تو سہی آخر تمہارا تراشا ہوا رب کون سا ہے؟ توریت میں اسی مقام پر ہے: "فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا"۔ (خروج۔ ۵:۲) وف۵۱ (ان کی اسی خلقت کی جانب) حضرت موسیٰ اپنے رب کا تعارف کرا رہے ہیں۔ ارے، تو اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو وہ ذات ہے جس نے ساری مخلوقات کو شرف وجود سے مشرف کیا ہے، پھر جیسی جس کی فطرت وساخت رکھی، اور جو کام اس سے لینا چاہا، اس کے مطابق اس کے آلات وقویٰ، ہیئت وترکیب بھی رکھی گویا تخلیق اور ترتیب دونوں کا مبداء وہی تو ہے۔ لفظ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ سے مراد ہے کہ ہر ہستی کی ساخت وخلقت موزوں ومناسب رکھی، اور هَدٰى سے مراد ہے

وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ

اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے وف۵۵ کھاؤ

وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾

اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس (سارے نظام) میں دلیلیں موجود ہیں اہل عقل کے لئے وف۵٦

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً

اسی (زمین) میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ

اُخْرٰى ﴿٥٥﴾ وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿٥٦﴾

پھر نکالیں گے وف۵۷ اور ہم نے اسے ساری ہی نشانیاں دکھلا دیں وف۵۸ لیکن وہ جھٹلاتا ہی گیا اور انکار ہی کرتا رہا

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

(فرعون نے) کہا تو (شاید) تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے سحر (کے زور) سے نکال

يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا

دو اے موسیٰ وف۵۹ سو خیر اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ویسا ہی سحر لاتے ہیں تو اب ہمارے اور اپنے

وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا

درمیان ایک وعدہ گاہ بدلو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم ایک ہموار میدان

سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ

میں وف۶۰ (موسیٰ نے) کہا تم سے وعدہ میلہ کے دن کا رہا اور (یہاں یہ بھی) کہ لوگ

النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ

دن چڑھے جمع ہو جائیں وف۶۱ غرض فرعون واپس ہو گیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر

کہ جس مقصد وغرض کے لئے اس ہستی کو مخلوق کیا، اسی طرف اسے لگا بھی دیا۔ خیال رہے کہ گفتگو مسئلہ ربوبیت پر چل رہی ہے نہ کہ الوہیت پر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ کے اس جواب سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ معرفت بالکنہ ممتنع ہے اور بالصفات والافعال جائز ہے۔ وف۵۲ (جن کا دین تمہارے دین توحید سے یقیناً مختلف تھا) یعنی اب وہ کس حال کس عالم میں ہیں؟ مصریوں کے اس بارہ میں عجیب عجیب نظریات تھے۔ ہندی مشرکوں کے عقائد سے ملتے ہوئے۔ ایک خیال یہ تھا کہ ہر روح جزئی قید ہستی سے چھوٹنے کے بعد، روح کلی سے جاملتی ہے۔ وف۵۳ (برخلاف تمہارے معبودوں کے جن کے لئے غلطیاں کر جانا، سہو ونسیان کا شکار ہو جانا سب ہی کچھ ممکن ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بہت بلیغ ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال ان کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا، اور میرے علیم وخبیر، ہمہ بین وہمہ دان خدا نے ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا جس کے مستحق وہ اپنے عمل اور نامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا امکان! وف۵۴ (جس پر تم آرام واستراحت کرتے ہو) خطاب اب موسیٰ وفرعون کے مکالمہ سے الگ، براہ راست رب العالمین کا نوع انسان سے ہے۔ اور یہ طرز بلاغت قرآنی کے خصوصیت میں سے ہے۔ وف۵۵ (جن پر تم چلو پھرو) یعنی زمین پر تمہیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے لئے ہر قسم کے سامان آسائش بھی مہیا کر دیئے۔ وف۵٦ (اس کے کمال ربوبیت کی) مصریوں میں چوپانی، گلہ بانی کا خاص رواج تھا، اور مصری تمدن میں مویشیوں کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، اس لئے ان سے مخاطبت کرنے میں اَنعام کا نام لینا عین مقتضائے مقام ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَخْرَجْنَا میں اشارہ ہے اس جانب کہ موثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن بِهٖ سے اثبات توسط اسباب کا بھی ہو رہا ہے۔ وف۵۷ (بعد موت) انسان کی آفرینش اجزائے ارضی ہی سے ہوئی ہے، اور موت کے بعد بہر صورت وہ اجزائے ارضی ہی میں ملایا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اس کی آفرینش ثانی بھی انہیں اجزاء ارضیہ ہی سے ہوگی۔ بائبل میں ایک آیت اسی سے ملتی جلتی موجود ہے۔ "تو خاک ہے اور پھر خاک بن جائے گا"۔ (پیدائش۔ ۱۹:۳) لیکن حشر وبعث کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ حدیث رسول کی تعمیل میں مسلمان اپنی میت کو قبر میں اتارتے ہوئے اس آیت کو پڑھتے جاتے ہیں۔ وف۵۸ (جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئی تھیں) اٰیٰت کے مفہوم میں معجزات ودلائل دونوں شامل ہیں۔ توریت کتاب خروج میں ان معجزات کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وف۵۹ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد، آخر میں فرعون بولا تو یہ بولا! کیا خوب زور کی اس نے ساحری کی! انسان اپنے ہی پر دوسرے کا بھی قیاس کرتا ہے۔ بیچارہ خود سحر وکہانت میں مبتلا، ان اعمال سفلیہ کا ماہر، اس بدبخت کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کوئی درجہ علوم عالیہ کا، مراتب روحانیہ کا، ان سفلیات سے بلند تر بھی ہے۔ ... یہ تشخیص بھی کس قدر مشابہ ہے اس رائے کے جو آج بڑے بڑے فرنگی "حکماء" وفرنگیت زدہ "محققین" سیرت نبوی پڑھ کر، کمالات وکرامات محمدی سے بہ قدر اپنے ظرف کے واقف ہو کر آخر میں گردن کی جنبش کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "بیشک محمد ﷺ بڑے خوش تدبیر، بڑے خوش فکر، بڑے خوش انتظام، مصلح ومدبر گزرے ہیں"! وف۶۰ یعنی کھلے ہوئے مقام میں، جہاں ساری پبلک جمع ہو کر ہماری تمہاری ساحری کا مقابلہ وتماشا دیکھ سکے۔ سُوًى کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان، ہم دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر واقع ہو۔ اے منصفا بیننا وبینک (روح۔ عن مجاهد وقتادة) فرعون کے سحر پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ وف۶۱ مصر میں قومی تہوار یا جشن سال میں دو بار بڑے پیمانہ پر منائے جاتے تھے۔ ایک بار ماہ مارچ میں، دوسری بار ماہ اگست میں۔ اور تیسرا جشن ان دونوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوتا تھا۔ انہیں میں سے کوئی جشن یہاں مراد ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

آئے۔ ف۶۳ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا اے کم بختی مارو خدا پر جھوٹ افترا

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ

نہ کرو ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کر دے گا اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی

افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا

رہتا ہے ف۶۴ پھر وہ لوگ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ

النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ

مشورہ کرنے لگے ف۶۵ (پھر) بولے کہ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں، (اور) یہ چاہتے ہیں کہ

يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دیں اور تمہارا بہتر (و اعلیٰ)

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا

طور و طریق ہی مٹا دیں ف۶۶ سو اب سب مل کر اپنے فن کا انتظام کرو ف۶۷ اور صف بہ صف

صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا

آجاؤ کہ آج فلاح اسی کی ہے جو غالب آئے ف۶۸ (پھر) بولے

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ

کہ اے موسیٰ (پہلے) آپ (اپنا عصا) ڈالیں گے یا ہمیں پہلے ڈالنے والے

اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ

بنیں؟ ف۶۸ (موسیٰ نے) کہا نہیں تم ہی ڈال چلو ف۶۹ پس یکایک ان کی رسیاں اور ان کی

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ

لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ گویا وہ دوڑ پھر رہی ہیں ف۷۰ اب سے موسیٰ

ف۶۲ (یوم و وقت مقررہ پر میدان جشن میں)۔ "واپس ہو گیا" سے مراد ہے کہ دربار سے اپنے محل کو واپس گیا۔ مکر کے سامان، سے مراد ساحر اور ان کے آلات سحر ہیں۔ قرآن حسب معمول درمیان کی ساری غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر تو جہ قصہ کے صرف ضروری اجزاء پر رکھتا ہے۔ ف۶۳ (انجام کار میں) توریت میں بھی اس معرکہ کا ذکر ہے لیکن بالکل مختصر اور پھیکا۔ جس سے نہ کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے اور نہ پوری تفصیل ہی واقعہ کی معلوم ہوتی ہے۔ قَالَ لَهُمْ۔ ضمیر جمع غائب اب ساحروں کی طرف ہے۔ اب سب حسب قرارداد میدان میں اکٹھے ہو گئے ہیں، اور موسیٰ پیمبرا آخری بار بطور اتمام حجت کے ساحروں سے تبلیغی گفتگو کر رہے ہیں۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس لب و لہجہ میں کلام فرعون سے نہ فرمایا گیا۔ اس میں تعلیم ہے حفظ مراتب کی۔ ف۶۴ جیسا کہ اکثر ایسے موقع پر ہوتا ہے، ساحروں کی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد و انتشار بہت ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔ ف۶۵ یعنی آپس میں سرگوشی اور مشورت کے بعد یہ ٹھہری کہ یہ دونوں کہیں باہر سے یہ فن سیکھ سکھا کر آئے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آ کر ہمارے اس وطنی فن بلکہ ہماری ساری قومی تہذیب و تمدن ہی کو مٹا بھی ڈالیں، اور خود ایک نظام نو کی بنیاد ڈالیں۔ مُثْلٰى۔ صیغہ مؤنث ہے امثل کا اور امثل کے معنی ہیں خوب روشن و خوب واضح کے۔ الامثل الاظهر والاوضح (کبیر) یعنی ہمارا یہ نظام جس سے ہم خوب روشناس ہیں۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو سرکاری تشخیص، فرعون اور اس کی گورنمنٹ کی جانب سے پہلے ہی ہو چکی تھی، ساحروں نے بھی اسی سے اتفاق کیا۔ ف۶۶ (اور کوئی بات اٹھا نہ رکھو) یعنی لا تدعوا شيئا الاجئتم به (کبیر) اَجْمِعُوْا سے ایک مراد تو وہی ہے جو اردو میں جمع ہو کر، مل کر سب کے اکٹھے ہونے سے ہوتی ہے، اور یہی معنی زجاج لغوی نے لئے ہیں۔ لیکن عزمكم كلكم كالبد مجمعا عليه لا تختلفوا (کبیر۔ عن الزجاج) اور دوسرے معنی یہ کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو، اور یہ معنی فراء لغوی سے منقول ہیں الاجماع الاحكام والعزيمة على الشيء (کبیر۔ عن الفراء) ف۶۷ (آج ہی تو ہماری قوم اور ہمارے دین و تہذیب کی موت و زیست کا مسئلہ طے ہوتا ہے) صف بہ صف، یعنی سب مل کر۔ آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔ دوسرا پہلو صفا میں بھی یہی ہے کہ خوب شان و شوکت کے ساتھ آج اس جدید مدعی و حریف پر حملہ کر دو۔ ف۶۸ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کر رہے ہیں (جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں) کہ کہیے پہلی بازی کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصطلاح میں پہلا وار کس کا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے القاء سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انہیں سمجھتے ہی کیا تھے۔ القاء سحر پر تو وہ کمربستہ تھے ہی۔ دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہوگی۔ ف۶۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے نیازی سے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں پہلا وار کر دیکھو۔ پہل کر دیکھو۔ اپنے حوصلے پہلے ہی نکال لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اجازت یا حکم کا کوئی موقع ہی نہیں۔ سوال تو صرف تقدیم کا تھا۔ اور آپ نے دونوں پہلوؤں میں سے وہ شق اختیار کر لی، جو حق کے واضح کرنے میں زیادہ معین ہونے والی تھی اور بالفرض اگر آپ القاء سحر کی اجازت ہی دے دیتے، جب بھی مقصود تو آپ کا احقاق حق ہی تھا۔ اور یہ القاء سحر اس کا ایک مقدمہ تھا۔ ایسی صورت میں اگر آپ اپنی طرف سے اس کا امر بھی کر دیتے جب بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا...... یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ احقاق حق کی غرض و مقصد سے اگر کچھ دیر کے لئے باطل کے ظہور و شیوع کو انگیز بھی کرنا پڑے تو جائز ہی نہیں بلکہ ایک خدمت دینی بھی ہے۔ اہل باطل سے مناظرہ میں یہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ف۷۰ (سانپ کی طرح) توریت میں ہے:۔ "ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے خادموں کے آگے پھینکا، اور وہ سانپ ہو گیا۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔" (خروج۔ ۷: ۱۰۔ ۱۱) اس سے قطع نظر کہ توریت میں عصا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ توریت و قرآن مجید کے بیان میں بڑا فرق یہ ہے کہ توریت میں سحر کے اثر سے رسیوں اور لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے، برخلاف اس کے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ ساحروں کی نظر بندی کے اثر سے حضرت موسیٰ کو (یا اور دیکھنے والوں کو بھی) وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی پھرتی نظر آ گئیں۔ ان کے واقعۃً سانپ بن جانے کا قرآن مدعی نہیں۔

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ

نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا ف۱ ہم نے کہا ڈرو نہیں، غالب تو یقیناً

اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا

تم ہی رہو گے ف۲ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اسے ڈال دو اس (سوانگ) کو وہ نگل جائے گا جو

صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ

انہوں نے بنا کھڑا کیا ہے یہ انہوں نے تو بس جادو کا سوانگ بنا کھڑا کیا ہے اور جادوگر کہیں جائے

السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

کامیاب نہیں ہوتا ف۳ پھر تو جادوگر سجدہ میں گر گئے ف۴ (اور) بول اٹھے

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے

اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بے شک وہ تمہارا بھی بڑا (اور استاد) ہے جس نے تمہیں بھی جادو سکھایا ہے،

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

سو (اب) میں تمہارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں الٹی طرف سے ف۵

وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں ف۶ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا

اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا

عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے ف۷ (جادوگر) بولے کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے ان شواہد کے

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ

مقابلہ میں جو ہم کو مل چکے ہیں اور اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو کر ڈال جو کچھ تجھے

ف۱ (کہ یہ بات ہی کیا ہوئی۔ جب انہوں نے بھی سانپ بنائے اور میرا عصا بھی سانپ ہی بہرحال بنے گا، تو دیکھنے والے معاملہ اور مقابلہ برابر سمجھیں گے، حق کا غلبہ کیسے ثابت ہوگا) خِيْفَةً کا تنکیر ہونا دلیل ہے اس کی کہ یہ اندیشہ کچھ بہت زیادہ نہیں، تھوڑا ہی سا پیدا ہوا تھا۔ التنکیر للتقلیل (تھانوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اثبات ہے اس کا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کمال کے مدعی نہ تھے۔ مدعی کمال کو خوف نہیں ہوتا۔ ف۲ معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ نہیں، تم کچھ پرواہ کرو، فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ اور تسکین بھی کس تاکید اور قطعیت کے ساتھ۔ ایک تو حرف انّ خود تاکید کا، پھر ضمیر مخاطب کی تکرار، پھر اعلٰی پر لام معرفہ کا۔ اور پھر خود لفظ اعلٰی کہ علو غلبہ نمایاں ہی کو ظاہر کرنے والا ہے (کبیر) ف۳ (معجزہ کے مقابلہ میں) ارشاد ہوا کہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے، دھوکے کی ٹٹی ہے، نمائش ہے، گڑھا ہوا سوانگ ہے۔ اس کی بساط ہی کیا حق کی ٹھوس چٹان کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے۔ والمعنى ان الذى معك يا موسى معجزه الهية والذى معهم تمويهات باطلة فكيف يحصل التعارض (کبیر) صَنَعُوْا۔ یہاں بنا کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ صنعوا ای زوّروا (بیضاوی) ساحر اور السّاحر دونوں سے آیت میں مراد عدد نہیں، جنس ساحر ہے۔ اسی لئے لفظ قصداً صیغہ مفرد میں لایا گیا۔ انما وحد ساحر ولم يجمع لان القصد فى هذا الكلام الى معنى الجنسية لا الى معنى العدد فلو جمع لخيل ان المقصود هو العدد (کشاف۔ مدارک) كَيْدُ سٰحِرٍ کے ساتھ ساحر نکرہ آیا ہے، مراد وہ خاص سحر ہے جس سے ان فرعونی ساحروں نے کام لیا تھا۔ اور يُفْلِحُ السّٰحِرُ میں السّاحر معرفہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جنس سحر یا جمیع اقسام سحر بے حاصل ہیں۔ (کبیر) ف۴ (جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کا سارا سوانگ اکارت ہی گیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا ان کے سارے سانپوں کو نگل گیا، اور سمجھ گئے کہ یہ کرامت و اعجاز مافوق السحر ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے یہ نکالا کہ عمل اختیاری موقوف ہے توفیق الٰہی پر۔ اور اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ حق تعالٰی کے الطاف جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ ف۵ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں۔ حاشیہ سورۂ اعراف (پ ۹) میں گزر چکا۔ قَبْلَ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ اجازت مانگنے کے بعد وہ اجازت ایمان لانے کی دے دیتا۔ معنی صرف "بدون" یا "بغیر" کے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف کی آیت قبل قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ الخ کا یہ مفہوم نہیں کہ کلمات رب کبھی ختم بھی ہو چکیں گے، بلکہ وہاں بھی "قبل" کے معنی بدون یا بغیر ہی کے ہیں۔ ف۶ (تاکہ دوسرے بھی عبرت حاصل کریں) سولی کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور یہ ہاتھ پیر الٹے طرف سے کاٹنے کی سزا گو آج "وحشیانہ" معلوم ہو، لیکن قدیم قوموں کا معمول عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، پ ۹ کے حاشیے۔ ف۷ یعنی ایک طرف میری حکومت کا عذاب اور دوسری طرف موسیٰ، ان کی جماعت اور ان کے خدا کا عذاب۔

قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا

کرنا ہے تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کر سکتا ہے ف۷۸ ہم تو اپنے پروردگار پر

بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ

ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور جو زور تو نے ہم پر جادو کے باب میں

السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ

ڈالا (اس کو بھی) ف۷۹ اور اللہ ہی بہتر ہے اور پائندہ ہے ف۸۰ بے یہ کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم

مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا

ہو کر حاضر ہو گا تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ

یَحْیٰی ﴿۷۴﴾ وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

جئے گا ف۸۱ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں،

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں ف۸۲ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ہے

جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی ﴿۷۶﴾ؑ وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی ۙ اَنْ

انعام اس کا جو پاک ہوا ف۸۳ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ

اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ

میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ ف۸۴ پھر ان کے لئے سمندر میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

تم کو نہ پالئے جانے کا اندیشہ ہو گا اور نہ تم کو (اور کوئی) خوف ہو گا ف۸۵ پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت

ف۷۸ (جو بہرحال آنی وفانی ہے) ساحرا تنے ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم وارادہ کے پختہ ہو چکے ہیں۔ ایمان کی حلاوت ان کے رگ و پے میں نفوذ وسرایت کر چکی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استعداد کا کامل ہونا مبتدی کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے، چنانچہ یہ جواب ساحروں کے منتہی ہونے پر دال ہے۔ ف۷۹ وہ ساحر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر از خود اور اپنی مرضی سے تھوڑی آئے تھے، سرکار کی دعوت پر آئے تھے، گویا سرکار کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ف۸۰ (اور تجھ میں نہ بذات خود خیر وخوبی، اور نہ تیری سزا وانعام کو بقاء) اللہ بہتر ہے اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے، اور پائندہ ہے عذاب وثواب دینے کے لحاظ سے۔ ف۸۱ نہ جیے گا، یعنی شدت عذاب وفرط آلام سے اس دوزخ کی زندگی پر زندگی کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مُجْرِمًا۔ مجرم یہاں مومن کے مقابلہ میں آیا ہے۔ یعنی جرم بغاوت کا مجرم یا کافر۔ مجرما ای کافرا (مدارک) ای کافرا (جلالین) ای مشرکا (معالم) ف۸۲ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ یہ درجات عالیہ (الدرجت العلی) تو انہیں لوگوں کے لیے ہیں جو مومن کامل اور اعمال صالحہ میں راسخ ہیں۔ باقی ان درجات عالیہ سے اتر کر جو مرتبہ محض نجات وعفو کا ہے، وہ ان کلمہ گویوں کو حاصل ہو گا جو اتنے اونچے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ بلکہ صاحب کبائر ہیں۔ و فی الاٰیة تنبیة علی حصول العفو لاصحٰب الکبائر لانه تعالی جعل الدرجات العلی من الجنة لمن اتی ربه بالایمان والاعمال الصالحة فسائر الدرجات التی هی غیر عالیة لابد ان تکون لغیر هم وما هم الا العصاة من اهل الایمان (کبیر) ف۸۳ (چنانچہ ہم نے بھی اسی قانون الٰہی کے ماتحت کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کیا) تَزَکّٰی یعنی کفر ومعصیت سے پاک ہوا۔ ف۸۴ (مصر سے باہر شام وفلسطین کے لیے) اب یہ اس وقت کا ذکر ہے جب گزشتہ واقعات، ساحروں کے مقابلہ وغیرہ کو ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ اور فرعون اور حکومت فرعون پر حضرت موسیٰ وہارون کی ساری تبلیغی کوششیں بے اثر رہ چکی ہیں۔ بِعِبَادِیْ 'میرے بندوں' سے سیاق عبارت میں مراد ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ہیں۔ ف۸۵ یعنی پانی پر عصا مارنا۔ بہ طور اعجاز اس میں خشک راستہ تمہاری قوم کے عبور کے قابل بن جائے گا۔ اَلْبَحْر سمندر سے مراد بحر احمر کا شمالی خلیج ہے۔ مفصل حواشی اس پر سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

ف۸۶ (اور ساحل بحر پر اس وقت پہنچا، جب بنی اسرائیل حسب وعدۂ الٰہی پار ہو چکے تھے، اور راستے ہنوز اسی حالت میں تھے) تفصیلات توریت میں درج ہیں۔ (خروج۔ ۱۴: ۶، ۷، ۸، ۲۳) ف۸۷ یعنی دریا کا رکا ہوا اور بیٹھا ہوا پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا اور سارے فرعونی غرق ہو کر رہ گئے۔ تفصیل توریت میں درج ہے۔ (خروج۔ ۱۴: ۲۸) نیز ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ پ ۱ رکوع ۶ کے حاشیے۔
ف۸۸ (سوا ایسے باغی طاغی کا ڈوب مرنا ہی خوب ہوا) فرعون کی رہنمائی دینی حیثیت سے جس قدر غلط تھی وہ تو تھی ہی، دنیوی حیثیت سے بھی اس کا انجام سب نے دیکھ لیا کہ آخر ہلاکت ہی پر ہوا۔

بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَ اَضَلَّ
ان کا پیچھا کیا ف۸۶ تو دریا جیسا ان پر آ ملنے کو تھا آ ملا ف۸۷ اور فرعون نے تو
فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ
اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا اور سیدھی راہ پر نہ لایا ف۸۸ اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے
اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے وعدہ کیا طور کی
الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا
داہنی جانب سے متعلق اور تمہارے اوپر من و سلوی اتارا ف۸۹ ان نفیس
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ
چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ ف۹۰ ورنہ تم پر
عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ
میرا غضب واقع ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب واقع ہوا، وہ یقیناً
هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ
گر کر رہا ف۹۱ اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں اس کا جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل
صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ
کرنے لگے اور پھر راہ پر قائم (بھی) رہے ف۹۲ اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا
يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَ عَجِلْتُ
کیا سبب ہوا؟ ف۹۳ (موسیٰ نے) عرض کیا کہ وہ لوگ تو یہ کیا میرے پیچھے (پیچھے آ رہے) ہیں ف۹۴ اور میں تو تیرے
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ
پاس اے میرے پروردگار اس لئے جلدی چلا آیا کہ تو خوش ہو جائے گا ف۹۵ (اللہ نے) کہا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے

ف۸۹ (دشت تیہ میں) من و سلوی پر حاشیے سورۂ بقرہ پ ۱ رکوع ۶ میں گزر چکے، اور طور پر سورۂ بقرہ کے رکوع ۸ میں۔ اور الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ پر سورۂ مریم کا حاشیہ نمبر ۹۷۔ وٰعَدْنٰكُمْ۔ وعدہ یہ کہ تمہارے پیغمبر اور تمہارے اکابر یہاں آ کیں، اور تمہارے لیے احکام و ہدایات یہاں سے لے جائیں۔ ف۹۰ حد سے مراد حد شرعی ہے۔ اور اس سے گزرنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ حرام چیزیں استعمال میں لائی جائیں۔ دوسری یہ کہ اللہ کی نعمتیں کھا کھا کر اس کی معصیت کی جائے۔ الطَّيِّبٰتِ سے مراد وہ کل چیزیں ہیں جو شرعاً حلال ہیں اور طبعاً لذیذ ہیں۔ كُلُوْا یہاں بطور حکم نہیں، بطور اجازت ہے۔ لیس امر ایجاب بل امر اباحة (کبیر) ف۹۱ یعنی بالکل گیا گزرا ہوا۔ هَوٰى کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔ اصله ان یسقط من جبل فیھلک (کشاف) یہاں مراد ہلاک و برباد ہو جانے سے ہے۔ ای تردٰی و ھلک (بیضاوی)
ف۹۲ توبہ اور ایمان اور عمل صالح تو اس کے متعلق ہو سکتے ہیں جو پہلے ہدایت پا چکا اس لیے اهْتَدٰى سے مراد ہدایت پانا نہیں، بلکہ ہدایت پر قائم رہنا ہے اور اهتداء کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ الاھتداء ھو الاستقامة والثبات علی الھدی (کشاف) ای یعنی مستعینًا باللہ فی ادامة ذٰلک من غیر تقصیر (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لیے اس کی کثرت ذنوب کی بناء پر تین درجے ہو سکتے ہیں، ایک ظالم، دوسرے ظلوم، تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر، دوسرے غفور، تیسرے غفار۔ ھٰھنا نکتة ھی ان العبد له اسماء ثلٰثة الظالم والظلوم والظلام و للہ فی مقابلة کل واحد من ھٰذا الاسماء اسم فکانه تعالٰی یقول ان کنت ظالمًا فانا غافر و ان کنت ظلومًا فانا غفور و ان کنت ظلامًا فانا غفار (کبیر) ف۹۳ اس مکالمہ کا وقت وہ ہے جب حضرت موسیٰ کو مع منتخب سرداران اسرائیلی طور پر حاضری کا حکم ملا ہے۔ آپ خود تو فرط اشتیاق سے پہلے پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ قوم سے یہاں مراد وہی ستر نقیب قوم ہیں۔ المراد بالقوم النقباء (کشاف) توریت میں ان ستر منتخب سرداروں کا قصہ موجود ہے (خروج۔ ۲۴: ۹، ۱۳، ۱۴) اہل اشارات نے کہا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت کلیم علیہ السلام کے وفور شوق و اضطراب کی جانب۔ ف۹۴ (اور کچھ دور نہیں ہیں) یہ حضرت موسیٰ نے اپنے رفیقوں کی گویا سفارش میں اور ان کا جرم ہلکا کرنے کو کہا۔ ف۹۵ (اور زیادہ) حضرت موسیٰ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وعدہ گاہ پر حاضری میں پیش قدمی کرنا اور زیادہ خوشنودی کا سبب ہوگا۔ اللہ اللہ! اہل اللہ رضائے الٰہی کی دولت کے سمیٹنے اور جمع کرنے میں کتنے حریص ہوتے ہیں! اِلَيْكَ (تیرے پاس) سے مراد ہے تجھ سے مکالمت و مخاطبت کے وعدہ کی جگہ۔ فقہاء نے آیت میں جواز اجتہاد کا استنباط کیا ہے۔ و ھٰذا دلیل علی جواز الاجتھاد (مدارک)

بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی

تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے ف۹۶ انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے ف۹۷ غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس

قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ۬ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَمۡ یَعِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ

آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے ف۹۸ (اور) بولے اے میری قوم ہوا کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا

وَعۡدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَیۡکُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ

وعدہ نہیں کیا؟ ف۹۹ سو کیا تم پر (وعدہ سے) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ

یَّحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ

تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے اس لئے تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا

مَّوۡعِدِیۡ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡکِنَا وَ لٰکِنَّا

اس کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ ف۱۰۰ وہ بولے ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں

حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِیۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَکَذٰلِكَ

کی البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم (قبط) کے زیوروں سے بوجھ لد رہا تھا سو ہم نے اسے ڈال دیا ف۱۰۱ پھر اسی طرح سامری

اَلۡقَی السَّامِرِیُّ ۙ﴿۸۷﴾ فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ

نے بھی ڈال دیا ف۱۰۲ پھر (سامری نے) ان لوگوں کے لئے ایک گوسالہ ظاہر کر دیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی

خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُکُمۡ وَ اِلٰهُ مُوۡسٰی ۬ فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ؕ

سو وہ لوگ (آپس میں) کہنے لگے کہ یہی تو ہے تمہارا (بھی) دیوتا اور موسیٰ کا (بھی) سو وہ تو (اسے) بھول گئے ف۱۰۳

اَفَلَا یَرَوۡنَ اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡهِمۡ قَوۡلًا ۬ۙ وَّ لَا یَمۡلِكُ لَهُمۡ

کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان

ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ؑ وَ لَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ

نہ نفع پر قدرت رکھتا ہے ف۱۰۴ اور ان لوگوں سے ہارون نے قبل ہی کہا تھا کہ

ع ۴

ف۹۶ (بہ طور مسبب الاسباب کے، بطور فاعل تکوینی کے) اس آزمائش میں ڈالنے کو مرضی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بالکل اسی طرح اور اسی معنی میں صحیح ہے جس طرح اور جس معنی میں اللہ ہر بیماری، ہر دکھ، ہر زہر کا بھی خالق ہے۔ یعنی محض اسباب تکوینی کا محرک اول ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا۔ کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا خراب ہو گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جو میں نے فرمائی جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنا ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لیے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا“۔ (خروج۔ ۳۲: ۷، ۸) (نہ کہ معاذ اللہ ہارون نبی علیہ السلام نے) ف۹۷ سامری شخص کا نام نہیں لقب ہے۔ منسوب ہے ہمارے قدیم مفسرین کی تحقیق کے بہ موجب قریہ سامرہ کی طرف، یعنی وہاں کا باشندہ۔ ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا سامرہ سے آکر بنی اسرائیل میں آبسا ہو اور بعد الحاق انہیں میں شمار کیا جاتا ہو“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں، پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو۔ سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہود ہاں کے ایک مستقل فرقہ کا نام بھی سامریہ (Samaritans) ہے، ان کی توریت اور سارے مذہبی صحیفے یہود کی مسلم و متعارف توریت اور دوسرے صحیفوں سے کسی قدر مختلف ہے اور انہیں ناز اپنی توحید خالص پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے السامری اور اس فرقہ کے درمیان بھی کوئی علاقہ ہو، لیکن یہ فرقہ جہاں تک تاریخ یہود سے پتہ چلتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں، بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) قرآن مجید کو سامری کی تصریح کی ضرورت اس لیے بھی پڑی کہ اہل توریت نے خواہ مخواہ اس واقعہ اضلال کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون پر ڈال دی اور نعمت کے اس نبی محترم کو (نعوذ باللہ) اتنے بڑے جرم شرک اور صنم پرستی کا مجرم بنا دیا! الفاظ توریت ملاحظہ ہوں:۔ ”اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیری کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور اسے کہا کہ اٹھ ہمارے لیے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا۔ ہارون نے انہیں کہا کہ زیور سونے کے جو تمہاری جوروؤں اور تمہاری بیٹیوں کے اور تمہارے بیٹوں کے کانوں میں ہیں توڑ توڑ کے مجھ پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ سونے کے زیور جو ان کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے ہارون کے پاس لائے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت کو حکاکی کے ہتھیار سے درست کیا اور انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا اور جب ہارون نے یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے یہ کہہ کے منادی کی کہ کل خداوند کے لیے عید ہے اور وہ صبح کو اٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں“۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۔ ۶) لیکن اکابر یہود کی روایتوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی طرف لانے والا شخص حضرت ہارون علیہ السلام کیا معنی کوئی بھی اسرائیلی نہ تھا۔ بلکہ ایک مصری شخص تھا، جو اسرائیلیوں کے ساتھ مصر سے باہر نکل آیا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۹۸ (جیسا کہ غیرت دینی سے ہونا ہی چاہیے تھا) توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسیٰ کا غضب بھڑکا“۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۹) ف۹۹ (جو یقیناً پورا ہونے والا تھا) وہ وعدہ نزول شریعت کا تھا، جس کے لیے حضرت موسیٰ کوہ طور پر طلب ہوئے تھے۔ ف۱۰۰ وہ وعدہ بھی دین توحید پر قائم رہنے کا تھا۔ حضرت موسیٰ ناگواری اور حیرانی کے لہجہ میں اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں کہ آخر یہ حرکت کیا تھی؟ تمہیں سوجھی کیا؟ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا تھا کہ تم میری واپسی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے؟ یا یوں ہی بلا کسی وجہ کے تم پر خود ہی شامت سوار ہوئی کہ عتاب الٰہی کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلا دیا۔ ف۱۰۱ (آگ میں۔ سامری کے کہنے کے مطابق) یہ زیور وہی تھے جو بنی اسرائیل مصر سے نکلتے وقت اہل مصر سے مانگ کر لائے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی“۔ (خروج۔ ۱۲: ۳۵) ف۱۰۲ (اپنے پاس کا زیور) فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کے بعد شریعت اسرائیلی کی رو سے یقیناً بنی اسرائیل ان زیوروں کے مالک ہو گئے ہوں گے۔ ف۱۰۳ (کہ اسے چھوڑ چھاڑ کر طور پر خواہ مخواہ توریت لینے چلے گئے) اہل زیغ اپنی گمراہی کو حضرت موسیٰ تک کے سر چپکنے سے نہیں چوکتے۔ اور کہتے ہیں کہ غلط فہمی کچھ انہیں کو ہو گئی، ورنہ ہمارا دین اور طریقہ تو یہی ہے أو المعنی ان هذا الهكم واله موسى فنسي موسى ان هذا هو الاله فذهب يطلبه في موضع آخر و هو قول اكثرين (کبیر) ف۱۰۴ اس گوسالہ پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

اے میری قوم والو تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمن ہے سو تم میری پیروی

وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝۹۰ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ

کرو اور میرا حکم مانو ف۱۰۵ وہ لوگ بولے ہم تو اسی (کی عبادت) پر جمے رہیں گے

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝۹۱ قَالَ يٰهٰرُوْنُ

تا آنکہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں ف۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا اے ہارون ف۱۰۷

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝۹۲ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ

تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ بھٹک گئے ہیں؟

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝۹۳ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ

تو کیا تم نے بھی میرے کہے کے خلاف کیا؟ ف۱۰۸ (ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری داڑھی

وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

اور میرا سر نہ پکڑیے ف۱۰۹ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝۹۴ قَالَ فَمَا

تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا؟ ف۱۱۰ (موسیٰ نے) کہا اے سامری

خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝۹۵ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا

تیرا کیا معاملہ ہے؟ ف۱۱۱ وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی سو میں نے

بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

(اس) فرستادہ (خداوندی) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) اٹھالی تھی میں نے وہ (مٹی اسی قالب کے اندر) ڈال دی تھی

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝۹۶ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ

ف۱۱۲ اور میرے جی کو تو یہی بات بھائی تھی ف۱۱۳ (موسیٰ نے) کہا تو بس تو جا

ف۱۰۵ توریت موجودہ کے اتہامات کے مقابلہ میں قرآن مجید کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے ایسی کھلی ہوئی تحری اور صفائی پیش کی جائے۔ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ۔ تمہارا پروردگار تو وہ خدائے رحمن ہے نہ کہ یہ گوسالہ۔ تمہیں اس خرافات پرستی سے کیا واسطہ۔ ف۱۰۶ (اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں) ف۱۰۷ پہاڑ سے واپس آتے ہی پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت اشتعال میں اپنی گمراہ قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور اب حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو رہے ہیں، جنہیں وہ ذمہ دار اور اپنا نائب و جانشین چھوڑ کر طور پر گئے تھے۔ ف۱۰۸ (کہ ایسے سخت مجرموں سے پورا قطع نہ کرلیا) اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائد ہے۔ ولا مزیدة (بیضاوی) تَتَّبِعَنِ کے لفظی معنی ہیں کہ ”میری پیروی کرتے“۔ مطلب یہ کہ میری راہ اختیار کرتے۔ جو میں کرتا وہی تم کرتے۔ بعض نے مراد مقاتلہ لیا ہے۔ ان تتبعنی فی الغضب لله و المقاتلة مع من كفر به (بیضاوی) اَلَّا تَتَّبِعَنِ یعنی رجوع کرتے اور میرے پاس طور پر چلے آتے۔ ما منعك من ان تلحقنی الی جبل الطور (بحر) ان تاتی عقبی و تلحقنی (بیضاوی) ف۱۰۹ (بلکہ میرا عذر تو سن لیجئے) بِرَاْسِيْ سے مراد ہے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا۔ جیسا کہ شدید اشتعال و غضبناکی کی حالت میں انسان اضطراراً کر گزرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غصہ تمامتر غیرت دینی سے تھا، اس لیے مباح ہی نہیں، داخل عبادت تھا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف، پ۹ کا حاشیہ۔ يَبْنَؤُمَّ حضرت ہارون علیہ السلام کا یا ابن ام کہہ کر حضرت موسیٰ کو مخاطب کرنا جلب شفقت و رأفت کے لیے ہے۔ اسرائیلیوں میں دستور بھی اسی طرز تخاطب کا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۱۱۰ (بلکہ مفسدین کی آزادی عمل کے لیے میدان خالی چھوڑ دیا)“ حاصل مقام کا یہ ہے کہ یہاں دو اجتہاد ہیں ایک یہ کہ ترک مساکنت زیادہ نافع تھی دوسرا یہ کہ ترک مساکنت زیادہ مضر تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اول کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت سے یہ بھی نکل رہا ہے کہ تفریق امت بدترین معاصی ہے حضرت ہارون علیہ السلام صریح کفر و شرک اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن تفریق امت کے ڈر سے عارضی طور پر اسے بھی برداشت کیے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے دو مسئلے اور بھی نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ خطاء اجتہادی قابل گرفت نہیں۔ چنانچہ حضرت ہارون اپنے اجتہاد کو اپنی برأت کی دلیل بتا رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ مامور و نائب کو اختیار حاصل ہے کہ حسب مصلحت اپنے فرائض منصبی کے انجام آخر میں امیر کے حکم کا انتظام کرے۔ ف۱۱۱ (تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی، تجھے یہ سوجھی کیا؟) حضرت موسیٰ ہارون علیہ السلام کی صفائی سے مطمئن ہو کر اب اصل مجرم سامری کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ ما علیک له (کشاف) ف۱۱۲ (جس کے اثر سے اس بچھڑے کے بے جان قالب سے وہ بے معنی آواز نکلنے لگی) مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ سے مراد من اثر فرس الرسول ہے اور مضاف محذوف ہے۔ کما علیه اکثر المفسرین (روح) اور رسول سے مراد باتفاق مفسرین حضرت جبرئیل ہیں، اور یہی تفسیر تابعین و صحابہ سے بھی مروی ہے۔ هو المأثور عند الصحابة والتابعين رضي الله تعالى عنهم و بتبعهم جل اجلة المفسرين (روح) اختلاف صرف ایک ابو مسلم اصفہانی سے منقول ہے، ان کے اقوال تفسیر کبیر میں درج ملیں گے۔ بعض اہل باطل بھی بڑے مرتاض ہوتے ہیں۔ اور ریاضتوں سے کشف حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح کا یہ شخص سامری معلوم ہوتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے حضرت جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا کہ جہاں ان کے گھوڑے کا سم پڑتا ہے گھاس تر و تازہ ہو جاتی ہے اپنی فراست سے کام لے کر اس نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ ان کی سواری کے نقش قدم کی مٹی میں تازہ حیات بخشی کی تاثیر ہے۔ محققین صوفیہ کہتے ہیں کہ کشف و تصرف پر ناز کرنے کی کیسی ممانعت اس آیت سے نکل رہی ہے۔ ف۱۱۳ یعنی میرے پاس اپنے اس فعل کے لیے کوئی دلیل عقلی یا شرعی نہیں، میں نے سب اپنی خواہش نفس سے کیا۔ کشف و اشراقیت برابر اور بے تکلف عقائد باطلہ اور کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی اس کا مشاہدہ ہندو جوگیوں، سنیاسیوں اور فرنگی طرز کے اسپرٹسٹ (Spiritists) گروہ اور مسمریزم، ہپناٹزم اور کلیر وائنس والوں میں بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَ اِنَّ لَكَ

تیرے لئے (اس) زندگی میں (یہ سزا) ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے ف۱۱۴ اور تیرے لئے

مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

ایک (اور) وعید ہے جو تجھ سے ٹلنے والی نہیں ف۱۱۵ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو

عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

جما ہوا بیٹھا ہے ہم ابھی اسے جلائے ڈالتے ہیں پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہائے دیتے ہیں ف۱۱۶

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ

تمہارا معبود تو بس وہی (ایک) اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر شے کو

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ

(اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے ف۱۱۷ اس طرح ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں

سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ

بیان کرتے ہیں، اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے ف۱۱۸ جو کوئی اس سے

عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ

روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن (بڑا) بوجھ اٹھائے ہو گا۔ وہ لوگ اس میں ہمیشہ

فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ

رہیں گے اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہو گا ف۱۱۹ جس روز صور

فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾

پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم اس روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ف۱۲۰

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ

آپس میں چپکے چپکے باتیں کررہے ہوں گے کہ تم لوگ تو بس دس (ہی دن) رہے ہو گے ف۱۲۱ ہم ہی خوب جانتے ہیں

ف۱۱۴ گویا سے دنیا میں یہ سزا ملی کہ اسے حکماً "اچھوت" قرار دے دیا گیا اور ہمارے ہندوستان میں یہ جو چھوت چھات کا ملعون دستور چل پڑا ہے بقول فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی ز وجہ عجب نہیں کہ اس کی اصل بھی اسی سامری کی "لامساسیت" سے نکلے فقہاء نے یہاں سے دو مسئلہ اخذ کیے ہیں ایک یہ کہ مجرم کے لیے سزائے حبس دوام جائز ہے (لامساس کا مضمون جس میں آچکا) دوسرے یہ کہ مجرم سے اختلاط و ملاقات کا منع کردینا جائز ہے۔ اہل اشارات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جو خطائیں بدون خبث و عدم بغاوت صادر ہو جاتی ہیں ان سے توبہ کی توفیق بھی اکثر نصیب ہو جاتی ہے جیسے یہاں سامری کو پوری سزا ملی اور عام اسرائیلیوں کی خطا توبہ کے بعد معاف ہو گئی۔ ف۱۱۵ (آخرت میں) ایک سزا تو دنیا میں مل گئی دوسرے عذاب کے لیے ارشاد ہوا کہ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ ف۱۱۶ (کہ اس کا کہیں نام و نشان تک نہ باقی رہ جائے) فقہاء نے لکھا ہے کہ آثار کفر و شرک کو مٹانا اور ان کی توہین مستحب ہے اور کسی نسبت باطل یا ادائے فاسد کی رعایت ہرگز ضروری نہیں جس طرح گوسالہ میں اثر رسول کی اور مسجد ضرار میں اسم مسجد کی کچھ رعایت نہ کی گئی ــــ تعزیہ و ضریح والے اور عرس میلے والے کاش ان حقائق پر بھی غور کریں! ف۱۱۷ (اور وہی اپنے بندوں میں سے جس کو جتنا چاہے علم عطا فرما دے) گوسالہ کی معبودیت کی تردید کرتے کرتے حضرت موسیٰ نے اپنی تقریر کو خاص سے عام کردیا ہے۔ گویا آپ یہ فرمارہے ہیں کہ اس بے جان گوسالہ کی تو کیا بساط ہے، دنیا کی کوئی چیز بھی معبود بننے کے قابل نہیں اور صفات قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ ایک علم ہی کو لو، اس صفت میں بھی تو کوئی اس کا ہمسر نہیں، کامل علم تو صرف اسی کا ہے۔ ف۱۱۸ (جس میں علاوہ اخلاقی ہدایات و قانونی دفعات، معاشرتی آداب کے وہ خبریں بھی درج ہیں) كَذٰلِكَ یعنی اسی طرح جس طرح ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سامری کا قصہ بیان ہو چکا۔ نَقُصُّ۔ سَبَقَ۔ یعنی ہم بعض کے ان واقعات و حالات پر آپ کو اس لیے مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت و صداقت پر دلیلیں اور بڑھتی جائیں۔ ف۱۱۹ اور یہ بڑا بوجھ ظاہر ہے کہ عذاب الٰہی کا ہوگا۔ فِيْهِ یعنی اسی عذاب الٰہی کے بوجھ کے اندر۔ ف۱۲۰ (فرط دہشت و خوف سے) قرآن کے مخاطبین اول قوم عرب میں نیلی آنکھ خاص طور پر مبغوض و مکروہ سمجھی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے دشمن بنی احمر یا اہل روم (یورپ والے) نیلی آنکھیں رکھتے تھے۔ اور اسی سے "ازرق العین" ان کے ہاں دشمن کا عام لقب ہی پڑ گیا تھا (کشاف) زرق کے دوسرے معنی (عمیا) اندھے کے بھی کیے گئے ہیں (راغب، کشاف، ابن جریر) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حشر کی کسی منزل میں اہل کفر کی آنکھیں نہ ہوں گی۔ الْمُجْرِمِيْنَ مجرمین سے مراد اہل کفر ہیں۔ المجرمين اے المشركين (معالم) اهل الكفر بالله (ابن جریر) الذين اتخذوا مع الله الٰها آخر (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ف۱۲۱ (قبر میں) المراد منه اللبث في القبر (کبیر) ما لبثتم في القبور (روح) مطلب یہ کہ کافر اس روز فرط ہیبت و دہشت سے آہستہ آہستہ یوں آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارا اندازہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہی نہ ہوں گے۔ خیر وہ خیال تو تمام تر باطل تھا ہی، زندہ بھی ہوئے تو اس طرح کہ قبر میں بھی دیر تک نہ رہنے پائے۔ بس رہے ہوں گے بھی کوئی دس دن۔ اس مدت کا یہ مختصر معلوم ہونا یوم قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کی بناء پر ہوگا۔ اور دوسرے معنی مدت قیام دنیا کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے مالبثتم في الدنيا (معالم) اے في الدار الدنيا (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ما لبثتم في الدنيا (ابن جریر) قوم ارادبه اللبث في الدنيا (کبیر عن الحسن والقتادۃ والضحاک) عَشْرًا کے مطلق عدد سے مراد دنوں کی تعداد لی گئی ہے۔ الاكثرون على ان قوله عشرًا اے عشرة ايام (کبیر)

ف۱۲۲ اس کو صائب الرائے اس لیے فرمایا کہ اس یوم کے طول اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت اقرب ہے بس اس شخص کو حقیقت شدت کا زیادہ ادراک ہوا اس لیے اس کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے اصوب ہے اور یہ مقصود نہیں کہ یہ شخص مدت کی مقدار کی تحدید کرنے میں مصیب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں تحدیداً صحیح نہیں۔ اور نہ ان قائلین کا یہ مقصود تھا''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۲۳ (کہ قیامت کے وقت ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟) ف۱۲۴ (مثل ٹیلے، پہاڑ وغیرہ کے) خطاب اب یہاں عام ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ یَنْسِفُهَا ..... نَسْفًا یعنی انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ

(اس مدت کو) جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں جب کہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا ہوگا کہ تم تو بس

إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا

ایک دن رہے! ف۱۲۲ اور آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں ف۱۲۳ آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار

رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَا تَرَىٰ

بالکل ان کو اڑا دے گا پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑ رکھے گا کہ اس میں تو

فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا

نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی ف۱۲۴ اس روز (سب) بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے کہ اس کے سامنے کوئی

عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ

کجی نہ ہے گی ف۱۲۵ اور (ساری) آوازیں خدائے رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز پیر کی چاپ کے اور کچھ

إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ

نہ سنے گا ف۱۲۶ اس روز شفاعت (کسی کو) نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

جس کے حق میں خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کے حق میں بولنا اس نے پسند کر لیا ہو ف۱۲۷ وہ جانتا ہے سب

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

کے اگلے اور پچھلے حالات کو اور (لوگ) اس کا (اپنے) علم سے احاطہ نہیں کر سکتے ف۱۲۸

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی و قیوم کے سامنے ف۱۲۹ اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے

ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

کر آئے گا ف۱۳۰ اور جس کسی نے نیک کام کیے ہوں گے اور وہ ایمان والا بھی ہو گا سو اسے

ف۱۲۵ یعنی کسی کا ٹیڑھا پن اس کے سامنے نہ چل سکے گا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ اے لا یعوج له مدعوّ بل یستوون الیه من غیر انحراف متبعین لصوته (کشاف) الداعی سے مراد ہے خدائی بلانے والا، یعنی صور پھونکنے والا فرشتہ۔ سب مردے اپنی قبروں سے نکل نکل اس کے پیچھے ہولیں گے۔ ف۱۲۶ (فرط ہیبت سے) کمال ہیبت وخوف کے موقع پر جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ مارے ڈر کے گھگی بندھ گئی، عربی محاورہ میں اسی کنایہ سے ادا کرتے ہیں۔ هَمْسًا۔ همس کے لغوی معنی ہیں پست اور گھس پھس والی آواز کے۔ الهمس و هو الرکز المخفی (کشاف) یہاں مراد پیر کی چاپ ہے۔ اے لا تسمع الاخفق الاقدام و نقلها الی المحشر (کشاف) ف۱۲۷ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں اور اپنے آباؤ اجداد کو اپنا شافع گڑھ رکھا تھا، خود مسیحیت کا سارا دارومدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ قرآن نے ہر جگہ اسی مشرکانہ عقیدۂ شفاعت مطلقہ پر ضرب لگائی ہے اور کسی مستقل مطلق شافع کے وجود سے بار بار انکار کیا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ اسلام جس شفاعت کا قائل ہے، اس کی پہلی اور سب سے بڑی شرط خود حق تعالیٰ کی اجازت ہے۔ شفاعت کوئی اپنے ارادہ و اختیار سے کر ہی نہیں سکتا، صرف وہی کر سکے گا جس کو خود حق تعالیٰ ایسا فرمائیں گے۔ گویا یہ شفاعت ہی صرف ظاہری ورسمی ہوگی، ورنہ حقیقۃً تو اللہ ہی کا حکم ہوگا۔ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ یعنی کسی شافع کا بولنا اس شخص کے حق میں جو منظور کر لیا گیا ہو یعنی اس شخص کے حق میں کلمۂ خیر کہنے کی گنجائش ہو اور گنجائش ظاہر ہے کہ مومن ہی کے لیے نکل سکتی ہے۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کے کسی قول کو پسند کر لیا ہو ــــ اور یہیں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت کی گنجائش فساق امت کے حق میں بڑے زور سے نکالی ہے کہ بڑے سے بڑا فاسق کلمہ گو بھی کلمۂ شہادت کی حد تک قول پسندیدہ و مقبول کہہ ہی لیتا ہے۔ واعلم ان هذه الاٰية من اقوی الدلائل علی ثبوت الشفاعة فی حق الفساق لان قوله و رضی له قولا یکفی فی صدقه ان یکون الله تعالیٰ قد رضی له قولا واحدا من اقواله و الفاسق قد ارتضی الله تعالیٰ قولا واحدا من اقواله و هو شهادة ان لا اله الا الله فوجب ان تکون الشفاعة نافعة له (کبیر) ف۱۲۸ ''اس کا احاطہ نہیں کر سکتے'' یعنی اس کے علوم ومعلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مضاف یعنی معلومات یہاں محذوف ہے۔ اے ولا یحیطون بمعلوماته علما (بحر) یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو خلق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ ہو۔ اور ایسے بہت سے امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور خلق کو معلوم نہیں۔ پس مخلوقات کے وہ سب احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کی قابلیت یا عدم قابلیت مرتب ہے۔ سو جو اس کا اہل ہوگا اس کے واسطے سفارش کرنے کی شافعین کو اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اس کے لیے اجازت نہ ہوگی''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۲۹ ذکر روز حشر کا چل رہا ہے کہ اس روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکش منکرین کا غرور وانکار ختم ہو چکے گا، اور کسی کو ہمت سر اٹھانے کی نہ ہوگی۔ ف۱۳۰ ظلم کے عام و وسیع معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں بمعنی شرک آیا ہے۔ اے حمل شرکا (ابن جریر۔ عن قتادة) الظلم ههنا الشرک (ابن جریر۔ عن ابن زید) و الظلم هو الشرک (معالم۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم الشرک (روح)

يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

اندیشہ نہ زیادتی کا ہو گا نہ کمی کا ف ۱۳۱ اور اسی طرح اسے (قرآن) واضح کر کے

عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعید بیان کی ہے ف ۱۳۲ تاکہ (لوگ) ڈریں

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

یا یہ کہ یہ (قرآن) ان کے لئے سمجھ پیدا کرے ف ۱۳۳ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے ف ۱۳۴

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل

وَحْيُهٗ ۟ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ

ہو چکے ف ۱۳۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو ف ۱۳۶ اور (بہت زمانہ) قبل ہم آدم کو ایک

اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی ف ۱۳۷

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو سو (سب نے) سجدہ کیا مگر

اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ

ابلیس نے نہ کیا ف ۱۳۸ وہ انکار کر گیا پھر ہم نے کہا کہ اے آدم یقیناً یہ تمہارا

وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ف ۱۳۹ سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ ف ۱۴۰

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا

(یہاں اس) جنت میں تو یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہو گے اور نہ ننگے اور یہ بھی ہے کہ نہ اس میں

ع ۶ ۔ ۱۵

ف ۱۳۱ یعنی مومن صالح کو ثواب کامل ملے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے، یا کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ غیر مومن ظاہر ہے کہ اس طبقہ ہی سے سرے سے خارج ہیں۔ قید و شرط وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی لگی ہوئی ہے۔ ف ۱۳۲ (قیامت کی، عذاب کی جہنم کی) كَذٰلِكَ یعنی اس طرح جس طرح اوپر کے مضامین صاف صاف ارشاد ہوئے ہیں۔ اَنْزَلْنٰهُ ضمیر مذکر غائب سارے قرآن کی جانب ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یعنی قرآن واضح، قرآن مفصح، عَرَبِيًّا پر حاشیہ سورۂ یوسف کے شروع میں گزر چکا۔ ف ۱۳۳ راہ حق قبول کرنے کے دو ہی واسطے ہیں، یا بہ واسطہ جذبات یا بہ واسطہ تعقل۔ دونوں آیت کے اس ٹکڑے میں جمع ہو گئے۔ یا یہ مراد ہو کہ بدیوں سے بچنے لگیں اور نیکیوں کی طرف بڑھنے لگیں۔ لاجل ان یصیروا متقین ای محترزین مما لا ینبغی و هو یدعوهم الی الطاعات و فعل ما ینبغی (کبیر) یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ منکر تخویف و ترہیب سے ایمان لائے اور جو مومن ہے اس کا مرتبہ فہم و تذکر قرآن سے اور دوبالا ہو جائے۔ ف ۱۳۴ (اور جس نے ایسا جامع، ایسا نافع، ایسا بلیغ دستور حیات اپنے بندوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے)۔ ف ۱۳۵ (کہ ایسی صورت میں آپ پر قرآن سننے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پڑھنے کا بار خواہ مخواہ پڑتا ہے) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے قبل نزول وحی بعض مسائل میں حکم صادر فرما دیا تھا، آیت اس پر نازل ہوئی اس صورت میں مراد ہوگی کہ "آپ قبل نزول وحی (احکام میں) تعجیل نہ کیا کیجئے۔ ف ۱۳۶ اس میں یہ ارشاد ہوا کہ بجائے فی الفور سعی حفظ تدبیر کے، اس تدبیر دعا کو اختیار کیجئے۔ اور اس میں علم قرآن کی تحصیل، حفظ، فہم سب ہی کچھ آ گیا"۔ اس میں علم حاصل کے بڑھنے کی اور غیر حاصل کے حصول کی اور جو حاصل ہونے والا نہیں اس میں عدم حصول کے خیر سمجھنے کی اور سب علوم میں خوش فہمی کی، یہ سب دعائیں داخل ہیں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ علم بھی انہیں نعمتوں میں سے ہے جن کا حصول محض فضل پر موقوف ہے، اس لیے کہ قرآن میں جو دعائیں ہیں وہ ایسے ہی امور سے متعلق ہیں جو کسبی و اختیاری نہ ہوں جیسے ہدایت، مغفرت وغیرہ۔ ف ۱۳۷ یہ پختگی نہ ہونا، اور عدم ثبات و عزم دانستہ نافرمانی اور ارادی سرکشی سے بالکل مختلف ہے۔ بعض اہل لطائف نے یہ معنی بھی کہے ہیں کہ "ہم نے ان میں ارادہ ہی نہ پایا" یعنی گناہ کا قصد انہوں نے کیا ہی نہیں محض ایک بدخیالی اور بداحتیاطی ان سے سرزد ہو گئی۔ یحتمل ولم نجد له عزما على المقام على المعصية (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ ضعف طبعی اور کمال میں منافات نہیں۔ ف ۱۳۸ اس سجدہ کے حکم اور ابلیس کے انکار وغیرہ پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکے پ ۱، رکوع ۴۔ ف ۱۳۹ (کہ تمہیں دونوں کے معاملہ میں اسے مردود ہونا پڑا تھا) ف ۱۴۰ یعنی ایسا نہ ہو کہ اس کے کہے میں آ کر کوئی ایسا کام کر بیٹھو کہ جنت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

ف۱۴۱ (اور جنت سے باہر ان سب مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے ان امور کو پیش نظر رکھ کر اپنے اس موذی دشمن کی طرف سے خوب ہوشیار اور خبردار رہنا) ف۱۴۲ شیطان کا دام فریب یہی تھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں جس کے پھل پتی میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے، اور ہمیشہ یہیں جنت میں مقیم رہیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہوسکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرما سکتے ہیں کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے۔ جھٹ آپ اس کے کہنے میں آگئے اور اس کے مشورہ کو رضا و حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ الاعراف) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں ایک نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے۔ فرمایا کہ آیت میں مذکور ہے ثمرات غیر مقصودہ کی طلب کا سالک کے حق میں مضر ہونا۔ کیونکہ یہ خلد جس کی تحصیل کا حکم نہیں دیا گیا تھا نیز ملکیت ایسی ہی غیر مطلوب تھی۔ ف۱۴۳ یہ درخت وہی تھا جس کے قریب جانے کی بھی ممانعت ہو چکی تھی اور اس کے پھل ہی کھا لینے کا یہ طبعی اثر تھا جو فوراً ظاہر ہو کر رہا۔ ف۱۴۴ اس سے ظاہر ہے کہ ستر پوشی امر طبعی اور داخل فطرت بشری ہے اور جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتیں ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ ف۱۴۵ (تحصیل مقصود خلود کے باب میں) اے ضل عن مطلوبہ الذی هو الخلود و عن الرشد حیث اغتر بقول العدو (روح) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں ذکر ہے خطاء اجتہادی کے صدور کا کاملین سے، نیز اس پر مواخذہ کا، برخلاف عوام کے کہ انہیں اس پر احیاناً اجر ملتا ہے۔ ف۱۴۶ (جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے) اجتبٰہ بالعفو و المغفرۃ و ھداہ لرشدہ حتی رجع الی الندم والاستغفار (کبیر) مرشد تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اجتباء جذب ہے اور ہدایت سلوک ہے۔ اس لیے آیت میں تقدیم ہے جذب کی سلوک پر۔ ف۱۴۷ (اور زمین پر جاؤ) حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش تو معاف ہی ہو چکی تھی، تاہم طبعی اثرات اس ممنوع غذا کے استعمال سے مرتب ہو رہے تھے وہ جنتی ماحول کے بالکل منافی تھے۔ ف۱۴۸ اس عالم عنصری کا تقاضائے طبعی ہی یہ ہے کہ آپس میں کشمکش اور پھر دشمنی پیدا ہو۔ اس زہر کا تریاق جہاں سے ممکن ہے اسی کا نام وحی الٰہی ہے۔ بعضکم لبعض عدو میں خطاب ذریت آدم سے ہے۔ والمراد الذریۃ (کبیر) ف۱۴۹ (رسول یا کتاب کے ذریعہ سے) ھدی کے معنی کسی نے رسول کے لیے ہیں کسی نے آیات کے، کسی نے دلائل کے، کسی نے قرآن کے۔ امام رازی رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ ھدی یہاں مرادف ہے دلالۃ کے اور اس کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ والتحقیق ان الهدی عبارۃ من الدلالۃ فیہ کل ذلک (کبیر) ف۱۵۰ نہ بھٹکے گا دنیا میں اور نہ محروم رہے گا آخرت میں۔ بلکہ اپنی مدت حیات کے بعد سیدھا اپنے وطن اصلی جنت میں پہنچ جائے گا۔ ف۱۵۱ (اسی دنیا میں) فان به جمع من المفسرین (کبیر) آخرت کی طرف سے بے خبر اور بے فکر اور عالم حکومت الٰہیہ سے منکر قناعت و توکل کے مفہوم سے ناآشنا رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر مال کی طلب میں، جاہ کی حرص میں، "ترقی" کی فکر و ہوس میں، نقصان اور کمی کے غم و اندیشہ میں گھل گھل کر گزارے۔ اور اسی لیے آیت میں تنگی کا تعلق قلب سے ہے۔ بڑے بڑے دولتمندوں، خوشحالوں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں، سب اسی تنگی قلب کے شواہد ہیں۔ ذکر سے مراد قرآن ہی لیا گیا ہے (معالم) لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو عام و وسیع معنی میں رکھا جائے اور مادی کسب و ہدایات آسمانی اس کے مفہوم میں شامل رکھا جائے (روح) ف۱۵۲ یہ جسمانی بے بصری عکس ہوگی اس کی روحانی بے بصری کی، جو دنیا میں اس نے اپنے اوپر طاری رکھی تھی۔

تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ

پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے ف۱۴۱ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا کہا کہ

قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا

اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف

يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

نہ آوے ف۱۴۲ سو دونوں نے اس (درخت) سے کھا لیا سو ان پر ان کے پردہ کے مقامات ظاہر ہو گئے اور ف۱۴۳

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰى اٰدَمُ

دونوں لگے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے ف۱۴۴ اور آدم سے اپنے پروردگار کا

رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ

قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے ف۱۴۵ پھر انہیں ان کے پروردگار نے مقبول بنا لیا چنانچہ ان کی توبہ قبول کر لی

وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ

اور ہدایت دکھا دی ف۱۴۶ (اللہ نے) کہا تم سب (اب) جنت سے اترو ف۱۴۷ ایک کے دشمن

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ

ایک ہو کر ف۱۴۸ پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے ف۱۴۹ تو جو کوئی میری ہدایت کی

هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ

پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ محروم رہے گا ف۱۵۰ اور جو کوئی میری نصیحت سے

ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا ف۱۵۱ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں

اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

گے ف۱۵۲ وہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا درآنحالیکہ میں

وَ۱۵۳ (دنیا میں) ''یعنی دنیا میں تو میں بڑا زباں آور تھا یہاں بالکل گنگ ولال ہو گیا کوئی بات نہ سوجھتی ہے اور نہ بولا جاتا ہے''۔ (تھانوی ؒ) امے لا حجة لی و قد کنت عالما بحجتی بصیرًا بھا (بحر۔ عن مجاہد) اعمی عن حجته لا حجة له یھتدی بھا (بحر عن ابن عباسؓ) اقبل اعمی عن کل شیء الا جھنم (بحر) وَ۱۵۴ (اور تجھے عذاب میں پڑا رہنے دیا جائے گا)

بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

آنکھوں والا تھا وَ۱۵۳ (اللہ) کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں سو تو نے ان کا خیال نہ کیا اسی طرح

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

آج تیرا خیال نہ کیا جائے گا وَ۱۵۴ اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو

اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے

اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

بڑا سخت اور بڑا دیرپا وَ۱۵۵ کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم (اب تک) ان کے پیش رو کتنے گروہوں کو

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ہلاک کر چکے ہیں جن کے مسکنوں میں (اب) یہ لوگ چل پھر رہے ہیں وَ۱۵۶ بے شک اس امر میں

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں وَ۱۵۷ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے

رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا

نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر آ جاتا وَ۱۵۸ سو آپ صبر کیجیے

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

ان کی باتوں پر وَ۱۵۹ اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہیے حمد کے ساتھ آفتاب کے طلوع سے قبل

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور اس کے غروب سے قبل اور اوقات شب میں بھی تسبیح کیجیے اور دن کے بھی اول و آخر میں

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

تاکہ آپ خوش رہیں وَ۱۶۰ اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف

نسیتھا۔ نسی۔ نسیان۔ یہاں بھول اور ذہول کے معنی میں نہیں، ارادی ترک توجہ و اغماض کے معنی میں ہے۔ النسیان ھنا بمعنی الترک لا بمعنی الذھول (بحر) یعنی تیرے پاس ہمارے احکام انبیاء و علماء کے ذریعہ سے پہنچے تھے مع سارے واضح و روشن دلائل کے، اور تو باوجود بصیرت و بصارت ان کی طرف سے اندھا بنا رہا، اس لیے آج تیرا ارادی اندھاپن نمایاں کر دیا گیا۔ رحمت الٰہی جسے پھٹکارے جس کی طرف سے اپنے کو غافل کرے، اس سے بڑھ کر محرومی کسی کی ممکن ہی کیا ہے؟ اللّٰھم احفظنا۔ تُنْسٰی۔ جملہ کے شروع میں لا کر گویا عام قانون بتا دیا گیا کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی کے متناسب و مناسب حال سزا بھی ملتی ہے۔ و مثل ذلک الجزاء الموافق للجنایة (روح) وَ۱۵۵ سخت اس قدر کہ اس کے آگے سختی کا کوئی درجہ انسان کے لیے متصور ہی نہیں، اور دیرپا ایسا کہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا! اَسْرَفَ سے مراد ہے کہ حد عبودیت سے نکل گیا۔ یا اپنے مرتبہ عبودیت کو دوسرے محل میں صرف کرنے لگا۔ وَ۱۵۶ اب روئے سخن ہر قرآن کے معاصر منکروں اور کافروں کی جانب ہے کہ ان کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں۔ تاریخ کی زبان سے یہ کتنی گردن کش قوموں کی تباہی و بربادی و ہلاکت کے قصے سن چکے ہیں۔ آج انہیں مردود و مغضوب قوموں کے وطن میں خود آباد ہیں، ان کے کھنڈروں پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں، پھر انہیں کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے! وَ۱۵۷ نشانیاں یعنی مذہبی و ایمانی زندگی کے برحق ہونے اور شرک و بے دینی کی زندگی کے ناحق ہونے کے دلائل و شواہد۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ ''اس امر میں'' یعنی اس مضمون میں جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ ذلک اشارة الی مضمون قوله تعالٰی کم اھلکنا قبلھم الخ (روح) وَ۱۵۸ یعنی ان کے کفر، شرک، بے دینی کا اقتضا تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آ جائے لیکن دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے، اس لیے اس وقت موعود کے قبل نہ آئے گا۔ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ خدا کی بات یہی کہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں مہلت ملتی رہے گی۔ وَ۱۵۹ (یہ یقیناً ہر داعی کے لیے اشتعال انگیز اور صبر آزما ہیں) وَ۱۶۰ (کہ دنیا کے آلام و افکار سے بچنے کا راستہ یہی عبادت میں مشغولیت کا ہے) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ حمد و تسبیح سے مراد یہاں نماز لی گئی ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ میں فجر کی نماز آ گئی اور قبل غروب میں ظہر و عصر کی نمازیں۔ اور اٰنَاۗئِ الَّيْلِ میں مغرب و عشاء کی نمازیں۔ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے نماز فجر و مغرب کی تکرار تاکید ہوگی۔ تکریر لصلاتی الصبح والمغرب ارادة الاختصاص (بیضاوی) بعض نے اس سے مراد نماز ظہر و عصر لی ہے اور بعض نے محض ظہر۔ امر بصلاة الظھر فانه نھایة النصف الاول من النھار و بدایة النصف الآخر و جمعه باعتبار النصفین (بیضاوی)

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬

جس سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے ان کی آزمائش کے لئے ف۱۶۱ کہ وہ محض دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَ اْمُرْ

کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے ف۱۶۲ اور اپنے گھر والوں

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ

کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے ف۱۶۳ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے،

نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا

معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے ف۱۶۴ اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے ف۱۶۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس

يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

کوئی نشان اپنے پروردگار کے پاس سے کیوں نہیں لاتے کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَ لَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ

اگلے صحیفوں میں ہے ف۱۶۶ اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس (قرآن) کے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

قبل ہی تو (یہ لوگ) کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے قبل اس کے کہ ہم بے قدر اور رسوا ہوں ف۱۶۷

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرلو اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

کہ کون راہ راست والے ہیں اور کون (منزل) مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں ف۱۶۸

ف۱۶۱ ازواجاً منہم سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہ۔ ای اصنافا من الکفرۃ (کشاف) تقدیر کلام یوں ہے متعنا بہ بعضا منہم ازواجا۔ لنفتنہم فیہ۔ آزمائش سے مراد یہی ہے کہ کون ان نعمتوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور کون ان کی ناقدری کرتا ہے۔ ف۱۶۲ آیت کے اس مختصر سے ٹکڑے میں اس مادی دنیا اس کی آرائشوں، زینتوں، تکلفات کی کل کائنات بیان کر دی کہ پورے تسلسل حیات سے جو یہاں سے لے کر آخرت تک ہے قطع نظر کر کے صرف اس مادی زندگی پر قناعت کر لینا کس درجہ حمق اور خام خیالی ہے — مال و دولت صرف وہی قابل قدر ہے جو آئندہ دور کی زندگی میں بھی کام آنے والا ہے۔ زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا۔ زھرہ کے معنی لغت میں تازگی اور شادابی کے ہیں۔ حدیث کی کتابیں ابواب الزہد وغیرہ کے ماتحت اس قسم کے مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔ دنیا میں اس طرح رہو کہ گویا تو غریب الوطن ہے یا مسافر راہرو۔ ف۱۶۳ (کہ اصل توحید کے قائل تو یہ ہو ہی چکے ہیں) اھلک۔ اھل کے لفظ میں خاندان اور عام مومنین دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ امر بالمعروف خصوصاً تاکید نماز اپنے متعلقین پر واجب ہے۔ آج جو لوگ ظہر کی نماز کے لیے دفتروں، کچہریوں وغیرہ کی مشغولیت کو اور عصر و مغرب وعشاء وغیرہ کے لیے دوسری مشغولیتوں کو عذر بنا کر پیش کرتے ہیں آیت میں ان سب کا رد آ گیا۔ ف۱۶۴ یعنی مقصود اصلی اکتساب معیشت نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اس حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعت میں وہ مخل نہ ہوں۔ (تھانوی ؒ) والعاقبۃ للتقویٰ۔ عاقبۃ سے مراد ہے حسن عاقبت، اور تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہیں۔ ای العاقبۃ المحمودۃ و لذوی التقوی (بیضاوی) فالمراد العاقبۃ الجمیلۃ لاھل التقوی (کبیر) ف۱۶۵ (اور تقویٰ ہی قابل التفات ہے) ف۱۶۶ یعنی خود قرآن جو ظہور ہے اگلی پیشگوئیوں کا، اس سے نمایاں تر معجزہ اور کیا چاہیے؟ بینۃ سے مراد قرآن بھی ہو سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ وقالوا یہ کہنے والے کفار و معاندین تھے۔ ف۱۶۷ یعنی آج جب قرآن اور رسول آ چکے ہیں، جب تو یہ ان کا یوں انکار کر رہے ہیں، اور اگر کہیں قرآن اور رسول نہ آئے ہوتے تو قیامت کے روز یہ عذر پیش کر دیتے کہ ہمارے پاس رسول ہی کہاں آیا، وہ آتا تو ہم اس کے مطیع ہو نہ جاتے؟ من قبل۔ عربی محاورہ میں یہ قبل کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم حقیر و رسوا ہوتے یا ہم حقیر و رسوا نہ ہونے پاتے اور ہم رسول ﷺ کی پیروی کر لیتے۔ نذل۔ یعنی بے قدر خود اپنی نظر میں ہوں۔ نخزیٰ یعنی رسوا دوسروں کی نگاہ میں ہوں (تھانوی ؒ) الذل الھوان والخزی الافتضاح (بحر) من قبلہ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی لی گئی اور بینۃ وتذکیر (بہ معنی برہان) کی طرف بھی اور قرآن کی طرف بھی۔ الضمیر الراجع الی البینۃ ھنا فی معنی البرھان (کشاف) والظاھر عودہ علی الرسول (بحر) ف۱۶۸ آیت کا انداز بیان ایک بلیغ انداز میں مضمون کے زور و تاکید کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ متکلم یا قائل کو اس میں کچھ ضعف یا تردد ہے۔ و لیس ھو بمعنی الشک والتردید بل ھو علی سبیل التھدید والزجر للکفار (کبیر) فستعلمون میں س یہ معنی عنقریب ہے، یعنی موت پر یا حشر میں۔

ایاتها ١١٢ ۔ ٢١ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗءِ مَكِّيَّةٌ ٧٣ ۔ رکوعاتها ٧

اس میں ایک سو بارہ آیتیں ۔ سورۂ انبیاء مکی ہے ۔ اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ

قریب آ گیا لوگوں سے ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں اعراض کئے ہوئے ف۱ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں۔ ان کے دل (اس کی طرف سے) بے توجہ۔ اور یہ لوگ یعنی ظلم کار اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں ف۲ کہ یہ تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم جادو (کی بات) سننے کو جاؤ گے درآنحالیکہ تم سوجھ بوجھ رکھتے ہو ف۳ (پیغمبر نے) فرمایا کہ میرا پروردگار (ہر) بات کو جانتا ہے آسمان اور زمین میں اور وہی خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف۴ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) پریشان خیالات ہیں ف۵ نہیں بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گڑھ لیا ہے۔ ف۶ نہیں بلکہ وہ تو ایک شاعر

ف۱ یعنی وقت قیامت ہے کہ ہر روز ان سے قریب تر ہوتا جاتا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اس کے لیے تیاریاں تو کیا کرتے، اس خبر ہی کا نہیں یقین کر رہے ہیں۔ النَّاس ۔ آیت میں اس سے مراد منکرین قیامت عموماً ہیں اور مشرکین عرب خصوصاً ۔ قال ابن عباس المراد بالناس المشرکون وھذا من اطلاق اسم الجنس علی بعضه للدلیل القائم (کبیر) آج یورپ اور یورپ زدہ مشرق کی ساری آبادی کا بھی نقشہ غفلت واعراض کے لحاظ سے یہی ہے۔ حِسَابُهُمْ مراد ہے وقت حساب یعنی روز قیامت ۔ المعنی اقترب للناس وقت حسابھم (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غفلت مذموم وہ ہے جو اعراض کے ساتھ ملی جلی ہو، ورنہ مطلق غفلت سے تو عادۃً کوئی بھی خالی نہیں۔ ف۲ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد اسلام کے خلاف سازش کرنے والے منکرین ہیں۔ ابو جھل واصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور آج بھی جو لوگ عداوت اسلام ورسول اسلام میں اسی ابو جہلی روش پر چلیں اسی میں شامل ہیں۔ سازش کے لئے اخفاء لازمی ہے، اس لئے یہ لوگ اپنی کمیٹیوں، کانفرنسوں، مشورت کے جلسوں کو چھپا چھپا کر کرتے تھے۔ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۔ یَلْعَبُوْنَ ۔ ہر تازہ نشان کو، بجائے عنوان عبرت وتذکیر کے سرمایہ تفریح وتمسخر بنا لینا منکرین کا عام دستور اگلوں پچھلوں سب میں مشترک ہے۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۔ یعنی موعظ ونصیحت کو اس کان سننا اور اس کان اڑا دینا یہ آخرت فراموشی ہی سے پیدا ہوتا ہے جس طرح جاہلیت قدیم میں عام تھا، آج جاہلیت جدید میں بھی رائج ہے۔ ان کے علوم وفنون میں، سائنس میں، آرٹ میں، التزام اس کا رہتا ہے کہ کوئی شے بھی آخرت کی یاد دلانے والی نہ آ جانے پائے۔ اور یہ آخرت فراموش نظام جو کہنا چاہیے کہ ساری مہذب ونیم مہذب دنیا پر مسلط ومستولی ہو چکا ہے۔ اس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو بھی آہستہ آہستہ دین فراموش وآخرت فراموش بنا دیا۔ ذکر رسول تو محفل میلاد وغیرہ کے نام سے بعض طبقوں میں خواہ رسماً سہی، پھر بھی قائم ہے، آخرت کی ذمہ داری اور یوم الحساب کا تذکرہ، اتنا بھی کہیں نہ سنائی دے گا۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ دین کے معاملات میں غیر ذمہ داری کی ہوا ہر سر میں سمائی ہوئی ہے۔ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۔ نجوی میں تو خود ہی پہلو اخفاء کا شامل ہے۔ اَسَرُّوا کے لفظ نے اس میں مزید تاکید اور زور پیدا کر دیا۔ معناہ بالغوا فی اخفائھا وجعلوھا بحیث لا یفطن احد لتناجیھم (کبیر) ف۳ منکرین ومشرکین عرب اپنے میں سے کسی کو کمزور ومذبذب پا کر اس سے کہتے تھے کہ یہ جو رسالت کے مدعی ہیں، ان میں بات ہی کونسی نئی اور ہم سب سے انوکھی ہے۔ یہ نہ کوئی دیوتا ہیں، نہ کوئی اوتار، نہ کسی اور طرح پر فوق البشر، جیسے انسان ہم تم سب ویسے ہی انسان یہ بھی۔ ان میں بشریت کے علاوہ اور بشریت سے زیادہ ہے کیا، جو ہم ان کا دین اختیار کریں اور ان کی راہ پر چلنے لگیں۔ اور ان کے کلام قرآن میں جو اثر تم پاتے ہو وہ تو تمامتر ثمرہ ان کے سحر ساحری کا ہے۔ سو کیا تم سوجھ بوجھ رکھ کر ہوش وحواس رکھتے ہوئے بھی ادھر ادھر جاؤ گے؟ ..... یہ سب تو شرح انہی سرگوشیوں کی ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ ف۴ (چنانچہ وہ تمہارے بھی ان اقوال کفریہ سے خوب باخبر اور تمہاری سازشوں پر پوری طرح مطلع ہے) اسلام کا خدا جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ حاضر وغائب، جلی وخفی اس پر سب یکساں روشن ہے۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھلا اس سے کون مخفی رہ سکتی ہے؟ ف۵ مشرکین مکہ کے اسی گروہ کی نمائندگی آج یورپ اور یورپ زدہ طبقہ کر رہا ہے۔ ٹامس کارلائل (برطانوی) اوروں کے دیکھتے ہوئے اسلام کا بہت ہمدرد ہے اور قرآن کی خوبیوں کا معترف ہے وہ تک یہ لکھ گیا ہے کہ قرآن کیسی غیر مربوط، پریشان کتاب ہے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا۔ ف۶ یہ پہلی تشخیص پر ترقی ہے۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ میں تو پھر ایک شان بے اختیاری اور مجذوبیت کی تھی۔ ایک گروہ نے کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ نہیں یہ کلام تو انہوں نے دیدہ ودانستہ اپنے دل سے تراش رکھا ہے۔

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝٥ مَا آمَنَتْ

ہیں ورنہ وہ لے تو آئیں ہمارے پاس کوئی (بڑا) نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے ہیں ف۸ ان لوگوں کے

قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝٦

قبل بھی کوئی بستی والے جنہیں ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان تو لائے نہیں تھے۔ سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ ف۹

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ سے قبل مردوں ہی کو (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں ف۱۰

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧ وَمَا

سو تم اہل کتاب سے پوچھ دیکھو اگر تم علم نہیں رکھتے ف۱۱ اور نہ

جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا

ہم نے ان (رسولوں) کے جسم ایسے بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی

خَالِدِينَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ

ہوئے ہیں ف۱۲ پھر ہم نے ان سے (کئے ہوئے) وعدہ کو سچا کر دیا ف۱۳ پھر ہم نے نجات دے دی ان کو

وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝٩ لَقَدْ أَنْزَلْنَا

اور جن کو ہم نے چاہا، نجات دے دی ف۱۴ اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم تمہاری طرف

إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝١٠ ع وَكَمْ

(ایسی) کتاب اتار چکے جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ف۱۵ اور ہم نے کتنی ہی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا

بستیاں غارت کر ڈالیں (جن کے رہنے والے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم

قَوْمًا آخَرِينَ ۝١١ فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ

پیدا کر دی ف۱۶ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب (آتا ہوا) دیکھا تو لگے

ف۷ یہ اور اس دوسری تشخیص پر بھی ترقی ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ ان کی زندگی ہی شاعر کی طرح تراشیدہ اور خیالی ہے۔ اور ان کا یہ کلام (قرآن) تو بس شروع سے آخر تک اعلیٰ شاعرانہ اور خیالی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ف۸ (اور وہ اپنے ساتھ بڑے بڑے عجائب وخوارق لائے تھے) اٰیۃ سے مراد یہاں کسی معجزہ عظیم خارق عادت سے ہے۔ ف۹ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ان بڑے بڑے، معجزات، خوارق عادت سے حاصل کیا؟ پرانے انبیاء کے وقت میں تو بارہا اس کا تجربہ ہو چکا۔ انہوں نے سب کچھ دکھا ڈالا، پھر بھی ان کے زمانہ کے منکرین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ذہنی کیفیت، نفسیت (سائکالوجی) ان جدید منکرین کی بھی وہی ہے جو ان قدیم منکرین کی تھی۔ پھر آج ان کے ایمان لے آنے کی کیا امید ہے؟ ف۱۰ یعنی سلسلۂ نبوت تو ہمیشہ انسانوں ہی کی معرفت جاری رکھا گیا ہے۔ نبی تو ہر دور میں، ہر ملک میں، آدمی ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کوئی جن، کوئی فرشتہ، کوئی فوق البشر انسانی آبادی کے لئے پیمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ رِجَالًا۔ بشر کے بجائے رجل کے لفظ کے استعمال میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ عارف تھانوی مدظلہ نے یہاں فرمایا کہ اسی اصل کی بناء پر اہل طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔ ف۱۱ (کہ تم تو سرے سے سلسلۂ نبوت وطریق وحی ہی کے منکر ہو) مشرکین تو تمامتر بروز، حلول وغیرہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ نبوت، رسالت نزول وحی کے اصول ومبادیات ہی سے منکر ویگانہ۔ اَهْلَ الذِّكْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اے اهل التوراة والانجیل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے اهل الكتاب (روح۔ عن الحسن وقتادة وغیرہما) وهم اهل الكتاب (کبیر) ف۱۲ مشرکین کے تدبیۃ جہل کا شافی جواب ہے۔ رسول نہ بشری ضروریات غذا وغیرہ سے برتر ہوتا ہے اور نہ وہ غیر فانی ہو کر دنیا میں آتا ہے اس کی ترکیب جسمانی اور اس کی طبعی ضروریات سب وہی ہوتی ہیں جو گوشت پوست کے بنے ہوئے ہر بشر کی ہوتی ہیں۔ اس کا اصل مشن تو بس محض صحیح خدائی تعلیم کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کھانا نہ کھانا کمالات اور علامات مقبولیت میں سے نہیں، جیسا کہ بہت سے عوام اور بعض خواص بھی خیال کرتے ہیں۔ ف۱۳ وعدہ یہی تھا کہ ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور انبیاء بھی باوجود اپنی ہر طرح کی ظاہری بے سروسامانی اور منکرین کی شوکت وقوت کے بالآخر مظفر ومنصور رہیں گے۔ ف۱۴ ان نجات پانے والوں میں مومنین تو یقیناً داخل ہیں، باقی بعض منکرین بھی ممکن ہے کسی مصلحت تکوینی سے بچا دیے گئے ہوں۔ ف۱۵ خطاب قرآن کے معاصر منکرین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ قرآن کی بلیغ موعظت تم پر اثر کرتی ہے، اور نہ تم گزشتہ منکرین کے انجام سے سبق حاصل کرتے ہو۔ الذكر بمعنى التذكير والمعنى فيه موعظتكم (روح) ف۱۶ (اور اللہ کی زمین ویران اور غیر آباد نہ رہی) قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً سے مراد وہ قومیں ہیں جو اپنے حق میں ظلم کرتی رہیں۔

مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ

اس (بستی) سے بھاگے۔ بھاگو مت ف۱۷ اور واپس چلو اپنے

اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا

سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ ہی ہو ف۱۸ وہ لوگ کہنے لگے

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ

ہائے ہماری شامت، بے شک ہم ہی ظالم تھے ف۱۹ ان کی یہی پکار جاری رہی

حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَ مَا خَلَقْنَا

کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی، بجھی ہوئی آگ بنا دیا ف۲۰ اور ہم نے

السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ

آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں ف۲۱ اگر ہم کو یہی

نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

منظور ہوتا کہ ہم کھیل کے طور پر کریں تو ہم اپنے ہی پاس (کی چیز) کو (کھیل) بنالیتے اگر ہم کو (یہ) کرنا ہی تھا ف۲۲

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا

ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ

هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ

دفعۃً مٹ جاتا ہے اور تمہاری (بڑی) کم بختی آئے گی اس سے کہ جو تم گڑھتے رہتے ہو ف۲۳

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

اور اسی کی ملک ہے، جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ

عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں ف۲۴ رات اور دن تسبیح کرتے

ف۱۷ یہ گویا ندائے غیبی ان کے کان میں آئی۔ "انہوں نے" یعنی انہیں ظالم، کافر و فاسق، عذاب زدہ لوگوں نے۔ ف۱۸ (از راہِ ہمدردی کہ کیا گزری) "مقصود اس سے تعریض ہے کہ نہ وہ سامان رہا نہ مکان رہا، نہ کسی ہمدرد کا نام ونشان رہا" (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۱۹ یعنی نزول عذاب کے وقت بدکار وفسق پیشہ قومیں پچھتاتی ہیں، اپنے جرائم کا اعتراف کرتی ہیں، اور ہر طرح واویلا مچاتی ہیں۔ ف۲۰ یعنی آخر وقت میں ان کی آہ وفریاد کچھ ان کے کام نہ آئی اور وہ نیست ونابود اس طرح ہو گئے جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ۔ ؎

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی   نام کو بھی نہیں نشاں باقی

ف۲۱ (بلکہ ان کی تخلیق سے بے شمار حکمتیں اور دور مخلوق کی بے حساب مصلحتیں وابستہ ہیں) اس میں رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کائنات محض "ایشور کی لیلا" یا خدا کی تماشا گاہ ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کچھ نہیں، بجز تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے۔ ف۲۲ یعنی بالفرض ہمیں تفریح وتماشہ ہی مقصود ہوتا تو ہم بلا واسطہ مخلوقات اپنے ہی یا براہ راست تعلق رکھنے والی کسی چیز کو اختیار کر لیتے مثلاً اپنی صفات کمال کے مشاہدہ کو۔ ذی شعور مخلوق کو اس چکر میں کیوں ڈالتے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع ومصلحت کے لئے ہے۔ عارف رومی علیہ الرحمۃ ؎

من نہ کردم امر تا سودے کنم   بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ف۲۳ (یعنی تمہارے شرک سے) یہ کائنات تماشا گاہ، تفریح گاہ نہیں۔ حق وباطل، صدق وکذب، نور وظلمت کی جنگ گاہ، معرکہ گاہ ہے۔ ف۲۴ مراد فرشتے ہیں۔ هم الملائكة باجماع الامة (کبیر) يعني الملائكة المنزلين (بیضاوی) یہ خصوصیات انہیں کے بیان ہو رہے ہیں کہ وہ عبادت الٰہی سے کسی قسم کا عار محسوس کرنا الگ رہا، اس میں ہر وقت لگے رہنے کے باوجود اس سے تھکتے تک نہیں۔ مَنْ عِنْدَهٗ۔ یہ نزدیکی شرف ومنزلت کے لحاظ سے ہے نہ بہ اعتبار مقام ومکان۔ لا يراد بها ظرف المكان لانه تعالى منزة عن المكان بل المعنى شرف المكانة وعلو المنزلة (بحر) والمراد بالعندية عندية الشرف لا عندية المكان (روح) هذه العندية عندية الشرف والرتبة لا عندية المكان والجهة (کبیر)

وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے و۲۵ کیا انہوں نے زمین سے (ایسے) معبود اختیار

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

کر رکھے ہیں جو (کسی کو) زندہ کرتے ہوں؟ و۲۶ اگر ان دونوں (آسمان و زمین) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

درہم برہم ہو گئے ہوتے و۲۷ اللہ مالک عرش، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ

يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ

بیان کر رہے ہیں و۲۸ اور جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جا سکتی، اور اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے و۲۹

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

کیا انہوں نے اللہ کے سوا معبود اختیار کر رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل پیش تو کرو و۳۰ یہ میرے

ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے قبل والوں کی کتاب (موجود) ہے لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا

يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا

یقین نہیں رکھتے پس اس سے اعراض کر رہے ہیں و۳۱ اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا

اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ

کوئی معبود نہیں سو عبادت میری ہی کرو و۳۲ اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن نے

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے (اس سے) البتہ وہ (فرشتے) بندے ہیں معزز و۳۳ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات

و۲۵ ذکر فرشتوں کا چل رہا ہے۔ جاہلی مذہب والے انہیں کو اپنے جہل سے دیوی دیوتا قرار دے لیتے ہیں۔ آگے ذکر زمینی معبودوں کا آ رہا ہے۔ سیاق خود چاہتا ہے کہ یہاں ذکر آسمانی دیوتاؤں کا ہو۔ و۲۶ سوال مشرکین کی حماقت محض سے ہے کہ آخر کیا سمجھ، کیا دیکھ کر انہوں نے مخلوق کو جو خود بے قدرت ہے اپنا معبود تسلیم کر لیا ہے؟ زمینی معبودوں اور دیوتاؤں کی مثالوں کے لئے ہندوستانی کو دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اردگرد، حیوانات و نباتات، جمادات سب میں کثرت سے موجود ہیں گنگا ماتا، گنگا مائی، سرجو مائی، بندھیاچل، گوری شنکر، ناگ (سانپ) ہنومان (بندر) پیپل، تلسی وغیرہ۔ و۲۷ یعنی نظام عالم میں ابتری پڑ جاتی، خدا کے تصور و تعریف ہی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ مطلق الارادہ و مطلق الاختیار اور مالک کل ہو۔ اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود و مقید ہوئی تو وہ خدا ہی کیوں کہلائے گا۔ اس تعریف کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کیجئے کہ دو (یا زائد) خداؤں کے وجود کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں؟ ایک خدا کی ملک سے کوئی بھی جزو موجودات اگر باہر رہا یا اسے اپنے ارادہ و کسی مصلحت سے مغلوب کرنا پڑا یا اپنے اختیارات پر کسی ضرورت سے پابندی عائد کرنی پڑی تو اس کے خدا باقی رہنے کا امکان ہی کیا رہ گیا؟ تصادم و تزاحم بہرحال دو خداؤں کے درمیان ناگزیر ہے۔ اور کائنات کی تنظیم و ترتیب کا مشاہدہ خود اس تصادم و تزاحم کی تکذیب کر رہا ہے سو اس نظام کائنات کا وجود جس کے آگے بشری صناعوں کی بڑی بڑی صناعیاں گرد ہیں، دلیل قاطع ہے توحید صانع عالم پر، جس دلیل کو قرآن کریم نے اس قدر سادہ طور پر ادا کر دیا، اسی کو متکلمین نے حسن صنعت و نظم کائنات سے توحید صانع پر استدلال کا لقب دے کر اس سے بڑے بڑے کام لئے ہیں اور اسے شرح و بسط سے اور اپنی اصطلاحات کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو برہان تمانع کا لقب دیا ہے۔ فِيْهِمَا سے مراد ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین ہیں۔ لَفَسَدَتَا ۔ قیامت میں جو دور فنا و ہلاکت کا آئے گا، وہ ایک نظم کے ماتحت اور ایک ضابطہ معین کے موافق ہوگا۔ (جیسا کہ آج بھی افراد اپنے وقت معین پر ہلاک ہوتے رہتے ہیں) اس پر اطلاق ''فساد'' کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ و۲۸ عرش مخلوقات میں خود بھی سب سے اعظم و اشرف ہے، پھر جو اس کا بھی مالک و رب ہو، اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے! اللہ کی صفت یہاں رَبِّ الْعَرْشِ لا کر اس کی بے انتہا عظمت اور شرک کی بے عقلی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ و۲۹ اس میں ان مشرک قوموں کا رد آ گیا جو خدا کو بھی محدود الاختیار، محدود القویٰ مانتے ہیں۔ یونان کے مشرک فلاسفہ کا یہی مذہب ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ہندوستان میں عقیدۂ ''کرم'' کے ماننے والوں کا بھی یہی خیال ہے۔ و۳۰ یعنی توحید پر تو بہت سی دلیلیں قائم ہیں عقلی بھی، نقلی بھی۔ تم شرک پر بھی کوئی دلیل پیش کر کے دکھاؤ۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے متکلمین نے اس پہلو پر اب تک بہت کم توجہ کی ہے۔ عموماً اب تک بجائے عقیدۂ شرک پر مطالبہ دلیل کے دلائل توحید ہی پر قائم کئے جاتے رہے ہیں۔ و۳۱ یعنی چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں، اس کی طلب اور تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہی نہیں، اس لئے ایمان و یقین کی دولت سے بھی محروم ہیں۔ المعنى فهم معرضون ولذلك لا يعلمون (بحر) هٰذَا ... قَبْلِيْ ۔ مطلق ذکر سے یہاں مراد کتب الٰہی ہے۔ فالذكر هنا مراد به الكتب الالهية (بحر) قيل المراد بالذكر الكتاب۔ ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ سے مراد قرآن ہے اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ سے صحف قدیمہ ہیں۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان کتابوں میں دیکھ لو، تعلیم کس عقیدہ کی موجود ہے۔ توحید کی یا شرک کی؟ ۔ دلیل عقلی اثبات توحید پر ابھی اوپر پیش ہو چکی تھی۔ اب دلیل نقلی پیش ہو رہی ہے۔ و۳۲ (اور اس میں کسی کو شریک نہ کرو) اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ۔ یہ عقیدہ ہوا توحید کا فَاعْبُدُوْنِ یہ عمل ہوا توحید کا۔ یہ دین توحید جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے، دنیا کا قدیم ترین دین ہے۔ اور انبیاء کے ذریعہ سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی ہے۔ دین شرک تمامتر ذہن انسانی کی اختراع ہے، اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔ و۳۳ ذکر ان مشرکوں کا ہے، جو فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے۔ نزلت في خزاعة حيث قالوا الملئكة بنات الله (کشاف) ان کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ توبہ! خدائے برتر و قدوس کو اولاد سے کیا واسطہ، جن ہستیوں کو تم اس کی اولاد قرار دے رہے ہو، یہ سب تمامتر اس کے بندے ہیں، البتہ معزز و ذی رتبہ بندے۔

بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

نہیں کر سکتے ف۳۴ اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں ف۳۵ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ف۳۶ اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے (کسی کی) بجز اس کے کہ

ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ

جس کے لئے (اللہ کی) مرضی ہو اور وہ (سب) اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں ف۳۷ اور جو کوئی

يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ

ان میں سے یہ کہہ بھی دے کہ میں (بھی) معبود ہوں اللہ کے سوا سو ہم اسے جہنم کی

جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ

سزا دیں گے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ف۳۸ کیا جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں

كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے ف۳۹ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا ف۴۰

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے پانی سے ہر جان دار چیز کو بنایا ہے کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ ف۴۱

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪

اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے ف۴۲

وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ف۴۳ اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے

ف۳۴ (بلکہ اسی کے حکم کے منتظر رہتے ہیں) یہ کیفیت ہے ان مقرب بندوں کے ادب، خشوع وتعبد کی۔ ف۳۵ اس میں رد آگیا یہود ونصاریٰ کی گمراہی کا جو "نافرمان" فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ یہاں ان کی صحیح کیفیت بیان کر دی ہے کہ ان سے نہ قولی سابقت ہی ہوتی ہے اور نہ فعلی مخالفت۔ والمعنی انهم يتبعونه في قوله ولا يقولون شيئا حتى يقوله وكما ان قولهم تابع لقوله فعملهم ايضا كذلك مبني على امره (کبیر) ف۳۶ فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ اللہ سب کے اگلے پچھلے احوال خوب جانتا ہے، اس لئے اس کا جو اور جب حکم ہوگا حکمت کے موافق ہی ہوگا، اس لئے چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ف۳۷ یہ نقشہ ہے ان کے ادب واطاعت گزاری، اور ان کی مغلوبیت ومحکومیت کا۔ فرشتوں والا شرک دنیا میں بہت پھیلا رہا ہے، اسی لئے اس کی تردید کی مفصل اور بار بار ضرورت ہوئی۔ ہندوستان میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے وہ حقیقۃً یہی ملائکہ پرستی ہی ہے۔ ف۳۸ یعنی جس طرح اور مخلوقات تمام تر خدا کے قابو اور اختیار میں ہے، فرشتے بھی ہیں۔ ان کا یہ قول کہ ہم بھی معبود ہیں، ظاہر ہے کہ بطور فرض محال نقل ہوا ہے۔ ومن يقل منهم على سبيل الفرض (روح) اور قرآن مجید میں ایسے مفروضات واحتمالات کا استعمال بار بار ہوا ہے۔ ف۳۹ چنانچہ نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے پیداوار۔ آسمان اور زمین جامد محض ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا یا صاحب اختیار مخلوق ہی سرے سے نہیں کہ خود بخود اپنے ارادہ ومرضی سے کسی کے کام آنے لگیں۔ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا سے مراد یہ ہے کہ یہ مشرکین جو توحید کے منکر ہیں، کیا طبعیات ومادیات کے ان حقائق پر بھی غور نہیں کرتے؟ آسمان اور زمین جیسے قوی الجثہ مخلوقات تک میں یہ قدرت کب تھی کہ اپنے ارادہ واختیار سے وہ کچھ کرنے لگیں؟ رؤیت سے مراد رؤیت عینی نہیں، رؤیت عقلی یا علم ہے۔ المراد من الرؤية هو العلم (کبیر) ۔ سمٰوٰت صیغۂ جمع ہے۔ مراد یہاں مجموعہ سمٰوٰت وطبقۂ سمٰوٰت ہے۔ اسی لئے اسے بطور مفرد لا کر اس کے اور ارض کے لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔ ف۴۰ چنانچہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات پیدا ہونے لگی۔ ف۴۱ (اور توحید کے قائل نہیں ہو جاتے) پانی سے مراد یہاں اگر بارش ہے تو بارش کے پانی سے براہ راست یا بالواسطہ ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہی ہے۔ اي خلقنا من الماء كل حيوان (کشاف) اور اگر مراد نطفۂ حیوانی لی جائے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا مشاہد ہے۔ قال قطرب وجماعة المراد بالماء النطفة (روح) جدید ماہرین علم الحیات کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں عنصر اصلی پروٹو پلازم (تخم مایہ) کا ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصہ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے! ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ کل۔ لفظ کل محاورہ میں تقریباً کل یا بہت بڑی اکثریت کے مرادف مستعمل ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عموم قانون کے منافی نہیں۔ ف۴۲ مراد یہاں ڈانواڈول حرکت سے ہے۔ نفی یہاں مطلق حرکت ارض کی نہیں بلکہ اس کی اضطرابی حرکت کی ہو رہی ہے۔ یہ پہاڑ جو ہیں گویا زمین کا توازن برابر رکھنے کا کام دے رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو وہ ایک طرف کو جھک جائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۹ الحجر پارہ ۱۴۔ ف۴۳ یعنی ہر طرح کی شکست وریخت، نقصان سے محفوظ۔ آسمان کے چھت ہونے پر عبارت پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۳ میں گزر چکا۔ عدیم المثال بلندی اور عدیم المثال احاطت دونوں کے لحاظ سے آسمان کا جو بہترین صفاتی نام دیا جا سکتا ہے وہ چھت ہی کا ہو سکتا ہے۔ ہیئت وفلکیات کی ہر علمی اصطلاح سے کہیں بہتر اور کہیں واضح تر۔

مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ
ہوئے ہیں ف۴۴ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو اور دن کو
وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَ مَا
اور سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے، سب (اپنے اپنے) دائرہ میں تیر رہے ہیں ف۴۵ اور ہم نے
جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ
آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا ف۴۶ سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ
الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ
ہمیشہ رہیں گے؟ ف۴۷ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تم کو آزماتے ہیں
بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ اِذَا رَاٰكَ
برائی سے اور بھلائی سے خوب طرح اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے ف۴۸ اور یہ کافر لوگ جب آپ کو
الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا
دیکھتے ہیں تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں ف۴۹ کیا یہی وہ (حضرت) ہیں
الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ
جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر پر
كٰفِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ
کفر کرتے رہتے ہیں ف۵۰ انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے ف۵۱ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں
اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٧﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
دکھا دیں گے سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ ف۵۲ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت پورا ہوگا
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ
اگر تم سچے ہو ف۵۳ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی

ف۴۴ مقصود ان سارے مادی وطبعی حقائق کی طرف اشارہ کرنے سے یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی توحید اور کمال صناعی ہی پر دلالت کر رہی ہیں۔ کُلٌّ۔ تنوین حذف مضاف کے ظاہر کرنے کو ہے۔ تقدیر کلام کلھم ہے۔ التنوین فیہ عوض من المضاف الیہ ای کلھم (کشاف) ف۴۵ (اور جو قاعدہ قانون ان کے لئے بنا دیا گیا ہے، اس سے باہر نہیں جا سکتے) اور یہ ضمیر ھُمْ جنس طوالع کی جانب ہے۔ الضمیر للشمس والقمر والمراد بھما جنس الطوالع (کشاف) الغرض الدلالۃ علی الجنس (کشاف) ف۴۶ (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اور نہ کوئی اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکا ہے) آیت میں تردید ہے یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا اور غیر فانیوں (HEROES) کی صف میں شامل ہو گیا۔ ف۴۷ (سو یہ کافر معاند آپ کی وفات کا خیال کر کر کے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟) ف۴۸ یہاں انسان کے لئے تین قانون بیان کر دیئے۔ (۱) ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے، خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔ (۲) انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا۔ کہ کن کن حالات میں وہ ایمان وطاعت کی طرف مائل رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر ومعصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ۔ شر سے مراد انسان کے مخالف طبع حالات ہیں مثلاً مرض، افلاس وغیرہ۔ خیر سے مراد انسان کے موافق طبع حالات ہیں۔ صحت، خوشحالی وغیرہ۔ ای بالمکروہ والمحبوب وتفسیر الشر والخیر مما ذکر مروی عن ابن زید وروی عن ابن عباس انھا الشدۃ والرخاء و قال الضحاک الفقر والمرض والغنی والصحۃ والتعمیم اولی (روح) (۳) ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ فِتْنَةً۔ مصدر فعل نَبْلُوْكُمْ کی تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے موقع پر کبھی تو اسی فعل کا مصدر دہرا دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی اس کا مرادف، مصدر موکد لنبلوکم من غیر لفظہ (کشاف) ف۴۹ (آپس میں) کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ ہے۔ آج بھی کتنے ہی بدنفس کافر ایسے موجود ہیں جو شریعت اسلامی کے احکام ومسائل کو کبھی سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں۔ سرے سے تمسخر ہی کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی بے قدری اس تشنیع کے عموم میں آ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۵۰ تو تمسخر واستہزاء کے مستحق اگر ہیں تو خود یہ لوگ ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کو یوں ٹھکرائے ہوئے، یوں بھلائے ہوئے ہیں۔ يَذْكُرُ سے مراد ہے کہ برائی سے ذکر کرتے ہیں۔ ای بسوء وانما اطلقہ بدلالۃ الحال (بیضاوی) ف۵۱ انسان سے مراد کافر قسم کا انسان ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس قسم کا انسان کچھ ایسا جلد باز ہوتا ہے کہ گویا عجلت پسندی اس کے اجزاء عنصری اور ہیئت ترکیبی میں شامل ہے۔ آج کل کے دہریے اپنے کو سوشلسٹ، کمیونسٹ وغیرہ کے مختلف ناموں سے یاد کرنے والے نیم دہریے جن کا حق تعالیٰ کے وجود پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ کیسا قادر مطلق ومنصف مزاج خدا ہے جو ظالم کی گرفت اس کے ظلم پر فی الفور کیوں نہیں کرتا اور قاتل کو معاً مقتول کے وارثوں کی گرفت میں کیوں نہیں دے دیتا۔ ان کی ذہنیت بھی ٹھیک اس کلیہ کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طریق تصوف میں اکثر تشویشات اسی عجلت پسندی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ف۵۲ قدرت کا قہر کا ہر نشان اپنے وقت پر قانون حکمت کے ماتحت ظاہر ہو کر رہے گا۔ خود کسی عذاب کی فوری آمد کا مطالبہ کرتے رہنا حماقت محض ہے۔ ف۵۳ وعدہ سے مراد وعدۂ قہر عذاب ہے۔ مشرکین معاندین یہ سوال مسلمانوں سے تمسخر اور بے یقینی کے لہجہ میں کیا کرتے۔

لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

جب یہ آگ کو نہ روک سکیں گے نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پشتوں سے

وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی وہ۵۴ بلکہ وہ (آگ تو) انہیں یک بیک آ لے گی سو انہیں بدحواس کر دے گی

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ

پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی مہلت ہوگی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی وہ۵۵ اور یقیناً

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

آپ سے پہلے بھی جو پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا جا چکا ہے، پھر جن لوگوں نے انہی اڑائی تھی ان کے اوپر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ

وہی (عذاب) آ واقع ہوا جس پر وہ تمسخر کر رہے تھے وہ۵۶ آپ کہیے وہ کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا

بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے؟ لیکن نہیں وہ اپنے پروردگار کے ذکر کی طرف سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا

روگرداں ہی ہیں وہ۵۷ کیا ان کے پاس ہمارے سوا (کوئی اور) معبود ہیں جو ان کی حفاظت کر لیتے ہوں؟ وہ تو

يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

خود اپنی نصرت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ

لیکن ہم نے تو انہیں اور ان کے باپ (دادوں) کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا وہ۵۸

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

سو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (ان کی) زمین کو (برابر) اس کی ہر طرف سے گھٹاتے ہی چلے آتے ہیں وہ۵۹

وہ۵۴ یعنی کاش ان منکروں کو اس وقت کا استحضار ہوتا جب آتش دوزخ ان پر ہر طرف سے بے پناہ حملے کرے گی اور انہیں بچاؤ کا، یا مدد کا، کسی طرف سے کوئی ادنیٰ بھی سہارا نہ ملے گا۔ تو آج یہ اس طرح کی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتے۔ وہ۵۵ وہ عذاب شدید اگر ان کے معلوم و متعین وقت پر آتا، جب بھی کچھ غنیمت تھا، وہ تو بالکل دفعۃً نازل ہوگا کہ یہ بالکل ہکا بکا رہ جائیں گے اور کچھ ان کے بنائے بن بھی نہ پڑے گی۔ وہ۵۶ ساری تاریخ انبیاء مکذب، منکر، معاند قوموں کی تباہی و بربادی سے بھری پڑی ہے۔ اور ہر دنیوی و مادی عذاب تو محض ایک ہلکا سا نمونہ ہے آخرت کے اشد العذاب کا۔ وہ۵۷ (اس لئے دلائل توحید پر غور ہی نہیں کرتے) مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ یعنی اگر خدائے رحمٰن تمہیں گرفت میں لینا ہی چاہے تو دن رات میں کون اتنی مجال رکھتا ہے جو تمہارے بچاؤ میں کام دے سکے؟ بعض عارفین نے لکھا ہے کہ اپنے نفس کی حفاظت کی طرف سے بے اختیاری میں تو مومن و کافر سب برابر ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ مومن کی تائید، حفاظت و نصرت من اللہ و مع اللہ ہوتی رہتی ہے۔ اور کافر کی آس ادھر سے ٹوٹی رہتی ہے۔ وہ۵۸ (اور انہوں نے اپنے عیش و عشرت میں کوئی خلل پڑتے نہ دیکھا) سو ان کے اصرار علی الکفر اور جمود کی اصل بنیاد ان کی طویل غفلت ہے۔ وہ۵۹ (فتوح اسلامیہ کے ذریعہ سے) سو ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے اور انہیں غفلت کی نوم طویل سے چونکانے کے لئے تو یہی امر کافی ہو جانا چاہیے۔ "ابتدا میں اسلام کا مغلوب ہونا اس کی اشاعت میں مخل تھا اور اس کی تبلیغ و اشاعت کافی ہو چکی جو اصل مقصود تھی۔ اب مغلوب ہونے سے وہ مفقود نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہد ہے۔" (تھانوی رحمہ اللہ)

أَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ إِنَّمَآ أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا

بھلا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو وحی کے ذریعہ سے تمہیں صرف ڈراتا ہوں ف۶۰

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ إِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ

اور بہرے تو پکار سنتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں ف۶۱ اور اگر

مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ

ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کم بختی،

إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

بے شک ہم ہی خطاوار تھے ف۶۲ اور ہم قیامت کے دن میزان عدل

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

قائم کریں گے ف۶۳ سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی

مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۖ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ

(کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور حساب لینے والے ہم ہی کافی ہیں ف۶۴ اور بالیقین

اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا

ہم موسیٰ و ہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی اور روشنی کی اور نصیحت کی

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ

پرہیزگاروں کے لئے ف۶۵ جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ

مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ

قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں ف۶۶ اور یہ (قرآن) ایک برکت والی (کتاب) نصیحت ہے

أَنْزَلْنٰهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ إِبْرٰهِيْمَ

کہ ہم نے اس کو اتارا ہے سو کیا تم اس کے منکر ہو؟ ف۶۷ اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو خوش فہمی

ف۶۰ (باقی عذاب لانا نہ لانا میرے اختیار میں بالکل نہیں) ف۶۱ (سو یہ بہرے جنہوں نے بردعوت حق کی طرف سے اپنے کان بہرے کر رکھے ہیں، ان پر بھلا میری تنبیہ کا کیا اثر ہوگا؟) ف۶۲ یعنی پورا عذاب تو الگ رہا، اس کا ایک شمہ بھی اگر ان پر نازل ہو جائے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں، ہوش درست ہو جائیں، اور ساری غفلت اور تعلّی رفو چکر ہو جائے۔ ف۶۳ (اور اعمال کا وزن کریں گے) وزن اعمال پر حاشیہ سورۂ اعراف رکوع اول کے تحت گزر چکا۔ الْمَوَازِيْنَ ـ "موازین کا جمع لانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کے لئے جدا میزان عمل ہو، یا چونکہ ایک میزان میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا اس لئے وہ ایک قائم مقام متعدد کے ہوگی۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) موازین کے صیغۂ جمع کے ظاہری اقتضاء سے بعض نے یہ کہا ہے کہ قیامت میں میزانیں متعدد ہوں گی، مثلاً ہر امت کے لئے الگ الگ، ہر مکلف کے لئے الگ الگ۔ وجمع الموازين ظاهر في تعدد الميزان حقيقة (روح) لیکن قول معتبر یہ ہے کہ یہ تعدد حقیقی نہیں مجازی ہے، اور صیغۂ جمع محض اظہار عظمت کے لئے ہے۔ و الاصح الاشهر انهٗ ميزان واحد لجميع الامم ولجميع الاعمال والتعدد اعتباري و قد يعبر عن الواحد بما يدل على الجمع للتعظيم (روح) انما جمع الموازين لكثرة من توزن اعمالهم وهو جمع تفخيم (کبیر) الاكثر على انهٗ انما هو ميزان واحدٌ وانما جمع باعتبار تعدد الاعمال الموزونة فيه (ابن کثیر) ف۶۴ (بغیر میزان وغیرہ کی مدد کے بھی) مطلب یہ ہے کہ یہ سارے انتظامات تو تمہارے مزید اطمینان کے لئے ہوں گے، ورنہ رتی رتی کے حساب کے لئے تو ہم خود ہی بلا ان آلات و وسائط کی مدد کے کافی ہیں۔ بعض مشرک قوموں (مثلاً اہل مصر) نے ایک الگ "دیوتا" دنیا کے حساب کتاب کے لئے بھی گڑھ رکھا تھا۔ آیت میں ضمناً ان مشرکانہ توہمات کی بھی تردید آ گئی۔ ف۶۵ الْفُرْقَانَ سے مراد کتاب توریت ہے۔ اس کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اصالتاً ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر بطور ان کے نائب و شریک کے۔ ضِيَآءً وَّذِكْرًا بھی اسی کی صفات ہیں۔ الفرقان يعني به الكتاب يفرق بين الحق والباطل (ابن جریر) هو التوراة فكان فرقانا اذ كان يفرق بين الحق والباطل وكان ضياءً اذ كان لغاية وضوحه يتوصل به الى طرق الهدى وكان ذكرى اى موعظة (کبیر) والمراد بالفرقان التوراة و كذا بالضياء والذكر (روح) ف۶۶ متقین کے دو وصف خصوصی بیان ہوئے ہیں۔ ایک ان کی خشیت رب، دوسرے یوم حشر سے ان کا خوف — کاش ہمارے بے قید اور "آزاد" صوفیہ و مشائخ اس پر غور کرتے۔ نصیحت سے نفع یاب ہونے کا راز اسی دل کی کھٹک میں ہے۔ ف۶۷ یعنی تم ایسی کتاب کے منکر ہو جس کا نصیحت نامہ ہونا توریت سے بھی روشن تر ہے! مُبٰرَكٌ یعنی جس کا نفع بہت کثیر ہو۔

رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ

عطا کر چکے تھے و۶٨ اور ہم ان کو خوب جانتے تھے و۶٩ (وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے اپنے باپ سے

وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اپنی قوم والوں سے کہا یہ کیا (واہیات خرافات) مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو و٧٠

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ

وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ (دادوں) کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے و٧١ (ابراہیمؑ نے) کہا یقینا

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

صریح گمراہی میں مبتلا رہے تم (بھی) اور تمہارے باپ (دادا) بھی و٧٢ وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے

بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو و٧٣ (ابراہیمؑ نے) کہا ارے (دل لگی کیسی) تمہارا پروردگار

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ

تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان (سب) کو پیدا کیا اور میں اس پر

مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

گواہوں میں سے ہوں و٧٤ اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا

جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے و٧٥ چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر بھی ڈالا بجز

كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ

ان کے بڑے (بت) کے تا کہ وہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں و٧٦ وہ لوگ (آکر) بولے یہ (حرکت) کس نے

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا

ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ کی ہے؟ بے شک اس نے تو بڑا ہی غضب کر دیا و٧٧ (بعض ان میں سے) بولے ہم

و۶٨ (ان کے مرتبہ وحیثیت کے لائق ومناسب) رشد سے مراد ہدایت بھی ہے اور مرتبہ نبوت بھی۔ فی الرشد قولان الاول انه النبوة والثانی انه الاهتداء لوجود الصلاح فی الدین وفیه قول ثالث وھو ان تدخل النبوة والاهتداء تحت الرشد (کبیر) مِنْ قَبْلُ۔ کھلا ہوا تعلق دور موسوی سے قبل کا ہے۔ ای من قبل موسی وھرون (ابن جریر۔ کشاف) بعض نے حضرت ابراہیمؑ کی کا دور قبل بلوغ یا قبل ولادت مراد لیا ہے۔ ای ھداہ صغیرا (ابن جریر۔ عن مجاہد) وقیل من قبل ان یولد (روح) و۶٩ (کہ وہ کیسی سعادتیں اور صلاحیتیں اور کیسے کمالات علمی وعملی رکھنے والے ہیں) خدا کی بخششیں اندھا دھند اور انکل پچو نہیں ہوتیں۔ تمامتر ظرف وعمل کی حکیمانہ رعایتوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اشیاء جو اپنے کمالات کے ساتھ مرتبہ علم الٰہی میں متصف رہتی ہیں۔ ان کا نام اصطلاح صوفیہ میں اعیان ثابتہ ہے۔ و٧٠ ملک بابل (موجودہ عراق) کی قدیم قوم شرک وبت پرستی میں مبتلا تھی۔ مظاہر پرستی کواکب پرستی وغیرہ کے علاوہ مورتی پوجہ کا بھی رواج ان میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی قوم کے درمیان پیدا ہوئے۔ آپ کے والد تارخ (عربی تلفظ میں آزر) ایک بڑے صناع بت تراش وبت فروش تھے۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ شیخ اسمعیل شہیدؒ نے اس آیت سے صوفیہ کے تصور شیخ کے ناجائز ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ مرشد تھانویؒ کی تحقیق ہے جو تصور شیخ غالی صوفیوں میں چلا ہوا ہے وہ تو بیشک ممنوع ہے لیکن اگر تصور شیخ ایسا ہو کہ نہ وہ بالاستقلال مقصود ہو اور نہ اس پر عکوف ہو، بلکہ محض غلبہ محبت سے مثل دوسرے محبوبات کے وہ بھی ذہن کے سامنے آجاتے اور جب وہ ذہن سے غائب ہونے لگے تو اہتمام اس کے باقی رکھنے کا بھی نہ کیا جائے تو ایسے تصور شیخ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ و٧١ (تو اصلی اور قدیم دین اور اس لئے صحیح دین تو ہمارا ہی ہے تم البتہ خواہ مخواہ ایک نئی بات لے کر اٹھے ہو) جاہل مذہبوں کا بڑا سہارا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ و٧٢ یعنی مجرد تقلید آباؤ واجداد بھی بھلا کوئی دلیل ہے؟ آیت میں رد ہے جاہل مریدین ومقلدین کا جو اکابر کی تقلید واتباع میں غلو رکھتے ہیں اور دلیل صحیح مل جانے پر بھی انہیں کے قول یا عمل کو حجت بنائے رکھتے ہیں۔ و٧٣ مشرک قوم توحید سے اس درجہ ناآشنا و بیگانہ ہو چکی تھی کہ اسے یہ آواز بھی بالکل عجیب وغریب اور افسانہ نما معلوم ہوئی، اور وہ لوگ یہی سمجھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ہمارے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے ہیں، ورنہ سنجیدگی سے تو کوئی ایسا انوکھا پیام پیش ہی نہیں کر سکتا۔ بالحق ای بجد (ابن عباسؓ) ای بالجد (روح) و٧٤ یعنی میں اس عقیدۂ توحید پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔ و٧٥ یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ فقرہ مجمع عام کو مخاطب کر کے اور پکار کر کہا ہو۔ اغلب ہے کہ زیر لب کہا ہو اور صرف آس پاس کے دو ایک شخصوں نے سن لیا ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ دشمن کو مغالطہ دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے نقض عہد وتائید باطل لازم نہ آجائے۔ و٧٦ (اور حضرت ابراہیمؑ کو ان پر تشنیع وتعریض اور گرفت کا پورا موقع ہاتھ آجائے) اِلَیْهِ میں ضمیر کا مرجع اکثر نے اس بڑے بت ہی کو لیا ہے۔ ای الی کبیرھم (کشاف) والضمیر الیه عند الجمهور عائد علی ابرھیم علیه السلام (روح) ای الی الکبیر (جلالین) لیکن اگر اس کا مرجع خود حضرت ابراہیمؑ کو مانا جائے جب بھی نتیجہ وہی رہے گا کہ جب میری طرف تحقیق حال کی طرف رجوع کریں گے اس وقت خوب موقع مجھے قائل کرنے کا مل جائے گا۔ یحتمل رجوعهم الی ابراهیم علیه السلام ویحتمل رجوعهم الی الکبیر (کبیر) و٧٧ حضرت ابراہیمؑ ادھر اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لا چکے ہیں اور اب منظر یہ ہے کہ مندر میں پوجا پاٹ کرنے والے جب پوجا کے لئے جمع ہوتے ہیں تو انہوں نے اپنی مورتیوں کی یہ گت بنی دیکھی۔ سناٹے میں آگئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسی شدید گستاخی کی جرأت آخر ہوئی کس کو؟

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝٦٠ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ

نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا ذکر برائی سے کرتے سنا تھا و٧٨ (وہ لوگ) بولے تو پھر اس کو

عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝٦١ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ

سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں و٧٩ وہ بولے ارے تم ہی وہ ہو

فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝٦٢ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ

جس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ (آپ نے) کہا کہیں اس نے نہ کی ہو

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝٦٣

ان کے اس بڑے نے سو انہیں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بولتے ہوں و٨٠

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٦٤ ۙ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر بول اٹھے بے شک تم ہی (سرتا سر) ناحق پر ہو و٨١

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

پھر اپنے سروں کو جھکا لیا و٨٢ (اے ابراہیم) تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ (ٹھاکر)

يَنْطِقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

کچھ بولتے نہیں و٨٣ (آپ نے) کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝٦٦ ۭ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا

نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٦٧ قَالُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو و٨٤ تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ (وہ لوگ) بولے

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝٦٨

انہیں جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے و٨٥

و٧٨ یہ اکا دکا کہنے والے وہی تھے جنہوں نے اس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ فقرہ سن لیا تھا۔ یَذْکُرُھُمْ کے معنی ہی ہیں بتوں کا ذکر برائی سے کرتا۔ بلد کرھم بالکسر ویعیبھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و٧٩ (اور گواہی دیں) یَشْھَدُوْنَ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ سب لوگ مشاہدہ کریں۔ یعنی یہ آکر دیکھیں کہ ہم ایسے مجرم کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ یحضرون عقوبتنا (کشاف) اور دوسرے یہ کہ لوگ اس مجرم کے اقرار جرم کو سن کر اس کے گواہ بن جائیں۔ یشھدون علیہ بما سمع منہ (کشاف) و٨٠ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرز یہ انداز گفتگو شروع ہی سے ظاہر ہے۔ اسی لب ولہجہ میں آپ نے اس وقت بھی فرمایا کہ ''جی اور کیا۔ اور کہیں ان سے بڑے ٹھاکر جی ہی نے یہ حرکت نہ کی ہو۔ آپ انہیں سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے؟'' حدیث صحیح میں ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے اس قول کو کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس سے منکرین حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی کے خلاف ایک طومار کذب باندھنے کا موقع مل گیا ہے۔ حالانکہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ یہ کذب صرف صورۃً تھا۔ نہ حضرت علیہ السلام کی نیت کسی غلط بات کہنے کی تھی نہ اس کلام سے اس بڑے مجمع میں کسی ایک شخص کو بھی دھوکا یا مغالطہ ہوا۔ مقصود تمامتر مشرکین پر حجت الزامی قائم کرنا تھی، اور اس کے لئے آپ اعلان پیشتر سے کر بھی چکے تھے۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ یہ تو صرف ایک بلیغ، مؤثر، خطیبانہ پیرایہ گفتگو تھا موقع کے مناسب حال، ایسا کذب (اور کذب عربی میں ہرگز اردو کے جھوٹ کے مترادف نہیں بلکہ اس سے کہیں وسیع معنی رکھتا ہے) ہرگز عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فاعل كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کو نہ مانا جائے بلکہ بجائے اس کے تقدیر کلام یوں مانی جائے۔ فعلہ من فعلہ یعنی یہ حرکت تو کی جس نے کی اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا تعلق صرف عبادت اللہ سے جوڑا جائے۔ انہ کنایۃ عن غیر مذکور ای فعلہ من فعلہ (کبیر) اور کسائی نحوی سے منقول ہے کہ وہ بَلْ فَعَلَهٗ پر پورا وقف کر لیتے تھے اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سے نیا فقرہ شروع کرتے تھے۔ یروی عن الکسائی انہ کان یقف عند قولہ بل فعلہ ثم یبتدیٔ کبیرھم ھذا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی مصلحت دینی کے سبب سے بعض بزرگوں سے جو کلام بطور توریہ منقول ہے۔ اس کی اصل یہی آیت ہے۔ و٨١ یعنی سوچنے کے بعد جی میں تو قائل ہی ہو گئے کہ بیشک غلطی ہماری ہی ہے اور آپس میں کہنے بھی لگے۔ ای تفکروا وتدبروا وتذکروا (روح) و٨٢ (جیسا کہ شرمندگی کے وقت انسان سر جھکا ہی لیتا ہے) لفرط اطراقھم خجلا وانکسارا (کشاف) و٨٣ (سوال سے پوچھنا ہی کیا) یہ جواب ظاہر ہے کہ بالکل مغلوبانہ لہجہ میں تھا۔ و٨٤ تف ہے تمہاری مورتیوں کی بے بسی اور بیچارگی پر اور تف ہے تمہاری عقل و دانش پر کہ ایسوں کو اپنا خدا مانے ہوئے اور بنائے ہوئے ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مبغوضین فی اللہ کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی جو عادت بعض بزرگوں کی ہوتی ہے اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔ و٨٥ مجرمین کو آگ میں ڈال کر جلا دینے کی سزا اس وقت مختلف قوموں کے قانون میں عام تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بادشاہ بابل نے ایک خاص بھٹی اس کے لئے تیار کرائی، پانچ پانچ گز کے دور میں لکڑی کا ڈھیر لگا کر اس میں آگ لگائی گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا۔

و۸۶ جو خدا آگ کو جلانے کا حکم دیتا رہتا ہے، وہ اس پر بھی اسی آسانی سے قادر ہے کہ اسے نہ جلانے کا بھی حکم دے دے، یہ کہنا کہ آگ تو جماد ولا عقل و بے شعور ہے، اس سے خطاب کیونکر ہوا ہو گا۔ عجیب احمقانہ اعتراض ہے۔ آگ کی جمادیت، بے شعوری وغیرہ اگر ہے تو ہماری نسبت سے ہے یا خود خالق کائنات کی نسبت سے بھی؟ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ کی قید سے قرینہ اس کا نکلتا ہے کہ آگ کی تبدیل ماہیت نہ ہوئی ہو، وہ وہی بدستور آگ ہی ہو البتہ موذی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نہ رہی ہو یا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت فرض کی جائے۔ واقعہ خارق عادت تو بہرحال و بہر صورت تھا۔

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا

ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں و۸۶ اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ

بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾ وَ نَجَّیْنٰهُ

برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا و۸۷ اور ہم نے ان کو

وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾

اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچا لیا جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے بابرکت بنایا ہے و۸۸

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا

اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب "پوتا" عطا کیا اور ہر ایک کو ہم نے

صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

صالح بنایا و۸۹ اور ہم نے ان (سب) کو پیشوا بنایا، ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے و۹۰

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ

اور ہم نے ان کے پاس وحی سے حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا

وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ

اور ادائے زکوٰۃ کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے و۹۱ اور لوط کو ہم نے

حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ

حکمت اور علم عطا کیا و۹۲ اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے

تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾

رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے و۹۳

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ بڑے نیک کاروں میں تھے و۹۴

سَلٰمًا حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی سلامتی والی والمعنی ذات برد وسلامة (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اولیاء امت سے جو اسی قسم کی کرامتیں منقول ہیں وہ اسی قصہ کی نظیر ہیں۔ و۸۷ (کہ ان کا مقصود یعنی ہلاکت ابراہیم علیہ السلام تو حاصل نہ ہوا، بلکہ الٹی حقانیت ابراہیم اور زیادہ روشن ہو گئی) و۸۸ مراد ہے سرزمین شام جو دینی و دنیوی برکتوں اور رحمتوں کی جامع ہے۔ دینی برکتیں یہ کہ حضرات انبیاء کثرت سے اس سرزمین پر آئے اور دنیا کے پھیلے ہوئے شرک کے مقابلہ میں یہاں توحید کی اشاعت خوب ہوئی۔ اور دنیوی برکتوں سے اس ملک کی خوشگوار و صحت بخش آب و ہوا اور اس سرزمین کی سرسبزی و شادابی ہے۔ توریت میں بھی شام کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ وَ لُوْطًا۔ حضرت لوط آپ کے بھتیجے تھے، اور آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فریق مخالف کے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانا توکل کے منافی نہیں، بلکہ سنت انبیاء کے موافق ہے۔ و۸۹ یعنی صالحیت کے درجۂ کمال پر تھے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب میں عجیب عجیب گندے الزامات ان مقدس حضرات پر لگا رکھے ہیں۔ قرآن ان سب سے ان حضرات کی تبری کرتا ہے۔ نَافِلَةً کے معنی علاوہ، زیادہ اور عطیہ کے پوتے کے بھی آئے ہیں۔ الولد الولد (کشاف) وهو ولد الولد (راغب) و۹۰ (خلق کو) صٰلِحِیْنَ میں ابھی یہ بیان آ چکا ہے کہ یہ حضرات تکمیل نفس کے مدارج طے کئے ہوئے تھے۔ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ دوسروں کی بھی تکمیل کر دیتے تھے۔ گویا اعلیٰ درجہ کے صالح ہی نہ تھے۔ اعلیٰ درجے کے مصلح بھی تھے۔ و۹۱ عٰبِدِیْنَ کی تقدیم لَنَا پر تاکید و تخصیص کی مقتضی ہے، یعنی وہ بس ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔ صٰلِحِیْنَ میں کمال نبوت کی طرف اور اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ میں کمال علم کی طرف اور كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ میں کمال عمل کی طرف اور اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ میں تکمیل للغیر کی طرف اشارہ ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت موجودہ میں انبیاء کرام کو عموماً بس اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کے کاہن یا پیشگوئیاں کرنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی تردید میں بار بار یہ وضاحت کرنی پڑی کہ پیمبروں کا اصلی کام ہدایت خلق ہے اور اپنے تزکیۂ نفس کی تکمیل کے بعد دوسروں کے تزکیۂ نفس کی تکمیل ہے۔ و۹۲ (ان کے مرتبہ و شان کے مناسب) حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ دونوں پر تنوین مرتبہ حکمت و علم کی تعظیم و شان کے لئے ہے۔ اعلم ان ادخال التنوین علیهما یدل علی علو شان ذلک العلم وذلک الحکم (کبیر) و۹۳ لوط علیہ السلام پر اور ان کی امت کی بدکاریوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ان کی اصلی اور سب سے بڑی بدکاری کا شارح تو خود لفظ لواطت ہے۔ باقی وہ قوم اور بھی اخلاقی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ خیر و خیرات کرنا غریبوں کو کھلانا پلانا ان کی سوسائٹی میں ایک شدید جرم تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قَرْیَة سے مراد اہل قریہ ہیں (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۹۴ (جیسا کہ ایک پیمبر کو ہونا ہی تھا، نہ کہ معاذ اللہ حرامکار و شہوت پرست، جیسا کہ یہود نے ان کے متعلق اپنی روایات میں گڑھ رکھا ہے، اور توریت تک میں ان کی زندگی کو شرمناک جرائم سے داغدار کر کے دکھایا ہے) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ رحمة سے مراد لی گئی ہے اہل رحمت۔ فی رحمتنا ای فی اهل رحمتنا (کشاف)

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَنَجَّیۡنٰہُ

اور نوح (کا تذکرہ کیجیے) جب کہ (ان سے) قبل و۹۵ جب کہ انہوں نے (ہم کو) پکارا تھا سو ہم نے ان کی سن لی

وَ اَہۡلَہٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰہُ مِنَ

اور انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑے غم سے نجات دی و۹۶ اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا

الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ

ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے

فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ

سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا و۹۷ اور داؤد و سلیمان (کا بھی ذکر کیجیے) جب دو کھیت کے بارہ میں

فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَ کُنَّا

فیصلہ کر رہے تھے جب کہ اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں و۹۸ اور ہم

لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ ﴿٭ۙ۷۸﴾ فَفَہَّمۡنٰہَا سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا

ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے و۹۹ سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی و۱۰۰ اور حکمت اور علم تو

حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ۫ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ

ہم نے ہر ایک کو دیا تھا و۱۰۱ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اور پرندے

وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمۡنٰہُ صَنۡعَۃَ لَبُوۡسٍ لَّکُمۡ

تسبیح کیا کرتے تھے اور (یہ) کرنے والے ہم تھے و۱۰۲ اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہارے (نفع کے) لیے سکھلا

لِتُحۡصِنَکُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

دی تھی تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے و۱۰۳ سو کیا تم شکر ادا کرو گے؟ و۱۰۴

وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَۃً تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ اِلَی

اور ہم نے سلیمان (کے تابع) زور دار ہوا کو (بنا دیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی

و۹۵ یعنی زمانہ ابراہیم ولوط سے بھی قبل۔ و۹۶ (جس میں وہ کافروں کی تکذیب وایذاء سے مبتلا تھے) کرب عظیم سے مراد طوفان وغرقابی بھی ہو سکتی ہے۔ وھو الطوفان او اذیۃ قومہ (روح) اھل سے مراد نوح کے خاندان والے نہیں، دین والے ہیں۔ فالمراد بالاھل ھھنا اھل دینہ (کبیر) و۹۷ (ان کی بدکاری کی بنا پر) ایات سے مراد احکام بھی ہو سکتے ہیں۔ من نصرنٰہ یہاں مرادف ہے علی القوم کے (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور من یہاں علی کے معنی میں ہے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ہذلی کو علی کے موقع پر من بولتے سنا ہے۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ربا تھا اور کہہ رہا تھا اللھم انصرھم منہ ای اجعلھم منتصرین منہ (کشاف) اور یہی قول ابوعبیدہ نحوی کا ہے۔ قال ابو عبیدہ من بمعنی علی (کبیر) و۹۸ (اور کھیت کو چر گئی تھیں) حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں پر مفصل حاشیے گزر چکے ہیں۔ یہ دونوں حضرات پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی حاکم وفرمانروا بھی تھے اور قدرتی طور پر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ نفشت۔ نفش رات میں چرنے اور حملہ کرنے کو کہتے ہیں۔ قال الزھری النفش لا یکون الا باللیل (جصاص) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فرماں روا اور حکمراں ہونا نبوت تک کے منافی نہیں چہ جائیکہ ولایت کے۔ و۹۹ حکمھم میں ضمیر جمع قوم کی جانب ہے یا اس کے مفہوم مقدر پر اھل الحرث واھل الغنم کی جانب۔ یا پھر داؤد وسلیمان علیہما السلام اور قوم مدعیوں کی جانب۔ ای لحکم داؤد وسلیمن والقوم الذین حکما بینھم (ابن جریر) و۱۰۰ یہاں یہ ارشاد نہیں کہ صحیح فیصلہ بذریعہ وحی حضرت سلیمان علیہ السلام پر القا کیا گیا تھا۔ متبادر یہ ہوتا ہے کہ اصابت رائے و صحت فہم کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام کو زائد عطا ہوئی تھی اور اس میں کیا شک کہ سلیمان علیہ السلام کی حکمت و دانائی، خوش فہمی اور قوت فیصلہ آج تک یہود و مسیحی اقوام میں بطور ضرب المثل کے چلی آتی ہے۔ عارفین نے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ صحت نظر، جودت قیاس بھی محض فضل ربانی ہے۔ چنانچہ اسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ ہم نے سمجھا دیا۔ سمجھا دیا۔ "صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوا دیں اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضا تھا۔ جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضا بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان تھا اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے جو کہ موقوف تھی تراضی جانبین پر۔ یہ صورت جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جائے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں۔ جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اسی لیے کلا اٰتینا حکما الخ بڑھا دیا گیا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۰۱ (دونوں میں سے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی غلط یا علم وحکمت سے خالی نہ تھا البتہ فیصلہ سلیمانی اس سے بہتر رہا۔ فقہاء نے اس سے متعدد مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ (۱) اظہار حق میں شرم وادب نہ چاہیے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے والد بزرگوار کے فیصلہ کے خلاف زبان نہ ہلاتے (۲) اظہار حق بہ مصلحت شرعی بھی واجب ہو جاتا ہے اور کبھی مستحب (۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ (۴) ایک مجتہد کو چاہیے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لے جب اسے دوسرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے ارجح نظر آئے۔ و۱۰۲ (ان خوارق کے ذکر کوئی اور۔ تو پھر ان کے واقع ہونے میں کوئی تعجب کیوں کرے!) سخرنا۔ تسخیر جبال کے یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے، قرآن کی تفسیر نہیں قرآن کی تحریف ہے۔ اول تو یہ کہیں سے نہیں ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح وتہلیل کے وقت اپنے قصر وایوان ومسجد کو چھوڑ کر پہاڑوں کے اوپر یا پہاڑ کی کسی کھوہ میں تشریف لے جاتے تھے، دوسرے پہاڑ پر آواز گونجنے ہی کیوں لگی۔ اس کے لیے تو لازمی تھا کہ آپ تسبیح باواز بلند کرتے۔ تیسرے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قرآن کی کہنے والی ہی کون سی بات ہے خصوصاً محل مدح واظہار نعمت میں۔ بلند آواز کی گونج تو پہاڑوں میں نبی غیر نبی، مومن وکافر ہر انسان بلکہ ہر جانور کی بھی ہوتی ہی رہتی ہے۔ مع۔ "تسخیر سے مراد محض معیت واقتداء فی التسبیح ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے۔ گو ممکن یہ بھی ہے مگر محتاج دلیل ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت کی کتاب زبور میں داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ "پہاڑ اور سارے ٹیلے میوہ دار درخت اور سارے دیودار، جنگلی جانور اور سارے مواشی اور کیڑے مکوڑے اور پرندے۔۔۔ وہ خداوند کے نام کی پرستش کریں۔ کہ اس کا نام اکیلا عالی شان ہے۔ اس کا جلال زمین اور آسمان کے اوپر پھیلا ہے۔" (زبور ۱۴۸: ۹۔ ۱۳) و۱۰۳ (ایک دوسرے کی زد سے) قرآن کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ کے موجد بھی ہوں اور یہ صنعت آپ سے قبل نہ معلوم ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک دستکاری سے معاش حاصل کرنا۔ دوسرے اسباب عادیہ کا استعمال توکل کے منافی نہ ہونا۔ و۱۰۴ (اس نعمت کا) صنعت زرہ سازی کو قرآن نے خاص محل نعمت میں بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فنون وصنائع حرب مطلق صورت میں حرام نہیں، بلکہ انہیں حرام ولغو مقاصد کے لئے نہ استعمال کیا جائے تو عین مستحسن وقابل قدر ہیں۔ فھل کلمۂ استفہام ہے۔ لیکن کام امر کا دے رہا ہے۔ استفھام بمعنی الامر ای فاشکروا اللہ علی ذلک (مدارک)

الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ

اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۰۵ اور ہم تو ہر ایک چیز کا

عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

علم رکھتے ہیں ف۱۰۶ اور شیطانوں میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو ان کے (یعنی سلیمان کے) لیے غوطہ لگاتے تھے ف۱۰۷

وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾

اور وہ (اور) کام بھی اس کے علاوہ کرتے رہتے تھے ف۱۰۸ اور ہم ہی ان کے سنبھالنے والے تھے ف۱۰۹

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ

اور ایوب (کا تذکرہ کیجیے) ف۱۱۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب

الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ف۱۱۱ سو ہم نے ان کی (دعا) قبول کر لی اور انہیں جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا

وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا کر دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے باعث

وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ

اور تاکہ یادگار رہے اہل عبادت کے لئے ف۱۱۲ اور اسمٰعیل اور ادریس

وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ

اور ذوالکفل کا (تذکرہ کیجیے) (یہ) سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے ف۱۱۳ اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ

(خاص) میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ (سب) صالح لوگوں میں سے تھے ف۱۱۴ اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی ذکر کیجیے)

ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی

جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے ف۱۱۵ اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے ف۱۱۶ پھر انہوں نے اندھیروں میں سے

ف۱۰۵ یعنی ملک شام کی طرف کہ وہ جب کبھی باہر جاتے تو واپس ہوا کے ذریعہ سے آتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر جبال کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر ہوا کا ذکر اب آیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لطیفہ خوب لکھا ہے کہ باپ کا مسخر کثیف ترین جسم کیا گیا یعنی پتھر اور چٹان اور بیٹے کا مسخر لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔ ف۱۰۶ (سو ہم جانتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت دینا کس قدر مفید اور موافق مصالح ہوگا) ف۱۰۷ (سمندر اور دریا میں کہ موتی نکال نکال کر لائیں) (یخرجون من البحر الجواهر (ابن عباس رضی اللہ عنہ) شیطان سے مراد یہاں جن ہیں۔ الشَّیٰطِیْنِ۔ مراد جن ہیں جو اغلباً کافر تھے۔ شیطان کے لفظی مفہوم میں تو انسان، حیوان، جن ہر وہ مخلوق شامل ہے جو سرکش و خبیث ہو۔ ابوعبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے۔ الشیطان اسم لکل عارم من الجن و الانس و الحیوانات (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے اس قول کی کہ ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد ازوے جن وانس و ہر کہ دید اور اگر اس کے خلاف کہیں واقع ہو تو وہ کسی عارض کی بنا پر ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات و شیاطین کا ذکر روایات یہود میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۱۰۸ مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تعمیری خدمات انجام دیں جیسا کہ کلام مجید ہی میں تصریح ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (سبا) ف۱۰۹ ایک تو جن، اور پھر سرکش شیطانی قسم کے۔ ارشاد فرمایا کہ ان کے سنبھالنے والے، انہیں قابو میں رکھنے والے، سلیمان علیہ السلام نامے انسان نہیں بلکہ ہم خود تھے۔ اللہ اللہ! توحید کی تاکید و حفاظت کا کس درجہ اہتمام قرآن مجید کو رہتا ہے! ف۱۱۰ ایوب علیہ السلام اسرائیلی تو نہ تھے، اسحاقی و ابراہیمی تھے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پانچویں پشت میں حضرت اسحٰق کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں تھے۔ توریت میں ہے کہ ”عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ اور عوض سے متعلق علماء فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال و مغرب میں فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپ کا متعین نہ ہو سکا۔ علماء یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی۔ اور آپ فرزندان یعقوب کے ہمعصر ہیں۔ پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔ توریت میں ہے:۔ ”عوض کی سرزمین میں ایوب نامے ایک شخص تھا۔ اور وہ شخص کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے مال میں سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑے بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ اور اس کے نوکر چاکر بہت تھے۔ ایسا کہ اہل مشرق میں ایسا مالدار کوئی نہ تھا“۔ (ایوب۔ ۱:۱۔ ۳) ف۱۱۱ (سو تو میری تکلیف کو بھی دور کر دے) توریت میں آتا ہے کہ شیطان نے ایک روز دربار خداوندی میں عرض کیا کہ ایوب کے جس صبر و شکر کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے وہ تو بس اسی بنا پر ہے کہ تو نے اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ذرا یہ نعمتیں چھن جائیں تو حال معلوم ہو جائے۔ حکم ہوا، اچھا تجھے اختیار ہے۔ جا اور جس طرح چاہے ان کی آزمائش کر دیکھ۔ چنانچہ شیطان نے آکر ان پر طرح طرح کی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کئے۔ کہاں آج امیر کبیر تھے۔ کہاں دفعۃً مفلس قلاش ہو گئے۔ ساری کھیتیاں جل گئیں۔ سارے گلے مر گئے، سارے نوکروں چاکروں کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ ساری اولاد اکبارگی مکان میں دب کر مر گئی۔ ان ناقابل یقین مصائب کے بھی یک بیک ٹوٹ پڑتے پر ایوب علیہ السلام نے کہا تو صرف اتنا کہا کہ ”اٹھ کے اپنا پیراہن چاک کیا اور سر منڈایا اور زمین پر جھک پڑا اور سجدہ کیا اور کہا، اپنی ماں کے پیٹ سے میں ننگا نکل آیا اور پھر ننگا وہاں جاؤں گا، خداوند نے دیا اور خداوند نے لیا خداوند کا نام مبارک ہے۔ اس سارے مقدمہ میں ایوب نے گناہ نہ کیا اور نہ خدا پر بے وقوفی کا عیب لگایا“۔ (ایوب۔ ۱:۲۱، ۲۲) اس کے بعد شیطان نے ان پر پھوڑوں کی گندی بیماری مسلط کی اور سر سے پیر تک پھوڑوں میں لد گئے۔ توریت میں ہے:۔ ایسا کہ تلوے سے لے کے چاندی تک اسے جلتے پھوڑے ہوئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کے اپنے تئیں کھجلاتے لگا اور راکھ پر بیٹھ گیا“۔ (ایوب۔ ۲:۷، ۸) ف۱۱۲ یعنی تاکہ اہل تقویٰ و عبادت یاد رکھیں کہ صابروں کو کیسے کیسے صلے ملتے ہیں۔ رَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی۔ رحمت اور ذکریٰ دونوں بطور سبب بیان ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ رحمت کی حیثیت علت فاعلی موثر کی ہے۔ اور وہ زماناً مقدم ہے۔ اور ذکریٰ کی حیثیت علت غائی موخر کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ماجرا رحمت تھا خود حضرت ایوب کے حق میں اور یادگار ان کے بعد والوں کے لئے کہ وہ بھی انکے نقش قدم پر چل کر ان کے سے مرتبے حاصل کریں۔ یعنی رحمة لایوب وتذکرة لغیره من العابدین لیصبروا کصبره (مدارک) توریت میں ہے:۔ ”اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی۔ ....اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی۔ اور اس کے سب بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ ....اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کی، اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیلوں اور ایک ہزار گدھیوں کا مالک ہوا“۔ (ایوب۔ ۴۲:۱۰۔ ۱۳) آیت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ دعا صبر کے منافی نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو مسئلے نکلتے ہیں ایک یہ کہ دعا منافی توکل نہیں، دوسرے احساس حاجت مندی سے (جو غلبۂ عبدیت سے پیدا ہوتی ہے) اللہ سے شکوہ کرنا رضا کے منافی نہیں۔ ف۱۱۳ (احکام تشریعی پر بھی اور تکوینی پر بھی) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر تو بار بار آ چکا ہے اور حضرت ادریس پر بھی حاشیے پ۱۶ سورۂ مریم میں گزر چکے۔ حضرت ذوالکفل سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور توریت میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔ ”اور تیسویں برس کے چوتھے مہینہ کی پانچویں تاریخ

الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ

پکارا ۱۱۷ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے بے شک میں ہی

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ

قصوروار ہوں ۱۱۸ سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ

اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں ۱۱۹ اور زکریا (کا ذکر کیجیے) ۱۲۰ جب کہ انہوں نے اپنے

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿٨٩﴾

پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث مت رکھ اور بہترین وارث تو تو (خود ہی) ہے ۱۲۱

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ

سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور ہم نے انہیں یحییٰ کو عطا کیا ۱۲۲ اور ان کی خاطر ہم نے ان کی بیوی کو

زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا

صحیح کر دیا ۱۲۳ بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے اور ہم کو پکارتے رہتے تھے

رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِیْۤ

شوق اور خوف کے ساتھ، اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے ۱۲۴ اور ان بیوی کا بھی (ذکر کیجیے)

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

جنہوں نے اپنے ناموس کو بچا لیا ۱۲۵ پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی ۱۲۶

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ

اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔ ۱۲۷ بے شک یہی ہے تمہارا طریقہ

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا

طریقہ واحد ۱۲۸ اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی پرستش کرو لیکن لوگوں نے آپس میں

میں ایسا ہوا کہ جب میں نہر کبار کے کنارے پر اسیروں کے درمیان تھا تو آسمان کھل گیا اور میں نے خدائی رویتیں دیکھیں اور اس مہینے کے پانچویں دن یعنی یہویاکین بادشاہ کی اسیری کے پانچویں برس میں ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام بوزی کاہن کے بیٹے حزقی ایل کو جو کسدیوں کے ملک میں نہر کبار کے کنارہ پر تھا پہنچا اور وہاں خداوند کا ہاتھ اس پر تھا۔'' (حزقی ایل۔ ۱:۱۔ ۳) بخت نصر تو جب دوبارہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا اور یروشلم پر حملہ شدید کر کے ہزار ہا اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ ۵۹۷ق م میں تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۱۱۴ مسلمان کے لئے تو یہ عقیدہ کافی ہے کہ یہ حضرات جب نبی تھے تو صالح بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔ لیکن اسے کیا کیجئے کہ بائبل والوں نے اپنے پیمبروں کو بری طرح گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ نبوت ان کے ہاں گویا محض ایک قسم کی کہانت یا اشراقیت تھی اور اس کا تعلق اخبار بالغیب سے تو تھا لیکن تزکیہ نفس یا تطہیر اخلاق سے بالکل نہیں۔ ۱۱۵ (اپنی قوم سے جب کہ وہ لوگ ایمان نہ لانے) مغاضبا لقومه (بیضاوی) ای غضبان علی قومه (روح) بعض صحابہ و تابعین سے جو تفسیر مغاضبا لربه منقول ہے سو یہ تفسیر خود تشریح طلب ہے۔ لربہ کے معنی یہاں کئے جاویں گے لاجل ربه وحمیة لدینه یعنی اپنے پروردگار کی خاطر، اور اپنی غیرت دینی کے باعث اور کلمہ ل کو موصولہ نہیں بلکہ لام علت کے معنی میں لیں گے۔ لم یفعله الا غضبا لله وانفة لدینه وبغضا للکفر (کشاف) ۱۱۶ (ان کے بلا انتظار وحی چلے جانے پر) حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ جب قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں اور نہ میرے چلے جانے میں کوئی حرج ہے۔ اس لئے بلا انتظار وحی وہاں سے چلے گئے۔ حالانکہ مرتبہ نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ انتظار وحی کیا جاتا۔ لن نقدر۔ قدر بمعنی استطاعت و قابو نہیں، ضیق و تنگی کے مفہوم میں ہے۔ قدرت سے نہیں تقدیر سے ہے۔ فسرت بالتضییق علیه (کشاف) ای ان لن نضیق علیه (کبیر) ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام ہی کا لقب ہے اور حضرت یونس علیہ السلام پر حاشیے پارہ ۱۱ سورۂ یونس میں گزر چکے۔ ۱۱۷ پارہ ۲۳ میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آئے گا۔ مختصر یہ کہ آپ جس جہاز پر تھے اس کے جہاز رانوں نے آپ کو مجرم سمجھ کر طوفان کے وقت سمندر میں پھینک دیا۔ کوئی ایک مچھلی شارک یا وہیل کے قسم کی آپ کو نگل گئی۔ یہ مناجات آپ شکم ماہی سے فرما رہے ہیں۔ ظلمت صیغۂ جمع ہے دریا کے نیچے کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کے اندر کا اندھیرا۔ صیغۂ جمع سے متعدد تاریکیاں مراد ہیں۔ ۱۱۸ (کہ میرے منصب کے مناسب وحی الٰہی کا انتظار کرنا تھا، میں بغیر اس انتظار کے نکل کھڑا ہوا) آپ کا اپنے کو ظالم کہنا اسی معنی میں ہے کہ میں ترک عزیمت و افضلیت کا مرتکب ہوا، ہر نعمت ایک خاص مقام عبودیت کو مقتضی ہوتی ہے اور ایک خاص درجہ ادائے حقوق کا چاہتی ہے۔ اس درجہ و مرتبہ کے ادائے حقوق میں کمی یا کوتاہی رہ جانا ظلم ہے۔ آپ ظلم کا اطلاق اپنے حق میں اسی معنی میں کر رہے ہیں۔ ۱۱۹ یعنی ایک یونس ہی پر کیا موقوف ہے جو مومن بھی ہم سے دعا کرے اسے غم سے نجات دے دی جاتی ہے۔ بشرطیکہ اسے غم میں رکھنا ہی مصلحت نہ ہو۔ ۱۲۰ حضرت زکریا پر حاشیے سورۂ آل عمران پارہ سوم میں گزر چکے۔ ۱۲۱ یعنی حقیقی وارث تو تو ہی ہے مجھے تو نہیں میں جو ظاہری اور مادی وارث کو مانگ رہا ہوں وہ اس لئے جو خدمت دین کی کر رہا ہوں ان کا سلسلہ اس کے ذریعہ سے چلتا رہے اور میرے بعد بھی بند نہ ہو جائے۔ ۱۲۲ (بطور فرزند صالح اور وارث کے) یحییٰ علیہ السلام پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ۱۲۳ (کہ وہ عاقر تھیں اب انہیں قابل اولاد بنا دیا) ای اصلحها للولادة (کبیر) بان جعلها ولودا (ابن جریر) سعید ابن جبیر و قتادہ وغیرہ تابعین سے مروی ہے کہ بیوی صاحبہ کا شباب لوٹا دیا گیا تھا۔ ہوئی شبابها الیها وجعلها ولودا کما روی عن ابن جبیر وقتادة (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر سے یہ نکلتا ہے کہ استجابت دعا کے وقت اکثر عادت الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں معمولاً وعادۃً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اکثر ان کے نئے وجود میں لانے کے لئے وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں گو وہ قادر مطلق بلا اسباب ہی تکوین پر قادر ہے۔ ۱۲۴ (کہ اس سے ان کی کمال عبدیت و عبودیت اور ہماری کمال عظمت و معبودیت ثابت ہوتی ہے) اہل خشوع و اہل تواضع کی مدح سے توریت و انجیل بھی لبریز ہیں۔ مثلاً ''خداوند انہیں جو نیم راہ گئے ہیں۔ سیدھا کھڑا کرتا ہے۔'' (زبور۔ ۱۴۶: ۸) ''خداوند حلیموں کو سنبھالتا ہے۔ پر شریروں کو زمین پر پٹک دیتا ہے۔'' (زبور ۱۴۷: ۶) ''خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔'' (زبور۔ ۱۴۹: ۴) ''مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہی زمین کے وارث ہوں گے۔'' (متی۔ ۵:۵) لانهم سے مراد وہ سب لوگ ہیں جن کا ذکر اسی سورت میں آ چکا ہے۔ رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ یعنی عبادت کمال امید و بیم کے ساتھ کرتے رہتے ہیں جو عین علامت ہے ایمان کامل کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ سابق نعمتوں کی علت کے موقع پر آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت نعمت دنیوی کا بھی سبب بن جاتی ہے۔ ۱۲۵ (مردوں سے تمام تر یعنی نکاح سے بھی اور ناجائز صورتوں سے بھی) مراد مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔ حاشیے سورۂ آل عمران پ۳ میں گزر چکے۔ یہود جو گندے الزامات آپ پر لگا چکے تھے اور جو آج تک ان کی کتابوں میں منقول چلے آتے ہیں ان کے پیش نظر ایسی ہی وضاحت و تصریح سے آپ کی صفائی پیش ہونے کی ضرورت تھی۔ ۱۲۶ (بہ واسطہ جبرئیل، اور اس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا) نَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا رہتا ہے، یہ نفخ روح ایک خاص طریقہ پر، معمول عام سے الگ، بہ واسطہ جبرئیل کیا گیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت نہ معلوم ہو سکتی ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ یہاں تفہیم قرآنی کے سلسلہ میں

صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ نفخ روح کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف صرف حضرت عیسیٰ ؑ کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ والا ضافة الیه تعالیٰ لتشریف عیسی علیه السلام (مدارک) وف۱۲۷ (اپنی کمال قدرت کا کہ ہم ہر چیز کی تکوین پر قادر ہیں، اسباب عادیہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی،) ایتھا۔ فرزند مریم سے مراد حضرت عیسیٰ ؑ ہیں ۔۔۔ عقیدۂ ابن اللہ کی تردید میں ابن مریم کی تصریح بار بار ضروری تھی۔ وف۱۲۸ (جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں اور جس پر قائم رہنا تمہیں واجب ہے) ای ان ملة التوحید التی یجب ان تکونوا علیها فکونوا علیها (بیضاوی) ای یجب ان تکونوا علیها (جلالین) طریقہ سے مراد عقیدۂ توحید۔ البتہ گفتگو اس میں ہے کہ یہاں خطاب کس سے ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں سے اور ھٰذِہٖ سے مراد امت مسلمہ ہے۔ والظاهر ان خطاب لمعاصری الرسل ﷺ وهذه اشارة الی ملة الاسلام (بحر) دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ خطاب عام ہے ساری نسل انسانی کے لئے۔ اور

اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا

اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ سب ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں وف۱۲۹ سو جو کوئی نیک کام کرتا ہو گا اور وہ ایمان والا بھی ہو گا سو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم تو اس کے لئے لکھ (بھی) لیتے ہیں وف۱۳۰ اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ لوگ پھر لوٹ کر آئیں وف۱۳۱ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں وف۱۳۲ اور سچا وعدہ قریب آ لگے تو بس یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے تھے، نہیں بلکہ ہم ہی قصور وار تھے وف۱۳۳ بے شک تم (خود) اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے رہے ہو (سب) جہنم کے کندے ہیں اس میں تم (سب) کو داخل ہونا ہو گا وف۱۳۴ اگر یہ لوگ (واقعی) خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے (لیکن اب تو) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہو گا اس میں ان کا شور ہو گا اور وہ اس میں (کوئی اور بات)

طریقہ سے مراد ہے طریق انبیاء جن کا ذکر اوپر ہوتا چلا آتا ہے۔ ویحتمل ان تکون هذه اشارة الی الطریقة التی کان علیها الانبیاء المذکورون من توحید الله تعالیٰ (بحر) اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی وہ طریقہ جس کے اندر کسی شریعت کا اختلاف نہیں۔ غیر مختلفة فیما بین الانبیاء علیهم الصلاة والسلام (بیضاوی) وف۱۲۹ (اور آگرو این اصلی سے اپنے انحراف کا نتیجہ دیکھ لیں گے) آیت عام ہے تمام اہل زیغ وضلال کے لئے جو توحید کی صراط مستقیم سے الگ ہٹ ہٹ گئے ہیں۔ وف۱۳۰ (سو ایک ذرہ بھی مومن کے عمل کا ضائع نہ جائے گا اور بلا اجر نہ رہے گا) وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان ہر حسن عمل کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۔ فرشتوں کی کتابت اعمال کے فعل کو یہاں اپنی جانب منسوب کر کے فرمایا ہے۔ وف۱۳۱ (اس دنیا میں، حساب کتاب کے لئے) قَرْیَةٍ۔ قریۃ بمعنی اهل قریه ہے۔ یعنی جو مر چکے ہیں، ان کے لئے اب قیامت تک واپسی ممکن نہیں۔ لا یرجعون الی الدنیا (کبیر۔ عن قتادة ومقاتل) لا یرجعون الی الدنیا قبل یوم القیمة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس ؓ وابو جعفر الباقر، وقتادة وغیر واحد) آیت کی ایک تفسیر یہ بھی آئی ہے کہ جن قوموں کے لئے ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے وہ تو ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہ کریں گے۔ لا یرجعون عن الشرک ولا یتولون عنه (کبیر۔ عن الحسن ومجاهد) اَهْلَكْنٰهَا۔ اس دوسری تفسیر کی صورت میں اهلاک سے مراد صرف عزم اہلاک ہو گا اور یَرْجِعُوْنَ میں رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہو گا۔ ومعنی اهلکنا عزمنا علی اهلاکها اوقدرنا اهلاکها ومعنی الرجوع الرجوع من الکفر الی الاسلام (کشاف) وف۱۳۲ یعنی ہلاک شدہ قوموں کا عدم رجوع ایک خاص وقت تک کے لئے ممنوع وممتنع ہے۔ البتہ قیامت کے وقت سب از سر نو زندہ ہو کر سامنے آ جائیں گے اور اس وقت موعود کے قرب کی ایک خاص علامت یہ ہو گی کہ یاجوج وماجوج سد ذو القرنین سے رہائی پا جائیں۔ چھوٹ کر نکلیں اور ہر بلند مقام سے دندناتے ہوئے ابل پڑیں۔ انجیل کی عبارت ابھی آگے آ رہی ہے کہ ”ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا“ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ۔ یاجوج ماجوج پر حاشیے سورۃ الکہف پ۱۶ میں گزر چکے۔ یاجوج وماجوج کا خروج انجیل میں بھی قرب قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مکاشفۂ یوحنا میں ہے:۔ ”اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا، اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج وماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا۔ اور وہ تمام زمین پر پھیل جائے گی اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہو گا اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے۔“ (۲۰: ۸) وف۱۳۳ جب وہ وقت موعود کافروں کے خیال کے مطابق بے شان وگمان اور اچانک آ پڑے گا۔ تو ان کی آنکھیں فرط دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور یہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کیسی شامت تھی کہ ہم اس گھڑی کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ اور غفلت کیسی، غفلت تو جب ہوتی جب کسی نے ہم کو آگاہ نہ کیا ہوتا۔ سچی بات یہ ہے کہ قصور سرتاسر ہمارا ہے۔ ہم تنبیہ کرنے والوں کے باوجود بھی بیدار نہ ہوئے! وف۱۳۴ یہ اس وقت مشرکین سے کہا جائے گا۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے عموم سے وہ ہستیاں ظاہر ہے کہ مستثنیٰ رہیں گی جو بجائے خود مقبول ہیں اور جن کی رضا کو ان کی معبودیت میں اصلاً دخل نہیں۔ مثلاً ملائکہ وانبیاء معبودوں کا اپنے پرستاروں کے ساتھ داخل جہنم ہونا پرستاروں کے لئے اور زیادہ تکلیف وحسرت کا باعث ہو گا۔

يَسْمَعُوْنَ ۝١٠٠ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ

سنیں گے (بھی) نہیں و۱۳۵ بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے

اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝١٠١ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ

وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے و۱۳۶

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٠٢ لَا يَحْزُنُهُمُ

اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے و۱۳۷ انہیں (یہ) بڑی

الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ

گھبراہٹ (ذرا بھی) غم میں نہ ڈالے گی، اور ان کا تو استقبال فرشتے کریں گے یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝١٠٣ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ

آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا و۱۳۸ وہ دن (یاد رکھنے کے قابل ہے) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس

السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

طرح طومار کو کاغذات لپیٹ لیا جاتا ہے جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کر

عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝١٠٤ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ

دیں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے و۱۳۹ اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے و۱۴۰ لوح

بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝١٠٥

محفوظ (میں لکھنے) کے بعد و۱۴۱ کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے و۱۴۲

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝١٠٦ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

بے شک اس (قرآن) میں (بڑی) تبلیغ ہے بندگی کرنے والے لوگوں کے لئے اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر)

اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٧ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ

دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے و۱۴۳ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ و۱۴۴ وحی آئی ہے کہ

و۱۳۵ (اپنے ہی شور وغل، چیخ پکار میں) دوزخیوں کی خود ہی چیخ پکار اتنی ہوگی کہ کسی دوسرے کی کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔ اہل دوزخ کو دوزخ میں رہنا ہی نہیں ہمیشگی کے لئے رہنا ہوگا۔ و۱۳۶ (اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت دوزخ سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہوگی) اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى سے معنی بعض صوفیہ نے یہ لئے ہیں کہ سبقت محبتنا اياه في الازل یعنی ہماری محبت ان کے ساتھ ازل میں سابق ہوئی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی وہ استعداد سابق ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء محبوب کی جانب سے ہوتی ہے۔ و۱۳۷ جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کر دی گئی۔ یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا۔ جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق، جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائے گا، جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی، جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کے لیے موجود ہوگا، جو پڑھنا وہ چاہے گا وہی کتابیں اس کے لیے فراہم ہو جائیں گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ دنیا کی مختصری زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے ماتحت کر دینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت و محکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی، لازوال، غیر منقطع ہوگی! —— کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان راحتوں اور مسرتوں کا نہیں کر سکتا و۱۳۸ یہ وہی استقبال کرنے والے فرشتے مؤمنین سے کہیں گے۔ دہشت اور ہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن اہل ایمان کو دہشت کیوں ہونے لگی۔ انہیں تو خواب موت سے جاگتے ہی تسکین، تشفی، دلدہی کے لیے فرشتے مل جائیں گے، جو اعزاز و اکرام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے تائید ہوتی ہے اس مقولہ کی کہ اہل اللہ کو فرح دائم میسر رہتا ہے اور عظمت کبریا سے جو خوف ان کے دلوں پر طاری رہتا ہے وہ اس کے منافی نہیں بلکہ وہ تو عین مقتضا عبدیت کا ہے۔ و۱۳۹ قرآن مجید وقوع قیامت اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں دونوں کا ذکر اسی کثرت اور اسی قطعیت کے ساتھ اسی لیے کرتا ہے کہ مخاطبین کے دل میں عقیدۂ آخرت راسخ ہو جائے۔ ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدۂ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے بلکہ جزم کامل و وثوق کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور قال حال بن جائے۔ و۱۴۰ زبور کہتے ہیں ہر لکھی ہوئی کتاب کو اور الزبور اسم جنس ہے ہر کتاب آسمانی کے لیے۔ لغت کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو پ۱۵ حاشیہ نمبر ۳۵ یہاں بھی محققین نے مراد الزَّبُوْر سے کل کتب آسمانی بطور اسم جنس لی ہیں۔ عنى بالزبور كتب الانبياء كلها التي انزلها عليهم (ابن جریر) مجاہد نے کہا ہے کہ الزَّبُوْر کتاب ہے۔ الزبور الكتاب (ابن جریر۔ عن مجاہد) ابن زید تابعی سے منقول ہے کہ الزَّبُوْر کتب آسمانی ہیں۔ الزبور الكتب التي انزلت على الانبياء (ابن جریر۔ عن ابن زید) و۱۴۱ ذکر کے معنی حدیث صحیح میں لوح محفوظ کے آچکے ہیں۔ ایک حدیث کے درمیان آتا ہے كان الله و لم يكن شيء قبله و كان عرشه على الماء و كتب في الذكر كل شيء و خلق السموت والارض (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) یہی حدیث خفیف تغیر کے ساتھ کتاب التوحید میں بھی نقل ہوئی ہے۔ جہاں ذکر کے صریح معنی لوح محفوظ کے ہیں۔ اي في محل الذكر اي في اللوح المحفوظ (فتح الباری) اي اللوح المحفوظ (عینی) اي في اللوح المحفوظ (مجمع البحار) آیت میں بھی مراد اس نوشتہ سے لی گئی ہے جو آسمان پر ہے یعنی وہی لوح محفوظ۔ عنى بالذكر ام الكتاب التي عنده في السماء (ابن جریر) ابن زید تابعی مجاہد تابعی اور سعید بن جبیر تابعی سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ الذكر الذي في السماء (ابن جریر۔ عن سعید) الذكر ام الكتب الذي تكتب فيه الاشياء قبل ذلك (ابن جریر۔ عن ابن زید) الذكر ام الكتب عند الله (ابن جریر۔ عن مجاہد) خود امام جریر نے بھی ترجیح اسی معنی کو دی ہے۔ و اولى هذه الاقوال عندي بالصواب في ذلك ما قاله سعيد بن جبير و مجاهد۔ اور ثوری نے صراحت کے ساتھ اس کے معنی لوح محفوظ کے بتائے ہیں۔ هو اللوح المحفوظ (ابن کثیر۔ عن الثوری) و۱۴۲ قرآن میں الارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ (الزمر) چنانچہ یہاں بھی یہی معنی محققین سے منقول ہیں اور اس طبقہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لے کر اکابر تابعین تک سب ہی شامل ہیں۔ قال ابن عباس ارض الجنة و كذا قال ابو العالية و مجاهد و سعيد بن جبير و الشعبي و قتادة و السدي و ابو صالح و الربيع بن انس و الثوري (ابن کثیر) يعني بذلك ان ارض الجنة يرثها عبادي العاملون بطاعته (ابن جریر) الفاظ کی اس تشریح کے بعد مطلب بالکل صاف ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دینے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ زمین بہشت کے مالک تو بندگان صالح شریعت پر چلنے والے ہی ہوں گے۔ گویا آیت تمامتر مؤمنین کے حق میں ایک بڑی بشارت اخروی ہے۔ لیکن یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ”ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داؤد علیہ السلام) میں لکھ رکھا ہے بعد نصیحت کے کہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے“۔ چنانچہ بہت سے اہل تفسیر ادھر بھی گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت مؤمنین کے حق میں ایک بشارت دنیوی نعمت یعنی زمینی بادشاہت کی ہوگی۔ اور اگر الارض سے مراد ارض موعود لی جائے، یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے مراد بھی لی ہے) جب تو یہ پیشگوئی عہد صحابہ میں پوری طرح پوری ہو کر رہی۔ صحیفۂ زبور میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں: ”صادق زمین کے وارث ہوں گے“ (۳۷: ۲۹) و۱۴۳ اور وہ رحمت و مہربانی یہی ہے کہ قرآن

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے سو اب بھی تم مانتے ہو؟ پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَإِنْ أَدْرِيْٓ أَقَرِيْبٌ أَمْ

تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا وف ۱۴۴ اور میں نہیں خبر رکھتا کہ کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے آیا

بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ إِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

وہ قریب آ گیا ہے یا وہ دور و دراز ہے وف ۱۴۶ بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں خبر نہیں رکھتا وف ۱۴۷ شاید کہ وہ تمہارے لئے امتحان ہی ہو

وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا

اور ایک (خاص) وقت تک کے لئے تمتع وف ۱۴۸ (پیغمبر نے) کہا وف ۱۴۹ کہ اے میرے پروردگار تو فیصلہ کر دے حق کے موافق

الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

وف ۱۵۰ اور ہمارا پروردگار بڑا رحمت والا ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم بنایا کرتے ہو وف ۱۵۱

آیاتها ۷۸ — ۲۲ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ — رکوعاتها ۱۰

اس میں ۷۸ آیتیں — سورۂ حج مدنی ہے — اور ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

چیز ہے وف ۱ جس روز تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول

کے مخاطبین رسول کے پیام ہدایت کو قبول کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے لائے ہوئے نظام کے سانچہ میں ڈھالیں۔ فلاح کونین وسعادت دارین صرف رسول کے اتباع میں ہے۔ یہاں تک کہ رسول کا غزا و قتال بھی دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوتا ہے۔ اقبال نے کتنا سچ کہا ہے ؎

لطف و قہر او سراپا رحمتے آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے ایک نکتہ یہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر بھی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں۔ جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔ وف ۱۴۴ (اہل توحید و اہل شرک کے اختلافات کے باب میں) وف ۱۴۵ (احکام الٰہی کی بھی، اور ان احکام کی عدم تعمیل کے نتائج کی بھی، اس کے بعد اب نہ میرے اوپر کوئی ذمہ داری باقی رہی، نہ تمہارے پاس کوئی عذر معذرت) عَلٰى سَوَآءٍ سے مراد ہے خوب مفصل و مدلل۔ وف ۱۴۶ پیمبر کو قطعی علم صرف وقوع عذاب اور وقوع آخرت کا رہتا ہے۔ وقت و زمانہ کی تعیین کا علم اسے نہیں دیا جاتا۔ علم کامل کی نفی جب پیمبر اور پیمبر بھی کون؟ اشرف الانبیاء سے کی جا رہی ہے تو کسی مرشد یا ولی کے لیے علم غیب کا اعتقاد رکھنا ظاہر ہے کہ کیسی کھلی ہوئی نادانی وجہالت ہے۔ وف ۱۴۷ یعنی تاخیر عذاب۔ وف ۱۴۸ امتحان اس لحاظ سے کہ شاید اب یہ ایمان لے آئیں۔ یہ ظہور رحمت ہے۔ عارضی مہلت اس اعتبار سے کہ غفلت اور بڑھتی جائے، اور تحقق عذاب کے اسباب اور بڑھ لیں۔ یہ ظہور قہر ہے۔ پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جا رہا ہے کہ مجھے ان مصالح تکوینی کا علم نہیں۔ امتحان الٰہی سے مراد ہمیشہ دنیا کی نظروں میں امتحان ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ظاہر ہے کہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ وف ۱۴۹ یہ اس وقت کہا، جب تبلیغ کے سارے مرتبے ختم ہو چکے اور اصلاح خاطر خواہ نہ ہوئی۔ وف ۱۵۰ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ جو اندھوں کو بھی نظر آ جائے۔ یعنی کافروں کی شکست وتباہی باوجود ہر ساز وسامان کے۔ وف ۱۵۱ (مثلاً یہی کہ ہم عنقریب مسلمانوں کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیں گے، یا اور کلمات کفر والحاد)

سورۂ حج وف ۱ وہ ایسی چیز نہیں جسے کوئی صحیح الحواس انسان بھولا ہوا رہے یا جسے معمولی بات سمجھتا رہے۔ رو مرنے کا مقام ہے کہ جس چیز سے قرآن مجید نے انتہائی تخویف کا کام لیا ہے، اسی واقعہ کے ذکر کو آج غیروں نے نہیں خود ''مسلمانوں'' نے ایک موضوع تفریح وتفنن کا بنا لیا ہے۔ بدنصیب شاعروں کے ہاں تو روز ہجر وشب فراق، روز قیامت سے بڑھی ہوئی مدت دراز سے چلی آ رہی تھی، اب نثر نویسوں نے قدم اس سے بھی آگے بڑھایا ہے اور قیامت کے دن پر تفریحی ڈرامے لکھنے شروع کر دیے ہیں۔

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی

وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ

اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، بلکہ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي

اللہ کا عذاب ہے ہی سخت (چیز) ف۳ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر علم (و دلیل) کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ

جھگڑا کیا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں ف۴ اس (مردود) کی نسبت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى

تو لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ ہی کر کے رہے گا اور اس کو (خدا کی حیثیت تکوینی سے)

عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ

عذاب دوزخ کی راہ دکھا دے گا ف۴ اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے کی طرف سے شک

مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

میں ہو تو (اس میں غور کر لو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ف۵ پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ

پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری (ہوتی ہیں) اور (بعض)

مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ

ادھوری تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں ف۶ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا

ایک مدت مقرر تک ف۷ پھر ہم تمہیں بچہ (بنا کر پیٹ سے) باہر لاتے ہیں تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک

ف۲ اور اسی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کی شدید حالت لوگوں کی متوالوں کی سی معلوم ہوگی۔ یہ نقشہ سب اس وقت کا کھینچا ہے جب صور پہلی بار پھنکے گا، اور قیامت شروع ہوگی۔ اور یہ سب چیزیں محض بطور مثال اندازہ کے لیے بتائی گئی ہیں۔ ''مقصود یہ نہیں کہ بس اس زلزلہ کی ہیبت اتنی ہی ہوگی، بلکہ مخاطبین کے اذہان میں چونکہ یہ ہیبت بھی عظیمہ ہے جس پر آثار مذکورہ مرتب ہوں، اس لیے اس کو ذکر کر دیا۔ پس زائد کی نفی نہیں ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہاں جو غیر سکر کو تشبیہا سکر فرما دیا گیا، اس سے صوفیہ کی اس اصطلاح کی اصل نکل آئی کہ بعض حالات باطنی کو بھی اسی مشابہت و مماثلت کی بنا پر سکر کہہ دیا جاتا ہے۔ ف۳ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت نضر بن حارث ایک مشہور معاصر کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یا پھر ابوجہل یا ابی بن خلف کے حق میں۔ لیکن آج تو اس آیت کے مصداق ایک دو نہیں صدہا، ہزارہا ''پڑھے لکھے'' نظر آئیں گے۔ کہیں نثر میں مضامین، ڈرامے اور افسانے لکھے جا رہے ہیں کہ خدا مزدوروں مفلسوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے اور اسے ذرا رحم نہیں آتا۔ کہیں نظم میں طبع آزمائی ہو رہی ہے کہ خدا سرمایہ داروں کے ظلم کو روکتا نہیں۔ اور ان کی اعانت کر رہا ہے وقس علی ہذا گویا ان بے مغز بیہودہ نگاروں کے حسب مشورہ اگر کسی دنیا کی تخلیق ہوتی تو اس میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا نہ بڑا، نہ کوئی امیر نہ کوئی مطاع، نہ کوئی دولتمند نہ کوئی مفلس، نہ کوئی بیمار نہ کوئی مجرم۔ گویا اس دنیا میں نہ اطاعت کے کوئی معنی ہوتے نہ سخاوت کے، نہ داوری کے نہ حذاقت کے نہ ہمدردی کے! اس لیے کہ یہ چیزیں تو اپنے ظہور کے لیے خود محتاج ہیں حاجت کی، غربت کی، بیماری کی، مظلومیت کی!— ایسی عجیب و غریب مساواتی دنیا کا تصور بھی جن دماغوں میں آ سکتا ہے، ان سب کی ذہنیت بس ایسی ہی ہوتی ہے کہ ہر شیطان کی دسترس اس پر بآسانی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر باتونی شیطان کی گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ف۴ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان اسے گمراہ کر کے عذاب دوزخ تک پہنچا دے گا۔ كُتِبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس کی بابت یہ مقدر ہو چکا ہے۔ طے ہو چکا ہے۔ ف۵ یعنی نوع انسانی کی ترکیب میں عنصر غالب مٹی کا ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ۔ تقدیر کلام یوں ہے کہ میں تمہیں تمہاری خلقت سے متعلق یہ خبر دیتا ہوں یا یہ کہ تم اپنے آغاز خلقت کو سوچو۔ اے فانظروا فی بدء خلقکم (بیضاوی) قیل التقدیر فاخبرکم واعلمکم انا خلقنکم (روح) ف۶ وجود انسانی کی اس ساخت، ترکیب و ترتیب کی ایک طرف یکسانی و ہمرنگی، دوسری طرف باہمی تفاوت و اختلاف دونوں چیزیں جس طرح قدرت، حکمت و صنعت پر شاہد ہیں اسی طرح اس پر بھی کہ جو پہلے اس طرح عدم مطلق سے وجود میں لا چکا ہے، اسے اب اجزائے منتشرہ کو جوڑ بٹور کر درست کر دینا کیا مشکل ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ نوعی ترکیب کے بعد، تخلیق انفرادی کا یہ پہلا قدم ہے۔ نطفہ غذائے انسانی کا خلاصہ در خلاصہ ہوتا ہے۔ عَلَقَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ میں سرخی اور غلظت پیدا ہو جائے۔ مُضْغَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب علقہ مرتب اور سخت ہو جائے۔ مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ پورے اعضا ترکیب پا جائیں۔ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ بعض اعضا ناقص رہ جائیں۔ ف۷ (یعنی وضع حمل کے عام اور معمولی وقت تک) اور جس کو ٹھہرانا ہی نہیں منظور ہوتا اس کا اسقاط و اخراج قبل ہی کر دیتے ہیں۔

أَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ

پہنچ جاؤ اور تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں ف۸ اور تم میں وہ بھی ہیں جنھیں نکمی عمر تک

إِلٰٓى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ

پہنچا دیا جاتا ہے جس سے وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہیں ف۹

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

اور تو زمین کو دیکھتا ہے ف۱۰ کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵

تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوش نما نباتات اگاتی ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهٗ

یہ (سب) اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حق ہے ف۱۱ اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّأَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ (دوبارہ) اٹھائے گا انہیں جو قبر میں ہیں ف۱۲

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا

اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے باب میں حجت کرتا رہتا ہے بغیر علم کے اور بدون

هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ

دلیل کے بدون کسی روشن کتاب کے، تکبر و گردن کشی کرتے ہوئے تاکہ (دوسروں کو بھی)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

اللہ کی راہ سے بے راہ کردے ف۱۳ ایسے شخص کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے

ف۸ (جوانی تک پہنچنے سے قبل ہی) انسان کی دو قسمیں بہ لحاظ ان کی عمر کے بیان ہوئیں۔ ایک وہ جو اپنی پختگی کو پہنچائے جاتے ہیں، دوسرے وہ جو اس سے قبل ہی اٹھا لیے جاتے ہیں۔ حکمت تکوینی دونوں ہی صورتوں میں عامل و مؤثر رہتی ہے۔ ف۹ یہ تیسری قسم کے لوگ ہوئے۔ شدت ضعیفی میں قوت حافظہ کا ضعف اور عام قوائے دماغی میں انحطاط روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ ف۱۰ (اے مخاطب!) پہلے استدلال کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کی خلقت پر غور کرو۔ تدریج و آہستگی کے ساتھ اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر ہر منزل کس حکیمانہ نظم و انتظام کے ساتھ گزاری جاتی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب نظر آتی ہے۔ مصالح تکوینی کے ماتحت کسی کو تو عمر ہی مار دیا جاتا ہے۔ کسی کو اچھے سن و سال تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور کسی کو اتنی عمر تک کہ قوت ضعف میں اور اختیار و اقتدار انحطاط و بے کسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آدمی ان کی تفصیلات پر جتنا زیادہ غور کرتا جائے گا، یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہوتی جائے گی کہ یہ نظام کائنات بخت و اتفاق کے ماتحت نہیں چل رہا ہے، بلکہ اس پر کوئی عاقل ترین، قادر ترین، کامل ترین ہستی ہی حکمران ہے۔ آیت میں صنعت و حکمت الٰہی پر دوسرا استدلال نظام فضائی و کائنات قہری سے پیش ہو رہا ہے۔ زمین کا ایک خاص حالت میں ہونا، موسم میں ایک متعین کیفیت کا پیدا ہو جانا، آفتاب میں ایک خاص درجہ کی گرمی، سمندر کا اس سے ایک خاص درجہ پر متاثر، بخارات کا صعود، ہوا میں ایک خاص قسم کی حرکت اور ایک خاص درجہ کی برودت، پانی کا ایک معین مقدار میں اور ایک خاص صورت میں یعنی قطرہ قطرہ ہو کر نزول، زمین میں بارش کا جذب ہونا، نباتات کا اس سے اپنی غذا کا کام لینا، ان میں نشو و نما کا ہونا وغیرہا علوم طبعی، کیمیاوی، ارضیاتی کے صدہا مسائل کو عملاً اس نظم و تدبیر کے ساتھ حل کرتے رہنا، کام یقیناً حکیم مطلق ہی کا ہو سکتا ہے۔ ف۱۱ (اور وہی یہ سب تغیرات ہر لمحہ و ہر آن کرتی رہتی ہے) مشاہدات کائنات سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے، یعنی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات۔ چنانچہ یہاں بھی مقصود ارشاد یہی ہے کہ یہ سارے واقعات دلیل ہیں اللہ کی قدرت، حکمت، صنعت، وحدانیت کے، اور انسان (فاعل بالارادہ مخلوق) کی مسئولیت کے۔ ف۱۲ مذاہب شرک تو بہت سے ایسے ہیں جو عقیدۂ جزا و سزا، حشر و نشر کے منکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معاصر جو اہل کتاب تھے یعنی یہود و نصاریٰ، ان میں بھی یہ عقیدہ بہت ضعیف ہو چلا تھا اور ان کے بعض بعض فرقے تو سرے سے منکر ہی ہو گئے تھے۔ ف۱۳ یعنی بجز بے عقلی اور بے علمی کی راہ سے ضلالت پھیلاتے رہنے کے یہ شخص نہ کوئی عقلی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ نقلی۔ هُدًى سے مراد ہے دلیل عقلی۔ اور كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ سے وحی الٰہی۔ اى لا ستدلال من استدلال او وحى (بیضاوی) ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ لفظی معنی ہیں اپنا شانہ پھیر لینے والا۔ مراد ہے تکبر کرنے والا، زعم و پندار میں مبتلا رہ کر روگردانی کرنے والا۔ ثنى العطف عبارة عن الكبر والخيلاء (کشاف) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت میں اشارہ خصوصی ابوجہل سے متعلق ہے۔ آج "روشن خیال" و "تجدد نواز" طبقات بھی اسی ذہنیت کو لئے ہوئے ابھرے ہیں۔ صفات الٰہی پر بڑی بلند آہنگی سے گفتگو کے لئے نکلے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ جس طرح عقل و منطق سے تہی دامن ہیں، اسی طرح کسی محقق کے اجماع سے بھی۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بغیر علم و واقفیت کسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ جائز نہیں۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٩﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

دن ہم اسے جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے ۱۴ کہ یہ تیرے ہی ہاتھ کے کرتوتوں

يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٠﴾ وَمِنَ

کا بدلہ ہے، اور یہ (ثابت ہی ہے) کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ۱۵ اور

النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر (کھڑا ہو کر) کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی نفع

خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ

پہنچ گیا (تو) وہ اس پر جما رہا اور اگر (کہیں) اس پر کوئی آزمائش آ پڑی تو وہ منہ اٹھا کر

عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

واپس چل دیا ۱۶ (یعنی) دنیا و آخرت (دونوں) کو کھو بیٹھا یہی

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

انتہائی محرومی ہے وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکار رہا ہے جو نہ اسے

يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾

نقصان پہنچا سکے اور نہ اسے فائدہ پہنچا سکے، یہی تو ہے انتہائی گمراہی ۱۷

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

وہ ایسے کو پکارتا ہے جس کا ضرر (واقعی) قریب تر ہے اس کے نفع (موہوم) سے۔ کیا ہی برا ہے (ایسا) کارساز

وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کیا ہی برا ہے (ایسا) رفیق ۱۸ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ

اور نیک عمل بھی کیے داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی

ف۱۴ دنیا میں رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسا شخص گفتگو و مناظرہ میں اہل حق کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ ف۱۵ یہ مجرمین سے فرشتے قیامت میں پکار پکار کر کہیں گے۔ ف۱۶ (کفر کی طرف) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت بجائے خود کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ اگر مسلمان رہنے سے انہیں کوئی دنیوی منافع حاصل ہو رہے ہیں تو یہ بھی اپنے کو مسلمان کہیں گے اور مسلمان سمجھیں گے۔ لیکن اگر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا تو بس یہ جھٹ سے الگ ہو گئے۔ اور کھلم کھلا بھی اپنی بے دینی کا اظہار کرنے لگے۔ آج دنیا کے ۳۰ کروڑ مسلمانوں کے اندر بھی یہ مرض کس کثرت سے پھیلتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر گویا صرف منافع دنیوی کے لحاظ سے، اور اس کی قیمت صرف مصالح مادی کے تناسب سے ہے۔ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کر لیا ہے لیکن ایسی بے دلی کے ساتھ اور ایسے اوپری دل سے کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہو اور جیسے موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ ف۱۷ توحید کی کھلی ہوئی شاہراہ کو چھوڑ کر انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ کیسے کیسے معبودان باطل کو پکارنے لگتا ہے! ... یورپ کی ''روشن خیال'' ''عقل نواز'' قوموں نے توحید وخدا پرستی کی راہ چھوڑ کر بے شمار مخلوقات کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور عملاً ان کے ساتھ وہی معاملہ شروع کر دیا ہے جو معبود کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی انہیں کو نافع اور ضار سمجھنے لگے ہیں۔ ف۱۸ یعنی نہ بڑے کی حیثیت سے کچھ کام آ رہا ہے، نہ برابر والے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا رہا ہے۔ مِنْ ضَرِّهٖ۔ جس کا ضرر یعنی جس کا موجب ضرر ہونا۔ محاورۂ عرب میں بے اصل اور غیر موجود شے پر بھی اطلاق بعید کا ہوتا ہے، بس نفع کا ابعد ہونا بہ معنی اس کے معدوم ہونے کے ہے۔ هٰذا على عادة العرب فانهم يقولون لما لا يكون اصلًا بعيدًا من نفسه كقوله ذٰلك رجعٌ بعيد اى لا رجع اصلًا (معالم) كان نفع الصنم بعيدًا على معنى انه لا نفع فيه اصلًا (معالم)

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ

بے شک اللہ کر ڈالتا ہے جو کچھ ارادہ کر لیتا ہے ف۱۹ جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ

يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہیے کہ ایک رسی

إِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ

آسمان تک تان لے پھر سلسلۂ وحی کو کاٹ دے، تو غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف

مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ أَنَّ

کرسکتی ہے؟ ف۲۰ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بنا کر) اور بات یہ ہے

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

کہ اللہ جس کے لئے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے ف۲۱ بے شک ایمان والے اور جو لوگ

هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ

یہود ہوئے ہیں اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

اَشْرَكُوْٓا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ إِنَّ

مشرک ہیں اللہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن بے شک

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ ہر شے سے واقف ہے ف۲۲ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو

يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

سجدہ (تسلیم) کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت

ف۱۹ (اور اس نے اس جزا اور سزا کا ارادہ کر لیا ہے) خدا ہی قادر مطلق ہے۔ اسی کا ارادہ سب پر غالب ہے۔ وہ خود ہی قانون ساز ہے۔ کوئی قانون اس کے اوپر حاکم نہیں۔ اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں اور مشرک فلسفیوں کا جنہوں نے خدا کو محدود الاختیار مانا ہے اور قادر کے اوپر بھی کسی "قانون قدرت" کو حاکم و نافذ سمجھا ہے۔ ف۲۰ (اور ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتی) مَا يَغِيْظُ۔ ناگواری کی چیز سے مراد ہے نصرت الٰہی۔ غاظهم الله به من نصرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما ينزل عليه (ابن جریر۔ عن ابن زید) اى الذى يغيظه من نصر الله (بیضاوی) يَنْصُرَهُ میں ضمیر رسول کی طرف ہے۔ اى لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اى لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن ابن زید) اى لن ينصر الله محمدا صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، تابعین میں کلبی، مقاتل، ضحاک، قتادہ، ابن زید، سدی، اور اہل لغت ونحو میں فراء وزجاج سے یہی تفسیر منقول ہے۔ لْيَقْطَعْ میں مفعول 'وحی' مقدر ہے۔ اى ليقطع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوحی (ابن جریر۔ عن ابن زید) اى ليقطع الوحى ان ينزل عليه ("کشاف")" حاصل یہ ہوا کہ نصرت الٰہیہ آپ کے ساتھ بوجہ وحی ونبوت کے ہے، سو آپ کی ناکامی کی سعی کرنا اس وقت مفید ہو سکتی ہے کہ جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کر دیا جائے سو یہ ہونے کا نہیں۔ پس رہنما کے خلاف میں سعی کرنا موقوف ہے ظن عدم نصرت الٰہیہ للنبی پر۔ اور اس میں کامیابی کا سامان مجتمع کرنا موقوف ہے قدرت علی قطع الوحی پر۔ پس کلام میں اصل شرط اور جزا دونوں امر موقوف ہیں اور عبارت میں دونوں امر موقوف علیہ کو ان کے قائم مقام کر دیا گیا۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وهو احسن التفاسير وابدعها عندى (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ابن جریر نے بھی ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔ دوسرے اقوال جو نقل ہوئے ہیں مقصود و محصل ان کا بھی یہی ہے۔ واعلم ان المقصد على كل هذه الوجوه معلوم فانه زجر للكفار عن الغيظ فى ما لا فائدة فيه (کبیر) بعض عارفین نے کہا ہے کہ آیت سے رضاء بہ قضاء کی ترغیب نکلتی ہے اور کراہت قضاء الٰہی کی مذمت۔ ف۲۱ (اور ہدایت الٰہی ہی کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو بندہ اس کے لئے سعی وطلب کرتا ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کر ہی لیتا ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی اس میں بھی صرف ہمارے ہی ارادہ وقدرت کو دخل ہے۔ ف۲۲ (چنانچہ ان سب کے کفر و ایمان سے بھی خوب واقف ہے، اسے صحیح فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) إِنَّ اللّٰهَ ...... الْقِيٰمَةِ۔ اس فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ کا ظہور ہے۔ یعنی یہ کہ قیامت میں مسلمان جنت میں داخل ہو جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ الْمَجُوْسَ۔ مجوس وہ اہل مجم ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم ایک نبی زرتشت نامے کی امت ہیں۔ لیکن اب وہ عملاً توحید کے بجائے ثنویت کے معتقد ہیں۔ یعنی ایک کے بجائے دو خدا قرار دے لئے ہیں۔ ایک یزدان یعنی خدائے نور وخدائے خیر۔ دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت وخدائے شر۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات انہیں دونوں کی کشمکش کی رزمگاہ ہے۔ فقہاء امت نے انہیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کی طرح یہ بھی جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، الَّذِيْنَ هَادُوْا، الصّٰبِئِيْنَ، النَّصٰرٰى، الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ایک آیت اسی سے کچھ ملتی ہوئی سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکی ہے۔

وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور چوپائے اور کثرت سے انسان بھی ف۲۳ اور بہتوں پر عذاب (بھی) ثابت

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ

ہو گیا ہے ف۲۴ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۞ ١٨ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا

اللہ جو چاہے کرے ف۲۵ یہ دو فریق ہیں ف۲۶ جنہوں نے اپنے پروردگار

فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

کے باب میں اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے

نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۞ ١٩ يُصْهَرُ

جائیں گے ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا اس سے گل جائیں گی

بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۞ ٢٠ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ

ان کے پیٹ کی چیزیں ف۲۷ اور کھالیں اور ان کے (مارنے کے) لئے گرز ہوں گے

حَدِيْدٍ ۞ ٢١ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

لوہے کے وہ لوگ جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے

اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ٢٢ اِنَّ اللّٰهَ

اسی میں دھکیل دیے جائیں گے (اور) جلنے کا عذاب چکھتے رہو ف۲۸ بے شک اللہ

يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

کہ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی وہاں ان کو کنگن سونے کے

ف۲۳ سجدہ سے مراد یہاں سجدہ شرعی نہیں، بلکہ لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی امور تکوینی میں انقیاد و اطاعت اور اسی اعتبار سے اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے ساری غیر مکلف مخلوق مطیع و منقاد ہے۔ لیکن انسان چونکہ عقل کی بنا پر مکلف مخلوق ہے، اس سے اس کے درجہ و مرتبہ کے مناسب، علاوہ انقیاد تسخیری کے انقیاد تشریعی بھی مقصود و مطلوب ہے اور وہ ساری نوع انسان میں نہیں پایا جاتا۔ اس لیے انسان کے مطیع و منقاد ہونے کو بہ طور کلیہ کے نہیں۔ بلکہ محض بطور اکثریت کے ارشاد فرمایا گیا۔ "دیگر مخلوقات مذکورہ آیت چونکہ مکلف نہیں ہیں اس لیے ان کے مناسب صرف انقیاد تکوینی و تسخیری ہے اور وہ ان سب میں متحقق ہے۔ اور انسان مکلف ہے۔ اس لیے اس کے مناسب علاوہ انقیاد تسخیری و تکوینی کے انقیاد تشریعی و اختیاری تھی ہے۔ پس 'یسجد' میں 'مناسب' کی قید لگا دینے سے سجدہ کا تحقق دیگر مخلوقات کے لئے عام ہو گیا۔ اور انسان کے لئے صرف بعض افراد کے اعتبار سے ہوا۔" (تھانوی رحمہ اللہ) "اور سجدہ کے معنی حقیقی کے لئے جبہہ کا وجود ضروری ہے اور جبہہ ہر مخلوق میں متعین ہے۔" (تھانوی رحمہ اللہ) سجدہ کے لغوی معنی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ف۲۴ (اسی لئے کہ وہ غیر ساجد یعنی غیر منقاد ہیں) العذاب۔ عذاب سے مراد استحقاق عذاب ہے۔ ف۲۵ وہ حکیم مطلق بھی ہے اور قادر مطلق بھی۔ وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے ہدایت دیدے اور جسے چاہے اقتضائے حکمت سے توفیق نہ نصیب کرے۔ ؤ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ۔ اللہ کا کسی کو ذلیل کرنا یہی ہے کہ اسے توفیق ہدایت نہ دے۔ ف۲۶ یعنی ایک طرف مومن، دوسری طرف کافر مع اپنے تمام اقسام کے۔ ف۲۷ توریت کا تو خیر ذکر ہی نہیں۔ انجیل جو عام طور پر تمامتر رحم و کرم، شفقت و رحمانیت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بھی دوزخ کے ہولناک مناظر بار بار پیش کئے گئے ہیں۔ حوالے پیشتر گزر چکے۔ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ۔ یعنی انتڑیاں وغیرہ۔ ف۲۸ (ہمیشہ کے لئے اور تمہیں کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا) یہ فرشتے اہل دوزخ سے کہیں گے۔

السجدة ١٤

ع ٢/٩

مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۭ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی ریشم کی پوشاک ہوگی ف۲۹

وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَ هُدُوْٓا اِلٰى

اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی کلمۂ طیبہ کی طرف اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی (خدائے) لائق حمد کے

صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ

راستہ کی جانب ف۳۰ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اللہ کی راہ سے ف۳۱ اور مسجد حرام سے ف۳۲ جس کو ہم نے مقرر کیا ہے

لِلنَّاسِ سَوَاۗءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ۭ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

لوگوں کے واسطے کہ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (سب) برابر ہیں ف۳۳ اور جو کوئی بھی اس کے اندر

بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ وَ اِذْ بَوَّاْنَا

کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے ف۳۴ اور (وہ وقت یاد لائیے) جب ہم

لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا

نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتادی ف۳۵ (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ف۳۶

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَ الْقَاۗىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ

اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود

السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا

کرنے والوں کے لئے ف۳۷ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے

وَّ عَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾

اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی ف۳۸

ع ۳

ف۲۹ زیور اور ریشم اس دار العمل میں مردوں کے لئے ناجائز ہیں۔ جنت میں جو صرف دار الجزاء ہے اور جس کے قانون اور ضابطے دار العمل سے بالکل مختلف ہوں گے وہاں بالکل جائز ہو جائیں گے۔ ف۳۰ (اسی دنیا میں اور یہ جنت کا انعام واکرام سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہے) الطَّيِّبِ۔ طیب کا اطلاق ہر پاکیزہ نافع چیز پر ہوسکتا ہے۔ یہاں مراد ہے کلمۂ طیبہ توحید۔ بعض نے مراد قرآن وغیرہ لی ہے۔ ماحصل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ ف۳۱ یعنی دین کے کام سے۔ یہاں مراد عمرہ ہے۔ ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کا قصد کیا تھا تو مشرکین مکہ نے آپ کو مقام حدیبیہ پر آکر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اشارہ اسی طرف ہے۔ مفصل ذکر پ۲۶ سورۂ فتح کے ذیل میں آئے گا۔ ف۳۲ یعنی حرم مکہ ہے۔ شریعت کی مخالفت تو سب ہی جگہ موجب عذاب ہے۔ حرم کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد حرام سے مراد یہاں پورا رقبہ حرم ہے۔ والمراد بالمسجد الحرام مكة وعبّر به عنها (روح) فيه قولان . . الثاني انه اراد به الحرم كله (ابن العربی) ف۳۳ (اس کے مأمن ومرجع ہونے کی حیثیت سے) حرم محترم کے دروازہ ہر مومن موحد کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ کسی کے واسطے اسے کوئی خصوصیت نہیں۔ پردیسی اور وطنی، ملکی وآفاقی دونوں اس پر یکساں حق رکھتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے اسی آیت سے اخذ کرکے لکھا ہے کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے۔ کسی کو اس میں ملک کا دعویٰ کرنا یا کسی کو ان حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں، نہ یہاں اراضی کا کرایہ لینا درست ہے۔ مکہ کے مکانات کی بیع کی کراہت پر خود تابعین اور صحابہ کی روایات موجود ہیں، اور یہ بجائے خود دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے نزدیک بھی مسجد حرام سے یہاں مراد سارا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد حرام روی عن الصحابة والتابعين ما وصفنا من كراهة بيع بيوت مكة وان الناس كلهم فيها سواء وهذا يدل على ان تاويلهم لقوله تعالى والمسجد الحرام للحرم كله (جصاص) ف۳۴ جو کوئی ایسے خلاف دین کام کا ارادہ کرے گا اور پھر ظلم کے ساتھ، اسے یقیناً عذاب شدید بھی بھگتنا ہے۔ مَنْ...... بِظُلْمٍ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ من يرد فيه الحادًا بظلم (ابن جریر) بِظُلْمٍ۔ ظلم سے مراد شرک بھی لی گئی ہے۔ اے بشرك (ابن عباس ؓ) هو ان يعبد فيه غير الله (ابن جریر۔ عن مجاہد) وكذا قال قتادة وغير واحد (ابن کثیر) بالحاد میں ب زائد ہے۔ ف۳۵ الْبَيْتِ۔ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ۔ بَوَّاْنَا یعنی خانہ کعبہ کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔ حضرت ابراہیم ؑ نے ہدایت غیبی پاکر خود وہاں تعمیر شروع کی۔ یہ سارا بیان حرم محترم کی عظمت مزید ظاہر کرنے کو اور مجرموں کی مزید تہدید کے لئے ہو رہا ہے۔ ف۳۶ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) ذکر بیت کے ساتھ ہی ممانعت شرک کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی ناسمجھ کو تعظیم بیت سے پرستش بیت کا اور اس کے معبد ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے۔ ان مفسرہ ہے اور قائلین له یہاں مقدر مانا گیا ہے۔ ان هي المفسرة للقول المقدر اي قائلين له (مدارک) ف۳۷ اس حکم تطہیر میں نجاستیں مادی ومعنوی دونوں قسموں کی آگئیں۔ الفاظ آیت سے بعض عارفوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ بعض اوقات طالب کی بھی بعض خدمتیں شیخ کے ذمہ واجب ہو جاتی ہیں۔ ف۳۸ مقصود یہ ہے کہ جو آنے والے ہیں ہر حال میں آئیں گے۔ خواہ سواری نصیب نہ ہو، پیدل ہی آنا پڑے۔ سواری کے جانور ملیں مگر مشقت سفر سے وہ ہلکان ہو ہو جائیں۔ یا مسافت بہت دور دراز کی طے کرنا پڑے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ ہذا) ابراہیم ؑ کو اس اعلان کا حکم اس وقت ملا تھا جب دنیا نہ تار سے واقف تھی نہ ٹیلیفون سے نہ مائیکروفون سے نہ لاؤڈ اسپیکر سے۔ لیکن ابراہیم ؑ نے خدا معلوم کس لاہوتی اسٹیشن سے اور کس ملکوتی میٹر پر اس پیام کو نشر کیا کہ روئے زمین کے ہر براعظم کے ایک ایک گوشہ میں سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں یہ آواز پہنچ گئی اور ہزاروں برس گزر چکے کہ خلقت آج تک اس بے آب وگیاہ سرزمین کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ حکم ملا ہے تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز کون سب کے کانوں تک پہنچائے گا؟ جواب ملا کہ ہم! — اتنا بلیغ، موثر، سچا جواب مخلوق کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتا تھا، خالق ہی کے لیے ممکن تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ سفر حج پیدل بھی اور سواری پر بھی دونوں طرح جائز ہے۔ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ۔ يقتضي اباحة الحج ماشيا وراكبا و لا دلالة فيه على الافضل منها (جصاص)

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

تاکہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں ف۳۹ اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں ف۴۰

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

پس تم بھی ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ ف۴۱ پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں ف۴۲ اور اپنے واجبات کو پورا کریں ف۴۳ اور چاہیے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں ف۴۴

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا ف۴۵ اور اللہ نے حلال کردیئے ہیں تمہارے لئے چوپائے بجز ان کے کہ جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ف۴۶ سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچے رہو جھوٹی بات سے ف۴۷

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر کے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو جیسے وہ گر پڑا آسمان سے پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ

ف۳۹ فوائد سے مراد اصلاً تو منافع اخروی ہیں مثلاً حج، عمرہ رضاء حق۔ اور تبعاً دنیوی بھی مثلاً تجارت، البتہ منافع دنیوی کو مستقل مقصود بنالینا ممنوع ہے۔ ظاهره يوجب ان يكون قداريد به منافع الدين و ان كانت التجارة جائزة ان تراد (جصاص) و يدخل فيها منافع الدنيا على وجه التبع و الرخصة دون ان تكون هي المقصودة بالحج (جصاص) اسلام کے ہر رکن اور ہر عبادت کی طرح حج کے فوائد و مصالح بھی بے شمار ہیں۔ انفرادی و شخصی بھی اور ملی و اجتماعی بھی، اور مادی و روحانی بھی۔ احکام الٰہی کی تعمیل بجائے خود ایک سب سے بڑی روحانی لذت ہے۔ پھر اسلام کے مولد، سردار اسلام کے وطن اور ان تمام مقامات کی زیارت جن سے اسلام و سردار اسلام دونوں کی اولین تاریخ وابستہ ہے کس درجہ سبق آموز، ولولہ انگیز و موثر ہو سکتی ہے۔ دنیوی و ملی حیثیت کو لیجئے تو مسلمانان عالم کے درمیان تبادلۂ خیالات اور یک جہتی پیدا کرنے کے لیے، نیز بین الاقوامی تجارت و سیاست کے لیے اس سالانہ عالمگیر اجتماع سے بہتر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور افراد کو جو تجربے لیے اور اکثر بحری سفر کے ہو جاتے ہیں وہ ان سب کے علاوہ۔ (ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی) ف۴۰ چوپایوں سے مراد قربانی کے جانور، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہیں۔ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں معلوم سے مراد قربانی کی تاریخ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ هي عشر ذي الحجة عند ابي حنيفة و اخرها يوم النحر و هو قول ابن عباس رضی اللہ عنہما و اكثر المفسرين (مدارک) روي عن علیؓ و ابن عمر ان المعلومات يوم النحر و يومان بعده (جصاص) قربانی کا منکر سطحی دماغ والا گروہ حال میں پیدا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں کہیں قربانی کا ذکر نہیں ہے۔ کاش وہ قرآن ہی پر غور کرنا سیکھے اور اس آیت سے قربانی کی اہمیت کا سبق لے۔ ف۴۱ فقہاء مفسرین نے تصریح کی ہے کہ صیغۂ امر یہاں استحبابی ہے۔ فرضیت کے مفہوم میں نہیں۔ الامر للاباحة (مدارک) ظاهره يقتضي ايجاب الاكل الا ان السلف متفقون على ان الاكل منها ليس على الوجوب (جصاص) و لا خلاف من السلف و من بعدهم من الفقهاء ان قوله فكلوا منها ليس على الوجوب (جصاص) ف۴۲ یعنی احرام (حج کی وردی) اتار دیں، حجامت بنوائیں، غسل کریں و قس على هذا۔ احرام و لبیک کے ساتھ ہی حاجی پر ایک عاشقانہ و مستانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہزار ہا انسانوں اور جانوروں کے ہجوم میں دھکم دھکا، گرد و غبار، جسم اور جامۂ احرام گرد آلود۔ اجازت نہ خط بنوانے کی نہ ناخن کٹانے کی نہ تیل لگانے کی۔ اب حکم ہوتا ہے کہ وہ ممانعت کا زمانہ ختم ہوا۔ اب آزادی سے نہائیں دھوئیں، کپڑے بدلیں، تیل لگائیں، خط بنوائیں وغیرہا۔ ف۴۳ نذر کے تحت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی گئی ہو۔ یہاں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو خود عمل حج کے ضمن و ذیل میں لازم ہوں، مثلاً منیٰ میں تین نشانوں پر کنکریاں پھینکنا یا جو قربانیاں وغیرہ از خود اپنے اوپر لازم کر لی گئی ہوں۔ وَلْيُوْفُوْا۔ صیغۂ امر وجوب کے معنی میں ہے۔ والامر على الوجوب (جصاص) نذر جس مراد کے لیے بھی مانی جائے، چاہیے کہ ہمیشہ اللہ ہی کے نام کی ہو۔ کسی اور کے نام کی نذر حرام ہے۔ ف۴۴ یہ طواف فرض ہے اور اصطلاح فقہ میں طواف الزيارة یا طواف الافاضه کہلاتا ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ یہاں بھی صیغۂ امر وجوب ہی کے لیے ہے۔ ظاهره يقتضي الوجوب لانه امر والا وامر على الوجوب (جصاص) الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ عتیق کے ایک معنی تو خود قدیم کے ہیں۔ قيل للقديم العتيق (راغب) العتيق القديم (ابن جریر۔ عن ابن زید) العتيق القديم قاله الحسن و ابن زيد (بحر) سمي به لانه قديم (معالم۔ عن الحسن و ابن زید) یعنی وہ گھر جو شروع ہی سے معبد الٰہی ہے۔ خانۂ کعبہ کی تاریخ اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ خود تاریخ کو بھی اب یاد نہیں رہی ہے۔ اب اس کی قدامت کی شہادت خود مخالفین بھی دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ دوسرے معنی خانۂ محفوظ کے ہیں۔ یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے اور جباروں کی گرفت سے آزاد رہا ہے۔ المعتقى من الجبابرة قاله ابن الزبير و ابن ابي نجيح و قتادة (بحر) ف۴۵ یعنی احکام مخصوص کا بیان تو ہو چکا۔ اب عام کلیہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جو بھی احکام الٰہی ہے، جو کوئی ان کا ادب و لحاظ رکھے گا علماً اس طرح کہ انہیں حاصل کرے اور عملاً اس طرح کہ ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ سو یہ احکام الٰہی کا ادب و احترام اسی کے کام آئے گا۔ اور سبب بن جائے گا بلندی درجات کا، عفو سیئات کا، حصول خیر و برکات کا۔ حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔ جو چیزیں بھی محبت و تقرب سے اللہ کی جانب منسوب ہیں وہ سب اس میں داخل ہو گئیں مثلاً احکام الٰہی، کتب دینی، مکانات مقدس، اوقات متبرک، بندگان مقرب (ملائکہ، انبیاء، صالحین) آثار کاملین وغیرہا۔ لَهٗ میں لٰ تخصیص کا ہے۔ یعنی فائدہ خود اسی کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ ف۴۶ یعنی بجز ان چوپایوں کے جن کی حرمت قرآن ہی کی دوسری آیتوں میں مذکور ہے اور سب چوپائے تمہارے لیے حلال ہیں۔ حدود حرم کے اندر ممانعت شکار کی ہے نہ کہ ذبح کی۔ ف۴۷ (خصوصاً شرک جیسے کذب اعظم سے) قَوْلَ الزُّوْرِ۔ جھوٹی بات کے تحت میں ہر جھوٹ آ جاتا ہے۔ لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کلمۂ توحید کے برخلاف کلمۂ شرک کا اقرار ہے۔ الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ گندگی یہی کہ بتوں کو معبودیت میں شریک کر لیا جائے۔

سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

جا پھینکا ف۴٨ یہ بات ہو چکی۔ اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

پرہیزگاری میں سے ہے ف۴٩ تمہارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنا (جائز ہیں) ایک

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ وَ لِكُلِّ

مدت معین تک ف٥٠ پھر اس (کے ذبح) کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے ف٥١ اور ہم نے ہر ایک

اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

امت کے لئے قربانی رکھ دی تھی ف٥٢ تاکہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو

رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں ف٥٣ سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے ف٥۴

فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا

تم اسی کے آگے جھکو ف٥٥ اور آپ خوش خبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو ف٥٦ جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ف٥٧ اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر

اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور (ان کو) جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے

يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

انہیں دے رکھا ہے ف٥٨ اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگار بنا دیا ہے ف٥٩

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

تمہارے حق میں ان ہی کے اندر بھلائی (رکھ دی گئی) ہے سو تم انہیں کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو ف٦٠

ف۴٨ غرض یہ کہ بری طرح ہلاک ہی ہوا۔ تو جس طرح وہ بدنصیب منزل مقصود سے بہ مراحل دور پڑ گیا، اسی طرح یہ بدنصیب مشرک بھی راہ حق بالکل کھو بیٹھا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تشبیہ میں شکاری پرندوں سے مراد نفس کے اوہام اور وسوسے ہیں اور ہوا کے جھکڑ سے مراد شیطان کا حملہ ہے۔ ف۴٩ شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے یہاں خاص طور پر قربانیاں مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ احکام الٰہی کی عام تعظیم و احترام کا کلیہ تو بیان ہو چکا۔ اب تاکیدی حکم قربانیوں کے باب میں دیا جا رہا ہے۔ او پر شرک کی مذمت بار بار ہو چکی تھی۔ اس آیت نے اسے کھول دیا کہ شرک بری چیز ہے لیکن غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی جانب منسوب و منتسب ہیں ان کی تعظیم و تکریم تو عین جزو دین ہیں۔ فقہاء نے کہا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع و ناجائز ہے۔ لیکن بہ لحاظ نسبت و تقرب ذات الوہیت جائز و مشروع ہے۔ بعض عارفوں نے یہاں سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ تقویٰ کا اصل محل قلب ہے۔ دوسرے یہ کہ شعائر دین کی (جن کے اندر انبیاء و اولیا کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدود شرعی کے اندر خود مشروع ہے۔ ف٥٠ یعنی جب تک وہ جانور، بہ قاعدۂ شرعی ''ہدی'' نہ بنا دیا جائے، اس جانور سے اور کام لینا، مثلاً اس پر سواری، باربرداری، دودھ وغیرہ سب جائز ہیں۔ ف٥١ یہاں بیت العتیق سے مراد کل حرم ہے۔ یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے، اس سے باہر نہیں۔ اَلْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے لفظی معنی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۴۔ ف٥٢ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر پچھلی شریعت میں موجود رہا ہے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں اور اہل کتاب کے مذہب (یعنی مذہب بنی اسرائیل) میں تو قربانی مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آج منکرین کا جو گروہ کہہ رہا ہے کہ قربانی کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ کاش وہ آیت نمبر ٢٩ کی طرح اس آیت پر بھی غور کر نا سیکھے! لِيَذْكُرُوا ...... الْاَنْعَامِ۔ یعنی مقصود اصلی تو بس اللہ کے نام کی تعظیم اور اللہ کے نام سے حصول تقرب رہا ہے، مذبوح اور مذبح کی حیثیت صرف آلہ اور ظرف کی ہے۔ بعض اہل علم صوفیہ نے مفہوم آیت کے عموم و اطلاق سے اہل باطن کے مسلکوں میں اختلاف کے باوجود اتحاد مقصود کا نکتہ بھی نکالا ہے۔ ف٥٣ مقصود اصلی بس اسی کی تعظیم ہے۔ حرم، ہدی وغیرہ کے آداب و احکام سب اسی غایت کے لیے ہیں۔ ف٥۴ (سو نہ تو کسی غیر اللہ کے آگے بھینٹ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھ کر ہرگز اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو) ف٥٥ (جنت و رضاء الٰہی کی) اَلْمُخْبِتِيْنَ۔ یعنی احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والوں کو۔ ف٥٦ یعنی اس کی ذات کا، صفات کا، احکام کا، وعدہ وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ف٥٧ گویا توحید خالص چیز ہی ایسی بابرکت ہے کہ اس سے یہ تمام کمالات اخلاقی و روحانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف٥٨ (اور اس کی عظمت توحید کو اور زیادہ ظاہر کرنے والے۔ چنانچہ یہی حکم کہ اللہ کی جانب منسوب و نامزد ہو جانے کے بعد پھر اس جانور پر حکم اس کے مالک کا نہیں چل پاتا۔ مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر کرنے کو بالکل کافی ہے۔ سو کہیں تم ان قربانی کے جانوروں ہی کو معظم بالذات نہ سمجھ بیٹھنا) اَلْبُدْنَ۔ بُدن جمع ہے بدنہ کی۔ اصل معنی ہیں موٹے تازہ تیار اونٹ کے۔ الابل العظام الاجسام الضخام (ابن جریر) لیکن اہل عربیت نے اس سے گائے اور اونٹ دونوں مراد لیے ہیں اور یہی مذہب فقہاء حنفیہ کا ہے۔ البقرة و البعير (ابن جریر۔ عن عطاء) هي من الابل و البقر كالا ضحية من الغنم (قاموس) و هو مذهب الحنفية و هو قول عطاء و سعيد بن المسيب (روح) قربانی کے دوسرے جانور یعنی بھیڑ اور بکری بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ ف٥٩ اصل بھلائی تو یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے حصول اجر و رضاء الٰہی کا موقع ملتا ہے۔ اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً ان کا گوشت کھانا کھلانا۔ ايے نفع في الدنيا و اجر في الآخرة (روح۔ عن ابن عباس ﷺ والسدی) ای اجر و منافع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف٦٠ یہ خاص ذکر اونٹ کی قربانی کا ہے۔ اسی کو اس طریقہ پر ذبح کیا جاتا ہے۔ بدنہ کا اصل اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے اور اسی کی قربانی افضل بھی ہے۔ لفظ صَوَآفَّ سے بعض صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ عبادات میں صف بندی کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً نماز میں، جہاد میں، قربانی میں۔ اس لیے صوفیہ مشائخ کے حلقۂ ذکر بھی جو در حقیقت غیر اللہ کے مقابلہ کے لیے میدان جہاد اور خودی کے حق میں قربان گاہ ہیں اسی اصل کی ایک فرع ہیں۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ

پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں ف۶۱ تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور بے سوالی

وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور سوالی کو بھی کھلاؤ ف۶۲ ہم نے اسی طرح ان (جانوروں) کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو ف۶۳

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ

اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ف۶۴ البتہ اس کے پاس تمہارا

التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

تقویٰ پہنچتا ہے ف۶۵ اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے زیر حکم کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اس نے تمہیں ہدایت دی ف۶۶ اور آپ اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجیے ف۶۷ بے شک اللہ

یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ

ایمان والوں سے دور کر دے گا (مشرکوں کے غلبہ و اقتدار کو) ف۶۸ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا کسی

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ

دغاباز ناشکرے کو ف۶۹ (اب لڑنے کی) اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے ف۷۰ اس لئے کہ ان پر

ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِیْنَ

(بہت) ظلم ہو چکا ف۷۱ اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے ف۷۲ جو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا

اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

ہمارا پروردگار اللہ ہے ف۷۳ اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے

ف۶۱ (اور گر کر ٹھنڈے ہو جائیں) وہی اونٹ کے طریق ذبح کا بیان ہو رہا ہے۔ ف۶۲ (کہ یہ دو قسمیں ہیں اہل حاجت کی) قانع وہ ہے جو صبر کیے بیٹھا ہے، جو کچھ بھی مل جائے اسے قبول کر لیتا ہے۔ معتر وہ ہے جو بے قرار ہو کر مانگتا رہتا ہے۔ آیت میں امر دو آتے ہیں اور دونوں امر وجوب کے لیے نہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ پہلا امر (یعنی کُلُوْا) اباحت و جواز کے لیے ہے۔ اور دوسرا امر (اَطْعِمُوْا) ندب و استحباب کے لیے ہے۔ لیکن بعض عارفین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کا گوشت اہتمام کے ساتھ تناول فرماتے تھے جو دلیل ہے اس کے مندوب ہونے کی، راز اس کا یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ کی جانب منسوب ہو جائے وہ بے شک اس قابل کہ اس سے رغبت کی جائے۔ اور اسی بنا پر مباحات سے اس نیت کے ساتھ متمتع ہونا مطلوب ٹھہرا۔ ف۶۳ (اس نعمت تسخیر پر) اونٹ اور گائے بیل کا انسان سے قوی تر ہونا ظاہر ہے۔ انسان کا باوجود اپنے ضعف کے ان پر قادر ہو جانا ایک مخصوص نعمت الٰہی ہے۔ قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ اسلام میں محض ایک توحیدی عبادت ہے۔ خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، بلکہ اسی کی طرف توجہ جمانے والی، رشتہ عبودیت کو اور محکم کرنے والی۔ ف۶۴ (جیسا کہ مشرک قوموں کا عقیدہ بھینٹ چڑھا کر اپنے دیوتاؤں خداؤں سے متعلق ہے) اہل کتاب تک قربانی یعنی جانوروں کے خون بہانے کو ایک ذریعہ کفارہ کا سمجھتے تھے۔ عہد عتیق میں ہے:۔ "بدن کی حیات لہو میں ہے۔ سو میں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لیے کفارہ ہو، کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے سو لہو ہے"۔ (احبار۔ ۱۷:۱۱) اور عہد جدید میں ہے:۔ "تقریباً ساری چیزیں شریعت کے مطابق خون سے پاک کی جاتی ہیں اور بغیر خون بہے معافی نہیں ہوتی"۔ (عبرانیوں ۹:۲۲) اور مشرک قوموں کا تو ذکر ہی کیا۔ اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی دعوت آسمان پر ہوتی ہے۔ ان کے نام پر جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں، اسے کھاتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نفس ذبح کی نیت جو ایک فعل قلب ہے، باری تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص رہنا چاہیے اور غیر اللہ کی رضا و تقرب کی خاطر جانور ذبح کرنا ایک صورت شرک کی ہے۔ البتہ گوشت کھانے کھلانے یا اسی قسم کے اور فوائد حاصل کرنے کے لیے ذبح بالکل جائز ہے کہ گوشت و دم وغیرہ سے وہ ذات بالکل بے نیاز و بری ہے۔ ف۶۵ یعنی اجر تو تمہارے اخلاص و نیت تقرب پر ملتا ہے "آیت نے قربانی کے سلسلہ میں ایک بڑی اہم اصل کا بیان کر دیا"۔ ف۶۶ (اور راہ حق پر قائم رکھا، ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح کفارہ وغیرہ کے عقائد باطلہ و شرکیہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے۔ ف۶۷ (اے ہمارے پیغمبر!) احسان یہاں اخلاص کے معنی میں ہے۔ المحسنین ای المخلصین (بیضاوی) ف۶۸ (مستقبل قریب میں چنانچہ مشرکین مکہ کو اس پر قدرت نہ باقی رہے گی کہ وہ مسلمانوں کو اسے حج و عمرہ وغیرہ سے روک سکیں) آیت کا زمانہ نزول وہ ہے جب مکہ کی مشرک ریاست ہر طرح غالب و چیرہ دست تھی۔ اور مسلمان اس کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور و بے بس۔ ف۶۹ (سو وہ نصرت ان کی نہیں اہل ایمان کی کرے گا) کافروں، منکروں، بے دینوں کو جو مہلت مل جاتی ہے وہ اول تو عارضی ہوتی ہے، دوسرے کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت۔ ورنہ نصرت الٰہی کے اصل اور مستقل مستحق تو اہل ایمان ہی ہیں۔ ف۷۰ (خواہ مخواہ اور چھیڑ چھیڑ کر کافروں کی طرف سے) یعنی مسلمانوں کو اب تک مقابلہ اور لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ہوتے رہے۔ اور وہ یعنی خدائی فوج والے، خدائی ڈسپلن کے ماتحت ان مظالم اور چیرہ دستیوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اب پہلی بار انہیں بھی جواب دینے کی اجازت مل رہی ہے۔ یہ آیت احکام قتال و جہاد میں اولین آیت ہے۔ اور مکی اسلام کے آخری زمانہ میں ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی۔ ف۷۱ (اور یہی مظلومیت جو ہے بالفعل ہو یا بالقوی، حالی ہو یا امکانی، علت ہے مشروعیت جہاد کی) "بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کی علت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جو کفار ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے زیر فرمان بھی نہ ہوں وہ محل قتال نہیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یکون الدین للہ کو غایت قرار دینے سے دوسری علت یہ بھی معلوم ہوئی"۔ (تھانوی ؒ) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۷۲ (چنانچہ عنقریب وہ انہیں باوجود ان کی ظاہری بے سروسامانی کے غالب کر کے رہے گا) ف۷۳ ذکر مسلمانان مکہ کا ہے۔ ان سے مشرکوں کو کوئی یہ شکایت تھوڑے ہی تھی کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں یا چوریاں کرتے ہیں یا ڈاکے ڈالتے ہیں۔ الزام تھا تو صرف یہی کہ یہ ہمارے آبائی دھرم اور باپ دادا کے وقت کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے ہو رہے ہیں! بس اسی قصور پر بیچاروں کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ہجرت پہلے حبشہ کی جانب اور پھر مدینہ کو کرنی پڑی۔

بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

تو گرجا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے

وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ

اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے (سب) منہدم ہو گئے ہوتے وے اور اللہ ضرور

اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾ اَلَّذِيْنَ

اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے وے بے شک اللہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے وے (یہ لوگ ایسے ہیں کہ)

اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ

اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں

وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ

اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں وے اور انجام (سب) کاموں کا

عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ

اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے وے اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا) ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

قبل قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

قوم لوط اور اہل مدین بھی (تو اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں وے

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ

سو (پہلے تو) میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب

نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ

کیسا ہوا وٹ غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جو نافرمان تھیں

وے یعنی اگر یہ سنت اللہ ہمیشہ سے نہ چلی آئی ہوتی کہ ظالموں، سرکشوں، زبردستوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ہاتھ سے توڑوایا جاتا رہتا تو اب تک جو جو عمارتیں توحید کی مرکز رہی ہیں، مثلاً مسجدیں جواب بھی اسی غرض کے لیے ہیں، اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں، سب ختم ہو گئی ہوتیں۔ گویا جہاد کی مشروعیت و مطلوبیت اقامت توحید ہی کی خاطر ہے۔ خوب خیال رہے کہ پرانی عبادتگاہوں کے سلسلہ میں بھی ذکر مندروں، شوالوں، ٹھاکردواروں کا نہیں بلکہ صرف انہیں مذاہب کا آنے پایا ہے جو بعد کو عملاً جیسے کچھ بھی ہو گئے ہیں۔ لیکن اصلاً بہرحال توحیدی ہی مذہب تھے۔ ”کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ گاہ گاہ اہل حق بھی تو مغلوب ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق محو نہ ہو جائے مقصود بالحکمت ہے۔ سو یہ حاصل رہا ہے“۔ (تھانوی ؒ) وے یعنی یہ شرط ثبات انجام میں غلبہ اہل حق ہی کو ہوتا ہے۔ ”اور اعتبار ہر کام میں انجام ہی کا ہوتا ہے، جیسا دوران علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے“۔ (تھانوی ؒ) يَنْصُرُهٗ میں اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے۔ ینصرہ ای ینصر دینہ (بیضاوی) انما المراد من نصرۃ اللہ نصرۃ دینہ (کبیر) وے قوت و غلبہ کی آخری باگ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کا ارادہ ہر مادی سامان اور ہر ظاہری تدبیر سے بالاتر ہے۔ وے یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد و پررونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق، کوئی موقع، غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔ قحبہ خانے، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے، خواب و خیال ہو جائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پوچھنے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں، بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویے نچنے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کر دیے جائیں۔ سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشاگاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا، دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ کی مناسبت سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اہل تمکین کے مقام کی طرف ان کے ہاں شطحیات نہیں ہوتے اور ان کے کلمات سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ محققین نے آیت سے خلفاء اربعہ کی صحت امارت و امامت پر بھی استدلال کیا ہے کہ ان چاروں مہاجرین (یعنی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے مصداقوں) کے دور حکومت میں ان اوصاف کا تحقق پوری طرح پایا گیا۔ و ھو صفۃ الخلفاء الراشدین الذین مکنھم فی الارض ھم ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم و فیہ الدلالۃ الواضحۃ علی صحۃ امامتھم لاخبار اللہ تعالی بانھم اذا مکنوا فی الارض قاموا بفروض اللہ علیھم (جصاص) وے (سو عارضی ناکامی و مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں و دل شکستہ نہ ہونا چاہیے) -- وے یعنی آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ سارے پیمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا ہے، اور یہ تو محض تاریخ اپنا اعادہ کر رہی ہے۔ نُوْحٍ، عَادٌ، ثَمُوْدُ، اِبْرٰهِيْمَ، لُوْطٍ، مَدْيَنَ، مُوْسٰى ان سب پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ وٹ (یعنی وہ بڑی بڑی مہذب و متمدن، پر قوت و پر شوکت، دولت و تمول والی قومیں تباہ و بے نشان ہی ہو کر رہیں۔ اور ان کے علوم و فنون، ان کی صنائی اور انجینئری، ان کی سپاہ اور ان کی خوش تدبیریاں کوئی بھی ہلاکت سے آڑے نہ آسکیں) فَاَمْلَيْتُ۔ عام سنت اللہ یہی ہے کہ معاندوں، منکروں پر گرفت فی الفور نہیں ہوتی، بلکہ پہلے انہیں مہلت دی جاتی ہے۔

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ج فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنوئیں اور بہت سے قلعی چونے کے محل! ف۸۱ سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے ف۸۲ اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں ف۸۳ اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ف۸۴ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف (سب کی) واپسی ہے ف۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تو تمہارے لئے صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں ف۸۶ سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے

ف۸۱ یعنی ان کے ٹوٹے ہوئے قلعہ اور محل اور ان کے اُجڑے ہوئے کنوئیں اب تک ان کے گزشتہ تمدن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ۔ کنووں کو قدیم تمدن و معاشرت میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اب بھی جہاں پانی کے نلوں اور پمپوں کا رواج نہیں، کنواں آبادی و بستی کے اندر بڑی اہم چیز ہوتا ہے۔ ف۸۲ جغرافیہ، تاریخ، اثریات (آرکیالوجی) کا علم اگر محض علم و فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت پذیری کی غرض سے پڑھا جائے تو داخل عبادت ہے۔ ف۸۳ سبق عبرت و موعظت حاصل کرنے کی جگہ دل ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان نہ سمجھنے والوں کے دل ہی اندھے ہو گئے ہیں۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے سب کچھ ہیں۔ گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات، اور ان کی تہذیب و تمدن بھی۔ لیکن سبق ان سے کچھ نہیں حاصل کرتے۔ ف۸۴ (بہ لحاظ امتداد و بہ لحاظ اشتداد) مراد یہاں روز قیامت ہے۔ **مقدار الحساب یوم القیٰمۃ الف سنۃ** (ابن جریر۔ عن ابن عباس) ای **من الایام الاٰخرۃ** (ابن جریر۔ عن مجاہد) **ھٰذہ ایام الاٰخرۃ** (ابن جریر۔ عن مجاہد) عالم ناسوت کے ہزار سال کا عند اللہ ایک دن کے برابر ہونے کا محاورہ قدیم صحیفوں میں بھی آیا ہے:۔ ”ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا“۔ (زبور۔ ۹۰:۴) اور انجیل میں ہے:۔ ”اے عزیزو، یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر“۔ (۲۔ پطرس۔ ۳:۸) مِمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی تم اہل ناسوت کے حساب کے مطابق۔ مطلب یہ ہوا کہ کسی کی جلدی کرنے یا تقاضا کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ عذاب موعود تو اپنے وقت پر آ کر رہے ہی گا۔ اللہ کے احکام میں کسی تغیر و تبدل کا امکان کچھ تھوڑے ہی ہے۔ ف۸۵ اس مہلت سے انہوں نے فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ بجائے اپنی حالت کی اصلاح کے الٹے اسی استہزاء و استعجال میں لگی رہیں۔ ف۸۶ (اور اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ سو اگر تمہاری حسب فرمائش میں عذاب نہ لا سکوں تو اس سے نفس وقوع عذاب کی تکذیب کیسے ہو گی؟)

ع ۱۰ / ۱۲

وٖ۸۷ یعنی نبی کو اور اہل ایمان کو ہرانے کے لیے۔ اہل باطل کی کوششیں حق و اہل حق کی مخالفت میں خواہ وہ فلسفہ یا سائنس کے نام سے ہوں یا ادب و شاعری کے یا حکومت و سیاست کے پردہ میں۔ غرض جس نام سے بھی ہوں سب اسی آیت کے تحت میں آجاتی ہیں۔ وٖ۸۸ (احکام الٰہی سے) اِذَا تَمَنّٰی۔ منی کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں، پڑھنے کے بھی ہیں۔ وقال رواۃ اللغۃ الامنیۃ القراءۃ (کبیر) فی امنیتہ ای فی تلاوتہ (راغب) ای قرء و تلا (لسان) تمنی الکتاب قراۂ و کتبہ (لسان) چنانچہ شاعر اسلام حضرت حسان ﷺ کا یہ شعر حضرت عثمان ﷺ کے مرثیہ کا اور ایک دوسرا شعر بھی بہ کثرت نقل ہوا ہے۔ لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں:۔ تمنی کتاب اللہ اخر لیلہ و اخرہ لا فی حمام المقادر + والتمنی التلاوۃ و تمنی اذا تلا القراٰن و قال اٰخر + تمنی کتاب اللہ اخر لیلہ تمنی داوٗد الزبور علی رسل + ان تینوں موقعوں پر تمنی صاف تلاوت و قرأت کے معنی میں ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی بالتمنی التلاوۃ والقراءۃ (ابن جریر۔ عن الضحاک) ھذا القول اشبہ بتاویل الکلام (ابن جریر) و اکثر المفسرین قالوا معنی قولہ تمنی یعنی تلا و قرأ کتاب اللہ تعالٰی (معالم) رسول و نبی کے درمیان جو واو عطف آیا ہے بعض نے اسے تفسیری قرار دے کر دونوں کا مفہوم متحد قرار دیا ہے لیکن محقق قول اس بارہ میں یہ ہے کہ نزول وحی نبی و رسول دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ باقی رسول وہ نبی ہوتا ہے جو شریعت کے ساتھ بغرض تبلیغ احکام بھیجا جاتا ہے۔ والفرق بینھما ان الرسول من جمع الی معجزۃ الکتب المنزل علیہ والنبی من لم ینزل علیہ کتاب و انما امر ان یدعوا الی شریعۃ من قبلہ و قیل الرسول واضع شرع والنبی حافظ شرع غیرہ (مدارک) وٖ۸۹ (منکرین و مذبذبین کے قلب میں اور اہل باطل نے اسی شیطانی حربہ سے کام لے لے کر مجادلہ و مقابلہ کیا، اپنے اپنے عہد کے رسل و انبیاء سے۔ سو آپ کے معاصر منکرین کا بھی آپ سے اسی القاء شیطانی سے مجادلہ و مقابلہ کرنا کوئی انوکھی مثال تاریخ انبیاء میں نہیں) والمعنی و ما ارسلنا من قبلک رسولًا و لا نبیًا الا و حالہ انہ اذا قرأ شیئًا من الاٰیات القی الشیطان الشبہ والتخیلات فی ما یقرأہ علی اولیائہ لیجادلوہ بالباطل و یردوا ما جاء بہ (روح) اَلشَّیْطٰنُ۔ شیطان سے یہاں مراد جنس شیطان لی گئی ہے۔ جو سارے شیاطین جن و انس کو شامل ہے۔ و قیل ان الشیطان ھنا ھو جنس یراد بہ شیاطین الانس (بحر) سمی الذی القی ذٰلک فی حال تلاوۃ النبی ﷺ شیطانًا لانہ کان من شیاطین الانس (بصاص) یعنی وہ سارے انسان صورت شیطان بھی جو دوسروں کو قرآن و اسلام اور حق کے خلاف بھڑکاتے، اکساتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر بعض سادہ دل حضرات کی بے خیالی سے ایک لغو قصہ بھی نقل ہو گیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کی پوری تردید کر دی ہے اور وہ قصہ نہ روایۃً قابل قبول ہے نہ درایۃً چنانچہ مشہور و قدیم ترین سیرت نگار رسول، ابن اسحٰق کا قول ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گڑھا ہوا ہے۔ قال ھذا وضع من الزنادقۃ (کبیر) اور انہوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب لکھ دی ہے۔ و صنف فی ذٰلک کتابا (کبیر) اور مشہور محدث امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃً بے اصل ہے۔ اس کے راوی مطعون ہیں اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوا ہے (بحر) ھو مردود عند المحققین (بیضاوی) اما اھل التحقیق فقد قالوا ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ واحتجوا علیہ بالقراٰن والسنۃ والمعقول (کبیر) روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی سی بھی ان میں سے سند متصل کے ساتھ نہیں ہے۔ کلھا مرسلات و منقطعات (ابن کثیر) وٖ۹۰ (جوابات قاطعہ سے، براہین ساطعہ سے، دلائل قاہرہ سے) عارفین صوفیہ کہتے ہیں کہ شیطان کے پیدا کئے ہوئے وسوسے، اسی سنت الٰہی کے مطابق خود بخود مضمحل و نابود ہو جاتے ہیں اور محققین اہل تربیت اسی لیے ان کے لیے کسی خاص مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ وٖ۹۱ یعنی ان کی قوت کو اور زیادہ واضح و روشن کر دیتا ہے۔ وٖ۹۲ اس کے علم و حکمت کے سامنے ان خرافاتی اعتراضات کی حقیقت ہی کیا ہے۔ وٖ۹۳ (شک یا تذبذب یا کھلے ہوئے انکار کا) یہ مصلحت تکوینی بیان ہو رہی ہے شیطان کے اختیار وسوسہ اندازی کی۔ وٖ۹۴ (کہ حق کو باوجود اس کے وضوح کے قبول نہیں کرتے) وٖ۹۵ یعنی یہ شیطان کو جو حق تصرف شبہات ڈالنے کا دیا گیا ہے، یہ ایک طرف تو منکرین و مذبذبین کے حق میں آزمائش کا طریقہ ہے، دوسری طرف اہل حق کے لیے ان کے ایمان میں اضافہ اور نور ہدایت میں ترقی کا باعث ہے۔ وٖ۹۶ راہ راست پر تو ایمان والے شروع ہی سے ہوتے ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ اس زیادت یقین کی برکت سے انہیں راہ راست کے انتہائی مقامات تک پہنچا کر رہتا ہے۔

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا

مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں ہماری نشانیوں کے باب میں

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا

ہرانے کے لئے وٖ۸۷ وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى

کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو وٖ۸۸ تو شیطان نے

الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى

اس کے پڑھنے کے باب میں شبہ ڈالا وٖ۸۹ سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾

دیتا ہے وٖ۹۰ پھر اللہ اپنی آیات کو (اور زیادہ) مضبوط کر دیتا ہے وٖ۹۱ اور اللہ خوب علم والا ہے خوب حکمت والا ہے وٖ۹۲

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

(اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو آزمائش بنادے ان کے حق میں جن

مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ

کے دلوں میں روگ ہے وٖ۹۳ اور ان کے دل بالکل سخت ہیں اور بے شک ظالم لوگ بڑی دور کی مخالفت میں

شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

(پڑے ہوئے) ہیں وٖ۹۴ اور (یہ سب اس لئے بھی) تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ

پروردگار کی طرف سے حق ہے سو اس پر ایمان پر (اور زیادہ) قائم ہو جائیں وٖ۹۵ پھر اس کی طرف ان کے دل (اور بھی)

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے وٖ۹۶

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں وکا۹

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ

یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آ پہنچے یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آ پہنچے و۹۸ حکومت

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

اس روز اللہ ہی کی ہوگی و۹۹ وہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کردے گا سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عمل بھی کئے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا

وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہوگا

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ مارے گئے یا مر گئے

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اللہ انہیں یقیناً ایک بہترین رزق دے کر رہے گا و۱۰۰ اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ

بہتر (اور بڑھ کر) ہے وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور بے شک

اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا

اللہ بڑا علم والا ہے و۱۰۱ بڑا حلم والا ہے و۱۰۲ یہ (بات تو ہو چکی) اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی

عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تکلیف اسے پہنچائی گئی، اور پھر اس پر زیادتی کی جائے و۱۰۳ تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا و۱۰۴ بے شک اللہ

وکا۹ "شک" یعنی وہی شکوک وشبہات جو شیطان نے احکام الٰہی سے متعلق ان کے دلوں میں ڈال دیئے تھے جس طرح ایمان کی برکت سے قلب کی نورانیت روز بروز کامل تر ہوتی جاتی ہے، اسی طرح کفر کی نحوست وشامت سے ظلمانیت بھی برابر بڑھتی اور ترقی ہی کرتی جاتی ہے۔ منہ میں ضمیر "اس" سے مراد وہ پڑھا ہوا حکم بھی ہو سکتا ہے، جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے اور خود قرآن یا رسول اللہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ منہ ای من القرآن او الرسول او مما القی الشیطان فی امنیتہ (بیضاوی) و۹۸ یعنی قیامت کا محض آ پہنچنا ہی اپنی ہولناکیوں کے لحاظ سے کیا کم تھا، چہ جائیکہ اس کا عذاب بھی ان پر واقع ہو جائے۔ قیامت کا بالکل دفعۃً برپا ہونا انجیل میں بھی مذکور ہے:۔ "خداوند کا دن چور کی طرح آ جائے گا، اس دن آسمان بڑے شور وغل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے"۔ (۲۔ پطرس۔ ۳: ۱۰) و۹۹ (براہ راست و بلا وسائط) حکومت تو اللہ کی آج بھی ہے، مگر آج اس پر صدہا پردے درمیانی وسائط کے پڑے ہوئے ہیں، اس روز یہ حجابات دور ہو جائیں گے اور ہر کس و ناکس کو مشاہدہ حکومت حق کا براہ راست ہونے لگے گا۔ و۱۰۰ (جنت میں) یعنی لوگ راہ دین میں ترک وطن کے بعد یا شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے مر گئے۔ غرض کسی سبب سے بھی اہل کفر پر غلبہ وفتحمندی کے ثمرات سے اس دنیا میں محروم رہ گئے، وہ اطمینان کامل رکھیں کہ وہ جنت میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے مستفید ومحظوظ ہوں گے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ "اللہ کی راہ" سے مراد اللہ کے دین کی راہ میں۔ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں۔ نعمتیں، راحتیں اور آسائشیں دنیوی واخروی ہر قسم کی اس میں آ گئیں۔ الرزق ھو یقال للعطاء الجاری دنیویا کان او دینیا (ابو البقاء) و۱۰۱ ہر واقعہ کی حکمت ومصلحت اس پر خوب روشن رہتی ہے۔ اہل ایمان کو دنیا میں اگر ناکامی بھی ہو تو اس سے مایوس و بددل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ و۱۰۲ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں، غداروں، باغیوں کو بھی ہمیشہ فوری ہی سزا نہیں دیتا۔ و۱۰۳ یعنی ایک شخص پر اس کے دشمن نے ظلم کیا اور اس نے اپنا انتقام لے لیا، اور معاملہ برابر سرابر ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی اس مظلوم پر از سر نو زیادتی شروع ہوئی۔ و۱۰۴ (دنیا میں نصرت شرعی ہے، آخرت میں نصرت معنوی ہے)" اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی، بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ الخ سو اس مماثلت کی مراعاۃ مظلوم کے اجتہاد پر ہے جس میں اس نے اپنی وسعت حتی الامکان مبذول کی ہو اور اس پر بھی اگر مماثلت سے قدرے بیشی ہو جائے جو بوجہ غایت غموض وخفاء کے ضبط میں نہ آ سکے تو وہ موجب مؤاخذہ ومخل وعدۂ نصرت نہیں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "یہ رعایت مماثلت کا وجوب معاملات معاشرت میں ہے نہ کہ جہاد میں، چنانچہ ادلۂ شرعیہ سے یہ امر ظاہر ومشہور ہے۔ اور نیز جو افعال ہر حال میں معصیت ہیں وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو عوض میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ف١٠٥ یہ (یعنی مومنین کی نصرت وغلبہ) اس سبب سے ہے کہ اللہ رات کو

وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾
داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں ف١٠٦ اور اس سبب سے ہے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
دیکھنے والا ہے ف١٠٧ یہ (نصرت) اس لئے بھی (ہوگی) کہ اللہ ہی تو ہستیِ حق ہے اور اس کے سوا یہ جس کو بھی پکار

هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ
رہے ہیں وہ (بالکل) باطل ہے ف١٠٨ اور اللہ ہی تو عالی شان ہے سب سے بڑا ہے ف١٠٩ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ

اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ
اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے سو زمین

مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي
سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ بڑا مہربان ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ف١١٠ اسی کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے اور

الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
ہر تعریف کا سزاوار ف١١١ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ
زمین پر ہے اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے

اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر ہاں کہ اسی کا حکم (ہو جائے) ف١١٢ بے شک اللہ انسانوں پر

ف١٠٥ (سو وہ خفی و نازک دقائق پر گرفت نہیں کرتا) ف١٠٦ (سو جس کی قدرت اس قدر کامل، اور جس کا انتظام اس قدر مستحکم ہو اس کے لیے نصرت مومنین میں تعجب کی کونسی بات ہے) رات جیسی مہیب، سنسان، کامل تاریکی والی ہستی کو روز روشن میں، اور دن جیسی چہل پہل، ہنگامہ وحرکت اور روشنی کامل والی ہستی کو شب تاریک میں تبدیل کرنا، قدرت کا کوئی معمولی نہیں، نہایت درجہ غیر معمولی کرشمہ ہے۔ بے حسی اس کی طرف سے ہم میں صرف اس سبب سے پیدا ہوگئی ہے کہ اس دوامی معجزہ کو دن رات آنکھوں کے سامنے دیکھتے رہتے ہیں۔ ف١٠٧ وہ ظالموں کے اقوال کو سن رہا ہے، ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، اسی طرح مظلوم کی مظلومیت قولی وفعلی سب اس پر روشن ہے۔ ف١٠٨ ابھی ابھی قبل والی آیت میں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کی اطلاع بھی کامل، قدرت بھی کامل۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ وہی تو ایک کامل موجود ہستی ہے، واجب الوجود۔ اس کے مقابلہ میں جن معبودوں کی حمایت ونصرت پر بھروسہ کیے یہ اہل شرک بیٹھے ہیں، وہ تو خود ہیچ محض ہیں، وہ کسی کی نصرت وحمایت کیا کریں گے۔ ف١٠٩ قدرت اسی کی کامل، نصرت اسی کی حقیقی، اختیارات اسی کے اصلی۔ ف١١٠ وہی اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں سے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، قومی ہوں یا ذاتی، جسمانی ہوں یا روحانی، مادی ہوں یا اخلاقی، ذرہ ذرہ واقف ہے۔ اور انہیں کی مناسبت سے بہ کمال مہربانی بڑے بڑے باریک طریقوں سے انتظام کرتا رہتا ہے۔ جاہل ومشرک قوموں ہی نے نہیں بعض جاہلی فلاسفہ نے بھی خدا کی قدرت وعلم کو محدود وناقص تسلیم کیا ہے اس قسم کی آیتیں ایسے ہی عقائد کی تردید میں ہیں۔ ف١١١ یعنی وہی سب کا مالک بھی ہے اور وہی ہر ضرورت سے، ہر حاجت سے پاک وبالاتر ہے۔ اور ہر ایک کی عبادت سے اور اعانت سے بے نیاز، اور وہی سرتاسر محمود وستودہ صفات ہے، جامع کمالات ہے۔ ف١١٢ یعنی اس سارے کارخانۂ حیات کو انسان کے کام میں لگا دینے والا، بحری قوتوں کو انسان کا مسخر کر دینے والا، زمین آسمان کو ان کی موجودہ ہیئتوں کے ساتھ موجودہ حالتوں پر قائم وبرقرار رکھنے والا، سب وہی اکیلا ہے، کوئی اور دیوی دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں کا مفروضہ ہے۔ اصل مقصود توحید ہی پر استدلال ہے۔ باقی سماء سے مراد بارش اور ابر دونوں بھی ہو سکتے ہیں وسمی المطر سماءً لخروجه منها (راغب) السماء السحاب والسماء المطر (لسان) قيل للسحاب السماء لانها عالية (لسان) سمي السحاب سماء لعلوها (عن الزجاج) و سمي المطر سماء لخروجه من السماء (تاج)

ع ۹

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۱۳ وہ وہی تو ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ

پھر تم کو جلائے گا بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے ف۱۱۴ ہم نے ہر امت کے واسطے

جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ

ایک طریقہ (ذبح وعبادت کا) مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

(اس) امر میں ف۱۱۵ اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے بیشک آپ تو سیدھے راستے پر ہیں ف۱۱۶

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ

اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑے نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۱۱۷ اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا اس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ف۱۱۸

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ

کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ واقف ہے ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین میں ہے

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی درج) ہے بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک آسان ہی ہے ف۱۱۹

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے اور نہ

لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَ اِذَا

ان کے پاس اس کے لئے دلیل ہے اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہوگا ف۱۲۰ اور جب

ف۱۱۳ اس کی صفات رافت ورحمت کی تجلیاں ہیں جو انسان کو کارگاہ حیات میں اس منزل ومرتبہ پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ف۱۱۴ (کہ اس یکتا وتنہا مستحق پرستش معبود کی توحید کی ناقدری کر کے کفر وشرک کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ ھُوَ ۔۔۔ يُحْيِيْكُمْ یہاں اس عقیدہ کا اثبات ہے کہ پیدا کرنے، مارنے اور پھر جلا اٹھنے کی ساری قوتیں ایک ہی معبود یکتا کی ذات سے بحیثا میں جمع ہیں۔ اور سارے تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اور اس میں ہندی مشرکوں کے اس عقیدہ کا رد آ گیا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے، اور باقی رکھنے والا کوئی اور، ہلاک کرنے والا اس کے بھی علاوہ کوئی اور۔ ف۱۱۵ یعنی یہ منکرین تو تقلید محض کے پجاری ہیں، انہیں اصلاً کیا حق آپ پر اعتراض وگرفت کا ہے۔ مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ منسک سے مراد خصوصی اگرچہ موضع ذبح ہے لیکن لفظ جملہ عبادات کے لیے عام ہے۔ قال عكرمة ذبائح هم ذابحوه (جصاص) وليس يمنع ان يكون المراد جميع العبادات و يكون الذبح احد ما اريد بالأية (جصاص) محققین نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مرادف ہے۔ قال ابن عباس يعني شريعة هم عاملون بها (معالم) فِي الْاَمْرِ۔ یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔ يعني في امر الذبائح (معالم) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بعض مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ عجیب کٹ حجتی شروع کی تھی کہ تم لوگ اپنے مارے ہوئے (ذبح کیے ہوئے) کو جائز اور اللہ کے مارے ہوئے (مردار) کو ناجائز سمجھتے ہو۔ ف۱۱۶ انہیں آپ کو ٹوکنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ آپ کو حق انہیں ٹوکنے کا ہے کہ آپ تو راہ صحیح پر ہیں۔ آنکھوں والے پر فرض ہے کہ وہ اندھوں کو راستہ بتلائے۔ اندھوں کو یہ حق آنکھوں والوں کے مقابلہ میں نہیں پہنچتا۔ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ۔ یعنی اپنے پروردگار کے دین کی طرف بلایئے۔ الى الايمان بربك (معالم) ف۱۱۷ (اور آپ خود زیادہ ردو قدح میں نہ پڑیے) صوفیہ عارفین نے منکر معاند سے جو طالب حق نہ ہو، ترک جدال کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا مبنی وماخذ منجملہ اور آیتوں کے یہ آیت بھی ہے۔ ف۱۱۸ فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ دنیا ہی میں ہو چکا ہے۔ ف۱۱۹ یعنی جب حکومت کے ساتھ ساتھ علم بھی اللہ کا کامل ہے تو اسے فیصلہ صادر کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ يعني اللوح المحفوظ (معالم) اس وقت ذٰلِكَ سے مراد معلومات الٰہی لی جائیں گی۔ ف۱۲۰ یعنی جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں، ان کی معبودیت پر نہ کوئی دلیل اللہ نے اپنی کتابوں، صحیفوں کے ذریعہ سے نازل کی ہے۔ نہ اس پر کوئی دلیل نقلی وعقلی قائم ہے اور ان معبودوں کی بے کسی اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے دن ان کی ذرا بھی مدد نہ کر سکیں گے۔

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

ان پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

برے آثار دیکھتے ہیں ف۱۲۱ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں ف۱۲۲ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتادوں؟ ف۱۲۳ (وہ) دوزخ

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

ہے اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ

اے لوگو ایک بڑی بات بیان کی جاتی ہے ف۱۲۴ سو

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا

اسے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا

وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا

کر نہیں سکتے چاہے سب ہی اس غرض کے لیے جمع ہوجائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو

يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے ف۱۲۵ لچر ہے (ایسا) طالب (بھی) اور (ایسا) مطلوب (بھی)!

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے ف۱۲۶ بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، غالب ہے ف۱۲۷

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی ف۱۲۸

ف۱۲۱ (ان کی ناگواری اور غصہ کو ظاہر کرنے والے، مثلاً ان کے تیور پر بل پڑ جانا) قرآن مجید کے واضح احکام و ہدایات سے تسلی حاصل کرنے کے بجائے منکرین شدت عناد سے اپنے غصہ سے بھر بھر جاتے تھے۔ اور ان کے دلی بغض کے آثار ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہو کر رہتے تھے ۔۔۔ آج بھی بہت سے دشمنانِ دین اور بعض "روشن خیالوں" کے چہروں کا انقباض سے کیا حال ہو جاتا ہے جب ان پر احکام الٰہی کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ ف۱۲۲ يَكَادُوْنَ کے لفظی معنی کسی فعل یا عمل کے قریب ہو جانے کے ہیں۔ منکرین معاندین جب قرآن کی آیتیں سنتے تو غصہ سے بھر جاتے۔ معلوم ایسا ہونے لگتا کہ بس اپنے سنانے والوں پر حملہ کر ہی بیٹھیں گے۔ اور کبھی کبھی حملہ کر بیٹھتے بھی۔ ف۱۲۳ "ناگوار تر تمہارے نقطۂ خیال سے" یعنی تم پر اس قرآن سے بڑھ کر گراں گزرنے والی، قرآن سے جو ناخوشی پیدا ہوتی ہے، اس کا تو خیر کچھ تدارک کر ہی لیتے ہو۔ دوزخ کے بے پناہ عذاب کے مقابلہ میں کیا کرو گے۔ اے اکرہ لکم من ھذا القراٰن الذی تسمعون (معالم) ف۱۲۴ جو بالکل واضح ہے اور ہر ایک کی سمجھ میں آ جانے والی ہے۔ ف۱۲۵ تو ایسی عاجز، درماندہ مخلوق کو معبود ٹھہرا بیٹھا کس درجہ حماقت و سفاہت ہے۔ یہ ساری مورتیاں مل ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر و بے حقیقت مخلوق کو پیدا بھی تو نہیں کر سکتیں اور پیدا کرنا تو پھر بڑی چیز ہے، ان کے آگے نذر اور چڑھاوے کے جو ڈھیر لگے رہتے ہیں ان میں سے اگر وہ کچھ اٹھایا چاہے تو ان میں اتنی سکت بھی تو نہیں کہ اسی کو اس سے واپس لے لیں۔ ف۱۲۶ یعنی اس کی وہ عظمت جو اس سے رشتہ عبدیت و تعلق عبودیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ انسان اسی کا مکلف ہے اور اسی درجہ کی عظمت نہ محسوس کرنے کا کافروں پر الزام ہے۔ باقی اللہ کی شایان شان، اور سزاوار الوہیت عظمت کا اندازہ، تو وہ کون کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کا کوئی بشر یا کوئی مخلوق مکلف ہے۔ آیت کے مخاطب تمام منکرین توحید ہیں۔ خواہ مجوسی ہوں یا اہل تثلیث ہوں یا مشرکین ہوں۔ ف۱۲۷ معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے نہ کہ بے قدرت، بے بس مخلوقات میں سے کسی کو۔ ف۱۲۸ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔ فرشتے اللہ کا پیغام انبیاء تک لانے والے اور انہیں اور احکام پہنچانے والے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ اور نوع انسان میں سے اللہ کا پیغام نوع انسانی کو پہنچانے والے، اور اسے اس کے احکام سنانے والے (اصطلاحی نام انہیں کا رسل و انبیاء ہے) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ۔ ان دونوں قسم کے پیغمبروں کا انتخاب تمام تر دست خداوندی میں ہے وہ جس کا بھی چاہے انتخاب کرے۔ ملائکہ میں سفیر اعلیٰ حضرت جبرئیل ہیں، قرآن مجید تمام تر انہیں کا لایا ہوا ہے باقی نفس سفارت کچھ انہیں پر منحصر و موقوف نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ

بے شک اللہ خوب سننے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے ف۱۲۹ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿٧٦﴾ يٰٓأَيُّهَا

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ف۱۳۰ اور اللہ ہی پر (تمام) کاموں کا مدار ہے۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور (اور) نیکی

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ ۩ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ

کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاجاؤ ف۱۳۱ اور اللہ (کے کام) میں کوشش کرتے رہو جو اس کی

جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ

کوشش کا حق ہے ف۱۳۲ اس نے تمہیں برگزیدہ کیا ف۱۳۳ اور اس نے تم پر دین کے بارہ میں

مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ

کوئی تنگی نہیں کی ف۱۳۴ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) ف۱۳۵ اسی نے تمہیں

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی ف۱۳۶ تاکہ رسول

شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ ښ

تمہارے اوپر گواہ ہوں ف۱۳۷ اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھیرو ف۱۳۸

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ

سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ف۱۳۹ اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾ ۧ

وہی تمہارا کارساز ہے سو کیا اچھا کارساز ہے ف۱۴۰ اور کیا اچھا مددگار ہے ف۱۴۱

ف۱۲۹ یعنی سب کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے خوب واقف ہے۔ اور اس کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ ف۱۳۰ اس پر سب کا مستقبل و ماضی مثل حال کے عیاں و روشن ہے۔ ف۱۳۱ یعنی یہ سب اعمال اصل ایمان کی شاخیں ہیں۔ قبول اسلام کے بعد نماز اور اور سب عبادتوں کو بجا لاتے رہو۔ اور دوسری نیکیوں میں بھی لگے رہو۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ بعض مباح بہ نیت عبادت کر لینے کے بعد خود عبادت بن جاتا ہے۔ لعل سے متعلق شروع تفسیر میں تصریح کی جاچکی ہے کہ جب حق تعالیٰ کی زبان سے ادا ہوگا تو معنی صرف امید کے نہیں یقین کے دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کردے گا۔ ف۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو، بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی توجہ و استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ کرو۔ قال الضحاک يعني اعملوا بالحق لله عز و جل (جصاص) قال اكثر المفسرين حق الجهاد ان تكون بنية خالصة صادقة لله عز و جل (معالم) اي جهادا فيه حقا خالصا لوجهه (بیضاوی) فی اللہ کو یہاں للہ کے بھی مرادف لیا گیا ہے۔ اي لله من اجله (بیضاوی) حَقَّ جِهَادِهٖ۔ کی ترکیب معکوس بھی کی گئی ہے اور حق کی اضافت جہاد کی طرف تاکید اور زور کلام کے لیے خیال کی گئی ہے۔ عكس واضيف الحق الى الجهاد مبالغة (بیضاوی) صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ہر قسم کے مجاہدات پر شامل ہے۔ مثلاً مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب، مجاہدۂ روح۔ مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں جاهدوا اعداء و منه المظاهرة كاهل الزيغ والباطنة كالهوى والنفس (بیضاوی) قال عبدالله بن المبارك حق جهاده مجاهدة النفس والهوى والاولى ان يحمل ذلك على كل التكاليف فكل ما امر به و نهى عنه فالمحافظة عليه جهاد (کبیر) ف۱۳۳ (دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں، اور تمہیں عالمگیر دعوت توحید کا حامل بنایا) اور ساری دینی دعوتیں جغرافی یا نسلی قیود سے محدود ہیں، صرف اسلام ہی کی دعوت ان قیود و حدود سے بالاتر صحیح معنی میں عالمگیر دعوت ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مدح صحابہ ہے اور ان کی طہیر ثابت ہوتی ہے۔ و في ذلك مدح للصحابة المخاطبين بذلك و دليل على طهارتهم (جصاص) ف۱۳۴ یعنی اسے دوسرے ادیان مروج کی طرح محدود و مقید نہیں رکھا۔ دنیا جن مذہبوں کو جانتی پہچانتی ہے، ان میں کثرت سے تو مذاہب شرکیہ ہی ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب، بودھ مذہب، مجوسی مذہب، عیسائی مذہب، اور شرک نام خود محدودیت و تنگ نظری کا ہے۔ مشرک کے مطمح نظر میں ہمہ گیر وسعت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ مذاہب توحید نے دے کے صرف دو ہیں۔ ایک یہودیت دوسرے اسلام۔ یہودیت کا غیر تبلیغی ہونا اور نسل اسرائیل تک محدود رہنا بالکل ظاہر ہے۔ اس کے بعد صرف اسلام ہی ایسا دین باقی رہ جاتا ہے جس کی دعوت کسی ملک، قوم، نسل و قبیلہ کے ساتھ محدود نہیں۔ اس کا خطاب دنیا کے ہر فرد بشر سے ہے۔ اس کی تعلیم چھوٹے بڑے ہر انسان کے لیے ہے۔ پھر اس عالمگیری کے ساتھ ہمہ گیری تعلیم اسلام کی ہے۔ یعنی زندگی کا ہر شعبہ چھوٹے سے چھوٹا بھی اس کے دائرہ سے باہر نہیں۔ بعض صوفیہ نے اس نفی حرج سے استدلال کیا ہے تربیت میں سالکین کی سہولت پر۔ ف۱۳۵ اسلام دوسرا نام ہے ملت ابراہیمی کا۔ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ قرآن کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب تو نسل ابراہیم علیہ السلام سے تھے ہی اور ان کے لیے یہ استشہاد دلا دینے سے ایک خاص پہلو تشویق و ترغیب کا بھی نکل رہا ہے۔ یعنی یہ مذہب کوئی انوکھا اور بیرونی نہیں، یہ تو تمہارے جد محترم ہی کا ہے۔ اور اگر مخاطب عامۂ مسلمین سمجھے جائیں تو اس لفظ کے ماننے سے خاص تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعظیم و احترام کی مل رہی ہے۔ قيل خاطب به جميع المسلمين و ابراهيم اب لهم على معنى وجوب احترامه و حفظ حقه كما يجب احترام الاب (معالم) روى عن الحسن انه اراد ان حرمة ابراهيم على المسلمين كحرمة الوالد على (جصاص) پہلے حکم ہوا تھا ایمان لانے کا اب حکم مل رہا ہے اس دین پر قائم رہنے کا۔ محققین نے شروع فقرہ میں کوئی فعل مثلاً اتبعوا یا الزموا محذوف مانا ہے۔ ف۱۳۶ هُوَ سَمّٰىكُمُ۔ ضمیر هُوَ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، ابراہیم علیہ السلام مراد نہیں۔ خود سیاق کلام بھی اسی کا مقتضی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور متعدد تابعین سے منقول بھی یہی ہے۔ اي الله تعالى كما روى عن ابن عباس و مجاهد والضحاك و قتادة و سفيان و يدل عليه ماسياتي بعد في الاية (روح) مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن مجید سے پہلے۔ وَفِيْ هٰذَا یعنی قرآن مجید میں۔ قال مجاهد من قبل القران و في القران (جصاص) يعني من قبل نزول القران في الكتب المتقدمة و في هذا الكتاب هذا قول اكثر المفسرين (معالم) ف۱۳۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و پاکیزہ سیرت، عملی زندگی بطور معیار کے کام دے گی۔ حشر میں تمہیں اسی معیار سے جانچا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگیوں کو کہاں تک اس نمونہ پر ڈھالا۔ ف۱۳۸ یعنی دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں۔ مسلمانوں کو دین حق کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کے واسطہ سے دین حق ساری نسل انسانی کو پہنچا ہے۔ ف۱۳۹ اس میں خلاصہ اور لب لباب آگیا تمام بدنی اور مالی عبادتوں کا۔ ف۱۴۰ عزم و ہمت کو تازہ رکھنے والی اور کشمکش حیات میں ہر مصلحت نفس پر غالب رکھنے والی چیز یہی عقیدۂ توحید ہے۔ جس قدر یہ اعتقاد کہ اللہ قوی ہوگا، اسی درجہ میں انسان مراتب معرفت و قرب میں ترقی کرتا جائے گا اور ہر غیر الٰہی قوت کے مقابلہ میں دلیر تر ہوتا جائے گا۔ ف۱۴۱ انسان کو ضمیر کی پابندی سے ہٹانے والی چیز ہمیشہ یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر فلاں کو میں نے خوش نہ رکھا تو وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ قرآن نے بار بار ضرب کاری اسی گمان فاسد پر لگائی ہے، اور بار بار اعلان کیا ہے کہ کام بنانے والا اور ہر طرح کی نصرت و اعانت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف خیال لے جانا بھی حماقت و نادانی ہے۔

ایاتہا ١١٨ ۔ ٢٣ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ٧٤ ۔ رکوعاتہا ٦

اس کی ١١٨ آیتیں ۔ سورۂ مومنون مکی ہے ۔ اور ٦ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

یقینًا (ان) مومنین (نے) فلاح پالی ہے وا جو اپنی نماز میں

خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾

خشوع رکھنے والے ہیں و۲ اور جو لغو (بات) سے برکنار رہنے والے ہیں و۳

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اور جو (اپنا) تزکیہ کرنے والے ہیں و۴ اور جو

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا، سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں و۵

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں و۶

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں و۷ (بس) یہی لوگ

و۱ فلاح کے مفہوم کی وسعت اور جامعیت پر حاشیہ سورۃ البقرہ کے رکوع اول میں المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔ فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا ہے۔ بغیر ایمان یا صحت اعتقاد کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔ و۲ (اور نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض) نماز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے تذکرہ اسی کا ہوا۔ خٰشِعُوْنَ "خشوع کی حقیقت ہے سکون۔ یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔ اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے۔ اور اس کی فرضیت میں کلام ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں، اور اس مرتبہ میں فرض نہیں، اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے" (تھانوی ؒ) روی عن ابراھیم ومجاھد والزھری الخشوع السکون (جصاص) و۳ (خواہ وہ لغویت فعلی ہو یا قولی) اللغو۔ لغو کہتے ہیں ہر اس حرکت کو جو عبث، بے حاصل، لایعنی ہو، آخرت یا صرف دنیا کے اعتبار سے بھی۔ اللغو ما لا یعنیک من قول او فعل (کشاف) اللغو ھو الفعل الذی لا فائدۃ فیہ (جصاص) زندگی بڑی ہی قیمتی شے اور بڑی سنجیدہ و اہم حقیقت ہے۔ مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایک لمحہ بھی کسی غیر مفید بات کی طرف توجہ کرے۔ سیر و تفریح، مشاغل نشاط، جس حد تک صحت جسم اور انبساط قلب کے لئے ضروری ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا شمار لغو میں نہیں۔ "لغو کا ادنیٰ درجہ مباح ہے مگر ترک اس کا اولیٰ و موجب مدح ہے۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے اور اس کا ترک واجب۔" (تھانوی ؒ) امام رازی ؒ نے کہا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد اور حکم زکوٰۃ سے قبل ہی لے آیا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔ الاعراض عن اللغو من متممات الصلوۃ (کبیر) و۴ (اعمال میں، اخلاق میں) الزکوۃ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے۔ ابومسلم سے یہی معنی منقول ہیں۔ ان فعل الزکوۃ یقع علی کل فعل محمود مرضی (کبیر) الظاھر ان المراد بالزکوۃ المعنی المصدری اعنی التزکیۃ (روح) بلزَّکٰوۃِ لِ یہاں غایت کے لئے ہے۔ اللام فیہ للعلۃ والقصد (راغب) یعنی ان کا مقصود اعمال و افعال سے یہی ہوتا ہے کہ اپنے کو پاک و صاف کریں۔ یفعلون ما یفعلون من العبادۃ لیزکیھم اللہ تعالی او لیزکوا انفسھم (راغب) قال صاحب الکشاف عنی عن الآیۃ الذین ھم لاجل الطھارۃ وتزکیۃ النفس عاملون الخیر (روح) قیل الزکوۃ ھنا النماء والزیادۃ واللام لام العلۃ ومعمول فاعلون محذوف التقدیر والذین ھم لاجل تحصیل النماء والزیادۃ فاعلون الخیر (بحر) الزکوٰۃ کے اگر اصطلاحی فقہی معنی لئے جائیں جب بھی کوئی مضائقہ نہیں اور بہت سے حضرات اسی طرف گئے ہیں۔ و۵ (اور بڑے سخت نافرمان) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تقاضے شہوت بجائے خود ہرگز محل الزام نہیں اور جس طرح بھوک، پیاس، نیند وغیرہ کی ضرورتیں فطری ہیں یہ خواہش بھی طبعی ہے۔ قابل الزام صرف اس کا بے محل استعمال ہے۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ باندیوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف شرعی باندیاں ہیں نہ کہ عرفی۔ حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیویوں اور باندیوں کے حلال ہونے سے مراد ان کی جنس کا حلال ہونا ہے۔ نہ یہ کہ بیوی اور باندی سے صحبت ہر صورت اور حال میں جائز ہے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ میں علی مرادف ہے مِن کے۔ فراء نحوی وابن مالک نحوی وغیرہ سے یہی قول منقول ہے (بحر) وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ فقہائے اہل سنت نے ان الفاظ سے متعہ کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ متعہ والی عورت نہ ازواج کے حکم میں ہوتی ہے نہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کے تحت میں۔ یقتضی تحریم نکاح المتعۃ اذ لیست بزوجۃ ولا مملوکۃ یمین (جصاص) زناکاری اور شہوت رانی کی جتنی بھی غیر فطری صورتیں رائج ہو گئی ہیں سب اسی کے حکم میں آجائیں گی۔ ولا یخفی ان کل ما یدخل فی العموم تفید الآیۃ حرمۃ متعۃ علی ابلغ وجہ (روح) یعنی ان ساری حرکتوں کے کرنے والے نافرمان مجرم ہیں۔ الْعٰدُوْنَ یعنی بڑے شدید نافرمان۔ الکاملون فی العدوان والمتناھون فیہ (روح) و۶ "اپنی امانتوں" سے مراد اپنی سپردگی میں لی ہوئی امانتیں ہیں۔ عَهْدِهِمْ۔ عہد کے تحت میں حقوق اللہ حقوق العباد ہر قسم سے متعلق عہد آ گیا۔ معاملات و عبادات کے سارے عہد اس میں شامل ہیں۔ و۷ ابھی مومنین مفلحین کی صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا۔ اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا۔ مقام عبرت ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لیے نماز کی اس قدر تاکید ہو رہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے اس غفلت میں پڑ جائے!

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ

وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ

(ہمیشہ ہمیش) رہیں گے ف۸ اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے

مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

پیدا کیا ف۹ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ

پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا ف۱۰

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا ف۱۱ کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں

الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ

سے بڑھ کر ف۱۲ پھر تم اس (سب) کے بعد ضرور ہی مر کر رہو گے پھر

اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ

تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے ف۱۳ اور ہم نے تمہارے اوپر

سَبْعَ طَرَآئِقَ ۤ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق کے باب میں بے خبر نہ تھے ف۱۴

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي

اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں

ف۸ وارث ہونے کے معنی ہیں کہ جنت پر قابض و متصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہو جائیں گے۔ اُولٰئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ جو حصر ہے وہ باعتبار استحقاق فردوس کے ہے جو بحسب احادیث جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ورنہ نفس جنت مطلق مومنین کے لیے عام ہوگی گو صفات مذکورہ نہیں کی ہوں۔ ف۹ مٹی کا خلاصہ یعنی غذا۔ غذائے نباتی کا مٹی سے اُگنا اور پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور غذائے حیوانی کا آخری ماخذ بھی جا کر نباتات کے واسطہ سے مٹی ہی ٹھہرتی ہے۔ ف۱۰ (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں اور ڈھانچہ پر جلد چڑھ گئی) فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ یعنی رحم مادر میں۔ رحم کی مضبوطی اور محفوظیت پر تشریح الابدان کی کتابیں گواہ ہیں۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا۔ یعنی بوٹی کے بعض اجزا کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔ خلقت انسانی کے ان مراتب کی تفصیل طب قدیم و جدید کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ف۱۱ (روح انسانی ڈال کر اور حالات سابق سے بالکل ممتاز بنا کر) جمادیت و نباتیت کا ذکر نہیں، حیوانیت بلکہ حیوانیت اعلیٰ سے بھی انسان جس قدر ممتاز و بلند ہے اس کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ کچھ مختصر حوالے انگریزی تفسیر القرآن میں ملیں گے۔ یہ خَلْقًا اٰخَرَ ہی وہ چیز ہے جہاں تک ڈارون غریب اور اس کے پیرووں کی نظر نہ پہنچ سکی اور یہ لوگ انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان ہی سمجھتے رہے۔ خَلْقًا اٰخَرَ کی تفسیر صحابہ اور تابعین کے کلام میں روح سے آئی ہے۔ قال ابن عباس والشعبی و ابو العالیة والضحاک و ابن زید ھو نفخ الروح فیه (بحر) ف۱۲ (جس کی قدرت اور صناعی تک کسی بڑے سے بڑے بھی صناع کی رسائی ممکن نہیں) دوسرے صناعوں کی قدرت صرف ترکیب و تحلیل تک محدود ہے۔ آفرینش جس چیز کا نام ہے یہ خاص اللہ ہی کا حصہ ہے۔ خلق عربی میں ایک تو ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اس معنی میں یہ اللہ کا وصف خصوصی ہے اور اسی معنی میں قرآن میں آیا ہے افمن یخلق کمن لا یخلق۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے؟ خالقین یہاں صانعین کے معنی میں ہے۔ای احسن الصانعین (ابن جریر عن مجاہد) اور عربی میں ہر صانع کو خالق بھی کہا جاتا ہے۔ العرب تسمی کل صانع خالقا (ابن جریر) اور آگے سند میں زہیر کا کلام پیش کیا ہے۔ ف۱۳ یہاں ایجاد یا ابداع اور افنا یا اہلاک اور احیا، تینوں مراتب کا بیان آ گیا۔ ف۱۴ (کہ اناڑیوں کی طرح مخلوق کی ضرورتوں اور حکمتوں مصلحتوں کو نظر انداز کر جائیں) طَرَآئِقَ۔ طریقة کے لفظی معنی راستہ کے ہیں۔ مجازاً مراد یہاں آسمانوں سے لی گئی ہے۔ یعنی السموٰت السبع (ابن کثیر عن مجاہد) الطرائق السموٰت (ابن جریر عن ابن زید) اور بعض نے براہ راست ہی اس کے معنی آسمانوں کے لئے ہیں اور کہا ہے کہ جو چیز کسی چیز کے اوپر ہوتی ہے وہ بھی عربی میں طریقة ہی کہلاتی ہے۔ الطرائق السموٰت لانه طوارق والعرب تسمی کل شیء فوق شیء طریقة (ابن جریر) یا آسمانوں کو طرائق سے یہاں اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان میں فرشتوں کی آمد و رفت اور ستاروں کی گردش کے لئے راہیں اور راستے ہیں۔ بعضها فوق بعض (کشاف) او لانها طرق الملائکة وقیل الافلاک لانها طرائق الکواکب فیها مسیرها (کشاف)

الْأَرْضِ ۖ وَ إِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَٰدِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا

ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں ف۱۵ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

لَكُم بِهِ جَنَّٰتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَٰبٍ ۘ لَّكُمْ فِيهَا

تمہارے لئے کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ اگائے ان میں تمہارے لئے

فَوَٰكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً

بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو ف۱۶ اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا)

تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَآءَ تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے

لِّلْءَاكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِى ٱلْأَنْعَٰمِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم

سالن لئے ہوئے ف۱۷ اور تمہارے لئے غور کا موقع مویشیوں میں ہے ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں

مِّمَّا فِى بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَٰفِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا

ان کے جوف میں کی چیز کو اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں ف۱۸ اور ان میں سے (بعض کو)

تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى ٱلْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ

تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر سوار پھرتے ہو ف۱۹ اور بے شک

أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦ فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ

ہم نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف سو انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ ٱلْمَلَؤُا۟

اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ف۲۰ تو ان کی قوم میں

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَوْمِهِۦ مَا هَٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے ف۲۱ کہ یہ (شخص) اور ہے کیا بجز اس کے کہ تمہارا ہی جیسا انسان ہے ف۲۲

ف۱۵ ان سب افعال تکوینی کی خالق تنہا وہی ذات واحد ہے۔ اندر دیوتا یا کوئی اور دیوی دیوتا اس کے شریک نہیں۔ بِقَدَرٍ یعنی مقدار معین و مناسب میں اور وقت مناسب پر۔ ف۱۶ (بعض کو خشک کرکے بطور غذا کے) فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ۔ بہت سے پھل تر و تازہ کھائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بتایا کہ یہ عمل تکوینی بھی تمامتر حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ کھیت پت رزق کا دیوتا کوئی الگ نہیں۔ نَخِيلٍ وَّ اَعْنَابٍ۔ کھجور کی اہمیت اور اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص اہل عرب کے لئے بالکل ظاہر ہے۔ انگور بھی عرب کے بعض حصوں کا خاص میوہ ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (پ۳) آیت ۲۶۴ کا حاشیہ۔ ف۱۷ یہاں کسی درخت کے نام کی تصریح نہیں لیکن سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زیتون ہے۔ والمراد به هنا الزيت (روح) زیتون خاص پیداوار ہے ملک فلسطین اور اس سے ملحق جزیرہ نما سیناء کی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۸ روغن زیتون کے فوائد غذائی بھی اور خارجی استعمال میں بھی طب قدیم و جدید دونوں کو مسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ زیتون کا ذکر توریت و انجیل دونوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ مثلاً استثناء ۸:۸۔ قضیون ۹:۸۔ متی ۲:۷۔ اور ۲۵:۳۔ لوقا ۱۰:۳۴۔ ف۱۹ جمادات و نباتات کی طرح چوپائے جانور اور مویشی بھی انسان کی خدمت ہی کے لئے ہیں۔ انہیں اپنا معبود یا مخدوم سمجھ لینا انسان کی انتہائی پستی اور نافہمی ہے۔ الْاَنْعَام پر حاشیے سورۂ انعام پ۸ اور سورۂ النحل پ۱۴ میں گزر چکے۔ نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهَا۔ مراد دودھ کا ہونا ظاہر ہی ہے۔ وَ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ۔ علاوہ غذائی مصرف کے۔ گائے بیل کی کھال۔ بھیڑ بکری کی اون، بعض جانوروں کے سینگ وغیرہ یہ سب انسانوں کے کام کی چیزیں ہیں اور جانوروں کی تجارت ایک بڑی نفع بخش تجارت۔ وَ عَلَى الْفُلْكِ۔ بحری سواریاں جتنی بھی ایجاد ہوں سب فلک کے تحت میں آ جائیں گی۔ ف۲۰ (دوسروں کو شریک خدائی بنانے سے) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے قوم کے معاملات پر حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ ف۲۱ (اپنی قوم کی عام پبلک سے) ف۲۲ (اور جب خالی خولی انسان ہی ہے تو پھر خدا کا اوتار یا دیوتا وغیرہ کیسے ہو سکتا ہے) مشرک قوموں کی بنیادی غلطی بھی عقیدۂ رسالت میں گمراہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے جب کوئی آئے گا وہ یا تو خود خدا ہوگا بشکل انسان، اور یا کوئی دیوتا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اس بنیادی گمراہی پر ضرب لگائی اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو محض بشر ہی ہوتا ہے مع تائید وحی کے۔ بجز دولت وحی کے کوئی شے بھی اس میں عام انسانوں سے زائد نہیں ہوتی۔ اہل توحید کو اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والوں کو یہ بات بالکل موٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مشرکوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی۔

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

چاہتا ہے کہ تم سے بڑا ہو کر رہے اور اگر خدا (کسی کو) چاہتا تو وہ فرشتوں کو

مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ

بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پچھلے بڑوں سے تو کبھی سنی نہیں ف۲۳ بس

هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک انتظار کرو ف۲۴

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

(نوح نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ف۲۵ پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ

کہ کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو پھر جب ہمارا حکم (عذاب)

اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

آ پہنچے اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو ہر قسم کے (جانوروں میں سے)

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

دو دو عدد اس میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں (سوار کر لو) بجز اس کے جس پر ان میں سے حکم (غرق) نازل

مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

ہو چکا ہے ف۲۶ اور مجھ سے ظالموں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ نہ کہنا بے شک وہ سب

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

غرق ہو کر رہیں گے ف۲۷ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ

بیٹھ چکیں تو کہنا کہ (ساری) حمد ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے

ف۲۳ یعنی کیسی انوکھی اس شخص کی دعوت ہے۔ دیوی دیوتا جنہیں ہم اور ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ ان کا یہ شخص منکر ہے۔ اور سب سے نرالی بات یہ کہہ رہا ہے کہ معبود کل خالی ایک ہی ہے!— منکرین دعوت پیغمبر ہر دور میں اپنے زمانہ کے نہایت جمود پسند (کنسرویٹو) قسم کے لوگ ہوا کئے ہیں۔ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ۔ برتری سے مراد دنیوی یعنی جاہ و ریاست کی برتری مراد ہے۔ بدبخت منکروں نے ہمیشہ اپنے ظرف و طینت پر قیاس کر کے پیمبروں کی نیت سے بدگمانی کی ہے اور انہیں اپنا ہی جیسا طالب دنیا فرض کیا ہے۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً یعنی خدا کو ہماری اصلاح و ہدایت ہی اگر منظور ہوتی تو اس غرض کے لئے کوئی فوق البشر ہستی نازل کی جاتی۔ کوئی دیوی دیوتا آتے، کوئی اوتار ظاہر ہوتے۔ ف۲۴ (جب یہ خود ہی ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا) بِهٖ جِنَّةٌ۔ یعنی اسے جنون ہو گیا ہے۔ یا یہ آسیب زدہ ہے۔ ف۲۵ پیغمبروں کا صبر بھی آخر غیر محدود نہیں ہوتا۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پیام حق کی برابر تکذیب ہی ہو رہی ہے تو ایک مدت مدید کے بعد آخر ان کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ نصرت الہی کے اسی دنیا میں عملی ظہور کی دعا کرنے لگتے ہیں۔ ف۲۶ (اس کے کفر کے پاداش میں) کافر نافرمان کے لئے کوئی گنجائش نجات و مغفرت کی نہیں۔ خواہ وہ نبی کا عزیز قریب ہی ہو۔ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ یعنی ایسے جانوروں میں سے جو کام آنے والے ہوں دو دو عدد۔ نوح۔ فلک۔ تنور وغیرہ پر حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ ف۲۷ (ان کے حق میں سعی و سفارش سب لا حاصل ہے) الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنے حق میں ظلم کرنے والے یعنی کافر۔ محاورۂ قرآنی میں یہ استعمال عام ہے۔ ای فی الذین کفروا (ابن جریر)

الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا

نجات دی ف۲۸ اور کہنا کہ اے میرے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا

مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

اتاریو اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے ف۲۹ اس (سارے واقعہ) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں ف۳۰ پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے

قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ۚ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

بعد پیدا کیا پھر ہم نے ان کی طرف ایک پیغمبر کو انہیں میں سے بھیجا (یہ پیام دے کر)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا

کہ اللہ ہی کی پرستش کرو تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں سو کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ؑ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

ڈرتے نہیں ہو! ف۳۲ ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر

وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ

اور آخرت کے آنے کے جھٹلانے والے تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھا تھا ف۳۳

مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

وہ بولے کہ یہ تو بس تمہارے ہی طرح کے ایک آدمی ہیں وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ۙ وَ لَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو ف۳۳ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی راہ قبول کر لی

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ۙ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ

تو تم تو نرے گھاٹے ہی میں رہے ف۳۴ یہ (شخص) تم سے بھی کہتا ہے تاکہ جب تم مر جاؤ گے

ف۲۸ انبیاء و مومنین کو ایک ایک ادب کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر نعمت کو اسی کی جانب منسوب کرنا سکھایا جاتا ہے۔ ف۲۹ یہ تعلیم دعا اس وقت کے لئے ہے جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہو۔ ف۳۰ (اپنے بندوں کو ایسے اپنے حوادث تکوینی کے ذریعہ سے) لَاٰیٰتٍ۔ اس سارے واقعہ کے اندر بہت سی نشانیاں حق تعالٰی کی قدرت و حکمت کی ہیں۔ ف۳۱ (شرک اور انجام شرک سے) مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی قوم نوح علیہ السلام کے بعد جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۔ یہ قوم کون سی تھی؟ عام رجحان یہ ہے کہ یہ قوم عاد یا قوم ثمود کی جانب اشارہ ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی مشرک ہی قوم تھی۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے۔ اس کے لئے ہادی خود اسی قوم میں سے بھیجا جاتا ہے۔ اَنِ ..... تَتَّقُوْنَ دعوت ہر نبی مرسل کی ہر زمانہ اور ہر ملک میں توحید ہی کی رہی ہے۔ ف۳۲ یہ آیت (دوسری متعدد آیات کی طرح) اس باب میں نص ہے کہ دولت و خوشحالی کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے .... آج جو خام کار مصلحین اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ دنیوی اور مادی ترقیاں اسلام صحیح ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ اس آیت کو اور ایسے ہی بہت سے دوسرے نصوص کو کیا کریں گے؟ ف۳۳ منکرین و مکذبین کی سب سے بڑی دلیل پہلے بھی یہی رہی ہے اور اب بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مادی حیثیت سے ہم اور نبی یکساں ہیں۔ طبعی حاجتوں کے لحاظ سے ہم میں اس میں کوئی فرق ہی نہیں وہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا، لیٹتا بیٹھتا ہے تو اسے ہم نبی کیسے مان لیں؟" خدا کا اوتار تو وہ ہو سکتا ہے جو عجیب و غریب کرشمے دکھائے، ہوا پر اڑے، جانوروں سے باتیں کرے، بھوک پیاس وغیرہ کی طلب سے آزاد ہو۔ غرض ہر مادی اعتبار سے انسان نہ ہو بلکہ کم از کم فوق البشر تو ضرور ہو! ف۳۴ (عقلی اور عملی نتائج کے لحاظ سے) یعنی اپنی رائے اور اپنے آزاد مشرب کو چھوڑ کر اگر تم ایک اپنے ہی جیسے انسان کی بتائی ہوئی راہ پر پڑ لیے تو اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور کیا ہوگی؟ یہ تو بڑا نقصان عقل ہوا۔ اور پھر یہ تمہیں خدا معلوم کیسی کیسی مادی مضرتوں میں مبتلا کر دے!

ع ۲

وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے؟ بہت ہی بعید

هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو ہماری (یہی) دنیوی زندگی ہے

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ

کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں وف۳۵ یہ تو بس

اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ

ایک انسان ہے جس نے خدا پر جھوٹ گڑھ لیا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ

ماننے والے نہیں وف۳۶ (پیغمبر نے) کہا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا (اللہ نے) فرمایا

عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

عنقریب یہ لوگ پچھتا کر رہیں گے چنانچہ پھر انہیں ایک سخت آواز نے

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ

موافق وعدۂ برحق کے آ پکڑا تو ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا وف۳۷ سو خدا کی مار

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

ظالم لوگوں پر وف۳۸ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا

پیدا کیا وف۳۹ کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ پیش دستی کر سکتی ہے اور نہ وہ لوگ

يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ

پیچھے ہٹ سکتے تھے وف۴۰ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو متواتر بھیجا۔ جب کبھی کسی امت

وف۳۵ دہریت و دہریت کا پورا فلسفہ ان سطروں میں آ گیا۔ دین صحیح کے داعی کا اصلی کام انہیں خیالات و عقائد پر ضرب کاری لگانا ہے اور یہی خیالات و عقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہر زمانہ اور ہر ملک میں منکرین و ملحدین کی زبان سے ظاہر ہوا کیے ہیں۔ وف۳۶ خدا پر افتراء یہی کہ مثلاً خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ خدا اکیلا بغیر کسی شریک، سہیم و مصاحب کے ہے اس مادی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی پیش آتی ہے۔ وغیرہ۔ بالحد و مشرک قومیں ان عقائد کو تمامتر بے بنیاد محض سمجھتی رہتی ہیں۔ وف۳۷ یعنی ان قوموں کو ہلاک و برباد کر دینے کے بعد ان کے مسکنوں تک کو ویران کر دیا۔ بالحق سے مراد ہے اس صحیح وعدہ کے مطابق جو رسول سے ہو چکا تھا۔ ای بالوعد الصدق الذی وعده الرسول (روح) الصیحۃ سے مراد تند آندھی بھی ہو سکتی ہے، زلزلہ بھی۔ غرض عذاب کی ہر صورت۔ عما میں عن مرادف ہے بعد کا۔ عن بمعنی بعدھا (روح) قلیل کو زمان قلیل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای عن زمان قلیل (بیضاوی) وف۳۸ ظالم سے مراد کافر و منکر ہیں۔ بُعدًا۔ عربی محاورہ میں یہ اسی موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں "خدا کی مار" وف۳۹ (اور یہ مختلف امتیں بھی تکذیب انبیاء کی پاداش میں اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوتی رہیں) وف۴۰ (وقت ہلاکت کے لحاظ سے) یعنی جس قوم کو جس وقت ہلاک ہونا ہی تھا وہ عین وقت معین پر ہلاک ہوئی۔ نہ اس سے ذرا پہلے نہ اس سے ذرا پیچھے۔

وا۴ (ہلاک ہونے میں) یعنی جوں جوں جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کی مجرم ہوتی رہی اسی نسبت و ترتیب سے وہ ہلاک و برباد کی جاتی رہی۔ و۴۲ یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ بس محض ان کے تذکرے اور قصے رہ گئے کہ لوگ سنیں اور عبرت حاصل کریں۔ ای صاروا یتحدث بھم وبحالھم فی الاھلاک علی سبیل التعجب والاعتبار وضرب المثل بھم (بحر) احادیث جمع ہے احدوثۃ کی۔ و۴۳ قبول حق و اتباع ہدایت کی راہ میں بڑا مانع یہی جذبہ خود بینی و استکبار رہا ہے۔ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ یعنی احکام اور معجزۂ صریح کے ساتھ۔ و۴۴ یعنی ایک تو یہ دونوں یوں ہی محض بشر ہیں ہمارے ہی جیسے۔ کوئی فوق البشر نہیں، کوئی دیوتا نہیں اور پھر بشر بھی کیسے ایسے پست و حقیر کہ ان کی قوم کی قوم ہماری محکوم و غلام ہے۔ اسے تو آزاد کرا سکے نہیں اور چلے ہیں ہمارے سامنے پیمبری کا دعویٰ کرنے! شامت زدہ قوموں کی ہمیشہ یہ شامت رہی ہے کہ اصل مسئلہ پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور ہی نہیں کرتے۔ صحیح تنقیح کو سامنے لاتے ہی نہیں، غیر متعلق اور دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ وَقَوْمُھُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ حکمران ظاہر ہے کہ فرعون تھا نہ کہ اس کی ساری قوم۔ لیکن وہی نفسیت بشری جو آج پھیلی ہوئی ہے اس وقت بھی تھی، یعنی حکمران قوم کا ایک

اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

کے پاس اس کا پیمبر آیا انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے بھی انہیں ایک کے پیچھے ایک کو لگا دیا و۴۱

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے و۴۲

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل

مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ

قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

تھے ہی متکبر و۴۳ چنانچہ وہ بولے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

درآنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیر حکم ہے و۴۴ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ

الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

ہلاک ہو کر رہے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

ہدایت پائیں و۴۵ اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا و۴۶

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی و۴۷ اے

الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ

پیمبرو تم نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو و۴۸ میں

ایک فرد اپنے کو بھی بجائے خود حکمران سمجھ رہا تھا اور پھر یہاں تو فرعون کے ارکان دربار کا ذکر ہے۔ یہ تو بہرحال اپنے کو حاکم سمجھتے ہی۔ اور اپنی "محکوم رعایا" کے ایک ایک فرد کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہی۔ و۴۵ الکتٰب سے مراد ظاہر ہے کہ توریت ہے اور ذکر اب فرعونوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کا ہو رہا ہے۔ لعلھم۔ ضمیر جمع غائب اسرائیلیوں یا قوم موسیٰ کی جانب ہے، نہ کہ قوم فرعون کی۔ ولا یجوز عود الضمیر الی فرعون وقومہ (بیضاوی) و۴۶ (اپنی قدرت و صنعت کا، مثلاً یہی کہ عیسیٰ مسیح کو باپ کے بلا توسط پیدا کر دیا) اٰیۃ۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ اور بڑا نشان محاورۂ قرآنی میں وہ ہے جو معمولات عام سے ہٹ کر ہو۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مریم وابن مریم دو ہستیوں کا ذکر لا کر قیاس یہ چاہتا تھا کہ اٰیۃ (واحد) کے بجائے صیغۂ تثنیہ اٰیتین استعمال ہوتا۔ لیکن قرآن مجید نے صیغۂ واحد لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کے معجزات مراد نہیں، بلکہ کسی ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں شریک ہیں اور ایسا عجیب و غریب واقعہ بجز ان کی بے باپ کی ولادت کے اور کوئی نہیں۔ سلسلۂ اسرائیلی کے انبیاء کا ذکر یہاں صرف دو بڑے پیغمبروں پر ختم کر دیا۔ ایک وہ جو اس امت کے لئے کتاب احکام و دستور شریعت لیکر آیا۔ دوسرا جو اس سلسلہ کا خاتم ہوا۔ و۴۷ یہ مقام کون سا تھا؟ اور واقعہ کب کا ہے؟ بعض اہل تفسیر ادھر گئے ہیں کہ یہ ذکر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت کا ہے۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کسی بلند ٹیلہ پر مقیم تھیں۔ اور نیچے چشمہ بہ رہا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے۔ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اکثر محققین کی رائے میں اس سے مراد ملک مصر ہے اور آیت کا تعلق ایک دوسرے قصہ سے ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ میں ملک شام کا حاکم ہیرودیس (HEROD) تھا۔ اور وہ نجوم و کہانت کے عروج کا زمانہ تھا۔ انجیل کی روایت ہے کہ اسے نجومیوں سے یہ پتہ چلا کہ اسرائیلیوں کا آیندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا ہے۔ اور وہ گھر حضرت مریم کے شوہر یوسف نجار کا تھا۔ اس نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالے اور آیندہ کے لئے اندیشہ ہی باقی نہ رہے۔ یوسف اس کے قبل ہی غیبی اطلاع پا کر مع حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کے وطن چھوڑ کر مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ "خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا۔ اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہو گیا۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔" (متی ۲: ۱۳، ۱۴) اٰوَیْنٰھُمَا سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ موقع کوئی خطرہ کا تھا جس سے مریم کو بچایا گیا۔ اور مفسرین کا بھی ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے۔ لیس الربی الا بمصر (ابن کثیر۔ عن ابن زید) وروی عن وھب بن منبہ نحو ھذا (ابن کثیر) قال الکلبی وابن زید ھی بمصر (کبیر) رَبْوَۃٍ کے لفظی معنی ٹیلہ یا بلند زمین کے ہیں۔ ھی الارض المرتفعۃ (کشاف) ھی ما ارتفع من الجبل دون الارض (روح) دوسرے مقامات مثلاً دمشق، رملہ، ایلیاء، بیت المقدس وغیرہ کے نام بھی نقل ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ و۴۸ اور پیمبروں ہی کے ضمن میں حکم ان کی امتوں کا بھی آ گیا۔ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ میں ذکر تکوینی نعمت کا ہے۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں حکم تشریعی ہے۔ نفیس ولذیذ چیزوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف حلال غذائیں ہیں۔ حرام غذا میں اگر لذت ہے بھی تو محض عارضی و فوری، جس پر حقیقۃً لذت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں رہبانیت کا بھی ابطال ہے جس میں بعض غالی مبتلا ہیں۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً

خوب جانتا ہوں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو اور یہی تمہارا طریقہ ہے کہ وہ ایک ہی

وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ

طریقہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو مجھی سے ڈرتے رہو ۴۹ پھر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی میں مگن ہے ۵۰

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ

سو آپ ان کو ان کی غفلت میں ایک خاص وقت تک پڑا رہنے دیجیے ۵۱ کیا یہ لوگ یہ گمان کر رہے ہیں

اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ

کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی

فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ

فائدے پہنچا رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ۵۲ بے شبہ جو لوگ

مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ

اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کی

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا

نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک

يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ

نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل

وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ

اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے ۵۳ یہ لوگ

و۴۹ (اور میرے احکام کی مخالفت نہ کرو) اللہ سے ڈرنے کے معنی بس اسی قدر ہیں کہ اس کے احکام کی مخالفت پر جرات اقدام باقی نہ رہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ (نعوذ باللہ) اسے ھوّا بنا کر اس طرح ڈرا جائے، جس طرح کسی جابر حاکم یا موذی دشمن سے ڈرا جاتا ہے۔ اللہ تو محبت و محبوبیت کی چیز ہے، دہشت و وحشت کی نہیں۔ اس کا خوف، صرف خوف عقلی رہنا چاہیے نہ کہ خوف طبعی۔ اُمَّۃً سے یہاں مراد دین یا مسلک سے ہے۔ امتکم ای ملتکم وشریعتکم (روح) امة واحدة ای بالملة والدين (ابن جریر۔ عن ابن جریج) دین اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ و۵۰ (اور باوجود وضوح حق کے اپنے ہی دین وطریقہ سے چپٹا ہوا ہے) و۵۱ (اے ہمارے پیغمبر۔ اور ان کی ضد اور اصرار علی الباطل پر زیادہ غم نہ کیجئے) یہ ذکر رسول اللہ ﷺ کے معاصر کفار کا ہے۔ حَتّٰی حِیْنٍ۔ مراد وقت موت تک ہے۔ و۵۲ یہ دھوکا عام و عالمگیر ہے۔ آج تک ہزاروں لاکھوں مذہب اسی میں مبتلا ہیں۔ تکوینی عیش و راحت کو اپنی حقانیت ومقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں! حالانکہ نظام تکوینی میں قانون ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں، بچھوؤں سب ہی کی پرورش وکفالت ہوتی رہتی ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ جس طرح ظاہری نعمتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اسی طرح باطنی نعمتوں (احوال و مواجید وغیرہا) پر مطمئن و مغرور نہ ہو جانا چاہیے۔ و۵۳ (تو دیکھئے کہ ہمارے اعمال خیر قبول بھی ٹھہرتے ہیں یا نہیں) اَلَّذِیْنَ..... مُشْفِقُوْنَ۔ خدائے نادیدہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اس لئے اس کی معصیت ونافرمانی سے بھی بچتے رہتے ہیں۔ خوف الٰہی پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴۹۔ اَلَّذِیْنَ..... یُشْرِکُوْنَ۔ مشرکین عرب کا اصلی مرض یہی تھا کہ اقرار الوہیت کے ساتھ ساتھ شرک بھی کئے جاتے تھے..... تنہا وجود باری کا اقرار شریعت میں اسی لئے مستند اور کافی نہیں۔ جب تک کہ نفی شرک بھی ساتھ ہی ساتھ نہ ہو۔ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا۔ ان کی یہ عطا و بخشش دین کی راہ میں، احکام الٰہی کے ماتحت ہوتی رہتی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال اور اپنے نفس پر بھی مطمئن نہ ہونا چاہیے۔

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا

(البتہ) فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں ف۵۴ اور ہم

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے ف۵۵ اور ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا

وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ

اور لوگوں پر ظلم ذرا نہ ہوگا ف۵۶ لیکن ان (کافروں) کے قلوب اس (دین) کی طرف سے غفلت (و جہالت) میں

هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

پڑے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے (برے) عمل ہیں جو یہ کرتے

عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ

رہتے ہیں ف۵۷ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے

اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا

تو یہ فوراً چلا اٹھیں گے ف۵۸ اب چلاؤ مت ہماری طرف سے تمہاری مطلق

تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

مدد نہ ہوگی ف۵۹ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا

الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے

تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ

بیہودہ بکتے ہوئے ف۶۰ کیا ان لوگوں نے (اس) کلام میں غور نہیں کیا یا (یہ بات ہے کہ) ان کے پاس وہ بات آئی جو ان

يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ

کے اگلے بڑوں کے پاس (بھی) نہیں آئی تھی؟ ف۶۱ یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے

ف۵۴ یعنی یہ اہل ایمان واہل تقویٰ ہی نفع حاصل کرتے ہیں، نہ کہ وہ کافر جو اپنی دنیوی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مغرور ہو کر اپنے کو برسرِ حق سمجھ رہے ہیں۔ نسارع لهم في الخيرات کا گمان رکھنے والوں کی تردید میں الفاظ بھی انہی کے الٹ کر لے آئے گئے ہیں۔ الخَيْرٰتِ یہاں طاعت کے معنی میں ہے، اور ان کی طرف اہل ایمان ہی سبقت کرتے ہیں۔ الخيرات هنا الطاعات يسارع اليها اهل الايمان بالله ويجتهدون في السبق اليها رغبةً فيها وعلماً بمالهم بها من حسن الجزاء (بصائر) ف۵۵ (چنانچہ ایمان وتقویٰ کے جو کام ادھر بتائے گئے وہ بالکل وسعتِ بشری کے حدود کے اندر ہیں) ف۵۶ (بلکہ ہر ایک کی سعی پوری طرح مشکور ہوگی، اور ذرہ ذرہ ہر عملِ خیر پر ثواب ملے گا) یہاں یہ بتا دیا کہ جس طرح اعمالِ خیر سہل ہیں، اسی طرح ان کا ثمرہ بھی یقینی اور غیر مشتبہ ہے۔ اس لئے سعی کے قابل تو بس یہی ایمانی زندگی ہے۔ كِتٰبٌ سے مراد نامۂ اعمال ہے۔ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ۔ یعنی اس میں غلطی اور سہو کا احتمال ہی نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھیک ہی درج ہوگا۔ ف۵۷ جس طرح مومنین کا سرمایہ علاوہ ان کے ایمان کے اعمالِ حسنہ وصالحہ ہوں گے، اسی طرح کافر علاوہ کفر کے طرح طرح کے اعمالِ بد میں بھی مبتلا رہا کرتے ہیں۔ ف۵۸ (اور اپنا کبر و استکبار بھول بھال، بے اختیار فریاد برپا کرنے لگیں گے اور عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کرنے لگیں گے) مُتْرَفِيْهِمْ۔ یعنی ان کے بڑے بڑے لیڈر، سردار اور پیشوا جو اس وقت ہر طرح کا سامان جاہ و حشم رکھتے ہیں۔ بِالْعَذَابِ۔ عذاب سے یہاں مراد عذاب بعد الموت ہے۔ ف۵۹ یہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ یہاں چلانا عاجزی کرنا لاحاصل ہے۔ ف۶۰ جو دار العمل تھا اس میں تو تمہاری یہ حالت تھی۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ فخر و ناز کرنے والے قریش تھے۔ جنہیں فخر تولیت وخدمتِ کعبہ پر تھا۔ مشائخ محققین نے اس سے اخذ کر کے کہا ہے کہ اپنی کسی نسبت یا فضیلتِ اضافی پر، مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں فخر کرنا مذموم ہے۔ ف۶۱ (یعنی کیا تکذیب کی بنیاد یہ ہے کہ وحی ورسالت کا تخیل ہی ان کے لئے نامانوس ہے۔ اور یہ آواز پہلی بار ان کے کان میں پڑ رہی ہے؟) اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کلام پر غور کرتے تو اس کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آ جاتے — یہاں تکذیب کا اصل باعث بے اتفاتی کو ٹھہرایا ہے۔

فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ

اور اس لئے ان کے منکر رہے؟ وٰ۶۲ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنون ہے وٰ۶۳ نہیں بلکہ

جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ

یہ (رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے اور ان میں سے اکثر حق (ہی) سے نفرت رکھتے ہیں وٰ۶۴ اور اگر

اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

(دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں

وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ

(سب) تباہ ہو جاتے وٰ۶۵ بلکہ ہم نے تو ان کے پاس ان کی نصیحت (ہی کی بات) بھیجی سو یہ لوگ

ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں وٰ۶۶ کیا آپ ان سے کچھ معاش طلب کرتے ہیں وٰ۶۷ سو معاش آپ کے

رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّكَ

پروردگار کی (دی ہوئی) سب سے بہتر ہے اور وہی سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے وٰ۶۸ اور یقیناً آپ تو

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں وٰ۶۹ اور یقیناً جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ سے بھٹکنے والے ہیں وٰ۷۰

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

اور اگر ہم ان پر مہربانی کردیں اور انہیں جو تکلیف ہے اسے دور بھی کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں وٰ۷۱ اور بالیقین ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا لیکن

وٰ۶۲ اَفَلَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ۔ یعنی رسول کے صدق سے، دیانت سے امانت سے نا واقف تھے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کے معاصرین کے انکار کی ممکن وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کی سیرت سے، آپ کے اخلاق فاضلہ سے نا واقف ہیں! ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو آپ کی پاکیزہ سیرت کے پورے گواہ تھے۔ وٰ۶۳ نہیں بلکہ اس کے برعکس لوگ تو آپ کی اصابت رائے کے فہم و ذکاوت کے پوری طرح قائل تھے۔ سو اس وجہ کا بھی باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بقدم آج یورپ کے جاہلین جدید بھی، ایک طرف آپ کے کمال حکمت و دانائی کے قائل ہیں یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی حکمت و خوش تدبیری سے قرآن نامے ایک جامع کتاب گڑھ لی، سارے ملک عرب کی جیبیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کر لیا۔ سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا۔ بڑے بڑے پرقوت دشمنوں، مشرکین و یہود وغیرہ پر غالب آ گئے وقس علی ہذا۔ ایک طرف تو آپ کی دانائی، فرزانگی، خوش تدبیری کا اعتراف اس زور شور سے ہے اور دوسری طرف آپ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون و صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے! وٰ۶۴ سو اصل وجہ ان فرض کی ہوئی وجوہ میں سے کوئی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انہیں حق ہی سے بیزاری ہے اور طلب حق تو ان میں کیا ہوتی، الٹی اس سے نفرت ہے۔ وٰ۶۵ اگر دنیا سے نظام حق ناپید ہو جائے تو پہلے تشریعی حیثیت سے اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر تکوینی حیثیت سے نظام عالم ہی درہم و برہم ہو جائے۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ۔ یہ ان منکرین کی خواہش کی طرف اشارہ ہے — ان لوگوں کا مذاق اس قدر فاسد ہو چکا تھا کہ اتباع حق کرنا الگ رہا الٹا وہ دین حق کو اپنی ترمیمات کا تختہ مشق بنانے کی فکر میں تھے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ اسی طرح اہل طریق بھی مریدین کی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ صرف حکمت و مصلحت کا اتباع کرتے ہیں۔ وٰ۶۶ (اور اپنے نفع نقصان کی طرف سے اتنے اندھے ہو چکے ہیں) وٰ۶۷ (جیسا کہ اکثر جاہلی مذہبوں کے پروہت اور پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں) سوال کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بے بنیاد وہم سے بھی تو یہ اپنی تکذیب کے لیے سہارا نہیں پا سکتے۔ وٰ۶۸ (تو آپ اس حقیقت سے آشنا ہو کر تو کبھی اس خیال کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء اور واعظین کو اجرت طلب کرنا ناجائز ہے۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ جس کی اصلاح کی جائے اس سے مال طلب کرنا مذموم ہے اور مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ وٰ۶۹ (محکم، یقین و ایمان کی پوری مستحکم قوت کے ساتھ) وٰ۷۰ (وہ تو ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا لیں گے) ہدایت کی طلب دل میں جبھی پیدا ہوتی ہے۔ جب پہلے آخرت کا یعنی اس "آج" کے بعد ایک "کل" کے ظہور کا یقین ہو لے۔ وٰ۷۱ اس حد تک ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور کفر و انکار پر اتنا جمود انہیں ہو چکا ہے۔

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى إِذَا

ان لوگوں نے نہ اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی کی ف۷۲ یہاں تک کہ جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ

ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت یہ بالکل

فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ الَّذِيٓ أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ

حسرت زدہ رہ جائیں گے ف۷۳ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان

وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ

اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکریہ ادا کرتے ہو ف۷۴ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے

الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾

جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم (سب) اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ف۷۵

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے بس میں ہے رات اور دن

وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ

کا الٹ پھیر سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ف۷۶ نہیں بلکہ یہ لوگ ویسی ہی بات کہتے ہیں جیسے اگلے (کافر)

الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوٓا أَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کہتے آئے ہیں کہتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے

أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا

تو کیا ہم پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے ہی

مِنْ قَبْلُ إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

سے ہوتا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے بجز اگلوں کی بے سند باتوں کے ف۷۷ آپ کہہ دیجئے

ع ۴/۴

ف۷۲ اشارۂ خصوصی معاصر معاندین رسول ﷺ کے سلسلہ میں قحط مکہ کی جانب ہے جو ۸ نبوی میں ہوا تھا۔ فَمَا اسْتَكَانُوا، وَمَا يَتَضَرَّعُونَ۔ استکانت اور تضرع مرادف نہیں اول کا تعلق ظاہر سے اور ثانی کا قلب سے ہے۔ ف۷۳ (کہ یہ کیا ہو گیا اور اس وقت سارے حواس درست ہو جائیں گے) عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ یہ عذاب شدید آخرت میں تو یقیناً ہوگا اور احتمال اس دنیا میں بھی ہے۔ ف۷۴ یعنی اتنا بھی تو نہیں کہ کم از کم ایسے قادر و منعم پر ایمان ہی لے آتے۔ ف۷۵ (قیامت میں) اس میں اشارہ ادھر آ گیا کہ اس وقت اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہوگی۔ ف۷۶ (اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟) مطلب یہ ہے کہ ان ساری قوتوں کا مرجع و منبع تو وہی ایک ذات ہے یہ سب دلائل و شواہد اس کی توحید کے ہیں۔ پھر تم پر کیا حماقت سوار ہے کہ تم متفرق و متعدد دیویوں، دیوتاؤں کے قائل ہو! يُحْيِي۔ يُمِيتُ۔ ...... لَهُ ...... وَالنَّهَارِ۔ زندہ کرنے اور رکھنے، ہلاک کرنے اور سارے تصرفات تکوینی سب اسی مالک واحد و خود مختار کے ہاتھ میں ہیں۔ ف۷۷ جزا و سزا، حشر و نشر سے انکار کوئی بیسویں صدی کی نئی روشن خیالی نہیں یہ قدیم گمراہی تو اتنی بوڑھی ہے کہ خود ابلیس کی ہم سن ہے۔

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

کہ (اچھا) زمین اور اس پر جو (رہتے ہیں) ہیں کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ

یہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے ہو وف۸۶ آپ کہیے

رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

کہ (اچھا) سات آسمانوں کا مالک اور عظیم الشان عرش کا مالک کون ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ

تو ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ وف۸۷ آپ کہیے وہ کون ہے جس

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ

کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى

اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب (صفت) اللہ ہی کی ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تمہیں کیسا

تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

خبط ہو رہا ہے؟ وف۸۸ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق بات پہنچا دی ہے اور یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا

اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں قرار دیا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو

لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى

ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر

بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

چڑھائی کرتا اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں وف۹۰ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ

وف۸۷ (اور کیوں نہیں یہ شرک سے دستبردار ہو جاتے ہیں) اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود سے انکار کر کے چند خداؤں کا ماننا دنیا میں شاذ و نادر ہی رہا ہے۔ ورنہ عموماً شرک کے معنی تو بس یہ رہے ہیں کہ ایک طرف اقرار ایک رب الارباب کا بھی جاری ہے اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا رہا ہے۔ زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا دیوتا الگ۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن صرف اسی عام و عالمگیر مشرکانہ ذہنیت پر کر رہا ہے۔ وف۸۸ (اور اس کی قدرت کاملہ اور توحید کا انکار کیے جاتے ہو) جاہلی مذہبوں میں ایک بڑی جہالت یہ چلی رہی ہے کہ توحید کے اجمالی اقرار و اعتراف کے بعد بھی مقتضیات توحید و مطالبات توحید پر ذرا سا بھی غور و توجہ کیے بغیر شرک بھی ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ وف۸۹ (کہ مقدمات توحید تو تمہیں سب تسلیم ہیں اور اس کے قدرتی اور لازمی نتیجہ سے نکلے جاتے ہو!) وَهُوَ يُجِيْرُ۔ یعنی وہ جسے چاہتا ہے اپنی پناہ میں لے آتا ہے۔ وف۹۰ مشرک قوموں کی خرافی روایات (میتھالوجی) ان قصوں سے بھری پڑی ہیں کہ فلاں دیوتا اور فلاں دیوتا میں یوں جنگ ہوئی۔ اس نے اس پر یوں چڑھائی کی۔ وہ اس پر یوں غالب آیا۔ قرآن نے ایک مختصر سے بلیغ فقرہ میں ان لوگوں کی دیومالا کا گویا ست کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔ اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے۔ جیسا کہ بدنصیب مسیحیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور نہ اس کے کوئی بیٹی ہے جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے گڑھ لیا ہے۔ وَمَا كَانَ ..... بَعْضٍ۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معبودوں میں تعدد ہوتا تو یہ نظام عالم پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہونا بدیہی ہے اس لیے اس مفروضہ پر جمے رہنا گویا بداہت کا انکار کیے جانا ہے۔

وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا

اور ظاہر کا غرض ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ

تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

مجھے وہ (عذاب) دکھادیں جس کا وعدہ ان سے کیا جا رہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

شامل نہ کیجیو ف۸۲ اور ہم بے شک اس پر قادر ہیں کہ ہم جو وعدہ ان سے کر رہے ہیں

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ

وہ آپ کو بھی دکھا دیں ف۸۳ (ان کی) بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کیجیے جو بہت ہی اچھا ہو ف۸۴

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ

ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں ف۸۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

شیطانوں کے وسوسوں سے ف۸۶ اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ (یعنی شیطان) میرے پاس

يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

بھی آ کھڑے ہوں ف۸۷ (یہ لوگ اپنی کفر سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے ف۸۸ (اس

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

وقت) کہتا ہے کہ میرے پروردگار مجھے پھر واپس بھیج دے تاکہ جس (دنیا) کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ

ہرگز نہیں یہ ایک بات ہی ہے جسے وہ کہے جا رہا ہے ف۸۹ اور ان کے آگے ایک آڑ ہے

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ

(ان کے) دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ف۹۰ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز نہ ان کے درمیان

ف۸۲ یہ تعلیم ہے دعا و آداب دعا کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ "اُروُ کی پھیلی ہوئی برائیوں سے جب عذاب نازل ہونے لگے تو مجھے محفوظ و مستثنیٰ کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بھی اسی لپیٹ میں آ جاؤں" اور یہ مقام ہے کمال عبدیت کا۔ پیمبر یہاں محض واسطہ ہیں۔ مقصود امت کو تعلیم دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیمبر کے لیے محل عذاب ہونے کا تو احتمال بھی نہیں۔ "دعا اس وجہ سے نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) ایسا امر محتمل ہے بلکہ اظہار ہے تہویل عذاب کا کہ جو محل اس کا محتمل ہی نہیں ہے، جب وہاں امر ہے استعاذہ کا۔ تو جو مستحق ہیں ان کو تو بہت ہی ڈرنا چاہیے۔ اور صحت سوال موقوف نہیں احتمال وقوع پر، بلکہ مقدوریت بھی کافی ہے"۔ (تھانوی ؒ) ف۸۳ یعنی اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئے۔ ف۸۴ (اور ان کی شرارتوں، خباثتوں کا انتقام اپنی طرف سے نہ لیجیے یہ غضب کہ دعوت و اصلاح کے حق میں آپ کی یہی نیکی مفید ہو جائے) انتقام اپنے نفس کے لیے بھی لینا بالکل جائز ہے۔ لیکن پیمبر کا مقام رخصت کا نہیں عزیمت کا ہوتا ہے اسے تعلیم اسی بلند مقام پر رہنے کی دی گئی ہے۔ یہ حکم اس وقت تک کے لیے ہے جب تک عذاب موعود نہ آئے۔ جہاد و قتال کا حکم، حقوق دین کے تحفظ کے لیے ہے اور یہ نرمی کی تعلیم حقوق نفس کے سلسلہ میں ہے۔ دونوں کا فرق خوب ملحوظ رہے۔ ف۸۵ (بس اس کا استحضار رہے۔ تو آپ کو انتقام لینے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے ہم خود ہی ہر سزا کے لیے کافی ہیں) ف۸۶ (کہ میں ان کافروں سے خلاف مصلحت مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤں) پیمبر کے لیے اس کا تو احتمال ہی نہیں کہ شیطان انہیں کسی معصیت پر لا سکتا ہے۔ بس یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ترغیبات سے کسی امر خلاف مصلحت پر آمادہ کر دے۔ یہاں اس سے بھی پناہ مانگنے کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ وسوسوں کا امکان جب منتہیوں کے لیے ہے تو مبتدی کہاں بچ سکتے ہیں۔ ف۸۷ وسوسہ ڈالنا الگ رہا شیطان تو پیغمبر کے پاس بھی نہیں پھٹکنے پاتے۔ اور یہی حاصل ہے اس دعا و استعاذہ کا۔ ف۸۸ حتیٰ۔ اظہار غایت کے لیے ہے۔ یہاں اس کا تعلق یصفون سے ہے۔ درمیانی آیت بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ یتعلق بیصفون ای لایزالون علی سوء الذکر الی هذا الوقت والآیة فاصلة بینهما علی وجه الاعتراض والتاکید للاغضاء منهم (کشاف) ف۸۹ اس بدبخت کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہوگی اور نہ اسے پورا ہونا چاہیے تھا۔ دنیا میں اس پر شامت اسی بنا پر سوار رہی کہ وہ غیب کو بھول گیا۔ یہی ذہنیت جب پھر اس پر طاری ہوگی تو پھر وہ آخرت و احکام آخرت کو اسی طرح بھول جائے گا۔ ارْجِعُوْنِ۔ صیغہ جمع کا ہے۔ واحد کے لیے یہ جمع تعظیمی ہے۔ خطاب اللہ بلفظ الجمع للتعظیم (کشاف) ف۹۰ موت کے بعد روح انسانی ایک درمیانی عالم میں رہتی ہے۔ اور وقت حشر تک رہے گی۔ اسی کا اصطلاحی نام عالم برزخ ہے۔

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

رشتے ناطے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا و۹۱ البتہ جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ

بھاری ہو گا تو ایسے ہی لوگ تو کامیاب ہوں گے و۹۲ اور جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ

ہلکا ہو گا سو یہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور

جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ

جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہو گی اور اس میں ان کے منہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

بگڑے ہوئے ہوں گے کیوں کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

جنہیں جھٹلایا کرتے تھے؟ و۹۳ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہم

شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو اس (جہنم) سے

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا

نکال دے اب اگر ہم پھر ایسا کریں تو بے شک ہم (پورے) قصوروار ہوں گے و۹۳ ارشاد ہو گا دھتکارے ہوئے اسی میں

وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ

پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو ایک گروہ ایسا بھی تو میرے بندوں میں سے تھا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ

جو (ہم سے) کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو تو

و۹۱ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کا ہول اور عذاب اور بھی شدید تر ہو گا۔ اس روز دنیا کے رشتے ناطے، دوستی، تعارف کچھ کام نہ آئے گا۔ بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ وعید کافروں کے حق میں ہے اور وعید سے متعلق یہ قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان کو نسبت اپنے اپنے بزرگوں کے ساتھ نافع ہو گی۔ انشاء اللہ۔ و۹۲ اس روز کام آنے والی چیز صرف ایمان ہو گی۔ اور اہل ایمان کی شناخت یہ ہو گی کہ ان کے عقائد و اعمال کا پلہ میزان عدل میں بھاری ہو گا۔ و۹۳ یہ ان دوزخیوں سے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ یا بہ واسطہ ارشاد کرے گا۔ و۹۴ (اس وقت انہیں سزا دے لینا۔ لیکن اب تو چھوڑ ہی دے) وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا منکر اور مکذب بھی اقرار و اعتراف وندامت وحسرت پر اپنے کو مجبور پائے گا۔

خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى

سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے تو تم نے انہیں تمسخر پر رکھ لیا تھا یہاں تک کہ

اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ

(اس مشغلہ نے) تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کرتے رہے ؁۹۵ میں نے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ وہی (پوری طرح) کامیاب نکلے ؁۹۶

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا

ارشاد ہو گا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے؟ وہ کہیں گے

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ

ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گننے والوں سے پوچھ لے ؁۹۷ ارشاد ہو گا کہ

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھے رہے ہوتے! ؁۹۸

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا

ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹا کر لائے

تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہ جاؤ گے؟ ؁۹۹ سو اللہ (بڑا) عالی شان ہے بادشاہ حقیقی ہے! اس کے سوا کوئی بھی

هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ

معبود نہیں عرش بزرگ کا مالک ہے ؁۱۰۰ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور

اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ

خدا کو بھی پکارے حالانکہ اس کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، سو اس کا حساب اس کے پروردگار کے ہاں

؁۹۵ کتنی صحیح، موثر و عبرتناک تصویر ہے! آج کتنے ہی منکروکافر نہیں، نام کے مسلمان بھی اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ بیچارے سیدھے سادے دیندار مسلمانوں سے برابر کرتے رہتے ہیں! اِنَّہٗ کلمہ تعلیل کا ہے۔ اس سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ اولیاء اللہ کی بڑی شان ہوتی ہے۔ اور مقبولین سے گستاخی و تمسخر کا انجام تار ہے۔ اخْسَـُٔوْا فِیْہَا۔ اخساء کا ترجمہ اردو کے کسی ایک لفظ سے دشوار ہے۔ عربی میں یہ لفظ کتے کے دھتکارنے کے موقع پر آتا ہے۔ اے ابعدوا فیھا کما یقال للکلب اذا طرد اخساء (معالم) ؁۹۶ (اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ ان غریبوں کا کیا بگڑا جو تمہارے تختۂ مشق تھے۔ چند روزہ کلفت کو صبر کے ساتھ برداشت کر لے گئے۔ مصیبت تو تمہارے ہی حصہ میں آئی)" مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی۔ اور عباد بھی کیسے، ہمارے مقبول و محبوب، جو ہم سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کو تمسخر بنانے میں ان کی ایذاء کہ اضاعۂ حق العبد ہے اور تکذیب حق جو منشا تمسخر یہ کا ہے کہ اضاعۂ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے۔ بس اس کی سزا کے لیے دوام اور اتمام مناسب ہے۔ اور مومنین کو جزائے فوز دینا منجملہ تمام سزا ہے کفار کے لیے۔ کیونکہ اعداء کی کامیابی سے روحانی تازی ہوتی ہے"۔ (تھانوی ؒ) ؁۹۷ (ہمیں اب کچھ یاد و اد نہیں) یہ جواب ان کی زبان سے شدت سراسیمگی اور حواس کی گمشدگی میں ادا ہو گا۔ الْعَآدِّيْنَ۔ گننے والوں سے مراد فرشتے لیے گئے ہیں، کہ ان کے پاس بندوں کی ہر چیز کا حساب و کتاب رہتا ہے۔ الملئکۃ الذین یحفظون اعمال بنی اٰدم و یحصونھا علیھم (ابن کثیر) ؁۹۸ ارشاد ہو گا کہ یہاں کے طول و دوام کے مقابلہ میں تم دنیا میں بیشک بہت ہی قلیل مدت کے لیے رہے، لیکن کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کے بے ثبات اور زود فنا ہونے کا احساس کر لیا ہوتا۔ ؁۹۹ تمہاری کیسی شدید حماقت تھی کہ تم اپنی تخلیق ہی کا مقصد نہ سمجھے اور اسی کے دلائل کو جھٹلاتے رہے! گویا جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے، ایسے ہی انسانی روح بھی معدوم محض ہو جاتی ہے۔ قرآن اسی خیال باطل کی تردید کرتا ہے۔ اور انسان کی حیات دنیوی کا انجام پیش گاہ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے — اسی میں رد آ گیا ان باطل مذہبوں کا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں — ؁۱۰۰ عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے، یاد رہے کہ اللہ اس کا بھی مالک ہے، پروردگار ہے۔ نعوذ باللہ وہ خود کسی آسمان کے ساتھ متحد یا اس کا مترادف نہیں۔ جیسا کہ بعض "دانشمندوں" نے سمجھ رکھا ہے!

ف۱۰۱ (یعنی وہ ابدالآباد تک عذاب میں گرفتار رہیں گے) فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ یہاں غافل انسان کے احساس ذمہ داری کو ایک بار پھر بیدار کیا ہے۔ اور یاد دلا دیا ہے کہ غیر اللہ سے لو لگانا کچھ بھی کام نہ آئے گا، پوری جوابدہی مرنی پڑے گی۔ ف۱۰۲ اس اجازت و حاجت کے ساتھ دعا کرنے کی تعلیم افضل البشر کو مل رہی ہے۔ تو دوسروں کا ذکر ہی کیا، کتنا زور عبدیت پر، اور کتنی تاکید توحید کی ہے! رَبِّ اغْفِرْ ہر شخص کی مغفرت اس کے درجہ و مرتبہ کے مناسب ہوتی ہے۔ تو پیمبر کی مغفرت ظاہر ہے کہ اعلیٰ ترین مرتبہ کی ہوگی۔ وَارْحَمْ ۔ یہ طلب رحمت کی درخواست ہر حال اور ہر مقام کے لیے ہے۔ معاش میں رحمت، درجہ طاعات میں رحمت، مراتب نبوت میں رحمت۔ وقس علیٰ ہذا۔ غفر و رحمة کے درمیان یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ غفر تو گناہوں کو مٹا دینا، اور خلق کی نگاہ سے انہیں اوجھل کر دینا ہے، اور رحمت اقوال و اعمال میں توفیق خیر دینا ہے۔ الغفر اذا اطلق معناه محو الذنوب و ستره عن الناس و الرحمة معناها ان يسدده و يوفقه في الاقوال و الافعال (ابن کثیر)

ف۱ (اور ان احکام پر عمل کرو) اَنْزَلْنٰهَا ۔ یعنی اس کے الفاظ کو نازل کیا ہے۔ فَرَضْنٰهَا ۔ یعنی اس کے مضامین و مطالب ہم نے مقرر کیے ہیں۔ مراد احکام سے ہے۔ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۔ یعنی ان احکام پر کھلی ہوئی دلالت کرنے والی آیتیں۔ قرآن مجید تو ظاہر ہے کہ سارے کا سارا حق تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا اور اس کے احکام اسی کے مقرر کیے ہوتے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اس سورت اور اس کے مندرج احکام کی اہمیت خاص طور پر ذہن نشین کرائی جائے — حدیث صحیح میں بھی حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔ سورت کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ عورت کی عفت و ناموس ہی خانگی زندگی کی جان ہے، اور یہ بنیادی نکتہ یاد رہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہو گیا تو اصلاح سارے معاشرہ کی ہو رہے گی۔ سورۃ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ظاہر و روشن ہے۔ سورۂ ماقبل کے آخری اجزاء اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ سے مفہوم یہ پیدا ہوا تھا کہ خلق انسانی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو اس عالم میں احکام کا مکلف کیا جائے، اور انہیں کی اطاعت و مخالفت پر اس عالم میں جزا و سزا کا اجرا ہو۔ سورۃ موجودہ میں انہیں احکام میں سے بعض اہم اجزاء کی تفصیل ہے۔ ف۲ (اور اس جرم کو کوئی معمولی اور ہلکی بات ہرگز نہ خیال کرو) اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ ۔ زنا لغت میں ہر اس ہمبستری کے لیے عام ہے جو قید نکاح سے باہر ہو۔ لیکن سنت رسول نے اس عموم کو یہاں سیاق میں مخصوص و مقید کر دیا ہے۔ جیسا کہ اور بہت سے موقعوں پر کیا ہے۔ یہاں مراد وہ زانی اور زانیہ ہیں جو آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں لیکن ہنوز ان کا نکاح نہ ہوا ہو۔ یا نکاح تو ہو چکا ہو۔ لیکن ہمبستری کی نوبت ابھی نہ آئی ہو۔ مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ یہ سو تازیانوں کی سزا ایسوں ہی کے لیے ہے۔ باقی جو آزاد نہیں ان کی سزا اس کی نصف ہے۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ۵ سورۃ النساء) اور جو عاقل و بالغ نہیں وہ مکلف ہی نہیں۔ جس مسلمان میں پوری صفتیں جمع ہوں، یعنی وہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو۔ نکاح و ہمبستری کر چکا ہو۔ اس کے لیے شریعت میں اصطلاح محصن یا محصنہ کی ہے۔ اس کے لیے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہے، تا آنکہ وہ مر جائے۔ یہ سزا سنت رسول سے، تعامل صحابہ سے، مجتہدین امت کے اجماع سے، متفقہ طور پر ثابت ہے۔ اختلاف کسی سے منقول نہیں بجز خوارج، اور بعض خوارج جدید کے۔ و يكفينا في تعيين الناسخ القطع بامره ﷺ بالرجم و فعله في زمانه عليه الصلوٰة و السلام مرات فيكون من نسخ الكتب بالسنة القطعية و قد اجمع الصحابة و من تقدم من السلف و علماء الامة و ائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت و انكار الخوارج ذلك باطل (روح) والظاهر انه ليس على الزانية و الزاني حد غير الجلد فقط و هو مذهب الخوارج و قد ثبت الرجم بالسنة المستفيضة و عمل به بعد الرسول خلفاء الاسلام ابو بكر و عمر و علي و من الصحابة جابر و ابو هريرة و بريدة الاسلمي و زيد بن خالد (بحر) فَاجْلِدُوْا ۔ اس حکم کے مخاطب امراء اسلام ہیں۔ یعنی امیر المومنین یا ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی و حاکم۔ اور اجراء حدود کا محل دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں۔ الخطاب للائمة لان اقامة الحد من الدين (مدارک) لا حد على من زنى في دار الحرب (روح) لا خلاف ان المخاطب هذا الامر بالجلد الامام و من ناب عنه (ابن العربی) والامر للامام و نوابه بالجلد (نہر) فَاجْلِدُوْا میں ف سببیہ ہے (روح) حد۔ اصطلاح شریعت میں اس سزا کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہو۔ اور اس کی مقدار شارع کی معین کی ہوئی ہو۔ اس کا نفاذ حکم امیر اسلام کے بغیر جائز نہیں۔ اور اس میں تخفیف و ترحم کا حق امیر کو بھی حاصل نہیں۔ البتہ قبل ثبوت ابتداءً اس کی جانب سے اعراض و چشم پوشی اولیٰ ہے۔ انہیں حدود میں سے ایک حد زنا ہے جو یہاں مذکور ہوئی۔ تجربہ شاہد ہے کہ آج بھی جن ملکوں مثلاً نجد، حجاز، یمن وغیرہ میں حد شرعی جاری ہے، وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقا ہے۔ اجراء حد زنا کی شرط یہ ہے کہ چار کی تعداد میں مسلم، عاقل، بالغ و عادل گواہ چشم دید تفصیلی شہادت دیں یا مجرم خود بار بار اقرار کرے۔ شبہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ عورت اگر مجنون، مجبور، بیہوش یا نیند سے معذور ہو تو سزا سے معاف رہے گی۔ اسی طرح مرد مجبور بھی ماخوذ نہ ہوگا۔ ف۳ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم ہو کہ ہے اور تمہارے ایمان کی پختگی کی آزمائش کا ذریعہ۔ پرانی امتیں انہی موقعوں پر بے جا مروت اور بے محل نرمی برتنے سے تباہ ہو گئی ہیں، یہود علی الخصوص۔ ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اور غور کیجیے کہ یہ سزائے سخت بھی مجرموں کے حق میں سراسر رحمت ہی ہے۔ یہاں سزا بھگت لینے کے بعد ان شاء اللہ وہاں پاک و صاف ہو کر اٹھیں گے۔ اور اس وقت قدر ہوگی کہ کیسے سستے چھوٹ گئے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ۔

رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۱۷ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہیں ہونے کی ف۱۰۱ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میری مغفرت کر
وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۱۸
اور میرے اوپر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے ف۱۰۲

آیاتہا ۶۴ — ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ — رکوعاتہا ۹
اس میں ۶۴ آیتیں — سورۂ نور مدنی ہے — اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ
(یہ ایک) سورت ہے کہ ہم (ہی) نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم (ہی) نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم ہی نے اس میں کھلی ہوئی
بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ
آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو ف۱ زنا کار عورت اور زنا کار مرد
فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا
سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سو سو درے مارو ف۲ اور تم لوگوں کو
تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو ف۳ اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت
طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً
مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے ف۴ زنا کار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زنا کار عورت

أَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ

یا مشرکہ عورت کے وٖ۵ اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا

مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ

مشرک کے وٖ۶ اور اہل ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے وٖ۷ اور جو لوگ

يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو وٖ۸ اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً

تو انہیں اسّی درے لگاؤ وٖ۹ اور کبھی ان کی کوئی گواہی نہ قبول

أَبَدًا ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

کرو وٖ۱۰ یہی لوگ تو فاسق ہیں وٖ۱۱ ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ

توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ

بڑا رحم کرنے والا ہے وٖ۱۲ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس

لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ

بجز اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار

شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ

اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے

أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۷﴾

کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں وٖ۱۳

یعنی شریعت الٰہی کے نفاذ کے معاملہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی مروت اور بیجا نرمی تمہیں اجراء حد سے باز نہ رکھے۔ یہ مراد نہیں کہ سزا پانے والے کے ساتھ تم طبعی ہمدردی بھی نہ محسوس کرو۔ وٖ۴ (تاکہ ایسے مجرموں کی تشہیر و تفضیح بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی جائے۔ اور دوسروں کو عبرت بھی پوری طور پر حاصل ہوتی رہے) چپ چپاتی سزائے جسمانی۔ چاہے وہ بجائے خود بھی کیسی ہی سخت ہو۔ بدر جہا زائد موثر ہو جاتی ہے اگر یہ تشہیر و تفضیح والا عنصر بھی اس کے ساتھ لگا رہے۔ وٖ۵ مُشْرِكَةً۔ زَانِيَةً۔ مشرکہ سے مراد وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہو۔ ایسی کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ اسی طرح زانیہ بھی وہ ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں ممانعت تو صرف ان سے نکاح کی ہو رہی ہے جو فی الحال مشرکہ یا زانیہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو مستحضر رکھنے سے آیت پر عاید ہونے والے اعتراضات از خود ختم ہوتے جاتے ہیں۔ وٖ۶ بہت سی جاہل قوموں میں یہ دستور بھی رہا ہے کہ عورت ایک طرف کسی کے نکاح میں بھی ہے اور دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اس کی اجازت سے زنا کاری میں بھی مبتلا ہے۔ اور یہ دستور عرب میں بھی موجود تھا۔ آیت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک بے عصمت عورت کی طرف کوئی رغبت کر بھی کیسے سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود بھی ایسی ہی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہو۔ وٖ۷ یعنی مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت ہے۔ مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ ہو جائے گا لیکن عند اللہ معصیت تو بہر حال رہے گا۔ وٖ۸ (زنا کی) یعنی وہ لوگ جو پارسا بیویوں کو حرامکاری کی تہمت لگائیں۔ الْمُحْصَنٰتِ۔ محصنہ کی تعریف اس سیاق میں یہ ہے کہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، کوئی علامت زنا کی اس میں ظاہر نہ ہو۔ وَالَّذِينَ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تہمت کی یہ سزا صرف مردوں تک محدود ہے۔ جو عورت کسی دوسری عورت یا مرد پر تہمت لگائے وہ بھی اسی حکم میں آتی ہے۔ وٖ۹ اللہ اللہ! اللہ کو مسلمان مرد و مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے! گواہ ایک نہیں دو بھی نہیں۔ اکٹھے چار چار گواہ وہ بھی چشم دید ہونا چاہیے۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہو سکے گی۔ اور جب چار چشم دید گواہ موجود نہیں اس لیے اجراء حد بھی نہ ہو سکے گا۔ جو بلا ضرورت ایسی بات زبان سے نکالتا ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبرو ریزی کرتا ہے۔ وہ شریعت اسلام اور خدائے اسلام کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہ چاروں گواہ مرد ہونے چاہئیں۔ اس حد کو اصطلاح میں قذف کہتے ہیں۔ اس کا اجراء مقذوف کے مطالبہ ہی پر ہو سکے گا۔ یہ ساقط بھی ہو سکتی ہے اگر مقذوف معاف کر دے۔ غلام و باندی پر تہمت کی سزا نصف یعنی چالیس درے ہیں۔ فَاجْلِدُوا کے مخاطب یہاں بھی امراء اسلام اور ان کے نائب ہیں۔ عفو و تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں۔ البتہ اجراء حد کے لیے یہ ضروری ہے کہ تہمت کھلے الفاظ میں لگائی گئی ہو۔ وٖ۱۰ (معاملات میں) یعنی بندوں کے باہمی مقدمات میں ایسے لوگوں کی شہادت بعد توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ جن امور کا تعلق دیانت محض سے ہے۔ مثلاً رؤیت ہلال رمضان، روایت حدیث وغیرہ ان میں توبہ کے بعد شہادت مقبول ہو جائے گی۔ وٖ۱۱ جنہیں ایک عفیف یا عفیفہ کلمہ گو کی جانب ایسے بدترین جرم کو منسوب کرتے باک نہیں ہوتا) جب زنا کاری خود ایک شدید گناہ ٹھہرا تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین کے مرادف ہوئی اور سزا بھی اس کے لیے ایسی ہی سخت لازم آئی۔ آج دنیا کے کسی دوسرے قانون میں معاشرہ کی پاکیزگی و صفائی کا اس درجہ اہتمام ولحاظ ہے؟ خود مسلمان آج ان احکام پر عمل کرنے لگیں تو باہمی رنجشوں، کدورتوں کا کیسا سد باب ہو کر رہے! وٖ۱۲ (وہ آخرت میں اس پر رحم کرے گا، اور فسق کو جو سبب تھا استحقاق عذاب کا اس سے دور کر دے گا) تَابُوا یعنی اللہ کے حضور میں توبہ کر لیں۔ وَأَصْلَحُوا یعنی جس پر تہمت لگائی تھی اس سے اپنا قصور معاف کرا لیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اجراء حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہو جاتی۔ وٖ۱۳ اس بیان حلفی کا نام اصطلاح شریعت میں لعان ہے۔ اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ الزام بدکاری کے عام ثبوت کا تو قاعدہ وہی ہے ”چار گواہوں کی چشم دید شہادت۔“ لیکن شوہر جب بیوی سے متعلق یہ دعویٰ کرے اور چار چشم دید گواہ نہ پیش کر سکے تو خود اس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت قائم مقام چار گواہوں کے سمجھی جائے گی اور بیوی پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔

ف ۱۴ یعنی عورت بھی اگر اسی طرح پانچ بار حلفی شہادت مرد کی تکذیب میں دے تو حد زنا سے تو بچ جائے گی۔ البتہ اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گی۔ جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کا مصدق نہ ہو جائے۔ ف ۱۵ خطاب یہاں ساری امت کو ہے، مردوں عورتوں سب کو۔ مطلب یہ ہے کہ امت کے ہاتھ میں کیسا جامع، کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے۔ زبردستوں، زیردستوں، عاصیوں، مظلوموں سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی ہی قانون ہو سکتا ہے۔ ف ۱۶ ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں، آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ اس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ آپ ہلکی پھلکی کم سن تھیں۔ ایک روز اتفاق سے ایک منزل پر آپ کو ہودج سے باہر ویرانہ کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی۔ واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ جمالوں کا خیال بھی ادھر نہ گیا، کہ آپ موجود نہیں ہیں۔ اب جب آپ آئیں تو سخت متاسف ہوئیں۔ لیکن آپ نے خیال کیا کہ آگے چل کر جب میری تلاش ہوگی اور میں نہ ملوں گی تو کوئی ڈھونڈنے بہر حال یہاں ضرور ہی آئے گا۔ رات کا وقت چادر لپیٹ کر آپ وہیں بیٹھ گئیں۔ اور آپ کو نیند آ گئی۔ ایک صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر پیچھے پیچھے چلا کریں۔ گری پڑی چیز کی، بھولے بھٹکے کی خبر گیری کے لیے۔ وہ جب صبح سویرے یہاں پہنچے تو دیکھا کوئی انسان سو رہا ہے۔ قریب پہنچے تو پہچانا اور بے اختیار پکار اٹھے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آواز سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ ام المومنین پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل تھامے قافلہ میں جا کر ملا دیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی لیکن مدینہ منافقوں کا گھر تھا۔ ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک شوشہ ہاتھ آ گیا۔ اپنی خباثت سے خوب خوب حاشیہ آرائی کی۔ اور گنتی کے تین مسلمان بھی سنی سنائی اس کی باتوں کو دہرانے لگے۔ تمام پاکیزہ خصلت، پاکیزہ مزاج مسلمانوں کو اس گندے تذکرہ سے جیسی کلفت ہوئی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ خصوصاً جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ کو۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد برأت کی یہ آیتیں خود قرآن مجید میں نازل ہو کر رہیں۔ نبی کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ امت کے حق میں رحمت ہے، برکت ہے۔ امت کی کتنی نیک، پارسا بیویوں پر آج بھی کیسی کیسی تہمتیں لگتی رہتی ہیں، ان سب بیچاریوں کو اس واقعہ سے صبر و تسکین کا کتنا بڑا سہارا ہاتھ آ گیا۔ ف ۱۷ یعنی ایک تو وہی منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھ کل تین مسلمان۔ دو مرد حسان بن ثابت اور مسطح رضی اللہ عنہما۔ اور تیسری ایک عورت حمنہ بنت جحش۔ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے اصل مراد تو مسلمان ہی ہیں۔ باقی مِنْكُمْ کے عموی اطلاق میں منافقوں کو بھی ان کے دعوی اسلام میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال قرآن مجید میں بارہا ملے گی۔ "گروہ قلیل" کے لفظ میں تسکین کا پہلو بھی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ ف ۱۸ خطاب عام امت اسلامیہ سے ہے جسے قدرۃً اس موقع پر غم بھی تھا اور غصہ بھی۔ اور جن پر خود تہمت لگی تھی وہ تو بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ٹھہرے۔ ف ۱۹ تہمت زدہ اشخاص کو بدنامی و رسوائی کا رنج ہونا ایک امر طبعی تھا۔ قرآن مجید انہیں تسلی دے رہا ہے کہ اول تو بدنامی ہی کیا۔ تہمت کا مخترع ایک مسلم منافق (اور وہ بھی تعداد میں کل ایک) اور اس کے پھیلانے والے اور اس میں شریک ہونے والے اسلامی آبادی کے کل تین بھولے بھالے فرد! پھر خیر تھوڑی بہت جو کچھ بھی یہ بدنامی و رسوائی ہوئی اس پر اجر بھی تو سوچو کتنا عظیم الشان ملے گا! اس کے سامنے اس دار آلی و فانی کی بدنامی کی حقیقت ہی کیا! اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ خود قرآن مجید تمہاری صفائی پیش کر رہا ہے! ایسی نعمت کس کے نصیب میں آتی ہے۔ اتنا ہی نہیں: تمہارے ہی واقعہ سے ایک عام ضابطہ و قانون بھی تو امت کو ہمیشہ کے لیے مل رہا ہے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اس بات پر غمگین نہ ہونا چاہیے کہ منکرین ان سے تشنیع و انکار سے پیش آتے ہیں۔ اس سے تو اور ان کے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔ ف ۲۰ (اس کے درجۂ معصیت کے مطابق) مثلاً ایک تو وہ ہے جس

وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ

اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۟ۙ (۸) وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ

کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ

غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (۹) وَ لَوْ

مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے ف ۱۵ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

حَكِیْمٌ (۱۰) ع اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ

بڑا حکمت والا ہے (تو تم بڑی مصیبتوں میں پڑ جاتے) ف ۱۵ بے شک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے ف ۱۶ وہ تم میں سے

مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ

ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے ف ۱۷ تم اس کو برا نہ سمجھو اپنے حق میں ف ۱۸ بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہے ف ۱۹

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ

ان میں سے ہر شخص کو جس نے جتنا کچھ کیا تھا گناہ ہوا ف ۲۰ اور جس نے

تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۱۱) لَوْ لَاۤ اِذْ

ان میں سے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے سزا بھی (سب سے بڑھ کر) سخت ہے ف ۲۱ جب تم لوگوں نے

سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک

خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ (۱۲) لَوْ لَا جَآءُوْ

گمان کیا ف ۲۲ اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے ف ۲۳ یہ لوگ اپنے قول پر

نے اس فتنہ کا اختراع کیا۔ دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زبان سے اسے دہرایا۔ تیسرے وہ جنہوں نے سن کر سکوت اختیار کیا۔ سو ضرر تو انہیں لوگوں کے حق میں ہوا۔ مسلمانوں کو تو بجائے ضرر کے نفع ہی ہوا۔ ف ۲۱ (اور وہ عذاب ہے دوزخ کا۔ اس کا مستحق تو اپنے کفر و عداوت رسول کی بنا پر وہ پہلے ہی سے تھا۔ اب اور زیادہ مستحق عقوبت کا ہو گیا) مراد اس سے وہی مخترع افک، عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین ہے۔ ف ۲۲ یعنی ایک صحابی رسول ﷺ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور ایک زوجِ رسول ﷺ کے حق میں۔ بِاَنْفُسِهِمْ کا لفظ اس موقع پر لا کر قرآن مجید نے ایک تازہ سبق امت کو احساس وحدت کا دے دیا۔ امت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیے جیسی خود اپنی رسوائی۔ انه جعل المؤمنين كالنفس الواحدة فيما يجري عليها من الامور فاذا جرى على احد مكروه فكانه جرى على جميعهم (کبیر) اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ مثلاً حسان و مسطح رضی اللہ عنہما۔ اَلْمُؤْمِنٰتُ۔ مثلاً حمنہ رضی اللہ عنہا۔ ف ۲۳ قرآن نے یہاں اس ضابطہ کی تعلیم دے دی کہ جیسے مسلمان سے متعلق ہر روایت کے وقت حسن ظن ہی سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ تا آنکہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے۔ نفی الزام کے لیے صرف عدم ثبوت و عدم شہادت کافی ہے۔ ثبوت عدم و شہادت عدم کی ضرورت ہرگز نہیں۔ یہ تو عام مسئلہ ہوا۔ باقی خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں تو اب شہادت قرآنی مہیا ہو گئی۔ جس سے اونچی کوئی اور شہادت ممکن ہی نہیں۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے مرادف ہوگا۔ "مطلب یہ کہ اصل امر نزاہت ہے۔

عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
چار گواہ کیوں نہ لائے سو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ
تو بس یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہی ہیں ؎۲۴ اور اگر تم پر

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ
اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس شغل میں تم

فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ
پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا ؎۲۵ (عذاب عظیم کے مستحق تو اس وقت ہوئے) جب تم اپنی زبانوں سے

بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
اسے نقل درنقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کی تمہیں کوئی تحقیق نہ تھی

وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوْ لَاۤ
اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی ؎۲۶ اور تم نے جب

اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ
اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ
توبہ یہ تو سخت بہتان ہے ؎۲۷ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ

تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ يُبَيِّنُ
پھر اس قسم کی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو ؎۲۸ اور اللہ تم سے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ؎۲۹ یقیناً جو لوگ

جب تک اس کا یقین رافع نہ ہو اسی کا یقین شرعاً واجب ہے۔ لان الیقین لا یزول بالشک الا بیقین مثلہ۔ بس اسی بنا پر نزاہت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یقین اور قذف کے مقابلہ میں اسی یقین کا اظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں عبد مکلف بنایا گیا ہے۔ بس محل افک میں قبل نزول آیات کے صرف عدم ثبوت بالدلیل تھا اور بعد آیات کے البتہ ثبوت عدم بالدلیل متحقق ہو گیا...... اس وقت یقین اصطلاحی کا مکلف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب بعد نزول آیات چونکہ اس یقین اصطلاحی کا مبنیٰ کہ ثبوت عدم بالدلیل ہے۔ پایا گیا، اب اس کا بھی مکلف ہے۔ اور اس کا ترک یعنی احتمال مرجوح بھی کفر ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے کہا ہے کہ گو یہاں صیغہ امر نہیں لیکن کلمہ تمنا امر سے بھی زیادہ مؤکد ہے بس مومن پر لازم ہے کہ جب کسی کی برائی سنے اور شہادت اس پر کافی نہ ہو تو اسے باور نہ کرے اور اپنے بھائی کو بری ہی قرار دیتا رہے۔ صوفیہ محققین نے کہا کہ اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ اہل اللہ کی عادت ہے کہ بعید سے بعید احتمال سے کام لے کر حسن ظن ہی قائم رکھتے ہیں۔ ؎۲۴ اثبات زنا کے لیے شرط چار گواہوں کی چشم دید شہادت ہے۔ عدم ثبوت خود ہی مرادف ہے قانون شریعت میں، عدم صدق یعنی کذب کے۔ پھر یہاں تو قانون کذب کے علاوہ واقعی کذب بھی موجود تھا۔ اہل افک کا دعویٰ نہ صرف غیر ثابت شدہ تھا بلکہ سرے سے واقعیت کے بھی خلاف تھا۔ عِنْدَ اللّٰهِ۔ اللہ کے نزدیک سے مراد ہے شریعت الٰہی میں یا اللہ کے قانون میں۔ ورنہ اصل علم الٰہی کو ظاہر ہے کہ کسی بندہ کی شہادت وغیرہ کی کیا حاجت ہے۔ معنی عنداللہ یرید فی حکمہ لا فی علمہ (ابن العربی) عنداللہ ای فی حکمہ (کبیر) ای فی حکمہ و شریعتہ (مدارک) ای ہم محکومون بکذبہم عنداللہ فی ایجاب الحد علیہم (جصاص) فیقتضی ذلک الامر بالحکم بکذبہم فان کان جائزًا الا یکونوا صادقین فی المغیب عنداللہ (جصاص) شریعت کے احکام ظاہری کی ناقدری کرنے والے کاش دیکھیں کہ اس آیت میں احکام ظاہری کی بھی کس درجہ اہمیت کا سبق موجود ہے! ؎۲۵ (جیسا کہ عبداللہ بن ابی کو بسبب عدم توبہ کے ہوگا) فَضْلُ اللّٰهِ وَ رَحْمَتُهٗ۔ فضل وکرم کا ہونا دنیا میں یہ کہ توبہ کی مہلت عطا ہوئی اور آخرت میں یہ کہ توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قبول بھی ہوئی۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ صحابہ مقبول التوبہ اور پاک ہو کر آخرت میں مرحوم ہیں۔ ؎۲۶ یعنی ایک تو کسی پاک دامن مومن کا قذف بجائے خود ہی سخت معصیت ہے۔ پھر مومنہ بھی کون؟ ایک عالی مرتبت زوج رسول۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو جو اذیت پہنچی وہ مستزاد۔ هَيِّنًا۔ ہلکا۔ یعنی غیر موجب گناہ۔ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات۔ یعنی موجب گناہ عظیم۔ ؎۲۷ یعنی تامل و تذبذب الگ رہا۔ تحقیق ہی کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دینا تھا۔ سر ولیم میور کا شمار اسلام و شارع اسلام کے دوستوں میں نہیں، مخالفوں میں ہے۔ باوجود اس کے اقرار ہے: ''عائشہ کی سیرت سے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں...... ان کی زندگی واقعہ سے قبل بھی اور بعد بھی اس پر گواہ ہے کہ ہم انہیں اس الزام سے بالکل بری یقین کریں۔'' (لائف آف محمد صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴) بعض صحابہ کی جانب منقول بھی ایسا ہی قول ہے۔ انہوں نے جوں ہی یہ افواہ سنی تھی، فوراً ہی وہ یہ کہہ اٹھے تھے۔ و فی بعض الاخبار ان ام ایوب قالت لابی ایوب الانصاری اما یبلغک ما یقول الناس فی عائشۃ فقال ابو ایوب، سبحانک ھذا بھتان عظیم (معالم) یہاں تعلیم اسی کی مل رہی ہے کہ سب کو یہی کہنا چاہیے تھا۔ ؎۲۸ یعنی یہ تو عین تقاضائے ایمان ہے کہ ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا آئندہ سنی بھی نہ جائیں۔ ؎۲۹ چنانچہ تمہارے دلوں کا حال بھی اس پر خوب روشن ہے۔ اور تمہاری مجلسی و معاشرتی پاکیزگی کی مصلحتیں بھی اس پر عیاں ہیں۔ وہ جو بھی احکام دیتا ہے وہ اس کے علم کامل پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور اس کی حکمت مطلقہ پر بھی۔ الْاٰيٰتِ۔ ان احکام کے تحت میں احکام اخلاقی (ملامت، نصیحت وغیرہ) اور احکام قانونی (حد قذف وغیرہ) سب آ گئے۔

يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ

چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ف۳۰ ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

سزائے دردناک ہے دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اللہ علم رکھتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور تم علم نہیں رکھتے ف۳۱ اور اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا

وَرَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ۧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ف۳۲ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ

تم شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

قدم بہ قدم چلتا ہے تو وہ تو بے حیائی اور بیہودگی ہی کا حکم دیتا ہے ف۳۳

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

کبھی بھی پاک و صاف نہ ہوتا ف۳۴ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک و صاف کر دیتا ہے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ

بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۳۵ اور جو لوگ تم میں بزرگی

وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ

اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو

ف۳۰ یعنی جو لوگ ان آیتوں کی اور اس خدائی براءت کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ اس گندگی کے تذکرے قائم رہیں اور منقدمین سے متعلق بحثیں پھیلی رہیں۔ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت کا سبب خاص تو ظاہر ہے کہ وہی واقعہ افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یعنی اشارہ قریب انہی لوگوں کی طرف ہے جو اس مخصوص تہمت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یا آج بھی زندہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن آیت کے مفہوم میں عموم بھی ہے۔ اور وہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں جو مسلمانوں کے کسی معاشرہ میں بھی گندی روایتوں کا چرچا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ف۳۱ انفرادی و اجتماعی مصلحتیں، جن پر یہ احکام اور یہ سزائیں مرتب ہیں وہ تو سب علم الٰہی ہی میں ہیں۔ محدود علم و نظر والے بندوں کو ان کا کیا علم۔ فِي الدُّنْيَا۔ دنیا کی سزا وہی حد قذف ہے۔ یعنی اسی درے۔ ف۳۲ (اس وعید سے) خطاب عام مسلمانوں کو ہے۔ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ توفیق توبہ کی اللہ کے اسی فضل و کرم سے ہوئی اور مقبولیت توبہ اسی شفقت و رحمت کے اثر سے ہوئی۔ امت اسلامیہ کے ساتھ بار بار اس تعلق شفقت و رحمت کا ذکر کرکے ان کے ساتھ اپنی تخصیص کو تازہ کرنا، ان کے دلوں کو گرمانا اور ان میں طاعت و اطاعت کا مزید شوق پیدا کرنا ہے۔ ف۳۳ چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ شیطان جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسون "آزادی" و "مساوات کامل" کے نام سے پھونک پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی منزل کی طرف لیے جا رہا ہے "مخلوط تعلیم"، تھیٹر، سینما، بال روم ڈانس اور ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کا آزادانہ بے تکلف اختلاط! ف۳۴ یہ توفیق توبہ جو اہل ایمان کو ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی بندہ اسے اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ نہ سمجھے۔ صوفیہ محققین کہتے ہیں کہ مدار کار فضل و رحمت ہے نہ کہ سعی و مجاہدہ۔ ف۳۵ (چنانچہ تمہاری بھی توبہ سن لی اور دلی ندامت جان لی) اصل خطاب تو اس وقت کے خاطی مسلمانوں سے ہے۔ لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ بھی ہمیشہ کے لیے بیان ہو گیا۔

وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں ف۳۶ چاہیے کہ معاف کرتے رہیں

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور درگزر کرتے رہیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے ف۳۷ بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۳۸ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان (بیویوں) کو جو پاک دامن ہیں

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪

بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں ف۳۹ ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں ف۴۰

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

اور ان کے لئے سخت عذاب (رکھا ہوا) ہے اس دن (جس دن) ان کے خلاف گواہی دیں گی

اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے ف۴۱

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ

اس روز اللہ ان کو ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور یہ جان جائیں گے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ

اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے بات کو کھول دینے والا ہے ف۴۲ گندی عورتیں گندے مردوں ہی کے لائق ہوتی ہیں

وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

اور گندے مرد گندی عورتوں کے اور بہتر عورتیں بہتر مردوں کے لائق ہوتی ہیں

وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

اور بہتر ہی مرد بہتر عورتوں کے ف۴۳ یہ لوگ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق)

ف۳۶ (بلکہ اپنے حسن سلوک و امداد کو جاری رکھیں) حضرت مسطح ایک صحابی تھے پورے مومن، مسکین بھی، مہاجر بھی، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز بھی، محض اپنی سادہ دلی سے اس طوفان میں شریک ہو گئے۔ جب صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیات قرآنی نازل ہوئیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکی اتنی روشن ہو گئی، جتنی بجز حضرت مریم کے دنیا میں شاید کسی پاک دامن خاتون کی بھی نہ ہوئی ہو تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا اس قابل فخر بیٹی کی نصرت و حمایت میں غصہ آنا بالکل طبعی تھا۔ آپ مسطح رضی اللہ عنہ کی ناداری پر ترس کھا کر مدد بھی فرماتے رہتے اس غیظ کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ بس آج سے امداد موقوف۔ یہ بات مرتبہ صدیقیت کے شایاں نہ تھی۔ ارشاد ہوا کہ امداد جاری رکھو اور قسم کے مقتضا پر عمل نہ کرو۔ مسطح کی اس خدمت دینی، یعنی ہجرت فی سبیل اللہ کو یاد دلا کر یہاں گویا یہ بتا دیا کہ اس نئے جرم سے انکا پچھلا عمل خیر باطل نہیں ہو گیا۔ صوفیہ محققین نے آیت سے اشارہ یہ نکالا ہے کہ بزرگوں کو مناسب یہی ہے کہ مریدوں کی لغزشوں پر اپنے فیض کو بند نہ کر دیں۔ ف۳۷ (سو اس کا طریقہ بھی ہے کہ تم دوسروں کے قصور معاف کرتے رہو) ترغیب عفو کا پیرایہ اس سے موثر تر اور کیا ہو گا! وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا۔ عفو و درگزر کا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، بندہ کو اس کے حق کے ترک پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ف۳۸ (سو تمہیں چاہیے کہ تم بھی اللہ ہی کے رنگ میں رنگ جاؤ) ف۳۹ عمل کرنا کیسا ان بیچاریوں کو تو خبر تک بھی نہیں ایسی گندہ باتوں کی۔ الْغٰفِلٰتِ۔ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر بھولی بھالی، سیدھی سادی کہتے ہیں۔ اسلام نے شریف پاکدامن خاتونوں کا وصف یہ بیان کیا ہے۔ کھیلی کھائی ہوئی، چاروں کھونٹ گھومی کھائی ہوئی، اپنے حقوق کے لیے مرنے مارنے والیاں، اور کسی معاشرہ میں جو درجہ بھی رکھتی ہوں، اسلام میں تو یقیناً کوئی بلند مقام نہیں رکھتیں۔ ف۴۰ (بہ سبب ان کے کفر و نفاق کے) ان وعیدوں کے نزول کے بعد مومنات کے حق میں ایسی جرأتیں کرنے والے کافر و منافق ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت خاص سے مردود و مہجور ہونا بالکل ظاہر ہے اور یہی حاصل ہے لعنت کا۔ ف۴۱ مثلاً زبان یوں کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر قولی صادر کیے۔ ہاتھ پیر یہ کہیں گے کہ اس نے فلاں فلاں کفر عملی میں ہم سے مدد لی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اسی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس تفصیل و اہتمام کے ساتھ ان کی صفائی قرآن میں پیش کی گئی ہے، کسی اور کی نہیں ہوئی ہے۔ ف۴۲ (اور یہ اس علم یقینی کے بعد اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے) ف۴۳ لِلْخَبِيْثِيْنَ، لِلطَّيِّبِيْنَ وغیرہ میں لِ لیاقت کا ہے۔ یعنی اہلیت و موزونیت کو ظاہر کرنے والا۔

يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

کہتے پھرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے وسمم اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى

ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ

تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اجازت حاصل نہ کر لو وہم اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا

تاکہ تم خیال رکھو ومهم پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ

تو بھی ان میں نہ داخل ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے وےمم اور اگر تم سے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو وہمم یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا

اعمال کو خوب جانتا ہے ومهم تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ

بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

(جن میں) کوئی رہتا نہ ہو (اور) ان میں تمہارا کچھ مال ہو ونه اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں

مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى

نیچی رکھیں وان اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی

ف۴۴ وَقَبِلْنَ یعنی جو لوگ بہ سلسلۂ افک عائشہ رضی اللہ عنہا متہم ہوئے۔ ف۴۵ یعنی پہلے ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام کر کے ان سے اجازت لو، کہ ہم اندر آ جائیں؟" یہ مسئلہ استیذان کا مردانہ اور زنانہ سب گھروں کے لیے ہے۔...استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے۔ اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ یا مملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ورنہ وہ بیوت بھی حکم میں غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ کے ہو جائیں گے، لا شتراک العلة۔ اور وہ مکان مردانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں آدمی اس غرض سے بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملنے کو آئے للاذن دلالۃً۔ اور جو مکان خلوت و آرام کے لیے مخصوص ہو۔ گو مردانہ ہی ہو۔ یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ میں جانا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی۔ اور ہر چند کہ یہاں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اور مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ایک صورت تو اذن صریح کی ہے، باقی اذن کبھی حکمی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مشائخ کے ہمراہ خادموں و امراء کے ہاں ملازموں کے لیے۔ اور کبھی اذن عرفی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم یا عرف یا قاعدہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت عام ملاقات کا ہے۔ یا میرے لیے مخصوص ہے ایسے موقعوں پر دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک گھر کے اندر جب کئی درجے ہوں تو ہر درجہ جس میں کوئی مستقل رہتا ہو۔ ایک مستقل گھر کے حکم میں ہے۔ اور اس میں جانے کے لیے اذن شرط ہے۔ تَسْتَاْنِسُوْا یعنی اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تستاذنوا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تا کہ اسے وحشت نہ رہے۔ ف۴۶ یعنی اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لیے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو ذریعہ ہے بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا۔ اور ہر طرح مفید ہی ہے۔ ذٰلِکُمْ۔ یعنی یہی اجازت طلبی اور سلام۔ ای الاستیذان والتسلیم (مدارک) ف۴۷ (کسی ایسے شخص کی طرف سے جو اجازت دینے کا اختیار رکھتا ہے) ف۴۸ (نہ یہ کہ اسے ناگوار محسوس کر کے وہاں لڑنا جھگڑنا شروع کر دو) ف۴۹ (بس اگر خلاف حکم کرو گے سزا کے مستحق ہو گے) اَزْکٰی سے مراد ہے کہ بلا تکدر واپسی میں صفائی و طہارت زائد ہے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس نے بربنائے تکبر و تجبر اجازت نہیں دی تو بھی ہم ہی جانتے ہیں، اور اگر واقعی کوئی عذر تھا تو اس سے بھی ہم واقف ہیں۔ ھُوَ۔ یعنی یہی واپس چلا آنا۔ ای الرجوع (مدارک) ف۵۰ یہ حکم ان مکانات کا ہے جس میں کسی شخص خاص کا سکونت نہ رکھنا متیقن ہو۔ اور دلالۃً وہاں جانے کی عام اجازت ہو۔ مثلاً دکان، مدرسہ، حمام، کارخانہ، خانقاہ وغیرہ۔ ایسی عمارتوں میں جانے کے لیے اجازت خاص کی ضرورت نہیں۔ لیکن جن کو اجازت نہ ہو ان کو ایسی عمارتوں میں بھی جانا جائز نہ ہوگا۔ مَتَاعٌ لَّکُمْ۔ متاع سے مراد کاروبار اور نفع کا سامان ہے۔ ف۵۱ چنانچہ جسم کے جن حصوں پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انہیں تو دیکھیں ہی نہ اور جنہیں دیکھنا جائز ہے انہیں بھی خواہش نفس کے ساتھ نہ دیکھیں) مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ہر نظر حرام نہیں۔ صرف بعض نظریں حرام ہیں اور وہ حرام نظریں، نظر اجنبی و نظر شہوت ہیں۔ من للتبعيض والمراد غض البصر عما يحرم والاقتصار به على ما يحل (مدارک) ذٰلِکَ۔ یعنی یہی نظروں کا نیچا رکھنا اور حفظ ناموس۔ ای غض البصر و حفظ الفروج (مدارک)

وسلا بدکاری وبدنظری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان خاص طور پر اہتمام ستر واخفاء کا رکھتا ہے۔ اس لیے یہاں یاد دلا دیا کہ تم چھپانے کی کتنی ہی کوشش کر ڈالو۔ بہرحال اس حاضر وناظر، ہمہ بین وہمہ دان سے تو نہیں چھپا سکتے ہو۔ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ افعال غیر مرضیہ کے مقدمات کا بھی انسداد واجب ہے۔ اور اس اصل سے فقہاء وصوفیہ امت دونوں نے اپنے اپنے فن میں بڑا کام لیا ہے۔ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ حکم کے عموم میں علاوہ زنا کاری کے اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی کے اور ان کے مقدمات ومبادی بھی آگئے۔ لفظ حفظ نظر ولمس وغیرہ سب کے لیے عام ہے۔ الذی تقتضیه الظاهر ان یکون المعنی حفظها عن سائر ما حرم علیه من الزنا واللمس والنظر (جصاص) عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے منظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، شہوت انگیز تصویریں وغیرہ سب اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔ وسلا غض بصر اور حفظ فروج دونوں پر حاشیے ابھی ابھی گزر چکے۔ احتاجز مؤمنین ومؤمنات، مسلمان مردوں ومسلمان عورتوں دونوں میں مشترک ہے۔ عورت کے لیے حجاب کے جو احکام خصوصی ہیں وہ اب آگے آرہے ہیں۔ وسلا (خواہ وہ جسم کا ہو یا متعلقات جسم کا) لفظ زینت عام ہے۔ الزینة ما زینت به المراة (مدارک) قیل المراد بالزینة ما یعم المحاسن الخلقیة والزینیة (بیضاوی) اس کے تحت میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو مرد کے لیے باعث شوق ورغبت ہو سکے۔ خواہ خلقی ہو مثلاً حسن اعضاء، حسن صورت، خوش خرامی وغیرہا۔ خواہ کسبی ہو مثلاً لباس، خوشبو، زیور،

لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ

بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں وسلا اور آپ کہہ دیجیے

لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ

ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی

فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

حفاظت رکھیں وسلا اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں وسلا مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے وسلا

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں وسلا اور اپنی زینت

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

ظاہر نہ ہونے دیں وسلا مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور

بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر وسلا اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر وسلا

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي

اور اپنی باندیوں پر وسلا اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) انہیں

الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

ذرا توجہ نہ ہو وسلا اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ

پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں وسلا اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں

پوڈر، غازہ وغیرہ۔ وسلا (عموماً وعادۃً) یعنی جسم کے وہ حصے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے موقع ہیں، لیکن ان کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت حرج وزحمت ہے مثلاً چہرہ کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پیر۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ کی تفسیر چہرہ وکف دست سے خود حدیث میں آچکی ہے۔ الکفان والقدمان (مدارک) اور حنفیہ میں یہی تفسیر مقبول ہے۔ قال اصحابنا المراد الوجه والکفان (جصاص) ای الامور العادة والجبلة علی ظهوره و هذا الوجه والکفان والقدمان (مدارک) اور اسی لیے حنفی فقہاء ومفسرین کے ہاں چہرہ اور کف دست اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ یجوز النظر الی وجه الاجنبیة و کفیها و قدمیها (مدارک) لیکن متاخرین فقہاء نے خوف فتنہ سے اب چہرہ کا کھلا رکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ و اما فی زماننا منع (درمختار) ناف سے گھٹنے تک کا ستر مذہب اہل سنت میں سب پر واجب ہے۔ عورت کا عورت سے بھی، مرد کا مرد سے بھی۔ وسلا (کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں) جاہلیت فرنگ ہی سے ملتا جلتا دستور جاہلیت عرب میں بھی یہ تھا کہ عورتیں لباس اس طرح کا پہنتیں کہ پشت کا حصہ تو خیر ڈھکا رہتا۔ باقی سامنے سے سینہ کا حصہ عریاں رہتا۔ کانت جیوبهن واسعة تبدوا منها صدورهن و ما حوالیها و کن یسدلن الخمر من ورائهن فتبقی مکشوفة (مدارک) نفسیات بشری کی محقق، رازداں اور بدکاری کے مبادی ومقدمات کی بیخ کنی کرنے والی شریعت اسلامی نے ٹھیک اس کے برعکس یہ فیشن چلایا کہ سینہ کا کوئی حصہ عریاں رہ جانا کیا معنی وہ تو خاص طور پر ڈھکا رہے۔ و فی ذلک دلیل علی ان صدر المراة و نحرها عورة لا یجوز لاجنبی النظر الیها منهما (جصاص) کانت جیوبهن واسعة تبدوا منها صدورهن و ما حوالیها و کن جیوبهن الخمر من ورائهن فیبقی مکشوفة (مدارک) وسلا (کسی شخص پر بھی) زینة کی تشریح ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ قدرتی یا مصنوعی ہر وہ شے ہے جو عورت کی جانب رغبت والتفات بڑھا دے۔ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ۔ پہلے موقع پر یہ فقرہ بلحاظ اعضاء وجسم تھا۔ یہاں پر اعتبار اشخاص کے ہے۔ پہلے استثناء میں فلاں فلاں عضو شامل تھے اب استثناء میں فلاں فلاں اشخاص کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ وسلا یہ سب عزیز اصطلاح میں محرم کہلاتے ہیں۔ فقہاء نے محرموں کی بھی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جو محرم ابدی ہیں مثلاً باپ، چچا، بیٹا، پوتا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو بعد زوال وصف اجنبی ہو جائیں۔ مثلاً شوہر طلاق کے بعد، مملوک آزاد ہونے کے بعد، بچہ جوان ہو جانے کے بعد۔ اِخْوَانِهِنَّ۔ بھائی جو محرم ہیں ان سے سگے بھائی یا ایک باپ کی اولاد یا ایک ماں کی اولاد یا دودھ شریکے مراد ہیں۔ اور کسی قسم کے بھائی چچیرے، خلیرے وغیرہ جو عرفاً ورواجاً ہندوستان میں محرم سمجھ لیے گئے ہیں، مراد نہیں ہے۔ اَخَوٰتِهِنَّ۔ علی ہذا بہنوں سے بھی مراد سگی بہنیں یا ایک ماں یا ایک باپ کی اولاد یا دودھ شریکی بہنیں ہیں۔ عرفی بہنیں مثلاً چچیری، خلیری وغیرہ کے مراد نہیں۔ اٰبَآئِهِنَّ۔ دادا، نانا وغیرہ بھی اس کے باپ ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ و یدخل فیهم الاجداد (مدارک) اَبْنَآئِهِنَّ۔ اولاد میں اولاد در اولاد پوتے نواسے وغیرہ شامل ہیں۔ و یدخل فیهم النوافل (مدارک) ان رشتوں کے علاوہ عورت کے چچا اور ماموں بھی اس کے محرم ہوتے ہیں۔ ''غرض مدار محرمیت پر ہے اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ابداً نکاح حرام ہو خواہ نسب سے ہو یا مصاہرۃ سے یا رضاع سے۔ البتہ بعض فقہاء نے زمانہ کے فتن کو دیکھ کر مصاہرت اور رضاع سے خلوت میں رہنے بیٹھنے کو منع کیا ہے''۔ (تھانوی ؒ) اَوْ۔ اس آیت بھر میں اور (واو عاطفہ) کے معنی میں ہے۔ تردید وتخییر کے لیے نہیں۔ مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زینت اسرار کو نامحرم یعنی نااہل سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ وسلا نِسَآئِهِنَّ سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ یعنی المومنات (بیضاوی) ای نساء المومنات (جصاص) کافر عورت شریعت اسلام میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ پردہ اس سے بھی اسی طرح واجب ہے۔ صحابہ میں حضرت عمر حضرت ابن عباس ؓ اور تابعین میں مجاہد وغیرہ کا یہی مذہب منقول ہے۔ حضرت عمر ؓ کا ایک مکتوب حضرت ابوعبیدہ ؓ کے نام کا نقل ہوا ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی، یہودی عورتیں) مومن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے

پائیں۔ عنہ اللہ کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی کہاں اس امت کو فرنگیوں سے ارتباط واختلاط پر فخر ہے لگا! فقہاء نے لکھا ہے کہ فاحشہ عورت اگرچہ مسلمان ہو، پاکدامنوں میں نہ آنے پائے۔ ایک تو بیٹا بیبیوں پر قیاس کر کے دوسرے بےخوف اغوا وفتنہ۔ ف۲۰ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ عام ہے لیکن حنفیہ کے ہاں صرف باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں۔ غلام اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں۔ اے امائھن و لا یحل لعبد ھا ان ینظر الی ھذہ المواقع (مدارک) مضا۔ یہاں اپنے عموم پر نہیں۔ ف۲۱ (نوجوان کے سب حواس کے) اشتہیٰ۔ تابعی یا طفیلی وہ ہے جو محض کھانے پینے کے واسطے پڑا رہتا ہو۔ الذی یتبعک لیصیب من طعامک (بصاص۔ عن ابن عباس وقتادۃ ومجاہد) ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ایسے لوگ اس وقت موجود تھے۔ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ ھو الاحمق الذی لا ارب لہ فی النساء (بصاص) "مدار حکم سلب حواس پر ہے نہ کہ تابع ہونے پر۔ اس وقت وہ تابع ایسے ہی تھے۔" (تھانوی عنہ) خواجہ سرا وغیرہ کی آمد ورفت عورتوں میں فقہاء نے ممنوع لکھی ہے۔ عورت کو اجنبی مردوں سے ایسے کام لینا۔ جن میں جسم کو مس کرنا پڑے جائز نہیں۔ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اس پر نظر کرنا جائز نہیں۔ ف۲۲ مراد اس سن کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنی ہی سے واقف نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ ابھی باقاعدہ بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ قال مجاھد ھم الذین لا یدرون ما ھن من الصغر (بصاص) ای لا یمیزون من عورات النساء والرجال بصغرھم وقلۃ معرفتھم بذلک (بصاص) طفل یہاں بطور اسم جنس ہے اس لئے مابعد صیغہ جمع آ گیا ہے۔

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ

کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ ف۲۳ اور تم سب اللہ کے سامنے

جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱ وَ اَنْكِحُوا

توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ ف۲۴ اور تم اپنے بے نکاحوں کا

الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ

نکاح کرو ف۲۵ اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی ف۲۶

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا ف۲۷ اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۲۸ اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ

نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ

ضبط سے کام لیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے ف۲۹ اور تمہارے

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ ف۳۰ اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو

الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ

جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے ف۳۱ اور اپنی باندیوں کو مت مجبور کرو زنا پر

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں ف۳۲ محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ

ف۲۳ فقہاء نے اس سے استنباط اور بالکل صحیح استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز جو رغبت اور کشش کا باعث ہو، اسی پر محمول اور اسی لئے ممنوع ہوگی۔ اللہ اللہ۔ عفت وطہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری پاک شریعت میں ہے، اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف یہ احتیاطیں و پابندیاں ہیں۔ دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ ناچ اور مرد وعورت کے مشترک ناچ کی آزادیاں ہیں! ...... دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ زیور سے یہاں مراد وہ زیور ہیں جو از خود نہیں بجتے بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں۔ مثلاً چھڑے، کڑے۔ قرآن نے انہیں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں۔ گویا ان کا پہننا فی نفسہ درست ہے۔ لیکن ان کی آواز یا جھنکار بہ اندیشۂ فتنہ درست نہیں۔" اس سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ جب زیور کی صوت کے اخفاء کا اتنا اہتمام ہے تو صاحب زیور کی صوت کا کہ اکثر مورث فتنہ و میلان ہو جاتی ہے اخفاء کیوں نہ قابل اہتمام ہوگا۔ نیز یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ جب صوت ایسی قابل اخفاء ہے تو صورت تو کیوں نہ قابل اخفاء ہوگی کہ اصل مبداء فتنہ ہے۔" (تھانوی عنہ) قال ابو بکر قد عقل من معنی اللفظ النھی عن ابداء الزینۃ واظھارھا بورود النص فی النھی عن سماع صوتھا اذ کان اظھار الزینۃ اولی بالنھی مما یعلم بہ الزینۃ فاذا لم یجز اخفی الوجھین لم یجز ما ظھر منھما (بصاص) اسی طرح وہ زیور جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو مثلاً گھنگرو وان کا پہننا سرے سے ناجائز ہے۔ حدیث میں جرس سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ف۲۴ (اور ان احکام میں جو کوتاہیاں ہوگئی ہوں ان وہ معاف ہوں) فلاح سے مراد یہاں فلاح کامل ہے۔ معصیتوں کا صدور نقصان فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ آیت سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ عصیان کا وجود ایمان کے منافی نہیں۔ ظاھر الایۃ یدلہ علی ان العصیان لا ینافی الایمان (مدارک) ف۲۵ ایم کے معنی ہیں عورت بلا شوہر یا شوہر بلا عورت۔ عام ہے ہر مرد وعورت کے لئے جس کا نکاح یا تو سرے سے ہوا ہی نہ ہو۔ یا ہوا ہو اور بہ سبب وفات وطلاق کے تجرد ہو گیا ہو۔ الایم من النساء من لا زوج لہ بکرًا او ثیبًا ومن الرجال من لا امراۃ لہ (تاج) اسم الایامی ینتظم الرجال والنساء (بصاص) وَ اَنْكِحُوا۔ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے۔ قد قامت الدلالۃ من اجماع السلف و فقھاء الامصار علی انہ لم یرد بھا الایجاب۔ و انما استحباب (بصاص) شریعت اسلام میں نکاح بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ مسیحیت کی طرح نکاح ایک ناگزیر برائی کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہوں حواشی انگریزی۔ ف۲۶ صالحین۔ یعنی حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں۔ وَ اَنْكِحُوا "عام ہے معاونت وتوسط وتمکین سب کو جیسا جہاں موقع ہو اور اس میں خطاب عام ہے اولیاء یعنی اقارب وسادات یعنی آقاؤں کو" (تھانوی) ف۲۷ (اپنی حسب مشیت) یعنی اگر غلاموں میں صلاحیت کسب معیشت کی موجود ہے تو ان کے فقر وافلاس بالفعل کو مانع نکاح نہ قرار دو۔ فقر و نکاح میں کوئی منافات نہیں۔ جو سردست فقیر ہے کیا عجب کہ حسب مشیت صاحب معاش ہو جائے۔ نکاح اس مشیت تکوینی میں مانع نہیں۔" پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دارومدار مشیت پر ہے۔ اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہوگا۔ پس ایسے ارتباطات وہمیہ وباطلہ پر کیوں نظر کی جائے۔" (تھانوی) آیت میں کوئی وعدہ مراد نہیں کہ اہل فقر کو نکاح کے بعد خواہ مخواہ غنا حاصل ہی ہو جائے گا۔ اور اس طرح گویا نکاح بجائے خود ایک مستقل وسیلہ معاش ہے! بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق جمع ہوں تو محض فقر کو مانع نہ قرار دو۔ فقر وغنا کو نکاح وعدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ الاصح ان ھذا لیس وعدًا عن اللہ تعالی اغناء من یتزوج بل المعنی لا تنظروا الی فقر من یخطب الیکم (کبیر) ف۲۸ (جسے چاہے غنی کرسکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے، اس کے ہاں کوئی تنگی، کمی تو ہے نہیں اور پھر ہر ایک کی اہلیت وصلاحیت، ظرف وبساط سے خوب واقف جسے کفر کا اہل دیکھے گا اسے کافری رکھے گا) معاشیات کو مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ لینا عصر حاضر کی سب سے بڑی گمراہیوں میں سے ہے۔ قرآن نے بار بار اس گمری پر ضرب لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات وروحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی کی مشیت کے محکوم وتابع ہیں۔ ف۲۹ (اور پھر نکاح کر

میں) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نکاح کے سامان سے محروم و معری ہو تو اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ وہ صبر و عفت سے کام لئے بیٹھا رہے یہ اجازت ہرگز نہیں کہ کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی کرنے لگے۔ جیسا کہ شدید بھوک کے موقع پر حرام کھالینے کی اجازت ہے۔ شہوت جنسی کا ضبط بھوک پیاس کی طرح کچھ بہت دشوار نہیں۔ نسبۃً بہت آسان ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ استعفاف۔ یعنی پر رسائی سے مراد بچنا اور اس کے مقدمات دونوں سے بچنا اور اپنی حفاظ عفت کے لئے خاص اہتمام رکھنا۔ ولیجتهد في العفة (کبیر) غنی سے مراد وہ شوہر ہے جو ادائے مہر و نفقہ پر قادر ہو۔ و۶۸ مکاتبت اصطلاح شریعت میں غلام و آقا کے درمیان معاہدہ کا نام ہے۔ غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دیدوں تو آزاد ہو جاؤں اور مالک اسے منظور کر لے اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام ہے گا لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خودمختار ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہوگئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہو سکنے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرلے۔ ورنہ قاضی فسخ کرا دے گا۔ خَيْرًا۔ خیر یعنی بہتری کے آثار سے مراد ہے کمانے کا سلیقہ، فضول خرچی سے بچنا آزاد ہو کر دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ قال ابن عمر قوة على الكسب وهو قول مالك وثوري (معالم) قال الشافعي واظهر معاني الخير في العبد الاكتساب مع الامانة (معالم) الاظهر انه اراد الصلاح فينتظم ذلك الوفاء والصدق والامانة (جصاص) اگر یہ آثار نہ معلوم ہوتے تو خود معصیت و معصیت میں پڑتے، اور دوسروں کے لئے بھی باعث آزار بنے سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ بجائے خودمختاری کے قید غلامی میں رہے۔

اَلدُّنْيَا ۚ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ

تمہیں حاصل ہو جائے و۷۳ اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کیے جانے

اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ

کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے و۷۴ اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام

مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت (کی باتیں بھی بھیجی ہیں) و۷۵ اللہ (ہی) آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ

اور زمین کا نور ہے و۷۶ اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمک دار

دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے

وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ

اور نہ پچھم رخ ہے و۷۷ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی

نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ

چھوئے و۷۸ نور ہی نور ہے و۷۹ اللہ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے

يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

ہدایت دیتا ہے و۸۰ اور اللہ لوگوں کے لئے (یہ) مثلیں بیان کرتا ہے و۸۱ اور اللہ ہر چیز کا

فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد مکاتبت جائز، بغیر خیر ہی ہے۔ عَلِمْتُمْ۔ علم سے مراد ظن غالب ہے۔ و۷۱ (تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں) مَالِ اللّٰهِ۔ مال کی اضافت اللہ کی طرف کر کے یہ حقیقت تازہ کر دی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب۔ جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ ہی کا تو مال ہوگا! اٰتُوْهُمْ۔ صیغۂ امر کے مخاطب عام مسلمین ہیں۔ امت کو حکم ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ دے کر مکاتبین کی امداد کرو۔ اعانت مکاتبین مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے۔ و۷۲ (جیسے کہ جاہلیت عرب میں رواج تھا) بغاء کے معنی حرامکاری کے ہیں البغاء الزنا (مجاہد) البغاء هو الزنا (ابن جریر) فتیات کے لفظی معنی ہیں جوان عورتیں، یہاں مراد ہیں مطلق باندیاں خواہ کسی عمر کی ہوں۔ فتیاتكم اى امائكم (راغب) یہ مراد نہیں کہ اگر وہ ابھی جوانی کو نہ پہنچی ہوں یا جوانی سے اتر چکی ہوں تو ان کے لئے یہ جائز ہوگا۔ و۷۳ یہ دونوں قیدیں بہ طور قید واقعی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ہمعصر اہل جاہلیت واقعۃً اپنی باندیوں کو ان کی خواہش کے خلاف عصمت فروشی پر مجبور کرتے رہتے تھے، اور مقصود اس سے محض نفع مالی تھا۔ وكذلك كانوا يفعلون في الجاهلية يؤاجرون امائهم (معالم) یہ مراد نہیں کہ اگر باندیاں از خود آمادہ ہوں یا ان کے مالک ان سے فیس نہ وصول کرتے رہیں تو عصمت فروشی ان کے حق میں جائز ہو جائے گی۔ و۷۴ (ان مجبوریوں کے حق میں) اى مكروهات مع الزناء (ابن جریر۔ عن مجاہد) عن تو كهن ما اكرهن عليه (ابن جریر عن الزہری) لهن غفور رحيم (جصاص۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) "جس اکراہ سے کبرہات پر مواخذہ نہیں وہ وہ ہے جس میں اتلاف نفس یا اتلاف عضو کا خوف ہو" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ مجبور پر نہ حد جاری ہوگی نہ اس کے عمل کا شمار عصیان میں ہوگا۔ قال ابو بكر اخبر تعالى ان المكرهة على الزنا مغفور لها ما فعلته على وجه الاكراه (جصاص) سورت میں شروع سے بے عصمتی کی تقبیح اور عصمت کی تاکید چلی آ رہی ہیں۔ غلاموں، کنیزوں کے نکاح کی تاکید، کنیزوں کی عصمت کا تحفظ سب اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔ و۷۵ (اس قرآن بلکہ اس سورت کے ذریعہ سے) وحی خفی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی ہیں۔ وہ بھی آیت کا مدلول بن سکتی ہیں۔ و۷۶ یعنی اللہ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے اہل آسمان کو بھی، اہل زمین کو بھی، یعنی جملہ مخلوقات کو۔ اى هادى من في السموات والارض فهم بنوره الى الحق يهتدون بهداه من حيرة الضلالة يعتصمون (ابن جریر) يقول الله سبحانه هادى اهل السموات والارض (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) هادى اهل السموت والارض (جصاص عن انس) اى مثل نور الله تعالى في قلب المؤمن هو النور الذى يهتدى به (معالم) انجیل میں بھی خدا کو نور کہا گیا ہے۔ یوحنا کے پہلے عام خط میں ہے:۔ "خدا نور ہے اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں" (۱۔۵) اصل انجیل یوحنا باب اول کے شروع میں بھی اس قسم کی کچھ عبارتیں ہیں۔ نُوْرٌ۔ اپنے لغوی معنی میں وہ روشنی ہے جس کا ادراک آنکھ سے ہو سکے۔ تو حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق جب بھی ہوگا مجازی ہی معنی میں ہوگا۔ النور في كلام العرب الضوء المدرك بالبصر فاسناده الى الله تعالى مجاز (بحر) یا یوں کہا جائے کہ اس کی صفت نورانیت کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ وتسميته تعالى بذلك لمبالغة فعله (راغب) و۷۷ یعنی نہ اس کے جانب شرقی میں کوئی آڑ ہے نہ جانب غربی میں۔ اس کا فیض شرق و غرب کے ساتھ مخصوص نہیں کوئی جانب اس سے خالی نہیں، وہ مقید کسی جہت کے ساتھ نہیں۔ زَيْتُوْنَةٍ۔ روغن زیتون اپنی لطافت وصفائی و روشنی کے لئے مشہور ہے۔ عرب میں مشہور تر تھا۔ مَثَلُ۔ اہل تحقیق نے بہ طور عبارۃ النص یہاں لکھا ہے کہ اللہ کی صفات کی مثال بیان کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ خلاف آداب حضرت نہ ہو۔ اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ میں جس چیز کی نفی کی گئی ہے، وہ وجود مثل و نظیر کی ہے۔ و۷۸ یعنی وہ روغن اپنی غایت تنویر سے از خود روشن ہو جانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود ایمان غایت وضوح سے کسی ایضاح خارجی کا محتاج نہیں۔ و۷۹ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ کا یہ ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر ادھر سے فعل یعنی نار کے ساتھ اجتماع ہو گیا۔ اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو۔ جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے۔ اور

پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے۔ ایسے موقع پر شعاعیں ایک جگہ تیز ہو کر بہت تیز روشنی ہوتی ہے۔ اور پھر تیل بھی زیتون کا جو مزید اشراق وقت دخان میں مشہور ہے۔ تو اس قدر روشنی ہوگئی کہ جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئی ہوں۔ اس کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا۔ یہاں مثال ختم ہوگئی۔ بس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور جب اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے تو نور عمل یعنی عزم علی العمل کے ساتھ جو کہ ایک حال رفیع ہے، نور علم بھی منظم ہو جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے، بس علم و عمل جمع ہو کر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ صادق آ جاتا ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۸۰ (اور انہیں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت منزل تک پہنچا دیتا ہے) اس نعمت پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے۔ و۸۱ (تاکہ معقولات، مجردات، محسوسات کی مثالوں کے ذریعہ سے آسان اور قریب الفہم ہو جائیں، اور اس سے خوب ہدایت حاصل ہو)" یہ ہدایت جو ضرب امثال پر مرتب ہے عامہ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

خوب جاننے والا ہے و۸۲ (وہ) و۸۳ ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ

اور ان میں اس کا نام لیا جائے و۸۴ ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی

وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ

بیان کرتے ہیں و۸۵ ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۪ۙ

اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے و۸۶

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی و۸۷

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ

انجام یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو

مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے دے گا اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار دے دیتا ہے و۸۸

حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں

بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ

تو اسے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضاء) الٰہی کو پایا و۸۹ سو اللہ نے اس کا حساب پورا چکا دیا و۹۰

ہے۔ اور یَهْدِی اللّٰهُ میں ہدایت خاصہ ہے، اس لیے وہاں مَنْ یَّشَآءُ کے ساتھ متعلق ہے اور یہاں جمیع ناس کے لیے۔ پس باہم تعارض نہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۸۲ ہدایت کے طریقے بھی اس نے کافی بلکہ وافی اختیار کیے ہیں اور ہر ایک شخص کی صلاحیت ہدایت کا بھی صحیح علم اسی کو ہے۔ و۸۳ یعنی یہی ہدایت پائے ہوئے اشخاص۔ و۸۴ مراد مسجدوں کا ہونا ظاہر ہے۔ اکثر المفسرین قالوا المراد المساجد (کبیر) قال ابن عباس رضی الله عنهما هذه البیوت هی المساجد و کذلک قال الحسن و مجاهد (جصاص) تُرْفَعَ۔ رفع کے لفظی معنی بلند کرنے کے ہیں۔ لیکن بلندی ہمیشہ مادی ہی نہیں ہوتی، معنوی بھی ہوتی ہے۔ الرفع قال تارة فی الاجسام الموضوعة و تارة فی المنزلة اذا شرفتها (راغب) ترفع ای تشرف (راغب) اور معنوی بلندی یہی ہے کہ مسجدوں کی تعظیم و تطہیر کا اہتمام رکھا جائے۔ ای تعظم و تطهر عن الانجاس و عن اللغو من الاقوال (کبیر۔ عن الزجاج) ای تعظم بذکره (کبیر۔ عن مجاہد) فقہاء نے یہیں سے مسجد کی تعظیم و ادب اور اس کے اندر بیٹھ کر دنیوی امور میں مشغولیت کی ممانعت نکالی ہے۔ هذا یدل علی انه یجب تنزیهها من القعود فیها لامور الدنیا مثل البیع والشراء و عمل الصناعات و لغو الحدیث الذی لا فائدة فیه والسعة وما جری مجری ذلک (جصاص) و۸۵ صبح و شام سے محاورہ میں مراد دوام سے ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر اصیل کا وقت دن ڈھلنے کے بعد سے پوری رات تک رہتا ہے۔ گویا نماز فجر تو غدو میں آ گئی تو ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں اٰصال میں۔ و۸۶ احکام فرعی میں سے یہ دو نہایت اہم ہیں۔ انہیں بطور نمونہ کے بیان کر دیا گیا۔ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اللہ کی یاد سے مراد اس کے احکام کی بجا آوری ہے۔ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس خاص فضیلت کے موقع پر ذکر کس کا فرمایا گیا۔ گوشہ نشین، تارک دنیا زاہدوں راہبوں کا نہیں۔ بلکہ ان کا جو دنیا کے معاملات میں پوری طرح پڑے ہوئے ہیں۔ بیع و تجارت میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر بھی دل ان کے کہیں اور ہی اٹکے ہوئے ہیں۔ فرائض میں غفلت نہیں کرتے۔ ادائے حقوق میں سستی نہیں برتتے۔ روی عن الحسن فی هذه الاٰیة والله لقد کانوا یتبایعون فی الاسواق فاذا حضر حق من حقوق الله بدءوا بحق الله حتی یقضوه ثم عادوا الی تجارتهم (جصاص) صوفیہ کے مسئلہ خلوت در انجمن کی اصل یہیں سے نکلتی ہے۔ و۸۷ یہ بیان ان کے کمال خشیت و تقویٰ کا ہے کہ باوجود پابندی احکام کے ہر وقت روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ و۸۸ مفصل و مستقل و متعین وعدہ، اہل ایمان سے جس جزا کا ہے وہ تو جنت ہے۔ اس کے علاوہ محض اپنے فضل و کرم سے اللہ جس کو جتنا نواز دیتا ہے اس کے لیے کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ اسلام کا خدا بعض دوسرے مذہبوں کی طرح کرم و عطا میں کنجوس نہیں۔ و۸۹ یعنی تڑپ کر پیاس سے مر گیا۔ یہ مثال ان کافروں، منکروں کی ہے جو اپنے اپنے باطل مذہب پر قائم، اپنے زعم میں عمر بھر اعمال صالحہ میں لگے رہے، اور جزائے آخرت کے امیدوار۔ ان بدنصیبوں کی آخری مایوسی کی شدت کا کیا ٹھکانا ہے کہ جب حقیقت کا انکشاف ہوگا تو ان کی دل خوش کن امیدیں کچھ بھی کام نہ دیں گی۔ اور غایت حسرت کے ساتھ انہیں قعر ہلاکت میں گرنا ہوگا۔ و۹۰ یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا۔

وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

اور اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے یا (وہ اعمال) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے

يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

کہ اس کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اس (موج) کے اوپر (ایک اور) موج ہو (پھر) اس کے اوپر بادل ہو

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

(غرض) اوپر تلے اندھیرے ہیں اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کے

يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ

دیکھنے کا احتمال تک نہیں ف۹۱ اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کے لئے (کہیں سے)

نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

نور نہیں ف۹۲ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور

وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ف۹۳ ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا

وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ

اور اپنی تسبیح ف۹۴ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں ف۹۵ اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

ملک ہیں آسمان اور زمین اور اللہ ہی کی طرف واپسی ہے ف۹۶

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے پھر اس کو باہم ملا دیتا ہے پھر

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

اس کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ وہ اس کے بیچ میں نکل کر آتی ہے

ع ۱۱

ف۹۱ یہ مثال ان کافروں کی ہے، جو سرے سے ملحد یا لامذہب ہیں اور جنہیں کوئی بھی سہارا بھی آخرت کا حاصل نہیں۔ ان کی غایت ظلمانیت کا کیا کہنا۔ ایک تو قعر سمندر کی تاریکیاں خود ہی معاذ اللہ کیا کم ہیں، اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج اور اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں۔ غرض جیسا کچھ اندھیرا گھپ ہو ف۹۲ چنانچہ یہ بھی اپنے اعراض کے باعث ایسی تاریکیوں میں گھرے اور پڑے رہ گئے ہیں کہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں! ــ انہیں چاہیے تھا کہ اتباع احکام الٰہی کا قصد اپنی طرف سے کرتے۔ حق تعالیٰ اپنی عادت کے موافق ان کے عزم پر فعل کو بھی ضرور مرتب کر دیتا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا۔ اور اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم وہی رہتے ہیں جو خود ہی حصول ہدایت کا قصد نہیں کرتے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس میں استعداد نہیں اس میں عقل بھی نہیں۔ ف۹۳ (اور بظاہر زمین و آسمان کی درمیانی فضا میں معلق) اَلَمْ تَرَ۔ خطاب عام سننے والے سے ہے۔ یعنی کیا تجھ پر دلالت عقل و مشاہدات سے یہ بات واضح نہیں ہوتی؟ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح خواہ قالاً ہو یا حالاً ہر صنف موجودات کے اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق ہوتی ہے۔ وَالطَّيْرُ۔ پرند پرستی جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ پھیلی رہی ہے۔ باز، عقاب، طوطا، نیل کنٹھ، ہنس، شکرہ اور خدا معلوم کتنے اور پرندے پج چکے ہیں۔ تحقیق توحید کے موقع پر پرندوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ، عجب نہیں کہ اسی مصلحت سے ہو۔ ف۹۴ (بہ طریق الہام) کئی۔ یہاں مراد پرند (الطیر) بھی ہو سکتی ہے۔ جو بالکل قریب ہے۔ اور ہر موجود و مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ف۹۵ (اور وہ ان کو وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا) اشارہ ہے ان لوگوں کی جانب جو دلائل کے باوجود توحید و ایمان سے اعراض و انکار کرتے رہتے ہیں۔ ف۹۶ اس وقت حکمت و حاکمیت سب کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی۔

وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ

اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے

فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ

پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اسے ہٹا دیتا ہے جس سے وہ چاہتا ہے

یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰهُ

اس (بادل) کے بجلی کی چمک گویا اب بینائی جایا ہی چاہتی ہے ف۹۷ اللہ رات اور دن کو

الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

الٹا پلٹتا رہتا ہے اس میں اہل بینش کے لئے (بڑا) سبق ہے ف۹۸

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ

اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا ہے سو ان میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل

عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ

چلتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں

وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا

اور ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے

یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۹۹ بے شک

اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

ہم نے کھلے ہوئے نشان نازل کئے ہیں اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

ہدایت کر دیتا ہے ف۱۰۰ اور یہ لوگ کہتے (تو) ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر

ف۹۷ غرض اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجائب وغرائب ہر لحظہ و ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ دیکھنے کے لیے صرف چشم بینا ہونا چاہیے — ایک مناسب وقت پر مناسب موسم میں، ابر کو پیدا کرنا، ایک مناسب بلندی پر لے جانا، ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا، ابر کے منتشر ٹکڑوں کو تلے اوپر جمع کر کے انہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا، پھر ایک مناسب مقدار میں مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا یہ سب کام اسی صانع مطلق و حکیم برحق کے ہیں۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ سمآء کے لغوی معنی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ہر بلند سائبان اور چھت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں مراد ابر ہے۔ مِنْ جِبَالٍ۔ عربی محاورہ میں کثرت و عظمت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کثرت علم کے موقع پر عندہ جبال من العلم۔ کثرت زر کے موقع پر فلان یملک جبالًا من ذھب (بحر) اردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں، "اس کے پاس تو سونے کے پہاڑ ہیں"۔ زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ مِنْ جِبَالٍ یہاں کجبال کے معنی میں ہے۔ حرف تشبیہ کی محذوف ہے۔ (بحر) سحابا۔ لفظاً واحد ہے۔ لیکن بہ طور اسم جنس جمع کے معنی میں ہے۔ المعنی یسوق سحابۃ الی سحابۃ (بحر) بَیْنَهٗ کو بین اجزائه کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای یؤلف بین اجزائه (بحر) فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ جسے چاہتا ہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق مال اور جان کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ۔ جس کو چاہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق محفوظ کر دیتا ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ میں من ابتداء غایت کا ہے۔ اور مِنْ جِبَالٍ میں مِنْ تبعیض کا ہے اور مِنْ بَرَدٍ میں مِنْ تبیین جنس کا ہے۔ (جصاص) ف۹۸ (اللہ کی توحید ربوبیت کا، اس کی صنعت کاملہ و قدرت مطلقہ کا) یہ ساری صناعیاں اسی صانع مطلق کی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا اس میں اس کا شریک نہیں۔

ف۹۹ (اسے کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ جو جانور جس قسم کا بھی چاہے پیدا کر دے) یَمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ پیٹ کے بل چلنے والوں میں کل رینگنے والے جانور، حشرات الارض آ گئے۔ مثل سانپ کے اور تیرنے والے جانور بھی مثل مچھلی کے۔ یَمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ۔ دو پایہ جانوروں کی مثال خود انسان ہے۔ نیز پرندے جب وہ زمین پر چل رہے ہوں۔ یَمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ۔ چوپایہ جانوروں کی مثالیں بالکل ظاہر ہیں۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ حاشیہ ۲۵ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا۔

ف۱۰۰ یہ احسان خاص ہے ہدایت یافتوں کے لیے۔ یہ ظہور ہے رحمت خاصہ کا۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ۔ یعنی دلائل حق سب کی ہدایت کے لیے نازل کیے ہیں۔ یہ ظہور ہے رحمت عامہ کا۔

وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿ؕ۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿ع۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

ایمان لے آئے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے اور یہ لوگ (ہرگز) ایمان والے نہیں ف۱۰۱ اور جب یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے ف۱۰۲ اور اگر ان کا حق (نکلتا ہوتا) ہے تو (رسول) کی طرف سر تسلیم خم آ جاتے ہیں ف۱۰۳ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (نہیں) بلکہ یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں ف۱۰۴ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے، جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ف۱۰۵ تو ایسے ہی لوگ تو فلاح یاب ہیں اور جو کوئی بھی کہنا مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس (کی نافرمانی) سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ

ف۱۰۱ ان لوگوں کے ایمان کامل کی نفی بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی دل میں ایمان تو کسی منافق کے بھی نہیں۔ لیکن ان کھلا کھلا عدول حکمی کر جانے والوں نے تو اس ایمان کا ظاہری پردہ بھی ہٹا دیا۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی جب اس زبانی دعوی کے عملی ظہور کا وقت آتا ہے۔ ذکر منافقین کا ہے۔ زبان سے تو یہ لوگ بڑے دعوے ایمان و اطاعت کے کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وقت اس دعوی کے ثبوت کا آتا ہے تو ان میں کا زیادہ شریر حصہ صاف نکل جاتا ہے۔ ف۱۰۲ (رسول کی خدمت میں حاضری دینے سے) یہ آیت اوپر کی آیت کی تفصیل کر رہی ہے۔ یعنی اپنے قضیوں، جھگڑوں کے فیصلہ کے واسطے جب یہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں طلب کیے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمامتر حق و انصاف ہی کے مطابق ہوگا، اور کوئی خیانت، چالاکی چلنے نہ پائے گی۔ ٹال مٹول کر جاتے ہیں۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی طلبی صرف بارگاہ رسول ہی میں ہوتی تھی مگر چونکہ رسول کے فیصلے عین خدائی ہی فیصلے کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے اس لیے دعوا کے ساتھ اِلَى اللّٰهِ بڑھا دیا گیا۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ میں دعوت حکم اللہ کی طرف ہے۔ دوربین فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم اسلام جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لیے بلائیں تو حاضری لازمی ہے۔ معناه الى حكم الله هذا يدل على من ادعى الى غيره حقًا و دعاه الى الحاكم فعليه اجابته والمصير معه اليه (جصاص) ف۱۰۳ یعنی جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا ہے اور یہ خود مظلوم ہوتے ہیں تو پھر بے تکلف چلے آتے ہیں اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہو ہی گی۔ ف۱۰۴ (اور چونکہ خود برسر ظلم ہوتے ہیں) اس لیے ان مقدمات کو حضور نبوی میں لانے سے پہلو بچاتے ہیں کہ وہاں تو قلعی کھل کر رہے گی) اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ یہ مرض سے مراد کفر قطعی ہے۔ یعنی آیا یہ انکار نبوت پر جرم میں مبتلا ہیں۔ اَمِ ارْتَابُوْۤا۔ یعنی آیا یہ نبوت و رسالت کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ف۱۰۵ (اور پھر فوراً حضور نبوی میں حاضر بھی ہو جاتے ہیں) یعنی اہل ایمان کے قول پر ان کا عمل کو اور ہتا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ کے معنی یہ گئے ہیں کہ حکم الٰہی کی طرف۔ معناه الى حكم الله (جصاص) اور فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم شریعت جب طلب کرے حاضری ضروری ہو جاتی ہے۔ هذا الاية دليل على وجوب اجابة المدعوى الى الحاكم لان الله تعالى ذم من دعى الى رسول الله ليحكم بينه و بين خصمه فلم يجب باقبح المذمة (ابن العربی) تاكيد لما تقدم ذكره من وجوب الاجابة الى الحاكم اذا دعوا اليه وجعل ذلك من صفات المؤمنين (جصاص) اور فقہاء نے اسی معنی میں یہ حدیث نبوی بھی نقل کی ہے۔ من دعى الى سلطان فلم يجب فهو ظالم لا حق له (جصاص)

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

بامراد ہوں گے اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسم کھاتے رہتے ہیں

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو ہم نکل پڑیں ف۱۰۶ آپ کہیے کہ (بس) قسمیں نہ کھاؤ فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

معلوم ہے اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ف۱۰۷ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی

اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ

اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر روگردانی کرو گے تو (سمجھ لو کہ) رسول کے ذمہ اسی قدر ہے جس کا

مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

بار ان پر رکھا گیا ہے اور تمہارے اوپر اسی قدر جس کا بار تم پر رکھا گیا ہے ف۱۰۸ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی ف۱۰۹

تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو راہ سے جا لگو گے اور رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف۱۱۰

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

دے چکا ہے ف۱۱۱ اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے واسطے قوت

لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

دے گا ف۱۱۲ اور ان کے خوف کے بعد اس کو امن سے تبدیل کر دے گا

ف۱۰۶ (گھر بار سب چھوڑ چھاڑ) اب ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ ف۱۰۷ (اور اس نے تجھے بتا دیا ہے) مطلب یہ ہے کہ زبانی و نمائشی دعووں سے کچھ بھی نہیں ہونے کا، ضرورت صرف مخلصانہ عمل کی ہے۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ۔ یعنی تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہو چکی! ف۱۰۸ یعنی رسول کے ذمہ تو تبلیغ تھی۔ وہ اسے پوری طرح ادا کر چکے۔ اب آگے اس پر عمل تمہارا کام تھا۔ تم وہ نہیں کرتے سو خود ہی بھگتو گے، رسول کا اس سے کیا ضرر؟ ف۱۰۹ (جو عین اطاعت ہے اللہ کی) بندوں کے پاس اور کوئی ذریعہ ہی احکام الٰہی و مرضیات الٰہی کے علم کا نہیں بجز وساطت رسول کے۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی سے کشف حقائق ہوتا ہے اور وہی حاصل ہے اہتداء کا۔ ف۱۱۰ (نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کر دینا) یہ بات بھی بار بار صاف کر دی گئی تھی۔ دنیا کو کثرت سے اس باب میں ٹھوکر لگی ہے۔ تَهْتَدُوْا۔ یعنی ہدایت پا کر خود ہی فائدہ میں رہو گے۔ ف۱۱۱ (مثلاً قوم طالوت کو جالوت اور زبردست فلسطینیوں کے مقابلہ میں، یا یوشع بن نون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو زبردست قوم عمالقہ کے مقابلہ میں) مِنْكُمْ خطاب نوع انسانی سے ہے۔ یعنی تم انسانوں میں سے جو طبقہ بھی ایمان و مقتضیات ایمان پر عمل کرے گا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔ یہ استخلاف یا حکومت ارض اسی ایمان و عمل صالح کی برکت سے حاصل ہوگی۔ آیت کی پوری قدر اس وقت ہو گی۔ جب اس کا زمانہ نزول بھی ذہن میں رہے۔ نزول اس وقت ہوئی ہے جب مسلمان تمامتر حالت مغلوبیت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہو رہی تھی۔ اس وقت اس دھڑلے سے پیش گوئی کر دینا بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کا کام ہو نہیں سکتا تھا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ گویا نص ہے خلفاء اربعہ کے برحق ہونے کی۔ ان کی ذات میں اللہ کا وعدہ استخلاف فی الارض تمکین دین پوری طرح پورا ہو کر رہا۔ البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمرہ میں شامل نہیں، کہ وہ نزول آیت کے وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ اور نص میں ان کی جانب اشارہ نہیں۔ و فیه الدلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة ایضا لان الله استخلفهم فی الارض و مکن لهم کما جاء الوعد ولا یدخل فیهم معاویة لانه لم یکن مؤمنا فی ذلک الوقت (جصاص) الاٰیة اوضح علی صحة خلافة الخلفاء الراشدین رضی الله عنهم اجمعین لان المستخلفین الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات هم هم (مدارک) قال بعض السلف خلافة ابی بکر و عمر رضی الله عنهما حق فی کتاب الله ثم تلا هذه الاٰیة (ابن کثیر) ف۱۱۲ یہ گویا اس حکومت سے مقصود ہوگا۔ یعنی حکومت دنیوی مقصود بالذات نہ ہوگی، بلکہ ذریعہ اور واسطہ ہوگی اللہ کے پسند کیے ہوئے دین اسلام کی تقویت کا۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ

(بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں کسی کو میرا شریک نہ بنائیں وف۱۱۳ اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو نافرمان ہیں وف۱۱۴ اور نماز کی پابندی رکھو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے وف۱۱۵

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

جو لوگ کافر ہیں ان کی نسبت یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں (ہمیں) ہرا دیں گے

وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے وف۱۱۶ اے

ع

اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ

ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے)

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے وف۱۱۷

الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ

(ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو

بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ

اور (تیسرے) بعد نماز عشا (یہ) تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں وف۱۱۸ ان (اوقات) کے سوا

عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ

نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر وف۱۱۹ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں

وف۱۱۳ یعنی توحید و مقتضیات توحید پر قائم رہیں۔ و نُبَیِّنَنَّھُم ...... اَمْنًا۔ یہ قوت دشمن کی طرف سے خوف ایذا و ظلم ہوتا ہے جو ایمان کامل کے منافی نہیں۔ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ کسی کو بھی میرا شریک نہ بنائیں۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ کسی طرح کا بھی شرک میرے ساتھ نہ روا رکھا جائے۔ وف۱۱۴ (اور ان سے کوئی وعدہ استخلاف ارض کا نہیں) بَعْدَ ذٰلِکَ سے مراد ہے اس وعدہ کے صدق کے ظہور کے بعد۔ ای بعد الوعد (مدارک) گویا اب کفر و فسق اور واشد ہے۔ ای هم الكاملون فی فسقهم (مدارک) وف۱۱۵ (دنیا و آخرت دونوں میں) یعنی طاعات بدنی و مالی میں تمام تر مشغول رہو، اور رسول برحق کے جملہ احکام و ہدایات کی پابندی کرتے رہو — یہ تاکید ہے انہیں ارشادات کی جو اوپر گزر چکے۔ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ حکم ابھی اوپر بھی آچکا تھا۔ یہ تکرار ظاہر کر رہی ہے کہ حکم اکد و اشد ہے۔ كررت طاعة الرسول تاكيدا لوجوبها (مدارک) وف۱۱۶ یعنی آخرت میں تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے ہی۔ دنیا میں بھی خیال نہ گزرے کہ ان کی چالیں خدائی تدبیروں پر غالب آسکتی ہیں۔ اور معاندین منکرین ہمارے قہر کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل جا سکتے ہیں۔ خطاب یہاں عام ہے ہر پڑھنے والے سے۔ فِی الْاَرْضِ۔ یعنی زمین کے کسی حصہ میں بھی۔ وف۱۱۷ عام آنے جانے والوں، عاقلوں، بالغوں، آزادوں کے واسطے حکم اوپر گزر چکا ہے کہ گھروں میں جب آئیں اجازت لے کر آئیں۔ اب حکم مل رہا ہے مملوکوں کے لیے، غلاموں اور کنیزوں کے لیے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے نیز نابالغ بچوں کے لیے جو بلا ضرورت بھی گھر کے اندر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے اس عام حکم کی پابندیاں دشوار تھیں۔ اب ان کے باب میں حکم الگ نازل ہو رہا ہے — اللہ اللہ! مسلمان کے گھر کی اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ مدنظر ہے۔ کیسے کیسے جزئیات تک کے احکام اس غرض کے لیے صادر ہو رہے ہیں! اَلَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے وف۱۱۸ (کہ یہ تین وقت عام طور پر تخلیہ و استراحت کے ہوتے ہیں)" یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں۔ ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں۔ اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں"۔ (تھانوی مدظلہ) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کچھ تخصیص انہیں تین وقتوں کی نہیں۔ جہاں بھی ضرورت ہو وجود علت پر مدار ہے حکم معلول کا۔ اوقات خواب و تخلیہ تابع نص کے نہیں۔ بلکہ یہاں خود نص میں رعایت عرف عام کی ہے۔ وف۱۱۹ ان پر الزام بلا اجازت چلے آنے میں نہیں اور تم پر الزام انہیں منع نہ کرنے میں نہیں۔

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

کوئی کسی کے پاس ف۱۲۰ اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان

الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ

کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۲۱ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو

مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ

پہنچ جائیں ف۱۲۲ تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت

قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

لے چکے ہیں اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ

اور بڑا حکمت والا ہے ف۱۲۳ اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ

نہ رہی ہو ف۱۲۴ ان کو کوئی گناہ نہیں (اس بات میں) کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں ف۱۲۵ (بشرطیکہ) زینت

مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ

کو دکھلانے والیاں نہ ہوں ف۱۲۶ اور اگر (اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے ف۱۲۷

وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا

اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۱۲۸ نہ اندھے (آدمی) پر الزام ہے نہ

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا

لنگڑے (آدمی) پر الزام ہے اور نہ بیمار (آدمی) پر الزام ہے اور نہ

عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں میں سے کھانا کھا لو ف۱۲۹ یا اپنے باپ کے

ف۱۲۰ (اس کا مطلب موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے۔ اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی۔ اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے۔ اور چونکہ یہ وقت پردہ کے نہیں، اس لیے ان میں اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کافر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے باقی سب چھپائے رکھے۔ اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے سوا اس استتار میں کوئی دشواری نہیں۔ لہٰذا بے اذن آنا جائز ہوا۔ اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف اور عورت باستثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں، اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے۔ کیونکہ اس کی آمد و رفت بھی بہت ہے"۔ (تھانوی ؒ) یعنی ان بکم و بھم حاجة الی المخالطة والمداخلة یطوفون علیکم للخدمة و تطوفون علیهم لاستخدام (مدارک) استیناف ببیان العذر المرخص فی ترک الاستیذان (بیضاوی) یشق علیهم الاستیذان فی کل وقت لکثرة دخولهم و خروجهم و هو معنی طوافون علیکم بعضکم علی بعض (جصاص) فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں و فیه دلیل علی تعلیل الاحکام (بیضاوی) ف۱۲۱ (سو اس کی نظر انفرادی و اجتماعی ساری حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے اس کے احکام میں سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے) ف۱۲۲ یعنی بالغ یا تقریباً بالغ ہو جائیں۔ خطاب یہاں احرار مسلمین سے ہے۔ مملوک کا ذکر تو ابھی اوپر آ چکا۔ ف۱۲۳ (اس کے احکام کو خفیف اور اس کی ہدایات کو حقیر نہ سمجھو) یہ تاکید و تکرار اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ احکام جو بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں اللہ کے قانون میں حد درجہ اہمیت رکھتے اور حد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا...... مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی جب بچے سیانے ہونے لگیں تو جس طرح ان کے بڑوں پر اندر آنے کے لیے ہر وقت اجازت کی ضرورت تھی، ان پر بھی اجازت لینا انہیں تین اوقات میں نہیں، بلکہ ہر وقت واجب ہوگی۔ ای فی جمیع الاوقات کما استاذن الذین بلغوا الحلم من قبلهم و هم الرجال (مدارک) ف۱۲۴ یعنی وہ اس سن کو پہنچ گئی ہوں کہ اب اصلاً کوئی رغبت نہ رہی ہو۔ اور ان کی بے پردگی سے احتمال فتنہ کا نہ باقی رہے۔ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ کے لفظی معنی ہیں خانہ نشین عورتیں۔ ف۱۲۵ یعنی نامحرم کے روبرو اس ہیئت سے آ جائیں کہ ان کے جسم پر چادر وغیرہ لپٹی نہ ہو۔ یعنی به الرداء والمقنعة التی فوق الخمار و هو قول ابن مسعود (ابن العربی) ف۱۲۶ یہ قید یہاں بھی لگی ہوتی ہے۔ قدرتی یا مصنوعی سنگار کے موقعوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا اس سن کی بوڑھیوں کے لیے بھی جائز نہیں، جو حد نکاح سے گزر چکی ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہان عورتوں کو اپنے جسم کے اخفاء کے باب میں کتنا اہتمام چاہیے۔ یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخل ستر نہیں، بہ قول فقہاء کے احتمال فتنہ سے وہ بھی داخل ستر ہو جاتی ہیں۔ ف۱۲۷ خوب خیال کر لیا جائے۔ حجاب و ستر کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں، بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ ف۱۲۸ (تمہارا ظاہر و باطن، تمہارے رمز و کنائے، تمہارے ارادے اور نیتیں سب ہی اس پر روشن ہیں) ف۱۲۹ عرب جاہلیت میں کھانے پینے کے باب میں ایک ہلکی سی شکل کمیونزم (اشتمالیت) کی جاری تھی۔ دستور یہ تھا کہ جو جس کے ہاں پہنچ جاتا بے تکلفی سے اس کے ہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ یہ بے تکلفی بجائے خود تو اچھی چیز تھی۔ لیکن افراط اس میں اس قدر ہو گئی تھی کہ مستحقین پر نوبت ظلم کی پہنچ گئی تھی اور گھر والے اکثر گھاٹے میں رہنے لگے تھے۔ جب آیت لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو متقی مسلمان فرط خشیت سے بہت ہی زائد احتیاط کرنے لگے۔ اور وہاں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں، معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا۔ اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لیے آیت بالا نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جن گھروں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، یہاں خود کھا لینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو، کوئی مضائقہ نہیں۔ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ۔ اپنے گھروں میں بیوی اور اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔ عَلٰى یہاں فی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یعنی اندھوں، لنگڑوں وغیرہ کے باب میں نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر۔

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ

گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا

بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں

عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

یا (ان گھروں سے) جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے ف۱۳۰ تم پر کچھ

جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ

الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ ف۱۳۱ پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں

بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کو سلام کر لیا کرو ف۱۳۲ (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

بابرکت (اور) عمدہ (چیز) اللہ اسی طرح تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۟ؑ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

سمجھو ف۱۳۳ بس مومنین تو وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس (کسی ایسے) کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک

يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں ف۱۳۴ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں

ع ٨ / ١٤

ف۱۳۰ (کہ عادتاً اور اغلباً ان جگہوں میں رضا مل ہی جاتی ہے) اگر کہیں عدم رضا ہو تو فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اس موقع پر یہ حکم ثابت نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر ان گھروں کے علاوہ بھی یہ رضا مل جائے تو وہاں یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ مدار اس حکم کا صاحب خانہ کی رضا پر ہے۔ مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ کسی کے گھر کا کھانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں۔ البتہ اجازت کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہی ہو۔ ضمنی، عکسی، عرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ سے مراد وہ گھر ہیں جن کا یہ مخاطب امین، نگران وغیرہ ہو۔ بعض لوگ جہاں لڑکی بیاہی ہو یعنی اپنے سمدھیانہ میں کھانا پینا باعث عار سمجھتے ہیں۔ یہ تمامتر مشرکین ہند کی صحبت کا اثر ہے۔ ف۱۳۱ فرط تقویٰ سے بعض صحابہ کو اپنے اپنے متعلق خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور ساتھیوں کے حصہ کی حق تلفی ہو کر رہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ اتنے دقیق احتمالات قابل اعتنا نہیں۔ ”دو شقیں تو اوپر رفع کی جا چکیں، تیسری شق جو ساتھ کھانے کے متعلق تھی وہ اب رفع کی جاتی ہے۔ یعنی ایسے ضعیف وسوسے کہ شاید میں زیادہ کھاؤں تو پرایا حق کھا لیا اور دوسرا کم کھائے تو اس کا حق رہ گیا۔ شریعت کو مطمح نظر نہیں ہیں۔ مخالطت میں ایسے دقائق کی تکلیف نہیں۔ البتہ اگر کسی کے کھانے پر گھر والے کی رضا نہ صراحۃً قال سے معلوم ہو نہ دلالت حال سے اس وقت جائز نہیں۔ اسی طرح جس مواکلت پر شریک بااختیار راضی نہ ہو اس کی تقسیم ضروری ہے۔ اور اگر شریک بااختیار نہیں ہے جیسے یتیم باعتبار اپنے وصی و قیم کے کہ اس کی رضا و عدم رضا بوجہ عدم بلوغ نامعتبر ہے وہاں بلا رضا بھی مخالطت درست ہے بشرط رعایت اس کے مصالح کے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کھانے میں چھوت چھات کا دخل ہونا، اونچی ذاتوں کا نیچی ذاتوں کے ساتھ ایک کھانے پر نہ جمع ہونا، یہ دستور بہت سی مشرک قوموں کا رہا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ دستور آج تک زندہ ہے۔ مصر قدیم میں بھی رہ چکا ہے۔ آیت میں اس عقیدۂ باطل کی بھی تردید کی طرف اشارہ ہے۔ ف۱۳۲ یعنی جو مسلمان وہاں موجود ہوں انہیں سلام کر لیا کرو۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، زہری حضرات تابعین سے یہی معنی مروی ہیں (ابن کثیر) ف۱۳۳ ایک بار پھر اس کی تاکید کہ معاشری و خانگی زندگی کے یہ جزئی احکام عددرجہ اہم اور واجب الاعتناء ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ۔ ان احکام کے سلسلہ میں یہ فقرہ مکرر ہی نہیں، تیسری بار لایا گیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ان احکام کا کس قدر اہتمام مقصود ہے۔ كرره ثلاثا لمزيد التاكيد و تفخيم الاحكام المختتمة به (بیضاوی) مُبٰرَكَةً۔ بابرکت اس اعتبار سے کہ سلام پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ طَيِّبَةً۔ عمدہ اس اعتبار سے کہ مخاطبین کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۴ منافقین پر تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک ہی میں حاضری بار تھی۔ پھر عبادت (مثلاً خطبہ جمعہ) میں حاضری تو اور زیادہ۔ جب موقع پاتے تو چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابلہ میں یہاں مدح مومنین کی ہو رہی ہے کہ ان کی شان تو یہ ہے کہ اگر اتفاقاً انہیں کوئی ضرورت مجلس مبارک سے چلے جانے کی پیش آ جاتی ہے، تو بھی جب تک آپ سے اجازت لے نہ لیں اور آپ دے نہ دیں اپنی جگہ سے ہٹتے نہیں۔ اَمْرٍ جَامِعٍ کے معنی اہم مشورت کے بھی ہیں۔ جس میں ضرورت اجتماع و اجتماع کی پڑتی ہے۔ هو الامر الموجب للاجتماع (کبیر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جس معاملہ میں خطاب عام (پبلک اسپیچ) کی ضرورت پڑے۔ كل شيء تكون فيه الخطبة (کبیر عن الضحاک)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا

وہ تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ف۱۳۵ پھر جب

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں اپنے کسی کام کے لئے تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں

مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اجازت دے دیں ف۱۳۶ اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے بے شک اللہ بخشنے والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ

مہربان ہے ف۱۳۷ تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

دوسرے کو بلا لیتا ہے ف۱۳۸ اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آڑ میں ہو کر

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ

کھسک جاتے ہیں ف۱۳۹ ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں ڈرنا چاہیے

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ

کہ کہیں ان پر (دنیا میں تو) کوئی آفت نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے ف۱۴۰ یاد رکھو

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ف۱۴۱ وہ اس کو بھی جانتا ہے جس

اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

(حالت) پر تم اب ہو ف۱۴۲ اور اس دن کو بھی جب (سب) اس کے پاس لوٹائے جائیں گے پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ

عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

انہوں نے کیا تھا اور اللہ سب ہی کچھ جانتا ہے ف۱۴۳

ع ۹

ف۱۳۵ یعنی جس طرح منافق اجازت نہیں لیتا اور مومن بغیر اجازت کے جاتا نہیں۔ اسی طرح جو اجازت لیتا ہے وہ مومن ہی ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ کا حاصل تو یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا، کیونکہ ہر مومن اجازت لیتا تھا۔ اور اِنَّ الَّذِيْنَ الخ کا حاصل یہ ہے کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ کوئی منافق اجازت نہیں لیتا تھا"۔ (تھانوی ؒ) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ یَسْتَاْذِنُوْکَ کا حاصل یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا — ہر مومن اجازت ضرور لیتا تھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ ۔۔۔ مضمون یہ کا حاصل یہ نکلا کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا — کوئی غیر مومن (یعنی منافق) اجازت نہیں لیتا تھا۔ ف۱۳۶ یعنی آپ ان میں سے جن کے لیے مناسب سمجھیں اجازت دے دیں، اور جن کے لیے مناسب نہ سمجھیں نہ دیں، ضرورت کے اہم و غیر اہم ہونے کا فیصلہ تمامتر رسول ﷺ کے ہاتھ میں رہا۔ اور یہی اختیار امام المسلمین کو حاصل ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ بعض احکام رسول اللہ ﷺ ہی کی رائے پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ تفویض للامر الی رای رسول اللہ ﷺ واستدل به علی ان بعض الاحکام مفوضة الی رایه (بیضاوی) ف۱۳۷ (وہ تو گنہگاروں تک کو معاف کر دیتا ہے تو یہاں تو معصیت سے کم کا معاملہ ہے) استغفار کے ذکر سے یہ نکلا کہ گو اجازت لے کر چلا جانا جائز ہے، لیکن بہرحال کچھ بہتر نہیں بلکہ ایک صورت نقص ہی کی ہے۔ اور استغفار جس طرح تلافی معصیت کے لیے ہے تلافی نقص کے لیے بھی ہوتا ہے۔ وذکر الاستغفار للمستاذنين دليل على ان الافضل ان لا يستاذن (مدارک) ف۱۳۸ (کہ جی چاہا آئے نہ جی چاہا نہ آئے۔ بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے اجابت واجب ہے اور بلا اجازت چلا آنا حرام) ای لا تقيسوا دعاءه عليه الصلوٰة والسلام اياكم على دعاء بعضكم بعضاً فی حال من الاحوال (روح) قيل هذا نهي عن الابطاء والتاخير اذا دعاهم واختاره المبرد و القفال وهذا القول موافق لسياق الاية و نظمها (بحر) فقہاء نے کہا ہے کہ یہی حکم امام کے لیے بھی ہے، امام المسلمین اگر اب بھی بلائے تو جانا واجب ہوگا اور بلا اجازت چلے آنا ناجائز۔ جو امور مباحات میں داخل نہیں امام کے حکم کے بعد واجب ہو جاتے ہیں۔ اور امت کا کسی جگہ جمع ہونا اور جمع رہنا، جب امام کے حکم سے ہوں، واجب ہو جائیں گے البتہ جب کسی اجتماع میں یہ معلوم ہو جائے کہ اب جمع رہنا امام کی طرف سے مامور نہیں تو بلا اجازت اٹھ آنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کی اس تفسیر میں مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی جائے۔ اس کے اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ "اے لوگو رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو"۔ مثلاً محض یا محمد ﷺ کہہ کر — منقول یہ تفسیر بھی ہے، لیکن سیاق سے بہت بعید ہے۔ قال مجاهد و قتادة ادعوه بالخضوع والتعظيم نحو يا رسول الله يا نبی الله ولا تقولوا يا محمد (جصاص) لا تجعلوا تسميته و نداءه بينكم كما يسمى بعضكم بعضاً (کشاف) ذلك نهی من الله ان يدعوا رسول الله ﷺ بغلظ و جفاء و امرلهم ان يدعوه بلين و تواضع (ابن جریر) و تعقبه ابن عطية بان لفظ الاية يدفع هذا المعنى (روح) ف۱۳۹ اشارہ انہیں چپکے سے کھسک جانے والے منافقین کی طرف ہے ف۱۴۰ اس وعید سے ظاہر ہو گیا کہ امر سے امر ایجابی مراد ہے الاية تدل على ان الامر للايجاب (مدارک) اَلَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ۔ مراد وہی منافقین ہیں۔ ای الذين يصدون عن امره دون المؤمنين و هم المنافقون (مدارک) عَنْ اَمْرِهٖ۔ یعنی ان کے دین سے یا ان کی طاعت سے۔ ای عن طاعته و دينه (مدارک) ف۱۴۱ (اور اختیار و اقتدار اسی کا کامل ہے) ف۱۴۲ (تو کیا بعید ہے کہ تمہیں دنیا میں گرفت ہو جائے) ف۱۴۳ (اس کا علم جب دارین کے ساتھ متعلق ہے تو وہ سزا جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے)

آیاتها ۷۷ ۲۵ سُورَةُ الفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتها ۶

اس کی ۷۷ آیتیں سورۂ فرقان مکی ہے اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری تاکہ وہ (بندہ)

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو وہی ہے کہ آسمان اور زمین

وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

اسی کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کا کوئی حکومت میں

فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲

شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا ولے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (اور ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور خود ہی

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳

اور نہ (کسی کی) موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (کسی کی) زندگی کا اور نہ (کسی کے) دوبارہ اٹھانے کا و۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے

و۱ (اور کوئی شے نہ اس کے دائرۂ تخلیق سے باہر ہے نہ دائرۂ تقدیر سے) الْفُرْقَانَ۔ فرقان کے معنی پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ میں گزر چکا۔ یہاں الْفُرْقَانَ سے مراد قرآن کے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ولا نزاع ان الفرقان هو القرآن (کبیر) عَبْدِهٖ۔ مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا ظاہر ہے۔ عبد پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا الخ پر گزر چکا۔ لِلْعٰلَمِيْنَ۔ عالمین کے لفظ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے کوئی نسلی، قومی یا وطنی مذہب نہیں۔ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم نہیں۔ و عموم الرسالة من خصائصه عليه الصلوة والسلام (مدارک) لَمْ يَتَّخِذْ...... شَرِيْكٌ۔ مسیحی شرک کے مظہر خصوصی بھی دو ہیں۔ جن کی تردید یہاں کر دی گئی۔ ملاحظہ ہو پ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت۔ خَلَقَ...... تَقْدِيْرًا۔ یونان کے مشرک فلسفی تقدیر الٰہی کے منکر ہوئے ہیں، اور انہیں کی پیروی میں ان کی ''حکمت'' سے مرعوب ہو کر یہود کا بھی ایک فرقہ تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا تھا۔ آیت کے اس جزو کا اشارہ اسی گمراہی کی جانب ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ عقیدہ جس طرح جبر محض کا غلط ہے اسی طرح اختیار محض کا بھی، کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب مشیت الٰہی تکوینی کے مطابق ہی ہو رہا ہے اور بندہ کے اعمال اختیاری میں ارادۂ عبد اس کا منافی نہیں۔ و۲ مشرکین کے جہل و غباوت کا بیان ہو رہا ہے کہ ایسے قادر مطلق ہمہ بین و ہمہ تواں، خدا کا شریک بے بس مخلوق کو بھی بنائے جاتے ہیں، ان گڑھے ہوئے معبودوں کا اختیار اتنا بھی تو نہیں کہ کوئی نقصان اپنے سے دور کر سکیں، کوئی نفع اپنے لیے حاصل کر سکیں۔ کسی کی جان نکال سکیں، کسی میں جان ڈال سکیں، حشر میں دوبارہ کسی کو اٹھا سکیں۔ يَمْلِكُوْنَ...... نُشُوْرًا۔ مراتب وجود یہی تین، یعنی حیات و موت و نشور ہی ممکن ہیں۔ اور ان سب پر قدرت کی یہاں نفی کی جا رہی ہے۔

وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا

اور دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے ف۳ یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے

وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ

مرتکب ہوئے ف۴ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے

تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ

لکھوا لیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح و شام پڑھ کر سنایا جاتا ہے ف۵ آپ کہہ دیجیے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے

السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا

جسے آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے ف۶ بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِیْمًا ﴿۶﴾ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ

بڑا رحمت والا ہے ف۷ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول جو کھانا کھاتا ہے

وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ

اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا

فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ

کہ وہ اس کے ساتھ ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ غیب سے آ پڑتا یا اس کے پاس

لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا (پیتا) ف۸ اور (یہ) ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو ف۹ دیکھیے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹﴾ ع تَبٰرَكَ

باتیں بیان کرتے ہیں سو وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ (بالکل) راہ نہ پا سکے ف۱۰ وہ ذات بڑی عالی شان ہے

ع ۱۶

ف۳ یعنی یہی جاہلانہ، بیہودہ الزام آج بھی سینکڑوں یہودی، مسیحی، ملحد مستشرقین اپنی کتابوں میں دہرا رہے ہیں۔ اور اس جہل کو سند اپنی "روشن خیالی" کی سمجھ رہے ہیں!۔۔۔ فرماتے ہیں اور کس قدر مضحکہ انگیز نمائش علم و فضل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد تھے بڑے ذہین، زیرک و چالاک، ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے گڑھ کر اسے خدا کی جانب منسوب کر دیا! ف۴ (کہ حقیقت اور اصلیت سے اس قدر بعید، ثبوت و تحقیق سے اس قدر معرّیٰ، دعویٰ کر بیٹھے ثبوت کوئی ادنیٰ سا بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ف۵ ملاحظہ ہو پ۱۴ سورۃ النحل آیت لقد نعلم انھم یقولون انما یعلمه بشر کا حاشیہ۔ ف۶ (اور جس طرح اس کا علم کامل ہے جس سے مخلوقات کا علم کوئی نسبت نہیں رکھتا، اسی طرح اس کا کلام بھی بے شمار وجوہ اعجاز کا جامع ہے) ف۷ (اسی لیے وہ ایسا بیہودہ بکنے والوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ انہیں مہلت دیتا جاتا ہے۔ اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو انہیں معاف بھی کر دے گا) ف۸ (اور اس کو فکر معاش سے غیبی طور پر فارغ البالی حاصل رہتی) جاہلی قوموں کے اولی اعتراضات نقل ہو رہے ہیں۔ وحی و نبوت کا مسئلہ اصلاً ہی ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہی دیوی دیوتا والا، اوتار والا عقیدہ دلوں میں جما ہوا تھا۔ خدا خود تو دنیا میں آ سکتا ہے۔ کسی انسان بلکہ حیوان کے قالب میں آ سکتا ہے۔ لیکن کسی بشر کو اپنا نائب، اپنا سفیر، اپنا پیامبر بنانا کیا معنی؟۔۔۔ وہی بنیادی گمراہی جو جاہلی قوموں میں آج تک چلی آ رہی ہے۔ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔ یعنی کھانے پینے، چلنے پھرنے، خرید و فروخت کی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ تو بالکل عام انسانوں کی طرح ہیں۔ انہیں پیمبر کیسے مان لیا جائے؟۔۔۔ گویا پیمبری عام بشری ضرورتوں کے منافی تھی!۔۔۔ اسلام کی بنیاد خوارق پر نہیں بلکہ اصل تعلیمات پر ہے۔ برخلاف اس کے مسیحیوں خصوصاً فرقہ کیتھولک کے ہاں تو مذہب کی روح یا جان ہی خوارق ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آیت سے مشی فی الاسواق کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حدیث میں جو اس کی کراہت آئی ہے تو وہاں بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا پھرنا مراد ہے۔ بلکہ اگر عدم مشی فی الاسواق از راہ تکبر ہے تو مذموم عدم مشی قرار پائے گی اور محمود مشی ٹھیرے گی۔ جاہل مسلمانوں نے بھی آج انہیں جاہلی قوموں کے اثر سے یہی توقعات اولیاء امت سے متعلق قائم کر لی ہیں۔ بجائے ان کی زندگی کی صالحیت اور پاکیزگی پر نظر کرنے کے تلاش ہر وقت عجائب و خوارق کی کی جاتی ہے، اور عوام کے خیال میں اب بزرگی اور مقبولیت کا اصل معیار کرامتیں ہی رہ گئی ہیں! ف۹ یہ وہ مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جب ان میں خدائی یا ملکوتی قوت کچھ بھی موجود نہیں اور پھر بھی یہ دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا کیے جاتے ہیں تو لامحالہ ان کی عقل میں فتور ہے اور یہ سحر زدہ یا مجنون ہی ہیں۔ ف۱۰ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ذرا دیکھیے کہ یہ لوگ آپ کے دعویٰ نبوت کا انکار کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور ایک نبوت کو نہ مان کر کیسی کیسی عجیب اور بے سروپا باتوں کے ماننے پر مجبور ہو گئے! ان کی عقلوں پر یہ کیسے مار پڑ کر رہی! یہی حال آج یورپ کے بڑے بڑے نامور مستشرقین کا ہے۔ سیدھے سادے دعویٰ نبوت سے انکار کے بعد انہیں کیسے کیسے بے سروپا نظریات ماننے اور فرض کرنے پڑتے ہیں!

الَّذِيٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ
کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر چیز دے دے (یعنی بہت سے) باغات
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾
کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل دے دے ف۱۱
بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ
اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں ف۱۲ اور ہم نے اس کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے دوزخ تیار
سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا
کر رکھی ہے وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا
تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا
جوش و خروش سنیں گے ف۱۳ اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑ کر
مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ؕ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا
ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے
وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ
آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو ف۱۴ آپ کہیے کہ آیا یہ (مصیبت) اچھی ہے
جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً
یا وہ ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے کیا جا چکا ہے ف۱۵ وہ ان کے لئے صلہ ہے
وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ
اور آخری ٹھکانا انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) وعدہ ہے
عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا
ان کے پروردگار کے ذمہ (اور) قابل درخواست ف۱۶ اور جس روز (اللہ) جمع کرے گا انہیں اور ان لوگوں کو

ف۱۱ (اسی دنیا میں) یعنی یہ کافر تو صرف ایک باغ ہی کی فرمائش آپ کے لیے کر رہے ہیں۔ ہماری مشیت تکوینی اگر ہوتی، تو ہم تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر چیزیں آپ کو یہیں اور ابھی دے دیتے۔ باغ ایک نہیں کئی ایک، قصر و محل متعدد وغیرہا۔ ف۱۲ یعنی یہ لوگ جو ایسے واہی تباہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش و طلب شروع ہوئی اور دوران تحقیق میں کچھ شبہات پیش آ گئے، بلکہ دلوں میں انکار جزاء اعمال شروع سے بسا ہوا ہے۔ اس لیے سنجیدگی و ذمہ داری سے یہ مسائل دین پر غور و فکر کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور ایسی بے سر و پا باتیں زبان سے نکال ڈالتے ہیں۔ ف۱۳ یعنی دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش خروش سن لیں گے۔ رَاَتْهُمْ سے استدلال کیا گیا ہے کہ دوزخ بھی صاحب شعور و ادراک ہے۔ سَعِيْرًا۔ سعیر مذکر ہے، یہاں نار کے معنی میں ہے اور معنی کی مناسبت سے مؤنث لایا گیا ہے۔ لھا کی ضمیر مؤنث بھی اسی جانب ہے۔ انما جاء مؤنثا علی معنی النار (کبیر) ف۱۴ وہ بدبخت دوزخی جو دوزخ ہی کی ناقابل برداشت ہولناکیوں سے گھبرا کر چیخ اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت آ جاتی! انہیں جواب ملے گا کہ ایک ہی موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موتوں ہی موتوں کی تکلیفیں ہیں! ف۱۵ اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے۔ یہ لوگ خود غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں جو ثمرہ ہیں کفر و انکار کا، اور دوسری طرف جنت کی بے شمار راحتیں ہیں، جو موعود ہے ایمان و طاعت پر۔ ف۱۶ یعنی اللہ نے اپنے فضل و عنایت سے یہ اجر اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور یہ اس قابل ہے کہ اس کی درخواست کی جائے۔ مَسْئُوْلًا۔ یہاں قابل درخواست کے معنی میں ہے ای من حقه ان یکون مسئولا (کبیر) حقیقا بان یسال و یطلب (بیضاوی) لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ۔ اہل جنت کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا کہ جنت میں انہیں کی مرضی کارفرما ہوگی — وہ جو کچھ بھی چاہیں گے جو بھی نعمتیں، راحتیں، لذتیں، مادی، روحانی جس قسم کی بھی انہیں مرغوب ہوں گی، بس وہ انہیں مہیا و حاضر مل جائیں گے — آج اپنی خواہشوں کو مرضی الٰہی کے تابع کر دینے کا یہی نتیجہ کل نکلنا بھی چاہیے تھا۔ خٰلِدِيْنَ۔ دوسرا وصف یہ بیان ہوا کہ یہ نعمتیں ساری کی ساری دائمی، سرمدی اور غیر منقطع ہوں گی۔ ہرگز کسی تلف و نقصان و ختم و فنا کا اندیشہ نہ ہوگا — عجب کیا ہے جو اس عالم میں وقت کی رفتار ہی روک دی جائے۔ اور ہم جس حرکت فرمائی کے خوگر و مانوس ہیں سرے سے یہی باقی نہ رہے۔ یہ دو وصف ایسے جامع و مانع بیان ہو گئے کہ اب ان پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہی۔

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ
جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے پھر ان سے کہے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا
گمراہ کیا تھا وکا یا یہ (خود ہی) راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے

سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ
سبحان اللہ ہماری مجال نہ تھی کہ ہم تیرے سوا اور کارسازوں کو

مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا
تجویز کریں ہاں تو نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا، یہاں تک کہ یہ (تیری) یاد ہی کو

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا
بھلا بیٹھے اور یہ لوگ برباد ہو کر رہے و۱۸ سو (تمہارے معبودوں ہی نے) تمہاری باتوں کو

تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ
جھٹلا دیا سو (اب) تم نہ (تو خود) ٹال سکتے ہو اور نہ (تمہیں) مدد ہی پہنچ سکتی ہے۔ اور جو تم

يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
میں سے ظلم کرے گا (اپنے اوپر) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے و۱۹ اور ہم نے آپ سے

قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے

وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ
اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے و۲۰ اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لئے

فِتْنَةً ۗ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع
آزمائش بنایا ہے و۲۱ تو اب بھی صبر کرو گے؟ اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے و۲۲

و۱۷ یہ سوال مشرکوں کو اور زیادہ قائل اور نادم کرنے کے لیے انبیاء، ملائکہ، اولیاء سے ہوگا۔ جنہیں مشرکین ان بیچاروں کے شائبۂ رضا کے بغیر الوہیت وصفات الوہیت میں شریک رکھتے تھے۔ و۱۸ یعنی تو نے تو ان کے بے اسباب شکر فراہم کر دیے تھے، جن کا مقتضا یہ تھا کہ منعم کی معرفت اور اس کے شکر و طاعت میں خوب لگ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کر کے انہیں کو اسباب کفر بنالیا۔ و۱۹ (قیامت میں) وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ۔ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے۔ ابن عباس صحابی اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ اے يشرک باللہ (ابن کثیر) يشرک به (معالم) الظلم هنا الشرک قال ابن عباس والحسن و ابن جريج (بحر) و۲۰ مشرکین کا اعتراض رسول اللہ ﷺ کی صفات بشری پر اوپر نقل ہو چکا ہے۔ یہاں اس کا جواب ہے کہ بشریت اور رسالت میں ذرا بھی منافات نہیں۔ سلسلۂ نبوت کے جتنے حامل گزرے ہیں یہ صفات بشری تو سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے رہے ہیں۔ و۲۱ (اے انسانو! چنانچہ انبیاء کو بھی ایسے حالات میں رکھا جن سے امت کی پوری آزمائش ہو جائے کہ کون ان کے صفات بشری پر نظر کر کے تکذیب کرتا ہے، اور کون ان کے کمالات نبوت پر نظر کر کے تصدیق) و۲۲ (چنانچہ ان کے حالات بھی خوب دیکھ رہا ہے، اور وقت موعود پر انہیں سزا دے کر رہے گا)۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا

وہ لوگ جو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے ف۲۳ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ

آتے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے ف۲۴ یقیناً انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے

وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰی

اور حد سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں ف۲۵ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں کے لئے

یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور یہ کہیں گے کہ پناہ پناہ! ف۲۶

وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً

اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کر چکے ہیں سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان

مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا

غبار۔ اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے

وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾ وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ف۲۷ اور جس روز آسمان پھٹ جائے گا ایک بدلی پر سے

وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ

اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے ف۲۸ اس روز حکومت حقیقی (خدائے)

لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾

رحمن ہی کی ہوگی ف۲۹ اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہے گا کہ کاش میں ا

ف۲۳ یعنی یوم حشر کے منکرین، ساتھ ہی شرک اور اوہام پرستی میں مبتلا — مشرکین عرب میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔ ف۲۴ مشرکین عرب دیوتاؤں کے قائل تھے، اور انہیں کو فرشتہ کہتے تھے۔ دعویٰ رسالت سے انکار کے وقت کہتے تھے کہ یہ "رسول" اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آسمانی دیوتا مجسم اور متشکل ہو کر ان کے ساتھ کیوں نہیں جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے رہیں، یا خود خدا ہی کو انہیں کیوں نہیں دکھا دیا جاتا جو ہم براہ راست اسی کی زبان سے ان کے دعووں کی تصدیق سن لیں۔ ف۲۵ یعنی کافروں میں خود کفر و عدم ایمان ہی کی بناء پر، صلاحیت نہ رؤیت باری کی رہ گئی ہے اور نہ ملائکہ رحمت سے دوچار ہونے کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سلوک میں احوال باطنی غیر اختیاری کا منتظر رہتا ہے، اس کے انتظار کا منشاء یہی تکبر ہوتا ہے، گویا وہ اپنے اعمال و مجاہدات کو استحقاق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ ف۲۶ کافروں کا سامنا فرشتوں سے جب بھی ہوگا عذاب ہی کے فرشتوں سے ہوگا، اور وہ وقت کافروں کی مسرت کا نہیں، انتہائی مصیبت کا ہوگا۔ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور، دور! هذه كلمة كانوا يتكلمون بها عند لقاء عدو موتور او هجوم نازلة او نحو ذلك يضعونها موضع الاستعاذة (کشاف) كان الرجل اذا لقي من يخاف يقول ذلك (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلوک میں حالات محمود غیر اختیاری کا پیش آ جانا بعض طالبین کے حق میں مضر ہوتا ہے اور اس کی فہم مشائخ اہل تربیت رکھتے ہیں۔ ف۲۷ ماجرا قیامت کا بیان ہو رہا ہے۔ کافروں کو اپنے اپنے جن جن اعمال پر غرہ ہوگا کہ ہم نے دنیا میں فلاں فلاں اعمال خیر بھی تو کیے ہیں، چونکہ وہ ایمان سے خالی ہوں گے قیامت کے دن انہیں غبار پریشان کی طرح بالکل بے مصرف کر کے دکھا دیا جائے گا۔ مُسْتَقَرًّا ۔ وَ مَقِیْلًا ۔ مستقر جائے قیام اور مقیل جائے آرام دونوں سے مراد جنت ہے۔ اور جنت کا ہر حیثیت سے بہترین ہونا ظاہر ہے۔ صوفیہ نے وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا الخ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بدون باطن کے محض ظاہری عمل ہرگز معتبر نہیں۔ ف۲۸ (زمین پر) یہ وقت وہ ہوگا، جب صور کے نفخ ثانی کے بعد زمین و آسمان سب از سر نو درست ہو جائیں گے۔ حساب کتاب شروع ہو رہا ہوگا حق تعالیٰ کی ایک تجلی خاص حساب و کتاب کی غرض سے ہوگی۔ ملائکہ اردگرد کثرت سے ہوں گے۔ سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ الخ میں بھی اسی موقع کا ذکر ہے۔ بِالْغَمَامِ میں ب یا تو مرادف عن کے ہے یا سببیہ ہے بہ معنی بسبب الغمام یا بسبب طلوعه منها۔ اور یا حالیہ ہے یعنی ملتبسة بالغمام (جمل) تَشَقَّقُ السَّمَآءُ۔ آسمان کا یہ پھٹنا بطور کھلنے کے ہوگا۔ جو پھٹنا بطور تخریب و افناء کے ہوگا وہ نفخ اول کے وقت ہو چکا ہوگا۔ ف۲۹ (عیاناً و شہوداً بھی اور کسی کو ظاہراً گنجائش بھی کسی دخل و تصرف کی نہ ہوگی، جیسا کہ دنیا میں رہتی ہے)

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا

رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا! وٰ۳ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست

خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ

نہ بنایا ہوتا! یقیناً اس نے نصیحت آئے پیچھے مجھے اس سے بہکا دیا

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے وا۳ اور رسول کہیں گے

يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا وٰ۳۲

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ

اور ہم اسی طرح ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں وٰ۳۳

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور آپ کا پروردگار ہی کافی ہادی اور مددگار ہے وٰ۳۴ اور کافر یہ کہتے ہیں کہ

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ

اس شخص پر قرآن یکبارگی (پورا) کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ وٰ۳۵ اسی طرح

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ

اس لئے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے وٰ۳۶ اور یہ لوگ جیسا

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾

بھی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ہم اس کا جواب ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو بتاتے رہتے ہیں وٰ۳۷

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے

وٰ۳ یہ ہاتھوں کا کاٹنا فرط حسرت سے ہوگا۔ عض الیدین والانامل کنایة عن الغیظ والحسرة (کشاف) من فرط الحسرة (بیضاوی) الظالم۔ ظالم سے مراد، رد کا ظالم نہیں بلکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، یعنی کافر یا منکر دین مراد ہے۔ وا۳ (چنانچہ قیامت میں زبانی ہمدردی تک کے بھی کام نہ آئے گا) لیٰویلتی لیتنی الخ۔ بڑا عبرت کا مضمون اپنے اندر رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی گمراہیاں آتی ہیں کسی نہ کسی انسان ہی کے ذریعہ سے آتی ہیں اور شیطان جب آتا ہے، کسی دوست و آشنا راز دان ہی کے قالب میں آتا ہے۔ فقہاء نے اس آیت سے بطور اشارۃ النص نکالا ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔ خصوصاً اس شخص کا جو اغوا کرتا رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صحبت اشرار سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریر کی تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔ لقد ..... جاءنی۔ آیت میں صاف اشارہ اس طرف موجود ہے کہ جن کافروں پر مؤاخذہ کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جنہوں نے تبلیغ کے بعد اور تبلیغ کے باوجود کفر اختیار کیا۔ وٰ۳۲ ذکر ہی قیامت کا چل رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں بطور شکایت عرض کریں گے کہ جو قوم میری مخاطب دعوت تھی اس نے قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا الگ رہا، اسے قابل التفات ہی نہ سمجھا۔ قومی۔ قوم سے مراد صرف قوم قریش ہے یا امت دعوت۔ قریشا (مدارک وبیضاوی) مهجورا۔ هجر کے ایک معنی تو اعراض کرنے کے ہیں، جیسا کہ متن ترجمہ میں درج ہوئے، اور دوسرے معنی ہذیان بکنے کے ہیں۔ منقول یہ دونوں معنی ہیں۔ یعنی متروکا فاعرضوا عنه و لم یؤمنوا به (معالم) من الایمان به مبعدا مقصیا من الهجر (بحر۔ عن النخعی ومجاہد وابن جبیر) جعله بمنزلة الهجر و هو الهذیان (معالم عن النخعی ومجاہد) ای ترکوا ولم یؤمنوا به من الهجران (مدارک) بہرحال اس شکایت کا تعلق منکرین قرآن سے ہے نہ کہ ضعیف العمل مسلمانوں سے۔ قرآن مجید سے تعلق واجب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اسے کلام الٰہی اور واجب العمل مانا جائے۔ اور یہ تعلق بھی اگر ٹوٹ گیا تو یہ کفر ہے۔ اعلیٰ درجہ تعلق کا یہ ہے کہ قرآن کو قولاً وفعلاً تمام تر اپنے اوپر حاوی کر لیا جائے۔ اور اگر یہ درجہ نہیں قائم ہے۔ تو یہ تو معصیت ہے، اور یا بعض صورتوں میں صرف حجاب۔ مہجوریت کا تعلق بالفرض مسلمانوں ہی سے سمجھا جائے، تو مراد اعلیٰ اور اوسط درجہ کے تعلق کا ترک ہوگا۔ ——اس سے زیادہ ترک تعلق کا اشارہ مسلمانوں کی جانب سمجھنا اہل سنت کا مذہب نہیں مسلک خوارج میں جو کچھ بھی ہو۔ وٰ۳۳ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت) مطلب یہ ہے کہ ناحق شناس لوگ تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیغمبر کے دشمن رہے ہیں، سو آپ کے بھی کفر پسند معاصرین آپ سے عداوت ٹھانے ہوئے ہیں آپ اس پر اتنا غم نہ کیجئے۔ عارفین کہتے ہیں چونکہ ہر ولی نبی ہی کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ولی کو بھی ایک عدو ہوتا ہے۔ وٰ۳۴ (چنانچہ جن کے لیے ہدایت منظور ہے انہیں ہدایت ہوتی رہے گی، اور مجرموں، سرکشوں سے مقابلہ کی جب ضرورت ہوگی، آپ کی مدد بھی ہوتی رہے گی)۔ ”یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک ان کا گمراہ رہنا، اور دوسرا ان کا درپے ایذا ہونا۔ سو اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے بھی کافی ہے اور اگر حکمت مقتضی ہوئی تو ہدایت کی توفیق دے دے گا۔ جب ہدایت نہیں ہوتی تو اسی میں حکمت ہے۔ اور ایذا کے دفع کرنے کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔ اگر چندے دفع نہ کرے تو اسی میں حکمت ہوگی۔ غرض نہ اس سے غم کیجئے نہ اس سے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وٰ۳۵ یعنی اگر خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انہیں کا کلام ہے، سوچ سوچ کر حسب موقع تھوڑا تھوڑا تصنیف کرتے رہتے ہیں۔ وٰ۳۶ یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزول قرآن میں تو رسول کی تقویت قلب ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات ومقامات میں جو تاخیر وتدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات ورسوخ حاصل ہوتا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے، وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے——سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے، بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقاً سبقاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ وافاضہ میں تدریج اسی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا، ملکۂ علمی کا راسخ ہونا، سب اسی کے برکات ہیں۔ وٰ۳۷ یعنی ایسا جواب جو قطعی بھی ہوتا ہے اور قریب الفہم بھی“۔ جواب کی دو خوبیاں ہیں۔ ایک ذاتی کہ فی نفسہ قاطع مادہ شبہ ہو اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کے سبب قریب الفہم ہو۔ الحق میں خوبی اول اور احسن تفسیرا میں خوبی دوم کی طرف اشارہ ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا

یہ لوگ جگہ کے لحاظ سے بدترین اور طریقہ میں بہت گمراہ ہیں ف۳۸ اور بہ تحقیق ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معین بنا دیا

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ

اور پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے انہیں بالکل ہی

تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ؕ وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ

ہلاک کر دیا ف۳۹ اور ہم نے قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ف۴۰ ہم نے انہیں غرق کر دیا

وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا

اور ہم نے انہیں ایک نشان (عبرت) بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار

اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ۚۖ وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ

کر رکھا ہے ف۴۱ اور ہم نے (اسی طرح ہلاک کیا) عاد اور ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کے درمیان میں

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا

بہت سی امتوں کو ف۴۲ اور ہم نے ہر ایک کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی

تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

برباد کر دیا ف۴۳ اور (یہ لوگ) اس بستی پر سے گذر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گئے تھے ف۴۴ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے؟ ف۴۵ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا خیال ہی نہیں

نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا

رکھتے ف۴۶ اور آپ کو جب یہ دیکھ لیتے ہیں تو بس آپ کے حق میں تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں کیا یہی وہ (حضرت) ہیں

ف۳۸ جگہ سے مراد دوزخ اور طریقہ سے مراد مسلک اور مذہب۔ اور یہ سزا مناسب اس لیے ہے کہ اعتراضات نگونساری عقل سے تھے سزا نگونساری بدن سے ہوئی"۔ (تھانوی ؒ) اشارۃ النص سے یہ بات بھی صاف ہوئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔ خواہ اس کی عام عادت و معمول کے موافق خواہ اس کے مخالف۔ اور ان فطرت پرستوں کی سطحیت اور بے مغزی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے جو ہمہ تو ان خدا کی قدرت کو "نیچر کے قوانین" کا تابع و محکوم سمجھتے ہیں۔ ف۳۹ (چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔ قرآن میں بھی بار بار اس کا ذکر آ چکا ہے) کلمہ ف ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لیے نہیں آتا۔ چنانچہ یہاں بھی معلوم ہے کہ نزول کتاب (توراۃ) کا واقعہ مخاطبہ قوم فرعون سے قبل کا نہیں بہت بعد کا ہے۔ اذْهَبَا کا عطف قبل والی آیت کے جَعَلْنَا پر ہے اور جعل اور قول دونوں کے ماتحت واقعات کا وقوع ایتاء کتاب کے قبل کا ہے۔ فقولہ فقلنا اذھبا معطوف علی جعلنا و کل من الجعل و القول کان قبل ایتاء الکتب (جمل) اَلْكِتٰبَ سے مراد توریت کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ اٰیٰتنا میں دلائل سے مراد یا تو دلائل عقلیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ بعد سمجھ جانے ان دلائل کے توحید کا انکار ضرور قابل زجر ہے۔ اور یا مراد دلائل نقلیہ ہیں جو انبیاء سابقین سے منقول ہوتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے ہوں گے۔ ان کے انکار کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے"۔ (تھانوی علیہ) یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف احکام و شرائع مراد ہوں اور دوسری طرف خوارق و معجزات۔ وَزِيْرًا۔ یہیں سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ وزارت نبوت کے منافی نہیں۔ والوزارۃ لا تنافی النبوۃ فقد کان فی الزمان الواحد انبیاء یوزر بعضھم بعضا (بحر) فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا۔ تدمیر ہلاک کی شدید ترین شکل کا نام ہے۔ یعنی انہیں بالکل چور چور ریزہ ریزہ ہی کر ڈالا۔ والتدمیر اشد الاھلاک و اصلہ کسر الشیء علی وجہ لا یمکن اصلاحہ (بحر) ف۴۰ شرک و جاہلیت میں مبتلا قوم نوح کا انکار محض شخصی رسالت نوح کا انکار نہ تھا، سارے سلسلۂ انبیاء کا اور نفس مسئلہ نبوت کا انکار تھا۔ امام رازی علیہ (اور ان کے اتباع میں بعض دوسرے مفسرین) کی بھی نظر اس نکتہ تک پہنچ گئی تھی کہ ممکن ہے یہ لوگ براہمۂ ہند کی طرح سلسلۂ نبوت ہی کے منکر ہوں۔ اما کانوا من البراھمۃ المنکرین بکل الرسل (کبیر) او کذبوا بعثۃ الرسل مطلقا کالبراھمۃ (بیضاوی) او لم یروا بعثۃ الرسل کالبراھمۃ (بحر) ف۴۱ (آخرت میں، جیسا کہ دنیا میں سزا غرقابی کی ملی) لِلظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمون سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں، جیسا کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ہے۔ ف۴۲ (ان کے انکار، تکذیب و نافرمانی کی بنا پر) اَصْحٰبَ الرَّسِّ۔ اصحاب رس سے متعلق مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ رس محققین کے قول کے مطابق ایک شہر علاقہ یمامہ میں تھا۔ یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔ الرس قریۃ بفلج الیمامۃ و ھم بقیۃ ثمود (کبیر) ھم اھل قریۃ من قری ثمود (ابن کثیر عن ابن عباس ؓ) موجودہ نقشوں میں یہ مقام وادی رمہ کے علاقہ میں ملتا ہے۔ طول البلد مشرقی ۴۳۔ عرض البلد شمالی ۲۶۔ ف۴۳ یعنی ان میں سے ہر امت کو تبلیغ ہر اعتبار سے موثر و بلیغ ہوتی رہی، اس کے بعد بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو عذاب سے ہلاک کر دیے گئے۔ ف۴۴ (اور جہاں ہو کر یہ منکرین اپنی آمد و رفت شام میں گزرتے رہتے ہیں) مراد ہیں سدوم وغیرہ قوم لوط کے علاقے۔ ف۴۵ (اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے؟) مطلب یہ ہے کہ خدائی قانون سے بغاوت و سرکشی کرنے والی قوموں کی عبرتناک سزائیں اور بربادیاں خوب ان کے علم میں ہیں۔ ان کے کھنڈر اور مٹے ہوئے آثار ان کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ ف۴۶ یعنی یہ اس کا یقین ہی نہیں رکھتے کہ عمل کی جزا و سزا کا ایک ضابطہ اور دستور و نظام ہے۔ اور ہر عمل پر ایک ثمرہ دنیا و آخرت میں مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کفر کو موجب سزا و ہلاکت ہی نہیں تصور کرتے۔

الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

جنہیں خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ ۴۷؎ اس (شخص) نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا

لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ

اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے ۴۸؎ اور عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ

دیکھ لیں گے کہ کون (شخص) راہ سے ہٹا ہوا تھا؟ آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی

اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ

خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں ۴۹؎ یا

تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ

آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض

اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ

چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں ۵۰؎ کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی

كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

کہ اس نے سایہ کو کیوں کر پھیلا دیا ہے ۵۱؎ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے

الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا

آفتاب کو اس پر ایک علامت مقرر کر دیا ۵۲؎ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ

یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ

سمیٹ لیا ۵۳؎ اور وہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو

سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ

آرام کی چیز اور دن کو (گویا) جی اٹھنے کا وقت بنا دیا ۵۴؎ اور وہ وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے

ف ۴۷؎ اور وہ یہ فقرہ طنز و استہزاء کے طور پر کہتے تھے۔ یعنی اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی بڑے رئیس کو ہونا چاہیے تھا۔ نہ کہ ایک عامی معمولی شخص کو۔ مشرکین عرب کے خیال میں منصب رسالت اگر واقعی کسی کو ملنا تھا ہی تو کسی سردار قریش کو ملتا نہ کہ ایک معمولی تاجر کو۔ ھٰذَا۔ یہاں تحقیر کے لیے ہے۔ ف ۴۸؎ یعنی وہ تو کہو خیر ہوگئی کہ ہم اپنی استقامت سے اپنے طریق قدیم پر قائم رہے، ورنہ اس شخص میں قوت تسخیر و جادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس نے ہمیں اکھاڑ ہی دیا ہوتا۔ ف ۴۹؎ یعنی آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے ہیں، پھر آپ ان کی بے راہی پر غم کیوں کیجئے۔ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ سے یہ صاف ہوگیا کہ ان کی گمراہی کی بنیاد میں کوئی شبہ عقلی و اجتہادی نہیں، بلکہ محض اتباع ہوائے نفس ہے۔ جاہلیت عرب کے لوگ آج ہی کل کی فرنگی قوموں کی طرح ایک نیم دہری قسم کے الحاد پسند لوگ تھے۔ ان کی طبیعت ذکر و فکر آخرت کی طرف آمادہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ اور بت پرستی سے بھی بڑھ کر ہوا پرستی اور دنیوی لذات میں مبتلا رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف ۵۰؎ (کہ وہ مکلف نہیں اور یہ مکلف ہو کر بھی نہ حق بات سنتے ہیں نہ فہم سے کام لیتے ہیں) كَالْاَنْعَامِ چوپایوں سے تشبیہ ان کی بے حسی اور عدم تاثر میں ہے ف ۵۱؎ (اے مخاطب!) یہاں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ چیزوں کے سایہ کا طلوع آفتاب کے بعد صبح کے وقت بڑھنا اور آفتاب کے بلند ہونے پر خصوصاً دوپہر کے وقت بالکل گھٹ جاتا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام کو معدوم ہو جانا، یہ سب یہ تخلیق باری تعالیٰ ہے۔ ارادۂ حق کا محتاج اور اس کے ماتحت ہے۔ محض اقتضائے طبیعت سے خود بخود نہیں ہو رہا ہے۔ الظِّلَّ۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ممکنات کو واجب الوجود کا ظل (سایہ) کہا گیا ہے۔ ف ۵۲؎ یعنی آفتاب کے طلوع و بلندی کو ایک ظاہری علامت سایہ کی درازی و کوتاہی پر بنا دیا۔ اہل اشارات نے یہاں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ سارے عالم کی تخلیق و ربوبیت و فنا حق تعالیٰ کے آفتاب قدرت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو سایہ کو نور آفتاب سے ہے۔ ف ۵۳؎ یعنی وہ سایہ جو اس کے نزدیک معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن علم الٰہی سے غائب نہیں ہو جاتا۔ ف ۵۴؎ بیان توحید و یکتائی ذات حق کا ہو رہا ہے۔ دن و رات اس نے بنائے۔ اپنی قدرت سے بلا کسی کی شرکت کے اور اپنی حکمت سے کسی خاص مقصد و مصلحت کے لئے۔ ایسے مضامین کی پوری قدر اسی وقت ہوتی ہے جب مشرک قوموں کے عقیدے بھی پیش نظر ہوں۔ جنہوں نے خود دن اور رات کو دیوتا قرار دیا ہے۔ یا انہیں کسی دیوی یا دیوتا کا پیدا کیا ہوا مانا ہے۔ وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا۔ نیند کا باعث تفریح و تازگی ہونا ایک طبی حقیقت ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ع ۱۰ / ۲

و۵۵ ہوا، بارش وغیرہ سب کا خالق وہی ایک ہے۔ اندر دیوتا یا اور کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتے۔ طَهُوْر فعول کے وزن پر طاہر کا صیغۂ مبالغہ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے طاہر ہی کے معنی میں لیا ہے۔ دوسرے بعض فقہاء نے اسے مطہر کے معنی میں بھی لیا ہے۔ واختلف الناس فی معنی و صفه بانه طهور علی قولین احدهما انه مطهر لغیره و به قال مالک و الشافعی و خلق کثیر سواهما والثانی انه بمعنی طاهر و به قال ابو حنیفة (ابن العربی) فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں طہارت آب کے متعلق طویل بحثیں چھیڑ دی ہیں جن کا تعلق تفسیر قرآنی سے نہیں، فقہیات سے ہے۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ پانی کے اس وصف خصوص سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حکمی نجاستوں کے ازالہ اور طہارت کا کام صرف آب خالص ہی دے سکتا ہے۔ آب غیر خالص مثلاً عرق کیوڑہ، عرق گلاب، شربت انار گو کیسے ہی لطیف ہوں۔ صرف طاہر ہیں مطہر نہیں۔ و۵۶ (اور اس نتیجہ تک پہنچیں کہ یہ سارے طبعی تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی بڑے قادر و حکیم ہی کے ہو سکتے ہیں) ضمیر ـهٗ میں ضمیر پانی کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور قول کی جانب بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم نے یہ حقیقت ان پرانی امتوں کے سامنے بار بار دہرائی ہے۔ بَلْدَةً مَّيْتًا سے مراد خشک زمین ہے۔ و۵۷ (اور سب سے بڑی ناشکری کفر و شرک ہے) و۵۸ (اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتے، لیکن ہماری مشیت تکوینی اس کی مقتضی نہیں ہم تو دنیا کی اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ سے لینا چاہتے ہیں) و۵۹ (جیسا کہ اب تک یہی کرتے رہے ہیں) یعنی کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور آپ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں۔ سو آپ کہیں ان کے کہے میں نہ آ جائیے گا۔ آپ قرآن کے قائم کیے ہوئے دلائل حق کے ساتھ اپنی تبلیغ عام و تام دونوں جاری رکھیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق اور ترک دعوت کے باب میں کافروں کی رعایت و اطاعت حرام ہے، اور اعلان قرآن و تبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہد واجب ہے۔ بِهٖ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای بالقرآن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) و۶۰ (جو خود تو مخفی اور غیر محسوس ہے لیکن اس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانیوں کے درمیان محسوس ہے) مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گری ہیں، وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرت الہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں ہے اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول کے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ہندوستان میں دو دریاؤں کے درمیان اس قسم کے اختلاط صوری اور افتراق معنوی کا مشاہدہ متعدد مقامات پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً مشرقی سرحد پر، اراکان (علاقہ برما) اور چاٹگام کے درمیان اسی طرح ضلع باریسال (مشرقی بنگال) میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اسی قسم کی بیان کی گئی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو فاضل جلیل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا حاشیہ ترجمۃ القرآن (مدینہ پریس، بجنور، یوپی) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دنیا میں پانی کے دو عظیم الشان ذخیرے ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کھاری اور پیاس بڑھانے والا ہوتا ہے۔ دوسرا پانی جو دریا، جھیل، تالاب، پہاڑی چشموں وغیرہ میں ملتا ہے اور شیریں اور مسکن ہوتا ہے۔ المراد من البحر العذب هذه الاودية و من الاجاج البحار الکبار (کبیر) یہ دونوں پانی باہمی تعامل و تاثر کے باوجود اپنے الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اَلْبَحْرَيْنِ۔ صوفیہ نے اس نظیر سے فائدہ اٹھا کر معنوی حیثیت سے بھی دو بحر قرار دیے ہیں۔ ایک بحر روح، موصوف بصفات حمیدہ۔ دوسرا بحر نفس، موصوف بصفات ذمیمہ۔ اور کہا ہے کہ سطحی طور پر دونوں ایک دوسرے سے ملتبس و مختلط معلوم ہوتے ہیں، مگر واقع میں دونوں میں امتیاز ہے، جسے مبصر معلوم کر لیتا ہے۔ و۶۱ یہاں پانی سے مراد نطفۂ بشری لیا گیا ہے۔ یجوز ان یرید به النطفة التی خلق بها ولد آدم (جصاص) یجوز ان یراد بالماء النطفة (روح) اگر مطلق پانی بھی مراد لیا جائے تو اس پر حاشیہ سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں آیت وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ کے تحت میں گزر چکا۔ و۶۲ (کہ کیسی بظاہر بے حقیقت چیز سے کتنے عظیم الشان اور دور دراز کے تعلقات قائم کر دیے) فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔ اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی پر رکھی ہے اور سسرال کو بھی خاندان ہی کا ایک جز ٹھہرایا ہے۔ عقد مناکحت کی پوری اہمیت جبھی ذہن نشین ہوگی جب پہلے خاندان کی اہمیت اجتماعی زندگی میں ذہن نشین کر لی جائے۔

الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں

مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا

خوب پاک صاف (کرنے والا) و۵۵ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے مردہ بستی میں جان ڈال دیں اور اپنے پیدا کیے ہوؤں

خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ

میں سے بکثرت مویشیوں اور انسانوں کو سیراب کر دیں اور ہم اس پانی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں

لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ شِئْنَا

تاکہ وہ غور کریں و۵۶ تاہم اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے و۵۷ اور اگر ہم چاہتے تو

لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ

ایک ایک بستی میں ہم ایک ڈرانے والا بھیج دیتے و۵۸ سو آپ کافروں کا کہنا نہ مانئے

وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ

اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ زور شور سے کیجیے و۵۹ اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو دریاؤں کو

الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

ملایا ایک شیریں تسکین بخش ہے اور ایک کھاری اور تلخ ہے

وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ

اور دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا و۶۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ

انسان کو پانی سے پیدا کیا و۶۱ پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور آپ کا

رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ

پروردگار بڑا قدرت والا ہے و۶۲ اور یہ (مشرک لوگ) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا

وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾ وَمَا

سکیں اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے ف۶۳ اور ہم نے

أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

تو آپ کو بس اس لئے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں ف۶۴ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو

مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٧﴾

مانگتا نہیں ف۶۵ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کر لے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ

اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھیے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی حمد میں تسبیح کرتے رہیے

وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ

اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے (خوب) خبردار ہے ف۶۶ (وہ) وہی ہے جس نے

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

آسمان و زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾

تخت پر قائم ہو گیا ف۶۷ (وہی ہے خدائے) رحمٰن سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھ چاہیے ف۶۸

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ ف۶۹

أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾ تَبَارَكَ الَّذِي

کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کے لیے تم ہمیں حکم دو گے اور انہیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے ف۷۰ بہت عالی شان

جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا

ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور نورانی

ف۶۳ (سو مخالف کی فکر وغم ہی میں آپ کیوں پڑے اور اس کے ایمان و ہدایت کی کیوں اتنی پروا کیجیے) الکافر۔ صورۃً مفرد ہے۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ والمراد بالکافر الجنس (بیضاوی) یرید بالکافر الجنس (کشاف) ف۶۴ (اس تبشیر و انذار سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری آپ پر ہرگز نہیں) ف۶۵ (اور میری کوئی غرض، جاہی و مالی اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں متعلق نہیں) پیمبر کے "تبلیغی لکچروں" کو گراں قدر فیسوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پیمبر ایک پیکر بے غرضی و بے نفسی کا ہوتا ہے۔ ف۶۶ (وہ خود ہی جب مناسب سمجھے گا انہیں پوری سزا دے لے گا) اسم باری حی الذی لا یموت ہم مسلمانوں کو ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے اور چونکہ کان شروع ہی سے اس کے عادی ہیں، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ ممکن کیونکر ہے؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ کوئی خدا بھی ہو اور ساتھ ہی فانی بھی! لیکن دنیا کی دوسری قوموں میں خدائی کے تصور کے ساتھ یہ بقا و عدم فنا کا لزوم ہرگز قائم نہیں۔ مشرک قومیں کثرت سے اپنے دیوتاؤں کی مستقل یا عارضی وفات کی قائل ہیں اور صلیب پر ابن اللہ کی وفات (گو تین ہی دن کے لیے سہی) تو مسیحیت کا بنیادی و مرکزی عقیدہ ہے۔ ف۶۷ تخت یعنی تخت حکومت۔ بقیۃ اَیَّامٍ۔ اِسْتَوٰی، عرش سب پر مفصل حاشیے سورۂ اعراف رکوع ۷ میں گزر چکے۔ ف۶۸ (کافروں و مشرکوں، منکروں کو کیا خبر اور کیا قدر؟) مشرک جاہلی قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوا بنائے ہوئے ان سے محض ڈرنا، سہمنا، خوف کرنا جانتی ہیں۔ صفت رحمانیت کا مظہر کامل ہونا ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ خود مسیحیوں کو بھی اسی صفت باری کے سمجھنے میں ٹھوکر لگی، اور اسی سے انہیں کفارہ وغیرہ کے عقاید تراشنے کی ضرورت پڑی۔ بہٖ میں ب عن کے معنی میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوال کا صلہ جس طرح عن آتا ہے ب بھی آتا ہے۔ اہل نحو سے دونوں قول منقول ہیں۔ والباء فی بہ صلة سئل كما تكون عن صلته (كشاف) والسوال كما يعدى بعن لتضمنه معنى التفتيش يعدى بالباء لتضمنه معنى الاعتناء (بيضاوی) قال الزجاج معناه عنه (كبير) ف۶۹ یہ سوال مشرکین عرب کی طرف سے پیش ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اللہ تک تو خیر اسے تو معبود اعظم کی حیثیت سے ہم بھی جانتے ہیں، لیکن یہ دوسرا نام از خود تم نے لیا کرتے ہو۔ یہ کیا کوئی دوسرا خدا ہے۔ اس کی ماہیت اور صفات تو بیان کرو —— مشرکین حق تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے بہت ہی دور اور بیگانہ تھے۔ ف۷۰ (اور بجائے اس کے کہ اسلام سے قریب ہوتے اور زیادہ دور ہو گئے)

والے ہیں؛ جُبْ۔ سراج سے مراد یہاں آفتاب ہے۔ یعنی الشمس (راغب) ویعبر به عن کل مضیء (راغب) وھی الشمس المنیرۃ التی ھی کالسراج فی الوجود (ابن کثیر) بُرُوْجًا۔ بروج کے معنی بڑے بڑے ستاروں کے ہیں۔ البروج ھی الکواکب العظام (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ھی الکواکب العظام (ابن کثیر۔ عن مجاہد وسعید بن جبیر وابی صالح والحسن و قتادۃ) فِیْھَا سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اجرام فلکی، فلک کے اندر ہی ہوں۔ و۲ے مطلب یہ ہے کہ یہ مہیب وعظیم الشان نورانی اجسام تو ایسے ہیں کہ شرک قومیں انہیں کو دیوتا اور صاحب اختیار وتصرف خدا سمجھ بیٹھی ہیں۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا، ایک آئین میں جکڑا ہونا، ان کے خالق وصانع کی قدرت، حکمت، صفت سب کے کمال، اور صفت یکتائی پر ایک دلیل قوی ہے۔ یعنی... شُکُوْرًا۔ یہ سب " سمجھنے والے کی نظر میں استدلالات ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں۔ " و۳ے یعنی بجائے فخر وغرور وتمکنت کے جو جاہلیت اور جاہلی قوموں کا شعار خاص ہے ان کے مزاج

مُنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

چاند بنایا اجالے والا اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے

اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے و۲ے اور (خدائے) رحمن کے (خاص) بندے وہ ہیں

الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں و۳ے اور جب ان سے جہالت والے لوگ

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ

بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر و۴ے اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے

سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں و۵ے اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا

کے عذاب کو دور رکھیو کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک

سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا

وہ (جہنم) برا ٹھکانا ہے اور (برا) مقام ہے و۶ے اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں

لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے و۷ے

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے و۸ے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ

النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ

قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر و۹ے اور نہ زنا کرتے ہیں و۸۰ اور جو کوئی

میں نرمی وتواضع غالب آگئی ہے۔ یہاں تک کہ چال میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگا ہے۔۔۔ مقصود یہاں رفتار کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں بلکہ محض تواضع وانکسار کا بیان ہے۔ المراد مدحھم بالسکینة والوقار فیه (روح) رکوع میں اللہ کے بندگان خاص کے جو اوصاف بیان ہورہے ہیں، گو عمومی رنگ میں ہیں تاہم براہ راست اس کے مصداق خود رسول کے معاصر مومنین یعنی صحابہ کرام ہیں جو ابھی ابھی شرک کے دین اور جہالت کے آئین کو چھوڑ کر داخل اسلام ہوئے ہیں رسول کی صحبت سے ان کی قلب ماہیت ہوچکی ہے۔ رکوع کی تفسیر مزید کے لیے ملاحظہ ہو راقم آثم کا ایک مقالہ "مردوں کی مسیحائی" کے عنوان سے بطور ضمیمہ کے سورت کے خاتمہ پر۔ یعنی ذاتِ خفی میں بندوں کی اضافت رحمن کی جانب ان کے اظہار خصوصیت وفضیلت کے لیے ہے۔ ورنہ تکوینی طور پر تو سارے انسان رحمن ہی کے بندے ہیں۔ ھذہ الاضافة للتخصیص و التفضیل والا فالخلق کلھم عباداللہ (معالم) و۴ے (اور اپنے نفس کے لیے انتقام قولی وفعلی کے درپے نہیں ہوجاتے) سَلٰمًا۔ "خیر" اردو محاورہ میں ایسے ہی موقع پر آتا ہے۔ جہاں بات کو ختم کردینا اور پی جانا منظور ہوتا ہے۔ یہ سلامٌ "تسلیم" سے نہیں، "تسلّم" سے ہے جو علیحدگی وبرأت کے موقع پر آتا ہے۔ لیس سلامًا من التسلیم انما ھو من التسلّم۔ تقول العرب سلامًا ای تسلّما منک ای براءۃ منک (قرطبی) یعنی یہ لوگ نہ صرف اپنے معاملات میں متواضع و منکسر ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط وتحمل کے پیکر بنے رہتے ہیں اور از خود کسی پر زیادتی کرنا الگ رہا، جب دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگتے ہیں، جب بھی اشتعال قبول کرکے آمادۂ جنگ نہیں ہوجاتے۔ غرض حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کی ادائی میں سرگرم رہتے ہیں۔ "جو خشونت، تادیب واصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو، اس کی نفی مقصود نہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) الْجٰهِلُوْنَ۔ جہالت والوں سے مراد ہر وہ شخص ہوتا ہے جو بات جہالت کی کرے۔ مگر جس طرح جاہلیت کا اطلاق خاص طور پر شرک قبل الاسلام پر ہوتا ہے، الْجٰهِلُوْنَ سے بھی مراد خصوصیت کے ساتھ وہی دور قبل اسلام کے مشرکین ہیں۔ و۵ے یہ لوگ راتیں شراب خانوں میں، نشاط خانوں میں، ناچ گھروں میں نہیں گزارتے۔ سینما، تھیٹر وغیرہ میں مارے مارے نہیں پھرتے۔ جائز استراحت میں توغل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ الٹے نماز وعبادت میں پوری پوری راتیں گزار دیتے ہیں۔ و۶ے باوجود طاعت وعبادت میں اس اہتمام تام کے ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے۔ و۷ے یعنی مالی معاملات میں ان کا طریقہ عین اعتدال ومیانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کہ معصیت کی راہ میں خرچ کرنے لگیں۔ نہ یہ تفریط کہ طاعت وعبادت کے موقع پر بھی پیسہ اٹھانے سے بخل کریں۔۔۔ مختصر آیت کے اندر صحیح معاشیات ملی وانفرادی کا اصل اصول بیان کردیا ہے۔ و۸ے اور اپنے عقیدہ میں کوئی شائبہ شرک کا نہیں آنے دیتے) و۹ے یعنی بجز اس صورت کے کہ کسی کے قتل کے وجوب یا جواز پر کوئی شرعی سند مل جائے، ان کا دامن قتل وخون سے تمام تر پاک رہتا ہے۔ اس کی پوری قدر اس وقت ہو کہ جب یہ پیش نظر رہے کہ اہل عرب اسلام سے قبل بھی قتل وخونریزی میں کس قدر غرق تھے۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں کٹ جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۸۰ حالانکہ چند ہی سال قبل ان کی سوسائٹی میں حرامکاری بالکل معیوب نہ تھی۔ بلکہ ٹھیک آج کل کی جاہلی فرنگی قوموں کی طرح اس جاہلی تہذیب میں بھی تھوڑی بہت حرامکاری اور "خوش وقتی" عین فیشن میں داخل تھی۔

ف٨١ ذٰلک میں اشارہ ان تمام اعمال کی طرف آگیا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی شرک، قتل، زنا۔ عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب، دوام عذاب اور اہانت کی قیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہاں کفار مشرکین ہی ہیں۔ عاصی مومن پر عذاب اگر ہوگا بھی تو محض اصلاح وتطہیر کی غرض سے۔ ف٨٢ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے اس کے گزشتہ یعنی زمانہ کفر کے گناہ تو اسلام کی برکت سے محو ہو ہی جائیں گے، اور اب التزام طاعت سے آئندہ نیکیاں ہی اس کے لیے لکھی جائیں گی۔ ف٨٣ چنانچہ بہ اقتضائے مغفرت وہ گناہوں کو محو کر رہا ہے، اور بہ اقتضائے رحیمیت حسنات کو ثبت فرما تا رہتا ہے۔ ف٨٤ یہاں ذکر مومن عاصی کا ہے جو معصیتوں سے تائب ہو رہا ہے اور آئندہ نیکیاں کرتا ہے۔ یعنی ان معصیتوں کا اعادہ نہیں ہونے دیتا۔ متاباً مصدر ہے جو فعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی مومن عاصی توبہ نصوح کر رہا ہے، اللہ کیوں نہ اسے قبول کرے گا۔ ای تاب حق التوبه و هی النصوح ولذا اکد بالمصدر۔ فمتابا مصدر معناه التاکید کقوله کلم الله موسی تکلیما ای فانه یتوب الی الله حقا فیقبل الله توبته حقا (قرطبی)

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب

الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا ف٨١ مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے

وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ

اور نیک کام کرتا رہے سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں

حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ

عنایت کرے گا ف٨٢ اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ف٨٣ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ

اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے ف٨٤ اور وہ لوگ

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب واہیات مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا

جاتے ہیں ف٨٥ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر

وَّ عُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ

اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے ف٨٦ اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری

اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا

اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

سردار بنا دے ف٨٧ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے اور ان کو

ف٨٥ یعنی نظریں نیچی کیے ہوئے سلامت روی کے ساتھ ان بیہودگیوں سے گزر جاتے ہیں نہ ان لایعنی مشاغل کی طرف مشغول ہوتے ہیں، نہ عاصیوں کی تحقیر کر کے اپنا کبر ظاہر کرتے ہیں۔ الزُّوْر۔ زور کے معنی کذب اور میل عن الحق کے ہیں (راغب) یشهدون الزور سے مراد لی گئی ہے ناجائز مجمع میں حاضری۔ ای حضور مواضع الکذب (کبیر) و یحتمل کل موضع یجری فیه مالا ینبغی (کبیر) اور اس کے تحت میں مشرکوں کے جشن اور فاسقوں کے جلسے سب داخل ہیں۔ یدخل فیه اعیاد المشرکین و مجامع الفساق (کبیر) عن عکرمة لعب کان فی الجاهلیة یسمی بالزور (قرطبی) ہمارے زمانہ کے میلے ٹھیلے، مختلف "بازیوں" کے جمگھٹے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر، سینما وغیرہ سب اس کے تحت میں داخل ہیں۔ دوسرے معنی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کیے گئے ہیں۔ الزور یحتمل ان منه الشهادة الباطلة (کبیر) ای انهم لایشهدون شهادة الزور (کبیر) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مراد مجالس زور ہیں، جن میں اللہ ورسول سے متعلق باتیں گڑھ گڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔ المراد مجالس الزور التی یقولون فیها الزور علی الله تعالی و رسوله (کبیر) اور کوئی جھوٹی گواہی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی کہ شرک کی گواہی دی جائے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں۔ البتہ زور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔ کل هذه الوجوه محتملة و لکن استعماله فی الکذب اکثر (کبیر) وَاِذَا مَرُّوْا۔ یعنی جب کبھی اتفاقی طور پر ادھر ان کا گزر ہوتا ہے۔ بِاللَّغْوِ۔ لغو کوئی یا زبانی ہر وہ لایعنی مشغلہ ہے جو بچنے کے قابل ہوتا ہے۔ گانے تماشے خاص طور پر اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ای بما ینبغی ان یلقی و یطرح مما لا خیر فیه (روح) و هو کل سقط من قول او فعل فیدخل فیه الغناء واللهو و غیر ذلک مما قاربه (قرطبی) لغو کے لیے ملاحظہ ہو پ١٨ حاشیہ نمبر ٣ ف٨٦ یعنی قرآن کے حقائق ومعارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل وفہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتے اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔ یہ انہیں گوش قبول سے سنتے اور بچشم عبرت دیکھتے ہیں۔ ایات سے مراد احکام الٰہی بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ کی نشانیاں بھی۔ ف٨٧ یعنی ہمارے گھر والے، ہمارے بیوی بچے سب ایسے دیندار و پابند شریعت ہوں کہ ہم انہیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کریں۔ اور ہم کو تقویٰ میں کمال بھی اس درجہ کا عطا کر کہ دوسرے اہل تقویٰ ہم سے ہدایت پائیں۔ انسان کا بجائے خود دیندار ہونا کافی نہیں، اپنے گھر والوں کی بھی دینداری کی دیکھ بھال اس پر لازم ہے۔ ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ صاحب اہل وعیال ہونا ایمان کیا معنی کمال ایمان وتقویٰ کے بھی منافی نہیں۔ اور اس میں رد ہے مسیحیوں اور بعض ان مشرک قوموں کا جنہوں نے تجرد وانقطاع ورہبانیت کو دلیل کمال سمجھا ہے۔

فِيهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ

وہاں دعا و سلام ملے گا ف۸۸ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا ہے

مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا

وہ ٹھکانا اور مقام! آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہ کرے گا اگر تم

دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

عبادت نہ کرو گے سو تم خوب جھٹلا چکے سو عنقریب یہ (تکذیب) وبال بن کر رہے گی ف۸۹

اٰیاتھا ۲۲۷ ۲۶ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۴۷ رکوعاتھا ۱۱

اس میں دو سوستائیس آیتیں سورۂ شعراء مکی ہے اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ

طا۔ سین۔ میم ف۱ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ

ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے ف۲ ہم اگر چاہیں

نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا

تو ان پر آسمان سے کوئی (ایسی) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے

خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

بالکل جھک جائیں ف۳ اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش (خدائے) رحمٰن کی طرف سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا

ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے ف۴

ف۸۸ (فرشتوں کی طرف سے بطور جنتیوں کی تعظیم واکرام کے) بما صبروا سے ثابت قدمی سے مراد ہے دین پر ثابت قدمی۔ جو مشکلات میں صبر واستقامت۔ ف۸۹ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں ہی جگہ) قُلْ ...... دُعَآؤُكُمْ۔ اس میں رد آگیا ان جاہل صوفیوں کا جو محض تبرکات یا کسی صالح کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقۃً دربار خداوندی میں بندوں کی جو کچھ قدر ہے ایمان وطاعت ہی کی بنا پر ہے۔

ف۱ کہا گیا ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف اور س سے سرور محبین کی طرف اور م سے مناجات مریدین کی طرف الطاء اشارة الی طرب قلوب العارفین والسین سرور المحبین والمیم مناجات المریدین (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ ط ''ذی الطول'' کا مخفف ہے اور س قدوس کا اور م رحمٰن کا۔ عن محمد ابن کعب انه قال فی هذا الطاء من ذی الطول والسین من القدوس والمیم من الرحمن (روح) بلک۔ اشارۃ بعید ہے۔ لیکن یہاں مقصود علو منزلت کا اظہار ہے۔ الاشارة الی السورة ما فی ذلک من معنی البعد للتنبیه علی بعد منزلة المشار الیه فی الفخامة (روح) ف۲ یعنی آپ کے غم وتاسف سے معلوم کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک نقشہ ہے رسول اللہ ﷺ کی غمخواری اور دلسوزی کا شدید منکروں اور کٹر کافروں تک کے لیے! قرآن کریم نے آپ کو سمجھایا ہے کہ اس قدر غم وتاسف بے کار ہے۔ ہمارا کام تو اثبات حق کے ساتھ صرف دلائل صحیح وواضح کا نازل کر دینا ہے۔ باقی ایمان لانا نہ لانا یہ خود لوگوں کے اختیار کی چیز ہے۔ صاحب روح المعانی نے آیت سے دو امر اخذ کیے ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کے ایمان پر حرص حکم ازلی کے منافی نہیں۔ اور عارف تھانوی ؒ نے آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ (۱) شیخ کو شفقت میں اعتدال مناسب ہے، جو ہدایت نہ پائے اس پر حزن نہ کیا جائے۔ (۲) کسی کی اصلاح شیخ کے اختیار وقدرت وتصرف میں نہیں۔ ف۳ (اور انہیں چار وناچار ایمان لاتے ہی بنے) اِنْ نَّشَاْ۔ یعنی اگر مشیت یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں، تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھا دیا جاتا، جس کے بعد تردد وتامل، رد وانکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ومضطر ہو جاتے۔ لیکن پھر یہ عالم ابتلاء باقی نہ رہتا یہاں تو مقصود ہی ان کی قوت اختیار کا امتحان ہے۔ اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنے ارادہ کو صحیح مصرف میں لاتا ہے۔ محقق تھانوی ؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ تصرف باطنی میں بھی ایک شان جبر وزبردستی کی ہے۔ اس لئے مشائخ محققین سلوک وارشاد میں اسے پسند نہیں کرتے۔ ف۴ (پیام حق، اور پیامبر برحق دونوں کو) یہ تکذیب انتہائی درجہ ہے اس ابتدائی اعراض یا بے اعتنائی کا۔ پھر تکذیب بھی جب استہزاء کے ساتھ مل جلی ہو! جرم کے یہاں تینوں مرتبے بیان کر دیے گئے ہیں۔ پہلے اعراض پھر تکذیب اور پھر استہزاء۔ مُحْدَثٍ۔ ذکر رحمانی کے لیے یہاں جو صفت محدث کی آئی ہے یہ حدوث ذات باری وصفات باری کے اعتبار سے، کہ وہ قدیم ہیں ممتنع ہے، اور وہ یہاں مراد بھی نہیں۔ البتہ باعتبار مخلوق بالکل جائز ہے، اور وہی یہاں مراد ہے اور یہیں سے معتزلہ کے قول کی کمزوری معلوم ہوگئی، جنہوں نے مُحْدَثٍ کو ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ سے متعلق کر کے اس کے اتیان کو قرآن کے مخلوق وحادث ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہا ہے۔ من ذکر من زائدہ تاکید عموم اور نفی کو زوردار بنانے کے لیے ہے۔ من مزیدة لتاکید العموم (روح)

فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ

پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزا کرتے رہتے ہیں ف۵ کیا انھوں نے

يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾

زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

بے شک اس کے اندر ایک (بڑی) نشانی ہے ف۶ لیکن ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ

اور بے شک آپ کا پروردگار (بڑا) غالب ہے (بڑا) رحیم ہے ف۷ اور (انہیں اس وقت کا قصہ یاد دلایئے) جب آپ

مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ

کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ ف۸

اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ۭ

کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے؟ وہ بولے کہ اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے ف۹

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى

اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (خوب) نہیں چلتی ہے ف۱۰ سو تو ہارون کے پاس

هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

(بھی وحی) بھیج دے ف۱۱ اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے ف۱۲

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں ف۱۳ تم دونوں جاؤ ہمارے احکام کے ساتھ۔ ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے ف۱۴

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ۙ اَنْ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں ف۱۵ کہ

ف۵ یعنی موت اور حیات کے وقت انہیں ایک ایک حقیقت کا انکشاف ہو کر رہے گا۔ ف۶ (ہمارے کمال قدرت اور توحید کی) فن نباتات میں اگر گہری نظر ہو اور نباتاتی حکمتیں اور صناعیاں پیش نظر ہوں، تو ممکن نہیں کہ دل صانع مطلق کی یکتائی پر گواہی نہ دے اٹھے۔ لَاٰيَةً۔ اٰية (پر تنوین) سے مراد عظیم الشان نشان ہے، جس کے بعد ایمان واجب ہو جاتا ہے۔ اٰية عظيمة دالة على ما يجب عليهم الايمان به (روح) ف۷ (اور اس کی رحمت عام دنیا میں کافروں سے بھی متعلق ہے۔ اس لیے باوجود کمال قدرت انتقام اس نے انہیں مہلت دے رکھی ہے) الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ صفت عزیز کا تقاضا یہ تھا کہ سب اس کے بس میں ہیں، وہ سب پر غالب ہے، ان مجرموں کو معاً ہلاک کر ڈالتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے۔ اے هو الغالب القاهر و مع ذٰلك فانه رحيم بعباده (کبیر) ف۸ (عبرت و موعظت کے لیے) نَادٰى۔ اکابر اہل سنت کے درمیان اس پر بحث ہوئی ہے کہ یہ ندا جو حضرت موسیٰ کے کان میں آئی کون سی تھی، آیا حق تعالیٰ کا کلام قدیم غیر مخلوق، جیسا کہ امام ابو الحسن اشعری کا خیال ہے۔ یا حروف و اصوات سے مرکب آواز، جیسا کہ امام ابو منصور ماتریدی کا مسلک ہے۔ تفسیر کبیر میں دونوں قول نقل ہوئے ہیں۔ ف۹ (قبل اس کے کہ میں پوری تبلیغ کر سکوں) حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں عذر ہی کیا ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ وہ لوگ میری تبلیغ کے تمام ہونے سے قبل ہی میری تکذیب شروع کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ اس کے قبل بھی کئی بار آ چکا ہے۔ ف۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ زیادہ خوش تقریر نہ تھے۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بچپن میں کوئی تین چار برس کے سن میں ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا اس سے زبان میں لکنت یا ہکلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ہمارے ہاں روایات اس معنی میں نقل ہوئی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے۔“ (خروج ۴:۱۰) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض نقصانات طبعی اور کمال روحانی کے درمیان کوئی منافاۃ نہیں۔ ف۱۱ (اور انہیں شریک نبوت کر دیجیے) حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ خوش تقریر تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور پھر ان پر کسی قبطی کے قتل وغیرہ کا کوئی الزام بھی نہ تھا۔ ف۱۲ (قبل اس کے کہ میں فرائض تبلیغ ادا کر سکوں) جرم سے مراد ایک قبطی کا قتل ہے، جو حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے قبل نبوت اتفاقی طور پر ہو گیا تھا۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ سے یہ مراد نہیں کہ حضرت موسیٰ نے اس کا جرم ہونا تسلیم بھی کر لیا تھا۔ آپ کا مقصود صرف یہ تھا کہ ”ان کے خیال میں میں ان کا مجرم بھی ہوں“ المراد لهم على ذنب في زعمهم (کبیر) او تسمية ذنبا بحسب زعمهم بما ينبئ عنه قوله تعالى لهم (روح) ف۱۳ یعنی ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ تمہیں قتل کر سکیں۔ معناه ارتدع يا موسى عما تظن (کبیر) ف۱۴ تسکین، تشفی، دلدہی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندہ کو خود پروردگار عالم کی معیت کا یقین تازہ ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اطمینان اور ہو کیا سکتا ہے؟ بِاٰيٰتِنَآ۔ ایات سے مراد احکام بھی ہو سکتے ہیں اور خوارق بھی۔ مَعَكُمْ۔ یہ معیت عامہ نہیں ہے جو حق تعالیٰ کی ہر بندہ کے ساتھ رہتی ہے۔ بلکہ معیت خاصہ مراد ہے جو معیت رافت و نصرت ہوتی ہے ف۱۵ رسول رب العالمین کے، سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے، نہ کہ ”بنی اسرائیل کے خداوند خدا“ یا ”عبرانیوں کے خدا“ یا تمہارے باپ دادوں کے خدا“ کی طرف سے، جس سے توریت بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب خروج، باب ۳) قرآن اور توریت کے بیانات میں یہی تو وہ نازک فرق ہیں جو ایک کا مرتبہ دوسرے سے کہیں ممتاز کر رہے ہیں۔ موسیٰ کے اس مختصر سے فقرہ میں سب سے پہلے تبلیغ توحید و رسالت دونوں کی آ گئی۔ گویا یہی نقطۂ آغاز ہے ان کی تبلیغ کا! اور یہ خصوصیت ہے ہر پیغمبرانہ دعوت کی۔

وا۱۶ (ان کے وطن ملک شام کو۔ اور اپنے بیگار اور ظلم سے انہیں رہائی دے) توریت میں ہے:۔ "اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ سو اب تو جا۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال"۔ (خروج ۳: ۹، ۱۰) مجموعۂ دعوت کا حاصل، دعوتِ توحید و رسالت اور پھر مخلوق میں ترک تعدی ہے۔ ان یہاں مفسرہ ہے۔ ان مفسرة لتضمن الارسال المفهوم من الرسول (روح) وکا (اے موسیٰ) موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سب شاہی محل و خلوت میں ہوئی تھی۔ اور آپ قصر فرعونی میں سالہا سال تک رہے۔ قیام کی مدت روایاتِ یہود میں مختلف آئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ۱۸ سال کی عمر تک اور کوئی کہتا ہے ۲۰ سال کی عمر تک اور کسی کسی کی روایات ہے کہ چالیس برس کی عمر تک۔ ولیدًا۔ ولید وہ بچہ کا ہے جس کی پیدائش کا ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ الولید یقال لمن قرب عهده بالولادة (راغب) وا۱۸ اشارہ ہے اس نادانستہ قتل کی جانب۔ مفصل ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔ معناه و انت ممن عادته كفران النعم (کبیر) فرعون طعنہ اور طنز کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ تم جو یہ سرکاری دھرم (State, Religion) قومی دین (National, Religion) کے مقابلہ میں نیا دین گڑھ کر لائے ہو تو اس میں نئی بات کون سی ہے، تم تو شروع ہی سے اپنے محسنوں سے غداری کرتے آئے ہو۔ وا۱۹ (سو حقیقۃً قصور وار تو میں اس وقت بھی نہ تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جرم قتل عمد سے تبری ضالین میں آجاتی ہے۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔

أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا
تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے وا۱۶ (فرعون) بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں

وَلِيدًا وَّلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ
پرورش نہیں کیا تھا اور تم ہم لوگوں میں اپنی اس عمر میں برسوں رہا کئے وکا اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی

فَعْلَتَكَ الَّتِى فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَـٰفِرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ
جو کی تھی اور تم بڑے ناشکرے ہو وا۱۸ (موسیٰ نے) کہا

فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا
(واقعی) میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے (نادانستہ) غلطی ہو گئی تھی وا۱۹ پھر جب مجھے

خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِى رَبِّى حُكْمًا وَجَعَلَنِى مِنَ
ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا، پھر میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیمبروں میں

الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَّدتَّ
شامل کر دیا وا۲۰ اور یہی وہ احسان ہے جس کا تو بار مجھ پر رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو

بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَـٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾
سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے وا۲۱ فرعون نے کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے؟ وا۲۲

قَالَ رَبُّ السَّمَـٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن كُنتُم
(موسیٰ نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب) کا، اگر تم کو

مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ
یقین حاصل کرنا ہو وا۲۳ (فرعون نے) اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ) سنتے ہو! وا۲۴ (موسیٰ نے) کہا

رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ
وہ پروردگار ہے تمہارا اور پروردگار ہے تمہارے اگلے بزرگوں کا وا۲۵ (فرعون) بولا کہ یہ تمہارا رسول

تنبيه ان ذلك منه سهو (راغب) المراد بذلك الذاهلين من معرفة مايؤول اليه من القتل (کبیر) المراد انى فعلت ذلك الفعل و انا ذاهل من كونه مهلكًا و كان منى فى حكم السهو (کبیر) عن قتادة انه فعل ذلك جاهلًا به غير متعمد اياه (روح) ضلال کا لفظ ارادی و غیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ يقال الضلال بكل عدول عن المنهج عمدًا كان او سهوًا يسيرًا كان او كثيرًا (راغب) اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے حالانکہ اس ضلال اور اس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے صح ان يستعمل لفظ الضلال ممن يكون منه خطأ ما ولذلك نسب الضلال الى الانبياء والى الكفار و ان كان بين الضلالين بون بعيد (راغب) وا۲۰ (چنانچہ اب میں خدا ہی کے حکم سے اس کے پیمبر کی حیثیت سے آیا ہوں) پیمبری کی استعداد و خطاء عمد کے منافی ہے، نہ کہ اتفاقی غلطی، بھول چوک کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو فرعون کے سامنے بہت ہی سبق آموز ہے۔ قتل، ظاہر میں دنیا کی نگاہ میں ایک کھلا ہوا دینی جرم ہے، اور فرار ایک اخلاقی جرم۔ آپ ان دونوں ظاہری جرموں کا اقرار کھلے لفظوں میں اپنے کھلے ہوئے دشمن سے کر رہے ہیں۔ حالانکہ دنیا اس قسم کی کمزوریوں کو شدت سے چھپاتی ہے مخلصین صادقین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وا۲۱ یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے فرعون کے احسان جتلانے کا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے پرورش کا جو احسان تو جتلاتا ہے خود اس کی بھی تو حقیقت یہ ہے کہ تیرے ہی ظلم کے باعث مجھے دریا میں بہا دیا گیا۔ تیرے گھر والوں نے لاوارث سمجھ کر نکال لیا اور پرورش کی۔ نہ یہ تیرا شدید ظلم اسرائیل کے بچوں پر ہوتا اور نہ مجھے یوں دریا میں ڈالا جاتا۔ محققین نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر کا مجرد کفر اس کے احسان کو باطل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اعلم ان فى الاية دلالة على ان كفر الكافر لا يبطل نعمته على من يحسن اليه ولا يبطل منه (کبیر) وا۲۲ سوال فرعون کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جو مجسمۂ شرک تھا، عقیدۂ توحید سے تمامتر نا آشنا۔ مصری عقیدہ میں سورج دیوتا سب سے بڑا دیوتا تھا اور خود فرعون اس کا اوتار یا مظہر۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ موسیٰ یہ انوکھا لفظ رب العالمین کیا بول رہے ہیں؟ عالمگیر ربوبیت کا تخیل ہی مشرکانہ دماغ کی گرفت سے باہر رہتا ہے۔ جاہلی دماغ الگ الگ اصناف موجودات کے دیوی دیوتا تو سمجھ لیتا ہے، لیکن اس حقیقت کے قبول کرنے میں وہ اپنے کو تنگ پاتا ہے کہ کوئی ایک پروردگار ساری کائنات کا ہے۔ توریت میں ہے "فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔" (خروج ۵: ۳) وا۲۳ موسیٰ علیہ السلام اپنے جواب میں سب سے زیادہ زور پروردگار عالم کی صفت ہمہ گیری پر دے رہے تھے۔ یعنی دائرۂ امکان میں کوئی شے بھی اس کی خالقیت، مالکیت، اور ربوبیت سے باہر نہیں۔ مصریوں کے ہاں آسمان، زمین اور فضا کے درمیانی تینوں کے خدا الگ الگ تھے۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ کے جواب کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا۔ قال ... وما بینهما۔ اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ صورت و جسم سے پاک ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ حضرت موسیٰ حضرت باری کی شکل و صورت کو بیان کر چلتے۔ الاية تدل على انه تعالى ليس بجسم (کبیر) وا۲۴ (کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں بے پر کی اڑا رہا ہے!) لِمَنْ حَوْلَهٗ سے مراد اہل دربار ہیں۔ ای اشراف قومه (کشاف) التفت فرعون الى من حوله من ملائه و رؤساء دولته (ابن کثیر) سب کے سب عقیدۂ توحید سے یکسر ناآشنا و نامانوس تھے۔

وا۲۵ یعنی وہی ایک خدا ساری کائنات خارجی کا بھی ہے اور ساری نوع انسانی کا بھی۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ مصری مذہب انسانی آبادی کو مختلف بستیوں اور جغرافی ٹکڑوں میں تقسیم کیے ہوئے تھا اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مصریوں کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ خود مردہ اسلاف بھی معبودیت کے درجہ کو پہنچ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء سب سے زیادہ حرص تبلیغ توحید ہی کے ہوتے ہیں۔ اپنے بیان میں اسی کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

الَّذِیۡۤ اُرۡسِلَ اِلَیۡکُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ

جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے ف۲۶ (موسیٰ نے) کہا وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب

وَ الۡمَغۡرِبِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ

کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا، اگر تم عقل سے کام لو ف۲۷ (فرعون) بولا اگر تم نے

اتَّخَذۡتَ اِلٰہًا غَیۡرِیۡ لَاَجۡعَلَنَّکَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ ﴿۲۹﴾

میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا ف۲۸

قَالَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُکَ بِشَیۡءٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۚ۳۰﴾ قَالَ فَاۡتِ بِہٖۤ اِنۡ

(موسیٰ نے) کہا اور جو میں کوئی کھلی ہوئی بات پیش کر دوں تو؟ ف۲۹ (فرعون) بولا، اچھا تو وہ لاؤ اگر

کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلۡقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ ثُعۡبَانٌ

تم سچے ہو پھر (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈال دی، سو وہ یک بیک ایک نمایاں

مُّبِیۡنٌ ﴿ۚۖ۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ہِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾ ع

اژدہا بن گیا ف۳۰ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) باہر نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمک دار ہو گیا

قَالَ لِلۡمَلَاِ حَوۡلَہٗۤ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۴﴾ یُّرِیۡدُ اَنۡ

ف۳۱ (فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا یہ ہے کہ

یُّخۡرِجَکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِکُمۡ بِسِحۡرِہٖ ٭ۖ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾

تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے ف۳۲ سو اب کیا کہتے ہو؟

قَالُوۡۤا اَرۡجِہۡ وَ اَخَاہُ وَ ابۡعَثۡ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿ۙ۳۶﴾

(درباریوں نے) کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجیے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجیے

یَاۡتُوۡکَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیۡمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیۡقَاتِ

کہ وہ جمع کر کے ماہر فن جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں ف۳۳ چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص

ف۲۶ (جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے کہ تعدد آلہہ ہی سے انکار کر رہا ہے!) آج بھی دنیا کی مشرک قوموں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ توحید خالص بھی کوئی صحیح مسلک ہو سکتا ہے۔ ف۲۷ مصری شرک کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ سورج دیوتا کی پوجا کرنے والوں کے مقابلہ میں اللہ کو مشرق ومغرب کے خدائے واحد اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا بہت ہی بلیغ ہے۔ ف۲۸ ہندوستان میں سورج بنسی خاندان کی طرح مصر میں بھی ایک نسل رب الارباب یعنی سورج دیوتا کی نسل سے تھی۔ بادشاہ وقت یا فرعون، اسی نسل کا سب سے بڑا نمائندہ اور سورج دیوتا کا مظہر یا اوتار ہوتا تھا۔ اس کی پرستش عین سورج دیوتا کی پرستش تھی۔ آج کے زمانہ (یعنی ۱۹۴۳ء) میں اس کی قریب ترین مثال ڈھونڈنا ہو تو ملک جاپان کے فرمانروا میکاڈو کو پیش نظر رکھا جائے۔ جاپانی میکاڈو کو محض بادشاہ نہیں، خدایا بڑا دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور سب معاملات اس کے ساتھ وہی برتتے ہیں جو سب سے بڑے دیوتا کے ساتھ برتتے چاہئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ۔ فرعون کے زمانہ کے جیل اپنے شدائد کے لیے مشہور تھے۔ فرعون کی اس دھمکی میں یہ مضمون بھی شامل ہے کہ ان قیدیوں کا حال زار دیکھ لو یہی نوبت تمہاری بھی آتا ہے۔ ف۲۹ فرعون اور فرعونی سحر وغیرہ کے خرافات میں غرق تھے۔ جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ نفس مسائل وحقائق ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، تو فرمایا کہ تم جو خرق عادت ہی کو دلیل صداقت اور معیار حقانیت قرار دیتے ہو تو کہو، میں بھی کوئی خارق عادت ہی پیش کروں۔ ف۳۰ نمایاں یعنی ایسا جسے سب نے دیکھا۔ حاشیے سورۂ اعراف پ۹ میں گزر چکے۔ ثُعۡبَانٌ۔ ثعبان اور حیۃ میں فرق یہ ہے کہ ثعبان میں پہلو سانپ کے جسم اور قد وقامت کی بڑائی کا زیادہ ہے یعنی خوب موٹا تازہ سانپ۔ اور حیۃ میں اس کی تیز رفتاری کا۔ یعنی بڑی تیزی سے دوڑنے والا سانپ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ حیۃ ہر قسم کے سانپ کے لیے عام ہے۔ ثعبان اسے اس کی بڑائی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ اور جان اسے اس کے ہلکے پھلکے ہونے اور تیز رفتاری کی بناء پر۔ اما الحیۃ فھی اسم الجنس ثم انھا لکبرھا صارت ثعبانًا و شبھھا بالجان لخفتھا و سرعتھا (کبیر) ف۳۱ "بہت ہی چمکدار" یعنی اس کو بھی سب نے نظر حسی سے دیکھا۔ توریت میں یہ معجزات حضرت ہارون کی جانب منسوب ہیں۔ قرآن نے حسب معمول اس موقع پر بھی توریت کی تصحیح کر کے بتایا کہ یہ معجزات حضرت موسیٰ کے تھے ف۳۲ (اور خود مع اپنی قوم کے حکومت کرے) انسان اپنے ہی نفس پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے، اور اپنے ہی ظرف کے پیمانہ سے سب کو ناپتا ہے۔ خارق عادت کی کوئی توجیہ ان مشرکوں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی بجز سحر وساحری کے۔ اور تبلیغ دین حق کا کوئی محرک ان کے خیال میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا بجز ہوس ملک گیری واقتدار دنیوی کے۔ ف۳۳ (اور پھر وہ جادوگر مقابلہ کر کے اس نئے ساحر کا زور توڑیں) سَحَّار صیغۂ مبالغہ ہے ساحر کا۔ یعنی بڑے ماہر فن ساحر۔ علیم اسی صفت کو اور بڑھا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سرکاری ماہرین فن بڑے بڑے باکمال تھے۔ سحر مصری تمدن میں آج کل کی طرح کوئی حقیر وبے حقیقت چیز نہ تھی۔ سائنس کی اعلیٰ شاخوں کی طرح اس کا شمار علوم عالیہ میں تھا۔ اور ساحر کا مرتبہ وہ تھا جو آج سائنس کے کسی اکسپرٹ کا ہوتا ہے۔ حٰشِرِیۡنَ۔ یعنی وہ جو جمع کر کے لائیں۔

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

وقت پر جمع کر لیے گئے　لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا

تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں ف۳۴　پھر جب

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ

جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ ہم کو کوئی (بھاری) انعام ملے گا نا؟ اگر

كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

ہم غالب رہے ف۳۵ (فرعون نے) کہا ضرور اور تم اس صورت میں ہمارے مقربوں میں

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

داخل ہو جاؤ گے ف۳۶　موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا، ڈال چلو جو کچھ تمہیں

مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ

ڈالنا ہو سو انہوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ف۳۷ اور کہنے لگے کہ فرعون کے

فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ

اقبال کی قسم ف۳۸ غالب یقیناً ہم ہی رہیں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

سو وہ لگا نگلنے ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو ف۳۹　سو جادوگر سجدہ میں

سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ

گر پڑے ف۴۰　بولے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر موسیٰ و ہارون کے

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

پروردگار پر ف۴۱　(فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں

ف۳۴ جادوگر داراسلطنت میں آکر اکٹھے ہوئے۔ مقابلہ کا وقت و مقام طے پا گیا۔ اور عام منادی سرکاری طرف سے کردی گئی کہ سب لوگ آکر غلبۂ حق (یعنی سرکاری مذہب کے غلبہ) کا تماشا دیکھیں۔ نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ ساحروں کی راہ کے اتباع پر حیرت نہ ہو یہی ساحرین مصری کے اعیان و اساطین تھے۔ ساحر مصری تمدن میں باکمال ماہرین سائنس اور محققین مذہب دونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اِنْ... الْغٰلِبِيْنَ۔ فرعون کو تو یقین تھا کہ ہمارے ہی جادوگروں کی پارٹی کامیاب رہے گی۔ اور اسی کو صداقت و حقانیت کا معیار قرار دے کر اس نے پکار کرادی تھی کہ آؤ سب لوگ اپنے ملکی اور سرکاری ماہرین فن کے کمالات کا مشاہدہ کرو اور مشاہدہ کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر اور زیادہ جم جاؤ۔ ف۳۵ طالبان دنیا کی نظر مہارت و کمال فن کے باوجود عموماً نفع عاجل ہی پر رہتی ہے — برطانوی حکومت کے زمانہ میں ہندوستانیوں سے جب کوئی بڑا کارنمایاں انجام پا جاتا تھا، تو یہ برابر توقع خان بہادری کی، رائے بہادری کی، اور نائٹ ہڈ کی، اور دوسرے خطابات کی رکھتے تھے۔ ف۳۶ فرعون نے کہا کہ انعام محض مالی ہی نہ رہے گا، بلکہ "اسٹیٹ" تمہاری اور بھی ہر طرح سرپرستی کرے گی۔ مال و جاہ دونوں سے تمہاری حوصلہ افزائی ہوگی۔ ف۳۷ (اور وہ سحر کے اثر سے سب کو سانپ دکھائی دینے لگیں) مصری عقائد میں سانپ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قَالَ.... اَلْقُوْا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قول سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سحر کی اجازت دے رہے تھے؟ سحر ایسی معصیت ہے جو محض فسق ہی نہیں، بلکہ اس کے ڈانڈے کفر سے ملے ہوئے ہیں۔ تو کیا پیمبر اپنی رضا و کفر یا لتقریباً کفر کو دے رہے تھے؟ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس میں بظاہر امر ہے سحر کرنے کا، لیکن درحقیقت آپ نے انہیں اس عمل کا حکم دیا، جو آپ کو الہام یا فراست یا قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کر کے رہیں گے۔ مقصود آپ کا رد تھا اس سحر کا اور خود وہ رد موقوف تھا سحر کے اظہار پر۔ بالکل ایسی ہی بات۔ جیسے زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعویٰ باطل پر دلیل قائم کر، اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شبہ کے مٹانے کے لیے جب یہی صورت تھی تو یہ امر جائز ہو گیا تھا۔ لما تعين ذلك طريقا الى كشف الشبهة صار جائزا (کبیر) عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے کہ بعض مشائخ سے جو کھلے ہوئے منکرات پر چشم پوشی منقول ہے۔ اس کی تہ میں کوئی مصلحت دینی ہی ہوتی ہے جو اس وقت مخفی ہوتی ہے۔ اور بعد کو واضح ہو جاتی ہے۔ ف۳۸ بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ ایسا ہی نعرہ ہے جیسا آج میلوں ٹھیلوں، کانگرسوں وغیرہ کے موقع پر "بھارت ماتا کی جے"، "سری رامچندر کی جے" وغیرہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ ف۳۹ (یعنی جادو کے ان مصنوعی سانپوں کو) ف۴۰ (موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے متاثر اور اس کے سامنے لاجواب اور بے بس ہو کر) ف۴۱ یعنی شرک چھوڑ کر توحید پر ایمان لے آئے۔ "پروردگار عالم" کے تخیل ہی سے یہ اب تک نا آشنا تھے، اور اس کا نام بھی انہوں نے انہیں دونوں پیمبروں کی زبان سے سنا تھا۔

لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ

اجازت دوں ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اچھا تو تمہیں ابھی

تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا ایک طرف کے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف کے

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ؗ اِنَّاۤ اِلٰى

اور سولی پر تم سب کو چڑھاؤں گا ف۴۲ (جادوگر) بولے کچھ حرج نہیں ہم اپنے پروردگار

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ

کے پاس جا پہنچیں گے ف۴۳ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے

اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ

اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے ف۴۴ اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ شبا شب

اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ

میرے (ان) بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تم لوگوں کا پیچھا (بھی) کیا جائے گا ف۴۵ فرعون نے

فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۚ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

شہروں میں ہرکارے بھیجے کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی

قَلِيْلُوْنَ ۙ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۙ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

جماعت ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے

حٰذِرُوْنَ ؕ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ﴿۵۷﴾

خطرہ ہے ف۴۶ پھر ہم نے انہیں نکال باہر کیا باغوں اور چشموں

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ

اور خزانوں اور عمدہ مکانات سے ف۴۷ یوں ہی ہوا اور ہم نے ان کے بعد ان کا مالک بنی اسرائیل کو

ف۴۲ سولی پر چڑھانے اور اعضاء کے قطع کر دینے کی سزائیں مصری حکومت میں رائج تھیں۔ مفصل حاشیہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ اعراف پ۹ کے حاشیے۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔ قبل کے معنی یہاں پیشتر کے نہیں، اور نہ یہ مراد ہے کہ اگر فرعون سے اجازت لے لی جاتی تو وہ اس کی اجازت دے دیتا۔ بلکہ معنی بغیر یا بدون کے ہیں اور قبل کے اس مفہوم لغی پر حاشیہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ ف۴۳ (جو حقیقی امن و عافیت اور دائمی راحت کا ٹھکانا ہے)۔ للہ اللہ توحید کا عقیدہ بھی سکون خاطر بہم پہنچا دینے میں کس درجہ مؤثر ہوتا ہے! ف۴۴ ”سب سے پہلے“ یعنی قوالفین و منکرین کے اس مجمع میں سب سے پہلے۔ یا قوم فرعون میں سب سے پہلے۔ فالمراد لان کنا اول المومنین من الجماعة الذین حضروا ذلک الموقف (کبیر) ای من اهل زماننا (معالم) اَن یہاں لان کے مرادف ہے یعنی ”اس لیے کہ“ یا ”اس بنا پر کہ“ معناه لان کنا (کشاف) ای بسبب انا بادرنا قومنا من القبط الی الایمان (ابن کثیر) ف۴۵ اب یہ قصہ بعد کا ہے۔ جب حضرت موسیٰ کو تبلیغ کرتے ایک عرصہ گزر گیا۔ اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں پر سلسلۂ آزار جاری رہا تو اب حضرت موسیٰ کو حکم الٰہی یہ ملا کہ ایک روز راتوں رات اپنی قوم کو لے کر نکل جاؤ اگرچہ فرعون تمہارا تعاقب زبردست کرے گا۔ ف۴۶ (امن عامہ کی خاطر ان کا قلع قمع فوراً کر دینا چاہیے) آج بھی قاہر اور چنگیزی حکومتیں اسی قسم کے اعلان شائع کرتی رہتی ہیں کہ بس ایک مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں امن سوزی اور قانون شکنی کی کر رہے ہیں۔ اس لیے امن عامہ کی خاطر انہیں دبا ہی دینا چاہیے۔ قَلِيْلُوْنَ سے اشارہ علاوہ قلت تعداد کے، ان لوگوں کی بے وقعتی اور کم حیثیتی کا بھی نکلتا ہے۔ یجوز ان یرید بالقلة الذلة لا قلة العدد والمعنی انهم بقلتهم لا یبالی بهم ولا یتوقع غلبهم و علوهم (کبیر) ف۴۷ یعنی ظالم فرعونیوں کی حکومت، ثروت، اقبال مندی سب مٹ کر رہی۔

إِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ

بنا دیا وا۴۸ غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جا لیا وا۴۹ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو

الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے وا۵۰ (موسیٰ نے) فرمایا کہ

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى

ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا وا۵۱ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف

مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾

اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچا لیا پھر دوسرے فریق کو

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کر دیا وا۵۲ بے شک اس واقعہ میں ایک بڑا نشان ہے وا۵۳ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

نہ تھے وا۵۴ اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وا۵۵

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے (اس وقت کا) جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا

مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر

وا۴۸ "ھا" کی ضمیر مطلق باغوں اور چشموں اور علامات امارت وغیرہ کی جانب ہے، خاص مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد نہیں چنانچہ اسرائیلیوں کو ایک عرصہ کے بعد فلسطین میں حکومت مل گئی۔ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کی زبردست بادشاہتیں قائم ہوگئیں۔ اور اگر مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد لیے جائیں، جب بھی حضرت سلیمان کے زمانہ میں مصر کے علاقے دار السلطنت میں شامل ہوگئے تھے۔ اور یرمیاہ نبی کے زمانہ میں تو مصر یہود کا وطن از سر نو بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وا۴۹ درمیان میں ایک جملہ معترضہ آ گیا تھا اب پھر اس قصہ کا تسلسل شروع ہوا۔ توریت میں ہے:۔ "اور جب شاہ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں اور اپنے لوگ ساتھ لیے۔ اور اس نے چھ سو چنی ہوئی گاڑیاں اور مصر کی سب گاڑیاں ساتھ لیں اور ان سب پر سردار بٹھائے۔ اور خداوند نے شاہ مصر فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے چڑھ دوڑا"۔ (خروج ۱۴: ۵۔ ۸) وا۵۰ توریت میں ہے:۔ "اور جب فرعون نزدیک ہوا اور بنی اسرائیل نے آنکھیں اٹھائیں۔ اور مصریوں کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا اور وہ شدت سے ڈرے۔ تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی۔ اور موسیٰ سے کہا کہ کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو ہم کو وہاں سے بیابان میں مرنے کے لیے لایا"۔ (خروج ۱۴: ۱۰و۱۱) وا۵۱ ان لوگوں کا اپنے مقابلہ میں شاہی باقاعدہ فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک حد تک امر طبعی تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ کو وعدۂ نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ آپ نے بیمراد وقار و سکنت کے ساتھ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا۔ میرے پروردگار نے میرا ساتھ کہیں چھوڑ تھوڑے ہی دیا ہے۔ وہ مخلصی کی راہیں ابھی ابھی مجھے دکھا کر رہے گا۔ توریت میں ہے:۔ "تب موسیٰ نے لوگوں کو کہا، خوف نہ کرو، کھڑے رہو، اور خداوند کی نجات دیکھو، جو آج کے دن وہ تمہیں دیوے گا۔ کیونکہ ان مصریوں کو جنہیں تم آج دیکھتے ہو تم انہیں پھر تا ابد نہ دیکھو گے۔ خداوند تمہارے لیے جنگ کرے گا، اور تم چپ چاپ رہو گے"۔ (خروج ۱۴: ۱۳و۱۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ان دس آیتوں کے مجموعہ میں مسئلہ تدبیر و ترک تدبیر کے درمیان اعتدال و توسط کی تعلیم ہے۔ تدبیر تو یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شب شب چلے جاؤ۔ پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ اور تدبیر کی جائے تو موسیٰ نے ان کو اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ فرما کر یہ تلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی بھی یہی شان ہے کہ وہ تمسک کرتا ہے اسباب سے۔ مگر توسط کے ساتھ اور اس میں مبالغہ نہیں کرتا"۔ وا۵۲ بحر قلزم کے کنارے فرعونیوں کے غرق ہونے پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ پ۱ میں گزر چکے۔ کالطود العظیم۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم صحابیوں، اور متعدد تابعین سے معنی یہی بڑی پہاڑی کے منقول ہیں۔ اے کالجبل الکبیر قالہ ابن مسعود و ابن عباس و محمد بن کعب و قتادۃ والضحاک و غیرھم (ابن کثیر) ثم۔ یعنی وہیں۔ اسی مقام تک۔ اے ھنالک قال ابن عباس و عطاء الخراسانی و قتادۃ والسدی (ابن کثیر) الاخرین۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کو۔ یعنی قوم فرعون (معالم) فرعون و جنودہ (ابن کثیر) قد ذکرنا الخ۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ تو بغیر عصائے موسیٰ کی ضرب کے بھی سمندر میں راستہ بنا دینے پر قادر تھا، لیکن اس واسطے کے اختیار کرنے سے موسیٰ کلیم اللہ کی بھی عظمت کا اظہار ہو گیا۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے ساتھ خوارق کے ظاہر کرنے کی یہی حکمت ہوتی ہے اور اسی لیے اسے کہتے بھی کرامات ہی ہیں۔ وا۵۳ (اللہ کی قدرت و حکمت کا اور مخالفین حق کی سزا یابی کا) اے فی ھذہ القصۃ و ما فیھا من العجائب والنصر و التائید لعباد اللہ المؤمنین لدلالۃ و حجۃ قاطعۃ و حکمۃ بالغۃ (ابن کثیر) وا۵۴ یعنی تو مفرعون و اہل مصر میں سے۔ اے من اھل مصر (معالم) اے اکثر قوم فرعون و ھم القبط (بحر) بعض نے رسول اللہ کے معاصر کفار اہل عرب بھی مراد لیے ہیں۔ وا۵۵ چنانچہ صفت عزیز کے تقاضہ سے وہ جب اور جسے چاہے سزا دے دے۔ لیکن صفت رحیم کے تقاضہ سے فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ بہت موقع دیتا رہتا ہے۔

عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ

بیٹھے رہتے ہیں وا۵ (ابراہیم نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا

يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ و۵۷ وہ بولے (نہیں یہ کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ

اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے و۵۸ (ابراہیم نے) کہا بھلا تم نے ان کی (اصل حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی

تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ

تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ یہ تو

عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

میری نظر میں دشمن ہیں و۵۹ مگر ہاں پروردگار عالم (وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر وہی

يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا

میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ

میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے و۶۰ اور وہی مجھے موت دے گا پھر

يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَ الَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ

مجھے زندہ کرے گا اور وہی جس سے میں آس لگائے ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ

معاف کر دے گا و۶۱ اے میرے پروردگار مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

کے ساتھ شامل کر اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں

و۵۶ آزر اور قوم ابراہیم کے مذہب شرک پر مفصل حاشیے اوپر گزر چکے۔ سورۃ الانعام، سورۂ ہود، سورۃ الانبیاء وغیرہ میں۔ و۵۷ یہ جڑ بھی بڑی وسعت و اطلاق رکھتی ہیں۔ دنیا میں کسی بت پرست کے پاس انکا کوئی جواب نہیں۔ و۵۸ (اور اسی لیے ہم بھی یہی کر رہے ہیں) گویا اثبات شرک و بت پرستی پر نہ کوئی دلیل عقلی اور نہ کوئی دلیل نقلی بلکہ صرف اندھی تقلید۔ و۵۹ یعنی یہ معبود اور میرا سہارا تو کیا ہوتے، یہ تو اور دشمن ہیں، انہیں کے ذریعہ سے گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہ تو واسطۂ شرک اور باعث تباہی و بربادی ہیں۔ عدو کا لفظ صدیق کی طرح واحد و جمع دونوں موقعوں پر آ جاتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ والعدو و الصدیق یجیئان فی معنی الوحدة والجماعة (کشاف) و۶۰ یعنی اس خدائے واحد کی ذات تمام صفات کمال کی جامع ہے — وہی خالق ہے اور وہی ہادی و مدبر بھی۔ یہ نہیں کہ خلق کا کام کوئی اور دیوتا کرے اور انتظام و ہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو — کھانا اور پانی دونوں وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دیوتا زراعت و نباتات کا ہو اور کوئی اور دیوتا بارش کا — صحت و شفا بھی وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ بیماری سے صحت بخشنے کے لیے کوئی الگ دیوی یا دیوتا ہو۔ مشرک جاہلی قوموں نے انہی صفات کے لیے برابر الگ الگ دیویوں، دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ استثناء اس لیے کہ مشرکین دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی بھی پرستش جاری رکھے ہوئے تھے۔ انهم كانوا يعبدون الاصنام مع الله فقال ابراهيم كل من تعبدون اعدائي الارب العلمين (معالم) فَهُوَ يَهْدِيْنِ۔ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ۔ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان فقروں کے اندر پوری تعلیم عبدیت اور ادب کی موجود ہے جاہل مدعیان زہد دنیوی نعمتوں کی تحقیر کرتے اور ان سے اپنا استغناء ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جا رہا ہے کہ اسے کھانا جس طرح ہدایت کی ہے۔ اسی طرح کھانے اور پینے اور بیماری سے تندرست ہونے کی بھی ہے۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ آیت کے الفاظ پر غور رہو۔ حضرت یہ نہیں کہتے کہ وہی مجھے بیمار ڈالتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بیمار جب میں پڑتا ہوں، تو شفا وہی دیتا ہے۔ گویا بیماری یا نقص کا انتساب تمامتر اپنی جانب اور شفا بخشی یا کمال کا تمامتر حق تعالیٰ کی جانب — اسی کا نام رعایت ادب اور ادائے حق عبدیت ہے۔ و۶۱ وہی الہ المعاد بھی وہی الہ المعاش بھی۔ وہی موت و فنا طاری کرنے والا بھی اور وہی جزا و سزا کے لیے دوبارہ جلانے والا بھی۔ یہ نہیں کہ فنا و ہلاک کا دیوتا کوئی الگ ہو، اور حشر میں داوری کے وقت سامنا کسی اور کا کرنا پڑے۔ جیسا کہ عموماً مشرک و نیم مشرک قوموں نے فرض کیا ہے — اور پھر مغفرت کی امیدیں بھی تمامتر اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں۔ نہ کہ کسی اور سے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو شرک کی ٹھوکریں جب جب لگی ہیں، انہیں صفات ہی سے متعلق لگی ہیں۔ اَطْمَعُ..... الدِّيْنِ الفاظ آیت کے اندر رعایت ادب کس درجہ موجود ہے! اول تو پیمبر صاف صاف اپنے لیے خطیئة کا وجود تسلیم کرتے ہیں، محض اجتہادی غلطی کہہ کر نہیں گزر جاتے اور پھر اپنی مغفوریت کو بھی جزم کے ساتھ نہیں بیان کرتے، اس کی صرف امید یا آس لگاتے ہیں — کہاں پیمبر جلیل حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ ادب و درجۂ تواضع۔ اور کہاں بعض صوفیہ خامکار کے یہ دعوے کہ ہم اپنے مریدوں میں سے جس کو چاہیں گے چھڑا لیں گے!

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾

جاری رکھ وٓ۶۲ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کر دے

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ

اور میرے باپ کی مغفرت کر کہ وہ گمراہوں میں سے ہے وٓ۶۳ اور مجھے رسوا نہ کر

يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

اس دن جب سب اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر ہاں

مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے وٓ۶۴ اور جنت متقیوں کے نزدیک

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ

کر دی جائے گی وٓ۶۵ اور گمراہوں کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی وٓ۶۶ اور ان سے کہا

لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ

جائے گا کہ (اب) وہ کہاں گئے جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا کیا

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ

وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ وٓ۶۷ پھر وہ اور گمراہ لوگ اور

وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ

ابلیس کا لشکر سب کے سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ وہ اس

فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾

(دوزخ) میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے وٓ۶۸ کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے!

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا

جب کہ تم کو پروردگار عالم کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان (بڑے)

وٓ۶۲ (تاکہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافۂ ثواب وحسنات کا باعث ہوں) بالصّٰلِحِيْنَ۔ صالحین سے یہاں مراد ان کی اعلیٰ فرد یعنی انبیاء عالی شان ہیں۔ هَبْ لِيْ حُكْمًا۔ نفس حکمت تو حضرت کو دعا کے وقت بھی حاصل تھی، دعا سے مقصود جامعیت علم وعقل میں مزید حصول کمال معلوم ہوتا ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ۔ ابراہیم علیہ السلام خلیل ابھی تک برابر صیغۂ غائب استعمال کر رہے تھے، هُوَ يَهْدِيْنِ، هُوَ يُطْعِمُنِيْ وغیرہ، صفات کمال بیان کرتے کرتے غلبۂ حضور سے براہ راست مناجات شروع کر دیتے ہیں۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ فقہاء محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنے ذکر خیر کو محبوب رکھنا اور اس کی تمنا کرنا مطلق صورت میں معیوب ومذموم نہیں۔ بلکہ یہ آیت تو عین محل ترغیب پر ہے۔ عن اشهب عن مالك قال لاباس ان يحب الرجل ان يثنى عليه صالحا ويرى في عمل الصالحين اذا قصد به وجه الله تعالى (قرطبی) قال المحققون من شيوخ الزهد في هذا دليل على الترغيب في العمل الصالح الذي يكسب الثناء الحسن (قرطبی) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں سے جو اپنے سلسلہ کے بقاء وقیام کی تمنا ودعا منقول ہے، اس کی اصل اس آیت میں مل گئی۔ وٓ۶۳ (سو تو اس کے لیے مغفوریت کے اسباب، یعنی ایمان اور اس کے برکات میسر کر دے) دعا آزر کی زندگی ہی کے آخر زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ وَاجْعَلْنِيْ ۔۔ النَّعِيْمِ۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد نکل آیا جو جنت سے مستغنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وٓ۶۴ (تو اسے البتہ کوئی کھٹکا نہ ہوگا) بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ یعنی ایسا دل جو کفر وشرک کی آلائش سے پاک ہو۔ يعني من الشرك (ابن کثیر) اے خالص من الشرك والشك (معالم) اے القلب السليم عن مرض الكفر والنفاق هو المالور عن ابن عباس ومجاهد وقتادة وابن سيرين وغيرهم (روح) یہ مراد نہیں کہ قلب گناہوں سے خالی ہو، کہ ایسا قلب کون سا ہو سکتا ہے۔ فاما الذنوب فليس يسلم منها احد هذا قول اكثر المفسرين (معالم) قاله قتادة وابن زيد واكثر المفسرين (قرطبی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا قلب ہو جو بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن ہو۔ قال ابو اسحاق النيشا بوری هو القلب الخالي من البدعة والمطمئن على السنة (معالم) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ جاہلی قومیں جس ادھوری، مبہم، ناقص حد تک حشر کی قائل بھی تھیں، تو آخرت کو دنیا پر قیاس کر کے یہ فرض کیے رہتی تھیں کہ جس طرح دنیا میں کام آنے والی چیزیں مال واولاد ہیں آخرت میں بھی یہی کام آ جائیں گی۔ ہندوستان کی بھی بعض مشرک قومیں اس کی قائل تھیں کہ ان کی اولاد وغیرہ ان کے بعد اگر ان کے نام پر ایک خاص طریق پر کھانا پانی تصدق کرے تو اس سے ان کی نجات ہو جائے گی۔ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ۔ اللہ اللہ! ابراہیم علیہ السلام پیمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں، اس پر بھی دعا ومناجات یہی کر رہے ہیں، کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا! وٓ۶۵ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی بشارت سے خوش ہوں) اللہ اکبر! مومنین ومتقین کے مرتبہ واکرام کا کیا کہنا ہے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے۔ الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی وٓ۶۶ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی خبر سے اور زیادہ افسردہ ومایوس ہوں) بُرِّزَتْ۔ دوزخ تو شروع ہی سے ان خبیثوں کو گھیرے ہوئے تھی، آخرت میں فرق یہ ہوگا کہ وہ ان پر نمایاں اور ظاہر ہو کر رہے گی۔ وٓ۶۷ معبودان باطل کی غایت بے بسی وبیچارگی کا بیان ہے۔ کہ وہ دوسروں کو کیا چھڑائیں گے، خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔ قِيْلَ ۔۔ تَعْبُدُوْنَ۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ اہل دوزخ سے انہیں اور زیادہ جلانے کے لیے کیا جائے گا۔ وٓ۶۸ یہ کہنے والے وہی مشرکین اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری ہوں گے۔ اور ان سے کہیں گے جنہیں دنیا میں وہ دیوتا دیوی، ٹھاکر، اوتار وغیرہ مانتے رہے تھے۔ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ۔ اہل دوزخ، عابد ومعبود، برابر باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ

مجرموں نے گمراہ کیا سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں اور نہ کوئی مخلص دوست

حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾

ہی ہے و٩٩ سو کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ملتا تو ہم مومن ہو جاتے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

بے شک اس ماجرے میں ایک نشان ہے و١٠٠ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ

اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے نوح کی قوم نے

نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راست باز پیمبر و١٠١ سو اللہ سے ڈرو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے سو تم اللہ سے ڈرو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اور میرا کہا مانو و١٠٢ وہ بولے، تو کیا ہم تمہیں مانتے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو تو بس

الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾

رذیل ہی رہ گئے ہیں و١٠٣ (نوح نے) کہا ان کے کام سے مجھے کیا بحث

و٩٩ (جو بازی دلا تا تو خیر دور رہا کم از کم ویسا ہی ہوتا کہ خالی ہمدردی و دلسوزی ہی کی بات کر لے) ان الفاظ میں اہل دوزخ کی بے بسی کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ و١٠٠ (ہماری توحید و قدرت کا) ''اس ماجرا میں'' یعنی یہی جو اوپر مذکور ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اور قیامت کے دن کا نقشہ۔ و١٠١ (سو مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیام پر اعتماد کرو) نوح اور قوم نوح دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ امین یعنی متدین۔ دیانت و احتیاط کے ساتھ پیام الٰہی پہنچانے والا۔ المرسلین صیغۂ جمع شاید اس لیے لایا گیا کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے سلسلۂ نبوت کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ اور جاہلی قوموں کا مقصود اصلی کسی پیمبر کی شخصی تکذیب ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ سرے سے اس تخیل رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اخوھم نوح۔ یعنی حضرت نوح جو انہیں لوگوں کے ہم قوم، ہم وطن و ہم نسل تھے۔ و١٠٢ یعنی توحید اور عقائد حقہ کے قائل ہو جاؤ۔ وما ... العلمین یہ مضمون کئی بار پیشتر بھی بیان ہو چکا ہے۔ پیمبر اپنی تبلیغ کی کوئی فیس نہیں طلب کیا کرتے، نہ نقد میں نہ جنس میں، نہ مال سے نہ جاہ سے، انہیں رضائے الٰہی کی دولت ہر دنیوی فیس اور معاوضہ سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ و١٠٣ پیمبروں، داعیان حق اور مصلحوں پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غربا عوام الناس ہی ہوتے ہیں۔ کہ ان پر حب جاہ و حب ریاست کی تہمیں بہت ہلکی چڑھی ہوتی ہیں — حضرت مسیحؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ غریب مچھیرے (ماہی گیر) ہی تھے۔ اور خود ہمارے رسول کریم ﷺ کی دعوت پر ابتدائی بیعت کرنے والوں میں رؤسا و امراء سے کہیں زیادہ عوام و غرباء تھے الارذلون۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی آبادی کے ایک حصہ کو نیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آ رہا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض اہل اللہ سے جو لوگ استفادہ اس بناء پر نہیں کرتے کہ ان کی حیثیت ظاہری پست ہے وہ ایسی ہی ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ مسلمان مسلمان سب برابر و ہم سطح ہیں۔ اور فقہاء نے جو کفاءت کا باب باندھا ہے تو اس کا تعلق محض عرف عام اور دنیوی انتظامی مصلحتوں سے ہے۔ نہ کہ قبولیت عنداللہ سے۔ و ما ذكره الفقهاء في باب الكفاءة مبني على عرف العامة لانتظام امر المعاش و نحوه على انه روى عن الامام مالك عدم اعتبار شيء من ذلك اصلا و ان المسلمين كلهم كانوا اكفاء بعضهم لبعض (روح)

إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا

ان سے حساب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے کاش تم اسے سمجھتے! اور میں

أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾

ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں ف۱۳

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾

وہ بولے کہ اگر اے نوح تم باز نہ آئے تو ضرور ہی سنگسار کر دیے جاؤ گے ف۱۵ (نوح نے) دعا کی

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ

کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ

فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنجَيْنَاهُ

کر دیجیے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجیے چنانچہ ہم نے انہیں اور جو

وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ

ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے (سب) کو نجات دی پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو

الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

غرق کر دیا اس ماجرے میں (بھی بڑا) نشان ہے ف۱۶ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ

قوم عاد نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا ف۱۷

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا معتبر پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

ف۱۳ حضرت نوح نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں، حرفوں، صناعتوں کے ادنیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث، اور اگر ان کا ایمان دل سے نہیں، صرف زبان سے ہے، جب بھی میرے اوپر کیا ذمہ داری۔ وہ جانے ان کا خدا جانے۔ میں بہرحال انہیں اپنے پاس سے تمہارے خوش کرنے کو کیسے ہٹا سکتا ہوں۔ میرا فرض تبلیغ پر ختم ہو جاتا ہے، دلوں کی ٹٹول اور احتساب میرا کام نہیں۔

ف۱۵ سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور معاصرین نوح علیہ السلام انہیں ایسا قومی مجرم سمجھ کر اسی سزا دینے پر آمادہ تھے۔

ف۱۶ (ہماری قوت اور قدرت انتقام کا) قوم نوح کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکے۔ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچا رہا ہو اس کے لیے بددعا کرنا کمال صبر و حلم کے منافی نہیں۔

ف۱۷ ہود۔ قوم عاد وغیرہ پر حاشیے سورۂ اعراف پ۸ میں گزر چکے۔ كَذَّبَتْ عَادٌ۔ لفظ عاد کے لیے فعل مؤنث قبیلۂ عاد یا جماعت عاد کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ التانیث بمعنی القبیلة والجماعة (قرطبی) أَخُوهُمْ بھائی، ہم وطنی یا ہم نسلی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ

صلہ تو بس پروردگار عالم ہی کے ذمہ ہے تو کیا تم ایک محض فضول یادگار

رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ

ہر اونچے مقام پر بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تمہیں

تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

ہمیشہ ہی رہنا ہے ف۷۸ اور جب تم کسی پر دارو گیر کرتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو ف۷۹

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا

سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

تم جانتے ہو تمہاری مدد کی مویشیوں اور بیٹوں اور باغوں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور چشموں سے ف۸۰ مجھے تمہارے لئے اندیشہ ہے بڑے سخت دن کے

عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ

عذاب کا وہ لوگ بولے ہمارے لئے برابر ہے خواہ

مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

تم نصیحت کرو خواہ ناصح نہ بنو یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۗ اِنَّ

اور ہم کو (ہرگز) عذاب نہیں ہونے کا ف۸۱ غرض ان لوگوں نے (ہود کو) جھٹلایا سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ف۸۲ بے شک

ف۷۸ یہ قدیم شائستہ ومتمدن قوم بڑی صناع وکاریگر تھی۔ خصوصاً انجینئری اور فن تعمیرات کی ماہر۔ ملاحظہ ہوں پ۸ سورۃ الاعراف کے حاشیے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خوب لکھا ہے کہ اس سورہ میں مختلف انبیاء کی دعوت میں بار بار انہی فقروں کی تکرار اس لیے ہے کہ ایک ہی طرز تبلیغ سب کا تھا۔ تَعْبَثُوْنَ سے ظاہر ہے کہ یہ شوق تعمیر کسی ضرورت کی بنا پر نہ تھا۔ محض جذبات فخر ونمائش کی تسکین کے لیے تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تعبثون سے عبث (محض فضول) کی مذمت صریح نکلتی ہے، خواہ وہ عبث بہ لحاظ قول ہو یا فعل۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ عقیدۃً یہ لوگ ان تعمیرات کے ذریعے سے خلود کے قائل نہ تھے، مگر ان کا طرز عمل گویا اس قسم کے عقیدہ پر مبنی تھا اس لیے ان کو اسی عقیدہ کا معتقد فرمایا گیا۔ یہیں سے حضرات صوفیہ کے اس تعامل کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کافروں کے سے کام کرنے والوں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بلاضرورت بڑی بڑی عمارتیں نام کے لیے تعمیر کرانا سرتاسر داخل اسراف ہے۔ ف۷۹ غفلت وسرمستی کی افراط کے ساتھ قوم عاد کی دوسری خصوصیت ان کا ظلم وتشدد تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک ومعذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے، ان کے شرک وجہالت کے ساتھ، کہ وہ سب میں مشترک ہے، ذکر ان کے مخصوص قومی جرائم کا بھی کرتا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی، خیانت وغبن فاحش میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے کوئی ظلم وشقاوت وسنگدلی میں، کوئی بدچلنی وشہوت پرستی میں، وغیرہا۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی گرفت ہے جس میں نہ رحم ہو، نہ اس سے تادیب کا قصد ہو اور نہ اس میں انجام پر نظر رہے۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس گرفت میں یہ امور ملحوظ رہیں وہ اصلاح ہے اور منافی طریق نہیں۔ ف۸۰ مطلب یہ ہے کہ تم کو جو ناز اپنی کثرت تعداد پر ہے نیز اپنے ملک کے باغ وسبزہ زار پر، اور اپنے ہاں کے نہر ودریا پر ہے یہ سب آخر انعامات الٰہی ہی تو ہیں۔ یہ عطیے کسی دیوی دیوتا کے نہیں اور نہ تمہارے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اسی معبود واحد ہی کے تو ہیں۔ توحید کا تو تمہیں اور زائد قائل ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے توحید پر استدلال جس طرح انسان کی غربت وافلاس سے کیا ہے اسی طرح اس کی خوشحالی وامارت سے بھی کیا ہے۔ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ قوم عاد، خیال رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شاداب وزرخیز ترین علاقہ میں آباد تھی یعنی یمن، حضرموت میں، خلیج فارس کے ساحل پر، اور عراق عرب کی سرحد تک۔ ف۸۱ یعنی اس قسم کا وعظ وپند تو پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں، اس کے اندر حقیقت کبھی نہ دیکھی۔ ھٰذَا۔ یعنی جو کچھ تم ہمیں سنا رہے ہو۔ ای ھذا الذی جئتنا بہ (روح) ف۸۲ (زبردست اور تند آندھیوں سے) قوم عاد کی ہلاکت کے لیے ملاحظہ ہوں پ۸، سورۃ الاعراف کے حاشیے۔

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٣٩﴾

اس میں ایک (بڑا) نشان ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٤٠﴾ ع کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے قوم ثمود نے بھی

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ صٰلِحٌ اَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم لوگ

تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ

ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک معتبر پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے کوئی صلہ اس پر نہیں مانگتا

اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے ف٨٣ کیا تم کو انہیں چیزوں میں

ھٰھُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿١٤٦﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّ زُرُوْعٍ

بے فکری سے رہنے دیا جائے گا باغوں اور چشموں اور کھیتوں

وَّ نَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

اور خوب گندھے ہوئے گپھے والے کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر

بُیُوْتًا فٰرِھِیْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا

اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو ف٨٤ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور حدود سے نکل جانے والوں کا

اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ

کہا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں

ف٨٣ قوم ثمود اور حضرت صالحؑ دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف پ٨ میں گزر چکے۔ اَخُوْھُمْ۔ "بھائی" سے مراد وہی وطنی یا نسلی برادری ہے نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ باقی آیتیں اس سلسلہ کی بار بار آ چکی ہیں، اور اوپر ان کے حاشیے گزر چکے۔

ف٨٤ قوم ثمود کی تہذیب و تمدن اور فنون سنگ تراشی وغیرہ پر حاشیے پ٨ سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ۔ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ۔ قوم ثمود عرب کے شمالی و مغربی علاقہ میں جو خوب سرسبز و شاداب تھا آباد تھی۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اصلاح نہیں کرتے وف۸۵ وہ لوگ بولے کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم بس ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو سو کوئی نشان پیش کرو اگر تم

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ

سچے ہو وف۸۶ (صالح نے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک

شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

مقرر دن میں ایک باری تمہاری وف۸۷ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

بڑے سخت دن کا عذاب آ پکڑے گا مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر (اس پر) پچھتائے وف۸۸

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

پھر ان کو عذاب نے آ لیا بے شک اس ماجرے میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ

بڑا رحمت والا ہے قوم لوط نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے

لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو وف۸۹ میں تمہارے لئے ایک معتبر

اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ

پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! اور میں تم سے

وف۸۵ خداوندی قانون کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی و زنا کاری، سود خواری، رشوت، خیانت، رشک و حسد سے ہمیشہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں ہی بڑھی ہیں۔ اور معاشرتی ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی رہی ہے۔ قرآن نے ان سارے انفرادی و اجتماعی امراض کے لیے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے۔ المسرفین۔ قوت عقلی ہو یا فعلی یا اعتقادی ان کا بے جا صرف کرنا سب داخل اسراف ہے۔ وف۸۶ نشان یعنی خارق عادت۔ انبیاء کی دعوت کا اصل جوہر خود ان کی تعلیمات رہی ہیں۔ جاہل قوموں نے بجائے ان تعلیمات کی قدر کرنے کے ہمیشہ مطالبہ خوارق و معجزات کا کیا ہے۔ اور پیمبروں کی بشریت ہی کو ان کی رسالت کا مانع اور اس کے منافی قرار دیا ہے۔ مظہر خدا، فرزند خدا، ذوبن خدا یہ سب کچھ تو وہ کہہ سکتے تھے لیکن رسول خدا کا تصور ہی گویا ان کی دماغی گرفت سے باہر تھا۔ آج اولیاء اللہ کو بھی، بہت سے جاہل ان کے لوازم طبعی اور حوائج بشری کی بناء پر کم وقعت و حقیر سمجھتے ہیں۔ وف۸۷ یعنی ایک باری میں وہ اونٹنی پانی پیا کرے اور دوسری باری میں تمہارے جانور۔ مفصل حاشیے اس سارے ماجرے پر سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ وف۸۸ (جب عذاب کی آمد دیکھ لی) یہ پچھتاوا ایک تو یوں بھی بیکار تھا اس لیے کہ ایک محض طبعی کیفیت تھی۔ تلافی و تدارک اور تجدید ایمان کا کوئی جز و اس کے ساتھ نہ تھا۔ اور پھر یہ بھی اس وقت جب آثار عذاب نمایاں ہو چکے تھے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ ندامت اس لیے لا حاصل رہی کہ انہوں نے اپنے فعل کی تلافی ایمان سے نہ کی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے ندامت طبعی کافی نہیں ندامت عقلی ہونا چاہیے۔ وف۸۹ حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ المرسلین کے صیغہ جمع پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اخوھم۔ اخ انہیں یہاں اس لحاظ سے کہا گیا کہ حضرت لوط عراق سے آکر انہیں کے ملک شرق یردن میں بس گئے تھے۔

ع ۸ / ۱۷

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

اس پر کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

کے ذمہ ہے تمام دُنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ

اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو بات یہ ہے کہ

اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ

تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو ف۹۰ وہ لوگ بولے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور

مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

نکال دیئے جاؤ گے (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے (اس) عمل سے سخت نفرت رکھتا ہوں ف۹۱

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام (کے وبال سے) جو یہ کرتے رہتے ہیں سو ہم نے

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی البتہ ایک بڑھیا کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ف۹۲ پھر ہم نے اور سب کو

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ

ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیسا برا مینہ تھا

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

جو ڈرائے ہوؤں پر برسا ف۹۳ بے شک اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع

لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے

ف۹۰ ذکر قوم لوط کی اس غیر طبعی شہوت پرستی کا ہے جس میں وہ لوگ آج کل کی بھی بعض "مہذب ومتمدن" قوموں کی طرح شدت سے مبتلا تھے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ۔ یعنی ان بدفعلیوں کی محرک کوئی طبعی جنسی خواہش کسی درجہ میں بھی نہ تھی۔ یہ محض نفس کا خبث اور طبیعت کا شیطانی میلان تھا جو انہیں اغلام ولواطت کی طرف لے آیا تھا۔ "حد سے گزر جانے والے" یعنی حدود انسانیت سے گزر جانے والے یا جرائم پیشہ یا مجرم بہ فطرت کے لوگ۔ ف۹۱ (اور میں تمہاری ان دھمکیوں میں آ کر اپنے وعظ وپند وتبلیغ سے رک نہ جاؤں گا) اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ۔ قلی بغض شدید کو کہتے ہیں۔ القلي البغض الشديد (کشاف) القلي شدة البغض (راغب) پیمبر جیسے صالح الفطرت کی تو خود فطرت ایسے گندے جرم سے اباء کرنے لگتی ہے۔ انہیں تو جتنی بھی بیزاری ایسے جرم سے ہو کم ہے۔ ف۹۲ مراد زوجہ لوط ہے تفصیلی قصہ سورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ میں مضاف مقدر ہے۔ اے من عقوبة عملهم (کشاف) اے من شوم عملهم (روح) ف۹۳ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف پ۸ اور سورۂ ہود پ۱۲ کے حاشیے

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ

اصحاب ایکہ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ف۹۴ جب کہ ان سے

شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا

شعیب نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک معتدین پیغمبر ہوں سو اللہ

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ تو مانگتا نہیں

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو اور

تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا

تولا کرو ف۹۵ اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ کیا کرو اور ملک میں

تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ

فساد مت مچایا کرو ف۹۶ اور اس (خدا) سے ڈرو جس نے

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ

تمہیں اور (ساری) اگلی مخلوقات کو پیدا کیا ف۹۷ وہ لوگ بولے کہ تم تو بس

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

سخت سحر زدہ ہو اور تم بھی کیا ہو بجز ہمارے ہی جیسے ایک آدمی کے اور ہم تو تم کو

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ

جھوٹوں ہی میں سمجھتے ہیں اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا گراؤ اگر

ف۹۴ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ پر حاشیہ سورۃ الحجر پ۱۴ میں گزر چکا۔ ف۹۵ (یعنی نہ ڈنڈی مارا کرو، نہ تولنے کے باٹوں میں گڑبڑ کیا کرو) ہدایاتِ قرآنی کی مخاطب یہ کوئی زراعت پیشہ، تجارت پیشہ قوم تھی۔ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی، خیانت میں مبتلا۔ تعلیم انہیں تجارتی اخلاق و شائستگی کی دی جا رہی ہے۔ حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ و سورۃ الحجر پ۱۴ و سورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکے۔ ف۹۶ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی کا انجام آخر کار اجتماعی فساد پر ہوتا ہے۔ ف۹۷ خطاب، ہو سکتا ہے کہ یہاں عام نوعِ انسانی سے ہو۔ اور الْاَوَّلِيْنَ سے مراد اس صورت میں ان مخلوقات سے ہوگی جو انسان سے قبل خلعتِ وجود سے مشرف ہو چکی تھی، فرشتہ و جنات وغیرہا۔

ف۹۸ نبی کے سحر زدہ ہونے اور اس کی بشریت و رسالت کے درمیان حسب تخیل مشرکین تنافی پر حاشیے کئی بار او پر گزر چکے۔ فَاَسْقِطْ..... اسقاط۔ شعیب کے قوم والے کہتے ہیں کہ اگر دعوائے نبوت میں برحق ہو تو کوئی ایسا نمایاں خارق عادت پیش کرو، جیسے یہی کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر ہم پر گر پڑے۔ باں..... القطع۔ قِطْعٌ۔ گویا وبال نازل نہ ہونا ان جاہلوں کے خیال میں دلیل تھی ان کے انکار کے صحیح تر ہونے کی۔ اور یہی ذہنیت آج بھی بہت سے جاہلوں اور جاہلوں کی ہے۔ کسی بزرگ سے انکار پر وبال نازل نہ ہونے کو اس انکار کے صحیح نہ ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ ف۹۹ (سو تمہارے عمل کا جو مقتضا ہے یعنی عذاب کیا ہو اور کب ہو اسے بھی وہی خوب جانتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خوارق اہل اللہ کے بس میں نہیں۔ ف۱۰۰ عذاب کے وقت پہلے ایک ابر نمودار ہوا تھا، گرمی پہلے سے مسلط تھی۔ لوگ ٹھنڈی ہوا کے شوق میں اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور سب جل گئے۔ وہ ابر سائبان سا تھا۔ اسی بناء پر اسے عذاب سائبان سے تعبیر کیا گیا۔ ف۱۰۱ یہاں قرآن مجید سے متعلق سب سے پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ کسی مخلوق کا نہیں، خود پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور دوسری بات یہ کہ رسول ﷺ کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی و تحریف کا امکان نہیں۔ نَزَلَ بِهِ نزل صلہ ب کے بعد انزل کے معنی میں ہے۔ اے انزل علی ان الباء للتعدية (روح) الرُّوحُ الْأَمِينُ۔

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا

تم سچے ہو ف۹۸ (شعیب نے) کہا میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ

تم کرتے رہتے ہو ف۹۹ پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا سو انہیں عذاب سائبان نے آ لیا

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا ف۱۰۰ یقیناً اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ

بڑا رحم والا ہے اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین نے

بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

آپ کے قلب پر اتارا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ

میں سے ہوں ف۱۰۱ صاف عربی زبان میں اور بے شک اس (کا ذکر) پہلی امتوں کی

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ

کتابوں میں ہے ف۱۰۲ کیا ان لوگوں کے لئے یہ (کافی) دلیل نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

جانتے ہیں؟ ف۱۰۳ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

پھر وہ ان کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا جب بھی یہ لوگ اسے نہ مانتے ف۱۰۴ ہم نے اسی طرح اس (ایمان نہ لانے) کو

یعنی امانت دار فرشتہ مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ اور ملت کا اس پر اتفاق ہے۔ و هو جبرئیل علیہ السلام قال غیر واحد من السلف۔ ابن عباس و محمد بن کعب و قتادة و عطية العوفي و السدي و الضحاک و الزهري و ابن جريج و هذا مما لا نزاع فيه (ابن کثیر) ان کے وصف امانت کو یہاں نمایاں کرنے کے یہی معنی ہیں کہ ان کا لایا ہوا پیام قطعاً اور تمامتر محفوظ ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپ نبی عالم تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ نبی عرب تھے۔ یہاں بھی آخری حیثیت مراد ہے اسی لیے زبان عرب کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ قرآن کے عربی زبان میں ہونے پر یہاں اور دوسرے مقامات پر جو زور دیا گیا ہے، اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن پر یعنی کسی ترجمۂ قرآن پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جا سکتا۔ عَلٰى قَلْبِكَ۔ وحی کا مخاطب اصلی قلب ہی ہوتا ہے۔ اور باقی دوسرے اعضاء قلب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ القلب هو المخاطب في الحقيقة لانه موضع التمييز والاختيار و اما سائر الاعضاء فمسخرة له والدليل عليه القرآن والحديث والمعقول (کبیر) محققین سے منقول ہے کہ نبی کے پاس قبول وحی کے لیے ایک قلب بھی مخصوص ہوتا ہے اور ایک مخصوص سامعہ و باصرہ بھی۔ ف۱۰۲ اِنَّهٗ میں مضاف مقدر ہے۔ عربی محاورہ میں عام طور سے آتا ہے۔ فلان في دفتر الامير۔ اور فلاں سے مراد فلاں کے نام و ذکر سے ہوتی ہے۔ اے اسمه و ذكره في دفتر الامير یہاں بھی تقدیر کلام کچھ یوں ہی معلوم ہوتی ہے۔ ان ذكره في زبر الاولين۔ يعني ذكره (کشاف) اے ذكر انزال القرآن قاله اكثر المفسرين (معالم) اے ذكر هذا القرآن والتنويه به (ابن کثیر) يعني ذكره ثبت في سائر كتب السماوية (مدارک) لیکن بہرحال الفاظ قرآنی سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ "قرآن" کا "زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ" میں ہونا ارشاد ہو گیا ہے، حالانکہ قرآن ان اگلی کتابوں میں بجنسہ عربی زبان میں نہیں اس لیے قرآن کا اطلاق غیر عربی کے قرآن پر بھی صحیح و صادق آتا ہے۔ هذا مما يحتج به في ان نقله في لغة اخرى لا يخرجه من ان يكون قرآنا لاطلاق اللفظ بانه في زبر الاولين مع كونه فيها بغير اللغة العربية (جصاص) واحتج صاحب الكشاف والمدارک والهداية على ان القرآن قرآن و ان ترجم بغير العربية فيكون دليلا على جواز قراءة القرآن بالفارسية في الصلوة لانه لم يكن في زبر الاولين الا بغير العربية (احمدی) فيه دليل على ان القرآن قرآن اذا ترجم بغير العربية فيكون دليلاً على جواز قراءة القرآن بالفارسية في الصلوة (مدارک) اور یہیں سے امام ابوحنیفہ ؒ نے نماز میں فارسی ترجمۂ قرآن خود قرآن کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ واشتهر من الامام ابي حنيفة انه جوز قراءة القرآن بالفارسية والتركية والهندية و غير ذلک من اللغات مطلقاً استدلالاً بهذه الاية و في رواية تخصيص الجواز بالفارسية (روح) لیکن محققین کا بیان ہے کہ بعد کو امام نے اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیا تھا۔ اور اپنے استدلال کی خامی انہیں خود نظر آ گئی۔ و قد صح رجوعه عن القول بجواز القراءة بغير العربية مطلقاً جمع من الثقات المحققين (روح) و كان رجوع الامام عليه الرحمة عما اشتهر عنه لضعف الاستدلال بهذه الاية عليه (روح) و قد صح رجوعه عن قوله و عليه الاعتماد (احمدی) ف۱۰۳ (اور کبھی اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں) يَعْلَمَهٗ میں ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر قریش کی جانب ہے، جو علماء بنی اسرائیل کے علم و فضل کے خود بھی قائل و معتقد تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امر تو ان کے نزدیک خود ایک دلیل معتبر ہونا چاہیے، کہ علماء بنی اسرائیل اپنے مقدس صحیفوں میں قرآن مجید کا ذکر اور اخبار پاتے ہیں۔ اے او ليس يكفيهم من الشاهد الصادق على ذلک ان العلماء من بني اسرائيل يجدون ذكر هذا القرآن في كتبهم التي يدرسونها (ابن کثیر) ف۱۰۴ مطلب یہ ہے کہ قرآن اپنی ساری موجودہ شان اعجاز کے ساتھ کسی فصاحت نا آشنا شخص پر نازل کر دیا جاتا، تو اس وقت تو وجہ اعجاز اور زیادہ واضح و نمایاں ہو جاتی، لیکن ان ظالموں کو اس درجہ عناد اور ضد

ہے کہ ایمان یہ اس صورت میں بھی نہ لاتے اور خدائی کلام اسے جب بھی نہ تسلیم کرتے۔ قال تعالٰی مخبرًا عن شدة کفر قریش و عنادھم لھذا القراٰن انہ لو نزل علی رجل من الاعاجم ممن لایدری من العربیة کلمة و انزل علیه ھذا الکتاب ببیانه و فصاحته لایؤمنون به (ابن کثیر) والمراد بیان فرط عنادھم و شدة شکیمتھم فی المکابرة کانه قیل و لو نزلنا بھذا النظم الرائق المعجز علی من لا یقدر علی التکلم بالعربیة فقرأہ علیھم قراءة صحیحة خارقة للعادة (روح) ای لو نزلناہ علی بعض الاعاجم لایحسن

فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے ۱۰۵؎ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک

الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿٢٠١﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾

عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آکھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی

فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

پھر (اس وقت) کہیں گے کیا (اب) ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟ ۱۰۶؎ یہ لوگ ہمارے عذاب (کو تو کہاں) کی

یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ

کیا جلدی چاہتے ہیں ۱۰۷؎ ذرا بتا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر

جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا

جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان پر آجائے تو وہ ان کا عیش ان کے

كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا

کیا کام آ سکتا ہے ۱۰۸؎ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں

مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰی وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَ مَا

ڈرانے والے آچکے نصیحت کے واسطے ۱۰۹؎ اور ہم کچھ ظلم کرنے والے تو تھے نہیں اور

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿٢١٠﴾ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَ مَا

اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ یہ

یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا

ان کے بس کی بات ۱۱۰؎ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں ۱۱۱؎ آپ

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿٢١٣﴾

اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریے، ورنہ آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی ۱۱۲؎

العربیة فضلا عن ان یقدر علی نظم مثله فقرء ہ علیھم ھکذا معجزًا لکفروا به (مدارک) مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ۔ منکرین، معاندین کے ایمان کی طرف سے اتنی یاس دلانا غالبًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہے۔

۱۰۵؎ اور وہ لوگ اپنے انکار پر بہت کی شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ اعجمی اور عجمی کے درمیان یہی فرق ہے کہ عجمی غیرعرب کے لیے آتا ہے اور اعجمی غیر فصیح کے لیے خواہ وہ عرب ہی ہو۔ العجم خلاف العرب و العجمی منسوب الیھم والاعجم من فی لسانه عجمة عربیا کان او غیر عربی (راغب) یقال رجل اعجمی و اعجم اذا کان غیر فصیح و ان کان عربیا و رجل عجمی و ان کان فصیحا ینسب الی اصله (قرطبی) سَلَكْنٰهُ۔ میں ضمیر کفر وعدم ایمان کی طرف ہے، جو شامل ہے مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ میں۔ ای التکذیب و الکفر والجحود والعناد (ابن کثیر) قال ابن عباس و مجاھد ادخلنا الشرک و التکذیب (معالم) ای ادخلنا التکذیب او الکفر و ھو مدلول قوله ما کانوا به مومنین (مدارک) یہ دلوں میں کفر وتکذیب کا ڈال رکھنا ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ اور آیت اس پر دلیل ہے کہ امور تکوینی جتنے بھی ہیں، سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ یدل علی ان الکل بقضاء اللہ و خلقه (کبیر) اور آیت سے اہل سنت نے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ ہر فعل خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ و ھو حجتنا علی المعتزلة فی خلق افعال العباد خیرھا و شرھا (مدارک)

۱۰۶؎ (حالانکہ وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا نہ قبولِ ایمان کا)

۱۰۷؎ (بیراہ انکار) کفر معاندین عذاب کی وعیدیں سن کر کہتے ہیں، کہ اگر یہ خبر سچ ہے، تو عذاب آخر آ کیوں نہیں جاتا؟

۱۰۸؎ تو اگر انہیں مہلت مل بھی جائے تو اس سے حاصل کیا؟ جب عذاب ان پر آنا ہی ہے، اور انہیں ایمان نہ لانا ہی ہے، تو جیسے آج ویسے چند سال بعد، عارضی مہلت دالتوا سے کچھ جان تو ان کی بچ نہ جائے گی۔

۱۰۹؎ اور جب ان لوگوں نے پیمبر کی کچھ نہ سنی بلکہ الٹے اس کے رد و مضحکہ میں لگ گئے، جب کہیں جا کر عذاب نازل ہوا۔

۱۱۰؎ (جو اس کے مضامین میں کسی غلط کا احتمال ہو، یا اسے غیر خدائی وضع وتحریف کا نتیجہ سمجھا جائے)۔

۱۱۱؎ (چنانچہ متعدد عرب کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اس ناکامی کا خود اعتراف کیا، اور انہوں نے اس کی خبر دوسروں کو بھی دی) عرب، کاہنوں اور ساحروں کے خوگر، قرآن مجید کے اعجاز سے قائل ولاجواب ہوکر یہی کہنے لگتے تھے کہ ہو نہ ہو یہ "نبی" کوئی کاہن ہیں، ان کے پاس یہ کلام ان کے موکل شیاطین لے کر آتے ہیں۔ قرآن اس کے جواب میں کہتا ہے، کہ تم لوگ بھی کس درجہ بدعقل ہو، شیاطین تو تمام ترظلمت وضلالت ہیں، اور قرآن سرتاسر نور وہدایت، قرآن کے مضامین عالیہ وعلوم کو بھلا شیطانی ہفوات سے مناسبت کیا؟ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت وقدرت ہی کہاں، کہ وحی الٰہی کو گڑھ سکیں، یا اس میں اپنی طرف سے کوئی جزو ہی شامل کر سکیں!

۱۱۲؎ یہ صیغۂ حاضر کا اس تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ پیمبر کو شرک سے مناسبت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ولی سے کسی حال میں بھی تکلیف شرعی ساقط نہیں ہو سکتی۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (٢١٤) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

آپ اپنے کنبہ کے عزیزوں کو ڈراتے رہیے ف١١٣ اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے

لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (٢١٥) فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

تو آپ اس کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آئیے ف١١٤ لیکن اگر یہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجیے

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (٢١٦) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ

کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں ف١١٥ اور آپ بھروسہ رکھئے بڑے قوت والے

الرَّحِیْمِ (٢١٧) الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ (٢١٨) وَتَقَلُّبَكَ فِی

بڑے رحم والے (خدا) پر جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو

السّٰجِدِیْنَ (٢١٩) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (٢٢٠) هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

دیکھتا رہتا ہے ف١١٦ بے شک وہ بڑا ہی سننے والا بڑا جاننے والا ہے ف١١٧ اچھا تو میں تم کو بتاؤں کہ

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ (٢٢١) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ

شیطان کس پر اترا کرتے ہیں ف١١٨ ایسوں پر اترا کرتے ہیں جو (جھوٹے) لپاپیے ہوں

اَثِیْمٍ (٢٢٢) یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (٢٢٣)

بدکردار ہوں اور جو (ان کی طرف) کان لگائے رکھتے ہوں۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (٢٢٤) اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ

ف١١٩ اور رہے شاعر تو ان کی پیروی بدراہ لوگ کرتے ہیں ف١٢٠ کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں

وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ (٢٢٥) وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (٢٢٦) اِلَّا

حیران پھرا کرتے ہیں ف١٢١ اور وہ کہتے وہ ہیں جو وہ کرتے نہیں ف١٢٢ البتہ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

ف١١٣ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل میں اپنے عزیزوں کو بلا کر جمع کیا، اور ان پر تبلیغ کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ قریبی عزیزوں کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہے تا کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ نجات بغیر پیمبر کے اتباع کے نہیں اور آپ سے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ خصھم لیعلموا انه لا یغنی عنهم من الله شیئا وان النجاة فی اتباعه دون قربه (مدارک) عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ وعظ فرض کفایہ ہے۔ شروع اپنے عزیزوں قریبوں سے کرے، اور پھر جہاں تک ہو سکے پھیلاتا جائے۔ ف١١٤ کہاں پیمبر اور کہاں امتی، شرف ومنزلت کے اعتبار سے دونوں کا مقابلہ ہی کیا۔ لیکن یہاں صراحت کے ساتھ حکم مخدوم و آقا کو مل رہا ہے کہ وہ اپنے متبعین کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیں۔ یہ تعلیم اسلام کے سوا کہاں ملے گی؟ محققین نے کہا ہے کہ فروتنی کا حکم جب سردار و مخدوم کو اپنے خادموں کے مقابلہ میں مل رہا ہے تو خود خادموں، مریدوں، شاگردوں کو تو اپنے بزرگوں، مرشدوں، استادوں کے حضور میں کہیں زیادہ فروتنی کے ساتھ رہنا چاہیے!— وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خفض جناح کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو وہ جو اطاعت سے پیدا ہوتی ہے جیسے اولاد کی فروتنی والدین کے مقابلہ میں، دوسری وہ جو شفقت سے پیدا ہوتی ہے، وہی یہاں مقصود ہے ف١١٥ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ میں تعلیم ابھی ابھی حب فی اللہ کی تھی اب فَاِنْ عَصَوْكَ میں تعلیم بغض فی اللہ کی مل رہی ہے۔ ف١١٦ (اور وہی ہر ضرر سے آپ کی حفاظت کے لئے کافی ہے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ضرر حقیقی سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ اور متوکل کو جو ضرر پہنچتا ہے، وہ صرف ضرر صوری ہوتا ہے، جس کے اندر ہزاروں نفع ہوتے ہیں، جن کا ظہور خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ اور مقام توکل صوفیہ کے ہاں ایک معروف و مسلم مقام ہے۔ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ۔ یعنی حالت نماز میں ای تقوم الی صلاتک من اکثر المفسرین (معالم) اللہ دیکھتا تو بہرحال اور ہر وقت ہی رہتا ہے، یہاں حالت نماز سے متعلق تخصیص ہے۔ یَرٰىكَ کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عنایت خاص کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔ تقلب کے لفظی معنی گھومنے پھرنے الٹ پلٹ کے ہیں۔ التقلب التصرف (راغب) مراد یہاں نشست و برخاست سے لی گئی ہے۔ السّٰجِدِیْنَ کے لفظی معنی سجدہ کرنے والے کے ہیں۔ مراد نمازی ہیں، خود سجود کے مجازی معنی نماز کے ہیں۔ و قد یعبر به عن الصلوة (راغب) فی السّٰجدین ای فی المصلین (ابن جریر عن قتادہ) المساجدین المصلین (ابن جریر۔ عن ابن زید) والمراد بالساجدین المصلین (کشاف) ف١١٧ آپ کی دعاؤں کا خوب سننے والا، آپ کے پاکیزہ حالات کا خوب جاننے والا ہے۔ آپ کے دشمنوں کی کھلی اور چھپی ہوئی دشمنی اس پر عیاں ہے۔ ف١١٨ (اور تمہارے اس فریب ذہنی کو بھی دور کر دوں؟) مشرکین مکہ کا ایک وسوسہ یہ بھی تھا کہ رسالت (نعوذ باللہ) ایک شعبہ کہانت کا ہے۔ اور کاہنوں کو غیب کی خبریں موکل شیطانوں کے ذریعہ سے مل جایا کرتی ہیں۔ قرآن مجید یہاں جواب ان کے اسی شبہ کا دے رہا ہے۔ ف١١٩ (اپنے دعوائے کہانت وغیب دانی میں) قرآن مجید خود مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ بات بک ڈالنے سے پیشتر یہ بھی تو سوچ لیا کرو، کہ کچھ تکی ہوئی بھی ہے۔ شاگرد و استاد میں کچھ تو مناسبت ہونا چاہیے۔ شیطان سے تعلق رکھنے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ شیطان سے فیض پانے والے کس سیرت کس اخلاق کے ہوتے ہیں؟ شیطان کے تربیت یافتہ تو وہی ہوتے ہیں جو جھوٹے، لپاپیے، بدکردار، گناہوں کی گندگی میں آلودہ ہوتے ہیں — یعنی ٹھیک ان پاکیزہ خو، فرشتہ صفت اصحاب نبوی کے برعکس، جن کے اوصاف ابھی سورۃ الفرقان میں بیان ہو چکے ہیں۔ ایسے متقیوں پاکبازوں کے سردار کو بھلا شیطان کے سایہ سے بھی کوئی مناسبت ہو سکتی ہے؟ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ میں اکثر سے مراد کل لی گئی ہے۔ یعنی یہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔ وقد فسر الاکثر بالکل (بیضاوی) دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ کثرت سے جھوٹ بولنے والے ہیں۔ گویا کثرت کا تعلق تعداد سے نہیں، ان کے اقوال سے ہے۔ والاظهر ان الاکثریة باعتبار اقوالهم (بیضاوی) سب سے زیادہ دل نشین معنی وہ ہیں جو زمخشری نے کیے ہیں۔ یعنی ان میں سے اکثر خود دعویٰ کہانت ہی میں جھوٹے ہیں۔ شیاطین سے جو خبریں پانا بیان کرتے ہیں۔ خود اس دعوے میں یہ سچے نہیں۔ واکثر الافاکین کاذبون یفترون علی الشیطین مالم یوحوا الیهم (کشاف) کاذبون فی مایقولون و یخبرون (ابن جریر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں یہ بڑا اشارہ ہے کہ شیطان طالب صادق و متقی کے اندر ایسا تصرف نہیں کر سکتا، جس سے اس کے دین کو ضرر پہنچے۔ ف١٢٠ دوسرا بڑا شبہ مشرکین و منکرین کا آپ سے متعلق شاعر ہونے کا تھا۔ شاعر سے مراد ناظم نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں، جو خیالی فضا اور رنگین عبارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ عرب جاہلی کی تہذیب و تمدن میں شعراء کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر، ہنر کو عیب بنا دینا ان کا معمولی کرتب تھا— شاعروں کی ذریت تو انہیں لوگوں پر شامل رہتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اَلْغٰوٗنَ کے تحت میں وہ سب لوگ آ گئے، جن کے ایمان اور جن کے اخلاق کمزور ہیں۔ ای السفهاء او الرادون او الشیاطین او المشرکون (مدارک) ف١٢١ (خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے، ٹھوکریں کھاتے) یعنی شاعروں کو واقعیت و حقیقت سے واسطہ کیا ہوتا ہے؟ یہ تو تمام تر تخیل پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ قرآن جو سرتاسر دفتر حقائق ہے وہ تو شعر و شاعری کی بالکل ضد ہے۔ ف١٢٢ شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ وہ مضامین شجاعت و مردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہو

گا، وہ قصیدہ خوانی عفت وعصمت کی کرے گا، اور خود انتہا درجہ کا بدچلن اور سیاہ کار ہوگا۔ عام دستور ہر ملک وقوم کے شاعروں کا یہی ہے۔ قوم کی قوت عملی کو وہ اور کمزور کرتے رہتے ہیں۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ دور اموی کے مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب اپنا وہ شعر جس میں اپنی حرامکاری کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کو سنایا تو خلیفہ نے برجستہ کہا، کہ اس اقبال جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آ گئی، شاعر نے فوراً یہی آیت قرآنی اپنی صفائی میں پڑھ کر اپنی جان بچائی — یعنی اس نے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں، ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا بھلا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ وٖ ۱۲۳ اسلام اکثر "فنون لطیفہ" کی طرح عموماً شاعری کا بھی ہرگز قدر دان نہیں، اور نہ شاعروں کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے دربار میں کوئی کرسی ہرگز شاعروں کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ عام شاعری میں بجز خیال آرائی اور مبالغہ پروری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اعلم ان الأيات الدالة على تقبيح الشعر اكثر من ان يحصى (احمدی) لیکن اس عام بے راہ روی کی شاعری کے حکم سے وہ شاعری یقیناً مستثنیٰ ہے، جو حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے، جو نصرت وحمایت حق میں کی جائے۔ جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ اسلامی نظمیں، جوش دینی پیدا کرنے والی، عصبیت اسلامی کو بیدار کرنے والی، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ شاعر دربار نبوت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لے کر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور پھر اقبال و جوہر و اکبر کی شاعری اسی طبقہ میں آتی ہے۔ وٖ ۱۲۴ یعنی جہنم میں۔ اَیَّ مُنْقَلَبٍ کیسی جگہ سے مراد کیسی تکلیف ومصیبت کی اور بری جگہ ہے۔ یہ ان منکرین سے متعلق وعید ہے جو اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہی پہنچاتے رہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رسول کے، بندوں کے حقوق تلف کرتے رہے۔

وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ

اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (اس کا) بدلہ لیا (تو وہ اس حکم میں داخل نہیں) وٖ ۱۲۳ اور عنقریب

ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے وٖ ۱۲۴

آیاتہا ۹۳ ۔ ۲۷ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸ ۔ رکوعاتہا ۷

اور اس میں ترانوے آیتیں ۔ سورۂ نمل مکی ہے ۔ اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى

طا۔ سین یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی (موجب) ہدایت

وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

و بشارت ایمان والوں کے لئے وٖ ۱ جو نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں وٖ ۲ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما بنا رکھے ہیں سو وہ

يَعْمَهُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ

بھٹکے پھرتے ہیں وٖ ۳ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے وٖ ۴ اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ہی اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جا رہا ہے

وٖ ۱ گویا آیتوں سے متعلق یہاں چار باتیں بیان ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ آیتیں جس کتاب کی ہیں وہ قرآن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب روشن وواضح ہے، تیسرے اور چوتھے یہ کہ آیات انہیں اہل ایمان کے لیے سبب ہدایت بھی ہیں اور ذریعہ بشارت بھی۔ تِلْكَ کا اشارۂ بعید قرآن کے شرف ومنزلت کے اظہار کے لیے ہے۔ لاداة البعد للاشارة الى بعد المنزلة فى الفضل والشرف (روح) كِتَابٍ۔ کتاب کی تنوین وتنکیر اظہار عظمت کے لیے ہے۔ و تنوينه للتفخيم (روح) وٖ ۲ یعنی عقائد واعمال دونوں کے باب میں بڑے پختہ ہیں۔ يُقِيْمُوْنَ ... الزَّكٰوةَ نماز گویا خلاصہ ہے طاعات بدنی کا اور زکوٰۃ طاعات مالی کا۔ وكنى باقامة الصلوة و ايتاء الزكوة عن عمل الصالحات مطلقاً (روح) وَ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ عقائد کے باب میں عقیدۂ آخرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انسان کو اپنی ذمہ داری، مسئولیت کا پورا احساس بغیر اس کے ہو نہیں سکتا۔ مشرکین کے ہاں تو یہ عقیدہ پہلے ہی سے مسخ شدہ تھا۔ یہود بھی آخرت کی سزا و جزا کو بھلا کر اسی دنیا پر قانع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کی توریت اور دوسرے صحائف عالم آخرت سے خاموش ہی ہیں۔ وٖ ۳ یہ مشاہدہ ہے کہ جن قوموں کے دل سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے وہ اپنا سارا وقت، ساری قوت اسی دنیا کی دوڑ دھوپ، اسی کی ترقیوں کے لیے وقف رکھتے ہیں۔ زَيَّنَّا لَهُمْ ... فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ۔ جو لوگ مذہب کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں، قرآن مجید نے کتنی صحیح تشخیص ان کے بارے میں کر دی۔ اپنی اس مادی حسی دنیا کے سامان اور یہیں کی ترقیوں پر وہ پھولے اور اتراتے ہوئے۔ کس کس طرح ایک ایک نظریہ، ایک ایک فلسفہ کی آڑ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اس ورے اس در تک منڈلاتے ہی رہتے ہیں! وٖ ۴ (اس دنیا میں بھی) موت کے وقت تو اس عذاب شدید کا نزول مشاہد اور قطعی ہے۔ باقی موت سے پہلے بھری پری زندگی ہی میں غور کر کے دیکھا جائے، تو آخرت فراموش قومیں کتنی ذہنی اذیتوں میں مبتلا بسر کرتی رہتی ہیں۔ برطانیہ، فرانس، امریکا، روس وغیرہ پر ان کی ساری ظاہری خوشحالیوں کے باوجود آج جو کچھ گزر رہی ہے، وہ کس کی نظر سے مخفی ہے؟

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ

ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ف۵ (یاد کیجیے وہ وقت) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے

اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ

آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ

لاتا ہوں تا کہ تم تاپ سکو ف۶ پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی

بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

کہ برکت ہو ان پر جو اس آگ کے اندر ہیں ف۷ اور ان پر بھی جو اس کے پاس ہے ف۸ اور پاک ہے اللہ

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸﴾ یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۹﴾ لا

پروردگار عالم! ف۹ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا ف۱۰

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا

اور تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ (کرتا ہے)

وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ

تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا ف۱۱ اے موسیٰ خوف نہ کرو ہمارے حضور میں پیغمبر خوف

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ۗ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ

نہیں کرتے ف۱۲ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہو جائے پھر برائی کے بعد بجائے اس کے

سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ

نیک کام کرے تو میں بڑا مغفرت والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں ف۱۳ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى

تو وہ بلا کسی عیب کے بالکل سفید ہو کر نکلے گا (یہ) نو معجزات میں سے ہیں فرعون

ف۵ (اور اس لیے وہ قرآن ہی ہر انسانی ضرورت کا ایک جامع نسخہ ہے) ف۶ ذکر حضرت موسیٰ کے مدین سے واپسی کے وقت کوہ طور سے قریب ہو کر گزرنے کا ہے۔ آپ مصر کی راہ بھول گئے تھے۔ سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی۔ حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ بِاَهْلِهٖ۔ اهل پر بھی حاشیہ وہیں گزر چکا ہے۔ اگلی سورۃ القصص میں بھی یہی قصہ خفیف لفظی تغیرات کے ساتھ آ رہا ہے۔ فقہاء مفسرین نے اس لفظی اختلاف و معنوی اتحاد سے استدلال یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کی روایت بالمعنی جائز ہے۔ واختلاف الالفاظ فی هاتین السورتین والقصة واحدة دلیل علی جواز نقل الحدیث بالمعنی (مدارک) ف۷ یعنی ملائکہ۔ ای من فی مکان النار و هم الملائکة (مدارک) اَن۔ ان یہاں مفسرہ ہے اور تقدیر کلام یوں بھی کی گئی ہے۔ نودی بانہٗ بورک۔ ان هی المفسرة لان النداء فیه معنی القول والمعنی قیل لهٗ بورک (کشاف و کبیر) نودی بانہٗ بورک (مدارک) ف۸ یعنی حضرت موسیٰ۔ ومن حول مکانها ای موسٰی (مدارک) بہت سے مفسروں سے اس کے بالعکس بھی منقول ہے یعنی مَنْ فِی النَّارِ کو قرب نار کے معنی میں لے کر مراد اس سے حضرت موسیٰ لی ہے، اور مَنْ حَوْلَهَا سے فرشتے۔ ف۹ (جہت، رنگ، مقدار، وزن وغیرہ تمام تعینات سے) یہ تنبیہ معاً اس لیے کر دی گئی ہے کہ کوئی اس تجلی کو جو بشکل نار محدود و مقید تھی کہیں عین ذات واجب الوجود نہ کہہ بیٹھے! معاذ اللہ۔ کہیں رب العلمین کی سی ناقابل پیمائش وسعتیں رکھنے والی ذات بے ہمتا آگ کے چند شعلوں کے اندر حلول کر سکتی ہے! ای الذی یفعل مایشاء ولا یشبهه شیء من مخلوقاته ولا یحیط به شیء من مصنوعاته و هو العلی العظیم المباین بجمیع المخلوقات ولا یکتنفه الارض والسمٰوٰت بل هو الاحد الصمد المنزه عن مماثلة المحدثات (ابن کثیر) "موسیٰ علیہ السلام اگر اس مسئلہ سے خالی الذہن تھے تو یہ اس کی تعلیم ہے، اور اگر آپ کو دلائل عقلیہ اور فطرت صالحہ سے پہلے سے معلوم تھا تو زیادت تفہیم ہے" (تھانوی) ف۱۰ (اور کوئی مادی مخلوق نہیں جو تم سے ہمکلام ہو رہا ہے) ف۱۱ خوف طبعی مرتبۂ نبوت کے بالکل منافی نہیں۔ اور پھر اگر یہ خوف عقلی تھا، جب بھی بسبب اس کے کہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس میں کوئی امر منافی شان نبوت نہیں (تھانوی) جانّ اور ثعبان اور حیہ سب پر حاشیے گزر چکے۔ ف۱۲ فقرہ صورۃً خبر ہے اور معنًی انشاء، یعنی ہدایت ہو رہی ہے کہ خوف نہ کرنا چاہیے۔ یہ خوف اگر طبعی تھا تو لَا تَخَفْ الخ سے جواز الخوف کیا گیا ہے، اس کی تقریر یہ ہو گی کہ ایک کیفیت طبعیہ پر جب دوسری کیفیت طبعیہ غالب آ جاتی ہے تو پہلی کیفیت زائل و مضمحل ہو جاتی ہے۔ بس تم یہ سمجھو کہ ہم نے تم کو نبوت دی ہے۔ اس عنایت متجددہ کا سرور طبعاً ایسا غالب ہو گا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا۔ اور اگر خوف عقلی تھا تو تقریر یہ ہو گی کہ ہر چند کہ حوادث انبیاء پر بھی آتے ہیں، مگر ہم اپنی عادت سے اطلاع دیتے ہیں کہ خود معجزات سے اور بالخصوص عطائے نبوت کے وقت ابتلاء و تضرر نہیں ہوا کرتا بس اب خوف عقلی نہ رہے گا (تھانوی) ف۱۳ تو عام قاعدہ مغفرت و رحمت جب حقیقۃً عاصیوں اور خاطیوں کے حق میں ہے، تو حضرت موسیٰ تو حقیقۃً عاصی و خاطی تھے بھی نہیں۔ قتل قبطی میں ان کا "ظلم" محض صورۃً تھا نہ کہ معنًی و حقیقۃً۔

ف۱۴ غیر سنۃ۔ ید بیضا، پر اور سے ۔ ابات۔ تو معجزات موسوی پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۹ اور سورۃ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ ف۱۵ (کہ دنیا میں غرقابی نصیب ہوئی، اور آخرت میں عذاب شدید) جَآءَتْهُمْ ... مُبْصِرَةً۔ یعنی وہ معجزات و خوارق تو ایسے صریح تھے کہ ان کے وقوع سے انکار ممکن ہی نہ تھا۔ ان کے عین مشاہدہ کے بعد اب ان منکروں نے تو بیہودہ تاویل شروع کی، کہ ان کو حقانیت و للہیت سے کیا واسطہ، یہ تو محض سحر کی کارفرمائیاں ہیں۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی وہ شواہد نبوت اندر ہی اندر تو اپنا کام کرتے تھے، اور ان لوگوں کے دلوں میں اتر گئے، پھر بھی یہ لوگ محض اپنی ضد، اکڑ اور نفسانیت سے انکار پر قائم رہے۔ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا۔ دونوں کے درمیان فرق یہ کیا گیا ہے کہ ظلم ان آیت و شواہد کو ان کے مرتبہ سے گھٹانا تھا اور علو اپنے کو اپنے درجہ سے بڑھانا تھا۔ ف۱۶ یعنی علم نبوت و ملک داری۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ نیز اسی تفسیر کے حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں۔

فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا

اور اس کی قوم کے مقابل بے شک وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں ف۱۴ غرض جب

جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾

ان کے پاس ہمارے معجزات نہایت واضح پہنچے تو وہ بولے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ

ان (معجزات) سے بالکل منکر ظلم و تکبر کی راہ سے ہو گئے درآنحالیکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ

سو دیکھئے کیسا انجام ان مفسدوں کا ہوا ف۱۵ اور ہم نے داؤد

وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي

اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا فرمایا ف۱۶ اور وہ دونوں کہنے لگے (ساری) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں

كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی ف۱۷ اور داؤد کے جانشین سلیمان ہوئے ف۱۸

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ

اور انہوں نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں

كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ

عطا ہوئی ہیں ف۱۹ بے شک یہ تو کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان کے لئے

لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے)

يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ

روکا جاتا تھا ف۲۰ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے ف۲۱ ایک چیونٹی

ف۱۷ (اور ہم اس پر ادائے شکر اور تحدیث نعمت کرتے ہیں) فَضَّلَنَا۔ اظہار افضلیت مطلق صورت میں مذموم و ممنوع نہیں، ممنوع صرف براہ کبر و تفاخر ہے۔ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ افضلیت کل مومنین پر نہیں، صرف اکثر مومنین پر ہے، دعویٰ بس یہیں تک محدود ہے۔ دوسرے انبیاء آخران سے افضل بھی تو ہوئے ہیں۔ ضمناً اس میں رد آگیا توریت کا، جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ ایک بد دین انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غلبہ فنا کے آثار کا دائم و مستمر رہنا کاملین کے لیے بھی لازم نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اگرچہ فنا کے اعلیٰ مقام پر تھے تاہم اپنے کمالات کی طرف بھی التفات رہا۔ ف۱۸ (ملک و سلطنت میں) وَوَرِثَ سے مراد میراث اصطلاحی نہیں، بلکہ معنی مطلق کسی حقدم کے کمالات کے مالک ہو جانے کے ہیں۔ ف۱۹ (حکومت و سلطنت سے متعلق) مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ مراد کثرت و افراط ہے، اور یہ عام محاورۂ زبان ہے۔ اے كثرة ما اوتي كما نقول فلان يقصده كل احد تريد كثرة قصاده (کشاف) المراد به كثرة ما اوتي (مدارک) اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں "اس کو اللہ نے سب ہی کچھ دے رکھا ہے"۔ اُوْتِيْنَا۔ عُلِّمْنَا۔ جمع کے صیغے اظہار عظمت کے لیے ہیں، جیسا کہ شاہی محاورہ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ اس طریق خطاب سے اشارۃً یہ نکل رہا ہے کہ آپ کو اس انعام الٰہی کی اشاعت خاص ہی منظور تھی۔ فالمقصود منه تشهير نعمة الله تعالى والتنويه بها ودعاء الناس الى التصديق بذكر المعجزة (کبیر) اس جاہ و حشم کا بیان توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ "اور سلیمان بادشاہ کے پینے کے سب باسن سونے کے تھے۔۔۔۔ سو سلیمان بادشاہ، دولت اور حکمت کی نسبت زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا۔ اور سارے جہان نے سلیمان کی طرف توجہ کی تا کہ اس کی حکمت کو جو خدا نے اس کے دل میں ڈالی تھی سنے۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی اپنا ہدیہ روپے کے باسن اور سونے کے برتن اور پوشاکیں اور سلاح اور خوشبوئیاں اور گھوڑے اور خچر جتنے ہر ایک سال کے لیے ٹھہرائے ہوئے تھے۔ اس کے آگے گزرانتے تھے۔ اور سلیمان نے گاڑیاں اور سوار بہت سے جمع کیے۔ اس کی ایک ہزار چار سو گاڑیاں تھیں اور بارہ ہزار سوار" (۱۔ سلاطین۔ ۱۰۔ ۲۱۔ ۲۶) نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

ف۲۰ (ان کی کثرت تعداد کی بناء پر) مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ۔ انسانوں کی سپاہ تو خیر ہوتی ہی ہے، جنات و طیور بھی جو عموماً و عادۃً کسی سلطان و ملک کے تابع نہیں ہوتے لشکر سلیمانی میں داخل تھے۔

ف۲۱ چیونٹیوں کا میدان اس لیے کہا گیا کہ وہاں جھنڈ کے جھنڈ چیونٹیاں جمع تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان کا لشکر خشکی میں کسی سرزمین سے گزر رہا تھا کہ راہ میں ایک قطعہ پڑا جہاں چیونٹیاں بکثرت آباد تھیں۔ اور وہیں یہ ماجرا پیش آیا۔

نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لشکر

سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ

تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو ف۲۲ (سلیمان) اس بات پر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ

مسکرا کر ہنس پڑے ف۲۳ اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ

نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ

میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں، جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں، اور اس پر بھی کہ میں نیک کام

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

کیا کروں جس سے تو راضی ہو ف۲۴ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی

بندوں میں ف۲۵ اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی تو بولے کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد

الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضر ہے؟ ف۲۶ میں اسے سخت سزا دے کر

شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾

رہوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ صاف عذر میرے سامنے پیش کرے ف۲۷

فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ف۲۸

وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً

اور میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں ف۲۹ میں نے ایک عورت کو دیکھا وہ ان پر

ف۲۲ چیونٹی نہایت ذہین جانور ہوتی ہے۔ جیسا کہ ماہرین فن کا بیان ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ نیز پارۂ ہذا کے صفحہ ۷۸۵ پر ضمیمہ — حیوانات سے عقل کی بالکلیہ نفی کرنا قول بلا دلیل ہے اور چیونٹی کے متعلق تو یہ خیال خلاف دلیل بھی ہے۔ چیونٹی کے باب میں تو ماہرین فن کا بیان ہے کہ ”تنظیم و تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت و ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مربوط و مکمل ہوتی ہے“ منطق الطیر کا علم تو حضرت سلیمان کو حسب تصریح قرآنی تھا ہی، اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ بھی حیوانات کی بولیوں کا علم آپ رکھتے تھے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ سلیمان نبی معصوم تھے۔ ارادی ظلم آپ سے ممکن ہی نہ تھا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اسی دفع دخل کے لیے ہے۔ یعنی یہ زیادتی بے خبری اور لاعلمی کی حالت میں ان کے لشکریوں سے نہ سرزد ہو جائے۔ ضمناً یہ بھی آیت سے نکل آیا کہ علم غیب ہرگز کوئی جزو نبوت نہیں (چہ جائیکہ جزو ولایت!) اس قصہ کے حوالے اسرائیلی مذہبی نوشتوں میں بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۲۳ (کہ اللہ رے احتیاط و دور اندیشی!) ضَاحِكًا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے ثبوت ضحک کا انبیاء علیہم السلام سے ملتا ہے، اور حدیث نبوی میں جو اس کی نفی آئی ہے مراد اس سے نفی عادت ضحک کی ہے نہ کہ نفی بالکلیہ۔ تَبَسَّمَ ضَاحِكًا۔ ترکیب سے بعض اہل تفسیر نے بات یہ پیدا کی ہے کہ تبسم تو آپ نے اپنی عادت و معمول کے مطابق کیا، پھر وہ تبسم اضطراراً ضحک کے درجہ تک پہنچ گیا۔ ف۲۴ یعنی عمل مقبول عنایت ہو۔ نِعْمَتَكَ ...... وَالِدَیَّ۔ نعمتوں سے مراد نعمت ایمان و نعمت علم ہیں۔ اور جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے نعمت نبوت بھی۔ جانوروں کی گفتگو سمجھ لینا ایک معجزہ اور نعمت عظیم ہے۔ حضرات انبیاء اپنے ان کمالات پر اتراتے نہیں جاتے بلکہ انہیں ایک نعمت سے دوسری نعمتوں کا استحضار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا۔ قرآن مجید کی یہ ساری صراحتیں توریت موجودہ کے ان بیانات کی تردید کر رہی ہیں، جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایمان اور اخلاق کو مجروح کیا گیا ہے۔ ف۲۵ (اور کبھی بھی اس نعمت قرب کو بعد سے تبدیل نہ کر) رَحْمَتِكَ۔ رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے اور الصّٰلِحِیْنَ سے مراد اعلیٰ درجہ کے نیک بندے یعنی انبیاء ہیں۔ ف۲۶ ہدہد ایک معروف پرندہ ہے، سر پر کلغی لئے ہوئے، جو ہندوستان کے ان اطراف میں موسم برسات میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ جاڑوں میں مصر اور مضافات مصر کو چلا جاتا ہے اور مارچ کے مہینہ سے پھر فلسطین میں آ جاتا ہے۔ اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۲۷ یعنی وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر میرے سامنے پیش کر دے تو البتہ سزا سے بچ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سپرد بھی کچھ خدمات تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حاضری محض انضباط و انتظام کے لئے لی گئی ہو۔ اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ ..... مُّبِیْنٍ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہاں صرف اپنا ارادہ مشروط ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر ملزم کوئی عذر ہی نہ پیش کر سکا، یا پیش بھی کیا تو بہت ضعیف تو وہ قابل تعزیر ہوگا۔ کوئی حکم شرعی نافذ نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فقہ اسلامی میں تو غائب پر قضا جائز نہیں، پھر یہ نبی کیسے غائب پر قضا جاری کر رہے ہیں۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ سے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حیوانات کو تعلیم کے لئے تادیب جائز ہے، اور دفع اذیٰ کے لئے قتل بھی جائز ہے، لیکن وہیں جہاں تادیب و دفع اذیٰ مرتب ہو ورنہ نہیں۔ چنانچہ ہدہد عفی ہے کہ اب نہ وہ قابل تادیب ہے اور نہ اس سے کوئی ایذا پہنچتی ہے۔ ف۲۸ یہ بات ایک نبی سے ایک امتی ہی نہیں، حیوان کہہ رہا ہے، اور قرآن مجید اس دعوے کو بلا شائبہ تردید دہرا رہا ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہدہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری کسی نافرمانی کی بنا پر نہیں، بلکہ کار سرکاری سے تھی۔ ف۲۹ ملک سبا، عرب کے مغربی جنوبی علاقہ کو کہتے ہیں۔ تقریباً وہی ملک جہاں آج یمن، حضرموت، عسیر واقع ہیں۔ اپنے زمانہ میں بڑا زرخیز و متمول ملک رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے ف۳۰

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں ف۳۱

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما کر رکھے ہیں سو انہیں راستہ سے ہٹا دیا ہے

فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ

چنانچہ وہ (راہ) ہدایت پر نہیں چلتے ف۳۲ یعنی اللہ کی عبادت نہیں کرتے جو باہر لاتا ہے

الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا

آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو

تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

سب کو جانتا ہے ف۳۳ اللہ (وہ ہے کہ) سوا اس کے کوئی معبود نہیں، مالک ہے عرش عظیم کا ف۳۴

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

(سلیمان نے) کہا ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

(اچھا تو) یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کے پاس ڈال دینا پھر ان کے پاس سے (ذرا) ہٹ جانا

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ

پھر دیکھنا آپس میں کیا سوال جواب کرتے ہیں ف۳۵ (بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک

اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ

معزز خط ڈالا گیا ہے ف۳۶ وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ یہ ہے

ف۳۰ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔ اس کی دولت و امارت، ساز و سامان کے لئے انگریزی تفسیر القرآن ملاحظہ ہو۔ عَظِیْمٌ۔ عظیم جو تخت کی صفت آئی ہے اس سے مراد گرانقدر اور بیش بہا بھی ہو سکتا ہے اور جسامت کے اعتبار سے بے حد بڑا بھی۔ اِمْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ۔ بجائے بادشاہ کے ملکہ کی فرمانروائی دنیا میں کوئی نو پیدا شے نہیں۔ جاہلی قوموں میں بہت قدیم زمانہ سے یہ ہوتا آیا ہے۔ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ۔ کُلِّ شَیْءٍ سے یہاں بھی مراد انہیں چیزوں کی کثرت و افراط ہے جو ملکہ کو اپنے جاہ و حشم کے لئے ضروری تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹ اِمْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ۔ عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دے دینا یہاں تک کہ انہیں پورے ملک کی ملکہ یا فرمانروا بنا دینا، یورپ کی ایجاد نہیں۔ مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانہ میں رہا ہے اور مصر، کلدانیہ، ایران کی جاہلی حکومتوں کے ہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آکر بریک لگایا، اور اس دستور کو ناجائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کی صاف حدیث آئی ہے لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاری۔ کتاب الفتن) وہ قوم فلاح یاب نہ ہوگی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کئے ہوئے ہے۔ ف۳۱ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس ملک میں سورج اور دیوتا سمجھے جاتے تھے۔ معبود اعظم سورج دیوتا تھا۔ جو دنیا کی بہت سی قوموں کا معبود اعظم رہ چکا ہے۔ ف۳۲ (اور راہِ ہدایت پانے کی کوشش درجۂ ضروری میں بھی نہیں کرتے) زَیَّنَ ..... اَعْمَالَھُمْ۔ جیسا کہ ہر جاہلی اور خدا فراموش و آخرت فراموش قوم اپنی دنیوی، مادی ترقیوں میں مست اور مگن رہا کرتی ہے، یہ متمدن قوم بھی تھی۔ فقہاء و صوفیہ نے چونکہ یہ سارا قول ہدہد پرندہ ہی کا قرار دیا ہے۔ اس لئے اس سے نتیجہ بھی یہ نکالا ہے کہ بقدر ضرورت علم و معرفت حیوانات میں بھی موجود ہوتا ہے۔ ف۳۳ (اے انسانو!) اَلَّذِیْ یُخْرِجُ ..... وَالْاَرْضِ۔ یَعْلَمُ ..... تُعْلِنُوْنَ۔ یعنی اس کی قدرت بھی کامل اور اس کا علم بھی ہمہ گیر..... جاہلی مشرک قوموں کو مغالطہ عموماً انہیں دو صفات باری کے باب میں پیش آتا رہا ہے۔ اس لئے یہاں کھل کر دونوں کا اثبات کیا گیا۔ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پوشیدہ چیزوں کو آسمان، زمین سے نکالتا رہتا ہے، مثلاً پانی کو آسمان سے اور نباتات کو زمین سے۔ اَلَّا یَسْجُدُوْا۔ اس ترکیب سے مفہوم وجوب سجدہ کا لیا گیا ہے قال اھل التحقیق قولہ الا یسجدوا یجب ان یکون بمعنی الامر (کبیر) ف۳۴ (جس کے آگے تخت ملکۂ سبا کی حقیقت ہی کیا ہے) امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ملکۂ سبا کے تخت کو جو عظیم کہا گیا تھا وہ باعتبار معاصر ملوک و سلاطین کے تھا۔ اور یہاں جو عرش الٰہی کو عظیم کہا جا رہا ہے، یہ جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں ہے۔ ف۳۵ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں اچھا ابھی امتحان ہوا جاتا ہے، یہ خط لے کر جا، بس حقیقت حال معلوم ہوئی جاتی ہے کہ تیرا بیان صحیح ہے یا غلط..... پرندوں کے ذریعہ سے خطوط رسانی کا طریقہ دنیائے قدیم میں عام رہا ہے۔ اور کبوتروں سے تو یہ خدمت یورپ میں آج تک لی جا رہی ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْھُمْ۔ ہٹ جانے کا حکم جو ہدہد کو دیا گیا، اس میں تعلیم ہے تہذیب و ادب مجلس ملوک کی (تھانوی) لیکن یہ مقصود بھی ہو سکتا ہے کہ غیر ملک کے سفیر کے بالکل سامنے وہ لوگ آزادی سے بات چیت نہ کر سکیں گے۔ ف۳۶ کَرِیْمٌ۔ مکتوب کو معزز یا تو اس کے مضمون کی عظمت کے لحاظ سے کہا گیا ہے، اور یا اس لحاظ سے کہ اس کا بھیجنے والا معزز تھا۔ بکرم مضمونہ او مرسلہ (بیضاوی) حسن مضمونہ وما فیہ او لانہ من عند ملک کریم (مدارک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس
مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا
مطیع ہوکر چلے آؤ ‏ف۳۷ (پھر) بولی اے اہل دربار مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کبھی کسی معاملہ کا
كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا
فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم (میرے پاس) موجود نہ ہو ‏ف۳۸ وہ لوگ بولے ہم بڑے طاقتور
قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا
اور بڑے لڑنے والے ہیں لیکن اختیار آپ ہی کو ہے آپ ہی دیکھ لیجیے آپ کو
تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
کیا حکم دینا ہے ‏ف۳۹ وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ
تو اسے تہ وبالا کردیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کردیتے ہیں اور اسی طرح
يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ
(یہ لوگ) کریں گے ‏ف۴۰ اور میں ان لوگوں کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں کی
بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ
کہ ایلچی کیا (جواب) لے کر آتے ہیں ‏ف۴۱ سو جب وہ (ایلچی) سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے کہا
اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ؗ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ
کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو؟ سو اللہ نے مجھ کو جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس
بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
نے تم کو دیا ہے البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو گے! تو لوٹ جا ان لوگوں کے پاس، ہم ان پر ایسی فوجیں

ع ۲ / ۱۷

ف۳۷ خط کے مخاطب ملکہ کے علاوہ اعیان سلطنت بھی ہیں۔ اور حبعاً جملہ اہلِ سبا۔ اسی لئے صیغہ جمع مخاطب کا ہے۔ اُتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ سے مراد جسمانی حاضری نہیں۔ محض دعوت اسلام واطاعت مقصود ہے المراد من المسلم اما المنقاد او المؤمن (کبیر) اے مومنین او منقادین (بیضاوی) یہ ضرور نہیں کہ خط کی عبارت بجنسہ یہی ہو۔ قرینہ روایت بالمعنٰی کا ہے۔ یہود کے مقدس نوشتہ تالمود میں جو عبارت مکتوب دی ہوئی ہے، اس کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مضمون مکتوب کے اس ایجاز سے امام رازی علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ کلام انبیاء میں طوالت نہیں ہوتی۔ بلکہ نفس مطلب پر اکتفا ہوتا ہے۔ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام لا یطیلون بل یقتصرون علی المقصود و ھذا الکتاب مشتمل علی تمام المقصود (کبیر)

ف۳۸ (اور اس معاملہ میں شریک نہ ہولو) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سبا کا آئین حکومت جمہوری یا شورائی طرز کا تھا۔ ف۳۹ یعنی ہم تو صلح و جنگ ہر صورت میں آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہی ہیں، جو راہ چاہے اختیار کیجئے۔ باقی جنگی اعتبار سے آپ کمزور نہیں۔ ف۴۰ (اس لیے سردست جنگ تو مناسب نہیں) ملکہ، ہر جنگ عظیم کے نتائج، کشت وخون، تباہی و بربادی سے خوب واقف ہے، اس لیے جنگ سے بچنا چاہتی ہے۔ صاحب خلاصۃ التفاسیر (متوفی غالباً ۱۹۰۵ء) اپنے استاد عالی مقام، فخر المتاخرین مولنا عبدالحی فرنگی محلی علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ انہوں نے اس آیت کے سبق میں فرمایا کہ "مناسب نہیں کہ آدمی انقلاب کا خواہاں رہے، بلکہ یوں دعا کرے کہ اے اللہ بادشاہ وقت کو ایسی ایسی توفیق دے، یہ ہدایت کر، اور یوں نہ کہے کہ یہ بادشاہ معزول اور فلاں فرمانروا ہو۔ اس لیے کہ اس میں ہزار ہا بے جرم وخطا ارباب شرف وذکا پس جاتے ہیں"۔ ف۴۱ ملکہ نے کہا کہ سردست تو میں اپنی طرف سے صلح و دوستی کی طرح ڈالتی ہوں، تحفہ تحائف دے کر کسی کو بھیجتی ہوں اس کا جواب آنے پر مکرر غور ہوگا۔ روایات یہود میں ہے کہ ملکہ بلقیس نے یہ سفارت بحری راستہ سے روانہ کی۔ جس کے ساتھ علاوہ زر و جواہر کے چھ ہزار لڑکے اور لڑکیاں، ہم عمر، ہم قامت، ہم لباس بھی بطور غلاموں اور کنیزوں کے تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا (ذرا بھی) مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ

صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

ماتحت ہو جائیں گے ف٤٣ (سلیمان نے) کہا اے درباریو تم میں کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ

آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں ف٤٣ ایک شریر جن بولا

الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ

میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور میں

عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ

اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں ف٤٤ (اور) اس نے کہا جسے علم کتاب

الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا

حاصل تھا ف٤٥ کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے پھر جب (سلیمان نے)

رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ

اسے اپنے پاس رکھا دیکھا تو بولے یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے نفع ہی کے لئے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ

شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے کریم ہے ف٤٦ (پھر سلیمان نے) کہا

نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اسے اس کا پتہ لگ

ف٤٢ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دعوت تو اطاعت و اسلام کی دی تھی، یہ بلا اطاعت و قبول دعوت محض اظہار دوستی کیسا؟ یہ تو ایک صورت رشوت کی ہوئی۔ مال و قوت دونوں کے لحاظ سے تو میری سلطنت اللہ کے فضل و کرم سے بلقیس کے ملک سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، میں ان ہدایا و تحائف کو واپس کرتا ہوں اور عنقریب فوج کشی کر کے ان بے دینوں کو کچل ڈالوں گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ کافروں کے ہدیہ کو رد کر دینا، جب اپنی مصلحت اسی میں ہو مستحب ہے۔ لَا قِبَلَ لَهُمْ۔ قبل کے معنی طاقت، طاقت مقابلہ کے ہیں۔ اے لا یقدرون ان یقابلوھم (کبیر) اے لا طاقۃ و حقیقۃ القبل المقاومۃ و المقابلۃ (کبیر) اے لا طاقۃ لھم علی استقبالھا و دفاعھا (راغب) یقال لا قبل لی ھکذا اے لا یمکننی ان اقابلہ (راغب) اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ ذلت، یہ کہ جو کچھ شوکت و حکومت ہے وہ سب یہیں چھن چھنا جائے گی اور صغار، یہ کہ غلامی و اسیری میں بسر کرنا ہوگی۔ ف٤٣ وہ قاصد اب واپس پہنچ گیا ہے، اور حالات دربار سلیمان بیان کرتا ہے۔ بلقیس یہ سن کر حاضری کا قصد کرتی ہے۔ اس کی اطلاع حضرت سلیمان کو وحی الٰہی یا کسی اور ذریعہ سے آ جاتی ہے۔ اس وقت وہ یہ گفتگو اپنے اہل دربار سے کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اس خارق عادت کے ذریعہ سے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے کمالات باطنی کے ساتھ اپنی قوت اعجازی کا اظہار ہو۔ اس کے اعجازی پہلو کو سمجھنے کے لیے ملک یمن اور فلسطین کا درمیانی فاصلہ نظر میں رہے۔ بحری راستہ سے پہنچنے میں اس وقت مہینوں کا ذکر نہیں، دو دو تین تین سال لگ جاتے تھے! ف٤٤ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قوی اس لیے کہ وہ تخت لا کر دکھا دوں گا، لیکن اس پر بھی میں اسے لے آؤں گا۔ امین یوں کہ وہ بڑا قیمتی سہی، مرصع سہی، میں کسی طرح کی خیانت نہ کروں گا۔ عِفْرِيْتٌ۔ کے معنی شریر و سرکش قسم کے جن کے ہیں۔ ھو العارم والخبیث (راغب) مَقَامِكَ یعنی اپنے اجلاس سے۔ لفظی معنی مکان قیام کے ہیں، اور مقام جلوس کے بھی۔ المقام مقام القیام و زمانہ (راغب) قال الاخفش ان المقام المقعد (راغب) حضرت سلیمان روزانہ صبح سے دوپہر تک عدالت کیا کرتے تھے۔ ف٤٥ قَالَ.... الْكِتٰبِ۔ یہ کہنے والا کون تھا؟ اس باب میں اقوال مختلف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ کہنے والے جبرئیل یا اور کوئی فرشتہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وزیر سلطنت حضرت آصف تھے اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے اور جمہور نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ قالہ الجمہور (بحر) و ھو الاصح و علیہ الجمہور (مدارک) قال اکثر المفسرین ھو اصف بن برخیا (معالم) و ھو المشھور من قول ابن عباسؓ (کبیر) تیسرا قول ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان ہی تھے (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قرائن قوی قائم کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے لیکن مفسر ابن حیان نے اس قول کی تضعیف کی ہے۔ و من اغرب الاقوال انہ سلیمان علیہ السلام (بحر) الْكِتٰبِ سے مراد توریت بھی ہو سکتی ہے، اور کوئی دوسری کتاب بھی جس میں اسماء الٰہی کی تاثیرات درج ہوں — یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنس کتب الٰہی مراد ہے یا خود لوح محفوظ۔ المراد بالکتب جنس الکتب المنزلۃ او اللوح (بیضاوی) ف٤٦ (اسے نہ کسی کی شکر گزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان، جود و کرم تو بہرصورت اس کا شیوہ ہے) ملکہ کا تخت خواہ حضرت کی دعا سے، خواہ کسی اور خارق عادت طریق پر سینکڑوں میل سے فی الفور منگوا آیا ہے۔ اس موقع پر آپ کی فطرت پیغمبرانہ جوش شکر گزاری سے لبریز ہو کر یہ الفاظ زبان پر لاتی ہے۔

الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا

جاتا ہے یا وہ انہیں لوگوں میں ہے جنہیں پتہ نہیں لگتا وف۴۷ پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت

عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا

ایسا ہی ہے؟ وہ بولی کہ ہاں یہ تو گویا وہی ہے وف۴۸ اور ہم کو تم (ایمانی) اس کے پیشتر ہی (حاصل) ہو چکا ہے

وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ

اور ہم مطیع ہو چکے ہیں وف۴۹ اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا

روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم کی تھی وف۵۰ اس سے کہا گیا

ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ

کہ محل میں داخل ہو تو جب اس نے اس کو دیکھا اسے پانی خیال کیا وف۵۱ اور اپنی دونوں پنڈلیاں

عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ۬

کھول دیا وف۵۲ (سلیمان نے) کہا یہ تو ایک محل ہے شیشوں سے بنا ہوا وف۵۳

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ

وہ بولی اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ (ہو کر)

سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ

اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی وف۵۴ اور ہم نے قوم ثمود کے پاس

اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ

ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو وف۵۵ سو ان میں دو فریق ہو گئے

یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ

باہم جھگڑنے والے وف۵۶ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی

وف۴۷ (تا کہ اس سے خود ملکہ کے عاقل وذہین ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے) وف۴۸ ملکہ نے جواب بڑی فہم و دانش سے دیا۔ نہ سرے سے انکار ہی کر دیا، اور کہہ دیا کہ نہیں وہ نہیں ہے۔ اور نہ جھٹ اقرار کر لیا کہ ہاں یہ تو وہی ہے۔ بلکہ جواب بین بین دیا۔ کہ ہاں یہ ہے تو اسی کی مثل، اسی جیسا۔ گویا اس کے اصل مادہ اور موجودہ بدلی ہوئی ہیئت، دونوں کی رعایتیں ملحوظ رکھ لیں۔ توریت میں بھی دربار سلیمانی میں ملکہ بلقیس کی حاضری کا ذکر ہے (۱۔ سلاطین ۱۰:۱۔ ۱۳) مگر قرآن مجید سے ایک بالکل مختلف صورت میں۔ وف۴۹ ملکہ کہتی ہے کہ ہم لوگ اس معجزہ کے صدور سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں، اور دل سے آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ اُتینا۔ علم یہاں علم توحید و نبوت کے معنی میں ہے۔ **العلم بالله و بصحة نبوة سليمان قبل هذه المعجزة** (کبیر) وف۵۰ قرآن بتاتا ہے کہ ایسی عاقل و صاحب فہم خاتون جو چند روز تک ایمان نہیں لائی، سوا اس کے بت پرستی، خدا پرستی سے روکے رہی تھی، غیر اللہ کی عبادت کی عادت روکے رہی تھی، اور عادت اس لیے پڑی تھی کہ آنکھ کھول کر اس نے اردگرد کفر ہی کفر دیکھا تھا۔ وف۵۱ ''اس کو دیکھا'' یعنی محل کے صحن کو دیکھا۔ عبارت میں مضاف مقدر ہے۔ یہ صحن شفاف شیشہ سے بنا ہوا تھا، دیکھنے میں پانی کی طرح جھلملا رہا تھا۔ وف۵۲ (جیسا کہ عموماً دامن اٹھانے اور پائنچے سمیٹتے وقت ہو جاتا ہے) یہ پائنچا اٹھانے اور دامن سمیٹنے کا ذکر تالمود اور روایات یہود میں بتصریح مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بغرض نکاح عورت پر نظر کرنے کی اجازت کی احادیث میں تو صراحت ہے ہی۔ فقہاء نے استنباط قرآن کے اس مقام سے بھی کیا ہے۔ وف۵۳ (اور اس کا صحن تک شفاف شیشوں سے پٹا ہوا ہے۔ دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں) قصر سلیمانی کے تجمل و تزئین کا نقشہ، جو بعض قدیم یہودی مورخ کے حوالہ سے، انگریزی تفسیر میں درج ہو چکا ہے۔ وف۵۴ ملکہ حضرت سلیمان کی روحانی عظمت و نبوت کی قائل تو پہلے ہی ہو چکی تھی، اب جب یہ مشاہدہ کر لیا کہ دنیوی سلطنت و نباس و حشم میں بھی سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ مجھ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، اور ایسے کی محافظت دوسرے خطرات سے پناہ دینے میں کافی ہو جائے گی، تو اب کھلم کھلا ایمان لے آئی۔ مَعَ سُلَیْمٰنَ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے طریق پر۔ اَسْلَمْتُ۔ ''کُنَّا مُسْلِمِیْنَ میں بھی اقرار ایمان کا ہے۔ مگر اس سے مقصود اخبار ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغہ سے حاصل ہوا ہے'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے۔ (۱۔ سلاطین۔ ۱۰:۶۔ ۹) نیز ۲۔ تواریخ۔ ۹:۸۔ روایات یہود میں ہے کہ اس کے بعد ملکہ بلقیس حضرت سلیمان کے عقد میں آ گئیں۔ اور روایات اسلامی بھی اس باب میں کچھ ایسی ہی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید و حدیث صحیح اس باب میں خاموش ہیں۔ **والاظهر في كلام الناس انه تزوجها، و ليس لذلك ذكر في الكتب ولا في خبر مقطوع بصحته** (کبیر)

وف۵۵ (شرک و کفر چھوڑ کر) قوم ثمود و حضرت صالح دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ وف۵۶ (دین کے باب میں) یعنی بجائے اس کے کہ سب کے سب دعوت توحید پر متفق ہو جاتے، صرف ایک فریق ایمان لایا۔ باقی لوگ ان سے جھگڑنے لگے۔

قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

مانگ رہے ہو؟ و۵۷ تم لوگ اللہ سے مغفرت ہی کیوں نہیں طلب کرتے جس سے

تُرْحَمُونَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ

تمہارے اوپر رحمت ہو وہ بولے ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں و۵۸ (صالح نے) کہا

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ

تمہاری نحوست تو اللہ کے علم میں ہے البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں پڑو گے و۵۹ اور

فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے

وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

اور اصلاح نہ کرتے تھے و۶۰ وہ بولے آپس میں خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح

وَأَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهٖ

اور ان کے متعلقین کو جا ماریں گے، پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے و۶۱ کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے

وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا

جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور (ہماری چال کی) انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ و۶۲ سو دیکھئے ان کی چال کا کیا

مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا سو یہ ان کے

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً

گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے باعث بےشک اس (واقعہ) میں بڑا نشان ہے و۶۳

و۵۷ الحسنۃ یعنی توبہ و ایمان یا عافیت و رحمت۔ المراد بالحسنۃ الثواب (کبیر) العافیۃ والرحمۃ (معالم) السیئۃ یعنی عذاب۔ المراد بالسیئۃ العقاب (کبیر) البلاء والعقوبۃ (معالم) حسب دستور یہ کافر قوم بھی بجائے ایمان لانے کے یہی کہنے لگی کہ عذاب ہے کہاں؟ لا کر دکھاؤ عذاب، اگر سچے پیمبر ہو! قبل یہاں بھی پیشتر کے بجائے ”بجائے“ کے معنی میں ہے۔ و۵۸ (کہ جب سے تم نے یہ نیا مذہب کھڑا کیا ہے قوم میں انتشار پیدا ہو گیا ہے) و۵۹ (اپنے اسی کفر کی بدولت) طٰٓئِرُكُمْ۔ نحوست یعنی اسباب نحوست۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے اعمال کفریہ اللہ کو خوب معلوم ہیں اور موجودہ مسائل انکی اعمال کفریہ کا ثمرہ ہیں — سو ابھی کیا ہوا ہے، ابھی تو تمہیں اس کفر کی بدولت عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ طائرکم ای السبب الذی منہ یجیء خیرکم و شرکم عند اللہ (کبیر) و۶۰ یعنی وہ سرتا سر مفسد ہی مفسد تھے۔ صالحیت کی صلاحیت بھی گویا ان میں نہ تھی۔ و۶۱ (جو خون کا دعویٰ کرے گا) یہ ولی یا قریب ترین وارث اگر مومن ہی ہوگا، اور یا پھر محض غیرت قرابت سے طالب قصاص ہوگا۔ المراد بہ طالب ثارۃ من ذی قرابتہ اذا قتل (روح) و۶۲ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّہٖ مَا شَہِدْنَا، اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ، وَمَکَرُوْا مَکْرًا۔ سرکش جاہلی قومیں جس طرح دولت ایمان و توحید سے معریٰ ہوتی ہیں، عموماً اسی طرح راستی و دیانت و اخلاق سے بھی کوری رہتی ہیں۔ و۶۳ (اللہ کی قدرت و حکمت اور انبیاء کی صداقت کا) مدائن صالح کے کھنڈر ملک شام جاتے ہوئے تجارت پیشہ اہل مکہ کے قافلوں کی راہ میں برابر پڑتے رہتے تھے۔

ضمیمہ ۱۹پ بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ۲۲

چیونٹی

(روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد کے سائنسی کالموں سے)

چیونٹی بظاہر بڑی حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بیکار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے! حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے۔ دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!— کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے دور کرتی اور احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں— اس قوم میں بھی حیدرآباد کا نظام جاگیرداری موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈا کرتے ہیں!

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت بھی اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphieds) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں۔ بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھالاتی ہیں اور ان کے انڈے بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قوی مزدور اور رضا کار ان کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں۔ یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا ابھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لیے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سر کنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لیے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتی ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے— یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں!! ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آ کر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آئیے

اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے۔ یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھالاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس خصوص میں ایک بڑا دلچسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (۳۰) "جاگیردار چیونٹیوں" کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو خدا نے ان کو دی نہ تھی دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لب گور، سکت جواب دے چکی تھی۔ چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی— ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آ گیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لیے زمین میں ایک گھر بنالیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی، بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا، اور دیکھتے دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہوگئی!!

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار۔۔۔ یہ امر تو ہمیں بہت قدیم سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے۔ لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لیے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بلکہ ان کو باضابطہ طریقوں سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے!

ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابلہ میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لیے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پٹھا بنا لیتی ہیں یہ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فیٹ ہوتی ہے۔ اس پٹھے کے اطراف تین چار فیٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے— جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو! اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے، اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بیکار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں۔ یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت کچھ ملتی ہوتی ہے۔ فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر پھینک دیا جاتا ہے!!

اگر گودام میں نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے! یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک کک نے ۱۸۷۷ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا— یہ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اَن دیکھے خدا کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں اور ہم نے ایمان و تقویٰ والوں کو

يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

نجات دے دی ف٦٤ اور لوط (کو بھی ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ ارے

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو درآنحالیکہ سمجھ رکھتے ہو ف٦٥ ارے! تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا

عورتوں کو چھوڑ کر! مگر ہاں تم لوگ بھی جاہلیت میں (پڑے) ف٦٦ سو

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ

ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط والوں کو اپنی بستی

لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾

سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے لوط اور ان کے متعلقین کو نجات دے دی

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ

بجز لوط کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے رہ جانے والوں میں

الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

تجویز کر رکھا تھا اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسا دیا سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے سو ان کے لئے یہ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ

کیسا برا ہوا! ف٦٧ آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں ف٦٨

ف٦٤ نجات اپنے عذاب سے بھی، اور نجات کفار کی سازش قتل سے بھی۔

ف٦٥ یعنی یہ تو بہت موٹی اور معمولی سمجھ بوجھ کی بات ہے۔ اس حرکت کے بیہودہ ہونے میں کسی قسم کا خفاء یا غموض نہیں۔ وَلُوْطًا میں عامل مقدر ہے۔ یعنی وَاَرْسَلْنَا لُوْطًا قصۂ لوط و قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ٨) میں گزر چکے۔

ف٦٦ دین فطرت کی طرح دین جاہلیت کا بھی ایک مستقل نظام ہے، زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی، جاہلی عقائد، جاہلی عبادات جاہلی اخلاق، جاہلی معاملات وغیرہا۔ اسی جاہلی اخلاق و معاشرت کا ایک مظہر غیر طبعی بہیمانہ شہوت رانیاں بھی ہیں۔ جن سے ہر سلیم الفطرت انسان ہی کو نہیں، حیوانات تک کو گھن آتی ہے۔ آج جاہلیت فرنگ میں پھر یہی بدکاریاں نئے نئے خوشنما ناموں کے ساتھ دنیا کے سامنے لوٹ کر آرہی ہیں۔ اَتَاْتُوْنَ اور اَئِنَّكُمْ دونوں میں ہمزہ استفہام کمال استعجاب کے لیے ہے۔ ترجمہ میں "ارے" دونوں جگہ اسی مفہوم کے لیے ہے۔

ف٦٧ (اور یہ اس لیے کہ یہ بدنصیب اس پر ذرا ملتفت نہیں ہوئے تھے) تفسیر آلِ لُوْطٍ اور عذاب قوم لوط وغیرہ پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف٦٨ آگے ایک مستقل خطبہ توحید پر آرہا ہے، یہ ایک آیت اس کے مقدمہ یا تمہید کے طور پر ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی زبان پر لانے کا یہ حکم عین ہلاکت کفار کے موقع پر مل رہا ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے توجہ دلائی ہے۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مزید استنباط یہ کیا ہے کہ معاندین کی ہلاکت پر مسرور ہونا جب کہ اس کا باعث دنیا نہ ہو اخلاق فاضلہ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ بحمد اللہ جمعہ ١١ شوال ١٣٦٢ھ مطابق ٩ ؍ اگست ١٩٤٣ء کو قبل نماز جمعہ اس انیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ١٧ جمادی الاولیٰ ١٣٦٩ھ مطابق ٧ مارچ ١٩٥٠ء کو قبل نماز ظہر۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ
(آیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے
السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ
پانی اتارا اور اس کے ذریعہ سے بارونق باغ اگائے
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
(ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگا دو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے وٞ۲۹ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا
وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ
اور اس کے درمیان ندیاں بنائیں اور زمین کی خاطر پہاڑ بوجھل بنائے اور دو دریاؤں کے
بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
درمیان حد فاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ
سمجھتے ہی نہیں وٞ۳۰ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے
وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ
اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ
مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ
کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو وٞ۳۱ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو تمہیں راستہ سجھاتا ہے
فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا
خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے

وٞ۲۹ (چنانچہ اس معاملہ میں بھی توحید کی سیدھی راہ چھوڑ بیٹھے) آیت ءقل سے لے کر کئی آیتوں تک مسلسل مضمون توحید کا چلا گیا ہے۔ اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید ہوتی گئی ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ آسمان و زمین سب کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا، وہ ایک اور یکتا خدا ہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی سیٹھہ دیوتا یا بارش کا خدا ہے، نہ ہوا و زراعت وغیرہ کے لئے کوئی دیوی دیوتا اور نہ زمین و آسمان کی خالقیت میں کوئی شریک۔ مَا كَانَ ... شَجَرَهَا۔ انسان خوب غور کر کے دیکھ لے، کاشتکاری ہو یا باغبانی۔ اس عظیم الشان نظام کے کسی جزء پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں صلاحیت قبول رکھنا اس کا کام ہے؟ کیا خاک میں قوت نمو رکھ دینا اس کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر اور مقام مناسب پر بارش لانا اس کے اختیار میں ہے؟ کیا بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگا دیں اس کے دخل و تصرف کی چیز ہے؟ درختوں، پودوں، سبزیوں کو آفتاب کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا اس کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض ہوا، سورج، پانی وغیرہ میں پیداواری کی صلاحیتیں اور تاثیرات رکھ دینا اور ان ساری استعدادوں کو ایک متعین درجہ میں اور مناسب حد تک قوت سے فعل میں لانا، ان میں سے کوئی بھی شے انسان غریب کے دخل و تصرف میں ہے؟ مَا كَانَ ... شَجَرَهَا میں جب اس کی نفی ہوگئی کہ اس نظام نباتی کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار کی ہے تو اب صاف تصریح یہ کی ہے کہ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ اچھا تمہارے اپنے بس کی نہ سہی تو پھر کیا کوئی اور غیر اللہ خدائی میں شریک ہے؟ يَعْدِلُوْنَ۔ عدول سے ہے جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔ من العدول بمعنى الانحراف اي بل هم قوم عادتهم العدول عن طريق الحق بالكلية فلذالك يفعلون ما يفعلون (روح) عن الحق الذي هو التوحيد (بیضاوی) ان آیات میں (اور اسی طرح اور بھی قرآن کے بے شمار مقامات میں) مسلسل دعوت دی گئی ہے، کائنات اور اس کے اجزاء و عناصر پر نظر کرنے کی۔ یہیں سے عارفین صوفیہ نے لکھا ہے کہ خلائق پر نظر مطلق صورت میں ممنوع نہیں۔ توحید کے منافی صرف وہ نظر ہے جو خود مقصود ہو۔ اور خلائق پر نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لئے ہو تو عین مطلوب ہے، اور توحید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ وٞ۳۰ چنانچہ اتنی موٹی سی بات کو نہ کلدانیہ والے سمجھے نہ مصر والے۔ نہ ہندوستان والے نہ ایران والے۔ نہ یونان والے نہ روم والے سب نے اپنے "کمال تہذیب" و "عروج تمدن" کے زمانہ میں پرستش دوسروں کی کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الْبَحْرَيْنِ۔ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان آیت هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ کا حاشیہ۔ لَهَا یعنی زمین کی خاطر۔ زمینی مصلحتوں کے لحاظ سے۔ اي لصلاح امرها (روح) وٞ۳۱ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ کی صفات خالقیت، ناظمیت و ربوبیت پر توجہ دلائی جا چکی۔ اس آیت میں اس کی صفات فریادرسی اور تصرف تکوینی یاد دلائی گئی ہیں۔ اور پچھلی آیتوں میں خطاب خاص اگر عام مشرکوں سے تھا تو اس میں مخاطبت خصوصی مسیح پرستوں، مریم پرستوں اور ہر قسم کے روح پرستوں اور پیر پرستوں سے ہے۔ يُجِيْبُ اور يَكْشِفُ سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتا ہے اور ہمیشہ مصیبت کو دور ہی کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی فریادرسی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ ما ازائد قلت کو مؤکد کرنے کے لئے ہے۔ ما مزيدة لتاكيد معنى القلة التي اريد بها العدم (روح)

بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

(دلوں کو) خوش کر دینے کے لئے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ

شرک سے وا۶۲ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا

آپ کہیے تم اپنے (دعوے پر) دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو و۶۳ آپ کہہ دیجیے کہ

يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ

اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے و۶۴ بات یہ ہے کہ آخرت کے باب میں

عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ

ان کا علم نیست ہو چکا بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں و۶۵ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم جب

تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے باپ (دادا بھی) تو کیا ہم (قبر سے) نکالے جائیں گے اس کا تو وعدہ

نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے یہ تو بس اگلوں کی بے سند

و۶۲ آیت میں ربوبیت تکوینی ہی کے بعض اور پہلوؤں کو نمایاں کر کے توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ رَحْمَتِهٖ۔ رَحْمَةٌ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یعنی المطر (بیضاوی) و۶۳ یعنی حق تعالیٰ کی صفات خالقیت، حاکمیت ورزاقیت تو ظاہر ہی ہیں تم اگر ان کا انتساب کسی اور کی جانب بھی کرتے ہو تو اپنے دعوے شرک پر کوئی دلیل بھی تو پیش کروا کر کر سکتے ہو۔ و۶۴ (چنانچہ یہ وقت قیامت کا تعین بھی انہیں مسائل غیب میں سے ہے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو تو بے بتائے سب کچھ معلوم ہے اور کسی دوسرے کو بے بتائے کچھ بھی معلوم نہیں۔ عقیدۂ آخرت اہم ترین عقائد میں سے ہے اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر کیا گیا۔ و۶۵ منکرین آخرت کے کئی طبقہ ہیں۔ قرآن نے ان کی نفسیات کی الگ الگ پوری تشریح کر دی۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا ظاہری، سطحی، مادی وحسی علم آخرت کے باب میں جواب دے جاتا ہے اور وہ طبقہ اپنے عدم علم پر قانع ومطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ لوگ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ کے مصداق ہیں۔ دوسرا طبقہ، عدم علم سے آگے قدم بڑھا کر اس عقیدہ پر جرح وقدح شروع کرتا ہے اور اس باب میں تشکیک وارتیاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ گروہ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا کے تحت میں آیا۔ تیسرا طبقہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں دلائل وشواہد کی طرف سے بند کر لیتا ہے اور اس کے برسر راہ آنے کی طرف سے قطعی مایوسی ہو جاتی ہے۔ ایسوں کے لئے کھلی ہوئی وعید بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ کی ہے۔

ع ۱

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

باتیں ہیں ف۷۶ آپ کہیے کہ تم زمین پر چلو (پھرو) پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَ لَا تَحْزَنْ

کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا ہے! ف۷۷ اور آپ ان پر غم

عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

نہ کیجیے اور جو کچھ یہ چالیں چل رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جیے ف۷۸

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور یہ پوچھتے ہیں کہ ف۷۹ یہ وعدہ (آخر) کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

آپ کہہ دیجیے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہی

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

آ لگا ہو ف۸۰ اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ

رکھنے والا ہے ف۸۱ لیکن اکثر انسان اس کا شکر نہیں ادا کرتے اور بے شک

رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے (اس کو)

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ

اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (اس کو) اور کوئی چیز مخفی آسمان اور زمین میں ایسی نہیں جو کتاب مبین میں

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى

درج نہ ہو ف۸۲ بے شک یہ قرآن نبی اسرائیل پر بہت سی ان

ف۷۶ (جو نہ آج تک واقع ہو کر رہی ہیں، نہ آیندہ ہو کر رہیں گی) اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر حاشیہ سورۃ الانعام پ۷ میں گزر چکا۔ ءَاِذَا كُنَّا۔ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔ ہمزۂ استفہام کی تکرار انکار میں تاکید و مبالغہ کے لیے ہے۔ و تکریر الهمزة للمبالغة فی الانکار (بیضاوی) ف۷۷ (اسی دنیا میں) مطلب یہ کہ جو قومیں خدا کی باغی یعنی توحید و آخرت کی منکر ہوئی ہیں، وہ باوجود اپنی ساری ظاہری شوکت و عظمت کے بالآخر اسی دنیا میں کیسی تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے قلعوں، ان کی عمارتوں، ان کے محلوں کے گرے پڑے، ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، ان کے آثار قدیمہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ۔ سیر فی الارض اگر تذکر د عبرت پذیری کی راہ سے یا اور کسی دینی غرض سے ہو تو خود ایک عبادت بن جاتی ہے۔ لیکن بغیر اس قسم کی کسی غرض و مقصود کے اگر محض تفریح اور تماشہ کے مد میں یا جغرافی معلومات کی فراہمی کے لیے ہے تو عبادت نہیں۔ ف۷۸ (بلکہ اسے مستحضر رکھئے کہ دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی برابر یہی معاملہ ہوتا رہا ہے) مشرکین معاندین کی مسلسل و شدید مخالفتوں کے دو ہی اثرات رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر پڑ سکتے ہیں۔ ایک آپ کا فرط شفقت سے ان کے حق میں غم کھانا اس کی تردید وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ میں آگئی۔ دوسرے آپ کے دل کا اس خیال سے کڑھنا کہ کہیں ترقی اسلام کی رفتار میں ان سے رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے سو اس کی پوری تردید وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ سے کر دی گئی۔ اکبر الٰہ آبادی (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) نے اپنے ایک شعر میں آیۂ کریمہ کے اس ٹکڑے کی خوب تضمین کی ہے۔

آگ ان کی خود ہی دے گی ان کو جواب   وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

ف۷۹ (طنز و استہزاء کے لہجہ میں) ف۸۰ چنانچہ قحط، قتل، ہزیمت وغیرہ کے تجربے تو اسی دنیا میں ہو کر رہے۔ رَدِفَ لَكُمْ پر نحوی حیثیت سے خاصی بحث ہوئی ہے۔ عام استعمال زبان میں بلا صلۂ لام کے ہے۔ ردفه امرء اردفه کما یقال تبعه واتبعه بعض اہل نحو نے کہا ہے لام اس وقت داخل کیا جاتا ہے جب اضافت کسی فعل کی جانب مقصود ہوتی ہے جیسے تعبرون و یرهبون میں للرءیا تعبرون ولربهم یرهبون (ابن جریر) اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معنی میں زور پیدا ہو گیا ہے اور معنی "قریب آ لگا" کے ہو گئے ہیں۔ ادخل اللام فی ذلک المعنی لان معناه دنالهم۔ ابن جریر نے یہ سب نقل کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے۔ و هذا القول الثانی هو اولهما عندی بالصواب (ابن جریر) سب سے بے تکلف اور بے غبار قول زمخشری کا ہے کہ ل یہاں تاکید کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہیں کہیں ب بھی تاکید کے لیے آئی ہے۔ زیدت اللام للتاکید کالباء فی ولا تلقوا بایدیکم (کشاف) اللام مزیدة للتاکید (بیضاوی) ف۸۱ (اور وہ عذاب کو بہت ٹالتا رہتا، اور مہلت بہت دیتا رہتا ہے)۔ اور کثرت سے منکروں پر، کافروں پر تو اس دنیا میں اس کی نعمتوں کی بارش آخر وقت تک جاری رہتی ہے۔ ہوا، بارش، روشنی، کھانا، پانی، کسی پر ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ ف۸۲ یعنی حق تعالیٰ کو براہ راست علم تو ہے ہی۔ باقی باضابطہ اور ظاہری طور پر بھی ہر چیز خداوندی رجسٹر میں درج ہے۔ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں ہر چیز چھوٹی بڑی، اگلی پچھلی لکھی ہوئی موجود ہے۔ وهو ام الکتاب الذی اثبت ربه کل ما هو کائن من لدن ابتداء خلق خلقه الی یوم القیامة (ابن جریر) ای فی اللوح المحفوظ (معالم)

وف۸۳ یعنی بنی اسرائیل پر بہت سے وہ حقائق روشن کر دیئے جن کے باب میں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا تھے۔ اور جن صداقتوں کو وہ بھلا چکے تھے انہیں پھر سے روشن کر دیا۔ یہود اپنے صحائف میں دانستہ و نادانستہ بہت کچھ تحریف و تصرف کر چکے تھے۔ قرآن نے سچے سچے فیصلے ان امور میں صادر فرما دیئے۔ نقضی یہاں کثیر کے معنی میں ہے۔ وف۸۴ یعنی ہدایت خاص و رحمت بالاختصاص۔ ورنہ عموماً ہدایت و رحمت تو ساری دنیا کے لیے ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہدایت باعتبار طاعت کے اور رحمت ہو ثمرات کے۔ وف۸۵ (اسے اپنے فیصلہ کے صادر کرنے اور نافذ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) یہاں فیصلہ سے مراد قیامت کے دن کا عملی فیصلہ ہے۔ ورنہ شرعی و عقلی فیصلہ تو آج بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔ وف۸۶ (اس لیے آپ معاندین منکرین کے مکر و کید کی مطلق پرواہ کیجئے اس عالم الغیب پر ان کی ایک ایک چال روشن ہے۔ امداد و نصرت اس قوت والے کی طرف سے ان کی نہیں آپ کی ہوگی) وف۸۷ (کوئی ایسی آواز و کلام جواب ان کے حق میں نافع ہو) مطلب یہ ہے کہ یہ معاندین تو مردوں کی طرح ہیں، ان سے توقع ہی فہم و ہدایت کی بیکار ہے انما شبهوا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم كما شبهوا بالصم (بیضاوی) بعض علماء نے آیت سے یہ مستنبط کیا ہے

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں وف۸۳

وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اور بے شک وہ ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے وف۸۴ بے شک آپ کا پروردگار

یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾

ان کے درمیان فیصلہ اپنے حکم سے کر دے گا اور وہ غلبہ والا ہے علم والا ہے وف۸۵

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾

سو آپ اللہ پر توکل رکھیے بے شک آپ صریح حق پر ہیں وف۸۶

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے وف۸۷ اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ

جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں وف۸۸ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ

ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ

دکھانے والے نہیں آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں پھر وہ (انہیں)

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا

مانتے ہیں وف۸۹ اور جب وعدہ ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے

لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

ایسا جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری

بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ؑ وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے وف۹۰ اور جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا

کہ مردے مطلقاً کلام نہیں سن سکتے۔ حالانکہ یہاں مقصود صرف تشبیہ ہے۔ اور اس کی بنا عرف و ظاہر پر ہے۔ کوئی مسئلہ فقہی بیان نہیں ہو رہا ہے اور پھر کافروں سے سمع و بصر کی نفی تو اور بھی متعدد مقامات پر قرآن میں آئی ہے۔ جس طرح وہاں مراد معرفت و ادراک کی نفی ہے یہاں بھی نفی سمع نفی قبول ہی پر محمول ہوگی۔ اس کے علاوہ موتٰی کا اطلاق تو جسد مردہ پر ہوتا ہے۔ روح کے سننے کی نفی تو اس سے بھی نہیں ہوتی۔ اور بعض محققین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ تسمع باب افعال سے ہے۔ یعنی تم ان میں قوت سماع نہیں پیدا کر سکتے اور سمع عادی جو نام ہے تصادم صوت و سامعہ کا وہ ظاہر ہے کہ مردوں میں مفقود ہے۔ وف۸۸ (اور سننا ہی نہ چاہیں) مقصود اس تشبیہ سے بھی اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے، بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کر لے تو کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہی نہیں فان اسماعهم في هذه الحالة ابعد (بیضاوی) یہ سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی جب حضرات انبیاء سے کی جا رہی ہے تو کسی شیخ یا مرشد غریب کے اختیار میں سب ہدایت کو دل میں اتار دینا ہے! وف۸۹ یعنی آپ کی تبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی ہو سکتے ہیں۔ وف۹۰ قرب قیامت کی علامتیں بہت سی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہیں۔ بہت سی عجیب و غریب چیزوں کا اس وقت ظہور ہوگا، اور عجیب چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ اپنے ظہور سے قبل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ تمام مادی ایجادیں ایسی ہیں جو پہلے سمجھ ہی میں نہیں آتی تھیں۔ جب ظہور میں آ گئیں، جب ہی سمجھ میں آ گئیں۔ جس قسم کے جانور کا یہاں ذکر ہے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور خود الفاظ قرآنی بھی یہی معنی چاہ رہے ہیں۔ یہ آخر ترین علامت اگر عجیب ترین بھی ہو تو اس میں عجب کیا ہے۔ حدیث میں اس عجیب ترین حیوان کا نام جساسہ آیا ہے۔ کافر اس وقت بالاضطرار اس خارق عظیم کی تصدیق کریں گے لیکن اضطراری تصدیق ظاہر ہے کہ مقبول نہ ہوگی۔ القول۔ قول یہاں عذاب و قیامت موعود کے معنی میں ہے۔ وهو ما وعدوا به من البعث والعذاب (بیضاوی) من الارض۔ آیت میں من الارض کا لفظ بہت قابل غور ہے اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش عام حیوانات کی طرح بطریق توالد و تناسل نہ ہوگی بلکہ یہ ازخود پیدا ہو جائے گا۔ وفي تفسير اخراجها بقوله من الارض نوع اشارة الى ما قيل ان خلقها ليس بطريق التوالد بل هو بطريق التولد (روح) دآبۃ۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ دآبۃ یہاں بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ گویا یہ ایک جانور نہ ہوگا بلکہ ایسے بہت سے جانور ہوں گے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور۔ روی انه يخرج في كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها في الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (بحر) حكي ابو حيان في البحر والدميري في حياة الحيوان رواية انه يخرج في كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها في الارض فليست دابة واحدة وعليه يراد بدابة الجنس الصادق بالمتعدد (روح) روى انها تخرج في كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها في الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (نہر) دآبۃ کے بارہ میں روایتیں نقل بہت سی ہوئی ہیں لیکن بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الٰہی اس باب میں بصراحت سے خاموش ہے۔ اب اگر کوئی بات قول رسول سے ثابت ہو جائے، وہ تو خیر مان لی جائے گی۔ باقی اور کوئی شے قابل التفات نہیں۔ اعلم انه لادلالة في الكتب على شيء من هذه الامور فان اصح الخبر فيه عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم قبل والا لم يلتفت اليه (کبیر)

فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے سو وہ صف بستہ کھڑے کر دیے جائیں گے و۹۱

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا

یہاں تک کہ جب (سب) حاضر ہو جائیں گے تو (اللہ ان سے) کہے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا درآں حالیکہ

بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ

تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے تھے، بلکہ اور ہی کیا کیا کرتے رہے تھے و۹۲ اور (اب) ان پر وعدہ

عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

پورا ہوگا بسبب اس کے کہ انہوں نے (بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے و۹۳ کیا انہوں نے اس پر

جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ

نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تا کہ اس میں لوگ آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بے شک

فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ يَوْمَ يُنْفَخُ

اس میں (بڑی) دلیلیں ہیں و۹۴ ایمان والوں کے لئے و۹۵ اور جس دن صور

فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى

پھونکا جائے گا سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں (سب) گھبرا

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

جائیں گے بجز اس کے جس کے لئے اللہ کی مشیت ہو و۹۶ اور سب اس کے آگے دبے جھکے حاضر ہوں گے

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِىَ تَمُرُّ مَرَّ

اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کے لئے خیال کر رہا ہے کہ وہ جنبش نہ کریں گے و۹۷ درآنحالیکہ وہ بادلوں کی طرح

السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ ؕ

اڑے پھریں گے و۹۸ یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے و۹۹

و۹۱ یوزعون کا مفہوم یہ ہے کہ اگلوں کو چلنے میں پچھلوں کے آملنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ تو یہ کثرت انبوہ سے ہے۔ کہ کثرت انبوہ کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ من کل امۃ میں من تبعیض کا ہے۔ ممن یکذب میں من تبیین کا ہے۔ و۹۲ مثلاً یہی کہ انبیاء و اہل ایمان کو ناحق ستایا، جو نفس تکذیب سے بھی بڑھا ہوا جرم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے جمع ہونے پر ان پر فرد جرم لگ جائے گی اور الزام یہ قائم ہوگا کہ تم نے سنتے ہی بلا تدبر و تفکر تکذیب شروع کر دی اور تکذیب ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اور بھی بہت کچھ کر گزرے۔ نظم میں ام منقطعہ ہے۔ یعنی بل کے معنی میں۔ وام هنا منقطعة بمعنی ان تعدی بل (بحر) و۹۳ یعنی ثبوت جرم اتنا قوی، قطعی اور یقینی ہوگا کہ جواب دہی کرنا چاہیں گے بھی تو کچھ نہ بن پڑے گی۔ لله وہ وقت نہ اس نامہ سیاہ خادم قرآن پر ڈالے نہ کسی اقرار شہادتین کرنے والے پر! بما ظلموا سے مراد کفر و شرک کی حرکتیں ہیں یا جامع لفظ میں یوں کہیے کہ تکذیب آیات الٰہی۔ هو التکذیب بآیات الله (بیضاوی) و۹۴ (امکان بعث و قیامت پر) شب کا آرام مشابہ ہے موت کے اور دن کی بیداری مشابہ ہے اخروی زندگی کے۔ امکان بعث یوں بھی ایک صریح و واضح حقیقت ہے۔ یہ روز مرہ کی نظیر اس امکان کو بہیں زیادہ قوی کر دیتی ہے۔ ''موت کی حقیقت ہے زوال تعلق روح عن الجسد اور حیات ثانیہ کی حقیقت ہے عود اس تعلق کا۔ اور نوم بھی من وجہ زوال ہے اس تعلق کا کیونکہ ضعف بھی اس شے کے مراتب وجود میں سے کسی مرتبہ کا زوال ہوتا ہے اور یقظ عود ہے اس تعلق زائل کا۔ پس دونوں میں تشابہ تام ہوا، اور ایک نظیر کے ساتھ قدرت کا تعلق مشاہد ہے اور یہ تعلق معلل کسی علت سے ہے نہیں بلکہ ذات واجب اس کو مقتضی ہے اور محل قدرت کا امتناع کسی دلیل سے ثابت نہیں اور امکان اولاً بدیہی ہے۔ پھر اس کی نظیر کا امکان اس بداہت کو اور قوی کرتا ہے پھر اس کے ساتھ تعلق قدرت میں کیا کلام ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لآیٰت۔ آیات بصیغۂ جمع فرمایا ہے حالانکہ بظاہر دلیل واحد ہے یا تو اس وجہ سے کہ مدلول متعدد ہے مثلاً امکان شب وصدق آیات شب تو ہر مدلول کے اعتبار سے گویا ایک ایک دلیل ہے اور یا بوجہ عظیم ہونے کے ایک دلیل بجائے کئی دلیل کے ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۹۵ یعنی یہ دلائل عقل و مشاہدہ پر مبنی عام تو ہیں سب ہی کے لئے لیکن نفع اس سے صرف اہل ایمان ہی اٹھاتے ہیں کہ وہی ان واقعات پر فکر و تدبر سے کام لیتے ہیں۔ و۹۶ یعنی عام ضابطہ تو یہی ہے کہ آواز صور سے ساری مخلوق کیا زمینی اور کیا آسمانی گھبرا اٹھے گی لیکن اللہ کی مشیت متعلق نہیں ہو جائے گی وہ جس سے متعلق بھی ہوگی وہ اس ہول شدید سے محفوظ رہے گا۔ و۹۷ (اور بیشک ظاہری نظر میں وہ ہیں بھی ایسے ہی بھاری بھرکم) و۹۸ یعنی نفخ صور جس طرح جانداروں پر اس قدر مؤثر ہوگا، بے جان چیزوں کو بھی متاثر اور درہم برہم کیے بغیر نہ رہے گا ان کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے، اور ان میں تخلخل واقع ہو کر رہے گا یہاں تک کہ اڑے اڑے پھرنے لگیں گے۔ حال کے ایک ہندی مفسر قرآن نے تمرّ کے صیغۂ مضارع کو بجائے مستقبل کے صرف حال کے معنی میں لے کر آیت سے حرکت ارض پر استدلال کیا ہے، اور آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ پہاڑ جو بظاہر بالکل جمے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ دراصل بادلوں کی سی تیزی کے ساتھ رواں ہیں — یہ معنی اگرچہ سیاق قرآنی سے بہت دور ہیں تاہم تفسیر بالرائے نہیں کہے جا سکتے اور جواز کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک رکھتے ہیں۔ و۹۹ ہر شے کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہی ہوا چاہیے جس وقت تک ان پہاڑوں کا قیام و بقا منظور ہے اپنی جگہ پر وہ کیسے جمے ہوئے رہتے ہیں اور جب حکمت کاملہ کو ان کا انہدام ہی منظور ہو جاتا ہے تو اب کاریگری کا عین تقاضا یہی ہے کہ ان کے اجزا میں انتہائی نرمی اور ڈھیلا پن پیدا ہو جائے۔ اتقن امرہ احکم خلقه و سواہ علی ما ینبغی (بیضاوی) صنع اللہ میں صنع مصدر مؤکد ہے جیسے وعد اللہ اور صبغۃ اللہ جن کا مؤکد محذوف ہے۔ (کشاف)

إِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

بے شک اسے تمہارے افعال کی پوری طرح خبر ہے و۱۰۰ جو کوئی نیکی (یعنی ایمان) لے کر آئے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

سو اس کو اس سے بہتر اجر ملے گا اور و۱۰۱ وہ لوگ اس روز کی (بڑی) گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے و۱۰۲

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ

اور جو شخص بدی (یعنی کفر) لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیے جائیں گے

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ

تم کو سزا اسی کرتوت کی مل رہی ہے جو (دنیا میں) تمہارے تھے (آپ کہہ دیجیے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے

اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ

کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں

كُلُّ شَيْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں و۱۰۳

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں سو جو کوئی راہ پر آئے گا وہ اپنے ہی نفع کے لیے راہ پر

لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ

آئے گا۔ اور جو کوئی گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

ہوں و۱۰۴ اور آپ کہہ دیجیے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے و۱۰۵ وہ تم کو اپنی نشانیاں عنقریب دکھا دے گا،

فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

سو تم انہیں پہچان لو گے و۱۰۶ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم (سب) کر رہے ہو و۱۰۷

و۱۰۰ اور مجازاۃ و مکافاۃ کی شرط اول یہی علم محیط و کامل ہے) و۱۰۱ یعنی جس اجر کا وہ مستحق ہے اس سے بھی کہیں بڑھ کر اسے اجر ملے گا۔ الحسنۃ کی تفسیر کلمہ توحید ہے اور اگلی آیت میں السیئۃ کی تفسیر شرک ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ صحابی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بہ کثرت تابعین سے یہی منقول ہے۔ والمراد بالحسنة على ماروى عن ابن عباس و ابن مسعود و مجاهد و الحسن والنخعي و ابي صالح و سعيد بن جبير و عطاء و قتادة شهادة ان لا اله الا الله (روح) بلکہ بعض صحابیوں سے تو اس معنی کی سند خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ عن ابي هريرة و عن كعب بن عجرة ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم فسرها بذلك (روح) اور اقرار توحید سے مراد اقرار مقبول ہے۔ والمراد بهذه الشهادة التوحيد المقبول (روح) و۱۰۲ یہ فزع صور کے نفخہ ثانی کے بعد ہوگا۔ فزع اولی مراد نہیں، وہ پہلا فزع طبعی ہوگا۔ اور اس دوسرے فزع کا تعلق مراتب ایمان سے ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ میں بھی ذکر اسی دوسرے فزع کا ہے۔ و۱۰۳ (جیسا کہ اب تک بھی رہا ہوں عقائد و اعمال دونوں میں) عبادت و تعمیل احکام سے جب سرور انبیاء مستثنیٰ نہیں تو ظاہر ہے کسی ولی، کسی بزرگ کا کیا ذکر ہے۔ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی شہر مکہ۔ اللہ تو سب ہی شہروں، ملکوں کا ہے۔ مکہ کی تخصیص سے مقصود مکہ کے مرتبہ کا شرف و اعزاز ہے۔ وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے، تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم و متبرک ٹھہرا دے۔ و۱۰۴ یعنی میرا کام تو صرف حکم پہنچا دینا، تبلیغ احکام کر دینا ہے۔ باقی جو کوئی مانے گا وہ خود اپنے اجر و ثواب و نجات کے لیے اور جو نہ مانے گا وہ بھی خود ہی بھگتے گا، میرا نہ اس سے کوئی نفع نہ اس سے کوئی ضرر۔ و۱۰۵ (اور قدرت، ملک، علم، حکمت، سارے صفات کمال اسی کے لیے ثابت ہیں، سو اس کے علم کے موافق جب حکمت کا مقتضا ہوگا وہ اپنی قدرت سے اپنی مخلوق میں قیامت واقع کر دے گا) اہل اشارات نے کہا کہ سورہ کے خاتمہ پر الحمد للہ لانے میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال و امور کا خاتمہ اللہ کی حمد و ثنا ہی پر کرنا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واجب ہے کہ قبول کو منسوب اللہ تعالیٰ کی جانب کرے اپنے مجاہدہ و عمل کی جانب نہ کرے۔ و۱۰۶ (اور اب انکار کر رہے ہو) اٰیٰتِهٖ سے مراد واقعات و احوال قیامت ہیں۔ بعض نے مراد فتوحات بدر وغیرہ بھی لی ہیں۔ اٰیٰته القاهرة في الدنيا او في الاٰخرة (بیضاوی) قال الحسن و ذلک في الاٰخرة و قال الكلبي في الدنيا (بحر) مقصود بہر صورت یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی مشاہدہ کر لو گے جب تو میری بات کا یقین کرو گے اور جب میری نصیحتوں کی قدر ہوگی۔ يريكم ربكم اٰيات عذابه و سخطه فتعرفون بها حقيقة نصحي كان لكم و يتبين صدق ما دعوتكم اليه من الرشاد (ابن جریر) و۱۰۷ (سو سب کو جزا و سزا بھی اس کے مطابق ملے گی) عاصیوں نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ارباب باطن نے اس میں اہل ذوق کے لیے بھی بڑی بشارت سمجھی ہے کہ اس سوز کی آہ و زاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں۔ بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔

آیاتہا ۸۸ | ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ | رکوعاتہا ۹

اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں سورہ قصص کی ہے اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا

طا۔ سین۔ میم یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں ہم آپ کو

عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ

موسیٰ و فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ

جو ایمان رکھتے ہیں ف۱ بے شک فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ

باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح

اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا واقعی وہ (بڑے) مفسدوں میں سے

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ

تھا ف۲ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کا زور

اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ

ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنائیں، اور انہیں (زمین کا)

الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ

مالک بنائیں ف۳ اور ہم انہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین

ف۱ یعنی نفع اس سے وہی اٹھائیں گے، سبق اس سے وہی حاصل کریں گے جو صاحب ایمان ہیں خواہ حقیقۃً یا حکماً، یعنی ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مِنْ نَّبَاِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ جیسا کہ ظاہر ہے، قصہ پورا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ بالکل صحیح و معتبر۔ توریت وغیرہ کے ذریعہ سے ناقص اور محرف قصہ پہلے سے مشہور تھا۔ ف۲ ملک سے مراد ملک مصر ہے۔ الْاَرْض کا اطلاق جس طرح سارے روئے زمین پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے ہر ٹکڑے پر۔ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یعنی بنی اسرائیل۔ یہ فرعون کونسا تھا، کس زمانہ میں تھا۔ اس کے مظالم کی کیا نوعیت تھی۔ اسی قسم کے سارے سوالات کے جوابات تفسیر کے ابتدائی حصوں میں آچکے ہیں۔ ف۳ یعنی ہماری مشیت میں یہ تھا کہ ہم انہیں دنیوی و دینی عروج دے کر رہیں۔ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً اس ارادۂ الٰہی کا ظہور دینی پیشوائی میں یوں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پر صحیفۂ آسمانی نازل ہوا۔ شریعت الٰہی اسی قوم پر اتری۔ انبیاء اس میں برابر پیدا ہوتے رہے۔ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ اس مشیت کا ظہور یوں ہوا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی اور آگے چل کر شام و فلسطین کی حکومت بھی مل گئی۔ نُمَكِّنَ ... الْاَرْض۔ بعض عارفوں نے اس سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ کمزور و مظلوم ہونا خود موجب التفات و نصرت الٰہی ہے۔

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿٦﴾

کو ان میں سے وہ کچھ دکھلائیں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے ۔ ف۴

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم انہیں دودھ پلاؤ، پھر جب

خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ

تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو ف۵ تو تم انہیں دریا میں ڈال دو اور نہ اندیشہ کرو اور نہ غم کرو

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾

ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور انہیں پیمبر بنا دیں گے ف۶

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم (کا باعث) بنیں ف۷

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿٨﴾

بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (بڑے) خطا کار تھے ف۸

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ

اور فرعون کی بیوی بولیں کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اسے قتل مت کرنا عجب کیا کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى

اور انہیں کچھ خبر نہ تھی (انجام کی) ف۹ اور والدہ موسیٰ کا دل

فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

بے قرار ہوا (ایسا کہ) قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے

ف۴ (اور اپنی قضا و قدر کے سامنے ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلنے دیں) ھٰامٰنَ۔ ھامان کا نام یہاں پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ یہ کون شخص تھا؟ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ مصر میں کوئی شخص اس نام کا تھا ہی نہیں۔ البتہ ایران میں ایک شخص اس نام کا گزرا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) قرآن نے دونوں میں خلط کر دیا۔ لیکن ہامان کو شخصی نام فرض ہی کیوں کیا جائے؟ جس طرح اس کا عطف ''فرعون'' کے ساتھ یہاں اور آگے چل کر بھی آیا ہے اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہرحال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام آمن (AMON) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی تلفظ میں ہامان ہی ہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۔ یعنی زوالِ سلطنت اور ہلاکت۔ اسی کا انہیں اندیشہ تھا اور یہی واقع ہو کر رہا۔ فِى الْاَرْضِ۔ یہ لازمی نہیں کہ اسرائیلیوں کو یہ تمکین و تمکن اسی ملک مصر ہی میں حاصل ہوا ہو۔ روئے زمین کے کسی حصہ میں بھی ہو جاتا، وعدۂ الٰہی کے تحقق کے لیے کافی تھا۔

ف۵ بنی اسرائیل کی اولاد ذکور تو چن چن کر قتل کی ہی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰ کی والدہ ماجدہ کو بھی قدرۃً یہ فکر پیدا ہوئی کہ اب ان کی بھی تلاش ہو گی۔ اس وقت ان کے دل میں بات غیب سے ڈال دی گئی۔ اَوْحَيْنَآ۔ وحی یہاں الہام یا القاء کے معنی میں ہے۔ ای القینا فی قلبھا (ابن قتیبہ) الوحی کل ما دللت علیہ من کلام او کتاب او اشارۃ او رسالۃ (ابن قتیبہ) اس اصطلاحی معنی میں نہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اس وحی کا ذکر سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ بہرحال نہ یہ وحی، وحی رسالت تھی اور نہ والدۂ حضرت موسیٰ نبی یا رسول تھیں۔ و لیس ھذا وحی رسالۃ ولا تکون ھی رسولا (مدارک) توریت میں ہے:۔ ''وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا اور جب آگے کو نہ چھپا سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارہ پر جھاڑ میں رکھ دیا۔'' (خروج۔ ۲: ۱۔ ۳)

ف۶ یعنی سردست تو یہ کرو کہ ان کی رضاعت بدستور کرتی رہو۔ پھر جب دیکھو کہ افشاء راز ہوا جاتا ہے تو ایک صندوق میں انہیں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دو۔ نہ ان کے ڈوب جانے کا اندیشہ کرو نہ ان کی مفارقت کا غم کرو، ہم ایسا انتظام کیے دیتے ہیں کہ عنقریب ہی یہ پھر تمہارے پاس پہنچ جائیں اور پھر ایک خاص وقت پر انہیں پیمبری عنایت کر دیں گے۔ لَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ۔ جس خوف و حزن سے یہاں ممانعت ہے وہ عقلی و اختیاری تھا، اس خوف و حزن کے علاوہ جو طبعی اور غیر اختیاری ہوتا ہے۔ فِى الْيَمِّ۔ یم سے یہاں مراد مصر کا مشہور اور لمبا چوڑا دریائے نیل ہے۔ جو اسرائیلیوں کے محلہ سے ہوتا ہوا عین شاہی محل کے دامن سے گزرتا تھا۔

ف۷ حضرت موصوفہ نے ان ہدایتوں پر عمل کیا۔ دریائے نیل فرعون کے شاہی محل کے نیچے ہو کر بہتا تھا۔ صندوق بہتے بہتے وہاں پہنچا۔ فرعونیوں کی نظر پڑی جھپٹ کر نکالا۔ اس کے اندر سے ایک پیارا بچہ نکلا۔ اس کی پرورش کی گئی۔ اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت اور مصیبت کا سبب بن گئے۔ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے لوگ۔ لِيَكُوْنَ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس بچہ کو اٹھا لینے کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔ تعلیل لالتقاطھم ایاہ بما ھو عاقبتہ (بیضاوی) و ھذہ اللام تسمی لام العاقبۃ و لام الصیرورۃ لانھم لم یلتقطوہ لیکون لھم عدوًا و حزنًا ولکن صار عاقبۃ امرھم الی ذٰلک (معالم) ای لیصیر الامر الی ذٰلک لانھم اخذوہ لھذا کذا قالہ الزجاج و عن ھذا قال المفسرون ان ھذہ لام العاقبۃ والصیرورۃ (مدارک)

ف۸ (اور ایسے ظالموں فاجروں کو سزا ملنی ہی تھی) جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ و اما جمہور المفسرین فقالوا معناہ کانوا خاطئین فی ما کانوا علیہ من الکفر و الظلم (کبیر) کانوا خاطئین سے دوسری مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے اس عمل میں بڑے خطا کار، بڑے لغزش کرنے والے، بڑے چوکنے والے ثابت ہوئے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

سے یہی معنی مروی ہے۔ قال الحسن معنی کانوا خاطئین لیس معنی الخطیئة بل المعنی ھم لایشعرون انہٗ الذی یذھب بملکھم (کبیر) یہ پہلو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے کہ خطا شعاری تو ان میں رچی ہوئی تھی ہی۔ سو اگر اس معاملہ میں بھی غلطی کر بیٹھے تو ان کے لیے کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی۔ ای کانوا خاطئین فی کل شیء فلیس خطؤھم فی تربیة عدوھم ببدع منھم (مدارک) و ۹ (کہ اسی بچہ کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی) ای لا یشعرون ان ھلاکھم بسببہ و علی یدہ و ھذا قول مجاھد و قتادة والضحاک و مقاتل (کبیر) اِمْرَاَتُ فِرْعَوْنَ سے مراد حضرت آسیہ ہیں۔ توریت محرف میں انہیں فرعون کی لڑکی بتایا گیا ہے۔ قرآن نے اس پرانی تاریخی غلطی کی اصلاح کر کے بتایا کہ وہ خاتون بیٹی نہیں بیوی تھیں۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اصلاً بیٹی ہی ہو جس کے ساتھ بعد کو فرعون نے شادی کرلی ہو۔ اس پر حیرت نہ کی جائے۔ متعدد جاہلی شاہی خاندانوں میں عام رواج محرمات ہی سے شادی کرنے کا رہا ہے۔ اور مصر کے شاہی (فرعونی) خاندان میں بادشاہ کا اپنی ہمشیر سے نکاح کرنے کا دستور تو عام تھا۔ بیٹی سے شادی کر کے اسے ملکہ بنا لینے کا تاریخی ثبوت تو موجود نہیں، لیکن ہمشیر کے نکاح پر قیاس کر کے اس کا امکان تو بہرحال موجود ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ توریت میں ہے:۔ ’’تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارہ پر پھرنے لگیں۔ اس نے جھاڑ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا، اور دیکھا کہ وہ روتا ہے۔ اسے اس پر رحم آیا۔ اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے‘‘۔ (خروج۔ ۲:۵و۶) عارفین نے کہا کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کر لیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ افضل نساء عالمین قرار پائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قول کا سبب محض حُبِ طبعی تھا لیکن اہل اللہ کے ساتھ حُبِ طبعی بھی، بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، ایمان و ہدایت میں نافع ہو جاتی ہے۔

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ

دل کو اسی لئے مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کیے رہیں ف۱۰ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا

قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

کہ موسیٰ کا سراغ تو لگانا، سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور وہ لوگ (یعنی فرعون والے)

يَشْعُرُوْنَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

بے خبر تھے ف۱۱ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی ف۱۲

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ

سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش

لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ

کریں اور ساتھ ہی اس کے خیر خواہ بھی ہوں ف۱۳ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں ف۱۴ کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے،

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

البتہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے ف۱۵ پھر جب وہ اپنی پختگی کو پہنچ گئے

وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

اور درست ہو گئے ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا ف۱۶ اور ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ

الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ

دیا کرتے ہیں ف۱۷ اور وہ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے

مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا

ف۱۰ یعنی ادھر انہوں نے اپنے نور نظر کو سپرد دریا کیا اور ادھر ان کے قلب پر غم و صدمہ نے اتنا ہجوم کیا کہ قریب تھا کہ مضطر ہو کر وہ سب ہی راز ظاہر کر دیں لیکن ہم نے ان کے دل کو مضبوط رکھا تا کہ وہ ہمارے وعدہ پر یقین کیے بیٹھی رہیں۔ گویا طبعی تقاضا تو شدت غم و حزن میں اس راز کے افشاء ہی کا تھا لیکن تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی اور انہوں نے طبیعت کے مقتضا پر عمل نہ کیا، عارفین نے لکھا ہے کہ کاملین بھی امور طبعیہ کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں ہو جاتے چنانچہ حضرت موصوفہ کو باوجود وعدۂ الٰہی کے تردد قلبی شدت کے ساتھ محسوس ہوا لیکن آپ نے بفضل الٰہی اس کے مقتضا پر عمل نہ کیا اور یہ شیوہ کاملین کا ہوتا ہے۔ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ تکمیل اخلاق میں قوت بشری تنہا کافی نہیں، تائید الٰہی کا شامل ہونا ضروری ہے۔ ف۱۱ (اس امر سے کہ وہ ان کی بہن ہیں اور اسی سراغ رسی میں آئی ہیں) وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ افادہ کیا ہے کہ درجۂ اعتدال میں تدبیر اختیار کرنا مرتبۂ توکل کے منافی نہیں۔ توریت میں ان کا نام مریم آیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ "نبیہ" تھیں (خروج۔ ۱۵: ۲۰) اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی ہے۔ اسرائیلی اصطلاح دوسری تھی۔ وہاں "نبیہ" کے معنی صرف پیشین گوئی کرنے والی یا تقریباً کاہنہ کے ہیں۔ توریت میں یہ بھی ہے:۔ "اور اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے"۔ (خروج۔ ۲: ۴) ف۱۲ (چنانچہ آپ کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی ف۱۳ محل والے پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہ بچہ کسی دایہ کی دایہ گری نہیں قبول کر رہا ہے۔ خواہر موسیٰ نے اجنبی اور انجان بن کر ان سے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو بچہ کی پرورش کا کام ہی نہ کر دیں بلکہ پوری دلسوزی سے اسے انجام دیں۔ وہ لوگ تو دل سے یہی چاہتے تھے فوراً راضی ہو گئے۔ والدۂ موسیٰ ایک اجنبی دایہ کی حیثیت سے بلائی گئیں۔ رضاعت شروع کی۔ کبھی اپنے گھر لاتیں، کبھی محل میں جا رکھتیں۔ روایات یہود کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۴ (مشاہدہ و معائنہ کے مرتبہ میں) فَرَدَدْنٰهُ یعنی واپس پہنچا دیا، اپنے وعدہ کے مطابق۔ تَقَرَّ عَيْنُهَا یعنی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اپنی اولاد کو دیکھ کر۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ والدۂ موسیٰ نے اس ارضاع کی اجرت بھی لی تھی تو اپنے کو اجنبی اور انجان ظاہر کرنے کے بعد بھی بالکل قرین قیاس ہی ہے۔ رہا اس پر یہ فقہی شبہ کہ واجب پر تو اجرت جائز ہی نہیں۔ سو اس کے متعدد جوابات ممکن ہیں۔ اول تو یہ کیا ضرور ہے کہ فقہ اسرائیلی میں بھی یہ جزئیہ موجود ہو۔ اور پھر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا، خواہ کسی طریق سے بھی ہو، ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ضرورت و مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ف۱۵ تعریض ہے کافروں پر کہ ان بدبختوں کو وعدۂ الٰہی پر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ ذرا سی دیر لگی، یا درمیان میں کوئی پیچ پڑا اور یہ بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ ف۱۶ یعنی فہم سلیم و عقل مستقیم بطور مقدمۂ نبوت کے۔ حضرت موسیٰ ابھی تک نبی نہ تھے، لیکن آثار نبوت سب بیدار ہو چکے تھے۔ اسْتَوٰى یعنی قوائے جسمانی و عقلی پورے بلوغ کو پہنچ لیے۔ ف۱۷ یعنی عمل صالح سے فیضان علمی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ نَجْزِي سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم سے مراد یہاں نبوت نہیں۔ کیونکہ نبوت جزاء اعمال و احسان نہیں، محض خدائے رحمٰن کا فضل خاص ہے (کبیر)

وف۱۸ یعنی ایک اسرائیلی (سبطی) تھا اور ایک مصری (قبطی)۔ الْمَدِيْنَةَ شہر سے مراد مصر کا قدیم شہر ممفس ہے اور توریت میں یہ نام موف کر کے آتا ہے اور ہمارے ہاں کی قدیم روایات میں منف کر کے۔ موجودہ دارالسلطنت شہر قاہرہ سے کوئی ۱۲ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور اپنے زمانہ کا بڑا نامور شہر تھا۔ اب موقع مطرا ینہ اسی جگہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا۔ یعنی لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ وقت غالباً دوپہر کا تھا۔ وف۱۹ حضرت موسیٰ نے پایا کہ مصری ظالم تھا اور اسرائیلی مظلوم آپ نے گھونسا محض رفع ظلم کے لیے تادیباً مارا۔ اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے وہ مصری مر گیا۔

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

ایک تو ان کی برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں تھا وف۱۸ سو وہ جو ان کی برادری

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ

کا تھا اس نے ان سے دادخواہی کی اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفین میں تھا، سو موسیٰ نے اس کو

مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ

گھونسا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا وف۱۹ (موسیٰ) بولے یہ تو شیطانی حرکت

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ

ہوگئی بے شک شیطان کھلا ہوا دشمن بہکا دینے والا ہے وف۲۰ عرض کیا اے میرے پروردگار

اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

مجھ سے قصور ہو گیا وف۲۱ سو تو بخش دے، پھر (اللہ نے) انہیں بخش دیا، بیشک وہ تو ہی ہے

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ

بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات کیے ہیں

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷ فَاَصْبَحَ فِي

سو میں بھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا وف۲۲ پھر (موسیٰ کو) شہر میں

الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ

صبح ہوئی خوف و اندیشہ کی حالت میں کہ اتنے میں وہی جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی وف۲۳

بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ

(آج پھر) انہیں پکار رہا ہے (موسیٰ نے) اس سے کہا تو بھی

لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۸ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ

بڑا ہی بدراہ ہے وف۲۴ پھر جب (موسیٰ نے) اس پر ہاتھ بڑھانا چاہا جو

توریت میں یہ حکایت یوں درج ہے:۔ ”جب موسیٰ بڑا ہوا تو اپنے بھائیوں کے پاس باہر گیا اور ان کی مشقتوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ایک مصری ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر اُدھر ہر طرف نظر کیا اور دیکھا کہ کوئی نہیں، تب اس مصری کو مار ڈالا۔ اور ریت میں چھپا دیا“ (خروج۔ ۲: ۱۱ و ۱۲) یہ قتل نہ عمداً تھا نہ ظلماً محض خطأً تھا اور قتل خطا تو معصیت یوں ہی نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ جب مقصود اس سے اصلاح وغیرہ اور ایک مظلوم کی نصرت و رہائی ہو۔ یہ قتل ایسا ہی ہے جیسا ہماری شریعت میں کسی مجرم پر حد یا تعزیر جاری ہو اور وہ اتفاقاً اسی میں مر جائے تو نہ قاضی پر گناہ ہوگا نہ جلاد پر۔ وف۲۰ یعنی شیطان کا کام ہی انسان کو بہکانا، غلطیوں میں مبتلا کرنا ہے۔ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ اس فرعونی کا قتل اس کے حربی ہونے کی بنا پر تو یوں ہی مباح تھا اور حق العبد نہ تھا۔ پھر قتل عمد نہیں قتل خطا تھا اور مقصود اس سے تادیب تھی۔ لیکن موسیٰ پیمبر تھے کمال خشیت سے خلاف اولیٰ کو بھی گناہ قرار دیا (تھانوی ؒ) هٰذَا یعنی یہ قتل جو بالکل بے ارادہ عمل میں آ گیا۔ اشارة الى القتل الحاصل بغير قصد (مدارک) وف۲۱ (اور جو نتیجہ میں نہیں چاہتا تھا وہ نکل آیا) ظَلَمْتُ نَفْسِيْ۔ حضرت کا اپنی زبان سے یہ ادا کرنا ہرگز اثبات جرم کے مرادف نہیں۔ یہ تو کاملین کی عام عادت ہی ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی گویا خطا و لغزش کا ایک پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں انما عده من عمل الشيطان و سماه ظلما و استغفر منه على عادتهم في استعظام محقرات فرطت منهم (بیضاوی) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے تو محض رفع ظلم چاہا تھا، قتل بلا قصد واقع ہو گیا۔ آپ کو بعد تامل معلوم ہوا کہ رفع ظلم دوسرے طریق سے بھی ممکن تھا جو قصد کے وقت سمجھ میں نہ آیا بس اس لیے آپ نے استغفار فرمایا۔ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ کاملین سے بھی بعض طبعیات مثلاً غضب کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے حسنات الابرار سیئات المقربین اور یہاں وہ حسنہ رفع ظلم تھا تیسرے یہ کہ کاملین کو خشیت دوسروں سے کہیں زائد ہوتی ہے۔ وف۲۲ ”یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں کیونکہ گناہ کسی سے کرانا یہ بھی جرم ہے بس اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے خواہ عمداً یا خطأً“ (تھانوی ؒ) حضرت موسیٰ کو اس مغفرت و مغفوریت کا حال بطریق الہام معلوم ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہر ولی اللہ کو کشوف ہو سکتا ہے۔ وف۲۳ (اور اس وقت کسی اور سے الجھ رہا تھا) يَتَرَقَّبُ یعنی آپ کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں مصری پولیس گرفتار کرنے نہ آ رہی ہو۔ حضرت موسیٰ اس وقت تک نبی نہیں ہوئے تھے لیکن اگر ہوتے بھی تو طبعی خوف و اندیشہ کسی بھی مرتبہ کمال کے منافی نہیں۔ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ مطلقاً غیر اللہ کے خوف کو ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ آیت ان کے خیال کی بالکل تردید کر رہی ہے۔ فيه دليل على انه لا باس بالخوف من دون الله بخلاف ما يقوله بعض الناس انه لا يسوغ الخوف من دون الله (مدارک) وف۲۴ (کہ روز ہی لوگوں سے الجھتا رہتا ہے) حضرت موسیٰ کو کل کی بات یاد آ گئی۔ اس پر آپ کو ناخوشی پیدا ہوئی۔ توریت میں ہے:۔ ”اور جب وہ دوسرے دن باہر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو عبرانی آپس میں جھگڑ رہے ہیں، تب اس نے اس کو جو ناحق پر تھا کہا کہ تو اپنے یار کو کیوں مارتا ہے؟“ (خروج۔ ۲: ۱۳)

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ

ان دونوں کا مخالف تھا ف۲۵ تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ

جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں

تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ

اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور (صلح و) اصلاح

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

نہیں چاہتے ف۲۶ اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے ف۲۷ دوڑتا ہوا

يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ

آیا کہنے لگا اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں

لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

کہ آپ کو قتل کر دیں ف۲۸ سو آپ چلے جائیے میں آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں،

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ

سو موسیٰ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و اندیشہ کے ساتھ ف۲۹ بولے اے میرے پروردگار مجھے

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ

ظالم لوگوں سے بچا لیجیے ف۳۰ اور جب (موسیٰ) مدین کی طرف ہو لیے

قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

تو بولے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلا دے ف۳۱

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ

اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا ایک مجمع

ف۲۵ (کہ اس کو ظلم و زیادتی سے روک دیں) مراد فرعونی ہے جو حضرت موسیٰ اور اس اسرائیلی فریادی دونوں کا مخالف تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کاملین جس طرح دشمن پر سیاست کرتے ہیں دوست پر بھی کرتے ہیں۔ جیسا جس کے حال کا مقتضا ہوا۔ چنانچہ یہاں آپ نے قول سے سیاست بطلی کی فرمائی اور ارادۂ بطش سے قبطی کی۔ غرض ان میں عدل کامل ہوتا ہے۔ عصبیت قومی نہیں ہوتی۔ ف۲۶ وہ اسرائیلی جس پر ابھی ڈانٹ پڑ چکی تھی ڈر گیا یہ سمجھ کر اب کی وار مجھ پر ہو گا۔ یہ سمجھ کر چلا اٹھا۔ بس اسی سے شہر میں خبر پھوٹ گئی۔ توریت میں ہے:۔ "وہ بولا کہ کس نے تجھے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا ہے؟ تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا، مجھے بھی مار ڈالے۔ (خروج۔ ۲: ۱۴) ف۲۷ یعنی بڑے فاصلہ پر اس مقام سے جہاں شاہی کمیٹیاں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ یہ شخص حضرت موسیٰ کا مومن مخلص تھا۔ ف۲۸ یعنی سرکاری کمیٹی میں گفتگو اس موضوع پر ہو رہی ہے کہ آپ کو اس مصری کے قتل کے جرم میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے۔ توریت میں ہے:۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے۔" (خروج۔ ۲: ۱۵) ف۲۹ توریت میں ہے:۔ "تب موسیٰ ڈرا اور کہا کہ یقیناً یہ بھید فاش ہوا"۔ (خروج۔ ۲: ۱۴) کاملین یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ امور طبعیہ میں وہ عام انسانوں سے الگ ہوں۔ فخرج منھا ظاہر ہے کہ اب حضرت موسیٰ کے لیے مملکت مصر میں کہیں بھی ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ جائے امن اب آپ کے لیے حدود مصر سے باہر ہی ہو سکتی تھی۔ منھا یعنی اس شہر سے۔ ای من المدینۃ (بیضاوی) ف۳۰ (اور امن کی جگہ پہنچا دیجیے) انبیاء اپنا تعلق ہر حال میں اللہ سے جوڑے رکھتے ہیں۔ ہجرت اس ملک سے خود کر رہے ہیں لیکن دعا حق تعالیٰ سے کرتے جاتے ہیں۔ ف۳۱ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ مدین پہنچ گئے) مدین پر حواشی پہلے گزر چکے۔ سورۃ الاعراف (پ۸) وغیرہ میں ــــ عزم کی تلاش میں سڑکوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ جنگل بھیڑ ہوتے ہوئے چلے۔

النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

(دیکھا) پانی پلاتے اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى

کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں و۳۲ پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک

يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا

(یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ و۳۳ پس (موسیٰ نے) ان

ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ

کے لئے پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ میں آ گئے اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے

مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى

میں اس کا حاجت مند ہوں و۳۴ پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی

اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ

چلتی تھی بولی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا

اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ

صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا و۳۵ پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

بیان کئے تو انہوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالم لوگوں سے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ٞ اِنَّ

بچ آئے و۳۶ (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ

خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ

اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو و۳۷ وہ بولے میں

و۳۲ (وہ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتیں) مَآءَ مَدْيَنَ سے مراد شہر مدین کا کنواں ہے۔ قدیم تہذیب و تمدن میں کنوؤں کو بڑی اہمیت اور مرکزیت حاصل تھی۔ جس کا کچھ نمونہ آج بھی دیہات میں نظر آ جاتا ہے۔ یہ دونوں نوجوان لڑکیاں شہر کے رئیس و چودھری اور اللہ کے پیمبر حضرت شعیب علیہ السلام کی تھیں۔ توریت میں ان کا نام رعوایل آیا ہے۔ اور اس موقع پر توریت کا بیان حسب ذیل ہے۔ "موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگا۔ اور مدین کی زمین میں گیا اور ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھرا تاکہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلاویں"۔ (خروج۔ ۲:۱۶) قدیم تمدن میں اونچی اونچی شریف زادیوں کا بھی کنوئیں پر جا کر پانی بھرنا یا جانوروں کو پانی پلانا خلاف دستور نہ تھا۔ باہر نکلنا تو ہماری شریعت میں بھی جائز ہے بشرطیکہ حیاء و پردہ داری کے ساتھ ہو۔ تَذُوْدٰنِ اس میں خود اس طرف اشارہ ہو گیا کہ دونوں صاحبزادیاں الگ حیاء و تہذیب کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتی تھیں۔ و۳۳ (سو وہ خود تو آنے سے معذور ہیں اور یہ کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے لیکن ہم اپنی طرف سے اتنی احتیاط رکھتے ہیں کہ اپنے جانوروں کو مردوں کے مجمع سے الگ لیے کھڑے رہتے ہیں۔ جب مردوں کا مجمع رخصت ہو لیتا ہے جب جا کر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں) شریف زادیوں کی یہ غیرت و حیاداری کتنی سبق آموز ہے۔ و۳۴ حضرت موسیٰ کا طویل سفر کے بعد بھوکا پیاسا، تھکا، ماندہ ہونا بالکل قدرتی تھا۔ آپ سایہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے رزق کے لیے دعا کی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حاجت صرف بقدر ایک کف دست کے بیان فرمائی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ کاملین کی شان اپنی ہر حاجت قلیل و کثیر کا حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ بخلاف مدعیان زہد کے جو حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغناء بلکہ نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فَسَقٰى لَهُمَا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں کی خاطر ان کے جانوروں کو پانی بھر کر پلا دیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ کاملین کو خدمت خلق سے عار نہیں ہوتی۔ توریت میں ہے: "وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھرا تاکہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلا دیں۔ تب گڈریوں نے آ کے انہیں ہانکا۔ لیکن موسیٰ نے کھڑے ہو کر ان لڑکیوں کی مدد کی اور ان کے گلے کو پانی پلایا"۔ (خروج۔ ۲:۱۶، ۱۷) تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ یہاں یہ جتا دیا کہ حضرت موسیٰ دھوپ کے وقت سایہ کے بھی محتاج تھے۔ ـــــ کمال یہ ہرگز نہیں کہ کوئی بشر لوازم بشریت مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی کے احساس سے بے نیاز ہو جائے۔ رَبِّ ...... فَقِيْرٌ کامل سے کامل بندے یہاں تک کہ انبیاء اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے مستغنی نہیں ہوتے۔ بھوک کے وقت ٹھیک کر اس کے لیے دعائیں، آرزوئیں کرتے ہیں۔ و۳۵ ادھر حضرت موسیٰ نے کھانے پینے کے لیے خدا سے دعا کی، ادھر یہ ہوا کہ لڑکیاں جو آج خلاف معمول سویرے واپس آ گئیں تو حضرت شعیب نے سبب دریافت کیا۔ لڑکیوں نے اصل ماجرا سنا دیا۔ حضرت کی شرافت کب اسے گوارا کر سکتی تھی کہ ایسے محسن کو یوں ہی بالا بالا چلا جانے دیتے لڑکی کو بھیج اپنے گھر بلوایا کہ کچھ تو حق میزبانی کا ادا کریں۔ توریت میں ہے: "اور جب وہ اپنے باپ رعوایل کے پاس آئیں اس نے پوچھا کہ آج تم کیونکر سویرے پھریں؟ وہ بولیں ایک مصری نے ہمیں گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا اور ہمارے لیے جتنا کوئی تھا پانی بھرا۔ اور گلے کو پلایا۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ مرد کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلاؤ کہ روٹی کھاوے"۔ (خروج۔ ۲:۱۹-۲۰) تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ شریف زادیوں کے لیے چنک مٹک، تیزی طراری نہیں، بلکہ غیرت و حیاء، لجانا اور شرمانا امر طبعی ہے۔ تَذُوْدٰنِ۔ لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ۔ اور پھر اب تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ۔ عورت کے لیے اگر غیرت و حیاداری اس درجہ میں مطلوب و مقصود نہیں تو آخر قرآن کو بار بار ان تصریحات کی ضرورت کیا تھی۔ اِحْدٰىهُمَا۔ ان صاحبزادی کا نام بی بی صفورہ تھا۔ روایات اسرائیلی میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب روانہ ہوئے تو ان سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ۔ میں پسند نہیں کرتا کہ نامحرم پر بلا ضرورت نظر بلا قصد بھی پڑے۔ و۳۶ (یہاں فرعون مصر کا حکم نہیں چلتا) مدین حدود مصر سے باہر تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان صاحبزادی کی زبان سے لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا سن کر چلا آنا اس پر دال ہے کہ اگر عمل بقصد عوض نہ ہو پھر بعد عمل کچھ عوض قبول کر لیا جائے تو یہ منافی اخلاص نہیں۔ و۳۷ یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں، محنت سے اپنے کام انجام دے سکے اور اخلاقی صفات سے بھی متصف ہو۔ خدمت کی بجا آوری میں خیانت و بددیانتی سے کام نہ لے۔ بی بی صاحبہ کو حضرت موسیٰ سے متعلق دونوں چیزوں کے تجربے اتنے عرصہ میں ہو چکے تھے۔

أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن
چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ
تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ
تم آٹھ سال میری نوکری کرو وف۳۸ اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے
عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي
(احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاءاللہ
إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي
مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے وف۳۹ (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے
وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ
اور آپ کے درمیان ہو گئی، میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر
عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾ فَلَمَّا قَضَىٰ
نہ ہو گا، اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے وف۴۰ پھر جب موسیٰ اس مدت کو
مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ
پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے وف۴۱ تو انہوں نے طور کی طرف
الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا
ایک آگ دیکھی وف۴۲ اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو میں نے تو آگ دیکھی ہے۔
لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
شاید تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن
تاکہ تم سینک کر لو وف۴۳ سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی،

ع ۳

وف۳۸ (اور اس نوکری کا بدل، اتی نکاح ہے) یعنی آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر قرار پایا۔ کسی مدت معینہ تک مویشیوں کی چرائی کا مہر مقرر ہو جانا فقہ اسلامی میں بھی جائز ہے۔" یہ بکریاں اگر ان صاحبزادی کی تھیں تب تو ان کا مہر ادا کیا جانا ظاہر ہے۔ اور اگر باپ کی تھیں تو بالاتفاق رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے"۔ (تھانوی ؒ) وف۳۹ حضرت شعیب نے فرمایا کہ تمہاری خوشی ہو تو تم دس برس رہ جانا اس میں میری طرف سے کوئی جبر یا اصرار نہیں۔ میں تو کام کی تعداد، وقت کی پابندی وغیرہ ہر معاملہ میں تمہاری سہولت کو مد نظر رکھوں گا۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ نوکری یا مزدوری یا دوسرے اسباب معاش منافی توکل نہیں۔ وف۴۰ حضرت موسیٰ نے کہا تو اچھا یہ معاہدہ میرے آپ کے درمیان پختہ ہو گیا۔ خدائے حاضر و ناظر اس معاہدہ کا گواہ ہے۔ وف۴۱ (مصر کی طرف) اپنی مدت مقررہ بسر کر کے حضرت موسیٰ مع اہل و عیال اب اپنے وطن مصر کو روانہ ہونے ہیں۔ بائبل توریت میں تصریح ہے کہ ساتھ میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صفورہ تھیں اور ان سے دونوں بچے تھے۔ (خروج۔ ۴:۲۰) نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وف۴۲ یعنی ایسی روشنی جسے وہ آگ سمجھے اور آگ ہی وہ معلوم ہوتی بھی تھی۔ وف۴۳ رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم۔ راستہ بھی یہ چھوٹا سا قافلہ بھول گیا تھا۔ آگ کی روشنی آبادی کی علامت تھی۔ مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۂ النمل پ۱۹ میں۔

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت

الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۰

سے کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا (تیز) سانپ

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ

تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ

تم (ہر طرح) امن میں ہو ؂۴۴ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو

تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ

وہ روشن ہو کر نکلے گا بغیر کسی مرض کے اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ

اپنا بازو پھر اپنے سے ملا لینا ؂۴۵ سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے

رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس (جانے کے لئے) بے شک وہ بڑے نافرمان

فٰسِقِیْنَ ۝۳۲ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

لوگ ہیں۔ (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا

فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ

سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے ؂۴۶ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے زیادہ

؂۴۴ (اور یہ تو تمہارا معجزہ ہے) الْوَادِ الْاَیْمَنِ۔ میدان کی داہنی جانب۔ حضرت موسیٰ کی بھی داہنی جانب تھی۔ سارے واقعہ پر مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۂ النمل پ۱۹، سورۃ الاعراف پ۹ میں۔ اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ کے ساتھ صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا اضافہ اس حقیقت کو اور موکد و مصرح کر رہا ہے کہ جو سارے عالم کا مالک و حاکم ہے وہ کسی محدود جگہ کے اندر کیونکر سما سکتا ہے؟ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ۔ سانپ، شیر وغیرہ زہریلے اور خطرناک جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے، اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت، یہاں تک کہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمام تر خوف طبعی ہی تھا۔ آیت سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ معجزہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے، پیمبر اس کا صرف واسطہ ہوتا ہے پیمبر کو اس معجزہ کی تکوین میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ ورنہ کم از کم اپنے معجزہ سے تو حضرت کلیم اللہ خوف نہ کھاتے۔ ؂۴۵ (جس سے ہاتھ اپنے اصلی رنگ پر لوٹ آئے گا اور یہ تمہارا طبعی خوف بھی جاتا رہے گا)۔ وَاضْمُمْ اِلَیْكَ الخ کی تعبیر و تقریر میں ائمہ مفسرین کو اشکالات پیش آئے ہیں یہاں ترجمہ و تقریر میں مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کی پیروی کی گئی ہے جو بالکل بے تکلف و بے غبار ہے۔ عصا کے بعد یہ ذکر دوسرے معجزۂ ید بیضا کا ہے۔ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ۔ یہ تصریح توریت مروجہ کی تغلیط کے لیے ہے جس کا بیان ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو برص کا مرض تھا۔ (حاشیے سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں گزر چکے) بُرْهَانٰنِ۔ یعنی سندیں اور دلیلیں جو مشرکوں کے بھی سمجھ میں آ جائیں۔ ؂۴۶ (اسی خون کے عوض میں، اور آگے کچھ میری سنیں ہی نہیں) فرعون کے سلسلہ میں یہ خوب ذہن نشین رہے کہ وہ ایک خود مختار، مطلق العنان جابر بادشاہ تھا۔ اس کے فیصلے کے خلاف اپیل کی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیارات سے سب کچھ کر سکتا تھا۔ یہ مضمون بھی اوپر کئی بار آ چکا ہے۔

مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۡ اِنِّیْۤ

خوش بیان ہیں انہیں بھی میرے ساتھ رسالت دے دیجیے مددگار بنا کر کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں وے۴ مجھے

اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے (اللہ نے) فرمایا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو

بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ

بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک شوکت (خاص) عطا کرتے ہیں، سو انہیں تم دونوں

اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے نشان لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارے پیرو ہوں گے غالب رہیں گے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ

پھر جب موسٰی ان کے پاس ہمارے کھلے ہوئے نشان لے کر آئے وے۴۸ تو وہ بولے کہ یہ تو ایک

اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا

بس گڑھا ہوا جادو ہے اور ہم نے ایسی بات اپنے اگلوں باپ دادوں کے وقت تو

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ مُوْسٰی رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ

سنی نہیں وے۴۹ اور موسٰی نے کہا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو

بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

(دین) ہدایت لے کر اس کے پاس سے آیا ہے اور جس کو آخرت کا گھر ملنے والا ہے

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا

بے شک ظالم (بھی) فلاح نہ پائیں گے وے۵۰ اور فرعون نے کہا اے

الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْ

سردارو مجھ کو تو اپنے سوا کوئی تمہارا معبود معلوم نہیں وے۵۱

معانقة ۱۱

وے۴۷ (اور گفتگو ومناظرہ کے لیے روانیٔ زبان وفصاحت بیان کی ضرورت بہت پڑا کرے گی) هٰرُوْنَ اور هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ پر بھی حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ رِدْاً۔ ردء وہ چیز ہے جس کا سہارا لیا جائے۔ یہاں مراد مددگار ہے۔ معینا و هو فی الاصل اسم مایعان به (بیضاوی) الردء الذی یتبع غیرہ معینا له (راغب) وے۴۸ معجزات ودلائل وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا۔ یہ یاد کر لیجیے کہ موسٰی وہارون علیہما السلام دونوں محکوم قوم اور رعایا کے فرد تھے اور ان کا مقابلہ ایسے بادشاہ خود مختار سے ہو رہا تھا جس کی زبان خود ہی قانون تھی۔ اور جو ملک میں مطاع مطلق ہی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ملک کی اکثریت کے عقیدہ میں معبود والٰہ (سب سے بڑے دیوتا کا اوتار) بھی تھا! اس استحضار حقیقت کے بعد اس رعب نبوت کی پوری قدر ہوگی۔ فرعون تو فرعون، اس کے درباری اور ارکان حکومت تک موسٰی اسرائیلی وہارون اسرائیلی کی حقیقت کیا سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کے پیس ڈالنے کے لیے کافی سمجھ رہے تھے۔ فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا اسی رعب خداداد کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے جکڑوں میں سے کوئی آپ دونوں پر دسترس نہ پا سکا۔ بِاٰیٰتِنَا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اِذْهَبَا بِاٰیٰتِنَا۔ وے۴۹ مصری قوم شرک در شرک میں مبتلا، عقیدۂ توحید ونبوت سے سرے سے ناآشنا تھی۔ پیام موسوی سن کر اور دلائل سے واقف ہو کر اور معجزات کے مشاہدہ ہونے کے بعد بولی کہ یہ تو محض ایک ساحرانہ کارروائی ہے اور اسے دل سے گڑھ کر خدا کی جانب منسوب کیا جا رہا ہے۔ وے۵۰ حضرت موسٰی نے منکروں کی ہٹ دھرمی دیکھ کر آخر میں عاجز آ کر کہا کہ خیر آج میری نہیں سنتے ہو تو نہ سنو اللہ کو تو خوب معلوم ہے کہ راہ ہدایت پر کون ہے اور ظالم کون؟ عاقبت بخیر کس کی ہوتا ہے اور محروم الفلاح کون؟ عَاقِبَةُ الدَّارِ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ العاقبة المحمودة فی الدار الاخرة (جلالین) وے۵۱ میں ہی تمہارا اصلی اور قدیمی دیوتا ہوں۔ میری ہی پوجا تمہارے باپ دادا ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں تو اب یہ نیا نام کس خدا کا سننے میں آ رہا ہے۔ فراعنۂ مصر کی نسل مصریوں کے عقیدہ میں خدائی اوتار تھی اور بادشاہ سب سے بڑے دیوتا سورج کا زندہ نمائندہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء (پ۱۹) میں آیہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ پر حاشیہ۔ نیز انگریزی تفسیر القرآن۔

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ

تو اے ہامان ف۵۲ میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا پھر

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ

میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

سمجھتا ہوں ف۵۳ اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق ملک میں اپنا سر

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے ف۵۴

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ

سو ہم نے اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو دیکھئے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً

ظالموں کا کیا انجام ہوا ف۵۵ اور ہم نے انہیں (ایسا) پیشوا بنا دیا تھا

يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے، اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا ف۵۶

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی ف۵۷ اور قیامت کے دن بھی

هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ۧ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وہ بدحال لوگوں میں ہوں گے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ

اگلی امتوں کے ہلاک کئے پیچھے جو لوگوں کے لئے ذریعہ تھی

ع ۴

ف۵۲ ھامان پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا نمبر ۳ یہاں بھی سیاقِ کلام سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ہامان کسی اعلیٰ ترین عہدہ دار کا سرکاری لقب ہے۔ ف۵۳ حق تعالیٰ گویا یہاں اور اور کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ مجسم ہو کر آسمان پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس تک رسائی کسی بڑی اونچی سیڑھی سے چڑھ کر یا فضا میں اڑ کر ممکن ہے۔ یہ عقیدہ آج بھی بہت سی قوموں کے عوام ہی میں نہیں، خواص میں بھی شائع ہے۔ چنانچہ ابھی چند ہی سال ہوئے سوویٹ روس سے اطلاع آئی تھی کہ دو ملحد ہوا بازوں نے اپنا بیان شائع کیا ہے کہ ہم اتنا اونچا اڑ آئے، ہمیں تو کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ مصری خاص طور پر اسی قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ فرعون نے انہیں عقائد و خیالات کے ماتحت ایک ان دیکھے خدا کے وجود کو باطل ثابت کرنے بلکہ اس کا مضحکہ کرنے کو یہ اپج کرلی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اوْقِدْ لِيْ...... عَلَى الطِّيْنِ۔ قرآن یہاں فرعون کی زبان سے یہ بھی کہلا سکتا تھا کہ "ہامان، میرے لیے پتھر کی عمارت تیار کر"۔ یا اینٹ پتھر وغیرہ کسی چیز کی تصریح ہی نہ کرتا۔ لیکن نہیں۔ قرآن کو تو علم صحیح کی بے شمار مثالوں میں سے ایک اور مثال پیش کرنی اور اپنے دعوائے اعجاز پر ایک اور دلیل قائم کرنی تھی ــــ مصری قوم اینٹوں ہی کے کام کے لیے مشہور تھی یہاں تک کہ اس کی مشہور شاہی عمارتیں بھی پتھر کی نہیں، اینٹ ہی کی ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۵۴ یہ فرعونیوں کے عام فسق اعمال و فساد عقائد کا بیان ہے ــــ یوں بھی روز جزا کا اعتقاد اور پرسش اعمال کا یقین ان کے مذہب میں داخل نہ تھا۔ ف۵۵ اس واقعۂ غرقابی کی تفصیل (سورۃ البقرۃ پ ۱) کے علاوہ کئی جگہ گزر چکی۔ ف۵۶ اس زندگی میں تو ضلالت کے لیڈر رہے، اور بے شمار مخلوق ان کے اشاروں پر حرکت کرتی رہی۔ قیامت کے روز ایسے بے کس رہ جائیں گے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ جَعَلْنٰهُمْ میں حق تعالیٰ کا انتساب فعل اپنی جانب کرنا اپنی تمامتر تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ نہ کہ اظہار رضامندی کے لیے۔ ف۵۷ چنانچہ آج انہیں اچھا کہنے والا کوئی بھی نہیں، سب کی زبان سے برائی ہی نکلتی ہے۔ لَعْنَةً کے معنی رحمت خداوندی سے مجبوری اور محرومی کے پیشتر بیان ہو چکے ہیں ــــ ان شامت زدوں کا دنیا ہی میں فضلِ خداوندی سے مجبور و محروم ہو جانا ایک مشاہدہ واقعہ ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ

دانش مندیوں اور ہدایت اور رحمت کی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں و۵۸ اور آپ (پہاڑ کے)

بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا

مغربی جانب موجود نہ تھے و۵۹ جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیے تھے اور نہ آپ

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا

ان لوگوں میں سے تھے جو (اس وقت) موجود تھے و۶۰ لیکن ہم نے (بہت سی) نسلیں پیدا کیں،

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ

پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا و۶۱ اور نہ آپ اہل مدین میں قیام پذیر

مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾

تھے کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے و۶۲

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً

اور نہ آپ طور کے پہلو میں اس وقت موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی لیکن آپ اپنے

مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

نہیں آیا، تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں و۶۳ اور (ہم رسول نہ بھی بھیجتے) اگر

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

یہ بات نہ ہوتی کہ ان (بدبختوں) پر ان کے کرتوتوں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہو جاتی تو یہ کہنے لگتے کہ

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے

و۵۸ "دانشمندیوں اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ" ہونا یہ سب صفت بیان ہوئی کتاب موسیٰ یعنی توریت کی۔ بَصَآئِرَ۔ هُدًى۔ رَحْمَةً۔ "طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے۔ یہ بصیرت ہے۔ پھر احکام قبول کرتا ہے، یہ ہدایت ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے۔ یہ رحمت ہے"۔ (تھانوی ؒ) اَلْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى۔ اگلی امتوں سے مراد اگلے پیمبروں کی نافرمان امتیں ہیں۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم ہود، قوم صالح علیہم السلام وغیرہا۔

و۵۹ جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستان سینا کی جانب مغرب میں واقع ہے — مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ پر نزول وحی و کتاب کے وقت اے رسول آپ وہاں موجود نہ تھے۔ و۶۰ یعنی یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسماً وہاں حضوری حاصل۔ نہ یہ چیزیں آپ کے مشاہدہ میں آئیں۔ پھر آپ جو انہیں اتنا صاف و صحیح بتا رہے ہیں تو بجز وحی کے اور کیا ذریعہ ہے؟ و۶۱ (اور دنیا پھر نئے سرے سے ہدایت کی محتاج ہو گئی) اور خاتم الکتب قرآن کے نزول سے قبل ہر دور میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد بھی ہوا بھی کرتا تھا۔ و۶۲ (اس لیے آپ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتا دیں) مُرْسِلِيْنَ۔ جمع تعظیمی ہے — یا تقدیر کلام یوں رکھی ہے۔ مرسلين لى كل زمانٍ رسولًا (بحر وغیرہ) و۶۳ (اور آپ کے اس دعویٰ نبوت پر دلیل قائم کرنے کو آپ کو یہ تمام علوم صحیح عطا کر دیے گئے ہیں) قَوْمًا ...... قَبْلِكَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں۔ جن کے پاس پشتہا پشت سے کوئی نبی نہیں آیا تھا گو توحید کی تعلیم ان کو بھی بالواسطہ پہنچ چکی تھی۔ "ان آیات میں اولاً نفی کی گئی حضور عند عطاء التوراۃ کی جس کا وقوع سب کے بعد ہوا۔ پھر نفی کی گئی حضور وقت قیام مدین کی جو سب سے پہلے واقع ہوا پھر نفی کی گئی حضور وقت النداء کی جو درمیان میں واقع ہوئی۔ اس ترتیب بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع میں آپ کا تشریف نہ رکھنا مستقل دلیل ہو صاحب وحی ہونے کی، ورنہ اگر وقوع کے موافق ذکر میں ترتیب ہوتی تو مجموعہ دلیل واحد سمجھا جاتا۔ اور گو نفی ثانی و ثالث میں ترتیب وقوعی کے موافق ترتیب ذکری ہے مگر نفی اول و ثانی میں ترتیب بدل لینے سے اشارہ ہو گیا تعدد دلائل کے قصد کی طرف"۔ (تھانوی ؒ)

وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اور ایمان والوں میں ہوتے ۶۴؎ سو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ

امر حق پہنچا تو یہ کہنے لگے اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا

اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا

کیا جو موسیٰ کو ملا تھا اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے ۶۵؎ یہ لوگ تو کہتے ہیں

سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ

کہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار، اور کہتے ہیں کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں ۶۶؎ آپ کہئے

فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَاۤ

کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ

میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم سچے ہو ۶۷؎ پھر اگر یہ لوگ آپ کا یہ کہنا نہ کر سکیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ

تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں ۶۸؎ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا

اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جو شخص محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے، بے شک اللہ

یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۶۹؎ اور ہم نے (اس) کلام کو ان لوگوں کے لئے یکے بعد دیگرے بھیجا

لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ

تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں ۷۰؎ جن لوگوں کو ہم نے کتاب اس (قرآن) کے قبل دے

ع

۶۴؎ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ان کے حق میں رحمت مزید وعنایت خاص ہوئی کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھی آ گیا ورنہ گرفت کے وقت (اور گرفت تو اس لیے ہوتی کہ ان کے کرتوت عقلاً بھی قبیح ہیں) انہیں یہ حسرت بھی رہ جاتی کہ کوئی پیمبر ہمارے پاس کیوں نہ آ گئے، آ جاتے تو ہم ضرور ان کے متبع ہو جاتے۔ لَوْلَا کا جواب محذوف ہے جو قوسین میں بڑھا دیا گیا ہے۔ والمعنی لو لا قولهم ...... ما ارسلناک (بیضاوی) ای انما ارسلناک قطعا لعذرهم والزاما للحجة علیهم (بیضاوی) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر حذف وتقدیر کلام عیب نہیں، عین حسن اور داخل فصاحت ہے۔ ۶۵؎ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی کے تحت میں کتاب توریت اور معجزات سب آ گئے۔ معجزات مادی وحسی آپ کو بہت نہیں ملے تھے اور کتاب بھی آپ کو یکجائی نہیں ملی تھی۔ من الكتب جملة والید والعصا و غیرها (بیضاوی) من الكتاب المنزل جملة واحدة و من سائر المعجزات (کبیر) یہ موجودہ منکرین کہتے ہیں کہ یہ جو ہمارے زمانہ میں رسول بن کر آئے ہیں، ان کے پاس نہ تو موسیٰ کی طرح عصا اور ید بیضا کی طرح کھلے ہوئے مادی معجزے ہیں اور نہ ایکبارگی لکھی لکھائی ہوئی تیار کتاب۔ قَالُوْۤا یہ کہنے والے رسول ﷺ کے معاصر مشرکین مکہ تھے۔ ای اولئک القوم والمراد بهم هنا اهل مكة الموجودين عند البعثة (روح) اَوَلَمْ...... قَبْلُ جواب یہ ملتا ہے کہ اچھا موسیٰ کو یہ کچھ ملا تو نتیجہ کیا ہوا؟ آخر ان کی قوم نے بھی تو ان چیزوں کے باوجود انکار و نافرمانی کی۔ وہ چیزیں کہیں نافرمانی سے روک تھوڑے ہی بن گئیں۔ ۶۶؎ یہ مقولہ مشرکین کا تھا جو قرآن و توریت دونوں کے بلکہ سارے ہی سلسلۂ وحی کے یکساں منکر تھے۔ ۶۷؎ گویا کتاب الٰہی کا اہم ترین جوہر اس کا ہادی ہونا، اس کے مضامین کا پُر ہدایت ہونا اور اس کے قانون کا دنیا کے حق میں بہترین ہونا ہے۔ ۶۸؎ یعنی اگر آپ کا یہ چیلنج یہ لوگ نہ قبول کر سکیں، اور یقیناً نہ کر سکیں گے تو آپ یقین کر لیجیے کہ ان کے انکار کا منشا کوئی اشتباہ عقلی کوئی نادانستہ غلط فہمی نہیں بلکہ محض ان کی خواہش نفس ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے بس انکار ہی کیے جانا چاہیے۔ ۶۹؎ ظالم لوگوں کو یعنی ایسے لوگوں کو جو اپنی ضلالت پر مصر ہیں اور قصد ہی ہدایت پانے کا نہیں کرتے۔ ۷۰؎ یعنی بار بار تازہ بتازہ سننے سے امید اُن کے قبولیت ایمان کی زیادہ بڑھتی ہے اور اس لیے یہ کلام تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً نازل کیا گیا لیکن یہ بدبخت خود اپنی مصلحت کی بھی قدر نہیں کرتے اور الٹا اسی کو بنائے اعتراض قرار دے رہے ہیں۔ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ۔ توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا و توصیل القول هو اتیان بیان بعد بیان (کبیر) وصلنا لهم القول ای اكثرنا لهم القول موصولا بعضه ببعض (راغب) یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مربوط رکھا۔ ای اتبعنا بعضه بعضا فی الانزال لیتصل التذكیر او فی النظم لتقرر الدعوة بالحجة والمواعظ بالمواعید والنصائح بالعبر (بیضاوی) المراد منه انا انزلنا القرآن منجما مفرقا یتصل بعضه ببعض لیكون ذلك اقرب الی التذكیر والتنبیه (کبیر) اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہمارا سلسلۂ وحی برابر شروع سے چلا آ رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا پیمبر آتا رہا۔

قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

رکھی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی (اسے)

مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا

مانتے تھے ۔ ان لوگوں کو ان کا اجر دہرا ملے گا اس لئے کہ

صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

یہ پختہ رہے اور یہ لوگ بدی کا دفعیہ نیکی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا

(اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ، اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي

کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے تم پر سلام ہو ہم

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ

بے سمجھ لوگوں سے (تعلقات) نہیں چاہتے ۔ جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے البتہ

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہے ، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنی سرزمین سے مار

اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ

کر نکال دیئے جائیں ۔ کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل

واے یعنی وہ جوان میں سے منصف مزاج اور اپنے دین صحیح پر قائم ہیں۔ نزلت فی اناس من اھل الکتب کانوا علی شریعۃ حقۃ متمسکون بھا (کبیر) مفسرین نے مختلف طبقات و افراد کے نام گنائے ہیں لیکن بقول صاحب بحر کے یہ سب نمونے اور مثالیں ہیں ان کل اہل کتاب کی جو بالآخر قرآن پر ایمان لائے۔ الظاھر انھا امثلۃ لمن آمن منھم (بحر) والضمیر فی بہ عائد علی القول و ھو القرآن (بحر) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی خصوصی سبب نزول سے کیا ہوتا ہے اعتبار تو عموم عبارت کا کیا جائے گا بس جس کسی میں بھی یہ صفات پائے جائیں گے وہ آیت کے حکم میں داخل ہوگا۔ و قد عرفت ان العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب فکل من حصل فی حقہ تلک الصفۃ کان داخلا فی الآیۃ (کبیر) واے (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بنا پر۔ اور اب بعد نزول اپنے اس ایمان کی تجدید کرتے ہیں) مُسْلِمِيْنَ کے لفظ پر حیرت نہ کی جائے ہر وہ شخص جو توحید و سلسلۂ وحی کا قائل ہو، مسلم کہا جا سکتا ہے۔ الاسلام صفۃ کل موحد مصدق بالوحی (بحر) واے (ہمیں ایسی صحبتوں سے تو معاف ہی رکھو) ای لا نطلب مخالطتکم (بحر) لَنَآ ..... الْجٰهِلِيْنَ۔ اس پورے فقرہ سے مقصود ان کی سلامت روی کا اظہار ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ یہ اپنے مخالفین کو سلام کرتے رہتے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ سلام متارکت و علیحدگی مقصود ہے۔ سلام متعارف مراد نہیں۔ قال الزجاج سلام متارکۃ لا سلام تحیۃ (بحر) قال ابو بکر ھذا سلام متارکۃ و لیس بتحیۃ (جصاص) و من الناس من یظن ان ھذا یجوز علی جواز ابتداء الکافر بالسلام و لیس کذلک لما وصفنا عن ان السلام ینصرف علی معنیین احدھما المسالمۃ التی ھی المتارکۃ والثانی التحیۃ التی ھی دعاء بالسلامۃ والامن (جصاص) اللَّغْوَ سے مراد ہے ایسا قول جس کے سننے سے انہیں تکلیف ہوتی ہو قال مجاھد الاذی والسب (بحر) يَدْرَءُوْنَ يُنْفِقُوْنَ۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ يَدْرَءُوْنَ میں حب جاہ سے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں حب مال سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عزیزوں قریبوں کے ایمان نہ لانے پر رنج قدرۃً اور زیادہ تھا اور شوق و اہتمام بھی انہیں کے ایمان لانے کا طبعاً زیادہ تھا۔ یہ آیت آپ کی تسلی کے لیے ہے کہ ہدایت کا تعلق تو مشیت تکوینی سے ہے اس میں آپ کی مرضی اور پسند کو دخل نہیں۔ لَا تَهْدِيْ۔ ہدایت کے ایک معنی تو راہ دکھانے، ارادۂ طریق کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس کی نفی پیمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی ہے۔ وہ تو پیمبر کے عین فرائض میں داخل ہے۔ دوسرے معنی ہدایت کے منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اور ایصال الی المقصود ہے۔ یہاں نفی اسی کی جا رہی ہے کہ یہ رسول کے بس کی چیز نہیں تمامتر مشیت تکوینی کے تابع ہے۔ واے (جیسے اور بہت سے مسلمان مارے نکالے جا چکے ہیں) آپ کے بعض کمزور معاصرین کا ایک عذر اپنے ایمان نہ لانے سے متعلق یہ تھا۔

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اتنی بات بھی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ

نہیں جانتے ف۷۶ اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر

مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

ناز تھا یہ ان کے گھر (اجڑے ہوئے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے

اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

مگر تھوڑی دیر کے لئے اور ہم ہی مالک رہے ف۷۷ آپ کا پروردگار

مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا

بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا

پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حال کے کہ وہاں کے باشندے

ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

شرارت کرنے لگیں ف۷۸ اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کو برتنے

الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا

کے لئے ہے اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار تر بھی، سو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ

تم لوگ نہیں سمجھتے؟ ف۷۹ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پا لینے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا

ع ۶

ف۷۶ یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ ہماری قدرت اور رزاقی پر غور نہیں کرتے کہ کہاں تو انہیں ایسے ویران اور بنجر سرزمین پر پیدا کیا اور پھر ایک دن کے لیے بھوکا نہ رکھا، رزق کی ہر قسم کی افراط بھی رکھی اور ان کے وطن کو حرم قرار دے کر کشت و خون تک سے اسے محفوظ کر دیا۔ ایسے قادر و رزاق مطلق کے لیے مشکل کیا ہے جو اپنے ایمان والے بندوں، اپنے اطاعت شعار غلاموں کو اپنے افضال خاص سے مستفید اور تنگی و فلاکت سے برابر محفوظ رکھے؟ ف۷۷ (اور کوئی ان کا ظاہری وارث بھی نہ رہا) اس میں ڈرایا ہے مکہ والوں کو کہ اپنی خوش عیشی و خوشحالی پر نازاں نہ ہوں۔ مکہ والوں کی خوشحالی آج بہت سے لوگوں کو ایک عجیب سی بات معلوم ہوگی۔ دماغ انہیں غربت زدہ، مفلوک الحال و نیم فاقہ کش سمجھتے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ تصویر واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ مکہ کی منڈی اپنے زمانہ کی یوں بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، اس پر اضافہ تاجران مکہ کے شمالی اور جنوبی تجارتی سفر، ایک موسم میں شام اور دوسرے میں یمن کی جانب۔ اس صورت حال نے مل ملا کر اہل جاہلیت کے تاجروں کو امیر کبیر بلکہ کہنا چاہیے کہ لکھ پتی بنا دیا تھا۔ اور چونکہ تجارت میں شرکت اور حصہ داری کا طریقہ بھی جاری تھا اس لیے دولت کی تقسیم بھی عام تھی۔ شاید ہی کوئی گھرانہ اس تجارتی منافع سے محروم رہتا ہو۔ اور منافع کا اوسط اصل رقم پر ۴۰ یا ۵۰ فیصدی نہیں، اکثر ۵۰، ۵۰ فیصدی ہوتا رہتا۔ ایسی خوشحال آبادی کے سامنے عبرت و تخویف کے لیے مثال بھی قدرۃً کسی متمول و خوشحال ہی قوم کی پیش کرنی مناسب تھی۔ ایک طرف ہندوستان، ایران و عراق کے مال کی اور دوسری طرف مصر شام اور رومی ملکوں کی ساری تجارت اس وقت کہنا چاہیے کہ عربوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۷۸ یہ قہر الٰہی کا ایک عام قانون بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اول تو کسی آبادی پر عذاب آتا نہیں جب تک پہلے اس کے صدر مقام میں خوب تبلیغ نہ ہو لے۔ اور پھر وہاں کے باشندے ایک مدتِ مدید تک مسلسل نافرمانیاں نہ کر لیں۔ ف۷۹ یعنی اس دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی و چند روزہ۔ بخلاف عیش آخرت کے کہ وہ بلحاظ نوعیت و کیفیت بھی کہیں اعلیٰ اور بلحاظ بقا تو دائم و قائم ہے۔

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ

جو گرفتار کرکے لائے جائیں گے ف۸۰ اور وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سے پکار کر کہے گا کہ

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے باب میں تمہارا زعم (ہی) تھا، (اس پر) وہ لوگ کہیں گے

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ

جن پر (اللہ کا) فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا، ف۸۱ اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انہیں بہکایا تھا

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا

ہم نے انہیں (بے شک) بہکایا تھا، جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ف۸۲ ہم تیری جناب میں دستبردار ہوتے ہیں ف۸۳ (اور) یہ

يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

لوگ کچھ ہم کو تو پوجتے نہ تھے ف۸۴ اور کہا جائے گا کہ اپنے (ان) شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے سو وہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

انہیں جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے ف۸۵ کاش یہ لوگ (دنیا میں)

يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ

راہ راست پر رہے ہوتے، اور جس دن (اللہ) ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے کیا جواب پیمبروں کو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ

دیا تھا؟ ف۸۶ اس روز ان (کے دل) سے (سارے) مضامین گم ہو جائیں گے اور آپس میں

لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے ف۸۷ البتہ جو کوئی توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک

صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

عمل کرے تو عجب نہیں کہ (ایسے لوگ) فلاح پانے والوں میں ہوں

ف۸۰ یعنی وہ متاع دنیوی میں بھولا رہنے والا کافر جو مجرم کی طرح قیامت میں پکڑ کر لایا جائے گا اور وہ مومن جس سے جنت کا وعدہ اور قطعی وعدہ ہو کر رہنے والا وعدہ ہے، یہ دونوں کہیں برابر ہوسکتے ہیں؟ ف۸۱ یعنی فرمودۂ عذاب۔ ای حق علیہ مقتضاہ (کبیر) و ھو قولہ تعالٰی لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین وغیرہ من ایات الوعید (بیضاوی) شُرَكَآءِيَ تَزْعُمُوْنَ۔ مراد ان شرکاء مستحق عذاب سے شیاطین ہیں۔ ف۸۲ یعنی جس طرح ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا ہم اپنے ہی ارادہ سے بہکے، ہم نے بھی ان لوگوں پر جبر نہیں کیا، یہ لوگ بھی اپنے ہی ارادہ سے بہکے ہیں۔ ف۸۳ (اپنے ان کے تعلقات سے) مقصود یہ ہے کہ آج جن کی شفاعت پر مشرکوں کو بھروسہ ہے کل وہ خود ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر علیحدہ ہو جائیں گے۔ ف۸۴ (بلکہ اپنے نفس وخواہش کے اشاروں پر چل رہے تھے) ف۸۵ (اس وقت اپنی آنکھ سے) منکرین کے سامنے ان کے حشر کی یہ تفصیلات لے آنے سے مقصود ان کے دلوں میں ان کے انجام کی ہیبت اور ہول کا اتارنا ہے۔ ف۸۶ سوال کے اندر خود متعدد علامتیں پوشیدہ ہیں کہ تبلیغ تو تم پر ہو چکی، رسول تو تمہارے پاس آچکے، اپنی بے خبری کا عذر تو پیش کر سکتے ہی نہیں ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے تبلیغ سے اثر کیا قبول کیا؟ ف۸۷ اپنے انجام کو سامنے دیکھ کر مارے ہول کے ان کی عقلیں معطل ہو جائیں گی۔ دماغ جواب دے دیں گے اور کچھ بتائے نہ بن پڑے گی۔ نہ خود ہی جواب سوجھے گا نہ دوسروں سے صلاح ومشورہ کرسکیں گے۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے جس چیز کو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو (حکم بھی) وہ پسند کرے ان لوگوں کو تجویز کا

الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

کوئی حق نہیں، ف۸۸ اللہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۹

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کا پروردگار سب کی خبر رکھتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں ف۹۰

وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى

اور اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (سب) تعریف اسی کی ہے دنیا میں (بھی)

وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ

اور آخرت میں (بھی) اور حکومت بھی اسی کی ہے اور اسی کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے ف۹۱

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى

آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ

رات ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کر دے؟

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر

النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے جو

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاؤ؟ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

ف۸۸ سارے تکوینی وتشریعی اختیارات اس کو اور صرف اس کو حاصل ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اپنے ارادہ واختیار کے غیر مستقل ہونے کا علماً وعملاً استحضار رکھنا جبریت محمودہ ہے۔ ف۸۹ (بلحاظ ذات بھی، بلحاظ صفات بھی) یونان کے "حکماء" بھی اکثر مشرک ہوئے ہیں۔ خدا کا وجود تسلیم کرنے کے بعد بھی عجیب عجیب قیود سے اسے مقید مانا ہے۔ آیت توحید کامل کی شارح ان سب شرکوں کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ ف۹۰ کھلا ہوا کفر اور چھپا ہوا نفاق سب اس پر روشن وآشکار ہے۔ ف۹۱ تاکید ہے اس کے اکیلے ہونے کی۔ اور دوسرے خداؤں کی نفی قطعی کی۔ یہ نہیں کہ منجملہ اور معبودوں کے ایک وہ بھی ہو۔ اتنا تو مشرکین بھی مانتے تھے۔ حکومت آج بھی حقیقۃً اسی کی ہے۔ آخرت میں چونکہ بالکل بلاوسائط ہوگی، عیاں وظاہر اور ہر ایک پر منکشف ہو کر رہے گی۔ محققین نے لَهُ الْحَمْدُ الخ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بالآخر خیر محض ہی ہے۔ ورنہ ہر حال میں حمد اس کے لیے ثابت نہ ہوتی۔

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنا دیئے کہ تم اس میں آرام (بھی)

فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

کرو اور تاکہ اس کی روزی (بھی) تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم شکر کرتے رہو ۹۲

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور جس روز اللہ انہیں پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں (اب) وہ جنہیں تم

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

میرا شریک قرار دیتے تھے؟ اور ہم ہر ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے ۹۳

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ

پھر ہم کہیں گے کہ کوئی دلیل اپنی پیش کرو سو (اس وقت) وہ (بالیقین) جان لیں گے کہ سچی بات اللہ کی تھی ۹۴ اور

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ

جو کچھ گڑھا کرتے تھے وہ سب ان سے کنارہ کر جائے گا ۹۵ قارون موسٰی کی قوم میں سے

قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

تھا ۹۶ سو اس نے ان کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا ۹۷ اور ہم نے اسے کتنے خزانے دے رکھے تھے

مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ

کہ اس کی کنجیاں زور آوروں کی ایک جماعت کو گرانبار کر دیتی تھیں ۹۸ جب کہ اس کی قوم نے

لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

اس سے کہا کہ اترا مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۹۹

وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ

اور جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے (بھی)

ف۹۲ (اس کی دونوں نعمتوں کا) "رات ہمیشہ ہوتا اس طور پر کہ شمس کو افق سے طلوع نہ ہونے دے یا اس کا نور سلب کر لے اور دن کا ہمیشہ ہونا کہ شمس کو غروب نہ ہونے دے یا بلا شمس ایسا نور پیدا کر دے" (تھانوی) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ روزی کمانے کے دھندے کو مِنْ رَّحْمَتِهٖ رحمت الٰہی کے تحت میں لا نا صاف اس امر پر دلیل ہے کہ معاشی مشغلے اسلام میں کتنی فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں۔ حقیر و ذلیل نہیں معزز و مکرم ہیں۔ و فيها اشارة الى مدح السعي في طلب الرزق و قد ورد الكاسب حبيب الله و هو لا ينافي التوكل (روح) مِنْ رَّحْمَتِهٖ میں من سببیہ قرار دیا گیا ہے۔ من ههنا للسبب اي و بسبب رحمته اياكم (بحر) ف۹۳ مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو اپنی اپنی امت کے کفر پر گواہی دیں گے۔ حجت تو کافروں پر خود انہیں کے قول سے پوری ہو جائے گی۔ اہتمام مزید کے طور پر بیرونی شہادتیں بھی مہیا کر دی جائیں گی۔ ف۹۴ (جو انبیاء کے ذریعہ سے ان تک پہنچ چکی تھی مگر پھر بھی اپنی حماقت سے اسے جھٹلاتے رہے تھے) کافروں سے کہا جائے گا کہ کوئی عذر، کوئی جواب رکھتے ہو تو اب پیش کرو تا۔ انکشاف کامل ہو چکے گا، سب خاموش و لاجواب رہ جائیں گے۔ ف۹۵ جتنے سہارے انہوں نے گڑھ رکھے تھے کوئی ان میں سے ذرا بھی کام نہ آئے گا ف۹۶ یعنی اسرائیلی تھا قبطی نہ تھا۔ اور صرف اسرائیلی ہی نہیں بلکہ حضرت موسٰی علیہ السلام کا ہم جد اور عزیز قریب بھی تھا۔ توریت میں نام قرح کر کے آیا ہے اور نسب نامہ یوں درج ہے۔ قرح بن اظہار بن قہات بن لاوی بن اسرائیل۔ ہمارے ہاں کے نسب ناموں میں املاء یوں آیا ہے۔ قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، قاہث پر جا کر موسٰی بن عمران کا بھی نسب نامہ مل جاتا ہے۔ اور قاہث بن لاوی جس طرح حضرت موسٰی کے جد امجد تھے اسی طرح قارون کے بھی تھے۔ اس رشتہ سے قارون آپ کے سگے چچا کا لڑکا ٹھہرتا ہے۔ ف۹۷ (اپنی دولت و تمول کی بناء پر) یعنی اس نے جماعت اسرائیل کے مقابلہ میں شیوۂ تمرد و طغیان اختیار کیا اپنی دولت پر نازاں ہو کر۔ بكثرة ماله (ابن جریر۔ عن قتادة) بغى عليه کے ایک معنی حسد کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ یہاں یہ معنی بھی لیے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اس کو اصلی حسد و عناد حضرت ہارون و حضرت موسٰی سے تھا۔ اور اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی، کوئی ۲۵۰ افراد کی اس کے ساتھ بھی تھی، اور وہ اور بنی اسرائیل میں سے بعض لوگ یعنی اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے، موسٰی کے مقابلہ میں اٹھے اور وہ موسٰی اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے (گنتی۔ ۱۶: ۲ و ۳) ف۹۸ یعنی وہ اتنا بڑا سرمایہ دار اور مہاجن تھا کہ ایک مستقل عملہ اس کے ہاں کنجی برداروں ہی کا تھا۔ مختلف تہ خانوں، چور دروازوں، کمروں، الماریوں، ان کے مختلف خانوں، تجوریوں، صندوقچیوں کی کنجیوں کی تعداد اگر پچاسوں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہو تو اس میں استبعاد ذرا سا بھی نہیں آج بھی ہر کروڑ پتی سیٹھ ساہوکار کے ہاں منشیوں، خزانچیوں، سیاہہ نویسوں، محاسبوں اور ان کے نائبوں، مددگاروں، چپراسیوں، پہرہ داروں کا کتنا بڑا عملہ کام کرتا رہتا ہے۔ کنجیاں ظاہر ہے کہ مختلف اہل کار مزدوروں کی طرح سر پر رکھ کر تو چلتے نہ ہوں گے، جیبوں ہی میں رکھتے یا کمر میں باندھتے ہوں گے۔ پھر اگر سو دو سو کنجیاں دس بیس آدمیوں کے عملہ پر تقسیم ہوں تو اس میں استبعاد کا شائبہ ہی کیا ہے؟ روایات یہود میں آتا ہے کہ یہ کنجیاں تین سو خچروں پر لد کر چلتی تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مَفَاتِحَ کے اصلی معنی تو کنجی ہی کے ہیں۔ جمع مفتح و هو ما يفتح به (بیضاوی) و هو الذي يفتح به الابواب (ابن جریر) لیکن بعض نے اس سے مراد خزانہ بھی لی ہے۔ و قال بعضهم عني بالمفاتح في هذا الموضع الخزائن لتثقل العصبة (ابن جریر) قيل بل عني بالمفاتح الخزائن انفسها (راغب) مَفَاتِحَ کے اگر یہ مجازی معنی لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ اس کے خزانہ کے حسابات، حفاظت و انتظام کے ماہرین (اولوا القوة) کا ایک بڑا عملہ موجود تھا۔ ف۹۹ اترا ہٹ یہی ہے کہ گھمنڈ کے نشہ میں انسان خدا اور بندوں کے حقوق واجب کی ادائی میں غافل ہو جائے اور یہاں تو اس کی کم ظرفی اسے پیمبر برحق سے سرکشی پر ابھار لائی تھی۔

نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ

اپنا حصہ فراموش مت کر ف۱۰۰ اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) حسن

اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ

پسند نہیں کرتا ف۱۰۱ اس نے کہا مجھ کو تو یہ سب میری ہنر مندی سے

عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

ملا ہے ف۱۰۲ کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ اس کے قبل کی امتوں میں ایسوں کو ہلاک

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ

کر چکا ہے جو قوت میں بھی اس سے بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی (ان کا) زیادہ تھا ف۱۰۳

وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں کرنا پڑتا ف۱۰۴ پھر وہ اپنے قوم والوں

قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ

کے سامنے اپنی (تجمل و) آرائش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب

الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ

تھے ف۱۰۵ بولے کاش ہم کو بھی ویسا ہی (سازوسامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بے شک وہ بڑا

حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ

خوش نصیب ہے ف۱۰۶ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے لیے

ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا

نیکی پڑے اللہ کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ تو

ف۱۰۰ یعنی یہ کوئی نہیں کہتا کہ تو ساری کی ساری دولت بندگان خدا کو دے ڈال۔ فراغت سے کھا، پی، عیش کر لیکن اپنے حدود کے اندر رہ۔ حقوق واجب کی ادائی پر توجہ کر کے اسی سرمایہ کو توشۂ آخرت بھی بنا لے۔ ولا تنس نصیبک من الدنیا و ھو ان تحصل بھا اٰخرتک و تاخذ منھا ما یکفیک (بیضاوی) ای لاباس بالتمتع بالوجوہ المباحۃ (کبیر) ای ما احل اللہ لک منھا (ابن جریر۔ عن الحسن) معنی ذلک لا تترک ان تطلب فیھا حظک من الرزق (ابن جریر) ف۱۰۱ راہ کفر و معصیت کے ساتھ ساتھ بار بار فساد فی الارض کو لا کر قرآن نے بتا اور جتلا دیا ہے کہ غیر اسلامی طریقے اس دنیا کے بھی امن و نظام کے برہم زن ہیں۔ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ۔ معاشیات کا ہر طالب علم آج یہ جانتا ہے کہ ہر سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کتنی تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ف۱۰۲ (اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا؟) "روشن خیال" قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسیوں کی سی باتیں ہیں۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے، یہ میں نے اپنی قوت بازو سے، اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ نہ میرے اوپر کوئی احسان کسی، نہ میری کمائی میں دوسروں کا حق۔ علی علم، قیل علم التجارۃ والامتعۃ وسائر المکاسب (بیضاوی) عارفین نے کہا ہے کہ علم و فضل، فن و ہنر کو اپنی جانب منسوب کرنا، اپنا ذاتی کمال سمجھنا اور اسے اللہ کا عطیہ نہ جاننا بھی اصل جڑ ہے مغضوبیت و مخذولیت کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح طریقت میں بھی ثمرات کو بجائے فضل و انعام خداوندی کے اپنی سعی و مجاہدہ کی جانب منسوب کرنا مذموم ہے۔ ف۱۰۳ قارون کی حماقت و کج فہمی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس کے اتنی عقل نہ آئی کہ اگر دولتمندی، ہنر مندی اور فن دانی ہی کا نتیجہ ہوتی تو پرانے بڑے بڑے سرمایہ دار اور ساہوکار اپنے کو تباہ ہی کیوں ہونے دیتے۔ اپنے کو ہمیشہ بربادی سے بچائے ہی کیوں نہ رکھتے؟ ف۱۰۴ یعنی ان جرائم کی تحقیقات سے متعلق کہ وہ تو خدا کو معلوم ہی رہتے ہیں۔ کسی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس کی رسوائی و تفضیح کے لئے اور اس پر مزید حجت قائم کرنے کی غرض سے سوالات کئے جائیں تو اور بات ہے۔ ف۱۰۵ یعنی ان کے اوپر محبت اسی دنیا اور اس کی مادی زیب و زینت کی غالب تھی۔ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ یعنی اسی زندگی کے زیب و زینت کو اپنا مقصد وجود بنائے ہوئے اور اپنا اصلی مطمح نظر قرار دیئے ہوئے تھے۔ ف۱۰۶ دوسروں کے ظاہری ساز و سامان یا ٹیپ ٹاپ پر پھسل پڑنا فطرت بشری میں ہمیشہ سے داخل رہا ہے۔ یہاں اہل ایمان بنی اسرائیل کی زبان پر اس کلمۂ رشک کا آنا۔ اسی فطرت بشری کا ظہور تھا۔ يٰلَيْتَ ...... قَارُوْنُ "یہ تمنا حرص کی بنا پر تھی۔ اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شب و روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں آتا ہے کہ اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت قارون کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اور روایات یہود میں مریدین کی ایک بڑی جماعت کا ذکر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کے مقابلہ میں یہ وَقَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اس پر دال ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو۔

يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ
صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ف۱۰۷ پھر ہم نے اس (قارون) کو مع اس کے مکان کے زمین میں

الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ
دھنسا دیا، سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلہ میں

اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ
بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا ف۱۰۸ اور کل جو لوگ

الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ
اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (اب) کہنے لگے بس تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ
اپنے بندوں میں سے جس کو اس کی مشیت ہوتی ہے خوب روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے)

لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ
تنگی سے دیتا ہے، اگر ہم پر اللہ نے (اپنا) کرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا بس تو

لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی ف۱۰۹ یہ عالم آخرت تو ہم

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ
انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں

وَ لَا فَسَادًا ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ
نہ فساد کرنا اور انجام (نیک) تو متقیوں ہی کا (حصہ) ہے، ف۱۱۰ جو کوئی نیکی لے کر

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
آئے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا

ف۱۰۷ اسرائیلیوں میں جو صاحب فہم و تقویٰ تھے انہوں نے اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے، اصل شے تو خدا کے ہاں کا اجر ہے اور وہ مشروط ہے ایمان وطاعت کے ساتھ اور اجر میں بھی درجۂ کامل کا مستحق وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو دنیوی حرص وطمع سے روکے رہے۔ وَيْلَكُمْ سے مقصود یہاں بددعا نہیں۔ عربی محاورہ میں ترحم یا تنبیہ کے موقع پر بھی آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ وال ہے مطلوبیت مجاہدہ پر۔ ف۱۰۸ یعنی نہ اس کی اپنی ہی ہنرمندی اور کارروائی کام آئی، جس پر اسے ناز رہتا تھا۔ اور نہ ہمدردوں کا وہ جتھا ہی کام آسکا جو اس نے پیدا کر لیا تھا اور جس پر اسے گھمنڈ تھا۔ زمین میں دھنسنے کا ماجرا توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ "تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا تم آپ کو اس گروہ سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں۔۔۔۔۔ تب خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو جماعت کو کہہ تم قرح اور داتن اور ابیرام کے خیمہ کے گرداگرد سے دور ہو۔۔۔۔۔ تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ یہ سب کام کروں اور کہ میں نے کچھ اپنی خواہش سے نہیں کیا۔ اگر یہ آدمی اسی موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا نہ ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں۔ پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلائے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جائے اور وہ جیتے جی گور میں جائیں تو تم جانو کہ ان لوگوں نے خدا کی اہانت کی ہے اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی فوراً پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا۔ اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قرح کے تھے اور ان سب کے مال کو نگل گئی سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے۔ اور زمین نے انہیں چھپا لیا۔ اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے (گنتی۔ ۱۶: ۲۰۔ ۳۳) مکانوں اور عمارتوں بلکہ پوری پوری آبادیوں کا زلزلہ وغیرہ کے اثر سے زمین میں دھنس جانا دنیا کی تاریخ میں نامعلوم نہیں اور پھر خدا اور بندوں کے ایسے مجرم کے لئے اس سزا سے دوچار ہونا تو کچھ ایسا غیر قدرتی بھی نہیں۔ ف۱۰۹ اب سب کے سب گھبرائے اور جو ابھی کل تک رشک کر رہے تھے یہ منظر دیکھ کر بولے کہ بیشک یہ ہماری حماقت تھی جو ہم دولت کی کمی بیشی کو بدنصیبی وخوش نصیبی سے تعبیر کر رہے تھے۔ یہ تقسیم تو سرتاسر حکمت تکوینی کے ماتحت ہے۔ حرص دنیا تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی تھی۔ یہ کہو اللہ نے ہمیں بچا دیا ورنہ آج یہی حشر ہمارا بھی ہونا تھا۔ توریت میں ہے:۔ "اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے آس پاس تھے ان کا چلانا سن کر بھاگے کہ انہوں نے کہا، نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جائے پھر خداوند کے حضور سے ایک آگ نکلی اور ان اڑھائی سو کو جنہوں نے بخور گزرانا تھا، کھا گئی"۔ (گنتی ۱۶: ۳۴ و ۳۵) وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ آخری اور انتہائی فلاح بیشک کافر کے نصیب میں نہیں۔ ف۱۱۰ عُلُوًّا۔ علو سے مراد معصیت نفسانی لی گئی ہے۔ اور فساد سے گناہ و تعدی اور دوسرے معانی بھی منقول ہیں۔ علو اے بغیا (ابن جریر) و ظلما (الضحاک) و کبرا (مدارک) فسادا اے عملا بالمعاصی (مدارک) "یہ علو اور فساد اگر حد کفر تک ہے تو مطلقاً مانع حصول ثواب آخرت ہے اور اگر حد کفر تک نہیں تو مانع حصول کمال ثواب آخرت ہے اور يُرِيْدُوْنَ کے لانے میں اشارہ ہے کہ عزم معصیت بھی معصیت ہے گو معصیت پر دسترس نہ ہو" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت قرآن کی ان آیات میں سے ہے جن میں چند مختصر الفاظ کے اندر گہرے اصول اور پورے پورے قانون بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس قابل ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اپنے اپنے کمرہ میں اس کا کتبہ لگا کر ٹانگ دے کہ ہر وقت پیش نظر رہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی جنہیں پانچواں خلیفۂ راشد سمجھا گیا ہے۔ ان کی بابت تاریخوں میں درج ہے کہ نزع کے وقت یہی آیت زبان پر تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخرت سے جس طرح عمل بالمعاصی مانع ہے اور فساد سے یہی مراد ہے اسی طرح کبر بھی اس سے مانع ہے اور علو سے یہی مراد ہے۔ اسی لیے اہل طریق ترک معاصی ہی کا سا اہتمام ازالۂ تکبر کا بھی کرتے ہیں۔ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ جس طرح کافر کی قسمت میں فلاح حقیقی سے محرومی ہے اسی طرح حسن عاقبت متقین کے نصیب کے ساتھ مخصوص ہے۔

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

سو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں بدلہ بس اتنا ہی ملے گا جتنا وہ کرتے تھے ف۱۱۱ جس (خدا) نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو آپ کے وطن میں پھر پہنچا کر رہے گا ف۱۱۲ آپ کہہ دیجیے، میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے ف۱۱۳ اور آپ کچھ (اس کا) آسرا لگائے ہوئے نہ تھے کہ آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جائے گی، مگر آپ کے پروردگار کی رحمت سے (نازل ہوئی) سو آپ (ان) کافروں کی ذرا بھی تائید نہ کیجیے گا ف۱۱۴ اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہوں تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ ان سے آپ کو روک دیں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیے اور (ان) مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے ف۱۱۵ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے ف۱۱۶ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے

ف۱۱۱ یعنی عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عمل بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملا کرے گا جس کا اقل درجہ حدیث نبوی کے مطابق دس گنا ہے ۔ قرآن کا خدا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کریم ورحیم، تواب وغفار ہے مشین کی طرح بیجان، بے ارادہ خدا نہیں۔ ف۱۱۲ (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحبِ حکومت ہوں گے) یہ آپ کی تسلی میں اس وقت ارشاد ہوا جب ہجرت کے بعد مفارقتِ وطن سے آپ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا۔ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ ۔ یعنی قرآن کو بہ طور حکم کے آپ پر اتارا ہے۔ اس پر عمل آپ پر واجب کیا ہے۔ اے اوجب علیک العمل بہ (راغب) ف۱۱۳ مطلب یہ ہے کہ میرے حق ہونے اور تمہارے باطل ہونے پر تو دلائل قطعی موجود ہیں۔ ادنیٰ سے غور میں سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جب ان سے کام ہی نہیں لیتے ہو تو خیر۔ اخیر جواب یہ ہے کہ اللہ ہی بتلا دے گا۔ ف۱۱۴ (جیسا کہ اب تک بھی ان سے الگ تھلگ تو رہے ہیں۔) آیت میں تردید ان لوگوں کی ہے جو کہتے تھے کہ اپنی محنت وکوشش کے بعد آپ نے دعویٰ مرتبۂ نبوت کا کر دیا ہے۔ ف۱۱۵ (بلکہ جیسا اب تک شرک سے معصوم رہے ہیں، آئندہ بھی رہیے)" ان آیتوں میں کفار ومشرکین کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور روئے سخن انہیں کی طرف ہے کہ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا بھی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اس سے بات نہیں کیا کرتے۔ اپنے محبوب سے باتیں کر کے اسی شخص کو سنایا کرتے ہیں" (تھانوی علیہ الرحمۃ) مفسرین نے کہا کہ لفظاً یہاں خطاب آپ سے ہے لیکن مراد آپ کی امت والے ہیں۔ الخطاب فی الظاهر للنبی ﷺ ۔ المراد به اهل دینه (معالم۔ عن ابن عباس) لعل الخطاب معه و لكن المراد غيره (کبیر) و هذه المناهي كلها ظاهرها انها للرسول و هي في الحقيقة لاتباعه (بحر) ف۱۱۶ اس میں رد آ گیا ان ساری مشرک قوموں کا جنہوں نے صانع مطلق کے ساتھ ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو بھی ازلی وابدی تسلیم کیا ہے۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں نے اس آیت سے اپنے عقیدہ پر بھی استدلال کیا ہے ان کی تقریر یہ ہے کہ آیت میں ھَالِكٌ بصیغۂ اسم فاعل ہے، نہ کہ یھلک بصیغۂ مضارع وبمعنی مستقبل، گویا مراد یہ نہیں کہ عملی فنا آئندہ کسی زمانہ میں طاری ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ عملی فنا ہر موجود پر مستقلاً طاری ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور اس کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے جب ہالک کو کالہالک اور معدوم کو کالمعدوم کے معنی میں لیا جائے اور مراد یہ بھی جائے کہ موجودات کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب سے ہر وقت قابل عدم ہے اور وجود مثل لا وجود کے ہے۔ وَجْهَهٗ سے مراد ذات باری ہے۔ اے الا ذاته (بیضاوی) الوجه هو الوجود و الحقيقة (کبیر) والمراد كل شيء هالک الا هو (کبیر) اے الا اياه (ابن کثیر) الا اياه قاله الزجاج (بحر) فالوجه يعبر به عن الذات (مدارک)

آیاتھا ۶۹ ۲۹ سورۃ العنکبوت مکیۃ ۸۵ رکوعاتھا ۷

اس کی انہتر آیتیں سورۂ عنکبوت مکی ہے اور سات رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا

الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے

اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ

کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے ف۱ اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان

قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ

سے قبل گزرے ہیں سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر

الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ

رہے گا ف۲ ہاں تو کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ یہ بھی خیال کر رہے ہیں

اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾ مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا

کہ یہ ہم سے نکل بھاگیں گے کیسی بیہودہ ان کی (یہ) تجویز ہے! جو کوئی اللہ سے

لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ

ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت تو ضرور ہی آنے والا ہے ف۳ اور وہ بڑا سننے والا ہے،

الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ

بڑا جاننے والا ہے ف۴ اور جو کوئی محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے ف۵ بے شک

اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے ف۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل

ف۱ (طرح طرح کے مصائب سے) یعنی ایسے امتحانات ضرور پیش آئیں گے۔ اشارہ ہے ان مومنین کی طرف جو کفار کی ایذاء سے گھبرا گئے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس امر پر دال ہے کہ مجاہدہ وصول الی المقصود کے شرائط عادیہ میں سے ہے۔ اگرچہ اضطراری ہی ہو۔ ف۲ یعنی جس طرح سابق امتوں کے مومنوں کی آزمائشیں ہو چکی ہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی یہ معاملات پیش آ کر رہیں گے، جو اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں وہ امتحان سے اور پختہ ہو جاتے ہیں اور جن کے دعوے محض زبانی ہوتے ہیں وہ نکل بھاگتے ہیں۔ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ "اللہ جان کر رہے گا" یعنی علم ظاہری سے، خلقت کی نظر میں، ورنہ حقیقۃً تو اللہ کو علم شروع ہی سے ہے۔ ف۳ (سو ایسوں کو تو ان واقعات سے پریشانی کی مطلق کوئی وجہ نہیں۔ وقت موعود پر ان کے سارے غم غلط ہو کر رہیں گے) اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا۔ مشرک جاہلی قوموں کا اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس کر کے خود حق تعالیٰ کے متعلق بھی یہ سمجھے رہنا کہ اس کی گرفت سے نکل جانا بالکل ممکن ہوگا، ذرا بھی تعجب انگیز نہ تھا۔ ف۴ ہر طاعت قولی سے واقف۔ ہر طاعت فعلی پر مطلع۔ اس کی راہ میں آج جتنی بھی کلفتیں انہیں اٹھانا پڑ رہی ہیں سب کی جزائے خیر ایک ایک کر کے انہیں مل کر رہے گی۔ خدائے اسلام جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کی طرح نہیں کہ اس کا علم ناقص ہو، اس کے حواس محدود ہوں وغیرہا۔ ف۵ (نہ یہ کہ اس سے اس کے معبود کو کوئی نفع پہنچے) بنفسہٖ یعنی اپنے ہی نفع و راحت کے لیے — اپنے نفع کا علم ہو جانے کے بعد قدرۃً ہر مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا کہ بندے جس طرح خدا کے محتاج ہیں، خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے اور جس طرح وہ ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں! ف۶ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ "بے نیاز" یہاں اردو کے "بے پروا" کے معنی میں نہیں، غیر محتاج کے معنی میں ہے۔ یعنی تم جو خدا کو بھی کسی معنی میں اپنا محتاج و دست نگر سمجھ رہے ہو یہ تمامتر جہل ہے، وہ تو مخلوق میں سے کسی کا، کسی معنی میں بھی دست نگر نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں مجاہدہ کے بعد عجب اور دعویٰ استحقاق پیدا ہونے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

بھی کیے ہم ان کے گناہ ان سے دور کر کے رہیں گے و۷ اور ہم ان کو ان کے اعمال کا

اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے و۸ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو

بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا

اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

میں تمہیں جتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہتے تھے و۹ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَ مِنَ النَّاسِ

عمل کیے انہیں ہم نیک بندوں میں داخل کر کے رہیں گے اور بعضے آدمی ایسے ہیں

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب اللہ (کی راہ) میں تکلیف پہنچائی

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ

جاتی ہے تو لوگوں کی اذیت رسانی کو مثل عذاب الٰہی کے سمجھنے لگتے ہیں و۱۰ اور اگر کوئی مدد آپ کے

رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

پروردگار کی طرف سے آ پہنچتی ہے و۱۱ تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے ہی و۱۲ کیا اللہ کو

بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں خوب معلوم نہیں؟ و۱۳ اور اللہ ایمان والوں کو بھی

و۷ چنانچہ مومنین صالحین کے بعض گناہ محض توبہ سے کہ وہ بھی ایک فرد ہے عمل صالح کی معاف ہو جائیں گے اور بعض دوسرے حسنات سے اور بعض محض فضل خداوندی سے۔ و۸ یعنی ان کے اعمال حسنہ کی جزا ان کے اصل استحقاق سے کہیں بڑھ کر۔ و۹ والدین کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں عام ہے، بار بار آیا ہے۔ اس خاص آیت سے متعلق واقعہ نزول صحیح مسلم و جامع ترمذی دونوں میں یہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب ایمان لے آئے تو ان کی مشرک والدہ بہت ہی ناخوش ہوئیں اور قسم کھا کر کہا کہ میں کھانا چھوڑتی ہوں اور چھوڑے رہوں گی جب تک تو اسلام ترک نہ کرے گا — یہ گویا تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال (بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال) کی تھی — اس پر آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت نہیں۔ لیس لک بہ علم۔ علم سے مراد دلیل، شہادت یا ثبوت ہے۔ و۱۰ (اور اس بشری گزند رسانی کے خوف سے نہ صرف زبان سے باطل کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں بلکہ دل تک کو انہیں عقائد باطلہ کے موافق بنا لیتے ہیں) فی اللہ۔ فی سببیہ ہے۔ یعنی اللہ کی خاطر۔ اللہ کے سبب سے۔ یا اللہ کی راہ میں۔ ای لاجلہ عز و جل علی ان فی للسببیۃ او المراد فی سبیل اللہ (روح) و۱۱ مثلاً جہاد ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ و۱۲ (دین و عقیدہ میں دل سے) یعنی جب مسلمانوں کے بس میں آ جاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو مسلمان شروع ہی سے تھے۔ کافروں کے ساتھ محض مجبوریوں اور مصلحتوں سے ہو گئے تھے۔ و۱۳ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو رد کر کے فرماتا ہے کہ عالم الغیوب والسرائر سے بھی یہ چالاکی! "تم مسلمان تھے ہی کب؟" "ہر چند کہ اکراہ میں تلفظ بکلمہ کفر کی اجازت ہے مگر ملامت اس پر ہے کہ دل سے کیوں کفر کیا تھا، جیسا صدور کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا اور کافر
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ
ایمان والوں سے کہتے ہیں ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ
وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ
حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا
یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ
مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا
کچھ اور گناہ بھی ۱۴ اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی جیسی جیسی باتیں
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ
یہ گڑھتے رہتے تھے، اور بالیقین ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان کے درمیان
فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ
پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان نے
الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ
آ دبایا اور وہ (بڑے) ظالم لوگ تھے پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو
السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ
بچا لیا، اور ہم نے اس (واقعہ) کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا ۱۵ اور ابراہیم کو (بھی ہم نے
قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
پیغمبر بنا کر بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈرو، یہ بہتر ہوگا تمہارے حق میں

ف ۱۴ یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے یہ لوگ سبب و باعث بنے تھے گو اس سے سبکدوشی ان اصلی گنہگاروں کی بھی نہ ہو جائے گی۔ مِنْ خَطٰیٰھُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ زائد تاکید استغراق یا تاکید نفی کے لیے ہے۔ یعنی "کچھ بھی" یا "ذرا بھی"۔ من مزیدۃ لتاکید الاستغراق (روح)

ف ۱۵ حضرت نوح اور طوفان نوح وغیرہ پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) اور سورۂ ہود (پ ۱۲) میں گزر چکے۔ فَلَبِثَ ...... عَامًا۔ حضرت نوح کی عمر سے متعلق توریت میں ہے:۔ "اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا اور نوح کی ساری عمر ساڑھے نو سو برس کی تھی۔ تب وہ مر گیا" (پیدائش۔ ۲۹:۹) حضرت آدم سے اس وقت تک حسب تصریح توریت کل دس پشتیں گزری تھیں اور اوسط عمر بھی اس وقت کا آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھا۔ اس لیے آپ کی اتنی عمر چنداں مستبعد بھی نہیں۔ خود آپ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال کی ہوئی تھی اور آپ کے دادا کی عمر تو آپ سے بھی کچھ زائد ۹۶۹ سال کی ہوئی تھی۔ نو سو سال سے اوپر عمروں کا ہونا تو اس وقت سے ذرا پہلے معمول عام ہی تھا۔ اس لیے ان کی اس قدر عمر خیر محال بلکہ مستبعد تو کیا ہوتی اس وقت کے معیار کے لحاظ سے کچھ ایسی طویل بھی نہیں کہی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وَ جَعَلْنٰھَا۔ ھا کی ضمیر مؤنث عقوبۃ کی طرف بھی گئی ہے۔ اور جائز ہے کہ سفینۃ کی جانب لی جائے۔ اور سب سے بہتر ہے کہ نجات کی طرف بھی جائے۔ الھاء والالف فی جعلنا ھا للسفینۃ او للعقوبۃ او للنجاۃ (قرطبی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج

اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ

رہے ہو اور جھوٹ تراشتے ہو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر

دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

پوج رہے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے ف۱۶ سو تم لوگ رزق اللہ کے ہاں سے

الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو ف۱۷ اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ف۱۸

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا

اور اگر تم لوگ (مجھے) جھٹلا رہے ہو، تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، اور

عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ

پیمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہوتا ہے ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ

يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی

يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ

آسان بات ہے، آپ کہیے تم لوگ زمین میں چلو پھرو، پھر اس پر نظر کرو اللہ نے کس طرح

الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

مخلوق کو اول بار پیدا کیا، پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بے شک اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ

چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ف۲۰ عذاب دے گا جس کی بابت اس کی مشیت ہوگی اور رحم کرے گا اس پر جسے

ف۱۶ نہ وہ ہوائیں چلانے پر قادر، نہ وہ دریا سائی بخارات اٹھانے پر قادر، نہ وہ فضا میں بادل کے پھیلانے پر قادر، نہ وہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ وہ زمین کے آفتاب سے تپانے پر قادر، نہ وہ زمین میں قوت نمو پیدا کرنے پر قادر، زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت و حرفت غرض معاش کی کسی ایک صفت کے بھی اسباب مؤثر ان کے بس میں ذرا سے بھی نہیں۔ رِزْقًا کی تنوین تحقیر رزق کی تقلیل و تحقیر کے لیے ہے۔ یعنی کوئی ادنیٰ سا بھی رزق ان معبودان باطل کے بس میں نہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ اور قوم ابراہیم پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۱۷ (کہ وہی ہر قسم کے نفع کا مالک ہے۔ تمہارے ہر نفع کا منبع بھی وہی ہے) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ اللہ سے تمہارا تعلق محض بحیثیت الٰہ المعاد کے نہیں، الٰہ معاش بھی وہی تو تمہارا ہے۔ سارے معاشی واسطے اور وسیلے اسی سے نکلتے ہیں۔ اسی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ الرِّزْقَ۔ رزق کا صیغہ معرفہ میں آنا اس کی کلیت و استغراق کے لیے ہے۔ یعنی سارے کا سارا رزق۔ ای کله علی ان تعریف الرزق للاستغراق (روح) وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ ہر قسم کے حقوق اسی کے مقرر کیے ہوئے ادا کرتے رہو۔ ف۱۸ جس طرح ہر نفع کا مالک وہی ہے، ہر ضرر کا بھی مالک وہی ہے۔ حساب کتاب اسی کو دینا ہوگا۔ آخری واسطہ اور سابقہ صرف اسی سے ٹھہرے گا۔ ف۱۹ (جس کے بعد اس کے او پر امت کے کسی قول و فعل کی ذمہ داری نہیں) ف۲۰ (خلق اول پر بھی اور اعادۂ خلق پر بھی) اَوَلَمْ يَرَوْا۔ دعوت استدلال غور و فکر سے ہے — انسان اگر صرف اپنی ذات ہی میں، اپنے نیست سے ہست ہو جانے ہی پر غور کرے تو یہ حق تعالیٰ کی قوت ایجاد و ابداع پر اعتقاد پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ۔ دعوت استدلال مشاہدات مادی سے ہے — انسان اگر دوسری مخلوقات کے عجائبات پر نظر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی ہر قدرت کا کلمہ پڑھ اٹھے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ان اہل طریق کا مستدل ہے جنہوں نے راہ سیاحی اختیار کی ہے۔ یہ گھوم پھر کر احوال خلق سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اس میں ان کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ خلق سے تعلقات میں کمی ہو اور زندگی، گمنامی، کسمپرسی، بے نشانی میں بسر ہو اور معصیتوں کے اسباب ہی پر دسترس کم سے کم ہو جائے۔

يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي

وہ چاہے گا اور اسی کے پاس تم سب لوٹ کر جاؤ گے ف۲۱ اور تم نہ زمین میں ہرا

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

نہ کارساز ہے نہ مددگار ف۲۲ اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں اور سامنے جانے کے

وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

منکر ہیں وہی تو ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہوں گے ف۲۳ اور وہی تو ہیں جنہیں

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا

عذاب دردناک ہوگا سو ان (ابراہیم) کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ کہنے لگے

اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انہیں قتل کر ڈالو یا انہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ان کو (اس) آگ سے بچا لیا ف۲۴ بے شک (اس واقعہ) میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۵ اور (ابراہیم نے یہ بھی) کہا کہ تم نے تو بس

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ

اپنے باہمی تعلقات دنیا کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بت تجویز کر رکھے ہیں پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

قیامت میں تم سے ایک دوسرے کا منکر ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت

بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

کرے گا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حامی نہ ہوگا ف۲۶

ف۲۱ اس ذرا سے فقرہ میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آگیا۔ ایک یہ کہ سب کا حشر حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے۔۔ مسیحیوں اور دوسرے اہل باطل کی تردید۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ مشیت عذاب ہمیشہ اسی کے متعلق ہوگی جو مستحق عذاب ہوگا اور مشیت رحم اسی کے متعلق ہوگی جو رحمت کا اہل ہوگا۔ ف۲۲ یعنی اس کی تعذیب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ اپنی کسی تدبیر سے بچ سکتے ہو نہ کسی دوسرے کی حمایت و نصرت سے۔ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی تمہاری تو تمیں تو ساری کی ساری اسی کی محکوم و تابع ہیں۔ وَلَا فِي السَّمَآءِ۔ نہ آسمان پر کوئی دیوی دیوتا تمہاری مدد کو موجود ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک مضمون عہد عتیق میں ہے:۔ ”تیری روح سے میں کدھر جاؤں اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا“۔ (زبور، ۹ ۱۳۹:۷-۹)

ف۲۳ (قیامت کے دن) یعنی جب انکشاف حقائق کا وقت ہوگا تو انہیں خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ ہم تو محل رحمت ہی نہیں! يَئِسُوْا۔ صیغہ ماضی ہے لیکن یہاں مضارع کے معنی کھلے ہوئے ہیں۔ اور جس مستقبل کا تحقق یقینی ہے اس کے لیے ماضی کا صیغہ لے آنے کا دستور عربی فن بلاغت میں عام ہے۔ رَحْمَتِيْ۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عذاب کو یوں بھی مطلق چھوڑ دینا اور رحمت کا انتساب اپنی جانب صیغہ واحد متکلم کے ساتھ کرنا، یہ خود غلبہ رحمت الٰہی کے آثار میں سے ہے۔ ف۲۴ ذکر وہی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا چل رہا ہے۔ ان واقعات پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۲۵ (نشانیاں اللہ کے قادر مطلق ہونے کی پیمبران برحق کے منصور ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی) ف۲۶ مشرک جاہلی قوموں میں عموماً ہر ہر قبیلہ کے بت جداگانہ رہتے تھے اور قوم وار اور قبیلہ وار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قوم یا قبیلہ میں نظم یا اتحاد قائم رہے گا۔ قیامت کے دن جب منکشف ہو جائے گا کہ یہ سیاسی یا معاشرتی مصلحتیں کس درجہ بے حقیقت تھیں تو احمق پجاری ایک دوسرے کے خلاف خوب دل کھول کر بخار نکالیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اتحاد و اتفاق سبب بن جائے فساد دین کا، اس کا ترک واجب ہے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ

پھر لوط نے ان کی تصدیق کی ف۲۷ اور (ابراہیم) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کرکے چلا جاؤں گا

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

بے شک وہی بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۸ اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کیے ف۲۹

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ

اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا ف۳۰ اور ہم نے ان کو ان کا صلہ

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا

دنیا میں (بھی) دیا اور آخرت میں یقیناً وہ (بڑے) نیک کاروں میں ہوں گے ف۳۱ اور لوط کو (بھی ہم نے پیغمبر بنا کر

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ

بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

دنیا جہان والوں میں کسی نے نہیں کیا ف۳۲ ارے! تم تو مردوں سے

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ

فعل کرتے ہو اور تم رہزنی کرتے ہو اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا

الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

ارتکاب کرتے ہو ف۳۳ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ

لے آؤ اگر تم سچے ہو (لوط نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار

انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ

مجھے (ان) مفسد لوگوں پر غالب کر دے ف۳۴ اور جب ہمارے قاصد

ف۲۷ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آگے چل کر خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ مفصل حاشیے پچھلی سورتوں میں گزر چکے۔ ف۲۸ وہ میری حفاظت پر بھی ہر طرح قادر ہے اور میری رہنمائی پر بھی۔ اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی اس مقام کی طرف جو میرے پروردگار کا بتایا ہوا ہے۔ الی حیث امرنی بالتوجه الیه (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ اِلٰی رَبِّیْ تفسیری فقرہ الی حیث امرنی ربی سے کہیں زیادہ بلند و بلیغ ہے۔ یہ کہ اس میں توجہ تمامتر پروردگار ہی کی طرف ظاہر ہورہی ہے نہ کہ کسی جہت و مقام کی طرف۔ اِلٰی رَبِّیْ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اسی طرح طریقت میں اپنے رب کی طرف قصد و توجہ ہوتا ہے اپنی خواہش و اختیار و ہستی کو ترک کرکے۔ ف۲۹ (بطور بیٹے اور پوتے کے) ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۳۰ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپ کے بعد بھی مسلک توحید و رسالت کی دعوت آپ ہی کی اولاد اور اولاد در اولاد کے ذریعہ سے ہوتی رہی۔ قرآن مجید میں یہ کہیں بصیغۂ حصر تو وارد نہیں ہوا ہے لیکن جا بجا جہاں بھی اس نعمت کا ذکر آیا ہے سب کے سیاق پر غور کرنے سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ منصب نبوت اور عقیدۂ توحید دنیا میں نسل ابراہیمی ہی کے ساتھ مخصوص رہا ہے جس کی دو بڑی شاخیں اسرائیلی اور اسمٰعیلی ہیں۔ الْکِتٰبَ۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ قصد به جنس الکتاب (کشاف) ف۳۱ دنیا میں مال، جاہ، عزت، خوش اقبالی نے آپ کا ساتھ دیا اور آخرت میں آپ مراتب قبول و قرب سے نوازے گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی نعمتوں سے سرافرازی جیسا کہ بعض اہل اللہ کو ہوتی رہتی ہے آخرت میں ان کے مرتبہ کو گھٹا نہیں دیتی۔ ف۳۲ حضرت لوط اور ان کی قوم سے متعلق حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی گزرا ہے جب انسان بدکاری کی اس خاص صورت سے واقف بھی نہ تھا اور یہیں سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے اس حرکت کے خلاف وضع فطرت ہونے پر۔ وہ کہتے ہیں کہ امر خلقی و طبعی محتاج کسب و تعلیم نہیں ہوتا۔ اور جب انسان اس فعل سے ہزار ہا سال تک واقف نہ ہوا تو یہ خواہش اس کی فطرت و طبیعت میں داخل نہیں ہوسکتی، اس گندی حرکت کے تاریخی پہلو پر بھی حاشیہ سورۃ الاعراف ہی کے ذیل میں آچکا ہے۔ ف۳۳ قوم لوط علاوہ اس مخصوص گندگی کے اور بھی طرح طرح کے جرائم میں مبتلا تھی، حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ فقہاء نے کہا ہے۔ ناچ رنگ اور عام منکرات کی محفلیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں — اور جب یہ حال ان مجلسوں کا تھا تو آج تھیٹر اور سینما اور میوزک ہال اور آپیرا ہاؤس اور پکچر گیلری وقس علی ہذا کے جو احکام ہیں، وہ بالکل ظاہر ہیں۔ ف۳۴ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اعداء دین پر بددعا کرنے کا جواز ثابت ہے۔ نیز یہ کہ ایسی بددعا حلم و کرم وغیرہ کمالات اخلاق کے منافی نہیں۔

رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ

ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے ف۳۵ تو کہنے لگے ہم اس بستی والوں کو

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۖ قَالَ اِنَّ

ہلاک کرنے والے ہیں بے شک اس کے باشندے بڑے بدکار ہیں ف۳۶ (ابراہیم نے) کہا (مگر)

فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہاں تو لوط (بھی) ہیں (فرشتے) بولے ہم کو خوب معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے ہم لوط اور ان کے گھر والوں کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّآ

بچا دیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہوگی ف۳۷ اور پھر جب

اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

ہمارے (وہ) قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان (کے آنے) سے مغموم ہو گئے اور ان کے سبب سے

ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

بہت تنگ ہوئے ف۳۸ (اس پر ان فرستادوں نے) کہا آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں ہم بچا لیں گے آپ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا

اور آپ کے گھر والوں کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہوگی ہم

مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

اس بستی کے باشندوں پر ایک عذاب آسمانی ان کی بدکاریوں کی پاداش میں

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیے ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ

ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ف۳۹ اور مدین (والوں) کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (پیمبر بنا کر

ف۳۵ یہ قاصد انسانی شکل میں اللہ کے فرشتے تھے۔ جو حضرت ابراہیم کے پاس ان کے صاحبزادہ اسحٰق کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) اور سورۃ ہود (پ۱۲) کے حاشیے۔ رُسُلُنَا۔ رَسُوْلٌ یہاں پیمبر کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ قاصد کے عام لغوی معنی میں ہے۔ اَلْبُشْرٰى۔ بشارت سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت مراد ہے۔ ف۳۶ مراد وہ بستیاں ہیں جن میں قوم لوط آباد تھی، یعنی شہر سدوم اور اس کے مضافات۔ ف۳۷ حضرات انبیاء شفقت مجسم ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم تو شاید شفقت میں اور زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ فرشتوں سے سفارش ایک لطیف انداز میں کی۔ حضرت لوط کی بیوی اور ان کے انجام کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ سورۃ الاعراف (پ۸) سورۃ ہود (پ۱۲)۔ لَنُنَجِّيَنَّهٗ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے مستفاد فرمایا کہ کسی مجمع میں اہل اللہ کا ہونا اس پر نزول عقوبت سے مانع ہو جاتا ہے اور اس سے اہل اللہ کا جدا ہو جانا تو اس مانع کا ارتفاع ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ۔ یہ بھی فرمایا کہ مقربین کے ساتھ محض قرابت کا تعلق بدون ایمان کے نافع نہیں۔ ف۳۸ (اپنی نالائق قوم کی حرکتوں کا خیال کر کے کہ وہ ضرور انہیں چھیڑیں گے) یعنی ذَرْعًا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے مستنبط فرمایا کہ طبعی غم اور حزن، کمال کے منافی نہیں جب کہ ان کے مقتضائے غیر مشروع پر عمل نہ کیا جائے۔ یہ فرشتے حسین نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔ اور سدوم والے یوں بھی پردیسیوں کے دشمن تھے۔ انہیں طرح طرح ستایا کرتے تھے۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب شدت ناگواری برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہو۔ اور انسان عاجز آیا جا رہا ہو۔ و قد جعلت العرب ضيق الذراع والذرع عبارة عن فقد الطاقة (کشاف) اے عجز عنهم (راغب) ف۳۹ سدوم والوں کی تہ و بالا شدہ آبادیوں کے کھنڈرات تک نگاہ عبرت کے لیے شرق اردن میں بحر مردار (DEAD. SEA) کے شرق میں موجود ہیں۔ اور بحر مردار خود ایک عبرت گاہ ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ
(بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو

وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ
اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾
پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے ف۴۰

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ
اور عاد و ثمود کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ تم پر ان کے مسکنوں سے ظاہر ہو چکا ہے ف۴۱

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں خوش نما کر دکھایا تھا اور ان کو راہ (حق) سے روک

السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ
رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے ف۴۲ اور قارون اور فرعون اور

وَهَامٰنَ ۟ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
ہامان کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور موسیٰ یقیناً ان لوگوں کے پاس کھلے نشان لے کر آ چکے تھے،

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾
لیکن انہوں نے زمین پر سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے ف۴۳

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ
سو ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا، سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تند ہوا

حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ
بھیجی اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آ دبایا ف۴۴

ف۴۰ شعیب علیہ السلام۔ مدین وغیرہ سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۴۱ یعنی ان کی آبادی کے نشان ان کے موجودہ کھنڈروں اور آثار قدیمہ سے ظاہر ہیں۔ عاد، ثمود دونوں پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکے ہیں۔ عرب تجارتی قافلے اپنے شام اور یمن کے سفروں میں اکثر ان مقامات سے گزرتے بھی رہتے تھے۔ ف۴۲ ان شامت زدہ قوموں میں لوگ ایسے نہ تھے جو عام طور سے احمق، بیوقوف، وحشی، لاعقل سمجھے جاتے۔ اچھے خاصے مہذب، شائستہ، متمدن لوگ تھے۔ دنیا کے اور سارے معاملات میں بڑے سوجھ بوجھ والے، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے صناع، بڑے بڑے جہازراں، بس ایک دین ہی کے معاملہ میں غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے — گویا ہو بہو نقشہ آج کی مہذب و متمدن قوموں کا! ف۴۳ (اور اپنی کسی حکمت و تدبیر، کسی صنعت و تزویر، کسی زور و قوت، کسی دولت و حشمت سے اپنے کو بچا نہ سکے) فرعون پر تو بار بار اور قارون و ہامان پر قریب میں حاشیے گزر چکے۔ ف۴۴ (غرض کسی نہ کسی طریق پر وہ عذاب الٰہی کی گرفت ہی میں آ کر رہے) مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا۔ مثلاً قوم عاد پر۔ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ۔ مثلاً قوم ثمود کو۔ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ۔ مثلاً قارون و بیت قارون کو۔ مَنْ اَغْرَقْنَا۔ مثلاً فرعون اور اس کے لشکر کو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ

اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے

اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا

غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ف۴۵ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ

کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے اس نے ایک

بَيْتًا ۗ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ

گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے ف۴۶

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ

کاش انہیں اس حقیقت کا علم ہوتا ف۴۷ بے شک اللہ کے سوا جس کسی کو بھی پکارتے

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

رہتے ہیں ف۴۸ اللہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے، ف۴۹

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے

اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ہی سمجھتے ہیں ف۵۰ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

بِالْحَقِّ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

(بالکل) ٹھیک طور پر، اس میں (بھی بڑی) دلیل ہے ایمان والوں کے لیے ف۵۱

وقف لازم

ع ۴ / ۱۶

ف۴۵ یعنی یہ خود ہی اپنے کو مستحق عذاب بناتے اور عذابِ الٰہی کی گرفت میں لاتے رہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تو ان پر صورۃً بھی ظلم نہیں کیا یعنی یہ کہ انہیں بلاوجہ ظاہری سزا دے دیتا، واقعۃً وحقیقۃً تو حق تعالیٰ سے "ظلم" کا صدور کسی حال میں بھی ممکن نہیں۔ ف۴۶ یعنی جس طرح وہ مکڑی کا گھر اپنے غایتِ ضعف کی بناء پر کالعدم ہوتا ہے ان کے یہ معبودانِ باطل بھی جن کی کارسازی پر انہیں بھروسہ ہے ان کے لیے لاشے محض ثابت ہوں گے آسرے کے غایت ضعف کے موقع پر مثال اس مکڑی کے جالے کی قدیم صحیفوں میں بھی ملتی ہے۔ "ان کی جو خدا کو بھول جاتے ہیں یہ راہیں ہیں اور ریاکار کی امید توڑی جاتی ہے۔ ان کی امید کی جڑ کٹ جاتی اور ان کی آس مکڑی کا جالا سا ہے" (ایوب۔۸: ۱۴) "وہ ناگ کے انڈے سیتے ہیں اور مکڑی کی طرح جالا بنتے ہیں ـــ ان کے جالے کی اشاک بن نہیں سکتی، وہ اپنی بناوٹ یا آپ کو ڈھانپ نہیں سکتے"۔ (یسعیاہ۔۵۹: ۶۰) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۷ (کہ شرک کس درجہ لچر، مہمل اور بیہودہ چیز ہے!) ف۴۸ (درحقیقت یہی ان پر خوب روشن ہے کہ وہ سہارے کیسے بودے اور پھسپھسے ہیں) ف۴۹ یعنی قوتِ عملی میں بھی کامل، اور قوتِ علمی میں بھی کامل ـــ وہ جب اور جو۔ جس سے چاہے ہر انتقام پر قادر ہے۔ پھر بھی جو فوراً انہیں لیتا ہے تو اپنے کمالِ حکمت سے کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھائے ہوئے ہے۔ ف۵۰ یعنی وہ لوگ جو حقائق کا علم رکھتے ہیں یا علم وحق کے طالب ہیں۔ ان حقائق کو اپنی گرفت میں وہی لاتے ہیں جو درجۂ ضروری میں اپنے عقل وعلم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۵۱ (ایسے خالق وصانع کے معبود واحد ہونے کی) بالحق۔ اس خلق کائنات سے بھی اسے مقصود احقاقِ حق ہی رہا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی ذات وصفاتِ کمال کی طرف توجہ دلانا۔ اے محقا غیر قاصد به باطلًا فان المقصود بالذات من خلقها افادة الخير والدلالة على ذاته و صفاته (بیضاوی) اے محقاً مراعياً للحكم والمصالح (روح)

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیے ف۵۲ بے شک

الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ

نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے ف۵۳ اور اللہ کی یاد بہت

اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ

بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے ف۵۴ اور تم اہل کتاب سے مباحثہ

الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

مت کرو بجز مہذب طریقہ کے سوا ان میں سے ان لوگوں کے

مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

جو زیادتی کریں، ف۵۵ اور کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں)

وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶

پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں ف۵۶

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ

دی ہے وہ اس پر ایمان بھی لے آتے ہیں ف۵۷ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں

وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷ وَ مَا كُنْتَ

اور ہماری آیتوں سے بجز (کٹے) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا ف۵۸ اور آپ تو

تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

اس (قرآن) سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے (یعنی کوئی کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے

ف۵۲ اتل ..... اقم الصلوٰۃ یعنی تشریع قولی اور تشریع فعلی، دین کے دونوں کاموں میں برابر لگے رہیے۔ اتل میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اقم میں رسول و امت دونوں سے۔ اقم الصلوٰۃ۔ اقامت صلوٰۃ کے تحت میں نماز کے وقت کی پابندی اور اس کے ارکان و شرائط کی رعایت آگئی۔ اقامۃ الصلوٰۃ اداؤھا فی وقتھا بقراءتھا و رکوعھا و سجودھا و قعودھا و تشھدھا و جمیع شروطھا (قرطبی) اتل یعنی قرآن کی تلاوت خود بھی کیجئے اور دوسروں کو بھی سنا دیجئے۔ علم عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ اس ترتیب کے مطابق یہاں تلاوت قرآن کو اقامۃ الصلوٰۃ پر مقدم رکھا ہے۔ من الکتٰب میں من بیانیہ ہے۔ ف۵۳ یعنی نماز میں خاصہ طبعی یہی ہے کہ وہ عظمت الٰہی کا استحضار بار بار کرا کے ہر گناہ و معصیت سے روک دیتی ہے۔ اب اگر نماز کے شرائط ہی پوری طرح نہ ادا کئے جائیں تو اسی نسبت سے ادائے نماز ناقص رہے گی۔ اور پھر اسی مناسبت سے اس کی یہ طبعی خاصیت بھی ضعیف و مضمحل رہے گی۔ یہاں تک کہ جو نماز بالکل سطحی اور اوپری ہوگی اور روح نماز سے خالی، اس میں وہ برائیوں کے روک تھام والی قوت بھی گویا معدوم ہوگی۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نماز جو یاد الٰہی اور اس کی عظمت کے استحضار کی ایک اعلیٰ و مکمل شکل ہے اس کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ ہر برائی سے روک دے۔ اس کا اثر ہونا بھی چاہئے، عام اس سے کہ کسی پر ہو یا نہ ہو۔ الصلوٰۃ میں ال عہد کا ہے یعنی وہ نماز جو ظاہری و باطنی شرائط معین کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ الفحشآء بے حیائی کے تصریحی ذکر میں نکتہ یہ ہے کہ اکثر دوسری قوموں اور مذہبوں میں بے حیائی صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک لازمی جزو عبادت و نماز کا ہے۔ اور مغربی فاضلوں کی تحقیق یہ ہے کہ بیسوائی کی ابتداء ہی مندروں اور مشرکانہ معبدوں کے سایہ میں پڑی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ گویا یہاں یہ ارشاد ہوا کہ فحش دوسرے مذہبوں میں جزو عبادت ہو تو ہو، اسلامی عبادت تو اس کے جواز کی بھی روادار نہیں بلکہ اسے توڑنے اور کاٹنے والی ہے۔ ف۵۴ اللہ کے یہی عالم کل ہونے کا مراقبہ ہر مجاہدہ کو آسان بنا دینے اور قلب میں خشیت پیدا کر دینے کو کافی ہے۔ ذکر اللہ اکبر ذکر الٰہی ہی کی افضل ترین و مکمل ترین فرد نماز ہے۔ و لذکر اللہ اکبر۔ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے نہ کہ کسی اور کے ذکر کی۔ ای لہ الکبر لا للعبرہ (کبیر) اور ایک اور معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ جو تمہیں یاد کرے گا اس کا مرتبہ اس یاد سے بھی بڑھا ہوا ہے جو تم اس کی کرتے رہتے ہو۔ ای ذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (معالم) ای ذکر اللہ لکم بالثواب والثناء علیکم اکبر من ذکرکم لہ فی عبادتکم و صلواتکم (قرطبی) ابن عباس، ابن مسعود ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں اور مجاہد و عکرمہ و سعید بن جبیر تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود رسول اللہ ﷺ سے۔ یروی ذلک عن ابن عباس و ھو قول مجاھد و عکرمۃ و سعید بن جبیر و یروی ذلک مرفوعا عن ابن عمر عن النبی ﷺ (معالم) و قد روی ھذا من غیر وجہ عن ابن عباس و روی ایضا عن ابن مسعود و ابی الدرداء و سلمان الفارسی و غیرھم (ابن کثیر) امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجیح اسی توجیہ کو دی ہے۔ و اشبہ ھذہ الاقوال بما دل علیہ ظاھر التنزیل قول من قال لذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (ابن جریر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اعمال سلوک کے اصول سب جمع ہو گئے یعنی تلاوت اور نماز اور ذکر اور مراقبہ۔ باقی جتنے اعمال و اشغال ہیں سب انہیں کے تابع ہیں۔ ف۵۵ (تو انہیں البتہ جواب ترکی بہ ترکی دینے میں مضائقہ نہیں) مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ میں موقعے مباحثہ و مناظرہ کے بھی آئیں گے۔ کتابی مذہب والوں یعنی جو توحید و سلسلۂ نبوت کے قائل ہیں ان سے مباحثہ کے وقت ہمیشہ نرمی، تہذیب اور ان کی دلجوئی سے کام لیتے رہو کہ اس سے انہیں ترغیب اسلام میں داخل ہونے کی ہوتی رہے گی۔ ہاں البتہ ان میں جو بدزبان ہوں انہیں حسب مصلحت ان کے رنگ میں بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ اول نرمی برتے اور جب عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ چنانچہ یہی طریقہ ہے اہل اللہ کا مخالفین کے ساتھ۔ البتہ طالبین کے ساتھ طرز دوسرا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ نرمی کی جائے جب تک عذر جہل باقی ہے۔ اور جب یہ عذر نہ رہے تو پھر سختی کی جائے۔ اور یہی معاملہ تھا رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کے ساتھ۔ ف۵۶ یعنی اہل کتاب کو سمجھاؤ کہ جب ہم تم میں اتنا اشتراک ہے کہ ہماری

طرح تم بھی توحید کے قائل ہو، اور بجائے کلی یا توی یا قبائلی خدا کے، ایک خدائے پروردگار عالم کے قائل ہو، ہماری طرح سلسلۂ وحی و نبوت کو مانتے ہو اور ہم تمہاری الہامی کتابوں کو مانتے ہیں، تو اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے، جو تم ہمارے صحیفۂ آسمانی سے انکار کیے جاتے ہو؟ نَحْنُ ...... اِلَيْهِ۔ مسلمان اپنے رسول کریم ﷺ کی وحی و نبوت کو دنیا سے بالکل الگ و منفرد نہیں مانتا۔ وہ تو تسلسل وحی کا قائل ہے، وہ تو اس کا معتقد ہے کہ ہمارے نبی کے پاس وہی وحی آخر میں بطور خاتم الانبیاء و اعظم الانبیاء ہونے کے آئی ہے، جو اب سے قبل ابراہیم اور اسماعیل اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور بیسیوں دوسرے پیغمبران جلیل القدر پر آچکی تھی۔ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ جھگڑا بھی تو نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیویوں کے ماننے والے ہیں اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری۔ پروردگار عالم کی توحید اور اس کی عبادت تو ہم تم میں مشترک ہے۔۔۔ اسلام کا یہ ایک امتیازی نشان تمام غیر کتابی مذہبوں کے مقابلہ میں خوب سمجھے رہنا چاہیے کہ اسلام ہی نے پروردگار عالم کا، الٰہ الکائنات کا تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ورنہ دنیا میں اب تک تو ہر ہر علاقہ، یا ہر ہر قوم کے الگ الگ دیوتا

ہوتے تھے۔ ف۵۷ چنانچہ ان لوگوں کا ذی فہم اور منصف مزاج طبقہ بالآخر اسلام لے ہی آیا۔ یعنی مومنی اهل الكتب (معالم) امی الـذين اخذوه فتلوه حق تلاوته من احبارهم العلماء الاذكياء (ابن کثیر) اَلْكِتٰبَ سے یہاں مراد جنس کتاب ہے۔ یہ۔ یعنی قرآن پر۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ کی ایک تفسیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی نقل کی ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب نہیں بلکہ خود انبیاء کرام ہیں کہ کتابیں براہ راست و درحقیقت تو انہیں کو عطا ہوئی تھیں۔ ف۵۸ (جو ہر طرح کے وضوح دلائل کے بعد بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) مِنْ هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی مشرکین مکہ میں سے۔ يعنى اهل مكة (معالم) يعنى العرب من قريش و غيرهم (ابن کثیر) بِهٖ۔ یعنی قرآن پر۔ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ۔ یعنی بجز ضدی اور ہٹ دھرم کافروں کے۔ الا المتوغلون فى الكفر فان جزمهم به يمنعهم عن التامل (بیضاوی) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تفسیر یہ نقل کی ہے کہ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سے مراد بعض مشرکین مکہ نہیں بلکہ بعض اہل کتاب ہی ہیں۔ اور اسی تفسیر کو عقل و نقل سے قریب تر قرار دیا ہے۔ اولى و اقرب الى العقل والنقل و اقرب الى الاحسن من الجدال المامور به (کبیر)

إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي

ورنہ (یہ) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے ۵۹ بات یہ ہے کہ یہ (کتاب خود ہی بہت سی)

صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا

کھلی ہوئی نشانیاں ہے ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے، و۶۰ اور ہماری آیتوں سے تو بس ضدی ہی لوگ

الظَّالِمُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ

انکار کرتے ہیں، و۶۱ اور کہتے ہیں کہ ان (پیمبر) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترے و۶۲

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾

آپ کہہ دیجیے کہ نشان تو بس اللہ کے قبضہ میں ہیں و۶۳ اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں و۶۴

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ

کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر کتاب نازل کی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے و۶۵

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ ع

بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور نصیحت ہے ایمان والے لوگوں کے لئے و۶۶

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کے اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا

آسمانوں اور زمین میں ہے و۶۷ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کے

بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ

منکر ہیں وہی تو ہیں بڑے گھاٹے میں پڑے ہوئے و۶۸ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ

عذاب کی و۶۹ اور اگر ایک میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا

و۵۹ یعنی اس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا۔ اور یہ لوگ آپ کی بابت یہ کہنے لگتے کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں کسی دوسری آسمانی کتاب سے مضامین چرا لیے ہیں حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اس وقت بھی دعوے کو چلنے نہ دیتے۔ لیکن بہرحال کچھ تو گنجائش ہوتی۔ اور اب تو اتنی بھی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیت اور ناخواندہ ہونے پر اس سے بڑھ کر صریح شہادت اور کیا ہوگی۔ اس پر بھی ناحق شناسوں کا ایک گروہ (خصوصاً مسیحی پادریوں کا) آج تک اس پر مصر چلا آ رہا ہے کہ آپ ضرور پڑھے لکھے تھے۔ اور اس پر رسالے اور کتابیں چھاپا چلا جاتا ہے! — باطل پرستی کی بھی کوئی انتہاء ہے! و۶۰ یعنی اس کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے اور متعدد ہیں، کہ یہ ایک کتاب بجائے خود بہت سے نشانوں کے قائم مقام ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد مومنین ہیں۔ صُدُوْرِ کے معنی اگر لفظی یعنی سینہ کے لیے جائیں تو مراد ہوگی کہ یہ کتاب بطور نشان واضح کے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آئی ہے ہر امکان تحریف سے ماوراء۔ و۶۱ (ورنہ منصف مزاج کو تو ذرا شک نہیں رہ سکتا)۔ یَجْحَدُ۔ جحد کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ دل کو یقین تو کسی بات کا آ جائے۔ پھر بھی ضد و جہل سے زبان انکار پر اڑی رہے۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی ضدی۔ ہٹ دھرم۔ اے المتوغلون فی الظلم بالمکابرۃ بعد وضوح دلائل اعجازها (بیضاوی) و۶۲ (ہماری خواہش و فرمائش کے مطابق) نشان سے مراد خارق عادت ہے۔ مشرک اور مشرک مزاج قوموں کو ہمیشہ گرویدگی عجائب و خوارق ہی سے رہی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور پیام کو بالکل نظر انداز کر کے فرمائشیں بار بار ہوتی تھیں کہ فلاں اور فلاں معجزہ دکھاؤ! — گویا پیغمبر بھی ایک طرح کا بازیگر ہوتا ہے! و۶۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن میں یہ بار بار کہلایا گیا ہے کہ واقعات و حوادث تکوینی تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ خوارق و معجزات بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ میں جس طرح کسی واقعہ مطابق عادت کی تکوین میں بے بس محض ہوں اسی طرح واقعات خارق عادت میں بھی — اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ یعنی میرا کسی عمل تکوینی سے قطعاً کوئی بھی تعلق نہیں۔ و۶۴ یعنی میری صداقت کی جانچ کرنا ہو تو میری تعلیمات کو دیکھو، پرکھو اور جو دین میں لایا ہوں، اس کی تحقیق کرو۔ و۶۵ جو ہر قسم کی معنوی گہرائیوں ادبی لطافتوں، مطالب کی ہمہ گیری، مضامین کی جامعیت و کاملیت سے معمور ہے۔ و۶۶ رَحْمَةً۔ تعلیم احکام کے پہلو سے۔ ذِکْرٰی۔ نصیحت و ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ و۶۷ (میرے دل میں ذرہ بھر بھی کھوٹ ہوگا تو اس سے کہیں چھپ سکتی) مطلب یہ ہے کہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ میری رسالت تو عند اللہ ثابت ہے ... ایک حقیقی مذہبی شخص کے پاس اس سے بڑا واسطہ اور ہے ہی کیا کہ وہ خدا کو درمیان ڈال کر کسی بات کا اقرار کرے۔ و۶۸ جنہوں نے اللہ اور اس کی شریعت سے کفر کر کے باطل کو اپنا سہارا قرار دے لیا، تو انہوں نے تو ایک تمام تر غلط نقشہ زندگی ہی تیار کر لیا۔ اب انہیں فوز و فلاح نصیب ہی کہاں سے ہو سکتا ہے؟ و۶۹ (کہ اچھا اگر تم سچے ہو اور ہم نافرمان اہل باطل، تو ہم پر عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے ہو؟)

وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ

اور (وہ عذاب) ان پر اچانک آپڑے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ف۱ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ

عذاب کی اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ف۲ جس دن

يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اوپر سے بھی اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی

وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ

اور (اللہ) کہے گا (اب) مزہ چکھو اس کا جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو اے میرے ایمان دار

آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ

بندو میری زمین تو بہت وسیع ہے سو اکیلی میری ہی پرستش کرو ف۳ ہر

نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ

جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ف۳ پھر تم سب ہماری طرف واپس لائے جاؤ گے ف۴ اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا

ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ف۵ ہم ان کو جنت میں جگہ دیں گے، بالاخانوں پر

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا اجر ہے

الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾

نیک کام کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر توکل کیا کرتے تھے ف۶

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے

ف۱ یعنی نزول عذاب کی ساعت تو علم الٰہی میں مقرر ہے۔ اس کی تاخیر کو صحت دعوئے نبوت کی تغلیط و تردید سے مربوط کرنا عجب طرح کا جہل بلکہ خبط ہے۔ لَیَاْتِیَنَّھُمْ ... لَا یَشْعُرُوْنَ۔ عذاب موت کا ہو یا قیامت کا۔ بہرحال جب بھی آئے گا ان شامت زدوں کی غفلت میں یک بیک ہی آئے گا۔ ف۲ (جس کا پورا ظہور قیامت میں ہو کر رہے گا) مُحِیْطَۃٌ صیغہ اسم فاعل کا ہے۔ فعل مضارع کا نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جہنم کہیں آگے چل کر انہیں گھیرے گی، بلکہ اسی وقت سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بعض عارفین نے یہ نکالا ہے کہ اصل جہنم تو کفر و معصیت ہی ہیں۔ آخرت میں صرف اتنا ہوگا کہ ان کا ظہور کامل ہو کر رہے گا۔ ف۳ (خواہ یہاں یا جہاں کہیں بھی۔ توحیدی عبادت ممکن ہے) یہ ترغیب ہے ہجرت یعنی اقامت دین کی خاطر ترک وطن کی۔ علماء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ جہاں کفر و فسق کی شدت ہو اور خدا پرستی کا موقع نہ مل سکے۔ وہاں سے بندۂ مومن چلا جائے۔ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ میں اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں کھانے پینے، رہنے سہنے سے متعلق کسی ایک خطہ یا علاقہ تک محدود نہیں۔ یہ تو وطن کے باہر بھی سب کہیں مل سکتی ہیں، ان کی طرف سے اتنا فکرمند کیوں ہوتے ہو۔۔۔ یہ مضمون زیادہ کھول کر پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔ یجد فی الارض مراغما کثیرا (سورۃ النساء) ف۳ (اور دنیا کے مرغوبات و مالوفات کو ایک دن تو بہرحال چھوڑنا ہی ہے، پھر آج اقامت دین ہی کی خاطر ترک وطن و اقارب کیوں نہ اختیار کیا جائے) ہجرت کے جو مانع نفس میں موجود ہیں ان میں ایک تو اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ سے رفع کیا جا چکا ہے۔ دوسرا جواب اب مل رہا ہے کہ جن چیزوں کا ترک و مفارقت آج شاق گزر رہی ہے ان سے دوری اور مہجوری ایک دن تو بہرحال ناگزیر ہی ہے۔ تو آج ہی اپنے قصد و اختیار سے کیوں نہ حاصل کرلی جائے کہ آئندہ ہر طرح کی نعمتوں کا استحقاق ہو جائے۔ فقال لھم ان ماتکرھون لابد من وقوعه فان کل نفس ذائقة الموت والموت مفرق الاحباب فالاولی ان یکون ذلک فی سبیل اللہ فیجازیکم علیه (کبیر) اے انتم لا محالة میتون و محشورون الینا فالبدار الی طاعة اللہ والهجرة الیه والی ما یمتثل (قرطبی) ف۴ (تو اگر نافرمان ہو کر آئے تو کیسی گزرے گی) اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ذرا سے دو لفظی فقرے میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آگیا۔ ایک یہ کہ موت، عدم محض و خلاء محض کا نام نہیں، موت کے بعد سزا جزاء، حساب و کتاب یقینی ہے۔ دوسرے یہ کہ سب کی پیشی حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگی کسی اور کے ہاں نہیں۔ ف۵ (اور انہیں نیک اعمال میں بوقت ضرورت ہجرت بھی ہے جس کا ابھی اوپر بیان آچکا ہے) ف۶ (چنانچہ اس صبر و توکل ہی للہ ہی کی بناء پر وہ اس فکر میں زیادہ نہیں پڑے کہ ہجرت کے بعد کھانا پینا کہاں سے چلے گا) اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا۔ جو صالح بندے ہوتے ہیں، لازمی نہیں کہ انہیں سارے تکوینی حالات اپنی مرضی کے موافق ہی ملتے رہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ بے صبری سے نہیں، صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ بڑی بات ان نیک اور صالح بندوں میں یہ ہوتی ہے کہ وہ آخری اعتماد چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ ہی پر رکھتے ہیں جھوٹے اور چھوٹے معبودوں کے پھیر میں پڑ کر اپنی قوتوں کو ضائع و منتشر نہیں کرتے رہتے۔

وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

اور تم کو بھی اور وہی خوب سننے والا ہے (اور) خوب جاننے والا ہے و۷۸ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج و چاند کو کام میں لگا دیا

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں؟ و۷۹ اللہ روزی کھول دیتا ہے اپنے بندوں

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز سے

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

خوب واقف ہے و۷۹ اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا

مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ

پھر اس سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا، تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے،

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَ مَا

آپ کہیے الحمدللہ و۸۰ لیکن ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے و۸۱ اور یہ

هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ۭ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

دنیوی زندگی بجز کھیل تماشہ کے کچھ ہے ہی نہیں و۸۲ اور عالم آخرت ہی

لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ

اصل زندگی ہے و۸۳ کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا! و۸۴ اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ

تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو یہ لوگ

و۷۸ے سب کی ضرورتوں سے خبردار، سب کے حالات سے خوب واقف۔ وَاِيَّاكُمْ۔ ایک بار پھر یہ حقیقت دلوں میں اتاردی ہے کہ اللہ کا تعلق بندوں سے صرف معادی ہی زندگی کا نہیں، بلکہ اس ناسوتی زندگی اور اس کے معاشی پہلوؤں میں بھی پورا پورا ہے۔ اس کے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ ہے بے صبر اور تھڑدلے انسان کو سمجھایا ہے کہ جانوروں کی حالت پر غور کرو وہ کب اپنا رزق اپنے ساتھ لیے لیے گھومتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے انہیں بھی کہیں بھوکا نہیں رکھا جاتا ہے۔ اُن کی غذا انہیں بہم پہنچائی ہی جاتی ہے۔ تو انسان کیوں اپنے متعلق اتنا بے آس ہوا جاتا ہے؟ انسان کے لیے کیا اتنا بھی فکر و اہتمام نہ ہوگا جتنی پرواحیوانات کے لیے رکھی جاتی ہے؟ و۷۹ے یعنی توحید فی التکوین کے قائل ہو کر پھر معبودیت والوہیت میں بھی توحید پر کیوں نہیں قائم رہتے، اور اس باب میں کیسے بھٹکے جا رہے ہو کہ آکاش دیوتا دھرتی ماتی اور سورج دیوتا کے بھی قائل ہو رہے ہو! و۷۹ے (اور وہی جیسی مصلحت دیکھتا ہے روزی دیتا ہے۔ پھر رزق کے لیے شرک کرنا کیسی حماقت ہے!) يَبْسُطُ ... لَهٗ۔ رزق میں کسی بندہ کی کشادگی ہو یا تنگی، بہرحال کسی نہ کسی مصلحت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ ہر کشادگی اپنے ساتھ فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک انبار بھی لاتی ہے جن کے ظرف اُن کا تحمل نہیں کر سکتے انہیں اس بار سے سرے سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ و۸۰ یعنی تمہارے اس اقرار سے اس شرک کی جڑ تو کٹی، جو تمہیں ایک بارش کے دیوتا اور ایک زراعت کے دیوتا کی طرف لیے جاتا ہے۔ و۸۱ (اس لیے صحیح مقدمات سے جو نتیجہ بالکل واضح طور پر نکلتا ہے وہ بھی یہ نہیں نکالتے، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں) و۸۲ (اپنے فانی، عارضی، بے ثبات ہونے کے لحاظ سے) لیکن اگر یہی حیات دنیا تحصیل دین کا ذریعہ بن جائے تو یہی لہو ولعب خود دار آخرت کا ایک جزو بن جائے گا اور باعتبار ثمرات اس کا شمار بھی باقی میں ہو جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۸۳ (اپنے باقی، قائم و پائیدار ہونے کے اعتبار سے) حیوان۔ یہاں اپنے عام معنی میں جاندار یا ذی حیات کے مرادف نہیں، بلکہ مصدر ہے خود حیات کے معنی میں، البتہ اس کے معنی میں حیات سے زور زائد ہے۔ الحيوان مصدر حي كا لحياة لكن فيها مبالغة ليست في الحياة (کبیر) اور فقرہ کے معنی یہ ہوئے کہ اصلی اور حقیقی زندگی وہی آخرت کی زندگی ہے۔ فكانه قال الحياة الثانية هي الحياة المعتبرة (کبیر) حیوان کے معنی مستقر حیات کے بھی کیے گئے ہیں۔ الحيوان المقر الحيوة (راغب) و۸۴ (تو فانی میں منہمک ہو کر باقی کو بھول نہ جاتے، اور غور و تدبر سے کام لے کر اپنی عقل کو شرک کے ترک اور ایمان کے اختیار پر مجبور پاتے) انسان اگر اس عالم کے عارضی و ناپائیدار ہونے اور اُس عالم کے مستقل و پائیدار ہونے کو مستحضر رکھے تو زندگی کا نقشہ ہی سراسر بدل جائے۔

ل غم و حسرت:۔ آج یوم جمعہ ۱۹ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ رجولائی ۱۹۴۳ء جبکہ قلم اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کی تلاوت سے فارغ ہو چکا تھا، اطلاع موصول ہوئی کہ مفسر جلیل، امام علم و عرفان، مجدد وقت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں ۱۵، ۱۶ رجب (دوشنبہ، سہ شنبہ) کی درمیانی شب میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آہ کہ اس دور کا بہترین مفسر و بہترین فقیہ، بہترین متکلم اور بہترین عارف، درویش اُٹھ گیا! آج تک انہیں بزرگ کے افادات مرشد تھانوی مدظلہ کے نام سے درج ہوتے رہے تھے۔ اب آج سے یہ "مدظلہ" "رحمۃ اللہ علیہ" میں تبدیل کرنا پڑا۔ آہ! کہ کس دل سے!

إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۖ

فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں وٗ۸۵ یعنی جو (نعمت) ہم نے انہیں دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ چندے اور حظ

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا

اٹھالیں، پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہی ہوا جاتا ہے وٗ۸۶ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے (ان کے شہر کو) امن والا حرم

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ

بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش لوگوں کو نکالا جا رہا ہے تو کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھیں گے

وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے؟ وٗ۸۷ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي

جھوٹ افتراء کرے اور سچی بات جب اس کے پاس آئے تو اسے جھٹلائے، کیا کافروں کا ٹھکانا

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا

جہنم میں نہ ہو گا؟ وٗ۸۸ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے وٗ۸۹

آیاتها ۶۰ — ۳۰ سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ — رکوعاتها ۶

اس میں ساٹھ آیتیں ہیں — سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی — اور چھ رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الم ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ

الف۔ لام۔ میم وٗ۱ اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے وٗ۲ اور وہ اپنی اس

وٗ۸۵ مطلب یہ ہوگا کہ جہاں ظاہری سہارے ٹوٹے، بس خدائے واحد یاد آنے لگتا ہے، اور ادھر ذرا آس اپنے مادی سہاروں کی بناء پر قائم ہوئی پھر توحید چھوڑ اپنی پرانی گمراہیوں میں پڑ گئے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی بار آ چکا ہے۔ وٗ۸۶ یعنی وقوع موت یا قرب موت پر۔ لِيَكْفُرُوا۔ لِيَتَمَتَّعُوا۔ دونوں میں ل' تاکہ' کے معنی میں ہے، کے کا مرادف۔ اے لكے يكفروا و كي يتمتعوا (مدارک) والمعنى يعودون الى شركهم ليكونوا بالعود الى شركهم كافرين بنعمة النجاة قاصدين التمتع بها (مدارک) اور بعض نے کہا ہے کہ ل امر کا ہے اعملوا ما شئتم کا مرادف اور کمال غضب کا مظہر جیسے اُردو میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اچھا، خوب کفر کرلو، اور اس دنیائے چندروزہ کے خوب مزے لوٹ لو۔ او لام الامر علی التهديد (بیضاوی) وٗ۸۷ اشارہ مشرکین مکہ کی جانب ہے۔ حَرَمًا۔ حَوْلِهِمْ۔ یعنی یہ مشرکین مکہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اب تک ہم نے ان کے خاص شہر کو کیسا محفوظ رکھا ہے۔ درآنحالیکہ ارد گرد کے سارے مقامات زد میں آ چکے ہیں۔ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ۔ میں نعمة بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ مراد ساری ہی نعمتیں ہیں۔ وٗ۸۸ ایسے ناانصافوں کو جہنم کی سزا ملنا بالکل قدرتی ہے۔ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افتراء علی اللہ سب سے بڑا یہی ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرایا جائے۔ كَذَّبَ بِالْحَقِّ۔ تکذیب حق سب سے بڑی یہی ہے کہ توحید و رسالت سے انکار کیا جائے۔ وٗ۸۹ (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) مَعَ الْمُحْسِنِينَ۔ اللہ کی معیت اُس کی نصرت و اعانت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اے معية النصرة والمعونة (روح) سُبُلَنَا۔ یعنی اللہ کے قرب کے راستے۔ سبلنا اے سبل السير الينا والوصول الى جنابنا (بیضاوی) فِينَا۔ یعنی ہماری راہ میں یا ہماری خاطر۔ اے فی شاننا و من اجلنا ولوجهنا خالصا (روح) فی حقنا (بیضاوی) الَّذِينَ ... سُبُلَنَا۔ انسان کے لیے بس جدوجہد شرط ہے۔ مجرد مجاہدہ پر ہدایت یابی کا وعدہ ادھر سے موجود ہی ہے۔ جَاهَدُوا فِينَا۔ کے معنی، قدرت، صنعت، حکمت الٰہی کے دلائل پر غور و فکر کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے الذين نظروا فی دلائلنا (کبیر) وٗ۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اول کے شروع میں گزر چکا۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حروف مقطعات قرآن مجید کی جن جن سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں، عموماً وہاں معاً بعد ذکر "قرآن" یا "کتاب" یا "تنزیل" کا بھی آیا ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے۔ البتہ کل تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور انہیں تین مستثنیات میں سے ایک موقع یہ ہے۔ قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر اعجازی ہی حیثیت سے آیا ہے۔ یہاں اعجازی پہلو بجائے کسی لفظ کے نفس مضمون سے آشکار ہے۔ یعنی جو زبردست پیشگوئی یہاں فوراً بعد بیان ہو رہی ہے، اس کا تمامتر پورا ہونا بجائے خود اعجاز قرآن کی ایک زبردست شہادت ہے۔ وٗ۲ اہل ایران سے تقریباً ۶۱۴ء، ۶۱۵ء میں) الرُّومُ۔ سے مراد قدیم "رومن ایمپائر" کا وہ مشرقی حصہ ہے، جو ۳۹۵ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی، اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آ گئی۔ اس کا دارالسلطنت استانبول یا قسطنطنیہ تھا۔ اور اسی کا قدیم نام "جدید رومہ" بھی ہے۔ شام، فلسطین، ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ أَدْنَى الْأَرْضِ۔ یا "قرب کی زمین" سے مراد اس کے وہ علاقے ہیں جو عرب سے متصل تھے یعنی شام و فلسطین۔ آیت کا زمانۂ نزول ۶ یا ۷ قبل ہجرت ہے یعنی ۶۱۵ء یا ۶۱۶ء یعنی قریبی زمانہ یعنی ۶۱۴ء میں مسیحی رومیوں کو مجوس ایران کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ اور آیت میں اسی جانب اشارہ ہے۔ مجوس ایران کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور وہ لوگ بھی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے قدرۃً اہل مکہ ایران کی فتح کو اپنے نیم ہم مذہبوں کی فتح سمجھے اور بڑے خوش ہوئے اور آپس میں چرچے کرنے لگے کہ جیسے دیوتاؤں اور اوتاروں کے قائل ایران نے کتاب و نبوت کے قائل رومیوں پر فتح پائی ہے، ہم بھی اس کتاب اور رسول والے نئے دین (اسلام) کے مقابلہ میں فتح پائیں گے۔ مسلمانوں کی ہمدردی قدرۃً رومی مسیحیوں کے ساتھ تھی کہ بہرحال وہ سلسلۂ وحی اور کتاب آسمانی کے تو قائل تھے۔

ف۳ (عام اس سے کہ اس وقت کچھ آثار ہوں یا نہ ہوں) بِضْعِ سے مراد تین اور دس کے درمیانی اعداد ہوتے ہیں۔ المنقطع من العشرة ويقال ذلك لمابين الثلاث الى العشرة (راغب) گویا قرآن نے دعوے کے ساتھ پیش گوئی یہ کردی کہ اس نتیجہ جنگ پر خوش نہ ہو، نو سال کی قلیل مدت کے اندر ہی اندر پانسہ پلٹنے کو ہے اور جو آج فاتح نظر آرہے ہیں وہ مفتوح ہو کر رہیں گے۔ یہ پیش گوئی وقت کی جنسی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ خسرو دوم شہنشاہ ایران کی اقبال مندی اوج پر تھی۔ ہرقل (Herculoo) فرمانروائے روم کا عہد حکومت اس وقت بے تدبیری، بد اقبالی کا ایک مجسمہ تھا۔ افسران فوج نااہل، خزانہ خالی، دیر دولا اور سپاہ کا قحط، غرض ظاہری حالات واسباب تمام تر رومیوں کے مخالف ہی تھے۔ اور بڑے سے بڑے جنگی مبصر کی بھی پیش بینیاں وپیش قیاسیاں رومیوں کے مخالف ہی جاری تھیں کہ یک بیک ۶۲۲ء میں ہرقل سنبھلا۔ اور بجائے مدافعانہ کے اب جارحانہ جنگ ایران کے مقابلہ میں شروع کردی۔ ایران کی قسمت دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی۔ اور ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے۔ اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔ تاریخ ایران در عہد ساسانیاں (مصنف پروفیسر کرسٹنسن در فرنچ۔ ترجمہ اردو از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال) میں ہے!" اور آخر کار ہرقل ایرانی فوجوں کی فاتحانہ ترقی کو روکنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرلیا، اور شہنشاہ کی فوجوں کو آرمینیا اور آذر بائیجان تک پیچھے ہٹا دیا۔ ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں اس نے جنز گنزک کو فتح کرکے آتشکدہ آذر گشنسپ کو برباد کر دیا۔ خسرو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آتش مقدس کو ساتھ لیتا گیا۔ ازاں بعد قیصر وادی دجلہ پر حملہ آور ہوا، اور ۶۲۸ء میں اس نے دستگرد کے قصر شاہی کو لے لیا، اور طیسفون کے محاصرہ کی تیاری کرنے لگا۔ خسرو پایۂ تخت کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ میں چلا گیا۔" (صفحہ ۲۰۳) شائع کردہ (انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۴۱ء) ف۴ فتح وشکست کے سارے اسباب اور حقیقی تصرفات سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس مغلوبیت سے قبل بھی حاکم علی الاطلاق ومتصرف وہی تھا۔ اور اس منصوریت کے بعد بھی متصرف وہی رہے گا۔۔۔ آیت اس حقیقت کا ایک بار پھر اثبات کر رہی ہے کہ عالم وما فی العالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ سب محض اللہ ہی کی قدرت وارادہ سے ہو رہا ہے۔ اخبر تعالى بانفراده بالقدرة وان ما في العالم من غلبة وغيرها انما هي عنه، بارادته وقدرته (قرطبی) مومنین کو خوشی ایک تو اس روز ہوئی، جب بلا کسی سبب ظاہری کے۔ بلکہ خلاف اسباب ظاہر، رومیوں کو فتح ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اور یہی تو وہ وقت تھا، جب ادھر خود مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں بے شان وگمان نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس میں اشارہ ایک اور پرمسرت فتح عظیم کی طرف بھی نکل سکتا ہے۔ یہ اس روز جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں خود مسیحی رومیوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور سارا شام وفلسطین مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس آیت کے مضمون کا استحضار اگر رہتا تو دنیا ستمبر ۱۹۳۹ء سے بے در مسلسل تین چار سال تک جنگ عظیم میں ہٹلر کی کامیابی کا اس قدر جزم کے ساتھ ہرگز یقین نہ کئے رہتی۔ لِلّٰہِ الْاَمْرُ۔ امر سے مراد اجراء احکام لی گئی ہے۔ لله الامر اى انفاذ الاحكام (قرطبی) ف۵ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ نصرت الٰہی جب بھی ہوئی مومنین صادقین ہی کی ہوئی۔ اس لئے تفسیر میں من اولیائہ محذوف نکلے گا۔ يعني من اوليائه لان نصره مختص بغلبة اوليائه لاعدائه فاما غلبة اعدائه لاوليائه فليس بنصر وانما هو ابتلاء وقد يسمى ظفرا (قرطبی)۔۔۔ وہ فتح وشکست اپنے مصالح تکوینی اور اپنی مشیت پر حکمت کے مطابق واقع کراتا رہتا ہے۔ اَلْعَزِیْزُ۔ وہ زبردست ہے کافروں کے مقابلے میں، جب چاہے انہیں ان کی ظاہری شان وشوکت کے باوجود مغلوب کر دکھائے۔ اَلرَّحِیْمُ۔ وہ رحیم ہے مسلمانوں کے حق میں جب چاہے ان کی ظاہری کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود انہیں فتح دیدے۔ ف۶ (اس حقیقت کا کہ مؤثر وفاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے لئے تکوین باسباب وبلا اسباب، اسباب کے موافق، اسباب کے مخالف، ہر طرح آسان اور یکساں ہے) عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام کی ترجمانی کی ہے جملہ قرآن است در قطع سبب:۔ عز درویش وہلاک بولہب ف۷ ان کی ساری عقلیں، ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین تک محدود ہیں۔ اس کے آگے اور اس کے ماورا وہ ذرا بھی اپنے ذہن کو نہیں لے جاتے۔۔۔ گویا سلسلۂ کائنات کے صرف اقل قلیل حصہ کا علم ان کے پلے پڑا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ آخرت کے وسیع ولق ودق عالم کی طرف سے بےخبر ہی نہیں، بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کی نہیں کرتے۔ مادیت اور آخرت فراموشی سے بڑھ کر سطح بینی اور جہالت اور ہو کیا سکتی ہے۔ شیطان نے آج اسی کو "علم" کا رنگ روپ دے دیا ہے۔ ف۸ مطلب یہ ہے کہ تکوینی کائنات خود اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کے انجام کے ظہور کے لئے ایک یوم آخرت ہو، جس میں سلسلۂ کائنات کی برگزیدگی اپنے اختتام کو پہنچے۔ امکان حشر سے ان کا انکار خود ان کی بےغوری کا نتیجہ ہے۔ اَوَ ۔۔ اَنْفُسِهِمْ۔ انسان خود اپنی ہی خلقت میں اگر غور کرتا رہے تو وہ اسے اس نتیجہ تک کے پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ۔ یعنی جمیع سلسلۂ موجودات وکائنات۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ کسی خاص مصلحت ومقصد کے ساتھ۔ کسی حکمت کے ماتحت۔

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سال میں غالب آجائیں گے ف۳ اختیار اللہ کو

مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴

پہلے بھی تھا اور پیچھے بھی ہے اور اس روز اہل ایمان اللہ کی امداد پر

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ

خوش ہوں گے ف۴ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے

الرَّحِیْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

رحیم ہے ف۵ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا البتہ

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ف۶ یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو

الدُّنْیَا ۖۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷ اَوَلَمْ

جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بےخبر ہیں ف۷ کیا انہوں نے

یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کو کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین تک کے لئے پیدا کیا ہے

وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

اور کثرت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ف۸

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرتے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں،

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا

ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور زمین کو

الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ

بویا جوتا تھا اور اسے آباد کر رکھا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کر رکھا ہے اور ان کے پاس بھی

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ

ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ

وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ف۹ پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے

اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

برا کیا تھا برا ہی ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ع اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ

ہنسی اڑاتے رہتے تھے ف۱۰ اللہ ہی خلق کو پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ بھی پیدا کردے گا پھر

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ

اسی کے پاس تم (سب) لائے جاؤ گے ف۱۱ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم بے آس ہو

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا

کر رہ جائیں گے ف۱۲ اور ان کے (گڑھے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا

وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اور یہ لوگ (خود) اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے ف۱۳ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل

ف۹ مراد یہ ہے کہ یہ اپنی مادیت میں مست و سرشار رہنے والے مشرکین مکہ تو اپنی تجارت کے سلسلہ میں برابر شام و یمن کی آمد و رفت رکھتے ہی ہیں۔ کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ ان سے قبل کی بڑی بڑی مہذب و متمدن و پرشوکت، لیکن خدا فراموش و آخرت فراموش قومیں مثلاً عاد و ثمود کس طرح اپنے طغیان و عدوان کی پاداش میں برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے آثار اور ان کے کھنڈر، انہیں یاد نہیں دلاتے کہ اللہ کی نافرمانی کے قدرتی انجام کو دنیا کی کوئی خوش تدبیری، کوئی اقبال مندی، کوئی مرفہ الحالی روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ ان بدبختوں پر کوئی گرفت اللہ کی طرف سے خواہ مخواہ تھوڑی ہی ہوئی ہے۔ یہ تو خود اپنی حرکتوں سے یہ وقت اپنے اوپر لایا کئے۔ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ فاطر کائنات کے تشریعی احکام اور تکوینی ضابطے توڑتے رہنا خود اپنی جانوں پر زیادتی کرتا ہے۔ ف۱۰ تمسخر کا درجہ تکذیب سے بڑھا ہوا ہے جو لوگ اس آخری منزل تک پہنچ جائیں ان کا انجام دوزخ ہوتا ہی تھا۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ مثلاً قرآن کے احکام اور اس کی دی ہوئی خبریں۔ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا۔ یعنی اپنے انبیاء کو جھٹلاتے رہے۔ ف۱۱ خلق کی ایجاد و ابداء (يبدؤا الخلق) اعادہ آفرینش (يعيده) آخری حساب کے لئے پیشی (اليه ترجعون) ان سب کا تعلق صرف ذات باری تعالیٰ سے ہے کوئی دوسری ہستی، کوئی دیوی دیوتا ان صفات و افعال میں اس کا شریک نہیں۔ ف۱۲ (ان سے کچھ کہتے سنتے نہ بنے گی) يُبْلِسُ۔ ابلاس۔ شدت خوف و غم سے یاس چھا جانے اور لاجواب ہو جانے کا نام ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الياس (راغب) قيل ابلس فلان اذا سكت واذا انقطعت حجته (راغب) ف۱۳ یعنی مومن الگ اور کافر الگ۔ اي المؤمنون والكافرون (بيضاوي)

الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ

کیے تھے سو وہ باغ میں مسرور ہوں گے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ

کفر و تکذیب کی تھی ہماری نشانیوں سے اور آخرت کے پیش آنے سے سو وہ لوگ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

عذاب میں گرفتار ہوں گے وکا سو اللہ کی تسبیح کیا کرو و۱۵ شام کے

تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي

وقت بھی اور صبح کے وقت بھی اور آسمانوں اور زمینوں میں

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حمد اسی کی ہوتی ہے اور بعد زوال بھی اور ظہر کے وقت بھی و۱۶

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وہ باہر لاتا ہے جان دار کو بے جان سے اور باہر لاتا ہے بے جان کو جان دار سے

وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

اور زمین کو سرسبز کرتا ہے اس کے خشک ہونے کے بعد و۱۷ اور اسی طرح تم لوگ باہر لائے جاؤ گے و۱۸

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ

اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تھوڑے ہی روز میں تم (سب

بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ

آدمی (بن کر زمین پر) پھیلے پھرتے ہو و۱۹ اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ

جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے)

و۱۴ ایک بار پھر جامع الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ جنت کا ترتب ایمان و عمل صالح پر ہوگا، اور عذاب جہنم کا کفر و تکذیب پر۔ رَوْضَةٍ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ عربی محاورہ میں جہاں کثرت یا عظمت کا اظہار منظور ہوتا ہے۔ اسم بجائے معرفہ کے نکرہ لاتے ہیں۔ کما یقال لفلان مالٌ وجاهٌ ای کثیر وعظیم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو نکتے اور لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین کی جزائے خیر کا ذکر صیغۂ فعل یُحْبَرُوْنَ سے کیا ہے نہ کہ صیغۂ اسم محبرون سے۔ بخلاف اس کے کافروں کے عذاب کا ذکر صیغۂ اسم سے کیا ہے۔ اس میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ صیغۂ فعل، تجدد فعل کی خبر دیتا ہے۔ یعنی اہل جنت ہر وقت خوش ہوتے رہتے ہیں۔ ہر گھڑی ان کی خوشی تازہ ہوتی رہتی ہے۔ یعنی یاتیهم کل ساعة امر یسرون به۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مومنین کی جزائے خیر کے موقع پر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوگئیں ایک یہ کہ عمل صالح معتبر وہی ہے جو ایمان پر مبنی اور متفرع ہو۔ دوسرے یہ کہ گویا اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ مراتب عالیہ کے لئے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ گو نفس نجات کے لئے مجرد ایمان کافی ہے۔ بخلاف اس کے کافروں کی سزا کے سلسلے میں اعمال سیئہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجرد کفر انتہائی سزا کے لئے کافی ہے۔ انسانوں کی دو قسموں کا حکم تو اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا۔ ایک وہ جو ایمان کے ساتھ صاحب اعمال صالحہ ہیں۔ انہیں جنت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ دوسرے وہ جو کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ابدی ہے۔ مگر ایک تیسری قسم ابھی باقی رہ گئی۔ یعنی مومن تو ہیں مگر اعمال صالحہ زیادہ نہیں رکھتے۔ اس طبقہ کا ذکر آیت میں نہیں۔ محققین اہل سنت کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے شخص کو شروع میں تو عذاب ہوگا لیکن پھر اس سے نجات پا جائے گا۔ دوام عذاب اس کے لئے نہیں۔ اور جنت میں اسے جگہ تو مل جائے گی، البتہ بلند ترین مرتبہ اس کے لئے نہیں۔ هو في الاول في العذاب ولكن ليس من المحضرين دوام الحضور في الأخرة هو في الرياض ولكنه ليس من المحبورين غاية الحبور (کبیر) و۱۵ (دل سے بھی۔ جس کے اندر ایمان وتصدیق آگئی، اور زبان سے بھی جس کے اندر اقرار اور اذکار آگئے اور عمل سے بھی جس کے اندر ساری عبادتیں آگئیں، خصوصاً نماز) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ صیغہ خبر کا ہے، لیکن معنی امر کے ہیں۔ اور سبحان قائم مقام سبحوا کا ہے۔ اخبار في معنى الامر (بیضاوی) ای سبحوا الله تسبيحا (کبیر) و۱۶ "کہ یہ اوقات تجدد نعمت وزیادت ظہور آثار قدرت کے ہیں۔ ان میں تجدید تسبیح کی مناسب ہے۔ بالخصوص نماز کے لئے یہی اوقات مقرر ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُمْسُوْنَ۔ میں مغرب وعشاء کی نمازیں آگئیں۔ تُصْبِحُوْنَ۔ میں صبح کی نماز کی طرف اشارہ ظاہر ہے۔ عَشِيًّا۔ میں اشارہ نماز عصر کی جانب ہے۔ تُظْهِرُوْنَ۔ سے مراد نماز ظہر ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ تسبیح قرب ذاتی کا مقام ہے اور حمد قرب صفاتی کا۔ و۱۷ (اور اپنے ان تکوینی وتخلیقی عجائبات کے نمونے دن رات ہر آن دکھاتا رہتا ہے) يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ جیسے انڈے سے مرغی کا پیدا کرنا۔ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ جیسے مرغی سے انڈہ پیدا کرنا۔ و۱۸ یہ مادہ پرست منکرین بعث وقیامت کے جواب میں ہے۔ قرآن ان سے کہتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے ہو اور سمجھ رہے ہو اس کی نظیریں اور مثلیں تو اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز دیکھتے رہتے ہو۔ اس کے عدم امکان پر جمے رہنا تو بے بصیرتی کی انتہا ہے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت وحکمت وصنعت کی نشانیوں میں سے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ کا یہی مفہوم اس رکوع بھر میں ہر جگہ ہے۔ و۱۹ (اور ساری نوع انسان کے درمیان طرح طرح کے خانگی مجلسی معاشری تمدنی تعلقات قائم ہو گئے)۔

بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

لیتے رہتے ہیں وٗ۲۰ اور اس کی نشانیوں میں سے بنانا ہے آسمانوں اور زمین کا

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور الگ الگ ہونا تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا بے شک اس میں (بھی) نشانیاں ہیں

لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ

علم والوں کے لئے وٗ۲۱ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور اپنے لئے اس کی (دی ہوئی) روزی کا تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا

جو سنتے ہیں وٗ۲۲ اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف کی راہ سے بھی اور امید کی راہ

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

سے بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو شاداب کر دیتا ہے اس کے خشک

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہو جانے کے بعد، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، وٗ۲۳

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں وٗ۲۴ پھر

اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ

جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم یک بارگی

وٗ۲۰ آیت، آیات احکام میں بہت اہم ہے اور گویا اسلام کے مجلسی وخانگی نظام زندگی کے لئے سنگ بنیاد ہے۔ یہاں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئیں:۔ (۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی، ہم جنس مخلوق ہیں۔ ترکیب حیات میں تمہاری ہی شکل۔ تمہاری ہی جیسی خواہشیں، جذبات واحساسات رکھنے والی۔ مخلوق بے روح نہیں ہیں۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (۲) ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے سرمایہ راحت وتسکین وباعث سکون خاطر ہوں۔ تمہارا دل ان سے لگے۔ جی ان سے بہلے۔ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا۔ (۳) تمہارے ان کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص وہمدردی پر ہونا چاہیے۔ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً۔ اسلام میں عورت مرد کی کنیز نہیں، جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں ہے بلکہ اس کی صاحبہ انیس، رفیق ومصاحب ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ اِنَّ ...... يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ ماہرین اجتماعیات چاہیں تو ایک پورا فلسفہ انہیں اصول اور بنیادی کلیات سے تیار کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیویوں کی طرف میلان والتفات ہونا منافی کمال نہیں جیسا کہ بعض زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے موقع احسان پر کیا ہے۔ وٗ۲۱ (کہ اسی اختلاف لون وزبان سے تمدن زندہ ہے اور اس کا تنوع قائم ہے) یہ اختلاف طبعی اس لئے نہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے پر ظلم روا رکھا جائے اور ایک قوم دوسری قوم کو حقیر وذلیل سمجھنے لگے۔ اِنَّ ...... لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ ان بنیادوں پر چاہیں تو باخدا اہل نظر علوم طبعی اور علوم اجتماعی کے پورے پورے دفتر تیار کر سکتے ہیں۔ وٗ۲۲ مِنْ فَضْلِهٖ۔ فضل اللہ کے ایک معنی محاورہ میں اللہ کے دیئے ہوئے رزق کے بھی آتے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ الرزق من كسبه (کبیر) اى طلب معاشكم (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استراحت کے لئے سونا اور اسی طرح اسباب معاش کا حاصل کرنا منافی کمال نہیں کیونکہ موقع فضل وکرم میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ ان میں انہماک ممنوع ہے۔ وٗ۲۳ چنانچہ باخدا اہل علم اگر چاہیں تو ان اشارات سے فائدہ اٹھا کر پورے پورے علوم بارش اور رزمین اور کائنات فضائی سے متعلق مرتب کر سکتے ہیں۔ يُرِيْكُمُ ...... طَمَعًا۔ یعنی ایک طرف تو تمہیں بافراط بارش سے امیدیں بڑی بڑی قائم ہو جاتی ہیں اور تم ان سے آس بھی ہر طرح کی لگانے لگتے ہو۔ اور دوسری طرف طوفانی بارش سے اندیشے بھی بہت زیادہ لگے رہتے ہیں۔ آیت کے مفہوم میں اگر توسع سے کام لیا جائے تو زمانہ حال کی ساری برقی ترقیات بھی اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ برقی آلات سے جدید انسان کیسی امیدیں زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیوں کی بھی قائم کرتا ہے اور پھر یہی مشینیں کس درجہ اس کی ہلاکت وبربادی کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ خَوْفًا وَّ طَمَعًا دونوں کی شان کا پورا ظہور۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خطاب اپنے عموم میں کاملین کو بھی شامل کئے ہوئے ہے۔ یہ عموم خطاب اس امر پر دال ہے کہ خوف وامید طبعی منافی کمال نہیں۔ وٗ۲۴ خود بخود نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے۔ اوپر ذکر پیدائش کا کائنات کا تھا، اب ذکر نظام عالم کے قیام کا ہے۔ یہ سب اللہ کے ارادہ ومشیت کے ماتحت قائم ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہے نہ سہارے کا۔ والتعبير بالامر للمبالغة فى كمال القدرة والغنى عن الالة (بیضاوی) تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ۔ مادی علوم اسباب کا جال جتنا بھی پھیلاتے جائیں، آخر کہیں تو ان کا سلسلہ ختم ہوگا۔ اور وہی آخری سبب کا نام امر الٰہی ہے۔ پھر خود ہر سبب قریبی وظاہری بھی بغیر اس امر الٰہی کے تمام تر غیر مؤثر۔

تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ

نکل پڑو گے وف۲۵ اور اسی کی ملک ہیں جو کوئی بھی موجود ہیں آسمانوں اور زمین میں سب

لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

اسی کے تابع ہیں وف۲۶ اور وہ وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا وف۲۷

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ

اور یہ (تو) اس کے لئے اور زیادہ آسان ہے وف۲۸ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ لَكُمْ

(سب سے) اعلیٰ ہے وف۲۹ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے وف۳۰ (اللہ) تمہارے ہی متعلق

مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

ایک مضمون تم سے بیان کرتا ہے وف۳۱ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

تمہارا شریک ہے اس روزی میں جو ہم نے تم کو دی ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جائیں

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

(اور) تم ان کا ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ ہم اسی طرح دلائل

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں وف۳۲ مگر اس پر بھی ظالموں نے بغیر دلیل کے

اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ

اپنی خواہشات کا اتباع کر رکھا ہے وف۳۳ سو اسے کون راہ پر لا سکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا وف۳۴ تو تم یکسو ہو کر وف۳۵ دین (حق) کی طرف

وف۲۵ یہ اس وقت جب موجودہ نظام عالم کو درہم و برہم کر کے ایک دوسرا نظام قائم کرنا اس کی مشیت وحکمت کو منظور ہوگا۔ وف۲۶ (تکوینی طور پر) یعنی فرشتہ، جن، انسان، جتنی بھی صاحب حیات وصاحب ارادہ مخلوق ہے۔ سب اضطراراً قانون الٰہی کی پابند ہے۔ کسی کو مجال سرتابی نہیں۔ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ اس کے قوانین تکوینی کے حدود توڑ کر باہر جا سکے۔ وف۲۷ امکان حشر وبعث پر جو شبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے ازالہ کے بار بار اس حقیقت کا استحضار کرایا ہے کہ جس خدا کا موجد اول ہونا، خالق کائنات ہونا تم خود تسلیم کرتے ہو، اسی کے لئے تو اس صفت احیاء کا اثبات کیا جا رہا ہے۔ تم آخر اسے اس کے لئے ناممکن یا مستبعد ہی کیوں سمجھتے ہو؟ وف۲۸ (تمہارے معیار اور تمہاری عادت کے اعتبار سے) حقیقۃً اس قادر مطلق کے لئے تو زیادہ آسان اور کم آسان کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ سب درجے اور اضافتیں تو ہماری نسبت سے ہیں۔ هُوَ۔ ضمیر اعادہ واحیاء کے لئے ہے۔ والضمیر للاعادۃ (روح) وف۲۹ (کہ نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے نہ زمین میں) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ متکلمین نے لکھا ہے کہ اللہ کا علو اضافی نہیں، مطلق ہے۔ وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے جب علو کے مقابل دنو کا وجود بھی نہ ہوا تھا فقہاء نے کہا ہے کہ صاحب مثل اعلیٰ کو ادنیٰ صفت سے ذکر کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً عاقل شجاع وغیرہ۔ ملکا و خلقا۔ یعنی خالق بھی سب کا وہی ہے اور مالک بھی سب کا وہی۔ مَثَلْ۔ (بفتحتین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے۔ اس کا اللہ کے لئے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مِثل (بکسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ الاعلی اے الذی لیس لغیرہ ما یساویه او یدانیه (بیضاوی) اے الوصف الاعلی الذی لیس لغیرہ (مدارک) وف۳۰ جب چاہے اپنی قدرت سے، حسب اقتضائے اسم العزیز قیامت کو واقع کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی حکمت سے اسے واقع اسی وقت کرے گا جس حسب اقتضائے اسم الحکیم عین مصلحت ہوگی۔ وف۳۱ (جس سے اسی مسئلہ شرک وتوحید پر مزید روشنی پڑے گی) وف۳۲ "ظاہر ہے کہ کوئی غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا۔ پس جب تمہارا غلام جو نوع وغیرہ میں تمہارا شریک ہے۔ صرف ایک امر اضافی اس میں اور تم میں موجب امتیاز ہے، تمہارے خاص حق امتیاز میں تمہارا شریک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارے قرار دیئے ہوئے معبودات باطلہ کو جو کہ حق تعالیٰ کے غلام اور کسی کمال ذاتی یا وصفی میں خدا کے مماثل نہیں، بلکہ بعض تو ان میں سے خود مخلوقات الٰہیہ کے مصنوع ہیں۔ یہ معبودین خاص حق تعالیٰ کے حق معبودیت میں کس طرح اس کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ انسان تو تمہارے محض مجازی غلام ہیں، انسانی اوصاف میں تمہارے شریک، تم ان کے خالق نہیں۔ ان کے مالک علی الاطلاق نہیں۔ حقیقی غلام تو انسان ہے تمامتر اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا۔ پھر یہ مال جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ذاتی نہیں، محض عطیہ الٰہی ہے۔ بخلاف اس کے اللہ کے تمام صفات ذاتی اور دائمی ہیں۔ پس جب شرکت المساوات انسان کو اپنے غلاموں کی منظور نہیں، تو ظاہر ہے اس کا گزر جناب باری میں کہاں ہو سکتا ہے هَلْ لَّكُمْ ۔۔۔ اَنْفُسَكُمْ۔ یہاں کوئی اخلاقی بحث مقصود نہیں کہ آیا ایسا ہونا چاہیے بھی، اور ہو تو کس حد تک۔ مقصود صرف ایک واقعہ ہے، جیسا کہ وہ پایا جاتا ہے، استدلال کرنا ہے۔ كَذٰلِكَ ..... يَعْقِلُوْنَ۔ باخدا اہل علم چاہیں تو فطرت بشری سے اسی طرح کے استدلالات سے ایک پورا علم کلام مرتب کر سکتے ہیں۔ مِنْ شُرَكَآءَ۔ من زائد تاکید استفہام انکاری کے لئے ہے۔ من مزیدۃ لتاکید الاستفهام الجاری مجری النفی (مدارک۔ بیضاوی) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ من ابتداء کلام کے لئے ہے۔ مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ وف۳۳ یعنی باوجود اس تبیین وتفصیل اور اس توضیح وتشریح کے یہ لوگ دلائل پر غور نہیں کرتے۔ بے انصافی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اتباع اپنی خواہشوں کا کئے جاتے ہیں۔ وف۳۴ (جو انہیں عذاب سے رہائی دلا سکے) یہاں گمراہوں کی معذوری کا بیان نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ ایسے بد پرہیز لاعلاج مریضوں کے حق میں زیادہ غم وتردد سے کام نہ لیجئے، ہماری طرف توجہ رکھیے۔ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال یا گمراہی ان لوگوں کے عناد اور کجروی کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہوگی۔ لَهُمْ۔ ضمیر کا صیغہ جمع مَنْ: ضَلَّ اللّٰهُ کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ والجمع باعتبار المعنی (روح) وف۳۵ صیغہ واحد اسی مناسبت سے ہے کہ خطاب مخاطبین کے ایک ایک فرد سے ہے۔

حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ
اپنا رخ رکھو اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے ف۳۶

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ
اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، ف۳۷ یہی ہے سیدھا دین لیکن

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴿۳۰﴾ مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ
اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے ف۳۸ اسی (اللہ) کی طرف رجوع ہو اور اس سے ڈرو

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ ﴿۳۱﴾ مِنَ
اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان

الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا
لوگوں میں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا اور گروہ گروہ ہوگئے ف۳۹ ہر گروہ نازاں ہے اس (طریق) پر جو

لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا
اس کے پاس ہے ف۴۰ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو

رَبَّهُمۡ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً
اسی کی طرف رجوع ہوکر پکارنے لگتے ہیں پھر جب (اللہ) انہیں اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے

اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۙ ﴿۳۳﴾ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ
تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ

اٰتَيۡنٰهُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اَمۡ اَنۡزَلۡنَا
دے رکھا ہے اس سے ناشکری کرنے لگتے ہیں سو (خیر) (چندے) فائدہ حاصل کرلو پھر عنقریب ہی تم جان لوگے ف۴۱ کیا ہم نے ان پر

عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۵﴾
کوئی سند اتاری ہے کہ وہ انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے؟

ف۳۶ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے اور اس کے مقتضاء پر کہ ادراک حق ہے عمل کرے۔" یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دین تو عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، اور فطرت بشری میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس لئے اس دین میں بھی کسی قسم کی ترمیم کی خواہش کرنا سرتاسر بے عقلی اور نادانی ہے۔ ف۳۷ مراد یہ ہے کہ یہ دین قدیم خلقی و ازلی ہے، اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھدی گئی ہے۔ یہ بدل نہیں سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہوتی، ریاضت سے صرف تعدیل ہوجاتی ہے۔ اور یہ فن طریق کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ف۳۸ (بسبب اپنے اعراض و بے توجہی کے نہ اس لئے کہ خود اس کا فہم کچھ بہت دشوار ہے) ف۳۹ یعنی حق تو بس ایک ہی ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم ہوتا ہے اگر یہ لوگ حق پر قائم رہتے، تو ایک ہی گروہ رہتے۔ البتہ باطل میں تعدد وکثرت ہے۔ جیسے دو نقطوں کے درمیان خطوط منحنی۔ سو اہل باطل نے بھی یہی کیا ہے کہ کسی نے کہیں سے ایک ٹکڑا حق کا لے لیا ہے، کسی نے کہیں سے دوسرا۔ مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا۔ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ سے بدل ہے۔ بدل من المشركين باعادة الجار (مدارک۔ روح۔ بیضاوی) ای لا تكونوا من المشركين الذين قد فرقوا دينهم (ابن کثیر) ان لوگوں سے مراد نصاریٰ و یہود کا ہونا متعدد تابعین سے منقول ہے۔ وقال الربيع بن انس الذين فرقوا دينهم اهل الكتب من اليهود والنصارى وقاله قتادة ومعمر (قرطبی) وهم اليهود والنصارى (معالم) بعض صحابیوں اور تابعین سے یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ اس سے مراد خود اہل قبلہ کے بدعتی فرقے ہیں۔ تاوله ابو هريرة وعائشة وابو امامة انه لاهل القبلة من اهل الاهواء والبدع (قرطبی) وقيل هم اهل البدع من هذه الامة (معالم) وهذه الامة ايضا اختلفوا فيما بينهم على نحل كلها ضلالة الا واحدة وهم اهل السنة والجماعة المتمسكون بكتاب الله وسنة رسوله (ابن کثیر) ف۴۰ اہل باطل آج جو بیشمار ٹکڑیوں، ٹولیوں میں تقسیم ہیں، یہ قابل عبرت ہے۔ ہندوؤں اور مسیحیوں، سب کے اندر بے حد فرقے ہیں، ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والے۔ مسلمانوں کے اندر جو فرقے توحید، رسالت آخرت، قرآن، قبلہ، کلمہ کے قائل ہیں ان کے اندر کا اختلاف ظاہر ہے کہ بنیادی نہیں، صرف فرعی ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ بنیادی چیزیں تو بس یہی ہیں جو ابھی گنادی گئیں۔ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ۔ یہ حقیقت تو بالکل کھلی ہوئی ہے کہ ہر گروہ اور ہر ٹولی عام اس سے کہ وہ اہل حق میں سے ہو یا اہل باطل سے، بس اپنے ہی مزعومات ومعتقدات، یا آج کل کی زبان میں اپنی آئیڈیالوجی ہی میں مست ہے۔ ف۴۱ یعنی حقیقت عنقریب تم پر منکشف ہوکر رہے گی۔ وَاِذَا الخ۔ لِيَكۡفُرُوۡا الخ بیان ان دونوں آیتوں میں عام فطرت بشری کا ہو رہا ہے۔ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ۔ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کی طبیعت مرکب ہے ہدایت وضلال سے۔ مصیبت کے وقت ظہور ہدایت کا ہوتا ہے اور زوال مصیبت کے بعد ضلالت کا۔ (روح) لِيَكۡفُرُوۡا۔ لِ عاقبہ کا ہے۔ یعنی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کرنے لگتے ہیں۔ واللام للعاقبة (بیضاوی) لِ تہدید کے مفہوم میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قيل للامر بمعنى التهديد (بیضاوی)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت

سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾
آ پڑتی ہے ان اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ نا امید ہو جاتے ہیں ف۴۲

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کھول کر روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ
اور تنگ کر کے دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) بے شک اس (امر) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں ف۴۳ سو

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ
(اے مخاطب) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو ف۴۴ یہ

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب رہتے ہیں اور یہی لوگ تو

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ
فلاح پانے والے ہیں ف۴۵ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر

النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ
زیادہ ہو جائے ف۴۶ سو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی ف۴۷ اور تم جو صدقہ دو گے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾
جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے ف۴۸

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر

ف۴۲ اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت سورۂ یونس (پ۱۱ ع۲) میں آ چکی ہے۔ وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ الخ۔ آیت میں کھلا ہوا بیان فطرت بشری کا ہے۔ ہُوَ یُشْرِکُوْنَ۔ یعنی کوئی بھی دلیل نقلی یا عقلی ان کے پاس ایسی ہے جو شرک کا حکم دے رہی ہو؟..... دلائل توحید پر تو بیشمار ہیں شرک پر کوئی ایک بھی دلیل قائم کر کے دکھائی جائے۔ فَهُوَ يَتَكَلَّمُ۔ تکلم یہاں لفظی معنی میں نہیں، بلکہ ظہور دلالت کے معنی میں ہے۔ فَرِحُوْا بِهَا۔ اس اتراہٹ سے ان پر جو غفلت اور بےفکری طاری ہوتی ہے وہ انہیں تحقیق و فکر سے بے نیاز کر دیتی ہے، اور وہی انہیں کفر و شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ فرح کا استعمال لغت عرب میں مدح و ذم دونوں موقعوں پر آتا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دونوں معنی میں آیا ہے۔ کہیں تو موقع ذم پر مثلاً اسی آیت میں۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (قصص) اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ھود) وغیرہ اور کہیں موقع مدح پر مثلاً فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ (آل عمران) بلکہ صیغۂ امر میں بھی مثلاً فَلْيَفْرَحُوْا (یونس) يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (عنکبوت)..... گو لفظ مشترک ہے لیکن مفہوم دونوں موقعوں پر الگ الگ ہے۔ اس لئے کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ موقع مدح پر فرح سے وہ خوشی مراد ہوتی ہے جو شکر کی جانب لے جاتی ہے، اور ایک طبعی بشری کیفیت کا نام ہے۔ موقع ذم پر مراد فخر و خود بینی ہوتی ہے۔ جو ایک نفسانی طغیانی کیفیت کا نام ہے۔ ف۴۳ (کہ وہ اہل ایمان و عرفان اللہ المعاش بھی تمامتر اسی کو یقین کئے رہتے، اور معاش کی فراخی اور تنگی دونوں کے سارے اسباب بس اسی کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں)۔ اَوَلَمْ ... يَقْدِرُ۔ دو شخص ایک ہی معاشی جدوجہد میں مشغول ہوتے ہیں۔ بظاہر دونوں کی صلاحیتیں، قابلیتیں تو انائیاں بالکل ایک سی ہیں، اس پر بھی ایک مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کی کوشش رائیگاں ہی رہتی ہے۔ وجہ صرف یہ کہ فلاح و کامیابی کے اسباب خفی و دقیق تمامتر اسی حکیم مطلق مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہیں جو اپنے مصالح تکوینی کے اعتبار سے جسے چاہتا ہے کامیاب بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے ناکام رکھتا ہے۔ اسباب معاش اور ان کے درمیانی وسائط کا تمامتر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہونا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ معبودیت و الوہیت کا حقدار بھی تنہا وہی ہے۔ ف۴۴ (اس کا اس کا حق) اسلامی نظام معاشیات میں درجہ بدرجہ عزیزوں کے اور پھر تمام دوسرے اہل حاجت کے حصے مقرر ہیں۔ حَقَّهٗ۔ لفظ حق بہت قابل غور ہے۔ ہر صاحب جائداد کے مال میں ان سب کے حق مقرر ہو گئے ہیں۔ ان کی ادائی خود اپنے سود و بہبود کے لحاظ سے واجب۔ دوسروں کو دیتے رہنا ان پر کوئی احسان کرنا اور منت رکھنا نہیں۔ فقہائے حنفیہ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قریب کے حاجت مند عزیزوں کا نفقہ واجب ہے۔ فیه دلیل وجوب النفقه للمحارم کما هو مذهبنا (مدارک) ف۴۵ نظام معاشیات کو ان ضوابط الٰہی کے ماتحت چلانے والے، انفرادی طور پر بھی فلاح یاب رہیں گے اور اجتماعی طور پر بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ۔ اس قید نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ خلعت قبول سے سرفرازی پانے کے لئے شرط لازمی یہ ہے کہ یہ خرچ جو کچھ بھی ہو سب رضائے الٰہی کی نیت سے ہو محض جبری اور نمائشی چندے اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں سب اس مد سے باہر ہیں۔ وَجْهَ کے معنی اس سیاق میں ذات کے ہوتے ہیں۔ یعنی مقصود محض رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ای ذاته ای یقصدون بمعروفهم ایاه خالصا (مدارک) ف۴۶ (اور پھر بڑھ کر اپنے ہی پاس واپس آ جائے) رِبًا۔ ربا یہاں اپنے وسیع اور عام لغوی معنی میں ہے۔ الزیادة علی راس المال (راغب) اسی ربا۔ یا ربا کے اصطلاحی یا سود، اسی کی ایک خصوصی و متعین شکل ہے۔ نیوتہ وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس امید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آ جائے گی۔ اکثر محققین نے یہاں یہی مراد لی ہے۔ العطیة التی تعطی للاقارب للزیادة فی اموالهم (ابن عباس) العطیة التی یتوقع بها مزید مکافاة (روح۔ عن ابن عباس و مجاہد و سعید و الضحاک محمد بن کعب القرظی و طاؤس وغیرہم) روی عن ابن عباس و مجاهد هو الرجل یهب الشیء یرید ان یثاب افضل منه فذلک الذی لا یربوا عند الله و لا یوجر صاحبه فیه و لا اثم علیه (جصاص) قال عکرمة الربا ربوان ربا حلال و ربا حرام فاما الربوا الحلال فهو الذی یهدی یلتمس ما هو افضل منه (قرطبی) ف۴۷ یعنی ایسے اللہ کے ہاں سند قبول حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ کے ہاں مقبول مطلقاً مال نہیں، بلکہ صرف وہی ہوتا ہے جس سے مقصود و مطلوب رضائے الٰہی ہو۔ ف۴۸ یعنی دنیا میں بھی برکت انفرادی، اجتماعی، ہر حیثیت سے اسی مال سے حاصل ہوگی، اور آخرت میں بھی اجر کئی گنا یہی مال دلائے گا..... یہی مال جو رضائے الٰہی کی نیت سے ادا کیا گیا تھا۔ نہ کہ سودی کاروبار اور نمائشی داد و دہش پر، حالانکہ ظاہراً منفعت تمامتر وہی معلوم ہوتا ہے۔ آیت میں تخاطب سود خوار کی طرف بالکل نہیں۔ ... بعض مفسرین نے نکتہ یہ لکھا کہ وہ ملعون قابل خطاب بھی نہیں۔ مِنْ زَكٰوةٍ۔ زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے۔ بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے دیا جائے۔ ای من صدقة (ابن عباس) ما اعطیتم من صدقة (معالم)

يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ

تم کو جلائے گا و۴۹ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی

مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ

کر سکے؟ وہ "اللہ" ان کے شرک سے پاک و برتر ہے! بدامنی پھیل

الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ

پڑی ہیں خشکی و تری میں لوگوں کے کرتوت سے و۵۰

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

اس غرض سے کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھائے، تاکہ وہ لوگ باز آجائیں و۵۱

قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گذرے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ

ان کا انجام کیسا ہوا ہے ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے و۵۲ سو تو

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ يَوْمٌ

اپنا رخ دین مستقیم کی طرف کرلے و۵۳ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے

لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ

جس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے و۵۴ جو

كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

کافر رہا ہے اس پر اسی کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے، سو ایسے لوگ اپنے ہی لئے

يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

(نفع و راحت کا) سامان کر رہے ہیں و۵۵ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

و۴۹ (قیامت میں) یعنی ایجاد و ابقاء و افناء تینوں صفات کا مالک صرف وہی ہے۔ پیدا کرنے والا، پالنے والا، فنا کرنے والا سب صرف وہی ایک ہے۔ الگ الگ اور تین تین ہستیاں نہیں۔ جیسا کہ برہما، وشنو اور شیو کی تریمورتی کا عقیدہ ہے۔ اور پھر قیامت میں اٹھانے کا وصف بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۵۰ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ یعنی جمیع کائنات میں ــ بشری آبادی کے چونکہ بڑے اور نمایاں مظہر یہی دو ہیں۔ لہٰذا نام انہیں کے لیے گئے۔ الْفَسَادُ۔ فساد کا لفظ جامع ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہر قسم کی جسمانی، روحی، اخلاقی، معاشرتی ابتری اور بد نظمی اس کے تحت میں آ جاتی ہے۔ خروج الشیء عن الاعتدال قلیلا کان الخروج عنه او کثیرا (راغب) انسان کے اپنے کرتوتوں، شرک، کفر، معصیت، غرض غیر اسلامی زندگی اور جاہلی نظام کے اتباع سے ہر طرح کے اخلاقی و معاشرتی مفسدوں کا اٹھ کھڑا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ البتہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادی حوادث تکوینی (قحط، وبا، طوفان وغیرہ) بھی بہت دفعہ اسی جاہلی زندگی کے نتیجے ہوتے ہیں۔ نظام عالم قائم اسی ہے طاعت الٰہی سے یا طریق اسلام سے۔ اور اس راہ راست سے کجروی کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں۔ اور یہ جو روایات حدیث میں آتا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ ابن مریم کے عہد حکومت میں زمین عدل و امن سے بھر جائے گی، اس کا راز بھی یہی ہے کہ اس وقت تک شریعت اسلامی کا چلن ہو رہا ہوگا۔ الْفَسَادُ۔ الْبَرِّ۔ الْبَحْرِ۔ تینوں میں کلمہ ال جنس فساد، جنس بر، جنس بحر کے لیے ہے۔ کوئی متعین بر و بحر اور کوئی متعین صورت فساد کی مقصود نہیں۔ ای ظهر جنس الفساد فی جنس البر و جنس البحر (روح) یہاں بیان عام ہے۔ کسی ملک، کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں۔ تاہم اس عموم کو اس زمانہ کے ساتھ ایک خصوصی بھی حاصل ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور قرآن کی روشنی اول بار طلوع ہو رہی تھی، عرب کا ملک تو تمام تر دین و دیانت سے معرا تھا ہی، پاس اور دور کے سارے ملک۔ مصر، ہندوستان وغیرہ شرک کی گندگی اور بداخلاقی کی تاریکی میں یکساں مبتلا تھے۔ دنیا میں بڑی تہذیبیں اس وقت دو تھیں۔ ایک رومی مسیحی، دوسری ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں تمدن خود انحطاط اخلاقی کی آخری چوٹیوں تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن نے آکر یہ اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا تو میرے ہی شفا خانہ میں ہے ــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اللہ ٹھنڈی رکھے ہمارے اسلاف کی تربت کو۔ ہمارے ہاں کے قدیم ترین مفسرین بھی اسی نتیجہ تک پہنچ گئے تھے۔ جو آج جدید ترین مؤرخ بیان کر رہے ہیں۔ ترجمان القرآن میں حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ روایت آج تک منقول چلی آتی ہے۔ رویت عن ابن عباس و کان ظهر الفساد برا و بحرا وقت بعثة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و کان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدین و ازال الفساد و اخمده صلی اللہ علیہ وسلم (بحر) و۵۱ (اپنے نا کردنی اعمال سے، اور آئندہ کے لیے اصلاح کرلیں) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ یہاں حوادث تکوینی کا راز بتا دیا۔ یہ بلائیں اسی لیے آتی ہیں کہ انسان ان سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے۔ مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا اس کی حیثیت نشتر کی ہے۔ یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ مقصود و مطلوب تو صحت ہوتی ہے، نشتر محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مواخذہ شاید ہر گناہ پر نہیں ہوتا۔ کچھ مخصوص ہی معاصی اس کے لیے انتخاب کر لیے جاتے ہیں۔ لِيُذِيْقَهُمْ میں ل لام علت بھی مانا گیا ہے اور لام عاقبت بھی۔ و اللام للعلة والعاقبة (بیضاوی) و۵۲ (سو وہ قومیں کیسی کیسی بلاؤں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئیں) و۵۳ (اے مخاطب) دین مستقیم کی طرف یعنی توحید اسلامی کی طرف۔ و۵۴ (باعتبار جزا کے) یعنی اہل جہنم کا گروہ الگ ہو جائے گا اور اہل جنت کا الگ۔ فریق فی الجنة و فریق فی السعیر (بحر) يَوْمَئِذٍ۔ یعنی آج جس طرح عذاب ٹلتا رہتا ہے، اس یوم موعود کے وعدہ پر۔ جب خود یوم موعود آ جائے گا تو اب کوئی صورت اس عذاب کے ٹلنے کی باقی نہ رہے گی۔ و۵۵ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۔۔۔ فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ۔ اجزاء کلام کی یہ تقدیم و تاخیر زور و تاکید مفہوم کے لیے ہے۔ يَمْهَدُوْنَ۔ مهد کے لفظی معنی بچھانے کے ہیں۔ تو گویا یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جو اہل ایمان دنیا میں حسن عمل میں مصروف رہتے ہیں، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے راحت دائمی کا فرش بچھا رہے ہیں۔ ای فلانفسهم یستعدون و یسخرون المضجع لیسلموا من عقاب ربهم و ینجوا من عذابه (ابن جریر) عَلَيْهِ كُفْرُهٗ کے صیغہ واحد سے اور لانفسهم یمهدون کے صیغہ جمع سے، امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پہلو پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے کہیں وسیع تر ہے۔ بدی کا بدلہ بدکار کی ذات تک محدود رہے گا۔ نیکی کی جزاء نیک کار کے عزیزوں قریبوں کو بھی اپنے اندر لے لے گی۔ اشارة الی ان الرحمة اعم من الغضب تشمله و اهله و ذریته اما الغضب فمسبوق بالرحمة لازم لمن اساء (کبیر) امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مَنْ كَفَرَ کے مقابلہ میں قرآن مجید نے من امن نہیں کہا۔ بلکہ مقابل میں وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا کہا تا کہ مومن کو ساتھ ہی عمل کی بھی ترغیب ہو جائے اور ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔ و لم یقل من امن و ذلک لان العمل الصالح به یکمل الایمان فذکره تحریضا للمکلف علیه (کبیر)

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

عمل کئے (اللہ) انہیں اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا، واقعی اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، ف۵۶

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دیتی ہوئی ف۵۷ اور تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کی لذت چکھائے ف۵۸ اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو ف۵۹ تاکہ تم شکر ادا کرو ف۶۰

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جو جرم کرتے رہے تھے ف۶۱ اور اہل ایمان کا غلبہ تو ہمارے ذمہ تھا ف۶۲

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں، پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے ف۶۳ پھر تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے ف۶۴ تو بس وہ خوش ہونے لگتے ہیں

ف۵۶ (بلکہ سخت مبغوض رکھتا ہے) لان عدم المحبة كناية عن البغض في العرب (روح) فلان عدم المحبة من الله غاية العذاب (کبیر) مِنْ فَضْلِهٖ۔ پہلی آیت میں ذکر دو طبقوں کا تھا۔ ایک مَنْ كَفَرَ کفر اختیار کرنے والوں کا دوسرے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا راہ حسن عمل پر چلنے والوں کا۔ پہلے کے انجام فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ میں صاف علت انجام کا ذکر کر دیا۔ یعنی وبال کفر کفر ہی کی بنا پر پڑے گا۔ اور دوسرے کی جزاء میں "بجائے علت کے مِنْ فَضْلِهٖ بڑھا دیا اشارہ ہے کہ سزا تو بلا علت نہیں ہوتی۔ لیکن رحمت بلا علت محض فضل سے ہوتی ہے"۔ وذكر من فضله للدلالة على ان الاثابة تفضل محض (روح) لِيَجْزِيَ میں لام عاقبت کا ہے۔ تعلیل کا بھی مانا گیا ہے متعلق بيمهدون تعليل له (کشاف) ف۵۷ (بارش کی) قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے۔ اور عرب جیسے ملک میں برساتی ہواؤں کی خوش گواری خود ایک مستقل نعمت ہے۔ اور عرب کو چھوڑ کر، ہندوستان اور پاکستان جیسے زراعتی ملکوں میں مانسون کسان کے لیے ایک بشارت عظیم نہیں؟ مِنْ اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت، شفقت وحکمت کی نشانیوں میں سے۔ ف۵۸ یعنی پہلے تو بارشی ہواؤں سے تمہارا دل خوش کرے۔ پھر اصل بارش کے فائدے تمہیں عنایت کرے۔ رَحْمَتِهٖ سے مراد یا بارش ہے یا وہ منافع جو بارش پر مرتب ہوتے ہیں۔ يعني المنافع التابعة لها (بیضاوی) ف۵۹ (انہیں ہواؤں کے ذریعہ سے) یعنی ہواؤں کا ایک کام علاوہ بارش لانے کے، یہ بھی ہے کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنا دے۔ اور اس طرح قوموں کی قومیں بحری تجارت کے ذریعہ سے بن جائیں۔ عربوں نے قرآن مجید کے ان اشارات سے جس قدر فائدہ اٹھایا۔ اس کا مفصل ذکر مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب "عربوں کی جہاز رانی" میں ملے گا۔ اور آج تو دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز بھی بحری تجارت ہے۔ فَضْلِهٖ۔ فضل یہاں تجارت بحری کے معنی میں ہے۔ اور یہ سلف سے مسلم چلا آتا ہے۔ اور بعض نے عام تجارتی سفر مراد لیے ہیں۔ يعني تجارة البحر (بیضاوی۔ مدارک) من رزقه بالتجارة في البحر (معالم) اي في التجارات و المعايش والسير من اقليم الى اقليم و قطر الى قطر (ابن کثیر) بِاَمْرِهٖ۔ امر یہاں تدبیر وتکوین کے معنی میں ہے۔ اي تدبيره و تكوينه (مدارک) ف۶۰ مقصود ان تمام نعمتوں سے یہی ہے کہ ان نعمتوں کا استعمال مصرف صحیح میں کیا جائے۔ اور یہی وہ مقام ہے جو قرآن جیسی کتاب الہدیٰ کو تمام "علوم" و "فنون" کی کتابوں سے ممتاز کیے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر سبق ساری مادی ترقیوں کے بعد انسان کو حدود عبدیت کے اندر رہنے کا۔ ف۶۱ (اور وہ جرم یہی تھا کہ ان لوگوں نے ان دلائل حق کی تصدیق نہ کی، بلکہ الٹی ان کی تکذیب کرتے رہے) فَانْتَقَمْنَا۔ بعض ناسمجھوں نے انتقام حق کو اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی اور اس سے پست سمجھا ہے۔ یہ نتیجہ ہے تمامتر "انتقام" اور "کینہ پروری" کے درمیان خلط مبحث کر دینے کا۔ انتقام جس کے معنی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں، وہ تو قیام عدل کے لیے لازمی ہے۔ ورنہ پھر نظام عدل ہی کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے۔ ف۶۲ (چنانچہ عذاب الٰہی سے کفار مغلوب ومقہور ہوئے اور اہل ایمان محفوظ ومنصور رہے) یہاں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نصرت کا کوئی عام وعدہ ہے۔ بیان صرف اس وقت کا ہے جب پیمبروں کی تکذیب اور ان سے براہ راست مقابلہ کیا جائے۔ اس وقت آخری شکست منکروں اور باغیوں کی یقینی ہوتی ہے) ف۶۳ يَبْسُطُهٗ۔ سے مراد یہ ہے کہ بادل کو مجتمع کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے۔ جس سے گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا کا مطلب یہ ہے کہ بادل کو گھٹا نہیں ہونے دیتا متفرق ہلکی پھلکی بدلیاں رکھتا ہے۔ كَيْفَ يَشَآءُ۔ کا حاصل یہ ہے کہ بادل کو جس حالت میں چاہتا ہے رکھتا ہے۔ خواہ خوب گہری گھٹا بنا دے، خواہ ہلکی پھلکی بدلی رکھے۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف "سمت آسمان میں" ہے۔ اي في سمتها (بیضاوی) لا في نفس السماء بالمعنى المتبادر (روح) ف۶۴ یعنی اپنے بندوں کے جس ملک، جس سرزمین میں چاہتا ہے۔ لے جاتا ہے۔ يعني بلادهم و اراضيهم (بیضاوی) اَلْوَدْقَ۔ ودق مرادف ہے مطر کے۔ الودق قيل ما يكون من خلال المطر كانه غبار و قديعبر به عن المطر (راغب)۔

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

درآنحالیکہ وہ لوگ قبل اس کے کہ اس خوشی سے قبل ان پر برسے بالکل

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ

مایوس ہو رہے تھے وف۶۵ سو ذرا رحمت الٰہی کے آثار کو دیکھو کہ وہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ

کس طرح شاداب کرتا ہے۔ وف۶۶ بے شک وہی مردوں کا جلانے والا ہے وف۶۷ اور وہی

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ

ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اگر ہم (کوئی اور) ہوا چلا دیں، پھر یہ لوگ کھیتی

مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں وف۶۸ آپ مُردوں کو تو نہیں سنا

الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾

سکتے اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں

وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

اور آپ اندھوں کو بھی ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو

مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِیْ

ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ (انہیں) مانتے بھی ہیں وف۶۹ (اور وہی) اللہ ہے جس نے

خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

تم کو (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ

عطا کی پھر توانائی کے بعد ناتوانی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے

وف۶۵ یعنی ابھی تو مایوس ہو رہے تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ کاشتکار اور زراعت پیشہ کسی ملک وقوم کے بھی ہوں، جو لوگ اُن کی نفسیات سے واقف ہیں، قرآن مجید کے اس فقرہ کی داد دل کھول کر دادیں گے۔ وف۶۶ (اور یہ خود ایک نظیر ہے قدرت علی البعث کی)۔ رحمت اللہ۔ سے یہاں بھی مراد بارش ہے یا اس کے اثرات عالم میں نباتات پر۔ ای اثر الغیث من النبات والاشجار وانواع الثمار (بیضاوی) وف۶۷ (قیامت کے دن، اور وہی روزمرہ تجدید حیات کی نظیریں دکھاتا رہتا ہے) مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور اُس کی خلاقی کا استحضار اگر رکھو تو امکان بعث میں کوئی اشکال ہی نہ رہ جائے۔ وف۶۸ (ساری پچھلی نعمتوں کو بھول بھال کر) مقصود غافلوں کی بے حسی کو دکھانا ہے۔ ریحًا سے مراد ہے کسی دوسری قسم کی ہوا، جو زراعت کو نقصان پہنچانے والی ہو، مثلاً بجائے پچھوا ہوا کے پروا کی، یا بجائے پروا کے پچھوا۔ راٰوہ میں ضمیر کھیتی کی جانب ہے۔ ای راوا النبت والزرع مصفرًا (معالم) ای راوا اثر رحمۃ اللہ لان رحمۃ اللہ ھی الغیث و اثرھا النبات (کشاف) وھی النبات المفھوم من السیاق (بحر۔ روح) وف۶۹ یعنی یہ لوگ بے ادراکی میں مُردوں، بہروں، اندھوں کی سطح پر ہیں آپ ان سے نہ ایمان کی توقع رکھیے نہ ان کے انکار وتکذیب پر غم وتردد کیجیے۔ فانک لا تسمع الموتٰی۔ مُردوں کے سننے نہ سننے پر حاشیہ سورۃ النمل (پ ۲۰) آیت انک لا تسمع الموتٰی۔ کے تحت میں گزر چکا — کسی بندہ سے یہ کہنا کہ تم مُردوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے، اس کا مستلزم نہیں کہ سرے سے سماع میت کا انکار ہی مقصود ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ تم آسمان کی سیر نہیں کر سکتے، اس کے مرادف نہیں کہ حق تعالیٰ بھی آسمان کی سیر نہیں کرا سکتا۔ سماع موتٰی اپنے حدود کے اندر اہل سنت کے ہاں ایک متفق مسئلہ ہے۔ اس سے کلیۃً انکار درست نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے۔ پھر لوگ کیسے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیخ کے اختیار میں ہے۔ من یؤمن۔ میں ایمان سے مراد استعداد ایمان ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اصل ایمان تو سماع سے مؤخر ہے نہ کہ اس پر مقدم۔

ف۵۲ ہر تصرف میں وہی آزاد و خود مختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست سے ہست کرے ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف، کوئی اس کا مانع و مزاحم کسی درجہ میں بھی نہیں ہو سکتا۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ۔ اس ناتوانی سے مراد قبل پیدائش حالت جنین یا نطفہ کی بے حقیقتی اور کمزوری ہے۔ بَعْدِ ضَعْفٍ میں ضعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے۔ قُوَّةً سے مراد جوانی اور قُوٰی کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔ ف۵۳ ہر ضرورت و مصلحت کا علم بھی اسی کو پورا ہے، اور ہر تصرف پر قدرت بھی پوری پوری اسی کو حاصل ہے۔ سو اس کے خلق و خلقت میں کسی کمی یا نقص کا امکان ہی نہیں۔ ف۵۴ (عالم برزخ میں یا دنیا میں) اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ کافروں کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس واقعی ایسا ہی ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت موعود سے بہت پہلے آگئی اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی! مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ یہ گھڑی بھر کی مدت قیام عالم برزخ میں بھی ہو سکتی ہے اور دنیا میں بھی۔ ائمہ مفسرین دونوں طرف گئے ہیں۔ في قبورهم (معالم عن مقاتل والكلبي) في قبورهم (ابن جرير) في الدنيا (ابن کثیر) في الدنيا (معالم) اي ما اقاموا في القبور وروى غير واحد عن قتادة انهم يعنون ما لبثوا في الدنيا و رجح الاول بانه الاظهر (روح) ف۵۵ یعنی ادراک حقائق کے سلسلہ میں ان کی غلط بینیاں اور غلط اندیشیاں کچھ آج ہی نہیں، دنیا میں بھی تو ادراک حقائق کے سلسلہ میں یہ ایسے ہی کج اندیش تھے۔ ف۵۶ یہ جواب دینے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اخبار شرعیہ کا علم تھا۔ في كتاب الله اي في ما كتب الله لكم في سابق علمه من اللبث في القبور (معالم) في علم الله و قضائه او في ما كتبه اي اوجبه بحكمته (کشاف) آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول و انتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان انشاء اللہ اس وقت تمام تر محفوظ اور باحواس رہیں گے۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ۔ بعض نے کہا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا انبیاء، بعض نے کہا علماء امت، اور بعض نے کہا کہ سارے مومنین۔ فقيل الملائكة و قيل الانبياء و قيل علماء الامم و قيل جميع المومنين (قرطبی) ف۵۷ یعنی ان ظالموں، کافروں کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اس روز توبہ کر کرا کے اللہ کو راضی کر لیں۔ اي لا يطلب منهم ازالة عتب الله تعالى و المراد به غضبه سبحانه عليهم بالتوبة و الطاعة (روح) يُسْتَعْتَبُوْنَ۔ استعتاب کے لفظی معنی ازالۂ عتاب یعنی توبہ کے ہیں، جو گناہوں کو مٹا دے۔ و هو ازالة العتب يعني التوبة التي تزيل آثار الجريمة لا تطلب منهم لانها لا تقبل منهم (کبیر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپسی کا موقع نہ دیا جائے گا۔ و لا هم يرجعون الى الدنيا (ابن کثیر) ف۵۸ (جس کا مقتضی یہ تھا کہ منکرین ایمان لے آتے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی ہدایت و نفع کی غرض سے۔ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ یعنی ہر قسم کے عمدہ مفید مضمون۔ ف۵۹ کیا حد ہے ان کے عناد و ضد اور حق طلبی کے فقدان کی! — کہاں تو خود ہی فرمائشی معجزوں کی بھرمار کر رہے ہیں۔ اور کہاں اگر معجزے دیکھ لیں تو الٹے مسلمانوں سے یہ کہنے لگیں کہ تم لوگ تو سحر کی باطل پرستیوں میں پڑے ہوئے ہو! اٰيَةٍ۔ یعنی کوئی ایسا نشان جس کی یہ خود فرمائش کرتے رہتے ہیں ان کا فرمائشی نشان۔ اَنْتُمْ۔ یعنی تم سب، پیمبر اور مومنین۔ ف۶۰ (ان کی شدت عناد اور حق ناشناسی کی بنا پر) اور وہ دلوں پر مہر لگنا یہی ہے کہ روز بروز ان کی قبول حق کی استعداد ضعیف و مضمحل ہوتی جاتی ہے۔

مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ

پیدا کرتا ہے ف۵۲ اور وہ خوب جاننے والا ہے، ہر قدرت رکھنے والا ہے۔ ف۵۳ اور جس دن قیامت

السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ

قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے (کہ) ہم لوگ تو ایک ساعت سے زیادہ رہے ہی نہیں، ف۵۴

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اسی طرح یہ لوگ الٹے چلتے رہتے تھے ف۵۵ اور جن لوگوں کو علم و ایمان عطا ہوا ہے

وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫

وہ کہیں گے کہ تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق قیامت کے دن تک رہے

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

سو یہی تو ہے قیامت کا دن البتہ تم ہی (اس کا) یقین نہیں کرتے تھے ف۵۶

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا

غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا (کچھ) نفع نہ دے گا، اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

ان سے تدارک چاہا جائے گا ف۵۷ اور ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

قرآن میں ہر طرح کے مضمون بیان کئے ہیں ف۵۸ اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشان بھی لے کر آئیں تو بھی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم (لوگ) اہل باطل ہو ف۵۹ جو لوگ

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ

یقین نہیں رکھتے اللہ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ف۶۰ سو آپ صبر کیجئے

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں علم صحیح کی طلب نہیں ہوتی۔ اي لا يطلبون العلم (بیضاوی۔ روح)

ف۹ (کہ حق ایک روز منصور و کامیاب اور باطل بالآخر ناکام و مغلوب ہو کر رہے گا) ف۱۰ یعنی حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں آپ کے قدم جادۂ صبر و استقامت سے کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائیں۔ اور بے عقیدہ، بے ایمان دشمنوں کو کوئی سا موقع بھی کہ پاجانے کا نہ ملنے پائے۔ آیت میں تعلیم ہے ساری امت کے لیے۔ اور براہ راست خطاب تو خصوصاً اپنے حال کا بڑا تقاضا چاہیے کہ حق کے ارکان کافروں، فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ آنے پائے۔ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ خطاب براہ راست رسول سے ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے امت سے ہے۔ والخطاب للنبی ﷺ والمراد امته (قرطبی) ف۱ آیت میں قرآن مجید کی اہمیت و عظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسنین ہونے کا اطلاق تو خود انہیں لوگوں پر ہوگا، جو قرآن پر عمل کرکے مرتبہ اخلاق میں بڑھتے ہیں اور اب انہیں کے حق میں ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن ان کے لیے موجب ہدایت ہے۔ الْحَكِيمِ۔ سے مراد پر حکمت بھی ہوسکتی ہے اور بے عیب بھی اور محکم بھی۔ الحکیم المحکم ای لا خلل فیه ولا تناقض و قیل ذوالحکمة و قیل الحاکم (قرطبی) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مراتب ہدایت کی حد و انتہا نہیں۔ محسنین تو خود ہی ہدایت کے مرتبہ اعلیٰ پر ہوتے ہیں۔ قرآن انہیں اور بڑھا رہا ہے۔ ف۲ (دنیا و آخرت میں ہر طرح پر) عَلٰى هُدًى ... الْمُفْلِحُوْنَ۔ هُدًى۔ ہدایت ثمرہ ہے قرآن پر اعتقاد و عمل کا۔ اور فلاح ثمرہ ہے اس ہدایت کا۔ پارۂ اول کے رکوع اول میں انہیں سے ملتی جلتی دو آیتیں آچکی ہیں، وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ هُمْ کی تکرار تاکید اور زور کلام کے لیے ہے۔ اعید الضمير للتاكيد (روح) ف۳ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ مراد اس سے لغو، فضول (موسیقی) بھی لی گئی ہے۔ و فی الاية عند الاكثرين ذم للغناء باعلى صوت (روح) الغناء في قول ابن عباس و ابن مسعود و غيرهما و هو ممنوع بالكتاب والسنة (قرطبی) لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر یقینی نہیں حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے۔ لهو الحديث هو الغناء واشباهه۔ یعنی اس سے مراد ہے گانا اور اس کے مشابہ چیزیں۔ گویا ہر بیکار، غیر مفید مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہے جو حق کی طرف سے غفلت، بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو، اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ ما يلهي عما يعني كالاحاديث التي لا اصل لها والاساطير التي لا اعتبار بها والمضاحك و فضول الكلام (بیضاوی) لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ غناء کے باب میں محدثین و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ جو گانا محض دل بہلانے یا اصطلاح فقہ، دفع وحشت نفس کے لیے ہو، اس میں بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی نہیں۔ درمختار میں اسے سرخسی، عینی و عنایہ کے حوالہ سے جائز رکھا ہے۔ و فی الدر المختار التغني لنفسه لدفع الوحشة لاباس به عند العامة على ما في العناية و صححه العيني واليه ذهب شمس الائمة السرخسي (روح) اور اگر دف بجا کر محض شادی اور مضامین اخلاق و معرفت کے ہوں جب تو بالکل ہی جائز ہے۔ قال و لو فيه وعظ و حكمة فجائز اتفاقا (روح) لیکن جو گانا لوگوں کے سنانے کے لیے جشن عقد اور عید وغیرہ کے علاوہ ہو، خصوصاً جو "قوالی" کی مجلسیں مسجدوں اور خانقاہوں میں مجمع فساق کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اور جنہیں عبادت سمجھا جاتا ہے وہ تو اور زیادہ قابل ملامت ہیں۔ و صاحب الهداية والذخيرة سمياه كبيرة هذا في التغني للناس في غير الاعياد و الاعراس و يدخل فيه تغني صوفية زماننا في المساجد والدعوات بالاشعار والاذكار مع اختلاط اهل الاهواء والمرد بل هذا اشد من كل تغن لانه مع اعتقاد العبادة (روح) فاما ما ابتدعته الصوفية اليوم من الادمان على سماع المغاني بالآلات المطربة من الشبابات والطار و المعازف والاوتار فحرام (قرطبی) جیسا کہ تواجد و رقص کا شمار علامات ذوق میں سے کیا گیا ہے اور اس کو جائز سمجھنا حدود کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ و اما ما ابتدعته الصوفية في ذلك فمن قبيل ما لا يختلف في تحريمه لكن النفوس الشهوانية غلبت على كثير ممن ينسب الى الخير حتى لقد ظهرت في كثير منهم فعلات المجانين و الصبيان حتى رقصوا بحركات متتابعة و تقطيعات متلاحقة وانتهى التواقح بقوم منهم الى ان جعلوها من باب القرب و صالح الاعمال و ان ذلك يثمر سني الاحوال و هذا على التحقيق من آثار الزندقة (روح) و اما ما وسمه اهل زماننا من انهم يهيئون المجالس و يرتكبون فيها بالشرب والفواحش و يجمعون الفساق والاماء يطلبون المغنين الطوائف و يسمعون منهم الغناء و يتلذذون بها كثيرا من الهواء النفسانية والخرافات الشيطانية و يحمدون على المغنين باعطاء النعم العظيم و يشكرون عليهم بالاحسان العميم فلا شك ان ذلك ذنب كبير و استحلاله كفر قطعا و يقينا لانه عين لهو الحديث في شانهم (احمدی) يَشْتَرِيْ کے لفظی معنی خرید کرنے کے ہیں۔ مراد ہے اختیار کرنا، خریدار ہونا، خواستگار ہونا، راغب ہونا، سب اس میں داخل ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی نفس پرستی اور عرف فاسد پر مبنی، اور ہر حجتی سند سے خالی۔ لِيُضِلَّ میں ل تعلیل کا ہے۔ واللام للتعليل (روح) سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا دین ہے، یا کتاب اللہ کی تلاوت۔ ای دينه او قرأة كتابه (بیضاوی) آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں ذکر ایسے لہو و لعب کا ہے جو دین حق سے روکنے والے ہوں اور ان کا اثر دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو، بلکہ دین حق کی تحقیر دلوں میں پیدا کرانے والے

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾ ع ۹

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۹ اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں ف۱۰

آیاتها ۳۴ | ۳۱ سُورَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ | رکوعاتها ۴

اس کی چونتیس آیتیں ہیں | سورۂ لقمٰن مکہ میں نازل ہوئی | اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمٓ ﴿١﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴿٢﴾ هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ ﴿٣﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٦﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ

الف۔ لام۔ میم۔ یہ آیتیں ہیں ایک پر حکمت کتاب کی جو ہدایت اور رحمت ہے نیک کاروں کے حق میں ف۱ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ٹھیک ہدایت پر اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ف۲ اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے ف۳ ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۴ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ

ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے،

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو آپ اسے خبر سنا دیجیے عذاب دردناک کی ف۵ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

کام بھی کیے ان کے لئے راحت کی جنتیں ہیں جن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

(یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ف۶ (اسی نے) آسمانوں کو

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

بلا ستون بنایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین پر بھاری پہاڑ ڈال رکھے ہیں

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

کہ کہیں تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں، اور ہم نے آسمان سے

السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا

پانی اتارا پھر اس (زمین) میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے ف۷ یہ تو

خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

اللہ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس (اللہ) کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ۧ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ

اصل یہ ہے کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں ف۸ اور بے شک ہم نے لقمان کو

الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

دانائی عطا کی ف۹ (اور یہ حکم) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو، اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے

ع ۱۰

ہوں، ظاہر ہے کہ ایسا مشغلہ صریح کفر کے درجہ میں آجائے گا۔ اور اس کی تائید شانِ نزول کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ جاہلیت میں کوئی ''قابل و فاضل'' شخص نضر بن الحارث نامی تھا۔ آس پاس کے ملکوں کا سیاح، وہاں سے جاہلی ''لٹریچر'' کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں لاتا۔ انہیں لا کر اہل عرب کو سناتا۔ ایران کے بہادروں کے افسانے۔ حیرہ کے بادشاہوں کے قصے پڑھ کر سناتا اور کہتا جی ان میں لگاؤ، قرآن کے وعظ میں کیا رکھا ہے۔ ہمراہ کوئی حسین چھوکری بھی رکھتا۔ عملی دل بہلاوے کے لیے شراب و کباب کے ساتھ اس کی پیشکش بھی کرتا رہتا۔ اس سے بھی بڑھ کر ممنوع و ناجائز وہ سارے کھیل تماشے ہوں گے جو تہذیب و تمدن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لیے گڑھ لیے ہیں۔ سینما، تھیٹر، پکچر، گیلری وغیرہا۔ نیز ''ادبیات''، افسانہ و شعر کا وہ بہت بڑا ذخیرہ، جو آج ''آرٹ'' کے بڑے پُرفخر کارنامہ کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں ہر اس گانے کی حرمت آگئی جو عموماً دین سے غفلت کی طرف لے جانے والا ہو۔ یا اعتقاداً موجب ضلال ہو۔ اور قول فیصل یہ ہے کہ جو ان دونوں باتوں سے مبرا ہو، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ ف۴ (آخرت میں) آخرت کا ہر عذاب شدید و الیم تو ہے ہی، یہ عذاب اس کے ساتھ ذلت آفریں بھی ہوگا۔ جس نے زندگی بھر دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی، وہ نالائق ہے ہی اسی قابل کہ کل اس کی بھی ہر طرح ذلت و رسوائی ہولے۔ اس عذاب کا اصل ظہور تو آخرت ہی میں ہوگا۔ لیکن دنیا میں بھی ایک طرح اس کا ظہور مشاہد ہے، بھانڈ، نقال، گویے، میراسی، کسبیاں، ہیجڑے، غرض تمام طبقہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے تعلق رکھنے والے دنیا میں بھی کیسے حقیر و رسوا رہتے ہیں، تا آنکہ کوئی معاشرہ مسخ ہو کر خود ہی اُن کے رنگ میں رنگ جائے، اور خود ہی فسق پیشہ بن جائے۔ ف۵ آیت ماقبل سے بھی ظاہر ہوگیا تھا، اور اس آیت نے اور زیادہ صاف کردیا کہ یہاں مراد اس لہو و لعب اور ان اشغال تفریحی سے ہے جو دین اسلام سے ہٹنے اور ہٹانے، ضلال و اضلال کا باعث ہوں۔ ایسے مشاغل یقیناً حرام بلکہ ان میں سے بعض تو کفر کے درجہ میں داخل ہیں۔ باقی ''جو لہو اعمال فرعیہ شرعیہ سے باز رکھے یا کسی معصیت کا سبب ہوجائے وہ صرف معصیت ہے۔ اور جو لہو کسی امر واجب کا مفوت نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی نہ ہو وہ مباح ہے۔ لیکن لا یعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ اور مسابقت فرس اور مسابقت سہم و ملاعبت اہل میں چونکہ معتد بہ غرض تھی، اس لیے حدیث میں اس کو لہو باطل سے مستثنیٰ فرمایا، اور مسئلہ غنا اور سماع کا اس آیت کا مدلول ہونا ضروری نہیں۔ اس کا حکم مفصل مستقلاً مثل دیگر اقسام لہو کے دوسرے دلائل حدیثیہ و فقہیہ سے اپنے محل پر ثابت ہے۔ اور اس تفصیل سے تمام مشاغل اور تفریحات کا حکم بھی، جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آگئے معلوم ہوگیا''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۶ اپنے کمال قدرت سے۔ ہر وعدہ کے واقع کرنے پر قادر ہے۔ اور اپنے کمال حکمت سے واقع اسی وقت کرتا ہے جب عین مصلحت ہوتی ہے۔ ف۷ (ہر طرح کے شجر و نباتات کے) خَلَقَ ...... تَرَوْنَهَا۔ آسمان جیسی عظیم الشان موجودات کو بغیر کسی ظاہری و مرئی سہارے کے قائم رکھنا کمال قدرت پر ایک دلیل قاطع ہے — ملاحظہ ہوں (پ۱۳) سورۃ الرعد کے حاشیے۔ فقرہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ ''بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو بنایا''۔ اس صورت میں تَرَوْنَهَا کا تعلق السَّمٰوٰتِ سے نہیں، بلکہ عَمَدٍ سے ہوگا۔ مفسرین نے یہ ترکیب بھی جائز رکھی ہے تکون ترونها فی موضع خفض علی النعت لعمد فیمکن ان یکون ثم عمد و لکن لا ترٰی (قرطبی) بلکہ بعض صحابہ و تابعین سے بھی منقول یہی ہے۔ قال ابن عباس و عکرمہ و مجاهد لها عمد لا ترونها (ابن کثیر) اَلْقٰى ...... بِكُمْ۔ یعنی ہلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے ایک خاص ترتیب و مناسبت مقام کے ساتھ بھاری بھاری پہاڑ نصب کردیے کہ زمین کہیں اپنی اتنی تیز گردش سے ہچکانے نہ لگے۔ کمال صنعت گری کی دلیل ہے ملاحظہ ہوں سورۃ النحل (پ۱۴) کے حاشیے۔ مِنَ السَّمَاۗءِ سے جیسا کہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے مراد سمت آسمان سے یا بلندی سے ہوتی ہے۔ ابر وغیرہ سب اسی میں شامل ہیں۔ ف۸ (اور وہ گمراہی اُن کی صریح ضد کی ہے۔ تو یہ لوگ بھلا دلیل وغیرہ کیا پیش کرسکیں گے) اہل شرک کو چیلنج کرکے پکارا ہے کہ اللہ کی صنعت و قدرت و حکمت پر تو آسمان و زمین میں ایسے ایسے روشن دلائل موجود ہیں۔ اب تم تو ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیویوں دیوتاؤں کے مخلوقات و مصنوعات کون سے ہیں؟ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون سے مراد مشرکین ہیں۔ یعنی المشرکین باللہ العابدین معہ غیرہ (ابن کثیر) ف۹ یہ لقمان کون تھے؟ اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول، برگزیدہ بندہ تھے۔ اور ایسے کہ اہل عرب (قرآن کے مخاطبین اول) ان کے نام سے مانوس تھے۔ اس کے آگے اُن کی شخصیت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ کلام جاہلیت میں ایک نہیں، اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے لقمان ثانی کا لقب لقمان حکیم مشہور ہے۔ عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انہیں کی جانب ہو۔ ان سے متعلق روایات تاریخی میں آتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اور ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۰ الخ) بعض اکابر ان کی نبوت کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ لیکن مسلک جمہور یہ ہے کہ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے۔ یہ اختلاف سلف سے چلا آرہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے، یا محض ایک بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں۔ لیکن اکثریت نے قول ثانی ہی اختیار کیا ہے۔ اختلف السلف فی لقمان هل کان نبیًا او عبدًا صالحًا من غیر نبوة؟ علی قولین الاکثرون علی الثانی (ابن کثیر) والجمهور علی انه کان حکیمًا و لم یکن نبیًا (مدارک) جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے۔ صرف حکیم تھے۔ البتہ عکرمہ اس

لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَ

شکر کرتا ہے وا اور جو کوئی ناشکری کرے سو اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے والا اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا،

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے و۱۲ اور ہم نے انسان کو تاکید کی

بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ

اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا

فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے و۱۳

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی

عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫

دلیل نہیں، تو تو ان کا کہا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کیے جانا و۱۴

وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کیے ہو و۱۵ پھر تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے،

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ

پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا اے بیٹا اگر کوئی عمل

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ

رائی کے دانہ کی برابر ہو پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا

کے قائل تھے کہ آپ نبی تھے۔ لیکن عکرمہ بھی اس رائے میں متفرد ہیں۔ واتفق العلماء علی انه کان حکیمًا و لم یکن نبیًا الاعکرمة فانه قال کان لقمان نبیًا و تفرد بهذا القول (معالم)۔ تاریخ یونان میں ذکر ایک حکیم السیپ نامی کا آتا ہے (۶۱۹ تا ۵۶۴ ق م) ان کے بعض حالات میں بھی حضرت لقمان کے ساتھ مشابہت ہے ہمارے ہاں کی روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ملک نوبیا (افریقہ) یا سوڈان (افریقہ) کے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ کان لقمان من سودان مصر ذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) و لقمان الحکیم کان اسود نوبیاذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) اَلْحِکْمَۃَ حکمت سے مراد علم صحیح مع عمل صحیح ہے۔ ای الاصابة فی القول والعمل (مدارک) عبارة عن توفیق العمل بالعلم (کبیر) و۱۰ "کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے۔ دنیوی نعمت میں تو باعتبار نفس نعمت کے بھی اور باعتبار ثواب کے بھی، اور دینی نعمت میں مثل علم وغیرہ کے دونوں طرح پر یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے"۔ (تھانوی) و۱۱ وہ کامل الصفات اپنی ذات سے ہے۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے کسی کے شکر و حمد وغیرہ کی حاجت نہیں — اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کا، جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کو اپنی ہی طرح محدود القویٰ، ناقص الصفات سمجھتے ہیں۔ و۱۲ (کہ اس کے سامنے اور سارے ظلم ہیچ ہیں) ظلم کی حقیقت ہے وضع الشیء فی غیر محله یعنی کسی شے کو اس کے خلاف محل رکھنا اور شرک میں اس کا ظہور کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔ و۱۳ (اور اس وقت ادائے حقوق سے متعلق باز پرس ہوگی) لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ۔ معطوف و معطوف علیہ کا خیال رہے۔ والدین کے حق کی یہ عظمت اس درجہ کی ہے کہ اس کا عطف خود حق تعالیٰ کے حق کی ادائی پر کیا گیا ہے۔ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ یہ یاد دلا کر گویا یہ بھی بتا دیا کہ حکم کو معمولی نہ سمجھنا۔ سوال اس کی بابت رکھا ہوا ہے۔ حَمَلَتْهُ ... عَامَیْنِ۔ پورا فقرہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ والدہ کے حق کے بیان و توضیح میں ... وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ ایک مختصر سے دو لفظی فقرہ میں حاملہ کی ساری معذوریوں اور ناتوانیوں کی جانب اشارہ آ گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ۔ یہ کوئی فقہی حکم نہیں۔ کہ مدت رضاعت پورے دو سال ہی رہنا چاہیے۔ محض عادت غالب اور عرف عمومی کا بیان ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صراحت ہے کہ شکر منعم کی طرح، جو واسطۂ نعمت ہو، اس کا شکر بھی مطلوب ہے۔ اور اس واسطہ کے عموم میں والدین اور استاد اور مرشد سب آ گئے۔ و۱۴ اطاعت والدین اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری شے سہی۔ بلکہ اسلام کی مجلسی و معاشرتی زندگی کی تو بنیاد ہی اتحاد زوجین کی طرح اطاعت والدین پر ہے، لیکن جب توحید پر زد پڑ رہی ہو تو وہاں یہ فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اطاعت عین معصیت بن جائے گی۔ ... وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔ یہ حکم اس حال میں بھی قائم ہے کہ دنیوی حاجات و معاملات یعنی خورد و نوش وغیرہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک برابر جاری رہے والدین کی شکرگزاری بہر صورت واجب ہے، بجز اس کے کہ وہ شکر گزاری اللہ کی ناشکری کے مستلزم ہو جائے۔ و۱۵ (دینی معاملات میں) یعنی جو دین حق کا تابع اور اسی پر عامل ہو۔ معاملات دین میں موافقت اسی کی کیا کرو۔ فقہاء نے کتاب و سنت و قیاس کے علاوہ جو چوتھا ماخذ احکام شریعت کا اجماع امت کو قرار دیا ہے، خود اس کی بنیاد علاوہ دوسرے نصوص کے یہ آیت بھی ہے۔ یدل علی صحة اجماع المسلمین لامر الله تعالٰی ایانا باتباعهم (جصاص)

فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ اسے لے ہی آئے گا بے شک اللہ

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

بڑا باریک بین ہے بڑا باخبر ہے ف۱۶ اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ (صبر)

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا

ہمت کے کاموں میں سے ہے ف۱۷ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور

تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

زمین پر اکڑ کر مت چل بے شک اللہ کسی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ

تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ف۱۸ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو

صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ

پست رکھ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے ف۱۹ کیا تم لوگوں کی

تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے اس (سب) کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ

اور اس نے تم پر اپنی حسی اور معنوی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں ف۲۰ اور انسان ایسے بھی ہوتے ہیں

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

جو اللہ کے باب میں بغیر واقفیت بغیر دلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے بحث

ع ۲

ف۱۶ (چنانچہ کوئی عمل کیسا ہی دقیق ہو، اور کیسے ہی اسباب خفا اس کے لیے جمع ہو جائیں، اس عالم الغیب والشہادۃ کے احاطہ علم و خبر سے بہر حال وہ باہر نہیں رہ سکتا) مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔ یعنی حبۃ میں بہ غایت صغیر ہو۔ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ۔ یعنی حجاب شدید کے اندر ہو۔ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی غایت بُعد میں ہو ... اَوْ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ظلمات در ظلمات میں ہو۔ انسان کی نظر سے خفا کے اسباب عموماً یہی ہوتے ہیں۔ اور مشرک قوموں نے اپنے پر قیاس کر کے اپنی دیوی دیوتاؤں کو انہیں حالات میں معذور اور ان کے علم کو ناقص سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کر کے بتا دیا کہ حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کو کسی معنی میں اور کسی پہلو سے بھی ناقص، ناتمام، داغدار سمجھنا انتہائی جہل ہے۔ ف۱۷ (ہمیشہ مقبولین کی ایک خصوصیت۔ بلکہ بعض موقعوں پر واجب بھی) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی صبر۔ یا وہ تمام اُمور جو مذکور ہو چکے۔ اشارۃ الی الصبر او الی کل ما امر بہ (بیضاوی) اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ نماز کی پابندی کا حکم التزام شرائط کے ساتھ۔ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ نیکی و نیک کرداری کا حکم۔ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ بدی و بدکرداری سے بچنے بچانے کا حکم۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ۔ تکوینی طور پر جو بھی ناموافق حالات پیش آ گئیں۔ دنیا میں جو جو رنج اور مصیبتیں پڑیں، یا مسلمان بننے اور بنے رہنے میں (اقامت صلوۃ میں۔ امر بالمعروف میں نہی عن المنکر میں) جو جو بھی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ ان سب کو صبر کی سپر پر روکنے کا حکم۔ ف۱۸ (یہاں تک کہ چال ڈھال میں متکبرین کا تشبہ بھی مبغوض ہے) ف۱۹ (سو انسان کو چاہیے کہ گدھوں کی طرح چیخنے چلانے نہ لگ جائے) سارے پند و موعظت کا خلاصہ یہ نکلا کہ چال ڈھال، بول چال، رفتار و آواز، غرض ہر چیز میں انسان کو متکبرین کی روش سے بچنا چاہیے — اخلاق و آداب کے جزئیات تک کی تعلیم ہماری شریعت دیتی ہے۔ ف۲۰ (اور وہ تکوینی نعمتیں، ہوا، آگ، روشنی، پانی، صحت، غذا، مکان، لباس وغیرہا، مومن و کافر ساری مخلوق بشری کے لیے عام ہیں) ظَاهِرَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہو سکے۔ بَاطِنَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے۔ سَخَّرَ ... الْاَرْضِ۔ اس میں تعریض ہے مشرک اور جاہلی قوموں پر، کہ اللہ کی ساری مخلوق تو خود تمہاری خدمت کے لیے، یہ آسمان اور یہ زمین، یہ چاند، یہ سورج، سب ہی۔ پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم اُلٹے انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

مُّنِيْرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

کیا کرتے ہیں و۲۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ

اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا یہ جب بھی، جب شیطان ان (بڑوں) کو عذاب دوزخ

إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ إِلَى اللّٰهِ

کی طرف بلا رہا ہو؟ و۲۲ اور جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَإِلَى

درآنحالیکہ وہ مخلص ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور سب کاموں کا اخیر

اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ

اللہ ہی تک پہنچے گا و۲۳ اور جو کوئی کفر کرے سو آپ کو اس کا کفر غمگین نہ کرے

إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

ان (سب) کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم انہیں جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، بے شک اللہ دلوں کے اندر کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى

خوب معلوم ہیں و۲۴ ہم انہیں چند روزہ عیش دیے ہوئے ہیں، پھر ان کو سخت عذاب کی طرف

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کشاں کشاں پہنچا دیں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا

وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا

کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ الحمدللہ و۲۵ لیکن ان میں سے اکثر تو (اتنی بات بھی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ

نہیں جانتے و۲۶ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں بے شک اللہ ہی

و۲۱ یعنی اس جدال بے جا کی بنیاد نہ کسی علم صحیح پر ہے نہ کسی استدلال عقلی پر نہ کسی کتاب آسمانی پر، بلکہ محض اپنی کج فہمی پر۔ و۲۲ یعنی اس قدر ان کی طبیعت میں ضد و فساد ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل بھی محض اپنے گمراہ باپ دادوں کی روش پر چلے جا رہے ہیں، اور وہ بھی جبکہ اس روش کے ناصواب ہونے پر انہیں صاف دلیل و بصیرت مل بھی چکی ہے۔ و۲۳ اکبر الٰہ آبادی نے بھی معرفت کے رنگ میں خوب کہا ہے۔ ؎ اخیر کیوں کا جواب تو ہے اِذ ھُوَ مُحْسِنٌ۔ یعنی وہ مومن خالص بھی ہو۔ فَقَدِ ..... الْوُثْقٰى۔ یعنی جس نے توحید کی مضبوط رسی تھام لی۔ وہ اب ہر طرح محفوظ ہوگیا۔ اسے اب صدمۂ ہلاکت کا ڈر نہ رہا۔ و۲۴ (اس لیے آپ اتنا زیادہ فکر و تردد اپنے سر کیوں لیں)۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح و ہدایت خلق کے باب میں بہت زیادہ اہتمام و مبالغہ نہ کیا جائے۔ و۲۵ (کہ دلیل کا ایک اہم مقدمہ تو تمہیں بھی تسلیم ہے) اَلسَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ۔ سے مراد ساری کائنات اور اس کے اعظم ترین قوی ہیں۔ استدلال کی منطقی شکل حسب ذیل ہوگی:۔ یہ عالم و مافی العالم سارے کا سارا مخلوق و مصنوع اللہ کا ہے۔ کوئی مخلوق و مصنوع رب و معبود نہیں ہوسکتا اس لیے عالم و مافی العالم کی کوئی بھی چیز رب و معبود بننے کے قابل نہیں۔ و۲۶ (کہ جب سب کو مخلوق و مصنوع تسلیم کرلیا۔ تو پھر اُن کی الوہیت یا شرکت الوہیت کیا معنی) ہندوستان کے مشرکین میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو ایک طرف ایک خالق اکبر، ایک رب اعظم کے قائل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بہتوں کو ارباب اصغر کی طرح اس کا شریک بھی مانتے جاتے ہیں۔ اور توحید کے مضمرات پر کبھی غور ہی نہیں کرتے۔

الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ

بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۲۷ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم

أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ

بن جائیں ف۲۸ اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کی حکایت)

كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾ مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا

ختم نہ ہو بے شک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے، ف۲۹ تم (سب) کا پیدا کرنا اور

بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾

دوبارہ اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا ف۳۰ بے شک اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب دیکھنے والا ہے،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ رات کو داخل کرتا رہتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا رہتا ہے رات میں

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک، ایک میعاد مقرر تک چلتا رہے گا،

وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ

اور کیا اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے ف۳۱ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حقیقی ہے

وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ

اور اس لئے کہ اس کے سوا جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں سب ہیچ ہیں، اور اس لئے کہ اللہ ہی

الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ

بلند شان والا ہے بڑی شان والا ہے ف۳۲ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی

بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ

سمندر میں چلتی ہے تا کہ تم کو (اللہ) اپنی نشانیاں دکھلائے بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر

ع ۳ / ۱۱

ف۲۷ الْغَنِيُّ۔ بے نیاز ہے اپنی ذات کے لحاظ سے اور الْحَمِيدُ جامع تمام خوبیوں کا اپنی صفات کے لحاظ سے۔ ف۲۸ (چنانچہ ایک ایک درخت سے ہزارہا ہزار قلم تیار ہونے لگیں) ف۲۹ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم وحکمت میں بھی۔ اس کی قدرت اور حکمت کی شانیں لا انتہاء ہیں۔ انسان اپنی سمجھ کے لائق بس یہ فرض کر لے، کہ روئے زمین کے جنگلوں میں، باغوں میں، کھیتوں میں، مکانوں میں، راہوں اور سڑکوں پر جو بے شمار درخت ہیں، یہ سب بھی اگر بے تحاشی قلموں میں تبدیل ہو جائیں، اور دنیا کے سمندری پانی کا موجودہ ذخیرہ کئی گنا بڑھ کر روشنائی کے سمندر تیار ہو جائیں، تو وہ سارے قلموں کے جنگل اور یہ ساری روشنائی کے سمندر مل کر بھی اللہ کی قدرت وحکمت کو احاطہ میں لانے میں کافی نہیں ہو سکتے۔ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ قدرت اور علم یہ وہ دو صفتیں ہیں جو تمام صفات وافعال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے عموم کے بعد انہیں خصوصاً بھی بیان فرما دیا گیا۔ (تھانوی عفی عنہ) الْبَحْرُ۔ بحر سے مراد جنس بحر ہے۔ کوئی متعین سمندر مراد نہیں۔ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ۔ سبعة سے بھی مراد سات کا مخصوص ومتعین عدد نہیں، بلکہ محاورۂ عربی کے مطابق محض کثرت۔ **ليس لانحصارها في سبعة و انما الاشارة الى المدد والكثرة و لو بالف بحر (كبير) المراد بالسبعة الكثرة** (روح) ف۳۰ اس کے نزدیک جیسے ایک کا جلانا اٹھانا ایسے سب کا جلانا اٹھانا۔ ف۳۱ یعنی تصرفات تکوینی تمام تر اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور علم بھی اس کا کامل، محیط وہمہ گیر ہے۔ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى۔ یعنی یوم قیامت تک ـــــ یہاں گویا ضمناً یہ بھی بتلا دیا ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام تکوینی کی مدتِ عمر قیامت تک ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے ہی نظام کا دور شروع ہوگا۔ يُولِجُ ...... الْقَمَرَ۔ سیاہ رات اور روشن دن، اور سورج اور چاند سب اسی قادر مطلق کی مخلوق ومصنوع ہیں اور اُن سب کے تصرفات اسی کے حکم ومشیت کے محکوم ہیں۔ پھر یہ کیسی حماقت وسفاہت ہے کہ انہیں کو دیوی، دیوتا قرار دے کر معبود فرض کر لیا جائے۔ ف۳۲ (اور وہی اکیلا معبودیت کا مستحق) ذَٰلِكَ۔ یعنی یہی مذکورۂ بالا دلائل وواقعات۔ **اشارة الى الذى ذكر من سعة العلم و شمول القدرة و عجائب الصنع و اختصاص البارى بها** (بیضاوی) واجب الوجود صرف اسی کی ذات، وجود حقیقی صرف اسی کا، صفات علو وکبریائی سے صرف وہی متصف، معبودیت والوہیت کا صرف وہی مستحق۔

صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ

صابر شاکر کے لیے ف۳۳ اور جب انہیں موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم

پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو کچھ ان میں سے

مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾

اعتدال پر رہتے ہیں، ف۳۴ اور ہماری آیتوں کے منکر تو بس وہی ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں ف۳۵

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي

اور اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے

وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ

کچھ بدلہ ہو سکے گا اور نہ بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ بن سکے گا ف۳۶

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیوی زندگی تمہیں کہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ کہیں

يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٣٣﴾ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ

وہ بڑا فریبی تمہیں اللہ کے باب میں دھوکہ میں رکھے ف۳۷ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی

السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ

خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے ف۳۸

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي

اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا ف۳۹ اور نہ کوئی

نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾

یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا ف۴۰ بے شک اللہ ہی علم والا ہے خبر رکھنے والا ہے ف۴۱

ع ۱۴

ف۳۳ اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مشت خاک کو قدرت دینا اسے اتنی عقل وفہم سے بہرہ ور کرنا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ، اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک اور ہوا اور بھاپ اور بجلی کی قوتوں سے کام لے کر چھوٹی بڑی کشتیاں اور آبدوزیں اور اسٹیمر اور لانچیں اور وڑ ریڈنائٹ وغیرہ تیار کر سکے۔ اور ان کے ذریعہ سے سینکڑوں نہیں، ہزاروں میل کے فاصلے شدید خطرات وموانع کے باوجود طے کرتا رہے، اور بحری تجارت وسیاحت سے عظیم الشان نفع حاصل کرتا رہے، یہ سب فضل الٰہی (نعمۃ اللہ) ہی کے حکم میں داخل اور اس کی قدرت، رحمت، حکمت کی نشانیوں کے مشاہدہ ہی کے لیے ہیں۔ ذٰلِکَ۔ یعنی اس فضل خداوندی اور مشاہدۂ آیات الٰہی میں۔ صَبَّارٍ شَكُورٍ۔ مراد مومن ہی ہے کہ وہی صفات صبر وشکر میں کامل ہوتا ہے۔ کنایۃ عن المؤمن (روح) ان دو صفات کی تخصیص اس موقع پر اس لیے کہ بحری سفر وسیاحت میں خوب موقع ان دونوں صفات کے ظہور کا رہتا ہے۔ ف۳۴ (اور باقی پھر حق سے منحرف ہو جاتے ہیں) مُقْتَصِدٌ۔ راہ اقتصاد واعتدال، توحید کی راہ ہے۔ شرک کی راہ سرتا سر کجی وکجروی ہے۔ کَالظُّلَلِ۔ سمندر میں طوفان وطغیانی کے وقت پانی کی موجیں سطح آب سے گزوں اونچی ہو ہو کر جب کشتیوں اور جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے بدلیاں چھا گئی ہیں — قرآن مجید اپنی تشبیہات کے ذریعہ سے گویا اصل منظر کو سامنے لا دکھاتا ہے۔ ف۳۵ (اور وہی کافر کہلاتے ہیں) خَتَّارٍ۔ بدعہدی کا ظہور یوں کہ توحید کا جو عہد و پیمان مضطر ومضطرب ہو کر کشتی میں کیا تھا، اسی کو اب توڑ دیا۔ كَفُورٍ۔ ناشکری کا صدور یوں کہ خشکی پر صحیح وسلامت آجانے کا جو مقتضا تھا، یعنی شکر، اسی کو چھوڑ دیا۔ ف۳۶ باطل مذہبوں میں جو اہمیت کفارہ اور معاوضہ کے عقیدوں کو حاصل ہے۔ آیت ان سب کی تردید کیے دے رہی ہے — وَالِدٌ اور مَوْلُودٌ کی تخصیص اس لیے کہ اول تو کوئی رشتہ اس سے قریب تر اور کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعض مذہبوں میں اولاد ہی کو "پانی دے کر" اپنے والد کا نجات دہندہ بتایا گیا ہے۔ ف۳۷ (کہ تم اسی دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر یاد آخرت سے غافل ہو جاؤ) الْغَرُورُ۔ غرور ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غفلت اور دھوکہ میں ڈال دے، مال ہو، جاہ ہو، خواہش شہوانی ہو، یا خود شیطان ہو۔ الغرور کل ما یغر الانسان من مال وجاہ و شھوۃ و شیطان (راغب) یہاں مراد شیطان ہے، جیسا کہ صحابہ وتابعین سے مروی ہے۔ قد فسر با لشیطان اذھو اخبث الغاوین (راغب) ای الشیطان کما روی عن ابن عباس و عکرمۃ و قتادۃ و مجاھد والضحاک (روح) اس بڑے فریبی کا دھوکہ حق تعالیٰ کے باب میں یہی ہے کہ عذاب وعقاب کی خبریں سب غلط ہیں، نہ کوئی عالم آخرت ہے اور نہ وہاں حساب کتاب اور پکڑ دھکڑ۔ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ۔ اللہ کا وعدہ یہی کہ حساب کتاب برحق ہے اور ہر ایک کو اپنے اعمال وافعال کی جواب دہی کرنا ہے۔ ف۳۸ مثلاً یہی کہ جنین مردہ ہے یا زندہ، حمل، خصوصاً اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑکی کا ہے یا لڑکے کا، بچہ صحیح وسالم پیدا ہوگا یا مریض وناقص۔ ولادت طبعی طور پر پورے دنوں پر ہوگی، یا غیر طبعی طور پر اس کے قبل یا بعد، اور ہوگی تو ٹھیک کس دن، کس وقت ہوگی، وقس علیٰ ہذا۔ رحمیات سے متعلق ان تفصیلات کا پورا اور تحقیقی علم صرف ذات باری کو رہتا ہے۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ یعنی اس کا پورا اور یقینی علم کہ بارش کب ہوگی، کہاں ہوگی، کس مقدار میں ہوگی، کتنی مدت تک رہے گی وقس علیٰ ہذا — فضائیات کے بارہ میں انسانی علوم کے ماہرین قرائن اور ظن وتخمین سے کام لے کر جس حد تک اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ اس کا شمار علم غیب میں ہے، اور نہ اس کی نفی یہاں مقصود ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ آگے کے دو جملے فعلیہ ہیں، اور یہ جملہ اسمیہ ہے۔ یہ فرق غالباً اس لیے کہ عِلْمُ السَّاعَةِ ایک امر متعین ہے۔ بخلاف اس کے وہ دونوں امور، دنیا میں برابر واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ف۳۹ یہاں بھی وہی کل کے علم قطعی وتفصیلی کی نفی مراد ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی پروگرام اجمالی صورت میں تو دوسرے دن کے لیے ہر انسان رکھتا ہی ہے — اور جب انسان کو اپنے ہی کل سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی، تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے مستقبل سے متعلق تو اتنی بھی نہیں ہو سکتی۔ ف۴۰ (اور جب "کہاں" کے متعلق کوئی تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی تو "کب" کے متعلق تو اور بھی محال ہے) مکان موت تو بہرحال اس وقت بھی موجود ہے، اور عجب نہیں جو مرنے والے کے مشاہدہ میں بھی کبھی آ چکا ہو تو زمان موت جو اس ظاہری سے تمامتر مستور ومخفی ہے، اس کی بابت نفی علم تو اور زیادہ ہوگی۔ ف۴۱ آیت کا حاصل یہ ہوا کہ علم غیب، یعنی ہر شے کا علم بلا واسطہ، اور جملہ اشیاء کا علم محیط، صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے کوئی بھی اس وصف میں اس کا شریک نہیں۔ یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونے کے بیان ہوئے ہیں، اور ان کی تخصیص کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے، جیسا کہ شان نزول کی روایتوں میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال انہیں پانچ مسئلوں کی بابت پیش کیا گیا تھا۔

آیاتہا ۳۰ ۳۲ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ رکوعاتہا ۳

اس کی تیس آیتیں سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲

الف۔ لام۔ میم یہ نازل کی ہوئی کتاب اس کے اندر کوئی اشتباہ نہیں، عالموں کے پروردگار کی طرف سے ہے ف۱

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے اسے گڑھ لیا ہے، ف۲ نہیں بلکہ یہ حق ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

(اترا ہوا) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا، شاید کہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ۝۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

راہ پر آجائیں، ف۳ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ

کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا تخت (شاہی) پر، ف۴ اس کے سوا کوئی

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ

نہ تمہارا مددگار ہے اور نہ سفارشی سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ف۵ آسمان سے

الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے ف۶ پھر (یہ امر) اس کے پاس پہنچ جائے گا ف۷ ایک ایسے دن

كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵ ذٰلِكَ عٰلِمُ

میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی ہوگی ف۸ وہی جاننے والا ہے

ف۱ آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے میں اصلاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن لَا رَيْبَ فِيْهِ کا ایک ذرا باریک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ریب وارتیاب، شک واشتباہ، تردد وتذبذب کا اس کتاب کے اندر کہیں گزر نہیں۔ اس کے مضامین تو سرتاسر مایۂ تسکین وخزانۂ سکون ہیں۔ یقین واطمینان اسی کتاب کے اندر ملے گا۔ ملاحظہ ہو شروع سورۃ البقرہ کا حاشیہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ پر۔ نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۲ یعنی کیا ان بدبخت منکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب جو معنوی اور ادبی ہر حیثیت سے بےنظیر وعدیم المثال ہے ایک انسان کی جوڑ ہے کو پیمبر کہتے ہیں، گڑھی ہوئی ہے اور کسی انسانی دماغ کی پیداوار ہے؟ ف۳ یعنی ان کی ہدایت یابی کا ایک متوقع ذریعہ تو یہ قرآن ہے، اب آگے چاہے وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ قَوْمًا۔ قوم قریش اسمٰعیلی تھی۔ اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا پیمبران برحق ہونا ظاہر ہے پھر اس ارشاد سے کیا مراد ہے کہ اس قوم کے پاس اس سے قبل کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ — مراد یہ ہے کہ دین ابراہیمی واسمٰعیلی کے چھوڑنے کے بعد جب سے یہ قوم، عرب میں آباد ہو کر کفر وشرک میں مبتلا ہو گئی تھی اس وقت سے کوئی پیمبر ان میں نہیں آیا تھا۔ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ اے بعد الضلال الذی کان بعد الهداية لم یأتهم نذیر (کبیر) اور بعض ائمہ نے یہ قید لگا دی ہے کہ بعثت عیسوی وبعثت محمدی کے درمیانی زمانہ فترت میں کوئی نبی عربوں کے درمیان نہیں آیا۔ وقال ابن عباس و مقاتل ذالک فی الفترة التی کانت بین عیسیٰ و بین محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معالم) قیل المراد بالقوم اهل الفترة بین عیسیٰ و محمد علیهما السلام (قرطبی) ف۴ یعنی اپنے تصرفات نازل کرنے لگا، اپنے احکام نافذ کرنے لگا۔ خَلَقَ ... الْعَرْشِ۔ چھ دن کی مدت خلقت آسمان وزمین پر، نیز استواء علی العرش پر حاشیے (پ۸) سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ف۵ (کہ اس کی ذات کا شریک کوئی بھی نہیں ہو سکتا) مراد یہ ہے اللہ کے سوا کوئی بھی مستقلاً نہ مددگار ہے نہ شافع، جیسا کہ تمام مشرکانہ مذہبوں نے سمجھ رکھا تھا۔ اسلام سے قبل تقریباً تمام مذاہب نے اللہ کے علاوہ مستقلاً کچھ حامی اور کچھ شفیع ٹھہرا لیے تھے۔ اور جزا وسزا کا تعلق خدا سے تعلق ہے، بس محض برائے نام ہی رکھا تھا۔ اسلام نے آکر اس کی تردید کی۔ اور بار بار بتلایا کہ حکم نافذ کرنے والا، فیصلہ صادر کرنے والا دنیا کی طرح آخرت میں بھی صرف اللہ ہی ہے۔ البتہ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کی قید لگا کر دوسری جگہ یہ بتا دیا ہے کہ وہ خود ہی جس طرح دنیا میں سلسلۂ اسباب ووسائط پھیلائے ہوئے ہے، آخرت میں بھی، اپنے ایماء سے ملائکہ کو، انبیاء کو اولیاء کو، صالحین کو، اطفال معصوم کو سفارش کے لیے آگے کھڑا کرے گا۔ اور فساق مومنین کی مغفرت کا ذریعہ انہیں بنا دے گا۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ کی قید بہت قابل لحاظ ہے۔ اللہ کے مقابل کی حیثیت سے قطعاً کوئی بھی شفیع وناصر نہیں۔ ف۶ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت، تدبیر، انتظام سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کر کے کارخانۂ کائنات کو یوں ہی معطل چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر آن اس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ تدبیر کے ایک معنی انجام کار کے سوچنے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ یہاں مراد کارسازی، انتظام ونفاذ احکام ہی ہو سکتے ہیں۔ قال ابن عباس ینزل القضاء و القدر (قرطبی) اے یحکم الامر و ینزل القضاء والقدر (معالم) مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ۔ یعنی سارے نظام کائنات کی۔ ف۷ یہ پہنچ جانے والی چیز وہی اَمر ہوگا جس کا ذکر ابھی یدبر الامر میں آ چکا ہے۔ و قیل اے یرجع ذلک الامر والتدبیر الیه بعد انقضاء الدنیا (قرطبی) ف۸ (اور وہ دن قیامت کا ہوگا، جب چھوٹا بڑا ہر عمل اللہ کے روبرو پیش ہوگا) والمراد بیوم مقدارہ کذا یوم القیامة (روح) اسی دن کا طول بعض کو شدائد کی بنا پر ہزار نہیں پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورۃ المعارج (پ۲۹) کی آیت فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

اَلْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶﴾ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ

ہر پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست ہے رحیم ہے وہی جس نے جو چیز بنائی

کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ

خوب ہی بنائی ف۹ اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی پھر

جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىہُ

چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے ف۱۰ پھر اسے درست کیا ف۱۱

وَ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی ف۱۲ اور تم کو کان اور آنکھ اور

وَ الْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا

دل دیئے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ف۱۳ اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں

فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ ھُمْ بِلِقَآئِ

نیست و نابود ہو گئے تو کیا کہیں پھر ہم نے جنم میں آئیں گے؟ ف۱۴ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے

رَبِّھِمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ

ملنے ہی کے منکر ہیں ف۱۵ آپ کہہ دیجیے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر

وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ لَوْ تَرٰٓی اِذِ

متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۱۶ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں کہ جب کہ

الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِھِمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

مجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اے ہمارے پروردگار (بس اب) ہمارے آنکھ

وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

کان ہو گئے ف۱۷ تو تو ہم کو پھر بھیج دے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا ف۱۸

ع

ف۹ یعنی جس کو جس مصلحت کے لیے پیدا کیا ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت و فطرت رکھی۔ ما من شیء خلقة الا وھو مرتب علی ما تقتضیه الحکمة (بحر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کی چیزیں الہام فطری سے واضح کر دی گئیں۔ قال الفراء لهم کل شیء خلقه فی ما یحتاجون الیه (بحر) ذالک یہاں انا کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ و ذلک بمعنی انا (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ہر مخلوق اپنی اپنی جگہ پر خوب اور حسن ہی ہے۔ یہاں تک کہ صفات کبر و بخل بھی اپنے محل استعمال میں خوب ہیں۔

اے ہے ایسا امساک کہ اتفاق بہ ضرر صرف سوء استعمال سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۰ یعنی نطفہ سے جو عرف عام میں ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے۔ مِنْ مَّآءٍ میں مِن بیانیہ ہے۔ ف۱۱ یعنی اس کے اعضا و قویٰ ماں کے رحم میں درست کیے۔ ای عدلة بتکمیل اعضائه فی الرحم (روح) ف۱۲ رُوْحِہٖ میں اضافت تشریفی ہے، اظہار تعظیم کے لیے، جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی طرف۔ یہ مراد نہیں، کہ نعوذ باللہ، اللہ کی بھی کوئی روح ہے، اور اس کا کوئی جزو انسان کے اندر پھونک دیا گیا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ روح جسے اللہ نے معزز و مکرم بنایا ہے، اپنی خلافت سے۔ و اضافة الروح الی نفسه کاضافة البیت الیه لتشریف (کبیر) بعض نے اضافت تملیکی قرار دی ہے۔ یعنی وہ روح جو اللہ کی مملوک ہے۔ ای الروح التی ھی ملکه (کبیر) و ھی اضافة ملک الی مالک و خلق الی خالق تعالیٰ (بحر) ف۱۳ یعنی ہر طرح کے حواس ظاہری و باطنی عطا کیے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ سب کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے، کان سے آیات تنزیلی کو شوق کے ساتھ سنتے، آنکھوں سے آیات تکوینی کو بنظر امعان دیکھتے۔ دل سے دونوں پر غور کرتے۔ لیکن منکرین کا یہ حال ہے کہ توحید تک سے انھیں انکار ہے! لَکُمْ میں لِ تخصیص کا ہے۔ یعنی جس کلیت اور وسعت و کمال کے ساتھ انسان میں حواس ظاہری کے ساتھ ادراک باطنی جمع کر دیا گیا ہے وہ انسان کے حق میں ایک انعام عظیم ہے اور مستحق صد منت و شکر۔ اَلسَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ۔ سمع کے واحد اور ابصار و افئدہ کے صیغہ جمع لانے میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نکتہ یہ لکھا ہے کہ سماعت ایک آن میں مختلف و متعدد جہات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ ہر حال میں حکم وحدت میں ہے۔ بخلاف اس کے بصارت اور ادراک قلب، وقت واحد میں متعدد امور پر حاوی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہاں صیغہ جمع ہی لانا مناسب ہوا۔ مَا تَشْکُرُوْنَ۔ میں ما زائدہ موکدہ ہے (جلالین) جَعَلَ نَسْلَہٗ۔ ابھی تک انسان کا ذکر صیغہ غائب میں چلا آ رہا تھا۔ جَعَلَ نَسْلَہٗ۔ سَوّٰىہُ۔ نَفَخَ فِیْہِ۔ گویا انسان اب تک بے جان تھا۔ لیکن اب نفخ روح سے اس میں جان پڑ گئی۔ اور اب معاً خطاب براہ راست ہونے لگا۔ اور صیغہ بجائے غائب کے حاضر کا ہو گیا۔ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ۔ سے نصرانیوں کی بھی تردید نکل آئی جو مسیح علیہ السلام کو روح اللہ ہونے کی بنا پر ابن اللہ اور جزو خدا مان رہے ہیں۔ روح اللہ قرآن نے جس معنی میں حضرت مسیح کو کہا ہے اسی طرح تو ہر انسان کو کہا ہے۔ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ۔ نفخ روح سے مراد نفخ مجازی ہی لیا گیا ہے۔ یعنی روح کو بدن سے متعلق کر دیا گیا۔ و نفخ الروح فیه مجاز عن جعلها متعلقة بالبدن (روح) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض متکلمین و فلاسفہ نے روح کو مجرد و غیر مادی قرار دیا ہے۔ بخلاف اس کے ابن قیم شدومد کے ساتھ روح کے مجرد نہیں بلکہ جسم لطیف ہونے کے قائل ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسویہ کے معنی اجزاء کے تساوی کرنے کے ہیں۔ جو خواص جسم میں سے ہے۔ اس کے بعد ہی نفخ روح کے ذکر سے ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم نہیں، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن جمہور نے جسم لطیف کہا ہے۔ تو ان دونوں روایات میں کوئی تناقض نہیں۔ ہو سکتا ہے، کہ اس مجرد کا تعلق بدن کے ساتھ اسی جسم لطیف کے واسطہ سے ہو۔ ف۱۴ منکرین قیامت کا ذکر ہے کہ وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی کہیں ممکن ہے کہ جب ہمارے جسم خاک میں رل مل جائیں۔ خاک میں مل کر خود بھی خاک بن جائیں تو وہ جسم دوبارہ زندگی پائیں؟! عرب میں دین کے نام سے جو نظام عقائد رائج تھا، اس کا ایک اہم جز، معاد و آخرت سے انکار تھا۔ یونان و روما میں بہت سے فلسفی مادہ پرست ہو چکے تھے، اور آج بھی مہذب دنیا پر عملاً یہی مذہب مادیت چھایا ہوا ہے۔ جس کے نزدیک موت نام ہے معدومیت حیات کا اور بس۔ ءَاِنَّا۔ انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔ المراد تاکید الانکار (روح) ف۱۵ مطلب یہ ہے کہ محض حیرت و استعجاب ہی نہیں، ان منکرین کو تو سرے سے انکار ہی عقیدۂ حشر سے ہے۔ ف۱۶ سابقہ تم کو اللہ ہی سے آ کر پڑے گا۔ مَلَکُ الْمَوْتِ۔ فرشتہ موت کوئی فاعل مختار نہیں۔ محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس میں ان مشرک، جاہلی قوموں کا رد آ گیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل و متصرف حاکم ہے۔ اسی مضمون کی تائید میں ابن کثیر نے ایک طویل حدیث ابن ابی حاتم کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس میں ملک الموت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں۔ واللہ یا محمد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضة ما قدرت علی ذلک حتی یکون اللہ ھو الآمر بقبضها۔ قسم ہے اللہ کی کہ اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادہ سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔ ف۱۷ (اور پیمبروں کے قول کی پوری تصدیق ہو گئی) نَاکِسُوْا۔۔۔ رُءُوْسِھِمْ۔ یہ سر غایت انفعال سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ ف۱۸ یعنی اب ہم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہو گیا۔ اب ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجیے تو ہم ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ

اور اگر ہم کو (یہی) منظور ہوتا تو ہم ہر ایک کو اس کی (راہ) ہدایت دے ہی دیتے ف۱۹ لیکن میری یہ بات

الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ

محقق ہو چکی ہے کہ میں دوزخ کو بھر کر رہوں گا جنات اور انسان

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا

سب سے ف۲۰ سو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے تھے، ہم نے

نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

تمہیں بھلاوے میں ڈال دیا ف۲۱ اور اپنے کرتوتوں کے بدلہ ابدی عذاب کا مزہ چکھو

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا

ہماری آیتوں پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہیں، تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں، اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے،

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے

وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ

اور امید سے اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۲۲ سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان)

اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لئے (خزانہ غیب میں) مخفی ہے یہ صلہ ہے ان کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا

(نیک) اعمال کا ف۲۳ تو کیا جو کوئی مومن ہے وہ اس جیسا ہے جو نافرمان ہے؟ (نہیں)

السجدۃ

ف۱۹ (اور یہ عالم عالم ابتلاء رہا ہی نہ جاتا۔ ہر ایک ہدایت پر مضطر و مجبول ہی ہوتا) ف۲۰ یعنی اگر ہم کو ہر ایک کو خواہ مخواہ راہ پر لے آنا ہی تکوینی حیثیت سے مطلوب ہوتا تو یہ درخواست منظور بھی ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کی نوبت ہی کیوں آتی۔ شروع ہی سے ہر شخص کو ہدایت اضطراراً مل ہی نہ جاتی؟ لیکن ہماری حیثیت تکوینی کو تو ہدایت کو ارادہ و اختیار پر مرتب کرانا مقصود ہے۔ اس لیے مشاہدہ کے بعد اضطراراً ایمان لانے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا۔ جو ارادۃً راہ کفر و ضلال اختیار کریں گے، انہیں نتائج بھی بھگتنے ہوں گے ف۲۱ یعنی اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔ اللہ کا کسی کو بھلا دینا ہمیشہ اسی مجازی معنی میں ہوگا۔ ف۲۲ اللہ کی رضا جوئی کے کاموں میں) دونوں آیتوں میں ایمان اور کمال ایمان دونوں کے صفات بیان کر دیئے ہیں۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ پہلوؤں کے خواب گاہوں سے علیحدہ رہنے کے معنی یہ ہیں۔ کہ راتوں کو اپنے بستر چھوڑ چھوڑ عبادتوں میں لگے رہتے ہیں۔ يَدْعُوْنَ... طَمَعًا۔ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ خوف عذاب کی راہ سے بھی اور امید ثواب کی راہ سے بھی۔ ف۲۳ حقیقۃً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے واسطہ سے یہ جو حدیث قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے کہ قال اللہ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے، اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گزری ہیں۔ وہ گویا ٹھیک اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ یہ بتا کر کہ یہ انتہائی نعمتیں صلہ ہیں اعمال حسنہ کا۔ خاص ترغیب ان اعمال حسنہ کی دلائی ہے۔

يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

یکساں نہیں ہو سکتے وٚ۲۴ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے، سو ان کے لئے

جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال پر بطور مہمانی کے ہیں وٚ۲۵ اور جو لوگ

فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا

نافرمان رہے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا

مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ

چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کا وہ عذاب چکھو جسے تم

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى

جھٹلایا کرتے تھے اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی

دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں وٚ۲۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ

جسے اس کے پروردگار کی نشانیاں یاد دلا دی جائیں اور پھر وہ ان سے منہ پھیرے رہے ہم

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ

سو آپ اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجیے وٚ۲۷ اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ذریعہ ہدایت بنایا تھا وٚ۲۸ اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم

وٚ۲۴ مؤمن اور فاسق کے تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق یہاں اصطلاحِ فقہی میں نہیں، بلکہ لغوی معنی میں آیا ہے، اور مراد اس سے کافر مکذب ہے۔ هذا الكافر مكذب بوعد الله (ابن جریر) اے خارجا عن طاعة ربه مكذبا لرسل الله اليه (ابن کثیر) مؤمن۔ فی بقیٔ دونوں سے مراد طبقۂ مومنین وطبقۂ کفار ہے نہ کہ کوئی فرد۔ انما اريد به جميع الفساق وجميع المؤمنين (ابن جریر) وٚ۲۵ حسن اعمال کی ترغیب وتشویق ابھی جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے ہو چکی ہے۔ اب نُزُلًا لا کر اہل جنت کا مزید اعزاز واکرام کیا گیا ہے۔ یعنی اشارہ اوپر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو حق تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور نعمتیں جو بھی ملیں گی، اعزاز واکرام وقدر کے ساتھ ملیں گی۔ نہ کہ قدری وبے وقعتی کے ساتھ جیسے کہ سائل ومحتاج کو دی جاتی ہیں۔ وٚ۲۶ (اپنے کفر وشرک سے) لَعَلَّهُمْ متعلق ہے لَنُذِيْقَنَّهُمْ سے۔ گویا مقصود اس عذاب الادنی سے ان کافروں کی اصلاح ہی ہے۔ عذاب الادنی سے مراد اسی دنیا کا عذاب ہے۔ اے بلاء الدنيا (ابن عباس ؓ) قال الحسن وابو العالية والضحاك وابي بن كعب وابراهيم النخعي العذاب الادنى مصائب الدنيا واسقامها فيما يبتلى به العبيد حتى يتوبوا (قرطبی) مثلاً قحط، قتل، قید، شکست وباء وغیرہ۔ جو کفار مکہ کے حق میں تو بالکل پورا اترا۔ عذاب الادنی کی تفسیر عذاب الاصغر یا ہلکے عذاب سے بھی کی گئی ہے۔ وقيل الاقل (روح) اور ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب ہر صورت میں عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہے۔ ذکر یہاں دو مختلف عذابوں کا ہے۔ ایک عذاب الادنی دوسرا عذاب الاکبر۔ لیکن تقابل کے لئے ہم وزن الفاظ یا تو عذاب الاصغر وعذاب الاکبر ہوتے اور یا پھر عذاب الادنی وعذاب الاقصی۔ پھر آخر قرآن مجید نے بجائے ان کے مقابلہ کے لئے ایک طرف صفت ادنی (بمعنی قریب) اور دوسری طرف صفت اکبر کو کیوں رکھا؟ امام رازی ؒ نے سوال پیدا کر کے حسب معمول تحقیق سے جواب دیا کہ ذکر عذاب سے مقصود تخویف ہے۔ اور یہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا ہے اگر دنیا کے عذاب کو ”ہلکا عذاب“ یا آخرت کے عذاب کو ”دور کا عذاب“ کہہ کر پیش کیا جائے کہ اس صورت میں ایک عذاب کا ہلکا پن اور دوسرے عذاب کی دوری کہیں اثر تخویف کے منافی ہیں۔ اسی لئے قرآن نے بکمال بلاغت دونوں عذابوں کے وہی خصوصیات چن لیے جو اثر تخویف کو بڑھانے والے ہیں۔ یعنی دنیوی عذاب گو نسبتاً ہلکا ہو لیکن قریب تو ہے، اسے بس آیا ہی سمجھو۔ اسی طرح عذاب آخرت گو بجائے آج کے ”کل“ آئے گا لیکن اس سے کس قدر شدید! ایک میں قرب کا خیال رکھا دوسرے میں شدت کا۔ اللہ امام ؒ کی تربت کو رحمت کے پھولوں سے بھر دے۔ دُوْنَ۔ دون کے معنی قبل کے بھی کئے گئے ہیں۔ اے قبل العذاب الاكبر (ابن جریر) يعني قبل عذاب الآخرة (کبیر) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ کے نزدیک عذاب ادنی سے مراد حرص دنیوی ہے، اور عذاب اکبر سے اس حرص کی سزا۔ وٚ۲۷ (بلکہ ان کی نظیر سے، اور انہیں راہ تبلیغ واشاعت دین میں جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ ان سے صبر کا سبق حاصل کیجئے) لِقَآئِهٖ۔ ضمیر ”ہ“ الکتاب کی طرف ہے۔ اے من لقائك الكتاب (بیضاوی) اے لقائك ذلك الجنس (روح) الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ اے جنس الكتاب (روح) حضرت موسیٰ ؑ کے ذکر کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ آپ میں موسیٰ ؑ کے ساتھ بہت وجوہ مشابہت جمع تھے۔ وٚ۲۸ (اسی طرح آپ کی کتاب سے ابتداءً اور اصالۃً قوم عرب کی اصلاح ہوگی، اور پھر بتدریج سارے عالم کی)۔

لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے ف۲۹ بے شک آپ کا پروردگار

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان (سب) کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہتے تھے ف۳۰

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

کیا یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا

مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں اس کے اندر (صاف) نشانیاں ہیں تو کیا یہ لوگ

يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ

سنتے نہیں؟ ف۳۱ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے

الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ

رہتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کر دیتے ہیں جس سے ان کے مواشی کھاتے ہیں

وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

اور وہ خود بھی تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ ف۳۲ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ فیصلہ

الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا

کب ہو گا اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ف۳۳ آپ کہہ دیجئے (اس) فیصلہ کے دن

يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

کافروں کو ان کا ایمان لانا (ذرا بھی) نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۳۴

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ انتظار کیجئے، یہ بھی منتظر ہیں ف۳۵

ف۲۹ (اور اسی لئے ان کی اشاعت اور خلق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے) اس میں مومنین کی تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو اور جب تم صاحب یقین ہو اور یقین کا مقتضی صبر کرنا ہے تو تم کو صبر ضرور ہے۔ اس وقت ہم تم کو بھی ائمہ دین بنا دیں گے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں شیخ کامل کی علامتیں ہیں، اور جو بغیر ان علامتوں کے مرشد ہونے کا مدعی ہو وہ ضال و مضل ہے۔ ف۳۰ قیامت کے روز کے فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے ورنہ دلائل و شواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ جیسا کہ پہلے ہی کئی بار گزر چکا ہے۔ اس وقت بھی موجود ہے۔ وہ عملی فیصلہ بھی ہو گا کہ مومن جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ ف۳۱ (ان مبغوض و ہلاک شدہ قوموں کے قصبوں کو جو معروف و مشہور ہیں، اور تاریخوں میں مذکور) يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ۔ یعنی یہ عرب اپنے سفر شام و یمن کے سلسلہ میں، ان مغضوب قوموں، عاد و ثمود وغیرہ کے عبرت زار کھنڈروں سے گزرتے ہیں۔ اور پھر بھی عبرت نہیں حاصل کرتے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ۔ یعنی جس طرح یہ اپنے زمانہ کی بڑی "ترقی یافتہ و مہذب" قومیں قہر خدا سے نیست و نابود ہو گئی ہیں وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قومیں گمراہ اور مغضوب تھیں۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی ان گمراہ قوموں کی ہلاکت میں۔ اى فى ذهاب اولئك القوم ودمارهم وما حل بهم بسبب تكذيبهم الرسل (معالم) ف۳۲ (ہماری ربوبیت، خالقیت، مالکیت اور احیاء، اموات کی ان ہر روز پیش آنے والی مثالوں کو) قرآن مجید آثار تاریخی، جغرافی اور روزمرہ کے تصرفات تکوینی سب سے سبق وہی توحید ہی کا دینا چاہتا ہے۔ ف۳۳ منکر قیامت مشرکین، قیامت کی خبریں سن کر مسلمانوں سے بطور انکار، استہزاء و استبعاد پوچھتے تھے کہ آخر وہ دن کبھی آ بھی چکے گا؟ ف۳۴ ایمان مقبول، نافع صرف وہی ہے جو اس دنیا میں عالم ناسوت میں لایا جائے کہ یہ خود اختیاری ہے۔ ورنہ قیامت کے دن کشف حقائق کے وقت تو ایمان لانے پر بڑے سے بڑا کافر معاند بھی مجبور و مضطر ہو جائے گا۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔ یعنی نہ انہیں اس کی مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں بھیج کر ان کا ایمان قبول کیا جائے۔ لا يمهلون بالاعادة الى الدنيا ليؤمنوا (کبیر) ف۳۵ اعراض۔ کا حکم رسول اللہ کے تسلیہ کے لئے ہے۔ منکروں اور کافروں کی دل آزار باتوں کا خیال کرتے رہنے سے خواہ مخواہ غم ہی بڑھتا تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو لوگ عارفین اور سالکین کے کمالات کے منکر ہوں، اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوں، جب انہیں فہمائش نافع نہ ہو تو ان سے اعراض مناسب ہے، اور انتظار کرے کہ ان پر وبال نازل ہونے والا ہے۔

و۱ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہیں) اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ مخلوق کے ڈراوے دھمکیوں سے یقیناً بے نیاز و غیر متاثر رہے گا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم علم کے اسی اسم وصفی سے مخاطب کرنا رسول کی عظمت و اکرام کے اظہار کے لئے ہے۔ ناداه جل وعلا بوصفه دون اسمه تعظيمًا له وتفخيمًا (روح) جعل نداءهٗ بالنبي والرسول كرامة له وتشريفًا (كشاف) انما لم يقل يا محمد تشريفًا له وتنويها بفضله (مدارک) و۲ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا ہے) کافر و دین کے خلاف مشورے کھلم کھلا دیتے ہی رہتے تھے اور منافقین در پردہ انہیں کے ہم رائے ہو جاتے تھے۔۔۔ اصطلاح قرآن میں الْكٰفِرِيْنَ کھلے ہوئے کافروں کے لئے آتا ہے۔ اور الْمُنٰفِقِيْنَ چھپے ہوئے کافروں کے لئے۔ عقائد کفر کے لحاظ سے دونوں یکساں و ہم سطح۔ و۳ اور اس لئے اس کا ہر حکم حکمتوں اور مصلحتوں ہی پر شامل ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ مشورہ دینا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے، خود اپنے جہل و سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ و۴ (اس لئے پیمبر کی مخالفت و مزاحمت میں جو لوگ لگے ہوتے ہیں، خبردار رہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے) وَاتَّبِعْ جمع ذی تبت۔ یعنی نہ خود رائی سے کام لیجئے، نہ کسی اور کے مشوروں پر کان دھریے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ سارے مخاطبین مراد ہیں۔ اور یا جمع تعظیمی ہے۔ قيل الخطاب للرسول والجمع للتعظيم (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کامل کسی حال میں بھی ایسے مقام پر نہیں پہنچ سکتا کہ تکلیفات شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ و۵ یہاں یہ بتا دیا کہ کافر ہو یا منافق کسی کی بھی پیمبر سے تدبیر مخالفت اللہ کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی۔ و۶ عرف عام میں یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کے ایک نہیں دو دو زبانیں ہیں۔ تو کہیں اس کا یہ مطلب تھوڑے ہی ہوتا ہے کہ واقعۃً اس کے منہ کے جوف کے اندر دو زبانیں ہیں۔ اسی طرح زبان کے اس مجازاً استعارہ کے کہ فلاں کے دل ایک نہیں دو ہیں، یہ مطلب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں کہ اس کے جوف صدر کے اندر قلب بھی دو ہیں تو اسی طرح کسی کو مجازاً بیٹا کہہ دینے یا کچھ لینے سے یہ کیوں لازم آ جائے کہ معاملات بھی اس کے ساتھ صلبی بیٹوں کی طرح برتے جانے لگیں۔ آیت میں کوئی مسئلہ تشریح الابدان (اناٹومی) کا نہیں بیان ہو رہا ہے صرف تمثیل کے پیرایہ میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ زبان میں جو مجاز مستعمل رہتے ہیں انہیں لفظی معنی میں واقعیت پر محمول سمجھنا محض جہل و نادانی ہے — اس لئے اگر واقعی بھی کسی انسان کے سینہ میں دو قلب نکل آئیں تو یہ کسی قرآنی بیان کے ذرا بھی معارض نہ ہوگا۔ قرآن اول تو کلیہ نہیں اکثر یہ بیان کر رہا ہے۔ اور وہ بھی تشریح جسمانی سے ہٹ کر ایک بالکل دوسرے سیاق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے صوفیہ کے اس قول کی اصل نکل آئی کہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس سے اس شخص کا کذب ظاہر ہو گیا۔ جو تسبیح پھرا تا جاتا ہے اور باتیں کرتا جاتا ہے۔ اور دعوی کرتا ہے کہ میں عین گفتگو کے وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔ بِاَفْوَاهِكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ تم صرف زبان سے یہ کہہ رہے ہو، ورنہ دل تمہارے بھی اس پر نہیں جمتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کلام انسانی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کلام جو دل سے نکلے، دوسرے وہ جنہیں انسان محض زبان سے بک دے ایسے خرافاتی اقوال کے موقع پر قرآن یہی لفظ لاتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ مسیحیوں کے قول مسیح کی ابن اللہیت سے متعلق ہے۔ قالت النصارى المسيح ابن الله ذلك قولهم بافواههم۔ يعني انه لاحكم له وانما هو قول لا معنى له ولا حقيقة (جصاص) تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ۔ ظہار اسے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو مثل اپنے ماں کے کسی عضو مستور سے دے دی جائے۔ مثلاً یہ کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ انت علي كظهر امي۔ بس ایسا فقرہ بول کر عرب میں مرد اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا۔ و۷ (جو واقعہ کے مطابق نہیں بلکہ خلاف واقعہ ہے) وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ۔ گویہ۔ ہر جاہلی قوم کی طرح عرب جاہلی بھی طرح طرح کی وہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں ان کی خانگی زندگی سے متعلق دو بری رسموں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ وہ منہ بولے لڑکے یا لے پالک (متبنّٰی) کو اپنے حقیقی یا صلبی فرزند کی طرح سمجھنے لگتے اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح میں ان کے ہاں اسی بدنامی ہوتی جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے میں۔ تبنیت کی یہ اہمیت کیتھولک مسیحیوں اور ہندوؤں میں بھی مشترک ہے۔ اسلام نے اس رسم پر ضرب لگائی اور بتایا کہ متبنّٰی کی بیوی کو صلبی بیٹے کی بیوی پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ اس سے نکاح کرنا کسی طرح موجب طعن۔ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ۔ دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ و کنایہ میں ماں کہہ دیتے اور اس بنا پر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگتے۔ اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی ادا نہ کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ اسے اپنے سے جدا اور آزاد بھی نہ کرتے کہ وہ جس سے چاہے دوسرا نکاح کر لے۔ قید میں اپنے پہلے شوہر کے بدستور رہتی۔ گویا ایک ہی وقت میں مطلقہ بھی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے آ کر اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کیا۔ اور بتایا کہ کوئی بیوی اس قسم کے فقروں سے ماں نہیں بن جایا کرتی۔ كانوا يظهرون من نسائهم فيقولون انت علي كظهر امي فاخبر الله تعالى انما لا تصير بمنزلة امه في التحريم (جصاص)

آیاتها ۷۳ ۳۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۹۰ رکوعاتها ۹

اس کی تہتر آیتیں ہیں سورۂ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی اور نو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۗ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے و۱ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے و۲

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ

بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۳ اور جو حکم آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾

وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجئے، اور اللہ تم لوگ جو کچھ کرتے رہتے ہو، اس سے خوب باخبر ہے و۴

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ

اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے۔ و۵ اللہ نے کسی مرد کے

لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں و۶ اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

ظہار کر بیٹھتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو

اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ

تمہارا بیٹا بنا دیا ہے یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے و۷ اور اللہ حق بات کہتا ہے

وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ

اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

راستی کی بات ہے ف۸ اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے تو بھائی ہی ہیں

وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ

اور تمہارے دوست ف۹ تمہارے اوپر اس کا کوئی گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہو جائے

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ہاں (گناہ تو اس پر ہے) جو تم دل سے ارادہ کر کے کہو اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۰

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں ف۱۱ اور آپ کی بیبیاں

اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

ان کی مائیں ہیں ف۱۲ اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ

بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے ف۱۳ مگر ہاں

تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ

تم اپنے دوستوں سے کچھ (سلوک) کرنا چاہو (تو وہ جائز ہے) ف۱۴ یہ بات نوشتہ (الٰہی) میں لکھی

مَسْطُوْرًا ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ

جا چکی تھی ف۱۵ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے (تمام) پیمبروں سے عہد لیا ف۱۶

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى

اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ

ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ف۱۷ تاکہ ان

ف۸ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد شدہ غلام جنہیں اب تک عرب اپنے مذاق ومحاورے کے مطابق رسول اللہ کی انتہائی شفقت ورحمت دیکھ کر زید بن محمد ﷺ کہتے تھے اب زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور ہر جہل سے نکالتا ہے۔ ف۹ (تو انہیں پکارنے کے لئے یہ بھائی اور دوست کے رشتے کیا کم ہیں؟) اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یعنی وہ تمہارے بھائی دینی اعتبار سے ہوں گے نسبی حیثیت سے نہیں کہ میراث وغیرہ جاری ہو سکے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی سے بھائی کا رشتہ لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن باپ کا رشتہ لینے میں، تاوقتیکہ نسب ہی مقصود نہ ہو، مضائقہ ہے۔ فيه اباحة اطلاق اسم الاخوة وحظر اطلاق اسم الابوة من غير جهة النسب (جصاص) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ۔ فقہاء نے باقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو چھوٹا بچہ پڑا ملے یا دارالاسلام میں اسیر ہو کر آ جائے وہ مومن سمجھا جائے گا۔ ف۱۰ (اس لئے اگر ایسا قصداً کہہ ڈالنے کے بعد بھی استغفار کر لو، تو اللہ معاف کر دے گا) ممانعت کسی کو متبنّیٰ بنانے اور کہنے کی صرف ان اثرات مخصوص کے لحاظ سے ہے جو جاہلیت میں مرتب ہوتے تھے۔ باقی اگر کسی کو محض مجازاً وشفقۃً بیٹا کہا جائے، یا جاہلیت کے آثار مخصوصہ کے ترتب کے بغیر کسی کو فرزندی میں لے لیا اور اسے جائداد بھی ساری کی ساری بطور ہبہ دیدی جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ واما ما وسمة اهل زماننا حيث يقيمون شخصا مقامهم ويعطونهٗ مالًا ويجعلونهٗ وارثًا فليس ذٰلك بطريق الارث حقيقة بل بطريق الهبة وهو مشروع جدًا (احمدی) مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ کے تحت میں فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ نا محرم سے گفتگو کرنے میں نیت فاسد رکھنا یا اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا یہ سب داخل معصیت ہے۔ ف۱۱ کیا انتہا ہے اس شفقت وتعلق کی جو ہمارے نبی کو اپنی تمام امت کے ساتھ ہے۔ انسان خود اپنا دشمن وبدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے اور بعض اوقات جہل وغباوت کی بناء پر بھی ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو جن پر خفی سے خفی مصالح ومنافع روشن ہیں کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں۔ فانه لا يامرهم ولا يرضى منهم الا بما فيه صلاحهم ونجاحهم بخلاف النفس فلذالك اطلق (بیضاوی) آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی اطاعت مطلق اور تعظیم بدرجہ کمال واجب ہے اور اس کے اندر تمام احکام ومعاملات آ گئے۔ اے اولٰى لهم في الحكم عليهم ولزومهم اتباعهٗ وطاعتهٗ (جصاص) في نفوذ حكمه فيهم ووجوب طاعته عليهم (معالم) ف۱۲ (وجوب تعظیم کے لحاظ سے) ”ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے۔ اس لئے تحریم بھی واقع ہوئی۔ قال تعالٰی وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا۔ اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے۔ اس لئے ان احکام یعنی جواز خلوت ونظر ومس وامثالہا میں امومیت ثابت نہیں۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فيه وجهان احدهما انهن كالامهات لهم في وجوب الاجلال والتعظيم والثاني تحريم نكاحهن وليس المراد انهن كالامهات في كل شيء (جصاص) اے في التحريم واستحقاق التعظيم لا في ما عداه (احمدی) اے امهات المومنين في تعظيم حقهن وتحريم نكاحهن على التابيد لا في النظر اليهن والخلوة بهن (معالم) ف۱۳ (باعتبار ترکہ ومیراث کے) اُولُوا الْاَرْحَامِ۔ یعنی وہ رشتہ دار جن سے خون ملا ہو۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت الٰہی میں۔ في ما فرض الله (بیضاوی) اے في حكم الله (ابن کثیر) ف۱۴ یعنی اصل میراث میں تو حق متوفی کے عزیزوں ہی کا ہوتا ہے، اور عامہ مہاجرین ومومنین کو جو اس میں حقدار بنا دیا گیا تھا وہ انتظام عارضی تھا۔ ہاں ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا چاہے تو وصیت جو مقدار ترکہ کے ایک ثلث پر جاری ہو سکتی ہے۔ اس میں گنجائش اب بھی باقی ہے۔ ف۱۵ (کہ شریعت اسلامی میں قانون میراث، عزیزوں ہی سے متعلق ہوگا) فِي الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ اے في اللوح (بیضاوی) ف۱۶ (احکام کے اتباع وتبلیغ کا) میثاق انبیاء پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ ف۱۷ ان انبیاء کے ناموں کی تخصیص کی وجہ عجب نہیں کہ یہ ہو کہ یہ صاحب شریعت انبیاء تھے، یا جو بھی وجہ ہو۔ لفظ میثاق کے ساتھ غلیظ کے اضافہ سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ عہد وپیمان کو حلف یا دوسرے قیود کے ساتھ مؤکد کرنا اولیٰ ہے۔

الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

سچوں سے ان کے سچ کی بابت سوال کرے و۱۸ اور کافروں کے لئے (اللہ نے) عذاب دردناک تیار

اَلِيْمًا ۝۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

کر رکھا ہے و۱۹ اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

یاد کرو جب تم پر (کئی کئی) لشکر چڑھ آئے و۲۰ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹

اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہیں دیتی و۲۱ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا و۲۲

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

جب کہ وہ لوگ تم پر آپڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی و۲۳ اور جب کہ

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ

آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے و۲۴ اور تم لوگ اللہ کے ساتھ

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا

طرح طرح کے گمان کر رہے تھے و۲۵ اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ سخت

زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

زلزلہ میں ڈالے گئے اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲

دلوں میں مرض ہے یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے،

وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

و۲۶ اور یہ (اس وقت ہوا) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا و۲۷ اے یثرب کے لوگو تمہارے ٹھہرنے کا

و۱۸ (قیامت کے دن) الصادقین۔ سچوں سے یعنی پیغمبروں سے۔ لفظ الصادقین لاکر یہ خود بتادیا کہ انبیاء نے اپنا عہد پورا کیا، اور اقرار میں سچے تھے۔ لیسئل۔ میں ل۔ کئی کے مرادف ہے۔ لکی یسال الصادقین (معالم) صدقہم۔ یعنی تبلیغ رسالت کے باب میں۔ اے من تبلیغهم الرسالة (معالم) و۱۹ (قیامت کے دن) الکافرین۔ میں وہ سب لوگ آگئے، جو صاحب وحی کے اتباع کے منکر ہیں۔ و۲۰ (یعنی قریش مکہ کا لشکر، قبیلہ غطفان کا لشکر اور یہود کا لشکر) شوال سنہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے کہ اسلام کے مخالفین نے ایکا کر کے مدینہ پر دھاوا بول دیا، اور شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تاریخ میں اس جنگ کا نام جنگ احزاب ہے۔ چوبیس ہزار کی تعداد میں تو قریش ہی کا لشکر تھا۔ جس میں تین سو سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ مجموعی تعداد ان لشکروں کی کم از کم سات ہزار کی تھی۔ بعض تخمینے دس اور بارہ ہزار، بلکہ بعض پندرہ ہزار کے بھی ہیں۔ افسر اعلیٰ ابوسفیان قریشی تھا۔ عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی۔ حضرت سلمان فارسی صحابی کے مشورہ پر لشکر اسلام کے سالار اعظم ﷺ نے خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہے خندق کھود دی جائے۔ چنانچہ شہر کے شمالی اور کسی قدر غربی رخ پر بھی ایک خندق تقریباً ساڑھے تین میل لمبی کھودی گئی۔ اور یہ کام ۳ ہزار رضا کاروں کی دس دس کی ٹولیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ غرض اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی اسی بناء پر کہتے ہیں۔ عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی، اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔ محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ یہاں تک کہ شوال ختم ہونے پر آگیا، اور ذی قعدہ شروع ہونے لگا جسے قبائل عرب صلح و امن کا مہینہ مانتے تھے۔ اور اس درمیان میں خود سپہ سالار اسلام ﷺ ہی کے حسن تدبیر سے دشمن اور حلیفوں کے آپس میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ سردار ابوسفیان بددل ہوہی چلا تھا کہ حکم الٰہی سے ایک روز ایک طوفان آندھی اور بارش کا زور و شور کا آیا۔ اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی، خیمے اکھڑ گئے، برتن لڑھک گئے، روشنیاں بجھ گئیں۔ غرض ابتری ہر طرح پھیل گئی۔ قریش کا لیڈر اس غیبی کوڑے کی تاب اور بھی نہ لا سکا۔ میدان جنگ چھوڑ چل دیا۔ اور پھر اور سارے لیڈر بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ و۲۱ مراد فرشتوں کی فوج ہے۔ وهم الملائكة (ابن کثیر۔ معالم) بعض صحابہ (مثلاً حضرت حذیفہ ؓ) کا جو فرشتوں کو دیکھنا مروی ہوا ہے۔ یہ لم تروها کے منافی نہیں۔ لم تروها سے مراد صرف اس قدر ہے کہ فرشتے عام طور پر غیر مرئی تھے۔ بطور کرامت وخرق عادت کسی خاص صحابی پر ان کا مکشوف ہو جانا اس عام قاعدہ عدم مرئیت کے معارض نہیں۔ و۲۲ (خصوصاً تمہاری ہمت وثبات واستقلال، مستعدی، کار گزاری کو) و۲۳ یعنی کچھ فوجیں آکر وادی مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ انداز ہو گئی تھیں۔ اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے، اور غربی سمت نیچی۔ قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان کا لشکر سمت شرق سے آیا تھا، اور قریش و بنی کنانہ کی فوجیں سمت مغرب سے۔ و۲۴ (مارے دہشت وہیبت کے) محاصرۂ جنگ کی شدت کا بیان ہو رہا ہے۔ آنکھیں کھلی رہ جانا، اور کلیجہ منہ کو آنے لگنا، انتہائی خوف ودہشت کی علامتیں ہیں۔ بلغت القلوب الحناجر۔ کے لفظی معنی مراد نہیں۔ مقصود عربی محاورہ کے مطابق شدت خوف کو بیان کرنا ہے۔ یجوز ان یکون ذلک مثلا فی اضطراب القلوب ووجیبها وان لم تبلغ الحناجر حقيقة (کشاف) و۲۵ اور موقع شدت پر وسوسوں کا طبعی طور پر پیدا ہونا ایمان کیا معنی کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔ و۲۶ اہل ایمان کی پختگی واستقامت کی یہ پوری اور سخت آزمائش تھی۔ شدید سردی کا موسم تھا، غذا کی گرانی دکھائی تھی۔ صحابہ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت واستقلال کا یہ عالم تھا کہ سنگلاخ زمین کی کھدائی بغیر کسی "سفرمینا" کی پلٹن کے بغیر (Sappers and Miner) کے کسی دستے کے، اپنے ہاتھ سے جاری تھی۔ ظاہری مغلوبیت وبے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک میں پھاوڑا لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہوئے اور ایسا تین بار ہر ہر ضرب پر ہوا۔ اس روشنی میں آپ کی نگاہ کشفی کو ایران اور شام اور یمن کے محل دکھائے گئے۔ اور آپ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیئے گئے ہیں۔ کچے اور کمزور ایمان والے تو دورنے ہوسکا رہے تھے۔ منافقین نے طنز واستہزاء سے کہنا شروع کیا کہ "یہ کیجئے حالت تو یہ ہو رہی ہے، اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران اور روم کے شاہی محلوں کے۔" هذا بلغ ابتلی الخ۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بلاؤں کا پیش آنا، اور انہیں میں قبض وغیرہ مکروہات باطنی بھی داخل ہیں، کبھی امتحان صدق کے لئے بھی ہوتا ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ ان حالات میں صبر سے کام لے اور طاعت پر جما رہے۔ و۲۷ یعنی جب انہیں منافقین میں سے بعض لوگوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے جنگ کے مورچوں پر کہا۔ منهم۔ ضمیر انہیں لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے۔ المنافقون والذين في قلوبهم مرض۔

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ

موقع نہیں، سو (اپنے گھروں کو) واپس چلو وے۲۸ اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے

بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا

کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی

فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

چاہتے ہیں وے۲۹ اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آگھسے، پھر ان سے فساد کی

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا

درخواست کی جائے وے۳۰ تو یہ اسے منظور کرلیں اور (ان گھروں میں) بس برائے نام ہی ٹھہریں وے۳۱ درآنحالیکہ یہی

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ

لوگ پیشتر اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے وے۳۲ اور اللہ سے جو عہد

اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ

کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی وے۳۳ آپ کہہ دیجیے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا

الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ

قتل سے بھاگتے ہو اور اس سے تمتع بھی نہیں حاصل کرسکتے بجز چند روز کے وے۳۴ آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے

ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر (اللہ) تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا (اسے روک سکے جب) وہ تمہارے ساتھ

رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

فضل کرنا چاہے وے۳۵ اور وہ لوگ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ

نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ

مددگار وے۳۶ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے

وے۲۸ (کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے) یثرب مدینہ کا پرانا نام ہے۔ مدینة النبی تو ہجرت نبوی کے بعد نام پڑا۔ وے۲۹ بعض کچ دلے اور منافق۔ سالار اعظم ﷺ کی خدمت میں آکر طرح طرح کے بہانے تراشتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ آئے۔ اور صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ چوروں ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ یہ عذرات ان کے گڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے گھر خود ان کے خیال میں بھی غیر محفوظ نہیں۔ اور نہ ان کی جانے سے یہ نیت ہے کہ انتظام کر کے پھر چلے آئیں گے۔ یہ تو بس جنگ سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ عَوْرَةٌ یہاں ذات عَوْرَة کے معنی میں ہے۔ یعنی شگاف زدہ جس کے اندر داخلہ ممکن ہو۔ والعورة ذات العورة (کشاف) ای متخرقة ممکنة لمن ارادها (راغب) وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ۔ قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے۔ اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (ان میں ایمان ذرا بھی نہیں ہے) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (آپ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے) وے۳۰ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرائی اور اس میں ان کی شرکت کی یا کفر کی۔ ای الردة ومقاتلة المسلمين (بیضاوی) وهي الدخول في الكفر (ابن کثیر) ای القتال كما قال الضحاک (روح) وے۳۱ مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں کافروں کا لشکر مدینہ میں داخل ہو جائے اور ان منافقوں سے کہے، کہ آؤ، ہم تم مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں تو یہ لوگ بلا تامل آمادہ ہو جائیں، مسلمانوں کی لوٹ مار پر اٹھ کھڑے ہوں اور اس وقت ذرا خیال نہ کریں کہ آخر اب غیر محفوظ گھروں کی کون حفاظت کرے گا — یہ سب اُن کی انتہائی مذمت میں ارشاد ہو رہا ہے۔ و هذا ذم لهم في غاية الذم (ابن کثیر) وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا۔ ضمیرها بیوت کی طرف ہے۔ الضمير على كل تقدير للبيوت (روح) وے۳۲ بدر کے بعد جب بعض مخلص مسلمان حسرت کر رہے تھے کہ افسوس، ہم شرکت سے محروم رہ گئے، تو بعض منافقین بھی اس گفتگو میں شامل ہو گئے۔ اور کہنے لگے اب جو کوئی موقع آیا تو ہم کسی سے پیچھے نہیں رہنے کے۔ وے۳۳ قرآن مجید کا یہ ایک عام حکیمانہ اسلوب ہے کہ معین و مشخص واقعات کا ذکر کرتے کرتے عام اصول شریعت و اخلاق بھی سنا دیتا ہے۔ وے۳۴ اور اس چند روز سے مراد عمر مقدر کا بقیہ حصہ ہے کہ یہ جو تم بھاگے بھاگے پھرتے ہو، اس سے عمر مقدر تو بڑھ نہیں سکتی۔ وے۳۵ برائی مثلاً یہ کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون تمہیں بچا سکتا ہے؟ فضل مثلاً یہ کہ وہ تمہیں زندہ رکھنا چاہے تو کون اس میں مانع ہوسکتا ہے؟ وے۳۶ ولی یا حمایتی وہ جو نفع پہنچا سکے، نصیر یا مددگار وہ جو ضرر سے بچا سکے۔

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ ف۳۷ اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

تمہارے حق میں بخیل (ہوکر) ف۳۸ پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ

اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً

پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مال (غنیمت) پر

عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ

حرص لئے ہوئے ف۳۹ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بے کار کر رکھے ہیں ف۴۰

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ

اور یہ بات اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (ابھی تک)

لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

گئے نہیں ف۴۱ اور اگر (یہ) لشکر آ پڑیں تو یہ لوگ یہ چاہیں گے کاش! ہم دیہاتوں میں باہر

فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا

جا رہتے (اور وہیں سے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے ف۴۲ اور اگر تم ہی میں رہیں جب بھی

قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ

کچھ یوں ہی سا لڑیں رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ

لئے ف۴۳ یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے

ف۳۷ (تو تمہاری جان بچ جائے گی اور تم چین اور سکھ سے زندگی بسر کر سکو گے) اِخْوَانِهِمْ سے مراد وطنی یا قومی بھائی ہیں۔ ف۳۸ یعنی یہ اپنی کم ہمتی اور ضعف ایمان کی بناء پر لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں، اور اگر بھی محض نام کرنے کے لیے شریک ہو بھی گئے تو یہ انہیں گوارا نہیں ہوتا کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ ف۳۹ یعنی مال غنیمت لینے کی خاطر مسلمانوں سے دلخراش باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہماری ہی مدد سے تمہیں یہ فتح میسر ہوئی۔ آیت میں منافقوں کی بزدلی اور حرص دونوں کا پورا بیان آ گیا۔ اَلْخَيْرِ۔ خير سے مراد یہاں مال ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد موقعوں پر بھی ہے۔ المال والغنيمة (مدارک) اى على الغنيمة (قرطبی) ف۴۰ یعنی اُن میں ایمان تو پہلے ہی سے نہ تھا، اور اسی لیے تو اُن کے کسی عمل اور ظاہری طاعت کا اجر نہیں۔ لَمْ يُؤْمِنُوْا۔ یہ منافق صرف زبان سے دعوائے اسلام کرتے تھے۔ حقیقۃً ایمان سے بالکل خالی تھے۔ ف۴۱ یہ اُن کی بزدلی کی انتہاء ہے کہ فوج چلی بھی گئی، اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ف۴۲ منافقوں کی انتہائی اور ضرب المثل بزدلی کا ایک اور نقشہ۔ ان میں ہمت اتنی بھی نہیں کہ ان جگر دوز معرکوں کو دیکھنے کی تاب بھی لا سکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دور دیہات میں چلے جائیں، اور وہیں سے بس خبریں سن لیا کریں۔ ف۴۳ (زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں، خصوصاً ثبات واستقامت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تو مومنین پر چھوٹے بڑے ہر امر میں واجب ہے اور آپ کی زندگی انسان کے لیے انفرادی واجتماعی، خانگی وملی، معاشرتی واخلاقی ہر ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے، لیکن یہاں اشارۃً خصوصی معرکۂ جنگ میں ثبات واستقامت سے متعلق ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر ایک اصل عظیم آ گئی ہے اور اس سے زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی کے وجوب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ هذه الاية الكريمة اصل كبير في التاسي برسول الله صلى الله عليه وسلم في اقواله و افعاله و احواله و لهذا امر تبارك و تعالى الناس بالتاسي بالنبي صلى الله عليه وسلم يوم الاحزاب في صبره و مصابرته و مرابطته و مجاهدته و انتظاره الفرج من ربه عز و جل دائما الى يوم الدين (ابن کثیر) الاسوة القدوة والاسوة ما يتاسى به اى يتعزى به فيقتدى به في جميع افعاله ويتعزى به في جميع احواله (قرطبی) فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اس لفظ نے صاف کر دیا کہ یہ مقتدائی وصف رسالت کے اعتبار سے ہوگی۔ رَسُوْلِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے یہ نکتہ پیدا کیا گیا ہے کہ رسول کے کمالات محضاً آپ کی جانب نہیں، براہِ راست حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب ہیں۔ يَرْجُو۔۔۔۔۔ كَثِيْرًا۔ یعنی مومن کامل کے لیے۔

كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا

کرتا ہو اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی وہ (موقع) ہے

وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا

جس کی ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور وف۴۳ اس سے)

زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

ان کے ایمان و طاعت میں ترقی ہی ہوئی، اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى

اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے وف۴۴ سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر

نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ ۙ

پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں وف۴۵ اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا وف۴۶

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

(یہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو صلہ دے ان کی سچائی کا اور منافقین کو اگر چاہے

اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

سزا دے یا (چاہے تو) ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا

بڑا رحمت والا ہے وف۴۷ اور اللہ نے کافروں کو اس غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ

خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا

نہ لگا وف۴۸ اور جنگ میں اللہ اہل ایمان کے لئے کافی ہو گیا وف۴۹ اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا

عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

بڑا زبردست وف۵۰ اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی (اللہ نے) انہیں ان کے قلعوں سے

وف۴۴ " مراد ان مجاہدین سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہونے پائے تھے۔ تو ان کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہوتو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی۔ مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے کہ مارے جائیں"۔ ما عاھدوا اللہ علیہ۔ کو اگر وسیع و عام معنی میں لیا جائے تو اس میں وہ تمام امور آجائیں گے جنہیں ہم نے بضمن ایمان اجمالاً اور قرآن و حدیث سے تفصیلاً قبول کیا ہے۔ اور اس معنی میں اس کی مصداق ساری امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کاملین کے لیے کبھی امور مکروہہ بھی، اور ان ہی میں قبض بھی شامل ہے، زیادتِ معارف کا سبب بن جاتے ہیں۔ وف۴۵ (شوق کے ساتھ، اس نذر کے پورے ہونے کا) وسیع معنی میں تمام زندہ مومنین صادقین اس میں داخل ہیں۔ من قضٰی نحبہ۔ یعنی شہید ہو گئے اور آخر تک ثبات میں فرق نہ آنے دیا۔ نحب کے لفظی معنی نذر کے ہیں۔ اور قضی نحبہ کے معنی ہوئے کہ اس نے اپنی نذر اتاری۔ النحب النذر المحکوم بوجوبہ فقال قضی فلان نحبہ ای وفی بنذرہ (راغب) محاورہ میں کنایہ وفات پا جانے سے ہوتا ہے۔ اور یہی معنی سلف سے منقول ہیں۔ و یعبر ذٰلک عمن مات (راغب) قال الحسن مات علی ما عاھد علیہ (جصاص) وف۴۶ (اپنے اس عزم راسخ میں۔ بلکہ اس پر برستور ثابت ہیں) تبدیلا۔ تنوین تصغیر کے لیے ہے۔ یعنی کسی نوع، کسی قسم کی ادنیٰ تبدیلی ان میں نہیں ہوئی۔ وف۴۷ (اس کی وسیع رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ منافق کو مخلص بنا کر قابل مغفرت بنا دے) اس میں ترغیب آگئی توبہ و رجوع کی۔ الصدقین سے مراد ظاہر ہے کہ سچے مسلمان ہیں۔ لیجزی۔ ل تعلیل کا ہے۔ والظاھر اللام للتعلیل (روح) لیجزی ...... علیھم۔ آیت سے یہ ظاہر ہے کہ مومن صادق کی نجات یقینی ہے، بخلاف اس کے منافق کی سزا مشروط ہے مصلحت تکوینی کے ساتھ۔ او یتوب علیھم۔ یعنی اگر اس کی مشیت یہی ہوئی تو منافقین کو بھی آخرت میں سزا نہ ملے گی۔ ان کی تعذیب و مغفرت دونوں حق تعالیٰ کی مشیت پر معلق ہیں۔ ای فلا یعذبھم بل یرحمھم سبحانہ ان شآء و ظاھرہ ان کلا من التعذیب والرحمۃ للمنافقین یوم القیامۃ و لو ماتوا علی النفاق معلق بمشیتہ تعالیٰ (روح) آیت، مسلک خارجیت قدیم و جدید دونوں کی تردید کے لیے بالکل کافی ہے۔ منافقین حقیقۃً کافر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان رتی بھر بھی ان میں نہیں ہوتا۔ اس پر بھی حکم ان کے معذب ہونے کا قطعی طور پر نہیں صادر ہوتا، بلکہ ان کی مغفرت و مغفوریت کی بھی گنجائش رکھ لی جاتی ہے۔ اور اس پہلو کو زوردار بنانے کے لیے اعلان اپنی عام غفوریت و رحیمیت کا بھی ساتھ ساتھ کر دیا جاتا ہے — کہاں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ گنجائشیں اور وسعتیں اور کہاں بعض نافہم بندوں کی یہ تنگیاں اور سختیاں کہ پکے پکے مسلمان بھی قابل نجات نہیں، اس لیے کہ ان سے فلاں فلاں لغزشیں بھی تو سرزد ہو چکی ہیں! وف۴۸ (اور انہیں محاصرۂ مدینہ سے ناکام، ناشاد، نامراد واپس جانا پڑا) خیرا۔ یعنی جو بھلائی ان کے خیال کے مطابق ہے۔ مراد فتح و کامیابی سے ہے۔ ای ظفرا و سماہ خیرا بزعمھم (مدارک) وف۴۹ (کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے انہیں نجات دلا دی) محمد بن عبد اللہ (روحی فداہ) جس طرح حالت امن میں بہترین مدبر و بہترین منتظم تھے۔ اسی طرح حالت جنگ میں بہترین جنرل بھی تھے۔ ترتیب صفوف، مورچہ بندی وغیرہ تمام مسائل فن حرب میں بے مثال بصیرت رکھنے والے، لیکن باوجود اس سب کے، قرآن مجید آپ کے لشکروں کی فتح و ظفر کو آپ کے کمالات سپہ سالاری کی جانب نہیں، بلکہ اپنی ہی قدرت و حکمت کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے — اور قرآن کا مقصود ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں بندہ کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ ہی سے جڑا رہے۔ وف۵۰ (اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہی کیا تھا)۔

مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا

اتار دیا ف۵۱ اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب بٹھا دیا (پھر) بعض

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ

کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمین کا

وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا، اس زمین کا بھی جس پر تم نے (اب تک) قدم نہیں رکھا ہے ف۵۲ اور اللہ تو

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ

ہر چیز پر قادر ہے اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ

کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں

اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ

کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں ف۵۳ اور اگر تم

تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو ف۵۴ تو اللہ نے تم میں سے

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ف۵۵ اے نبی کی بیوی

مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا

تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی تو اسے

الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

دوہری سزا دی جائے گی ف۵۶ اور یہ اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ف۵۷

ف۵۱ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جو حوالی مدینہ میں اپنے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں اور گڑھیوں میں قلعہ بند رہا کرتے تھے۔ اور اس وقت تک مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے ان کے حلیف تھے۔ بعد کو عہد شکنی کر کے قتل و اسارت دونوں کے مستحق قرار پائے۔ صَيَاصِيْهِمْ۔ یعنی ان کے یہ بڑے مضبوط قلعے اور گڑھیوں۔ قیل فی الصیاصی انها الحصون التی کانوا یمتنعون بها (جصاص) ف۵۲ یعنی ابھی تم ان مقامات تک پہنچے نہیں ہو لیکن اس نے تو اپنے علم ازلی میں تمہیں اس کا مالک کر دیا۔ اشارہ ہے قبائل یہود کی ساری زمینوں اور جائیدادوں کی طرف جو یکے بعد دیگرے روز بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس جزم کے ساتھ قبل از وقوع اعلان بجز حق تعالیٰ کے اور کس کو ممکن تھا۔ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا۔ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جو علاقے بھی کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے سب اس میں داخل ہے۔ و هی مکة او فارس والروم او خیبر او کل ارض تفتح الی یوم القیامة (مدارک) قیل کل ارض تفتح الی یوم القیامة (بیضاوی) وعد صادق فی فتح البلاد کالعراق والشام والیمن و مکة و سائر فتوح المسلمین (بحر) ف۵۳ یعنی طلاق دے دوں کہ جہاں جی ہو آزادی سے رہ کر دنیا حاصل کرو۔ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت کچھ حاصل ہوئی تو ازواج مطہرات کو، جو ظاہر ہے کہ نبی اور صاحب وحی نہ تھیں، محض امتی تھیں، قدرۃً یہ خیال گزرا کہ اب ہمارے نفقہ میں بھی معقول اضافہ ہونا چاہیے، اسی خواہش کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا اور ذرا تقاضا کے ساتھ، رسول، صاحب وحی کے قلب مبارک کی اذیت کے لیے دنیاطلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ یہ آیتیں اس پر نازل ہوئیں — یہ اختیار دینے کو تو دے دیا گیا لیکن اس کے مل جانے کے بعد حضرت عائشہ ؓ سے لے کر کسی ایک بیوی صاحبہ تک نے بھی دنیا کو ترجیح نہ دی۔ سب کی سب بدستور اللہ و رسول ہی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ تعالین۔ اس کے لفظی معنی "آؤ" مراد نہیں۔ صرف یہ مراد ہے کہ "ادھر متوجہ ہو" "یہ بات سنو"۔ جیسے کہ اردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں۔ ومعنی تعالین اقبلن بارادتکن و اختیارکن لاحد الامرین (مدارک) تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔ تُرِدْنَ کا لفظ بہت اہم ہے۔ دنیوی زندگی اور اس کے جائز عیش ہرگز ممنوع نہیں، ممنوع و مذموم انہیں مقصود بنا لینا ہے۔ تُرِدْنَ اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ دنیا اور اس کی زینتوں کی محبت اللہ اور رسول سے بُعد کا سبب ہے۔ ف۵۴ یعنی اگر تم عالم آخرت کے ان مدارج عالی کو دوست رکھتی ہو جو زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں۔ اور رسول کی زوجیت میں صبر و قناعت کے ساتھ بسر کرنے پر تیار ہو۔ ف۵۵ یعنی جنت میں وہ درجات عالیہ جو زوجات نبی کے لیے مخصوص ہیں۔ مِنْكُنَّ۔ من بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ ازواج نبی تو محسنات سب کی سب تھیں۔ یہ نہیں کہ بعض ان میں نہ ہوں۔ من للتبیین لانهن کلهن من محسنات (بیضاوی) من للبیان لا للتبعیض (مدارک) ف۵۶ (آخرت میں) یعنی جتنی دوسرے شخص کو ملتی، اس کی دوگنی سزا۔ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ مراد وہ سوء معاشرت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تکدر قلب کا باعث ہو۔ یا مطلق معصیت صریح مراد لی جائے۔ المراد الفاحشة النشوز وسوء الخلق (ابن عباس ؓ) ای بمعصیة ظاهرة (معالم) و ینبغی ان تحمل الفاحشة علی حقوق الزوج و فساد عشرته (بحر) بعض محققین نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ صفت مُبَيِّنَةٍ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ یہاں مراد زنا کاری ہو نہیں سکتی، جو ایک چوری چھپے کی چیز ہے لامحالہ مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوج سے ہوگی۔ اور اگر مراد زنا کاری ہی لی جائے، جب بھی اس سے مرتبہ ازواج نبی کی منقصت ذرا بھی لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ یہ بات تو محض بصورت فرض فرمائی گئی ہے اور بطور فرض اس سے بھی بڑھ چڑھ کر سخت اور شنیع چیزیں قرآن مجید میں مذکور ہو چکی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے تو یہ صراحت کر دی ہے کہ لفظ فاحشة جب ال کے ساتھ معرفہ ہو کر آئے گا تو اس کے معنی حرام کاری کے ہوں گے اور جب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں آئے گا تو اس کے مفہوم میں ہر قسم کی معصیت داخل ہوگی۔ اور جب موصوف ہو کر آئے گا (جیسا کہ یہاں صفت مُبَيِّنَةٍ کے ساتھ ہے) تو مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوجیت سے ہوگی۔ و قال قوم الفاحشة اذا وردت معرفة فهی الزنا واللواط واذا وردت منکرة فهی سائر المعاصی و اذا وردت منعوتة فهی حقوق الزوج و فساد عشرته (قرطبی) يُضٰعَفْ ..... ضِعْفَيْنِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ خواص علماء پر بمقابلہ عوام امت کے گرفت زیادہ سخت ہوگی اور اسی طرح ان کا اجر و ثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے۔ لان النعمة کلما عظمت کان کفرانها اعظم فیما یستحق به من العقاب اذ کان استحقاق العقاب علی حسب کفران النعمة (جصاص) و لذا کان الذم للعاصی العالم اشد من العاصی الجاهل و ان المعصیة من العالم اقبح (مدارک) و سبب تضعیف العذاب ان الذنب منهن اقبح فان زیادة قبحه تابعة لزیادة فضل المذنب والنعمة علیه (روح) ف۵۷ یعنی یہ نہیں کہ اللہ کسی کی وجاہت کی مروت یا دباؤ میں آ کر اپنی سزا کے نفاذ میں ترمیم کرنے لگے۔

وف۵۸ یہ صلہ جنت میں ازواج نبی کے لئے مخصوص ہوگا۔ رِزْقًا۔ رزق پر حاشیہ کہیں پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد محض کھانے پینے ہی کی نہیں، بلکہ ہر قسم کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ۔ اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی طاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ بس وعدہ و وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً مقام کلام میں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرات امہات المومنین سے خدمت و اطاعت کا صدور حضور ﷺ کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا۔ اور اسی طرح اس کے خلاف کا صدور آپ کے لیے کلفت افزا زیادہ ہوگا"۔ (تھانوی ؒ) اَعْتَدْنَا۔ میں اضافت تشریفی ہے۔ یعنی خود ہم نے تیار کیا ہے۔ مِنْکُنَّ۔ مِن یہاں بھی بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ وہ رزق کریم کیا ہے؟ اس کا تعین حد انسانی سے ماوراء ہے۔ بہرحال کوئی ایسا صلہ ہوگا جو دوسرے عطیوں سے ممتاز تر ہے۔ وف۵۹ ازواج نبی رضی اللہ عنہن کا مرتبہ و شرف امت کی عام عورتوں سے یقیناً کہیں زائد ہے۔ لیکن یہ شرط بہرحال ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے کہ جادۂ تقوی سے قدم ہٹنے نہ پائے۔ فا حرف خطاب جلب توجہ مزید کے لیے ہے۔ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ یعنی تم میں صرف انسانیت ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے اوصاف فاضلہ بھی ہیں۔ جن سے مساوات و مماثلت ممکن نہیں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ تینوں آیتوں کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ جس کی فضیلت زیادہ ہے اس کا عصیان و اطاعت دونوں اوروں سے اشد و اکمل ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" کی۔ وف۶۰ عورت کی آواز میں جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے، اس کو بڑا دخل مرد کی خواہش نفسانی کے ابھارنے میں ہے۔ چنانچہ جدید محققین نے بھی اس کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اسلام کے ہمہ داں۔ ہمہ بیں۔ شارع عز و جل نے نفس کے اس محرک کو بھی اجرائے احکام میں پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ اس کی ہدایت امت کی ہر عورت کے لیے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے۔ اور ازواج نبی کے لیے ان کے شرف و احترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے۔ اگرچہ اسباب بعید ہی ہوں۔ خصوصاً عورتوں کے باب میں۔ عرب کی تہذیب جاہلی میں آج کل کی جاہلی تہذیبوں کی طرح یہ دستور تھا کہ لیڈیاں تصنع کے بڑے بڑے طریقوں سے آواز اور لب ولہجہ میں طرح طرح کی رعنائی، نزاکت اور دلفریبی پیدا کرتی تھیں۔ یہ ہنر وہاں کی فیشن ایبل سوسائٹی میں داخل تھا، اس لیے اس کی ممانعت خاص طور پر ہوئی۔ کما کانت الحال علیه فی نساء العرب من مکالمة الرجال برخیم الصوت و لینه مثل کلام المریبات والمومسات (قرطبی) اور جب مطلق گفتگو کے باب میں یہ اہتمام ہے تو نغمہ و موسیقی ظاہر ہے کہ عورت کے حق و دہن سے نکلا ہوا نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔ وف۶۱ یعنی حیا و عزت و آبرو کے جو قاعدے شرفاء میں چلے ہوتے ہیں، اپنا لب ولہجہ ان کے مطابق رکھو، تاکہ کسی بدکردار فاسد المزاج کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔ اس حکم کی جو اہمیت مدینہ کی ناموافق فضا میں تھی، وہی اہمیت عام مومنات کے لیے آج کی غیر صالح فاسقانہ جرائم فضا میں بھی ہے ۔۔ ہاں مضبوط شریفانہ لہجہ اور ہے اور رقیق الفضل اور دل آزار لہجہ اور۔ فقہاء نے اس پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ اسی طرح مردوں کو بھی تلذذ فاسقانہ کی باتیں کرنا حرام ہیں۔ اور خود مردوں مردوں، عورتوں عورتوں کے درمیان بھی۔ اور فقہاء حنفیہ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد مسئلے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت کے لیے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے مرد سنیں۔ وفیه الدلالة علی ان الاحسن بالمرأة ان لا ترفع صوتها بحیث یسمعها الرجال (جصاص) اور یہ بھی کہ عورت کے لیے اذان دینا ناجائز ہے۔ و فیه الدلالة علی ان المرأة منهیة عن الاذان (جصاص) اور یہ بھی کہ جب عورت کے پیر کے زیوروں کی آواز ممنوع ہے تو جوان عورت کے کلام کی آواز تو بدرجہ اولی ممنوع ٹھہرے گی۔ و کذلک قال اصحابنا و قال اللہ تعالی فی آیة اخری ولا یضربن بارجلهن الخ فاذا کانت منهیة عن

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم اس کا اجر دوہرا دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے ایک (مخصوص) عمدہ نعمت تیار کر رکھی ہے وف۵۸

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم تقوی اختیار کر رکھو وف۵۹ تو تم

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

بول میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے وف۶۰

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ

اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو وف۶۱ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو وف۶۲ اور جاہلیت قدیمہ کے مطابق

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ

اپنے کو دکھاتی مت پھرو وف۶۳ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو

وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ

اور اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو وف۶۴ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کے) گھر والو تم سے

عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاک صاف رکھے وف۶۵

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ

اور تم اللہ کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائے جاتے رہتے ہیں وف۶۶

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ

بے شک اللہ بڑا باریک بیں ہے پورا خبردار ہے وف۶۷ بے شک اسلام والے

السماع صوت خلخالها فکلامها اذا کانت شابة تخشی من قبلها الفتنة اولی بالنهی عنه (جصاص) وف۶۲ یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اور مردوں سے اختلاط کے مواقع نہ آنے دو۔ شرعی یا دنیوی ضرورتوں سے، پابندیٔ ستر و حجاب باہر نکلنا اس سے مستثنی ہے۔ فیلزمن البیوت فان مست الحاجة الی الخروج فلیکن علی تبذل و تستر تام (قرطبی) مقصود اس حکم سے اختیار عفت و پارسائی ہے۔ پس اگر کوئی عورت فاحشہ باوجود محض کاری پردہ کرتی ہے تو وہ بھی اس حکم کی عاصی ہی کہی جائے گی۔ وَقَرْنَ۔ کو بعض مفسرین نے وقار سے مشتق قرار دیا ہے۔ ای کن اهل وقار وهدوء و سکینة (جصاص) مقصود اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ و فیه الدلالة علی ان النسآء مامورات بلزوم البیوت منهیات عن الخروج (جصاص) ای لا تخرجن منها ولا زمن الاقامة فیها (احمدی) ای الزمن بیوتکن فلا تخرجن لغیر حاجة (ابن کثیر) وف۶۳ اس میں قانون ستر و حجاب کو تو ذکر باہر آزادانہ گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے .. ستر و حجاب کی اتنی تاکید و پابندی کے بعد بھی عورت کی "آزادی" کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے! اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ نظام جاہلی۔ ہر نظام غیر اسلامی ہے۔ جاہلیت اولی سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب و تمدن ہے، جو اسلام سے قبل، دنیا خصوصاً عرب میں یونانی و رومی تمدن کے اثر سے رائج تھی۔ مکہ و مدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر

آزادانہ گھومتی پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی قوموں میں دستور ہے۔۔ اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (الجاهلية الاخرى) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔ تبرج الجاهلية کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی بنتی ٹھنتی رہتی تھیں۔ اور یہیں ممانعت اسی سے آئی ہے۔ عن مجاهد قال كانت المرأة تمشي بين ايدي القوم فذلك تبرج الجاهلية (جصاص) عن قتادة قال كانت لهن مشية و تكسر و تغنج فنهاهن الله عن ذالك (جصاص) و قيل هو اظهار المحاسن للرجال (جصاص) و۴۴ (اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں) ترتیب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عورت پر حیاداری، حفظ و ناموس کی تاکید نماز و زکوٰۃ کے حکم سے بھی مقدم رکھی گئی ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب ازواج نبی سے ہے لیکن جو تعلیم دی گئی ہے وہ ساری امت کی عورتوں کے لیے ہے۔ فهذه الامور كلها مما ادب الله تعالى به نساء النبي ﷺ صيانة لهن و سائر نساء المومنين مرادات بها (جصاص) فقیہ مالکی قاضی ابوبکر عبداللہ بن العربی اندلسی (متوفی ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاحی میں کوئی ایک ہزار مقامات دیکھ ڈالے۔ نابلس کی عورتوں سے بڑھ کر پاکدامن کہیں اور کی نہیں پائیں۔ ان کے درمیان میں مہینوں ٹھہرا رہا۔ شہر میں یہ کبھی چلتی پھرتی نظر نہ آئیں۔ بس صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے نکلتی تھیں، اور جمعہ ادا کر اپنے گھروں میں پھر داخل ہو جاتی تھیں۔ اور پردہ داری اور باعصمتی کی کیفیت میں نے مسجد اقصیٰ کی معتکف عورتوں میں بھی پائی۔ ورنہ اور جگہ میں نے جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے پایا۔ طرح طرح کی برائیوں اور فتنوں ہی میں مبتلا دیکھا۔ ولقد دخلت نيفا على الف قرية من برية فمارايت اصون عيالا ولا اعف نساء من نسآء "نابلس" التي رمي فيها الخليل عليه السلام بالنار، فاني اقمت فيها اشهرا فمارايت امرأة في طريق نهارا الا يوم الجمعة فانهن يخرجن اليها حتى يمتلئ المسجد منهن فاذا قضيت الصلاة و انقلبن الى منازلهن لم تقع عيني على واحدة منهن الى الجمعة الاخرى وسائر القرى ترى نسآء ها متبرجات بزينة و عطلة متفرقات في كل فتنة و عضلة و قدرايت بالمسجد الاقصى عفائف ماخرجن من معتكفهن حتى استشهدن فيه (ابن العربی) یہ حال ۵۴۳ھ سے قبل کا ہے تو ظاہر ہے کہ آج ۱۳۹۶ھ میں کوئی بھی تہذیب موسکو، قاہرہ اور اسکندریہ، تہران و انقرہ، بغداد و دمشق، کراچی و لاہور، دہلی و لکھنؤ کی کھلم کھلا بے حیائیاں دیکھنے کی تاب کہاں سے لاسکتی ہے۔ نابلس آج جس قدیم شہر کا نام ہے، وہ فلسطین میں بیت المقدس کے شمال میں واقع ہے۔ توریت میں اس کا ذکر سیکم (SI-CHEM) کے نام سے آیا ہے۔ اب خدا معلوم شیخ ابن العربی کی مراد اسی شہر سے تھی یا کسی اور سے۔ و۴۵ یعنی معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے پاک کر کے، عقیدہ، عمل، ظاہر، باطن ہر چیز میں خوب جلا پیدا کر دے۔۔ شریعت الٰہی نے انسان کی آزادی پر جو بھی قیود و حدود عائد کیے ہیں سب کا منشا بس یہی ہے کہ انسان کو بہتر انسان بنا دے، جسم، روح، عقل ہر اعتبار سے پاک صاف، نہ یہ کہ اس کی راہ کو خواہ مخواہ سخت و تنگ بنا دے۔ انما يريد الله۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے ارادہ کر لیا تو وہ اپنے ارادہ کو پورا کر کے ہی رہا۔ سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔ اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔ نزلت في نسآء النبي ﷺ خاصة (ابن جرير عن عكرمة) اراده باهل البيت نسآء النبي۔ نزلت في نسآء النبي خاصة (ابن كثير عن ابن عباس ؓ) اہل سنت کا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج ہی ہیں اور اہل بیت سے اولاً وہی مراد ہیں۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ان کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج نبی کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔ قال عكرمة انها نزلت في شان نسآء النبي ﷺ فان كان المراد انهن كن سبب النزول دون غيرهن فصحيح و ان اريد انهن المراد فقط دون غيرهن ففي هذا نظر فانه قد وردت احاديث تدل على ان المراد اعم من ذلك (ابن كثير) والذي يظهر من الآية انها عامة في جميع اهل البيت من الازواج و غيرهم (قرطبی) اہل بیت کے جو معارف معنی اردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر صرف اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیمبر کی زوجہ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔ (ہود۔ ع۔ ۷) رجس معنی گندگی۔ گناہ، سوء خلق دونوں پر شامل ہے۔ يطهر۔ اول تو باب تفعیل ہے خود بھی مبالغہ کے لیے۔ مبالغہ، پھر تاکید مزید کے لیے تطهيرا۔ یعنی خوب ہی پاک و صاف کر دے اور طہارت کا درجہ کامل و اعلیٰ نصیب کر دے۔ جیسا کہ ازواج نبی کی شان رفیع کا مقتضی ہے پوری آیت رسول اللہ کے گھر والوں کے مزید شرف و احترام کے اظہار کے لیے ہے۔ و۴۶ (اور خود بھی اس پر عمل کرو، اور دوسروں تک بھی اسے پہنچاؤ) امر الله ازواج رسوله بان يخبرن بما انزل الله من القرآن في بيوتهن و ما يرين من افعال النبي ﷺ و اقواله فيهن حتى يبلغ ذلك الى الناس فيعملوا بما فيه و يقتدوا به (ابن العربي) اور یہیں سے بعض تحقیق پسند فقہاء نے مسائل دین میں خبر واحد کے قبول کا جواز نکالا ہے۔ وهذا يدل على جواز قبول خبر الواحد من الرجال والنساء في الدين (ابن العربي) في بيوتكن رسول اللہ ﷺ کا کوئی الگ مستقل مکان حجرات ازواج کے علاوہ تو تھا نہیں۔ یہاں بيوتكن لا کر بیوی صاحبان کو اس شرف و فضیلت کی یاد دلائی گئی ہے کہ نزول وحی و حکمت خاص

وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

اور اسلام والیاں و۴۸ اور ایمان والے اور ایمان والیاں و۴۹ اور فرمانبردار مرد

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور فرمانبردار عورتیں و۵۰ اور صادق مرد اور صادق عورتیں و۵۱ اور صابر مرد اور

وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ

صابر عورتیں و۵۲ اور خشوع والے اور خشوع والیاں و۵۳ اور تصدق کرنے والے

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

اور تصدق کرنے والیاں و۵۴ اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرم گاہوں کی

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے

وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

اور یاد کرنے والیاں ہیں (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے و۵۵

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ

اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا

اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ

حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے و۵۷ اور جو کوئی

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَ اِذْ

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا اور (اس وقت کو بھی یاد کیجیے) جب

تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی فضل کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر عنایت کی ہے و۵۸ کہ اپنی

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

بیوی کو اپنی (زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر وا۹ے اور آپ اپنے دل میں وہ چھپائے رہے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

اور آپ لوگوں (کی طرف) سے اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے وا۸ے

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ

پھر جب زید کا دل اس (عورت) سے بھر گیا وا۸ے تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا وا۸ے تاکہ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

اہل ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے

مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ

اپنا جی بھر چکیں وا۸ے اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا تھا وا۸ے نبی کے لئے اللہ

عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ

نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا وا۸ے ان پر اس باب میں کوئی الزام نہیں، اللہ کا یہی معمول (رہا) ہے ان (پیمبروں) کے بارہ میں

فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

جو (آپ سے) پیشتر ہو چکے ہیں وا۸ے اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا

مَّقْدُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ

ہوا ہوتا ہے وا۸ے (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا

اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے وا۸ے

كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وا۸۹ البتہ اللہ کے رسول ہیں وا۹۰

تمہارے ہی گھروں میں تو ہوتا ہے۔ تم سے بڑھ کر ان علوم وحقائق وشرائع کا حامل اور کون ہوگا۔ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن مجید۔ ای القران (مدارک) الْحِكْمَةِ۔ یعنی احکام شریعت وفہم قرآنی۔ ای السنة او بیان معنی القران (مدارک) وا۷ے (اس لئے اس کے احکام کی تعمیل کا اہتمام نہایت درجہ واجب ہے) لَطِيْفًا۔ لطیف وہ جو احوال قلوب کو بھی خوب جانتا ہے۔ خَبِيْرًا۔ خبیر۔ وہ جس پر اعمال پوشیدہ سے پوشیدہ بھی روشن ہیں۔ وا۴۸ یعنی وہ مرد وزن جو اسلام کے اعمال ظاہری، نماز، روزہ وغیرہ پر قائم ہوں۔۔۔ الفاظ کا رخ اقرار واعمال اسلامی کی طرف ہے۔ وا۴۹ یعنی وہ مرد وزن جو عقائد صحیح کے پابند ہوں۔۔۔ الفاظ کا اشارہ عقائد اسلامی کی جانب ہے۔ وا۵۰ اعمال وعقائد دونوں کا ذکر اوپر آ چکا۔ اب یہاں زور فرماں برداری پر ہے۔ یعنی یہ جو کچھ کر رہے ہیں براہ انقیاد بلاکراہت ودلی ذوق وشوق کر رہے ہیں۔ المراد بهن علی الطاعات القائمون بها (روح) وا۵۱ یہ صدق جامع ہے صدق قول، صدق عمل، صدق نیت، صدق ایمان، ہر قسم کے صدق کا۔ قیل فی القول والعمل (روح) وا۵۲ صبر یعنی ثبات واستقامت، اپنے سارے عنوانات کے ساتھ۔ یعنی طاعتوں پر بھی، معاصی کی طرف سے بھی، مصائب پر بھی۔ علی المکارہ وعلی العبادات ومن المعاصی (روح) وا۵۳ یہ خشوع شامل ہے عبادات میں توجہ قلب پر اور عادات میں تواضع پر بھی۔ وا۵۴ تصدق میں زکوٰۃ وصدقۂ نفل وغیرہ سب آ گئے۔ وا۵۵ آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی تصریح برابر ہوتی چلی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن کا عام دستور ہے کہ مردوں کے ذکر میں عورتیں ضمناً و

تبعاً شامل ہی سمجھ لی جاتی ہیں۔ اہل تفسیر نے توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں اصلاً ومستقلاً مدح ازواج پیمبری کی مقصود تھی۔ اور جو مقصود ہوا سے ضمناً وتبعاً نہیں پیش کیا جاتا۔ مردوں کے لیے الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ اور عورتوں کے لیے صرف الْحٰفِظٰتِ گویا مردوں کے یہ تصریح اور عورتوں کے لیے کنایہ۔ اہل تفسیر نے اس کی بھی توجیہ دو طرح پر کی ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کو تعلیم ہے حیائے ذکری کی۔ وہ سمجھیں کہ اللہ ان کی تعلیم تک میں کنایہ پر کفایت کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد کے لیے صرف اعضا ئے مردانہ کا تحفظ کافی ہے۔ بخلاف اس کے عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے اپنے حفظ کے لیے احتیاطاً اپنے رفتار وگفتار، لباس وآواز ہر چیز میں رکھنا لازمی ہے۔ وا۵۶ حکم کا اطلاق عمومی ظاہر ہے۔ اس اعلان عام کے علاوہ اشارہ ایک واقعہ خاص کی جانب بھی ہے۔ زینب بنت جحش خاندان بنی اسد سے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ حسن صورت میں ممتاز لیکن ساتھ ہی مزاج کی بھی تیز۔ آپ نے ان کا نکاح زید بن حارثہ ؓ صحابی سے کر دینا چاہا۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خصوصی تھے۔ یہاں تک کہ مدتوں عوام میں زید بن محمد کر کے مشہور رہے، لیکن ایک زمانہ میں نصرانی غلام رہ چکے تھے۔ اور پھر صورت کے لحاظ سے بھی کچھ ممتاز نہ تھے۔ زینب اور ان کے بھائی کو نکاح اپنے شرف نسب کی بناء پر، ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ پسند نہ آیا۔ تامل کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ جب رسول ایک امر کا فیصلہ کر چکے تو اب کسی امتی کو چون وچرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی۔ آیت کی اس تنبیہ شدید کو سن کر حضرت زینب ؓ نے نکاح انہیں زید بن حارثہ ؓ کے ساتھ منظور کر لیا۔ آیت سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جو احکام ہوتے ہیں وہ واجب التعمیل ہی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کی تعمیل وعدم تعمیل اپنی خوشی پر ہو۔ فيه الدلالة علی ان اوامر الله تعالیٰ و اوامر رسوله للوجوب لانه قد نفی بالاٰية ان تكون لنا الخيرة فی ترک اوامر الله و اوامر الرسول ﷺ (جصاص) دل ذلک علی ان الامر للوجوب (مدارک) وا۵۷ (بطور فہمائش ومشورہ، نہ بطور حکم وجوبی) ای امر ندب (بحر) وا۵۸ مراد وہی حضرت زید صحابی ہیں۔ اللہ کا انعام تو ظاہر ہے کہ اسلام وایمان کی توفیق دی، جو سب سے بڑی دینی نعمت ہے۔ اور پھر غلامی سے نجات دلائی جو سب سے بڑی دنیوی نعمت ہے۔ اور رسول کی طرف سے انعام یہ ہے کہ آپ نے امور دین کی تعلیم فرمائی، غلامی سے آزاد کیا۔ اپنی قریبی رشتہ کی بہن سے نکاح کرا دیا۔ حدیث میں ان کے لیے الفاظ آئے ہیں۔ کان من احب الناس الی میرے محبوب ترین انسانوں میں ہیں۔ وا۵۹ یعنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی نہ کر۔ واتق الله فی معاشرتها (بحر) زَوْجَكَ۔ یہ بیوی صاحبہ وہی حضرت زینب ؓ تھیں۔ آخر

ان شوہر کو بھی راضی نہ رکھ سکیں۔ حضرت زید ؓ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فہمائش کی کہ جہاں تک بن پڑے نباہ کرو۔ اتق اللہ۔ قرآن مجید نے یہ ایک ایسی جامع ہدایت کر دی کہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور رکھنے کے لیے پھر اس کے بعد کسی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تقویٰ الٰہی پر اگر عمل ہو تو ازدواجی زندگی بلکہ خانگی زندگی ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر شعبۂ زندگی کی تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ وا۹۰ جب شکایتیں اور رنجشیں حد سے بڑھ گئیں اور آپ کو خواہ وحی سے خواہ قرائن سے خواہ دونوں سے یقین ہو گیا کہ اب یہ تعلق ازدواج نبھ نہیں سکتا۔ تو قدرۃً آپ کو بڑی فکر اس کی پیدا ہوئی کہ اب آئندہ کے لیے انتظام کیا ہو۔ زینب ؓ کی ایک دلشکنی تو پہلے ہو چکی تھی، جب ان کا عقد ان کی عالی نسبی کے باوجود ایک آزاد شدہ غلام سے کرایا گیا تھا۔ دوسرا داغ اس سے بڑھ کر ان کی عزت عرفی اور نیک نامی پر یہ لگ رہا تھا کہ نباہ ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ بھی نہ ہو سکا! طلاق ان سے بھی مل رہی ہے اور اب ساری زندگی ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ ہی کہلا کر بسر کرنا ہوگی! یہ ننگ وعار جس قدر شاق ہوا ہوگا ظاہر ہے۔ اس موقع پر اشک شوئی اور دلشکنی کے تدارک کی صورت یہی تھی کہ سردار اسلام ﷺ زینب ؓ کو فوراً اپنے عقد نکاح میں لا کر ان کی دلجوئی اور قدر افزائی کریں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ قوم عرب جو منہ بولے بیٹے کے ساتھ نکاح کو اتنا معیوب سمجھ رہی ہے وہ کیا کہے گی، آپ اسی فکر وتردد میں تھے کہ حکم الٰہی ملا، کہ طعن خلق سے بے پرواہ ہو کر نکاح کر لیجئے۔ زینب کی اشک شوئی دلداری جو تھی، وہ تو تھی

ہی اصلاح عام کی طرف بھی کتنا بڑا قدم اس طرح اٹھ گیا کہ متبنّیٰ کی زوجہ سے نکاح کا جواز خود فعل رسول سے ثابت ہو گیا۔ وتخفی ۔ مبدیہ۔ یعنی یہی ارادہ نکاح جو بغرض اشد شوئی وولد تیں جس کا اظہار حق تعالیٰ نے کلام مجید کے ذریعے کر دیا۔ یعنی من نکاحک لها (ابن العربی) والمراد بالموصول ما اوحی الله تعالی به الیه ان زینب سیطلقها زید و یتزوجها بعد علیه الصلوٰة والسلام والی هذا ذهب اهل التحقیق من المفسرین (روح) وتخشی الناس۔ یعنی وہی عرف عام ورواج کے خلاف ہونے کی بنا پر اہل قوم وقبیلہ طرح طرح کے طعن کریں گے کہ دیکھئے منہ بولی بہو کے ساتھ نکاح کر لیا، اور آپ کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا۔ ان یتکلموا فیک (ابن العربی) یہاں بعض اہل تفسیر سے قلم کو لغزش ہوئی ہے، اور بعض ایسے قصے درج کر دیے ہیں، جو ایک طرف تو تقاضائے سند ہیں اور دوسری طرف عقلاً بے سروپا اور شان رسالت کے منافی۔ یعنی نا قابل قبول نہ روایۃً نہ درایۃً، محققین مفسرین نے اسی لیے ایسے قصوں کی بلا نقل کیے بھی تردید وتکذیب کر دی ہے۔ و لبعض المفسرین کلام فی الاٰیة یقتضی النقص من منصب النبوة ضربنا عنه صفحا (بحر) احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها (ابن کثیر) وللقصاص فی هذه القصة کلام لا ینبغی ان یجعل فی حیز القبول (روح) ما الله مبدیه کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا بعض اقوال شاذ وغیر مستند الی الدلیل الصحیح میں ہے، صحیح نہیں، کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ابداء کہاں کیا۔ بخلاف تفسیر نکاح کے کہ

وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا

اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں و۹۱ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے و۹۲ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو و۹۳ اور صبح و شام اس کی

وَّ اَصِیْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ

تسبیح کرتے رہو و۹۴ وہ ایسا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے اوپر رحمت بھیجتے رہتے ہیں و۹۵

لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ

تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے و۹۶ اور وہ مومنین کے حق میں

رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا

تو رحیم ہی ہے جس روز وہ اس سے ملیں گے انہیں دعا (دی جانے کی) اسلام ہے و۹۷ اور اس نے ان کے لئے معزز صلہ

كَرِیْمًا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا

تیار کر رکھا ہے، اے نبی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے، بطور گواہ و۹۸ اور بشارت دینے والے

وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾

اور ڈرانے والے کے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے کے و۹۹ اور بطور ایک روشن چراغ کے و۱۰۰

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَ لَا

آپ بشارت دیجئے ایمان والوں کو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے و۱۰۱ اور

تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَی

کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے و۱۰۲ اور ان کی اذیت رسانی کا خیال نہ کیجئے و۱۰۳ اور اللہ پر

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۴۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے و۱۰۴ اے ایمان والو! تم جب

زوجتکها میں بھی ابداء ہوا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مسیحی اہل قلم نے خوب خوب اس موقع پر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ ایک ممتاز برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ (BOSWORTESMITE) نے ٹھیک اس کے برعکس نتیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اخلاص کا اسی سورت سے نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ طعن عوام سے اندیشہ ایک امر طبعی ہے۔ اور منافی مرتبہ رسالت نہیں۔ پھر منافی کرامت و ولایت تو اور بھی نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو جیسے اس قصہ میں مصلحت تھی۔ اس میں ملامت کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ اور یہ مصلحت وہی جو لکی لا یکون علی المؤمنین حرج میں مذکور ہوئی۔ البتہ جس میں بجائے مصلحت کے عام مومنین کے لیے کوئی مفسدہ ومضرت ہو اس میں احتیاط کرنا چاہیے، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ حطیم میں کیا۔ و۸۱ (اور کوئی واسطہ اس سے باقی نہ رہا) یعنی جب زید نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی۔ قضاء وطر کا اطلاق اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھی واسطہ فریقین میں باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب طلاق پر مدت عدت بھی گزر جائے۔ والمعنی فلما لم یبق لزید فیها حاجة و تقاصرت عنها همته و طابت عنها نفسه و طلقها وانقضت عدتها (کشاف) ای طلقها کما روی عن قتادة (روح) ای لما طلقها زید وانقضت عدتها (کبیر) قیل ان قضاء الوطر یشعر بانقضاء العدة (روح) تمام صحابیوں میں یہ شرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔۔ اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے۔ و۸۲ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کی معرفت بھیجا۔ ضیافت ولیمہ بڑے پیمانہ پر ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی بیوی صاحبہ کا ولیمہ اس پیمانہ پر اور اتنا اچھا نہیں کیا۔ زوجنکها کے روشن ترین اعلان نکاح کے بعد حقیقۃً اب کسی ظاہری عقد نکاح کی ضرورت ہی نہیں باقی رہ گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس عالم ظاہری میں بھی نکاح ہوا۔ یہ نکاح خود حضرت زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے پڑھایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر چار سو درہم کا رکھا۔ زوجها ایاها اخوها ابو احمد بن جحش و امهرها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائة درهم (ابن ہشام) لفظ زوجناک سے بعض فقہاء نے مسئلہ ولایت نکاح کا استنباط کیا ہے دلیل علی ثبوت الولی فی النکاح (قرطبی) و۸۳ یعنی زوجنکها۔ مطلب یہ ہوا کہ اس امر تشریعی کا اعلان تو ہمیں مقصود ہی تھا فقہاء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو احکام تشریعی نبی کے لیے ہیں (جب تک ان کی خصوصیت کی تصریح نہ کر دی جائے) وہی ساری امت کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ الامة مساویة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحکم الا ما خصه الله تعالی به لانه اخبر انه احل ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیکون المؤمنون مساوین له (جصاص) و استدل بهذا علی ان ما ثبت له صلی اللہ علیہ وسلم من الاحکام ثابت لامته الا ما علم انه من خصوصیاته علیه الصلوٰة والسلام بدلیل (روح) و۸۴ (کہ حکمت تکوینی مقتضی ہی اس کی تھی) و۸۵ (تکوینا خواہ تشریعا) یہاں مراد اسی نکاح زینب سے ہے۔ ای فی ما احل له وامره به من تزویج زینب (ابن کثیر) و۸۶ یعنی انبیاء سابقین کا یہی دستور رہا ہے کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، اسے بلا تامل کر گزرتے ہیں، اور اس میں مورد طعن وملامت نہیں ہو سکتے۔ الذین خلوا من قبل۔ سے مراد انبیاء سابقین ہیں، جیسا کہ آئندہ آیت میں تصریح سے آ رہا ہے۔ الذین یبلغون رسلت الله۔ ای من قبلک من الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام (روح) و۸۷ یعنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل، دنیوی حکمرانوں کے احکام کی طرح فوری مقصد وضرورت پر مبنی نہیں۔ و۸۸ (چنانچہ آج جو آپ پر طعن کرنے والے ہیں وہ بھی کل حساب سے بچے نہ رہیں گے) یبلغون رسلت

اللہ۔ تبلیغ پیام الٰہی عام ہے قولی اور فعلی ہر قسم کی تبلیغ کے لیے انبیاء گزشتہ کے قصے محض آپ کی تقویت قلب کے لیے ہیں۔ ورنہ آپ تو یوں بھی کبھی غیر اللہ کے خوف کو خاطر میں نہ لائے۔ و۸۹ (اور جب ان سے کوئی بیٹا ہی نہیں تو بہو کے ساتھ نکاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) اسم پاک محمد پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے تحت میں و۹۰ (اور اسی طرح ساری اُمت کے روحانی مربی) اس میں یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ آپ کو اُمت کے ایک ایک فرد کے ساتھ جو تعلق شفقت ورحمت ہے وہ طبعی نہیں، تحت رضا و الٰہی ہے۔ و۹۱ (اس لیے آپ کی تربیت روحانی بھی غیر موقوف و غیر منقطع ہے) ختم نبوت کی یہ تصریح نہ ہوتی جب بھی دوسری آیات۔ مثلاً اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وغیرہ اس عقیدہ کی بنیاد بننے کے لیے کافی تھیں۔ جب کوئی درجہ مزید تعلیم و اصلاح کا باقی ہی نہ رہا تو اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی کیا رہی؟ لیکن اس غرض سے کہ آئندہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کے لیے اتنی گنجائش بھی باقی نہ رہے، یہاں بتصریح یہ وارد کر دی گئی۔ خاتَم اور خاتِم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ خاتمهم و خاتمهم اى اخرهم (لسان) خاتم النبيين اى اخرهم (تاج) اور آپ کا لقب خاتم النبیین ہے اسی لیے کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی۔ اور نبوت کی تکمیل آپ کی آمد سے ہوگئی۔ و خاتم النبيين لانه ختم النبوة اى تممها بمجيئه (راغب) هو الذى ختم النبوة بمجيئه (تاج) خاتم النبيين اى اخر الانبياء (کشاف)

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا

تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو تو تمہارے لئے ان کے بارہ میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو و۱۰۵

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا

تو انہیں کچھ مال دے دو، اور انہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دو و۱۰۶ اے

النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی (یہ) بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں و۱۰۷

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ

اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے و۱۰۸ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ

اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں و۱۰۹ اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں و۱۱۰ جنہوں نے

هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا

آپ کے ساتھ ہجرت کی و۱۱۱ اور اس مسلمان عورت کو (بھی) جو (بلاعوض) اپنے کو نبی کو

لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ

دے دے و۱۱۲ بشرطیکہ نبی (بھی) اسے نکاح میں لانا چاہیں (یہ حکم) آپ کے لئے مخصوص ہے

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ

نہ کہ (اور) مومنین کے لئے ہم کو وہ (احکام) معلوم ہیں جو ہم نے ان کی

اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ

بیویوں اور ان کی باندیوں کے بارہ میں ان پر مقرر کئے ہیں و۱۱۳ تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ

والمعنى انه لانبى احدا بعده (بحر) خاتم بفتح التاء اى اخرهم (معالم) ختم الله به النبوة (معالم) هذه الاية نص فى انه لانبى بعده. و بذالک وردت الاحادیث المتواترة عن رسول الله عن جماعة من الصحابة (ابن کثیر) خود قرآن مجید ہی میں دوسری قرأت خاتِم النبیین کی بھی ہے وقرء الاخرون بكسر التاء على الفاعل لانه ختم به النبيين فهو خاتمهم (معالم) ختم نبوت یعنی ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہو جانا اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اجماع اُمت سے زندیق بلکہ حکومت اسلامی میں واجب القتل ہے۔ و من ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع فهو زنديق يجب قتله (بحر) واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه و يقتل ان اصر (روح) یہ ختم نبوت کا دعویٰ بھی اسلام کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ پیغمبر اور بانیان مذہب قرآن سے قبل بے شمار آ چکے تھے۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ مگر یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا تھا کہ میں آخری پیغمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔ اور اس دعوے کی پوری ہوئی سچائی دیکھئے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں۔ مسیلمہ متنبی وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہی ہے۔ لے دے کے نام ساری تاریخ میں صرف دو شخصوں کے اس سلسلہ میں لیے جا سکتے ہیں۔ ایک بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) دوسرے مرزا غلام احمد (بانی سلسلہ قادیانی) تو ان میں مرزا تو اپنے کو کھلم کھلا محمدی اور تبع کامل دین احمدی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نبوت تو ان کے زعم واصطلاح میں تمام تر اتباع رسول ہی ہے۔ رہا مذہب بہائی تو وہ بھی بڑی حد تک دین محمدی ہی کی تحریف شدہ شکل کا نام ہے۔ و۹۲ (سو اس نے کسی مصلحت ہی سے رسول کو اس نکاح کا حکم دیا) و۹۳ طاعتیں اور عبادتیں جتنی بھی ہیں، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ كل طاعة و كل خير من جملة الذكر (کشاف) و۹۴ یعنی اس کے ذکر وطاعت پر دوام رکھو۔ بكرة و اصيلا اشارة على المداومة (کبیر) اى كافة الاوقات (کشاف) و۹۵ (اسی کے حکم سے) اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دعا کرنا ہے۔ و۹۶ (کہ اللہ کی رحمت اور ملائکہ کی دعاء کی برکت سے یہ نعمت تمہیں برابر حاصل ہوتی رہے) ظلمت سے مراد جہل وضلالت کی تاریکیاں ہیں۔ النور سے مراد علم وہدایت کا نور ہے۔ و۹۷ اللہ اپنے بندوں کو خود سلام کرے، جنت میں مومنین کے اعزاز واکرام کی یہ انتہا ہوگی! و تحية الله لهم يقول للمؤمنين السلام عليكم مرحبا بعبادى الذين ارضوني (بحر) یہی سلام اہل جنت کا آپس میں اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوگا۔ و۹۸ اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا، جب آپ کی شہادت پر آپ کی اُمت کا فیصلہ ہوگا۔ شاہدًا کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ تمام امتوں کے رسولوں پر بطور شاہد پیش ہوں گے کہ وہ ادائے رسالت کر چکے۔ قيل المراد شاهدا على جميع الامم يوم القيامة بان انبياءهم قد بلغوهم الرسالة (روح) اور مولانا رومی قدس سرہ نے تو یہ پہلو لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے مختلف مراتب ومنازل سے مطلع کر رکھا ہے۔ در نظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد و۹۹ داعیًا الی اللہ۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۰۰ (سراپا موجب ہدایت ہونے کے لحاظ سے) مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ بجائے آفتاب کے چراغ سے آپ کے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ ہے کہ نور آفتاب گو تیز وقوی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا فیضان ضعیف ہے اپنا سا کسی کو نہیں بنا سکتا بخلاف اس کے چراغ سے صد ہا ہزار ہا چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اُمت میں فیضان رسول سے قیامت تک اولیا و ابرار ہوتے رہیں گے۔" احقر کے نزدیک چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے۔ پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر سہل الحصول ہے۔ پھر اس سے نور حاصل کرنے میں کسب اور قصد کو بھی دخل ہے۔ پھر صحیح المزاج اور صحیح البدن انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں ہوتی۔ پھر اس میں شان انس ہونے کی بھی ہے۔ اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام

کی شان سے زیادہ مناسبت ہے (تھانوی ؒ) وا۱۰ (آپ کے واسطہ سے) یعنی دنیا میں غلبہ و نصرت اور آخرت میں عفو و مغفرت۔ پھر ہر نعمت اخروی میں دوام و بقاء۔ و۱۰۲ یعنی ایسا نہ ہو کہ ان کے طعن و تہم سے آزردہ ہو کر ان پر تبلیغ ہی ترک کر دیجئے۔ یہ توجیہ اور مآل کے اعتبار سے عین انہیں کی رائے کا اتباع ہو گیا۔ و۱۰۳ (جیسا کہ اس واقعہ نکاح میں کہ آپ کی طرف سے تبلیغ فعلی تھی، ان کی طرف سے سخت اذیت قولی آپ کو پہنچی) و۱۰۴ (اور آپ کو ہر ضرر سے بچالے گا) اللہ کی کارسازی کا مراقبہ خود ہر تلخی کو شیرینی میں تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ و۱۰۵ (اور اس لیے انہیں فوری نکاح ثانی سے کوئی مدت عدت مانع نہیں درآنحالیکہ مدخولہ کی طلاق کے بعد عدت واجب ہو جاتی ہے) نَكَحْتُمُ۔ نکاح کے لغوی معنی تو صحبت یا جماع کے ہیں، مگر قرآن مجید میں عموماً عقد نکاح کے معنی میں آیا ہے۔ تَمَسُّوْهُنَّ۔ ہاتھ لگانا کنایہ صحبت سے ہے، حقیقۃً یا حکماً مثل خلوت صحیحہ کے۔ پس دونوں سے عدت واجب ہے (تھانوی ؒ) والخلوة الصحيحة كالمس (مدارک) اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ الفاظ آیت سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ نکاح کو جائز کتابیہ عورتوں سے بھی ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مومنات کے ساتھ کیا جائے۔ و في تخصيص المومنات مع ان الكتابيات تساوي المؤمنات في هذا الحكم اشارة الي ان الاولي بالمومن ان ينكح مؤمنة (مدارک) لَكُمْ۔ کی ضمیر مذکر سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ عدت حق زوج ہے، جیسا کہ ولد حق والد ہے۔ فيه دليل علي ان العدة تجب علي النساء للرجال (مدارک) و۱۰۶ نکاح ہو، یا طلاق، رفاقت ہو یا افتراق، قرآن خوبی و خوش اسلوبی کی شرط ہر جگہ لگائے ہوئے ہے۔ جو کچھ بھی ہو سَرَاحًا جَمِيلًا ہو، بالمعروف ہو، یعنی شریفانہ طرز پر ہو، حفظ وضع و پاس ناموس کے ساتھ ہو۔ تفضیح و بدنمائی کی صورت بہرحال نہ پیدا ہونے پائے۔ و۱۰۷ (باوجود اس کے کہ وہ چار کے جائز عدد سے زائد ہیں) پیمبر کے شرف و امتیاز نیز آپ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ کی ازدواجی زندگی سے متعلق اب بعض مخصوص احکام کا بیان ہو رہا ہے۔ و۱۰۸ (کنیز شرعی کی حیثیت سے) یعنی ان سب کے رکھنے کی آپ کو اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔ کی قید سے زرخرید باندیاں اس حکم اجازت سے نکل گئیں۔ و۱۰۹ دونوں کا خلاصہ یہ کہ آپ کے والد کے خاندان کی بیٹیاں۔ و۱۱۰ دونوں کا حاصل یہ کہ آپ کی والدہ کے خاندان کی بیٹیاں۔ و۱۱۱ یعنی دادھیالی اور ننھیالی خاندانوں کی بھی سب عورتیں نہیں، بلکہ وہی جنہوں نے عمل ہجرت میں موافقت کی ہو غیر مہاجر بیویاں اس قید سے نکل گئیں۔ مَعَكَ۔ میں قید معیت زمانی کی نہیں۔ مراد صرف عمل مہاجرت میں موافقت سے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ واسلمت مع سليمان و مع ليس للقران هل لوجودها (مدارک) المعية هنا الاشتراك في الهجرة لا في الصحبة فيها (قرطبی) و۱۱۲ یعنی وہ زن مومنہ جو بلا مہر اپنے کو آپ کے نکاح میں لے آنا چاہے -- یہ اجازت آپ کے لیے مخصوص تھی۔ جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ کو یہ اجازت تھی۔ لیکن کبھی آپ نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یعنی کوئی نکاح بلا ذکر مہر نہیں کیا۔ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا۔ استنکاح۔ نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور طلب نکاح کے معنی میں بھی۔ اي ينكحها يقال نكح واستنكح مثل عجب و استعجب و يجوزان يرد الاستنكاح بمعني طلب النكاح (قرطبی) و۱۱۳ (اور جو ہم نے دوسری آیتوں یا روایتوں کے ذریعہ سے بندوں کو بھی معلوم کرا دیئے ہیں) خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ رسول ﷺ کے لیے حکم مخصوص (جس میں امت شریک نہیں) یہی تھا کہ آپ بلا مہر بھی بیویوں کو اپنے نکاح میں لے سکتے تھے۔ آیت کے اس جزء سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ یہ خاص حکم آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ اور احکام مذکورۂ بالا آپ میں اور امت میں مشترک ہیں۔ اخبر انه مخصوص بذالك دون امته وانه و امته سواء في من تقدم ذكرهن (جصاص) و۱۱۴ یعنی یہ عام مومنین کے احکام سے آپ کے حق میں بعض امتیازات و تخصیصات آپ کی مخصوص مصلحتوں کے لحاظ سے ہیں تاکہ آپ کے مقاصد پیمبرانہ و مصالح میں ہرج واقع نہ ہو۔ اخبر الله تعالي بتوسعه علي النبي ﷺ في اباحته له و علي المؤمنين في ما اطلقه لهم (جصاص) لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ کا ربط نحوی قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ سے ہے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ و۱۱۵ چنانچہ رحیمیت کی بناء پر احکام میں بڑی سہولتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر اگر سہل احکام کی تعمیل میں بھی غفلت ہو جائے تو غفوریت کی بناء پر جب چاہے معاف بھی کر دیتا ہے۔ و۱۱۶ یعنی جس کو جتنی مدت تک چاہیں اسے باری نہ دیں اور اپنے سے الگ رکھیں۔ اور جس کو جتنی مدت تک چاہیں، باری دیتے رہیں اور اپنے پاس ہی رکھیں۔ یہ آپ ہی کی صوابدید و مصلحت پر ہے۔ اس باب میں آپ پر وہ پابندیاں نہیں، جو عام امت پر ہیں۔ هذه الأية تدل علي ان القسم بينهن لم يكن واجبا علي النبي ﷺ وانه كان مخيرا في القسم لمن شاء منهن و ترك من شاء منهن (جصاص) مِنْهُنَّ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی جانب ہے ذکر انہیں کا ہو رہا ہے۔ و۱۱۷ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر ادائے حقوق زوجیت کے باب میں وہ متعدد پابندیاں عائد نہیں جو عام مسلمین کے لیے ہیں۔ اور بیویوں کو بہت سے معاملات میں آپ پر کوئی دعویٰ یا حق ہی نہیں، یہ محض آپ کی خوشی و مصلحت پر ہے کہ آپ فلاں فلاں امور میں ان کی دلجوئی و رعایت کرتے رہیں تو جب ازواج مطہرات کا استحقاق ہی باقی نہ رہا تو قدرۃً انہیں رنج بھی بہت کم ہوگا۔ عموماً و عادتاً تو رنج کی بنیاد یہی استحقاق ہی ہوتا ہے -- جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ انتظامات حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں، تو اب بجائے رنج کے تعمیل احکام

حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ

نہ (واقع) ہو و۱۱۴ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۱۱۵ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے

مِنْهُنَّ وَتُــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

دور رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں و۱۱۶ اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے کسی کو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ

پھر طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس (انتظام) میں زیادہ توقع ہے اس کی کہ ان کی آنکھیں

اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ

ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ انہیں دے دیں گے و۱۱۷

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱ لَا

اور اللہ (خوب) جانتا ہے اسے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حلم والا ہے و۱۱۸

يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

ان عورتوں کے بعد آپ کے لئے کوئی جائز نہیں و۱۱۹ اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ

اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

دوسری کر لیں و۱۲۰ چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے کہ جو آپ کی

يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝۵۲ يٰٓاَيُّهَا

باندیاں ہیں، اور اللہ ہر شے کا (پورا) نگراں ہے و۱۲۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ

ایمان والو نبی کے گھروں میں مت جایا کرو بجز اس وقت کے جب تمہیں کھانے کے لئے

اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

(آنے کی) اجازت دی جائے (اور جب بھی) ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو البتہ جب تم کو بلایا جائے

میں اور مسرت ہوگی لانهن اذا علمن ان هذا التفويض من عند الله اطمانت نفوسهن و ذهب التغاير و حصل الرضاء (مدارک) ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی انتظامی سہولتیں اور رعایتیں جو آپ کے حق میں اوپر مذکور ہوئیں ---- یعنی یہ کہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا حکم۔ ای التفويض الى مشيئتک (مدارک) ف۱۱۸ وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے جس کی جب چاہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمال حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا۔ سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔ ف۱۱۹ (چنانچہ اہل قرابت میں سے غیر مہاجر بیویاں حلال نہیں اور دوسری عورتوں میں سے غیر مومنات حلال نہیں) مِنْۢ بَعْدُ ۔ یعنی ان بیویوں کے علاوہ جن کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے۔ قال عكرمة والضحاک معنى الأية لا يحل لک النساء الا اللاتي احللنا لک بالصفة التي تقدم ذكرها (معالم) اي من بعد الاوصاف التي سميت قاله ابي بن كعب و عكرمة و ابورزين و هو اختيار محمد بن جرير (قرطبی) ف۱۲۰ "اس طرح سے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور بجائے ان کے دوسری کر لیں، اور یوں بدون ان کے طلاق دیئے ہوئے اگر کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں۔ اسی طرح اگر بلا قصد تبدل کسی کو طلاق دے دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں۔ بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دال ہے، پس یہ تبدل ممنوع ہے"۔ (تھانوی ؒ) عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ شوہر شوہر اپنی بیویوں کا تبادلہ آپس میں کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے آیت کے تحت میں اس رواج جاہلیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ كانت العرب في الجاهلية يتبادلون بازواجهم يقول الرجل للرجل بادلني بامراتک و ابادلک بامراتي (معالم) قال ابن زيد هذا شيء كانت العرب تفعله يقول احدهم خذ زوجتي واعطني زوجتک (قرطبی) ف۱۲۱ (تو اس کو اس کی بھی پوری خبر رہتی ہے کہ کون کس کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اور اس سے تاثیر میں قصد و اختیار کو کتنا دخل ہے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۔ اس استثناء نے باندیوں میں تبدل کو رسول اللہ ﷺ کے لیے جائز کر دیا۔ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ۔ قرآن مجید نے اول تو اسے محض بطور احتمال فرض کیا ہے۔ اور احتمالات اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر بھی فرض کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے فرض کیے بھی ہیں، لیکن اگر تحقق واقعۃً بھی کبھی ہو جاتا جب بھی محض اتنے میں کہ کسی نامحرم کے چہرہ پر نظر پڑ گئی، اور اس چہرہ کی زیبائی ادراک میں بھی آ گئی کوئی قباحت شرعی نہیں۔ یہ تو ایک امر غیر اختیاری ہوا۔ مذموم جو کچھ ہے وہ بالقصد نظر کرنا اور بالقصد اس سے لذت حاصل کرنا ہے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ نامحرم کے چہرہ پر نظر کرنی جائز ہے۔ جبکہ اس سے یہ تاثر حسن نہ پیدا ہوتا ہو۔ يدل على جواز النظر الى وجه المراة الاجنبية اذ لا يعجبه حسنها (جصاص) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کا دیکھنا جائز ہے۔ في هذه الأية دليل على جواز ان ينظر الرجل الى من يريد زواجها (قرطبی) اور بعض نے اجازت سے بڑھ کر اس کو ارشاد کے معنی میں لیا ہے۔ الامر بالنظر الى المخطوبة انما هو على جهة الارشاد الى المصلحة (قرطبی) ف۱۲۲ مطلب یہ ہے کہ اول تو بے دعوت جاؤ مت، اور دعوت پر جاؤ جب بھی اتنا قبل سے مت پہنچ جاؤ۔ بعض لوگ خدمت رسول میں کھانا کھانے کے لیے جاتے اور بہت قبل سے جا کر بیٹھ جاتے اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ آپ مروت کی بنا پر زبان سے تو کچھ نہ فرماتے لیکن طبعاً گرانی ضرور ہی محسوس فرماتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تہذیب مجلس و آئین منزلی شریعت اسلامی کے اہم مقاصد میں سے ہے، قرآن کو اس باب میں ہدایات دینا ضرور تھا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ گو نزول آیت آداب نبوی میں سے ہے مگر حکم عام ہے۔ وهذا الحكم و ان نزل خاصا في النبي ﷺ و ازواجه فالمعنى عام فيه وغيره (جصاص) "یہ بتصریح علماء سرکار نبوی کے ساتھ خاص نہیں۔ یعنی اس قسم کی جو بات کسی کو گراں و ناگوار ہو وہ ناجائز ہے"۔ (تھانوی ؒ) اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ ۔ گھر میں کسی کے بھی بے اذن نہ جانا چاہیے، اور آستانہ نبوی ﷺ پر اذن کی اہمیت تو بدرجہ اولیٰ ہے۔ کسی کے کھانے میں نظر لگانا اور بے بلائے دعوت میں طفیلی بن کر جانا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں بے ضرورت اور خلاف اذن دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں۔ حقوق جس طرح مہمان کے ہیں، میزبان کے بھی ہیں۔ کسی مہمان کو یہ حق نہیں کہ اپنے کسی قول و فعل سے صاحب خانہ کو ایذا پہنچائے۔ بُيُوْتَ النَّبِيِّ ۔ بیوت کی اضافت نبی کی جانب کی گئی ہے۔ حالانکہ چند ہی آیتیں قبل وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں بیوت کی اضافت ازواج نبی ﷺ کی جانب کی گئی تھی۔ دونوں اضافتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ وہ گھر رسول اللہ کے بھی تھے۔ اس معنی میں کہ آپ ہی ان گھروں کے مالک تھے۔ اور وہ گھر بیوی صاحبوں کے بھی تھے۔ اس معنی میں کہ مسکن انہیں کے تھے۔ اضافة البيوت الى النبي اضافة ملک و اضافة البيوت الى الازواج اضافة محل (ابن العربی) بدليل انه جعل فيها الاذن للنبي ﷺ والاذن انما يكون للمالک (قرطبی) اس سے قطع نظر ایک فرق کھلا ہوا ہے۔ وہاں مقصود تو ازواج کرام کو ان کے مسکنوں کے شرف و احترام کی یاد دہانی تھی۔ اس لیے رسول ﷺ کے گھر کو ان بیویوں ہی کا گھر کہنا مناسب و موزوں تھا۔ اس کے برعکس یہاں لوگ جس گھر میں جمع ہو رہے تھے وہ رسول ہی کے گھر کی حیثیت سے جمع ہو رہے تھے اس لیے یہاں رسول ہی کا گھر کہنا مناسب تھا۔ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۔ انی۔ کے معنی وقت کے ہیں، اور ناظر وہ ہے جس کا ذہن کھانے کی طرف لگا رہے۔ معناه غير منتظرين وقته والناظر هو المنتظر والاني هو الوقت (ابن العربی) ف۱۲۳ (اس لیے صاف صاف نہیں کہتے)

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

تب جایا کرو ۱۲۲ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ

رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں ۱۲۳

وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا ۱۲۴ اور جب تم ان (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو ۱۲۵ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا

وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ

عمدہ ذریعہ ہے ۱۲۶ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو (کسی طرح بھی) تکلیف پہنچاؤ ۱۲۷ اور نہ یہ کہ

تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ

آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو ۱۲۸ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی

اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

بات ہے ۱۲۹ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے (دل میں) پوشیدہ رکھو گے، تو اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَاۤ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۳۰ ان (رسول کی ازواج) پر کوئی گناہ نہیں (سامنے آنے میں) اپنے باپوں کے،

اَبْنَآئِهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ

اپنے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنے بھتیجوں کے اور اپنے

اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ

بھانجوں کے اور اپنی (شریک دین) عورتوں کے اور نہ اپنی باندیوں کے

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے ف۱۳۱

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ف۱۳۲ بے شک جو لوگ

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ف۱۳۳ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں

وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور ان کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ایمان والوں کو

وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا

اور ایمان والیوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار

وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ

(اپنے اوپر) لیتے ہیں ف۱۳۴ اے نبی آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں

وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی ف۱۳۵

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا ف۱۳۶ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

بڑا رحمت والا ہے، ف۱۳۷ اگر منافقین اور وہ لوگ نہ باز آئے جن کے دلوں میں روگ

ع ۷

آیت سے رسول اللہ ﷺ کا کمال ذی مروت ہونا ظاہر ہے، امتی ظاہر ہے کہ سب آپ سے چھوٹے اور کتنا چھوٹے تھے۔ ان تک کا آپ اتنا لحاظ فرماتے رہتے تھے۔ ف۱۲۴ (اس لئے تم سے صاف صاف کہا جا رہا ہے) اس سے یہ شبہ نہ گذرے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی اعلان حق سے مروت مانع ہو جاتی تھی۔ "اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے۔ وہ حق اللہ ہے، اور جس سے آپ کا استحیاء واقع ہوا وہ حق للنفس تھا کہ اپنے اوپر کلفت اٹھائی۔ اس سے حکم شرعی کا اخفاء لازم نہیں آتا کہ منشا وسوسہ ہو۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۲۵ یعنی اتنا پردہ تو ضرورت کے وقت بھی رہنا چاہئے اور بلا ضرورت تو اس کا اہتمام اور اشد ہے۔ المرأة كلها عورة بدنها وصوتها كما تقدم فلا يجوز كشف ذلك الا لحاجة كالشهادة عليها او داء يكون ببدنها او سوالها عما يعرض وتعين عندها (قرطبی) یہ حکم بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حجاب ہر نامحرم سے لازم ہے۔ ویدخل فی ذلک جمیع النساء بالمعنی (قرطبی) ف۱۲۶ (جیسا کہ اب تک بھی جانبین کے دل پاک رہے ہیں) لفظ اطہر سے یہ نکتہ بھی نکالا گیا ہے کہ نفس طہارت تو تقویٰ ہی سے پیدا ہو جاتی ہے لیکن طہارت مزید یعنی خطرات قلب بھی دور ہو جائیں اس کا ذریعہ نامحرموں سے حجاب ہے۔ ف۱۲۷ کوئی مسلمان دانستہ و ارادۃً تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو ایذاء پہنچانے کا خیال بھی نہیں لا سکتا۔ حکم سے مراد یہ ہے کہ اس کا اہتمام خاص رکھو، یہ نہ ہو کہ اپنی بے خیالی، بے توجہی، کم غوری کی بناء پر اپنے کسی قول وفعل سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناگواری وگرانی کے باعث بن جاؤ۔ ف۱۲۸ (کہ یہ بھی ایک فرد ایسی نادانستہ ایذاء رسول کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے) ف۱۲۹ (کہ تم اپنی ماؤں، امت کی ماؤں سے متعلق ایسا خیال بھی دل میں لاؤ) ف۱۳۰ (اور ہر شخص سے اپنے اسی علم محیط وکامل کے مطابق معاملہ کرے گا) یہاں چیزوں کے ابداء واخفاء دونوں کا تعلق ایذاء رسول ﷺ سے ہے۔ یعنی کوئی بھی ایسی چیز کرو گے جس سے رسول اللہ کو اذیت ہو تو خواہ اسے کھلم کھلا کرو، خواہ پوشیدہ رکھو، حق تعالیٰ کو بہرحال اس کی اطلاع رہے گی۔ ف۱۳۱ (اس لئے ان تمام احکام کی نگہداشت لازمی ہے) اوپر ازواج رسول ﷺ کے حجاب کا حکم مذکور ہو چکا۔ اب بیان یہ ہوا کہ فلاں فلاں کے سامنے، باحجاب آ جانا درست ہے۔ لیکن حصر ان میں مقصود نہیں۔ محرموں کا ذکر سورۃ النور (پ۱۸) میں بھی آ چکا ہے۔ ف۱۳۲ اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ بندوں یعنی فرشتوں اور انسانوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اس رحمت خاص کی دعا کرتے، اور اسے ان کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو ہماری زبان میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔ **الصلوٰة من الله هي الرحمة ومن العباد الدعاء** (جصاص) **الصلوٰة من الله رحمته ورضوانه ومن الملئكة الدعاء والاستغفار ومن الامة الدعاء والتعظيم لامره** (قرطبی) يُصَلُّوْنَ۔ صلوٰۃ سے یہاں مراد رحمت عام نہیں، رحمت خاص ہے، نبی کے شایان شان۔ النَّبِيِّ۔ تَسْلِيْمًا۔ مومنین کو ذات رسالت کے ساتھ اس طریقہ پر جو ربط پیدا ہو سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کے مراتب عالیہ میں بھی ان دعاؤں سے ترقی واضافہ ممکن ہے۔ "آپ پر سلام بھیجنے کے معنی مجموعہ دو امر کا ہے، ایک دعاء ہے سلامت عن الآفات کی۔ دوسرے ثناء ہے جو اس دعاء کے لئے لازم ہے۔ کیونکہ عرفاً یہ صیغہ مخصوص مستحق ثناء ہی کے لئے ہے۔ بس حالت حیات میں تو دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور بعد وفات مجرد معنی ثانی رہ جاتے ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید ناظرین کو قصداً صلوٰۃ وسلام سے ذہول ہو جائے اس لئے ایک مختصر صیغہ عبارت میں لکھ دینا بھی مناسب ہے کہ لکھا ہوا تو ضرور ہی پڑھیں گے۔ **اللّٰهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰل سيدنا ومولانا محمد وبارك وسلم**" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) درود کے واجب ہونے پر تو ہر مذہب کے فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ عمر میں ایک بار بھی اگر پڑھ دیا تو فرض ادا ہو گیا۔ **قد تضمن الامر بالصلوٰة على النبي ﷺ وظاهره يقتضي الوجوب وهو فرض عندنا فمتى فعلها الانسان مرة واحدة في صلاة او غير صلاة فقد ادى فرضه و هو مثل كلمة التوحيد والتصديق بالنبي ﷺ متى فعله الانسان مرة واحدة في عمره فقد ادى فرضه** (جصاص) **لا خلاف للعلماء في ان هذا الامر للوجوب وانما الخلاف في اوقاته واعداده فعند مالك والطحاوي يجب في العمر مرة والباقي مندوب** (احمدی) **ولا خلاف في ان الصلاة عليه فرض في العمر مرة** (قرطبی) عَلَى النَّبِيِّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم ذات محمد لانے کے، جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرات انبیاء کے معاملہ میں ہے۔ اسم صفت النبی لانا آپ کے مزید اعزاز واکرام کے لئے ہے۔ **وعبر بالنبي دون اسمه ﷺ على خلاف الغالب في حكايته تعالىٰ عن انبيائه عليهم السلام اشعارًا بما اختص به ﷺ من مزيد الفخامة والكرامة وعلو القدر** (روح) ف۱۳۳ (قصداً) ظاہر ہے کہ قصد کے ساتھ رسول کو ایذاء پہنچانا صرف کافروں اور منافقوں کا کام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آگے وعیدیں انہیں کے حق میں ہیں۔ جو مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بے خیالی سے بلا ارادہ ایذاء رسول کا سبب بن جاتے تھے ان کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ایذاء رسول کے ساتھ ایذاء الٰہی کو ضم کر دینا ایذاء رسول کی اہمیت وشدت کے اظہار کے لئے ہے۔ اللہ کو ایذاء پہنچانا یہی ہے کہ اس کی مرضیات کے خلاف عمل کئے

مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا

ہے و۱۳۸ اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں و۱۳۹ تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے و۱۴۰ پھر

يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا

یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس تھوڑے ہی دن رہنے پائیں گے (اور وہ بھی) دھتکارے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے

اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا

پکڑ لئے گئے اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے و۱۴۱ اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو (ان سے) پیشتر

مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ

گذر چکے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں ردو بدل نہ پائیں گے و۱۴۲ (یہ) لوگ آپ سے

النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا

قیامت کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں و۱۴۳ آپ کہہ دیجئے اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور عجب نہیں

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ

کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو بے شک اللہ نے کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا

رحمت سے دور کر دیا ہے و۱۴۴ اور ان کے لئے دوزخ تیار کر دی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے نہ کوئی

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي

یار پائیں گے اور نہ مددگار جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ

النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

کئے جائیں گے وہ یوں کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی،

وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہمیں راہ سے

جائیگا..... یا یوں کہا جائے کہ مقصود کلام ایذاء رسول ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ عطف رسول کے اعزاز و اکرام کے لئے ہے۔ ای یوذون رسول الله وذكر اسم الله للتشريف (مدارک) او عبر بايذاء الله ورسوله عن فعل ما لا يرضي به الله ورسوله كالكفر (مدارک) و۱۳۴ مسلمانوں کو اخلاق و اعلیٰ معاشرت کی تعلیم مل رہی ہے۔ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا۔ یعنی بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہو جس سے سزا و ملامت کے واقعی مستحق ہو جائیں۔ اس قید کے لگ جانے سے تادیب و سیاست حسب قواعد شرعی کا جواز نکل آیا۔ و۱۳۵ یعنی جب ضرورۃً باہر نکلنا ہو تو اپنی چادر یں اپنے اوپر سر وں سے ذرا لٹکا لیا کریں، تا کہ چہرہ کے اطراف تو خوب ڈھک جائیں اور خود چہرہ کی ٹکیا بھی ایک حد تک۔ ہمارے ملک میں اسی کو گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ کسی قدر پورا چہرہ مع اطراف و جوانب کے ہے نہ یہ کہ ملحقات چہرہ کو چھپا کر صرف چہرے کی ٹکیا کھلی رہنے دی جائے، کوئی عضو بجائے خود کیسا ہی حسین ہو، دوسروں کو متاثر جب ہی کر سکتا ہے جب وہ اپنے حسن تناسب کو ظاہر کر رہا ہو اور اس حسن تناسب کا اظہار جبھی ممکن ہے جب اس عضو کے ملحقات بھی کھلے ہوں۔ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی اور جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جو سارے جسم کے ڈھانپنے کے کام آ جائے۔ وهو ثوب اكبر من الخمار والصحيح انه يستر جميع البدن (قرطبی) اس قسم کے سارے احکام کا ماحصل عورت کے حجاب کامل کی تاکید ہے، بخلاف جاہلی تہذیبوں کے جہاں عورت کی نیم برہنگی ہی فیشن میں داخل رہی ہے اور آج بھی ہے۔ مفسرین نے آیت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کی کچھ بیبیاں حاضر ہوئیں جو لباس بہت باریک پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ڈانٹا، کہ کیسی مسلمان ہو، جو یہ نامسلموں کا لباس پہنے ہوئے ہو۔ ودخل نسوة من بني تميم على عائشة عليهن ثياب رقاق فقالت عائشة ان كنتن مؤمنات فليس هذا بلباس المؤمنات (قرطبی) و۱۳۶ یعنی اس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اول نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف عزت دار بیبیاں ہیں، بے حیا نہیں ہیں اور اس لئے ان سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہوگی۔ عورت کی عصمت کے تحفظ میں بڑا دخل اس کی وضع و لباس کے وقار کو ہے جو عورت اپنی وضع و قطع و پوشش سے آوارہ معلوم ہوتی ہے اسے دیکھ کر محض لفنگوں اور بدمعاشوں ہی کے نہیں، بلکہ دوسروں کی طبیعتوں میں بھی گدگدی پیدا ہوتی ہے، بخلاف اس کے جس عورت کی وضع قطع، چال ڈھال سنجیدہ، حیادارانہ و شریفانہ ہے اور وہ اپنا وقار رکھاؤ قائم کئے ہوئے ہے اسے چھیڑنے کی ہمت بدمعاشوں کو بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ جوان عورت پر نامحرموں سے اپنے چہرہ کا پردہ واجب ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ جب باہر نکلے تو پردہ کا اہتمام کر کے۔ وفي هذه الأية دلالة على ان المرأة الشابة مامورة بستر وجهها عن الاجنبيين واظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع اهل الريب فيها (جصاص) و۱۳۷ (جو خواہ مخواہ اور بہت سختی سے گرفت نہیں کرتا رہتا) چنانچہ اس سر اور چہرہ کے ڈھانپنے کے حکم میں اگر بلاقصد کچھ کمی یا بے احتیاطی رہ جائے گی تو اسے معاف کر دے گا۔ و۱۳۸ (روگ آوارگی کا یا تاک جھانک کا) وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض سے مراد ایمان کی کمزوری ہے۔ وهو ضعف اليقين (جصاص) وهم قوم كان فيهم ضعف ايمان وقلة ثبات عليه (روح) یہ وہ لوگ تھے جو مسلم کنیزوں سے رات اور گلی میں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ اور بھی کبھی ان کے شبہ میں، مسلم معزز و شریف عورتوں سے بھی۔ و۱۳۹ جھوٹی جھوٹی اور پریشان کرنے والی۔ مثلاً یہ کہ فلاں غنیم چڑھائی کرنے کو ہے..... آج کل کی اصطلاح میں، مسلم اسٹیٹ کو جنگ اعصابی میں مبتلا کرنے والے یہ لوگ اپنے اس پراپیگنڈا سے مسلمانوں پر اہل کفر کی دہشت اور رعب خواہ مخواہ طاری کرتے رہتے تھے۔ وآخرون ممن لا بصيرة له في الدين يرجفون باجتماع الكفار والمشركين وتعاضدهم ومسيرهم الى المؤمنين فيعظمون شان الكفار بذالك عندهم و يخوفونهم (جصاص) و۱۴۰ (کہ آپ ایسے نالائقوں سے اپنے شہر کو پاک کر کے رہیں) آیت کے اس ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم کنیزوں اور باندیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ ایسی چیز نہ تھی، جسے گوارا کر لیا گیا تھا، یا جس کا انتظام نظر انداز ہو گیا تھا۔ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ مومنین کے درمیان وحشت ناک افواہیں اور مومنین کو تکلیف پہنچانے والی خبریں پھیلانا اس کا مستوجب ہے کہ اس کا مرتکب سزا پائے اور شہر بدر کیا جائے۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔ وفي هذه الأية دلالة على ان الارجاف بالمؤمنين والاشاعة بما يغمهم ويؤذيهم يستحق به التعزير والنفي اذا اصر عليه ولم ينته عنه (جصاص) و۱۴۱ نفاق کی حقیقت بھی کفر ہی ہے، اس پر صرف پردہ اسلام کا پڑا ہوتا ہے۔ اس لئے منافقوں کے ساتھ معاملہ اصلاً وہی ہونا چاہیے تھا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پناہ تو صرف اظہار اسلام کی بناء پر حاصل رہتی ہے۔ جب علانیہ مخالفتیں کرنے لگے تو یہ مانع بھی اٹھ گیا اور ان کے ساتھ معاملہ وہی ہوگا جو کفر کا مقتضائے اصلی ہے یعنی اخراج، قید، قتل سب جائز۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ملخصاً) اِلَّا قَلِيْلًا۔ قدرے قلیل یعنی جب ان کے اخراج کا حکم ہوگا تو اس کے لئے ایک مدت بھی معین ہو جائے گی۔ اتنی مدت کے لئے بسبب معاہدہ کے، مامون رہیں گے۔ اس کے بعد جہاں ملیں گے، قید و قتل کی اجازت ہوگی (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ملخصاً) و۱۴۲ یعنی باغیوں، غداروں کے ساتھ یہی معاملت قدیم آسمانی شریعتوں میں بھی رہی ہے۔ آپ کو کوئی نیا حکم نہیں مل رہا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۴۳ (کہ کب آئے گی) وقت قیامت سے متعلق یہ سوال، براہ طنز و اعتراض منکروں کی زبان سے ہو رہا تھا۔

ف۱۴۴ یعنی رحمت خاصہ سے، دنیا وآخرت دونوں میں۔ اور اسی لعنت ہی کا اثر دنیا میں قید وقتل ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔ ف۱۴۵ تینوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جب دوزخ میں کافر ڈالے جائیں گے اور گھسیٹے جائیں گے جس سے ان کے چہرے الٹ پلٹ ہونے لگیں گے، تو کمال حسرت کا اظہار اپنے اسلام نہ لانے پر کریں گے اور کمال غضب کا اپنے گمراہ کرنے والے اکابر پر۔ یلیتنا ... الخ سے۔ آخرت میں کام آنے والی شے صرف اطاعت خدا واطاعت رسول نکلے گی، باقی ہیچ۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بڑوں کی مطلق تقلید ہرگز کوئی عذر نہیں، اور آجکل کے بدعات اختیار کرنے والے اپنے مشائخ کے رسوم سے اکثر تمسک کیا کرتے ہیں۔ ف۱۴۶ (طرح طرح کی تہمتیں لگا کر) بنی اسرائیل کا معاملہ اپنے سردار وپیمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عجیب وغریب تھا۔ یہ لوگ طرح طرح انہیں چھیڑتے ہر ہر طرح اُن کی نافرمانی کرتے، عجیب عجیب طرح انہیں غضب میں لاتے۔ یہاں ممکن ہے کہ اشارہ کسی خاص واقعہ کی جانب ہو، یا اسی عام مفسدانہ روش سے متعلق۔ آیت میں اشارہ نکلتا ہے ایذاء رسول اللہ کی حرمت کا، خواہ وہ ایذا براہ راست ذات رسول سے متعلق ہو یا بواسطہ اصحاب وازواج وغیرہ۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں عام مسلمانوں کو بھی ممانعت ہے، جو اولیاء متقین کو ایسے امور کی تہمت سے تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ ف۱۴۷ (ہر ہر الزام اور تہمت سے جو آپ پر لگاتے رہتے تھے) چنانچہ نقصان آپ کو تو کچھ نہ پہنچا، مستحق عذاب وہی تہمت لگانے والے ٹھہرے۔

السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ

بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار انہیں دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی ہی لعنت

لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

نازل کر ف۱۴۵ اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے

اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

موسیٰ کو ایذا پہنچائی تھی ف۱۴۶ سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ف۱۴۷ اور اللہ کے نزدیک وہ

وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

بڑے معزز تھے ف۱۴۸ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۴۹ اور راستی کی بات

سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

کہو ف۱۵۰ (وہ) تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا ف۱۵۱

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا ف۱۵۲

عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی ف۱۵۳

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ

سو ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈر گئے ف۱۵۴ اور اسے انسان نے اپنے ذمہ لے لیا ف۱۵۵

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

بے شک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے ف۱۵۶ انجام یہ ہوا کہ اللہ منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى

اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا اور ایمان والوں اور

ف۱۴۸ اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرمادی۔ اور آج تک ان کا نام دنیا میں روشن چلا آرہا ہے) ؛ وجیھا۔ وجیہ کے معنی عربی میں بڑے معزز، صاحب منزلت کے آتے ہیں۔ الوجیه عند العرب العظیم القدر الرفیع المنزلة (قرطبی) آپ کی وجاہت آخرت میں تو انشاء اللہ دوست دشمن سب ہی کو نظر آجائے گی۔ باقی آج یہ حال ہے کہ ساری دنیا آپ کو ایک مقنن اعظم (A great law giver) سمجھ رہی ہے اور دنیا کے تینوں کتابی مذاہب، یہودیت، اسلام، مسیحیت آپ کے پیمبر برحق ہونے پر متفق ہیں۔ ف۱۴۹ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خوف خدا کو بطور حال اپنے اوپر طاری کرلو۔ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ ایمان کی دولت تو انہیں حاصل ہی ہے، اب ارشاد یہ ہورہا ہے کہ مرتبہ تقویٰ بھی حاصل کرو۔ ف۱۵۰ یعنی افراط وتفریط سے الگ اور عدل واعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور پکی منہ سے نکالو۔ "قول سدید" تو خود بھی تقویٰ ہی کی ایک فرد ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کے الگ بیان کرنے سے مقصود زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔ جہاں تک اعضاء وجوارح کا تعلق ہے جو اہمیت ومرکزیت وہمہ جہتی زبان کو حاصل ہے۔ کسی اور عضو کو نصیب نہیں اور یہ اگر قابو میں آگئی تو انسان گناہوں کی کتنی بڑی تعداد سے بچ سکتا ہے۔ ف۱۵۱ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ آیت وعدۂ الٰہی ہے کہ تقویٰ وقول صادق پر اصلاح اعمال اور مغفرت ذنوب مرتب ہوگی، اور وعدہ الٰہی میں تخلف محال ہے۔ وعد عزوجل بانه یجازی علی القول السدید باصلاح الاعمال وغفران الذنوب وحسبک بذلک درجة ورفعة منزلة (قرطبی) انسان کی عادت اگر بات صحیح اور سچی، جچی تلی اور پکی کہنے کی پڑ جائے تو اس کی برکت سے سارے ہی اعمال زندگی درست ہوجائیں گے، اور باقی جو رہ گئے، ان کی مغفرت بآسانی ہوجائے گی۔ ف۱۵۲ دنیا وآخرت دونوں زندگیوں کے کامیاب دستور العمل ہی کا نام شریعت اسلامی ہے۔ اسے چھوڑ کر اور کسی طریق پر کامیابی کی راہ ڈھونڈنا سعی بے حاصل میں پڑنا ہے ف۱۵۳ (ان میں بقدر ضرورت شعور پیدا کرکے) الامانة۔ کے معنی میں اختلاف بہت کچھ منقول ہے۔ لیکن بیشتر اختلافات ایسے ہیں کہ ان کے درمیان تطبیق بآسانی ممکن ہے۔ مثلاً راغب ہی نے اپنی لغت میں دو مختلف معنی لکھے ہیں، ایک توحید کے، دوسرے عقل کے اور ترجیح دوسرے معنی کو دی ہے۔ قیل هی کلمة التوحید، قیل العقل وهو صحیح ...... وبه فضل علی کثیر ممن خلقه۔ لیکن جس سیاق میں لفظ امانۃ آیا ہے اس کے لحاظ سے توحید وعقل میں کوئی تضاد وتناقض نہیں۔ توحید الٰہی تو اصل فریضہ ہے، اور عقل اسی توحید کی معرفت وشناخت کا آلہ ومعیار، عقل وقوت امتیازی ہی کی بناء پر تو احکام الٰہی انسان پر فرض ہوتے ہیں۔ اسی امانت کا بار اٹھالینا ہی رحمت کا موجب ہے، اور اس کا ضائع کرنا ہی تعذیب کا سبب ہے۔ احکام کی تشبیہ امانت سے دینے سے غالباً مقصود ان کی ادائی کا وجوب ہے۔ اور امانۃ سے مراد طاعت ہی کا ہونا اکثر اہل تحقیق سے منقول ہے۔ یا پھر اصول وارکان دین۔ یعنی بالامانة الطاعة (ابن کثیر عن ابن عباس) قال مجاهد الامانة الفرائض وحدود الدین (معالم) و قال ابو العالیه ما امروا به ونهوا عنه (معالم) والامانة تعم جمیع وظائف الدین علی الصحیح من الاقوال (قرطبی) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی تحقیق میں امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد وقابلیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن جاتے ہیں اور ملائکہ عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے صعود کر کے تجلی ذات سے یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہوسکتے۔ اس لئے کہ تجلی نور ممکن نہیں بغیر ترکیب عنصر خاک کے۔ قیام انوار اجسام شفاف پر نہیں ہوسکتا۔ اس کے تحمل وتحمل اجسام کثیف ہی ہوسکتے ہیں۔ یہی نکتہ ہے کہ خلافت دنیوی کے قابل عنصر خاک ہی قرار پایا۔ ف۱۵۴ یعنی اس کے نہ اٹھ سکنے سے اور اپنے انجام سے ڈر سے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے سوا باقی اور قوی سے قوی مخلوق نے اس کی ذمہ داریوں کے ڈر سے قوت، ارادہ واختیار کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اشفقن۔ کی صراحت سے یہ حقیقت صاف ہوگئی کہ یہ اباء وانکار کسی تمرد وشرارت سے نہ تھا، بلکہ تمامتر خشیت پر مبنی تھا۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش سے خطاب ہوا کہ تم یہ امانت اور جو کچھ اس میں ہے اٹھاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟

ارشاد ہوا کہ نیکی پر اجر وثواب اور بدی پر مواخذہ وعذاب۔ اس پر ان سب نے عذر کر دیا۔ پھر اسی طرح زمین سے پھر پہاڑوں سے خطاب وجواب ہوا (ابن کثیر) اور ابن جریج کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ یہ معاملہ تین دن تک پیش رہا، اور سب نے بکمال خشیت عذر کیا کہ اے پروردگار! ہم تو محض تابع اور عنصر دار ہیں، ہم عذاب وثواب نہیں چاہتے۔ (ابن کثیر) وف۱۵۵ (بغیر عواقب کا پورا لحاظ کئے ہوئے)

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ایمان والوں پر توجہ فرمائے گا وف۱۵۷ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وف۱۵۸

آیاتہا ۵۴ ۳۴ سُوْرَۃُ سَبَاٍ مَکِّیَّۃٌ ۵۸ رکوعاتہا ۶

اس کی چون آیتیں سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(ساری) حمد اللہ ہی کے لئے ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾

اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہی بڑا حکمت والا ہے، بڑا خبر رکھنے والا ہے وف۱

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

وہ (سب) جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے

مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور بڑا رحم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے وف۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ کہہ دیجئے ضرور (آئے گی) قسم ہے میرے پروردگار

لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي

عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آئے گی اس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی بڑی،

الْاِنْسَانُ سے مراد جنس انسانی ہے، جیسا کہ بعض دوسری آیتوں میں بھی انسان اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ یا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى۔ اے هذا الجنس (روح) وف۱۵۶ ظَلُوْمًا یعنی اپنی عملی زندگی میں بڑا حق ناشناس جَهُوْلًا۔ یعنی اپنی اعتقادی زندگی میں بڑا کوتاہ اندیش۔ وف۱۵۷ (رحمت ومغفرت کے ساتھ) یعنی انسان کے اس انتخاب کا، اور بار امانت قبول کر لینے کا انجام یہ ہوا کہ ایک طبقہ اہل شرک ونفاق کا قرار پا گیا، اور ایک دوسرا طبقہ اہل ایمان کا، ایک اہل جہنم کا ایک اہل جنت کا۔ لِيُعَذِّبَ میں ل عاقبت کا ہے۔ لِيُعَذِّبَ الخ کا ربط نحوی حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا درمیان میں بطور جملہ معترضہ آ گیا ہے۔ واللام متعلقة بحمل اے حملها ليعذب العاصي ويثيب المطيع فهي لام التعليل لان العذاب نتيجة حمل الامانة (قرطبی) وف۱۵۸ (چنانچہ جو احکام کی خلاف ورزی کر کے پھر باز آ جاتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہ معاملہ مغفرت ورحمت کا کرنے لگتا ہے)

وف۱ وہ حکیم ایسا کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کو منافع ومصالح سے بھر دیا ہے۔ وہ خبیر ایسا کہ موجودات کے گہرے سے گہرے نقوش اس پر عیاں۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جس طرح آج سزاوار حمد وہ ذات اپنے تمام مظاہر تکوینی کے لحاظ سے ہے کل بروز کامل اور انکشاف حقائق کے وقت بھی قابل حمد وہی نظر آئے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابل حمد ہے وہ ذات ابتداءً یعنی ازل میں باعتبار تخلیق وایجاد کے اور آخرت میں باعتبار ربوبیت وعطائے انعامات کے۔ لِلّٰهِ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ لَهُ الْحَمْدُ تینوں میں ل اختصاص کا ہے۔ وف۲ رَحِيْمٌ مبداء کے لحاظ سے ...... سب کو وجود میں لانے والی اس کی شان رحمت ہی ہے۔ غَفُوْرٌ منتہی کے لحاظ سے — سب کو حسن انجام تک پہنچانے والی اس کی شان غفوریت ہی ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ۔ زمین کے اندر داخل ہونے والی چیزیں مثلاً بارش یا تخم نباتات وغیرہا۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ زمین سے باہر نکلنے والی چیزیں مثلاً نباتات، معدنیات وغیرہا۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ۔ آسمان سے اترنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ، احکام الٰہی وغیرہا۔ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ آسمان پر چڑھنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ۔ اعمال انسانی، دعائیں۔ يَعْلَمُ الخ آیت نے تمام اصناف معلومیت کا احاطہ کر لیا۔ یعنی بڑی چھوٹی، یہاں وہاں کی، کوئی شے بھی اس کے علم سے باہر نہیں ...... جاہلی قوموں نے بڑی ٹھوکریں حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے بارہ میں کھائی ہیں۔ شاید اسی لئے اسی کی وضاحت قرآن مجید نے اس کثرت کے ساتھ کی ہے۔

إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٣﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

مگر یہ کہ (یہ سب) کتاب مبین میں (درج) ہے ﴿۳﴾ (قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو صلہ دے جو ایمان

الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

لائے اور نیک عمل کئے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ﴿۴﴾

وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے، ایسے لوگوں کے لئے سختی کا

مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي

دردناک عذاب ہو گا ﴿۵﴾ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو

أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِي إِلَىٰ

جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ راستہ بتاتا ہے

صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ

غلبہ والے قابل حمد (خدا) کا ﴿۶﴾ اور کافر (آپس میں) کہتے ہیں (کہ آؤ)

نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ بتا دیں نا؟ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے

إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ

تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے اس نے (یا تو) خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے

جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ

جنون ہی ہے ﴿۷﴾ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب

وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ﴿٨﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

اور دور دراز کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ﴿۸﴾ تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے

وس یعنی علاوہ حق تعالیٰ کے علم ذاتی کے وہ خدائی رجسٹر میں بھی باضابطہ درج ہے۔ کتٰب مبین یعنی لوح محفوظ۔ وھو اللوح المحفوظ عند الاکثرین (روح) في السموت ولا في الارض۔ یعنی کائنات میں کہیں بھی ہو۔ ولا اصغر من ذلك ولا اكبر۔ یعنی کسی مقدار و حجم کا بھی ہو۔ بلی وربی۔ ایک خدا پرست کے لئے خدا کی قسم سے بڑھ کر تاکید اور توثیق کی اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ ربی کی ضمیر متکلم اور لتاتینکم کی ضمیر جمع مخاطب دونوں سے مراد نوع انسانی ہے نہ کہ کوئی مخصوص قوم و قبیلہ۔ اراد بالضمیر المتکلم جنس البشر قاطبة لا انفسهم او معاصريهم (روح) **وس** یہ بیان وقوع قیامت کی حکمت و غایت کا ہے کہ بغیر یوم حشر کے، بغیر سزا و جزا کے یہ سلسلہ کائنات نا تمام رہ جاتا ہے۔ لیجزی میں ل عاقبت کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور تعلیل کا بھی۔ لیجزی الذین الخ کا ربط نحوی پچھلی آیت کے لتاتینکم سے ہے۔ رزق کریم۔ رزق پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے، کہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کے انعامات پر شامل۔ محض روزی اس کا بہت ناکافی ترجمہ ہے۔ **وھ** یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو آیات الٰہی کے ابطال کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ ای المجاهدين في ابطالها (روح عن ابن زید) من رجز میں من بیانیہ ہے۔ من للبیان (روح) **وٹ** یعنی قرآن بجائے خود بھی ایک سچی کتاب ہے، اور رضائے الٰہی کا راستہ دکھانے والی بھی۔ اوتوا العلم۔ یعنی حقائق اشیاء کا ادراک اور کتب آسمانی کی معرفت رکھنے والے۔ یری۔ یہاں یعلم کا مرادف ہے۔ رؤیت کا تعلق صرف بصارت ظاہری سے نہیں۔ قلب بشری سے بھی ہے۔ اور فہم بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ صراط العزیز الحمید۔ خدائے غالب و محمود کا راستہ۔ یعنی اس کی رضا کا راستہ۔ **وے** یہ سارا قول مشرک منکرین قیامت کا نقل ہو رہا ہے وقوع قیامت کا تو ان کے زعم میں کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اب جب وہ یہ عقیدہ پیمبر کی زبان سے سنتے، تو پہلے تو اسے ایک عجیب و غریب خبر سمجھ کر آپس میں اس کا تذکرہ، چرچا کرتے۔ اور پھر قائل کے قول کی توجیہ لامحالہ انہیں دو شقوں سے کرتے کہ قائل یا تو دانستہ ایک بات گڑھ کر بیان کر رہا ہے، اور یا نادان فاتر العقل ہے۔ ٹھیک اسی طرح آج بھی "مستشرقین اسلام" جب قلم اٹھاتے ہیں تو یہ تو بطور علوم متعارفہ فرض کر لیتے ہیں کہ دعوائے رسالت صحیح تو بہرحال ہو نہیں سکتا۔ اب مدعی رسالت یا تو نعوذ باللہ خادع (Impostor) ہو گا اور یا نادان اور خود فریبی میں مبتلا۔ رجل۔ جدید۔ یہ بات ایک دوسرے سے وہ حیرت و استعجاب اور تحقیر و استہزاء کے لہجہ میں کہتے۔ **وٹ** اور اس شدید گمراہی کا اثر فی الحال یہ ہے کہ انہیں سچے بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں اور فی المآل یہ ہوگا کہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا۔ (تھانوی ؒ)

و۹ کہ وہی ان کے دل کو قدرت الٰہی کی عظمت کے دلائل سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ جو ایسے اجرام عظیمہ کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ کیا اجسام صغیرہ کے خلق ثانی پر قادر نہیں؟ و۱۰ عبد منیب۔ یعنی جس کے دل میں حق کی طلب اور بندہ کی طرف جھکاؤ ہے۔ مطلب یہ کہ دلیل تو قدرت الٰہیہ کی پوری پوری موجود ہے مگر ان لوگوں میں طلب ہی نہیں، اس لئے یہ محروم ہیں۔ ر ن ... اشتباہ۔ لیکن حکمت مقتضی ہے تاخیر کو، اور اس لئے انہیں مہلت دے رکھی گئی ہے۔ و۱۱ (کہ انہیں زمین کی ایک بڑی مملکت کا حکمراں بنا دیا تھا) فضلاً صیغہ نکرہ اظہار عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ وتنکیرہ للتفخیم (روح) منا۔ یعنی یہ فضل ہماری طرف سے بلا کسی واسطہ کے اور براہ راست تھا۔ ای بلا واسطة۔ لتاکید فخامته الذاتية بفخامته الاضافية (روح) آپ کی وسعت مملکت وغیرہ کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ خود حضرت داؤد ان کی نبوت وسلطنت اور ان کے معجزات خاص پر حاشیے ان اوراق میں پہلے ہی گزر چکے۔ و۱۲ پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم تکوینی طور پر

خَلَقَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ

آسمان و زمین کی طرف نظر نہیں کی و۹ ہم اگر چاہیں تو انہیں زمین میں

الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ

دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا

پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندے کے لئے و۱۰ اور بالیقین ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے ایک

فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾

(بڑی) بڑائی دی تھی و۱۱ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہو و۱۲ اور پرندوں کو (بھی یہی حکم دیا) اور داؤد کے واسطے

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور (ان کے) جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو و۱۳ اور (ہم نے) سلیمان کے لئے ہوا کو (مسخر کر دیا) کہ اس کی صبح کی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ

منزل مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی و۱۴ اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا و۱۵

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ

اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے ان کے پروردگار کے حکم سے (خوب) کام کرتے تھے و۱۶ اور ان میں سے جو کوئی

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ

ہمارے حکم سے سرتابی کرے اسے ہم دوزخ کا مزہ بھی چکھا دیں گے و۱۷ سلیمان کے لئے

لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ

وہ وہ چیزیں بنا دیتے جو انہیں (بنوانا) منظور ہوتیں (مثلاً) بڑی عمارتیں اور مجسمے اور لگن جیسے حوض

ملا تھا۔ اَوِّبِيْ فعل۔ ینجی معه کے مرادف ہے۔ ای ینجی معه قال ابن عباس وقتادہ وابن زید (روح) تسبیح جبال وطیور کی یہ "عقلی" تاویل کہ ان کی تسبیح زبان حال سے ہوتی رہتی ہے، عقلاً بھی بہت عجیب ہے، زبان حال سے تو ہر مخلوق کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے حضرت داؤد کے فضائل سے کیا تعلق ہے۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی آواز میں وہ درد وسوز اور وہ کیفیت خشوع رکھی گئی تھی کہ پہاڑ جیسی جامد اور سخت مخلوق اور پرند جیسی انسان سے دور دور گریزاں رہنے والی مخلوق تک بے تاثر نہ رہتی، اور اپنے کو ذکر الٰہی میں آپ کی ہم زبانی پر مضطر پاتی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مطلب لیا ہے کہ تسبیح میں معیت انہیں دو مخلوق تک محدود نہیں، بلکہ جبال وطیور کا ذکر صرف انتہائی نمونوں کے طور پر کیا گیا ہے۔ لم یکن الموافق له فی التاویب منحصرا فی الجبال والطیور (کبیر) و۱۳ (اس لئے رعایت حدود کا پورا اہتمام رکھو) حضرت داؤد کی زرہ سازی پر حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں گزر چکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک طرف نبوت ورسالت اور دوسری طرف حکومت وسلطنت کے باوجود اپنا مستقل ذریعۂ معاش صنعت زرہ سازی کو بنائے ہوئے تھے۔ اور اسی کی تجارت کرتے تھے۔ تو ایسے سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ صناعی ودستکاری منصب نبوت کے بھی منافی نہیں۔ چہ جائیکہ مرتبۂ ولایت کے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے نکلے۔ ایک خرق عادت کا اثبات، دوسرے دستکاری سے کمانے کی فضلیت، تیسرے ہر کام میں اعتدال، انتظام وتناسب کی رعایت یہاں تک کہ امور حسی ودنیوی میں بھی۔ و۱۴ شَهْرٌ مرادف ہے مسیرۃ شہر کے یعنی مہینہ بھر کی راہ، اور راہ بھی وہ یعنی کہ ایک تیز رو اسپ سوار مہینہ بھر میں طے کرے۔ ای مسیرۃ شهر للراکب المسرع (مدارک) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیاحت ہوائی پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ گویا بڑے بڑے تیز رفتار ہوائی جہاز آپ کے تابع تھے۔ مگر وہ بجائے تیل اور مشینری اور انجن وغیرہ کے براہ راست قدرت الٰہی سے چلتے ہوں۔ و۱۵ یعنی تانبے کو اس کے معدن میں رقیق سیال کر دیا تھا کہ اس سے بلا مدد آلات مصنوعات کے بنانے میں سہولت ہو۔ پھر وہ منجمد ہو جاتا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیر زمین جہاں گرم اور رقیق تانبے کے چشمے ہیں۔ وہ آپ پر منکشف کر دیئے گئے تھے۔ و۱۶ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یعنی ان کے پروردگار کے حکم تسخیری وتکوینی سے۔ اس سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ یہ نعمت پروردگار کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ وَمِنَ الْجِنِّ۔ جنات کی تسخیر قوی، ہیکل انسانوں سے کرنے والے کچھ اسی دور مادیت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ایسے "روشن خیال" پہلے بھی فرقہ باطنیہ اور دوسرے گمراہ فرقوں میں گزر چکے ہیں۔ جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح جبال سے مفہوم تسبیح بزبان حال کا لیا تھا۔ اور جنات کی تسخیر قد آور انسانوں سے کی تھی۔ وقس علی ہذا۔ صاحب بحر نے ایسی ساری تحریفات کو باطنیہ اور ان کے ہم مشربوں کی جانب منسوب کیا ہے۔ ولبعض الباطنية اومن يشبهم تحريف فی هذه الجمل۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کو بعض الناس کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور دونوں بزرگوں نے ان اقوال کے لغو ومہمل ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ وهذا تاویل فاسد وخروج بالجملة عما يقوله اهل التفسير فی الاية (بحر) وهذا كلها فاسد (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسخیر جنات اگر کسی عمل وغیرہ کے ذریعہ سے ہو، محض منجانب اللہ ہو تو عبدیت کے منافی نہیں۔ و۱۷ عذاب دوزخ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنات کو علاوہ تکوینی محکومی کے حکم تشریعی بھی پیمبر وقت کے احکام کی تسلیم وانقیاد کا ملا تھا۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ

اور (بڑی بڑی) جمی ہوئی دیگیں و۱۸ اے داؤد کے خاندان والو و۱۹ تم شکریہ میں (نیک) کام کرو اور میرے بندوں میں

عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ

کم ہی شکرگزار ہوتے ہیں و۲۰ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا و۲۱ تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ

عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا

نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب وہ

خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا

گر پڑے تب جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی

فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ

مصیبت میں نہ رہتے و۲۲ سبا (والوں) کے لئے ان کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ

دو (قطاریں تھیں) باغ (کی) داہنے اور بائیں و۲۳ کھاؤ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا

اور اس کا شکر کرو عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار و۲۴ سو انہوں نے سرتابی کی و۲۵

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ

سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا و۲۶ اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے عوض

جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

دو باغ اور دیئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے

قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا

و۲۷ انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو

و۱۸ یہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم تھے۔ آپ کے لئے عمارتیں اور دیگیں اور لگنیں سب بڑی بڑی عظیم الشان تیار کرتے تھے۔ تمثال۔ جس قسم کی صورت کو کہتے ہیں، اسی کو آج کی اصطلاح میں مجسمہ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں یہ چیز حرام نہ تھی۔ یدل علی ان عمل التصاویر کان مباحا وھو محظور فی شریعۃ النبی ﷺ (جصاص) اسی لفظ تمثال سے سند پکڑ کر ایک قول تصویر سازی کے جواز میں نقل ہوا ہے۔ وحکی مکی فی البدایۃ ان قوما اجازوا التصویر (بحر) لیکن صاحب بحر نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو۔ وما احفظ من ائمۃ العلم من تجوزہ۔ اور صاحب روح نے بھی اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ فلا یلتفت الی ھذا القول ولا یصح الاحتجاج بالاٰیۃ۔ نہ یہ قول قابل التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط نکلتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ یہ مجسمے انبیاء و ملائکہ و صالحین کے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن بقول صاحب روح ھذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحتہ وما ھو الاحدیث خرافۃ۔ یہ حکایت بہت ہی عجیب و غریب ہے، ہرگز یقین کرنے کے قابل نہیں۔ یہ محض ایک لغو روایت ہے۔ یَعْمَلُوْنَ ...... مَحَارِیْبَ۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی اور عبادت گاہیں آپ ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں اور لوگ آج بھی ان عمارتوں بڑے بڑے مقبروں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ و۱۹ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متعلقین مراد ہیں یہ انہیں مخاطب کر کے حکم ہوا تھا۔ و۲۰ شکرگزار بندوں سے مراد ہیں اپنی خدا داد صلاحیتوں، قابلیتوں، استعدادوں کے حق ادا کرنے والے یعنی اعمال صالحہ کرنے والے۔ و۲۱ (اور ان کا انتقال ہو گیا) سلیمان علیہ السلام بھی بایں شان و شوکت بہرحال ایک دن وفات پا گئے آیت میں ضمناً یہ تعلیم آ گئی کہ سلیمان جب ہوا پر اڑ کر اور جنات پر حکومت کر کے بھی موت سے نہ بچ سکے سو کسی دوسرے بشر کا کیا ذکر۔ تنبیھا للخلق علی ان الموت لا بد منہ ولو نجا منہ لکان سلیمان اولی بالنجاۃ منہ (کبیر) و۲۲ آثار روایت میں آتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام کو اپنی موت کا قرب محسوس ہوا تو آپ تخت پر عصا کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اسی ہیئت میں انفکاک روح ہو گیا۔ اور ایک طویل مدت تک اسی وضع پر بیٹھے رہے۔ جنات آپ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور قریب آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ بدستور اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ جب عصا میں گھن لگ گیا، عصا گرا اور آپ کا جسم بھی اس وضع پر قائم نہ رہ سکا، اور جنات کو اپنے غیب دانی کی حقیقت خوب روشن ہو کر رہی۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ۔ سے مراد دیمک ہے یا لکڑی کا کوئی اور کیڑا۔ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ سے مراد مشقتیں ہیں جو ان مملوکوں کے حق میں ذلت انگیز بھی تھیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لفظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ جنات مومن قسم کے نہ تھے۔ مومنین پیغمبر کے عہد میں عذاب مہین میں مبتلا ہو نہیں سکتے۔ الْجِنُّ۔ جنات پر حاشیہ ابھی نمبر ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ آیت میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو ضعیف سے بھی استفادۂ علمی ہو جاتا ہے۔ فیہ اشارۃ الی ان الضعیف قد یفید القوی علما (روح) و۲۳ یعنی علاقہ میں دو طرفہ باغات کا سلسلہ متصل چلا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ میل مربع کی تھی۔ اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔ سَبَا۔ یہ ملک سبا وہی ہے جو عرب کے جنوب میں اب علاقہ یمن کہلاتا ہے۔ نہایت سرسبز، شاداب، زرخیز خطہ تھا۔ اٰيَةٌ۔ یعنی اللہ کے کمال قدرت و صناعی کا نشان۔ علامۃ دالۃ علی وجود الصانع المختار وانہ قادر علی ما یشآء من الامور العجیبۃ (بیضاوی) و۲۴ گویا آتی دنیوی نعمتوں کا اجتماع تھا، اور مطالبہ صرف ادائے حقوق کا تھا۔ طَيِّبَةٌ سے اشارہ ہو سکتا ہے کہ شہر کی لطیف آب و ہوا کی جانب ہو۔ یروی انہ کان لطیفۃ الھواء حسنۃ التربۃ (روح) و۲۵ یعنی کفر و شرک اور کثرت معاصی میں پڑ گئے اور ناصحین کی کچھ نہ سنی۔ و۲۶ سد مارب، ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرہ کے لئے بنایا گیا ہے مارب ملک سبا کا دارالسلطنت تھا، موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ۶۰ میل مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند ...... قوم سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ کئی میل کا لانبا چوڑا بند سبا کے انجینئروں کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ یہ عظیم الشان بند ظہور اسلام سے کچھ قبل ٹوٹا ہے تخمیناً ۵۴۲ء میں۔ اس کی تباہ کاریوں کے آثار صدیوں بعد تک قائم رہے۔ چنانچہ ایک سیاح نے ۱۸۴۳ء میں معائنہ کئے۔ طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ اور عرض میں ۵۰ فٹ تھا۔ و۲۷ یعنی وہ پرفضا باغات مٹ مٹا کر اب جنگلی خودرو جھاڑ جھنکاڑ باقی رہ گئے۔ خَمْطٍ۔ خمط کے معنی پیلو کے درخت کے بھی ہیں۔ قیل ھو شجر الاراک (راغب) الخمط شجر الاراک (کشاف) الخمط الاراک (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وقتادۃ والضحاک)

الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا

دیا کرتے ہیں ف۲۸ اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی بستیاں آباد کر رکھی تھیں

فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا

(دور سے) نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا سفر کرو ان میں

لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

رات اور دن بے کھٹکے ف۲۹ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کردے ف۳۰

وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ

اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر

مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَ لَقَدْ

کر دیا ف۳۱ بے شک اس (واقعہ) میں ہر صابر شاکر کے لئے نشانیاں ہیں ف۳۲ اور واقعی

صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ

ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارہ میں صحیح پایا ف۳۳ چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لئے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا

بجز ایمان والوں کے گروہ کے ف۳۴ اور اس کا جو تسلط ان لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لئے ہی ہے

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ

کہ ہم معلوم کرلیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں

وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ؑ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ

اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگراں ہے ف۳۵ آپ کہیے کہ تم انہیں پکارو تو جنہیں تم

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

اللہ کے سوا (شریک خدائی) سمجھ رہے ہو ف۳۶ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے (نہ)

ف۲۸ ورنہ در حقیقت معصوبی خطاؤں پر اور کثرت سے تو ہوتی ہی رہتی ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ الخ اور ذَهَبَ جَزَيْنٰهُمْ الخ دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعت کو دنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اس کے زوال میں دخل ہے۔ ف۲۹ یعنی رات دن جب چاہو، بآرام و اطمینان سفر کر سکتے ہو، نہ رہزن کا کوئی خطرہ، نہ کسی بے سروسامانی کا اندیشہ، راہ میں قدم قدم پر آبادیاں، اور ہر جگہ کھانے پینے کا سامان بفراغت — گویا راستہ بھر حفاظت کے لئے پولیس کی چوکیاں اور کھانے پینے کے لئے ہوٹل۔ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ مراد ملک شام کے مقامات ہیں۔ وهی قری الشام (بیضاوی) والقری التی بورک فیها بلاد الشام باجماع من المفسرین (بحر۔ عن ابن عطیہ) قُرًى ظَاهِرَةً۔ ایسے شہر جو عام شاہراہ سے بآسانی نظر آجائیں۔ یعنی لب سڑک آبادیاں۔ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ۔ یہ اہل سبا ایک بڑی تاجر قوم تھی۔ بحری تجارت ہمیشہ بیشمار دولت کا سبب بن جاتی ہے یہ لوگ بحری راستے سے ہندوستان اور درمیانی ملکوں سے تجارتی سامان لاتے تھے۔ اور پھر یمن سے سمندر کے کنارے کنارے ملک شام کو لے جاتے تھے اور اس مسلسل دوہری تجارت سے مالامال ہوگئے تھے۔ لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل کی ریلوں اور جہازوں کی طرح ان لوگوں کے تجارتی قافلے بھی دن رات مسلسل چلا کرتے تھے۔ اور اٰمِنِيْنَ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ راستے بالکل محفوظ اور بے خطر ہوگئے تھے۔ لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ ساری عمر سفر کرتے رہو جب بھی امن نصیب رہے گا۔ او سیروا فیها لیالیکم وایامکم ای مدة اعمارکم لا تلقون فیها الا الامن (روح) ف۳۰ یعنی نعمتوں کے حقوق تو کیا ادا کرتے، ان کی ظاہری قدر بھی نہ کی۔ اور الٹی تمنا یہ کرنے لگے کہ سفر کی منزلیں دور دور ہوتیں تو کچھ مزہ بھی آتا۔ یہ کیا کہ وطن و مسافرت میں کچھ فرق ہی نہیں۔ یہ (Adventure) کی حرص تمدن جدید کا بھی ایک عام مرض ہے اور فرنگیوں میں قابل فخر عادت سمجھی جاتی ہے۔ فَقَالُوْا۔ ضروری نہیں کہ زبان سے بھی یہی انہوں نے کہا ہو۔ دل کے اندر کی تمنا بھی مراد ہوسکتی ہے۔ ف۳۱ کچھ ہلاک ہوگئے، اور جو بچے رہے، ان کے بھی سامان ختم چھن گئے۔ بحیثیت مجموعی سب کی حالت قابل عبرت رہ گئی۔ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی طرح طرح کی نافرمانیاں کیں۔ ف۳۲ (پند و عبرت کی) صابروں کے لئے تو یوں کہ معاصی سے نہ بچنے، نفس کو نہ روکنے کا نتیجہ اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور شاکروں کے لئے یوں کہ نعمتوں کی قدر نہ کرنے کا انجام اس واقعہ سے روشن ہے اور صابر و شاکر کا اطلاق تو ہر مومن پر ہوسکتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انصار مدینہ یعنی قبائل اوس و خزرج انہیں اہل سبا کی اولاد میں سے تھے۔ ف۳۳ (کہ میں بنی آدم میں سے بہتوں کو بجز بعض بندوں کے گمراہ کر ڈالوں گا، اور اپنے پیچھے لگالوں گا) ومنشاظنه رؤیة انهماکهم فی الشهوات (روح) ای ظنه انه یغویهم (کبیر) ف۳۴ (کہ بس وہ فریق محفوظ رہا) مِنَ یہاں بیانیہ ہے۔ اس ترکیب کے لحاظ سے لفظ فریق گویا مؤمنین کی تشریح و توضیح ہی کر رہا ہے، یہ مراد نہیں کہ مومنین میں سے ایک فریق محفوظ رہا، اور دوسرا شیطان کی راہ پر پڑلیا۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ ای الا فریقا هم المؤمنون لم یتبعوه۔ ف۳۵ (چنانچہ ہر ایک کے ایمان و عدم ایمان کی بھی اس کو خبر ہے) لِنَعْلَمَ۔ یعنی ہم ظاہری طور پر بھی معلوم کرلیں۔ ان واقعات تکوینی سے مقصود ابتلاء و امتحان ہی تھا کہ مومن و کافر متعین ہوجائیں۔ لِنَعْلَمَ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی شیطان کے مسلط کرنے کی غایت تکوینی ہی یہ ہے کہ مخلص و منافق کا امتیاز ہوجائے۔ ف۳۶ (اور انہیں خود علم ہوجائے گا کہ وہ کتنی قدرت تمہاری حاجت روائی کی رکھتے ہیں)

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے

وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

اور نہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار ہے ف۳۷ اور نہ اس کے حضور میں (کوئی) سفارش کام آتی ہے مگر

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ

ہاں اس کے حق میں جس کے لئے وہی اجازت دے دے ف۳۸ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو

قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ

جاتی ہے تو وہ (آپس میں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ کہتے ہیں کہ حق (بات کا حکم فرمایا) ف۳۹ اور

الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

(واقعی) وہ عالی شان ہے سب سے بڑا ہے ف۴۰ آپ پوچھئے تم کو آسمانوں اور زمین میں کون روزی دیتا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ

آپ کہیے کہ اللہ اور ہم یا تم ہی ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح

مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا

گمراہی میں ف۴۱ آپ کہہ دیجیے کہ نہ تم سے ہمارے جرائم کی بابت سوال ہوگا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کا

تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

سوال ہوگا ف۴۲ آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ

فیصلہ کرے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا ہے بڑا علم والا ہے ف۴۳ آپ کہیے کہ مجھے (ذرا) ان کو تو دکھاؤ جنہیں

اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾

تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ وہ اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا ف۴۴

ف۳۷ (ایجاد و تخلیق عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی) مثقال سے مراد وہ اقل ترین مقدار ہے جس سے کم ذہن میں بھی نہ آئے۔ شرک کی جتنی قسمیں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں سب کی تردید آیت میں آگئی — نہ کوئی کسی چیز کا مستقلاً مالک ہے، نہ کوئی حق تعالیٰ کی صفت مالکیت میں شریک ہے، اور نہ کسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اختیارات نیابۃً منسوب کر دیئے ہیں۔ ف۳۸ اور یہ معبودانِ باطل خود تو کسی کی حاجت روائی کیا کرتے ان میں سے کسی میں اتنا بھی تو نہیں کہ اللہ کے سامنے بلا اذن کوئی سفارش ہی پیش کر سکے۔ ہاں اللہ ہی کسی کی سفارش کرانا چاہے تو اس کے لیے انہیں حکم دے دے — مستقل شافع ہونے کا عقیدہ بھی دنیا میں شرک کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ یہاں تردید خصوصیت کے ساتھ ملائکہ پرستی کی ہو رہی ہے۔ ف۳۹ یہ فرشتوں کی عام حالت کا بیان ہے۔ ”جب کوئی حکم حضرت حق سے سنتے ہیں تو اُن کے مجمع میں ہلچل پڑ جاتی ہے، حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی فہم، اپنے حفظ کسی چیز پر اعتماد نہیں باقی رہ جاتا گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ شروع کر دیتے ہیں، اور ایک دوسرے کی تسکین و تقویت قلب کا باعث بنتے ہیں کہ جو کچھ ارشاد ہوا حق ہی ارشاد ہوا ہے“۔ جس مخلوق کی یہ حالت ہو، وہ ابتداءً خطاب کرنے کی جرأت بھلا کس طرح کر سکتی ہے۔ اور جب یہ حال ملائکہ جیسی مقبول ترین ہستیوں کا ہے تو غیر مقبولین کا ذکر ہی کیا ہے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ہیبت بھی کبھی مانع فہم ہو جاتی ہے۔ فيه اشارة الى ان الهيبة تمنع الفهم (روح) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہیبت کبھی اس درجہ مانع فہم بن جاتی ہے کہ انسان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے جیسا کہ بعض اہل حال کو۔ ف۴۰ (اس کی عظمت و ہیبت سے فرشتوں کے اس قدر گھبرا جانے میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں) بعض نے یہ پورا فقرہ فرشتوں ہی کا مقولہ قرار دیا ہے۔ ف۴۱ (اسی مسئلہ توحید و شرک میں) یعنی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ قائلین توحید و منکرین توحید دونوں حق پر ہوں۔ اس طریق خطاب میں تعلیم ہے مجادلہ کے ساتھ لب و لہجہ میں ملاطفت کی۔ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان سے مثلاً پانی برسا کر، زمین سے مثلاً نباتات نکال کر۔ ف۴۲ یہ منکرین کے لیے آخری جواب ہے کہ خیر اور کسی طرح نہیں مانتے ہو، تو مانو ہم مجرم و خطاکار ہیں تو تم سے سوال نہ ہوگا۔ اور تمہاری بابت ہم سے سوال نہ ہوگا آیت میں ہر شخص کی ذاتی مسئولیت و ذمہ داری کی بھی تعلیم آگئی۔ ف۴۳ وہ نہ کسی فیصلہ سے عاجز ہے اور نہ اس کے کسی فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے۔ ف۴۴ یعنی تم کیسی حماقت و ضلالت میں پڑے ہوئے ہو، اللہ تو بس ایک ہی ہے ہر ایک پر غالب اور حکیم مطلق۔ اَرُوْنِيْ۔ یعنی شرک پر کوئی دلیل تو قائم کر کے لاؤ۔ کوئی حجت تو پیش کر کے دکھاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ آنکھ سے دکھلاؤ۔ ارى هنا بمعنى اعلم (بحر) المراد اعلموني بالحجة والدليل (روح)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

کے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے وف۴۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا

ہوگا اگر تم سچے ہو وف۴۶ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ

تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ

اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو وف۴۷ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ

کہتے تھے کہ ہم نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ ان سے پہلی

بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ

کتابوں کو اور آپ کاش وہ وقت دیکھیں جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے رو برو کھڑے

رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ٍالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ

ہوں گے ایک دوسرے پر بات ڈال رہا ہوگا وف۴۸ ادنیٰ درجہ کے

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا

لوگ بڑے لوگوں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا

ایمان لے آئے ہوتے (اس پر) بڑے لوگ ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

کیا کہیں ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا بعد اس کے کہ وہ تم تک پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ

وف۴۵ اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالمگیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے بھی نہیں کیا۔ یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کی ہے۔ قرآن ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیام محمدی ہر ملک، ہر قوم، ہر طبقہ انسانیت اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لیے ہے — اسلام کے دو دعوے ایسے ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دوسرا دین اس کا شریک نہیں۔ دونوں دعوے اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہیں۔ ایک یہ بار بار تصریح و وضاحت کے ساتھ کہنا کہ میری تعلیم ساری دنیا کے لیے ہے۔ (دوسرے مذاہب جیسے اپنی قوم یا ملک کے باہر کسی کو جانتے ہی نہیں) دوسرے پیغمبر اسلام ﷺ کو سلسلہ انبیاء کا خاتم قرار دینا۔ وف۴۶ (اپنے اس دعوے میں کہ قیامت کا آنا برحق ہے) ھٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ آمد قیامت۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یہ کہنے والے مشرکین، منکرین قیامت تھے جو مسلمانوں سے طنز و استہزاء کی راہ سے یہ سوال کر رہے تھے — جاہلی تہذیبوں کا سب سے بڑا فتنہ یہی آخرت فراموشی، آخرت بیزاری کا ہے اور یہ تقریباً سب میں مشترک رہا ہے۔ وف۴۷ جواب جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا ایک وقت علم الٰہی میں معین و مقرر ہے۔ وہ کسی کے طلب، تقاضہ، طنز و طعن سے نہیں آئے گی، اپنے وقت ہی پر آئے گی۔ جب بھی اس کا آنا حکمت الٰہی میں مناسب ہو۔ وف۴۸ (اور اپنے کو ہر شخص الزام سے بچا رہا ہوگا) وَقَالَ ...... یَدَیْہِ۔ یہ کہنے والے وہ مشرکین تھے، جو سرے سے سلسلہ وحی و نبوت ہی کے منکر تھے — مشرکوں کو اعتراض صرف ذات محمدی ﷺ پر نہ تھا۔ بلکہ نفس نبوت ہی کے تخیل سے انہیں انکار تھا۔

ع

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ
تم ہی قصور وار رہے ہو ف۴۹ اور وہ کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ
کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں نے (روکا تھا) جب کہ تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے

بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا
کفر اختیار کریں، اور اس کے لئے شریک قرار دیں ف۵۰ اور وہ لوگ (اپنی) پشیمانی کو مخفی رکھیں گے جب کہ عذاب

الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
دیکھ لیں گے ف۵۱ اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ
جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو پھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر

كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ
(تمہارے زعم میں) تم کو بھیجا گیا ہے، اور انہوں نے کہا ہم تو مال و اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں، اور ہم کو

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
عذاب ہونا نہیں ف۵۲ آپ کہیے کہ میرا پروردگار زیادہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ
اور تنگ کر دیتا ہے (روزی جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (اس کا) علم نہیں رکھتے ف۵۳ تمہارے مال

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ
اور تمہاری اولاد (کوئی بھی) ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے مگر ہاں جو کوئی ایمان لائے

ف۴۹ (کہ وقوعِ حق کے بعد بھی از خود قبول نہ کیا، اور اب ہمارے سر دھرتے ہو۔ ہم نے کیا کچھ زبردستی کی تھی؟) غرض یہ کہ ادنیٰ و اعلیٰ سب اپنے اپنے کو بچا لیں گے اور اپنا الزام دوسرے کے سر ڈالیں گے۔ تنخیٰ ..... جَآءَکُمْ۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کفار نے تو اپنے اتباع پر زبردستی کی بھی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اعتقاد ہے اور اس کا محل قلب ہے۔ وہاں اکراہ ممکن نہیں (تھانوی ؒ)

ف۵۰ (اور ہم تمہاری ان چالوں، تدبیروں کے شکار ہو گئے۔ سو ہماری گمراہی کے بھی اصلی ذمہ دار تمہیں ہو) مَکْرُ۔ یعنی ہر طرح کی ترغیب و ترہیب، اور مَکْرُ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ کی تقدیرِ کلام یوں ہے۔ مکرکم ھنا فی اللیل والنھار۔

ف۵۱ اپنے دل میں اپنے قصور پر حائل ہونے والے بڑے اور چھوٹے سب ہی ہوں گے۔ اپنی اپنی ذمہ داری سب محسوس کر کے رہیں گے۔ البتہ شماتتِ ہمسایہ کے خیال سے دوسروں پر اس کا اظہار حتی الامکان نہ ہونے دیں گے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ ۔ یہ اخفاءِ پشیمانی ایک دوسرے سے ہوگا اپنی مزید تفضیح و رسوائی کے خوف سے۔ ف۵۲ یہی خوشحال طبقہ (Well, todo, clase) ہر ملک اور ہر دور میں خدائی تعلیمات سے انکار میں آگے رہا ہے۔ وہ اپنے برسرِ حق ہونے اور اپنے مسلک کو حق بجانب قرار دینے میں اپنی کثرتِ آبادی اور مرفہ الحالی کو پیش کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ یوں ہی اقبال مند بنا رہے گا۔ چنانچہ یہاں خوشحال منکرین کا طبقہ اپنے آخرت فراموش مسلکِ زندگی (آئیڈیالوجی) کے جواز میں اپنی کثرتِ آبادی اور اپنی قومی دولت کو پیش کر رہا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ منکرین میں سے ہر ہر فرد کثیر الاولاد اور صاحبِ ملک و مال تھا۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ منکرین کا یہ کہنا بطور استہزاء کے ہے، ورنہ وہ رسالت کے قائل ہی کب تھے۔ ف۵۳ قرآن مجید جواب دیتا ہے (اور ایک ہی جگہ نہیں بارہا کہہ چکا ہے) کہ ظاہری خوشحالی ہرگز دلیلِ صدق و حقانیت نہیں جیسا کہ اکثر اہلِ جاہلیت سمجھ رہے ہیں، یہ انتظامات تو تمامتر مشیتِ تکوینی اور مصالحِ انتظامی کے ماتحت ہوتے ہیں، مرضیاتِ الٰہی کے قانون سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اِنَّ ..... یَقْدِرُ۔ یہاں پھر یاد دلا دیا ہے کہ سلسلۂ معاشیات میں بھی مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہی ہے۔

وَ عَمِلَ صَالِحًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا
اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا
عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ
صلہ ہے اور وہ بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے ف۵۴ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾
کوشش کر رہے ہیں (ہی کو) ہرانے کے لئے، تو وہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے)
وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ
تنگی سے دیتا ہے ف۵۵ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا
وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے ف۵۶ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر
يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا
فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے رہے ہیں؟ ف۵۷ وہ عرض کریں گے
سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
پاک ہے تو ہمارا تعلق تو صرف تجھ سے ہے، نہ کہ ان سے اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا
الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
کرتے تھے ان میں سے اکثر اعتقاد بھی انہیں پر رکھتے تھے ف۵۸ سو آج تم میں سے کوئی کسی کو
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
نہ نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ

ف۵۴ آسمانی بادشاہت میں قدر و قیمت تو صرف صحیح ایمانی دستور العمل اور اس کے عملی نفاذ کی ہے۔ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ۔ آیت ماقبل کی طرح یہاں بھی ان الفاظ سے مراد لازمی طور پر شخصی جائیدادیں اور افراد کی اولادیں نہیں۔ قوم ہی کی کثرت آبادی اور قومی ہی ثروت مراد ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا۔ یعنی ایمان و عمل صالح کو دستور حیات بنا لینے کے بعد پھر مال و اولاد باعث بُعد حق نہیں رہ جاتے بلکہ اور موجب برکت بن جاتے ہیں۔ قال سعيد بن جبير المعنى الا من امن و عمل صالحا فلن يضره ماله و ولده في الدنيا (قرطبی) جَزَآءُ الضِّعْفِ۔ ضعف سے مراد مطلق زیادتی ہے محض دوگنا مراد نہیں۔ اے يجاوز الضعف الى عشر فما فوقه (بیضاوی) اے لهم الجزاء المضعف للواحد عشرة الى ما يريد الله من الزيادة (قرطبی) حدیث میں ایک ایک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک درج ہے۔ اٰمِنُوْنَ۔ اہل جنت کا تردداتِ دنیوی سے آزادی و رہائی پا جانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اس لفظ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ وہ نعمتیں دائمی اور ابدی ہوں گی۔ اگر منقطع ہو جانے والی ہوئیں تو پھر ان کی طرف سے امن و اطمینان کہاں نصیب ہوا۔ انقطاع کا خطرہ ہی لگا رہے گا۔ اشارة الى دوام النعم و تابيده (کبیر)

ف۵۵ تونگری، خوشحالی، اور فقر و ناداری کا تعلق دنیا کے تکوینی و انتظامی معاملات سے ہے اسے حق و صداقت کا معیار قرار دینا خود ایک باطل پرستی ہے۔ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ یہ کوششیں آیات الٰہی کے ابطال کی تھیں۔ اے في ابطالها (مدارک) آیات کی تعمیم میں کلام الٰہی، احکام الٰہی، معجزات نبوی ﷺ سب داخل ہیں۔

ف۵۶ (سو اس کے کاموں میں خرچ کرنے سے مفلسی کا ڈر کیوں مانع ہو) اِنَّ ...... لَهٗ۔ معاش کی ساری راہوں کی آخری کلید اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ یعنی مرضیات الٰہی کے ماتحت جو خفیف سا بھی خرچ کرو گے۔ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ۔ یہ عوض آخرت میں تو بہرحال ملے گا۔ اور کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ یہ ایک بار دنیا کو پھر خبردار کیا جا رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ صرف آخرت ہی کا حاکم نہیں، الٰہ المعاش بھی ہے۔ اور معاشیات کے سلسلہ کے بھی سارے اسباب اور تدبیروں کا آخری سرا اسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ ملت اسلامی ہو یا مسلم افراد، کسی کے لیے معاشی فکروں اور تدبیروں میں بھی، اللہ سے بے تعلقی و بے نیازی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

ف۵۷ دیوتا پرستی درحقیقت ملائکہ پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔ مشرک قوموں نے مختلف ملائکہ موکلین کو کائنات کے مختلف شعبوں میں متصرف سمجھ رکھا ہے اور اسی شعبہ کا انہیں دیوتا سمجھتے ہیں ــــ سوال ملائکہ کے حق میں الزامی نہیں، بلکہ مشرکین ہی کی مزید تفضیح و رسوائی کے لیے ہوگا۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ ذکر قیامت کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

ف۵۸ یعنی لزوماً و التزاماً ہی نہیں، قصداً و صراحۃً بھی جنات پرستی میں مبتلا رہتے تھے۔ الْجِنَّ۔ جن سے مراد یہاں شیاطین ہی لی گئی ہے کہ وہی غیر اللہ کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور ان کے اشارہ پر عمل کرنا گویا انہیں کی پرستش کرنا ہے۔ اے الشياطين حيث اطاعوهم في عبادة غير الله (بیضاوی) اے الشياطين كما روى عن مجاهد (روح) اے الشياطين (مدارک) لیکن ہو سکتا ہے، کہ مشرک قومیں آج جن دیوتاؤں کی پوجا کر رہی ہیں یہ اپنے زمانہ کے پرقوت جنات رہے ہوں، اور آیت میں اشارہ بھی اسی جانب ہو۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِذَا

جس دوزخ کے عذاب کو تم جھلایا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو ف۵۹ اور جب

تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ

انہیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے

اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ

کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں ف۶۰ اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن)

اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافر (اس) امر حق کی نسبت کہتے ہیں جب وہ

جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ

ان کے پاس پہنچا کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۶۱ اور ہم نے انہیں نہ

مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ

(آسمانی) کتابیں دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں، اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی

مِنْ نَّذِیْرٍ ؕ ﴿۴۴﴾ وَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا

ڈرانے والا بھیجا ف۶۲ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ (کافر)

بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ

تو اس (سامان) کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دے رکھا تھا، غرض انہوں نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی

نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾ ع قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

سو میرا کیسا عذاب ہوا ف۶۳ آپ یہ کہیے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ

مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ

دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے ان ساتھی کو

ف۵۹ یعنی اس روز مشرکوں کو نظر آجائے گا کہ جیسے عاجز وبے بس وہ خود ہیں ویسے ہی ان کے دیوی دیوتا بھی۔ ف۶۰ تاکہ اس تقریر سے عوام میں برہمی اور اشتعال اور زیادہ پیدا ہو۔ اور غلوئے ذہن کے ساتھ وہ پیام نبوت پر غور کرنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ یہ چلتا ہوا جادو اہل باطل کے ہاتھ میں ہمیشہ رہا ہے۔ اور آج بھی اس زبردست وموثر حربہ سے اہل حق کے مقابلہ میں برابر کام لیا جارہا ہے۔ ف۶۱ (اور اسی سحر کے تقاضہ سے اس قدر موثر ہے) قرآن کے معجز ہونے سے تو منکرین بھی انکار نہیں کرسکتے تھے۔ بس شیطنت یہ تھی کہ اس کی قوت اعجازی کو وہ معمول سحر پر کردیتے تھے — ٹھیک اسی طرح آج بھی فرنگیوں کو رسول اکرم ﷺ کے اعجازی کارناموں سے مجال انکار ہی نہیں۔ البتہ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو تائید غیبی پر اور آپ کی حقانیت پر محمول کریں۔ الٹے انہیں آپ کی (نعوذ باللہ) چالاکیوں کا ثمرہ قرار دینے لگتے ہیں۔ ف۶۲ (اور اس لیے اب جب انہیں پہلی بار نبوت اور کتاب کی دولت ملی تو انہیں نعمت کی قدر اور زیادہ کرنا چاہیے تھی) هُمْ۔ هم ضمیریں بنی اسمٰعیل یا قوم عرب کی جانب ہیں کہ انہیں میں نبوت پہلی بار آئی تھی۔ قوم کے مورث اعلیٰ مراد نہیں کہ ان میں تو ابراہیم۔ اسمٰعیل ہود، صالح علیہم السلام وغیرہ متعدد انبیاء پیدا ہوچکے تھے۔ آیت کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ ہم نے کوئی کتاب ان پر نازل نہیں کی، جس کے اندر شرک کی تعلیم ہو اور نہ کوئی رسول بھیجا جس نے یہ پیام دیا ہو کہ شرک نہ کرنے پر عذاب آئے گا۔ ف۶۳ (اور وہ کیسے تباہ وبرباد ہو کر رہے) تو یہ موجودہ منکرین جو سامان مقاومت میں ان سے ہر طرح کمتر ہیں، یہ بیچارے کس شمار وقطار میں ہیں — قدیم منکرین ومکذبین اور ان کے انجام کا ذکر قرآن جو اپنے معاصرین کے سامنے کرتا رہتا ہے اس سے مقصود یہی رہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام کی طرف سے غافل نہ رہنے پائیں۔ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ۔ یعنی سامان غفلت جو پچھلی، متمدن اور اقبال مند قوموں کو مل چکے ہیں (اُن کی دولت وثروت، ان کی جسمانی قوت وتوانائی، اُن کی درازیٔ عمری وغیرہ) اُن کا دسواں حصہ بھی قرآن کے مخاطب اول منکرین کو نہیں ملا ہے۔

ول۶۴ یعنی آؤ تمہیں اپنے دعوائے رسالت کی جانچ کا ایک آسان طریقہ بتاؤں۔ تم اخلاص نیت کے ساتھ خدا کو حاضر و ناظر جان کر، انفراداً بھی اور مجتمعاً بھی سوچو، کہ میں جو تمہارے درمیان ہر وقت رہتا ہوں اور جس کی امانت کا، دیانت کا، اصابت رائے کا تم خود اور براہ راست تجربہ رکھتے ہو، کیا مجھے جنون ہو گیا ہے، جو ایسے بڑے بڑے دعوے کرنے لگا ہوں کہ دیوی دیوتاؤں کا وجود باطل ہے معبود صرف ایک ہے، یوم حشر کی آمد برحق ہے، یہ قرآن کلام الٰہی ہے وغیرہا۔ اَنْ تَقُوْمُوْا۔ کھڑے ہو جاؤ، یعنی مستعد و آمادہ ہو جاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہو۔ ان تجدوا و تجتھدوا فی الامر (روح۔ عن ابن جریج) لا یراد به المثول علی القدمین ولکن الانتصاب فی الامر والنھوض فیه بالھمة (کشاف) لِلّٰهِ۔ اللہ کے واسطے۔ یعنی نفسانیت ضد و تعصب سے پاک ہو کر، اخلاص کے ساتھ۔ خالصاً لوجه الله معرضاً للمراء والتقلید (روح) ای لوجه الله خالصاً لا لحمیة ولا عصبیة بل لطلب الحق (مدارک) مَثْنٰى وَفُرَادٰى۔ دکیلے یا اکیلے۔

جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ

جنون تو تمہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں عذاب شدید کی آمد سے

شَدِيْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ

پہلے ول۶۴ آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو وہ تمہارا ہی رہا میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷

معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے ول۶۵

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ

آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار حق کو غالب کرتا ہے وہ غیوب کا جاننے والا ہے ول۶۶ آپ کہہ دیجئے

جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ

کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا ول۶۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا

میں گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے

يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ

جو میرا پروردگار مجھے کرتا رہتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا ہے بہت قریب ہے ول۶۸ اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب

فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۵۱ۙ وَّقَالُوْٓا

یہ (کافر) گھبراتے پھریں گے، پھر بھاگ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس ہی پکڑ لئے جائیں گے ول۶۹ اور کہیں گے کہ

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۲ۚ وَّقَدْ

ہم اس پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور جگہ سے (ایمان ان کے) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے ول۷۰ درآنحالیکہ

كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ

پہلے سے یہ لوگ اس (حق) کا انکار کرتے رہے، اور بے تحقیق باتیں دور ہی سے ہانکا کرتے

بعضوں کا دماغ تنہا سوچنے میں خوب چلتا ہے اور بعض سے مجمع کے اندر ہی رہ کر خوب سوچتے بنتا ہے۔ صَاحِبِكُمْ۔ تمہارے ساتھی۔ جن کا تمہارا ہر وقت کا ساتھ رہتا ہے، جن کا تمہارا عمر بھر کا سابقہ رہ چکا ہے بِصَاحِبِكُمْ۔ ب یہاں فی کے معنی میں ہے۔ الباء بمعنی فی (روح) مِّنْ جِنَّةٍ۔ من بیانیہ ہے۔ من بیانیة (روح) ول۶۵ (سو یہ بھی اس پر روشن ہے کہ میرے پیام میں آمیزش دنیوی کہاں تک ہے اور حق و صداقت کہاں تک) آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب میری دعوت اسلام کا محرک نہ حب مال و جاہ ہے، اور نہ اس کے تحت میں کوئی جنون یا خلل دماغی کار فرما ہے، تو اب بجز خالص حق و حقانیت کے اور باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ۔ یہی معیار آج بھی زندہ قائم ہے۔ رسول کریم ﷺ کے حالات و سوانح تو تاریخ کا ایک اہم جزو ہیں۔ اور ان کی روشنی میں آج بھی یہی سوال قائم کر کے جواب بعینہٖ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مَا سَاَلْتُكُمْ۔ محاورہ میں یہ کنایہ ہے تاکید کے ساتھ طلب اجر کی نفی سے۔ معناه نفی مسئلة الاجر رأساً (مدارک) مِّنْ اَجْرٍ۔ اجر کے تحت میں جاہ و مال ہر قسم کا معاوضہ آ گیا۔ ول۶۶ اس پر وہ دور دور کی چیزیں بھی روشن ہیں، جو بندوں سے مخفی رہتی ہیں۔ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ یہ نصب دلائل کی مدد سے تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے، اور کبھی ظاہری قوت و شوکت سے بھی۔ ول۶۷ یعنی اب دین حق کے آ جانے سے دین باطل کا بطلان بالکل واضح و روشن ہو گیا۔ باطل میں جان اس سے مقابلہ کرنے کی نہ رہی۔ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ محاورہ میں مراد ہلاک اور بیجان ہونے سے ہوتی ہے۔ ای زال الباطل و هلک لان الابداء والاعادة من صفات الحی فعدمهما عبارة عن الهلاک (مدارک) ول۶۸ (ہر ایک کو جزا اس کے مناسب حال دینے پر قادر) سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ۔ اس میں مشرکوں کی تردید آ گئی جو اپنے دیوتاؤں کو حاضر و ناظر تسلیم کرتے تھے اور ہمہ بین و ہمہ داں۔ آیت بڑی سبق آموز ہے۔ رسول کو بایں جلالت و شرف حکم یہ ملتا ہے کہ کمزوری اور غلط روی کو اپنی ہی جانب منسوب کرو، اور ہدایت و استقامت حق کو وحی الٰہی کی جانب تو جب رسول معصوم ﷺ کا یہ حال ہے تو غیر معصوموں کے لیے جو حکم ہوگا ظاہر ہے۔ لان النفس کل ما هو وبال علیها و ضار لها فهو بها و بسببها لانها الامارة بالسوء و ما لها مما ینفعها فبهداية ربها و توفیقه و هذا حکم عام لکل مکلف انما امر رسوله ان یسنده الی نفسه لان الرسول اذا دخل تحته مع جلالة محله و سداد طریقته کان غیره اولی به (مدارک) ول۶۹ (قیامت کے دن) فَزِعُوْا۔ یہ گھبراتے ہوئے پھرنا ہول قیامت سے ہوگا۔ فَلَا فَوْتَ۔ یعنی نہ جائے فرار رہی اور نہ اللہ سے بچ سکیں گے۔ ای لا مهرب اولا یفوتون الله ولا یسبقونه (مدارک) مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۔ یعنی میدان حشر سے دوزخ کی طرف۔ من الموقف الی النار (مدارک)۔ ول۷۰ یعنی دار العمل تو یہ دنیا ہے، ایمان یہیں کا معتبر ہے، اور اسے یہ لوگ کہیں پیچھے چھوڑ آئے۔ اب تو عالم آخرت میں ہیں جو دار الجزاء ہے۔ بِهٖ۔ یعنی اس دین حق پر۔ ضمیر کا مرجع قرآن، اللہ، بعث، رسول کو بھی سمجھا گیا ہے، اور مفہوم بہر صورت ایک ہی ہے۔ والاشارة الی الحق الذی اتی به محمد علیه الصلوة والسلام (کبیر) ای بالقران، قال مجاهد بالله عزوجل والحسن بالبعث و قتادة بالرسول ﷺ (قرطبی) مَكَانٍۢ بَعِيْدٍ۔ عالم آخرت قبول توبہ، قبول ایمان کے لحاظ سے مکان بعید ہے۔ یرید ان التوبة کانت تقبل منهم فی الدنیا و قد ذهبت الدنیا و بعدت من الآخرة (مدارک) فانه فی حیز التکلیف و هم منه بمعزل بعید (روح)

بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ

تھے ۵۲ اور ان میں اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک آڑ حائل کر دی جائے گی جیسا کہ ان سے قبل والے

بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾ ع

ان کے ہم مشربوں سے بھی کیا جائے گا ۵۳ یہ (سب) بڑے شک میں تھے تذبذب میں پڑے ہوئے ۵۴

آیاتها ۴۵ — ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ۴۳ — رکوعاتها ۵

اس کی پینتالیس آیتیں ہیں — سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ۱ (اور) فرشتوں کو پیغام رساں

رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ

بنانے والا ۲ جو دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو رکھتے ہیں وہ پیدائش میں

فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾

جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے ۳ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۴

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا

لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ

نہیں اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں، اور وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

غلبہ والا ہے حکمت والا ہے ۵ اے لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر

وا۵ یعنی تحقیق حق سے بہت دور رہے، اور انکل کے تکے چلاتے رہے۔ یَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ قذف بالغیب کے معنی انکل کے تکے چلانے کے ہیں۔ العرب تقول لکل من تکلم بما لایحقه هو یقذف و یرجم بالغیب (قرطبی) بِهٖ۔ ضمیر یہاں بھی دینِ حق کی جانب ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی دنیا میں جو دار العمل تھی۔ عمل کی مہلت تو اسی عالم ناسوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۵۲ (اور ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائے گی) مطلب یہ ہوا کہ منکروں اور کافروں کی ساری اکڑ مرتے ہی ختم ہو جائے گی۔ اب گڑگڑائیں گے کہ توبہ قبول ہو، ایمان قبول ہو، دنیا میں واپس جانے کی اجازت ملے، عذاب سے نجات دی جائے، لیکن کوئی بھی آرزو قبول نہ ہوگی۔ ہر درخواست رد کر دی جائے گی۔ مَا يَشْتَهُوْنَ۔ یعنی ان کی آرزو سے قبول ایمان۔ اس کی اور تفسیریں بھی آئی ہیں لیکن الفاظ قرآنی جامع ہیں، ہر تفسیر و تعبیر پر حاوی۔ و۵۳ (کہ یقین سے یقین دلائل کے باوجود بھی دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے) مُرِيْبٍ۔ میں متشککین کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ شک میں پڑے رہنے والوں کو چین کہاں نصیب؟ یہ سکون و اطمینان سے محروم تو ہمیشہ تردد و تذبذب ہی میں پڑے حیران و سرگرداں رہا کرتے ہیں۔ و۱ آیت میں بتایا ہے کہ یہ آکاش دیوتا یہ دھرتی مائی قادر اور متصرف تو کیا ہوتے غیر مخلوق یا خود آفریدہ بھی نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ تمام تر مخلوق ہیں۔ اور اللہ ہی ساری مخلوقات کی طرح ان کا بھی خالق و فاطر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَاطِرِ وہ ہے جو عدم سے وجود میں، نیستی سے ہستی میں لائے، نہ وہ کہ جو صرف ترتیب و تنظیم از سر نو کر دے۔ فطر الله الخلق و هو ایجاد الشیء و ابداعه (راغب) ای خالقها و مبتدعها علی غیر مثال سبق (معالم) الفطر الابتداع والاختراع (قرطبی) و۲ فرشتے نہ دیوی دیوتا ہیں نہ متصرف فی الامور، وہ اللہ کے صرف کارندے ہیں، جس خدمت پر بھی لگا دیئے جائیں اور ان کی ایک خاص خدمت ہے انبیاء کے پاس پیام رسانی، خواہ یہ پیامات احکام شریعت سے متعلق ہوں یا بشارتیں وغیرہ ہوں۔ و۳ (چنانچہ پروں اور بازوؤں کا بھی حصر اس تعداد پر نہیں) عالم غیب کی کسی بھی کیفیت کا پورا صحیح علم انسان کو اپنے ان قویٰ کے ساتھ ممکن نہیں۔ جتنی بھی صفات و کیفیات اس عالم سے متعلق یہاں بیان کی جاتی ہیں، وہ سب بطور مثال تقریب فہم کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی عام قاعدہ کے ماتحت فرشتوں کے بازوؤں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ انہیں تمام تر دنیا کے پرندوں کے پروں کا عکس سمجھ لینا صحیح نہیں۔ چنانچہ خود ثلٰث (تین تین بازوؤں) کا نقشہ تو دنیوی مشاہدہ کے خلاف ہی ہے۔ و۴ جس مخلوق کی جو خلقت چاہے رکھے۔ اور جو کام اس سے چاہے لے۔ تو کوئی فرشتوں کی تخلیق و غایت تخلیق پر حیرت ہی کیوں کرے۔ و۵ وہی نعمتوں کے بند کرنے پر بھی قادر، وہی کھولنے پر بھی قادر، اور ہر پہلو مصلحت و حکمت ہی کی بنا پر اختیار کرنے والا۔ بَعْدِهٖ۔ یعنی اس کے امساک کے بعد۔ ای بعد امساکه (بیضاوی۔ روح) بعض نے ضمیر اللہ کی جانب مانی ہے۔ اس صورت میں بعد مرادف ہوگا غیر کے۔ ای فلا یقدر علی ارسالهم غیر الله (قرطبی)

عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ

یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾

آسمان اور زمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ ف۷

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے قبل بھی پیمبر جھٹلائے جا چکے ہیں ف۸ اور

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اللہ ہی کی طرف (سب) امور واپس ہوں گے ف۸ اے لوگو! اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو یہ نہ ہو کہ

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾

دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے ف۹ اور یہ نہ ہو کہ تم کو وہ بڑا فریبیا اللہ کی طرف سے دھوکے میں ڈال دے ف۱۰

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا

بے شک (یہ) شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم اسے دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو محض

حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ

اس لئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں ف۱۱ جو لوگ کافر

كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ

کرتے رہے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف۱۲ تو کیا وہ جسے اس کا عمل خوش نما کر

سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

دکھا گیا اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا (اور جو باطل کو باطل ہی سمجھا دونوں کہیں برابر ہو سکتے ہیں) ف۱۳ سو اللہ جسے چاہتا ہے

ف۶ (اور دوسروں کو بھی شریک الوہیت ومعبودیت کیے لیتے ہو) خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ۔ اشارہ ہے نعمت ایجاد کی طرف۔ (کبیر) يَرْزُقُكُمْ۔ اشارہ ہے نعمت ابقاء کی طرف (کبیر) مسئلہ شرک کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کے عالمگیر اور ہمہ آفاقی ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔ ف۷ (تو آپ اسی سے تسلی حاصل کیجئے اور زیادہ غم میں نہ پڑیے) ف۸ (وہ خود ہی سب سے نپٹ لینے کو کافی ہے، آپ کیوں زیادہ فکر وغم میں پڑیں) ف۹ یعنی لذات دنیوی میں منہمک ہو کر تم آخرت سے غافل ہو جاؤ اور حلال و حرام، جائز وناجائز میں امتیاز ہی نہ رکھو۔ اس فریب کا تعلق فسق کی عملی زندگی سے ہے اور یہ فریب نفس انسانی کی راہ سے آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدۂ الٰہی میں جزاء وسزا یقینی ہے۔ ف۱۰ یعنی راہ حق سے منہ موڑ لو، اور سرے سے باطل پرستی کو اپنا شعار بنا لو۔ اس فریب کا تعلق کفر کی اعتقادی زندگی سے ہے، اور یہ فریب براہ راست شیطان کے اثر سے آتا ہے — عقیدہ کی گمراہی عملی فسق سے ظاہر ہے کہ کتنی بڑھی ہوئی ہے۔ الْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا، یعنی شیطان۔ اے المبالغ فی الغرور و ھو علی ماروی عن ابن عباس والحسن و مجاھد "الشیطان" (روح) ف۱۱ شیطان اگر کوئی واقعی ایک خارجی مخلوق اور انسان کی اتنی شدید دشمن نہیں تو آخر قرآن مجید اس کثرت اور شدومد سے اس کا اور اس کی خباثتوں کا ذکر کیوں کرتا ہے؟ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ اس سے برتاؤ بھی وہی رکھو جو دشمن کے ساتھ رکھا جاتا ہے — قدم قدم پر اس کی مخالفت کرو۔ اور اس کی اصلی مخالفت یہی ہے کہ توحید وطاعت کی راہ اختیار کرو۔ حِزْبَهٗ۔ یعنی اپنے پیرووں کو۔ اِنَّمَا ..... السَّعِيْرِ۔ گویا دعوت شیطانی کا کھلا ہوا نتیجہ دوزخی ہونا ہے۔ لِيَكُوْنُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ اے انما یقصد ان یضلکم حتی تدخلوا معه الی عذاب السعیر (ابن کثیر) ف۱۲ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ پہلا گروہ وہی ہے، جس نے دعوت شیطانی کو قبول کر لیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ دوسرا گروہ وہی ہے، جو دعوت شیطانی سے الگ الگ رہا۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ۔ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مغفرت تو مرتب ہوگی ایمان پر اور اجر کبیر مرتب ہوگا اعمال صالح پر (کبیر) ف۱۳ ترجمہ متن میں توسین کے درمیان کا سارا فقرہ قرآن مجید میں محذوف ہے، اور ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھانا پڑے گا — قرآن کے اسلوب بلاغت میں اس حذف وتقدیر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ حذف الجواب لدلالة (کشاف۔ بیضاوی) حذف ھذا الخبر لدلالة الکلام علیه و اقتضاء النظم الجلیل ایاہ (روح) عربی کے اسلوب بیان اور اردو کے انداز تحریر کے درمیان آسمان وزمین کا فرق بعض حیثیتوں سے ہے۔ اور انہیں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عرب انشاء وخطابات میں محذوفات و مقدرات بکثرت آتے رہتے ہیں۔ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ۔ یعنی وہ گمراہی میں پڑ گیا۔ و معنی تزیین العمل والاضلال واحد (کشاف) قتادہ تابعی سے روایت ہے کہ یہ آیت فرقہ خوارج کے حق میں ہے کہ وہی لوگ مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل کبائر، کبائر کو بہر حال جائز تو نہیں سمجھتے۔ قال قتادة منھم الخوارج الذین یستحلون دمآء المسلمین و اموالھم فاما اھل الکبائر فلیسوا منھم لانھم لایستحلون الکبائر (معالم)

ع ۱

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ

گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۱۴ سو ان پر افسوس کر کر کے کہیں آپ کی

حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ

جان نہ جاتی رہے، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہے ف۱۵ اور اللہ وہی ہے جو

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ

ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے ہانک لے جاتے ہیں خشک

مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ

خطۂ زمین کی طرف پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد سرسبز کر دیتے ہیں ف۱۶ اسی طرح

النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ

جی اٹھنا ہوگا ف۱۷ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لئے ہے ف۱۸

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ

اسی تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ

اور جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے رہتے ہیں ف۱۹ انہیں سخت عذاب ہوگا

وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

اور ان کا مکر (سب) نیست و نابود ہو کر رہے گا ف۲۰ اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ

پھر نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اسی نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور عورت کو جو کچھ حمل

اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا

رہتا ہے یا جو وہ جنتی ہے سب اسی کے علم سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ

ف۱۴ (حسب تقاضائے حکمت و مصالح تکوینی) ضلال و ہدایت دونوں کا ترشح اس کی طرف سے بتقاضائے حکمت ہی ہوتا رہتا ہے — ایک کی آنکھوں پر گویا پٹی بندھ جاتی ہے اور اس کی عقل وفہم اندھی ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی آنکھیں کھلی اور روشن رہتی ہیں اور اس کی عقل وفہم درست وقائم رہتی ہے۔ ف۱۵ (اور وہی ان سے نپٹ لینے کے لیے بالکل کافی ہے) فَلَا ... حَسَرٰتٍ۔ اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں کس درجہ درد تھا اور آپ کس کس طرح منکروں کی ہدایت کے لیے بے قرار رہا کرتے تھے۔ ف۱۶ یعنی زمین مردہ میں اسی کے مناسب جان ڈال دیتے ہیں۔ الرِّيٰحَ۔ سَحَابًا۔ فَسُقْنٰهُ۔ بارش اور برساتی ہواؤں پر حاشیہ سورۃ الروم (پ۲۱) میں گزر چکا۔ فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ۔ اور وہاں اس خشک علاقہ میں بارش ہو جاتی ہے۔ ایک بارش کے سلسلہ میں قدرت کی کارفرمائیوں کے جو انتظامات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاص وقت پر زمین سے بخارات کا اٹھنا۔ ایک خاص بلندی پر جا کر ان کا جم جانا، اس کثیف و باردار ہوا کا ایک خاص رفتار سے کسی خاص سمت کی طرف چلنا، کسی متعین علاقہ پر جا کر فضا میں اتنی سردی پیدا ہونا کہ ایک متعین مقدار میں بارش کے قطرے زمین پر آ گریں۔ وغیرہ وغیرہ موسمیات (میٹریولوجی) کی ساری باریکیاں انسان کو خدائے حکیم وقدیر پر ایمان لے آنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ ف۱۷ (قیامت کے دن) واقعات تکوینی کی مثالوں کے پیش کرنے سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ کسی اہم دینی ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ف۱۸ چنانچہ جو اس سے جس درجہ کا تعلق رکھتا ہے اسی مناسبت سے خود بھی اپنے حسب ظرف عزت حاصل کر سکتا ہے۔ فھی کلھا للہ و من یتذلل لہ فھو العزیز و من یتعزز علیہ فھو ذلیل (کبیر) آیت طالبان عزت وجاہ منکرین حق کے رد میں ہے۔ ف۱۹ (مخالفت دین کی) الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ کلام طیب میں اقرار ایمان اور ساری قولی نیکیاں داخل ہیں۔ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔ عمل صالح میں تصدیق قلبی اور ساری ظاہری و باطنی عملی نیکیاں شامل ہیں۔ يَرْفَعُهٗ۔ میں ضمیرہ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کی جانب ہے ھو الکلم الطیب ای الکلم الطیب یرفع العمل الصالح (کبیر) ف۲۰ یعنی اُن کی ہر تدبیر الٹی پڑے گی، اور ناکام رہے گی، چنانچہ یہی ہو کر رہا، مخالفین و معاندین نے منصوبے باندھے تو تھے اسلام و پیمبر اسلام کے مٹا دینے کے، لیکن خود ہی مٹ کر رہے۔

يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کم کی جاتی ہے مگر یہ (سب) لوح محفوظ میں ہے ف۲۱ یہ سب اللہ کو

يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

آسان ہے ف۲۲ اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک شیریں پیاس بجھانے والا ہے

سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اس کا پینا بھی آسان اور ایک شور تلخ ہے اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

کھاتے ہو ف۲۳ اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو ف۲۴ اور تو کشتیوں کو

الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اس میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے، تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

شکرگزار ہو ف۲۵ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل

الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ڮ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت معین تک

مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

چلتا رہے گا یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی حکومت ہے، اور جنہیں تم اس کے علاوہ

مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ

پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ف۲۶ اگر تم ان کو پکارو تو

لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ

وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا نہ کر سکیں اور قیامت کے

ف۲۱ (لکھا ہوا اس کے علم ذاتی وقدیم کے موافق) آیت رد شرک میں ہے جاہلی مشرک قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو صاحب علم تو مانتی تھیں لیکن ایسا علم جو ناقص ومحدود تھا۔ یہاں یہ اس کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا علم کامل ہے، اور ہر ہر جزئیہ پر محیط۔ بلکہ اس نے اپنے علم کے ماتحت مستقبل کے سارے واقعات لوح محفوظ میں درج بھی کر رکھے ہیں۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ اس خلق کا تعلق نوع انسانی سے ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ اس خلق کا تعلق ہر ہر فرد سے ہے۔ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ۔ یعنی نر یا مادہ جیسا بھی حمل اور بچہ ہو۔ ف۲۲ اللہ کا علم ذاتی جس کے آگے مستقبل وماضی سب یکساں، اس کے لیے یہ چیزیں دشواری ہی کیا رکھتی ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ان چیزوں کا احاطہ کرنا، یا ان میں کمی یا زیادتی۔ ای احصاءہ او زیادۃ العمر او نقصانہ (مدارک) ف۲۳ (مچھلیوں کا) وَمِنْ كُلٍّ۔ کھانے والی مچھلیاں، نمکین وتلخ سمندر، اور شیریں وخوش ذائقہ دریاؤں سب میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ الْبَحْرٰنِ۔ دونوں قسم کے پانیوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۲۴ حِلْيَةً۔ یا زیور سے اس سیاق میں مراد موتی اور مونگا وغیرہ ہیں۔ جو انسانی لباس، زیور آرائش وغیرہ کے کام میں آتے ہیں۔ ای اللؤلؤ والمرجان (روح) والمراد اللآلی والیواقیت (بیضاوی) ف۲۵ آیت میں ایک طرف تو دنیا کے نظام الٰہی کی وحدت، تنظیم ومنافع بخشی سے صانع کی توحید اور کمال قدرت اور کمال صنعت اور صفت نعمت بخشی پر استدلال ہے، اور دوسری طرف صاف ترغیب مل رہی ہے، بحری تجارت کی —— وہ تجارت جو آج بیسویں صدی عیسوی میں بھی شاید سب سے بڑا ذریعہ شخصی دولت اور قومی ثروت دونوں کا ہے اور جسے مسلمان گویا صدیوں سے بالکل بھول ہی چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۂ لقمان (پ۲۱) کے حاشیے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان کشتیوں کے ذریعے سے سفر تجارت کر کے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کی اہمیت ومنفعت عظیم کے قائل ہمارے مفسرین قدیم بلکہ تابعین بھی رہ چکے ہیں۔ ای باسفارکم بالتجارۃ من قطر الی قطر و اقلیم الی اقلیم (ابن کثیر) قال مجاہد التجارۃ فی الفلک الی البلدان البعیدۃ فی مدۃ قریبۃ (قرطبی) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی ان کامیاب بحری تجارتوں کے بعد بہک نہ جاؤ۔ عیش وعشرت اور غفلت میں نہ پڑ جاؤ۔ دین واخلاق کی راہ پر قائم رہو۔ ف۲۶ (پھر کیسی حماقت ہے کہ توحید کے ساتھ شرک کو کسی درجہ میں بھی شریک وشامل کر لیا جائے) مِنْ قِطْمِيْرٍ۔ محاورۂ عرب میں اس کے وہی معنی ہیں، جو ہماری زبان میں "ذرہ بھر" "رتی برابر" کے ہوتے ہیں۔ يُوْلِجُ ...... الْقَمَرَ۔ یہ روز روشن اور یہ شب تار، یہ گرم آفتاب اور یہ خنک ماہتاب قدرت کے اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مظاہر، ان میں سے کون اپنی جگہ پر آزاد وخود مختار ہے؟ سب کے سب اللہ ہی کی مشیت تکوینی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مشرک جاہلی قوموں نے سورج اور چاند اور رات اور دن، سب کو معبود سمجھا ہے۔ ابتدائی پاروں میں اس پر بار بار حاشیے گزر چکے۔ قرآن مجید اس مصلحت وضرورت سے بار بار ان چیزوں کے نام لے لے کر انہیں قدرت الٰہی کا مطیع ومسخر بتاتا ہے۔ كُلٌّ ...... مُّسَمًّى۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں کی گرفت سے آزاد نہیں۔ آیت میں نظام شمسی کے حسن تنظیم سے استدلال ہے صانع کی توحید وحکمت پر۔ ذٰلِكُمُ ...... لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت وقدرت تو اسی ایک کی ہے۔ جس کے یہ شواہد اور نمونے تم ہر وقت دیکھتے رہتے ہو۔ وَالَّذِيْنَ ...... قِطْمِيْرٍ۔ پھر کیسی حماقت ہے کہ تم ایسوں کو پکارتے ہو جنہیں قدرت ایک شمہ بھر بھی حاصل نہیں۔ آیت میں دیوی دیوتاؤں کی بےبسی اور بےاختیاری دکھائی ہے۔ يَوْمَ ...... بِشِرْكِكُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ اس کشف حقائق کے دن یہ تمہارے معبود خود ہی تمہاری "عبادت" سے تبری وانکار کرنے لگیں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ مثلاً كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا یا وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ یا مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع

دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں گے، اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا کوئی نہ بتائے گا وکے۲

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ

اے لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تمام تر بے نیاز ہے

الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ ۚ

(تمام) خوبیوں والا ہے وے۲۸ وہ اگر چاہے تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق موجود کر دے و۲۹

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں ف۳۰ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ

اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ

اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا جب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ

مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو و۳۱ آپ تو بس انہیں کو ڈرا سکتے ہیں جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى

بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں و۳۲ اور جو پاک ہوتا ہے

فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا

وہ اپنی ہی جان کے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے و۳۳ اور نہ

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ لا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ لا

اندھا اور دیکھنے والا کہیں برابر ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی ہی

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ

اور نہ (ٹھنڈا) سایہ اور (جلتی ہوئی) دھوپ ہی اور نہ زندے اور مردے

و۲۷ یعنی خدائے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی بات پکی ہوگی، اور وہی تمہیں ان حقائق سے آگاہ کر رہا ہے۔ و۲۸ اس کی ذات میں کسی چیز کی کیا کمی اور کیا کسر ہے۔ وہ خود ہی سارے کمالات کا جامع ہے اور اس نے ایمان، اور احکام شریعت کی جو تلقین کی ہے، یہ تمہارے ہی نفع کے لیے۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ انسان اپنے وجود میں، بقاء میں، فنا میں، جملہ حاجات میں محتاج اسی ذات واجب الوجود کا ہے۔ وجود، بقاء و فناء وغیرہ میں تو یہ محتاجی ظاہر ہی ہے۔ جن چیزوں میں بظاہر اختیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً بولنے چالنے، دیکھنے سننے، چلنے پھرنے، ان میں بھی ایک ایک حرکت مشیت الٰہی، واذن خداوندی ہی کی محتاج ہے۔ هُوَ الْغَنِيُّ۔ یعنی اسے مخلوق کی امداد و اعانت کی حاجت تو کیا، وہ تو اس کی مملوکیت وعبدیت کے تعلق سے بھی بے پروا ہے۔ لیکن اس کا غنا محض غناء ہی نہیں، وہ بندوں کے فقر و درماندگی کا چارہ ساز بھی ہے۔ اَلْحَمِيْدُ۔ یعنی وہ ہر حال میں تمام تر محمود ہی ہے دنیا کی ہر مدح اُسی کی حمد ہے۔ ان تمام صفات کے اثبات میں مشرکوں ہی کی پراگندہ خیالیوں کی تردید ہے۔ و۲۹ (جو کفر و سرکشی نہ کرے) يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہارے کفر و سرکشی کی پاداش میں تمہاری نوع ہی کو سرے سے معدوم کر دے۔ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ۔ اس خلق جدید میں جدت کی کیا کیا صورتیں ہوں۔ اس کا احاطہ ہم راقم تو کیا ہمارا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا۔ و۳۰ (لیکن وہ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے فوری سزا کو ملتوی کیے ہوتے ہے) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تمہارا مٹانا اور دوسروں کا بنا دینا۔ اے ما ذكر من اذهابهم والاتيان بخلق جديد (روح) اے الانشاء والافناء (مدارک) و۳۱ (پس اس بھروسہ پر رہنا کہ ہمارے آباء واجداد مقبولین میں ہوئے ہیں، کیسی شدید حماقت ہے) وَلَا تَزِرُ ..... اُخْرٰى۔ یہ سب کشف حقائق وظہور نتائج کے دن، یعنی قیامت میں ہوگا۔ وِزْرَ سے مراد کفر ومعصیت کا بوجھ ہے۔ اور اس کا تعلق ذاتی عمل سے ہے۔ ورنہ اعانت جرم، یعنی اغواء واضلال تو خود ایک مستقل جرم ہے۔ آیت میں خاص طور پر رد ان مذہبوں کا ہے، جن کا دارومدار ہی کفارہ وشفاعت کے عقیدہ پر ہے۔ و۳۲ (اور وہ مومنین ہیں) مطلب یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم وتبلیغ سے نفع تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو طالب حق ہوتے ہیں۔ و۳۳ (اور وہی سب کے فیصلہ کے لیے کافی ہے) وَمَنْ ..... لِنَفْسِهٖ۔ اس لیے اگر کوئی آپ کی پکار پر دھیان نہیں رکھتا، اور بدستور کفر کی آلودگی اور گندگی میں پڑا رہتا ہے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟

وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ
برابر ہو سکتے ہیں ف۳۴ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ
ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ف۳۵ ہم ہی نے

اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ
آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے

اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ
جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو ف۳۶ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو ان کے قبل والوں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
نے بھی تو جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشان

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے تو میں نے (ان) کافروں کو پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ
سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا ف۳۷ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی

مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ
اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا
اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں

وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ
اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں

ف۳۴ (اسی طرح کافر اور مومن بھی یکساں نہیں ہو سکتے) الْبَصِيْرُ۔ النُّوْرُ۔ الظِّلُّ۔ الْاَحْيَاۗءُ۔ اور اتباع حق ہونے کے لحاظ سے مومن کی مثال آنکھوں والے اور نور اور سایہ اور زندہ کی ہے۔ الْاَعْمٰى۔ الظُّلُمٰتُ۔ الْحَرُوْرُ۔ الْاَمْوَاتُ۔ اور اتباع حق نہ کرنے کے لحاظ سے کافر کی مثال نابینا اور تاریکی اور چلچلاتی دھوپ اور مردہ کی ہے۔ لا۔ لا۔ لا۔ تاکید نفی کے لیے ہے، اور اس کی تکرار تاکید مزید کے لیے ہے۔ لا لتاكيد نفي الاستواء و تكريرها على الشقين لمزيد التاكيد (بیضاوی) و زيادة "لا" لتاكيد معنى النفي (مدارک) ف۳۵ (کسی کے دل میں ہدایت اتار دینا، کسی پر ہدایت ٹھونس دینا آپ کے بس میں نہیں) اِنَّ ۔۔۔ الْقُبُوْرِ۔ یعنی اللہ ہی ان کو ہدایت دے دے تو اور بات ہے، ورنہ بندوں کے بس میں تو یہ ہے نہیں۔ ف۳۶ (خواہ بحیثیت پیغمبر خواہ بطور نائب پیغمبر کے) یعنی ہر قوم کے اوپر تبلیغ حق کسی نہ کسی طریقہ پر ہو ضرور چکی ہے۔ ف۳۷ (اسی طرح ان کافروں پر بھی اُن کے وقت پر عذاب آئے گا) اس قسم کی آیتوں سے (جو قرآن مجید میں بکثرت ہیں) ایک مقصود تو رسول اللہ ﷺ کو تسکین دینا تھا۔ اور دوسرا معاصر کافروں کو یہ بتانا کہ مہلت مل جانے سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ اپنے وقت معین پر عذاب کا آنا قطعی ہے۔

ع ۳ / ۱۵

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ

کہ ان کے رنگ مختلف ہیں ف۳۸ اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو

الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

علم والے ہیں ف۳۹ بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے ف۴۰ بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی

كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ

خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہ پڑے گی ف۴۱ تاکہ ان کو ان کے

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ

(اعمال کے) صلے (اللہ) پورے دے اور اپنے فضل سے ان میں (کچھ) بڑھو بھی دے، بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے،

شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ

بڑا قدردان والا ہے ف۴۲ اور جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ف۴۳

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا ف۴۴

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ

پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط ہیں اور بعض ان میں سے

سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں، یہ بہت ہی بڑا

ف۳۸ توجہ ان تکوینی اختلافات پر دلائی گئی ہے کہ انہیں خیال میں رکھو تو کافر و مومن کے فرق پر بہت زیادہ حیرت نہ ہو۔ اَنْزَلَ ... اَنْزَلْنَا۔ یعنی بارش کا پانی ایک ہی ہے، جو سب پھلوں کو پیدا کر رہا ہے، اس پر بھی ان کی شکلیں، مزے، تاثیریں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جُدَدٌ۔ جدۃ کی جمع ہے جس کے معنی راستہ کے بھی اور خطوط دھاری کے ہیں۔ ف۳۹ (جو اللہ کی عظمت کا علم رکھتے ہیں اور اسی لیے دلائل قدرت میں غور کرتے رہتے ہیں) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ عظمت کا علم اگر اعتقادی ہوتا ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہوتی ہے، اور اگر عظمت کا علم حالی ہوتا ہے تو خشیت بھی حالی ہوتی ہے۔ الْعُلَمٰٓؤُا۔ علماء سے اصطلاحی علماء مراد نہیں، جو فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہیں، یا فلاں امتحان کی سند رکھتے ہیں، بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ اور ان کے احکام کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور ان کا عمل بھی ان کے مرتبہ علم و معرفت کے مناسب رہتا ہے۔ العلماء هم الذين علموه بصفاته و توحيده و ما يجوز عليه وما يجب له وما يستحيل لعظموه و قدروه حق قدره (بحر) المراد العالمون بالله عزوجل و بما يليق به من صفاته الجليلة و افعاله الحميدة وسائر شؤنه الجميلة لا العالمون بالنحو والصرف (روح) علم اور خشیت کے درمیان تعلق قدیم صحیفوں میں بھی مذکور ہے۔ مثلاً "اُس نے انسان کو کہا کہ دیکھو خدا کا خوف خرد ہے، اور بدی سے دور رہنا ہی فہمیدہ"۔ (ایوب۔ ۲۸:۲۸) فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت دلیل ہے فضیلت علم پر، اور اس پر کہ اللہ سے خشیت و تقویٰ اسی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فيه الابانة عن فضيلة العلم و ان به يتوصل الى خشية الله و تقوه (جصاص) ف۴۰ وہ سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے اور پھر بھی مجرموں کے حق میں بڑا مہربان بھی ہے۔ گویا ہر عزت و خشیت کا مستحق اپنے ان دونوں صفات کے لحاظ سے بھی ہے۔ غَفُوْرٌ۔ صفت غفور اس موقع پر لانے سے عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اس میں علماء خائفین کو تسکین بھی ہے کہ خطائے اجتہادی معاف کر دی جائے گی۔ ف۴۱ کبھی نہ ماند پڑنے والی تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ جنت کی ابدی اور غیر منقطع نعمتیں ہیں۔ اَلَّذِيْنَ ... عَلَانِيَةً۔ یہ سب صفات انہیں خشیت رکھنے والے اہل علم کے بیان ہو رہے ہیں۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ کہیں مصلحت دینی علانیہ ہی صرف کرنے کی ہوتی ہے، اور کہیں اس کے برعکس کی۔ یہ لوگ اس موقع و محل کو لحاظ میں رکھتے ہیں۔ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تجارتی اور کاروباری اصطلاحات کے آنے سے ایک طرف تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ اس وقت کے عربوں کے قومی مزاج پر تجارتی مذاق اچھا خاصہ غالب تھا، اور دوسری طرف اس پر کہ قرآن کو اسی مذاق کا امت اسلامی میں پھیلا رہنا مقصود بھی تھا۔ ف۴۲ غَفُوْرٌ۔ بخشنے والا ایسا کہ اعمال کی کوتاہیوں، فروگذاشتوں، لغزشوں کو بخش دے۔ شَكُوْرٌ۔ قدردان ایسا کہ اعمال صالح کی قدر ان کے استحقاق سے بڑھ کر کرے۔ ف۴۳ خَبِيْرٌ۔ ان کے ہر حال کی خبر رکھنے والا۔ بَصِيْرٌ۔ ان کی ہر مصلحت پر نظر رکھنے والا۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ مِن بیانیہ ہے۔ من للتبيين (مدارک) ف۴۴ (اور انہیں کا مجموعی نام ملت اسلامی یا امت محمدی ﷺ ہے) رسول اللہ ﷺ کے توسط یہ کتاب الٰہی کی امانت اب امت محمدی ﷺ کے ہاتھ میں پہنچی ہے، اور وہی دنیا کی ساری ملتوں میں سے حق تعالیٰ کی پسند کی ہوئی جماعت ہے۔ اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد امت مومنین ہے۔ وهم اهل الايمان و عليه الجمهور (مدارک) و هم كما قال ابن عباس و غيره امة محمد ﷺ (روح) و هم هذه الامة (ابن کثیر) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آیت میں جن طبقات کا ذکر ہے، یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا سب مسلمان ہیں۔ سئل ابو يوسفؒ عن هذه الآية فقال كلهم مومنون (مدارک)

الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

فضل ہے ف۴۵ وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے ان میں

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا

انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی

حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا

ہو گی ف۴۶ اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے

الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا

غم دور کیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا قدردان ہے جس نے اپنے فضل سے

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا

ہمیں ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ

يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ

ہمیں تھکن ہی محسوس ہو گی ف۴۷ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہی

مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ

ہلکا کیا جائے گا ایسی ہی سزا ہم ہر کافر کو دیتے ہیں اور وہ اس کے

يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

اندر چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال (اب) ہم اچھے کام کریں گے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ

برخلاف ان کاموں کے کہ جو کیا کرتے تھے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں جس کو سمجھنا ہوتا

ف۴۵ مسلمانوں کی یہاں تین قسمیں ہوئی ہیں۔ پہلی قسم۔ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی ہیں تو مسلمان، لیکن گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے چند اوصاف بھی بیان کیے ہیں مثلاً ظالم وہ ہے جس کے سیئات زائد ہوں، یا جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو، یا جو صاحب کبیرہ ہو، یا جو بعد حساب قابل نار ہو۔ مُقْتَصِدٌ۔ یہ دوسری قسم ہے یعنی نہ تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور نہ طاعت ہی میں کچھ ترقی کرتے ہیں۔ بس بقدر ضرورت پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں امام رازی علیہ الرحمۃ نے کچھ اور بھی خصوصیات ذکر کیے ہیں۔ مثلاً مقتصد وہ ہے جس کے خیر و شر مساوی ہوں یا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، یا جو صاحب صغیرہ ہو۔ یا جو بعد حساب نجات پائے۔ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ۔ یہ تیسری قسم ہوئی کہ گناہوں سے بچتے بھی ہیں اور طاعات میں فرائض کے علاوہ بھی بہت کچھ ہمت کیے رہتے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہے جس کے حسنات زائد ہوں یا جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو، یا جو گناہوں سے محفوظ ہو، یا جو بے حساب و کتاب جنت میں جائے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایسی کامل کتاب کا مسلمانوں کو حامل بنا دینا۔ ایے ایراث الکتاب (مدارک) فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ آیت کا یہ جز اس باب میں نص صریح ہے کہ مومن باوجود سخت گناہگار ہونے کے بہر حال مغفور ہی ہوتا ہے -- اور یہ تصریح مسلک خارجیت کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ قال ابن عطاء و انما قدم الظالم لئلا ییأس من فضله و قیل انما قدمهٗ لیعرفهٗ ان ذنبه لا یبعدهٗ من ربه (مدارک) بعض تفسیری اقوال میں یہاں تک آگیا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہے جو بلا توبہ کیے گناہ کبیرہ پر فوت ہو جائے۔ قال معاذ الظالم لنفسه الذی مات علی کبیرة لم یتب منها (روح) اور اقوال رجال سے قطع نظر خود لفظ قرآنی بھی اس طبقہ کی گنہگاری واضح کرنے کو کیا کم ہے۔ اس پر بھی ان سب کے مغفور ہونے پر نہ صرف جمہور اہلسنت کا اتفاق ہے۔ بلکہ احادیث نبوی میں متعدد طریقوں سے اس کی صراحت موجود ہے۔ ذیل کی حدیثیں بعض قرطبی میں بعض ابن کثیر میں اور بعض روح المعانی میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم صحابیوں کی روایت اور محدثین ابن مردویہ، ابن النجار، حکیم ترمذی، بیہقی، طیالسی، احمد بن حنبل، عقیلی، عبد بن حمید، حاکم، طبرانی، ابن جریر، ابن منذر وغیرہم کے حوالے سے درج ہوئی ہیں:۔ هؤلاء کلهم بمنزلة واحدة و کلهم فی الجنة کلهم من هذه الامة و کلهم فی الجنة. سابقنا سابق و مقتصدنا ناج و ظالمنا مغفور له. یہ سب طبقات ایک ہی حکم میں ہیں اور یہ سب اہل جنت ہیں یہ سب اسی امت میں ہیں اور سب اہل جنت ہیں ہمارے سابق (وہاں بھی) سابق ہوں گے، اور ہمارے مقتصد نجات یاب اور ہمارے ظالم مغفور ہوں گے۔

صاحب روح المعانی کہتے ہیں:۔ "والذی یعضده معظم الروایات والآثار ان الاصناف الثلثة من اهل الجنة فلا ینبغی ان یلتفت الی تفسیر الظالم بالکافر۔" روایات اہم اور آثار سے تقویت اسی کی ہوتی ہے کہ تینوں طبقات اہل جنت ہی کے ہیں اس لیے ظالم کی تفسیر کافر سے کرنا قابل التفات بھی نہیں"۔ اور پھر محدث بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔ قال البیهقی اذا کثرت الروایات فی حدیث ظهر ان للحدیث اصلًا و الاخبار فی هذا الباب کثیرة و فی ما ذکر کفایة" جب کوئی حدیث کثیر طریقوں سے روایت کی گئی ہو تو اس حدیث کی اصلیت تو ضرور ہوتی ہے اور اس باب میں روایات کثرت سے آئی ہیں جتنی نقل کر دی گئی ہیں وہ کافی ہیں"۔ اور ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:۔ والصحیح ان الظالم لنفسه من هذه الامة و هذا اختیار ابن جریر کما هو ظاهر الآیة و کما جاءت به الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ من طرق یشد بعضها بعضًا۔" صحیح یہی ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اسی امت کے لوگ ہیں اور یہی ابن جریر علیہ الرحمۃ نے بھی کہا ہے جیسا کہ خود آیت قرآنی کا ظاہر ہے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں"۔ اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ کافر تو ظالم علی الاطلاق ہوتے ہی ہیں، لیکن ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کا مصداق مومن ہوتا ہے کہ وہی معصیت کے وقت اپنے نفس کو اس کے موضع صحیح سے ہٹا کر رکھتا ہے اور خود حضرت آدم علیہ السلام کی دعاء میں ان کے مقبول اور صاحب اصطفاء ہونے کے باوجود ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کی صراحت موجود ہے (کبیر) اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں جو اثر محدث طیالسی نے نقل کیا ہے، وہ بدرجہ غایت بلیغ ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ فرماتی ہیں:۔ یا بنی هؤلاء فی الجنة اما السابق بالخیرات فمن مضی علی عهد رسول اللہ ﷺ و اما المقتصد فمن اتبع اثره من اصحابه حتی لحق به و اما الظالم لنفسه فمثلی و مثلکم۔" اے بیٹا! اہل جنت تو یہ سب طبقے ہیں۔ ان میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گزر گئے۔ اور مُقْتَصِدٌ وہ اصحاب رسول ہیں جو آپ کے بعد بھی آپ کی پیروی اپنے آخر دم تک کرتے رہے، اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کا مصداق میں اور تم جیسے لوگ ہیں۔ ف۴۶ آیت سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیور اور موتی اور ریشمی لباس اپنی اصل کے لحاظ سے گندے نہیں، ورنہ اہل جنت کے لیے موقع مدح پر ان کا ذکر کیوں آتا۔ البتہ دنیا میں یہاں کی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر مردوں کے لیے حرام ہیں۔ ف۴۷ اکتاہٹ کی تھکن تو طبیعت پر اس وقت غالب ہونے لگتی ہے جب ایک ہی شے سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن جنت کی نعمتیں تو ہر دم" تازہ بہ تازہ نو بہ نو" بنتی رہیں گی۔ اس لیے وہاں

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

سمجھ لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا ۴۸ سو مزہ چکھو کہ ظالموں کا (یہاں)

مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

کوئی مددگار نہیں ۴۹ بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بے شک وہی جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا ۵۰ وہی ایسا ہے جس نے تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ

زمین میں آباد کیا سو جو کوئی کفر کرے گا اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ

ان کے پروردگار کے ہاں ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ

ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے ۵۱ آپ کہہ دیجیے تم نے اپنے خدائی شریکوں کے حال پر بھی نظر کی ہے،

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

کون سا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے؟ یا ہم نے انہیں

كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اسی دلیل پر قائم ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہ ظالم ایک دوسرے سے

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ

نرے دھوکہ (کی باتوں) کا وعدہ کرتے آئے ہیں ۵۲ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے

تھکن اور اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی آگئی، کہ بخلاف دنیا کی عیش و عشرت کے جس کی کثرت لازمی طور پر تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ جنت کی لذتیں برابر راحت و سرور ہی بڑھانے والی ہوں گی۔۔ آج ذرا دیر تک مسلسل قہقہہ لگا کر دیکھئے یا مسلسل کئی کئی گھنٹے تھیٹر، سینما، ناچ دیکھنے کا ذرا تجربہ کرلیجئے۔ طبیعت میں لازمی طور پر افسردگی اور تھکاوٹ طاری ہوجائے گی۔ مسلسل و غیر منقطع تازگی و شگفتگی قائم رکھنا جنت ہی کی نعمتوں کا خاصہ ہوگا۔ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ۔ جنت میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تکلیف کا کہاں گزر۔ اَلْحَزَنَ۔ حزن سے مراد دنیوی رنج و الم بھی ہوسکتا ہے اور حساب و کتاب کا غم و اندیشہ بھی۔ دَارَ الْمُقَامَةِ۔ لفظی معنی ترجمہ میں آگئے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دَارَ الْمُقَامَةِ جنت کی دوسری منزل کا نام ہے۔ ف۴۸ یہ سب اہل دوزخ سے اُن کے جواب میں کہا جائے گا۔ اَوَلَمْ ...... تَذَكَّرَ۔ آخرت میں اہل جہنم پر جو حجت قائم ہوگی، اس کا پہلا جزو یہی ہے۔ یعنی کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ تم آیات حق پر غور کرسکتے اور اپنا نفع و نقصان سوچ لیتے؟ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ یہ جواب کا دوسرا جزو ہوا۔ یعنی کیا تمہیں انبیاء کی دعوت ہدایت، براہِ راست یا بالواسطہ نہیں پہنچ چکی تھی؟ ــــ نَذِيْرُ عام ہے انبیاء اور اُن کے سب نائبین کے لیے۔ ف۴۹ (جو اُن کی فریادرسی کرسکے) حق تعالیٰ خود تو مددگار و فریادرس اس لیے نہ ہوگا کہ وہ ناراض ہی ہوگا، اور کوئی دوسرا اس لیے نہیں کہ اسے اس کی قدرت ہی نہ ہوگی۔ ف۵۰ یہ بیان ہوا حق تعالیٰ کے کمال علمی کا۔ صفت قدرت کے بعد صفت علم بھی تمام صفات باری تعالیٰ میں سے ایسی صفت ہے، جس کے باب میں مشرک، جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید کو اسی لیے ضرورت پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کاملیت کو اور اسرار و خفیہ یا جزئیات و دقائق پر اس کے محیط ہونے کو بار بار بیان کیا جائے۔ ف۵۱ یہاں کفر اور اہل کفر سے متعلق تین حقیقتیں بیان ہوئی ہیں۔ فَمَنْ ...... كُفْرُهٗ۔ کفر کا وبال اسی کافر ہی پر پڑتا ہے، نہ کہ کسی دوسرے پر ۔۔ پہلی حقیقت یہ ہوئی۔ اے وبال كفره لا يتعدى الى غيره (ابوسعود) وَلَا ...... مَقْتًا۔ اہل کفر ڈھیل پاکر اپنے کفر پر نازاں نہ ہوں۔ حق تعالیٰ کے ہاں ان کے ہر کفر سے ان کی مغضوبیت اور معتوبی اور بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کا تحقق اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ وَلَا ...... خَسَارًا۔ کفر سے اہل کفر کا خسارہ آخرت میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور وہ خسارہ کیا ہے؟ جنت سے محرومی، اور دوزخ میں دخول۔ ف۵۲ (جو کبھی بھی پورے ہونے کے نہیں) آیت میں اثبات توحید و ابطال شرک پر پوری حجت قائم کی گئی ہے۔ اَرَءَيْتُمْ۔ اِرَاءَة کے معنی یہاں دکھانے کے نہیں، بتانے یا خبر دینے کے ہیں۔ معنى ارءيتم اخبرونى (کشاف) المراد منه اخبرونى (کبیر) اَرُوْنِيْ ...... السَّمٰوٰتِ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، عقلی و تجربی قسم کی قائم ہے؟ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔ سے مراد خلقت آسمان میں شرکت ہے اے شركة مع الله فى خلق السمٰوٰت (ابوسعود) اَمْ ...... مِنْهُ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل نقلی و کتب آسمانی سے ماخوذ قائم ہے؟

وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَاۚ وَ لَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ

ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں وف۵۳ اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ کے سوا کوئی بھی

اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَ اَقْسَمُوْا

انہیں تھام نہیں سکتا وف۵۴ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے وف۵۵ اور ان (کفار) نے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ

اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ہم

اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ

ہر امت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس (وہ) ڈرانے والا آ ہی گیا

مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ ۙ اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَكْرَ

تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی، دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور (ان کی) بری چالوں کو

السَّیِّئِ ؕ وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ

(بھی ترقی ہوئی) اور بری چالوں کا وبال انہیں چال والوں پر پڑتا ہے وف۵۶ سو کیا یہ

یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اسی اگلے والوں کے دستور کے منتظر ہیں وف۵۷ آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا

تَبْدِیْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا

نہ پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو منتقل ہوتا ہوا دیکھیں گے وف۵۸ کیا یہ لوگ زمین پر

فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ

چلے پھرے نہیں جو دیکھتے بھالتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ

قبل ہوئے ہیں درآنحالیکہ وہ قوت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے وف۵۹ اور اللہ

وف۵۳ (اپنے انتظام معین و ہیئت مقررہ سے) آیت میں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا کا خالق و فاطر ہی نہیں، بلکہ اس کا منتظم، مدبر، حاکم بھی ہے، وہی اپنے دست قدرت سے اس کے سارے انتظامات بھی سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ پیدا کرنے والے برہما جی ہوں، پالنے والے اور حفاظت کرنے والے، وشنو جی، اور مارنے والے شیو جی! — غرض مختصری عبارت سے متعدد جاہلی تخیلات پر ضرب لگ گئی۔ لفظ امساک سے یہ مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ (نعوذ باللہ) کسی بڑے عظیم الشان دیو پیکر دیوتا کی طرح زمین و آسمان کی باگیں اپنے ہاتھ میں پکڑے اور سمیٹے ہوئے بیٹھے ہیں! امساک سے مراد صرف ان اجرام کی ہیئت منتظمہ پر انہیں قائم رکھنا ہے، اور وہ چاہے جن قوانین طبعی کے واسطہ سے ہو قانون کشش اجسام وغیرہ یہ سب اللہ ہی کے امساک کے ذریعے اور واسطے ہیں۔ اَنْ تَزُوْلَا۔ زوال سے مراد صرف ہیئت موجودہ منتظمہ سے ان کا انتقال ہے نہ کہ مطلق حرکت۔ اس لیے آیت سے آسمان و زمین کے سکون و عدم حرکت پر استدلال کرنا تمام تر لغو ہے۔ وف۵۴ تو جب دوسروں سے اس نظم عالم کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی، تو جواہر و اعراض کے ایجاد و احداث کا کیا ذکر۔ لَئِنْ زَالَتَا۔ یعنی اگر وہ ٹلنے کے قریب ہو جائیں۔ ٹلنے پر آ جائیں۔ ای ان اشرفتا علی الزوال (روح) مِنْ اَحَدٍ۔ مِنْ زائد ہے تاکید نفی کے لیے یعنی کوئی بھی۔ من مزیدة لتاکید النفی (مدارک) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ بعد یہاں بجز یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ بعده ای سواه (جلالین) وف۵۵ حَلِیْمًا۔ اور اسی صفت حلم کے تقاضہ سے شرک جیسی کھلی ہوئی اور انتہائی گستاخی پر بھی انہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔ غَفُوْرًا۔ اور اسی صفت غفر کے تقاضہ سے ان سے اب بھی درگزر کرنے کو تیار ہے اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں۔ وف۵۶ یہ کہنے والے مشرکین قریش تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت نبوی زور دے دے کر کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی آئے اور ان لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ہماری قوم میں اگر کوئی نبی آئے تو ہم البتہ اس کی پوری قدر کر کے دکھا دیں — پھر جب آپ آئے تو جیسی قدر کی ظاہر ہے۔ ف زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا اسْتِكْبَارًا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں وہی مذکور ہے جو صوفیہ کہا کرتے ہیں کہ جس کی استعداد فاسد ہے اس کا مرض اوراد و اشغال سے اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے۔ وف۵۷ (اور وہ دستور یہ ہے کہ وقت مقرر پر سزا و ہلاکت آئے) سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ۔ وہ ماجرا جو ساری اگلی سرکش و نافرمان قوموں کو پیش آ چکا ہے۔ یعنی عذاب الٰہی سے ہلاکت و بربادی۔ وف۵۸ تبدیلی یہ کہ مثلاً ایسے مجرموں کو بجائے سزا و عقوبت کے انعام و اکرام ملنے لگے۔ اور منتقلی یہ کہ مثلاً عذاب بجائے مجرموں کے کسی اور پر ہونے لگے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ نہ تبدیلی نفس عذاب میں ہو سکتی ہے اور نہ منتقلی اس کے اوقات میں۔ سنة لا یبدلها فی ذاتها ولا یحولها عن اوقاتها (مدارک) وف۵۹ تاریخ عالم کا سبق یہی ہے کہ جو قوم بھی خدا فراموشی میں مبتلا ہوئی، وہ آخر کو ہلاک و برباد ہو کر رہی۔ اَلَّذِیْنَ …… قُوَّةً۔ قوم عاد و قوم ثمود، اہل بابل و کلدانیہ، قبطیان مصر وغیرہا۔

لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ

ایسا نہیں کہ کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں اسے ہرا سکے

اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

بے شک وہ بڑا علم والا ہے و۲۰ بڑا قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان لوگوں پر دارو گیر کرنے لگتا،

بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ

ان کے اعمال کے سبب، تو پشت زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑتا لیکن اللہ تو

يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ

انہیں مہلت دے رہا ہے ایک میعاد معین تک، سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ ع

اللہ اپنے بندوں کو آپ ہی خوب دیکھ لے گا و۲۱

ایاتہا ٨٣ ۔ ٣٦ سورۃ یٰسٓ مکیۃ ٤١ ۔ رکوعاتہا ٥

اس کی تراسی آیتیں ہیں ۔ سورۂ یٰس مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰسٓ ۚ ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿٣﴾

یا۔سین قسم ہے قرآن پر حکمت کی کہ آپ پیمبروں میں سے ہیں

عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿٥﴾

(اور) سیدھے راستہ پر ہیں و۱ (یہ قرآن) نازل کیا گیا (خدائے) غالب و رحیم کی طرف سے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے تھے، سو وہ (اس سے) بے خبر ہیں، و۲ ان میں سے

و۲۰ چنانچہ اپنے علم کامل سے وہ ہر ارادہ کے نفاذ کا طریقہ و تدبیر جانتا ہے، اور اپنی قدرت کامل سے اسے نافذ کر دیتا ہے۔ اس لیے کائنات کی کوئی سی قوت اس سے مقابلہ کی مجال نہیں رکھتی۔ وَمَا كَانَ ۔۔۔۔ الْاَرْضِ۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کا خدائے ذوالجلال مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح محدود القویٰ نہیں کہ آج فلاں سے مغلوب ہو گئے اور کل فلاں سے۔ و۲۱ (اور ہر ایک سے اس کے مناسب حال برتاؤ کرے گا) وَلَوْ ۔۔۔۔ دَاۗبَّةٍ۔ یعنی یہ تو مشیت تکوینی سرے سے ہے ہی نہیں کہ معاصی و ذنوب پر گرفت فی الفور اور اسی دنیا میں ہو جایا کرے، یہ اگر ہوتا تو کوئی کافر زندہ ہی نہ رہنے پاتا، اور اہل ایمان اس لیے اٹھا لیے جاتے کہ نظام عالم مجموعہ کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور جب انسان نہ رہتے تو کوئی حیوان بھی نہ باقی رہنے دیا جاتا۔ کہ حیوانات کی حیثیت تو محض انسانوں کے خادم کی ہے۔ مِنْ دَاۗبَّةٍ۔ اس سیاق میں دَاۗبَّةٍ سے کیا مراد ہے، اس پر اچھی خاصی بحث ہوئی ہے۔ ہر متحرک جانور، جن وانس، اور نوع انسانی یہ سب مراد لیے گئے ہیں۔ اور مآل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ قال ابن مسعود یرید جمیع الحیوان مما دبّ و درج و قال الکلبی یرید الجن و الانس دون غیرھما لانھما مکلفان بالعقل و قال ابن جریر والاخفش والحسن، بالفضل ای و بالدآبۃ ھنا الناس وحدھم دون غیرھم (قرطبی) ای لاھلک جمیع اھل السمٰوٰت والارض و ما یملکونہ من دوآب و ارزاق (ابن کثیر)۔

و۱ (یہاں تک کہ جو آپ کی پیروی کرے وہ بھی سیدھے راستہ پر پڑ جائے، اور عنداللہ تک پہنچ جائے) یٰسٓ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ مخفف ہے، یا انسان کا۔ یٰسٓ بمعنی یا انسان (ابن کثیر۔ عن ابن عباس و عکرمۃ والضحاک والحسن وسفیان) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی اس قرآن کی حکیمانہ و پُر مغز تعلیمات خود اس کی گواہ ہیں کہ آپ مرتبہ رسالت پر فائز ہیں۔ کوئی غیر خدائی ماخذ ایسی تعلیمات کا ہو ہی نہیں سکتا۔ و۲ یعنی انہیں اس کا احساس نہیں کہ باز پرس اخروی ہے کیا چیز اور رسالت اور توحید کے معنی کیا ہیں۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا۔ قوم سے مراد قریش یا قوم عرب ہے، جو پیام اسلام کی اولین مخاطب تھی۔ جس دور سے دنیا اس وقت گزر رہی تھی۔ اور جس منزل میں اس وقت تھی، لوگوں کی سمجھ میں یہی آنا ذرا مشکل تھا کہ کوئی نبی اپنی قوم یا قبیلہ کی اصلاح کے لیے بھی آ سکتا ہے تو عالمگیر نبوت اور کائناتی پیامبری کا تخیل تو وقت کے عام ذہنوں کی گرفت سے بالکل ہی باہر تھا۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی عالمگیری کو اس تصریح اور اس تکرار کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے جس طرح آپ کی پیامبری خود آپ ہی کی قوم، قریش یا عرب کی طرف بیان کی ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کی یہ عالمگیر حیثیت بھی بیان متعدد مقامات پر ہوئی ہے مثلاً لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وغیرہا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت و تکرار کے ساتھ زور آپ کی قومی نبوت پر دیا ہے۔ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ۔ خاص بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ باقی دوسرے انبیاء کی تعلیمات اگر بالواسطہ اہل عرب تک پہنچ چکی ہوں تو وہ اس کے منافی نہیں۔ اس مفہوم کے حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا

اکثر لوگوں پر یہ (تقدیری) بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ف۳ ہم نے

جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں، جن سے ان کے سر

مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا

اوپر کو اٹھے رہ گئے، اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے

وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹

اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی ہے، جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے ف۴

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

اور ان کے حق میں (دونوں) برابر ہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لانے کے ف۵

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ

آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدائے رحمٰن سے بے دیکھے خوف رکھے،

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى

آپ اس کو خوشخبری سنا دیجیے مغفرت اور عمدہ معاوضہ کی ف۶ بے شک ہم ہی تو مُردوں کو جلائیں گے،

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

اور ہم لکھتے جاتے ہیں اسے جو یہ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور پیچھے چھوڑے جاتے ہیں ف۷ اور ہم نے ہر شی کو

فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۲ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ

ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے ف۸ اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ بیان کیجیے ایک بستی

الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳ ۚ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ

والوں کا جب کہ ان کے پاس رسول آئے ف۹ جب ہم نے ان کے پاس دو کو

ف۳ وہ بات تقدیری یہی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ تقدیری بات اللہ کے علم ازلی کے مرادف ہے۔ اور یہ علم ازلی ہرگز کسی شائبہ جبر و اکراہ کے ہی مرادف نہیں۔ اور نہ علم کسی طرح رضا کے مستلزم ہے۔ طبیب کی پیشگوئی اور پیش خبری کسی بدپرہیز مریض کے انجام سے متعلق ہرگز طبیب کی مرضی اور خواہش کی ترجمان نہیں۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہدایت یابی کے جو قانون قاعدے شروع سے مقرر ہیں (مثلاً یہی کہ خلوئے ذہن کے ساتھ دعوتِ رسالت پر غور کیا جائے) یہ لوگ چونکہ انہیں پر عمل کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس لیے قدرۃً ثمرۂ ہدایت سے محروم رہیں گے۔ ف۴ یعنی نہ آگے دیکھ سکتے ہیں نہ پیچھے۔ یہ ساری تمثیل ان لوگوں کے بُعد عن الایمان کی ہے۔ یعنی چونکہ انہوں نے خود قوت ارادی سے صحیح کام نہیں لیا، توفیق ہدایت بھی ان سے مطلق سلب ہوگئی۔ فی ان لا تامل لھم ولا تبصروانھم متعامون عن النظر فی ایات اللہ (مدارک) غفلت ان لوگوں کی ارادی اور مجرمانہ تھی، لیکن یہاں بحیثیت مسبب الاسباب کے ان حالات کو حق تعالیٰ نے منسوب اپنی ہی جانب کیا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا۔ وَجَعَلْنَا۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ۔ صیغۂ متکلم ان سب مقامات پر حق تعالیٰ کی جانب محض نظام تکوینی کے علت العلل کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔ ف۵ (سو آپ زیادہ غم و فکر میں نہ پڑیے، لیکن ساتھ ہی اپنی تبلیغ جاری رکھیے) ف۶ مغفرت گناہوں سے، اور عمدہ معاوضہ طاعت پر۔ یا یوں کہا جائے کہ مغفرت مرتب ہوگی ایمان پر، اور اَجْرٍ كَرِيْمٍ ملے گا اعمال صالح پر۔ اِنَّمَا ...... بِالْغَيْبِ۔ یافت حاصل ہوتی ہے طلب سے لیکن خود طلب پیدا ہوتی ہے خوف و خشیت سے۔ اگر سرے سے خشیت ہی مفقود ہوئی تو تلاش و طلب ہی کیوں پیدا ہونے لگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تربیت پر جو نفع مرتب ہوتا ہے وہ طالب ہی کی استعداد کا ظہور ہوتا ہے، نہ کہ مربی ظاہری کی عطا پر۔ ف۷ یعنی ان کا ہر وہ عمل جس پر جزا و سزا مرتب ہو سکتی ہے۔ برابر لکھا جاتا رہتا ہے۔ مَا قَدَّمُوْا۔ سے مراد ہیں وہ کام جو انہیں کی ذات پر ختم ہو گئے۔ یعنی اعمال ذاتی۔ وَاٰثَارَهُمْ۔ سے مراد ہیں ان کے وہ اعمال جو سبب بنے دوسروں کی ہدایت و ضلالت کے یعنی اعمال متعدی۔ نَكْتُبُ۔ فرشتوں کے عمل کتابت اعمال کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى۔ یعنی ہم ہی مُردوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے، اور اس وقت جزا و سزا دونوں کا پورا ظہور ہوگا۔ ف۸ مراد ہے لوح محفوظ، جس میں چھوٹا بڑا ہر واقعہ درج ہے۔ امے اللوح المحفوظ (بحر۔ عن مجاہد و قتادہ و ابن زید) یعنی اللوح المحفوظ لانہ اصل الکتب و مقتداھا (مدارک) اِمَامٍ کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے خواہ انسان ہو یا کتاب ہو یا کچھ اور جس کا اقتداء کیا جائے۔ الامام المؤتم بہ انسانا کان او کتابا او غیر ذلک (راغب) فرقہ شیعہ کے غالیوں نے لفظ اِمَامٍ کے اپنے اصطلاحی اور اختراعی معنی لے کر اِمَامٍ مُّبِيْنٍ سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے لی ہے۔ ولا یخفی ما فی ذلک من عظیم الجھل بالکتاب الجلیل (روح)

ف۹ اَلْقَرْيَةِ۔ سے مراد شام کا شہر انطاکیہ (Antiaca) لیا گیا ہے۔ اَلْمُرْسَلُوْنَ۔ اس سے اصطلاحی رسول (یعنی اللہ کے فرستادے) نہیں، بلکہ رسولِ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تابعین مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن کوئی حدیث صحیح اس باب میں موجود نہیں اور سیاق قرآنی سے بھی اس تفسیر منقول کی تائید نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر پر اصل نکلتی ہے مشائخ کے اس طریق کی کہ اپنے خلفاء کو ارشاد خلق کے لیے مختلف شہروں، ملکوں میں بھیجتے رہتے ہیں۔

اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم

بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انہوں نے) کہا ہم تمہارے پاس

مُّرْسَلُونَ ⑭ قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَا

بھیجے گئے ہیں وہ لوگ بولے تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور

أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ ۙ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ⑮

خدائے رحمٰن نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے تم نرا جھوٹ ہی بول رہے ہو ف۱۰

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ⑯ وَمَا عَلَيْنَا

(رسولوں نے) کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہی گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو

إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑰ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۖ لَئِن لَّمْ

صرف کھلی ہوئی تبلیغ ہے وہ لوگ بولے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں ف۱۱ اگر تم

تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑱

باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت آزار پہنچے گا ف۱۲

قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ ۚ أَئِن ذُكِّرْتُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ

وہ (رسول) بولے کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی چپکی ہوئی ہے، کیا (نحوست) یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی

مُّسْرِفُونَ ⑲ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ

گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم ہی حد سے نکل جانے والے لوگ، ف۱۳ اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور مقام سے

يَسْعَىٰ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ⑳ اتَّبِعُوا مَن

دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم والو (ان) رسولوں کی راہ پر چلو، ان کی راہ پر چلو

لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ ㉑

جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور خود راہ راست پر ہیں ف۱۴

ف۱۰ منکروں نے جواب میں کہا کہ تمہاری شخصی صداقت کا زیر بحث ہونا الگ رہا۔ ہم نفس مسئلہ رسالت ونبوت ہی کے قائل نہیں۔ نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ دیوتاؤں کی اولاد، بلکہ محض انسان، اور وہ "پیمبر" ہو جائے یہ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ جاہل قوموں کو پیمبروں کی دعوت قبول کرنے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہیں لگتی ہے کہ یہ ہماری ہی جیسی بشریت کے ساتھ ساتھ پیمبری کا دعویٰ کیسا۔ یہ سارے فقرے ذہن کو اسی طرف لیے جاتے ہیں کہ یہ لوگ براہ راست اللہ ہی کے رسول تھے۔ ف۱۱ (کہ تمہاری آمد سے ہمارے درمیان یہ فتنہ وفساد برپا ہو گئے) قَالُوْا ... لَمُرْسَلُوْنَ، وَمَا ... الْمُبِيْنُ۔ یہ دونوں فقرے بھی ان مرسلین کی رسالت حقیقی ہی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ف۱۲ (مختلف صورتوں سے) لَنَرْجُمَنَّكُمْ۔ رجم یا سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سلطنتوں اور تہذیبوں میں ایک عام سزا رہی ہے۔ ف۱۳ یعنی یہ کیا اندھیر ہے کہ یہیں جو طریقہ سعادت دارین اور فلاح دنیا وآخرت کا بتایا جاتا ہے، اسی کو نحوست قرار دے رہے ہو اور نحوست تم جن واقعات کو قرار دے رہے ہو وہ تو خود تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ تم ہی نے حق کے قبول سے انکار کیا، تو تمہارے اندر افتراق وتشتت پیدا ہوا۔ تمہیں نے پیام خداوندی کو ٹھکرایا۔ تو تمہارے سامان معاش میں بے برکتی پیدا ہوئی۔ قس علیٰ ہذا۔ طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ۔ قدیم جاہل قوموں میں سعد ونحس کا تخیل بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ بات بات میں شگون، فال وغیرہ کا رواج عام تھا۔ مکالمہ اسی فضا میں ہو رہا ہے۔ طَآئِرُكُمْ۔ یعنی نحوست بقول تمہارے، نحوست تمہارے زعم میں۔ ف۱۴ یعنی ان بزرگوں کی پیروی سے امر مانع کون سا ہے۔ خود یہ لوگ تو راہ ہدایت ہی پر ہیں، اور پھر خود غرضی کا خیال ان کی طرف سے مرتفع، اس لیے کہ تم سے جاہ ومال کسی قسم کا صلہ نہیں چاہتے۔ رَجُلٌ يَّسْعٰى۔ یہ شخص اس وقت تک مومن ہو چکا تھا۔ مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا۔ پیمبروں کی یہ خصوصیت قرآن مجید میں بار بار بیان ہو چکی ہے کہ وہ تبلیغ دعوت کسی قسم کے دنیوی معاوضہ کے لالچ میں نہیں کرتے۔

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾

اور میرے پاس عذر ہی کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹنا ہے

ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا

کیا میں اسے چھوڑ کر (اور ایسے) معبود قرار دے لوں کہ اگر (خدائے) رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو

تُغْنِ عَنِّي شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿۲۳﴾ إِنِّيٓ إِذًا

ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں اگر میں ایسا کروں

لَّفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿۲۵﴾

تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا سو میری سن لو ف۱۵

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ بِمَا

ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو ف۱۶ وہ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ

غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ أَنزَلْنَا

میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کر دیا ف۱۷ اور ہم نے اس کی قوم پر

عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا

اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی

كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿۲۸﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا

ضرورت تھی وہ (سزا) تو بس ایک چیخ تھی کہ سب اسی دم

هُمْ خَٰمِدُونَ ﴿۲۹﴾ يَٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن

بجھ کر رہ گئے ف۱۸ افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر! کبھی ان کے پاس کوئی رسول

رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا۟ كَمْ أَهْلَكْنَا

نہیں آیا جس کی یہ ہنسی نہ اڑاتے ہوں ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان کے قبل

ف۱۵ مرد مومن کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب پروردگار وہی ایک اور داور حشر بھی وہی ایک، اور سارے دیوی دیوتا بے اختیار محض، تو آخر دین توحید چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کے معنی ہی کیا؟ یہ تو سرتا سر محض بے عقلی ہی ہوئی۔ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ خالق بھی وہی داور حشر بھی وہی — مبدا بھی وہی، منتہی بھی وہی۔ ہر سادہ وسلیم فطرت والا یقیناً یہی استدلال کرے گا۔ وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ۔ ءَأَتَّخِذُ۔ إِنِّيٓ إِذًا۔ ہر جگہ صیغۂ واحد متکلم کے استعمال سے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ مرد مومن نے یہ سب اپنے اوپر رکھ کر اس لیے کہا کہ مخاطبین کو اشتعال نہ ہو، جو غور وتدبر کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ إِنِّي …… فَاسْمَعُونِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ترغیب وتحریض خیر کے موقع پر اپنی کسی خوبی کا اظہار کر دینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ لَا تُغْنِ …… لَا يُنقِذُونِ۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی بیچارگی دکھائی ہے کہ نہ کسی معنی میں قادر، اور نہ اس قابل کہ قادر مطلق کے ہاں سفارش ہی کر سکیں۔ ف۱۶ مشرک قوم اپنے اس ہم قوم مرد مومن کی دشمن ہوگئی۔ اور آخر اسے ہلاک کر ڈالا۔ جنت کی یہ بشارت اس شہید کو اپنی ہلاکت کے وقت مل رہی ہے۔ ف۱۷ اس شہید کو ہمدردی اپنی قوم کی، اور دھن اپنی ملت کی اس وقت بھی سوار رہی، اور حسرت کے لہجہ میں بولا کہ کاش میری قوم والوں کو بھی عالم جاودانی کے اعزاز وتکریم کا راز معلوم ہو گیا ہوتا، اور وہ سب بھی ایمان لے آئے ہوتے! بِمَا غَفَرَ …… الْمُكْرَمِينَ۔ اس مغفرت اور مکرمت کا راز ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے، اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اور ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ میں۔ یعنی یہ ثمرہ تمام تر ایمان اور اتباع مرسلین کا ہے۔ ف۱۸ وہ قوم انکار وتکذیب کی منزلیں طے کر چکنے کے بعد بالآخر ہلاک کر دی گئی ہے۔ یہ بیان اس وقت کا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ۔ خدائے قادر وغنی کو فرشتوں کا لشکر کا لشکر اتارنے کی احتیاج نہیں۔ بڑی سے بڑی آبادیوں کی ہلاکت کے لئے ایک ادنیٰ سا اشارہ کافی ہے۔ مثلاً یہیں، ایک زور کی آواز (بادل اور بجلی کی کڑک ہو یا کچھ اور) کافی ہوگئی۔ اور بعض واقعات میں جو فرشتوں کے لشکر کا اتارنا مذکور ہے، وہ کسی وقتی حکمت ومصلحت کی بنا پر تھا۔ یہاں نفی صرف احتیاج کی ہو رہی ہے۔ خَٰمِدُونَ۔ یعنی مر کھپ کر ایسے نیست ونابود ہو گئے جیسے خاکستر جلنے بجھنے کے بعد۔ أي ميتون هامدون تشبيهًا بالرماد الخامد (قرطبی) ف۱۹ حق تعالیٰ کا یہ اظہار تاسف وملال اس کمال شفقت کے اظہار کے لئے انسانی محاورہ کے مطابق ہے جو حضرت حق کو بندوں کے ساتھ ہے۔ ورنہ حقیقۃً وہ ذات پاک ہر قسم کے تاثر وانفعال سے بالاتر ہے۔

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِنْ

(بہت سی) امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے اور

كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ

ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے ف۲۰ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے

الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

زمین مردہ ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ

يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ

کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں باغ لگائے کھجوروں اور انگوروں کے

وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ

اور اس (زمین) میں چشمے جاری کر دیئے ف۲۱ تاکہ لوگ اس (باغ) کے پھلوں سے کھائیں

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ

اور اس (سارے انتظام) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں پیدا کیا سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ف۲۲ پاک ذات ہے وہ جس

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان شخصوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں بھی

وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ

جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے ف۲۳ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات بھی ہے ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ

سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ف۲۴ اور ایک نشانی آفتاب بھی کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے ف۲۵

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ

یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست (اور) علم والے (خدا) کا ف۲۶ اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اس کے لئے منزلیں

ف۲۰ یعنی اس دنیوی ہلاکت سے قطع نظر اصلی سزا تو اسی عالم آخرت میں ہوگی، اور وہ دائمی اور غیر منقطع ہوگی۔ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ یہ آیت یا اس کے ہم معنی دوسری آیتوں میں صرف ایک عام قانون و عادت الٰہی کا بیان ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کہیں اور کسی خاص موقعہ پر بطور خرق عادت بھی ایسا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ بعض کج فہموں نے ان آیتوں سے نکالا ہے۔ لَمَّا۔ ما زائد تاکید کے لئے ہے۔ ما مزيدة للتاكيد (بیضاوی) ف۲۱ (باغ کی آبپاشی کے لئے) جَنّٰتٍ … اَعْنَابٍ۔ کھجور اور انگور کے نام کی تصریح مذاق عرب (مخاطبین اول) کی رعایت سے ہے۔ کھجور تو کہنا چاہیے کہ عرب کے حق میں مایۂ زندگی ہے، اور انگور کے شاداب باغوں سے بھی اہل عرب واقف تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَحْيَيْنٰهَا۔ سوکھی ہوئی زمین کا از سر نو جی اٹھنا بجائے خود ایک سبق ہے حق تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کا۔ ف۲۲ (ان دلائل قدرت کو دیکھنے کے باوجود) اور ادائے شکر کا پہلا زینہ توحید ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ۔ ٹکڑا بہت قابل غور ہے سارے دنیا، خدائی قدرت و انتظام سے الگ ہو کر، اگر بشر کبھی کوشش کر ڈالے کہ تخم ریزی و آبپاشی کے نتائج غلہ پھل وغیرہ ہی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہیں تو کامیابی ناممکن ہے یقینی طور پر ان مسببات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص کرشمہ قدرت خداوندی ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ۔ ما یہاں نافیہ ہے۔ ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا گیا۔ روى القول بان ما نافية عن ابن عباس والضحاك (روح) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ما کو موصولہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں فقرہ کا عطف ثَمَرِهٖ پر ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ اپنے پکے پکائے کھانے کو دیکھو تو اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کی ربوبیت کی جھلک پاؤ گے۔ ما موصولة في محل جر عطف على ثمره (روح) ف۲۳ یعنی پاک و بالاتر ہے ایسی قادر مطلق ذات ہر قسم کے شرک سے۔ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا۔ ہر قسم کے جوڑے اور سارے موجودات کے اصناف و انواع مراد ہیں۔ الازواج الانواع والاصناف فكل زوج صنف لانه مختلف في الالوان والطعوم والاشكال والصغر والكبر فاختلافها هو ازدواجها (قرطبی) جدید سائنس کا یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نر و مادہ کا وجود کائنات کی ہر صنف موجود میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حیوانات سے گذر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ نباتات ارضی میں تقابل مماثلت کا بھی ہو سکتا ہے اور تضاد کا بھی۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اشخاص میں تقابل یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت، جوان بوڑھا، گورا کالا وغیرہ۔ ف۲۴ رات اور دن، دونوں تمامتر امر الٰہی کے مسخر ہیں۔ خود کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ بعض مشرک جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ ان کے درمیان یہ تقلب و تصرف سب قدرت الٰہی سے ہوتے رہتے ہیں۔ ف۲۵ (اپنی حرکت یومیہ میں بھی اور دورۂ سالانہ میں بھی) ف۲۶ (جس کے اندازہ میں دخل نہ بخت و اتفاق کو ہو سکتا ہے اور نہ ظن و تخمین کو، بلکہ اس کا ہر قانون اپنی جگہ پر مستحکم اور اٹل ہوتا ہے اور حکمت و مصلحت پر مبنی بھی)

وکے (کہ پتلی اور خمدار ہونے میں ضرب المثل ہے) تشبیہ میں ممکن ہے کہ زردی رنگ بھی شامل ہو۔ و۲۸ اور اپنے خالق و مالک کے حکم کے مسخر اپنی اپنی رفتار سے چل رہے ہیں۔ اور نظام معین سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں کچھ بھی خلل پڑ سکے۔ ذٰلِکَ۔ کل سے مراد سارے ہی اجرام فلکی لئے گئے ہیں یعنی من الشمس والقمر والنجوم (قرطبی) لَا ...... الشَّمْسُ۔ آفتاب کی

حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ

مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی وکے نہ آفتاب کی

لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ

مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک ایک

فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي

دائرہ میں تیر رہے ہیں و۲۸ اور ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے اسی (کشتی) جیسی چیزیں (اور بھی) پیدا کیں جن پر یہ لوگ

يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

سوار ہوتے ہیں و۲۹ اور اگر ہم چاہیں انہیں غرق کر دیں، تو نہ ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ

يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

یہ رہائی پا سکیں و۳۰ مگر ہاں یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا مقصود ہے و۳۱ اور جب ان

قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ

سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

رحمت کی جائے و۳۲ اور ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نشان ایسا ان کے پاس نہیں آتا

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا

کہ یہ اس سے سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو، تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں

یہ مجال نہیں کہ کسی دن قبل از وقت طلوع ہو جائے۔ یعنی خورشید خاور بایں جاہ وجلال اور سورج دیوتا باوجود اپنی "دیوتائیت" کے تمامتر اسی قادر مطلق کے دست قدرت میں مسخر ہیں۔ وَلَا ...... النَّهَارِ۔ یعنی ظہور ظلمت کے وقت معین سے پہلے شب تار کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے ارادہ وخواہش سے نور کو زائل کر دے۔ وَلَا ...... النَّهَارِ۔ تقویم اسلامی میں رات دن پر مقدم ہے۔ چنانچہ شب غرۂ شوال ہی میں، اور شب غرۂ رمضان رمضان ہی میں داخل سمجھی جاتی ہے۔ اور تراویح، اعتکاف وغیرہ کا شمار شام ہی کے وقت سے کیا جاتا ہے۔ یدل علی ان ابتداء الشہور من اول اللیل (جصاص) و۲۹ اللہ ہی نے اپنی قدرت وحکمت وشفقت سے بندوں کو اس عقل وتدبیر کی تعلیم دی جس سے اس نے دریا اور سمندر کے پانی سے سواری کا کام لینا، اس کے طول وعرض کا عبور کرنا، اس کے مناسب حال کشتی بنانا، پھر کشتی چلانا وغیرہ وغیرہ سیکھ لیا۔ الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۔ لدی پھندی کشتیوں سے صاف اشارہ بحری تجارت کی جانب ہے۔ بڑے بڑے تجارتی جہاز، اور سامان سے کھچا کھچ لدے ہوئے اسٹیمر سب اس کے تحت میں آ جاتے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ۔ کے اطلاق میں بڑی وسعت ہے، اسٹیمر، لائنر، کروزر، آبدوز کشتیاں، غرض ہر قسم کی بحری سواریاں ہی نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ریل، موٹر، لاری، طیارہ، ہوائی جہاز وغیرہ سب ہی کچھ اس کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ عن مجاهد ان الابل سفن البر (جصاص) فسره مجاهد بالانعام والابل وغيرها (روح) والقول الثاني الله للابل والدواب وكل ما يركب۔ (قرطبی) مِنْ بیان کے لئے بھی مانا گیا ہے اور تبعیض کے لئے بھی۔ تحتمل ان تكون للبيان وان تكون للتبعيض (روح) و۳۰ نہ کوئی چل دیتا ہے اور نہ کوئی اور فریاد رس، جو غرق ہونے سے بچا سکے اور موت سے چھڑا سکے...... آیت میں تردید اس سلسلہ کے تمام مشرکانہ خیالات کی آ گئی۔ یہ جو اخباروں میں آئے دن خبریں ہوائی جہازوں اور طیاروں کی، گر گر کر پاش پاش ہونے کی چھپتی رہتی ہیں آیت ان پر حق منطبق ہے! وائرلیس (لاسلکی) وغیرہ کے آلات سب دھرے کے دھرے رہ جاتے اور کوئی مدد کو تو کیا آئے، خبر بھی باہر والوں کو مدتوں نہیں پہنچ پاتی۔ اور پھر لاشوں کو سمندر کی گہرائیوں سے، یا پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کے تودوں کے اندر سے کھود کھود کر یا گھنے جنگلوں کے اندر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کے مرحلے تو اور بھی صعب تر ہیں۔ و۳۱ (چنانچہ اسی لئے اس قادر مطلق وحکیم برحق نے مہلت دے رکھی ہے) بے بس اور بے کس بندوں کے لئے کتنا بڑا سہارا اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا کا ہے۔ و۳۲ (اور تم قریب وبعید ہر قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ۔ وہ عذاب جو سامنے کا ہے۔ یعنی اسی دنیا کا عذاب اور اس کا ہر وقت احتمال۔ وَمَا خَلْفَكُمْ۔ وہ عذاب جو آخرت میں پیش آئے گا، اور اس کا وقوع یقینی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ دعوت تقویٰ اسی جلب رحمت کی غرض سے دی جا رہی ہے۔

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانے کو دیں جنھیں اگر خدا چاہے تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دے، تم تو نری

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ

کھلی غلطی میں پڑے ہوئے ہو ف۳۳ اور یہ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

تم سچے ہو یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں کہ

تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً

وہ انہیں آ پکڑے گی اور یہ لوگ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی

وَّ لَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا

اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جا سکیں گے ف۳۴ اور صور پھونکا جائے گا سو وہ لوگ

هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا

یک بیک قبروں سے (نکل نکل) اپنے پروردگار کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے کہیں گے ہائے ہماری کم بختی

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

کس نے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے اٹھایا؟ یہ وہی ہے جس کا (خدائے) رحمٰن نے وعدہ کیا تھا

وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اور پیمبروں نے سچ کہا تھا ف۳۵ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی

فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

جس سے سب یکایک جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے ف۳۶ پھر اس دن کسی شخص پر

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور تم کو بدلہ بھی بس انہیں کاموں کا ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ف۳۷

ف۳۳ یہ بیان ہے منکرین کی مستقل قساوت قلب اور عدم تاثر کا۔ مِنْ اٰيٰتٍ۔ مِن زائدہ تاکید واستغراق کے لئے ہے۔ متکبرین رؤساء قریش سے جب کہا جاتا تھا کہ غریبوں مسکینوں کی اعانت کرو (جو عموماً مسلمان ہی تھے) تو وہ طنزیہ جواب یہ دیتے تھے کہ ہم سے ان غریبوں کی اعانت کو کہتے ہو، حالانکہ تمہیں یہ بھی کہتے ہو کہ تمہارا خدا رزاق مطلق ہے، وہ جس کو چاہے روزی دے، تو خود وہ کیوں نہیں انہیں روزی دیتا...... طنز عجیب مہمل تھا۔ خدا کی رزاقی بھی تو اسی کی ہر صفت کی طرح اسی عالم اسباب میں انسانوں ہی کے واسطے سے ظہور کرتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعوی کب تھا کہ اللہ تعالی اس دنیا میں عادۃً رزاق بلا واسطہ اور بلا ذریعہ اسباب ہے۔ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اپنی آمدنیوں میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہو...... قریش کے امراء و دولتمند عموماً کافر تھے اور مسکین افراد عموماً مسلمان۔ ف۳۴ قیامت کے فوری ونا گہانی وقوع اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ هٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ قیامت۔ مَتٰى ...... صٰدِقِيْنَ۔ سوال محض طنز وتعریض سے تھا۔ صَيْحَةً وَّاحِدَةً۔ مراد صور کا نفخہ اول ہے جب سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ صَيْحَةً۔ صیغۂ نکرہ کی تنوین اظہار عظمت وجلالت کے لئے ہے۔ تَوْصِيَةً۔ یعنی کسی قسم کی بھی وصیت۔ وصیت کا اشارہ تک۔ التنكير في التوصية للتعميم اي لا يقدر علي توصية ما (کشاف) ف۳۵ (چنانچہ یہ وقوع قیامت انہیں سچے وعدوں کا ظہور ہے) هٰذَا...... الْمُرْسَلُوْنَ۔ یہ پورا ٹکڑا قیامت کے دن فرشتوں کی زبان سے ادا ہوگا۔ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ۔ مراد صور کا نفخۂ ثانی ہے۔ جب وہ از سر نو زندہ ہو کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ مَرْقَدِنَا۔ مرقد صورۃً واحد ہے، مراد جمع ہے۔ يراد بالمفرد الجمع اي مراقدنا (روح) برزخ کی درمیانی زندگی حشر برپا ہو جانے پر خواب کی زندگی معلوم ہوگی۔ اسی لئے اہل حشر اس کو مرقد سے تعبیر کریں گے۔ ف۳۶ حق تعالی کو قیامت برپا کرنے میں نہ کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہوگی، نہ مشقت وتعب کی۔ بس ایک نفخ صور بالکل کافی ہوگا ف۳۷ وہ دن عدل کامل کے ظہور کا ہوگا۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی، ہر ایک معاملہ کا الگ ہو کر رہے گا۔

إِنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ ٱلْيَوْمَ فِى شُغُلٍ فَٰكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ

اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلہ میں خوش دل ہوں گے وہ

وَأَزْوَٰجُهُمْ فِى ظِلَٰلٍ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ

اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے

فِيهَا فَٰكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَٰمٌ قَوْلًا مِّن

وہاں میوے ہوں گے اور ان کے لئے وہ (سب کچھ) ہوگا جو کچھ وہ مانگیں گے وف۳۸ سلام انہیں کہا جائے گا پروردگار

رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَٱمْتَٰزُوا۟ ٱلْيَوْمَ أَيُّهَا ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ

مہربان کی طرف سے وف۳۹ اور آج الگ ہو جاؤ اے مجرمو وف۴۰ کیا میں نے

أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ

تم کو تاکید نہیں کر دی تھی اے اولاد آدم کہ تم شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ ٱعْبُدُونِى ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ

وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ تم عبادت میری ہی کرنا یہی سیدھا

مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ

راستہ ہے وہ تم میں سے ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے سو کیا

تَكُونُوا۟ تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِۦ جَهَنَّمُ ٱلَّتِى كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾

تم اتنا نہیں سمجھتے تھے؟ وف۴۱ یہی ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

ٱصْلَوْهَا ٱلْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ ٱلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ

گھسو اس میں آج اپنے کفر کے بدلے آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا

أَفْوَٰهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا۟

دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ کیا کیا

وف۳۸ (بلکہ بلا طلب بھی پاتے رہیں گے) نقشہ جنت کی غیر فانی راحتوں اور لا محدود آسائشوں کا پیش ہو رہا ہے۔ فِىْ شُغُلٍ۔ شغل سے ہر وہ دل پسند مشغلہ مراد ہے جو ذوق کو بالکل گھیر لے۔ العارض الذی یشغل الانسان (راغب) هو الشان الذی یصدر المرء ویشغله عما سواه من شئونه لکونه اهم عنده من الکل (روح) اور انسان کے دل پسند مشغلوں کا نہ حصر ممکن ہے نہ شمار۔ اور لفظ شغل کے صیغہ نکرہ سے مقصود بھی لذتوں کی وسعت واہمیت کا اظہار ہے۔ مَا يَدَّعُوْنَ کی وسعت، اطلاق وجامعیت قابل لحاظ ہے۔ جسمانی، دماغی، روحانی، ہر قسم کی ہر ممکن لذت، راحت، مسرت، نعمت اس کے عموم میں آگئی۔ اہل جنت جو کچھ بھی چاہیں گے، جو کچھ بھی مانگیں گے سب ہی کچھ ان کے لئے حاضر وموجود ہوگا۔ يَدَّعُوْنَ کی تفسیر یہاں یتمنون سے بھی کی گئی ہے۔ گویا مانگنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی، ادھر تمنا پیدا ہوئی اور ادھر وہ شے حاضر وموجود ہوگئی۔ قیل یتمنون (کشاف) ای یتمنون ویشتھون (معالم) لیکن اگر يَدَّعُوْنَ کو طلب ہی کے معنی میں رکھا جائے جب بھی کیا مضائقہ ہے بلکہ کسی لذیذ ومحبوب شے کا طلب کرنا، جب کہ اس کا مل جانا اور فوراً مل جانا یقینی ہو، بجائے خود ایک لذت ہے۔ وف۳۹ یعنی حق تعالیٰ کریم ورحیم کی طرف سے انہیں سلام پہنچتا رہے گا، خواہ فرشتوں کے واسطے سے خواہ بلا واسطہ وبراہ راست۔۔۔ اہل جنت کا یہ انتہائی اکرام ہے۔ اکرام کا کوئی درجہ اس کے بعد ممکن بھی کیا ہے۔ والمعنی ان الله یسلم علیهم بواسطة الملائکة او بغیر واسطة مبالغة فی تعظیمهم (کشاف) هو اکمل الاشیاء وهو آخرها الذی لا شیء فوقه (کبیر)

وف۴۰ (اہل ایمان سے) اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ مجرموں سے مراد کفر وشرک کے مجرم ہیں۔ اَلْيَوْمَ سے ظاہر ہے کہ یوم حشر مراد ہے۔ وف۴۱ یہ سب ان مجرموں کو قائل کرنے کے لئے ان سے حشر میں کہا جائے گا۔۔۔۔ آگے بھی دو آیتوں میں یہی مضمون چلا گیا ہے۔ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ۔ عبادت یہاں اطاعت کے معنی میں ہے۔ المراد بعبادة الشیطٰن طاعته (روح) وعبادة الشیطٰن طاعته فی ما یوسوس به الیهم ویزینه الیهم (کشاف) ای لا تطیعوا الشیطٰن (معالم) اطاعت شیطان کی طرف سے شدت نفرت وبیزاری پیدا کرنے کے لئے اسے عبادت سے تعبیر فرمایا گیا۔ عبر عنها بالعبادة لزیادة التحذیر والتنفیر عنها (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو بعض صوفیہ نے اپنے لئے بت پرست وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے بھی ان کی مراد اقرار کفر سے نہیں، بلکہ اپنے کو مطیع نفس ظاہر کرنے سے ہے۔

ف٢٢ (غرض یہ کہ ان کی کل روئداد زندگی رتی رتی حق تعالیٰ کے سامنے انھیں کے ہاتھوں پیروں کی زبانی پیش ہوگی) نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ۔ یہ منہ پر مہر لگنا یوں ہوگا کہ وہ کوئی جھوٹی داستان تصنیف کر کے پیش ہی نہ کر سکیں۔ تُكَلِّمُنَا...... يَكْسِبُوْنَ۔ سورۃ النور میں اس سے ملتے ہوئے مضمون کی آیت تشهد عليهم السنتهم پر حاشیہ گذر چکا۔ ف٢٣ یعنی یہ سب سزائیں ہمارے امکان قدرت میں تھیں،

يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا

کرتے رہتے تھے ف٢٢ اور اگر ہم چاہتے ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے پھر یہ راستہ کی طرف

الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ

دوڑتے پھرتے، سو ان کو کہاں نظر آتا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں

عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾

جہاں کی تہاں مسخ کر ڈالتے نہ یہ آگے کو چل سکتے، نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ف٢٣

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اور ہم جس کی عمر (بہت) زیادہ کر دیتے ہیں تو اسے (اس کی) خلقت میں الٹا کر دیتے ہیں سو کیا یہ لوگ (اتنا) نہیں سمجھتے؟ ف٢٤

عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ

اور ہم نے آپ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ وہ آپ کی شایان ہے ف٢٥ یہ (قرآن) تو ایک نصیحت اور کھلی ہوئی

مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

آسمانی کتاب ہے ف٢٦ تاکہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت ثابت

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ

ہو جائے ف٢٧ کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ

اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا

سے بنائی ہوئی چیزوں میں مویشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن گئے ف٢٨ اور ہم نے ان (مواشی) کو ان کا تابع بنا

رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

دیا سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟ ف٢٩ اور انہوں نے اللہ کے سوا

لیکن وہ ان سے اس دنیا میں محفوظ رہے، اس سے انہیں مہلت مل گئی اور اصلاح حال کی ذمہ داری ان پر بڑھ گئی۔ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ۔ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ۔ یعنی یہ سب سزائیں اسی دنیا میں انھیں ان کی پاداش کفر میں دے دیتے۔ ف٢٤ یعنی اس روزمرہ کے مشاہدہ سے کیا وہ یہ سبق نہیں لیتے کہ ہم ہر مسخ و تغیر حالت پر قادر ہیں؟ فِى الْخَلْقِ۔ خلقت یا طبیعت سے مراد انسان کے جسمانی قویٰ اور رنگ و روغن، حسن و جمال وغیرہ ہیں۔ نُنَكِّسْهُ۔ قویٰ کے الٹا دینے سے مراد ہے ان کا انقلاب کامل سے ناقص اور اعلیٰ و اشرف سے ارذل و اسفل کی طرف۔ ف٢٥ (بحیثیت آپ کی پیمبری کے) قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ احمق مشرک آپ کے بیان کئے ہوئے مضامین عالیہ کو موثر پا کر اسے شاعری کی ساحری قرار دے رہے ہیں، جو ان بیچاروں کا منتہائے فکر ہے۔ شاعری یعنی تخیلی مضمون آفرینی کو مرتبہ نبوت سے مناسبت ہی کیا آپ کے ہاں تو حقائق ہی حقائق ہیں، کہاں یہ، کہاں شاعر کی بہتر سے بہتر خیال بندیاں، وہ تو اس سے کہیں فرو مرتبہ چیز ہے۔ هذا رد لما كانوا يقولونه من ان القران شعر والنبى ﷺ شاعر وغرضهم من ذلك ان ما جآء به عليه الصلوٰة والسلام من القران افتراء تخيل (روح) الشِّعْرَ۔ شعر یہاں اپنے معروف و متعارف معنی میں مراد نہیں یعنی کلام موزوں و مقفی کا مرادف نہیں، بلکہ شعر سے یہاں مراد جھوٹی خیال آرائیاں اور حقیقت و واقعیت سے عاری مضمون بندیاں ہیں...... شعر اور شاعر عربی میں گویا کذب و کاذب ہی کے مرادف ہیں۔ انها رموابا لكذب فان الشعر يعبربه من الكذب والشاعر الكاذب حتى سمى قوم الادلة الكاذبة الشعرية (راغب) واما معنى فلان الشعر تخيلات مرغبة اومنفرة اونحو ذلك وهو مقر الاكاذيب (روح) وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ۔ یہاں سے شعر کی پستی کا استنباط کیا گیا ہے۔ وفى الاية دلالة على غضاضة الشعر وهى ظاهرة فى انه ﷺ لم يعط طبيعة شعرية اعتاءً بشانه ورفعًا لقدره (روح) ف٢٦ (ایسی پر حقائق و لبریز معارف تعلیمات کو شاعرانہ تخیل آرائی سے مناسبت ہی کیا) قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ "کھلی ہوئی کتاب" اپنی تعلیمات اور اپنے احکام کی وضاحت کے لحاظ سے۔ ف٢٧ (نزول عذاب کے لئے) ف٢٨ (اور اپنے بغیر کسی استحقاق کے انھیں اپنے تصرف و قدرت میں لانے لگے) مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ۔ اظہار تخصیص و اہتمام کے لئے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہر مخلوق اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۔ آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ حیوانات انسان کی ملک ہوتے ہیں، اور انسان کو ان پر تصرفات مالکانہ کے حق حاصل رہتے ہیں۔ ف٢٩ (اور ان نعمتوں کے استحضار کے باوجود کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں) خَلَقْنَا لَهُمْ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ۔ گائے بیل وغیرہ سارے مویشی تو خود انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کمال حماقت ہے کہ انسان انھیں کی پرستش میں مبتلا ہو جائے!...... مویشی پرستی ہندوستان کے علاوہ مصر وغیرہ اور ملکوں میں بھی عام رہی ہے۔ مَشَارِبُ۔ دودھ، دہی وغیرہ سب اس کے تحت میں آ جاتے ہیں۔ مَنَافِعُ۔ چوپایوں کی ہڈیوں، بالوں، اور کھالوں کی تجارت، اور ان کے لئے بڑے بڑے کارخانے اور منڈیاں سب اس میں شامل ہو گئیں۔

اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ

اور بھی معبود قرار دے رکھے ہیں تاکہ ان سے انہیں مدد ملے (حالانکہ) وہ ان کی (کچھ بھی) مدد نہیں کر سکتے،

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لا حاضر کئے ہوئے ۵۰ سو آپ کو ان لوگوں کا قول رنج میں نہ ڈالے

اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

بے شک ہم ہی جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں ۵۱ کیا انسان کی نظر اس پر نہیں

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾

کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو وہ ایک کھلا ہوا معترض بن بیٹھا

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ

اور ہمارے شان میں عجیب (گستاخانہ) مضمون بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا ۵۲ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں

وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، آپ کہہ دیجیے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا:

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ

اور وہی سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے ۵۳ اور وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے آگ تمہارے لئے

الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ

پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو ۵۴ تو کیا جس نے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کر ڈالا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ)

يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ

پیدا کر دے ۵۵ ضرور (قادر) ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے خوب جاننے والا ہے وہ تو بس

ف۵۰ یعنی ان دیوی دیوتاؤں سے مشرک توقع تو یہ رکھتا ہے کہ وہ اس کے آڑے آئیں گے۔ سو یہ ہوتا تو الگ رہا۔ حشر میں وہ اور اس کے فریق مخالف کی حیثیت سے پیش ہوں گے اور الٹے اسی پر الزام رکھیں گے۔ ف۵۱ (اور ہم ہی ان سے وقت مناسب پر نبٹ لینے کے لئے کافی ہیں) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ یعنی جب وہ توحید تک میں ایسی سفاہت کی باتیں کرتے ہیں، تو پھر آپ کو اگر شاعر کہہ دیا، تو اس پر کیوں اتنا کڑھیے۔ اے اذا کان حالهم مع ربهم عزوجل فلا تحزن بسبب قولهم عليك هو شاعر (روح) ف۵۲ (کہ کیسی حقیر چیز سے اسے پیدا کیا، اور کیسی بے بسی کی حالت میں اسے رکھا) ف۵۳ سو جو ابداء پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لئے اعادہ کیا دشوار ہے۔ بلکہ جو ابداء پر قادر ہے اسے تو قیاس انسانی کے مطابق اعادہ پر اور زیادہ قادر ہونا چاہیے۔ فيه من اوضح الدليل على ان من قدر على الابتداء كان اقدر على الاعادة (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے قیاس منطقی و فقہی کی حجیت ثابت ہوئی ہے۔ وفيه الدلالة على وجوب القياس والاعتبار لانه الزمهم قياس النشاة الثانية على الاولى (جصاص) ففي هذا دليل على صحة القياس لان الله عزوجل احتج على منكر البعث بالنشاة الاولى (قرطبی) قَالَ ..... رَمِيْمٌ۔ ”روشن خیال“ منکرین بعث کا بیان ہو رہا ہے، جن کی کمی کسی زمانہ میں بھی نہیں رہی ہے۔ وہی گستاخانہ اور تمردانہ لہجہ میں یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ ہڈیاں جب سڑ گل گئیں تو ان کی حیات ثانی ممکن کیونکر ہے؟ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ۔ يُحْيِيْهَا، عظام کے ساتھ، احیاء کے اس اتصاف سے بعض فقہاء نے استدلال ہڈی کے ذی حیات یا جاندار ہونے پر کیا ہے لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ احیاء تو اسی مجازی معنی میں ہے، جس معنی میں ارض، (زمین) کے لئے آیا کرتا ہے۔
احتج بعضهم على ان العظم فيه حياة فيجعله حكم الموت بموت الاصل ويكون ميتة وليس كذلك لانه انما سماه حيا مجازا (جصاص) والمراد باحياء العظم ردها الى ما كانت عليه غضة رطبة في بدن حي حساس (مدارک) لیکن اگر ہڈی میں حیات کا وجود اس کے مناسب حال تسلیم کر لیا جائے، جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ ہڈی فقہ اہل سنت میں نجس نہیں، طاہر ہے۔ وهي عندنا طاهرة (مدارک) اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ یعنی ایسی حالت میں انہیں پیدا کر دیا جب کہ وہ حیات سے بالکل بیگانہ و بعید تھیں۔ ف۵۴ (تو جو رطوبت سے آگ پیدا کرتا ہے اس کے لئے جماد میں حیات پیدا کر دینا کیا مشکل ہے) مِنْهُ تُوْقِدُوْنَ۔ دیا سلائی وغیرہ کے دور سے بہت قبل آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور عرب میں دو مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ جَعَلَ ..... نَارًا۔ یہاں ضمناً آتش پرستی کا بھی رد آ گیا۔ آگ ایسی چیز ہے جو تمام تر مخلوق ہے۔ اس میں معبودیت و الوہیت کا شائبہ تک نہیں۔ ف۵۵ اول تو کہاں خلق اول، نیستی سے ہستی، عدم سے وجود میں لانا، اور کہاں حیات ثانی۔ اور پھر کہاں آسمان و زمین کا جثہ و جسامت اور کہاں انسان؟

اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ

جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے ف۵۶ سو اس کی پاک ذات ہے

الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آیاتہا ۱۸۲ — ۳۷ سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶ — رکوعاتہا ۵

اس کی ایک سو بیاسی آیتیں — سورۂ صافات مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی، پھر بندش کرنے والے (فرشتوں) کی، پھر ذکر کی

ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تلاوت کرنے والے (فرشتوں) کی، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے ف۱ (وہ) پروردگار (ہے) آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (اس کا) اور پروردگار مشرقوں کا ف۲ بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا

الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی

مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

غرض سے (بھی) وہ عالم بالا کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے ف۳ اور ہر طرف سے مار کر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا

دھکے دے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہو گا ف۴ مگر ہاں

ف۵۶ یعنی وہ خلاق مطلق ہے، محض اپنے ارادہ ومشیت سے، معدوم کو موجود کر دینے والا، اسے حاجت نہ مادہ کی نہ روح کی نہ ہیولیٰ کی نہ کسی اور چیز کی۔ لَہٗ ضمیر اس مخلوق کی اس صورت کی طرف ہے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ کُنْ فَيَكُوْنُ۔ حاشیہ سورۃ البقر (پ ۱) میں گزر چکا۔ اِذَا ... فَيَكُوْنُ۔ محاورہ میں یہ محض انتہائی سرعت تکوین کا بیان ہے۔ یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کی زبان سے حروف ک اور ن (جو خود ہی حادث ہیں) کا مرکب ادا ہوتا ہو۔ متعدد احادیث میں سورۂ یٰسین کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ اسے قلب قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نزع کے وقت اسے بیمار کے اوپر پڑھ کر دم کرنے کو اکسیر بتایا گیا ہے۔ ۲۶۔ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ (۱۳۔ اپریل ۱۹۴۱ء) کو میری ضعیف العمر والدہ ماجدہ نے اپنی شدت علالت کے وقت مجھ نامہ سیاہ سے اس سورہ کے پڑھنے کی فرمائش کی، اور یہی ان کا آخری کلام مجھ سے تھا۔ تعمیل ارشاد اسی وقت کر دی گئی، اور انہیں تسکین ہوگئی۔ چار ہی پانچ گھنٹہ کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہوگئی، اور ان کے سرہانے بیٹھ کر میں نے پھر یہی سورت شروع کی۔ ان کا دم کھنچا جاتا تھا، اور میں باواز بلند پڑھتا جاتا تھا۔ آیہ کریمہ "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" کو تکرار کر کے تین بار پڑھا اور ادھر سورہ کی آخری آیت کے آخری لفظ "والیہ ترجعون" زبان پر ادا ہوئے کہ ادھر اس شفقت مجسم کی روح نے جسد خاکی کو خالی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین کرام سے التجا ہے کہ جب یہ سطریں ان کی نظر سے گزریں سو اس تباہ کار اور اس مرحومہ دونوں کے حق میں دعا خیر ودعا مغفرت کے لئے ایک منٹ کو رک جائیں عین کرم واحسان ہوگا۔

ف۱ یعنی نہ تین نہ زائد۔ نہ تین میں سے ایک، نہ ایک تین میں تقسیم، بلکہ محض ایک۔ بیان توحید کا ہو رہا ہے۔ اور ہر قسم کے شرک اور توحید فی التثلیث کی تردید ہو رہی ہے۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمان میں اللہ کی حمد وتسبیح میں اس کے احکام کی تعمیل میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمانی خبر رسانیوں سے شیطانوں کی بندش کرتے رہتے ہیں۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ذکر الٰہی کی تسبیح وتقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ ف۲ یعنی زمین وآسمان نہ خود دیوتا ہیں نہ ان کے الگ الگ کوئی اور دیوتا ہیں۔ نہ کوئی اگنی دیوتا، نہ کوئی سرسوتی دیوی، نہ کوئی اندر دیوتا، معبود وخالق بس ایک ہی۔ مَشَارِق سے آفتاب کے طلوع کرنے کے مواقع مراد ہیں۔ صیغۂ جمع اختلاف مطالع کے اعتبار سے ہے۔ ہر روز طلوع آفتاب کا زاویہ دوسرے دن سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، اور اس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔ ای مطالع الشمس وھی ثلث مائۃ وخمس وستون مشرقا (مدارک) ف۳ یعنی اکثر اور بالعموم تو یہی حالت رہتی ہے کہ رجم کے ڈر سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ آیت میں بتایا ہے کہ اس نظام کواکب سے دو کام لئے جاتے ہیں۔ ایک تزئین وزینت، دوسرے شیطانوں کا دفاع۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ یعنی قریب ترین آسمان۔ مراد وہی آسمان ہے جو ہماری زمین سے قریب ترین نظر آ رہا ہے۔ اپنی ساخت وترکیب کے لحاظ سے وہ خواہ کچھ بھی ہو۔ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ۔ یہ ستارے آسمان میں جڑے ہیں یا نہیں۔ قرآن مجید کو ان بحثوں سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ستارے اس فضائے آسمانی کے لئے ذریعۂ زینت وسامان آرائش ہیں۔ اور یہی ایک حسی بلکہ بدیہی شے ہے۔ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ یہ شیطانوں کے لئے روک کس چیز سے کر دی گئی ہے؟ عالم بالا کی باتوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے۔ شیطان کے رجم واستراق پر حاشیہ سورۃ الحجر (پ ۱۴) میں گزر چکا ہے ف۴ (آخرت میں) یعنی رجم واستراق تو اسی دنیا کی سزائیں تھیں، باقی آخرت کی دائمی سزا اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ عذاب دائمی شیطانوں پر ان کے کفر کی بناء پر مرتب ہوگا۔ يُقْذَفُوْنَ ... دُحُوْرًا۔ یعنی جو شیطان جدھر سے بھی جانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرف سے مرجوم ہوتا ہے۔

مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

جو (شیطان) کچھ خبر لے ہی بھاگا تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے ف۵

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو آپ ان سے پوچھئے کہ خلقت میں یہ لوگ زیادہ مضبوط ہیں یا وہ جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، ہم نے ان لوگوں کو تو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ف۶ اور آپ تو تعجب ہی کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں ف۷ اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ

کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۸ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور) اور تم ذلیل بھی ہو گے ف۹ قیامت تو بس ایک ہی للکار ہو گی سو یہ سب دیکھنے بھالنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا ہے (بے شک) یہ (ہی) فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ف۱۰ جمع کر لو مشرکوں اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو

ف۵ (اور اسے جلا پھونک کر رکھ دیتا ہے) گویا اگر کوئی شیطان آسمانی خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے پہنچانے اور پھیلانے میں تو بہر حال ناکام رہتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ستارے جس مادہ سے بنے ہیں، اس میں کوئی خاص صلاحیت وقوت آگ سے بنے ہوئے شیطانوں کے مارنے اور بھگانے کی ہے۔ ف۶ (جو نہ قوت میں کوئی امتیاز رکھتی ہے نہ صلاحیت میں) اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا۔ ہند کی مخلوق تو انسان بھی ہے۔ یہاں اشارہ ان مخلوقات کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، ستارے، آسمان، شیطان، فرشتے وغیرہ۔ اور تقابل ان کا انسان سے کیا گیا ہے، جس کو طین لازب جیسی معمولی اور کمزور چیز سے بنایا گیا ہے۔ یرید ما ذکر من خلائقہ من الملٰئکۃ والسمٰوٰت والارض وما بینھما (مدارک) فسئل ھٰؤلآء المنکرین للبعث ایما اشد خلقا ھم ام السمٰوٰت والارض وما بینھما من الملٰئکۃ والشیاطین والمخلوقات العظیمۃ (ابن کثیر) مَن ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہاں بہ قاعدۂ تغلیب لایا گیا ہے۔ جیء بمن تغلیبا للعقلاء علی غیرھم (مدارک) وغلب اولی العقل علی غیرھم (کشاف) ھِمْ، ھُمْ، ھُم۔ ان تمام ضمیروں سے مراد کافر انسان بلکہ خود نوع انسان ہے۔ الضمیر لمشرکی مکۃ (کشاف) الضمیر لمشرکی مکۃ او بنی اٰدم (بیضاوی) ف۷ (عقیدۂ حشر وجزا وسزا پر) یعنی یہ لوگ انکار ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ تمسخر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ عَجِبْتَ۔ یعنی آپ کو اس پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ لوگ انکار بعث میں، انکار قدرت خداوندی میں کتنے دلیر ہیں۔ بل عجبت من انکارھم للبعث (قرطبی) ف۸ مطلب یہ ہوا کہ امکان بعث پر جب ان کے سامنے تقریر کی جاتی ہے، اور دلائل عقلی قائم کئے جاتے ہیں، تو یہ لوگ تکذیب اور کٹ حجتی پر تل جاتے ہیں۔ اور جب اثبات نبوت کے لئے کوئی معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو اس پر مشق تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ اٰيَةً۔ ایسا خاص واقعہ جس سے اثبات رسالت ہوتا ہے۔ قَالُوْا۔۔۔۔۔ مُّبِيْنٌ۔ یعنی قرآن کے اعجازی اثر، نیز رسول کے ہر معجزہ کی تاویل یہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو اثر سحر کا ہے۔ قرآن مجید کی شدید اثر اندازی تو ایک حسی اور بدیہی واقعہ ہے۔ اس سے انکار تو ان منکروں سے بھی نہیں بن پڑتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی بودی سی بودی توجیہ یہ کمزور سے کمزور اسباب سے کرنے لگتے ہیں۔ وہی ذہنیت جو آج بھی یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین کی ہے۔ ف۹ یہ منکرین بعث کی تقریر اور اس کا جواب مذکور ہوا۔ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ۔ منکرین کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ ہاں اٹھائے تو بہر حال جاؤ گے۔ اور تم اپنی ان منکرانہ گستاخیوں کی پاداش میں ذلیل وخوار بھی کئے جاؤ گے۔ ف۱۰ یہ منکروں کی صدائے حسرت وناله ووو کے جواب میں غیب سے ارشاد ہو گا۔ هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ اشارہ صور کے نفخ ثانی کی جانب ہے وھی النفخۃ الثانیۃ (مدارک)

ع۶

دُوۡنِ اللّٰهِ فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوۡهُمۡ

چھوڑ کر کیا کرتے تھے ف۱۱ پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ

اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَـكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ بَلۡ هُمُ

ان سے پوچھ گچھ ہوگی (اب) تمہیں کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ف۱۲ نہیں بلکہ وہ (سب)

الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ

اس روز سرافگندہ ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۲۸﴾

سوال و جواب کریں گے (تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی ف۱۳

قَالُوۡا بَلْ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُمۡ

(مرشد) کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے، اور ہمارا تم پر کوئی زور تو

مِّنۡ سُلۡطٰنٍ‌ ۚ بَلۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيۡنَا

تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے سوہم (سب ہی) پر ہمارے پروردگار کی

قَوۡلُ رَبِّنَآ‌ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغۡوَيۡنٰكُمۡ اِنَّا كُنَّا غٰوِيۡنَ ﴿۳۲﴾

یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم (سب) کو مزہ چکھنا ہے سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا اور ہم خود ہی گمراہ تھے ف۱۴

فَاِنَّهُمۡ يَوۡمَئِذٍ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

سو وہ (سب کے سب) اس روز عذاب میں شریک رہیں گے ہم (ایسے)

نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ

مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا

کوئی معبود نہیں تو یہ لوگ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے

ف۱۱ اَزۡوَاجَهُمۡ۔ زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ اصل الزوج المقارن (روح) یقال لکل ما یقترن باٰخر مماثلا له او مضادا زوج (راغب) یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں، بلکہ رفیقوں، ہم شربوں کے مرادف ہے۔ اے اقرانهم المعتقدین بهم فی افعالهم (راغب۔ ابوالبقاء) تابعین بلکہ صحابہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ اخرج جماعة ابن عباس فی لفظ اشباههم وفی لفظ نظراءهم وروی تفسیر الا زواج بذالک ایضا عن ابن جبیر ومجاهد وعکرمة (روح) عن عمر بن الخطاب الزانی مع الزانی وشارب الخمر مع شارب الخمر وصاحب السرقة مع صاحب السرقة (قرطبی) وقیل قرناء هم من الشیاطین وروی هذا عن الضحاک (روح) ای اشباههم واتباعهم امثالهم قال قتادة والکلبی کل من عمل مثل عملهم فاهل الخمر مع اهل الخمر واهل الزنا مع اهل الزنا (معالم) ای اضربائهم (ابن جریر عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ) مَا كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ۔ اس کے تحت میں شیاطین واصنام سب آگئے، مطلب یہ ہوا کہ حشر میں منکروں کے رئیس اور عوام، سردار اور پیرو مع ان کے معبودانِ باطل کے سب اکٹھے کئے جائیں گے۔ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا۔ کھلی ہوئی مراد مشرک کافروں سے ہے۔ جیسا کہ وَمَا كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ سے بالکل واضح ہو رہا ہے۔ هم المشرکون (بیضاوی) ف۱۲ (حالانکہ دنیا میں تو خوب کرتے رہتے تھے اور اپنی اسی باہمی اعانت ونصرت پر فخر وناز بھی رکھتے تھے) فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡجَحِيۡمِ۔ یعنی ان سب کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ مطلب یہ ہوا کہ جب اہل کفر کے رئیس وعوام، مقتداء اور مقتدی سب جمع ہو جائیں گے تو حکم ہوگا کہ سب کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے۔ ف۱۳ عوام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ بیشک تم نے ہمیں کفر پر صریحا مجبور تو نہیں کیا تھا، لیکن تم ترغیب وتحریض کے مختلف طریقے اختیار کر کر کے ہر طرح کا زور جو ہم پر دیا کرتے تھے۔ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡيَمِيۡنِ۔ اتیان عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔ عن القوة والقهر اذ الیمین موصوفة بالقوة وبها یقع البطش ای انکم تحملوننا علی الضلال وتقسروننا علیه (مدارک) ای عن اقوی الوجوه (بیضاوی) ای تخدعوننا وتفتنوننا عن طاعة الله (ابن قتیبہ) وقیل الیمین بمعنی القوة ای تمنعوننا بقوة وغلبة وقهر (قرطبی) عَنِ الۡيَمِيۡنِ سے کنایہ یہ بھی سمجھا گیا ہے کہ راہ حق کی طرف سے اس سے روکنے کے لئے آتے تھے۔ ای عن الناحیة التی کان منها الحق تصرفوننا عنها (راغب) وقال مجاهد ای من قبل الحق انه معکم (قرطبی) ف۱۴ رؤساء اور مقتدایان کفر اپنی صفائی میں کہیں گے کہ ہم کیا کریں، اسباب ہی ایسے اکٹھے ہو گئے کہ ہم خود بھی گمراہ ہوئے، اور اپنی گمراہی کو تم تک پہنچایا، تو تم بھی باختیار خود گمراہ ہوئے۔ ذمہ داری سے بری کوئی نہیں، سب کو اپنا اپنا کفر بھگتنا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ اگر ہر گمراہ کی ذمہ داری مغوی پر ڈال دینے کا قاعدہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی شخص قابل سزا رہ ہی نہ جائے گا۔ کہ اس مغوی کا بھی تو کوئی اور مغوی ہوگا، اور اس کا کوئی اور۔ اس سے صاف دور و تسلسل لازم آتا ہے۔ اور ذمہ داری ایک سے دوسرے پر برابر ختم ہی چلی جائے گی۔

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ

شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے؟ ف۱۵ نہیں اصل یہ ہے، کہ وہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیمبروں کی

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ مَا

تصدیق کرتے ہیں، ف۱۶ تم (سب) کو عذاب دردناک چکھنا پڑے گا اور

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ف۱۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ

کئے ہوئے بندے ہیں ان کے لئے غذائے معلوم ہے یعنی میوے

وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ

اور وہ عزت کے ساتھ راحت کے باغوں میں ہوں گے ف۱۸ تختوں پر آمنے سامنے

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾

بیٹھے ہوئے ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے (لبریز)

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا

سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ اس سے نہ چکر آئے گا، اور نہ اس سے وہ بہکیں بہکی

يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

باتیں کریں گے ف۱۹ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں بڑی آنکھ والیاں ہوں گی،

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

گویا وہ انڈے ہیں چھپے چھپائے (رکھے ہوئے) ف۲۰ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾

کریں گے ف۲۱ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا

ف۱۵ مشرکین عرب کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ دین جاہلیت کی "تہذیب اعلیٰ و برتر" (SUPERIOR, CULTURE) پر نازاں ہیں، اور جب خالص اور کھری توحید ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے قبول کرنے میں اور اپنے مشرکانہ عقائد سے دستبردار ہونے میں اپنی کسرشان سمجھتے ہیں۔ اور پیمبر کے لئے یہ نظریہ قائم کئے ہوئے کہ یہ تو ایک محض خیالی منصوبہ باز شخص ہے، اس کے کہے سے اپنے عقائد قدیم کیونکر بدل دیں۔ والمُجرِمِین۔ مجرمین سے مراد عام گنہگار نہیں، بلکہ جرم کفر کے مرتکبین مراد ہیں۔ ای بالمشرکین (بیضاوی۔ روح) اور صرف یہیں نہیں۔ بلکہ یہ لفظ اپنی مطلق صورت میں جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں آیا ہے مراد کافر ہی ہیں۔ یدل علی ان لفظ المجرم المطلق مختص فی القرآن بالکافر (کبیر) ف۱۶ مشرکوں کو جواب مل رہا ہے کہ ان پیمبر کی زبان سے اظہار تمامتر حقائق ہی کا ہو رہا ہے۔ بھلا شاعری خیال بندی، منصوبہ بازی کو ان نبوی عقائد سے کیا مناسبت ہے؟ ف۱۷ یعنی اس عام و مشترک سزا کے باب میں کوئی ظلم کسی قسم کا نہیں۔ نفس کفر و انکار میں تم سب شریک تھے، اس لئے لازم ہے کہ آج سزائے کفر میں بھی سب شریک ہو۔ ف۱۸ چنانچہ یہ سارے ماکولات ان کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔ یہ نہیں کہ جیسے گداگر کی جھولی میں کچھ ڈال دیا گیا۔ فواکہ۔ عربی میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے اور اردو کے کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عربی میں فاکھہ سے مراد صرف میوے ہی نہیں، بلکہ ہر وہ لذیذ نفیس چیز ہے جو انسان پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ ذائقہ کے لئے کھاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کے جسم کو تغذیہ کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے کہ وہاں جسم فنا پذیر نہ ہوں گے۔ اہل جنت تو جو کچھ کھائیں پئیں گے صرف مزے اور لطف ہی کے لئے۔ وھی کل ما یتلذذ به ولا یتقوت کحفظ الصحة یعنی ان رزقھم کله فواکه لانھم مستغنون عن حفظ الصحة بالاقوات (کشاف) الفاکھة عبارة عما یوکل لاجل التلذذ لا لاجل الحاجة (کبیر) الفاکھة ما یقصد للتلذذ دون التغذی (بیضاوی) جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ ایسے باغ جن میں راحت ہی راحت ہوگی، تکلیف کا کہیں گزر بھی نہ ہوگا۔ فی جنّٰت لیس فیھا الا النعیم (بیضاوی) ف۱۹ یعنی اس میں صرف سرور ہی سرور، لذت ہی لذت، لطافت ہی لطافت ہوگی۔ نشہ، خمار، دوران سر، وغیرہ کی ساری تکلیف دہ کیفیات سے جو دنیا کی لطیف سے لطیف شرابوں کا بھی جزو ہوتی ہیں، وہ یکسر خالی ہوگی۔ غرض یہ کہ دنیا کی شرابوں اور اس شراب طہور کے درمیان بجز نام کے اور کوئی چیز مشترک نہ ہوگی۔ مِنْ مَّعِیْنٍ۔ اشارہ کثرت کی جانب ہے۔ یعنی شراب کے دریا بہ رہے ہوں گے۔ معین وہ چیز ہے جو پانی کی طرح چشمہ سے ابل رہی ہو۔ المعین ماخوذ من عین الماء ای یخرج من العیون کما یخرج الماء (کبیر) لذة میں حذف مضاف ہے، یعنی ذات لذة۔ قال الزجاج ای ذات لذة وعلی ھذا حذف مضاف (کبیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصف لذت کی زیادتی کے اظہار کے لئے لذیذ چیز کو نفس لذت سے اور صیغۂ مصدر سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ وصفت بالمصدر للمبالغة بجعلھا نفس اللذة (روح) صاحب بحر نے دونوں ترکیبیں نقل کر دی ہیں۔ کاس۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد شراب ہی سے ہے۔ قال ابن عباس والضحاک والاخفش کل کاس فی القراٰن فھو خمر (بحر) اور محاورۂ عرب میں بھی یہی ہے کہ شراب سے بھرے ہوئے ہی جام کو کاس کہتے ہیں ورنہ قدح یا اناء۔ والعرب تقول للاناء اذا کان فیه خمر کاس فاذا لم یکن فیه خمر قالوا اناء وقدح (قرطبی) غَوْلٌ کے معنی فساد کے بھی ہیں اور دردِ سر کے بھی۔ قال اللیث الغول الصداع (کبیر) ف۲۰ (اور گرد و غبار و داغ سے بالکل محفوظ) تشبیہ صرف صفائی اور آب و تاب میں ہے، اردو خواں اس پر حیرت نہ کریں۔ محاورۂ عرب میں عورت کے گورے رنگ اور حسن کے لئے یہ تشبیہ عام ہے۔ کان ھذا اللون فی غایة الحسن والعرب کانوا یسمون النساء بیضات الخدور (کبیر) العرب تشبه النساء ببیض النعام (ابن قتیبہ) والعرب تشبه المراة بالبیضة لصفائھا وبیاضھا (قرطبی) عِیْنٌ میں خلاصہ آ گیا ان کے حسن و جمال کا۔ اور قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے اشارہ ہو گیا کہ علاوہ حسن صورت کے غیرت و حسن عفت سے جنت میں بھی موصوف رہیں گی، ف۲۱ انفرادی، مادی لذتیں بڑی سی بڑی بھی اہل جنت کے لئے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں، دوستوں، عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان سب لذتوں کو دوبالا ہوگا۔

يَقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا

وہ کہا کرتا تھا کیا تو بھی (حشر کے) معتقدین میں سے ہے تو کیا جب ہم مر جائیں گے اور

تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ

مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو جزا و سزا دیے جائیں گے؟ ف۲۲ ارشاد ہوگا کہ کیا تم (اسے) جھانک کر

مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ

دیکھنا چاہتے ہو؟ ف۲۳ سو وہ (شخص) جھانکے گا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا ف۲۴ (اور) بول اٹھے گا

تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ

اللہ کی قسم تُو تو مجھے ہلاک ہی کر ڈالنے کو تھا اور اگر میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا

ماخوذ لوگوں میں ہوتا ف۲۵ تو کیا ہم (اب) نہ مریں گے بجز پہلی بار کے

الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

مر چکنے کے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا ف۲۶ بے شک بہت بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ

کامیابی یہی ہے ف۲۷ ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، بھلا یہ دعوت

خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً

بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ف۲۸ ہم نے اس کو کافروں کے لئے (موجب)

لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

آزمائش بنایا ہے ف۲۹ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا

اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن ف۳۰ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے

ف۲۲ یعنی دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا، وہ مجھ سے طنزاً کہا کرتا تھا کہ کیوں میاں! تم بھی حشر و نشر کے ڈھکوسلوں کے قائل ہو؟ ف۲۳ قَالَ کا فاعل حق تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرار دیا اور بیضاوی وغیرہ میں بھی یہ قول نقل ہوا ہے، اور خود وہ جنتی بھی ہوسکتا ہے، جو اپنے رفیقوں، ہمنشینوں سے کلام کرے گا اور یہ قول جمہور مفسرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایک ہی شخص اس کا قائل ہو۔ بلکہ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ کے صیغۂ جمع سے تو ظاہر ہو رہا کہ یہ بہتوں کا تجربہ ہوگا ف۲۴ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ وہ جہنم کا وسط حقیقی ہے۔ محاورات میں "بیچوں بیچ" برابر بول دیتے ہیں، جب مراد صرف خوب گھرے ہوئے ہونے سے ہوتی ہے فَاطَّلَعَ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں اور دوزخ اسفل میں ہے اور اس وقت باہم ایسی غیبت ہوگی کہ جھانکنے سے نظر آجائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۵ یعنی تو نے مجھے خراب کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، یہ محض فضل خداوندی تھا جس نے مجھے عقیدہ صحیح پر قائم رکھا۔ ف۲۶ یہ سب کچھ جوش مسرت میں اس جنتی کی زبان پر آجائے گا۔ ف۲۷ یعنی جنت کی ان نعمتوں سے سرفرازی۔ الاشارة الی ماهم علیه من النعمة والخلود والامن من العذاب (بیضاوی) یہ حور اور قصور، جنت کی لذتیں اور سرور تو بل معطل نہیں کہ ہمارے صوفی اور شاعر انہیں طنز و تمسخر کا نشانہ بنائے رکھیں، یہ سب مطلوب شرعی ہیں۔ محل و مظہر رضاء الٰہی ہیں۔ قرآن مجید انہیں بار بار بطور مقصود کے پیش کر رہا ہے۔ افسوس اور صد ہزار افسوس ہے کہ ان پر فقرے کہہ کر اور پھبتیاں کس کر بھی ہمارے بہت سے شاعر اور صوفی، بزرگ اور مقبول سمجھے جا رہے ہیں۔ ف۲۸ الزَّقُّوْم ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لیے مشہور تھا۔ فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں۔ دوزخ میں آگ سے پیدا ہوگا، اور کسی طرح بھی انسانی غذا کے قابل نہ ہوگا۔ یوں بھی زہریلا اور تلخ ہوتا ہے، اور پھر دوزخ کے زقوم کا کہنا ہی کیا۔ مجازاً ہر زہریلی اور بدمزہ چیز کو کہہ سکتے ہیں۔ قال ثعلب الزقوم کل طعام یقتل (تاج) عبارة عن اطعمة کریهة فی النار (راغب) ف۲۹ (اسی دنیا میں) کہ دیکھیں کون اسے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب و تضحیک) زقوم کے ایک اور معنی خرما اور مسکہ کے بھی ہیں۔ مشرکین عرب نے یہی معنی لے کر مضحکہ شروع کر دیا تھا۔ الظّٰلِمِیْنَ۔ ظالموں سے یہاں مراد کافر ہی ہیں۔ ف۳۰ جیسے ہندوستان میں ناگ پھنی کے پتے ہوتے ہیں، نواح یمن میں بھی اسی نام کا ایک بدمنظر پودا ہوتا ہے۔ نبت معروف قبیح الرأس (کبیر) شجرة معروفة تکون بناحية اليمن منكرة الصورة (روح) اور صاحب روح نے دو شعر بھی اسی معنی میں نابغہ اور اصمعی کے پیش کیے ہیں۔ الشَّيٰطِيْن۔ شیطان کے مجازی معنی بدہیئت سانپ کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ قیل هی حية خفيفة الجسم (راغب) وقیل الشیاطین حيات هائلة قبيحة المنظر (بیضاوی) وهی من اقبح الحيات وبها يضرب المثل فی القبح (کبیر)

فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝٦٦ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا

اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر

مِّنْ حَمِيْمٍ ۝٦٧ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝٦٨

دیا جائے گا ف۳۱ پھر اخیر ٹھکانا ان کا دوزخ ہی کی طرف ہو گا

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝٦٩ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہ پایا تھا سو یہ بھی انہیں کے قدم پر تیزی کے ساتھ

يُهْرَعُوْنَ ۝٧٠ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٧١

چل پڑے ف۳۲ اور ان سے پہلے بھی اگلوں میں اکثر گمراہ ہو چکے تھے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝٧٢ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان کا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٧٣ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٧٤ وَلَقَدْ

کیسا برا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا البتہ وہ نہیں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے ف۳۳ اور ہم کو

نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝٧٥ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

نوح نے پکارا، اور ہم خوب فریاد کے سننے والے ہیں ف۳۴ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝٧٧

بھاری غم سے نجات دی ف۳۵ اور ہم نے باقی انہیں کی نسل کو رہنے دیا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝٧٨ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي

اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والوں میں (یہ بات) رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو

الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٩ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٠ اِنَّهٗ مِنْ

عالم والوں میں ف۳۶ بے شک ہم مخلصین کو (ایسا ہی) صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے

ف۳۱ (غساق یعنی پیپ کے ساتھ) یعنی بھوک سے مضطر ہو کر تو زقوم سے پیٹ بھریں گے، اور پیاس سے بے قرار ہو کر کھولتا ہوا پانی پیپ ملا ہوا پیٹ میں انڈیلیں گے۔ ف۳۲ یعنی گمراہی کے راستہ میں بڑے شوق و رغبت سے چلنے لگے۔ انھم ۔۔۔ ضآلین۔ آیت نے صاف کر دیا کہ اس نتیجہ کا ترتب اہل جہنم پر صرف اس لئے ہوگا کہ انہوں نے دلیل صحیح کی پیروی چھوڑ کر محض اندھی تقلید شروع کر دی تھی۔ والمقصود من الآية انه تعالى علل استحقاقهم للوقوع في تلك الشدائد كلها بتقليد الآباء في الدين وترك اتباع الدليل (کبیر) اور امام رازی نے لکھا ہے کہ اندھی تقلید کے ذم میں اگر کوئی اور آیت قرآن میں نہ ہوتی تو یہی ایک آیت کافی تھی۔ ولو لم يوجد في القرآن غير هذه الآية في ذم التقليد لكفى (کبیر) ف۳۳ (بلکہ وہ اس عذاب دنیوی سے بھی محفوظ رہے) یعنی جنہوں نے پیمبروں کی تکذیب کی، ان پر دنیا میں بھی کیسے کیسے عذاب آئے۔ عباد اللہ المخلصین۔ یعنی اہل ایمان۔ ف۳۴ (چنانچہ ہم نے نوح کی بھی سن لی) ولقد نادنا۔ یعنی ہمیں اپنی نصرت اور کافروں سے انتقام کے لئے پکارا۔ و اھلہ۔ اھل سے مراد حضرت نوح کے خاندان والے نہیں، بلکہ ہم عقیدہ اہل ایمان لئے گئے ہیں۔ يعني اهل دينه وهم من امن معه (قرطبی) ف۳۵ (اور کافروں کو غرق کر دیا) الکرب العظیم سے مراد ہے کافروں کی تکذیب و ایذاء سے پیش آنے والا غم۔ قصۂ نوح پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ طبعی غم کمال کے منافی نہیں، اقتضاءات طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں، اور اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ غلبۂ حال۔ ف۳۶ چنانچہ آج تک ملائکہ و مومنین ان پر سلام بھیجتے اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ و جعلنا ۔ ھم الباقین۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنی بھی آبادی ہے، سب حضرت نوح ہی کی نسل ہے۔

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَ اِنَّ

ایمان دار بندوں میں تھے پھر ہم نے غرق کر دیا اوروں کو ف۳۷ اور ان کے طریقہ والوں

مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾

میں ابراہیم بھی تھے ف۳۸ (ان کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم کے ساتھ متوجہ ہوئے ف۳۹

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً

جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا گڑھے ہوئے معبود

دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ

اللہ کے سوا (معبود بنا) چاہتے ہو؟ تو تمہارا پروردگار عالم سے متعلق کیا خیال ہے؟ ف۴۰ پھر ابراہیم نے

نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ

ستاروں کو ایک نگاہ بھر کے دیکھا، اور کہہ دیا کہ میں مضمحل ہوں غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر

مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾

پیچھے گئے ف۴۱ تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾

تمہیں کیا ہوا، تم بولتے ہی نہیں ہو؟ ف۴۲ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے ف۴۳

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾

پھر وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے آئے ف۴۴ (ابراہیم نے) کہا کیا تم ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں (خود ہی) تراشتے ہو ف۴۵

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ

حالانکہ تم کو اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ف۴۶ وہ لوگ بولے اس کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کرو اور

فِي الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾

اس دہکتی ہوئی آگ میں سے ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے اس کے ساتھ برائی کرنا چاہا سو ہم نے انہیں کو نیچا دکھا دیا ف۴۷

ف۳۷ یعنی دوسرے کیش اور مذہب والوں کو، مشرکوں کو۔ ای المغایرین لنوح واھلہ وھم کفار قومہ اجمعین (روح) ثُمَّ یہاں تراخی ذکری کے لئے ہے۔ ورنہ زمانی اعتبار سے جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ اور اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ دونوں فعلوں کا وقوع ساتھ ہی ساتھ ہوا تھا۔ الْمُحْسِنِیْنَ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشبیہ تمام امور میں ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ محسنین کو جزائے حسن دیا کرتے ہیں، اب جس مرتبہ کا احسان، اس مرتبہ کی جزا، بس انبیاء وغیر انبیاء میں تساوی لازم نہیں آتی (تھانویؒ) ف۳۸ یعنی انہیں کے خاندان میں سے اور عقائد واصول میں ان سے متحد۔ ای ممن شایعہ فی الایمان واصول الشریعۃ (بیضاوی) ای من اھل بیتہ وعلی امتہ ومنھاجہ (کبیر) ای ممن شایعہ علی اصول الدین او شایعہ علی التصلب فی دین اللہ (مدارک) قال ابن عباس ای من اھل دینہ وقال مجاھد ای علی منھاجہ وسنتہ (قرطبی) ابراہیمؑ، ذکر بار بار آچکا اور آپ پر حاشیے بھی گزر چکے۔ ف۳۹ یعنی جس دل میں عقیدۂ توحید خالص واخلاص کامل تھا، اس کے ساتھ۔ سیدخل فیہ کونہ سلیمًا عن الشرک وعن الشک وعن الغل والغش والحقد والحسد (کبیر) ف۴۰ (جو سورج اور چاند اور تمہارے سارے بڑے بڑے دیوتاؤں کا خالق ہے) حضرت ابراہیمؑ اب توحید کی تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ لِاَبِیْہِ۔ آپ کے والد کا نام آزر تھا۔ ان کی بت پرستی وبت تراشی پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ وَقَوْمِہٖ۔ آپ کی یہ قوم بابل یا کلدانیہ میں سکونت رکھتی، ستارہ پرستی اور بت پرستی کے دہرے دہرے شرک میں مبتلا تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۱ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ قوم کے سالانہ میلہ کا وقت آگیا ہے (جاہلی قوموں میں میلوں ٹھیلوں کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے) اور لوگ آپ کو اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر آپ سے بھی ہمراہ چلنے کو کہتے ہیں۔ آپ عذر کررہے ہیں۔ یہ بیان اسی موقع کا ہے۔ نَظَرَ نَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ۔ گھڑی کی ایجاد سے قبل وقت وغیرہ کے علم کے لئے نظر قدرۃً رات کے وقت ستاروں کی طرف اٹھا کرتی تھی۔ جیسا کہ آج بھی ان ملکوں میں دستور ہے جہاں گھڑیاں ابھی نہیں پہنچی ہیں۔ اور پھر اہل کلدانیہ (بابل) تو فن نجوم، جوتش وغیرہ کے پرستاروں میں تھے۔ فال وغیرہ کے کتنے احکام ستاروں ہی سے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، اور وہ لوگ اپنی حسب عادت یہ سمجھے کہ یہ ستاروں کی مدد سے اپنا مستقبل دریافت کررہے ہیں۔ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ آپ نے بطور عذر فرمایا کہ آج مضمحل ہوں اس لئے تمہارا ساتھ دینے سے معذور۔ سقیم۔ یہاں ایک مشہور سوال یہ چلا آرہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو مریض نہ تھے، پھر کیسے اپنے کو مریض ظاہر کردیا؟ جوابات اس کے مختلف اور متعدد دیئے گئے ہیں لیکن ایک سوال نفس سوال ہی پر پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کا مریض نہ ہونا کہاں سے فرض کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں تو اس کی صراحت کیا معنی اشارہ بھی نہیں۔ اور نہ کسی معتبر روایت میں یہ ذکر ہے۔ بالکل آسانی سے ممکن ہے کہ آپ مریض رہے ہوں گے اور اسی حال کا اظہار بھی آپ نے کردیا۔ صرف ستاروں پر نظر کرنے کا جزو الگ تھا اور وہ اس مصلحت سے تھا کہ اہل شرک کو مزید سوالات کا موقع نہ رہے۔ پھر سقیم کے معنی بھی مریض کیوں فرض کرلئے گئے؟ اور اس کا اردو ترجمہ بیمار سے کرنا کیونکر لازم آگیا؟ سقیم کا اطلاق ہر مضمحل پر ہوتا ہے۔ جیسے خود قرآن مجید ہی میں، بلکہ اسی کی اسی سورت میں آگے چل کر آرہا ہے۔ فَنَبَذْنٰہُ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ سَقِیْمٌ (آیت نمبر ۱۴۵) یہاں کوئی اس کے معنی بیمار کے نہیں لیتا۔ اور پھر جیسا کہ علامہ راغب نے لکھا ہے، بیماری کا تعلق ماضی سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور مستقبل سے بھی اور حال سے بھی۔ اور صحت کامل تو کسی کی بھی نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ بیمار تو ہر شخص رہتا ہی ہے۔ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے معنی ”میں بیمار ہونے کو ہوں“ یا ”بیمار ہونے کے قریب ہوں“ بھی کئے گئے ہیں۔ ای مشارف للسقم (کشاف) ای ساسقم (مدارک) ای یشارف السقم (بحر) اراد انہ سیقیم (روح) فالمعنی انی سقیم فیما استقبل فتوھمھم انہ سقیم الساعۃ (قرطبی) ف۴۲ حضرت ابراہیمؑ کی یہ ساری گفتگو ظاہر ہے کہ بطور تعریض کے ہے۔ اَلَا تَاْکُلُوْنَ۔ مورتیوں پر ان کے پجاری بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے رہتے ہیں۔ آپ کا اشارہ انہی کی جانب ہے۔ ف۴۳ (جس سے وہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ کررہ گئیں) ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ۔ یعنی بڑی شدت وقوت کے ساتھ۔ وتقیید الضرب بالیمین للدلالۃ علی شدتہ وقوتہ (روح) ای ضربا شدیدا قویا (کشاف) ف۴۴ اس کی خبر آپ کے ہم قوموں کو ہوئی ہے، اور وہ اب دوڑے گھبرائے ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے آتے ہیں۔ ف۴۵ (اور خدا اسے تسلیم کرتے ہو، جو خود تمہارا پیدا کیا ہوا اور تراشیدہ ہے!) ف۴۶ (اور مستحق عبادت صرف وہی ہے) متکلمین اہل سنت نے کہا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ انسان ہی کا نہیں، اس کے اعمال وافعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ آیت صاف تردید کررہی ہے مسلک اہل اعتزال کی، جو اعمال کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ احتج جمھور الاصحاب علی ان فعل العبد مخلوق للہ تعالیٰ (کبیر) وھو دلیلنا فی خلق الافعال ای اللہ خالقکم وخالق اعمالکم (مدارک) وفی ھذا ابطال مذاھب القدریۃ والجبریۃ (قرطبی) مَا تَعْمَلُوْنَ میں مَا مصدریہ ہے۔ اس لئے وما تعملون کے معنی وعملکم کے ہوئے اور تقدیر کلام یہ ہوئی، واللہ خلقکم وخلق عملکم۔ ما مصدریۃ ای وخلق اعمالکم (مدارک) البتہ صاحب بحر نے کہا ہے کہ مَا کو مصدری معنی میں لینا طریق بلاغت کے خلاف ہے۔ ف۴۷ اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ ۱۷) میں گزر چکے۔ اَلْجَحِیْمِ۔ جحیم کے ال معرفہ کے ساتھ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اس عمارت کی بھٹی۔ والالف واللام فی الجحیم تدل علی الکنایۃ ای فی جحیم ذلک البنیان (قرطبی) بُنْیَانًا۔ بنیان کے لفظی معنی عمارت کے ہیں، یہاں مراد آگ کی بھٹی ہے۔ ای موقع ایقاد النار (بحر)

حافظا تو قدون فيه النار (روح) وف۴۸ (منزل مقصود تک) اِنی رَبِّی۔ یعنی اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف اس کے حکم کے مطابق۔ ای الی موضع امرنی بالذهاب اليه (مدارک) الی حيث امره بالمهاجرة اليه (کشاف) مراد ملک شام ہے۔ جو آپ کے وطن عراق سے شمال مغرب میں واقع تھا۔ سَیَهْدِیْنِ میں س تاکید وقوع کے معنی میں ہے۔ والسين لتاكيد الوقوع فی المستقبل (روح) وف۴۹ مراد حضرت اسمٰعیل ہیں۔ حلیم۔ لڑکے کے لئے یہ صفت حلم مزاجی کی تصریح یہود ونصاریٰ کے رد میں ہے، جو آج تک حضرت اسمٰعیل کو تند مزاجی وبدخوئی میں ضرب المثل کی شہرت دیئے ہوئے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ فرزند صالح کی دعا مانگتے رہنا کسی کمال روحانی کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء رہا ہے۔ وف۵۰ حضرت اسمٰعیل جب سیانے ہو کر باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپ ان کو ذبح کر رہے ہیں۔ حضرات انبیاء کا خواب بھی وحی ہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ آپ اسے امر الٰہی سمجھے اور تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ یہ گفتگو اسی وقت کی ہے۔ قصہ کی تفصیلات احادیث نبوی میں آئی ہیں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ تعمیل ارشاد میں صاحبزادہ کی تائید کے محتاج تھے ... آپ کا خیال ہوگا کہ لڑکا بھی اگر

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ۚ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ

اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں، سو وہ مجھے پہنچا ہی دے گا وف۴۸ اے میرے پروردگار مجھے ایک صالح (فرزند) دے سو ہم نے انہیں ایک حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی وف۴۹ سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالیے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے وف۵۰ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا وف۵۱ اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا وف۵۲ (وہ وقت بھی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں وف۵۳ بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان وف۵۴ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا وف۵۵ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں وف۵۶ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں تھے وف۵۷ اور ہم نے اسے بشارت دی

اس کی تائید کر دے تو دل اور قوی ہو جائے گا اور اگر اسے تائید میں تامل ہوا تو مزید گفتگو کر کے اسے آمادہ کر دیا جائے گا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ اس فقرہ نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ آپ کو ذبح اسمٰعیل کے لئے حکم ملا تھا، اور آپ اسی پر مامور تھے۔ ظاهره يدل على انه كان مامورًا بذبحه وقد اقتضى الامر قوله افعل ما تؤمر (جصاص) اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ۔ محققین نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ نبی کا خواب حجت ہے۔ ورؤيا الانبياء وحی كالوحی فی اليقظة (مدارک) رؤيا الانبياء وحی كاليقظة (بحر) اس پر غیر نبی کے خواب کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ۔ یعنی جب آپ اپنے والد کے ساتھ دوڑنے دھوپنے کے قابل ہو گئے۔ ای بلغ ان يسعى مع ابيه فی اشغاله وحوائجه (کشاف۔ مدارک) وف۵۱ (جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹاتے ہیں، اور گلے پر چھری پھیرا ہی چاہتے تھے) وف۵۲ یعنی خواب میں جو حکم ملا، اس پر اپنی طرف سے تو پورا عمل کر ہی گزرے۔ اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ عزم فعل پر جب کہ وہ من وجہ فعل سے مؤید ہو، اجر کامل مل جاتا ہے۔ یہ تکمیل اجر اتمام فعل پر موقوف نہیں۔ وف۵۳ کہ انہیں راحت کونین سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اکابر اہل سنت نے (بخلاف معتزلہ کے) اس آیت اور واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ بالکل جائز ہے کوئی حکم نازل ہو اور قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ منسوخ کر دیا جائے۔ وقد استدل بهذه الأية والقصة جماعة من علماء الاصول على صحة النسخ قبل التمكن من الفعل خلافًا لطائفة من المعتزلة والدلالة من هذه ظاهرة (ابن کثیر) وف۵۴ (جسے بجز مخلص کامل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تھا) خواب میں حکم ہونے کی شاید یہ حکمت ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا انقیاد زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو خیال نہیں سمجھا، اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے (تھانوی علیہ الرحمۃ) وف۵۵ عظیم۔ یہاں بمعنی عظیم القدر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دنبہ تھا جو جنت سے آیا تھا۔ اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ جنت کی چیز نے فنا کیسے قبول کر لی۔ جب وہ ناسوت میں لایا گیا تو تاثیرات وخصوصیات بھی یہیں کی پیدا ہو گئیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ جنت میں شروع سے اسی غرض مخصوص کے لئے رکھا گیا ہو۔ فقہاء نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ آیا ذبح ولد کی نذر ماننا اور اس کا ایفاء بکری کے ذبح سے کرنا جائز ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ آیت کو نذر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو محض امتثال امر تھا نہ کہ ایفاء نذر۔ لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر بہر صورت اور بالاتفاق ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی بدعقل ایسی نذر مان لے تو امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کے بدلہ بکری قربان کر دے۔ لیکن امام شافعی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ یہ سرے سے معصیت ہے جس پر اسے استغفار کرنا چاہیے۔ (ابن العربی) حنفیہ میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کی رائے ہے کہ بکری کی قربانی دینی چاہیے، کہ یہ شریعت ابراہیمی سے ثابت ہے، اور اس کا نسخ منقول نہیں۔ قال ابوحنيفة ومحمد عليه ذبح شاة وظاهر الأية يدل على قول ابی حنيفة (جصاص) لیکن امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ ایسی نذر ہی سرے سے باطل ہے، اس لئے اس کا کچھ کفارہ اور بدل بھی نہیں۔ وقال ابو يوسف لاشیء عليه (جصاص) وف۵۶ (کہ انہیں مورد دعا و بشارت بنا دیتے ہیں) وف۵۷ (توحید کامل کے علمبردار، عبدیت کامل کے مظہر) یہ موقع ابراہیم خلیل کی انتہائی مدح وثنا کا ہے۔ اس موقع پر بھی کیا ارشاد ہوتا ہے؟ یہ کہ وہ ہمارے بڑے اچھے بندے تھے! گویا مشرک وجاہلی قوموں کو یہ دلایا کہ کہیں انہیں خدائی کے مرتبہ پر نہ پہنچا دینا، اور ان کے نام کو برہما وغیرہ کی شکل میں بدل کر کہیں انہیں دیوتا نہ بنا لینا! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام توحید ہے!

بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى

اسحٰق کی کہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے ف۵۸ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر

اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

برکتیں نازل کیں ف۵۹ اور ان دونوں کی نسل میں بعض بعض اچھے بھی ہیں اور بعض صریحاً اپنے اوپر

مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ظلم کر رہے ہیں ف۶۰ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی ف۶۱ اور ہم نے ان سب کی مدد کی،

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

سو یہی لوگ غالب رہے ف۶۲ اور ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب دی

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا

اور ہم نے انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا ف۶۳ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا

یہ بات رہنے دی، موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف۶۴ بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ

بندوں میں تھے ف۶۵ اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے ف۶۶ (اس وقت کا ذکر کیجیے) جب کہ انہوں نے

لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ

اپنی قوم سے کہا کہ تم (اللہ) سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اور اسے چھوڑے ہوئے ہو جو سب سے بڑھ کر

ف۵۸ یہ بنی اسمٰعیل کو خاص طور پر سنایا جا رہا ہے، کہ کہیں بنی اسرائیل کے مطاعن اسمٰعیل اور بنی اسمٰعیل کے خلاف سنتے سنتے جواب میں یہ بھی حضرت اسحٰق کی نبوت وجلالت قدر سے انکار نہ کر بیٹھیں مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ اسرائیلیوں کے ہاں "نبی" کے ساتھ "صالح" ہونا لازمی نہ تھا۔ کاہن کی طرح صرف غیب بین، غیب داں ہونا کافی تھا۔ قرآن اسی لئے بار بار انبیاء کے وصف صالحیت کو نمایاں کرتا رہتا ہے ف۵۹ (کہ دونوں کی نسل سے بکثرت انبیاء پیدا کیے گئے) انبیاء بنی اسرائیل ظاہر ہے کہ سب کے سب حضرت اسحٰق ہی کی اولاد میں تھے ف۶۰ (یہاں تک کہ ایمان سے محروم ہیں) ایسے لوگوں کے لئے پیمبر زادگی ہرگز کام نہیں آ سکتی۔ ذُرِّيَّتِهِمَا کے صیغۂ تثنیہ سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ نسل ابراہیمی علاوہ حضرت اسحٰق کے کسی اور واسطے سے بھی چلے گی۔ ف۶۱ یعنی ظالم مشرک حکومت کے پنجہ سے رہائی دی۔ وَلَقَدْ ...... هٰرُوْنَ ۔ یعنی انہیں نبوت اور دوسرے کمالات سے مشرف کیا۔ ف۶۲ (اور فرعون باایں صولت وشوکت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، اور آخر خود ہی غرق ہو کر رہا) ف۶۳ (یہاں تک کہ وصف عصمت سے ممتاز کیا۔ جو ہدایت واستقامت کا بلند ترین مرتبہ ہے) اس میں رد آ گیا یہود ونصاریٰ کا جو ہارون علیہ السلام کو بہت سے امور میں ضلالت وخطا پر سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ موجودہ توریت میں گوسالہ پرستی تک ان سے منسوب کر دی گئی ہے۔ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۔ توریت موسیٰ علیہ السلام کو تو اصالۃً اور براہ راست عطا ہوئی تھی۔ شریک رسالت حضرت ہارون بھی تھے۔ اس لئے تبعاً وبالواسطہ "توریت" ان کی جانب بھی منسوب کی جا سکتی ہے۔ ف۶۴ (کہ ان کو مورد دعا ومستحق ثنا بنا دیتے ہیں) ف۶۵ (اس لئے صلہ بھی کامل عطا ہوا) قرآن مجید نے پیمبروں کے ذکر میں جو بار بار اس قسم کی تصریحات کی ہیں، ان کے مقصد دو ہیں۔ ایک تو پیمبروں کی مدح، ان کا مستحق دعا وثنا ہونا، ان کا قابل تقلید ہونا۔ اہل کتاب کی بدگوئی اور اتہام تراشیوں سے انہیں محفوظ رکھنا۔ اور ان کی طرف سے صفائی۔ ورنہ توریت موجودہ میں تو پیمبروں کی وہ بری گت بنائی گئی ہے کہ اخلاقی ودینی، عملی واعتقادی کبائر میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ان کی جانب منسوب نہ کر دیے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) کفر وشرک بھی! دوسری غرض اس کے بالمقابل یہ بھی رہی ہے کہ انہیں ان کے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھایا جائے، انہیں ہر حال میں بندہ ہی سمجھا جائے، اور الوہیت کا کوئی جز بھی شامل نہ ہونا سمجھا جائے۔ ف۶۶ الیاس ایک مشہور اسرائیلی نبی گزرے ہیں۔ توریت میں ان کا نام ایلیاہ (ELIJAH) آیا ہے۔ وہ بادشاہ اخی اب (AHAB) کے معاصر ہوئے ہیں، جو شمالی مملکت کا فرمانروا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۸۷۶ تا ۸۵۳ ق، م ہوا ہے۔ توریت میں ان کے کرامات ومعجزات کا ذکر کتاب سلاطین حصہ اول ودوم دونوں میں ملتا ہے۔ یہودی عقیدہ ہے کہ آپ حضرت ادریس کی طرح آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی

و۶۷ احسن الخالقین۔ کا لفظ لا کر حق تعالیٰ کے اس صفاتی پہلو پر بھی توجہ دلادی گئی ہے کہ چھوڑے ہوئے بھی ہو تو کس کو؟ اس کو جو تمہارا پروردگار، تمہارا خالق ہے! اور خالق بھی کیسا؟ ہر اعتبار سے اشرف واحسن!...... ذرا تو اپنی اس بغاوت وسرکشی کو سوچو سمجھو، اور اس پر شرماؤ۔ بعل بعلبکی (فنیشین) قوم کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ اسرائیلی بادشاہ اخی اب نے جب غیر قوموں میں شادیاں کیں، تو ان میں سے کوئی بیوی اپنے ہمراہ بعل پرستی بھی شاہی محل میں لے آئی اور شاہی محل سے رفتہ رفتہ ساری اسرائیلی قوم میں سرایت کرگئی۔ انبیاء اسرائیل میں سے چند نے اس نئے شرک کا مقابلہ پورے زور وقوت کے ساتھ کیا، اور ان میں ممتاز نام حضرت الیاس نبی کا ہے۔ بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعل نام کسی دیوتا کا نہیں، بلکہ سب سے بڑی دیوی کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

الْخَالِقِينَ ﴿١٢٥﴾ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٢٦﴾

بنانے والا ہے و۶۷ اللہ ہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ

سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا، پس وہ لوگ پکڑے جائیں گے و۶۸ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کیے ہوئے

الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ سَلَامٌ

بندے تھے (وہ ثواب واجر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو

عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣١﴾

الیاسین پر، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں و۶۹

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾ وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ

بے شک وہ ہمارے (کامل) ایمان دار بندوں میں سے تھے، اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوزًا

ہوئے ہیں (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی تھی بجز ایک بوڑھی کے

فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ

(کہ) وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی و۷۰ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر مارا، اور تم تو ان پر صبح وشام

عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ﴿١٣٧﴾ وَبِاللَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٨﴾ وَإِنَّ

گزرا کرتے ہو، تو کیا پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے و۷۱ اور بے شک

يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ

یونس پیغمبروں میں تھے و۷۲ (اس وقت کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی

الْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾

کشتی کے پاس پہنچے و۷۳ پھر وہ بھی شریک قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے و۷۴

حضرت الیاس کی قوم فلسطین کے مغربی وسطی علاقہ سامرہ (SAMARIA) میں آباد تھی، اور وہیں بعل کی پوجا زور وشور سے جاری تھی۔ و۶۸ (عذاب آخرت میں اپنے اس جھٹلانے کی پاداش میں) و۶۹ (کہ انہیں مستحق اجر وسرور دعا وثنا بنا دیا) إل یاسین۔ لفظ الیاس ہی کا یہ دوسرا تلفظ ہے۔ و۷۰ (اور وہ آپ کی کافر بیوی تھی) حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ خصوصاً سورۃ الاعراف (پ ۸) میں۔ و۷۱ (کہ کفر وعدوان کا آخری انجام کیا ہوتا ہے) الآخرین۔ یعنی لوط واہل لوط کے علاوہ اور جو لوگ تھے۔ إنکم۔ خطاب قریش مکہ سے ہے، جن کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے ہوئے برابر شرق اردن کے علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔ و۷۲ یونس ؑ اور آپ کے قصہ پر حاشیے بھی گزر چکے خصوصاً سورۂ یونس (پ ۱۱) میں۔ و۷۳ (اور اس مسافروں اور سامان سے لدی ہوئی کشتی میں سوار ہو گئے) آپ نے اپنی نافرمان اور سرکش قوم کو بہ حکم الٰہی عذاب کی خبر سنائی۔ اور اس کے بعد اسی توقع پر شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اس روانگی کے لئے کسی الگ اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ قوم میں ابھی کچھ بھی باقی تھی۔ عذاب ابھی آنے پایا نہ تھا۔ محض دور سے اس کے ابتدائی آثار دیکھ ڈر گئے، اور توبہ واستغفار گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اس پر عذاب ٹل گیا۔ آپ کو خبر پہنچی، تو آپ حیاء طبعی کے اثر سے وطن آنے کے بجائے، کسی بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور اس کے لئے بھی اجازت الٰہی کے انتظار کی ضرورت نہ تھی۔ توریت میں ہے:۔ ”یوناہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو بھاگنے کے لئے اٹھا اور وہ یافا میں اتر گیا۔ اور وہاں ایک جہاز کو جو ترسیس کو جانے پر تھا پایا (یوناہ ۱: ۳) ترسیس اور یافا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بحر روم میں تھا۔ لیکن ہمارے ہاں کی روایات میں نام دجلہ کا آتا ہے، جو عراق کا مشہور اور بڑا دریا ہے جس کا طول ساڑھے گیارہ سو (۱۱۵۰) میل کا ہے۔ و۷۴ یعنی قرعہ میں نام انہیں کا نکلا۔ عقیدہ اس وقت یہ پھیلا ہوا تھا کہ کوئی بھگوڑا غلام یا کوئی مجرم اگر کشتی میں سوار ہو جاتا ہے، تو کشتی خطرہ میں آجاتی ہے۔ اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کو اتار دیا جائے۔ حضرت یونس کی کشتی کو طغیانی وطوفان کا سامنا ہوا۔ ملاحوں نے مجرم کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا، اور قرعہ میں نام حضرت یونس کا نکلا۔ اور ملاحوں نے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ توریت میں ہے:۔ ”خداوند نے سمندر پر ایک بڑی آندھی بھیجی، اور سمندر کے درمیان طوفان نے شدت کی، ایسی کہ گمان تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے گا، تب ملاح ہراساں ہوئے اور ہر ایک نے اپنے معبود کو پکارا...... اور انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم لوگ قرعہ ڈال کر دریافت کریں کہ کس کے سبب سے ہم پر یہ بلا آئی، چنانچہ انہوں نے قرعہ ڈالا اور قرعے میں یوناہ کا نام نکلا۔ اور انہوں نے یوناہ کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا، اور سمندر کا تلاطم موقوف ہوگیا (یوناہ ۱: ۴۔ ۱۵) فساہم۔ اس سے بعض لوگوں نے غلام وغیرہ کے باب میں قرعہ اندازی کا جواز نکالا ہے، لیکن محققین فقہاء کا قول ہے کہ یہ اس وقت کے پیغمبر کا ایک مخصوص فعل تھا، اس سے کوئی عام جواز نہیں نکل سکتا۔ ذلک لا یجوز عند احد من الفقہاء فدل علی انہ خاص فیہ علیہ السلام دون غیرہ (جصاص)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ

انہیں مچھلی نے نگل لیا ف۷۵ درآنحالیکہ وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے ف۷۶ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں

الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

میں سے نہ ہوتے تو اسی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے ف۷۷

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً

پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ مضمحل تھے ف۷۸ اور ہم نے ان پر ایک

مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ

بیل دار درخت بھی اگا دیا ف۷۹ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ (آبادی) یا اس سے بھی زیادہ کی طرف

يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

(پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا ف۸۰ تو وہ لوگ ایمان لے آئے، سو ہم نے انہیں ایک زمانہ تک عیش دیا، اب آپ لوگوں سے پوچھیے

اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا

کہ کیا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ ف۸۱ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا

وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور وہ دیکھ رہے تھے ف۸۲ خوب سن لو کہ وہ لوگ محض اپنی سخن تراشی سے کہہ رہے ہیں

وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

کہ اللہ کے اولاد ہے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں، ف۸۳ کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر

الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہوا تم کیسا (بے ہودہ) حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے (ذرا) کام نہیں لیتے ف۸۴

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل بھی موجود ہے؟ تو اچھا اپنی وہ کتاب پیش کرو اگر تم

ف۷۵ عجب نہیں کہ آپ پیراکی جانتے ہوں، اور ممکن تھا کہ پیر کر کنارہ تک پہنچ جاتے کہ بحکم خداوندی سے ایک بڑی تند آور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ شارک وغیرہ کی قسم کی بڑی تند آور مچھلیوں کا انسان کو نگل لینا حال میں بھی مشاہدہ میں آ چکا ہے — صاحب روح المعانی نے جو عراقی ہیں، اور یونس سے متعلق روایت توریت سے بھی خوب واقف ہیں، اپنا مشاہدہ دجلہ سے متعلق لکھا ہے:۔ و قد شاهدنا فيها حيتانا عظيمة جدًا ہم نے اس میں بہت سی عظیم الجثہ مچھلیاں دیکھی ہیں۔ توریت میں ہے:۔" خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوناہ کو نگل جاوے، اور یوناہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا (یوناہ۔ ۱:۱۷) ف۷۶ (اپنی اس اجتہادی غلطی پر) قرب عذاب کے وقت شہر چھوڑ کر چلا جانا کوئی معصیت نہ تھی۔ تاہم ایک پیغمبر کے مرتبہ سے بعید تھا کہ ایماء خداوندی کے بغیر اتنا قدم بھی اٹھائے۔ اور اس پر بطور تنبیہ کچھ کلفت جسمانی اٹھانا پڑی، ورنہ حقیقی معصیت اور حقیقی عذاب سے تو کسی نبی کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ ف۷۷ یعنی انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا، اور وہ اسی کی غذا بنا دیے جاتے۔ یہ مطلب نہیں کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک محفوظ و سالم رہتا۔ لَوْ ۔ ۔ الْمُسَبِّحِيْنَ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تسبیح و استغفار کی برکت سے جسمانی کلفتیں اور اذیتیں دور ہو جاتی ہیں۔ توریت میں ہے:۔" تب یوناہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی (یوناہ۔ ۲:۱) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ محاورہ میں مراد ہمیشہ تک رہنے سے ہوتی ہے۔ ف۷۸ (شکم ماہی میں قید کے اثر سے) مچھلی نے جب بحکم خداوندی آپ کو ساحل پر اگل دیا تو آپ نے اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پایا۔ عراء سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی ایک بھی درخت اس میدان میں نہ ہو۔ توریت میں ہے:۔" اور خداوند نے مچھلی کو کہا، اور اس نے یوناہ کو خشکی پر اگل دیا۔ (یوناہ ۲:۱۰) سَقِيْمٌ پر مفصل حاشیہ ابھی نمبر ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ آپ شکم ماہی میں کتنی مدت رہے، اس کے جواب میں متعدد قول سلف سے نقل ہوئے ہیں، لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کسی بھی مدت کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ و لا ادری بای دلیل عینوا هذه المقادير (کبیر) ف۷۹ (جو آپ کو مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا تھا، اور جس کی ہوا صحت بخش تھی) يَقْطِيْنٍ کے لفظی معنی ہر بیلدار درخت کے ہیں، کدو، خربوزہ وغیرہ سب اس میں آ جاتے ہیں۔ و كل شجرة لا تقوم على ساق كالدباء والبطيخ والحنظل و نحو ذلك فهي عند العرب يقطين (ابن جریر) روایتوں میں آتا ہے کہ مراد اس سے لوکی کا درخت ہے۔ ف۸۰ یہ شہر نینوا تھا جو دریائے دجلہ کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ جہاں آج موصل واقع ہے ٹھیک اس کے مقابل۔ توریت میں اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ درج ہے (یوناہ۔ ۴:۱۱) کپتان جونس نے ۱۸۵۲ء میں جا کر شہر کے کھنڈروں کی باضابطہ پیمائش کی تھی۔ ان کی تحقیق میں شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا، اور ہر فرد کے لیے اگر ۵۰ گز مربع زمین فرض کی جائے تو کل آبادی کا تخمینہ ایک لاکھ چوہتر ہزار یا ۱۷۵ ہزار تک پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ او تخییر کے لیے ہے۔ یعنی اگر صرف عاقلوں، بالغوں کو رکھو تو ایک لاکھ، اور کل آبادی کو لو تو اور زائد۔ توریت میں ہے:۔" یوناہ خداوند کے کلام کے مطابق اٹھ کر نینوا کو گیا، اور نینوا خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا، کہ اس کا احاطہ تین دن کی راہ تھی"۔ (یوناہ۔ ۳:۳) ف۸۱ خطاب اس گروہ سے ہے جو اس کا قائل تھا کہ خدا کے بیٹیاں ہیں، جو دیویاں ہیں۔ مشرکین عرب کے معبودوں میں دیوتاؤں سے کہیں زائد دیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ میں ہمزہ انکار توبیخی یا انکار ابطالی کا ہے۔ (مفتی، جلد اول صفحہ ۱۴) ف۸۲ یعنی جنہیں تم دیویاں قرار دے رہے ہو، اور در حقیقت وہ ملائکہ الٰہی ہیں، کیا ان کی نسوانیت تمہارے مشاہدہ میں آ چکی ہے؟ مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران (پ) آیت ۱۱۷ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ ف۸۳ یعنی خدا کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ کوئی بھی شائبہ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ف۸۴ ایک تو اللہ کے صاحب ولد ہونے کا دعویٰ خود ہی کس درجہ حماقت ہے، اور پھر اس پر مستزاد اولاد میں بھی لڑکوں کا نہیں لڑکیوں کا، جنہیں مشرکین خود ہی حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ

سچے ہو وہ۸۵ اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ قرار دے دیا ہے، حالانکہ

عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ لا سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

خود جنات خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے وہ۸۶ اللہ پاک ہے ان سے جو یہ

يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ لا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَ مَا

بیان کرتے ہیں وہ۸۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں (وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) لیکن تم اور

تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ لا مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لا اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ

تمہارے معبود (سب مل کر بھی) کسی کو اللہ سے نہیں پھیر سکتے مگر ہاں اسی کو جو جہنم میں گرنے والا

الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ لا وَّ اِنَّا لَنَحْنُ

ہی ہے وہ۸۸ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور ہم (سب) صف بستہ

الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ ج وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِنْ كَانُوْا

کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (سب) پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں وہ۸۹ اور یہ لوگ

لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لا لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لا لَكُنَّا

کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اللہ کے خاص بندے ہوتے وہ۹۰ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے، سو عنقریب ان کو معلوم ہی ہوا جاتا ہے وہ۹۱

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ج اِنَّهُمْ لَهُمُ

اور ہمارا (یہ) قول ہمارے بندگان مرسل کے لئے پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک غالب

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ ص وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

وہی کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے وہ۹۲

وہ۸۵ یعنی دلیل عقلی نہیں قائم کر سکتے ہو تو کوئی مستند مذہبی نوشتہ ہی پیش کرو، جس میں یہ عقیدہ درج ہو۔ وہ۸۶ (تو حق تعالیٰ کے رشتہ داروں کا معاذ اللہ جہنمی ہونا تمہاری موٹی عقل بھی قبول کرتی ہے؟) وَ جَعَلُوْا...... نَسَبًا۔ اس عقیدہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ سبا (پ۲۲) آیت ۴۰ و ۴۱ کے حاشیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ عقائد مجوس کی جانب بھی ہو، جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔ مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ یزدان واہرمن (خدا و ابلیس) دونوں ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اول خیر محض ہے اور دوسرا شر محض۔ لیکن بہر حال ہیں دونوں ہم نسب ہی۔ الْجِنَّةِ سے مراد کافر جنات ہیں۔ وَ لَقَدْ...... لَمُحْضَرُوْنَ۔ یعنی جنات خود اپنی حقیقت اپنی مسئولیت سے خوب واقف ہیں۔ لَمُحْضَرُوْنَ۔ محضرون سے مراد عذاب میں گرفتار رہنا ہے۔ ای محضرون فی العذاب (بیضاوی) ای واللہ لقد علمت الشیاطین ای جنسھم ان اللہ تعالی یحضرھم ولابدالنار و یعذبھم بھا (روح)۔ اِنَّهُمْ۔ ھم کی ضمیر جائز ہے کہ جنات کی طرف نہیں، بلکہ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان رشتہ داری کے قائلوں کی جانب لی جائے۔ یعنی قائلی ھذا القول (معالم) ای الذین قالوا ذلک (ابن کثیر) وہ۸۷ یعنی صاحب ولد ہونے سے، صاحب زوج ہونے سے، اور اس قسم کے سارے خرافاتی جاہلی دعووں اور عقیدوں سے۔ وہ۸۸ (علم الٰہی میں) یعنی شیاطین میں اور کسی میں بھی قوت نہیں کہ وہ مجرد اپنے ارادہ سے کسی کو گمراہ کر سکیں، گمراہ تو وہی لوگ ہوتے ہیں، جنہیں علم الٰہی مشیت تکوینی کے مطابق پہلے سے تجویز کئے ہوتا ہے — یہ علم الٰہی بھی ظاہر ہے کہ کسی بندہ کو کفر وضلالت کے اختیار پر مجبور نہیں کرتا۔ وہ۸۹ خلاصہ یہ ہے کہ ہم عبد محض اور محکوم خالص ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کر سکتے۔ جو خدمت ہم میں سے جس کے سپرد ہے، بس وہ اسی میں لگا رہتا ہے — یہ سب مضمون فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ اس سے ایک طرف تردید ان جاہلی قوموں کی بھی ہو رہی ہے، جنہوں نے فرشتوں میں الوہیت اور معبودیت کی شان پائی ہے، اور دوسری طرف اہل کتاب کی بھی تردید ہے جنہوں نے بعض فرشتوں کو خطا کار وعصیاں شعار قرار دیا ہے۔ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ بعض نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ ملائکہ کے لیے مقامات معین ومعلوم ہیں، جن میں علو وترقی کی گنجائش نہیں، بخلاف انسان کے کہ وہ جس قدر بھی جدوجہد کرے، قرب وعلو کے مراتب طے کرتا رہے گا۔ یشیر الی ان الملک لا یتعدی مقامہ الی ما فوقہ ولا یھبط عنہ الی ما دونہ و ھذا بخلاف نوع الانسان فان من افرادہ من سار الی مقام قاب قوسین بل طار الی منزل او ادنی (روح) اور صاحب تفسیر مظہری نے سورۂ بقر میں قصۂ تخلیق آدم کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔ ''مراد اس سے یہ ہے کہ ملائکہ مقام اسماء وصفات سے آگے مقام ذات تک ترقی نہیں کر سکتے۔ بخلاف بشر کے کہ وہ مقام محرومی سے مقام ظلال اور وہاں سے مقام صفات و اسماء اور شئونات اور پھر مقام ذات تک ترقی کر سکتا ہے''۔ وہ۹۰ (اور تکذیب ومخالفت کرنے والوں میں نہ ہوتے) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ کوئی نبی اگر ہم میں پیدا ہوا ہوتا اور اس پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی جیسے بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تو ہم یقیناً تصدیق کرنے والوں میں ہوتے اور اطاعت الٰہی کا ایک نمونہ اپنی ذات میں پیش کر دیتے۔ اوپر یہی مضمون آیۃ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (سورۃ الفاطر، پ۲۲) کے تحت میں آ چکا ہے۔ وہ۹۱ (کہ کفر وتکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے) فَكَفَرُوْا بِهٖ۔ یعنی اب جب ان کی تمنا کے مطابق رسول اور صاحب کتاب وشریعت رسول، ان کی قوم میں آ گئے، تو یہ اپنے سب پچھلے قول اور قرار بھول بیٹھے۔ اور تکذیب وانکار میں پچھلی قوموں سے بازی لے گئے۔ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔ کفر کا انجام موت کے وقت تو بہر حال منکشف ہو جاتا ہے۔ باقی بعض عقوبتیں زندگی میں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ وہ۹۲ (انجام کار) غلبہ آخر کار حق ہی کو ہوتا ہے۔ باطل کی شان وشوکت محض عارضی اور کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور اگر غلبہ سے مراد بجائے مادی غلبہ کے محض قوت دلائل بھی جائے، تو یہ غلبہ تو ہر دور میں اور ہر وقت اہل حق کو حاصل رہا ہے، اور ہے۔ جُنْدَنَا۔ یعنی اہل حق۔ كَلِمَتُنَا آگے جس وعدہ کا ذکر ہے، وہ تو ایک پوری عبارت ہے، اس کے لیے کلمہ صیغۂ واحد یوں آیا ہے کہ ساری عبارت مل کر معنی ایک ہی دیتی ہے۔ اور کلمۃ کا لفظ اسی پورے مفہوم کے لیے ہے۔ وانما سماھا کلمۃ و ھی کلمات لانھا لما انتظمت فی معنی واحد کانت فی حکم کلمۃ مفردۃ (مدارک)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ

سو آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجیے اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب

يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

یہ بھی دیکھ لیں گے ف۹۳ کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ تو وہ جب ان کے روبرو

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ

آ نازل ہوگا، سو وہ دن ان لوگوں کا جنہیں ڈرایا جا چکا ہے بہت برا ہوگا ف۹۴ اور آپ تھوڑے زمانہ تک

حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ

ان کا خیال نہ کیجیے، اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ف۹۵ پاک ہے

رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى

آپ کا پروردگار بڑی عظمت کا پروردگار ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اور سلام ہو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

پیمبروں پر اور ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں ف۹۶

ایاتها ۸۸ — ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ — رکوعاتها ۵

اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں — سورۂ ص مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ عِزَّةٍ

صاد ف۱ قسم ہے قرآن نصیحت والے کی (کہ کافروں کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں) ف۲ اصل یہ ہے کہ (یہ) کافر ہی تعصب

وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا

و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ف۳ کتنی ہی امتوں کو ان سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے بڑی ہائے پکار

ف۹۳ موت پر تو اپنا حال زار بہر حال دیکھیں گے، اور ممکن ہے دنیا میں بھی عذاب کی جھلک دیکھ لیں۔ فَتَوَلَّ۔ حِيْنٍ۔ یعنی چند سے ان کی ایذا رسانیوں پر التفات نہ کیجیے۔ ف۹۴ یعنی جب وہ وقت موعود آ جائے گا، پھر ٹالے ٹل نہ سکے گا۔ ساحة کے لفظی معنی صحن یا انگنائی کے ہیں۔ یعنی جب وہ عذاب ان سے ایسا متصل ہو جائے گا کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ ف۹۵ یعنی آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے، باقی معائنہ و مشاہدہ کے بعد انہیں بھی یقین ہو کر رہے گا۔۔۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ابھی ابھی یہ مضمون جو اوپر گزر رہا ہے۔ وہاں اس کا تعلق غلبہ اہل حق سے تھا، اور یہاں اس کا تعلق عذاب اہل باطل سے ہے۔ اس لیے مضمون کی تکرار صرف صورۃً ہے، معنًی نہیں۔ ف۹۶ (معبودیت، الوہیت، ربوبیت کا حقدار وہی اکیلا، بلا شائبہ شرکت غیرے ہے) سُبْحٰنَ۔ يَصِفُوْنَ۔ حق تعالیٰ پاک و منزہ ہے ان تمام لغویات و خرافات سے جو اہل شرک اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ فقرہ بڑا جامع ہے۔ معرفت باری کے سارے مدارج اس مختصر سے فقرہ میں آ گئے۔ كلمة محتوية على اقصى الدرجات و اكمل النهايات في معرفة الله العالم (کبیر) رَبِّ الْعِزَّةِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رب میں اشارہ ہے کمال حکمت و رحمت کی جانب، اور عزت میں کمال قدرت کی جانب۔ يَصِفُوْنَ کے عموم و اطلاق سے اہل لطائف نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ جس طرح اہل شرک و ضلالت کی یاوہ گوئیوں سے منزہ و برتر ہیں، اسی طرح مومنین صادق کی غایت مدح و ثنا اور عارفین کاملین کے احاطۂ فہم رسا سے بھی بالاتر ہیں اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمانی اسی مقام کی کی ہے۔ اے بروں از پاک و ناپاکی ہمہ ۔ وز گراں جانی و چالاکی ہمہ۔ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ حق تعالیٰ خود جن بندوں پر سلام بھیجیں، ان کا واجب الاتباع ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ف۱ دوسرے مقطعات کی طرح اس حرف صٓ کے اصل معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کر دیے ہیں۔ مثلاً۔ ۱۔ صٓ مخفف ہے کسی اسم الٰہی کا، مثلاً صمد یا صادق الوعد، یا صانع المصنوعات۔ ۲۔ صٓ مخفف ہے اس فقرہ کا کہ صدق محمد في كل ما اخبر به عن الله۔ ۳۔ صٓ مخفف ہے اس فقرہ کا کہ صد الكفار عن قبول هذا الدين۔ اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے صٓ اسم الصمد اور صادق الوعد کا سر ہے (معالم) ف۲ مطلب یہ کہ قرآن کی اعلیٰ تعلیمات خود اس کی صداقت پر گواہ ہیں، اور یہ کافر جو اس کے کلام الٰہی ہونے اور آپ کی حالت سے انکار کر رہے ہیں سو اس کی بنیاد کسی دلیل یا وجہ عقلی پر ہرگز نہیں۔ ذِى الذِّكْرِ۔ یعنی یہ وعظ و نصیحت والا قرآن، یا عزت و عظمت والا قرآن۔ والمراد بالذكر العظمة او الشرف والشهرة (بیضاوی) ذي الشرف اي ذي الشان والمكانة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و سعید بن جبیر وغیرہما) ف۳ (اور اس تعصب و عناد کا وبال بھی ایک روز ان پر پڑے گا) یہاں یہ بتا دیا کہ مخالفت حق کا سبب کوئی اشتباہ عقلی ہرگز نہیں، محض ان لوگوں کی ضد، ہٹ دھرمی اور نخوت پسندی ہے۔ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ۔ دونوں کا تنوین تنکیر کے ساتھ آنا ان صفات کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ پرلے سرے کی ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ والتنكير في عزة و شقاق لدلالة على شدتها (کشاف)

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

کی درآنحالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا ۳ اور یہ اس پر حیرت کررہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا

مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ

انہیں میں سے آیا ۵ اور (یہ) کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے ۶ اسے اس نے

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ

خداؤں کو بس ایک خدا کر دیا! بے شک یہ بڑی انوکھی بات ہے ۷ ان لوگوں کے سردار

الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ

یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے دیوتاؤں پر قائم رہو

هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ

اس میں بے شک اس شخص کا کوئی مطلب ہے ۸ ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں (کبھی) سنی نہیں،

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ

ہو نہ ہو یہ اس کی گھڑت ہے ۹ تو کیا ہم سب میں سے بس اسی شخص پر کلام الٰہی

بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا

نازل کیا گیا ۱۰ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی ہی کی طرف سے شک میں پڑے ۱۱ اصل یہ ہے کہ انہوں نے میرا عذاب

عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ

اب تک نہیں چکھا ہے ۱۲ کیا ان لوگوں کے پاس خزانے ہیں ان کے پروردگار زبردست و فیاض کی

الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

رحمت کے؟ ۱۳ کیا جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے، وہ ان کی حکومت

بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ

میں ہے؟ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں ۱۴ اس مقام پر یوں ہی ایک بھیڑ ہے منجملہ گروہوں کے

ف ۳ (چنانچہ ان کا شور و واویلا انہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکا۔ اور یہی حشر ان کافروں کا بھی ہونا ہے) لات۔ لات لیس کی ایک غیر منصرف صورت ہے۔ تقدیر کلام خلیل و سیبویہ کے نزدیک یہ ہوگی۔ لیس الحین حین مناص (کبیر۔ بیضاوی) اور اخفش کے نزدیک یوں ہو لاحین مناص (کبیر، بیضاوی) مناص۔ جائے خلاص یا جائے گریز۔ ف ۵ (کوئی فوق البشر نہیں، بلکہ انہیں جیسا بشر وانسان) مشرکوں کی سمجھ میں یہی تو نہیں آتا کہ ایک بشر مرتبہ رسالت پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔ دیوتا پرستی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اوتار، مظہریت، عینیت، حلول کے عقیدے عین ان کے مذاق طبیعت کے موافق ہیں۔ بس ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات یہی مسئلہ سفارت الٰہی و رسالت ہے۔ بار بار اسی پر الجھتے تھے۔ ضمیر هم جنس بشری کی جانب ہے۔ رسول من جنسهم ای بشرا (روح) یعنی استبعدوا ان یکون النبی من البشر (مدارک) ف ۶ "اس کے لائے ہوئے کلام میں اثر اور اس کے پیش کیے ہوئے معجزات تو نتیجہ ہیں اس کے کمال ساحری کا اور اس کا دعویٰ نبوت و رسالت تمامتر بے بنیاد ہے"۔ جب نقطہ آغاز یہ ہوا کہ دعوائے نبوت صحیح ہو ہی نہیں سکتا، تو اب اس سے چارہ نہیں کہ مدعی نبوت کے وعظ و تبلیغ کے اثر کو سحر پر محمول کیا جائے۔ ساحر قرار دیتے ہوئے یہ احمق اتنا نہ سوچے کہ ساحر بھی کبھی دعوت توحید دیتا رہتا ہے؟ تزکیہ اخلاق کی طرف بلاتا رہتا ہے؟ عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کی تبلیغ کرتا رہتا ہے؟ بات کچھ نہ کچھ کہہ دینی ہی تھی، تو ایسی تو کہتے جو کچھ لگتی ہوئی ہوتی۔ یہ تشخیص تو سراسر الٹی اور بالکل ہی بے تکی تھی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ آیت میں کام محض قالوا سے بھی نکل سکتا تھا، لیکن بجائے اس کے قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کی صراحت میں اشارہ ان لوگوں کی کمال بدعقلی کی طرف کرتا ہے کہ ایسے مہمل و لایعنی قول کا مصدر و منشا کفر محض ہی ہو سکتا ہے۔ ف ۷ پیمبر برحق کا اصلی جرم ان کج فہموں کے نزدیک یہی تلقین توحید تھی۔ وہ کہتے تھے عالم میں قدم قدم پر تو تنوع، تعدد، اختلاف ہے، اس کثرت کا مصدر وحدت کو فرض ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ رات الگ ہے، دن الگ، آگ اور شے ہے پانی اور۔ زمین الگ مخلوق ہے آسمان الگ، ان میں سے ہر ایک کے کاروبار کے لیے ایک مستقل حاکم، متصرف فرماں روا کی ضرورت ہے، اور یہی دیوی دیوتا ہیں۔ سب کو مٹا کر صرف ایک مؤثر حقیقی و فاعل اصلی کو ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ عُجَابٌ۔ عجاب مرادف ہے عجیب کا، البتہ اس میں زور عجیب سے زیادہ ہے۔ هو العجیب الا انه ابلغ من العجیب (کبیر) ای بلیغ فی العجب (روح) ف ۸ یہ شخص بھی بہکا کر اپنا کوئی نہ کوئی کام ہم سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ ہرگز اس کے کہے میں نہ آنا۔ اپنے دیوتاؤں کی نصرت میں لگے رہنا۔ قریش کے ائمہ و سردار کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کی تقریر سننے کھڑے ہو جاتے تو اس کے بعد ذکر توحید کی تاب نہ لا کر اپنے پیروؤں سے یہ کہنے لگتے۔ ف ۹ مِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد وہی ملت عرب ہے۔ یعنی ہم نے کبھی اپنے بڑوں کے مذہب، اپنے باپ دادوں کے دین میں تو یہ عقیدہ پایا نہیں۔ دوسرے معنی "آخری مذہب" کے دین عیسوی کے بھی کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ نصاریٰ اپنے نقطہ نظر سے بالکل صحیح طور پر کہہ سکتے تھے، کہ یہ توحید خالص جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے، ہم نے تو کہیں آبائے کلیسا سے سنی نہیں تھی؟ ف ۱۰ یعنی بالفرض نبوت یا پیمبری کی کچھ اصلیت ہوتی بھی، تو پیمبری ہمارے ہاں کے رؤسا و امراء کے ہوتے ہوئے آخر ایک یتیم و نادار شخص کو کیوں ملی! اہل لطائف نے کہا ہے کہ منشاء اس قول کا کبر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبر ایسی بری چیز ہے جو کبھی کفر تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ ف ۱۱ قرآن مجید کہتا ہے کہ انکار کا باعث محمد ﷺ کی شخصی تکذیب نہیں، بلکہ یہ اصل مسئلہ وحی میں بھٹک رہے ہیں، اور خود اس کی بنیاد عذاب الٰہی سے غفلت پر ہے۔ ف ۱۲ (اور نبوت بھی کیا ان کے قبضہ قدرت میں ہے، کہ جسے چاہیں اسے اس سے نواز دیں؟) نبوت کی عظمت و اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ میں اسی پر تکوینی حیثیت سے دار و مدار نظام عالم کا ہے۔ چنانچہ جس وقت کوئی مومن یعنی نبی پر ایمان رکھنے والا سطح زمین پر نہ رہے گا، اس کائنات کا نظم بھی ختم ہو جائے گا، اور قیامت آجائے گی۔ ف ۱۳ (اپنی قدرت تصرف دکھانے کو) اَمْ..... بَیْنَهُمَا۔ سوال گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آیا انہیں ارضیات و سماویات کے مصالح کا علم ہے، جو یہ نبوت کی تقسیم کے بھی ذمہ دار بنتے ہیں۔

مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

جس کو شکست ہو گی وسلا ان سے پہلے بھی قوم نوح و قوم عاد

وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَ ثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ

اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑے ہوئے تھے اور ثمود اور قوم لوط

وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا

اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی یہ (بڑے بڑے) گروہ والے ان سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَ مَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا

رسولوں کو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا وھا اور یہ لوگ تو بس ایک چیخ کے

صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَا

منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو گی، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا

ہم کو ہمارا حصہ روز حساب سے پہلے ہی دے دے ولا آپ ان لوگوں کے اقوال پر

یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا

صبر کیجیے، اور ہمارے بندے داؤد بڑی قوت والے کو یاد کیجیے، وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے وکا ہم نے

سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے

وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ

اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے، سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے وہا اور ہم نے

وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا

ان کی سلطنت کو قوت دی تھی اور ہم نے انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی و۱۹ بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر

ع ۱۲

و۱۴ مراد وہی اہل مکہ ہیں۔ پر قوت اہل مکہ کی بربادی کی پیشگوئی قطعیت کے ساتھ کر دینا بجائے خود ایک قرآنی معجزہ ہے۔ اس پیش خبری کا تحقق میدان بدر میں ہو کر رہا۔ قال قتادة هنالك اشارة الى يوم البدر فاخبر الله تعالى بمكة انه سيهزم جند المشركين فجاء تاويلها يوم بدر (کبیر) و۱۵ متعین طور پر نام بھی قرآن نے پرانی پر قوت، پر شوکت قوموں کے بتا دیے، کہ تکذیب انبیاء و تکذیب شریعت الٰہی ہی کی پاداش میں یہ لوگ ہلاک ہوتے تھے۔ وہی صورت آج کے منکرین کو بھی پیش آنی ہے۔ نُوْح، عَاد، فِرْعَوْن، ثَمُوْد، لُوْط، اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَة۔ ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَة سے مراد حضرت شعیب کی امت ہے۔ ذُو الْاَوْتَاد۔ محاورہ میں اس سے مراد شوکت و حشمت والے سے ہوتی ہے۔ استعير لثبات العز والملك واستقامة الامر (کشاف) اصل هذه الكلمة من ثبات البيت المطنب باوتاده ثم استعير لاثبات العز والملك (کبیر) پرانی قوموں میں تعذیب کی ایک صورت مجرم کو چومیخا کر دینے (یعنی اس کے ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دینے) کی جاری تھی۔ اور روایات میں ملتا ہے کہ فرعون کے دور میں بھی یہ سزا جاری تھی۔ و۱۶ منکرین بطور استہزاء کہتے تھے کہ جو کچھ عذاب ہم پر ہونا ہے وہ ابھی لے آؤ، کل پر کیوں اٹھا رکھا ہے! اعلم ان الكفار لما بالغوا في السفاهة على رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث قالوا انه ساحر كذاب و قالوا له على سبيل الاستهزاء عجل لنا قطنا امره الله بالصبر على سفاهتهم (کبیر) و۱۷ (اور ان کی مثال و نظیر سے صبر میں تقویت حاصل کیجیے۔) اس کے بعد آپ کی تقویت قلب کے لیے نو پیمبروں کی مثالیں درج ہو رہی ہیں، ان میں سے تین کے قصے مفصل بیان ہوں گے اور چھ کا ذکر صرف اجمالاً آئے گا۔ ذَا الْاَیْد۔ یعنی بڑی قوت والے، ہمت والے، دین و تقویٰ کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدے کر ڈالنے والے۔ اے ذاالقوة في الدين المضطلع بمشاقه و تكاليفه (کشاف) اے ذاالقوة على اداء الطاعة والاحتراز عن المعاصي (کبیر) اَوَّاب۔ اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے۔ اواب رجاع الى مرضاة الله (کشاف) حضرت داؤد، نبی و سلطان کی قوت و حشمت و نیز زہد و تقویٰ پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن عَبْدَنَا۔ لفظ عبد کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کر کے قرآن مجید نے اس سے کام اظہار تخصیص و تشریف ہی کا لیا ہے۔ و۱۸ سَخَّرْنَا الْجِبَالَ ... وَالطَّیْرَ۔ تسبیح جبال و طیور پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ مَحْشُوْرَةً۔ یعنی ہر طرف سے آپ کے گرد جمع ہو جانے والے۔ اے محشورة اليه من كل جانب (بیضاوی) لَهٗۤ اَوَّابٌ۔ یعنی ان کی تسبیح کے باعث یہ بھی اواب ہو گئے تھے۔ اے كل واحد من الجبال والطير لاجل تسبيحه رجاع الى التسبيح (بیضاوی) بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ صبح و شام کے یہی ذکر و عبادت کے اوقات خصوصی ہوتے ہیں۔ و۱۹ ”فلسطین کی سب سے بڑی حکومت وہی تھی جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں قائم ہوئی تھی“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷ صفحہ ۸۷) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ۔ اس کے معنی علم و تفقہ کے بھی کیے گئے ہیں، اور فریقین کے درمیان فیصلہ صحیح کے بھی۔ الفصل بين الخصوم بالحق (جصاص) العلم بالقضاء (جصاص۔ عن الحسن)

الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ

پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد کے پاس آ گئے

فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ

اور وہ ان سے گھبرا گئے تھے ف۲۰ وہ لوگ بولے آپ ڈریے نہیں ف۲۱ (ہم) دو اہل مقدمہ ہیں کہ ایک نے

بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ

دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے، اور ہمیں سیدھی راہ

سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ

بتا دیجیے ف۲۲ یہ شخص میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں

نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي

اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، سو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ

مجھے دباتا ہے ف۲۳ (داؤد) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی

نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ

تجھ پر ظلم کیا اور اکثر شرکا (یوں ہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے

بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا

ہیں مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، اور ایسے لوگ

هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ

نہایت ہی کم ہیں ف۲۴ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے، سو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کی اور وہ

رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ

جھک پڑے اور رجوع ہوئے ف۲۵ سو ہم نے انہیں معاف کر دیا اور ہمارے ہاں ان کے لئے (خاص) قرب

ف۲۰ (کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو بجائے دروازہ سے آنے کے عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر آ گئے ہیں دروازہ سے پہرہ داروں نے انہیں غالباً اس لیے آنے نہیں دیا تھا کہ وہ وقت آپ کی عبادت کا تھا، مقدمات فیصل کرنے کا نہ تھا۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ۔ یعنی اس مجمع کے یوں بے اجازت اور ناوقت آنے سے آپ کو قدرۃً ہراس پیدا ہوا کہ کہیں یہ کوئی خونی اور ڈاکو تو نہیں۔ طبعی جذبات و کیفیات (غصہ، غم، خوف، اندیشہ وغیرہ) کے طاری ہونے کو جو لوگ مرتبہ ولایت کے منافی سمجھتے ہیں، وہ حضرات انبیاء کے ان تاثرات طبعی کی مثالوں کو سامنے رکھ لیں۔ قرآن مجید نے یہ ساری تفصیلات بلاضرورت اور بے مصلحت تھوڑے ہی بیان کر دی ہیں۔ الْخَصْمِ۔ خصم کا اطلاق شخص واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے۔ الخصم اسم يقع على الواحد و على الجماعة (جصاص) اطلق على الجماعة (بیضاوی) و استعمل للواحد والجمع (راغب) الْمِحْرَابَ۔ محراب یہاں حجرہ کے معنی میں ہے۔ قيل المحراب الغرفة (جصاص) ف۲۱ (ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت چلے آنے سے۔ ہم دشمن نہیں دوست، خیر خواہ ہیں، آپ کی رعایا ہیں، ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں) ف۲۲ (صورت معاملہ سے متعلق) حضرت داؤد نبی تو تھے ہی۔ بحیثیت حاکم و فرمانروا بھی اپنے عادلانہ اور بے لاگ فیصلوں کے لیے خاص شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ خَصْمَانِ کے صیغۂ تثنیہ سے یہ خیال نہ گزرے کہ یہ دو فرد تھے۔ یہ دو فریق تھے، اور آج بھی مستغیث اور ملزم دونوں کا یہ عام معمول ہے کہ اپنے ساتھ کئی کئی ہمدردوں کو لے کر عدالت جایا کرتے ہیں۔ تسوروا، دخلوا، منهم سب کے صیغۂ جمع سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ دو نہیں کئی آدمی تھے۔ اي نحن فوجان متخا صمان (بیضاوی) ف۲۳ (اور اپنے آگے میری بات نہیں چلنے دیتا) أَخِي۔ اخ سے لازمی طور پر بھائی ہی مراد نہیں ہوتا، دوست یا دینی بھائی بھی مراد ہو سکتا ہے بالدين او بالصحبة (بیضاوی) والمراد اخوة الدين او اخوة الصداقة والالفة او اخوة الشركة والخلطة (مدارک) فَاحْكُمْ ... لَا تُشْطِطْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ فریق مقدمہ کے لیے جائز ہے کہ حاکم سے اس لہجہ میں خطاب کرے۔ يدل على ان للخصم ان يخاطب الحاكم بمثله (جصاص) لَهُ .... أَكْفِلْنِيهَا۔ عہد داؤدی میں فلسطین میں بھیڑوں، دنبوں کی گلہ بانی کا عام رواج تھا۔ ف۲۴ حضرات انبیاء کوئی ضمنی اور اتفاقی موقع بھی تبلیغ کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے — یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ میں ایک قیدی کے تعبیر خواب پوچھ لینے پر ان لوگوں کے سامنے ایک مستقل وعظ رد شرک و اقرار توحید میں فرما ڈالا تھا۔ إِنَّ ... بَعْضٍ۔ یہ سارا فقرہ مسلک شرک پر ایک تعریض ہے۔ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ۔ ما زائدہ ان کی قلت پر اظہار تعجب کے لیے ہے۔ و ما مزيدة للابهام والتعجب من قلتهم (بیضاوی) ف۲۵ (اپنے پروردگار کی طرف خاص طور سے) وَظَنَّ دَاوُودُ۔ آپ کی اپنے نفس سے یہ بدظنی غایت خشیت و تقویٰ کی بنا پر تھی — ظن کا لفظ خاص طور پر نظر میں رہے۔ قرآن مجید خود کسی واقعہ کا اثبات نہیں کرتا صرف آپ کے اس خیال کو بیان کر رہا ہے۔ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ۔ یعنی یہ مقدمہ بھیج کر خود ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا ہو — ان مقدمہ والوں کے یوں بے محابا چلے آنے، پھر اپنی گفتگو میں آپ کا مرتبہ سلطانی ملحوظ نہ رکھنے سے متعدد پہلو آپ کے لیے ناگواری اور اشتعال طبع کے نکلتے تھے۔ امتحان اس کا مقصود تھا کہ آیا آپ ان گستاخیوں پر دار و گیر کرتے ہیں، یا غلبۂ نبوت سے عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرَ۔ یہ استغفار ہر اس لغزش یا کوتاہی سے تھا، جو نبی معصوم سے ہو گئی ہو۔ خَرَّ رَاكِعًا۔ رکوع کو یہاں سجدہ کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ روى ان معناه خر ساجدا فعبر بالركوع عن السجود (جصاص) لا خلاف بين العلماء ان الركوع هاهنا السجود (ابن العربی)

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي

اور نیک انجامی ہے ف۲۶ اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجیے

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ

کہ وہ اللہ کے راستہ سے آپ کو بھٹکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ

جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ روز حساب کو

الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

بھولے رہے ف۲۷ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے بے حکمت نہیں

بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

پیدا کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لئے بڑی

كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خرابی ہے یعنی دوزخ ف۲۸ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

اچھے کام کئے ان کی برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں، یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ

برابر کر دیں گے؟ ف۲۹ یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ

غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں ف۳۰ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا

ف۲۶ (ان کے مرتبۂ نبوت کے شایان شان) موجودہ بائبل میں حضرات انبیاء کی عجیب مٹی پلید کی گئی ہے اور اس میں کچھ کور کسر رہ گئی تھی وہ تالمود وغیرہ یہود کے دوسرے مذہبی نوشتوں نے پوری کر دی۔ قرآن مجید انبیاء (خصوصاً انبیاء اسرائیل) کی مقبولیت وصالحیت کا پرزور اثبات بار بار انہیں اتہامات کی تردید کرتا جاتا ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ۔ یعنی ہم نے ان سے اس کمی کا بھی ازالہ کر دیا، جو ان کے مرتبہ معیار کے مطابق ان کے اجر کمال صبر پر مرتب ہوتا۔ ذنب۔ یعنی یہ خفیف سا غفلت اور ان کے مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے لغزش۔ اے زلة (مدارک) یہاں بعض لوگوں نے ایک بے سروپا روایت اسرائیلیات سے لے کر نقل کر دی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ ایسی روایت کسی عام مرد صالح کے حق میں بھی قابل قبول نہیں، چہ جائیکہ ایک نبی برحق کے حق میں۔ ف۲۷ (اور چونکہ آپ یوم حساب کو خوب یاد رکھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کے لیے ان وعیدوں کا احتمال ہی نہیں۔ خَلِيْفَةً اور ملک کے درمیان محققین نے یہی فرق کیا ہے کہ خلیفہ ہمیشہ عدل اور شفقت خلق ہی کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہے۔ اور یہ جو بعض بدمذہبوں سے منقول ہے کہ خلیفہ وقت کا کوئی گناہ ہی نہیں لکھا جاتا، اور تکلیف شرعی اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اسے محققین اہل سنت نے کفر صریح قرار دیا ہے۔ ويحكى عن بعض الزنادقة ان الخليفة لا يكتب عليه خطيئة ولا هو داخل في رتبة التكليف لان مرتبتهٔ مرتبة مستخلفة و هو كفر صراح (روح) ف۲۸ یہاں مومن و کافر کے اساسی نقطۂ نظر کا فرق بیان کر دیا ہے۔ مومن کی نظر میں تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں کا جلوہ حوادث کائنات کے ایک ایک جزئیہ سے نمایاں رہتا ہے۔ بخلاف اس کے جس کا ایمان توحید پر نہیں، وہ اس سارے کارخانہ کو بس وہی اندھی قوانین کا محکوم و تابع سمجھتا ہے، اور اس کی نظر سے مقصدی حکمتیں بالکل گم ہوتی ہیں — اور جو فلاسفہ دہریین کہلاتے ہیں، ان کا تو کھلا ہوا یہی مسلک ہے۔ مِنَ النَّارِ۔ مِن یہاں بیانیہ یا تشریحی ہے، اس لیے ترجمہ یعنی سے کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا ...... بَيْنَهُمَا۔ متکلمین اہل سنت نے آیت کے اس جزو سے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ واحتج اصحابنا بان هذه الاٰية تدل على كونه تعالى خالقا لاعمال العباد فقالوا هذه الاية تدل على كونه خالقاً لكل ما بين السمٰوٰت والارض و اعمال العباد حاصلة بين السمآء والارض فوجب ان يكون الله تعالى خالقًا لها (کبیر) بَاطِلًا۔ یعنی بے مقصد، بے حکمت، یوں ہی بلا کسی غرض صحیح کے۔ ف۲۹ مطلب یہ ہوا کہ وقوع قیامت کی تو خود ایک بڑی حکمت و غایت یہی ہے کہ جزا و سزا کامل ہو اور مفسدوں، بدکاروں، منکروں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ اب جو نادان وقوع قیامت کے منکر ہیں، وہ اس حکمت کو بھی ناقابل اعتنا سمجھ رہے ہیں۔ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یہ مفسدين في الارض وہی لوگ ہیں، جو قانون شریعت سے بغاوت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، اور جس کا ایک لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے۔ ف۳۰ (اور اس تذکر یا نصیحت حاصل کرنے میں اعتقاد رسالت اور سب کچھ آ گیا) لِيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی آیتوں میں غور کر کے یہ دیکھیں کہ اس کا قانون کیسا جامع اور کامل ہے۔

نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ

وہ بہت اچھے بندے تھے، وہ بہت رجوع ہونے والے تھے ف۳۱ (وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے

الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ

روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے ف۳۲ تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے

عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا

غافل ہو گیا یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا ف۳۳ ان گھوڑوں کو پھر میرے سامنے

عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا

لاؤ، پھر انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ف۳۴ اور ہم نے سلیمان کو

سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ

امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک ادھورا جسم لا ڈالا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ف۳۵ دعا مانگی

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ

اے میرے پروردگار میرا قصور معاف کر اور مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو

بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ

میسر نہ ہو بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے ف۳۶ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے

بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ

جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور سرکش جنوں کو بھی (ان کا تابع کر دیا) یعنی تعمیر کرنے والوں کو

وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

اور غوطہ خوروں کو اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ف۳۷ یہ

عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَ اِنَّ لَهٗ

ہماری بخشش ہے سو خواہ کسی کو دو یا نہ دو تم پر کچھ حساب نہیں ف۳۸ اور یقیناً

ف۳۱ (اللہ کی طرف، اور اس کے بڑے سچے پرستار اور موحد تھے۔ نہ کہ معاذ اللہ مشرک۔ جیسا کہ بائبل اور دوسرے اسرائیلی نوشتوں میں آپ کو ظاہر کیا گیا ہے) حضرت سلیمان (۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م) حضرت داؤد کے فرزند و جانشین، علاوہ پیغمبر برحق ہونے کے شام و فلسطین کے عظیم الشان بادشاہ بھی تھے۔ آپ پر مفصل حاشیہ سورۃ البقرہ (پ۱) آیت و ما کفر سلیمٰن کے تحت میں گزر چکا ہے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ وصف حضرت داؤد کا بھی ہو سکتا ہے، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ یہ وصف حضرت سلیمان کا ارشاد ہوا ہے۔ المخصوص بالمدح فی نعم العبد محذوف فقیل هو سلیمان و قیل داؤد والاول اولی (کبیر) ف۳۲ (اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ کچھ معمولات عبادت چھوٹ گئے) الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ۔ یہ گھوڑے بھی غزا و جہاد کے عین دینی اغراض ہی کے لیے رکھے جاتے تھے۔ آپ کے بارہ ہزار سوار دن اور آپ کے گھوڑوں کے لیے ۴۰ ہزار تھانوں کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے۔ "اور سلیمان کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے لیے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار تھے۔" (۱۔ سلاطین۔ ۴:۲۶) ف۳۳ (پھر جب آپ کو خود ہی متنبہ ہوا تو آپ اپنے اوپر نفرین و ملامت کے لیے یہ کلمات زبان پر لانے لگے) کاملین اہل اللہ یوں ہی اپنی خفیف غفلتوں کے تدارک میں اہتمام عظیم کیا کرتے ہیں۔ تَوَارَتْ۔ تقدیر کلام یوں ہے، توارت الشمس (کشاف۔ مدارک) والاکثر فی التفسیر ان التی توارت بالحجاب هی الشمس (قرطبی) ف۳۴ یعنی غیرت دینی کے جوش میں ان گھوڑوں ہی کو ذبح کر ڈالا کہ جو چیز کچھ دیر کے لیے بھی یاد الٰہی سے غفلت کا باعث ہوئی وہ اس قابل نہیں کہ باقی رکھی جائے۔ رُدُّوْهَا۔ ضمیر مؤنث گھوڑوں کی جانب ہے۔ والهاء فی ردوها للخیل (قرطبی) بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ جب جہاد محبوب و مقصود تھا تو جو چیزیں آلات و اسباب کا کام دے رہی تھیں قدرۃً وہ بھی آپ کے التفات کی پوری مستحق تھیں۔ فَطَفِقَ ...... الْاَعْنَاقِ۔ مراد ان گھوڑوں کے ذبح کروانے سے ہے۔ قال الاکثرون معناه انه مسح السیف بسوقها و اعناقها ای قطعها (کبیر) بعض مشائخ اور صوفیہ نے جامہ دری وغیرہ کی سند اسی فعل سلیمانی سے نکالی ہے۔ و قد استدل الشبلی وغیره من الصوفیة فی تقطیع ثیابهم و تخریقها بفعل سلیمان هذا (قرطبی) ف۳۵ ہمارے بعض مفسرین نے (اللہ ان کی اجتہادی غلطیوں کو معاف فرمائے) اس مقام پر بعض عجیب عجیب قصے یہود کی کتابوں سے نقل کر دیے ہیں، جو کسی طرح بھی حضرت سلیمان جیسے پیمبر برحق کے شایان شان نہیں۔ لیکن محققین نے ان کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اقول انا شدید التعجب من الناس کیف قبلوا هذه الوجوه السخیفة مع ان العقل والنقل یردها و لیس فی الیاتها شبهة فضلاً عن حجة (کبیر)

مجھے بڑی حیرت ان لوگوں پر ہے کہ انہوں نے ایسی رکیک حکایات کو قبول ہی کیسے کر لیا، جبکہ عقل و نقل دونوں ان کی تردید کر رہے ہیں اور ان کی تائید میں کوئی دلیل تو کیا ہوتی، احتمالات تک بھی نہیں۔

اور مفسر ابو حیان نے لکھا ہے۔

نقل المفسرون فی هذه الفتنة والقاء الجسد اقوالاً یجب براءة الانبیاء منها یوقف علیها فی کتبهم و هی مما لا یحل نقلها و هی اما من اوضاع الیهود او الزنادقة (بحر)

مفسرین نے اس فتنہ اور القاء جسد کے سلسلہ میں ایسی باتیں نقل کر دی ہیں جن سے حضرات انبیاء کی تبری کرنا واجب ہے ان روایتوں کو ان کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے یہاں نقل کرنا بھی جائز نہیں وہ یا تو یہود کی گھڑی ہوئی ہیں یا ملحدین کی۔ اور اس کی تائید صاحب روح المعانی نے بھی کی ہے ۔۔۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان کے محل میں ۷۰ کی تعداد میں حرم تھے۔ اولاد کی خواہش خصوصاً غزا و جہاد کے اغراض سے دل میں پیدا ہوئی قدرتی تھی۔ ایک روز آپ کے دل میں آیا کہ ایک شب میں اگر کل حرم محل سے رہ جائیں، تو سو کڑیل جوان غزا و جہاد کے لیے ہاتھ آ سکتے ہیں ۔۔۔ یہ روایت جس صورت میں کہ بیان ہو رہی ہے عقلاً ذرا مستبعد ہے۔ لیکن اس پر کلی یا جزئی عمل ناممکن نہیں۔ بہر حال حسب روایت آپ نے ارادہ پر عمل بھی فرمایا لیکن نتیجہ حسب مراد نہ نکلا۔ صرف ایک خاتون کے حمل رہا اور ان سے بھی اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوئی۔ جس کا جسم لا کر کرسی پر ڈال دیا گیا۔ ثُمَّ اَنَابَ۔ آپ کو اپنی اس غفلت پر، کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ کے بجائے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا، معاً تنبہ ہوا، اور آپ نے فوراً توبہ و استغفار کیا۔ یہ لغزش کوئی معصیت کے درجہ کی چیز ہرگز نہ تھی۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن آپ کے مرتبہ نبوت سے اتنی غفلت بھی فرو تر تھی۔ بعض قصے اس سلسلہ میں سرتاسر مہمل، ہماری کتابوں میں بھی نقل ہو گئے ہیں۔ محققین ان کے یکسر منکر ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ واعلم ان اهل التحقیق استبعد وا هذا الکلام من وجوه محققین نے اس کلام کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے:۔ و کلها متلقاة من قصص اهل الکتاب۔ یہ روایت ساری کی ساری اہل کتاب کے ہاں سے آئی ہے۔ اور یہ اہل کتاب وہی ہیں۔ و فیهم طائفة لا یعتقدون نبوة سلیمان علیه السلام والظاهر انهم یکذبون علیه۔ جن کا ایک گروہ حضرت سلیمان کی نبوت ہی کا منکر ہے اور یہ بھی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے خلاف یہ گڑھ لیا ہے۔ ف۳۶ حضرت کو احساس اس کا ہوا ہے کہ یہ جو یاد الٰہی میں غفلت کسی درجہ میں بھی واقع ہوئی، اس کا منشاء سامان جہاد وغیرہ میں انہماک تھا۔ اور خود کثرت اولاد کی تمنا جو

آپ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، اس کا منشا بھی یہی خیال جہاد تھا۔ لیکن اگر کسی معاصر کے پاس زیادہ قوت واقتدار بھی نہ ہو تو اس سے مقابلہ ومقاتلہ کے لئے بھی زیادہ ساز وسامان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور یہ ساز و سامان خود میری نبوت پر ایک مستقل دلیل بن جائے۔ لتصیر اقتداری علیھا معجزۃ تدل علی صحۃ نبوتی ورسالتی (کبیر) مِنْ بَعْدِیْ۔ بعد ہمیشہ غیر مانی ہی کے لئے نہیں آتا ہے۔ علاوہ اور سوا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ہے۔ فمن یھدیہ من بعد اللہ۔ یہاں بعد صاف غیر کے معنی میں ہے۔ چنانچہ یہاں بھی من بعدی، من غیری کے مرادف ہے۔ ای سوائی (جلالین) ای لا یصح لاحد غیری (روح) ای دونی (مدارک) رَبِّ اغْفِرْ لِیْ۔ یہ عین سنت انبیاء ہے کہ رب العزت کے حضور میں کوئی حاجت عرض کرنے سے قبل استغفار بھی کر لیتے ہیں۔ دلت ھذہ الایۃ علی انہ یجب تقدیم مھم الدین علی مھم الدنیا لان سلیمان طلب المغفرۃ اولا ثم بعدہ طلب الملک (کبیر) ف۳۷ (کسی جرم کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ ہم نے یہ سامان کثیر انہیں دے کر معاصر سلاطین کو ان سے پست ومغلوب کر دیا۔ فَسَخَّرْنَا ... اَصَابَ۔ آپ کی تسخیر ہوائی پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ وَالشَّیٰطِیْنَ۔ آپ کی تسخیر جنات خبیث کا ذکر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) کے حاشیوں میں آ چکا۔ بَنَّآءٍ ... الْاَصْفَادِ۔ بعض جنات تعمیرات کے ماہرین میں تھے اور بعض غواصی کر کے موتی وغیرہ نکال لاتے تھے۔ اور انہیں میں سے جو مجرم ہوتے تھے، وہ بطور سزا زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے تھے۔ ف۳۸ یعنی تم اس سارے ساز وسامان، مال وجاہ کے محض خازن یا امین نہیں ہو۔ مالک ہو اور ہر طرح تصرف کے مجاز وحق دار ہو۔ بے حساب کتاب نہ دینے پر ہوگا اور نہ دینے پر۔ ای لا حساب علیک فی ذلک (مدارک) ای مھما فعلت فھو جائز لک احکم بما شئت فھو صواب (ابن کثیر) آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شریعت اسلامی میں بادشاہ ہمیشہ اور لازمی طور پر خزائن ملک کا محض امین ومتولی ہی نہیں ہوتا مالک ومختار مطلق بھی ہو سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالک کا بڑا سرمایہ جمعیت قلب ہے۔ اسی لیے محققین صوفیہ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے۔ ف۳۹ اوپر ساز وسامان دنیوی کا بیان تھا، اب مقبولیت عند اللہ واجر اخروی کا بیان ہے۔ حضرت سلیمان کی مقبولیت وبرگزیدگی کی یہ تصریحات بار بار اس لیے اور بھی آئی ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نوشتوں میں آپ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے، اور ہر طرح کی بدعقیدگی برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپ پر تھوپ دیے ہیں۔ ف۴۰ ایوب علیہ السلام کا وطن علاقہ عوض میں تھا، جو فلسطین کا مشرقی حصہ حدود عرب سے متصل ہے۔ روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۲۱۰ سال کی عمر پائی، اور آپ کا زمانہ فرزندان یعقوب کے خروج (یعنی مصر سے بنی اسرائیل کی رہائی) تک کا عہد ہے۔ توریت میں آتا ہے۔ "عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا (ایوب ۱۔۱) پھر خداوند نے شیطان سے کہا کہ کیا تو نے میرے بندے ایوب کے حال پر غور کیا کہ زمین پر اس سا کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ کامل اور صادق ہے، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا ہے (۱:۸) آپ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۴۱ (یعنی مجھے آلام روحانی وجسمانی میں مبتلا کر دیا ہے) اَنِّیْ ... عَذَابٍ۔ برائی کو بجائے حق تعالیٰ کے شیطان کی جانب منسوب کرنا یہ عین خاصان حق کے آداب میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر معصیت میں شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے۔ انبیاء پر شیطان کا تسلط معصیت کے باب میں ممکن نہیں، باقی اور ہر باب میں ممکن ہے۔ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ نصب سے مراد عام دکھ اور تکلیف ہے۔ اور عذاب سے مراد بیماری ہے۔ نصب ھو المشقۃ والتعب والعذاب الالم یرید مرضہ (کشاف) ف۴۲ دعا جو غایت تضرع وابتہال کے ساتھ کی گئی تھی، قبول ہوئی۔ حکم ملا کہ زمین پر ٹھوکر لگاؤ، چشمہ شفا یہیں جاری ہو جائے گا۔ آپ اس پانی سے نہائے بھی اور اسے پیا بھی۔ بالکل اچھے ہو گئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے۔ پہلا چشمہ امراض جلدی کے حق میں شافی تھا، دوسرا چشمہ چند قدم آگے بڑھ کر تھا۔ اس کا پانی امراض اندرونی کے حق میں آب حیات تھا۔ اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ۔ یہ جو ایک سخت مریض کو پیر زمین پر دے پٹخنے کا حکم مل رہا ہے، اس سے (جیسا کہ تفسیر قرطبی میں نقل ہوا ہے) بعض جاہل صوفیہ نے جواز رقص نکالا ہے!۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ دین وشریعت کے ساتھ تلاعب وتمسخر کوئی چودھویں صدی ہجری کی نئی ایجاد ہے۔ استغفر اللہ۔ ف۴۳ یعنی تا کہ اہل عقل یاد رکھیں کہ حق تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ۔ توریت میں آتا ہے: "اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی اور اس کے بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان کے اس کے پاس آئے۔ اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور اس پر افسوس کیا۔ اور ان ساری بلاؤں کے لیے جو خداوند نے اس پر نازل کی تھیں تسلی دی، اور ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک قسیط اور ہر ایک نے اسے سونے کا ایک کرن پھول بخشا۔ اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کی۔ اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھیوں کا مالک ہوا" (ایوب۔ ۱۲:۴۲) ف۴۴ حضرت ایوب نے حالت مرض میں، جوش غیرت دینی میں آ کر قسم کھائی تھی کہ بعد صحت اپنی نافرمان اور کمزور عقیدہ والی بیوی کو سو تازیانے لگائیں گے۔ اب آپ خاص رعایت وکرم کے مورد قرار پائے، اور حق تعالیٰ نے بطور خاص آپ کے لیے یہ راہ کشائش کی پیدا کر دی۔ لیکن یہ خصوصیت تنہا حضرت ایوب علیہ السلام کی تھی۔ اس سے عامہ مومنین کے لیے قسم کے پوری طرح پوری نہ کرنے کا جواز نہیں نکل آتا۔ آئمہ سلف اور فقہا ومفسرین سب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ "اس طرح سے قسم پورا ہو جانا یہ مخصوص ایوب علیہ السلام کے ساتھ، اب اگر کوئی ایسی قسم کھاوے تو بدون معنی متبادر کے واقع کیے ہوئے قسم پوری نہ ہوگی۔ البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو۔ وہاں قسم توڑ دینا جائز، اور جہاں جائز

عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

ان کے لئے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے ف۳۹ اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجیے ف۴۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا ہے ف۴۱ اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کا اور پینے کا ف۴۲ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور ان کے ساتھ انہیں کے اتنے (اور بھی) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے، ف۴۳ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو اور اسی سے مارو، اور اپنی قسم نہ توڑو ف۴۴ ہم نے ان کو (بڑا) صابر پایا کیا اچھے بندے تھے، اور بڑے رجوع کرنے والے تھے ف۴۵ اور آپ یاد کیجیے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ف۴۶ ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہ یاد آخرت ہے، ف۴۷ اور بے شک یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں ہیں ف۴۸ اور اسمٰعیل اور الیسع

نہ ہو وہاں واجب ہوگا۔ اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے، اور جس میں یہ امر نہ ہو بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) عن ابن عباس لا یجوز ذلک لاحد بعد ایوب الا الانبیاء علیہم السلام (روح) محققین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ احکام شرعی کے ابطال کے لئے جواز حیلہ کی کوئی سند اس آیت سے نہیں نکلتی۔ وکثیر من الناس استدل بھا علی جواز الحیل وجعلھا اصلا لصحتھا وعندی ان کل حیلۃ اوجبت ابطال حکمۃ شرعیۃ لا تقبل کحیلۃ سقوط الزکاۃ وحیلۃ سقوط الاستبراء (روح) بہت سے لوگوں نے اسے احکام میں حیلہ پیدا کرنے کی اصل ومدار ٹھہرالیا ہے، حالانکہ ہر ایسا حیلہ ناجائز ہے جس سے حکم شرعی کا ابطال ہو، مثلاً حیلۂ سقوط زکوٰۃ، حیلۂ سقوط استبراء وغیرہا۔ فَاضْرِبْ بِّهٖ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ شوہر بغرض تادیب بیوی کو سزائے جسمانی دے سکتا ہے۔ وفی ھذہ الاٰیۃ دلالۃ علی ان للزوج ان یضرب امراتہ تادیبا (جصاص) تضمنت ھذہ الاٰیۃ جواز ضرب الرجل امراتہ تادیبا (قرطبی) لیکن یہ بھی محققین نے قصہ ہی سے نکالا ہے کہ سزا محض ہلکی اور تادیب بھر کی ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔ وذلک انہ لیس للزوج ان یضرب امراتہ فوق حد الادب (قرطبی) حضرت ایوب کے اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۴۵ توریت میں جو مناجات ایوبی نقل ہوئی ہے

وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝۴۸ۭ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ

اور ذو الکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں ہیں ف۴۹ ایک نصیحت (کا مضمون) یہ ہوا، اور

لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۹ۙ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ

پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لئے

الْاَبْوَابُ ۝۵۰ۚ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ

کھلے ہوں گے ف۵۰ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ان (باغوں) میں اور وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے

وَّشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝۵۲

کی چیزیں منگوائیں گے، اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی ف۵۱

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۳ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا

یہی وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے وعدہ روز حساب کے آنے پر کیا جاتا تھا بے شک یہ ہماری عطا ہے، اس کا کہیں

لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝۵۴ۚۖ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ۙ

خاتمہ ہی نہیں ف۵۲ یہ بات ہو چکی ف۵۳ اور سرکشوں کے لئے بے شک برا ٹھکانا ہے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ

یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے یہ (موجود) ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ،

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ۙ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۸ۭ هٰذَا

سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور اور بھی اس کی جنس سے طرح طرح کی چیزیں ف۵۴ یہ اور ان کی جماعت

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا

جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں، ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں

النَّارِ ۝۵۹ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ

گھس رہے ہیں ف۵۵ وہ کہیں گے نہیں بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار ہو تمہیں تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ف۵۶

اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔ ”میں اپنے تئیں سے بیزار ہوں اور خاک اور راکھ پر بیٹھا توبہ کرتا ہوں“ (ایوب۔ ۴۲:۶) بقیۃ القصۃ۔ توریت میں ہے ”اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی“ (ایوب ۴۲:۹) جیسے میرے بندے ایوب نے میری بابت حق باتیں کہیں تم نے نہیں کہیں (ایوب ۴۲:۸) ف۴۶ یعنی قوت عملی کے بھی مالک تھے اور قوت علمی کے بھی۔۔۔۔ انبیاء کرام عموماً اپنے تمام قوائے علمی ونظری، عملی، جسمی کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ عِبٰدَنَآ۔ اضافت تشریف وتکریم کی ہے، اور عبدیت خالصہ وخاصہ پر دلالت کرتی ہے۔ اُولِی الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۔ دونوں اپنے مطلق مفہوم میں ہیں۔ اور ہر قسم کی قدرت، اور ہر قسم کی بینائی کو شامل ہیں۔ جو شایان بشر اور سزاوار پیمبر ہو۔ بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ صاحب قوت تھے۔ نفس اور شیطان اور شیطانی قوتوں کے مقابلہ میں، اور صاحب بصیرت تھے۔ نفس اور عقل اور قلب اور روح کے معاملات میں۔ اور بعض نے اعمال ظاہری وباطنی کی جامعیت مراد لی ہے۔ ای اولی الاعمال الظاھرۃ والفکر الباطنۃ (مدارک) ف۴۷ خاصان خدا اور مقبولین حق کی اصلی اور امتیازی خصوصیت ان کی یہی یاد آخرت اور اس کا استحضار ہوتا ہے۔ الدَّارِ سے مراد دار الآخرت ہے کہ وہی دار حقیقی ہے۔ وتعریف الدار للعھد فیہ اشعار بانھا الدار فی الحقیقۃ وانھا الدنیا مجاز (روح) فقہاء اور متکلمین نے آیت سے مسائل ذیل کا بھی استنباط کیا ہے۔ ۱۔ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فضائل نبوت وہبی ہیں، کسبی نہیں۔ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ اس پر دلیل ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ معصیت کی ہلکی سی آمیزش سے بھی خلوص کامل میں نقص آجاتا ہے۔ ۲۔ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ سے یہ نکلتا ہے کہ انبیاء مخصوص وما مور ہدایت وحق تعالیٰ ہی کے لئے ہوتے ہیں، دوسرے فنون کا ان سے استفادہ محض ایک ضمنی امر ہے۔ ف۴۸ یعنی منتخب مقبولان حق کی صف میں بھی افضل واعلیٰ۔ علماء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء بہترین خلق اللہ ہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ، اِسْحٰقَ، يَعْقُوْبَ۔ سب پر حاشیے گزر چکے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ ساتھ حضرت اسحٰق ویعقوب کا ذکر انتہائی مدح کے موقع پر ایک اسمٰعیلی نبی کی زبان سے ادا کرنا بجائے خود ایک دلیل آنحضرت کی صداقت کی ہے۔ ف۴۹ (نہ کہ جیسا ان کے دشمنوں نے انہیں بدنام کر کے اسرائیلی نوشتوں میں لکھ دیا ہے) اسمٰعیل پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں اور الیسع پر سورۃ الانعام (پ۷) میں اور ذو الکفل پر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکا۔ الیسع میں ال تعریف کا ہے اصل اسم یسع پر داخل ہوا ہے۔ ف۵۰ جنتوں کے دروازے جنتیوں کے انتظار واشتیاق میں پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے۔ انہیں کسی انتظار یا تقاضے کی نوبت نہ آئے گی۔ ف۵۱ یعنی حوریں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں بھی مراد ہوں۔ غرض یہ کہ اہل جنت کے لئے مادی عیش وراحت کے بھی کل سامان موجود ہوں گے۔ اور اس پر عقل سلیم کو اعتراض کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ مادی لذتوں سے لطف اٹھانا بجائے خود ہرگز شریعت اور قانون فطرت کی نظر میں معیوب نہیں۔ مذموم تو ان کی صرف ناجائز صورتیں ہیں۔ فَاكِهَةٍ پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ کھانے پینے کی ہر لذیذ ومرغوب چیز مراد ہے۔ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ۔ یعنی بجز اپنے مردوں کے اور کسی پر نظر نہ ڈالنے والیاں۔ دنیا میں یہ وصف خاص طور پر محمود سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں بھی کر دیا گیا۔ اَتْرَابٌ۔ محض ہم عمری یا سن وسال میں مطابقت مقصود نہیں، بلکہ شوق وپسند میں ہم آہنگی، عادات وجذبات میں یکسانی، غرض ہر ایسی باہمی مناسبت مراد ہے جو ازدیاد لطف وموانست کا باعث ہو سکے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عین موقع ترغیب میں یہ ذکر اس کی دلیل ہے کہ مباح عورتوں کی جانب رغبت نہ حب الٰہی کے منافی ہے نہ کسی اور کمال کے، جیسا کہ صوفیہ ناقص یا بعض اہل باطل نے سمجھ رکھا ہے۔ ف۵۲ رِزْقُنَا میں رزق کی اضافت اپنی جانب کرنا اظہار تکریم وفضائل کے لئے ہے۔ یعنی یہ خاص ہمارا عطیہ ہوگا۔ جسے کسی طرح فنا وزوال نہیں۔ جتنا چاہو کھاؤ پیو۔ جس قدر چاہو صرف کرو، اڑاؤ، ان نعمتوں کے ذخیرے کم ہی نہ ہونے پائیں گے تو ان کے ختم ہونے کا ذکر ہی کیا۔ جنت کی نعمتیں جس طرح مقدار میں بے نہایت اور تعداد میں بے شمار وعدد ہوتی ہیں، اسی طرح ہر نعمت ابدی، دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگی۔ ف۵۳ یعنی یہ بشارتیں اہل سعادت سے متعلق بیان ہو چکیں، اب آگے ذکر اہل شقاوت کا آتا ہے۔ ھذا خبر والمبتدا محذوف۔ ای الامر ھذا او ھذا کما ذکر (مدارک)

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

سو (جہنم) بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، یہ لوگ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو ہمارے آگے یہ (مصیبت) لایا سو

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

اسے دوزخ میں دونا عذاب دیجیو اور کہیں گے یہ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھتے جنہیں ہم بُرے لوگوں

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم ہی نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں

الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ

چکرا رہی ہیں و۵۷ یعنی اہل دوزخ کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے و۵۸ آپ کہہ دیجیے

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

کہ میں تو محض ڈرانے والا ہوں اور خدا تو کوئی بھی نہیں بجز اللہ واحد اور غالب کے و۵۹

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

(وہی) پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کی درمیانی چیزوں کا، وہ بڑا زبردست ہے، بڑا بخشنے والا ہے و۶۰

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ

آپ کہہ دیجیے یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم (بالکل) بے پروا ہو رہے ہو و۶۱ مجھ کو

لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى

عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (یعنی فرشتے) گفتگو کر رہے تھے میرے پاس وحی تو صرف

اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اس لئے آتی ہے کہ میں بس ڈرانے والا (بنا کر بھیجا گیا) ہوں و۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب آپ کے

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں گیلی مٹی سے، پھر جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس

و۵۴ یعنی ایسی ہی ناگوار و موجب آزار چیزیں۔ فقرہ کی ترکیب اصل قاعدہ نحوی کے اعتبار سے یوں ہوگی۔ ھذا حمیم وغساق فلیذوقوہ۔ غَسَّاقٌ۔ اس کا ترجمہ پیپ قول اکثریت کے مطابق درج کر دیا گیا۔ لیکن اس کے ایک معنی ناقابل برداشت حد تک سرد کے بھی ہیں۔ غساق الزمھریر (ابوالبقاء) اور چونکہ مقابل ذکر حمیم (انتہائی گرم) کا آچکا ہے، اس لئے یہاں چسپاں بھی انتہائی سرد کے معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر نے بھی اس معنی کا ذکر کیا ہے، اور بعض تابعین سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ ھو البارد الذی لا یستطاع من بردہ (ابن جریر) بارد لا یستطاع او برد لا یستطاع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھو البرد (ابن جریر۔ عن ضحاک) گویا یہ دونوں صفات پانی ہی کی بیان ہوئیں کہ یا تو وہ انتہائی گرم اور یا انتہائی سرد، غرض دونوں صورتوں میں ایک ناقابل برداشت عذاب۔ قیل الحمیم یحرق بحرہ والغساق یحرق ببردہ (کشاف) قال مجاھد ومقاتل ھو الثلج البارد الذی قد انتھی بردہ وقال غیرھما انہ یحرق ببردہ کما یحرق الحمیم بحرّہ (قرطبی) اور عجب نہیں کہ گرمی اور سردی کی ان انتہائی صورتوں کے لانے سے اشارہ اہل جہنم کی دنیا میں عادات افراط وتفریط کی جانب ہو۔ اَزْوَاجٌ یہاں اجناس کے معنی میں ہے۔ اے اجناس (کشاف) اے اصناف والوان من العذاب (قرطبی) مِنْ شَكْلِهٖ۔ یعنی اس ناقابل برداشت مشروب یا اس عذاب شدید وناقابل برداشت ہی کی طرح۔ اے من مثل ھذا المذوق او العذاب فی الشدۃ والفظاعۃ (روح) شکلہ۔ ضمیر حمیم وغساق کے مجموعہ کی جانب ہے، اور اس لئے بجائے تثنیہ کے واحد ہے۔ و۵۵ یہ کافروں کے سرغنہ اور سردار کہیں گے، جب وہ جہنم میں اپنے پیرووں کی کسی ٹکڑی کو آتے دیکھیں گے۔ و۵۶ (اور تمہیں نے تو ہمیں بہکایا) یہ مقلدین اور عوام اپنے سرداروں سے کہیں گے۔ و۵۷ دوزخیوں کو اپنے اصل عذاب کے علاوہ ایک عذابِ حسرت یہ بھی ہوگی کہ جب دوزخ میں کہیں اہل ایمان کا پتہ نشان نہ پائیں گے جنہیں دنیا میں مستحق صد تحقیر واستہزاء سمجھتے رہتے تھے، تو آپس میں کہیں گے کہ وہ لوگ تو کہیں دیکھے نہیں پڑتے جنہیں ہم دنیا میں اتنا برا سمجھ کرتے تھے۔ کہیں ہماری ہی ہنسی تو سراسر بیجا نہ تھی۔ یا یہ بات ہے کہ وہ ہیں یہیں لیکن ہماری نظر ان پر نہیں جمتی! و۵۸ یہ سرتاسر حقائق ہیں۔ انہیں شاعری یا انشا پردازی سمجھ کر نظرانداز نہ کرو اور ہنکا نہ سمجھو۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اہل جہنم کے درمیان منازعہ ومخاصمہ۔ اے الذی حکینا عنھم (مدارک) و۵۹ (نعوذ باللہ مجھ میں کوئی شائبہ الوہیت تھوڑے ہی ہے، اور میں کیا کوئی دعوی کسی معنی میں بھی اپنی خدائی کا کرتا ہوں۔ معبود تو وہی ایک سب پر غالب ہے، اور میں اس کی طرف سے محض تنبیہ کرنے والا) مِنْ اِلٰهٍ۔ من زائدہ، استغراق نفی کے لئے ہے۔ الْوَاحِدُ۔ وہ جس طرح اپنی صفات میں یکتا ہے، عددی حیثیت سے بھی یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا ثانی نہ کوئی اس کا اقنوم یا مظہر۔ الْقَهَّارُ۔ وہی سب پر حاکم وغالب، اس پر کوئی بھی حاکم ومتصرف نہیں۔ اے ھو وحدہ قد قھر کل شیء وغلبہ (ابن کثیر) القھر الغلبۃ والتذلیل معًا۔۔۔ واقھرہ سلط علیہ (راغب) اسم "قہار" کو بعض لوگوں نے اردو کے "قہار" پر بڑے غصہ ور کے معنی میں لیا ہے جو سرتاسر مہمل ہے۔ و۶۰ وہ اپنے ہر ارادہ پر قادر ہے، نیز ہر ایک کی مغفرت پر کوئی قید، کوئی شرط، نہ اس کی قوت وقدرت پر عائد ہوتی ہے نہ اس کی صفت غفاری پر۔ یہ رد ہے ان گمراہ قوموں کا جنہوں نے خدا کی قدرت وقوت کو محدود سمجھا ہے۔ اور یہ عقیدہ پھیلایا ہے کہ وہ "کرم" (مکافات) کے قاعدہ کے آگے خود مجبور ہے کسی کو اپنی طرف سے معاف کر ہی نہیں سکتا اور یہ کہ بغیر عوض وکفارہ کے وہ مغفرت سے معذور ہے۔ و۶۱ (اور یہ بے پروائی تمہارے ہی آگے آئے گی) هُوَ۔ یعنی یہی مضمون توحید ورسالت یمکن ان یکون المراد ان القول بان الالٰہ واحد نبأ عظیم و یمکن ان یقال المراد ان القول بالنبوۃ نبأ عظیم (کبیر) بعض نے هُوَ سے مراد قرآن بھی لیا ہے۔ و۶۲ (اور مجھے اب جو اس کی خبر ہوئی ہے وہ محض وحی کے ذریعہ سے) يَخْتَصِمُوْنَ۔ اللہ سے فرشتوں کی گفتگو میں سوال وجواب تو بہرحال واقع ہوا ہی تھا اس کی اختصام سے تعبیر اسی ظاہری مشابہت کی بناء پر ہے۔ لا شک ان جزی ھناک سوال و جواب و ذلک یشابہ المخاصمۃ والمناظرۃ والمشابھۃ علۃ لجواز المجاز فلھذا السبب حسن اطلاق لفظ المخاصمۃ علیہ (کبیر)

ف۶۳ خلق آدم، گفتگو ئے ملائکہ وغیرہ پر تفصیلی حاشیے سورۃ البقرہ (پ ۱) میں گزر چکے اور اس کے بعد بھی سورۃ الاعراف وغیرہ میں۔ سٰجِدِیْنَ۔ سجدہ کے معنی یہاں بطور واضح محقق کے بھی کیے گئے ہیں، اور سجدۂ تعظیمی کے بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔ قیل کان انحناء یدل علی التواضع و قیل کان سجدۃ لله او کان سجدۃ التحیۃ (مدارک) مِنْ رُّوْحِیْ میں اضافت یا تو تملیکی ہے۔ یعنی ہماری مملوک و مخلوق خاص یا اضافت تشریفی، یعنی وہ روح جو ہماری نسبت سے مکرم و مشرف ہے۔ یا تخصیصی، یعنی وہ زندگی، جان جس میں ہمارے سوا کوئی دوسرا متعلق نہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ من روحی میں اللہ نے روح کو اپنی جانب نسبت دے کر اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ روح ایک جوہر شریف و مطہر ہے۔ و لما اضاف الروح الی نفسہ دل علی انہ جوہر شریف علوی قوی (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت انسانی کی تکمیل دو امور پر موقوف ہے، پہلے تسویہ جسد اور پھر نفخ روح پر۔ مِنْ طِیْنٍ خلق آدم کا، دو کہیں طین آیا ہے کہیں تراب کہیں صلصال من حمإ مسنون اور ان میں کچھ تعارض نہیں۔ کہیں مادۂ قریبہ بتلادیا کہیں مادۂ بعیدہ" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) المادۃ البعیدۃ ھو التراب و اقرب منہ الطین و اقرب منہ الحمأ المسنون و اقرب منہ الصلصال فثبت انہ لا منافاۃ بین الکل (کبیر) توریت میں ہے:" اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ سو آدمی جیتی جان ہوا۔" (پیدائش ۲: ۷) ف۶۴ (اس صریح نافرمانی کے نتیجہ کے طور پر) عزازیل جس کا لقب بعد کو ابلیس پڑا فرشتہ نہ تھا، جن تھا۔ جیسا کہ سورۃ الکہف میں بصراحت مذکور ہے۔ تعظیم آدم کا حکم جب فرشتوں کو ہوا جو اشرف و اعلیٰ تھے تو جنات جو ان سے پست و فروتر تھے اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ہوئے۔ اِبْلِیْسَ۔ ابلیس پر مفصل حاشیے سورۃ البقرہ (پ ۱) اور سورۃ الکہف (پ ۱۵) میں گزر چکے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ تعظیم سجدہ سے ضروری نہیں کہ یہی متعارف و اصطلاحی سجدہ مراد ہو۔ ہوسکتا ہے کہ مطلق انحناء اور محض تعظیم مراد ہو۔ حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۶۵ یعنی اس کی ایجاد کی طرف خاص عنایت ربانی متوجہ ہوئی۔ یہ تو اس کا شرف فی نفسہ ہوا۔ اور پھر اس کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم بھی مل چکا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بِیَدَیَّ۔ ید کے معنی یہاں قدرت کے بھی کیے گئے ہیں اور نعمت کے بھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب کوئی سلطان اعظم کسی عمل کو اپنے دست خاص کی جانب منسوب کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد عنایت خاص ہوتی ہے۔ تخلیق آدم براہ راست اور بلا واسطہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ قیل لما خلقت بغیر واسطۃ (قرطبی) یدی کے صیغۂ تثنیہ کی توجیہ میں بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مراد صفات جمال و جلال ہیں۔ اور یہ امہات الصفات ہیں۔ صفات لطف و قہر کی ایک تعبیر قوائے ملکوتی و قوائے حیوانی سے بھی کی جا سکتی ہے۔ ف۶۶ (جسے سجدے کا حکم ملا ہی نہ تھا) اَسْتَکْبَرْتَ۔ استکبار سے مراد یہ ہے کہ واقع میں تو بڑا نہیں تھا، لیکن اپنے کو بڑا سمجھ لیا۔ ف۶۷ (اور آگ اس کے مقابلہ میں عالی و لطیف ہے۔ تو سافل و کثیف کے روبرو عالی و لطیف کیسے جھکے!) ابلیس احمق اتنا نہ سمجھا کہ اول تو مٹی پر آگ کی برتری افضلیت و اشرفیت ہی مسلّم نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو کیا کسی مصلحت سے افضل کو غیر افضل، اشرف کو غیر اشرف کے آگے نہیں جھکایا جا سکتا؟ — ایک مفسر نے اس حقیقت سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ ابلیس جب اتنا کج فہم ہے تو انسان کو اس سے ڈرنا ہی کیا، بجز اس کے کہ انسان اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر خود ہی اپنے کو نور عقل سے محروم کر دے۔ مناظرۂ ابلیس حضرت حق پر اور ابلیسی منطق کی سفاہت پر حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۶۸ (اور جو اس وقت تک معتوب رہا، اس کے لیے اس کے بعد مغفوریت کا احتمال ہی نہیں) اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ محاورۂ زبان میں دوام اور ہمیشگی کے اظہار کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامت کے بعد ملعونیت مغفوریت سے بدل جائے گی۔ ولا یظن ان لعنتہ غایتھا یوم الدین ثم تنقطع لان معناہ ان علیہ اللعنۃ فی الدنیا وحدھا فاذا کان یوم الدین اقترن بھا العذاب (مدارک) مِنْھَا۔ ضمیر مؤنث غائب جنت کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور سماوات کی طرف بھی۔ ای من الجنۃ او من السموٰت (مدارک) ف۶۹ (موت سے) اتنی طویل مہلت زندگی ابلیس نے یہ خیال کر کے مانگی کہ اس

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ

میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، ف۶۳ چنانچہ سارے کے سارے

کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ

فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ہاں ابلیس نے (نہ کیا) وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں

الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا

سے ہو گیا، ف۶۴ (اللہ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس کے روبرو سجدہ کرنے سے روکا جسے

خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾

میں نے اپنے دست خاص سے بنایا، ف۶۵ کیا تو غرور میں آ گیا یا یہ کہ تو واقعی بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ف۶۶

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ

وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے تو نے گیلی مٹی

طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْکَ

سے بنایا، ف۶۷ ارشاد ہوا تو پھر تو یہاں سے نکل، کیوں کہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر

لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ

میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک، ف۶۸ وہ بولا کہ اے میرے پروردگار تو مجھے لوگوں کے جی اٹھنے کے دن تک

یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ

مہلت دے، ف۶۹ ارشاد ہوا جا تجھے مہلت دے دی جائے گی روز معلوم

الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا

تک، ف۷۰ بولا کہ تجھ کو بھی تیری ہی عزت کی قسم کہ میں سب کو بہکاؤں گا بجز

عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَ الْحَقَّ

ان میں سے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہیں، ف۷۱ ارشاد ہوا کہ سچ یہ ہے اور سچ تو میں (ہمیشہ)

وقت تک خوب آدم و اولاد آدم سے اپنے مردود ہونے کا انتقام لیتا رہوں۔ ف۷۰ (کہ تو بھی اپنے دل کے حوصلے نکال دیکھ) ف۷۱ ابلیس اپنے سارے زعم اور اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود حق تعالیٰ کے ان بندوں کے سامنے شروع ہی سے ہار مانے ہوئے ہے جو اپنے کو اس کے اثرات سے بچانے کی فکر و اہتمام میں لگے رہتے ہیں اور ان کے حق میں اسے اغوا تک کی ہمت نہیں ہوتی۔ الْمُخْلَصِیْنَ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ کہا ہے کہ ابلیس نے یہ استثناء کر کے اپنی سچائی کو قائم رکھا۔ یعنی اس نے علی الاطلاق یہ دعویٰ نہیں کر بیٹھا کہ میں سارے ہی انسانوں کو بہکالوں گا، بلکہ اللہ کے نیک و پارسا بندوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔ تو جھوٹ ایسی گندی چیز ہے جس سے ابلیس تک کو حیا آئی، تو اس مسلمان کی حالت پر حیف ہے جو مومن ہو کر جھوٹ سے پرہیز نہ کرے۔ و عند ھذا یقال ان الکذب شیء یستنکف منہ ابلیس فکیف یلیق بالمسلم الاقدام علیہ (کبیر) لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شیطان اس فقرہ میں اغواء کو اپنی ذات کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ گویا مذہب قدریہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ لیکن دوسرے موقع پر رب بما اغویتنی کہہ کر اغواء کو حق تعالیٰ کا فعل قرار دے چکا ہے، گویا مسلک جبریہ کا اظہار کر چکا ہے۔ اور دونوں مقولوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں وہ حیران و متردد ہی ہے۔ و ھذا یدل انہ متحیر فی ھذہ المسئلۃ (کبیر) لَاُغْوِیَنَّهُمْ۔ لفظ اغواء پر خوب غور کر لیا جائے۔ اغواء کی حقیقت صرف وسوسہ اندازی کی ہے۔ ابلیس کے بس میں اس سے زیادہ

اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

کہتا ہی ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں ان سب سے دوزخ کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ

بھر دوں گا ؎ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (قرآن) پر کوئی بھی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ

اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں ؎ یہ (قرآن) تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

اور تھوڑے ہی دن بعد تم اس کا حال معلوم کر کے رہو گے ؎

رکوعاتها ۸	۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹	اٰیاتها ۷۵
اور آٹھ رکوع ہیں	سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی	اس کی پچھتر آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ؎۱ بے شک ہم نے آپ کی طرف

اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾

(اس) کتاب کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے، سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے ؎۲

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء

اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ

تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں ؎۳ بے شک

کچھ بھی نہیں کہ وہ معصیتوں اور نافرمانیوں کو خوشنما اور خوش رنگ بنا کر پیش کر دے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بس یہی کر سکتا ہے، اور اس سے آگے اپنے فخریہ اور تعلی آمیز دعووں کے وقت بھی نہیں بڑھتا۔ ؎ یعنی تو اگر اپنے دعوے میں کامیاب ہو بھی گیا، تو اس میں حق تعالیٰ کا کیا ضرر۔ تو خود اور تیرے چیلے چانٹے، جو بھی تیرا دم بھریں گے خود ہی سزا بھگتیں گے۔ مِنْكَ۔ مراد جنس شیطانی سے ہے۔ ای من جنسک و هم الشیاطین (کبیر) اس سے ملتا ہوا مضمون سورۃ الاعراف (پ ۸) میں اور سورۂ ہود (پ ۱۲) میں آچکا ہے۔ وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ؎ (کہ اپنی عادت تصنع کے مطابق جھوٹا دعوئے نبوت کر رہا ہوں) جھوٹے دعوئے نبوت کے محرک دو ہی ممکن تھے۔ یا جاہ و مال کے قسم سے کسی معاوضہ کا خیال تو اس کی نفی مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں آگئی۔ اور یا محض عادت یا اقتضاء طبعی۔ سو اس کی نفی وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ سے ہو رہی ہے۔ ؎ یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی، لیکن اس وقت نفع کچھ بھی نہ ہوگا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی مدح تین جگہ آئی اور تینوں جگہ اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ شروع میں ذی الذکر ہے، درمیان میں لیذکر ہے اور آخر میں ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اِنْ ۔۔۔ لِلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی یہ کلام تو تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور میں اس کی تبلیغ پر مامور ہوں ؎۱ (اور ان رسول کی گرمی ہوئی نہیں) الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ اسم عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ انکار و تکذیب کرنے والوں کو سزا فوراً مل جاتی۔ اسم حکیم کے تقاضہ نے مہلت طویل کو ممکن کر دیا۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے۔ اور من اللہ خبر۔ ؎۲ (جیسا کہ اب تک بھی کرتے رہے ہیں) بِالْحَقِّ۔ یعنی حکمت و مقصد کے ساتھ۔ یوں ہی بلا مقصد نہیں۔ اور جائز ہے کہ ب کو سببیہ قرار دے کر معنی یہ کیے جائیں کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر تائید حق کی غرض سے نازل کی ہے۔ ای انزلناه بسبب الحق ای اثباته و اظهاره (روح) اَنْزَلْنَآ۔ ابھی ابھی قرآن مجید کے لیے تَنْزِيْلُ آچکا ہے، جس کے مفہوم میں تدریج داخل ہے، اور اب صیغہ انزال آ گیا جس سے بظاہر دفعۃً نزول معلوم ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے از خود سوال پیدا کر کے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں انزال آیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ آپ پر کتاب نازل کرنے کا حکم ایک کلی صورت میں ہو گیا۔ اور جہاں تنزیل ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واقعۃً و عملاً کتاب کا نزول تدریج کے ساتھ ہوا ہے۔ ؎۳ (اور باقی ان کی عبادت کو کچھ مقصود بالذات تھوڑے ہی سمجھتے ہیں) مَا نَعْبُدُهُمْ ۔۔۔ زُلْفٰى۔ اس مختصر سے فقرہ کے اندر شرک کا سارا فلسفہ آ گیا ہے۔ حضرات انبیاء کی مسلسل تعلیم و تبلیغ توحید کا اثر دنیا پر یہ پڑا ہے کہ اب کوئی بڑے سے بڑا مشرک فرقہ بھی کھلم کھلا دو یا زائد خداؤں کا قائل نہیں رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک اپنے کو مشرک کہلاتے شرمانے لگا ہے اور اپنے شرک کی طرح طرح تاویل کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تو اب مشرکین کہتے کیا ہیں کہ خدائے عظیم و برتر تو بس ہمارا بھی ایک ہی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ کائنات کے ہر ہر شعبہ حیات کا انتظام و تصرف تو الگ الگ دیوی دیوتا یا خدائے اصغر کے سپرد ہے۔ اور ہم تو ان دیوی دیوتاؤں کو محض ایک واسطہ یا وسیلہ اسی معبود اعظم تک رسائی کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ ہم اس کی توجہ کے منکر تھوڑے ہی ہیں۔ مسیحی و مشرکانہ عقائد کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ یعنی اور کوئی اس کی معبودیت میں شریک نہیں۔ الا لله یفید الحصر و معنی الحصر ان یثبت الحکم فی المذکور و ینفی عن غیر المذکور (کبیر) وَ الَّذِيْنَ ۔۔۔ اَوْلِيَآءَ۔ آیت کا مضمون ہم مسلمانوں کے بہت ڈرنے کا ہے۔ پیروں، بزرگوں، اولیاء و صالحین کو زندگی کے مختلف شعبوں میں (رزق دلانے میں، شفا بخشنے میں، مقدمہ جتا دینے میں، وغیرہا) حاکم و متصرف سمجھ لینے کا عقیدہ ہمارے اندر بھی کس کثرت و شدت سے شائع ہو گیا ہے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواص باری تعالیٰ میں غیر کے لیے اثبات مطلقاً مذموم ہے۔ اور اس میں ما بالذات اور ما بالغیر کا فرق معتبر نہیں"۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت بہر صورت حرام ہے۔ خواہ بطور توسل اور بہ گمان رضاء الٰہی ہی ہو۔ فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ توسل غیر اللہ اگر صرف درجہ تدبیر میں ہو تو بالکل جائز ہے، مثلاً مریض کا دوا پینا، یا اہل حاجت کا حکام و امراء سے رجوع کرنا، لیکن اگر کسی کو فاعل حقیقی، قادر، نافع و ضار سمجھ کر دعا کی یا کرائی، تو یہ صریح حرام ہے۔۔۔ صالحین و انبیاء کرام کی تعظیم صرف انہیں طریقوں سے جائز ہے، جن پر دلائل شرعی قائم ہیں۔ خواہ نصاً خواہ استنباطاً۔ فقہائے مالکیہ نے لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ سے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر عمل کے لیے نیت عمل واجب ہے۔ خصوصاً وضو کے لیے (قرطبی)

اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا
اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس بات میں یہ باہم اختلاف کر رہے ہیں بے شک اللہ اسے راہ پر

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ
نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، ناشکرا ہو ۴ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا

وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ
ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا وہ پاک ہے ۵ وہ اللہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ
واحد ہے زبردست ہے ۶ آسمان اور زمین اس نے حکمت سے پیدا کیے ہیں وہ رات کو

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ
لپیٹتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹتا ہے رات پر اور اس نے سورج

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ
اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا ۷ یاد رکھو وہ

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے ۸ اس نے تم لوگوں کو ایک ذات سے پیدا کیا پھر اسی سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ
اس کا جوڑا بنایا ۹ اور تمہارے لئے اس نے چارپایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے ۱۰

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ
وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تین

ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
تاریکیوں میں ۱۱ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی حکومت ہے کوئی خدا بجز اس کے نہیں،

وف۴ (اس لیے کہ وہ یافت حق کا قصد ہی نہیں کرتا) بَیْنَھُمْ۔ یعنی اہل توحید و اہل شرک کے درمیان۔ اِنَّ . . . یَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ فیصلہ یعنی عملی مشاہد فیصلہ اس صورت میں قیامت میں ہوگا کہ اہل ایمان جنت میں جگہ پائیں گے، اور اہل کفر دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے کہ آپ ان اہل باطل کی ہٹ دھرمی پر زیادہ غم و فکر نہ کریں انہیں قیامت کے دن پوری سزا مل کر رہے گی۔ کٰذِبٌ کَفَّارٌ۔ یعنی زبان پر عقیدۂ باطل، اور دل سے عقیدۂ کفریہ کا قائل۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں اس شخص کے لیے بھی تہدید نکل آئی، جو اپنے لیے ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعوی کرتا ہے، اور لَا یَھْدِیْ میں اس کے حرمان کی طرف اشارہ ہے۔ علماء محققین نے کہا ہے کہ توفیق الٰہی مومن راستباز کے لیے ہے، نہ کہ کافر حیلہ باز کے لیے۔ وف۵ (کہ اس کو کسی ارادہ کی ضرورت لاحق ہو) انسان کو اولاد کی ضرورت اور خواہش جن جن اغراض سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان سب سے پاک و برتر ہے۔ وف۶ اسم الْوَاحِدُ میں اشارہ ہے توحید ذاتی کی طرف اور الْقَھَّارُ میں توحید صفاتی کی جانب۔ اردو میں قہر اور قہار، غضب اور غضبناک کے مرادف سمجھے جاتے ہیں، عربی میں الْقَھَّارُ غالب و زبردست کے معنی میں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ واحد بھی ایک اور یکتا ہے، اور چونکہ کوئی اس جیسا غلبہ و قوت والا نہیں۔ اس لیے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔ وف۷ آسمان، زمین، رات، دن، سورج و چاند، سب اس کے مخلوق اور سرتا سر اس کے تابع و محکوم ہیں۔ معبود یا دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت ان میں سے ذرہ بھر بھی کسی میں نہیں ـــــ مشرک قوموں نے ان سب کی پوجا کی ہے۔ بِالْحَقِّ۔ متکلمین نے کہا ہے کہ یہ کارگاہ عالم بطور حقائق امور کے ہے بطور وہم و شک کے نہیں، جیسا کہ فلاسفہ سفسطائیہ کا مسلک ہے۔ وف۸ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت ہر سزا پر قادر۔ اور اسم غفار کے تقاضہ سے ہر پچھلے کفر و طغیان کو معاف کرنے والا۔ بہر صورت مشرکوں کے دیویوں دیوتاؤں کی طرح معذور، مجبور، پابند کسی حال میں نہیں۔ وف۹ یعنی حضرت حوا، زوج آدم کو پیدا کیا۔ مِنْھَا۔ یعنی اسی ذات واحد سے۔ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ آیت میں خطاب عام نسل انسانی کو ہے۔ "دانایان فرنگ" جن کی ہر دانائی پر نادانی خندہ زن ہے، مدتوں اسی میں سرگرداں رہے کہ نسل انسانی کا مورث کوئی ایک ہی ہے، یا مختلف و متعدد ہیں۔ اور اب کہیں جا کر وحدت نوع کے قائل ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے صدیوں پیشتر یہ فیصلہ ناطق سنا دیا تھا کہ گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی زرد اور سرخ سب ایک ہی مورث کی اولاد ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی ـــــ نیز ملاحظہ ہو سورۃ النساء (پ۴) وف۱۰ یعنی بھیڑ اور بکری، اونٹ اور گائے کے نر و مادہ کل آٹھ ہوئے۔ وف۱۱ (اور یہ سب اس کے حکیم ہونے کے شواہد و دلائل ہیں) فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔ جنین خود ایک جھلی کے اندر رہتا ہے، جھلی رحم کے اندر ہوتی ہے، اور خود رحم شکم کے حصہ زیریں میں چھپا ہوا ہے، یہ تین تین پردے اور تاریکیاں ہوئیں ـــــ ضلع الٰہ آباد کے قریب کے رہنے والے ایک نامور و ممتاز ہندو ڈاکٹر جن کا انتقال ابھی چند سال ہوئے ہوا ہے، خاص شہر الٰہ آباد میں مطب کرتے تھے۔ ان کے متعلق ایک معتبر راوی نے بیان کیا کہ وہ در پردہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور قرآن کی صداقت کے قائل اسی آیت کی بنا پر ہو گئے تھے۔ کہتے تھے کہ ایک امی عرب کے لیے اس گہری طبی حقیقت سے، آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے واقف ہو جانا ناممکن تھا۔ فِیْ بُطُوْنِ۔ بطن کے معنی پیٹ کے ہیں، یعنی اس بڑے جوف یا ظرف کے، جس میں رحم، انثیین رحم، احشاء، امعاء سب کچھ شامل ہیں۔ سیاق میں اس لفظ کی وسعت قابل غور ہے۔ تاریکیوں یا تغیرات جنین کا تعلق رحم سے ہو یا ملحقات رحم سے۔ جدید و قدیم طبی تحقیقات کے ماتحت جو کچھ بھی ہوتا ہے سب بطن ہی کے حدود کے اندر ہوتا ہے۔ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ۔ ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت، ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر، جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے، اس پر روشن ہے کہ نو مہینہ تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا کرتے ہیں۔

فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ ﴿۶﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا

سو تم کہاں پھرے چلے جارہے ہو ف۱۲ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا حاجت مند نہیں ف۱۳ اور نہ

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ

وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، اور اگر تم لوگ شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے ف۱۴

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا ف۱۵ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ

جانا ہو گا سو وہ تم کو تمہارے (سارے) اعمال بتلا دے گا بے شک وہ دلوں تک کی باتوں کا

الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ

جاننے والا ہے ف۱۶ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے،

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ

پھر جب اللہ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا کر دیتا ہے تو پیشتر جس کے لئے (اس کو) پکار رہا تھا

قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعْ

بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے جس سے وہ اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) گمراہ کرتا ہے، آپ کہہ

بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ

دیجیے کہ اپنے کفر کا مزہ کچھ دن اور اٹھالے، تو دوزخیوں میں سے تو ہونے والا ہی ہے ف۱۷ بھلا جو شخص

قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا

رات کے اوقات میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو، آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی

رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ

امید کر رہا ہو ف۱۸ آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی

ف۱۲ (اے مشرکو!) یعنی معبودیت و مالکیت، حاکیت سب اسی کی ہے۔ کسی اور میں اس کی صلاحیت ہی کہاں ہے۔ تُؤْفَكُونَ ۔ یہ جتنے تغیرات خلقت انسانی سے متعلق بیان ہوئے ان میں قطعاً کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ ف۱۳ اس میں بھی رد ہے ایک مشرکانہ عقیدہ کا، بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد رہا ہے کہ ان کے ٹھاکر اور دیوتا خود اپنے پجاریوں کی پوجا اور بھینٹ کے محتاج ہیں، اور یہ اختیار میں پجاریوں کے ہے کہ جسے چاہیں دیوتا بنالیں، اور جب جسے چاہیں اس منصب سے معزول کر دیں۔ ف۱۴ مشیت الٰہی کا قانون تکوینی دوسرا ہے، یہاں بیان مرضیات الٰہی کے قانون تشریعی کا ہو رہا ہے۔ بندوں ہی کے نفع و مصلحت کی خاطر حق تعالیٰ کو پسند صرف طریق ایمان ہے۔ طریق کفر سرتا سر ناپسند اور نامقبول ہے۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا ۔ مراد طریق توحید و ایمان ہے۔ ف۱۵ (قیامت میں) اور دنیا میں بھی کافر کا کفر کسی دوسرے تک متعدی نہیں ہوتا ہے۔ اسی کی ذات تک رہتا ہے۔ بیان لعدم سرایة کفر الکافر الی غیرہ (روح) آیت عقیدۂ کفارہ کی بھی تردید کر رہی ہے، جس پر مسیحیت کا دارومدار ہے۔ ف۱۶ (اس کے لیے تمہارے ظاہر و باطن دونوں پر اطلاع کامل کیا دشوار ہے) ف۱۷ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ۔ آیت میں انسان سے مراد ناشکر گزار، کافر و مشرک قسم کا انسان ہے۔ کہ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جب تو وہ اخلاص کے ساتھ توحید کا قائل ہو جاتا ہے اور اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ اور جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے اور اس کی بجائے نعمت راحت و امن اسے مل جاتی ہے تو وہ اپنی اس تکلیف کو بھول بھال کر نہ صرف یہ کہ خود بدستور پھر گمراہی میں پڑ جاتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے لگتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے مہلت چند روزہ ہے اور انجام کار دوزخ ہے۔ الظاهر ان الانسان هنا جنس الکافر (بحر) ف۱۸ (کہیں ایسا شخص اور مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟) مراد ایسے شخص سے ہے جس کے عقائد بھی درست ہوں، اور اعمال بھی، باطن بھی آراستہ ہو اور ظاہر بھی، عقائد میں وہ توحید اور یوم جزاء پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اعمال میں یہ کیفیت ہو کہ رات جو عموماً غفلت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی وہ سجود و قیام یعنی نماز و عبادت میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام آداب معبودیت کی ادائی کا اہتمام رکھتا ہو۔ بلا قصور و بلا فتور ظاہراً بھی باطناً بھی۔ يَحْذَرُ ... رَبِّهٖ ۔ مقام خوف پر نام صرف آخرت کا آنے، اور محل رجاء میں رب کا ذکر آنے سے محققین عارفین نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حق میں رجا کا پہلو خوف پر غالب رہنا چاہیے۔ هٰذا یدل علی ان جانب الرجاء اکمل و الیق بحضرة الله تعالیٰ (کبیر)

لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ

ہوتے ہیں؟ نصیحت تو بس وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ف۱۹ آپ کہہ دیجیے اے میرے ایمان والے

اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بندو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے

حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ

نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے ف۲۰ ثابت قدم رہنے والوں کو بھی

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

اجر بے شمار ملے گا ف۲۱ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت خالص

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ۙ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

اسی کی عبادت کرتے ہوئے کروں، اور مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں

الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

اول ہوں، ف۲۲ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (اپنے لئے) ایک عظیم الشان دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ

عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ف۲۳ آپ کہہ دیجیے میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس کے لئے

دِيْنِيْ ۝۱۴ۙ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ

خالص رکھتا ہوں، سو تمہارا دل جس چیز کو چاہے عبادت کرو اللہ کو چھوڑ کر ف۲۴ آپ کہہ دیجیے

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۵ لَهُمْ مِّنْ

میں پڑے یاد رکھو کہ یہی صریح خسارہ ہے ف۲۵ ان کے لئے اوپر سے بھی

ف۱۹ (اور جو اپنی عقل وفہم کو کام ہی میں نہیں لاتا چاہتے، وہ ساری حکمتوں اور داناییوں کو ان سنی کر دیتے ہیں) اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ محاورہ قرآنی میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے، اور بے علمی سے مراد اسی علم سے محرومی ہے۔ علم سے قرآن مجید نے کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنہیں دنیا میں علوم وفنون کہا جاتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ کا لفظ قانت اور ساجد اور قائم کے لیے آیا ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو صاحب عمل ہوتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں انہیں اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ عمل کی کتنی فضیلت اسلام میں ہے۔ اور جو لوگ صرف علم پر، بلا عمل تو بغ رہتے ہیں، انہیں قرآن بے علم یا جاہل ہی قرار دیتا ہے۔ و هو تنبيه على ان من لم يعمل فهو غير عالم (کشاف۔ کبیر) و فيه ازدراء عظيم بالذين يقتنون العلوم ثم لا يقنتون و يفتنون فيها ثم يفتنون بالدنيا فهو عندالله جهلة (کشاف۔ کبیر) ف۲۰ (اس لیے اگر کسی خاص سرزمین میں احکام دین پر عمل کا موقع نہیں ملتا تو ترک وطن کر کے کسی اور ملک میں چلے جاؤ۔) لِلَّذِيْنَ ... حَسَنَةٌ ۔ یہ صلہ نیک آخرت میں تو ملتا ہی ہے، باقی دنیا میں بھی نیک کاروں کو تسکین وراحت خاطر کی حد تک ضرور مل جاتا ہے۔ يٰا ... اتَّقُوْا ۔ یہ تقوی اختیار کرنے کا حکم کن کو مل رہا ہے؟ ان کو جو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ اور یہ خود ایک قوی دلیل ہے (معتزلہ وخوارج کے خلاف) اس حقیقت پر کہ ایمان، عدم تقوی یا فسق یا معصیت کے ساتھ جمع رہ سکتا ہے۔ هذا من ادل الدلائل على ان الايمان يبقى مع المعصية (کبیر) و ذلك يدل على ان الفسق لايزيل الايمان (کبیر) ف۲۱ اِنَّمَا کے کلمہ حصر سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بلا صبر کے کوئی اجر نہیں، اور ہر اجر کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی درجہ صبر کا تو بہرحال ہونا چاہیے اور ہر عمل عبادت میں نفس کی آزادی پر صبر ومجاہدہ کا بلند کسی درجہ میں تو لگا ہوتا ہی ہے۔ الصّٰبِرُوْنَ ۔ یعنی دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو۔ ابھی ذکر ہجرت کا تھا۔ لیکن کوئی مہاجر ایسا نہیں جسے شدید صعوبتوں کے اندر سے ہو کر نہ گزرنا پڑتا ہو۔ اس لیے معاً ذکر ان کے اجر اور اجر بے حساب کا کر دیا گیا۔ والمراد الذين صبروا على مفارقة اوطانهم و عشائرهم و على تجرع الغصص و احتمال البلايا في طاعة الله تعالى (کبیر) ف۲۲ دو حکموں کا ذکر ہے۔ پہلا حکم بلا شائبہ شرک خالص توحیدی عبادتوں کا ہے۔ یہ حکم بحیثیت مسلم کے ملا۔ دوسرا حکم مسلمین میں سب سے اول ہونے کا بحیثیت نبی ہونے کا ملا۔ ف۲۳ یعنی یوم قیامت کے عذاب کا۔ پیغمبر تو معصوم ہوتے ہیں، جن سے ترک توحید کا احتمال ہی نہیں، تو جب اندیشہ عذاب ان تک کے لیے ہے تو امت کے غیر معصوموں کا ظاہر ہے کہ کیا ذکر ہے۔ اِنِّيْۤ اَخَافُ ۔ الفاظ سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ معصیت پر جو شے لازمی طور پر مرتب ہوتی ہے وہ اندیشہ عذاب ہے نہ کہ نفس عذاب۔ دلت الاية على ان المرتب على المعصية ليس حصول العقاب بل الخوف من العقاب (کبیر) ف۲۴ (قیامت کے دن اس کا انجام آپ ہی دیکھ لو گے) ظاہر ہے کہ یہ پورا فقرہ تہدید کے لہجہ میں ہے، یہ مراد نہیں کہ مشرکوں کو اختیار دیا جا رہا ہے۔ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۔ یعنی اسی کے حکم کے مطابق، بلا شائبہ شرک۔ محققین نے کہا ہے کہ اس سے وجوب عبادت واخلاص دونوں کا ثابت ہوتا ہے اخلاص بلا عبادت روح بے جسد ہے، اور عبادت بلا اخلاص جسد بے روح ف۲۵ (کہ آخری فیصلہ کے دن خسارہ ہو۔ اور جان و متعلقین جو دنیا میں نفع وراحت وتمتع کا ذریعہ رہتے ہیں، وہ قیامت کے دن ذرا بھی یہ کام نہ دے سکیں گے) اَلَا ... الْمُبِيْنُ ۔ یہاں خسران کی شدید تاکید ملحوظ رہے، ایک تو فقرہ کی ابتداء ہی کلمہ تنبیہ سے کی، پھر خسران کو معرفہ بنا کر الخسران کیا، اور پھر وصف مبین کا اضافہ کیا۔ الْخٰسِرِيْنَ ۔ سے مراد ہر حقیقی خسران کامل اٹھانے والوں سے بھی گئی ہے۔ اے الكاملين في الخسران الجامعين لو جوهه و اسبابه (کشاف)

فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ

آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَ الَّذِيْنَ

جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ف۲۶ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو ف۲۷ اور جو لوگ

اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ

اس سے بچے رہتے ہیں کہ شیطان کی پرستش کریں اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کے لئے

الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ

بشارت ہے، سو آپ بشارت دے دیجیے میرے انہیں بندوں کو جو (اس) کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں،

فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں ف۲۸ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ

اور یہی ہیں جو ذی عقل ہیں ف۲۹ بھلا جس پر عذاب کی بات متحقق

الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۚ⑲ لٰكِنِ الَّذِيْنَ

ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہو گا، چھڑا سکتے ہیں؟ ف۳۰ البتہ جو لوگ

اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ

اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالاخانے ہیں ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ⑳

نہریں چل رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف۳۱

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے سوتوں میں داخل

ف۲۶ (اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے۔ تاکہ وہ عذاب سے بچے رہیں) ظُلَلٌ کے لفظی معنی سائبان کے ہیں۔ سائبان کا اوپر ہونا ظاہر ہے سائبان کا نیچے ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ اس سے نیچے والوں کے حق میں سائبان ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم ہر طرف سے آگ میں گھرے ہوں گے۔ اوڑھنا بچھونا سب آگ کا ہوگا۔ ف۲۷ یعنی دین حق پر عمل کرو تاکہ ہر عذاب سے محفوظ رہو۔ ف۲۸ (اور اس کی سب باتیں اچھی ہی ہیں) يَسْتَمِعُوْنَ۔ استماع کے معنی سمجھنے کے طور پر سننے کے ہیں۔ الْقَوْلَ سے مراد کلام حق ہے۔ اَحْسَنَهٗ احسن سے یہاں مراد حسن ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى۔ ترکیب کلام سے معنی حصر کے پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی بشارت ایسوں ہی کے حق میں ہے۔ سب کے لیے نہیں ہے۔ اے لهم لا لغيرهم (کبیر) الْبُشْرٰى۔ ال بھی اسی حصر کی تاکید مزید کے لیے ہے۔ ان هذه الماهية بتمامها لهؤلاء و لم يبق منها نصيب لغيرهم (کبیر) الطَّاغُوْتَ۔ طاغوت ہر وہ ہستی ہے جو طغیان میں حد سے تجاوز کر جائے مراد یہاں شیطان یا شیاطین سے لی گئی ہے۔ فسره هنا بالشيطان مجاهد و يجوز تفسيرها بالشياطين جميعاً (روح) ف۲۹ قرآن مجید نے بار بار اہل عقل وفہم انہیں کو قرار دیا ہے جو راہ ہدایت اختیار کرتے، اور اس پر قائم رہتے ہیں۔۔۔ واقعہ ہے بھی یہی کہ جن لوگوں کو اپنی نجات کی فکر تک نہ ہو، اور دل میں تحقیق حق کا اہتمام ہی نہ ہو، انہیں عقل کے مبادی سے بھی بہرہ ور کیسے تسلیم کیا جائے۔ اُولٰٓئِكَ ... اللّٰهُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنی طرف سے حصول ہدایت کا اہتمام رکھتا ہے اس پر راہ ہدایت ضرور کھل جاتی ہے۔ ف۳۰ مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے، اور اپنے کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ رکھے۔ اسے ایمان پر مجبور کر دینا، اور اسے نقطۂ ایمان پر لے آنا آپ کے امکان واختیار ہی سے خارج ہے۔ اور ایسے شخص پر تاسف وتردد ہی بے کار ہے۔ ف۳۱ یہ تصریح اس لیے بھی ضروری تھی کہ مشرک قوموں میں دیوی دیوتاؤں پر ایفاء عہد مطلق واجب نہ تھا۔ لٰكِنِ۔ لیکن یہاں بطور حرف استدراک کے کسی قول سابق کی تردید کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسری بات شروع کرنے کے لیے آیا ہے۔ لكن ليس للاستدراك لانه لم يأت نفي بل هو لترك قصة الى قصة مخالفة للاولى (قرطبی)

الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

کر دیا پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ قدرت) میں بڑی نصیحت ہے

لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ

اہل عقل کے لئے وسٰ ٣٢ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا، اور وہ

عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ

اپنے پروردگار کے نور پر چل رہا ہے (کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہو سکتے ہیں؟) سو بڑی خرابی ان لوگوں کے لئے ہے جن

اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ

کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں وسٰ ٣٣ اللہ نے بہترین کلام نازل

الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی وسٰ ٣٤ اس سے ان لوگوں کی جلد

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ہو جاتے ہیں وسٰ ٣٥ یہ اللہ کی (طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے،

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ

اور اللہ جسے بے راہ کر دے اس کے لئے ہادی کوئی نہیں وسٰ ٣٦ بھلا جو شخص قیامت کے دن

بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

عذاب سخت کو اپنے چہرہ پر لے گا، اور (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ

ع ١٨

وسٰ ٣٢ اس آغاز اور اس انجام پر انسان غور کرے تو ایک کھلا ہوا نمونہ تو حیات انسانی کے آغاز و انجام کا مل جاتا ہے۔ زندگی کے کیسے کیسے دور گزرتے ہیں، لیکن سب کا انجام وحاصل فنا، آخر فنا! — یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک ایک تغیر کتنی حکمتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور پھر آخری تغیر کتنی زبردست حکمت اور کاریگری پر دلیل ہے۔ اَلسَّمَآءِ۔ سابق کے حاشیوں میں کئی بار یہ امر صاف کیا جا چکا ہے، کہ السَّمَآءِ کی وسعت مفہوم کا کوئی لفظ اردو میں موجود نہیں۔ بارش کے سلسلہ میں جہاں جہاں یہ لفظ قرآن میں آیا ہے، بے تکلف معنی بادل کے لیے جا سکتے ہیں — سماء عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کے اوپر واقع ہو، یہاں تک کہ مکان کی چھت بھی۔ مَآءً…… فِی الْاَرْضِ۔ یہ پانی وہی ہے جو کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے انسان کے کام میں آتا ہے۔ حُطَامًا۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہماری زبان میں بھوسا کہتے ہیں۔ وسٰ ٣٣ پہلا شخص وہ ہے جو ہدایت کے مقتضی پر چل رہا ہے، اور یقین صحیح پیدا کر کے اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کھلے ہوئے دلائل و شواہد کے باوجود ایمان نہیں لاتا اور اس سے بڑھ کر اس کے قساوت قلب کی مثال اور کیا ہوگی۔ اَفَمَنْ …… صَدْرَهٗ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی تو ہم نے عرض کی، کہ یا رسول اللہ! یہ شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا جب دل میں نور داخل ہو۔ عرض کی کہ اس کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ دار الخلود یا باقی کی طرف رغبت و استقامت، اور دار الغرور یا فانی کی طرف سے بے التفاتی اور موت کی طرف آمادگی۔ (معالم) فَوَيْلٌ۔ اس بڑی خرابی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ یہ قساوت قلب، شرح صدر کے مقابلہ میں آئی ہے، رقت قلب کی طبعی کمی یا فقدان کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شرح صدر کے جو خصوصیات بتائے گئے اس قساوت میں اس کے برعکس پیدا ہو جاتے ہیں۔ محققین نے آیت کے مضمون سے دو نکتے اور پیدا کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مومن کسی درجہ میں بھی سہی، بہر حال صاحب معرفت و نور ہے۔ دوسرے یہ کہ جس اسلام سے معرفت و نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ وہ ہے جو شرح صدر یعنی رغبت تام اور یقین کامل کے ساتھ ہو، نہ وہ جو منافقت یا جبر یا وہم و عادت کا ثمرہ ہے۔ وسٰ ٣٤ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اس میں اس دعوے کا اثبات ہے کہ قرآن مجید بہترین کلام ہے۔ کوئی دوسرا کلام اس کی ٹکر کا نہیں، نہ باعتبار لفظ و عبارت، نہ بلحاظ معنی و مفہوم۔ كِتٰبًا۔ اس کلام کا نزول گو بتدریج کہیں ٢٢ ـ ٢٣ سال میں ہوا، تاہم اس پر اطلاق ایک کتاب ہی کا رہا۔ مُتَشَابِهًا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت، اجر، برکت معنویت کے لحاظ سے یہ کلام شروع سے آخر تک یک رنگ اور آپس میں ہم رنگ ہے۔ مَثَانِيَ۔ اس کے اندر احکام و اخبار، مسائل و حکایات بار بار تکرار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ کسی کو عذر قصور فہم و سمع کا نہ رہے۔ وسٰ ٣٥ یعنی وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے لگتے ہیں اور اعمال قلب و اعمال جوارح میں خشوع و انقیاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ…… جُلُوْدُ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مطلق خوف سے کنایہ ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ خوف کے آثار جسم پر بھی اس طرح نمایاں ہونے لگیں۔ محض عقلی و ایمانی خوف کافی ہے۔ امام غزالی ؒ نے اپنی مشہور محققانہ کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہت سے صوفیا ایسے ہیں جن پر شاعروں کا کلام سن کر وجد طاری ہو جاتا ہے، اور قرآن مجید کی آیتوں سے نہیں ہوتا، اور اس کے بعد ان لوگوں کی اس کیفیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ امام رازی ؒ اس جانب اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وانا اقول ان خلقت محروماً عن هذا المعنى فانى كلما تاملت فى اسرار القرآن اقشعر جلدى و وقف شعرى و حصلت فى قلبى دهشة و روعة و كلما سمعت تلك الاشعار غلب الهزل على وما وجدت البتة فى نفسى منها اثر و اظن ان منهج القويم و صراط المستقيم هو هذا (کبیر)

لیکن میں کہتا ہوں کہ میں تو اس تاثر سے خلقۃً محروم ہوں۔ میں نے تو جب جب مطالب قرآنی پر غور و تدبر سے کام لیا، جبھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل کے اندر خشیت و ہیبت ہی پیدا ہوئی اور جب جب شاعروں کا کلام سنا تو دل اچاٹ ہو گیا اور طبیعت ذرا متاثر نہ ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ صراط مستقیم اسی (قرآن) کا نام ہے۔

وسٰ ٣٦ یعنی حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی ہر غالب اور اس پر حاکم اور کوئی قانون نہیں۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اوپر کئی بار گزر چکا کہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صرف تکوینی حیثیت سے، یا بحیثیت علت العلل (مسبب الاسباب) ہی ہوتی ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ دونوں کی مثالیں ابھی اوپر کی آیتوں میں گزر چکی ہیں۔

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (تو کیا ایسا شخص اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں؟) ۳۷ ان کے قبل والوں نے بھی

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

(حق کو) جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آ پڑا کہ ان کو گمان بھی نہ تھا ۳۸ سو اللہ نے انہیں دنیوی زندگی میں

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو اور سخت ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

کاش یہ لوگ سمجھ جاتے ۳۹ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

بیان کر دیئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں قرآن واضح

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ ڈرتے رہیں ۴۰ اللہ مثال بیان کرتا ہے کہ

رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ

ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں آپس میں باہم ضد رکھنے والے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ہی ایک شخص کی (ملک) ہے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ ۴۱ الحمد للہ مگر ہے یہ کہ ان میں سے اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

سمجھتے ہی نہیں ۴۲ آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے روبرو مقدمہ پیش کرو گے ۴۳

ف۳۷ پورے پورے جملوں اور عبارتوں کا محذوف و مقدر رہنا عربی اسلوب انشاء میں منافی بلاغت نہیں بلکہ اپنے موقع پر داخل حسن و کمال انشاء ہے۔ ف۳۸ (سو اگر عذاب ابھی نہیں آیا ہے تو یہ کافر و منکر بے فکر نہ ہو جائیں، اگلی قوموں پر بھی عذاب جب آیا ہے ان کے گمان و زعم کے خلاف ہی آیا ہے) ف۳۹ آخرت کے معمولی اور ہلکے سے عذاب کا بھی دنیا کے بڑے سے بڑے عذاب سے کیا مقابلہ! وہ تو اس سے کہیں شدید تر ہوگا۔ کاش یہ منکرین اس کا کچھ سرسری سا اندازہ بھی رکھیں! الْخِزْيَ ..... الدُّنْيَا۔ یعنی وہ قومیں یا تو جہاد میں اہل ایمان کے ہاتھوں مغلوب و منہزم ہوئیں، یا اور کسی عذاب ناگہانی سے ہلاک ہو گئیں۔

ف۴۰ (ہر نافرمانی سے) قُرْاٰنًا۔ یہاں پہلا وصف القرآن کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا۔ محرابوں میں سنایا جائے گا۔ گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ معتقدوں کا نہیں منکروں کا بیان ہے کہ "قرآن" دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ قرآن، طبع یازدہم) عَرَبِيًّا۔ یعنی فصیح و بلیغ، واضح۔ والمراد انه اعجز الفصحاء والبلغاء عن معارضته (کبیر) غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ۔ یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی بھی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی۔ یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔

ف۴۱ (ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے) مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے۔ مثال کے ذریعہ سے بندۂ مومن و مشرک کے درمیان تقابل اور ان کے فرق کو واضح کرتا ہے۔ رَجُلًا ..... مُتَشٰكِسُوْنَ۔ ایسا شخص ایک تو غلام و محکوم، اپنے ہر ارادہ سے محروم۔ اور پھر مالک ایک نہیں متعدد۔ غلام حیران و متردد کہ کس کا کہا مانوں، کس کا نہ مانوں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ خدا سے غافل ملحد و مشرک دنیا میں سخت ترین کشاکش میں گرفتار رہا کرتا ہے۔ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ۔ مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے

جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا

ف۴۲ قرآن مجید مشرکوں کی اس بدفہمی پر (جو محض غفلت و بے غوری سے پیدا ہوتی ہے) بار بار تاسف کرتا ہے کہ شرک و توحید کے درمیان، انسان کے اپنے ذہنی اعتبار سے بھی جو زمین و آسمان کا فرق ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ف۴۳ (اور وہ دن عملی فیصلہ کے صدور و ظہور کا ہوگا) یہاں رسول اللہ ﷺ کو تشفی دی ہے کہ آپ زیادہ غم و تردد کو راہ نہ دیں۔ آپ کو بھی دنیا سے گزر کر اپنے رب تک پہنچنا ہے اور ان منکرین کو بھی پہنچنا ہے۔ یہ خود آ کر اپنے کیے کو بھگت لیں گے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ۔ خطاب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ لیکن جو حکم یہاں بیان ہوا ہے وہ امت کے لیے بھی عام ہے۔ والضمیر فی انک خطاب للرسول و تدخل معه امته فی ذلک (بحر) ضمناً موافق و مخالف، دوست، دشمن سب کو یہ تعلیم مل گئی کہ نبی مرسل غیر فانی اور عمر جاودانی رکھنے والا نہیں ہوتا۔ سارے بندوں کی طرح وہ بھی فانی و فنا پذیر ہی ہوتا ہے۔ تَخْتَصِمُوْنَ۔ یہ جھگڑنے والے اور استغاثہ لانے والے کون لوگ ہوں گے؟ مومن و کافر بھی ہوں گے اور ظالم و مظلوم بھی۔ یعنی تخاصم الکافر والمومن والظالم والمظلوم (قرطبی)

بحمد للہ آج جمعہ کیم ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ (مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء) کو تیئیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور آج چہار شنبہ ۷۔ رجب ۱۳۶۹ھ ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو نظر ثالث سے۔

ف۴۳ (یعنی ضرور ہو گا) استفہام انکاری سے اثبات قطعی کے معنی پیدا کرنا انگریزی اور اردو اور فارسی کی طرح عربی میں بھی عام ہے۔ فَمَنْ ۔ ف یعنی جبکہ اخیر فیصلہ یہی ہو: ہے کہ اہل کفر کو جہنم نصیب ہو اور اہل ایمان کو اجر و نجات۔ كَذَبَ عَلَى اللهِ۔ اللہ پر جھوٹ لگانا یہی ہے کہ اس کی صفت تفرد کا انکار کر کے کسی کو اس کا شریک قرار دیا جائے۔ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ۔ الصدق یعنی پیغام حق۔ یہاں مراد قرآن ہے اور اس کے لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ قال مجاهد وقتادة والربيع بن انس وابن زيد هو الرسول (ابن کثیر) قال ابن عباس يعنى رسول الله (معالم) كَذَّبَ...

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

تو اُس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہے جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچی بات کو جھٹلائے

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

جبکہ وہ اُس کے پاس پہنچے، کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہو گا؟ ف۴۳

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

پرہیزگار ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے، یہ صلہ ہے

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ ۚۖ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا

اہل اخلاص کا ف۴۵ تاکہ اللہ اُن سے اُن کے عمل کی برائیوں کو دور کر دے اور اُن کے عمل:

وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

کی نیکیوں کا اُنہیں (پورا) اجر دے ف۴۶

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ

کیا اللہ اپنے بندۂ (خاص) کے لیے کافی نہیں؟ اور یہ لوگ آپ کو اُن سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے

دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ ۚ وَمَنْ یَّهْدِ

علاوہ ہیں ف۴۷ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور جسے اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ف۴۸ کیا اللہ زبردست (اور) انتقام پر قادر نہیں؟ ف۴۹

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ

جَآءَهٗ۔ پیام حق پہنچنے کا ذریعہ خود رسول یا ان کے کوئی نائب ہی ہوتے ہیں۔ بعض اکابر نے کہا ہے کہ آیت اپنے عموم لفظ سے ان لوگوں کو بھی شامل ہے، جو دعوئے ولایت میں کاذب ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اسے محض قشر بتاتے ہیں۔ ف۴۵ جنت کی نعمتیں بے شمار، اور لاانتہا ہیں۔ یہاں حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ بیان کر دیا کہ اہل جنت کو وہ سب کچھ مل جائے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اَلَّذِیْ ...... بِهٖ۔ یعنی رسول اور ان کے متبعین۔ الذى جاء بالصدق الانبياء والذى صدق به الاتباع (کبیر) ف۴۶ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا۔ اہل اخلاص کو اجر کا پورا پورا ملنا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہاں تصریح ایک دوسری چیز کی بھی ہے (یعنی ان کی تکفیر ذنوب کی .... گویا اہل اخلاص (محسنین) بھی ذنوب ومعاصی سے خالی نہ ہوں گے۔ اس میں رد نکل آیا ایک طرف تو ان غالی صوفیہ و مشائخ کا جو اولیاء و صالحین کو ذنوب ومعاصی سے ماوراء ومنزہ سمجھنے لگتے ہیں اور دوسری طرف ان خارجی اور نیم خارجی فرقوں کا جو زلات ومعاصی کی بناء پر مومنین کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیا کرتے ہیں۔ وَیَجْزِیَهُمْ..... یَعْمَلُوْنَ۔ مقاتل بن سلیمان نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ انہیں محاسن کا معاوضہ ملے گا، سیئات کی سزا نہ ملے گی۔ قال مقاتل ليجزيهم بالمحاسن اعمالهم ولا يجزيهم بالمساوى (کبیر۔ معالم) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ مقاتل تو فرقہ مرجئہ کا سردار تھا، جن کے نزدیک جس طرح کافر کو کوئی طاعت نفع نہ پہنچائے گی، مومن کو بھی کوئی معصیت مضر نہ ہو گی۔ واعلم ان مقاتلا كان شيخ المرجئة وهم الذين يقولون لا يضر شيء من المعاصى مع الايمان كما لا ينفع من الطاعات مع الكفر (کبیر) ف۴۷ مشرکین عرب کے کمال حمق کا بیان ہے۔ اللہ کے نام سے ایک معبود اعظم کے وہ بھی قائل تھے۔ باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے قہر وغضب وانتقام سے ڈراتے تھے۔ ان دیوتاؤں کا اولاً تو وجود ہی فرضی و وہمی اور پھر اگر حقیقی بھی ہو تو خود انہیں لوگوں کے مسلمات کے لحاظ سے یہ خدائے اعظم کے مقابلہ میں تو پست اور ہیچ ہی تھے۔ آیت کا مفہوم وسیع تر بھی ہے۔ اہل حق کو اہل باطل طرح طرح پر دھمکیاں دیتے آئے اور ڈراتے آئے ہیں۔ کبھی اپنے دیوی دیوتاؤں سے ڈراتے ہیں اور کہیں دنیوی حکومت وقوت سے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کائنات کی ہر ممکن مخالفانہ قوت سے دفاع کے لئے حق تعالیٰ خود بالکل کافی ہے۔ عَبْدَهٗ۔ عبد سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو خدائے قادر وتوانا اپنے ہر بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہے کیا اس بندۂ خاص کی حفاظت کے لئے کافی نہ ہوتا؟ ف۴۸ ہدایت وضلالت اپنے اسباب قریب وظاہری کے لحاظ سے بندہ کے افعال اختیاری میں ہیں اور اسی لئے ان پر ثواب وعذاب بھی مرتب ہوتے ہیں لیکن اپنے اسباب بعید وحقیقی کے لحاظ سے تمام تر مشیت تکوینی الٰہی کے ماتحت ہیں اور اسی لئے ان کا انتساب مسبب الاسباب اور علت العلل کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی جانب بھی درست ہے۔ .... اور ان حواشی میں اس کی صراحت کئی بار کی جا چکی ہے۔ ف۴۹ کیوں نہیں، قادر ہے اور ضرور قادر ہے۔ اسلام کا خدا اپنے ہر ارادہ پر پوری طرح قادر، متصرف، حاکم ہے۔ بعض جاہل مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح محدود و بے بس نہیں۔

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

اللہ نے، آپ کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو اگر

اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ

اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی (دی ہوئی) تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ

چاہے تو یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ ف۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی

توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ف۵۱ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم والو تم اپنی حالت پر

مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ یَّاْتِیْهِ

عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون شخص ہے جس پر

عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا

اُسے رسوا کرنے والا عذاب آیا چاہتا ہے، اور جس پر عذاب مستقل نازل ہوگا ف۵۲ ہم نے

عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ ۚ

آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے اتاری ہے حق کے ساتھ، سو جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی لئے،

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ

اور جو کوئی بے راہ ہوگا تو اس کی بے راہی بھی اُسی پر پڑے گی اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں

بِوَكِیْلٍ ﴿۴۱﴾ ع اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ

کئے گئے ہیں ف۵۳ اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے اُن کی موت کے وقت اور اُن (جانوں) کو بھی

لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا

جن کی موت نہیں آئی ہے اُن کے سونے کے وقت ف۵۴ پھر وہ اُن (جانوں) کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا

ف۵۰ بعض جاہلی مذاہب ایک خالق کائنات کے تو مقر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف و حکومت کے لئے دوسرے دوسرے دیوی دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں، دولت فلاں دیوی دلواتی ہیں وقس علی ہذا...... مشرکین قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اسی مسلسلہ اول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔ ف۵۱ (جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہ جاتی) حَسْبِیَ اللّٰهُ۔ جب خدا پر تکیہ کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔ ف۵۲ یعنی جب تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے، میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا۔ تم اپنے طریق پر عمل کیے جاؤ۔ میں اپنے طریق پر۔ عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، کہ بدراہ اور مستحق عذاب کون سا فریق ہے۔ مَنْ ...... یُخْزِیْهِ۔ مراد عذاب دنیوی ہے۔ چنانچہ یہ عذاب مشرکین مکہ پر فتح بدر کی صورت میں نازل ہوا۔ وَ...... مُقِیْمٌ۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ ف۵۳ (تو جس کا جی چاہے اسے مانے اور جس کا نہ چاہے نہ مانے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے نفع و افادہ کے لیے۔ ای لا جلهم ولاجل حاجتهم الیه (مدارک) بِالْحَقِّ۔ یعنی عین حق و حکمت کے ساتھ دلائل و شواہد اور مقصد صحیح کے ساتھ۔ ف۵۴ نفس۔ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک نفس حیاتی (یا فزیکل لائف) دوسرے نفس شعوری (یا سائیکِکل لائف) ولكل انسان نفسان احداهما نفس الحياة وهي التي تفارقه عند الموت فتزول بزوالها النفس والاخرى نفس التمييز وهي التي تفارقه اذا نام وهو بعد النوم يتنفس (معالم ومدارک) ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی، جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس ادراک وہ نیند کے وقت اس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ یَتَوَفّٰی...... مَوْتِهَا۔ یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور نہ ادراک۔ وَالَّتِیْ...... مَنَامِهَا۔ یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے، لیکن شعور و ادراک باقی نہیں رہتا۔ نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے۔

و۵۵ (سووہ معطل روحیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں) فَيُمْسِكُ ..... الْمَوْتَ۔ سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں۔ حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ:۔ یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسد فبذالک یری الرؤیا فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الی جسدہ باسرع من لحظۃ۔ (معالم۔ مدارک) ''اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے (جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے) اور سوتا ہوا انسان (اسی جزئی تعلق کی بنا پر) خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آ جاتی ہے۔'' اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ:۔ فی ابن ادم نفس وروح بینھما شعاع مثل شعاع الشمس فالنفس ھی التی بھا العقل والتمیز والروح ھی التی بھا النفس والتحرک فاذا نام العبد قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہ (مدارک) ''ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی، اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ بس نفس تو وہ ہے جو ادراک وشعور کا مبدأ ہے اور روح وہ ہے جس سے تنفس وحرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔'' و۵۶ یعنی دلائل وشواہد اس حقیقت کے کہ اللہ حکیم وقدیر ہی ہر دو جلی وخفی تصرف پر قادر ہے۔ نیند اور خواب کی باریکیوں پر ماہرین فن نے جو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں وہ سب حکمت خداوندی ہی کی شرحیں اور تفسیریں ہیں۔ و۵۷ یعنی سفارشی بھی کون؟ ..... وہ بت اور مورتیاں جو عقل وقدرت تک سے محروم ہیں۔ اَم ..... شُفَعَآءَ۔ مشرکوں نے ان ''سفارشیوں'' کو صرف عملاً ہی نہیں معبود قرار دے رکھا تھا بلکہ عقیدۃً بھی ایسا ہی سمجھ رکھا تھا۔ و۵۸ یعنی اس وقت بھی کائنات کے طول وعرض میں حکومت اسی اللہ کی ہے اور آخرت میں بھی فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ قُل ..... جَمِيعًا۔ مشرک قوموں نے تو علی العموم اور اہل کتاب میں سے مسیحیوں نے شفاعت کو بھی ایک شعبہ الوہیت کا قرار دے کر شافع کو مستقلاً ایک قادر ومتصرف ہستی سمجھ لیا ہے اور عملاً اسی سے اپنا تعلق جوڑے رکھنا کافی سمجھتے ہیں جس کے بعد خالق کائنات سے تعلق قائم رکھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ شفاعت اس معنی میں اور اس مفہوم کے ساتھ ایک تمامتر مشرکانہ عقیدہ ہے، اور قرآن مجید نے اس معنی میں کسی غیر اللہ کے شافع ہونے سے تمامتر انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اختیار وتصرف یکسر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مسئلہ شفاعت انبیاء وغیرہ جس محدود ومقید معنی میں حق ہے۔ اس کی وضاحت ان حواشی میں جابجا کی جا چکی ہے۔ و۵۹ توحید کامل کے ماننے والوں اور شرک آمیز عقیدۂ خدائی کے تسلیم کرنے والوں کے درمیان جو فرق عظیم ہوتا ہے اسے یہاں خوب واضح کر دیا گیا ہے۔ خیر جو کھلے ہوئے مشرک ہیں ان کا حال تو ظاہر ہی ہے لیکن خود ہماری قوم میں جو جھوٹے پیروں، فقیروں، جن وپری، ''شہید مرد'' اور شیخ سدو وغیرہ کے قائل ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' کا وظیفہ پڑھنے والے مصیبت کے وقت ''یاغوث، یاغوث'' پکارنے والے، اجمیر کی درگاہ کے اردگرد ''یا خواجہ تو ہی دیتا ہے، تو ہی دلواتا ہے'' کی صدائیں لگانے والے ہمارے درمیان کس کثرت سے ہیں! و۶۰ الفاظ دعاء کے اندر توحید کی اعلیٰ تعلیم نہایت حکیمانہ انداز سے آ گئی ہے، دعاء کا حاصل بس یہی ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش میں کوئی تیرا شریک نہیں، علم غیب میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ قادر وحاکم ہونے میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ خالق تو ہے، عالم الغیب تو ہے، مالک روز جزا تو ہے، ہمہ داں، ہمہ بیں تو ہی ہے۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قدرت کاملہ میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ علم کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ اَنْتَ ..... يَخْتَلِفُوْنَ۔ فیصلہ روز جزا میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ توحید میں غلطی وگمراہی کے عموماً یہی تین راستے رہے ہیں۔ آیت نے سب کی تردید کر دی۔

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ إِنَّ فِي

حکم کر چکا ہے، اور باقی (جانوں) کو ایک میعادِ معین کے لئے رہا کر دیتا ہے و۵۵ بے شک اس (سارے تصرف) میں

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ

نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں و۵۶ اچھا تو کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا

اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا

(دوسروں کو) سفارشی قرار دے رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (سفارشی) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں

وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ

اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں و۵۷ آپ کہہ دیجئے سفارش تمامتر اللہ ہی کے اختیار میں ہے اُسی کی سلطنت

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۴﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ

آسمانوں اور زمین میں ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے و۵۸ اور جب اکیلے اللہ کا ذکر

وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ

کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اُن کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۴۵﴾ قُلِ

اور جب اُس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُس وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں و۵۹ آپ دعا کیجئے

اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے

أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ

تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جن اُمور میں یہ اختلاف کرتے رہتے تھے و۶۰ اور اگر

أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ

شرک کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ

تو ان سب کو وہ قیامت کے دن عذاب سخت کے فدیہ میں دیتے تھیں ف۶۱ اور اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

سے انھیں وہ پیش آ کر رہے گا جس کا انھیں گمان بھی نہ تھا ف۶۲ (اس وقت) ان پر ان کے (تمام) برے عمل ظاہر ہو کر

مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸ فَاِذَا

رہیں گے اور انہیں وہ (عذاب) آ گھیرے گا جس پر وہ استہزاء کیا کرتے تھے ف۶۳ جس وقت

مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ

آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ ہم کو پکارتا ہے لیکن جب ہم نے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کہ یہ مجھے (اپنی) تدبیر سے ملی ہے ف۶۴ اصل یہ ہے کہ وہ ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ

يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

سمجھتے نہیں ف۶۵ یہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پیشتر ہو گذرے ہیں، سو ان کی کارروائی ان کے

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۵۰ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ

کچھ بھی کام نہ آئی ف۶۶ بلکہ ان کی (ساری) بدعملیاں ان پر آ پڑیں

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا

اور ان میں جو لوگ ظالم ہیں ان پر ان کی بدعملیاں ابھی آ پڑنے والی

كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہیں اور وہ ہرا نہیں سکتے ف۶۷ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جس کا چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور وہی تنگ بھی کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں

ف۶۱ یہ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا نقشہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد مشرکین سے ہے۔ اے کفروا (مدارک) مَا ... مِثْلَهٗ۔ انسان کے محدود پیمانہ پر مال کی زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار کے لئے یہی پیرایہ ہو سکتا تھا۔ ف۶۲ یہ بے شان و گمان وقوع دو چیزوں کا پیش آئے گا۔ ایک تو نفس قیامت کہ وہ اسی کے منکر تھے، اور اسے "خلاف عقل" "خلاف عادت" قرار دیتے رہتے تھے۔ اور دوسرے عذاب کا خود اپنے اوپر وقوع کہ وہ اپنے کو تو نیک کار اور برسر صواب سمجھ رہے تھے۔ ف۶۳ یہ غفلت کے پردے بس اسی دنیا کی حد تک ہیں۔ آخرت میں تو انکشاف تام بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا۔ ف۶۴ عام بدسرشت انسان کی فطرت کا بیان ہے جہاں اسے اطمینان حاصل ہوا، وہ اپنی ہر کامیابی کو اپنی سعی و حسن تدبیر کی جانب منسوب کرنے لگتا ہے اور جادۂ توحید سے ہٹ جاتا ہے۔ مجازی واسطوں اور وسیلوں کا ذکر مطلق صورت میں ممنوع نہیں، صرف اس صورت میں حرام ہے جب نظر فاعل حقیقی سے ہٹ جائے۔ ف۶۵ یعنی ہر نعمت خدا کی دی ہوئی اور واسطہ اسباب سے حاصل کی ہوئی دراصل بندوں کے حق میں آزمائش ہوتی ہے کہ نظر علت حقیقی پر رہتی ہے یا علت قریبی صوری پر۔ اور یہ مشرکین اس ایمانی حقیقت سے بھی جاہل ہیں۔ هِيَ۔ نِعْمَةً۔ لفظاً مؤنث ہے اور معنی کے اعتبار سے مذکر۔ اس کے اس کے لئے ضمیریں مؤنث و مذکر دونوں جائز ہیں۔ اُوْتِيْتُهٗ میں ضمیر مذکر بھی اسی کی جانب ہے۔ اور هِيَ ضمیر مؤنث بھی اسی کی طرف۔ ف۶۶ (اور یہی حشر آج کے منکرین کا بھی ہوتا ہے) قَالَهَا ... قَبْلِهِمْ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ مغالطہ نفس بہت قدیم ہے، کچھ آج کا اور نو پیدا نہیں۔ قَالَهَا۔ ضمیر مؤنث کلمہ کی جانب ہے۔ مؤنث على تانيث الكلمة (قرطبی) ف۶۷ (خدا تعالیٰ کو اور خدائی تدبیروں کو) یعنی انھیں سزا بہرحال مل کر رہے گی۔ جیسا کہ ان کے قبل والوں کو مل رہی ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد مشرکین ہیں۔ اور مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ اے المشركين ومن للبيان فانهم كلهم كانوا ظالمين (روح) اے من هؤلاء المشركين (بیضاوی) سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا۔ سیئات سے مراد جزاء سیئات ہے اور یہ استعمال عام ہے۔ اے جزاء سيئات اعمالهم وقد يسمى جزاء السيئة سيئة (قرطبی)

و۶۸ یعنی اس قانون رزق، اس ضابطہ معاشیات کی باگ بھی ایک فاعل مختار، ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، نادان مشرک واسطہ کو مقصود سمجھ بیٹھتا ہے اور صاحب ایمان کہ صاحب فہم بھی ہوتا ہے، علت حقیقی کو سمجھے رہتا ہے۔ و۶۹ (یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کے معاف کرنے پر قادر نہیں) یہ رد ہے ان مذاہب پر جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ وہ عفو ذنوب پر قادر نہیں۔ اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ اسراف علی النفس سے مراد کفر و شرک سے ہے۔ و۷۰ (اسلام کی برکت سے) یعنی اب جب تم کفر و شرک ترک کر کے ایمان لا رہے ہو تو اب کیا ڈر ہے۔ اب تو تمہارے سارے گناہ دھل جائیں گے۔ دوسرے مذاہب کی تنگی کا تو ذکر ہی نہیں۔ خود مسیحیت جسے اپنی لینت و شفقت و ترحم پر ناز ہے اس کا حال انجیل کی زبانی سنیے:۔ "میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ابن آدم کے خلاف کوئی بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔" (متی۔ ۱۲: ۳۲) يٰعِبَادِيَ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خطاب اور اس کے بعد کا وعدۂ رحمت و مغفرت مومنین کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ سے انہیں مومنین کے معاصی مراد لئے ہیں اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے۔ **واضافة العباد وتخصصه بالمومنين على ما هو عرف القرآن** (بیضاوی) **انا بينا في هذا الكتب ان عرف القرآن جار بتخصيص اسم العباد بالمومنين** (کبیر) **وحمل غير واحد الاضافة في عبادي على العهد او على التشريف وذهبوا الى ان المراد بالعباد المومنون فكانه قيل ايها المومنون المذنبون** (روح) بہر صورت آیت میں وعدۂ رحمت و مغفرت بڑی تاکید و شدت کے ساتھ ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ خود ہی ادائے مقصد کے لئے کافی تھا۔ اس پر دوسرے فقرہ کا اضافہ پرقوت الفاظ کے ساتھ کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ **اعاد اسم الله وقرن به لفظة ان العقيدة لاعظم وجوه التاكيد وكل ذلك يدل على المبالغة في الوعد بالرحمة** (کبیر) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی نے کہا ہے کہ اس وسعت کرم و شفقت کی کوئی انتہاء ہے کہ جنہوں نے اللہ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے انہیں کو دعوت توبہ و مغفرت دی جا رہی ہے۔ **قال الحسن البصري انظروا الى هذا الكرم والجود قتلوا اولياءه وهو يدعوهم الى التوبة والمغفرة والأيات في هذا كثيرة جدًا** (ابن کثیر) و۷۱ وہ کسی اور برتر قانون کا پابند و محکوم ہرگز نہیں۔ وہ رحمت و مغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں وہ بغیر کسی "کفارہ" کے جس کسی کو چاہے بخش دے۔ اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں ۔ بجز اسی کی مشیت و ارادہ کے۔ صحابیان کرام سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں وسیع ترین اور امید افزا ترین ہے۔ **وقال علي بن ابي طالب ما في القرآن اوسع من هذه الأية** (قرطبی) **وقال عبد الله بن عمر وهذه ارجى أية في القرآن** (قرطبی) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک اور آیت اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ہے (قرطبی) و۷۲ یعنی اس مغفرت و رحمت کے لئے شرط بس یہی ہے کہ کفر سے رجوع کر لو اور اسلام قبول کر لو۔ قبل اس کے کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ و۷۳ یہ سب کافروں کی طرف سے قیامت میں پیش ہونے والے ممکن عذرات ہیں، یہاں ان سب کی جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے۔ اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ مراد قرآن مجید ہے۔ اضافت محض بیانیہ ہے۔ یعنی وہ اَحْسَنَ جو مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کی طرف منسوب ہے، یا قرآن کو غیر قرآن سے ممتاز کرتی ہے۔ **هو القرآن وكله حسن** (قرطبی) مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ رب کا لفظ لانے میں خود ایک بڑا ترغیبی پہلو آ گیا ہے۔ یعنی وہ کلام تو اس کا نازل کیا ہوا ہے جو خود تمہارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ اَنْ تَقُوْلَ۔ اَنْ یہاں لئلا کے مرادف ہے۔ **اي لئلا تقول** (مدارک) نَفْسٌ۔ نفس صیغہ نکرہ میں اس لئے ہے کہ صرف نفس کافر مراد ہے۔ **انما نكرت لان المراد بها بعض الانفس وهي نفس الكافر** (مدارک) فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ۔ یعنی احکام خداوندی میں۔ **اي في امر الله او في طاعته** (مدارک)۔ **والعرب تسمي السبب والطريق الى الشي جنبًا اي لاجلك وسببك ولاجل مرضاتك** (قرطبی) لَوْ اَنَّ اللّٰهَ ... الْمُتَّقِيْنَ۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ معتزلہ سے زیادہ سمجھدار تو یہ کافر ہی ہے جو ہدایت کو تمام تر عطیہ خداوندی سمجھتا ہے۔ **قال الامام ابو منصور هذا الكافر اعرف بهداية الله من المعتزلة** (مدارک)

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى

ایمان والوں کے واسطے و۶۸ آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنے اوپر زیادتیاں

اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو و۶۹ بے شک اللہ سارے گناہ

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى

معاف کر دے گا و۷۰ بے شک وہ بڑا غفور ہے بڑا رحیم ہے و۷۱ اور اپنے پروردگار کی طرف

رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا

رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، جب تمہیں کوئی مدد نہ

تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پہنچ سکے و۷۲ اور اپنے پروردگار کی طرف سے اترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ

(یہ تم اس لئے بتایا جاتا ہے کہ) کہیں کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی،

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دے دی ہوتی

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ

تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش

اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ

میرا پھر جانا ہو جائے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں و۷۳ کیوں نہیں! ارے تجھ پر تو میری آیتیں یقیناً

اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

پہنچ چکی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل ہو رہا ف۱۲

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ پر

مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾

جھوٹ بولا تھا کیا (ان) متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ ف۱۵

وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ

اور جو لوگ بچ رہے تھے، اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا ان کو نہ تکلیف پہنچے گی

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى

اور نہ یہ غمگین ہوں گے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا

كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

نگہبان ہے ف۱۶ اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں سے (اب بھی) انکار کئے جاتے ہیں وہی لوگ بڑے گھاٹے میں پڑنے والے ہیں ف۱۷ آپ کہہ دیجئے

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ

کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ ف۱۸ اور واقعہ یہ ہے

اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ

کہ آپ کی طرف بھی اور جو آپ سے قبل گزر چکے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے

لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ

کہ (اے مخاطب) اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑ کر رہے گا، تو اللہ ہی

ع ۴

ف۱۲ جواب یہ ملے گا کہ ہدایت کا سامان تو دنیا میں پورا مل چکا تھا۔ پھر جو تو ایمان نہیں لایا، اس کی تہ میں کوئی اشتباہ عقلی نہ تھا، صرف تیرے نفس کی شرارت وخباثت تھی۔ ف۱۵ (ہے اور ضرور ہے) اَلَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ۔ اللہ پر جھوٹ بولنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو بات نہیں فرمائی گئی ہے وہ اس کی جانب منسوب کر دی جائے دوسرے یہ کہ جو اس نے کہا ہے اسے اس کی جانب نسبت دینے سے انکار کر دیا جائے۔ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔ یہ چہرہ کی سیاہی آگ سے جلنے کا اثر بھی ہو سکتی ہے۔ اور خوف رسوائی کا نتیجہ بھی اور قلب کی سیاہی کا عکس بھی۔ قیل هو سواد قلوبهم ینعکس علی وجوههم۔ (روح) ہو سکتا ہے کہ یہ سیاہی ان کے قلوب کی ہو جو چہرہ پر منعکس ہو گئی ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عالم معاد کشف حقائق ہی کا تو عالم ہوتا ہے، اس لئے اس میں عجب کیا جو چہرہ پر عکس قلب کا نظر آنے لگا ہو۔ ف۱۶ مشرکوں کی سمجھ میں یہی موٹی بات نہیں آئی تھی کہ حق تعالیٰ جس طرح دنیا کا خالق اکیلا ہے اسی طرح متصرف، مدبر بھی اکیلا ہی ہے۔ بغیر کسی شریک وسہیم کے۔ ہندو مذہب علاوہ خالق اکبر (برہما) کے دو اور مستقل خداؤں کا قائل ہے ایک محافظ ومتقی (وشنو) اور دوسرے مہلک ومفنی (شیو) قرآن مجید اس قسم کے ہر شرک کی قدم قدم پر تردید کرتا جاتا ہے...... یہاں اس نے صراحۃً دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ ایک یہ کہ وہی سب کا خالق وآفریدگار ہے، دوسرے وہی سب کا منتظم ومدبر۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔ نور وظلمت، خیر وشر، سعادت وہدایت سب کا خالق وہی ایک ہے، ثنویت کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ وَیُنَجِّی ...... لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یہ آیت متعدد دوسری آیتوں کی طرح اس باب میں وعدہ صریح ہے کہ مومنین کو قیامت میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ نہ ہوگی۔ دلت الأیة علی ان المومنین لا ینالهم الخوف والرعب فی القیامة وتاکد هذا بقوله لا یحزنهم الفزع الاکبر (کبیر) ف۱۷ (آخرت میں جو کشف حقائق کا وقت ہوگا) بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ آیات الٰہی سے یہاں مراد اصول دین ہیں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ حشر۔ ف۱۸ یعنی اے مشرکو! اب تمہارا اندھا پن اتنا بڑھ گیا ہے کہ تم مجھ سے فرمائش کرنے لگے ہو کہ میں توحید جیسے فطری اور سادہ دین کو چھوڑ کر شرک کی احمقانہ وجاہلانہ وسفیہانہ راہ اختیار کر لوں!

ف۷۹ مطلب یہ کہ یہ توحید کی دعوت تو بالکل بنیادی اور یقین مرکزی دعوت ہے، ہمیشہ ہی سے انبیاء کا معمول رہی ہے۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ شکر گذاری کی بڑی فرد توحید پر ایمان ہے۔ ف۸۰ (اپنی وسعت وظرف کے اعتبار سے) مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات کاملہ کے حق اس کے مرتبہ کمال کے لحاظ سے تو کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن بندے اپنی وسعت وظرف کے لحاظ سے جس حد تک اس کے مکلف ہیں۔ ان ظالموں، بدبختوں نے اتنا بھی تو نہ کیا۔ اور اس مرتبہ حق کا اقل قلیل عقیدۂ توحید ہے۔ ف۸۱ (اور ہر قسم کی دویت اور تجسیم کے شائبے سے) قَبْضَتُهٗ ...... بِيَمِيْنِهٖ۔ قبضة سے مراد قبضہ قدرت۔ قبضہ اختیار ہے۔ اور یمین سے بھی مراد دست قدرت لی گئی ہے۔ فالقبضة مجاز عن الملک او التصرف کما یقال بلد فلان فی قبضة فلان والیمین مجاز عن القدرة

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا ف۷۹ اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت

قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ

کرنا چاہیے تھی ف۸۰ اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اس کے

مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۱

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي

اور صور پھونکا جائے گا تو اُن سب کے ہوش اڑ جائیں گے جو آسمانوں اور

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ

زمین میں ہیں بجز اس کے کہ جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً سب کے سب

قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ

اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے بھالتے ہوئے ف۸۲ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی، اور نامۂ اعمال

الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

رکھ دیا جائے گا اور پیمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ

بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

کیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ف۸۳ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ

عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ملے گا اور اللہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے ف۸۴ اور جو کافر ہیں وہ گروہ گروہ

اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے ف۸۵ یہاں تک کہ جب اس تک پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے

التامة (روح) یقال ما فلان الا فی قبضتی بمعنی ما فلان الا فی قدرتی وقد یکون القبض، والطی افناء الشیء واذهابه (قرطبی) قال الفراء والمبرد الیمین القوة والقدرة (قرطبی) آیت سے مقصود محاورۂ بشری کے مطابق عظمت وجلال الٰہی کی تصویر کھینچ دینا ہے اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی اس میں آ گیا کہ ایسی حقیر مخلوقات کے فنا کر دینے میں اسے دقت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے قبضہ ویمین کے حقیقی اور مجازی معنی کی بحث میں زیادہ پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ والمراد بهذا الکلام تصویر عظمته والتوقیف علی کنه جلاله لاغیر من غیر ذهاب بالقبضة ولا بالیمین الی جهة حقیقة او جهة مجاز (مدارک) تنبیه علی عظمته وحقارة الافعال العظام التی تتحیر فیها الاوهام بالاضافة الی قدرته ودلالة علی ان تخریب العالم اهون شیء علیه علی طریقة التمثیل والتخییل من غیر اعتبار القبضة والیمین حقیقة ولا مجازا (بیضاوی) اللہ کے قبضہ اختیار اور دستِ قدرت میں تو ساری کائنات آج بھی ہے۔ قیامت کا ذکر تخصیص سے اس لئے ہے کہ اس روز کسی اور کو شرکت کا دعویٰ بھی نہ رہے گا۔ اور حقیقت سب کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی۔ وانما خص یوم القیامة بالذکر وان کانت قدرته کاملة لکل شیء ایضا لان الدعاوی تنقطع ذلک الیوم (قرطبی) ف۸۲ قیامت کے دونوں منظروں کا بیان ہے۔ پہلا منظر نفخ اول کا جب سب غش کھا کر ہلاک ہو جائیں گے اور منظر دوم نفخ ثانی کا جب سب نئے سرے سے جی اٹھیں گے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مخلوق میں سے اللہ جس کو چاہے گا غشی اور موت سے محفوظ رکھے گا — یہ کون لوگ ہوں گے؟ بہتر ہوگا کہ اسے یوں ہی مجمل رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ قرآن وحدیث نے اسے مجمل رکھا ہے۔ قال قتادة اللّٰه اعلم بانهم من هم ولیس فی القرآن والاخبار ما یدل علی انهم من هم (کبیر) ف۸۳ (یوں کہ کسی کی جزائے خیر میں کمی ہو جائے یا کسی کی سزا میں زیادتی، یا کسی کا عمل نیک غائب کر دیا جائے اور کسی کا عمل بد بڑھا دیا جائے) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ یہ کوئی تجلی خصوصی اس وقت ہوگی۔ اور عام معنی نور رب کے عدل رب یا قضائے رب کے کیے گئے ہیں۔ ای انارت و اضاءت بعدل اللّٰه و قضائه بالحق بین عباده (قرطبی) امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے حق تعالیٰ اس وقت کوئی خاص نور پیدا کرے اور اس سے زمین موقف کو منور کر دے۔ و قال الامام ابو منصور یجوز ان یخلق اللّٰه نورا فینور به ارض الموقف (مدارک) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ۔ کتاب۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ مراد نامۂ اعمال ہیں۔ ای صحائف الاعمال و لکنه اکتفی باسم الجنس (مدارک) الشُّهَدَآءِ۔ شهید کے تحت میں ملائکہ ومومنین سب آ گئے جو اس وقت گواہی دیں گے۔ الذین یشهدون للامم و علیهم من الملائکة والمومنین (بیضاوی) بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ نور کی اضافت رب کی طرف اضافت تخصیصی ہے۔ جیسے بیت اللہ و ناقة اللہ ہیں۔ و اضافته الیه تعالیٰ کبیت اللّٰه و ناقة اللّٰه (مدارک) ف۸۴ (اس کی عدالت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی کی جزائے خیر میں کچھ بھی کمی رہ جائے) حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کا بار بار تذکرہ ان جاہلی مذاہب کی تردید میں ہے، جو خدا کے علم کو ناقص ومحدود سمجھتے تھے۔ ف۸۵ (ذلت وخواری کے ساتھ) زُمَرًا۔ کافروں کے یہ گروہ یا تو اقسام وانواع کفر کے لحاظ سے ہوں گے اور یا پھر مراتب ومدارج کفر کے لحاظ سے۔ علی تفاوت اقدامهم فی الضلالة والشرارة (بیضاوی)

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ

اور اُن سے دوزخ کے محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے ف۸۶ وہ (کافر) کہیں گے

بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہاں (کیوں نہیں) لیکن عذاب کی بات (آخر) کافروں پر پوری ہو کر رہی ف۸۷

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ

(پھر) کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (اور) اس میں (ہمیشہ) پڑے رہو تو غرض کہ برا ٹھکانا

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا ف۸۸ اور جو لوگ اہل تقویٰ تھے وہ جنت کی طرف

اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

گروہ گروہ روانہ کیے جائیں گے ف۸۹ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے سلام علیکم مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لئے

خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

داخل ہو جاؤ ف۹۰ اور وہ کہیں گے اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا

وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ

اور ہمیں (اس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ

کیسا اچھا انعام ہے ف۹۱ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ حلقہ باندھے ہوں گے عرش کے

ف۸۶ دوزخیوں سے یہ ساری گفتگو انہیں قائل کرنے کے لیے اور اُن کی حسرتوں میں اضافہ کے لیے بطور زجر و ملامت ہوگی۔ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ اپنے ہی ملک قوم و قبیلہ والوں سے حصول فیض آسان رہتا ہے۔ ف۸۷ یہ آخری فقرہ بھی اگر دوزخیوں ہی کی زبان سے ادا ہوگا تو یہ اُن کی طرف سے اعتراف ہے کہ پیمبروں کی تبلیغ بلیغ کے باوجود ہم نے کفر و انکار سے کام لیا۔ اور جو عذاب موعود تھا وہ ہمارے ہاتھوں ہمارے سامنے آیا۔ قَالُوْا بَلٰى۔ وہ کہیں گے کہ ہاں کیوں نہیں آئے، آئے اور ضرور آئے۔ اور تبلیغ کا حق بھی پوری طرح ادا کر گئے۔ ف۸۸ یعنی اُن لوگوں کے لیے جو اپنی ہوائے نفس اور اپنی چھوٹی سی عقل کو احکام الٰہی کے سامنے جھکانے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اُدْخُلُوْا ..... فِيْهَا۔ چنانچہ اس کے بعد دوزخ کے دروازے دوزخیوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ف۸۹ (بڑی قدر و منزلت کے ساتھ) اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ مدارج کفر و اقسام شرک کی طرح قرب کے بھی مدارج و مراتب اور تقویٰ کے بھی اصناف و انواع ہیں۔ ف۹۰ (کہ اب اس جنت ہمیشگی سے بھی باہر ہونے کا کوئی کھٹکا ہی نہیں) وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا یہ دروازے اہل جنت کے اکرام میں تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں توقف و انتظار ذرا سا بھی نہ کرنا پڑے۔ مفتحة لهم الابواب۔ ف۹۱ اہل جنت جوش مسرت سے بے خود ہو کر یہ نعرہ لگائیں گے۔ الْاَرْضَ۔ ارض سے اس سیاق میں مراد سطح جنت ہے، جس پر اہل جنت چلتے پھرتے ہوں گے۔ عبارة عن المكان الذى اقاموا فيه واتخذوا مقرًا و متبوأ۔ (کشاف) یوں بھی ارض کا مفہوم عربی میں نہایت وسیع ہے اور جس طرح سماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اُوپر ہو اسی طرح ارض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے جو پیروں کے نیچے ہو۔ يعبر بها عن اسفل الشئ (راغب) نَتَبَوَّاُ ..... نَشَآءُ۔ جنت میں ہر شخص کے لیے الگ الگ مقام اُس کے مرتبہ تقویٰ و درجہ تقرب کے لحاظ سے ہوگا لیکن سیر کی آزادی جنت بھر میں حاصل ہوگی اور چونکہ رشک مفقود ہوگا اس لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنے مقام سے غیر مطمئن دوسرے کے مرتبہ پر رشک کرتا ہوگا۔ پھر مقام کا تعین ہر شخص کی عین صلاحیت کے مطابق اور اس کے حسب حال ہوگا۔ اس لیے ہر شخص اس پر خوش ہوگا۔

الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

گرد اگرد اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے ہوئے اور بندوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور آواز آئے گی کہ ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں ف۹۲

ایاتھا ۸۵	۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰	رکوعاتھا ۹
اس کی پچاسی آیتیں	سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی	اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ

حا۔ میم ف۱ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، علم والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ

اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، اُسی کے پاس (سب کو) جانا ہے ف۲ اللہ کی آیتوں میں بس وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو کافر ہیں سو اُن لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ف۳ ان سے قبل قوم نوح تکذیب کر چکی ہے اور ان کے بعد کے گروہ بھی اور ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا قصد کیا، اور ناحق کے جھگڑے نکالے،

ف۹۲ (جس نے اتنا بہتر فیصلہ کیا!) حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ ۔ یہ یعنی اجلاس عدالت حشر کے وقت ہوگا۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۔ یہ تسبیح وتحمید تو فرشتوں کی گویا غذا ہی ہے۔ وَقِيْلَ ۔ ۔ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اس نعرۂ مسرت وانبساط میں فرشتے اور انسان سب ہی شریک ہوں گے اور عجب نہیں جو اسی پر اجلاس عدالت برخاست ہو۔ ف۱ حٰمٓ ۔ حروف مقطعات کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کا حاشیہ الٓمّٓ پر۔ ابن عباس ؓ صحابی سے اس کے تین معنی نقل ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے، دوسرا یہ کہ یہ قسم کے معنی میں ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ الرحمٰن کا مخفف ہے اور یہی قول زجاج نحوی کا بھی ہے (روح) سعید بن جبیر ؒ تابعی اور عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ ح مخفف ہے اسماء الٰہی حکیم۔ حمید۔ حی۔ حلیم۔ حنان کا اور م مخفف ہے اسماء الٰہی ملک، مجید، منان کا (معالم) ف۲ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کے اسماء صفات قرآن مجید میں کسی اور جگہ بجز سورۂ حشر کے آخر کے یکجا نہ ملیں گے۔ اور ان میں سے ہر صفت قابل غور ولحاظ ہے۔ اَلْعَزِيْزِ ۔ وہ غلبہ والا ہے۔ ہر چیز پر قادر۔ جو چاہے کر ڈالے۔ اَلْعَلِيْمِ ۔ صاحب علم کامل ہے۔ جس پر کتاب اُتاری ہے، اُس سے اور جس غرض سے اتاری ہے اُس سے، جو اُن کے مخاطب ہیں، اُن سے، جو اور جتنی بھی اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں رکھ دی ہیں اُن سے، غرض ان سب سے خوب واقف ہے۔ غَافِرِ الذَّنْبِ ۔ گناہوں کو محض اپنے ارادہ ومشیت سے بخش دینے والا نہ کسی قانون عدل سے مجبور نہ ”کفارہ“ کا محتاج۔ قَابِلِ التَّوْبِ ۔ وہ توبہ قبول کر سکتا ہے جس گناہ سے اور جب چاہے۔ وہ معطل اور محدود الاختیار خدا نہیں۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۔ حسب ضرورت ومصلحت سزا بھی شدید ترین دے سکتا ہے۔ سو ڈرنا اسی کی نافرمانی سے چاہیے۔ ذِي الطَّوْلِ ۔ بڑی قدرت والا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ وہ ہر طرح واحد، متفرد، بلا شریک ہے۔ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ سب کا مرجع ومنتہیٰ وہی ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی اُس کے حضور میں آنے سے بچ جائے، سابقہ سب کو صرف اُسی سے پڑتا ہے۔ ف۳ (کہ یہ باوجود انکار شدید وعناد کے جب اس آزادی اور فارغ البالی کے ساتھ تجارت، حکومت، سیر وتفریح کے لیے زمین پر چل پھر رہے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ سزا سے ہمیشہ ہی کے لیے بچ جائیں) منکروں ملحدوں اور مشرکوں کی ظاہری کامیابیاں، کامرانیاں، ترقیاں آج بھی کمزور مسلمانوں کے دلوں میں کیسی مرعوبیت اور اُن کی آنکھوں میں کیسی خیرگی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مَا ...... كَفَرُوْا ۔ توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقیدوں سے انکار کرنا کسی سلیم الفطرت انسان کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ ان سے انکار تو بس وہی لوگ کرتے ہیں۔ جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ مَا يُجَادِلُ کے ظاہر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جدال اپنی مطلق صورت میں ممنوع و مذموم ہے۔ جدال ممنوع صرف وہ ہے جو باطل کی نصرت وحمایت میں ہو۔ باقی جو جدال حق کی نصرت وحمایت میں اور طریق صحیح پر ہو وہ تو عین مطلوب ہے جیسا کہ متعدد آیتوں میں یہ صراحت ہے، و جادلهم بالتي هي احسن اور وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ ۔ وغيرها۔ فاما الجدال فيها لا يضاح ملتبسها و حل مشكلها واستنباط معانيها و رد اهل الزيغ بها اعظم جهاد في سبيل الله (مدارک)

ف۴ (سو یہ ساری پچھلی تاریخ انبیاء عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے ہے) وَ هَمَّتْ ... لِيَأْخُذُوْهُ ۔ یعنی ہر قوم نے یہی چاہا کہ اپنے پیغمبر کو پکڑ کر قید یا قتل یا جلاوطن کر دے۔ اُمَّةٍ ۔ امت سے یہاں ظاہر ہے کہ منکرین امت مراد ہیں۔ وَالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۔ مراد منکرین کے وہ گروہ اور جتھے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بعد گزرے ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود وغیرہا ف۵ یعنی جس طرح یہاں سزا ملی۔ آخرت میں بھی سزا مل کر رہے گی۔ ف۶ (سو ان کا ایمان تو تجھ پر بدرجۂ اولیٰ روشن ہوگا، اور تو انہیں اپنی رحمت سے بدرجہ اولیٰ سرفراز کرے گا)

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

تاکہ اس ناحق سے حق کو ابطال کردیں سو میں نے ان کی گرفت کی سو میری طرف سے انہیں کیسی سزا ملی ف۴

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ

اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) کافروں پر پوری ہوچکی کہ وہ اہل دوزخ ہوں گے ف۵ جو (فرشتے) کہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ

عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو (فرشتے) اس کے گرداگرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

وہ اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے ف۶

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ

سو تو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستہ پر چلتے ہیں، انہیں دوزخ کے عذاب سے

الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

بچا دے ف۷ اے ہمارے پروردگار انہیں ہمیشگی کی بہشتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ

اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو (بہشت کے) لائق ہوں سو انہیں بھی (داخل کر دے) ف۸

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ

بے شک تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے ف۹ اور انہیں تکلیفات سے بچا لے اور تو نے جس کو

تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اس دن کی تکالیف سے بچا لیا اس پر تو نے (بڑی) مہربانی کی اور یہی بڑی کامیابی

يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اللہ اللہ! ان مومنین کے مرتبہ قرب کا کیا ٹھکانا جن کے حق میں ملائکہ مقربین استغفار کرتے رہتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ مومنین کے حق میں دعائے خیر شعار ملائکہ اور موجب قرب و قبول ہے

و فيه اشارة الى شرف الايمان و جلالة قدر المؤمنين و الى انه ينبغي للمؤمنين من بني أدم ان يستغفر بعضهم لبعض (روح)

اس میں اشارہ ہے ایمان اور اہل ایمان کی عظمت و جلالت کی طرف اور اس طرف بھی کہ مومنین کو ایک دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیے

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب ایمان مشترک ہو تو شفقت و خیر اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کے حق میں دعا کی جائے اگرچہ دوسری قوم اور ملک کے لوگ ہوں۔ و فيه دليل على ان الاشتراك في الايمان يجب ان يكون ادعى شئى الى النصيحة والشفقة و ان تباعدت الاجناس والاماكن (مدارک) يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اس پر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ جب فرشتوں کی تسبیح و حمد کا ذکر آ ہی چکا تھا تو پھر اب ان کے ایمان کی تصریح کی کیا حاجت تھی؟ زمخشری صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یہ ایمان ملائکہ کا تذکرہ موقع مدح پر آیا ہے لیکن حاملان عرش اگر مشاہدہ حضرت حق کے بعد ایمان رکھے ہوتے تو اس میں کوئی بات خاص مدح و تحسین کی نہ تھی۔ یہ تو ایسا ہی تھا جیسا کوئی دن دہاڑے آفتاب روشن کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہو۔ مدح کی توجیہ بھی یہی ہے کہ رویت و مشاہدہ ان ملائکہ کو بھی نصیب نہیں اور ان کا ایمان تمامتر دلائل و شواہد پر مبنی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کمال فراخ دلی سے لکھتے ہیں:۔ رحم الله صاحب الكشاف فلو لم يحصل في كتابه الا هذه النكتة لكفاه فخرًا و شرفًا۔ اللہ صاحب کشاف پر رحمت کرے اپنی کتاب میں اس ایک نکتہ کے سوا اور کچھ نہ لکھتے جب بھی ان کے فخر و شرف کے لیے کافی تھا۔ بیشک حق تعالیٰ کی شان تنزیہ ہے ایسی ہی عالی کہ اہل ناسوت کا کیا ذکر ملائکہ حاملان عرش تک اسے اپنے حواس کی گرفت میں نہیں لا سکتے۔ ف۷ اور یہی معنی ہیں مغفرت کے۔ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا یعنی کفر و شرک سے توبہ کر لے۔ عذاب کا سبب تو ذنوب و معاصی ہی ہوتے ہیں جب وہ رفع ہو گئے تو عذاب بھی رفع ہو گیا۔ ف۸ (گو وہ ان کے درجہ و مرتبہ کے قائل نہ ہوں) مَنْ صَلَحَ کا ٹکڑا قابل لحاظ ہے۔ ملائکہ کی دعائے علو مراتب مومنین کے اعزہ کے حق میں مطلق صورت میں نہ ہوگی بلکہ صرف انہیں کے حق میں ہوگی جن میں جنت کی صلاحیت ہوگی۔ یعنی اہل ایمان کے۔ کافر تو وہی ہے جو اپنے لیے بہشتی ہونے کی صلاحیت ہی کو فنا کر دیتا ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخرت میں کسی کا نسب اس کے کام نہ آئے گا وہاں مراد ہے کہ عدم ایمان کی حالت میں (مدارک، جصاص، ابن العربی) ف۹ ہر درجہ تقرب و مغفرت کے عطا پر قادر ہے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال ہی درجہ عطا کرتا ہے۔

الْعَظِيْمُ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

ہے ف۱۰ یقیناً جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے

مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

بڑھ کر اللہ کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُوْنَ ۝١٠ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اور تم انکار کرتے تھے ف۱۱ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دو بار زندگی دی

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝١١ ذٰلِكُمْ

سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا کوئی صورت ہے نکلنے کی ف۱۲ وجہ اس (سزائے دائمی) کی

بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ

یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم

تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝١٢ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ

مان لیتے تھے، سو فیصلہ تو اللہ کا ہے جو عالیشان ہے بڑے رتبے والا ہے ف۱۳ وہ وہی ہے جو اپنی نشانیاں

اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ

تمہیں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے ف۱۴ اور نصیحت تو بس وہی قبول کرتا ہے جو (اللہ سے)

يُّنِيْبُ ۝١٣ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ

رجوع کرتا رہتا ہے، سو تم لوگ اللہ کو پکارو اس سے خالص اعتقاد رکھ کر گو کافروں کو

الْكٰفِرُوْنَ ۝١٤ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ

ناگوار ہو ف۱۵ وہ مرتبوں کو بلند کرنے والا ہے، مالک عرش کا ہے وہ بندوں میں سے جس پر چاہے

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ یوم الاجتماع سے

ع ۲

ف۱۰ (جس کے سامنے ساری دنیوی کامیابیاں پست، عارضی اور ہیچ ہیں) خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے مقصود اعظم اسی نجات اُخروی اور دخول جنت کو بتایا ہے اس کے علاوہ اور جتنے مقاصد ہیں سب پست اور محض ضمنی ہیں۔ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی علاوہ دوزخ کے عذاب اعظم کے اور بھی روز قیامت کی ہر تکلیف سے بھی بچا لے۔ السَّيِّاٰت کے معنی جزاء السیئات کے سمجھے گئے ہیں۔ و قيل التقدير فهم عذاب السيئات (قرطبی) و من تق السيئات اى جزاءها (بحر) ف۱۱ یہ اُس وقت کا نقشہ ہے جب کافر دوزخ میں داخل ہو کر خود اپنے اوپر نفریں اور غصہ کریں گے کہ دنیا میں ہم کیسے اندھے ہو گئے تھے — اور اس ندا سے مقصود اُس وقت اُن کی حسرت و ندامت میں اور اضافہ کرنا ہوگا۔ ف۱۲ (اور دنیا میں دوبارہ جا کر اپنی خطاؤں کے تدارک و تلافی کی) ظاہر ہے کہ یہ درخواست قبول نہ ہوگی اور اہل جہنم پر یاس کامل طاری ہو کر رہے گی۔ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا۔ اس میں یہ اعتراف بھی آ گیا کہ جس زندگی سے ہمیں انکار تھا۔ اُس کا خود مشاہدہ و تجربہ ہو گیا۔ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو مردہ حالتوں میں سے ایک تو یہی موت متعارف ہے۔ دوسرے قبل ولادت کی بے جان حالت یا جمادیت کی حالت۔ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو زندگیاں۔ یعنی ایک زندگی دنیا کی، دوسری آخرت کی۔ ف۱۳ (سو انکار کی سزا بھی اُسی حاکم مقتدر کی جلالت قدر و مرتبہ کے لحاظ سے ملے گی) اِذَا ... تُؤْمِنُوْا۔ بس یہی خلاصہ ہے دین شرک کا، خدا کے وجود سے مشرکوں کو انکار نہیں، انکار صرف اُس کے خدائے واحد ہونے سے ہے۔ اُسے خدائے اعظم کی حیثیت سے مانا جائے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خداؤں کی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو ان مشرکوں کو بھی تامل نہ رہے۔ ف۱۴ (جو دلیل ہے اس کی کہ وہ رب اور منعم بھی ہے) اٰيٰتِهٖ۔ یعنی نشانیاں اپنی قدرت و توحید کی۔ ف۱۵ یعنی ہر شائبہ شرک سے اور ہر آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ کو پکارو اور یہ توحید خالص ہی تو کافروں کو شاق گزرتی ہے۔ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ۔ یعنی پند و نصیحت کارگر اُسی کے حق میں ہوتی ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف قصد رجوع رکھتا ہو۔ غور و تامل اسی قصد رجوع سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہی حق تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔

التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ

ڈرائے و۱۶ (یعنی) اُس دن سے جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے اُن کی کوئی بات اللہ سے مخفی

شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ

نہیں رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد و غالب ہی کی ہے و۱۷ آج

تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہر شخص کو اُس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ بہت جلد

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

حساب لے ڈالنے والا ہے اور آپ انہیں ایک قریبی مصیبت والے دن سے ڈرائیے جب کلیجے

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا

منہ کو آجائیں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ سفارشی

شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى

جس کی بات مان ہی لی جائے و۱۸ (اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے

الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اُس کو بھی و۱۹ اور اللہ ٹھیک ہی فیصلہ کرے گا، اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ

پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، اللہ ہی (سب کچھ) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

(سب کچھ) دیکھنے والا ہے و۲۰ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے قبل

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ

والوں کا انجام کیا ہوا وہ لوگ ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے

و۱۶ يَوْمَ التَّلَاقِ۔ مراد ظاہر ہے کہ یوم آخرت سے ہے۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ۔ یہاں رافع الدرجات کے معنی میں ہے۔ یعنی بندوں کے درجات و مراتب کو بڑھانے والا۔ رافع درجات الانبیاء والاولیاء فی الجنة (معالم) ای رافع درجات المؤمنین و منازلھم فی الجنة (بحر) بعض نے مرتفع الدرجات کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی صفات عظیم و بلند رکھنے والا۔ یحتمل ان یکون المراد منه الرافع و ان یکون المراد منه المرتفع (کبیر) ذُو الْعَرْشِ۔ لفظی معنی ہوئے عرش والا، اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ میاں عرش کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ ہر جسمیت، ہر مکانیت سے پاک و برتر ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ وہ اس کا بھی مالک اُس کا خالق اور اُس پر ہر طرح قادر ہے۔ و معناه انه مالک العرش و مدبرہ و خالقہ (کبیر) ای خالقه و مالکه لا انه محتاج الیه (قرطبی) اور مقصود اس سے اُس کے کمال قدرت اور منتہائے ہیبت کا اظہار ہے۔ والفائدة فی تخصیص العرش بالذکر هو انه اعظم الاجسام (کبیر) الرُّوْحَ سے مراد وحی ہے۔ الروح من امره ای الوحی من امره (ابن جریر۔ عن قتادة) اختلفوا فی المراد بهذا الروح والصحیح ان المراد هو الوحی (کبیر) سماہ روحا لانه تحیا به القلوب کما تحیا الابدان (معالم) ای الوحی والنبوة و سمی ذلک روحا لان الناس یحیون بها (قرطبی) دوسرے معنی قرآن و کتاب کے لیے گئے ہیں۔ و قال آخرون عنی به القرآن و الکتاب (ابن جریر) قاموس میں ہے کہ روح، قرآن، وحی کے معنی میں ہے، اور تاج میں ابو العباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح روح جسد انسانی کو زندہ کرتی ہے، وحی موت کفر سے نجات دیتی ہے اور ایمان کی زندگی پھونکتی ہے اس لیے وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ و۱۷ حکومت تو آج بھی خدائے واحد و غالب ہی کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اُس روز یہ سب پر بالکل عیاں و روشن ہو کر رہے گی۔ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ الواحد۔ اور القهار دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۱۸ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ۔ کے لفظی معنی ”قریب آجانے والی“ کے ہیں۔ قیامت بھی چونکہ برابر قریب آتی جارہی ہے اس لیے يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ایک نام یوم قیامت کا بھی پڑ گیا۔ عبر عنها بساعة (راغب) یعنی یوم القیامة (ابن جریر) الْيَوْمَ۔ كَسَبَتْ۔ آیت کے الفاظ سے یہ نکل رہا ہے کہ ثواب و عذاب بندوں کی کا کسب کیا ہوا ہوتا ہے اور یہی اشاعرہ کا مذہب ہے۔ قال ابن عطیة و هذه الآیة نص فی ان الثواب والعقاب متعلق باکتساب العبد و هو علی طریقة الاشعریة (بحر) لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کا اجر گھٹا دیا جائے اور کسی کا عذاب بڑھا دیا جائے۔ و۱۹ یہاں یہ بتا دیا کہ اقوال و افعال کیا معنی، احوال و کیفیات، جذبات و واردات قلب تک سب وہاں حاضر و عیاں ہوں گے ——یہ اور بات ہے کہ اضطراری اعمال و کیفیات معاف کر دی جائیں۔ و۲۰ یعنی وہی ان صفات کمال میں کامل اور دوسرے معبود ان صفات ہی سے عاری۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ آیت سے دو پہلوؤں پر اور زیادہ روشنی پڑ گئی۔ ایک شرکت الوہیت و معبودیت کی نفی، دوسرے ان معبودوں کا نصرت سے عجز۔

قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا

جاتا قوت اور زمین پر اپنے چھوڑے ہوئے نشانات کے سو اللہ نے ان کی گرفت کی بہ سبب اُن کے گناہوں کے، اور

كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

نہ ان کا کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا ۲۱ یہ (گرفت) اس لیے ہوئی کہ اُن کے پاس ان کے پیغمبر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

واضح دلیلیں لاتے رہے، اس پر بھی وہ کفر ہی کیے گئے، سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا، بیشک وہ بڑی قوت والا ہے،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا

سخت سزا دینے والا ہے ۲۲ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام

وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ

اور کھلی ہوئی دلیل دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا،

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

تو وہ لوگ بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ۲۳ جب وہ لوگوں کے پاس دینِ حق ہمارے پاس سے لے کر آئے

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہوئے ہیں اُن کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو

وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ

اور کافروں کی چال محض ناکام رہی ۲۴ اور فرعون بولا

ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ

مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور یہ اپنے پروردگار کو پکار دیکھے ۲۵ مجھے ڈر ہے کہ

يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَ قَالَ

وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا یہ کہ ملک میں فساد پھیلا دے گا ۲۶ اور موسیٰ نے

ف ۲۱ یہ تاریخ اور اثریات کے مطالعہ کے لیے اپیل ہے کہ ان فنون سے مدد لے کر دیکھو اور بڑی بڑی پُر قوت سرکش قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ ۔ مثلاً محل، قلعہ، باغ وغیرہ۔ الَّذِيْنَ ... الْاَرْضِ ۔ اشارہ اُن قبل اسلام کی متمدن و سربرآوردہ جاہلی قوموں کی جانب ہے جن کی ترقی تہذیب و تمدن کے نشان اب بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔ ف ۲۲ (تو اس کی گرفت سے یہ لوگ کب تک باہر رہ سکتے ہیں) بِالْبَيِّنٰتِ بینات کے تحت میں عقلی دلائل اور عملی معجزے سب پہنچ آ گئے۔ ف ۲۳ قرآن جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے، کوئی تاریخ کی کتاب نہیں اُس کے پیش نظر صرف مقاصد و نتائج رہتے ہیں۔ نبوت موسوی سے انکار کا جرم ان تینوں مشاہیر میں مشترک تھا اور یہاں اسی کے نتیجہ پر تنبیہ مقصود تھی اس لیے قرآن نے بھی تینوں کا نام ایک ساتھ لے دیا ورنہ ظاہر ہے، کہ قارون مصری نہیں اسرائیلی تھا اور اس کی تکذیب و انکار کا واقعہ زمانا بھی فرعون و ہامان سے متاخر ہے۔ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ ۔ فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ پ ۱ میں گزر چکے اور ہامان و قارون پر سورۃ القصص پ ۲۰ میں۔ قارون اسرائیلی نے جس شد و مد سے حضرت موسیٰ سے انکار کیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہے اُس کا ذکر توریت میں بصراحت موجود ہے۔ ف ۲۴ کافروں کی چالیں تو مآلاً اور آخرکار تو ہمیشہ ہی ناکام رہتی ہیں اور کبھی حالاً اور فوری طور پر بھی ناکام رکھی جاتی ہیں۔ قَالُوا ۔ یہ مشورہ دینے والے اور آپس میں صلاح کرنے والے مصر کے اعیانِ سلطنت و ارکانِ حکومت تھے۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۔ یہ ایمان لانے والے حضرت موسیٰ ہی کے ہم قوم بنی اسرائیل تھے۔ ف ۲۵ (دیکھیں تو سہی وہ ہمارے عتاب سے اسے کیونکر بچا لیتا ہے) قَالَ فِرْعَوْنُ ۔ یہ فرعون نے جھنجھلا کر اپنے وزراء و اُمراء سے کہا۔ فرعون کی حکومت باوجود اس کے شخصی استبداد کے شورائی تھی، جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی نکلتا ہے۔ ف ۲۶ دین سے مراد مصر کا قومی آبائی دین شرک ہے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ فرعون نے دو خطرے اپنے اعیانِ سلطنت کو سمجھائے ایک یہ کہ یہ مدعی نبوت اپنی تدبیروں اور نام نہاد اصلاحی مساعی سے اس دین آبائی میں خلل ڈال دے گا اور لوگوں کو دینِ شرک سے اکھاڑ دے گا۔ دوسرے یہ کہ رعایا میں تاج کے خلاف شورش و بغاوت پھیلا دے گا۔

مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ
کہا میں اپنے اور تمہارے سب کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر بڑائی مارنے والے سے جو روز حساب پر

بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
یقین نہیں رکھتا ف۲۷ اور ایک مرد مومن نے جو خاندان فرعون سے تھے

یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ
اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے کہا ف۲۸ کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے

جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ
درآنحالیکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر

كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ
پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیش گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تم پر (ضرور ہی) پڑے گا

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ یٰقَوْمِ لَكُمُ
بے شک اللہ ایسے کو راہ (کامیابی) نہیں دکھاتا جو حد سے گزر جانے والا ہو جھوٹا ہو ف۲۹ اے میرے بھائیو! آج تمہاری

الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؗ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ
سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو لیکن اللہ کے عذاب سے ہمیں

بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى
کون بچائے گا اگر وہ ہم پر آ پڑا ف۳۰ فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں

وَ مَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ
اور میں تو تم کو یہی طریق مصلحت ہی بتاتا ہوں اور اس ایمان لے آنے والے شخص نے کہا اے میرے بھائیو!

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ
مجھے تمہارے متعلق (دوسری) امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا کہ

ع ۳

ف۲۷ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ شر سے بچنے کے لیے دعا عمومی اور کلی رنگ میں اگر کی جائے تو بہتر ہے جیسا کہ یہاں ضرورت صرف فرعون کے شر سے پناہ مانگنے کی تھی لیکن حضرت موسٰی نے الفاظ جامع و عمومی استعمال کیے۔ ف۲۸ معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں میں سے کچھ لوگ حضرت موسٰی کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے اور اتنا تو توریت میں بھی ہے کہ کچھ فرعونی خوف خدا رکھنے والے تھے۔ حضرت موسٰی کی ایک منذر پیشگوئی کے سلسلہ میں ہے:۔ ''فرعون کے نوکروں میں ہر ایک جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا اپنے نوکروں اور اپنے مواشی کو گھروں میں بھگا لے آیا''۔ (خروج۔ ۹:۲۰) یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ اسلام ہی کی مصلحت سے اپنے اسلام کا چھپانا بالکل جائز ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل باطل کے سامنے حق کا اخفاء خوف فتنہ سے منافی کمال نہیں، خصوصاً جبکہ سہولت ارشاد و تبلیغ کی مصلحت بھی شامل ہو۔ ف۲۹ (اور دنیا کا کوئی اسراف و کذب جھوٹے دعوائے نبوت سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے) مرد مومن کا کہنا یہ ہے کہ موسٰی کا اتنا تو جرم ہی کیا ہے۔ بجز اقرار توحید کے اور پھر اقرار بھی بلا دلیل نہیں، آیات و معجزات سے مدلل، بالغرض وہ جھوٹے ہیں تو ایسے شدید قسم کے جھوٹ کی حق تعالیٰ دنیا ہی میں سزا دے کر رہے گا۔ لیکن اگر ان کا دعوائے نبوت سچ نکلا تو تم اپنی خبر لو تمہارا انجام کیا ہو کر رہے گا؟ وَ اِنْ ... كَذِبُهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت بھی اگر کورے بچ کر نکل جائیں تو تلبیس علی الحق لازم آتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کبھی مجھے کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ معاملہ حق تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا تو اللہ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسے لا کھڑے کیے جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔ و لقد جربت فی احوال نفسی انہ کلما قصدنی شریر بشر و لم اتعرض لہ و اکتفی بتفویض ذلک الامر الی اللہ فانہ سبحانہ یقیض اقواما لا اعرفہم البتۃ یبالغون فی دفع ذالک الشر (کبیر) ف۳۰ (اور اس کا وقوع ایک سچے نبی کے قتل کے بعد یقینی ہے)

قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

قوم نوح و عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور اللہ

يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ

بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا ف۳۱ اے میرے بھائیو مجھے تمہاری بابت پکار کے دن کی طرف سے بھی

التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ ہے ف۳۲ جس روز تم پشت پھیر پھیر کر بھاگو گے تم کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی

مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ

بچانے والا نہ ہوگا ف۳۳ اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور

جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ

تمہارے پاس اس کے قبل یوسف بھی تو کھلے ہوئے دلائل لے کر آچکے ہیں سو تم شک ہی میں پڑے رہے ان امور سے متعلق

مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ

جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے ف۳۴ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اب خدا ان کے بعد کوئی

مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

رسول نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے

مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

ہوتے ہیں شک میں پڑے رہتے ہیں ف۳۵ (اور) جو ہماری نشانیوں کے باب میں بغیر اس کے کہ اس کے پاس کوئی

اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

سند ہو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں (اس سے) بڑی بیزاری ہے اللہ کو اور ایمان والوں کو اسی طرح

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ

اللہ مہر کر دیتا ہے ہر مغرور و جابر کے قلب پر ف۳۶ اور فرعون نے کہا

ف۳۱ (لیکن جب تم خود ہی اس کے عذاب کو بلا رہے ہو تو ضرور کیفر کردار کو پہنچ کر رہو گے) ف: ... یٰقوم ۔ اس فقرہ میں تعریض ہے مشرکوں کے خونخوار و خون آشام دیوی دیوتاؤں پر۔ ف۳۲ یعنی سزائے دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی۔ یَوْمَ التَّنَادِ۔ "پکار والا دن" یوم قیامت کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس روز بڑی ہی چیخ پکار پڑے گی۔ یوم ینادی الناس بعضهم بعضا من فزع نفخة الفزع (ابن جریر) ف۳۳ روز حشر کی دہشت اور ہولنا کی کا بیان ہے۔ یوم یولون هاربین فی الارض حذر عذاب الله وعقابه عند معاينتهم جهنم (ابن جریر) ف۳۴ یعنی تم نے تو ان کی نبوت کی بھی تصدیق نہ کی۔ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ ۔ یعنی وہ اسی ملک مصر میں، اہل مصر کے روبرو نبی ہو کر آئے تھے۔ ف۳۵ یعنی نبوت کی تو تم ان کے بھی قائل نہ تھے اور جب وہ وفات پا گئے، جب تم کھلم کھلا کہنے لگے کہ ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہو گیا۔ كَذٰلِكَ ..... مُرْتَابٌ۔ یہ ایک عام قانون قاعدہ بتا دیا کہ ایسے بدتوفیقوں کو ہمیشہ گمراہی ہی میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔ اِذَا هَلَكَ ۔ قرآن مجید انبیاء صدیقین کے لئے بھی ایسے موقعوں پر بے تکلف وہی الفاظ لے آتا ہے جو عام افراد بشری کے لئے لائے جاتے ہیں، ہلاکت و موت کے قسم کے الفاظ جس طرح ہر بشر کے لئے آتے ہیں انبیاء کے لئے بھی لائے گئے ہیں۔ ف۳۶ (مغرور و جابر = متکبر و جبار) چونکہ حق طلبی اور حق جوئی سے کام نہیں لیتا، اس لئے رفتہ رفتہ اس میں صلاحیت حق فہمی کی بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ يُجَادِلُوْنَ ..... سُلْطٰنٍ ۔ جدال بلا دلیل کی اس مذمت سے یہ نکلا کہ جدال حجت صحیحہ کے ساتھ کرنا مستحسن ہے فی ذمه لهم بانهم يجادلون بغير سلطان دلالة على ان الجدال بالحجة حسن و حق (کبیر)

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾

اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا کہ میں (اس سے) آسمان پر جانے کی راہوں تک

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ

پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی

كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

سمجھتا ہوں ف۳۷ اور اسی طرح فرعون کو اُس کی بدکرداری خوش نما کر دی گئی اور وہ راہ (راست) سے

السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

رُک گیا اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی ف۳۸ اور وہی جو ایمان

الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

لا چکا تھا بولا اے میرے بھائیو میری پیروی کرو میں تمہیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ

اے میرے بھائیو یہ دنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو

هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

آخرت ہی ہے ف۳۹ جو کوئی گناہ کرتا ہے اُسے بدلہ بس برابر سرابر ہی

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

ملتا ہے اور جو کوئی نیک کام کرتا ہے وہ مرد ہو یا عورت ہاں بس

مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے جہاں انہیں رزق

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

بے حساب ملے گا ف۴۰ اور اے میرے بھائیو یہ کیا ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں

ف۳۷ فرعون اس مردِ مومن کی تقریروں کا تو کچھ جواب دے نہ سکا لاجواب ہو کر فرمائش ہامان سے یہ کر دی۔ یٰھَامٰنُ۔ ھامان پر حاشیہ سورۃ القصص (پ ۲۰) میں گزر چکا۔ ھامان۔ جو دیوتا آمن کے مندر کا سب سے بڑا پروہت یا پجاری تھا۔ وہی سلطنت کا چیف انجینئر بھی ہوتا تھا ہامان سے متعلق اسی سابق حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ یہ شخصی نام نہیں بلکہ ایک عظیم الشان سرکاری عہدہ کا لقب تھا جیسے فرعون خود شاہی لقب تھا۔ ابنِ لِیْ صَرْحًا۔ روایاتِ یہود میں بھی آتا ہے کہ شاہ مصر کے لئے زمین و آسمان کے درمیان ایک محل تعمیر ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ۔ لفظ ظن سے یہ خیال نہ گذرے کہ فرعون اس بات کو بطور ظن کے یا شک کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ظن یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قیل ان الظن بمعنی الیقین اے وانا اتیقن انه کاذب (قرطبی) ف۳۸ (اور بالآخر وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو کر رہا) وَکَذٰلِکَ یعنی جس طرح کے سوءِ اعمال کی خوشنمائی کی ایک مثال ابھی اوپر فرعون کے قول میں گزر چکی۔ اے مثل ذٰلک التزیین وذٰلک الصد (مدارک) زُیِّنَ..... عَمَلِهٖ۔ اس تزئین کی علت قریبہ تو ہمیشہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وزین لھم الشیطان اعمالھم۔ لیکن علت بعیدہ تکوینی حیثیت سے خود ذات حق ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ زینا لھم اعمالھم فھم یعمھون۔ ف۳۹ مردِ مومن کا کہنا یہ ہے کہ حقیقی فوز و فلاح کا راستہ تو وہ ہے جسے میں بتا رہا ہوں نہ کہ وہ جس کی رہبری فرعون کر رہا ہے۔ اِنَّمَا..... الْقَرَارِ۔ عاجل اور آجل کے راستوں کا فرق جو آج نظر آ رہا ہے۔ یہی ہمیشہ رہا ہے۔ جسے غافل نے ادھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے اظہار تحقیر کے لئے اور مَتَاعٌ کے لفظ میں خود ہی اس نفع کے عارضی اور زود فنا ہونے کا مفہوم شامل ہے۔ متعة تنتفعون بھا مدة لم تنقطع (معالم) اے یمتع بھا قلیلا لم تنقطع وتزول (قرطبی) ف۴۰ یہاں ایک بڑی اصل پر روشنی پڑ گئی۔ اہلِ جنت کے اجر کی کوئی حد ہی مقرر نہیں۔ لیکن بدی کی سزا میں یہ قاعدہ مقرر نہیں۔ بدکار کو سزا صرف اسکے جرم کے متناسب ہی ملے گی۔ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ عورت جس طرح دیوی اور کسی خاص تقدس و احترام کی حامل نہیں اسی طرح گندی اور ناپاک جنس بھی نہیں۔ عمل و ایمان کے نقطۂ نظر سے مرد و عورت دونوں بالکل یکساں و ہم سطح ہیں۔ جس کے جیسے عمل ہوں گے، اسی مناسبت سے اسے جزائے عمل بھی ملے گی۔ اس کی جنسیت کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا جاہلی مذہبوں نے عورت کے بارہ میں جو جو بے اعتدالیاں روا رکھی ہیں ان کے پیشِ نظر قرآن مجید کو اس صراحت کی ضرورت تھی۔

ف۴۱ خدائے غالب وزبردست ایسا کہ وہ گرفت کرے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور غفار ایسا کہ وہ مغفرت کرنا چاہے تو کوئی اس میں حائل نہ ہو سکے۔ مَالِیْ۔ کلمۂ استعجاب ہے، مطلب یہ کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں تو تمہیں راحت ابدی اور حقیقۃ الحقائق کی طرف بلا رہا ہوں اور تم اس کے بالکل برعکس مجھے عذاب دائمی اور باطل محض کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔ ف۴۲ یعنی تمہاری دعوت تو حقیقت سے بالکل معرا ہے...... آخر شرک پر بڑی چھوٹی، عقلی نقلی کوئی سی بھی دلیل قائم ہے؟ الْمُسْرِفِيْنَ۔ مسرفین۔ یہ عبودیت سے نکل جانے والے مشرکین ہوتے ہیں۔ قال قتادة وابن سيرين يعني المشركين (قرطبی) لَيْسَ...... الْاٰخِرَةِ۔ یعنی ان تمام تمہاری مورتیوں اور دیوی دیوتاؤں میں تو سرے سے صلاحیت ہی نہیں کہ اپنی معبودیت کا دعویٰ پیش کر سکیں۔ ف۴۳ (اس کی نظر سے کسی کے قول یا عمل کا پوشیدہ رہ جانا کیونکر ممکن ہے) فَسَتَذْكُرُوْنَ۔ اس سے مراد ہے نزول عذاب کے وقت خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ اے عند نزول العذاب (مدارک) عند معاینة العذاب (بیضاوی) اذا حلّ بكم العذاب (قرطبی) ف۴۴ یہ آیت اثبات عذاب قبر و وجود برزخ میں ایک نص صریح ہے۔ دل علی ان المراد النار يعرضون عليها قبل القيامة (صاص) هذه الأية تدل على عذاب القبر (صاص) والجمهور على ان هذا العرض في البرزخ (قرطبی) هذه الأية دليلٌ على عذاب القبر (مدارک) وفيه دليل على بقاء النفس وعذاب البرزخ (بیضاوی) احتج اصحابنا بهذه الأية على اثبات عذاب القبر (کبیر) ذالک يدل على اثبات عذاب القبر في حق هؤلاء واذا ثبت في حقهم ثبت في حق غيرهم لانه لا قائل بالفرق (کبیر) وهذه الأية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور (ابن کثیر) هذه الأية تمسك بها اهل السنة في اثبات عذاب القبر صرح بذالک في علم الكلام وكتب التفاسير جميعًا (احمدی) لیکن مفسر ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے برزخ میں صرف ارواح پر عذاب ثابت ہوتا ہے باقی ان روحوں کے سبب سے قبور میں جسموں کا بھی معذب ہونا، تو اس کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔ اور آگے احادیث نقل کی ہیں:۔ الجواب ان الأية دلّت على عرض الارواح على النار غدوًا وعشيًا في البرزخ وليس فيها دلالة على اتصال تألمها باجسادها في القبور اذ قد يكون ذلک مختصًا بالروح فاما حصول ذلک للجسد في البرزخ وتألمه بسببه فلم يدل عليه الا السنة في الاحاديث المرضية الاتي ذكرها۔ اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ واحاديث عذاب القبر كثيرة جدًا (ابن کثیر) غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔ ایک معنی تو یہی صبح و شام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالم ناسوت کے صبح و شام کے مقابل ہوں گے۔ قال الفراء في الغداة والعشي بمقادير ذلک في الدنيا (قرطبی) دوسرا مفہوم "ہمیشہ" کا بھی ہو سکتا ہے۔ جوّز ان يكون المراد بالتابيد اكتفاء بالطرفين المحيطين عن الجميع (روح) لا يمتنع ان يكون ذكر الغدوة والعشية كناية عن الدوام (کبیر) اے ما دامت الدنيا كذالک قال مجاهد وعكرمه (قرطبی)

وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ

اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں

بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

اور ایسی چیز کو اس کا شریک کروں جس کے (شریک ہونے) پر میرے پاس کوئی دلیل نہیں ف۴۱ حالانکہ میں تمہیں (خدائے) غالب وغفار کی

الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

طرف بلاتا ہوں ف۴۲ یقینی بات ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو وہ پکارے جانے کے قابل نہ دنیا میں

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ

ہے اور نہ آخرت میں اور یہ بھی کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہ بھی کہ

الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ

حد سے نکل جانے والے سب دوزخی ہی ہوں گے ف۴۳ سو عنقریب تم میری بات کو یاد

لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ

کرو گے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہوں، بے شک اللہ بندوں کا خوب

بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ

نگراں ہے ف۴۴ پھر اللہ نے اُس (مومن) کو اُن لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور

فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا

اہل فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کیے

وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہو گی (یہ کہا جائے گا) اہل فرعون کو شدید ترین عذاب

اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ

میں داخل کرو ف۴۵ اور جبکہ (کافر) دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے تو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو؟ ف۴۵ بڑے لوگ کہیں گے کہ

اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ

ہم سب ہی اس میں (پڑے) ہیں اللہ تو اب بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا ف۴۶ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

آگ میں (پڑے) ہوں گے وہ دوزخ کے پہرہ داروں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو

يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

ہم سے عذاب ہلکا کردے ف۴۷ وہ کہیں گے اچھا تو کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر نشانات لے کر نہیں

بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ

آتے رہے تھے؟ ف۴۸ (دوزخی) بولیں گے کیوں نہیں (فرشتے) کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو اور کافروں کی دعا تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي

بس بے اثر ہی ہے ف۴۹ بے شک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

دنیوی زندگی میں بھی اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے ف۵۰ (یعنی) اس دن جب کہ ظالموں کو ان کی معذرت

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی ف۵۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اور ہم بالیقین موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے بنی اسرائیل

ف۴۵ یعنی دنیا میں جن کی حیثیت پس رووں اور تابعین کی تھی، وہ اپنے سرداروں، رئیسوں سے دوزخ میں کہیں گے کہ دنیا میں تو آپ ہم پر حاکم و بالادست تھے، اب یہاں بھی اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر کچھ ہماری مصیبت ہلکی کرا دیجئے۔ ف۴۶ وہ بڑے لوگ جواب میں کہیں گے کہ واہ، جہاں تم وہاں ہم، ہم میں اگر کچھ قدرت ہوتی تو ہم اپنے ہی کو بچانے کی فکر نہ کرتے اور اب تو حق تعالیٰ کا آخری اور قطعی فیصلہ صادر ہو چکا، اب ہو ہی کیا سکتا ہے؟ ف۴۷ (کہ ہم کو تو ایک ہی دن کے عذاب میں تخفیف انتہائی نعمت معلوم ہوگی) خزنة جهنم۔ جہنم کے پہرہ دار ظاہر ہے کہ فرشتے ہوں گے۔ مفسرین نکتہ رس نے کہا ہے کہ اس موقع پر خزنتها بھی کافی ہو سکتا تھا کہ اسم نار تو ما قبل موجود ہی ہے لیکن قرآن مجید بکمال بلاغت جَهَنَّمَ کا نام مکرر یہاں لایا تا کہ تہویل و تخویف کا مقصد زیادہ حاصل ہو۔ وانما لم يقل لخزنتها لان في ذكر جهنم تهويلا وتفظيعا (مدارک) المقصود من ذكر جهنم التهويل والتفظيع (کبیر) ف۴۸ (اور انہوں نے تمہیں دوزخ سے بچے رہنے کے طریقے نہیں بتائے تھے؟) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں معجزات، دلائل عقلی وغیرہ ہر وہ چیز آ جائے گی جو ایمان و یقین پیدا کر سکتی ہے۔ ف۴۹ (آخرت میں) ایمان اجابت دعا کی شرط ہے اور اس کا موقع اس دنیا کے دار العمل میں تھا۔ آخرت کے دار الجزاء میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فرشتے دعاء سے اس لئے انکار کریں گے کہ ایمان سے محروموں کے حق میں دعاء کا اذن ہی نہیں۔ لم يؤذن لنا في الدعاء لامثالكم (بیضاوی) فِيْ ..... ضَلٰلٍ۔ دعاء کی اس بے اثری کا تعلق کافروں کی دعاؤں سے اور وہ بھی دنیا میں نہیں قیامت کے دن کا ہے۔ والحق بان الاية في دعاء الكفار يوم القيامة (روح) ف۵۰ یعنی قیامت کے دن۔ الْاَشْهَادُ۔ گواہوں سے یہاں مراد نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ وہی قیامت میں اس کی بھی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے اس کی تکذیب۔ انبیاء و عامہ مومنین بھی اس کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ قال مجاهد الاشهاد الملائكة (ابن کثیر) والمراد بهم من يقوم يوم القيامة للشهادة على الناس من الملائكة والانبياء والمؤمنين (بیضاوی) قال مجاهد والسدي الملائكة تشهد للانبياء بالابلاغ وعلى الامم بالتكذيب وقال قتادة الملائكة والانبياء (قرطبی) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مومنین کی منصوریت، حشر میں ہونا ظاہر ہی ہے۔ باقی دنیا میں بھی جہاں تک دلائل سے غلبہ کا تعلق ہے بالکل ظاہر ہے۔ اب لے دیکر دنیا میں غلبہ مادی رہ جاتا ہے۔ سو اس حیثیت سے بھی اہل حق انجام کار میں عموماً کامیاب ہی ہوتے ہیں اور ان کی کوششیں بالآخر رائیگاں نہیں جاتیں۔ ف۵۱ (اور آپ اور آپ کے پیرو منصور رہیں گے۔ سو آپ تسلی رکھئے) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین سے جیسا کہ قرآن کی عام اصطلاح ہے یہاں بھی کافر ہی مراد ہیں۔

الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ

کو ہدایت و نصیحت کی کتاب پہنچائی اہل عقل کے لئے ف۵۲ سو آپ صبر کیجئے،

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۵۳ اور معافی مانگتے رہئے اپنی کوتاہی کی اور اپنے پروردگار کی

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ

تسبیح و حمد شام اور صبح کرتے رہئے ف۵۴ جو لوگ جھگڑے نکالتے رہتے ہیں

اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ

اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ کوئی سند ان کے پاس موجود ہو ان کے دلوں میں نری بڑائی ہی (بڑائی بھری ہوئی) ہے

مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں ف۵۵ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے بے شک وہی (سب) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ

(سب) دیکھنے والا ہے ف۵۶ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے یقیناً

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مَا يَسْتَوِي

بڑھ کر (کام) ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف۵۷ اندھا اور بینا

الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا

برابر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ (برابر ہو سکتے ہیں) جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا

اور بدکار تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو ف۵۸ قیامت ضرور ہی آ کر رہے گی اس میں

رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ قَالَ رَبُّكُمُ

کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ

ف۵۲ یعنی نفع اس کتاب سے وہی اٹھاتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ نفع سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ف۵۳ (اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے تسلی حاصل کیجئے) وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدہ سے مراد وعدہ نصرت الٰہی ہے یہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا میں ابھی مذکور ہو چکا ہے۔ ف۵۴ (کہ یہ مشغولیت ذہن کو امور ملال انگیز کی طرف التفات کا موقع ہی نہ دے گی) لِذَنْۢبِكَ۔ عربی زبان میں ذنب اور اثم کے درمیان فرق ہے اردو میں ذنب کا مفہوم کوتاہی ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے تحمله على التوبة عن ترك الاولى والافضل (کبیر) بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔ محاورہ میں اس سے مراد دوام یا ہمیشگی بھی ہے۔ ای دوم على عبادة ربك (کشاف) عبر بالطرفين واريد جميع الاوقات (روح) وبالجملة فالمراد منه الامر بالمواظبة على ذكر الله (کبیر) ف۵۵ یعنی یہی اپنے کو بڑا سمجھنا ہی تو سبب مجادلہ باطل کا ہے دوسرے کے اتباع سے عار آتا ہے۔ سیادت کے مرتبہ پر خود ہی قائم رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس بڑائی کی ہوس میں ہیں وہ انہیں نصیب ہونا نہیں۔ عنقریب ذلیل و خوار ہوں گے۔ يُجَادِلُوْنَ...... اَتٰىهُمْ۔ یعنی بغیر اس کے کہ کوئی بھی وجہ یا شبہ و اشتباہ کی موجود ہو۔ ف۵۶ (اور آپ کی نصرت و حمایت پر ہر طرح قادر ہے) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ سے پناہ مانگتے رہئے ان معاندین و حاسدین کے شر و فتنہ سے۔ ف۵۷ اشارہ منکرین قیامت کی طرف ہے۔ جس خالق اکبر کے لئے زمین و آسمان کا پیدا کرنا انہیں مسلم ہے اس کی بابت اسے پر مستبعد کرنا کہ وہ انسانوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا کیسی کم عقلی اور نافہمی کی بات ہے! ف۵۸ (ورنہ اب تک نابینا و فسق پیشہ نہ رہتے، سب کے سب بینا و باایمان ہو گئے ہوتے) الْمُسِيْٓءُ۔ لفظی معنی تو بدکار یا بدعمل کے ہیں، یہاں مراد کافر ہے۔ لا يستوى المؤمنون الابرار و الكفرة الفجار (ابن کثیر)

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ

مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا ف۵۹ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی

عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ اللَّهُ

کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے اللہ ہی ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ

جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور (اس نے) دن کو روشن بنایا بے شک

اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے لیکن اکثر آدمی شکر

يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا

نہیں ادا کرتے ف۶۰ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار ہر شے کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی

هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذَٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ

خدا نہیں سو تم لوگ کہاں بھٹکے جا رہے ہو ف۶۱ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے ہیں جو اللہ کی نشانیوں کا

اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے رہتے تھے ف۶۲ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا

وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ

اور آسمان کو چھت اور تمہارا نقشہ بنایا سو تمہارا عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں

الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٤﴾

کھانے کو دیں یہی تو ہے اللہ تمہارا پروردگار سو اللہ سارے عالم کا پروردگار بڑا عالی شان ہے ف۶۳

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ

وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں سو تم اسی کو پکارا کرو خالص اعتقاد کر کے

ع ۱۱

ف۵۹ (خواہ عاجلاً خواہ آجلاً اپنے قانون حکمت ومشیت کے ماتحت) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے عبدیت کی فضیلت اور اس کا منافی توکل ورضا ہونا ثابت ہے۔ ف۶۰ (اور شکرگزاری کی بڑی فرد منعم حقیقی کی توحید کا اقرار کرنا ہے) عوام کا ذکر نہیں، یونان، مصر، ہند وغیرہ کے بڑے بڑے ''فلاسفہ'' و ''حکماء'' تاثیر کواکب، تصرفات افلاک، تعدد آلہہ، عقل کل، رب النوع وغیرہ خدا معلوم کن کن خرافات کے قائل ہوئے ہیں۔ الَّذِي ...... مُبْصِرًا۔ مشرک وجاہلی قوموں نے ''دن'' اور ''رات'' کو بھی بجائے مخلوق ہونے کے مستقل معبود مان کر ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید ان احمقوں کی برابر تردید کرتا جاتا ہے۔ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ۔ رات کا عام مخلوق کے لئے تو زمان استراحت ہونا ظاہر ہی ہے۔ رہے اہل ریاضات ومجاہدات تو ان کے تو عین لذت وحلاوت کی چیزیں یہی مشغلہ عبادت ومجاہدہ ہے اور وہ اپنی راتیں انہیں میں گذارتے ہیں۔ إِنَّ ...... النَّاسِ۔ اس کا صاحب فضل عمیم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ وہ مخلوق کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ ف۶۱ (کہ اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کئے جاتے ہو) أَنَّىٰ ...... هُوَ۔ خدائے واحد کی یہاں پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ ساری مخلوق کا پروردگار، یا پالنہار ہے۔ دوسری صفت یہ کہ موجودات میں سے بڑی، چھوٹی، بلا استثناء ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے اور تیسری صفت یہ کہ معبودیت میں کوئی بھی کسی جہت سے اس کا شریک نہیں۔ ف۶۲ یعنی کچھ تم ہی پر موقوف نہیں، تم سے قبل بھی بہت سی قوموں نے تعصب وعناد سے یہی راہ تکذیب اختیار کی ہے۔ بِآيَاتِ اللَّهِ۔ آیات سے یہاں تکوینی وتشریعی دونوں قسم کی آیات یا معجزات ودلائل اور احکام دونوں مراد ہیں۔ يَجْحَدُونَ۔ جحد پر اوپر کہیں حاشیہ گذر چکا ہے کہ اس سے مراد اس انکار سے ہوتی ہے جو ہٹ دھرمی پر مبنی ہوتا ہے۔ ف۶۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ کائنات کا صرف خالق ہی ہو کر اب معطل نہیں ہو گیا ہے (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں کا خیال ہے) بلکہ منتظم، مدبر، رازق بھی ہے۔ جَعَلَ ...... بِنَاءً۔ یہ زمین وآسمان سب اسی کے قانون تکوینی کے ماتحت ومسخر ہیں۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ کی طرح صورت کا خالق بھی وہی ہے ...... جوہر وعرض سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ ترکیب انسانی کے بہترین ہونے اور اس کے قویٰ واعضاء کے تناسب کی طرف اشارہ ہے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ رمز سمجھا ہے کہ انسان جمال وکمال خداوندی کا آئینہ ہے

وقف لازم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ

ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں ف۶۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے

الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ

کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے پروردگار کی

رَّبِّیْ٘ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ

نشانیاں آچکیں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں (صرف) پروردگار عالم کے آگے گردن جھکاؤں ف۶۵ وہ وہی تو ہے

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

تم کو بچہ کرکے نکالتا ہے پھر (مہلت دیتا ہے جب تک) تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم

شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا

بوڑھے ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم سب اپنے وقت مقرر تک

مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا

پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھ لو ف۶۶ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب

قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کی نسبت کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے ف۶۷ کیا آپ نے ان

الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِیْنَ

لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں، یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں ف۶۸ جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ

اس کتاب کو جھٹلایا اور اُس چیز کو بھی جسے دے کر ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تھا، سو اُن کو ابھی

ف۶۴ (اور مخلوق کا ہر ظاہری کمال حقیقۃً اسی کمال خداوندی کا پرتو ہے) هُوَ الْحَیُّ ...... هُوَ۔ یعنی صفت حیات صرف اسی مالک ومولیٰ کا خاصہ ہے۔ حیات ازلی وابدی میں اس کا کوئی شریک نہیں نہ مسیح نہ کوئی اور۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس حی وقیوم کو کبھی فنا نہیں اسے کہیں مشرک جاہل قوموں کی دیویوں دیوتاؤں پر نہ قیاس کر بیٹھنا۔ جن کا حادث وفانی ہونا خود انہیں مسلم ہے۔ ف۶۵ (تو میں اس مسلک توحید سے کہیں بال بھر بھی ادھر ادھر کیسے ہو سکتا ہوں) اَلْبَیِّنٰتُ۔ بینات کا عموم ہر قسم کے دلائل وشواہد پر شامل ہے۔ ف۶۶ یعنی اپنے وجود کے ان پر حکمت اور تدریجی انقلابات وادوار پر غور کرکے حق تعالیٰ کی حکمت، عظمت، توحید پر ایمان لے آؤ اور بعث وحشر کی حکمتوں اور مصلحتوں کے قائل ہو جاؤ۔ لِتَبْلُغُوْٓا۔ لِتَكُوْنُوْا، لِتَبْلُغُوْٓا۔ ل ان سب مقامات پر عاقبت کا ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں پر پہنچنے سے قبل ہی۔ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى۔ یعنی کسی کی موت خواہ بڑھاپے میں آئے یا جوانی میں یا اس سے بھی قبل، بہرحال سب کی اسی وقت مقرر پر آتی ہے جو حکیم مطلق کی مشیت اس کے لئے طے کئے ہوتی ہے۔ ف۶۷ اس بنیادی حقیقت تکوینی کو عمل تخلیق کی تدریج کے مسئلہ سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ارادۂ الٰہی اور عمل تخلیق کے درمیان چھوٹی بڑی کوئی دوسری شے حائل نہیں ہو سکتی نہ ارادۂ الٰہی پر کوئی دوسری شے ذرا سی بھی قید لگا سکتی ہے۔ یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ یہ مضمون کئی بار قبل آچکا ہے۔ حاشیے وہیں گزر چکے۔ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ زندگی وموت دونوں تمامتر اسی کے ہاتھ میں ہیں ...... یہ نہیں کہ زندگی بخشنے والے دیوتا فلاں ہیں اور موت لانے والے دیوتا فلاں۔ ف۶۸ (حق کو چھوڑے ہوئے) یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کے کھلے ہوئے احکام کو جو پیمبروں کی معرفت حاصل ہوں تسلیم کرنے سے انکار کرنا، اور واقعات تکوینی سے ایمان وتوحید کا درس حاصل نہ کرنا، یہ سب آیاتِ الٰہی سے مجادلہ کرنے میں داخل ہے۔

ع ۸ ۱۲

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ
معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گے، اُن کو گھسیٹتے ہوئے

يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ
کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے ف۲۹ پھر

قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا
اُن سے پوچھا جائے گا کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھیراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ

ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ
وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو کسی کو بھی اس سے قبل نہیں پکارتے تھے اللہ اسی طرح

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ
کافروں کو گمراہی میں رکھتا ہے ف۳۰ یہ (سزا) اس کی ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشی

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾
مناتے تھے اور اس کی کہ تم اترایا کرتے تھے ف۳۱

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
(اب) گھسو دوزخ کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ پڑے رہنے کو، سو وہ بُرا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ
متکبرین کا ف۳۲ سو آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اگر

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾
اس میں سے کچھ تھوڑا ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں سو (بہرحال) ہمارے ہی پاس انہیں آنا ہوگا ف۳۳

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا
اور ہم نے آپ سے پیشتر بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے

ف۲۹ یہ نقشہ ہے حشر میں قابل صد تحقیر و موجب صد ہزار تعزیر مجرموں کے ساتھ برتاوے کا۔ يَعْلَمُوْنَ پر زمانہ۔ اس کے علوم کے اندر معجزات، احکام، دلائل سب آ گئے۔ ف۳۰ (ان کی زندگی بھر اُن کے کفر اختیاری کی پاداش میں) بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا۔ یعنی یہ حقیقت تو ہم پر اب منکشف ہوئی کہ ہم دنیا میں جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے وہ تو لاشئ محض تھیں۔ ہم نے درحقیقت لاشئ محض کی عبادت میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ وليس هذا انكارًا لعبادة الاصنام بل هو اعتراف ان عبادتهم الاصنام كانت باطلة (قرطبی) ف۳۱ (اپنی حقیقت اور حقوق الٰہی کو بھول کر) مطلب یہ ہوا کہ متاع دنیا کو اصل مقصود سمجھ کر اس کے حصول پر دل میں بھی خوب خوش ہوتے تھے اور ظاہر میں بھی اس کے آثار خوب نمودار ہوتے تھے۔ تَفْرَحُوْنَ۔ تَمْرَحُوْنَ۔ فرح کا تعلق قلب سے ہے اور مرح کا جسم سے۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرح یا خوشی اپنی مطلق صورت میں ممنوع ہے۔ مذمت صرف اس فرح کی وارد ہوئی ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کا نتیجہ ہو یا اہل ایمان کے مصائب پر بطور طنز و تمسخر کے ہو۔ مسرتیں تو سب کی سب بالکل جائز ہیں اور جو خوشی اللہ کی نعمتوں پر یا اللہ کی رحمت کو یاد کر کے ہو وہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے اور ہر طرح سے محمود و مستحسن۔ ف۳۲ (جن کے قبول حق کی راہ میں ان کا تکبر ہی مانع رہتا ہے) اَبْوَابَ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے دروازے متعدد ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ہر ہر طبقہ کے منکرین کے لئے الگ الگ دروازہ ہو ف۳۳ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کا وعدہ تو ان کافروں سے مطلق صورت میں ہے کہ کفر فی نفسہ موجب تعذیب ہے۔ باقی اگر اس میں کچھ عذاب کا نزول آپ کی حیات ہی میں دنیا میں ان پر ہو جائے یا اس نزول کے قبل ہی آپ کی وفات ہو اور عذاب بعد میں نازل ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اور ہر احتمال پر انہیں لوٹنا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور اس وقت یقیناً عذاب واقع ہوگا۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ وعدہ سے مراد وعید عذاب ہے۔ فَاِمَّا۔ ما زائد شرط کے موقع پر تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور نون ثقیلہ بھی اسی لئے ہے۔ وما مزيدة لتوكيد معنى الشرط (مدارک) وما زائدة للتوكيد وكذا النون (قرطبی)

ولاے (سو آپ سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ آپ ان کے فرمائشی معجزات کو اپنے آپ سے پورا کرسکیں گے) مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔ رسول جتنے دنیا میں آچکے ان کی

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ

اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا ہے، اور کسی رسول کے

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی معجزہ بدون اذنِ الٰہی کے ظاہر کرسکے ولاے پھر جس وقت اللہ کا حکم آپہنچے گا،

قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا، اور اس وقت اہل باطل بڑے گھاٹے میں رہیں گے اللہ ہی وہ ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ

تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو وڤے اور تمہارے لئے

فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ

ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر (سوار ہو کر) اپنے دلوں کے مقصد تک پہنچو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ

اور تم ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو ولاے اور وہ تم کو اپنی (اور بھی) نشانیاں دکھاتا ہے، سو تم

اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

اللہ کی کن کن نشانیوں سے انکار کرو گے۔ ولاے کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو دیکھتے کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ

جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں، ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ لوگ ان سے زیادہ تھے تعداد میں

وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

اور (ان سے) بڑھ کر تھے قوت میں اور زمین پر جو اپنی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں ان کے

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

لحاظ سے بھی، لیکن ان کی یہ کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی وڤے غرض جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے

صحیح تعداد تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہاں یہ اصولی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جتنے پیمبروں کا ذکر قرآن مجید میں لانا قرین مصلحت تھا۔ ان کے علاوہ بھی ایک تعداد پیمبروں کی ہوئی ہے وَمَا كَانَ...... اللہ۔ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ ظہورِ معجزات و خوارق پیمبر کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تمامتر تصرف خداوندی ہی ہے کہ جب کسی خارق یا معجزہ کا ظہور قرین حکمت ہوتا ہے، کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ اس سے وہ گروہ سبق لے جو ''کرامات'' و ''خوارق'' کو اولیاء اللہ و مقبولین حق کے لئے لازمی سمجھتا اور ان کے اختیار کی چیز مانتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ تصرفات مستقل پر اولیاء کے قادر ہونے کا رد آیت سے بدرجہ اولیٰ نکل آیا۔ وڤے غرض یہ کہ حیوانات کو تمہارے خادم ہی کی حیثیت سے پیدا کیا کہ کہیں تو ان سے سواری کا کام لو اور کہیں انہیں اپنی غذا کے کام میں لاؤ تو یہ کس درجہ شدید حماقت اور جہالت ہے کہ تم الٹا انہیں کو اپنا مخدوم بلکہ معبود ماننے لگتے ہو اور انسان خلیفۃ اللہ و اشرف المخلوق ہو کر حیوان پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں! حیوان پرستی شرک کا ایک بہت بڑا مظہر دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ گاؤ پرستی کے منظر سے ہندوستان میں کون ناواقف ہے؟ ناگ پنچمی، ہنومان مندر وغیرہ کے قسم کی چیزیں ان کے علاوہ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں بھینس ایک ''مقدس'' جانور ہے، اور ہندوستان کے علاوہ بابل، مصر وغیرہ میں بھی حیوان پرستی کی بلا عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی۔ لِتَرْكَبُوْا ل تعلیل کا ہے۔ یعنی تمہاری مصلحت و نفع کی غرض سے۔ واللام للتعلیل ای خلقها لاجلكم ولمصلحتكم (روح) هُنَالِكَ ظرف مکان، یہاں بطور ظرف زمان آیا ہے۔ اسم مكان استعير للزمان (روح) ولاے (اپنے مقاصد دنیوی کے لئے) مَنَافِعُ۔ اس کے تحت میں اگر ایک تجارت ہی کی مد کو لیجئے تو خدا معلوم اس کی کتنی شاخیں نکلتی چلی آئیں۔ کچے گوشت کی تجارت، خشک شدہ محفوظ گوشت کی تجارت، اون کی تجارت، کھالوں کی تجارت، آنت کی تجارت، ہڈی کی تجارت، دانت کی تجارت، دودھ، دہی، پنیر، گھی، مکھن، کریم، بالائی کی تجارت، وقس علی ہذا...... اور طبی فوائد کو کوئی گنانا چاہے تو وہ اس کے علاوہ! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ان جاہل صوفیہ کا بھی رد نکل آیا جو اسباب معیشت سے نفع اٹھانے کو طریق و سلوک کے منافی سمجھتے ہیں۔ حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ۔ اس کے تحت میں تفریحی سفر، تجارتی سفر، جنگی سفر، خانگی سفر، مذہبی سفر سب آجاتے ہیں۔ ولاے (اور کب تک مسلک شرک پر جمے رہو گے؟) اٰيٰتِهٖ ...... اٰيٰتِ اللّٰهِ مراد وہ سارے واقعات کائنات ہیں جن سے صانع عالم کی توحید پر، قدرت و عظمت پر اور صفت علم و حکمت پر روشنی پڑتی ہے۔ وڤے تاریخ سے استدلال ہے کہ بڑی بڑی متمدن و پر شوکت قدیم قوموں کے انجام کو دیکھو، جب وہ خدائی قانونوں اور ضابطوں کے توڑنے پر اتر بیٹھیں تو ان کی مادی ترقیاں اور طاقتیں ان کے کچھ بھی آڑے نہ آسکیں، اور بالآخر وہ تباہی کے گھاٹ اتر کر رہیں۔

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

تو وہ لوگ اُس علم پر (بڑے) نازاں ہوئے جو انہیں حاصل تھا اور اُن پر وہ (عذاب) آ پڑا جس پر

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

وہ تمسخر کرتے تھے ف۷۹ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لے

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ

آئے اور اُن سب چیزوں سے منکر ہو گئے جنہیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو انہیں ان کا (یہ) ایمان کچھ نفع نہ پہنچا

اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

سکا، جبکہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں

فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے ف۸۰

آیاتہا ۵۴ | ۴۱ سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۱ | رکوعاتہا ۶

اس کی چون آیتیں | سورۂ حم السجدہ مکہ میں نازل ہوئی | اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ

حا۔ میم۔ (یہ کلام) رحمن و رحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے ف۱ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر

اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ

بیان کردی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن (جو نافع ہے) دانشمند لوگوں کے لئے (انہیں) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ف۲

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا

لیکن ان میں سے اکثر نے روگردانی کی سو وہ سنتے ہی نہیں ف۳ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں

ف۷۹ یہ ایک واقعۂ تاریخی ہے کہ انبیاء کرام نے جب جب اپنی دعوتیں دلائل و براہین کے ساتھ پیش کی ہیں تو ان کی مخاطب "مہذب" قوموں اور "متمدن" امتوں نے اپنے علوم وفنون کے زعم میں اپنے علوم معاشی و سیاسی کے مقابلہ میں ہمیشہ ان دعوتوں کو ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن انجام میں یہ قومیں قانون الٰہی کی مخالفت کی پاداش میں تباہ ہی ہو کر رہی ہیں۔ یہاں ذکر اسی حقیقت تاریخی کا ہے۔ مَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ یعنی ان کے علوم دنیوی۔ یريد علمهم بامور الدنيا (مدارک) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس میں ایسے علم پر فخر کرنے کی ممانعت ہے جو شریعت کے مخالف ہو اور اسی میں تصوف باطل بھی شامل ہے۔ ف۸۰ مشاہدہ و معاینۂ عذاب کے بعد جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ تو ایمان اضطراری ہے جو مقصود و مطلوب نہیں اور اس لئے اس موقع پر لا حاصل رہتا ہے۔ مقصود و مطلوب تو ایمان اختیاری ہے جس کا دوسرا نام ایمان بالغیب ہے۔ اصطلاح میں ایمان اضطراری و غیر مقصود کا نام ایمان باس ہے۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ۔ ایمان کا لفظ ملحوظ رہے جو شے اس حالت میں غیر مقبول رہتی ہے وہ کفر سے رجعت ہے نہ کہ معصیت سے۔ کافر کا ایمان ایسے وقت میں غیر مقبول و نامستند رہے گا، لیکن مومن عاصی کی توبہ اس وقت بھی انشاء اللہ ضرور قبول ہو جائے گی۔ وهذا الحكم خاص بايمان الباس واما توبة الباس فهي مقبولة نافعة بفضل الله تعالى وكرمه والفرق ظاهر (روح) هُنَالِكَ ہے تو ظرف مکان کے لئے۔ لیکن یہاں وقت کے لئے آیا ہے۔ بطور ظرف زمان۔ مكان مستعار للزمان (مدارک) اسم مكان قد استعير للزمان (روح)

ف۱ (اور ان پیمبر کا اختراع کیا ہوا نہیں ہے) حٰمٓ پر ملاحظہ ہو سورۂ مومن کا حاشیہ نمبر ۱ بر صفحہ ۹۳۷ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ کلام ان تمام ہدایتوں اور احکام پر شامل ہے۔ جن کی مصدر صفات رحمانیت و رحیمیت ہو سکتی ہیں۔ ف۲ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ قرآن کا مخاطب تو سارا عالم انسانی ہے لیکن نفع اس سے بہر حال وہی اٹھاتے ہیں جو علم و فہم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ بَشِيْرًا۔ بشارت دینے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو سن لیں، مان لیں۔ نَذِيْرًا۔ ڈرانے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو نہ سنیں، اس سے انکار کر دیں۔ عَرَبِيًّا۔ عربی کے معنی تو کلام فصیح کے ہیں۔ لیکن اگر زبان عربی کا قرآن اس سے مراد لیا جائے تو اس کی یہ خصوصیت اس کے مخاطبین اول کی رعایت سے ہوگی۔ ف۳ یعنی قرآن کی ان خصوصیات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے لیکن اکثر مخاطبین نے اپنے قصد و اختیار سے اس کی طرف سے روگردانی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان میں سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

ع ۱۴

فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ

اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں، وف۴ آپ کہہ دیجئے میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے سو اسی کی طرف سیدھے باندھے رہو اور اسی سے معافی چاہتے رہو، وف۵ اور بڑی کم بختی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے تو وہ منکر ہی ہیں وف۶ (البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے آپ کہئے کہ ارے تم تو اس (خدا کی توحید) کے منکر ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم شریک ایسے کے ٹھہرا رہے ہو وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے وف۷ اور اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اسی میں اس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے وف۸ پھر

وف۴ یعنی ہم اپنے طریقہ کو نہ چھوڑیں گے۔ ہم سے کوئی امید قبول کی نہ رکھیے۔ پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہے جائیے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام...... مشرکوں کا یہ قول ازراہ فخر و عزم اصرار علی الکفر تھا۔ اسی لئے محل ذم میں نقل ہوا۔ وف۵ یعنی اس کی طرف کی سیدھی راہ، راہ توحید اختیار کرو۔ اور اب تک جو شرک میں مبتلا رہے ہو، اس سے تائب ہو جاؤ۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی بیشک مجھ میں کوئی قدرت تم کو ایمان پر مجبور کر دینے کی نہیں بلحاظ بشریت جیسے تم ویسا ہی میں۔ رسول اور محبوب ترین رسول کے لئے بشریت کا اثبات اور بار بار اثبات، وہ بھی مِثْلُكُمْ کی تاکید کے ساتھ، قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی خصوصیاتِ امتیازی میں سے ہے۔ يُوْحٰٓى...... وَّاحِدٌ۔ یعنی امتیازی حیثیت مجھ میں صرف اتنی ہے کہ میں بشر ہونے کے ساتھ صاحب وحی بھی ہوں...... اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقلاً بھی قابل قبول ہے۔ یعنی توحید۔ وف۶ (اور مشاہدۂ دلائل کے بعد بھی اپنے طریقہ کو نہیں چھوڑتے) الزَّكٰوةَ۔ زکوٰۃ۔ یہاں بطور اصطلاح فقہی نہیں، لفظی معنی میں ہے۔ یعنی نیک راہ میں خرچ کرنا۔ اور یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے آپ کو نجاست شرک سے پاک نہیں کرتے ہیں۔ ای لا یزکون انفسھم من لوث الشرک (کبیر) قیل الزکوۃ بالمعنی اللغوی ای لا یفعلون ما یزکی انفسھم وھو الایمان والطاعۃ (روح) وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ھم کی تکرار اور کافرون پر بالاٰخرۃ کی تقدیم تاکید کلام کے لئے ہے۔ والتقدیم للاھتمام (روح) وف۷ وہ کوئی چھوٹا موٹا دیوتا نہیں، وہ تو سارے عالم وما فی العالم کا واحد خالق و پروردگار ہے! تم ایسے عظیم الشان وجلیل القدر آفریدگار کے باب میں اس کے تفرد کے قائل نہیں، اب اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی حماقت و سفاہت اور کیا ہوگی۔ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ یوم پر حاشیہ فی ستۃ ایام کے تحت میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد یہ ہمارا متعارف ۲۴ گھنٹہ کا دن نہیں جس کا وجود آفرینش کائنات کے بعد ہی ہو سکتا ہے بلکہ مطلق دو مختلف وقت مراد ہیں۔ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ۔ انّ اور ل معنی کفر کی تاکید کے لئے ہیں۔ وف۸ روایت نزول میں آتا ہے کہ خلقت زمین و آسمان کی بابت سوال، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، جواب قرآن کے ذریعہ سے مل رہا ہے۔ رَوَاسِيَ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔ اوپر کی آیت کے يَوْمَيْنِ (دو روز) بھی اس مدت میں شامل ہیں۔ اس سے الگ نہیں۔

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ

اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا پھر اُس سے اور زمین سے کہا

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ

کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی، دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں ف۹ پھر دو روز میں

سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ

سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا ف۱۰

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعہ سے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی، یہ انتظام ہے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

خدائے پُرقوت وپُرعلم کا ف۱۱ تو اگر یہ لوگ (اب بھی) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ

جیسی آفت عاد و ثمود (پر آئی تھی) ف۱۲ جب کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر آئے تھے اُن کے

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا

آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو ف۱۳ وہ بولے

لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اگر ہمارے پروردگار کو یہی منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا تو ہم تو اس (پیام) کے منکر ہیں جسے دے کر تم بھیجے گئے ہو ف۱۴

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ

پھر جو عاد کے لوگ تھے وہ ملک میں ناحق تکبر کرنے لگے اور بولے

اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ

کہ ہم سے کون قوت میں بڑھ کر ہے؟ ان کی نظر اس پر نہ گئی کہ اُن سے قوت میں بڑھ کر اللہ ہے جس نے انہیں

ف۹ یعنی زمین وآسمان کی آفرینش کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ جس درجہ اور کیفیت کا ادراک وشعور تمہیں عطا ہوا ہے اس کے لحاظ سے بتاؤ کہ تم جن احکام تکوینی کے محل بنو گے ان پر راضی بھی رہو گے یا ان سے کراہت رکھو گے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم بسروچشم حاضر ہیں۔ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ یہاں ترکیب میں طائعین و کارھین کے مرادف ہیں یعنی اگرچہ مصدر ہیں لیکن ان کا استعمال موقع حال پر ہوا ہے۔ انتصابها على الحال بمعنى طائعين او مكرهين (کشاف) مصدران وقعا موقع الحال (بیضاوی) دُخَانٌ۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ عربی میں سَمَآء ہر اس چیز کو کہتے جو مثل چھت کے بلند ہو۔ قرآن مجید کو زمین وآسمان کی جغرافی ماہیت سے مطلق بحث نہیں۔ وَهِيَ دُخَانٌ یعنی اس کا مادہ دھوئیں یا بخارات کی شکل کا تھا۔ دُخَانٌ سے یہاں وہ حقیقی دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اسے محض مجازاً دخان کہہ دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دھواں بھی بغیر کسی مادی اور ظاہری سہارے کے چھایا ہوا رہتا ہے۔ ف۱۰ یہ احکام ان آسمانوں کے فرشتوں کو ہے یا جو مخلوق وہاں آباد ہو اس کو۔ ای اوحى الى اهلها باوامره ونواهيه (بیضاوی) فِيْ يَوْمَيْنِ۔ دو روز یہ اور چار روز قبل والے، میزان وہی چھ روز کی ہوئی۔ ف۱۱ (اور اتنے محکم انتظامات بجز اس خدائے واحد، ہمہ توان وہمہ داں کے اور کون کر سکتا ہے؟) وما احسن هذه الخاتمة لان تلك الاعمال لا تمكن الا بقدرة كاملة وعلم محيط (کبیر) الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ الْعَزِيْزِ میں اشارہ ہے کمالِ قدرت کی جانب اور الْعَلِيْمِ میں کمالِ علم کی جانب۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ قریب والے آسمان سے مراد اہلِ زمین سے قریب ترین آسمان ہے۔ یعنی جو زمین سے دکھائی دے رہا ہے۔ حِفْظًا۔ حفاظت سے تاثیرات شیطانی سے حفاظت مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اتنا اہتمام سب سے نچلے آسمان کا ہے تو اس سے اوپر والے آسمانوں کی محفوظیت تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہو گی۔ ف۱۲ یعنی جس طرح وہ قومیں دفعۃً ہلاک کر دی گئی تھیں۔ تم بھی کسی آفت ناگہانی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیئے جاؤ۔ مِثْلَ صٰعِقَةِ۔ یہ تشبیہ یا مثلیت صرف فوری وقوعِ ہلاکت کے لحاظ سے ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا۔ یعنی یہ لوگ اگر اتنے دلائل کے باوجود بھی اقرارِ توحید سے انکار و اعراض کرتے رہیں۔ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ عاد وثمود کے نام قرآن مجید میں ایسے موقع انذار پر بار بار اس لیے آتے ہیں کہ عرب اُن کے حالات سے خوب واقف و مانوس تھے۔ ف۱۳ یعنی وہ ہر طرح کی سعی بلیغ انہیں اسی مسئلۂ توحید کے سمجھانے کی کرتے رہے۔ ای اجتهدوا بهم واتوا بجميع الوجوه (کبیر) والجهتان كناية عن جميع الجهات والمراد باتيانهم من جميع الجهات بذل الوسع في دعوتهم (روح) جَآءَتْهُمْ۔ هم ضمیر جمع ہے حالانکہ ذکر صرف دو کا گزرا ہے۔ عاد وثمود کا۔ لیکن تثنیہ کے موقع پر ضمیر جمع لانا عربی میں عام ہے۔ ففيه اطلاق الجمع على الاثنين وهو شائع (روح) ف۱۴ (اپنے خیال وپندار کے مطابق) ان قدیم منکروں کا جواب وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کی زبانوں پر رہا۔ یعنی اگر خدا کو واقعی ہماری ہدایت منظور تھی تو بجائے آدمیوں کے خود دیوی دیوتا ہی اتر کر کیوں نہ ہمارے پاس آ گئے جو ہم کو شک یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی تو ہم تو تمہارے پیام وپیغام کے قائل نہیں۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ کافروں نے یہ فقرہ پیغمبروں کے خیال کی ترجمانی میں کہا۔ اور قرآن میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ ای على زعمكم (روح)

أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ⑮ فَأَرْسَلْنَا

پیدا کیا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے ف۱۵ ہم نے اُن پر تیز

عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ

آندھی بھیجی ایسے دنوں میں جو (ان کے حق میں) منحوس تھے کہ ہم انہیں (اسی) دنیوی زندگی میں

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ

عذاب رسوائی کا مزہ چکھا دیں اور عذاب آخرت تو رسوا تر

أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ⑯ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ

ہوگا اور انہیں (کوئی) مدد نہ پہنچ سکے گی ف۱۶ اور جو ثمود والے تھے تو ہم نے انہیں راہ ہدایت دکھائی

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ

مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا سو اُن کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے

الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑰ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ

آ پکڑا بسبب اُن کے کرتوتوں کے ف۱۷ اور ہم نے نجات دے دی ان لوگوں کو

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ⑱ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى

جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے اور (یاد دلا یئے انہیں وہ دن) جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کرکے

النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ⑲ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ

لائے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے یہاں تک کہ وہ جب اُس تک پہنچ ہی جائیں گے

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا

تو اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کی جلدیں اُن پر اُن کے اعمال کی

يَعْمَلُونَ ⑳ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا

گواہی دیں گے ف۱۸ اور وہ لوگ اپنی اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دے دی؟ وہ جواب دیں گی

رکوع ۱۰

ف۱۵ یعنی خداوندی نشانات تکوینی اور آیات تشریعی دونوں کا انکار و ابطال کرکے اپنے ہی دھرّے پر قائم رہے۔ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ بندوں کے لیے استکبار تو ہمیشہ ہی ناجائز ہے۔ بغیر الحق کے اضافہ نے یہ بتا دیا کہ ان لوگوں کے پاس استکبار کی کوئی بنیاد خود ان کے معیار سے بھی نہ تھی۔ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ یہ نعرۂ خودی، اپنی قوت کا زعم، اپنے قانون و آئین کی بالادستی، یہ ساری خدا فراموش اور آخرت فراموش متمدن قوموں میں مشترک رہی ہے — یہی نعرۂ خودی آج روس کا بھی ہے، امریکہ کا بھی ہے، اور ان سے دھیمے لہجہ میں برطانیہ کا بھی۔ اور ابھی کل تک کس زور شور کے ساتھ جرمنی، اور اٹلی اور جاپان کا تھا۔ اَوَلَمْ ... قُوَّةً۔ یعنی ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہ آئی کہ بندہ کو تو بہرحال و بہرصورت خدائی قانون کا محکوم و پابند ہو کر رہنا ہے۔ اس کے سوا دنیا میں کوئی صورت باامن و عافیت بسر کرنے کی نہیں۔ ف۱۶ یعنی عذاب آخرت جو کہیں زیادہ سخت اور سارے اہل محشر کی نظر میں ہونے کے باعث کہیں زیادہ رسوا کن بھی ہوگا وہ تو بہرحال ابھی پردۂ غیب میں ہے۔ یہ عذاب ہلاکت جو ہم نے ان پر دنیا میں نازل کیا، اس سے یہ دنیا ہی میں خلقت کی نظر میں حقیر و ذلیل ہو کر رہ گئے کہ قوت و شوکت کے اتنے دعووں کے باوجود اپنے کو بچانے پر ذرا بھی قادر نہ ہو سکے۔ فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ۔ نحس سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ وقت اسی نزول عذاب الٰہی کے باعث ان لوگوں کے حق میں منحوس نکلا۔ عن مالک یعنی شدائد لا خیر فیھا (ابن العربی) ورنہ کسی متعین دن یا مخصوص زمانہ کے "منحوس" ہونے کا عقیدہ تو سرے سے اسلام میں نہیں۔ و لیس ھذا مما یزعمه الناس من خصوصیات الاوقات (روح) یہ تو ان مشرک قوموں کا عقیدہ ہے جو تاثیر و تصرفات کواکب کے قائل ہیں۔ فقیہ ابن العربی ان ضعیف و موضوع روایتوں کا ذکر کرکے جن میں یوم چہار شنبہ کی "نحوست" وارد ہوئی ہے لکھتے ہیں۔ ان ھذا لھو الجھل المبین اور پھر مغازی کی اس روایت کا ذکر کرکے جس میں دوشنبہ سے لے کر چہار شنبہ تک کی فضیلت آئی ہے، لکھتے ہیں۔ فالاثار الصحاح دلیل علی فضل ھذا الیوم و کیف یدعی فیه تقریر النحس باحادیث لا اصل لھا۔ کہ جب مستند آثار سے اس روز کی فضیلت ثابت ہو گئی تو کیسے اسے بے اصل روایتوں کی بنا پر منحوس ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ بعض قوموں نے شمسی مہینوں کے بعض سعد و نحس تاریخوں کا نقشہ تیار کیا ہے۔ مسلمانوں کو جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن کی طرف توجہ کرنا بلکہ اُن پر نظر کرنا ہی جائز نہیں۔ و قد صور قوم ایاما من الاشھر الشمسیة ادعوا فیھا الکرامة لا یحل للمسلم ان ینظر الیھا ولا یشغل بالالیھا واللّٰہ حسیبھم۔ اَیَّامٍ۔ سورۃ الحاقہ میں تصریح ملے گی کہ یہ مدت پورے ایک ہفتہ کی تھی۔ ف۱۷ اس آخری تصریح نے ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عذاب الٰہی جب بھی آتا ہے، بندوں کی اختیاری بدعملی کی پاداش ہی میں آتا ہے — اور اس طرح کے تصریحی فقرے قرآن مجید میں بڑی کثرت سے آئے ہیں۔ فَهَدَیْنٰھُمْ۔ یہ ہدایت ثمود کو اُن کے پیمبروں کے واسطہ سے پہنچی تھی۔ فَهَدَیْنٰھُمْ۔ اَلْھُدٰی۔ اس تصریح نے ایک بار پھر یہ صاف کر دیا کہ ہدایت و ایمان کا رد و قبول بالکل اختیار عبد کی چیز ہے اور اسی پر عذاب یا اجر مرتب ہوتا ہے۔ ف۱۸ یہ منظر اُس وقت کا ہے، جب عرصہ محشر میں ان لوگوں کو دوزخ کے قریب لے آیا جائے گا، اور آگ ہی آگ انہیں ہر طرف نظر آئے گی، حساب کتاب اُس وقت شروع ہو رہا ہوگا۔ مَا جَآءُوْھَا۔ ما زائدہ یعنی تاکید کے لیے ہے۔ ما مزیدة للتاکید (مدارک) فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ دوزخیوں کا جھنڈ بے شمار ہوگا۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر آگے چلنے والوں کو روک دیا جائے گا کہ پیچھے والے بھی برابر آ جائیں۔ ای یحبس اولھم علی اخرھم لیتلاحقوا و ھو کنایة عن کثرتھم (روح)

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ

ہم کو اسی اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اور اسی نے تو تم کو اول بار

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ

پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو ف۱۹ اور تم اس بات سے اپنے کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے

اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ

کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں گواہی دیں

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

لیکن تم تو اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمہاری اکثر باتوں کی خبر ہی نہیں ف۲۰

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے تھے تمہیں برباد کیا اور تم گھاٹے میں

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

پڑ کر رہے ف۲۱ سو اگر یہ لوگ صبر کریں جب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر

يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ

وہ عذر کرنا چاہیں تو ان کی معذرت قبول نہ ہو گی ف۲۲ اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ

قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ

رکھنے والے مقرر کر رکھے تھے، سو انہوں نے ان کے کرتوت اگلے اور پچھلے ان کی نظر میں خوش نما کر رکھے تھے اور ان کے

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

حق میں بھی ان سے قبل گزرے ہوئے جنات اور انسانوں کی قوموں کے ساتھ (اللہ کا)

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ

قول پورا ہو کر رہا بے شک وہ (سب) خسارہ میں رہے ف۲۳ اور کافر کہتے

ف۱۹ آج جو اعضاء خاموش وغیر گویا ہیں، کل گویا ہو کر کتنی سیدھی اور سچی بات کہیں گے کہ تم ہمیں تو خاموش وغیر متکلم سمجھ رہے تھے، یہ بتاؤ کہ زبان جسے تم گویا وناطق سمجھ رہے تھے، خود اس مضغۂ گوشت میں یہ قوت گویائی کہاں سے آ گئی؟ کیا اس نے یہ قدرت از خود حاصل کر لی تھی؟ اس میں بھی یہ قوت ایک قادر مطلق ہی کے حکم ومشیت سے تو آئی۔ اس ایک چیز کے سوا اس میں اور ہم میں کوئی ذرہ بھر فرق بھی تو نہیں۔ تو پھر بعینہ وہی مشیت اس وقت جب ہم سے متعلق ہو گئی تو ہم بھی ٹھیک زبان ہی کی طرح ناطق ہو گئے۔ اس میں حیرت کی بات ہی کیا؟ وَ قَالُوْا...... عَلَيْنَا۔ اہل دوزخ دنگ وحیران رہ کر اپنے ہی اعضاء جسم سے سوال کریں گے کہ ارے یہ تمہیں ہو کیا گیا؟ یہ آج تم بولنے کیسے لگ گئے؟ ہم نے تو یہ جو کچھ کیا دھرا تھا، سب تمہارے ہی واسطے تو کیا تھا؟ ف۲۰ کثرت سے مشرک ”حکماء وفلاسفہ“ نے علم الٰہی کو ناقص سمجھا ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہوتا ہے جزئیات کا نہیں، اور کسی نے کچھ اور۔ بہر حال مشرکین کو صفات کمالیہ الٰہی ہی کے سمجھنے میں شدید ٹھوکر لگی ہے، خصوصاً صفت علم کے باب میں۔ ف۲۱ مشرکانہ عقائد ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان برابر بدکاریوں میں پڑا رہتا ہے اور اس کا پورا انجام حشر میں جا کر ظاہر ہو گا۔ ف۲۲ یعنی اگر یہ تن بتقدیر ہو کر صبر وخاموشی سے کام لیں، اور کوئی عذر ومعذرت نہ پیش کریں، جب بھی ان کے حق میں کوئی رعایت نہ ہو گی، جیسا کہ دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ اور عذر خواہی بھی اگر کرنا چاہیں تو اس دار الجزاء میں بالکل بیکار ثابت ہو گی۔ آخرت تو صرف ظہور نتائج کا محل ہے وہاں اگر دار العمل والے قانون کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے ابلیس ہی نہ اپنی توبہ کے لیے اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتا؟ ف۲۳ ہر بدی، ہر نافرمانی، ہر معصیت، کسی نہ کسی دوست، رفیق ہی کی ترغیب وتشویق کا آخری نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ فِيْٓ اُمَمٍ۔ فِيْ مرادف ہے مع کے (ابو سعود)

ف۲۴ (اور یہ پیغمبر ہار کر، تھک کر چپ ہو جائیں) مکہ کے مشرکوں نے جب دیکھا کہ پیغمبر ﷺ اپنی تبلیغ سے رکتے نہیں اور قرآن برابر دلوں میں گھر کرتا جاتا ہے تو ایک تدبیر یہی سمجھ میں آئی کہ سرے سے قرآن کی آواز ہی کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے، اور قرآن جب رسول ﷺ سنا رہے ہوں تو اتنا غل مچایا جائے کہ اُن کی آواز سن ہی نہ پڑے۔ ف۲۵ یہ گفتگو دوزخ میں ہوگی، جب کافر اپنے کو جتلائے عذاب پائیں گے۔ انتہائی جھنجلاہٹ اور جوشِ غیظ میں یہی چاہیں گے کہ اپنے گمراہ کرنے والوں کو (حالانکہ وہ بھی اسی دوزخ ہی میں کہیں گے) اپنے قریب موجود پائیں اور اپنے پیروں سے روند کر رکھ دیں۔

كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے درمیان میں غل مچا دیا کرو، شاید (اسی طرح)

تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ

تم غالب آ جاؤ ف۲۴ سو ہم (ان) کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

اور جو بُری بُری حرکتیں یہ کرتے رہے ہیں ان کی سزا دے کر رہیں گے یہی سزا ہے

جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ

اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ وہاں ان کے لئے ہمیشگی کا مقام ہوگا اس کی سزا میں

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے اور کافر (اُس وقت) کہیں گے کہ

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ شیطان و انسان دونوں دکھا دیجئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہم انہیں اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں ف۲۵ بے شک جن لوگوں نے

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے ف۲۶ اُن پر فرشتے اتریں گے

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت (کے ملنے) پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

رہا ہے ف۲۷ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ یہ نص اس باب میں صاف و واضح ہے کہ انسان کی گمراہی شیطان (جناتِ خبیث) کی طرف سے بھی آتی ہے اور انسانوں کی طرف سے بھی۔ ف۲۶ یعنی مذہبِ شرک چھوڑ کر دین توحید اختیار کیا اور اسی پر ثابت قدم رہے۔ اس سے ان کا قدم ڈگمگانے نہیں پایا۔ ثم ثبتوا علی الاقرار و لم یرجعوا الی الشرک (روح) معناہ و لم یشرکوا بہ شیئاً و لکن تموا علی التوحید (ابن جریر) عن مجاھد اسلموا ثم لم یشرکوا بہ حتی لحقوا بہ (ابن جریر) عن عکرمۃ استقاموا علی شہادۃ ان لاالٰہ الا اللّٰہ (ابن جریر) صدیق اکبر حضرت ابوبکر سے یہی معنی مروی ہیں۔ ھم الذین لم یشرکوا باللّٰہ شیئا (ابن جریر، عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) لم یرجعوا الی عبادۃ الاوثان (روح عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) آیت سے منافق اور مرتد تو خارج ہو ہی گئے (منافق سے استقامت کیونکر ممکن ہے اور مرتد وہ ہے جو اقرار ایمان پر قائم نہ رہا) باقی اخفاء ایمان کا رد بھی لفظ قَالُوْا سے نکل رہا ہے یعنی کوئی شخص دل سے تو توحید کا قائل ہو مگر اقرار نہ کر رہا ہو، وہ مستحق اس بشارت کا نہیں۔ رَبُّنَا۔ صفتِ ربوبیت کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی کہ مشرکوں کو سب سے زیادہ دھوکا اسی صفتِ ربوبیت میں ہوا ہے۔ کارسازی وہ دوسرے کو جانتے ہیں، ورنہ خالق تو شاید ہی کسی کافر نے بھی غیر اللہ کو سمجھا ہو۔ ضرورت اسی صفتِ ربوبیت پر استقامت کی تاکید کی تھی۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استقامت اپنے اطلاق کے لحاظ سے ہر درجہ و مرتبہ استقامت کو شامل ہے۔ ف۲۷ (پیمبروں، اور صدیقوں کی زبان سے) مومن ناظر کو چاہیے کہ جب اس آیت پُر بشارت پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے قبل ذرا اپنی موت کے وقت کا اس وعدۂ الٰہی کے ساتھ مراقبہ کرلے۔ نزع میں کہ انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے یہ مژدۂ رحمت کس درجہ باعث بشارت و شادمانی ہوگا!— زبان کا کوئی لفظ مسرت و انبساط کی اس انتہائی کیفیت کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں تمیم داری صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے کہ مومن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتہ موت اس کے پاس اس کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر سامان لے کر آتا ہے اور جس طرح بچہ کے نشتر لگنے کے وقت اُسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے اس احتضار والے مومن کو انہیں دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلا شائبہ تکلیف اُس کی روح جسم سے باہر لے آتا ہے اس گھڑی جسم روح کو مبارکباد دیتا ہے اور روح جسم کو، فرشتے اس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا! تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ فرشتے رحمت اور بشارت کے ہوں گے اور ان کا نزول پہلے موت کے وقت ہوگا، پھر قبر میں اور پھر بعثت کے وقت— بلکہ محققین عارفین نے تو ترقی کر کے یہاں تک کہا ہے کہ ملائکہ رحمت کا نزول تو مومنین صادقین پر ہر وقت اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ قال المفسرون یعنی عند الموت و انا اقول فی کل یوم و اٰکد الایام یوم الموت و حین القبر و یوم الفزع الاکبر (ابن العربی) قیل عند الموت و قیل فی مواقف ثلاثۃ عند الموت و فی القبر و عند البعث الی القیامۃ (کبیر) وَلَا تَخَافُوْا۔ کسی عذاب کا اندیشہ نہ کرو، نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ وَلَا تَحْزَنُوْا۔ یعنی دنیا اور یہاں کے مانوسات و مالوفات کی مفارقت پر ذرا غم نہ کرو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے اور ایک وعدہ اس امر کا ہے کہ اُسے کوئی غم و حزن نہ موت کے وقت ہوگا نہ قبر میں نہ حشر میں، بلکہ ان سارے موقعوں پر وہ مطمئن و پرسکون رہے گا۔

وٗ۲۸ نیکی کے فرشتے مومن صالح کے رفیق اس دنیا میں برابر رہا کرتے ہیں، اور ہر وقت اُسے صالحیت کی ترغیب بطریق الہام دیتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی ملاقات و رفاقت کا ذکر تو قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امتحان ظاہری و باطنی کے موقع پر فیض ملائکہ نزول سکینت و برکت کرتا رہتا ہے۔ وٗ۲۹ جنت اور آخرت کی نعمتوں کی کوئی حد اور کوئی شمار ہے الفاظ کا عموم و جامعیت ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کرو گے۔ ہر چیز تمہارے لیے حاضر و مہیا ہوگی۔ اور اس میں ساری ہی مادی و روحانی لذتیں اور حسی و معنوی راحتیں آ گئیں! اور پھر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر، "جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی"۔ خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو۔۔ حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے۔ مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ۔ اس کے اندر وہ ساری لذتیں اور راحتیں آ گئیں! جن کی طلب انسان کے لیے طبعی و اضطراری ہے۔ مَا تَدَّعُوْنَ۔ اس کے تحت میں وہ ساری نعمتیں شامل ہیں جن کی طلب انسان کے لیے عقلی و اختیاری ہے۔ وٗ۳۰ یعنی یہ بے اندازہ و بے حساب نعمتیں ملیں گی بھی تو اس طرح نہیں جیسے سائل یا گداگر کو بھیک مل جاتی ہے، بلکہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ملیں گی جیسے معزز مہمان کو میزبان کی طرف سے پیش ہوتی رہتی ہیں اور میزبان کون ہوگا؟ خود حق تعالیٰ، صفات مغفرت و رحمت سے خاص طور پر متصف! وٗ۳۱ ابھی ذکر حسن مآل کا تھا۔ اب ذکر حسن عمل کا ہے۔ مِمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ضرورت خود بھی حسن عمل کی ہے بلکہ اس قید نے

اَلْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا

رہیں گے وٗ۲۸ اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے واسطے موجود ہے

مَا تَدَّعُوْنَ ؕ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ع وَمَنْ

جو کچھ بھی تم مانگو وٗ۲۹ (یہ) بطور مہمانی کے (غذائے) غفور و رحیم کی طرف سے وٗ۳۰ اور اس سے

اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ

اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا

میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں وٗ۳۱ اور نیکی اور بدی برابر

السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ

نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہوگا کہ جس

وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا

شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے وٗ۳۲

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں اور یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے وٗ۳۳

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ

وہی (سب) سننے والا ہے (سب) جاننے والا ہے وٗ۳۴ اور اس کی نشانیوں میں رات ہے اور دن ہے

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور سورج ہے اور چاند ہے وٗ۳۵ (پس) تم لوگ نہ سورج کو پوجو اور نہ چاند کو

یہ اشارہ کر دیا کہ عالم بے عمل اور واعظ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔ المراد ان یتبع القول العمل (ابن العربی) قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی بندگی پر فخر کرے، اس میں کوئی عار نہ سمجھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عَمِلَ صَالِحًا کی قید سے معلوم ہوا کہ شیخ کو خود بھی عامل ہونا چاہیے ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر لفظ سے بعض علماء نے اشارہ اذان کی جانب سمجھا ہے۔ اور استدلال اسی سے مؤذن اذان کی فضیلت پر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اذان کی افضلیت اپنی جگہ بالکل مسلم، بلکہ حدیث میں مؤذن کے لیے یہ بشارت آ چکی ہے کہ اللہ نے اس کا گوشت آگ پر حرام کر دیا ہے۔ لیکن یہاں مفہوم عام ہے۔ اور ہر داعی الی اللہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے خواہ وہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد، مدرس ہو یا واعظ، شیخ طریقت ہو یا دینی کتابوں کا مصنف۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ خلوت و اعتزال و سکوت زاہدانہ سے امر بالمعروف اولیٰ و اشرف ہے۔ وَمَنْ ۔۔۔۔ اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے۔ فیہ بیان ان ذالک احسن قول (جصاص) اور پھر اس فرع پر فرع یہ مرتب کیا ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے، ورنہ اگر یہ فرض نہ ہو بلکہ صرف نفل ہو تو نفل کا فرض سے بہتر ہونا لازم آتا ہے۔ و دل بذالک علی لزوم فرض الدعاء الی اللہ و اذ لا جائز ان یکون النفل احسن من الفرض (جصاص) وٗ۳۲ (بلکہ کبھی تو جانی دشمن واقعۃً دلی دوست و خادم بن جاتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے اس تعامل مسلسل کے بعد ابو سفیان جیسے شدید دشمن بالکل حلقہ بگوش ہو گئے) وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ۔ دونوں یکساں نہیں، بلکہ ہر ایک کا اثر جداگانہ ہوتا ہے۔ بدی کی مکافات بدی سے کرنے میں عداوت بڑھتی ہے اور نیکی سے کرنے میں (بشرط سلامت طبع) عداوت گھٹتی ہے۔ وَلَا السَّيِّئَةُ میں لا زائدہ تاکید نفی کے لیے ہے۔ لا الثانیۃ مزیدۃ لتاکید النفی (روح) كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ كَاَنَّهٗ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ لازمی نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن ہی جائے، البتہ مشابہ دوست کے ضرور ہو جائے گا۔۔ مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفہ شانتی اور اہنسا کا چلایا ہے، عجب نہیں، جو اس کا ماخذ اصلی یہی آیات قرآنی ہوں۔ وٗ۳۳ یعنی اس دفاع احسن کی، بدی کی مکافات بھلائی سے کرنے کی توفیق ہر کس و ناکس کو نہیں حاصل ہو جاتی۔ یہ تو صرف خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتی ہے یعنی ان کے حصہ میں جو اپنے کو صبر کا خوگر بنا چکے ہوتے ہیں۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ ۔۔۔۔۔ صَبَرُوْا۔ اس میں ذکر ان نیک بندوں کے اخلاق و عادات کا ہے۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ یہ خوش نصیبی ان کے مرتبہ و اجر و ثواب کے لحاظ سے بیان کی گئی ہے۔ وٗ۳۴ (جس سے نہ کسی کے الفاظ و اقوال مخفی ہیں نہ کسی کے اعمال و احوال) وَاِمَّا ۔۔ نَزْغٌ۔ نزغ یا وسوسہ سے یہاں مراد غصہ و انتقام کا وسوسہ ہے۔ معاندین کی مخالفت شدید و پیہم کے وقت اس کا پیدا ہو جانا ایک حد تک امر طبعی ہے۔ تاہم پیمبر کے مرتبہ سے فروتر چیز ہے، اس لیے قرآن نے ہر امر مذموم و معیوب کی طرح اسے بھی شیطان کی جانب منسوب کیا ہے۔ محققین عارفین نے مفہوم میں توسع پیدا کر کے اور مخاطب میں مراد ساری امت کو لے کر دوسرے شیطانی تاثرات و تصرفات مثلاً حسد، ریا، کبر، کینہ، کذب وغیرہ کی تحریکات کو اسی حکم کے تحت میں لے لیا ہے۔ ابھی ابھی حکم صبر کا ملا تھا، صبر ہی اساس اخلاق ہے، اور سعادت اُخروی و بہبود دنیوی کی اصل۔ اس آیت سے مقصود اسی کے حفظ و بقا کی تاکید ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے پناہ مانگنے اور پناہ خداوندی میں آ جانے کا حکم اس لیے کہ بشر بلا امداد الٰہی شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ حکم سے یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ بندۂ مومن کو غافل و بے فکر کسی وقت بھی نہ ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے مستنبط ہوتے ہیں ایک اصلاح اخلاق کی ضرورت، دوسرے اس کے لیے مجاہدہ کا شرط ہونا۔ تیسرے یہ کہ وسوسہ شیطانی کا امکان کاملین کے لیے بھی ہے اور وہ التجا الی اللہ میں مانع نہیں۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وہ آپ کا استعاذہ بھی سن رہا ہے اور آپ کی نیت و صالحیت سے بھی خوب واقف ہے۔ آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ نزغ یا غصہ کے وقت استعاذہ مستحب ہے۔ و فسر عبدالرحمن بن زید النزغ بالغضب و استدل بالآیۃ علی

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

بلکہ صرف اللہ ہی کو پوجو جس نے ان سب کو پیدا کیا اگر تم واقعی اُس کے پرستار ہو ف۳۶

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ

پھر اگر یہ لوگ اکڑے رہیں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں وہ رات اور دن اُسی کی تسبیح

وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْــٴَـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی

کرتے رہتے ہیں اور (وہ اس سے ذرا) نہیں اکتاتے ف۳۷ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو

الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ

دیکھتا ہے دبی دبائی پڑی ہے لیکن جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ اُبھرتی اور پھولتی

وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ

ہے تو وہی جس نے اس (زمین) کو جلا اٹھایا وہی مُردوں کو بھی جلا کھڑا کرے گا، بے شک وہی ہر چیز پر

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ

قادر ہے ف۳۸ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی

عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ

نہیں ہیں سو بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے

الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾

ساتھ آئے ف۳۹ (خیر) جو جی چاہے کر لو وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے ف۴۰

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

جو لوگ اس (کتاب) نصیحت کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ گئی سو وہ بڑی معزز

عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ

کتاب ہے اس میں باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے

استحباب الاستعاذة عندهٗ (روح) ف۳۵ (نہ یہ کہ یہ کوئی مستقل دیوی دیوتا ہیں) آیت میں زد آ گیا، تمام ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست جاہل قوموں کا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ رات ہو یا دن، سورج ہو یا چاند، یہ تو سب حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی علامتیں اور نشانیاں ہیں اور اُس کی توحید و عظمت، حکمت و صناعی پر مستقل دلائل و شواہد، انہیں خود معبود سمجھ لینا کس درجہ کی حماقت و سفاہت ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ ف۳۶ اہل شرک پر حجت قائم کی ہے کہ اگر تم توحید کے مدعی ہو، اور ایک خدا کے ماننے والے ہو تو یہ آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، اِس دیوتا کی پرستش اور اُس دیوی کی پوجا کے کیا معنی؟ تم کو چاہیے کہ سارے دیوی دیوتاؤں سے منہ موڑ کر صرف اُن کے خالق یعنی حق تعالیٰ ہی سے اپنا تعلق جوڑے رکھو۔ لَا تَسْجُدُوْا …… اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں اسلامی نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں۔ عام عبادت و پرستش مقصود ہے۔ جیسا کہ اس کے قبل بھی کئی بار ذکر آ چکا ہے۔ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی، دنیا میں شرک کے یہ دو مظہر سب سے بڑھ کر رہے ہیں۔ اس لیے تصریح کے ساتھ نام انہیں دونوں کا ارشاد ہوا ہے۔ ف۳۷ مسلک توحید و ایمان اختیار کرنے میں بہرحال اپنے طریق آبائی کو چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا تھا، اور یہ بہت سے طبائع کو گراں گزرتا تھا۔ یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔ فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ۔ فرشتوں کا ذکر فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا کے مقابلہ میں لانے سے اس طرف بھی اشارہ منظور ہے کہ ملائکہ مقربین مرتبہ و منزلت میں ان اشخاص سے ہزار ہا ہزار درجہ زائد ہیں۔ ف۳۸ بعث و حشر کے امکان پر، اس امکان کے منکروں کو، اس قریب کی اور روزمرہ پیش آنے والی نظیر سے توجہ دلائی ہے۔ ف۳۹ (ظاہر ہے کہ ہرگز وہ دوزخی بہتر نہیں) اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا۔ منکروں اور مکذبوں سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن علماء محققین نے لکھا ہے کہ وعید ان باطل فرقوں پر بھی شامل ہے، جو آیات قرآنی کے معنی گڑھ گڑھ کر اور مسخ کر کر کے ایسے بیان کرتے ہیں جو حدود تاویل سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔ متکلمین و اصولیین اہل سنت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ہر نص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوگی، تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ مل جائے۔ لغت، زبان، قواعد نحوی سے الگ ہو کر ایسے معنی گڑھنا جس سے احکام شریعت ہی باطل ہو جائیں، باطنیہ و زنادقہ کا شیوہ رہا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کے تحت میں وہ غالی صوفیہ بھی آ جاتے ہیں جو منقول اور ماثور تفسیروں سے انکار کر کے اپنی اختراعی تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اٰمِنًا …… الْقِیٰمَةِ۔ قیامت کے روز امن و امان میں رہنے والا وہی ہوگا جو دنیا میں صاحب ایمان تھا۔ ف۴۰ (جو آخرت میں جو دار الجزاء ہے، پوری سزا دے گا۔ اور یہاں دار العمل میں اس نے آزادئ عمل دے رکھی ہے)۔

ف۴۱ (اور مصنف ہی جلّ وعلا کا پرتو تصنیف شریف میں بھی نظر آرہا ہے) لَا...... خَلْفِهٖ۔ اس کتاب آسمانی میں کسی پہلو اور کسی جہت سے بھی تحریف وتلبیس کا امکان نہیں۔ بعض علماء راسخین نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اس طرح قرآن سے تمسک کرنے والے بھی باطل سے محفوظ رہتے ہیں۔ ف۴۲ یعنی جس طرح ان کی تکذیب کی گئی اور انہیں اذیت پہنچائی گئی، وہی سب آپ کے لئے بھی پیش آرہا ہے تو جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ ف۴۳ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اصل صفت تو غفوریت ہی کی ہے، لیکن اگر مشرکین ومکذبین عناد سے باز آکر مستحق مغفرت نہ ہوگئے تو

خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا

ہے (یہ کلام) نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت وبہ حمد کی طرف سے ف۴۱ آپ کے لئے تو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو

قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ

آپ سے قبل رسولوں کے لئے کہی جا چکی ہیں ف۴۲ بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے

وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ

اور دردناک سزا دینے والا ہے ف۴۳ اور اگر ہم اسے قرآن عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف

لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ

کیوں نہیں بیان کی گئیں یہ کیا کہ عجمی (کتاب) اور عربی (رسول) ف۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں

اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کے لئے ہدایت و شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں

وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ

ڈاٹ ہے اور وہ (قرآن) اُن کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ وہ ہیں جو کسی بڑی دور جگہ سے پکارے

بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ

جا رہے ہیں ف۴۵ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی اُس میں بھی اختلاف پڑا بس اگر

لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے، تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ

اُس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے انہیں تردد میں ڈال رکھا ہے ف۴٦ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴٦﴾

لئے کرتا ہے اور جو کوئی برا عمل کرتا ہے اُس کا بھی وبال اُس پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا (ہرگز) نہیں ف۴۷

پھر سزا بھی ان کے لئے شدید دردناک رکھی ہوئی ہے۔ ف۴۴ بعض معاند منکروں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں ہے۔ کچھ عجمی میں بھی ہوتا تو البتہ ہم یقین کر لیتے کہ یہ نبی عربی ہیں، عجمی زبان پر انہیں قدرت نہیں۔ لامحالہ یہ وحی غیبی ہے۔ یہاں اسی اعتراض کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ معاند ایمان تو جب بھی ہرگز نہ لاتے اور اس وقت یہ کہنے لگتے کہ سارا قرآن عربی ہی کیوں نہیں یہ کیسی بے جوڑ بات ہے کہ رسول خود تو عرب ہوں، اور پیام وکلام لے کر آئیں عجم کی زبان میں! فقہاء محققین نے اسی آیت سے استنباط کیا ہے کہ قرآن کا اطلاق عجمی قرآن پر بھی جائز ہے اور اختلاف لسان کی بنا پر قرآن غیر قرآن نہیں ہو جاتا، بلکہ ترجمہ قرآن پر بھی قرآن ہی کا اطلاق رہتا ہے۔ وهذا يدل على ان نقله الى لغة العجم لايخرجه ذلك من ان يكون قرانا (جصاص) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز بھی بجائے قرآن کے ترجمہ قرآن پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔ لان المامور به قراءة القرآن وهو اسم للمنزل باللفظ العربي المنظوم بهذا النظم الخاص المكتوب في المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا (درالمختار) ف۴۵ (کہ محض آواز سن رہے ہیں اور سمجھتے بوجھتے خاک نہیں) هُدًى۔ راہنما عمل صالح کی طرف۔ شِفَآءٌ۔ باعث شفاء امراض باطنی ہے۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ۔ کانوں میں ڈاٹ یوں کہ یہ منکرین ومعاندین اس آواز حق کو باوجود اس کے بضوح کے انصاف کے کانوں سے سنتے ہی نہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى۔ چنانچہ معاندین کی یہ ارادی نابینائی ان کے حق میں اور زیادہ موجب ضلالت بنتی جاتی ہے۔

ع ۱۲ / ۱۹

ف۴٦ (اور چونکہ یہ یقین وایمان سے محروم ہیں، اس لئے قدرۃً سکون و اطمینان کی دولت سے بھی محروم ہیں) وَلَقَدْ...... فِيْهِ۔ چنانچہ اسی توریت ہی کی طرح آج قرآن کے بارہ میں بھی لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اور بہت سے اشرار اسے کلام الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں — مقصود رسول کو تسکین دینی ہے کہ خلقت کی یہ عادتِ انکار تو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ لَوْ لَا...... رَبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی ہے کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ وہ فیصلہ یہی کہ منکرین پر عذاب اسی دنیا میں آگیا ہوتا۔ ف۴۷ (کہ کسی کی کی ہوئی نیکی کو شمار سے چھوڑ دے اور یا کسی کی نہ کی ہوئی بدی کو لکھ لے) وَمَا...... لِلْعَبِيْدِ۔ آیت کے اس ٹکڑے میں تردید آگئی ان مشرک جاہلی قوموں کے عقیدہ کی جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کی جانب ظلم وجبر، شقاوت وسفاکی کی صفات منسوب کرنا ذرا بھی ان کی الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے۔ مَنْ عَمِلَ...... فَعَلَيْهَا۔ اسلام کی ایک بنیادی حقیقت یعنی شخصی ذمہ داری کا ایک بار پھر اعادہ واثبات کر دیا گیا۔ اور اس جہل کی ایک بار پھر اصلاح کر دی گئی کہ مقبولین سے محض نسبی نسبت رکھنا کافی ہے — بحمد اللہ! آج یکشنبہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳٦٦ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو اس چوبیسویں پارہ کی تفسیر کی نظرثانی سے فراغت ہوئی۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ

اُسی (اللہ) کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جا سکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے

اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ

نہیں نکلتا، اور نہ کوئی عورت حمل سے رہتی ہے اور نہ (بچہ) جنتی ہے بغیر اس کی اطلاع کے ف۴۸

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ

اور جس روز (اللہ) ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ (اب) میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تو آپ سے یہی عرض

شَهِيْدٍ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ

کریں گے کہ ہم میں سے کوئی (اس کا) مدعی نہیں، ف۴۹ اور جن جن کی یہ لوگ پہلے پوجا کیا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ

جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اب کوئی صورت بچاؤ کی نہیں ف۵۰ انسان کا ترقی کی آرزو سے جی

دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـــُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝ وَلَىِٕنْ

نہیں بھرتا اور اگر اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو مایوس و ہراسان ہو جاتا ہے ف۵۱ اور اگر

اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

ہم اپنی طرف سے اسے مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں بعد کسی تکلیف کے جو اسے واقع ہوئی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے

هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ

کہ یہ تو میرے لیے ہونی ہی تھی اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا، اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ

پہنچایا بھی گیا تو میرے لیے تو اس کے پاس بھی ضرور ہی بہتری ہی ہے ف۵۲ سو ہم کافروں کو ان کے کرتوت

كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

ضرور بتا دیں گے اور انہیں عذاب سخت کا بھی مزہ چکھا کر رہیں گے

ف۴۸ حق تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات ہو رہا ہے کہ اس کا علم کامل اور ہر ہر جزئیہ کو محیط ہے اور وہی وقت قیامت کا علم رکھتا ہے۔ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ یہ منکرین کے اس تعریضی سوال کے جواب میں ہے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔ ف۴۹ (اور اپنی غلطی کے بالکل معترف ہیں) اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ۔ یعنی جنہیں تم اپنے زعم و پندار میں ہمارا شریک و ہمسر سمجھا کرتے تھے۔ انہیں بلاؤ، وہ اب آکر بچا لیں — شرکاء کی اپنی جانب نسبت و اضافت میں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدہ پر تعریض کی ہے۔ اضافهم الی نفسه علی زعمهم و فيه تهكم و تقريع (مدارک) مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ۔ یعنی آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں کہ تیرا کوئی بھی شریک ہے۔ ای ماِمنا احد اليوم يشهد بان لك شريكا (مدارک) ف۵۰ (اس لئے اب کسی اور سے آس لگانا حماقت محض ہے) وَظَنُّوْا۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، یقین کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد موقعوں پر ہے۔ ای ايقنوا كما قال السدی وغيره لانه لا احتمال لغيره هنا والظن يكون بمعنى العلم كثيرًا (روح) ای ايقنوا وعلموا (قرطبی) وهذا بمعنى اليقين (ابن کثیر) ف۵۱ مومن کو اپنی ہر تکوینی اور غیر اختیاری مصیبت پر توقع اجر کی تو کم رہتی اور بھروسہ کسی نہ کسی درجہ میں خدا پر رہتا ہے۔ منکر تو حید و منکر آخرت سکینت قلب کی اسی دولت سے، زخم کے اسی ٹھنڈے مرہم سے محروم، حسرت و یاس کے ساتھ اپنے کو لوٹنے پوٹنے پر مضطر پاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ۔ ذکر یہاں کافر، ناشکرے انسان اور اس کے کمال حرص کا ہو رہا ہے۔ قال السدی والانسان ههنا يراد به الكافر (قرطبی) الكافر (معالم) اَلْخَيْرِ۔ خیر سے یہاں مراد دنیوی و مادی ہی ترقیاں ہیں۔ والخير هنا المال والصحة والسلطان والعز (قرطبی) وهو المال وصحة الجسم وغير ذالك (ابن کثیر) ف۵۲ یعنی اول تو میں اس کا قائل نہیں کہ کوئی روز جزا بھی آتا ہے اور اگر بالفرض آئے بھی تو میں جس طرح یہاں خوش اقبال ہوں، وہاں بھی خوش اقبال ہی میری رفیق رہے گی۔ هٰذَا لِيْ۔ یعنی میری تدبیر و قابلیت مقتضی ہی اسی کی تھی۔ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ۔ غرض یہ کہ خوشحالی میں بھی سرکش و باغی، خدا فراموش و آخرت فراموش انسان اپنے مالک و مولیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ہی ذات پر گھوم پھر کر رہتا ہے۔ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى۔ اِنَّ خود کلمۂ تاکید ہے۔ پھر لی کی تقدیم نے اس تاکید کو مضاعف کر دیا ہے، پھر لَلْحُسْنٰى میں لِ الگ تاکید کا۔ اس دوہری تاکید کی رعایت سے ترجمہ میں ''ضرور ہی'' بڑھا دیا گیا ہے۔

ف۵۳ یہ دعائیں زوال نعمت پر محض جزع وفزع کی راہ سے ہوتی ہیں نہ کہ منعم حقیقی کی طرف توجہ ورجوع کے طور پر۔ الْاِنْسَانِ ۔ ذکر اس کافر ناشکرے انسان کا چل رہا ہے۔ یرید الکافر (قرطبی) فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۔ عَرِیْضٍ کا لفظ کثیر کے معنی میں محاورۂ عرب میں عام ہے العرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرۃ (قرطبی) والعرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرۃ یقال اطال فلان الکلام والدعاء واعرض ای اکثر (معالم) ف۵۴ مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی اتنی اندرونی اور بیرونی شہادتوں کے ہوتے ہوئے کم از کم درجۂ احتمال میں تو اسے خدائی کلام سمجھو اور پھر اس احتمال ہی کی بنیاد پر سوچو کہ اگر قرآن کا برحق ہونا ہی نکل آیا تو تم ضلالت کے کس درجۂ شدید میں اپنے کو پاؤ گے؟ ف۵۵ یعنی غالب حق کی ان مادی علامتوں کو دیکھ کر یہ ایک حد تک اضطراراً اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ نہ صرف علاقۂ حجاز بلکہ سارا ملک عرب اور اس کے اطراف ونواح اسلام کے مسخر ہوئے اور بڑے بڑے رؤساء وسرداران ریاست مکہ مرکب کر رہے۔ الْاٰفَاقِ ۔ اس کا ترجمہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ان کے گرد ونواح" سے کیا ہے اور حاشیہ یہ دیا ہے۔ اشارۃ الی ان الالف واللام عن المضاف الیہ وھو من المواھب۔ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۔ آیات الٰہی آفاقی اور آیات الٰہی انفسی ان دونوں سے کیا مراد ہے؟ عجب نہیں کہ آیات آفاقی سے مراد وہ واقعات ودلائل خارجی ہوں جو ہر فطرت سلیم کو توحید وحکمت الٰہی کی طرف لاتے ہیں، اور اس کے تحت میں طبیعیات عنصریت، فلکیات کی قسم کے سارے علوم وفنون آجاتے ہیں۔ اور آیات انفسی سے اشارہ نفس بشری کے اسرار وعجائبات کی جانب ہو، اور اس میں نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات کی ساری شاخیں آجاتی ہیں.... خارجی وداخلی دونوں قسم کے علم وفن اگر صحیح طور پر مطالعہ کئے جائیں، تو دلائل حکمت وصنعت باری تعالیٰ کا کام دے سکتے ہیں۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے متعدد مفسرین کرام کی کہ اپنے اپنے رنگ میں اسی طرف اشارہ کر گئے ہیں۔ وقال عطاء وابن زید فی الاٰفاق یعنی اقطار السموات والارض من الشمس والقمر والنجوم واللیل والنھار والریاح والامطار والرعد والبرق والصواعق والنبات والاشجار، والجبال والبحار وغیرھا.... وفی انفسھم من لطیف الصنعۃ وبدیع الحکمۃ حتی سبیل الغائط والبول۔ وبدیع صنعۃ اللہ وحکمتہ فی عینیہ..... وفی اذنیہ (قرطبی) ویحتمل ان یکون المراد من ذٰلک ما الانسان مرکب منہ وفیہ وعلیہ من المواد والاخلاط والھیآت العجیبۃ کما ھو مبسوط فی علم التشریح الدال علی حکمۃ الصانع تبارک وتعالیٰ وکذٰلک ما ھو مجبول علیہ من الاخلاق المتباینۃ من حسن وقبح وغیر ذٰلک وما ھو متصرف فیہ (ابن کثیر) وقال عطاء وابن زید فی افاق السماء واراد ان الاٰیات فی فنی الشمس وغیر ذٰلک وفی انفسھم عبرۃ الانسان بجسمہ وحواسہ وغریب خلقتہ وتدریجہ فی البطن ونحو ذٰلک (بحر) ف۵۶ (اور وہ آپ کی سعی وکاوش واہتمام تبلیغ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اور ان منکروں کی ہٹ اور انکار کو بھی) اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ ۔ یعنی آپ کی تسکین وتسلی کے لئے یہ امر کافی ہونا چاہیے۔ اَنَّهٗ

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا

اور ہم جب انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب

مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ

اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے ف۵۳ آپ کہئے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن)

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ

اللہ کے ہاں سے آیا ہوا ہو اور پھر تم اس سے انکار کر رہے ہو تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو (ایسی)

شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ

دور دراز مخالفت میں پڑا ہو ف۵۴ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں (اس) دنیا میں دکھا دیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی،

حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

یہاں تک کہ ان پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے ف۵۵ کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ

ہر (چھوٹی بڑی) چیز کا شاہد ہے ف۵۶ یاد رکھو یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو جانے کی طرف سے

لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے ف۵۷

آیاتها ۵۳ | ۴۲ سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّیَّةٌ ۶۲ | رکوعاتها ۵

اس کی ترپن آیتیں ہیں | سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی | اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ یُوْحِیْۤ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ

حا۔میم۔ عین۔سین۔قاف۔ اسی طرح اللہ غالب والا، حکمت والا آپ کی طرف اور ان

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۔ آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت ہمہ بینی میں کلام کیا ہے۔ ف۵۷ (تو کاش ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی ان صفات ہمہ بینی وہمہ دانی کا استحضار ہوتا!) اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ حق کی طلب وجستجو ان میں اس لئے نہیں کہ خود آخرت ہی کا اعتقاد انہیں نہیں اور طبیعت میں تحقیق وجستجو کی طرف سے تساہل وبے رغبتی تو آخرت کی اسی بے یقینی نے پیدا کر دی ہے۔ اِنَّهٗ .... مُّحِیْطٌ ۔ آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت ہمہ دانی وہمہ توانی میں کلام کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

رہا ہے آپ پر اور آپ سے قبل والوں پر ف۱ اسی (اللہ) کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٤﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

میں ہے اور زمین میں ہے اور وہی برتر ہے، عظیم الشان ہے ف۲ کچھ بعید نہیں کہ آسمان

يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں ف۳ اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے رہتے ہیں

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

اور اہل زمین کے لئے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں ف۴ یاد رکھو اللہ ہی بڑا مغفرت کرنے والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ

بڑا رحیم ہے ف۵ اور جن لوگوں نے اس کے سوا (دوسرے) کارساز (خدا) ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ انہیں دیکھ بھال

عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

رہا ہے اور آپ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں ف۶ اور آپ پر اسی طرح یہ قرآن

اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ

عربی میں وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان کو جو اس کے آس پاس رہتے ہیں ڈرائیں اور جمع ہونے کے

يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں ف۸ ایک گروہ جنت میں (داخل) اور ایک گروہ

السَّعِيْرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

دوزخ میں اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ

جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہے اسی کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار

ف۱ (اصول دین کی تحقیق وتعیین کے لئے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ سورت نازل کی۔ اسی طرح اس نے دوسری سورتوں اور آیتوں کی وحی آپ پر کی ہے۔ اے مثل ذلک الوحی (کشاف) اے یوحی مثل ما فی ھذہ السورۃ من المعانی (روح) حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ حضرت ابن عباسؓ کی جانب یہ قول منسوب ہوا ہے کہ حٰمٓ ایک اسم الٰہی ہے اور عٓ سے اشارہ عذاب بدر کی جانب ہے اور سٓ سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ اب رہا قٓ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی کی جانب یہ قول منسوب ہے کہ اس سے صور قیامت مراد ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک تو یہ دونوں روایتیں ثابت شدہ ہیں نہ اور کوئی روایت۔ ذکر المفسرون فی حٰمٓ عٓسٓقٓ اقوالاً مضطربا لا یصح منھا شیء (بحر) والذی یغلب علی الظن عدم ثبوت شیء من المرویات (روح) ف۲ تو اس کا اور کسی مخلوق کا مقابلہ ہی کیا؟.... برتری اور عظمت صرف اسی کا حق ہے۔ دنیا جہان کی بڑی بڑی اونچی ہستیاں اس کے آگے بساط ہی کیا رکھتی ہیں۔ آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کی عظمت کا اثبات ہے اور اس سے مشرکین جاہلیین کے عقائد کا ابطال بالکل ظاہر ہے۔ السَّمٰوٰتِ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے تحت میں پھر ایک بار یاد دلا دیا ہے کہ انسان سے اوپر کی طرف جو کچھ بھی واقع ہے سب پر اطلاق سماء ہی کا ہوتا ہے۔ کلما سماک فھو سماء (کبیر) الْعَلِيُّ حق تعالیٰ کی بلندی جہت ومکان کے لحاظ سے تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ مراد یہ ہے کہ وہ ذات پاک ممکنات ومخلوقات کی مشابہت سے بالاتر ہے۔ لا یجوز ان یکون المراد بکونہ علیا العلو فی الجھۃ والمکان لما ثبت الدلالۃ علی فسادہ (کبیر) وجب ان یکون المراد من العلی المتعالی من مشابھۃ الممکنات ومناسبۃ المحدثات (کبیر) الْعَظِيْمُ۔ حق تعالیٰ کی عظمت بلحاظ جسم وجثہ تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ عظمت بلحاظ قدرت وکمالات مراد ہوگی۔ لا یجوز ان یکون المراد من العظیم العظمۃ بالجثۃ وکبر الجسم (کبیر) وجب ان یکون المراد من العظیم العظمۃ بالقدرۃ القھر بالاستعلاء وکمال الالٰھیۃ (کبیر) ف۳ (ہیبت حق سے، یا کثرت ملائکہ کے ثقل سے) مفسرین نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں:۔ اے یتشققن من عظمۃ اللہ تعالیٰ (روح۔ عن قتادہ) یتفطرن من الثقل (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) پیرایۂ بیان دونوں صورتوں میں دنیا والوں کی سمجھ کے لائق اختیار کیا گیا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِنَّ۔ عربی اسلوب بلاغت کے مطابق یہ زور بیان اور تاکید معنی کے لئے لایا گیا، ورنہ عام قاعدہ کے لحاظ سے تو من تحتھن ہوتا۔ ہو لغ فی ذلک فجعلت موثرۃ فی جھۃ الفوق کانہ قیل یکون یتفطرن من الجھۃ التی فوقھن دع الجھۃ التی تحتھن (کشاف) ف۴ (اور نظام عالم انہیں معصوموں کی دعاء واستغفار سے تھما ہوا ہے) لِمَنْ فِي الْاَرْضِ کے عموم میں مومن وکافر دونوں داخل ہیں۔ مومنوں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز کرے۔ کافروں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کے دل میں توفیق ایمان ڈال دے۔ اما فی حق الکفار فھو اسطۃ طلب الایمان لھم واما فی حق المؤمنین فالتجاوز عن سیئاتھم (کبیر) وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ ملائکہ کوئی خود مختارانہ یا معبودانہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ تو خود ہی دوسرے بندوں کی طرح اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح میں لگے رہتے ہیں۔ ف۵ یعنی مغفرت ورحمت صرف اسی کے اختیار کی چیز ہے۔ فرشتوں کے بس کی نہیں۔ فرشتے تو صرف طلب مغفرت ودعائے مغفرت (استغفار) کر سکتے ہیں۔ ف۶ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ معاملات تکوینی میں قادر ومتصرف صرف ذات حق تعالیٰ ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ صرف پیام واحکام کی تبلیغ وتلقین ہے۔ کسی کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری ان کے اوپر ذرا سی بھی نہیں۔ اللہ خود ہی وقت مناسب پر سب سے نپٹ لے گا۔ ف۷ اُمَّ الْقُرٰى۔ اُمّ۔ عربی میں ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیزوں کا مبداء، مرکز ومصدر ہو۔ والعرب تسمی اصل کل شیء امہ (کبیر) یقال لکل ما کان اصلا لوجود شیء اوتربیتہ او اصلاحہ او مبدئہ (راغب) تو ام القری کے لفظی معنی بستیوں کی ماں یا آبادیوں کے مرکز کے ہوئے۔ مراد شہر مکہ سے ہے قیل لمکۃ ام القری وذلک لماروی ان الدنیا دحیت من تحتھا (راغب) وھی مکۃ وسمیت بھذا الاسم اجلالا لھا (کبیر) لفظ سورۃ الانعام پ ۷ میں قریب ختم پارہ کے آیا ہے۔ وہاں کا حاشیہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ صرف آس پاس ہی کی بستیاں اور آبادیاں مراد نہیں، بلکہ سارا عالم مراد ہے۔ مرکز سے قطع نزدیک ہو یا دور۔ بہرحال اس مرکز ہی سے اس کا تعلق قائم رہے گا۔ اے الارض کلھا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الی المشرق والمغرب (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دخل فیہ سائر البلدان والقری (کبیر) كَذٰلِكَ۔ اس اسم اشارہ کا مشار الیہ آیت ماقبل کا مفہوم ہے۔ ذلک اشارۃ الی معنی الاٰیۃ قبلھا من ان اللہ تعالیٰ ھو الرقیب علیھم وما انت برقیب علیھم ولکن نذیرا لھم (کشاف) ف۸ یعنی قیامت کے دن سے روز حشر یا یوم احتساب کا ذکر اور اصلاح عقائد واخلاق میں فطرت بشری کے لیے خاص طور پر مؤثر ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ صفت یوم الجمع کی ہے۔

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ

کے گا نہ مددگار ف۹ کیا اُن لوگوں نے (اللہ) کے سوا کارساز ٹھہرا رکھے ہیں؟ سو کارساز تو بس

الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ وَمَا

اللہ ہی ہے اور بس وہی مُردوں کو زندہ کردے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۱۰ اور

اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے ف۱۱ یہی اللہ

رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ

میرا پروردگار ہے میں اُسی پر توکل رکھتا ہوں، اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ف۱۲ (وہی) پیدا کرنے والا ہے

وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

آسمانوں اور زمین کا (اُسی نے) تمہارے لئے تمہارے جنس کے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ

جوڑے بنائے، اور اس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے، کوئی چیز اُس کے مثل نہیں اور وہی

السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

(ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے ف۱۳ اُسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

وہ جسے چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہے) کم دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ف۱۴

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس

اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا

وحی کیا ہے، اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو

ف۹ مطلب یہ ہوا کہ اگر مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو سب ایک ہی دینی طریق پر خلق کئے جاتے لیکن بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں سے یہ منظور نہ ہوا۔ اب سب کے سب اضطراراً ہدایت یاب نہ ہوں گے۔ بلکہ صرف وہی مخصوص گروہ ہدایت یاب ہوگا۔ جس پر مخصوص رحمت الٰہی بھی ہوگی اور منکرین وکافرین قیامت کے دن بالکل بے سہارے کے ہوں گے۔ وَالظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون۔ سے یہاں بھی مراد اہل کفر وشرک ہیں۔ اے الکافرون (معالم) ف۱۰ (تو اس کے سوا تو کسی میں کارساز بننے کی صلاحیت ہی نہیں) مقصود مشرکوں اور اہل کتاب دونوں کے عقائد شرکیہ کی تردید ہے۔ ف۱۱ (دنیا میں دلیل صحیح سے اور آخرت میں فیصلہ کے عملی نفاذ سے) فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔ حکمہ الی اللہ۔ کے تحت میں حکم منصوص وحکم مستنبط دونوں آگئے اور حکم نص واستنباط دونوں پر حاوی ہے — اس حقیقت کے سمجھ لینے سے خوارج اور منکرین فقہ دونوں کے بہت سے مغالطوں کا جواب نکل آتا ہے۔ ف۱۲ (اور ظاہر ہے کہ جو دنیا وآخرت کے ہر امر میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے گا اور اسی پر بھروسہ رکھے گا اسے کسی مخلوق سے خوف ہی کیا ہوسکتا ہے) قرآن نے بار بار زور اس حقیقت پر دیا ہے کہ اللہ کو ایک فلسفیانہ نظریہ کے ماتحت محض مسبب الاسباب یا خالق کل سمجھے رہنا ہرگز کافی نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کے ساتھ انسان تعلق اپنی ہر ضرورت کا جوڑے رہے۔ اور اسی کو مدبر عالم وکارساز کائنات سمجھتا رہے۔ مشرک قوموں کی اصل گمراہیاں اسی باب میں تھیں۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی وہی جو میرے تمہارے درمیان حاکم ہے۔ اے ذالکم الحاکم بینکم هو ربی (کبیر) ف۱۳ (اور وہ جانتی مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جس کا علم وادراک وہ خود ہی ہر طرح ناقص ومحدود تسلیم کرتے ہیں) فِيْهِ۔ فی یہاں ب کے معنی میں ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ یہ اصل اصول ہے صفات تنزیہی کا۔ کوئی شے بھی ویسی کی جیسے اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہمسر، ہم صف، غرض کسی طرح بھی "مثل" نہیں ہوسکتی۔ كَمِثْلِهٖ۔ ک زائد تاکید معنی کے لئے ہے۔ الكاف الزائدة للتاكيد (روح۔ عن الزجاج وابن جنی والاکثرین) والمعنى ليس كهو شيء على سبيل المبالغة (کبیر) ف۱۴ ابھی ابھی ذکر آچکا ہے کہ زمین وآسمان، ساری کائنات کا خالق حق تعالیٰ ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محض خالق وفاطر ہی نہیں بلکہ رازق قادر، حاکم ومتصرف بھی وہی ہے، اور وہ بھی یوں ہی اٹکل پچو نہیں، بلکہ رتی ماشہ پورے پورے حساب کے ساتھ ... اور اس کا علم کلیات تک محدود نہیں، کلیات وجزئیات ظواہر وخفایا سب پر یکساں حاوی۔

الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا

قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ف۱۵ مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف

تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ

آپ انہیں بلا رہے ہیں، اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے، اور اپنی طرف رسائی دیتا ہے

اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

ہر اس شخص کو جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف۱۶ اور تفرقے تو اس وقت سے اُن لوگوں نے پیدا کئے جب اُن کے پاس علم

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى

(صحیح) پہنچ چکا تھا (وہ بھی) آپس کی ضدا ضدی سے ف۱۷ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات ایک وقت

اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ

معین تک کے لئے طے نہ ہو چکی ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ف۱۸ اور جن لوگوں کو کتاب (الٰہی) اُن کے بعد

مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ

دی گئی وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے متردد ہو رہے ہیں ف۱۹ آپ اسی بناء پر (انہیں) بلائے جایئے،

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ

(دین حق کی طرف) اور قائم رہئے جس طرح آپ کو حکم ملا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ

جو بھی کتابیں نازل کی ہیں میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ

رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا

ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہماری تمہاری

وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ

کوئی بحث نہیں اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے ف۲۰ اور جو لوگ

ف۱۵ آیت میں ایک بڑے اہم مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔ دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے۔ تفصیلات شریعت (یعنی احکام و اعمال) ہر دور کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں، لیکن نفس دین (یعنی عقیدۂ اساسی) شروع ہی سے دینِ توحید ہے۔ اور اسی کا ایک لازمی جزو مسئلہ نبوت ہے۔ نُوۡحًا۔ نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے پیمبر ہیں جن سے باقاعدہ سلسلہ نبوت حضرت خاتم النبیین ﷺ کے وقت تک برابر قائم رہا۔ نُوۡح۔ اِبۡرٰهِیۡمَ۔ مُوۡسٰی۔ عِیۡسٰی سب پر حاشیے گذر چکے۔ کَبُرَ ...... اِلَیۡهِ۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ توحید کی دعوت (مع اس کے مضمرات و متضمنات کے) اہل جاہلیت کو ہمیشہ اور ہر جگہ بہت گراں گزری ہے۔ ف۱۶ یعنی جس سے اس کی مشیت متعلق ہو جاتی ہے، اسے وہ دین حق کی توفیق دے دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکتا ہے، اسے وہ اپنا تقرب دے کر رہتا ہے۔ "یعنی توفیق ایمان کے بعد اگر انابت و اطاعت ہو تو اس پر قرب الٰہی و ثواب غیر متناہی مرتب ہوتا ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روح المعانی میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے جذب و سلوک کی طرف۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجمال کی تفصیل یہی کہ یجتبی (مادۂ اجتباء) کے معنی ہیں جذب کے اور ہدایت کے معنی ہیں سالک کو راہ دکھانے کے۔ ف۱۷ یہاں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ دین اصلی اور دین قدیم تو دین توحید ہی ہے۔ اور شرک مبتدع و مخترع ادیان کی ایجاد تو بہت بعد کی چیز ہے اور اس کی بنیاد بھی کسی اجتہادی غلطی پر نہیں، بلکہ تمام تر نفسانیت پر ہے۔ ف۱۸ (عملاً اور عیاناً اسی دنیا میں) كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ۔ وہ طے شدہ بات یہی کہ پورا عذاب آخرت میں ہوگا۔ آیت مومنین کی تسکین و تسلی کے لئے ہے کہ یہ مجرم جواب تک بچے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے کسی ذاتی استحقاق کی بناء پر نہیں، بلکہ اس لئے کہ اللہ نے اپنی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کی سزا کو دار العمل میں نہیں بلکہ دار الجزاء کے لئے ملتوی رکھا ہے۔ ف۱۹ یعنی رسول اللہ ﷺ کے معاصر اہل کتاب۔ اهل الكتاب الذين كانوا في عهد رسول الله ﷺ (کبیر) قال الاكثرون هم اليهود والنصارىٰ (کبیر) مِنۢ بَعۡدِهِمۡ۔ ضمیر هم منکرین سابقین اہل کتاب کی جانب ہے۔ اے من بعد انبیاءهم وقيل من بعد الامم الخالية (معالم) لَفِيۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ۔ یعنی اپنے ہی دین اور اپنی ہی کتابوں کی حقیقت کی طرف سے شک و شبہ، تردد و تذبذب میں مبتلا ہیں۔ اور ان پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے جو ایمان کا حق ہے۔ ضمیرہ کتاب کی طرف ہے۔ ف۲۰ (اور وہی سب کا فیصلہ کر دے گا۔ ابھی بحث بیکار ہے۔ البتہ تبلیغ کئے جائیں گے) لِاَعۡدِلَ۔ ل مرادف اَنۡ کے ہے اے امرت ان اعدل (روح) اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ۔ یعنی تمہارے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھوں اور تمہارے اوپر اس سے زائد بار نہ ڈالوں جتنے کا شریعت نے تمہیں مکلف کیا ہے۔ اور ہر حال میں تمہارے معاملہ میں عدل سے کام لیتا رہوں۔ قال ابن عباسؓ امرت ان لا احيف عليكم باكثر مما افترض الله عليكم من الاحكام وقيل لا عدل بينكم في جميع الاحوال والاشياء (معالم) اے في الحكم كما امرني الله (ابن کثیر) فَلِذٰلِكَ۔ یعنی ان کے اسی تفرق کی بناء پر۔ فلاجل ذلك التفرق او الكتب او العلم الذی اوتیه (بیضاوی) لَنَآ اَعۡمَالُنَا الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ہدایت ایسے موقع کے لئے ہے جب مناظرہ ختم ہو جائے، پھر بھی قبول حق کی توقع نہ ہو۔

يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ

اللہ کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ اس کو مان لیا گیا، ان کی حجت ان کے پروردگار کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب (نازل ہونے والا) ہے اور ان کے لئے عذاب سخت ہے و۲۱ اللہ ہی تو ہے جس نے کتاب کو حق اور انصاف کے ساتھ نازل کیا اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو و۲۲ اس کے لئے جلدی وہی لوگ مچا رہے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے و۲۳ یاد رکھو کہ لوگ قیامت کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں وہ دور دراز کی گمراہی میں جتلا ہیں، اللہ اپنے بندوں کے باریک امور سے خوب باخبر ہے جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے، اور وہ بڑا قوت والا ہے بڑا زبردست ہے و۲۴ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے، اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہے ہم اسے کچھ دنیا میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا و۲۵ تو کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا

و۲۱ فی اللہ۔ یعنی اللہ کے دین و شریعت کے باب میں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔ لہ میں ضمیر اللہ یا اس کے دین کی طرف ہے۔ ای من بعد ما استجاب الناس للہ عزوجل او لدینہ و دخلوا فیہ۔ (روح) حُجَّتُهُمْ ...... رَبِّهِمْ۔ اس بطلان حجت کا ظہور کامل حشر میں ہوگا۔ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کے دین حق کے باب میں جھگڑا مسلمانوں سے نکالتے رہتے ہیں۔ يُحَآجُّوْنَ ...... لَهٗ۔ فقہاء نے باشارۃ النص اس سے یہ نکالا ہے کہ اجماع امت کا انکار ضلالت ہے۔ و۲۲ رسول کے علم غیب کلی کا اثبات جس کا دعویٰ اس زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے، ایک بدیہی البطلان دعویٰ ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اس کی اور بیسیوں طریقوں سے صراحت کی ہے وہاں آپ کی ذات سے وقت قیامت کے علم کی نفی بھی بار بار کر کے کی ہے۔ الْمِيْزَانَ۔ میزان کے معنی عدل کے بھی لئے گئے ہیں اور شریعت کے بھی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ وھو العدل والانصاف قال مجاهد و قتادة (ابن کثیر) قال قتادة و مجاهد و مقاتل العدل (معالم) ای العدل کما قال ابن عباس ومجاهد و قتادة وغیرهم او الشرع الذی یوزن به الحقوق (روح) و۲۳ یعنی قیامت کو اگر آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ تقاضا بطور استہزاء تو منکرین ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ باقی جو اہل ایمان و یقین ہیں وہ تو اس کے یقینی وقوع سے اور اپنے اعمال کی کوتاہیوں پر نظر کر کے ہمیشہ اس سے عقلاً خائف ہی رہتے ہیں (گو کبھی حالاً و اضطراراً اس کا شوق غالب بھی آ جائے) و۲۴ (اور ان صفات کا پورا ظہور ان لوگوں کے حق میں آخرت میں ہوگا) اَللّٰهُ ...... يَّشَاۗءُ۔ یعنی حق تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے مصالح خفی و منافع بعید سے خوب واقف ہے۔ وہی حسب مصالح تکوینی جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ رزق کی افراط یا تفریط، زر و مال کی کثرت یا افلاس۔ یہ سب انتظامی امور ہیں۔ انہیں کسی کے حق و باطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ و۲۵ (اس لئے کہ آخرت میں حصہ ملنے کی پہلی شرط ایمان ہے اور وہی یہاں مفقود ہے) مطلب یہ ہوا کہ طلب کے قابل صرف آخرت ہے (دنیا اس میں ضمناً خود ہی آ جائے گی) نہ کہ دنیا کہ وہ حسب تمنا نصیب نہیں ہو پاتی اور اس میں پڑنے سے آخرت سے بالکل حرمان ہی ہو جاتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی اس کا مطمح نظر تمامتر دنیا ہی ہے۔ اس کی کسی سعی و تدبیر کا آخرت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایسے شخص سے ظاہر ہے کہ ایمان تک مفقود ہوگا۔ اہل ایمان اس کے برعکس نہ دنیا کو سرے سے ترک کر دیتے ہیں۔ نہ اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھتے ہیں بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ حَرْثَ الدُّنْيَا۔ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید تجارتی، مالی، کاروباری اصطلاحات کے ساتھ ساتھ زراعت و فلاحت کی اصطلاحیں بھی کثرت سے لاتا ہے۔

ف۲۶ (آخرت میں) شُرَعُوْا ... اللّٰهُ۔ شرک کے ساتھ ساتھ آیت کے اس جزء میں بدعت یعنی دین میں اپنی طرف سے بات نکالنے کا بھی استیصال ہے۔ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ۔ ظالمین۔ یہاں بھی قرآن مجید کے اکثر مقامات کی طرح کافروں کے معنی میں ہیں۔ اے المشرکین (معالم) **ف۲۷** (ذکر وہ عیش وآرام جو اسی دنیا تک محدود و مخصوص رہے) الظّٰلِمِیْنَ۔ یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ اے المشرکین (معالم) دنیا میں ہیبت حق سے اہل ایمان ڈرتے رہتے ہیں اور منکر و کافر آخرت کی طرف سے بےفکر رہتے ہیں۔ آخرت میں جب مشاہدۂ احوال ہونے لگے گا یہ ترتیب الٹ جائے گی۔ مومنین کے چہرہ پر اطمینان وبشاشت کے انوار ہوں گے اور کافروں منکروں کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ الْجَنّٰتِ۔ جنات کو صیغۂ جمع میں اس لئے لائے کہ بہشت کے مختلف طبقات و درجے ہیں۔ ہر طبقہ خود ایک بہشت ہے، پھر ہر طبقہ کے اندر باغات متعدد ہیں۔ اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے مطابق کوئی کہیں ہوگا اور کوئی کہیں۔ لَهُمْ ... عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ "وہ جو کچھ بھی چاہیں گے اپنے پروردگار کے ہاں حاصل کرلیں گے۔" ان چند الفاظ کے اندر اہل جنت کے لئے ہر ممکن لذت وراحت وآسائش کی بشارت آگئی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انعامات جنت لامتناہی ہوں گے۔ کیونکہ انسان کی خواہشیں تو کسی منزل ومقام پر بھی پہنچ کر رک نہیں جاتیں۔ وہ تو اور اس کے بعد کا بھی درجہ چاہا ہی کرتا ہے۔ یدخل في باب غیر المتناهي لانه لا درجة الا والانسان یرید ما هو اعلی منها (کبیر) اور یہ بھی کہا ہے کہ اس درجہ کی نہ دماہیت تک بجز حق تعالیٰ کے کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ وفي ذلک علی ان ذلک الجزاء قد یبلغ الی حیث لا یعلم کنهه الا اللّٰه تعالی (کبیر) ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ۔ متکلمین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ آخرت میں جو کچھ بھی انعامات حاصل ہوں گے وہ اگرچہ عمل ہی پر مرتب ہوں گے تاہم بطریق استحقاق نہ ہوں صرف بطریق فضل ہوں گے۔ اللہ کے ذمہ واجب نہیں ہے، بلکہ بطور فضل ولطف حاصل ہوجائے گا۔ واصحابنا استدلوا بهذه الاية علی ان الثواب غیر واجب علی اللّٰه وانما یحصل بطریق الفضل من اللّٰه تعالی (کبیر) وهذا تصریح بان الجزاء المرتب علی العمل انما حصل بطریق الفضل لا بطریق الاستحقاق (کبیر) **ف۲۸** (اے اہل قریش) عزیزوں، قریبوں کی محبت اور ایک دوسرے کی خیرخواہی ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتی ہے۔ عرب میں حقوق قرابت کی پاسداری اور زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ انہیں کے جذبات شرافت سے اپیل ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ رہے ہیں اور کچھ نہ سہی، تو عزیزداری ہی کا خیال کرکے میرے اوپر ظلم وزیادتی سے باز رہو۔ ... صحیح بخاری، وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایسے ہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاک والسدی معناه الا ان لا توذونی لقرابتی منکم (جصاص) وبه قال مجاهد وعکرمة وقتادة والسدی وابو مالک وعبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرهم (ابن کثیر) فِی الْقُرْبٰی۔ فی سببیہ ہے لِ کے مرادف۔ اے لقرابتی منکم ففي للسببية بمعنی اللام لتقارب السبب والعلة والی هذا ذهب مجاهد وقتادة وجماعة (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب مودۃ بین المسلمین اور افراد امت کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت، متعدد آیات واحادیث کی بناپر واجب ہے تو پھر امت کے اشرف ترین کے ساتھ کیوں واجب نہ ہوگی۔ والایات والاخبار فی هذا الباب کثیرة واذا کان حصول المودة بین جمهور المسلمین واجبا فحصولها فی حق اشرف المسلمین واکابرهم اولی (کبیر) آیت سے اصحاب رسول کے ساتھ بھی محبت کا حکم نکلتا ہے۔ فیه منصب عظیم للصحابة لانه تعالی قال والسابقون السابقون اولئک المقربون فکان کل من اطاع اللّٰه کان مقربا عند اللّٰه تعالی فدخل تحت قوله الا المودة فی القربی (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت رسول کے آل واصحاب دونوں کی محبت کو جمع کرتی ہے اور یہی مسلک اہل سنت کا ہے۔ والحاصل ان هذه الایة تدل علی وجوب حب آل رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم وحب اصحابه وهذا المنصب لا یسلم الاعلی قول اصحابنا اهل السنة والجماعة الذین جمعوا بین حب العترة والصحابة (کبیر) الْقُرْبٰی۔ مراد اهل القربی ہے۔ المراد فی اهل القربی (کشاف) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مودۃ فی القربٰی کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد ایمان مطلوب ہی نہیں، بلکہ یہ تو ایمان ہی کا تدریج ولطافت کے ساتھ طریق موصل بتایا ہے۔ **ف۲۹** (مطیعوں کے حق میں) چنانچہ مسلم مطیع سے جب لغزش ہوجاتی ہے تو وہ رب غفور اسے معاف آسانی سے کردیتا ہے اور جب وہ نیکی کرتا ہے تو رب شکور اسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے۔ نَزِدْ ... حُسْنًا۔ یعنی جس قدر اجر اس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اس سے کہیں زائد دے دیں گے) **ف۳۰** (اور نعوذ باللہ وحی ونبوت کا دعویٰ خلاف واقع کررہا ہے)

مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ

ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا تو ان کے درمیان (عملی) فیصلہ اب تک ہوچکا ہوتا

وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَی الظّٰلِمِیْنَ

اور کافروں کو ضرور عذاب دردناک ہوگا ف۲۶ آپ کافروں کو دیکھیں گے

مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ڈرتے ہوئے اپنے کرتوتوں سے اس حال میں کہ (وبال) ان پر پڑکر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ

اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے (اور) جس چیز کو بھی چاہیں گے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ

ان کے پروردگار کے پاس انہیں ملے گی، بس یہی تو بڑا انعام ہے ف۲۷ یہی وہ بشارت ہے جو

یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ

اللہ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے آپ کہہ دیجئے

لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ

کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا۔ ہاں رشتہ داری کی محبت ہو ف۲۸ اور جو کوئی

یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی میں اور خوبی زیادہ کردیں گے، بےشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے

شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ

بڑا قدردان ہے ف۲۹ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے ف۳۰ تو اللہ اگر چاہے

اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ

تو آپ کے قلب پر مہر لگادے، اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے

بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۴ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ

ثابت کیا کرتا ہے وہ دلوں تک کی باتیں خوب جانتا ہے ف۳۱ اور وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا

توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ

تَفْعَلُوْنَ ۝۲۵ۙ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اس سب کو جانتا ہے، اور اُن لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور اُن کو اپنے فضل سے اور بڑھاتا رہتا ہے ف۳۲ اور کافروں کے لئے تو سخت عذاب

شَدِيْدٌ ۝۲۶ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ

(مقرر) ہے اور اللہ اگر اپنے بندوں کے لئے رزق فراخ کر دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے،

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷

لیکن وہ جتنا چاہتا ہے انداز (مناسب) سے اُتارتا ہے وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے، ف۳۳

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

اور وہ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے

رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

اور وہ بڑا کارساز ہے (ہر طرح) قابل حمد ہے، ف۳۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ

اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اُس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں، اور وہ اُن کے جمع کر دینے پر

اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹ۧ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا

جب وہ چاہے قادر ہے ف۳۵ اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے

ف۳۱ (چہ جائیکہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ واقوال) مطلب یہ ہوا کہ اگر اس احتمال میں شائبہ بھی صداقت کا ہوتا تو لازماً ایسے مدعی کاذب کو پھلنے پھولنے، کامیاب ہونے ہی کیوں دیتا۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والے خارق عادت پیام کو پھیلنے کا موقع ہی نہ دیتا اور مدعی کاذب کی زبان ہی خاموش کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کے برعکس ان رسول کے ہاتھ تائیدی معجزات سے اور زیادہ قوی کرتا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ سرتاسر حق وصداقت پر ہیں۔ اور جو دلوں کے اندر تک کے بھید جانتا ہو۔ اس کے لئے الفاظ ظاہر پر گرفت کرنا کیا مشکل تھا۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے یہاں مراد احکام تکوینی وتنزیلی دونوں ہیں۔ ف۳۲ یعنی جو عمل نیک ہیں وہ مقبول تو ہوتے ہی ہیں اور ان پر اجر ان کے استحقاق اصلی سے اور زیادہ ملتا رہتا ہے۔ يَقْبَلُ.... السَّيِّاٰتِ۔ چنانچہ کوئی کافر اگر کفر سے توبہ کر لے تو اس کی وہ توبہ بھی قبول ہو جائے گی اور جو گناہ اس نے حالت کفر میں کئے ہیں، وہ بھی سب معاف ہو جائیں گے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اور اسی علم کل کا ایک مظہر یہ ہے کہ توبہ کا اخلاص وعدم اخلاص بھی اس سے مخفی نہیں رہتا۔ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔ یہ گناہ کہیں تو توبہ کے واسطہ سے معاف ہوتے ہیں اور کہیں بلا واسطہ توبہ یوں ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ تارة يعفوا بواسطة قبول التوبة وتارة يعفوا ابتداءً من غير توبة (کبیر) ف۳۳ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں، استعدادوں کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اس کے ظرف، ضرورت ومصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوشحال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ وفساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر ونافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح بسط باطنی بھی بعض طالب حق کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہیے۔ ف۳۴ یہ کارسازی ستودہ صفات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی پانی برسانے والا دیوتا، اندر وغیرہ نہیں۔ رَحْمَتَهٗ۔ رحمت سے یہاں مراد بارش ہے۔ بعض نے تقدیر کلام اثار رحمة بھی ہے۔ یہ ترکیب یہاں کر مراد نباتات وثمرات سے ہوگی۔ ف۳۵ (چنانچہ قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کرے گا) فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں جگہیں فرداً فرداً مراد ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صرف دونوں کا مجموعہ مراد ہو۔ اور وجود حیوانات کا اثبات صرف دونوں جگہوں کے مجموعہ کے لئے ہو۔ اور اگر آسمانوں کو بھی حیوانات کا مستقر مانا جائے تو جنت میں تو آخر حیوانات ہیں ہی۔'' اور اگر دَاۗبَّةٍ مجازاً بمعنی مطلق ذی روح لیا جائے تب تو آسمان پر ملائکہ کا ذی روح ہونا ظاہر ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ستاروں میں حیوانی آبادی اگر کسی دلیل قوی سے ثابت ہو جائے تو آیت کے معنی پر مزید روشنی پڑ جائے گی۔

ع ۳

كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پہنچتی ہے، اور (اللہ) بہت سے تو درگزر کر دیتا ہے ف۳۶ اور تم زمین

فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

(کے کسی حصہ میں بھی) ہرا نہیں سکتے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کارساز ہے نہ مددگار ف۳۷

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑ جیسے جہاز ہیں ف۳۸ اگر چاہے تو ہوا کو

الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں بے شک اس میں نشانیاں

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ

ہر صابر شاکر کے لئے ہیں ف۳۹ یا (چاہے تو) تباہ کر دے ان جہازوں کو بسبب ان لوگوں کے کرتوتوں کے اور بہت لوگوں سے

كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ

درگزر بھی کر جائے ف۴۰ اور ان لوگوں کو معلوم ہو جائے جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ اب ان کے بچاؤ کی

مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

کوئی صورت نہیں غرض جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے

الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

ہے ف۴۱ اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان والے ہیں اور اپنے

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ

بچے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ف۴۲ اور جن لوگوں نے

ف۳۶ خطاب عاقل بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ بچے، مجنون وغیرہ اس سے خارج ہیں خطاب مع من يفهم ويعقل فلا يدخل فيه البهائم والاطفال (کبیر) مَا ... مِنْ مُّصِيْبَةٍ۔ سے یہاں واقعی وحقیقی مصیبت مراد ہے۔ بعض نعمتیں جو صرف صورۃً ہی مصیبتیں ہیں، وہ درحقیقت عیش کے زینے ہیں، ان پر مصیبت کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ کثیر سے مراد کثیر من الذنوب بھی ہو سکتی ہے یعنی بہت سے گناہ بے گرفت ومؤاخذہ کے بھی چھوڑ دیتا ہے اور کثیر من الناس بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی گرفت ہر بندہ پر نہیں کرتا۔ بہت سے بندوں کو بے گرفت ومواخذہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اے من الذنوب او عن كثير من الناس (مدارک) اے عن الذنوب وجوز كون المراد بالكثير كثير من الناس (روح)

ف۳۷ یہ سب مشرک، جاہلی قوموں کے رد میں ہے۔ جو سمجھتے تھے کہ فلاں جگہ پناہ لے لینے سے خدائی گرفت کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے یا بعد موت فلاں فلاں دیوی دیوتا گاڑھے وقت کام آ جائیں گے۔

ف۳۸ یعنی ایسے اونچے اونچے جہاز کہ گویا پہاڑ تیرنے لگے۔ ان عظیم الشان جسامت والوں کا پانی پر رواں دواں ہونا حق تعالیٰ کی کمال صناعی کی دلیل ہے جس محل ترغیب پر اور جس سیاق میں ان اونچے اونچے جہازوں کا ذکر آیا ہے اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاز رانی اور جہاز سازی اسلام کی نظر میں مبغوض وناپسندیدہ نہیں، بلکہ گونہ پسندیدہ ہے۔

ف۳۹ یعنی اس کی قدرت وصناعت پر دلالت کرنے والی نشانیاں کہ وہی ہوا کو چلاتا ہے، اور ہوا جہاز کو حرکت میں لاتی ہے۔ الرِّيْحَ۔ ریح (ہوا) کا مفہوم بہت وسیع ہے دخانی جہازوں کی اسٹیم بھی ہوا ہی کی ایک شکل ہے۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ بندہ کے لئے زندگی بھر دو ہی حالتیں ممکن ہیں۔ یا غم وحرمان کی اور یا مسرت وراحت کی۔ مومن پہلی صورت میں صبر وتسلیم سے کام لیتا رہتا ہے۔ اور دوسری صورت میں شکرگزاری سے اور یہ دونوں صورتیں حق تعالیٰ سے جڑے رہنے ہی کی ہیں۔ حق تعالیٰ سے غفلت کا مجرم وہ بہرحال کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ وان يكون اما في البلاء واما في الآلاء فان كان في البلاء كان من الصابرين وان كان في النعماء كان من الشاكرين فانه لا يكون البتة من الغافلين (کبیر)

ف۴۰ یعنی جس طرح جہازوں اور عظیم الشان جہازوں کو چلتے چلاتے، متحرک رکھنا اس کی قدرت عظمت، صنعت کی ایک دلیل ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی مشیت وقدرت میں داخل ہے کہ جب چاہے ان جہاز والوں کی بداعمالی کی پاداش میں ان جہازوں کو طوفان لا کر تند وتیز ہوا چلا چلا کر تباہ بھی کر دے۔ يُوْبِقْهُنَّ۔ هن کا مضاف اهل مقدر ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ او يوبق اهلهن والمراد على ما قال غير واحد اهلاك اهلها (روح)

ف۴۱ (کہ خاتمۂ عمر کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور اسی سے ظاہر ہے کہ مطلوب ومقصود بنانے کے قابل دنیا نہیں صرف آخرت ہے۔ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ حیات دنیا کے ساتھ متاع کا لفظ اس کی ذلت وحقارت کے لئے ہے۔ سماه متاعا تنبيها على قلته وحقارته (کبیر)

ف۴۲ آیت کے الفاظ قابل غور ہیں۔ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ۔ بڑے چھوٹے سارے گناہوں سے ہمیشہ بچے رہنا صالحین غیر معصوم کے لئے بھی ممکن نہیں۔ اس لئے بشریت کی اس کمزوری کی رعایت سے ممدوحین تک کے لئے یہ قید لگا دی کہ وہ وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہتے ہیں۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ اسی طرح موقع مدح وتحسین پر یہی یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ صالحین وابرار کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصہ کا اپنے موقع ومحل پر نہ آنا دلیل حلم نہیں، دلیل جبن وبے حسی ہے۔ کمال نہیں، نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے، کمال اور ہنر صرف یہ ہے کہ بندہ کو جب بے محل وبیجا غصہ آ جائے تو اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ۔ مراد غالباً اعتقادی گناہوں سے ہے۔ قيل المراد بكبائر الاثم ما يتعلق بالبدع واستخراج الشبهات (کبیر) وَالْفَوَاحِشَ۔ مراد غالباً ان گناہوں سے ہے جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے۔ قيل المراد بالفواحش ما يتعلق بالقوة الشهوانية (کبیر)

اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی

اپنے پروردگار کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور اُن کا (یہ اہم) کام باہمی مشورہ سے

بَیْنَهُمْ ۠ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں وف۴۳ اور وہ ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم

الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

واقع ہوتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں وف۴۴ اور بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے ویسی ہی

فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ

لیکن جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ رہا بے شک اللہ ظالموں

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ

کو پسند نہیں کرتا وف۴۵ اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے، سو ایسے لوگوں پر کوئی

مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾ ؕ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ

الزام نہیں وف۴۶ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے

وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے (پھرتے) ہیں انہیں کے لئے دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

عذاب ہے وف۴۷ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے، یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے وف۴۸

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَی

اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں وف۴۹ اور آپ

الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنْ

کافروں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہتے ہوں گے کہ آیا واپس جانے کی

وف۴۳ یہ سارے اوصاف مومنین صادقین کے بیان ہو رہے ہیں۔ انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کی نیکیاں ان میں آ گئیں۔ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ۔ باہمی مشورہ کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا ذکر نماز و زکوٰۃ کے ساتھ فرمایا گیا ہے..... اجتماعی صورت میں اس حکم کی تعمیل کی صورت یہ ہے کہ حکومت، حکومت شوریٰ ہو۔ جیسی کہ خلفاء راشدین کی تھی۔ فقہاء مفسرین نے شوریٰ کی اہمیت کو خوب سمجھا ہے۔ یدل علی جلالۃ موقع المشورۃ لذکرہ لها مع الایمان واقامۃ الصلوٰۃ ویدل علی انا ما مورون بها (جصاص) البتہ شوریٰ کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ مشورہ صرف انہیں امور میں پسندیدہ ہے، جو بجائے خود قابل مشورہ ہوں بھی۔ اور جو چیزیں احکام قطعی میں داخل ہیں مثلاً نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے وغیرہا۔ سو ان میں مشورہ نہیں۔ وف۴۴ (اور ظلم و زیادتی کے جواب و انتقام میں خود بھی ظلم و زیادتی نہیں کرنے لگتے) آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔ والمعنی ان یقتصروا فی الانتصار علی ما یجعله اللہ لهم ولا یعدونه (کبیر) الهم الاختصاء بالانتصار وغیرهم یعدوا ویتجاوز (روح) وقال السدی معناه ممن بغی علیهم من غیر ان یعتدوا علیهم (جصاص) وف۴۵ (خواہ وہ ظالم، ظلم کی ابتداء کرنے والے ہوں یا جواب و انتقام میں حدود سے تجاوز کر جانے والے ہوں) جَزٰٓؤُا...... مِثْلُهَا۔ جزائے سیئہ کو سیئہ کہنا ظاہر ہے کہ مجازاً ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ تو برائی کی سزا ہوئی نہ کہ خود کوئی برائی۔ وَ اَصْلَحَ۔ یعنی اپنے باہمی معاملات کو درست کر لیا۔ اصلح بینه وبین خصمه بالعفو و الاغضاء (مدارک) مِثْلُهَا۔ یعنی سزائے جرم بھی درجہ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ والمعنی انه یجب اذا قوبلت الاساءۃ ان تقابل بمثلها من غیر زیادۃ (مدارک) هذه الآیۃ اصل کبیر فی علم الفقه فان مقتضاها ان تقابل کل جنایۃ بمثلها (کبیر) وف۴۶ یہاں دو اصول ارشاد ہوئے ہیں:۔ (۱) ایک قانون عدل، کہ جو جیسا کرے گا۔ ویسا پائے گا۔ مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ لیکن یہاں بھی یہ شرط ہے کہ وہ شے فی نفسہ ممنوع و حرام نہ ہو۔ مثلاً لوٹ کا بدلہ لوٹ اور زنا کے عوض زنا، کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ (۲) دوسرا قانون فضل۔ یعنی رحم و رعایت کا قانون۔ آیت سے انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے نہ کہ اس کی ماموریت۔ ومقتضی ذلک اباحۃ الانتصار لا الامر به (جصاص) وف۴۷ یہاں یہ حقیقت بیان کر دی کہ تشدد مطلق صورت میں اسلام میں ممنوع نہیں۔ ممنوع و حرام تو صرف تشدد بے جا ہے۔ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ کبر نفس ہی ظلم و زیادتی کی جانب لے آتا ہے۔ وف۴۸ یہاں سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ انتقام کی بھی جائز حدود کے اندر پوری اجازت اسلام میں ہے، لیکن اولیٰ و افضل معاف ہی کر دینا ہے۔ فطرت بشری کی کیسی ٹھیک ٹھیک اور پوری رعایت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ وف۴۹ (کہ وہ اسے زبردستی راہ راست پر لے آئے) وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ یہ اضلال اسی بناء پر ہو گا کہ اس بندہ کے اندر حق کی طلب و تلاش موجود نہیں۔

سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ

کوئی صورت ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے ذلت سے

الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

جھکے ہوئے سست نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ف۵۰ اور ایمان والے کہیں گے

اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

کہ (اصلی) خسارہ والے تو وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ

دن خسارہ میں پڑے، یاد رکھو کہ کافر عذاب دائمی میں رہیں گے ف۵۱ اور ان کے کوئی چارہ ساز

مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ہو کر ان کی مدد کرسکیں اور جس کو اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ

گمراہ کرے اس کے لئے کوئی راہ نہیں ف۵۲ کہنا مان لو اپنے پروردگار کا قبل اس کے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ

کہ ایسا دن آ پہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی ہٹنا نہیں، تم کو اس روز کوئی پناہ نہ ملے گی،

وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے ف۵۳ یہ لوگ اگر پھر بھی اعراض کئے رہیں تو ہم نے آپ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا

ان پر کوئی نگراں کرکے نہیں بھیجا ہے، آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے ف۵۴ اور ہم انسان کو جب کچھ

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا

اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے، اور اگر ایسے لوگوں پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے ان

ف۵۰ (جس طرح ایک خوفزدہ انسان دیکھتا ہے) الظّٰلمین۔ ظالم۔ یہاں بھی کافر کا مرادف ہے ف۵۱ ایسے ظالم جو عذاب ابدی کے مستحق ہیں ظاہر ہے کہ صرف کافر ومشرک ہی ہو سکتے ہیں۔ ورنہ جو کسی درجہ میں بھی مومن ہوگا وہ بہر حال آخرکار جنتی ضرور ہو جائے گا۔ ف۵۲ (نہ نجات کی، نہ معذرت کی، نہ نصرت کی) ومن یضلل اللہ۔ یہ اضلال ان لوگوں کے عدم تلاش حق کی پاداش میں ہوگا... یہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب ہمیشہ تکوینی ہی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہوگی۔ ف۵۳ (جو ذرا پوچھ ہی لے کہ ان لوگوں کا یہ حال کیوں بنایا ہے) یوم لا مرد لہ۔ یعنی دنیا میں تو عذاب کا ہٹ جانا ممکن بھی ہے وہاں مہلت وتوقف کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی۔ ف۵۴ (ہمارے احکام وپیامات کا) مطلب یہ ہے کہ اتنے سمجھانے بجھانے کے بعد بھی یہ لوگ بدستور ایمان سے منکر رہیں تو آپ زیادہ فکر وتردد میں نہ پڑیئے۔ آپ سے ان کے اعمال سے متعلق باز پرس کا احتمال ہی نہیں۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

کرتوتوں کے بدلہ میں جو وہ پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو انسان ناشکری کرنے لگتا ہے ف۵۵ اللہ ہی کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ

آسمانوں اور زمین میں، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

(اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے، یا ان کو نر و مادہ (کی صورت میں) جمع بھی

وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا

کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے بے شک وہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ف۵۶ اور یہ

كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

کسی بشر کا مرتبہ نہیں کہ اللہ ہی سے کلام کرے مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی آڑ سے،

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ

یا کسی (فرشتہ) قاصد کو بھیج دے، سو وہ وحی پہنچا دے اللہ کے حکم سے، جو اللہ کو منظور ہوتا ہے ف۵۷ بیشک وہ عالیشان ہے،

حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا

حکمت والا ہے ف۵۸ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے ف۵۹ آپ کو

كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے، اور نہ یہ کہ ایمان (کیا چیز ہے) ف۶۰ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا ہے

نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى

کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

راہ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں ف۶۱ یعنی راہ اسی اللہ کی کہ آسمانوں اور

ف۵۵ (بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف بطریق توبہ والتجاء رجوع کرے) الانسان سے آیت میں دونوں جگہ کافر قسم کا انسان مراد ہے۔ اذا ..... بہا۔ یعنی بجائے اس کے کہ منعم کی جانب منسوب کر کے اس کی شکرگذاری میں لگ جائے۔ یہ اسے اپنی جانب منسوب کر کے بے جا غرور پر اترانے لگتا ہے۔ ف۵۶ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ کسی کے اولاد خوب ہوتی ہے، کوئی لاولد رہتا ہے۔ کسی کے صرف بیٹیاں ہوتی ہیں۔ کسی کے صرف بیٹے۔ کسی کے دونوں۔ سو یہ سب کچھ محض اٹکل پچو، اندھا دھند نہیں ہو رہا ہے۔ فرد، جماعت، کائنات سب کی بے انتہا حکمتوں اور بیشمار مصلحتوں کے پیش نظر ایک حکیم مطلق کے زیر انتظام ہو رہا ہے۔ پھر اسی حکیم مطلق کی قدرت اور اختیارات بھی محدود نہیں، لامحدود ہیں۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ اس کی قوت تخلیق بھی غیر محدود ہے جس کو جب اور جس طرح چاہے پیدا کرے۔ آیت میں عام قدرت الٰہی کا بیان ہے۔ کسی خاص واقعہ کی تعیین مراد نہیں۔ وقال الاکثرون من المفسرين هذا الحكم عام في حق الناس لان المقصود بيان نفاذ قدرة الله في تكوين الاشياء كيف شاء واراد فلم يكن للتخصيص معنىً (کبیر) ف۵۷ یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عام فطری قوائے بشری اس قابل ہی نہیں کہ حق تعالیٰ سے براہ راست عزت ہمکلامی حاصل کر سکیں۔ مخاطبت کے ممکن طریقے صرف تین ہیں:۔ (۱) بطریق وحی، یعنی بلا واسطہ مدرکات حسی قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ (۲) بواسطہ حجاب کچھ کلام کیا جائے۔ حجاب کا تعلق تجلی حق سے نہیں ضعف ادراک سے ہے۔ حجاب، حجاب عظمت ہے جو مشاہدۂ تجلیات سے بشر کو روک دیتا ہے ذات حق محجوب نہیں۔'' اور یہ حجاب کوئی جسم حائل نہیں۔ اور نہ یہ حجاب حق تعالیٰ کے نور و ذات کو مخفی کر سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت اس حجاب کی بشر کا ضعف ادراک ہے۔ جس سے باوجود کمال ظہور نور ذات کے یہ ادراک سے قاصر ہے'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وليس المراد به حجاب الله تعالى لان الله تعالى لا يجوز عليه ما يجوز على الاجسام من الحجاب ولكن المراد به ان السامع محجوب عن الرؤية في الدنيا (مدارک) (۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے وحی بشر کو بھیج دی جاتی ہے۔ اس وحی کے مخاطب حضرات انبیاء تو قطعی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے لئے بھی اس کی گنجائش ہے جیسے کہ حضرت مریم کے معاملہ میں قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔ اور یہ منکرین و مشرکین جو خود مخاطبۂ الٰہی کی تمنا میں ہیں ان کا ظرف ان میں سے کسی طریق کے بھی قابل نہیں۔ ف۵۸ عَلِیٌّ۔ وہ بلند شان ہے۔ اور اس کی علو شان کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ کو اس سے ہمکلامی کی مجال ہی نہ ہو۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن وہ حکیم مطلق بھی ہے۔ اس لیے اس نے بندوں کے مصالح پر نظر کر کے اپنی ہمکلامی کے تین طریقے نکال دیئے۔ ف۵۹ (اور آپ کو نبی بنا کر آپ کی نبوت پر دلائل قائم کئے ہیں) روح سے یہاں مراد قرآن یا وحی ہے۔ جبرئیل یا فرشتہ مراد نہیں۔ وما اوحى اليه عليه الصلوٰة والسلام او القرآن الذي هو للقلوب بمنزلة الروح للابدان (روح) والمراد به القرآن وسمّاه روحًا لانهٗ يفيد الحياة من موت الجهل او الكفر (کبیر) کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح ہم انبیاء قدیم پر وحی نازل کرتے رہے ہیں۔ اے كما اوحينا الى الرسل قبلك (مدارک) ف۶۰ یہاں اس عام حقیقت کا اظہار ہے کہ بلا فیضان الٰہی، کامل ترین استعداد و صلاحیت رکھنے والا بھی بیکار ہے اور اس خاص حقیقت کا اعلان کہ قبل نبوت آپ کی بیدا بھی ہرگز ان کمالات کی قادح نہیں جو بعد نبوت آپ کو حاصل ہوئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موہوب ہیں۔ جس کو ہبہ کمالات پر قدرت ہے۔ اس کو سلب کمالات پر بھی قدرت ہے تو کسی کو بھی اپنے کمال پر ناز نہ چاہیے۔ ف۶۱ (اسی کتاب کے ذریعہ سے) یہاں اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ محمد بن عبداللہ نامی شخص نہ اپنے ارادہ و اختیار سے رسول و صاحب وحی بن گئے نہ اپنے ارادہ و اختیار سے قرآن اپنے اوپر اتار لائے اور نہ بندوں کی عام ہدایت یابی ان کے اختیار میں ہے ..... یہ سارے کام صرف حق تعالیٰ کے ہیں۔ ہٖ ضمیرہٗ کتاب کی طرف ہے۔

ف۲۲ (اور کسی مخلوق کو نہ کوئی اختیار ان تصرفات کا ہے، نہ کوئی شرکت آسمان وزمین میں ہے) یہاں صفات باری میں سے دوصفات کمال کا اثبات ہے۔ایک حق تعالیٰ کی مشیت کاملہ کا، دوسرے اس کی طرف مرجعیت مطلقہ کا۔ ف۱ (اہل عرب بطور مخاطب اول کے) ؛ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ قرآن ایک بالکل واضح کتاب بلحاظ اپنے پیش کیے ہوئے مہمات عقائد کے بھی ہے اور بلحاظ اپنے احکام اساسی داولی کے۔ ۔ وَ ۔ کلام عرب میں تاکید وزور کلام کے موقع پر قسم لانے کا دستور عام ہے، اور استشہاد کا پہلو جو قسم میں ہوتا ہے، وہ اس خاص موقع پر عیاں وظاہر ہے۔یعنی قرآن پر غور کرنے سے خود اس کے مضامین کا اعجاز ظاہر ہوا جا رہا ہے۔عربی اسلوب بیان ہی ہے کہ مثلاً جب عرب ادیب، خطیب، شاعر کو اپنی شجاعت ودلیری کا اظہار مقصود ہوگا تو بجائے اس کے کہ اردو محاورہ کے مطابق وہ یہ کہے کہ میرے کارناموں پر میری تلوار گواہ ہے، وہ یہ کہے گا کہ مجھے تلوار کی قسم ہے۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لیے ملاحظہ ہوں۔ ”قرآنی قسمیں“ بطور (پ ۳۰ ،سورۃ الفجر کے) ضمیمہ کے۔ جَعَلْنٰهُ ۔ ضمیر ہ ظاہر ہے کہ الْكِتٰبِ کی جانب ہے۔ حٰمٓ۔ اس پر حاشیہ گزر چکا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ ۔ بڑی پرانی بحث چلی آ رہی ہے کہ قرآن مجید قدیم، غیر مخلوق ہے یا حادث ومخلوق۔ آیت کے لفظ جَعَلَ سے اہل اعتزال کو اپنے مسلک حدوث قرآن کی گویا سند ہاتھ آ گئی ہے۔ القائلون بحدوث القران احتجوا بهذه الأية (کبیر) اہل سنت کا مذہب صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیتیں دو ہیں۔ایک معنوی، دوسرے تعبیری۔ معنوی حیثیت سے یعنی فی نفسہٖ کلام ہونے کے اعتبار سے دوسری صفات الٰہی کی طرح وہ بھی قدیم اور غیر مخلوق اور ہر عرض (صوت، صورت، حروف ولغت وغیرہ) سے منزہ ومبرا ہے، رہی اس کی دوسری یا تعبیری حیثیت، سو ہماری فہم وادراک کی گرفت میں لانے کے لیے وہ مجموعہ اعراض ہے اس میں حروف ہیں، کلمات ہیں، نقوش ہیں وقس علیٰ ہذا۔ اور اس اعتبار سے اس کا حادث ومخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے۔ الْمُبِيْنِ۔ صفت مبین کا ایک پہلو تو ظاہر لفظ وعبارت کے لحاظ سے ہے۔ اور اس معنی میں وہ اپنے مخاطبین اول یعنی قوم عرب کے لیے بالکل واضح ہے۔ اور دوسرا پہلو اس کے معانی ومطالب کے لحاظ سے ہے کہ اس نے راہ ہدایت واصلاح کو طریق کفر وضلالت سے بالکل واضح وممتاز کر دیا ہے۔ اور اس معنی میں اس کی ابانت کا تعلق سارے عالم سے ہے۔ وفي وصف الكتب بكونه مبينا وجوه الاول انه المبين للذين انزل اليهم لانه بلغتهم ولسانهم والثاني المبين الذى ابان طريق الهدى من طريق الضلالة وابان كل باب عما سواه وجعلها مفصلة ملخصة (کبیر) ف۳ (اپنے نازل کرنے والے کے ہم صفت) لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ سورۂ ماقبل کے ختم کے قریب حق تعالیٰ کی شان انہیں صفات کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ اب ذکر اس کا ہے کہ کلام بھی متکلم ہی کی شان کے مطابق بڑے رتبہ والا ہے، خاک کو پاک بنا دینے والا ہے اور حکمتوں اور دانائیوں سے لبریز ہے.... جس کتاب پر دارومدار سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کا ہو، بیشک اسے ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد لوح محفوظ ہے (ابن جریر) لَدَيْنَا۔ باعتبار شرف واختصاص کے ہے۔ یہ قرب رتبہ ہے، قرب مکان نہیں۔ ف۳ یعنی یہ قرآن کا نزول اور اس کی تبلیغ اس لیے موقوف کر دی جائے گی کہ تم اس پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ عین حکمت ورحمت دونوں کا تقاضہ ہے کہ یہ فیض کامل برابر جاری رہے۔ هذا الكلام يحتمل وجهين الاول الرحمة والثاني المبالغة في التغليظ (کبیر)

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝۵۳ ع

زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ف۲۲

اٰیاتھا ۸۹ ۔ ۴۳ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳ ۔ رکوعاتھا ۷

اس کی نواسی آیتیں ۔ سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

حا میم ۔ قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ

تاکہ تم (خوب) سمجھ جاؤ ف۱ اور بیشک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بڑے مرتبہ کا،

حَكِيْمٌ ۝۴ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ

حکمت سے بھرا ہوا ف۲ کیا ہم تم سے (اس) نصیحت نامہ کو اس لیے ہٹا لیں گے کہ تم

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶

حد سے گزر جانے والے ہو ف۳ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷

اور ان (لوگوں) کے پاس کوئی نبی (ایسا) نہیں آیا جس سے انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو ف۴

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان (موجودہ مخاطبین) سے بھی زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

چکی ہے، ف۵ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یقیناً کہیں گے

ف۴ (لیکن اس تکذیب واستہزاء کے باوجود سلسلہ ارشاد وہدایت برابر ہی جاری رہا) یہاں دو تاریخی حقیقتوں کا اعلان ہے۔ایک یہ کہ زمانہ ماضی میں انبیاء کثرت سے آتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ منکرین کی طرف سے تمسخر واستہزاء کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ ف۵ (اس لیے آپ فکر نہ کریں۔ان کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔ اور خود یہ بھی مطمئن نہ رہیں کہ آخر پرانے نمونے ان کے سامنے موجود ہی ہیں)

ف ۶ جہاں تک نفس تخلیق کا سوال ہے۔ مشرکین بھی اکثر اور عموماً توحیدِ ذات ہی کے قائل ہیں اور صفت خالقیت میں بہت کم کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ سارا زور شرک کا صفات ربوبیت وغیرہ میں اچھل پڑتا ہے۔ مشرکین عرب بھی خالق کو واحد ہی تسلیم کرتے تھے۔ ف ۷ مشرکین کو قائل کرنے کے لئے اب ذات خالق واحد کی دوسری صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جس خالق کو یکتا تم خود تسلیم کرتے ہو۔ اسی کے صفات و کمالات یہ بھی تو ہیں۔ کائنات کے سارے انتظامات میں بھی تو وہی لاشریک لہ ہے۔ زمین کی یہ خاص ہیئت اسی کی حکمت کاملہ نے بنائی ہے کہ اس پر انسان کا رہنا ممکن ہو۔ سطح زمین کے راستوں، سڑکوں میں تقسیم یہ بھی اسی حکیم مطلق کا فعل ہے کہ تم بآسانی چل پھر سکو۔ آسمان کی طرف سے پانی برسانا ایک خاص مقدار میں، ایک معین وقت پر، حسب ضرورت و مصلحت، یہ سب بھی بس اسی کا کام ہے۔ پھر اس بارش سے زمین خشک کو سبزہ زار بنا دینا اسی کی حکمت و صنعت ہے جو بعث و حشر پر بھی اسی طرح قادر ہے۔ اور جو اس کے یہ جیتے نمونے روز مرہ تمہاری آنکھوں کے سامنے لاتا رہتا ہے۔

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

کہ انہیں پیدا کیا ہے (اسی خدائے) ہمہ داں نے ف ۷ وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کو بنا دیا

مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور اس میں اس نے تمہارے لیے راستے بنا دیے، تاکہ تم راہ پاتے رہو

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً

اور جس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا، پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو

مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا

زندہ کیا اسی طرح تم بھی (اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے، اور جس نے تمام اقسام بنائیں

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِتَسْتَوُوا

اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو ف ۸ تاکہ تم ان کی پیٹھ

عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ

پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی (اس) نعمت کو

عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا

یاد کرو اور کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے ہمارے تابع کر دیا اس (سواری) کو اور ہم تو ایسے تھے نہیں کہ

لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝ وَجَعَلُوا

اس کو قابو میں کر لیتے، اور ہم کو تو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے ف ۹ اور ان لوگوں نے اللہ کا جزء

لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ۝

اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرا لیا، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے ف ۱۰

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ۝ وَإِذَا

(ہاں تو) کیا (اللہ) نے مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا؟ اور آنحالیکہ

پھر اشیاء مخلوق کی بے شمار قسمیں، باہم متناسب نمودار کرنا یہ بھی اسی کی کارسازی ہے اور بحری و بری سواریاں بہم پہنچا دینا یہ بھی اسی کا احسان عظیم ہے۔ الَّذِیْ جَعَلَ ... سُبُلًا۔ زمین کے سارے جغرافی تغیرات جن سے انسان کو مدد مل سکتی ہے، اس کے تحت میں آ گئے۔ وَالَّذِیْ ...... مَیْتًا۔ بادل بارش، کاشتکاری، باغبانی کے سلسلہ کے چھوٹے بڑے جتنے تغیرات ہیں سب اس میں شامل ہیں۔ وَالَّذِیْ ... کُلَّھَا۔ مخلوقات کی تنویع، تقسیم، تزویج سب اس کے تحت میں آ گئی۔ قال ابن عباس والازواج الضروب والانواع كالحلو والحامض والابيض والاسود والذكر والانثى (کبیر) وَجَعَلَ ...... مَا تَرْکَبُوْنَ۔ دریائی اور زمینی جتنی بھی سواریاں ہیں، سب اسی میں داخل ہیں ـــــ بعض محققین نے کہا ہے کہ مخلوقات جتنی بھی ہیں، سب جوڑے جوڑے ہیں مثلاً ذات وصفات، آگے پیچھے، داہنے بائیں، اوپر نیچے، ماضی، مستقبل، اچھا، برا وغیرہ اور یہی دلیل ہے اس کے حادث و ممکن الوجود ہونے کی۔ قال بعض المحققين كل ماسوى الله فهو زوج كالفوق والتحت واليمين واليسار وكونها ازواجا يدل على كونها ممكنة الوجود في ذواتها محدثة (کبیر) صرف ذات واجب الوجود فرد مطلق ہے، ہر رشتہ تضاد و تقابل و شرکت سے ماوراء و مافوق۔ فاما الحق سبحانه فهو الفرد المنزه عن الضد والند والمقابل والمعاضد (کبیر) ف ۸ اسلام زندگی کے ہر ہر شعبہ کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے۔ وہ انسان کو خدا کی حاکمیت اور اپنی عبدیت کی طرف سے غفلت کی اجازت کسی وقت اور کسی حالت میں نہیں دیتا۔ سواری اچھے گھوڑے کی ہو یا موٹر کی یا ریل کی یا جہاز کی۔ انسان جب کبھی اس نعمت سے مستفید و محظوظ ہوتا ہے تو اکثر اس میں ایک گونہ تفاخر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے وہ اپنے کمال واستحقاق کی جانب منسوب کر کے فخر کرنے لگتا ہے۔ قرآن نے اس کی جڑ کاٹ دی اور ارشاد فرما دیا کہ جب سواریوں سے فائدہ اور لطف اٹھاؤ تو پہلے دل میں خدائی نعمتوں کا استحضار کر لو۔ اور یہ خیال تازہ کر لو کہ یہ جو کچھ بھی مل رہا ہے۔ سب عنایت و افضال الٰہی سے مل رہا ہے اسی نے تم میں اتنی طاقت، ہمت و تدبیر دے دی ہے اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ کہہ ڈالے کہ ہم میں کوئی ذاتی استحقاق اس کا کب تھا۔ ہم ایسے طاقتور، یا ایسے ہنرور کب تھے کہ ان سواریوں کو قابو میں لے آتے۔ یہ تو محض آپ کا فضل و کرم ہے اور ہم کو عین وقت فرح و مسرت میں اپنا انجام یاد ہے کہ ہم اور ہماری لذتیں فانی ہیں، باقی نہیں، ہم سب کو اپنے پروردگار کے حضور میں حساب و جواب کے لئے حاضری دینا ہے۔ ..... جس قوم کے دل میں اپنی عبدیت کا یہ استحضار اور جس کی زبان پر اس قسم کے کلمات خود شناسی رہیں۔ کہیں اسے بھی گھمنڈ اور دعویٰ اپنے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسری ہلاکت بار مشینوں کا ہو سکتا ہے؟ ف ۹ یہ عام فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان بجائے نعمتوں کی شکر گذاری کے الٹا ناسپاسی و نافرمانی کی طرف چلا جاتا ہے۔ وَجَعَلُوْا ... جُزْءًا۔ مثلاً مسیحی جو الوہیت کے اجزاء روح القدس و مسیح کو بھی قرار دیے ہوئے ہیں۔ المراد انهم اثبتوا له ولدا (کبیر) فلسفہ قدیم کی اصطلاحوں میں مسئلہ کی تقریر یہ ہوگی کہ خدا کو جب خالق مان لیا تو لازم ہے کہ وہ قدیم بھی ہو کیونکہ حادث موجد کل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب وہ قدیم ٹھہرا تو اس سے عدم ترکیب بھی اس کے لئے لازم آئی۔ جو مرکب ہے وہ قدیم کیونکر ہو سکتا ہے تو جو قدیم، غیر مرکب ہے اس کا کوئی جزء تسلیم کرنا اسے مرکب و حادث قرار دینا ہوا! آیت کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے مخلوقات کے درمیان تقسیم کر دی، کچھ کو اللہ کے لئے رکھا اور کچھ کو غیر اللہ کے سپرد کر دیا۔ زعموا ان كل العباد ليس لله بل بعضها لله وبعضها لغير الله (کبیر) جَعَلُوْا۔ جعل آیت میں حکم لگانے یا قرار دینے کے معنی میں ہے۔ ومعنى الجعل ههنا الحكم بالشيء (معالم)

بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ

ان لوگوں میں سے خود جب کسی کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے (خدائے) رحمٰن کا نمونہ قرار دے رکھا ہے تو اس کا چہرہ دن بھر

مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ

اداس رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے ف۱۰ تو کیا جو زیورات میں پرورش پائے

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور مباحثہ میں بھی قوت بیان نہ ہو (وہ اللہ کی اولاد بننے کے قابل ہے؟) ف۱۱ اور انہوں نے فرشتوں کو

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے تو کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے،

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

ان کا دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگی ف۱۲ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر (خدائے) رحمٰن کو

الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ

(یہی) منظور ہوتا تو ہم فرشتوں کی پرستش (ہی) نہ کرتے انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تحقیق نہیں، محض

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ

اٹکل سے کام لے رہے ہیں ف۱۳ ہم نے کیا اس (قرآن) سے قبل انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس سے

بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ

یہ سند پکڑ رہے ہیں؟ ف۱۴ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقہ پر پایا ہے

وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ

اور ہم انہیں کے نقش قدم پر قدم رکھ رہے ہیں ف۱۵ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ

کوئی پیمبر نہیں بھیجا، مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو

ف۱۰ بہت سی مشرک قوموں نے دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ مرض اور زیادہ تھا۔ مشرک قوموں نے عموماً اور عرب نے خصوصاً بیٹیوں کو ذلیل بھی بہت سمجھا ہے تو یہاں مقصود کلام یہ ہے کہ یہ احمق ایک تو اللہ کی اولاد فرض کرتے ہیں۔ اور پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں خود اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ ف۱۱ آیت سے فطرت نسوانی کے متعلق دو حقیقتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ زیور، آرائش ونمائش کا شوق عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قوت استدلال ضعیف ہی ہے ..... ان دونوں کے لئے ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ۔ آج دیکھ لیا جائے کہ یورپ اور امریکہ کی زنان جدید اپنی آرائش وزیبائش کے سامان پر اپنی تزئین جمال اور اپنے بناؤ سنگھار پر کتنی دولت ہر سال بے دریغ خرچ کرتی رہتی ہے۔ ف۱۲ فرشتوں کی نسائیت پر حاشیے اس کے قبل گذر چکے ہیں پ۱۴ اور پ۱۵ میں۔ محققین نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی عقیدہ کا بلا دلیل قائل ہو جانا قابل ملامت ہے اور تقلید جامد جو محض رسم پرستی کی مرادف ہے مورد وعید ہے۔ هذا يدل على ان القول بغير دليل منكر وان التقليد يوجب الذم العظيم والعقاب الشديد (کبیر) ف۱۳ مشرکوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ شرک اگر ایسی ہی بری چیز تھی تو خدا نے آخر ہمیں اس پر قدرت کیوں دی؟ اسے یہی منظور ہوتا تو وہ ہمیں شرک کرنے ہی نہ دیتا — گویا استدلال یہ تھا کہ چونکہ اس نے ہمیں گناہ پر قادر کر دیا ہے۔ اس لئے وہ گناہ پر راضی بھی ہے! بالکل ظاہر ہے کہ انسان کو اختیار جو ملا ہے وہ تو محض اسے مکلف بنانے کے لئے۔ اسے محل احتساب، مستوجب عذاب وثواب بنانے کے لیے ہے۔ اختیار اگر نہ ہوتا تو وہ تو بالکل مشین کے حکم میں داخل ہوتا اور عذاب وثواب کا کوئی سوال ہی نہ باقی رہتا۔ ف۱۴ مشرکوں کے استدلال عقلی کی تردید بھی ہو چکی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے پاس شرک پر کوئی دلیل نقلی ہے؟ کسی قدیم نوشتۂ الٰہی کی سند ہے؟..... قرآن مجید نے بار بار مشرکوں کی یہ دکھتی ہوئی رگ پکڑی ہے، اور بار بار ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اثبات شرک پر، اثبات تعداد الٰہ پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی کسی قسم کی ہو تو پیش کرو۔ ف۱۵ یعنی بجز اندھی تقلید کے ان کے پاس دلیل کے نام سے کوئی چیز ہی نہیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آباء پرستی وتقلید جامد کی مذمت میں قرآن مجید میں اگر اور کہیں کچھ نہ ہوتا۔ جب بھی یہی آیات بالکل کافی تھیں۔ ولو لم يكن في كتاب الله الا هذه الآيات لكفت في ابطال القول بالتقليد (کبیر)

اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ

نے (قوم) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں و۱۶ (اس پر ان کے پیغمبر نے) کہا کہ اور اگر

جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

میں اس سے بہتر طریقہ منزل پر پہنچا دینے کے اعتبار سے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ وہ بولے (جب

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ

بھی) ہم اس کے تو ماننے والے نہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔ سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھئے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ

تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا و۱۷ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو و۱۸ ہاں البتہ پرستش اس کی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی

سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ

میری رہنمائی کرتا ہے و۱۹ اور وہ اس (عقیدۂ توحید) کو اپنے اخلاف میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (مشرک آئندہ بھی

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ

توحید کی طرف) رجوع کرتے رہیں و۲۰ اصل یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو (خوب سا) سامان دے دیا

الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

یہاں تک کہ ان کے پاس (کلام) حق اور ایک روشن رسول آگیا و۲۱ اور جب ان کے پاس (کلام) حق آگیا تو وہ بولے کہ یہ

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور) بستیوں کے کسی بڑے

عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ

آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا و۲۲ تو کیا آپ کے پروردگار کی

و۱۶ یعنی یہ آباء پرستی اور جمود وتقلید پسندی کوئی نئی بات نہیں، گمراہوں کا شعار ہمیشہ سے رہی ہے۔ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ۔ پیغمبروں کی مخالفت کے لیڈر اور سرغنہ قوم کے امراء ورؤساء ہی ہمیشہ ہوتے ہیں۔ عوام نے ان کی صرف تقلید کی ہے۔ و۱۷ ان آیتوں کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر جب اور جہاں کہیں اصلاح امت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ حق، دلیل وبرہان انہیں کے ساتھ رہا ہے۔ منکرین ومخالفین کے پاس بجز تعصب، ہٹ دھرمی، آبائی پاسداری، رسم ورواج کی شدت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ پیغمبرانہ حقائق کے مقابلہ میں صرف اپنے ہاں کے رسوم اور دستوروں کو پیش کرتے ہیں اور اس ضد وعناد میں ان کے رؤساء وسردار آگے آگے ہوتے ہیں، پیغمبروں کے دلائل وشواہد، وہ سب بے اثر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوم تباہ وہلاک ہوکر رہتی ہے۔ اَوَلَوْ ... اٰبَآءَكُمْ۔ پیغمبروں کا جواب ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے آبائی ریت ورسم اور ہماری لائی ہوئی شریعت کا مقابلہ کرکے دیکھ لو نا! کہ کون عملی، اخلاقی، ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ رسول کے پیش کیے ہوئے دلائل پر غور نہ کرنے اور اپنی ضد، ہٹ، تعصب، تقلید پرستی پر قائم رہنے کی پوری مذمت آیت سے نکلتی ہے۔ فیه الدلالة علی ابطال التقلید لذمه ایاهم علی تقلید آبائهم وترکهم النظر فی ما دعاهم الیه الرسول ﷺ (جصاص) و۱۸ قوم عرب جو قرآن کی مخاطب اول تھی اور سب سے زیادہ تقلید آبائی اور جمود میں گرفتار، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھی۔ حالانکہ آپ خود موحد اعظم تھے۔ ایک خاص مناسبت اس محل پر آپ کے ذکر کی یہ بھی ہے۔ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ۔ ابراهیم اور آپ کے والد آزر دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ قَوْمِهٖ۔ ضمیر ہ۔ ابراهیم کی طرف بھی جاسکتی ہے اور ابیه کی طرف بھی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ کلدانی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی کے دوہرے شرک میں مبتلا تھی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سابق کے حاشیوں میں گزر چکا۔ و۱۹ ایک موحد کی یہی شان ہے کہ وہ اسی طرح شرک ومتعلقات شرک سے اپنی بے تعلقی وبیزاری کا اظہار کرتا رہے۔ آیت میں اثبات توحید دوگونہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ سب کا فاطر وخالق بھی وہی ہے اور سب کا ہادی ومرشد حقیقی بھی وہی۔ و۲۰ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ہی تنہا موحد نہ تھے بلکہ اپنے سلسلہ میں بھی یہی پیام توحید چھوڑ گئے۔ جَعَلَهَا۔ ضمیر ها کلمۂ توحید کی جانب ہے۔ ای کلمة التوحید التی تکلم بها (کبیر) و۲۱ (اور وہ اسی متاع دنیوی میں مشغول ومنہمک ہوکر دین حق کی طرف سے غافل بلکہ منکر ہو بیٹھے) هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی قوم عرب جس کا ذکر ابھی فِيْ عَقِبِهٖ میں ضمناً آچکا ہے۔ یعنی اهل مکة وهم من عقب ابراهیم بالمد فی العمر والنعمة (کبیر) قال مجاهد وقتادة یعنی کلمة التوحید (معالم) الْحَقُّ۔ یعنی قرآن مجید۔ یعنی القرآن (معالم) رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی محمد مصطفی ﷺ۔ و۲۲ یہ آخری اعتراض ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معاندین کی طرف سے ساحر وغیرہ قرار دیے جانے کے بعد عائد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو یہ ہم میں سے کوئی بہت بڑے آدمی بلحاظ جاہ وتمول کے کیوں نہ ہوئے؟ کہ عوام اپنے رؤساء کی راہ پر قدرۃً چلنے لگتے ہیں۔ گویا اعتراض کی اصل یہی تھی کہ ان لوگوں کے زعم میں جاہ وریاست لوازم نبوت ومقبولیت میں سے ہے۔ هٰذَا ... سِحْرٌ۔ معاندین نے اعجاز قرآنی سے عاجز ولاجواب ہوکر یہی کہنا شروع کیا تھا کہ یہ کلام جو اس درجہ مؤثر ہے، یہ تو سحر وساحری کا نتیجہ ہے۔ الْقَرْيَتَيْنِ۔ دو شہروں سے مراد مکہ وطائف ہیں جو اس وقت حجاز کے مرکز تہذیب وتمدن تھے۔ عَظِيْمٍ۔ یہ صفت رجل کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ قرآن کو نازل ہی ہونا تھا تو کسی صاحب مال وجاہ یا صاحب ریاست پر کیوں نہ نازل ہوا۔ هو الذی یکون کثیر المال والجاه (کبیر) قریش کے ہاں اکثر جاہلی قوموں کی طرح کسی شخص کا اولاد اکبر میں سے ہونا ایک بڑا امتیاز ریاست وسرداری کا تھا۔ ہمارے حضور ﷺ کے والد اول تو اپنے والد کی اولاد اکبر نہ تھے۔ اور پھر حضور ﷺ کی پیدائش یتیمی، جس کی بنا پر آپ اپنی کفالت کے لیے پہلے دادا اور پھر ایک نسبتاً مفلس چچا کے دست نگر رہے۔ یہ سب باتیں مل ملا کر آپ کو کسی طرح بھی قریش کی نظر میں "عظیم" نہیں بننے دیتی تھیں۔

رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِي

رحمت (خاصہ) کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں و۲۳ ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ

ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں

لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ

تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے (کہیں) بہتر ہے

مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً

جسے یہ لوگ سمیٹے رہتے ہیں و۲۴ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے

وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا

ہو جائیں گے تو جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں اُن کے گھروں کی چھتیں

مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا

ہم چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے اور ان کے مکانوں کے دروازے (تک بھی)

وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا

اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کی بھی (یہ چیزیں کر دیتے) و۲۵ لیکن یہ سب سامان

مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے، اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں ہی کے لئے ہے و۲۶

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ

اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے

قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ

ساتھ رہتا ہے و۲۷ اور وہ (شیاطین) ان لوگوں کو راہ (راست) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ (اپنے لئے) خیال کرتے رہتے

و۲۳ کیا یہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا ممکن عطیہ ہے اور خاص الخاص رحمت و عنایت، اس کی تقسیم ان لوگوں کے صلاح و مشورہ سے کی جاتی ہے؟ لہٰذا ہی سب کی صلاحیتوں، اہلیتوں استعدادوں کا علم کامل رکھتا ہے اور اسی نے اپنے اس ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخص کو اس منصب پر مامور کیا ہے۔ رَحۡمَتَ رَبِّكَ۔ رحمۃ کے عام معنی کے علاوہ یہاں خصوصی اشارہ نبوت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ای النبوۃ (مدارک) و۲۴ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی نعمتیں جو اس قدر حقیر ہیں، ان تک کی تقسیم اور ان کا انتظام ہم نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے تو نبوت جیسی گراں بہا نعمت کسی مخلوق کے ہاتھ میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی؟ اس کی تقسیم اور اس کا انتظام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔آیت سے دو اور امور بھی مستنبط ہوتے ہیں:۔(۱) دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی الل ٹپ نہیں، ایک خاص نظام تکوینی کے ماتحت چل رہی ہے۔(۲) معاشی حیثیت سے بھی درجات کا فرق بالکل فطری وطبعی ہے۔کوئی دانا ہوگا، کوئی مدیون، کوئی دولت مند، کوئی بے مایہ۔ رَفَعۡنَا۔ سُخۡرِيًّا۔ معاشرہ میں فرق مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔کوئی دولت مند ہوگا کوئی نادار، کوئی افسر کوئی ماتحت۔ بے طبقات معاشرہ (Classless, Society) کا لفظ ہی سرے سے بے معنی ہے ...اسلام صرف جور و جبر کو روکتا ہے۔کسی پر ظلم کی گنجائش شریعت اسلامی میں نہیں۔ باقی بڑے چھوٹے کا نفس فرق تو قائم رہے گا۔ اور اسے قائم رہنا چاہئے۔ رَحۡمَتُ رَبِّكَ۔ رحمۃ سے یہاں بھی مراد نبوت یا دین الٰہی سے لی گئی ہے۔ای النبوۃ او دین اللہ (مدارک) و۲۵ مطلب یہ ہوا کہ دنیا اور اس کا سارا ساز و سامان اللہ کے ہاں اس قدر حقیر و بے وقعت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خلقت کا رجحان تمام تر کفر کی جانب ہو جاتا اور قریب قریب سب ہی ملت کفر اختیار کرنے لگتے تو اللہ صرف کافروں ہی کو دولت دنیوی و سامان مادی سے نواز دیتا۔ یہاں تک کہ ان کے گھر، در فرنیچر سب کو چاندی سونے سے منڈھ دیتا، سب کو چاندی سونے کا بنا دیتا، لیکن اگر ایسا ہوتا تو لوگ یہی سمجھنے لگتے کہ مقبولیت طریق کفر کو حاصل ہے، اور اسی طرف جھک پڑتے۔ والمقصود من هذا الكلام تحقير الدنيا و بيان ما في المال والجاه من المضار العظيمة وذلك لان كثرة المال والجاه تجعل الانسان كالاعشى عن مطالعة ذكر الله تعالى ومن صار كذلك صار جليسا للشيطان (کبیر) آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ مال و جاہ کی افراط نقصان و حرمان ہی کا باعث ہوتی ہے۔ تثبت بما ذكرنا ان كثرة المال والجاه توجب كمال النقصان والحرمان في الدين والدنيا (کبیر) آیت سے ان ''مصلحین'' کی روش پر بھی روشنی پڑ گئی جو اپنی تحریروں، تقریروں میں یورپ اور امریکہ کے مال و دولت کا ذکر للچائے ہوئے لہجہ میں کرتے رہتے اور مسلمانوں کو اس طرح ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ جیسے یہ زرداری ہی ترقی کی معراج ہے۔ و۲۶ یعنی دنیا تو پوری کی پوری ہاتھ آجانے کے بعد بھی بہرحال فانی ہی فانی ہے۔سرتاسر ناقابل قدر و ناقابل طلب۔قابل قدر و قابل طلب تو صرف آخرت ہے اور وہ تقویٰ یعنی ایمان و طاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ علماء حق نے کہا ہے کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں:۔(۱) مومنین کے حق میں رعایت کہ کہیں یہ پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضاء الٰہی سمجھنے لگیں۔(۲) آخرت کی تخصیص مومنین متقین کے ساتھ (۳) دنیا کی تحقیر اور اس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔(۴) چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ، کہ جو چیز کافروں کے سزاوار ہے، مومن کے پسند کی نہ ہونا چاہیے۔ و۲۷ (اور ہر وقت اُسے بدی کی ترغیب دیتا رہتا ہے) نُقَيِّضۡ ... قَرِيۡنٌ۔ یعنی انسان جب اپنے قصد و ارادہ سے کج روی اختیار کر لیتا ہے تو قوائے شیطانی بھی خارج سے برابر اس کی کج روی و گمراہی کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں۔ایسے شخص کو سزائے ظاہری سے سردست محفوظ ہو، لیکن یہ عذاب کچھ کم ہے کہ ترقی سیئات ہی میں کرتا چلا جارہا ہے۔اس فعل تقییض کی نسبت اللہ کی طرف بالکل ایسی ہی ہے جیسے فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ میں ازاغۂ قلب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔محض علت علل یا تکوینی مسبب الاسباب کی حیثیت سے۔اس تقییض سے مراد تقییض خصوصی ہے جس سے ضلالت مرتب ہی ہو جائے۔ورنہ شیطان تو عمومی رنگ میں ہر انسان کے ساتھ رہتا ہی ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آچکا ہے۔ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ۔ یعنی قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے۔ وَمَنۡ ... الرَّحۡمٰنِ۔ اشارہ قرآن کے مخاطبین اول کی جانب ہے جو رسالت کے دلائل اور اعجاز قرآنی کی طرف سے قصداً آنکھیں بند کیے رہتے تھے۔آیت سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن و ذکر الٰہی کی طرف سے ارادی غفلت ہی تسلط شیطانی کا باعث ہوتی ہے تو اس مصیبت سے بچنے کا یہ کھلا ہوا علاج بھی نکل آیا کہ قرآن و ذکر کی جانب مشغولی دوام رہے۔ وفيه اشارة الى ان من داوم عليه لم يقربه الشيطان (مدارک)۔

اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ

ہیں کہ ہم راہ پر ہیں ۲۸ (یہ تغافل قائم رہتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ شخص ہمارے پاس آجاتا ہے تو (شیطان سے) کہتا

وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ

ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا تو (شیطان) برا ساتھی ہے ۲۹ اور آج یہ بات کچھ

الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ

تمہارے کام نہ آئے گی جب کہ تم خود کفر کر چکے ہو کہ تم عذاب میں (دوسروں کے ساتھ) شریک ہو ۳۰ تو کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ

بہروں کو سنا سکتے ہیں؟ یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں رستہ

مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

دکھا سکتے ہیں ۳۱ پھر اگر ہم آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدلہ لے کر رہنے والے ہیں

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا اگر ہم انہیں وہی دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے تو ہم ان پر بھی قادر ہیں ۳۲

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ

بہر حال آپ اس (کلام) سے تمسک کئے جائیے جو آپ پر وحی کیا گیا ہے آپ بے شک سیدھے راستہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ

پر ہیں اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب

تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ

تم سب سے پوچھ ۳۳ جائے گا اور آپ ان (سب) پیمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے دریافت کر لیجئے

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ

کہ کیا ہم نے (خدائے) رحمن کے سوا دوسرے خدا ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے؟ ۳۴ اور

ع

ف ۲۸ (اور اس غلط اطمینان اور تغافل کی بدولت کبھی ضرورت ہی مزید تحقیق وکاوش کی نہیں سمجھتے) یہ حد ہے ان کی گمرہی کی کہ عین گمرہی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں! ؛ وَاِنَّهُمْ۔ الشیطین۔ لوگوں کو راہ حق سے روکنا بھی تسلط شیطانی ہے۔ اَنَّهُمْ میں ضمیر ھم شیاطین کی طرف ہے۔ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ اس میں ضمیریں سب انہیں اندھے بن جانے والے انسانوں کی طرف ہیں۔ ای العاشون (مدارک) ف ۲۹ انکشاف حقیقت کے وقت انسان حسرت وندامت میں سب کچھ کرے گا کہ کیوں شیطان کا ساتھ ہوا۔ لیکن اس وقت سب بیکار ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کافر کا شیطان خواب وخور میں اس کا شریک رہتا ہے۔ اور مومن کا شیطان منتظر رہتا ہے کہ کب اسے غفلت ہو اور پیچھے ورا سے دبا لے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا۔ یعنی یہ تغافل اور یہ مغالطہ اس دنیوی زندگی تک رہتا ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی کشف حقائق ہونے لگتا ہے۔ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ سے محاورہ میں مراد دو مشرقوں سے نہیں بلکہ مشرق ومغرب سے ہوتی ہے۔ یرید المشرق والمغرب والاصل بعد المشرق من المغرب والمغرب من المشرق (کشاف) ومن عادة العرب تسمية الشيئين المتقابلين باسم احدهما (کبیر) ف ۳۰ یعنی جو لوگ دنیا میں کافر مرے ان کی تسکین اس سے ذرا بھی نہ ہو سکے گی کہ دوسرے بھی بہت سے ان کے ساتھ دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور مرگ انبوہ جشنے دارد کا قانون وہاں بالکل نہ چل سکے گا۔ اِذْ ظَّلَمْتُمْ۔ ظلم یہاں بھی کفر ہی کے معنی میں ہے۔ ای اشرکتم فی الدنيا (معالم) ف ۳۱ یعنی ایسے ارادی کج روؤں اور گمراہوں کی ہدایت آپ کے اختیار سے خارج ہے۔ آپ ذرا بھی اس کے درپے نہ ہوں۔ ف ۳۲ مطلب یہ ہوا کہ ان کا عصیان وطغیان خالی جانے والا نہیں۔ عذاب ان پر ضرور مرتب ہوگا۔ خواہ آپ کی حیات ہی میں ہو یا آپ کے بعد ہو، ہم بہر صورت قادر ہیں۔ ف ۳۳ (کہ آپ نے اپنے ذمہ کے حقوق قرآن کہاں تک ادا کئے) آپ سے سوال تبلیغ سے متعلق ہوگا۔ اور ان لوگوں سے اس پر عمل کا۔ ذکر یہاں شرف کے معنی میں ہے۔ ای شرف لک ولقومک (راغب) معناه لشرف لک ولقومک قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدى وابن زيد واختاره ابن جرير (ابن کثیر) اى انه يوجب الشرف العظيم لک ولقومک (کبیر) نیک نامی ونیکو بہت۔ موجب شرف ہونا آپ کے لئے تو اس لئے کہ آپ براہ راست مخاطب تھے اور آپ کی قوم کے لئے اس واسطے کہ وہ بالواسطہ مخاطب تھی اور اس طرح اس کے واسطہ سے آپ کی اور آپ کی قوم دونوں کی نیک نامی اور بلند نامی قیامت تک قائم رہے گی۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ پہلو بھی پیدا کیا ہے کہ بندۂ مومن کو اپنی نیک نامی دل سے عزیز رکھنا چاہیے۔ واعلم ان هذه الاية تدل على ان الانسان لابد وان يكون عظيم الرغبة فى الثناء الحسن والذكر الجميل ولو لم يكن الذكر الجميل امرا مرغوبا فيه لما منّ الله به على محمد ﷺ (کبیر) قوم سے مراد قوم عرب بھی ہو سکتی ہے اور ساری امت بھی۔ القوم هم العرب فالقران لهم شرف اذ نزل بلغتهم (معالم۔ عن مجاہد) والقوم على هذا قريش ثم العرب قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدى وابن زيد (بحر) وقال الحسن القوم هنا امة (بحر) اى لامتک (مدارک) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ۔ قرآن مجید کی تبلیغ بھی تمسک بالقرآن ہی کی ایک فرد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیرت انگیز ومعجزانہ استقامت پر فرنگی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف ۳۴ یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے جیسے کچھ وہ موجود ہیں تحقیق کرلیا جائے۔ ليس المراد بسؤال الرسل حقيقة السؤال ولكنه مجاز عن النظر فى اديانهم والفحص عن مللهم (مدارک) والمراد به الاستشهاد باجماع الانبياء على التوحيد (بیضاوی) "اس سے اوروں کا سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا۔ جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ علیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھ ہو، پھر کہتے ہیں کہ آؤ ذرا شیخ بوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانون شیخ دیکھنے لگیں۔" (تھانوی مدظلہ)

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ

ہم نے موسیٰ کو اپنے نشانات کے ساتھ فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ا

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا

پروردگار عالم کی طرف سے پیغمبر ہوں لیکن جب وہ ہمارے نشانات لے کر آئے تو ان لوگوں نے کیا کیا کہ لگے

يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ

ان پر ہنسنے اور ہم ان کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ

اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا کہ شاید وہ باز آ جائیں ف۳۵ اور وہ بولے کہ اے

السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

جادوگر اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں اس چیز کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے (اب) ہم ضرور راہ

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى

پر آ جائیں گے ف۳۶ پھر جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تبھی انہوں نے عہد بھی توڑ دیا ف۳۷ اور فرعون نے

فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ

اپنی قوم میں منادی کرا دی یہ کہا کہ اے میری قوم والو کیا مصر کی سلطنت میری نہیں

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ

اور یہ نہریں میرے تحت میں بہہ رہی ہیں، کیا تم (سب) یہ نہیں دیکھتے ہو؟ ف۳۸ تو (بھلا بتاؤ) کہ کیا

اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْ

میں افضل (نہیں) ہوں اس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اسے نہیں آتا ف۳۹ سو ا

لَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے ہیں ف۴۰ یا اس کے جلو میں فرشتے ہی

ف۳۵ (اپنے کفر و عناد سے) وَمَا نُرِيْهِمْ ... اُخْتِهَا۔ یہاں ایت یا نشانی سے قحط وغیرہ کے تو مشہور معجزے یا خوارق مراد ہیں۔" مطلب یہ کہ سب نشانیاں بڑی ہی تھیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔" (تھانوی ؒ) وَلَقَدْ ... فِرْعَوْنَ۔ ایات سے مراد یہاں دلائل و معجزات دونوں ہیں۔ مُوْسٰى، فِرْعَوْنَ۔ ان پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ قوم فرعون ایک پروردگار عالم کے تخیل سے بھی نا آشنا تھی اور نبوت و رسالت کے عقیدہ سے بھی۔ قرآن مجید کے مختصر سے فقرہ میں دونوں عقیدوں کی تبلیغ آ گئی۔ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ۔ پیام موسوی پر ایمان لانا تو الگ رہا۔ معجزات موسوی و دلائل موسوی کو سرے سے قابل التفات سمجھے اور الٹا ان پر تمسخر کرتے رہتے تھے۔ ف۳۶ فرعون اور فرعونی گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شدید مخالف اور عقیدۂ نبوت کے یکسر منکر تھے تاہم ایک زبردست عامل کی طرح آپ کو سحر و جنتر منتر وغیرہ میں کامل سمجھتے اور آپ کی قوت تسخیر تکوینی کے پوری طرح قائل تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ جو بلائیں اور مصیبتیں آپ کی وساطت سے آ بھی سکتی ہیں اور دور بھی ہو سکتی ہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تاکہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج۔ ۸:۸)" اور فرعون بولا کہ میں تمہیں جانے دوں گا تاکہ تم خداوند اپنے خدا کے لئے بیابان میں قربانی کرو۔ لیکن تم بہت دور مت جاؤ۔ میرے لئے شفاعت کرو (۸:۲۸) يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ۔ اہل مصر حضرت موسیٰ کی قوت اعجازی کے پوری طرح قائل تھے البتہ وہ اس کو آپ کی صداقت کی دلیل نہ سمجھتے اور نبوت و رسالت کا تو مسئلہ ہی سرے سے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور آپ کے لائے ہوئے تمام خوارق کو آپ کی زبردست قوت تسخیر تکوینی پر محمول کر رہے تھے۔ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۔ یعنی اب ہم قائل ہو جائیں گے اور اس کے بعد وہی ماننے لگیں گے۔ جو آپ علیہ السلام ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ ف۳۷ توریت میں ہے:۔ "پھر جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا ان کی نہ سنی۔" (خروج۔ ۸:۱۵) "فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی۔" (۸:۳۲) "تو بھی فرعون کا دل سخت ہوا اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا۔" (۹:۷) "اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا۔ اور اس نے جیسا کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا تھا ان کی نہ سنی۔" (۹:۱۲) غرض جب جب مصیبت ان سے دور ہو جاتی تھی یہ اپنے سارے عہد و پیمان بھول بھال پھر وہی حضرت موسیٰ کی مخالفت اور سرکشی پر آ جاتے تھے ف۳۸ فرعون کے اس اعلان خسروی کا مضمون یہ تھا کہ حکومت، جائز و قانونی حکومت تو مصر بھر اور اس کے توابع پر میری ہے، میری حکومت کے خلاف یہ باغی ہے کون جو کھڑا ہوا ہے؟ الْاَنْهٰرُ۔ الْاَنْهار کے مفہوم دو ہو سکتے ہیں اور اردو میں ان کے لئے لفظ بھی دو ہیں۔ ایک تو انسانی صنعت سے تیار کئے ہوئے پانی کے چشمے اور دھارے۔ انہیں اردو میں نہر کہتے ہیں۔ دوسرے قدرتی ندیاں یا دریا۔ یہاں دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ ندیاں تو عظیم الشان مصری دریا نیل کی شاخیں ہیں۔ آگے چل کر دریائے نیل متعدد چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اگر نہریں بھی جائیں تو وہ نہریں مراد ہوں گی جن کا جال فرعونان مصر نے ملک بھر میں بچھا رکھا تھا۔ مِنْ تَحْتِىْ۔ یعنی میری ماتحتی میں۔ میرے احکام کے مطابق۔ اے من تحت امری (روح) ف۳۹ حضرت موسیٰ کی قومی برتری کی نفی تو فرعون ابھی اوپر کر چکا۔ اب ذاتی و شخصی تنقیص کر رہا ہے۔ کہتا ہے۔ اسے تقریر تو آتی نہیں۔ اَمْ۔ مفسرین اور اہل نحو کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ اَمْ یہاں کلمۂ استفہام نہیں بلکہ بل کے مرادف ہے۔ ام بمعنی بل ولیس بحرف عطف علی قول اکثر المفسرین (معالم) قال السدی یقول بل انا خیر من هذا الذی هو مهین وهکذا قال بعض نحاة البصرة ان ام ههنا بمعنی بل (ابن کثیر) لَا يَكَادُ يُبِيْنُ۔ خوش تقریری اس دور تمدن میں بھی ایک اعلیٰ کمال و فضیلت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت تقریر کی کمی پر ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ (پ۱۶) کے حاشیے۔ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ۔ یعنی یہ شخص تو کوئی چھوٹا موٹا سا حاکم بھی نہیں بلکہ الٹا مع اپنے سارے کنبہ قبیلہ کے میری ادنیٰ رعایا ہے۔ ف۴۰ (جو جاہلی تہذیب و تمدن میں ایک اعلیٰ معیار منصب و اعزاز تھا) مصری نظام حکومت میں جب بادشاہ کی خاص نظر عنایت کسی پر ہوتی تھی۔ کسی معمولی انسان کو نواب یا رئیس با اختیار بنایا جاتا تھا تو بطور اعزاز اسے سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

پرا جمائے ہوئے ف۴۱ غرض اس نے اپنی قوم کو مغلوب کر لیا اور انہوں نے اس کا کہا مان لیا، وہ لوگ تھے ہی

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

شرارت سے بھرے ف۴۲ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لے لیا اور ہم نے ان سب کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا

ڈبو دیا تو ہم نے انہیں پچھلوں کے حق میں (ایک خاص قسم کا) پیشرو اور نمونہ (عبرت) بنا دیا ف۴۳ اور جب

ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْۤا

ابن مریم کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر (مارے خوشی کے) اُچھل پڑے اور بول اُٹھے

ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ

کہ اچھا تو افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ ف۴۴ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش

قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

کیا ہے ف۴۵ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ف۴۶ وہ تو بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ ان پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور انہیں

مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً

بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا تھا ف۴۷ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتے پیدا کر دیتے

فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ

جو زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے ف۴۸ اور وہ تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا ف۴۹ تو تم لوگ اس میں شک

بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

مت کرو اور تم لوگ میری پیروی کرو، یہی سیدھی راہ ہے ف۵۰ اور شیطان تمہیں ہرگز

الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى

روکنے نہ پائے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب عیسیٰ کھلے نشان

ف۴۰ مشرکوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کوئی انسان محض عام اور معمولی انسانیت کے ساتھ نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ان کے عقیدہ میں خدا کا اوتار جب دنیا میں آئے گا تو لازم ہے کہ فوق الانسان ہستیوں کے پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے۔ ف۴۱ یعنی مصری قوم بھی اپنے بادشاہ کی ہم زبان و ہم خیال ہو گئی اور وہ تھی بھی پہلے ہی سے گمراہ۔ عقیدے تو مصریوں کے وہی تھے ہی جو خود فرعون کے تھے۔ اب سیاسی حیثیت سے بھی موسیٰ علیہ السلام کے باب میں قوم اپنے بادشاہ کی ہم خیال ہو گئی۔ ف۴۲ یعنی بعد کی نسلیں ان کی سرکشی اور پھر غرقابی کے قصے یاد کر کے ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ اَسَفُوْنَا۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ غرقابی فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ (پ۱) میں گزر چکے۔ ف۴۳ قرآن مجید میں دوسرے پیمبروں کی طرح حضرت مسیح کا بھی ذکر بارہا بطور نمونہ و نظیر کے آیا ہے۔ مشرکین عرب ان کا معبود مانا جانا بھی سن چکے تھے۔ اب جو رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ان کی مدح و توصیف سنی تو اپنی سفاہت و حماقت سے مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ گویا کوئی بڑی سخت گرفت ان کے ہاتھ آ گئی۔ وہ بول اٹھے کہ جب مسیح باوجود اپنی معبودیت کے قابل مدح و داد ہو سکتے ہیں تو پھر آخر ہمارے دیوتاؤں، ٹھاکروں نے کیا برائی کی ہے! کیوں نہ مسیح کی طرح یہ بھی بزرگ و مقبول سمجھے جائیں؟ ف۴۵ نہ کہ تحقیق و طلب حق کے لئے) مشرکوں نے عیسائیوں کے مسیح، اور قرآنی مسیح کے درمیان خلط کر دیا۔ کمال حماقت سے مسلمانوں کو مسیحی سمجھ لیا اور ان کے سامنے بطور حجت الزامی وہ چیز پیش کی جو صرف مسیحیوں کے مقابلہ میں پیش کی جا سکتی ہے۔ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہی کب اور کہاں ہیں؟ وہ تو بس اس عقیدہ پر لاحول پڑھتے ہیں اور اسے کھلا ہوا شرک سمجھتے ہیں۔ معبودیت والے جزء کا جواب تو مسیحیوں سے طلب کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اس عقیدہ سے کیا سروکار۔ قرآن تو خود اس کی تردید ہی بار بار کر رہا ہے۔... آج ہندوستان میں بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے ہندو لفظ مسیح کو مشترک پا کر اسلامی مسیحی اور مسیحی مسیح کو ایک سمجھ رہے ہیں اور حضرت مسیح کے بارے میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ف۴۶ یعنی حق کی طلب نہ رکھنے والے بلکہ صرف کج بحثی میں لگے رہنے والے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو خواہ مخواہ مسلمانوں پر چپک دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و احترام میں بے شک مسلمان اور عیسائی متحد ہیں، لیکن بس اس کے آگے زمین و آسمان کا فرق ہے مسیحی ان کی معبودیت کے، الوہیت کے قائل ہیں۔ اسلام اس عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہے۔ مشرکوں کی غباوت وجہالت ملاحظہ ہو کہ عیسائیوں کی مزعومہ الوہیت و معبودیت کو بطور استدلال مسلمانوں کے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں۔ لیکن قصور اس معاملہ میں سو فیصد مشرکین عرب کا ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ مسیحیت جس طرح کہ وہ اس وقت عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ خود ہی خالص مسیحیت نہ تھی بلکہ مسیحیت اور شرک کی ایک ملی جلی صورت تھی۔ اور مسیح علیہ السلام کا شمار گویا عرب کے بیشمار دیوتاؤں میں سے بطور ایک نئے دیوتا کے ہونے لگا تھا! نیویارک (امریکا) کے مشہور مسیحی سہ ماہی مسلم ورلڈ کے اکتوبر ۱۹۳۱ء نمبر میں ایک مقالہ یونیورسٹی کالج کورنز کے استاد ایف۔ وی۔ وینٹ (Winnete) کے قلم سے ہے۔ اس میں وہ یمن و شام، عرب جنوب، عرب شمال کے قدیم کتبات کا جائزہ لے کر لکھتے ہیں کہ ”ہمیں جو مرقع نظر آتا ہے وہ مسیحیت اور جاہلیت کا مخلوط ہے۔ مسیح نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا۔ ان کی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہو گیا۔ جانور مسیح کے نام پر بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ ان سے دعائیں اسی طرح کی جاتی تھیں جیسے دوسرے دیوتاؤں سے۔“ (صفحہ ۵۳، صفحہ ۵۴) ف۴۷ اسلام کا دعویٰ تو بس اسی قدر ہے۔ وہ تو مسیح کو صرف ایک عبد مقبول و محترم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اس کے اس عقیدہ پر کسی کے عقیدۂ الوہیت و معبودیت سے آخر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ اسلام میں بلند ترین مقام کمال ہی عبدیت کا مقام ہے۔ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ۔ نمونہ سے مراد نمونہ قدرت بھی ہو سکتی ہے (جس سے اشارہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فوق العادۃ طریق ولادت کی طرف نکلتا ہے) اور یا یہ مراد ہو کہ وہ امت اسرائیل کے لیے بطور نمونہ و قدوہ کے بھیجے گئے تھے۔ ف۴۸ اور یہ چیز تو مسیح علیہ السلام کی بن باپ کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہوتی) مطلب یہ کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بے باپ کی ولادت سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب چیزوں پر۔ وَلَوْ نَشَآءُ۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ ف۴۹ یہ اشارہ ہے مسیح کی آمد ثانی کی طرف۔ یعنی آپ کا دوبارہ ظہور قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور ثانی کی پوری تفصیلات کتب حدیث میں ملے گی۔ ابواب الفتن، اشراط الساعۃ وغیرہا میں۔ عِلْمٌ یہاں شرط کے معنی میں ہے۔ اے شرط من اشراطها علم به فسمی الشرط علما لحصول العلم (کشاف) لان حدوثه او نزوله من اشراط الساعة يعلم به دنوها (بیضاوی) صحابہ و تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ يدل على قرب قيامها اذ خروجه شرط من اشراطها وهو نزوله من السمآء في آخر الزمان (بحر) (عن ابن عباسؓ ومجاهد وقتادة والحسن والسدی والضحاک وابن زید) اية الساعة خروج عيسى ابن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة وهكذا مروی عن ابی هريرة وابن عباس وابی العالية وابی مالک وعکرمة والحسن وقتادة والضحاک وغيرهم (ابن کثیر) عِلْمٌ کی قراءت بھی یہاں بعض صحابیوں اور تابعین کی روایت سے عَلَمٌ بالفتح ہے۔ جو خود علامت کے معنی میں ہے۔ قرء ابن عباس العَلَم وهو العلامة (کشاف) وقرء ابن عباس وابو هريرة وقتادة بفتح اللام والعين اے امارة وعلامة (معالم) ف۵۰ یعنی پیمبر کی پیروی ہی سیدھی راہ ہے اور اس میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ معاد سب آ گئے۔ بِهَا ضمیر السَّاعَةِ کی طرف ہے۔ یعنی

بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ

لے کر آئے ۵۲ تو انہوں نے فرمایا میں تمہارے پاس حکمت کی باتیں لے کر آیا ہوں، اور اس لئے تاکہ تم پر واضح کردوں دو بعض

الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۵۳ بے شک اللہ ہی

هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾

میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے ۵۴

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

پھر بھی (مختلف) گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا پس بڑی خرابی ہے ان ظالموں کے لئے

مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

ایک پُر درد دن کے عذاب سے ۵۴ یہ لوگ یوم قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں

اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ

کہ وہ بس ان پر یکبارگی آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ۵۵ اس روز (دنیا کے) جگری دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ ؑ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں) ۵۶ اے میرے بندو آج تم پر کوئی

عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ۵۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ہماری آیتوں پر

بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ ۚ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ

ایمان لائے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش

وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ

جنت میں جا داخل ہو ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی

ع

وقوع حشر ہرگز کوئی شک وشبہ والی چیز نہیں۔ فی وقوعها (روح) ۵۱ بیّنات میں احکام، دلائل وخوارق سب آ گئے۔ ای بالمعجزات و بالشرائع البینات الواضحات (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے جو سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے ظہور و پیام پر حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔ ۵۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود مختلف فرقوں میں شدید باہمی اختلافات کے ساتھ بٹے ہوئے تھے اور عقائد و احکام کے باب میں سخت خانہ جنگی برپا تھی یہ اشارے صاف اسی طرف ہیں اور قرآن کے اعجاز پر ایک دلیل مزید ہے۔ عرب کے ایک غریب اُمّی کو ایک بالکل دوسری قوم اور دوسرے ملک کے اور وہ بھی ساڑھے پانسو سال قبل کے شدید باہمی اختلافات کی خبر از خود ہو ہی کیا سکتی تھی؟ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ۔ معارف وحقائق کا درس پیمبر سے بڑھ کر اور کون لاتا ہے۔ انہیں علوم حقیقی کو الحکمة کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ اتباع نبی کی راہ میں اصلی رکاوٹ خوف خدا کا فقدان ہی ہے۔ آپس کی نفسانفسی ضد اور جمود طلب حق کی طرف سے بے التفاتی سب اسی تقوے الٰہی کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ۵۳ دین کا اصل الاصول یہی مسئلہ توحید ہے۔ اِنَّ .... رَبُّكُمْ۔ وہ ایک خدا جس طرح تمہارا پروردگار، میرا بھی پروردگار، جیسے تم اس کے بندے میں بھی اس کا بندہ۔ مسیحیت پر خاص زد ہے۔ ۵۴ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے مرادف ہے۔ اور الذین کفروا کے معنی کافرون ہی کے ہیں۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ۔ یعنی حضرت عیسیٰ تو سیدھے سادے مذہب توحید کی دعوت دے گئے تھے۔ یہ تو ان کے متبعین تھے۔ جنہوں نے مسلک توحید سے ہٹ کر طرح طرح کے مذہب تراش لئے۔ ان خرافات کی ذمہ داری مذہب اسلام پر یا حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات پر کیا آ سکتی ہے۔ ۵۵ ذکر منکرین قیامت کا ہے۔ یہ منکرین انہیں غفلتوں میں پڑے ہوں گے کہ قیامت یک بیک آ واقع ہوگی۔ ۵۶ عالم آخرت کشف حقائق کا عالم ہے۔ دنیا کی جتنی بھی دوستیوں، محبتوں کی بنیاد باطل پر ہے سب کا بطلان وفساد اس وقت قدرۃً آئینہ ہو کر رہے گا۔ اور ان دوستوں اور محبوں سے نفرت وبیزاری بھی اسی درجہ شدت کے ساتھ پیدا ہو جانی ناگزیر ہے۔ بخلاف اس کے جن دوستیوں، محبتوں کی بنیاد حق وصلاح پر ہوگی۔ ان کا نفع واجر بھی قدرۃً اس وقت پوری طرح مشاہدہ میں آ جائے گا، اور اس لئے ایسے محبوبوں کے ساتھ محبت اور بڑھے گی۔ ۵۷ یہ ندا حشر میں مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے۔ یعنی نہ آئندہ کی کسی تکلیف کا اندیشہ کرو۔ اور نہ اب ماضی کی یاد تمہارے دل میں کوئی کیفیت غم کی پیدا کرے گی۔

ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ
اور گلاس (بھی) اور وہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کو جی چاہے گا اور جس سے آنکھوں کو

الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ
لذت ملے گی، اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی وہ جنت ہے جس کے

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ
اپنے اعمال کے عوض میں تم مالک بنا دیئے گئے ہو وف۵۸ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ
جن سے تم کھا رہے ہو بے شک نافرمان لوگ دوزخ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَ مَا
ہمیشہ رہیں گے وہ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ
ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی (اپنے حق میں) ظالم رہے ہیں وف۵۹ اور یہ لوگ پکاریں گے کہ اے مالک

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ
تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے وہ کہے گا تمہیں تو (اسی حال میں) پڑا رہنا ہے وف۶۰ بالیقین ہم نے سچا دین

بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا
تم تک پہنچا دیا تھا لیکن تم سے زیادہ تر سچے دین سے بیزاری ہی رکھتے ہیں وف۶۱ تو کیا انہوں نے کوئی انتظام کر رکھا ہے؟

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ
سو ہم نے بھی انتظام کر رکھا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کے رازوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو

وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ
نہیں سن رہے ہیں؟ ہم ضرور (سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے (بھی) جاتے ہیں وف۶۲ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

وف۵۸ (جس سے اب کبھی بے دخل نہ ہو گے) یہ منظر سب جنت کے ہیں، ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی و معنوی، جسمانی و روحانی ہر قسم کی اہل جنت کو حاصل ہو گی، اس میں کوئی استثناء ہی نہیں۔ وَ فِيْهَا۔ ضمیر ھا جنت کی طرف ہے۔ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور پھر یہ نعمتیں علاوہ بے اندازہ و بے حساب ہونے کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دائمی ہوں گی جن کے قطع ہونے کا کبھی خطرہ ہی نہیں۔ فِيْهَا ..... الْاَعْيُنُ۔ نفس و عین کی لذات کی اس تصریح نے حسی و بصری لذات کی اس صراحت نے ان باطل فرقوں کی جڑ کاٹ دی جو سمجھتے ہیں کہ جنت صرف کیفیات روحانی کا محل ہے۔ اور لذات مادی کا وہاں پتہ نشان بھی نہ ہو گا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اہل جنت کو بار بار اس کا بھی یقین دلا دیا جائے گا کہ تم اب ان نعمتوں کے مالک بنا دیئے گئے ہو۔ بے کھٹکے ان سے جس طرح چاہو لذت گیر ہو۔ اور یہ سب تمہیں اپنے اعمال کے حق سے ملا ہے۔

وف۵۹ (کہ پیام اسلام کو سنا ان سنا کر کے اور کفر و شرک کر کے اپنے ہاتھوں اس مصیبت میں پڑے) الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرمین سے مراد کفر و شرک کے مرتکبین ہیں نہ کہ مطلقاً عصی۔ اے الراسخين في الاجرام الكاملين فيه وهم الكفار (روح) اے المشركين (معالم) وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ۔ یہ خدائے اسلام کے صفات میں سے نہیں کہ وہ کسی کو ناحق دوزخ میں ڈال دے۔ یا خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم یہاں بھی کافر کے مرادف ہے۔ اے واضعين الكفر موضع الايمان (بحر)

وف۶۰ (نہ مرنا ہے نہ اس سے نکلنا ہے) يٰمٰلِكُ۔ مالک اصطلاحی نام داروغۂ جہنم کا ہے۔ يٰمٰلِكُ ..... رَبُّكَ۔ انتہائی اضطرار میں یہ سمجھ کر کہ شاید موت ہی ساری اذیت کا خاتمہ کر دے، اہل دوزخ تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آ جائے! . . . اور اس درخواست میں داروغۂ جہنم سے سفارش چاہیں گے۔

وف۶۱ دین حق کی تبلیغ کے بعد اس سے اسی انکار و کراہت اعتقادی ہی کا نتیجہ تو دوزخ کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

وف۶۲ (تو بھلا ہم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ سے بھی لاعلم و بے خبر رہ سکتے ہیں!) اَمْ يَحْسَبُوْنَ ..... نَجْوٰىهُمْ۔ یہ مشرکین جو اسلام و بانی اسلام کے خلاف چپکے چپکے اتنی سازشیں اور کمیٹیاں کر رہے ہیں تو کیا یہ احمق یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کے کسی جزئیہ سے ناواقف بھی ہیں؟ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ۔ سر یعنی جو کچھ اپنے دلوں میں یہ منصوبہ باندھتے رہتے ہیں اور اس کو سب سے راز رکھے ہوئے ہیں۔ اور نجوی یعنی جو کچھ یہ اپنے رازدار دوستوں سے چپکے چپکے صلاح و مشورہ کرتے رہتے ہیں۔

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ

(خدائے) رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول عبادت کرنے والا تو میں ہوں و۶۳ پاک ہے آسمانوں کا

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور زمین کا پروردگار، عرش کا پروردگار، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں و۶۴

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ

تو آپ انہیں پڑا رہنے دیجئے کہ (یہی) شغل و تفریح کرتے رہیں یہاں تک کہ اس دن سے انہیں سابقہ پڑ جائے جس کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ

ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، و۶۵ اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی

اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَ تَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

خدا ہے اور وہی حکیم کل ہے، علیم کل ہے و۶۶ وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کی ملک

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ سب ہے، اور اسی کو قیامت کی خبر ہے

وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اور اسی طرف (تم سب) واپس کئے جاؤ گے و۶۷ اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں تو

دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

سفارش (تک) کا اختیار نہیں، ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا اور وہ تصدیق بھی کرتے رہے (وہ البتہ سفارش کر سکیں گے) و۶۸

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں، کہ انہیں کس نے پیدا کیا، تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر آخر یہ کدھر

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ ۙ وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ ۘ

اُلٹے چلے جا رہے ہیں و۶۹ اور (اے) رسول کے اس کہنے کی (بھی خبر ہے) کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایمان

و۶۳ (اس لئے کہ خدا زادہ بھی لامحالہ تمام اوصاف الوہیت و معبودیت ہی سے متصف ہوگا) ان..... وَلَدٌ بطور فرض محال اگر واقعی اس کے اولاد ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے..... اسلوب بیان میں عقیدۂ ولدیت کی کمال نفی ہے۔ ھذا کلام وارد علی سبیل الفرض والتمثیل لغرض وھو المبالغة فی نفی الولد والاطناب فیه (کشاف۔ بحر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ امر محال کا فرض کرنا اور پھر اس پر احکام کا ترتب دونوں بالکل جائز ہیں۔ و۶۴ جو بات فرض محال کے طور پر ابھی پیش ہوئی تھی اب اس کی تردید ہو رہی ہے، کہ "مگر نہیں۔ توبہ، توبہ ایسا کہاں؟ ایسا ہونا ممکن ہی کیوں کر ہے؟ اس کی صفات میں، جس قدر بھی شرک یہ ظالم مشرکین کر رہے ہیں وہ ان سب سے ارفع و منزہ ہے۔ اس کی ناقابل پیمائش عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ خالق و مالک زمین کا بھی ہے، آسمانوں کا بھی، اور عرش کا بھی اس کی شریک معبودیت ان عظیم ترین، ہستیوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا و قدوس ہر شریک اور ہر شرکت سے بالاتر ہے۔" و۶۵ (اس وقت ساری حقیقت کھل جائے گی) ذکر ان گمراہوں کا ہو رہا ہے جو باوجود وضوح حق کے اپنے عناد سے باز نہیں آتے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ انہیں ان کی حالت پر پڑا رہنے دیجئے اور ان کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جایئے یا یہ کہ تبلیغ بند کر دیجئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی مخالفت کی طرف زیادہ التفات نہ کیجئے اور ان کی محرومی پر زیادہ غم و تاسف نہ کیجئے۔ فَذَرْهُمْ۔ صورۃً امر ہے لیکن مقصود کمال توہین و اظہار غضب ہے۔ و۶۶ (کہ نفس الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا۔ ان صفات علم و حکمت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں) بہت سی مشرک قوموں میں (اور انہیں میں قدیم ہندی قوم بھی ہے) عقیدے یہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں دیوتا زمین کے ہیں۔ فلاں فلاں آسمان پر رہتے ہیں، فلاں فلاں فضائے آسمانی کے ہیں۔ یہاں اس عقیدہ کی تردید ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَهُوَ الَّذِيْ..... الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت ان لوگوں کی قطعی تردید کر رہی ہے جو حق تعالیٰ کا مستقر آسمان کو سمجھے ہوئے ہیں اس کا تعلق آسمان سے بھی بس وہی ہے جو زمین سے ہے اور زمین کا مستقر الٰہی نہ ہونا ظاہر ہی ہے۔ ھذه الآیة من اول الدلائل علی ان الله تعالیٰ غیر مستقر فی السماء (کبیر) و۶۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) داور محشر صرف وہی ذات حق تعالیٰ ہے۔ اس کے اس وصف میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اس تردید کی زد براہ راست عیسائیوں پر پڑتی ہے، جنہوں نے داور محشر حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دے رکھا ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ یعنی آمد قیامت کے ٹھیک وقت کی خبر صرف حق تعالیٰ کو ہے دوسروں کو اختیار تو اور کیا ہوتا، اس اطلاع تک میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ لَهٗ..... بَيْنَهُمَا۔ اس کی مالکیت کامل و محیط و بلا شریک ہے..... صفت علم و صفت قدرت و ملک کا اثبات قرآن مجید میں اکثر ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔ و۶۸ مسئلہ شفاعت جیسا کہ مسیحیوں اور بعض دوسری قوموں میں چلا ہوا ہے، سر تا سر باطل و بے اصل ہے۔ اس عقیدہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو اس معنی میں خدائی طاقت رکھتی ہے اور قیامت میں سابقہ اسی سے پڑے گا۔ وہ جسے چاہے معاف کر دے۔ پھر یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ پر زور اور دباؤ ڈال کر فیصلہ اپنی اولاد اور اپنے متوسلین کے حق میں کرالے گا۔ اسلام نے ان سب لغویات کی تردید کی۔ اس نے بار بار بتایا کہ فیصلے تو سارے کے سارے صرف حق تعالیٰ کرے گا۔ علم اس کا کامل، مصلحتوں پر پوری پوری نظر اس کی۔ پھر اسے حاجت ہی کسی کی شرکت یا اعانت کی کیا ہے، البتہ خالق کے حضور میں مخلوق دوسرے مخلوق کی صرف شفاعت کر سکتی ہے۔ سو شفاعت بھی مطلق نہیں۔ بلکہ ان قیدوں کے ساتھ:۔ (۱) وہ شفاعت اذن الٰہی کے بعد ہو۔ کوئی شخص از خود شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (۲) شفاعت جس کی کی جائے وہ خود بھی صاحب ایمان ہو۔ وَلَا يَمْلِكُ..... الشَّفَاعَةَ۔ بچا لینے یا معاف کر دینے یا اس احکم الحاکمین کے کسی فیصلہ سے معارضہ کرنے کی تو خیر کسی کی کیا مجال ہوتی، حق تعالیٰ کے حضور میں سعی و سفارش کے لئے لب کھولنے کا اختیار بھی ہر ایک کو نہیں۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ۔ شہادت بالحق یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔ من شھد بالحق بکلمة التوحید (مدارک) وھو توحید الله (کشاف) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یعنی اس کا علم و یقین رکھتے ہیں کہ خدائے واحد کے بجز کوئی شفاعت کا مختار نہیں۔ يَعْلَمُوْنَ ان الله ربهم حقا ویعتقدون ذلک ھو الذی یملک الشفاعة (مدارک) و۶۹ (کہ خالق تو صرف اسی ایک کو مانتے ہیں اور پھر صفات ربوبیت وغیرہ میں دوسروں کو شریک کئے جاتے ہیں) کثرت سے مشرکین دنیا میں اس قسم کے گزرے ہیں کہ ایک طرف زبان سے ایک خدائے اعظم و برتر کا اقرار ہے اور دوسری طرف بیسیوں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے صاحب اختیار و تصرف خدا یا دیوتا بھی مانے جاتے ہیں۔

وف۹ (باوجود میری ہر کوشش اور فہمائش کے) قِیۡلِہٖ۔ ضمیرہ رسول کی طرف ہے۔ والهاء يعود الى محمد ﷺ (مدارک) وهو قول الرسول (بیضاوی) القیل۔ قول ہی کی طرح مصدر اور اس کے مرادف ہے۔ القيل مصدر كالقول (کبیر) القول والقيل واحد (راغب) **وف۱۰** (اور مرتے ہی ان پر سب حقیقت کھل جائے گی) فَاصۡفَحۡ عَنۡہُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ۔ یعنی ان کے ایمان کی زیادہ امید نہ رکھیے اور نہ زیادہ اس کاوش میں پڑے رہیے اور ان سے یہ کہہ بھی دیجئے کہ اب آگے میں تم سے کچھ تعلق وعلاقہ نہیں رکھتا۔ فاعرض عن دعوتهم يائسا عن ايمانهم وودعهم وتاركهم (کشاف۔ مدارک۔ بیضاوی) سَلٰمٌ۔ سلام تحیت کے معنی میں نہیں۔ سلام متارکت ہے۔ امي تسلم منكم ومتاركة (کشاف، مدارک، بیضاوی) وعيدلهم وتهديد ومواعدة (بحر) فليس ذلك امرًا بالسلام عليهم والتحية وانما هو امر بالمتاركة (روح) **وف۱** (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ مراد شب قدر ہے جو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے۔ هي ليلة القدر على ماروى عن ابن عباس وقتادة وابن جبير ومجاهد وابن زيد والحسن وعليه اكثر المفسرين (روح) ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن محدثانہ رنگ کے مفسر ابن کثیر نے اس کی تردید زور سے کی ہے۔ وقد ذكرنا الاحاديث الواردة في ذلك في سورة البقرة بما اغنى من اعادته ومن قال انها ليلة النصف من شعبان كما روى عن عكرمة فقد ابعد النجعة (ابن کثیر) ملاحظہ ہو ضمیمہ "رحمت والی رات" صفحہ نمبر ۹۸۹ پر۔ حٰمٓ وَالۡكِتٰبِ۔ ان پر حاشیے پیشتر گذر چکے۔ اَنۡزَلۡنٰهُ۔ ضمیر ہ الۡكِتٰبِ کی جانب ہے۔ **وف۲** (اپنی غایت شفقت وکرم سے) یہ انذار ہمیشہ بندوں ہی کی مصلحت سے، انہیں کو عواقب امور سے مطلع ومتنبہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ **وف۳** یعنی مشیت تکوینی جس طور پر جس کام کی انجام دہی منظور ہوتی ہے وہ اسی متعین طور پر ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بشری حساب وتخمینہ کے حساب سے ایک سال کی مدت کے لئے۔ وهكذا روى عن ابن عمر ومجاهد وابن مالك والضحاك وغير واحد من السلف (ابن کثیر) حَكِيۡمٍ کے معنی پر حکمت کے ہیں۔ يجوز ان يكون المعنى كل امر متلبس بالحكمة (روح) كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ۔ ہر حکمت والے معاملے سے یہ مراد نہیں کہ کچھ معاملے حکمت والے نہیں ہوتے۔ باحکمت تو سب ہی معاملات ہوتے ہیں۔ حکیم کی قید، قید واقعی ہے۔ حَكِيۡمٍ۔ کے دوسرے معنی محکم ومضبوط کے ہیں۔ ووضع حكيم موضع محكم (ابن جریر) الامور المحكمة (بیضاوی) والحكيم بمعنى المحكم لانه لا يبدل ولا يغير بعد ابرازه للملائكة عليهم السلام (روح) حكيم اي محكم لا يبدل ولا يغير (ابن کثیر) یعنی اللہ کے اٹل قوانین سالانہ کے اجرا کا وقت یہی ہوتا ہے۔ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا۔ امرًا کے صیغہ کا نکرہ ہونا اظہار عظمت وشان کے لئے ہے۔ وتنكيره للتفخيم (روح) امر کے ساتھ حکیم کا اضافہ خود ہی اظہار عظمت وجلالت کے لئے تھا۔ پھر اس پر اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا کے مزید اضافہ نے اس عظمت وجلالت کو اور کئی گنا بڑھا دیا۔ **وف۴** (کہ آپ کے ذریعہ سے بندوں کو حق وباطل، خیر وشر کی راہوں سے پوری طرح آگاہ کر دیں) رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ۔ رحمة للعالمين۔ اس معنی میں کہ آپ ہی کے ذریعہ سے کل بندوں کو بلا امتیاز وتفریق نیکی وبدی کے راستوں سے آگاہ کر دیا گیا۔ وَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔ مومنین کے حق میں آپ رؤف ورحیم اس معنی میں کہ انہیں نے آپ کے پیام کو قبول کیا اور آپ کی ہدایت سے پوری طرح مستفید ہوئے۔ اور رحمت خاص خود آپ کے حق میں، اس معنی میں کہ آپ ہی کو ذریعہ وواسطہ اس رحمت عالم کا بنایا۔ **وف۵** (تو اس سے بڑھ کر بندوں کی ضرورتوں کو جاننے والا اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟) **وف۶** یعنی اگر تم میں طلب صادق ہے، حق کی جستجو وتلاش ہے۔ رَبِّ..... بَيۡنَهُمَا۔ ساری کائنات کے اسی خدائے واحد کی ملک ومملوک ہونے کا ایک بار پھر اثبات.... کسی گوشۂ ہستی میں کسی جہت واعتبار سے بھی کوئی دوسرا مالک ومتصرف نہیں۔ **وف۷** آیت ماقبل کی طرح اس میں بھی توحید ہی کے مختلف پہلوؤں کی تاکید اور شرک کے مختلف مظاہر کی تردید ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کی صفت الوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ۔ جان ڈالنے اور جان لینے کی تو تمیں بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں..... زندگی کے کوئی الگ دیوتا اور موت کے کوئی الگ دیوتا نہیں۔ رَبُّكُمۡ..... الۡاَوَّلِيۡنَ۔ وہ کوئی نو پیدا معبود نہیں۔ دنیا جب سے قائم ہے اس کا وہی ایک اور اکیلا پروردگار رہا ہے..... بعض جاہلی قوموں نے اپنے اسلاف قدیم کو معبود مانا اور ان کی پرستش کی ہے۔ آیت میں اس اسلاف پرستی کی بھی تردید آ گئی۔ **وف۸** (اور اس لیے حق کے واضح دلائل وصریح شواہد کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے) فِيۡ شَكٍّ۔ شک کی تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں— یہ لوگ توحید وآخرت کی طرف سے عجیب بے یقینی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ يَلۡعَبُوۡنَ۔ یعنی سنجیدگی سے بھی حقائق پسندی کی طرف آتے ہی نہیں۔ ان اہم ترین حقائق ومسائل کو بس ایک کھیل تماشہ سمجھ رکھا ہے۔

فَاصۡفَحۡ عَنۡہُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ ع

نہیں لاتے وف۹ تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور کہہ دیجئے کہ (تم کو) سلام سو عنقریب انہیں معلوم ہو کر رہے گا وف۱۰

آیاتہا ۵۹ ۔ ۴۴ سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۴ ۔ رکوعاتہا ۳

اس کی انسٹھ آیتیں ۔ سورۂ دخان مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِيۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

حا۔ میم قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے وف۱

اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ﴿۳﴾ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ﴿۴﴾

(کیونکہ) ہم (بندوں کو) خبردار کر دینے والے تھے وف۲ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے طے ہو کر کیا جاتا ہے وف۳

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۚ﴿۵﴾ رَحۡمَةً

ہم (آپ کو پیمبر بنا کر) بھیجنے والے تھے بسبب اس رحمت کے

مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، وف۴ بے شک وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے وف۵ پروردگار آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کا ہے، اگر تم یقین لانا چاہو وف۶ کوئی خدا اس کے سوا نہیں

هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ هُمۡ

وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، پروردگار تمہارا بھی ہے اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی ہے وف۷ لیکن یہ لوگ

فِيۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ

تو شک میں پڑے کھیل میں لگے ہوئے ہیں وف۸ تو آپ انتظار کیجئے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں

”رحمت والی رات“

(متعلقہ حاشیہ نمبر ۱ سورۃ الدخان)

جان جب جسم کے پردہ میں ظاہر ہونے لگتی ہے، بے صورتی جب صورت پکڑنے لگتی ہے، اطلاق جب تعین قبول کرنے لگتا ہے، تو لازمی ہے کہ وہ اپنے لئے بھی وہ تمام قیود و خواص اختیار کرلے، جو جسم، صورت، اور تعین مادی کے لئے ضروری ہیں۔ عالم جسم و کائناتِ مادہ میں داخلہ کے دو بڑے دروازے زمان و مکان ہیں۔ لطیف سی لطیف نورانیت بھی جب سطح زمین پر نازل ہوگی، تو انہی دروازوں میں ہو کر داخل ہوگی۔ برکت و رحمت جیسی لطافتیں بھی (جو بارِ الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں) کرۂ خاکی کو جب اور جہاں بھی سرفراز کریں گی، وقت اور جگہ، زمان و مکان کی قید اور پابندی کے ساتھ ہی کریں گی۔ قدرت نے وقت کی تقسیم جو مختلف حصوں میں کر رکھی ہے، یہ بے معنی نہیں، ہر موسم، ہر فصل، ہر گھڑی، اپنے اپنے اعتبارات دوسروں سے الگ رکھتی ہے۔ صرف اپنی بیرونی اور ظاہری تاثیرات ہی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اپنی اندرونی اور روحانی کیفیتوں، صلاحیتوں، اور مناسبتوں کے لحاظ سے بھی۔ مہینے سال میں بارہ ہوتے ہیں، لیکن حج صرف ایک ہی مہینے میں ادا ہو سکتا ہے۔ دن ہفتہ میں سات ہوتے ہیں، لیکن جمعہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ گھنٹے دن میں چوبیس ہوتے ہیں، لیکن ہر نماز ہر وقت ادا نہیں کی جاسکتی۔ وقت کا کوئی ٹکڑا جب آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنی ساری مناسبتوں کو بھی لاتا ہے، اور اپنی ساری کیفیتوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ رات کا سناٹا جب چھانے لگتا ہے تو چرند پرند اور انسان سب اپنے اپنے کاموں کو روک کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب کی سرگرمیاں جب شروع ہوتی ہیں، تو حیوان اور انسان سب کو اپنے اپنے کام یاد پڑ جاتے ہیں۔ برسات میں جب آبِ زندگی آسمان سے اترنے لگتا ہے تو زمین کی بھی ساری سوئی ہوئی زندگیاں نئے سرے سے بیدار ہو جاتی ہیں۔ بہار کا موسم آتا ہے، تو کلیوں کے کھلنے اور کلوں کے پھوٹنے کے ساتھ ہی انسانی دلوں کی کلیاں بھی کھلنے لگتی ہیں، اور طرح طرح کی امنگیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی قسم کی مناسبتوں کو روح کی بولی میں دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور راتوں کی بزرگیاں اور برکتیں کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی فطرت کا ایک دستور ہے کہ جو واقعہ، روحانیات کے عالم میں جس درجہ کا پیش آتا ہے اسی کی اہمیت کی مناسبت سے اس کی یادگار بھی اسی زمانہ کو قرار دے دیا جاتا ہے۔ اللہ کے خلیل نے ایک خاص موسم میں اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا، عین اسی زمانہ کو فریضۂ حج و قربانی کے واسطے سارے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ عاشورۂ محرم کو روایات کے مطابق، متعدد انبیائے کرام کو اہم واقعات و معاملات پیش آئے، اس روز کے روزہ کی فضیلتیں بیان کر دی گئیں۔ دو شنبہ کے روز دنیا کو رحمت کا پیامِ عام سنانے والا آیا، اس یوم مبارک کی یاد دل سے کیونکر مٹ سکتی ہے۔ اللہ کی اتاری ہوئی ہر نعمت بڑی ہی نعمت ہے، لیکن اس کی ساری بڑی نعمتوں میں اگر کوئی نعمت سب سے بڑی قرار دی جاسکتی ہے، تو یہ ہے کہ اس نے ہر تاریکی کو روشن کرنے، ہر کجی کو درست کرنے، ہر پستی کو بلند کرنے، ہر مرض کو شفا دینے، ہر دکھ کو مٹا دینے کے لئے، ہر موسم اور ہر زمانہ، ہر خطہ اور ہر ملک، ہر قوم اور ہر امت، ہر فرد اور ہر جماعت، ہر مرد اور ہر عورت، ہر بوڑھے اور ہر جوان کے ہاتھ میں ایک کامل و مکمل ہدایت نامہ، اور ایک جامع و مفصل دستور العمل دیدیا ہے، جس کے بعد کسی انسان کو کسی علم و فن، کسی حکمت و صنعت کسی استاد و مرشد، کسی مدرسہ اور مکتب کی قطعاً کوئی حاجت ہی نہیں باقی رہ جاتی۔ جس گھڑی اس آفتابِ ہدایت کا طلوع ہوا ہے، وہ وقت رات کا تھا۔ اس مبارک رات کی بزرگیوں اور سعادتوں کا کوئی انسانی دماغ احاطہ کر سکتا ہے؟ جس شب مبارک کو خود خالق لیل و نہار ”شب مبارک“ ارشاد فرمائے، کس بشر کے قلم میں یہ قوت ہے کہ اس کی کرامتوں اور فضیلتوں کی شرح کر سکے؟ کوئی لفظ، کوئی عبارت، کوئی عنوان تحریر، ایسا ممکن ہے جو اس پاک رات کی پاکیزگیوں اور ستھرائیوں، رحمتوں اور برکتوں، نعمتوں اور دولتوں کی تفسیر کے لئے کافی ہو سکے؟ پھول بہار ہی میں کھلتے ہیں، اور کلے بہار ہی میں پھوٹتے ہیں۔ گلستانِ دہر اور چمنِ حیات کے اس سب سے زیادہ خوش رنگ، شاداب اور دلکش پھول کے لئے کیوں کر ممکن تھا کہ بجز موسم گل و فصلِ بہار کے کسی اور وقت کھلتا، چنانچہ خود صدق مطلق کی لسانِ حق کا بیان ہے کہ عین اسی موسم میں، جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہو چکا تھا، گلشنِ کائنات کے اس سدا بہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام جان کو معطر کیا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ ”یہ رمضان کا وہی مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا۔“ اسی مبارک ماہ کی ایک شب تھی جب اس شاہد رعنا نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اسے ایک شب مبارک میں اتارا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (دخان۔ ع ۱) ”ہم ہمیشہ اسی طرح ڈراتے رہے ہیں، اسی شب میں ہر حکمت والی بات کا فیصلہ ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ یہ حکم بھی ہماری ہی طرف سے ہے، اور ہم ہمیشہ بھیجتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہی ہے، جو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہی پروردگار ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ وہی معبود جس کے سوا کوئی نہیں، زندگی اور موت سب اسی کے ہاتھ میں ہے، اور وہی رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا"۔ اہل تفسیر میں اس کی بڑی بحث چلی آتی ہے کہ "امر حکیم" (حکمت والی بات) کے فیصلہ سے کیا مراد ہے، حالانکہ سیاق عبارت پر اگر نظر رہے، اور "رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ"۔ "هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"۔ "رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور "هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ"۔ "رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ" کے لطیف اشارات کی روشنی سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ "سب کے حالات سے واقف"، "سب کے پرورش کرنے والے" اور "سب کی زندگی اور موت پر حاکم" کے ہاں سے جس "رحمت کا نزول" ہوگا، وہ یہی ہو سکتی ہے کہ سب کو ربوبیت کے قانون سے آگاہ کر دیا جائے، اور سب کو زندگی اور موت (زندگی کا لفظ شخصی وقومی ہر زندگی پر حاوی ہے) کے اصول بتائے ہیں۔ قرآن حکیم کا اصلی کام یہی ہے، اور اس کی تعلیم ربوبیت کے قانون کی توضیح کرتی ہے، اور افراد و اقوام کو زندگی بخشتی ہے۔ نزول قرآن۔ اسی معنٰی میں دنیا کے لئے سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے، یہی سب سے بڑی رحمت اس شب مبارک کو نازل ہوئی تھی، اور اسی کی یادگار میں، اسی کے ماتحت ہر سال اسی شب کو جزئیات وتفصیلات سے متعلق ہر "امر حکیم" ہر حکمت والی بات کا نزول وتصفیہ ہوتا رہتا ہے[1]۔ قرآن حکیم ہی کی ابتدائی نزول کی گھڑی کو، جسے ایک جگہ شب مبارک (لیلۃ مبارکۃ) سے موسوم کیا گیا ہے، دوسری جگہ "شب قدر" (لیلۃ القدر) کے خطاب گرامی سے یاد فرمایا ہے۔ "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۭ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ڏ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ"۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے، اور تم سمجھے کہ شب قدر ہے کیا چیز؟ شب قدر وہ برتر اور گرامی شب ہے، جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے! بعض اہل شرح کی طرح یہاں اس الجھاؤ میں پڑنے کی مطلق حاجت نہیں کہ "قدر" یہاں اپنے کسی لغوی معنٰی میں آیا ہے، آیا بمعنٰی حکم وقضا اور یا بمعنٰی شرف وتعظیم! بہرصورت جو بھی پہلو اختیار کیا جائے، اس شب مبارک کی بے حد وحساب بزرگی، خود آیۂ کریمہ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ بیان کر رہی ہے۔ یعنی وہ ایک رات جو ہزار مہینوں، ہزار ہا ہزار مہینوں، بلکہ ہر محدود اور شمار کی ہوئی مدت سے بڑھ چڑھ کر ہے! جس مبارک رات کو قرآن جیسی بے نظیر نعمت دنیا کو ملی ہو، آسمانوں اور زمینوں کے فرمانروا نے خاک کے پتلے کو اپنے محفوظ کلام کے شرف سے سرفراز کیا ہو، اس کی رحمتوں اور برکتوں کا احاطہ کرنا، انسانی دماغ کے تراشے ہوئے علم الحساب کے اعداد سے بھلا کس طرح ممکن ہے[2]؟ یہ شب مبارک آتی کب ہے؟ روح وجان کے عالم میں بہار کے موسم کا نام، ماہ رمضان ہے، اس ماہ مبارک کا سب سے زیادہ مبارک زمانہ اس کا آخری عشرہ ہوتا ہے۔ پھول کوئی بھی کھلتا ہے، چمن مہکنے لگتا ہے، لیکن گلاب کی کلی جب کھلتی ہے تو اس وقت چمن کی مہک ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ رمضان کا آخری عشرہ چمن میں گلاب کے کھلنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ پاکوں اور پاکبازوں کا سردار، اس عشرہ بھر، ذکر وعبادت الٰہی کے لئے وقف رہتا تھا۔[3] (گو وہ کون سا زمانہ ہوتا تھا جب وہ عبادت الٰہی کے لئے وقف نہ ہوتا تھا؟)۔ اسی عشرہ کی کسی مقدس رات میں وہ مقدس گھڑی آ جاتی ہے، جس کی فضیلتوں اور برکتوں کی شرح وتفصیل کے لئے لفظ وعبارت کا دفتر ناکافی ہے۔ اسی دولت بے بہا کی تلاش میں اگر انسان اپنی راتوں کی نیند بھی نہ قربان کر سکے، تو یقیناً اس کے دل کو اس قدر والی رات کی ذرا بھی قدر نہیں! اس کے تعین سے اسی لئے قصداً ومصلحتاً بے التفاتی برتی گئی ہے، اور وہ رات جو، سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ "شام سے صبح تک سرتاسر رحمت ہی رحمت ہے"۔ اس کی بابت دنیا کا سب سے بڑا حکیم اپنی امت سے یہ ارشاد فرما گیا ہے کہ "اس کو تلاش کرو آخر عشرۂ رمضان کی طاق راتوں میں[4]"۔ جن جاگے ہوئے دلوں کی آنکھیں "آج" ان راتوں کو کسی کی یاد میں جاگ جاگ کر کاٹیں گی۔ "کل" وہ خود محسوس کریں گے کہ ان کی آنکھیں نہیں، ان کا نصیبہ جاگ رہا تھا! (منقول از سچ لکھنؤ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء)

---

[1] ایک قلیل گروہ اس جانب گیا ہے کہ اس شب مبارک سے مراد شعبان کی پندرھویں ہے، لیکن محققین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہی ہے۔ اور لیلۃ القدر، بلا اختلاف، رمضان مبارک ہی کی کوئی آخری شب ہے۔ عن قتادۃ فی قولہ لیلۃ مبارکۃ قال ھی لیلۃ القدر (ابن جریر) قال ابن زید فی قولہ تعالٰی انا انزلنہ فی لیلۃ مبارکۃ قال تلک اللیلۃ لیلۃ القدر (ایضا)

[2] التحدید بالالف لا مفھوم لا بل الغرض منہ التکثیر (مفتی محمد عبدہ مصری) بیضاوی، بحر المحیط، روح المعانی سب میں یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہزار راتوں سے مراد کوئی متعین عدد نہیں، بلکہ محض تکثیر مراد ہے۔

[3] عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ یجتھد فی العشر الاواخر مالا یجتھد فی غیرہ (مسلم)

[4] عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ قال تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان (بخاری)

مُّبِيۡنٍ ۝۱۰ يَّغۡشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۱۱ رَبَّنَا

پیدا ہو جو (ان سب) لوگوں پر چھا جائے، یہ ایک عذاب دردناک ہوگا وف اے ہمارے پروردگار!

اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى

ہم سے اس عذاب کو دور کر دیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے وف۱ ان کو کب (اس سے) نصیحت ہوتی ہے،

وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا

حالانکہ ان کے پاس پیغمبر کھلے ہوئے (دلائل کے ساتھ) آچکا ہے پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے

مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ۝۱۴ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ

کہ یہ سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے وف۱۱ بےشک ہم چندے اس عذاب کو ہٹالیں گے اور تم بھی (اپنی پہلی حالت پر)

عَآئِدُوۡنَ ۝۱۵ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا

لوٹ آؤ گے وف۱۲ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز) ہم

مُنۡتَقِمُوۡنَ ۝۱۶ وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ

پورا بدلہ لے لیں گے وف۱۳ اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی

وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ۝۱۷ اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ

اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے (یہ پیام لے کر) کہ اللہ کے ان بندوں کو میرے حوالہ کر دو میں

لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝۱۸ وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىۡۤ

تمہارا معتبر پیغمبر ہوں اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو میں

اٰتِيۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۹ وَاِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ

تمہارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں، اور میں پناہ چاہتا ہوں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی اس سے

اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ۝۲۰ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِىۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ۝۲۱

کہ تم مجھے سنگسار کرو وف۱۴ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو وف۱۵

وف۹ روایات متفق ہیں کہ اس مصیبت سے مراد وہ شدید قحط ہے جو اہل مکہ پر پڑنے والا تھا اور کچھ روز بعد پڑا۔ ہوا یہ کہ جب ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ کا عناد کم نہ ہوا بلکہ بڑھتا گیا تو عاجز آکر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی۔ اثر کا ظہور یوں ہوا کہ ادھر بارش رکی اور ادھر یمامہ (علاقہ یمن) کے رئیس ثمامہ نے جو اب مسلمان ہو چکے تھے غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ مکہ کی غلہ کی منڈی یمامہ ہی سے تھی، اب قحط پورا ہو گیا۔ ذلک حین دعا رسول اللہ ﷺ علی قریش ربہ تبارک وتعالی ان یاخذھم بسنین کسنی یوسف فاخذوا بالمجاعة (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی ﷺ نے بڑے زور و تاکید کے ساتھ آیت کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ قحط اتنا سخت تھا کہ لوگوں نے مردار کا گوشت، کھال، ہڈیاں سب کھانا شروع کر دی تھیں۔ وفی روایة اخری صحیحة ..... حتی اکلوا المیتة والجلد والعظام (روح) دُخَانٍ مُّبِيۡنٍ۔ بھوک کی شدت اور دماغ کی خشکی میں فضائے آسمانی میں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے۔ اسی کو یہاں آسمانی دھوئیں سے تعبیر کیا ہے۔ یقال ان الجائع کان یری بینہ وبین السماء دخانا من شدة الجوع (تاج) عنی بالدخان ما کان یصیبھم حینئذ فی ابصارھم من شدة الجوع من الظلمة کھیئة الدخان (ابن جریر) دُخَانٍ کا اطلاق عربی میں مطلق موذی پر بھی مجازاً و استعارۃً ہوتا ہے۔ ونصور منہ التاذی بہ فقیل ھو ادخن الخلق (راغب) دُخَانٍ۔ کے معنی خشکی کے اور بھوک سے فضا کی دخان منظری کے بھی آئے ہیں۔ بلکہ خود شدت بھوک کے معنی بھی۔ والدخان الجدب والجوع (تاج) وقیل بل قیل للجوع دخان (تاج) فالدخان یحتمل ان یراد بہ الشدة والشر مجازا وان یراد بہ حقیقتہ (روح) وف۱۰ یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ قریش کے سردار ابو سفیان وغیرہ نے آپ کو لکھا بھی اور آپ کے پاس آئے بھی کہ آپ سے دعا کرائیں۔ لما اشتد القحط بقریش مشی ابو سفیان الی رسول اللہ ﷺ وناشدہ الرحم وواعدہ ان دعالھم وزال مابھم امنوا (روح) وف۱۱ بیسویں صدی کے بڑے بڑے فرنگی "علماء و محققین" آخر اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکے جو معاند کافر و مشرکین قریش کی تھی! وہ لوگ بھی قرآن کے لفظی دعوی اعجاز کی طرف سے آنکھیں بند کئے یہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ یہ کلام کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے۔ اور آج یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے مستشرقین کا بھی "منتہائے تحقیق" بس اسی قدر ہے کہ یہ کتاب محمد عربی ﷺ نے کچھ ادھر ادھر سے سن سنا کر تیار کر دی ہے! رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ۔ یعنی ایسے پیغمبر جن کی صداقت و حقانیت دلائل و معجزات کی کثرت سے بالکل واضح و ظاہر ہے۔ ای رسول عظیم الشان ظاھر امر رسالتہ بالآیات والمعجزات (روح) وھو ما ظھر علی رسول اللہ ﷺ من الآیات والبینات من الکتاب المعجز وغیرہ من المعجزات (کشاف) وف۱۲ یعنی اتمام حجت کے لئے ہم اس بھوک کے عذاب کو دور بھی کر دیں گے لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا ایمان لانا تو الگ رہا۔ یہ جو نرمی اور شگفتگی پیدا ہو رہی ہے، یہ بھی جاتی رہے گی اور بدستور عناد و استکبار پر آجاؤ گے۔ یہ سب بطور پیش گوئی کے تھا۔ اور واقع میں ظہور اس کا یوں ہوا کہ آپ نے دعا فرمائی اور ثمامہ نے بھی آپ کا سفارش نامہ پا کر غلہ کی بندش دور کر دی۔ لیکن اس فارغ البالی کے نصیب ہو جانے پر مشرکین کی مخالفت کا زور و شور لوٹ آیا۔ وف۱۳ یعنی پوری سزا آخرت میں ملے گی۔ وف۱۴ حضرت موسی علیہ السلام کا اہل فرعون کے پاس آنے اور حق تعالی کا پیام پہنچانے کا ذکر ایک نئے عنوان سے ہے۔ قَبۡلَهُمۡ۔ ضمیر ھم معاصر مشرکین مکی کی جانب ہے۔ ای قبل ھؤلاء المشرکین (مدارک) رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ۔ کامل ہوئی مراد حضرت موسی علیہ السلام سے ہے۔ اَنۡ اَدُّوۡۤا۔ اَنۡ یہاں تفسیری ہے۔ اَنۡ..... الیہ۔ عباد اللہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں، کہ انہیں میرے سپرد کر دو۔ میں انہیں لے کر مسلک توحید پر چلانے کے لئے اپنے پرانے وطن شام کی طرف چلا جاؤں گا۔ سُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ۔ اس کے تحت میں دلائل و خوارق سب آگئے۔ اِنِّىۡ..... تَرۡجُمُوۡنِ۔ صاف اشارہ اس طرف ہے کہ فرعونیوں یا مصریوں نے آپ علیہ السلام پر سنگباری کی ٹھان لی تھی۔ توریت میں بھی اشارے موجود ہیں: "اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے وہ قربانی کریں، جس سے وہ بیزار ہیں، تو کیا ہمیں وہ پتھراؤ نہ کریں گے۔" (خروج۔ ۸: ۲۶) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت میں یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالی کے سامنے التجا کرتے رہنا اور اپنی قوت کا دعوی نہ کرنا عین اظہار عبدیت ہے۔ وف۱۵ یعنی کم از کم اتنا ہی کرو اور میری ایذاء کے درپے ہو کر اپنے جرم کو اور شدید تر تو نہ بناؤ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص سے قطع تعلق پر دلالت ہے جس کی اصلاح کی امید نہ ہو۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ

تب (موسیٰ نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ (بڑے سخت) مجرم لوگ ہیں ف۱۶ تو اب میرے بندوں کو بھی تم

لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ

رات ہی میں لے کر چلے جاؤ تمہارا تعاقب ہوگا، اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ نا، اُن لوگوں کا لشکر

مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ

غرق ہو کر رہے گا ف۱۷ وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۣ

اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں رہا کرتے تھے چھوڑ گئے، (یہ قصہ) اسی طرح واقع ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ

اور ہم نے ان (چیزوں) کا مالک ایک دوسری قوم کو بنا دیا، ف۱۸ تو ان پر نہ تو آسمان اور زمین

وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ

روئے، اور نہ انہیں مہلت ہی ملی ف۱۹ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ

فرعون کے سخت ذلت والے عذاب سے نجات دی

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ

واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں تھا ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا جہان پر

عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ

فضیلت (اپنے) علم کے ماتحت ہی دی تھی ف۲۰ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں

بَلٰۗؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا

کھلا ہوا انعام تھا ف۲۱ یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ بس یہی موت ہی

ف۱۶ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اور وقت ان کی گرفت ہی کا آپہنچا ہے) ف۱۷ یعنی آپ علیہ السلام کے لئے تو سمندر میں راستہ کر دیا جائے گا اور سمندر کا کچھ حصہ آپ علیہ السلام کے لئے خشک کر دیا جائے گا۔ آپ علیہ السلام اسے اسی سکون کے حال میں چھوڑ کر چلے جایئے گا۔ اور اسی فکر واندیشہ میں نہ پڑیئے گا کہ فرعون بھی تو اسی راستہ سے آ جائے گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اس ارشاد باری کی تعمیل میں بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات ہی نکل گئے اور صبح کو آپ کا تعاقب بھی ہوا۔ ف۱۸ یعنی اسی نسل کے بعد ایک دوسری نسل مقرر اور اس کے سارے تعیشات پر حاکم ومتصرف ہو گئی اور ان لذتوں اور راحتوں کے سامان پر فرعونیوں کو دوام نہ ہو سکا۔ كَمْ تَرَكُوْا۔ کم اظہار کثرت کے لئے ہے۔ کم عبارة عن الکثرة (مدارک) قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ اس سے اشارہ اگر بنی اسرائیل ہی کی طرف سمجھا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے تو اَوْرَثْنٰهَا سے مراد یہ نہ رہے گی کہ انہیں بعینہٖ فرعونیوں ہی کی چھوڑی ہوئی نعمتیں عطا کیں، بلکہ مراد نفس وہ نعمتیں (سرسبز کھیتیاں، شاداب باغ بہتے ہوئے چشمے وغیرہ) ہوں گی۔ جو بنی اسرائیل کو شام وفلسطین یا کہیں بھی عطا ہوئی ہوں۔ ف۱۹ پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لی جائے، کہ کائنات کی کوئی سی بھی شے ہو۔ بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی۔ احساس وشعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ آسمان اور زمین میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے۔ اسی سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کر کے اس کی وفات پر غمگین ہوتے ہیں۔ حکیم کائنات ودانائے فطرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ ما من عبد الا وله في السماء بابان باب يخرج منه رزقه و باب يدخل منه عمله و كلامه فاذا مات فقداه وبكيا عليه (جامع ترمذی) مومن جب مر جاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس سے اس کے عمل کا صعود ہوتا تھا اور وہ دروازہ جس سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں۔ اور آپ کے رفیق وتلمیذ خاص حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:۔ واخرج ابن المنذر وغيره عن عليؓ انه قال ان المؤمن اذا مات بكى عليه مصلاه من الارض ويصعد عمله من السماء (روح) "جب مومن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل کے صعود کرنے کی جگہ یہ دونوں اس پر روتی ہیں۔" عَلَيْهِمُ..... كَانُوْا۔ ضمیر جمع غائب سے دونوں جگہ مراد وہی قوم فرعون ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ فَمَا..... الْاَرْضُ۔ یہ اثر تھا ان لوگوں کی کمال مبغوضیت کا۔ زمین و آسمان کسی کو بھی ان پر رونا نہ آیا، اور کسی کو بھی ان سے ہمدردی پیدا نہ ہوئی۔ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ یہ اثر تھا ان کے کمال مغضوبیت کا کہ ذرا بھی مہلت نہ پائی۔ اگر ابھی مہلت زندگی پا جاتے تو عذاب الٰہی سے چندے اور بچے رہتے۔ ف۲۰ بنی اسرائیل کی فضیلت وفوقیت کا بیان کئی بار آ چکا ہے۔ اور اس کی توضیح سورۃ البقرۃ (پ۱) کے حاشیوں میں آ چکی ہے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ افضلیت واشرفیت یوں ہی اٹکل پچو بلاوجہ نہ تھی۔ خاص مصالح تکوینی کے ماتحت تھی۔ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ۔ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ فِرْعَوْنَ۔ فرعون، بنی اسرائیل اور ان پر سختیاں، ان سب پر حاشیے سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکے۔ ف۲۱ مثلاً دولتِ توحید، نعمت رسالت، اور پھر دنیوی حکومت واعزاز۔ بَلٰۗؤٌا۔ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، انعام کے معنی میں ہے۔ اے نعمة ظاهرة (کشاف۔ روح) بلاء کے عام متداول معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان نشانات کے ذریعہ سے خوب آزمائش اور تجربہ ہو گیا۔ اے اختبار ظاهر جلي لمن اهتدى به (ابن کثیر) اختبار ظاهر لننظر كيف يعملون (روح)

مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ

(ہمارا آخری انجام) ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے سو لاؤ تم (اے مسلمانو) ہمارے باپ دادوں کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ

اگر تم سچے ہو، ف۲۲ تو کیا یہ لوگ بڑھ چڑھ کر ہیں یا قوم تبع والے اور جو لوگ ان سے بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا

پیشتر ہوئے ہیں، ہم نے ان تک کو ہلاک کر ڈالا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے ف۲۳ اور

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا

آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے، یہ سب ہم نے یونہی خواہ مخواہ نہیں بنا ڈالا، ہم نے

خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ

ان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ف۲۴ بے شک

يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى

فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی

عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ

تعلق والے کے کام نہ آئے گا اور نہ ان کی حمایت ہی کی جائے گی ہاں مگر اللہ ہی کسی پر

اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾

رحم فرمائے، بے شک وہ زبردست ہے، رحیم ہے ف۲۵ بے شک زقوم کا درخت

طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ

بڑے مجرم کا کھانا ہوگا تیل کی تلچھٹ کی طرح پیٹ میں کھولے گا تیز

الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾

گرم پانی کی طرح اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ دوزخ کے بیچ تک

ف۲۲ یہ کہنے والے عصر قدیم کے "روشن خیال"، دہریے اور عرب کے فطرت پرست دہریے تھے۔ حشر ونشر وعالم آخرت کے قطعی منکر۔ یہ مسلمانوں کو چیلنج دے کر اور اپنی "روشن خیالی" کے پر فخر مظاہرہ کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم مذہب والوں کے ڈھکوسلوں کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ ہم تو صرف حواس ظاہری ومشاہدہ کو مانتے ہیں۔ تو اگر واقعی کسی مردہ کو زندہ کر کے دکھا دو تو بے شک ہم قائل ہو جائیں۔ مغیبات مجردات میں آج بھی مشاہدہ، تجربہ کا مطالبہ اسی قدیم ذہنیت کی صدائے بازگشت ہے۔ ف۲۳ یعنی نافرمانی وقانون شکنی تو ایسی چیز ہے جس کی سزا ان مجرموں سے کہیں زائد قوت ومقدرت والوں کو مل کر رہی ہے۔ تو یہ بیچارے کس شمار وقطار میں ہیں۔ خَيْرٌ۔ خیر کا مفہوم ہمیشہ اخلاقی وروحانی ہی پہلو نہیں رکھتا، مادی، مالی، جسمانی فوقیت کا اظہار بھی اسی لفظ سے ہوتا رہتا ہے یہاں اسی دنیوی جاہ وحشم مادی قوت وسامان میں اظہار فوقیت کے لئے ہے۔ قَوْمُ تُبَّعٍ۔ جس طرح ملوک مصر کا لقب فرعون تھا۔ اسی طرح جنوب عرب کی سلطنت یمن کے بادشاہوں کے ایک خاندان کا لقب تبع تھا۔ یہ اپنے وقت کے بڑے عظیم الشان وجلیل القدر فرمانروا تھے۔ اور ان کے حدود سلطنت علاوہ حمیر، حضرموت اور سارے علاقہ سبا کے شمال میں شمالی عرب تک اور مغرب میں افریقہ تک وسیع تھے۔ اور یہ خاندان کوئی ڈھائی سو سال فرماں روا رہا۔ اور ان کے زمانہ کا تخمینہ ظہور اسلام سے سات آٹھ صدیوں قبل کا کیا گیا ہے۔ اہل لغت کا بیان ہے کہ تبع ان بادشاہوں کو ان کی کثرت اتباع کی بنا پر کہتے ہیں۔ ابن ہشام میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ:۔ قال ابن اسحق وكان قد جعل طريقه حين اقبل من المشرق على المدينه وكان قد مر بها في بدءته۔ "اس نے مدینہ سے (یمن تک) سڑک ہموار کی تھی، جب مشرق سے مدینہ کو آیا تھا اور اسی سڑک سے اپنے وطن کو آتا جاتا تھا۔" بہرحال اہل عرب تبع کی عظمت وشان سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ بلکہ ان کے ہاں تبع کی عظمت وجلالت بطور ضرب المثل کے مشہور وزبان زد تھی۔ هُمْ۔ ضمیر عرب معاصرین کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی آیات ماقبل میں آیا ہے۔ ف۲۴ اس میں رد آ گیا ان ساری جاہلی قوموں کا، جو یہ سمجھتی ہیں کہ یہ ساری کائنات محض ایک تماشہ گاہ ہے اور خالق کائنات کو (نعوذ باللہ) محض ایک میلہ رچانا، (تماشہ کرنا) مقصود تھا۔ قرآن مجید اس کی بار بار تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کارخانہ آفرینش سے بڑے بڑے اہم مقاصد مقصود ہیں..... اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ؎ اکبر اس فطرت خموش کو بے حس نہ سمجھ:۔ ہاں بصیرت سے تجھی دیدہ نرگس نہ سمجھ۔ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی ان کی آفرینش میں بڑی بڑی غایتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اور ان میں سے ایک بڑی حکمت قانون مجازات ومکافات کا اجراء ونفاذ ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کثرت سے لوگ عقیدہ حشر ہی کے منکر ہیں اور جو مانتے ہیں ان میں بھی بہت سے عملاً اس کی اہمیت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ ف۲۵ چنانچہ اپنی صفت عزیزیت کے تقاضے سے کافروں کو خوب مغلوب کرے گا۔ اور صفت رحیمیت کا ظہور اہل ایمان پر پوری طرح فرمائے گا۔ لَا يُغْنِيْ..... يُنْصَرُوْنَ۔ مطلق دنیوی تعلق حشر میں ہرگز کسی ایک کا دوسرے سے کام نہ آئے گا۔ بلکہ اس کی بنا پر کوئی کسی کی مدد تک نہ کر سکے گا۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ۔ اور اللہ کی رحمت کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ وہ کسی مومن کے حق میں شفاعت کا اذن دیدے۔

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِؕ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ
پھر اس کے سر کے اوپر گرم پانی کا عذاب نازل کرو لے اس کا مزہ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ
تو تو بڑا معزز مکرم ہے نا یہی وہ چیز ہے جس کے باب میں

تَمْتَرُوْنَ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍۙ﴿۵۱﴾ فِیْ جَنّٰتٍ
تم شک کیا کرتے تھے ف۲۶ اللہ سے ڈرنے والے بے شک امن کی جگہ میں ہوں گے (یعنی) باغوں میں

وَّ عُیُوْنٍۚۙ﴿۵۲﴾ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ
اور نہروں میں لباس پہنے ہوں گے باریک اور دبیز ریشم کا

مُّتَقٰبِلِیْنَۚۙ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍؕ﴿۵۴﴾
آمنے سامنے بیٹھے ہوئے یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کی زوجیت میں دے دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں کو،

یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَۙ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ
وہ وہاں ہر قسم کے میوے منگائیں گے اطمینان سے ف۲۷ وہ وہاں موت کا مزہ بھی

فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰىهُمْ
نہ چکھیں گے ہاں بجز اس پہلی موت کے اور اللہ انہیں دوزخ سے

عَذَابَ الْجَحِیْمِۙ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
بچالے گا (یہ سب) آپ کے پروردگار کے فضل سے ہو گا، یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
کامیابی ہے ف۲۸ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ

یَتَذَكَّرُوْنَ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴿۵۹﴾ ع
نصیحت حاصل کریں تو آپ بھی منتظر رہیے، یہ لوگ تو منتظر ہی ہیں ف۲۹

ف۲۶ عذاب جسمانی کے ساتھ ساتھ اہل جہنم کی اذیت قلب کے بڑھانے کو یہ بھی بطور طعن واستہزاء کہا جائے گا۔ ...دوزخیوں کے مقدر میں تو ہر قسم کی انتہائی اذیت ہے۔ جسمانی وہ دی کے علاوہ ذہنی قلبی بھی۔ الْاَثِیْمِ۔ بڑے مجرم سے مراد کافر ہے۔ اے الکثیر الاثام والمراد به الکافر لدلالة ما قبله و ما بعدهٗ علیه (بیضاوی) الاثیم اے فی قوله وفعله وهو الکافر (ابن کثیر) الْاَثِیْمِ کے صیغۂ مفرد سے مراد جنس کافر ہے کوئی مخصوص فرد یا متعین شخصیت مراد نہیں۔ المراد به جنس الکافر لا واحد بعینه (روح) اور یہ جو بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس سے مراد ابوجہل یا فلاں متعین کافر ہے۔ سو یہ قول خلاف تحقیق و بلا دلیل ہے۔ لیس بشیء ولا دلیل علی ذٰلک (روح) وذکر غیر واحد انه ابوجهل ولا شک فی دخوله فی هذه الآیة ولکن لیست خاصة به (ابن کثیر) شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ۔ زقوم (تھوہر) پر حاشیہ سورہ والصافات (پ۲۳) میں گزر چکا۔ زَقُّوْم کے معنی کسی کسی نے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ یہ قوم بربری زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ اس پر فقیہ مالکی مفسر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بڑے غصہ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایسے قول کسی جاہل ہی کے ہو سکتے ہیں۔ ویحکی عن بعضهم ان الزقوم هو التمر والزبد بلسان البربر والله ولهذا القائل وامثاله الذین یتکلمون فی الکتاب بالباطل وهم لا یعلمون۔ روح المعانی میں صوفیہ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ:۔

هی شجرة الحرص وحب الدنیا تظهر یوم القیامة علی اسوء حال واخبث طعم۔

یہ درخت حرص وحب دنیا کا درخت ہے جو حشر میں اس شکل میں منتقل ہو جائے گا۔

ف۲۷ یعنی اہل جنت علاوہ روحانی نعمتوں کے ہر قسم کی مادی وجسمانی لذتوں سے بھی پوری طرح لذت گیر ہوں گے۔ یہ نہ ہو گا کہ یہاں کی جسمانی لذتوں سے انہیں وہاں خواہ مخواہ بے جرم محروم کر دیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں کے بعض جدید اہل قلم نے جنت کی لذات جسمانی کی تاویلیں کر کر کے انہیں خواہ مخواہ بدل دینا چاہا ہے۔ وہ درحقیقت خود مسیحیت اور دوسرے باطل مذہبوں سے کسی حد تک مرعوب ہیں جنہوں نے جسم وجسمانیات ہی کو مطلق شر تسلیم کیا ہے۔ مَقَامٍ اَمِیْنٍ۔ یعنی ایسی جگہ جو ہر مصیبت، ہر ناخوشگواری سے محفوظ ہو۔ ف۲۸ (جس کے سامنے اور کسی کامیابی کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا) ...الْاُوْلٰى۔ یعنی یہ ساری نعمتیں لازوال وغیر منقطع ہوں گی۔ اور آئندہ ان کے ختم وانقطاع کا کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى۔ یعنی وہی موت جو دنیا میں واقع ہوئی تھی۔ اور جو انہیں اس عالم آخرت میں لانے اور انہیں غیر فانی بنانے کا ذریعہ ہوئی۔ ف۲۹ یعنی آپ تبلیغ کے علاوہ اور کسی فکر وتردد میں نہ پڑیے اور ان پر نزول ضرر کے منتظر رہیے۔ جس طرح یہ اپنی حماقت سے آپ پر نزول ضرر کے منتظر ہیں۔ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۔ یعنی آپ کی زبان میں قرآن کے نازل ہونے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ آپ کے یہ مخاطبین اسے داعی اول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے خوب سمجھ کر اس سے نفع حاصل کریں۔

آیاتہا ۳۷ | ۴۵ سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۵ | رکوعاتہا ۴

اس کی سینتیس آیتیں ہیں — سورۂ جاثیہ مکہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی

حا۔میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ول بے شک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا

آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے اور خود تمہاری اور ان حیوانات کی

یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ

آفرینش میں جن کو اس نے پھیلا رکھا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں، و۲ اور (اسی طرح) رات اور

وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ

دن کے الٹ پھیر میں اور اس رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس زمین کو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ

تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

یَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ

جو عقل رکھتے ہیں و۳ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ٹھیک طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر

حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ

اللہ اور اس کی نشانیوں کے سوا اور کون سی بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو جھوٹ لگانے

اَثِیْمٍ ﴿۷﴾ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

والا ہے، نافرمان ہے، اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب وہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی تکبر کرتا ہوا اڑا رہتا ہے، جیسے

ول (اور اس لئے اس کے مضامین بھی نہایت ہی قابل توجہ ہیں) حٰمٓ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ مومن نمبر ا پ۲۴ تَنْزِیْلُ...... الْحَکِیْمِ۔ اس میں منکرین قدیم وجدید کے اس اتہام کی بھی تردید آگئی کہ یہ کلام رسول کا گڑھا ہوا ہے۔ مِنَ...... الْحَکِیْمِ۔ کلام میں خود مصنف کا اثر آگیا ہے۔ اور کتاب اسی شان اور اسی پایہ کی ہوگئی ہے۔ جیسی الْعَزِیْزِ اور الْحَکِیْمِ کی کتاب کو ہونا چاہیے۔ و۲ (اللہ کی قدرت وحکمت کی اور اس کی توحید کی) جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے۔ اور جن کی بصیرت مومنانہ بن چکی ہے۔ انہیں اس کارخانہ کائنات میں قدم قدم پر اللہ کی حکمتوں، صنعتوں، قدرتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ اور وہ سب اس کی توحید ہی کی طرف لے جاتے ہیں، نہ کہ معبودوں کے تعدد کی جانب۔ و۳ (قدرت الٰہی اور توحید الٰہی کی) مطلب یہ ہے کہ کائنات کے جتنے بھی شعبے ہیں طبعی، نفسیاتی، حیوانی، فضائی وغیرہ۔ سب میں غور کرنے والے اور انصاف وطلب حقیقت رکھنے والے انسان کے لئے دلائل وشواہد حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت کاملہ ہی کے ملتے ہیں۔ وَفِیْ خَلْقِكُمْ۔ انسان کی جسمی ساخت وترکیب وفعلیت سے متعلق جتنے بھی علوم وفنون ہیں۔ تشریح الابدان، عضویات، نفسیات وغیرہا۔ ان سب کے قوانین وضوابط سے انسان معرفت الٰہی ہی کے سبق لے سکتا ہے۔ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ۔ اس کے تحت میں سارے علوم حیوانیات مع اس کے متعلقات کے آگئے۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ ہیئت، ریاضیات، فضائیات، طبیعیات مع اپنی تمام شاخوں کے اس کے تحت آگئے۔ مِنَ السَّمَآءِ...... الرِّیٰحِ۔ معاشیات، حیاتیات، نباتیات، ارضیات، فضائیات کے سارے علوم مع اپنی شاخوں اور متعلقات کے اس کے تحت میں آگئے۔ رِزْقٍ سے مراد مادۂ رزق یعنی بارش ہے۔ ای من مطر وسماہ رزقا لانہ سببہ (بیضاوی) ای ما انزل اللہ تبارک وتعالیٰ من السحاب من المطرفی وقت الحاجۃ الیہ وسماہ رزقا لانہ بہ یحصل الرزق (ابن کثیر) یعنی الغیث الذی ارزاق العباد (معالم) لیکن اگر یہ تاویل مجاز نہ کی جائے۔ جب بھی خود پانی بھی تو رزق ہے۔ ولو لم یؤول صح لانہ فی نفسہ رزق ایضاً (روح) بہٖ میں ضمیر مادۂ رزق یعنی بارش کی طرف ہے۔ سماء سے ایسے موقع پر ہمیشہ مراد صرف سمت بلندی کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ای جہۃ العلو (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان تین آیتوں کے ختم پر لفظ تین مختلف آئے ہیں۔ پہلے للمومنین، پھر لقوم یوقنون اور پھر لقوم یعقلون۔ ان میں ایک خاص ترتیب ہے۔ گویا مخاطبین سے کہا یہ گیا ہے کہ تم اگر ایمان والے ہو تو خود ہی ان دلائل کو سمجھ جاؤ گے لیکن اگر ایمان سے محروم ہو جب بھی حق کے طالب تو ہوگے۔ جب ہی انہیں سمجھ سکتے ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو تو آخری درجہ میں بہرحال صاحب فہم تو ہی ہو اسی فہم سے کام لو۔ جب بھی کافی ہے۔

لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا

اس نے انہیں سنا ہی نہیں سو اسے عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے وٓ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے

شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩﴾ مِّن

کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب ہے وٓ ان کے

وَّرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا

آگے جہنم ہے اور ان کے کام نہ تو وہ چیزیں کچھ بھی آئیں گی جو یہ کما گئے اور نہ وہ جن کو

اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ هَٰذَا

انہوں نے اللہ کے سوا کارساز تیار کیا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے وٓ یہ (قرآن)

هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ

ہدایت ہی ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی نشانیوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سختی کا عذاب

أَلِيمٌ ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ

دردناک ہے اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر بنایا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں

بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾

چلیں اور تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو وٓ

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ

اور اس نے تمہارے لئے مسخر بنایا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٣﴾ قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں وٓ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے

يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا

کہ ان سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے، تاکہ اللہ ایک قوم کو ان کے

وٓ (کہ وضوحِ حق کے بعد روشِ استکبار کی سزا عذاب الیم ہی ہے) فَبِاَیِّ ... یُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی توحید، معاد، نبوت وغیرہ مسائل حقہ کا اثبات انہیں آیات ہی سے تو ہوتا ہے۔ سو اب اور کون چیز باقی ہے جس پر ان کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکے۔ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ۔ مراد بعد ایات اللہ ہی ہے الفاظ جس ترتیب وترکیب کے ساتھ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس نے کلام میں زور وتاکید پیدا کردی ہے۔ تقدیم اسم اللہ للمبالغۃ و التعظیم (بیضاوی) بَعْدَ اللّٰہِ میں بعد سے مراد بعض نے بعد کتاب اللہ لی ہے۔ اور کتاب کو محذوف سمجھا ہے۔ بَعْدَ اللّٰہِ میں بعد کے معنی "اس سے بڑھ کر" کے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان میں تقلید کافی نہیں۔ ہر مکلف کو دین الٰہی کے دلائل پر غور وتفکر بھی کرنا چاہیے۔ ابطل بھذا قول من یزعم ان التقلید کاف وبین انہ یجب علی المکلف التامل فی دلائل دین اللہ (کبیر)

وٓ چونکہ انکار وتکذیب کی بنیاد استکبار نفس پر تھی، اس لئے عذاب مہین (ذلیل ورسوا کرنے والے) کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ اِذَا ..... ھُزُوًا۔ استہزاء وتمسخر کا درجہ محض انکار وتکذیب سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وٓ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ کی تصریح سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ عذاب علاوہ مُھِیْنٌ ہونے کے باعث تفضیح و رسوائی ہونے کے شدید بھی بہت سخت ہوگا۔ مَا کَسَبُوْا۔ اس کے عموم میں دنیا کے احوال، اعمال سب داخل ہیں۔ وٓ اور اس شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ اللہ کی توحید و ربوبیت کا اقرار کرو، اور اس کے احکام کی تعمیل۔ سَخَّرَ لَکُمْ۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے اپنے احکام تکوینی کا تابع بنایا۔۔۔ خطاب یہاں عام نوع انسانی سے ہے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ۔ یعنی تاکہ تم ان کشتیوں پر سوار ہوکر اور سفر کرکے ہر طرح کے نفع حاصل کرو۔ مِنْ فَضْلِہٖ۔ فضل۔ یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ بحری تجارت، بحری شکار، جہاز رانی سیپی، موتی، مونگے کا کاروبار، غواصی وغیرہ سب کچھ اس میں آ جاتا ہے۔ التجارۃ والغوص والصید وغیرھا (بیضاوی) بِاَمْرِہٖ۔ میں اشارہ کردیا کہ سمندر کا اتنا مسخر ہوجانا یہ تمامتر احسان خداوندی ہے۔ بندہ اسے اپنی قابلیت وقوت ایجاد کی جانب منسوب کرکے اپنے اوپر نازاں نہ ہو۔ بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ۔ ایات رب سے یہاں مراد قرآن بھی لی گئی ہے۔ لان ایات ربھم ھی القران ای ھذا القران کامل فی الھدایۃ (مدارک) وٓ غور وفکر کی قوتیں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں اور ان سے اگر صحیح طور پر کام لیا جائے، تو ہدایت ومعرفت حق کی راہیں کھلی رہیں گی۔۔۔ اصطلاحی فلسفہ قدیم یونان کا ہو یا یورپ کا وہ عقل واستدلال کے استعمال کا نہیں، سوء استعمال کا نمونہ ہے، اور غور وفکر کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتا ہے۔ سَخَّرَ ..... مِنْہُ۔ اس آیت نے اسے صاف کردیا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، خشکی، تری، کی جتنی بھی قوتیں ہیں۔ انسان ان سب کو اپنے کاسنائی تصرف میں لائے گا اور جوں جوں قوانین فطرت کا زیادہ رازدار ہوتا جائے گا، منشاء فطرت اور زیادہ پورا ہوتا جائے گا۔ مِنْہُ۔ اس تصریح نے اسے صاف کردیا کہ یہ تسخیر فطرت کی بھی ساری نعمت تمامتر اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، کوئی دیوی دیوتا اس میں شریک نہیں۔ یعنی انہ سبحانہ مکونھا وموجدھا بقدرتہ وحکمتہ ثم مسخرھا لخلقہ (روح) قَوْمًا۔ ایک قوم کو یعنی اہل ایمان کو۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ

اعمال کا صلہ دے ۔ وف جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے سو اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے

فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِىٓ

اس کا بھی وبال اسی پر رہتا ہے پھر تم کو واپس اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے وف۱ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ

مہیا کر دیں اور ہم نے انہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی تھی وف۱۱ اور ہم نے انہیں دین کے باب میں کھلی ہوئی

الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًا

دلیلیں دی تھیں سو انہوں نے علم آنے کے بعد بھی باہم اختلاف کیا آپس کی

بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

ضد سے وف۱۲ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں یہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

اختلاف کیا کرتے تھے وف۱۳ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی پر چلے جایئے

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ

اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے وف۱۴ یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا بھی

مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

کام نہیں آ سکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں،

وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے وف۱۵ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے دانشمندیوں (کا سبب) اور ہدایت (کا ذریعہ) ہے اور

وف۹ يَغْفِرُوْا۔ غفر۔ یہاں عفو کے مرادف ہے۔ اے یعفوا و یصفحوا (بیضاوی) لِيَجْزِيَ قَوْمًا۔ یعنی اللہ کے اہم سے اہم جو معاملات بندوں کے ساتھ حشر میں پیش آئیں گے۔ مثلاً یہ کہ فرمانبرداروں پر عطاء بخشش ہوگی اور نافرمانوں پر نزول عذاب وشدت ہوگا۔ منکرین قیامت ان سارے امور کی طرف سے اپنے کو غافل ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ وف۱۰ (وہاں مطیعون کو اپنی طاعتوں کا بدل بلکہ نعم البدل ملے گا اور سرکشوں کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ۔ دنیا میں ان نافرمانوں سے درگزر ہی مناسب ہے) آیت کا مقصود اس انتقام سے روکنا ہے جس سے مقصود اپنے غیظ کی تسکین ہوتی ہے۔ باقی قتال جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتا ہے اس سے نفیاً و اثباتاً آیت کو کوئی تعلق نہیں۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا ـــ جاہلی قومیں یہ سمجھی تھیں کہ کسی دیوی دیوتا کی پوجا کرنا خود اسی پر کرم کرنا اور اس کو زیر بار منت کرنا ہے۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بدی کا وبال خود اس بدی کے مرتکب پر پڑتا ہے۔ دوسروں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ وف۱۱ (بحیثیت علمبردار توحید ہونے کے دنیا کی ساری مشرک قوموں کے درمیان) الْكِتٰبَ۔ یعنی توریت نیز بعض دوسرے انبیاء بنی اسرائیل پر اتارے ہوئے دوسرے صحیفے الْحُكْمَ۔ یعنی حکمت ومعرفت۔ النُّبُوَّةَ۔ قدیم قوموں میں جب تک تقسیم کی بنیاد نسل پر رہی۔ شرف و امتیاز نبوت نسل اسرائیل ہی کو حاصل رہا۔ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ الطیبات کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر حلال، نفیس، پاکیزہ چیز اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اشارہ خصوصی حکومت ملک شام کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ جو اپنی نفیس پیداوار کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ وف۱۲ کیا ٹھکانا تھا ان کی ضد، جہالت ونفسانیت کا کہ جو شے وافع اختلاف ہو سکتی تھی۔ یعنی العلم یا وحی، عین اسی کو باعث تفریق وشقاق بنا لیا! بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ الامر سے مراد دین ہے۔ اور بینات کے تحت میں دلائل ومسائل یعنی حسی اور معنوی اور علمی ہر طرح کی ہدایتیں آگئیں۔ وف۱۳ (سو آپ یہاں ان کی ہدایت کے زیادہ درپے نہ ہوں) آخرت میں فیصلہ عملی اور مشاہداتی رنگ میں ہوگا۔ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ وف۱۴ یہ شیوہ تو ظالموں، فاسقوں کا ہے کہ ایک دوسرے کی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ آپ کو بھلا اس سے کیا مناسبت ہے۔ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ یعنی آپ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ الْاَمْرِ سے مراد دین ہے۔ اے من امر الدین۔ (بیضاوی) الْاَمْرِ۔ ہو سکتا ہے کہ ال استغراق کا ہو۔ تو مراد یہ ہوگی کہ ہم نے ہر امر عظیم ومہتم بالشان میں آپ کو راہ دکھا دی اور آپ کسی امر میں بھی بے راہ نہیں رہے۔ فَاتَّبِعْهَا۔ یعنی دین حق کا اتباع اپنے عمل سے بھی کرتے رہیے، اور تعلیم و تبلیغ سے بھی۔ مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ شریعت کی مخالفت کر کے قرب و کمال کا دعویٰ کرنا تمام تر دعوے باطل کرتا ہے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جو لوگ علم حقیقت سے بے بیگانہ ہیں، نا آشنائے ایمان، منکرین حق۔ وف۱۵ (تو آپ تو پرہیزگاران عالم کے سردار ہیں، حق تعالیٰ آپ کا دوست وکارساز تو بدرجہ اولیٰ ہوگا) اِنَّ ـــ بَعْضٍ۔ ظالم سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ نافرمانوں اور سرکشوں کی باہمی نصرت ومعاونت کی ایک تازہ اور نمایاں مثال عین اس تفسیر کی تحریر کے وقت پیش نظر ہے۔ مسیحیوں کو یہود سے اور یہود کو مسیحیوں سے جو عداوت وبیزاری ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے اور قاتلان "ابن اللہ" اور پرستاران "ابن اللہ" کے درمیان یہی ہونا بھی تھا۔ لیکن بایں ہمہ اس وقت علاقہ فلسطین میں یہود کی آبادی یہود کی مستقل حکومت کے قیام اور یہودیت کے فروغ میں سب سے زیادہ کوشاں یورپ اور امریکہ کی مسیحی ہی سلطنتیں ہیں!

وپ١٦ هٰذَا ... هُدًى ۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا مجموعۂ بصیرت و ہدایت ہونا ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس کی ان خصوصیات سے فائدہ سب ہی اٹھا سکتے ہیں۔ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ ۔ لیکن ثمرۂ عمل یعنی رحمت خاصہ یہ مخصوص اہل ایمان ہی کے ساتھ ہے۔ بَصَآئِرُ بعض محققین نے کہا ہے کہ بَصَآئِرُ بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید سارے ہی مہمات کے لئے کافی ہے۔ ایک دو کے لئے نہیں۔ وپ١٧ مطلب یہ ہے کہ نافرمان جس طرح اپنے اکثر حالات و آثار تکوینی کے لحاظ سے فرمانبرداروں کے ساتھ دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں اور موت، بیماری، رزق وغیرہ کے اعتبار سے کوئی ظاہری فرق، کھلا ہوا امتیاز، محض سرکشی و اطاعت کی بنیاد پر دیکھنے میں نہیں آتا، کیا اس طرح کا خلط ملط عالم اِبتلاء کے بعد بھی قائم رہے گا؟ ہرگز نہیں، عالم حقائق میں اہل طاعت اور اہل طغیان کے حالات و

لِقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ

یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے وپ١٧ کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

ہم انہیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی

مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ

اور ان کی موت یکساں ہی رکھیں سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں وپ١٨ اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا

زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

بدلہ دیا جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا وپ١٩ سو کیا آپ نے اس شخص کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو

هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَ

اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس

جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ

کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے وپ١٩ سو ایسے کو بعد اللہ کے اور کون ہدایت کرے

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

تو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے وپ٢٠ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہم (بس ایک ہی بار)

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ

مرتے اور (بس ایک ہی بار) زندگی پاتے اور ہم کو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے وپ٢١ حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں،

اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ

یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں وپ٢٢ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے پاس

آثار تو ایک دوسرے سے بیّن طور پر ممتاز اور نمایاں طور پر جدا ہوں گے۔ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ۔ سیّات کے تحت میں کفر، شرک، معصیت سب شامل ہیں، لیکن یہاں ایمان و عمل صالح کے مقابلہ میں آنے سے اغلباً مراد سیّات کفر ہی سے ہے۔ والمراد بها سيات الكفر (روح) والسيات هنا سيات الكفر (بحر) سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۔ دونوں میں یکسانی اگر واقعی اور مستقل رہی تو پھر تو قانون مجازات باطل ہی گیا۔ اور مکافات عمل کے کوئی معنی ہی نہ رہے۔ وپ١٨ یعنی اس بدلہ میں ظلم زیادتی ذرا سی بھی نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ آسمان و زمین کا محض خالق ہی نہیں بلکہ حکمتوں اور مقصدوں کے ساتھ ان کا خالق ہے۔ اور یہ ایک حکمت بھی قانون مجازات ہے، دنیا میں پورا پورا بدلہ ملتا نہیں۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایک دوسرا عالم ہو۔ جس میں انصاف رتی رتی کا کیا جائے۔ اور سب کے سب اسے محسوس بھی کریں۔ وپ١٩ (کہ حق کو سننے سمجھنے کے باوجود بھی اتباع خواہش نفس سے گمراہ ہو گیا) مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ خداوندی ضابطوں کو یکسر بھلا کر زندگی اور اجزائے زندگی کا حاکم اپنی عقل کو یا کسی بشری قانون اعلیٰ کو بنا لینا عملاً اپنی خواہش نفس ہی کی پوجا کرتا ہے۔ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔ حق تعالیٰ کا اسباب ضلالت کو تکوینی طور پر خلق کر دینا بھی اسی کی طرف سے اضلال ہے۔ خَتَمَ ... غِشٰوَةً ۔ یہ کان اور دل پر مہر لگ جانا اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانا ابتداءً حق تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوا، بلکہ یہ تو عین نتیجہ نکلا۔ ان کی ارادی پیروی نفس کا — ان حاشیوں میں اس مسئلہ کی تصریح بار بار کی جا چکی ہے۔ وپ٢٠ سمجھنے سے مراد ایسا سمجھنا ہے جو نافع ہو اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ باقی سمجھنا اگر اپنے عام مفہوم میں بھی نہ ہوتا تو سرے سے یہ لوگ قابل خطاب و عتاب ہی نہ رہ جاتے، بلکہ معذور سمجھ لئے جاتے۔ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۔ بعد یہاں غیر یا سوا کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قيل المعنى فمن يهديه غير الله سبحانه (روح) بعض نے کہا ہے کہ مراد بعد اضلال اللہ سے ہے۔ یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد سے۔ اى من بعد اضلاله (بیضاوی) اى من بعد ان اضله الله (کبیر) مطلب یہ ہوا کہ ایسوں کی استعداد قبول حق اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ کوئی توقع کسی انسانی تدبیر سے ان کی اصلاح کی نہیں رہ جاتی۔ وپ٢١ عرب خصوصاً وسطی اور جنوبی عرب میں کثرت سے لوگ اسی عقیدہ و مشرب کے تھے کہ نہ کوئی حیات اخروی ہے نہ کوئی جزا و سزا۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب قوانین مادی و طبعی کے لحاظ سے ہو رہا ہے۔ انہیں کی وجہ سے انسان کو موت بھی آ جاتی ہے اور انہیں کے مطابق انسان پیدا بھی ہوتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے شاعروں نے یہی مضمون باندھے گئے ہیں۔ گویا جاہلیت کے "روشن خیال" کا ٹھیک وہی مسلک تھا جو آج کے مہذب "روشن خیال" فرنگی کا ہے۔ مادیت (میٹریلزم) کا مسلک دنیا کا "جدید ترین" نہیں، بہت قدیم مذہب ہے۔ قال ذلك مشركو قريش (جصاص عن قتادة) هذا قول زنادقة قريش الذين كانوا ينكرون الصانع الحكيم وان الزمان ومضى الاوقات هو الذي يحدث هذه الحوادث (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الدَّهْرُ ۔ بعض عرب "دہر" یا "زمان" کو ایک مستقل دیوتا کی حیثیت سے مانتے تھے۔ وَمَا لَهُمْ ... يَظُنُّوْنَ ۔ یہاں مدعیان "عقل" و "روشن خیالی" کی تجہیل ہے۔ وجود باری اور وقوع قیامت پر جو دلائل قائم ہیں ان کی تو یہ کچھ تردید کر پاتے نہیں۔ اور خود جو دعویٰ نفی جزاء و سزا کا اور اثبات دہریت کا کرتے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل ضعیف سی بھی نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ ادھر ادھر کی جو خیالی باتیں کر رہے ہیں وہ سرتاسر سطحی بلکہ بالکل بے مغز ہیں۔

حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ

کوئی اور جواب نہیں ہوتا بجز اس کے کہ کہنے لگتے ہیں کہ (اچھا تو) اگر (بڑے) سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ ف۲۲

اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی) تم کو زندہ رکھتا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا

رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

جس میں ذرا شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف۲۳ بس اللہ ہی کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ

آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہو گی اس روز اہل باطل

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى

بڑے خسارہ میں ہوں گے ف۲۴ اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ دوزانو ہوں گے، ہر جماعت اپنے رجسٹر کی طرف

اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

بلائی جائے گی آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا ف۲۵ یہ ہمارا رجسٹر ہے

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

جو تمہارے حق میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے، ہم سب لکھواتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جاتے تھے ف۲۶ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے تھے

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

تو ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا صریح کامیابی یہی تو ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور جو لوگ کافر تھے سو (اے کافرو) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

ف۲۲ (از سر نو زندہ کر کے) گویا کوئی بندہ جب چاہے مردہ کو زندہ کر کے لا سکتا ہے! کسی مومن کا دعویٰ کسی نبی، رسول یا فرشتہ کے متعلق بھی یہ رہا ہے؟ حواس پرستوں کی عقلیں ایسی ہی ماری جاتی ہیں! — عقلی دلیل کو مشاہدہ کی سطح پر اتار لانے اور اسی میں اس کو محدود و محصور رکھنے کے لحاظ سے کس قدر مشابہت عرب کے "دہری" اور فرنگستان کے (Materialist) کے درمیان ہے۔ ف۲۳ یعنی یہ احیاء و اماتت، زندگی بخشنے اور موت واقع کرنے کے اعمال تو حق تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہی صادر کرتا رہتا ہے اور وہی قیامت کے دن احیاء ثانی بھی کرے گا — یہ کسی بندہ کے اختیار کی، تصرف کی بات ہی کب ہے۔ جو تم اس کا عملی اور مشاہداتی ثبوت ہم مسلمانوں سے چاہتے ہو۔ ف۲۴ (جب دیکھیں گے کہ اب کوئی سہارا تام کو بھی موجود نہیں اور کچھ بھی کسی صورت سے بنائے نہیں بنتی) وَ لِلّٰهِ ... الْاَرْضِ۔ زمین و آسمان میں کہیں بھی کسی دوسرے کی ملکیت و شرکت نہیں۔ وہی اکیلا مالک و متصرف ہے جب اور جس طرح جو کچھ چاہے کرے۔ ف۲۵ یہ صراحت سے پکار کر کہا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ۔ مراد یوم حشر کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جَاثِيَةً۔ کھلے ہوئے معنی تو یہ ہیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانو ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خوف سے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ وهی هيئة المذنب الخائف المنتظر لما يكره (روح) اس معنی میں آیت مخصوص ہو گی غیر مقبولین اہل باطل کے ساتھ۔ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا۔ رجسٹر کی طرف بلائی جائے گی۔ یعنی اس رجسٹر کے مطابق حساب و کتاب کے لئے طلب کی جائے گی۔ ورنہ نفس رجسٹر یا نامہ عمل تو ظاہر ہے کہ خود ہی سب کے ہاتھ میں ہو گا۔ ف۲۶ (فرشتوں سے اور ان کے لکھنے میں کسی غلطی کے رہ جانے کا احتمال و امکان ہی نہیں) یہ سارا قول ان اہل دوزخ سے پکار کر کہا جائے گا۔ كِتٰبُنَا۔ یعنی ہمارا لکھوایا ہوا رجسٹر۔ ابھی ابھی كِتٰبِهَا میں اس رجسٹر کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی تھی۔ اس حیثیت سے کہ رجسٹر میں اعمال تو بندوں ہی کے درج ہوں گے۔ اور اب اسی کتاب کی نسبت حق تعالیٰ اپنی جانب کر رہا ہے۔ یہ اس اعتبار سے کہ وہ رجسٹر لکھوایا ہوا تو حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ۔ تمہارے خلاف صاف صاف گواہی دے رہا ہے۔ تمہاری بدکرداریوں کو پوری طرح ظاہر کر رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ بالکل ٹھیک ٹھیک، پُلی تُلی بات، بغیر کمی و زیادتی کے شائبہ کے۔

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا قِيْلَ إِنَّ وَعْدَ

لیکن تم اکڑے رہے اور تم لوگ بڑے مجرم تھے ف۲۷ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے ہم نہیں جانتے

السَّاعَةُ ۙ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾

قیامت ہے کیا چیز، ہاں ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم (اس پر) یقین کرنے والے نہیں ف۲۸

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

(آج) اُن پر اُن کے اعمال کی ساری برائیاں کھل کر رہیں، اور انہیں گھیر لیا اُس چیز نے جس کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ

یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ف۲۹ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے

يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ

آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ف۳۰ یہ (سزا) اس لئے ہے

بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی بنا رکھا تھا اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج تو یہ لوگ

لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے (اللہ کی) خفگی دور کی جائے گی ف۳۱ خوبیاں (سب کی سب) اللہ ہی کے لئے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ

ہیں (جو) آسمانوں کا پروردگار ہے، زمین کا پروردگار ہے، سارے جہانوں کا پروردگار ہے، ف۳۲ بس اسی کے لئے

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾

آسمانوں اور زمین میں بڑائی ہے اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۳۳

ف۲۷ یہ پورا فقرہ کافروں سے خطاب کر کے قیامت میں کہا جائے گا۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب کی طرف منتقل ہو جاتا تاکہ کلام میں اثر و قوت زیادہ پیدا ہو جائے۔ عربی اسلوب بلاغت میں عام تھا اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں — اور یہاں اس سے مقصود عتاب کی اہمیت ہے۔ ف۲۸ اور یہی جواب آج کل کے "روشن خیالوں" کی زبانوں پر بھی چڑھا ہوا ہے۔ قُلْتُمْ ..... السَّاعَةُ۔ یہ جواب تم دیا کرتے اور بڑی بے پروائی اور شان استغناء کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا۔ ایسا ظن و گمان جو ہر سنی سنائی بات کے متعلق کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر آج کل کے روشن خیالوں کو مخاطب کر کے ہے۔

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان کافی

ف۲۹ حقائق سارے کے سارے آئینہ ہو کر رہے۔ اور اسی میں ان کا اپنا معذب ہونا بھی آ گیا۔ وَحَاقَ ..... يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یہ گھیر لینے والی چیز جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہی ہے۔ ف۳۰ (جو تمہاری سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) نَنْسٰىكُمْ فعل انساء (بھلا دینا) جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتی ہے تو نعوذ باللہ کوئی سہو یا ضعف حافظہ تو مراد ہو نہیں سکتا — یہ تو ملائکہ تک کے حق میں ممکن نہیں — مراد صرف مجازی سے ہو سکتی ہے۔ یعنی کافروں کو رحمت حق کے التفات سے محروم کر دیا جائے گا۔ ف۳۱ یعنی قیامت میں اس کا موقع ہی نہ ہوگا کہ توبہ کر کے اللہ کی ناراضگی کو دور کیا جائے۔ وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ انکار آخرت کی اصل بنا یہی دنیا کی مشغولی اور اس میں انہماک تھا۔ ف۳۲ یعنی نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ یہ جہان خود کسی جہت سے معبود یا قابل پرستش ہے جیسا کہ مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے اور نہ کوئی اور دیوی دیوتا ہی قابل پرستش ہے۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان یا فضائے آسمانی میں کہیں کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ رَبِّ الْأَرْضِ۔ سارے روئے زمین کے کسی چپہ پر کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتا۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کائنات بھر میں کسی مقام پر کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۳۳ وہ سب پر غالب و زبردست ہے۔ جب چاہے اپنی بڑائی کا علانیہ اظہار کر کے سب کی نام نہاد بڑائیوں کا خاتمہ کر دے لیکن اس کی صفت حکمت بھی سب پر غالب ہے، اپنی تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے اسی عالم ابتلاء میں وہ اپنی کبریائی کا مشاہدہ اس اعلان کے ساتھ نہیں کراتا۔ وَلَهُ ..... الْأَرْضِ۔ ترکیب کلام یعنی لَهُ کی تقدیم نے مفہوم میں حصر پیدا کر دیا ہے۔ یعنی کبریائی صرف اسی ایک کی ہے۔ کوئی اور اس میں شریک و سہیم نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔

بحمد اللہ آج دوشنبہ ۳ محرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۴۷ء کو اس پچیسویں پارہ کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت پائی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ۲۷ رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو مکمل ٹھہر۔

ف۱ یس جب متکلم ایسا ہے جو سب پر غالب و قادر بھی ہے اور سب سے بڑھ کر حکیم بھی تو اس کا کلام بھی بہت اہم اور نہایت درجہ قابل غور ہے۔ حٰمٓ اور اس پوری آیت پر حاشیے قریب ہی کی سورتوں میں کئی بار گذر چکے ہیں۔ ف۲ کافروں اور منکروں کی اصلی بدبختی یہ ہے کہ وہ حقائق کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے۔ آیت سے تین عقیدوں کی تعلیم نکلی، اور تین زبردست گمراہیوں کی تردید۔ وَمَا خَلَقْنَا الخ سارے موجودات عالم کا خالق حق تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی شے خود بخود وجود میں نہیں آگئی ہے... عقیدۂ دہریت وقدامت مادہ وروح وغیرہ کی تردید۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہر شے کسی نہ کسی خاص حکمت یا مقصود کے ساتھ ہی پیدا کی گئی ہے جو خالق کائنات ہے وہ حکیم کل بھی ہے۔ عقیدۂ آفرینش بے مقصد اور بعض اقسام شرک کی تردید۔ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ ہر شے فناپذیر ہے، اور ایک مدت و میعاد مخصوص ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ عقیدہ معاد کا اثبات اور عقیدۂ مخلوق غیرفانی کی تردید۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید و معاد پر دلائل قائم کر دیئے، رسول پر رسول بھیجے، کتابوں پر کتابیں نازل کیں، رسولوں نے آکر ایک ایک تک پیام پہنچایا، ہر شبہ کو دور کیا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن جو ہٹ دھرم کافر ہیں، وہ اپنے جمود پر اڑے رہے، انہوں نے غور والتفات ہی کو گناہ سمجھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ غور واستدلال سے کام لینا واجب ہے اور کام نہ لینا موجب ملامت۔ وھذا یدل علی وجوب النظر والاستدلال وعلی ان الاعراض عن الدلیل مذموم فی الدین والدنیا (کبیر) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ۔ فقرہ سے مراد محاورۂ قرآنی میں ساری کائنات ہوتی ہے۔ ف۳ لوگ عموماً اثبات توحید پر دلائل قائم کرتے رہتے تھے، قرآن مجید نے اس سے آگے بڑھ کر الٹے مشرکوں سے اثبات شرک پر دلیل کا مطالبہ اور دہرا مطالبہ کیا ہے۔ اَرُوْنِيْ.... السَّمٰوٰتِ۔ اے اہل شرک، ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیوتاؤں کی شرکت خلقت زمین یا آسمان میں آخر کس حیثیت سے اور کس حد تک بھی ہے؟ جب تم زمین و آسمان کو بھی اللہ ہی کا مخلوق سمجھ رہے ہو تو یہ تو تم نے تسلیم کر لیا کہ یہ مخلوق معبود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کی معبودیت کی تو عین نفی ان کی مخلوقیت سے نکل آئی۔ پھر آخر تم شرک پر کس عقلی دلیل کا سہارا پکڑے ہوئے ہو؟ یہ پہلا مطالبہ عقلی دلیل کا ہوا۔ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ۔ میری لائی ہوئی وحی کو جانے دو، تو اچھا یہی بتاؤ کہ کسی پچھلے نوشتہ آسمانی میں حکم شرک درج ہے؟ یہ دوسرا مطالبہ نقلی دلیل کا ہوا۔ اَثٰرَةٍ۔ تنوین اظہار تقلیل کے لئے ہے۔ التنوین للتقلیل (روح) یعنی ثبوت قطعی نہ سہی، ثبوت ظنی ہی سہی۔ محققین عارفین نے آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہوگا، یہاں تک کہ دعویٰ کشف والہام بھی نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اگر تم اپنے دعوائے اثبات شرک میں صادق ہو۔ الْاَرْضِ۔ سے مراد ممکن ہے کہ جملہ سفلیات ہوں۔ یجوز ان یراد بالارض السفلیات مطلقاً ولعلہ اولیٰ (روح) السَّمٰوٰتِ۔ سے بھی اسی طرح مراد ممکن ہے کہ جملہ علویات ہوں۔ لعل الاولیٰ فیھا ایضاً ان تفسر بالعلویات (روح)

اٰیاتھا ۳۵ ۴۶ سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ۶۶ رکوعاتھا ۴

اس کی پینتیس آیتیں سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

حا۔ میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ف۱

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت ہی کے ساتھ، اور ایک میعاد مقرر کے ساتھ

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا

پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے،

مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بے رخی کئے ہوئے ہیں ف۲ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ جن چیزوں کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا یہ کہ اُن کا ساجھا

السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ

آسمان میں ہے میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی مضمون منقول (معتبر)

عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا

لاؤ اگر تم سچے ہو ف۳ اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

کسی اور کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا

بلکہ انہیں ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو اور جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں تو وہ

لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَ اِذَا تُتْلٰى

ان کے دشمن نکلیں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں وٓ اور جب ان لوگوں کے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

روبرو ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو جو لوگ کافر ہیں وہ اس سچائی کی بابت جب وہ ان تک

جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ

پہنچی ہے، کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے وٓ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے قرآن گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے

افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی بچا نہیں سکتے وٓ وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ

تم قرآن کے باب میں بنا رہے ہو وہی میرے تمہارے درمیان کافی گواہ ہے اور وہ

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحیم ہے وٓ آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں، میں تو یہ بھی نہیں

اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا وٓ ہوں، آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی

اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

طرف سے ہو اور پھر تم اس سے کفر کر رہے ہو، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر

وٓ حاصل یہ کہ جن معبودوں سے تم لو لگائے بیٹھے ہو، ان کی معبودیت کا مقتضا تو کوئی ایک بھی نہیں۔ البتہ ان کی عدم معبودیت کے مقتضا ایک چھوڑ کئی کئی موجود ہیں۔ پھر بھی انہیں معبود سمجھے چلے جانا کتنی بڑی حماقت اور کیسی شدید گمراہی ہے! كٰفِرِيْنَ۔ کفر۔ یہاں مطلق انکار وتکذیب کے معنی میں ہے۔ اے مکذبین (روح) وٓ (جو ہم پر مؤثر ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت وحقانیت سے معری ہے) قرآن مجید کے متعلق ماضی کے "روشن خیال" کی تشخیص یہی تھی، اور حال کے "روشن خیال" کی "تحقیق" بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، جب وہ یہ کہتا ہے کہ "موافق ماحول اور مناسب فضا نے محمد ﷺ کے کلام وپیام کو اس درجہ مؤثر وکامیاب بنادیا" اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ۔ بَيِّنٰتٍ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قرآن مجید کا معارضہ ممکن نہیں۔ حالانکہ سحر جو اور جیسا بھی ہو اس کا معارضہ برابر ممکن رہتا ہے۔ قرآن مجید کی نفس تاثیر شدید سے انکار مشرکین عرب کے لئے بھی ممکن نہ تھا، فقط وہ اس کی توجیہ وتاویل دوسری کر لیا کرتے تھے اور ٹھیک وہی کج نظری آج تک یورپ اور یورپ زدہ حلقوں میں متوارث چلی آرہی ہے۔ وٓ (وہ مجھے ایسی شدید جسارت پر یقیناً عذاب میں مبتلا کرے گا) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ یعنی یہ کلام میں نے اپنی طرف سے گڑھا۔ اور پھر اسے منسوب حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ ابھی ایک تشخیص "سحر" بیان ہوئی تھی، اب یہ دوسری تشخیص "افتراء" بیان ہو رہی ہے...... اور افتراء (ارادی واختیاری) کا سحر (اضطراری وغیرارادی) سے بدتر وقبیح تر ہونا ظاہر ہی ہے۔ وٓ (اپنے عام بندوں کے حق میں) هُوَ...... فِيْهِ۔ اس پر خوب روشن ہے کہ تم روز روشن سے انکار کئے چلے جا رہے ہو...... اس طرح کے اقوال رسول کی زبان سے بار بار اسی لئے ادا کر دیئے گئے ہیں کہ مخاطبین کا احساس ذمہ داری بیدار ہو، اور انکار قرآن زبان پر خوب سوچے سمجھے کے بعد لائیں۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ سو اب بھی اگر اپنی غلطیوں اور گمراہیوں کا اقرار کر لو تو اس کی مغفرت ورحمت تمہیں اپنے آغوش میں لے لینے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ وٓ میں اپنے لئے نہ غیب دانی کا مدعی ہوں نہ مافوق الفطرت قوتوں کا۔ جیسے اللہ کے سب بندے، ویسا ہی میں بھی۔ فرق صرف اتنا کہ میرا رشتہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے اور میں توحید اور دین حق کی تبلیغ پر مامور ہوں۔ مَا...... الرُّسُلِ۔ سلسلہ نبوت ورسالت تو بہت قدیم ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ مجھ جیسے کتنے پیمبر پہلے بھی دنیا میں آچکے ہیں۔ وَمَا...... بِكُمْ۔ بغیر وحی الٰہی مجھے تو نہ اپنا حشر معلوم نہ تمہارا۔ اہل بدعات نے رسول ﷺ کے علم غیب وغیرہ سے متعلق جو عقیدے گڑھ رکھے ہیں، یہ آیت ان کے حق میں کیسی ضرب کاری ہے۔ لَا بِكُمْ۔ لَا معنی نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ ولا لتاكيد النفي المشتمل على ما يفعل بي (بیضاوی)

و۹ (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) یعنی یقین واعتقاد کر کے نہ سہی، بطور فرض واحتمال بھی اگر اسے مان لو کہ یہ قرآن واقعی کتاب الٰہی ہے اور تم اس سے خواہ مخواہ بھاگ رہے ہو، تو ذرا سوچو تو کہ کیسے خسارہ میں رہو گے؟ شَهِدَ ... مِثْلِهِ۔ قرآن مجید نے تو شَهِدَ بصیغۂ واحد، اور صرف ایک ہی متدین وصاحب علم اسرائیلی کی شہادت کو فرض کیا تھا۔ واقعۃً وعملاً تو اس سے بڑھ کر معاملہ رہا۔ یعنی ایک نہیں متعدد متدین وصاحب علم اسرائیلی قرآن پر ایمان لا کر رہے، بنی اسرائیل کا نام اس لئے لیا کہ وہی ایک صاحب کتاب قوم موجود تھی۔ اور اس قوم کا علم وفضل قریش کو بھی مسلّم تھا۔ شَهِدَ کی تنوین اظہار عظمت وقدر کے لئے ہے۔ والتنوین للتفخیم (روح) شَهِدَ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۔ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہی لی گئی ہے۔ اور مثله سے مراد توریت ہے۔ عن مسروق قال التوریة مثل القرآن وموسى مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) وقال الاخرون الشاهد هو موسى بن عمران (معالم) و۱۰ (اور بے انصافی میں تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟) یہاں اس قانون تکوینی کا اعلان ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت نہیں چاہتے، خلوص ذہن کے ساتھ حقائق پر غور والتفات ہی نہیں کرتے۔ ہدایت ان کے سر زبردستی چپک بھی نہیں دی جاتی۔ اور وہ ہدایت سے ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ و۱۱ (اور نبوت کے جھوٹے دعوے جس طرح ہمیشہ سے لوگ کرتے آئے ہیں، اسی طرح کا ایک جھوٹا دعویٰ یہ بھی ہے) لو ..... اِلَیْهِ۔ رؤسائے یہود اور سرداران قریش دونوں فخر وپندار تفوق میں مبتلا عوام عرب کو اسلام کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہتے کہ یہ نیا دین قابل تصدیق ہوتا تو ہم تو سب سے پہلے اس کی طرف بڑھتے؟ تو جب ہم اس کی جانب نہیں بڑھے، تو اس کے معنی تو یہ ہیں کہ یہ دین خیر سے خالی ہے۔ مفسر ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اہل سنت یہ فقرہ لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ذرا سا بدل کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کہا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اگر اچھا ہوتا تو حضرات صحابہ نہ اس کی جانب بڑھتے؟ اور جب انہوں نے سبقت نہ کی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ عمل بدعت ہے اور خیر سے خالی۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ اشارہ رؤساء یہود اور سرداران قریش کی طرف ہے جو اس وقت تک انکار ومخالفت پر قائم تھے۔ من الیہود وقال قتادہ نزلت فی مشرکی مکة (معالم) لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اشارہ عوام عرب کی طرف ہے جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ وَاِذْ ..... قَدِیْمٌ۔ آج بھی "روشن خیال" فرنگی نبوت کو ایک قدیم، متوارث شعبۂ جنون ہی کہنے پر مصر ہے۔ و۱۲ تو یہ بہت قدیم جھوٹ نہیں، بہت قدیم سچ ہے۔ حضرت موسیٰ کی کتاب توریت جو اپنے وقت میں اپنی قوم کے لئے رہنما اور باعث رحمت تھی۔ یہ نئی کتاب یعنی اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے معنی میں ہے۔ ای کفروا (مدارک) وَمِنْ قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای ومن قبل القرآن (معالم) لِلْمُحْسِنِیْنَ۔ محسنین سے مراد صاحب عمل مسلمان ہیں۔ المؤمنین المطیعین (مدارک) لِسَانًا عَرَبِیًّا۔ اس میں اشارہ کلام مجید کی فصاحت ووضاحت بیان کی طرف بھی آ گیا۔ کلام عربی کے معنی کلام فصیح کے ہی ہیں۔ ای فصیحا بینا واضحا (ابن کثیر) و۱۳ جن لوگوں نے صدق دل سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور پھر اسے چھوڑا نہیں، آخر وقت تک اسی عقیدہ پر قائم رہے تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے جنت ہی جنت ہے، چین ہی چین ہے اور یہ سب ان کے حسن عمل کا صلہ ہوگا۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اقرار توحید کے بعد پھر اس پر قائم وثابت قدم رہنا اور ہر آزمائش میں پورے اترتے رہنا بہت بڑی چیز ہے اور مدح خاص کی مستحق۔ عین جس وقت ان سطروں پر نظر ثانی ہو رہی ہے (۱۹۵۰ء میں) ہندوستان یا بھارت میں آیت کے اس جزء کی قدر خاص طور پر ہو رہی ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ (پ۲۴) میں بھی یہی مضمون ایک آیت میں آ چکا ہے۔

مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

گواہی دے اور ایمان لے آئے، اور تم تکبر ہی میں رہو و۹ بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ

ہدایت نہیں دیتا و۱۰ اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اگر کوئی

خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ

اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر جاتے، اور جب ان لوگوں کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو کہتے ہیں

هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا

کہ یہ وہی پرانا جھوٹ ہے و۱۱ حالانکہ اس کے قبل موسیٰ کی کتاب بھی رہنما اور رحمت تھی

وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ

اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾ ج اِنَّ الَّذِیْنَ

ظالموں کو ڈرائے و۱۲ اور نیک لوگوں کے حق میں بشارت ہے، جن لوگوں نے کہا

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ج اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ

غمگین ہوں گے یہی لوگ تو اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ

بعوض ان کاموں کے جو وہ کرتے رہتے تھے و۱۳ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک

اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ

کرتا رہے، اُس کی ماں نے اُس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اُسے جنا

وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

اور اس کا حمل اور اس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے وٹا یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچ جاتا ہے اور

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ

چالیس سال کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا کی ہیں اور اس پر کہ میں نیک عمل کرتا رہوں کہ تو خوش ہو

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ

اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صالحیت پیدا کر دے، میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں، اور میں

الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا

فرمانبرداروں میں سے ہوں وڈا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے اچھے عمل کو

عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ

قبول کریں گے اور اُن کے گناہوں سے درگزر کریں گے (یہ) اصحاب جنت میں سے (ہوں گے)

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۶ وَالَّذِيْ قَالَ

اس سچے وعدہ (کی بناء) پر جس کا اُن سے وعدہ کیا جا چکا تھا و۱۶ اور جس شخص نے

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ

اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھے یہ خبر دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا درآنحالیکہ مجھ سے

الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ

پہلے (بہت سی) اُمتیں گزر چکی ہیں و۱۷ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور اس اولاد سے کہہ رہے ہیں) ارے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ

تیری کم بختی تو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے و۱۸ تو (اس پر) وہ کہتا (کیا) ہے کہ یہ تو بس اگلوں کے

و۱۴ (علی العموم اور اکثر) مدت حمل، ۶ ماہ کم سے کم ہے۔ اور مدت رضاعت ۲ سال زیادہ سے زیادہ ہے۔ یہ ملا کر کل ۳۰ مہینہ ہو گئے …… یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبعی مدت حمل ۹ مہینہ اور طبعی مدت رضاعت ۲۱ مہینہ کل ڈھائی برس یوں بھی ہو گئے۔ سورۂ لقمان (پ۲۱) میں بھی ایک آیت اسی مضمون کی آچکی ہے۔ وَوَصَّيْنَا …… اِحْسٰنًا۔ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ایک آیت اسی قسم کی گزر چکی ہے۔ حَمَلَتْهُ …… وَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ ماں کی خدمت کی اہمیت خصوصی اس کی ان مصیبتوں سے واضح ہے جو اسے حمل و وضع حمل کے سلسلہ میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ان حقائق کی طبی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۱۵ حاصل یہ نکلا کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے وہ اللہ کے براہ راست حقوق تو ادا کرتا ہی ہے۔ اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق بھی درجہ کمال میں پہچانتا ہے۔ اور انہیں بندوں کے حقوق میں ایک بڑا افضل اشرف حق والدین کی اطاعت وخدمت گزاری ہے۔ چنانچہ بندۂ سعید دن رات اپنی عبدیت کے اقرار اور عبادت کے عزم و اہتمام میں لگا رہتا ہے۔ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ یعنی نشوونما پا کر پورا مرد ہو جاتا ہے۔ مختلف مفسرین وفقہاء نے اس کے لئے مختلف عمریں ٹھہرائی ہیں۔ کسی نے ۱۸ سال، کسی نے ۲۵ سال، کسی نے ۳۰ سال، کسی نے کچھ اور، لیکن سب سے زیادہ محقق قول اس باب میں حسن تابعی کا ہے، جنہوں نے فرمایا کہ جس عمر میں بھی انسان اپنے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار ہو جائے۔ اور اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بس وہی اس کی عمر کا اشد ہے۔ قال الحسن اشده قيام الحجة عليه (جصاص) وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ قوائے عقلی اپنے حد کمال پر چالیس سال کی عمر میں جا کر پہنچتے ہیں۔ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ۔ یعنی میری اولاد کو بھی توفیق خیر دے اور محل صالحیت بنا دے۔ اے اجعل ذريتي موقعاً للصلاح ومظنة له (مدارک) اے اجعل الصلاح ساريا في ذريتي وراسخا فيهم (روح) صالح اولاد بھی حق تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں سے ہے …… بڑے بڑے کاملین ومقبولین اس کی دعائیں مانگتے اور اس کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔ اس سے شرماتے نہیں۔ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ "مسلم" کا لقب ان حضرات اہل جنت کے شرف وافتخار کے لئے بالکل کافی ہے۔ یہ اور بڑھ بڑھ کر دعویٰ نہیں کرتے۔ صرف اپنے تائب اور مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ و۱۶ (دنیا میں) وَعْدَ الصِّدْقِ۔ وہ سچا وعدہ یہی کہ حسن عمل کے اجر بہت بڑے بڑے ہیں۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بیسیوں بار آچکی ہے۔ اور یہاں ایک بار پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین بھی گناہوں سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کر دی جاتی ہے۔ اگر سیئات کا وجود ہی سرے سے نہیں ہوتا تو درگزر یا معافی ہی کس چیز سے ملتی ہے؟ آیت کی زد فرقۂ خوارج پر بھی پڑتی ہے۔ جن کے نزدیک ہر مومن کو عملاً معصوم ہی ہونا چاہیے۔ و۱۷ (اور کسی کے بھی مشاہدہ وتجربہ میں یہ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا نہ آیا) ذکر یہاں کافر اولاد کا ہے۔ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں سے یکساں غافل۔ ایسی اولاد بجائے اطاعت وخدمت والدین کے دعوت اسلام پر الٹ کر یہ جواب دے رہی ہے اور بکمال "روشن خیالی" کہتی ہے کہ قیامت کا بس ذکر ہی ذکر سنتے چلے آئے ہیں۔ آج تک تو کسی مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھا یا سنا نہیں۔ …… مادیین منکرین آخرت کے دعوے پر خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے اس کا ماحصل سوا اس کے اور ہے کیا۔ اُفٍّ لَّكُمَا ۔ ولا تقل لهما اف۔ پر حاشیہ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ملاحظہ ہو۔ و۱۸ (تو توحید کی طرح تو روز جزاء پر بھی اعتقاد رکھ) وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ ۔ نالائق اولاد کے کفر و بے دینی سے گھبرا کر مومن والدین حق تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں …… نئی نسل سے متعلق کتنے تجربے اس قسم کے پرانی نسلوں کو نہیں ہوتے رہتے ہیں!

الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ

ڈھکوسلے ہیں و۱۹ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے حق میں ان لوگوں کے ساتھ (اللہ کا) قول پورا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا

ہو کر رہا جو ان سے قبل جنات اور انسانوں میں گزر چکے ہیں، بے شک یہ لوگ

خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

خسارہ میں رہے و۲۰ اور ہر ایک کے لئے اُن کے اعمال کے مطابق (الگ الگ) درجے ہیں تاکہ (اللہ) اُن کے اعمال

أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ

کی جزا پوری دے اور اُن پر ظلم (کسی طرح کا بھی) نہ ہوگا و۲۱ اور جس روز کافر لوگ

كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں (سب) دنیا ہی میں حاصل کر چکے

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ

اور اُن کا خوب مزہ اٹھا چکے و۲۲ سو آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم

كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ

ع ۲

نافرمانیاں کیا کرتے تھے و۲۳ اور آپ (ان سے) ذکر کیجئے قوم عاد کے بھائی کا جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا

بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

ریگ کے تودوں (کی بستی) میں، و۲۴ اور اُن سے پہلے اور اُن سے پیچھے بھی ڈرانے والے

خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

گزر چکے ہیں اس بات سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، مجھے تمہارے لئے اندیشہ ایک بڑے (سخت) دن کے

و۱۹ (حق وصداقت سے خالی) ھٰذَآ ۔یعنی یہی وعدۂ آخرت وعذاب آخرت۔ مَا ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ یعنی یہ کیا وہی افسانہائے کہن شروع کر دیئے؟ ...ٹھیک وہی فقرہ جو آج بھی کتنے "روشن خیالوں" کے حلق وزبان سے مذہب کے خلاف نکل رہا ہے۔ و۲۰ (جس کا پورا انکشاف جا کر آخرت میں ہوا) اَلْقَوْلُ ۔ سے مراد یہی وعدۂ گرفت وعذاب ہے۔ مِنَ الْجِنِّ ۔ جنات پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۲۱ اور حشر کی عدالت کے فیصلے رتی رتی حق وعدل پر مبنی ہوں گے۔ ظلم، زیادتی، دھاندلی کا گزر ہی کہیں نہ ہوگا۔ دَرَجٰتٌ ...... عَمِلُوْا ۔ ان درجات میں دوزخ اور جنت دونوں کے درجے آگئے۔ لِیُوَفِّیَھُمْ ۔ لِ تعلیل کا ہے۔ یعنی یہ قیام حشر اور ہر ایک کا اس کے حسب استحقاق درجہ سب اسی لئے ہوگا کہ ہر ایک کے حق میں عدل پورا پورا ہو جائے۔ و۲۲ (یہاں تک کہ ان میں منہمک ومستغرق ہو کر اپنے انجام اور اپنے خالق کو بھی بالکل بھلا بیٹھے تھے) وَاسْتَمْتَعْتُمْ ۔ استمتاع سے یہاں مطلق استمتاع لذات مراد نہیں کہ وہ ہرگز ممنوع یا مذموم نہیں۔ بلکہ صرف وہ استمتاع لذات مراد ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کی طرف لے جائے اور جس میں حلال وحرام کا کوئی امتیاز ہی نہ باقی رہ جائے۔ اَذْھَبْتُمْ ...... الدُّنْیَا ۔ یعنی اس طرح اوندھے منہ تم ان دنیوی ومادی لذتوں پر جھکے اور گرے کہ اب عالم آخرت میں عیش سرمدی وراحت ابدی سے لطف اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت ہی باقی نہ رکھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دلالت زہد پر نکلتی ہے نیز اس طرف اشارہ کہ لذات دنیوی میں توسع موجب خطر ہے۔ مگر مطلقاً نہیں بلکہ خبث معاصی کے ساتھ۔ و۲۳ غرض یہ کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا انسان کے سب اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہی ہوگا۔ فِی الْاَرْضِ کی تصریح سے اشارہ یہ نکلا کہ اللہ کی بنائی اور بسائی ہوئی زمین پر چلنا پھرنا، رہنا بسنا اور پھر زمین کے فاطر وپروردگار سے تکبر وبغاوت کرنا اور بھی کھلی ہوئی ڈھٹائی ہے۔ تَسْتَکْبِرُوْنَ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں استکبار سے مراد استکبار عن الایمان ہے کہ عذاب خلود اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۔ کبر واستکبار تو بجائے خود ناحق ہمیشہ ہی ہوگا۔ قید کے اضافہ سے مراد یہ ہے کہ یہ کبر خود تمہارے بشری معیار سے بھی بیجا اور بالکل باطل تھا۔ و۲۴ اَخَا عَادٍ ۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر۔ قوم عاد اور مسکن عاد پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکے۔ الْاَحْقَافِ ۔ احقاف کے لفظی معنی ریگ کے مستطیل تودوں کے ہیں۔ عرب قدیم کے لوگ ایسے مقامات پر بستیوں اور آبادیوں سے نا آشنا نہ تھے۔ دہنا عرب جنوب کے اس طویل علاقے کا نام ہے جو شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضرموت تک، ۳ لاکھ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ کی ریگ کی ہے۔ اور یہی علاقہ الاحقاف کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا

عذاب کا ہے ف۲۵ وہ لوگ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو تو ہم پر

تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ

لا واقع کرو (وہ عذاب) جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو اگر تم سچے ہو ف۲۶ انہوں نے فرمایا کہ (پورا) علم تو بس اللہ ہی

اللّٰهِ ۖ وَأُبَلِّغُكُم مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّىٓ أَرٰىكُمْ قَوْمًا

کو ہے میں تو تمہیں وہی پہنچا تا ہوں جس کا پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے البتہ تمہیں کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی

تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ ۙ

باتیں کر رہے ہو ف۲۷ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا

قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم

تو بولے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے

بِهٖ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا

یعنی ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کر دے گی

فَأَصْبَحُوا لَا يُرٰىٓ إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ

چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہیں رہا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا

الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيمَآ إِن مَّكَّنّٰكُمْ فِيهِ

دیا کرتے ہیں ف۲۸ اور ہم نے ان لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّأَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً ۖ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ

اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے، سو نہ ان کے کان ان کے ذرا بھی

سَمْعُهُمْ وَلَآ أَبْصَارُهُمْ وَلَآ أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ

کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل جب کہ

ف۲۵ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ دعوت توحید کوئی نرالی اور انوکھی چیز تو ہے نہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے بھی اس کی تبلیغ بار بار ہو چکی تھی اور اس کے بعد سے بھی برابر ہوتی چلی آئی ہے۔ ف۲۶ اس قوم نے بھی حسب معمول دعوت کی اصل خوبیوں پر غور ہی نہ کیا، بلکہ اس دعوت کو اپنے رواجی پیمانہ سے ناپ کر اس سے بے تحاشا انکار ہی شروع کر دیا۔ ... قوم عاد اپنے زمانہ کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی۔ اس نے وہی جواب دیا، جو آج بھی "مہذب" "متمدن" قوموں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ف۲۷ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم عجیب الٹے پلٹے مطالبے مجھ سے کر رہے ہو۔ میرا کام تو صرف عقائد صحیح کی تبلیغ ہے یعنی توحید، رسالت وعقیدۂ معاد، تو ان کی صداقت ومعقولیت پر مجھ سے جتنی چاہو گفتگو کر لو۔ باقی مجھے یہ چیلنج دے کر کہ اگر میں سچا ہوں تو تمہارے سر پر ابھی قیامت لا کھڑی کروں، اس سے تو تم اپنی ہی بے مغزی وکج فہمی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ انما العلم عند اللہ۔ یعنی قیامت کے متعلق تفصیلات وجزئیات کا علم کہ وہ کب آئے گی، کس وقت آئے گی وغیرہا، تو یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ قوما تجھلون۔ جہل وجہالت کا اردو میں ایک مفہوم یہ بھی چلا ہوا ہے کہ وہ ناخواندگی کا مرادف اور حرف شناسی کی ضد ہے۔ عربی کے تجھلون کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم ہے نادانی اور بے مغزی کی باتیں کرنا اور ضد یا نفسانیت کی بناء پر قبول سے اغماض کرنا۔ ف۲۸ قوم عاد کی آخری تباہی کا ذکر ہے کہ پہلے تو وہ بدلی کی اٹھتی ہوئی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ بارش کا بادل ہے۔ کچھ ہی دیر بعد معلوم ہو گیا کہ نہیں وہ تو عذاب کا طوفان ہے۔ اودیتھم۔ وادی کے لفظی معنی اس نشیب کے ہیں جس میں پانی جمع ہو جائے۔ تدمر ... مسکنھم۔ یعنی نہ کوئی انسان زندہ بچا نہ کوئی حیوان اور نہ ان کی وہ عالی شان آراستہ پیراستہ عمارتیں ہی باقی رہیں۔ صرف اجڑے ہوئے اور گرے پڑے مکان اور کھنڈر باقی رہ گئے۔ کذلک ... المجرمین۔ عام قانون الٰہی کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ یہ ہی ہلاکت عادی مجرموں اور نافرمانوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص قوم عاد کی نہ تھی۔ جو قوم بھی نافرمانی کرے گی وہ اسی سزا کی مستحق ہو جائے گی۔ بامر ربھا۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا، نہ کوئی الگ دیوتا ہوا اور آندھی کا ہے بلکہ یہ جو کچھ بھی پیش آیا، تمامتر پروردگار عالم ہی کے حکم سے پیش آیا۔

كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
وہ لوگ اللہ کی آیتوں کے خلاف ہٹ کرتے رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۶ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
آ گھیرا وف ۲۹ اور ہم نے تمہارے گرد و پیش کی (اور) بستیوں کو بھی غارت کر دیا

وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۷ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ
اور (اپنی) نشانیاں بھی پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں کہ شاید وہ باز آ جائیں وف ۳۰ سو ان کی مدد ان لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا
انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا، تقرب کے لئے وہ تو اُلٹے ان سے غائب

عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۸ وَ اِذْ صَرَفْنَآ
ہو گئے، اور یہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات تھی وف ۳۱ اور (اس وقت کا ذکر کیجئے) جب ہم جنات کی ایک

اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب

حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
وہ لوگ آپ کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو وف ۳۲ پھر جب وہ ختم ہو چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس ڈرانے

مُّنْذِرِيْنَ ۝۲۹ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ
کے لئے گئے وف ۳۳ کہنے لگے اے ہمارے قوم والو، ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى
کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہ راست

طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۰ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا
کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے ہمارے قوم والو، کہنا مانو اللہ کی طرف بلانے والے کا، اور اس پر ایمان

وف ۲۹ یعنی جب ان کی، جو تم سے کہیں زیادہ صاحب اقتدار و مالک جاہ و حشم تھے۔ کوئی عقلی تدبیر اور مادی قوت انہیں اس انجام سے نہ بچا سکی تو تم کب تک عذاب الٰہی سے بچے رہ سکتے ہو۔ ... چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا عرب، قوم عاد و قوم ثمود کے آغاز و انجام سے خوب واقف تھا۔ اس لئے اس کے سامنے ان قوموں کی مثالیں خاص طور پر مؤثر تھیں۔ وَلَقَدْ ...... فِيْهِ۔ یعنی جو تہذیبی و تمدنی عروج انہیں حاصل تھا وہ تمہیں کہاں نصیب۔ وَجَعَلْنَا ...... اَفْئِدَةً۔ یعنی ہر قسم کی جسمی و عقلی صلاحیتیں انہیں حاصل تھیں۔ ای الات الدرک والفهم (مدارک) آیت سے بقاعدۂ عبارۃ النص یہ بھی نکلا کہ انسان کو مادی و عقلی جتنی بھی صلاحیتیں اور قوتیں عطا ہوئی ہیں، وہ اسی لئے ہیں کہ انہیں رضائے الٰہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وف ۳۰ (کفر و شرک اور تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے) وَلَقَدْ ... الْقُرٰى۔ یہ اہلاک اسی جرم کفر و تکذیب کی پاداش میں ہوا تھا۔ مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى۔ اطراف عرب کی مشہور متمدن و ہلاک شدہ قومیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط وغیرہ تھیں، جو یمن، عمان، عراق، عرب، شام و فلسطین میں آباد تھیں۔ لكم میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد اہل عرب ہیں، جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے۔ وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ۔ یعنی ان کے ہلاک کرنے سے قبل بطور فہمائش و تنبیہ انہیں بار بار آگاہ بھی کیا گیا۔ آیات کے تحت میں ہر قسم کے دلائل و شواہد آ گئے۔ ای کررنا عليهم الحجج وانواع العبر (مدارک) ای الحجج والدلائل والعظات (بحر) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز آ جائیں۔ پھر بھی وہ باز نہ آئے۔ انہیں حرکتوں پر مصر رہے۔ اور بالآخر ہلاک ہوئے۔ وف ۳۱ یعنی کہیں واقع میں وہ شفیع یا معبود، یا صاحب تصرف تھوڑے ہی تھے۔ یہ تو محض جاہلی مذہب والوں نے افسانے گڑھ رکھے تھے۔ اِفْك سے اس مشرکانہ عقیدہ کی کامل تردید ہو گئی کہ خدائی بھی کوئی تدریجی درجہ بندی کی چیز ہے۔ اور ایک معبود اعظم کے ماتحت چھوٹے چھوٹے دیوی، دیوتا اور بھی ہوتے ہوں! اَلَّذِيْنَ ...... اٰلِهَةً۔ یعنی انہوں نے ان ہستیوں کو معبود اس غرض سے تراش رکھا تھا کہ وہ آڑے وقت کام آئیں گی۔ وف ۳۲ (اور غور اور ادب سے اس کلام کو سنو) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں طائف تبلیغ دعوت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور بظاہر وہاں سے بالکل ناکام اور شکستہ خاطر واپس آ رہے تھے۔ شب کے وقت نخلہ میں آپ قرآن مجید نماز میں باآواز بلند پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ ۸) کے حاشیے۔ حَضَرُوْهُ۔ یعنی قرآن پڑھے جانے کے موقع پر آ گئے۔ وف ۳۳ یعنی قرآن کی اہمیت سے مطلع کرنے اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج سے خبردار کرنے کے لئے۔

ف۳۴ آیت اس باب میں تو صاف وصریح ہے کہ جنات ایمان لے آنے کے بعد عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اس باب میں ناطق وصریح نہیں کہ ایمان لانے پر جنت میں بھی داخل ہو جائیں گے۔ ان کے دخولِ جنت کے باب میں خاموشی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غایت احتیاط کی بناء پر جنات کے دخولِ جنت کے بارہ میں سکوت وتوقف منقول ہے۔ قال ابو حنیفة لا ثواب لهم الا النجاة من النار لهذه الآية (مدارک) وقال النسفي في التيسير توقف ابو حنيفة في ثواب الجن في الجنة ونعيمهم لانه لا استحقاق للعبد على الله تعالى ولم يقل بطريق الوعد في حقهم الا المغفرة والاجارة من العذاب واما نعيم الجنة فموقوف على الدليل (روح) البتہ دوسرے ائمہ نے جنات کے مستحق جنت ہونے کو بلا تامل تسلیم کر لیا ہے۔ قال النووي في شرح مسلم والصحيح انهم يدخلونها ويتنعمون فيها بالاكل والشرب وغيرهما وهذا مذهب الحسن البصري ومالک بن انس والضحاک وابن ابي ليلى وغيرهم (روح) وقال مالک ابن ابي ليلى وابويوسف ومحمد رحمهم الله لهم الثواب والعقاب وعن الضحاک انهم يدخلون الجنة وياكلون ويشربون

بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾
لے آؤ، اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں محفوظ رکھے گا عذاب دردناک سے ف۳۴

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ
اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا، تو وہ زمین میں کہیں بھی (اللہ کو) نہیں ہرا سکتا،

وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾
اور نہ اللہ کے سوا کوئی حامی ہو گا یہی لوگ تو صریح گمراہی میں (پڑے) ہیں ف۳۵

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ
کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور

يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى
ان کے پیدا کرنے سے (ذرا بھی) نہ تھکا، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے کیوں نہیں بے شک وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ہر چیز پر قادر ہے ف۳۶ اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور اُن سے پوچھا

عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ
جائے گا کہ) یہ حقیقت ہے یا نہیں، تو وہ کہیں گے کہ بے شک ہے ہم کو قسم ہے ہمارے پروردگار کی (تب) ارشاد ہو گا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا
کہ اچھا تو چکھو عذاب اپنے کفر کے بدلہ میں ف۳۷ آپ صبر کیجئے جیسا

صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ
کہ ہمت والے پیمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے حق میں جلدی نہ کیجئے ف۳۸

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً
جس روز یہ دیکھ لیں گے اس (عذاب) کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اس وقت (انہیں ایسا معلوم ہو گا کہ) گویا دن

(مدارک) اِلَى الْحَقِّ۔ الحق سے مراد اصول دین ہیں۔ یعنی عقائد اساسی۔ اي في الاعتقادات (ابن کثیر) اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ طریق مستقیم۔ سے مراد تفصیلات شریعت ہیں، یعنی احکام عبادات ومعاملات وغیرہا۔ اي في العمليات (ابن کثیر) دَاعِيَ اللّٰهِ۔ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہونا ظاہر ہی ہے۔ قرآن مجید بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ مراد اس سے بعض گناہ نہیں بلکہ کل گناہ ہیں۔ من صلة اي ذنوبكم كلها (معالم) ف۳۵ (کہ باوجود وضوح حق وقیام دلائل کے داعی حق کی بات پر کان نہیں دھرتے اور اُس کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں) ف۳۶ (تو وہ وقت مناسب پر مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر کیوں نہ ہو گا!) یعنی امکان بعث تو قدرت حق کے مشاہدۂ آثار سے بالکل ظاہر ہے۔ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ۔ یہ تردید ہے اُن یہود اور مسیحی عقیدہ کی کہ خدا چھ روز میں آفرینش کائنات کے بعد تھک گیا تھا۔ اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بَلٰى ۔۔۔ قَدِيْرٌ۔ یہ تردید ہے مشرک قوموں اور جاہل فلسفیوں کے اس زعم کی کہ خدا موجود تو ہے لیکن اس کی قدرت محدود ہے اور اس کے اختیارات ایک خاص درجہ اور حد سے زیادہ نہیں۔ یورپ میں ایک گروہ موحدون (DEISTS) کے نام سے گزرا ہے۔ یہ لوگ وجود باری کے تو قائل تھے، لیکن جزاء وسزائے آخرت اور رسالت وغیرہ کے منکر۔ قدیم قوموں میں بھی یہ گمراہی اچھی خاصی شائع رہی ہے۔ ف۳۷ اور اس کفر میں آخرت وجہنم کا انکار بھی داخل ہے۔ هٰذَا۔ یعنی یہ عذاب جس کا اب وقوع ہو رہا ہے۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ یعنی حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد ابھی تمہارے وہی دلائل قائم ہیں؟ ف۳۸ (انتقام الٰہی کی) امت اسلامیہ کی نصرت کے خیال سے آپ کے دل میں تقاضا طبعاً پیدا ہوتا تھا کہ مخالفین معاندین پر گرفت اگر جلد ہو جاتی تو اچھا تھا۔ فَاصْبِرْ ۔۔۔ الرُّسُلِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صبر بدرجۂ کمال انبیاء کرام کی خصوصیات میں سے ہے۔ انبیاء کی سی عالی ہمتی نہ کسی غیر نبی کی قدرت میں ہے اور نہ وہ اس پر مامور ہے۔ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ من تبعیضیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مراد منتخب مشاہیر رسل سے ہوگی۔ اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت اسی ترکیب کی طرف گئی ہے۔ وعن عطاء الخراساني والحسن بن الفضل والكلبي ومقاتل وقتادة وابي العالية وابن جريج واليه ذهب اكثر المفسرين ان من للتبعيض فاولوا العزم بعض الرسل عليهم السلام واختلف في عددهم وتعيينهم على اقوال (روح) وقد اختلف في تعداد اولي العزم على اقوال (ابن کثیر) اور جائز ہے کہ من کو بیانیہ بھی سمجھا جائے۔ اس صورت میں اولوا العزم کا اطلاق سارے ہی انبیاء پر ہو گا۔ محققین کی ایک مختصر تعداد نے اسی ترکیب کو صحیح مانا ہے۔ او للبيان فيكون اولوا العزم صفة الرسل كلهم (مدارک) ومن بيانية فيكون اولوا العزم صفة جميعهم واليه ذهب ابن زيد والجبائي وجماعة (روح) وقد يحتمل ان يكون المراد باولي العزم جميع الرسل فتكون من لبيان الجنس (ابن کثیر) قال ابن زيد كل الرسل كانوا اولي العزم لم يبعث الله نبيا الا كان ذا عزم وحزم ورأي وكمال عقل وانما ادخلت من للتجنيس لا للتبعيض (معالم)

مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

بھر میں کل ایک گھڑی رہے ہیں (یہ اللہ کی طرف سے) تبلیغ ہے سو برباد تو وہی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے ف۳۹

ایاتها ۳۸ ۔ ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ ۔ رکوعاتها ۴

اس کی اڑتیس آیتیں ۔ سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی ۔ اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا بھی (اللہ نے) اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا

کالعدم کر دیئے ف۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے اور اس (سب) پر ایمان لائے

بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ

جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ امر حق اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے، اللہ اُن کے

سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

گناہوں کا کفارہ ان کی طرف سے کر دے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا ف۲ یہ اس لئے ہے کہ کافروں نے تو باطل کی

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

پیروی کی اور ایمان والوں نے اپنے پروردگار کی طرف سے آئے ہوئے حق کو

رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾ فَاِذَا

اختیار کیا اللہ اسی طرح لوگوں کے لئے اُن کے حالات بیان کرتا ہے ف۳ سو جب

لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ

تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو (ان کی) گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب ان کی

ف۳۹ (اور اتمام حجت کے بعد بھی نافرمان ہی رہیں گے) ۔ کَاَنَّهُمْ ... نَهَارٍ ۔ یعنی مشاہدہ عذاب آخرت کے وقت دنیوی زندگی کی طویل سے طویل مدت بھی چشم زدن کی سی معلوم ہوگی ۔ بَلٰغٌ ۔ یعنی رسولوں کی معرفت اتمام حجت ہو چکا ۔ الْفٰسِقُوْنَ ۔ یہاں مراد محض گنہگار نہیں، بلکہ دائرہ اسلام سے خارج رہنے والے کافر مراد ہیں ۔ جن پر تبلیغ حق کا کوئی اثر ہی نہ ہوا ۔ ای المشرکون الخارجون عن الاتعاظ به والعمل بموجبه (مدارک) فاسق کا اصطلاحی مفہوم، اسے کافر سے ممتاز کرنے والا تو بہت بعد کا ہے، قرآن مجید میں وہ اپنے وسیع و عمومی مفہوم میں آیا ہے ۔ مطلق نافرمان کے مرادف

ف۱ یعنی جن اعمال کو یہ غیر مسلم اپنے خیال میں نیک اور صالح سمجھ رہے تھے، وہ آخرت میں انکشاف حقیقت کے وقت بے وزن اور ناکارے نکلے اور اس لئے غیر مقبول ٹھہرے ۔ اَلَّذِيْنَ ... اللّٰهِ ۔ منکرین کے سرداروں کی یہ عادت ہر زمانہ میں رہی اور اب بھی ہے، وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ حبط اعمال کے لئے، اعمال کے نامقبول ٹھہر جانے کے لئے، محض کفر کافی ہے ۔ دوسروں کو ایمان سے روکنا یہ اس کی شرط نہیں ہے ۔ یہ تو ان سرداران کفر کی محض واقعی حالت کا بیان ہے ۔ ف۲ (دنیا و آخرت دونوں میں) كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۔ یعنی ان کے گناہوں سے درگزر کر دے گا ۔ گناہوں سے پاک تو بجز انبیاء معصومین کے اور کوئی ہو نہیں سکتا ۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید "سیئات" کو علم کھلا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (مومنین صالحین) ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے ۔ مومنین صادقین کے فخر و شرف کے لئے بس اس قدر کافی ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کے انبار عظیم کے ساتھ جو گنے چنے ہوئے چند گناہ ہوں گے، وہ بالکل معاف کر دیئے جائیں گے ۔ مُحَمَّدٍ ۔ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا ۔ نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی ۔ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔ یہ اصلاح حال دنیا میں تو اس طرح ہوگی کہ مومنین کی توفیق عمل صالح بڑھتی جائے گی ۔ اور آخرت میں اس طرح کہ انہیں نجات کامل مل جائے گی ۔ ف۳ (کہ وہ ان سے ہدایت و بصیرت کے سبق لیں) ذٰلِكَ ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان یہ فرق عظیم ۔ لِلنَّاسِ ۔ یعنی نفع رسانی خلق کی غرض سے ۔ ای لاجل الناس لیعتبروا بهم ۔ (مدارک)

وٹ یعنی سب کو قید کرلو۔ کوئی بھاگ کر نکل نہ جانے پائے۔ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ مراد میدانِ جنگ و جہاد میں مڈبھیڑ ہونے سے ہے۔ ...... یہ مراد نہیں کہ حالت امن وصلح میں راستہ گلی میں چلتا ہوا کوئی کافر دکھائی دے۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۔ یعنی انہیں مار ہی ڈالو۔ جو مقصود حکم قتال وفریضہ جہاد کا ہے۔ ...... یہ مراد نہیں کہ ہمیشہ گردن ہی پر وار کرو، کسی اور طریقہ پر قتل نہ کرو۔ عبارة عن القتل لا ان الواجب ان تضرب الرقاب خاصة دون غيرها عن الاعضاء (مدارک) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ۔ اس اثخان یا کافی خونریزی کا معیار فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ اب اگر قتل کے بجائے قیدی پر اکتفاء کی جائے تو جب بھی غلبہ کفار اور مضرت مسلمین کا احتمال نہ رہے۔ ذلک حين لا يبقى شوكة للكافرين (مدارک) اس حکم قتل وخونریزی سے بچے، عورتیں اور زیادہ بوڑھے یعنی غیر مقاتلین مستثنیٰ ہیں۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ یعنی انہیں خوب احتیاط و ہوشیاری سے اپنی قید میں رکھو۔ یہ لفظی معنی مراد نہیں کہ ہمیشہ انہیں رسی سے باندھ ہی کر رکھو۔ وٹ یعنی یہ حکم جہاد وقتال اسی طرح اور انہیں صورتوں کے ساتھ فرض ہے۔ فَاِمَّا ...... فِدَآءً ۔ یعنی قتل واسیری کے بعد اب حکم رہائی ہی کا ہے، خواہ باخذ معاوضہ وفدیہ، خواہ یوں ہی بلا معاوضہ۔ ...... کافر حربی بھی جب اسلام قبول کرلیں یا محض اتنا ہی کر لیں کہ حکومت اسلامی کی اطاعت قبول کر کے ذمیت کے حقوق حاصل کرلیں تو اب نہ ان کا قتل جائز رہے گا اور نہ قیدی۔ ...... اب وہ آزاد ہیں۔ فقہاء نے یہاں متعدد صورتیں لکھی ہیں اور انتخاب کا اختیار حسب مصالح آیت، امام مسلمین کے ہاتھ میں چھوڑا ہے۔ ...... وہ چاہے تو قتل کردے، چاہے یوں ہی بھی چھوڑ دے۔ چاہے مالی معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے غلام بنالے۔ چاہے مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑ دے۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۔ یعنی کافر مقاتل ہتھیار ڈال دیں، خواہ دین اسلام قبول کر کے، خواہ اسلام کی حاکمیت وحکومت قبول کر کے۔ قال الكلبي حتى يسلموا او يسالموا (معالم۔ خازن) قال الفراء حتى لا يبقى الا مسلم او مسالم (معالم۔ خازن) الْحَرْبُ ۔ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی حرب یا اس کے مشتقات کا استعمال کیا ہے، کافروں ہی کی جنگ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ مسلمانوں کی جنگ کے لئے قتال وغیرہ دوسرے لفظ آئے ہیں۔ وٹ اشارہ حکم جہاد کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب ہے۔ ...... ایک طرف مجاہدین کو تعمیل ارشاد کا اجر ملے۔ دوسری طرف کافروں اور منکروں کو موقع رہے کہ اب بھی حق کو قبول کرلیں۔ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو وہ تمہارا واسطہ ڈالے بغیر یوں ہی اپنے کسی اشارہ تکوینی سے ان کا خاتمہ کردیتا۔ آخر پچھلی نافرمان امتوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش ہی آچکا ہے، اور کسی کو غرقابی سے، کسی کو طوفان تند سے، کسی کو زلزلہ سے ہلاک ہی کیا جاچکا ہے۔ وٹ یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کشتہ کا خون ضائع نہیں کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہونے کا کہ مقتول کی شہادت کا کوئی نتیجہ ہی نہ مرتب ہو۔ وٹ (جس سے ہر شہید بے تکلف اپنی دائمی آرام گاہ تک پہنچ جائے گا) سَيَهْدِيْهِمْ ۔ یعنی ان کے منزل مقصود کے پہنچنے تک ہر قدم پر ان کی رہنمائی اور دستگیری ہوتی رہے گی۔ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط پر، ہر جگہ ان کی نصرت ویاوری جاری رہے گی۔ وٹ (دشمن کے مقابلہ میں۔ اور تم بھی اس کے مجمع اور قوت وشوکت سے مرعوب نہ ہوگے) اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد ونصرت کرتے رہو گے۔ يَنْصُرْكُمْ ۔ یعنی غلبہ ہو یا مغلوبیت، ہر حال اور ہر صورت میں تائید خداوندی تمہارے ساتھ رہے گی۔ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۔ فن حرب کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں کتنی اہمیت عظیم اسی ہمت اور ثابت قدمی کو ہے۔ مسلمانوں کی اس ثابت قدمی پر اغیار کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ موشگاف عارفین نے کہا ہے کہ یہ ثابت قدم رکھنے کا وعدہ عام ہے ہر شعبہ زندگی کے لئے۔ محض میدانِ جنگ کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔ اللہ کے دین کی نصرت کرنے والوں کے ساتھ نصرت الٰہی کارگاہِ زندگی کے ہر لحہ میں موجود رہے گی۔ خواہ وہ وسوسہ شیطانی ہو یا لغزش نفسانی۔ على محجة الاسلام (کشاف۔ مدارک) والمراد يقويكم ويوفقكم للدوام على الطاعة (روح) وٹ (آخرت میں) چنانچہ جب وہ انکشاف حقائق کی گھڑی سامنے آئے گی تو منکرین کو اپنے حق میں جن جن نیک اعمال پر تکیہ اور غرہ تھا وہ سب بے وزن اور ناکارے ثابت ہوں گے۔ فَتَعْسًا لَّهُمْ ۔ یہ بربادی انجام کے لحاظ سے تو یقیناً ہوگی، باقی احتمال اس کے وقوع کا مستقبل قریب میں بھی ہے۔ وٹ (اس لئے کہ ان سارے اعمال کا مبنیٰ ومنشا تو کفر ہی تھا، جو بغاوت کی فرد اعلیٰ ہے) كَرِهُوْا ۔ کراہت سے یہاں کراہت طبعی مراد نہیں۔ بلکہ کراہت عقلی مراد ہے۔ جس کا اظہار کافر کے نہ صرف عمل سے بلکہ عقیدہ سے بھی ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا

خوب خونریزی کرچکو تو خوب مضبوط باندھ لو وٹ پھر اس کے بعد یا محض احسان رکھ کر (چھوڑ دو)

فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ

یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (یہ حکم) اسی طرح ہے وٹ اور اگر اللہ کی مشیت

اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ

ہوتی تو ان سے انتقام لے لیتا لیکن (حکم اس لئے دیا) تاکہ تم میں سے ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے وٹ

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا وٹ

سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ

اللہ انہیں سنبھالے رہے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا

عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ

جس کی انہیں (خوب) پہچان کرا دے گا وٹ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے،

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ

تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا وٹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے بربادی ہے

وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور (اللہ) ان کے اعمال کالعدم کردے گا وٹ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناگوار جانا

فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

اس نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا وٹ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں، جو یہ دیکھتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫

کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا اللہ نے انہیں ہلاک کر مارا

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور (ان) کافروں کے لئے بھی ایسے ہی (معاملات) ہونے کو ہیں ف۱۲ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ

اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں ف۱۳ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں پڑی

الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ

بہ رہی ہوں گی، اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے

الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ

کھاتے (پیتے) ہیں، آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے ف۱۴ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی

قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو (وہاں سے) نکالا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور کوئی ان کا

نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ

مددگار نہ ہوا ف۱۵ تو کیا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہو جائیں گے جن کی بد

لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ

عملی ان کی نگاہ میں خوش نما کر دی گئی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں ف۱۶ جس جنت کا

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ

متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں تغیر نہ ہونے والے پانی کی ہوں گی، اور نہریں

مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی ہوں گی اور نہریں پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ

ف۱۲ (اس لئے کہ کفر جو علت ہلاکت و بربادی ہے، وہ ان میں اور اُن میں مشترک ہے) کَیْفَ .... قَبْلِهِمْ۔ علم آثار قدیمہ آج جن جن قوموں کے کھنڈر اور ویرانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا ہے وہ سب قومیں اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب و تمدن اور ترقی و دولت کی چوٹی پر پہنچی ہوئی، لیکن منکر و نافرمان ہی ہوئی ہیں۔ اَمْثَالُهَا۔ یہ مثلیت صرف وقوع عذاب کے لحاظ سے ارشاد ہوئی ہے نہ کہ نوعیت عذاب کے لحاظ سے۔ ف۱۳ (جو اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام آ سکے) بِاَنَّ .... اٰمَنُوْا۔ اور وہی اللہ دنیا و آخرت میں مومنین کے کام بناتا رہتا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مومنوں کی نصرت اور کافروں کی بدانجامی۔ ای نصر المؤمنين وسوء عاقبة الكافرين (مدارک) ف۱۴ (اس لئے کہ انہوں نے ساری زندگی سوال آخرت اور دینی ذمہ داری سے بالکل بے فکر ہو کر گزاری تھی) يَاْكُلُوْنَ۔ تاکل۔ اکل کا ترجمہ دونوں جگہ اردو محاورہ کے لحاظ سے "کھانے پینے" ہی سے ہو سکتا ہے۔ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ۔ یعنی جس طرح مویشیوں کو کھانے سے مقصود بس پیٹ بھرنا ہی ہوتا ہے اور اور کوئی غرض ان کے سامنے نہیں ہوتی، منکرین آخرت اور مادیئین کے سامنے بھی پیٹ ہی کا سوال اصل سوال ہوتا ہے۔ جس کے آگے اور کچھ نہیں۔ کھانے پینے کا مآل کیا ہے اور اس کھانے پینے کے لئے حدود و قیود کیا ہیں ان سارے سوالات کی طرف سے یہ لوگ بے فکر ہی رہتے ہیں۔ ف۱۵ تو آپ کے ہم وطن کس زعم و پندار کی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں) اَشَدُّ قُوَّةً۔ جسمانی، مادی، مالی، عددی، ہر اعتبار سے ان اہل عرب سے برتر۔ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ۔ قریہ سے مراد مکہ کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ۔ قریہ سے مراد اہل القریہ تھی۔ ضمیر جمع مذکر ھُمْ انہیں کی جانب ہے۔ ف۱۶ یعنی کیا دونوں کے درمیان عمل و محرک عمل کا یہ واضح و نمایاں فرق، ثمرات عمل میں واضح و نمایاں فرق نہ پیدا کر دے گا؟

لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَا

شراب کی ہوں گی اور نہریں شہد صاف کی ہوں گی اور وہاں اُن کے لئے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اُن کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی بھلا (تو کیا ایسے لوگ) ان لوگوں جیسے ہو سکتے ہیں جو

فِي النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (١٥) وَ مِنْهُمْ

ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا، سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا اور لوگوں میں

مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جو صاحب علم ہیں ان سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے اُن کے

طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ (١٦) وَ الَّذِيْنَ

دلوں پر مہر کر دی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں وف١٨ اور جو لوگ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (١٧) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

راہ پر ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق دیتا ہے وف١٩ سو یہ لوگ بس قیامت

اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

ہی کے منتظر ہیں کہ اُن پر دفعۃً آ پڑے سو اس کے آثار تو پیدا ہی ہو چکے ہیں، تو جب وہ

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ (١٨) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی تو ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ وف٢٠ تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سارے ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بھی، اور اللہ خوب خبر رکھتا ہے

وف١٧ خلاصہ یہ کہ اہل جنت ہر قسم کی مادی و روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ دنیا کی ہر مادی نعمت فناء پذیر ہوتی ہے۔ پانی سڑ جاتا ہے، دودھ بگڑ جاتا ہے، شراب میں تلخی ہوتی ہے شہد میں گدلا پن شامل رہتا ہے۔ آیت میں ان سب چیزوں کی نفی کر کے بتلا دیا ہے کہ جنت کی کسی مادی نعمت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی۔ جنت کا ماحول، ناسوت کے ماحول سے بالکل مختلف ہوگا، اس لئے وہاں کی "مادیت" کا بھی یہاں کی مادیت سے بالکل مختلف ہونا قرین قیاس ہے۔ وہاں کی مادیات بس صرف لفظاً ہی مادیات ہوں گے۔ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ۔ یعنی پانی ہوگا مگر دنیوی پانی کے برخلاف وہ کبھی سڑے گا نہیں... زندگی قائم رکھنے والا۔ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ۔ یعنی دودھ ہوگا مگر دنیوی دودھ کے برخلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں— قوت دینے والا۔ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ یعنی شراب ہوگی مگر دنیوی شراب کے برخلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر سکر و خمار سے بری— سرور و لذت پیدا کرنے والی۔ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ یعنی شہد ہوگا مگر دنیوی شہد کے برعکس ہر آمیزش سے پاک— شفا بخشنے والا۔ **وف١٨** (ہدایت سے روز بروز دور ہو کر) وَ مِنْهُمْ ... اٰنِفًا۔ یعنی اُن کے چہرہ، بشرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو کو غور و توجہ سے سن رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ بیان منافقین کا ہو رہا ہے۔ حَتّٰۤى ... اٰنِفًا۔ یعنی مجلس رسول ﷺ میں بیٹھے کے بعد بھی ایسے کورے رہتے ہیں کہ جب باہر نکلتے ہیں تو اہل علم و ایمان سے پوچھتے ہیں کہ یہ ابھی کیا ارشاد ہوا تھا— محض صحبت و ہم نشینی بڑے سے بڑے مرشد کے پاس بھی بے اثر رہتی ہے۔ جب تک بیٹھنے والے کے دل میں قصد استفادہ نہ ہو۔ اُولٰٓئِكَ ... قُلُوْبِهِمْ۔ یہ طبع قلب (دل پر مہر لگ جانے) کا عمل حق تعالیٰ کی جانب سے ابتداءً نہیں ہوتا۔ محض بطور نتیجہ کے ہوتا ہے۔ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۔ اُن کی ارادی بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی توجہ کی صلاحیت بھی روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ **وف١٩** چنانچہ ایمان کے بعد وہ احکام پر بھی عمل کرتے رہتے ہیں۔ راہ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ ہدایت اور بڑھتی رہتی اور عمل کی توفیق اور زیادہ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ **وف٢٠** یعنی سمجھنے سمجھانے کا وقت تو اب ہے۔ قیامت کے آ جانے پر اسے سمجھے بھی، تو یہ سمجھ مفید کیا خاک ہوگی؟ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا۔ قرب قیامت کی ابتدائی علامتوں میں مثلاً جھوٹے مدعیان نبوت کا ظہور، تو نزول قرآن کے زمانہ ہی میں شروع ہو گیا تھا۔

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ

تم (سب) کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی ف۲۱ اور جو لوگ ایمان والے ہیں، وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ

سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ

نازل ہوئی ف۲۲ سو جس وقت کوئی سورت صاف صاف مضمون کی نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ

تو آپ اُن لوگوں کو دیکھیے گا جن کے دلوں میں روگ ہے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں،

نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ

جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو ف۲۳ عنقریب اُن کی شامت آنے والی ہے ف۲۴ (اُن کی) اطاعت

وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے لیکن جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اس وقت بھی) اگر یہ لوگ اللہ سے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ

سچے رہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا ف۲۵ اگر تم کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی ہے

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ

کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے ف۲۶ یہی لوگ تو ہیں

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا

جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا، اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے ف۲۷ تو کیا

يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟ ف۲۸ بے شک جو لوگ

ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے راہِ ہدایت اُن پر صاف ظاہر ہو چکی تھی

ف۲۱ یعنی وہ باخبر ہے تمہارے سارے ہی اعمال واحوال سے، سو اُسی کے وعدوں کے اُمیدوار اور اُسی کے وعیدوں سے خائف ہونا چاہیے۔ لِذَنْۢبِكَ۔ ذنب کا لفظ رسول ﷺ سے متعلق قرآن کریم میں جابجا آیا ہے۔ ایک اصولی بات ہمیشہ یاد رہے کہ ذنب معصوم کے سلسلہ میں جب بھی آئے گا، مراد اس سے صرف ذنب صوری یا اجتہادی ہوگا، ورنہ کلام میں صریح تناقض واقع ہوگا۔ اس کے بعد انشاء اللہ کوئی اشکال نہ رہے گا۔ فَاعْلَمْ۔ یعنی اس یقین پر آئندہ بھی قائم رہیے جیسا کہ اب تک رہے ہیں۔ ف۲۲ (کہ اگر کسی حکم سابق کی تاکید ہو تو ہمیں بھی مزید ثبات کی نعمت حاصل ہو اور اگر کوئی حکم جدید ہو تو اس کی تعمیل کی دولت) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ مومنین بہ غایت شوق سے کہتے اپنا ایمان تازہ کرنے کی غرض سے۔ ف۲۳ یعنی ایسی بھیٔ تک اور وحشت ناک نظروں سے دیکھتے ہیں جیسی سکرات کے وقت ہو جاتی ہیں مطلب یہ ہوا کہ احکام قتال سن سن کر ان کے کلیجے دہلنے لگتے ہیں، رنگ فق ہو جاتے ہیں، چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ دل کے مرض سے مراد نفاق ہے۔ ف۲۴ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں جگہ) فَاَوْلٰى لَهُمْ۔ محاورۂ عرب میں کلمۂ وعید وتہدید ہے۔ و عيد بمعنى فويل لهم و معناه الدعاء عليهم بان يليهم المكروه (کشاف) ف۲۵ یعنی ایمان میں اگر شروع سے صادق نہ تھے تو خیر۔ آخر میں منافقت سے تائب ہو جاتے، جب بھی ان کا ایمان مقبول ہو جاتا۔ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یعنی اُن کی باطنی حالت کا اظہار ان آیات قتال کے نزول کے بعد سب پر ہو گیا۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ۔ یعنی نزول حکم قتال کے بعد جب سارا سامان جہاد کا تیار ہو گیا۔ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ۔ یعنی دعوئ ایمان کے مقتضی پر عمل کرتے۔ اور صدق دل سے جہاد پر آمادہ ہو جاتے۔ ف۲۶ حکم جہاد۔ ایک بڑی تمدنی وعقلی مصلحت، قیام عدل و اصلاح وامن ہے۔ اگر جہاد کو ترک کر دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے۔ امن عالم برہم ہو جائے، اور دنیا بھر میں ہنگامۂ غدر برپا ہو جائے۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ یعنی اگر جہاد سے تم منہ موڑ رہے ہو — خطاب براہ راست منافقین سے ہے۔ ضمناً دوسرے لوگ بھی جہاد سے کنارہ کش رہنے والے اس میں شامل ہو گئے۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔ یعنی یہ احتمال تو تمہیں ہونا چاہیے۔ عَسَيْتُمْ۔ تَوَلَّيْتُمْ۔ اوپر سے صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب دفعۃً صیغۂ مخاطب کی طرف انتقال توبیخ وترہیب کے لیے ہے۔ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ۔ دنیا اگر شریعت اسلامی سے محروم ہو جائے تو آخری انجام سب کا خانہ جنگی ہی پر ہو۔ ف۲۷ (کہ نہ ندائے حق کوش قبول سے سنتے ہیں اور نہ راہِ حق دیکھتے ہیں) الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے انہیں ان کے نفاق کی پاداش میں اپنی رحمت خاصہ سے دور کر دیا ہے، سو اب اُن میں احکام پر عمل کی توفیق ہی نہ رہی۔ ف۲۸ (جس سے وہ ہر ہدایت سے غیر متاثر رہتے ہیں) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن مجید پر اگر وہ جذبہ حق طلبی وانصاف کے ساتھ غور وفکر کرتے رہتے تو اس کے اعجازی مضامین اُن پر یقیناً کشف حقائق کر کے رہتے۔ عارفین نے اس آیت سے نکالا ہے کہ طول امل یعنی ہمیشہ بڑی بڑی آرزوؤں میں پڑے رہنا اور انہیں میں لگے رہنا ممنوع ہے۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا کہ "یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، بلکہ ہے یہ کہ اُن کے دلوں میں قفل لگ رہے ہیں"

الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

انہیں شیطان نے چکمہ دیا اور انہیں دور دور کی سجھائی ف۲۹ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے

لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ

ان لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناگوار سمجھتے ہیں کہا کہ ہم چند امور میں تمہارا کہنا

الْاَمْرِ ۚۖ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

مان لیں گے، اور اللہ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے ف۳۰ سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان

الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

قبض کر رہے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے یہ (سب)

بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

اس سبب سے ہوگا کہ یہ اس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اس کی رضا سے بیزار رہے سو اللہ نے ان کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ

اکارت کر دیئے ف۳۱ کیا جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ

لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ

اللہ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو کھول نہ دے گا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ

تو آپ انہیں ان کے حلیہ سے پہچان لیتے، اور آپ انہیں (ان کے) طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے، اور اللہ

یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ

تمہارے (سب کے) اعمال کو خوب جانتا ہے ف۳۲ اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں

مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

اور تم میں سے ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں ف۳۳ بے شک جو لوگ

ف۲۹ (کہ رسول پر ایمان لے آنے سے فلاں فلاں مصلحتیں فوت ہو جائیں گی اور فلاں فلاں نقصان لازم آ جائیں گے) مِن..... الْهُدٰى ۔ یعنی یہ لوگ دلائل عقلی و نقلی کے واضح ہو جانے کے باوجود ضد اور خبث نفس سے کام لے کر قبول حق سے انکار کر رہے ہیں۔ تسویلات شیطانی سے بس اللہ ہی محفوظ رکھے۔ اچھے اچھے مومنین تک اس مردود فریبی کے کہے میں آ جاتے ہیں تو جو پہلے ہی سے ناقص الایمان یا ضعیف الایمان ہیں ان کا ذکر ہی نہیں۔ ف۳۰ (اور وحی کے ذریعہ سے اپنے رسول ﷺ کو ان لوگوں کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر کرتا رہتا ہے) بِاَنَّهُمْ ۔ ضمیر ھم۔ منافقین مشرکین کی طرف ہے۔ لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ ۔ مراد رؤساء و اکابر یہود ہیں، جنہیں از راہ حسد و عناد، نزول قرآن و رسالت محمدی ﷺ سخت گراں گزر رہی تھی۔ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۔ یعنی گو ہم بظاہر اسلام قبول کر لیں گے، لیکن باطناً و عقیدۃً تمہارے ہی ساتھ رہیں گے۔ ف۳۱ یعنی ان کے جو اعمال بظاہر خوشنما و مقبول معلوم ہوتے تھے۔ انہیں بالکل بے وزن و بے حقیقت کر کے دکھلا دیا، اور ان کا انہیں کچھ صلہ نہ دیا۔ یہ اعمال حقیقۃً مردود و غیر مقبول تو شروع ہی سے تھے۔ اس لئے کہ ان کا مبنیٰ و منشاء ایمان تھا ہی نہیں، البتہ ان کی اس مردودیت کا ظہور کامل آخرت ہی میں ہوگا۔ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی مرتے وقت ان کی سزائے سخت۔ مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ ۔ مثلاً کافروں کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ رِضْوَانَهٗ ۔ مثلاً مومنین کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ ف۳۲ (اس لئے مومنین کے لئے ایمان پر جزاء اور منافقین کے لئے نفاق پر سزا یقینی ہے) وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ یعنی باوجود ہمارے مفصل نہ بتانے کے آپ اپنی فراست ایمانی کی مدد سے ان کے لب و لہجہ پر غور کرنے سے اب بھی انہیں پہچان لیں گے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اصل ہے فراست کی۔ لیکن فراست کی بناء پر جزم جائز نہیں۔ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ دل کے روگ سے مراد وہی نفاق و منافقت ہے۔ ف۳۳ (ظاہری طور پر بھی) جانچ سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ علم اور یہ جانچ کھلے خزانہ سب کے روبرو ہو جائے۔ ورنہ حق تعالیٰ کے علم ازلی میں تو ظاہر ہے کہ ہر واقعہ ہمیشہ ہی سے موجود ہے۔

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ

کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستے سے روکا (بھی) اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کہ راہ راست اُن پر واضح ہو چکی تھی ہرگز یہ لوگ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اور اللہ اُن کی کارروائیوں کو اکارت کر کے رہے گا ف۳۴ اے ایمان والو، اطاعت کرو اللہ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کر دو ف۳۵ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

کافر ہوئے اور اللہ کے راستے سے انہوں نے روکا پھر وہ کافر ہی مر بھی گئے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ

تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا ف۳۶ سو تم ہمت مت ہارو اور انہیں صلح کی طرف مت بلاؤ،

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ

اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ف۳۷ اور وہ تمہارے اعمال (کے اجر) میں ہرگز کمی نہیں کرے گا (یہ) دنیوی

اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ

زندگی تو بس ایک کھیل اور تماشہ ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

گا، اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا ف۳۸ وہ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے اور آخری درجہ تک

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ف۳۹

ف۳۴ یعنی اللہ کے دین وشریعت کی تباہی وبربادی کی جو کوششیں یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہ ہونے پائیں گی۔ اور حکمت الٰہی ان کی ساری کوششوں اور سازشوں کو مختل کر رکھ دے گی۔ حبط اعمال کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۔ مِنْۢ ..... الْهُدٰى۔ اس تبیین ہدایت کے اندر دلائل عقلی وشواہد نقلی سب آ گئے۔ ف۳۵ (کافروں کی طرح رسول کی نافرمانی کر کے) فرق یہ ہے کہ کافر کی نافرمانی اصول وعقائد تک پہنچ جاتی ہے اور مسلمان کی نافرمانی فروع واعمال تک محدود رہتی ہے۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت کرو۔ جو احکام الٰہی ہی کے مبلغ ومنادی ہیں اور اس طرح ان کی اطاعت عین حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوئی۔ ف۳۶ مغفرت کی پہلی اور لازمی شرط ایمان ہے۔ اس کی تصریح قرآن مجید میں بار بار ہوئی ہے۔ ایمان تخم کے درجہ میں ہے، اور مغفرت اسی تخم کا شجر وثمر ہے۔ بغیر تخم کے شجر وثمر کے وجود میں آ جانے کی کوئی شکل ہی نہیں۔ ف۳۷ یعنی اللہ نہ دنیا میں تمہارا ساتھ چھوڑے گا نہ آخرت میں۔ دوسری جگہ قرآن مجید نے اسی اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے ساتھ مقید ومشروط کیا ہے۔ یعنی غلبہ کی شرط ایمان کامل ہے۔ فَلَا تَهِنُوْا سے مراد یہ ہے کہ پست ہمتی کے مقتضی پر عمل نہ کرو۔ اور مایوسی کے خیال کو اپنے عمل پر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ اعداء کی کثرت تعداد اور ساز وسامان اور اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی دیکھ کر طبیعت میں کمزوری اور پستی پیدا ہو جانا تو ایک امر طبعی ہے۔ ممانعت صرف اس کے مقتضاء پر عمل کی ہے۔ وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ۔ یعنی تمہیں کافروں کے مقابلہ میں ہمت ہار کے اور ان سے دب کر خواہش صلح کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ تم اللہ کے محبوب ہو۔ کفار اس کے مبغوض ہیں۔ فقہاء مفسرین نے تصریح کر دی ہے کہ جس دعوت صلح کی یہاں ممانعت ہے وہ وہی ہے جو ضعف ہمت کی بناء پر کی جائے ورنہ نفس دعوت صلح جبکہ وہ کسی مصلحت امت پر مبنی ہو، ہرگز ممنوع نہیں۔ ف۳۸ (اپنے نفع کے لئے) اِنَّمَا ..... لَهْوٌ۔ یعنی ایسی دنیا جو خیال آخرت سے الگ ہو اس سے وابستہ نہ ہو۔ اس کی عمر ہی کیا؟ اور اس کی بساط ہی کیا؟ جو تم آخرت کے مقابلہ میں اسے عزیز رکھے ہوئے ہو قرآن مجید نے دنیوی زندگی کو لہو ولعب جہان بھی قرار دیا ہے۔ ہمیشہ آخرت کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ متناہی اور غیر متناہی کا مقابلہ ہی کیا۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ اسی ایمان وتقویٰ کا ایک جزء جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ۔ حق تعالیٰ تمہیں اجر عطا کرے گا نہ یہ کہ الٹا تم سے اپنے نفع کا طالب ہو۔ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ۔ مراد یہ ہے کہ مال جو جان سے کہیں ہلکی چیز ہے وہ تک بھی حق تعالیٰ تم سے اپنے نفع کے لئے طلب نہیں کرتا۔ ف۳۹ یعنی تمہارے نہ خرچ کرنے سے جو ایک عمل ظاہری ہے، تمہاری گرانی طبع وناگواری کا پتہ چلتا ہے۔ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا۔ یعنی اگر وہ تم سے مال تمہارے ہی نفع واجر کے لئے بطور امتحان طلب کرے۔ فَيُحْفِكُمْ۔ یعنی سارے کا سارا مال طلب کرے۔

هَاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے، سو تم میں بعض وہ ہیں

مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

جو بخل کرتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے

وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ

اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں، بلکہ تم (سب اُس کے) محتاج ہو ^۳ اور اگر تم روگردانی کروگے تو (اللہ) تمہاری جگہ

قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۧ ﴿۳۸﴾ ع

دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ^۴

آیاتها ۲۹ | ۴۸ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّةٌ ۱۱۱ | رکوعاتها ۴
اس کی انتیس آیتیں | سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی | اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی (سب)

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ

اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے اور آپ پر احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے،

وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ

اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو

نَصْرًا عَزِیْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ

باعزت غلبہ دے ^۱ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں تحمل

^۳ (اور اس نے تمہاری حاجت مندی ہی کی رعایت سے اس کے رفع کرنے کے لئے احکام تمہارے حق میں نازل فرمائے ہیں) لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہمیشہ بندوں ہی کے نفع کے لئے، اور انہیں کی مصلحتوں کی رعایت سے ہوتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اور ایسا شخص خرچ نہ کرکے اپنے ہی کو نفع دائمی سے محروم کر دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ۔ وہ ہر طرح بے نیاز و غیر محتاج ہے۔ اس کا احتمال ہی نہیں کہ تمہارے بخل سے نقصان کچھ اس کا ہو۔ دنیا میں بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خود خدا تعالیٰ کی ذات کو محتاج تکمیل مانا ہے۔ اس قسم کی آیتیں برابر ان خرافات کی بھی تردید کرتی رہی ہیں۔ ^۴ (عدم تعمیل احکام میں۔ بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے) اس میں تعلیم ہے اس کی کہ انسان کبھی کسی خدمت دین کو اپنی ذات پر موقوف نہ سمجھے، اور عجب و پندار میں مبتلا ہو کر اپنے کو ہرگز مدار دین نہ سمجھنے لگے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا۔ یعنی تعمیل احکام سے روگردانی کرتے رہوگے۔ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ۔ وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا اور اپنی تکوینی حکمتوں کی تکمیل کا کام انہیں سے لے گا۔ ^۱ (جس سے آپ کو آئندہ پھر نہ دبنا پڑے) فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس کے بعد اہل عرب کثرت سے اور جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نزلت هذه السورة الكريمة لما رجع رسول الله ﷺ من الحديبية (ابن کثیر) والا كثرون على انه صلح الحديبية (معالم) سنہ ۶ ہجری کا ماہ رجب (مطابق مارچ ۶۲۸ء) تھا۔ اور حکومت مکہ پر ابھی بدستور مشرکین قریش کا قبضہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب کی بناء پر کعبہ کی زیارت وعمرہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور آپ تقریباً چودہ سو احرام پوش صحابیوں کی جماعت کے ساتھ طواف کعبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ شہر مکہ سے تین میل شمال میں ایک مقام حدیبیہ ہے۔ ابھی یہ قافلہ وہیں پہنچا تھا کہ ادھر سے حکومت مکہ کی طرف سے مزاحمت کی اطلاع ملی۔ آپ نے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں قیام فرما دیا۔ اور ایک قاصد کے ہاتھ اہل مکہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں، بلکہ صرف صلح و آشتی کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کو آئے ہیں۔ جواب نہ آیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کی واپسی میں بھی تاخیر ہوئی۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ یہ سفیر رسول شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے جہاد کی بیعت لی۔ مشرکوں نے یہ سن کر حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا۔ اب مکہ کے چند سردار بھی آپ کی خدمت میں آئے اور گفتگو کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کی اکثر دفعات سے بظاہر مسلمانوں کی سبکی ہوتی تھی۔ اور اس سے بعض صحابیوں کو درمیان میں بہت جوش بھی آ گیا۔ مگر آپ نے سب کو روکا اور بالآخر مشرکوں ہی کے شرائط پر صلح نامہ مرتب ہو گیا اور آپ مع جاں نثار صحابیوں کے احرام اتار کر بغیر مکہ مکرمہ تک پہنچے واپس آ گئے۔ ..... اس ظاہری شکست کو فتح ہی سے نہیں ''فتح مبین'' سے تعبیر کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام تھا۔ کوئی بندہ تو ایسی خلاف ظاہر پیش خبری کی جرأت کر نہیں سکتا تھا۔ مورخین متفق ہیں کہ فتح مکہ، فتح خیبر بلکہ آئندہ کی ساری اسلامی فتوحات کا سنگ بنیاد یہی صلح حدیبیہ ہے۔ قال الزهري لم يكن فتح اعظم من صلح الحديبية وذلك ان المشركين اختلطوا بالمسلمين فسمعوا كلامهم فتمكن الاسلام في قلوبهم اسلم في ثلاث سنين خلق كثير وكثربهم سواد الاسلام (معالم) والمراد به صلح الحديبية فانه حصل بسببه خير جزيل وامن الناس واجتمع۔ لِیَغْفِرَ لَكَ۔ یعنی اس کثرت اجر و قرب کی برکت سے جو آپ کو اس واقعہ سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کے مراتب اور بڑھا دے۔ مِنْ ذَنْۢبِكَ۔ رسول ﷺ معصوم کے سلسلہ میں جہاں کہیں بھی ذنب یا اس کا مرادف آتا ہے مراد اس سے ہمیشہ صرف صوری غلطیاں یا اجتہادی لغزشیں ہوتی ہیں جیسا کہ بیشتر حاشیوں میں کئی بار گزر چکا ہے۔ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ۔ یعنی آپ کے ہاتھ پر بکثرت لوگوں کو مسلمان کرکے اور اس طرح آپ کے اجر و مراتب قرب میں بدرجہا اضافہ کرکے آپ پر اپنے انعام و افضال کی تکمیل کر دے۔ آپ کی اجتہادی لغزشوں ہی سے درگزر نہ ہو بلکہ جو سلسلہ آپ پر انعام و افضال کا چل رہا ہے۔ اس کی بھی تکمیل ہو جائے۔ نِعْمَتَهٗ۔ آپ کو نبوت ملی، قرآن ملا، معجزات ملے، علوم و معارف ملے، یہ سب اسی انعام و افضال الٰہی کی فردیں ہیں۔ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ یعنی آئندہ بلا کسی روک ٹوک بلا حکومت مکہ کی طرف سے کسی مزاحمت کے آپ کے قدم آگے بڑھتے رہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے پھر سرداران مکہ میں آپ سے مقابلہ کا دم خم باقی نہ رہا۔ یَهْدِیَكَ۔ یَنْصُرَكَ۔ نکتہ نحویوں نے کہا ہے کہ یهديك سے مراد نفی مغلوبیت یا دفع مضرت ہے۔ اور یَنْصُرَكَ کا حاصل اثبات قابلیت یا حصول منفعت ہے۔ لِیَغْفِرَ لَكَ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لِ تعلیل کے کے مرادف ہے۔ معناه انا فتحنا لك فتحا مبينا لكي يجتمع لك مع المغفرة تمام النعمة في الفتح (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق اس آیت سے ہے۔ واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات۔ قال الحسين بن الفضل هو مردود الى قوله واستغفر لذنبك (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح سبب مغفرت نہیں۔ بلکہ لیغفر لک سے متصل قبل فاستغفر محذوف ہے۔ الفتح ليس بسبب للمغفرة والتقدير انا فتحنا لك فتحا مبينا فاستغفر ليغفر لك (مدارک)

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ

پیدا کیا تاکہ (اپنے) پہلے ایمان کے ساتھ (ان کا) ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کی ملک

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴ۙ

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

(اور یہ اس لئے) تاکہ وہ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ایسے باغوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ

بہ رہی ہوں ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ ان سے دور کر دے

وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵ۙ وَّ يُعَذِّبَ

اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ف۳ اور تاکہ وہ

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ

نفاق کرنے والوں اور نفاق والیوں اور شرک والوں اور شرک والیوں کو عذاب دے

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ

جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں ف۴ ان پر برا وقت آنے والا ہے

وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ

اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا، اور انہیں رحمت سے دور کر دے گا، اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ف۵ اور اللہ ہی کی ملک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۶ بے شک ہم نے آپ کو گواہ

ف۲ (چنانچہ جب مصلحت قتال کی ہوگی، حکم قتال کا دے گا، ہر حکم بہر صورت اس علیم کے علم کامل اور حکیم کی حکمت کامل کے ماتحت ہی ہوگا۔ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ۔ سکینہ کے معنی تسلی اور اطمینان قلب کے ہیں۔ اور یہی شے استقامت اور صبر وثبات کی بنیاد ہے۔ اور یہ لفظ اہل لغت کی تحقیق میں نور اور قوت اور روح کا جامع ہے۔ السكينة السكون والطمانية (کشاف) فسروها بشئ يجمع نورًا وقوةً وروحًا بحيث يسكن اليه ويسلى به الحزين (روح) اس موقع خاص پر سکینت الٰہی کا ظہور دو طرح پر ہوا۔ ایک تو یوں کہ بیعت جہاد کے وقت صحابہ باوجود اس کے کہ گھر سے نکلتے وقت کوئی خیال بھی قتال کا نہ تھا۔ عزم جہاد پر ثابت و مستعد رہے دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کی سر تا سر بیجا ضد دیکھی لیکن نہ قابو سے باہر ہوئے، نہ جوش سے بیخود ہو گئے۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی اس خاص سکینت قلب کے پیدا ہو جانے سے اہل ایمان کے قلب میں اور زیادہ انشراح اور ان کے نور باطنی میں اور زیادہ نورانیت پیدا ہوگی اور ایمان استدلالی و برہانی کے ساتھ ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہو گیا۔ فيحصل لهم الايمان العياني والايمان الاستدلالي البرهاني (روح) طاعت میں یہ خاصہ بھی ہے کہ ہر نئے امر طاعت سے نور ایمان میں اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ جو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ الايمان لا يزداد ولا ينقص (ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی) سو اس سے ان کی مراد ذات ایمان یا نفس ایمان سے ہے جو قابل تجزی نہیں۔ باقی اس کے اوصاف و آثار میں کمی بیشی تو روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ وَلِلّٰهِ ... الْاَرْضِ۔ تو تم اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نظر نہ کرو۔ خدا اپنے خدائی لشکروں سے تمہاری امداد و تائید ہر طرح کر سکتا ہے۔ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ان آسمانی اور زمینی لشکروں کے تحت میں فرشتے اور ساری مخلوقات ہر نوع اور ہر طبقہ کی آگئی۔ ف۳ یہاں یہ تعمیم ہے کہ فوری، ظاہری، مادی فتح نہیں، بلکہ جنت کے امتحان میں کامیابی ہی اصلی کامیابی ہے۔ لِيُدْخِلَ ... سَيِّاٰتِهِمْ۔ یعنی یہ ادخال جنت اور کفارۂ سیئات جو کچھ بھی ہوگا سب اطاعت امر ہی کی بدولت ہوگا۔ گویا اس کلیہ کا اثبات کہ فضیلت و مقبولیت کا مدار اطاعت ہی ہے۔ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ اس تصریح نے یہ بتا دیا کہ وجوب اطاعت احکام اور پھر اس کے ثمرہ میں حصول قرب و فضیلت کے لحاظ سے مرد و عورت ہر دو جنس یکساں ہیں۔ ف۴ (اور منہ سے بدگمانی کے تحت میں تکذیب رسول اور جملہ عقائد کفر و شرک داخل ہیں) وَيُعَذِّبَ ..... الْمُشْرِكٰتِ۔ عذاب منافق و مشرک دونوں کو کفر مشترک کی پاداش میں ہوگا... مشرکین و مشرکات کا جرم تو ظاہر ہی ہے کہ وہ رسول اور صحابہ رسول کی مزاحمت کر رہے تھے اور منافقین اس جرم میں شریک اس حیثیت سے تھے کہ وہ بھی اسلام سے اپنے بغض و عناد کی بنا پر آرزو مند اس کے تھے کہ مسلمان جنگ سے زندہ بچ کر واپس نہ آ سکیں۔ الظَّآنِّيْنَ ..... السَّوْءِ۔ غلبہ اسلام و مسلمین کے جو وعدے تھے، مشرکین و منافقین انہیں سب جھوٹ سمجھ رہے تھے۔ ف۵ برا وقت تو دنیا ہی میں پڑا تھا، لیکن اب اس سے کہیں بڑھ کر عذاب آخرت کا ہے۔ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ۔ یہ برا وقت دنیا میں مشرکین مکہ پر یوں پڑا کہ چند ہی روز میں قتل و گرفتاری سے ہر طرح مغلوب و مقہور ہو کر رہے اور منافقین کی باقی ساری عمر مسلمانوں کی ترقی و غلبہ سے جل جل کر اور کڑھ کڑھ کر کٹی۔ ف۶ (اس لئے مصلحتوں اور حکمتوں ہی کے تقاضہ سے نزول عذاب میں توقف کر رہا ہے حالانکہ وہ بربادیٔ کفار پر ہر وقت ہر طرح قادر ہے۔ جب چاہے دم بھر میں صفایا کر دے) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ الفاظ ابھی پہلے بھی گزر چکے ہیں، مگر وہاں ان سے مقصود تھا، مومنین کے غالب کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تسلیہ ہے، اور اب مقصود ہے کفار کے مقہور کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تہدید ہے۔ اسی لئے یہاں حَكِيْمًا کے ساتھ عَزِيْزًا فرمایا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

وے چنانچہ بشارت اور انذار کا ظہور تو اسی دنیا میں ہوا اور آپ مومنین کے حق میں مبشر ثابت ہوئے اور کافروں کے حق میں نذیر۔ لیکن آپ کے شاہد ہونے کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ جب آپ قیامت کے دن اعمال امت پر گواہی دیں گے۔ تشهد علی امتک یوم القیامة (مدارک) وٰ۸ اس تسبیح وتقدیس کی تفسیر نماز سے بھی کی گئی ہے۔ اس صورت میں مراد اس سے فرض نمازیں ہوں گی۔ یرید تصلوا لله (معالم) اور مطلق ذکر بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مراد ذکر مندوب ہوگا۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ بعض نے صبح وشام سے مراد عموم اوقات یعنی دوام لی ہے۔ یحتمل ان یکون اشارة الی المداومة (کبیر) تُعَزِّرُوْهُ۔ اس کی مدد کرو یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو۔ تُوَقِّرُوْهُ۔ یعنی اللہ کی تعظیم عقیدہ میں بھی کرو اور عمل سے بھی۔ عقیدۃً یوں کہ اسے جامع کمالات واصاف حسنہ سمجھو۔ ہر عیب، ہر نقص سے پاک وبالاتر۔ اور عملاً یوں کہ اس کی اطاعت کرو، آیت میں ضمیر واحد چاروں جگہ حق تعالیٰ ہی کی جانب ہے۔ الضمائر لله عز وجل والمراد بتعزیر الله تعزیر دینه ورسوله ومن فرق الضمائر فقد ابعد (کشاف، مدارک) والظاهر ان الضمائر عائدة الی الله تعالى (بحر) بعض نے تعزروہ اور توقروہ کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی جانب پھیری ہیں۔ وهذه الكنايات راجعة الى النبي (معالم) اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ آپ کی سنت کے اتباع واجراء میں جان ومال سے شریک رہو۔ آپ کی اعانت وتعظیم کا تارک، عاصی ہوگا۔ و۹ (اور آپ سے ان کی بیعت گویا حق تعالیٰ ہی سے ان کی بیعت ہوئی) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یہ بیعت صحابہ نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عزم جہاد پر کی تھی، جب یہ خبر اڑی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو بحیثیت سفیر رسول مکہ میں گئے ہوئے تھے، انہیں مشرکوں نے شہید کر ڈالا۔ اور اس پر یہ رائے ٹھہری تھی کہ اب مشرکوں سے جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ یہ اس لئے کہ حقیقۃً ان کا مقصود طاعت الٰہی ہی پر بیعت کرنا تھا۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یہ بھی بیعت ہی سے کنایہ ہے۔ اس لئے گویا ماقبل کی اور تاکید ہوگئی۔ اكده تاكيدا على طريق التخييل (کشاف) موکد له على سبيل التخييل (بیضاوی) يريد ان يد رسول الله ﷺ التي تعلوا يدي المبايعين هي يد الله (مدارک) ید کے معنی محاورہ میں غلبہ ونصرت کے بھی آتے ہیں۔ يقال اليد لفلان اي الغلبة والنصرة والقهر (کبیر) اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے ہاتھ کہاں؟ یا کوئی سا بھی وصف جسمانی ومادی کہاں؟ الله منزه عن الجوارح وعن صفات الاجسام (مدارک) و۱۰ یعنی جو کوئی بجائے طاعت کے مخالفت کرے گا، سو وہ خود ہی اپنی سزا کو پہنچے گا، خود ہی بھگتے گا، کسی کا کیا بگڑے گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لئے وعید کچھ اسی بیعت رضوان کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کوئی جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا وہ اسی حکم میں داخل ہے۔ فَمَنْ نَّكَثَ۔ وعید کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ نقض عہد عمداً ہوا یا دانستہ بے اعتنائی سے۔ باقی اگر کسی نے مجبوری سے یا محض سہو سے ایسا کیا اور اب نادم وخائف ہے تو وہ ناکث نہیں، شریعت کی نگاہ میں محض خاطی ٹھہرے گا۔ وا۱ عَلَيْهُ۔ ایک انگریز نے اپنی عربی دانی کے غلط زعم میں اس اعراب پر اعتراض کر کے یہ کہا ہے کہ اسے قاعدہ سے بجائے علیہُ کے علیہِ ہونا چاہیے۔ پرچہ "صدق" میں اس کے متعدد شافی جوابات مختلف اہل علم کے قلم سے درج ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک اصولی سوال یہ ہے کہ خود اعتراض ہی کی بنیاد کیا ہے؟ یہی نا کہ "خلاف قاعدہ"؟ لیکن خود "قاعدہ" کہاں بنا ہے؟ کیا "قاعدہ" پر کوئی وحی آئی ہوئی ہے؟ قاعدہ تو خود ہی فصحاء واہل زبان کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے تو جو کلام سارے اہل زبان کے نزدیک سب سے افصح ہے، جب اس نے اس اعراب کو استعمال کر دیا تو اس کے خلاف کوئی قاعدہ مستنبط ہی کہاں سے ہوا؟ اور ایسے با قاعدہ قاعدہ کا استنباط خود قاعدہ ساز یا قاعدہ گر کے سہو نظر پر محمول کیا جائے گا۔

الفتح ۴۸	۱۰۱۸	حٰمٓ ۲۶

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، وے (اس لئے) تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد

وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ

کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو وٰ۸ بے شک جو لوگ

يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے و۹

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

سو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا و۱۰ اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرے گا جس کا

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠ سَيَقُوْلُ

اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، تو اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا وا۱ جو دیہاتی (اس سفر میں) پیچھے رہ

لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

گئے وہ عنقریب آپ سے (آکر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور ہمارے عیال نے فرصت نہ لینے دی

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ

تو آپ ہمارے حق میں معافی کی دعا کر دیجئے و۱۲ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں،

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

آپ پوچھئے کہ وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہے، اگر (اللہ) تمہیں کوئی نقصان

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝١١

یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، نہیں بلکہ اللہ ہی تمہارے سب اعمال سے (خوب) باخبر ہے و۱۳

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى

اصل یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں لوٹ کر کبھی

و۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیجئے کہ ہمارے اس عذر کی بناء پر ہم سے مواخذہ ترک جہاد کا نہ کیا جائے۔ استغفار کی درخواست باوجود عذر صحیح کے اگر غیر مخلص کی طرف سے ہو تو ریاء فی الاخلاص پر محمول ہوگی اور اگر مخلص کی طرف سے ہو تو اس کی بناء یہ ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر امر اجتہادی ہوتا ہے اور اجتہاد کا مدار تحری پر ہوتا ہے، اس میں بعض اوقات تسویل نفسانی وشیطانی سے تامل یا عمل بمقتضاء تامل میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا استغفار کی حاجت ہوتی ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَيَقُوْلُ لَكَ۔ یعنی آپ کے مدینہ پہنچنے پر کہیں گے... سورۃ کا نزول دوران سفر ہی میں ہوا تھا۔ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا۔ یعنی ہم اپنی مالی اور خانگی ضرورتوں میں ایسے الجھے رہے کہ ارادہ ونیت رکھنے کے باوجود نوبت شرکت جہاد کی نہ آسکی... یہ سب بطور سخن تراشی تھا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ یہ دیہاتی عرب، روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ غفار ومزینہ وجہینہ واسلم واشجع ودیل کے تھے... و۱۳ (اور وہی تمہارے تخلف کے اصلی وجوہ سے بھی مطلع کر سکتا ہے) يَقُوْلُوْنَ... قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ان کی یہ ساری ہی تقریر منافقانہ ہے۔ نہ ان کی یہ معذرت ہی صحیح ومطابق واقعہ ہے اور نہ وہ آپ کی نبوت کے معتقد اور آپ کے استغفار کے قائل ہیں — اس تصریح نے یہ بات صاف کر دی کہ یہ لوگ کمزور قسم کے مسلمان نہ تھے، بلکہ پورے منافق تھے۔ فَمَنْ... نَفْعًا۔ تو قضاء الٰہی کے مقابلہ میں تم اپنے مال وعیال کے کسی نقصان کو روک سکتے تھے؟

و۱۴ یعنی اپنے ان خیالات کفریہ کی بناء پر ہر طرح مستحق عذاب وہلاکت ہوگئے۔ بُوْرًا ..... قَوْمًا بُوْرًا۔ یعنی تم اس خیال میں مگن تھے کہ اب کی سرداران مکہ ان بے سروسامان مسلمانوں کا بالکل قلع قمع ہی کر دیں گے۔ اور انہیں زندہ سلامت واپس ہی نہ آنے دیں گے۔ ظَنَنْتُمْ ... قَوْمًا بُوْرًا۔ خطاب منافقین کو ہے۔ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔ حق تعالیٰ سے بدگمانیاں یہی تھیں کہ اب کفر و شرک کو فروغ ہوگا، اور اسلام کی بات نیچی ہو جائے گی۔ و۱۵ (چنانچہ مشرک بھی جو ہر طرح مستحق عذاب ہو چکتا ہے، اگر ایمان لے آوے تو بخش دیا جاتا ہے) وَ لِلّٰهِ ..... الْاَرْضِ۔ عالم ناسوت یا عالم آخرت۔ ہر عالم میں

اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ

نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو خوش نما بھی معلوم ہوئی تھی، اور تم نے برے برے گمان

السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

قائم کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہوگئے و۱۴ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان

وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ لِلّٰهِ

نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ

ملک ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ

دے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت کرنے والا ہے و۱۵ یہ پیچھے رہ جانے والے

الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا

عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ

نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ

ہو لیں و۱۶ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے تم ہرگز

تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ

ہم لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے و۱۷ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں بلکہ

تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ

تم ہم سے حسد کرتے ہو اصل یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم بات سمجھتے تھے و۱۸ آپ ان

لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ

پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت

سند حکومت بس اسی خالق یکتا و بے ہمتا کا چلتا ہے۔ وہی ایک مطلق الاختیار ہے۔ قوت مدبرہ سارے کائنات میں اسی ایک کی ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی مغفور ہونے اور معذب ہونے دونوں کے اسباب اسی کے قوانین تکوینی کے ماتحت ہیں۔ ساری کائنات اور اس کے حوادث اسی کی مشیت کے مسخر ہیں۔ و۱۶ صلح حدیبیہ کے کچھ ہی روز بعد معرکہ خیبر پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے دولت مند و پرقوت یہودیوں پر فتح عظیم پائی۔ آیت میں اسی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر بصورت پیش خبری ہے۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ۔ اخلاص منافقین کے اس قول میں بھی نہ ہوگا۔ اب جو ساتھ چلنے کو کہیں گے تو محض مال غنیمت کی حرص و طمع میں۔ اِذَا ..... لِتَاْخُذُوْهَا۔ جنگ ابھی نہ ہوئی ہے، نہ باسباب و قرائن ظاہرا ابھی شروع ہونے کو ہے۔ قرآن مجید دعوی و تحدی کے ساتھ نہ صرف وقوع جنگ کی پیش گوئی کر دیتا ہے، بلکہ نتیجہ جنگ یعنی مسلمانوں کی فتح اور یہود کی مغلوبیت و ہزیمت کا بھی اتنے قبل سے اعلان کئے جا رہا ہے! ..... بجز عالم الغیب والشہادۃ کے کوئی بھی ایسی پیشگوئیوں کی جرأت کر سکتا ہے؟ اِذَا انْطَلَقْتُمْ۔ واقعہ مستقبل کا ذکر صیغہ ماضی سے عربی میں اسی وقت آتا ہے، جب اس واقعہ آئندہ کا وقوع یا پیشگوئی کا تحقق بالکل قطعی اور یقینی ہو۔ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا۔ اس میں اشارہ منافقین کی حرص و طمع کی طرف بھی آ گیا۔ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ۔ منافقین کو اب شرکت جہاد سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ درخواست اسی حکم امتناعی کی منسوخی کے لئے ہو رہی ہے۔ اِنْطَلَقْتُمْ۔ نَتَّبِعْكُمْ۔ تم اور کم کی ضمیریں (جمع مخاطب کی) مسلمانوں کے لئے ہیں۔ و۱۷ یہ جواب رسول ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کا یہ حکم کہ خیبر بجز اہل حدیبیہ کے اور کوئی نہ جائے۔ كَلٰمَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے حق تعالیٰ کے وعدہ تکوینی کے معنی میں لیا جائے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اللہ نے مومنین مخلصین سے یہ جو وعدہ کر رکھا ہے کہ خیبر کی غنیمت صرف تمہیں کو ملے گی، اسے یہ منافقین خود شریک ہو کر جھٹلا دینا چاہتے ہیں۔ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا۔ لن یہاں مطلق تابید کے لئے نہیں، بلکہ صرف غزوۂ خیبر تک کے لئے محدود ہے۔ كَذٰلِكُمْ ..... قَبْلُ۔ یعنی ہم تمہاری درخواست ہرگز منظور نہیں کر سکتے۔ ہم کو پہلے ہی سے یہ حکم مل چکا ہے کہ ان کو مت ساتھ لے جانا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم زبان سے کچھ بھی کہو، تم بہرحال ہمارے ساتھ جانے پر قادر نہ ہو سکو گے وعدۂ الٰہی یہی ہے اور وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ و۱۸ منافقوں کی کم فہمی بلکہ ناسمجھی اسی سے ظاہر ہے کہ مومنین صادقین و مخلصین جن کے ہاں حسد و نفسانیت کا گزر نہیں، ان کے صحیح اور واقعی جواب کو حسد و نفسانیت پر محمول کر رہے ہیں۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا۔ یعنی یہ منافقین کہیں گے کہ یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، بلکہ تم ہی یہ نہیں چاہتے ہو کہ ہم اس نفع میں شریک ہوں، اس لئے ہم سے یہ بہانے تراش رہے ہو۔ انسان اپنے ہی پیمانے سے دوسروں کو ناپتا ہے۔ منافقین نے اپنے ہی نفس پر قیاس کر کے یہ بات مسلمانوں کے حق میں کہہ دی۔ بَلْ ..... قَلِيْلًا۔ منافقین اور وہ بھی دیہات عرب کے۔ کچھ ہی کیا سکتے تھے کہ مجاہد کا ظرف کتنا بلند ہوتا ہے۔

بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا

لڑنے والے ہوں گے یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں ف۱۹ سو اگر تم (اس وقت) اطاعت کرو گے

يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

تو اللہ تمہیں نیک عوض دے گا اور اگر روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل روگردانی

مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ

کر چکے ہو تو وہ تمہیں عذاب درد ناک کی سزا دے گا ف۲۰ کوئی گناہ نہ اندھے پر

حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ

ہے اور نہ کوئی گناہ لنگڑے پر ہے اور نہ کوئی گناہ بیمار پر

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا اُسے وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾

بہ رہی ہوں گی اور جو کوئی روگردانی کرے گا اُسے وہ عذاب درد ناک کی سزا دے گا ف۲۱

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ

بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ

درخت کے نیچے، اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا

وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ

اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی ف۲۲ اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں یہ لوگ لے رہے ہیں

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۳ اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے

ف۱۹ (خواہ مسلمان ہو کر خواہ ذمی بن کر) مِنَ الْاَعْرَابِ۔ دوبارہ اس کی تصریح ہے کہ یہ منافقین شہری نہیں، دیہاتی تھے۔ اور دیہاتیوں کا درجۂ کفر و نفاق شہریوں سے بڑھا ہوا تھا۔ الاعراب اشد کفرا ونفاقا۔ قَوْمٍ …… شَدِيْدٍ۔ اس پیش گوئی میں صاف اشارہ روم اور ایران کی مسیحی و مجوسی باقاعدہ اور آلات جدیدہ سے مسلح فوجوں اور لشکروں کی جانب ہے۔ بعض نے لشکر بنو حنیفہ بھی مراد لی ہے جن کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے جہاد کیا تھا۔ اور فقہاء مفسرین نے اس سے خلیفۂ اول و دوم کے خلیفۂ راشد ہونے پر استدلال کیا ہے۔ فھو دلیل علی صحۃ امامۃ ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ لان ابا بکر دعاھم الی قتال بنی حنیفۃ ودعاھم عمر الی قتال فارس والروم انہ الزمھم اللہ طاعۃ من یدعوھم الیہ (جصاص) وفی الاٰیۃ دلالۃ صحۃ خلافۃ الشیخین حیث وعدھم الثواب علی طاعۃ الداعی عند دعوتہ (مدارک) سَتُدْعَوْنَ …… شَدِيْدٍ۔ یعنی اگر اجر حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کی تخصیص کچھ اس موقع کے ساتھ نہیں۔ خیبر کے بعد بھی شدید معرکے ہوں گے۔ ان میں شریک ہو جانا۔ يُسْلِمُوْنَ۔ اسلام۔ یہاں لغوی معنی میں ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ فریق محارب اپنا دین بدل کر اسلام اصطلاحی ہی قبول کر لے۔ بلکہ جزیہ دے کر رعایائے اسلام بن جانا اور حکومت اسلام کی اطاعت قبول کر لینا بھی يُسْلِمُوْنَ ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔ ف۲۰ یہ منافقین کو ایک موقع اور دیا جا رہا ہے۔ اب بھی ان کے لئے مہلت و گنجائش ہے کہ چاہیں تو اسلام کو مستند و مصدق کرا لیں۔ فَاِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اب بھی تم لوگ حکم خداوندی کی اطاعت کرو گے، شریک جہاد ہو جاؤ گے۔ يُؤْتِكُمُ …… حَسَنًا۔ پچھلی غلطیاں اب بھی معاف ہو سکتی ہیں۔ یہ نہ ہو گا کہ ان کے انتقام میں تم اپنی فی الوقت طاعت و عبادت کے اجر سے محروم رکھے جاؤ۔ وَاِنْ …… اَلِيْمًا۔ آیت کے اس جزو سے مزید روشنی خلافت اول و دوم کی حقانیت پر پڑ گئی۔ فدل علی صحۃ امامتھما اذا کان المعرض عن طاعتھما مستحقا للعقاب (جصاص) فوجب ان یکون الداعی مفترض الطاعۃ (مدارک) ف۲۱ اطاعت و اعراض دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ … ان دونوں کے ثمرات، نجات و عذاب بھی بالکل واضح ہیں۔ لَيْسَ …… الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔ یعنی یہ شرکت جہاد کا حکم علی الاطلاق ہر فرد کے لئے نہیں ہے۔ جو معذور یا بیمار ہیں، وہ اس حکم سے شروع ہی سے مستثنیٰ ہیں۔ عتاب تو صرف ان پر ہے جو بلا کسی عذر قوی کے خواہ مخواہ غیر حاضر رہے۔ ف۲۲ اشارہ فتح خیبر کی جانب ہے۔ …… خیبر، مدینہ سے سو میل کے فاصلہ پر، شام کے راستہ پر یہود کی ایک مستحکم گڑھی تھی۔ اور یہیں دولت مند و پر قوت یہود کی ایک بستی بھی آباد تھی۔ اس جنگ میں کل ۱۹ مسلمان شہید ہوئے۔ یہود کے ۹۳ آدمی کام آئے۔ اور زمین حجاز پر ان کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ مسخر ہو گیا۔ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ۔ اس بیعت کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے مقام حدیبیہ میں مسلمانوں سے عزم جہاد پر حضرت عثمان ؓ کی خبر شہادت سن کر لی تھی۔ اسی بیعت کا مشہور نام بیعت الرضوان ہے۔ لَقَدْ …… الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہاں خوش نصیب مومنین کے لئے مستقل پروانۂ رحمت ہے۔ … اللہ اللہ، محض عزم جہاد پر اصل جہاد کا اجر دے دیا۔ آیت ان اصحاب بیعت کی صحت ایمان پر ایک شہادت نصی ہے۔ فیہ الدلالۃ علی صحۃ ایمان الذین بایعوا النبی ﷺ بیعۃ الرضوان بالحدیبیۃ (جصاص) فدل علی انھم کانوا مؤمنین علی الحقیقۃ اولیاء اللہ اذ غیر جائز ان یخبر اللہ برضاہ عن قوم باعیانھم الا وباطنھم کظاھرھم فی صحۃ البصیرۃ وصدق الایمان (جصاص) تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یہ درخت کیکر (سمرہ) کا تھا۔ … بعض روایتوں میں (اور یہ روایتیں کچھ زیادہ قوی نہیں) آتا ہے کہ یہ درخت حضرت عمر ؓ کے زمانہ تک قائم و سلامت رہا۔ مگر آپ ؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں کا حسن اعتقاد اس درخت کے حدود سے متجاوز ہو کر ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی تک پہنچا جاتا ہے، تو آپ نے اسے کٹوا ڈالا۔ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ ان مومنین صادقین کے دلوں کا جذبات اخلاص و وفاداری سے لبریز ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ممکن ہے اپنی بے سر و سامانی پر نظر کر کے قوت طبعی میں بھی کسی درجہ ضعف ہو۔ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔ اور اس نزول سکینت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حکم الٰہی کے ماننے میں ذرا پس و پیش نہ رہا۔ فقہاء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ نیت اگر صادق ہے تو توفیق الٰہی ضرور دستگیری کرے گی۔ وھذا یدل علی ان التوفیق یصحب صدق النیۃ۔ (جصاص) فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ اس سے ان اصحاب بیعت کے صدق ایمان و صدق نیت کی اور زیادہ تاکید اور تقویت ہو گئی۔ اخبر انہ علم من قلوبھم صحۃ البصیرۃ وصدق النیۃ وان ما ابطنوہ مثل ما اظھروہ (جصاص) ف۲۳ وہ اپنی قدرت سے جس کو بھی چاہے اور اپنی حکمت سے جب بھی چاہے فتح و غلبہ دے دیتا ہے۔ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا۔ مشہور مسیحی سیرت نگار سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ اتنا مال غنیمت اس سے قبل کبھی مسلمانوں کو نہیں ملا تھا۔ کھجور، تیل، شہد، جو کے عظیم الشان ذخیرے، بھیڑوں کے گلے، اونٹوں کی قطاریں، اور ان سب کے علاوہ بکثرت نقدی اور زیورات یہ سب ہاتھ لگے۔

تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

کہ تم انہیں لو گے سو (ان میں سے) یہ (فتح) تمہیں سردست دے دی ہے (غیر) لوگوں کے ہاتھ

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

تم سے روک دیئے اور تا کہ یہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر

مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ

ڈال دے ٢٤ اور ایک اور (فتح) بھی ہے جو (ابھی) تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ نے احاطہ (قدرت) میں

بِهَا ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ

لے رکھے ہیں اور اللہ تو ہر شے پر قادر ہے ٢٥ اور اگر تم سے یہ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا

لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے اور پھر انہیں نہ کوئی یار ملتا نہ

نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ

مددگار ٢٦ اللہ نے یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور آپ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اللہ کے دستور میں کوئی ردو بدل نہ پائیں گے ٢٧ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے

وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور تمہارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں روک دیئے، بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو

عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ

دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا ٢٨ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر

كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا تھا

ف٢٤ (اور وہ سیدھی راہ اللہ کے وعدوں پر وثوق واعتماد کی ہے) وَعَدَكُمْ ... تَاْخُذُوْنَهَا۔ یہ غنائم کثیر کے وعدے پہلے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں بار بار اور کثرت سے پورے ہوتے رہے۔ خطاب یہاں عام امت سے ہے۔ فَعَجَّلَ ... عَنْكُمْ۔ یعنی ان اغیار واشرار پر تمہارا رعب بیٹھ گیا اور انہیں ہمت ہی تم سے زیادہ مقابلہ کی نہ پڑی۔ النَّاسِ کا اشارۂ خصوصی یہود خیبر اور ان کے حلیفوں کی جانب ہے۔ يعني ايدى اهل خيبر و حلفائهم (مدارک) هٰذِهٖ۔ یعنی یہی فتح خیبر اور اس کی غنیمتیں۔ يعني مغانم خيبر (مدارک) لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی مومنین کا ایمان اور مضبوط ہو گیا ...... یہ ایک خالص علمی واعتقادی نفع ہوا۔ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور قوی ہو گیا۔ یہ ایک خالص عملی واخلاقی نفع ہوا۔ گویا علاوہ مادی ومالی نفع کے یہ دینی نفع بھی دو دو حاصل ہو کر رہے۔ ف٢٥ (اور ایک اسی واقعہ کی کیا تخصیص ہے) وَاُخْرٰى۔ اشارہ فتح مکہ کی جانب ہے لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا۔ وہ فتح ابھی تک تمہارے بس میں نہیں آئی ہے۔ لیکن اس کا اشتیاق درجۂ کمال میں رکھتے ہو۔ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔ اور اللہ جب چاہے گا اسے واقع کر دکھائے گا۔ ف٢٦ (جو انہیں قہر الٰہی کی اس گرفت سے بچا سکتا) الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اشارۂ خصوصی یہود خیبر کی طرف ہے۔ انہیں کو مدد کی امیدیں مشرکین عرب کے قبائل بنو غطفان وغیرہ سے تھیں۔ انہوں نے عین وقت پر صاف جواب دے دیا۔ ف٢٧ یعنی اللہ نے جو ضابطے قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ مجال نہیں کہ کوئی مخلوق اس میں کچھ دخل دے سکے۔ سُنَّةَ ..... قَبْلُ۔ یہ اہل حق کے غلبہ اور اہل باطل کی مغلوبیت کا (بشرطیکہ کوئی وقتی حکمت ومصلحت اس کے معارض نہ ہو) دستور آج سے نہیں شروع سے چلا آ رہا ہے۔ ف٢٨ (چنانچہ ایسا کام اس نے تمہارے ہاتھ سے نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ قتال ہوتا) وَهُوَ ... عَنْهُمْ۔ یعنی تم مسلمانوں اور مشرکوں کو باہمی قتل وقتال سے روک دیا۔ كُمْ صیغۂ جمع مخاطب مسلمانوں کے لئے ہے اور هُمْ صیغۂ جمع غائب مشرکین مکہ کے لیے ۔۔۔ اشارہ صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔ بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے جسے کمال قرب واتصال کی بناء پر بطن مکہ ہی قرار دے دیا گیا۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں حرم مکہ میں حدیبیہ کا ایک جزء بھی شامل ہے۔ مِنْ ... عَلَيْهِمْ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اشارہ فتح مکہ کی جانب سمجھ کر استنباط یہ کیا ہے کہ مکہ صلح کے ذریعہ سے نہیں بلکہ جنگ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ و به استشهد ابو حنيفة على ان مكة فتحت عنوة لا صلحا (مدارک)

اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ

اس کے موقع میں پہنچنے سے روک دیا ف۲۹ اور اگر (بہت سے) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے کچل جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کے باعث تمہیں بھی نادانستگی میں

مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ

ضرر پہنچتا (تو ابھی سب قضیہ طے کر دیا جاتا) ف۳۰ (لیکن ایسا نہیں ہوا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جس کو چاہے ف۳۱

تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ

اگر یہ (بے کس مسلمان) ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے انہیں ہم دردناک عذاب دیتے ف۳۲ (اور وہ وقت بھی یاد کرو)

جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

جب (ان) کافروں نے اپنے دلوں میں عصبیت، عصبیت جاہلی کو جگہ دی

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

لیکن اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا ف۳۳

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اور (اللہ نے) انہیں تقوی کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا

ہر شے کا (پورا) علم رکھتا ہے ف۳۴ بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا مطابق

بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ

واقع کے تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے امن وامان کے ساتھ

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ

سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے اور تمہیں اندیشہ (کسی کا بھی) نہ ہوگا ف۳۵ سو اللہ کو وہ (سب کچھ)

ف۲۹ (اور اس طرح جرم در جرم کے مرتکب ہو چکے تھے) الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اس کے تحت میں خانہ کعبہ اور اس کے ملحقات و توابع سب داخل ہیں۔ وَالْهَدْيَ...... مَحِلَّهٗ۔ یعنی قربانی کے جانور کو منی کی قربانگاہ میں پہنچنے سے روک دیا۔ مسلمان عمرہ کی نیت سے گئے تھے اور قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ یہی خیال تھا کہ منی پہنچ کر جانور بھی قربان کریں گے۔ والمراد المحل المعهود و هو منى (مدارک) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قربانی کی جگہ حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ و فی الأية دلالة على ان المحل هو الحرم فلو كان محله غير الحرم لما كان معكوفا عن بلوغه (جصاص) ف۳۰ یعنی ابھی تمہیں قتال کا حکم دے کر سب کا کام تمام کرا دیا جاتا۔ لیکن اس حکم نہ دینے کی ایک مصلحت یہ تھی کہ تمہاری بے خبری و لاعلمی میں مکہ کے مسلمانوں کا خون ہو جاتا۔ اور تمہیں اس سے جو غم و صدمہ یا گناہ ہوتا وہ الگ۔ ”اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ ہی کیوں ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا رفع قدرت میں ہو اور رفع میں کوشش نہ کی جائے، اس کا گناہ ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا احتمال کب ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی، اور صحابہ سے بے التفاتی کا صدور محل اشکال نہیں“۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) وَلَوْ...... تَعْلَمُوْهُمْ۔ بہت سے کلمہ گو مرد اور عورتیں دونوں مکہ معظمہ میں مشرک حکومت کے درمیان محبوس و مظلوم موجود تھے۔ ف۳۱ (چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ اور اندرون مکہ، بیرون دونوں کے مسلمانوں پر اللہ کا فضل خاص رہا) ف۳۲ یعنی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں انہیں قتل کرا دیتے۔ لَوْ تَزَيَّلُوْا۔ یعنی مسلمان اگر مکہ سے باہر چلے گئے ہوتے اور شہر میں موجود نہ ہوتے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل مکہ میں سے۔ ف۳۳ (اور اس سکینت الٰہی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ نہیں بیٹھے) مشرکین کی بے جا ضد اور مسلسل اشتعال انگیزی کا طبعی تقاضہ تو بالکل یہی تھا کہ مسلمان بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اِذْ...... الْجَاهِلِيَّةِ۔ یعنی جب مشرکوں کی طرف سے بے دینی والی عصبیت کا اظہار ہونے لگا تھا — جب صلح نامہ مرتب ہونے لگا اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام اس کی کتابت کرنے لگے تو مشرک گورنمنٹ کے نمائندوں نے اشتعال انگیز مطالبے اس قسم کے شروع کیے:۔ (۱) معاہدہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی جائے۔ (۲) معاہدہ پر صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ محمد رسول اللہ نہ لکھا جائے۔ وقس علی ہذا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے سارے مطالبات کو منظور فرماتے چلے گئے۔ ف۳۴ (تو مسلمانوں کی ان کیفیات کا اُسے مفصل و مکمل علم کیسے نہ ہوتا) كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ یہاں تقوی کی بات رسول کی اطاعت تھی۔ اور یہ اسی کا مقتضا تھا۔ جس سے پر جوش مسلمانوں نے اپنے کو قابو میں رکھا۔ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا۔ اس احساس تقوی کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی مسلمانوں کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہی انہیں اطاعت رسول پر جمائے ہوئے رہی۔ وَاَهْلَهَا۔ اس اہلیت تقوی کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی اس کا اجر و ثواب انہیں آخرت میں ملے گا۔ ف۳۵ یعنی بالکل امن و امان کے ساتھ، بغیر کسی خطرہ کے۔ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ یہاں بھی مراد خانہ کعبہ اور اُس کے ملحقات و توابع ہیں۔ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ۔ حلق۔ (سر کے بال منڈانا) اور قصر (سر کے بال کترانا) شعائر حج و عمرہ میں سے ہیں۔ لَقَدْ...... بِالْحَقِّ۔ مطلب یہ ہے کہ نفس مشاہدہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کرایا گیا۔ وہ بالکل سچا تھا۔ یعنی یہی کہ آپ مع مومنین یقیناً زیارت و طواف کریں گے لیکن خواب میں یہ تو نہ تھا کہ یہ اسی سال واقع ہوگا — آخر آپ نے ایک سال بعد ذی قعدہ ۷ھ میں عمرہ ادا فرمایا۔

ف۳۶ (اس خواب کی تعبیر فوراً پوری ہونے کی تلافی کے طور پر) فَتْحًا قَرِيبًا۔ مراد اسی فتح خیبر سے ہے جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا۔ اس یک سالہ مدت کی تاخیر میں جو جو حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، ان کا بندوں کو کیا علم۔ ف۳۷ (آپ کی رسالت کا) اور اللہ کی گواہی کا ظہور دنیا میں یوں ہوا کہ اللہ نے آپ کی رسالت پر دلائل قوی قائم کردیئے — بلحاظ اعجاز قرآنی بھی اور بلحاظ آپ کے دوسرے کمالات اعجازی کے بھی۔ رَسُولَهُ۔ کھلی ہوئی مراد حضرت محمد ﷺ سے ہے۔ بِالْهُدَىٰ۔ سامان ہدایت یا قرآن۔ دِينِ الْحَقِّ۔ یعنی دین اسلام۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ یہ غلبہ معنوی حیثیت سے، یعنی بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی قائم رہا ہے۔ باقی مادی و صوری حیثیت سے بھی جب تک اہل دین میں صلاح ہے۔ برابر قائم رہے گا۔ ف۳۸ (سچے اور برحق) اس میں یہ اشارہ کردیا کہ آپ کا نام قیامت تک اسی طرح پر چلانے کے تو ہم ضامن و ذمہ دار ہیں، اس ایک صلح نامہ پر اس کے درج ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ لفظ محمدؐ پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ ۴) میں گزر چکا۔ اسی اپریل ۱۹۵۳ء میں مسیحیوں کے مشہور امریکی سہ ماہی رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مسیحی فاضل نے لکھا ہے کہ اسم محمد ﷺ (اور اس کے متقاربات احمد ﷺ و محمود ﷺ وغیرہ) سے زیادہ کوئی بھی مردانہ نام دنیا میں چلا ہوا نہیں ہے! ف۳۹ اس خدائی صداقت نامہ کے اندر سارے صحابۂ رسول داخل ہیں، خصوصاً وہ جو حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ قال الجمهور جميع اصحابه (روح) مَعَهُ۔ معیت کا اطلاق کثیر و قلیل ہر مدت صحبت پر ہوتا ہے۔ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ یعنی کافروں کے مقابلہ میں اُن کے کفر ہی کی بناء پر مضبوط و ثابت قدم ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ڈھیلے نہیں پڑتے۔ کسی طرح پر ان سے مرعوب نہیں ہوتے بغض فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اُن کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ شفقت و محبت و ہمدردی کا رہتا ہے۔ حب فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔ یہ عام حکم ہر مسلمان کے لیے ہے۔ ہر مسلمان میں یہ دونوں خصوصیات ہونی چاہئیں۔ اب آج مسلمان اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کریں کہ کفر کے مقابلہ میں سختی اور ایمان کے معاملہ میں نرمی کتنی کم باقی رہ گئی ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہ تصریح کردی ہے کہ کسی مخصوص حالت میں اگر مومن کے ساتھ سختی کا اور کافر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا پڑ جائے تو وہ اس عام حکم کے منافی نہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا کہ مومنین أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے اقتضاء سے صفات جلال کے اور رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے اقتضاء سے صفات جمال کے جامع ہوتے ہیں۔ ف۴۰ یہ آثار خشوع و خضوع کے انوار ہوتے ہیں جو ہر مومن متقی کے چہرہ میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ یعنی ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ۔ یعنی ہر وقت اجر کی فکر و جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ وَرِضْوَانًا۔ یعنی ہر وقت قرب الٰہی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ ف۴۱ توریت موجودہ میں صدہا تحریفات و تصرفات کے بعد بھی یہ الفاظ باقی رہ گئے ہیں۔ ''فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا''۔ (استثناء۔ ۲:۳۳)۔ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اور فتح مکہ کے وقت ۱۰ ہی ہزار صحابی آپ کے جلو میں تھے۔ ''اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لیے تھی''۔ (ایضاً) قرآن کا بیان ابھی گزر چکا ہے۔ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ ''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے''۔ (ایضاً) — قرآن کے الفاظ ابھی ابھی گزر چکے ہیں۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ ''اس کے سارے مقدس تیرے ساتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے''۔ قرآن کی عبارت ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا۔ ف۴۲ موجودہ محرف و مسخ شدہ انجیل میں بھی یہ عبارتیں مل جاتی ہیں:۔ ''آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں میں بسیرا کرتے ہیں''۔ (متی۔ ۱۳:۳۱۔۳۲) ''پھر اس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانہ کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔ (مرقس۔ ۴:۳۰۔۳۲) نیز لوقا (۱۳:۱۸،۱۹) قرآنی الفاظ نے آغاز اسلام کے ضعف اور پھر اس کے تدریجی قوت و تقویت کی کتنی صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ کسانوں کی تخصیص اس لیے کہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں وہی صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ جب کھیتی انہیں بھلی لگنے لگی تو ضرور ہے کہ واقع میں بھی بھلی ہو۔ ف۴۳ یہ ایک بڑی جامع و بلیغ مدح صحابہ ہے جو خود قرآن مجید نے بیان کردی ہے اور شاتمین صحابہ کے خلاف ایک حجت قوی و دلیل قطعی ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ کافر عہد صحابہ کی فتوحات اور ترقیوں سے آج تک جلتے چلے آرہے ہیں۔ امام مالکؒ نے اسی آیت سے فرقۂ شاتم صحابہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ قال مالك بن انس من اصبح و فى قلبه غيظ على اصحاب رسول الله فقد اصابته هذه الاية (معالم) لیکن جیسا کہ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کمزور ہے۔ صحابہ پر کافروں کے ذی غیظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی صحابہ پر ذی غیظ ہو وہ کافر ہے۔ مِنْهُمْ۔ مِن یہاں بیان کے لیے ہے۔ تبعیض کے لیے نہیں۔ لبيان الجنس (کبیر) من هنا لبيان الجنس لا للتبعيض (ابن کثیر) اس لیے مراد سارے ہی صحابہ ہیں۔

مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ

معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں پھر اس نے اس سے پہلے ہی ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی ف۳۶ وہ (اللہ)

الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ

دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے ف۳۷ محمد اللہ کے پیمبر

اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

ہیں ف۳۸ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں ف۳۹

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ

تو انہیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ

جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے آثار سجدوں کی تاثیر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں ف۴۰ یہ اُن کے اوصاف

فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ

توریت میں ہیں ف۴۱ اور انجیل میں اُن کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی

شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ

سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ

الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی ف۴۲ (یہی شان صحابہ کو اس نے دیا) تاکہ کافروں کو ان سے جلائے، اور اللہ نے ان سے جو

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾

ایمان لائے ہیں اور (جنہوں نے) نیک کام کئے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے ف۴۳

الحجرات ۴۹ — ۱۰۲۴ — حٰمٓ ۲۶

ایاتھا ۱۸ — ۴۹ سُورَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶ — رکوعاتھا ۲

اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں — سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے پہلے (کسی کام میں)

وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا

سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ

اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو و۲ کہ

تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ

کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تمہیں خبر تک نہ ہو و۳ بے شک جو لوگ

يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اپنی آواز رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں

امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر

عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

عظیم ہے و۴ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں

۴ : ۴۹ — منزل ۶ — ۱ : ۴۹

و۱ خوب سننے والا سارے الفاظ و اقوال کا، خوب جاننے والا سارے احوال و اعمال کا۔ ظاہر و باطن کی بڑی چھوٹی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ لا ۔۔۔ رسولہٖ۔ یعنی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن صریح نہ دے دیں یا قرینہ سے اذن صریح نہ معلوم ہو جائے۔ اپنی طرف سے کسی قول یا فعل میں مبادرت نہ کرو۔ یہ حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس حکم پر عمل یوں ہوگا کہ پہلے تو ہر مسئلہ میں آپ کے قول یا فعل کی صراحت تلاش کی جائے گی، اور جب صراحت نہ ملے گی تو نصوص منقول میں غور و تامل کر کے انہیں سے استنباط کیا جائے گا۔ و۲ (جس وقت کہ آپ سے کلام کر رہے ہو) لا ۔۔۔ النبی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی آواز کے پست رکھنے کا حکم اس وقت کے لیے نہیں، جبکہ گفتگو آپس میں ہو رہی ہو۔ لا ترفعوا۔ کی نہی کو فقہاء نے اپنی اصطلاح میں نہی تحریمی قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس ایک لفظ سے نتائج ذیل برآمد کیے ہیں:۔ (۱) آپ کے حضور میں گفتگو زور سے نہ کی جائے نہ اپنی بات کو اس طرح بالا کیا جائے، جس سے ارشاد والا کی تردید نکل رہی ہو یہ تو صاف عبارۃ النص ہے۔ (۲) درشت کلامی، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بے ادبی آپ کے مواجہ میں ناجائز ہے — یہ دلالۃ النص ہوئی۔ (۳) زیادہ بک بک آپ کے مواجہ میں ممنوع ہے — یہ بقاعدۂ اشارۃ النص نکلا۔ (۴) آپ کے حضور میں گستاخ، بے باک بن جانا یا خائف و باادب نہ رہنا ناجائز ہے — یہ اقتضاء النص سے ثابت ہوا۔ و۳ مطلب یہ ہوا کہ مسلمان تو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعظیم و احترام کا مدعی رہتا ہے اس التزام کا ترک آپ کے لیے طبعاً ناگواری و انقباض کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ ناذی رسول ممکن ہے کہ بعض حالات میں حبط اعمال کا سبب بن جائے۔ اس لیے قاعدہ یہی ہے کہ عملاً ہر حال میں ادب ملحوظ رکھو۔ و۴ (تو تم جو اجر و مغفرت کے حریص ہو، کیوں نہ اسی امتحان میں پورے اترو گے) احادیث صحیح میں آتا ہے کہ آیہ لا ترفعوا اصواتکم الخ کے نزول کے بعد سے فلاں اور فلاں صحابی اس باب میں بڑے خائف اور محتاط ہو گئے تھے اور غایت احتیاط سے کام لینے لگے تھے۔ الذین ۔۔۔ للتقوٰی۔ یعنی اس باب میں وہ صفت کمال تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

ف۵ (ورنہ ایسی جسارت نہ کرتے) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کردیا وہ بھی محض نام لے کر کہ "یا محمد اخرج الینا"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امت کو ہمیشہ کے لیے ادب کی تعلیم عملی مل گئی۔ ف۶ (اس لیے وہ لوگ اب بھی توبہ کرلیں تو معاف ہو جائیں گے) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ بات ان کے حق میں بہتر اس لیے ہے کہ یہ ان کے ادب واحترام کا ثبوت ہوتا۔ اِلَيْهِمْ۔ یعنی آپ خاص انہیں سے ملنے کو باہر تشریف لائیں۔ یہ نہیں کہ آپ کسی بھی ضرورت سے باہر تشریف لے آئیں، اور یہ لوگ آپ پر ہجوم کرنے لگیں۔ رسول کے ادب واحترام کے علاوہ عام افرادِ امت کو انضباطِ اوقات کی تعلیم بھی آیت سے ملتی ہے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ تک کے لیے باایں خوش اخلاقی یہ ممکن نہ تھا کہ خلقت سے چوبیس گھنٹہ گھرے ہوئے رہیں اور اپنے لیے کوئی فارغ وقت سرے سے رکھیں ہی نہیں۔ ف۷ (تو ایسے امکانات جب رسول اللہ ﷺ کی خود حیاتِ مبارک میں تھے تو اب تو ظاہر ہے کہ یہ احتمالات بہت زائد ہیں) بِنَبَاٍ۔ نباء۔ سے اس سیاق میں مراد ایسی چیز ہے جس میں کسی کی شکایت نکلتی ہو، اور اس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ یعنی بلا تحقیق عمل نہ کر بیٹھو۔ بلکہ عمل سے قبل خوب چھان بین کرلو۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس اجمالی حکمِ تحقیق کے اندر چند تفصیلات ہیں:۔ (۱) تحقیق واجب۔۔۔ مثلاً خلیفہ جب یہ سنے کہ فلاں شخص مرتد ہو رہا ہے یا فلاں شخص قتل وغارت کا اقدام کر رہا ہے وقس علیٰ ہذا۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے کسی واجب کا فوت لازم آتا ہے۔ (۲) تحقیق جائز۔۔۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے مالی یا جسمانی ضرر پہنچانا چاہتا ہے۔ دفعِ مضرت کے لئے ایسے موقع پر یہ تحقیق بالکل جائز ہے۔ (۳) تحقیق حرام۔۔۔۔ مثلاً کسی کے لئے یہ سنا کہ وہ خفیہ شراب پیتا ہے۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے۔ ف۸ (اور اس وقت الٹے خود تم ہی کو ندامت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے بجائے اپنی رائے مبارک پر عمل کے ناحق ہم لوگوں کے مشورے سے موافقت کی) وَاعْلَمُوْٓا۔۔۔۔ اللہ۔ (اور رسول ﷺ کا تمہارے درمیان میں موجود ہونا ایک انتہائی نعمت ہے، جس کے ادائے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی معاملہ میں آپ کی رائے کے خلاف عمل نہ کیا جائے) وَاعْلَمُوْٓا۔ علم ظاہر ہے کہ بیان استحضار کے مفہوم میں ہے۔ لَوْ۔۔۔۔ الْاَمْرِ۔ ظاہر ہے کہ یہ احتمال صرف امورِ دنیوی و تجربی سے متعلق ہوسکتا ہے۔ ورنہ احکامِ شریعت میں تو اس کی گنجائش سرے سے تھی ہی نہیں۔ ف۹ (اور ویسے ہی خلفاء، خلفاء راشدین کہلانے کے مستحق ہیں) وَلٰكِنَّ۔۔۔۔ نِعْمَةً۔ یعنی تم میں تو یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، اور انہیں کے تقاضے سے تمہیں ہر وقت رسول ﷺ کی رضا جوئی رہتی ہے اور یہی تمہیں بڑی مصیبتوں سے بچائے رکھتی ہے۔۔۔۔ اور یہ سرتاسر اللہ ہی کے فضل وکرم کا نتیجہ تو ہے۔ ساری آیت ایک قرآنی مدحِ صحابہ ہے۔ الْاِيْمَانَ۔ ایمان۔ سے اس سیاق میں مراد ایمانِ کامل ہے۔ الْفُسُوْقَ۔ یعنی بڑے گناہ۔ الْعِصْيَانَ۔ یعنی چھوٹے گناہ۔ ف۱۰ چنانچہ اپنے اس علمِ کامل ومحیط کی بناء پر وہی ہر ہر حکم کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اپنی صفتِ حکمتِ کاملہ ہی کے تقاضہ سے اس نے یہ احکام صادر کئے ہیں اور ان کی تعمیل واجب کی ہے۔ ف۱۱ یعنی امرِ مابہ النزاع رفع کراکے لڑائی موقوف کرادو۔۔۔۔ خوب خیال رہے کہ باہمی جنگ کی حالت میں بھی قرآن دونوں فریقوں کو مسلمان ہی تسلیم کرتا ہے، مجرد جنگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کر دیتی۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ

ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ف۵ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس

اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا

باہر آجاتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحم والا ہے ف۶ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا

ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے

قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶

کسی قوم کو ضرر پہنچا دو (اور) پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ ف۷

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ

اور جانے رہو کہ تم میں رسول اللہ (موجود) ہیں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ

مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ

تمہارا کہنا مان لیں تو تم کو تکلیف پہنچے ف۸ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی

وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

اور اسے تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر اور فسق اور عصیان سے

وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

تمہیں نفرت دے دی ایسے ہی لوگ تو راہِ راست پر ہیں اللہ کے فضل اور

وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸ وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ

انعام سے ف۹ اور اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۰ اور اگر مسلمانوں کے

الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ

دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں، تو ان کے درمیان اصلاح کردو ف۱۱ پھر اگر ان میں کا

ف۱۱ (اور وہ حکم الٰہی یہاں صلح و ترک قتال کا ہے) یہ حکم اصالتاً امام مسلمین کے لئے ہے۔ وہ نہ ہو تو عامہ مسلمین کو ہے بشرط قدرت و استطاعت۔ بعض حنابلہ نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ باغیوں سے قتال، جہاد کفار سے اہم تر و افضل ہے۔ اور سند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو پیش کیا ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں بجائے جہاد کے قتال اہل بغاوت ہی کو جاری رکھا۔ وصرح بعض الحنابلة بان قتال الباغين افضل من الجهاد احتجاجا بان عليا كرم الله تعالى وجهه اشتغل فى زمان خلافته بقتالهم دون الجهاد (روح) لیکن محققین حنفیہ کی تحقیق میں یہ مطلق صورت میں درست نہیں بلکہ صرف اس صورت میں صحیح ہے جب باغیوں کی وجہ سے اتنا بڑا فساد ہو رہا ہو کہ ان سے قتال کرنا کافروں سے جہاد سے بڑھ کر ضروری ہو جائے۔ و الحق ان ذلك ليس على اطلاقه بل اذا خشى من ترك قتالهم مفسدة عظيمة رفعها اعظم من مصلحة الجهاد (روح) فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى۔ یعنی سعی اصلاح و مصالحت کے باوجود بھی وہ صلح نہ کرے اور جنگ برابر جاری رکھے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ قتال فساد عقائد کی بناء پر نہ کیا جائے گا بلکہ جرم بغاوت کی بناء پر کیا جائے گا۔ و فى هذه الاية دلالة على ان اعتقاد مذاهب اهل البغى لا يوجب قتالهم مالم يقاتلوا (جصاص) فانما امر بقتالهم اذا بغوا على غيرهم بالقتال (جصاص) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا۔ یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ جنگ و جدل کرنے والے ان دونوں گروہوں کو ایک کے ناحق پر ہونے کے باوجود قرآن مجید "مومن" ہی کہتا ہے۔ قتال اور پھر بغاوت سے بڑھ کر شدید جرم اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود بھی باغی بہر حال مومن ہی رہتا ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اکابر اہل سنت نے یہیں سے یہ مسئلہ (خوارج و معتزلہ کے برعکس) نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بھی مومن دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ سماهم مومنين مع الاقتتال وبهذا استدل البخارى وغيره على انه لايخرج عن الايمان بالمعصية وان عظمت لاكما يقوله الخوارج ومن تابعهم من المعتزلة ونحوهم (ابن کثیر) هذا دليل على ان المؤمن بالكبيرة لايخرج عن كونه مومنا لان الباغى جعله من احدى الطائفتين وسماهما مؤمنين (کبیر) ف۱۳ جب کوئی فریق مغلوب فیصلہ نہیں رہا ہو تو حالت کو غصہ آ جانا امر طبعی ہے اس کی روک تھام کے لئے مزید ترغیب توازن قائم رکھنے کی ہے۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ۔ یعنی محض ترک قتال کو کافی نہ سمجھو، بلکہ غرض و معاملہ قانون شریعت کے ماتحت طے کرا دو۔ فقہاء نے کہا ہے جو مسلمان فریق شکست کھائے نہ اس کا مال مال غنیمت سمجھا جائے گا اور نہ اس کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے۔ البتہ توبہ کے وقت تک وہ قید رہیں گے اور ان کا مال قرق۔ بعد توبہ انہیں بھی رہائی مل جائے گی اور ان کا مال بھی انہیں واپس دے دیا جائے گا۔ مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ وَاَقْسِطُوْا۔ یہ تاکید ہے اس کی کہ اپنے فیصلہ کو تمام تر عدل پر مبنی رکھو۔ کسی فریق سے انتقام یا غصہ کا جذبہ اپنے اوپر نہ غالب آنے دو۔ ف۱۴ (اور جب بھائی ہی ہیں، تو بھائیوں بھائیوں میں لڑائی ہی کیسی) اسلام یعنی دین فطرت نے ایک طرف تو غربت، امارت وغیرہ کے مختلف طبقات قائم رکھے اور ان کے مٹا ڈالنے کی خلاف فطرت کوشش میں قوت اور وقت کو ضائع نہیں کیا، لیکن دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ دین کا اشتراک ہر وزنی، مالی، نسبی، نسلی تفریق و امتیاز سے بالاتر ہے اور بڑے چھوٹے امیر غریب شریف غیر شریف سب کو اخوت کے رشتہ میں پرو کر صحیح اور سچی سوشلزم (اشتراکیت) کی بنیاد قائم کر دی۔ یہیں سے یہ بھی نکل آیا کہ مسلم قومیت کی بنیاد نسلی، وطنی، لسانی وغیرہ نہیں، صرف اعتقادی ہے۔ اور اشتراک و اخوت کا سنگ بنیاد صرف وحدت کلمہ ہے۔ اِخْوَةٌ۔ اخوت کا رشتہ تو انتہائی محبت کا مظہر ہے۔ اس کے استحضار کے بعد پھر کیسا جدال، کیسا قتال؟ اخوۃ۔ اخ کی جمع، اخوۃ تو حقیقی بھائیوں کے لئے ہے۔ رشتے ناتے کے بھائیوں کے لئے اخوان آتی ہے۔ قرآن نے یہاں اخوۃ لا کر گویا بتا دیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق و رشتہ بالکل بھائیوں کا ہے۔ قال بعض اهل اللغة الاخوة جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقة فالله تعالى قال انما المومنون اخوة تاكيدا للامر واشارة الى ان بينهم ما بين الاخوة من النسب والاسلام كالاب (کبیر) اِنَّمَا۔ کے کلمہ حصر نے اسے صاف کر دیا کہ یہ رشتہ اخوت صرف مومن ہی مومن کے درمیان ہے، مومن و کافر کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ انما للحصر اى لا اخوة الا بين المومنين واما بين المومن والكافر فلا لان الاسلام هو الجامع (کبیر) ف۱۵ اس میں کمال ترغیب ہے اصلاح بین المسلمین کی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ تقوی ہی کی ایک اہل فرد اصلاح بین المسلمین ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ رحمت الٰہی کا ترتب اسی تقوی شعاری پر ہوگا۔ ف۱۶ یعنی کسی کو کیا خبر کہ اللہ کے نزدیک بہتر اور قابل عزت کون ہے، ہنسنے والا ہے یا وہ جس پر ہنسا جا رہا ہے۔ اس احساس کو بیدار کر کے قرآن نے گویا معاشرہ اسلامی کے اندر تمسخر و تفضیح کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ تعلیم ہمارے ہاں کی یہی اور عمل یہ ہے کہ دوسرے پر ہنسنا، بنانا، ستانا، اس کی رسوائی کرنا عیب نہیں رہا بلکہ داخل ہنر ہو گیا ہے۔ لَا يَسْخَرْ۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر و دل شکنی و دل آزاری ہو اور وہ حرام ہے، باقی ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے اور ایسی ہنسی جائز ہے بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ۔ مراد جنس رجال ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سے ہوں۔ نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ۔ مراد جنس نساء ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سی ہوں حاصل

اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى

ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ

تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

وہ رجوع کر لے اللہ کے حکم کی طرف ف۱۲ پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان اصلاح کر دو

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾

عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ف۱۳

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا

بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہی ہیں ف۱۴ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ف۱۵ اے ایمان والو! نہ

قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ

مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں

مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا

کو عورتوں پر (ہنسنا چاہئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں ف۱۶ اور نہ ایک دوسرے کو

اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ

طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا

الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا

ہے ف۱۷ اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے ف۱۸ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ

ع ۱۳

کلام یہ کہ امت کا کوئی سا بھی طبقہ ایک دوسرے کی ہنسی نہ اڑائے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ۔ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔ دوسرے پر ہنسی، تمسخر، طنز کی بنیاد عموماً کیا ہوا کرتی ہے؟ یہی نا کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں اور ہم ان عیوب سے کہیں بالاتر ہیں۔ قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اس بنیاد پر ضرب لگا دی، اور اس طرح اس عمارت ہی کو منہدم کر دیا۔۔۔ انسان کو اگر اپنا عیب دار، داغدار ہونا یاد پڑ جائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔ **و۱۷** (اور یہ سب باتیں گناہ کی ہیں) مجب یہ ہے کہ مسلمان پر گناہ کا نام لگنا ہی برا اور قابل نفرت ہے اور ان حرکتوں کے بعد یہی کہا جائے گا کہ یہ مسلمان مسلمان ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے، جب وہ بلاغرض صحیح ہو، لیکن اگر کوئی شخص پکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی کوئی توہین محسوس نہیں کرتا تو اسے اس کے ظاہر میں عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً حکیم نابینا، لنگڑے حافظ، گنجے وکیل، وغیرہ۔ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ اَنْفُسَكُمْ۔ یہاں "ایک دوسرے کے" معنی میں ہے جیسا کہ بعض اور مقامات پر بھی قرآن ہی میں آیا ہے۔ عن ابن عباس وقتادة لایطعن بعضكم علی بعض (جصاص) بِالْاَلْقَابِ۔ لقب کے معنی یہاں برے نام کے ہیں یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناگوار ہو۔ واللقب ھنا اسم مکروہ عند السامع (ابن العربی) **و۱۸** (اپنے حق میں اور اللہ کے یہاں) یعنی حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ اور جو سزا ظالموں کے لئے ہے اس کے مستحق نہ ہوں گے۔۔۔ ان تمام احکام میں واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو مجلسی اور معاشرتی اصلاح کے باب میں کس درجہ اہتمام ہے، اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے اس میں کبھی بھی باہمی رنجشیں رخنہ انداز ہو سکتی ہیں؟ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کتنی رنجشوں اور عداوتوں کی بنیاد کسی نہ کسی بیہودہ دل لگی، پھبتی گوئی یا کسی کو بنانے کی کوشش ہی پر نکلے گی۔ **و۱۹** (اس لئے ضرور ہے کہ اقسام گمان کو سمجھ کر حدود جواز کے اندر رہو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے اور حق تعالیٰ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی ممنوع و ناجائز ہے۔ فحسن الظن باللہ فرض وسوء الظن به محظور منهی وکذلک سوء الظن بالمسلمین الذین ظاهرهم العدالة محظور مزجور عنه (جصاص) بدگمانیوں کی عام عادت جو بطور وباء کے ہم لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ آیت اس پر کیسی ضرب لگا رہی ہے۔ بات بات پر بلا وجہ بھائیوں سے بدگمانی، بیوی بچوں سے بدگمانی، پڑوسیوں سے بدگمانی، نوکروں چاکروں سے بدگمانی، گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔ بَعْضَ الظَّنِّ۔ بعض جمیع کے مقابلہ میں ہے اور کثیر بھی "بعض" کے اندر شامل ہے۔ اقتضت الآية النهی عن بعض الظن لا عن جميعه (جصاص) فقیہ مفسر علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ظن کی حسب ذیل قسمیں اور احکام بیان کئے ہیں:۔ (۱) ظن واجب۔ مثلاً حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یا غیر منصوص میں ظن حقیقی۔ (۲) ظن مباح۔ یعنی ایسی بدگمانیاں جن کے لئے کھلے ہوئے قرینہ اور قیاس موجود ہوں۔ مثلاً ایسے شخص سے فسق کا گمان رکھنا جو شراب خانوں یا قحبہ خانوں میں آمد و رفت رکھتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ بدگمانی گمان میں رہے۔ حد یقین تک نہ پہنچا دیا جائے۔ نیز ایسی بدگمانیاں جو غیر اختیاری ہوں۔ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے بلکہ حتی الامکان انہیں دفع کرتا رہے۔ (۳) ظن حرام۔ عقائد دین یا احکام مسائل شریعت، بلا دلیل محض اپنے گمان سے گڑھ لینا یا کسی شخص میں خفیف وضعیف علامات فسق دیکھ کر اس کی طرف سے بدگمانی جما لینا۔ **و۲۰** یعنی اوروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی تلاش وجستجو میں نہ پڑو، تاوقتیکہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آپڑے۔۔۔ چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا یہ سب تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کی پردہ دری کرنا ممنوع وناجائز ہے بلکہ اس کی پردہ پوشی کرتے رہنا واجب ہے۔ عن زيد بن وهب قال اتی ابن مسعودؓ فقيل هذا فلان تقطر لحيته خمرا فقال عبدالله انا قد نهينا عن التجسس لكن ان يظهر لنا شیء ناخذ به (جصاص) عن مجاهد خذوا بما ظهر لكم ودعوا ما ستر الله فنهی الله فی هذه الآيات عن سوء الظن بالمسلم الذی ظاهره العدالة والستر ودل به علی انه يجب تكذيب من قذفه بالظن (جصاص) فقد اقتضی ذلك النهی عن تحقيق المظنون وعن اظهاره ونهی عن التجسس بل امر بالستر علی اهل المعاصی مالم يظهر منهم اصرار (جصاص) **و۲۱** کسی کی عدم موجودگی میں اس کا یا اس کی کسی چیز کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے ناگوار ہو۔ عام اس سے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، یہی غیبت ہے اور اسی کو قرآن مجید نے اس شدومد سے روکا ہے۔ حدیث شریف میں غیبت کی تفسیر اس طرح آئی ہے۔ "ذكرك اخاك بما يكره" "اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے ناگوار گزرے۔ غیبت کا گناہ شدید ہونا اس آیت سے ظاہر ہے۔ حدیث میں "الغيبة اشد من الزنا" تک وارد ہو چکا ہے۔ فقہاء نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور مشائخ وصوفیوں نے اس سے بچنے کے طریقے اور تدبیریں بتائی ہیں۔ جن جن موقعوں پر غیبت جائز ہے ان کی تفصیل کتب فقہ میں مل جائے گی۔ اردو

اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ

ہوتے ہیں **و۱۹** اور ٹوہ میں مت لگے رہو **و۲۰** اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے **و۲۱** کیا تم میں سے

اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا

کوئی اس کو گوارا کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے **و۲۲** اور اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے **و۲۳** اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو

مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ

ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے **و۲۴** اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو **و۲۵**

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے **و۲۶** بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے **و۲۷**

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

(یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو

لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے **و۲۸**

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے پھر (اس میں کبھی) شک نہیں کیا

وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ

میں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا ایک مبسوط اور مفصل رسالہ اس موضوع پر زجر الناس والشیة عن ارتکاب الغیبة کے نام سے موجود ہے۔ قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشرتی ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم لوگ سیکھ جائیں تو آج دنیا میں بھی ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے۔ وٓ ۲۲ ایسی گھناؤنی چیز سے تشبیہ دے کر قرآن نے ہر مسلمان کا دل ہی غیبت کی طرف سے متنفر و بیزار کر دیا ہے۔ وجہ شبہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس طرح گوشت کے نوچے جانے سے جسم کو جسمانی اذیت ہوتی ہے آبروریزی سے بھی قلبی تالم ہوتا ہے اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا، اس لئے عدم حس میں مشابہ مردہ کے ہے۔ وٓ ۲۳ تو چاہئے کہ اب ساری پچھلی غلطیوں اور بدکرداریوں پر نادم ہو کر اور ان کا تدارک کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق بن جاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ بڑی چھوٹی ہر برائی سے بچنے کے لئے آسان ترین نسخہ یہی تقویٰ الٰہی ہے۔ جتنی زیادہ کسی کے دل میں خشیت الٰہی موجود ہوگی، اسی قدر اس کے لیے ہر ترغیب شیطانی و نفسانی کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینا اور ثابت قدم رہنا آسان رہے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ بڑی بشارت اس میں اپنی پچھلی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہونے والوں کے حق میں ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ اب تک جو کچھ بھی کرتے رہے ہو۔ جن جن بھی اخلاقی آلودگیوں میں مبتلا رہ چکے ہو، اب اس تازہ ہدایت کے بعد ان سے دستبردار ہو اور ان پر نادم ہوتے رہو، کہ حق تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے بھی ہیں۔ اور فضل و کرم کرنے والے تو ہیں ہی۔ وٓ ۲۴ یعنی آدم و حوا سے۔ اور اس لحاظ سے سارے انسان یکساں و ہم سطح ہوئے۔ ای انکم متساوون فی النسب (معالم) قال تعالٰی تنبیها علی تساویهم فی البشریة (ابن کثیر) فجمیع الناس فی الشرف بالنسبة الطینیة الی ادم وحوا سواء (ابن کثیر) وحدت نوعِ انسانی، اسلام میں ایک نظریہ نہیں، ایک مؤکد حقیقت ہے، اس نے ان تمام جاہلی نظریات کی جڑ کاٹ دی، جو انسان کی مختلف نسلوں کو مختلف مورثوں کی اولاد سمجھتے ہیں اور ہندوستان کی ذات پات والی پیدائشی تفریق کے حق میں اس آیت کا سم قاتل ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ دل بذالک علی انہٗ لافضل لبعضهم علی بعض من جهة النسب۔ اذ کان جمیعًا من اب وام واحدة (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی نیز سورۃ النساء (پ ۴) اور سورۃ الزمر (پ ۲۳) کے حاشیے اسی مضمون سے متعلق۔ وٓ ۲۵ (اس لئے مختلف قوموں میں اور پھر خاندانوں میں تقسیم بنیاد تفاخر کی نہیں ہو سکتی، بنیاد باہمی امتیاز و تعارف کی البتہ ہے) نسل پرستی، قوم پرستی، رنگ پرستی جس میں جاہلیت قدیم سے لے کر جاہلیت جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں، ان پر پوری ضرب اس آیت نے لگا دی ہے۔ خَلَقْنٰکُمْ۔ جَعَلْنٰکُمْ۔ دونوں لفظوں سے صاف طور پر اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ تو جو کچھ کیا، ہم نے کیا ہے۔ تمہارے امتیاز و افتخار کا اس میں کون سا پہلو ہے؟ شُعُوْبًا۔ نوعِ انسانی کی پہلی اور بڑی تقسیم یعنی قومیں یا نسلیں۔ قَبَآئِلَ۔ قدیم انسان کی دوسری اور ضمنی تقسیم، یعنی کنبے اور قبیلے۔ وٓ ۲۶ یعنی اللہ کے ہاں شرف، فضیلت و مقبولیت تمام تر دالی پرہیزگاری ہے، نہ کہ فخر نسلی و قومی و آبائی۔ نہ کسی کے برہمن اور چھتری ہونے میں اس کی عزت، نہ کسی کے چمار پاسی ہریجن ہونے میں ذلت۔ اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے متقی و غیر متقی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے نہ نسلی شریف و نسلی رذیل کی، نہ گورے اور کالے کی بلکہ صرف متقی و غیر متقی کی۔ فابان ان الفضیلة والرفعة انما تستحق بتقوی اللہ وطاعته (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وٓ ۲۷ (اور اس پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک پرہیزگار ہے) سو یہ تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی، تعلّی و تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ وٓ ۲۸ (تو اس کی مغفرت بے نہایت و رحمت بے پایاں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع اب بھی حاصل ہیں) وَاِنْ ... رَسُوْلَهٗ۔ یعنی اگر واقعی ایمان لے آؤ۔ اور دل سے اللہ اور رسول کے احکام کی تصدیق کرنے لگو۔ لَا ... شَیْئًا۔ اللہ تعالیٰ تو سارے اعمال ایمانی کا پورا پورا اجر دے گا۔ وَلٰکِنْ ... قُلُوْبِکُمْ۔ محققین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان اس سے خاص تر ہے۔ وقد استفید من هذه الاٰیة الکریمة ان الایمان اخص من الاسلام کما هو مذهب اهل السنة والجماعة (ابن کثیر) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، ابراہیم نخعی اور قتادہ اور ابن جریر نے بخلاف امام بخاری کے آیت سے یہی استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے۔ وہ منافق نہ تھے۔ تھے مسلمان ہی، اگرچہ ان کا ایمان کمزور تھا۔ دل هذا علی ان هؤلاء الاعراب المذکورین فی هذه الاٰیة لیسوا بمنافقین وانماهم مسلمون لم یستحکم الایمان فی قلوبهم فادعوا لانفسهم مقامًا اعلٰی مما وصلوا الیه فادبوا فی ذلک وهذا معنی قول ابن عباسؓ وابراهیم النخعی وقتادة واختاره ابن جریر وانما قلنا هذا لان البخاری رحمه اللہ ذهب الی ان هؤلاء کانوا منافقین یظهرون الایمان ولیسوا کذلک (ابن کثیر) کوئی شخص اسلام کا دعویٰ کر رہا ہو تو جزم کے ساتھ اس کی تکذیب (جیسی کہ یہاں وارد ہوئی ہے) کا حق صرف حق تعالیٰ عالم الغیب ہی کو پہنچتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کام تو عام طور پر اس مدعی کے بیان کو تسلیم ہی کر لینا ہے۔ اشارة ان عمل القلب غیر معلوم واجتناب الظن واجب وانما یحکم بالظاهر فلا یقال لمن یفعل فعلًا هو مرائی ولا لمن اسلم هو منافق ولکن اللہ خبیر بما فی الصدور اذا قال فلان لیس بمؤمن فحصل الجزم (کبیر) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام اور ایمان کے دو الگ الگ مفہوم ہیں۔ اسلام صرف ایک ضابطہ کی چیز ہے۔ جس کا تعلق قول اور ظاہر سے ہے۔ ایمان اس کے برعکس ایک باطنی حقیقت ہے جس کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہے۔ فاخبر ان حقیقة الایمان التصدیق بالقلب وان الاقرار باللسان واظهار مرافعة بالابدان لایکون ایمانًا دون التصدیق بالقلب والاخلاص (معالم)

الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ

راست باز ہیں و۲۹ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دے رہے ہو؟ و۳۰ دراں حالیکہ اللہ کو

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی (پوری) خبر ہے اور اللہ (اور بھی) ہر شے کا

عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا

خوب علم رکھتا ہے و۳۱ یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مطیع ہو گئے ہیں و۳۲ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے مطیع ہو جانے کا

عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

احسان نہ رکھو البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی

لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

ہدایت دی بشرطیکہ تم (دعویٰ ایمان میں) سچے ہو و۳۳ بے شک اللہ آسمانوں اور

غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو بھی خوب دیکھ رہا ہے و۳۴

آیاتها ۴۵ — ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّیَّةٌ ۳۴ — رکوعاتها ۳

اس کی پینتالیس آیتیں — سورۂ ق مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾ ۚ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ

قاف و۱ قسم ہے قرآن بزرگ کی (کہ ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے) لیکن یہ لوگ اس پر حیرت

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ۚ

کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہیں میں سے آیا و۲ سو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو (بڑی) عجیب بات ہے۔

و۲۹ (اپنے دعویٰ ایمان وتصدیق میں) الصّٰدِقُوْنَ۔ یعنی دین کی پوری طرح اور درجہ کمال میں تصدیق کرنے والے۔ مومنین حقیقی۔ مومنین کامل۔ ای المومنون الکمل (ابن کثیر) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اگر کمال تصدیق نہ ہو نفس تصدیق حاصل ہو جب بھی ایمان ثابت ہو جائے گا۔ اَلَّذِیْنَ ... سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر طرح دین کی خدمت کی، اسی راہ میں سختیاں جھیلیں۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔ زندگی کی کسی منزل اور ماحول کی کسی کشاکش میں بھی ایمان وتصدیق کی شاہراہ سے ڈانواں ڈول نہ ہونا بڑی نعمت ہے۔ و۳۰ (دراں حالیکہ اس کو خبر نہیں) خطاب جھوٹے مدعیان دین ومنافقین اعراب سے ہے کہ اللہ کو تو تمہارے دین کی خبر ہے نہیں اور تم اسے خبر دینا چاہتے ہو۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ تم ایسی جھوٹی اور بے اصل بات زبان سے نکال رہے ہو۔ و۳۱ (تو ایسے کامل وجامع علم رکھنے والے کو بھلا کوئی کیا بتلائے گا) مشرک جاہلی قوموں کو ٹھوکر اللہ کے صفت علم ہی میں کثرت سے لگی ہے قرآن اسی لئے بار بار اس کو توضیح کرتا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ ... الْاَرْضِ۔ یعنی کوئی بھی شے اللہ کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ وَاللّٰهُ ... عَلِیْمٌ۔ یعنی جو بھی چیز ہے، اللہ کے احاطہ علم کے اندر ہے۔ و۳۲ (بے لڑے بھڑے بخلاف دوسرے قبائل کے) اشارہ انہیں قبائل بنی اسد وغیرہ کی جانب ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ انہیں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا تھا کہ ہم خاص مراعات کے مستحق ہیں۔ دوسرے کتنے مقابلہ ومقاتلہ کے بعد کہیں ہتھیار رکھتے ہیں، اور ہم کو دیکھئے کہ ہم بغیر کسی جدوجہد کے آپ کی مخالفت سے باز آ گئے۔ و۳۳ یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو بھی گئے ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو یہ میرے اوپر احسان کیا ہوا، یہ تو اللہ کا احسان تمہارے اوپر ہوا کہ اس نے تمہیں دائمی نجات کی راہ دکھا دی، اور دنیا میں بھی تمہیں قتل وقید وغیرہ سے بچا دیا۔ و۳۴ (سو اس کے سامنے بھلا کوئی مکر وفریب چل سکتا ہے؟) بندہ کو حق تعالیٰ کے علم کے کامل ومحیط کل ہونے کا جس درجہ میں استحضار رہے گا۔ اسی نسبت سے اس کا درجہ اخلاص بھی بڑھتا ہوا رہے گا۔ غَیْبَ ... الْاَرْضِ۔ موجودات عالم کی کوئی پوشیدہ سے بھی پوشیدہ چیز علم الٰہی سے پوشیدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ بندہ کا براہ راست تعلق تو اللہ کے اسی علم سے ہے جو وہ ان بندوں کے اعمال وجزئیات اعمال سے متعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس پہلو کی تصریح اور تاکید قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔ و۱ عربی اسلوب بیان میں قسم کا مفہوم تاکید کا ہوتا ہے۔ اور جواب قسم یعنی قسم کے بعد کا مضمون اکثر بغیر کسی تصریح کے محض سیاق سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ قسموں کی بحث کا تعلق تمامتر اسلوب بیان وبلاغت سے ہے۔ قٓ۔ مخفف اس فقرہ کا سمجھا گیا ہے۔ حکمة هی قولنا قضی الامر (کبیر) ایک قول یہ ہے کہ: قفا الرد کا مخفف ہے۔ قیل یجوز ان یکون ق امرا من مفاعلة قفا الرد ای تبعه والمعنی اتبع القران واعمل بمافیه (روح) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قف کے معنی میں امر ہے۔ قیل انه امر بمعنی قف ای قف عندماشرع لک ولاتجاوزه (روح) حروف مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو پ ۱ میں الم پر حاشیہ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ قرآن مجید کی قسم کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب اپنے مضامین کی بے نظیر بلندی اور معنویت کے لحاظ سے خود اپنی صداقت اور آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔ الْمَجِیْدِ۔ یعنی بزرگی اور شرف والا قرآن — آج دنیا کی کون سی کتاب اپنی معنویت اور بلندی کے لحاظ سے اس کے ٹکر کی ہے؟ کسی صحیفۂ مذہب کو اس کی جامعیت وہمہ گیری کے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے؟ و۲ (حالانکہ اس نذیر کی سچائی پر ہر طرح کے دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں) مِنْهُمْ۔ انہیں میں سے، یعنی محض بشر ہو کر، یہی جسم اور یہی اس کے خصوصیات رکھ کر۔ مشرکین کی بڑی چڑھ اسی عقیدۂ رسالت سے ہے۔ وہ دیوتا کے قدموں پر گر پڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ لیکن کسی فانی انسان کو خدا کا قاصد جھتا ان کی عقل کی گرفت سے بالکل باہر ہوتا ہے۔ آیت میں ایک حقیقت صحیح وثابت کے مقابلہ میں حیرت وشک کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اس سے بعض اصولیین نے بقدر اقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مجرد شک وعجب کسی دلیل کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۞ قَدْ عَلِمْنَا

بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ بعث تو (بہت ہی) بعید ہے ف۳ لیکن ہم تو اُن کے

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۞

اجزاء تک کو جانتے ہیں جنہیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے ف۴

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۞

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ تو سچی بات کو جھٹلاتے ہیں جب وہ ان کے پاس آئی غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں ف۵

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسا بنایا اور ہم نے اُسے آراستہ کیا

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

اور اس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں ف۶ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ تَبْصِرَةً

پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی

وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے ف۷ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ وَالنَّخْلَ

برسایا پھر ہم نے اس سے باغ اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا

درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں اگائے، بندوں کو روزی دینے کے لئے، اور ہم نے اس کے ذریعے

بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (زمین سے حشر میں) نکلنا ہی ہو گا ف۸ ان لوگوں سے قبل قوم

ف۳ (عقل و قیاس سے) یعنی ایک تو بشر کی زبان سے دعوئ رسالت خود ہی عجیب اور پھر ساتھ ہی یہ عقیدہ حشر و نشر کا۔ ہم "روشن خیالوں" کی عقلیں اسے کیسے قبول کر لیں کہ جب ایک چیز فنا ہو گئی، اس کے اجزاء بکھر کر پارہ پارہ ہو گئے تو وہ دوبارہ پھر موجود ہو جائے گی۔ اعادۂ معدوم تو ہمارے تجربہ، مشاہدہ، عقل سب کے خلاف ہے۔ ف۴ "روشن خیال" جو اس پرست مشرکوں کے دعوے پر جرح ہو رہی ہے کہ تم اس بازگشت کو محال آخر کس بنا پر کہہ رہے ہو؟ کیا اس لئے کہ اس ہستی میں قابلیت حیات نہیں؟ اگر یہ مراد ہے تو یہ تو خود تمہارے مشاہدہ کے بھی خلاف ہے۔ پھر کیا ہے کہ ہمارے علم اور ہماری قدرت کو تم ناقص، محدود و ناکافی سمجھتے ہو؟ تو ہمارا علم تو ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات تک محیط ہے اور یہ علم بھی کچھ نو پیدا اور حادث نہیں، قدیم ہے۔ حتمی و قطعی ہی سے ہے۔ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ۔ یعنی ان کے جسم کے وہ اجزاء جنہیں مٹی کھا جاتی ہے۔ كِتٰبٌ حَفِيْظٌ۔ ایسا رجسٹر جس میں جسم کے ہر ہر جزء کی وضع، مقدار، کیفیت سب ہی کچھ درج ہے — مراد لوح محفوظ سے ہونا ظاہر ہے۔ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۔ حق کے ترک و انکار کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان لوگوں پر شک و ارتیاب، تذبذب اور بے یقینی کی لعنت مسلط ہو جائے۔ عن قتادة قال من ترك الحق مرج عليه رأيه والتبس عليه دينه (جصاص) ف۵ (کہ حق پر انہیں قرار ہی نہیں۔ کبھی تکذیب سے کام لیتے ہیں، کبھی تشکیک سے) بَلْ ... هٰذَا۔ ان کی عادت ہی ہر سچائی سے انکار کی پڑ گئی ہے۔ ف۶ کمال علم کے بعد اب یہ بیان کمال قدرت کا ہو رہا ہے — ایک آسمان ہی پر جو کہ دنیا کے ہر ایک کے مشاہدہ میں آ رہا ہے، اور اس کی صناعی پر، عظمت و پہنائی پر، قوت و استحکام پر، ہر چیز پر غور کرو تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ تم امکان بعث سے انکار و استبعاد پر کتنی نادانی پر ہو۔ كَيْفَ۔ اس میں اشارہ آسمان کی رفعت و عظمت، وسعت و پہنائی، استحکام و خوشنمائی سب کی جانب آ گیا۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ یعنی کسی قسم کا نقص و ضعف اس میں نہیں۔ ہر طرح مکمل ہی مکمل ہے۔ وَزَيَّنّٰهَا۔ آسمان کی آراستگی و زیبائی بھی چاند، سورج ستاروں وغیرہ سے ہے۔ ف۷ آسمان کے بعد اب زمین کی صناعیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ یہ آسمان و زمین کی ساخت و ترکیب، ان کے اندر کی گوناگوں صناعیاں، زمین پر پہاڑوں کا قیام، ان سب پر اگر انسان غور کرے تو قدرت الٰہی کے کتنے زبردست شواہد ان میں قدم قدم پر ملیں گے۔ لیکن یہ سبق بھی ہر شخص نہیں لیتا۔ یہ درس تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو نیت و قصد بھی اسی کا رکھتے ہیں۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا۔ زمین کے عظیم الشان پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ پہاڑوں کے قائم اور نصب کرنے کی ساری حکمتیں اس کے اندر آ گئیں۔ تَبْصِرَةً ... مُنِيْبٍ۔ ان عظیم الشان و حیرت انگیز مظاہر قدرت سے بھی عبرت و تذکر کا سبق لینا ہر ایک کا کام نہیں۔ چشم بینا و دل دانا اس کے لئے لازمی ہے۔ انابت و احساس عبدیت تو شرط اولیں ہے۔ ف۸ یہاں گویا یہ فرمایا کہ تم جس طرح بارش ہونے پر خشک زمین کو از سر نو سرسبز و شاداب ہوتے ہوئے روز مرہ دیکھتے ہو، اسی طرح حکمت الٰہی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے لا نکال کھڑا کرے گی — اور اس کا ناممکن ہونا تو خیر الگ رہا، اس میں استبعاد کی بھی کونسی بات ہے؟

نُوحٍ وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوۡدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ

نوح اور اہل رس اور ثمود اور عاد اور فرعون

وَ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ

اور لوط والے اور اہل ایکہ اور قوم تبع سب ہی

کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ

تکذیب پیمبروں کی کر چکے ہیں، سو میری وعید پوری اُتری ف۹ تو کیا ہم پہلی بار کی پیدائش سے تھک چکے ہیں؟

بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۵﴾ ع وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ از سرِ نو پیدائش ہی کی طرف سے شبہ میں پڑے ہیں ف۱۰ اور ہم نے انسان کو

الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ

پیدا کیا ہے، اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک) کو جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں ہم تو اس کی رگ گردن

اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ

سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں ف۱۱ (انہیں اُس وقت کی یاد دلایئے) جب دو گرفت میں لینے والے فرشتے

الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ

داہنے اور بائیں بیٹھے والے گرفت میں لاتے رہتے ہیں ف۱۲ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا

اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ

مگر یہ کہ اس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے ف۱۳ اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی

بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنۡتَ مِنۡہُ تَحِیۡدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ؕ

سچائی کے ساتھ ف۱۴ یہی وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا ف۱۵ اور صور پھونکا جائے گا

ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴿۲۰﴾ وَ جَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ

یہی دن ہے وعید کا ف۱۶ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ ایک (فرشتہ) تو اُس کے ساتھ ہمراہ لانے والا ہوگا

ف۹ (اور یہ سب کے سب تکذیب انبیاء حق کی پاداش میں اسی دنیا میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے) کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ۔ منکروں نے انبیاء کرام کی تکذیب دین کے عقائد اساسی کے باب میں کی ہے اور وہ یہ تین مسئلے ہیں۔ توحید، حشر ونشر، رسالت۔ قَوۡمُ نُوۡحٍ۔ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ۔ ثَمُوۡدُ۔ عَادٌ۔ فِرۡعَوۡنُ۔ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ۔ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ۔ قَوۡمُ تُبَّعٍ، ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۱۰ (یوں ہی بلا کسی شبہ معقول یا کسی دلیل صحیح کے) اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ۔ یعنی پہلی بار اول میں عدم محض سے تو سب چیزوں کا ہمارا خالق ہونا تو تمہیں خود تسلیم ہے۔ تو پھر کیا یہ مانتے ہو کہ اب ہماری قدرت تخلیق جواب دے گئی ہے اور اب ہم تخلیق ثانی پر قادر نہیں رہے؟ اَفَعَیِیۡنَا بعض گمراہ قوموں نے واقعۃً بھی خستگی اور تھکن کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود اور نصرانیوں نے بھی۔ ف۱۱ (جو منتہاء ہے کمال قرب کا) انسانی محاورہ میں انتہائے قرب کا کامل ترین تصور یہی ہے کہ اُسے رگ جان کے برابر قریب سمجھا جائے۔ آیت کا مضمون ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر قریب ہے، گویا ہر انسان کے تخیل سے بھی قریب تر۔ یہ قرب تکوینی عام ہے نیک و بد، بلکہ ہر مخلوق کے لیے۔ قرب مرتبہ البتہ مخصوص ہے مقبولین کے لیے۔ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔ اس رگ کا نام ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتی ہے، استعارۃً مراد یہیں جان ہے۔ اے من روحه (راغب) نَحۡنُ ۔۔۔ الۡوَرِیۡدِ۔ اس میں ان جاہل، مشرک قوموں کی تردید بھی آ گئی جو خدائے تعالیٰ کو بندوں سے دور اور بہت دور سمجھے رہتے ہیں۔ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمال قدرت کا۔ یعنی ہم سے بڑھ کر انسان اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمال واحاطۂ علم کا یعنی ہم سے انسان کا کون سا راز مخفی رہ سکتا ہے؟ حق تعالیٰ پر تو انسان کے وسوسے تک عیاں وروشن رہتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس علم محیط وکامل کے باوجود رحمت کاملہ نے گرفت وسوسوں پر نہیں رکھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ (پ۳) (آیت وَ اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ۔ کا حاشیہ۔ ف۱۲ حدیث میں آتا ہے کہ دو فرشتے ہر وقت اور ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے اور اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو نیک ہو یا بد، دیکھتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ انسان کی ناپاکی وغیرہ کے اوقات میں جس سے فرشتے طبعی انقباض کی بناء پر اس سے جسماً الگ بھی ہو جاتے ہیں، ان اوقات میں انسان جو کچھ عمل کرتا رہتا ہے اس کی علامتیں کچھ ایسی اُس پر نقش ہو جاتی ہیں کہ فرشتے انہیں کو پڑھ کر انہیں اپنے رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں۔ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ۔ داہنی طرف کا فرشتہ نیکی کے اعمال لکھتا رہتا ہے اور بائیں طرف کا بدی کے اعمال۔ قَعِیۡدٌ۔ یعنی بیٹھے رہنے والے یہ انسانی محاورۂ عادت کے مطابق فرشتوں کی ہمہ وقتی حاضری وموجودگی کے لیے فرمایا گیا ہے۔ بندوں کے اعمال کے احاطۂ کامل کے لیے تو اللہ کی صفت علم محیط وکامل خود ہی بالکل کافی ہے۔ فرشتوں کے اس ہمہ وقتی معیت اور باضابطہ اندراج سے بندوں کے دل میں اس کی اہمیت اور کیفیت استحضار کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ف۱۳ اعمال کے بعد اب ذکر اقوال کا ہو رہا ہے۔ منہ سے ادھر بات نکلی نہیں کہ اُدھر کاتب فرشتوں نے اُسے نوٹ کر لیا۔ بات اگر اچھی ہے تو اُسے بھی اور بری ہے تو اُسے بھی! اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے انسان کی ذمہ داریوں کا، وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے لیے۔ گھنٹے کے ہر منٹ کے ہر پل کے لیے ذمہ دار ہے۔ غفلت کی مہلت اسے ایک پل کے لیے بھی نہیں۔ آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر ہو سکے؟ اللہ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لیے راہِ عمل کتنی آسان کر دی ہے! ف۱۴ یعنی موت کی بیہوشی کا آنا تو بالکل برحق ہے۔ سَکۡرَۃُ۔ کے معنی بیہوشی کے ہیں۔ السكر حالة تعترض بين المرء و عقله (راغب) اس ایک ذرا سے لفظ کے اندر موت کی پوری حقیقت آ گئی۔ موت بذاتِ خود کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ وہ تو نیند کی طرح صرف ایک احساس وادراک کے ذہول کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ نیند کی کیفیت ہلکی اور عارضی ہوتی ہے اور موت کی یہ کیفیت مستقل اور زیادہ قوی ہوگی۔ اس کو 'بیہوشی' حواس دنیوی کی نسبت اور تعلق سے کہا گیا ہے ورنہ اس موت ناسوتی کے طاری ہونے میں معاً دوسرے اور ان سے کہیں لطیف وبرتر قسم کے ہوش وحواس عطا ہو جاتے ہیں۔ ف۱۵ یعنی اس وقت کی آمد سے وحشت کرتا تھا۔ اور اس سے کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ موت سے گریز ایک حد تک امر طبعی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں، جو آخرت سے انکار یا اس عقیدہ میں اشتباہ کی بناء پر، حب دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۶ موت کے بعد اب ذکر قیامت کا شروع ہوا۔ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ۔ نفخ صور سے یہاں مراد نفخ ثانی ہے جس سے سب مردے زندے ہو جائیں گے۔

وَّ شَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا

اور ایک (فرشتہ) گواہ ہوگا وکا تو اس دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾ وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے و۱۸ اور اس کے ساتھ والا (فرشتہ) کہے گا

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾

کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے و۱۹ ڈال دو تم دونوں جہنم میں ہر ایسے شخص کو جو کفر کرنے والا ہو ضد رکھنے والا ہو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ

نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے نکل جانے والا ہو، شبہ رکھنے والا ہو، جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا

اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تجویز کر رکھا ہو سو ایسے کو تم دونوں عذاب سخت میں ڈال دو و۲۰ (تب) اس کے ساتھ والا (شیطان) کہے گا

رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ

اے ہمارے پروردگار میں نے اسے نہیں بھٹکایا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا و۲۱ ارشاد ہوگا

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا

کہ میرے سامنے جھگڑو مت اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا و۲۲ میرے ہاں

يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ

بات نہیں بدل جائے گی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں و۲۳ (اور انہیں یاد دلایئے) وہ دن

نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾

جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ و۲۴

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

وکا یہ دونوں فرشتے وہی کاتب اعمال ہوں گے۔ عرف عام میں انہیں کراما کاتبین کہتے ہیں۔ ان فرشتوں اور ان کی کارروائیوں کا استحضار اگر قلب میں رہے تو انسان سے بھلا کوئی لغزش کسی وقت بھی صادر ہو سکے؟ ان کی طرف سے غفلت ہی تو بڑی چھوٹی ہر برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ و۱۸ (اور آج ہر حقیقت تجھ پر بے پردہ منکشف ہو رہی ہے) یہ خطاب کافر سے ہوگا۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کشف بلا مجاہدہ تو کافروں تک کو حاصل ہو جائے گا۔ سو کشف جو کافروں میں مشترک ہے، مومن کا مطلوب یقیناً نہ ہونا چاہیے۔ و۱۹ یعنی نامۂ اعمال۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک فرشتہ اور ایک شیطان بھی اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ فرشتہ نیکیوں کی راہ دکھاتا رہتا، اور شیطان بدیوں کی راہ سجھاتا رہتا ہے اس آیت میں قول فرشتہ کا نقل ہو رہا ہے۔ و۲۰ یہ سب قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر قسم کے کافر کے لیے۔ اَلْقِيَا۔ اس کے عام معنی تو صیغۂ تثنیہ ہی کے ہیں۔ ''یعنی اے دونوں فرشتو! تم ڈال دو''۔ لیکن اس صیغہ کا ایک استعمال واحد کے لیے بھی بقصد تاکید ہے۔ ایسے موقع پر القیا مرادف الق۔ الق (مکرر) کا ہوتا ہے۔ يجوز ان يكون خطابًا للواحد على وجهين احدهما قول المبرد ان تثنية الفاعل نزلت منزلة تثنية الفعل لاتحادهما كانه قيل الق الق للتاكيد (کشاف) كَفَّارٍ۔ یعنی عقائد حق سے انکار کرنے والا۔ عَنِيْدٍ۔ یعنی حق سے ایسی ضد رکھنے والا کہ اس کے بار بار وضوح کے باوجود بھی اسے قبول نہ کیا۔ مُعْتَدٍ۔ یعنی حدود عبدیت سے باہر نکل جانے والا۔ مُّرِيْبٍ۔ یعنی عقائد دین تک میں شک کرنے والا۔ و۲۱ (اپنے ارادہ و اختیار سے) ہر انسان کے ساتھ جو ایک ہمزاد شیطان ہوتا ہے تو کافر انسان کا شیطان الزام اپنے اوپر آتے دیکھ کر اس کو انسان ہی پر الٹ دے گا اور یہ کہے گا۔ و۲۲ (کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا، خود ابتداءً خواہ کسی کے کہنے سننے سے، سب کی سزا جہنم ہی ہے) یہ اہل دوزخ سے قطع حجت کے لیے کہا جائے گا۔ یعنی اب تم عذر ہی کیا کر سکتے ہو۔ یہ سب کچھ تو تمہیں تمہاری زندگی میں اچھی طرح بتا ہی دیا گیا تھا۔ و۲۳ یعنی آج تو میری زمینی وعیدوں کا بس ظہور ہی ہے، ان کے علاوہ اور کوئی نئی بات نہیں۔ اور ظلم و زیادتی میری طرف سے کسی بندہ پر ذرا بھی نہیں۔ ظَلَّامٍ۔ صیغہ مبالغہ ہے۔ لیکن کبھی محض ظالم یا ذی ظلم کے مرادف بھی آتا ہے۔ ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ ظلام کو اگر صیغۂ مبالغہ کی رعایت سے اس کے عام معنی میں لے کر ''ظالم ترین'' یا شدید ''ظالم'' کا مرادف سمجھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اگر کسی سے پوری طرح آگاہ کیے بغیر ہم مبتلائے عذاب کر دیتے تو اس صورت میں ہمارا شاید ظالم ہونا لازم آتا ہے اور وہ ہم سرے سے ہیں نہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مشرک، جاہلی قوموں نے اپنے بعض دیوی دیوتاؤں کو جلاد اور خونخوار قسم کا سمجھا تھا۔ قرآن مجید حق تعالیٰ کی تنزیہ اس وصف سے بھی پوری طرح کر رہا ہے۔

ع

و۲۴ جہنم کی شدت غیظ ظاہر کرنے کو ہے اور مقصود اس سے کافروں کے دل میں مزید دہشت بٹھانا ہے۔ هَلِ امْتَلَاْتِ۔ یعنی ان کافروں سے جو تیرے اندر پہنچ چکے ہیں، تو بالکل بھر گئی ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

(کہ ہر رجوع ہو جانے والے پابندی رکھنے والے کے لئے ہے وٓ۲۵ (غرض) جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا)

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۨ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ

(اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا (اس کو حکم ہوگا کہ) داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ یہ دن)

الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ

(ہمیشگی کا ہے وٓ۲۶ ان لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے اور ہم ان سے قبل)

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا

(بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور (تمام) شہروں کو)

فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

(چھانتے پھرتے تھے (سو) انہیں کہیں بھاگنے کی جگہ بھی ملی؟ اس (ہلاک) میں اس کے لئے بڑی عبرت ہے)

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ

(جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہے وٓ۲۷ اور)

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ

(ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا)

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

(اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں وٓ۲۸ سو آپ ان کی باتوں پر صبر ہی کیجئے)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

(اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اس کے) چھپنے سے)

الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

(پہلے بھی وٓ۲۹ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی وٓ۳۰)

وٓ۲۵ آیت میں بشارت ہے متقین کو، کہ جنت کو دور ہے لیکن تمہارے لیے نہیں۔ تمہیں وہاں تک پہنچنے میں تو کوئی تعب و مشقت ہوگی نہ توقف و انتظار کرنا ہوگا۔ وہ تو خود ہی تم تک لے آئی جائے گی۔ یہ وعدہ تو بہرحال قطعی ہے۔ رہی اس کیفیت کی تفصیل تو اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ اَوَّابٍ۔ یعنی اللہ اور احکام الٰہی کی طرف دل سے رجوع ہونے والا۔ حَفِيْظٍ۔ یعنی حدود الٰہی کا محافظ۔ اعمال و طاعات کی پابندی کرنے والا۔ وٓ۲۶ یعنی آج کی نعمتوں کو نہ فنا ہے نہ زوال۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں دنیا میں تو سب غیب ہی میں تھیں۔ یہ لوگ دنیا ہی میں ان دھمکیوں کو حقائق جان کر ان سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ وٓ۲۷ یعنی جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سارے حکایات و قصص ذخیرۂ عبرت رکھتے ہی ہیں، باقی جو لوگ محض توجہ سے ان تذکروں کو سن لیں تو ان کے لیے بھی ان کے اندر کافی سامان ہدایت موجود ہے۔ وٓ۲۸ (تو ایسے قادر مطلق و ہمہ تواں کے لیے اعادۂ خلق کیا دشوار ہے؟ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ مراد چھ متعارف دن نہیں، بلکہ محض چھ زمانے یا چھ وقت ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) آیت متعلقہ کے حاشیے۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ دنیا کے کروڑوں مسیحیوں اور یہودیوں کا ایمان آج تک یہ چلا آرہا ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان و زمین کی آفرینش کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ قرآن مجید کو اسی گمراہی کی تردید مقصود ہے۔ توریت مروجہ میں ہے:۔ "خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ (خروج۔ ۲۰: ۱۱)" "چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا"۔ (خروج۔ ۳۱: ۱۷) اور انجیل مروجہ میں ہے:۔ "خداوند نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا"۔ (عبرانیون۔ ۴: ۴) اور اسی کتاب "عبرانیون" میں "آرام" کا یہ تلازمہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔ وٓ۲۹ (کہ اس ذکر الٰہی میں لگے رہنے سے آپ کی توجہ ہی ان کافروں کے معاندانہ اقوال و اعمال کی طرف کم رہے گی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صاف دلالت اس پر ہے کہ شدائد میں تسلی کا قوی ترین ذریعہ اللہ کی طرف توجہ ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ اشارہ نماز فجر کی طرف ہے بمعنی صلاة الصبح (معالم) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ تسبیح سے یہاں مراد نماز ہی ہے۔ اراد به الصلٰوة (جصاص) اے فصل له (ابن کثیر) اے صل حمدًا لله (معالم) وٓ۳۰ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ سجود سے یہاں مراد نماز ہے۔ و قد یعبر به عن الصلٰوة (راغب) اَدْبَارَ السُّجُوْدِ اے ادبار الصلٰوة (راغب) اے و اعقاب الصلٰوت (بیضاوی) وَمِنَ الَّيْلِ۔ رات کی نمازوں میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں۔ حرف من سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ مراد ساری رات نہیں، بلکہ اس کا صرف ایک حصہ، نماز، ذکر و تسبیح کے لیے مخصوص کر لینا کافی ہے۔ اے اصرف من اللیل طرفًا الی التسبیح (کبیر) اے و سبحه بعض اللیل (بیضاوی) فَسَبِّحْهُ۔ تسبیح سے یہاں مراد فرض نمازوں کے بعد کے نوافل و اوراد و اذکار لیے گئے ہیں۔ و هو التسبیح بعد الصلٰوة لان التسبیح تنزیه لله عما لا یلیق به و الصلٰوة تشتمل علی قراءة القراٰن و الاذکار هی تنزیه لله تعالٰی (جصاص)

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾

اور سن رکھو (اے مخاطب) کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا،

يَّوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾

جس دن اس چیخ کو بالیقین (سب) سن لیں گے وہ نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے) ف۳۱

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ

بے شک ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف بازگشت ہے ف۳۲ جس روز زمین

الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾

ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے (بنا کر) نہیں (بھیجے گئے) ہیں،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

سو آپ قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہئے اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہو ف۳۳

ع ۱۷

آیاتها ٦٠ ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ٦٧ رکوعاتها ٣

اس کی ساٹھ آیتیں — سورۂ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ

قسم ہے اڑانے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی، پھر نرمی سے چلنے والی

يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾

کشتیوں کی، پھر چیزیں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل برحق ہے

ف۳۱ ذکر صور کے نفخۂ اولیٰ کا ہے۔ الْمُنَادِ۔ یہ ندا دینے والے حضرت اسرافیل فرشتہ ہیں۔ حدیث صحیح کے بموجب قیامت کے بپے نفخ صور کی خدمت انہیں سے متعلق ہے۔ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ۔ وہ آواز اتنی بلند ہوگی کہ کوئی مقام ان کے لیے کہیں سے بھی دور نہ ہوگا جو آواز بھی پاتا صاف ہو کر پہنچے، ہر شخص کے پاس خواہ وہ کہیں بھی ہو، یکساں قوت کے ساتھ پہنچے گی۔ ف۳۲ یہ سب گمراہ و جاہل قوموں کے عقائد کی تردید اور اس امر کے اثبات میں ہے کہ پیدا کرنے والا، پالنے والا، ہلاک کرنے والا، اور پھر حشر میں فیصلہ صادر کرنے والا وہی ایک اور اکیلا پروردگار ہے۔ ان سب کے لیے کوئی الگ الگ دیوتا یا خدا موجود نہیں۔ ہندوؤں نے تخلیق کائنات برہما جی کے ذمہ اور ربوبیت وشنو جی کے ذمہ اور ہلاک و افنا شیو جی کے ذمہ ڈالا ہے۔ اور مسیحیوں نے حشر میں فیصلہ مسیح ابن اللہ کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ف۳۳ یعنی تذکیر نافع صرف اسی کو ہوگی، باقی سب کو ہدایت پر لے آنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ سو اختیار سے باہر چیز کا غم نہ کیجئے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ۔ یعنی انکار قیامت سے متعلق یہ لوگ جو کچھ بکتے رہتے ہیں۔ وہ سب ہم پر خوب روشن ہے اور ہم ہی انہیں پوری سزا دینے کے لیے بھی کافی ہیں۔ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ یعنی آپ تو صرف مبلغ، معلم، منذر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ فَذَكِّرْ ... وَعِيدِ۔ قرآن مجید کے مضامین سے وعظ و تذکیر کے مخاطب سب ہی ہیں۔ البتہ اس سے نفع یاب وہی ہوں گے، جن کے دلوں میں پہلے سے خوف خدا موجود ہے۔

ولے (اس لیے تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کی ذمہ داری پوری محسوس کرے) قرآن مجید کے پیش نظر ایک ایسی اُمت تیار کرنا ہے۔ جس کا ہر ہر فرد اپنے ایک ایک عمل میں زندگی کے ایک ایک جزئیہ میں، اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس رکھتا ہو۔ اور کسی حال میں اس کے قدم کو لغزش نہ ہو — انسان کو ہر وقت صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے حشر کا اعتقاد ہی نہیں، بلکہ اس کا استحضار بھی لازمی ہے۔ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا۔ مراد وہ ہوائیں ہیں جو غبار وغیرہ اڑاتی رہتی ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے لدے رہتے ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ مراد وہ فرشتے ہیں جو مخلوقات میں مادّی و غیر مادّی ہر طرح کی تقسیمات بامرالٰہی کرتے رہتے ہیں۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ۔ یعنی جس روز حشر کی آمد کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ برحق ہے۔ کائنات کے یہ سارے انتظامات جو ہواؤں، بادلوں، کشتیوں اور فرشتوں کے ساتھ اس انضباط و اہتمام کے ساتھ ہر وقت ہوتے رہتے ہیں، اس پر برہان قاطع ہیں کہ یہ ناسوتی زندگی بے مقصد نہیں ضرور اس کے ہر تصرف، ہر تغیر میں کوئی نہ کوئی مقصد رکھا ہے۔ حشر نام ہے اہم ترین مقصد کا۔ حشر نہ ہو تو یہ سارا انتظام و اہتمام ہی بالکل بے مقصد اور اکارت ہوا جاتا ہے — اور یہی مقصود قرآنی قسموں کا ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ۳۰، سورۃ الفجر کا ضمیمہ ”اقسام قرآنی“۔ بعض اہل اشارات نے لکھا ہے کہ آگے چونکہ ذکر حشر ہی کا آ رہا تھا۔ اس لیے یہاں قسم کے ذریعہ سے شہادت میں بھی ایسی ہی چار چیزیں پیش کی گئیں جن سے اشارہ فنا، انتشار اجزاء، اعادہ اور ترکیب کے مدارج چہارگانہ کی طرف نکلتا ہے۔ وٹ (عقیدہ حشر سے متعلق کہ کوئی تو اس عقیدہ کی تکذیب ہی کر رہا ہے، اور کوئی اس کے متعلق تذبذب اور گومگو میں پڑا ہوا ہے، اور کسی نے اس سے دنیا میں نیا جنم مراد لے کر اسے مسخ ہی کر ڈالا ہے) ذَاتِ الْحُبُكِ۔ ان راستوں سے مراد فرشتوں کے چلنے پھرنے کے علاوہ ستاروں کی گردش کے بھی مدار یا راستے لیے گئے ہیں۔ هي ذات الطرائق فمن الناس من تصور ههنا الطرائق المحسوسة بالنجوم و منهم من اعتبر ذلك بما فيه من الطرائق المعقولة المدركة بالبصيرة (راغب) لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ۔ ایک مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم لوگ قرآن اور رسول کے متعلق مختلف اقوال اور مضطرب آراء کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ اے في القرآن و في محمد ﷺ (معالم) في الرسول ﷺ او في القرآن (بیضاوی) وٹ (راہ خیر و سعادت سے) عَنْهُ۔ ضمیر عقیدۂ وقوع قیامت کی جانب ہے۔ وٹ (اور یہ غفلت چونکہ اختیاری سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر مواخذہ بھی ہے) الْخَرّٰصُوْنَ۔ خرّاص۔ حقیقۃً وہ شخص ہے جو بغیر کسی دلیل قطعی کے، یوں ہی ظن و تخمین سے کام لیتا رہے خواہ اتفاق سے کبھی اس کا گمان صحیح بھی ثابت ہو جائے۔ كل قول مقول عن ظن و تخمين يقال خرص سواء كان مطابقًا للشيء او مخالفًا له (راغب) کثرت سے ”قدیم معقولی“ اور ”جدید فلسفی“ با علم و تحقیق الٰہیات پر رائے زنی کرنے والے۔ خرّاصون ہی کے تحت میں آتے ہیں۔ وٹ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ یہ جواب اس طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق محض اس بناء پر کہ تاریخ اور وقت نہیں بیان کیا گیا ہے۔ طنزاً یہ کہتا ہے کہ اچھا تو وہ دن آخر کب آئے گا؟ يَسْئَلُوْنَ۔ یہ سوال بطور طنز و استہزاء کے ہوتا تھا۔ وٹ (تو ایسوں کو جنت بھلا کیوں نہ ملتی؟) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی دنیوی زندگی میں۔ وٹ (اور رات کا معقول حصہ ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت ہی میں صرف کیا کرتے تھے) یہ مراد (نعوذ باللہ) تو نہیں ہو سکتی کہ راتوں کو سینما اور تھیٹر، ناچ و رنگ اور طرح طرح کی رنگ رلیوں اور فحش کاریوں میں جاگ جاگ کر برباد کرتے تھے۔ جو لوگ شب میں نوافل تک کے لیے یہ اہتمام رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائی کا وہ شب و روز کیا التزام رکھتے ہوں گے۔ وٹ یعنی کمال پر کمال یہ تھا کہ باوجود اس اہتمام عبادت کے نظر اپنی عبادت پر نہ تھی، بلکہ اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا ہی سمجھتے تھے۔ کیا ٹھکانہ ہے خشیت قلب کا! رات کا بیشتر حصہ جاگ جاگ کر عبادت میں کاٹ دیتے ہیں اور سحر کے وقت استغفار اس طرح کرتے ہیں کہ گویا رات عبادت میں نہیں، جرم و معصیت میں گزاری ہے۔ وٹ یعنی ایسے التزام و اہتمام سے اُن کو دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ اُن کا کچھ تھا۔ السَّآئِلِ۔ وہ جو منہ سے سوال کرے۔ الْمَحْرُوْمِ۔ وہ جو منہ سے سوال نہ کرے مگر ہو حاجتمند۔ ان نفل طاعتوں اور عبادتوں کے ذکر سے مقصود ان کے ثمرات عالیہ کا اظہار کر دینا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جنات، عیون کے انعامات بغیر اُن کے ملیں گے ہی نہیں۔

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ

اور جزا ضرور ہی ہونے والی ہے وا قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم

لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ قُتِلَ

مختلف گفتگوؤں میں (پڑے) ہو وٹ اس سے پھرتا وہی ہے جسے پھرنا ہی ہوتا ہے وٹ غارت ہوں

الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝

اٹکل پچو باتیں بنانے والے جو کہ غفلت (جہالت) میں بھولے پڑے ہیں وٹ

يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہو گا؟ یہ دن (وہ ہو گا) جب وہ لوگ آگ پر

يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

تپائے جائیں گے، اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝

جلدی مچایا کرتے تھے وٹ بے شک پرہیزگار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے،

اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

لے رہے ہوں گے جو اُن کے پروردگار نے انہیں عطا کیا ہو گا، بے شک یہ لوگ اس کے قبل

مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝

نکوکار تھے ولا رات کو بہت کم سوتے تھے وٹ

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ

اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے وٹ اور ان کے مال

حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ

میں حق ہوتا تھا سوالی اور غیر سوالی (سب) کا وٹ اور زمین میں (بہت سی)

لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ف۱۰

وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، ف۱۱ سو قسم ہے آسمانوں اور

وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے (اسی طرح) جیسے کہ تم بات چیت کر رہے ہو ف۱۲

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ

کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟ ف۱۳ جب کہ

دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

وہ ان کے پاس آئے، پھر (اُن کو) سلام کیا (انہوں نے بھی) کہا سلام (یہ) انجان لوگ (تھے) ف۱۴

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ

پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے پھر اسے اُن کے پاس لا کر رکھا

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا

(اور) کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ف۱۵ پھر آپ اُن سے دل میں خائف ہوئے وہ بولے

لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

آپ ڈریئے نہیں، اور اُن کو ایک بڑے عالم لڑکے کی بشارت دی ف۱۶ اتنے میں ان کی بیوی بولتی

فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

پکارتی ہوئی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں کہ بڑھیا بانجھ (کے اولاد) ف۱۷

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

وہ بولے کہ آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف۱۸

ف۱۰ یعنی انسان اگر خود اپنے حالات ظاہری و باطنی کا جائزہ لیتا رہے، اگر آیات آفاقی و انفسی پر غور کرتا رہے تو وقوع حشر کی ضرورت کا وہ ضرور قائل ہو جائے گا۔ لِلْمُوْقِنِيْنَ۔ یعنی اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں یقین کی طلب اور حق کی جستجو ہے۔ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ۔ یعنی وقوع قیامت و جزاء کے آفاقی دلائل و شواہد۔ دنیا میں جتنے بھی علوم و فنون نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہیں؟ موجودات عالم اوران کے مختلف اصناف کے متعلق قاعدے اور کلیے ہی تو ہیں۔ آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے سے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی چیزیں جو کچھ بھی کائنات میں ہیں۔ سب کیسی قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ تو یہ سارا عقلوں کو حیران کرنے والا، عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہاء وسیع انتظام جس کے اندر بخت و اتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں، یہ سب ایک کردگار حکیم و مختار کے وجود کے دلائل و شواہد نہیں تو اور کیا ہیں؟ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی وقوع قیامت و جزاء کے انفسی دلائل و شواہد۔ انسان اگر خود اپنے ہی جسم اور اعضاء جسم کی حکیمانہ ترکیب و تناسب پر اور اپنے ہی ذہن و عقل کی انتہائی حکیمانہ ترتیب و ساخت پر غور کرنا شروع کرے تو اس کا دل اور دماغ دونوں گواہی دینے لگیں گے کہ یہ ساری صنعت گری بجز ایک حکیم مطلق کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ کا جو عطف فِي الْاَرْضِ پر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفیہ کا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل محض ہے۔

ف۱۱ یعنی قیامت کا۔ وَفِي السَّمَآءِ۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رزق مقدر کا اور قیامت کا سب کا علم لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ لیکن عام طور پر مفسرین نے معنی یہ لیے ہیں کہ اسباب رزق (مثلاً بارش) وغیرہ کا اصلی نزول آسمان ہی سے ہوتا ہے۔ ف۱۲ یعنی جس طرح تم اپنی بات چیت میں کبھی شک و شبہ نہیں کرتے، وقوع قیامت کو بھی یقینی اور قطعی سمجھو۔ اِنَّهٗ۔ یعنی یہی وقوع قیامت و جزاء و سزا۔ اي ان ما وعدتم به من امر القيامة، البعث والجزاء كائن لا محالة و هو حق لا مرية فيه (ابن کثیر) یا یہ کہ اُوپر جو کچھ مذکور ہو چکا ہے۔ سب کی طرف یہ ضمیر اشارہ کر رہی ہے اور تابعی ابن جریج سے یہی منقول ہے۔ عن ابن جريج ان جميع ماذكرناه من اول السورة الى هنا الحق (روح) ف۱۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ مع حواشی متعلقہ کے پیشتر بھی گزر چکا ہے۔ الْمُكْرَمِيْنَ۔ فرشتے عنداللہ تو مکرم و معزز ہیں ہی، بحیثیت مہمان کے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں بھی معزز تھے۔ اي مكرمين عندالله او عند ابراهيم (بیضاوی) اي عندالله عز وجل كما قال الحسن او عند ابراهيم كما في بعض الآثار (روح) و انما وصفهم بالمكرمين اما لكونهم عبادًا مكرمين واما لا كرام ابراهيم عليه السلام اياهم (کبیر) حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ۔ امام احمد بن حنبل اور بعض فقہاء نے آیت سے مہمانداری کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وقد ذهب الامام احمد و طائفة من العلماء الى وجوب الضيافة للتنزيل و قد وردت السنة بذالك كما هو ظاهر التنزيل (ابن کثیر) ف۱۴ (ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں) یعنی آپ نے انہیں پہچانا نہیں، محض اجنبی مہمان سمجھ کر اُن سے صاحب سلامت کی۔ یہ فرشتے انسانی لباس میں تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۂ ہود (پ۱۲) کے حاشیے۔ ف۱۵ فرشتے جو انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان تھے۔ انہوں نے آپ کے اصرار کے بعد بھی آپ کے پیش کیے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ۔ آپ نے ان تازہ وارد مہمانوں کو دیکھتے ہی ایک خوب تیار تلے ہوئے یا پکے ہوئے بچھڑے سے اُن کی میزبانی کی۔ ف۱۶ یعنی اسحٰق نبی کی۔ فرشتوں نے پہلے تو آپ کو تسلی دی کہ آپ ہم سے بدگمان و خائف نہ ہوں، ہم انسان نہیں، فرشتے انسانی قالب میں ہیں، پھر اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے، عجب نہیں جو یہاں صفت علم کا انتساب نبی کی جانب اسی لحاظ سے کیا ہو۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً۔ آپ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ قزاق و رہزن تو نہیں ـــ اُس دور تمدن میں ایک دستور یہ تھا کہ قزاق یا رہزن جس کسی پر غارتگری کرنا چاہتے تھے، اُس کا نمک کھانے سے احتراز رکھتے تھے۔ ف۱۷ یہ آپ نے کمال تعجب سے فرمایا کہ ایک تو میں بوڑھی اور پھر عقیم، میرے اولاد ہونے کی کیا صورت ہے؟ فَاَقْبَلَتِ .... صَرَّةٍ۔ حضرت سارہ جواب تک پردہ کی آڑ میں تھیں۔ یہ سن کر یک بیک سامنے آگئی تھیں۔ ف۱۸ فرشتوں نے جب دیکھا کہ حضرت سارہ پر عالم اسباب ہی کی رعایت غالب ہے۔ تو جھٹ یہ یاد دلا دیا کہ یہ فرمان تو حضرت حق کے ہاں سے جاری ہو چکا ہے ـــ وہی حضرت حق، جن کی حکمت اور جن کا علم ہر مخلوق کی حکمت اور علم پر غالب ہے ـــ خاندان نبوت کے ایک رکن کے لیے یہ استحضار کافی سے زائد اور ہر دلیل سے قوی تر تھا۔

الحمدللہ کہ اس چھبیسویں پارہ کے ترجمہ و تفسیر کی نظر ثانی سے یوم شنبہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قبل عصر فراغت پائی اور نظر ثالث سے آج یکشنبہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۵۰ء کو بعد نماز چاشت۔

و۱۹ آپ نے فراستِ نبوت سے سمجھ لیا تھا کہ یقیناً کسی اور اہم مقصد کے لئے یہ ملائکہ کی سفارت روانہ ہوئی ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کا یہ قول مکالمۂ حضرت سارہ کے قبل مذکور ہے۔ اور یہاں بعد مکالمہ کے مذکور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول مکالمۂ سارہ سے قبل ہی ادا ہوا ہے۔ اور چونکہ یہاں کوئی حرف ترتیب کا نہیں۔ اس لئے ترتیب ذکری سے ترتیب وقوعی پر استدلال نہ کیا جائے گا۔ اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ (تھانوی ؒ) خطب۔ اس اہم مقصد کو کہتے ہیں جس میں تخاطب کی ضرورت کثرت سے ہوتی ہے۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب (راغب) اور یہاں تو فرشتے ہی اس مشن کے حامل خصوصی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے قدرۃً ابراہیم خلیل پیغمبر کو اس سفارت کی عظمت کا خیال پیدا ہوا۔ واما الخطب فھو الامر العظیم عظم الشان یدل علی عظم من علی یدہ ینقضی (کبیر) و۲۰ (اور وہ ایک گھر حضرت لوط پیغمبر کا تھا) قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ۔ ذکر حضرت لوط علیہ السلام کی بے دین و بدعمل قوم کا ہے ...... مفصل حاشیے کئی بار گزر چکے۔ فَاَخْرَجْنَا ...... الْمُسْلِمِیْنَ۔ اس بستی بھر میں کوئی دوسرا شریف و مومن بجز حضرت لوط پیغمبر کے گھرانے کے اور تھا ہی نہیں۔ حضرت لوط حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہما السلام) کے بھتیجے تھے، اور شرق اردن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ لِنُرْسِلَ ...... لِلْمُسْرِفِیْنَ۔ اس شامت زدہ قوم کی ہلاکت آسمانی پتھراؤ سے ہوئی تھی۔ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ابھی ابھی ان کے لئے لفظ المومنین کا آ چکا تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ اسلام (باصطلاح شرعی) اور ایمان باہم مرادف ہیں۔ فیہ دلیل علی ان الایمان والاسلام واحد (مدارک) واستدل بالآیۃ علی اتحاد الایمان والاسلام للاستثناء المعنوی (روح) لیکن امام رازی علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ لفظ مسلم مومن سے عام تر ہے اور لفظ عام کا خاص پر برابر اطلاق ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس سے دونوں کا اتحادِ مفہوم لازم نہیں آتا اور اس کی تائید مفسرین محققین اہل سنت نے بھی کی ہے۔ والدلالۃ علی ان المسلم بمعنی المؤمن ظاھرۃ والحق ان المسلم اعم من المؤمن واطلاق العام علی الخاص لا مانع منہ فاذا سمی المؤمن مسلمًا لایدل علی اتحاد مفھومھما (کبیر) فالاستدلال بھا علی اتحاد ھما فیہ ضعیف (روح) وقال الرمانی الآیۃ تدل علی ان الایمان ھو الاسلام وکذا قال الزمخشری وھما معتزلیان (بحر) واستدل بہ علی اتحاد الایمان والاسلام وھو ضعیف لان ذٰلک لا یقتضی الا صدق المؤمن والمسلم علی من اتبعہ وذٰلک لا یقتضی اتحاد مفھومھما لجواز صدق المفھومات المختلفۃ علی ذات واحدۃ (بیضاوی) وھذا الاستدلال ضعیف لان ھٰؤلاء کانوا قومًا مؤمنین وعندنا ان کل مؤمن مسلمٌ ولا ینعکس فاتفق الایمان ھھنا لخصوصیۃ الحال ولا یلزم ذٰلک فی کل حال (ابن کثیر) و۲۱ (چنانچہ عذابِ الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس قوم کی داستانِ ہلاکت سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں) بحر مردہ یا بحر لوط، اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحب دل کو داستانِ عبرت سنا رہے ہیں۔ و۲۲ یعنی معجزات صریح و واضح دے کر۔ سلطان کا اطلاق واحد و جمع دونوں پر آتا ہے۔ ھو ما ظھر علی یدیہ من المعجزات الباھرۃ والسلطان یطلق علی ذٰلک مع شمولہ للواحد والمتعدد لانہ فی الاصل مصدر (روح) و۲۳ (اور مستحق عذاب) بِرُکْنِہٖ۔ اپنی قوت یا اپنے ساز و سامان کے زعم و پندار میں۔ رکن کے معنی قوت یا ساز و سامان کے بھی آتے ہیں۔ اور اس ترکیب کو مان کر ب با تعدیہ ہوگی۔ یستعار للقوۃ (راغب) قیل بقوتہ و سلطانہ (بحر) والرکن ما یرکن الیہ الانسان من مال و جند (مدارک) "اپنے زور پر" (شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی)۔ والباء للتعدیۃ حینئذٍ بمعنی فقوی بجندہ (کبیر) رکن کے معنی قوم کے بھی لیے گئے ہیں۔ اس صورت میں ب باء مصاحبۃ ہوگی، اور ترجمہ ہوگا "مع اپنی قوم کے"۔ الباء للمصاحبۃ والرکن اشارۃ للقوم (کبیر) وَھُوَ مُلِیْمٌ۔ یعنی یہ سزائے غرقابی اس کے حق میں ظلم ذرا سی بھی نہ تھی۔ مُلِیْمٌ۔ اسم فاعل یہاں اسم مفعول یعنی ملوم مستحق ملامت کے معنی میں ہے۔ الام ای استحق اللوم (راغب) ھو ملیم ای ھو ملوم (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں قرآن مجید کی دوسری آیت نقل کر کے جس میں یہی لفظ وَھُوَ مُلِیْمٌ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بطن حوت سے نجات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ استنباط یہ کیا ہے کہ مومن کا گناہ تو ظہور یاس کے وقت مغفور رہتا ہے۔ لیکن کافر کا ایمان غیر مقبول۔ فذنب المؤمن وقت ظھور الیاس مغفور و ایمان الکافر غیر مقبول (کبیر) اَوْ۔ کلمہ اَوْ ہمیشہ شک و اشتباہ ہی کے موقع پر نہیں آتا۔ ابہام کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مفہوم میں آیا ہے۔ ابوعبید لغوی ونحوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہاں اَوْ واؤ عاطفہ کا مرادف ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں باتیں کہی تھیں۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ

(ابراہیم نے) کہا (اچھا) تمہیں کیا بڑی مہم درپیش ہے (اے آسمانی) قاصدو و۱۹ وہ بولے کہ ہم

اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں جن پر

مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾

آپ کے پروردگار کے پاس نشان خاص بھی پڑے ہوئے ہیں، حد سے نکل جانے والوں کے لئے

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا

تو ہم نے جتنے اہل ایمان تھے ان کو وہاں سے الگ کر دیا، سو ہم نے وہاں

وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا

بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (کوئی گھر مسلمانوں کا) نہ پایا و۲۰ اور ہم نے

فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ

اس (واقعہ) میں ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے رہنے دی جو عذاب دردناک سے ڈرتے رہتے ہیں و۲۱ اور

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾

موسیٰ (کے قصہ) میں بھی (نشانی ہے) جب کہ ہم نے انہیں فرعون کے پاس بھیجا، ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر و۲۲

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ

لیکن اُس نے اپنی قوت (کے زعم) میں سرتابی کی اور کہنے لگا یہ ساحر یا مجنون ہیں، سو ہم نے اس کو

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ

اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ تھا ہی قابل ملامت و۲۳ اور عاد (کے قصہ میں بھی عبرت ہے)

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ

جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر بھی

شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾ وَ فِيْ ثَمُوْدَ

گزرتی تھی اُسے ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔ ف۲۴ اور ثمود (کے قصہ میں بھی

اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ

عبرت ہے) جبکہ ان لوگوں سے کہا گیا کہ کچھ دن اور چین کر لو، پر انہوں نے اپنے پروردگار کے

رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا

حکم سے سرکشی کی، سو انہیں عذاب نے آ لیا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے ف۲۵ سو نہ تو

اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾

وہ کھڑے ہی ہو سکے اور نہ (ہم سے) بدلہ ہی لے سکے

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾

اور (ان سے) بہت پہلے قوم نوح (کا بھی یہی حال ہو چکا تھا) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ الْاَرْضَ

اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں ف۲۶ اور زمین کو

فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ہم نے فرش بنایا ف۲۷ سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى

دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو ف۲۸ بس تم اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾ وَ لَا تَجْعَلُوْا

دوڑو، میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ف۲۹ اور اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥١﴾

کوئی اور معبود مت قرار دو میں تمہارے لئے اُس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ف۳۰

ف۲۴ (اور یہی اس آندھی کا نامبارک ہونا تھا) طوفان باد قوم عاد پر اس غضب کا آیا تھا کہ اس سے وہاں کی ہر قابل ہلاک چیز کی ہلاکت کامل واقع ہوگئی تھی — قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ ف۲۵ قوم ثمود۔ حضرت صالح علیہ السلام کی سرگذشت کئی بار قرآن مجید میں آ چکی ہے اور حاشیے وہیں گزر چکے ہیں۔ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ۔ اس قول کے قائل پیمبر وقت حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ۔ یعنی اگر کفر و سرتابی سے باز نہ آئے تو یہ دنیوی عروج و اقبال چند ہی روز کا مہمان ہے اور اس کے بعد پھر ہلاکت ہی ہلاکت۔ ف۲۶ (سو کسی مذہب والے کا حق تعالیٰ کی صفت قدرت کو محدود جاننا صد درجہ نادانی و جہل ہے) بِاَيْىدٍ۔ ید۔ کے معنی قوت کے ہیں۔ قرآن مجید ہی میں متعدد بار اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اولی الایدی والابصار۔ واذکر عبدنا داود ذاالاید۔ چنانچہ یہاں بھی یہی معنی بلا تکلف ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة بقوة (روح) والاید القوة هذا هوالمشهور (کبیر) ای بقوة قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والثوری وغیر واحد (ابن کثیر) آیت سے مسائل ذیل بھی روشنی میں آ گئے، اور ہر ہر مسئلہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کے مقابل جاہلی مشرکانہ خیال کی تردید بھی ہو گئی:۔ (۱) آسمان ساری دوسری مخلوقات کی طرح حادث و مخلوق ہی ہے، قدیم وغیر مخلوق نہیں۔ (۲) آسمان نہ دیوتا ہے نہ کسی دیوی، دیوتا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی کا خلق کیا ہوا ہے۔ (۳) حق تعالیٰ کی قدرت تخلیق آسمان کی تخلیق سے بھی بڑھ کر چیزوں پر قادر ہے۔ ف۲۷ زمین کی اصل ہیئت، علماء ہیئت کی تحقیق میں کروی، بیضوی، جیسی کچھ بھی ہو، یہاں اس سے مطلق تعرض نہیں۔ انسان بہرحال و بہرصورت اس کی سطح پر چلنے پھرنے کا کام لیتا ہے اور اس کے اسی وصف کو یہاں بیان کیا، ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ ۱) آیۃ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا پر حاشیہ، زمین نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کی مخلوق جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ساری دوسری مخلوقات کی طرح اللہ ہی کی ایک مخلوق۔ ف۲۸ (اور غور و فکر سے کام لے کر اس حکمت و صناعی سے استدلال توحید پر کرو)۔ زَوْجَيْنِ سے یہاں مراد متقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت وقس علی ہٰذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔ ف۲۹ (اور میری ساری تنبیہوں کا خلاصہ بس یہی ہے کہ شرک والحاد چھوڑ کر توحید کی راہ پر قائم ہو جاؤ) فَفِرُّوْٓا۔ ف تعقیب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اتنی مشرک گمراہ قوموں کے تذکرے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان سن لینے کے بعد اب تو سارے عالم سے بھاگ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ لفظ فرار سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ توجہ الی اللہ خوب شوق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا موقع توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کا ہے اور دوسرا سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کا۔ ف۳۰ (اور میری تبلیغ اور تاکید یہی ہے کہ شرک کے ہر پہلو سے دستبردار ہو جاؤ) اِنِّيْ ..... مُّبِيْنٌ۔ آیت کی تکرار تاکید کلام کے لئے ہے۔ جوش بیان کے وقت تکرار کلام ہر خطیب و انشاء پرداز کی زبان پر آ جاتی ہے اور اثبات توحید سے بڑھ کر اور کونسا موقع جوش بیان کا قرآن مجید کے لئے ہو سکتا ہے۔ تکریر للتاکید (بیضاوی) لیکن شاید زیادہ مناسب ہو اگر یہ کہا جائے کہ آیت ماقبل میں یہ جملہ توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کے لئے تھا اور اب جو اس کی تکرار ہوئی ہے وہ سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ وکررانی لکم منه نذیر مبین عند الامر بالطاعة والنهی عن الشرک (روح)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیمبر ایسا نہیں آیا

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ

جسے انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں؟ نہیں بلکہ

هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

یہ لوگ (سب کے سب) ہوتے ہی سرکش ہیں ف۳۱ تو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے کیونکہ آپ پر

بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کوئی الزام نہیں، اور (انہیں) سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو ف۳۲

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ

اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں ف۳۳ میں

اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ

اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے ف۳۴ قوت والا ہے مضبوط ہے ف۳۵ سو جو

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ

یہ ظالم لوگ ہیں ان کی بھی باری ہے جیسے ان کے ہم مشربوں کی باری تھی،

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

سو یہ لوگ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ف۳۶ غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے

يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

بڑی خرابی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

ف۳۱ یہاں خطیبانہ انداز میں پہلے تو سوال قائم کیا ہے کہ جس تسلسل وتواتر کے ساتھ شروع سے اب تک انبیاء کرام کی مخالفت ہوتی آئی ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اب تک پہلی نسل اپنی پچھلی نسل کو اس کی وصیت ہی کرتی چلی آئی ہے، تو کیا ایسا ہی ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں، بلکہ طغیان وسرکشی سب میں مشترک رہی ہے اور وہی تکذیب وانکار کی محرک رہتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ مراد ظاہر ہے کہ پرانی کافر قومیں ہیں۔ كَذٰلِكَ ... مَجْنُوْنٌ۔ پوری آیت میں تسکین وتسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ آپ سے قبل ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ تکذیب وانکار کا پیش آچکا ہے اور اسے ساحر ومجنون کے خطاب مل چکے ہیں۔ ف۳۲ (اور منکروں پر اتمام حجت کرتا رہتا ہے) گو یہ تذکیر وتبلیغ نافع بہرحال، بہرصورت ہے، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ فَتَوَلَّ ... بِمَلُوْمٍ۔ یعنی آپ ان کی مخالفت کی پروا اور غم زیادہ نہ کیجئے۔ آپ کے فرائض میں یہ تو کسی سے داخل نہیں کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور ہی کریں۔ ف۳۳ عبادت۔ سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنجگانہ مراد نہیں، بلکہ اپنے وسیع وعام مفہوم میں طلب رضاء الٰہی کے مرادف مراد ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق اللہ پر شفقت..... دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ کی ادائی، حقوق العباد کی ادائی۔ **ما العبادة التی خلق الجن والانس لها فلنا التعظیم لامر الله والشفقة علی خلق الله فان هذین النوعین لم یخل شرع منهما** (کبیر) الْجِنَّ وَالْاِنْسَ۔ مخلوقات میں یہ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساس ذمہ داری رکھ دیا ہے۔ اور ان کے اندر ابتلاء واختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں۔ بخلاف فرشتوں کے جو ابتلاء سے خالی رکھے گئے ہیں۔ اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ پوری طرح پر ذمہ دار ہستیاں بنا کر یہی دو مخلوق دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ ان کی اپنی تکمیل ذات کے لئے یہ لازمی ہے کہ یہ جو کچھ بھی کریں عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھائیں پئیں، بولیں چالیں، چلیں، پھریں، کمائیں، خرچ کریں، ہر فعل ہر عمل سے مقصود اصلی رضاء الٰہی کا حصول ہی رکھیں۔ اپنے وجود کی غنت غائی اسی کو سمجھیں، یہی معنی ہیں ان کی عبادت کے۔ عبدیت وعبادت سے خود انسانیت ہی کو پورے نشو ونما کا موقع ملتا ہے۔ اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی، اسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل ناتمام رہے گا۔ لِيَعْبُدُوْنِ۔ لِ تعلیل کا ہے۔ لیکن مقصود تخلیق سے اشارہ غرض وغایت تشریعی کی جانب کرتا ہے، نہ کہ مقصد تکوینی کی جانب۔ ف۳۴ (نہ یہ کہ کوئی اسے کھلائے پلائے، کوئی اس کا سہارا بن جائے) عبد ومعبود، بندہ وخالق کے باہمی تعلق کے باب میں یہ عقیدہ مشرک قوموں میں کثرت سے شائع رہا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ خدا کا کام یہ ہے کہ بندوں کو روزی دے، ان کے لئے پانی برسائے، ان پر ہوا چلائے، انہیں روشنی دے، گرمی پہنچائے، اور بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے آگے نذرانہ پیش کرتے رہیں، اس کے سامنے بھینٹ چڑھاتے رہیں، اس کے استھانوں پر چڑھاوے چڑھاویں، وہ بھوکا ہو تو یہ اسے کھانے پینے کو دیں وقس علی ہذا۔ قرآن نے آکر اس نظریۂ شرک پر ضرب لگائی اور توحید کا نعرہ لگا کر کہا کہ یہ کیا واہیات خرافات ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہر قسم کی حاجت سے بری ہے۔ وہ کسی معنی میں بھی کسی کا محتاج نہیں، وہ غنی کامل ہے۔ اس نے جو تمہیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ وہ خود تمہاری ہی تکمیل کے لئے ہے ورنہ اسے کسی رزق کی کیا حاجت ہے۔ اس کے متعلق ایسا گمان رکھنا اسے خدائی کے مرتبہ سے نعوذ باللہ معزول کر دیتا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۳۵ (اور اس میں عجز، ضعف اور اور کسی قسم کی احتیاج کا احتمال عقلی ہی نہیں) ان تمام صفات الٰہیہ کا اثبات مشرک، جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کی تردید میں ہے۔ ف۳۶ (وہ عذاب موعود) یعنی عذاب الٰہی تو اپنے وقت پر حکمت الٰہی کے موافق اور مصلحت ربانی کے ماتحت ہی آ کر رہے گا۔ کسی کے جلدی مچانے سے کیا ہوتا ہے۔ اِنَّ ..... ذَنُوْبًا۔ یعنی علم الٰہی میں ان منکرین ومکذبین کے عذاب کے لئے بھی ایک وقت مقرر وموعود ہے۔ یہ لوگ اسے سن رکھیں۔ مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ۔ اس میں اس اصولی حقیقت کا بیان آ گیا کہ گناہوں میں مماثلت سزا میں بھی مماثلت کی مقتضی ہے۔ اَصْحٰبِهِمْ۔ مراد گذشتہ پر قوت قومیں ہیں، جو اسی انکار وکفر کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ **نظرائهم فی الامم السالفة** (بیضاوی، روح) **اصحابهم الذین اهلکوا من قوم نوح وعاد وثمود** (معالم)

آیاتہا ۴۹ | ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ | رکوعاتہا ۲

اس کی انچاس آیتیں — سورۂ طور مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳

قسم ہے پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ میں

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ

اور بیت معمور کی اور اونچی چھت کی اور پانی سے

الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ

لبریز سمندر کی کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا ف۱ کوئی بھی اُسے ٹال

دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ

نہیں سکتا، (یہ اُس روز ہو گا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ چھٹ چھٹ

سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ

جائیں گے ف۲ سو بڑی شامت اُس روز جھٹلانے والوں کی ہے جو بیہودگی کے ساتھ

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ

مشغلہ (تکذیب) میں لگے ہوئے ہیں یہ وہ دن ہو گا جب انہیں دھکیل دھکیل کر آتش دوزخ کی طرف

دَعًّا ۝۱۳ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴

لائیں گے، یہ وہی دوزخ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے،

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْهَا

تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا؟ ف۳ (اب) اس میں داخل ہو،

ف۱ یعنی یہ سارا نظام کائنات، سارا کارخانۂ فطرت بزبان حال گواہ ہے کہ جزائے اعمال ضرور مل کر رہے گی اور اسی جزائے عمل کے مکان و زمان کا نام حشر یا قیامت ہے۔ وَالطُّوْرِ۔ یعنی پہاڑ گواہ ہیں جو آج اپنی جگہ پر اتنے مضبوط و مستحکم نظر آ رہے ہیں۔ الطور۔ سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا کوہ طور بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ متعدد مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن لغت میں طور کا مفہوم عام ہے۔ یعنی مطلق پہاڑ اور وہی سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔ قيل اسم لكل جبل (راغب) اسم لكل جبل على ما قيل في اللغة العربية عند الجمهور (روح) الطور الجبل بالسريانية اوماطار من اوج الايجاد الى حضيض المواد (بيضاوي) هو اسم الجنس (كبير) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ۔ یعنی نامۂ اعمال کا وجود گواہ ہے جس میں سارے ہی اعمال محفوظ و مندرج رہتے ہیں۔ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ۔ فرشتوں کا عبادت خانہ ساتویں آسمان پر گواہ ہے جس کے عین محاذ میں زمین پر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ۔ یعنی آسمان گواہ ہے۔ والطور سے لے کر والبحر تک و پانچ بار آیا ہے۔ ان میں سے واو اول قسم کا ہے۔ اور باقی و عطف کے ہیں۔ الواو الاولى للقسم والبوالي للعطف (مدارک) ف۲ یعنی ایسی چیزیں جو وسعت، شان، صلابت و پائیداری میں آج اپنی نظیر آپ ہی بھی جاتی ہیں سب اپنے صفات وسعت و ثبات و صلابت وغیرہ سے معرّیٰ ہو کر سامنے آ جائیں گی۔ مِنْ دَافِعٍ۔ من زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی چیز اسے ٹال نہیں سکتی۔ من مزيدة للتاكيد (روح) ف۳ ملامت مزید کے طور پر اہل دوزخ کو قائل کیا جائے گا کہ دنیا میں تو دوزخ کے بیان کو خوب جھٹلاتے اور سحر پر محمول کرتے رہے۔ اب کہو اب مشاہدہ کے بعد بھی اس کے سحر ہی ہونے کے قائل ہو یا یہ ہے کہ دنیا کی طرح یہاں بھی، یہ تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۔ اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی آ گیا کہ یہ منکرین و مکذبین اب بھی ان حقائق و مسائل پر اس سنجیدگی سے غور و فکر نہیں کرتے جو ان حقائق کی اہمیت کی متقاضی ہے بلکہ بے فکری، بے غوری، بے خیالی کے ساتھ ان پر سے یوں ہی سرسری گذرتے چلے جاتے ہیں۔

فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

پھر خواہ اس پر صبر کرنا یا نہ کرنا تمہارے حق میں (سب) برابر ہے تم کو وہی بدلہ تو دیا جا رہا ہے جیسا کہ تم کیا کرتے تھے وسے بے شک متقی لوگ باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے خوش ہو رہے ہوں گے اس سے جو کچھ کہ ان کے پروردگار نے انہیں دیا ہوگا، اور ان کا پروردگار انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب (مزے سے) کھاؤ پیو ان (نیکیوں) کے بدلہ میں جو تم کرتے رہے ہو تکیہ لگائے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر، اور ہم ان کی تزویج کر دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ وھ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ ہونے دیں گے و۶ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا و۷ اور ہم انہیں میوے اور گوشت جیسے بھی مرغوب ہوں گے روز افزوں دیتے رہیں گے، وہاں آپس میں جام (شراب) پر چھینا جھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی اور نہ اور کوئی بیہودہ بات۔ و۸

و۳ یعنی تمہارا جرم تو کفر ہے اللہ کے کمالات غیر متناہی کا کفران۔۔۔ سو تمہارے لئے سزا بھی دوزخ میں خلود کی ہے۔ الخ۔ تَعْمَلُوْنَ۔ انما کلمۂ حصر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں بس اتنا ہی عذاب تو ہو رہا ہے جس کے تم مستحق ہو گئے تھے۔ اس سے زائد سزا تو تمہیں مل رہی ہے۔ فَاصْبِرُوْٓا عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ تمہاری ہائے واویلا سے تمہیں نجات ہو جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ تمہارے سکوت وانقیاد سے تم پر ترحم کیا جائے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۴ غرض یہ کہ وہ سارے مادی عیش اور مذائذ جو دنیا میں ممکن تھے سب جنت میں بھی انہیں نصیب ہوں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ جنت میں ان کا کوئی انعام کسی قسم کا کٹ بھی جائے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔ ان تصریحات سے قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ نہ عمل تزویج میں کوئی امر شرمناک ہے، اور نہ گوری گوری بڑی آنکھوں والیوں کے حسن کو ذکر اپنے جائز محل پر قابل ملامت ہے جیسا کہ بعض جدید فرقوں نے مسیحیت یا بدھ ازم کے اثر سے سمجھ لیا ہے۔ و۵ یعنی اس کی صورت یہ نہ ہوگی کہ متقی اسلاف کے اعمال میں سے کچھ کم کر کے انہیں اور ان کی پست عمل اولاد کو ایک درجہ میں رکھ دیا جائے۔ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ ذریت۔ کے لفظ میں گنجائش ہے۔ علاوہ صلبی اولاد کے دوسرے اعزہ واقربا، احباب ومسترشدین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں تو ذریت کا عطف ہی لفظ ولد پر ہے جس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ ذریت سے یہاں مراد مطلق توابع ہیں۔ وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔ مراد وہی ذریت ہے جو صاحب ایمان تو اپنے اسلاف ہی کی طرح ہو، البتہ اعمال میں اتباع شریعت میں ان سے بہت پیچھے ہو۔ بِاِيْمَانٍ۔ اس ایمان کی قید سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ یہاں ذکر بالغ اولاد کا ہے جو اپنے ارادہ سے ایمان لائے، اس لئے کہ بچے تو بہر حال اپنے والدین کے حکم میں رکھے ہی جائیں گے۔ يعني اولادهم الصغار و الكبار فالكبار بايمانهم انفسهم و الصغار بايمان آبائهم فان الولد الصغير يحكم باسلامه تبعا لا حد الابوين (معالم) بِاِيْمَانٍ۔ صیغۂ نکرہ وتنوین کے ساتھ یا تو تکریم ایمان کے لیے ہے، اور یا اس اظہار کے لیے کہ درجہ آباء سے مقبولین تک پہنچ دینے کے لیے نفس ایمان میں اتباع کافی ہے۔ و تنكيره للتعظيم او الاشعار بانه يكفي للالحاق المتابعة في اصل الايمان (بیضاوی) اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ یہ ان اسلاف مقبولین کے اکرام اور ازدیاد لطف وسرور کے لیے ہوگا کہ ان کی ذریات کو بھی باوجود ان کے درجہ عمل کی پستی کے ان کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا۔ مِنْ عَمَلِهِمْ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت میں بجائے من اجرهم کے من عملهم کے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا عمل تو جوں کا توں رہے گا اور اس پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ من اجرهم کے لانے سے یہ زیادتی اجر والی بات نہ پیدا ہوتی۔ دليل على بقاء عملهم كما كان والاجر على العمل مع الزيادة فيكون فيه الاشارة الى بقاء العمل الذي له الاجر الكبير الزائد بمكنه العظيم العائد اليه (کبیر) بعض فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ نو مسلم سے وہ مسلمان افضل ہے جس کے باپ دادا بھی مومن ہوں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے شرافت نسب کا آخرت میں مفید ہونا نکلتا ہے۔ لیکن شرافت دینی کا، نہ کہ عرفی و دنیوی شرافت کا۔ آیت میں بہت بڑی بشارت اہل ایمان کے لیے ہے۔ اپنا ایمان اگر صحیح وسلامت ہے تو ان شاء اللہ رحمت الٰہی ہر کلمہ گو کے مدارج بلند کر کے اسے اس کے بلند پایہ اسلاف مقبولین کے درجہ تک پہنچا ہی دے گی۔ و۷ یہاں مراد کافر شخص ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اجر وثواب میں تو فضل خداوندی کسی کو اس کے عزیزوں اور بزرگوں کی ہم سطح کر دے گا۔ لیکن عذاب وگرفت میں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ قال مقاتل كل امرئ كافر بما عمل من الشرك مرتهن في النار (معالم) لما اخبر من مقام الفضل و هو رفع الدرجة الذرية الى منزلة الاباء من غير عمل يقتضي ذلك اخبر عن مقام العدل و هو انه لا يؤاخذ احدا بذنب احد (ابن کثیر) قال الواحدي هذا عود الى ذكر اهل النار فانهم مرتهنون في النار اما المؤمن فلا يكون مرتهنا قال تعالى كل نفس بما كسبت رهينة الا اصحاب اليمين و هو قول مجاهد (کبیر) کفر کے ساتھ نجات ہی کی کوئی صورت نہیں۔ چہ جائیکہ درجات کی بلندی — اوپر کی بشارت جو کچھ بھی ہے صاحب ایمان ذریت کے لیے ہے نہ کہ کافر اولاد کے لیے۔ و۸ مسلمان کی جنت ہر بیہودگی، ہر گندگی سے تو یقیناً خالی ہوگی۔ لیکن اس کے سوا باقی ہر طرح کی تفریح، زندہ دلی، ہنسی مزاح کا وہ ایک مستقل گھر ہوگی۔ زاہدان خشک کے مزاج ومسلک سے الگ اور بہت الگ۔ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا۔ یعنی دنیا میں جیسے بے تکلف دوستوں کے درمیان ہنسی کھیل میں چھین جھپٹ ہوتی رہتی ہے، ویسے ہی لطف وخوش طبعی کے ساتھ وہاں بھی رہے گی۔ لَا لَغْوٌ فِيْهَا۔ لغو کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب سکر پیدا کرنے والی نہ ہوگی۔ وَلَا تَاْثِيْمٌ۔ تاثیم کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب عقل وصحت کو زائل کرنے والی نہ ہوگی۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿۲۴﴾

اور ان کے پاس لڑکے آئیں جائیں گے جو ان کے لئے ہیں، گویا وہ محفوظ موتی ہیں ف۹

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوا إِنَّا

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور یہ بھی) کہیں گے کہ ہم تو

كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا

اس سے پہلے اپنے گھر میں بہت ڈرا کرتے تھے ف۱۰ سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا

وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ

اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا ہم اس سے پہلے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے،

إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ

واقعی وہ بڑا محسن ہے، مہربان ہے ف۱۱ تو آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ اپنے پروردگار کے

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ

فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں ف۱۲ ہاں کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں

نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي

اور ہم تو ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے (بہتر ہے) انتظار کرو اور میں بھی

مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم

تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۱۳ کیا ان کی عقلیں انہیں باتوں کی تعلیم

بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل

کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ ہیں ہی شریر لوگ؟ ف۱۴ ہاں یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے (قرآن) کو گڑھ لیا ہے؟ اصل یہ ہے

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا

کہ ان میں ایمان ہی نہیں، اچھا تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں، اگر یہ (اپنے دعوے میں)

ف۹ (کہ ان پر ذرا گرد و غبار نہیں، اور ان کی آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہے) عربی محاورہ میں یہ کنایہ غایت حسن و جمال سے ہوتا ہے۔ اور جب خادموں کا یہ حال ہوگا تو مخدوموں کے حسن و جمال کا کیا ٹھکانہ! ف۱۰ (اپنے انجام کار سے) قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا۔ یعنی جب دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ ف۱۱ (تو ہماری دعائیں کیوں نہ قبول کر لیتا) آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا، اپنے انجام سے ڈرتے رہنا، اپنے انجام بخیر کی دعائیں کرتے رہنا مقبولین و متقین کی علامتوں میں سے ہیں۔ اِنَّا...... نَدْعُوْهُ۔ یعنی ہم دنیا میں برابر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ پروردگار! ہمیں دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل کرنا۔ سو ہماری دعا سن لی گئی۔ ف۱۲ (جیسا کہ بعض بدنصیب یہود و مشرکین کا خیال ہے) عرب جاہلیت میں شاعروں کا بڑا زور اور اثر تھا، جیسا کہ یونان اور روما میں خطیبوں کا زور رہ چکا تھا یا آج فرنگی قوموں میں اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں اور مشہور افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں کا ہے۔ مشرکوں کے ایک روشن خیال گروہ نے یہ رائے قائم کی کہ (نعوذ باللہ) یہ مدعی نبوت شاعر ہیں اور جس طرح اور شاعر مر مرا گئے ایک روز یہ بھی ختم ہو جائیں گے اور ان کا چلایا ہوا کلام اور مذہب بھی نسیاً منسیاً ہو جائے گا کسی بڑے شاعر کے منہ آتے ہوئے اہل عرب خود ڈرتے اور ہچکچاتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک روز جمع ہو کر باہم مشورہ ہوا اور آخر یہ قرار پایا کہ ان نئے شاعر صاحب سے زیادہ مقابلہ و مزاحمت کی ضرورت کیا ہے۔ آخر جس طرح زہیر، اعشیٰ، نابغہ بڑے بڑے شعراء نامدار و قادر نکاہ ہو چکے ہیں یہ بھی ایک دن مع اپنے اس کلام کے ختم ہو جائیں گے اور ان کا نقش خود بخود دلوں سے مٹ جائے گا۔ رَیْبِ کے معنی حادثہ و گردش کے ہیں جو جس وقت بھی پیش آ جائے فالانسان ابدا فی ریب المنون من جهة وقته لا من جهة كونه (راغب) ما يقلق به النفوس و يشخص بها من حوادث الدهر (کشاف) منون کے معنی ہیں موت یا دہر و زمانہ۔ قيل هو اسم للموت (کبیر) و قيل المنون الدهر و ريبه حوادثه (کبیر) و تفسير المنون بالدهر مروى عن مجاهد و عليه قول الشاعر (روح) ف۱۳ یعنی اچھی بات ہے۔ تم میرا انجام دیکھو میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔ "اس میں اشارۃً پیش گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام فساد و ناکامی ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۴ (جو محض شرارت، ضد و خباثت سے ایسے نتائج پر مصر ہیں) اَمْ...... بِهٰذَآ۔ سرداران قریش اپنی عقل و تدبیر و دوراندیشی کے لحاظ سے دور دور مشہور تھے۔ قرآن مجید کی تعریض ہے کہ کیا یہی ان کی عقلیں ہیں؟ جو عقل انہیں ان نتائج پر لا رہی ہے، اسی عقل پر انہیں ناز ہے؟

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ

سچے ہیں ف۱۵ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کئے) پیدا ہو گئے یا یہ کہ خود (اپنے)

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا

خالق ہیں؟ ف۱۶ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے؟ اصل یہ ہے، ان میں

يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

یقین ہی نہیں ف۱۷ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں، یا یہ لوگ

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ

حاکم (مجاز) ہیں؟ ف۱۸ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے باتیں سن آیا کرتے ہیں؟ تو ان میں سے جو

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ

سن آتا ہو وہ لائے (اپنے دعویٰ پر) کوئی کھلی دلیل ف۱۹ کیا اللہ کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لئے

الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

بیٹے؟ ف۲۰ یا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں، سو وہ اس تاوان کے بوجھ سے

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

دبے جاتے ہیں؟ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیا کرتے ہیں؟

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کیا یہ لوگ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے ف۲۱

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ ان کے شرک سے

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا

اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو بھی یہی کہیں کہ

ف۱۵ یعنی اگر واقعی یہ منکرین یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن ایک انسانی گڑھت ہے تو یہ بھی تو آخر انسان ہیں اور بڑے "روشن خیال"، "عالی دماغ" صاحب زبان قسم کے انسان۔ یہ خود مل کر کیوں نہیں کوئی ایسی ہی کتاب تیار کر دیتے ہیں جو مغز و معنویت یا زبان دانشء کسی حیثیت سے بھی اس کی ہم سطح ہو؟ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی ان کی یہ تکذیب قرآن و تکذیب رسول کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں بلکہ تمامتر ان کی قوت یقین و ایمان کی کمی کا ثمرہ ہے۔ ف۱۶ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ محتاج تو کسی خالق کے ہیں لیکن وہ خالق خود آپ ہی ہیں۔ مشرک فلاسفہ کا ایک مذہب یہ بھی ہوا ہے کہ عالم محتاج تو ایک خالق کا ہے لیکن وہ خالق کوئی غیر نہیں بلکہ نفس عالم ہی ہے، اس مذہب الحاد کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ علت و معلول ایک ہی جہت سے ایک ذات میں جمع ہو نہیں سکتے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ۔ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ عالم اپنے وجود میں کسی کی تخلیق کا محتاج نہیں بلکہ خود بخود قائم ہے؟ — یہ مذہب خالص اور غالی اہل دہریت کا ہوا ہے اور اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے کہ ممکنات کے پہلوئے وجود کو ترجیح ہو نہیں سکتی جب تک کوئی مرجح نہ موجود ہو اور وہی علت مرجح خالق کائنات ہے۔ ف۱۷ اصل یہ ہے کہ ان تینوں شقوں میں سے یہ کسی کے بھی قائل و معتقد نہیں لیکن محض جہل اور بے غوری سے توحید کا انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ اَمْ ...... الْاَرْضَ۔ یعنی کیا یہ کہ خدا کی صفت خالقیت میں خود اپنے کو شریک سمجھتے ہیں اور تعدد صانع عالم کے قائل ہیں؟ ف۱۸ (اور یہ جسے چاہیں نبوت دلوا دیں) اب تک ذکر منکرین توحید کا تھا۔ اب ذکر منکرین رسالت کا شروع ہوتا ہے۔ خَزَآئِنُ رَبِّكَ۔ خزائن پروردگار سے مراد اس کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں۔ ف۱۹ یعنی کیا یہ لوگ اس کے مدعی ہیں کہ "ہمارے پاس ایک سیڑھی ہے۔ اس پر چڑھ کر ہم آسمان کی باتیں سن آیا کرتے ہیں"؟ اگر یہ ان کا دعویٰ ہے تو چاہیے کہ اپنے دعوے کو ثابت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو قطعی و آسمانی علم کے مدعی ہیں تو ان کے پاس اپنے خرافاتی دعووں پر کوئی وزنی دلیل بھی ہے؟ ف۲۰ یعنی اپنے لیے تو وہ چیزیں پسند کرتے ہو جنہیں اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کی سمجھتے ہو اور اللہ کے لیے وہ چیزیں جو تمہارے معیار سے ادنیٰ درجہ کی ہیں۔ آیت میں اشارہ اس گروہ مشرکین کی طرف ہے جو دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا — مشرکین عرب کے ہاں بیٹی کے ناپسندیدہ و مکروہ ہونے پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۲۱ یعنی اپنے اسی کید کے وبال میں خود ہی گرفتار ہوں گے، قید ہوں گے، قتل ہوں گے، شکست و ناکامی کی ذلتیں اور مصیبتیں اٹھائیں گے۔ قریش کے عین زور و غضب و اقبال میں جبکہ اسباب ظاہری سب اسلام کی مغلوبی ہی کے تھے، ایسی پیشگوئی ہونے خود اعجاز قرآنی کی ایک دلیل ہے۔

سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے، تو انہیں چھوڑے رہئے، یہاں تک کہ انہیں اپنا وہ دن پیش آئے

الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ

جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے ف۲۲ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ

آئیں گی اور نہ انہیں مدد ہی ملے گی ف۲۳ ان ظالموں پر

ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

قبل اس کے بھی عذاب (ہونے والا) ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس کا) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

نہیں رکھتے ف۲۴ آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہئے اس لئے کہ آپ تو ہمیں ہماری حفاظت میں ہیں ف۲۵

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ

اور آپ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کیا کیجئے جب اٹھا کیجئے، اور رات میں بھی

الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی ف۲۶

ایاتها ۶۲ — ۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ — رکوعاتها ۳

اس کی باسٹھ آیتیں — سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ بھٹکے، اور نہ

ف۲۲ (اور اسی دن انہیں حقیقت حال معلوم ہو کر رہے گی۔ اس کے ادھر نہیں) فَذَرْهُمْ۔ یعنی ان کے باب میں اب زیادہ فکر و تردد کو کام میں نہ لائیے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑے ہوئے رہیے۔ ف۲۳ (کسی طرف سے نہ مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں ہونے کا) كَيْدُهُمْ۔ کید سے مراد ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں ہیں جو یہ اپنی کامیابی اور اسلام کی مخالفت میں برابر کام میں لاتے رہتے تھے۔ ف۲۴ (اور اسی لیے اس کے باب میں کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے) عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس اخروی دائمی عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عنقریب ان کو سزا ملنے والی ہے، قحط، قید، قتل، شکست و ہزیمت وغیرہ کی شکل میں۔ ف۲۵ (اور مخالفین و معاندین آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے) بِاَعْيُنِنَا۔ عین کے یہاں مجازی معنی حفاظت و ذمہ داری کے ہیں۔ اے فی حفظنا و حراستنا فالعین مجاز عن المحفظ (روح) العین کا صیغۂ جمع اظہار عظمت و کمال کے لیے ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں۔ معناه التعظیم و التفخیم و نظیرہ فی الجمع للتفخیم والتعظیم قوله تعالٰی تجری باعیننا و قوله تعالٰی مما عملت ایدینا انعامًا (غرائب القرآن۔ للسجستانی) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مراقبہ حضوری کو دخل عظیم طمانیت و سکون قلب میں ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ یعنی ان معاندین سے انتقام کی عجلت نہ کیجئے، صبر و تحمل سے کام لیتے رہیے۔ ف۲۶ یعنی ستاروں کے غروب کے بعد اور مثلاً نماز فجر کے وقت۔ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ مثلاً اپنی مجلس سے اٹھتے وقت یا رات کو تہجد سے اٹھتے وقت۔ غرض اپنے دل کو ذکر الٰہی و تسبیح میں لگائے رہیے۔ اس سے فکر و غم کا غلبہ نہ ہوگا۔

ع ۲ / ۳

غَوٰی ﴿۲﴾ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا

غلط راستہ پر ہوئے لے، اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں وے (ان کا کلام تو) تمام تر

وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ

وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے وسے انہیں بڑی قوت والا (فرشتہ) سکھاتا ہے وٹے پیدائشی طاقتور

فَاسْتَوٰی ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾

پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا وھ اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا و۲ پھر وہ نزدیک ہوا اور زیادہ نزدیک ہوا وے

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ

سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم وڈ پھر (اللہ نے) اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو کچھ کہ نازل کیا

مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

و۹ قلب نے کوئی غلطی نہیں کی، دیکھی ہوئی چیز میں و۱۰ تو کیا ان (پیمبر) سے ان چیزوں میں نزاع کرتے ہو

عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ عِنْدَ

جو ان کی دیکھی ہوئی ہیں، و۱۱ اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب و۱۲ کہ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جب کہ اس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں، جو

یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا

چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں و۱۳ ان (پیمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ

طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ اَفَرَءَیْتُمُ

بڑھی و۱۴ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے، بھلا تم نے

اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ

لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے؟ و۱۵ کیا تمہارے لئے تو

و۱ یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک ساری مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار قائم رکھتا ہے اور ذرا ادھر سے اُدھر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ پیمبر امین ساری عمر ضلال وغوایت کے اثر سے محفوظ رہے اور افراط وتفریط دونوں سے الگ ٹھیک حق کی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ ذٰلِنَّجم۔ستارہ سے مراد یہاں ستارہ کی جنس ہے۔گو بعض نے ستارہ ثریا سے مراد لی ہے۔ الثریا او جنس النجوم (کشاف) اقسم بالثریا او بجنس النجوم (مدارک) ستارہ کو اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر اُدھر جس طرح طلوع سے غروب تک نہیں ہوتا اسی طرح غروب سے طلوع تک بھی نہیں ہوتا۔لیکن یہ دوسری کیفیت مرئی محسوس نہیں۔اور وہ پہلی کیفیت مشاہد ہے۔اس لئے ذکر اسی قید کے ساتھ کیا گیا۔ مَا ضَلَّ۔ضلال یہ کہ بالکل راستہ بھول کر گمراہ ہو جائے۔ مَا غَوٰی۔غوایت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے۔ صَاحِبُكُمْ۔یعنی یہ تمہارے ہر وقت کے اور سامنے سامنے ساتھ رہنے والے، جن کے کردار، اقوال، احوال، اعمال سے تم خوب واقف ہو۔ و۲ (اور اپنے گڑھے ہوئے کلام کو خدا کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو) مطلب یہ ہوا کہ دین کے باب میں جو کچھ بھی آپ ﷺ کے منہ سے نکلتا ہے وہ کسی خواہش نفس سے نہیں۔ و۳ یہ وحی خواہ لفظی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ محض معنوی ہو، جو سنت کہلاتی ہے۔اور خواہ محض کسی قاعدہ کلی کی ہو جس سے آپ ﷺ اجتہاد کرتے ہوں۔مقصود زعم کفار کی نفی ہے یعنی صرف اس حقیقت کا اظہار کہ آپ کسی غلط بات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں کر دیتے۔(تھانوی رحمہ اللہ) هُوَ۔یعنی دین کے باب میں آپ کا تکلم۔ای مانطقهٗ فی الدین (معالم) و۴ (اس وحی کو اللہ کی طرف سے) یہاں ذکر واسطہ وحی کا ہے۔مشرکین عرب معتقد تھے کہ کاہنوں کے پاس غیبی معلومات شیطانوں کے واسطہ سے پہنچتے ہیں۔یہاں اس کی تردید میں ارشاد ہوا کہ یہاں درمیانی واسطہ شیطان کا نہیں جو ان پیمبر پر کاہن ہونے کا احتمال بھی ہو سکے بلکہ واسطہ بھی فرشتہ کا ہے۔یعنی سرچشمہ وحی رحمانی اور واسطہ وحی ملکوتی۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔وہ پرقوت فرشتہ جس پر کسی شیطانی اثر سے تاثر ومغلوبیت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔مراد جبریل علیہ السلام ہیں قوت وجلال کے مظہر اتم۔ای ملک شدید قواہ وهو جبریل علیه السلام عند الجمهور (مدارک) هو جبریل علیه السلام کما قال ابن عباس وقتادة و الربیع (روح) و۵ (ان رسول کے روبرو) اس میں کمال اکرام واعزاز ہے رسول ﷺ کا۔کہ آپ ﷺ کے لئے ایک بار وہ حجابات دور کر دیئے گئے جن کے اندر جبریل انسانی آنکھ کے سامنے جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔پیدائشی طاقتور ایسے کہ شیطان کی مجال نہیں جو ان کے سامنے پر مار سکے۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔کے ایک معنی حسین وپاکیزہ رو کے بھی کئے گئے ہیں — حسن وجمال کے مظہر اتم۔عن ابن عباس ذو منظر حسن (مدارک) گویا جلال وجمال الٰہی دونوں کے مظہر اتم۔ایک معنی ذُوْ مِرَّةٍ۔کے یہ بھی کئے گئے ہیں۔کہ عقل وفکر کے لحاظ سے کامل، جس طرح شَدِیْدُ الْقُوٰی کے معنی کئے گئے ہیں۔قوت جسمانی کے لحاظ سے کامل۔ ذو مرة ای ذو حصافة واستحکام فی العقل فکانه الاول وصف بقوة الفعل وهذا وصف بقوة النظر والعقل (روح) و۶ (جانب شرق میں) ای مطلع الشمس (مدارک) وهو الفضی الدنیا عند مطلع الشمس (معالم) اس نظارہ کی تفصیلات حدیث میں آئی ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے ادھر رسول ﷺ کو ابتداء نبوت میں حضرت جبریل علیہ السلام ایک بار اپنی اصلی صورت میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔آسمان اس وقت ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے وجود سے پُر معلوم ہو رہا تھا۔یہ مہیب وحیرت انگیز منظر آپ نے پہلی بار دیکھا تو طبیعت میں قدرۃً کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے اس پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔ و۷ یعنی وہ فرشتہ وحی صورت وسیرت میں کامل، پرقوت وپاکیزہ رو رسول ﷺ سے بالکل متصل وملحق ہو کر رہا۔ دَنَا فَتَدَلّٰی۔دنو کے معنی خود ہی قریب ونزدیکی کے ہیں۔تدلّی قرب مزید کے معنی میں لا کر اس کی اور تاکید وتوثیق کر دی۔دنا اور تدلّی دونوں کی ضمیر یہاں فرشتہ وحی، جبریل امین علیہ السلام شدید القوی کی جانب ہیں۔ و۸ محاورۂ عرب میں مراد اس سے کمال قرب ہوتی ہے۔جب دو عرب آپس میں کوئی نہایت مضبوط عہد وپیمان کرنا چاہتے تھے تو اپنی اپنی کمانوں کو نکال کر انہیں باہم ملاتے تھے۔یہاں تک کہ دونوں کے چلے مل جاتے، پھر دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔یہ گویا علامت تھی ”من تو شدم تو من شدی“ ہو جانے کی۔رفتہ رفتہ زبان میں یہ محاورہ کمال قرب وغایت اتحاد واتصال کے لئے استعمال ہونے لگا۔مقصود یہاں فرشتہ وحی اور رسول صاحب وحی کے درمیان غایت قرب واتصال کو دکھانا ہے۔والمقصود تمثیل ملکة الاتصال و تحقیق استماعه لما اوحی الیه بنفی بعد الملتبس (بیضاوی) یکون ذٰلک اشارة الی ان رضا احدهم رضا الآخر وسخطة سخطة لا یمکن خلافه (روح) ورد هذا علی استعمال العرب وعادتهم (کبیر) اَوْ اَدْنٰی۔اس میں اشارہ آ گیا رسول ﷺ اور جبریل علیہ السلام کے درمیان کمال قرب صوری کے علاوہ غایت مناسبت روحانی کی جانب بھی جو مدار اعظم معرفت تام کی ہے (تھانوی رحمہ اللہ) اَوْ۔یہاں شک کے لئے نہیں، تاکید اور وثوق میں زیادتی کے لئے ہے اور اس امر کے اظہار کے لئے کہ فاصلہ اتنی مقدار سے زائد بہرحال نہ تھا کم جتنا بھی ہو۔قد تقدم ان هذه الصفة تستعمل فی اللغة لاثبات المخبر عنه ونفی ما زاد علیه (ابن کثیر) والمراد افادة شدة القرب (روح) فَكَانَ ... اَدْنٰی۔رسول اللہ ﷺ سے یہ غایت قرب واتصال ظاہر ہے کہ انہی فرشتہ وحی کو حاصل ہوا۔تابعین ہی نہیں، اجل صحابہ

سے بھی یہی منقول ہے۔ هذا المقترب الدانی الذی صار بینه وبین محمد ﷺ انما هو جبریل علیه السلام هو قول ام المؤمنین عائشة وابن مسعود ابی ذر وابی هریرة (ابن کثیر) ف۹ (اس فرشتہ کے ذریعہ سے، آپ ﷺ کے افاقہ کے بعد) یعنی اللہ جیسے حاکم ذوالجلال وباقتدار نے وحی بھیجی بھی تو ایسے پرقوت اور مقتدر فرشتہ کے ذریعہ سے اور اس فرشتہ نے بھی آپ سے اس درجہ متصل ہوکر پہنچائی۔ مَآ اَوْحٰی۔ کلمہ تفخیم ہے۔ محاورۂ عرب میں اس کا استعمال موقع کمال عظمت پر ہوتا ہے، جہاں انتہائی تعظیم مقصود ہوتی ہے وہاں بجائے تفصیلات میں جانے کے صیغہ اسی اجمال وابہام کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تفخیم للوحی الذی اوحی الیه (کشاف ومدارک) ف۱۰ ادھر بیان ہو چکا ہے کہ وحی کا سرچشمہ خود حضرت رحمٰن و سبحان ہیں جہاں غلطی کا امکان ہی نہیں اور پھر واسطہ وحی، فرشتہ جبریل کہ وہاں بھی غلطی کا گزر نہیں۔ اب رہے وہ صاحب جن پر وحی نازل ہوئی، یہاں تصریح اس کی ہوگئی کہ وہ بشر ہونے کے باوجود ہر غلطی سے محفوظ ومامون۔ گویا اتصال وحی وقبول وحی کے سلسلہ میں سارے احتمالات خطاء منتفی۔ فواد اور رؤیت دونوں کے اجتماع سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چشم دل سے بھی دیکھا اور چشم جسم سے بھی۔ آنکھ نے بھی صحیح دیکھا اور دل نے بھی تصدیق کی۔ بصارت اور بصیرت دونوں اس مشاہدہ یا نظارہ پر متفق رہے۔ ف۱۱ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم نبی ﷺ سے نزاع اس چیز میں کر رہے ہو، جو اس کی سنی سنائی ہوئی یا خیال وگمان کی ہوئی نہیں، خوب اچھی طرح دیکھی بھالی، جانچی پڑتالی ہوئی اور تخیلات ومعقولات ومسموعات کے عالم سے کہیں گزر کر اس کے لئے دائرۂ مشاہدات میں آچکی ہے۔ ف۱۲ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔ سِدْرَة۔ کے لفظی معنی بیری کے درخت کے ہیں۔ اور سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اصطلاح میں وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان یا دونوں پر ہے ایک سے لے دوسرے تک اور گویا اس عالم اور اس عالم کے درمیان ایک نقطہ اتصال ہے۔ عالم بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ہی تک پہلے آتے ہیں اور پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی پہلے سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے اوپر اٹھالئے جاتے ہیں۔ عن ابن مسعود والضحاک سدرة المنتهی فی السماء السادسة والیها ینتهی مایعرج الی السماء (جصاص) الجمهور علی انها شجرة نبق فی السماء السابعة علی یمین العرش (مدارک) وهی فی السماء السابعة الیها ینتهی مایعرج به من الارض فیقبض منها والیها ینتهی ما یهبط به من فوقها فیقبض منها (معالم) التی ینتهی اعمال الخلائق وعلمهم اوما ینزل من فوقها ویصعد من تحتها (بیضاوی) المشهور ان السدرة شجرة فی السماء السابعة علیها مثل النبق وقیل فی السماء السادسة (کبیر) آسمانوں کے اوپر درخت اور بیری کے درخت کے تسلیم کرنے میں دشواری کچھ بھی نہیں۔ آخر جنت میں دودھ، شہد، پانی وغیرہ کے ساتھ درخت اور باغ کثرت سے ہی ہیں۔ تو ایک بیری ہی کے درخت میں کیا خاص اشکال واستبعاد ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح جنت اور آسمان کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے مشابہ لیکن بہت مختلف ہوگی۔ اسی طرح یہ بیری بھی دنیا کی بیریوں سے یقیناً بہت کچھ مختلف ہوگی اور کچھ اور ہی آثار وخواص رکھتی ہوگی۔ وَلَقَدْ ۔۔۔ اُخْرٰى۔ یعنی اس فرشتہ کو دوبارہ ہیئت اصلی پر دیکھا پہلی بار اسی سطح ارضی پر دیکھا تھا اور اب کی دوبارہ شب معراج میں۔ عن ابن مسعود وعائشة ومجاهد والربیع قالوا رأی جبریل فی صورته التی خلقه الله علیها مرتین (جصاص) فهذه هی لیلة الاسراء والاولی کانت فی الارض (ابن کثیر) هذه هی المرة الثانیة التی رأی رسول ﷺ فیها جبریل علی صورته التی خلقه الله علیها وکانت لیلة الاسراء (ابن کثیر) ف۱۳ یہ لپٹنے والی چیزیں روایات کے مطابق فرشتے تھے جو بکثرت دیوانہ وار گر رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انوار وتجلیات جمال مطلق تھے جو سدرہ کو لپٹے ہوئے تھے اور فرشتے انہیں پر عاشقانہ گر رہے تھے۔ غشیها نور الرب وغشیها الملائکة من حب الله (ابن جریر۔ عن الربیع) قد تقدم فی احادیث الاسراء انه غشیها الملائکة مثل الغربان وغشیها نور الرب وغشیها الوان ما ادری ما هی (ابن کثیر) مایغشی کلمہ تفخیم ہے۔ اہل عرب کمال عظمت کے اظہار کے موقع پر ایسا ہی صیغہ اجمال وابہام کا لاتے ہیں۔ تعظیم وتکبیر لما یغشها (کشاف۔ مدارک) وفی ابهام ما یغشی من التفخیم مالا یخفی (روح) جَنَّةُ الْمَاْوٰى۔ پہلے فقرہ میں اس مقام کی نشان دہی کی تھی جہاں فرشتۂ اعظم کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس فقرہ میں اس مقام کے شرف وامتیاز کا ذکر ہے۔ مَاْوٰى کے لفظی معنی ٹھہرنے کی جگہ یا ٹھکانے کے ہیں۔ جنت چونکہ مقبولین کے رہنے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے۔ اس لئے اسے جنت الماوی کہتے ہیں۔ ف۱۴ ان چیزوں سے جن کی رویت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ۔ یعنی ان چیزوں سے ذرا بھی جن کی رویت کا حکم ہوا تھا۔ ف۱۵ (کہ وہ کوئی بھی شائبہ الوہیت کا اپنے اندر رکھتی ہیں اے مشرکو!) لات۔ عزی اور منات تینوں مشرکین عرب کے مشہور بت تھے۔ اللّٰتَ۔ عرب کی بہت مشہور وقدیم دیوی تھی۔ نباطی کتابات تک میں اس کا نام موجود ہے، یہ سورج دیوتا کی مظہر تھی، اور قبیلہ ثقیف کی دیوی تھی۔ اس کا بت طائف میں نصب تھا۔ اور حال میں بعض سیاحوں نے اسے دیکھا ہے چنانچہ ڈاوٹی۔ DOUGHTY کی (ARABIA-DISERTA) جلد دوم میں اس کا فوٹو بھی دیا ہوا ہے۔ الْعُزّٰى یہ قوت وطاقت کی دیوی تھی جیسے ہندوستان میں درگا دیوی۔ یونان وروم کی زہرہ دیوی کی قائم مقام۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں میں اس کا سب سے زیادہ شہرہ تھا۔ اس کا بت نخلہ میں نصب تھا اور یہ دیوی قبیلہ غطفان کی تھی۔ مَنٰوةَ۔ یہ دیوی تقدیر کی حکمران تھی۔ اس کا بت قدید میں نصب تھا۔ مدینہ کے اوس وخزرج والے اس کے خاص طور پر معتقد تھے۔۔۔ عجب نہیں کہ تحقیقات کے بعد اس کا تعلق ہندوستان کے مشہور بت وبتکدہ "سومنات" سے بھی ثابت ہو جائے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ مشرکین عرب کے عقیدہ میں یہ تینوں دیویاں خدا کی بیٹیاں تھیں۔ اَفَرَءَيْتُمُ۔ کے حرف ف میں ادھر اشارہ ہے کہ پیمبر کی عظمت وصداقت کے محقق ہو جانے کے بعد تو تم کو سمجھ جانا چاہئے تھا۔ الْاُخْرٰى۔ ذم وتحقیر کے لئے ہے۔ هی صفة ذم ای المتاخرة الوضیعة المقدار (کشاف) وقال بعض الاجلة الثالثة للتاکید والاخری للذم بانها متاخرة فی الرتبة وضیعة المقدار (روح)

الذَّكَرُ وَ لَهُ الْأُنْثٰى ۝٢١ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝٢٢ اِنْ

بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی ہی بے ڈھنگی تقسیم ہے ف۱۶ یہ تو

هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے، اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لئے ہیں اللہ نے تو اس پر

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

کوئی دلیل اتاری نہیں ہے ف۱۷ یہ لوگ نرے اٹکل پر اور اپنے نفس کی

وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

خواہش پر چل رہے ہیں، درآنحالیکہ ان کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے

الْهُدٰى ۝٢٣ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝٢٤ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

ہدایت آچکی ہے ف۱۸ بھلا کہیں انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ (نہیں بلکہ ہر تمنا) ف۱۹ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

وَ الْاُوْلٰى ۝٢٥ ع وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ

آخرت (کی بھی) اور دنیا (کی بھی) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ اُن کی سفارش

شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر ہاں، بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لئے وہ چاہے

وَ يَرْضٰى ۝٢٦ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ

اور اُس کی رضا ہو ف۲۰ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو

الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝٢٧ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ

زنانے نام سے نامزد کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، یہ لوگ

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

محض اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اٹکل حق کے مقابلہ میں ذرا بھی کام

ف۱۶ یعنی شرک پرستزاد یہ کہ اپنے لئے تو اپنے رواج وعرف کی بناء پر اچھی چیز یعنی بیٹے تجویز کرتے ہو اور خدا کے لئے اپنے رواج وعرف کے معیار سے بھی ناقص اور گھٹیا چیز یعنی بیٹیاں تجویز کئے ہوئے ہو۔ تِلْكَ …… ضِيْزٰى۔ یعنی یہی کہ کسی کو دیوی ٹھہرالی کسی کو دیوتا، کسی کا نام ہوا کا خدا رکھ دیا، کسی کو رزق و بارش کا دیوتا کہنے لگے۔ ان اسماء والقاب کو حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ تو نہیں۔ ف۱۷ یعنی نظریہ شرک پر کوئی دلیل نہ تو عقل سے ملتی ہے نہ نقل سے۔ نہ کوئی الہامی ثبوت نہ کوئی علمی و تجربی شہادت۔ مَا …… سُلْطٰنٍ۔ قرآن مجید نے محض اثبات توحید ہی پر دلائل نہیں قائم کئے ہیں بلکہ بار بار مدعیان شرک کو چیلنج کیا ہے کہ تم اثبات شرک پر کوئی ایک دلیل کسی درجہ کی بھی تو پیش کر کے دکھاؤ! ف۱۸ (پیمبر کے ذریعہ سے) یعنی بلا دلیل و بلا ثبوت ان اوہام فاسدہ میں مبتلا ہو جانا یوں بھی بڑے غضب کی بات تھی۔ چہ جائیکہ جب اس کے خلاف دلائل اور ثبوت پیمبر برحق کی معرفت پہنچ جائیں۔ اِنْ …… الْاَنْفُسُ۔ ان کی یہ خواہشات نفس بھی انہیں اوہام اور بے عقلی کے خیالات پر مبنی ہیں۔ ف۱۹ (تو پھر ان مشرکوں کی یہ کیسی حماقت ہے کہ اپنی دیویوں دیوتاؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں، تمناؤں کے مطابق ان کے کام آئیں گے اور ان کی سعی وسفارش کریں گے) اَمْ …… تَمَنّٰى۔ یہ تنقی گہری اور اہم حقیقت کا اعلان ہے۔ اگر انسان کو اس کا استحضار رہے تو کتنی مایوسیوں، ناکامیوں، نامرادیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى۔ انسان کی فوری اور انجامی دونوں طرح کی بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ تو توقع جو کچھ بھی کی جائے۔ بس اسی سے کی جائے۔ لِلْاِنْسَانِ۔ انسان سے یہاں مراد کافر انسان سے لی گئی ہے۔ یعنی الکافر (مدارک) ایظن الکافر ان لہ ما یتمنی (معالم) ف۲۰ مطلب یہ ہوا کہ ان بتوں، مورتیوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں جو شفاعت کی سرے سے کوئی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ ملائکہ مقربین تک کی یہ مجال نہیں کہ اپنی رائے و ارادہ سے جس کسی کی چاہیں بے دھڑک سفارش کر ڈالیں۔ بلکہ وہ بھی صرف اجازت الٰہی کے بعد ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں۔ وَكَمْ …… السَّمٰوٰتِ۔ فِي السَّمٰوٰتِ کا اضافہ عجب نہیں جو ملائکہ کے مزید تقرب و شرف و اکرام کے اظہار کے لئے ہو۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اس کے اندر ساری مشیت تکوینی کا قانون آ گیا۔ یعنی اجازت بھی صرف اسی کے حق میں سفارش کی ملے گی، جسے خود حضرت حق کی مشیت تکوینی چاہ رہی ہو۔ وَ يَرْضٰى۔ یہ قید غالباً اس لئے بڑھا دی کہ کہیں دنیا والوں کی طرح وہاں بھی یہ نہ قیاس کیا جائے کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو بھی کسی کی مروت و لحاظ یا خوف سے اپنی مرضی کے خلاف اجازت دے دینا پڑتی ہے۔ مرضی حق خود ہی سب سے بالاتر ہے، جس کے اوپر کوئی مؤثر نہیں۔

ف۲۱ الظنّ۔ ظن سے مراد تخمین وقیاس ہے اور وہ بھی ایسا جو نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہو نہ کسی قاعدۂ عقلی سے مستنبط۔ من الحق۔ علم یہاں تحقیق یا حقیقت رسی کے معنی میں ہے اور ظن یا تخمین کے ٹھیک مقابل من نے موقع نفی پر آکر معنی میں استغراق پیدا کر دیا۔ یعنی کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔ **ف۲۲** (اور یہی دلیل ہے ان کی کج فہمی اور بے غوری دونوں کی) آپ (اعظم ﷺ) کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ان دنیا پرستوں سے جب قبول حق کی کوئی توقع ہی نہیں تو آپ بھی ان کی پرواہ کیجئے اور ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑے رہئے۔ عن ذکرنا۔ الدنیا۔ انسان کی حماقت وسفاہت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ ہاتھی کے جسم کی ساری بڑائی کو چھوڑ چھاڑ کر اس کی دم کے صرف آخری سرے کو یا پیر کے ناخنوں کو پکڑ لے اور اسی سے ہاتھی کی جسامت، ساخت، ترکیب سے متعلق رائے قائم کرنے لگے — اس سے بڑا اور کہیں بڑھ کر اور قابل رحم ان "روشن خیالوں" یا "بے فکروں" کا حال ہے، جو مابعد الموت جیسے عجیب وسیع عالم سے بالکل قطع نظر کئے ہوئے ساری توجہ اور "علم" و "تحقیق" کا موضوع اسی چند سالہ زندگی کو بنائے ہوئے ہیں! ان سے بڑھ کر اندھا اور کون ہو سکتا ہے؟ **ف۲۳** یعنی یہی مادی، عنصری، زودفنا، سریع الزوال، چند روزہ دنیوی زندگی۔ کتنے افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا سرمایۂ علم اور منتہائے پرواز خیال اسی محدود ومختصر عنصری زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اپنی اس تنگ نظری پر انتہائی فخر وناز ہے! **ف۲۴** (کہ علم اسی کا کامل ہے) **ف۲۵** (کہ قدرت اسی کی کامل ہے) **ف۲۶** یعنی اس کے علم کامل وقدرت کامل کے مجموعہ کا مقتضا یہ ہے کہ مکلفین کے انجام دو قسم کے ہوں۔ اہل ضلالت کا انجام عذاب پر ہو اور اہل ہدایت کا مسرت وراحت پر۔ لیجزی میں لام عاقبت کا ہے۔ یعنی انجام کار یہ ہونا تھا۔ قال الواحدی اللام للعاقبة (کبیر) والتحقیق فیه هو ان حتی ولام الغرض متقاربان فی المعنی لان الغرض نهایة الفعل وحتی للغایة المطلقة فبینهما مقاربة یستعمل احدهما مکان الاخر (کبیر) **ف۲۷** (کبھی کبھار، تو وہ درجہ محسنیت اور محبوبیت کے منافی نہیں) "جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لئے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اللمم۔ لمم اور الالمام وہ معصیت ہے جو کبھی کبھی اور اتفاقاً سرزد ہو جائے۔ یقال فلان یفعل کذا لمماً ای حیناً بعد حین (راغب) واصل اللمم والالمام مایعمله الانسان الحین بعد الحین ولایکون له عادة ولااقامة علیه (روح) ای مایلمّ به المومن ویندم فی الحال وهو من اللمم الذی هو مس من الجنون (کبیر) مقصود کلام یہ ہے کہ انسان گناہ پر جما نہ رہے۔ گناہ اس سے سرزد ہوتے رہیں اور وہ ان پر توبہ واستغفار کرتا رہے — مذہب اہل سنت میں مقبولین ومحبوبین کے لئے ضروری شرط گناہوں سے محفوظیت ہرگز نہیں بلکہ ایسی گناہوں پر توبہ، ندامت، انفعال واستغفار ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی مذہب منقول ہے۔ و معنی الأیة الا ان یلم بالفاحشة مرة ثم یتوب ویقع الوقعة ثم ینتهی وهو قول ابی هریرة ومجاهد والحسن و روایة عطاء عن ابن عباس (معالم) عن ابی هریرة قال اللمة من الزنا ثم یتوب ولا یعود واللمة من السرقة ثم یتوب ولا یعود واللمة من شرب الخمر ثم یتوب ولا یعود قال کذلک الالمام (ابن کثیر) بعض اقوال اس مضمون کے بھی نقل ہوئے ہیں کہ لمم کے تحت میں بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ آ جاتے ہیں، بجز شرک کے۔ قال عبدالله بن عمرو بن العاص واللمم مادون الشرک (معالم) غرض یہ کہ آیت سے یہ بالکل ظاہر ہو جاتا ہے کہ گناہوں کا کبھی کبھی سرزد ہوتے رہنا جب درجہ محسنیت کے منافی نہیں تو عامہ مومنین کے مقام سے تو اس کا اور بھی تنافی حاصل نہیں۔

شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ

نہیں دیتی ف۲۱ تو آپ اس کی طرف سے خیال ہی ہٹا لیجئے جو بے پروائی اختیار کئے ہوئے ہے ہماری نصیحت کی طرف سے اور

اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ

اس کا کوئی مقصود ہی نہیں بجز دنیوی زندگی کے ف۲۲ ان لوگوں کے علم کی رسائی کی حد بھی بس یہی ہے ف۲۳

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ

آپ کا پروردگار بے شک خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے

بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ

جو راہ راست پر ہے ف۲۴ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ف۲۵

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

انجام کار یہ ہے کہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کی پاداش میں بدلہ دے گا اور نیک کام

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ

کرنے والوں کو نیک بدلہ دے گا ف۲۶ وہ لوگ ایسے ہیں جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ

بچے رہتے ہیں مگر ہاں یہ کہ ہلکے ہلکے گناہ ہو جائیں ف۲۷ بے شک آپ کا پروردگار بڑی وسیع مغفرت والا ہے ف۲۸

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم

اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ

ماؤں کے پیٹ میں بطور جنین کے تھے تو تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو، بس وہی

اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى

خوب جانتا ہے تقویٰ والوں کو ف۲۹ بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر نظر کی ہے جس نے روگردانی کی، اور

ف۲۸ (تو سب بندوں کو چاہئے کہ تھوڑا سا صرف ہمت کر کے اور اپنی بدکرداریوں کا تدارک کر کے اس کی مغفرت وسیع میں داخل ہو جائیں) **ف۲۹** (کہ کون متقی ہے اور کون نہیں، گو افعال تقویٰ صورۃً دونوں سے صادر ہوتے ہوں) آیت میں اہل طاعت کو تنبیہ ہے کہ اپنے متعلق عُجب وپندار میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دعویٰ تقدس سے صریح ممانعت ہے۔ اذ انشاکم من الارض۔ یعنی جب تم سب کو تمہارے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کے واسطہ سے پیدا کیا تھا — یہ ذکر انسان کی خلقت نوعی کا ہوا۔ واذ۔ امھتکم۔ یہ بیان انسان کی خلقت شخصی کا ہوا۔ من الارض۔ یعنی زمین کی خاک سے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان سے متعلق علم کامل تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ باقی انسان پر تو ایسی حالتیں گزر چکی ہیں کہ اسے خود اپنی حالت کا شعور واحساس نہیں ہوتا۔

قَلِيلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ

مال تھوڑا دیا اور (اب) بند کر دیا ف۳۰ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ (اُسے) دیکھ رہا ہے؟ ف۳۱ کیا

لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِیْ

اُسے خبر نہیں پہنچی اس (مضمون) کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں تھے اور ابراہیم کے بھی، جنہوں نے (احکام کی) پوری

وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ

بجا آوری کی کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ف۳۲ اور انسان کو صرف

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾

اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی ف۳۳

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے ف۳۴

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾

اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور یہ کہ اسی نے نر و مادہ دونوں جنسوں کو نطفہ سے پیدا کیا ہے

اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ

جب وہ ڈالا جاتا ہے ف۳۵ اور یہ کہ دوبارہ پیدائش اسی کے ذمہ ہے اور یہ کہ

هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

وہی غنی کرتا ہے اور (سرمایہ) باقی رکھتا ہے ف۳۶ اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ کا بھی ف۳۷

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾

اور یہ کہ اسی نے قوم عاد اول کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا ف۳۸

ف۳۰ یعنی اپنے ہی مطلب کے لئے مال دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر اس کا بھی پوری طرح ایفاء نہ کیا تو ایسا شخص بھلا دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کھلے دل سے کیا خرچ کرے گا؟ حدیث میں ایک شخص متعین کا ذکر آتا ہے۔ ولید بن مغیرہ نامی کا، کہ اس کا میلان اسلام کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے مشرک نے اس سے کہا کہ کیوں اس فکر میں گھلا جاتا ہے۔ مجھے اتنا روپیہ دے میں سب تیری طرف سے اوڑھے لیتا ہوں۔ ولید نے وعدہ کر لیا، لیکن کچھ تھوڑا بہت دے کر اسے بھی بند کر دیا۔ الَّذِیْ تَوَلّٰی۔ یعنی دین حق سے وہ شخص پھر گیا۔ ف۳۱ (اور یقینی طور پر جان رہا ہے کہ فلاں شخص میری طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا) ف۳۲ (ایمانیات میں) یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ الَّذِیْ وَفّٰی۔ سورۃ البقرۃ پ آیہ کریمہ وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کے ماتحت حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔ ف۳۳ (سو اس اطلاع اور اعلان کے بعد بھی انسان کا اپنی ذاتی ذمہ داری کی طرف سے غافل رہنا کیسا عجیب ہے) لِلْاِنْسَانِ۔ الانسان سے یہاں مراد کافر انسان سے لی گئی ہے، نہ کہ مطلق انسان سے۔ وقال الربیع الانسان ھنا الکافر واما المؤمن فلہ ما سعی وما سعی لہ غیرہ (روح) وقال الربیع بن انس یعنی الکافر (معالم) مَا سَعٰی۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ مشرک جاہلی قوموں میں تو خیر یہ با عام تھی ہی۔ یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ وپختہ طور پر قائم ہو گیا تھا کہ موروثوں اور بزرگوں کا مقبولین میں سے ہونا۔ اخلاف واولاد کے لئے بالکل کافی ہے اور جو لوگ پیمبروں کی نسل میں سے ہیں انہیں کچھ ہاتھ پیر ہلانے بلکہ صحیح عقائد تک کی ضرورت نہیں اور مسیحیت نے تو نجات کا سارا دارومدار ہی آ کر کفارہ وشفاعت کے عقائد پر ٹھہرا دیا۔ قرآن مجید اس کے برعکس سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور مسئولیت پر دیتا ہے اور نجات کا دارومدار بعد فضل خداوندی کے اسی کو ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا اثبات ہے ــــ رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست، عزیز، بزرگ وغیرہ کے لئے اپنے کچھ حقوق اپنی خوشی سے چھوڑ دے تو یہ اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔ یہ تو مومن کے حق میں دوسرے مومن کی طرف سے صورت دعا کی ہے، یہ کیوں نہ قبول ہو گی۔ اور مسئلہ ایصال ثواب اموات کا احادیث صحیحہ متعددہ کی بناء پر اپنی جگہ پر بالکل ثابت ہے۔ وردت اخبار صحیحۃ بنفع الصدقۃ عن المیت منھا ما اخرجہ مسلم والبخاری و ابوداؤد والنسائی (روح) اور فقہاء مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات درج کی ہیں۔ واما ماصح فی الاخبار من الصدقۃ عن المیت والحج عنہ فقد قیل ان سعی غیرہ لما لم ینفعہ الابنیًا علی سعی نفسہ وھو ان یکون مؤمنًا کان سعی غیرہ کانہ سعی نفسہ لکونہ تابعًا لہ وقائما بقیامہ ولان سعی غیرہ لا ینفعہ اذا عملہ لنفسہ ولکن اذا نواہ بہ فھو بحکم الشرع کالنائب عنہ والوکیل القائم مقامہ (مدارک) ف۳۴ (سو ان اطلاعات کے باوجود بھی انسان کا اپنے انجام کی طرف سے نڈر اور اپنی فلاح کی طرف سے غافل اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ رہنا کیسا عجیب ہے) الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جزائے اعمال بالکل پوری پوری ملے گی۔ وہاں کے حساب کتاب میں کسی غلطی، دھوکے، فروگذاشت، بھول چوک کا امکان نہیں۔ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔ اتنے جزء سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ہر آغاز کا ایک انجام ہوتا ہے کوئی چیز لاانتہا اور بے نہایت نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ ہر شے کا آخری رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ ف۳۵ (رحم مادر میں) آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تمام واقعات غم و مسرت، سارے اسباب موت وحیات، ہر قسم کی تخلیق کی اصلی اور آخری علت صرف ذات حق تعالیٰ ہے، کوئی ان صفات میں اس کا شریک و سہیم نہیں اور نہ اس کے یہ صفات وافعال مختلف دیویوں دیوتاؤں کے درمیان تقسیم ہیں کہ جلانا اور پیدا کرنا کسی اور کے ہاتھ میں اور مارنا اور فنا کرنا کسی اور کے اختیار میں۔ خوش نصیبی کا تعلق فلاں سے ہو اور بدنصیبی کا فلاں سے۔ ف۳۶ یعنی وہی دولت، سرمایہ دیتا بھی ہے اور وہی اسے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ لکشمی دیوی وغیرہ کسی اور کا اس میں دخل نہیں۔ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی۔ یعنی دوبعث ثانی جو قیامت کے دن ہو گا۔ عَلَیْهِ۔ یعنی اس کا وقوع ایسا ضروری ہے، کہ حق تعالیٰ پر وہ گویا واجب ہے یا حق تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حالانکہ حقیقۃً کوئی شے بھی حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہو سکتی۔ واجب ہونے کے معنی کسی برتر قانون کے ماتحت پابندی کے ہیں۔ اور ارادہ الٰہی سے بڑھ کر کون قانون ہو سکتا ہے جس کا وہ ماتحت یا پابند ہو۔ اسی لئے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر واجب کوئی سی بھی چیز نہیں۔ ف۳۷ (جسے تم معبود سمجھ کر پرستش کر رہے ہو) الشِّعْرٰی۔ شعریٰ سے مراد مطلق ستارہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن الشِّعْرٰی یا شعرائے یمانی نام ستارہ جوزا کا ہے۔ علماء ہیئت کی تحقیق میں یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے۔ اس کی پرستش نہ صرف عربوں میں بلکہ متعدد قدیم مشرک، جاہلی قوموں، مصریوں، یونانیوں، رومیوں وغیرہ میں کثرت وشدت سے ہوتی رہی ہے۔ قرآن مجید نے اس کا نام اس سیاق میں لا کر سارے نظام ستارہ پرستی پر ضرب لگا دی۔ ذوالشعریٰ۔ کی مورتی ایک چوکور سیاہ پتھر کی تھی اور زمین سے چار فٹ بلند اور دو فٹ چوڑی زمین پر نصب رہتی تھی ــــ مغربی محققین کا بیان ہے کہ ابو الحجر کے نباطی عہد کے کتبوں میں اس دیوی کا نام منات دیوی کے نام کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۳۸ (اور یہ ساری ہلاکتیں جرم کفر و شرک ہی کی پاداش میں ہوئیں)

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ

اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ اور بھی بڑھے ہوئے ظالم

وَ اَطْغٰی ۝۵۲ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝۵۳ فَغَشّٰىهَا مَا

و سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ

غَشّٰى ۝۵۴ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝۵۵ هٰذَا نَذِیْرٌ

گھیر لیا ف۳۹ سو تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ ف۴۰ یہ ڈرانے والے (پیمبر) بھی پہلے

مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝۵۶ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝۵۷ لَیْسَ لَهَا

ڈرانے والوں میں سے ہیں وہ قریب آ جانے والی چیز قریب آ گئی، اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝۵۸ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ

اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں ف۴۱ سو کیا تم لوگ اس کلام سے

تَعْجَبُوْنَ ۝۵۹ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ۝۶۰ وَ اَنْتُمْ

تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ ف۴۲ اور تم

سٰمِدُوْنَ ۝۶۱ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۝۶۲

تکبر کرتے ہو غرض یہ کہ اللہ کی اطاعت کرو اور عبادت کرو ف۴۳

اٰیاتها ۵۵ ۞ ۵۴ سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّیَّةٌ ۳۷ ۞ رکوعاتها ۳

اس کی پچپن آیتیں ۔ سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا ف۱ اور یہ اگر کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں

ف۳۹ یعنی عذاب الٰہی نے۔ وَالْمُؤْتَفِكَةَ۔ الٹی ہوئی بستیوں سے مراد قوم لوط کے شہر ہیں، مغربی شام میں، بحر مردہ کے نواح میں۔ مَا غَشّٰى۔ یہ ابہام، اسلوب عرب کے مطابق، عذاب الٰہی کی عظمت وہولناکی کے اظہار کے لئے ہے۔ وَقَوْمَ۔ نَطْغٰى۔ نوح وقوم نوح دونوں پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۴۰ (اے مخاطب!) مقصود کافر مخاطب کی حماقت پر اظہار تاسف ہے کہ اے احمق بجائے اس کے کہ ان مضامین کی تصدیق سے تو فائدہ اٹھاتا تو الٹا ان سے انکار وشک کر رہا ہے۔ اٰلَآءِ رَبِّكَ۔ ان سارے مضامین سے آگاہی۔ ان کے متعلق احکام وہدایات یہ سب بھی تو اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔ ف۴۱ (تو کسی اور کے بھروسہ پر اُدھر سے بے خبر رہنا انتہائی محرومی اور بدبختی کی بات ہے، چاہئے کہ ان پیمبر کا کہنا مانو) هٰذَا۔ اشارہ رسول ﷺ کی جانب ہے اور جائز ہے کہ قرآن کی جانب سمجھا جائے۔ ف۴۲ (خوف مواخذۂ آخرت سے) تَعْجَبُوْنَ۔ یعنی بے یقینی کے ساتھ اور اسے مستبعد سمجھ کر اس پر اظہار حیرت کر رہے ہو۔ وَتَضْحَكُوْنَ۔ اور انکار واستہزاء کیساتھ اس کی ہنسی اڑا رہے ہو۔ ف۴۳ (حسب تعلیم وہدایت پیمبر، تاکہ فلاح دارین حاصل کرو) سٰمِدُوْنَ۔ یعنی اپنے جہل وغفلت کی بناء پر طاعت الٰہی سے عار محسوس کر رہے ہو۔ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ۔ سجدہ۔ یہاں اپنے لفظی معنی بخضوع واطاعت کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ اسے فاخضعوا له واخلصوا ووحدوه (ابن کثیر) لیکن آیت حنفیہ کے نزدیک سجدہ کی ہے، اور اس پر پہنچ کر رسول ﷺ سے سجدہ کرنا منقول ہے۔ هذه اٰية سجدة عند اكثر اهل العلم وقد سجد النبی ﷺ عندها (روح) ف۱ معجزۂ شق القمر رسول ﷺ کے مشہور معجزات میں سے ہے۔ حضور ﷺ کا قیام مکہ میں تھا اور ہجرت کو ابھی ۵ سال کا زمانہ باقی تھا کہ ایک مرتبہ غالباً بتقریب حج جب منیٰ میں اجتماع تھا تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے معجزہ کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے باذن الٰہی چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا نظر آیا۔ یہاں اسی معجزہ روشن کا ذکر ہے۔ جو لوگ اپنے خدا کو عاجز اور محدود الاختیار اور ناقص القویٰ سمجھتے ہیں یا اپنی نافہمی سے سرے سے امکان معجزہ وخرق عادت ہی کے قائل نہیں، ان سے تو گفتگو دوسرے رخ سے کی جائے گی (اور جا بجا ان سے یہی خطاب ان حاشیوں میں آ چکا ہے) البتہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت لا محدود اور قدرت نامتناہی کے لحاظ سے جو واقعہ اور جس طرح جب چاہے دنیا میں واقع کر سکتا ہے اور کرتا رہتا بھی ہے، ان سے عرض ہے کہ ایسے سارے واقعات کا ثبوت صرف تاریخی ہی ہو سکتا ہے۔ اور اسی کا نام دلیل نقلی ہے۔ (جو کوئی حقیر چیز نہیں بلکہ دلیل عقلی ہی کے مساوی الوزن اور ہم مرتبہ ہے) اور اس واقعۂ خاص کے ثبوت میں شہادتیں بڑی کثرت سے اور بڑی وزن کی موجود ہیں۔ چنانچہ:۔

قد كان هذا فی زمان ﷺ كما ورد ذالک فی الاحادیث المتواترة بالاسانید الصحيحة وهذا امر متفق عليه بين العلماء ان انشقاق القمر قد وقع فی زمان النبی صلى الله عليه وسلم وانه كان احدى المعجزات الباهرات (ابن کثیر)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے زمان مبارک میں پیش آیا جیسا کہ متعدد احادیث میں اسناد صحیح کے ساتھ آ چکا ہے اور اس مسئلہ پر سارے اہل علم کا اتفاق ہے کہ شق قمر رسول ﷺ کے زمان مبارک میں واقع ہوا ہے اور اس کا شمار آپ کے مشہور معجزات میں ہے۔

یہاں تک کہ بعضوں نے اس کے تواتر کا بھی دعویٰ کیا ہے:۔

وذلک علی عهد رسول الله ﷺ قبل الهجرة بنحو خمس سنين ......والاحاديث الصحيحة فی الانشقاق كثيرة واختلف فی تواتره فقيل هو غير متواتر و فی شرح المواقف الشريف انه متواتر وهو الذی اختاره العلامة ابن السبكی قال فی شرحه لمختصر ابن الحاجب الصحيح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص عليه فی القراٰن مروی فی الصحيحين و غيرهما من طرق شتی بحيث لایمتری فی تواتره (روح)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے عہد مبارک میں ہجرت سے ۵ سال قبل پیش آیا تھا اور شق کے بارے میں صحیح حدیثیں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ قول بھی ہے کہ یہ خبر غیر متواتر ہے اور شریف کی شرح مواقف میں ہے کہ یہ خبر متواتر ہے اور یہی مسلک ابن السبکی کا بھی ہے جنہوں نے المختصر لابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے کہ شق قمر کی خبر متواتر ہے، جس پر خود قرآن کی نص اور صحیحین وغیرہ کی نص متعدد طریقوں پر اس طرح گواہ ہیں کہ اب اس کے تواتر میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

قد تواتر الخبر به عن الصحابة ولم يتكر به منهم احد (جصاص)۔ ’’حضرات صحابہ سے یہ نقل متواتر ہو کر پہنچی ہے اور اس کا انکار کسی صحابی نے بھی نہیں کیا‘‘۔ احادیث میں یہ خبر ایک نہیں، دس دس صحابیوں سے روایت ہوئی ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک وغیرہم شامل ہیں۔ روی انشقاق القمر عشرة من الصحابة منهم عبدالله بن مسعود و ابن عمر وانس وابن عباس وحذيفه وجبير بن مطعم فی اٰخرين كرهت ذكر اسانيدها للاطالة (جصاص) آیت کا یہ مطلب تو کھلا ہوا، الفاظ قرآنی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نہایت قریب آ گئی ہے اور اس کے آثار وعلامات قرب میں سے یہ واقعہ شق القمر واقع ہو گیا — دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ شق قمر خود ایک دلیل وقوع قیامت پر اور

يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَ كَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا

تو (اسے) ٹال جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں (یہ) جادو ہے جو ابھی ختم ہو جائے گا و٢ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور

اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ

اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے و٣ اور ان لوگوں کے پاس

الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ

خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ جن میں کافی عبرت ہے و٤ اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ہے، مگر ڈرانے والی چیزیں

النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں، سو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے و٥ جس روز ایک بلانے والا (فرشتہ)

نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

انہیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے (اس طرح) نکل رہے ہوں گے

كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ

جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے دوڑے چلے آ رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر لوگ کہتے

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے و٦ ان لوگوں سے پہلے نوح کی قوم والے تکذیب

فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ

کر چکے ہیں، سو انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (نوح کو) دھمکی بھی دی گئی و٧

اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ

اس پر انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو تو بدلہ لے لے و٨ سو ہم نے آسمان کے دروازے کھول

مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ ۖ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

دیئے بکثرت برسنے والے پانی سے، اور زمین میں چشمے پھوڑ دیئے سو پورا پانی مل گیا اس کام کے لئے

اس کی ایک نظیر ہے۔ جس طرح آج یہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اسی طرح اس روز کائنات کی ہر چیز پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔ و٢ (جیسہ کہ ہر سحر ایک عارضی چمک دمک کے بعد فنا ہو جاتا ہے) ذکر مشرکین مکہ اور ان کی شدت ضد و عناد کا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صریح سے بھی صریح واضح سے بھی واضح نشان بھی دیکھ کر اس کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے بلکہ اسے سحر پر محمول کر کے اس کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور یہی کہنے لگتے ہیں کہ بس جیسے اور جادو کے کرشمے وقتی اور چند روزہ ہوتے ہیں، یہ جادو بھی ایک مدت کے اندر ختم ہو جائے گا۔ مُسْتَمِرٌّ۔ مٹ جانے والا، عارضی، فانی، اے ذاهب قاله مجاهد وقتادة وغيرهما اے باطل مضمحل لا دوام له (ابن کثیر) و٣ یعنی بعد چندے ہر امر کی اصلی حالت معین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دین سے متعلق بھی نظر آ جائے گا کہ آیا یہ کوئی سحر یا ڈھکوسلا ہے اور یا کوئی باقی رہ جانے والی حقیقت۔ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ اس سے اس جانب اشارہ ہو گیا کہ تکذیب و اعراض بھی محض ہوائے نفس سے تھا۔ اس کی تہ میں کوئی عقلی اشتباہ نہ تھا۔ و٤ (اور ان سے پورا اور واضح نتیجہ عقوبت عاجل سے متعلق نکل سکتا ہے) مِنَ الْاَنْۢبَآءِ۔ یعنی پرانی نافرمان قوموں کے زیر عذاب آنے اور ہلاک و برباد ہونے کے متعلق خبریں۔ و٥ یعنی آپ ایسے لوگوں کے متعلق جن کا یہ حال ہو چکا ہے اور جو اس درجہ مسخ ہو چکے ہیں، کچھ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔ یہ بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کے غایت جمود و شدت تعصب کا کہ یہ انذاری نشانات سے کچھ بھی عبرت و ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ۔ یہ قرآن اعلیٰ حکمتوں اور دانشمندیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں جو سامان عبرت پرانے قصص سے رکھ دیا گیا ہے وہ نہایت پر حکمت ہے۔ و٦ (اور واقع میں وہ وقت کافروں کے لئے انتہائی سخت ہو گا بھی) بیان روز حشر کی ہولناکیوں اور دہشت انگیزیوں کا ہو رہا ہے۔ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ۔ منکروں کی آنکھیں اس روز تو کچھ ندامت سے اور کچھ ہیبت سے اور پھر کچھ احساس ذلت سے بہرحال زمین کی طرف لگی ہوں گی۔ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ انسانوں کے اس انبوہ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دل ہی کی ہے۔ ٹڈی دل جب بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے ڈل بادل تہ بہ تہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا! اور ٹڈیوں کی تعداد کا تخمینہ اس وقت سو کھرب یا ایک نیل (۱۰,۰۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰۰) کا کیا گیا!— اور بعض دل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدہ میں آ چکے ہیں! و٧ (سنگساری وغیرہ۔ آزار رسانی کی) سنگساری کی دھمکی کی تصریح تو سورۃ الشعراء میں آ بھی چکی ہے۔ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ عَبْدَنَا سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ عبد کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو قرب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبد اللہ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔ و٨ (کہ میں عاجز و ناتواں ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ اللہ! کیا شان بے نیازی ہے۔ پیغمبر عین داعیٔ حق بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور وہ جا کر باغیوں، منکروں کے ہاتھوں اتنی ایذائیں اٹھاتے ہیں کہ ہر طرح اپنی مغلوبیت اور بے بسی محسوس کر کے آخرکار دعاء اور دعائے انتقام پر مجبور ہو جاتے ہیں! سچ کہا ہے کسی عارف نے ؎

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست ‏ کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے۔

أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾

جو تجویز ہو چکا تھا ف۹ اور ہم نے نوح کو سوار کر دیا تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر

تَجْرِيْ بِأَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ

جو ہماری نگرانی میں رواں تھی ف۱۰ (یہ سب) انتقام میں اس شخص کے تھا جس کا انکار کیا گیا تھا ف۱۱ اور ہم نے اس واقعہ کو نشان

اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾

(عبرت) کے طور پر رہنے دیا سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ف۱۲ سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی رہیں؟ ف۱۳

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ف۱۴ عاد نے بھی

عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

تکذیب کی، سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک

رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ

تند ہوا مسلط کی ایک دائمی نحوست کے دن ف۱۵ لوگوں کو (اس طرح) اکھاڑ پھینکتی تھی

النَّاسَ ۙ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ

کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں ف۱۶ سو (دیکھو) میرا

عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

عذاب اور میری تنبیہیں کیسی رہیں؟ اور قرآن کو ہم نے آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کو سو ہے کوئی نصیحت حاصل

مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا أَبَشَرًا مِّنَّا

کرنے والا ف۱۷ ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی، اور بولے کہ کیا ہم اپنے ہی ہم جنس

وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ إِنَّآ إِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَأُلْقِيَ

ایک انسان کی پیروی کریں اور وہ بھی اکیلا پھر تو ہم نرے بیوقوف اور مجنون ٹھہرے ف۱۸ کیا ہم سب میں سے

ف۹ اور وہ امر مقدر یا تجویز شدہ کیا تھا؟ منکروں، سرکش منکروں کی غرقابی فَفَتَحْنَا ...... مُّنْهَمِرٍ۔ یعنی اوپر آسمان سے بھی خوب بارش ہوئی۔ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُوْنًا۔ یعنی ادھر زمین کے بھی سوتے ابل پڑے۔ فَالْتَقَى ...... قُدِرَ۔ غرض یہ کہ اوپر کے پانی اور نیچے کے پانی دونوں نے مل ملا کر خدائی منصوبہ کی تکمیل کر دی۔ قصہ طوفان نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ ف۱۰ (اور اس لئے ہر قسم کے گزند و آفت سے معجزانہ طور پر محفوظ تھی) حَمَلْنٰهُ۔ کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین مؤمنین بھی سوار تھے۔ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ۔ آہنی آلات سے چرے ہوئے چوبیں تختے اور لوہے کی بنی ہوئی ڈھلی ہوئی کیلیں اور باقاعدہ کشتی سازی یہ سب شہادتیں ہیں اس امر کی کہ قوم نوح ایک اچھی مہذب و متمدن قوم تھی۔ ف۱۱ (اور جس کے لائے ہوئے پیام کو جھٹلایا گیا تھا) اس پیام کا جزء اعظم توحید تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کی طرف سے بھی انتقام لے لیا کرتا ہے۔ ف۱۲ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً۔ یہ نشان عبرت محفوظ کر دیا گیا لوگوں کے حافظہ میں، تاریخ کے اوراق میں۔

ف۱۳ یعنی میرا وعدۂ عذاب کیسا پورا ہو کر اور نفس عذاب کیسا واقع ہو کر رہا۔

ف۱۴ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ يَسَّرْنَا۔ سے اشارہ اس حقیقت کی جانب ہو گیا کہ یہ محض توفیق و احسان الٰہی ہے جس نے قرآن کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ چیز انسانی فہم و دماغ کے بس کی نہ تھی۔ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ لِلذِّكْرِ کی قید نے اسے صاف کر دیا کہ قرآن مجید آسان تو بے شک ہے، لیکن صرف عبرت و تذکیر، ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ استنباط مسائل بجائے خود ایک مستقل و دقیق فن ہے۔ ملکۂ خصوصی و مہارت تحقیقی کا محتاج۔ ف۱۵ (ایسی مستقل و پائدار نحوست ان کے حق میں لے کر، کہ پھر وہ عذاب الٰہی ان سے زندگی بھر کبھی نہ ٹلا۔ بلکہ بعد موت بھی انہیں عذاب آخرت کے حوالہ کرے گا) يَوْمِ۔ مراد مطلق زمانہ سے ہے۔ کوئی ایک متعین و محدود مدت مراد نہیں۔ ف۱۶ اس طوفانی آندھی نے اس مضبوط و تنومند، توانا اور لحیم و شحیم قوم کو یوں اٹھا اٹھا کر پٹخا جیسے کسی تیز و تند آندھی کے اثر سے بڑے بڑے کھجوروں کے تنے جمائے ہوئے تنے دور دور جا کر گرتے ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قرآنی تشبیہ میں علاوہ ان لوگوں کے پھینکے جانے کے اشارہ ان کے قوی جسموں اور طویل قامتوں کی طرف بھی نکلتا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ حاشیے بار بار گزر چکے۔

ع ۲۲ / ۸

ف۱۷ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو قرآن مجید کے پر عبرت و سبق آموز قصوں سے گزرے اور محض گزرتا چلا جائے، ان سے انجام بینی کے سبق نہ حاصل کرے۔

ف۱۸ یعنی یہ کوئی دیوی دیوتا ہوتا، کوئی خدائی اوتار ہوتا، جب تو خیر ایک بات بھی تھی۔ لیکن جب یہ کچھ بھی نہیں، اپنے ہی ہم جنس، اپنے ہی جیسے ایک انسان کے پیچھے لگ جانا، اس کی راہ پر چل پڑنا، اور پھر وہ انسان بھی کیسا، نہ اس کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہ کوئی جاہ و شکوہ، یہ بھی بھلا عقل کی کوئی بات ہے؟ ساری دنیا ہمیں کیسا اُلو بنائے گی! أَبَشَرًا مِّنَّا۔ پیمبر کی یہ بشریت ہی سب سے بڑی رکاوٹ، مشرکوں اور شرک پیشہ لوگوں کے قبول حق کی راہ میں رہی ہے۔

ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے، شیخی باز ہے ف۱۹

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا

انہیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا ف۲۰ ہم اونٹنی کو ظاہر

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ

کرنے والے ہیں اُن کی آزمائش کے لئے سو انہیں دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا، اور خبر دے دینا کہ

الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ کُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا

پانی اُن کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے ف۲۱ پھر انہوں نے

صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ

اپنے رفیق کو بلایا، سو اُس نے (اس پر) وار کیا اور (اس کو) ہلاک کر ڈالا، سو دیکھو میرا عذاب اور

وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَکَانُوْا

میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک ہی نعرہ مسلط کیا سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ

کَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ

لگانے والے کا چورا ف۲۲ اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لئے، سو ہے کوئی

مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۳۲﴾ کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

نصیحت حاصل کرنے والا؟ لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر

عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾

پتھر برسائے، بجز خاندان لوط کے کہ انہیں صبح تڑکے بچا لیا

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِیْ مَنْ شَکَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

اپنی طرف سے فضل کر کے ف۲۳ جو شکر کرتا ہے اسے ہم صلہ ہی ایسا دیا کرتے ہیں ف۲۴ اور

ف۱۹ (جو شخص کے مارے باتیں ایسی بڑائی کی کرتا ہے کہ اسے سرداری مل جائے) اللہ اللہ! یہ پیغمبر کا درجہ ہے۔ منکروں، مسخ شدہ ذہنیت والے منکروں کی نظر میں! — شیطان کے تسلط کے بعد کوئی حد ہی انسان کی سخافت فکر کی نہیں رہ جاتی! ف۲۰ غَدًا۔ مراد "مرتے ہی" ہے۔ دنیوی عذاب کی آمد بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مقصود بہر صورت متوقع عذاب کی تاکید و تیقن ہے۔ عند نزول العذاب بهم او یوم القیامة (مدارک) الْکَذَّابُ۔ جھوٹے اور سخت جھوٹے یہ لوگ ثابت ہوں گے بلحاظ انکار توحید و رسالت کے۔ الْاَشِرُ۔ شیخی باز یہ لوگ ثابت ہوں گے اس لحاظ سے کہ انہیں نبی کے اتباع میں عار آتا تھا۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اصلاح سے مایوس ہو جانے کے بعد اہل طریق بھی اسی طرز پر معاندین کو جواب دیتے ہیں۔ ف۲۱ یعنی اونٹنی اپنی باری پر پانی پینے آئے اور لوگوں کے جانور اپنی باری پر۔ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ۔ یعنی ہم اونٹنی کا ظہور بطور معجزہ کے کریں گے۔ حضرت صالح اور قوم ثمود کا ذکر اوپر کئی بار آ چکا۔ اور حاشیے بھی بار بار گزر چکے۔ ف۲۲ یعنی جیسے مواشی وغیرہ سے حفاظت کے لئے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد وہ سب چورا چورا ہو جاتی ہے، بس اسی طرح پر وہ پُر قوت و پُر عظمت قوم ہلاک و برباد ہو کر رہی — تشبیہ خاص عربوں کے مذاق کی ہے جسے وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ ف۲۳ یعنی انہیں بستی سے باہر نکال کر عذاب سے محفوظ کر دیا۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ۔ عذاب سے محفوظ صرف خاندان لوط رکھا گیا۔ لیکن نہ اس لئے کہ وہ لوگ نبی کے خاندان سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہی لوگ تو ایمان لائے اور نبی کی تصدیق کرنے والے تھے، ورنہ اگر محض اس خاندان سے ہونا محفوظیت کے لئے کافی ہوتا تو خود زوجہ حضرت لوط کیوں مبتلائے عذاب ہوتیں۔ بِالنُّذُرِ۔ نذر۔ نذیر کی جمع اور مراد پیغمبر کی توجیہ محض حضرت لوط کی تکذیب کی بنا پر یہ ہو سکتی ہے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب سارے پیغمبروں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ ف۲۴ یعنی اپنے قہر و عذاب سے بچا لیا کرتے ہیں۔ مَنْ شَکَرَ۔ شکر ادا کرنے سے یہاں مراد ایمان لانے سے ہے۔

اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ

لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا سو انہوں نے (اس) ڈرانے میں جھگڑے نکالے ف۲۵ اور انہوں نے لوط سے

ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

ان کے مہمانوں کو بارادۂ بد لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں چٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو،

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا

اور صبح سویرے ہی ان پر عذاب دائمی آ پہنچا کہ لو میرے عذاب

عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت لینے کو سو ہے کوئی نصیحت

مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا

لینے والا؟ اور فرعون والوں کے پاس ڈرانے کی (بہت سی) چیزیں پہنچیں ف۲۶ انہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ

ساری نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے (انہیں) زبردست صاحب قدرت کی پکڑ پکڑی ف۲۷ تو کیا تمہارے (زمانے کے) کافر

خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

ان اگلے لوگوں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے (آسمانی) نوشتوں میں کوئی معافی (درج) ہے؟ ف۲۸ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں

نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ

کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہیں گے؟ ف۲۹ (سو) عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر

الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى

بھاگیں گے ف۳۰ لیکن ان کا (اصل) وعدہ تو قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت

وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ

اور ناگوار چیز ہے، (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے ہوئے) ہیں جس روز

ف۲۵ (جیسا کہ ہر شریر و سرکش قوم نکالتی ہی رہتی ہے۔ فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ۔ یعنی کسی طرح آپ ﷺ کی تنبیہات پر یقین نہ کیا اور ان میں برابر حجتیں ہی نکالتے رہے۔ ف۲۶ ڈرانے کی متعدد چیزوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ارشادات بھی ہیں جو منذر تشریعی تھے اور معجزات بھی جو منذرات تکوینی تھے۔ ف۲۷ یعنی قہر و غلبہ کے ساتھ پکڑا جس کے دفع کرنے پر کوئی بھی قادر نہ ہو سکا۔ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔ زبردست اور قدرت والا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اسی مناسبت سے اس کی گرفت بھی سخت اور بے پناہ رہی۔ بعض مشرک جاہلی قوموں نے خدا کو خدا مان کر بھی صفات قہر و غضب سے محروم و معریٰ تسلیم کیا ہے۔ عزیز و مقتدر۔ جیسے صفاتی نام لانے سے ایک مقصود ان غلط عقائد کی تردید بھی ہے۔ ف۲۸ (اس لئے ہر کفر و شرک کے باوجود عذاب سے محفوظیت بھی) کفار کو۔ خطاب اہل عرب سے ہے۔ یا معشر العرب (بیضاوی) الخطاب مع اهل مكة (کبیر) اُولٰٓئِكُمْ۔ یعنی تمہارے وہ لوگ جن کی سزاؤں کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یعنی من الذين تقدم ذكرهم ممن اهلكوا بسبب تكذيبهم الرسل وكفرهم بالكتب (ابن کثیر) اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ۔ یعنی کیا یہ آج کل کے کافر ارتکاب جرم کرتے رہیں گے۔ اور پھر بھی ان میں کوئی ایسی بات ہے جس سے یہ سزا پانے سے بچے رہیں گے؟ ف۲۹ (ہمیشہ اور ہر حال میں) مطلب یہ ہوا کہ ان تین شقوں میں سے یہ کون سی شق اپنے لئے فرض کئے ہوئے ہیں؟ ف۳۰ سو اس طرح تینوں احتمالات کا کذب عنقریب اسی دنیا میں ظاہر ہو کر رہے گا۔ ریاست مکہ کے عین شباب، قوت اور غلبہ کے سارے ظاہری آثار و قرائن کے وقت ایک بظاہر بالکل بے یار و مددگار شخص کی زبان سے ایسی زبردست پیشگوئی کا ادا ہونا اور پھر اس کا لفظ بلفظ پورا ہو جانا اعجاز قرآنی کے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ

یہ لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا

سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا

مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے ف۳۱ اور ہمارا حکم بس ایسا

وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ

یک بیک ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا، ف۳۲ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں،

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ

سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ف۳۳ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ (سب) نوشتوں میں (درج) ہے، اور ہر

صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ

چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے ف۳۴ جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے

وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

درمیان ہوں گے، ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ف۳۵

آیاتها ۷۸ — ۵۵ سورۃ الرحمٰن مدنیۃ ۹۷ — رکوعاتها ۳

اس کی اٹھتر آیتیں — سورۂ رحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الرَّحْمَٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ

خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی ف۱ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اس کو

الْبَيَانَ ﴿٤﴾ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَالنَّجْمُ

گویائی سکھلائی ف۲ سورج اور چاند ایک حساب کے (پابند) ہیں ف۳ اور سبزیاں

ف۳۱ (اور اسی انداز معین و مقرر میں تعین زمان بھی شامل ہے جب علم الٰہی کے مطابق وقت مناسب آئے گا اس وقت قیامت لازماً واقع ہو کر رہے گی نہ کہ اس کے قبل) إِنَّ الْمُجْرِمِينَ۔ مجرموں سے مراد یا تو مشرکین ہیں، یا وہ سارے فرقے جو یوم آخرت کی طرف سے تردد وارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں۔ المشرکین (معالم) ھذا یشتمل کل من اتصف بذلک من کافر و مبتدع من سائر الفرق (ابن کثیر) إِنَّ ...... سُعُرٍ۔ دنیا کی کوئی حماقت و نادانی اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتی ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ انسان اسی کی طرف سے غافل و بےفکر رہے۔ ف۳۲ عام فہم انسانی میں وقت کی جو قلیل سے قلیل اور مختصر ترین مدت آسکتی ہے وہ یہی آنکھ کی جھپک ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی اسی چلتے ہوئے انسانی محاورہ کو استعمال کیا ہے ورنہ امر الٰہی کی حقیقی سرعت کا اندازہ تو انسان غریب نہ خود کر سکتا ہے نہ اس کے بنائے ہوئے آلات پیمائش وقت۔ ف۳۳ (اے کافرو! تم میں سے) مطلب یہ ہوا کہ جب طریق زندگی آج کے کافروں اور پچھلے منکروں میں مشترک ٹھہرا۔ تو عذاب بھی پچھلوں پر یقیناً اگلوں ہی کا سا آکر رہے گا۔ أَشْيَاعَكُمْ۔ یعنی پرانی قوموں میں سے جو تمہاری ہی مشابہ قومیں گزری ہیں۔ ای اشباھکم من الامم (مدارک) ف۳۴ (اور یہ نہیں کہ کچھ لکھا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو) فِي الزُّبُرِ۔ یعنی اعمالناموں میں۔ ای مکتوب فی کتب الحفظة (بیضاوی) فی دواوین الحفظة (بحر) یہ نوشتوں کا پیش ہونا ثبوت جرم کی مزید اکملیت کے لئے ہوگا ورنہ ثبوت کی قطعیت کے لئے تو محض علم الٰہی کافی ہے۔ ف۳۵ یہ بشارت مزید ہے کہ جنت میں اور ساری مادی اور روحانی نعمتیں اور لذتیں تو خیر ہوں ہی گی۔ ان سب کے ساتھ دولت قرب بھی حاصل ہوگا۔ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے دلپسند و خوشگوار مقام میں۔ فی مکان مرضی (بیضاوی) عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ دنیا میں تجربہ ہے کہ جو بادشاہ جتنا بڑا اور پرقوت، اتنا ہی اس کا قرب بھی باعث نفع و لذت چہ جائیکہ اس ملک الملوک، شہنشاہ اعظم و ملیک مقتدر کا قرب! کلما کان الملک اشد اقتدارًا کان المتقرب منه اشد التذاذًا (کبیر) عِندَ۔ قرب الٰہی سے مراد قرب معنوی ہے نہ کہ قرب مادی۔ والمراد منه قرب المنزلة والشان لا قرب المادة والمکان (کبیر) عندية منزلة و کرامة لامسافة ومماسة (مدارک) نَهَرٍ۔ اسم جنس ہے صورۃً واحد۔ معنیً جمع۔ نھر فی معنی الجمع لکونه اسم جنس (کبیر)

ع ۳

ف۱ اور قرآن چونکہ سرتا سر رحمت اور فلاح دنیوی و اخروی دونوں کے لئے بہترین ہدایت نامہ اور جامع ترین دستور العمل ہے اس لئے اس کا نزول اور انسان کو اس کی تعلیم بھی شان رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اسی مناسبت سے سورت کی ابتداء اسی کے ذکر سے ہو رہی ہے۔ ف۲ نطق و بیان کی نعمت تکوینی حیثیت سے بہت بڑی نعمت ہے۔ انسانیت کے لئے بھی مایۂ شرف اور حیوانیت و انسانیت کے درمیان بھی فارق ہے۔ منطقیوں اور فلسفیوں نے انسان کی تعریف ہی جو حیوان ناطق سے کی ہے وہ سب اسی جانب مشیر ہے۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ۔ انسان کا مقصد تخلیق چونکہ اسلام میں بہترین و برترین اخروی نعمتوں سے سرفراز ہونا ہے اس لئے انسان کا خلعت وجود سے مشرف ہونا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ دو لفظی آیت سے اور بھی متعدد تعلیمات نکلتی ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا۔ کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (۲) پیدا کیا ہوا بھی خدائے رحمٰن کا ہے۔ اس لئے اس کی خلقت سرتا سر رحمت و حکمت ہی کا ثمرہ ہے۔ (۳) انسان اپنے خالق و رب سے متحد نہیں۔ اس کا مخلوق ہے۔ ف۳ یہ نمایاں ترین اور روشن ترین اجرام فلکی دن اور رات، ماہ و سال کے وجود میں لانے والے اور فصل و موسم کے تغیرات پیدا کرنے والے، اپنی رفتار میں طلوع و غروب میں گھٹاؤ، بڑھاؤ میں، ہر چیز میں خود ایک باقاعدہ حساب اور پورے ضابطہ کے پابند ہیں اور دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت کا شائبہ ہی نہیں رکھتے۔ پرانی تحقیق یہ تھی کہ آفتاب زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ نئی تحقیق یہ ہے کہ آفتاب کسی اور مدار کے گرد گردش کر رہا ہے۔ بہرصورت اس کی نفس گردش اور کسی ضابطہ گردش کی پابندی مسلم ہے اور قرآن کی غرض صرف اسی حقیقت پر توجہ دلانا ہے۔

وَّالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝٦ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ

اور درخت دونوں (اسی کے) مطیع ہیں ف۴ اور آسمان کو اسی نے اونچا کیا ف۵ اور اسی نے ترازو

الْمِيْزَانَ ۝٧ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝٨ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ

وضع کر دی کہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝٩ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا

انصاف کے ساتھ اور تول کو گھٹاؤ مت ف۶ اور اسی نے زمین کو خلقت کے واسطے

لِلْاَنَامِ ۝١٠ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١

رکھ دیا ف۷ کہ اس میں میوے ہیں اور غلاف دار کھجور کے درخت ہیں

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور (اس میں) غلہ بھی بھوسہ والا اور (اور) غذا کی چیز بھی ف۸ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ۝١٣ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝١٤

جھٹلاؤ گے؟ ف۹ اسی نے انسان کو پیدا کیا (ایسی) مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور جنات کو پیدا کیا خالص آگ سے ف۱۰ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ۝١٦ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝١٧ فَبِاَيِّ

جھٹلاؤ گے؟ ف۱۱ وہ دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور وہی دونوں مغربوں کا پروردگار ف۱۲ سو تم (اے جن و انس)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٨ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝١٩

اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی نے دو دریاؤں کو ملا دیا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝٢٠ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢١

(اور) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے ف۱۳ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں

ف۴ (اور اسی کے قوانین تکوینی کے آگے سربسجود) يَسْجُدٰنِ۔ سجدہ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ یہاں مصطلح سجدہ شرعی نہیں محض انقیاد تکوینی مراد ہے۔ اى ينقادان لله تعالى (مدارک) النَّجْمُ۔ نجم۔ وہ پودا جس میں تنا نہ ہو، مثلاً گھاس، ترکاریاں، بیلدار درخت۔ شرک کا ایک بڑا مظہر دنیا میں شجر پرستی اور نباتات پرستی بھی رہا ہے۔ آیت اس کی جڑ کاٹ رہی ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۵ اور اتنا اونچا کہ انسانی عمارتیں، اور اونچے سے اونچے مینار وگنبد، اور اونچے سے اونچے پہاڑ، اور ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی وبفراغت تمام سما جاتے ہیں۔ آسمان بھی کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ ساری قدیم متمدن مشرک قوموں میں سمجھی رہی ہیں) بلکہ اللہ ہی کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق اور اس کی صنعت گری کا بہترین آئینہ دار ہے اور بس۔ ف۶ (اور اسی طرح معاملت کے ہر شعبہ میں پوری احتیاط برتو) وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ یعنی زمین میں ایسی کارآمد چیز ایجاد کر دی۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ آج اگر انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت اور تجارتی منڈیاں، درآمد برآمد، خرید وفروخت بیوپار اور ساہوکارہ، تھوک فروشی اور خوردہ فروشی بازار اور اس کی دوکانیں، غرض یہ کہ سارا کاروبار اور کاروباری تمدن کا کہیں بھی وجود ہوتا؟ الْمِيْزَانَ۔ میزان کے معنی عدل کے بھی کئے گئے ہیں۔ قيل المراد من الميزان العدل و وضعه شرعه (کبیر) تجارت اور تجارتی معاملات میں تقویٰ، دیانت واحتیاط کی اہمیت اسی ایک حکم سے ظاہر ہے۔ عالم کے فلاح و بہبود کا مدار بڑی حد تک اسی حکم کی تعمیل پر ہے۔ ف۷ یعنی خلقت کے نفع وخدمت کے لئے۔ زمین تو خود انسان کے کام میں آنے کے لئے ہے نہ یہ کہ انسان اپنی جہالت سے الٹی اس کی پرستش شروع کر دے، اور دھرتی مائی وغیرہ کسی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔ ف۸ (اور یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام میں آنے کے لئے ہیں، مراد ہر قسم کے نباتات، میوہ جات، پھل پھلاری، ترکاریاں وغیرہ ہیں) — قرآن مجید نے ان مادی، جسمی، غذائی نعمتوں کو نعمتوں ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ باطل اور مسخ شدہ مذہبوں کے زیر اثر ان نعمتوں کی تحقیر کرنا، یا اپنے کو ان سے ماوراء اور مافوق سمجھنا کفران نعمت کی ایک فرد ہے۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ۔ جس طرح غلہ انسان کی غذا ہے، بھوسی بھوسہ گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور اس طرح بالواسطہ وہ بھی انسان ہی کے کام کی ہیں۔ الرَّيْحَانُ۔ ریحان کے دوسرے معنی خوشبودار پھول کے بھی ہیں۔ گویا یہ ارشاد ہوا کہ زمین سے ایسی چیزیں بھی نکلتی ہیں جو گو براہ راست غذا میں نہیں کام آتیں۔ پھر بھی انسان ان سے خوشبو وغیرہ کا کام لیتا ہے۔ ف۹ (اور نعمتوں کے حقوق کی ادائی یہی ہے کہ منعم کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اور دنیا میں اس کے قوانین کے نفاذ میں مدد کی جائے) یہ خاص آیت اس سورت میں ۳۱ بار آئی ہے اور ہر بار ایک نئے سیاق میں اور نعمت کے ایک نئے مصداق کے ساتھ اس لئے تکرار صرف صوری ہے معنوی نہیں۔ لیکن بالفرض معنوی بھی ہوتی تو ظاہر ہے کہ جب اہل زبان نے اسے فصاحت زبان اور سلاست بیان میں مخل نہ سمجھا بلکہ اس میں ممد ومعاون سمجھا اور اس کو شمار خاص ادبی صنعتوں میں کیا تو عربی ادب کے اس بہترا حسن کو اردو یا انگریزی یا ہندی یا چینی یا کسی بھی اور زبان وادب کے معیار سے دیکھنا اور جانچنا جہل صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس کی نظیر سے تو نہ دنیا کے ادبی ذخیرے خالی ہیں نہ دنیا کے مذہبی نوشتے — دنیا کے ادیبانہ خطبات سے قطع نظر خاص کتاب زبور میں جو مناجات ۱۳۶ پر ۲۶ آیتوں کی ہے اس میں ایک خاص فقرہ "کہ اس کی رحمت ابد تک ہے" کی تکرار بھی ۲۶ ہی بار آئی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نعمتوں کی جمیع اقسام سے نفع اٹھانا تو خود مطلوب ومقصود ہے اور نہ زہد کے منافی ہے نہ تعلق مع اللہ کے مانع۔ جیسا کہ بعض اہل تقشف نے سمجھ رکھا ہے۔ ف۱۰ انسان اور جن کا مخلوق کی دو ۲ مختلف نوعیں ہونا یہاں جس صراحت سے مذکور ہے اس کے آگے صراحت کا کوئی اور درجہ ہو سکتا ہے۔ حیرت اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام ہے کہ ایسی ایسی متعدد قرآنی صراحتوں کے باوجود بعض باطل فرقوں کی کوششیں اب بھی جاری ہیں کہ جس طرح بھی کھینچ تان کر اور لغت اور نصوص قرآنی سے جس طرح بھی کشتی لڑا کر ممکن ہو جنات کو انسان ہی کی ایک قسم ثابت کر دکھائیں! — اس لئے اور محض اس لئے کہ فرنگیوں کو ابھی تک اپنی کسی تحقیق سے وجود جنات کا ثبوت نہیں ملا ہے! اکبر الہ آبادی کیا خوب فرما گئے ہیں۔ کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز۔ جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا! ف۱۱ جن مادی روحانی نعمتوں کا ذکر اس سیاق وسباق میں چل رہا ہے اس سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنات بھی ان سے اسی طرح مستفید ہو رہے ہیں جس طرح انسان۔ ف۱۲ مشرقين و مغربين۔ کے صیغہ تثنیہ سے مراد چاند اور سورج کے طلوع ہونے والے دو افق اور انہیں دونوں کے غروب ہونے والے دو افق ہیں۔ اى مشرق الشمس والقمر ومغربهما (کبیر) محض سورج ہی کے دو مشرق اور دو مغرب (جاڑے اور گرمی کی فصلوں کی مناسبت سے) بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اى مشرق الشتاء ومشرق الصيف (کبیر) ف۱۳ ماہرین فن کا بیان ہے کہ سطح زمین کے نیچے پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں۔ ایک سلسلہ آب شور کا ہے جو سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا سلسلہ آب شیریں کا ہے جو عموماً کنوئیں، دریاؤں، جھیلوں سے نکلتا رہتا ہے۔ کائنات انسانی کے واسطے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔ آیت میں اس حکمت وصنعت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور پھر ایک دوسرے سے گڈمڈ اور مدغم نہیں ہونے پاتے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الفرقان (پ۱۹) کے حاشیے۔

ف۱۴ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی، طبی، معاشی، معاشرتی منافع اور ان کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید کا ان قیمتی اور بحری موجودات کا محل نعمت میں ذکر کرنا خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ اسلام نہ کوئی خشک وزاہدانہ و راہبانہ اور تمدن بیزار مذہب ہے اور نہ یہ دین صرف صحرائے عرب کے باشندوں کی ضروریات تک کے لئے محدود ہے۔ مِنْهُمَا۔ اس ضمیر تثنیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں چیزیں دونوں ہی نظامات آبی میں موجود ہوں۔ دونوں کے صرف مجموعہ میں ان کا موجود ہونا بالکل کافی ہے۔ ف۱۵ جہازوں کے بھی تمدنی، معاشرتی، سیاسی، تجارتی منافع بالکل ظاہر ہیں — قرآن مجید نے بحری تجارت کو بار بار سراہا ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً وتضمنًا۔ اور یہاں تو جہازوں سے جو اور کام بھی لئے جا سکتے ہیں، جنگی اغراض، تفریحی اغراض، جغرافی اغراض وغیرہا ان سب کی طرف اشارہ آ گیا ہے۔ كَالْاَعْلَامِ۔ اس تشبیہ سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ قرآن مجید کے پیش نظر محض معمولی ہلکی کشتیاں، ڈونگی وغیرہ کے قسم کی نہیں، بلکہ بڑے بڑے قدآور بادبانی، دخانی، جنگی جہاز وغیرہ جو بعد کو ایجاد ہوئے۔ یہ سب اس کے پیش نظر تھے۔ قرآن مجید ان ایجادات واختراعات کا مخالف نہیں، صرف ان کے سوءِ استعمال کا مخالف ہے۔ لَهٗ۔ یہ لا کر یہ جتا دیا کہ ان ایجادات واختراعات کو کہیں غفلت وخدا فراموشی میں پڑ کر اپنی ذات کی جانب نہ منسوب کرنے لگنا۔ بلکہ خدا اور آخرت کو یاد رکھ کر یہ سمجھتے رہنا کہ یہ سارے کمالات محض توفیق الٰہی سے مرحمت ہوئے ہیں، اور آخرت میں ان سب کے صحیح مصرف کی بابت جواب دینا ہے۔ — یہ احساس ذمہ داری رکھنے والی قوم کبھی بھی جابر، قاہر، دوسروں کے حق میں غیر عادل ہو سکتی ہے؟ ف۱۶ یہاں یہ صاف بتا دیا کہ زمین پر موجودات جتنی اور جس قسم کی بھی ہے، اچاہے وہ مادہ ہو، یا روح۔ سب کی سب فانی اور غیر باقی ہے۔ باقی اور قائم ودائم صرف الحی والقیوم کی ذات پاک ہے۔ عَلَيْهَا۔ ضمیر ھا کا الارض کی طرف راجع ہونا بالکل ظاہر اور غیر اختلافی ہے۔ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صفت جلال میں اشارہ ہے افناءِ عالم کی طرف اور صفت اکرام ابقاء کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشاۃ ثانیہ سے ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ الجلال کے تحت میں تمام صفات سلبی ونفی حق تعالیٰ کے آ گئے۔ اور الاکرام کے ماتحت تمام صفات اثباتی وایجابی۔ وَجْهُ۔ وجہ سے مراد ذات ہوتی ہے اور اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ الوجه يطلق على الذات (کبیر) ف۱۷ یعنی کائنات میں تصرفات جو ہر لحظہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہیں تمام تر اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی توجہ والتفات کا، یہ ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ پر غفلت اور بے التفاتی ایک آن کے لئے بھی طاری ہو — یہیں سے رد نکل آیا ان گمراہ قوموں کا جن کے نزدیک خدا دنیا کو ایک بار پیدا کر کے اب معطل اور اس سے بے تعلق ہو بیٹھا ہے، یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک بار کے عمل تخلیق کے بعد اب معطل ہے۔ اسلام کے عقیدہ میں اس خالق اکبر وقادر مطلق کی کن فیکونی قوت کا ظہور ہر آن ہر لمحہ کائنات کی ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت وتصرف میں ہوتا رہتا ہے۔ آگ اس لئے نہیں جلاتی اور پانی اس لئے نہیں دھوتا کہ آگ اور پانی میں کوئی فطری خاصیت جلانے اور دھونے کی موجود ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ جلانے اور دھونے کے ہر ہر جزئی واقعہ سے متعلق مشیت کا حکم ہی یہی ہوتا رہتا ہے! اسلام کا خدا اپنی خلاقی اور فعالی کے تجلیات ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ۔ یوم سے مراد یہ متعارف دن رات نہیں بلکہ مطلق وقت اور اس کا ہر حصہ مراد ہے۔ يَسْئَلُهٗ ... الْاَرْضِ۔ یعنی ساری کی ساری مخلوقات چاہے وہ آسمانی ہو یا زمینی، اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی رہتی ہیں۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کے اطلاق میں حضرات انبیاء کے علاوہ جنات، فرشتے سب ہی آ گئے۔ مخلوق کوئی سی بھی ایسی نہیں جو اپنے اپنے مرتبہ وجود کے لحاظ سے صاحب حاجت نہ ہو، اور حاجت روا سب کا حق تعالیٰ ہی ہے۔ ف۱۸ یعنی عنقریب تمہارا حساب وکتاب شروع کرنے والے ہیں۔ سَنَفْرُغُ۔ فراغت یا فارغ ہونے کا لفظ جہاں محاورۂ انسانی کے مطابق محض بطور مجاز ومبالغہ کے استعمال ہوا ہے مراد صرف توجہ تام کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کو عمومًا دوسرے کاموں سے فراغت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ورنہ ذات باری کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی ایک مشغولی دوسری طرف توجہ سے مانع ہو جائے۔ سَنَفْرُغُ میں س عنقریب کے معنی میں ہے۔ یعنی اس دنیا کے کاروبار کو ہم عنقریب ختم کر کے دوسرا دور جزائے اعمال کا شروع کرنے والے ہیں۔ الثَّقَلٰنِ سے مراد جنس جن وجنس انس ہیں۔ الثقلان الانس والجن لانهما فضلا بالتمييز الذي فيهما على سائر الحيوان (تاج) سميا ثقلين لتفضيل الله تعالى اياهما على سائر الحيوان المخلوق في الارض بالتمييز والعقل الذي خصّابه (لسان) ف۱۹ (اور وہ زور تمہیں میسر ہے نہیں) مقصود اس سے وقوع حساب کی تاکید ہے یعنی اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی بچ کر نکل جائے اور جب آج بھی اس کا امکان نہیں تو قیامت میں تو مخلوق کا عجز اور زیادہ ظاہر ونمایاں ہوگا۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں ف۱۴ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾

جھٹلاؤ گے؟ اور اسی کے اختیار میں ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں ف۱۵

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں،

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات، عظمت واحسان والی، باقی رہ جانے والی ہے ف۱۶ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں،

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے ف۱۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

سو ہم عنقریب اے جن وانس تمہارے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں ف۱۸ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا

اے گروہ جن وانس اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں

مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ

اور زمین کے حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ

سکتے ہی نہیں ہو ف۱۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ تم (دونوں) پر

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ ۙ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾

آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا سو تم نہ ہٹا سکو گے ف۲۰

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

اور سرخ ہو جائے گا مثل سرخ نری کے ف۲۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ

جھٹلاؤ گے؟ اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے باب میں

وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ

نہ پوچھا جائے گا ف۲۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجرم لوگ

الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

تو اپنے حلیہ ہی سے پہچان لئے جائیں گے اور پھر پیشانیوں اور پیروں کے بل پکڑ لئے جائیں گے ف۲۳

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ

بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾

جھٹلاتے رہے تھے ان لوگوں پر پھیرا ہوتا رہے گا اس کے اور گرم کھولتے پانی کے درمیان ف۲۴

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لئے

جَنَّتَانِ ﴿٤٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾

دو دو باغ ہوں گے ف۲۵ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (اور دونوں باغ بھی) خوب شاخوں والے ف۲۶

وقف لازم ع ۱۲

ف۲۰ مجرموں کا اپنے جرائم کی ناگزیر پاداش سے قبل از وقت مطلع و آگاہ و خبردار ہو جانا بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ توبہ و کفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اس اطلاع و اعلام کا شمار بھی نعمتوں ہی میں کیا ہے۔ ف۲۱ (اور یہ سب قیامت کے دن واقع ہوگا) کَالدِّھَانِ۔ دھان کے مختلف معنی منقول ہوئے ہیں۔ یہاں اتباع حضرت ابن عباس ؓ کے قول کا کیا گیا ہے۔ قال الضحاک عن ابن عباس الادیم الاحمر (ابن کثیر) قال الکلبی اے کالادیم الاحمر (معالم) ف۲۲ (عالم الغیب کی واقفیت کے لیے کہ اسے خود ہی سب کچھ معلوم ہے) جس سوال کی یہاں نفی ہو رہی ہے وہ علم و اخبار کی غرض سے ہے۔ باقی جو سوال و حساب دوسروں کو معلوم کرانے یا خود مجرم پر حجت قائم کرنے یا اسے عار دلانے، یا اس پر کسی اور نوع سے مزید عذاب کے لیے ہو، ان میں سے کسی کی نفی یہاں مقصود نہیں۔ ف۲۳ (اور طرح طرح کی تعذیب کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے) یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ۔ یعنی منکروں، مجرموں کا چہرہ خود ان کے جرائم کا آئینہ ہوگا، فرشتوں کو کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ صوفیۂ عارفین کی تحقیق ہے کہ ناسوت میں ہر معصیت کے نقوش چہرہ اور سارے جسم پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور آخرت میں یہی نقوش جو آج مخفی ہیں خوب واضح و نمایاں ہو جائیں گے ۔

سیرتے کو بر نہادت غالب ست
ہم برآں تصویر حشرت واجب است
حشر پر حرص خس مردار خوار
صورت خو کے بود روز شمار
زانیاں را گندہ اندام نہاں
خمر خواراں را بود گندہ دہان

(مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمۃ)

ف۲۴ یعنی کبھی اس طرح معذب ہوں گے کبھی اس طرح — کبھی انہیں سابقہ دہکتی ہوئی آگ کے عذاب سے پڑے گا اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب سے۔ ف۲۵ یہ ذکر خواص امت اور اعلیٰ متقیوں کا ہے جو برابر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وَلِمَنْ خَافَ۔ زیر۔ جو کوئی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری سے ڈرتا ہے اور اس ڈر سے برابر طاعت حق میں لگا رہے۔ محدثین نے آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے ڈرنے والے کو جنت کی بشارت دی، اس پر صحابی ابو درداء ؓ نے عرض کیا کہ اگر ایسا بندہ چوری اور زنا کرے تو بھی؟ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں بندہ اگر چوری اور زنا کرے تو بھی۔ اس پر صحابی نے حیرت سے دوبارہ وہی سوال کیا۔ مکرر وہی جواب ارشاد ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری بار کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں، چاہے ابو درداء کو کیسا ہی ناگوار گزرے۔ تفصیل حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں ملے گی۔ بندۂ مومن کے لیے اس کی کمزوریوں کے باوجود کیسی کیسی بشارتیں اہل حق کے مذہب میں موجود ہیں! ف۲۶ جن کا سایہ بھی خوب گھنا اور گنجان ہوگا، اور جو پھل پھلاریوں سے بھی خوب لدے ہوں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان باغوں میں دو دو چشمے بھی بہتے ہی چلے جائیں گے،

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں

زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی

ہوں گی و۲۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر

فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ

بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے و۲۸ اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ

ہوں گے و۲۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان (مکانات) میں نیچی نگاہ والیاں

الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

ہوں گی کہ ان لوگوں سے پہلے ان پر کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا نہ جن نے و۳۰

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گویا وہ یاقوت

وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ

اور مرجان ہیں و۳۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بھلا

جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ و۳۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں سے کم درجہ میں دو اور باغ بھی ہیں و۳۳ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار

و۲۷ یہ غالباً تلذذ میں تنوع کے بیان کے لیے ہے غرض یہ کہ روحانی، عقلی، فکری لذتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی و مادی لذتیں بھی پوری طرح ہوں گی۔ و۲۸ (اور جب استر یعنی اندر کا حصہ ایسا نفیس ہوگا تو ابرا یعنی باہر کا حصہ جیسا ہوگا ظاہر ہے) و۲۹ (اہل جنت سے ہر حال میں) یعنی اہل جنت انہیں کھڑے، لیٹے بیٹھے، ہر حال اور ہر وضع میں بلا ادنٰی مشقت و تعب حاصل کر لیا کریں گے۔ و۳۰ (یعنی ہر طرح غیر مستعمل اور اچھوتی) اس میں ایک بار پھر بشارت اور صراحت ہے کہ روحانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ مادی لذتیں بھی اپنی تفصیلات و جزئیات کے ساتھ اہل جنت کو پوری طرح حاصل رہیں گی۔ اس دنیا سے کم نہیں زائد ہی۔ و۳۱ یعنی خوب سرخ و سفید، گوری چٹی، حسن و جمال مجسم۔ و۳۲ یہ سب ذکر خواص اہل جنت کا ہو رہا ہے۔ اِحْسَانٌ کے معنی حسن پیدا کرنے کے ہیں۔ جب بندوں نے طاعت و اطاعت میں حسن پیدا کر کے دکھا دیا تو کیسے ممکن ہے کہ مالک کی طرف سے صلہ و انعام بھی حسن کاری کی حد تک نہ پہنچے۔ و۳۳ خواص کے بعد اب ذکر عامۂ اہل جنت کی نعمتوں کا شروع ہو رہا ہے۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں گہرے سبز رنگ کے، سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں میوے ہوں گے اور خرمے اور انار

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُن میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ف۳۴

حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

ہوں گی، سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گورے رنگ والیاں

مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

خیموں میں محفوظ ہوں گی ف۳۵ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾

جھٹلاؤ گے؟ اُن پر اُن کے قبل نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہو گا اور نہ کسی جن نے ف۳۶

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ لوگ تکیہ لگائے ہوں گے

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

مشجر سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرش) پر سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

جھٹلاؤ گے؟ بڑا با برکت نام ہے آپ کے پروردگار عظمت والے احسان والے کا ف۳۷

ف۳۴ جنت کی مادی نعمتوں کا بیان اجمالاً نہیں۔ بلکہ ایک ایک جزئیہ کی صراحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ فِيْهِنَّ ضمیر هن سے مراد یہ ہے کہ اُن باغوں، چشموں، گلشنوں کے اندر جو آراستہ و پیراستہ کوٹھیاں بنگلے، حویلیاں، محل سرائیں ہوں گی، اُن میں۔ ف۳۵ یعنی ہر طرح پاک دامن اور اچھوتی، جن کا تخیل بھی کسی ذوق سلیم رکھنے والے کو گراں نہ گزرے۔ حُوْرٌ۔ لفظی معنیٰ گورے رنگ والی کے ہیں۔ مراد جنت کی نسوانی مخلوق سے ہے، جس کے ذکر سے خدا معلوم آج کی "روشن خیالی" کو اتنی حیا کیوں آتی ہے! سوا اس کے کہ اس کو مسیحیت سے دماغی مرعوبیت پر محمول کیا جائے۔ وہ مسیحیت جس کے نزدیک عورت معصیت مجسم ہے، اور اس کا نام لینا بھی باعث شرم و موجب ذلت۔ ف۳۶ آیت ابھی اُوپر گزر چکی ہے — مقصود یہ ہے کہ جنت کی یہ نعمت عظیم خواص اہل جنت اور عامۂ اہل جنت دونوں کے لیے عام ہوگی۔ ف۳۷ (اور جس کے اسم میں یہ برکت و عظمت ہے، تو ظاہر ہے کہ اُس اسم کا مسمّٰی کیسا مبارک اور کیسا کامل اکمل ہو گا! اسْمُ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ ۱) عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت میں گزر چکا — اسم سے یہاں مراد صفات ہیں جو ذات باری سے غیر نہیں۔ قيل الاسم بمعنى الصفة لانها علامة على موصوفها (روح)

آیاتها ۹۶ — ۵۶ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۶ — رکوعاتها ۳

اس کی چھیانوے آیتیں — سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢

جب قیامت واقع ہو گی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں،

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝٤

تو وہ پست کر دے گی (اور) بلند کر دے گی ف۱ جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝٦ وَّكُنْتُمْ

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے اور تم

أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ

تین قسم کے ہو جاؤ گے ف۲ سو جو داہنے والے ہیں، وہ داہنے والے

الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحٰبُ

کیسے اچھے ہیں ف۳ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے

الْمَشْئَمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ أُولٰٓئِكَ

کیسے برے ہیں ف۴ اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ اعلیٰ ہی درجے کے ہیں، وہ خاص

الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ۝١٣

قرب والے ہیں ف۵ یہ لوگ عیش (و آرام) کے باغوں میں ہوں گے (ان میں) ایک بہت بڑا گروہ اگلوں کا ف۶ ہوگا

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ ۝١٤ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝١٥

اور تھوڑے سے پچھلوں میں ف۷ یہ (مقربین) سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر

ف۱ کسی کو پست کرے گی اور کسی کو بلند۔ یعنی کافروں کی ذلت اور مومنین کی رفعت کا پورا ظہور اُسی دن ہوگا۔ ف۲ (اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام و ثمرات عمل کے) آخرت میں نسلِ انسانی تین طبقوں میں منقسم نظر آئے گی۔ ایک خواص مومنین یا مقربین، دوسرے عوام مومنین، تیسرے منکرین یا کفار۔ پچھلی صورت میں بھی ذکر انہیں تین طبقات کا تھا۔ كُنْتُمْ۔ خطاب یہاں موجودہ اُمت اور سابق اُمتوں سے مجموعی طور پر ہے۔ خطاب للامة الحاضرة و الامم السالفة تغليبًا كما ذهب اليه الكثير (روح) اَزْوَاجًا۔ زوج۔ یہاں صنف یا قسم کے معنی میں ہے۔ ازواجا اى اصنافا (کشاف) ف۳ مراد عام مومنین ہیں یا وہ لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۴ مراد منکرین و کفار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۵ مراد حضرت انبیاء کرام اور پھر اُن کے بعد اولیاء اُمت اور متقین کاملین ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنی طاعت و عبدیت کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اى السابقون الى الخير (روح) والسابقون الى طاعة الله (روح) السّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنے اجر و صلہ اور مرتبۂ اُخروی کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اى السابقون الى الجنة (روح) السابقون الى رحمة سبحانه (روح) ف۶ اگلوں سے مراد حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک ساری اگلی امتوں کے لوگ ہیں۔ اى من الامم الماضية من لدن ادم عليه السلام الى زمان نبينا ﷺ (معالم) المراد بالاولين الامم الماضية هذا رواية من مجاهد والحسن البصرى و هو اختيار ابن جرير (ابن کثیر) و هم الامم من لدن ادمؑ الى محمد ﷺ (کشاف) اس آخری اُمت کا زمانہ چونکہ قرب قیامت کا زمانہ ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اگلی اُمتوں کے مجموعہ نے اس سے بہت زیادہ زمانہ پایا ہے اور اسی لیے اُن میں مقربین کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زائد ہوگی۔ ثُلَّةٌ۔ اتنے بڑے اژدہام کو کہتے ہیں جو گنتے میں نہ آئے۔ الجماعة غير محصورة العدد. (معالم) الامة من الناس الكثيرة (کشاف) ف۷ یعنی اُمتِ محمدیہ میں۔ والمراد بالأخرين هذه الامة (ابن کثیر) ملاحظہ ہو حاشیۂ ماقبل۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی
مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ
رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت رکھیں گے آبخورے اور آفتابے اور بہتی ہوئی شراب سے
مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ
لبریز جام جس سے نہ ان کو دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا ف۸ اور میوے جن کو
مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ
وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہو اور گوری
عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
بڑی آنکھوں والیاں، جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ ان کے عمل کے صلہ میں
يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا
ملے گا ف۹ وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے نہ اور کوئی بیہودہ بات بس (ہر طرف) سلام ہی
سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
سلام کی آواز آئے گی ف۱۰ اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے
الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾
کیسے اچھے ہیں، وہ وہاں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی، اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے
وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ
اور لمبا سایہ ہو گا اور چلتا ہوا پانی ہو گا اور کثرت سے
كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ
میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہو گی ف۱۱ اور اونچے فرش

ف۸ یعنی اُس شراب میں سرور ہی سرور ہوگا، باقی جتنے نقصانات اس دنیا کی شراب میں ہوتے ہیں، وہ کوئی بھی اُس میں موجود نہ ہوں گے۔ یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے کہ دو مختصر فقروں میں اُس نے شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کردی۔ هما لفظتان جمعتا جميع عيوب الخمر (ابن تیمیہ) عَنْهَا۔ عن سببیہ ہے۔ اے بسببها (مدارک) ف۹ اس قسم کے مضمون سے مقصود حسنِ عمل کے لیے ترغیب اور ہمت افزائی ہے اور قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جنت کی مادی لذتیں کیا یہاں اور کیا قرآن کے دوسرے مقامات میں جو بیان ہوئی ہیں، ان میں قدرۃً سب سے مقدم اہلِ عرب کے مذاق کو رکھا گیا ہے کہ وہی مخاطبِ اوّل تھے۔ اگر ایسی نعمتوں کی تصریح کی جاتی جو مذاقِ عرب سے بالکل مختلف چین یا جاپان یا جرمنی یا فرانس والوں کے ذوق کی ہوتیں تو ظاہر ہے کہ اہلِ عرب انہیں میں اُلجھنے لگتے اور مخاطبین اوّل کو خواہ مخواہ جھگڑے بکھیڑے کے لیے ایک اور موقع نکل آتا۔ قرآن مجید نے نہایت ژرف نگاہی اور کامل نکتہ سنجی سے کام لے کر عام اور عالمگیر مذاق کی نعمتوں اور لذتوں کا ذکر صرف اجمالی اشارات کر کے چھوڑ دیا ہے۔ اور تفصیل جو بیان کی ہے، وہ صرف مخاطبین اوّل کے مذاق کی رعایت ہے۔ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ تشبیہ سے مقصود غایتِ حسن و غایتِ عصمت دونوں کا اظہار ہے۔ ف۱۰ (فرشتوں کی طرف سے بھی اور باہم اہلِ جنت کی زبان سے بھی) خلاصہ یہ کہ لذت و مسرت ہی ہر طرح حاصل رہے گی، جسمانی بھی، روحانی بھی۔ لَا ...... تَاْثِيْمًا۔ یعنی کوئی آواز اُن کے عیش کو مکدر کرنے والی اُن کے کان میں نہ پڑنے پائے گی۔ ف۱۱ بخلاف دنیا کے میووں اور پھلوں کے کہ فصل کے ختم پر یہ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے لیے روک ٹوک بھی ان کے مالکوں کی طرف سے جاری رہتی ہے۔ اب بیان المقربون السابقون (حضرت انبیاء وغیرہم) کے بعد اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (عامۂ مومنین) کی خوش عیشیوں کا ہو رہا ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ

ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ

اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ

وہ کنواری رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر (انہیں) داہنے والوں کے لئے ف۱۲ اُن کا ایک بڑا گروہ

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ

اگلوں میں سے بھی ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے بھی ف۱۳ اور وہ جو بائیں

الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾

والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں لو کی لپٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں،

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ف۱۴ وہ لوگ اس کے قبل

قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ

بڑے خوشحال تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے

الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

رہتے تھے ف۱۵ اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾

(ہوکر) رہ گئے تو کیا (پھر سے) زندہ اُٹھائے جائیں گے؟ اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ف۱۶

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى

آپ کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب ہی جمع کئے جائیں گے، ایک

مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ

یوم معین کے وقت پر پھر تم کو اے گمراہو!

ف۱۲ اہل جنت کی خوش عیشی کی تکمیل کے لیے دوسری لذتوں کے ساتھ لذت مواصلت کا ذکر بھی ضروری تھا، یہاں یہ بتایا کہ جنت کی عورتوں کی (اور اس میں حوریں بھی داخل ہوگئیں اور اس دنیا کی جنتی بیویاں بھی) بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی، ان کا شباب، ان کا حسن و جمال، دلکشی اور اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل، پائدار اور دائمی ہوں گی، اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فناء پذیر نہ ہوں گی۔ ف۱۳ یعنی عام مومنین اس اُمت کے بھی بڑی کثرت سے ہوں گے۔ ”مقربین کی جزاء میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے۔ اور اصحٰب الیمین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل قریہ کو زیادہ مرغوب ہے۔ پس اشارہ اس طرف ہوگیا کہ اُن میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ”اور بعض روایات میں جو آیا ہے، ھما جمیعًا من ھذہ الأمۃ۔ یہ اس طور پر ماؤل ہے کہ مقصود تفسیر آیت کی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ جس طرح قرآن میں مذکور ہے کہ اولین میں مقربین زیادہ ہیں اور آخرین میں کم، اسی طرح خود اس آیت میں بھی یہی نسبت ہوگی کہ قرون اولیٰ میں مقربین زیادہ ہوں گے۔ اور متاخرین میں کم۔ گو یہ قرآن کا مدلول نہ ہو“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ثُلَّةٌ۔ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ ان سب پر حاشیے ابھی قریب ہی میں گزر چکے۔ ف۱۴ یعنی دنیا میں سایہ سے جو نفع بھی خیال میں آتے ہیں، خواہ جسمانی ہوں مثلاً برودت یا نفسیاتی مثلاً لذت، یہ سب اُس دوزخی سایہ سے منفی ہوں گے اور سایہ صرف نام ہی کا ہوگا ورنہ وہ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہوگا نہ اور کسی طرح پر آرام دہ۔ فِيْ سَمُوْمٍ۔ سَمُوْمٍ کے معنی لو کی تیز لپٹ کے ہیں جو جسم کے اندر تک جھلس دے۔ السموم الریح الحارۃ التی تؤثر تاثیر السم (راغب) فی السموم ای فی حرّ نار ینفذ فی المسام (کشاف) اَصْحٰبُ الشِّمَالِ یعنی وہ جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ کا ذکر ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَّلَا كَرِيْمٍ۔ عربی زبان میں کرم بہت وسیع معنی میں ہے۔ ہر قابل مدح صفت کو صفت کرم سے تعبیر کر دیتے ہیں اور موقع نفی پر اس کا استعمال اکثر ہوتا ہے۔ و کل شیء شرف فی بابہ فانہ یوصف بالکرم (راغب) والعرب تتبع ھذہ اللفظۃ فی النفی فیقولون ھذا الطعام لیس بطیب و لا کریم ھذا اللحم لیس بسمین ولا کریم و ھذہ الدار لیست بنظیفۃ ولا کریمۃ (ابن جریر) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ۔ مراد یہ ہے کہ وہ سایہ دنیا کے متعارف سایہ کے برعکس اور گرمی پہنچانے والا اور تکلیف دہ ہوگا۔ سماہ ظلًا ثم نفی عنہ برد الظل وروحہ و نفعہ (کشاف) والمعنی انہ ظل حارّ ضارّ (کشاف) ف۱۵ یعنی کفر و شرک پر۔ والمراد کما روی عن قتادۃ والضحاک و ابن زید الشرک و ھو ظاھر (روح) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی دنیا میں۔ اِنَّهُمْ ...... مُتْرَفِيْنَ۔ یعنی اپنی خوشحالی کے غرہ میں دنیوی مادی زندگی میں مست تھے۔ اور ایمانی صداقتوں سے انکار پر مصر تھے۔ ف۱۶ یہ وہی گروہ ہے، جس کی جانشینی اور ترجمانی آج مادی تہذیب و تمدن میں مبتلا بیسویں صدی کی ”روشن خیال“ دنیا کر رہی ہے۔ مصری، یونانی، رومی، ہر جاہلی تمدن میں ایک گروہ ان خیالات کا ترجمان رہا کیا ہے، اور آج یورپ اور یورپ زدہ سارے ملکوں کا تمدن اسی انکار آخرت کے عقیدہ میں شریک ہے۔

الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾

جھٹلانے والو درخت زقوم میں سے کھانا ہو گا

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ

پھر اُس سے پیٹ بھرنا ہو گا پھر اُس پر کھولتا پانی

الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ

پینا ہو گا اور پینا بھی پیاس کے مارے ہوئے اُونٹ کا سا ف۱۷ یہ ہو گی اُن کی دعوت

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

قیامت کے دن ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے سو تم (بعث ثانی) کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ف۱۸

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ

اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو تو آدمی تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے

الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ

والے ہم ہیں ف۱۹ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو ٹھہرا رکھا ہے ف۲۰ اور ہم اس سے

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ

عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے (دوسرے آدمی) پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی صورت میں بنا دیں

فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ

جن کو تم جانتے ہی نہیں ف۲۱ اور تم کو خوب علم ہے پیدائش اول کا پھر تم

لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ

سمجھتے کیوں نہیں؟ ف۲۲ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اُسے تم

تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ

اُگاتے ہو یا (اس کے) اُگانے والے ہم ہیں ف۲۳ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو

ف۱۷ (جو خوب ڈگڈگا کر پانی سوکتا چلا جاتا ہے اور پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی) جہنم کے شدائد کا بیان ہے جو کافروں کو چاروناچار بھگتنے ہوں گے — اور حشر کا منظر تو سب کو پیش آنا ہے۔ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ۔ زقوم پر حاشیہ سورۃ الصافات (پ۲۳) میں گزر چکا۔ مِنْ زَقُّوْمٍ میں مِن بیانیہ ہے۔ شُرْبَ بالضم مصدر ہے اور اسم کے بھی معنی دیتا ہے۔ مشروب کے مرادف۔ الشرب بالضم مصدر قیل اسم لما یشرب (روح) ف۱۸ منکروں پر حجت الزامی ہے۔ یعنی ہمارا تم کو پیدا کرنا اور نیست سے ہست کرنا تو تمہیں بھی تسلیم ہے تو پھر آخر بعث ثانی میں تمہیں عقلی اشکال یا دشواری ہی کیا نظر آ رہی ہے؟ ف۱۹ یعنی اسباب وجود کو فراہم کر دینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟ مَا تُمْنُوْنَ۔ یعنی عورت کے رحم میں جو تم تلقیح کرتے ہو۔ ف۲۰ (ایک وقت معین و مناسب پر) یعنی وجود میں بھی ہم ہی لائے، بقائے وجود کے اسباب بھی ہم ہی نے فراہم کیے اور فنائے وجود بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ تخلیق، ابقاء، افناء کی تینوں قوتیں ہم ہی میں جمع ہیں، کوئی الگ الگ تین خدا نہیں، جیسا کہ بعض مشرک، جاہلی قوموں نے سمجھ لیا ہے۔ ف۲۱ (مثلاً تمہارا حلیہ بگاڑ کر کچھ ایسا کر دیا جائے جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو اور تم اس صورت میں پھر ان چیزوں سے نفع بھی نہ حاصل کر سکو) ف۲۲ یعنی جب تمہیں بخوبی اس کا علم و یقین ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے تمہیں اول بار پیدا کیا تو اب تمہیں بعث حشر کے تسلیم کرنے میں تامل کیا ہے؟ فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے اس جزء سے صحت قیاس فقہی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی صحة القیاس من حیث جعلهم فی ترک قیاس النشأة الاخری علی الاولی (مدارک) ف۲۳ زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشوونما دے سکے۔ دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت، ان سب کو قوت سے فعل میں لانا، وقت مناسب پر مقدار مناسب میں بارش، اوقات مقرر پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش، غرض نظام زراعت کی ساری عظیم الشان مشینری کو حرکت میں لانا بندہ کی قدرت میں ہے یا اللہ کی۔

ف۲۴ یعنی سارا سرمایہ نقصان میں آ گیا، بلکہ سرمایہ سارا ہی گیا گزرا ہوا۔ جَعَلْنٰهُ حُطَامًا۔ یعنی ہم چاہیں تو اسی پیداوار کو چورا چورا کر دیں یا مثل سوکھے ہوئے بھوسہ کے ریزہ ریزہ کر دیں۔ ف۲۵ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر نظام کائنات کے چوتھے شعبہ سے ہے۔ سال کی خاص خاص فصلوں اور مناسب زمانہ میں زمین کو ایک خاص حد تک بتانا، حرارت پہنچانا، سمندر سے ایک خاص انداز کے مطابق بھاپ اٹھنا، بخارات کو فضا میں ایک خاص بلندی تک لے جانا، یہاں ہوا میں ایک خاص درجہ کی برودت پیدا کر کے بخارات میں انجماد پیدا کر کے انہیں بادل کی شکل دینا ایک مناسب مدت تک اس ابر کو بلند رکھنا، پھر فضا میں ایک اور تبدیلی پیدا کر کے ابر کو پانی کے قطروں کی شکل دے کر انہیں زمین پر برسانا، بارش کو ایک مقدار مناسب میں نازل کرنا پھر اس سے خلقت کو براہ راست اور بالواسطہ فائدے پہنچانا، یہ ساری کاریگری اسی قادر مطلق اور صانع کامل کی ہے یا یہ بندوں کے بس کی چیز ہے؟ مِنَ الْمُزْنِ۔ لفظ مزن سے بارش کے پانی کی شیرینی و خوشگواری کی طرف اشارہ آ گیا۔ قيل هو السحاب الابيض خاصة و هو اعذب ماء (کشاف) ف۲۶ (اور اداء شکر کی پہلی منزل اقرار توحید و ربوبیت) اُجَاجًا۔ اجاج سے مراد وہ کھاری پانی ہے جو نمکینی کی شدت سے تلخ ہو جائے جس سے نہ پیاس جا سکے اور نہ وہ اور کسی کام آ سکے۔ ملحا زعاقا لا يقدر على شربه (کشاف) ای زعاقا مرا لا يصلح لشرب و لا زرع (ابن کثیر)

حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ
چورا چورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ
نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾
ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے ف۲۴ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو
أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾
اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ ف۲۵
لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ
اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں تو تم شکر کیوں نہیں کرتے ف۲۶ اچھا پھر یہ بتلاؤ
النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ
کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا
نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا
ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم ہی نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے
لِلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا
نفع کی چیز بنایا ہے ف۲۷ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے ف۲۸ سو میں
أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ
قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی
عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ﴿٧٨﴾
قسم ہے کہ یہ ایک معزز قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے درج) ف۲۹
لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ
جسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا بجز پاکوں کے ف۳۰ اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی

ف۲۷ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ، ربوبیت و توحید پر نظام کائنات کے ایک پانچویں شعبہ آگ اور اس کے متعلقات سے ہے۔ تَذْكِرَةً۔ ضمیر ها اگر النار (آگ) کی طرف ہے تو آگ تو یاد دلانے والی آتش دوزخ کی بھی ہو سکتی ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یاد دلانے والی بھی۔ تذكير النار جهنم (کشاف) قال مجاهد و قتادة تذكر النار الكبرى (ابن کثیر) قال عطاء موعظة يتعظ بها المؤمن (معالم) شَجَرَتَهَا۔ شجر آتش کا ذکر سورۂ یٰس (پ۲۳) میں قریب ختم کے آیا ہے۔ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۔ آگ کا وجود ایک بہت بڑی نعمت تو مسافر و مقیم، شہری و بدوی سب ہی کے لیے ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن عہد قدیم میں مسافروں کے حق میں تو ایک عظیم ترین نعمت تھی۔ عن مجاهد يعني المستمتعين من الناس اجمعين و كذا ذكر عن عكرمة (ابن کثیر) و هذا التفسير اعم من غيره فان الحاضر والبادى من غنى و فقير الجميع محتاجون اليها للطبخ والاصطلاء والاضاءة و غير ذلك من المنافع (ابن کثیر) ف۲۸ (جو حیات اور سبب حیات اور زراعت اور بارش اور آگ، سارے نظامات تکوینی کا تنہا خالق اور بلا کسی کی شرکت کے پروردگار ہے) شرک عموماً مشرک جاہلی قوموں میں جن جن مشہور راہوں سے آیا ہے ان سب کی ان آیتوں میں پوری تردید آ گئی۔ ف۲۹ (اور بالکل منضبط) كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم شروع سے لوح محفوظ میں منضبط چلا آ رہا ہے۔ الاصح انه لوح محفوظ (کبیر) المراد به اللوح المحفوظ كما روى عن الربيع بن انس و غيره (روح) مَّكْنُوْنٍ صفت کتٰب کی ہے۔ یعنی وہ لوح غیروں کی مداخلت بلکہ دسترس سے بالکل محفوظ ہے۔ كَرِيْمٌ۔ صفت قرآن کی ہے۔ یعنی دینوی و اخروی ہر قسم کی صلاح و فلاح کی تعلیمات سے لبریز۔ لَآ اُقْسِمُ۔ لا یہاں نفی کا نہیں، تاکید کا ہے۔ لا مزيدة للتاكيد (بیضاوی) لا مزيدة مؤكدة (کشاف) ... عَظِيْمٌ۔ قرآن مجید میں قسمیں، شہادت بزبان حال کے معنی میں آئی ہیں اور قسموں کو بار بار لانا عربی اسلوب بلاغت میں ایک خاص صنعت ہے قرآنی قسموں پر ملاحظہ ہو پ۱۱ کا ضمیمہ۔ مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۔ اس کے ایک معنی قرآن کی آیتوں کے بھی کیے گئے ہیں جو آہستہ آہستہ اترتی رہی ہیں۔ قيل النجوم نجوم القران و مواقعها اوقات نزولها (بیضاوی) ای نجوم القران و كذا قال عكرمة و مجاهد والسدى و ابو حرزة (ابن کثیر) اور بالکل متصل جو کلام آ رہا ہے اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اس کے لحاظ سے یہی معنی زیادہ چسپاں بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ف۳۰ (جو شائبہ گناہ سے بھی پاک ہیں یعنی فرشتے) ان کے فرشتہ ہونے پر علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی اور حضرت انس صحابی کے تابعین کی بہت بڑی جماعت متفق ہے۔ ان المراد بالمطهرين الملائكة عليهم السلام مروى عن عدة طرق عن ابن عباس و كذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبير و مجاهد و ابى العاليه و غيرهم (روح) عن ابن عباس يعنى الملائكة و كذا قال انس و مجاهد و عكرمة و سعيد بن جبير والضحاك و ابو الشعثاء جابر بن زيد و ابو نهيك والسدى و عبدالرحمن بن زيد بن اسلم و غيرهم (ابن کثیر) يَمَسُّهٗ۔ میں ضمیر لوح محفوظ کی طرف ہے۔ الضمير عائد الى الكتاب على الصحيح (کبیر) قرآن مجید یا مصحف مکتوبی کو بھی بلا طہارت جسم چھونا درست نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ بالکل الگ ہے اور خود اپنی جگہ پر دلائل رکھتا ہے۔ اس آیت قرآنی کا مدلول نہیں۔ الْمُطَهَّرُوْنَ۔ فرشتے مراد ہونے پر علاوہ بعض صحابیوں کے تابعین کی ایک بڑی جماعت متفق ہے۔ كون المراد بالمطهرين الملائكة عليهم السلام مروى عن عدة طرق عن ابن عباس و كذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبير و مجاهد و ابى العالية و غيرهم (روح) صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ اسرار و دقائق قرآن تک بھی وہی پہنچ سکتے ہیں جو ہوائے نفس کی آلودگیوں سے پاک اور طاہر ہوں۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

طرف سے ہے تو کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھے ہوئے ہو؟ ف۳۱

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا

اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو؟ سو جس وقت

بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ

روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو ف۳۲ اور ہم

اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ

تم سے بھی زیادہ قریب اس شخص کے ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو ف۳۳ تو اگر

اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ

تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو تم اس (روح) کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے، اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ

سچے ہو ف۳۴ تو جو کوئی مقربین میں سے ہو گا تو اس کے لئے راحت ہے،

وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ

غذائیں ہیں اور عیش کی جنت ہے ف۳۵ اور جو کوئی داہنے والوں میں

اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

سے ہو گا تو (اس سے کہا جائے گا) تیرے لئے امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں

الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾

میں سے ہے ف۳۶ اور جو کوئی جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو گا،

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی، اور (اسے) دوزخ میں داخل ہونا ہوگا ف۳۷ بے شک یہ تحقیق

ف۳۱ یعنی ایسے عظیم الشان کلام پر بھی ایمان لانا واجب نہیں جانتے ہو؟ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان مردود کا گزر تو اس کلام پاک کے ارد گرد بھی نہیں، جہاں سے یہ نقل ہو کر آیا ہے۔ وہ تمام تر فرشتوں کے پہرہ میں پھر دنیا میں اس کا نزول حق تعالیٰ کی نگرانی میں۔ شیطان کو اس کی ہوا بھی کسی منزل میں نہیں لگنے پاتی۔ ف۳۲ (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے ہوئے) الْحُلْقُوْمَ۔ موت اور قبض روح کے وقت کا منظر ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ ... تُكَذِّبُوْنَ۔ یعنی تکذیب بھی کس درجہ اور شدت کی! گویا تکذیب حقائق کو اپنی غذا ہی بنائے ہوئے ہو۔ ف۳۳ یعنی اس کے حالات ظاہری و باطنی سے تم سے کہیں زیادہ ہم واقف ہیں۔ اِلَيْهِ ضمیرہ مختصر کے لیے ہے جو سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ المحتضر المفهوم من الكلام (روح) ف۳۴ (اپنے دعوی انکار بعث میں) مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمہارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش و کاوش سے اس کی جان روک لو؟ اور جب تم پر اپنی بے بسی، قانون موت و حیات کے باب میں یوں عیاں و روشن ہوگئی تو یہ کیسے ممکن سمجھتے ہو کہ حشر میں اللہ تعالیٰ کو مُردوں کے اٹھانے سے روک سکو گے؟ تَرْجِعُوْنَهَا۔ ضمیر ھا نفس یا روح کی طرف ہے۔ ف۳۵ اور مقربین وہ ہیں جن کا ذکر اس سورت کی آیت ۱۱، ۱۲ میں آ چکا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ یہاں بھی مقربین کا اور اہل یمین اور اہل شمال کا ذکر اسی ترتیب سے ہو رہا ہے۔ رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ۔ روح کے معنی رحمت اور ریحان کے معنی خوشبو کے بھی ہیں۔ دوسرے معنی مغفرت اور استراحت اور دوزخ سے نجات اور جنت میں دخول کے بھی کیے گئے ہیں۔ قاله قتادة الروح الرحمة وقيل هو الرحمة و هو قول مجاهد و قال سعيد بن جبير وغيره و قال الضحاك مغفرة و رحمة (معالم) و ريحان استراحة و قال مجاهد و سعيد بن جبير ايضاً (معالم) قال ابو بكر الوراق الروح النجاة من النار و الريحان دخول دار القرار (معالم) تفسیر کبیر میں جو یہاں پہنچ کر افسوس ہے کہ خود امام المفسرین کی نہیں بلکہ ان کے بعض شاگردوں کی تفسیر رہ گئی ہے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ روح و ریحان و جنت نعیم کی یہ سہ گانہ بشارتیں ان کی زندگی کے تین شعبوں، عقیدۂ حق اور کلمۂ طیبہ اور اعمال حسنہ کے مقابل ہیں اور اس سے اشارہ ان کے قلب، ان کی زبان اور ان کے اعضاء ظاہری تینوں کی سلامت ذوق کی جانب ہو گیا۔ ف۳۶ (ہر آفت اور خطرہ سے) یا صحب الیمین وہی آیت ۲۷ والے اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ اور آیت ۸ والے اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ہیں۔ اَفَلَا ... ان کون۔ یہ فقرہ ان تینوں آیتوں میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد اس سے متوفی یا محتضر ہے۔ ف۳۷ (جس کے شدائد کی تفصیل بار ہا پیشتر گزر چکی ہے) تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ کے معنی علاوہ ادخال نار کے، آگ سے ہر طرف سے گھر جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای و تقريره له في النار التي تغمره من جميع جهاته (ابن کثیر) یہ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ وہی آیت ۹ والے اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ آیت ۴۱ والے اَصْحٰبُ الشِّمَالِ اور آیت ۵۱ والے الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ہیں۔

وٹ۳۸ (جس کی قدرت وحکمت کے یہ سارے تصرفات ہیں) ھٰذَا۔ اشارہ مرنے والوں کے ان سہ گانہ درجات کی طرف ہے۔ یعنی ما ذکر من قصة المحتضرین (معالم) حَقُّ الْیَقِیْنِ۔ اس دُہری تاکید سے مراد یہ ہے کہ یہ امراس درجہ یقینی اور قطعی ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق کی کوئی اور گنجائش ہی نہیں۔ ذلک نوع تاکید قال ھذا من حق الحق و صواب الصواب ای غایتہ و نہایتہ التی لا وصول لفوقہ (کبیر۔ عن ابن عطیہ) وٹ۱ اور غور وتامل سے کام لیا جائے تو پھر ہر مخلوق سے توحید وتنزیہ کی دلیل مل رہی ہے) سَبَّحَ لِلّٰہِ۔ یہ تسبیح ہر ہر مخلوق کی اُس کے اپنے مرتبۂ

حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝٩٥ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝٩٦

حق یقینی بات ہے سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے وٹ۳۸

آیاتھا ٢٩ — ٥٧ سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃٌ ٩٤ — رکوعاتھا ٤

اس کی انتیس آیتیں ہیں — سورۂ حدید مدینہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وٹ۱ اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے وٹ۲ اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں، وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وٹ۳ وہی ہے (سب سے) پہلے اور (سب سے) پیچھے اور (وہی) ظاہر وخفی بھی اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے وٹ۴ وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا پھر تخت شاہی پر قائم ہو گیا وٹ۵ وہ اُسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور (اُسے بھی جانتا ہے) جو چیز اُس میں سے نکلتی ہے، اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اُس میں

وجود کی مناسب زبان میں ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کسی کی زبان، زبانِ قال ہے۔ اور کسی کی محض زبانِ حال۔ وٹ۲ الْعَزِیْزُ۔ زبردست ایسا کہ اُس کی مشیت پر کوئی روک، کوئی دباؤ نہیں، اس کا ارادہ سب پر غالب، وہ جو بھی چاہے کر ڈالے۔ الْحَکِیْمُ۔ مصلحت سنج ایسا کہ اس کا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ فعل بھی انتہائی حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے محض اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہی کرتا ہے۔ وٹ۳ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ملکیت وحکومت میں، نہ جان ڈالنے میں، نہ جان نکالنے میں اور نہ قدرت واختیار میں یہ سب تردید میں ارشاد ہو رہا ہے اُن مشرک جاہلی قوموں کے، جنھوں نے یا تو اس کی قدرت واختیار کو محدود سمجھا ہی یا اُس کی خلقیت ومالکیت میں دوسروں کو شریک سمجھا ہے اور یا موت وحیات کے دیوتا الگ الگ سمجھے ہیں۔ وٹ۴ (کہ چھوٹی بڑی کوئی سی چیز کہیں کی بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں) پہلی آیت کمالِ قدرت کے بیان میں تھی، یہ آیت کمالِ علم واحاطۂ علمی کے بیان میں ہے— مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ قدرت وصفتِ علم ہی کے باب میں لگی ہے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ۔ اس موجودِ حقیقی کا وجود، ہر دوسرے وجود سے یہاں تک کہ وجودِ زمان سے بھی مقدم وسابق رہا ہے۔ عدم سابق بھی اس پر طاری ہی نہ ہو سکا — بعض مشرک قوموں نے اُسی کی ذات کو بھی حادث سمجھا ہے۔ یعنی ھو الاول قبل کل شیء بلا ابتداء بل کان ھو و لم یکن شیء موجودًا (معالم) ھو القدیم الذی کان قبل کل شیء (مدارک) السابق علی جمیع الموجودات فھو سبحانہ موجود قبل کل شیء حتی الزمان لانہ جل و علا الموجد و المحدث للموجودات (روح) وَالْاٰخِرُ۔ اس موجودِ حقیقی کا وجود، ہر مخلوق کے فنائے ذاتی وصفاتی کے بعد بھی علیٰ حالہٖ قائم وباقی رہے گا۔ عدم سابق کی طرح عدم لاحق کا بھی اُس پر طاری ہونا محال ہے— بعض مشرک قوموں نے اُس کی ذات کو بھی فانی سمجھا ہے۔ ای الاخر بعد فناء کل شیء بلا انتھاء تفنی الاشیاء و یبقی ھو (معالم) الذی یبقی بعد ھلاک کل شیء (مدارک) وَالظَّاھِرُ۔ ہر موجود کا وجود وظہور اسی کے وجود وظہور سے ہے۔ اپنے دلائل وشواہد کے اعتبار سے اور مطلق وجود کے مرتبہ میں روشن ترین وظاہر ترین۔ الظاھر بوجودہ (روح) وَالْبَاطِنُ۔ اپنے آثار وصفات کے اس شدتِ ظہور کے ساتھ ساتھ اُس کی کنہ ذات ہر عقل وادراک کی رسائی سے باہر۔ تو اس سے بڑھ کر مخفی اور کون ہو سکتا ہے۔ اپنی تفصیلات وجود کے مرتبہ میں مخفی ترین۔ والباطن بکنھہ سبحانہ (روح) ایک حدیث میں دعاء کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ و انت الظاھر فلیس فوقک شیء و انت الباطن فلیس دونک شیء (صحیح مسلم۔ مسند احمد) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن زیاد الفراء کے حوالہ سے یہ معنی نقل کیے ہیں۔ الظاھر علی کل شیء علمًا و الباطن علی کل شیء علمًا (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر) وٹ۵ اس کی صفتِ خالقیت وصفتِ حاکمیت کا اثبات۔ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ ان دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف میں اور کئی بار گزر چکے۔

فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

چڑھتی ہے وٓ ۶ اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور وہ خوب دیکھتا رہتا ہے جو کچھ بھی تم

بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

کرتے رہتے ہو وٓ ۷ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

طرف (سب) امور لوٹ جائیں گے وٓ ۸ وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو

فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

رات میں اور وہ دلوں (کی بات) تک خوب جانتا ہے وٓ ۹ ایمان لاؤ اللہ اور

وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ

اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا وٓ ۱۰ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے

لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

جو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو، درآنحالیکہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ

اور (اللہ خود) تم سے اس کا اقرار لے چکا ہے وٓ ۱۱ اگر تم کو ایمان لانا ہو وہ وہی ہے جو

يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں اتارتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف

اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ

نکال لائے اور بے شک اللہ تمہارے اوپر شفیق ہے بڑا مہربان ہے وٓ ۱۲ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ

وٓ ۶ (غرض یہ کہ وہ ہر طرح اور ہر اعتبار سے ہمہ داں، ہمہ بین ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ۔ مثلاً بارش کا پانی۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ مثلاً نباتات۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ۔ مثلاً ملائکہ اور احکام تشریعی اور تکوینی۔ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ مثلاً ملائکہ اور اعمال صالحہ وٓ ۷ حق تعالیٰ کی ہمہ گیری، ہمہ توانی، ہمہ بینی کی مزید تاکید۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ اس کی معیت علمی سے مخلوق کا کوئی بھی مرتبہ وجود خالی نہیں۔ وٓ ۸ (نہ کہ کسی اور کی طرف) الْاُمُوْرُ۔ کے عموم میں جوہر و عرض سب ہی آ گئے۔۔۔ حشر میں سب کی راجعیت صرف ذات حق تعالیٰ ہی کی جانب ہوگی۔ اس میں بہت سے باطل مذہبوں کی تردید آ گئی۔ جنہوں نے حشر میں مرجعیت عام کے متعلق کسی اور ذات کو قرار دے رکھا ہے۔ وٓ ۹ اس کے علم کی طرح اس کی قدرت بھی ہر جزء و کل کو محیط ہے۔ ہر ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ یہ نہیں کہ خدا موجود تو ہے مگر اس کا علم صرف کلیات تک ہے۔ جزئیات کو حاوی نہیں جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے کہا ہے۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ الخ۔ دن اور رات دونوں اسی کی مخلوق ہیں اور تمام تصرفات و تکوینیات میں اسی کی قدرت کے محکوم و محتاج۔ یہ نہیں کہ دن اور رات کوئی دیوی دیوتا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وٓ ۱۰ (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں) مَا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آ گیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا۔ یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ کے حکم سے اپنی ضرورتوں میں بھی خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہو — مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ و مصلحانہ ہے۔ وٓ ۱۱ یعنی کمال حیرت کی بات ہے کہ تم جب بھی ایمان اور پورا ایمان نہیں لاتے ہو۔ جبکہ دو دو زبردست داعی اس دعوت ایمان کی قبولیت کے موجود ہیں۔ ایک تو رسول ﷺ جیسا حکیم اعظم مبلغ۔ دوسرے توحید کا داعیہ خود تمہاری فطرت کے اندر موجود۔ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یعنی ایسا ایمان جو اللہ پر ایمان لانے کا حق ہے۔ ایمان باللہ کے تحت میں رسول ﷺ پر ایمان، حشر پر ایمان، کتب الٰہی پر ایمان، سارے بنیادی عقائد ایمانی آ گئے۔ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ۔ میثاق سے مراد بیعت رسول ﷺ بھی لی گئی ہے۔ اور میثاق صلب آدم علیہ السلام بھی لی گئی ہے۔ یعنی بذلک بیعت الرسول ﷺ و زعم ابن جریر ان المراد بذلک المیثاق الذی اخذ علیهم فی صلب ادم و هو مذهب مجاهد (ابن کثیر) وٓ ۱۲ اور اس سے بڑھ کر اس کی شفقت و رحمت اور کیا ہوگی کہ اسی نے ایسے حکیم و شفیق رسول ﷺ کو تمہارے لیے داعی و مبلغ بنا کر بھیجا جو دلائل حقانیت اس طرح کھول کھول کر پیش کرتا ہے۔ عَبْدِهٖٓ۔ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اسلام ﷺ کی ذات ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ ۱) آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا الخ پر حاشیہ۔ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ مضامین قرآنی معجزات محمدی، سب اس کے تحت میں آ گئے۔ والظاهر ان المراد بها آيات القرآن و قيل المعجزات (روح) مِّنَ ... النُّوْرِ۔ کفر و شرک و معاصی کی تاریکیوں سے نور ہدایت و ایمان کی طرف۔

اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درآنحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے

وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

رہ جائیں گے ف۱۳ تم میں جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل ہی خرچ کر چکے اور لڑ چکے (وہ ان کے برابر نہیں

الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ

جو بعد فتح لڑے اور خرچ کیا) وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ

بعد کو خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے، اور اللہ کو

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف۱۴ کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى

اللہ اُسے اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ف۱۵ ہے وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے)

الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

جب ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف

وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

دوڑتا ہو گا ف۱۶ آج تم کو بشارت ہے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہو گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۷ یہ وہ دن ہو گا

يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا

جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی کہ ہمرا انتظار کر لو

ع ۱

ف۱۳ تو جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعت حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے۔ اہل ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لیے آمادہ و مستعد کیا جا رہا ہے۔ ف۱۴ (تو کسی کو یہ وہم نہ ہونے پائے کہ اس کا اجر چھوٹ جائے گا) قَبْلِ الْفَتْحِ۔ الفتح سے اکثر نے مراد فتح مکہ لی ہے۔ عن قتادة هو فتح مكة (جصاص) يعني فتح مكة في قول اكثر المفسرين (معالم) والجمهور على ان المراد بالفتح ههنا فتح مكة (ابن کثیر) اور بعض قول صلح حدیبیہ سے متعلق بھی ہیں۔ روى عن الشعبي قال فصل ما بين الهجرتين فتح الحديبيه و فيه انزلت هذه الأية (جصاص) بہرحال دونوں صورتوں میں جو مجاہدین و مقاتلین شروع زمانۂ اسلام میں ہوئے ہیں جبکہ اُن کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمات کی نذر کر دیا، ان کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، باقی جن اہل ایمان نے اُس وقت اپنے اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتال سے دیا جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے تو اجر ان کا بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اُن السابقون الاولون کے درجہ کا تو نہیں۔ وَكُلًّا ...... الْحُسْنٰى۔ جملہ مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔ ف۱۵ یہ ساری عبارت جہاد مالی کی ترغیب و تشویق کے لیے ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ قرض کا لفظ اس اشارہ کے لیے ہے کہ اجر کا ترتب اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے ورنہ لفظی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو "قرض" دے ہی کون سکتا ہے؟ استعير لفظ القرض ليدل على التزام الجزاء (مدارک) فَيُضٰعِفَهٗ۔ اس میں اشارہ اجر کی کمیت و مقدار کی جانب ہو گیا — اصل سرمایہ سے کہیں زیادہ دوگنا، چوگنا، دس گنا بلکہ اس سے بھی بہت زائد ہو گا۔ كَرِيْمٌ۔ اس سے اشارہ اس اجر کی نوعیت و کیفیت کی طرف ہو گیا — خوب ہی کھرا اجر ملے گا۔ ف۱۶ یہ منظر حشر میں پل صراط پر سے گزرتے ہوئے ہر مومن کا ہو گا — ہر مومن کے ساتھ ساتھ اُس کا نور بقدر اس کے درجہ و مرتبۂ ایمان کے ہو گا۔ ف۱۷ یہ بشارت کا پیام سنانے والے جنت کے فرشتے ہوں گے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ حاصل کر لیں ف۱۸ (ان سے) کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہیں)

نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ

روشنی تلاش کرو ف۱۹ پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ

اس کی اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور اس کے بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا ف۲۰ (منافقین) پکار کر

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

(مومنین سے) کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے ہاں تھے تو لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ

اور تم راستہ دیکھا کرتے تھے اور تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ

اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ

اللہ کا حکم آ پہنچا اور تم کو بڑے فریبی نے اللہ کے ساتھ فریب میں ڈالے رکھا ف۲۱ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ

فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ

لیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے وہی

مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

تمہاری رفیق ہے، اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ف۲۲ کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک جائیں

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر

ف۱۸ یہ اس وقت ہوگا جب اہل ایمان اپنے اعتقاد و اعمال کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے والے لیکن درحقیقت کافر و منکر پیچھے بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے۔ یہ منافقین یا تو نور سے شروع ہی سے محروم ہوں گے اور یا ان کے پاس شروع میں کسی قدر نور ہو (اس مناسبت سے کہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہری اعمال میں انہیں اشتراک حاصل تھا) اور فقدان ایمان و تصدیق کی بناء پر بعد کو بالکل مفقود ہو جائے اور ان کے جرم نفاق، فقدان ایمانی کی مناسبت سے لگتی ہوئی بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انہیں نور مل جائے۔ اور پھر بلا شان و گمان یک بیک انہیں اس سے محروم کر دیا جائے۔ ف۱۹ مقصود کہنے کا یہ ہوگا کہ یہ نور تو دنیا ہی کے اعمال پر مرتب ہوا ہے۔ ہو سکے تو وہیں سے جا کر اسے حاصل کرو۔ یہ احمق یہ سمجھیں گے کہ کہیں نہیں قریب ہی جانے سے مل جائے گا! قیل۔ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے۔ قالہ قتادة تقول لهم الملا نكة (معالم) یا ممکن ہے کہ مومنین ہی ہوں۔ قال ابن عباس يقول لهم المؤمنون (معالم) ف۲۰ یعنی اہل ایمان تک پہنچنا تو منافقوں کو کیا نصیب ہو گا الٹے ان کے اُن کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی جائے گی۔ اور ادھر یہ پشت پھیریں گے کہ اُدھر وہ دہی پہلی روشنی جو دور سے انہیں نظر آ رہی تھی وہ بھی غائب کر دی جائے گی اور یہ اندھیرے گھپ میں پڑے رہ جائیں گے۔ بَيْنَهُمْ۔ یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان۔ اے بین المؤمنين والمنافقين (مدارک) بَاطِنُهٗ۔ اندرونی جانب یعنی مومنین کے رخ والی سمت۔ ظَاهِرُهٗ۔ بیرونی جانب یعنی کافروں کے رخ والی سمت۔ ف۲۱ (اور آخر وقت تک بھی توبہ و رجوع کی توفیق نہ ملنے دی) اہل ایمان جواب دیں گے کہ بیشک تم بظاہر تو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں ملے جلے ہوئے تھے۔ لیکن ایسا ساتھ کس کام کا جبکہ دل سے تم اسلام اور پیمبر اسلام کے دشمن تھے؟ اور آخر وقت تک وہی انہیں مغالطہ کے شکار رہے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ۔ یعنی کیا ہم اعمال میں اور طاعات میں تمہارے شریک نہیں رہتے تھے؟ وَتَرَبَّصْتُمْ۔ یعنی اسلام کے مٹ جانے ہی کا انتظار کرتے اور اس کی آس لگائے بیٹھے رہے۔ وَارْتَبْتُمْ۔ اور تمہیں اسلام کی صداقت و حقانیت میں شبہ ہی رہا کیے۔ الْاَمَانِيُّ۔ بیہودہ تمنا میں یہی کہ ہم اپنے جس طریقہ پر ہیں، یہی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے متعلق دھوکا یہی کہ مذہب کفر حق ہے اور دین اسلام نعوذ باللہ ایک ڈھکوسلا ہے۔ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی موت۔ اے الموت (مدارک) حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی عمر بھر انہیں کفریات میں پڑے رہے اور توبہ نہ کی۔ یہاں تک کہ موت آ گئی۔ الْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا یعنی شیطان۔ ف۲۲ (کہ یہ دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔ اور تمہاری معیت ظاہری یہاں نجات کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتی) مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی نہ چھپے ہوئے کافروں (منافقوں) سے اور نہ کھلے ہوئے کافروں سے۔

ف۲۳ یعنی بجز ایک قلیل تعداد کے جو اُن میں سے مسلمان ہو گئی باقی کثرت سے ان لوگوں کو قبولِ حق سے عار آنا شروع ہو گیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی عداوت اُن کے دلوں میں خوب گہری بیٹھ گئی۔ اَلَمۡ ...... الۡحَقِّ۔ ذکر اُن مومنین کا ہے جو صاحبِ ایمان تو ہیں لیکن ان کے عمل میں کثرت سے کوتاہیاں ہیں، انہیں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترکِ معاصی، اور طاعاتِ ضروری کی پابندی کا عزم دل سے کر لیں اور اس توبہ ور جوع میں جلدی کریں۔ اَلَمۡ یَاۡنِ۔ مراد یہ ہے کہ رجوع و توبہ میں تاخیر و تساہل ہی کیوں ہو؟ کَالَّذِیۡنَ قَبۡلُ۔ مراد یہود و صاحبِ صحائف اسرائیلی ہیں۔ کَالَّذِیۡنَ ...... قُلُوۡبُهُمۡ۔ قدیم اہلِ کتاب نے جب اپنی اپنی کتاب کے ہدایات کے برخلاف شہوات و معاصی میں انہماک پیدا کر لیا تو رفتہ رفتہ ان کی قساوتِ قلب کی اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ ندامت و ملامت اضطراری کی بھی اہلیت باقی نہ رہ گئی۔ آیت سے ایک عملی سبق یہ ملا کہ خود مسلمانوں کو معاصی سے توبہ و رجوع میں عجلت کرنا چاہیے ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توبہ کی توفیق ہی جاتی رہتی ہے۔ اور پھر عیاذاً باللہ نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔

عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ

ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل خوب سخت ہو گئے اور اُن میں کے بہت سے

فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ

کافر ہیں ف۲۳ جانے رہو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے

قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ

ہم نے نشانیاں تمہارے سامنے کھول کر پیش کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو ف۲۴ بلاشبہ صدقہ دینے والے

وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَاَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ

اور صدقہ دینے والیاں (یہ جو) اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرض دیں) تو وہ صدقہ اُن کے لئے بڑھایا جائے گا اور اُن کے لئے

لَهُمۡ وَلَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ

اجر پسندیدہ ہے ف۲۵ اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں

اُولٰٓـئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ

وہی تو اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں،

لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَنُوۡرُهُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ

اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور (خاص) ہوگا ف۲۶ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۹﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا

وہی لوگ دوزخی ہیں خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض

لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ

ایک کھیل کود اور (ظاہری) خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر

وَالۡاَوۡلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ

اپنی برتری جتلانا ہے ف۲۷ گویا کہ مینہ ہے کہ اُس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے

ع ۲ / ۱۸

الاٰیۃ تدل علی ان کثرۃ المعاصی و مساکنتھا والفھا تقسی القلب و تبعد عن التوبۃ (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک خشوع کا لزوم و دوام، دوسرے یہ کہ طولِ غفلت سے قساوتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ ف۲۴ (کہ جس طرح اللہ بارش بھیج کر خشک زمین کو از سرِ نو تازہ و سرسبز کر دیتا ہے۔ اسی طرح توبہ کے اثر سے وہ خالق ذوالجلال قلبِ مردہ کو بھی زندہ اور درست کر دیتا ہے۔ اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں) ف۲۵ اس آیت کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ ہذا کا حاشیہ نمبر ۱۵۔ قرض حسنہ۔ اصطلاحِ شریعت میں ایسے مال کو کہتے ہیں جو حلال کمائی سے خوشدلی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ صاحبِ احتیاج کو دیا جائے۔ والقرض الحسن ان یتصدق من الطیب عن طیبۃ النفس و صحۃ النیۃ علی المستحق للصدقۃ (مدارک) ف۲۶ یعنی جن لوگوں نے تصدیقِ ایمانی اور پابندیِ طاعات پوری طرح کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا، وہ اللہ کے ہاں تو مرتبہ صدیقیت و شہادت پر پہنچ گئے۔ الصِّدِّیۡقُوۡنَ۔ صدیق یہاں اسی معنی میں ہے جس معنی میں اردو میں "ولی" بولتے ہیں۔ لفظی معنی اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو، یا جو اپنی زبان سے، قلب سے، عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔ والصدیق من کثر منه الصدق (راغب) قیل بل لمن صدق بقوله و اعتقاده و حقق صدقه بفعله (راغب) الصدیق کثیر الصدق (معالم) ای السابقون فی التصدیق (جلالین) وَالشُّهَدَآءُ۔ شہید یہاں لغوی معنی میں ہے۔ یعنی حق کے گواہ۔ ای ھم الذین استشھدوا فی سبیل اللہ (مدارک) واراد بالشھداء المؤمنین المخلصین (معالم) باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو، جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے۔ تو معنی یہ کیے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان و مال دونوں کو اپنی جگہ پر تو اللہ کی راہ میں وقف اور خدمتِ دین کی نذر کر ہی دیتا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ۔ یعنی حکمِ الٰہی میں۔ پروردگار کے نزدیک۔ ای فی حکمه و علمه سبحانه (روح) المراد اولئک فی حکم اللہ تعالٰی بمنزلۃ الصدیقین والشھداء المشھودین بعلو الرتبۃ و رفعۃ المحل (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومنین کو مطلقاً صدیق و شہید فرما دینا دلیل ہے اس پر کہ ان میں بھی مراتب ہیں اور ادنٰی مرتبہ ہر مومن کو حاصل ہے جیسا کہ ولایتِ عامہ ہر مومن کے لیے عام ہے۔ ف۲۷ (اس لیے بحیثیت مقصود کے ہرگز قابلِ توجہ و التفات نہیں) یہاں یہ بتا دیا ہے کہ دنیا کے مقاصد سب کے سب فانی و سریع الزوال ہوتے ہیں اور اہلِ دنیا عمر کے ہر دور میں انہیں کے اُلٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود کی نذر ہو جاتا ہے۔ سن اور بڑھا، تو حسن و عشق کے جھمیلے میں پڑ گئے۔ یا تجارت، ملازمت وغیرہ و زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ سن کہولت آنے لگا تو اب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تفاخر و مسابقت مال و جاہ و شرافت خاندانی وغیرہ کی بنیادوں پر ہونے لگا۔ غرض ساری عمر انہیں بے بنیاد و بے ثبات مقصدوں کے پیچھے دوڑتے رہنے میں گزر جاتی ہے۔ اور آخرت جو مقصودِ اصلی ہے اور حیاتِ لافانی ہے وہ عمر کے کسی حصہ میں خیال میں نہیں آتی۔ آیت کے مفہوم کا انطباق جس طرح دنیا پرست افراد و اشخاص پر ہوتا ہے اسی طرح آخرت فراموش و دنیا پرست قوموں، حکومتوں اور نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے صریح تعلیم دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی نکلتی ہے۔

وٰ۲۸ تشبیہ سے مقصود بہار دنیا کے بالکل عارضی ہونے اور پھر اس کے زوال و اضمحلال کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ وٰ۲۹ (عالم آخرت کی بقاء و پائداری کے مقابلہ میں) دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر ایک بار پھر زور دیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس عارضی و فانی دنیا و سامان دنیوی کے برعکس عالم آخرت باقی و لازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں۔ دونوں ثابت و باقی۔ ایک کافروں کے لیے اور وہ عذاب شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ اللہ کی مغفرت و رحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصود اعظم بنا لے۔ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ مغفرت عامۂ مومنین کے حصہ میں آئے گی اور رِضْوَانٌ خواص و عاشقین کے نصیب میں۔ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ یہ دنیا دھوکے کی پونجی بس انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو اس میں پڑے رہتے اور اسی پر بھروسہ کیے رہتے ہیں، آخرت کو بھلائے ہوئے۔ لمن ركن اليها و اعتمد عليها (مدارک) اے هي متاع فان غار لمن ركن اليه فانه يغتربها و تعجبه حتى يعتقد انه لا دار سواها ولا معاد وراءها (ابن کثیر) لمن لم يشتغل فيها بطلب الآخرة (معالم عن سعید بن جبیر) لمن اطمأن بها و لم يجعلها ذريعة للآخرة (روح)

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ

سو تو اُسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے وٰ۲۸ اور آخرت میں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ

عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی۔

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْۤا اِلٰى

اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے وٰ۲۹ دوڑو اپنے پروردگار کی

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ

مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت

وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

کی سی ہے وٰ۳۰ تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ ہی بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا

فضل والا ہے وٰ۳۱ کوئی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ

فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

خاص تمہاری جانوں میں مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا

اللہ کے لئے آسان ہے وٰ۳۲ (یہ بات بتا دی گئی ہے) تاکہ جو چیز تم سے لی جا چکی ہے اُس پر (اتنا) رنج نہ کرو اور جو چیز

تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اُس نے تمہیں دی ہے اس پر اتراؤ نہیں وٰ۳۳ اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو

وٰ۳۰ یعنی بے انتہاء وسیع۔ قرآن محاورۂ انسانی میں ہے اور محاورۂ انسانی میں زمین و آسمان کی سی وسیع کے معنی ہی بے انتہاء وسیع کے ہیں۔ قرآن مجید کی بلاغت ملاحظہ ہو جو کہیں اس متاع دنیا کے فانی اور ہیچ ہونے اور دولت آخرت کے باقی و قائم ہونے کا نقش دل میں جمع، معاً جنت کی طرف دوڑ کرنے کا پیام پہنچا دیا۔ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ الخ۔ وٰ۳۱ (وہ صرف خواص اور مجاہدین یا عاشقین ہی کو نہیں، ہر عامی مومن کو بھی اپنے فضل و کرم کے بحر بیکراں سے سیراب کرے گا) اُعِدَّتْ ... الخ۔ اس میں جتا دیا کہ جنت تو ہر مومن کا مستقر اصلی ہے ہی۔ ذٰلِكَ ... يَشَآءُ۔ اس میں یہ اشارہ کر دیا کہ کوئی اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو جائے۔ یعنی یہ تو محض ہمارا فضل و کرم ہے جو جنت میں پہنچا دیتا ہے اور اس کا مدار ہماری مشیت پر ہے گو ہم نے اپنی رحمت سے اپنی مشیت ان عمل کرنے والوں ہی کے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔ وٰ۳۲ (کیونکہ اس کے علم میں حال و مستقبل سب یکساں ہے) فِي الْاَرْضِ ... اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی جتنی بھی مصیبتیں انسان کے لیے ممکن ہیں خواہ داخلی ہوں یا خارجی، سب ازل سے مقدر ہیں۔ كِتٰبٍ۔ مراد لوح محفوظ ہے۔ و هو اللوح المحفوظ اے مكتوبة فيه (بحر) يعني اللوح المحفوظ (معالم) ذٰلِكَ۔ یعنی قبل وقوع ان کا لکھ دینا۔ اے تقدير ذلك و اثباته في كتاب (مدارک) نَّبْرَاَهَا۔ ضمیر ها، انفس کے لیے ہے۔ والضمير على ما روى عن ابن عباس و قتادة والحسن و جماعة للانفس (روح) وٰ۳۳ یعنی کوئی نعمت یا عطیۂ الٰہی تمہارے دلوں میں اترابٹ یا فخر کے جذبات نہ پیدا کرنے پائے جو طاعت الٰہی سے مانع ہو جاتا ہے۔ باقی رہی طبعی مسرت تو وہ تو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اترابٹ تو اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی خوبی کو اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی جڑ کاٹ دی، جب نعمت کے لیے محض حق تعالیٰ کے حکم و مشیت کا انحصار ہو گیا تو اب اترابٹ ہونے ہی کیوں لگی؟! عَلٰى مَا فَاتَكُمْ۔ جو چیز تم سے جاتی رہے تمہارے محبوبات و مرغوبات میں سے مثلاً مال یا اولاد یا صحت و عافیت یا حسن و شباب یا کوئی عزیز یا دوست۔ لکنے اس کا عامل اخبرنا کم مقدر ہے۔ لَا تَاْسَوْا۔ یعنی رنج و غم حد سے زیادہ نہ کرو۔ جو طاعت الٰہی میں حائل ہو جائے۔ صدمۂ طبعی سے کوئی ممانعت مقصود نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں علاج ہے حزن کا تقدیر کے یاد کر لینے سے نیز یہ اشارہ ہے کہ اس میں ضرور ہماری ہی مصلحت ہوگی گو ہمیں تفصیل سے علم نہ ہو۔ وٰ۳۴ یہ وعید ہے اترابٹ پر۔ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ مُخْتَالٍ اور فَخُوْرٍ دو لفظ آئے ہیں۔ اختیال کی بنیاد کمالات داخلی پر ہوتی ہے۔ مثلاً علم عبادت وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالات خارجی پر مثلاً مال و جاہ وغیرہ۔ وٰ۳۵ (حب دنیا کی بنیاد پر) يَبْخَلُوْنَ۔ الْبُخْلِ۔ بخل کے عام و وسیع معنی ہیں حق اللہ و حق العباد کو ضائع کر دینے اور انہیں ادا نہ کرنے کے۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ اشارہ ہے خدمات ضروری میں خرچ کرنے سے رک جانے پر۔ آیت سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ حب دنیا ایسی چیز ہے کہ جس سے اکثر صفات ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً اختیال اور افتخار اور بخل وغیرہا لک (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ف۳۶ یعنی تم اللہ کی راہ کے بعد بھی بخل کرتے رہو گے تو اس میں ضرر صرف تمہارا ہی ہے، حق تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان، وہ ذات پاک تو اپنی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے خود ہی ہر طرح کامل و اکمل ہے بلکہ استکمال بالغیر تو اس کے لیے محال ہی ہے۔ آیت سے اس عقیدۂ جاہلیت کی بھی تردید مقصود ہے کہ پجاریوں کی خدمت سے خود دیوتا اور خدا مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ف۳۷ (اس اصلاح اُخروی کی غرض سے) اَلْبَیِّنٰتِ۔ کے تحت میں احکام، ہدایات، دلائل و معجزات سب آ گئے۔ ای الحجج والمعجزات (روح) ف۳۸ حقوق اللہ میں حقوق العباد میں غرض سارے اجزائے شریعت میں) وَاَنْزَلْنَا ...... بِالْقِسْطِ ۔یعنی انہیں آسمانی کتابوں میں احکام بندوں کی باہمی معاملت و معاشرت سے متعلق دیئے، اور ہدایات عدل اور ادائے حقوق کے بارہ میں نازل کیے۔ شریعت اسلامی کا تعلق صرف فلاح آخرت سے نہیں بلکہ اس دنیا کے بھی پورے انتظامات سے ہے اور شریعت کے اس دنیوی اور انتظامی جزء کی اہمیت خصوصی آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اَلْكِتٰبَ۔ کتب ظاہر ہے کہ یہاں جنس کتاب کے لیے ہے اور اس سے مراد تمام کتب وصحائف آسمانی ہیں۔ ای جنس الكتب الشامل للكل (روح) اَلْمِيْزَانَ۔ میزان سے مراد عدل یا احکام عدل سے لی گئی ہے۔ المیزان اشارة الى حمل الناس على تلك الاحكام المبنية على العدل والانصاف (کبیر) یعنی العدل (معالم) و هو العدل قاله مجاهد و قتادة و غيرهما (ابن کثیر) و اکثر المتأولین علی ان المراد بالمیزان العدل (بحر) بعض محققین نے اس لفظ سے مراد عقل سلیم یا معرفت حق یا ضمیر لی ہے، جو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور دعوت انبیاء ہی کی طرح اس کے بھی بغیر حجت الٰہی انسان پر قائم نہیں ہوتی چنانچہ بچہ اور مجنون اسی لیے تو تکلیف شرعی سے بری ہیں کہ ان کی عقلیں اور ان کے ضمیر کامل اور نمو یافتہ نہیں۔ المیزان هو الذی یتمیز به العدل عن الظلم والزائد عن الناقص (کبیر) لیقوم میں لام تعلیل کا ہے۔ علة لانزال الكتاب والمیزان و القیام بالقسط (روح) یعنی ہدایت خلق انہیں دو امور تعلیم کتاب و میزان سے قائم و وابستہ ہے۔ اَلْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب سے اشارہ قوت نظری کی جانب ہے اور میزان سے اشارہ قوت عملی کی جانب۔ والحاصل ان الكتاب اشارة الى القوة النظرية والميزان الى القوة العملية (کبیر) ف۳۹ اَلْحَدِيْدَ۔ یعنی لوہا جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ۔ معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، استرہ قروی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے آلات مہلک، ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جائیے۔ ہر ایک میں کارفرمائی اسی مہلک اور پرہیبت دھات، لوہے ہی کی نظر آئے گی اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلات حرب، ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈ ناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، جہاز کن کشتیاں، بمبار طیارے، شکاری طیارے وغیرہا، ان سب کو بھی نظر میں رکھیے جب جا کر لفظ قرآنی کی حیرت انگیز و معجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ آج دنیا جس کارخانۂ عالم کو کارگاہ تہذیب وتمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کے چھوٹے بڑے سارے مصنوعات، گھریلو نل اور سوئی اور نب اور پن اور سیفٹی پن اور قینچی اور ہولڈر اور پھاوڑہ اور بیلچہ اور کدال اور اُسترے اور ناخن گیر اور کرچھے اور دست پناہ اور کھرپے اور بسولے اور رندے اور گنڈاسے اور کلہاڑی اور چھلنی اور ہاون دستہ اور کڑھائی اور ہتھوڑے اور انگیٹھی اور ترازو کے پلڑے اور ترازو کے بانٹ اور کیل اور بڑی کیل اور موٹے چولھے اور کنجی اور قفل اور چاقو اور آرے اور قبضے اور پیچکش اور سلگی اور زنجیر اور کنڈی اور چھتری کی تیلیوں اور سائیکل کی تیلیوں اور پرزے اور تانگوں گاڑیوں، اکوں کی کمانیاں اور دھونکنی اور سلائیں اور توے اور پہیوں کے آہنی خول اور موٹر اور موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن اور فائر انجن اور ٹیلیفون اور ٹیلیگراف اور ریڈیو کے تار اور ریل کی پٹریاں اور خود اور ٹرامویں اور ان سب کے اندر کے بیشمار پرزوں اور جتنی وغیرہ جنگی، رزمی، بزمی، ان گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہو جانے کو جی چاہے گا! ف۴۰ یعنی تاکہ یہ نمایاں اور ظاہر ہو جائے کہ کون کون ان نعمتوں سے دین کی اقامت ونصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں کام لیتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کے معلوم کر لینے کے معنی ہوتے ہیں کسی شی کے علانیہ ثابت ہو جانے اور ظہور پذیر ہو جانے کے۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی محض اپنی قوت ایمانی کے سہارے، ایسے خدا اور اس کے دین کی نصرت کریں جو اُن کی نظر سے مخفی ومستور ہے۔ ای غائبا منهم (روح، مدارک) ای قام بنصرة الدین

فَخُوْرٍ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

پسند نہیں کرتا ف۳۶ (وہ لوگ ایسے ہیں) جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم

بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

دیتے رہتے ہیں ف۳۵ اور جو کوئی روگردانی اختیار کرے گا تو اللہ تو (سراسر) بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۳۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا ف۳۷ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو

وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

اور انصاف کرنے کو نازل کیا، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں ف۳۸ اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں ف۳۹ اور اس لئے بھی تاکہ اللہ جان لے

مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کون کرتا ہے ف۴۰ بے شک اللہ (بڑا) قوت والا ہے (بڑا) زبردست ہے ف۴۱

ع ۳

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور دونوں کی نسل میں

النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

نبوت اور کتاب جاری کر دی ف۴۲ سو اُن میں سے ہدایت یافتہ بھی ہوئے، اور اکثر اُن میں کے

فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا

نافرمان نکلے ف۴۳ پھر ہم ان کے بعد اپنے اور پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد ہم نے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا

عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا ف۴۴ اور ہم نے انہیں انجیل دی ف۴۵ اور جن لوگوں نے ان کی

ولم یره الله ولا الأخرة (معالم) ف۴۱ اسے کوئی حاجت کسی قسم کی بھی کسی بندہ کی نصرت واعانت کی نہیں، احکام جہاد وغیرہ جو مل رہے ہیں سب بندوں ہی کے اخلاص کی جانچ پڑتال کے لیے ہیں۔ ف۴۲ اس میں اس بڑی اہم تاریخی حقیقت کا اعلان آ گیا کہ نبوت وشریعت آسمانی کا سلسلہ بقیہ نوح میں نسل ابراہیمی کے واسطہ سے چلا اور دوسری نسلیں طرح طرح کے شرک اور وہم پرستیوں میں پڑی رہ گئیں۔ ف۴۳ فَمِنْهُمْ۔ ضمیر هم ان پیغمبروں کی ذریت کی جانب بھی ہو سکتی ہے اور اُمتان دعوت کی جانب بھی۔ ای فمن الذرية او من المرسل اليهم (کبیر) فٰسِقُوْنَ۔ یہاں لفظی معنی میں ہے۔ اصطلاح فقہ میں نہیں، مراد یہاں کافر ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مواقع پر ہے۔ یعنی الذین ترکوا الایمان بعیسی و محمد علیهما الصلوٰة والسلام (معالم) فارقون عن حدود دینهم (روح) ف۴۴ (جو سلسلہ انبیاء اسرائیل کے خاتم ہوئے ہیں اور ان کے اور خاتم النبیین ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں بجز یحییٰ علیہ السلام کے جو مسیح علیہ السلام کے معاصر بھی تھے) ف۴۵ یہ دعویٰ تو مسلمانوں کا ہے کہ قرآن کی طرح انجیل نامی بھی ایک کتاب آسمانی نازل ہو چکی ہے، لیکن موجودہ مسیحیت صدیوں سے اس دعوے سے کلیۃً دستبردار ہو چکی ہے وہ تو اس کی قائل ہے کہ مسیح علیہ السلام سرے سے کوئی پیامبری نہ تھے جو کسی اور کا پیام، کسی کی طرف سے کتاب لے کر آتے۔ وہ تو خود (نعوذ باللہ) مظہر ذات باری تھے، اور اُن کی زبانی بعض بشارتیں سن کر اور ان کے معجزات وخوارق دیکھ کر بعض لوگوں نے زبانی یا تحریراً دوسروں تک پہنچا دیئے۔ اور ان دوسروں نے ان انسانی نوشتوں کے مختلف مجموعوں کو مختلف انجیلوں کے نام سے شائع کر دیا -- قرآن مجید کے الفاظ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ۔ سے گو اول

نظر میں تبادر یہی ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی قرآن مجید کی طرح ایک کتاب انجیل نامی نازل ہوئی تھی لیکن یہ معنی بالکل قطعی اور لازمی نہیں۔ اور یہ تو بہرحال قطعی ہے کہ جس وحی شدہ انجیل کا یہاں ذکر ہے۔ وہ اس نام کی وہ کتاب تو ہرگز نہیں جو اس وقت مسیحیوں کے ہاتھ میں ہے۔ ف۴۶ (اور یہ علامت ان کے صحیح متبع مسیح علیہ السلام کی تھی) الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ خوب خیال رہے کہ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً کی صفات مدحیہ ان واقعی متبعین مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہو رہی ہیں، نہ کہ نصرانیوں کے حق میں۔ ف۴۷ یعنی اس سے مقصود ان لوگوں کا اپنے دین و ایمان کا تحفظ بلکہ کمال روحانی حاصل کرنا تھا۔ وَ رَهْبَانِیَّةَ۔ رھبانیت کے معنی ترک لذات و تحمل شدائد کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض از دیاد اور افراط کے۔ الرهبانية غلو في تحمل التعب من فرط الرهبة (راغب) قال القاري واصل الرهبانية من الرهبة ثم صارت اسما لما فضل عن المقدار و الافراط فيه (تاج۔ لسان) مسیحیوں نے ابتدائی صدیوں ہی سے بعض مشرک فلاسفہ یونان و مصر وغیرہ کے اثر سے اپنا مسلک رہبانیت یا ترک دنیا کا اختیار کر لیا تھا، جس کے تحت میں ترک نکاح، ترک مذائذ غذائی، ترک حیوانات، ترک خانماں، ترک طہارت، ترک اختلاط اور صحرا گردی وغیرہ سب آ گئے۔ والمراد من الرهبانية ترهبهم في الجبال فارين من الفتنة في الدين مخلصين انفسهم للعبادة متحملين كلفاً زائدة على العبادات التي كانت واجبة عليهم من الخلوة واللباس الخشن والاعتزال عن النساء والتعبد في الغيران والكهوف (کبیر) ابتدعوها۔ اس نے صاف کر دیا کہ یہ مسلم ترک دنیا ہرگز تعلیم ربانی کے مطابق و ماتحت نہ تھا۔ نہ صراحۃً نہ اس سے ماخوذ و مستنبط۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ۔

فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِیَّةَ

پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور نرمی رکھ دی تھی ف۴۶ اور رہبانیت کو

ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ

انہوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے اُن پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کر

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

لیا تھا) سو انہوں نے اس کی رعایت پوری پوری نہ کی ف۴۸ سو ان میں سے جو (اب) ایمان لائے ہم نے انہیں

مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ یٰۤاَیُّهَا

ان کا اجر دیا اور زیادہ تو اُن میں کے نافرمان ہی ہیں ف۴۹ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ

ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اُس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، اللہ تم کو اپنی

كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

رحمت سے دو حصہ دے گا ف۵۰ اور تمہارے لئے (وہ) نور پیدا کر دے گا کہ تم اُسے لئے

بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا یَعْلَمَ

چلو پھرو گے، اور وہ تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے ف۵۱ (اور یہ ہدایت اس لئے عطا کرے گا)

اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ

تاکہ اہل کتاب کو (قیامت میں) معلوم ہو جائے کہ اُنہیں اللہ کے فضل کے کسی جزء پر

اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

بھی دسترس نہیں، اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرے،

وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۵۲

ع۴

مزید تاکید و زور کے لیے پھر فرما دیا گیا کہ یہ مسلک ترک سوا تو شریعت ربانی کا جز ہرگز نہ تھا۔ تمامتر ایک انسانی اختراع تھی۔ صوفی محققین نے لکھا ہے کہ سلوک و تصوف سے مقصود تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھنا چاہیے نہ کہ تفاخر و حصول مراتب و درجات عالیہ۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق ابتدعوها سے ہے۔ یعنی ان کی نیت اس بدعت سے اتباع رضاء الٰہی ہی تھی۔ انهم قصدوا بذلك رضوان الله تعالى قاله سعيد بن جبير و قتادة (ابن کثیر) ف۴۸ (اور یہی ہوا کہ اپنے لگائے ہوئے قیود اور اپنے عائد کیے ہوئے شرائط خود ہی نہ نباہ سکے اور پھسل پھسل گئے) ابھی آ چکا ہے کہ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ان کی نیت بخیر تھی یہ اپنے اوپر مشقتیں اور کلفتیں انہوں نے تقرب خداوندی ہی کی غرض سے عائد کی تھیں لیکن بدعت بہرحال بدعت تھی۔ نباہ یہ اس کا بھی نہ کر سکے۔ رہبانیت کی ساری تاریخ خود مسیحیوں کے قلم کی لکھی ہوئی ایک بڑی حد تک فسق و فجور ہی کی تاریخ ہے۔ قرآن مجید نے حکیمانہ ایجاز کے ساتھ صرف اشارہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں راہبین نصاریٰ کی مذمت دو حیثیتوں سے ہے۔ ایک تو دین میں بدعت یا نئی راہ نکالنے کی حیثیت سے، دوسرے اس پر کہ اپنے بدلی عبادات و التزامات کو بھی نباہ نہ سکے۔ و هذا ذم لهم من وجهين احدهما الابتداع في دين الله ما لم يامر به الله و الثاني في عدم قيامهم بما التزموه مما زعموا انه قربة يقربهم الى الله عز و جل (ابن کثیر) ف۴۹ (چنانچہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں) فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ ... اَجْرَهُمْ۔ یعنی جنہوں نے اپنے پیغمبر وقت کی تصدیق کی اور ان پر پوری طرح ایمان لائے، انہیں اجر بھی پورے کا پورا ملا۔ ف۵۰ کتابی مومن کے اجر کا دوگنا ہونا ظاہر ہے۔ ایک اجر اپنے نبی سابق کی تصدیق کا۔ دوسرا پیغمبر وقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یہاں خطاب حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں سے ہے۔ اور انہیں دعوت خاتم النبیین پر ایمان لانے کی دی جا رہی ہے۔ في رواية النسائي عن ابن عباس انه حمل هذه الاية على مؤمن اهل الكتاب (ابن کثیر) الخطاب لاهل الكتابين من اليهود والنصارى (معالم) الذين امنوا بعيسى (جلالین) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ دعوت ایمان سے معاً پہلے اتقوا الله لانے میں اشارہ ہے کہ معاصرین اہل کتاب کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بڑی روک تقویٰ ہی کی کمی تھی اور ایمان لانے میں بڑا دخل تقویٰ کو تھا۔ اس آیت میں جو اہل کتاب کو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے تعبیر فرمایا ہے۔ باوجودیکہ عادت قرآنیہ اس لفظ سے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنے کی ہے، اس میں نکتہ غالباً یہ ہے کہ چونکہ یہ ایمان ان کا ایمان بالرسول کے بعد ایمان مقبول ہو جائے گا، اس لیے اس کو ایمان معتد بہ سے تعبیر فرمایا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔ ملاحظہ ہو سورۃ القصص (پ۲۰) آیت اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ کا حاشیہ۔ ف۵۱ (اور ان صفات غفر و رحمت کے ظہور کامل کا وقت حشر ہی میں ہوگا) یَجْعَلْ ... بِهٖ یعنی ایسا نور ایمان عطا کر دے گا جو یہاں سے لے کر پلصراط تک برابر تمہارا رفیق رہے گا۔ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ یعنی باوجود تمہارے پچھلے کفر اور شدید نافرمانیوں کے بھی تمہاری مغفرت ایمان لانے کے بعد کر دے گا۔ ف۵۲ (اے یہ سرکش و نافرمان ذرا سا بھی موقع دیتے تو ان کی نجات و مغفرت رکھی ہوئی تھی) اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ابھی ابھی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مخاطب کیا گیا تھا۔ انہیں محض اَهْلُ الْكِتٰبِ کہنے میں اشارہ یہ ہے کہ ابھی یہ صرف اہل کتاب ہیں محض انبیاء قدیم حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انہیں مومن رہنے کے لیے کافی نہیں۔ لِّئَلَّا یَعْلَمَ۔ علم یہاں تحقیق کے معنی میں ہے۔ ای لیتحققوا (ابن جریر) لِّئَلَّا یہاں کبھی بال کے مفہوم میں ہے۔ ای لیعلم و لا مزيدة (کشاف) اكثر المفسرين والنحويين على ان لا زائدة والمعنى ليعلم (نیشاپوری) اعلم ان اكثر المفسرين على ان لا ههنا صلة زائدة والتقدير ليعلم اهل الكتاب (کبیر) لِّئَلَّا یَعْلَمَ۔ یہ تحقق قیامت کے دن ہوگا۔ جو ہر حقیقت کے انکشاف کامل کا وقت ہوگا۔ اَلَّا ... فَضْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اہل کتاب عدم ایمان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہو سکیں گے۔ یہ اہل کتاب کے اس زعم باطل کی تردید میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ہمیں کیا غم و اندیشہ ہے۔ اَنَّ ... یَّشَآءُ۔ اور اسی کی مشیت اپنے فضل کو اہل ایمان کے ساتھ متعلق و مخصوص کرنے کی ہے۔ بحمد للہ اس پارہ ۲۷ کی نظر ثانی سے فراغت دوشنبہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ (مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۴۶ء) کو نصیب ہوئی۔ اور نظر ثالث آج جمعرات ۷ رشعبان ۱۳۶۹ھ (مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۵۰ء) کو وقت چاشت۔

آیاتھا ۲۲ ۵۸ سُوْرَۃُ الْمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۵ رکوعاتھا ۳

اس کی بائیس آیتیں ہیں 	سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی 	اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

اللہ نے بے شک اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں رد و بدل کہہ رہی تھی!

وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی ف۱ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اللہ تو (سب کچھ)

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ

سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے، ف۲ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ

تو وہ (بیویاں) ان کی مائیں (کچھ ہو) نہیں (جاتی) ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے

لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

یہ لوگ یقیناً ایک نامعقول بات اور جھوٹ کہہ رہے ہیں ف۳ بے شک اللہ بڑا معاف کر دینے والا ہے

غَفُوْرٌ ② وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

بڑا بخشنے والا ہے ف۴ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ

تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے ف۵ اس سے

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ

تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ کو پوری خبر ہے اس کی جو تم کرتے رہتے ہو ف۶ پھر جس کو یہ

ف۱ ان بی بی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ایک بار غصہ میں آکر ان سے کہہ دیا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے حق میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت) اس کو اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اور عرب جاہلیت میں اس سے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بی بی کا قصہ سن کر اسی قول مشہور کے مطابق فرمایا کہ میری رائے میں تو تو حرام ہو گئی۔ انہوں نے احتجاج کیا کہ شوہر نے لفظ طلاق تو کہا ہی نہیں، اور حق تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ آیت سے ایک علم یہ بھی حاصل ہو گیا کہ لہٰذا اپنے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ اور بندی کی باتیں سنتا رہتا ہے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ قد توقع کے جواب میں اور اس کے پورے ہونے کے موقع پر آیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی رسول اللہ ﷺ اور ان صحابیہ دونوں کو توقع یہی تھی کہ اس استغاثہ کی سن لی جائے گی۔ معناہ التوقع لان رسول اللہ ﷺ والمجادلۃ کانا یتوقعان ان یسمع مجادلتھا وشکواھا وینزل فی ذالک مایفرج عنھا (کشاف) تُجَادِلُكَ۔ جدال یہاں اپنے معروف معنی میں نہیں، بلکہ گفتگو کے رد و بدل کے معنی میں ہے۔ ای تراجعک الکلام فی شانہ (روح) ف۲ (اور اس جیسے خبیر و علیم، سمیع و بصیر کے لئے لوگوں کی مشکلات کی کشاکش کرتے رہنا کیا دشوار ہے) سَمِيْعٌ۔ الفاظ و اقوال کا سننے والا۔ بَصِيْرٌ۔ نیتوں اور دلوں کا حال جاننے والا۔ ف۳ (کہ بیوی کو ماں کہہ دینے، یا ماں کے کسی حصۂ جسم سے تشبیہ دے دینے سے حرمت لازم آجاتی ہے) يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ۔ ظہار۔ اصطلاح شریعت میں یہی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ۔ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ۔ شدہ بیویاں ان الفاظ کے تلفظ سے مائیں بن گئیں، اور نہ کوئی اور سبب حرمت کا پیدا ہو گیا۔ ف۴ (چنانچہ اس بارہ میں بھی اگر گناہ کا تدارک کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جائے گا) ف۵ اور مملوک میں غلام اور باندی دونوں شامل ہیں۔ رَقَبَةٍ کے لفظی معنی ''گردن'' کے ہیں، قرآنی کنایہ میں مراد مملوک سے ہوتی ہے۔ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ غلاموں، باندیوں کی گلوخلاصی اور آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ بنا دینا اس کے مرادف تھا کہ یہ گلوخلاصی اسلام میں بہرحال ایک امر مستحسن ہے۔ ثُمَّ ...... قَالُوْا۔ یعنی تحریم زوجہ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا۔ یعنی قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ مس یا اختلاط ادائے کفارہ کے بعد ہو۔ لیکن اگر کسی نے ادائے کفارہ سے قبل ہی مس یا اختلاط کر لیا تو اب اور کوئی مزید جزاء اس پر لازم نہ آئے گی، وہی کفارہ کافی ہو گا۔ البتہ اپنے اس عمل پر ندامت و توبہ بہرحال کرنی چاہیے۔ رَقَبَةٍ۔ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء قدیم اور بعض تابعین کے ہاں مملوک مطلق ہے، کافر و مسلم کے لئے عام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مملوک مسلمان ہونا چاہیے۔ فقال عطاء ومجاھد وابراھیم، واحدی الروایتین، عن الحسن یجزی الکافر وھو قول اصحابنا والثوری والحسن بن صالح، وروی عن الحسن انہ لایجزی فی شیء من الکفارات الا الرقبۃ المؤمنۃ وھو قول مالک والشافعی (جصاص) ف۶ یعنی تمہاری لغزشوں اور خطاؤں سے بھی اور ان کے کفارہ سے بھی، سب سے باخبر ہے۔ قرآن مجید چونکہ احکام ظاہری ہی کی تعمیل کافی نہیں سمجھتا، بلکہ قلب میں بھی تقویٰ پیدا کرانا چاہتا ہے، اس لئے تقریباً ہر حکم فقہی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کے عالم کل اور خبیر مطلق ہونے کا بھی استحضار کراتا رہتا ہے ـــ دنیوی حاکموں کو دھوکا دے لینا بہرحال ممکن ہے۔ اصل ضرورت تو آسمانی عدالت سے ڈرنے کی ہے۔ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی تمہیں زجر و نصیحت اس حکم کفارۂ مالی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کفارۂ مالی کو موجب وعظ و زجر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ مالی بار کو بھی اصلاح نفس میں دخل ہے۔ اور یہیں سے مشائخ طریقت نے یہ تدبیر اخذ کی ہے کہ مریدوں سے ان کے نفس پر جرمانہ بھی کراتے ہیں، گو خود اسے وصول نہیں کرتے۔

ف۷ یہاں یہ بتایا کہ جس کسی کے پاس غلام یا باندی سرے سے ہو نہیں (خواہ اس لئے کہ اسے اتنی مقدرت ہی نہ ہو اور خواہ وہ ملک ایسا ہو جہاں مملوک شرعی کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً آج کا ہندوستان) تو اس کے لئے دوسرا متبادل کفارہ یہ مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں۔ ف۸ تیسرا متبادل کفارہ یہ ہوا۔ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھلاتے رہیں، تو بھی درست ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ۔ غیر مستطیع سے اس سیاق میں وہ شخص مراد ہے جو بسبب ضعف یا مرض روزہ پر قادر نہ ہو۔ ف۹ (انہیں معمولی بات سمجھ کر نظر انداز نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہ الٰہی ضابطے ہیں) ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ ایمان پر مضبوطی احکام کی تعمیل و پابندی ہی سے قائم رہتی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی تعلیم جو ابھی اوپر ملی ہے۔ اشارة الٰی ماموٴمن البیان (روح) ف۱۰

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ

میسر نہ ہو تو قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اس کے ذمہ دو متواتر مہینوں

يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ

کے روزے ہیں ف۷ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کا ف۸

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ

یہ (احکام) اس لئے ہیں تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ف۹

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۰ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت

وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ

کرتے رہتے ہیں یہ خوار ہوں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ خوار ہو چکے ہیں ف۱۱ اور ہم نے

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ۚ يَوْمَ

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہونا ہے ف۱۲ اس روز

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ

جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا انہیں جتلائے گا، اللہ نے اسے

اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ۧ اَلَمْ

محفوظ رکھا اور یہ لوگ اسے بھول گئے اور اللہ تو ہر چیز پر مطلع ہے ف۱۳ کیا آپ نے

تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا

اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے کوئی

يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ

سرگوشی تین (آدمیوں) میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ (آدمیوں) کی

ع ۱

کافروں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں، جو خداوندی احکام اور ضابطوں کی تصدیق نہیں کرتے — محض تارکین نہیں، منکرین احکام مراد ہیں۔ قال ابن عباس لمن جحده وكذب به (معالم) اے الذين لم يؤمنوا ولا التزموا باحكام هذه الشريعة (ابن کثیر) اے الذين لايقبلونه، (بیضاوی) لمن جحد هذا وكذب به (کبیر) جن مفسرین نے تارکین احکام مراد لی ہے، انہوں نے اطلاق کفر کو یہاں حقیقی معنی میں نہیں لیا ہے، بلکہ اسے صرف تہدیدی مفہوم میں لیا ہے۔ جیسا کہ بعض اور بھی آیات قرآنی میں آیا ہے۔ واطلق الكافر على متعدى الحدود تغليظًا لزجره ونظير ذٰلك قوله تعالٰى ومن كفر فان الله غنى عن العالمين (روح) ف۱۱ (قتل سے، قید سے، شکست سے وغیرہا) اَلَّذِيْنَ ...... رَسُوْلَهٗ۔ اس کے تحت میں ریاست مکہ کے مشرکین اور یہود عرب دونوں آگئے۔ اور سزائے سخت یعنی تحقیر وذلیل ہونے کی پیشگوئی دونوں کے حق میں جلد ہی پوری ہو کر رہی۔ یہ لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کئے ہوئے حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود وضع کرتے ہیں۔ اے يضعون او يختارون حدودًا غير حدودها (بیضاوی) آیت کو وسیع مفہوم میں لے کر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ جو مسلمان ملوک وامراء سوء نے شریعت اسلامی سے الگ ہو ہو کر قانون نکالے ہیں، وہ سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لیکن صاحب روح نے ایک اسی قسم کے رسالہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ کاش رسالہ مذکور میری نظر سے بھی گزرا ہوتا، اس لئے کہ اتنی سی بات پر اطلاق کفر دشوار ہے۔ پھر آگے لکھا ہے۔ ثم ان لا شبهة فى انهٗ لاباس بالقوانين السياسية اذا وقعت باتفاق ذوى الأراء من اهل الحل والعقد على وجه يحسن به الانتظام ويصلح امر الخاص والعام ومنها تعيين مراتب التاديب والزجر على معاصى وجنايات لم ينص الشارع على حد معين بل فوض الامر فى ذٰلك لرأى الامام فليس ذٰلك من المحادة لله تعالٰى ورسوله ﷺ فى شىء۔ ”ایسے قوانین سیاسی میں تو مطلق مضائقہ نہیں جو اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے منظور ہوں اور جن کی غایت حسن انتظام اور معاملات کی درستی ہوتی ہے۔ اور انہیں میں سے یہ امر بھی ہے کہ جن گناہوں اور جرموں کے بارہ میں شریعت نے کوئی سزائے معین نہیں رکھی ہے، بلکہ ان کی تفصیل امام پر چھوڑ دی ہے تو ایسے قوانین پر اللہ و رسول کے احکام کی مخالفت کا اطلاق ذرا بھی نہیں ہوتا۔ كُبِتُوْا۔ اس سزائے خواری کا تعلق اس دنیا سے ہے — قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان یاد رہے کہ مستقبل کے قطعی و یقینی واقعات کا ذکر صیغۂ ماضی ہی میں کیا جاتا ہے۔ ف۱۲ (آخرت میں) سزائے دنیوی کا ذکر ابھی گزر چکا۔ اب بیان سزائے آخرت کا ہو رہا ہے۔ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ اس میں یہ اشارہ آگیا کہ ایسے کھلے ہوئے احکام وہدایات کی مخالفت یقیناً مستوجب تعزیر ہوگی۔ ف۱۳ (اس کے علم میں اور اس کے حساب وکتاب میں کسی غلطی یا اختلال کا احتمال بھی نہیں) نَسُوْهُ۔ مراد نسیان طبعی واضطراری نہیں، بلکہ نسیان ارادی ہے، ان کی دانستہ بے التفاتی و بے فکری کا نتیجہ۔ وَاللّٰهُ ...... شَهِيْدٌ۔ مشرکین جاہلین کے استحضار کے لئے حق تعالیٰ کے عالم جزئیات وکلیات ہونے اور اس کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی تکرار و تاکید کی ضرورت بار بار تھی۔

إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَآ أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ

جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ

مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ

ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں، پھر وہ اُن کو اُن کے کرتوت قیامت کے دن

الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى

جتلاوے گا بے شک اللہ کو ہر چیز کی پوری خبر ہے ف۱۴ کیا آپ نے ان لوگوں (کے حال) پر

الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ

نظر نہیں کی جنہیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا تھا،

وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ

اور سرگوشیاں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں ف۱۵

وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ

اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا ف۱۶ اور اپنے

فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ

آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دے دیتا؟ ان کے لئے جہنم

جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کافی ہے کہ اس میں یہ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانا ہے ف۱۷ اے

آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ایمان والو جب تم کسی سے سرگوشی کرو تو سرگوشی گناہ اور زیادتی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا

اور نافرمانی رسول کی نہ کرو ف۱۸ اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے

ف۱۴ یہ تنبیہ و سرزنش یہود و منافقین پر ہے جو اکثر باطل کے لئے سرگوشیاں آپس میں کیا کرتے، اور یہ سمجھے رہتے کہ اس کی خبر نہ مسلمانوں کو ہوگی نہ ان کے خدا اور رسول کو۔ الم تر ...... الارض۔ چنانچہ انسانوں کا کوئی بڑے سے بڑا مخفی راز بھی حق تعالیٰ کے لئے راز نہیں۔ نجوی۔ اس کے لفظی معنی تو مطلق سرگوشی کے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اسرار مخفی ہیں جو کسی بے گناہ کی اذیت رسانی یا امر حق کی مخالفت میں ہوں۔ ف۱۵ یعنی یہ بد سرشت لوگ حکم امتناعی کے باوجود سرگوشیاں کر کر کے تین تین قانونی دفعات کے تحت میں مجرم ہوتے ہیں۔ الاثم۔ قانون کی خلاف ورزی بجائے خود ایک گناہ ہے، یہ پہلا جرم ہوا۔ والعدوان۔ یعنی مسلمانوں کو دکھ پہنچانے اور ان کی طبیعت کو ملول و مکدر کرنے کا گناہ — یہ دوسرا جرم ہوا۔ ومعصیت الرسول۔ یعنی رسول کی براہ راست نافرمانی — یہ تیسرا جرم ہوا۔ نھوا عن النجوی۔ نفس سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ یہاں مفاسد اور شر انگیزیوں کی بناء پر ممنوع قرار پائی — فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امام کو اختیار ہے، اپنے اجتہاد و احتیاط کی بناء پر جس امر مباح سے چاہے رعایا کو روک دے۔ ف۱۶ یہود مدینہ کی بد نفسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب مجلس نبوی ﷺ میں آتے، اور عام ملکی تہذیب کے لحاظ سے شرما شرمی سلام کرنا ہی پڑتا، تو اس میں بھی ایک پہلو اپنے خبث اور بے تمیزی کا ڈھونڈھ لیتے، یعنی زبان سے بجائے "السلام علیکم" کے السام علیکم، تلفظ کرتے، جس کے معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔ حیوک ...... اللہ۔ آج کل سلام کے جو غیر اسلامی صیغے، آداب، اور کورنش اور بندگی اور مجرا وغیرہ نکل آئے، اور اس سے بھی بڑھ کر اب جو "جے ہند" وغیرہ نکل رہے ہیں، فقہاء عصر نے آیت کے اس جزء سے استدلال کر کے ان سب کو بدعت قرار دیا ہے۔ ف۱۷ (اور عذاب عاجل تو دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے سر دست ملتوی ہو گیا ہے) ویقولون ...... نقول۔ یعنی اگر یہ واقعی رسول ہیں، اور ہم ان کے ساتھ گستاخیاں کر رہے ہیں، تو آخر ہمیں سزا فوراً کیوں نہیں مل جاتی؟ ف۱۸ (جیسا کہ کافر اور منافق کرتے رہتے ہیں) یہاں یہ بتا دیا کہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں، اسے جرم تو محض ان اغراض و مقاصد نے بنا دیا ہے، جنہیں لے کر منافقین آپس میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔

اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ

ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ف ١٩ (ایسی) سرگوشی بس شیطان ہی کی

الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّہِمْ

طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمانوں میں رنج ڈالے اور انہیں کچھ بھی ضرر نہیں

شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

پہنچا سکتا مگر ہاں اللہ کے ارادہ سے ف ٢٠ اور ایمان والوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ف ٢١

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو

فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تمہیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

تو اٹھ کھڑے ہوا کرو ف ٢٢ اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند

دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ

کرے گا اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف ٢٣ اے

اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ

ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے قبل کچھ خیرات

صَدَقَةً ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَطْہَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

دے دیا کرو ف ٢٤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ لیکن اگر تم مقدرت نہ رکھتے ہو،

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا

تو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف ٢٥ کیا تم اس سرگوشی کرنے سے قبل خیرات کرنے

ف ١٩ راز دارانہ سرگوشیوں کی ضرورت آخر مسلمانوں کو بھی کبھی پڑ جاتی تھی۔ یہاں ارشاد ان سے ہو رہا ہے کہ ضرورت کے وقت نفس سرگوشی کی ممانعت نہیں لیکن یہود و منافقین کا تشبہ ہلکا سا بھی نہ پیدا ہونے پائے، تمہارا موضوع و مقصود، بجائے اثم و عدوان و معصیت رسول کے بر و تقویٰ ہی رہے۔ البر و التقوی اہل نظر نے کہا ہے کہ آیت میں البر سے مراد خیر متعدی، اور التقوی سے مراد خیر لازمی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کے لئے تخلیہ میں تعلیم و تلقین کی گنجائش اس آیت سے نکلتی ہے۔ ف ٢٠ شیطان مردود میں قوت ہی کیا ہے۔ اس سے کسی صاحب ایمان کا ہراساں ہونا بالکل بے معنی ہے۔ مسلمان کو اس کے اثر سے جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ بھی تمام تر حق تعالیٰ ہی کی مشیت تکوینی کے ماتحت۔ انما النجوی من الشیطن۔ اس نجوی (سرگوشی) سے مراد وہی مفسدانہ و شر انگیز سرگوشیاں ہیں۔ باذن اللہ۔ اذن۔ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ ١) و ما ھم بضارین به من احد الا باذن اللہ کے تحت میں گزر چکا۔ ف ٢١ (اور ادھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانواڈول ہونے ہی نہ دینا چاہئے) مومن اگر اللہ پر پورا پورا توکل و اعتماد کرے تو پھر ہمیشہ کے لئے شیطان اور ہر مخلوق کی طرف سے خطرہ سے نجات ہو جاتی ہے۔ ف ٢٢ غرض یہ کہ صدر مجلس کے ہر حکم کی تعمیل بے چون و چرا کیا کرو۔ یایھا الذین ... المجلس۔ اب تعلیم آداب مجلس کی مل رہی ہے، خصوصاً مجلس نبوی ﷺ کی — شریعت کی ہمہ گیری سے زندگی کا کونسا شعبہ بچا رہ سکتا ہے۔ اذا قیل لکم۔ یہ حکم صدر مجلس کی طرف سے ملے گا، کسی ضرورت یا مصلحت کی بنا پر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ طریقت اگر اپنی مجلس کے کچھ آداب و ضوابط مقرر کرے، تو اسے اس آیت سے اصل مل سکتی ہے۔ ف ٢٣ (چنانچہ اس کی بھی کہ کون تعمیل ارشاد محض دنیوی مصلحت سے کر رہا ہے بلا شائبہ ایمان، اور کون پورے ایمان، اخلاص و خشیت کے ساتھ کر رہا ہے) الذین ... درجت۔ ان قیود کے لگ جانے سے درجات عالی کے وعدہ سے منافقین نکل گئے، اور یہ وعدہ درجات عالی، مجموعہ مخاطبین میں سے صرف اہل ایمان اور اہل علم کے لئے، ان کے غایت خلوص و غایت خشیت کی بنا پر مخصوص رہ گیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کے لئے جائز ہے کہ اپنے اصحاب کے درمیان خواص و عوام کے فرق کی رعایت کرے اور اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہوگا نہ کہ اصحاب شیخ کی رائے پر۔ ف ٢٤ حکم اغنیائے امت کو مل رہا ہے کہ تم رسول سے اگر تخلیہ چاہتے ہو تو پہلے کچھ نذرانہ فقرائے امت کے لئے پیش کیا کرو۔ اس حکم کا امت کی انتظامی مصلحتوں پر مبنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ سے تخلیہ چاہنا ایک امر اہم ہے، بلا ضرورت اس کی درخواست و مبادرت نہ کرے۔ ف ٢٥ (چنانچہ ناداروں کے حق میں تخلیہ کے لئے اس نے کوئی ایسی قید یا شرط نہیں رکھی) یایھا الذین امنوا۔ آیت کے شروع میں ان الفاظ مخاطبت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب گفتگو منافقین سے نہیں صرف مخلصین سے ہو رہی ہے۔ ذلک خیر لکم و اطھر۔ جب ہر طاعت کفارۂ سیئات کا سبب ہوتی ہے، تو یہ طاعت بھی لامحالہ اغنیائے امت کے کفارۂ سیئات کا باعث ہوئی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اس شخص کے لئے تسلی ہے، جو صاحب مقدرت نہ ہو، اور شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو۔

بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ

(کے حکم) سے ڈر گئے؟ سو (خیر) جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا

توجہ فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور کہا مانو اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ

اُس کے رسول کا اور اللہ کو پوری خبر ہے تمہارے اعمال کی ف۲۶ کیا آپ نے

اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ

ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں

مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ

اور نہ انہیں میں ہیں جھوٹی بات پر قسم کھا جاتے ہیں، درآنحالیکہ (اسے خوب)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

جانتے ہیں ف۲۷ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بے شک (بہت) برے تھا

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا

وہ کام جو وہ کیا کرتے ہیں ف۲۸ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر (اوروں کو) اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ

روکتے ہیں سو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے ف۲۹ اُن کے مال اور اُن کی اولاد

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ

اللہ (کے عذاب) سے انہیں ذرا نہ بچا سکیں گی یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۳۰ جس روز اللہ ان سب کو

ف۲۶ یعنی اس حکم منسوخی کے بعد بھی قرب و وصول کے لئے تمہارے نئے دوسرے احکام شریعت پر عمل و مداومت عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اسے بالکل ہی منسوخ کر کے اس حکم کی تعمیل سے معاف کر دیا۔ ءَاَشْفَقْتُمْ۔ ۔ صَدَقٰتٍ۔ روایات حدیث میں آتا ہے کہ جب حکم تقدیمِ رسول سے قبل صدقہ پیش کرنے کا نازل ہوا تو بہت سے صحابی ڈر گئے، اور ضروری باتیں پوچھنے سے بھی رک گئے، یہ صحابی یقیناً نادار ہوں گے، انہیں ایک طرف تو یہ احساس کہ ہم اپنی ناداری کی بناء پر ادائے صدقہ کے قابل نہیں، دوسری طرف فرط خشیت سے اپنے متعلق اس میں بھی شک کہ آیا ہم حقیقۃً مقدور اور اس حکم صدقہ سے مستثنیٰ ہیں بھی۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ حق تعالیٰ خبردار ہے اعمال کی ظاہری صورت سے بھی اور ان کی باطنی کیفیات سے بھی۔ ف۲۷ (کہ حلف جھوٹا اٹھا لیتے ہیں) اَلَّذِيْنَ تَوَلَّوْا۔ مراد منافقین ہیں، جس میں سے بہت سے خود بھی یہود تھے اور میل جول بھی یہود ہی سے زیادہ رکھتے تھے۔ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ مراد یہود و مشرکین ہیں — زیادہ تر مراد یہود ہی لے گئے ہیں۔ وهم اليهود (روح) مَا هُمْ ۔ ۔ مِنْهُمْ۔ یعنی یہ نہ ادھر کے نہ اُدھر کے، منافقین نہ تو امت اسلامی ہی کے جزو ہیں، اور نہ ان کا شمار کھلے ہوئے باغیوں اور منکروں میں ہے۔ مِنْكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد مومنین ہیں، اور مِنْهُمْ میں ضمیر جمع غائب سے مراد وہی قوم مغضوب۔ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ۔ اور ان کا سب سے بڑا کذب ان کا یہی دعوائے اسلام و ایمان تھا۔ يَحْلِفُوْنَ کے صیغہ مضارع سے اشارہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان و اسلام کا جھوٹا حلف اٹھاتے ہی رہتے ہیں۔ وصيغة المضارع للدلالة على تكرار الحلف (روح) ف۲۸ ظاہر ہے کہ کفر اور پھر منافقت کے ساتھ اخفائے کفر سے بڑھ کر برا کام اور کون سا ہوگا۔ اِنَّهُمْ ۔ ۔ يَعْمَلُوْنَ۔ اس فقرہ نے یہ بتا دیا کہ ان کے معذب ہونے کی بنیاد و باعث ان کا یہی کفر و سوء عمل ہے۔ عَذَابًا شَدِيْدًا سے یہاں مراد عذاب قبر بھی لی گئی ہے۔ والمراد منه عند بعض المحققين عذاب القبر (کبیر) ف۲۹ عذاب شدید کا ذکر ابھی آ چکا ہے، اسی کی تاکید ہے کہ وہ عذاب شدید ہونے کے ساتھ ہی ذلیل و رسوا کرنے والا بھی ہوگا، گویا آزار جسمانی و اذیت قلبی کا جامع۔ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ یعنی اپنے بچاؤ کے لئے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے — مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کی جھوٹی قسمیں کھانے سے جانتے تھے کہ اب مسلمان ان کے جان و مال سے تعرض نہ کریں گے۔ ف۳۰ آج بھی دنیا میں جو قومیں آخرت کی طرف سے غافل و بےخبر ہیں، انہیں بڑا فخر اپنی وسیع مالیات اور کثیر آبادی ہی کا رہتا ہے۔

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ
دوبارہ اُٹھائے گا یہ اُس کے سامنے (اس طرح) قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
اور یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھے حال میں ہیں ف۳۱ تو خوب سن لو کہ یہ لوگ

الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ
بڑے ہی جھوٹے ہیں ف۳۲ ان پر شیطان چھا گیا ہے سو اس نے انہیں

ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ

الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ
ٹوٹے ہی میں پڑ کر رہنے والا ہے ف۳۳ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبر کی مخالفت

وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝۲۰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا
کرتے ہیں یہ لوگ ذلیل ترین ہیں ف۳۴ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیمبر غالب

وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۱ لَا تَجِدُ قَوْمًا
آ کر رہیں گے، بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا غلبہ والا ہے ف۳۵ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر

يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ
ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے پیمبر کے

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ
مخالف ہیں، خواہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ
کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) اُن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے،

ف۳۱ یعنی یہ سمجھیں گے کہ دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے رہنے کی جھوٹی قسم کھا کر عذاب جہنم سے بچ جائیں گے۔ جیسے دنیا میں قانون شریعت کی گرفت میں آنے سے، جھوٹ بول بول کر اور مکر کر کر کے بچ جاتے تھے۔ ف۳۲ (کہ حق تعالیٰ کے سامنے تک جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے نہ چوکے) جن لوگوں کی ساری عمر مسلسل کذب و منافقت کی نذر ہوئی، عجب کیا، جو حشر میں اپنی اسی عادت مستمر کی بنا پر، اُن کی زبان جھوٹ پر کھل جائے، اور حق تعالیٰ اس طرح عرصۂ حشر میں ان کی مزید تفضیح و رسوائی کا سامان کر دیں۔ ف۳۳ (آخرت میں تو یقیناً، اور دنیا میں بھی احیاناً) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ۔ چنانچہ اسی کے چھا جانے سے انہوں نے اس کے اثر اضلال و اغواء کو قبول کر لیا ہے۔ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ چنانچہ یہ احکام الٰہی کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ ذکر الٰہی سے غفلت اور شیطانی تسلط کی خاص علامت یہ ہے کہ انسان کو احکام الٰہی سے، علماء و صلحاء کی صحبت سے، رفتہ رفتہ وحشت و بیزاری ہونے لگتی ہے، اور وہ اہل غفلت کی صحبتوں میں غفلت و معصیت ہی کے مشغلوں اور چرچوں میں لگنے لگتا ہے۔ ف۳۴ (جس کا کامل و مستقل ظہور آخرت میں ہو کر رہے گا، اور کبھی کبھی دنیا میں بھی) ساری مخلوقات میں اس سے بڑھ کر ذلیل و حقیر کون ہوگا جو خود اس صداقت کے خلاف جنگ کر رہا ہو۔ ف۳۵ (اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ خلاف اسباب ظاہر بھی جس کو چاہے غلبہ دے دے) حق و باطل کے معرکہ میں حق کا غلبہ بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی رہتا ہے، اور بہت موقعوں پر اس کا ظہور مادی و ظاہری حیثیت سے بھی ہو جاتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ حق لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ اے فی اللوح (مدارک) اے اثبت فی اللوح المحفوظ (روح)

ف۳۶ چنانچہ وہ لوگ ظاہر میں احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور باطن میں اسی سے سکون بھی حاصل کرتے رہتے ہیں) لَا تَجِدُ..... عَشِيْرَتَهُمْ۔ مومن کامل و مخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوب حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اس کے باغیوں، منکروں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طبعی محبتوں پر بھی حق تعالیٰ کی عقلی محبت غالب آجاتی ہے —— یہ چند رشتے صرف نمونہ کے طور پر گنا دیئے گئے۔ انہیں رشتوں کی تعیین وتخصیص مراد نہیں۔ ولیس المراد من ذکر خصوصھم وانما المراد الاقارب مطلقاً (روح) بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یعنی وہ سکینت یا نورانیت جو حیاتِ معنوی کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی رہتی ہے۔ وھو نور القلب (بیضاوی) وتسمیتہ روحا مجاز مرسل لانہ سبب للحیاۃ الطیبۃ الابدیۃ (روح) ف۳۷

وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے ف۳۶ اور انہیں ایسے باغوں میں جا داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہو گا

وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی کے

اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

گروہ والے فلاح پانے والے ہیں ف۳۷

آیاتھا ۲۴	۵۹ سورۃ الحشر مدنیۃ ۱۰۱	رکوعاتھا ۳
اس کی چوبیس آیتیں	سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی	اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بڑا قوت والا ہے (بڑا) حکمت والا ہے ف۱ وہ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔؕ مَا

اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا ف۲ تمہارا

ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود اُن کا خیال یہ تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ (کی گرفت) سے

(آخرت میں تو تمام تر اور دنیا میں بھی اکثر) اَلَا ..... الْمُفْلِحُوْنَ۔ شیطان والے گروہ کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، اب ذکر اس کے مقابلے میں اللہ والے گروہ کا ہے، مستقل اور پائندار جنتی بھی نعمتیں ہیں، وہ سب فلاح میں شامل ہیں اور ان سب کا وعدہ اسی گروہ سے ہے۔ اس گروہ کی خاص شناخت یہ بتائی کہ اللہ ان کی طاعت سے خوش رہے گا اور یہ اس طاعت کے انعام سے جی بھر کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ حِزْبُ اللّٰهِ۔ مومنین متقین کے کمال شرف وامتیاز کے لئے یہ بس ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کا انتساب خاص اپنی ذات کے ساتھ کر کے انہیں یاد فرمایا ہے۔ ف۱ (ایسا حکمت والا کہ ہر مخلوق سے اطاعت وطاعت کا وہی کام لیتا ہے جس کی وہ اہل ہے)، سَبَّحَ۔ تسبیح سے یہاں اختیاری تعبدی تسبیح مراد نہیں جس کا مکلف انسان وجنات کو کیا گیا ہے بلکہ تکوینی تسخیری تسبیح مراد ہے۔ جس پر ساری مخلوق یکساں مضطر ہے —— مطلب یہ ہوا کہ ہر ہر مخلوق بلا استثناء تسبیح حق اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق کیا کرتی ہے۔ مَا۔ ما بے جان کے لئے آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ بجائے "جو کوئی" کے "جو کچھ" سے کیا گیا ہے۔ الْعَزِيْزُ۔ اسم لا کر یاد دلا دیا کہ بڑی سی بھی بڑی مخلوق کوئی ایسی ہے جو اس کے حلقۂ طاعت واطاعت سے باہر رہ سکے؟ ف۲ مراد یہود مدینہ کا قبیلہ بنی نضیر ہے۔ یہود کا یہ قبیلہ مدینہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو منجملہ اور یہود کے اُن سے بھی معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا۔ ربیع الاول ۴ھ میں آپ ﷺ ایک بار ان کے ہاں گئے، تا کہ خوں بہا کے چندہ میں انہیں بھی شریک کر لیں۔ انہوں نے ایک جگہ آپ کو بٹھا کر سازش یہ کی کہ اوپر سے ایک پتھر آپ پر گرا کر آپ کو ہلاک کر دیں، اور مرگ اتفاقیہ کی شہرت دے دیں۔ خدائے حافظ وناصر نے آپ ﷺ کو وحی سے مطلع کر دیا، اور آپ ﷺ سازشوں کے قریب بچ کر نکل آئے۔ یہ بنو نضیر والے چند ماہ قبل غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کر چکے تھے۔ اب اس تازہ واقعہ کے بعد یہ جرم اور زیادہ سنگین ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری اس شدید غداری کی سزا جلا وطنی ہے جان بچانا منظور ہو تو دس دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر اپنا ضروری سامان (بجز اسلحہ کے) لے کر منتقل ہو جاؤ، ورنہ نکالے جاؤ گے۔ یہود کو اپنی مستحکم قلعہ بندی پر ناز تھا۔ شہ اس سے اور مل گئی کہ منافقین مدینہ کے لیڈروں نے زبردست کمک کا بھی وعدہ کر لیا تھا۔ رسول ﷺ کے پاس جواب انکار میں کہلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے لشکر کشی کی۔ منافقین مدینہ کی امداد کا وعدہ تو جھوٹا نکلا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ آپ ﷺ نے محاصرہ کر لیا، اور ان کے باغوں پر جو ان کی اصل جائیداد تھے، تصرف کرنا شروع فرما دیا۔ یہود گھبرا کر نکلے، اور کچھ شام کی اور کچھ خیبر کی طرف منتقل ہو گئے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ پہلی ہی بار۔ یعنی اس کے قبل یہ مصیبت انہیں پیش نہیں آئی تھی۔ لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ جلا وطنی دوبارہ بھی انہیں جھیلنی پڑے گی، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں سارے جزیرہ عرب کو یہود سے خالی کرا لیا۔ واما اٰخر حشر ھم فھو اجلاء عمر ایاھم من خیبر الی الشام (کبیر) کافروں کی جلا وطنی کی سزا بعض فقہاء نے اب منسوخ قرار دی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ راجح حکم کے نفاذ کے حق میں ہے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ لِ وقت کے بیان کے لئے ہے۔ اے عند اول الحشر (کبیر) فی اول الحشر (ابوسعود)

وٓ انہیں اپنی قلعہ بندیوں کے استحکام پر اعتماد بھی ایسا تھا۔ مٰانِعَتُهُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا یعنی ان کا ساز وسامان اشان وشوکت دیکھ کر، اے مسلمانو! تمہارا بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ۔ هُمْ کی دونوں ضمیر یہود بنونضیر کی جانب ہو تو ظاہر ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ تعلق یہود کی جانب ہوں۔ مِنَ اللهِ۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ کے کمال وشرف پر استدلال کیا گیا۔ اس معنی میں کہ یہود سے معاملہ تو رسول اللہ ﷺ کا ہو رہا تھا لیکن قرآن مجید نے اسے منسوب خود حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ في الآية تشريف عظيم لرسول الله فانها تدل على ان معاملتهم مع رسول الله هي بعينها نفس المعاملة مع الله (کبیر) وٓ مسلمان تو خیر اس بدعہد قوم کو نقض عہد کی پاداش میں خانہ ویران کر ہی رہے تھے مگر یہ بدنصیب خود بھی اپنے مکانوں کو لکڑی، تختے وغیرہ کھود کر انہیں ویران کئے جاتے تھے۔ فَاَتٰهُمْ... يَحْتَسِبُوْا۔ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی اور کمزوری دیکھ کر یہود کو اس کا وہم بھی نہیں گزرتا تھا کہ سزا ئے غیبی ہمیں ان کے ہاتھوں ملے گی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ دار الحرب کے مال وجانداد کو (کہ باغ بھی انہیں میں شامل ہیں) جلانا، کاٹنا، تباہ کرنا حسب مصلحت بالکل جائز ہے۔ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ۔ یہ بھی ایک زمانہ وہ تھا کہ بڑے بڑے پُر قوت ومہذب اعدائے اسلام اسلام کی اقبالمندیوں سے مرعوب تھے۔ ایک آج کا زمانہ ہے، اہلِ مسلمان ہی نصاریٰ، یہود، ہندو سب ہی سے مرعوب ہیں۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ۔ جنگ

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ

بچالیں گے وٓ سو اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچ گیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

رعب ڈال دیا تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے

وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٢ وَ لَوْ

اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی وٓ سو اے دانش والو! عبرت حاصل کرو وۛ اور اگر

لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ

اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں (قتل کا) عذاب دیتا

وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

اور آخرت میں تو ان کے لئے عذاب دوزخ ہی ہے وٓ یہ سب اسی سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو پھر اللہ سزا دینے میں

الْعِقَابِ ۝٤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

بڑا سخت ہے وٓ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا انہیں ان کی جڑوں پر قائم

عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥

رہنے دیا، سو یہ دونوں اللہ ہی کے حکم کے موافق ہیں وۛ اور تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے وٓ

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے بطور فئے دلوایا، سو تم نے اس کے لئے نہ

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ

گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ وٓ بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے

یورپ کے زمانہ سے ہندوستان کا بھی اخبار بیں طبقہ بھگتے ہوئی فوج کی (Scorched Earth Policy) کی اصطلاح سے خوب واقف ہو گیا ہے قرآن مجید یہود کی اسی پالیسی کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ وٓ ان مخالفین اسلام کی حالت پر نظر کر، اور یہ سوچ کر کہ حق کی دشمنی کا برا انجام اس دنیا ہی میں نکل آتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط وقیاس فقہی کا وجوب نکالا ہے۔ اشارۃ النص سے۔ فيه امر بالاعتبار والقياس في احكام الحوادث ضرب من الاعتبار فوجب استعماله بظاهر الآية (جصاص) واستدل به على ان القياس حجة من حيث انه امر بالمجاوزة من حال الى حال وحملها عليها في حكم لما بينها من المشاركة المقتضية له (بیضاوی) وقال الخفاجي في وجه الاستدلال قالوا انا امرنا في هذه الآية بالاعتبار وهو رد الشيء الى نظيره بان يحكم عليه بحكمه وهذا يشمل الاتعاظ والقياس العقلي والشرعي وسوق الآية للاتعاظ فتدل عليه عبارة وعلى القياس اشارة (روح) واشتهر الاستدلال بالآية على مشروعية العمل بالقياس الشرعي قالوا انه تعالى امر فيها بالاعتبار وهو العبور والانتقال من الشيء الى غيره وذلك متحقق في القياس اذ فيه نقل الحكم من الاصل الى الفرع (روح) اعلم انا قد تمسكنا بهذه الآية في كتاب المحصول من اصول الفقه على ان القياس حجة فلا نذكر ههنا (کبیر) فالله تعالى امرنا بالاعتبار وهو التامل في المثلات المذكورة والقياس نظيرة بعينه لان الشرع شرع احكامًا بمعان اشار اليها كما انزل مثلات باسباب فقهيا وحينئذ يكون اثبات حجة القياس عقليا امر ثابتة بدلالة النص المشابه للقياس لاثابتًا بعين القياس والايلزم الدور (احمدی) وٓ جلاوطنی سے بھی سخت تر سزا آخر یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ کو مل کر رہی۔ وۛ دنیا وآخرت دونوں میں ہر سزا دینے پر قادر۔ یہود کا یہ جرم دہرا تھا ایک تو سرے سے انکار وتکذیب رسالت، دوسرے غدر وبدعہدی۔ سزا بھی اسی مناسبت سے دہری ملی، ایک تو جلاوطنی دوسرے عذاب دوزخ۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزا جو انہیں مل چکی، اور جو آیندہ بھی ملنے والی ہے۔ اي ما حاق بهم وما سيحق (ابو سعود) وٓ یعنی شرعًا دونوں ہی کی گنجائش تھی۔ دشمن کو تکلیف پہنچانے کے لئے درختوں کے کاٹ دینے کی بھی، اور اپنے آئندہ نفع کے خیال سے ان کے باقی رکھنے کی بھی۔ مِنْ لِّيْنَةٍ۔ لینۃ ہر قسم کے کھجور کو کہتے ہیں، اور ایک قول ہے کہ عمدہ قسم کے کھجوروں کو۔ قال مجاهد وعمرو بن ميمون كل نخلة لينة وقيل اللينة كرام النخل (جصاص) من نخلة ناعمة (راغب) وهي اجود النخل (کشاف) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ اختلاف مسلک جبکہ حدود شرعی کے اندر اور اخلاص کے ساتھ ہو مضر نہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر عیب لگانے کا حق نہیں۔ وٓ (اور مسلمانوں کو عزت دے) چنانچہ ترک باغات میں بھی مسلمانوں کی کامیابی کا تیقن تھا اور قطع باغات میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی آثار غلبہ کا ظہور تھا۔ اور کافروں کا غیظ اور مقہوری دونوں صورتوں میں مشترک۔ جائز دونوں ہی فعل ہیں، اور دونوں ہی حکمت ومصلحت پر مبنی ہیں۔ اس لئے قبیح بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں نے جو قیاس فقہی اس وقت قائم کیا تھا۔ اس میں قیاس کے بھی دونوں قسم کے نصوص تھے جنہوں نے درخت کاٹے یا جلائے انہوں نے نصوص تخریب واتہدام آثار کفر سے کام لیا۔ جنہوں نے درخت باقی رہنے دیئے انہوں نے نصوص اصلاح وحفظ اموال کو سامنے رکھا۔ ہر دو فریق نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے دونوں کے عمل کی جو صورۃً ایک دوسرے کے منافی اور متناقض تھے تصویب فرمائی۔ صوب الله الذين قطعوا والذين ابوا وكانوا فعلوا ذلك من طريق الاجتهاد (جصاص) اور یہیں سے فقہاء نے یہ قاعدہ بھی اخذ کیا ہے کہ مجتہد بہر حال مستحق اجر ہوتا ہے۔ وهذا يدل على ان كل مجتهد مصيب (جصاص) وٓ یعنی اس کے لئے نہ تمہیں منزل در منزل سفر کی مشقتیں طے کرنا پڑیں، اور نہ قتل وقتال کی نوبت آئی۔ اس لئے تمہارا کوئی حق ہی اس مال کی تنصیف وتقسیم پر قائم نہیں ہوتا، جیسا کہ جنگ وقتال کے بعد مال غنیمت کے حصے پر ہو

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ

غلبہ دے دیتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ف۱۱ جو کچھ اللہ

اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فئے دلوا دے، سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور (رسول کے) عزیزوں کا، اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ف۱۲

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے ف۱۳ تو رسول جو کچھ تمہیں

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا

دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو ف۱۴ اللہ سے

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ

ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے میں بڑا سخت ہے ف۱۵ اُن حاجت مند مہاجروں کا

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

(یہ خاص طور پر) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیے گئے ہیں، اللہ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

یہی لوگ تو صادق ہیں ف۱۶ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے

جاتا ہے۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ۔ فئے اصطلاحِ فقہ میں وہ مال ہے جو اہلِ حرب سے بلا قتل حاصل ہو جائے۔ قال الازھری الفیء ما ردہ اللہ علی اھل دینہ من اموال من خالف اھل دینہ بلا قتال (کبیر) بنی نضیر سے یہ حاصل کیا ہوا مال اسی قبیل سے تھا، اور فدک اور نصف خیبر بھی اسی کے تحت میں آتے ہیں۔ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ۔ یہ جائدادیں رسول اللہ ﷺ کی ملک تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد یہ کل میراث نہ تھیں، بلکہ وقف تھیں، اور یہ حکم خصوصیاتِ ذاتِ رسالت ﷺ میں سے تھا۔ ان کے مصارف کا حکم جو ابھی آرہا ہے، وہ اسی طرح کا ہے، جیسے اہلِ نصاب کے لئے زکوٰۃ وصدقہ کے مصارف ہیں۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ حربی کافروں کے قلعوں کو آلات کی مدد سے توڑنا پھوڑنا، ان کے مکانات کو گرانا، اجاڑنا، ان کے باغوں کو کاٹ ڈالنا، ویران کر دینا، سب جائز ہے۔ احتج العلماء بھذہ الاٰیۃ علی ان حصون الکفرۃ ودیارھم لابأس ان تھدم وتحرق وتغرق وترمی بالمجانیق وکذلک اشجارھم لاباس بقلعھا مثمرۃ کانت اوغیر مثمرۃ (کبیر) ف۱۱ (پس وہ جس طرح بھی چاہے دشمنانِ دین کو مغلوب ومقہور کرے، اور جس طرح بھی چاہے اپنے رسول کو مختار ومتصرف بنا دے) لٰکِنَّ ... یُسَلِّطُ۔ چنانچہ کبھی حسب مقتضائے حکمت ومصلحت وہ بلا مشقت وتعب بھی انہیں غلبہ دے دیتا ہے۔۔۔ اس وقت بھی اس نے اسی طرح بے لڑے بھڑے اپنے رسول کو غلبہ دے دیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، مالکانہ تصرف صرف رسول کی رائے پر ہے۔ ف۱۲ (اور یہ سب حصے بس اسی حیثیت سے قائم ہوں گے، جو یہاں بیان کر دیے گئے، یعنی نہ بحیثیت قرابتدار رسول، یا بحیثیت یتیم، یا بحیثیت مسکین، یا بحیثیت مسافر، نہ بحیثیت شریک جہاد کے، اور پھر یہ سب بھی رسول ﷺ ہی کی حسب صوابدید) مَآ ... الْقُرٰی۔ جیسا کہ بعد کو فدک اور نصف خیبر بھی اللہ نے اسی طرح اپنے رسول کو دلوا دیا۔ فَلِلّٰہِ۔ اللہ ہی جس طرح چاہے اس کے بارہ میں حکم دے دے۔ تمہیں کوئی استحقاق تملک کا نہیں، تمہیں تو جہاد تک میں نہیں شریک ہونا پڑا۔ ف۱۳ (جیسا کہ جاہلیت میں سب غنیمتیں مالدار اور ذی اقتدار ہی لوگ کھا جاتے تھے، اور نادار سپاہی بدستور نادار ہی رہ جاتے تھے، جیسا کہ اس "تہذیب وتمدن" کے دور میں بھی ادنیٰ واعلیٰ سپاہیان لشکر ہر حصۂ غنیمت سے محروم ہی رہتے ہیں) قرآن نے اس کی تقسیم رسول معصوم ﷺ کی رائے پر رکھی۔۔۔ اور پھر اس کی مدیں بھی بتلا دیں، تاکہ آپ ﷺ باوجود مالک ہونے کے اس سرمایہ کو اہل حاجت اور مصلحت عامہ کے مواقع ہی میں صرف فرمائیں۔ دُوْلَۃًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ۔ دُوْلَۃ کے لفظی معنی دست بدست پھیرنے کے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیت المال سے مدد اسی حد تک لینا چاہئے کہ نوبت تمول، تونگری، ذخیرۂ مال وسرمایہ داری کی نہ آجائے۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت میں صراحت کے ساتھ ذکر اگرچہ صرف فئے کا ہے لیکن اس سے استنباط یہی ہوتا ہے کہ اسلام بالعموم بھی سرمایہ داری (کیپٹلزم) یا سرمایہ کے اجتماع ومرکزیت کے حق میں نہیں۔ ف۱۴ مَا عام ہے۔ مَآ اٰتٰکُمْ ہر امر کو اور وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ ہر نہی کو شامل ہے۔ اسی لئے جمہور محققین کا مسلک ہے کہ گو نزول آیت عطا مال کے ضمن میں ہوا ہے۔ لیکن حکم اس کا عام ہے، اور حضرت رسالت کے جملہ اوامر واحکام واجب القبول ہیں۔ وھو عام فی کل ما امر بہ النبی ونھی عنہ (معالم) ای مھما امرکم بہ فافعلوا ومھما نھاکم عنہ فاجتنبوہ (ابن کثیر) فخذوہ ای فتمسکوا بہ لانہ واجب الطاعۃ (بیضاوی) ف۱۵ (اور اس حقیقت کا استحضار ہر معصیت، ہر نافرمانی کی راہ میں مانع قوی ثابت ہوگا) اسلام کا خدا "خدا" ہے، حلم کے موقع پر حلیم، اور غضب وانتقام کے موقع پر غضبناک ومنتقم۔ مشرک قوموں کے بعض دیوتاؤں اور خداؤں کی طرح قوت قہری سے محروم ومعریٰ اور سرکشوں ومعاندوں کے مقابلہ میں معذور اور بے دست وپا نہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اس تقویٰ الٰہی کے بعد، خواہ معاملت ہو، خواہ معاشرت، ہر صیغہ کا ہر حکم جزئیہ آسان اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ ف۱۶ (اپنے دعویٰ ایمان وحب خدا ورسول میں) یہ صاف وصریح قرآنی مدح صحابہ ہے۔ اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ ہجرت کسی دنیوی غرض سے نہیں، محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کے ایمان میں کسی طرح کھوٹ نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی خدمت ونصرت ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ الَّذِیْنَ ..... اَمْوَالِھِمْ۔ یعنی جبراً وظلماً اپنے گھروں سے نکالے، اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کئے گئے۔ مشرکوں نے انہیں اتنا تنگ اور مجبور کیا کہ یہ گھربار چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہو گئے۔ لفظ لفقراء سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر جب مال مسلم پر قابض ومسلط ہو جائیں، تو وہ اس کے قانوناً مالک سمجھ لئے جائیں گے۔ چنانچہ شرفاء مسلمین جو مکہ میں مالدار تھے، جب وہ مدینہ میں مہاجر کی حیثیت سے آئے تو کل مال وجائداد کی ملکیت ان سے ساقط ہو گئی، اور قرآن مجید نے انہیں فقراء قرار دیا۔ وفیہ دلیل علی ان الکفار یملکون بالاستیلاء اموال المسلمین لان اللہ تعالٰی سمّی المھاجرین فقراء مع انہ کانت لھم دیار واموال (مدارک) اور اس مسئلہ کی فرع یہ ہے کہ جب اسی مال سے انہیں کافروں کے ہاتھ سے بطور بیع یا ہبہ یا اور کسی جائز طریقہ پر مسلمانوں کو کچھ ملے تو اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔ لیکن قانونی تملیک صرف مال کی حد تک جائز ہوگی، نفوس مسلم پر اس کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ مسلمان کی ذات یا جان پر کافر کا دعویٰ تملیک کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

وکا صحابیوں میں مہاجرین کے بعد اب یہ مناقب وفضائل حضرات انصار کے بیان ہورہے ہیں -- قرآنی مدح صحابہ کا دوسرا جزو۔ الدار۔ دارالاسلام یا مدینہ منورہ۔ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی مہاجرین کے ورود مدینہ سے قبل۔ ای من قبل قدوم المهاجرين عليهم (معالم) دارالہجرت اصلاً تو مدینہ منورہ ہی تھا۔ باقی ہر دوسرا مقام بھی دارالہجرت ہوسکتا ہے، جہاں توحید پرستی کے لئے پناہ وفراغت مل سکے۔ ۔۔۔ اُوْتُوْا۔ حَاجَةً کے اصل معنی طلب کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ مہاجرین کو تقسیم غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ ملتا رہتا ہے، یا اور انہیں جو شرف ومرتبہ حاصل ہو چکا ہے، اس کی طرف یہ انصار کبھی اپنا خیال بھی نہیں لے جاتے۔ قال الحسن يعني انهم لايحسدون المهاجرين على فضل آتهم الله (جصاص) يعني الحسد (ابن کثیر) ولايجدون في انفسهم حسدا للمهاجرين فيما فضلهم الله به من المنزلة والشرف والتقديم في الذكر والرتبة (ابن کثیر) يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ۔ مہاجرین سے محبت رکھنے کی فضیلت پر یہ صاف نص قرآنی ہے۔ اور یہ خبر متواتر سے معلوم ہے کہ خلفائے راشدین چاروں کے چاروں مہاجر تھے۔ تو ان خلفاء اربعہ سے محبت رکھنا علامت کمال ایمان ٹھہری -- اور اس کے برعکس ان حضرات سے بیزاری، علامت نقص ایمان! وَيُؤْثِرُوْنَ۔۔۔ خَصَاصَةٌ۔ یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لئے ارشاد ہورہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصہ پر رشک تو کیا کرتے، خود اپنے پاس سے انہیں کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، چاہے خود اپنے فاقہ ہی کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ الخصاصة الحاجة مدح الله عليهم بايثارهم المهاجرين على انفسهم في ماينفقونه، عليهم وان كانوا هم محتاجين اليه (جصاص) خَصَاصَةٌ۔ شدت فقر واحتیاج کو کہتے ہیں۔ عبر عن الفقر الذى لم يسد بالخصاصة (راغب) اى فاقة وحاجة الى مايؤثرون (معالم) وکا (جیسے کہ یہ حضرات انصار ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ کردیا ہے) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا ہے کہ جو حرص وطمع جبلی وطبعی ہے وہ محل ملامت نہیں، ملامت اس کے مقتضے نامشروع کے عمل پر ہے۔ الشح ان تاخذ مال اخيك بغير حق (جصاص) الشح بخل مع حرص (راغب) وقيل الشح هو الحرص الشديد الذى يحمله على ارتكاب المحارم (معالم) و19 (اس لئے ہماری یہ دعا دنیا و آخرت دونوں میں ضرور قبول کرے گا) یہ قرآنی مدح صحابہ کا تیسرا جزو ہے، اور مہاجرین وانصار دونوں کے حق میں جامع -- یہ لوگ وہ تھے کہ اپنے سے اگلوں کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اور اپنے سامنے والوں اور اپنے پچھلوں کے ساتھ محبت وشفقت۔ اور اپنی دعائے خیر سب کے لئے عام رکھتے تھے۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی ان مہاجرین وانصار کے بعد، دنیا میں آئیں گے، یا اسلام میں داخل ہوں گے، یا ہجرت میں شریک ہوں گے -- تقسیم فئے کا یہ سلسلہ قیامت تک برابر امت میں جاری رہے گا۔ اور یہ قول خلیفہ حضرت عمرؓ کے علاوہ صحابیوں، تابعین اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا ہے۔ قال عمرؓ دخل في هذا الفيء كل من هو مولود الى يوم القيامة في الاسلام (مدارک) هم التابعون بعد قرن الصحابة الى يوم القيامة وهو اختيار جماعة منهم مالک بن انس (ابن العربی) فهى فى جميع التابعين والآتين بعد هم الى يوم الدين ولا وجه لتخصيصها (ابن العربی) وهم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة ولذلك قيل ان الاية قد استوعبت جميع المؤمنين (بیضاوی) وقيل هم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة وكلام كثير من السلف كالصريح فيه فالاية قد استوعبت جميع المؤمنين (روح) مصرف فئے تو قرآن مجید نے خود ہی متعین کردیئے تھے، (ملاحظہ ہو آیت نمبر ۷) البتہ ان کی تقسیم رسول اللہ ﷺ کی رائے پر مالکانہ حیثیت سے موقوف رکھی تھی۔ وفات شریف کے بعد یہ تفویض رائے کا پہلو تو ختم ہوگیا۔ البتہ آیندہ اہتمام وانتظام خلفاء اور جانشینوں کے لئے مالکانہ حیثیت سے نہیں، صرف حاکمانہ حیثیت سے باقی رہ گئی۔ رَبَّنَا ۔۔۔ بِالْاِيْمَانِ۔ یہ دعائے خیر متقدمین اور سابقین کے حق میں ہے۔ وَلَا ۔۔۔ اٰمَنُوْا۔ اس دعائے خیر کا زیادہ تعلق معاصرین سے ہے۔ رَبَّنَا ۔۔۔ بِالْاِيْمَانِ۔ اپنے سے پہلے کے ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا علامات ایمان سے ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے ہاں تو سلف کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا معمولات میں داخل ہے۔ محققین ومتکلمین نے لکھا ہے کہ جب دوسرے مومنین کے لئے دعاء استغفار اور ان کی طرف سے حسد وبغض سے براءت عامہ مومنین کی شان ہے تو صحابہ رسول، جو امت کے خواص ہی میں نہیں، اخص الخواص تھے، ان کے لئے یہ کیسے قابل تسلیم ہوسکتا ہے کہ وہ عارضی اختلافات اور تنازعات کی بناء پر ایک دوسرے کے بدخواہ، اور ایک دوسرے کے حق میں کینہ ور ہوگئے ہوں گے۔ لِاِخْوَانِنَا۔ یہ اخوت محض عقائد ایمانی کی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ قومی، نسلی، لسانی، وطنی، لونی، غرض بجز وحدت اعتقادی کے اور حیثیت سے مومنین کے گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔ و20 (ہرگز اپنے وعدوں پر عمل نہ کریں گے) ذکر منافقین مدینہ کا ہورہا ہے، جو ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔ مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے جتھے کے دوسرے منافقین مدینہ ہیں۔ لِاِخْوَانِهِمُ۔۔۔ الْكِتٰبِ۔ مراد یہود ہیں، خصوصاً قبیلۂ بنی نضیر کے یہود -- یہ اخوت عقائد کفریہ کی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ منافقین مدینہ (جو مشرکین عرب میں سے تھے) اور یہود (جو بنی اسرائیل تھے) نسلاً متحد نہ تھے۔ لَئِنْ ۔۔۔ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ یعنی جاہ وطنی ہو تو،

وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ کہ انہیں ملتا ہے

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫

اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں وکا

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، سو ایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں و۱۸

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے، (اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے

وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ

اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

طرف سے کینہ نہ ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے و۱۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ

کیا آپ نے منافقین کے حال پر نظر نہیں کی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ

کہہ رہے تھے کہ اگر تم نکالے گئے تو قطعاً ہم بھی

مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ

تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوگی

لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ

تو ہم یقیناً تمہاری مدد کریں گے، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں و۲۰ (حالانکہ) اگر

اور قتال ہوتو ہم ہر حال اور ہر صورت میں تمہارے رفیق اور یار و مددگار ہیں۔ یہ زبردست پیشگوئی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی، بجائے خود ایک دلیل صداقت رسول کی تھی۔ ف۲۱ یعنی جو ناصر بن کر، اور نصرت کے دعویدار بن کر آئے تھے، وہ تو نکل ہی گئے، اور دوسرا کوئی ناصر ہوگا تو یہ لامحالہ مغلوب و مقہور ہوں گے۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین مدینہ جو یہود بنی نضیر کی حمایت و رفاقت کا وعدہ کر رہے ہیں، اول تو وقت پڑے پر ان کا ساتھ دیں گے نہیں، نہ جلاوطنی میں نہ جنگ میں، اور بالفرض ساتھ دیا بھی تو ان کی امداد بالکل بے نتیجہ و غیر موثر رہے گی۔ یہ خود ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ بارہا اس نے مستبعدات بلکہ محالات کو بھی فرض کر کے اس پر آگے گفتگو کی ہے — وَلَئِنِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ، اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ وغیرہ اسی کی نظیریں ہیں۔

اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا
(اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی
يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا
مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی
يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ
مدد نہ ہو گی ف۲۲ بے شک تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ
زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ف۲۲ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے
جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ
نہ لڑیں گے مگر ہاں حفاظت والی بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ف۲۳
بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ
ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب
شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ
غیر متفق ہیں یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل کو کام میں نہیں لاتے ف۲۴ (ان کی) مثال ان لوگوں کی سی ہے
مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
جو ان کے کچھ ہی قبل ہوئے ہیں، جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک
اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا
عذاب ہے ف۲۵ (ان کی) مثال شیطان کی سی ہے ف۲۶ جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ
كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
کافر ہو جاتا ہے تو (شیطان) کہنے لگتا ہے، میرا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں میں تو اللہ پروردگار عالم سے

ف۲۲ (اللہ کی عظمت کے باب میں) یعنی اگر یہ سمجھ سے کام لے کر خدا کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے ہوتے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ تم سے ڈرتے اور خدا سے نہ ڈرتے! لَاَنْتُمْ۔ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین حق تعالیٰ سے تو ڈرتے نہیں، ورنہ کفر چھوڑ کر ایمان ہی نہ لے آتے؟ اور ایمان کے جھوٹے دعوے سے باز ہی نہ آجاتے؟ البتہ مسلمانوں کا رعب واقعی ان کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، اور اس لئے یہ بنی نضیر سے جا ملنے کی ہمت نہیں رکھتے، خشیت الٰہی کی کمی کا حاصل اس مقام پر ایمان باللہ میں کمی ہے۔ ورنہ اگر محض طبعی قوت، مثلاً کسی خطرناک جانور کا یا دشمن ہیبت ناک کا خوف خدا سے زیادہ ہے تو یہ داخل معصیت نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس موقع پر مومنین کو جو ملامت نہیں کی گئی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شریعت کیا جائے، مثلاً سجدہ تعظیمی، اور وہ اس سے اپنی ناخوشی کا اظہار کر دے، تو پھر دوسرا نہ مانے یا نہ مانے، تو وہ معذور ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ان کافروں کے دلوں میں بمقابلہ حق تعالیٰ کے مسلمانوں کی ہیبت و دہشت کا زیادہ ہونا۔ اے ماذکر من کونکم اشد رهبة في صدورهم من الله تعالى (روح) ف۲۳ (سو اے مسلمانو! تم ان سے کچھ اندیشہ، ہراس نہ کرو) قُرًى مُّحَصَّنَةٍ۔ عام ہے، حفاظت خواہ خندق سے ہو یا حلقہ بندی سے ہو، یا اور کسی طریق پر۔ جَمِيْعًا۔ یعنی منافقین مدینہ اور یہود کے مختلف قبائل سب مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی۔ مجتمعين يعني اليهود والنصارى (مدارک) مطلب یہ ہوا کہ ان مخالفین میں لڑنے کی ہمت اور حوصلہ ہی کہاں۔ اول تو لڑ سکتے نہیں، اور اگر لڑے بھی تو میدان میں سامنے آ کر نہیں بلکہ اس طرح بچ بچ کر اور ڈرتے ہوئے۔ یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ منافقین کو تو کبھی لڑنے ہی کی ہمت سرے سے نہ ہوئی۔ ہاں یہود خیبر اور بنی قریظہ نے مقابلہ کیا تو وہ اسی طرح پر۔ ف۲۴ (دین کے بارہ میں) اور اس لئے سب کے سب بس اپنے ہی اغراض کے تابع ہیں۔ بَاْسُهُمْ…… شَتّٰى۔ یعنی گو اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہ سب شریک ہیں، لیکن ان کا آپس کا افتراق بھی حد درجہ شدید ہے — اسی قسم کا افتراق شدید جس کا نمونہ آج بھی (یعنی ۱۹۴۵ء میں) برطانیہ اور روس، روس اور امریکہ، فرانس اور اسپین اور ساری فرنگی حکومتوں کے درمیان نظر آ رہا ہے — خود غرضیوں اور خود پرستیوں کا لازمی نتیجہ! ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تفرق و تشتت باہمی۔ اے المتفرق (مدارک) اے ماذکر من تشتت قلوبهم (روح) ف۲۵ (آخرت میں، جو اس دنیوی سزا کے علاوہ ہوگا) یہ حال یہود بنی نضیر کا بیان ہو رہا ہے، اور انہیں کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ كَمَثَلِ۔ یعنی یہود بنی نضیر کی مثال — تشبیہ مجموعی کو دارین میں ہے۔ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا۔ یعنی یہود بنی قینقاع۔ یہ بھی مدینہ و حوالی مدینہ میں آباد تھے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد اس قبیلہ نے بدعہدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ کیا۔ مغلوب ہوئے اور پھر جلاوطن۔ عن ابن عباس يعني بني قينقاع (ابن جریر) بعض نے مراد اہل بدر سے بھی لی ہے۔ عن مجاهد قال كفار قريش (ابن جریر) وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ یعنی عداوت رسول کا خمیازہ۔ ف۲۶ یہاں مراد منافقین ہیں — اور تشبیہ عین وقت پر نکل جانے اور کام نہ آنے میں ہے۔ اے مثل المنافقين في اغرائهم اليهود على القتال (مدارک)

ف ۲۷ یعنی جس طرح شیطان پہلے تو انسان کو بہکاتا، بھڑکاتا ہے، اور پھر وقت پڑنے پر ساتھ نہیں دیتا۔ اسی طرح منافقین مدینہ نے پہلے تو بنی نضیر کو خوب بڑھاوے دیئے، لیکن جب وقت آیا تو صاف نکل گئے۔ فَلَمَّا كَفَرَ۔ یعنی جب کفر اور وبال کفر کا تحقق انسان پر ہو جاتا ہے۔ اس کا ظہور خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ الشَّيْطٰنِ..... لِلْاِنْسَانِ۔ دونوں سے مراد جنس شیطان و جنس انسان ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ

ڈرتا ہوں ف ۲۷ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ

فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

رہیں گے اور یہی سزا ہے ظالموں کی ف ۲۸ اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

بے شک اللہ کو تمہارے اعمال کی (پوری) خبر ہے ف ۲۹ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا

اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے خود ان کی جانوں کو ان سے بھلا دیا، یہی لوگ تو نافرمان ہیں ف ۳۰

يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ

اہل دوزخ اور اہل جنت برابر نہیں اہل جنت تو

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي

کامیاب لوگ ہیں ف ۳۱ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر

جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ

نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا ف ۳۲

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ہم ان عجب (موثر) مضمونوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سوچیں ف ۳۳

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا وہی

والجمہور علی ان المراد بالشیطٰن والانسان الجنس (روح)

ف ۲۸ (جو اپنے ہاتھوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں) عَاقِبَتَهُمَا۔ ھما کی ضمیر تثنیہ سے مراد وہی کافر انسان اور شیطان ہیں۔ ای الانسان الکافر والشیطان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی جہنم میں حبس دوام۔ ای الخلود فی النار (روح) ف ۲۹ (اس لئے طاعات کی طرف بڑھنا، اور معاصی سے محترز رہنا تمہارے لئے لازم ہے) يٰٓاَيُّهَا..... اللّٰهَ۔ یعنی اے ایمان والو، تمہارا محض دعویٰ ایمان کافی نہیں۔ نافرمانیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے، خصوصاً ان نافرمانوں کے حالات سن لینے کے بعد۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ یعنی یہ دیکھتے رہا کرو کہ طاعات اور اعمال صالح کا کتنا ذخیرہ اب تک بھیج چکے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا تعلق طاعات کی طرف بڑھنے سے ہے جیسا کہ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس تقویٰ کا تعلق معاصی سے بچنے سے ہے، جیسا کہ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِغَدٍ۔ غد کا صیغہ نکرہ اس کی عظمت و ہیبت کے اظہار کے لئے ہے۔ وتنکیرہ لتعظیم امرہ (مدارک) ف ۳۰ (پورے پورے، یعنی کافر) الْفٰسِقُوْنَ۔ یہاں قرآن مجید کے اکثر موقعوں کی طرح الکافرون کے معنی میں ہے۔ الْفٰسِقُوْنَ یعنی فسق میں کامل۔ طاعت الٰہی سے بالکل ہی خارج، اور یہ وہی ہو سکتے ہیں، جو کافر ہوں۔ ای الکاملون فی الفسوق (بیضاوی) نَسُوا اللّٰهَ۔ یعنی حق تعالیٰ اور اس کے احکام و ہدایات کی طرف سے عمداً اعراض برتنے لگے۔ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حق تعالیٰ نے ان کی عقل ایسی ماردی کہ یہ نہ اپنے نفع کو پہچانتے ہیں، اور نہ اس کے حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ ف ۳۱ (درآنحالیکہ اہل دوزخ سرتا سر ناکام و نامراد ہیں) لَا..... الْجَنَّةِ۔ دونوں فریق کا برابر اور یکساں ہونا کیسا، وہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے مآل اور حقیقت حال کے لحاظ سے — خلط اور التباس تو صرف اسی دنیا میں رہتا ہے۔ صرف یہیں سب ملے جلے اور یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ آخرت میں تو اہل جنت وہ ہوں گے، جو دنیا میں حکم اِتَّقُوا اللّٰهَ پر عامل رہے۔ یعنی اہل تقویٰ۔ اور اہل دوزخ وہ ہوں گے، جو دنیا میں الَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ اور اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے مصداق رہے۔ ف ۳۲ (مضامین قرآنی کی عظمت و ہیبت سے) یعنی قرآن مجید بجائے خود اس درجہ موثر اور فاعل قوی ہے۔ لَوْ..... جَبَلٍ۔ یعنی پتھر کا پہاڑ، جو جمود اور بے حسی کا انتہائی نمونہ معلوم ہوتا ہے، اس پہاڑ پر اگر ہم قرآن نازل کرتے، اور پہاڑ میں بقدر ضرورت فہم و عقل کا مادہ رکھ دیتے، تو پہاڑ تک فرط تاثر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ف ۳۳ (اور نفع حاصل کریں) کافر بلکہ فاسق انسان کی بھی تاثر پذیری، بسبب غلبہ ہوائے نفس فاسد ہو جاتی ہے، اور اسی سے اس میں جمود اور عدم احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو مغلوب کرنے اور قرآن مجید سے تاثر و تذکر کی قابلیت کو بڑھانے میں بڑا دخل صحبت صالحین کو ہے۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

نہایت مہربان ہے، بار بار رحم کرنے والا ہے ف۳۴ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ

وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے،

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ

خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑا عظمت والا ہے پاک ہے اللہ لوگوں کے شرک سے ف۳۵ وہی اللہ تو

الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ

پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں اُسی کی تسبیح

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

کرتی ہیں جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے ف۳۶

آیاتها ۱۳ — ۶۰ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِیَّةٌ ۹۱ — رکوعاتها ۲

اس کی تیرہ آیتیں ہیں — سورۂ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ

اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست

اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ

نہ بنا لینا کہ اُن سے محبت کا اظہار کرنے لگو درآنحالیکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آ چکا ہے

مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا

اس کے وہ منکر ہیں رسول کو اور خود تم کو اس بناء پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر

ف۳۴ اور یہی وہ صفات کاملہ ہیں، جن سے مشرک قوموں کے معبود، اور اہل باطل کے خدا خالی ہیں۔ هُوَ ... اِلَّا هُوَ۔ حق تعالیٰ کی یکتائی اور توحید کامل کا اثبات اس سے ہو گیا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ۔ حق تعالیٰ کا علم فلاسفہ مصر و یونان وغیرہ کے خدا کی طرح، محدود و ناقص قسم کا نہیں، ہر طرح کامل اور جزئیات و کلیات سب کو محیط ہے — اسی صفت علم کا علم صحیح نہ رکھنے سے مشرکین کو خدا جانے کتنے دیوتا گڑھنے پڑے۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ حق تعالیٰ کی صفت رحم ہر طرح کامل اور غیر محدود ہے — اسی صفت کے بارہ میں ٹھوکر لگنے سے مسیحیوں کو "کفارہ" کا عقیدہ تراشنا پڑا، اور پھر ایک خدا کے "اکلوتے بیٹے" کی تلاش ہوئی، جس کو ساری گنہگار مخلوق کی طرف سے کفارہ میں پیش کیا جائے! ف۳۵ یعنی ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات و صفات میں کرتے رہتے ہیں — کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف و اعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ هُوَ ... اِلَّا هُوَ۔ توحید ذات کا مکرر اثبات، تاکید کی غرض سے۔ اَلْمَلِكُ۔ ملکیت، مالکیت، حاکمیت کے سارے اختیارات اور جملہ حقوق اسی کو حاصل ہیں۔ کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس حاصل نہیں۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ وہ ذات پاک، ہر عیب، ہر نقص ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اور یہ مشرکین کا جہل محض ہے جو اس کی جانب نقص، نالائق صفات کو منسوب کر دیا ہے۔ اَلسَّلٰمُ۔ اس کی ذات میں اس کا امکان ہی نہیں کہ آیندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہو سکے۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ یعنی اپنے بندہ سے ہر خوف کو دور کرتا رہتا ہے، ہر آئی ہوئی آفت کو ٹالتا رہتا ہے۔ مشرک قومیں ہر آئی ہوئی مصیبت سے بچنے کے لئے فلاں دیوی اور فلاں دیوتا کی دہائی دیتی رہتی ہیں۔ اَلْعَزِیْزُ۔ اس اسم میں حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا اثبات ہے — مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کو کمزور اور غیر قادر مانا ہے۔ اَلْجَبَّارُ۔ یعنی ہر قسم کی اصلاح کرنے والا ہے۔ مُجبرا سے کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی یا اکھڑی ہوئی ہڈی پھر سے بٹھا دے۔ ای الذی جبر حالهم بمعنی اصلحه (بیضاوی) اَلْمُتَكَبِّرُ۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں۔ اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ف۳۶ (سوایسے باعظمت اور باحکمت کے احکام کی پابندی نہایت درجہ ضروری ہے) صفات حسنہ کمالیہ کا مزید اثبات — سورۃ الحشر کی ان دونوں آیتوں کے جوش بلاغت اور زور کلام کو حال کے ملحد اور مسیحی ماہرین عربیت نے بھی سراہا ہے۔ اَلْخَالِقُ۔ یعنی صفت تخلیق و تکوین و ایجاد میں کوئی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اَلْبَارِئُ۔ یعنی روح و مادہ، ہیولیٰ و صورت، جوہر و عرض، سب کا موجد، سب کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ یعنی ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک آئین حکمت کے مطابق ہی اس نے صورت وجود سے مشرف کیا ہے۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ صفات کمالیہ کی جامع اسی کی ذات ہے۔ یُسَبِّحُ ... الْاَرْضِ۔ اسی کی حمد و ثنا کی تسبیح چھوٹی بڑی، آسمانی زمینی، ہر مخلوق اپنی اپنی بساط فہم اور مرتبۂ وجود کے مطابق کرتی رہتی ہے۔

بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۗ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ

ایمان لے آئے ہو اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور

وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا

میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو ف۱ تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو اور مجھے

اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ

خوب علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کر کے کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ① اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ

ایسا کرے گا، وہ راہ راست سے بھٹک گیا ف۲ اگر انہیں تم پر دسترس ہو جائے

یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ

تو اظہار عداوت کرنے لگیں، اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور

وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ

زبان درازی کرنے لگیں اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ ف۳ تمہارے رشتہ دار

اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ

اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی قیامت کے دن (اللہ ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ

اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ف۴ بے شک تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ

حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ

ہے ابراہیم اور ان کے شریک حال لوگوں میں ف۵ جبکہ ان لوگوں نے اپنی قوم والوں

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ

سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں

ف۱ اس فقرہ اِنْ كُنْتُمْ الخ کا تعلق آیت کے پہلے حکم لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ سے ہے۔ یعنی اگر تم واقعی ہماری رضا کی طلب اور ہماری راہ میں جہاد کو نکلے ہو، تو ان دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کیسا؟ عَدُوِّیْ۔ یعنی اللہ اور اس کے دین سے بیر رکھنے والے۔ عَدُوَّكُمْ۔ یعنی امت اسلامی سے اس کے اسلام کی بناء پر بیر رکھنے والے۔ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ۔ یعنی دلی محبت و دوستی رکھنا تو خیر الگ ہے، ان دشمنان خدا و دشمنان امت سے عملی برتاؤ بھی دوستوں کا سا رکھنا کب روا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اس خطاب کے معاً بعد ذکر بعض مسلمانوں کے ایک گناہ کبیرہ کا یعنی دشمن سے مکاتبت و مراسلت کا آرہا ہے، لیکن اس ارتکاب کبیرہ کے بعد بھی مومن مومن ہی رہا، دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گیا — اور یہیں سے اہل سنت کو خوارج کے مقابلہ میں یہ دلیل ہاتھ آئی کہ مومن کبیرہ کے بعد بھی مومن ہی رہتا ہے۔ وفیه دلیل علی ان الكبیرة لاتسلب اسم الایمان (مدارک) اَنْ تُؤْمِنُوْا۔ یعنی اخراج کی علت تمہارا یہی ایمان باللہ ہے۔ تعلیل لیخرجون (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ مال و اولاد کے تحفظ کے خیال سے تقیہ جائز نہیں۔ و فی هذه الأیة دلالة علی ان الخوف علی المال والاولاد لایبیح التقیة فی اظهار الكفر وانه لایكون بمنزلة الخوف علی نفسه (جصاص) وما ذكرناه یدل علی صحة قولنا ویدل علی ان الخوف علی المال والاهل لا یبیح التقیة ان الله فرض الهجرة علی المؤمنین ولم یعذرهم فی التخلف لاجل اموالهم واهلیهم (جصاص) وَقَدْ .... الْحَقِّ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوِّیْ کی۔ یُخْرِجُوْنَ .... رَبِّكُمْ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوَّكُمْ کی۔ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ۔ یعنی اپنے گھروں سے یہ مقاصد حصول رضائے الٰہی و جہاد فی سبیل اللہ لے کر نکلے ہو۔ بِالْمَوَدَّةِ۔ ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ الباء زائدة مؤكدة للتعدی (مدارک) ف۲ (اور بھٹکے ہوؤں کا جو انجام ہوتا ہے وہ بھی خوب معلوم ہے) تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ۔ اس اخفاء سے شبہ ان کے ساتھ مزید دوستی اور خصوصیت کا ہوتا ہے اور اس لئے یہ اور بھی برا ہے۔ حاطب ابن ابی بلتعہ یمنی تھے، ایک بڑے صحابی تھے، بدری مرتبہ کے، خود تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، خاندان سارا مکہ ہی میں تھا، فتح مکہ سے ذرا قبل اپنے خاندان والوں کو خط لکھا کہ عنقریب مکہ پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو وحی الٰہی سے خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ کے حکم سے وہ عورت پکڑ آئی، جو چھپا کر خط لئے جا رہی تھی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان میں کہا کہ "میری نیت بری نہ تھی۔ میں نے تو محض یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ اسلام کا اس سے کوئی ضرر نہیں۔ آپ ﷺ کو فتح تو بحمد اللہ ضرور ہی ہو کر رہے گی، ہاں میری اس اطلاع سے اہل مکہ ضرور میرے احسان مند ہو جائیں گے، اور میرے خاندان والوں کی رعایت کریں گے کہ مجھ پردیسی اور میرے خاندان کا اہل مکہ پر کوئی حق قرابت وغیرہ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے حسن نیت کی تصدیق کر کے فرمایا کہ تم سچے ہو، بلکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عام جوش دینی کے تحت میں اس دفعہ کا نفاذ کرانا چاہا بھی جو دشمن سے مل جانے والوں اور انہیں خبر پہنچانے والوں کے لئے ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بدری ہیں اور تمہیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے خلوص و ایمان کی جانچ خود اللہ تعالیٰ کر چکا ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر صحابی اور پھر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی میں دشمن حربی سے خط و کتابت رکھنا یا تعلقات قائم رکھنا کس درجہ شدید جرم ہے! وَاَنَا ..... اَعْلَنْتُمْ۔ حق تعالیٰ کی صفت عالم الغیبی کا استحضار کرا کے اوپر اشارہ کر دیا کہ یہ تو مانع مزید ہونا چاہئے تمہارے اور ان دشمنان دین کے درمیان خفیہ دوستی کا۔ بِالْمَوَدَّةِ۔ ب سببیہ بھی قرار دی گئی ہے۔ یعنی تم نے یہ جو خبر دی تو بسبب محبت کے۔ ای بسبب المودة (مدارک) الاخبار بسبب المودة (بیضاوی) ف۳ غرض یہ کہ یہ کافر تو دنیوی اور دینی ہر اعتبار سے تمہارے دشمن اور بدخواہ ہیں — آیت میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی مستقل دشمنی و عناد اور بدخواہی کا بیان آ گیا۔ ف۴ (پس ہر عمل کا فیصلہ بھی بالکل ٹھیک ہی ٹھیک کرے گا) لَنْ ..... الْقِیٰمَةِ۔ کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے کا محرک اکثر یہی اہل و عیال کی فلاح و نفع کا خیال ہوتا ہے، یہاں اسی کی جڑ کاٹی ہے۔ یعنی جن عزیزوں قریبوں کی خاطر آج تم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، وہ آخرت میں جو مستقل فیصلہ کا وقت ہو گا تمہیں ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی علاقوں، رابطوں کی رعایت معاملات دینی میں ناجائز ہے۔ ف۵ یعنی پیروی اس نمونہ حسنہ کی کرو جو ابراہیم اور ان کے ساتھ مومنین، کافروں اور اعدائے دین کے ساتھ تعلقات رکھنے کے باب میں قائم کر گئے ہیں — قرآن مجید اپنے حسب معمول حکم دینے کے ساتھ ساتھ مزید رغبت و شوق پیدا کرنے کے لئے، نیز عمل میں مزید سہولت پیدا کرتے کے لئے، ماضی سے عملی نظیریں بھی پیش کرتا جاتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ حضرت ابراہیم خلیل کے ساتھ یہ معیت باشرکت ایمان و اطاعت میں تھی۔

ف۶ (اور اس لئے تم سے قولاً وفعلاً ہر طرح قطع تعلق کرتے ہیں) بُرَءٰؤُا۔ یعنی ہم تمہارے عقائد سے بیزار ہیں، اور تمہارے معبودوں کی الوہیت کے منکر ہیں — یہ تبری بلحاظ عقائد ہوئی۔ وَبَدَا ۔۔۔ اَبَدًا۔ یعنی ہمارا تمہارا برتاؤ بھی دشمنوں کا سا رہے گا — یہ تبری بلحاظ معاملت ومعاشرت ہوئی۔ عین جس وقت یہ اجزاء تفسیر زیر تحریر ہیں۔ ہندوستان میں ایک شور برپا ہے کہ پیمبروں نے اپنے منکروں اور مکذبوں تک کو اپنا ہم قوم کہہ کر پکارا ہے۔ اس لئے ہندوستان میں بھی مسلمانوں اور مشرکوں کو ایک "قوم" میں کر دینا چاہئے، اور مسلمانوں کو ان سے اس طرح گھل مل جانا چاہئے۔ جس طرح ایک قوم کے لوگ قرستان میں گھلے ملے ہوئے ہوتے ہیں! — یہ قرآن مجید کے ساتھ کیسا تلعب اور مفہوم "قوم" کی کیسی تحریف ہے! رئیس الموحدین حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اور ان کے رفقاء مومنین اپنے "ہم قوم" کافروں کے ساتھ جو برتاؤ قولاً وفعلاً رکھتے ہیں، وہ قرآن مجید سے خود ہی پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے — اور تنہا اسی آیت پر موقوف نہیں۔ قرآن مجید تو اس مضمون کی تاکید اور تصریح سے لبریز پڑا ہوا ہے۔ حَتّٰی ۔۔۔ وَحْدَهٗ۔ یہ قید لگا کر اسے صاف کر دیا کہ ہماری تمہاری دشمنی کچھ نسلی تھوڑے ہی ہے، وہ تو صرف عقائد کی بناء پر ہے۔ تم آج شرک چھوڑ کر عقیدۂ توحید اختیار کر لو تو یہ عداوت ابھی ختم ہو سکتی ہے۔ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ۔ یہ عداوت وبغض اور احکام تبری وقطع تعلق صرف دین سے متعلق ہیں۔ باقی صلۂ رحم یا اعزہ واقرباء کے ساتھ دنیوی حسن سلوک کا حکم الگ ہے، اور وہ بھی نصوص ہی سے ماخوذ ہے۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا

اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک کہ تم

بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ۷ البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا،

وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ

اور مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں ہے ۸ اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر

تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

توکل کرتے ہیں، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے، اے ہمارے پروردگار ہمیں

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دے، بے شک تو ہی زبردست ہے،

الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

حکمت والا ہے ۹ بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے، اور جو کوئی روگردانی کرے گا، سو اللہ تو (بالکل)

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶﴾ ع عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ

بے نیاز ہے اور سزاوار حمد ہے ۱۰ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان

وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ

جن سے تم سے دشمنی ہے دوستی پیدا کر دے، اللہ بڑا قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۱ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور

قَدْ ۔۔۔ مَعَهٗ۔ آیت اس کا حکم دے رہی ہے کہ کافروں سے دشمنی رکھنے اور ترک موالات کرنے کے باب میں مسلمانوں کو ابراہیم اور ابراہیمیوں کی پیروی کرنا چاہئے۔ امر الناس بالتاسی بهم فی اظهار معاداة الكفار وقطع الموالاة بيننا وبينهم (جصاص) ف۷ (کہ اس سے اپنی دعا وعرضداشت خواہ مخواہ قبول ہی کرا لوں) لِاَبِيْهِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر پر جو مشرک اور بت تراش تھے۔ حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ قَوْلَ ۔۔۔ لَكَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ میں حق تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کروں گا کہ وہ تمہیں زندگی ہی میں راہ ہدایت دکھا دے، تاکہ بعد موت نجات حاصل ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہارے بحالت کفر مرنے پر بھی تمہاری بخشش چاہوں گا۔ اس وعدہ وگفتگو پر حاشیہ سورۃ البراءۃ کی آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ الخ کے تحت میں گزر چکا۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ۔ یعنی مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا۔ يعنی فی ان لا يتاسوا به فی الدعاء للاب الكافر (جصاص) امر الله تعالى بالتاسی بابراهيم فی كل اموره الا فی الاستغفار للاب الكافر (جصاص) ای اقتدوا به فی اقواله ولا تأسوا به فی الاستغفار لابيه الكافر (مدارک) ای ليس لكم فی ذلك اسوة ای فی الاستغفار للمشركين هكذا قال ابن عباس ومجاهد وقتادة و مقاتل وابن حيان والضحاك وغير واحد (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب بات اس موقع پر فرمائی کہ جو بغض فی اللہ ہوتا ہے وہ شفقت وخیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، بخلاف بغض نفسانی کے۔ ف۸ (چنانچہ ہماری یہ اپنے ہم قوموں سے اپنے عزیزوں قریبوں سے تبری وقطع تعلق تیرے ہی ع حکم کی تعمیل میں اور تکمیل دین ہی کے لئے ہے) رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا۔ یہاں یہ اشارہ کر دیا کہ مسلمان جب اپنی قوم کے کافروں کا بائیکاٹ کریں گے، تو اغلب ہے کہ خود بھی بدنی ومالی نقصان اٹھائیں، ایسے موقع پر عمق قلب کے ساتھ توکل واعتماد حق تعالیٰ ہی پر پیدا کر لینا چاہیے۔ ف۹ (تیرے لئے ہماری اس عرضداشت کو قبول کر لینا کیا مشکل ہے) لَا ۔۔۔ كَفَرُوْا۔ یعنی اس مقاطعہ وتبری کے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ کافر ہم کو ہر طرح ستانے اور مصیبت میں ڈالنے پر قادر ہو جائیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا۔ جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہو جائیں۔ تو ان سب کو معاف اور نظر انداز کر کے ہمیں اپنے دامن رحمت ہی سے وابستہ رکھیو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے اسباب فتنہ سے جن سے اہل حق پر اہل باطل کا شبہ ہونے لگے، بچنا ہی عین مطلوب ہے، اور ان میں جو اسباب غیر اختیاری ہیں، ان سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ دعا کریں۔ ف۱۰ (ہر حال میں اپنے جامع صفات کمالیہ ہونے کی بناء پر۔ فِيْهِمْ۔ ضمیر هم ابراہیم علیہ السلام اور اصحاب ابراہیم (والذين معه) کی جانب ہے۔ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سنت ابراہیمی علیہ السلام کا اتباع بھی مومنین کے حق میں سراسر خیر اور علامات ایمان میں سے ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ۔ اور جو کوئی روگردانی اور بے التفاتی کرے گا اس حکم تبری ومقاطعہ کی تعمیل یا کسی حکم الٰہی کی بھی تعمیل سے۔ هُوَ الْغَنِيُّ۔ ضرر اس ذات بے نیاز کا بالکل نہیں، ضرر تمام تر اسی نافرمان بندہ کا ہے۔ ف۱۱ (چنانچہ اب تک اس حکم کی تعمیل میں جن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ اگر توبہ واستغفار کر لیں تو اللہ کی مغفرت ورحمت دونوں سے مستفید ہو سکتے ہیں) عَسَى ۔۔۔ مَوَدَّةً۔ یعنی انہیں کافروں اور مسلمانوں کے شدید دشمنوں میں سے بعض کو اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب وغیرہ کا اسلام لانا اسی پیشگوئی کے ظہور عملی کی مثال ہے۔ مسلمانوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں مشرکین سے قطع تعلق کر تو لیا تھا لیکن قرابتوں اور رشتہ داریوں کی بناء پر کسی درجہ میں غم محسوس کرنا بالکل طبعی تھا۔ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ۔ تو ایسے قادر مطلق کی قدرت سے یہ بعید ہی کیا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو کافر اہل حرب میں سے نہ ہوں بلکہ ذمی ہوں، ان کے لئے صدقات بالکل جائز ہیں۔ عموم فی جواز رفع الصدقات الی اهل الذمة اذ ليس هم من اهل قتالنا (جصاص)

لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں ہی کو

الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

دوست رکھتا ہے ف۱۳ اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے

فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓي

بارہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ

مدد کی ف۱۳ اور جو کوئی دوستی کرے گا اُن سے، تو یہی لوگ تو

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ

ظالم ہیں ف۱۴ اے ایمان والو جب تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان کر لیا کرو اللہ اُن کے ایمان سے

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

خوب واقف ہے ف۱۵ پس اگر انہیں مسلمان سمجھ لو تو انہیں کافروں کی طرف مت

اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ

واپس کرو وہ عورتیں ان (کافروں) کے لئے نہ حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) اُن کے لئے حلال ہیں ف۱۶

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

اور ان (کافروں) کو وہ ادا کر دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے ف۱۷ اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں

ف۱۲ (اور انصاف کا اولین مقتضی یہ ہے کہ ہر شخص سے معاملہ اس کے درجہ وحیثیت کے لائق کیا جائے۔ اَنْ ..... اِلَيْهِمْ۔ یہاں برّ وقسط (حسن سلوک وعدل) سے مراد ان کا عام و مطلق مفہوم نہیں کہ وہ تو بہر صورت ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے لئے واجب ہے، بلکہ مراد اس شفقت ورعایت کے برتاؤ سے ہے، جو ذوی یا مصالح ہونے کی بناء پر، کافر کے ساتھ بھی لازم آتا ہے۔ گویا بالواسطہ یہاں یہ ارشاد ہوا کہ شفقت ورعایت کا برتاؤ ذوی اور مصالح کے حق میں جائز ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں کی جو عادت کافروں سے نرمی، ملاطفت برتنے اور ان کے ہدیے اور تحفے قبول کر لینے کی ہے، اس کی سند یہاں سے نکل آتی ہے۔ ف۱۳ ایسے محارب کافروں کے ساتھ معاملہ کے احکام ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ برتاؤ کے احکام سے بالکل مختلف ہیں۔ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یہ قتال خواہ بالفعل واقع ہو چکا ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ وَاَخْرَجُوْكُمْ ..... اِخْرَاجِكُمْ۔ یہ اخراج یا معاونت علی الاخراج خواہ بالفعل واقع ہو چکی ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ۔ ولایت یا دوستی سے یہاں بھی مراد وہی شفقت ورعایت والا برتاؤ ہے۔ ف۱۴ (اور حق تعالیٰ کے نافرمان) الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی اپنے حق میں ظالم۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ۔ ولایت یا دوستی کے یہاں بھی معنی دوستی کا عملی برتاؤ رکھنے کے ہیں۔ ف۱۵ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ... بِاِيْمَانِهِنَّ۔ یہاں مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب دارالحرب سے ہجرت کر کے بیویاں تمہارے پاس آئیں تو تم اس کی جانچ کر لیا کرو آیا وہ ظاہری اعتبار سے مومن ہیں بھی — اور یہ ظاہری جانچ پڑتال انتظامی ضرورتوں اور دنیوی مصلحتوں سے ہے۔ ورنہ عالم الغیب کو کسی جانچ پڑتال کی کیا حاجت، اور پھر ایمان حقیقی کی تحقیق تو بندوں کے بس کی چیز ہے بھی نہیں۔ اِذَا ..... مُهٰجِرٰتٍ۔ یعنی جب دارالحرب سے یہ بیویاں تمہارے پاس دارالاسلام حکمی یا حقیقی میں آئیں۔ الْمُؤْمِنٰتُ ..... مؤمنٰت سے مراد اس سیاق میں وہ بیویاں ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتی تھیں — قرآن مجید نے محض ان کے دعوی اسلام پر انہیں مؤمنٰت کے لقب سے یاد فرمایا۔ سماهن مؤمنات لنطقهن بكلمة الشهادة (مدارک) ف۱۶ (اس لئے کہ نہ مسلمہ کافر شوہر کے عقد میں باقی رہ سکتی ہے، اور نہ حربیہ مسلمان شوہر کے عقد میں۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ۔ یعنی اگر وہ عورتیں تمہاری جانچ پڑتال میں مسلمان ثابت ہو جائیں۔ علم یہاں محض ظن غالب کے معنی میں ہے جو ظاہری علامات سے پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو الظن الغالب بظهور الامارات (مدارک) المراد به العلم الظاهر لاحقيقة اليقين لان ذلك لاسبيل لنا اليه (جصاص) اي العلم الذي يمكنكم تحصيله وهو الظن الغالب بالحلف و ظهور الامارات (بیضاوی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ "اختلاف دارین کی بناء پر زوجین میں تفریق کر دی جائے گی" یعنی اس صورت میں کہ زوجین میں سے ایک دارالاسلام میں رہ جائے، اور دوسرا دارالحرب ہی میں رہے۔ وفي هذه الأية ضروب من الدلالة على وقوع الفرقة باختلاف الدارين بين الزوجين واختلاف الدارين ان يكون احد الزوجين من اهل دار الحرب والأخر من اهل دار الاسلام (جصاص) ف۱۷ (ان بیویوں پر، مہر وغیرہ کی قسم سے) مسلمان عورت کو کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا ہو مسلمان وہ مہر اس کافر شوہر کو واپس کر دیں۔ یہ ادائی مہر خواہ اب نئے مسلمان شوہر کی طرف سے ہو، یا بیت المال سے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اب یہ حکم باقی نہیں۔ یہ عارضی طور پر صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تھا۔

إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ

جبکہ تم اُن کے مہر اُن کے حوالہ کر دو اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت باقی رکھو

ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ

ف۱۸ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں سے) طلب کرلو، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے مانگ

حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِن

لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۹ اور اگر

فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ أَزْوَٰجِكُمْ إِلَى ٱلْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آئے، پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت

فَـَٔاتُوا۟ ٱلَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَٰجُهُم مِّثْلَ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ

آئے تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں، جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیویوں پر) خرچ کیا تھا، اس کے برابر تم اُن کو دو،

وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۰ اے پیغمبر

إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ

جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو

بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ

شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَـٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ

اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ لیں

وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ

اور مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے ف۲۱ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت

ف۱۸ یعنی جو تمہاری بیویاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔ ان سے تمہارا نکاح زائل ہوگیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو۔ ف۱۹ (چنانچہ اس کے یہ احکام بھی اس کی صفات علم وحکمت ہی پر مبنی ہیں) وَسْـَٔلُوا مَآ أَنفَقْتُمْ۔ یعنی اپنی ان بیویوں پر جواب تم سے چھوٹ رہی ہیں۔ ان پر تم نے مہر وغیرہ کے قسم سے جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کا مطالبہ ان کافروں سے کرو۔ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۔ ابھی اسی آیت کے اندر اوپر آچکا ہے اب پھر اسی کی تاکید مزید وَلْيَسْـَٔلُوا مَآ أَنفَقُوا سے ہو رہی ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نکتہ یہ نکالا ہے کہ دوسروں کا حق جو اپنے ذمے رہ جائے وہ زیادہ مؤکد ہے۔ ف۲۰ (اور اسی کے خوف کا استحضار کر کے ہرگز کسی خیانت، تساہل یا چالاکی کے مرتکب نہ ہو) وَإِن ..... فَعَاقَبْتُمْ۔ یعنی نہ وہ بیوی ہی ملے، اور نہ اس کے بجائے اس کے مہر کی رقم ہی تمہیں ملے۔ یہ عاقبتم عقاب سے نہیں عقب سے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تمہاری کوئی بیوی کافروں کے پاس چھوٹ جائے، یا تمہارے ذمہ کسی کا مہر واجب الادا رہ جائے۔ من العقبة لامن العقاب وحاصل المعنى ان لحق احد من ازواجكم بالكفار او فاتكم شىء من مهورهن ولزمكم اداء المهر كما لزم الكفار (روح) فَـَٔاتُوا ..... أَنفَقُوا۔ یعنی یہ رقم واجب الادا بجائے ان کافروں کو دینے کے ان مسلمان شوہروں کو دے دو، جو کافر بیویوں اور ان کے معاوضہ مہر وغیرہ کی رقم دونوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ”اگر کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الادا ہے، وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے، برابری کی صورت میں تو کچھ تکلف نہیں، اور کمی بیشی میں یہ حکم تھا کہ جو کفار کا بچے وہ کفار کو دے دیا جائے اور جو ان کا رہے اس کا مطالبہ ان سے کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی مخصوص تھا اسی واقعہ کے ساتھ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۱ (بلا لحاظ ان کے تاریک اور گندے ماضی کے) أَن ..... شَيْـًٔا۔ شرک کے مرض میں تو جاہلیت عرب کی ساری ہی عورتیں مبتلا تھیں۔ وَلَا يَسْرِقْنَ۔ چوری بھی جاہلیت کے قانون اور رواج میں اس درجہ معیوب و شرمناک نہ تھی۔ وَلَا يَزْنِينَ۔ حرامکاری تو تہذیب عرب میں اسی طرح داخل فیشن تھی جیسی آج جاہلیت فرنگ کی تہذیب میں ہے۔ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ۔ اس کے تحت میں دختر کشی و اولاد کشی بلکہ اسقاط اور منع حمل کی چلی ہوئی ساری صورتیں آگئیں۔ وَلَا ..... وَأَرْجُلِهِنَّ۔ عربی محاورہ میں اس کا مطلب ہے اپنی بدکاری کی اولاد کو اپنے شوہر کی اولاد بنا دینا، یا کسی غیر کا بچہ اٹھا لا کر اسے اپنی اور اپنے شوہر کی اولاد مشہور کر دینا۔ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ۔ اس کے اندر تمام احکام شرعی آگئے۔ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن الخ۔ محققین نے کہا ہے کہ بیعت رسول کی ان تمام شرطوں کو اعتقاد کے ساتھ تسلیم کرنا شرط ایمان تھا، اور ان پر عمل کا التزام شرط کمال ایمان

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

طلب کرلیا کیجئے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۲ اے ایمان والو

لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ

ان لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے،

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے جیسے قبروں والے کافر مایوس ہیں ف۲۳

آیاتها ۱۴ ۶۱ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رکوعاتها ۲

اس کی چودہ آیتیں سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے اور جو چیز بھی زمین میں ہے، اور وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

زبردست ہے حکمت والا ہے ف۱ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا

جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

جو کرو نہیں ف۲ اللہ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح

سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ وَاِذْ قَالَ

مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ف۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

ف۲۲ (وہ ان کے حق میں مغفرت و رحمت دونوں کو کام میں لائے گا) آیت ان غالیوں کے رد کے لئے بالکل کافی ہے، جو کسی پیشوا کے تائب ہونے اور بعد توبہ کسی کے نکاح میں آنے ہی کو نہ جائز سمجھتے ہیں۔ فَبَايِعْهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت، بیعت کے اغراض و مقاصد کے باب میں بالکل صریح ہے۔ اور اس سے اس رسمی بیعت کا ابطال لازم آتا ہے، جس میں عمل کا اہتمام ہی نہ ہو۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کا یہ ایک حق ہے کہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔ ف۲۳ یعنی جس طرح ملحدین و منکرین آخرت مُردوں اور مُردوں کی طرف سے ہر طرح کی آس توڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ مغضوب و مقہور قوم یہود بھی آخرت سے اپنا رشتہ توڑے ہوئے ہیں۔ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ اشارہ یہود کی جانب ہے، انہیں کے لئے قرآن مجید میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ مغضوبیت کا ذکر ہے۔ عن الحسن وابن زيد ومنذر بن سعيد انهم اليهود لانه عزوجل قد عبّر عنهم في غير هذه الآية بالمغضوب عليهم (روح) وهم اليهود (معالم) يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یہود ایک خالص دینی اور موحد قوم تھی، لیکن رفتہ رفتہ آخرت کو بالکل بھلا چکی تھی، ان کی توریت کے اندر آج بھی جتنے صحیفے اور نوشتے موجود ہیں، سب میں ذکر فلاح دنیوی کا تو کثرت سے ملتا ہے، لیکن اجر آخرت کا تذکرہ تو شاید ڈھونڈنے کے بعد بھی نہ ملے۔ لَا تَتَوَلَّوْا۔ الخ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جواز دوستی سے تو مطلق کفر ہی مانع ہے۔ البتہ جس کی گمراہی اشد ہوگی، اس سے دوستی کا عدم جواز بھی اشد ہوگا۔ ف۱ (اس کی صفات قوت و حکمت کا عین مقتضی بھی یہی ہے کہ سب کے سب اس کی حمد و ثنا کریں) سَبَّحَ ... الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق اپنے اپنے مرتبۂ وجود و شعور کے مطابق و مناسب ہی کرتی ہے۔ ف۲ اسلام ہر مسلمان کو عملی انسان، سیرت کا پختہ اور کردار کا مضبوط اور مجاہد بنانا چاہتا ہے، اور نفاق بلکہ شائبۂ نفاق سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ قول و عمل کی مطابقت پر شدت سے مصر رہا۔ ان آیتوں کے نزول کا سبب قریب روایتوں میں یہ آیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں محبوب ترعمل کونسا ہے، تو ہم ضرور اسے کر ڈالیں، حالانکہ اس کے قبل معرکۂ احد میں، بعض حضرات جہاد کے موقع پر ثابت قدم نہیں بھی رہے تھے، یہاں اسی پر گرفت ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ حاصل یہ کہ واعظ اور داعی کے لئے باعمل ہونا اور زیادہ ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بے عمل یا ضعیف العمل کے لئے دعوت و وعظ ناجائز ہے۔ ف۳ اپنی صف و قطار میں ذرا شگاف نہیں پیدا ہونے دیتے) آیت میں حق تعالیٰ کے ہاں محبوبیت کا راز بتا دیا۔ قتال فی سبیل اللہ، جم کر اور صف بستہ ہو کر۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے ساتھ مسلمان سپاہ کی قطار کی تشبیہ ثبات و استحکام کے لحاظ سے ہے۔

مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ

اپنی قوم سے کہا کہ اے میرے قوم والو، تم مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو، درآنحالیکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ

تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں و۴ پھر جب ان لوگوں نے کجی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا و۵

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵ وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى

اور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا و۶ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے

ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا پیمبر آیا ہوں

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا

تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے و۷ اور ایک رسول کی

بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

بشارت دینے والا، جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا و۸ پھر جب وہ ان کے پاس

بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

کھلے نشانات لائے، تو وہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے و۹ اور اس سے بڑھ کر ظالم

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ یُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ

اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے درآنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو و۱۰

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۷ یُرِیْدُوْنَ

اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا و۱۱ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ

لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافروں کو (کیسا ہی)

و۴ (اور تمہارا یہ تمرد و سرکشی ہرگز کسی اجتہادی غلطی یا عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں) وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ۔ اسرائیلیوں نے اپنی قوم کے پیمبر اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نافرمانی، سرکشی، عصیان و طغیان کا جو معاملہ تسلسل اور شدت کے ساتھ جاری رکھا تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر بکثرت آیا ہے، اور توریت میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ تفصیل و تکرار کے ساتھ ملتا ہے لیکن اتنی تصریح تو قرآن مجید میں ہی موجود ہے کہ یہ تمرد تمامتر قصداً اور ارادۃً تھا، کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا۔ و۵ (اور زیادہ) قرآن مجید اس ضابطۂ تکوینی کا ذکر اسی کی اہمیت کی مناسبت سے بار بار اور مختلف طریقوں پر کر چکا ہے کہ انسان جب اپنے ارادہ و اختیار سے غلط کام لے کر غلط راستہ پر چلنے لگتا ہے تو ارادۂ الٰہی نتیجہ بھی اسی ارادۂ انسانی پر مرتب کر دیتا ہے۔ اور انسان کی غلط روی پر برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْا۔ یعنی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ساری سعی تبلیغ ناکام رہی، اور یہود حضرت علیہ السلام کی اتنی افہام و تفہیم کے بعد بھی اپنی اسی روش تمرد پر قائم رہے۔ و۶ یعنی جو دانستہ غلط راہ پر چلنے پر مصر ہیں، اور اپنے قصد صحیح سے کام لے کر راہ حق میں غور و تامل ہی نہیں کرتے، انہیں حق تعالیٰ ہدایت کی توفیق بھی نہیں دیتا کہ ایسے ضدی کج رووں کو ہدایت بخشنے کے معنی تو انہیں ہدایت پر مجبور کر دینے کے ہوئے، اور یہ نظام تکوینی کی حکمتوں ہی کے سرے سے منافی ہے۔ یہاں سے اور قرآن مجید کی اور بھی دوسری آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جب ضد اور عناد کسی قوم میں اس قدر راسخ ہو جائے اور اس کی اصلاح کی امید باقی نہ رہ جائے تو پھر دفع معصیت کے لئے آخری تدبیر قتال کی ہے و۷ تصدیق تو ہر پیمبر اپنے سے قبل کے تمام الہامی نوشتوں کی کرتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسرائیلی تھے، اور ان کے مخاطب بھی تمامتر اسرائیلی ہی تھے۔ اس لئے ذکر تصریح کے ساتھ صرف توریت ہی کا مناسب تھا۔ بنی اسرائیل پر، اور عیسیٰ ابن مریمؑ پر، اور آپ کی تصدیق توراۃ پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ اس ذرا سے فقرہ کے اندر ہی بہت سی گمراہیوں کی تردید آ گئی۔ چنانچہ اس کا اثبات ہو گیا:۔ (۱) آپ کی بعثت بنی اسرائیل کی جانب تھی، کل دنیا کی جانب نہ تھی۔ موجودہ مسیحیت کی تردید۔ (۲) اس کا اثبات کہ آپ حق تعالیٰ کی طرف سے رسول برحق تھے۔ نعوذ باللہ کوئی مفتری نہ تھے ــــ یہود کی تردید۔ (۳) آپ حق تعالیٰ کے ایک ممتاز ترین و مقرب ترین بندہ تھے۔ نعوذ باللہ خود الوہیت کے مدعی کسی معنی میں بھی نہ تھے ــــ مسیحیت کی تردید۔ و۸ انجیل آج جس صورت میں بھی مسیحیوں کے ہاتھ میں موجود ہے، احکام و مسائل شریعت یا قانون خداوندی کی دفعات سے یکسر خالی ہے اور اسے مسیحی و غیر مسیحی ہر ایک دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے کہ احکام و مسائل شریعت کی ضرورت اس کے بعد بھی جوں کی توں باقی ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک اور رسول آئے گا۔ انجیل برنابا کے نام سے آج جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب دنیا میں موجود ہے اس میں تو یہ پیشگوئیاں بہت صاف اور بالکل کھلے لفظوں میں ہیں، لیکن خود مسیحیوں کو بھی جو چار انجیلیں مسلم ہیں، ان میں سے بھی ایک میں یہ عبارتیں آج تک مل رہی ہیں:۔ ''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔'' (یوحنا۔ ۱۴:۱۶) ''جب وہ مددگار یا وکیل یا شفیع آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵:۲۶)'' وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا''۔ (۱۶:۷) مسیحی جس یونانی لفظ کے ترجمہ سے خود مطمئن نہیں ہیں، اور اس کا ترجمہ کبھی ''تسلی دہندہ'' سے کرتے ہیں کبھی ''مددگار'' سے، کبھی ''وکیل'' کبھی ''شفیع'' سے وہ اصل میں (PERICLUTOS) ہے، جو صحیح ترجمہ لفظ ''احمد'' ہی (بمعنی محمود و ستودہ) کا ہے۔ و۹ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر یہود نے انہیں تمامتر سحر پر محمول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اناجیل مروجہ میں اس کے اشارے موجود ہیں:۔ ''اور فقیہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول ہے، اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔'' (مرقس ۳:۲۲) ''فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد کے بغیر بدروحوں کو نہیں نکالتا''۔ (متی۔ ۱۲:۲۴) ''فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔'' (متی۔ ۹:۳۴) اور تالمود میں تو یہود کے قلم سے صراحتیں لکھی چلی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جَآءَهُمْ میں واحد کی ضمیر فاعلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے، اور هم کی جمع ضمیر مفعول بنی اسرائیل یا اُن کے سرداروں کی جانب ہے۔ و۱۰ یعنی دعوت اور تنبیہ کا پورا سامان موجود ہے، اور پھر بھی وہ تنبیہ نہ حاصل کرے! افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ بشر کو بشریت کے مرتبہ سے خدا کے درجہ تک پہنچا دینا، کتب سماوی میں تحریف و تصرف کر دینا، کفارہ وغیرہ کے گڑھے ہوئے عقیدوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دینا سب مثالیں افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ ہی کی ہیں۔ و۱۱ ابھی جو حاشیہ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ پر گزرا ہے، اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔ الظّٰلِمِیْنَ سے مراد وہی اپنے حق میں ظلم کرنے والے، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

گراں گزرے ف۱۲ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر

وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

بھیجا ہے، تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو (کیسا ہی)

الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

گراں گزرے ف۱۳ اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایک

تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ

سوداگری بتا دوں، جو تمہیں عذاب دردناک سے بچا دے؟ ف۱۴ (وہ یہی ہے کہ) تم لوگ

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

جان سے جہاد کرو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

علم رکھتے ہو ف۱۵ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں

عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا

ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۶ اور ایک اور (ثمرہ بھی) کہ وہ تمہیں محبوب ہے

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

(یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے ف۱۷

ف۱۲ یعنی اللہ تو بہرحال اپنے دین کی جڑوں کو مضبوط جما کر رہے گا۔ مخالفین ومعاندین کی ساری کوششوں اور مزاحمتوں کے باوجود۔ یُرِیْدُوْنَ ... بِاَفْوَاهِهِمْ۔ مخالفین ومعاندین علاوہ عملی تدبیروں کے، زبان اور منہ سے بھی توڑ اور اعتراض کی باتیں کیا کرتے تھے اور قوی شبہات دلوں میں ڈالتے رہتے تھے۔ یُرِیْدُوْنَ کی ضمیر جمع فاعلی سے اشارہ سارے ہی مخالفین اسلام کی جانب ہو گیا۔ نُوْرَ اللّٰہِ۔ یعنی دینِ اسلام۔ ف۱۳ (اور وہ کیسی ہی جان توڑ کوششیں اس کی مخالفت میں کر ڈالیں) لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ یعنی سارے باطل ادیان ومذاہب اس دینِ حق کے دلائل وبراہین کے آگے دب جائیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ دینِ توحید کے استحکام وترقی سے جلنے والا اور ناگواری محسوس کرنے والا مشرکوں سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ ف۱۴ سوال کا جواب اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ اس طرح کے درمیانی سوالات کرتے جانا عربی خطابت میں عام تھا اور عربی اسلوب بلاغت کا ایک اہم جزو۔ عَلٰى تِجَارَةٍ۔ قرآن کے مخاطبین اول قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے قرآن مجید کا ان سے مخاطبت میں تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں، بیع، شرا، مال، ربح، خسران، اشتراء، ثمن، قرض، قرض حسن، دَین، ربوا وغیرہ لانا ان مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے۔ ف۱۵ (حقائق امور کا) انوکھی تجارت کی تفسیر اس آیت نے خود کر دی۔ ف۱۶ جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں، وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالم آخرت کی مستقل پائیدار کامیابی ہے — لازوال مسرت بے پایاں راحت اور غم والم سے نجات۔ ف۱۷ (دنیا میں اسی قریبی فتح ونصرت کی) وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا۔ یعنی اس اخروی ثمرہ کے علاوہ ایک اور ثمرۂ ایمان وطاعت، جو تمہیں طبعاً محبوب بھی ہے — ثمرات آخرت کیسے ہی بیش بہا، گراں قدر، بے مثال ہوں بہرحال انتظار طلب ہیں انسان طبعی وخلقی طور پر اس بڑے اور انتہائی ثمرہ کے علاوہ، ثمرات عاجل کا بھی طلبگار رہتا ہے۔ اور قرآن سے بڑھ کر بشری جذبات کی رعایت کرنے والا اور کون ہوگا؟ نَصْرٌ ... قَرِیْبٌ۔ مسلمانوں کی عظیم الشان اور حیران کن فتح مندیوں کی پیشگوئی کا ظہور ووقوع جس شاندار طریقہ پر سارے حجاز کے ایک ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، اور پھر خلافت راشدہ کے زمانہ میں، ایران، اور روم، اور شام اور مصر، اور عراق کی سرزمینوں پر ہو کر رہا۔ اس کی گواہ دنیا کی ساری تاریخ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو مددگار ہو جاؤ اللہ کے (دین کے) جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ کون میرا مددگار ہوتا ہے، اللہ کے واسطے؟ ف۱۸ حواری بولے کہ ہم مددگار (ہوتے) ہیں اللہ کے (دین کے) پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ منکر رہا ف۱۹ پھر ہم نے ایمان والوں کا ساتھ اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں دیا سو وہ غالب ہو گئے ف۲۰

آیاتھا ۱۱ — ۶۲ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ — رکوعاتھا ۲

اس کی گیارہ آیتیں — سورۂ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

(اسی) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ بھی زمین میں ہیں (جو) بادشاہ ہے مقدس ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱ وہی تو ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے

ف۱۸ یعنی دین حق کی تبلیغ کے معرکوں میں کون میرا شریک و رفیق ہوتا ہے؟ حَوَارِیِّیْنَ۔ پر حاشیے سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکے، اور عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ پر اس کے قبل۔ کَمَا ...... اللّٰہِ۔ یہ حضرت عیسیٰ نے اس وقت فرمایا، جب آپ مخالفوں اور دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اناجیل مروجہ میں آپ کی اس نصرت طلبی کے سلسلہ میں ہے:۔ ''اس نے بارہ کو مقرر کیا تاکہ اس کے ساتھ رہیں، اور وہ انہیں بھیجے کہ منادی کریں''۔ (مرقس۔ ۳:۱۴) ''وہ ان سے کہنے لگا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں، اس لیے فصل کے مالک کی منت کرو کہ اپنی فصل کاٹنے کے لیے مزدور بھیجے (لوقا۔ ۱۰:۲) اَنْصَارَ اللّٰہِ۔ مراد انصار دین اللہ بھی گئی ہے۔ اے انصار دین اللہ (کبیر) کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نصرت مستقل اختیار کرلو۔ اور اس پر جمے رہو۔ امر بادامة النصرة والثبات علیه اے دوموا علی ما انتم علیه من النصرة (کبیر) کَمَا قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ۔ الخ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ تم بھی نصرت دین میں اسی طرح ہو جاؤ جس طرح حواریین عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ آیت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ نصرت دین کا اور انصار اللہ بننے کا حصر کچھ قتال و جہاد ہی پر نہیں، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ نے تو قتال ایک بار بھی نہیں کیا تھا۔ اور پھر بھی آپ کے حواریوں کی نصرت دین کو بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ ف۱۹ (انہیں حواریوں کی کوشش کے باوجود) فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ۔ ان ایمان لانے والوں کی تعداد، روایات یہود کے مطابق ۳۰۰ سے لے کر ۳۳۰ تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۰ چنانچہ تبلیغ دین حق کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی۔ اور مخالفین اپنے سارے اثر، قوت، غلبہ، وجاہت کے باوجود مسیح کی دعوت کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔ حضرت مسیح کو اپنی زندگی میں مقابلہ دہری دہری مخالفتوں کا کرنا پڑا۔ ایک تو خود آپ کی قوم یہود جسے اس وقت اس کے وطن فلسطین میں ایک نیم خودمختارانہ حکومت حاصل تھی۔ آپ کی شدید ترین مخالف ہوگئی تھی۔ اور پھر حکومت وقت رومی سلطنت کا مذہب شرک، بت پرستی تھا صدائے توحید اُن کے لیے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔ اس ساری مخالفانہ فضا کے باوجود آپ کو جو بھی کامیابی ہوئی، تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ تھی۔ آیت سے کتنا بڑا درس ہمت و عزیمت کا مسلمانوں کو مل رہا ہے۔

ف۱ تسبیح جملہ مخلوقات پر یہ حاشیے کئی بار گزر چکا ہے کہ مراد ہر ہر مخلوق کی، اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق تسبیح ہے۔ زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔ الْمَلِکِ۔ یعنی وہ بادشاہ مطلق الاختیار ہے۔ اس کے اقتدار اور اس کے اختیارات پر کوئی قید کسی قسم کی بھی نہیں۔ جو قانون وہ چاہے مقرر کردے۔ جس کو اور جب جو حکم وہ چاہے، دے دے۔ الْقُدُّوْسِ۔ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی اور کوتاہی سے وہ منزہ اور برتر ہے۔ الْعَزِیْزِ۔ زمین و آسمان کی ساری قوتیں، مادی یا غیر مادی، اسی کی محکوم و تابع فرمان ہیں۔ وہ سب پر حاکم ہے، کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ الْحَکِیْمِ۔ اس کی ہر کارروائی بے انتہا مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی صناعیوں کو سطحی نظر سے دیکھنا محض حماقت ہے۔

ف۲ (اور جو قوم بھی تعلیمات نبوت سے محروم ہوتی ہے۔ایسی ہی ظلمتوں اور ضلالتوں میں گھری رہتی ہے) فِی الْاُمِّیّٖنَ۔ یعنی قوم عرب کے درمیان۔ الامی منسوب الی امة العرب (کبیر) امی پر حاشیہ سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ جب رسول اور رسول اعظم بھی امی یا علوم رسمی سے ناآشنا ہوسکتا ہے، تو کسی ولی کے امی یا ان پڑھ ہونے میں کیا اشکال ہے، البتہ علوم شرعی سے بقدر ضرورت اسے واقفیت ہونا چاہیے۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ پہلا کام اس عربی رسول کا اہل عرب کے سامنے کلام الٰہی کی آیتوں کو پڑھ کر سنانا ہے۔ وَیُزَکِّیْهِمْ۔ رسول کا کام آیات الٰہی کی تلاوت اور کلام الٰہی کے سنانے کے بعد عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ رسول ﷺ کا کام تبلیغ اور تزکیہ پر ختم نہیں ہوجاتا۔ وہ اپنے مخاطبین کو کتاب الٰہی کے مضامین کی نیز اپنی لائی ہوئی حکمت کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ مسائل کی توضیح و تشریح، تقسیم، تخصیص، تعیین، تفسیر سب اس کے تحت میں آگئے۔ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ۔ اس کا یہ مطلب نہیں

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے درآنحالیکہ یہ لوگ پہلے سے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ف۲ اور دوسروں کے لئے بھی ان میں سے (آپ کو بھیجا) جو ابھی ان میں شامل

بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

نہیں ہوئے، اور وہ (بڑا) زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۳ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۴

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو (کیسی) بری مثال ہے اس قوم والوں کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں

الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ

دیا کرتا ف۵ آپ کہیے اے یہودی ہو جانے والو، اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے

اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

کہ تم ہی تم، بلا شرکت غیرے اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ،

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا

اگر تم سچے ہو ف۶ اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے بسبب

کہ آپ ﷺ کی دعوت صرف قوم عرب کی جانب تھی۔ کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ وغیرہ متعدد آیتوں سے آپ ﷺ کی دعوت کا عموم اور عالمگیری بجائے خود ثابت اور قطعی ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ صراحت و تکرار ہر موقع پر اسی کی ہوتی رہے۔ ف۳ اٰخَرِیْنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھے۔ آگے چل کر کسی زمانہ میں ایمان لانے والوں میں شامل ہوں گے۔ اور یوں وہ سارے لوگ جو قیامت تک اسی دین حق میں داخل ہوں گے، سب اٰخَرِیْنَ کے تحت میں آگئے۔ و قال ابن زید هم جمیع من دخل فی الاسلام بعد النبی ﷺ الی یوم القیمة و هی روایة ابن نجیح عن مجاهد (معالم) قال مجاهد و غیر واحدهم الاعاجم و کل من صدق النبی من غیر العرب (ابن کثیر) هم سے تعبیر ان غیر موجودین کو بحیثیت ان کے اسلام کے کیا گیا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اور اسی قدرت والے اور حکمت والے نے اپنی قدرت و حکمت سے ایسا رسول مبعوث کر دیا۔ ف۴ ایک بگڑی ہوئی قوم کی قوم کو راہ ہدایت پر لگا دینا، اور بے شمار مخلوق کو راہ ہدایت پر لے آنا اس کے فضل عظیم کے سامنے کیا مشکل ہے؟ پھر اس کے عموم فضل کو کسی ایک نسل یا قوم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محدود و محصور سمجھنا بھی حماقت ہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی رسول کے ذریعہ سے، ضلال مبین سے نکل کر کتاب و حکمت و ہدایت کی روشنی میں آ جانا۔ ف۵ الظّٰلِمِیْنَ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں، جو دین حق سے عناد رکھتے ہیں، اور اسی خبث و عناد کی بناء پر کبھی دلائل و حقائق پر غور نہیں کرتے — ایسوں کو سنا دیا گیا کہ جب تک وہ اپنی طرف سے عناد ترک نہ کریں گے، انہیں ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ مَثَلُ ... كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ یہ مثلیت اور تشبیہ نفع سے محرومی کے لحاظ سے ہے — جس طرح کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا گدھا کتابوں کے نفع سے محروم محض رہتا ہے، اسی طرح یہ اہل توریت، توریت پر عمل نہ کرنے کے باعث، اس کے فوائد سے کورے رہ گئے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ حمار گدھے کی تخصیص اس لیے کہ جانوروں میں اس کی بلادت اور نافہمی ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے، اور اہل عرب کو بالکل مسلم تھی۔ و هذا التمثیل لاظهار الجهل والبلادة ذلک فی الحمار اظهر (کبیر) و فی الحمار من الذل و الحقارة ما لا یکون فی الغیر (کبیر) حُمِّلُوا۔ حمل یہاں ادائے حقوق اور مکلف کیے جانے کے معنی میں ہے۔ حملوا ای کلفوا ان یحملوها ای یقوموا بحقها (راغب) ف۶ (اپنے دعوائے محبوبیت مطلقہ میں) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْا۔ خطاب ان اہل عرب سے ہے، جو یہود کے طور طریقے، وضع و معاشرت، شعائر و عقائد اختیار کرتے کرتے رفتہ رفتہ

خود بھی یہودی بن گئے تھے — جیسے ہندوستان میں انگریزوں کے زمانہ عروج خصوصاً شروع انگریزی دور میں، ہزارہا اہل ہند نے انہیں کا تمدن اختیار کرکے رفتہ رفتہ اپنے کو "کرسٹان" بنا لیا تھا۔ یہودی مذہب اصلاً تبلیغی مذہب نہیں، نسلی مذہب تھا، صرف نسل اسرائیل کے لیے محدود۔ لیکن یہود کے علم و فضل، ثروت و تمدن سے مرعوب و مسحور ہوکر کثرت سے مشرکین عرب نے بھی چپکے چپکے دبے پاؤں اپنے اوپر یہودیت (تہود) طاری کرلی تھی۔ اَنَّكُمْ ... النَّاسِ۔ یہود نے اپنے دل سے یہ عقیدہ گڑھ لیا تھا کہ ہم کچھ بھی کریں، جس طرح بھی رہیں سہیں، بہرحال ہماری پیمبرزادگی ہمارے آڑے آتی رہے گی، اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کی جانب نسلی انتساب ہمیں اللہ کی ہر نافرمانی پر گرفت سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھے گا۔ اور یہ امتیاز بجز ہمارے نسل آدم میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔۔ قرآن مجید بار بار ان کے اسی خطرناک نظریہ پر ضرب لگاتا ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ یہاں وہ تمنائے موت مراد نہیں جو عدم ثبات و عدم توکل کی بناء پر کسی دنیوی مصیبت سے گھبرا کر کی جاتی ہے بلکہ وہ تمنائے موت مراد ہے، جو شوق جنت اور اشتیاق لقاء رب میں ہر مومن کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولایت و مقبولیت کی علامتوں سے مومن کے لیے آرزوئے موت بھی ہے، اگرچہ صرف عقلی ہی حد تک رہے۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ قُلْ

اُن (اعمال) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ خوب واقف ہے (ان) ظالموں سے وکے آپ کہہ دیجئے

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تمہیں آ پکڑے گی

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (خدا) کے پاس لائے جاؤ گے، پھر وہ تم کو تمہارے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

سب کئے ہوئے کام جتلا دے گا وٛ اے ایمان والو جب

نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى

جمعہ کے دن اذان کی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو

ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ کی یاد کی طرف وٝ اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ

تَعْلَمُوْنَ ۞ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

سمجھ رکھتے ہو وٞٛ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ وٞٞ اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا

اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا

تماشہ کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھر گئے اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا وٞٛ آپ کہہ دیجئے

وکے یعنی معاندین حق سے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ پر تو ان لوگوں کا عنادِ حق وخبث باطن عیاں ہی ہے، اُسے اپنے معلوم کرنے کے لیے کسی امتحان کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے اُس نے یہ ایک موٹی سی پہچان بتادی — زبان سے اپنی محبوبیت مطلقہ کا دعویٰ کرتے ہو، تو پھر ذرا اپنے اس قید دنیا سے آزاد ہو جانے کی آرزو کر دکھاؤ۔ لیکن کرو گے کیسے؟ خبث دنیا میں تو اتنا جکڑے ہوئے ہو، اور اُخروی و روحانی لذائذ سے اتنا بُعد رکھتے ہو کہ اس آرزو کی بھی ہمت ہی نہ کر سکو گے! وٛ (اور اپنے اسی علم کامل وقطعی کے مطابق سزا بھی دے گا) موت سے ناگواری تو انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے اس سے یہاں تعرض نہیں۔ لیکن جو صاحب ایمان ہوتا ہے، وہ اس طبعی گرانی و ناگواری کے باوجود عقلی و ایمانی اعتبار سے ہمیشہ موت کی پیشوائی ہی کے لیے تیار رہتا ہے۔ اِنَّ .... مِنْهُ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا استحضار ضمیر کی بیداری کی خاص علامت ہے۔ اور قلب کی قساوت کا خاص علاج۔ وٝ اس ذکر اللہ کے عموم میں نماز فرض اور خطبہ واجب دونوں آگئے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ۔ اس کے عموم سے وہ لوگ خارج ہیں، جن پر جمعہ واجب ہی نہیں، عورتیں، بچے، مریض، مسافر وغیرہ۔ لِلصَّلٰوةِ۔ ال عہد کا ہے، اور لِلصَّلٰوةِ سے مراد لوقت الصلٰوۃ ہے۔ الصلٰوۃ سے مراد صلٰوۃ الجمعۃ ہے۔ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ مِنْ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ اے فی یوم الجمعۃ (مدارک) فَاسْعَوْا۔ سعی یہاں اپنے لفظی معنی میں، یعنی دوڑنے کے مرادف نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود چلنے میں توجہ و اہتمام کی تاکید ہے۔ السعی یستعمل للجد فی الامر (راغب) المراد بالسعی القصد دون العدو (کشاف) و لیس المراد من السعی الاسراع انما المراد منه العمل و الفعل (معالم) و لیس المراد بالسعی ههنا المشی السریع و انما هو الاهتمام بها (ابن کثیر) نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ۔ مراد نماز جمعہ کی اذان سے ہے۔ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ جمعہ کا دن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہم پرست مسیحیوں کے ہاں ”منحوس“ سمجھا جاتا ہے، اور شادی بیاہ سے اس دن خاص طور پر بچا جاتا ہے۔ ”نحوست“ کی دلیل یہ ہے کہ ”ابن اللہ“ کو سولی پر اسی دن چڑھایا گیا تھا۔ وٞٛ (اور حقائق اُمور کی طرف متوجہ ہو) وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ بیع کا ذکر محض مزید تاکید و اہتمام کے لیے ہے، ورنہ حکم فقہی میں تخصیص کچھ بیع و تجارت ہی کی نہیں۔ اراد الامر بترک ما یذهل عن ذکر اللّٰه من شواغل الدنیا (مدارک) مراد صرف یہ ہے کہ ادھر مؤذن کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو اور اُدھر ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دنیا کے جس حال اور جس مشغلہ میں ہو مسجد کا رخ کر دے اور نماز جمعہ کی تیاری و اہتمام میں لگ جائے — گویا یہ مسلمان کی ہفتہ وار پریڈ ہے کہ ہر مسلمان بگل کی آواز سنتے ہی اپنے کو حاضری پر مجبور پائے! فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصل مقصود وقت نماز کا آجانا ہے۔ جب وقت آجائے تو ہر مسلمان جس پر نماز جمعہ واجب ہے، اس پر نماز کے لیے تیاری واجب ہو جاتی ہے یہ ضرور نہیں کہ اذان کی آواز ہی کان میں پڑ لے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اس حکم کی پابندی شخصی وانفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتی ہے اور قومی و اجتماعی حیثیت سے بھی — دنیوی، مادی اعتبار سے یوں کہ نماز جمعہ تنظیم اُمت کا ایک بہترین نسخہ ہے اور اُخروی، رُوحانی اعتبار سے یوں کہ آخرت کا نفع باقی دنیا کے ہر نفع فانی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ وٞٞ یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اب اجازت ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ، اور اپنے جمعہ کو مسیحیوں کے اتوار اور یہود کے شنبہ کی طرح دنیوی کاروبار سے تعطل کا دن نہ فرض کرلو۔ ہاں دنیوی کاروبار میں اشتغال خدا فراموشی کے مرادف نہیں۔ احکام الٰہی کا استحضار کاروبار میں بھی پوری طرح رہے۔ دیانت امانت تقویٰ، تجارت اور ہر قسم کے دنیوی مشغلہ میں مسلمان کے لیے لازمی ہیں — آیت میں جو حکم ہے، اُس کی پوری قدر جب ہوگی، جب یہود و نصاریٰ کا معاملہ جو انہوں نے اپنے اپنے ہفتہ وار تہواروں کے ساتھ کر رکھا ہے، پیش نظر ہو۔ وٞٛ بعض صحابیوں کی طرف اشارہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور شریعت کے قوانین واحکام ابھی ان میں پوری طرح راسخ نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں ایک بار خطبہ جمعہ کے وقت (جو اُس وقت تک بعد نماز ہوتا تھا) تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا، اور اعلان کے لیے دف بھی بج رہا تھا۔ ۱۲ پختہ و راسخ صحابیوں کو چھوڑ کر، باقی دوسرے حضرات یہ سمجھ کر کہ نماز تو ختم ہی ہو چکی ہے، تجارتی قافلہ کی طرف چل پڑے۔ یہ تنبیہ اُن کی اسی اجتہادی غلطی پر کی جارہی ہے۔ وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ ان الفاظ سے اس مسئلہ پر کہ خطیب جمعہ کو خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ ایک قرآنی دلیل قائم ہو رہی ہے۔ دلیل علی ان الامام یخطب یوم الجمعة قائما (ابن کثیر) سُئل عبداللّٰه بن عمر اکان النبی یخطب قائما او قاعدا قال اما تقرأ و ترکوک قائما (معالم)

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ

کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور سودے سے کہیں بہتر ہے

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے ۱۳؎

آیاتہا ۱۱ ۶۳ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ رکوعاتہا ۲

اس کی گیارہ آیتیں سورۂ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے

اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ

رسول ہیں تو اللہ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

منافق جھوٹے ہیں ۱؎ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے،

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک کیسے برے اُن کے کرتوت

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ

رہے ہیں ۲؎ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے، پھر کافر ہو گئے ۳؎ سو اُن کے دلوں پر

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ

مہر کر دی گئی تو یہ (اب) نہیں سمجھتے ۴؎ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو

ع ۲ / ۱۲

وقف لازم

۱۳؎ یہاں یہ بتایا ہے کہ معاشیات و مالیات میں بھی اصل بھروسا اپنے اسی رحیم و شفیق خالق و مالک پر رکھو۔ اجر آخرت سے قطع نظر، دنیوی اسباب رزق کے سلسلہ کا بھی آخری سرا تو اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت اور حق تعالیٰ کا قرب۔ ۱؎ (اپنے اس دعوے میں کہ ہم آپ کے رسول ہونے کے گواہ ہیں) قَالُوْا...... اللّٰهِ۔ یعنی اپنے اصلی اور دلی اعتقاد کے خلاف آپ ﷺ کے سامنے آ کر آپ کی تصدیق رسالت کا نمائشی اظہار کرتے ہیں۔ لَكٰذِبُوْنَ۔ اس کذب کا تعلق ظاہر ہے کہ خبر سے نہیں، مخبر سے ہے۔ یعنی بات بجائے خود تو سچی ہے، مگر یہ کہنے والے اُسے سچ جان کر نہیں کہہ رہے ہیں۔ ۲؎ یہ منافقین خود تو ایمان سے محروم تھے ہی، دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہتے تھے۔ اور اس لیے اُن کا جرم دوہرا جرم تھا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ یعنی یہ لوگ اگر علانیہ اپنے کفر و عداوت اسلام کا اظہار کر دیں تو اُن کا شمار بھی کافروں میں ہونے لگے اور اُن کے مقابلہ میں جہاد واجب ہو جائے۔ اس لیے یہ اپنے جان اور مال کے بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں — کوئی شخص جب تک زبان سے اسلام کا اقرار کر رہا ہے، خواہ وہ حقیقۃً کیسا ہی دشمن اسلام ہو، اسلام اُسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دوسروں کو بھی راہ حق سے روک کر اپنے جرم کا درجہ دُگنا کر رہے ہیں۔ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ سآء۔ میں ہمیشہ ایک پہلو تعجب کا شامل رہتا ہے، گویا سامعین سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی، کیسے برے اُن کے کرتوت رہے ہیں! **و فی ساء معنی التعجب الذی هو تعظیم امرهم عندالسامعین** (مدارک) ۳؎ یعنی پہلے مومنین کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا، پھر اپنے رازداروں کی مجلس میں جا کر کلمات کفر کہے۔ **اے نطقوا بکلمة الشهادة ثم ظهر کفرهم بعد ذلک** (مدارک) **او نطقوا بالایمان عندالمؤمنین ثم نطقوا بالکفر عند شیاطینهم** (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی اُن کے کرتوتوں کا برا اور بہت برا ہونا۔ **اشارة الی قوله ساء ما کانوا یعملون** (مدارک) بِاَنَّهُمْ۔ میں ب سببیہ ہے۔ **اے بسبب انهم** (مدارک) ۴؎ (دین کے روشن ترین دلائل و حقائق کو بھی) فَطُبِعَ۔ دلوں پر یہ مہر اُسی ارادی منافقت کی عادت کی بنا پر لگی۔ اور پھر اس نتیجہ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے ذہنوں سے صلاحیت ہی حقائق دین کی فہم کی جاتی رہی۔

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ

ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ بات کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں

لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ

سنے لگیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی ف۵ ہر غل پکار کو یہ اپنے ہی اوپر

صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ

سمجھنے لگتے ہیں یہی لوگ (پورے) دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے اللہ ان کو

اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

غارت کرے، کہاں پھرے چلے جاتے ہیں ف۶ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ،

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ

رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں، اور آپ انہیں دیکھیں گے

يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

کہ بے رخی کر رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے ف۷ ان کے حق میں برابر ہے

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا آپ ان کے لئے استغفار نہ کریں، اللہ انہیں بہرحال نہ

لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ

بخشے گا بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیتا ف۸ یہی

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ

لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو

اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ

یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے ف۹ حالانکہ اللہ ہی کے تو ہیں آسمانوں اور زمین

ف۵ (کہ دیکھنے میں تو لمبی، چوڑی، موٹی، شاندار مگر بے جان محض روح سے خالی) و اذا ... اجسامهم۔ یہ خوشنمائی اُن کے ظاہری شان و شوکت اور مادی تن و توش کی بناء پر ہوگی ـــ آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش پوش اور کیسے کیسے خوش ظاہر نظر آتے ہیں۔ و ان ... یقولهم۔ جاذب توجہ اُن کی تقریر کی ظاہری شستگی اور آراستگی ہوگی ـــ آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش تقریر، خوش تحریر، خطیب و ادیب نظر آتے ہیں! ف۶ (دین حق سے) قٰتلهم اللہ۔ عربی زبان میں ایک بددعاء کا کلمہ ہے۔ ایک مومن آج جب قرآن مجید میں منافقین کی ایسی ایسی تکلیف دہ اور مسلم آزار کیفیتیں سنتا ہے، تو قدرۃً اس کے دل میں اُن کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوتا ہے، اور جوش میں بیساختہ اُن پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ قرآن مجید نے بکمال بلاغت عین موقع پر بندوں کے جذبات کی ترجمانی کر دی ـــ یہ نکتہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس میں یہ کہہ کر ارشاد فرمایا، کہ یہ اُن کے بڑے گھر میں جو کچھ ایسی پڑھی لکھی بھی نہیں، اُن سے بیان فرمایا۔ یحسبون کل صیحۃ علیهم۔ منافق کا ضمیر اسے کبھی چین نہیں لینے دیتا۔ افشائے راز اور کشف حقیقت کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے وہ ہر چرچے کو اپنے ہی متعلق سمجھتا ہے۔ هم العدو فاحذرهم۔ یعنی ایسے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے سخت دشمن ہیں، اُن کے مکر و کید و ضرر رسانی سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ هم العدو۔ یعنی بڑے سخت دشمن اے الکاملون فی العداوۃ (مدارک) ف۷ حاصل یہ کہ نفاق کے ساتھ ساتھ مرض رعونت و خود بینی میں بھی یہ لوگ مبتلا تھے۔ اور اسی لیے نہ کسی قسم کی معذرت کی ضرورت سمجھتے تھے نہ توبہ و استغفار کی۔ ف۸ (جو فسق عملی و اعتقادی میں غرق ہو چکے ہیں، اور قبول حق و ہدایت کا قصد ہی نہیں کرتے) قرآن مجید حق تعالٰی کے اس قانون تکوینی کی تکرار بار بار کر چکا ہے، تا کہ بندوں کو خوب اس کا استحضار رہے۔ سوآء ..... لهم۔ رسول تک کے استغفار کی شرط قبولیت وجود ایمان ہے۔ جو دل ایمان ہی سے خالی ہیں، اُن کے لیے رسول اللہ تک کا استغفار لاحاصل ہے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اے ماداموا علی النفاق (مدارک) استغفرت لهم۔ یعنی آپ ﷺ بھی بہرحال بشر ہی ہیں۔ سید البشر اور کامل الفراست ہونے کے باوجود ممکن ہے کہ اُن کے زبانی دعوے اور ظاہری بیان کا اعتبار کر لیں۔ الفسقین۔ فاسق کے عموم میں کافر، منافق، متکبر وہ سب جمع ہو گئے۔ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اے الذی سبق ذکرهم و هم الکافرون والمنافقون والمستکبرون (کبیر) ف۹ روایتوں میں آتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر انصار و مہاجرین کے درمیان بے لطفی اور رنجش ہو گئی تھی۔ منافقین کو موقع مل گیا۔ انصار کے ہمدرد و خیرخواہ بن کر اُن سے بولے کہ تمہیں نے تو رشتۂ مواخات قائم کر کر کے ان کے حوصلے بڑھا دیے، اُن کے دماغ خراب کر دیے، تم آج خرچ دینا بند کر دو تو ابھی تو یہ مجمع منتشر ہوا جاتا ہے۔ یقولون۔ منافقین یہ انصار مدینہ سے کہتے تھے۔ من عند رسول اللہ۔ اشارہ مہاجرین مکہ کی جانب ہے۔

وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ

کے خزانے البتہ منافقین (ہی) نہیں سمجھتے ف۱۰ کہتے ہیں کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا

اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو غلبہ والا وہاں سے مغلوبوں کو نکال باہر

الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کرے گا ف۱۱ حالانکہ عزت تو بس اللّٰہ ہی کی ہے، اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی،

وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

البتہ منافقین (ہی اس کا) علم نہیں رکھتے ف۱۲ اے

اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ

ایمان والو تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللّٰہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں،

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹

اور جو کوئی ایسا کرے گا، تو وہی لوگ تو گھاٹے میں رہنے والے ہیں ف۱۳

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کر لو قبل اس کے کہ تم میں سے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى

کسی کی موت آ کھڑی ہو، پھر وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اور تھوڑی مہلت

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰

کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کاروں میں شامل ہو جاتا ف۱۴

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ

اور اللّٰہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آ جاتی ہے اور اللّٰہ کو

ف۱۰ (بلکہ بکمال حماقت و نادانی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مہاجرین کے رزق کا مدار انصار مدینہ کے چندہ اور عطیہ پر ہے) ف۱۱ یعنی ہم کہ ہمارا شمار مدینہ کے اکابر اہل اقتدار میں ہے، ان غریب نو واردوں اور کئی پردیسیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔ رَجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ یہ گفتگو مدینہ سے باہر غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ہو رہی تھی۔ ف۱۲ (کہ غلبہ اور مغلوبی، عزت و ذلت کا حقیقی اور تکوینی معیار کیا ہے) وَ لِلّٰهِ ...... لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ حق تعالیٰ کا غالب اور صاحب عزت ہونا بالذات اور اصالۃً ہے۔ اور ہر صفت کے اعتبار سے بالکل کامل و مکمل ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بسبب ان کے تعلق اور ربط باللہ کے، اور بلحاظ اُن کے لائے ہوئے کلام کے اعجاز اور اُن کے دین کے دلائل و بینات کے ... اور مومنین کا بسبب ان کے تعلق باللہ اور تعلق بالرسول کے اور باعتبار اُن کی فتح و نصرت کے۔ الْعِزَّةُ۔ عزۃ کے معنی یہاں غلبہ و اقتدار کے ہیں۔ دنیا میں عزۃ یعنی علو و غلبہ کے بڑے اور اصلی مظہر بھی دو ہیں۔ ایک مال، دوسرے جاہ۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کو یہ حقیقت بتائی ہے کہ یہ دونوں مقصد، مرکز حقیقی ہی سے تعلق جوڑے رکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ اُس سے کٹ جانے سے — پہلی حقیقت کا اظہار آیت ماقبل میں ہو چکا ہے، اور دوسری حقیقت کا اس آیت میں ہو رہا ہے۔ ف۱۳ (کہ دنیوی لذت، عیش و راحت تو بہرحال ایک دن ختم ہو جانے والی ہیں۔ البتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جتنی کوتاہیاں رہ گئیں اس کا وبال باقی رہ جانے والا ہے) عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اس ذکر الٰہی کی بڑی فرد اطاعت احکام الٰہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد تو خود اسی لیے عطا ہوئے ہیں کہ اللہ سے متعلق جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں پورا کر کے اپنے مدارج روحانی کی تکمیل کرو۔ لیکن اگر کہیں انہیں چیزوں کو جو ذریعۂ عبادت اور سبب طاعت ہیں۔ تم نے اصل مقصود و مطلوب بنا لیا، تو تم عین گمراہی میں پڑ گئے۔ ف۱۴ یہ قول بطور تمنا و حسرت زبان پر اُس وقت آئے گا، جو عین انکشاف حقیقت کی گھڑی ہوگی۔ وَ اَنْفِقُوْا۔ یعنی اونے حقوق واجب میں، طاعت الٰہی میں خرچ کرو۔ فَاَصَّدَّقَ۔ ف یہاں حتی کے مرادف ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ کلمۂ لَوْ لَاۤ جو ابھی گزر چکا ہے اس کے جواب میں ہے۔

ع ۸ / ۱۴

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

تمہارے کاموں کی (پوری) خبر ہے ف۱۵

آیاتھا ۱۸ | ۶۴ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ | رکوعاتھا ۲

اس کی اٹھارہ آیتیں | سورۂ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اُسی کی

الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

حکومت ہے اور اُسی کی (ہر) تعریف ہے، اور وہی ہر شے پر قادر ہے ف۱

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ

وہ وہی ہے جس نے تم (سب) کو پیدا کیا، سو بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے مومن،

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ تمہارے (سارے) اعمال کو دیکھ رہا ہے ف۲ اسی نے آسمانوں اور زمین کو

وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ

ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا، سو تمہارا (کیسا) اچھا نقشہ بنایا

وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

اور اُسی کی طرف (سب کی) واپسی ہے ف۳ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں،

وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو تم علانیہ کرتے ہو اور اللہ تو دلوں تک کی بات

ع ۱۴

ف۱۵ (اس کے ہاں جزا و سزا میں کسی غلطی کا امکان نہیں) وَلَنْ...... اَجَلُهَا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ جب وہ وقت موعود آجائے گا، تو ساری حسرت و تمنا بیکار رہے گی۔ ف۱ (اور وہی ساری صفات کمال و جمال کا جامع ہے) يُسَبِّحُ...... الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق کی اُس کے مرتبۂ وجود کے مطابق و متناسب ہوگی، کہیں زبان حال سے کہیں زبان قال سے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت و ملکیت صرف اُسی ذات پاک کی ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ محمودیت کی مرکز صرف وہی ذات پاک ہے۔ ف۲ اس لیے حشر و جزائے اعمال کے وقت سب یکساں ہوں گے۔ خَلَقَكُمْ۔ خطاب عام نوع بشری سے ہے۔ مرتبۂ مخلوقیت میں سب یکساں ہیں۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ۔ اور جب وہ سب کا خالق ہے تو اُس کی خالقیت کا عین مقتضا یہ تھا، کہ تم سب کے سب اُس کے مطیع ہوتے۔ فَمِنْكُمْ...... مُّؤْمِنٌ۔ بشر کے درمیان حقیقی اور بنیادی تفریق صرف مومن و کافر کی ہے۔ ایک طرف چین کے مسلم، مصر کے مسلم، ہند کے مسلم، امریکہ کے مسلم، آسٹریلیا کے مسلم۔ رنگ کے، نسل کے، زبان کے، وطن کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلم۔ اور دوسری صف میں ساری دنیا کے کافر۔ بس حقیقی قومیں کل یہی دو ہیں — مومن و کافر یا مطیع و سرکش یا مسلم و منکر۔ ف۳ یہاں جتنی صفات الٰہی بیان ہوئی ہیں، بہت سی آیات قرآنی کی طرح، اُن میں سے ہر صفت کا اثبات کسی نہ کسی مشرکانہ گمراہی کی تردید، کسی نہ کسی جاہلی عقیدہ کے ابطال ہی میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ آسمان و زمین نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ بلکہ حق تعالیٰ کے خلق کیے ہوئے ہیں، جس طرح اور ساری مخلوق ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یہ سارا کارخانۂ کائنات، جس کی پوری پیائش کسی بندہ سے نہ آج تک ہو سکی ہے، نہ آئندہ کبھی ہو سکے گی، یوں ہی بلا مقصد محض تماشہ و تفریح کی خاطر وجود میں نہیں لے آیا گیا ہے، بلکہ مخصوص و متعین اعلیٰ مقاصد ہی کے ماتحت ایک حکیم مطلق کے ارادہ و تجویز کے مطابق وجود میں لایا گیا ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ و روح، ہیولیٰ اور صورت، سب کا خالق و موجد وہی ہے۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ انسان کی خلقت و ترکیب سب بہترین آئین حکمت کے مطابق ہے۔ محض اتفاقی اجتماع عناصر کا نتیجہ نہیں۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ ہر مخلوق کو اپنی زندگی کی میعاد پوری کر کے واپس بھی اُسی کے حضور میں ہونا ہے۔ کسی اور دیوی دیوتا، ابن اللہ وغیرہ سے سابقہ پڑنا نہیں ہے۔

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

خوب جاننے والا ہے ف۴ کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو (تم سے) قبل کفر

مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ

کر چکے ہیں سو انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا اور اُن کے لئے عذاب

اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ

دردناک ہے ف۵ یہ اس سبب سے کہ اُن کے پاس اُن کے پیمبر کھلے ہوئے نشان

بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا

لے کر آئے اس پر وہ بولے کہ کیا انسان ہم کو ہدایت کریں گے؟ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا،

وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِیۡنَ

اور اللہ نے (ان کی کچھ) پروا نہ کی، اور اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۶ جو لوگ کافر ہیں اُن کا

کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ

خیال ہے کہ وہ (دوبارہ) اُٹھائے نہ جائیں گے آپ (اُن سے) کہئے ضرور، اور قسم ہے میرے پروردگار کی،

ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ

تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کر چکے ہو اس کی تمہیں خبر دی جائے گی، اور یہ اللہ پر (بالکل)

یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ

آسان ہے ف۷ تو اب اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس نور پر بھی جو ہم نے

اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾ یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ

نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ف۸ وہ دن (یاد رکھو جب) وہ تمہیں اس جمع کرنے والے

لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡ

دن میں جمع کرے گا یہی (دن) ہے نقصان (وفع) کے ظاہر ہونے کا دن، اور جو کوئی اللہ پر ایمان

ف۴ حاصل یہ کہ اُس کی قدرت کی طرح اُس کی صفت علم بھی کامل و مکمل ہے، جزئیات و کلیات، غیب و شہادت سب پر یکساں حاوی۔ ف۵ (آخرت میں) یعنی وبال عاجل کے علاوہ، جس کا مشاہدہ ہر شخص اوراق تاریخ کی مدد سے کر سکتا ہے، ان سرکش و نافرمان قوموں کے لیے آخرت کا عذاب آجل بھی ہے۔ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ۔ اس میں وہ تمام قومیں آ گئیں، جو اسلام سے قبل دنیا میں نمودار ہوئیں، اور خدائی قانون کی مخالفت کر کر کے دنیا سے نابود ہو گئیں۔ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ۔ یعنی اسی دنیا میں اپنے کفر و طغیان کا مزہ چکھا، اور ہلاک و برباد ہو کر رہے۔ ف۶ (اُس کو نہ کسی کی طاعت سے نفع، نہ کسی کی معصیت سے ضرر) فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا۔ وہ لوگ حیرت و انکار کے لہجہ میں بولے کہ بھلا بشر بھی کہیں ہادی و رہنما ہو سکتا ہے؟ کوئی دیوی دیوتا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی — بشریت کو جاہل قوموں نے ہمیشہ رہبری و رہنمائی کے منافی سمجھا ہے، اور وہی ذہنیت آج تک چلی آ رہی ہے۔ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ۔ آیت اُن جاہل قوموں کے رد میں ہے جن کے عقیدہ میں دیوتا بھی اپنے پجاریوں کے ورد و اقرار و انکار، عبودیت و اعراض سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ذٰلِکَ۔ اشارہ وبال دنیوی و عذاب آخرت دونوں کی جانب ہے۔ اشارۃ الی ما ذکر من الوبال الذی ذاقوہ فی الدنیا و ما اعدلھم من العذاب فی الاٰخرۃ (مدارک) ف۷ بَلٰی وَ رَبِّیۡ۔ کے ٹکڑے سے مقصود عربی اسلوب بیان کے مطابق تاکید کلام اور وقوع حشر میں قطعیت کا پیدا کرنا ہے، وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ۔ حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا استحضار اگر ذہن میں رہے، تو وقوع حشر میں کوئی استبعاد ذرا سا بھی نہ رہے۔ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا۔ لفظ زَعَمَ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ منکروں کا یہ قول بلا دلیل محض اٹکل اور خیال سے ہے۔ ف۸ کوئی عمل نفاق، کوئی عمل کفر اُس کی نگاہ سے مخفی نہیں۔ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا۔ سے مراد قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

رکھتا ہو گا اور نیک کام کرتا ہو گا اللہ اُس کے گناہ اس سے دور کر دے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور اُسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی ہی کامیابی ہے ف۹

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تھے، یہ لوگ

النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ مَآ

دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ٹھکانہ ہے کوئی

اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ

مصیبت ایسی نہیں آتی جو بجز اللہ کے حکم کے ہو اور جو کوئی

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُسے راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب ہی

عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

جانتا ہے ف۱۰ تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ

تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف۱۱ اللہ وہی ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

جس کے سوا کوئی خدا نہیں، اور ایمان والے بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ف۱۲

ف۹ (جس کے سامنے دنیا کی بڑی سی بڑی ممکن کامیابی بھی ہیچ محض ہے) ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ یعنی وہ دن کافر و منکر کی حسرت و زیاں کا ہوگا، اور مومن کی راحت و مسرت کا۔ وَمَنْ ... سَيِّاٰتِهٖ۔ آیت اُن خارجی اور نیم خارجی گروہوں کے مزید رد میں ہے، جو معصیت کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ مومن سے اگر گناہ سرزد ہی نہ ہوں، تو یہ کفارہ کاہے کا ہوگا؟ اور قرآن مجید مومنین کے کفارۂ معاصی کا بار بار اثبات ہی کیوں کر رہا ہے؟ وَيَعْمَلْ ... سَيِّاٰتِهٖ۔ قرآن مجید کی یہ بار بار کی بشارت کہ نیکیاں گناہوں کے محو کرنے میں وہ کام دیں گی، جو پنسل کی تحریر کے حق میں ربڑ کرتی ہے۔ ہم عاصیانِ اُمت کے لیے کتنی بڑی بشارت ہے! ف۱۰ (بشری ضروریات و جذبات کا کونسا جزئیہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟) مَا ... اللّٰهِ۔ اس خیال کا استحضار مصیبت زدوں کے لیے کتنی بڑی تسلی و تسکین کا باعث اور جادۂ تسلیم و رضاء پر قائم رکھنے میں کتنا زیادہ معین ہو سکتا ہے! بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اذن سے مراد اس سیاق میں حکم تکوینی ہے، جو مرضی الٰہی کو مستلزم نہیں۔ ای بعلمه و تقديره و مشيته (مدارک) قال ابن عباس بعلمه و قضائه (کبیر) وَمَنْ ... قَلْبَهٗ۔ ایمان باللہ میں تاثیر ہی یہ ہے کہ وہ قلب کو تسلیم و رضاء کا راستہ دکھاتا رہے — جس کا درجۂ ایمان جتنا زیادہ مستحکم و بلند، اُسی قدر ہجوم مصائب کے وقت سکونِ قلب بھی اُس کو زیادہ نصیب۔ چیز تجربی ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ ف۱۱ (اور وہ فریضۂ تبلیغ سے ادا ہو چکے) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اطاعت حق تعالیٰ کی تو براہ راست اور اصالۃً مقصود ہے اور رسول ﷺ کی اُس کے نائب معصوم کی حیثیت سے۔ ف۱۲ (خواہ وہ مصیبت اُن پر محض تکوینی حیثیت سے، بیماری، قحط وغیرہ کے سلسلہ میں آ پڑے، خواہ راہ حق پر رہنے کے سلسلہ میں مخالفین و معاندین کی طرف سے اُن پر ستم توڑے جائیں)۔

ف۱۳ (کہ کہیں تم اُن کی محبت طبعی میں غلو کے باعث معاصی میں مبتلا نہ ہونے لگو) یعنی بعض اوقات بیوی بچوں کی محبت مفرط ہی غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے اور انسان اُن کی پُر معصیت فرمائشوں کی تعمیل میں لگ جاتا ہے۔ سو ایسے بیوی بچوں سے ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اوپر مصیبتوں کا ذکر تھا کہ وہ کہیں تمہیں راہِ تسلیم و رضا سے ڈگا نہ دیں۔ اب نعمتوں کا ذکر ہے کہ کہیں اُن میں پڑ کر احکام خداوندی کی طرف سے غافل نہ ہو جاؤ اور اس سلسلہ میں صراحت کے ساتھ ذکر صرف بیوی بچوں کا آیا ہے کہ حقیقۃً یہی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ اور انسان کو طبعی کشش بھی انہیں کی جانب سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ مومن و مسلم کا کام ہر حال اور ہر کیفیت میں، چاہے وہ مصیبت ہو یا راحت، آفت ہو یا نعمت، یہی ہے کہ اپنے رشتۂ عبدیت کو اپنے مالک و مولیٰ کے ساتھ یکساں جوڑے رہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد ہی میں سے تمہارے دشمن ہیں، سو اُن سے ہوشیار رہو ف۱۳ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے ف۱۴ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی (کی چیزیں) ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے ف۱۵ سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو، اور اپنے حق میں بھلائی کے لئے خرچ کرتے رہو ف۱۶ اور جو کوئی محفوظ رہ گیا حرص نفسانی سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ف۱۷ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدرداں ہے بڑا بردبار ہے ف۱۸ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱۹

عَدُوًّا۔ عدو کے معنی بدخواہ کے ہیں، خواہ وہ بدخواہی عمداً ہو یا نادانستہ۔

ف۱۴ (بس تمہارا معاف کرنا اور رحمت و مہربانی سے کام لینا تو عین اخلاقِ الٰہی کی پیروی کرنا ہے) وَ اِنْ تَعْفُوْا۔ یعنی جب تمہاری بیوی بچے توبہ، ندامت و معذرت سے کام لینے لگیں، اور تم انہیں معاف کرنے لگو۔ وَ تَصْفَحُوْا۔ یعنی نہ سزا دو اور نہ زیادہ مواخذہ و ملامت ہی کرو۔ وَ تَغْفِرُوْا۔ یعنی دل اور زبان سے بھی اُن کے قصور کو بھلا دو۔ آیت میں صاف تعلیم مل رہی ہے کہ بیوی بچوں کا رکھ رکھاؤ اگر صحیح اسلامی طریقہ پر نہ کیا گیا تو یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتیں ہیں، انسان کے دشمن اور بدخواہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ وَ اِنْ ... رَّحِيْمٌ۔ اس میں صاف ترغیب ان قصوروار بیوی بچوں کو معاف کر دینے اور ان سے درگزر کرنے کی مل رہی ہے۔ ف۱۵ (اور یہ اجرِ عظیم اُن لوگوں کا حصہ ہے جو ان طبعی نعمتوں کا استعمال صحیح طور پر کرتے ہیں) فِتْنَةٌ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ مال و اولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے۔ تو یہ تو عین عبادت ہے لیکن اگر غلط اور بیجا قسم کا کام لیا گیا، تو یہی تمہارے حق میں مصیبت بھی بن جائیں گے۔ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اگر افرادِ اُمت کے بجائے اُمت بحیثیت مجموعی بھی جائے، تو آجکل کے ماہرین فن و مصرین کا یہ بیان پیش نظر رہے کہ فتنہ جنگ کے سب سے بڑے اسباب یہی دو ہیں — افراطِ زر، و افراطِ آبادی!

ف۱۶ اور اپنے حق میں بھلائی یہی کہ تعمیلِ احکامِ الٰہی میں خرچ کرتے رہو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ تقویٰ الٰہی کے حکم کے ساتھ ہی مَا اسْتَطَعْتُمْ کی قید نے تعمیلِ حکم ہم ضعیف و ناتواں بندوں کے لیے بہت آسان کر دی، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حق تقویٰ الٰہی کا ہے، وہ کون ادا کر سکتا ہے۔ صوفیہ محققین نے مَا اسْتَطَعْتُمْ سے یہ استنباط کیا ہے کہ سلوک و اصلاحِ نفس میں تدریجی اقدام کافی ہے۔ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا۔ یعنی احکامِ الٰہی سنتے رہو، اور اُن کی اطاعت کرتے رہو۔ ف۱۷ (دنیا و آخرت دونوں میں) لفظ فلاح بہت ہی وسیع و جامع ہے۔ عاجل و آجل، مادی و روحانی، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی بھلائیاں اس کے اندر آ گئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر البقرۃ، رکوع اوّل میں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پر حاشیہ۔ وَمَنْ ... نَفْسِهٖ۔ یعنی وہ شخص خرچ کے موقعوں پر خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتا رہا۔ ف۱۸ لفظ قرض پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اخلاص قلب کے ساتھ قرض دے گا۔ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ۔ اللہ کو قرض دینا یہی ہے کہ دولت اس کے بتائے ہوئے موقعوں پر اس کے احکام کے مطابق خرچ کی جائے۔ اسے لفظ قرض سے تعبیر کرنا حکم کی اہمیت کے اظہار اور تاکید و ترغیب کے لیے ہے۔ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ وہ قدرداں ایسا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے بھی عمل صالح کو قبول کر لیتا ہے، اور بردبار ایسا کہ بڑی سے بڑی نافرمانیوں پر بھی گرفت فی الفور نہیں کرتا۔ ف۱۹ ان سب صفات الٰہی کا اثبات بھی، پچھلے موقعوں کی طرح، جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے رد میں ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ سب کچھ اس پر روشن — یہ نہیں کہ خفیف جزئیات اُس کی نگاہوں سے مخفی رہ جائیں۔ یا یہ کہ اس کے سامنے کوئی جھوٹا عذر چل سکے۔ الْعَزِيْزُ۔ وہی سب پر غالب و حاکم — یہ نہیں کہ "کرم" (قانون مکافات) وغیرہ کی کوئی دفعہ اس کے ارادہ و مشیت پر بھی غالب آ جائے۔ الْحَكِيْمُ۔ اُس کا ہر ہر فیصلہ حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے — یہ نہیں کہ کبھی اُس پر سہو و نسیان، غفلت طاری ہو جائے۔

آیاتھا ١٢ ٦٥ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ٩٩ رکوعاتھا ٢

اس کی بارہ آیتیں سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو ان کی عدت پر

لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا

طلاق دو ف۱ اور عدت کو خیال میں رکھو اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتے رہو ف۲ انہیں

تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ

ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ف۳ بجز اس صورت کے کہ

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ

وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں ف۴ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے ف۵

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو انہیں (یا تو) قاعدہ کے مطابق (نکاح میں) رہنے دو،

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ

یا انہیں قاعدہ کے مطابق رہائی دو ف۶ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ

ف۱ بلا شمار عدت سے قبل، حالت طہر میں۔ عدت کی میعاد تین حیض ہیں (جیسا کہ سورۃ البقرۃ کے حاشیوں میں صاف کیا جاچکا ہے) حیض سے قبل طلاق دینے میں مصلحت یہ ہے کہ پورے تین حیض شمار میں آجائیں گے اور حساب میں کچھ گڑ بڑ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر دوران حیض میں طلاق دی تو لامحالہ یا تو اس حیض کا کچھ حصہ چھوڑنا پڑے گا، اور یا اسے ملانا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں عدت کی اصل میعاد (تین حیض) سے کچھ نہ کچھ کمی یا زیادتی ضرور کرنی پڑے گی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ۔ خطاب براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ہونے کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ افراد امت تو تبعاً اس میں شامل ہو ہی جائیں گے۔ اور صالحین و شرفاء کو اس میں عار بھی نہ آئے گا کہ ضرورت تو جب حضور ﷺ کو بایں رافت و حلم پڑ سکتی ہے (بلکہ واقعۃً پڑی تھی) تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ اكتفاء بعلم المخاطبين بان ماخوطب به النبي ﷺ خطاب لهم اذ كانوا مامورين بالا قتداء به (جصاص) اور یہ ترکیب بھی صحیح مانی گئی ہے کہ قُلْ لِاُمَّتِكَ یہاں محذوف و مقدر ہے۔ تقديره يايها النبي قل لامتك (جصاص) اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ النسآء سے وہ بیویاں مراد ہیں جن کے ساتھ صحبت حقیقۃً یا حکماً ہوچکی ہو۔ لِعِدَّتِهِنَّ۔ حذف مضاف ہے۔ یعنی في قبل عدتهن اي طلقوهن مستقبلات لعدتهن (مدارک) ایک فقہی اختلاف خود لفظ قبل کی تشریح میں ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے معنی آمد و استقبال کے ہیں۔ شافعیہ نے مراد ابتداء لی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ل توقیت یا اظہار وقت کا ہے — یعنی وہ وقت جس سے عدت بلا تردد شمار کی جاسکے۔ ف۲ یعنی عبادات ہی کی طرح ان دنیوی معاملات اور قانونی احکام میں بھی یاد رکھو کہ یہ بھی سب خدائے قادر مطلق ہی کے دیے ہوئے ہیں۔ جس کے ارشادات کا ایک ایک جزئیہ اپنی جگہ پر پوری اہمیت رکھتا ہے۔۔ اور پھر وہ اللہ بھی کیسا تمہارا پروردگار! ہر ہر حکم اور ہر ہر ہدایت میں تمہاری ہی تربیت کا، تمہاری ہی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے والا! وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ یعنی طلاق دینے کے بعد زمانہ عدت کو دھیان میں رکھو، اس حساب میں گڑبڑ نہ ڈالو۔ فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ طلاق اگر حالت حیض میں دے دی ہے تو رجوع کرنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ وقت عدت نہیں، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حکم کے اندر تین طلاقیں دفعۃً دے بیٹھنے اور طلاق حالت حیض میں دینے، دونوں کی ناپسندیدگی ضمناً آگئی ہے۔ ف۳ یعنی ان گھروں سے جن میں وہ طلاق کے وقت رہ رہی تھیں۔ بُيُوْتِهِنَّ۔ سے مراد وہی شوہروں کے گھر ہیں، جن میں بیویاں رہتی ہوتی ہیں۔ انہیں بجائے شوہروں کے بیویوں کی جانب منسوب اس لیے کیا کہ ان میں رہتی تو وہی لوگ تھیں۔ و هي بيوت الازواج واضيفت اليهن لاختصا صها من حيث السكنى (مدارک) آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ کا یہ حق سکونت مکان محض حق العبد نہیں، جس کا معاف کردینا خود مطلقہ کے اختیار میں ہو۔ وَلَا يَخْرُجْنَ۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ زمانہ عدت بھر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہیے بلکہ اپنے اسی مکان میں عدت میں قیام واجب ہے۔ و فيه دليل على وجوب السكنى لها ما دامت في العدة (جصاص) زمانہ عدت بھر منکوحہ کی طرح مطلقہ کا بھی حق سکونت مکان قائم رہتا ہے۔ ف۴ (جب البتہ بطور سزا نکالی جائیں گی) فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ اس کے تحت میں بدکاری اور چوری دونوں آگئیں۔ بعض محققین نے زبان درازی کو بھی جس سے گھر میں ہر وقت کوفت و رنجش اور تکرار رہے اس میں داخل کیا ہے۔ ف۵ (تیرے دل میں) خطاب یہاں طلاق دینے والے اور طلاق میں عجلت کرنے والے سے ہے کہ کیا معلوم آگے چل کر تجھے اپنے عاجلانہ عمل طلاق پر ندامت ہی ہو۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی بعد ایقاع طلاق۔ آیت میں صاف ترغیب اس کی موجود ہے کہ تینوں طلاقیں دفعۃً واقع نہ کردی جائیں۔ اس لیے کہ طلاق مغلظ کے بعد پھر کوئی موقع تدارک کا باقی نہ رہے گا (بجز صورت حلالہ کے) دوسرے ائمہ کے ہاں تو دفعۃً تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے حکم میں رہیں گی۔ حنفیہ کے ہاں قانوناً واقع ہوجائیں گی۔ لیکن فقہاء حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ اور یہ اپنے حق میں ظالم شخص اس ظلم نفس کے نتیجے بھی بھگتے گا۔ تِلْكَ ... نَفْسَهٗ۔ قرآن مجید نے اپنے عام معمول کے مطابق یہاں بھی بندوں کو ڈرایا ہے کہ بندوں کے آپس کے معاملات کو امر خفیف نہ سمجھیں۔ اللہ کے ان احکام سے بھی بے پروائی پوری طرح قابل مواخذہ ہے۔ محققین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جس امر کی مختلف شقوں میں مختلف مصالح ہوں، ان کے انقطاعی فیصلہ میں جلدی نہ کی جائے۔ ف۶ مطلب یہ ہوا کہ انہیں طلاق ہی دینا ہو، تو ہر نشیب و فراز خوب سوچ سمجھ کر تین مہینہ کی لمبی مہلت لے کر دو۔ اور انہیں شریفانہ طور پر عزت کے ساتھ رخصت کردو۔ ورنہ پھر طلاق رجعی سے رجوع کر کے انہیں عزت و شرافت کے ساتھ اپنی بیوی بنے رہنے دو۔ یہ نہ ہو کہ محض ستانے کے لیے انہیں قید نکاح میں معلق رکھو — غرض یہ کہ علیحدگی ہو تو، اور یکجائی بدستور رہے تو، دونوں صورتوں میں عزت و شرافت کا سر رشتہ کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ هُنَّ۔ یہ ضمیر جمع مؤنث جہاں جہاں آئی ہے، اس سے مراد وہی بیویاں ہیں، جنہیں طلاق صرف رجعی ہوئی ہے۔ اور رجوع کی گنجائش ابھی باقی ہے۔

و۷ (اور اسی میں ایمان بالرسول بھی آ گیا) وَاَشْهِدُوْا۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں محض استحباب کے لیے ہے۔ هذا الاشهاد مندوب اليه (مدارک) و هذا امر ندب (روح) دو عادل گواہوں کا یہ حکم استحبابی رجوع و افتراق دونوں صورتوں کے لیے ہے۔ امر بالاشهاد على الرجعة و الفرقة ايتهما اختار الزوج (جصاص) يعني الرجعة و الفرقة جميعًا (مدارک) اور دونوں صورتوں میں گواہیاں کرا لینا تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے بچنے کے لیے مفید ہی ہوتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ یعنی شہادت بالکل سچی، محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو۔ کسی کی زور رعایت، کسی کی دوستی و دشمنی کو اس میں دخل نہ ہو۔ ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ گواہوں کو عادل یعنی سچا نہ صرف اس معاملہ بلکہ ہر معاملہ میں ہونا چاہیے۔

مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

ٹھہرا لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، اس (مضمون) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے و۸ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے

يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ

اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسے گمان بھی

لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

نہیں ہوتا و۹ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا سو اللہ اس کے لئے کافی ہے

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ

اللہ اپنا کام (بہر حال) پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر

قَدْرًا ﴿۳﴾ وَ الّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

کر رکھا ہے و۹ اور تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ

اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں و۱۰ اور (اسی طرح) ان کی بھی

يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ

جنہیں ابھی حیض نہیں آیا و۱۱ اور حمل والیوں کی میعاد ان کے حمل کا

حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

پیدا ہو جانا ہے و۱۲ اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی

يُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ

پیدا کر دے گا و۱۳ یہ حکم ہے اللہ کا جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ۔ اشارہ ان تمام احکامِ طلاق و متعلقاتِ طلاق کی طرف آ گیا جو ابھی مذکور ہو چکے ہیں۔ والاولى كما في الكشف ان يكون اشارة الى جميع ما مر من ايقاع الطلاق (روح) ذٰلِكُمْ ... الْاٰخِرِ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ان احکام سے نفع تو صرف وہی اٹھائیں گے، جن کے دلوں میں حق تعالیٰ کا اور یومِ حساب کا استحضار رہتا ہے۔ و۸ آیت میں صاف اس کی تعلیم ہے کہ دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ یعنی اُسے ہر قسم کی مشکلات سے نجات دلا دیتا ہے۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ قرآن مجید کی جن چند آیتوں کی صداقت و حقانیت پر اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر بے اختیار وجد کرنے کو جی چاہتا ہے، اُن میں ایک یہ آیت بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے ایسے راستوں اور ذریعوں سے کھلاتا، پلاتا، آمدنیاں دلاتا ہے کہ اُدھر ان کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا تھا ــــ اپنے اور دوسروں کے لیے روزمرہ اس کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ کی قید کے بغیر بھی! تقویٰ کے بغیر بھی عجیب عجیب اور حیرت انگیز طریقوں سے روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ و۹ (اور وہ اندازہ معین ہمیشہ حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے) یعنی خدائی کارخانہ میں کوئی چیز یوں ہی اٹکل پچو تھوڑے ہی ہو جاتی ہے۔ اس نظامِ عالم کا ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ ایک حکیمانہ قانون کا پابند اور اسی سے وابستہ و منسلک ہے۔ وَمَنْ ... حَسْبُهٗ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ حق تعالیٰ ہی کی ذات تو تمام اسبابِ ظاہری کا آخری سرچشمہ اور ان پر حاکم و متصرف ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا کہ جن چیزوں کو تم اسباب عادی سمجھ رہے ہو، ان کا اسباب عادی ہونا تو تمہارے ہی نقطۂ نظر سے ہے۔ حق تعالیٰ تو بہرحال ان قوانین کا، یا کوئی بھی قوانین ہوں، اُن کا ہرگز محکوم و پابند نہیں۔ و۱۰ قرآن مجید علاوہ اپنی دوسری حیثیتوں کے ایک فقہی و قانونی کتاب کے لحاظ سے بھی ہر طرح جامع و مکمل ہے۔ بشری ضروریات کا کوئی بھی گوشہ، جو ذرا سی بھی اہمیت رکھتا ہے، اس سے چھوٹنے نہیں پایا ہے ــــ اور حیرت و عبرت دونوں کی بات ہے کہ اپنی اپنی ناقص کتابیں رکھنے والے دوسرے اہلِ مذاہب اس کمال اور ہنر کو الٹا نقص اور عیب شمار کر رہے ہیں! وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ۔ یہ مایوسی سن کی زیادتی کے باعث بھی ہو سکتی ہے اور مرض سے بھی۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ۔ یعنی ان کی تعیینِ عدت کے باب میں اگر تمہیں شبہ ہے۔ و۱۱ (بسبب کم سنی کے) یہاں یہ بتا دیا کہ ان دونوں قسم کی بیویوں کی عدتِ طلاق کی مدت پورے تین مہینہ ہے۔ ایک فقہی استنباط آیت سے یہ بھی ہوا کہ لڑکیوں کا نکاح قبل بلوغ یا کم سنی میں بھی بالکل جائز ہے۔ جب طلاق قبل بلوغ ہو سکتی ہے تو ظاہر ہے کہ نکاح تو طلاق سے قبل ہی ہوگا۔ و۱۲ (خواہ یہ وضعِ حمل اپنی طبعی مدت سے قبل ہی ہو جائے) قرآن مجید کی اس تصریح کے بعد قدرۃً فقہاء بھی سب اس پر متفق ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت بس وضع حمل تک ہے۔ لم يختلف السلف و الخلف بعدهم ان عدة المطلقة الحامل ان تضع حملها (جصاص) و۱۳ (اگر ظاہراً نہیں بھی، جب بھی معناً و باطناً تو ضرور ہی) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ تقویٰ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔

ف۱۴ گویا اس طرح وہ تقویٰ واثبات دونوں طرح مزے میں رہے گا — ایک طرف سلب مضرت " یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ " دوسری طرف جلب منفعت یُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا۔ ذٰلِکَ۔ یعنی جو اوپر مذکور ہو چکا۔ اشارۃ الی ما ذکر من الاحکام (روح) ف۱۵ مثلاً کوئی ایسی بات کرنا کہ وہ پریشان ہو کر گھر چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں — عزم افتراق، بلکہ خود افتراق کے بھی مابعد شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر سابق بیوی کا اعزاز واکرام برقرار رکھا جائے۔ اَسْکِنُوْهُنَّ۔ یعنی اُن مطلقہ بیویوں کو زمانۂ عدت بھر رہنے کا مکان دو، عام اس سے کہ طلاق رجعی یا بائن ہو چکی ہو۔ وجب ذلک للجمیع من البائن و الرجعی (جصاص) مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ۔ مطلقہ کی سکونت کا مکان (عدت بھر کے لیے) شوہر کی حیثیت ومرتبہ کے لائق ہونا چاہیے۔ ف۱۶ (خواہ وہ وضع حمل تین مہینہ کے اندر ہی

اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۝۵

اختیار کرے گا، اللہ اُس کے گناہ اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر دے گا ف۱۴

اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَ لَا

اُن (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں

تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ کُنَّ اُولَاتِ

تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف مت پہنچاؤ ف۱۵ اور اگر وہ حمل والیاں

حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ

ہوں تو انہیں خرچ دیتے رہو اُن کے حمل کے پیدا ہونے تک ف۱۶ پھر وہ لوگ

اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ

تمہارے لئے رضاعت کریں تو تم انہیں اُن کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ؕ۝۶

طے کر لیا کرو ف۱۷ اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو رضاعت کوئی دوسری کرے گی ف۱۸

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ

وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو

رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

اُسے چاہئے کہ اُسے اللہ نے جتنا دیا ہے اُس میں سے خرچ کرے اللہ کسی پر اس سے زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتا

مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا۝۷ ع وَ کَاَیِّنْ

جتنا اسے دیا ہے، اللہ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے دے گا ف۱۹ اور کتنی ہی

مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے پیغمبروں کے حکم سے سرتابی کی، تو ہم نے اُن کا

ہو جائے، یا اس سے بہت زیادہ مدت لے) عام مطلقہ بیویوں کے لیے عدت کی میعاد معین تین مہینہ کی ہے لیکن بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کی میعاد عدت وہی وضع حمل ہے۔ اولاد اگر دوسرے ہی دن پیدا ہو جائے تو عدت اسی وقت ختم ہو جائے گی۔ اور انتظار زچگی میں اگر چھ مہینہ لگ جائیں، جب بھی عدت ختم نہ ہوگی، قائم رہے گی۔ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ۔ مطلقہ بیویوں کی سکونت کے لیے مکان ہی دینا نہیں، بلکہ عدت بھر ان کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمہ واجب ہیں۔ یہ ہیں اُس شریعت کے احکام جسے ظالموں نے " سخت " مشہور کر رکھا ہے۔ دنیا میں کوئی شریعت، میں بقسم کہتا ہوں کہ ہر مخلوق کے حق میں عدل کرنے والی، اور کمزوروں کے حق میں رحیم وشفیق اسلامی شریعت سے بڑھ کر نہیں مل سکتی۔ صحابیوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور فقہاء میں سے تمام حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکان سکونت اور نفقہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے زمانۂ عدت بھر کے لیے ہے۔ **فقال اصحابنا و الثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنی والنفقة ما دامت فی العدة حاملاً کانت او غیر حامل وروی مثلهٗ عن عمرؓ و ابن مسعودؓ** (جصاص) ف۱۷ یعنی رضاعت کی اُجرت آپس میں مناسب شرح کے مطابق طے کر لیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ عورت تو اپنی شرح بڑھاتی ہی چلی جائے، اور مرد اتنے کے لیے بھی تیار نہ ہو جس سے عورت اپنا گزر بھی کر پائے۔ **یعنی لا تشتط المرأة علی الزوج فی ما تطلبه من الاجرة ولا یقصر الزوج لها عن المقدار المستحق** (جصاص) وَاْتَمِرُوْا۔ ائتمار باب افتعال سے ہے تفاعل کے معنی میں۔ گویا ایک لفظ سے فریقین کے باہمی مشورہ کی جانب اشارہ کر دیا۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ۔ یعنی جو اولاد تم سے ہو، اُس کی رضاعت کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ یعنی جو معاوضہ طے ہو جائے، اُسے حسب قرار داد دیتے رہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قرار داد نہیں ہوئی ہے، تو اُجرت واجب نہ ہوگی۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب طلاق واقع ہو گئی، تو اب ماں کے لیے اپنی اولاد کی رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے۔ اور باپ (یا جو کوئی ولی ہو، اُس) پر اس اُجرت کا ادا کرنا واجب۔ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اہل طریق کے کام کی یہ بات نکالی ہے کہ انسان کو چاہیے نہ خود تنگی میں پڑے، نہ دوسرے کو تنگی میں ڈالے۔ جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ ف۱۸ یہ تو ایک طبعی چیز ہوئی۔ لیکن فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خبر بمعنی امر ہے۔ یعنی یہ محض خبر نہیں دی جا رہی ہے، بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ دوسری انا تلاش کر لی جائے۔

ع ۱۶

ف۱۹ اولاد پر خرچ کرنا بہت مرتبہ انسان کو اپنے حب مال کی بناء پر گراں گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی اور " مہذب قوموں " نے اولاد پر خرچ کرنے کے مقابلہ میں اولاد کو قتل کر ڈالنا تک گوارا کر لیا ہے، وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ۔ قرآن مجید اس شجر خبیث کی جڑ بار بار کاٹتا ہے۔ لِیُنْفِقْ۔۔۔ اللّٰهُ۔ یعنی جو امیر ہیں وہ اپنی امارت کے لائق، اور جو غریب ہیں وہ اپنی بساط کے موافق، اولاد کی رضاعت و پرورش پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

حِسَابًا شَدِيدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ

سخت حساب کیا اور انہیں سزا بھی بڑی بھاری دی غرض انہوں نے اپنے

وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

کرتوت کا وبال چکھا ف۲۰ اور اپنے انجام کار میں گھاٹا بھی اُٹھایا اللہ نے اُن کے لئے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ

ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے ف۲۱ سو اللہ سے تقویٰ اختیار کئے رہو، اے سمجھ والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا

جو ایمان لا چکے ہو ف۲۲ اللہ نے تمہارے پاس نصیحت نامہ اُتارا، (اور ایک) رسول (بھیجا)

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ

جو تم کو اللہ کے کھلے ہوئے احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے ف۲۳

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا علیہ اُسے ایسے باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ

داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، بے شک

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

اللہ نے ایسے شخص کو بہت ہی اچھی روزی دی ہے ف۲۴ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ

پیدا کئے اور انہیں کی طرح زمین بھی ان (سب) میں (اللہ کے) احکام

ف۲۰ (اسی دنیا میں) دنیا میں کسی قوم پر عذاب آنے کے یہ معنی ہیں کہ خود وہ قوم یا اس کی تہذیب وتمدن مٹ جائیں۔ ف۲۱ یعنی آخرت میں — اور یہ اُخروی عذاب اس دنیوی عذاب کے علاوہ ہے۔ ف۲۲ (کہ ایمان اور فہم دونوں کا تقاضہ یہی ہے) آج کی "روشن خیال" دنیا میں عقل وفہم کے معنی بھی مسخ ہو کر اور اُلٹ کر رہ گئے ہیں۔ اب کمال "عقل" کے معنی تمام تر آخرت فراموشی کے سمجھ لیے گئے ہیں۔ ف۲۳ جس طاعت وتقویٰ کی طرف ابھی دعوت دی گئی تھی، وہ یہی ہے کہ انسان کفر، جہل وعصیان کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکل کر ایمان، علم و عمل صالح کی نورانیت میں آ جائے۔ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ جائز ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی سے لی جائے کہ آپ گویا مجسم ذکر وتذکیر تھے۔ اور رَسُوْلًا کو اس کا بدل قرار دیا جائے۔ هو النبی ﷺ عبر به عنه لمواظبته على تلاوة القرآن الذى هو ذكر او تبليغه والتذكير به و رسولا بدل منه (روح) رسولًا بدل من ذكرًا كانه فى نفسه ذكر (مدارک) لیکن عام طور پر ذِكْرًا سے مراد قرآن ہی لی گئی ہے۔ والظاهر ان الذكر هو القرآن والرسول هو محمد ﷺ (بحر) اى القرآن (مدارک) رَسُوْلًا۔ کو جو بعض اہل نحو نے ذِكْرًا کی صفت بھی مانا ہے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترکیب کے لحاظ سے فرمایا کہ اس سے دلالت دونوں کے اتحاد پر نکلی، اور جب یہ ہے تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ شیخ طریق جو واسطۂ ذکر ہوتا ہے اس سے مصاحبت ومکالمت منافی ذکر نہیں بلکہ گویا عین ذکر ہی ہے۔ ف۲۴ یہاں ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ کسی کا حسن عمل اور دوام طاعت بے نتیجہ وبے ثمر ہرگز نہیں رہے گا۔

ع

ف۲۵ یعنی حق تعالیٰ کی صفات قدرت وعلم ہر طرح کامل، جامع و ہمہ گیر ہیں۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔ اس سے عام طور پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زمینیں بھی تعداد میں سات ہی ہیں۔ اور یہ احتمالات بھی مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین سے منقول ہیں، کہ ممکن ہے، یہ زمینیں ایسی ہوں جو نظر نہ آتی ہوں یا یہ کہ انہیں کو لوگ مریخ وغیرہ کواکب کے نام سے موسوم کرتے ہوں۔ اور صاحب روح المعانی نے جس کی تاریخ اختتام ۱۲۶۷ھ یا انیسویں صدی عیسوی کا وسط ہے، ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زمین کے سات بڑے خطے امریکہ، ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ ہیں۔ اور محقق موصوف نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ قمر وغیرہ کی مزید تحقیق کے بعد وہاں بھی زمین ثابت ہو۔ اور اس طرح زمینوں کے تعدد پر حس ومشاہدہ کی بھی گواہی ہو جائے۔ اس عاجز کے ذہن میں تو مثلیت کا اصل تعلق عدد سبع سے نہیں بلکہ نفس خلق سے ہے۔ یعنی یہ زمین یا زمینیں بھی آسمان ہی کی طرح مخلوق ہیں — اور یہ کہ ہر آسمان اور ہر زمین پر مخلوق بھی اسی کے ماحول کے مناسب آباد ہے۔ اور دلی مسرت ہوئی، جب ان سطور کی تحریر کے بعد مثلیت کے متعلق یہی قول بعض تفسیروں میں بھی نظر پڑ گیا۔ و قیل المثلیۃ فی الخلق لا فی العدد ولا فی غیرہ (روح) حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے ممکن ہے وہ باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمین سے فوق ہو جاتی ہوں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس عاجز کے خیال میں تو یہ بھی آسانی سے ممکن ہے کہ مراد اسی زمین کی سات پرتوں یا سات تہوں سے ہو کہ اس سطح زمین کے نیچے ۶ پرت یا ۶ تہیں اور ہیں۔ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ۔ نزول احکام سے مراد احکام تشریعی کا نزول بھی ہو سکتا ہے اور احکام تکوینی کا بھی اور دونوں کے مجموعہ کا بھی۔ اسی نزول امر کا آسمانوں پر ملائکہ کے لیے ہوتے رہنا تو ظاہر ہی ہے اور تصرفات تکوینی کا اسی طرح ہر ممکن زمین پر ہوتے رہنا بھی اسی طرح ظاہر ہے۔ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ۔ یعنی یہ علم تمہیں اس لیے دے دیا گیا، تاکہ تم کو حق تعالیٰ کی قدرت کامل اور علم محیط پوری طرح معلوم ہو جائے۔

ربع

ف۱ شان نزول کی دو مختلف روایتیں ہیں۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی صاحبہ کی دلجوئی کے لیے عہد کر لیا تھا کہ فلاں نعمت سے آئندہ تمتع نہ کریں گے۔ یہ عمل اگرچہ بجائے خود بالکل جائز تھا۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جس حلال چیز سے چاہے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو جائے اور دستبرداری کا اعلان بھی کر دے۔ لیکن یہ پیمبر کی شایان شان نہ تھا، اور وہ بھی ایک داعی ضعیف کی بنا پر۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہمرنگ عتاب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام نہیں فرما رہے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد صرف وجوب امتناع میں وہ چیز مثل حرام کے ٹھیر رہی تھی، اس لیے تنبیہاً اسے تحریم سے تعبیر کیا گیا۔ ف۲ (جو معصیت تک کو معاف کر دیتا ہے اور یہاں یہ عمل تو معصیت کے درجہ کا ہے بھی نہیں، صرف خلاف عزیمت اور خلاف شان پیمبری ہے) ف۳ (تو آپ اگر قسم بھی کھا چکے ہیں، تو کفارۂ حلف دے کر اس سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں) روایتوں میں حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ لَكُمْ۔ يٰۤاَيُّهَا۔ ابھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انفراداً تھا۔ مخاطب اُمت سے بصیغۂ جمع مخاطب ہونے لگا۔ ف۴ (جس نے اپنے علم وحکمت سے کام لے کر تمہاری ضرورتوں اور مصلحتوں کا خیال کر کے دشواریوں کو تمہارے لیے آسان کر دیا ہے) ف۵ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوج مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ ارشاد فرمائی تھی، اور منشائے مبارک یہ تھا کہ پھیلنے نہ پائے۔ لیکن اُن بیوی صاحب نے وہ بات ایک دوسری بیوی صاحب تک پہنچا دی۔ اور ادھر بذریعۂ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کل واقعہ کی اطلاع کر دی گئی۔ تو پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پہلی بیوی صاحب سے اس شکایت کے وقت بھی پوری بات نہ دہرائی کہ انہیں شرمندگی اور زیادہ ہوتی، بلکہ صرف اتنا ہی جزو فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات کو دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچا دیا — کیا ٹھکانا ہے رسول کے حلم اور کرم وشفقت کا، کہ عین ناگواری کے وقت بھی دوسروں کے جذبات کا اس درجہ خیال! نَبَّاَتْ بِهٖ۔ یعنی ان بیوی صاحب نے اس بات کو ایک دوسری بیوی صاحب تک پہنچا دیا۔ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ یعنی حق تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اس ساری کارروائی کو اپنے رسول پر کھول دیا۔

بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

نازل ہوتے رہتے ہیں، تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے،

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

اور یہ کہ اللہ ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے ہے ف۲۵

ایاتها ۱۲ | ۶۶ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ | رکوعاتها ۲

اس کی بارہ آیتیں | سورۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اُسے آپ کیوں حرام کر رہے ہیں،

مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾

اپنی بیویوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ف۱ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم ہے ف۲

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ

اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے ف۳ اور اللہ تمہارا کارساز ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ

وہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۴ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب پیمبر نے ایک بات اپنی کسی

اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

بیوی سے چپکے سے فرمائی پھر جب اُن بیوی نے وہ بات (کسی اور کو) بتا دی اور اللہ نے پیمبر کو

عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

اس کی خبر کر دی تو پیمبر نے اُس کا کچھ حصہ جتلا دیا، اور کچھ کو ٹال گئے ف۵ پھر جب

وک (یعنی حق تعالیٰ نے) قرآن مجید ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی بات بات میں تعلیم و تربیت و اصلاح کے پہلو موجود ہوتے ہیں — آپ ﷺ بیوی صاحبہ کے پوچھنے پر جھٹ سے یہ نہیں فرما دیتے کہ "خبر دینا کون" کیا خود مجھے کشف سے، الہام سے، وحی سے، فرشتوں کے ذریعہ سے نہیں معلوم ہو سکتا"۔ بلکہ اپنے کسی کمال کی طرف اشارہ کیے بغیر اس علم کو منسوب تمامتر حق تعالیٰ کی جانب کر دیتے ہیں! مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس علم کو تمامتر حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دینے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بیوی صاحبان توبہ و رجوع کی طرف متوجہ اور زیادہ ہوں۔ وک (کہ آپ ﷺ کا دل دوسری بیوی صاحبوں کی طرف سے ہٹا کر بالکل اپنا بنا لیں) یہ امر باعتبار اس کے کہ اس کا اصل مقتضٰی حب رسول و حب شوہر ہے، قبیح نہیں۔ لیکن چونکہ اس کا ایک دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی ہے، اس لیے اس سے توبہ کرانا ضروری قرار پایا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۸ (تو ایسے شخص کو کسی کی سازشوں سے گزند کیا پہنچ سکتا ہے، نقصان جو کچھ ہوگا خود سازش کرنے والوں کا ہوگا) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ۔ یہ حق تعالیٰ کی رفاقت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ تو حقیقی و اصلی ہے۔ وَجِبْرِيْلُ۔ یہ جبریل علیہ السلام کی رفاقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس معنی میں ہے کہ وحی تو واسطہ وحی و فیض، حق تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مومنین صالحین کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ وہ سب رسول ہی کے تو مطیع و مخلص و تابع ہیں۔ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ عام فرشتوں کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ تصرفات تکوینی سب انہیں کے واسطہ سے تو ہوتے ہیں۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ "اس کے علاوہ"۔ یعنی حضرت حق اور جبریل اور مومنین صالحین تو ان رسول کے رفیق و شریک ہی ہیں، ان کے علاوہ عام فرشتے بھی اُن کی رفاقت و نصرت پر رہتے ہیں۔ ف۹ (غرض سیرت کے اعتبار سے ہر طرح کامل و مکمل) تو ایسے مرد کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ چار و ناچار موجودہ ہی بیویوں کو غنیمت سمجھتا رہے۔ خَيْرًا مِّنْكُنَّ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت بھی ان بیویوں سے کوئی بہتر بیوی موجود تھی۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ اگر تبدیلی واقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان نئی بیویوں کو ان موجودہ بیویوں سے بہتر بنانے پر قادر تھا۔ سٰۤىِٕحٰتٍ۔ محققین نے یہاں بھی اس کے معنی السائحون ہی کی طرح روزہ داروں کے لیے ہیں۔ ای صائمات (راغب) ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۔ شوہر کو مرغوب و پسندیدہ ہر حال اور ہر صورت میں کنواریاں اور کم سن ہی نہیں ہوتیں، بلکہ بعض صورتوں میں اور بعض اعتبارات سے بیوہ یا مطلقہ ہی محل رغبت و پسند ہو سکتی ہیں اس لیے موقع رغبت پر اُن کا ذکر بھی فطرت بشری کے خالق و راز دار نے نظر انداز نہیں کیا۔ ف۱۰ احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا، اور گھر والوں میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا، یہی دوزخ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اَهْلِيْكُمْ۔ اھل۔ کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین، متوسلین آگئے۔ بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد، مرید وغیرہ — ان سب تک بقدر وسعت و امکان احکام الٰہی پہنچانا واجب ہے۔ یدل علی ان علینا تعلیم اولادنا و اھلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الاداب و یدل علی ان الاقرب فالاقرب منا مزیدۃ فی لزومنا تعلیمھم و امرھم بطاعۃ اللہ (جصاص) اہل فہم یہاں خوب سمجھ لیں، کہ احکام کے اتباع و اطاعت سے جب پیغمبر معصوم تک کے گھر والوں کو مفر نہیں، تو پھر کسی بزرگ کسی شیخ کی اولاد یا اعزہ کا اپنے کو اس پابندی سے مستثنیٰ سمجھے رہنا کتنا بڑا حمق و نادانی ہے۔ الْحِجَارَةُ۔ اس پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ ۱) رکوع ۳ میں گزر چکا ہے۔

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ

پیغمبر نے اُن بیوی کو وہ بات بتلا دی تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ آپ نے کہا مجھے خبر دی

الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ

بڑے علم رکھنے والے اور بڑے خبر رکھنے والے نے وک اے دونوں (بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل (اس طرف)

قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

مائل ہو رہے ہیں وک اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم کارروائیاں کرتی رہیں، تو پیغمبر کا رفیق تو اللہ ہے

وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ

اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور اُن کے علاوہ فرشتے

ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ

مددگار ہیں ف۸ (اور) اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا پروردگار تمہارے عوض انہیں

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ

تم سے بہتر بیویاں دے دے گا، اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں

تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۤىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی ف۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے

وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰۗىِٕكَةٌ غِلَاظٌ

جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ف۱۰ اس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر)

شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا

ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے

يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا

(فوراً) بجا لاتے ہیں ؎۱۱ اے کافرو آج کچھ عذر معذرت

الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

مت کرو تمہیں سزا بس اسی کی مل رہی ہے جو تم کرتے رہے ہو ؎۱۲ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى

ایمان والو، اللہ کے آگے سچی توبہ کرو عجب کیا

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ

کہ تمہارا پروردگار (اس سے) تمہارے گناہ تم سے دور کردے اور تمہیں باغوں میں داخل کردے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں (اس دن) جس دن اللہ نہ نبی کو رسوا

النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ

کرے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ؎۱۳ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا

اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

ان کے سامنے اور ان کے داہنے (اور) وہ کہتے جاتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے اس نور کو اخیر تک

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا

رکھیو، اور ہماری مغفرت کریو، بے شک تو تو ہر چیز پر قادر ہے ؎۱۴ اے

النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

نبی آپ جہاد کیجیے کافروں سے اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجیے

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ

ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ؎۱۵ اللہ ان لوگوں کے لئے

؎۱۱ عمل یا زبان سے نافرمانی تو کیا کرتے، دل تک میں اس کا خیال نہیں لاتے ہیں۔ لَا يَعْصُوْنَ...... يُؤْمَرُوْنَ۔ آیت کے اس جزو سے دہری دہری گمراہیوں کی تردید ہو رہی ہے — ایک طرف تو ان جاہلی مشرک قوموں کی جنہوں نے ملائکہ کو (دیوتاؤں کا لقب دے کر) معبود سمجھا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ فرشتے بھی تمام دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کے مخلوق ہی ہیں، اور مخلوق بھی کیسے، نہایت درجہ مطیع اور دوسری طرف یہود اور نصاریٰ کے اس باطل عقیدہ کی کہ بعض فرشتے نافرمان و سرکش بھی ہوئے ہیں جن کا سرغنہ و سرخیل ابلیس ہوا ہے۔ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ ایسے سخت و درشت کہ نافرمانوں اور مجرموں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں، اور ایسے زبردست و بہ قوت کہ کوئی ان سے مزاحمت پر قادر نہیں۔ ؎۱۲ (دارالعمل یعنی دنیا میں) لَا تَعْتَذِرُوا۔ اب عذر و معذرت نہ کرو، دارالجزاء میں یہ سب بیکار ہے — یہ اس وقت کہا جائے گا، جب منکرین دوزخ میں ڈالے جا رہے ہوں گے۔ ؎۱۳ محققین نے لکھا ہے کہ مقصود صرف مومنین کو اطمینان دلانا اور مژدۂ امن سنانا ہے، و پیغمبر ﷺ کا ذکر اس سیاق میں تو محض تقویت اثبات کے لیے ہے۔ یعنی جس طرح پیغمبر ﷺ کا محفوظ رہنا یقینی ہے، مومنین امت بھی اپنی محفوظیت یقینی سمجھیں۔ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ سچی اور مخلصانہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ ماضی پر دل سے اور کامل ندامت ہو، اور مستقبل میں بقدر امکان پورا عزم ترک معصیت کا ہو۔ اے توبة بالغة فی النصح (کبیر) لَا يُخْزِي اللّٰهُ۔ خزی سے یہاں مراد وہ رسوائی ہے جو کفر ہی کی جزاء ہے۔ ؎۱۴ (تیرے لیے ہماری آرزوؤں کو پورا کرنا اب کیا مشکل ہے) نُوْرُهُمْ...... بِاَيْمَانِهِمْ۔ یہ اس وقت ہوگا جب اہل ایمان پل صراط سے گزر رہے ہوں گے۔ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ نہ ہو کہ ہمارا نور منافقین کی طرح راستہ ہی میں بجھ کر رہ جائے۔ يَقُوْلُوْنَ...... قَدِيْرٌ۔ بعض علماء محققین نے عالم آخرت کی اس دعاء سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بندہ کی حاجتمندی اور عبودیت کسی حال اور کسی عالم میں بھی اس سے زائل نہ ہوگی۔ ؎۱۵ بلحاظ انجام آخرت دونوں کا ٹھکانا ایک ہی ہے۔ جہنم دونوں کے لیے مشترک ہے۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ نفس جہاد یا جہد شدید تو کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں عام ہے، البتہ یہ حسب موقع و مصلحت ہونا چاہیے۔ کافروں کے مقابلہ میں تو یہ جہاد، قتال و غزاء کے معنی میں ہتھیاروں سے ہوگا۔ اور منافقین کے مقابلہ میں زبان سے۔ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ سختی، مضبوطی، ثابت قدمی، کافروں اور منافقوں دونوں کے مقابلہ میں لازمی ہے۔ فیه الدلالة علی وجوب الغلظة علی الفریقین من الکفار والمنافقین و نهی عن ملاینتهم و معاشرتهم (جصاص) کہاں ہماری شریعت کے یہ احکام، اور کہاں ہمارا یہ عمل کہ ہر "ترقی یافتہ" و "مہذب" غیر مسلم کی وضع لباس، زبان، معاشرت کی تقلید پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور اس کو اپنے لیے باعث فخر و کمال خیال کر رہے ہیں!

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ

جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے ۱۶ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں،

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ

لیکن انہوں نے اُن کے حق ضائع کئے تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں اُن کے ذرا کام نہ آسکے، اور دونوں

ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو اور داخل ہونے والوں کے ساتھ ۱۷ اور اللہ ان لوگوں کے لئے جو

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ

مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے ۱۸ فرعون کی بیوی کی، جبکہ انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار

لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا دے، اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عمل (کے اثر) سے

وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ

بچا دے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچا دے ۱۹ اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

مریم بنت عمران کی جنہوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، تو ہم نے اُن (کے چاک گریبان) میں

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا

اپنی روح پھونک دی، اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کی اور اس کی کتابوں کی

وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲

تصدیق کی ۲۰ اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں ۲۱

ف۱۶ (یہ ظاہر کرنے کو کہ کسی صالح یہاں تک کہ پیمبر سے محض مادی و طبعی تعلق و انتساب بلا ایمان اور اپنی سعی اصلاح کے ہرگز کافی و مفید نہیں) ف۱۷ (اپنے کفر کی پاداش میں) امْرَاَتَ نُوْحٍ ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر تو بار بار اور آپ کے نافرمان لڑکے کا ذکر ایک بار پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ معلوم ہوا کہ آپ کی رفیق حیات بھی مومن نہیں بلکہ کافرہ تھی۔ امْرَاَتَ لُوْطٍ ۔ حضرت لوط پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ آپ کی ان کافر بیوی کا ذکر بھی دو بار سورۃ الاعراف (پ ۸) اور سورۃ ہود (پ ۱۲) میں آچکا ہے۔ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ ۔ یعنی وہی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام — پیمبر تک حق تعالیٰ کی نظر میں صرف ”عبد صالح“! نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ سایۂ خدا! تَحْتَ عَبْدَيْنِ لفظ تحت سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ بیوی شوہر کی ماتحت ہی ہوتی ہے۔ فَخَانَتٰهُمَا ۔ سب سے بڑا حق یہی ضائع کیا کہ اپنے اپنے شوہروں کی نہ نبوت کی تصدیق کی، نہ اُن پر ایمان لائیں۔ قِيْلَ ... الدّٰخِلِيْنَ ۔ یعنی جس طرح اور سارے کافر دوزخ میں جھونکے جاتے ہیں، تم بھی وہیں چلو مرو، تم میں اور عام کافروں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ ف۱۸ (یہ ظاہر کرنے کو کہ اپنا ایمان اور اپنی صالحیت بالکل کافی ہیں۔ اور جب یہ موجود ہوں، تو پھر کسی غیر مومن سے مادی تعلق یا انتساب راہ فلاح میں ہرگز حائل نہیں ہو سکتا) ف۱۹ یعنی ان کافروں کے شر سے، اور ان کے ضرر حسی اور معنوی سے۔ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۔ فرعون موسوی پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ زوجۂ فرعون سے مراد حضرت بی بی آسیہ ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی کے زمانہ میں دریائے نیل سے نکال کر ان کی پرورش کی تھی۔ حاشیہ اُن پر بھی گزر چکا۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ ۔ یعنی اے پروردگار، کہیں فرعون اور اُس کے اعمال کفر کا وبال میرے اوپر نہ پڑنے لگے! آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بلا و معصیت سے اپنی نجات دنیوی و اُخروی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا و مناجات کرتے رہنا سیرت صالحین میں سے ہے۔ و فیه دلیل علی ان الاستعاذة بالله والالتجاء الیه و مسئلة الخلاص منه عند المحن والنوازل من سیر الصالحین (مدارک) مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ظالمین یہاں بھی کافرین کے مرادف ہے، ای الکافرین (معالم) ف۲۰ (یہ ظاہر کرنے کو کہ جب اپنے میں ایمان و صالحیت موجود ہوں، تو پھر کسی صالح سے عدم تعلق و انتساب مضر نہیں) مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ ۔ حاشیے سورۂ آل عمران (پ ۳) اور سورۂ مریم (پ ۱۶) میں گزر چکے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔ یہ نفخ روح بواسطہ فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کے ہوا تھا۔ اس نفخ روح پر حاشیے سورۂ آل عمران (پ ۳) وغیرہ میں گزر چکے۔ فِيْهِ ضمیرہ جسم مریم علیہا السلام کی جانب بھی ہو سکتی ہے، اور گریبان مریم علیہا السلام کی جانب بھی، اور خود حمل مریم کی جانب بھی۔ و ضمیر فیه للفرج و جوز فی ضمیر فیه رجوعه الی الحمل (روح) رُّوْحِنَا ۔ روح کی اضافت حق تعالیٰ نے اپنی جانب اُس کے اظہار عظمت کے لیے کی ہے۔ والاضافة للتشریف والمراد من روح خلقناه بلا توسط اصل (روح) صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ ۔ یہ تصریح آپ کے ایمان اور عقائد کی ہوئی — آپ مومنہ و عارفہ اور اُس وقت تک کی کتب آسمانی (توریت وغیرہ) کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ نعوذ باللہ خود کسی معنی میں مدعیٔ الوہیت یا شریک الوہیت نہ تھیں — پوری تردید مسیحیوں کے غلو کی ہوگئی۔ ف۲۱ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۔ یہ تصریح آپ کے حسن اعمال کی ہوئی — آپ نعوذ باللہ کسی طرح کی بدکار نہ تھیں۔ یہ پوری تردید یہود کے ناپاک افترائوں اور گندے الزاموں کی ہوگئی۔ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا ۔ کلمات رب سے مراد شرائع الٰہی بھی لی گئی ہیں۔ یعنی مریم صدیقہ نے عملاً بھی تمام حقائق دین کی تصدیق کی۔ وقال ابو علی القاری الکلمات الشرائع التی شرع لهادون القول فکان المعنی صدقت الشرائع و اخذت بها (کبیر)

بحمد اللہ! آج جمعہ ۲۳ر جنوری ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۰ر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ) کو بعد نماز جمعہ اس اٹھائیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ نظر ثالث یوم شنبہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۰ء، مطابق ۱۳ر محرم الحرام ۱۳۷۰ھ کو ختم ہوئی۔

ایاتها ۳۰ | ۶۷ سورۃ الملک مکیۃ ۷۷ | رکوعاتها ۲

اس کی تیس آیتیں ہیں | سورۂ ملک مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے، اور وہی ہر چیز پر

قَدِيْرُ ۨ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ

قادر ہے ف۱ وہ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ

اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲ الَّذِيْ خَلَقَ

عمل میں کون بہتر ہے ف۲ اور وہ بڑا زبردست ہے، بڑا مغفرت والا ہے ف۳ جس نے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کر دیے تو (خدائے) رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور

تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ

نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا

پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ نگاہ (ہی آخر) ذلیل، درماندہ ہو کر تیری طرف

وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

لوٹ آئے گی ف۴ ہم نے بے شک قریب کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ

اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب بھی

ف۱ ملکیت اور قدرت دونوں اسی ذات واحد کی کامل اور غیر مشترک ہیں۔ کلمۂ ملک میں خود ہی یہ مفہوم آ گیا تھا۔ آیت کے دوسرے جزء نے اور زیادہ تصریح وتاکید کر دی۔ بعض محققین سے یہ نکتہ بھی منقول ہے کہ بادشاہت اور حکومت عموماً محض موجود اور کیفیت حاضر تک محدود رکھی جاتی ہے۔ قدرت اس کے مقابلہ میں عام ووسیع ہے تو آیت کے جزء ثانی نے یہ صاف کر دیا کہ صرف موجودات ہی کی بادشاہت وحکومت نہیں بلکہ سارے آیندہ ممکنات پر بھی حق تعالیٰ کی ملکیت اور قدرت اسی طرح وسیع ہے۔ بیدہ۔ ید کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں لیکن یہاں مراد اس کے مجازی معنی قبضہ یا تصرف کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ خود اردو میں بھی ایسے موقع پر ''ہاتھ'' سے مراد یہ جسمانی عضو نہیں۔ بلکہ قبضہ، اختیار، ملک وتصرف ہی ہوتی ہے۔ اور حکومت یا بادشاہت کسی بھی بادشاہ کے ''ہاتھ'' میں نہیں بلکہ ملک وتصرف ہی میں ہوتی ہے۔ اس لئے آیت میں ید کے مجازی معنی حق تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ الملک ہی کے لحاظ سے کرنا پڑے۔ الملک۔ ال استغراق کا ہے یعنی جو کچھ بھی ہے تصور میں آ سکے یا نہ آ سکے سب اسی کا مملوک ومحکوم ہے۔ ملک وقدرت ان دونوں صفت میں مشرک قوموں کو بڑی ٹھوکریں لگی تھیں، قرآن مجید اسی لئے اس کثرت سے ان کا اثبات حق تعالیٰ کے حق میں کرتا ہے۔

ف۲ اور اسی کے لحاظ سے آخرت میں جزاء وسزا دے گا۔ خلق الموت والحیوۃ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود موت وزندگی بھی تمام دوسری ایجابی وسلبی مخلوقات کی طرح حق تعالیٰ کی مخلوق ہی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ خلق الموت۔ موت عدم محض یا فقط سلب حیات کا نام نہیں، جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے خیال کیا ہے، ایک مستقل وجودی مخلوق ہے۔ واستدل بھذہ الایۃ من قال ان الموت امر وجودی لانہ مخلوق (ابن کثیر) والموت علی ماذھب الیہ الکثیرون من اھل السنۃ صفۃ وجودیۃ تضاد الحیوۃ (روح) قال اصحابنا انہ صفۃ وجودیۃ مضادۃ للحیاۃ (کبیر) یہود کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ صرف حیات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے باقی موت تو شیطان نے نافرمانی کر کے پیدا کرا دی ہے۔ آیت سے اس اعتقاد کی تصحیح بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الموت والحیوۃ۔ حیات۔ کا محل عمل یا ظرف عمل ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے۔ یہ مہلت اور موقع اگر نہ حاصل ہو تو انسان اچھا برا عمل کرے ہی کس وقت۔ اور موت حسن عمل کے لئے بمنزلہ شرط ہے۔ موت کے مشاہدہ سے دنیا کے فانی ہونے کا۔ اور آخرت کے اعتقاد سے وہاں کے اجر کا اگر یقین نہ ہو تو انسان حسن عمل کے لئے کوشش ہی کیوں کرے۔

ف۳ (جس کو چاہے بلا معاوضہ اور بلا کفارہ معاف کر دے اور جس حسن عمل پر جتنا چاہے اجر دے ڈالے) الغفور۔ ہر جزاء وسزا پر قادر۔ عقاب وثواب دونوں اس کے اختیار میں۔

ف۴ (اے مخاطب!) آیت سے مقصود آسمانوں کی تعداد یا ہیئت یا جمود وغیرہ کا بیان کرنا نہیں بلکہ مقصود حق تعالیٰ کا فاطر کائنات کے کمال صناعی وصنعت گری کا اظہار ہے۔ آسمان، اس کی ماہیت وحقیقت جو کچھ بھی ہو، بہرحال حسن صنعت کا بہترین وکامل ترین نمونہ ہے، ہر عیب، ہر نقص سے پاک تو جب اس مخلوق اعظم کا یہ حال ہے تو اور ساری مخلوق اس سے تو فروتر ہی ہے۔ ان کا اتنا مرتب ومحفوظ اور حسین ومکمل رکھنا اس کے لئے کیا دشوار ہے۔ آیت منکرین صنعت باری کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہر مخلوق کو چھان بین کر کے خوب غور سے دیکھیں کسی میں کوئی بات خلاف حکمت نہ پائیں گے۔ فارجع البصر۔ محققین نے کہا ہے کہ یہ پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف وجود اور حسن ظاہر دیکھ کر کمال صانع کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ثم ارجع البصر۔ اہل نظر نے کہا ہے کہ یہ دوسری نظر اہل نظر واہل حکمت کی ہے جو ہر ہر مخلوق کے مصالح کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ جو نظم تکوینی موجود ہے اس سے بہتر ہونا محال تھا اور اس پر مجال حرف گیری نہیں۔ ینقلب الیک البصر۔ عارفین نے کہا ہے کہ یہ تیسری نظر خواص اہل حق کی ہے جو اپنی نظر سے خود تادم ہو کر اپنے عجز وجہل کے معترف ہوتے ہیں۔ فارجع البصر۔ امر فارجع تکلیفی وتشریعی نہیں تعجیزی ہے یعنی تم دیکھ لو، تجربہ کر لو، آخر خود ہی تھک جاؤ گے۔ کرتین۔ صیغہ تثنیہ یہاں محض اظہار تعدد کے لئے ہے۔ دو کا تعین عدد مراد نہیں۔ والمراد بالتثنیۃ التکریر والتکثیر کما فی لبیک وسعدیک (بیضاوی)

السَّعِيْرِ ⑤ وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ

تیار کر رکھا ہے وٓ۵ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے کفر کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا

اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے اُس میں جب یہ لوگ ڈالے جائیں گے تو اُس کی (بڑی) زور کی گرج سنیں گے

وَّ هِيَ تَفُوْرُ ⑦ ۙ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا

اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہوگی کہ گویا ابھی غصہ سے پھٹنے کو ہے، جب جب اُس کے اندر کوئی

فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ

گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اُن لوگوں سے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا وٓ۶ وہ کہیں

جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ

گے کیوں نہیں، ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اُس کو جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ

تم خود ہی ایک بڑے خبط میں پڑے ہوئے ہو وٓ۷ اور (یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سن لیتے یا عقل ہی سے کام لیتے

مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

تو ہم اہلِ دوزخ میں سے نہ ہوتے وٓ۸ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

سو لعنت ہے اہلِ دوزخ پر بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ

بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے وٓ۹ اور تم لوگ (خواہ) چھپا کر کہو

اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ

یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے

وٓ۵ شیطانوں کے لئے عذاب جہنم کا تیار رہنا ایک معلوم و معروف مسئلہ ہے۔ بِمَصَابِيْحَ۔ مصابیح" سے مراد ستاروں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وهي الكواكب التي وضعت فيها من السيارات والثوابت (ابن کثیر) ؔ ...... بِمَصَابِيْحَ۔ ستاروں سے ایک بڑی غرض آسمانِ دنیا کی زینت و آرائش ہے، یہ قرآن مجید میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ ؔ ...... لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ ستاروں کے رجم شیاطین پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ سورۃ الحجر (پ ۱۴) سورۃ الصافات (پ ۲۳) وغیرہ میں۔ آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ بجنسہ کوئی ستارہ ہی شیطان کو پھینک مارا جاتا ہو، بلکہ جیسا صاحب تفسیر عزیزی نے لکھا ہے ممکن ہے کہ ملائکہ اجزاء ہوا اور بخارات کو ستاروں سے روشن کر کے شیطانوں پر مارتے ہوں۔ وٓ۶ (جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو؟) كُلَّمَآ ...... نَذِيْرٌ۔ دوزخ میں کافروں کے مختلف گروہ اپنے اپنے مرتبۂ کفر کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے۔ یہ سوال ہر نئے گروہ سے ہوگا۔ فرشتوں کے سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شدید عذاب تو ایسی چیز تھی کہ تمہیں اس کی خبر اگر بدرجۂ احتمال پہنچتی، جب بھی تمہیں اس سے اپنے کو بچانا واجب تھا تو کیا ایسے ہولناک انجام کی تمہیں سرے سے خبر ہی نہیں پہنچی تھی؟ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔ یہ فقرہ جہنم کے جوش و خروش کی بے انتہا شدت ظاہر کرنے کو ہے۔ وٓ۷ (کہ وحی اور نبوت اور آخرت وغیرہ کے ڈھکوسلوں میں پڑے ہوئے ہو) قَالُوْا ...... نَذِيْرٌ۔ منکرین حشر اب دوزخ میں پہنچ کر اقبال کریں گے کہ منذرین کی آواز کانوں میں پڑنا کیسا پوری کی پوری تعلیم ہم تک پہنچ چکی تھی، یہ شامت تو ہماری خود ہی تھی کہ ہم ڈھٹائی کے ساتھ پیمبروں کی تکذیب کرتے اور الٹا انہیں کو خبطی قرار دیتے رہے، اِنْ ...... كَبِيْرٍ۔ آج ہمارے "روشن خیالوں" اور عقلیین کا جو فتویٰ اہل مذہب کے متعلق ہے، وہ کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ وٓ۸ منکرین اب اعتراف کریں گے کہ یہ توحید، رسالت و آخرت کے عقائد تو ایسے کھلے ہوئے اور عقل سلیم کے اس قدر مطابق تھے کہ ہم نے خود ہی اگر اپنی عقل و دماغ سے کام لیا ہوتا تو انہیں نتیجوں تک پہنچ جاتے، چہ جائیکہ جب راست باز منذرین یقین دلانے والے اس کا یقین دلا رہے تھے ہماری شامت کی انتہا تھی کہ پھر بھی ہم انکار ہی پر تلے رہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ۔ نسمع سے مراد دلیل سمعی اور طریق تقلید لی گئی ہے۔ اَوْ نَعْقِلُ۔ نعقل سے مراد دلیل عقلی اور طریق تحقیق لی گئی ہے۔ وٓ۹ (جس کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔ یہی خشیت الٰہی ہی تو ہے جو انہیں ایمان وطاعت کی طرف لاتی ہے۔ بِالْغَيْبِ۔ ایمان بالغیب کی طرح یہ خشیت بالغیب کی بھی تصریح اس امر کو ظاہر کر دیتی ہے کہ کسی کا مرتبۂ ایمان و خشیت جس درجہ کا بھی ہو، بہر حال کوئی نہ کوئی درجۂ غیب ان کے لئے بھی باقی رہے گا۔ یہ شہود کامل اس عالم ناسوت میں بشر کے لئے ممکن نہیں۔

خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے ف۱۱ وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے

الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ

مسخر کر دیا تو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو)

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٥﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ

اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے ف۱۲ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے وہ کہیں تم کو زمین میں

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ

دھنسا دے اور وہ تھرتھرانے لگے؟ ف۱۳ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ

وہ تمہارے اوپر ہوا سے تند بھیج دے؟ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا

نَذِيْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ

کیسا تھا؟ ف۱۴ اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے بھی تو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب کیسا

نَكِيْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ

(ان پر واقع) ہوا؟ ف۱۴ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿١٩﴾

انہیں کوئی اور نہیں تھامے رہتا ہے بجز خدائے رحمن کے، وہی ہر چیز کو خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ف۱۵

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

بھلا (خدائے) رحمن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری

الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿٢٠﴾ اَمَّنْ هٰذَا

نصرت کر سکے؟ کافر تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ف۱۶ بھلا وہ کون ہے

ف۱۰ ان مشرک جاہلی قوموں کی حماقت پر تعریض ہے جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے علم کو ناقص اور جزئیات پر غیر حاوی بھی تسلیم کرتے ہیں! اللَّطِيْفُ۔ لطیف۔ سے مراد ہے بڑی بڑی نازک و دقیق حکمتوں اور تدبیروں والا۔ يراد به دقائق تدبير لهم وفيهم (کبیر) ف۱۱ بندوں کو ترغیب ہے کہ زمین سے جو چاہو کام لو، جس طرح چاہو برتو، بس صرف اتنا یاد رہے کہ تم بندے ہو، خدا نہیں ہو، خود مختار و مطلق العنان نہیں ہو، خدا کے قانون کے محکوم و پابند ہو اور اسی کے سامنے اپنے ہر عمل کے جوابدہ ہو۔ مِنْ رِّزْقِهٖ۔ یاد دلا دیا کہ جو کچھ تمہیں کھانے پینے کو مل رہا ہے یہ سب حق تعالیٰ کا ہی عطیہ تو ہے۔ هُوَ ... ذَلُوْلًا۔ یہ ارشاد ہوا کہ زمین میں تمہارے لئے ہر قسم کے تصرفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے، تم تو خود اس پر حاکم و متصرف ہو، اسلئے اسی کو دیوی سمجھ لینا کیسی حماقت ہے۔ ف۱۲ یعنی کیا تم نے اپنے کو عذاب الٰہی کی گرفت سے محفوظ و مصئون سمجھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ مجرمانہ غفلت کی انتہاء ہے۔ مَنْ فِي السَّمَاۗءِ۔ سے یہ مراد تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ آسمان پر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ وهذا لاية لايمكن اجراؤها على ظاهرها بالاتفاق المسلمين (کبیر) مراد وہ ذات اعظم ہے جس کا حکم و تصرف آسمان پر چل رہا ہے۔ تقدير الاية من في السماء سلطانه وملكه قدرته والغرض من ذكر السماء تفخيم سلطان الله وتعظيم قدرته (کبیر) اے من ملكوته في السماء لانها مسكن ملائكته ومنها تنزل قضاياه وكتبه واوامره ونواهيه (مدارک) بعض نے مَنْ فِي السَّمَاۗءِ سے مراد آسمانی ملائکۂ عذاب سے لی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ السماء کا لفظ محض جہت علو اور غایت شرف کے اظہار کے لئے ہو۔ ف۱۳ یعنی کیسا صحیح، کتنا مطابق واقعہ اور کتنا شدید! فَسَتَعْلَمُوْنَ۔ اس سے مراد ہے کہ موت کے ساتھ ہی۔ مَنْ فِي السَّمَاۗءِ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔

ف۱۴ اگر ماضی سے نمونے ہی اس عذاب کے تلاش کرتے ہیں تو تاریخ و سیر کے صفحات کا مطالعہ کر لیں کہ کیسی کیسی پر قوت قومیں اور امتیں سرکشی کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ ف۱۵ (اور جس میں جو تصرف چاہے، اپنے حسب مرضی و مشیت کرتا رہتا ہے) پرندوں کی قوت پرواز، ان کا وہ ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے جانا، ان کا وہ اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا، یہ سب انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز مشاہدات ہیں اور ان سے کیسا سبق حق تعالیٰ کی صنائی کا ملتا ہے۔ ف۱۶ اور کافر تو وہی ہیں جو خدائے واحد کے بجائے ادھر ادھر کے سہاروں اور آسروں میں الجھے رہتے ہیں) اَمَّنْ ... الرَّحْمٰنِ۔ مثال دفع مضرت کی ہے۔ بتایا ہے کہ اس پر بجز خدائے رحمن کے کوئی قادر نہیں۔

اَلَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ
جو تمہیں روزی پہنچا سکے اگر اللہ اپنی روزی بند کر لے؟ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ تھے ہی ہوئے سرکشی

وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی
اور نفرت میں ہیں وکا سو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو کیا وہ بہتر رہرو ہوگا

اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ
یا وہ جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو؟ وکا آپ کہہ دیجئے

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ
کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے

وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ
(مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ
تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے و۱۹ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ

مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ
یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو و۲۰ آپ کہہ دیجئے کہ (تعیین) علم تو بس

عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ
اللہ ہی کو ہے۔ اور میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں و۲۱ پھر جب وہ اس (قیامت) کو

زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ
پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہی ہے وہ جسے

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ
تم طلب کیا کرتے تھے و۲۲ آپ کہئے کہ اچھا یہ بتلاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو

وکا (اور بلا کسی شائبہ دلیل کے کفر وشرک میں مبتلا ہیں) اَمَّنْ ... رِزْقَهٗ۔ مثال ایصال نفع کی ہے کہ اس پر بھی بجز خدائے رحمن کے کوئی قادر نہیں۔ و۱۸ آیت کے اندر پہلی مثال کافر کی ہے، اور دوسری مثال مومن کی۔ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ ... وَجْهِهٖ۔ کافر کا راستہ ہی زیغ وضلالت کا ہوتا ہے، اور وہ سر کے بل گرتا ہی جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نقطۂ نظر ہی کائنات کی ہر شے سے متعلق اوندھا ہوتا ہے۔ اَمَّنْ ... مُّسْتَقِیْمٍ۔ مومن سیدھے قد کے ساتھ تنا ہوا چلتا ہے۔ افراط وتفریط کے غاروں، گڑھوں سے بچتا ہوا۔ و۱۹ تمہیں چلنا اس کے قانون پر ہے جو انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی نعمتوں کا جامع اور مالک ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ الخ۔ اس آیت میں خطاب افراد انسانی سے ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ الخ اس آیت میں خطاب اجتماع انسانی سے ہے۔ و۲۰ (اے مسلمانو!) منکرین حشر اہل ایمان سے یہ سوال طنز واستہزاء کی راہ سے کیا کرتے تھے۔ و۲۱ (اور عبد محض، مجھے غیب کی کیا خبر۔ قیامت کا واقع کر دینا نہ میرے اختیار میں نہ اس کا وقت میرے علم میں) مشرکوں نے سوال پیمبر سے اپنے عقیدہ میں بس وہی حلول ومظہریت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ و۲۲ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے اور یہ اہل جہنم سے ان کی مزید توبیخ اور زیادہ دل جلانے کے لئے کہا جائے گا۔ رَاَوْهُ۔ ضمیر ہٗ اسی یوم موعود کی جانب ہے۔ ای الوعد یعنی العذاب الموعود (مدارک) یعنی العذاب فی الاخرۃ علی قول اکثر المفسرین (معالم) سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی جب قیامت واقعۃً آنے لگے گی تو منکرین کے چہرے فرط ہیبت ودہشت سے بگڑ کر رہ جائیں گے۔

وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت کر دے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون

اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

بچالے گا؟ ف۲۳ آپ کہیے وہی خدائے رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم توکل کرتے ہیں،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے ف۲۴ آپ کہیے کہ اچھا یہ بتلاؤ

اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے؟ ف۲۵

اٰياتها ۵۲ | ٦٨ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ٢ | ركوعاتها ۲

اس کی باون آیتیں — سورۂ قلم مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں ف۱ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے

بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ

مجنون نہیں ہیں ف۲ اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ف۳ اور بے شک آپ

لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ

اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں ف۴ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے

الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠

کس کو (واقعی) جنون تھا ف۵ بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے!

ف۲۳ مقصد یہ ہے کہ ہم پر دنیا میں جو گزرے گی وہ تو گزر کر رہے گی۔ اور کامیابی ہو یا ناکامی، ہر حالت میں اس کا انجام مومنین کے حق میں اچھا ہی ہے۔ تم اپنی خبر لو، اور اپنے لئے فکر کرو، کہ تمہارے کفر وانکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اِنْ ..... مَعِيَ۔ یعنی اگر تمہاری آرزو اور تمہارے گمان کے مطابق میری اور میرے ساتھیوں کی ہلاکت بھی ہو جائے۔ اَوْ رَحِمَنَا۔ یعنی اگر وعدۂ الٰہی اور ہماری امید کے مطابق ہم پر نزول رحمت ہی رہے۔ ف۲۴ یعنی جب اپنے کو مبتلائے عذاب اور ہمیں اس سے محفوظ دیکھ لوگے جب تو عیاناً جان لوگے کہ ضلالت کی راہ تمہاری ہی تھی۔ اٰمَنَّا بِهٖ۔ اور ایمان کی برکت ان شاء اللہ ہم کو عذاب آخرت سے محفوظ کر دے گی۔ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا۔ اور توکل کی برکت ان شاء اللہ حوادث دنیوی کو دفع یا سہل کر دے گی۔ ف۲۵ (پس جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں معمولی طبعی واقعات میں کسی کو تصرف کی قدرت نہیں تو عذاب آخرت سے بچانے کی کس کی مجال ہو سکتی ہے۔ ف۱ (نامۂ اعمال میں) نٓ۔ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو شروع سورۃ البقرۃ میں الٓمّٓ پر حاشیہ۔ صحیح معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ محققین سے دوات کے معنی منقول ہیں۔ عن الحسن والقتادة قالا هي الدواة (ابن کثیر) عن ابن عباس ان الله خلق النون وهي الدواة (ابن جریر) وقال الحسن وقتادة والضحاك النون الداوة (معالم) وَالْقَلَمِ۔ یہ قلم وہی ہے جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ فعل کے فاعل کاتب اعمال فرشتے ہیں۔ اي مايسطره الحفظة (مدارک) اي ماتكتب الملٰئكة الحفظة من اعمال بني اٰدم (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کاتبان لوح محفوظ سے ہے۔ وقال اٰخرون بل المراد ههنا بالقلم الذي اجراه الله بالقدر حين كتب مقادير الخلائق قبل ان يخلق السمٰوت والارضين (ابن کثیر) ف۲ (جیسا کہ ان دشمنان دین ودشمنان عقل نے ٹھہرا لیا ہے بلکہ سب ہوشمندوں سے بڑھ کر ہوشمند اور دانا ترین ہیں) قسم کے مفہوم کے لئے ملاحظہ ہو پارہ ۱۴ کے آخر میں ضمیمہ ''اقسام قرآن'' پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کاتب قدرت کے لئے قلم اور روشنائی اور خود کتابت لوح کی گواہی یہی ہے جو آگے کی آیتوں میں آ رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال ودانائی کی شہادت تو سارے ہی صحائف تکوینی پیش کریں گے۔ کسی معاصر احمق وجاہل کی تکذیب وتعریض سے ہوتا کیا ہے۔ ف۳ (اس لئے آپ ان مطاعن کو چندے صبر کے ساتھ برداشت کر لیجئے) لَاَجْرًا۔ یہ اجر بے نہایت ادائے فرائض نبوت پر ملے گا۔ ف۴ اور وہ بھی اس مرتبہ پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو نظیر اور نمونہ کا کام دے گی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اور وہ بھی کسی ایک قوم، کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے لئے ایسی عدیم النظیر سیرت والے کی جانب جنون کی نسبت دینا خود اپنے پاگل پن کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ ف۵ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا نام رہتی دنیا تک مشہور سے مشہور تر ہی ہوتا چلا جائے گا؟ یا ابوجہل اور ابولہب اور عناد ومخالفت کے دوسرے بڑے بڑے لیڈروں کو؟ فَسَتُبْصِرُ۔ یہ علم عنقریب ہو کر رہے گا۔ دنیا میں پوری طرح اور آخرت میں تو اس سے بھی زیادہ روشن ہو کر۔ بِاَيِّكُمُ۔ ب زائد ہے اور مراد اَيُّكُمْ ہے۔ یعنی تم میں سے کون۔ وقال اٰخرون الباء فيه زائدة معناه ايكم المفتون (معالم) انما دخلت الباء في قوله بايكم يقول على تضمين الفعل في قوله فستبصر ويبصرون (ابن کثیر) وهو قول الاخفش وابي عبيده وابن قتيبة ان الباء صلة زائدة والمعنى اَيُّكُمُ المفتون (کبیر)

وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۸ وَدُّوۡا

اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے ہوؤں کو وٓ۶ تو آپ تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ

لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ ۝۹ وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ۝۱۰

آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں وٓ۷ اور آپ ایسے شخص کا بھی کہنا نہ مانئے گا جو بڑا قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے،

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيۡمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۝۱۲

طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے، حد سے گزرنے والا ہے،

عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ ۝۱۳ اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ ۝۱۴

سخت گنہگار ہے، سخت مزاج ہے، اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے، اس نظر سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے، وٓ۸

اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ

جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں، تو ہم عنقریب اس کی ناک

عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ

پر داغ لگائیں گے وٓ۹ ہم نے ان کی آزمائش کر دی ہے وٓ۱۰ جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی

اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَيَصۡرِمُنَّهَا مُصۡبِحِيۡنَ ۝۱۷ وَلَا يَسۡتَثۡنُوۡنَ ۝۱۸

جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا تھا،

فَطَافَ عَلَيۡهَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّكَ وَهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ۝۱۹

سو اس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے

فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِيۡمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِيۡنَ ۝۲۱ اَنِ

تو وہ (باغ) ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ

اغۡدُوۡا عَلٰى حَرۡثِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰرِمِيۡنَ ۝۲۲ فَانۡطَلَقُوۡا

اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے، غرض وہ چلے

وٓ۶ (اس لئے فیصلہ اسی پر چھوڑے رہئے اس کے احاطۂ علم سے کوئی بھی باہر نہیں وہی ہر ایک کو جزاء و سزا بھی اس کے مناسب حال دے لیگا) وٓ۷ یعنی ان کی تو یہیں تمنا ہی یہ ہے کہ آپ اپنے فرائض تبلیغ میں ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی اپنی شدت مخالفت و عناد میں ڈھیلے پڑیں۔ لیکن آپ ان کے کہے میں ہرگز نہ آئیے گا۔ جیسا کہ اب تک بھی نہیں آئے ہیں۔ کہاں آپ سرتاسر حق پر اور کہاں وہ سرتاسر باطل پر! وٓ۸ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ آپ اس خیال سے کہ فلاں شخص سے اس بناء پر کہ وہ صاحب وجاہت اور صاحب اثر ہے، باوجود اس کی ان ساری خباثتوں کے اشتراک عمل کر لینا بھی مصلحت خیال کرنے لگیں۔ اَنۡ كَانَ۔ ان الفاظ کا تعلق آیت ماقبل کے ابتدائی لفظ ولاتطع سے ہے۔ متعلق بقوله ولاتطع (مدارک) بعض نے یہ ترکیب بھی صحیح قرار دی ہے کہ ان کان کے قبل یکفر یا یجحد محذوف ہے اور ان کان اس سے متعلق اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ خبیث کفر و انکار اس گھمنڈ میں آ کر کرتا ہے کہ وہ دولت مند اور صاحب اولاد کثیر ہے۔ آیت اپنے عموم مفہوم کے لحاظ سے تو ہر خبیث و رذیل خصائل والے کافر معاند کے حق میں عام ہے۔ لیکن شان نزول کی روایتوں میں ایک مخصوص و متعین شخص ولید بن مغیرہ کا نام بھی آیا ہے جو انہیں صفات کا حامل تھا۔ والمراد الوليد بن المغيرة عندالجمهور (مدارک) حَلَّافٍ۔ ایسا شخص جو جھوٹی سچی قسمیں عادت کی بناء پر کھاتا رہتا ہو۔ قيل من يحلف بالله كاذبًا (جصاص) كثير الحلف بالباطل (معالم) كثير الحلف في الحق والباطل و كفى به مزجرة لمن اعتاد الحلف (کبیر) مَّهِيۡنٍ۔ ایسا شخص جو اپنی کمینی حرکتوں کی بناء پر خالق و مخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل و خوار اور ہر طرح بے وقعت و بے اعتبار ہو چکا ہو۔ هَمَّازٍ۔ ایسا شخص جو طنز و تعریض سے دل دکھاتا رہتا ہو۔ اَثِيۡمٍ۔ یعنی فسق پیشہ ہے۔ الصفة السابعة كونه اثيما وهو مبالغة في الاثم (کبیر) بعد یہاں مع کے معنی میں ہے۔ اے مع ذلک (معالم) زَنِيۡمٍ۔ ایسا شخص جو کسی قوم یا قبیلہ سے نہ ہو مگر اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔ انما الزنيم في لغة العرب هو الدعي في القول قاله ابن جرير وغير واحد من الائمة (ابن کثیر) وهو الدعي الملصق بالقوم وليس منهم (معالم) وٓ۹ یعنی اس کے کفر خبیثانہ کی پاداش میں اس کے چہرہ اور ناک کو داغدار کر دیں گے۔ الۡخُرۡطُوۡمِ۔ خرطوم ہاتھی کی سونڈ کو کہتے ہیں۔ انسان کی ناک یا چہرہ کے لئے اس کا استعمال محل ذم و تحقیر پر ہے۔ قال المبرد الخرطوم ههنا الانف وانما ذكر هذا اللفظ على سبيل الاستخفاف به (کبیر) والخرطوم انف الفيل فسمي انفه خرطومًا استقباحًا له (راغب) سَنَسِمُهٗ۔ مس۔ یعنی "عنقریب" کو حشر سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ قال ابو العالية ومجاهد اے نسود وجهه فنجعل له علمًا في الأخرة يعرف به (معالم) منهم من قال هذا الوسم يحصل في الأخرة (کبیر) بعض اقوال اس دنیا سے متعلق بھی ہیں۔ قال ابن عباس سنخطمه بالسيف وقد فعل ذلك يوم بدر (معالم) ومنهم من قال يحصل في الدنيا (کبیر) اور ممکن ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں ہی عالم مراد ہوں کہ ایسے خبیث کو روسیاہی دونوں ہی جہانوں میں نصیب ہوتی ہے۔ مال ابو جعفر ابن جرير الى انهٗ لامانع من اجتماع الجميع عليه في الدنيا والأخرة وهو متجه (ابن کثیر) وٓ۱۰ (کہ دیکھیں کون ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کی راہ اختیار کرتا ہے) بَلَوۡنٰهُمۡ۔ هم سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ خصوصًا ان کا خوش حال و خوش عیش طبقہ۔

وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ۝٢٣ أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ

اور آپس میں باتیں چپکے چپکے کرتے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ

مِسْكِينٌ ۝٢٤ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ۝٢٥ فَلَمَّا رَأَوْهَا

آنے پائے اور اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھے و۱۱ تو جب اس (باغ) کو دیکھا تو

قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝٢٦ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝٢٧ قَالَ

بول اٹھے کہ یقیناً ہم راستہ بھول گئے و۱۲ نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی و۱۳ پھر ان میں سے جو

أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝٢٨ قَالُوا سُبْحَانَ

(سب) بہتر تھا وہ بولا کہ کیوں میں نے تم سے کہا تھا سو (اب) تسبیح کیوں نہیں کرتے ہو؟ و۱۴ وہ لوگ بولے کہ ہمارا پروردگار

رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝٢٩ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار ہیں و۱۵ پھر ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے

يَتَلَاوَمُونَ ۝٣٠ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝٣١ عَسَىٰ

باہم الزام دیتے ہوئے و۱۶ (پھر سب) بولے (کہ) ہائے ہماری شامت کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے، شاید کہ

رَبُّنَا أَنْ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝٣٢

ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر (باغ) بدلہ میں دے دے، ہم تو (اب) اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں،

كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا

و۱۷ عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے کاش یہ لوگ

يَعْلَمُونَ ۝٣٣ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝٣٤

(اسے) جان لیتے و۱۸ بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس آسائش کے باغ ہیں و۱۹

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝٣٥ مَا لَكُمْ كَيْفَ

تو کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کا سا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسا

و۱۱ یہ کن باغ والوں کا ذکر ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ کوئی باغ حبشہ میں تھا۔ قیل کانوا من اهل الحبشة (ابن کثیر) عن عكرمة قال هم ناس من الحبشة (ابن جریر) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ باغ یمن میں تھا۔ عن ابن عباس قال كان بستان باليمن (معالم) قال سعيد بن جبير كانوا من قرية يقال لها ضروان على ستة اميال من صنعاء (ابن کثیر) بہرحال جہاں کہیں بھی ہو ایسا باغ تھا جس کی تلمیح سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ اور قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں، وہ آخر خود ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ۔ یعنی انہیں اس درجہ وثوق اپنے صبح کے پروگرام پر تھا کہ انہوں نے شب کی تجویزوں میں حق تعالیٰ کے ارادہ کا خیال ہی نہ آنے دیا۔ فَطَافَ ...... نَآئِمُوْنَ۔ یہ لوگ تو سوتے کے سوتے رہے اور ادھر رات ہی بھر میں کوئی زمینی یا آسمانی آفت آ کر باغ کا صفایا کر گئی۔ باغوں اور کھیتوں پر ایسی ناگہانی مصیبتیں ہر فصل اور ہر زمانہ میں برابر آتی ہی رہتی ہیں، کبھی گرم اور تیز لو نے سبزہ زار کو جھلسا دیا، کبھی تند آندھی نے درختوں کا ناس مار دیا۔ کبھی اتنا پالا پڑ گیا کہ کھیتی برباد ہو گئی۔ کہیں آسمان سے اولے ایسے پڑے کہ پتے پتیاں تک باقی نہ رہ گئیں وقس علیٰ ہذا۔ وَغَدَوْا ...... مِسْكِيْنٌ۔ خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کے ساتھ ساتھ یہ باغ والے مسکینوں محتاجوں کے حصہ کے بھی روادار نہ تھے۔ کمال بخل و شدت حرص سے و۱۲ (جو کہیں یہاں نکل آئے) باغ اب باقی ہی کہاں تھا۔ جسے وہ لوگ دیکھ کر پہچانتے۔ یہی سمجھے کہ ہم کسی غلط جگہ آ گئے ہیں۔ و۱۳ (کہ بھلا چنگا باغ یوں لٹ گیا) یہ انہوں نے اس وقت کہا جب باغ کی بربادی کا پورا یقین آ گیا۔ و۱۴ یعنی توبہ و استغفار سے اپنی غلطی کا تدارک کیوں نہیں کرتے۔ اَوْسَطُهُمْ۔ یعنی ان لوگوں میں سے بہترین شخص۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی اور ائمہ تابعین نے یہی معنی لئے ہیں۔ اى اعدلهم و اعقلهم وافضلهم (معالم) قال ابن عباس ومجاهد وسعيد بن جبير وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن انس والضحاك وقتادة اى اخيرهم (ابن کثیر) بعض نے لفظی معنی لے کر باغ کے مالکوں میں سے منجھلے بھائی سے مراد لی ہے۔ قَالَ ...... لَكُمْ۔ یہ شخص وہ تھا جس کا عقیدہ تو صحیح تھا لیکن عملاً یہ بھی ان لوگوں کا شریک حال ہو گیا تھا۔ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ تسبیح کے عموم میں توبہ، استغفار وغیرہ سب شامل ہیں۔ اى لولا تذكرون الله وتتوبون اليه من خبث نيتكم (مدارک) کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ پچھلے گناہ کی معافی اور آیندہ کے لئے احتیاط کی فکر کرو۔ و۱۵ اس ذرا سے فقرہ کے اندر تمہید استغفار اور نفس استغفار دونوں آ گئے۔ و۱۶ جیسا کہ کام بگڑ جانے پر دنیا میں عموماً عادتاً ہوا کرتا ہے۔ و۱۷ یعنی توبہ و تدارک کرنے میں۔ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا۔ بدل عام ہے خواہ دنیا میں ملے خواہ آخرت میں اور عجب نہیں کہ دونوں جگہ ہو۔ صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا ہے کہ بہتر باغ انہیں دنیا ہی میں مل گیا۔ اور مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن ابن مسعودؓ المعنى انهم اخلصوا فابدلهم به جنة (مدارک) عن مجاهد تابوا فابدلوا خيرا منه (مدارک) و۱۸ کاش بندوں کو اس حقیقت کا علم ہوتا اور استحضار رہا کرتا کہ معصیت و نافرمانی کی پاداش میں جو عذاب اس دنیا میں کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے۔ جب اس کا نمونہ یہ ہے تو کفر و انکار پر عذاب جس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے کس درجہ بڑھا ہوا ہوگا۔ و۱۹ یہاں یہ بتلا دیا کہ جنات النعیم میں داخلہ کا سبب تقویٰ ہوگا اور تقویٰ کا ابتدائی اور لازمی درجہ ایمان ہے۔

ف۲۰ (جو اتنے کھلے ہوئے فرق کو محسوس نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ متقین کو یہ درجہ اگر نہ ملے تو گویا مطیع و نافرمان دونوں برابر ٹھہرے۔ اَلْمُسْلِمِیْنَ۔ یہ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً مطیع حق رہے ہیں۔ اَلْمُجْرِمِیْنَ۔ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً نافرمان و قانون شکن رہے ہیں۔ ف۲۱ یعنی آخرت میں نجات اور کامیابی۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے عقائد کی صحت کی پشت پر کوئی خدائی سند، کوئی آسمانی شہادت ہے؟ ف۲۲ یعنی جنت اور اجر۔ ف۲۳ منکرین سے پھر حجت و برہان کا مطالبہ ہے آخر کس چیز نے انہیں اب تک انکار پر جما رکھا ہے؟ کس سہارے اور کس کے بھروسہ پر وہ اب تک اپنے عقائد باطلہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ ف۲۴ (یہ منکروں کا فرلوگ) یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ اس دن سے مراد روز حشر کا ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کشف ساق سے کیا مراد ہے؟ سَاقٍ۔ کے لفظی معنی تو پنڈلی کے ہیں۔ مابین الکعب والرکبۃ (قاموس) مابین الرکبۃ و القدم (لسان) محققین کا قول ہے کہ صفات باری میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے۔ جس کی تجلی اس وقت ہوگی اور اسے کسی خاص ہی مناسبت سے ساق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید ہی میں حق تعالیٰ کے لئے آخر وجہ (چہرہ) اور ید (ہاتھ) اور حدیث میں رجل، اور قدم (پیر) کے الفاظ بھی

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ

فیصلہ کرتے ہو ف۲۰ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے

فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ

وہ چیز (درج) ہے جسے تم پسند کرتے ہو؟ ف۲۱ کیا ہمارے ذمہ کچھ تمہارے حق میں کھائی ہوئی قسمیں ہیں قیامت تک باقی

الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ

رہنے والی کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کا تم فیصلہ کر رہے ہو؟ ف۲۲ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا

زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا

ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں اچھا تو یہ پیش کریں اپنے ان شریکوں کو اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى

یہ سچے ہیں ف۲۳ وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب ساق کی تجلی فرمائی جائے گی، اور سجدہ کی طرف

السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

بلایا جائے گا، تو سجدہ نہ کر سکیں گے ف۲۴ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ

اور ان پر ذلت چھائی ہوگی، اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ

سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ

صحیح سالم تھے ف۲۵ تو آپ رہنے دیجئے مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ

ہم انہیں آہستہ آہستہ لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ انہیں خبر نہیں اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں،

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ف۲۶ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ (اس) تاوان سے

تو آتے ہیں۔ اور یہ سب کلمات متشابہات کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کی متعدد توجیہات وتاویلات ہو سکتی ہیں۔ ایک بدیہی اور صاف سی بات یہ ہے کہ خود محاورۂ عرب میں کشف ساق سے مراد امر صعب وامر دشوار کے اہتمام سے ہوتی ہے۔ عن ساق ای عن شدۃ (قاموس) یکشف عن ساق ای عن شدۃ امرٍ کما یقال قامت الحرب علی ساق (تاج) الساق فی اللغۃ الامر الشدید و کشفہ مثل فی شدۃ الامر کما یقال للشحیح یدہ مغلولۃ ولا ید ثم ولاغل وانما ھو مثل فی شدۃ البخل وکذلک ھذا۔ (لسان) قال بعضھم انہ اشارۃ الی شدۃ فجعل لکل امرٍ فظیعٍ (راغب) یوم یشتد الامر ویصعب ولا کشف ثمہ ولا ساق (مدارک) ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ وتابعین سے بھی یہاں یہی معنی منقول ہیں۔ قال جماعۃ من الصحابۃ والتابعین من اھل التاویل یبدو عن امر شدید (ابن جریر) عن ابن عباس قال ھو یوم کرب وشدۃ (ابن جریر) عن ابن عباس ھوالامر الشدید المفظع عن الھول یوم القیامۃ (ابن جریر) الی نحو ھذا ذھب مجاھد وابراھیم النخعی وعکرمۃ وجماعۃ وقد روی ایضًا عن ابن عباس (روح) والجمھور علی ان الکشف عن الساق عبارۃ عن شدۃ الامرو صعوبۃ الخطب فمعنی یوم یشتد الامرو یصعب ولا کشف ثمہ ولاساق (مدارک) وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ۔ یہ سجدہ کا حکم مومن وکافر سب کے لئے عام ہوگا۔ یہ حکم تشریعی تو ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ آخرت دار التکلیف نہیں دار الجزاء ہے۔ لامحالہ یہ حکم کافروں کے حق میں محض توبیخی ہوگا گویا اس تجلی ساق کی یہ ایک تاثیر طبعی ہوگی کہ کافر ومومن سب ہی سجدہ کرنا چاہیں گے۔ مومن باسانی قادر ہو جائیں گے، کافر ومنافق قادر نہ ہو پائیں گے۔ لا تکلیفًا ولکن توبیخًا علی ترکھم السجود فی الدنیا (مدارک) لایدعون الی السجود تعبدًا وتکلیفًا ولکن توبیخًا وتعنیفًا علی ترکھم السجود فی الدنیا (کبیر) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ اس سے یہ نکلا کہ کافر ومنافق بھی اس وقت ارادہ سجدہ کا کریں گے لیکن اس پر قادر نہ ہو پائیں گے۔ وفیہ دلالۃ علی انھم یقصدونہ فلایتاتی منھم (روح) ف۲۵ (اور اس وقت سجدہ سے انکار رکھتے تھے) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا انتہائے شرم وندامت وحسرت سے ہوگا۔ قرآن مجید میں ذکر کبھی نگاہوں کے اٹھے رہنے کا بھی آیا ہے۔ اور یہ دونوں بیانات باہم متناقض نہیں، حشر میں شدید ہولناکی کے تو مختلف احوال پیدا ہوں گے، اور انہیں کے لحاظ سے اہل دوزخ کے تاثرات بھی اولتے بدلتے رہیں گے، کبھی غلبہ انتہائی ندامت کا ہوگا، اس وقت نظریں نیچی ہو کر زمین پر گڑ جائیں گی۔ کبھی غلبہ حیرت واستعجاب کا ہوگا اس وقت نظریں اوپر کو اٹھ جائیں گی۔ وَقَدْ كَانُوْا ...... سٰلِمُوْنَ۔ یعنی دنیا میں جب انہیں پوری طرح قدرت حاصل تھی۔ اس وقت تو حکم کی تعمیل سے دانستہ گریز کرتے رہے۔ اب وہ کیفیت ان پر قدرۃً لیس دی گئی ہے۔ اب یہ اگر چاہیں جب بھی نہیں کر سکتے۔ ف۲۶ (اور عذاب وگرفت میں جو توقف ہو رہا ہے اس کی آپ کچھ فکر نہ کیجئے) فَذَرْنِيْ ...... الْحَدِيْثِ۔ یعنی آپ ہمارے ہی اوپر ہر طرح اعتماد وتوکل رکھیے ان سارے مجرموں اور منکروں سے نپٹ لینے کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ ہماری مشیت تکوینی انہیں آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ۔ یعنی انہیں تو مہلت دی جا رہی ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ فوراً ہی ان پر دنیا میں عذاب نازل کر دیا جائے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کافروں اور منکروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ حکمت الٰہی انہیں چپکے چپکے کدھر لئے جا رہی ہے۔

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

دبے جاتے ہیں؟ ف۲۷ کیا ان کے پاس (علم) غیب ہے کہ یہ (اُسے) لکھ لیا کرتے ہیں؟ ف۲۸

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ

تو آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے (پیمبر) کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ

نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ

انہوں نے (اپنے پروردگار کو) پکارا اس حال میں وہ غم میں گھٹ رہے تھے ف۲۹ اگر ان کے پروردگار کا فضل ان کی دستگیری

رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

نہ کرتا تو وہ میدان میں ڈال دیئے جاتے بدحالی کے ساتھ ف۳۰ پھر ان کے پروردگار نے انہیں (اور) برگزیدہ کر لیا

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اُن کو (اور زیادہ) صالحین میں کر دیا ف۳۱ اور یہ کافر ایسے معلوم ہوتا ہے

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ

کہ آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے، جب کہ قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن نصیحت ہی نصیحت ہے، دنیا جہان والوں کے لئے ف۳۲

اٰیاتھا ۵۲ | ۶۹ سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۸ | رکوعاتھا ۲

اس کی باون آیتیں ہیں | سورۃ الحاقہ مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾

وہ ہونے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز، اور آپ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز! ف۱

ف۲۷ اور اس لئے آپ کی اطاعت اور قبول دعوت سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کا جتنا حصہ مدنی سورتوں پر شامل ہے ان میں زیادہ تر احکام وقوانین، مسائل وقصص کا سادہ بیان ہے۔ اس حصہ میں قدرۃً سوال وجواب کی گنجائش کم تھی لیکن قرآن مجید کا یہ آخری حصہ جو زیادہ تر مکی سورتوں پر شامل ہے اس میں عموماً دعوت اصلاح عقائد کی ملتی ہے اور منکرین کو توحید، رسالت وآخرت کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لئے قدرۃً ان سورتوں کا اسلوب بیان زیادہ خطیبانہ ہے اور اس میں خطبات عرب (اور عرب کیا معنی ساری دنیا کے خطبات) کے دستور کے مطابق مؤثر انداز میں سوالات واستفہامات بھی زائد ہیں۔ ف۲۸ (اور اس طرح غیب سے براہ راست تعلق پیدا کر کے آپ کی اطاعت سے بے نیاز رہ گئے ہیں) ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۲ ف۲۹ صَاحِبِ الْحُوْتِ۔ سے مراد ارض نینوا کے پیمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جن پر حاشیے سورۂ یونس، سورۂ ہود وغیرہ میں مفصل گزر چکے۔ فَاصْبِرْ۔ آپ صبر سے کام لیتے رہئے۔ اور ان لوگوں پر فوری عذاب نہ آنے سے بددل نہ ہو جائیے۔ اِذْ نَادٰی۔ نداء سے یہاں مراد اپنے پروردگار کو توبہ واستغفار کی راہ سے پکارنا ہے۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ یعنی ان پیمبر کی طرح کہیں نہ ہو جائیے گا، جو وقت پر عذاب موعود کے ٹل جانے سے بددل وملول کی خاطر ہو کر بلا اجازت صریح کہیں اور چلے گئے تھے۔ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ۔ آپ کو غم اور صدمے کئی کئی طرح کے تھے۔ اور وہ سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ ایک رنج تو قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ دوسرا آئے ہوئے عذاب کے ٹل جانے کا۔ تیسرا بلا اذن صریح اپنے مقام سے چل کھڑے ہونے کا۔ اور چوتھا شکم ماہی میں محبوس ہو جانے کا۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب حال کا فعل صاحب مقام کے لئے۔ اور صاحب مقام کا فعل صاحب مقام الٰہی کے لئے بھی کبھی نقص کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس سے روکا جاتا ہے۔ ف۳۰ یعنی اگر ان کی توبہ قبول نہ ہو جاتی اور ملامت خطائے اجتہادی پر برابر قائم رہتی تو وہ دریا سے نکال کر میدان میں حالت مذموم کے ساتھ ڈال دیئے جاتے۔ لیکن توبہ قبول ہو گئی، ملامت کا شائبہ نہ رہا اور حالت بجائے مذموم ہونے کے ممدوح ہو گئی۔ ف۳۱ مقام اجتباء وصالحیت پر تو آپ پہلے سے ہی تھے۔ اب ان مقامات میں اور زیادہ ترقی ہو گئی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شاید اس قسم قصہ سے مقصود یہ ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان پیمبر کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع، اس طرح عذاب کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی رائے سے عجلت نہ کیجئے۔ بلکہ اللہ ہی پر توکل رکھئے تو انجام بہتر ہوگا۔ ف۳۲ یہ کافروں اور منکروں کے انتہائی سفاہت وحمق کا بیان ہے کہ للہ اللہ جو کلام ایک ہی ملک وقوم کے نہیں، ساری دنیا کی ہدایت واصلاح کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے قانون اور ضابطے اور ہدایتیں دنیا کی کیا انفرادی اور کیا اجتماعی، کیا اخلاقی اور کیا سیاسی، کیا معاشرتی اور کیا خانگی، ہر قسم کی صلاح وفلاح کی ضامن تھیں، اسی کو یہ لوگ مجنون کا کلام بتا رہے ہیں——! یہ خود ان کا جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَا هُوَ۔ ضمیر هو سے مراد پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا کلام یا قرآن ہے۔ لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ۔ زلق بالابصار محاورۂ عرب میں کنایہ شدت عداوت سے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھے ایسی بری آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جیسے کھا ہی جاؤ گے۔ **والمعنی انهم يشدة عداوتهم ينظرون اليك شزرا بحيث يكادون يزلون قدمك او يهلكونك** (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت میں ایک بڑے نکتہ کی بات سمجھائی ہے کہ تصرفات تکوینی اہل باطل بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاثیرات طبعیہ میں وہ اہل حق پر غالب آ جائیں۔ ان تصرفات نفسانی کو دلیل ولایت ومقبولیت سمجھنا ہی جہل ہے۔

ف۱ سورۃ کو استفہامی فقروں سے شروع کرنا مخاطب کو سوال کر کے توجہ دلانا عین بلاغت وخطابت عرب کے اسلوب کے مطابق ہے۔ اَلْحَآقَّةُ۔ حاقه کے لفظی معنی اس چیز کے ہیں جو بہرحال ہو کر رہے۔ **الحاقة التي يحق وقوعها** (بیضاوی) مراد حشر کا ہولناک دن ہے جس دن جزاء وسزا واقع ہو کر رہے گی۔ **اشارة الى القيامة لانه يحق فيه الجزاء** (راغب)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے تکذیب کی اُس کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کی، سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے

بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥

ہلاک کر دیئے گئے اور رہے عاد سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کئے گئے ف۲

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى

(اللہ نے) اسے ان پر مسلط کر دیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار تو تُو وہاں

الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦

اس قوم کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ

سو کیا تجھ کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے ف۳ اور فرعون اور اُس کے قبل والوں نے

قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کئے تھے ف۴ تو انھوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

سو (اللہ نے) ان کو بہت سخت پکڑا ہم ہی نے جب کہ پانی میں طغیانی ہوئی تمہیں کشتی میں

فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ

سوار کیا تاکہ اس (واقعہ) کو ہم تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان

وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬

اس کو یاد رکھیں ف۵ غرض جب صور یکبارگی پھونک دیا جائے گا

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭

اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے یہ دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے،

ف۲ یہ قوم ثمود و قوم عاد جو شمالی و مغربی عرب اور جنوبی و مشرقی عرب کی اپنے اپنے زمانہ میں مہذب ترین و متمدن ترین قومیں رہی ہیں۔ ان کا اصلی جرم انکار آخرت تھا۔ جو حق تعالیٰ کے ضابطۂ تعزیرات میں انکار توحید کے بعد شدید ترین جرم ہے۔ اور ان دونوں کا اسی بنیادی جرم کی پاداش میں دنیا میں یہ حشر ہوا کہ ان کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا گیا۔۔۔ آج کی آخرت فراموش ”روشن خیال“ ”مہذب“ قوموں کا جن کے صحیفۂ تہذیب و روشن خیالی کی پہلی ہی سطر آخرت فراموشی ہے، حشر کیا ان سے کچھ مختلف ہوتا ہے؟ اَلْقَارِعَةُ۔ قرع اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی سخت چیز پر ضرب لگنے سے پیدا ہوتی ہے اور قارعۃ سخت قسم کی کھڑکھڑاہٹ ہے۔ القرع ضرب شیء علی شیء (راغب) القارعة هي التي تقرع الناس بالافزاع والاهوال (کبیر) مراد قیامت کا دن ہے۔ اجمعوا علی ان الحاقة هي القيامة (کبیر) ثَمُوْدُ وَ عَادٌ۔ ان قوموں پر اور ان کی تباہی و بربادی پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف وغیرہ میں گزر چکے۔ ف۳ یہ منظر ہلاکت و تباہی کے بعد اس قوم کی مُردہ لاشوں کا دکھایا ہے۔ كَاَنَّهُمْ ...... خَاوِيَةٍ۔ کٹے ہوئے درختوں کے تنے کے ساتھ یہ تشبیہ قوم عاد کی جسمانی تنومندی اور قد آوری کے لحاظ سے نہایت موزوں اور برمحل ہے۔ ف۴ (اور سب سے بڑھ کر انکار آخرت) فرعون کا ذکر بار بار آ چکا ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتُ۔ یہ الٹی ہوئی بستیاں قوم لوط کی تھیں۔ حضرت لوط اور ان کی قوم پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ف۵ یعنی سننے والوں کو چاہئے کہ عبرت کے کانوں سے اس واقعہ کو سنیں اور اسے یاد رکھ کر موجبات عقوبت سے بچیں۔ اِنَّا ...... الْجَارِيَةِ۔ اشارۃ واقعہ طوفان نوح کی جانب ہے۔ حَمَلْنٰكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد موجودہ نسل مخاطبین کے اسلاف ہیں۔ لِنَجْعَلَهَا۔ ضمیر ھا اس واقعہ غرقابی کی طرف راجع ہے جو مخاطبین کو خوب اچھی طرح معلوم تھا، گو یہاں مذکور نہ ہو، ایسے موقع پر محض ضمیر سے کام لینا عربی اسلوب بیان کے عین مطابق ہے۔ قال الزجاج انه عائد الى الواقعة التي هي معلومة وان كانت ههنا غير مذكورة (کبیر) الضمير للفعلة وهي نجاة المؤمنين و اغراق الكفرة (کشاف)

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ

تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ

يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ

اس روز (بالکل) بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے ف۶ اور آپ کے پروردگار کے

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ

عرش کو اپنے اوپر اس روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے ف۷ جس روز

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی تو جس شخص کا نامۂ عمل اس کے

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ

داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو میں تو

ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

جانتے ہوئے تھا کہ مجھے ضرور میرا حساب پیش آنے والا ہے ف۸ تو وہ شخص خوب مزے کے

رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا

عیش میں ہوگا بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے کھاؤ

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو ف۹

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ

اور رہا وہ جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا

اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ

نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کاش موت ہی خاتمہ

ف۱ (جس وقت آسمان پھٹنا شروع ہوگا) ذکر ان فرشتوں کا ہے جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا۔ یعنی اپنے اپنے مقام وحیز سے یہ چیزیں ہٹادی جائیں گی۔ ذکر قیامت کے نفخۂ اول کا چل رہا ہے۔ وَالْمَلَكُ۔ ملک۔ یہاں بطور اسم جنس آیا ہے۔ صورۃً مفرد و معنًی جمع۔ للجنس بمعنی الجمع (مدارک) لم یرد بہ ملکا واحدا بل اراد الجنس والجمع (کبیر) ف۷ (جیسا کہ اس وقت چار اٹھائے ہوئے ہیں) عرش الٰہی کی کیفیت یا ماہیت اور اس کی تفصیلات سب علم وشعور انسانی کی موجودہ سطح سے بالاتر ہیں اس لئے بجز اجمالی بیان سن لینے اور اس کی اجمالی تصدیق کر دینے کے بندوں کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ البتہ محققین نے لکھا ہے کہ عرش الٰہی کو اس وقت جو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، یہ محض سطوت وجبروت شہنشاہی کے اظہار کے لئے ہے ورنہ عرش تو ثقل مادی سرے سے رکھتا ہی نہیں۔ البتہ نورانیت وہیبت الٰہی کا بار رکھتا ہے۔ سو آخرت میں شان جبروتی کا ظہور کامل ہوگا اس لئے چار حامل اور بڑھ جائیں گے یہ کہنا کہ فرشتوں کا حامل عرش ہونا حق تعالیٰ کی شان قیومیت کے منافی ہے محض اپنی سطحیت کا اظہار کرنا ہے۔ اگر قیومیت کے یہ معنی لے لئے جائیں تو ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے، ملائکہ کو واسطہ بنا کر ان سے کام لیتے رہنے کا سارا نظام ہی باطل ہوا جاتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ۔ سے مراد مجموعی وقت قیامت ہے اس کے نصف اول (جب نفخۂ اولی ہوگا) کا بیان پہلے ہو چکا، اب ذکر نصف ثانی کا ہو رہا ہے۔ جب نفخۂ ثانی ہوگا۔ ف۸ یعنی میں تو خود دنیا میں ایمان وتصدیق رکھتا تھا اور یوم آخرت اور وقوع جزاء کا شروع ہی سے معتقد تھا۔ لَا ..... خَافِيَةٌ۔ یعنی اے انسانو! حق تعالیٰ سے اس وقت تمہارا کوئی سا بھی راز چھپا ہوا نہ ہوگا۔ فَاَمَّا ..... بِيَمِيْنِهٖ۔ نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ملنا جنتی ہونے کی علامت ہوگا۔ فَيَقُوْلُ۔ وہ جنتی خوش ہو کر اپنے آس پاس والوں سے کہے گا۔ هَآؤُمُ۔ ھا کے معنی "لو" کے آئے ہیں اور هَآؤُمُ کا استعمال موقع جمع پر ہوتا ہے۔ ھاؤ صوت یصوت فیفھم بہ معنی خذ (کبیر) ویقال للاثنین ھاؤما وللجمع ھاؤموا وھاؤم (کبیر) ھا کلمۃ فی معنی الاخذ وھو نقیض ھات ای اعط ویقال ھاؤم و ھاؤما وھا ؤموا (راغب) فَيَقُوْلُ ..... كِتٰبِيَهْ۔ یہ جنتی نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پا کر فرط مسرت میں پکار اٹھے گا جیسا آج دنیا میں بھی انتہائی مسرت کے جوش میں انسان دوسروں کو بھی پکار پکار کر اپنی مسرت میں شریک کرتا ہے۔ دل ذلک علی انہ بلغ الغایۃ فی السرور (کبیر) ف۹ (یعنی دنیا میں) قُطُوْفُهَا ..... دَانِيَةٌ۔ یعنی جنت میں میوہ دار درختوں کے لذیذ پھل اور خوشے اہل جنت پر جھکے ہوئے ہر حال میں ان سے ایسے قریب ہوں گے کہ وہ بیٹھے لیٹے، کھڑے، جس وضع وحالت میں بھی چاہیں گے انہیں پا سکیں گے۔ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ جنت کی زندگی ہر قسم کے فکر وتردد، مرض ومصیبت، زوال وموت، عیب ونقص سے قطعاً خالی ہوگی، اس ساری کیفیت کو ایک مختصر لفظ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے تعبیر فرما دیا گیا ہے۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اعمال طاعت موجبات اجر وصلہ ہوتے ہیں۔ اور اہل جنت کو جو صلہ ملے گا اس کے وہ مستحق ہوں گے۔ یدل علی انھم انما استحقوا ذلک الثواب بسبب عملھم وذلک یدل علی ان العمل موجب للثواب (کبیر)

ف۱۰ (ہمیشہ ہمیش کے لئے اور آج اس جزاء و سزا کی نوبت ہی نہ آتی) یہ کلمات اہلِ دوزخ کی زبان پر انتہائی حسرت و یاس کی حالت میں آئیں گے۔ وَاَمَّا مَنْ ...... بِشِمَالِہٖ۔ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا دوزخی ہونے کی علامت ہوگا۔ یٰلَیْتَہَا۔ ضمیر ھا موت کی جانب ہے۔ اگرچہ لفظاً موت مذکور نہیں ــــ شدتِ ظہور کے باعث ضرورت بھی اس کے ذکر کی نہ تھی۔ الضمير يعود الي الموتة الاولي وهي وان لم تكن مذكورة الا انها لظهورها كانت كا لمذكور (کبیر) ف۱۱ یعنی دنیا کا مال و جاہ لینے میں پڑا ہوا میں مست و غافل اور آخرت کی طرف سے بھولا ہوا رہتا تھا۔ ان کی بے حقیقتی آج عیاں ہو رہی ہے۔ دنیا میں غفلت پیدا کرنے والی چیزیں یہی دو ہوتی ہیں ایک مال دوسرے جاہ، اس لئے صراحت سے ذکر انہیں دونوں کا کیا گیا۔ ف۱۲ دوزخی ابھی حسرت و ندامت میں مبتلا ہی ہوگا کہ ادھر سے فرشتوں کو یہ احکام صادر ہو جائیں گے۔ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا۔ یہ گز عالمِ آخرت کے ہوں گے دنیا کی پیائش اور پیانوں سے آخرت کی پیائش اور پیانے ظاہر ہے کہ

الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ

کر چکی ہوتی ف۱۰ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے

سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

گیا گزرا ہوا ف۱۱ پکڑو اس کو اور طوق پہناؤ اس کو، پھر اس کو دوزخ میں داخل کرو

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

پھر ایک ایسی زنجیر میں اسے جکڑو جس کی پیائش ستر گز ہے ف۱۲

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى

اس کا نہ ایمان ہی خدائے بزرگ پر تھا اور نہ یہ غریب آدمی کے

طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾

کھلانے کی ترغیب دیتا تھا ف۱۳ سو آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اسے کوئی کھانا نصیب ہے،

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

بجز زخموں کے دھوون کے، جسے کوئی بھی نہ کھائے گا بجز سخت گنہگاروں کے ف۱۴

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ

پھر میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو، اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو یہ (قرآن)

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا

کلام (الٰہی) ہے ایک معزز فرشتہ کا (لایا ہوا) ف۱۵ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بہت ہی کم ایمان

تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

تم لاتے ہو اور یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں بہت ہی کم تم سمجھتے ہو ف۱۶

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

(یہ کلام) اتارا ہوا ہے پروردگارِ عالم کی طرف سے ف۱۷ اور اگر (یہ پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ باتیں

کتنے مختلف ہوں گے۔ اور پھر بھی ضرور نہیں کہ اس سے کوئی متعین پیائش ہی مقصود ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ زنجیر کا محض طویل ہونا مقصود ہو۔ ليس الغرض التقدير بهذا المقدار بل الوصف بالطول كما قال ان تستغفر لهم سبعين مرة يريد مرات كثيرة (کبیر) يجوز ان يراد المبالغة في طولها وان لم يبلغ هذا العدد (بحر) ف۱۳ (مرتبۂ واجب میں) اِنَّهٗ ...... الْعَظِيْمِ۔ یعنی یہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات پر اس طرح ایمان نہ لایا، جس طرح کی تعلیم حضرات انبیاء و مرسلین دے گئے تھے۔ وَلَا ...... الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی یہ خود تو غریبوں، مسکینوں، کی خدمت کیا کرتا۔ دوسروں تک کو اس کی صلاح و ترغیب نہیں دیتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا۔ ف۱۴ یعنی ان کافروں، مجرموں کو دوزخ میں غذائیں بھی ملیں گی، تو اتنی نفرت انگیز اور گندی کہ کوئی اور انسان تو ادھر رخ بھی نہیں کرسکتا! الْخَاطِـُٔوْنَ۔ مراد خطا پیشہ یعنی منکرین و کافرین ہیں۔ الكافرون (مدارک، معالم) وهم المشركون (کبیر) ف۱۵ یعنی موجودات مرئی و غیر مرئی سب اس پر شاہد ہیں کہ قرآن جس پر آیا وہ حق تعالیٰ کا معزز قاصد ہے ــــ قسم کے متعلق بار بار بیان ہو چکا ہے کہ عربی اسلوب بیان میں اس سے مقصود محض تاکیدِ کلام ہوتی ہے۔ بِمَا ...... لَا تُبْصِرُوْنَ۔ قرآن مجید کو دنیا میں لانے والا ایک غیر مرئی مخلوق یعنی فرشتہ تھا، اور دنیا کے سامنے اس کا پیش کرنے والا ایک مرئی مخلوق یعنی پیمبر۔ اس لئے حقانیتِ قرآن کے سلسلۂ سیاق میں موجودات کی ان دو قسموں کی طرف توجہ دلانا بہت پُر معنی ہے۔ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ رسول کا استعمال اس سیاق میں فرشتہ جبرئیل کے لئے ہے۔ والاكثرون هناك علي ان المراد به جبريل عليه السلام (کبیر) قال ابن السائب ومقاتل وابن قتيبة هو جبريل عليه السلام (بحر) قرآن کا انتساب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب بھی صحیح ہے کہ وہی آسمان سے اس کے لانے والے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی صحیح کہ وہی ہم سب کو سنانے والے تھے۔ نعوذ باللہ اگر اسے فرشتہ ہی کا مستقل کلام قرار دے لیا جائے، تو اس کا وصف ذی رسول ہی باطل ٹھہرا جاتا ہے۔ يكفي في سوق الاضافة ادني سبب فهو كلام جبرئيل بمعني انه هو الذي انزله من السمٰوات الي الارض وهو كلام محمد بمعني انه هو الذي اظهره للخلق ودعا الناس الي الايمان به (کبیر) ف۱۶ غرض یہ کہ یہ پُر حکمت و عظمت کتاب نہ شعر ہے، نہ کہانت، اور تم لوگ جو ایسی بیہودہ رائے زنی کر رہے ہو، ایمان و عقل دونوں سے خالی ہو۔ قَلِيْلًا ـ قَلِيْلًا ـ یہ قلت دونوں جگہ عدم کے معنی میں ہے۔ وقليل يعبر به عن النفي، (راغب) القلة في معني العدم (کشاف) والعرب يقولون قلما يأتينا يريدون لا يأتينا (کبیر) بِقَوْلِ شَاعِرٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک "روشن خیال" گروہ کی تشخیص یہی تھی۔ بِقَوْلِ كَاهِنٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک دوسرے "روشن خیال" گروہ نے یہی فتویٰ دے رکھا تھا۔ قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر سے تو اہل عرب کو بھی مجال انکار نہ تھی۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شخصیت کے اثرات سے آج فرنگیوں کو بھی مجال انکار نہیں، البتہ جس طرح آج کے فرنگی سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی کے لئے توجیہیں ساری دنیا کی ڈھونڈ نکالتے ہیں، بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کے۔ ساری طرح قریش کے "روشن خیال" بھی مجبور و عاجز ہو کر انہیں تاویلوں پر اتر آتے تھے کہ یا تو اسے شاعر کا کلام قرار دیں یا کاہن کا ــــ شاعری اور کہانت، ادب کے انہیں دو موثر، پر زور حربوں سے وہ واقف تھے۔ ف۱۷ (ساری خلق کی ہدایت و اصلاح کے لئے)

ف۱۸ یعنی ان کا دعویٰ کسی طرح سرسبز نہ ہونے دیتے۔ اور اسے یہیں سزا دے دیتے۔ وَلَوْ ... الْاَقَاوِیْلِ۔ یعنی جو کلام حق تعالیٰ کا نہیں اسے یہ حق تعالیٰ کا کلام قرار دے کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیتے۔

الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ان کا اس (سزا) سے بچانے والا نہ ہوتا ف۱۸

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

اور یہ (قرآن) بے شک نصیحت ہے متقیوں کے لئے ف۱۹ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان تکذیب کرنے والے بھی ہیں اور یہ (قرآن) کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے ف۲۰ اور یہ (قرآن) تحقیق یقینی بات ہے ف۲۱ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ف۲۲

آیاتها ۴۴ — ۷۰ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ — رکوعاتها ۲

اس کی چوالیس آیتیں — سورۂ معارج مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

مانگا، ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے ف۱ جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور جو) اللہ کی طرف سے ہوگا (جو) زینوں کا مالک (ہے) ف۲ فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جائیں گی، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ قطع وتین سے مراد ہلاک کر دینا ہے۔ قال ابن قتیبة لم یرد انا نقطعه بعینه بل المراد انه لو کذبه لامتناه (کبیر) الْاَقَاوِیْلِ۔ گڑھی ہوئی باتوں کے لئے قول کی جمع الاقاویل بروزن اعاجیب و اضاحیک۔ اس کی تحقیر و ذم کے لئے لائی گئی ہے۔ سمی الاقوال المعقولة الاقاویل تحقیرا لها کقولک الاعاجیب والاضاحیک (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح جھوٹا مدعیٔ ولایت بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ مگر نبوت چونکہ ایک امر ظاہر ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی ظاہرا بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ولایت چونکہ امر باطنی ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی صرف باطنا ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اہل باطن اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور اس مدعی کے اندر انہیں آثار ممات و خذلان محسوس ہو جاتے ہیں۔ پس جس مدعی سے اکثر اہل اللہ بیزار ہوں اس سے بچتے رہنا چاہیے۔ ف۱۹ یعنی اس نصیحت تامہ، ہدایت تامہ سے فائدہ تو وہی لوگ اٹھائیں گے، جن کے دلوں میں خوف خدا موجود ہے۔ ف۲۰ اس معنی میں کہ وہ اس کی تکذیب کریں گے۔ اور اس طرح وہ ان کے حق میں بالواسطہ سبب تعذیب بن جائے گا) ف۲۱ ابھی ابھی قرآن مجید کا وصف کمالی اضافی بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خدا ترسوں کے حق میں موجب نصیحت و ہدایت ہے۔ اب اس کا وصف کمالی ذاتی بیان ہو رہا ہے۔ یعنی وہ بجائے خود ایک محقق و صادق کلام ہے۔ ف۲۲ یعنی اس کے نام کی، جس کا یہ کلام ہے۔ اور منکرین مکذبین کی پروا مطلق نہ کیجئے۔ ف۱ (کہ آخر وہ آ کیوں نہیں چکتا جس کا اتنی مدت سے وعدہ کیا جا رہا ہے) سَاَلَ سَآئِلٌ۔ یہ سوال اور مطالبہ ظاہر ہے کہ تضحیک و تعریض کی راہ سے تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن الحارث مکی تھا۔ بعض روایتوں میں ابوجہل کا نام آیا ہے۔ بِعَذَابٍ۔ ب یہاں عن کے مرادف ہے۔ ف۲ (یعنی آسمانوں کا مالک) ذِي الْمَعَارِجِ۔ معرج جس کی جمع معارج ہے اس کے لفظی معنی آلۂ عروج یا سیڑھی کے ہیں یہاں مراد آسمانوں سے ہے جو ایک کے اوپر ایک ہیں اور اس پر فرشتے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق لفظ متصل دافع سے بھی سمجھا گیا ہے۔ اور آیت ماقبل کے لفظ واقع سے بھی۔ یعنی یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اس عذاب کا اللہ کی طرف سے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور یہ مراد بھی کہ وہ عذاب کافروں پر اللہ کی طرف سے واقع ہوگا اور حاصل دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہے۔ اہل لطائف و مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ کی صفت ذِي الْمَعَارِجِ لانے میں دو نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں طالب سالک کے لئے تسکین و تسلی ہے کہ وہ اپنی سعی و استعداد کے مطابق جس مقام پر بھی قدم رکھے گا، ذات کبریائی اس کی پذیرائی کرے گی۔ دوسرے یہ کہ اس میں طالب سالک کی شوق افزائی کی ہے کہ وہ جس منزل پر بھی پہنچ چکا ہو، اس پر قناعت نہ کرے، بلکہ آگے ہی بڑھتے رہنے کی کوشش کرے!

سَنَةٍ ۝٤ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝٥ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ

ہوگی ف۳ سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی جمیل ف۴ یہ لوگ اس دن کو دور دیکھ

بَعِيدًا ۝٦ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝٧ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝٨

رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ف۵ جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝٩ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ

اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو

حَمِيمًا ۝١٠ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي

نہ پوچھے گا حالانکہ وہ انہیں دکھا بھی دیئے جائیں گے ف۶ مجرم (تو اس روز بس) اس کی تمنا کرے گا کہ

مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝١٢

اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بدلہ میں فدیہ دے دے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝١٣ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اور اپنے کنبہ کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو (کر)

ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝١٤ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۝١٥ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۝١٦

پھر (یہ فدیہ) اسے (عذاب سے) بچالے ف۷ یہ ہرگز نہ ہوگا وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال (تک) اتار دے گی،

تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۝١٧ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝١٨

اور وہ اس شخص کو بلا رہی ہوگی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور روگردانی کی ہوگی اور (مال) جمع کیا ہوگا، اور اس کو اٹھا اٹھا

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝١٩ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

رکھا ہوگا ف۸ انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو

جَزُوعًا ۝٢٠ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝٢١ إِلَّا

جزع فزع کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ف۹ ہاں البتہ

ف۳ (اس دنیا کی مقدار مدت کے حساب سے) اتنی طویل مدت (جیسا کہ سیاق اشارہ کر رہا ہے) کافروں ہی کو معلوم ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ امتداد، اشتداد ہی کی طرح خود ایک عذاب الیم ہوگا۔ رہے اہل ایمان، جن کی شان میں بار بار لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون اور لا یحزنہم الفزع الاکبر اور وہم من فزع یومئذ آمنون وغیرہ کی بشارتیں قرآن مجید میں آچکی ہیں۔ حسب تصریح احادیث یوم حشر ان کے لئے بالکل ہلکا پھلکا ہوگا۔ تعرج الملئکۃ والروح۔ یہ فرشتے اور ارواح انہیں آسمانی زینوں سے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ الروح۔ روح بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ اور مراد اہل ایمان کی روحیں ہیں۔ الیہ مراد عالم بالا کے وہ مقامات ہیں جو فرشتوں اور روحوں کے منتہائے عروج ہیں۔ اے الی عرشہ ومہبط امرہ (مدارک) لفظ الی سے حق تعالیٰ کی تجسیم ومکانیت پر استدلال سرتاسر لغو ہے الی کا منسوب الیہ جب بھی غیر مادی یا غیر مکانی ہوتا ہے تو الی کے مفہوم میں صرف توجہ والتفات شامل رہتا ہے۔ مثلاً الی الکفر، الی الایمان، الی الخیر وغیرہ میں، اور خود قرآن مجید کی اس قسم کی آیات میں۔ والیہ یرجع الامر کلہ۔ والی اللہ ترجع الامور وغیرہ۔ فلیس المراد منہ المکان بل المراد انتہاء الامور الی مرادہ (کبیر) ف۴ جس میں شکوہ وشکایت کا نام بھی نہ ہو۔ فاصبر۔ یعنی آپ معاندین کے طنز واستہزاء پر صبر کرتے رہیے۔ ف۵ (اور انہیں اس کے قرب سے آگاہ بھی کرتے جاتے ہیں) ونراہ قریبا۔ حق تعالیٰ کا دیکھنا چونکہ ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے گویا یہ بتا دیا کہ وہ دن واقعۃً بہت ہی قریب آ لگا ہے۔ انہم یرونہ بعیدا۔ ان کا اس دن کو دور سمجھنا تمامتر ان کی ارادی غفلت و مدہوشی کا نتیجہ ہے۔ بعیدا۔ قریبا۔ بعید سے مراد بعید از قدرت اور قریب سے مراد اندرون قدرت لی گئی ہے۔ فالمراد بالبعید البعید من الامکان وبالقریب القریب منہ (کبیر) ف۶ یعنی ایسی نفسی نفسی اس وقت پڑی ہوگی کہ غیر تو کیا کام آئیں گے خود اپنے قریبی بھی بات تک نہ پوچھیں گے۔ یوم۔ یعنی کافروں پر یہ عذاب اس دن واقع ہوگا، جس کی کیفیت اب بیان ہو رہی ہے — امتداد یوم حشر کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔ اب تفصیلات اس روز کے اشتداد کی بیان ہو رہی ہیں۔ کالمہل۔ یعنی تلچھٹ کی طرح سیاہی مائل۔ انتہائی سرخی کے زائد سے سیاہی سے مل جاتے ہیں۔ اس لئے اس بیان اور فکانت وردۃ کالدہان میں کوئی تناقض نہیں — اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سرخی اور میلان بسیاہی یہ دو مختلف رنگتیں دو مختلف حالتوں کی ہوں۔ السماء کالمہل۔ الجبال کالعہن۔ جب آسمان اور پہاڑ جیسی زبردست اور مستحکم چیزیں یوں بکھر کر نکل جائیں گی تو دوسری موجودات کا کیا ذکر! وتکون الجبال کالعہن۔ پہاڑوں کی تشبیہ رنگین اون سے شاید اس لئے دی گئی ہے کہ پہاڑ بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ ف۷ المجرم۔ مجرم سے مراد کافر ہے۔ اے المشرک (معالم۔ مدارک) المجرم ہو الکافر (کبیر) کافروں کی حالت اس روز یہ ہوگی کہ دنیا میں جس جس پر جان فدا کرتے تھے۔ ان سب کو اپنی جان بچانے کے لئے عذاب الٰہی کے حوالے کرتے جائیں گے۔ ف۸ (دوسروں کا حق کاٹ کاٹ کر) کلا ...... ینجیہ۔ ذکر دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ہے کہ وہ کسی کی رورعایت کرنا کیا جانے۔ اور اس کے سامنے ذکر عوض وفدیہ کا کیسا! فاوعی۔ کنایہ ہے کمال بخل سے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص واقعۃً اپنے نقد ومال کو اٹھا اٹھا کر الماریوں اور تجوریوں کے اندر سمیٹ کر رکھے۔ من ادبر وتولی۔ یعنی جب دنیا میں ایمان وطاعت کی طرف بلائے جاتے تھے تو بلانے والے کی طرف سے اعراض ونفرت کرتے ہوئے بھاگتے تھے۔ مطلب دونوں آیتوں کو ملا کر یہ ہوا کہ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کو کافر نے دنیا میں ضائع کیا۔ اور اس سے فساد عقائد اور فساد اخلاق دونوں کی جانب اشارہ ہو گیا۔ کافر کے نفس عذاب کے لئے تو کفر ہی کافی ہے عذاب میں مزید اشتداد البتہ فروع کی بنا پر ہوگا۔ ف۹ الانسان۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے جیسا کہ ما بعد اہل ایمان کے استثناء سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ہلوعا۔ اس بدہمتی سے مراد طبعی جبلی بدہمتی مراد نہیں بلکہ اس کے اختیاری واکتسابی آثار مادی مراد ہیں۔ جزوعا۔ یعنی جزع فزع کرنے میں قدم حد اباحت سے آگے بڑھا رہتا ہے۔ منوعا۔ یعنی ادائے حق ضروری میں بھی بخل کرنے لگتا ہے۔

الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ

اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہیں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی

وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

(سب) کا اور جو جزاء کے دن کی تصدیق کرتے رہتے ہیں ف۱۰

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنے والے ہیں بے شک

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

ان کے پروردگار کا عذاب نڈر رہنے والی چیز ہے بھی نہیں اور جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کو

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

محفوظ رکھنے والے ہیں ہاں اگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے (حفاظت نہ کریں) تو

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو کوئی اس کے علاوہ (شہوت رانی کا) طلبگار ہوا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

تو یہ لوگ حد (شرعی) سے نکل جانے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ اپنی امانتوں

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ

اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں کے ادا

قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

کرنے والے ہیں ف۱۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں

ف۱۰ اور اس بنیادی عقیدۂ تصدیق سے اہل ایمان کے سارے اعمال طاعت کی شاخیں ہوگئی ہیں۔ اَلَّذِیْنَ ...... دَآئِمُوْنَ۔ یعنی اپنی نمازوں کی پوری محافظت و مداومت رکھتے ہیں۔ انہیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ عن عائشةؓ قالت کان احب الصلوة الی رسول اللہ ﷺ مادیم علیه (جصاص) قیل المراد بذلک الذین اذا عملوا عملاً اداموا علیه واثبتوه (ابن کثیر) معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر وقت نماز کے خیال میں لگے رہتے ہیں کہ ادھر وقت آئے اور ادھر نماز شروع کردیں۔ عن ابن مسعودؓ قال دائمون علی مواقیتها (جصاص) قیل معناہ یحافظون علی اوقاتها و واجباتها قال ابن مسعود ومسروق و ابراهیم النخعی (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نمازیوں کا ہلوع یعنی بدہمت نہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ طاعات کو قوت قلب و تحمل شدائد میں دخل عظیم ہے۔ اور اس اثر کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ فِیْ ...... الْمَحْرُوْمِ۔ طاعات بدنی کا اجمالی ذکر ابھی نماز کے ضمن میں آچکا ہے۔ طاعات مالی کا ذکر اب آرہا ہے۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔ یعنی وہ حق جو شرعاً معین ہے یا عقلاً مسلم ہے۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ یعنی جس کا جو درجہ شریعت نے مقرر کردیا ہے بس اس کے مطابق و ماتحت۔ اَلْمَحْرُوْمِ۔ محروم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص ہے جو کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو۔ عن ابن عباس المحروم الذی لایستقیم له تجارة (جصاص) قال ابو قلابة المحروم من ذهب ماله (جصاص) ای الذی لم یوسع علیه الرزق کما وسع علی غیره (راغب) ف۱۱ ان سب آیتوں کے لئے ملاحظہ ہوں سورۃ المؤمنون (پ۱۸) کے پہلے رکوع کے ابتدائی حواشی۔ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اس سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ علاوہ حرامکاری کے اس کے مبادی و مقدمات بھی ناجائز ہیں۔ فَمَنِ ...... الْعٰدُوْنَ۔ اس آیت نے غیر طبعی اور غیر شرعی شہوت رانی کی ساری صورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ وهذه الاٰیة تدل علی حرمة المتعة ووطی الذکران والبهائم والاستمناء بالکف (مدارک) ف۱۲ (ٹھیک ٹھیک اور بغیر کمی بیشی کے، بغیر کسی کی رورعایت کے، بلا کسی دباؤ یا لالچ کا اثر لئے ہوئے) لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یعنی ان امانتوں کا خیال رکھنے والے جو انہوں نے اپنی سپردگی میں لی ہیں۔ وَعَهْدِهِمْ۔ یعنی ان عہدوں کو پورا کرنے والے جو وہ دوسروں سے کرچکے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے ف۱۳ تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ

قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ

آپ پر دوڑے چلے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے ٹولیاں

عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ

بن بن کر ف۱۴ کیا ان میں سے ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ آسائش کی جنت میں داخل کر

نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ أُقْسِمُ

لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اس چیز سے جس سے سب واقف ہی ہیں ف۱۵ تو میں قسم کھاتا ہوں

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ إِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى أَنْ

مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی ف۱۶ کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ

نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ

ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم کچھ عاجز تو ہیں نہیں ف۱۷ تو آپ ان کو (پڑا) رہنے دیجئے

يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ

(اس) شغل اور تفریح میں یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو

يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا

جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (یعنی) وہ دن جب کہ یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے

كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ

کہ گویا وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان پر ذلت چھا رہی ہو گی یہی ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ف۱۸

ف۱۳ محققین نے کہا ہے کہ اعمال حسنہ کی فہرست کو شروع بھی نماز کے ذکر سے کرنا اور ختم بھی اسی پر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اعمال طاعت میں اولین وعظیم ترین اہمیت نماز ہی کو حاصل ہے۔ فافتتح الکلام بذکر الصلوۃ واختتمہ بذکرھا فدل علی الاعتناء بھا والتنویہ بشرفھا (ابن کثیر) ف۱۴ (ان مضامین وتعلیمات کی تصدیق کے لئے نہیں بلکہ الٹے ان کی تکذیب وتضحیک کے لئے) فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ ان موجبات سعادت وشقاوت کی پوری تحقیق ہو جانے کے بعد بھی۔ ف۱۵ (اور پھر بھی یہ امکان بعث میں شک ہی کئے جاتے ہیں۔ اور ہماری قدرت پر ذرا غور نہیں کرتے) أَيَطْمَعُ الخ۔ اس سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ اپنی حماقت وسفاہت سے یہ اپنے ہی کو حق پر سمجھے ہوئے اس خیال خام میں ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے لئے چین ہی چین ہے۔ كَلَّا۔ موجبات عذاب کے تحقق کے ساتھ عیش بعد الموت کیسے جمع ہو سکتا ہے! مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی نطفہ جیسی حقیر چیز سے۔ ف۱۶ (یعنی خود اپنی) آگے ذکر قدرت کاملہ کا ہے اس مناسبت سے یہاں اپنا ایک اسم وصفی لا کر گویا اسی وصف کو بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ مشارق جمع ہے مشرق کی اور مغارب جمع ہے مغرب کی۔ آفتاب کے طلوع وغروب کے نقاط سال میں برابر بدلتے رہتے ہیں، جیسا کہ علم ہیئت کے ہر طالب علم پر واضح ہے۔ قرآن مجید نے ہر ہر نقطہ طلوع کو ایک مشرق اور ہر ہر نقطہ غروب کو ایک مغرب قرار دے کر اسی فلکیاتی حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا۔ مشرک اور جاہلی قوموں نے مشرق، اور مغرب، جنوب مشرق، جنوب مغرب، شمال، شمال مغرب، شمال مشرق وغیرہ کے جو الگ الگ دیوتا، یا لوک پال تجویز کر رکھے تھے، اسی ایک نام رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ کو لا کر قرآن نے اس سارے عقیدہ کی تردید کر دی کہ یہ کیا مہملات وخرافات ہیں، ہر سمت اور ہر جہت کا مالک وہی ایک پروردگار برحق ہے۔ ف۱۷ خلاصہ استدلال یہ کہ جب ہم بالکل نئی مخلوق کے پیدا کرنے پر، جن میں صفات کمال بھی تم سے زائد ہوں، قادر ہیں، تو تم کو دوبارہ پیدا کر دینے میں کیا دشواری ہے؟ خَيْرًا مِّنْهُمْ۔ یعنی اس دنیا میں ان سے بہتر مخلوق لا دکھائیں۔ ف۱۸ (اور دنیا میں اس کی ہمیشہ تکذیب ہی کرتے رہے تھے) فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا۔ یعنی آپ ﷺ ان بدمستوں اور غفلت میں پڑے رہنے والوں کے حق میں زیادہ فکر وتردد نہ کیجئے ——— یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ ان پر تبلیغ بھی ترک کر دیجئے۔ كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ۔ یعنی جس طرح دنیا میں چڑھاوا چڑھانے کے لئے اپنی پرستش گاہوں کی طرف لپکتے ہوئے جاتے تھے۔ نُصُب۔ ملاحظہ ہو وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ پر حاشیہ سورۃ المائدہ (پ ۶) کے رکوع اول میں۔ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا افراط خوف وندامت سے ہو گا۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ اردو محاورہ میں "ان کے چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی"۔

اٰیاتہا ۲۸ | ۷۱ سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَّکِّیَّۃٌ ۷۱ | رکوعاتہا ۲

اس کی اٹھائیس آیتیں | سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ

ہم نے نوح کو بھیجا اُن کی قوم کے پاس کہ ڈراؤ اپنی قوم کو

قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ

قبل اس کے کہ ان پر عذاب دردناک آپہنچے ف۱ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۳﴾

صاف صاف ڈرانے والا ہوں، (یہ یاد دلا کر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط

وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دے گا

اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ م لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

بے شک اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجائے گا ٹلے گا نہیں کاش تم جان لیتے ف۲

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَہَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ

(پھر نوح نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی سو

یَزِدْہُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُہُمْ

میرے بلاوے نے اُن کا گریز اور بڑھا ہی دیا ف۳ اور میں نے جب کبھی انہیں بلایا

لِتَغْفِرَ لَہُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَہُمْ فِیْٓ اٰذَانِہِمْ وَ اسْتَغْشَوْا

تاکہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اور (اپنے اوپر) اپنے کپڑے

ف۱ (ان کے کفر وطغیان کی پاداش میں خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) اِنَّآ ..... قَوْمِہٖ ۔ نوح اور قوم نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) وغیرہ میں گزر چکے۔ انسانی نسل کا مستقل اور غیر منقطع سلسلہ آپ ہی کے وقت سے چلا ہے۔ اور اس لئے آپ کی شخصیت تاریخ انبیاء میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ ۔ یعنی کفر وطغیان کے وبال وپاداش سے ڈرائیے۔ ف۲ یعنی یہ حقائق جو میں بیان کر رہا ہوں کاش تم پر بھی روشن ہو گئے ہوتے! اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ ۔ یعنی پرستش صرف حق تعالیٰ کی کرو۔ اپنے سارے جھوٹے معبودوں، ٹھاکروں، مورتیوں کو ٹھکرا کر۔ وَاتَّقُوْہُ ۔ یعنی خوف اپنے دلوں میں اس خدائے واحد کا جماؤ نہ کہ اپنے گڑھے ہوئے معبودوں کا۔ وَ اَطِیْعُوْنِ ۔ پیمبر کی اطاعت میں اطاعت الٰہی بھی ہوتی ہے۔ یَغْفِرْ ..... یُؤَخِّرْ ۔ یعنی موت طبعی جو کفر وعدم ایمان کا ثمرہ نہیں، وہ تو بہر حال اپنے وقت موعود ومقرر پر آ کر رہے گی۔ البتہ عذاب جو ثمرہ ہے کفر کا اس سے تم ایمان لا کر محفوظ ہو جاؤ گے۔ ف۳ یہ سب عرض ومعروض آپ نے اس وقت کی ہے جب آپ ہر ممکن تبلیغ ودعوت اور صدہا سال کے تجربہ کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں اور برابر یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ جتنی بھی کوشش آپ کی جانب سے اصلاح کی ہوتی رہی، ادھر سے اور ضد، انکار واستکبار ہی بڑھتا گیا۔

ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝٧ ثُمَّ اِنِّىْ

لپیٹ لئے، اور اڑے رہے اور نہایت درجہ کا تکبر کرتے رہے ف۴ پھر (بھی) میں نے

دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝٨ ثُمَّ اِنِّىْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ

ان کو بآواز بلند بھی بلایا پھر میں نے انہیں علانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی

اِسْرَارًا ۝٩ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠

سمجھایا ف۵ چنانچہ میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ

وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں

وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝١٢ مَا لَكُمْ

ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے دریا بہا دے گا ف۶ تمہیں کیا ہوا کہ

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝١٣ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝١٤ اَلَمْ

تم اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہو حالانکہ اسی نے تم کو طرح طرح سے بنایا ف۷ کیا

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَّ جَعَلَ

تم نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے ہیں اور ان میں

الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝١٦ وَ اللّٰهُ

چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور آفتاب کو چراغ (کی طرح روشن) بنایا ف۸ اور اللہ نے

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝١٧ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا

تم کو زمین ہی سے ایک خاص طور پر پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا

وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝١٨ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

اور (اسی سے) تمہیں باہر لے آئے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو

ف۴ (قبول حق سے اور میری تعلیمات کی پذیرائی سے) كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ یعنی جب جب انہیں مسلک توحید و راہ ایمان کی دعوت دی۔ لِتَغْفِرَ لَهُمْ۔ یعنی تاکہ یہ ایمان لے آئیں اور مغفرت ان پر قدرۃً مرتب ہو جائے۔ جَعَلُوْا . . ثِيَابَهُمْ۔ یہ سب کچھ انہوں نے غایت نفرت و کراہت سے کیا۔ یعنی تاکہ نہ داعیٔ حق کی آواز ان کے کانوں تک پہنچے، اور نہ یہ داعیٔ حق کو دیکھیں اور نہ وہ ان کو دیکھ سکے! اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ۔ قدیم قوموں کا لباس، یاد رہے کہ بالکل ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا۔ دھوتی یا تہمد اور چادر وغیرہ۔ فرنگیوں کے موجودہ چست کوٹ واسکٹ، پتلون وغیرہ پر اسے نہ قیاس کیا جائے۔ ف۵ (غرض یہ کہ تبلیغ دعوت کے سارے ہی طریقے استعمال کر دیکھے) اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا۔ یعنی میں نے پبلک تقریریں کیں، اور وعظ و خطاب عام سے کام لیا۔ اِنِّىْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ۔ یعنی میں نے خطاب خاص سے کام لے کر افراد سے الگ الگ بھی کھلم کھلا گفتگو کی۔ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ یعنی بالکل نجی اور تخلیہ کی صحبتوں میں بھی افراد کو الگ الگ سمجھایا۔ ف۶ یعنی میں نے تو یہ بھی کہہ کہہ کے دیکھ لیا کہ علاوہ نفع اخروی کے وہ مقصود اصلی ہے، تمہیں دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ استغفار ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد ہی اور ایمان ہی کے واسطہ سے ممکن تھا۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ . . اَنْهٰرًا۔ یہ آیت ایمان کی مادی اور دنیوی برکتوں کے باب میں نص ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ تمہارے گناہ ابھی ہی بخش دے گا، بلکہ مغفرت تو اس کی عادت و صفت ہی ہے، اور کچھ آج سے نہیں، ہمیشہ ہی سے رہی ہے۔ كانه يقول لاتظنوا ان غفاريته انما حدثت الأن بل هو ابدا هكذا كان فكان هذا به حرفته وصنعته (کبیر) ف۷ (اور تمہیں خلقت کے مختلف ادوار سے گزارا ہے) لَا . . . وَقَارًا۔ اگر حق تعالیٰ کی عظمت تمہارے دلوں میں ہوتی تو خود بخود شرک سے نفرت اور بت پرستی سے بیزاری تمہیں پیدا ہو جاتی۔ ف۸ ان چیزوں کا خدا کی بڑی نعمتوں میں سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، اور اس سے اس کی قدرت کاملہ اور خلاقی پر استدلال بھی بالکل صریح ہے۔ اسی کے ساتھ ضمناً یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ آسمان اور چاند اور سورج سب کے سب اللہ ہی کی مخلوق اور سرتاسر محکوم ہیں۔ ان میں نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی دیوتا — قوم نوح علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ انہیں "پرستیوں" یعنی فلک پرستی، ماہتاب پرستی اور آفتاب پرستی میں مبتلا تھی۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ سماء اور سَبْعَ سَمٰوٰتٍ دونوں پر حاشیے گزر چکے۔

بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوْحٌ

فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو ف۹ نوح نے عرض کی کہ

رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗ

اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی، اور پیروی ایسوں کی کی جن کے مال واولاد نے انہیں نقصان

اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

ہی زیادہ پہنچایا ف۱۰ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے ف۱۱ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو

اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ

ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث، یعوق، نسر (غرض کسی کو بھی نہ)

وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا

چھوڑنا ف۱۲ اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو (ان) ظالموں کی گمراہی تو اور

ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ

بڑھا دے ف۱۳ (چنانچہ) اپنے (انہیں) گناہوں کے باعث وہ غرق کیے گئے، چنانچہ وہ آگ میں پہنچ گئے تو

يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ

اللہ کے مقابلہ میں انہیں کچھ بھی حمایتی میسر نہ ہوئے ف۱۴ اور نوح نے یہ بھی عرض کی کہ اے

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ

میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (جیتا) مت چھوڑ اگر تو انہیں

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہیں گے ف۱۵ اور ان کے محض کافر وفاجر ہی اولاد پیدا ہوتی رہے گی ف۱۶

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

اے میرے پروردگار مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو، اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو بحیثیت مومن کے

ف۹ نہ شجر پرستی کوئی معقول معنی رکھتی ہے، اور نہ دھرتی ماتا کوئی دیوی ہیں۔ زمین اور جو کچھ بھی اس پر ہے یہ سب تو خود ہی انسان اور اس کی ضروریات میں صرف میں لانے کے لئے مخلوق ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ ...... نَبَاتًا۔ یہ اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ انسان کی ترکیب میں غالب عنصر اجزائے ارضی ہی کے ہیں۔ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا۔ یعنی بعد موت انسان کے اجزائے ارضی پھر اسی زمین میں مل ملا جائیں گے۔ وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ یعنی حشر کے وقت انسان کامل طور پر اسی زمین سے از سر نو برآمد کر لیا جائے گا۔ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یہ سطح زمین پر چلنا پھرنا تو موقوف ہی ہے زمین کے فرش ہونے پر۔ ف۱۰ یعنی بجائے میری پیروی کے اپنی قوم کے امراء ورؤساء ہی کی پیروی کرتے رہے، اور ان سرداروں کا مال واولاد ان کے حق میں مزید غفلت وطغیان ہی کا سبب بنا رہا۔ خَسَارًا۔ محققین نے کہا ہے کہ کافر کے حق میں کوئی نعمت، نعمت ہی نہیں، ہر نعمت اس کے لئے ایک سبب عذاب ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ واستدل بهذه الاية من قال انه ليس لله على الكافر نعمة لان هذه النعم استدراجات ووسائل الى العذاب الابدى فكانت كالعدم (کبیر) ف۱۱ یعنی دین حق کی توقیر مٹانے اور اس سے مقابلہ کے خوب خوب منصوبے باندھے۔ اور شرک وجاہلیت کی حمایت ونصرت کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں تیار کیں۔ اور ان پر عمل بھی جی بھر کر کر دکھایا۔ مَكَرُوْا۔ یہ جوڑ توڑ کرنے والے وہی سرداران قوم تھے۔ جن کی پیروی عوام کرتے تھے۔ والماكرون هم الرؤساء (مدارک) كُبَّارًا۔ کبار کبیر کا صیغہ مبالغہ ہے۔ اور یہ مکر عظیم ترین، توحید کی مخالفت اور شرک کی حمایت میں تھا۔ یہیں سے متکلمین نے یہ نکالا ہے کہ علم کلام جو توحید کی حمایت اور رد شرک کا علم ہے وہ افضل ترین علوم ہے۔ واستدل بهذا من فضل علم الكلام على سائر العلوم فقال الامر بالشرك كبار فى القبح والخزى فالامر بالتوحيد والارشاد وجب ان يكون كبارا فى الخير والدين (کبیر) ف۱۲ یہ سب نام قوم نوح کے خاص خاص دیوتاؤں کے ہیں۔ اور انہیں کی مورتیں ملک میں پجتی رہتی تھیں۔ ان کے ناموں کی تصریح کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان کی پرستش عین نزول قرآن کے زمانہ میں بھی عرب واطراف عرب میں جاری رہی۔ وَقَالُوْا۔ یعنی سرداران قوم نے یہ اپنے پیروی کرنے والوں اور عوام سے کہا۔ اى الرؤسا الى سفلتهم (مدارک) وَدًّا۔ یہ دیوتا قوت مردانہ اور عشق ومحبت کا تھا۔ اس کی مورت قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی۔ اہل عرب اس سے خوب مانوس تھے۔ اس کی پوجا شمالی عرب میں جاری تھی۔ ''عبدود'' عرب میں ایک نام کثرت سے لوگوں کا ہوتا تھا۔ سُوَاعًا۔ یہ دیوتا حسن ومحبوبی کا تھا۔ اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی۔ اس کی پوجا قبیلہ ہذیل میں جاری تھی۔ يَغُوْثَ۔ یہ دیوتا جسمانی قوت وطاقت کا تھا۔ اس کی صورت شیر اور بیل کی شکلوں میں ہوتی تھی۔ یمن میں اس کی پوجا کا رواج تھا۔ اور ''عبد یغوث'' نام کا رواج عرب کے شمال ومشرق میں تھا۔ يَعُوْقَ۔ یہ دوڑ بھاگ کا دیوتا تھا۔ اس کی صورت گھوڑے کی شکل کی ہوتی تھی۔ اس کی بھی پوجا یمن میں پائی گئی۔ نَسْرًا۔ یہ دور بینی اور حدت نظر کا دیوتا تھا۔ اس کی صورت پرندہ (باز یا عقاب) کی شکل کی ہوتی تھی۔۔۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۳ (تاکہ یہ لوگ مستحق ہلاکت ہو جائیں) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دعاء سے مقصود ضلال میں زیادتی نہیں، بلکہ استحقاق ہلاکت تھا۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ یعنی یہ لوگ خود ہی گمراہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں، اور اب اتنی کوششوں کے بعد ان کی اصلاح کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے۔ حضرت علیہ السلام نے یہ دعائے عذاب وہلاکت اس وقت فرمائی جب آپ کو خود وحی الٰہی ان ظالموں کے عدم قبول ایمان سے مطلع کر چکی تھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ ہود (پ ۱۲) رکوع ۴ کی آیت لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین کا یہاں کافرین کے معنی میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔ ف۱۴ قوم نوح کی غرقابی اور طوفان نوح پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ سورۂ یونس (پ ۱۱) سورۂ ہود (پ ۱۲) میں۔ فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ یعنی غرق ہوتے ہی آتش برزخ میں جھونک دیئے گئے۔ آیت سے عذاب قبر کے وقوع اور عالم برزخ کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے۔ تمسك اصحابنا فى اثبات عذاب القبر (کبیر) تدل على انه حصلت تلك الحالة عقيب الاغراق فلايمكن حملها على عذاب الاخرة والابطلت دلالة هذه الفاء (کبیر) والفاء للايذان بهم بانهم عذبوا بالاحراق عقيب الاغراق فيكون دليلا على اثبات عذاب القبر (مدارک) فَلَمْ ...... اَنْصَارًا۔ یعنی نہ ان کے دیوتا اور دیویاں اور نہ ان کی مورتیاں کوئی بھی عذاب الٰہی سے انہیں نہ بچا سکیں۔ مِمَّا۔ مِن یہاں سببیہ ہے۔ والمعنى من خطايا هم اى من اجلها وبسببها (کبیر) اور مَا تاکید کلام کے لئے ہے۔ واكد هذا المعنى بزيادة ما (مدارک) ف۱۵ کہ ان سب پر تیری حجت پوری ہو چکی ہے۔ اور یہ سب کے سب میرے مکذب ہیں۔ عَلَى الْاَرْضِ۔ مراد ارض عراق ہے۔ زمین پر انسانی آبادی اس وقت کل اسی علاقہ میں تھی۔۔۔ اس لئے جس نے یہ کہا کہ طوفان نوح سے صرف قوم نوح غرق ہوئی، اس نے بھی ٹھیک کہا، اور جس نے کہا کہ اس میں ساری انسانی آبادی (بجز چند نفوس کے) غرق ہوئی، اس نے بھی ٹھیک ہی کہا۔ ف۱۶ (جیسا کہ اب تک کا تجربہ، مشاہدہ ثابت کر رہا ہے) حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی طویل العمری کی بنا پر خوب تجربہ اپنی قوم ووطن والوں کی سرشت وافتاد مزاج کا ہو چکا تھا۔ ان جیسے صاحب تجربہ کی زبان سے ایسے حکم کا نکلنا کچھ زیادہ عجیب یوں بھی نہیں اور پھر آپ تو صاحب وحی تھے۔ اس بارہ میں آپ کو تو عین وحی ہی سے علم ہو چکا تھا کہ اب ان لوگوں میں سے کسی کے نصیب میں ایمان لانا نہیں۔ فان قيل كيف عرف النوح عليه السلام ذلك قلنا للنص والاستقراء (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح کی دعا غیر صاحب وحی کے لئے جائز نہیں۔

وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو اور (ان) ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا ۔وکا

ایاتھا ۲۸	۷۲ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰	رکوعاتھا ۲
اس کی اٹھائیس آیتیں	سورۂ جن مکہ میں نازل ہوئی،	اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا

آپ کہئے کہ میرے پاس وحی آئی اس بات کی کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا، پھر انھوں نے کہا کہ ہم نے

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ

ایک عجیب قرآن سنا ہے ۔وا جو راہ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے،

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا

اور ہم اپنے پروردگار کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اُس نے

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا

نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد ۔و۲ اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں، وہ اللہ کی شان میں

عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں اور ہمارا تو خیال یہ تھا، کہ انسان اور جنات کبھی اللہ کی شان میں

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ

جھوٹ بات نہ کہیں گے ۔و۳ اور انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ

يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو انھوں نے ان (جنات) کی نخوت اور بڑھا دی ۔و۴

۔وکا (کہ ان کی نجات کی کوئی صورت ہی نہ رہے، اور عذاب کا پورا مستحق ان پر ہو جائے) رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔ دعائے نوح ﷺ میں ترتیب دعاء قابلِ غور و سبق آموز ہے۔ سب سے پہلے دعاء خود اپنے حق میں کی۔ وَلِوَالِدَیَّ۔ اس کے بعد اپنے والدین کا نام لیا۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا۔ پھر نمبر اپنے مومن متعلقین کا آیا۔ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ پھر سارے اہلِ ایمان کو اس میں شامل کر لیا۔ حق تعالیٰ اپنے اس مقبول پیمبر کی دعاء کی برکت سے ہم سب کو بھی اسی زمرہ میں شامل کر لے۔ ۔و۱ (اور ایسا عجیب کہ مخلوق کے کلام میں تو اس کی نظیر نہیں ملتی) فَقَالُوْا۔ یہ ان جنات نے واپس جا کر اپنی قوم والوں سے کہا)۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف (پ ۲۶) کے حاشیے۔ ۔و۲ (جیسا کہ بہت سی مشرک، جاہلی قوموں نے فرض کر رکھا ہے) وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ یہ اس ایمان لانے کی تفسیر و تتمیم ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہو گئی کہ ایمان کا جوہر یا جزء اعظم عقیدۂ توحید ہی ہے۔ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا۔ جو لوگ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ وہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے کہ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ بیویوں، اور اولاد کا دُم چھلا دنیا کی بڑی بڑی "مہذب"، جاہلی قوموں اہلِ مصر، اہلِ عراق، اہلِ یونان، اہلِ چین، اہلِ ہند، اہلِ ایران وغیرہ کی دیومالا کا کیسا جزو لاینفک رہا ہے۔ ۔و۳ (چہ جائیکہ شرک جیسا بیاکانہ جھوٹ، جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز خیال میں نہیں آ سکتی) كَانَ ...... شَطَطًا۔ سب سے بڑھ کر سفاہت یہ کہ توحید جیسے صاف وصریح مسئلہ کے بھی منکر ہو گئے۔ ۔و۴ (اور یہ جنات اپنے دل میں کمال حماقت سے یہ خیال کرنے لگے کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں جبھی تو انسان ہماری اتنی تعظیم اور قدر کرتا ہے) رِجَالٌ ...... الْجِنِّ۔ دیو، پری، بھوت پریت وغیرہ کے عقیدے ہندوستان، ایران عرب بکثرت قوموں میں پھیلے رہے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں عرب جاہلیت کی ایک عادت یہ تھی کہ جب کسی نئے مقام میں پہنچے تو اپنے آپ کو وہاں کے سردار جنات کی حفاظت میں سونپ دیتے تھے۔ وھو قول جمھور المفسرین ان الرجل فی الجاھلیۃ اذا سافر فامسٰی فی قفر من الارض قال اعوذ بسید ھذا الوادی او بعزیز ھذا المکان من شر سفھاء قومہ فیبیت فی جوار منھم حتی یصبح (کبیر) کان الرجل من العرب اذا نزل بمخوف من الارض قال اعوذ بسید ھذا الوادی من سفھاء قومہ یرید کبیر الجن (مدارک) ہماری قوم کے "عامل" حضرات جو اپنے نقش، فلیتہ وغیرہ "حاضرات" کے لئے اب بھی جنات اور موکلوں سے استمداد کیا کرتے ہیں، ایسی آیتوں سے ڈریں۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّاَنَّا

اور انہوں نے بھی گمان کر رکھا تھا جیسا کہ تم نے گمان کر رکھا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہ اٹھائے گا اور ہم نے

لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اس کو شدید پہرے اور شعلوں سے

وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ

بھرا ہوا پایا اور ہم آسمان کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے (خبریں) سننے کے لئے، سو جو کوئی

يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ

اب سننا چاہتا ہے، اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے ف۵ اور ہم نہیں جانتے کہ

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے انہیں ہدایت دینے کا قصد کیا ہے ف۶

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ

اور ہم میں نیک بھی ہوئے ہیں اور ہم میں بعض اور طرح کے، (غرض) ہم مختلف

قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ

طریقوں کے تھے ف۷ اور ہم نے تو سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین پر اللہ کو (کہیں بھی) نہیں ہرا سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ

اسے بھاگ ہی کر ہرا سکتے ف۸ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے، اور جو کوئی

يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا اسے اندیشہ نہ کسی کمی کا رہے گا اور نہ زیادتی کا ف۹ اور ہم میں

الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ

بعض مسلم ہیں اور بعض ہم میں سے بے راہ ہیں تو جس نے اسلام قبول کر لیا، اس نے تو

ف۵ فضائے آسمانی کے آتشیں تیروں اور گرزوں اور شہاب ثاقب پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ سورۃ الصافات (پ۲۳) وغیرہ کے ذیل میں۔ الْاٰنَ۔ یعنی نزول قرآن اور ظہور محمدی ﷺ کے بعد۔ ای بعد البعث (مدارک) فَوَجَدْنٰهَا شُهُبًا۔ یعنی اب دفع التباس کے لئے باب کہانت بالکل بند ہو گیا ہے۔ نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ۔ آسمانوں کے موقعوں سے مراد فضائے آسمانی ہے۔ نفس آسمان کا جسم اس سے لازم نہیں آتا۔ جنات ناری مخلوق ہیں۔ انہیں اپنی لطافت وعدم ثقل کے باعث فضائے آسمانی کو اپنا مستقر بنا لینا خاکی مخلوق کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہے۔ جیسے پرندوں کو بمقابلہ چرندوں اور درندوں کے۔ ف۶ (اپنے اس رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول سے) یعنی اس جدید رسالت کے مقصود تکوینی کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ خدا معلوم لوگوں کو ہدایت ہی ہو جائے گی، یا انکار و اعراض کر کے لوگ اپنی سزا بھگتیں گے۔ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ۔ عرب جاہلی جو جنات کی غیب دانی کے معتقد تھے۔ ان کی بھی تردید اس سے پوری طرح ہو گئی۔ بے بسی اور کم علمی میں جہاں انسان وہیں جنات۔ ف۷ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جنات بھی انسانوں ہی کی طرح ایک مکلف مخلوق ہیں۔ اور شریعت کے ماننے والے اور انکار کرنے والے سب طرح کے فرقے ان کے ہاں بھی ہیں۔ ف۸ یعنی نہ روئے زمین پر، نہ زمین سے کہیں بھاگ کر، غرض کہیں بھی اسے ہرا نہیں سکتے — یہاں بھی تردید ان جاہلی قوموں کی ہو رہی ہے، جو یہ سمجھتی تھیں کہ خداؤں کی نظر سے بھی بچ کر کہیں جا چھپنا ممکن ہے۔ نَا۔ ضمیر متکلم سے مراد مومن قسم کے جنات ہیں۔ ف۹ یعنی نہ اس کا اندیشہ کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے نہ اس کا کہ کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے — بھول چوک، سہو و نسیان، ظلم و زیادتی کا خدائے اسلام کے ہاں کوئی امکان ہی نہیں، جیسا کہ جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے ہاں برابر ہوتا رہتا ہے۔

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ

بھلائی کا راستہ ڈھونڈ نکالا اب رہے وہ جو بے راہ ہیں تو وہ دوزخ کے

حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ایندھن ہیں و۱۰ اور اگر یہ لوگ راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت سے پانی سے

مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ

سیراب کرتے، تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے

رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا

روگردانی کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا و۱۱ اور جتنے سجدے ہیں (سب) اللہ کا حق ہیں سو

تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

اللہ کے ساتھ (اور) کو مت پکارو و۱۲ اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے اس کی عبادت کرنے کو

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَآ

تو یہ لوگ اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں و۱۳ آپ کہہ دیجئے میں تو بس اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے

اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا

ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا آپ کہہ دیجئے میں تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ

رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّلَنْ

(تمہاری) ہدایت کا و۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی نہیں پناہ دے سکتا اور نہ

اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

میں اس کے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں و۱۵ البتہ اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا (میرا کام ہے)

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً ایسے لوگوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں

و۱۰ اس مقام پر جنات کا قول ختم ہوگیا جو آیت اول میں فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا سے شروع ہوا تھا۔ و۱۱ اب ذکر مشرکین کا ہو رہا ہے۔ جو اس وقت قحط کے عذاب میں مبتلا تھے۔ عَلَى الطَّرِيْقَةِ۔ یعنی مسلک معروف و طریق مشروع پر۔ ال عہد کا ہے۔ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ یعنی قحط و خشک سالی دور کر دیتے۔ لِنَفْتِنَهُمْ۔ یعنی اس کی جانچ ہو جاتی کہ کون کون شکر نعمت ادا کرتا ہے اور کون کون سرکشی و نافرمانی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہ حکمت امتحان ایک اسی نعمت پر موقوف نہیں، ہر نعمت میں ملحوظ و مرعی رہتی ہے۔ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ۔ یعنی ایمان و طاعت سے۔ و۱۲ یعنی یہ جائز نہیں کہ عبادت کا کچھ حصہ حق تعالیٰ کے لئے ہو اور کچھ دوسروں کے لئے۔ الْمَسٰجِدَ۔ مساجد سے یہاں مراد اعضاء سجود سے لی گئی ہے اور حکم کے معنی یہ ہیں کہ سجدہ و عبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ عن سعيد بن جبير قال ان المراد بالمساجد الاعضاء التي يسجد عليها الانسان (معالم) قال سعيد بن جبير نزلت في اعضاء السجود اي هي لله فلا تسجدوا بها لغيره (ابن کثیر) قيل المساجد مواضع السجود (راغب) و۱۳ بیان مشرکین مکہ کی شدت عداوت و نفرت کا ہو رہا ہے — ہجرت مدینہ سے قبل اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں جب آپ ﷺ مشرکین قریش کی طرف سے مایوس ہو کر دو سال بعد تفریح کو شہر طائف کو تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بڑی ہی بدتمیزی سے پیش آئے۔ یہاں اشارہ اسی طرف ہے۔ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا خاص الخاص بندہ "عبد کامل"۔ مراد ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ و۱۴ پہلی آیت میں تو عبد کامل اور ہر طرح کے رد شرک کا اثبات ہے۔ اور دوسری آیت کا مضمون یہ ہے کہ کہیں خود مجھی کو مقصود اور پھر اس طرح مسجود و معبود نہ سمجھ لینا۔ میرے اختیار میں تو اتنا بھی نہیں کہ تم پر عذاب لے آؤں، یا ایمان ہی پر تمہیں مجبور کر دوں۔ "یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا" کا معاملہ حضرات انبیاء کی تاریخ میں بار بار دہرایا جاتا رہا ہے۔ قرآن مجید اسی فتنہ کے خطرہ سے بار بار تاکید و تصریح رسول اللہ ﷺ کے عبد محض ہونے کی کرتا جاتا ہے۔ و۱۵ ایک بار پھر تصریح و توضیح منصب رسالت کی ہو رہی ہے۔ رسول کا کام تو اللہ کی طرف سے محض پیام رسانی (مع اس کے طبعی لوازم کے) ہے۔ لَنْ ... مُلْتَحَدًا۔ یہ سب چیزیں محض اس مفروضہ پر مبنی و مشروط ہیں کہ رسول ﷺ اگر خدانخواستہ خود ہی احکام الٰہی سے سرتابی کرنے لگیں — قرآن مجید نے ایسے بعید ترین احتمالات کو جا بجا فرض کر لیا ہے۔

ف۱۶ مطلب یہ ہے کہ آج یہ کافر غفلت واستکبار میں پڑے ہوئے فخر وناز کر رہے ہیں کہ دیکھو ہمارا جتھا ہمارا گروہ کتنا بڑا ہے، اور ہمیں قوت وجاہ کیسی حاصل ہے۔'' اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی انہیں اس سفاہت سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔ مرتے ہی ان پر کھل جائے گا کہ خود وہی ایسے تھے۔ جن کے کام کوئی نہ آسکا۔ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا۔ اس میں نفی ہوگئی نفع اعلیٰ کی۔ وَاَقَلُّ عَدَدًا۔ اس میں نفی ہوگئی نفع ادنیٰ کی۔ ف۱۷ (چنانچہ مجھے بھی مطلع نہیں کیا ہے) مَا تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی یوم حشر اور اس دن کا عذاب۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی نفس آمد یقینی ہے اور ہر شک وشبہ سے بالاتر، رہیں اس کے وقت وغیرہ کی تفصیلات تو اس کا تعلق غیب سے ہے، اور اس کا علم مجھے حاصل نہیں، نہ علوم نبوت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ۔ یعنی غیب دانی توصفت خاصہ حق تعالیٰ کی ہے۔ الغیب میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی حقیقی واضافی جمیع اقسام غیب۔ فَلَا يُظْهِرُ۔ مفہوم سلب کا عموی ہے۔ یعنی غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا۔ قُلْ ...... اَمَدًا۔ جاہلوں میں جو یہ موضوع حدیث مشہور ہوگئی ہے کہ رسول ﷺ کو تربت مبارک میں ایک ہزار سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس کی قطعی تردید کے لئے یہ آیت بالکل کافی ہے، جیسا کہ آٹھویں صدی ہجری ہی کے مفسرین محققین اس پر متنبہ کر چکے ہیں۔ و فی هذه الآية الكريمة دليل على ان الحديث الذي يتداوله كثير من الجهلة من انه عليه الصلوة والسلام لا يولف تحت الارض كذب لا اصل له ولم نره فی شیء من الكتب (ابن کثیر) ف۱۸ حاصل یہ کہ حق تعالیٰ جو حقیقی عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیوب کا صرف اتنا حصہ جس کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے اپنے مقبول انبیاء ومرسلین پر منکشف کر دیتا ہے۔ وہ بھی حفاظت کے اس پورے اہتمام واحتیاط کے ساتھ کہ وحی الٰہی بغیر کسی ادنیٰ خارجی دخل وتصرف کے بندوں تک تمام کی تمام پہنچ جائے۔ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اس قید سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں غیب سے مراد اسرار شرعی ہیں ورنہ اسرار کونی تو مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ اہل اشراق واہل نجوم کو، قدیم کہانت والوں کو، اور جدید مسمریزم اور امپریچوئزم والوں غرض ہر قسم کے غیر مقبولین کو بھی بعض ریاضتوں اور مشقوں سے کسی نہ کسی درجہ میں منکشف ہوتے ہی رہتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اولیائے امت جو حضرات انبیاء کے اظلال واتباع ہوتے ہیں، ان پر جو اسرار شرعی منکشف ہوتے ہیں وہ انہیں انبیاء کے واسطہ سے۔ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ۔ یعنی نزول وحی کے وقت تمام جہات میں ہر طرف سے۔ فَاِنَّهٗ ...... رَصَدًا۔ یہ اہتمام وانتظام سب اس لئے ہوتا ہے کہ وحی الٰہی ہر خلط نفسانی اور خباثت شیطانی سے کامل طور پر محفوظ رہے۔ رَصَدًا۔ لفظی معنی نگہبانی کے ہیں۔ الرصد الاستعداد للترقب (راغب) یہاں مراد نگہبان یا محافظ فرشتے ہیں۔ اور واحد وجمع دونوں پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ ف۱۹ (بحفاظت تمام بغیر کسی طرح کے دخل وتصرف کے) لِيَعْلَمَ یعنی وہ ظاہری طور پر اور وقوع کے بعد بھی جان لے ورنہ اپنے علم ازلی کے لحاظ سے تو وہ جانتا ہی تھا۔ لیعلم کی ضمیر فاعلی کس کی جانب ہے۔ اس پر بہت قیل وقال ہوئی ہے۔ لیکن راقم آثم کو بعض اکابر کے اتباع میں وہی ترکیب مناسب معلوم ہوئی جو یہاں اختیار کی گئی۔ يحتمل ان يكون الضمير عائدا الى الله عزوجل وهو قول حكاه ابن الجوزي في زاد المسير (ابن کثیر) اي ليعلم الله (مدارک) وهو اختيار اكثر المحققين (کبیر) اَبْلَغُوْا۔ صیغہ جمع غائب سے مراد وہی حضرات انبیاء ہیں۔ اي الرسل (معالم۔ مدارک) بعض نے فرشتے بھی مراد لئے ہیں۔ ف۲۰ (چنانچہ وحی کے بھی سب اجزاء ایک ایک کرکے اس کے شمار میں ہیں) اَحْصٰى۔ میں حفاظت نسیان سے بھی آگئی۔ گویا اول سے آخر تک سب حفاظتوں کا انتظام ہو گیا۔ حاصل کلام ایک بار پھر نظر کے سامنے لے آیئے۔ قیامت کے وقت کا علم علوم نبوت میں سے نہیں اس لئے رسول کو اس کا علم نہ ہونا ان کے دعویٰ رسالت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اور دعویٰ وقوع قیامت کو تو اس سے ضرر ادنیٰ درجہ کا بھی نہیں پہنچتا۔ پیمبروں کو وہی غیوب عطا کئے جاتے ہیں جن کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے۔ اور وہی مقصود بعثت ہوتے ہیں۔ ان میں امکان خطا بالغرض کی جہت سے بھی نہیں ہوتا۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ۔ پیمبروں کی امانت ودیانت اور حاملین وحی فرشتوں کی قوت ہر اعتبار سے غیر مشتبہ ہے۔ اور حق تعالیٰ ان حقائق کا علم خود ہی رکھے ہوئے ہے۔ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ یعنی ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے۔ حق تعالیٰ کا علم کامل ومحیط تو مسائل کائنات کے ایک ایک جزئیہ پر حاوی ہے — جزئیات سے کلیات اور فروع سے اصول تک پہنچ جانا تو قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ف۱ (آپ ان معاندین کے ہفوات کا خیال نہ کیجئے توجہ حق تعالیٰ ہی کے ذکر وعبادت کی طرف رکھیے) مستند حدیثی روایتوں میں آتا ہے (جو ہر ''تاریخی'' روایت سے مستند تر ہیں) کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع فرما دیا تو بڑے بڑے ''عقلاء قوم'' نے (آج کل ہی کے عقلاء فرنگ'' کی طرح) آپ ﷺ کے متعلق غور وخوض شروع کیا کہ آپ ﷺ کے دعوے صحیح تو بہرحال ہو ہی نہیں سکتے پھر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا اصل مرض ہے کیا۔ اپنے کمیٹی گھر (دار الندوہ) میں جمع ہوئے اور کسی نے کہا کہ ''یہ کاہن ہو گئے ہیں'' غیب کی خبریں دینا اور سچی پیشگوئیاں کرنا کہانت ہی کا ایک حصہ ہے''۔ بعض نے کہا کہ ''نہیں یہ تو دماغی عارضہ معلوم ہوتا ہے، جس وقت جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ اسی جوش وخروش کے عالم میں ایسا پر زور وپر جوش کلام دماغ سے ابلنے لگتا ہے''۔ ایک اور بزرگوار بولے ''یہ کچھ نہیں اصل میں یہ ساحر ہیں، یہ اثر سحر ہی کا ہے کہ اپنے کلام سے بھائی بھائی میں جدائی ڈلوا دی''۔

فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ

جاتا ہے تو اس وقت جان لیں گے کہ مددگار کس کے کمزور ہیں، اور تعداد کس کی کمتر ہے ف۱۶ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ

اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آیا قریب آگئی ہے یا اس کے لئے میرے پروردگار نے کوئی مدت دراز کر رکھی ہے ف۱۷ وہی

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى

غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ (اپنے) غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیمبر کو

مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

(جب کسی بھی علم سے مطلع کرنا چاہتا ہے) تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

بھیج دیتا ہے ف۱۸ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ف۱۹

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

اور اللہ ان (پیامبر داروں) کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ہر شے کو وہ شمار میں لئے ہوئے ہے ف۲۰

آیاتہا ۲۰ | ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳ | رکوعاتہا ۲

اس کی بیس آیتیں ہیں | سورۂ مزمل مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے ف۱ مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات

ع

وقس علیٰ ہذا۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو قدرۃً آپ ﷺ کو انقباض قلب ہوا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ حالت غم میں کپڑے اوڑھ لپیٹ کر لیٹ رہے تھے۔ ملاطفت خاص کے طور پر آپ ﷺ کو مخاطب بھی اسی نام سے کیا گیا۔ بعض صوفیوں نے اپنے ہاں کی خرقہ پوشی کی سند بھی اس لفظ مزمل سے حاصل کی ہے۔ شب بیداری کا معمول بھی مشائخ و صوفیہ نے انہیں آیتوں سے نکالا ہے۔ فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیام اللیل (رات کو سو اٹھ کر کی جانے والی عبادت) فرض نہیں ہے۔ البتہ اس کا اجر و مرتبہ بہت زائد ہے اور احادیث اس کے فضائل سے لبریز ہیں۔ لاخلاف بین المسلمین فی نسخ فرض قیام اللیل وانہ مندوب الیہ ترغب فیہ وقد روی عن النبی ﷺ اٰثار کثیرۃ فی الحث علیہ والترغیب فیہ (جصاص) ف۲ (کہ سامعین کو ایک ایک لفظ صاف سنائی دے اور سمجھ میں آجائے) قال ابن عباس بینہ تبیینا (جصاص) قال طاؤس بینہ حتی یفھمہ (جصاص) نِّصْفَهٗٓ۔ قَلِيْلًا۔ یہ سب قَلِيْلًا اول کی تشریح ہے۔ کل کے مقابلہ میں نصف کو قلیل ہی کہا جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ کم و بیش نصف حصہ شب میں آرام کیجئے۔ باقی نصف میں ذکر و عبادت۔ مِنْهُ ۔۔۔ عَلَيْهِ۔ ضمیر ہ دونوں جگہ نِّصْفَهٗٓ کی جانب ہے۔ یعنی من النصف او علی النصف۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ ترتیل کے معنی لفظ کو منہ سے صاف طور پر ادا کرنے کے ہیں۔ الترتیل ارسال الکلمۃ من الفم بسھولۃ واستقامۃ (راغب) ف۳ یعنی قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل کرنے کو ہیں۔۔۔ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کو ابھی کچھ ہی روز ہوئے تھے، یہ آیتیں اسی وقت کی ہیں۔

اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ

یا اس سے کچھ کم رکھیے یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن خوب صاف صاف

تَرْتِيْلًا ۝ؕ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ

پڑھئے ف۲ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں ف۳ بے شک رات کے وقت

الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ؕ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ

اٹھنے میں (دل و زبان کا) خوب میل رہتا ہے، اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے ف۴ بے شک آپ کے لئے دن میں

سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ؕ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ

بہت مشغولی ہے ف۵ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف

تَبْتِيْلًا ۝ؕ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ

متوجہ رہئے ف۶ وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کو (اپنا) چارہ ساز

وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

بنائے رکھیے ف۷ اور ان باتوں پر صبر کئے رہئے جو یہ لوگ کہتے رہتے ہیں، اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ

جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

الگ ہوجائیے ف۸ اور مجھے اور ان صاحب نعمت اہل تکذیب کو چھوڑے رہئے اور ان لوگوں کو تھوڑی مہلت

قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ۙ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ

اور دیئے رہئے ف۹ ہمارے ہاں تو بیڑیاں بھی ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والی غذا ہے

وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ۤ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

اور عذاب دردناک ہے، (یہ اس روز) جس روز کہ ہلنے لگیں گے زمین اور پہاڑ

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ

اور پہاڑ ریگ رواں ہوجائیں گے ف۱۰ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک

قَوْلًا ثَقِيْلًا۔ قول ثقیل سے مراد اس کلام کا صاحب جلالت و عظمت ہونا ہے۔ نزول وحی ثقل مادی و جسمانی اعتبار سے بھی تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ کے پسینہ آجاتا، اور اگر آپ ﷺ اونٹنی پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھنے لگتی۔ بعض نے قول ثقیل سے کنایہ بقائے دوام سے مراد لیا ہے۔ ف۴ رات کے سناٹے میں ذکر و عبادت میں جی کا لگنا، نماز و تلاوت قرآن میں حلاوت کا زیادہ محسوس ہونا، طبیعت میں نشاط کا پیدا ہونا، یہ سب چیزیں تجربہ و مشاہدہ کی ہیں جس کا جی چاہے خود تجربہ کرلے۔ پیمبر اور پھر پیمبر اعظم کے لئے اس حکم کی اہمیت بالکل ظاہر ہی ہے۔ نَاشِئَةَ الَّيْلِ۔ یعنی رات میں سونے کے بعد پھر کھڑا ہونا۔ وَطْاً۔ وطا کے لفظی معنی کچلنے کے ہیں۔ گویا رات کو سو کر نماز کے لئے اٹھنا نفس کو روندنا اور کچل ڈالنا ہے۔ اور اس سے نفس شکستہ اور منکسر ہوجاتا ہے۔ اور انسان کے ظاہر و باطن میں، یا زبان و دل کے درمیان موافقت خوب پیدا ہوجاتی ہے۔ عن الحسن اشد موافقۃ بین السر والعلانیۃ (مدارک) والمقصود ان قیام اللیل ھو اشد مواطاۃ بین القلب واللسان (ابن کثیر) ف۵ محمد ﷺ بن عبداللہ کی سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے۔ ہر لمحہ طاعت الٰہی و خدمت خلق ہی کی نذر رہتا تھا۔ ضائع آپ ﷺ نے اپنی عمر گرامی کا ایک منٹ بھی نہیں ہونے دیا۔ سَبْحًا طَوِيْلًا۔ سبح کے لفظی معنی تیرنے اور تیز چلنے کے ہیں، اور اس کے تحت میں آپ ﷺ کی دینی و دنیوی ہر ہر مشغولی آگئی۔۔۔ حقیقتاً آپ ﷺ کی تو ہر دنیوی مشغولی بھی دینی ہی تھی۔ اور ضروری آرام و تفریح بھی عین طاعت ہی تھے۔ ف۶ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق ہر دوسرے تعلق پر غالب و حاکم رہے۔ وَاذْكُرِ۔ تَبَتَّلْ۔ یہ دونوں حکم بلا قید وقت کے ہیں۔ صوفیہ نے یہیں سے دوام ذکر کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ لیکن محققین صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ان احکام کی تعمیل کے لئے ذکر و تبتل کا درجہ ادنیٰ بھی کافی ہے۔ وَاذْكُرِ ۔۔۔ تَبْتِيْلًا۔ ذکر لسانی کی تعلیم یہاں ترتیباً پہلے واقع ہوئی ہے اور مراقبہ کی اس کے بعد۔ عارفین نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ مقام ذکر مقدم ہے اور مقام فکر مؤخر۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ ذکر الٰہی کے عموم میں نماز، تلاوت، اشغال، اذکار، درس علوم دین سب شامل ہیں۔ وذکر اللہ یتناول التسبیح والتھلیل والتکبیر والصلوۃ وتلاوۃ القراٰن ودراسۃ العلم (مدارک) ف۷ اس آیت پر پہنچ کر ذرا ملک کی اس فضا کا نقشہ ذہن کے سامنے لے آئیے۔ جس میں توحید کی یہ آواز اول اول بلند ہوئی تھی۔ ایک تجارت پیشہ قوم جو اپنی آزادی و خود مختاری، اپنی اقبال مندی، اور اپنی شرافت نسب پر نازاں تھی، اور اپنے جاہلی دین و اخلاق اور مشرکانہ تہذیب و تمدن میں مست، توحید اور پاکبازی کے نام سے ناآشنا۔ اس مغرور قوم کے آگے اس کا ایک فرد، جو اس وقت تک نہ ثروت و وجاہت میں ممتاز تھا نہ ملک گیری و فوج کشی میں، تن تنہا کھڑے ہوکر صدا یہ بلند کر رہا ہے کہ جن دیویوں دیوتاؤں کی پرستش تم پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہو۔ سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کو مانو، اپنے فیشن کو بدلو، اپنے دین کو بدلو، شرابیں چھوڑو، دیبیاں چھوڑو، عریانیاں چھوڑو، قمار بازیاں چھوڑو، خونخواریاں چھوڑو، سودی کاروبار چھوڑو، غرض دین کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا بھی بدل ڈالو۔ خیال تو کیجئے کہ اس داعی کو کس دل و جگر، کس ہمت و عزم کا ہونا چاہئے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ ان الفاظ سے شرک کے ان تمام پہلوؤں کی بھی تردید نکل آئی جو مشرک جاہلی قوموں نے آفتاب و ماہتاب، طلوع و غروب، دن اور رات اور مختلف سمتوں کے تقدس وغیرہ سے متعلق قائم کر رکھے ہیں۔ ف۸ (یعنی ان سے شکایت و انتقام کی فکر میں بھی نہ پڑیئے۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ ھجر جمیل یہ ہے کہ ترک تعلق تو تمام تر کرلیا جائے۔ لیکن نفرت و حقارت کے ساتھ نہیں بلکہ خیر خواہی کے۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ سالک اہل دنیا سے احتراز تو رکھے، لیکن ساتھ ہی ان کی ہدایت کی فکر میں بھی لگا رہے۔ ف۹ (میں خود ہی وقت مناسب پر ان سے نپٹ لوں گا) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ۔ یعنی میرے اور ان مکذبین کے باب میں صبر و انتظار سے کام لیجئے۔

رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

رسول بھیجا ہے، تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول

رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا

بھیجا تھا ف۱۱ تو فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی، تو ہم نے اُن کو خوب سخت

وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ میں لیا ف۱۲ سو تم اُس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے، جو بچوں کو

شِيْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

بوڑھا کر دے گا (اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا، بے شک (اللہ کا) وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا ف۱۳

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کر لے ف۱۴

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ رات کی دو تہائی کے قریب اور (کبھی) آدھی رات

وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۚ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ

اور (کبھی) تہائی رات کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن پورا اندازہ

وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا

اللہ ہی کر سکتا ہے ف۱۵ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے پورے احاطہ میں نہیں لا سکتے، سو اس نے تمہارے حال پر توجہ کی، سو تم

مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۚ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ

لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو ف۱۶ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی

مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ

بیمار ہوں گے اور بعض سفر کریں گے ملک میں اللہ کی روزی کی

ع ۱۴

اُولِی النَّعْمَةِ۔ یہ قریش مکہ ایک تجارت پیشہ، مرفہ الحال قوم تھے، انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ ف۱۰ (اور از تے پھریں گے) یہاں پھر ایک بار ذہن کے سامنے اس قوم کو لے آیئے، جو قیامت اور روز جزاء کے یکسر منکر ہیں۔ اور حشر و نشر کے تخیل ہی کو مضحکہ خیز اور اپنی روشن خیالی پر ایک داغ سمجھ رہے ہیں۔ ف۱۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے متعلق حشر میں یہ گواہی آکر دیں گے کہ ان لوگوں نے میری تبلیغ و دعوت سے اثر کس کس قسم کا لیا۔ ف۱۲ (انہیں کا سا انجام تمہیں بھی پیش آنے والا ہے، اگر تم نے اصلاح حال نہ کر لی) فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ ممکن ہے اس لئے دیا گیا ہو کہ یہود عرب کے توسط سے قریش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کارناموں سے اور فرعون کے انجام سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ ف۱۳ عرب کا ٹھیک، آج کے فرنگستان کی طرح اصلی روگ آخرت فراموشی بلکہ آخرت سے انکار تھا۔ قرآن مجید اس لئے ابتدائی کی سورتوں میں بار بار اور مؤثر انداز میں اسی موضوع کو دہرا دہرا کر کے لاتا ہے۔ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔ عربی محاورہ میں یہ کنایہ ہے غایت شدت و ہیبت سے۔ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔ یعنی آسمان یوم قیامت کی سختی سے پھٹ جائے گا۔ ب سببیہ ہے۔ **به اي بيوم القيامة يعني انها تنفطر بشدة ذلك اليوم** (مدارک) **اي بسببه يعني بشدته وهوله** (ابن کثیر) وَعْدُهٗ۔ ضمیرہ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ **اي الفاعل وهو الله عزوجل**۔ (مدارک) یہ بھی جائز ہے کہ مفعول کی جانب بھی جائے اور معنی یہ لئے جائیں کہ وہ یوم موعود ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ **المصدر مضاف الى المفعول وهو اليوم** (مدارک) ف۱۴ یعنی یہ قرآن ہدایت نامہ ہے تو سب ہی کے لئے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے، جو اٹھانا چاہیں گے، جو فائدہ اٹھانے کا قصد کریں گے۔ تَذْكِرَةٌ۔ یعنی ہدایت نامہ اور وہ بھی کیسا جامع، بلیغ، مؤثر و دلنشین! فَمَنْ۔۔۔ سَبِيْلًا۔ متکلمین نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ بندہ کسب افعال پر قادر ہے۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے طالب سالک محروم نہیں رکھا جاتا۔ ف۱۵ (جو تم نہیں کر سکتے) الَّذِيْنَ مَعَكَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ایک گروہ صحابہ کی بھی شب بیداری کی یہ شہادت قرآن مجید خود دے رہا ہے۔ مستند روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضرات اتنی اتنی دیر تک رات میں کھڑے رہتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ **انهم قاموا حتى انتفخت اقدامهم**۔ (مدارک) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ ان الفاظ میں نظر رحمت اور توجہ خاص چھپی ہوئی ہے۔ یعنی جو شب بیداری کرتے ہیں ان پر نظر خاص ہے۔ ف۱۶ یعنی تمہارے اخلاص نیت لیکن اس کے ساتھ تمہاری عملی دشواریوں کو دیکھ کر تمہارے اوپر نماز تہجد فرض نہیں۔ تاہم بطور استحباب جتنا چاہو قرآن اس میں پڑھ لیا کرو۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے خوب دیکھ لیا کہ تم لوگ اتنی مدت تک قیام بڑی مشقت اور تعب کے بعد ہی کر سکتے ہو۔ **اي لن تطيقوا قيامه على هذه المقادير بشدة ومشقة** (مدارک) فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی جب تمہارے رسوخ فی الدین کی خوب آزمائش ہو گئی، تو اب تہجد گزاری کی فرضیت تم سے ساقط کی جاتی ہے۔ **فخفف عليكم واسقط منكم فرض قيام الليل** (مدارک) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کو یہاں صلوٰۃ کے معنی میں لے کر یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ جتنی نماز آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ **وقيل ان المراد بالقرآن الصلوٰة لانه بعض اركانها اي فصلوا ماتيسر عليكم** (مدارک)

و۱۷ یہاں دشواری اور تعب کی بنیادیں دوسری ہیں۔ اس لئے حکم تیسیر بھی یہاں از سر نو ارشاد ہوا۔ آیت میں تین قسم کے لوگ بیان ہوئے، جن پر تہجد کی پابندی دشوار تھی۔ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى۔ پہلی قسم کے معذور، یہ لوگ ارشاد ہوئے یعنی مریض، اس حکم کی علت اپاہجوں اور زیادہ بوڑھوں کو بھی شامل ہے۔ اٰخَرُوْنَ ... فَضْلِ اللّٰهِ۔ معذوروں کی یہ دوسری قسم مسافروں کی ارشاد ہوئی، اس کے تحت میں کل وہ لوگ آگئے جو وطن سے خواہ تجارت کے لئے نکلے ہوئے ہوں، خواہ طلب علم کے لئے یا اور کسی جائز غرض سے۔ وَاٰخَرُوْنَ ... سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس کے تحت میں سارے غازی اور مجاہدین آگئے۔ فقہا مفسرین نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ قرآن مجید نے یہاں تاجروں اور مجاہدوں کو مساوی درجہ میں رکھ دیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو حلال ذریعہ معاش کی تلاش بھی تو جہاد ہی ہے۔ سوى بين المجاهد والمكتسب لان كسب الحلال جهاد (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ طالبین سالکین کے ساتھ مجاہدات داوراد میں مرشدین جو رعایت وسہولت کا برتاؤ رکھتے ہیں، اس کی ماخذ یہی آیتیں ہیں۔ و۱۸ یعنی حق تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے شیوع واستحکام کے لئے اخلاص، حسن نیت وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرو۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ اٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ عبادات بدنی اور مالی کے یہ احکام تو مستقل اور ہر ملک وزمانہ کے لئے ہیں۔ و۱۹ (تو تمہارے طلب مغفرت پر کیوں نہ تمہارے ساتھ مغفرت ورحمت کا برتاؤ کرے گا) خَيْرًا ... اَجْرًا۔ یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر یہ پائدار اور دائمی اجر ملے گا۔ تَجِدُوْهُ ... عِنْدَ اللّٰهِ۔ کوئی خفیف سا خفیف بھی عمل خیر حق تعالیٰ کے ہاں ضائع جانے والا نہیں۔

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

(روزی) تلاش میں اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

کریں گے سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو و۱۷ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا

دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو و۱۸ اور جو بھی نیک عمل اپنے لئے

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ

آگے بھیج دو گے، اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور اجر میں بڑھا ہوا

اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ و۱۹

آیاتھا ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعاتھا ۲

اس کی چھپن آیتیں ہیں سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھیے پھر (کافروں کو) ڈرائیے و۱ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے و۲ اور بتوں سے الگ رہیے، اور کسی کو اس غرض سے مت دیجئے

تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾

کہ زیادہ معاوضہ لے اور اپنے پروردگار (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے و۳ پھر جس وقت صور پھونکا

و۱ ان آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تو سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ... الخ) نازل ہوئیں۔ اس کے بعد کسی مصلحت وحکمت خداوندی سے کوئی اور وحی ایک عرصہ دراز تک نہ آئی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مدت اعتکاف پوری کر کے کوہ حرا سے اتر کر اپنے کاشانہ مبارک کو آ رہے تھے کہ دفعۃً میدان میں ایک زور کی آواز سنائی دی۔ نظر اوپر اٹھائی تو کیا ملاحظہ کرتے ہیں، کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل وہیئت میں بصد جاہ وجلال ایک نورانی تخت پر فضائے آسمانی میں جلوہ افروز ہیں۔ بشر (وہ سید البشر سہی) پر یہ پہلی بار تجلی ملکوتی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہوئی اور بشریت کے طبعی تقاضوں کا ظہور ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکمال اضطراب فوراً کاشانہ مبارک میں آ گئے اور جیسے جسم میں سردی لگ جانے کے وقت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے اوڑھ کر لیٹ رہے اس پر یہ آیتیں سورۃ المدثر کی نازل ہوئیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ المزمل کی طرح الْمُدَّثِّرُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے۔ نزول آیت کے وقت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع وہیئت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے کمال لطف والتفات کا مظہر ہے۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ آثار بشری کا صدور وظہور کسی ولی سے تو کیا، کسی نبی بلکہ سید الانبیاء تک سے ممنوع ومرفوع نہیں۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ یعنی فرائض رسالت کی ادائی میں تندہی اور سرگرمی سے مستعد ہو جائیے۔ قُمْ کے مفہوم میں کمال اہتمام وآمادگی داخل ہے۔ فَاَنْذِرْ۔ امر وجوبی ہے۔ اور اس سے مراد ساری ہی تعلیم وہدایت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ فرائض تبلیغ میں عذاب دوزخ سے بچنا ترتیباً بشارت جنت پر مقدم ہے۔ و۲ یعنی طہارت ظاہری کا اہتمام رکھیے۔ يدل على وجوب تطهير الثياب من النجاسات للصلوة (جصاص) فقہی احکام وہدایت کا نزول ابتدائے وحی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور یہ آیت احکام فقہی کی اولین آیات میں سے ہے۔ دوسرے معنی محاورۂ عرب کے مطابق یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے دامن کو ہر خطا ومعصیت کی آلودگی سے پاک وصاف رکھیے۔ قال ابن عباس لاتلبسها على معصية (ابن کثیر) والعرب تقول فی وصف الرجل بالصدق والوفاء انه طاهر الثياب (معالم عن ابن عباس) وقيل فطهر من الصفات المذمومة وهو قول اكثر المفسرين (کبیر) تطهير الثياب كناية عن تطهير النفس عما تلم بها من الافعال وكلمات جمهور السلف دائرة على نحو هذا المعنى فى هذه الآيات الكريمة (روح) قيل معناه نفسک فنقها من المعائب (راغب) لیکن ابوبکر جصاص رازی حنفی نے ان معانی سے بشدت انکار کیا ہے، اور کہا ہے۔ هذا الكلام شديد الاختلال والفساد والتناقض (احکام القرآن) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ یعنی اللہ ہی کی بڑائی کا اثبات کیجئے بخلاف ان مشرکوں کے جو اپنے دیوتاؤں کے ساتھ اس کا نام لے کر اس کی توہین کیا کرتے ہیں ساری تبلیغ کی اصل اصول تو یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۳ (ان سختیوں پر جو راہ تبلیغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں گی، بنیادی عقائد کے بعد اب تعلیم فضائل اخلاق کی مل رہی ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ اپنے اعمال کو کثیر جاننا ان کے عوض میں رجوع خلق یا مدح کی آس لگائے رہنا۔ یہ سب شریعت میں قطعاً ناجائز ہے۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ یعنی راہ حق میں صبر، رضائے حق ہی کی خاطر کیجئے۔ اے فاصبر على طاعته واوامره ونواهيه لاجل ثواب الله (معالم) لوجه ربک عزوجل (ابن کثیر) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ یعنی باطنی نجاستوں سے بھی الگ رہیے۔ جس میں شرک کا نمبر اول ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ رجز کے معنی بت پرستی اور شرک کے ہیں۔ الرجز عبادة الاوثان (قاموس۔ لسان) وقيل هو الشرک (لسان) خود بت بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ وقيل هو صنم (لسان۔ راغب)

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ

جائے گا، سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہو گا نہ کہ

يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ

آسان ف۴ چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ف۵ اور اس کو کثرت سے

مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ

مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے اور (سب طرح کا) سامان اس کے لئے میں نے

تَمْهِيْدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا

خوب مہیا کر دیا، پھر بھی وہ اس کی طمع رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ف۶ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا

عَنِيْدًا ؕ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ؕ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ

مخالف ہے، میں اسے عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر جبر چڑھا دوں گا وے اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو وہ

كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ

غارت ہو کیسی بات تجویز کی پھر غارت ہو کیسی بات تجویز کی ف۸ پھر دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا

وَبَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

ف۹ پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا ف۱۰ پھر کہا یہ تو نرا

سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ

منقول جادو ہے، یہ تو نرا آدمی ہی کا کلام ہے ف۱۱ میں اس کو جلدی ہی دوزخ میں

سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾

داخل کروں گا، اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ ہے کیا چیز؟ وہ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚۖ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ

جلد کی حیثیت بگاڑ کر رکھ دے گی ف۱۲ اس پر انیس (فرشتے) ہوں گے ف۱۳ اور ہم نے دوزخ کے کارکن

ف۳ ابتدائی مکی سورتوں میں عقیدۂ توحید کے بعد قدرۃً سب سے زیادہ زور عقیدۂ آخرت ہی پر ہے۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ یوم حشر کے شدائد علی الاطلاق نہ ہوں گے، بلکہ کافروں، منکروں کے ساتھ مخصوص ہوں گے، اور مومنین انشاء اللہ حور و قصور، بلکہ سارے لذائذ قرب ولقاء سے محظوظ ہوں گے۔ ف۵ (کہ ہم اس سے نپٹ لینے کے لئے کافی ہیں) مراد کافر انسان سے ہے۔ وَحِيْدًا۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان دنیا میں اکیلا ہی آتا ہے۔ نہ مال اس کے ساتھ ہوتا ہے نہ اولاد۔ ف۶ یعنی ساری موجود نعمتوں کو کفران اور بے قدری کی راہ سے حقیر سمجھتا ہے اور ناسپاسی کے باوجود مزید حرص وہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ آیت عام ہے۔ سارے ہی شریر کافروں کے لئے، لیکن تلمیح خاص ہے۔ ولید بن مغیرہ کی طرف۔ جو اہل مکہ میں ایک بڑا ذی اثر شخص اور مال دار اور کثیر العیال تھا۔ وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا۔ یعنی یہی نہیں کہ اس کے کئی کئی لڑکے موجود ہیں، بلکہ اس کے سامنے ہی رہتے ہیں جس سے وہ مزید لطف و مسرت حاصل کرتا ہے اور اس کی نظروں سے غائب نہیں۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا۔ یعنی جاہ و مال دونوں سے اسے مالا مال کر دیا۔ اي انعمت عليه نعمتي الجاه والمال واجتماعهما هو الكمال عند اهل الدنيا (کبیر۔ مدارک) ف۷ (جب اسے اپنی سرکشی و نافرمانی کا مزہ معلوم ہو گا) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ صعود۔ دوزخ کی ایک پہاڑی کا نام ہے دوزخی اس پر چڑھے گا اور پھر گرے گا۔ گرے گا اور پھر چڑھے گا، اور عذاب کی یہ صورت دائمی رہے گی۔ اور یہ سزا اس کے اس عنادکی ہوگی جو اسے حق کے ساتھ دنیا میں رہا کیا تھا۔ كَلَّا۔ یعنی وہ ہرگز اس قابل نہیں۔ لِاٰيٰتِنَا۔ آیات سے مراد کلام الٰہی ہے۔ ف۸ (جو صحت کا کوئی امکان بعید بھی نہیں رکھتی) کلمات تعجیب کی یہ تکرار غایت ذم واستبعاد کے لئے ہے۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ۔ اور یہ سوچا کہ قرآن مجید کی بابت کیا رائے قائم کروں۔ وَقَدَّرَ۔ سوچ بچار کے بعد رائے بھی قائم کی تو کیسی مہمل اور بے جوڑ کہ قرآن کو نتیجۂ سحر بتایا! ف۹ (قرآن مجید سے غایت کراہت وانقباض ظاہر کرنے کو) ثُمَّ نَظَرَ۔ یعنی ادھر اُدھر حاضرین کے چہروں کی طرف داد طلب انداز میں دیکھا۔ ف۱۰ قرآن مجید کی اس منظر کشی کا ایک ایک جزء قابل داد ہے۔ انسان اظہار نفرت وکراہت کے وقت منہ ہی نہیں بناتا، بلکہ گردن بھی پھیر لیتا ہے۔ اور اس چیز کی تحقیر کرتا ہوا اپنی بڑائی کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے۔ ف۱۱ (جو خدا کا کلام ہو ہی نہیں سکتا) سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔ ایسا سحر جو اہل بابل وغیرہ سے منقول ہو کر آیا ہے۔ اي يروى ويتعلم من سحرة بابل ونحوهم (روح) ف۱۲ ذکر اس یوم آخرت کے سلسلہ میں جہنم کی شدت عذاب اور ہولنا کیوں کا ہو رہا ہے۔ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ۔ دوسری زبانوں کی طرح عربی فن بلاغت میں بھی کلام میں زور، اثر، جوش و تاکید کے موقع پر سوالات سے کام لیا جاتا ہے۔ لَا تُبْقِيْ۔ یعنی کوئی کافر دوزخی ایسا نہ ہو گا جسے وہ اپنے اندر جلانے سے باقی رہنے دے۔ وَلَا تَذَرُ۔ یعنی کسی کافر کو اپنے اندر لے لینے سے نہ چھوڑے گی۔ ف۱۳ (جو دوزخیوں کو انواع واقسام کے عذاب دیتے رہیں گے) عجب نہیں جو عذاب دوزخ کے ۱۹ صیغے ہوں اور یہاں مراد ان صیغوں کے افسر فرشتوں کی تعداد کو بیان کرنا ہو۔

اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا

صرف فرشتوں ہی کو بنایا ہے اور ہم نے ان کا عدد کافروں کی آزمائش

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

ہی کے لئے رکھا ہے وف۱۴ نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل کتاب تو یقین کر لیں گے

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا اور اہل کتاب اور مومنین

الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

شک و شبہ نہ کریں گے وف۱۵ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ

مرض ہے اور کافر لوگ کہیں گے کہ آخر خدا کا مقصود اس بیان سے کیا ہے وف۱۶ اللہ اس

يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ

طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور آپ کے پروردگار کے لشکروں

جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا

(کی تعداد) تو بس وہی جانتا ہے اور یہ (دوزخ کا بیان) انسان کی صرف نصیحت کے لئے ہے وف۱۷ تحقیقاً

وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا

قسم ہے چاند کی اور رات کی، جب وہ جانے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے کہ

لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ

دوزخ ایک بہت ہی بھاری چیز ہے، بڑا ڈراوا انسان کے لئے یعنی تم میں سے اس کے لئے جو

يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾

آگے بڑھنا چاہے، یا پیچھے ہٹنا چاہے وف۱۸ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہو گا

وف۱۴ (کہ وہ اس عدد متعین کو سن کر اس پر طرح طرح سے مسخرکریں گے) وَمَا ...... مَلٰٓئِكَةً۔ یعنی یہ دوزخ کے کارکن انسان وغیرہ نہیں فرشتے ہی ہوں گے۔ جو ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے پاک ہیں۔ اور امر الٰہی کی تعمیل کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عقائد تعلق اللہ پر ایمان، انبیاء پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، حدوث عالم کا اعتقاد وغیرہا تعداد میں انیس ہی ہوتے ہیں۔ اور عذاب کفار کی اصل چونکہ انہیں عقائد اسلامی کی مخالفت ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک ایک فرشتہ انہیں ۱۹ عقائد اصلی میں سے ایک ایک کے مقابلہ پر ہو۔ یا یہ کہا جائے کہ انسان کے نفس میں عذاب دوزخ کی بھڑکانے والی انیس رنگ کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ وف۱۵ یہ آیت قرآن مجید کے ان دو چار مشکل مقامات میں سے ہے، جن کے متعلق علوم کا باب ان شاء اللہ آیندہ کے کسی خوش نصیب مفسر کے لئے ضرور کھلے گا۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں بھی انیس ۱۹ کے عدد سے متعلق کچھ پیشگوئیاں موجود چلی آتی ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کی نفی ریب لغوی معنی میں ہے اور مومنین کی شرعی معنی میں۔ وف۱۶ (اور ان لوگوں کا یہ سوال طنز و تعریض کی راہ سے ہو گا) اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض شک و انکار میں مبتلا منافقین یا چھپے ہوئے کافر۔ اے من المنافقین (ابن کثیر) اور جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ سورت تو مکی ہے، اور منافقین کا وجود مکہ میں نہ تھا۔ انہوں نے مرض سے مراد اضطراب اور ضعف ایمان لی ہے۔ و قال الحسن بن الفضل السورة مكية ولم يكن بمكة نفاق وانما المرض فى الاٰية الاضطراب وضعف الايمان (بحر) لیکن تفسیر کبیر میں اس قول کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے اور تائید و توثیق قول جمہور کی کی گئی ہے۔ وف۱۷ (کہ اسے سن کر ان کے دلوں میں خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ ایمان لائیں) كَذٰلِكَ ...... يَّشَآءُ۔ یعنی لوگوں کی ضلالت و ہدایت یوں ہی الل ٹپ نہیں، بلکہ اللہ کے قانون مشیت تکوینی ہی کے ماتحت انجام پاتی رہتی ہے۔ وَمَا ...... هُوَ۔ یعنی جو تعداد ملائکہ یہاں بیان کی گئی ہے وہ تو کسی حکمت ہی کے ماتحت ہے۔ ورنہ اللہ کے لشکر کا شمار تو بس اسی کے علم میں ہے انسان کے بس میں کہاں ہے۔ وف۱۸ یعنی اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ غرض یہ کہ جملہ مکلفین کے لئے۔ وَالْقَمَرِ ...... الْكُبَرِ۔ موقع قسم پر یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چاند اور رخصت ہوتی ہوئی رات اور روشن ہوتی ہوئی صبح، اور یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعۂ قیامت سے رکھتی ہیں، جس پر بطور شہادت انہیں پیش کیا گیا ہے ــــ چاند کا اول بڑھنا اور پھر گھٹنا، یہاں تک کہ نظروں سے معدوم ہو جانا ایک نمونہ اور مثال ہے، اس کائنات کے وجود و حدوث، اور نشو و نما کا، اور پھر اضمحلال و انحطاط، یہاں تک کہ فنا کا۔ اسی طرح اس عالم کو آخرت کے ساتھ اختفاء اور انکشاف حقائق میں بھی وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات کے گزر جانے کے ہے، اور آخرت کا ظہور مشابہ طلوع صبح کے ہے۔ لَاِحْدَى الْكُبَرِ۔ ایک ہی بھاری چیز جس کی کوئی نظیر نہیں جیسے اردو محاورہ میں بھی کہتے ہیں کہ "وہ ایک ہی ہے"۔ یا نظیر کے معنی میں اے لا نظير لها كما تقول هو احد الرجال وهى احدى النساء (بحر) لِمَنْ شَآءَ۔ اس لفظ سے اجازت کا کوئی پہلو ہرگز نہ سمجھا جائے، یہ بیان صرف ارادۂ عبد کا ہو رہا ہے اور اہل سنت ارادۂ عبد کی نفی نہیں کرتے، اس کا تو عین اثبات کرتے ہیں۔ نفی صرف اس امر کی کرتے ہیں کہ عبد اپنے ارادہ کا خالق بھی ہے۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

مگر داہنے ہاتھ والے نہیں کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، اور مجرموں کی بابت پوچھ پوچھ

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ

کر رہے ہوں گے ف۱۹ کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے ہم تو

نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾

نہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے، اور ہم روز جزا کو جھٹلایا

الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی ف۲۰ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش (کوئی)

الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ

نفع نہ دے گی ف۲۱ انہیں کیا ہو گیا کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں گویا وہ

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ

وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں ف۲۲ اصل یہ ہے کہ ان میں سے

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ

ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے دے دیے جائیں ف۲۳ ہرگز نہیں

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ

بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف ہی نہیں رکھتے ف۲۴ نہیں بلکہ یہ (قرآن ہی کافی) نصیحت ہے، سو جو چاہے

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

اس سے نصیحت حاصل کرے، اور نصیحت تو یہ لوگ اس صورت میں حاصل کریں گے جب اللہ کی مشیت ہوگی

ف۱۹ (خود انہیں کفار مجرمین سے) سوال سے محض استفسار حال مقصود نہ ہوگا، اہل دوزخ کی مزید تذلیل وسرزنش بھی مقصود ہوگی۔ سَقَرَ ...... ز جہنمۃ۔ یہ بھی دوزخ کی ہے، ہر شخص اپنی پاداش عمل میں گرفتار وماخوذ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عفو خداوندی کسی کے جرائم ہی کو نظر انداز کردے۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ۔ یعنی اہل جنت جنہیں نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ملے گا۔ وہ اس حبس سے ہر طرح محفوظ ومستثنیٰ ہوں گے۔ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مراد کفار اہل دوزخ ہیں۔ ف۲۰ (اور ہم انہیں غفلتوں اور سرشاریوں میں پڑے رہ گئے) نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ۔ خوض سے مطلق مشغلہ نہیں بلکہ ایسا مشغلہ مراد ہے جو دین اور واجبات دین سے غافل کردے۔ الخوض الشروع في الباطل ومالا ينبغي (کشاف) والمراد منه الاباطيل (کبیر) کافروں کی تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم نے نہ حقوق اللہ ہی ادا کئے نہ حقوق العباد، اور ادائے حقوق تو کیا کرتے سرے سے روز حشر کی آمد ہی سے انکار کرتے رہے۔ اور ابطال دین کو ایک مشغلہ سا بنا کر اسی میں لگے رہے۔ توبہ وانابت کی توفیق کبھی نہ ہوئی اور موت ہی اس حالت میں آ گئی۔ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ۔ یقین کے معنی یہاں عام طور پر موت ہی کے لئے گئے ہیں۔ وقال المفسرون اليقين الموت (بحر) اي الموت ومقدماته كما ذهب اليه جلّ المفسرين (روح) عذاب قیامت بھی مراد لی گئی ہے۔ اس لئے کہ یہی شئی ہے جس پر یقین لاتا ہے۔ یہ لوگ زندگی بھر گریز کرتے رہے اور بعد موت مشاہدہ کر کے جب یقین کیا۔ وانما اليقين الذي عنوا في هذه الاٰية الشيء الذي كانوا يكذبون به وهم احياء في الدنيا فتيقنوه بعد الموت (بحر) ف۲۱ مراد یہ ہے کہ ایسوں کی شفاعت جب سرے سے ہوگی ہی نہیں تو کارگر کیا ہوگی۔ اي لا يقدرون على شفاعتهم فتنفعهم. اي لاشفاعة شافعين لهم فتنفعهم۔ (بحر) مَا تَنْفَعُهُمْ۔ لفظ نفع منع عذاب وتخفیف عذاب دونوں کو عام ہے۔ اس کی نفی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ نہ عذاب سے ہی بچ سکیں گے اور نہ کوئی رعایت ہی حاصل کر سکیں گے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے مومنین کے حق میں شفاعت کا اثبات نکلتا ہے۔ وفيه دليل ثبوت الشفاعة للمؤمنين (مدارک) وفي هذه الاٰية دلالة واضحة على ان الله تعالٰى مشفع بعض خلقه في بعض (ابن جریر) بلکہ اہل سنت نے تو یہ کہا ہے کہ آیت سے فساق امت تک کی شفاعت کا اثبات ہوتا ہے۔ واحتج اصحابنا على ثبوت الشفاعة للفساق بمفهوم هذه الاٰية وقالوا ان تخصيص هؤلآء بانهم لاتنفعهم شفاعة الشافعين يدل على ان غيرهم تنفعهم شفاعة الشافعين (کبیر) فاسقوں کی شفاعت سے انکار صرف معتزلہ سے منقول ہے۔ وفيه دليل على ان غيرهم تنفعهم الشفاعة وذالك لغير الفساق عند المعتزلة (نیشاپوری) ف۲۲ (بالکل اندھا دھند منہ اٹھائے ہوئے) گدھے اور پھر وحشی جنگلی گدھے کمال بلادت کے لئے ضرب المثل ہیں۔ معمولی اور بالکل بے ضرر چیزوں سے بھی بدکتے اور بھاگتے رہتے ہیں اور پھر جب شیر سے بھاگیں گے تو ان کی وحشت اور بدحواسی کا کیا ٹھکانا۔ تشبیہ سے مقصود قرآن مجید سے ان لوگوں کے انتہائی بُعد وتنفر کا اظہار ہے اور تشبیہ صرف فرار اور عدم قرار میں ہے دوسرے آثار میں نہیں۔ قَسْوَرَةٍ۔ کے معنی اور بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن صحابہ اور محققین نے شیر ہی کے معنی لئے ہیں۔ وقال ابوهريرة هي الاسد وهو قول عطاء الكلبي (معالم) قال ابوهريرة وابن عباس في رواية عنه وزيد بن اسلم وابنه عبدالرحمٰن (ابن کثیر) اور ماہرین لغت سے بھی یہی منقول ہے۔ وجمهور اللغويين على انه الاسد (روح) ف۲۳ (آسمان سے اترے ہوئے) قرآن مجید اپنے مخاطبین کو دعوت غور وفکر ایک خاص قسم کی دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پیش کئے ہوئے دلائل وحقائق پر غور کر کے ایمان تک پہنچیں۔ احمق اور سنجیدگی فکر سے محروم اور سطحی نظر رکھنے والے منکرین اس قوت فکری کا استعمال بھی اپنے لئے بار سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ شہادتیں انہیں جو بھی ملیں کھلی ہوئی مادی، حسی، خوارق کے قسم کی ملیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مذمت اس طالب کی نکل رہی ہے جو کاملین کے اتباع سے عار محسوس کرتا ہے۔ اور خود اپنے واردات واحوال کی توقع وطلب میں لگا رہتا ہے۔ ف۲۴ قرآن مجید ان منکرین کی نفسیت کی تشخیص یہ کرتا ہے کہ ان کے اعراض وانکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں سرے سے اندیشہ آخرت اور طلب حق ہے ہی نہیں۔ كَلَّا۔ یعنی ایسا ہرگز نہ کیا جائے گا۔ ان کے ہوائے نفس کے پورا ہونے کا موقع انہیں ہرگز نہ دیا جائے گا۔

ف۲۵ تقویٰ بھی صرف اسی سے اختیار کرنا چاہیے، اور مغفرت بھی صرف وہی کر سکتا ہے۔ دوسروں سے خوف یا طمع دونوں لا حاصل ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر یوں آئی ہے۔ قال ربکم انا اهل ان اتقى فلا یشرک بی شیء فاذا اتقانی عبد فانا اهل ان اغفر له۔ ''حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کام میں کسی کو شریک نہ کرے تو جب بندہ مجھ سے ڈرا، تو میری بھی شان یہ ہے کہ اس کی مغفرت کروں''۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ۔ اسی قرآن ہی پر غور، تامل و تدبر سے پورا ایمان و ایقان حاصل ہو سکتا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ جو شخص طلب و قصد رکھے قرآن مجید سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے ــــ اس فقرہ میں ارادۂ عبد کسب و اختیار فعل کا اثبات ہو گیا۔ وَمَا۔۔۔ اللّٰهُ۔ یہیں سے اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ مشیت عبد و مشیت شخصی تابع و ماتحت رہتی ہے مشیت ازلی الٰہی کے۔ ف۱ (جو اپنے اوپر ملامت کرتا رہتا ہے) لَآ اُقْسِمُ۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

وہی ہے ڈرنے کے قابل اور (وہی) مغفرت والا ہے ف۲۵

اٰیاتها ۴۰ — ۷۵ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱ — رکوعاتها ۲

اس کی چالیس آیتیں — سورۂ قیامت مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی ف۱

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ

کیا انسان یہ خیال کر رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے، ضرور جمع کریں گے ہم تو اس پر قادر ہیں

عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں ف۲ اصل یہ ہے کہ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ آیندہ بھی

اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾

فسق و فجور ہی کرتا رہے ف۳ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا سو جس روز آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ

اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ایک حالت کے کر دیے جائیں گے اس روز

الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ

انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ ف۴ ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں اس وقت ٹھکانا صرف

يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ

آپ کے پروردگار کے پاس ہو گا اس روز انسان کو سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلایا دیا

نمبر۲۔ لَآ۔ قسم کے ساتھ تاکید معنی کے لئے آتا ہے۔ اور اس کا یہ استعمال کلام عرب میں عام ہے۔ ادخال لا النافية على فعل القسم مستفیض فی کلامهم واشعارهم وفائدتها توكيد القسم (کشاف) لاقبل القسم لتاكيد النفي (ابن کثیر) بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ نفس لوامہ یہ ہے کہ بندہ سے جب عمل خیر صادر ہو تو یہ اس پر جرح کر کر کے اس میں عیب نکالا کرے کہ اس میں اخلاص شامل نہ تھا، عمل میں فلاں جزء کی کمی رہ گئی۔ وقس علی ہذا۔ اور جب معصیت سرزد ہو جائے تو اس پر بہت ہی نادم و سرنگوں ہو۔ الاشبه بظاهر التنزيل انها اللتى تلوم صاحبها على الخير و الشر وتندم على مافات (ابن کثیر) قرآن مجید میں نفس کے تین اوصاف بیان ہوئے ہیں:۔

(۱) نفس امارة۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ یہ نفس سرکشوں، خود سروں، مجرموں کا ہوتا ہے۔ (۲) نفس لوامة۔ وہی جس کا یہاں ذکر ہے، ادھر غفلت اور شامت سے کوئی لغزش ہوئی اور ادھر نفس کو توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہو گئی۔ یہ شان مومنین صالحین کی ہوتی ہے۔ (۳) نفس مطمئنة۔ یہ نہ تخیلات شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے۔ نہ تحریکات نفسانی سے منتشر۔ یہ حضرات انبیاء کے ساتھ اور اولیاء میں اخص خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔ ف۲ (تو جو اس تک پر قادر ہے۔ اس کے لئے ہڈیوں کا اٹھا کھڑا کرنا اور ان میں جان ڈال دینا کیا مشکل ہے!) الْاِنْسَانُ۔ اس سیاق میں انسان سے مراد ملحد، کافر و منکر قیامت انسان ہے۔ ای الكافر المنكر للبعث (مدارک) يعنى الكافر (معالم) نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ۔ پور پور کو ترکیب دے دینے سے مراد جسم کی آخری اور نازک ترین ترکیبوں کا اعادہ ہے۔ ملحدوں کے انکار قیامت کی بنیاد اور کچھ نہیں، صرف اس حقیقت کا استبعاد تھا۔ آج کل کے مادئین اور کسی حد تک ''نیچریوں'' کی طرح اس سطحی عقل والوں کے نزدیک جو چیز بھی معمول عام سے ہٹی ہو بس محال تھی! قرآن نے اسی لئے جواب میں بار بار یہی پہلو اللہ کی قدرت کاملہ کے استحضار کا اختیار کیا ہے۔ ف۳ (اور اس کی لذت پرستیوں میں بھی فرق نہ پڑنے پائے) یعنی وہ چونکہ اپنے کو باز پرس سے دور رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے قائل بھی ایسے عقیدہ کا نہیں ہوتا جس سے لذتوں سے دستبرداری لازم آتی ہو ــــ یہی ایک ذہنیت قدیم و جدید ساری مادہ پرست قوموں میں مشترک رہی ہے۔ لِيَفْجُرَ۔ فجور سے یہاں مراد کافرانہ اعمال ہیں۔ واصل الفجور الميل وسمى الفاسق والكافر فاجرا لميله عن الحق (معالم) اور اس سوال سے اس کی غرض جستجوئے حق اور استفسار محض نہیں ہوتی، بلکہ سوال طنز و تعریض کے ساتھ کرتا ہے۔ ف۴ (اور یہ کلمہ انسان کی زبان پر کمال اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں آئے گا) قرآن مجید نے بکمال حکمت و بلاغت ادھر توجہ ہی نہیں کی کہ وقوع قیامت کی صدی اور وقت اور تاریخ کی تعیین کی جائے۔ بلکہ عین اس وقت کی کیفیات کی تصویر پیش کر دی کہ قیامت اس وقت آئے گی جب نظام کائنات یوں اور یوں درہم برہم ہو جائے گا اور انسان ہر طرف یوں بلبلایا ہوا بدحواس بھاگتا پھرتا ہوگا۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۔ آنکھوں پر یہ چکا چوند کی کیفیت اس وقت کے انتہائی ہیبت ناک منظروں سے طاری ہو جائے گی۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔ چاند کی اس بے نوری کی تصریح میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ عرب جاہلیت میں چاند دیوتا بہت بڑا دیوتا تھا۔ جس طرح مصر اور بعض دوسری جاہلی قوموں میں معبود اعظم سورج رہا ہے۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ یہ آج کا نظام مادی تکوینی اس وقت بالکل الٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ جو چیزیں آج محال اور غیر ممکن معلوم ہو رہی ہیں اس وقت واقع ہو کر رہیں گی۔

وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ

جائے گا ف (بلکہ) اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہو گا گو وہ

اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾

اپنے حیلے پیش لائے ف۲ آپ اس کو (یعنی قرآن کو) جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے ف۸

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے ف۹ ہرگز ایسا نہیں ف۱۰ اصل یہ ہے کہ تم دنیا سے تو محبت رکھتے ہو

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو ف۱۱ (کتنے ہی) چہرے اس روز بشاش ہوں گے، اور

رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ

اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ف۱۲ اور (کتنے ہی) چہرے اس روز بے رونق ہوں گے، اور سمجھ رہے ہوں گے

یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ

کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ف۱۳ (دنیا محبوب بنے اور آخرت متروک ہونے کے قابل) ہرگز

مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ

نہیں ف۱۴ جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور پکارا جانے لگتا ہے کہ ارے کوئی جھاڑنے والا بھی ہے ف۱۵ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا

بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ڼالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ

ہے کہ اب مفارقت (کا وقت) ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹنے لگتی ہے ف۱۶ اس روز تیرے پروردگار ہی کی طرف جانا ہوتا ہے اس

وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی

(کافر) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی ف۱۷ بلکہ تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا پھر فخر کرتا ہوا

ف۵ یہ جتلانا اس معنی میں نہ ہوگا کہ ایک بے خبر اور ناواقف کو باخبر اور واقف کیا جا رہا ہے بلکہ یہ جتلانا بطور اتمام حجت وقطع جواب کے ہوگا۔ بِمَا قَدَّمَ۔ اس سے مراد وہ عمل خیر ہے جو انسان دنیا میں کر گزرا ہے۔ وَ اَخَّرَ۔ اس سے مراد اس عمل سے لی گئی ہے جو انسان نہ کر پایا۔ ف۶ (محض اپنے مقتضائے طبیعت سے) مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان تو اپنی حالت پر خود گواہ ہوگا۔ اور بغیر جتلائے ہوئے بھی اسے اپنا حال خوب معلوم ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ حیلے اور حجت بھی اپنے بچاؤ کے تراشتا رہے۔ یہ ماجرا تو روز حشر کا بیان ہو رہا ہے۔ لیکن یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ آج اور اس وقت بھی انسان حیلے حوالے کتنے ہی پیش کرتا رہے، اپنے دل میں حقیقت حال کو خوب سمجھے رہتا ہے اور اس کا ضمیر خود اس کے جرائم پر گواہ رہتا ہے۔ بَصِیْرَةٌ۔ یا تو حجت کے مفہوم میں ہے اے هو حجة على نفسه (مدارک) اے حجة بينة واقعة على نفسه (روح) عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۔ لفظ علی سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعمال سوء ہی پر مطلع ہونا یہاں مراد ہے۔ شاهدة بما صدر منه من الاعمال السيئة كما يُؤْذِنُ به كلمة على (روح) اور یا پھر اس میں ہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں۔ قال ابو عبيدة الهاء لاجل المبالغة (کبیر) التانيث للمبالغة (روح) محققین عارفین نے کہا ہے کہ معرفت حق ہر انسان میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ کوئی عارف بالفعل ہوتا ہے کوئی بالقوۃ، اور قیامت میں یہی استعداد عرفان اس پر حجت ہوگی۔ ف۷ نزول وحی کے دوران میں آپ ﷺ اس خیال سے کہ کہیں یہ الفاظ ذہن سے نکل نہ جائیں، خود بھی جلدی جلدی انہیں دہرانے لگتے تھے۔ یہاں یہ حکم مل رہا ہے کہ آپ نزول وحی کے وقت بس سکون وخاموشی سے سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لائیے کہ وحی کا کوئی خفیف سا جزو بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمہ دار تو ہم خود ہیں۔ بِهٖ۔ بِهٖ دونوں جگہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جَمْعَهٗ۔ یعنی قرآن کا آپ کے سینہ میں جمع کر دینا۔ معناه علينا جمعه فى صدرك وحفظك (کبیر) وَ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنی پورے کے پورے قرآن کا آپ کی زبان سے پڑھوا دینا۔ انا سنقرئك يا محمد الى ان تصير بحيث لاتنساه (کبیر) اثبات قراءته فى لسانك (مدارک) اے قراءتك اياه (بحر) ف۸ یعنی ادھر ہی متوجہ ہو جائیے اور اس کے دہرانے کی فکر میں نہ رہیے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ۔ یعنی جب ہمارا فرشتۂ وحی اسے سنایا کرے — حق تعالیٰ نے یہیں فرشتۂ وحی کے سنانے کو اپنے ہی سنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اے اتممنا قرائته عليك بلسان جبرئيل المبلغ عنا فالاسناد مجازى (روح) محفوظیت وجامعیت متن قرآنی پر یہ آیت ایک مستقل نص کا کام دے رہی ہے۔ اشارۃً اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نزول وحی میں فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام تعلیم وافادہ کا نہیں، صرف تبلیغ واعادہ کا ہے۔ جیسے جمعہ یا عیدین کی نماز میں مکبرین امام کی تکبیر وتسبیح کو صرف دہرا دیتے ہیں، کسی اور حیثیت سے نائب امام نہیں ہوتے۔ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنی فرشتۂ وحی کی قراءت کا اتباع کرتے رہیے۔ فاتبع قرأنه اے لاينبغى ان تكون قراءتك مقارنة بقراءة جبرائيل (کبیر) ف۹ (اور یہ رسول کے ذریعہ سے ہوگا) قرآن کو رسول تک بجنسہ پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا دینا جو حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس کا انصرام تو فرشتہ کی وساطت سے ہوا۔ اب رہا دوسرا وعدۂ الٰہی یعنی قرآن کی تبیین وتشریح یہ کس کے ذریعہ سے ہوگی؟ یہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے — گویا حق تعالیٰ سے رسول ﷺ تک متن قرآن پہنچنے کا ذمہ دار تو فرشتۂ وحی ٹھہرا۔ اور رسول ﷺ سے امت تک متن قرآن وشرح قرآن پہنچانے کے ذمہ دار رسول کریم ﷺ قرار پائے۔ اے ثم ان علينا ان نبينه بلسانك (روح) اے بعد حفظه وتلاوته نبينه لك ونوضحه ونفهمك معناه على اودنا وشرعنا (ابن کثیر) آج جس نو پیدا گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف ایک خطوط رساں یا ڈاکیہ کی تسلیم کر رکھی ہے، کاش اس آیت سے اس کی آنکھیں کھلتیں۔ ف۱۰ (کہ قیامت نہ آئے گی جیسا کہ یہ احمق منکرین اپنے زعم فاسد میں سمجھے ہوئے ہیں) كَلَّا کو حقا کے بھی مرادف سمجھا گیا ہے اور معنی یقیناً کے کئے گئے ہیں۔ قال سائر المفسرين كلا معناه حقا تحبون العاجلة وتذرون الاخرة (کبیر) ف۱۱ (اسی محبت دنیا کے انہماک میں) یہاں یہ بتا دیا کہ انکار آخرت کی بنیاد بھی یہی دنیوی زندگی میں انہماک وغفلت ہے۔ ف۱۲ مسئلہ رویت باری ودیدار الٰہی اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ اعلم ان جمهور اهل السنة يتمسكون بهذه الاية فى اثبات ان المؤمنين يرون الله تعالى يوم القيمة (کبیر) مسئلة النظر ورؤية الله تعالى مذكورة فى اصول الدين (بحر) قال ابن عباس واكثر الناس تنظر الى ربها عيانا بلاحجاب (معالم) وقد ثبتت رؤية المؤمنين لله عزوجل فى الدار الاخرة فى الاحاديث الصحاح من طرق متواترة عند ائمة الحديث لايمكن دفعها ولا منعها (ابن کثیر) وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ کی ترکیب دلالت حدوث وزوال پر نہیں کرتی بلکہ اس پر کہ یہ بشاشت وشگفتگی دائمی ہوگی۔ اس بشاشت وسرور کی وجہ بھی معاً بعد مذکور ہے۔ یعنی یہ کیفیت اضطراری اور خود بخود طاری نہ ہوگی۔ بلکہ یہ تمتع ونشہ ثمرہ رویت ہوگا۔ اِلٰی سے بعض عارفین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کمال قرب وکثرت انوار کے باوجود نظارہ کرنے والے میں احساس تشخص ودرک باقی رہے گا۔ تمتع وتکیف پوری طرح ہو سکے گا فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ فعل نظر کا صلہ جب الٰی کے ساتھ آتا ہے، تو اس کے معنی رویت ہی کے ہوتے ہیں۔

ولا يعدى بالى الا بمعنى الرؤية (مدارک) ف۱۳ یعنی نہایت شدت کا معاملہ۔ فَاقِرَةٌ۔ فقر ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اس کو توڑ دینے والی چیز سے کنایہ ہوتا ہے انواع عذاب و غایت مصیبت سے۔ وُجُوْهٌ کے صیغۂ نکرہ ہونے سے یہ مستفاد ہوا ہے کہ وہ کچھ ہی بدقسمت اس میں گرفتار ہوں گے سب نہیں۔ ف۱۴ اس تردید کا تعلق آیت ۲۰، ۲۱ سے ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ سے۔ ف۱۵ (جواب آکر اچھا کرے) راقٍ کے لفظی معنی جھاڑنے پھونکنے والے کے ہیں۔ قرآن مجید کے مخاطب اول یاد کر لیجئے کہ عرب تھے، اور پھر یہ سورت تو نزول میں بھی بہت ابتدائی ہے۔ اس وقت ان سے وہی بات اس زبان میں کہی گئی، جس سے وہ مانوس اور جس کے وہ خوگر تھے، دوسری مشرک قوموں کی طرح ان میں بھی بڑا زور جھاڑ پھونک کا تھا، اور مرتے ہوئے شخص کو بچانے کی آخری اور انتہائی تدبیریں ان کے درمیان اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ اس وقت اگر ان کے سامنے انجکشن دینے یا مصنوعی تنفس کے سامان کا ذکر کیا جاتا تو بجز اس کے کہ وہ حیرت سے بھوچکے رہ جاتے اور کوئی حاصل بھی نہ تھا— یہاں مراد مطلق معالج ہے۔ طبيبا يشفيه و راقيا برقيه (کبیر) لعله اريد به مطلق الطبيب (روح) اے من يرقي ويطبب ويشفي وغير ذلك مما يتمناه له اهله (بحر) اے من طبيب شاف وكذا قال قتادة والضحاك وابن زيد (ابن کثیر) اے هل من طبيب يرقيه ويداويه فيشفيه برقيته او دوائه وقال قتادة التمسوا له الاطباء (معالم) ف۱۶ (سکرات موت کی شدت سے) ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ ظن۔ یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ واكثر المفسرين على تفسيره باليقين (روح) وتظن بمعنى توقن (بحر) ف۱۷ یعنی نہ ایمان لایا تھا نہ اعمال کی پروا کی تھی۔ فَلَا صَدَّقَ۔ تصدیق سے مراد توحید و رسالت کی تصدیق ہونا ظاہر ہے۔ الفاظ آیت کی ترکیب سے ایک اشارہ پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح ایمان بھی بغیر نماز کے کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی عمل اہم و موکد نہیں۔ یہ مسئلہ بھی نکالا گیا ہے کہ مستحق زجر و ملامت جس طرح عدم ایمان ہے، اسی طرح ترک نماز بھی۔ اعلم ان الاية دالة على ان الكافر يستحق الذم والعقاب بترك الصلوة كما يستحقهما بترك الايمان (کبیر) ف۱۸ یعنی اپنے کفر و عصیان پر فخر کرتا ہوا اپنے خدم و حشم میں جا کر اور زیادہ غافل و مغرور ہو جاتا تھا۔ ف۱۹ یہ تکرار اور تاکید پر تاکید، دوسری زبانوں کی طرح عربی اسلوب بیان میں بھی کمال غضب اور وعید شدید کے اظہار کے لئے ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمہارا خدا۔ حق تعالیٰ نے بعینہٖ اس فقرہ کو قرآن میں نازل فرما دیا۔ ف۲۰ (بلا حساب و کتاب اور بغیر جزاء و سزا کے) الْاِنْسَانُ۔ انسان سے یہاں مراد کافر، ناسپاس، منکر حشر انسان ہے۔ ف۲۱ (عورت کے رحم میں) اشارہ ہے انسان کی اصل حقیر کی طرف— دنیا میں مشرک، جاہلی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جو منی کے تقدس اور نطفہ کے احترام کی قائل ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کی اس مضمون کی آیتیں ضمناً اس جاہلانہ عقیدہ کی بھی تردید کرتی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۲۲ (تو جس کی محض پیدائش میں یہ اہتمام و انضباط ہو اور جس کی خلقت، ترکیب و ارتقاء میں اتنی صنعت صرف ہو، کیا اس کے انجام کار کی طرف سے غفلت اور اسے محض بخت و اتفاق پر چھوڑے رہنا عقل سلیم کسی طرح بھی قبول کرتی ہے؟) والمقصود هنا اثبات المعاد والرد على من انكره من اهل الزيغ والجهل والعناد (ابن کثیر) ف۲۳ یعنی جو قادر مطلق و صانع برحق ابتداءً محض اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کر سکتا اور نیست کو ہست کر سکتا ہے وہ اب صرف اعادہ پر بھی قدرت نہیں رکھتا؟ ف۱ یعنی انسان اپنی پیدائش سے قبل جبکہ بحیثیت انسان معدوم تھا۔ هَلْ یہاں بالاتفاق قد کے معنی میں ہے یعنی ضرور یا یقیناً۔ هل بمعنى قد (کشاف) هل اتى بمعنى قد وبذلك فسر قوله تعالى هل اتى على الانسان الخ (مغنی۔ عن ابن عباس والكسائي والفراء) وعن سيبويه ان هل بمعنى قد (مغنی) ف۲ یعنی صاحب عقل بنایا اور ایسی ہیئت اور صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام کا مکلف بننے کی قابلیت ہو۔ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ۔ یہ اختلاط و امتزاج ممکن ہے کہ مرد و عورت کے مادوں کی ترکیب کے لحاظ سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ خود منی ہی کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ہو۔ فالاكثرون على انه اختلاط نطفة الرجل بنطفة المرأة (کبیر) ذلك عبارة عما جعله الله تعالى بالنطفة من القوى المختلفة (راغب) یہ بیان عام خلقت انسانی کا ہوا اور اس طرح کے بیانات قرآن مجید میں ہمیشہ صرف عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ کسی بھی انسان کی خلقت بجز معروف و متعارف طریقہ کے ہو ہی نہیں سکتی تمام تر سطحیت و بے مغزی ہے۔ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ علم و معرفت کے لئے حواس میں بڑا دخل آنکھ اور کان ہی کو ہے اس لئے صراحت سے نام انہیں دو قوتوں کا لیا گیا۔

أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ

اپنے گھر چل دیتا تھا ف۱۸ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر تیری کم بختی پر کم بختی

فَأَوْلٰى ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ

آنے والی ہے ف۱۹ کیا انسان اس خیال میں ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ف۲۰ کیا یہ

يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ

شخص (محض) ایک قطرۂ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا ف۲۱ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر (اللہ نے اسے انسان) بنایا،

فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿٣٩﴾

پھر اعضا ٹھیک کئے، پھر اس کی دو قسمیں کر دیں، مرد اور عورت ف۲۲

أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

تو کیا ایسی (ذات) اس پر قدرت نہیں رکھتی کہ مُردوں کو زندہ کر دے ف۲۳

آیاتہا ۳۱ ۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ رکوعاتہا ۲

اس کی اکتیس آیتیں سورہ دہر مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی

شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

قابل ذکر چیز ہی نہ تھا ف۱ بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ

أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ إِنَّا هَدَيْنٰهُ

سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا ف۲ ہم ہی نے اس کو

السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکرگزار (ہوا) اور یا کافر (ہوگیا) ف۳ ہم ہی نے کافروں کے لئے

لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَيْنًا

ایسے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے

يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾ يُوْفُوْنَ

جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے جسے وہ بہاتے ہوئے لے جائیں گے ف۴ یہ لوگ واجبات کو

بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾

پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے ف۵

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا

ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور نہ تم سے (اس کا) عوض چاہیں اور نہ

شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾

شکریہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا ف۶

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾

سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا کرے گا

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا

اور ان کے صبر (وثبات) کے صلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حال میں کہ وہ وہاں

ف۳ یعنی وہ اس بتائے ہوئے راستہ پر یا تو چلا یا نہ چلا، اگر چلا تو مومن و شکرگزار ٹھہرا، نہ چلا تو کافر اور ناشکرا نکلا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اسباب و حالات اور قوتیں اللہ نے خلق فرمائیں اور اختیار و صرف ہمت انسان کی رائے پر چھوڑا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ۔ یعنی ہم نے انہیں احکام کا مکلف بنایا۔ ف۴ (جہاں چاہیں گے) اسے اہل جنت کی ایک کرامت سمجھئے یا جنت کی خصوصیت مقامی کہ جنت کی نہریں، ندیاں سب ان کے تابع اور ان کے حکم کی مسخر ہوں گی۔ كَافُوْرًا۔ کافور کے بے انتہا فوائد اس دنیا میں بھی اطباء کو مسلم ہیں۔ اور پھر وہ کافور تو جنت کا کافور ہوگا۔ اس کی خوبیوں کا کیا پوچھنا یہاں یہ خوب خیال رہے کہ دنیا کی جس چیز سے بھی جنت کی کسی نعمت کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ تشبیہ اس چیز کی صرف حسن و خوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ کسی ضرر یا قبح کے لحاظ سے دنیا کے کافور میں اگر کچھ مضرتیں ہوں بھی تو جنت کے کافور پر ان کا کیا اثر، ٹھیک اس طرح جیسے دنیا کی شراب کے سکر و فتور عقل کا مطلق کوئی اثر شراب جنت کی لذت و سرور پر نہیں۔ عِبَادُ اللّٰهِ۔ اضافت تشریفی یا تخصیصی ہے اور مراد اہل بہشت ہیں۔ المقربون من عباد الله (ابن کثیر) قال ابن عباس اولياء الله (معالم) ف۵ (غرض یہ کہ مالی عبادتوں میں بھی اخلاص کامل ملحوظ رکھتے ہیں) يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ۔ نذر ہر وہ عبادت ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی جائے خواہ بالکل اپنی طرف سے خواہ اس لئے کہ اس کا حکم ہی ہو۔ المراد بالنذر ههنا كل ما وجب عليه سواء وجب بايجاب الله تعالى ابتداء او بان اوجبه المكلف على نفسه فيدخل فيه الايمان وجميع الطاعات (کبیر) يُوْفُوْنَ..... مُسْتَطِيْرًا۔ یعنی عبادتوں کی ادائی میں پورا اخلاص برتتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری اور پرسش آخرت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ مُسْتَطِيْرًا۔ وہ چیز ہے جو خوب پھیلے ہوئے اور خوب گھیرے ہوئے ہو۔ عَلٰى حُبِّهٖ۔ ضمیرہ بھی اللہ کی جانب ہے یعنی حق تعالیٰ کی محبت میں، حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے۔ اطعاما كائنا على حبه تعالى و لوجهه سبحانه وابتغاء مرضاته واليه ذهب الفضيل بن عياض و ابو سليمان الداراني (روح) اَسِيْرًا۔ مسکین و یتیم تو اس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن "اسیر" تو نزول آیت کے وقت بہرحال مشرکین ہی تھے۔ قال قتادة كان اسيرهم يومئذ المشرك (جصاص) وعن الحسن قال كانوا مشركين (جصاص) والاظهر الاسير المشرك لان المسلم المسجون لايسمى اسيرا على الاطلاق (جصاص) قال ابن عباس وقتادة والحسن انه الاسير من المشركين (کبیر) يعني اسراء الكفار (بیضاوی) اور اس سے یہ نکلا کہ غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد و اعانت موجب اجر آخرت ہے گو بعض فقہاء نے اس میں قیدیں لگا دی ہیں۔ ففيه دليل على ان اطعام الاسارى وان كان من اهل الشرك حسن ويرجى ثوابه (معالم۔ روح) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ۔ محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ خلقت کے ساتھ حسن سلوک کی ساری ہی صورتیں آیت میں شامل ہیں جس کی ایک اہم فرد کھانا کھلانا بھی ہے۔ واطعام الطعام كناية عن الاحسان الى المحتاجين والمواساة معهم باى وجه كان وان لم يكن ذلك بالطعام بعينه (کبیر) الاول وهذا يدل على ان المراد من قوله انما نطعمكم ليس هو الاطعام فقط بل جميع انواع المواساة من الطعام والكسوة (کبیر) فكانهٗ ينفعونهٗ بوجوه المنافع (روح) ف۶ (اور ہم یہ اعمال اس لئے بجالاتے ہیں کہ اس دن کی سختیوں سے محفوظ رہیں) یہ آیتیں مسلسل اسی تاکید اخلاص کے لئے چلی آتی ہیں، اس قسم کی آیتیں ان تمامی غیر محقق صوفیہ کی تردید کے لئے کافی ہیں جنہوں نے خوف آخرت سے کسی عمل کے کرنے کو خلاف اخلاص سمجھا ہے۔

عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾

مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾

اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے وے

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ

اور اُن کے پاس لائے جائیں گے چاندی کے برتن اور گلاس جو شیشے کے

قَوَارِيرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾

ہوں گے (اور وہ) شیشے چاندی کے ہوں گے جنہیں بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا وٰ

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا

اور ان میں انہیں ایسا جام (شراب) پلایا جائے گا جس میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی وٖ یعنی ایسے چشمے سے

فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

جو وہاں ہو گا اور اس کا نام سلسبیل ہو گا، اور ان کے پاس ہمیشہ لڑکے رہنے والے لڑکے

مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿۱۹﴾

آمدورفت رکھیں گے، اگر تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں وٖا

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عَالِيَهُمْ

اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے وٖا ان (جنتیوں) پر

ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن

باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں

فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ

گے اور ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا وٖ۱۲ یہ تمہارا

وٖ۷ (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت حاصل ہو سکیں گے) قرآن کے مخاطبین اول یاد رہے کہ عرب تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت تھی کہ جنت کی نعمتوں، لذتوں، راحتوں کی ایک ایک تفصیل ان کے مذاق کے مطابق بیان کی جائے، کلام اس سے ان کے لئے خاص طور پر مؤثر ہو گیا تھا۔ مخاطبین اول کے فہم و مذاق کی رعایت خصوصیت کے ساتھ رکھنا بلاغت کلام اور فن خطابت دونوں کے اصول اولی میں داخل ہے۔ وٖ۸ یعنی پینے والوں کی ٹھیک خواہش کے مطابق۔ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ۔ چاندی کے شیشے کے معنی یہ ہیں کہ سفیدی چاندی کی سی ہوگی اور شفافی شیشہ کی سی۔ وٖ۹ زنجبیل کے بھی فوائد آج بھی کافوری کے منافع کی طرح دنیا کی ہر طب میں مسلم و مشہور ہیں اور پھر وہ تو دنیا کی تھیں، جنت کی زنجبیل ہوگی۔ يُسْقَوْنَ۔ میں اکرام و تعظیم کا پہلو اہل جنت کے لئے يَشْرَبُونَ سے بھی زیادہ ہے۔ وٖ۱۰ (موتی تو رنگ کی صفائی کے لحاظ سے اور بکھرے ہوئے یوں کہ ہر وقت چلتے پھرتے رہیں گے) يَطُوفُ..... مُخَلَّدُونَ۔ یہ بطور خادم کے چیزیں لے لے کر ہر وقت آتے جاتے رہیں گے۔ وٖ۱۱ یعنی وہاں کا ہر ہر سامان اسی افراط اسی ریل پیل کے ساتھ ہوگا۔ وٖ۱۲ ایسا پاکیزہ و لطیف مشروب، جو دوسروں کو بھی پاک و لطیف بنا دے گا۔ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ۔ ہر دو قسم کے لباس ریشمین الگ الگ لطف و لذت دیں گے۔ ثِيَابُ۔ فِضَّةٍ۔ ہر موطن کا مقتضا جدا گانہ ہوتا ہے، ریشم اور زیور اس دنیا میں مردوں کے لئے بعض مفاسد کی بناء پر ممنوع و معیوب ہے۔ جنت کی فضا میں وہ سارے مفاسد غیر موجود ہوں گے۔ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ۔ اہل جنت کے اعزاز و اکرام کی ترتیب اس سورت میں دیکھتے آیئے۔ پہلے ارشاد ہوا يَشْرَبُونَ یعنی وہ خود وہاں پئیں گے۔ پھر وارد ہوا يُسْقَوْنَ (بصیغہ مجہول) یعنی انہیں پلایا جائے گا۔ پلانے والے مجہول رہے، چاہے فرشتے ہوں یا جنت کے کوئی دوسرے خدام ہوں۔ اب کی ارشاد ہو رہا ہے کہ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ ساقی براہ راست ذات باری تعالیٰ ہوگی — کیا ٹھکانا ہے اس اعزاز و اکرام کا۔ شَرَابًا۔ شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ وکل مائع ماءً کان او غیرہ (راغب) اس سے ذہن اردو کے لفظ شراب اور اس کے گندے، نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔ طَهُورًا۔ صیغۂ مبالغہ ہے یعنی ایسا مشروب جو نہ صرف نہایت پاک و پاکیزہ ہے بلکہ پاکیزہ گر بھی ہے۔

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی ف۱۳ ہم ہی نے آپ پر قرآن

عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ

تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہئے اور ان میں سے کسی

مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے ف۱۴ اور اپنے پروردگار کا نام صبح و شام لیتے رہئے،

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

اور رات کے بھی کسی حصہ میں اسے سجدہ کیا کیجئے اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصہ میں کیا کیجئے ف۱۵ یہ لوگ تو بس دنیا سے

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

دل لگائے ہوئے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو (بالکل) چھوڑے ہوئے ہیں ف۱۶

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ

ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم ہی جب چاہیں انہیں جیسے

اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ

لوگ ان کی جگہ بدل دیں ف۱۷ یہ (بیان) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے اور تم چاہ بھی تو بس وہی سکتے ہو جو اللہ

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

چاہے، بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ف۱۹

ف۱۳ (جو تم دنیا میں طاعاتِ الٰہی میں کرتے رہتے تھے) یہ اہل جنت سے ان کے مزید اکرام و اعزاز کے طور پر کہا جائے گا۔ ف۱۴ (کہ ان میں سے کسی کی ترغیب یا فرمائش پر دعوت و تبلیغ ہی چھوڑ بیٹھئے) مشرکین کی انتہائی تمنا یہی تھی، کہ آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ کسی طرح بند کردیں۔ اِنَّا ..... تَنْزِيْلًا۔ اور اس تدریجی تنزیل میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اسے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے امت تک بسہولت پہنچاتے رہیے۔ اور انہیں بھی قبول کرنے میں آسانی رہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ اور انہیں احکام الٰہی میں ایک بڑا فریضہ تبلیغ و دعوت کا ہے۔ ف۱۵ یعنی شروع رات میں نماز فرض اور آخر میں تہجد کا اہتمام رکھیے۔ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ یعنی رات میں دیر تک تہجد میں لگے رہئے۔ وتهجد له تعالٰى قطعًا من الليل طويلا (روح) فَاسْجُدْ لَهٗ۔ سجود۔ سے یہاں کنایہ اصل صلاۃ کی طرف ہے۔ فاسجد اے فصل (بیضاوی، روح) السجود مجاز عن الصلوة بذكر الجزء وارادة الكل (روح) ف۱۶ یہاں تمام لامذہبوں کی اصلی ذہنیت (سائیکالوجی) بےنقاب کر دی ہے کہ عقل اور دور بینی سے یہ کورے ہوتے ہیں۔ صرف حاضر پرست یا "آج" پرست ہوتے ہیں ان کی عقلیں سطحی اور ان کے فیصلے تمامتر سرسری ہوتے ہیں، یہ محض حواس پرست اور ہوا پرست ہوتے ہیں، عقل و دور اندیشی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔ وہ دن جو کافروں اور منکروں پر بہت ہی بھاری ہو گا۔ الْعَاجِلَةَ۔ سے مراد دنیا اور اس کی ساری آنی فانی لذتیں ہیں۔ ف۱۷ یعنی ان کی خلقت اور ان کی ترکیب حکیمانہ دونوں سے قدرت الٰہی بالکل ظاہر ہے، پھر بعث میں کون امر ایسا دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو؟ وَاِذَا شِئْنَا الخ سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان کے امثال و اشباہ بدل دیں گے، انہیں مار کر پھر سے جلائیں گے اور عالم برزخ و آخرت میں لے جائیں گے جہاں ان کی صورتیں ان کے اعمال ہی کی مماثل ہوں گی۔ اہل جہنم حسب اعمال قبیحہ اور اہل جنت حسب مقدار اعمال حسنہ، قبح اور حسن کے درجہ پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ ف۱۸ (اس لئے اس کی مشیت بھی ہمیشہ علم اور حکمت ہی پر مبنی ہوتی ہے) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ اور اس راہ ہدایت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام لے۔ وَمَا ..... اللّٰهُ۔ یعنی یہ بشری ارادہ بھی حق تعالٰی کی مشیت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتا ہے، اس سے الگ اور بے نیاز نہیں۔ ف۱۹ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم سے مراد سیاق میں حسب محاورۂ قرآنی کافر ہی ہیں، جنہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام ہی نہ لیا۔ اے الكافرين (مدارک) اے المشركين (معالم) وهم الكافرون (جلالین) يُدْخِلُ ..... رَحْمَتِهٖ۔ اور رحمت میں داخل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا سینہ ایمان و اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

آیاتہا ۵۰ — ۷۷ سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۳۳ — رکوعاتہا ۲

اس کی پچاس آیتیں — سورۂ مرسلت مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں، پھر ان کی جو تندی سے چلتی ہیں، اور ان ہواؤں کی جو (بادلوں کو)

نَشْرًا ۝۳ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ عُذْرًا

پھیلاتی ہیں، پھر ان کی جو (انہیں) متفرق کر دیتی ہیں، پھر ان کی جو یاد (الٰہی) کا القاء کرتی رہتی ہیں توبہ سے

اَوْ نُذْرًا ۝۶ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ

یا ڈرانے سے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی وا سو جس وقت کہ ستارے بے نور

طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ

ہو جائیں گے اور جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور جس وقت پہاڑ اڑتے

نُسِفَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲

پھریں گے و۲ اور جب (سب) پیمبر وقت (معین) پر جمع کئے جائیں گے (وہ وقت فیصلہ کا ہوگا) و۳ کس دن کے لئے

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴

یہ ملتوی رکھا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ فیصلہ کا دن کیا کچھ ہے و۴

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶ ثُمَّ

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے، کیا ہم اگلوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں؟ پھر

نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸

ہم پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے و۵ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی (معاملہ) کیا کرتے ہیں

و۱ یعنی یہ سارا انتظام کائنات خود ہی گواہی دے رہا ہے وقوع قیامت کی۔ قرآنی قسموں کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۳ کا ضمیمہ زیر عنوان "قرآنی قسمیں"۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ یعنی وہ ہوائیں جو نفع پہنچانے ہی کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ یہ تند و تیز ہوائیں، یا آندھیاں ہر قسم کے خطرات کا امکان لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ یعنی برساتی ہوائیں یا مانسون۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ یعنی وہی برساتی ہوائیں جو پانی لاتی تھیں بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ توجہ الی اللہ کے ذریعے دو مختلف ہیں۔ ایک ترغیب دوسرے ترہیب — ہوائیں اگر خوشگوار و نفع بخش ہوئیں۔ تو اللہ کی نعمت ہیں اور ان کا اثر بندہ پر یہ پڑنا چاہیے کہ وہ ادائے شکر اور عذر تقصیر کی جانب آئے۔ اور اگر اس کے برعکس دہشت اور وحشت پیدا کرنے والی ہوئیں تو ان کا طبعی اثر بندہ پر یہ ہونا چاہیے کہ وہ معاصی سے توبہ پر متوجہ ہو۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ۔ وہ موعود شے روز حشر ہے۔ حشر کے نفخۂ اول کا حاصل کیا ہے؟ ہر موجود شے کا فنا ہو جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ اس دنیا میں عاصفت، عارفت ہوتی ہیں۔ حشر کے نفخۂ ثانی کا خلاصہ کیا ہے؟ ہر فنا شدہ چیز میں از سر نو جان پڑ جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ آثار اس دنیا میں مرسلات و ناشرات کے ہوتے ہیں۔ حشر کے دونوں اجزاء پر سلسلۂ تکوینیات کے ان دونوں اجزاء کو بطور گواہ پیش کرنا کتنا مناسب و موزوں رہا۔ خصوصاً مذاق عرب کا لحاظ کر کے۔ و۲ خلاصہ یہ کہ اس گھڑی یہ سارا معلوم و معروف نظام کائنات تمام تر درہم برہم ہو کر رہے گا۔ اور اس کی ایک سے ایک بڑھ کر ثابت اور ٹھوس چیز اپنی جگہ پر نہ باقی رہنے پائے گی — ستارے، آسمان، پہاڑ، یہ سب عام فہم مثالیں زیادہ سے زیادہ ثابت اور ٹھوس موجودات کی ہیں۔ و۳ پیمبروں کا یہ جمع ہونا اپنی اپنی امت کے متعلق اظہار دینے اور ان پر شہادت پیش کرنے کے لئے ہوگا۔ وهو يوم القيامة ليشهدوا على الامم (معالم) و۴ سوال مزید تہویل و تخویف کے لئے ہے۔ یعنی وہ دن کتنا ہولناک، کیسا ہیبت ناک ہوگا۔ جوش و اثر کے موقع پر تقریر میں خطیبانہ سوالات، خطبات عرب ہی میں نہیں، یونانی، انگریزی، اردو، کہنا چاہیے کہ سب ہی زبانوں میں مسلم و متعارف ہیں۔ و۵ (ان کے عذاب میں) الْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی پرانی سرکش قومیں جو عذاب سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود و قوم فرعون وغیرہ۔ الْاٰخِرِيْنَ۔ یعنی خود مشرکین قریش اور ان کے بعد کی نسلیں جو کفر و تکذیب کے لحاظ سے انہیں اولین کے نقش قدم پر تھیں۔ ای ممن اشبههم (ابن کثیر) ای سالكين سبيلهم فى الكفر والتكذيب (معالم)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۶ کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا ہے؟ پھر ہم نے اسے ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا، غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا، اور ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ف۷ بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۸ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ ٹھہرا دیئے، اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا، بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۹ چلو تم اس (عذاب) کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے چلو تم تین شاخوں والے سائبان کی طرف جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ سوزش سے بچاتا ہے ف۱۰ وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل گویا وہ زرد زرد اونٹ ہیں ف۱۱ بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۲ آج وہ دن ہے کہ اس میں یہ لوگ بول ہی نہ سکیں گے، اور نہ انہیں اس کی

ف۶ (جو ہمارے اس نظام آخرت اور سارے سلسلۂ جزاء وسزا سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف۷ (تو ممکن نہیں کہ ہمارے اندازہ میں کسی خطا و غلطی یا بھول چوک کی گنجائش ہو) مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔ یعنی نطفۂ منی سے ـــ باقی وہ سرکش انسان کی تحقیر تو اس بیان سے ظاہر ہی ہے، یہ حقیقت بھی مستحضر رہے کہ دنیا میں بعض مشرک قومیں نطفۂ منی کے تقدس واحترام کی بھی قائل ہوئی ہیں۔ اور قرآن مجید ضمناً اس جہل کی بھی تردید کرتا جا رہا ہے۔ فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔ یعنی رحم مادر میں۔ فَقَدَرْنَا۔ یعنی ان سارے تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرا لیا۔ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ یعنی وقت کی ایک مقدار معلوم تک۔ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ۔ قادرون یہاں مقدرون کے معنی میں ہے۔ ف۸ (جو ہمارے آئین حکمت اور عموم قدرت سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف۹ (جو ہمارے سارے سلسلۂ ربوبیت کا انکار کر رہے ہیں) كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا۔ زمین کا زندوں کی سمیٹنے والی ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ انسان زندگی بھر اسی پر چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا رہتا بستا ہے، اور مردوں کی سمیٹنے والی یوں کہ موت کے بعد بھی اسی میں دفن ہوتا ہے۔ اور جو مردے نہیں بھی دفن ہوتے ان کے بھی اجزاء ارضی آگ سے جلنے یا پانی میں ڈوبنے کے بعد، بہر حال کسی نہ کسی واسطہ سے اسی زمین ہی میں جذب ہوتے ہیں۔ رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں کے بھی منافع ومصالح انسانی زندگی کے لئے ظاہر ہیں۔ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا۔ ان ساری نعمتوں کے استحضار سے مقصود و مدعا یہی کہ تم اپنی توجہ اپنے اس واحد مالک ومربی کی جانب رکھو۔ بعض فقہاء نے اموات کے سلسلہ میں اموات کے آجانے سے میت کے زمین میں دفن ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وهذا يدل على وجوب مواراة الميت ودفنه ودفن شعره وسائر مايزايله (جصاص) ف۱۰ اب ذکر ظاہر ہے کہ میدان حشر کا ہو رہا ہے اور یہ اہل دوزخ سے کہا جائے گا۔ اِلٰی ظِلٍّ۔ ظل یا سائبان سے یہاں مراد ایک دھواں ہے جو دوزخ سے نکلے گا۔ اور شدت اور کثرت سے نکلے گا کہ اوپر جا کر کئی ٹکڑوں میں پھٹ جائے گا۔ اور حساب چک جانے کے وقت تک کافر اسی دھوئیں کے احاطہ میں گھرے رہیں گے جیسے کہ مقبولین سایۂ عرش میں ہوں گے۔ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوتے ہیں۔ (۱) حس (۲) خیال اور (۳) وہم اور عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات ہوتے ہیں۔ (۱) قوت وہمیہ (۲) قوت غضبیہ (۳) قوت شہویہ۔ جدید نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو عذاب کی طرف لے جانے والی تین ہی قوتوں کے غلط استعمال ہیں۔ (۱) عقل وادراک کی گمراہیاں (۲) جذبات وشہوات کی لغزشیں (۳) قوت ارادی کی گمراہیاں۔ لَا ظَلِيْلٍ ..... اللَّهَبِ۔ مطلب یہ ہوا کہ دھوئیں کے بادل سے جو صورت سایہ کی پیدا ہو جاتی ہے، وہ بھی کام سایہ کا نہ دے گی، بلکہ اور اذیت رساں ہی ہوگی۔ ف۱۱ دونوں تشبیہیں ایک دوسرے کی منافی نہیں، ایک ہی چیز کی دو تشبیہیں دو مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے ہیں۔ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ۔ وہ جہنم کے انگارے اپنی بڑائی کے لحاظ سے بڑے بڑے محل جیسے ہوں گے۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ۔ یہ تشبیہ رنگ کے لحاظ سے ہے۔ ف۱۲ (جو جہنم کے شدائد کو آج جھلائے ہوئے ہیں)

ف۱۳ (جو یومِ حشر اور اس کی ہولناکیوں کی واقعیت سے اب تک انکار کر رہے ہیں) فَیَعْتَذِرُوْنَ۔ بولنے کی اجازت بھی اسی لئے نہ ہوگی کہ کوئی عذر ہی موجود نہ ہوگا جسے پیش کر سکیں۔

لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾

اجازت ہوگی کہ عذر معذرت کر سکیں بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۳

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ

یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے جمع کر لیا تم کو اور اگلوں کو تو آج

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾

کوئی چال چلا ہو تو میرے مقابلہ میں چلاؤ، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۴

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا

پرہیزگار لوگ بے شک سایوں اور چشموں اور مرغوب میووں میں

يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ

ہوں گے خوب مزے سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کے

تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ

صلہ میں ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف۱۵ بڑی خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۶ کھا لو اور برت لو تھوڑے ہی دن کے لئے کہ تم بے شک

مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا

مجرم ہو بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۷ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۸ آخر یہ اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ف۱۹

ف۱۴ (جو اس یقینی طور پر واقع ہونے والے دن کے وقوع کو آج محض وہم و خیال سمجھ رہے ہیں) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ۔ یعنی تو ہے وہ فیصلہ کا دن جس کی تکذیب میں تم لگے رہتے تھے۔ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ اب وہ تمہارے انکاری و تکذیبی سارے دلائل و شبہ و خرافہ کیا ہو گئے، کدھر چلے گئے؟ آج تو تمہارا "ناممکن" ممکن کیا معنی واقع ہو کر رہ گیا! اور تم اور تمہارے اگلے سب کے سب فیصلہ کے لئے اکٹھے کر لئے گئے۔ فَاِنْ ۔۔۔ فَكِيْدُوْنِ۔ دنیا میں تمہیں اپنی تدبیروں اور چالاکیوں پر بڑا غرور رہتا تھا اب آج ممکن ہو تو ہماری گرفت سے بچنے کے لئے کوئی تیر اپنے ترکش سے چلا دو نا! جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ مراد اس امت کے بھی مکذبین ہیں، اور پچھلی امتوں کے مکذبین بھی۔ یعنی مکذبی هذه الامة والاولین الذین کذبوا انبیاء هم (معالم) ف۱۵ یہ سب مومنین متقین کو مخاطب کر کے کہا جائے گا۔ اِنَّا ۔۔۔ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اس میں مخاطبین کو ترغیب ہے محسن (نیک کار) بن جانے کی، جو بھی محسن ہوگا اس مرتبہ و منزلت کا حقدار ہو جائے گا۔ ف۱۶ (جو جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی بشارتوں سے بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) ف۱۷ (جو آج دنیا میں بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے بعد بھی انکار و اعراض سے باز نہیں آتے) قَلِيْلًا۔ یعنی اس دنیوی زندگی کی چند روزہ مدت میں۔ كُلُوْا ۔۔۔ مُّجْرِمُوْنَ۔ یہ دنیا میں کافروں سے خطاب ہو رہا ہے۔ ف۱۸ (جو کسی دعوت و تبلیغ حق کا اثر نہیں قبول کرتے، بلکہ ہر ربانی صداقت سے انکار ہی پر مصر ہیں اور اپنے جرم کو جرم ہی نہیں سمجھتے) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا۔ یعنی جب انہیں یہ پیام ملتا ہے کہ ایمان اور عبدیت کی راہ اختیار کرو۔ رکوع ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی یعنی ایک رکن نماز ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی اپنے لغوی مفہوم یعنی خشوع و تواضع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الركوع يستعمل تارة في التواضع والتذلل (راغب) اور یہاں بھی معنی مراد ہیں۔ اي خشعوا لله وتواضعوا له بقبول وحيه واتباع دينه (کشاف۔ مدارک) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ قبولِ حق کا مقدمہ خشوع و تواضع ہی ہے، اور بڑا مانع راہ نخوت ہے۔ ف۱۹ (تو اب اے پیمبر آپ ان کے قبول حق کی کوئی امید ہی نہ رکھیے کہ جب اس بلیغ ترین، موثر ترین کلام سے بھی ان کے دل نہیں پگھلتے تو پھر یہ آخر کس چیز سے متاثر ہوں گے) بَعْدَهٗ۔ ضمیر ہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ اي بعد القرآن (کشاف۔ مدارک) بحمد للہ آج شنبہ ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء مطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کو قبل نماز ظہر اس انتیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ دوشنبہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ ذی الحج ۱۳۶۹ھ قبل نماز ظہر نظر ثالث سے فراغت پائی۔

آیاتہا ۴۰ ۷۸ سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ رکوعاتہا ۲

اس کی چالیس آیتیں — سورۂ نبأ مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کی بابت جس کے بارہ میں یہ لوگ

مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ

جھگڑ رہے ہیں ف۱ ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے اور پھر ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ

گی) انہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ف۲ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا ہے؟ ف۳ اور ہم ہی نے تم کو

اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ

جوڑا جوڑا بنا دیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت (کا ذریعہ) بنا دیا ف۴ اور ہم ہی نے رات کو

لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

پردہ کی چیز بنا دیا اور ہم ہی نے دن کو معاش (کا وقت) بنا دیا ف۵ اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)

شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ

بنائے ہیں اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنا دیا ہے ف۶ اور ہم ہی نے

الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝١٥

بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا کہ ہم اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝١٦ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ

اور گنجان باغ پیدا کریں ف۷ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے (یعنی) وہ دن

ف۱ (اہل حق سے) یَتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی یہ منکرین حشر اہل جاہلیت بطور طنز و تعریض سوال کر رہے ہیں۔ سوالات اور سوالیہ فقروں سے خطبات کی ابتداء کرنا دوسری زبانوں کی طرح خطبات عرب میں حسن انشاء و خطابت کا ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے۔ ف۲ زور و جوش کے موقع پر فقروں کی یہ تکرار عربی حسن خطابت اور اسلوب بلاغت کا ایک خاص نمونہ ہے...... اردو محاورہ میں بھی تو زور و جوش کے موقع پر کہتے ہیں۔ "ابھی یہ دیکھیں گے، اور پھر دیکھیں گے۔" ف۳ (جو اپنے ثقل سے توازن پیدا کئے، اور زمین کو ڈانواڈول حرکت سے روکے ہوئے ہیں) پہاڑوں کی اس حیثیت کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے۔ الْاَرْضَ مِهٰدًا۔ زمین کے فرش ہونے کا بھی ذکر پیشتر کئی بار آچکا ہے...... اسی فرش پر تو ہم آپ سب چلتے پھرتے، دوڑتے، بیٹھتے، اٹھتے، سوتے، کھاتے پیتے ہیں۔ ف۴ (جو قیام حیات کے لئے لازمی ہے) ذکر یہاں خدائی نعمتوں کا اور حق تعالیٰ کی شان بندہ پروری کا ہو رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں نیند کا بھی ذکر ہے۔ اور نیند کا انسانی زندگی کے حق میں ایک نعمت عظیم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ ضمناً اس حقیقت اور اہم حیاتیاتی حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ نیند ایک ایجابی شے ہے محض ایک سلبی کیفیت یا عدم بیداری کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۵ حیات کی ابتدائی صورتوں میں، یعنی نباتات اور ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں تو غذا کا حاصل کرنا مخصوص ہی ہے دن کی روشنی کے ساتھ۔ رہا انسان تو اس کے بھی معاشی مشاغل کا عام اور اکثری وقت دن ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔ یعنی رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر سے ڈھانپ لیتی ہے۔ لباس کے معنی آرام و تسکین خاطر کے بھی کئے گئے ہیں۔ لباسًا ای سکنًا (ابن قتیبہ) رات کا وقت جو فاطر کائنات نے انسان کے تھکے ہوئے جسم اور دماغ کے لئے سکون و راحت کا اور عبادات خلوت کا وقت بنایا ہے۔ "روشن خیال" و "مہذب" دنیا نے عین اسی کو اپنے تعیشات اور نفس پرستیوں کے لئے مخصوص کر لیا ہے...... سینما اور تھیٹر اور بال اور آپیرا وغیرہا۔ ف۶ (اسی آسمان میں) مراد آفتاب ہونا ظاہر ہے... آسمان اور آفتاب جیسی زبردست و عظیم الشان موجودات حق تعالیٰ کی محض مخلوق ہی ہیں، ساری مخلوقات کی طرح بے بس، نہ کہ خود آفریدہ یا نعوذ باللہ شریک خدائی۔ ف۷ (تو کیا ایسا حکیم، ایسا صانع، ایسا قادر، قیامت لانے پر قادر نہیں؟!) حاصل یہ کہ اس ساری صنعت گری سے ہمارا کمال قدرت بالکل عیاں ہے تو آخر حشر اجساد پر ہمارے قادر ہونے سے انکار کیوں ہے؟ لِّنُخْرِجَ بِهٖ۔ ضمیر ب ماء، پانی کی جانب ہے۔ ای بذلک الماء وھو علی ظاہرہ عند السلف ومن الھدی بھم وقالت الاشاعرۃ ای عندہ (روح)

و۸ مثلاً موحد الگ، مشرک الگ، کافر الگ، متقی الگ، فاسق الگ وغیرہا۔ و۹ صور کے نفخۂ اول کے وقت جب یہ سارا نظام تکوینی درہم وبرہم ہوگا اس وقت کی شکست وریخت کی یہ تعبیرات بیان ہورہی ہیں۔ وَفُتِحَتِ ..... اَبْوَابًا۔ یعنی آسمان بالکل ہی کھل رہ جائے گا۔ و۱۰ (جن کا کوئی شمار نہیں) مِرْصَادًا۔ یعنی دوزخ کے فرشتے اسی انتظار اور تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کافر آئے تو اسے عذاب کی گرفت میں لیں۔ اَحْقَابًا۔ حقب کے معنی زمانہ طویل ومسلسل کے ہیں۔ وهو الدهر (مدارک) قال الفراء اصل الحقب من الترادف والتتابع (کبیر) احقاب کے بصیغۂ جمع آجانے سے کوئی گنجائش دوزخ کے عدم خلود کے قائلوں کے لئے نہ رہی۔ ولم يرد به عدد محصور بل الابد كلما مضى حقب تبعه أخر الى غير نهاية ولا يستعمل الحقب الا اذا اريد تتابع الازمنة وتواليها (مدارک) عن قتادة وهو ما لا انقطاع له (ابن کثیر) والصحيح انها لا انقضاء لها كما قال قتادة والربيع (ابن جریر) قال الحسن فوالله ما هو الا انه اذا مضى حقب دخل أخر لم اخر الى الابد فليس للاحقاب عدة الا الخلود (معالم) قال الفراء اے دهورًا متتابعة يتبع بعضها بعضا (کبیر) وهو على ما روى

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝۱۸ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ

جب صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے و۹ اور آسمان کھل جائے گا،

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝۱۹ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝۲۰

سو اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے، اور پہاڑ (جگہ سے) ہٹا دیئے جائیں گے سو وہ ریت (کی طرح) ہوجائیں گے و۱

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝۲۱ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝۲۲ لّٰبِثِيْنَ

بے شبہ دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ

فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝۲۳ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝۲۴ اِلَّا

قرنوں پڑے رہیں گے و۱۰ اس میں نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا بجز

حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝۲۵ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝۲۶ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گرم پانی اور پیپ (کے گا) (یہ) مناسب حال بدلہ ہے و۱۱ یہ لوگ حساب (قیامت) کا (مطلق) اندیشہ

حِسَابًا ۝۲۷ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝۲۸ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

نہیں رکھتے تھے اور ہماری نشانیوں کو برابر جھٹلایا ہی کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط

كِتٰبًا ۝۲۹ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝۳۰ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ

کر رکھا ہے، سو مزہ چکھو کہ ہم تمہیں عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے و۱۲ بے شک پرہیزگاروں کے لئے

مَفَازًا ۝۳۱ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝۳۲ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝۳۳ وَّكَاْسًا

کامیابی ہے، یعنی باغ ہیں اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب

دِهَاقًا ۝۳۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝۳۵ جَزَآءً مِّنْ

جام (شراب)، وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہوگا

رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝۳۶ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

(کافی) انعام تیرے پروردگار کی طرف سے و۱۳ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور ان

عن الحسن زمان غير محدود ونحوه تفسير بعض اللغويين له بالدهر (روح) والمعنى هنا حقبا بعد حقب كلما مضى حقب تبعه أخر الى غير نهاية ولا يكاد يستعمل الحقب الاحيث يراد تتابع الازمنة (بحر) و۱۱ (ہر ایک کے درجۂ کفر وفسق کے متناسب) موافقا لحالهم (مدارک) اے هذا الذی صاروا اليه من هذه العقوبة وفق اعمالهم الفاسدة التی كانوا يعملونها فی الدنيا قاله مجاهد وقتادة وغير واحد (ابن کثیر) لَا يَذُوْقُوْنَ ..... شَرَابًا۔ یعنی نہ کوئی ایسی خنکی نصیب ہوگی جو باعث راحت بن سکے اور نہ کوئی پینے ہی کی ایسی چیز جو پیاس بجھا سکے۔ غَسَّاقًا۔ غساق کے ایک معنی نہایت شدید سردی کے ہیں۔ اے ابرد البرد (لسان) قال ابن عباس الغساق الزمهرير يحرقهم ببرده (معالم) هو الشیء البارد الذی لا يطاق وهو الذی يسمى بالزمهرير (کبیر) یہ معنی لے کر وعید کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی کو کھولتا ہوا پانی ملے گا، اور کسی کو غضب کی بے پناہ سردی، غرض اہل افراط اور اہل تفریط دونوں کو انتہائی شدید سزا اپنے اپنے حسب حال۔ و۱۲ منکرین مکذبین کے عذاب روز افزوں کا بیان ہو رہا ہے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر شے تمہارے نامۂ اعمال میں منضبط کر رکھی گئی ہے، سو خود تمہارے معیار سے بھی صحت وتحقیق کا خاص اہتمام ہے، اور کسی عمل کی کمی کا کوئی احتمال نہیں۔ اِنَّهُمْ ..... حِسَابًا۔ ان کا اصلی اور بنیادی جرم ان کی یہی آخرت بیزاری تھی۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ كذابا کی قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ یعنی ان کافروں کی حالت کا بیان ہے کہ وہ آخرت فراموشی کے ساتھ طرح طرح کی تکذیبوں میں بھی مبتلا تھے۔ یہ مراد نہیں کہ بغیر اتنی تکذیبوں کے مجرم نہ قرار پائیں ..... جرم کفر تو کسی بھی عقیدۂ دینی میں شک وتردد سے لازم آجاتا ہے۔ فَذُوْقُوْا۔ اوپر سے صیغۂ غائب کا چلا آرہا تھا، یہاں یک بیک بقاعدۂ التفات صیغۂ حاضر میں تبدیل ہوگیا۔ اس سے مقصود شدت غضب کا اظہار ہے۔ الالتفات شاهد على شدة الغضب (مدارک) وهی اٰية فی غاية الشدة ..... وبمجيئها على طريقة الالتفات شاهدا على ان الغضب قد تبالغ (کشاف) حدیث نبوی میں آیا ہے کہ یہ آیت عذاب کی شدید ترین آیت ہے۔ وفی الحديث هذه الاٰية اشد ما فی القراٰن على اهل النار (مدارک) عن عبد الله بن عمرؓ وقال لم ينزل على اهل النار اٰية اشد من هذه الاٰية (ابن کثیر) و۱۳ اہل جنت کے انعامات کا بیان ہو رہا ہے۔ انہیں دوسری کی ساری مادی لذتیں اور نعمتیں بھی حاصل رہیں گی جن سے وہ دنیا میں برابر لذت گیر ہوتے رہتے تھے، جنت میں جانے سے کوئی نعمت سلب نہیں ہو جائے گی۔ حَدَآئِقَ۔ (سرسبز باغ) اَعْنَابًا (انگور) كَوَاعِبَ اَتْرَابًا۔ (نوجوان، نوخیز، ہمسن بیویاں) كَاْسًا دِهَاقًا (لبالب جام) یہ سب ایک کامل ومکمل مرتع عیش کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ لَا يَسْمَعُوْنَ ..... كِذّٰبًا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ وہاں کے پاکیزہ اور ستھرے عیش کو دنیا کی بیہودہ رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ وہاں کسی قسم کی رکاکت وابتذال کا پرتو بھی نہ پڑنے پائے گا۔ خالص لطف وسرور ہی حاصل رہے گا۔ جَزَآءً ..... حِسَابًا۔ جزآءً اور عطآءً اور حسابًا تین مختلف کلمے لا کر یہاں تین مختلف کیفیتوں کی طرف اشارہ کر دیا ..... جزآءً کا مفہوم مزد واجرت کا ہے۔ یعنی اس کے حصول کے لئے کچھ کرنا چاہئے، اور عمل صالح سے اس کا استحقاق پیدا کرنا چاہیے۔ عطآءً کا اشارہ بخشش ورحمت پروردگار کی جانب ہے۔ یعنی امید وار فضل وکرم کے رہیں، اور سارا بھروسا اپنے عمل پر نہ کر بیٹھیں۔ حسابا میں یہ پہلو آگیا کہ جو کچھ بھی ملے گا، اندھا دھند اور بے قاعدہ نہیں، امتیاز مراتب کے ساتھ اخلاص نیت وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر ملے گا۔

بَّيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ

دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کا خدائے رحمٰن کسی کی مجال اس سے عرض معروض کی نہیں وے۱۴ اس دن جب کہ روح

الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے کہ جس کو خدائے رحمٰن

الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

اجازت دے اور وہ کہے بھی ٹھیک (بات) وے۱۵ یہ یقینی دن ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کے

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے وے۱۶ ہم نے تمہیں تنبیہ کر دی ہے ایک نزدیک والے عذاب کی (جو) اس دن (واقع ہوگا) جب ہر شخص

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

دیکھ لے گا اس کو جو کچھ کہ وہ آگے بھیج چکا ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا! وے۱۷

آیاتها ۴۶ | ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ | رکوعاتها ۲

اس کی چھیالیس آیتیں | سورۂ نازعات مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ

قسم ہے جان سختی سے نکالنے والوں کی، اور بند آسانی سے کھول دینے والوں کی وے۱ اور پیرتے ہوئے

سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ

چلنے والوں کی، پھر تیزی سے دوڑنے والوں کی، پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی وے۲ (کہ قیامت آ کر رہے گی) جس دن

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ

ہلا ڈالنے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آ جائے گی وے۳ (بہت سے) دل اس روز دھڑک

وے۱۴ کسی مقرب سے مقرب مخلوق کی بھی یہ مجال نہیں کہ بلا اذن خود بخود اس ذات پاک کے حضور میں کلام بھی کر سکے...... دیوی دیوتاؤں کے عقیدہ پر ایک اور ضرب۔ اور حق تعالیٰ کی شان تنزیہ کا مزید اثبات۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ آسمان و زمین جنہیں جاہلی قومیں دیوی دیوتا سمجھ رہی ہیں، حق تعالیٰ ان سب کا مالک و پروردگار ہے۔ وَ مَا بَيْنَهُمَا۔ جاہلی قوموں نے زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو بھی اپنے معبودوں سے بھر رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس جزئیہ کا ذکر کر کے اس عقیدہ پر بھی ضرب لگا دی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وے۱۵ (حق تعالیٰ کے حضور میں ادب و خشوع کے لوازم کے ساتھ۔ اَلرُّوْحُ۔ روح سے اس سیاق میں مراد ذی روح مخلوقات لی گئی ہے۔ لَا ...... الرَّحْمٰنُ۔ مسیحیوں اور بعض باطل مذہب والوں کے ہاں مرکزی عقیدہ شفاعت کا ہے۔ اور "خدا کا بیٹا" تو گویا شفیع ہی کے مستقل منصب پر فائز ہے۔ قرآن مجید اس باطل عقیدہ پر مختلف عنوانات سے مختلف مقامات میں ضرب لگاتا گیا ہے۔ وَ قَالَ صَوَابًا۔ یعنی اجازت حاصل کرنے کے بعد جب بولتا ہوگا، وہ بھی محدود و مقید ہوگا۔ یہ نہیں کہ جو کچھ اور جس طرح وہ چاہے بولنے لگ جائے۔ وے۱۶ یعنی جو چاہے ایمان و تصدیق اختیار کر کے اور اچھے عمل کر کر کے اچھے ٹھکانے کے لئے اپنا استحقاق پیدا کر لے۔ اتَّخَذَ۔ اس سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جو کوئی اس راہ کو ڈھونڈے گا اسے وہ مل کر رہے گی۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اسی یوم قیامت کی جانب ہے۔ اور اشارۂ بعید مشارٌ الیہ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ للایذان لعلو درجته وبعد منزلته فی الهول والفخامة (روح) وے۱۷ (اور اس عذاب و عقاب سے بچ گیا ہوتا!) کافروں کی زبان پر یہ کلمہ میدان حشر میں انتہائی حسرت کے موقع پر آئے گا۔ يَنْظُرُ ...... يَدٰهُ۔ یعنی اپنے اعمال کو اپنے سامنے موجود حاضر پائے گا۔ الْكٰفِرُ۔ کافر یہاں بطور اسم جنس ہے۔ الْمَرْءُ۔ مرء سے مراد کافر شخص ہے۔ المرء الكافر (مدارک)

وے۱ مراد دونوں لفظوں سے فرشتے ہیں، جو کافروں کی جان انتہائی سختی کے ساتھ ان کے پور پور میں گھس کر، اور رگ رگ میں ڈوب کر نکالتے ہیں، اور مومنوں کی اس آسانی کے ساتھ کہ گویا بند کھول دیا ہے۔ قسم کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو پ۲۹ سورۃ الحجر کا ضمیمہ۔ وے۲ ان تینوں لفظوں سے بھی اشارہ فرشتوں ہی کی جانب ہے۔ جو روحوں کو لیکر آسمان کی طرف تیز گویا ہوا میں پیرتے جاتے ہیں، اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیزی سے دوڑتے رہتے ہیں، گویا ایک دوسرے کے آگے نکل جائیں گے اور ثواب و عقاب ہر امر انتظامی و تکوینی کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ ملائکہ کا یہ سارا نظم و نظام بجائے خود اس کا گواہ اور اس کی دلیل ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی۔ وے۳ یعنی صور کا نفخۂ ثانی جو ہر مردہ چیز کو از سر نو زندہ کھڑا کر دے گا۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ یعنی صور کا نفخۂ اولیٰ جو چھوٹی بڑی ہر زندہ مخلوق کو فنا کر دے گا۔

وَّاجِفَةٌ ۙ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

رہے ہوں گے، اُن کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی یہ کہتے ہیں کہ بھلا کیا ہم پھر واپس ہوں گے

فِي الْحَافِرَةِ ؕ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا

پہلی حالت کی طرف؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر واپس ہوں گے) کہتے ہیں کہ اس صورت میں

كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ

واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی ف٥ تو وہ تو بس ایک ہی للکار ہوگی جس سے لوگ فوراً میدان میں

بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿١٤﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ

آموجود ہوں گے ف٦ آپ کو موسیٰ کا بھی قصہ پہنچا ہے؟ (یاد کرو وہ وقت) جب انہیں ان کے پروردگار نے

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

ایک پاک میدان (یعنی) طویٰ میں پکارا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، اس نے سرکشی

طَغٰى ۖ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى

اختیار کی ہے ف٧ سو اس سے کہیے کیا تو چاہتا ہے کہ تو درست ہو جائے، اور میں تیری رہنمائی تیرے

رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ

پروردگار کی طرف کروں جس سے تو خشیت اختیار کر لے ف٨ پھر ہم نے اسے بڑی نشانی دکھائی لیکن اس نے جھٹلایا

وَعَصٰى ۖ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا

اور کہنا نہ مانا پھر وہ جدا ہو کر کوشش کرنے لگا ف٩ اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر بلند آواز سے تقریر کی اور کہا کہ میں ہوں

رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ؕ﴿٢٥﴾ اِنَّ

تمہارا رب اعلیٰ ف١٠ اس پر اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں، بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ؕ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ

اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو خشیت رکھتا ہو ف١١ بھلا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا

ف٤ يَقُوْلُوْنَ۔ قَالُوْا۔ یہ کہنے والے وہی رسول اللہ ﷺ کے معاصر منکرین حشر تھے۔ اور یہ فقرے انکار و استبعاد کے لہجہ میں طنز و تعریض کی راہ سے کہتے تھے..... ترجمانی اس میں آج کے بھی "روشن خیال" مادیین کی آگئی۔ عِظَامًا۔ نَّخِرَةً۔ مادہ پرست اور روحانیت سے نا آشنا قوموں نے انسان کے فنا و بقا کو تمامتر اس کے جسم ظاہری کے فنا و بقا کا مرادف سمجھا ہے۔ قُلُوْبٌ..... خَاشِعَةٌ۔ آیت میں قُلُوْبٌ و اَبْصَارُهَا دونوں کی کیفیت بیان کر کے اہل کفر کے اضطراب باطنی و ظاہری دونوں کی پوری تصویر سامنے کر دی۔ اَبْصَارُهَا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ابصار اصحابها. معناه ابصار اصحابها (کشاف) ای ابصار اهلها (روح) ف٥ یعنی قادر مطلق کے لئے قیامت کے برپا کرنے میں دشواری ہی کیا ہے، اور اسے کوئی خاص اہتمام کرنا ہی کیا ہے؟ اس کے حکم سے تو بس ادھر ایک دفعہ زور کی للکار پڑی، اور اُدھر سب کچھ ہو ہوا گیا! هِيَ۔ ضمیر صور کے نفخہ ثانی کی جانب ہے۔ وهي النفخة الثانية (روح) ف٦ (جن کا سابقہ فرعون اور فرعونیوں سے ہوا تھا) قصہ کے یاد دلانے سے مقصود دو ہیں۔ ایک مکذبین کی تخویف، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی تسلی..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ متعدد مقامات پر پہلے گزر چکا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف (پ ٩) میں، سورۂ طٰہٰ (پ ١٦) میں وغیرہا۔ ف٧ (اور اس پر دین حق کی تبلیغ کریں) الْوَادِ الْمُقَدَّسِ، طُوًى، فِرْعَوْنَ۔ ان سب پر حاشیے گزر چکے۔ ف٨ (اور پاک اوصاف بن جائے) هَلْ لَّكَ اِلٰى۔ عربی محاورہ میں هل ترغب اليه کے مرادف ہے۔ هَلْ لَّكَ کی اصل ترکیب هل ميل لك بھی سمجھی گئی ہے۔ ای هل لك ميل الى ان تزكى (روح) هَلْ ..... تَزَكّٰى۔ شہنشاہ مصر فرعون قاہر و جابر کی اسرائیلی رعایا کے ایک فرد موسیٰ عمرانی کو حکم ملتا ہے کہ جا کر اپنے فرمانروا پر توحید کی تبلیغ کرو۔ لیکن حکمت و خوش اسلوبی کے کن دقائق کو ملحوظ رکھ کر۔ آپ اس سے جا کر کہتے ہیں کہ دینی فلاح تو سب ہی کو عزیز ہوتی ہے، آپ کو بھی ہوگی۔ تو آپ ہی کی خیر خواہی میں صلاح و فلاح کی تدبیریں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ۔ یعنی میں آپ کے پروردگار کی ذات و صفات کا صحیح بیان کر کے اس کی معرفت آپ کو کرائے دیتا ہوں۔ فَتَخْشٰى۔ اصلاح و فلاح کی ساری تعمیر اسی خشیت ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى۔ الی یہاں علی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ف٩ (موسیٰ رسول اللہ اور آپ کے لائے ہوئے پیام کی تردید و تکذیب کی) الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى۔ یہ نشانی یا نشانیاں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نبوت و رسالت کی تھیں۔ الاية کے صیغۂ واحد سے یہاں عموماً معجزۂ عصا سے مراد لی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الْاٰيَةَ کو اسم جنس قرار دے کر سارے معجزات موسوی اس کے تحت میں داخل سمجھے جائیں۔ وجوز ان مراد بها مجموع معجزاته عليه السلام (روح) ف١٠ مصریوں کے عقیدہ میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا، اور جو بادشاہ وقت ہوتا وہ اسی معبود اعظم کا اوتار ہوتا، اور اسی طرح خود بھی معبود اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی بادشاہ فرعون کہلاتا تھا۔ شاہ پرستی کا یہ مذہب بابل (کلدانیہ) میں بھی رہ چکا ہے، اور آج بھی (سنہ ١٩٤٣ء میں) اس کا نمونہ جاپان میں مل سکتا ہے۔ میکاڈو گویا ترجمہ ہے فرعون کا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الشعراء (پ ١٩) اور سورۃ القصص (پ ٢٠) کے حاشیے۔ نیز حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف١١ یعنی جن کے دل میں خشیت ہے، وہی اس واقعہ سے عبرت و نصیحت کا پورا سبق حاصل کریں گے۔ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آگ میں حرق۔ وَالْاُوْلٰى۔ یعنی پانی میں غرق۔

السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ﴿٣٤﴾ يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿٤١﴾ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِكۡرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ يَّخۡشٰىهَا ﴿٤٥﴾

آسمان کا؟ ف۱۲ اسی نے اس کو بنایا، اس کی چھت کو بلند کیا اور اسے درست بنایا، اور اس کی رات کو ڈھانپا اور اس کے دن کو ظاہر کیا ف۱۳ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور) اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا، اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (یہ سب) تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ف۱۴ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا (یعنی) جس دن انسان اپنے ہر کئے ہوئے کو یاد کرے گا، اور ہر دیکھنے والے پر دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ف۱۵ تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو ایسے کا ٹھکانا بس دوزخ ہی ہوگا ف۱۶ اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا، تو ایسے کا ٹھکانا جنت ہی ہے ف۱۷ یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا سو اس کے بیان (کرنے) سے آپ کو کیا سروکار؟ ف۱۸ اس کا مدار تو (صرف) آپ کے پروردگار کی طرف ہے، آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں، جو اس سے خوف رکھتا ہو ف۱۹

ف۱۲ (خود اپنے ہی معیار سے جواب دو) منکرین پر حجت قائم کی ہے کہ آسمان کا پیدا کرنے والا تو قادرِ مطلق کو تم خود تسلیم کرتے ہو، یہ بھی تمہیں تسلیم ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، پھر جب آسمان اس نے بنایا، تو انسان کو دوبارہ پیدا کرتے اسے کیا دیر لگ سکتی ہے؟ ف۱۳ اس میں اوپر اشارہ آ گیا کہ رات اور دن کا دارومدار آفتاب ہی کے طلوع و غروب پر ہے، اور آفتاب کا تعلق آسمان سے ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ آسمان کا انتظام ایسا درست و کامل رکھا کہ اس کے نظام میں کہیں کوئی رخنہ نہ پل سکے گا۔ ف۱۴ یعنی یہ سارے انتظامات انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کے خدمت گزار چوپایوں کی خدمت و سہولت کے لئے بھی ہیں۔ بَعۡدَ ذٰلِكَ۔ خوب خیال رکھا جائے کہ اس خاص آیت میں ذکر زمین کی آفرینش کا نہیں، صرف اس کے بچھائے جانے کا ہے۔ دَحٰىهَا۔ دحی کے معنی کسی چیز کو اس کے اصل مقر سے ہٹا دینے کے ہیں۔ دحاها اے ازالها عن مقرها (راغب) اس سے گویا اشارہ اس طبیعیاتی حقیقت کی طرف ہو گیا کہ کرۂ ارض کسی اور بڑے جرم سماوی کا ٹکڑا ہے جو اس سے کٹ کر ایک مستقل وجود میں آ گیا ہے۔ ف۱۵ (اس چشم ظاہری سے) دیدۂ بصیرت سے تو آج بھی غیب پر ہر ایمان رکھنے والا دوزخ کو دیکھ رہا ہے، آخرت میں وہ مومن و کافر سب کے رویت و مشاہدہ میں انہیں ظاہری آنکھوں سے آ جائے گی۔ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى۔ طامة۔ وہ شے ہے جو دوسری چیزوں پر غالب آ جائے۔ الطامة الداهية التی تطم علی الدواهی اے تعلو وتغلب (کشاف) قیامت چونکہ ہر چیز کی حالت بدل دے گی، اور سارے ممکنات و موجودات پر غالب آ جائے گی، اس لئے قدرۃً اس کا لقب الطامة الکبری قرار پایا۔ مَا سَعٰى۔ ما کے عموم سے یہ نکلا کہ دنیا کا کیا ہوا ہر عمل، اچھا ہو یا برا، بڑا ہو یا چھوٹا، اس وقت پیش نظر ہو جائے گا۔ ف۱۶ مجرموں، کافروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا۔ یعنی اخروی زندگی سے منکر ہو کر اسی ناسوتی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ذکر یہاں عاصی، خاطی کا نہیں، منکر و کافر کا ہے۔ دوزخ مستقل ٹھکانا صرف اسی کا ہو سکتا ہے۔ وهو الکافر الذی یکون عقابه مخلدًا وتخصیصه بهذه الحالة یدل علی ان الفاسق الذی لا یکون کذلک لا تکون الجحیم ماوی له (کبیر) ف۱۷ اب ذکر فرمانبرداروں کا ہو رہا ہے۔ ان کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کہیں نہیں۔ هِىَ الۡمَاۡوٰى میں هی کلمۂ تخصیص ہے۔ و نهی النفس عن الهوٰی۔ هوٰی سے مراد حرام خواہش ہے۔ تو جس نے نفس کو حرام خواہشوں سے روکے رکھا" کے معنی یہ ہوئے کہ جس نے عقیدۂ صحیح کے ساتھ عمل صالح کو بھی جمع رکھا۔ نهی النفس۔ یعنی کمال رغبت و شوق کے باوجود بھی اپنے کو روکے رکھا۔ عن الهوٰی۔ هوٰی کے عموم میں ایسی خواہش داخل ہے جسے نفس محبوب رکھے، اور اس میں رضائے حق و خشیت الٰہی کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ محققین اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر ذکر و عبادت و مجاہدہ بھی، جو کتاب و سنت سے ماخوذ نہ ہو، لذت نفس ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور هوٰی کے حکم میں داخل ہے، اور اسی لیے باطل فرقوں کو اہل بدعت کی طرح اہل ہوٰی کہنا بھی درست ہے۔ صوفیۂ محققین نے آیت سے ضبط نفس کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ صوفیۂ عارفین نے خوف کے تین درجے بتائے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ قول اور عمل میں مواخذۂ اخروی کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہل تقویٰ کا ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ وقوع خطا و لغزش سے محبوب کی نظر سے گر جانے کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہل محبت کا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی نتیجہ کے خیال کے بغیر محض ہیبت و عظمت ذات سے لرزتا رہے۔ یہ مقام عبدیت ہے — اور عبد محض کا مرتبہ کہتے ہیں کہ متقین و عشاق دونوں سے بلند تر ہے۔ ف۱۸ یعنی آپ کو جب خود ہی اس کے وقت کا علم تعیین کے ساتھ نہیں دیا گیا ہے تو آپ انہیں کیا بتائیں گے۔ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ۔ یعنی یہ سوال تعریض و انکار کی راہ سے کر رہے ہیں۔ ف۱۹ اور جن کے دلوں میں سرے سے قیامت کا عقیدہ اور اس کی طرف سے اندیشہ ہی نہیں، ان کے لیے آپ کی ساری تبلیغ بے اثر ہے۔ يَّخۡشٰىهَا۔ ضمیر ها الساعة کی طرف ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

جس روز یہ اس کو دیکھیں گے (انہیں یہ معلوم ہوگا کہ) گویا یہ لوگ صرف ایک شام یا (دن کے) اول حصہ میں رہے ہیں ف۲۰

اٰیاتها ۴۲ — ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ — رکوعها ۱

اس کی بیالیس آیتیں — سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(پیغمبر) چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا ف۱ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ

يَزَّكّٰٓى ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾

سنور ہی جاتا، یا نصیحت قبول کر لیتا، اور اس کو نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا ف۲ سو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ

آپ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں، درآنحالیکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے ف۳ اور جو شخص آپ کے پاس

جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾

دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت رکھتا ہے، تو آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں،

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ

ہرگز ایسا نہ کیجئے ف۴ قرآن تو بس ایک نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے ف۵ وہ (ثبت) ہے

مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ

معزز، بلند، پاک صحیفوں میں (جو) مکرم اور نیک لکھنے والوں کے ہاتھوں میں

بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

(رہتے) ہیں ف۶ انسان پر اللہ کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے! (اللہ نے) اسے کس (حقیر) چیز سے

ف۲۰ یعنی دنیوی عمر کی ساری مدت طویل انہیں سمٹ سمٹا کر بہت ہی مختصر معلوم ہوگی۔ اور جس عذاب کی جلدی آج طنز و تعریض کی راہ سے مچا رہے ہیں جب وہ آ ہی جائے گا تو اُسے واقعۃً بھی یہ بہت ہی جلد آ پڑنے والا سمجھیں گے۔ انتہائے ہراس و یاس کے وقت دنیا میں بھی طویل سی طویل گزشتہ مدت چشم زدن میں گزری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ف۱ ایک صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نامی نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا کہ ایسے وقت آپ کے پاس آئے، اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔ جب آپ کے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ جاہلی تہذیبوں میں اونچ نیچ کا فرق (Social Status) ہمیشہ بہت ہی مبالغہ آمیز رہا ہے، برہمن کے برابر شودر بھلا کہیں بیٹھ سکتا ہے؟ لارڈز کے ساتھ (Commoner) کھانے کی ایک میز پر کہیں جمع ہو سکتا ہے؟ قریش کے جاہلی تمدن میں بھی ایک غریب آدمی کی جسارت بڑی بدتہذیبی میں داخل تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اشاعت دین کی دھن میں اُن لوگوں کی تالیف قلب خاص طور پر مدنظر تھی۔ ایسے موقع پر اُن نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی نادانستہ مداخلت آپ کو قدرۃً ناگوار گزری۔ عَبَسَ۔ تَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہاں بجائے حاضر کے غائب کے صیغہ کا استعمال مخاطب کی رعایت عظمت کے لیے ہے۔ الْاَعْمٰی۔ اُن صحابی کے نام یا کسی اور اسم وصفی کے بجائے اُن کی صفت نابینائی کے ذکر سے ادھر صاف اشارہ ہو گیا کہ سائل آپ کی شفقت و توجہ کا مزید مستحق تھا۔ ف۲ یعنی کسی جزئیہ میں تو انہیں رہنمائی ہو ہی جاتی، اور روشنی مل جاتی۔ یَزَّکّٰی۔ صیغہ مبالغہ ہے یعنی تزکیہ پورا پورا ہو جاتا۔ اور تصفیہ ظاہری و باطنی دونوں ہو جاتا۔ لَعَلَّهٗ۔ لعل زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی نفع کا اگر ظن ہوتا، جب بھی توجہ اسی طرف پوری کرنا تھی، چہ جائیکہ جب تزکیہ یا تذکیر یقینی تھا۔ ف۳ (آپ کا کام تو صرف تبلیغ و دعوت پر ختم ہو جاتا ہے) مَنِ اسْتَغْنٰی۔ استغناء کا لفظ لا کر آپ کو توجہ اس طرف دلا دی گئی کہ ان لوگوں کو آپ کی یا دین کی فکر و پروا کب ہے؟ ف۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر اور اعلم الناس تھے۔ آپ نے انتہائی اجتہاد بشری سے کام لے کر یہ خیال فرمایا، اور بالکل صحیح طور پر، کہ کلی گمراہی، جزئی ناواقفیت سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اصول فروع پر کہیں مقدم ہیں۔ قرآن میں آپ کو علم بشری محدود نہیں، علم الٰہی غیر محدود تنبیہ کر رہا ہے کہ ایک میں تو اصلاح کی طلب تھی، وہ خود دوڑتا ہوا حاضر ہوا تھا۔ دوسرا فریق سرے سے اپنی ضرورت اصلاح سے غافل اور آپ کے مصلح ہونے ہی کا منکر تھا۔ اس لیے آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنی توجہ اسی پہلے شخص کے حق میں مقدم رکھتے۔ ف۵ (اور جو نہ قبول کرے گا وہ خود بھگتے گا۔ آپ اُس کے لیے اتنا زیادہ اہتمام و فکر ہرگز نہ کریں) اِنَّهَا میں ضمیر راجع ہی تذکرہ کی طرف اور کنایہ ہے قرآن سے۔ ف۶ یعنی فرشتوں کے۔ فِيْ ... مُطَهَّرَةٍ۔ یہ پاک و متبرک صحیفہ لوح محفوظ ہی کے مختلف اجزاء ہیں۔ مَرْفُوْعَةٍ۔ یہ رفعت یا بلندی جہت و مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے اور مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے بھی۔ مُطَهَّرَةٍ۔ یعنی ہر قسم کی معنوی آلائشوں سے پاک و منزہ۔ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۔ یہ اوصاف فرشتوں کے بیان ہوئے، جنہوں نے بحکم الٰہی ان صحیفوں کی کتابت لوح محفوظ میں کی۔ مجازاً یہ اوصاف اُن خادمان کے بھی ہو سکتے ہیں، جنہوں نے ابتداءً کتابت وحی کی، اور اس کے بعد سے اب تک قرآن کے بھی پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ

پیدا کیا! نطفہ سے وے اُسے پیدا کیا، پھر اُسے انداز (مناسب) سے ون بنایا پھر اس کے لئے راستہ

يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا

آسان کر دیا وہ پھر اُسے موت دی، پھر اُسے قبر میں لے گیا ون پھر جب چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کر دے گا

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾

(اس نے شکر) ہرگز نہیں (ادا کیا اور اللہ نے) جو حکم اُسے دیا تھا اُسے بجا نہیں لایا، سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

طرف والا ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا

پھر ہم نے اُگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون

وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَاۗىِٕقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا

اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے

لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَاۗءَتِ الصَّاۗخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ

اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے ولا تو جس وقت شدید شور برپا ہو جائے جس روز انسان

الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ

بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے

وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِۍٍٔ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾

اور اپنی اولاد سے اُن میں سے ہر شخص کو اُس وقت اپنی ہی پڑی ہوگی دوسروں سے بے توجہ کر دینے والی و۱۳

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾

(بہت سے) چہرے اُس روز چمکتے ہوئے ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے و۱۴

و۷ (اور پھر کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز و سربلند کیا! مطلب یہ ہوا کہ اگر اور کچھ نہیں تو انسان انہیں چیزوں کا خیال کر لے، جب بھی اس میں ادائے شکر نعمت کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے۔ قُتِلَ۔ صیغۂ ماضی میں، عربی محاورہ میں، بددعاء کے لیے آتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ مراد کافر انسان ہے۔ مِنْ اَيِّ ۔۔ نُّطْفَةٍ۔ نطفہ کی تحقیر سے ضمناً اُن جاہلی قوموں کی تردید بھی نکل آئی، جنہوں نے اسے ایک مقدس شے قرار دیا ہے۔ و۸ یعنی نہ صرف عمل تخلیق بلکہ ترکیب انسانی میں تناسب و توازن اور قویٰ، اعضاء وغیرہ کی ساخت ترتیب، ہر شے قدرت الٰہی و حکمت کاملہ پر دلیل کا کام دے رہی ہے۔ و۹ (تحصیل خیر و شر کا، تحقیق حق و باطل کا اور معرفت نفع و ضرر کا) السَّبِيْلَ سے مراد وہ نظر مستقیم ہے جو انسان کو ایمان کی طرف لاتی ہے، اور انسان کو جو نعمت عقل عطا ہوئی ہے، یہ اُس میں آسانی پیدا کر دیتی ہے۔ السبیل ای النظر القویم المؤدی الی الایمان و تیسیرہ له هو هبة العقل (بحر۔ عن ابن عباس و قتادة ابی صالح والسدی) السبیل العام اسم الجنس فی هدی و ضلال ای یسر قوما بهذا (بحر۔ عن مجاہد والحسن و عطاء و ابن عباس) و۱۰ یہ اشارہ ہے، زندگی کی مختلف منزلوں کی طرف۔ پہلے انسان بہترین قویٰ و استعداد لے کر وجود میں آتا ہے۔ پھر ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اُسے موت آتی ہے۔ پھر وہ عالم قبر میں جاتا ہے۔ اَقْبَرَهٗ۔ اس سے مراد انسان کا قبر میں لے جایا جانا ہے۔ اس کے مصداق کے لیے تدفین ظاہری لازم نہیں۔ آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں اور ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ و۱۱ (کہ اس کی غذا کی تیاری کے لیے ہم نے کیسے کیسے انتظامات کیے ہیں، اور فطرت کی بڑی بڑی قوتوں کو کس طرح کام میں لگا رکھا ہے۔ ربوبیت و رزاقیت کی اتنی زبردست مشنری کے مشاہدہ کے بعد بھی اعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے۔ ایجاد و تخلیق کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اب انسان کو توجہ اس کے سامان پرورش و بقاء کی طرف دلائی جاتی ہے۔ و۱۲ گویا نباتیات کا یہ سارا انتظام، انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لیے ہے۔ و۱۳ یہ وقت وہ ہوگا، جب قریب سا قریب عزیز اور عزیز سا عزیز دوست و رشتہ دار، نہ کسی کے کام آئے گا، اور نہ اُس سے ہمدردی تک کر سکے گا) الْمَرْءُ۔ انسان سے ایسے سارے موقعوں پر مراد کافر ہی انسان سے ہوتی ہے۔ و۱۴ اور یہ اثر طاعت کا، اور یہ برکت ایمان کی ہوگی۔

ف۱۵ چہروں پر سیاہی اثر ہوگا کفر کا، اور چہروں پر کدورت علامت ہوگی غم کی اور بد انجامی کی۔ ف۱۶ اَلْکَفَرَۃُ۔ کفر سے اشارہ ہو گیا ان لوگوں کے فساد عقائد کی جانب۔ اَلْفَجَرَۃُ۔ فجور سے اشارہ ہو گیا ان لوگوں کے فساد اعمال کی جانب۔ ف۱ یعنی اُن کا پانی آگ اور بھاپ میں تبدیل ہو جائے۔ یہ سارے واقعات و کیفیات صورِ قیامت کے نفخۂ اوّل کے بیان ہو رہے ہیں۔ عالم کائنات جو اُس وقت تک آباد ہوگا، صور کی پہلی آواز پر یوں ہلاک و برباد ہونا شروع ہوگا۔ اور اس کی بڑی بڑی مضبوط و مستحکم موجودات یوں درہم و برہم اور ریزہ ریزہ ہونا شروع ہوں گی۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ یعنی کرۂ آفتاب کی لمبی لمبی شعاعیں جو سارے عالم کو منور کرتی رہتی ہیں، لپیٹ کر رکھ دی جائیں یا بے نور ہو جائیں، جس سے عالم تیرہ و تار ہو جائے۔ آفتاب جو محسوسات و مرئیات میں آسمان ہی کی طرح اعظم ترین مخلوق ہے، جب وہ فنا پر مجبور ہو جائے تو پھر دوسری اور اس سے ادنیٰ مخلوقات کا کیا ذکر ہے!— آفتاب کی فنا پذیری کی تصریح میں ضرب آفتاب پرستی پر بھی ہے۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۔ ستارے تو نور مجسم سمجھے جاتے ہیں، اور شب کے وقت سارے عالم کو منور کرنے والے۔ وہ تک صورِ قیامت کے وقت پہلے اور بے نور ہو جائیں گے، اُن کا نور سلب ہو جائے گا، اور وہ نہ کسی کو روشن کر سکیں گے، نہ خود روشن رہ سکیں گے— ستاروں کی بے نوری اور بے بسی کی تصریح میں ضرب ستارہ پرستی پر بھی ہے۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔ پہاڑ جو دنیا والوں اور زمینی مخلوق کی نظر میں ثبات و استحکام کا ایک نمونہ ہوتے ہیں، وہ تک اس وقت اپنا سارا ثبات و استحکام کھو دیں گے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ عشار اُن اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو دس مہینے کی حاملہ اور وضع حمل کے قریب ہوں۔ عرب میں اُن کی بڑی ہی قدر و قیمت تھی تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہلچل ایسی سخت ہو کہ اتنی قیمتی اور قابل قدر جنس کا بھی کسی کو ہوش نہ رہے، اور مخلوق میں یکسر نفسی نفسی پڑ جائے۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ یعنی جب انتہائی اضطراب و اضطرار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنی بھول بھال باہم گڈمڈ ہو جائیں— ایک ہلکے پیمانہ پر اس کا نمونہ آج بھی دیکھنے میں آسکتا ہے، جب شدید طغیانی و سیلاب میں سانپ انسان کے ساتھ بہتا بہاتا اپنی زہریلی فطرت بھولا ہوا نظر آتا ہے۔ آیت کے یہ معنی لینا کہ "جس زمانہ میں جانوروں کے عجائب خانے کھلنے لگیں" قرآن حکیم پر ظلم اور اپنی فہم و استعداد کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۲ مثلاً مومن مومن اکٹھے کر دیئے جائیں اور کافر کافر۔ واقعات فنا کے بعد اب صور کے نفخۂ ثانی کے بعد، خلق کی آفرینش ثانی کا بیان ہو رہا ہے۔ ف۳ سوال سے مقصود نا خدا ترس ظالموں پر مزید حجت قائم کرنا ہوگا۔ مَوْءُدَۃُ۔ وہ لڑکی ہے جو زندہ دفن کر دی جائے۔ شرفاء عرب کے مختلف قبیلوں میں یہ رسم کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے راجپوتوں اور دوسری قوموں میں اور دوسرے ملکوں میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ اور اسی کی ذرا ہلکی شکل آج "منع حمل"، "کنٹراسپشن"، "برتھ کنٹرول" وغیرہ کے خوشنما ناموں سے بڑے بڑے مہذب ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے— ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ دوسرے معاصی کو چھوڑ کر اس کا ذکر آثار قیامت و اہوال حشر میں کرنے سے اشارہ یہ نکلا ہے کہ سب سے پہلے پرسش خون کی ہوگی، اور خون کے مقدمات میں اس دفعہ کے مجرم سب سے پہلے پیش ہوں گے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مواخذہ مساوی ہے، چاہے لڑکی اس طرح زندہ دفن کی جائے چاہے لڑکا۔ صیغۂ مؤنث صرف اس لیے استعمال ہوا ہے کہ عرب میں دستور لڑکی ہی کے دفن کا تھا۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾

اور (بہت سے) چہروں پر اس روز سیاہی ہو گی ان پر کدورت ہو گی ف۱۵

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر ف۱۶

اٰیاتہا ۲۹ | ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ | رکوعہا ۱

اس کی انتیس آیتیں ہیں | سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾

جب آفتاب لپیٹ لیا جائے اور جب ستارے بے نور رہ جائیں

وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾

اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں اور جب اونٹنیاں چھٹی پھرنے لگیں

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾

اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں ف۱

وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ یکجا کر دیئے جائیں ف۲ اور جب زندہ دفن کی ہوئی (لڑکی) سے سوال کیا جائے

بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾

کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی ف۳ اور جب (اعمال کے) صحیفے کھول دیئے جائیں ف۴

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾

اور جب آسمان کھول دیا جائے اور جب دوزخ خوب دہکا دی جائے

سُئِلَتْ۔ بعض اہل ذوق نے لکھا ہے کہ یہاں بجائے قاتل کے خود مقتولہ سے خطاب کرنے میں اشارہ نکلتا ہے کہ وہ مردود قاتل خطاب بھی نہیں۔ هو توبيخ لقاتلها بصرف الخطاب عنه (مدارک) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ دو مسئلے بھی نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کے بچوں پر عذاب نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ کسی پر عذاب بغیر صدور گناہ کے نہیں ہوتا۔ و فيه دليل على ان اطفال المشركين لا يعذبون و على ان التعذيب لا يكون بلا ذنب (مدارک) ف۴ (کہ لوگ اپنے اپنے عمل اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ لیں) آیت کے یہ معنی کرنا کہ "جب اخبارات و رسالے شائع ہونے لگیں"۔ اپنے جہل محض کا پردہ اپنے ہاتھ فاش کرنا ہے۔

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

اور جب جنت نزدیک کردی جائے، (اُس وقت) ہر شخص جان لے گا (ان اعمال کو جن کو) وہ لے کر آیا ہے و۵

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی، چلتے رہنے والوں جا چھپنے والوں کی، اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے، کہ یہ (قرآن) ایک کلام ہے ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) جو قوت والا ہے اور ذی مرتبہ ہے مالکِ عرش کے نزدیک و۶ وہاں اُس کا کہا مانا جاتا ہے (اور وہ) امانت دار ہے و۷ اور (یہ) تمہارے ساتھی کوئی مجنون نہیں ہیں و۸ اور وہ اُس (فرشتہ) کو (آسمان کے) روشن کنارہ پر دیکھ بھی چکے ہیں و۹ اور وہ غیب کے بارہ میں بخیل بھی نہیں و۱۰ اور نہ یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا کلام ہے، سو تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ و۱۱ بس یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے دنیا جہان والوں کے لئے (یعنی) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے و۱۲ اور تم بغیر اس کے چاہ بھی تو نہیں سکتے کہ پروردگارِ عالم چاہے و۱۳

رکوع ۱

و۵ (اور یہ علم ایسا یقینی اور قطعی ہوگا کہ اس کے بعد کسی مزید قیل وقال چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہے گی، اور ہر شخص کو اپنا انجام سامنے نظر آنے لگے گا) وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے۔ مراد یہ کہ جب آسمان کے اوپر کی چیزیں بھی بے پردہ نظر آنے لگیں۔ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۔ جہنم تو آج بھی دہکی ہوئی ہے۔ اُس وقت اور زیادہ دہکادی جائے گی۔ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔ یعنی اُس وقت خود جنت اہلِ جنت کے بالکل قریب لے آئی جائے گی۔ و۶ (اور اس کے لائے ہوئے کلام میں یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شیطانی تصرف ہوا ہو، یا کہانت کی آمیزش کہیں سے ہوگئی ہو) ان صفات والے سے مراد فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل ہیں، جن کا ذکر سورۂ والنجم میں گزر چکا ہے، آیت عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى الخ کے تحت میں۔ رَسُوْلٍ۔ یہ لفظ خود بتا رہا ہے کہ اسے کہیں کلام جبرئیل نہ خیال کرلینا، اُن کی حیثیت اس کلام کے سلسلہ میں تو محض قاصد کی ہے۔ یہ اوصاف جبرئیل جو بیان ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ فرشتۂ وحی منصبِ رسالت کا پوری طرح متحمل اور اسرار و انوار کا ہر طرح محافظ ہے۔ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ عند یہاں قربِ جسمانی کے لیے نہیں کہ حق تعالیٰ ہر جسمانیت و مکانیت سے برتر ہیں، بلکہ مراد محض قربِ قبول اور بلندیٔ مرتبہ ہے۔ و هذه العندية ليست عندية المكان و ليست عندية الجهة بل عندية الاكرام والتشريف والتعظيم (کبیر) عند لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل في الزلفى والمنزلة (راغب) اور یہ قربِ خاص خود اس کا مستلزم ہے کہ پیام رسانی وحی میں امکان نہ سہو کا رہا نہ غلطی کا نہ غفلت کا۔ آیت کا حاصل یہ نکلا کہ فطرت کے فلاں فلاں زبردست آثار و مظاہر خود اس کی دلیل ہیں کہ یہ کلام حق تعالیٰ ہی کا ہے— قرآنی قسموں کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر، پ۱۴ کا ضمیمہ۔ بِالْخُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ اصطلاحِ فلکیات میں انہیں خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں اور اُن کے نام زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ ہیں— یہ سب دیوی دیوتا بھی متعدد مہذب جاہلی قوموں میں مانے گئے ہیں۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور پیچھے ہی چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ و۷ یہ قرآن کا لانے والا فرشتہ جب ان اوصاف کا مالک ہے تو نہ یہ ممکن ہے کہ خود اس کی طرف سے کوئی خیانت ہوئی ہو، اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی خارجی ذریعہ سے اس کلام میں کہانت کی آمیزش ہو— یہ سب اُن منکرین کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) کاہن سمجھ رہے تھے اور قرآن کو آپ کا کلام۔ مُطَاعٍ۔ یعنی فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل تو فرشتوں میں بھی سروری، سرداری کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اے في السمٰوٰت يطيعه من فيها او عند الله يطيعه ملائكة المقربون يصدرون عن امره و يرجعون الى رأيه (مدارک) اَمِيْنٍ۔ اس وصف سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اُن کی پیام رسانی میں ادنیٰ دخل بھی خیانت کو نہیں، نہ لفظاً نہ معنًی، نہ سہواً نہ عمداً۔ و۸ یہ اُن منکرین کے جواب میں ہے، جو پیغمبرِ اسلام ﷺ کو (نعوذ باللہ) مجنون قرار دے رہے تھے۔ صاحب۔ یعنی ساتھی سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے۔ لفظ خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ کے رہنے سہنے والے ہیں، اُن کی ساری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ کہیں کوئی بھی شائبہ جنون اُن کی سیرتِ اقدس کے کسی شعبہ میں پایا جاتا ہے؟ و۹ (جس میں کسی دھوکے یا اشتباہ کا امکان نہیں) منکرین کے جواب میں گویا قرآن کا استدلال یہ ہوا کہ یہ قرآن جو تمہیں پہنچ رہا ہے، بجنسہٖ اور لفظ بلفظ کلامِ الٰہی ہے۔ اللہ سے رسول تک اس کا پہنچانے والا ایک معزز، متدین، پرقوت فرشتہ ہے، اُس کی پیامبری میں کسی غلط کا امکان نہیں، اور فرشتہ سے تم تک نقل کرنے میں واسطہ رسول کا ہے۔ یہ واسطہ بجائے خود ہر قسم کے شک و اشتباہ سے ماوراء ہے۔ عام بندوں تک قرآن پہنچنے کے واسطے بھی دونوں ہیں، فرشتہ اور پیمبر، اور یہ دونوں اعتماد و اعتبار کے انتہائی نقطہ پر ہیں۔ الْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ سے مراد آسمان کا بلند کنارہ ہے— ملاحظہ ہوں سورۂ والنجم کی آیات متعلقہ کے حاشیے۔ وَ لَقَدْ رَاٰهُ۔ محدثین کے ہاں روایتِ حدیث میں جو شرطِ لقاء کی ہے، اُسے بعض نکتہ رس فاضلوں نے یہیں سے اخذ کیا ہے۔ و۱۰ (کہ کچھ پیام پہنچائیں اور کچھ چھپا جائیں) ایک امکانی شبہ کاملیتِ قرآن میں یہ بھی ہوسکتا تھا۔ اُسے قرآن نے یوں رفع کردیا۔ بعض محدثین عارفین نے یہ اشارہ یہیں سے اخذ کیا ہے کہ راویٔ حدیث دوسرے تک کلامِ رسول کا سنانا پہنچانا اپنے اُوپر لازم سمجھے اور اس میں بخل نہ کرے۔ و۱۱ (کہ ایسی سیدھی سی بات کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹک رہے ہو) اُوپر بیان یہ تھا کہ نزولِ قرآن کے جو دو واسطے ہیں، یعنی ایک فرشتۂ وحی اور دوسرے پیمبرِ اسلام ﷺ، یہ دونوں حد درجہ مضبوط، مستحکم و ناقابلِ اشتباہ ہیں۔ اب بیان اس کا ہے کہ اپنی اصل اور ماخذ کے لحاظ سے بھی قرآن سرتاسر حق ہی ہے۔ و۱۲ مطلب یہ کہ اس ہمہ گیر و ہمہ جہتی دستور العمل کے مخاطب تو سب ہی ہیں۔ البتہ فائدہ اس سے وہی اُٹھا سکتے ہیں، جو خود فائدہ اُٹھانا چاہیں بھی۔ حصولِ نفع کے لیے قصدِ انتفاع لازمی ہے۔ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ میں پھر ایک بار اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کا پیام عالمگیر ہے۔ یہ کسی قبیلہ کا، قوم کا، یا نسل کا مخصوص و محدود دین نہیں۔ لِمَنْ ... يَّسْتَقِيْمَ۔ پورا فقرہ بدل ہے لِلْعٰلَمِيْنَ کا۔ و هو بدل من العٰلمين (کبیر) و۱۳ یہاں اس حقیقت کا ایک بار پھر اعادہ کردیا کہ بندہ کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں ہوتا، بلکہ ارادۂ ربوبیتِ مطلق کے تابع و ماتحت ہوتا ہے۔ یہ اُن باطل مذہبوں اور فرقوں کی تردید میں ہے جنہوں نے ارادۂ انسانی کو تمامتر آزاد اور غیر مقید سمجھا ہے۔

آیاتها ۱۹ | ۸۲ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ | رکوعها ۱

اس کی اُنیس آیتیں ہیں — سورۃ الانفطار مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں،

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ

اور جب سمندر بہ پڑیں ف۱ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ف۲ (تو اس وقت) ہر شخص

نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا

اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھے (آخر) کس چیز

غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

نے اپنے پروردگار کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے ف۳ (وہ پروردگار) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا

فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا

پھر تجھے اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا ف۴ (تجھے مغرور) ہرگز

بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰

نہیں (ہونا چاہیے تھا) اصل یہ کہ تم جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو ف۵ درآنحالیکہ تمہارے اوپر (ہماری طرف سے)

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ

یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے (مقرر) ہیں وہ جانتے ہیں اس کو جو کچھ تم کر رہے ہو ف۶ نیک لوگ

لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۴ يَّصْلَوْنَهَا

بے شک آسائش میں ہوں گے، اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں اس میں داخل ہوں گے

ف۱ (یعنی سب مل کر ایک دل ہو جائیں) یہ تینوں واقعات یعنی آسمان کا پھٹ جانا، ستاروں کا جھڑ پڑنا، سمندروں کا اُبل نکلنا، صور قیامت کے نفخۂ اول کے وقت ہوں گے۔ اور نظام آسمانی و زمینی کے درہم برہم ہونے کے مظہر۔ ف۲ (اور ان کے اندر سے مردے نکل نکل پڑیں) یہ بیان صور قیامت کے نفخۂ ثانی کا ہے ف۳ (جو تو اس کے ادائے حقوق کی ذرا فکر نہیں کرتا) سوال سے مقصود غیرت دلانا ہے کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ تو ادائے شکر کرتا۔ چہ جائیکہ تو اس ناشکری پر آمادہ ہو گیا۔ رَبِّكَ الْكَرِيْمِ۔ ایک تو رب خود، اور پھر اس پر کریم کا اضافہ اسی غیرت کی کیفیت میں اور اضافہ کرنے کے لیے ہے— جو مالک و مولیٰ ساتھ ساتھ رحیم و شفیق بھی ہو، اس کے بار احسان سے تو سر اور بھی ہرگز ہرگز نہ اُٹھنا چاہیے۔ الْاِنْسَانُ۔ الانسان سے مراد اس سیاق میں کافر انسان ہے۔ ف۴ انسان کی خلقت و ترکیب، اور پھر اس کے مختلف و متضاد قویٰ میں ترتیب و تناسب، صفات قدرت و صنعت و حکمت کا بہترین نمونہ ہے۔ اور قرآن مجید نے اس حیثیت سے انہیں بار بار پیش کیا ہے۔ مَا شَآءَ۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کی صورت و سیرت جو کچھ ہے، تمام تر اللہ کے اپنے ارادہ و مشیت کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی قوت اللہ کے ارادہ کو مجبور یا متاثر کرنے والی نہیں۔ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ۔ اَيِّ کے بعد ما تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما مزيدة للتوكيد (مدارک) ف۵ (اور خوفِ خدا ہو یا احساسِ ذمہ داری یا طلبِ حق، سب اسی عقیدۂ روز جزاء سے پیدا ہوتی ہیں) ف۶ یعنی جزاء و سزا نہ صرف واقع ہو کر رہے گی بلکہ اس کے لیے پورے انتظامات اور ایک مکمل نظام ابھی سے موجود ہے۔ اللہ کے فرشتے اعمال کی پوری رپورٹ لکھنے کے لیے مقرر ہیں۔ امین و متدین ایسے کہ حق تعالیٰ انہیں "معزز" کے لقب سے پکارتا ہے۔ اور نظر ان کی اتنی گہری کہ باریک سے باریک اور خفی سے خفی عمل و محرک عمل بھی ان سے چھوٹنے نہیں پاتے۔ حٰفِظِيْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان سے فروگذاشت ممکن نہیں۔ كِرَامًا اس میں اشارہ ہے کہ کوئی امر خلاف دیانت یا خلاف حکم ان سے صادر ہونا ممکن نہیں۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کوئی عمل، خفی سا خفی بھی ہو، ان کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح عمل کے لیے ان آیتوں کا مراقبہ بہت مفید ہے۔

وے (اور ہمیشہ ہمیش اُسی میں رہیں گے) یہ نص ہے دوزخ کے دوام وخلود پر۔ و۸ (نہ کہ اور کسی کی) یہ درمیانی وسائط اور اسباب قریبہ کے جو پردے دنیا میں پڑے ہوئے ہیں، یہ سب اُس روز اُٹھ جائیں گے۔ اور اللہ کی براہِ راست حکومت قاہرہ کا مشاہدہ ہر ایک کو ہونے لگے گا۔۔۔ عالمِ اسباب و جہانِ ابتلاء میں تو ان حجابات کی ضرورت ومصلحت تھی، اس لیے یہ سب تھے اُس روز کشف حقائق کے وقت اُن کی حاجت ہی کیا رہے گی، اور اس لیے سارے حجابات کثیف ولطیف یکسر برطرف ہو جائیں گے۔ ذف ...... الدِّیْنِ۔ دُہرے دُہرے سوالات عربی اسلوب بلاغت وخطابت کے مطابق، اہمیت خصوصی کے اظہار کے لیے ہیں۔ و۱ قرآن مجید، جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے، کوئی کتاب محض الٰہیات یا عقائد کی نہیں، بلکہ اخلاق و دیانات کے بھی سارے شعبوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ یہاں

يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ

روزِ جزاء کو۔ اور (پھر) اس سے باہر نہ ہوں گے وے اور آپ کو کیا خبر کہ

مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ

روزِ جزاء کیا ہے؟ ہاں آپ کو کیا خبر کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ وہ دن وہ ہے

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿۱۹﴾

کہ کسی کا بس کسی کے لئے کچھ بھی نہ چلے گا اور حکومت اُس روز (تمامتر) اللہ ہی کی ہوگی و۸

ایاتہا ۳۶ ۸۳ سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ ۸۲ رکوعہا ۱

اس کی چھتیس آیتیں ہیں سورۃ المطففین مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ

بڑی خرابی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں پورا ہی

يَسْتَوْفُونَ ﴿۲﴾ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿۳﴾ أَلَا

لے لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں ول کیا انہیں

يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَقُومُ

اس کا یقین نہیں کہ وہ زندہ اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن میں، جس دن کہ (تمام) لوگ

النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي

پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے و۲ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا وسزا نہ ہو) بے شک بدکاروں کا نامۂ عمل

سِجِّينٍ ﴿۷﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿۸﴾ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿۹﴾ وَيْلٌ

سجین میں رہے گا، اور آپ کو کیا خبر کہ سجین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا و۳ بڑی خرابی ہے

تعلیم تجارتی اخلاق کی مل رہی ہے۔۔۔ اور قریش ایک زبردست تجارت پیشہ قوم تھے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کمی وبیشی عرفِ عام یا کسی شرط معلوم و متعارف کی صورت میں جائز ہے۔ عَلَى النَّاسِ۔ علی یہاں مِنْ کے مرادف ہے۔ آیت نے ایسے لوگوں کی بددیانتی کے ساتھ ساتھ ان کی خود غرضی کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ خریداری کے وقت تو خوب ہوشیار اور بڑے چوکس رہتے ہیں، ایک ایک چیز خوب ناپ جوکھ کر کے اور خوب پرکھ پرکھ کر کے لیتے ہیں۔ اور بیچتے وقت اس کے برعکس ہو جاتے ہیں۔ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ۔ نحو عربی کا قاعدہ ہے کہ جب مفعول کو فعل پر مقدم لاتے ہیں، تو معنی مفعول میں تخصیص وتحدید کے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مفہوم پیدا ہو گیا ہے کہ جب دوسروں سے لینا ہوتا ہے، جب تو پورا ہی لیتے ہیں۔ و يقدم المفعول على الفعل لافادة الخصوصية اى يستوفون على الناس خاصة فاما انفسهم فيستوفون لها (کشاف) آیت تجارتی اخلاق کی ایک بنیادی اور کلیدی آیت ہے۔ جس سے بیسیوں مسئلے نکل سکتے ہیں اور قرآن مجید کی اُن چند آیتوں میں سے ہے، جس کی مدح وتوصیف مسیحی پادریوں نے بھی کی ہے۔۔۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ المطففین۔ بعض محققین نے تطفیف کو عام و وسیع معنی میں لیا ہے، یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن وپیمائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل رکھا ہے۔ جیسے کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں، ہر شے میں ممکن ہے۔ قال علماء الدين التطفيف في كل شيء في الصلوة والوضوء والكيل والميزان قال ابن العربي كما ان السرقة في كل شئ (ابن العربی) و۲ (اور اس دن انہیں اپنی ان بے ایمانیوں کا بھی جواب دینا ہوگا) تجارتی دیانت وامانت اور کاروبار میں حسنِ معاملت کے سیاق میں حشر اور اس کی بازپرس کی یاددہانی انہیں اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں تجربے گواہ ہیں کہ فرد و قوم دونوں کو دیانتدار بنانے میں جرمانہ کی سزاؤں اور جیل کی دھمکیوں سے کہیں زیادہ مؤثر وکارگر اندر کا تقویٰ اور خوفِ آخرت ہی ہوتا ہے، اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اسی حربے سے کام لیتا ہے۔ يَوْمَ ... الْعَالَمِينَ۔ ل سے مراد ہے کہ رب العالمین کے حکم سے اور اس کی نفاذ کی ہوئی سزا وجزا سننے کے لیے۔ اى لامره و جزائه (مدارک) اى لامره ولجزائه و لحسابه (معالم) یا یہ مراد ہو کہ رب العالمین کی عظمت وتعظیم کے لیے حدیث نبوی میں یہی تفسیر آئی ہے۔ عن ابن عمرؓ سمعت رسول الله ﷺ يقول يوم يقوم الناس لرب العلمين لعظمة الرحمن عزوجل (ابن کثیر) و۳ (جس میں کسی تغیر و تبدل، ترمیم وتنسیخ کا احتمال ہی نہیں) مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص کے اعمال سارے کے سارے منضبط ومحفوظ ہیں۔ سِجِّينٍ۔ سجن (قیدخانہ) ہی کے معنی میں ہے، اور حرف ی کی زیادتی معنی میں زیادتی کے اظہار کے لیے ہے۔ زيد لفظه تنبيها على زيادة معناه (راغب) تشریح میں مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ حاصل ولب لباب یہ ہے کہ وہ عالم غیب میں کوئی ایسا مقام ہے، جہاں مجرموں، منکروں کے اعمال نامے محفوظ رہتے ہیں۔ مَا سِجِّينٌ۔ تقدیر کلام ما كتاب سجين ہے۔ اور حذف مضاف قرآن کے اسلوب بیان میں بہت عام ہے۔ الْفُجَّارِ۔ فجار سے مراد وہی لوگ ہیں جو غرق فجور رہے ہیں اور ایمان وتصدیق تک کی نیکی سے محروم۔

ف۴ یعنی رسول کی تکذیب پر مصر اور دلیر تو وہی لوگ ہیں، جو فسق و فجور کی کثرت و شدت سے اپنی اخلاقی صلاحیتوں کو پہلے ہی برباد کر چکے ہیں۔ قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ قرآن کے مکذبین و منکرین میں بھی اپنے بہت سے گزرے ہیں، اور اب بہت سے ایسے ہیں جو اس کی آیتوں اور اُن کے مضامین کو سن کر بول اٹھتے ہیں کہ یہ بے سند اور بے بنیاد باتیں تو اگلے صحیفوں اور پرانے نوشتوں سے منقول چلی آ رہی ہیں ... گویا حقانیت قرآن کے خلاف یہ بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کی بیان کی ہوئی بعض روایتیں کسی نہ کسی بگڑی ہوئی شکل میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہیں! عجب مسخ شدہ ذہنیت منکرین قرآن کی ہر زمانہ میں رہی ہے۔ قرآن کوئی نئی تعلیم پیش کرے تو یہ کہہ کر اسے رد کر دیجئے کہ یہ نئی بات دل کی گھڑی ہوئی ہے، اگر صحیح و مستند ہوتی تو آخر پہلے بھی تو کبھی سننے میں آئی ہوتی! اور قرآن اگر قدیم حقیقتوں کو ان کی اصلی اور غیر محرف شکل میں پیش کرے، تو بس یہ کہہ کر انکار کر دیجئے کہ یہ تو پہلے صحیفوں کی نقل یا سرقہ ہے!

يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا
اس روز جھٹلانے والوں کے لئے جو روز جزاء کو جھٹلا رہے ہیں، اور اس کو تو

يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ
بس وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں میں پڑا ہوا ہو اور جب اسے ہماری آیتیں سنائی جاتی ہوں تو کہتا ہو کہ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا
یہ اگلوں کے خرافات ہیں ف۴ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا و سزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾
بیٹھ گیا ہے ف۵ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا و سزا نہ ہو) یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ
پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے ف۶ پھر کہا جائے گا کہ یہی وہ ہے جسے تم

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾
جھٹلایا کرتے تھے ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا و سزا نہ ہو) بے شک نیک کاروں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا،

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ
اور آپ کو کیا خبر کہ علیین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ نشان کیا ہوا رجسٹر ہے، جس کو مقرب (فرشتے)

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ
دیکھتے ہیں ف۷ بے شک نیک کار بڑی راحت میں ہوں گے، مسہریوں پر سے

يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ
دیکھ رہے ہوں گے ف۸ تو ان کے چہروں ہی سے راحت کی بشاشت جان لے گا ف۹ انہیں پینے کو

مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ
شراب خالص ملے گی، جس پر مشک کی مہر ہو گی ف۱۰ ایسی ہی چیز کا

ف۵ (جس سے اُن کی استعداد ہی قبول حق کی فاسد ہو گئی ہے اور اسی سے وہ انکار و تکذیب پر برابر جمے رہتے ہیں) آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنی اصل و سرشت سے متمرد و منکر نہیں، بلکہ اس کے ارادی و اختیاری اعمال ہی اس کے دل کو تاریک اور چشم بصیرت کو بے نور اور قبول حق سے دور کر دیتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظلمت قلب جس کا ذکر صوفیہ کے ہاں بکثرت آتا ہے اُس کی سند اسی آیت میں ملتی ہے۔ ف۶ (اور یہ دیدار حق سے محجوبی بجائے خود ایک بہت بڑی سزا ہے، جس کا اندازہ و تجربہ اسی دن ہوگا) یہاں محجوبون مقدم ہے، اور دخلہ جہنم مؤخر ثم کے تحت میں۔ اس سے عارفوں نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ اصل سزا دوزخ نہیں بلکہ دیدار الٰہی سے محرومی ہی ہے، اور دوزخ محض اس کا نتیجہ ہے۔ ثم بعد كونهم محجوبين عن ربهم لداخلون النار (مدارک) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ مومنین کو رویت باری ہو گی، ورنہ کافروں کے لیے بطور سزا اس نعمت سے محرومی کے کوئی معنی نہ تھے۔ قال الزجاج في الاية دليل على ان المؤمنين يرون ربهم والا لا يكون التخصيص مفيدا (مدارک) فلا يرونه بخلاف المؤمنين (بیضاوی) قال الامام ابو عبدالله الشافعي و في هذه الاية دليل على ان المؤمنين يرونه عز وجل يومئذ و هذا الذي قاله الامام الشافعي في غاية الحسن و هو استدلال بمفهوم هذه الاية كما دل عليه منطوق قوله تعالى وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة و كما دلت على ذلك الاحاديث الصحاح المتواترة (ابن کثیر) ف۷ (ذوق و شوق کے ساتھ) اس سے مقصود مرتبۂ ابرار کے فضل و عظمت کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مجرموں اور نافرمانوں کے لیے عذاب و عقاب یقینی ہے، اسی طرح مطیعوں اور فرمانبرداروں کا اجر و ثواب بھی برحق ہے۔ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یہاں ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ المقربون من الملٰئكة (کبیر) و هم الملائكة قال قتادة (ابن کثیر) عِلِّيِّيْنَ۔ سِجِّيْن کے مقابلہ کی چیز ہے، اور کوئی ایسا مقام عالم غیب میں ہے، جو نیک کاروں کے اعمال ناموں کے لیے مخصوص ہے۔ ف۸ (جنت کے عجائب و مناظر) ہو سکتا ہے کہ دیدار جمال الٰہی مراد ہو۔ اور چونکہ يَنْظُرُوْنَ، محجوبون کے مقابلہ میں آیا ہے، اس لیے قرینہ بھی اسی معنی کو چاہتا ہے۔ ف۹ (اے مخاطب) مطلب یہ کہ اہل جنت کی مسرتیں نمایاں ہوں گی، اور ان کے چہروں ہی سے جھلک رہی ہوں گی۔ ف۱۰ یعنی نہایت پاکیزہ، خوش ذائقہ و خوش رائحہ۔ يُسْقَوْنَ۔ کا صیغۂ مجہول اہل جنت کے مرتبۂ عظمت پر دلالت کر رہا ہے۔

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا

حرص کرنا چاہیے حرص کرنے والوں کو ف۱۰ اور اُس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی ف۱۱ چشمہ

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ

جس سے مقرب بندے پئیں گے ف۱۲ اور جو لوگ مجرم تھے وہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾

ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے، اور جب اُن کے سامنے سے گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے،

وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْا

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے ف۱۳ اور جب انہیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے

اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ لَضَاۤلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾

کہ یہ لوگ کیسے بہکے ہوئے ہیں ف۱۴ حالانکہ یہ اُن پر نگراں کر کے نہیں بھیجے گئے ف۱۵

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى

سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے، مسہریوں پر

الْاَرَاۤئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ف۱۶ واقعی کافروں کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ خوب مل کر رہا ف۱۷

ع ۸

اٰیاتها ۲۵ | ۸۴ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ | رکوعها ۱

اس کی پچیس آیتیں ہیں | سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَاۤءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے ف۱ اور وہ اسی لائق ہے اور جب

ف۱۰ یعنی تحصیل کے لائق اور شوق کے قابل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ دنیوی نعمتیں۔ اور ان کی تحصیل کا طریق ایمان وطاعت ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ رحیق کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور نعیم کی طرف بھی۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ اے فی الرحیق او النعیم (مدارک) ف۱۲ تَسْنِيْمٍ۔ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ مقربین اس میں سے برابر پیتے ہی رہیں گے۔ اور ابرار کو بھی شراب خاص کے ساتھ کوئی جزو اس آبِ تسنیم کا مرحمت ہوتا رہے گا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ آبِ تسنیم میں شاید کوئی قوت خاص ہے، جو لذات جسمانی اور غبارِ نفسانی سے چھڑا کر تمامتر شوقِ حضور وسرور لقاء پیدا کردیتی ہے۔ عوام اہل جنت کو اسی لیے اس میں سے کچھ کچھ بقدر ان کے تحمل کے عطا ہوتا رہے گا۔ ف۱۳ یہ سب ذکر اسی دنیا کا ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس دنیا میں سامنے اور پیچھے ہر طرح ہر وقت اہل ایمان کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ جو لوگ جاری رکھتے تھے۔ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا۔ یعنی منکرین ومکذبین — جرم آیت میں قرآن کی متعدد دوسری آیتوں کی طرح، ایمان کے مقابلہ میں ہے۔ المراد من قوله ان الذين اجرموا اكابر المشركين (کبیر) اے اشركوا (معالم) الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یہ جنت کے افضل ترین مرتبہ والے ہیں، جن کا ذکر سورۃ الواقعہ (پ ۲۷) میں آچکا ہے۔ بعض محققین نے مراد یہ لی ہے کہ جنت میں مقربین تو مشاہدۂ ذات کی لذت میں مستغرق رہیں گے، اور اصحٰب الیمین یا ابرار مشاہدۂ ذات میں بھی رہیں گے اور مشاہدۂ مخلوقات میں بھی۔ فالمقربون لا يشربون الا من التسنيم اے لا يشتغلون الا بمطالعة وجهه الكريم واصحاب اليمين يكون شرابهم ممزوجاً فتارةً يكون نظرهم اليه و تارةً الى مخلوقاته (کبیر) ف۱۴ (اور ایسے احمق جو آج کی دم نقد لذتوں کو "کل" کے خیالی وعدوں کے پیچھے چھوڑے ہوئے ہیں!) اسی زمانہ کے نہیں، آج بیسویں صدی کے بھی ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل مسلمانوں کو "رجعت پسند" اور "دقیانوسی" اور "تاریک خیال" کے خطابات دے دے کر اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں۔ بعض شاعروں نے اپنی حماقت سے جنت اور اہل جنت پر چوٹیں کی ہیں، آیت کے مضمون سے انہیں بھی ڈرنا چاہیے۔ ف۱۵ (انہیں اہل ایمان پر طنز وتمسخر کا حق ہی کیا تھا) اس میں ان لوگوں کی مزید حماقت کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے انجام کی طرف سے تو غافل ہیں، اور اہل ایمان کی فکر میں خواہ مخواہ پڑ گئے ہیں۔ ف۱۶ (جہنم میں منکروں اور کافروں کا حال زار) الیوم۔ یعنی آخرت میں، جنت سے۔ فَالْيَوْمَ۔ يَضْحَكُوْنَ۔ ہنستے اس پر ہوں گے کہ یہ لوگ کس درجہ احمق تھے کہ اتنی واقعہ شہادتوں کے باوجود بھی آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور بدستور دنیا پرستی اور مادیت ہی میں غرق رہے۔ ف۱۷ (یہاں تک کہ مومنین سے کافروں کا مسخر وطنز بھی بغیر انتقام نہ رہا) هَلْ یہاں سوالیہ نہیں مؤکدہ ہے، قد کے معنی میں، جیسا کہ سورۃ الدہر کے بھی بالکل شروع میں آچکا ہے۔

ف۱ (اور مان لے) یہ واقعات قیامت کے نفخۂ ثانی کے وقت کے بیان ہو رہے ہیں۔ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا۔ اذن باعلم سے مراد پھٹ جانے کا حکم تکوینی ہے۔ انْشَقَّتْ۔ انفطار۔ اور انشقاق اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے قدیم اہل تفسیر نے یہ نکالا ہے کہ اجرام علوی میں خرق والتیام کی قابلیت موجود ہے۔ اور عجب نہیں کہ مزید تحقیقات کے بعد ماہرین فلکیات کو بھی اسی کی تصدیق کرنا پڑے۔

الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۝۴ وَ اَذِنَتْ

زمین کھینچ (کر بڑھا) دی جائے ف۲ اور اپنے اندر کی چیزوں کو نکال پھینکے اور خالی ہو جائے، اور اپنے پروردگار کا حکم

لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

سن لے، اور وہ اسی لائق ہے ف۳ اے انسان تو کام میں جتا رہتا ہے اپنے پروردگار کے پاس

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷

پہنچنے تک پھر اس سے جا ملے گا ف۴ تو جس کسی کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا،

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ

سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے والوں کے پاس خوش خوش

مَسْرُوْرًا ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ

لوٹ کر آئے گا ف۵ اور جس کسی کا نامۂ عمل اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا سو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ

موت کو پکارے گا ف۶ اور جہنم میں پڑے گا وہ اپنے والوں میں خوش خوش

مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ

رہا کرتا تھا اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اسے لوٹنا نہیں ہے، ضرور ہے، اس کا پروردگار

كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَ الَّيْلِ وَ مَا

اسے خوب دیکھتا رہتا تھا ف۷ میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں

وَسَقَ ۝۱۷ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

وہ سمیٹ لیتی ہے، اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے ف۸ کہ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر

طَبَقٍ ۝۱۹ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

پہنچنا ہے، ف۹ سو انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن

ف۲ (جیسے آج بھی ربڑ کھینچ کر بڑھا دی جاتی ہے) وَ حُقَّتْ۔ یعنی آسمان بحکوم و مسخر قدرت ہونے کے باعث ہے ہی ایسا کہ جس امر کی مشیت اس کے متعلق ہو، اس کا وقوع ضرور ہو کر رہے۔ جاہلی فلاسفۂ یونان و مصر وغیرہ نے آسمان کو مستقل صاحب ارادہ و تصرف ہستی، اور خدا تعالیٰ کی محکومیت سے آزاد و خود مختار سمجھا ہے۔ آیت ان خرافات کی بھی تردید کر رہی ہے۔ ف۳ مَا فِيْهَا کے عموم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بطن زمین کے اندر ہے، مُردوں کے جسم، خزانے وغیرہا۔ اَذِنَتْ۔ حُقَّتْ۔ دونوں پر حاشیے ابھی گزر چکے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں ان کا تعلق آسمان سے تھا، اس آیت میں زمین سے ہے — مقصود دونوں جگہ یہ ہے کہ جس حاکم علی الاطلاق کی اطاعت سے آسمان و زمین تک کو مفر نہیں، انسان اس کے احکام تشریعی سے انکار کی جرأت کر رہا ہے! ف۴ مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان مرتے دم تک کسی نہ کسی شغل میں، اچھا ہو یا برا، بہرحال لگا ہی رہتا ہے۔ كَادِحٌ۔ كَدْحًا۔ کدح کے معنی سعی و جہد کے ہیں۔ الكدح سعى الانسان و جهده فى الامر (معالم) جب مشقت و تعب انسان کے لیے زندگی میں بہرصورت ناگزیر ہے، جب تو یہ بات اور زیادہ دیکھ لینے کی ہے کہ انسان خیر یا شر کس قسم کا کسب اعمال کر رہا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ۔ خطاب جنس انسانی سے ہے۔ ف۵ (کہ میں تو خوب سستا چھوٹ آیا) حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ حساب کی آسانی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ سرے سے کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ اور محض ضابطہ کی پیشی ہو کر رہ جائے۔ ف۶ (جیسا کہ دنیا میں بھی انسان انتہائی مصیبت کے وقت پکارتا ہے) وَ اَمَّا … ظَهْرِهٖ۔ ذکر کفار اہل جہنم کا ہو رہا ہے۔ انہیں نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۷ (اس کے اقوال، احوال، اعمال سب کو) اور اس وقت جو اسے فی الفور سزا نہیں ملی، تو اس لیے کہ حکمت الٰہی، اور مشیت مطلق جزاء کا ایک وقت خاص مقرر کر چکی تھی۔ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔ یہ دنیا میں اس طرح مگن اور سرمست تھا کہ آخرت کی طرف سے بالکل بے پروا و غافل ہی ہو گیا تھا۔ ف۸ یعنی بدر کامل بن جائے۔ فَلَاۤ اُقْسِمُ۔ جن چیزوں کی قسمیں آگے آ رہی ہیں، یہ سب زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں وقوع آخرت پر — اقسام قرآنی کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الفجر (پ۳۰) کا ضمیمہ۔ بِالشَّفَقِ۔ جس طرح شفق سے رات کا آغاز ہوتا ہے، موت سے عالم آخرت کی ابتداء ہوتی ہے۔ وَ الَّيْلِ۔ جس طرح دن کے بعد رات میں ایک نئی حیات نومی کا تجربہ ہوتا ہے، حیات ناسوتی کے بعد ایک نئی حیات برزخی ملتی ہے۔ وَ مَا وَسَقَ۔ اس کے عموم میں وہ سارے جاندار بھی آ جاتے ہیں، جو رات کو آرام لینے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جاتے ہیں۔ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ۔ چاند کہاں تو غائب ہوتا ہے، اور کہاں پھر بدر کامل بن کر نمودار ہوتا ہے۔ فنائے عالم کے بعد اسی طرح ایک کامل حیات اخروی نصیب میں آئے گی۔ ف۹ (اور ایک حالت پر قائم و دائم رہنا ہرگز نہیں ہے) عَنْ طَبَقٍ۔ عن یہاں بعد کے مرادف ہے۔ حالًا بعد حال (معالم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و عن للمجاوزة و قال غير واحد هى بمعنى بعد والمجاوزة والبعدية متقاربان (روح) آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان ایسی مخلوق نہیں، جسے شروع سے آخر تک ایک حالت پر جامد رکھا جائے۔ سارا نظام عالم گواہ ہے کہ انسان ایک ترقی پذیر مخلوق بنایا گیا ہے۔ ابھی زندہ تھا ابھی مردہ ہو جائے گا۔ ابھی مردہ ہے پھر زندہ کر دیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ آیا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے مخصوص ہے۔ یہ مان لینے کے بعد آیت سے مراد مراتب قرب میں ترقی ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی شان وارث رسول عارف کی مراتب و احوال میں ہوتی ہے۔

ف۱۰ (اللہ کے آگے کمال شقاوت سے) لَا يَسْجُدُوْنَ۔ سجدہ۔ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، انقیاد و کمال تعظیم کے لغوی معنی میں ہے۔ ثُمَّ لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اپنی بصیرت پر ایسے غفلت کے پردے انہوں نے ڈال رکھے ہیں کہ مشاہداتِ فطرت سے ذرا سبق ایمان کا نہیں لیتے۔ وَ اِذَا ... يَسْجُدُوْنَ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر کمال شقاوت یہ ہے کہ قرآن جو ان غفلت کے پردوں کو اُٹھاتا جاتا ہے، اور اسی لیے ہے، اس سے بھی ہدایت کا اثر نہیں قبول کرتے۔ فقہاء نے آیت سے سجدۂ تلاوت کا وجوب نکالا ہے۔ يستدل به على وجوب سجدة التلاوة للذمّ لتارك السجود عند سماع التلاوة (جصاص) ف۱۱ اور یہی معنی ہیں جنت اور اہل جنت کے دوام و خلود کے۔ بِمَا يُوْعُوْنَ۔ یعنی اعمال کفریہ کا ذخیرہ حق سے دشمنی، رسول حق سے بغض و عناد، وغیرہا۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ان کافروں کی سعی ناحق بھی رایگاں نہ جائے گی۔ ایک ایک چیز کا بدلہ مل کر رہے گا۔ ف۱ یعنی قیامت کے دن کی۔ الْبُرُوْجِ۔ بروج۔ سے مراد ستارے ہیں جن کی منزلیں مقرر رہتی ہیں۔ الواحد برج و به سمى بروج النجوم لمنازلها المختصة بها (راغب) و قال مجاهد والحسن و عكرمة و قتادة هو النجوم (روح) ف۲ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ شاهد یوم جمعہ ہے، یہ شاید اس لیے کہ ہر ہفتہ یہ مسلمانوں پر آتا رہتا ہے، اور مسلمان اس کے لیے کہیں باہر نکل کر نہیں جاتے۔ اور مشهود یوم عرفات ہے کہ اُس روز دنیا کے مسلمان اپنے اپنے مقام سے سفر کر کے وہاں جمع ہوتے ہیں۔ و اخرج الترمذی و جماعة عن ابی هريرة مرفوعًا الشاهد يوم الجمعة والمشهود يوم العرفة و روى ذلك عن ابی مالك الاشعری وجبير بن مطعم مرفوعًا ايضًا و اخرجه جماعة عن علیؓ وغيره عن الصحابة والتابعين (روح) شَاهِدٍ۔ مَشْهُوْدٍ دونوں کا صیغۂ نکرہ میں ہونا اُن کے اظہارِ تعظیم کے لیے ہے۔ و تنكير الوصفين للتعظيم (روح) بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ شَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ دونوں کا مفہوم عموم کامل رکھتا ہے۔ ہر حاضر ہونے والا، ہر دیکھنے والا شاہد ہے اور جو دکھلایا جائے اور جو حاضر کیا جائے، مشہود ہے۔ ف۳ آیت میں ایک خاص واقعہ کی تلمیح ہے۔ ۵۲۳ء میں یمن کا بادشاہ ایک ظالم یہودی ذونواس نامی حمیری خاندان کا تھا۔ مذہب حق اُس وقت نصرانیت تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کے مطابق۔ نصرانیوں پر اُس نے شدید ظلم توڑنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ آگ کی ایک بڑی بھٹی بنا کر اس میں انہیں جھونکا۔ اور ہزارہا کی تعداد میں انہیں بھون ڈالا۔ روم کے تخت پر اُس وقت شہنشاہ جسٹینین فرمانروائی کر رہا تھا۔ اُس کی تحریک اور ایما سے حبشہ کے مسیحی بادشاہ (نجاشی) نے یمن پر حملہ کر کے بالآخر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ خود تو اس کی تعدی خاص اہمیت رکھتی ہے، اور قرآن کی اس تلمیح میں خود اس کی اہمیت کی تصدیق موجود ہے۔ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ وہی آتشیں خندق بنا کر اس میں مومنین کو جھونکنے والے ظالم ہیں۔

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

پڑھا جاتا ہے تو جھکتے نہیں ف۱۰ بلکہ یہ کافر الٹی تکذیب کرتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں، سو آپ انہیں ایک عذاب دردناک کی خبر دے دیجئے، البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے تو ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ف۱۱

اٰياتها ۲۲ — ۸۵ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ — ركوعها ۱

اس کی بائیس آیتیں ہیں — سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی ف۱ اور حاضر ہونے والے (دن) کی

وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ

اور جس میں حاضری ہو ف۲ غارت ہوئے خندق والے، ایندھن کی

الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

آگ والے جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور اپنے اس کرتوت کو دیکھ رہے تھے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے ف۳ اور انہوں نے ان (ایمان والوں) میں اور کیا عیب پایا تھا بجز اس کے کہ وہ

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے سزاوار حمد ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ؕ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ

اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف۴ بے شک جن لوگوں نے

فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ

ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ستایا اور پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا

جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِيۡقِ ؕ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے ف۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

الۡاَنۡهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِيۡرُ ؕ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ

جاری ہوں گی، اور یہی بڑی کامیابی ہے ف۶ بے شک آپ کے پروردگار کی دارو گیر

لَشَدِيۡدٌ ؕ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ ۚ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ

بڑی سخت ہے وہ وہی تو ہے جو (اول بار) پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ف۷ اور وہی بڑا بخشنے والا ہے،

الۡوَدُوۡدُ ۙ ﴿۱۴﴾ ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِيۡدُ ۙ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ ؕ ﴿۱۶﴾

بڑا محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، عظمت والا ہے ف۸ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے ف۹

هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡجُـنُوۡدِ ۙ ﴿۱۷﴾ فِرۡعَوۡنَ وَثَمُوۡدَ ؕ ﴿۱۸﴾

ہاں کیا آپ کو ان لشکریوں کا بھی قصہ پہنچا ہے (یعنی) فرعون اور ثمود کا ف۱۰

بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ تَكۡذِيۡبٍ ۙ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ

اصل یہ ہے کہ کافر تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ انہیں ادھر ادھر سے

مُّحِيۡطٌ ۚ ﴿۲۰﴾ بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ۙ ﴿۲۱﴾ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾

گھیرے ہوئے ہے ف۱۱ اصل یہ ہے کہ یہ بزرگی والا قرآن ہے، لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ف۱۲

ف۴ (اور اس لیے ظالموں کا ظلم وستم اور مظلوموں کی مظلومیت و بے کسی دونوں اس پر خوب روشن ہیں) ذٰلِكَ ..... الۡعَزِيۡزِ۔ یہ اس کی تصریح ہے کہ یہ جنگ کوئی ملکی یا سیاسی آویزش نہ تھی۔ خالص مذہبی و اعتقادی بنیاد پر زیردستوں پر ظلم ہو رہے تھے۔ الَّذِىۡ ..... شَهِيۡدٌ۔ یہ اس کی تصریح ہے، کہ خدائے اسلام، جاہلی مذہبوں یا مشرک فلسفیوں کے خدا کی طرح کوئی ناقص یا محدود علم یا محدود قدرت رکھنے والا خدا نہیں۔ اس کی قدرت، اس کا علم، اس کے جملہ صفات کامل ولا محدود ہیں — ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ بیان واقعات اور ذکر حکایات کے ضمن میں بھی مسائل کی توضیح اور عقائد کی تصحیح کرتا جاتا ہے، چنانچہ اس کی ایک نظیر یہ آیت بھی ہے۔ ف۵ عَذَابُ جَهَنَّمَ عام ہے۔ جہنم میں عذاب طرح طرح کے ہوں گے۔ جلنے کا عذاب شدید ترین ہے، اسے تخصیص کے ساتھ بیان کیا۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَنُوۡا۔ فتنہ یہاں عذاب کے معنی میں ہے۔ و معنی فتنوھم عذبوھم بالنار و احرقوھم (کشاف) ف۶ جنت اور جنت کی نعمتوں کو حقیر سمجھنے والے لوگ، خواہ وہ قدیم صوفیہ غیر محققین ہوں، یا جدید قسم کے "روشن خیال"، بہرحال اگر ان کا ایمان قرآن پر ہے تو دیکھیں کہ قرآن مجید جنت اور نعمائے جنت کا ذکر کیسے کیسے شوق و رغبت دلانے والے الفاظ میں کرتا رہتا ہے۔ اور کس طرح جنت ہی کو انسانی کوشش کا منتہائے مقصود بتلاتا ہے۔ حقیقی کامیابی صرف اخروی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر "علمی تحقیق" ہر "سیاسی ترقی" ہر "ملکی فتحمندی" ہیچ اور بے مایہ۔ جو اہل ایمان آج بھی ظلم وستم کے ہدف ہیں۔ ان کے لیے بھی آیت سرمایۂ تسکین و تشفی ہے۔ دنیوی تکلیفوں کی پروا بھی بہت زیادہ ہی کیوں کی جائے، پائیدار و حقیقی کامیابی اہل ایمان کا حصہ ہے۔ ف۷ خلق و بعث سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں — وہی سب کا پیدا کرنے والا بھی، وہی جلا اٹھانے والا بھی۔ وہی کڑی گرفت کرنے والا بھی۔ ف۸ ان تمام صفات کا اثبات کسی نہ کسی عقیدۂ شرک کی تردید و ابطال کے لیے ہے۔ ذُو الۡعَرۡشِ۔ یعنی عرش جیسی بزرگ ترین مخلوقات کا خالق و مالک۔ ای صاحبه والمراد مالکه او خالقه و هو اعظم المخلوقات (روح) الۡمَجِيۡدُ۔ کی ایک قرأت کسرۂ دال کے ساتھ بھی ہے۔ ذوالعرش المجید اس صورت میں مجید صفت عرش کی ہوگی۔ اور معنی ہوں گے کہ وہ مالک ہے عرش بزرگ کا۔ و بالجر صفة للعرش و مجد العرش علوه و عظمته (مدارک) ف۹ (کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی اس کے ارادہ میں دخل دینے والا موجود نہیں۔ اس کی قدرت لامحدود، اس کی طاقت لا انتہائی ہے) سارے قانون اس کے پابند ہیں، وہ خود کسی قانون سے مقید نہیں — یہ ان مذاہب جاہلی کی تردید میں ہے، جنہوں نے حق تعالیٰ کی قدرت مطلق و کامل کو بھی کسی نہ کسی قانون کا مطیع قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً قانون مکافات عمل یا "کرم" کا۔ ف۱۰ (کہ انہوں نے کس کس طرح کفر کیا، اور پھر کس طرح کیفر کردار کو پہنچے) فِرۡعَوۡنَ اور ثَمُوۡدَ دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم فرعون اور قوم ثمود دونوں مثالیں انتہائی پر قوت قوموں کی ہیں۔ ف۱۱ (کہ وہ اس کے قبضۂ قدرت و پنجۂ عقوبت سے کسی طرح بچ کر نہیں جا سکتے) بَلۡ ..... تَكۡذِيۡبٍ۔ یہ کفار ناہنجار، بجائے اس کے کہ ان واقعات و حکایات پر غور کرتے، اور ان سے سبق لیتے، الٹے ان کی تردید و تکذیب ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ ف۱۲ (جس میں کسی طرح کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، اور وہاں سے وہ نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچ جاتا ہے)

آیاتہا ۱۷ ۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ رکوعہا ۱

اس کی سترہ آیتیں ہیں سورۃ الطارق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ

قسم ہے آسمان اور رات کو نمودار ہونے والی (چیز) کی، اور آپ کو کیا خبر کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن

الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ

ستارہ ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ اس پر ایک یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو ف۱ سو انسان کو

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْ

دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو

بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ

پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے وہ (اللہ) اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے ف۲ (سو) جس روز

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ

(سب) راز فاش ہو جائیں گے تو انسان کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا ف۳ قسم ہے بارش والے

ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ

آسمان کی، اور پھٹ جانے والی زمین کی کہ یہ (قرآن) ایک قول

فَصْلٌ ⑬ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮

فیصل ہے، ف۴ اور یہ کوئی لغو کلام نہیں ف۵ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں،

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰

اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو یوں ہی رہنے دیجئے، کچھ روز یوں ہی رہنے دیجئے ف۶

ف۱ (اور اعمال پر محاسبہ یقینی ہے) مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے موجود تو ہر وقت ہیں مگر ان کا ظہور شب ہی میں ہوتا ہے، اسی طرح اعمال سب کے سب نامۂ اعمال میں محفوظ اس وقت بھی ہیں، مگر اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ (تھانوی علیہ الرحمہ) ف۲ (اور اس کو مستبعد سمجھنا خود ایک تمام تر احمقانہ خیال ہے) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ … دَافِقٍ۔ یعنی انسان اپنے آغاز و ابتداء پر غور کیا تو کرے۔ اس مراقبہ سے موت و معاد کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ ؎ بر آغاز رو کن کہ پایاں ہمین است رَجْعِهٖ۔ ضمیر انسان کی طرف ہے۔ ف۳ یعنی نہ خود اس میں مدافعت کی قوت ہوگی، اور نہ باہر سے کوئی حامی ہاتھ آئے گا۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ۔ یہ وقت وہ ہوگا جب انکشاف حقائق ہر قسم کا واقع ہو کر رہے گا۔ اور اخفاء کسی قسم کا کسی سے ممکن نہ ہوگا۔ ف۴ قولِ فیصل حق اور باطل کے باب میں بھی، اور قولِ فیصل اپنے ثبوت اعجاز کے اعتبار سے بھی — تاکید اور زور کے موقع پر قسمیں کھانا اسلوب عرب میں عام تھا۔ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ زمین جو بیج نکلتے وقت شق ہو جاتی ہے، اس کی طرف اشارہ ہے — مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جس طرح بارش آسمان سے آتی ہے، اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی آسمان ہی سے اترا ہے، اور جس سینہ میں قبول کی قابلیت ہوگی، اسے مالا مال کر دے گا۔ ف۵ (جیسا کہ یہ احمق فرض کر رہے ہیں) ف۶ (اور نہ ان کی مخالفت سے گھبرائیے، اور نہ ان کے جلد ہی معذب ہونے کی کوشش کیجئے) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا۔ یعنی یہ حق کی مخالفت میں ہر طرح کا زور لگا رہے اور ساری ہی چالیں چل رہے ہیں۔ وَاَكِيْدُ كَيْدًا۔ یعنی ادھر سے خدائی تدبیریں ان کے انتقام و عقوبت کی ہو رہی ہیں۔ کید پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہو کر جب یہ لفظ آتا ہے، تو مراد ہوتی ہے معاندین کی چالوں کو الٹ دینے سے۔

ع ۱

آیاتہا ۱۹ ۸۷ سُوْرَۃُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ۸ رکوعہا ۱

اس کی اُنیس آیتیں ہیں سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲

آپ تسبیح کیجئے اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی، جس نے خلق کیا، پھر ٹھیک ٹھیک بنایا ف۱

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ فَجَعَلَهٗ

اور جس نے اندازہ دیا پھر راہ بتلائی ف۲ اور جس نے چارہ (زمین سے) نکالا، پھر اُسے

غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ

سیاہ کوڑا کردیا ف۳ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے پھر آپ (اُسے) نہ بھولیں گے ہاں البتہ اللہ ہی جو کچھ

اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸

(بھلا دینا) چاہے ف۴ وہ ہر ظاہر اور ہر مخفی کو جانتا ہے ف۵ اور ہم اس آسان (شریعت) کے لئے آپ کو سہولت ف۶ دے دیں گے،

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰

سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو ف۷ نصیحت مانتا وہی ہے جو خشیت رکھتا ہے،

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲

اور اس سے گریز وہ کرتا ہے جو سخت بدنصیب ہے، جو (آخر) بڑی آگ میں پڑے گا،

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴

پھر اُس میں نہ مر ہی جائے گا نہ جئے گا ف۸ بامراد ہوا وہ جو پاک ہو گیا،

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا ف۹ اصل یہ ہے کہ تم مقدم دنیوی زندگی کو

ف۱ کمالاتِ الٰہی میں سے یہاں دو الگ الگ کمالات کا ذکر ہے۔ پہلا کمال عمل خلاقی کا کہ ایک ایک معدوم کو موجود کردیا۔ دوسرا کمال عمل صناعی کا، کہ ہر شے کو اس کے ہر ہر جزو میں بالکل ٹھیک ٹھیک اور ہر طرح کے تناسب و موزونیت کے ساتھ بنایا۔ سَبِّحِ ... الْاَعْلَى۔ یہی وہ تسبیح ہے جو سجدۂ نماز کی حالت میں ساری اُمت کے لیے لازمی قرار دے دی گئی۔ ف۲ (ہر جاندار کو اُس کے مناسب اعمال اور ضروری اشیاء کی طرف) یعنی ہر ایک کی طبیعت میں اُن مناسب حال چیزوں کا تقاضا پیدا کردیا۔ الَّذِيْ قَدَّرَ۔ یعنی مناسب ماحول ہر جاندار کے لیے اندازہ دے دیا۔ ف۳ پہلے مثالیں حیات حیوانی میں تصرفات کی بیان ہوئیں، اب حیات نباتی میں تصرفات کی بیان ہو رہی ہیں۔ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى۔ یہ چارہ کی سبز، خوشنما حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ف۴ (اپنی کسی مصلحت سے، سو وہ اس پر بھی قادر ہے) بہرحال اس کلام کا یاد رکھانا ہو تو اور اُس کے کسی جزو کو بھلا دینا ہو تو ہمیشہ وہی قرینِ حکمت و مطابقِ مصلحت ہی ہو گا۔ سَنُقْرِئُكَ۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے، جو طریق طاعت بتانے ہی کے لیے ہے۔ ف۵ (اور اُس سے کسی چیز کی کوئی بھی مصلحت مخفی نہیں) چنانچہ کسی کلام کا محفوظ رکھنا ہی جب مصلحت ہوتا ہے، حق تعالیٰ اُسے محفوظ رکھتا ہے اور جب اُسے بھلا دینا ہی مصلحت ہوتا ہے تو وہ اُسے بھلا بھی دیتا ہے۔ ف۶ (اور اُس کے تحت میں سہولت حفظ، سہولت فہم، سہولت عمل، سہولت تبلیغ، ہر قسم کی سہولتیں آگئیں) ف۷ (اور فی نفسہٖ تو وہ نصیحت مفید ہے ہی) فَذَكِّرْ۔ یعنی اسی تسبیح و تقدیس کی نصیحت کرتے رہیے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ جز فی نفسہٖ بھی ضروری اور اہم خود آپ کے معاون۔ ف۸ یعنی نہ اس معنی میں مرے گا کہ درد و اذیت کا احساس باطل ہوجائے، اور نہ جئے گا اس معنی میں کہ راحت و لذت کسی قسم کی بھی محسوس کرسکے۔ ف۹ یعنی عقائد و اعمال میں راہِ طاعت پر قائم رہا۔ مَنْ تَزَكّٰى۔ یعنی جس نے اپنے کو قرآن اور رسول ﷺ کے ذریعہ سے، عقائد و اخلاق کی ساری خباثتوں سے پاک صاف کرلیا۔ قَدْ اَفْلَحَ۔ فلاح کا مفہوم دنیوی و اُخروی ساری کامیابیوں کا جامع ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ دو مختصر آیتیں اہلِ طریق کے اعمالِ مقصودہ کی جامع ہیں۔

الدُّنۡیَا ﴿۱۶﴾ وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴿۱۷﴾ اِنَّ ھٰذَا لَفِی

رکھتے ہو، حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے ف۱۰ بے شک یہ (مضمون) اگلے

الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبۡرٰھِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿۱۹﴾

صحیفوں میں بھی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ف۱۱

ع ۱۹ / ۱۲

آیاتھا ۲۶ ۸۸ سُوۡرَۃُ الۡغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۸ رکوعھا ۱

اس کی چھبیس آیتیں ہیں سورۃ الغاشیہ مکہ میں نازل ہوئی، اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ ﴿۱﴾ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ ف۱ (بہت سے) چہرے اس روز

خَاشِعَۃٌ ﴿۲﴾ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ ﴿۳﴾ تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً ﴿۴﴾

ذلیل ہوں گے، مصیبت جھیلتے ہوں گے، خستہ ہوں گے، جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ ﴿۵﴾ لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ

کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پانی پلایا جائے گا، انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا، بجز خاردار

ضَرِیۡعٍ ﴿۶﴾ لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ﴿۷﴾ وُجُوۡہٌ

(درخت) کے، کہ نہ وہ فربہ کرے گا، اور نہ بھوک ہی رفع کرے گا ف۲ (بہت سے) چہرے

یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ﴿۸﴾ لِّسَعۡیِہَا رَاضِیَۃٌ ﴿۹﴾ فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۱۰﴾

اس روز بارونق ہوں گے، اپنے کام کی بدولت خوش ہوں گے، بہشت بریں میں ہوں گے،

لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿۱۱﴾ فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ﴿۱۲﴾ فِیۡہَا سُرُرٌ

اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ف۳ اس میں اونچے اونچے تخت ہیں

ف۱۰ یہاں اہل طغیان کی غفلت کا اصل راز بتا دیا۔ اور ان سے کہہ دیا کہ تم جو ہدایت یاب نہیں ہوتے، تو اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی تمہارے اندر کوئی طلب ہی نہیں، تم سارے عظیم الشان نظام کائنات کے چھوڑے ہوئے اپنی سطحیت وحمق سے اس کے صرف ایک اقل قلیل جزو یعنی اسی ناسوتی، مادی زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہو! ف۱۱ صحف موسیٰ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ اصلی صحیفے ہیں۔ یعنی یہ جزاو سزا اخروی کا مضمون کچھ آج کا نو پیدا نہیں، حضرات انبیاء کے ذریعہ سے جو تعلیمات الٰہی دنیا کو پہنچی ہیں، یہ اس کا جزو ہمیشہ رہا ہے۔ صُحُفِ اِبۡرٰھِیۡمَ۔ ابراہیمی نوشتے بھی آج اسی طرح گم ہیں، جس طرح اور بہت سے انبیاء کے صحیفے — البتہ ۱۸۹۲ء میں، ام، آر جیمس نے یونانی زبان سے ایک قدیم "صحیفہ ابراہیمی" کا ترجمہ کیمبرج سے شائع کیا تھا، اور پھر اور بھی یورپی زبانوں میں اس کے ایڈیشن نکلے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَ مُوۡسٰی۔ صحف موسیٰ سے مراد وہی اصل صحیفے ہو سکتے ہیں جو خود حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے تھے۔ موجودہ بائبل کے ابتدائی پانچ صحیفے انہیں صحف موسیٰ کی محرف یادگاریں ہیں۔ ف۱ سورۃ کی ابتداء سوالیہ جملہ سے خطبات عرب کے عین اسلوب بیان کے مطابق ہے اس طرز خطاب سے مقصود سامعین کے دل میں مزید اشتیاق وجستجو پیدا کرنا، نیز موضوع خطاب کی اہمیت جتلانا ہے۔ الۡغَاشِیَۃِ۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ وہ دن صحیح معنی میں غاشیہ ہی ہوگا کہ اس کا اثر تمام عالم کو محیط ہوگا، اور کوئی چیز بھی اس سے باہر نہ رہے گی۔ ف۲ (کہ یہی دو مقصد غذا کے ہو سکتے ہیں) لَیۡسَ ...... ضَرِیۡعٍ۔ طعام کا حصر آیت میں حصر اضافی ہے۔ مقصود صرف ایسی غذاؤں کی نفی ہے، جو جزو بدن بن سکیں، کھانے کے لائق ہوں، معدہ وطبیعت کے لیے قابل قبول ہو کر بھوک کی تکلیف دور کر سکیں۔ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ۔ لفظی معنی ہیں "بڑے محنت اٹھانے والے، بہت خستہ ہونے والے"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے اس کے معنی نساک اہل کتاب مروی ہیں، یعنی اہل کتاب میں سے بڑی بڑی ریاضتیں کرنے والے۔ هؤلاء النساک من الیهود و النصاری کما اخرجه ابن ابی حاتم عن ابن عباس (روح) اور انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے متعلق صحیح بخاری میں یہ مذکور ہے کہ آپ ان الفاظ سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں۔ و قال البخاری قال ابن عباس عاملة ناصبة النصاری (ابن کثیر) بعض نے وسعت دے کر کل اہل باطل واہل ضلال کے عابدوں اور مرتاضوں کو اس میں شامل کر لیا ہے۔ قال عطاء عن ابن عباس یعنی الذین عملوا و نصبوا فی الدنیا علی غیر دین الاسلام من عبدة الاوثان و کفار اهل الکتاب مثل الرهبان و غیرهم (ابن کثیر) قیل هم اصحاب الصوامع من الیهود والنصاری و عبدة الاوثان والمجوس والمعنی انها خشعت لله و عملت و نصبت فی اعمالهم من الصوم الدائب والتهجد الواصب (کبیر) و یشمل غیرهم مما شاکلهم من نساک اهل الضلال (روح) والأیة فی القسیسین و عباد الاوثان و کل مجتهد فی کفره (بحر) اگر مزید توسع سے کام لیا جائے تو آجکل کے بڑے بڑے صناع اور انجینئر اور دوسرے ماہرین فن، جو دن رات کامل آخرت فراموشی کے ساتھ، اپنی اپنی صنعتوں، حرفتوں اور ہنرمندیوں میں منہمک ومستغرق رہتے ہیں، سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ف۳ لَا ...... لَاغِیَۃً۔ ماحول کے انتہائی خوشگوار و دلپذیر ہونے کا بیان ہے کہ اہل جنت کے کان میں بھنک تک کسی ایسی آواز کی نہ پڑے گی، جو طبعی یا عقلی یا کسی اور حیثیت سے گراں گزرے۔ عَیۡنٌ۔ صورۃً مفرد ہے، معنیً جمع ہے، یعنی امرچشمے۔

ربع ۳/۴

مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ

(بچھے ہوئے) ہیں، اور آبخورے ہیں سامنے چنے ہوئے، اور گدے ہیں

مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى

برابر سے لگے ہوئے، اور قالین ہیں (سب طرف) پھیلے ہوئے وٓ یہ لوگ کیا اُونٹ پر نظر نہیں

الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

کرتے کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان پر کہ کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا ہے،

وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

اور پہاڑوں پر کہ کیسی (عجیب) طرح کھڑے کئے گئے ہیں، اور زمین پر کہ کیسی (عجیب) طرح

سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

بچھائی گئی ہے؟ وٓ تو آپ نصیحت کر دیا کیجیے، آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں، آپ اُن پر کچھ

بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ

مسلط تو ہیں نہیں وٓ ہاں البتہ جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا، تو اللہ اُس کو بڑی ہی سزا

الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

دے گا بے شک اُن کا آنا ہمارے ہی پاس ہو گا، پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہو گا وٓ

آیاتها ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعها ۱

اس کی تیس آیتیں ہیں سورۃ الفجر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا

قسم ہے فجر کی، اور دس (متبرک) راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی، اور رات کی جب وہ

وٓ غرض یہ کہ مادّی سامان راحت ہر قسم کا اور انتہائی ترتیب و سلیقے کے ساتھ چنا ہوا موجود ملے گا۔ وٓ (اور وہ سب اس صنعت گری پر نظر کر کے قدرت الٰہی و صنعت الٰہی پر استدلال نہیں کرتے؟) الْاِبِلِ، السَّمَآءِ، الْجِبَالِ، الْاَرْضِ ان چار چیزوں کی تخصیص و تصریح اس لیے کہ مخاطب اوّل عرب تھے، اور عرب کا سابقہ انہیں چاروں سے ہر وقت رہتا تھا، صحرا میں پھرتے پھراتے رہتے تو ساتھ اونٹ ہوتے تھے، اور اطراف میں پہاڑ، اُوپر نظر اٹھائی تو آسمان، نظر نیچی کی تو زمین — ان کے سامنے بحر او قیانوس اور دریائے گنگا کا نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ آیت میں ضمناً یہ بھی آ گیا کہ نہ آسمان، نہ زمین، نہ پہاڑ، نہ جانور کوئی بھی شائبۂ معبودیت و الوہیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ یہ سب تمام تر مصنوع و مخلوق ہیں، اور خود وجود صانع عالم پر ایک دلیل۔ الْاِبِلِ۔ اُونٹ کا وجود راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحدی، منگولیا مشرقی ترکستان، ایشیائے کوچک، عراق، شام، فلسطین، مصر، طرابلس، مراقش وغیرہ افریقہ اور ایشیاء کے اکثر علاقوں میں جیسی نعمت ہے، اور عرب کے سارے علاقوں میں جو غیر معمولی نعمت کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہر صاحب خبر پر روشن ہے۔ وٓ (اس لیے آپ کو زیادہ فکر، تردد و تعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں) وٓ ایاب اور حساب، مراجعت اور حساب کتاب اور جزاء و سزا سب کا تعلق صرف ذات باری سے ہے۔ نہ کوئی شافع مطلق ہے، نہ مختار کل — یہ ضرب مسیحی عقیدۂ شفاعت مطلق پر تو کھلی ہوئی ہے، اور ضمناً دوسرے اہل باطل پر بھی۔

ف۱ یعنی گزرتی ہوئی رات کی۔ گویا یہ لفظ ٹھیک فجر کے مقابلہ میں ہے۔ وَلَیَالٍ عَشْرٍ۔ ذی الحجہ کی پہلی دس تاریخیں مراد ہیں، جن کی بڑی فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اپنے عموم اطلاق کے لحاظ سے یہ دو لفظ حاوی ہیں دنیا کے ہر زوج اور ہر فرد پر۔ اور اس طرح کائنات کی ساری ہی اشیاء ان کے تحت میں آجاتی ہیں۔ وَالشَّفْعِ۔ ذی الحجہ کی متبرک دسویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جسے یوم منٰی بھی کہتے ہیں۔ مابعد حج منٰی میں قیام اور باقی شعائر حج کی ادائی کی تاریخ ہوتی ہے۔ وَالْوَتْرِ۔ ذی الحجہ کی متبرک ترین نویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جو یوم الحج اور عرفات میں حاضری کی تاریخ ہوتی ہے۔ ف۲ یعنی اوپر جو قسمیں مذکور ہوئیں، ان میں سے ہر قسم اہل فہم کے لئے تاکید کلام ہی کا پہلو رکھتی ہے۔ هَلْ۔ یہاں استفہامی نہیں، تاکید مفہوم کے لئے ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی جو ابھی مذکور ہوچکا۔ اے فی ماذکرت (معالم) ذِی حِجْرٍ۔ صیغہ کی تنکیر سے مفہوم یہ نکلا کہ ہر شخص جس میں کچھ بھی فہم ہے وہ ایسی قسموں کو معظم سمجھے گا۔ ف۳ (زور قوت، قد وقامت کے لحاظ سے) بِعَادٍ۔ قوم عاد پر حاشیہ سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکا۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ قوم عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے اور ارم اسی کے شجرہ نسب میں کوئی بڑا شخص ہوا ہے، جس کی جانب وہ قوم منسوب تھی۔

يُسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

چلنے لگے ف۱ یقیناً اس میں قسم ہے صاحب فہم کے لئے ف۲ کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پروردگار نے کیا معاملہ

رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي

قوم عاد کے ساتھ کیا، یعنی قوم ارم ستونوں جیسے قد والی، جس کا مثل شہروں میں پیدا

الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ

نہیں کیا گیا ف۳ اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادیوں میں پتھروں کو تراشتے تھے ف۴ اور فرعون

ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

میخوں والے کے ساتھ (کیا کیا) ف۵ جن (سب) نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور ان میں بہت ابتری

الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ

پھیلا رہی تھی، سو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ف۶ بے شک

رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

آپ کا پروردگار تاک میں ہے ف۷ لیکن انسان! اسے اس کا پروردگار جب آزماتا ہے،

فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا

یعنی اسے انعام اکرام دیتا ہے، تو کہتا ہے میرے پروردگار نے میری قدر بڑھا دی ف۸ اور جب وہ

مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

اسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے تو کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کردیا ف۹!

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ

یہ بات نہیں ف۱۰ اصل یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا دینے کی

الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ

ترغیب نہیں دیتے ہو، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت

وهم ولد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح (ابن کثیر) تسمية لهم باسم جدهم (کشاف) هو اسم لجد عاد (کبیر) ارم تسمية لهم باسم جدهم (بحر) الَّتِي۔ یعنی وہ قوم یا قبیلہ۔ اے تلک القبيلة (معالم) المراد من السياق انما هو الاخبار عن القبيلة (ابن کثیر) اِرَمَ ۔۔۔ الْبِلَادِ۔ بعض اہل تفسیر نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) ارم کے معنی بہشت کے لے کر اور اسے کوئی شہر قرار دے کر بہشت شداد کے قصے عجیب عجیب تفصیلات کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔ محققین کا فیصلہ ہے کہ یہ ساری حکایتیں سرتاسر لغو وموضوع ہیں۔ فان هذا كله من خرافات الاسرائیلیین من وضع بعض زنادقهم ليختبروا بذالک عقول الجهلة من الناس ان تصدقهم في جميع ذلک (ابن کثیر) وخبر شداد المذکور اخوه في الضعف بل لم تصح روايته كما ذكره الحافظ بن حجر فهو موضوع كخبر ابن قلابة (روح) ف۴ قوم ثمود جو اپنے زمانہ میں سنگ تراشی، تعمیر عمارات اور انجینئری میں ممتاز تھی، اس پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکے۔ ف۵ فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ذِي الْاَوْتَادِ۔ محاورہ عرب میں اس سے مراد صاحب شوکت وحشمت ہونے سے ہوتی ہے۔ اے ذی الملک والرجال (کبیر) پھر بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سزا وعذاب کا ایک طریقہ فرعون کے ہاں یہ بھی رائج تھا، کہ مجرم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں پیروں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں۔ ذِي الْاَوْتَادِ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ علت، کفر سب میں مشترک تھی، اسی طرح معلول، عذاب بھی سب میں مشترک رہا۔ ف۶ ان تینوں قوموں کا تعلق مختلف ملکوں اور سرزمینوں سے تھا۔ تاریخی زمانے بھی ان کے الگ الگ ہوئے ہیں۔ جو شے ان سب میں مشترک تھی، وہ ان کی توحید بیزاری اور آخرت فراموشی تھی۔ لازمۂ عذاب میں بھی تینوں شریک رہے۔ الْفَسَادَ۔ فساد عربی میں صلاح کی ضد ہے، اور فسق ومعصیت کی ہر قسم کو شامل۔ الفساد ضد الصلاح فكما ان الصلاح يتناول جميع اقسام البر فالفساد يتناول جميع اقسام الاثم (کبیر) الفساد خروج الشيء عن الاعتدال قليلا كان الخروج عنه او كثيرا ويضاده الصلاح (راغب) صَبَّ۔ سَوْطَ عَذَابٍ۔ عذاب کو تازیانہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور اس کے نازل کرنے کو برسانے سے۔ ان استعاروں سے شدت عذاب کا اظہار ہے۔ قال اهل المعاني هذا على الاستعارة لان السوط استعارة عن هم غاية العذاب يجري ذلک لکل نوع من العذاب (معالم) ف۷ (چنانچہ اگلے سرکشوں کو تو وہ ہلاک ہی کرچکا ہے، اور موجودین کی طرف سے بھی غافل نہیں ہے) ف۸ ناشکرے انسان کا بھی عجب حال ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اسے جاہ، مال وغیرہ کسی قسم کا بھی اکرام واعزاز عطا ہوتا ہے، تو مقصود اس سے اس کی شکر گزاری کا امتحان ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی حماقت سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے، میری ذاتی قابلیت کا قدرتی ثمرہ ہے، اور میں تو مستحق ہی اسی اکرام واعزاز کا تھا۔ گویا مقصود بالذات اسی دنیا کو سمجھتا، اور اس کی فراخی کو دلیل اپنی کامیابی کی قرار دیتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے مراد کافر، منکر ومکذب انسان ہے۔ المراد كل من كان موصوفا بهذا الوصف وهو الكافر الجاحد ليوم الجزاء (کبیر) ف۹ ناشکرے انسان پر جب مال کی تنگی کردی جاتی ہے تو مقصود اس سے اس کے صبر وتسلیم کا امتحان ہوتا ہے لیکن وہ ہر طرف شکایت وحکایت کا دفتر کھولے پھرتا ہے، اور دنیا کی کمی کو اپنی محرومی اور بدنصیبی پر محمول کرتا ہے۔ ف۱۰ کافر انسان کے یہ سارے خیالات موہوم اور مزعومات باطل ہیں۔ نہ دنیا مقصود بالذات ہے، نہ خوشحالی اترانے کی چیز اور نہ بدحالی دلیل بدنصیبی ہے۔ مقصود تو ہر حال میں انسان کے ظرف کا امتحان ہی رہتا ہے۔

وا (اور حب مال کے اسی غلو سے مغلوب ہو کر خالق ومخلوق کے حقوق اور شریعت کے قائم کئے ہوئے حدود، سب بھول جاتے ہو) لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ یتیم بیچارہ تو اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کا اعزاز واکرام کیا جائے، تم الٹا اسے حقیر وذلیل سمجھتے ہو۔ اس کے حقوق غصب کرتے ہو، اس کا مال تک کھا جاتے ہو۔ وَلَا ..... الْمِسْكِيْنِ۔ مفلسوں کے حقوق تو شریعت الٰہی نے یہ قائم کر دیئے ہیں کہ انہیں خود کھلاؤ، اور دوسروں کو ان کے کھانے پلانے پر آمادہ کرتے رہو۔ تم خود تو کیا کھلاتے پلاتے، دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتے! وَتَأْكُلُوْنَ ..... لَمًّا۔ یعنی دوسروں کے حقوق تلف وغصب کر لینے میں کیسے دلیر وبیباک ہو۔ وَتُحِبُّوْنَ ..... جَمًّا۔ مال کی نفس محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ البتہ اس محبت میں غلو، جس سے دوسروں کی حق تلفی کی نوبت آجائے، سرتاسر ممنوع ہے۔ اور قرآن مجید میں بار بار گرفت اسی پر آئی ہے۔ وا یعنی اب شہود حقائق کے وقت سمجھ آئی بھی تو کیا، اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کام کی بات تو جب تھی، جب اُس دار الجزاء میں نہیں، اسی دار العمل میں سمجھ درست ہوگئی ہوتی! اِذَا ..... دَكًّا۔ یعنی زمین کی بلندیوں کو توڑ پھوڑ کر ساری سطح ایک کر دی جائے گی۔ وَجَآءَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ کے تشریف لے آنے سے مراد حشر میں کسی ایسی تجلی کا ظہور ہے، جو اس وقت ناقابل فہم ہے ۔۔ اور اسی لئے آیت کا شمار متشابہات میں ہے۔ بعض اکابر سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ وَجَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی حق تعالیٰ کے احکام یا فیصلوں کا ظہور ہونے لگے گا۔ قال الحسن جاء امره وقضاءه وقال الكلبي ينزل حكمه (معالم) اى جاء امر ربك بالمحاسبة والمجازاة (کبیر) قيل الكلام على حذف المضاف للتهويل اى وجاء امر ربك وقضاءه سبحانه (روح) وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ۔ یعنی دوزخ میدان حشر میں کھینچ کر لے آئی جائے گی۔ الْاِنْسَانُ۔ یہاں بھی انسان سے مراد کافر انسان ہے۔ وا یہ الفاظ زبان پر کمال حسرت ویاس کے عالم میں آئیں گے۔ لِحَيَاتِيْ۔ خوب خیال کر لیا جائے، یہاں حیات اخروی کو مطلق حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ہے بھی یہی واقعہ۔ حیات کا اطلاق تو بس اسی حیات پر صحیح ہو سکتا ہے، جس کے بعد موت کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔ وا یعنی وہ سزا اور جزا ایسی سخت ہوگی کہ اس کی کوئی نظیر ومثال نہیں۔ آیت کے الفاظ عرف انسانی کے مطابق ہیں۔ ہم لوگ آپس میں یونہی بولتے ہیں کہ کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ وا یہ بشارت ہر مومن کو عین اس وقت ملے گی، جو وقت اس مادی جسم سے انقطاع روح کا ہوگا۔ قال ابن زيد وجماعة ان ذلك القول عند الموت (روح) اس وقت اس صدائے بشارت کی جو اہمیت اور معنویت اور ضرورت ہوگی، اسے کوئی اچھا بھلا چنگا انسان، الفاظ کے ذریعے سے، دوسرے زندہ وسلامت تک کیونکر پہنچا دے! اس کی قدر، اور الفاظ کے ذریعے سے ناقابل اظہار قدر تو عین اسی وقت ہوگی ۔۔۔ اب یہ کیا بتایا جائے کہ یہ صدائے جاں نواز کس کی ہوگی! عِبٰدِيْ اور جَنَّتِيْ دونوں میں یائے متکلم کے بعد کسی تصریح کی ضرورت ہی کب باقی رہ جاتی ہے؟ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ خطاب اس روح سے ہوگا، جسے حقانیت اسلام پر ایقان واذعان ہوگا، اور کسی طرح کا شک ہوگا نہ انکار۔ اور انشاء اللہ اس کا مصداق ہر مومن کی روح ہوگی۔ اصطلاح صوفیہ میں نفوس مطمئنہ وہ نفوس مقدس ہیں، جو رضائے الٰہی اور احکام شرعیہ میں ایسے مطمئن ہو گئے ہیں کہ مخالفت کیا معنی، کراہت وگرانی کا بھی وہم باقی نہیں رہا ہے۔ اور ایسے نفوس حضرات انبیاء کے علاوہ، اولیاء کاملین کے بھی ہوتے ہیں۔ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ۔ یعنی اے روح مطمئن، اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل۔ اى الى محل عنايته تعالى وموقف كرامته (روح) اى الى جواره وثوابه (ابن کثیر) رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ یعنی اس حالت میں چل کہ اللہ تجھ سے خوش ہو اور تو اللہ سے خوش۔ فِيْ عِبٰدِيْ۔ مرتبۂ عبدیت کی افضلیت بالکل اس لفظ سے ظاہر ہے، عارفین محققین نے کہا ہے کہ مرتبۂ عبدیت مراتب عالی کا آخر ترین اور اعلیٰ ترین مقام ہے، اس لئے کہ اس میں داخلہ کا حکم مقام اطمینان کے بعد ہو رہا ہے۔ جَنَّتِيْ۔ ضمیر واحد متکلم شرف واختصاص کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی جو آیتیں ہر عاصی مایوس کے لئے آخری سہارا اور تن مردہ کے لئے حیات بخش ہیں۔ ان میں سورۃ الفجر کی یہ چار مختصر آیتیں بھی ہیں۔ ہر صاحب دل کے لئے وجد آفریں ۔۔۔ اے اللہ تو اس نامۂ سیاہ راقم تفسیر کو بھی آخری وقت اسی صدائے دلنواز سے مشرف کر، اور اس کے ہر عزیز قریب، مخلص ومتوسل کو بھی، بلکہ ہر کلمہ گو کو! وا شہر سے مراد شہر مکہ ہے، جہاں ان آیات کے نزول کے وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے۔ لَآ اُقْسِمُ۔ اس ترکیب الفاظ پر حاشیہ پہلے گزر چکا، اقسام قرآنی کے لئے ملاحظہ ہو پ ۲۹ کا ضمیمہ۔ وَاَنْتَ ..... الْبَلَدِ۔ یہ پیشگوئی بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے پر خود ایک مستقل دلیل ۔۔۔ مکہ کی اس مجبوری محصوری مظلومی کی زندگی میں کوئی بشر خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی جہاد وقتال (اور وہ بھی فاتحانہ) کا اعلان کر سکیں گے۔ مسیحی مورخ سر ولیم میور نے کہا ہے کہ سورت کا اصل موضوع، یعنی خیر وشر کے دو راہے کا اعلان، پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایماندارانہ جستجوئے حق کا ثبوت ہے ۔۔۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾

ہی زیادہ محبت رکھتے ہو وا ہرگز نہیں (کہ عذاب نہ ہوگا) جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا،

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ

اور آپ کا پروردگار اور فرشتے آئیں گے، اور جہنم کو اس روز

بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾

لایا جائے گا اُس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا وا

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

اور کہے گا کہ کاش اس اپنی زندگی کے لئے کوئی عمل پہلے بھیج چکا ہوتا وا غرض اس روز نہ تو اللہ کے عذاب کی طرح کوئی

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا

عذاب دینے والا نکلے گا، اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا وا اے

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار کی طرف چل، خوش ہوتی ہوئی

مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ ع

اور خوش کرتی ہوئی، پھر تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں جا داخل ہو، وا

اٰياتها ۲۰ ۹۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ ركوعها ۱

اس کی بیس آیتیں ہیں سورۃ البلد مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے وا

ف۲ وَالِدٍ۔ سے مراد ہر باپ بھی ہوسکتا ہے، اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اسی طرح مَا وَلَدَ سے مراد فرداً فرداً ہر بیٹا بھی ہوسکتا ہے، اور پوری نسل آدم بھی۔ وقال مجاهد وابو صالح وقتادة والضحاك وسفيان الثوري و سعيد بن جبير والسدي والحسن البصري وخصيف وشرحبيل بن سعد وغيرهم يعني بالوالد ادم وماولد ولده وهذا الذي ذهب اليه مجاهد واصحابه (ابن کثیر) واختار ابن جرير انه عام في كل والد وولده وهو محتمل ايضا (ابن کثیر) ف۳ (جس کا مقتضا یہ تھا کہ اس میں احساس عجز و درماندگی اور زیادہ پیدا ہوتا رہتا) مراد یہ ہے کہ انسان کی ساخت و ترکیب ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اسے ساری عمر دقتوں کا، اور کسی نہ کسی اعتبار سے مصیبتوں ہی کا سامنا رہے۔ آج وہ کان ٹوٹ گئی، کل کاروبار بیٹھ گیا۔ آج فلاں دشمن ستا رہا ہے۔ کل فلاں مرض نے آ دبایا، کبھی خود بیمار، کبھی بیوی بچے بیمار۔ کبھی اس عزیز کی موت کا صدمہ، کبھی اس دوست کی بیوفائی کا رنج۔ ساری عمر غم و صدمات ہی کے الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے۔ اور انسان کو اپنے عجز و بے بسی کا مشاہدہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔ اس سے طبیعت میں قدرۃً شکستگی پیدا ہونی چاہئے، اور خودی وخود بینی کو تو پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے۔ لیکن کافر ان سارے واقعات سے مطلق سبق نہیں لیتا۔ مومن کو تو ہر شے میں حکمت الٰہی کی جھلک نظر آ جاتی ہے، اور وہ ربوبیت مطلقہ پر اعتماد و اطمینان رکھ لیتا ہے۔ لیکن کافر کو مادی الجھن اور نفسی ادھیڑ بن سے کسی حال میں مفر نہیں۔ اور نہ اس کی حرص و ہوس کی آگ کبھی بجھتی ہے۔

وَّوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴

اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی ف۲ کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت کے لئے پیدا کیا ہے ف۳

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ ف۴ کہتا ہے کہ میں نے اتنا ایک مال

مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ

اڑا ڈالا، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے دیکھا نہیں؟ ف۵ کیا ہم نے نہیں بنائیں

لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

اس کے لئے دو آنکھیں، اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟ ف۶ اور ہم ہی نے اسے دونوں راستے بتلا دیئے ف۷

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ

مگر وہ (شخص) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا ف۸ اور آپ سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن کا

رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا

چھڑانا ہے، یا کھانا کھلانا ہے فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار

ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ

یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو ف۹ اور تو اور یہ ان لوگوں میں سے نہ ہوا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷

جو ایمان لائے اور (جنہوں نے) ایک دوسرے کو ثبات کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو رحم کی فہمائش کی تھی ف۱۰

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

یہی لوگ داہنے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے

هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰

تو وہ لوگ بائیں والے ہیں، ان پر بند کی ہوئی آگ محیط ہوگی ف۱۲

فِيْ كَبَدٍ۔ في کا مفہوم اس سیاق میں اردو "کے لئے" ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ في یہاں لِ کے معنی میں ہے۔ وحروف في واللام متقاربان بان تقول انما انت للعناء والنصب وانما انت في العناء والنصب (کبیر) الْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں بھی مراد کافر، ناشکرا انسان ہے جسے زندگی کے کسی پہلو میں بھی چین نہیں۔ ف۴ یعنی وہ اتنی غفلت اور بھول میں پڑ گیا ہے کہ اپنے کو گویا اللہ کے حدود قدرت سے بھی خارج سمجھنے لگا ہے۔ ف۵ کیا وہ غافل و سرکش انسان اس بھول میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی یہ مسرفانہ فرمائیاں ایک ایک کر کے دیکھی نہیں جا رہی ہیں، اور رتی رتی کا حساب کیا اسے دینا نہ ہوگا؟ يَقُوْلُ۔ یعنی یہ وہ بڑے فخر اور شیخی کے ساتھ کہتا ہے۔ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا۔ ڈھیروں مال کا یہ اڑا ڈالنا یا لٹا ڈالنا ظاہر ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیتوں ہی میں ہوا۔ لَّمْ يَرَهٗ۔ لم یہاں لن کے معنی میں ہے۔ تحقق وقوع کے اظہار کے لئے۔ ولم بمعنی لن ويعبر بها لتحقق الوقوع (روح) ف۶ (اور ان ساری نعمتوں کا مقتضا کیا یہ نہ تھا کہ وہ طاعت و شکر گزاری میں لگ جاتا؟) آنکھیں انسان کے لئے خارج کے محسوسات و مدرکات کے باب میں سب سے بڑی نعمت ہیں، اور زبان اور ہونٹ مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ شاید اسی لئے یہی تین نعمتیں نام کی صراحت کے ساتھ یہاں بیان ہوئیں۔ ف۷ (کہ خیر و ہدایت کا راستہ چلنے کے لئے ہے، اور شر و خلاف کا بچنے کے لئے) ف۸ (باوجود ان سارے مقتضیات کے) الْعَقَبَةَ۔ لفظی معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں۔ العقبة طريق وعر في الجبل (راغب) یہاں مراد دین کی گھاٹی ہے۔ اور دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی نفس پر شاق گزرتے ہیں۔ ضمیر فاعلی برابر کافر انسان کی طرف چل رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین کو گھاٹی سے تشبیہ دینے سے ترغیب مجاہدہ کی نکلتی ہے۔ ف۹ قرآن مجید نے اپنے لائے ہوئے لفظ الْعَقَبَةُ کی یہ خود تفسیر کر دی یعنی دین کے کاموں سے مراد اس قسم کے کام ہیں: غلاموں کو آزاد کرنا، قحط و گرانی کے زمانہ میں بھوکوں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی خدمت کرنا، محتاجوں کی خبر لینا۔۔۔ مکی سورتیں اس قسم کے اخلاقی احکام کی تاکید و تفصیل سے بھری پڑی ہے۔ مَسْغَبَةٍ۔ سغب کے معنی میں، اور مقربة قرابت کے معنی میں اور مَتْرَبَةٍ فقر کے معنی میں، تینوں مصدر میمی ہیں۔ ف۱۰ ثُمَّ یہاں تقدیم مرتبہ کے لئے ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی وہ پہلی فضیلتیں تو یہ بدبخت کافر کیا حاصل کرتا، اس سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ ایمان تو لے آتا اور اقل مرتبہ صبر و رحمت ہی کی تلقین و تبلیغ کرتا۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے فضیلت تین چیزوں کی نکلی۔ ایک ایمان لانے کی، دوسرے اس پر ثابت رہنے کی، تیسرے ترک ظلم کی۔ پوری آیت کا عطف فقرہ منفی یعنی فلا اقتحم العقبة پر ہے۔ عطف على المنفي اعني اقتحم فكانه قيل فلا اقتحم ولا امن (روح) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ تمام حقوق اللہ کی ادائی کا جامع ہے، جس طرح تواصوا بالمرحمة تمام حقوق العباد کی ادائی کا جامع۔ وذكر امر التواصوا بالصبر اشارة الى تعظيم امر الله و تواصوا بالمرحمة اشارة الى شفقة على خلق الله وهما اصلان عليهما مدار الطاعة (روح) ومدار امر الطاعات ليس الاعلى هذين الاصلين وهو الذي قال بعض المحققين ان الاصل في التصوف امران صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر) ف۱۱ یعنی نیک بخت، خوش نصیب، اہل ایمان اور نجات پا جانے والے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی متصل آیت میں آ چکا۔ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۔ پر حاشیہ پ ۲۷ میں گزر چکے۔ ف۱۲ داہنے ہاتھ والوں کے مقابلہ میں یہ بائیں ہاتھ والے بدبخت و منحوس کافر اور اہل جہنم ہوں گے۔۔۔ اصحاب الشمال پر حاشیہ پ ۲۷ میں گزر چکا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ لوگ ایمان تک نہ لائے کفر ہی میں مبتلا رہے۔ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ۔ کافروں کو جہنم سے نکلنا تو نصیب ہوگا نہیں، اس لئے دوزخ کے دروازے بھی ان پر ہر طرف سے بند کر دیئے جائیں گے۔ آیت کے ان الفاظ سے صاف اشارہ خلود عذاب جہنم کی طرف نکل رہا ہے۔ قال مقاتل يعني ابوابها مطبقة فلا يفتح لهم باب ولا يخرج منها ولا يدخل فيها روح ابد الاباد (کبیر)

آیاتها ۱۵ ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ رکوعها ۱

اس کی پندرہ آیتیں ہیں سورۃ الشمس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے آفتاب اور اُس کی روشنی کی، اور چاند کی جب وہ آفتاب کے پیچھے آئے ف۱ اور دن کی جب وہ

جَلّٰىهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ﴿۵﴾

آفتاب کو خوب روشن کردے، اور رات کی جب وہ آفتاب کو چھپالے ف۲ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اُسے بنایا،

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا

اور زمین کی اور اُس کی جس نے اسے بچھایا اور جان کی اور اس کی جس نے اُسے درست بنایا ف۳ پھر اُس کی بدکرداری

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ

اور اُس کی پرہیزگاری (دونوں) کا اُسے القاء کیا ف۴ کہ وہ یقیناً بامراد ہوگیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً

خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾

نامراد ہوا جس نے اُس کو دبا دیا ف۵ قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی،

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

جب کہ اس (قوم) کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا ف۶ اور اُن لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی

اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا ف۷ پر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کو مارڈالا تو ان کے پروردگار نے ان پر

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ان کے گناہ کے سبب ہلاکت نازل کی، پھر اُسے عام کردیا اور اس کے انجام (نتیجہ) سے اُسے کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوا ف۸

ف۱ یعنی غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو۔ ضُحٰىهَا۔ اس میں اشارہ ہے سورج کے کمال نور کی طرف۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا۔ اس فقرہ میں اشارہ ہے چاند کے کمال نور کی جانب — جن راتوں میں چاند سورج ڈوبتے ہی طلوع ہو جاتا ہے۔ وہی راتیں اس کے کمال عروج کی ہوتی ہیں۔ ف۲ یعنی اس کی روشنی کا کچھ اثر نہ باقی رہ جائے۔ جَلّٰىهَا۔ يَغْشٰىهَا۔ دونوں میں ضمیر ھا آفتاب یا الشَّمْس کی جانب ہے۔ ف۳ شکل، ترکیب اعضاء وغیرہ ہر اعتبار سے۔ وَمَا بَنٰىهَا۔ وَمَا طَحٰىهَا۔ وَمَا سَوّٰىهَا۔ ما تینوں مقاموں پر مَن کے مرادف ہے، اور اس کے لانے سے مقصود کمال عظمت کا اظہار ہے۔ السَّمَآء۔ الْاَرْض، نَفْس۔ تینوں کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، اس نے یہ بھی صاف کردیا کہ آسمان اور زمین اور جان، یہ سب مخلوق و مصنوع ہی ہیں۔ کوئی بھی ان میں سے معبود یا نیم معبود نہیں۔ نَفْسٍ۔ صیغۂ نکرہ۔ بطور اسم جنس، اظہار کثرت کے لئے ہے۔ والتنکير للتكثير (روح) اے نفوس (جلالین) ف۴ (تکوینی اور تخلیقی اعتبار سے) یعنی قلب میں جو نیکی کا رجحان ہے یا بدی کا میلان ہوتا ہے، دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ گو القاء اول الذکر میں واسطہ فرشتہ ہوتا ہے اور القاء ثانی الذکر میں واسطہ شیطان ہوتا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس میں تردید آگئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ہر انسان فطرۃً گنہگار ہی بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا۔ فَ تعقیب کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی جب مادی وجسمانی ترکیب مکمل ہولی تو اسے فطرت اخلاقی عطا ہوئی۔ ف۵ (فسق وفجور سے) آیت میں اسی الہام فطری کی تشریح ہے۔ یعنی انسان کی طبیعت میں یہ القاء کردیا گیا کہ نجات وفلاح اس کے لئے ہے، جس نے نفس کو راہ فجور سے پاک کرکے طریق طاعت وتقوی اختیار کرلیا۔ اور عقاب دنیا بھی اس کے لئے ہے، جس نے اپنے کو فجور سے مغلوب ہوجانے دیا۔ دوسرے لفظوں میں نجات وعقاب دونوں کی کوشش انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے۔ اس میں تردید ہوگئی ہندو اور بدھ عقیدہ کی کہ ہر عمل انسانی پچھلے جنم کے "کرم" کا ناگزیر نتیجہ ہوتا ہے، اور اس طرح انسان اس سے جکڑا ہوا ہے۔ ف۶ (مخالفت رسول اور قتل ناقہ پر) قوم ثمود، پیغمبر صالح علیہ السلام۔ ناقۂ صالح، سب پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ ف۷ یعنی اسے قتل نہ کرنا اور پانی پینے سے نہ روکنا۔ نَاقَةَ اللّٰهِ۔ یعنی اونٹنی جو اللہ کی طرف سے ایک دلیل نبوت کا کام دے رہی ہے۔ ف۸ یعنی جیسا کہ بعض دنیوی ملوک وسلاطین کو بعض وقت سزا دینے میں طرح طرح کے مفسدوں کے اندیشے ہوتے ہیں، اس احکم الحاکمین کو کسی طرح کی بھی خرابی یا ابتری کا اندیشہ نہ ہوا۔ اس میں تردید آگئی اس مسیحی اور مشرکانہ عقیدہ کی کہ خدا کو بھی اپنے افعال پر کبھی ندامت اور پچھتاوا ہوتا ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ یعنی سزائے ہلاکت کو ساری قوم پر عام کردیا۔

ع ۱۵ / ۱۶

ایاتها ۲۱ ۹۲ سورۃ اللیل مکیۃ ۹ رکوعها ۱

اس کی اکیس آیتیں ہیں سورۃ الیل مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ

قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لے، اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ

نر اور مادہ کو پیدا کیا ف۱ کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں ف۲ سو جس نے

اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ

دیا اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا، سو ہم اس کے لئے راحت کی چیز

لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ

آسان کر دیں گے ف۳ اور جس نے بخل کیا، اور بے پروائی برتی اور اچھی بات کو

بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ

جھٹلایا، سو ہم اس کے لئے مصیبت کی چیز آسان کر دیں گے ف۴ اور اس کا مال

عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ

اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا ف۵ بے شک ہمارے ہی ذمہ راہ بتانا ہے، اور بے شک

لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾

ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا بھی ف۶ تو میں تو تم لوگوں کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾

اس میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، ف۷

ف۱ یعنی حق تعالیٰ نے۔ اِذَا یَغْشٰی یعنی رات جب دن کو اور آفتاب کی روشنی کو ڈھانپ لے۔ آیت نے اس پہلو کو روشن کر دیا کہ رات اور دن، اندھیرا اور اجالا، نر اور مادہ، غرض کائنات کے سارے اضداد کی خالق وہی ایک ذات ہے۔ ۃ ف۔ ما یہاں من کے مرادف ہے۔ و مابمعنی من (جلالین) ف۲ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح رات اور دن، تاریکی اور روشنی، نر اور مادہ باہم مختلف آثار رکھتے ہیں انسان کی جدوجہد بھی جو صدور اعمال میں ہوتی رہتی ہے، اپنے آثار و ثمرات کے لحاظ سے الگ الگ حیثیت رکھتی ہے۔ ف۳ یعنی جنت تک اسے آسانی سے پہنچا دیں گے۔ اسے ایسی توفیق دیں گے کہ راہ کی مشکلات وہ آسانی سے طے کرتا چلا جائے گا۔ مَنْ اَعْطٰی۔ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی۔ یعنی دین اسلام کی تصدیق کی۔ الحسنی۔ سے مراد دین اسلام ہی ہے۔ اے بالملۃ الحسنی وھی ملۃ الاسلام (روح) اے بالکلمۃ الحسنی وھی کما قال ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ و روی ذلک عن عبداللہ بن عباس لا الٰہ الا اللہ (روح) لِلْیُسْرٰی۔ الیسری سے مراد جنت ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سہولتیں اور راحتیں ہی ہوں گی۔ ف۴ یعنی ایسے منکر معاند کو دوزخ ہی کا راستہ آسان معلوم ہونے لگے گا۔ مَنْ بَخِلَ۔ یعنی جس نے مَنْ اَعْطٰی کے مقابلہ میں ادائے حقوق واجب میں بخل سے کام لیا۔ وَاسْتَغْنٰی۔ یعنی جس نے مَنِ اتَّقٰی کے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے بے پروائی کی راہ اختیار کی، اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لِلْعُسْرٰی۔ العسری سے مراد دوزخ ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سختیاں ہی سختیاں ہوں گی۔ ف۵ یعنی جب وہ واصل جہنم ہونے لگے گا، تو اسے خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ مال و دولت جس پر اسے اتنا غرہ تھا اس کے کچھ بھی کام نہیں آ رہا ہے۔ ف۶ یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے، چنانچہ دنیا میں ہم نے احکام مقرر کر دیے۔ اور آخرت میں انہیں کی مخالفت یا موافقت پر ثمرات کا ظہور ہوگا۔ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی۔ یعنی خیر و شر نجات و عقاب دونوں کے راستوں کو کھول کر بتلا دینا ہمارے ذمہ تھا چنانچہ اسے ہم نے خوب واضح کر دیا۔ ف۷ یہاں یہ صاف صاف بتلا دیا کہ جہنم اصلی ٹھکانا صرف کافروں منکروں ہی کا ہے مومن عاصی کا قیام اگر اس میں ہوگا بھی تو محض عارضی و ہنگامی۔ ومعنی لایصلٰھا لایلزمھا فی حقیقۃ اللغۃ یقال صلی الکافر النار اذا لزمھا مقاسیا شدتھا و حرّھا وعندنا ان ھٰذہ الملازمۃ لاتثبت الاللکافر اما الفاسق فاما ان لا یدخلھا او ان دخلھا تخلص منھا (کبیر) وھو لا یدخلھا للخلود فیھا (مدارک)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿۱۸﴾

اور اس سے پرہیزگار دور ہی رکھا جائے گا، جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے ف۸

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ

اور اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے، بلکہ وہ صرف اپنے عالیشان

وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿۲۱﴾

پروردگار کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہے، اور وہ عنقریب یقیناً خوش ہو جائے گا ف۹

ایاتہا ۱۱	۹۳ سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ ۱۱	رکوعہا ۱
اس کی گیارہ آیتیں ہیں	سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی	اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

قسم ہے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب وہ قرار پکڑے ف۱ کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے

وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى ﴿۴﴾

اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے ف۲ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے (بدرجہا) بہتر ہے ف۳

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا

اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے ف۴ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا

فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا

پھر (آپ کو) ٹھکانا دے دیا، اور آپ کو بے خبر پایا، سو راستہ بتا دیا، اور آپ کو نادار پایا

فَأَغْنٰى ﴿۸﴾ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَأَمَّا السَّآئِلَ

تو مالدار بنا دیا ف۵ تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو

ف۸ (گناہوں سے) اس میں اشارہ ہے کہ متقی مخلص کا مقصود صرف مال سے صرف اللہ کی رضا جوئی ہی رہتی ہے۔ ف۹ (ان نعمتوں سے جو اسے جنت میں حاصل ہوں گی) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ بشارت جب نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے دوسری بڑی بشارت اپنی زبان مبارک سے دی، یعنی یہ فرمایا کہ میں تو اسی وقت خوش و مطمئن ہوں گا، جب میری امت میں سے ایک فرد بھی دوزخ میں نہ رہ جائے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے اشارۂ خصوصی صدیق امت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب ہے، جس طرح کہ اس سے قبل کی آیتوں میں اس کے مقابل الاشقی سے اشارۂ خصوصی ابوجہل کی طرف ہے۔ وَلَسَوْفَ۔ ل تاکید مضمون کے لئے ہے۔ واللام الداخلة على سوف لام الابتداء المؤكدة لمضمون الجملة (مدارک) آیت سے مومن متقی کے کمال اخلاص کا اظہار منظور ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی کوئی امر قبیح نہیں، بلکہ یہ تو بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ لیکن یہ مزید شرف و فضل مومن متقی کا ہے کہ وہ اپنے خرچ میں بجز حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے کوئی دوسرا مقصد شریک نہیں ہونے دیتا۔ ف۱ یعنی دن کی خوب پھیلی ہوئی روشنی اور رات کی خوب گہری تاریکی، دونوں اس حقیقت پر جو ابھی آگے آرہی ہے، زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں۔ سَجٰی کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ رات کی تاریکی خوب گہری ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اس میں ہر جاندار کی آوازیں چلنے پھرنے، بولنے چالنے کی ساکن ہو جائیں۔ ف۲ (بلکہ آپ ﷺ تو پہلے ہی مورد الطاف تھے، اور آئندہ بھی مورد الطاف ہی رہیں گے) ۱۳ قبل ہجرت میں ایسا ہوا کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی، تو اس کے کچھ ہی روز بعد، کسی حکمت و مصلحت سے سلسلۂ نزول موقوف رہا، اس پر معاندوں کو طرح طرح کی حاشیہ آرائی کا موقع مل گیا۔ آیت کا مضمون انہیں بداندیشوں کے جواب میں ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ اپنے کسی پیمبر کو بھی نہیں چھوڑ دیتا، تو بھلا آپ ﷺ کو کیا چھوڑ دے گا۔ آیت سے ضمناً مسیحیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید نکل آئی کہ خدا اپنے پیمبروں کو بھی کبھی چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ اپنے "محبوب اکلوتے فرزند" کو بھی۔ "اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ (متی۔ ۲۷: ۴۶) نیز مرقس (۱۵: ۳۴) ف۳ یعنی وہاں آپ کو نعمتیں اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ملیں گی۔ ماخرۃ کے لفظی معنی لے کر ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ "آپ ﷺ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بہتر رہے گی"۔ مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور اپنے دور ماقبل سے بہتر ہی ہوگا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ہر لاحق حالت سابق حالت سے افضل و اکمل تھی۔ ف۴ بشارت اور وعدۂ الٰہی کا تعلق آخرت اور دنیا دونوں سے ہو سکتا ہے۔ ف۵ (سو جو بندہ ماضی میں اتنے التفات و اکرام کا مورد رہ چکا ہے، اس کا مستقبل تو اور زیادہ روشن و شاندار ہو کر رہتا ہے) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى۔ یعنی دنیا میں جب آپ لائے گئے، تو ہر طرح کیسی بے سروسامانی، اور اسباب ظاہری سے کس درجہ محرومی تھی، اس کے باوجود بھی اس نے کس کس طرح آپ ﷺ کو ہر طرح مطمئن کر دیا، اور ہر طرح کا سامان اطمینان آپ ﷺ کے لئے بہم پہنچا دیا! وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ آپ ﷺ ابتداءً واصلاً اصول و ارکان شریعت سے بیگانہ محض تھے، پھر اسی نے تو آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا پورا علم دے دیا۔ ضَآلًّا۔ ضال کے معنی حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قومی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہ فلاح و اصلاح کے لئے بے چین تھے۔ ای غیر مهتد لما سبق الیک من النبوۃ (راغب) ای غیر عالم ولا واقف علی معالم النبوۃ واحکام الشریعة وماطریقة السمع (مدارک) ای غافلاً عن الشرائع التی لاتهتدی الیها العقول وعلی هذا کما قال الواحدی اکثر المفسرین وهواختیار الزجاج (روح) فَهَدٰی۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا علم دے دیا، اور اصلاح و ہدایت کے دقائق و حقائق آپ کو سمجھا دیئے۔ ای فعرفک الشرائع والقرآن (مدارک) مفسر ابوحیان غرناطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا ہوں تو میرے ذہن میں آیا کہ یہاں مضاف رھط محذوف ہے جیسا کہ وسئل القریة میں اھل محذوف ہے۔ ولقد رأیت فی النوم انی افکر فی هذه الجملة فاقول علی الفور ووجدک ای وجد رهطک ضآلاً فهداه بک ثم اقول علی حذف مضاف نحو وسئل القریة (بحر) وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى۔ آپ ﷺ تو مادی و معاشی اعتبار سے بھی شروع شروع بڑے صاحب احتیاج تھے، پھر اسی کے فضل و کرم نے کس کس طرح آپ ﷺ کی کفالت و دستگیری فرمائی۔

فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

مت جھڑکئے، اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ بھی کرتے رہا کیجئے ف۱

اٰیاتھا ۸ ۹۴ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۂ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے ف۱ اور ہم نے آپ پر سے وہ آپ کا بوجھ اتار دیا

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ

جس نے آپ کی پشت توڑ رکھی تھی ف۲ اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا ف۳ سو

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا

مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے، بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے ف۴ تو جب

فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

آپ فارغ ہو جایا کیجئے، ریاضت کیا کیجئے ف۵ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھیے ف۶

اٰیاتھا ۸ ۹۵ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۂ والتین مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَ هٰذَا الْبَلَدِ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس امن والے

ف۱ یعنی ان نعمتوں کا شکر یہ قولی وفعلی ہر طرح ادا کرتے رہیے۔ وَ اَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ عرب جاہلیت میں یتیم بیچارے کی کوئی قدر نہ تھی، اور وہ کسی عزت یا جائداد کا حقدار نہ تھا۔ وکذا کانت العرب تفعل فی امر الیتامی تاخذ اموالھم وتظلمھم حقوقھم (معالم) اور تنہا عرب ہی نہیں، بہت سی جاہلی تہذیبوں کا یہی حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ بھی اپنی یتیمی کو یاد کر لیا کیجئے۔ اور اس غریب مخلوق یعنی یتیم کے ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک و مدارات برتا کیجئے۔ یہ آیت ماقبل کی آیت اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى کے مقابلہ پر ہے۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ جاہلی تہذیبیں، ایسی بکثرت گزری ہیں، جن میں محتاج سائل کا کوئی حق کسی قسم کا تسلیم ہی نہیں کیا گیا تھا آپ ﷺ کو تعلیم مل رہی ہے کہ خود اپنی حاجت مندی کے زمانہ کو یاد کر لیا کیجئے۔ اور کسی صاحب احتیاج سائل کو جھڑکنا الگ رہا، اس سے بحسن مدارات پیش آتے رہیے۔ یہ آیت وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کے مقابل ہے۔ آیت سے یہ فقہی استنباط کہ سائل کو کسی حال میں بھی جھڑکنا نہ چاہیے، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اسے محض سوال کرنے پر بے شک جھڑکنا نہ چاہیے۔ بلکہ انکار کی صورت میں صرف نرم الفاظ میں معذرت کر دینی چاہیے۔ لیکن سائل اگر پیچھا نہ چھوڑے، اور اپنی بات پر اڑا رہے، جس سے انقباض وتکدر پیدا ہونا امر طبعی ہے، تو اسے جھڑک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ثم النھی علی النھر علی ماقالوا اذا لم یلح فی السوال فان الح ولم ینفع الرد اللین فلا باس بالزجر (روح) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جب کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے ہیں تو مقصود ادائے شکر ہوتا ہے، نہ کہ عجب وریا۔ ف۱ (اور اسے معارف وحقائق سے بھر نہیں دیا؟) شرح صدر، وہ مقام ہے جو حضرت موسیٰ ؑ کو طلب وآرزو کے بعد عنایت ہوا تھا۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (طٰہٰ) المراد من شرح الصدر ما یرجع الی المعرفۃ والطاعۃ (کبیر) وشرح الصدر تنویرہ بالحکمۃ وتوسیعہ لتلقی مایوحی الیہ قالہ الجمھور (بحر) صوفیۂ محققین کے ہاں شرح صدر بڑی دولت ہے۔ ف۲ وزر کے اصل معنی صرف بوجھ یا بار کے ہیں۔ الوزر الثقل (راغب) سو اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا ایسا عظیم الشان بار آپ ﷺ پر تھا، جس سے آپ ﷺ اتنا گرانبار ہو رہے تھے، اور قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ سے دور کر دیا گیا؟ وہ بار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ قبل نبوت اپنی قوم کی حالت پر تاسف وحسرت اور ان کی فلاح واصلاح کی فکر۔ اس کا توڑ تو یوں ہوا کہ آپ ﷺ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کر دی گئی، اور آپ ﷺ کے سپرد خلق کی رہنمائی کر دی گئی۔ بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ ﷺ کو تبلیغ احکام اور اس کے نتائج کی رہتی۔ قرآن مجید نے اس غم سے بھی آپ ﷺ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ ﷺ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اور وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى اور لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین وغیرھا۔ وزر کے معنی گناہ کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعبر بذلک عن الاثم (راغب) اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ہم نے آپ ﷺ سے گناہوں کو دور رکھا ہے، جن کی فکر آپ ﷺ کو کھائے جاتی تھی۔ ف۳ (چنانچہ کلمۂ شہادت میں، اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خالق کے نام کے ساتھ ساتھ اگر مخلوق میں سے کسی کا نام آتا ہے تو وہ آپ ﷺ ہی کا) رَفَعْنَا ضمیر متکلم قابل غور ہے —— یہ آپ ﷺ کا آوازہ تو ہم نے بلند کر رکھا ہے۔ نہ کسی کی مخالفت چلنے پائی، نہ کسی معاند کی کوئی تدبیر کارگر ہونے پائی۔ لک۔ لِ تخصیص کا ہے۔ یعنی ایسی رفعت آپ ہی کے لئے ہے، کوئی اس میں آپ ﷺ کا شریک نہیں۔ رفع ذکر۔ (آوازہ بلند) کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ منکرین ومعاندین میں جو چوٹی کے سردار وا کابر ہیں، ان تک کو آپ ﷺ کی عظمت وجلالت کا اعتراف ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۴ (اور اس پر یقین واعتماد رکھیے کہ عناد ومخالفت کے یہ سارے بادل چھٹ کر رہیں گے اور مظفر ومنصور آپ ہی ہوں گے) آیت کی تکرار، وعدہ کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے رہیں، اور ان پر امید کا پہلو غالب رہے۔ کررہ لتاکید الوعد وتعظیم الرجاء (معالم) ف۵ یعنی کثرت عبادات ومجاہدات میں مشغول رہا کیجئے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ۔ یعنی جب آپ ﷺ اپنے منصب ومرتبہ کے فرائض یا تبلیغ احکام رسالت سے فرصت پایئے۔ ف۶ (بلا واسطہ مخلوق، اور براہ راست) عبادت اور بہترین عبادت کے حکم میں تو آپ کی مشغولی تبلیغ واصلاح خلق بھی داخل تھی، لیکن بہرحال اس میں ایک واسطہ مخلوق کا رہتا تھا، آیت میں حکم یہ مل رہا ہے کہ اس نوعیت کی عبادت کے علاوہ براہ راست توجہ الی الحق بھی رکھیے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ شیخ جب ارشاد وافادہ سے فارغ ہو جائے تو چاہیے کہ خلوت میں ذکر ومناجات میں لگ جائے، اور اپنے کو مجاہدہ سے مستغنی نہ سمجھے۔

ول یعنی مکہ معظمہ کی۔ طُوْرِ سِیْنِیْنَ۔ جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قانون شریعت ملا تھا۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ انجیر و زیتون دونوں کے درخت شام اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور ان کے پھل منافع سے لبریز ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اَلْبَلَدِ الْاَمِیْنِ سے اشارہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ اور طُوْرِ سِیْنِیْنَ سے شریعت موسوی کی طرف اور زیتون سے مواعظ مسیحی کی جانب (حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا مشہور وعظ کوہ زیتون ہی پر ارشاد فرمایا تھا) اور انجیر سے بعض علماء عصر کا خیال ہے کہ ہندوستان کے گوتم بدھ کی طرف اشارہ (بشرط اثبات نبوت) نکل سکتا ہے۔ وٓ٢ نظام عام تکوینی کی فکر و اہتمام، یا ان چاروں نظامات تشریعی کی حفاظت و انتظام کی ذمہ داری خود اس کی دلیل ہے کہ انسان کی آفرینش یوں ہی الل ٹپ نہیں کر دی گئی ہے، بلکہ یہ انتہائی حکمتوں اور مصلحتوں کا مجموعہ ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ مراد جنس انسان ہے۔ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ تقویم کے معنی تعدیل و تحسین کے ہیں۔ وتقویم الشیء تثقیفه (راغب) بہترین ساخت و ترکیب کے عموم میں صورت و معنی دونوں شامل ہیں۔ ایئت وتحسُّس اور حواس اور مظہریت صفات حق سب اس کے اندر آ گئے۔ ذٰلک اشارة الٰی ماخص به الانسان من بین الحیوان من العقل و الفهم و انتصاب القامة الدالة علٰی استیلائه علٰی کل ما فی هٰذا العالم (راغب) آیت نے ضمناً اس مسیحی عقیدہ کی تردید بھی کر دی کہ انسان خلقۃً ایک گنہگار مخلوق ہے۔ وٓ٣ (اگر وہ اپنے قویٰ کا صحیح استعمال نہیں کرتا) پہ پستی تمام تر روحانی، اخلاقی و دینی اعتبار سے ہوتی ہے۔

الْاَمِیْنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۫﴿۴﴾

شہر کی ول کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے وٓ٢

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

پھر ہم اسے پستوں سے بھی پست کر دیتے ہیں وٓ٣ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ﴿۶﴾ فَمَا یُكَذِّبُكَ

نیک عمل بھی کیے تو ان کے لئے اجر غیر منقطع ہے وٓ۴ تو کون سی چیز تجھ سے جزاء کی تکذیب

بَعْدُ بِالدِّیْنِ ؕ﴿۷﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۠﴿۸﴾

کرا رہی ہے؟ وٓ۵ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ وٓ٦

اٰیاتها ١٩ ‏ ٩٦ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ١ ‏ ركوعها ١

اس کی انیس آیتیں ہیں ‏ سورۃ العلق مکہ نازل ہوئی ‏ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ ول جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے جس نے انسان کو خون کے

مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ

لوتھڑے سے پیدا کیا ہے وٓ٢ آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ كَلَّاۤ اِنَّ

تعلیم دی ہے وٓ٣ (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا وٓ۴ ہاں ہاں بے شک

الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰی

انسان حد سے نکل جاتا ہے اس بنا پر کہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے وٓ۵ تیری واپسی

وٓ۴ یعنی انسان اپنا بہترین قوام قائم رکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ قانون الٰہی پر چلتا رہے۔ وٓ۵ یعنی اللہ کی قدرت کے اتنے شواہد دیکھ کر بھی اے ناشکر گزار اور کافر انسان، تو آخر کس دلیل سے یوم جزاء کا منکر ہو رہا ہے؟ وٓ٦ یعنی ایسی موٹی بات بھی تیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تو ہر تصرف پر قادر ہے۔ اور وہی سب حاکموں کے اوپر حاکم ہے، تو وہ آخری عدالت برپا کیے، اور ہر ہر جزئی کا آخری صحیح و صادق فیصلہ کیے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ یوم الحساب کا وقوع تو حق تعالیٰ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا عین قدرتی نتیجہ ہی ہونا چاہیے۔ فَمَا یعنی کون سا سبب؟ ای فما سبب تکذیب بالجزاء (مدارک) ول (اس قرآن کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اب نازل ہونا شروع ہوا ہے) سورۂ اقراء کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب قریب چالیس کے پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوگئی اور شہر مکہ سے متصل ایک پہاڑی حراء ای کے غار میں آپ اکثر جا کر معتکف رہنے لگے۔ جیسا کہ مرتاض زاہدوں کا اکثر معمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت، آپ کا تقویٰ و اخلاص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق پہلے ہی سے قوم میں مسلم تھا۔ ایک شب میں کہ وہ رمضان ١٣ ق۔ھ (جولائی ٦١٠ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ دفعۃً فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمودار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ما انا بقاریء میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے لپٹایا اور بھینچا، اور پھر اسی طرح مکالمہ و معانقہ کا اعادہ ہوا۔ گویا بار وحی کے اٹھانے کے لئے جن قوتوں کی ضرورت ہے وہ ملکوتی واسطہ سے بشری جسم میں پوری طرح سرایت کر دی گئیں۔ اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پوری پانچ آیتیں اِقْرَاْ سے لے کر مَا لَمْ یَعْلَمْ تک فرشتۂ اعظم نے پڑھ کر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیں۔ ہیبت وحی سے خصوصاً جب کہ اس کا بالکل پہلا تجربہ تھا، تاثر اور خوف و رعشہ بالکل طبعی تھا (اسی اضطراری جسمانی کیفیت کو بعض بے دانشوں نے عظمت رسول کے منافی سمجھا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر آ کر رفیق زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ماجرا بیان فرمایا۔ انہوں نے تسلی دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ سے ورقہ بن نوفل کے پاس گئے جو اس وقت کے عابد و زاہد موحد مسیحی تھے۔ اور ان کے بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایقان کو تقویت مزید پہنچی، جیسا بعض دفعہ استاد کامل کو اپنے ایک شاگرد کے تائیدی بیان سے ہو جاتی ہے۔ اِقْرَاْ۔ لفظ قرأت مطلق پڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور تحریر کے پڑھنے کے معنی میں بھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرف ناشناس ہونے کی بنا پر قرأت سے معذرت کرنا بھی بالکل صحیح تھا۔ رَبِّكَ۔ رب کا لفظ لانے میں اشارہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تربیت کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچائیں گے۔ وٓ٢ الَّذِیْ خَلَقَ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ ربوبیت مطلق وہی کر رہا ہے جو ساری کائنات کا خالق بھی ہے۔ جو سب کو محض اپنی قدرت سے نیستی سے ہستی میں لے آیا ہے۔ خَلَقَ ... عَلَقٍ۔ اور پھر انسان کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے ... ساری مخلوق کی خلقت کے بعد انسان کا نام تصریح لیا نعمت عامہ کے بعد نعمت خاصہ پر توجہ دلاتا ہے۔ الَّذِیْ خَلَقَ۔ کے بعد خلق شیء محذوف ہے۔ تقدیرہ خلق کل شیء فیتناول کل مخلوق (مدارک) وٓ٣ یعنی جس نے پڑھے لکھے ہوؤں کے لیے تعلیم کا واسطہ قلم کو بنایا۔ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ وہ جس نعمت سے جسے چاہے سرفراز کرے، چنانچہ آپ کو اس نے خاص ترین نعمت سے نوازا۔ اِقْرَاْ۔ ابھی اوپر آ چکا تھا، اب دوبارہ تاکید مضمون کے لیے لایا گیا۔ وٓ۴ نوع بشر کو ماضی و حال میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے، یا آئندہ جو کچھ بھی معلوم ہو سکے گا، یہ سب اگر فیضان الٰہی کا پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کو اپنے جن جن علوم و فنون، معارف و صنائع پر ناز ہے، یہ سب اگر حق تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے، بتائے ہوئے، سمجھائے ہوئے نہیں تو اور کیا ہیں؟ قرآن مجید نے یہاں اسی گہری حقیقت کو یاد دلایا ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے۔ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ سے مراد بعض نے وہ قواعد علمی لیے ہیں، جن سے ہر مجہول معلوم بن سکتا ہے۔ اور بعض نے وہ اسرار و علوم نبوت مراد لیے ہیں، جن کے لئے عقل و حواس بشری کافی نہ تھے صرف حق تعالیٰ نے انہیں رسول پر وحی کر کے سارے انسانوں تک پہنچا دیے۔ وٓ۵ یہاں یہ بتایا کہ انسان کے حد عبوریت سے نکل جانے اور سرکشی اور طغیان کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو اپنے خالق کی طرف سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔ كَلَّاۤ۔ ہمیشہ تردید کے

معنی میں نہیں، بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر 'یقیناً' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ وقد جاء بمعنی حقًا (ابوالبقاء) و۶ (تو ایسا طالب تو اس پروردگار سے مستغنی کیسے رہ سکتا ہے؟) قلب میں انابت و شکستگی پیدا کرنے کا اس سے زیادہ موثر کوئی طریقہ نہیں کہ استحضار اپنے اسی انجام و عاقبت کا ہوتا رہے۔ و۷ (اور وہ روکنے والا نماز اور عبادت کو مبغوض رکھتا ہے) عَبْدًا۔ بندۂ خاص سے اشارہ رسول اللہ ﷺ کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقتضائے شرعی ہی سے کسی کو نماز سے روکا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ و۸ (تو ایسے عبادت سے روکنا کس درجہ اپنی شقاوت و خباثت کا ثبوت دینا ہے) بِالتَّقْوٰی۔ یعنی وہ بندہ، کمالات لازمی و متعدی کا جامع ہو۔ و۹ (تو اس کی یہ روک تھام کس درجہ شقاوت و خباثت پر دال ہوگی!) اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ کذب کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ اور تولی کا عمل سے ۔۔ یعنی عقیدہ و عمل دونوں کے اعتبار سے وہ ضال کامل ہو۔ و۱۰ چنانچہ اس کے اس طغیان کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس پر اسے پوری سزا بھی دے گا۔ و۱۱ ہر زبان کے اسلوب بیان الگ الگ ہوتے ہیں۔ جس طرح اردو محاورہ میں "سر پر غرور" "حرام ناز" وغیرہ چلے ہوئے ہیں عربی محاورہ میں پیشانی کو خطا آلود و دروغ آلود کہنے کا رواج ہے۔ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ۔ یہ پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا کنایہ ذلت و خواری سے ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ۔ سے فقہاء مفسرین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ توبہ ہر حال میں مقبول اور موجب دفع عذاب ہے۔ خَاطِئَةٍ۔ یعنی اپنے فہم اور اعمال میں خطا کار۔ و۱۲ (تو یہ مجرم اپنے دل کا حوصلہ

رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا

تیرے پروردگار ہی کی طرف ہونی ہے و۶ کیا اس شخص کا حال تو نے دیکھا جو بندہ (خاص) کو روکتا ہے جب

صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ

وہ نماز پڑھتا ہے و۷ کیا تو نے دیکھا کہ وہ بندہ اگر حق پر ہو یا وہ تقوی کی

بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ

ہدایت کر رہا ہو و۸ کیا تو نے یہ دیکھا کہ وہ (دوسرا شخص) اگر جھٹلا رہا ہو اور روگردانی کرتا ہو؟ و۹ کیا اسے خبر نہیں کہ

اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

اللہ دیکھ رہا ہے و۱۰ ہاں ہاں، اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی (کے بل) پکڑ کر گھسیٹیں گے

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ

پیشانی (بھی کیسی؟) دروغ و خطا میں آلودہ و۱۱ اچھا تو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلا لے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو

الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

بلائے دیتے ہیں و۱۲ خبردار! آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور نماز پڑھتے رہئے اور قرب حاصل کرتے رہئے و۱۳

ایاتها ۵ | ۹۷ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ | رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں | سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ

بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اتارا ہے و۱ اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر

الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ

ہے کیا؟ و۲ شب قدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے و۳ اس رات

نکال دیکھے، اور معلوم کر لے کہ وہ کتنے پانی میں ہے) ابوجہل وغیرہ کو بڑا ناز اپنے جتھے پر تھا۔ انہیں سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے جتھے والوں کو بلا دیکھیں۔ الزَّبَانِيَةَ۔ لفظی معنی پیادوں یا سپاہیوں کے ہیں۔ مراد دوزخ کے ملائکہ عذاب سے لی گئی ہے۔ والزبانیة هم الشرط فی کلام العرب والمراد ملائکة العذاب (کشاف) و۱۳ (کہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نماز و عبادت ہے) كَلَّا لَا تُطِعْهُ۔ یعنی جس طرح اب تک آپ ﷺ نے ان موذیوں خاطیوں کا کہا نہیں مانا ہے، آئندہ بھی ان کے بہکانے دھمکانے، کسی چیز میں نہ آیئے گا۔ اور اس حکم کی بڑی تاکید ہوتے رہے۔ وَاسْجُدْ۔ سجود سے یہاں مراد نماز و عبادت ہی لی گئی ہے۔ وعند اکثر اهل التاویل اراد به صلّ وتوفر علی عبادة الله تعالی فعلًا وابلاغًا (کبیر) وَاقْتَرِبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ سجدہ میں نیت ثواب و تقرب واجب ہے۔ مفسر تھانوی ؒ نے کہا ہے کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ میں ضمنا یہ وعدہ لطیف بھی شامل ہے کہ حق تعالیٰ آپ ﷺ کو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے، اور قرب موجب عصمت ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ خشوع جو سجدہ کی روح ہے وہی اصل مدار قرب ہے۔ و۱ اس شب مبارک و معظم میں اس کلام مقدس کے نزول کی ابتداء کی ہے۔ قال الشعبی ابتدئ بانزاله لیلة القدر (کبیر) یا یہ معنی لئے جائیں کہ اس شب میں یہ کلام عرش بریں پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا ہے۔ قال ابن عباس انزل الی سماء الدنیا جملة لیلة ثم الی الارض نجومًا (کبیر) کل قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر رفتہ رفتہ نازل ہونے میں ۲۲۔۲۳ سال کی مدت لگی۔ اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر ہ بلا اختلاف قرآن مجید کی طرف ہے۔ اور بجائے صراحت کے اس اضمار میں عظمت قرآن مجید کی زائد ہے۔ اجمع المفسرون علی ان المراد انا انزلنا القران فی لیلة القدر ولکنه تعالی ترک التصریح بالذکر لان هذا الترکیب یدل علی عظم القران (کبیر) الضمیر عند الجمهور للقران وادعی الامام فیه اجماع المفسرین (روح) نَا ضمیر جمع متکلم حصر و تاکید کے لئے ہے۔ یعنی یہ کلام ہم ہی نے اتارا ہے، کسی دوسرے کی شرکت اس میں نہیں۔ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ سب سے پہلی وحی رسول اللہ ﷺ پر ماہ مبارک رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق تاریخ میں ہوئی تھی۔ حدیث صحیح کے مطابق یہ شب قدر ہر سال آخر عشرۂ رمضان کی کسی طاق تاریخ میں آیا کرتی ہے۔ والصحیح الذی علیه الاکثرون انها فی العشر الاواخر من شهر رمضان (معالم) الاکثرون علی انها فی العشر الاواخر لکثرة الاحادیث الصحیحة فی ذلک واکثرهم علی انها فی اوتارها لذلک ایضًا (روح) اور اس رات میں دعا و عبادت کے بڑے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ احناف نے اس کے وقوع کے لئے ۲۷ ویں شب رمضان کا قول اختیار کیا ہے۔ وهی لیلة السابع والعشرین من رمضان کذا روی ابو حنیفة عن عاصم عن زر ان ابی بن کعب کان یحلف علی لیلة القدر انها لیلة السابع والعشرین من رمضان و علیه الجمهور (مدارک) وکثیر منهم ذهب الی انها اللیلة السابعة والعشرین من تلک الاوتار وصح من روایة الامام احمد ومسلم وابی داؤد والترمذی والنسائی وابن حبان وغیر هم ان زر بن حبیش سأل ابی بن کعب عنها فحلف لا یستثنی انها لیلة سبع وعشرین (روح) و۲ یعنی کیسی بزرگیوں اور فضیلتوں والی رات ہے ۔۔ سوال خطابات عرب کے خصوصا قرآن مجید کے اسلوب بلاغت کے مطابق زیادت تشویق کے لئے ہے۔ اور خود اس دوسرے جملہ میں لیلۃ القدر کو دہرانا محض اس کی اہمیت و عظمت خصوصی کے اظہار کے لئے ہے۔ وفی اظهار لیلة القدر فی الموضعین من تاکید التعظیم والتفخیم ما لا یخفی (روح) لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ قدر سے اس سیاق میں کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں قضا و قدر کے امور طے ہوتے ہیں۔ ای لیلة قضها لامور مخصوصة (راغب) وتسمیتها بذلک لشرفها او لتقدیر الامور فیها (بیضاوی) نقل عن الزهری انه قال لیلة القدر لیلة العظمة والشرف (کبیر) اور بعض نے کہا ہے کہ قدر سے یہاں شرف و منزلت مراد ہے یعنی معزز و مکرم رات۔ و۳ (اجر عبادت کے حساب سے) قال سفیان الثوری بلغنی عن مجاهد قال عملها صیامها وقیامها خیر من الف شهر (ابن جریر) قرآن نے جس خدا کو پیش

کیا ہے۔ اس کے ہاں انعامات اور بخششوں کا کچھ ٹھکانہ ہے! بشارت یہ ملی رہی ہے کہ عبادت کا اجر یوں ہی معمولاً کیا کم ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ رات نزول قرآن کی سالگرہ والی آتی ہے تو اس کا اجر بھی بڑھ ہی نہیں جاتا، بلکہ ہزار گنے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے! الف شہر۔ حساب سے ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی ۸۳ سال ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی عدد متعین مراد نہ ہو، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق محض تکثیر عدد مراد ہو۔ وذکر الالف اما للتکثیر (بیضاوی) وقیل المعنی خیر من الدھر کلہ لان العرب تذکر الالف فی غایۃ الاشیاء کلھا (بحر) وتخصیص الالف بالذکر قیل اماللتکثیر و کثیرا ما یراد بالاعداد ذلک (روح) ف۴ (زمین کی طرف) اس شب میں عام ملائکۂ رحمت اور حضرت جبرئیل کی تجلیات زمین پر کسی مخصوص نوع کی ہوتی ہیں، جس کی تفصیل کا علم اللہ ہی کو ہے۔ الملٰٓئکۃ سے مراد ملائکۂ رحمت ہیں، اور الروح سے مراد روح الامین یعنی فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل۔ والاصح ان الروح ھھنا جبریل وتخصیصہ بالذکر لزیادۃ شرفہ (کبیر) الروح عندالجمھور ھو جبریل علیہ السلام وخص بالذکر لزیادۃ شرفہ (روح) باذن ربھم۔ یعنی یہ نزول ملائکہ وروح القدس بھی از خود نہیں ہو جاتا، بلکہ تمامتر امر الٰہی کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔ من کل امر۔ تقدیر کلام یہاں من اجل کل امر بھی گئی ہے۔ گویا من تعلیلیہ کے معنی میں ہے۔ اے من اجل کل امر قالہ غیر واحد لمن بمعنی اللام التعلیلیۃ متعلقۃ بتنزل (روح) من کو باء سببیہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور مفہوم اس ترکیب کا بھی وہی ہے۔ وقال ابو حاتم من بمعنی الباء اے تنزل بکل امر وجعلۃ الباء علیہ بسببیۃ (روح)

الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

فرشتے اور روح القدس اُترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے ف۴ سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رہتی ہے طلوع فجر تک ف۵

آیاتھا ۸ | ۹۸ سورۃ البینۃ مدنیۃ ۱۰۰ | رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں — سورۃ البینۃ مدینہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

جو لوگ کافر تھے اہل کتاب اور مشرکین میں سے، وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس ایک واضح دلیل نہ آتی (یعنی) اللہ کا ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں درست مضامین درج ہوں ف۱ مگر جو لوگ اہل کتاب تھے وہ تو اس دلیل کے آنے کے بعد ہی مختلف ہوئے ف۲ حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لئے خالص رکھیں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ

ف۵ یعنی وہ رحمت کسی خاص حصہ شب کے ساتھ مخصوص نہیں صبح تک برابر اس کی بارش جاری رہتی ہے۔ سلٰم۔ کے معنی ہر خوف سے نجات کے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی آ گیا کہ جو قانون قرآن لایا ہے، اور جس کی سالانہ یادگار کا نام شب قدر ہے، وہ قانون بندوں کو دنیوی واخروی ہر خوف سے نجات دلانے والا ہے۔ ایک اشکال یہ ہے کہ اختلاف مطالع ومغرب کی وجہ سے شب قدر کا ہر جگہ جدا ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا کہ یہ برکات کسی کو کسی وقت میں ملیں اور کسی کو کسی وقت میں۔ اس طرح نزول ملائکہ کا ہر جگہ مختلف وقت میں ہو۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سلٰم ...... الفجر۔ یعنی اس شب میں خیر ہی خیر ہے، صبح تک کوئی شر ہے ہی نہیں۔ وقال قتادۃ وابن زید یعنی ھی خیر کلھا لیس فیھا شر الی مطلع الفجر (معالم) عن مجاھد قال ھی سالمۃ لایستطیع الشیطان ان یعمل فیھا سوءًا اویعمل فیھا اذی (ابن کثیر) سلٰم مصدر ہے، اور یہاں ترکیب میں خبر مقدم ہے۔ جس سے مفہوم میں زور و تاکید اور معنی حصر پیدا ہو گئے ہیں۔ وتقدیم الخبر للحصر کما فی تمیمی انا والاخبار بالمصدر للمبالغۃ اے ما ھی الاسالمۃ جدًا حتی کانھا عین السلامۃ (روح)

ف۱ ظہور اسلام سے قبل دنیا اتنی شدید جہالتوں اور ضلالتوں اور ایسے گہرے کفر میں مبتلا تھی کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے، اور اپنے ہمراہ ایک مکمل نظام نامہ لائے، کوئی توقع اصلاح کی نہ تھی۔ چنانچہ مشیت الٰہی نے اپنی حجت کو واضح طور پر پورا کرنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ لم ...... منفکین۔ ذکر زمانہ قبل ظہور اسلام کا ہو رہا ہے۔ منفکین۔ یعنی کفر کو چھوڑنے والے، کفر سے ہٹنے والے۔ البینۃ ...... اللہ۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ ایک دلیل واضح قرار دیا ہے۔ رسول من اللہ بدل ہے البینۃ کا۔ اے الحجۃ الواضحۃ والمراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مدارک) البینۃ۔ ال کے ساتھ صیغۂ معرفہ میں لا کر گویا اس طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت بڑی دلیل ہے، جس پر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ اور پھر مابعد رسول تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں لا کر اس سے بھی یہی کام لیا ہے۔ انھا للتفخیم اے ھو البینۃ التی لامزید علیھا او البینۃ کل البینۃ لان التعریف قدیکون للتفخیم وکذا التنکیر وقد جمعھما اللہ ھھنا فی حق الرسول علیہ السلام (کبیر) اور اسی کی ایک نظیر اسی پارہ کی سورۃ البروج میں گزر چکی ہے، جہاں حق تعالیٰ نے اپنے کو بصیغۂ معرفہ المجید کہا، اور پھر معاً بعد بصیغۂ نکرہ فعال فرمادیا۔ مطھرۃ۔ یعنی ہر باطل سے پاک وغیرہ۔ اے مطھرۃ عن الباطل (کبیر) الذین ...... والمشرکین۔ قرآن واسلام کے منکرین میں دو طرح کے لوگ تھے، اور آج تک یہ تقسیم چلی آ رہی ہے۔ ایک وہ لوگ جن کے ہاں توحید ونبوت کے بنیادی خیالات موجود تھے، البتہ وہ لوگ اپنے ہاں کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا پڑے تھے۔ دوسرے وہ جو سرتاسر شرک میں غرق تھے۔ اور جو توحید ونبوت کے بنیادی خیالات سے بھی نا آشنا تھے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ مفسر واحدی نے اس آیت کو نظم وتفسیر کے لحاظ سے قرآن مجید کی دشوار ترین آیتوں میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اچھے اچھے صاحب علم اس میں غوطہ کھا گئے ہیں، لیکن دشواریوں کی کوئی نوعیت بتفصیل بیان نہیں کی ہے۔ قال الواحدی فی کتاب البسیط ھذہ الایۃ من اصعب ما فی القراٰن نظما وتفسیرًا وقد تخبط فیھا الکبار من العلماء ثم انہ رحمہ اللہ تعالیٰ لم یلخص کیفیۃ الاشکال فیھا (کبیر) من اھل الکتٰب والمشرکین۔ من یہاں تبیین کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے۔ کلمۃ من ھھنا لیست للتبعیض بل للتبیین (کبیر) لیکن بعض اکابر اس کے خلاف بھی گئے ہیں۔ ومن للتبعیض کما قال علم الھدیٰ الشیخ ابو منصور الماتریدی فی التاویلات لاللتبیین (روح) ف۲ یعنی اہل کتاب جو توحید، نبوت، کتاب، حشر وغیرہ کے بنیادی عقائد سے فی الجملہ آشنا ومانوس تھے، اور جن سے اس کی توقع بہت زیادہ کی جا سکتی تھی کہ کتاب ہدیٰ کے آ جانے کے بعد اسی کو قول فیصل سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اور اپنے باہمی دینی مناقشوں میں اسی کو حکم بنائیں گے، وہ اور الٹے اس کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئے۔ وما ...... الکتٰب۔ اہل کتاب کے تفرق سے مراد مسیحیوں اور یہود، اور پھر ان کے اندرونی فرقوں کے آپس کے شدید تفرقے اور مناقشے ہیں۔ البینۃ۔ مراد قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ البینۃ کے اگر عام معنی ہی لئے جائیں، تو آیت سے مراد یہ ہوگی کہ یہ تو اہل کتاب کا شروع سے دستور چلا آ رہا ہے کہ جب حجت قائم ہو گئی کے

بعد ہی بگڑتے رہے ہیں، تو آج ان کا بگڑنا کوئی نئی بات نہیں۔ **ف۳** (اور جب انہیں تعلیمات کو ان لوگوں نے نہ مانا، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ خود اپنی کتابوں کے عملاً منکر و مخالف ہو گئے ہیں) وَمَآ

اُمِرُوْٓا ۔ یعنی یہ حکم انہیں خود انہیں کی کتابوں میں مل چکا ہے۔ مُخْلِصِيْنَ ... حُنَفَآءَ ۔ اور اسی اخلاص فی الدین کے اندر خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق اور قرآن مجید پر ایمان بھی داخل ہیں۔ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی امور جن کا ذکر سابق ہو چکا ہے! عبادت الٰہی اخلاص و حنیفیت کے ساتھ اور اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ اشارة الى ماذكر من عبادة الله بالاخلاص واقامة الصلوة وايتاء الزكوة (روح) دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔ قيمة صفت ہے موصوف محذوف الملّة کی۔ اے دين الملّة القيمة (مدارک) قال المبرد والزجاج ذلك دين الملّة القيمة فالقيمة نعت لموصوف محذوف (کبیر) **ف۴** یہاں یہ بتا دیا کہ جو لوگ قانون الٰہی کے باغی و منکر ہیں، ان کا ماضی جو کچھ بھی ہو، اور وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں ''شریت'' میں کامل ہیں۔ **ف۵** یعنی جو لوگ قانون الٰہی کے تصدیق کرنے والے اور وفادار ہیں، وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں ''خیریت'' میں کامل ہیں۔ **ف۶** (اور یہ خشیت ہی تو انسان کو ایمان و عمل صالح پر لاتی ہے جس کی جزاء جنت اور نعماء جنت ہیں) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ ابدا کا اضافہ خلود جنت کے مفہوم کو مؤکد و غیر منقطع بنا دینے کے لئے ہے۔ قیام جنت محض طویل و ممتد ہی نہ ہوگا، نہ یہ تا تمادی کے لئے ہوگا۔ عجب نہیں جو الفاظ آیت سے مقصود تردید ان گمراہ گروہوں کی ہو، جن کے خیال میں، جنت بھی ایک طویل مدت کے بعد فنا ہو جائے گی، اور دنیا کی تخلیق اس کے بعد پھر سے ہوگی۔ رَضِيَ اللّٰهُ ...... عَنْهُ ۔ اللہ ان بندوں سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوگا۔ اور یہ بندے بھی اللہ سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوں گے ایسے خوش نصیب بندوں کی خوش نصیبی پر کسے رشک نہ آئے گا؟ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہ جنت اور رضاء۔ اے المذكور من الجزاء والرضوان (بیضاوی) خَشِيَ رَبَّهٗ ۔ داخلہ جنت کا مدار ایمان و عمل صالح پر ہوا، لیکن خود یہ تو خشیت الٰہی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ ۔ جنت کو حق تعالیٰ نے کہیں جنات عدن سے تعبیر فرمایا ہے، اور کہیں جنات النعیم سے، اور کہیں دار السلام سے۔ محققین نے کہا ہے کہ خود ایمان کی ترکیب عقیدہ اور قول اور عمل کے اجزائے سہ گانہ سے ہوئی ہے، تو ہر ہر جزو کے مقابلہ میں ایک ایک صفت جنت کو بیان کیا گیا ہے۔ اعلم ان الله سبحانه وصف الجنة مرة بجنات عدن ومرة بجنات النعيم ومرة بدار السلام وهذه الاوصاف الثلاثة انما حصلت لانك ركبت ايمانك من امور ثلاثة اعتقادٍ وقولٍ وعملٍ (کبیر)

ف۱ یہ سب واقعات حشر کے سلسلہ میں نفخۂ اول کے وقت کے ہیں۔ اَثْقَالَهَا۔ زمین کے بوجھ سے مراد مُردے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور زمین کے دفینے اور معدنیات وغیرہا بھی۔ اِذَا ... زُلْزِلَتِ۔ غرض یہ کہ زمین کی اس جنبشِ اضطرابی سے سارا عالم زیروزبر ہو جائے گا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا۔ انسان گھبرا کر اور سراسیمہ ہو کر پکار اٹھے گا کہ زمین کو آخر یہ ہو کیا گیا؟ اَلْاِنْسَانُ۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے، جسے سارا بھروسہ مادی ہی طاقتوں کا رہتا ہے، اور جو مسبب الاسباب کی قدرت وحکمت کا منکر یا عملاً منکر رہتا ہے۔ قيل هذا قول الكافر لانه كان لا يؤمن بالبعث (مدارک) قال الجمهور الانسان هو الكافر يرى مالم يظن (بحر) ف۲ اس وقت حکمت ومشیت یہی ہو گی کہ زمین ناطق ہو جائے جیسے آج حکمت ومشیت یہ ہے کہ زمین ساکت وبے زبان رہے۔ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ ظاہر ہے کہ مومن وکافر ہر انسان سے عمل، اچھے برے جو کچھ بھی صادر ہوتے ہیں، اسی زمین ہی پر ہوتے ہیں۔ قدرۃً زمین ہی چھوٹے بڑے، اچھے برے، ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ بِاَنَّ ... لَهَا۔ زمین میں یہ قوت گویائی اس وقت خود بخود نہیں، قادرِ مطلق کے حکم سے پیدا ہوگی۔ اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حیات اور اس کے سارے آثار، انعامات الٰہی ہیں۔ جس وقت جس عضو سے جو کام وہ حکیم مطلق چاہے، لے لے۔ بِاَنَّ۔ میں ب سببیہ ہے۔ ف۳ (خواہ جنت خواہ دوزخ میں)

اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

پھینک نکالے، اور آدمی بول اٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا؟ ف۱ اس روز زمین اپنی (سب) خبریں

اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ

بیان کر گزرے گی، یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اسے یہی ہوگا ف۲ اس روز لوگ گروہ گروہ

النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

واپس ہو رہے ہوں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں ف۳ سو جو کوئی ذرہ بھر بھی

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

نیکی کرے گا، اسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اسے بھی دیکھ لے گا ف۴

آیاتها ۱۱ | ۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ | رکوعها ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں — سورۃ العٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم ہے گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج

صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں، ف۱

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾

بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود بھی اس پر گواہ ہے ف۲

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ

اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ف۳ اس کو وہ وقت کیا معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے

يَصْدُرُ النَّاسُ۔ لوگ اس وقت حساب سے اپنی اپنی منزل کی طرف واپس ہو رہے ہوں گے — ذکر اب نفخۂ ثانی کے بعد کے واقعات کا ہو رہا ہے۔ اَشْتَاتًا۔ یعنی کچھ گروہ اہل جنت کے ہوں گے، اور کچھ گروہ اہل دوزخ کے۔ اَعْمَالَهُمْ۔ مراد اپنے اعمال کے ثمرات وعواقب ہیں۔ اے جزاء اعمالهم (مدارک) قال ابن عباس ليروا جزاء اعمالهم (معالم) ف۴ حدیث نبوی ﷺ میں ان دو ۲ آیتوں کے لئے الجامعۃ الفاذۃ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو اصل ان میں بیان کر دی گئی ہے وہ جامع اور منفرد ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیتیں قانون مجازات کی تصویرکشی نہایت خوبی وخوش اسلوبی وجامعیت کے ساتھ کر رہی ہیں۔ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل خیر کو بھی جنت میں پالے گا — خیر کے خیر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے کفر سے فنا نہ کر دیا گیا ہو۔ شَرًّا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل شر کو بھی دوزخ میں پالے گا — "شر" کے شر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے توبہ اور ایمان سے زائل نہ کر دیا گیا ہو۔ ف۱ ان گھوڑوں سے مراد لڑائی کے گھوڑے ہیں، جن کے اوصاف سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ ضَبْحًا۔ گھوڑے عادۃً تیز دوڑ کے بعد ہانپنے لگتے ہیں۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا۔ یعنی ان کی نعلوں سے پہاڑوں کے پتھر آگ دے اٹھتے ہیں۔ کنایہ کمال گرم رفتاری سے ہے۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا۔ عرب میں عام دستور صبح سویرے تاخت کرنے کا تھا۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا۔ کمال تیز رفتاری کے باعث ان کے قدموں سے غبار اڑتا ہے۔ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ یعنی جماعت اعداء میں در آتے ہیں۔ بِهٖ میں ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ حضرات صوفیہ نے ان صفات سے اپنے مذاق کے مطابق اشارات معرفت خوب نکالے ہیں۔ مثلاً! کچھ "اشغال حرکت نفس" میں مشغول رہتے ہیں، دل سے "شعلہائے آتشیں" بلند کرتے یا "شمع معرفت" روشن کرتے ہیں۔ صبح کو جو وقت رحمت ہوتا ہے دولت دیدار لوٹتے اور نفس پر حملۂ قوی کرتے ہیں۔ اور غبار سے مراد آہ وزاری ہے۔ ف۲ (خواہ وہ گواہی زبانِ حال ہی سے کیوں نہ ہو) فالشهادة بلسان الحال الذى هو افصح من لسان المقال (روح) اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے مراد ایسے ہر سیاق میں کافر انسان سے ہوتی ہے۔ وَاِنَّهٗ ضمیر ہٗ انسان کی طرف ہے۔ اے الانسان كما قال الحسن ومحمد بن كعب (روح) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے کفر پر قیامت میں ضرور گواہی دے گا۔ عَلٰى ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی اسی ناشکری پر۔ اے على كنوده (کشاف)

ف۳ (اور کفر اور ناشکری کی علت اکثر یہی ہوتی ہے) اَلْخَيْرِ۔ خیر۔ یہاں مال کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض اور آیتوں میں بھی آیا ہے۔ الخير المال من قوله تعالىٰ ان ترك خيرا (کشاف) اے المال الكثير۔ (راغب) وقال قتادة الخير من حيث وقع فى القران هو المال (بحر) یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خیرِ دنیوی مراد لی جائے، اس مفہوم میں جو آخرت فراموش اس کا سمجھتے ہیں، اور اس کے تحت میں مال، جاہ، صحت وغیرہ تمام مقاصد دنیوی لے لئے جائیں۔ قال ابن عطية يحتمل ان يراد هذا الخير الدنيوى من مال وصحة وجاه عند الملوك ونحوه لان الكفار والجهال لايعرفون غير ذلك (بحر) لِحُبِّ الْخَيْرِ میں ل اگر تعلیل کا مانا جائے، اور تقدیر کلام یوں سمجھی جائے کہ انه لاجل حب المال تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا: "اور مال کی محبت کے پیچھے بڑا بخیل ہے"۔ شدت حب مال سے یہاں مراد وہی بیجا اور مفرط دولت پرستی ہے، جو انسان کی عقل سلیم کو بالکل اندھا کر دیتی ہے، اور تمام تر کفران وعدوان کی طرف لے جاتی ہے، ورنہ جائز حدود کے اندر مال کی تھوڑی محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ لَشَدِيْدٌ۔ شدید یہاں بخیل وممسک کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ الشديد البخيل الممسك (کشاف) الشديد المتشدد البخيل (راغب)

مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ

جتنے (مردے) قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے ف۴ بے شک

رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا ف۵

آیاتہا ١١ ١٠١ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٠ رکوعہا ١

اس کی گیارہ آیتیں ہیں سورۃ القارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز! آپ کو خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے

الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! ف۱ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ

اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے ف۲ پھر جس کسی کا

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا

پلہ بھاری نکلے گا وہ خاطر خواہ آسائش میں ہوگا ف۳ اور جس کسی کا

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ

پلہ ہلکا نکلے گا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو

اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

کچھ خبر ہے کہ وہ ہے کیا چیز وہ آگ ہے دہکتی ہوئی ف۴

ف۴ (کہ ان چیزوں کا استحضار اسے متنبہ اور ہوشیار کر دینے کے لئے کافی ہے) مَا فِي الْقُبُوْرِ۔ مَا یہاں بھی مَن کے مرادف ہے۔ ف۵ (چنانچہ ان کی ناشکر گزاری سے بھی اور اس کی موجبات و محرکات سے بھی آگاہ ہوگا) رَبَّهُمْ۔ بِهِمْ جمع غائب کی یہ ضمیریں آیت ٦ کے الانسان کی جانب ہیں، جو معنیٰ جمع تھا۔ والانسان علی معنی الجمع (کبیر) ضمیر مبعوثین کی جانب بھی بھی جا سکتی ہے۔ بِهِمْ۔۔ لَخَبِيْرٌ۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال، اقوال، احوال سب کی ایک ایک تفصیل سے آگاہ۔

ع ١١ ٢٥

ف۱ سوالات اور پھر پیہم سوالات، خطبات عرب کے دستور کے مطابق، کلام میں زور و اثر پیدا کرنے کے لئے، اور مخاطبین کے جلب توجہ کے لئے ہے۔ اَلْقَارِعَةُ۔ سے مراد صور قیامت کے نفخۂ اولیٰ سے ہے جس کی مہیب آواز دلوں اور کانوں دونوں کو کھڑکھڑا کر رکھ دے گی عموماً اہل جاہلیت کی طرح عرب جاہلیت کے بھی کفر و اعراض کی اصل بنیاد آخرت فراموشی پر تھی۔ آغاز وحی میں سب سے زیادہ زور معین ترتیب حکیمانہ کے مطابق اسی موضوع پر دیا گیا۔ ف۲ یعنی جس طرح دھنکی ہوئی اون ہلکی پھلکی پارہ پارہ ہو کر ہوا میں اڑنے لگتی ہے، یہ بھاری بھر کم پہاڑ بھی اس روز ہلکے پھلکے ہو کر اڑے اڑے پھرتے ہوں گے۔ يَكُوْنُ ..... الْمَبْثُوْثِ۔ وجوہ تشبیہ پروانوں اور مجمع حشر کے درمیان متعدد ہیں۔ مثلاً تعداد کا بے شمار ہونا، منتشر ہونا، بے بس ہونا، سب کا ایک ہی طرف بے اختیار کھنچے چلے جانا وغیرہ۔ ف۳ یعنی جنت کے دائمی عیش میں۔ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ یعنی جس کے اعمال وزنی نکلیں گے ـــ اعمال میں وزن جبھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ مومن سے شریعت کے موافق صادر ہوں۔ منکر کے اعمال، اور مسلم کے خلاف شریعت اعمال سب بے وزن رہ جاتے ہیں۔ رَّاضِيَةٍ۔ یہاں مرضیۃ (پسندیدہ) کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون تفسیرها مرضية على معنى يرضاها صاحبها (کبیر) ف۴ جس کے اعمال و عقائد دونوں خلاف شریعت ہوں گے۔ وہ کافر ہی ہوگا۔ اور اس کا پلڑا میزان قیامت میں بالکل بے وزن نکلے گا۔ هَاوِيَةٌ۔ اس کے لفظی معنی عمیق گڑھے کے ہیں۔ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ، جس کے سامنے دنیا کی ہر آگ سرد ہی نظر آئے گی۔ والمعنى ان سائر النيران بالنسبة اليها كانها ليست حامية (کبیر)

ع ١٠ ٢٢

ف ۱ (دنیوے وفات پاکر) آیت میں اس عام حقیقت کا بیان ہے کہ دنیوی جاہ و مال، سامان قوت و شوکت پر فخر و ناز اور ان کی محبت و طلب، آخرت فراموش انسان کے قلب پر غفلت کے پردے ڈالے رہتی ہیں، اور اس میں خوف خدا و خشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہونے دیتیں، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا ہے، اور انسان قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ اَلْهٰىكُمْ۔ الهاء۔ کے معنی لہو میں ڈال دینے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیوی مشاغل میں انہماک چیز ہی ایسی ہے، جو انسان کا خیال، آخرت کی طرف جانے ہی نہیں دیتی اور اسے سدا فکر آخرت سے غافل رکھتی ہے۔ التَّكَاثُرُ۔ یعنی سامان دنیوی کی حرص و ہوس، دنیا کا ہوکا، اور مال و جاہ میں ایک دوسرے پر تفوق و غلبہ کی طلب۔ التباری فی کثرۃ المال والعز (راغب) التباری بکثرۃ الجاہ والمال والمناقب (کبیر) یہاں اس کے تحت میں دنیوی مفاخرت کی ساری ہی چیزیں داخل ہیں۔ یدخل فیہ التکاثر بالعدد و بالمال و الجاہ والاقرباء والانصار والجیش و بالجملۃ فیدخل فیہ التکاثر بکل مایکون من الدنیا ولذاتہا وشہواتہا (کبیر) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ جاہلیت میں ہر قبیلہ کی یہ عادت دوسرے قبیلہ پر اپنی کثرت آبادی اور کثرت سامان کی بناء پر تفوق جتانے کی تھی۔ جیسے آج بیسویں صدی کی "مہذب" حکومتوں کو فخر و ناز اپنی اپنی (Man-Power) پر رہا کرتا ہے۔ ف ۲ (مرتے ہی اور قبر میں پہنچتے ہی) یعنی یہ ساری غفلتیں محض عارضی ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی عالم برزخ شروع ہو جائے گا، اور اسی کے ساتھ کشف حقائق بھی — خود ہی جان لو گے، کہ اصل حقیقت کیا تھی، اور تم اس دنیا میں کیسی شدید حماقت اور بھول میں پڑے رہے! كَلَّا۔ ثُمَّ كَلَّا۔ جملہ کی تکرار تاکید مضمون کی غرض سے ہے۔ وذکروا للتکریر انہ للتاکید وانہ وعید بعد وعید (کبیر) مضمون کے مکرر آنے سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اشارہ عذاب برزخ اور عذاب آخرت کی دو مختلف حالتوں کی جانب ہے، اور یہ استدلال امیر المومنین حضرت علی ﷺ کی جانب منسوب ہے۔ ان احدی الحالتین عذاب القبر والاخری عذاب القیامۃ (کبیر) عن ذرّ قال سمعت علی بن ابی طالبؓ یقول ان ہذہ الایۃ تدل علی عذاب القبر (کبیر) قال علی بن ابی طالب الاول فی القبور والثانی فی النشور (روح) عربی فصاحت و بلاغت پر جب بھی غور کیا جائے گا عربوں ہی کے معیار سے کیا جائے گا، نہ کسی اور ملک و قوم کے معیار سے۔ علامہ آلوسی سورۃ الکافرون کی تفسیر کے تحت میں امام لغت و نحو فراء کا قول نقل کرتے ہیں کہ فصحائے عرب ایسے موقع پر تکرار سے کام لیتے ہیں، اور سننے والے یا تو اقرار میں بلی، بلی کہتے جاتے ہیں، اور یا انکار میں لا، لا۔ قال الفراء ان القرآن نزل بلغۃ العرب ومن عادتہم تکرار الکلام للتاکید والافہام، فیقول المجیب بلی بلی والممتنع لا لا۔ (روح)

آیاتہا ۸ ۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ رکوعہا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۃ التکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا

فخر کرنا تمہیں غافل کئے رہتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو ف ۱ ہاں ہاں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، ہاں ہاں پھر تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے ف ۲

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ

ہاں اور ہاں کاش تم یقینی طور پر جان لیتے! ف ۳ تم یقیناً دوزخ کو

الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ

دیکھ کر رہو گے ف ۴ پھر یقیناً تم لوگ اسے ایسا دیکھو گے جو خود یقین ہے ف ۵ پھر

لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

اس روز تم سے (ہر) نعمت کی پوچھ ہو گی ف ۶

آیاتہا ۳ ۱۰۳ سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ رکوعہا ۱

اس کی تین آیتیں ہیں سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

قسم ہے زمانہ کی، کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے ف ۱ مگر وہ لوگ نہیں جو

ع

ف ۳ (اسی دنیا میں دلائل صحیح پر غور کر کے۔ یعنی بعد مرگ تو یقین کرنا ہی پڑے گا، کاش اسی زندگی میں تم عقل سلیم سے کام لے کر حق یقین تک پہنچ گئے ہوتے۔ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ فقہاء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اعمال میں محض ظن غالب کافی و معتبر ہے۔ البتہ اعتقادیات میں، متکلمین کہتے ہیں کہ جانب مخالف کا احتمال بھی نہ رہنا چاہیے۔ اور یہی علم الیقین ہے۔ ف ۴ (اور یہ دیکھنا بعد مرگ عالم برزخ میں ہوگا) ف ۵ یعنی وہ رؤیت استدلالی نہیں، رؤیت مشاہدہ ہوگی جس میں انکشاف استدلالیات سے کہیں زیادہ اور صریح ہوتا ہے — آگ میں گرنے والے کو آگ کی سوزش اور حرارت کا یقین کہ یہ عین الیقین ہے۔ آگ کے قریب بیٹھنے والے کے یقین سوزش و حرارت سے کہ یہ علم الیقین ہے، کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ ف ۶ (کہ ہر نعمت کا حق یعنی ایمان و طاعت بجالائے یا نہیں) ثُمَّ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ خطاب یہاں نوع انسان کو عام ہے، کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص نہیں، اور لفظ اس لحاظ سے مفید ترقی ہے، یعنی یہ سوال جب غیر مجرمین تک سے ہوگا، جن پر کوئی ضرر اس سے مترتب نہ ہوگا تو پھر مجرمین کے لئے اس سوال کی جو اہمیت، شدت اور ہیبت ہے، ظاہر ہی ہے۔ النَّعِيْمِ۔ اس میں دنیا کی ہر وہ چیز آگئی، جو کسی نہ کسی جہت سے مفید یا لذیذ ہو۔ یجب حملہ علی جمیع النعم (کبیر) والنعیم عام لکل مایلتذبہ من مطعم ومشرب ومفرش ومرکب (روح) ف ۱ (بسبب اپنی فرصت عمر کے تلف و ضائع کر ڈالنے کے) وَالْعَصْرِ۔ زمانہ جو ہر لحظہ انتہائی سرعت کے ساتھ گزرتا چلا جاتا ہے، وہی تو وہ ظرف ہے جس کے اندر انسان سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے، اور سب ہی کچھ اس پر گزرتی رہتی ہے۔ اسی میں وہ کھوتا بھی ہے، اور اسی میں وہ پاتا بھی ہے۔ رنج و حرمان، نقصان و خسران بھی اسی میں اس پر واقع ہو کر رہتا ہے — محض وقت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی زبان میں زمان دہر وغیرہ الفاظ بھی تھے۔ لیکن گزرتے ہوئے زمانہ کی طرف، مرور ایام کی طرف خاص اشارہ کرنے والا لفظ یہی "عصر" ہے۔ وقسم بالزمان لما فی مرورہ من اصناف العجائب (کشاف) عمر انسانی کے لمحات دیکھئے دیکھتے کس تیزی سے گزر جاتے ہیں، اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ اسی کو گواہ کر کے قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان بھی کیسا بد قسمت اور حرماں نصیب ہے! وقت کی پوری قدر کرنا، عمر کے ایک ایک لمحہ اور پل کا حساب رکھنا کہ اس سب کا سوال ہوگا، اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان۔ سے اس سیاق میں بھی مراد وہی کافر انسان ہے۔

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾ ع

ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے، اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے حق کی، اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے پابندی کی ۲۔

آیاتھا ٩ ۔ ١٠٤ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٢ ۔ رکوعھا ١

اس کی نو آیتیں ہیں ۔ سورۃ الھمزہ مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿١﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿٤﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿٦﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿٨﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾ ع

کم بختی ہے ہر پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لئے اور طعنہ دینے والے کے لئے، جو مال جمع کرتا (رہتا) ہو اور اسے گنتا رہتا ہو، وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ ضرور توڑنے پھوڑنے والی آگ میں جھونکا جائے گا اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ ہے کیا؟ وہ اللہ کی آگ ہے (اللہ کے حکم سے) سلگائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی ۲، وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ۳۔

ف ۲ یعنی خسران و محرومی تو منکروں اور کافروں کے حصہ میں آئی ہے جنہوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور ساری فرصت عمر برباد کر دی۔ نہ کہ ان لوگوں کے جنہوں نے اپنی عمریں قانون الٰہی کے مطابق بسر کیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ کے مشہور تاجر ابو بکر بن ابی قحافہ جب دعوت اسلام کے بالکل شروع ہی میں ایمان لے آئے تو ایک معاصر نے ان سے کہا کہ تم معاملات میں تو بڑے ہوشیار تھے، لیکن اس باب میں سخت دھوکا کھا گئے۔ اپنے کو فلاں فلاں ٹھاکروں اور دیوتاؤں کی توجہ شفقت و سفارش سے محروم کر دیا، اور لائق و فائق اسلاف کے طور طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں بتا دیا گیا کہ محروم رہ جانے والے حقیقۃً کون ہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ یعنی اعتقاد حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ حسرت و حرمان سے بچے رہنے والے خوش نصیب انسانوں کی چار صفات کا یہاں بیان ہوا ہے۔ ان میں سے پہلی دو یعنی ایمان اور عمل صالح، صفات ذاتی و انفرادی اور بطور کمال لازم کے ہیں۔ باقی دو یعنی تواصی بالحق و تواصی بالصبر، صفات ملی و اجتماعی بطور کمالات متعدی کے ہیں۔۔۔ اسلام تو اصلاح، انفرادی و اجتماعی، ذاتی و ملی دونوں قسم کی ساتھ ساتھ چاہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرصت عمر غنیمت ہے، ضائع کوئی لحظہ نہ ہونا چاہئے۔ ساری عمر تحصیل کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیے۔

ف ١ یعنی اس کے عمل سے تو ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا وہ اپنے مال، دولت، خزانہ کے خلود کا معتقد ہے، جبھی تو اس کے ساتھ اس درجہ اشتغال و انہماک رکھتا ہے۔۔۔ انسان دولت کثیر کے ساتھ ہی کیسے کیسے دور دراز کے منصوبے باندھنے اور کیسی کیسی لمبی اسکیمیں بنانے لگتا ہے۔ اور زبان سے کہے یا نہ کہے، لیکن بہر حال دل سے تو یہی سمجھنے لگتا ہے کہ اب جملہ مشکلات میرے ہاتھ آ گئیں، ہر افتاد کا توڑ اپنی اسی دولت کے زور سے کر لیا کروں گا۔ قرآن مجید نے اپنے جامع و بلیغ لفظوں میں اس ساری بشری ذہنیت کی طرف اشارہ کر دیا۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ ۔ اس میں اجتماعی زندگی کے دو بڑے امراض، پس پشت عیب رکھنے، اور رو در رو طعنہ دینے کا علاج آ گیا۔ الَّذِىْ ... عَدَّدَهٗ۔ اس میں اشارہ اس طرف آ گیا کہ اجتماعی اخلاقی امراض کی بنیاد زیادہ تر کبر و بخل پر ہوتی ہے۔ اور یہ عموماً افراط حب مال سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَمَعَ مَالًا۔ غایت حرص و شدت بخل سے مال کے جمع رکھنے کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ مال سے طبعی تعلق مذموم نہیں، مذموم اس تعلق میں غلو و انہماک ہے۔ عَدَّدَهٗ۔ بار بار گنتے اور حساب کرتے رہنا علامت و دلیل ہے غایت حب مال اور اس میں شغف و انہماک کی۔ بینک کی پاس بک کی بار بار الٹ پلٹ کرتے رہنا، بہی کھاتے اور سیاہے کے پھیر میں دن رات پڑے رہنا، سٹہ اور صرافہ اور (Share Market) کی خبروں کی ٹوہ میں ہر وقت لگے رہنا، یہ سب عَدَّدَهٗ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمع مال مذموم وہ ہے جو شغف اور محبت کے ساتھ ہو، اور اسی کے آثار میں سے یہ بار بار کا گننا بھی ہے۔ ف ۲ (اور چونکہ اللہ کے حکم سے سلگائی ہوئی ہے، کسی کے بجھائے بجھ بھی نہ سکے گی) یہ سب تفصیل بیان ہو رہی ہے آغاز سورت کے لفظ وَيْلٌ یعنی شامت اور کم بختی کی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ دلوں تک جا پہنچنا، یہ بیان ہے اس آگ کی سرعت نفوذ و سرایت کا۔ نَارُ اللّٰهِ۔ اضافت اظہار عظمت و اہمیت خصوصی کے لئے ہے۔ یعنی وہ آگ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ دنیا کی کسی آگ پر اسے قیاس نہ کرو۔ فالاضافة للتفخيم اى هى نار لا كسائر النيران (کبیر) الْحُطَمَةُ۔ ایسی آگ کہ جو کڑی سی کڑی چیز بھی اس میں پڑے، اس کو بھی وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ ف ۳ یعنی آگ کے ایسے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جیسے لمبے لمبے ستون، اور وہ لوگ ان میں مقید ہوں گے۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۔ یعنی ہر طرف سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ دوزخیوں کے لئے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا، ہمیشہ ہی وہیں پڑے جلتے رہیں گے۔

ول یعنی انہیں کس طرح ہلاک و برباد کر ڈالا۔ اَصْحٰبِ الْفِیْلِ۔ سالِ عیسوی ۵۷۰ یا ۵۷۱ء تھا، اور ولادت نبوی ﷺ میں ابھی چند ہفتوں کا زمانہ باقی تھا کہ حجاز کے پڑوس میں جو حبشی پرقوت مسیحی سلطنت قائم تھی اور جس کی وسعت حدود عرب تک پہنچی ہوئی تھی، اس کے گورنر عاقی یمن ابرہہ نے حجاز بلکہ خود خانہ کعبہ پر چڑھائی کر دی۔ حاکم یمن یوں بھی وقت کی ایک زبردست سلطنت کا نمائندہ تھا۔ پھر اس کی جنوبی ہوئی مسیحی عبادت گاہ کی شدید توہین بھی کسی بے ادب عرب نے کر دی تھی۔ ابرہہ کو لقدرۃً اس پر سخت غصہ آیا۔ اور اس نے فوج کشی پوری قوت کے ساتھ کی۔ اس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے، جو عرب میں ایک بالکل نئی چیز تھے۔ جیسے آج کل کی جنگ میں ٹینک، جیپ، آتشیں اژدہے وغیرہ۔ یہ فوج کشی ایک تاریخی واقعہ ہے، دوست دشمن سب کو مسلم۔ عربوں نے اس کی اہمیت اتنی محسوس کی کہ اس سال کا نام ہی عام الفیل (ہاتھیوں کا سنہ) رکھ دیا۔ اور اسی واقعہ سے اپنے سنہ کی ابتداء کی۔ کانوا یؤرخون فی کتبهم ودیونهم من سنة الفیل وفیها ولد رسول الله ﷺ فلم تزل قریش والعرب بمکة جمیعًا تؤرخ بعام الفیل۔ (تاریخ مکہ۔ ازرقی۔ جلد اول صفحہ ۹۰) نزول قرآن کے وقت یہ واقعہ فرط شہرت و تواتر سے مثل مشاہدہ کے تھا۔ ول (جو اس نے خانہ کعبہ کے عزم تخریب کو سوچا تھا) والی یمن اور صوبہ دار حبشہ کا سارا پروگرام الٹ گیا، بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، اور بجائے خانہ کعبہ کے برباد کرنے کے خود ہی مع اپنے لشکر کے برباد ہو گیا۔ ہوا یہ کہ یک بیک سمندر (بحر احمر) کی طرف سے پرندوں کا ایک دَل نظر آیا، جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں، جن سپاہیوں پر وہ کنکریاں پڑتیں وہ چیچک میں مبتلا ہو جاتے۔ ابرہہ بھی، جو اہل یمن پریشان ہو کر بھاگا، اور یمن پہنچتے ہی پھنسیوں میں لدا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وٹ (تباہی اور پراگندگی کے لحاظ سے) سِجِّیْلٍ۔ سنگ گِل کا معرب ہے۔ حجر وطین مختلط واصله فی ماقیل فارسی معرب (راغب) قال ابن عباس سجیل معناه سنگ وگل یعنی بعضه حجر وبعضه طین (کبیر) هو معرب من سنگ گل وعلیه الجمهور (مدارک) قرآن مجید میں لغت قریش سے باہر کے لفظ بہت کم آتے ہیں۔ جو معدودے چند آئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ اَبَابِیْلَ۔ اس کے معنی جھنڈ کے ہیں۔ قال ابو عبیدة ابابیل جماعة فی تفرقة (کبیر) قال الزجاج جماعات من ههنا وجماعات من ههنا (مدارک) ائمہ لغت میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں آتا اور بعض نے اس کا واحد ابَّل یا ابالہ یا ابول کو بتایا ہے۔ فیه قولان والاول هو قول الاخفش والفراء انه لاواحد لها (کبیر) الواحد ابیل (راغب) جمع ابالة بکسر الهمزة وتشدید الباء وقیل واحده ابول مثل عجول (روح) سارے قصہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ احکام الٰہی کی بے حرمتی کرنے والوں کو عتاب الٰہی سے ڈرتے رہنا چاہیے، خواہ وہ آخرت میں واقع ہو یا اسی دنیا میں۔

آیاتها ۵ — ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِیْلِ مَكِّیَّةٌ ۱۹ — رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں — سورۃ الفیل مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا ول

اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ

کیا ہم نے ان کا داؤں بالکل الٹ نہیں دیا؟ وٹ اور ان پر

عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ

جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے وہ ان پر کھنگر کی کنکریاں

مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

پھینکتے تھے سو (اللہ نے) انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا وٹ

آیاتها ۴ — ۱۰۶ سُوْرَةُ قُرَیْشٍ مَكِّیَّةٌ ۲۹ — رکوعها ۱

اس کی چار آیتیں ہیں — سورۂ قریش مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ﴿۲﴾

قریش کو خوگر ہونے کی بناء پر، اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بناء پر چاہئے تھا

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ

کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں ول جس نے ان کو بھوک میں

ول یعنی کم از کم اسی ایک نعمت کے شکریہ ہی میں قریش کو چاہیے تھا کہ جس مقدس مکان کے وہ مہبط یہ مجاور ہیں، اور جس کی بدولت دینی و دنیوی دونوں قسم کی برکتوں سے وہ برابر فیضیاب ہوتے رہتے ہیں، اس کے مالک و خالق کو تو پہچانتے، اور شرک چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرتے۔ توحید تو بہرحال مذہب حق ہے، اور ہر قسم کے دلائل سے ثابت۔ لیکن ماں باپ، ماں باپ اولاد کو راہ راست پر لانے کے لئے انتہائے شفقت میں صرف دلائل عقلی و نقلی ہی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اولاد کو غیرت دلانے کے لئے طرح طرح کے واسطے بھی دلایا کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی شفقت تو شفقت والدین سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی۔ قرآن اس مؤثر طریقہ ترغیب سے کیسے کام نہ لیتا۔ قُرَیْشٍ۔ شمالی عرب کی نسل میں شریف ترین اور مشہور ترین قبیلہ کا نام قریش تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسی کی ایک شاخ بنی ہاشم میں ظاہر ہوئے۔ نسبًا یہ قبیلہ نضر بن کنانہ کی نسل سے تھا۔ وقریش ولد النضر بن کنانة وهو اصح الاقوال واثبتها عند القرطبی قیل وعلیه الفقهاء (روح) پیشہ ان لوگوں کا تجارت تھا۔ اور تجارت ہی کے سلسلہ میں دور دور کی سیاحی کر آتے تھے۔ بڑے معاملہ فہم سمجھے جاتے تھے اور اپنے وقت و ملک کی تہذیب و تمدن کے علمبردار تھے۔ اٖلٰفِ۔ تکرارِ "ایلاف" کی تکرار تاکید مضمون اور اس احسان عظیم کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ التكریر تفخیما لامر الایلاف وتذكیر العظیم المنة فیه (کبیر) رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ۔ قریش اپنی تجارتی سیاحتوں کے لئے نام پائے ہوئے تھے۔ ان کے تجارتی سلسلے ایک طرف بحر ہند سے بحر قلزم بلکہ بحر روم تک قائم تھے۔ اور دوسری طرف جنوب عرب میں عمان و یمن سے لے کر شمال میں فلسطین و شام تک کی شاہراہیں ان کے قبضہ میں تھیں۔ اور انہیں پر ان کے بڑے بڑے تجارتی قافلے بین الاقوامی مال و سامان سے لدے ہوئے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خود ان کا وطنی علاقہ مکہ بے آب و گیاہ تھا، ان کے معاش کا سارا مدار ہی تجارتی سفر تھے۔ الشِّتَآءِ۔ سردی کے موسم میں ان کے قافلے جنوب میں یمن کی طرف جاتے۔ وَالصَّیْفِ۔ گرمیوں کے زمانہ میں ان کی تجارت شمال کی طرف شام میں جاری رہتی۔ غرض سال بھر بحری و بری تجارت زور و شور سے جاری رہتی۔ آبادی کا بڑا حصہ اپنا سرمایہ اسی تجارت میں لگائے رہتا۔ قافلے واپس آتے تو شہر بھر میں خوب منافع (Dividends) تقسیم ہوتا، اور لوگ سال بھر خوش حالی سے بسر کرتے۔ هٰذَا الْبَیْتِ۔ یعنی خانہ کعبہ۔ اسم اشارہ اس سیاق میں تعظیمی پہلو رکھتا ہے۔ الاشارة الی البیت فی هذا النظم تفید التعظیم (کبیر) رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ۔ یعنی خدائے واحد، کعبہ اور مکہ کا خدا۔ اٖیْلٰفِ۔ ہمارے زمانہ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی ثم پیرسی نے "ایلاف" کا ترجمہ تجارتی معاہدے کیا ہے، اور اپنی محققانہ کتاب رسول اکرم کی سیاسی زندگی میں لکھا ہے کہ "چین و ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش، سندھ وغیرہ سے انہوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور رحلة الشتاء والصیف کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قافلے ملاتے رہتے تھے وہ سب جانتے ہیں"۔ (ص ۴۷) اور پھر لکھا ہے کہ "غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور وسط ہر حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں سے جکڑ گیا تھا۔ ان کے میلے اور ان کے کارواں جتنے مفید ثابت ہوئے ان کو قرآن نے ۲۱ معجز نما لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ: فَلْیَعْبُدُوْا ... مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (ناقد)

مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ؕ۳
کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا ف۲

اٰیاتھا ۷ ۔ ۱۰۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ ۔ رکوعھا ۱
اس کی سات آیتیں ہیں ۔ سورۃ الماعون مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۧ۷

بھلا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے؟ سو وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کے لئے کھانا دینے کی ترغیب تک نہیں دیتا ف۱ سو بڑی خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (اور) جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں ف۲ اور حقیر چیزوں تک کو روکے رہتے ہیں ف۳

اٰیاتھا ۳ ۔ ۱۰۸ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ ۔ رکوعھا ۱
اس کی تین آیتیں ہیں ۔ سورۃ الکوثر مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ۲
ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے ف۱ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ف۲

کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت و معززیت دے دی۔ صفحہ ۴۵ ف۲ رزق اور امن یہ دو نعمتیں ہر ملک کے لئے ہر زمانہ میں انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے سب سے بڑی اور قابل قدر نعمتیں رہی ہیں۔ عرب خصوصاً حجاز کی جغرافی حالت کے لحاظ سے ان نعمتوں کی اہمیت کئی گنی اور بڑھی ہوئی تھی، اور گویا ایک بالکل معجزانہ حیثیت رکھتی تھی۔ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ۔ بھوک کا سوال۔ پیٹ کا سوال، روٹی کا سوال، ملک کا معاشیاتی سوال ہر جگہ نمبر اول پر اہم رہا ہے۔ چہ جائیکہ حجاز کی سرزمین، جو خشک و ناقابل زراعت تھی۔ پھر وہاں کے لوگ اور اسے خوشحال رہیں یہ جوار کعبہ کی برکت کا معجزہ نہ تھا تو اور کیا تھا۔ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ ماحول ایسا کہ رہزنی ایک عام صورت حال۔ لیکن اسی مجاورت حرم کی برکت سے قریش کے تقدس کی عظمت ایسی دلوں میں بیٹھی ہوئی کہ یہ لوگ بے کھٹکے سفر کرتے، اور کوئی ان کی طرف بری نیت سے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ بلکہ اوران کی خاطر اور احترام ہی ہر جگہ ہوتا۔ جُوْعٍ۔ خَوْفٍ۔ دونوں کا صیغہ نکرہ بھوک اور خوف کی شدت اور اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنكير في جوع و خوف بشدتهما يعني اطعمهم من جوع شديد وامنهم من خوف عظيم (کشاف) المراد من التنكير التعظيم (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کسی کو کسی امر دینی کے واسطہ سے جاہ یا مال نصیب ہو (جیسے یہاں قریش کو بیت اللہ کے واسطہ سے تھا) اسے چاہیے کہ بجائے فخر و دعوی کے شکر و طاعت کا اور زیادہ اہتمام رکھے۔ ف۱ یعنی وہ بد دین شخص ایسا سنگدل اور تنگدل ہے کہ خود تو بیچارے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک تو کیا کرے گا، الٹا ان کے ساتھ بیدردی کا برتاؤ کرتا ہے اور دوسروں تک کو مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ نہیں کرتا۔۔۔ حق تلفیوں کی جسارت و قساوت اسی کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو آخرت کا منکر یا عملاً منکر ہوتا ہے۔ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ دین سے یہاں عموماً مراد جزاء و حساب ہی سے لی گئی ہے۔ وهو قول اكثر المفسرين ان المراد رأيت الذي يكذب بالحساب والجزاء (کبیر) اَرَءَيْتَ۔ ہمزہ استفہام مخاطبین کے ذہن میں مکذب کے تعرف کے لئے شوق و جستجو پیدا کرنے کو ہے۔ استفهام اريد به تشويق السامع الى تعرف المكذب (روح) رَأَيْتَ۔ رؤیت سے یہاں لازمی طور پر رؤیت بصری ہی مراد نہیں ہو سکتا ہے کہ محض جاننا مراد ہو۔ والرؤية بمعنى المعرفة (روح) ذٰلِكَ۔ اشارہ بعید ان لوگوں کی بعد منزلت کو ظاہر کرنے کو ہے۔ ان کی انہی بداعمالیوں کی بناء پر۔ قيل ان اسم الاشارة هنا مقحم للاشارة الى بُعد المنزلة في الشر والفساد۔ (روح) الَّذِيْ۔ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع۔ مراد ریاکار نمازیوں کی جنس ہے۔ معناه الجمع لان المراد به الجنس (کشاف) يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۔ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی حق تلفی عرب جاہلیت میں عام طور سے شائع تھی۔ طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ عرب بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ کھانا کھلانا ان کے ہاں بہترین بھلائی سمجھا جاتا تھا۔ اور بخیل اپنی برائی میں بطور سند کے پیش کیا جاتا۔ ف۲ یعنی نماز اگر پڑھتے بھی ہیں تو نمائش اور دکھاوے کی۔ جسے اصل عقیدہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، گویہ بندوں کے حق ضائع کرتے کرتے خالق کے حق ضائع کرنے میں بھی دلیر ہو گئے ہیں۔ عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے، اور اپنی جگہ پر صحیح بھی ہے کہ حقوق العبد، حقوق اللہ پر مقدم ہیں۔ لیکن یہ تقدم صرف زائد موکد اور اشد ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ فی نفسہ اہمیت تو ظاہر ہے کہ حقوق اللہ ہی کی ہے۔ حقوق العبد بھی تو اسی لئے فرض ہیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ سورت میں ذکر ان افعال کا ہے جو تکذیب دین سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ کفراً خواہ نفاقاً۔ باقی اگر وہ بلا تکذیب دین ہوں تو مذموم اس وقت بھی ہوں گے، مگر اس درجہ میں نہیں۔ ف۳ (اور دوسروں کو دینے میں بخل کرتے ہیں) اَلْمَاعُوْنَ۔ ماعون روزمرہ کے استعمال کی معمولی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جس سے دوسروں کا کام نکل سکے۔ قال ابو عبيدة كل ماقيه منفعة فهو الماعون (جصاص) قال ابو عبيدة والزجاج والمبرد هو في الجاهلية كل ماقيه من منفعة من قليل او كثير (روح) مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے دل مخلوق خدا کی ہمدردی سے اس قدر خالی ہیں کہ کسی کی معمولی سی اعانت بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ بلکہ گراں گزرتی ہے۔۔۔ شریعت کو ملت کی اصلاح انفرادی و اجتماعی کا جس درجہ اہتمام مطلوب ہے! اس سورت سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ جن لوگوں میں عام انسانی ہمدردی اتنی بھی نہیں، انہیں دین کی تکذیب کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ ماعون۔ کے دوسرے معنی زکوٰۃ کے کئے گئے ہیں۔ قال علي وابن عباس رواية وابن عمر وابن المسيب الماعون الزكوٰة (جصاص) اي الزكاة كما جاء عن علي وابنه محمد بن الحنفية وابن عباس وابن عمر وزيد بن اسلم والضحاك وعكرمة (روح) مفہوم اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ جیسی واجب چیز کو بھی ان کا دل گوارا نہیں کرتا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سورت میں ذمائم اخلاق یعنی فسوق، غفلت، ریاء و بخل کی مذمت مذکور ہے۔ صاحب کشاف نے چھٹی ہجری کے وسط اول میں اس سورت کی تفسیر میں ریاکار نمازیوں کی تفصیلی حالت کا مرقع کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ بڑے رنج کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے، بلکہ طبقۂ علماء تک کے لوگ اسی قسم کی ریائی نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ وكم ترى من المتسمين بالاسلام بل من العلماء منهم من هو على هذه الصفة فيا مصيبتا (کشاف) آٹھ سو سال بعد چودھویں صدی ہجری کے وسط میں یہ ماتم کن الفاظ میں کیا جائے؟ ف۱ (دنیا و آخرت دونوں میں جو بین دلیل ہے آپ کے کمال مقبولیت کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخرت میں خیر کثیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب قرب و درجات عالیہ کے لحاظ سے ظاہر ہی ہے، اور خیر دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کثرت تعداد اور ان کی دینوی و اخروی فلاح کے لحاظ سے ہوئی۔۔۔ آیت کا صیغہ ماضی در آنحالیکہ ظہور خیر کثیر کا تعلق مستقبل سے ہے، اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے کہ ایسا ہونا بالکل قطعی اور حتمی ہے۔ اَلْكَوْثَرَ۔ کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں۔ اور یہ لفظ دنیا و آخرت دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔ ولهذا اللفظ يتناول خيرات الدنيا وخيرات الآخرة

(کبیر) لاحوجہ تناول جمیع خیرات الدنیا والاٰخرة (کبیر) اور اس کے تحت میں دنیا وعقبیٰ کی ساری نعمتیں سارے انعامات الٰہی آجاتے ہیں۔ مفسرین نے اس کے ذیل میں کثرت علوم، کثرت معارف، کثرت حسنات، کثرت فتوح، کثرت اتباع، کثرت اولاد سب ہی ذکر کئے ہیں، اور سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ الْكَوْثَرَ ۔ سے مراد جنت کی ایک مشہور نہر بھی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ ۔ اِنَّ اور ضمیر متکلم کی تکرار نے اس ترکیب میں حصر اور تاکید دونوں کے معنی پیدا کر دیئے۔ اِنَّ جس طرح صیغۂ جمع کے لئے آتا ہے، اسی طرح اظہار تعظیم کے لئے بھی آتا ہے۔ اور خدائے واحد کے لئے چونکہ جمع کا کوئی امکان نہیں، اس لئے لامحالہ یہاں مراد اظہار عظمت ہی ہے۔ کلمة تارة یراد بھا الجمع وتارة یراد بھا التعظیم (کبیر) ف ٢ (اور معاندین کے طنز وتعریض کا خیال ہی نہ کیجئے) فَصَلِّ ۔ نماز یہاں قائم مقام ہے ساری بدنی عبادات کے ۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز تمام اقسام شکر کی جامع ہے، اسی لئے بجائے شکر کے اسے لایا گیا۔ فان الصلوٰة جامعة لجمیع اقسام الشکر و لذا قیل فصل دون فاشکر (روح) وَانْحَرْ ۔ قربانی یہاں قائم مقام ہے ساری مالی عبادات کے اور پھر اونٹ کی قربانی تو عرب میں اعلیٰ ترین اور اس کا اہل حاجت پر تقسیم کرنا مال کا بہترین صرف۔ والنحر البدن التی ھی خیار اموال العرب باسمه تعالیٰ علی المحاویج (روح) یعنی یہ ساری بدنی و مالی عبادتیں و طاعتیں خالصۃً صرف اللہ ہی کے لئے ہوں۔ نہ کہ خدانخواستہ بتوں کے لئے، یا کسی دنیوی منفعت کے خیال سے۔ مشرک قوموں میں عموماً اور ہر جگہ انسان کا لاولد رہ جانا شدید نحوست سمجھا گیا ہے۔ عرب جاہلی بھی اسی عقیدہ میں شدت کے ساتھ مبتلا تھے۔ چنانچہ جب

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣ ع

یقیناً بے نام و نشان (ہو کر) تو آپ کا دشمن ہی رہے گا ٣

اٰیاتھا ٦ ۱۰۹ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۱۸ رکوعھا ١

اس کی چھ آیتیں ہیں سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦ ع

آپ کہہ دیجئے، کہ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو ف ١ اور نہ میں (آیندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم ہی (آیندہ) میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو ف ٢ تمہیں تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ ف ٣

اٰیاتھا ٣ ۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱٤ رکوعھا ١

اس کی تین آیتیں ہیں سورۃ النصر مدینہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیں ف ١ تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمسن صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا، تو ان لوگوں کو تعریض کا ایک نیا عنوان ہاتھ آ گیا، اور خوش ہو ہو کر کہنے لگے کہ "ان کا کوئی نام لیوا تو رہا نہیں، ان کی موت کے بعد میدان صاف ہے، ان کے دین کا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے گا"۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بڑی سے بڑی ممکن نعمتیں عطا ہو چکی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خوب چمکے گا، خوب پھیلے گا۔ آپ ان نعمتوں کے شکر میں نماز وعبادت میں مشغول رہیے، اور معاندوں کے طنز وطعن کی طرف التفات ہی نہ کیجئے۔ ف ٣ چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ ابوجہل اور ابولہب اور عتبہ کا "ذکر خیر" آج دنیا کے پردہ میں کہیں بھی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہے کہ سینوں کے اندر اور زبانوں کے اوپر ہر طرح جاری وساری ہی ہے۔ الْاَبْتَرُ ۔ ابتر اسے کہتے ہیں جس کا ذکر خیر کرنے والا، نام لینے والا کوئی نہ رہ جائے۔ ای المقطوع الذکر (راغب) قیل رجل ابتر ای انقطع ذکرہ عن الخیر (راغب) ف ١ یعنی دین اسلام اور ملت شرک کے درمیان کی کوئی صورت ممکن نہیں، دونوں دین بالکل الگ الگ ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔ اے وہ لوگو جو ملت کفر پر قائم ہو۔ یہ خطاب ان کافروں سے ہے، جو کفر وایمان، جاہلیت واسلام کے طریقوں کو ملا جلا کر کوئی نیا دین اپنی تجویز سے قائم کرنا چاہتے تھے ۔۔ مثلاً یہ کہ ایک سال تعلیم وتبلیغ خالص توحید کی ہو، اور دوسرے سال مورتی پوجا کی۔ یہ کوششیں عرب اور اسی دور کے عرب کے ساتھ محدود ومخصوص نہ تھیں۔ بار بار یہ کوششیں ہو چکی ہیں اور اب بھی جاری ہیں کہ کفر واسلام، شرک وتوحید کو ملا کر ایک کر دیا جائے ۔۔ "اکبر کا" دین الٰہی "اسی کوشش کا ایک نمونہ تھا، اور عین اس وقت تو یہ کوششیں کہیں زیادہ زور وقوت واثر کے ساتھ جاری ہیں۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۔ تمہارا یہ دعویٰ ہی غلط وبے بنیاد ہے کہ تم میرے خدا کی پرستش کرتے ہو۔ خدائے اسلام مشرکین کے معبود اعظم سے بالکل مختلف ہے۔ ف ٢ یعنی جب تک تم اپنے دین وآئین پر قائم ہو، تمہارا شمار اہل توحید میں نہیں ہو سکتا، اور میں جب تک اپنے مسلک پر مستقیم ہوں، ظاہر ہے کہ میں مشرک نہیں سمجھا جا سکتا۔ کفر واسلام کے درمیان شرک وتوحید کے مابین کوئی نقطہ اشتراک ہے ہی نہیں۔ وھذا غاية فی التبرؤ (بحر) وفائدة ھذا الترکیب قطع اطماع الکفار (بحر) قرآن، یہ ہمیشہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ زبان عربی میں اور محاورۂ قریش پر ہے۔ اس کی فصاحت وبلاغت کے سمجھنے کے لئے ہمیشہ عرب ہی کے اسلوب بیان کو پیش نظر رکھنا ہوگا، نہ کہ اردو یا فارسی یا انگریزی یا کسی اور زبان کے معیار کو ۔۔ عربی میں تکرار کلام تاکید کے لئے ہوتی ہے، اور یہ عبارت کی حسن وخوبی وزینت سمجھی جاتی ہے۔ قال الفراء ان القراٰن نزل بلغة العرب ومن عادتھم تکرار الکلام للتاکید والافھام (روح) التوکید فی لسان العرب کثیر جدًا وحکوا من ذٰلک نظمًا ونثرًا مالایکاد یحصر (بحر) ف ٣ یعنی توحید پر انعام اور شرک پر عذاب۔ بعض لوگوں نے عجب "خوش فہمی" سے کام لے کر اس آیت کو اسلام کی "رواداری" اور "مرنجان مرنج پالیسی" کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اسلام نے ہر مذہب والے کو اپنی اپنی جگہ قائم اور باقی رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ آیت تو اکبر (فرمانروائے ہند) کے نکالے ہوئے جعلی دین اور اسی قبیل کی ساری کوششوں کی لاحاصلی اور ناکامی کا اعلان کر رہی ہے۔ دِيْنِ ۔ اردو میں بے شک مذہب ہی کا مرادف ہے، لیکن عربی میں اس کے یہ معنی صرف ثانوی اور مجازی ہیں۔ اصلی اور اولی معنی جزا یا بدلہ ہی کے ہیں۔ الدین ھو الحساب ای لکم حسابکم ولی حسابی (کبیر) جائز ہے کہ یہاں بھی دینکم سے مراد شرک اور دینی سے مراد توحید لی جائے۔ ای لکم شرککم ولی توحیدی (کشاف) آیت کی ترکیب حصر کے معنی دے رہی ہے۔ یعنی تمہاری جزا تمہیں کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ اور میری جزا مجھی کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ یفید الحصر ومعناہ لکم دینکم لا لغیرکم ولی دینی لا لغیری (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورت میں اہل ضلال سے تبری ومفارقت کی تصریح ہے، اور اسی کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔ ف ١ چنانچہ عمان، حضرموت، یمن، سب کہیں سے عرب کے دور دراز مقامات سے وفد پر وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار اطاعت کے لئے چلے آ رہے تھے۔ اور قبیلے پر قبیلے اسلام کی طرف سبقت کرنے لگے تھے۔ جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کی نصرت مشاہدہ میں آنے لگے۔ وَالْفَتْحُ ۔ الفتح سے مراد فتح مکہ لی گئی ہے۔ جو رمضان ۸ھ میں حاصل ہوئی تھی۔ وعن عائشة ان المراد به فتح مکة وروی ذٰلک عن مجاھد وغیرہ وصححه الجمھور (روح) شہر مکہ تسخیر ہو جانے کے بعد کہنا چاہیے کہ سارے ہی حجاز پر اسلام کا تسلط ہو گیا تھا۔ باعتبار ان فتح مکة کان ام الفتوح (روح) نَصْرُ ۔ فتح

کے درمیان فرق یہ ہے کہ نصر تو دشمن پر غلبہ پاجاتا ہے اور فتح اس کے ملک کا فتح ہوجانا۔ النصر الاغاثة الاظهار علي العدو و الفتح فتح البلاد (کشاف) فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ۔ یعنی مذہب اسلام میں۔ دین اللہ اسلام ہی ہے۔ اے ملة الاسلام التي لادين له تعالي يضاف اليه غيرها (روح) اَفْوَاجًا۔ فوج کے معنی جماعت کے ہیں۔ یعنی لوگ خوب جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگیں۔ والمراد بدخول الناس في دينه تعالى افواجا اے جماعات كثيرة (روح) شہر مکہ و شہر طائف اور ملک یمن اور قبیلۂ ہوازن کے لوگ فتح مکہ کے معاً بعد داخل اسلام ہونے لگے۔ ف۲ انتہائی تحمدیوں، کامیابیوں، کامرانیوں کے وقت ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ جشن دھوم دھام سے منا، جلوس نکالنا، نقارے بجانا، چراغاں کرنا، زندہ باد کے نعرے لگانا (دنیا تو تحمدیوں کے انہیں جشنوں، جلوسوں سے واقف ہے) بلکہ حکم یہ ملتا ہے کہ اللہ کی یاد کی منزلیں طے کرنے کے بعد حمد و تسبیح و استغفار میں اور زیادہ لگ جایئے! اکابر صحابہ آیت کے نزول ہی سے سمجھ گئے تھے کہ جو رسول ﷺ کا مقصد بعثت تھا وہ پورا ہو چکا اور اب وقت وفات نبوی ﷺ قریب ہے، بلا ضرورت اس دنیا میں کسی کو بھی نہیں رکھا جاتا ہے، چہ جائیکہ رسول کو۔ ان کا مشن ختم ہو چکا، اور اب انہیں اپنی اصلی منزل جنت کی طرف واپس ہونا ہے۔ استغفار۔ جب رسول کے لئے آتا ہے، تو مراد کسی گناہ کے صدور سے نہیں، صرف ترک اولیٰ سے ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اسی طرح سالکین طریق کو بھی چاہیے کہ جب تبلیغ و ارشاد سے فارغ ہو جایا کریں، تو مخصوص عبادات

وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

اور اس سے استغفار کیجئے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ف۲

آیاتها ۵ | ۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶ | رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں | سورۃ اللہب مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

دو ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا ف۱ نہ اس کا مال اس کے کام آیا

وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ

اور نہ اس کی کمائی ہی ف۲ ایک شعلہ زن (سخت) آگ میں پڑے گا (خود بھی) اور اس کی بیوی بھی ف۳

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

لکڑیاں لاد کر لانے والی، اس کی گردن میں ایک رسی (پڑی) ہو گی خوب بٹی ہوئی ف۴

آیاتها ۴ | ۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ | رکوعها ۱

اس کی چار آیتیں ہیں | سورۃ الاخلاص مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے ف۱ اللہ بے نیاز ہے ف۲ نہ اس کے کوئی اولاد ہے

وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

نہ وہ کسی کی اولاد ہے، ف۳ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ف۴

تقرب میں مشغول ہو جائیں۔ ف۱ ابولہب۔ لفظی معنی ہیں "شعلہ کا باپ" عرب جاہلی میں کنیت کا رواج عام تھا۔ یہ کنیت ایک سردار قریش عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا، اور چونکہ اس کے چہرے کا رنگ بہت ہی سرخ تھا، اس کی آتشیں رخساری کی بناء پر اسے ابولہب کہتے تھے۔ یہ اتنے قریب کے عزیز ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مشن کا شدید ترین مخالف تھا، اور ریاست مکہ کا ایک ذی اثر رئیس تھا۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو ابولہب آیا ہے، یہ بطور کنیت کے نہیں، بلکہ بطور پیش خبری کے ہے کہ اس شخص کا انجام جہنمی ہونا ہے۔ قال بعض المفسرين انه لم يقصد بذلك مقصد كنيته التي اشتهرها وانما قصدالي اثبات النار له وانه من اهلها وسماه بذلك كما يسمى المشير للحرب والمباشر لها ابو الحرب واخو الحرب (راغب) تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ یعنی ابولہب کی قوتیں بے کار گئیں، اور اس کی تدبیریں بے اثر رہیں۔ وَّتَبَّ۔ اور وہ خود ناکام و نامراد ہلاک ہو کر رہ گیا۔ خوب خیال رہے کہ سورت جس وقت نازل ہوئی ہے، ابولہب اپنی پوری قوت و اقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت کا مالک تھا۔ آج واقعہ کے گزر جانے کے چودہ صدیاں بعد محض اس کا ذکر ایک چھپی ہوئی کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے، اور ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنی رکھتی تھی! ذرا خیال تو کیجئے کہ اس وقت کیسی کھلبلی مچ گئی ہوگی۔ ف۲ یعنی تباہی، ہلاکت، نامرادی سے اس کا مال و دولت اسے ذرا نہ بچا سکا۔ مَالُهٗ۔ یعنی اس کا مستقل سرمایہ۔ مَا كَسَبَ۔ یعنی اس مستقل سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع۔ اللہ اکبر! قرآن کس جزم و قطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیشگوئی کر رہا ہے۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ و سلامت اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود ہے، اور ایک بیکس و بے یار شخص (ﷺ) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ انجام ہو چکا! صیغۂ ماضی برابر ملحوظ خاطر رہے، جو عربی اسلوب بیان میں مستقبل کے اظہار قطعیت کے لئے آتا ہے۔ ف۳ یعنی ام جمیل بنت حرب ہمشیرۂ ابوسفیان۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن سے مخالفت اس کی بھی حد غلو تک پہنچی ہوئی تھی۔ س وعید کے لئے ہے۔ یعنی یہ انجام ہونا بالکل یقینی ہے۔ والسين للوعيد اے هو كائن لامحالة وان تراخي وقته (کشاف) والسين لتاكيد الوعيد (روح) نَارًا۔ صیغۂ نکرہ کا آنا آگ کی بڑائی اور سختی کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنوين للتعظيم اے نارًا عظيمة (روح) ف۴ یہ بیان تو واقعات آخرت کا ہو رہا ہے کہ وہاں ان دشمنان حق میاں بیوی کا یہ انجام ہوگا۔ لیکن اہل سیر لکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی اس عورت کا یہی انجام ہوا، اور دو گلے میں رسی کا پھندا پڑ جانے سے مری۔ الحطب۔ یعنی جنگل کی خاردار لکڑیاں۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ ام جمیل شدت بغض و عداوت سے جنگل کی خاردار لکڑیاں چن کر رات کے وقت ان راستوں میں ڈال دیتی، جن سے رسول اللہ ﷺ گزرنے والے ہوتے۔ كانت تحمل حزمة من الشرك والحسك والسعدان فتنشرها بالليل في طريق رسول الله ﷺ (کشاف) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ محاورۂ عرب میں مفسد اور ادھر سے ادھر لگائی بجھائی کرنے والے کو کہتے ہیں، جیسے فارسی میں ہیزم کش۔ يقال للمشاء بالنمائم المفسدين الناس بحمل الحطب بينهم اے يوقد بينهم النائرة ويورث الشر (کشاف) وقوله تعالى حمالة الحطب كناية عنها بالنميمة (راغب) یعنی النميمة وعنه يقال فلان يحطب على اذا اغرى به والكلام استعارة شبهوا النميمة بالحطب والعداوة والشحناء بالنار (ابن تیمیہ) ف۱ ذات، صفات، سب کے لحاظ سے واحد و یکتا ـــ نہ عدد میں دو، نہ اس کا کوئی اقنوم، نہ اس کا کوئی مظہر یا اوتار، نہ اس کا کوئی مثل و سوا۔ یعنی هو الواحد الاحد الذي لانظير له ولاوزير ولانديد ولاشبيه ولاعديل (ابن کثیر) اَحَدٌ۔ لفظ احد کا استعمال عربی میں مختلف موقعوں پر ہوتا رہتا ہے۔ جب صیغۂ اثبات میں اور صفت مطلق کی طرح پر آتا ہے تو اس کا اطلاق بجز حق تعالیٰ کے اور کسی پر جائز نہیں کہ صرف وہی اپنی ذات و صفات میں بے نظیر و بے ہمتا ہے۔ والثالث ان يستعمل مطلقا وصفا وليس ذلك الا في وصف الله تعالى (راغب) ولا يطلق هذا اللفظ على احد

﴿ ایاتہا ۵ ﴾ ﴿ ۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ ﴾ ﴿ رکوعہا ۱ ﴾

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ الفلق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے ف۱

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ

اور اندھیری رات کے شر سے، جب رات آ جائے ف۲ اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں

فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

کے شر سے ف۳ اور حسد کرنے والے کے شر سے، جب وہ حسد کرنے لگے ف۴

﴿ ایاتہا ۶ ﴾ ﴿ ۱۱۴ سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ ﴾ ﴿ رکوعہا ۱ ﴾

اس کی چھ آیتیں ہیں سورۃ الناس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳

آپ کہیے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں ف۱

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ

پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے، ف۲ (وہی) جو لوگوں کے

فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ف۳

فی الالباب الا علی اللہ عز وجل لانہ الکامل فی جمیع صفاتہ و افعالہ (ابن کثیر) الاحد۔ اہل لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح و صریح ہے کہ یہ اسم صرف ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے اور صفت احدیت صرف اسی کے حق میں آ سکتی ہے۔ لایوصف بہ الاحضرۃ جناب اللہ سبحانہٗ وتعالٰی لخلوص ھذا الاسم الشریف لہ تعالٰی وھو الفرد الذی لم یزل وحدہٗ ولم یکن معہٗ اٰخر وقیل احدیۃ معناھا انہٗ لایقبل التجزی لنزاھتہ عن ذٰلک وقیل الاحد الذی لاثانی لہٗ فی ربوبیتہ ولا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ (ت ج) قال الازھری لایوصف شیء بالاحدیۃ غیر اللہ (کبیر) قُلْ هُوَ۔ ھو سے یہاں اشارہ اسم اللہ کی طرف ہے۔ اور آیت میں لفظ اللہ اس مبتدا کی خبر ہے۔ ھو کنایۃ عن اسم اللہ فیکون قولہ اللہ مرتفعا بانہ خبر مبتدا (کبیر) اَحَدٌ۔ اس کا بجائے الاحد کے صیغہ نکرہ میں آنا اظہار عظمت کے لئے ہے۔ المراد ھو التکبیر علی سبیل التعظیم (کبیر) ف۲ (اور مقصودیت اسی کے لئے خاص ہے) اَلصَّمَدُ۔ صمد وہ ہے کہ سب اس کے محتاج اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں! ۔۔اس اسم صفت کے لانے سے خود اس طرف اشارہ ہو گیا کہ معبود تو بس وہی ہے، نہ کہ تمہارے دیوی دیوتا جو خود دوسروں کے محتاج ہیں۔ الصمد السید الذی یصمد الیہ فی الامر والمقصد بقولہ اللہ الصمد تنبیھا انہٗ بخلاف من اثبتوا لہ الالٰھیۃ (راغب) اور یہی معنی حدیث میں بھی آئے ہیں۔ قال علیہ السلام ھو السید الذی یصمد الیہ فی الحوائج (کبیر) عن ابن عباسؓ، عن ابی ھریرۃ ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد (روح) اس میں تردید آ گئی آریہ سماجی شرک اور بعض دوسرے جاہلی فرقوں کے اس عقیدہ کی، کہ "صانع عالم" بھی روح اور مادہ کا محتاج رہا ہے۔ ف۳ مسیحیوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا صاحب اولاد ہے۔ اور بہت سے مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے فلاں فلاں دیوتا خدا زادے ہیں۔ قرآن شرک کی ہر ممکن اور چھپی ہوئی صورت کی تردید کرتا جا رہا ہے۔ مشرک جاہلیوں کے بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا بغیر سلسلۂ نسب کے کیسے ہو سکتا ہے؟ آیت اسی تخیل پر ضرب لگا رہی ہے۔ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا لرسول اللہ ﷺ انسب لنا ربک فانزل اللہ تعالٰی ھذہ السورۃ (معالم) ف۴ (جیسا کہ مشرکین نے دیوتاؤں کی برادری بنا کر فرض کر رکھا ہے) بابل (کلدانیہ) مصر، ہند، ایران، یونان جملہ ملکوں کے مذاہب شرک و جاہلی میں یہ پایا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کی باہم جیسے ایک برادری ہوتی ہے، اور پھر ان کا رشتہ معبود اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ آیت اس تخیل ہی پر ضرب لگاتی ہے۔۔ غرض یہ کہ سورت شرک کی ہر متعارف بلکہ ہر ممکن صورت کی تردید کرتی ہے۔ اور خوب فرمایا ہے صاحب تفسیر کبیر نے، کہ جس طرح سورۃ الکوثر شان رسالت میں جامع ہے، اسی طرح سورۃ الاخلاص شان توحید میں جامع ہے۔ سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورت ایک ثلث قرآن ہے!۔۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ توحید ذاتی، توحید صفاتی و توحید افعالی کی جامعیت و استقصاء کے لحاظ سے یہ سورت اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ فخر المتاخرین علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی، صاحب تفسیر کبیر فخر الملۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے خود بہت معتقد ہیں، اور ان کے کلام سے بکثرت استفادہ و استشہاد کرتے گئے ہیں۔ لیکن اس سورت کی تفسیر میں پہنچ کر خدا معلوم کس بھول میں پڑ گئے کہ تمہید تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ ان پر طعن کر گئے۔ اور یہ لکھ گئے کہ وہ مرویات کی تحقیق میں ہرگز امام نہیں تھے۔ والرجل رحمۃ اللہ علیہ لیس بامام فی معرفۃ احوال المرویات لایمیز غثھا من سمینھا اولا یبالی بذٰلک فیکتب ماظفر بہ وان عرف شدۃ ضعفہ۔ حیرت ہے کہ علامہ کو یہ خیال نہ رہا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الاخلاص کی تفسیر تک پہنچ ہی کہاں پائے تھے، اور ابھی ستائیسویں پارہ کے نصف ہی میں تھے کہ رحلت فرما گئے۔ باقی تفسیر کا تکملہ تو ان کے شاگردوں نے کیا ہے۔

ف۱ مَا خَلَقَ کے عموم نے ادھر تو جد والا دی کہ مخلوقات ساری کی ساری، خواہ وہ کسی مرتبہ اور نوعیت کی ہو محکوم اور عاجز اور بے بس ہے۔ اور ہر ایک کی شر و ایذاء سے پناہ اللہ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔۔ سورت تمام اقسام مضرت سے، جو کسی بھی دنیوی سبب سے پیش آ سکتی ہوں، پناہ جوئی و پناہ طلبی کی جامع ہے، اور ختم قرآن پر ایسی ہی جامع دعاء کی ضرورت بھی تھی۔ فلق سے مراد سپیدۂ فجر ہے۔ اور دنیا میں بعض جاہلی قوموں نے خود اس کی بھی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سپیدۂ فجر بھی ہر مخلوق کی طرح مخلوق ہی ہے اور اس کا خالق وہ لک بھی وہی ہے۔ جو سب کا ہے۔ فلق کے معنی مکان جہنم وغیرہ کے بھی سمجھے گئے ہیں لیکن اس کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ صحابیوں اور بکثرت تابعین سے صبح ہی کے مروی ہیں، اور یہی معنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئے ہیں۔ عن جابر قال الفلق الصبح وقال العوفی عن ابن عباسؓ الفلق الصبح وروی عن مجاھد وسعید بن جبیر وعبداللہ بن محمد بن عقیل والحسن وقتادۃ ومحمد بن کعب القرظی وابن زید ومالک عن زید بن اسلم مثل ھذا (ابن کثیر) قال ابن جریر الصواب القول الاول انہ فلق الصبح وھذا ھو الصحیح وھو اختیار البخاری فی صحیحہ (ابن کثیر) انہ الصبح وھو قول الاکثرین (کبیر) ف۲ (مع اپنے سارے خطرات اور امکانات مضرت کے) غَاسِقٍ۔ یعنی شدت سے اندھیری رات۔ الغاسق اللیل المظلم وغسق اللیل شدۃ ظلمتہ (راغب) الغاسق ھو اللیل اذا عظم ظلامہ (کبیر) شب کی اندھیریوں کے خطرے ایک دو نہیں، بہت سے ہیں۔ چور، ڈاکو، قاتل وغیرہ عموماً رات ہی میں نکلتے ہیں۔ جنگلی جانوروں، شیر، چیتا، تیندوا، بھیڑیا وغیرہ، نیز حشرات الارض، سانپ، بچھو، کنکھجورا، ان سب کے خطرے رات میں بڑھ جاتے ہیں، متعدد بیماریوں کے کیڑے ڈاکٹری تحقیقات کے مطابق

اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں، اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور تکلیف دہ کیڑے مکوڑوں، مچھر کھٹمل، پسو وغیرہ کے رات ہی میں نکلنے کا تجربہ تو ہر ایک کو ہے۔ غرض سفر حضر کی ہر صورت میں رات کے خطرے اور امکانات مضرت و تکلیف بہت بڑھے ہوئے ہیں — اور بہت سی قوموں نے ان پر رات کے جن وہمی خطروں، بھوت، پریت، چڑیل وغیرہ کا اضافہ کر رکھا ہے ان کا تو ذکر ہی نہیں — تو رات کی ممکن شر انگیزیوں سے پناہ جوئی بشری زندگی کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔ **ف ۳** سحر کا رواج دنیا میں ہمیشہ بہت زائد رہا ہے، اب بھی متعدد قوموں میں ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں ہے کہ بعض یہودی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ پر کچھ منتر پڑھ کر سحر کر دیا تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور حضرت جبرئیل نے آیتوں کو پڑھ پڑھ کر اس سحر کو باطل کر دیا — رسول ﷺ کا سحر سے (جو مادیات ہی کی ایک سفلی قسم ہے) متاثر ہو جانا بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ذات الجنب سے، ملیریا سے، درد اعصاب سے متاثر ہو جانا، اور اس میں منافی نبوت ہونے کا کوئی ادنیٰ پہلو بھی نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسباب طبعی سے اہل باطل کا اثر اہل حق پر بھی پڑ سکتا ہے، اور ایسی تاثیرات حق و باطل کا معیار ہرگز نہیں بن سکتیں۔ **ف ۴** دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہوتا ہے۔ حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے۔ **ف ۱** (کہ ان تینوں صفات کا مصداق وہی خدائے واحد ہے) رَبِّ النَّاسِ۔ ربوبیت مطلق صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت ربوبیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی آ گئی۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ حاکمیت و ملکیت مطلقہ بھی صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت حاکمیت و مالکیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہو گئی۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت معبودیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہو گئی۔ مشرک جاہلی قوموں نے عموماً حق تعالیٰ کی انہیں تین صفات، ربوبیت، مالکیت و معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں تینوں صفات کو یکجا کر کے جامع تعلیم توحید کی دے دی ہے۔ سورۃ الفلق جس طرح دنیوی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع تھی، یہ سورت دینی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع ہے۔ اور اسی پر قرآن مجید کا خاتمہ نہایت ہی مناسب تھا۔ **ف ۲** (کہ ان کا ڈالا ہوا وسوسہ کہیں باعث معصیت نہ ہو جائے) ہر شر، ہر معصیت کی ابتداء کسی نہ کسی وسوسہ ہی سے ہوتی ہے۔ وسوسہ دل میں اگر آ کر نکل گیا تو انسان محفوظ رہ گیا۔ لیکن وہی وسوسہ اگر جم گیا تو انسان کو کسی نہ کسی درجہ کی مضرت دینی میں پھنسا کر یقیناً رہتا ہے۔ وسوسے سے پناہ مانگنے کی تعلیم اسی لئے عین حکمت پر مبنی ہے۔ الْخَنَّاسِ۔ شیطان کا ایک صفاتی نام ہے۔ یعنی وہ حق تعالیٰ کا ذکر سن کر سکڑنے لگتا ہے۔ ای الشیطان الذی یخنس ای ینقبض اذا ذکر اللہ تعالیٰ (راغب) **ف ۳** اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ اندازی کا کام جنات بھی کرتے ہیں اور انسان بھی مِنَ الْجِنَّةِ۔ مِن تبعیض کے لئے ہے۔ یعنی ان وسوسہ اندازوں میں سے کوئی جن ہوتا ہے اور کوئی کوئی انسان — قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ شیاطین الانس والجن اسی معنی میں ہے۔ **ومن للتبعیض ای کائنا من الجنة والناس فھی فی موضع الحال ای ذلک الموسوس ھو بعض الجنة وبعض الناس** (بحر) بیان للذی یوسوس علی انہ ضربان جنی وانسی (روح) اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ محمد علیؒ آج یوم دوشنبہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء مطابق ۱۸ رجب ۱۳۶۲ھ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کا مسودۂ اول ختم ہوا۔ اور اس میں دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تقریباً سوا تین سال لگے۔ مسودہ کی نظر ثانی و تکمیل میں بھی کم از کم دو سال کی مدت ابھی اور لگے گی۔ اس نامہ سیاہ کا سن اس وقت بحساب شمسی ۵۱ سال سے کچھ اوپر ہے — آج یوم دوشنبہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۰ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ) بعد ظہر الحمد للہ کہ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ آج زندگی کا شاید خوش نصیب ترین دن ہے۔ نظر ثانی میں وقت اندازہ سے بہت زیادہ لگ گیا، دوسرے کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہے تھے۔ حق تعالیٰ کا شکر و احسان کس زبان سے ادا ہو کہ ایک بے علم و بے عمل کو کلام پاک کی خدمت کا یہ حوصلہ دے دیا۔ لغزشوں اور کوتاہیوں سے تو شرح کے یہ ہزار ہا صفحات لبریز ہی ہوں گے۔ لیکن کوئی ایک آدھ مقام بھی اگر حق تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے، تو واللہ کہ اس نامۂ سیاہ کے نامۂ سیاہ کی ساری سیاہیوں کو دھو دینے کے لئے کافی ہے — ناکاروں کا اصلی اور بڑا سہارا خود اسی کا کرم بے حساب و لطف بے نہایت ہے!

اے بدر ماندگی پناہ ہمہ کرم تست عذر خواہ ہمہ + قطرۂ ز آب رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ + خسروا ز تو پناہ می جوید اے الٰہ من و الٰہ ہمہ

(نظر ثالث کی تاریخ۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق یکشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۰ء، بوقت دو بجے دن)

دُعَاءِ خَتْمِ الْقُرْآن

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ. وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا

اے اللہ مجھ سے میری قبر کی وحشت دور فرما اے اللہ مجھ پر عظمت والے قرآن کے ذریعہ رحم فرما اور اس کو میرے لیے مقتدا

وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَاجَهِلْتُ

اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ اس کے اندر جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا اور جو مجھے نہیں معلوم وہ مجھے سکھا دے

وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ اٰمِیْنَ

اور دن رات اس کی تلاوت کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے سب جہانوں کے پالنے والے اس کو میرے لیے دلیل بنا (اے اللہ) قبول فرما

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ ○ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ

بڑی شان بلند مرتبہ والے اللہ نے سچ فرمایا اور سچ فرمایا اس کے رسول ﷺ نے جو عزت والا نبی ہے اور ہم اس پر

الشّٰهِدِیْنَ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِكُلِّ حَرْفٍ

گواہوں میں سے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول کیجیے بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے اے اللہ ہمیں قرآن پاک

مِّنَ الْقُرْاٰنِ حَلَاوَةً وَّبِكُلِّ جُزْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ جَزَآءً. اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِالْاَلِفِ اُلْفَةً وَّبِالْبَآءِ

کے ہر حرف کے بدلے مٹھاس نصیب کر اور قرآن پاک کے ہر جز. کے بدلے اچھا بدلا عطا فرما اے اللہ ہمیں الف کے بدلے الفت اور ب کے بدلے

بَرَكَةً وَّبِالتَّآءِ تَوْبَةً وَّبِالثَّآءِ ثَوَابًا وَّبِالْجِیْمِ جَمَالًا وَّبِالْحَآءِ حِكْمَةً وَّبِالْخَآءِ خَیْرًا وَّبِالدَّالِ

برکت اور ت کے بدلے توبہ اور ث کے بدلے ثواب اور ج کے بدلے جمال اور ح کے بدلے دانائی اور خ کے بدلے بھلائی

دَلِیْلًا وَّبِالذَّالِ ذَكَآءً وَّبِالرَّآءِ رَحْمَةً وَّبِالزَّآءِ زَكٰوةً وَّبِالسِّیْنِ سَعَادَةً وَّبِالشِّیْنِ شِفَآءً وَّبِالصَّادِ

اور دال کے بدلے رہنمائی اور ذال کے بدلے ذہانت اور ر کے بدلے رحمت اور ز کے بدلے پاکی اور س کے بدلے نیک بختی اور ش کے بدلے شفاء اور ص کے بدلے

صِدْقًا وَّبِالضَّادِ ضِیَآءً وَّبِالطَّآءِ طَرَاوَةً وَّبِالظَّآءِ ظَفْرًا وَّبِالْعَیْنِ عِلْمًا وَّبِالْغَیْنِ غِنًی وَّبِالْفَآءِ

سچائی اور ض کے بدلے روشنی اور ط کے بدلے تروتازگی اور ظ کے بدلے کامیابی اور ع کے بدلے علم اور غ کے بدلے بے نیازی اور ف کے بدلے

فَلَاحًا وَّبِالْقَافِ قُرْبَةً وَّبِالْكَافِ كَرَامَةً وَّبِاللَّامِ لُطْفًا وَّبِالْمِیْمِ مَوْعِظَةً وَّبِالنُّوْنِ نُوْرًا وَّبِالْوَاوِ

فلاح اور ق کے بدلے نزدیکی اور ک کے بدلے عزت اور ل کے بدلے مہربانی اور م کے بدلے نصیحت اور ن کے بدلے نور اور و کے بدلے

وُصْلَةً وَّبِالْهَآءِ هِدَایَةً وَّبِالْیَآءِ یَقِیْنًا. اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ ○ وَارْفَعْنَا بِالْاٰیٰتِ

ملاپ اور ھ کے بدلے رہنمائی اور ی کے بدلے یقین عطا فرما یا اللہ ہمیں عظمت والے قرآن کے ذریعہ نفع پہنچا اور ہمارا مرتبہ آیات

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ وَتَقَبَّلْ مِنَّا قِرَآءَتَنَا وَتَجَاوَزْ عَنَّا مَا كَانَ فِيْ تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ مِنْ خَطَاٍ

اور نصیحت والے ذکر کے ذریعہ بلند فرما اور ہمارے پڑھنے کو قبول فرما اور ہم سے درگزر فرما وہ کوتاہی جو قرآن پاک کی

اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَحْرِيْفِ كَلِمَةٍ عَنْ مَّوَاضِعِهَآ اَوْ تَقْدِيْمٍ اَوْ تَاْخِيْرٍ اَوْ زِيَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ اَوْ

تلاوت میں ہوئی ہو یعنی خطا یا بھول یا بدلنا کلمہ کا اپنی جگہ سے یا آگے یا پیچھے یا زیادتی یا کمی یا مراد لیا غیر اس کا

تَاْوِيْلٍ عَلٰى غَيْرِ مَآ اَنْزَلْتَهٗ عَلَيْهِ اَوْ رَيْبٍ اَوْ شَكٍّ اَوْ سَهْوٍ اَوْ سُوْءِ الْحَانٍ اَوْ تَعْجِيْلٍ عِنْدَ

جو اتارا تو نے اس پر یا ریب یا شک یا غفلت یا نقش غلطی یا جلدی کرنا تلاوت

تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَسْلٍ اَوْ سُرْعَةٍ اَوْ زَيْغِ لِسَانٍ اَوْ وَقْفٍ بِغَيْرِ وُقُوْفٍ اَوْ اِدْغَامٍ بِغَيْرِ مُدْغَمٍ

قرآن کے وقت یا سستی یا تیزی یا زبان کی کجی یا غیر وقف کے وقف کرنا یا ملانا غیر مدغم کے

اَوْ اِظْهَارٍ بِغَيْرِ بَيَانٍ اَوْ مَدٍّ اَوْ تَشْدِيْدٍ اَوْ هَمْزَةٍ اَوْ جَزْمٍ اَوْ اِعْرَابٍ بِغَيْرِ مَا كَتَبَهٗ

یا ظاہر کرنا بغیر بیان یا مد یا تشدید یا ہمزہ یا جزم کے یا اعراب دینا علاوہ اس کے جو اس نے لکھا یا

اَوْ قِلَّةِ رَغْبَةٍ وَّ رَهْبَةٍ عِنْدَ اٰيٰتِ الرَّحْمَةِ وَ اٰيٰتِ الْعَذَابِ فَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا وَ اكْتُبْنَا

یا رغبت اور خوف کا کم ہونا رحمت کی آیات اور عذاب کی آیات کے وقت پس بخش ہم کو اے ہمارے پروردگار اور ہمیں

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ زَيِّنْ اَخْلَاقَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ نَجِّنَا مِنَ النَّارِ

گواہوں کے ساتھ لکھ یا اللہ قرآن کے ذریعہ ہمارے دلوں کو منور فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمارے اخلاق کو مزین فرما۔ اور قرآن کے ذریعہ ہمیں آگ سے

بِالْقُرْاٰنِ وَ اَدْخِلْنَا فِي الْجَنَّةِ بِالْقُرْاٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِي الدُّنْيَا قَرِيْنًا وَّفِي الْقَبْرِ

نجات عطا فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمیں جنت میں داخل فرما یا اللہ قرآن کو ہمارے لیے دنیا میں ساتھی بنا اور قبر میں

مُؤْنِسًا وَّعَلَى الصِّرَاطِ نُوْرًا وَّفِي الْجَنَّةِ رَفِيْقًا وَّمِنَ النَّارِ سِتْرًا وَّ حِجَابًا وَّ اِلَى الْخَيْرَاتِ

غمخوار اور پل صراط پر روشنی والا اور جنت میں ساتھی اور آگ سے پردہ اور حائل اور تمام بھلائیوں کی

كُلِّهَا دَلِيْلًا فَاكْتُبْنَا عَلَى التَّمَامِ وَارْزُقْنَآ اَدَآءً بِالْقَلْبِ وَ اللِّسَانِ وَ حُبِّ الْخَيْرِ وَ السَّعَادَةِ

طرف رہنما بنا پس ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمیں ایسا ایمان نصیب فرما جو دل اور زبان سے ادا ہو۔ اور بھلائی کی محبت اور نیک بختی

وَ الْبِشَارَةِ مِنَ الْاِيْمَانِ ○ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ مَّظْهَرِ لُطْفِهٖ

اور خوشخبری والا ایمان نصیب فرما اور اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے اپنے مخلوق میں سے بہتر محمد (ﷺ) پر

وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ○

اور اس کی آل اور اس کے تمام صحابہ پر اور بہت بہت سلام بھیجے

گزارشِ ناشر

پاک کمپنی نے اپنے قیام سے تاایں روز قرآن پاک کی اشاعت میں بہتر سے بہتر کی طرف سفر جاری رکھا ہے۔ اردو زبان میں موجود اہم تراجم اور تفاسیر چھاپنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہماری شب و روز کی محنتوں کا ثمر ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر عطا فرمایا ہے اور بہت کم عرصہ میں پاک کمپنی اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

اب تک ہم مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، مولانا فتح محمد جالندھریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شاہ عبدالقادرؒ، مولانا شاہ رفیع الدینؒ، مولانا محمود الحسنؒ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے اردو تراجم اور تفاسیر کے علاوہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فارسی ترجمہ، تاج محمود امروٹیؒ کا سندھی ترجمہ، مارماڈیوک پکتھال کا انگریزی ترجمہ اور رومن انگریزی ٹرانسلٹریشن شائع کر چکے ہیں اور مزید علماء کے تراجم پر کام ہو رہا ہے۔

پاک کمپنی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار کمپیوٹرائزڈ کتابت والے قرآن مجید شائع کیے۔ قرآن مجید کے اس نسخہ کی کتابت بھی کمپیوٹرائزڈ ہے۔ اور امید ہے کہ قاری حضرات اس کمپیوٹرائزڈ جدید عربی فونٹ کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

آپ کے زیر مطالعہ قرآن مجید مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ قدیم اور جدید تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مغربی علوم کے ماہر تھے۔ فلسفہ ان کا خاص موضوع رہا نیز بائبل کے تمام ادوار ان کی نظر میں رہے۔ ایک عرصہ تک وہ مغربی فلسفہ سے متاثر ہو کر الحاد و تشکیک کے شکار رہے۔ اس کے بعد وہ توبہ کر کے پکے اور سچے مسلمان ہو گئے اور ہمہ وقت فرنگی علوم و فنون اور فلسفہ و نظریات کی فتنہ سامانیوں اور ہمارے معاشرے کے اثرات بد کی روک تھام میں مصروف رہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ ترجمہ اور تفسیر اس کی بہترین مثال ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے ہر قدم پر ہدایات اور مشاورت نے اس ترجمہ وتفسیر کو خاص شانِ امتیاز بخش دی۔

انگریزی زبان میں ترجمہ وتفسیر کے بعد مولانا نے اردو دان طبقہ کو مغربی فلسفہ کی یلغار سے بچانے کے لیے ایک عظیم کوشش کی ہے۔ یہ مغربی مفکرین اور فلسفیوں اور مبلغین کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب بھی ہے اور ان کے اثرات سے پیدا ہونے والے لادینیت الحاد و تشکیک کے امراض کا شافی علاج بھی۔ مغربی فلسفہ زدہ یورپ پلٹ معاشرہ کے لیے اس تفسیر کی اشاعت آب حیات سے کم نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ مغربی میڈیا سے متاثر افراد خصوصاً نوجوانوں کو یہ ترجمہ اور تفسیر ضرور پڑھائیں۔

اس تفسیر میں آپ کو نہ صرف جابجا بائبل، تورات، ہندو وید، گیتا، بدھ تعلیمات، مجوسی مفکرین نیز قدیم وجدید یونانی فلسفیوں کے حوالہ جات اور ان کے مدلل جوابات ملیں گے بلکہ عظیم مفسرین کرام کی تفاسیر کے اقتباسات بھی موجود پائیں گے۔ جن کی تفصیل دیباچہ میں ملے گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعاگو ہیں کہ وہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ ہم اس کا کلام جو اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا شائع کر رہے ہیں۔ اے اللہ تیری ذات جمیلہ نے حق اور سچ فرمایا اور تیرے رسول کریم ﷺ نے تیرے پاک کلام کو تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ دعا ہے کہ اے اللہ رب العزت بوسیلہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کے ہمارے دلوں کو قرآن کریم کے نور ہدایت سے منور فرما۔ اور اس کے حقائق و رموز کے علم کو ہم پر منکشف فرما بیشک تو ہی ہماری دعاؤں کا سننے والا اور ہر سائل کی حاجت کو پورا کرنے والا ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور درود پاک بے حد و بے شمار نبی کریم ﷺ اور ان کی آل اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہو۔ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما بے شک تو ہی ہدایت دینے والا ہے۔ آمین یا رب العالمین

قارئین کرام سے برادرانہ گزارش ہے کہ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد جہاں اپنے لیے اور اپنے عزیزوں کے لیے دُعا کریں وہاں ہمارے لیے، ہمارے والد جو کہ اس کمپنی کے بانی تھے، ہمارے جو بزرگ اس دنیا سے جا چکے ہیں اور ہمارے کارکنوں کے لیے جن کی محنت شاقہ سے کمپنی اس مقام تک پہنچی ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے اُن کے حق میں بھی دُعائے خیر فرمائیں۔ جزاک اللہ

مالکان: پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

دیباچہ تفسیر

الحمد للہ الذی وحدہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا اور پھر اسے دوسروں کو سمجھانا، اور اس سمجھانے کا حق ادا کردینا، یہ بڑے عارفوں اور کاملوں سے بھی بس کی چیز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بے علم اور سراپا بے بضاعت فرد کے۔ غالب نے شعر جس مقصد سے بھی ہو، بہر حال اس موقع کے لیے چسپاں ہے:

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے   تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کہاں رب اور کہاں بندہ۔ نامحدود اور محدود کا بھی کوئی مقابلہ ہے۔ سمندر اور قطرہ، آفتاب اور ذرہ کی نسبت بھی تو نہیں۔ لیکن بہرحال بندہ مکلف بھی تو محض بقدر اپنی طاقت و ہمت کے ہے۔ جن جن بزرگوں نے تفسیریں لکھی ہیں، سب نے اپنے اپنے مقام علم و معرفت کے لحاظ سے لکھی ہیں۔ اور سب کے مقامات وصول و یافت الگ الگ ہیں۔ کسی کی توجہ مسائل صرف و نحو کی طرف زیادہ رہی، اور اس نے الفاظ کے اشتقاق اور فقروں کی ترکیب کو خوب حل کیا۔ کسی کے پیش نظر احادیث نبوی ہیں، اور کسی نے نزول آیات کا پس منظر دکھانے میں داد تلاش و تحقیق دی۔ کسی نے ادب و بلاغت کے نکتوں کو چن لیا۔ کسی نے احکام قرآنی و مسائل فقہی کے استنباط و استخراج کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ کسی نے علم کلام کے مباحث کو دل کھول کر بیان کیا۔ وقس علی ہذا۔

میں کہ ہر علم و فن سے کورا اور حسن عمل سے معرا ہوں، حقیقۃً اس قابل بھی نہیں کہ کلام الٰہی کی کسی ایک آیت کی بھی تفسیر و تشریح کی جرأت کرسکوں۔ لیکن ولکن یفعل اللہ ما یرید۔ اللہ جس سے جو کام چاہے لے لیتا ہے۔ وہ تنکے سے چاہے تو ستون کا کام لے لے اور ذرہ میں چاہے تو چٹان کی قوت بھر دے۔ ع

داد او را قابلیت شرط نیست

وہ بے زبان کو چاہے تو فصیح البیان بنادے، اور جاہل کو چاہے تو معلم و فضلاء کی استادی کے مرتبہ پر پہنچادے۔

اس احقر کو جب انگریزی کے ترجمہ و تفسیر سے فرصت ہوئی تو اسی انداز اور نمونہ پر اپنی مادری زبان میں بھی ترجمہ و تفسیر کا خیال آیا۔ جا بجا سے اس کے تقاضے بھی آئے۔ رفتہ رفتہ احباب کے حسن ظن نے ارادہ کے ضعف و تذبذب کو ہمت و عزم سے بدل دیا۔ چند سال کی محنت میں جو کچھ ہوسکا نذر ناظرین ہے۔ پرکھنے والوں کو اگر اس میں کوئی خوبی نظر آجائے، تو وہ یہ سمجھیں کہ وہ تمامتر اللہ کے فضل و کرم کا ثمرہ ہے۔ اور عیب جتنے بھی نظر آئیں انہیں راقم کی نادانی پر محمول کرکے ان سے درگزر فرمائیں، اور ہوسکے تو مصنف کو اس کی زندگی میں ان سے آگاہ کردیں۔ اور اس کے حق میں دعائے خیر بہرصورت فرماتے رہیں، ان شاء اللہ خود بھی ماجور ہوں گے۔

مطالعہ فرمانے کے وقت اگر معروضات ذیل کو پیش نظر رکھا جاسکے تو ان شاء اللہ فہم مطالب میں بڑی سہولت رہے گی۔

(۱) قرآن حکیم ایک نہایت درجہ مرتب و منظم کتاب ہے۔ اسی لیے اسی نسبت سے دشوار بھی ہے۔ اسے جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف موعظہ اور عبرت پذیری کے اعتبار سے ہے۔ اگر اس کے مطالب کو کوئی گرفت میں لانا چاہے تو اس کے لیے سرسری مطالعہ خصوصاً انڈیکس (اشاریہ) کی مدد سے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ مدتوں کے مسلسل اور غائر مطالعہ کے بعد کہیں اس سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور دشواریاں مناسبت پیدا ہونے کے بعد ہی حل ہوسکتی ہیں۔ اس لیے قرآن فہمی میں بہت زیادہ عجلت کو دخل دینا ہرگز مناسب نہیں۔

(۲) قرآن مجید ایک زندہ صحیفہ بھی ہے اور ماضی کی کتاب بھی۔ یعنی ایک طرف تو اس کی مخاطب عرب کی وہ قوم تھی جو اس کے نزول کے وقت موجود تھی۔ بلکہ ساری قوم عرب کیوں کہیے زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہیے کہ مکہ اور مضافات مکہ اور مدینہ و حوالی مدینہ کے باشندے تھے۔ اور دوسری طرف اس کے مخاطب روس و جاپان۔ چین۔ ہندوستان اور پاکستان۔ امریکا۔ آسٹریلیا کل روئے زمین کے باشندے قیامت تک کے لیے ہیں۔ اس کی یہ دونوں حیثیتیں نہ صرف موجود ہیں بلکہ برابر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اور ترتیب زمانی کے لحاظ سے پہلی حیثیت اہم تر اور مقدم ہے۔ جنت کی

نعمتوں، دوزخ کے عذابوں، آسمان کی ساخت، زمین کی حرکت و سکون، ستاروں کی گردش، وغیرہ سے متعلق کوئی ایسی بات اگر وہ بیان کر دیتا جو اس کے مخاطبین اول، یعنی چھٹی صدی عیسوی کے اہل حجاز کے مسلمات کے خلاف یا ان کی فہم سے باہر ہوتی تو وہ لوگ خواہ مخواہ ایک نئے الجھاوے میں پڑ جاتے، اور محض اس سے ان کے دماغ وحشت کھا کر قرآن کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، حشر و نشر، وغیرہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتے۔ اس لیے قرآن نے نہایت حکیمانہ اسلوب یہ اختیار کیا، کہ صراحتیں تو تمامتر مذاق عرب کے مطابق ہی کیں، لیکن ساتھ ہی اشارے ایسے بھی رکھے کہ بعد کی نسلیں اور ہر دور کے مخاطبین اپنی اپنی فہم و استعداد کے ماتحت اس سے روشنی حاصل کر سکیں ـــــ یہ ایک بنیادی نکتہ اگر مستحضر رہے تو بہت سے اشکالات ان شاء اللہ از خود دور ہو جائیں گے۔

(۳) قرآن حکیم اپنے نفس مضمون، یعنی معانی و مطالب کے لحاظ سے ساری کائنات انسانی کو مخاطب کیے ہوئے ہے۔ سب کی عقلوں اور ذہنوں کو سامنے رکھے ہوئے ہے۔ لیکن جہاں تک طرز ادا اور اسلوب خطاب کا تعلق ہے، وہ عربی کلام ہے، اور اپنی صنعتوں اور لطافتوں، فقروں کی ترکیب، الفاظ کی نشست میں تمامتر عربی ادب و انشا کے لیے خود معیار اعلیٰ کا کام دے رہا ہے۔ اس میں روانی، شستگی، سلاست، اردو یا فارسی یا ہندی یا انگریزی یا ترکی یا جرمنی ادب کے معیار سے تلاش کرنا شدید کوتہ فہمی ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں سے لطف اٹھانے کے لیے قدیم خطبات عرب سے واقفیت ضروری ہے۔ اور اس کی انشا پردازی و بلاغت کو جب کبھی کسی غیر معمولی معیار سے دیکھا جائے گا تو ہمیشہ غلط فہمی ہی ہوگی۔

(۴) قرآن مجید کی دنیا حکمت، و اخلاق، روحانیت و انسانیت کبریٰ کی دنیا ہے۔ اس کی فضا تحقیق و طلب کی فضا، اور اس کا ماحول تقویٰ و طہارت کا ماحول ہے۔ اس کی گہرائیوں تک رسائی کے لیے تقویٰ کسی درجہ میں تو بہر حال لازمی ہے۔ طہارت قلب و طہارت جسم کا مطلق اہتمام کیے بغیر محض زبان دانی کے بھروسہ پر قرآن سمجھ لینے کی کوشش ایک سعی لا حاصل ہے۔ ابوجہل اور ابولہب سے بڑھ کر زبان داں اور کون تھا؟ کوئی لغوی یا صرفی و نحوی اشکال انہیں کبھی کیوں پیش آنے لگا تھا۔ لیکن اپنی روح کو انہوں نے قرآنی روح سے یکسر بیگانہ و ناآشنا رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن ان پر ذرا بھی نہ کھلا۔ بالکل بند ہی رہا۔ اور وہ فہم قرآنی کے درجہ ادنیٰ سے بھی سعادت سے محروم ہی رہے۔

کلام بڑے غیور اور غنی عن العلمین کا ہے۔ اس کا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نہ غیرت مند ہے نہ بے نیاز۔ اور متکلم کی شان غیرت و غنا کا ظہور کلام میں بھی درجہ اتم میں ہے۔ جو بڑا بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ انہیں چھوٹا بن کر اس دروازہ میں داخل ہونا ہوگا۔ قال العارف الرومی ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(۵) استاد کی ضرورت تو چھوٹے سے چھوٹے علم اور سہل سے سہل فن میں بھی تقریباً ناگزیر ہی ہے۔ پھر قرآن کا علم تو بڑا عظیم بالشان علم ہے۔ اس میں کوئی طالب علم استاد سے بے نیاز کیسے رہ سکتا ہے؟ کوئی زندہ استاد اگر کامل الفن نہ ملے تو اس کی قائم مقامی اکابر مفسرین اور محقق شارحین کی کتابیں کر سکتی ہیں۔

ان حضرات کی تحقیق و تلاش کی داد دل سے دینا چاہیے۔ ان کے فضل و کمال و تبحر علمی کا احساس پورا پورا رکھنا چاہیے۔ ان کی عظمت و احترام کے اعتراف میں تامل ذرا سا نہ کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ عقیدہ بھی تازہ رکھنا چاہیے، کہ معصوم بجز نبی معصوم کے اور کوئی نہیں۔ امت کے بڑے سے بڑے محققین بھی غیر معصوم ہی ہیں۔ کسی ایک کے بھی ہر قول کی تقلید ہر حال میں آنکھ بند کیے کرتے رہنا اور دلیل صریح کے باوجود بھی کیے جانا ہرگز طریق ثواب نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کی عصمت سے انکار کر کے خود اپنی عصمت پر عقیدہ جما لیا جائے، اور اپنی تحقیق پر جزم اور جمود کے ساتھ اعتماد کر لیا جائے۔ حاشا اس کا وہم بھی نہ آنے پائے۔

عربی میں اچھی اچھی تفسیریں ماشاء اللہ کثرت سے موجود ہیں۔ اس نامہ سیاہ نے جن جن سے استفادہ اور خوشہ چینی کی ہے، ان کی کچھ تفصیل عرض ہے:۔

ا۔ تنویر المقیاس یا تفسیر ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) اصحاب رسولؐ میں مشہور ترجمان القرآن ہوئے ہیں۔ یہ

ان کے تفسیری اقوال کا مجموعہ، صاحب قاموس مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (متوفی ۸۱۰ھ) کا مرتب کیا ہوا ہے۔ البتہ سلسلہ مرویات ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ معتبر و مستند نہیں۔

۲۔ جامع البیان۔ یا تفسیر ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) ۳۰ جلدوں میں۔ یہ ایک مبسوط مفصل اور محققانہ تفسیر ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں صحابیوں اور تابعین کے آثار و اقوال کی جامع ہے ساتھ ہی دوسرے پہلوؤں، لغت، ادبیت وغیرہ پر بھی محققانہ کلام ہے۔

۳۔ تفسیر الکشاف۔ ۲ جلدوں میں لغت و ادب کے مشہور امام علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشریؒ (متوفی ۵۱۸ھ) کی مشہور تفسیر ہے۔ زمخشری عقائد میں معتزلی تھے۔ لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کے پہلوؤں کا تعلق ہے، اہلِ سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں۔

۴۔ مفاتیح الغیب۔ یا تفسیر کبیر۔ ۸ جلدوں میں۔ از امام فخر الدین عمر رازی (متوفی ۶۰۶ھ) رازی معقول و منقول دونوں کے امام تھے۔ ان کی تفسیر حقیقۃً تفسیر کبیر یا تفسیر اعظم ہی کہلانے کی مستحق ہے۔ لسانی، روایتی، کلامی، فقہی کہنا چاہیے کہ سارے ہی پہلو اس میں آگئے ہیں۔ اور کلامی مباحث کے تو گویا رازی بادشاہ ہیں۔ مفسر کا کمال یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے سارے علوم و فنون کو قرآن کے خادم کی حیثیت سے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

۵۔ الجامع الاحکام القرآن۔ یا تفسیر قرطبی۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے۔ نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید صرف احکامِ فقہی پر محدود ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مکمل تفسیر ہے۔ محققانہ بھی اور جامع بھی۔ پھر عبارت سلیس۔ افسوس ہے کہ مکمل طبع نہیں ہوئی۔ کوئی نصف قرآن تک مصر میں، متعدد جلدوں میں شائع ہوئی، یہاں وہ نسخہ بھی کمیاب ہے۔ میں نے تمام تر نسخہ مملوکہ مولانا حافظ محمد عمران خاں ندوی بھوپالی مہتمم دار العلوم ندوہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ موصوف ایک ایک جلد برابر عاریۃً عنایت کرتے رہے۔

۶۔ معالم التنزیل، یا مختصراً تفسیر معالم۔ محی السنہ حسین بن مسعود ابو محمد بغوی شافعی (متوفی ۵۱۶ھ) کی تصنیف ہے۔ مشہور محدث گزرے ہیں۔ کتاب ۸ جلدوں میں تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ کے طور پر مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۷۔ تفسیر ابن کثیر۔ از حافظ عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ۸ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ تفسیر بجائے خود اچھی اور مستند ہے۔ لیکن مفسر پر محدثانہ رنگ غالب ہے۔ کتاب عام طلبۂ قرآن کے زیادہ کام کی نہیں۔ گویا صرف ایک مجموعہ تفسیری احادیث کا ہے۔

۸۔ مدارک التنزیل یا تفسیر مدارک۔ حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفی الحنفی (متوفی ۷۰۱ھ) صاحب عقائد نسفی۔ اہلِ سنت کے مسلم امام ہیں۔ ان کی یہ مختصر تفسیر بہت طویل حاشیہ اکلیل کے ساتھ ہندوستان میں ۷ لمبی چوڑی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ عقاید و احکام کے باب میں اعتماد سب سے زیادہ اسی پر رہا ہے۔

۹۔ انوار التنزیل۔ یا تفسیر بیضاوی۔ از قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی (متوفی ۶۹۱ھ) ۵ جلدوں میں۔ مشہور و متداول تفسیر ہے، لیکن جامع و مستند۔

۱۰۔ البحر المحیط۔ ۸ جلدوں میں۔ از اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی (متوفی ۷۵۴ھ) ابن حیان محدث بھی ہیں اور ادیب اور متکلم بھی۔ تفسیر میں سب پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے۔ جو ضعیف بلکہ موضوع روایات بعض مفسرین محض افراطِ خوش عقیدگی کی بنا پر ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آئے تھے، انہوں نے جرأت کر کے ان میں سے اکثر سے انکار کر دیا ہے۔

۱۱۔ تفسیر ابی سعود۔ یہ ابو سعود عمادی کے حواشی تفسیری ہیں۔ زیادہ قرآن کی ترکیباتِ نحوی و مباحث سے متعلق۔ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر پر بطور تعلیقات کے شائع ہوئی ہے۔

۱۲۔ روح المعانی۔ ۹ جلدوں میں۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۹۱ھ) متاخرین میں ایک بے مثل شخص ہوئے ہیں۔ نظر میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی۔ ان کی یہ جامع و مفصل تفسیر ایک بڑی حد تک قدیم تفسیروں سے غنی کر دینے والی ہے۔ لغوی، روایتی، کلامی، فقہی حیثیت سے کہنا چاہیے کہ سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔ اور سلوک و تصوف سے متعلق اشارات اُن پر مستزاد۔

اصل استفادہ عربی میں انہیں تفاسیر سے کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ حسب ذیل بھی وقتاً فوقتاً پیش نظر رہی ہیں۔ اور کہیں کہیں مدد ان

سے بھی ملی ہے۔

۱۳۔ تفسیر جلالین۔ مع کمالین

۱۴۔ غرائب القرآن یا تفسیر نیشاپوری

۱۵۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی)

۱۶۔ تفسیر خازن (شرح معالم)

ان عام تفسیروں کے علاوہ فقہی مسائل سے متعلق ذیل کی تفسیروں سے بھی بہت مدد ملی خصوصاً اول الذکر سے:۔

۱۷۔ احکام القرآن۔ ۲ جلدوں میں۔ از علامہ ابوبکر محمد بن العربی المالکی الاندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) ہر مسئلہ سے متعلق چاروں ائمہ فقہ کے مذہب نقل کر دیئے ہیں۔ بڑے کام کی کتاب ہے۔

۱۸۔ احکام القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) حنفیہ میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۹۔ تفسیر احمدی۔ ملا احمد عرف ملا جیون امیٹھوی کی تالیف۔ سن تالیف ۱۰۷۵ھ

لغت قرآنی پر کوئی کتاب ابوالقاسم حسین بن المفضل راغب اصفہانی (المتوفی ۵۰۲ھ) کی۔

۲۰۔ المفردات فی غریب القرآن سے بڑھ کر مستند اور مفید میرے علم میں نہیں۔

عام لغت میں

۲۱۔ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۶ھ) کی القاموس (۴ جلدوں میں) ابن منظور افریقی (المتوفی ۷۱۱ھ) کی ضخیم و مستند۔

۲۲۔ لسان العرب (۲۰ جلدوں میں) اور سب سے بڑھ کر علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) کی بلند پایہ۔

۲۳۔ تاج العروس شرح قاموس (۱۰ جلدوں میں) سے مدد قدم قدم پر ملتی رہی۔

۲۴۔ ان سب کتابوں کے علاوہ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) کی الاتقان فی علوم القرآن بھی ایک قابل قدر کتاب ہے۔ کہنا چاہیے کہ ایک چھوٹی سی قرآنی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس زمانہ تک جتنا کام قرآن سے متعلق ہوا تھا اس کی جامع۔

۲۵۔ کلیات ابی البقاء۔ یہ بھی جہاں تک ادب، لغت، نحو و بیان کا تعلق ہے، قرآن مجید سے متعلق بڑے کام کی کتاب ہے۔

فارسی ترجموں میں بجز شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمہ فتح الرحمن کے اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں ملتی۔ ترجمہ کی راہ ہندوستان میں اگر شاہ دہلوی اور ان کے خاندان والوں نے نہ کھول دی ہوتی، تو آج خدا معلوم کتنی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔

اس تفسیر کے اردو ترجمہ کا جہاں تک تعلق ہے ۹۵ فی صد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی نقل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرانے ترجموں میں شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ اور نئے ترجموں میں حکیم الامت کا ترجمہ۔ بس یہ دو ترجمے باقی تمام ترجموں سے بے نیاز کر دینے والے ہیں۔ پہلا ترجمہ لفظی ہے، اور دوسرا بامحاورہ و مطلب خیز۔

اردو تفسیروں میں نمبر اول پر۔

۲۶۔ حکیم الامت کی تفسیر بیان القرآن (۱۲ جلدوں میں) ہے۔ علوم و معارف سے لبریز یہ تفسیر اردو میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سب سے زیادہ اخذ و استفادہ اسی سے کیا گیا ہے۔

۲۷۔ خلاصۃ التفاسیر (۵ جلدوں میں مع مقدمہ) از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی۔ کتاب اور مصنف نے زیادہ شہرت نہیں پائی۔ لیکن تفسیر متعدد حیثیتوں سے قابل قدر ہے۔ گو اب ذرا پرانی ہو گئی ہے۔

۲۸۔ ترجمہ اردو تفسیر مظہری۔ اصل تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صاحب مالا بدمنہ) کی ہے، اور فارسی میں ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کا

صرف قلیل ابتدائی حصہ مطالعہ میں آیا، اور اسے مفید پایا گیا۔ اردو میں تفسیر پر اور بھی بہت کچھ کام ہو چکا ہے، مثلاً

۱۔ تفسیر مواہب الرحمٰن۔ ۳۰ لمبی چوڑی ضخیم جلدوں میں۔ از مولانا امیر علی فتح آبادی مرحوم۔ بہت جامع و مفصل کتاب ہے۔ عرب کی مشہور و متداول تفسیروں کا عطر اس میں آگیا ہے۔ زبان پرانی ہوگئی ہے۔

۲۔ تفسیر فتح المنان یا تفسیر حقانی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولانا عبدالحق حقانی دہلوی مرحوم۔ مذاہب غیر سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

۳۔ تفسیر ثنائی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ ذرا مختصر ہے۔ محدثین کے مذہب پر ہے۔ اور غیر مذاہب سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔

۴۔ تفسیر بیان القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از مولوی محمد علی صاحب ایم، اے۔ امیر جماعت احمدیہ (قادیانیہ) لاہور۔ مغربیت سے متاثر گروہ کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ گو ظاہر ہے کہ اس کے متعدد بیانات مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۵۔ حواشی تفسیری از مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔ شیخ الہند محمود حسن کے ترجمہ قرآن کے اکثر حصہ پر یہ حاشیے ہیں، اور ضروریات وقت کو ملحوظ رکھ کر ایک فاضلانہ قلم سے لکھے گئے ہیں۔

۶۔ تفہیم القرآن۔ از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی۔ یہ تفسیر جسے تفسیر کہنا مشکل ہی ہے، بہ اقساط نکل رہی ہے۔ ابھی تک آٹھ پاروں کی نکلی ہے۔ بعض نکتے اس میں خوب آگئے ہیں۔

مفسر تھانوی کی اصل تفسیر کے علاوہ ان کے زبانی افادات اور ان کی ایک اور کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مسائل سلوک و تصوف سے متعلق ایسے موقعوں پر حوالہ "مرشد تھانوی" کا دیا گیا ہے۔

جن کتابوں کے حوالے بار بار اور کثرت سے آئے ہیں، ان کے یہ ذیل کی صرف علامتیں استعمال ہوئی ہیں:۔

نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت
۱۔ تفسیر تنویر المقباس	(ابن عباسؓ)	۸۔ تفسیر مفاتیح الغیب	(کبیر)	۱۵۔ حواشی ابو سعود العمادی	(ابو سعود)
۲۔ تفسیر ابن جریر طبری	(ابن جریر)	۹۔ البحر المحیط لابن حیان	(بحر)	۱۶۔ مفردات غریب القرآن	(راغب)
۳۔ تفسیر الکشاف	(کشاف)	۱۰۔ النہر المعیط لابن حیان	(نہر)	۱۷۔ لسان العرب	(لسان)
۴۔ تفسیر انوار التنزیل	(بیضاوی)	۱۱۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن	(قرطبی)	۱۸۔ تاج العروس	(تاج)
۵۔ تفسیر مدارک التنزیل	(مدارک)	۱۲۔ روح المعانی	(روح)	۱۹۔ وجوہ اعراب الفرقان المعروف بہ اعراب القرآن)	(عکبری)
۶۔ تفسیر معالم التنزیل	(معالم)	۱۳۔ احکام القرآن لابن العربی	(ابن عربی)	۲۰۔ تفسیر بیان القرآن	(تھانوی)
۷۔ تفسیر ابن کثیر	(ابن کثیر)	۱۴۔ احکام القرآن للجصاص رازی	(جصاص)	۲۱۔ الفرقین	(ابن تیمیہ)

ان کے علاوہ جن کتابوں کے حوالے آئے ہیں، بجائے علامات اور مرموزات کے، اصل نام کے ساتھ آئے ہیں۔

اب رب العزت سے دعا ہے کہ اس حقیر و ناچیز کوشش کو حسن قبول عطا فرمائے۔ میری اور میرے والدین اور میرے اعزہ، احباب، متوسلین کی اور ان تمام اشخاص کو جو اس تالیف کی تیاری میں مالی حیثیت سے یا کسی اور حیثیت سے معین ہوئے ہیں مغفرت سے سرفراز فرمائے اور ان پر اور ساری امت محمدی پر رحمت کی بارش نازل کرے۔ ناظرین سے صرف اتنی استدعا ہے کہ اس دعا پر آمین کہہ دیں۔

دریاباد۔ بارہ بنکی

دسمبر ۱۹۴۴ء

ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

عبدالماجد

رُموزِ اوقاف و رسم الخط

اوقاف لازمی اور ضروری

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	م	وقف لازم
۲	ط	وقف مطلق
۳	سکتہ	علامت سکتہ یہاں اس طرح ٹھہرو کہ سانس نہ ٹوٹے۔
۴	وقفہ	علامت وقف۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرو، چاہئے لیکن سانس نہ توڑے۔
۵	○	ختم آیت کی علامت ہے۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جاؤ ورنہ علامت کے مطابق عمل کرو۔
۶	۵	آیت غیر کوفی کی علامت ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

وصل یعنی وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	لا	جب ۵ اور ○ کے بغیر ہو تو ملانا ضروری ہے۔

ذیل کی علامت میں وصل بہتر ہے

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	ز	وقف مجوز
۲	ص	یہاں وقف کی رخصت ہے۔
۳	ق	وقف کا قول ضعیف ہے۔ ''ق'' قیل علیہ الوقف کا مخفف ہے۔
۴	صلے	الوصل اولیٰ کا مخفف ہے یعنی وصل بہتر ہے۔
۵	قل	قد یوصل کا مخفف ہے، بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

جہاں وقف بہتر ہے

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	قف	وقف بہتر کی ایک ہی علامت ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں آخر حاشیہ پر جو وقف النبی ﷺ، وقف جبریل، وقف غفران، وقف منزل لکھا ہوتا ہے تو وہاں بھی وقف بہتر ہے۔

وقف اور وصل مساوی ہیں

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	لاؔ ۵ ، اؔ ○	ان دونوں کو آیت لا کہتے ہیں، دونوں کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے مختصر یہ کہ دونوں جائز ہیں، کسی امر کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، پڑھنے والا حسب معانی وقف یا وصل کرلے۔
۲	ج	وقف جائز۔

علامات متفرقہ

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	ک	کذلک کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے اسی کا حکم اس پر بھی ہے۔
۲	∴ ∴	یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں حاشیہ میں معانقہ یا مع لکھ دیتے ہیں، ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے دوسرے پر نہیں۔

ضروری ہدایت

قرآن مجید میں بیس مقامات ایسے ہیں کہ ذراسی بے احتیاطی سے نادانستہ کلمۂ کفر کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ زیر، زبر اور پیش میں رد و بدل کر دینے سے معنیٰ کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں اور دانستہ پڑھنے سے گناہِ کبیرہ بلکہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ذیل میں وہ تمام مقام درج کر دیے جاتے ہیں:۔

نمبر شمار	مقام	صحیح	غلط
۱	سورۃ الفاتحۃ	اِیَّاكَ نَعْبُدُ	اِیَّاكِ (بکسر)
۲	سورۃ الفاتحۃ	اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ	اَنْعَمْتُ عَلَیْهِمْ
۳	سورۃ البقرۃ ع ۱۵	وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ	اِبْرٰهٖمُ رَبَّهٗ
۴	سورۃ البقرۃ ع ۳۳	وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ	دَاوٗدَ جَالُوْتُ
۵	سورۃ البقرۃ ع ۳۴ آیۃ الکرسی	اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	اَللّٰهَ (بالنصب)
۶	سورۃ البقرۃ ع ۳۶	وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ	یُضٰعَفُ
۷	سورۃ النساء ع ۲۳	رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ	مُبَشَّرِیْنَ وَمُنْذَرِیْنَ
۸	سورۃ التوبۃ ع ۱	مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ	رَسُوْلِهٖ
۹	سورۃ بنی اسرائیل ع ۲	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ	مُعَذَّبِیْنَ
۱۰	سورۃ طٰہٰ ع ۷	وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ	اٰدَمَ رَبُّهٗ
۱۱	سورۃ الانبیاء ع ۲	اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ	اِنِّیْ كُنْتَ
۱۲	سورۃ الشعراء ع ۱۱	لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ	الْمُنْذَرِیْنَ
۱۳	سورۃ فاطر ع ۴	یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓءَ
۱۴	سورۃ الصّٰفّٰت ع ۳	فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ	مُنْذَرِیْنَ
۱۵	سورۃ الفتح ع ۴	صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ	اللّٰهَ رَسُوْلُهٗ
۱۶	سورۃ الحشر ع ۳	الْمُصَوِّرُ	الْمُصَوَّرُ
۱۷	سورۃ الحاقۃ ع ۱	اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ	اِلَّا الْخَاطَئُوْنَ
۱۸	سورۃ المزمل ع ۱	فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ	فَعَصٰى فِرْعَوْنَ الرَّسُوْلُ
۱۹	سورۃ المرسلٰت ع ۲	فِیْ ظِلٰلٍ	فِیْ ظَلٰلٍ
۲۰	سورۃ النّٰزعٰت ع ۲	اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ	مُنْذَرُ

رسم الخط

عربی میں یائے مجہول نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید میں صرف ایک موقع پر آئی ہے۔ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا کو ”مجرے ہا و مرسٰہا“ پڑھیں گے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں اکثر جگہ الف لکھا جاتا ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ مثلاً علامتِ جمع کے لیے جو الف آتا ہے اس کو نہیں پڑھتے جیسے قَالُوْا میں آخری الف نہیں پڑھا جائے گا۔ اَنَا کو ہم اَنَ پڑھتے ہیں، آخری الف نہیں پڑھا جاتا۔ چوبیس مقامات اور ہیں جہاں الف نہیں پڑھا جاتا۔ نقشہ ذیل میں اس الف پر ہ بنا دیا گیا ہے:۔

لن تنالوا ۴ ع ۶ - آیۃ ۱۴۴	اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ	سبحٰن الذی ۱۵ ع ۱۴ - آیۃ ۱۴	لَنْ نَّدْعُوَا۟	ومالی ۲۳ ع ۲ - آیۃ ۶۸	لَا۟اِلَى الْجَحِیْمِ
قال الملا ۹ ع ۳ - آیۃ ۱۰۳	مَلَا۟ئِهٖ	سبحٰن الذی ۱۵ ع ۱۷ - آیۃ ۳۸	لٰكِنَّا۟	الیہ یرد ۲۵ ع ۱۱ - آیۃ ۴۶	مَلَا۟ئِهٖ
واعلموا ۱۰ ع ۱۳ - آیۃ ۴۷	لَا۟اَوْضَعُوْا	اقترب للناس ۱۷ ع ۳ - آیۃ ۳۴	اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ	حٰمٓ ۲۶ ع ۵ - آیۃ ۴	وَلٰكِنْ لِّیَبْلُوَا۟
یعتذرون ۱۱ ع ۱۳ - آیۃ ۷۵	مَلَا۟ئِهٖ	قد افلح ۱۸ ع ۳ - آیۃ ۴۶	مَلَا۟ئِهٖ	حٰمٓ ۲۶ ع ۸ - آیۃ ۳۱	نَبْلُوَا۟
یعتذرون ۱۱ ع ۱۴ - آیۃ ۸۳	مَلَا۟ئِهِمْ	وقال الذین ۱۹ ع ۲ - آیۃ ۳۸	ثَمُوْدَا۟	قال فما خطبکم ۲۷ ع ۷ - آیۃ ۵۱	ثَمُوْدَا۟
ومامن دابۃ ۱۲ ع ۲ - آیۃ ۶۸	ثَمُوْدَا۟	امن خلق ۲۰ ع ۷ - آیۃ ۳۲	مَلَا۟ئِهٖ	تبارک الذی ۲۹ ع ۱۹ - آیۃ ۴	سَلٰسِلَا۟
ومامن دابۃ ۱۲ ع ۹ - آیۃ ۹۷	مَلَا۟ئِهٖ	امن خلق ۲۰ ع ۱۶ - آیۃ ۳۸	ثَمُوْدَا۟	تبارک الذی ۲۹ ع ۱۹ - آیۃ ۱۵	كَانَتْ قَوَارِیْرَا۟
وما ابرئ ۱۳ ع ۱۰ - آیۃ ۳۰	لِّتَتْلُوَا۟	اتل ما اوحی ۲۱ ع ۷ - آیۃ ۳۹	فِیْ رِبَا۟ لِّیَرْبُوَا۟	تبارک الذی ۲۹ ع ۱۹ - آیۃ ۱۶	قَوَارِیْرَا۟ مِنْ

رُمُوزِ اَوقافِ قرآنِ مجید

ہر ایک زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں جن کو رُموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رُموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول ت ہے جو بصورت ۃ لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہئے۔

اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔

م یہ علامت وقف لازم کی ہے اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ۔ اٹھو۔ مت بیٹھو جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے۔ اگر ٹھہرا نہ جائے تو اٹھو مت۔ بیٹھو ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہئے۔ مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔

صل قد یوصل کی علامت ہے یعنی یہاں کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے کبھی نہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف یہ لفظ قف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س یا سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنی نہیں کے ہیں یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہئے بعض کے نزدیک نہ ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ وقف اسی جگہ نہیں چاہئے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ک کذٰلک کی علامت ہے یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

∴ ∴ اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان گھری ہوئی ہو تو پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کرے یا پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کرے اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

استدعا انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے۔اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاک کمپنی (رجسٹرڈ) نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔اگر دورانِ طباعت کوئی زیر، زبر، نقطہ یا شوشہ ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابلِ گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابلِ معافی ہوتی ہے۔کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو قرآن پاک کی طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کرسکتا پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر دورانِ تلاوت اس قسم کی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمایئے۔

سرٹیفکیٹ ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

عربی پروف ریڈنگ

۱۔قاری محمد یوسف [illegible]
۲۔محمد ستر خان محمد ستر خان عفی عنہ
۳۔حافظ قاری محمد شفیق اللہ اجمل [illegible]

(رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
(رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
(رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔

اردو پروف ریڈنگ

۱۔قاری محمد یوسف
۲۔قاری محمد رفیق انور
۳۔حافظ قاری محمد الطاف
۴۔حافظ قاری محمد رضا الحق نقشبندی

سن اشاعت: جنوری ۲۰۰۷ء تعداد: ۲۰۰۰

پاک کمپنی (رجسٹرڈ) ۱۷۔اردو بازار لاہور

مطبع: احمد عثمان پرنٹرز، لاہور